مدینہ منورہ کی مبارک فضاؤں میں
ترتیب دی جانیوالی عظیم تفسیر
دور حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق

گلدستہ تفاسیر

جدید

مرتب

حضرۃ مولانا عبد القیوم مہاجر مدنی دامت برکاتہم العالیہ

پسند فرمودہ

حضرت مولانا قاری محمد عثمان نائب مہتمم دار العلوم دیوبند

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ

حضرت مولانا مفتی عبد الستار صاحب رحمہ اللہ

اردو کی چند مستند تفاسیر سے منتخب

- اول مکمل تفسیر عثمانی
- تفسیر ابن کثیر
- تفسیر مظہری
- تفسیر عزیزی
- معارف القرآن — حضرت مولانا مفتی اعظم
- معارف القرآن — حضرت مولانا کاندھلوی
- تفسیر میرٹھی — مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

تفسیری افادات و نکات

حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی — حکیم الامت حضرت تھانوی

شیخ الاسلام حضرت حسین احمد مدنی — حضرت علامہ شمس الحق افغانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گلدستہ تفاسیر

مدینہ منورہ کی مبارک فضاؤں میں
ترتیب دی جانیوالی عظیم تفسیر
دورِ حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق

جلد ۵-۶

جدید گلدستۂ تفاسیر

سورة المؤمنون تا سورة القمر

مرتب حضرۃ مولانا عبدالقیوم مدظلہ العالی مہاجر مدنی
مسترشد خاص
شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالغفور عباسی المدنی نوراللہ مرقدہ

پسندفرمودہ
حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ
حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ
حضرت مولانا قاری محمد عثمان نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند
حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ العالی
مفسر قرآن حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری مدظلہ
حضرت مولانا محمد موسیٰ کرماڈی مدظلہ العالی

اوّل مکمل تفسیر عثمانی
تفسیر مظہری
تفسیر عزیزی
تفسیر ابن کثیر
معارف القرآن
حضرت مولانا مفتی اعظم رحمہ اللہ
معارف القرآن
حضرت مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ
تفسیر میرٹھی
مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

تفسیری افادات ونکات
حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمہ اللہ
مجدد الملت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ
شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ
حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب رحمہ اللہ
حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ

اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240)

گلدستہ تفاسیر

جملہ حقوق محفوظ ہیں
تاریخ اشاعت..................محرم الحرام ۱۴۲۸ھ
ناشر..................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت..................سلامت اقبال پریس ملتان

انتباہ

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ.....چوک فوارہ.....ملتان
اسلامی کتاب گھر.....خیابان سرسید روڈ.....راولپنڈی
ادارہ اسلامیات..........انارکلی..........لاہور
دارالاشاعت..........اُردو بازار..........کراچی
مکتبہ سید احمد شہید..........اردو بازار.....لاہور
مکتبۃ القرآن.......نیوٹاؤن..............کراچی
مکتبہ رحمانیہ.......اُردو بازار .... لاہور
مکتبہ دارالاخلاص.....قصہ خوانی بازار......پشاور
مکتبہ رشیدیہ.......سرکی روڈ..................کوئٹہ

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE
119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

''گلدستہ تفاسیر''

دَورِ حاضر کی چھ شاہکار تفسیروں کا حاصل

(حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ العالی ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر حال)

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد

اِس دَور میں پاک و ہند میں جہاں بھی درس قرآن کی مجالس قائم ہیں وہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کے اس ارشاد کا حاصل ہیں کہ جہاں تک ہو سکے اس دور میں علومِ قرآن کو عام کیا جائے آپ نے مالٹا کے ایام اسیری میں برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی دینی فلاح اسی میں سمجھی۔ علی العموم مسلمانوں کو اس ترجموں کے سیکھنے اور سمجھنے کی رغبت بھی دلائی جائے۔ علمائے کرام اہل اسلام کو خاص طور سے ترجموں کے سیکھنے اور پڑھنے کی ضرورت اور اس کی منفعت دل نشین کرنے میں کوتاہی نہ فرمائیں بلکہ ترجمہ کی تعلیم کیلئے ایسے سلسلے ہی قائم فرماویں کہ ہر بات بسہولت اپنی حالت کے مناسب اور فرصت کے موافق حاصل کر سکے۔

اس ملک میں اُردو میں لکھی گئیں دو بڑی تفسیریں (۱) معارف القرآن حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ (۲) معارف القرآن حضرت شیخ الحدیث والتفسیر مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ برصغیر پاک و ہند میں وہ شہرت پائے ہوئے ہیں کہ درس قرآن دینے والا کوئی عالم دین ان دو سے مستغنی نہیں رہ سکتا۔ تاہم ان دونوں ضخیم تفاسیر کو ساتھ ساتھ رکھنا خاصا مشکل کام تھا حدیث کا خصوصی ذوق رکھنے والوں کیلئے تفسیر ابن کثیر کا ساتھ رکھنا ایک اور کڑی منزل تھی یہ درس قرآن پاک و ہند کے ہر علمی حلقے میں قبولیت سے اس کیلئے سرتاج علماء سند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کا نام نامی اور اسم گرامی اس درجہ ضمانت میں ہے کہ اسے پاک و ہند کا ہر شخص بلا کسی اختلاف کے گھر بیٹھے علم قرآن اور مرادات قرآن پر مطلع ہو سکتا ہے فقہی نقطہ نظر سے قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ کی تفسیر مظہری نقشبندی سلسلہ کے سالکین کیلئے حرف آخر ہے۔

مولانا عبدالقیوم صاحب نے ان تمام تفاسیر پر خاصی محنت کر کے اس حاصل مطالعہ کو عصر حاضر کے عظیم علمی شاہکار تفسیر عثمانی کے ساتھ جمع کر کے ایک ''گلدستہ تفاسیر'' عوام کے سامنے رکھ دیا ہے جس طرح دعوت کا کام چھ نمبروں پر چل رہا ہے اور اس دَور کی یہ خدمت قرآن بھی ان چھ نمبروں پر چلی ہے۔

راقم الحروف اس گلدستہ کی صرف مہک سے متاثر ہو کر بلکہ حضرت مفتی عبدالستار صاحب کی نظر پسند پر پورا اعتماد کر کے اس خدمت قرآن میں ان چند سطور سے شامل ہو رہا ہے ؎

اجازت ہو تو آ کر اس میں شامل ان میں ہو جاؤں ٭ سنا ہے کل تیرے دَر پر ہجومِ عاشقاں ہو گا

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ درس قرآن کے ان چھ نمبروں کو ہمیشہ ذہن میں رکھیں اور ہو سکے تو ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان سے یہ چھ علمی ذخیرے اپنے پاس منگوا رکھیں اور کبھی کبھی گلدستہ تفاسیر کے مطالعہ میں ان اصل ماخذ کو بھی دیکھ لیا کریں اس سے یہ بات آپ پر ضرور کھل جائے گی کہ مولف مولانا عبدالقیوم صاحب کس قدر اپنی علمی سفر میں کامیاب ہوئے ہیں۔

آخر میں اللہ رب العزت مؤلف اور اس گلدستہ تفاسیر کے جملہ مقرظین کو ان چھ مفسرین کے ساتھ جمع کرے آمین۔

؎ زہے نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

خالد محمود عفی اللہ عنہ

(ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر حال وارد مدرسہ نعمتُ الرحیم ملتان)

کلمات مبارکہ

از حضرت اقدس استاد العلماء مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہم

(مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم اَمَّا بَعْدُ!

ہمارے مشفق ومہربان جناب الحاج عبدالقیوم صاحب مہاجر مدنی مدظلہٗ کے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے عجیب شدت سے یہ جذبہ پیدا کیا کہ عامۃ المسلمین کے نفع کے لئے ایک جامع تفسیر ہوجس میں آیات کی مختلف تفسیریں یکجا جمع ہوں اوراس کے علاوہ تفسیر کے متعلق ضروری مضامین بھی آجائیں۔ تاکہ علماء وطلباء وعوام کے لئے قرآن مجید کی آیات کے مفہوم وتفسیر کو سمجھنا آسان ہواور متفرق تفاسیر کی ورق گردانی سے بے نیاز ہو جائیں جو چیزیں بہت سے اوراق پلٹنے کے بعد حاصل ہوتی تھیں وہ ایک ہی جگہ بآسانی میسر ہوسکیں۔ اسی جذبہ کے پیش نظر جناب موصوف نے مختلف تفاسیر کو کھنگال کر گلدستہ تفاسیر کے نام سے ایک تفسیری مجموعہ تیار کیا ہے۔ میں نے اس کے بعض اجزاء کو دیکھ کر مفید پایا۔ امید ہے کہ اس کاوش کی بدولت علماء وطلباء اورعوام الناس سب کو ہی بے حد نفع ہوگا۔ اور قارئین حضرات اس کو بہت پسند فرمائیں گے۔ چونکہ یہ تفسیری مضامین مختلف تفاسیر سے منتخب شدہ ہیں، ممکن ہے کہ کہیں کوئی بات بے ربط یا نامکمل رہ گئی ہوتو ایسی جگہ حوالہ کو مدنظر رکھ کر قارئین کرام اصل تفسیر کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، جناب مؤلف صاحب کو کہ وہ امت مسلمہ کے دینی نفع کیلئے بہت متفکر اور کوشاں رہتے ہیں۔

چنانچہ اسی فکر کی وجہ سے پہلے بھی ایک اسلامی انسائیکلو پیڈیا دینی دسترخوان کے نام سے مرتب کر چکے ہیں۔ جو کہ تین ضخیم جلدوں میں شائع ہوچکی ہے۔ اسی طرح تعمیر انسانیت بھی موصوف کی مرتب شدہ کتاب ہے۔ جو کہ دو ضخیم جلدوں میں شائع ہو کر مقبول عام ہو چکی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ یہ مجموعہ تفسیر بھی موصوف کی دیگر کتب کی طرح بہت نافع اور مفید ثابت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ موصوف کی اس کاوش کو شرفِ قبولیت بخشیں، اوراس کے نفع کو عام وتام بنادیں اور باعثِ بخشش ونجات بنادیں۔

وماذلک علی اللہ بعزیز۔

فہم قرآن کے شائقین کیلئے قرآنی علوم کا گلدستہ

(حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب مدظلہ العالی شیخ الحدیث دارالعلوم کبیروالا)

بندہ نے گلدستہ تفاسیر مؤلفہ الحاج جناب عبدالقیوم صاحب ملتانی ثم مدنی کو چند مقامات سے دیکھا ماشاء اللہ بہت مفید اور آسان پایا مؤلف دام مجدہ نے اس امر کا اہتمام فرمایا ہے کہ اکابر کی اُردو تفاسیر کو جمع کر کے یکجا کردیا ہے فہم قرآن کا طالب بہت آسانی سے تھوڑے وقت میں بہت سے اکابر کے علوم سے مستفید ہو جاتا ہے حق تعالےٰ اس تفسیر کو بہت ہی نافع اور مقبول بنائیں۔ وماذلک علی اللہ بعزیز۔

اجمالی فہرست

(جلد-۵-۶)

فہرست عنوانات

سورۃ المؤمنون تا سورۃ الاحزاب

سورۃ القصص

☆...☆...☆

فہرست عنوانات

سورۃ سبا تا سورۃ القمر

سورۃ الزخرف ۸۵۸

☆......☆......☆

گلدستۂ تفاسیر

جلد-۵

سورۃ المؤمنون
تا
سورۃ سبا

سورة المؤمنون

سورۃ مومنون مکہ میں اُتری اور اس کی ایک سو اٹھارہ آیتیں ہیں اور چھ رکوع

جس نے اسکو خواب میں پڑھا اس کے دل میں زیادہ دیر تک عبادت میں کھڑے رہنے کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف عاجزی کرنے کی محبت ہوگی اور ایک ایسے مرض کا خوف ہے جو بڑا خطرناک ہے۔ (علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ﴿۲﴾

کام نکال لے گئے ایمان والے جو اپنی نماز میں جھکنے والے ہیں

خشوع کا معنی:

"خشوع" کے معنی ہیں کسی کے سامنے خوف و ہیبت کے ساتھ ساکن اور پست ہونا، چنانچہ ابن عباسؓ نے "خاشعون" کی تفسیر "خائفون ساکنون" سے کی ہے اور آیت تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ بھی دلالت کرتی ہے کہ "خشوع" میں ایک طرح کا سکون و تذلل معتبر ہے۔ قرآن کریم میں "خشوع" کو وجوہ، ابصار، اصوات وغیرہ کی صفت قرار دیا ہے۔ اور ایک جگہ آیت اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ میں قلب کی صفت بتلائی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصل خشوع قلب کا ہے اور اعضائے بدن کا خشوع اُس کے تابع ہے۔

نماز میں خشوع:

جب نماز میں قلب خاشع و خائف اور ساکن و پست ہوگا تو خیالات ادھر اُدھر بھٹکتے نہیں پھریں گے، ایک ہی مقصود پر جم جائیں گے۔ پھر خوف و ہیبت اور سکون و خضوع کے آثار بدن پر بھی ظاہر ہوں گے مثلاً بازو اور سر جھکانا، نگاہ پست رکھنا، ادب سے دست بستہ کھڑا ہونا، ادھر اُدھر نہ تاکنا، کپڑے یا داڑھی وغیرہ سے نہ کھیلنا، انگلیاں نہ چٹخانا، اور اسی قسم کے بہت افعال و احوال لوازم خشوع میں سے ہیں۔ احادیث میں حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نماز میں ایسے ساکن ہوتے تھے جیسے ایک بے جان لکڑی، اور کہا جاتا تھا کہ یہ نماز کا خشوع ہے۔ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا نماز بدون خشوع کے صحیح و مقبول ہوتی ہے یا نہیں۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ خشوع اجزائے صلوٰۃ کے لئے شرط نہیں۔ ہاں قبول صلوٰۃ کے لئے شرط ہے میرے نزدیک یوں کہنا بہتر ہوگا کہ حسن قبول کے لئے شرط ہے۔ واللہ اعلم۔ یہاں تفصیل کا موقع نہیں۔ احیاء العلوم اور اس کی شرح میں تفصیل ملاحظہ کی جائے۔ بہرحال انتہائی فلاح اور اعلیٰ کامیابی ان ہی مؤمنین کو حاصل ہوگی جو خشوع و خضوع کے ساتھ نمازیں ادا کرتے ہیں اور اُن اوصاف سے موصوف ہیں جو آگے بیان کئے گئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

پہلی دس آیات:

مسند احمد میں حضرت فاروق اعظم عمر بن خطابؓ کی روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو پاس والوں کے کان میں ایسی آواز ہوتی تھی جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز ہوتی ہے۔ ایک روز آپ کے قریب ایسی ہی آواز سنی گئی تو ہم ٹھہر گئے کہ تازہ آئی ہوئی وحی سن لیں۔ جب وحی کی خاص کیفیت سے فراغت ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ رُخ ہو کر بیٹھ گئے اور یہ دعا کرنے لگے اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَاٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا وَارْضَ عَنَّا وَاَرْضِنَا (یعنی یا اللہ ہمیں زیادہ دے کم نہ کر اور ہماری عزت بڑھا ذلیل نہ کر اور ہم پر بخشش فرما، محروم نہ کر اور ہمیں دوسروں پر ترجیح دے ہم پر دوسروں کو ترجیح نہ دے اور ہم سے راضی ہو اور ہمیں بھی اپنی رضا سے راضی کر دے)۔ اس کے بعد فرمایا کہ مجھ پر اس وقت دس آیتیں ایسی نازل ہوئی ہیں کہ جو شخص اُن پر پورا پورا عمل کرے تو وہ (سیدھا) جنت میں جائیگا۔ پھر یہ دس آیتیں جو اُوپر لکھی گئی ہیں پڑھ کر سنائیں۔ (ابن کثیر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق:

اور نسائی نے کتاب التفسیر میں یزید بن بابنوس سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خُلق کیسا اور کیا تھا، انہوں نے فرمایا آپ کا خلق یعنی طبعی عادت وہ تھی جو قرآن میں ہے اس کے بعد یہ دس آیتیں تلاوت کر کے فرمایا کہ بس یہی خلق و عادت تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ (ابن کثیر)

کامیابی کی چابی:

اللہ تعالیٰ نے فلاح پانے کا وعدہ ان مؤمنین سے کیا ہے جن میں وہ سات صفات موجود ہوں جن کا ذکر ان آیات (۱تا۱۱) کے اندر آیا ہے۔

دنیا کا تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے کہ جو اہل صلاح ان سات اوصاف کے حامل اور ان سے متصف اور اُن پر قائم ہیں گو دُنیا میں وقتی تکلیف اُن کو بھی پیش آ جائے مگر انجام کار اُن کی تکلیف جلد دُور ہوتی ہے اور مراد حاصل ہو جاتی ہے ساری دنیا ان کی عزت کرنے پر مجبور ہوتی ہے اور دُنیا میں نیک نام انہیں کا باقی رہتا ہے۔ جتنا دنیا کے حالات کا غور و انصاف سے مطالعہ کیا جائیگا ہر دور ہر زمانے ہر خطہ میں اسکی شہادتیں ملتی چلی جائیں گی۔

نماز میں خشوع: خشوع کے لغوی معنے سکون کے ہیں اصطلاحِ شرع میں خشوع یہ ہے کہ قلب میں بھی سکون ہو، یعنی غیر اللہ کے خیال کو قلب میں بالقصد حاضر نہ کرے اور اعضاء بدن میں بھی سکون ہو کہ عبث اور فضول حرکتیں نہ کرے (بیان القرآن) خصوصاً وہ حرکتیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں منع فرمایا ہے اور فقہاء نے اُن کے مکروہات نماز کے عنوان سے جمع کر دیا ہے تفسیر مظہری میں خشوع کی یہی تعریف حضرت عمرو بن دینار سے نقل کی ہے اور دوسرے بزرگوں سے جو خشوع کی تعریف میں مختلف چیزیں نقل کی گئی ہیں وہ درحقیقت اسی سکون قلب و جوارح کی تفصیلات ہیں۔ مثلاً حضرت مجاہد نے فرمایا کہ نظر اور آواز کو پست رکھنے کا نام خشوع ہے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ دائیں بائیں التفات یعنی گوشۂ چشم سے دیکھنے سے بچنا خشوع ہے حضرت عطاء نے فرمایا کہ بدن کے کسی حصہ سے کھیل نہ کرنا خشوع ہے۔ حدیث میں حضرت ابوذرؓ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نماز کے وقت اپنے بندے کیطرف برابر متوجہ رہتا ہے جب تک وہ دوسری طرف التفات نہ کرے جب دوسری طرف التفات کرتا ہے یعنی گوشۂ چشم سے دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس سے رُخ پھیر لیتے ہیں (رواہ احمد والنسائی وابوداؤد وغیرہم۔ مظہری) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ کو حکم دیا کہ اپنی نگاہ اُس جگہ رکھو جس جگہ سجدہ کرتے ہو اور یہ کہ نماز میں دائیں بائیں التفات نہ کرو۔ (رواہ البیہقی فی السنن الکبریٰ مظہری)

نماز میں داڑھی سے کھیلنا:

اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں اپنی داڑھی سے کھیل رہا ہے تو فرمایا لو خشع قلب هذا لخشعت جوارحه (رواہ الحاکم والترمذی بسند ضعیف) یعنی اگر اس شخص کے دل میں خشوع ہوتا تو اسکے اعضاء میں بھی سکون ہوتا۔ (مظہری)

نماز میں خشوع کی ضرورت کا درجہ:

امام غزالی و قرطبی اور بعض دوسرے حضرات نے فرمایا کہ نماز میں خشوع فرض ہے اگر پوری نماز خشوع کے بغیر گزر جائے تو نماز ادا ہی نہ ہوگی۔ دوسرے حضرات نے فرمایا کہ اسمیں شبہ نہیں کہ خشوع رُوحِ نماز ہے اسکے بغیر نماز بے جان ہے مگر اس کو رُکن نماز کی حیثیت سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ خشوع نہ ہوا تو نماز ہی نہ ہوئی اور اس کا اعادہ فرض قرار دیا جائے۔

حضرت سیدی حکیم الامتؒ نے بیان القرآن میں فرمایا کہ خشوع صحت نماز کیلئے موقوف علیہ تو نہیں اور اس درجہ میں وہ فرض نہیں مگر قبول نماز کا موقوف علیہ اور اس مرتبہ میں فرض ہے۔ حدیث میں طبرانی نے معجم کبیر میں بسند حسن حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو چیز اس اُمت سے اُٹھ جائیگی یعنی سلب ہو جائیگی وہ خشوع ہے یہانتک کہ قوم میں کوئی خاشع نظر نہ آئیگا۔ کذا فی مجمع الزوائد (بیان) (معارف مفتی اعظم)

شانِ نزول:

حاکم نے حسب شرط شیخین حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا اور اس کو صحیح قرار دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے میں اپنی نظر کو اوپر آسمان کی طرف اٹھا لیتے تھے اس پر آیات ذیل کا نزول ہوا۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ بیشک۔ ان مومنوں نے (آخرت میں) فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔

اس آیت کے نزول ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر نیچے جھکا لیا۔ ابن مردویہ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان میں اِدھر اُدھر نظر گھما لیا کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بغوی نے حضرت ابوہریرہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی نماز کے اندر آسمان کی طرف اپنی نظر اٹھا لیا کرتے تھے جب یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی تو سجدہ گاہ پر نظر جمانے لگے۔

ابن ابی حاتم نے ابن سیرین کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ صحابہ نماز کے اندر آسمان کی طرف نظریں اٹھا لیتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

لفظ ''قد'' کا استعمال

لفظ قد کسی امر متوقع کے ثبوت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جیسے لما کسی امر متوقع کی نفی پر دلالت کرتا ہے۔ قد اگر ماضی ہو تو تحقق وقوع کے علاوہ قربِ حال کا مفہوم بھی اس کے اندر آ جاتا ہے۔ (قد قام ابھی کھڑا ہو گیا۔ قد اکل ابھی ابھی وہ کھا چکا) مومنوں کو اللہ کے فضل سے فلاح کی توقع تھی قد کے لانے سے فلاح یاب ہونے کی مسلمانوں کے لئے بشارت ہو گئی (گویا مسلمان فلاح یاب ہو چکے)۔

فلاح کیا ہے؟

صاحب قاموس نے لکھا ہے فلاح کامیابی اور (کسی قابل خوف چیز سے) نجات اور امر خیر میں باقی رہنا۔ فلاح دنیوی بھی ہوتی ہے اور آخرت کی بھی

اس جگہ فلاح اُخروی مراد ہے۔ کامل فلاح اُخروی یہ ہے کہ بالکل عذاب نہ ہو، نہ قبر میں، نہ حساب کے وقت (حساب فہمی کی سختی کی شکل میں) نہ شدائد قیامت میں مبتلا ہو کر، نہ دوزخ میں داخل ہونے کی صورت میں، نہ صراط پر سے گذرنے میں (خلاصہ یہ ہے کہ عذاب قبر سے حساب فہمی کی سختی سے شدائد قیامت سے، روز قیامت کی ظلمت سے، دوزخ کی آگ اور ہر طرح کی تکلیفوں سے اور پل صراط پر گذرنے کی دشواری سے بالکل نجات مل جائے) اور اس نجات کے بعد جنت میں داخلہ مل جائے۔ مرتبہ قرب اور دیدار باری تعالیٰ نصیب ہو جائے اور مولیٰ کریم کی خوشنودی حاصل ہو جائے۔

رہی فی الجملہ ناقص کامیابی تو اس کی خصوصیت انہی اہل ایمان کے ساتھ نہیں ہے جن کی صفات کا تذکرہ اس آیت میں کیا گیا ہے بلکہ ہر وہ شخص جو لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہو وہ (آخرت میں) ضرور فلاح یاب ہوگا (خواہ اس کی فلاح کامل نہ ہو) اللہ نے فرمایا ہے: فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝ جو ذرہ (یا چھوٹی سرخ چیونٹی کے) برابر نیکی کرے گا وہ اس کی نظر کے سامنے آئے گی۔ اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا وہ بھی اس کی نظر کے سامنے آئے گی اور نفس ایمان و توحید تمام نیکیوں کا سرگروہ ہے (اس لئے ہر مؤمن کا فلاح یاب ہونا ضروری ہے خواہ کسی قدر گناہگار ہو) اسی لئے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، توحید کی تصدیق کرنے والے سعادت یاب ہوں گے اور جنت میں (ہمیشہ) رہیں گے۔

بخیل جنت میں نہ جائے گا:

حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع روایت ہے کہ اللہ نے جنت عدن کو پیدا کیا اس کے درختوں میں پھل لٹکائے۔ (یعنی درختوں میں اتنی کثرت سے پھل پیدا کئے کہ ان کی شاخیں پھلوں کے بوجھ سے جھک گئیں اور پھل لٹک گئے) اور جنت کے اندر نہریں نکالیں پھر اس کی طرف دیکھا اور فرمایا بات کر، جنت نے عرض کیا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ اللہ نے فرمایا، قسم اپنی عزت و جلال کی کوئی بخیل تیرے اندر میرے قریب بھی نہیں آئے گا۔ رواہ الطبرانی

جنت کی چیزیں:

میں کہتا ہوں اس حدیث میں شاید بخیل سے مراد کافر ہے کیونکہ کافر اللہ کا حق توحید ادا کرنے میں بخیل ہوتا ہے۔ دوسری سند سے طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب اللہ نے جنت عدن کو پیدا کیا تو اس کے اندر ایسی چیزیں پیدا کیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں نہ کسی شخص کے دل میں ان کا خیال آیا، پھر فرمایا بات کر، جنت نے عرض کیا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔

ابن ابی الدنیا نے صفۃ الجنۃ میں حضرت انسؓ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے جنت عدن کو ایک سفید موتی اور یاقوت سرخ اور زمرد سبز کی اینٹوں سے بنایا ہے اس کا پلاستر مشک کا ہے اس کی گھاس زعفران ہے اس کی پتھریاں موتی ہیں اور اس کی مٹی عنبر ہے، اور فرمایا بات کر۔ جنت نے عرض کیا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ اللہ نے فرمایا، قسم ہے اپنی عزت کی تیرے اندر میرے قرب میں کوئی بخیل نہیں آئے گا۔

تمام مؤمن کسی نہ کسی وقت جنت میں داخل ہوں گے:

حضرت مؤلف نے کہا ہو سکتا ہے کہ آیت میں فلاح سے مراد جنت کا داخلہ ہو خواہ عذاب کے بعد ہی مل جائے، اس وقت المؤمنون سے تمام مؤمن مراد ہوں گے کیونکہ کسی نہ کسی وقت سب مؤمنوں کا جنت میں داخلہ ہو جائے گا جیسا کہ احادیث مذکورہ سے ثابت ہے۔ اس تفسیر پر آیت میں مؤمنوں کی جو صفات بیان کی ہیں وہ قید احترازی کے طور پر نہ ہوں گی۔ (کہ جن مؤمنوں میں وہ صفات نہ ہوں وہ فلاح یاب نہ ہوں) بلکہ صفات مدحیہ ہوں گی۔ مؤمن کے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ ان صفات کا حامل ہو اگر ان صفات کو قید احترازی قرار دیا جائے اور فلاح سے کامل فلاح مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ کامل فلاح پانے والے وہ مؤمن ہوں گے جو ان صفات کے حامل ہوں لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جو مؤمن اپنے اندر یہ صفات نہیں رکھتے ہوں گے وہ مطلقاً فلاح یاب نہ ہوں گے۔

اہل سنت کا اجماع ہے کہ جو گناہگار مؤمن بغیر توبہ کے مر جائیں وہ جنت میں بالآخر ضرور داخل ہوں گے اللہ کو اختیار ہے کہ سزا دینے کے بعد جنت میں داخل فرمادے یا معاف فرمادے اور بغیر عذاب دیئے جنت میں بھیج دے۔

خشوع کے متعلق مختلف اقوال:

خَاشِعُوْنَ سے کون لوگ مراد ہیں۔ حضرت ابن عباس نے ترجمہ کیا، عاجزی کرنے والے، اللہ کے سامنے اظہار عجز کرنے والے۔ حسن نے کہا ڈرنے والے۔ مقاتل نے کہا تواضع کرنے والے اور اپنے آپ کو پست قرار دینے والے۔ مجاہد نے کہا نظریں نیچی اور آواز پست رکھنے والے۔ ایک روایت میں حضرت علیؓ کا قول آیا ہے (نماز میں) ادھر اُدھر التفات نہ کرنا خشوع ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا خشوع یہ ہے کہ یہ معلوم بھی نہ ہو کون دائیں طرف ہے اور کون بائیں طرف۔ اور دائیں بائیں نظر نہ ڈالے۔

عمرو بن دینار نے کہا، خشوع سے مراد ہے سکون۔ اور حسن سمیت علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ خشوع سے مراد ہے سجدہ گاہ سے نظر نہ ہٹانا۔ عطاء نے کہا اپنے بدن کے کسی حصے سے نہ کھیلنا مثلاً بے وجہ نہ کھجانا مراد ہے۔

بعض نے کہا نماز میں خشوع نام ہے توجہ کی یکسوئی کا کہ دوسری طرف خیال نہ جائے اور زبان سے جو الفاظ ادا کر رہا ہے اس پر غور کرتا جائے، نماز

سے ادھر اُدھر نہ ہٹے۔ دائیں بائیں نظر نہ گھمائے۔ کسی طرف مائل نہ ہو، انگلیاں نہ چٹکائے، کنکریوں کو (جو زمین پر پڑی ہوں) کو الٹ پلٹ نہ کرے اور نماز کے نامناسب کوئی حرکت نہ کرے۔

حضرت ابودرداء نے فرمایا خشوع سے مراد ہے قولی اخلاص (اللہ کے سامنے) تعظیم کے ساتھ کھڑا ہونا، کامل یقین اور پوری توجہ ویکسوئی۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے خشوع کا معنی ہے خضوع یعنی تواضع، خشوع کا مفہوم تواضع کے قریب ہے۔ یا خشوع کا تعلق اعضائے بدن سے ہوتا ہے اور خضوع آواز کی پستی و عاجزی، اور نگاہ اور سکون اور اظہار عجز سب سے متعلق ہے۔ نہایہ میں ہے خشوع نگاہ اور آواز میں ہوتا ہے جیسے خضوع کا تعلق اجزائے بدن سے ہوتا ہے۔

بندہ متوجہ ہو تو اللہ متوجہ رہتا ہے:

حضرت ابوذر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ بندے کی طرف برابر متوجہ رہتا ہے جب تک بندہ نماز میں ادھر اُدھر نظر کو متوجہ نہیں کرتا۔ جب بندہ ادھر اُدھر التفات کرتا ہے تو اللہ بھی اس کی طرف سے توجہ پھیر لیتا ہے۔ رواہ احمد، وابوداؤد، والنسائی، والدارمی۔

شیطان کا جھپٹا:

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کیا، فرمایا یہ ایک جھپٹا ہوتا ہے جو شیطان بندے کی نماز میں سے اچک لیتا ہے۔ راوہ الشیخان فی الصحیحین

نماز میں آسمان کی طرف دیکھنا:

حضرت انسؓ بن مالک راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لوگ نماز کے اندر اپنی نگاہ آسمان کی طرف کیوں اٹھاتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس معاملہ میں اتنا سخت تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا لوگوں کو اس حرکت سے باز آجانا چاہئے ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔ راوہ البغوی۔ مسلم اور نسائی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا نماز میں دعاء کے وقت آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے سے لوگوں کو باز آجانا چاہئے ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔

حضرت جابر بن سمرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نماز کے اندر آسمان کی طرف نظر اٹھانے سے لوگوں کو باز آجانا چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی نگاہیں واپس نہ آئیں۔ رواہ مسلم وابوداؤد واحمد وابن ماجۃ۔

نفاق والا خشوع:

حضرت ابوبکر صدیقؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہم نفاق والے خشوع سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ نفاق والا خشوع کیسا ہوتا ہے فرمایا بدن کا خشوع اور دل کا نفاق (یعنی دل کسی اور طرف مشغول ہو اور بظاہر اعضاء نماز میں ہوں)۔

حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابوبکر صدیق کی نماز

مجاہد کا بیان ہے حضرت عبداللہ بن زبیر نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لکڑی کا تھم (اپنی جگہ) کھڑا ہے حضرت ابوبکر صدیق کی بھی یہی حالت تھی۔

حضرت اسماء بنت حضرت ابوبکر صدیقؓ راوی ہیں کہ ان کی والدہ حضرت ام رومان نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکرؓ نے مجھے نماز میں ادھر اُدھر جھکتے دیکھا تو اتنا سخت ڈانٹا کہ قریب تھا میں نماز توڑ دوں، اور فرمایا، میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جب تم میں سے کوئی نماز کو کھڑا ہو تو اس کے ہاتھ پاؤں میں سکون رہنا چاہئے، یہودیوں کی طرح ادھر اُدھر نہ جھکے، نماز میں ہاتھ پاؤں کا ساکن رہنا نماز کا جز تکمیل ہے۔ (ازالۃ الخفاء)

نماز میں پتھر نہ ہٹائے:

حضرت ابوالاحوص راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جب کوئی نماز کو کھڑا ہو جائے تو پتھریوں کو صاف نہ کرے کیونکہ (اللہ کی) رحمت اس کے منہ کے سامنے ہوتی ہے (اس کی طرف سے توجہ نہ ہٹائے) رواہ البغوی، امام احمد، ابن عدی، نسائی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے یہ حدیث حضرت ابوذر کی روایت سے بیان کی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت انسؓ کو نصیحت:

حضرت انس کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، اپنی نظر سجدہ کرنے کے مقام پر رکھا کرو۔ رواہ البیہقی فی سنن الکبیر

یہ بھی حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا بیٹے نماز میں ادھر اُدھر دیکھنے سے پرہیز رکھ۔ نماز کے اندر ادھر اُدھر نظر کرنا (نماز کی) بربادی ہے اگر مجبوری ہو تو نفل میں (ایسا کرسکتا ہے) فرض میں نہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝

اور جو	لغو بات پر دھیان نہیں کرتے

فضولیات سے پرہیز:

یعنی فضول بیکار مشغلوں میں وقت ضائع نہیں کرتے کوئی دوسرا شخص لغو اور لغو بات کہے تو اُدھر سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ اُن کو وظائف عبودیت سے

اتنی فرصت ہی نہیں ہوتی کہ ایسے بے فائدہ جھگڑوں میں اپنے کو پھنسائیں۔

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خو — چو بگذشت بر عارف جنگجو
گر ایں مدعی دوست بشناختے — بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

(تفسیر عثمانی)

لغو کے درجات:

لغو کے معنے فضول کلام یا کام جسمیں کوئی دینی فائدہ نہ ہو۔ لغو کا اعلیٰ درجہ معصیت اور گناہ ہے جس میں فائدہ دینی نہ ہونے کے ساتھ دینی ضرر نقصان ہے اس سے پرہیز واجب ہے، اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ نہ مفید ہو نہ مضر، اسکا ترک کم از کم اولیٰ اور موجب مدح ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من حسن اسلام المرأ ترکه مالا یعنیه. یعنی انسان کا اسلام جب اچھا ہو سکتا ہے جبکہ وہ بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دے۔ اسی لئے آیت میں اسکو مومن کامل کی خاص صفت قرار دیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

لغو کے متعلق اقوال:

اور جو لغو باتوں سے (قولی ہوں یا فعلی) اعراض کرنے والے ہیں عطاء نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا کہ لغو سے مراد شرک ہے حسن نے کہا گناہ اور نافرمانیاں مراد ہیں۔ میں کہتا ہوں آخرت میں کام نہ آنے والے امور مراد لینا بہتر ہے خواہ وہ امور قول سے تعلق رکھتے ہوں یا عمل سے۔

اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شرک اور معاصی اور مُعْرِضُوْنَ آخرت میں ضرر پہنچانے والے امور کے ارتکاب کا تو ذکر ہی کیا ہے وہ تو بیکار اور غیر مفید باتوں سے بھی الگ رہتے ہیں اور پرہیز کرتے ہیں۔

بعض نے کہا لغو سے اعراض کرنے کا یہ مطلب ہے کہ کافروں کے مقابلہ میں وہ گالیاں نہیں دیتے اور سبّ وشتم نہیں کرتے۔

دوسری آیت میں اللہ نے خود فرمایا ہے وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا مطلب یہ ہے کہ جب وہ بُری بات سنتے ہیں تو خود اس کے اندر گھس نہیں پڑتے۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝

اور جو — زکوٰۃ دیا کرتے ہیں

زکوٰۃ ادا کرنا:

یعنی اُن کی عادت ہے کہ ہمیشہ زکوٰۃ ادا کرتے رہتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ کبھی دی کبھی نہ دی، غالباً اسی لئے یُؤْدُوْنَ الزَّكٰوةَ کی جگہ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ کی ترکیب اختیار فرمائی۔ گویا بتلا دیا کہ زکوٰۃ ادا کرنا اُن کا مستمر کام ہے۔ مترجم محقق قدس روحہ نے "دیا کرتے ہیں" کہہ کر ادھر اشارہ کر دیا۔ بعض مفسرین نے یہاں زکوٰۃ کو "طہارت" (پاکیزگی) یا تزکیۂ نفس کے معنی میں لیا ہے۔ گویا آیت حاضرہ کو قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى اور قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا کے مشابہ قرار دیا ہے۔ اگر یہ مراد ہو تو اُس کے مفہوم کو عام رکھا جائے جس میں بدن کا، دل کا اور مال کا پاک رکھنا سب داخل ہو۔ زکوٰۃ وصدقات بھی ایک قسم کی مالی تطہیر ہے۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (توبہ۔ رکوع ۱۳) یہ کہنا کہ آیت مکی ہے اور مکہ میں زکوٰۃ فرض نہ ہوئی تھی، ابن کثیرؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ اصل زکوٰۃ کی مشروعیت مکہ میں ہو چکی تھی، ہاں مقادیر ونُصب وغیرہ کی تشخیص مدینہ پہنچ کر ہوئی واللہ اعلم۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝

اور جو — اپنی شہوت کی جگہ کو — تھامتے ہیں

اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ

مگر — اپنی عورتوں پر — یا اپنے ہاتھ کے مال باندیوں پر

فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ

سو ان پر نہیں کچھ — الزام — پھر جو کوئی ڈھونڈے اس کے سوا

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝

سو وہی ہیں — حد سے بڑھنے والے

شرمگاہوں کی حفاظت:

یعنی اپنی منکوحہ عورت یا باندی کے سوا کوئی اور راستہ قضائے شہوت کا ڈھونڈے، وہ حلال کی حد سے آگے نکل جانے والا ہے۔ اس میں زنا، لواطت اور استمناء بالید وغیرہ سب صورتیں آگئیں، بلکہ بعض مفسرین نے حرمت متعہ پر بھی اس سے استدلال کیا ہے وفیہ کلام طویل لایسعہ المقام۔ راجع روح المعانی تحت ہذہ الآیۃ الکریم۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ یعنی وہ لوگ جو اپنی بیویوں اور شرعی لونڈیوں کے علاوہ سب سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ان دونوں کے ساتھ شرعی ضابطہ کے مطابق شہوت نفس پوری کرنے کے علاوہ اور کسی سے کسی ناجائز طریقہ پر شہوت رانی میں مبتلا نہیں ہوتے۔ اس آیت کے ختم پر ارشاد فرمایا

فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ یعنی شرعی قاعدے کے مطابق اپنی بیوی یا لونڈی سے شہوت نفس کو تسکین دینے والوں پر کوئی ملامت نہیں اسمیں اشارہ ہے کہ اس ضرورت کو ضرورت کے درجہ میں رکھنا ہے مقصد زندگی بنانا نہیں اسکا درجہ اتنا ہی ہے کہ جو ایسا کرے وہ قابل ملامت نہیں واللہ اعلم۔

قضائے شہوت کی حرام صورتیں:

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ یعنی منکوحہ بیوی یا شرعی قاعدہ سے حاصل شدہ لونڈی کیساتھ شرعی قاعدے کے مطابق قضاء شہوت کے علاوہ اور کوئی بھی صورت شہوت پورا کرنے کی حلال نہیں اسمیں زنا بھی داخل ہے اور جو عورت شرعاً اس پر حرام ہے اس سے نکاح بھی بحکم زنا ہے اور اپنی بیوی یا لونڈی سے حیض و نفاس کی حالت میں یا غیر فطری طور پر جماع کرنا بھی اس میں داخل ہے۔ یعنی کسی مرد یا لڑکے سے یا کسی جانور سے شہوت پوری کرنا بھی۔ اور جمہور کے نزدیک استمناء بالید یعنی اپنے ہاتھ سے منی خارج کر لینا بھی اسمیں داخل ہے۔ از تفسیر بیان القرآن۔ قرطبی۔ بحر محیط وغیرہ۔ (معارف مفتی اعظم)

ماملکت سے مراد صرف باندیاں ہیں:

حضرت مؤلف نے فرمایا کہ مَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ سے صرف باندیاں مراد ہیں کیونکہ عورتوں کو کم عقلی کی وجہ سے بے عقل چیزوں کے حکم میں داخل سمجھا جاتا ہے اس لئے مؤنث کی ضمیریں بے عقل چیزوں کی طرف راجع کر دی جاتی ہیں پس لفظ ما کا اس جگہ ذکر کرنا دلالت کر رہا ہے کہ اس سے باندیاں مراد ہیں غلام مراد نہیں ہیں خلاصہ یہ کہ عورتوں کے لئے اپنے غلاموں سے قربت ناجائز ہے۔

متعہ کی حرمت:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ابتدائے اسلام میں عورتوں سے متعہ کرنا جائز تھا۔ کوئی شخص اجنبی شہر میں جاتا اور وہاں کوئی جان پہچان والا نہ ہوتا تو جس قدر قیام کا ارادہ ہوتا اتنی مدت کے لئے کسی عورت سے نکاح کر لیتا تاکہ عورت اس کے لئے کھانا تیار کردے اور سامان کی حفاظت رکھے یہاں تک کہ جب آیت اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ نازل ہوئی تو سوائے ان دونوں قسموں کے ہر عورت حرام ہوگئی۔ رواہ الترمذی۔ جن عورتوں سے متعہ کیا جاتا ہے وہ بیویاں یقیناً نہیں ہوتیں۔ فرقہ شیعہ کے نزدیک بھی نہ ان کو شوہر کی میراث ملتی ہے نہ شوہر کو ان کی میراث۔ (اور باندیاں بھی یقیناً نہیں ہیں اور تیسری کوئی قسم حسب صراحت آیت حلال نہیں ہے) اور زوجین کے درمیان توارث صراحت قرآنی کے بموجب ضروری ہے۔ متعہ کا مسئلہ سورۂ نساء کی آیت فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً کی تفسیر میں ہم نے مفصل بیان کر دیا ہے۔

جلق حرام ہے:

آیت مذکورہ اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ عمل بالید (جلق) بھی حرام ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝

اور جو	اپنی امانتوں سے	اور اپنے قرار سے خبردار ہیں

امانتداری اور ایفائے عہد:

یعنی امانت اور قول و قرار کی حفاظت کرتے ہیں، خیانت اور بدعہدی نہیں کرتے نہ اللہ کے معاملہ میں نہ بندوں کے۔ (تفسیر عثمانی)

امانتوں سے مراد ہیں، وہ چیزیں جو بطور امانت مؤمنوں کے پاس رکھی جائیں انکو ان چیزوں کا امین بنا دیا جائے۔

دو قسم کے عہد:

عہد (وعدہ) دو طرح کا ہوتا ہے ایک عہد وہ ہے جو اللہ نے بندوں سے لیا اور بندوں نے اللہ سے کیا ہے۔ نماز، روزہ، اور تمام عبادتیں اس کے ذیل میں آتی ہیں۔ دوسرا عہد وہ ہے جو آدمی آپس میں کرتے ہیں۔ امانت، ودیعت، تجارت اور دوسرے معاہدات جن کا تعلق باہم انسانوں سے ہوتا ہے دونوں کی پابندی اور ان کو پورا کرنا مسلمانوں پر واجب ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝

اور جو	اپنی نمازوں کی	خبر رکھتے ہیں

نمازوں کی حفاظت:

نمازیں اپنے اوقات پر آداب و حقوق کی رعایت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ بندوں کے معاملات میں پڑ کر عبادت الٰہی سے غافل نہیں ہوتے۔ یہاں تک مؤمنین مفلحین کی چھ صفات و خصائل بیان کیں۔

(۱) خشوع و خضوع سے نمازیں پڑھنا یعنی بدن اور دل سے اللہ کی طرف جھکنا۔

(۲) باطل لغو اور نکمی باتوں سے علیحدہ رہنا۔

(۳) زکوٰۃ یعنی مالی حقوق ادا کرنا یا اپنے بدن، نفس اور مال کو پاک رکھنا۔

(۴) شہوات نفسانی کو قابو میں رکھنا۔

(۵) امانت و عہد کی حفاظت کرنا گویا معاملات کو درست رکھنا۔

(۶) اور آخر میں پھر نمازوں کی پوری طرح حفاظت کرنا کہ اپنے وقت پر آداب و شروط کی رعایت کے ساتھ ادا ہوں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز کا حق تعالیٰ کے یہاں کیا درجہ ہے اور کس قدر مہتم بالشان چیز ہے کہ اس سے شروع کر کے اسی پر ختم فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

محبوب عمل:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ سب سے زیادہ محبوب عمل اللہ کے نزدیک کیا ہے؟ آپ نے فرمایا نماز کو وقت پر ادا کرنا۔ پوچھا گیا پھر؟ فرمایا ماں

باپ سے سلوک کرنا۔ پوچھا گیا پھر؟ فرمایا خدا کی راہ میں جہاد کرنا۔ (بخاری و مسلم)

آنکھوں کی ٹھنڈک دل کی راحت:

چنانچہ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے خوشبو اور عورتیں زیادہ پسند ہیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے (نسائی)۔ ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے نماز کے وقت اپنی لونڈی سے کہا کہ پانی لاؤ نماز پڑھ کر راحت حاصل کروں تو سننے والوں کو انکی یہ بات گراں گذری۔ آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرماتے تھے اے بلال اٹھو اور نماز کے ساتھ ہمیں راحت پہنچاؤ۔ (تفسیر ابن کثیر)

بہترین عمل: حدیث شریف میں ہے سیدھے سیدھے رہو اور تم ہرگز احاطہ نہ کر سکو گے جان لو کہ تمہارے تمام اعمال میں بہترین عمل نماز ہے دیکھو وضوء کی حفاظت صرف مؤمن ہی کر سکتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ

وہی ہیں میراث لینے والے جو میراث پائینگے باغ ٹھنڈی چھاؤں کے

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾

وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے

جنت کے میراث ہونے پر پہلے کسی جگہ ہم لکھ چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مہاجرین وانصار:

شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ سورۃ مؤمنون مکی ہے اور شروع سورت میں جن مؤمنین مفلحین کی صفات فاضلہ کو بیان کیا گیا ہے اس کے اولین مصداق مہاجرین اولین اور خلفاء راشدین تھے جن کو دینی اور دنیوی فوز و فلاح سے نوازا گیا۔ (ازالۃ الخفاء) (معارف کاندھلوی)

جنت کے وارث:

ان سب صفات کو بیان فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ یہی لوگ وارث ہیں، جو الفردوس کے دائمی وارث ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے خدا سے جب جنت مانگو جنت الفردوس مانگو وہ سب سے اعلیٰ اور اوسط جنت ہے۔ وہیں سے جنت کی سب نہریں جاری ہوتی ہیں اسی کے اوپر خدا تعالیٰ کا عرش ہے (صحیحین)

ہر ایک کی دو منزلیں:

فرماتے ہیں تم میں سے ہر ایک کی دو دو جگہیں ہیں ایک منزل جنت میں ایک جہنم میں۔ جب کوئی دوزخ میں گیا تو اس کی منزل کے وارث جنتی بنتے ہیں اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں جنتی تو اپنی جنت کی جگہ سنوار لیتا ہے اور جہنم کی جگہ ڈھا دیتا ہے اور دوزخی اس کے خلاف کرتا ہے۔ کفار جو عبادت کے لئے پیدا کئے گئے تھے انہوں نے عبادت ترک کر دی تو ان کے لئے جو انعامات تھے وہ ان سے چھین کر سچے مؤمنوں کے حوالے کر دیئے گئے۔ اسی لئے انہیں وارث کہا گیا۔ صحیح مسلم میں ہے کچھ مسلمان پہاڑوں کے برابر گناہ لیکر آئیں گے جنہیں اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر ڈال دے گا اور انہیں بخش دے گا۔ اور سند سے مروی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایک ایک یہودی یا نصرانی دے گا کہ یہ تیرا فدیہ ہے جہنم سے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جب یہ حدیث سنی تو راوی حدیث ابو بردہؓ کو قسم دی انہوں نے تین مرتبہ قسم کھا کر حدیث کو دہرایا۔ اسی جیسی آیت یہ بھی ہے تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِىْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا الخ اور آیت میں ہے۔ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِىْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا

فردوس: فردوس رومی زبان میں باغ کو کہتے ہیں بعض سلف کہتے ہیں کہ اس باغ کو جس میں انگور کی بیلیں ہوں، واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں جو فردوس کے وارث ہوں گے۔

اُولٰٓئِكَ یعنی یہی لوگ جو اوصافِ مذکورہ کے حامل ہیں۔

الْوٰرِثُوْنَ یعنی اس بات کے مستحق ہیں کہ صرف انہی کو (فردوس کا) وارث کہا جائے گا۔

الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ یہ الوارثون کا وصف ہے اور جس چیز کے وارث ہوں گے ان کا بیان ہے پہلے بلاتعیین وراثت کا ذکر کیا گیا پھر تعیین کے ساتھ وراثت فردوس کا ذکر کیا۔ اس سے وراثت کی عظمت اور بلندئ شان ظاہر ہوگئی۔ (شبہ کیا جا سکتا ہے کہ وارث ہونے کا لفظ چاہتا ہے کہ پہلے فردوس کسی اور کی تھی پھر مؤمنوں کو دی جائے گی۔

ابن ماجہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو اپنے وارث کی میراث سے بھاگے گا اللہ جنت کے اندر اس کا میراثی حصہ ختم کر دے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾

اور ہم نے بنایا آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے

منتخب مٹی کا بنا ہوا: کیونکہ سب کے باپ حضرت آدم علیہ السلام منتخب مٹی سے پیدا ہوئے اور ویسے بھی تمام بنی آدم نطفہ سے پیدا ہوتے ہیں اور نطفہ بھی مٹی سے نکلی ہوئی غذاؤں کا خلاصہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عبد بن حمید کا قول نقل کیا ہے کہ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ سے مراد ہے بنی آدم کا نطفہ (گویا طین سے مراد ہوئے بنی آدم اور سُلٰلَة سے مراد ہوا نطفہ)۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝۱۳

پھر ہم نے رکھا اس کو پانی کی بوند کر کے ایک جمے ہوئے ٹھکانہ میں

رِحم مادر میں:

یعنی رحم مادر میں جہاں سے کہیں ہل نہ سکے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً

پھر بنایا اس بوند سے لہو جما ہوا پھر بنائی اس لہو جمے ہوئے سے گوشت کی بوٹی

فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا

پھر بنائیں اس بوٹی سے ہڈیاں پھر پہنایا ان ہڈیوں پر گوشت

مختلف مراحل:

یعنی کچھ حصہ گوشت کا سخت کر کے ہڈیاں بنا دیں۔ اور ہڈیوں کے ڈھانچے پر پھر گوشت پوست منڈھ دیا۔ سورۃ "حج" میں اسی کے قریب کیفیت تخلیق انسان کی بیان ہو چکی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مُضْغَۃ گوشت کی بوٹی اتنی جو چبانے کے بقدر ہو۔ گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں بنا دینے کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے اس کو سخت کر دیا۔ مضغۃ کا جو حصہ ہڈی ہونے سے باقی رہا اس کا گوشت بنا کر ہم نے ہڈیوں کو اس گوشت کا لباس پہنا دیا (ہڈیوں پر چڑھا دیا)۔

ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ط

پھر اٹھا کھڑا کیا اس کو ایک نئی صورت میں

روح حیات:

یعنی روح حیات پھونک کر ایک جیتا جاگتا انسان بنا دیا۔ جس پر آگے چل کر بچپن، جوانی، کہولت اور بڑھاپے کے بہت سے احوال وادوار گذرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

نفخ روح کیا ہے:

نفخ روح، اللہ کی ایک صفت ہے (جس کا وجود قدیم ہے) اللہ نے فرمایا جب ہڈیاں گوشت کا جامہ پہن لیتی ہیں تو اس صفت کا تعلق جسم سے ہو جاتا ہے گویا روح کا جسم سے تعلق حادث ہے اور روح بجائے خود قدیم ہے ہاں اگر آیت میں انشاء (پیدا کرنے سے مراد نفخ روح ہو پیدا کرنا نہ ہو تو اس توجیہ کی ضرورت نہیں)۔

انسان پیدائش سے انجام تک:

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کا مادۂ تخلیق ماں کے پیٹ میں بشکل نطفہ چالیس روز تک جمع رکھا جاتا ہے پھر وہ مادہ خون کا لوتھڑا ہو جاتا ہے اور اس حالت میں اتنی ہی مدت تک رہتا ہے۔ پھر گوشت کی بوٹی بن جاتا ہے اور اتنی ہی مدت تک (بوٹی کی شکل پر) رہتا ہے پھر اللہ فرشتہ کو چار احکام دے کر بھیجتا ہے فرشتہ اس کے (اچھے برے) اعمال اور مدت زندگی اور رزق اور سعید یا شقی ہونا (مؤمن یا کافر ہونا جنتی یا دوزخی ہونا) لکھ دیتا ہے پھر اس کے اندر روح پھونکی جاتی ہے پس قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم میں سے کچھ لوگ (ساری عمر) جنتیوں کے جیسے کام کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے اور جنت کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن (تخلیقی) تحریر غالب آتی ہے اور وہ دوزخیوں کے کام کرنے لگتے ہیں (اور انہی اعمال پر خاتمہ ہو جاتا ہے) اور بعض لوگ (ساری عمر) دوزخیوں کے جیسے کام کرتے ہیں، یہاں تک کہ ان کے اور دوزخ کے درمیان ایک گز سے زیادہ فاصلہ نہیں رہتا آخر تقدیر کا لکھا غالب آ جاتا ہے اور وہ جنتیوں کے عمل کرنے لگتے ہیں (اور اسی پر ان کا خاتمہ ہو جاتا ہے) متفق علیہ بخاری و مسلم

مسئلہ: اگر کسی نے کوئی انڈا غصب کیا اور غاصب کے پاس پہنچ کر انڈے سے بچہ نکل آیا اور پھر بچہ مر گیا یا حرم کے اندر سے انڈا باہر نکال کر لے آیا اور حرم سے باہر انڈے سے بچہ پیدا ہو گیا تو دونوں صورتوں میں انڈے کا ضمان (تاوان) دینا پڑے گا کیونکہ بچہ کا پیدا ہونا تخلیق آخر ہے اور اسی دور میں روح سفلی یعنی روح حیوانی پیدا ہو جاتی ہے اس لئے ضمان کا تعلق تخلیق اول سے ہی ہو گا۔

زندگی کے تغیرات:

عوفی کی روایت حضرت ابن عباس کا تفسیری قول ہے کہ انشاء تخلیق آخر سے زندگی کے سارے تدریجی تغیرات اور انقلابات مراد ہیں پیدا ہونا، پھر چیخنا، پھر دودھ پینا، پھر آہستہ آہستہ بیٹھنا پھر رفتہ رفتہ کھڑا ہونا پھر چلنا اور دودھ ترک کر کے کچھ غذائی چیزیں کھانا پینا پھر بچپن سے دھیرے دھیرے جوانی کی حدود میں داخل ہونا اور ملک ملک میں گھومنا پھرنا سب ہی انشاء خلق آخر کی صورتیں ہیں۔

میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ انشاء تخلیق آخر سے مراد دوسری ولادت ہو جو صوفی کو اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ مرتبہ فناء پر پہنچ جاتا ہے اور تمام بہیمی اور سبعی بشری صفات سے نکل کر ملکوتی صفات اختیار کر لیتا ہے اور پھر ملکوتی صفات سے ترقی کر کے رحمانی صفات کی طرف منتقل ہوتا ہے اور بقاء باللہ یا بقاء بصفات اللہ کے مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے۔ لفظ ثُمَّ کا استعمال کرنے کی یہ وجہ زیادہ مناسب ہے۔ (تفسیر مظہری)

روحِ حقیقی اور روحِ حیوانی:

یہاں خلقاً آخر کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ، شعبیؒ، عکرمہؒ، ضحاکؒ

ابوالعالیہؒ وغیرہ نے نفخ روح سے فرمائی ہے۔ تفسیر مظہری میں ہے کہ غالباً مراد اس روح سے روح حیوانی ہے کہ وہ بھی مادی اور ایک جسم لطیف ہے جو جسم حیوانی کے ہر ہر جزو میں سمایا ہوا ہوتا ہے جس کو اطباء اور فلاسفہ روح کہتے ہیں۔ اُس کی تخلیق بھی تمام اعضاء انسانی کی تخلیق کے بعد ہوتی ہے اس لئے اسکو لفظ ثم سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور روحِ حقیقی جسکا تعلق عالم ارواح سے ہے، وہیں سے لاکر اس روح حیوانی کے ساتھ اسکا کوئی رابطہ حق تعالیٰ اپنی قدرت سے پیدا فرمادیتے ہیں جسکی حقیقت کا پہچاننا انسان کے بس کا نہیں اس روحِ حقیقی کی تخلیق تو تمام انسانوں کی تخلیق سے بہت پہلے ہے انہیں ارواح کو حق تعالیٰ نے ازل میں جمع کر کے ؟؟ فرمایا اور سب نے بلیٰ کے لفظ سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ ہاں اسکا تعلق جسم انسانی کے ساتھ تخلیق اعضاء انسانی کے بعد ہوتا ہے۔ اس جگہ نفخ روح سے اگر یہ مراد لی جائے کہ روحِ حیوانی کیساتھ روحِ حقیقی کا تعلق اسوقت قائم فرمایا گیا تو یہ بھی ممکن ہے۔ اور درحقیقت حیاتِ انسان اسی روحِ حقیقی سے متعلق ہے جب اس کا تعلق روحِ حیوانی کے ساتھ ہو جاتا ہے تو انسان زندہ کہلاتا ہے جب منقطع ہو جاتا ہے تو انسان مُردہ کہلاتا ہے وہ روح حیوانی بھی اپنا عمل چھوڑ دیتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿١٤﴾

سو بڑی برکت اللہ کی جو سب سے بہتر بنانیوالا ہے

متناسب صورت:

خوبصورتی سے تمام اعضاء وقویٰ کو بہترین سانچے میں ڈھالا اور اُس کی ساخت عین حکمت کے موافق نہایت موزوں و متناسب بنائی۔ (تفسیر عثمانی)

وحی کے ساتھ حضرت عمرؓ کی موافقت:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اپنے رب کی موافقت چار باتوں میں کی ہے، جب یہ آیت اُتری کہ ہم نے انسان کو بجتی مٹی سے پیدا کیا تو بے ساختہ میری زبان سے فتبارک اللہ احسن الخالقین نکلا، اور وہی پھر اُترا۔ (تفسیر ابن کثیر)

شانِ الٰہی

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (تخلیق کے گذشتہ احوال دلیل ہیں اس امر کی کہ) اللہ کی بہت بڑی شان ہے جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔

تَبٰرَكَ اللّٰهُ یعنی اللہ کی شان اعلیٰ و برتر ہے اس بات سے کہ وہ اپنا کوئی شریک بنائے یا اس کے احکام کی پابندی اور تعمیل میں سستی کی جائے۔

عبداللہ بن سعد کا واقعہ:

بعض روایات میں آیا ہے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب تھا (وحی نازل ہوتی تو آپ اس سے وحی کی کتابت بھی کرا لیا کرتے تھے) ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھوائے بغیر یہ جملہ اس نے آیت مذکورہ کے اختتام پر زبان سے کہہ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسی طرح لکھ دے یہ یوں ہی نازل ہوا ہے۔ عبداللہ نے (لوگوں سے) کہا اگر محمد نبی ہیں ان کے پاس وحی آتی ہے تو میں بھی نبی ہوں میرے پاس بھی وحی آتی ہے یہ کہہ کر اسلام سے پھر گیا اور مکہ چلا گیا کچھ مدت کے بعد جب مکہ فتح ہوا تو جہاں اور چند لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واجب القتل قرار دیا وہاں اس کو بھی مباح الدم قرار دیدیا اور حکم دیدیا کہ جہاں ملے قتل کر دیا جائے۔ عبداللہ حضرت عثمان بن عفان کی خدمت میں حاضر ہو کر سفارش کا خواستگار ہوا حضرت عثمان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے لئے امان کی درخواست کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک خاموش رہے۔ پھر دیر کے بعد فرمایا، اچھا۔ (عبداللہ کو امان مل گئی) حضرت عثمان واپس چلے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا (تم نے میرے اچھا کہنے سے پہلے ہی اس کو قتل کیوں نہیں کر دیا) میں تو دیر تک اسی لئے خاموش رہا تھا کہ تم اس کو قتل کر دو۔

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اشارہ کیوں نہ کر دیا، فرمایا، نبی کے لئے یہ زیبا نہیں کہ نگاہ کی چوری کرے۔ عبداللہ اسی روز دوبارہ مسلمان ہو گیا اور پھر اس کا اسلام اچھا رہا۔ (فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ) (تفسیر مظہری)

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿١٥﴾

پھر تم اس کے بعد مرو گے

سب کو موت آئے گی:

یعنی تمہارا وجود ذاتی اور خانہ زاد نہیں، مستعار اور دوسرے کا عطیہ ہے۔ چنانچہ موت آکر سب نقشہ بگاڑ دیتی ہے۔ تم اس وقت اس کے زبردست پنجہ سے اپنی ہستی کو نہیں بچا سکتے۔ یقیناً کوئی اور قاہر طاقت تمہارے اوپر ہے جس نے وجود کی باگ اپنے ہاتھ میں تھام رکھی ہے جب چاہے ڈھیلی چھوڑ دے، جب چاہے کھینچ لے۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿١٦﴾

پھر تم قیامت کے دن کھڑے کئے جاؤ گے

پھر قیامت میں اٹھائے جاؤ گے:

جس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا وہ ہی دوبارہ بنا کر کھڑا کریگا۔ تاکہ پہلے وجود کی مستور قوتیں اور اعمال کے نتائج اپنی کامل ترین صورتوں میں ظاہر ہو کر

ثابت کردیں کہ یہ اتنا بڑا کارخانہ کوئی بیکار اور بے نتیجہ ڈھونگ نہیں بنایا گیا تھا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ

اور ہم نے بنائے ہیں | تمہارے اوپر سات رستے

سات آسمان:

''طرائق'' کے معنی بعض مفسرین ولغویین کے نزدیک طبقات کے ہیں یعنی آسمان کے سات طبقے اوپر نیچے بنائے۔ فہذا کما قال کَیْفَ خَلَقَ اللّٰہُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا (نوح-رکوع ۱) اور بعض نے طرائق کو راستوں کے معنی میں لیا ہے۔ یعنی سات آسمان بنائے جو فرشتوں کی گذرگاہیں ہیں۔ بعض معاصر مصنفین نے ''سبع طرائق'' سے سات سیاروں کے مدارات مراد لئے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

طرآئق سے مراد آسمان ہیں، کیونکہ ہر اوپر والا آسمان نیچے والے آسمان پر چڑھا ہوا ہے اگر نچلی چیز بالائی چیز کی طرح ہو تو نچلی کو بالائی چیز کا طریقہ کہا جاتا ہے۔ طرائق کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ آسمانوں کے اندر فرشتوں یا سیاروں کے چلنے کی گذرگاہیں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ

اور ہم نہیں ہیں | خلق سے بےخبر

پورا نظام قابو میں ہے:

ہر چیز پورے انتظام واحکام اور خبرداری سے بنائی ہے اور اُسکی حفاظت و بقاء کے طریقوں سے ہم پورے باخبر ہیں۔ اجرام سماویہ اور مخلوقات سفلیہ میں کوئی چیز نہیں جو ہمارے احاطۂ علم وقدرت سے باہر ہو۔ ورنہ سارا انتظام ہی درہم وبرہم ہوجائے۔ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْھَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْھَا (حدید-رکوع)(تفسیر عثمانی)

الخلق سے مراد ہے 'مخلوق' کوئی ہو۔

غٰفِلِیْنَ، یعنی ان کے معاملہ سے بےخبر، ان کو یوں ہی بےکار چھوڑ دینے والے نہیں ہیں بلکہ اختلال اور نظام کی ابتری سے ان کو محفوظ رکھتے ہیں۔ ان کی نگرانی رکھتے ہیں اور حسب حکمت ومصلحت ان کے مناسب حد کمال تک پہنچانے کا انتظام قائم رکھتے ہیں اور آسمانوں کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ

اور اُتارا ہم نے آسمان سے پانی ماپ کر

آب رسانی کا نظام:

نہ اس قدر زیادہ کہ دنیا بے وقت اور بے موقع تباہ ہوجائے اور نہ اتنا کم کہ ضروریات کو کافی نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت میں آسمان سے پانی برسانے کے ذکر کے ساتھ ایک قید بقدر کی بڑھا کر اس طرف اشارہ کردیا کہ انسان ایسا ضعیف الخلقت ہے کہ جو چیزیں اس کے لئے مدار زندگی ہیں اگر وہ مقدار مقدر سے زائد ہوجاویں تو وہی اس کیلئے وبال جان اور عذاب بن جاتی ہیں پانی جیسی چیز جس کے بغیر کوئی انسان وحیوان زندہ نہیں رہ سکتا اگر ضرورت سے زیادہ برس جائے تو طوفان آجاتا ہے اور انسان اور اسکے سامان کے لئے وبال وعذاب بن جاتا ہے۔ (معارف القرآن)

پانی سے مراد بارش کا پانی بقدرٍ یعنی مناسب مقدار کے ساتھ جتنا تقاضائے مصلحت تھا۔ (تفسیر مظہری)

فَاَسْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ

پھر اس کو ٹھہرادیا | زمین میں

زیرزمین پانی کا ذخیرہ:

یعنی بارش کا پانی زمین اپنے اندر جذب کرلیتی ہے جس کو ہم کنواں وغیرہ کھود کر نکالتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

زمین میں ٹھہرانے کا مطلب بعض اہل علم نے یہ بیان کیا کہ تالابوں اور حوضوں اور گڑھوں میں ہم نے پانی کو جمع کردیا تاکہ بارش نہ ہو تو لوگ اس سے کام چلائیں۔ بعض اہل تفسیر نے کہا کہ اس سے زمین کا پانی پینا مراد ہے پانی کو زمین چوس لیتی ہے۔ زمین کے مسامات میں پانی گھس جاتا ہے پھر اس سے چشمے اور سوت پھوٹ نکلتے ہیں۔ زمین سے جتنا پانی برآمد ہوتا ہے وہ آسمان سے برسا ہوا ہی ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ

اور ہم اُس کو لے جائیں | تو لے جاسکتے ہیں

اللہ چاہے تو پانی ختم ہوجائے:

یعنی نہ اُتارنا چاہیں تو نہ اُتاریں اور اُتارنے کے بعد تم کو اس سے منتفع ہونے کی دسترس نہ دیں مثلاً اس قدر گہرا کردیں کہ تم نکالنے میں کامیاب نہ ہوسکو، یا خشک کرکے ہوا میں اُڑادیں، یا کھاری اور کڑوا کردیں، تو ہم یہ سب کچھ کرسکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ذَھَابٍ بِہٖ اس کو لے جانا، زائل کردینا۔ مراد یہ ہے کہ ہم اس کو خراب بھی کرسکتے ہیں کہ کسی کام نہ آئے اور بھاپ بنا کر اڑا بھی سکتے ہیں اور زمین

کے اندر انتہائی گہرائی تک بھی پہنچا سکتے ہیں کہ کسی کے ہاتھ نہ آئے۔
لَقٰدِرُوْنَ بلاشبہ ہم پانی کو فنا کر دینے پر بھی اسی طرح قادر ہیں جس طرح اس کو برسانے پر قادر ہیں اگر ہم پانی کو فنا کر دیں تو تم پیاسے مر جاؤ تمہارے جانور بھی مر جائیں اور تمہاری زمینیں بنجر ہو جائیں۔

جنت سے جاری شدہ دریاء:

بغوی نے لکھا ہے حدیث میں آیا ہے کہ اللہ نے جنت سے چار دریا، نازل کیے ہیں۔ سیحون، جیحون، دجلہ، فرات۔ یہ بھی بغوی نے لکھا ہے کہ امام حسن بن سفیان نے سند کے ساتھ بوساطت عکرمہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے جنت کے ایک چشمہ سے جو جنت کے نچلے نشیبی حصہ میں تھا پانچ دریا جبرئیل کے دونوں بازوؤں پر نازل فرمائے۔ سیحون، جیحون، دجلہ، فرات، نیل۔ جبرئیل نے یہ دریا بطور امانت پہاڑوں کے سپرد کر دیئے اور زمین میں بہا دیئے۔ اور لوگوں کے لئے فائدہ بخش بنا دیئے۔ آیت وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ سے اسی طرف اشارہ ہے پھر جب یاجوج و ماجوج کا زمانہ آئے گا تو اللہ جبرئیل کو بھیج کر زمین سے قرآن اور تمام (دینی) علم کو اور سنگ اسود کو اور مقام ابراہیم کو اور تابوت موسیٰ کو مع اس کی اندرونی چیزوں کے اور ان پانچوں دریاؤں کو آسمان کی طرف اٹھا لے گا۔ وَاِنَّا عَلٰی ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ اس آیت کا یہی مطلب ہے جب یہ چیزیں زمین سے اٹھالی جائیں گی تو اہل ارض دنیا اور دین کی ہر بھلائی سے محروم ہو جائیں گے۔
میں کہتا ہوں شاید زمین کے سارے دریا جنت ہی سے آئے ہیں۔ حدیث میں صرف پانچ کا تذکرہ بطور تمثیل کیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ لَكُمْ
پھر اُگا دیے تمہارے واسطے اس سے باغ کھجور اور انگور کے تمہارے
فِیْهَا فَوَاكِهُ كَثِیْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾
واسطے اُن میں میوے ہیں بہت اور انہی میں سے کھاتے ہو

باغات اور پھل:

یعنی اُن کی بہار دیکھ کر خوش ہوتے ہو اور بعض کو بطور تفکہ اور بعض کو بطور غذا استعمال کرتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَیْنَآءَ تَنْۢبُتُ
اور وہ درخت جو نکلتا ہے سینا پہاڑ سے لے اُگتا ہے

بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِیْنَ ﴿۲۰﴾
تیل اور روٹی ڈبونا کھانے والوں کے واسطے

زیتون کا درخت:

یعنی زیتون کا درخت جس میں سے روغن نکلتا ہے جو مالش وغیرہ کے کام آتا ہے اور بہت ملکوں کے لوگ سالن کی جگہ اُس کا استعمال کرتے ہیں۔ اس درخت کا ذکر خصوصیت سے فرمایا کیونکہ اُس کے فوائد کثیر ہیں اور خاص فضل و شرف رکھتا ہے۔ اسی لئے سورۂ ''تین'' میں اس کی قسم کھائی گئی۔ جبل طور کی طرف نسبت کرنا بھی اُس کی فضیلت و برکت ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ وہاں اس کی پیداوار زیادہ ہوتی ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

علمی لطیفہ:

تفسیر قرطبی میں اس جگہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اسی آیت سے استدلال کر کے ایک عجیب لطیفہ شب قدر کی تعیین میں نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک مرتبہ اکابر صحابہ کے مجمع سے سوال کیا کہ شب قدر رمضان کی کونسی تاریخ میں ہے سب نے جواب میں صرف اتنا کہا کہ اَللّٰهُ اَعْلَمُ کوئی تعیین بیان نہیں کیا۔ حضرت ابن عباسؓ ان سب میں چھوٹے تھے اُن سے خطاب فرمایا کہ آپ کیا کہتے ہیں تو ابن عباسؓ نے فرمایا کہ امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے آسمان سات پیدا کئے، زمینیں سات پیدا کیں، انسان کی تخلیق سات درجات میں فرمائی۔ انسان کی غذاء سات چیزیں بنائیں اس لئے میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ شب قدر ستائیسویں شب ہوگی۔ فاروق اعظمؓ نے یہ عجیب استدلال سُن کر اکابر صحابہ سے فرمایا کہ آپ سے وہ بات نہ ہو سکی جو اس لڑکے نے کی جس کے سر کے بال بھی ابھی مکمل نہیں ہوئے۔ یہ حدیث طویل ابن ابی شیبہ کے مُسند میں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے تخلیق انسانی کے سات درجات سے مراد وہی لیا ہے جو اس آیت میں ہے اور انسان کی غذا کی سات چیزیں سورۂ عبس کی آیت میں ہیں فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا حَبًّا ۙ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ۙ وَّزَیْتُوْنًا وَّنَخْلًا ۙ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ۙ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۙ اس آیت میں آٹھ چیزیں مذکور ہیں جن میں پہلی سات انسان کی غذا ہے اور آخری یعنی اَبّ یہ جانوروں کی غذا ہے۔ (قرطبی)

زیتون کے فوائد و خصوصیات:

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَیْنَآءَ سیناء اور سینین اُس مقام کا نام ہے جس میں کوہ طور واقع ہے۔ زیتون کا تیل تیل کی ضروریات مثلاً بدن کی مالش اور چراغ میں جلانے کے بھی کام آتا ہے اور کھانے میں سالن کا بھی کام دیتا ہے اسی کو فرمایا تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِیْنَ ۔ زیتون کے درخت کے لئے کوہ طور کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ درخت سب سے پہلے کوہ طور ہی پر پیدا ہوا ہے

اور بعض نے کہا کہ طوفانِ نوح کے بعد سب سے پہلا درخت جو زمین پر اُگا وہ زیتون تھا۔ (مظہری) (معارف مفتی اعظم)

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَاۗءَ اور ہم نے ایک (اور) درخت پیدا کیا (یعنی زیتون) جو طورِ سینا میں پیدا ہوتا ہے۔

طور سیناء:

سینآء کے معنی مختلف بیان کئے گئے ہیں، مجاہد نے کہا سینآء کا معنی ہے برکت۔ یعنی برکت والے پہاڑ سے ہم نے زیتون کو پیدا کیا۔

قتادہ، ضحاک اور عکرمہ نے کہا اس کا معنی ہے اچھا اور خوبصورت۔ ضحاک نے کہا یہ نبطی زبان کا لفظ ہے اور عکرمہ نے اس کو حبشی زبان کا لفظ کہا ہے۔ کلبی نے کہا سینآء کا معنی ہے درختوں والا۔ بعض نے کہا سریانی زبان میں گھنے درختوں کی جھاڑی کو سیناء کہتے ہیں۔ مقاتل نے کہا جس پہاڑ پر بکثرت پھلدار درخت ہوں اس کو نبطی زبان میں سیناء اور سینین کہا جاتا ہے۔ مجاہد نے کہا سیناء۔ خاص پتھروں کی ایک قسم ہوتی ہے یہ طور میں بکثرت موجود ہیں اس لئے طور کی سیناء کی طرف اضافت کردی گئی۔ ابن زید نے کہا طور سیناء پورا نام اس پہاڑ کا ہے جو مصر اور ایلہ کے درمیان واقع ہے۔ جہاں سے حضرت موسیٰ کو نداء دی گئی تھی۔ جیسے امرء القیس پورا نام ہے۔

زیتون کا سالن: تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ جو اُگتا ہے تیل لئے ہوئے اور کھانے والوں کے لئے سالن لئے ہوئے۔ یعنی زیتون میں دونوں فائدے ہیں یعنی اس کے اندر روغن بھی جو مالش کے کام میں آتا ہے اور چراغ بھی اس سے جلائے جاتے ہیں اور یہ سالن بھی ہے کہ روٹی اس میں ڈبوئی جاتی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے صبغ اور صباغ اس سالن کو کہتے ہیں جس میں روٹی ڈبوئی جاتی ہے اور روٹی پر اس کا رنگ آ جاتا ہے اور ادام عام سالن کو کہتے ہیں جس کو روٹی کے ساتھ کھایا جاتا ہے خواہ اس سے روٹی رنگین ہو یا نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا

اور تمہارے لئے چوپایوں میں دھیان کرنے کی بات ہے پلاتے ہیں ہم تم کو

فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ

ان کے پیٹ کی چیز سے اور تمہارے لئے اُن میں بہت فائدے ہیں

وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور بعضوں کو کھاتے ہو

حیوانات کے فوائد: نباتات کے بعد یہ حیوانات کا ذکر ہوا یعنی جانوروں کا دُودھ ہم اپنی قدرت سے تم کو پلاتے ہیں۔ اور بہت کچھ فائدے تمہارے لئے اُن کی ذات میں رکھ دیئے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض جانوروں کا گوشت کھانا بھی حلال کر دیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور ان پر   اور کشتیوں پر   لدے پھرتے ہو

وسائل نقل و حمل: یعنی خشکی میں جانوروں کی پیٹھ پر اور دریا میں جہازوں اور کشتیوں پر سوار ہو کر کہیں سے کہیں نکل جاتے ہو اور بڑے بڑے وزنی سامان بار کرتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

ربطِ آیات: کشتی کی مناسبت سے آگے نوح علیہ السلام کا قصہ ذکر فرماتے ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اُن سے کشتی بنوائی جو طوفان عظیم کے وقت مؤمنین کی نجات کا ذریعہ بنی۔ پھر نوح علیہ السلام کی مناسبت سے بعض دوسرے انبیاء کے واقعات بھی ذکر فرما دیئے۔ شاید یہاں ان قصص کے بیان میں یہ بھی اشارہ ہوگا کہ جس طرح اُوپر کی آیات میں تمہاری جسمانی ضروریات کا انتظام مذکور ہے اسی طرح خداوند رحمان نے تمہاری روحانی حوائج وضروریات کا سرانجام کرنے کے لئے ابتدائے دُنیا سے وحی و رسالت کا سلسلہ بھی قائم فرما دیا۔ یا یوں کہو کہ اوپر قدرت کے نشانات بیان فرما کر توحید کی طرف متوجہ کرنا تھا۔ اُس کی تکمیل کے لئے یہاں سے سلسلۂ نبوت کا بیان شروع کر دیا۔ جس کے ضمن میں انبیاء اور اُن کے متبعین کی خوش انجامی اور مکذبین و معاندین کی بدانجامی بھی ذہن نشین کر دی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ

اور ہم نے بھیجا   نوح کو   اس کی قوم کے پاس تو اس نے کہا

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ

اے قوم بندگی کرو   اللہ کی   تمہارا کوئی حاکم نہیں اس کے سوائے

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

کیا تم ڈرتے نہیں   تب بولے سردار   جو کافر تھے

مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

اُس کی قوم میں   یہ کیا ہے   آدمی ہے جیسے تم

یعنی اس میں اور تم میں فرق کیا ہے جو یہ رسول بن جائے۔ تم نہ بنو۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت اور سرداران قوم کا خطاب:

پس انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو، سوائے اس کے تمہارا اور کوئی معبود نہیں سو کیا تم (اس سے) ڈرتے نہیں۔ یعنی کیا تم کو اس بات کا اندیشہ نہیں کہ تم جو اس کے سوا دوسروں کی پوجا کرتے ہو اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہو۔ کہیں وہ تم سے یہ ساری نعمتیں چھین لے اور تم کو اس شرک کی وجہ سے (دنیا اور آخرت میں) عذاب میں مبتلا کردے۔

الملاء سرداران قوم نے آپس میں (یا عوام سے) کہا۔ کہ یہ نوح علیہ السلام تو تم ہی جیسا آدمی ہے تمہاری طرح کھاتا اور سوتا ہے پھر یہ اللہ کا بھیجا ہوا رسول کیسے ہوسکتا ہے۔ قوم نوح کا خیال تھا کہ پتھر بھی معبود ہونے میں اللہ کے شریک ہیں اور کوئی انسان اللہ کا رسول نہیں ہوسکتا اگر خدا کسی کو پیغمبر بنا کر بھیجنا چاہتا تو کسی فرشتے کو بھیجد یتا اسی خیال کے زیر اثر وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ نوح چونکہ رسالت کے مدعی ہیں اس لئے شاید ان کو اپنے آدمی ہونے کا انکار ہے یا فرشتہ ہونے کا دعویٰ ہے۔ (تفسیر مظہری)

يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

چاہتا ہے کہ — بڑائی کرے — تم پر — اور اگر اللہ چاہتا

لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۖۚ

تو اُتارتا فرشتے

سرداروں کا تبصرہ:

یعنی بڑا بن کر رہنا چاہتا ہے اس لئے یہ سب ڈھونگ بنایا ہے ورنہ خدا کسی کو رسول بنا کر بھیجتا تو کیا یہ ہی اس کام کے لئے رہ گیا تھا۔ کوئی فرشتہ نہ بھیج سکتا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

یُرِیْدُ یعنی رسالت کا دعویٰ کرنے سے اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ تم سب کا سردار بن جائے اور تم سب سے اعلیٰ و بالا ہو جائے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ یعنی اگر اللہ کو منظور ہوتا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے یا کسی کو رسول بنا کر بھیجنا چاہتا۔ (تفسیر مظہری)

مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾

ہم نے یہ نہیں سنا — اپنے اگلے باپ دادوں میں

یعنی ہم نے ایسی عجیب بات کبھی نہیں سنی کہ ایک ہماری طرح کا معمولی آدمی خدا کا رسول بن جائے اور تمام دیوتاؤں کو ہٹا کر تنہا ایک خدا کی حکومت منوانے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا ہم نے تو یہ بات جس کا نوح مدعی ہے کہ معبود ایک ہے اور آدمی کو پیغمبر بنا کر وہ بھیجتا ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا، اپنے پچھلے بزرگوں میں بھی کبھی نہیں سنی۔ ایسی بات کافروں نے یا تو محض عناد کی وجہ سے کہی تھی یا واقعی کسی پیغمبر کو آئے ہوئے ایک لمبی مدت گذر گئی تھی اور ان کو بزرگوں سے بھی کسی پیغمبر کا مبعوث ہونا معلوم نہیں ہوا تھا۔ (تفسیر مظہری)

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ

اور کچھ نہیں یہ ایک مرد ہے کہ اس کو سودا ہے

فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾

سو راہ دیکھو اس کی ایک وقت تک

معلوم ہوتا ہے کہ اس غریب کا دماغ چل گیا۔ بھلا ساری قوم کے خلاف اور اپنے باپ دادوں کے خلاف ایسی بات زبان سے نکالنا جو کوئی شخص باور نہ کر سکے کھلا جنون نہیں تو اور کیا ہوگا بہتر ہے چند روز صبر کرو اور انتظار کرو، شاید کچھ دنوں کے بعد اسے ہوش آجائے اور جنون کے دورہ سے افاقہ ہو یا یوں ہی مر مرا کر قصہ ختم ہو جائے۔ (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾

بولا اے رب — تو مدد کر میری کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا

بارگاہِ الٰہی میں حضرت نوحؑ کی درخواست:

یعنی جب نوحؑ کی ساری کوششیں بیکار ثابت ہوئیں، ساڑھے نو سو برس سختیاں جھیل کر بھی اُن کو راہ راست پر لانے میں کامیاب نہ ہوئے تو خدا سے فریاد کی کہ اب ان اشقیاء کے مقابلہ میں میری مدد فرمایئے۔ کیونکہ بظاہر یہ لوگ میری تکذیب سے باز آنیوالے نہیں۔ اوروں کو بھی خراب کریں گے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا

پھر ہم نے حکم بھیجا اس کو کہ بنا کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے

وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ

اور ہمارے حکم سے پھر جب پہنچے ہمارا حکم اور اُبلے تنور تو تو ڈال لے

فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ

کشتی میں ہر چیز کا — جوڑا — دو دو — اور اپنے گھر کے لوگ

یہ قصہ پہلے سورۂ ''ہود'' وغیرہ میں گذر چکا ہے وہاں ان الفاظ کی تفسیر ملاحظہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

تنور کا مطلب: وَفَارَ التَّنُّوْرُ تنور، اُس خاص جگہ کو بھی کہا جاتا ہے جو روٹی پکانے کیلئے بنائی جاتی ہے اور یہی معنے معروف ومشہور ہیں۔ دوسرے معنے میں تنور پوری زمین کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ خلاصہ تفسیر میں اسی معنے کے اعتبار سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ اور بعض حضرات نے اس سے ایک خاص تنور روٹی پکانے والا مراد لیا ہے جو کہ کوفہ کی مسجد میں اور بعض کے نزدیک ملک شام میں کسی جگہ تھا۔ اس تنور سے پانی اُبلنے لگا۔ (معارف مفتی اعظم)

آغازِ عذاب: حضرت مفسر کے نزدیک تنور سے مراد یہی روٹی پکانے کا تنور ہے۔ حضرت نوحؑ کو عذاب (طوفان) آنے کی یہ نشانی بتائی گئی تھی چنانچہ تنور سے پانی پھوٹ نکلا بیوی نے آ کر اطلاع دی آپ فوراً سوار ہو گئے۔ آپ کا مکان کوفہ کی مسجد کے اندر تھا کہ باب کندہ کی طرف سے داخل ہونے والے دائیں ہاتھ کو واقع تھا۔ یہ بھی کہا گیا کہ ملک شام کی کسی (ٹیلہ کی) چوٹی پر آپ رہتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ

مگر جس کی قسمت میں پہلے سے ٹھہر چکی ہے بات

یعنی کافروں کو، خواہ تیرے کنبہ کے ہوں سوار مت کر۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ﴿۲۷﴾

اور مجھ سے بات نہ کر ان ظالموں کے واسطے بیشک اُن کو ڈوبنا ہے

یعنی حکم قطعی عذاب کا ہو چکا۔ یہ فیصلہ اٹل ہے، ضرور ہو کر رہیگا۔ اب ظالموں میں سے کسی کو بچانے کے لئے ہم سے سعی سفارش نہ کرنا۔ (تفسیر عثمانی)

فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ

پھر جب چڑھ چکے تو اور جو تیرے ساتھ ہے کشتی پر تو کہہ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۲۸﴾

شکر اللہ کا جس نے چھڑایا ہم کو گنہگار لوگوں سے

یعنی ہم کو ان سے علیحدہ کر کے عذاب سے مامون رکھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقُلْ رَبِّ أَنْزِلْنِي مُنْزَلًا مُبَارَكًا وَأَنْتَ

اور کہہ اے رب اُتار مجھ کو برکت کا اتارنا اور تو ہے

خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ﴿۲۹﴾

بہتر اُتارنے والا

کشتی سے برکت کا اتارنا:

یعنی کشتی میں اچھی آرام کی جگہ دے اور کشتی سے جہاں اتاریے جائیں وہاں بھی کوئی تکلیف نہ ہو۔ ہر طرح اور ہر جگہ تیری رحمت و برکت شامل حال رہے۔ (تفسیر عثمانی)

مُنْزَلًا مُبَارَكًا برکت کا اتارنا۔ کشتی میں برکت کا اتارنا یہ کہ اللہ کے دشمنوں کی صحبت سے نجات دی اور اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہو جانے کا موقع عنایت فرمایا، اور زمین میں اترنے کے بابرکت ہونے کے یہ معنی کہ (اللہ نے ڈوبنے سے محفوظ رکھا۔ مترجم) اور نسل ورزق میں کثرت عطا فرمائی اور بے غمی کے ساتھ عبادت رب میں مشغول ہو جانے کا موقع عنایت کیا۔

حضرت نوحؑ کی عظمت:

دعا کرنے کا حکم صرف حضرت نوحؑ کو دیا اپنے لئے بھی اور اپنے ساتھیوں کے لئے بھی اس میں حضرت نوحؑ کی بزرگی کا اظہار ہے اور اس امر کی طرف ایماء ہے کہ حضرت نوحؑ کی دعا ساتھ والوں کے لئے بھی کافی ہے ساتھیوں کو اپنے لئے دعا کرنے کی ضرورت نہیں۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ وَإِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ﴿۳۰﴾

اس میں نشانیاں ہیں اور ہم ہیں جانچنے والے

کہ کون ان نشانوں کو سن کر عبرت ونصیحت حاصل کرتا ہے کون نہیں کرتا۔ کما قال تعالیٰ وَلَقَدْ تَرَكْنَاهَا آيَةً فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ (قمر رکوع ۱) (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴿۳۱﴾

پھر پیدا کی ہم نے ان سے پیچھے ایک جماعت اور

یہ ذکر "عاد" کا ہے یا "ثمود" کا۔ (تفسیر عثمانی)

فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ

پھر بھیجا ہم نے ان میں ایک رسول اُن میں

حضرت ہودؑ اور حضرت نوحؑ کی دعوت:

یعنی حضرت ہود یا حضرت صالح علیہما السلام۔ (تفسیر عثمانی)

أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ

کہ بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا حاکم اس کے سوائے

أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ

پھر کیا تم ڈرتے نہیں اور بولے سردار اس کی قوم کے جو

كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ

کافر تھے اور جھٹلاتے تھے آخرت کی ملاقات کو اور آرام دیا تھا

فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا

ان کو ہم نے دنیا کی زندگی میں

قوم کا عقیدہ: یعنی اس کے معتقد نہ تھے کہ مرنے کے بعد ایک دن خدا سے ملنا ہے۔ بس دنیا کی زندگی اور اُس کا عیش وآرام ہی اُن کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ یَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ

اور کچھ نہیں یہ ایک آدمی ہے جیسے تم، کھاتا ہے جس قسم سے تم کھاتے ہو

وَیَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور پیتا ہے جس قسم سے تم پیتے ہو

یعنی بظاہر کوئی بات اس میں تم سے سوا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَىِٕنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾

اور کہیں تم چلنے لگے کہنے پر ایک آدمی کے اپنے برابر کے تو تم بے شک خراب ہوئے

سرداروں کا فیصلہ: یعنی اس سے بڑی خرابی اور ذلت کیا ہوگی کہ اپنے جیسے ایک معمولی آدمی کو خواہ مخواہ مخدوم ومطاع ٹھہرا لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

"وَلَىِٕنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ" اور بخدا اگر تم اپنے جیسے آدمی کے (کہنے پر چلے اور) فرماں بردار بن گئے تو یقیناً اس وقت گھاٹے میں رہو گے۔ کہ اپنے جیسے آدمی کے فرماں بردار ہو گے اور خود اپنے کو ذلیل کرو گے۔ وہ لوگ عجیب بیوقوف اور جاہل تھے کہ اپنے جیسے آدمی کی بات ماننے کا تو انکار کرتے تھے اور بے جان پتھروں کی پوجا کر کے اپنے ذلیل ہونے کا مظاہرہ کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

اَیَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا

کیا تم کو وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مر جاؤ اور ہو جاؤ مٹی اور ہڈیاں

اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَیْهَاتَ هَیْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾

تو تم کو نکلنا ہے کہاں ہو سکتا ہے کہاں ہو سکتا ہے جو تم سے وعدہ ہوتا ہے

بعث بعد الموت کا انکار: یعنی کسی قدر بعید از عقل بات کہتا ہے کہ ہڈیوں کے ریزے مٹی کے ذرات میں مل جانے کے بعد پھر قبروں سے آدمی بن کر اٹھیں گے؟ ایسی مہمل بات ماننے کو کون تیار ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا

اور کچھ نہیں یہی جینا ہے ہمارا دنیا کا مرتے ہیں اور جیتے ہیں

وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ ﴿۳۷﴾

اور ہم کو پھر اٹھنا نہیں

انکارِ آخرت: یعنی کہاں کی آخرت اور کہاں کا حساب کتاب۔ ہم تو جانیں یہ ہی ایک دنیا کا سلسلہ اور یہ ہی ایک مرنا اور جینا ہے۔ جو سب کی آنکھوں کے سامنے ہوتا رہتا ہے۔ کوئی پیدا ہوا کوئی فنا ہو گیا آگے کچھ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ِۨافْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا

اور کچھ نہیں یہ ایک مرد ہے باندھ لایا ہے اللہ پر جھوٹ

پیغمبر پر جھوٹ کی تہمت:

کہ میں اُس کا پیغمبر ہوں اور وہ مُردوں کو دوبارہ زندہ کر کے عذاب وثواب دیگا۔ یہ دونوں دعوے ایسے ہیں جن کو ہم کبھی تسلیم نہیں کر سکتے۔ خواہ مخواہ جھگڑنے اور دردسری کرنے سے کیا فائدہ؟ (تفسیر عثمانی)

وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ

اور اس کو ہم نہیں ماننے والے بولا اے رب میری مدد کر

بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾

کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا

پیغمبر کی دُعاء

یعنی آخر پیغمبر نے کفار کی طرف سے نا اُمید ہو کر دعا کی۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ عَمَّا قَلِیْلٍ لَّیُصْبِحُنَّ نٰدِمِیْنَ ﴿۴۰﴾

فرمایا اب تھوڑے دنوں میں صبح کو رہ جائیں گے پچھتاتے

عذاب کی اطلاع: یعنی عذاب آیا چاہتا ہے جس کے بعد پچھتائیں گے، اور وہ پچھتانا نفع نہ دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ بِالْحَقِّ

پھر پکڑا ان کو چنگھاڑ نے تحقیق

اس سے بظاہر مترشح ہوتا ہے کہ یہ قصہ "ثمود" کا ہے کہ وہ چنگھاڑ سے مرے ہیں۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ

پھر کر دیا ہم نے ان کو کوڑا

قوم کی ہلاکت: جیسے سیلاب خس وخاشاک کو بہالے جاتا ہے، اس طرح عذاب الٰہی کے سیل میں بہے چلے گئے۔ (تفسیر عثمانی)

''ہم نے ان کو خس وخاشاک بنا دیا''۔ یعنی ہلاک کر دیا جیسے سیلاب کے اوپر کوڑا کرکٹ بہہ کر آ جاتا ہے۔ ہم نے اُس کوڑے کی طرح اُن کو کر دیا۔ جو شخص ہلاک ہو جائے، عرب اس کے متعلق کہتے ہیں سال بہ الوادی۔ نالہ کا سیلاب اس کو بہالے گیا۔ (تفسیر مظہری)

فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

سو دُور ہو جائیں گنہگار لوگ

یعنی خدا کی رحمت سے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ ط

پھر پیدا کیں ہم نے اُن سے پیچھے جماعتیں اور

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ ط

نہ آگے جائے کوئی قوم اپنے وعدے سے اور نہ پیچھے رہے

قوموں کے انجام:

یعنی ہر ایک قوم جس نے پیغمبروں کی تکذیب کی ٹھیک اپنے اپنے وعدہ پر ہلاک کی جاتی رہی، جو میعاد کسی قوم کی تھی ایک منٹ اس سے آگے پیچھے نہ ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا

پھر بھیجتے رہے ہم اپنے رسول لگاتار جہاں پہنچا کسی امت کے پاس اُن کا رسول

كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ

اس کو جھٹلا دیا پھر چلاتے گئے ہم ایک کے پیچھے دوسرا اور کر ڈالا ان کو کہانیاں

رسولوں کو جھٹلانے کی سزا:

یعنی رسولوں کا تانتا باندھ دیا یکے بعد دیگرے پیغمبر بھیجتے رہے، اور مکذبین میں بھی ایک کو دوسرے کے پیچھے چلتا کرتے رہے۔ ادھر پیغمبروں کی بعثت کا اور اُدھر ہلاک ہونے والوں کا نمبر لگا دیا۔ چنانچہ بہت قومیں ایسی تباہ و برباد کر دی گئیں جن کے قصے کہانیوں کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ آج ان کی داستانیں محض عبرت کے لئے پڑھی اور سنی جاتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ اور ہم نے ان کو کہانیاں بنا دیا۔ یعنی ان کی داستانیں اور ہلاکت کے قصے رہ گئے، جن کو لوگ بطور داستان بیان کرتے ہیں اور عبرت آموز دماغوں والے ان سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾

سو دُور ہو جائیں جو لوگ نہیں مانتے

یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا

پھر بھیجا ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں

وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ

دے کر اور کھلی سند فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس، پھر لگے بڑائی

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ ۚ

کرنے اور وہ لوگ زور پر چڑھ رہے تھے

فرعون اور اس کے سرداروں کا تکبر:

اس لئے خدائی پیغام کو خاطر میں نہ لائے۔ کبر و غرور کے نشہ نے ان کے دماغوں کو بالکل مختل کر رکھا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ کھلی دلیل، جو مقابل حریف کو لاجواب بنا دینے والی ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ سے مراد عصا ہو، سب سے پہلا معجزہ یہی تھا، اسی لئے اس کو مستقل طور پر ذکر کیا۔ اسی سے متعدد معجزات صادر ہوتے تھے، مثلاً وہ سانپ بن جاتی تھی۔ جادوگروں نے رسیوں سے جو سانپ بنائے تھے ان کو یہ لاٹھی نگل گئی تھی۔ اسی کی ضرب سے سمندر کا پانی پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا تھا، اسی کی ضرب سے پتھر سے چشمے جاری ہو جاتے تھے، یہ پڑاؤ کرنے کے وقت چاروں طرف گھوم کر لشکر کی حفاظت کرتی تھی۔ یہی رات میں شمع کا کام دیتی تھی، یہی پھلدار درخت بن گئی تھی یہی چشموں کے اندر سے پانی نکالنے کے لئے رسی ڈول کا کام دیتی تھی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیات سے مراد دلائل ہوں اور سلطٰن سے مراد معجزات ہوں، یا دونوں سے مراد معجزات ہوں۔ یہ سب نشان نبوت تھے اور حضرت موسیٰ کے دعوے کی دلیل تھے۔ (تفسیر مظہری)

فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا

سو بولے کیا ہم مانیں گے اپنی برابر کے دو آدمیوں کو

وَ قَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾

اوران کی قوم ہمارے تابعدار ہیں

ایمان سے انکار کا بہانہ:

یعنی موسیٰ و ہارون کی قوم (بنی اسرائیل) تو ہماری غلامی کررہی ہے اُن میں کے دو آدمیوں کو ہم اپنا سردار کس طرح بنا سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ

پھر جھٹلایا ان دنوں کو پھر ہو گئے غارت ہونے والوں میں اور ہم نے دی

اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

موسیٰ کو کتاب تا کہ وہ راہ پائیں

بنی اسرائیل کا دستور العمل:

یعنی فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد ہم نے ان کو تورات شریف مرحمت کی تا لوگ اُس پر چل کر جنت اور رضائے الٰہی کی منزل تک پہنچ سکیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً

اور بنایا ہم نے مریم کے بیٹے اور اس کی ماں کو ایک نشانی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام: یعنی قدرت الٰہیہ کی نشانی ہے کہ تنہا ماں سے بدون باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کر دیا۔ جیسا کہ ''آل عمران'' اور سورۃ ''مریم'' میں اس کی تقریر کی جا چکی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾

اوران کو ٹھکانا دیا ایک ٹیلہ پر جہاں ٹھہرنے کا موقع تھا اور پانی نتھرا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش:

شاید یہ وہی ٹیلہ یا اونچی زمین ہو جہاں وضع حمل کے وقت حضرت مریم تشریف رکھتی تھیں۔ چنانچہ سورۂ مریم کی آیات فَنَادٰهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا دلالت کرتی ہیں کہ وہ جگہ بلند تھی۔ نیچے چشمہ یا نہر بہہ رہی تھی۔ اور کھجور کا درخت نزدیک تھا۔ (کذا فسرہ ابن کثیر رحمہ اللہ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بادشاہ کی دشمنی:

لیکن عموماً مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ حضرت مسیح کے بچپن کا واقعہ ہے۔ ایک ظالم بادشاہ ہیرودس نامی نجومیوں سے سنکر کہ حضرت عیسیٰ کو سرداری ملے گی، لڑکپن ہی میں اُن کا دشمن ہو گیا تھا اور قتل کے درپے تھا۔ حضرت مریم الہام ربانی سے اُن کو لے کر مصر چلی گئیں اور اُس ظالم کے مرنے کے بعد پھر شام واپس چلی آئیں۔ چنانچہ ''انجیل متی'' میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے اور مصر کا اونچا ہونا باعتبار رودنیل کے ہے ورنہ غرق ہو جاتا اور ''مَآءٍ مَّعِيْن'' رودنیل ہے بعض نے۔

ربوہ کا مطلب: ''ربوہ'' (اونچی جگہ) سے مراد شام یا فلسطین لیا ہے۔ اور کچھ بعید نہیں کہ جس ٹیلہ پر ولادت کے وقت موجود تھیں وہیں اس خطرہ کے وقت بھی پناہ دی گئی ہو۔ واللہ اعلم۔

بعض گمراہ مصنفین کی تردید:

بہرحال اہل اسلام میں کسی نے ''ربوہ'' سے مراد کشمیر نہیں لیا نہ حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر کشمیر میں بتلائی۔ البتہ ہمارے زمانہ کے بعض زائغین نے ''ربوہ'' سے کشمیر مراد لیا ہے اور وہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر بتلائی ہے۔ جس کا کوئی ثبوت تاریخی حیثیت سے نہیں۔ محض کذب و دروغبافی ہے۔ مثلہ ''خان یار'' شہر سری نگر میں جو قبر ''یوز آسف'' کے نام سے مشہور ہے اور جس کی بابت ''تاریخ اعظمی'' کے مصنف نے محض عام افواہ نقل کی ہے کہ ''لوگ اُس کو کسی نبی کی قبر بتاتے ہیں وہ کوئی شہزادہ تھا اور دوسرے ملک سے یہاں آیا'' اُس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر بتانا پرلے درجہ کی بیحیائی اور سفاہت ہے۔ ایسی اٹکل پچو قیاس آرائیوں سے حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات کو باطل ٹھہرانا بجز خبط اور جنون کے کچھ نہیں اگر اس قبر کی تحقیق مطلوب ہو اور یہ کہ ''یوز آسف'' کون تھا تو جناب منشی حبیب اللہ صاحب امرتسری کا رسالہ دیکھو جو خاص اسی موضوع پر نہایت تحقیق و تدقیق سے لکھا گیا ہے۔ اور جس میں اس مہمل خیال کی دھجیاں بکھیر دی گئی ہیں۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ عنا وعن سائر المسلمین احسن الجزاء۔ (تفسیر عثمانی)

صحابہ وتابعین کے اقوال

رَبْوَۃ زمین میں اونچی جگہ۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا، یہ دمشق تھا۔ سعید بن مسیب اور مقاتل کا بھی یہی قول ہے۔

ضحاک نے کہا غوطہ دمشق مراد ہے۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا ربوہ سے رملہ مراد ہے۔ عطا کی روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ ربوہ سے مراد بیت المقدس ہے۔ یہی قول قتادہ اور کعب کا ہے۔ کعب نے کہا ربوہ کا حصہ بہ نسبت دوسری زمین کے اٹھارہ میل آسمان کے قریب تھا۔ ابن زید کے نزدیک مصر مراد ہے (یہی قول تاریخی حیثیت سے زیادہ قوی ہے)۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا

اے رسولو کھاؤ ستھری چیزیں اور کام کرو بھلا

اکل حلال اور صدق مقال:

یعنی سب پیغمبروں کے دین میں یہ ہی ایک حکم رہا کہ حلال کھانا حلال راہ سے کما کر۔ اور نیک کام کرنا۔ نیک کام سب خلق جانتی ہے۔ چنانچہ تمام پیغمبر نہایت مضبوطی اور استقامت کے ساتھ اکل حلال صدق مقال اور نیک اعمال پر مواظبت اور اپنی اُمتوں کو اسی کی تاکید کرتے رہے۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ اسی طرح کا حکم جو یہاں رسولوں کو ہوا، عامہ مؤمنین کو دیا گیا۔ اس میں نصاریٰ کی رہبانیت کا بھی رد ہو گیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر سے خاص مناسبت رکھتا ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کا کھانا پینا، پہننا حرام کا ہو، اُسے اپنی دعاء کے قبول ہونے کی توقع نہیں رکھنا چاہئے۔ اور بعض احادیث میں ہے کہ جو گوشت حرام سے اُگا ہو، دوزخ کی آگ اُس کی زیادہ حقدار ہے۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت داؤدؑ کا اکل حلال اور عبادت گذاری:

حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی محنت کا کھایا کرتے تھے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے اللہ کو سب سے زیادہ پسند روزہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے اور سب سے زیادہ پسندیدہ قیام داؤد علیہ السلام کا قیام ہے۔ آدھی رات سوتے تھے اور تہائی رات نماز تہجد پڑھتے تھے اور چھٹا حصہ سو جاتے تھے اور ایک دن روزہ رکھتے ایک دن نہ رکھتے تھے۔ میدان جنگ میں کبھی پیٹھ نہ دکھاتے۔

انبیاء حلال ہی کھاتے ہیں:

ام عبداللہ بنت شدادؓ فرماتی ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ کا ایک پیالہ شام کے وقت بھیجا تاکہ آپ اس سے اپنا روزہ افطار کریں دن کا آخری حصہ تھا اور دھوپ کی تیزی تھی تو آپ نے قاصد کو واپس کر دیا کہ اگر تیری بکری کا ہوتا تو خیر اور بات تھی۔ انہوں نے کہلوایا کہ یا رسول اللہ میں نے یہ دودھ اپنے مال سے خرید کیا ہے۔ پھر آپ نے پی لیا۔ دوسرے دن مائی صاحبہ حاضر خدمت ہو کر عرض کرتی ہیں کہ یا رسول اللہ اس گرمی میں میں نے دودھ بھیجا بہت دیر سے بھیجا تھا۔ آپ نے میرے قاصد کو واپس کیا۔ آپ نے فرمایا ہاں مجھے یہی فرمایا گیا ہے انبیاء صرف حلال کھاتے ہیں اور صرف نیک عمل کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

طیبات فقط حلال چیزیں ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا لفظ طیبات کے لغوی معنی ہیں پاکیزہ نفیس چیزیں۔ اور چونکہ شریعت اسلام میں جو چیزیں حرام کر دی گئی ہیں نہ وہ پاکیزہ ہیں نہ اہل عقل کے لئے نفیس و مرغوب، اس لئے طیبات سے مراد حلال چیزیں ہیں جو ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے پاکیزہ و نفیس ہیں۔

نکتہ: علماء نے فرمایا کہ ان دونوں حکموں کو ایک ساتھ لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ حلال غذا کا عمل صالح میں بڑا دخل ہے جب غذا حلال ہوتی ہے تو نیک اعمال کی توفیق خود بخود ہونے لگتی ہے اور غذا حرام ہو تو نیک کام کا ارادہ کرنے کے باوجود بھی اس میں مشکلات حائل ہو جاتی ہیں۔ حدیث میں ہے کہ بعض لوگ لمبے لمبے سفر کرتے ہیں اور غبار آلود رہتے ہیں پھر اللہ کے سامنے دعاء کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور یارب یارب پکارتے ہیں مگر اُن کا کھانا بھی حرام ہوتا ہے پینا بھی، لباس بھی حرام سے تیار ہوتا ہے اور حرام ہی کی اُن کو غذا ملتی ہے ایسے لوگوں کی دعا کہاں قبول ہو سکتی ہے۔ (قرطبی)

اس سے معلوم ہوا کہ عبادت اور دعا کے قبول ہونے میں حلال کھانے کو بڑا دخل ہے جب غذا حلال نہ ہو تو عبادت اور دعا کی مقبولیت کا بھی استحقاق نہیں رہتا۔ (معارف مفتی اعظم)

ایسا کھانا جو غافل نہ کرے:

بعض نے کہا اس سے حلال صاف قوام والا مراد ہے حلال تو حرام کی ضد ہوتا ہے اور صاف سے یہ مراد ہے کہ اس کے کھانے سے اللہ کی یاد نہ بھولے اس کا کھانا اللہ کی یاد سے غافل نہ بنا دے اور خواہشات نفسانی میں نہ ڈال دے۔ اور قوام سے یہ مراد ہے کہ نفس کی خواہش کو روک دے عقل کی حفاظت رکھے، یعنی سیری کی مقدار سے زائد نہ ہو۔

عمل صالح: نیک کام سے مراد ہے اللہ کے حکم کے مطابق عمل کرنا جو محض اللہ کی خوشنودی کے لئے کیا جائے اس میں کسی قسم کے شرک کی آمیزش بھی نہ ہو، فاسد نہ ہو یعنی ایسا قول و فعل نہ ہو جو اللہ کو پسند نہیں ہے۔

خلاصہ کلام: خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ہر زمانہ میں اس زمانہ کے پیغمبر کو حکم دیدیا تھا کہ حرام چیز نہ کھانا حلال کھانا اور نیک کام کرنا۔ یہ کلام حقیقت میں گذشتہ واقعات کا بیان ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت:

حسن، مجاہد، قتادہ، سدی، کلبی اور مفسرین کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ خطاب صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ عرب کا طریقہ ہے کہ ایک کو جمع کے صیغہ سے خطاب کر لیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں ایک کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے جمع کے صیغہ سے خطاب کیا جاتا ہے اس قسم کے خطاب میں مخاطب کی بزرگی کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور یہ بتانا ہوتا ہے کہ یہ ایک جماعت کے قائم مقام ہے۔ (تفسیر مظہری)

پس جمع کا صیغہ بول کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے اور ایماء ہے اس طرف کہ آپ کو سب لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صیغۂ جمع سے خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور علماء امت کو ہو رسول اللہ اور علمائے امت کے درمیان ایک برزخی

درجہ رکھتا ہے اور علمائے امت، رسول اور دوسرے لوگوں کے درمیان برزخی درجہ رکھتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ علماء انبیاء کے قائم مقام ہیں یا علوم انبیاء کے وارث ہیں۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو خطاب:

بعض اہل علم نے کہا کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کو خطاب ہے اور یہ خطاب اس وقت کیا گیا تھا جب ربوہ میں وہ پناہ گزین ہو گئے تھے اس خطاب میں اس حکم کو بیان فرمایا ہے جو انبیائے سابقین کو دیا گیا تھا تا کہ یہ دونوں بزرگ بھی سابق انبیاء کی پیروی کریں۔ بیان قصہ کا تقاضا یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کو ہی مخاطب قرار دیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٥١﴾

جو تم کرتے ہو میں جانتا ہوں

اللہ باخبر ہے: یعنی حلال کھانے اور نیک کام کرنے والوں کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے تمام کھلے چھپے احوال وافعال سے باخبر ہے۔ اُسی کے موافق ہر ایک سے معاملہ کریگا۔ یہ رسولوں کو خطاب کر کے امتوں کو سنایا۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ

اور یہ لوگ ہیں تمہارے دین کے سب ایک دین پر اور میں ہوں تمہارا رب

فَاتَّقُونِ ﴿٥٢﴾ فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا

سو مجھ سے ڈرتے رہو پھر پھوٹ ڈال کر کرلیا اپنا کام آپس میں ٹکڑے ٹکڑے

اختلافِ امت کے اسباب:

یعنی اصول کے اعتبار سے تمام انبیاء کا دین وملت ایک اور سب کا خدا بھی ایک ہے جس کی نافرمانی سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہئے۔ لیکن لوگوں نے پھوٹ ڈال کر اصل دین کو پارہ پارہ کر دیا اور جدی جدی راہیں نکال لیں۔ اسی طرح آراء واہواء کا اتباع کر کے سینکڑوں فرقے اور مذہب بن گئے۔ یہ تفریق انبیاء نے نہیں سکھلائی۔ اُن کے یہاں ازمنہ وامکنہ وغیرہ کے اختلاف سے صرف فروعی اختلاف تھا۔ اصول دین میں سب بالکلیہ متفق رہے ہیں۔ عموماً مفسرین نے آیت کی تقریر اسی طرح کی ہے۔

پیغمبر کا کام:

لیکن حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ''ہر پیغمبر کے ہاتھ اللہ تعالیٰ نے جو اُس وقت کے لوگوں میں بگاڑ تھا، اُس کا سنوار فرمایا پیچھے لوگوں نے جانا انکا حکم جدا جدا ہے۔ آخر ہمارے پیغمبر کی معرفت سب بگاڑ کا سنوار (اور سب خرابیوں کا علاج) اکٹھا بتا دیا اب سب دین مل کر ایک دین ہو گیا''۔ اور سب قومیں ایک جھنڈے تلے جمع کر دی گئیں۔ (تفسیر عثمانی)

سو لوگوں نے اپنے دین میں (اپنا طریق الگ الگ کر کے) اختلاف پیدا کر لیا ہر گروہ کے پاس جو کچھ دین ہے وہ اسی پر اترائے ہوئے ہیں، یعنی جن لوگوں کے پاس پیغمبروں کو بھیجا گیا تھا۔ انہوں نے پیغمبروں کے بعد دین میں تفرقہ پیدا کر لیا اور ایک دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اصولی اختلاف دین بنا لیا۔ اور ایک دین کے چند دین بنا لئے کوئی تو تمام پیغمبروں کی اور ان کے لائے ہوئے احکام کی تصدیق کرتا رہا یہ ہر زمانے میں اہل حق کا گروہ رہا اور کچھ لوگ کسی پیغمبر اور کسی حکم پر ایمان لائے، دوسرے انبیاء واحکام کا انکار کر دیا، جیسے یہودی، اور عیسائی اور صابی۔ بعض نے سب ہی کا انکار کر دیا جیسے مجوسی اور بُت پرست۔ مذکورہ بالا تفسیری مطلب اس صورت ہو گا جب تَقَطَّعُوْا کو قَطَعُوْا کے معنی میں مانا جائے۔

آسمانی کتابوں میں تحریف:

بعض علماء نے زُبرًا کا ترجمہ کیا ہے کتابیں۔ زبوت الکتاب میں جلی حروف میں کتاب لکھی، ہر جلی موٹے حروف کی کتاب کو زبور کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا دین پہلے ایک کتاب کی شکل میں تھا جو اللہ کی طرف سے نازل کی گئی تھی لیکن انہوں نے اس کی متعدد تحریف کردہ کتابیں بنا ڈالیں۔

حسن نے اس طرح مطلب بیان کیا کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور بگاڑ دیا۔ (تفسیر مظہری)

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿٥٣﴾

ہر فرقہ جو اُن کے پاس ہے اُس پر ریجھ رہے ہیں

یعنی سمجھتے ہیں کہ ہم ہی حق پر ہیں اور ہماری ہی راہ سیدھی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَذَرْهُمْ فِي غَمْرَتِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٥٤﴾

سو چھوڑ دے ان کو ان کی بیہوشی میں ڈوبے ایک وقت تک

فرقہ پرستوں کو چھوڑیئے:

یعنی جن لوگوں نے انبیاء کی متفقہ ہدایات میں رخنے ڈال کر الگ الگ فرقے اور ملتیں قائم کر دیں ہر فرقہ اپنے ہی عقائد وخیالات پر دل جمائے بیٹھا ہے کسی طرح اُس سے ہٹنا نہیں چاہتا، خواہ آپ کتنی ہی نصیحت فرمائیں تو آپ بھی ان کے غم میں زیادہ نہ پڑیئے بلکہ تھوڑی سی مہلت دیجئے کہ یہ اپنی غفلت وجہالت کے نشہ میں ڈوبے رہیں۔ یہاں تک کہ وہ گھڑی آ پہنچے جب اُن کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں۔ یعنی موت یا عذاب الٰہی ان کے

سروں پر منڈلانے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا (یعنی) کفر و گمراہی میں (رہنے دیجئے)

بعض نے کہا غمرۃ سے مراد ہے غفلت اور باوجود نہ جاننے کے جاننے کا دعویٰ کرنا۔ غفلت کو اس پانی سے تشبیہ دی۔ جس میں آدمی ڈوب جاتا ہے اس کے قد سے بھی پانی اونچا ہو جاتا ہے۔

فرقہ پرستوں پر گرفت ضرور ہوگی:

حَتّٰی حِیْنٍ" ایک خاص وقت تک یعنی وقت موت تک یا اس وقت تک کہ اللہ آپ کو جہاد کا حکم دیدے۔ مقصد یہ ہے کہ آپ ان کے کفر سے رنجیدہ نہ ہوں۔ ہم ان کی گرفت ضرور کریں گے یا اپنی طرف سے براہ راست عذاب بھیج کر یا آپ کے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے۔ (تفسیر مظہری)

اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِیْنَ ﴿۵۵﴾
کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ یہ جو ہم اُن کو دیئے جاتے ہیں مال اور اولاد
نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَیْرٰتِ ؕ
سو دوڑ دوڑ کر پہنچا رہے ہیں ہم ان کو بھلائیاں

ایک پرانا وہم: یہی خیال اُنکا تھا۔ چنانچہ کہتے تھے اَکْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ (سبا۔ رکوع ۴) یعنی ہم اگر خدا کے ہاں مردود و مبغوض ہوتے تو یہ مال و دولت اور اولاد وغیرہ کی بہتات کیوں ہوتی۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾
یہ بات نہیں وہ سمجھتے نہیں

عقل کے کورے:

یعنی سمجھتے نہیں کہ مال و اولاد کی یہ افراط انکی فضیلت و کرامت کی وجہ سے نہیں امہال و استدراج کی بناء پر ہے جتنی ڈھیل دی جارہی ہے اُسی قدر اُن کی شقاوت کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہے سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ۚ وَاُمْلِیْ لَهُمْ ؕ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ (اعراف رکوع ۲۳)

اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾
البتہ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے اندیشہ رکھتے ہیں

مؤمن کی شان:

یعنی باوجود ایمان و احسان کے کفار و مغرورین کی طرح مگر اللہ سے مامون نہیں ہمہ وقت خوف خدا سے ارزاں و ترساں رہتے ہیں کہ نہ معلوم دنیا میں جو انعامات ہو رہے ہیں استدراج تو نہیں۔ حسن بصریؒ کا مقولہ ہے "اِنَّ الْمؤمن جمع اِحسانًا وَشفقةً وَاِنَّ الْمُنافِق جمع اساءةً واَمنا"۔ (مؤمن نیکی کرتا اور ڈرتا رہتا ہے اور منافق بدی کر کے بیفکر ہوتا ہے)۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾
اور جو لوگ اپنے رب کی باتوں پر یقین کرتے ہیں

آیات پر یقین: یعنی آیات کونیہ و شرعیہ دونوں پر یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ اُدھر سے پیش آئے عین حکمت اور جو خبر دی جائے بالکل حق اور جو حکم ملے وہ بہمہ وجوہ صواب و معقول ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِیْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا یُشْرِکُوْنَ ﴿۵۹﴾
اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتے

توحید پر ایمان: یعنی خالص ایمان و توحید پر قائم ہیں۔ ہر ایک عمل صدق و اخلاص سے ادا کرتے ہیں۔ شرک جلی یا خفی کا شائبہ بھی نہیں آنے دیتے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِیْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا یُشْرِکُوْنَ ۙ اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں قرار دیتے یعنی اپنے رب کی عبادت میں کسی طرح کے شرک کی آمیزش نہیں کرتے نہ شرکِ جلی کرتے ہیں نہ شرکِ خفی۔ شرک نہ کرنے کا جو مطلب بیان کیا ہے اس سے مضمون کی تکرار کا شبہ جاتا رہا بظاہر اللہ پر ایمان رکھنا اور اس کے ساتھ شریک قرار نہ دینا ایک ہی مفہوم رکھتا ہے لیکن جب شرک سے عبادت میں شرک مراد لے لیا جائے تو وحدتِ مضمون باقی نہیں رہتی کیونکہ اللہ کو ماننے کے بعد بھی اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک کیا جا سکتا تھا (جیسے عرب کے مشرک بلکہ تمام بت پرست کرتے ہیں کہ اللہ کو بھی مانتے ہیں اور اسی کے ساتھ دوسروں کی بھی پوجا کرتے ہیں)۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ
اور جو لوگ کہ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل ڈر رہے ہیں
اَنَّهُمْ اِلٰی رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾
اس لئے کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے

نیک عمل کے باوجود ڈرتے رہنا:

یعنی کیا جانے وہاں قبول ہوا یا نہ ہوا، آگے کام آئے یا نہ آئے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کر کے یہ کھٹکا لگا رہتا ہے، اپنے عمل پر مغرور نہیں ہوتے، نیکی کرنے کے باوجود ڈرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مَآ اٰتَوْا یعنی جو کچھ خیر، خیرات کرتے ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت

عائشہؓ یہ آیت یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا پڑھتی تھیں تو فرماتی تھیں جو کچھ نیک کام کرتے ہیں (یعنی حضرت عائشہ کے نزدیک دینے سے مراد صرف مال دینا نہیں بلکہ ہر کارِ خیر کرنا مراد ہے)۔

وَجِلَةٌ ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ان کی خیر خیرات رد نہ کر دی جائے اور قبول نہ کی جائے۔ یا اس طریقے سے نہ ہو پائے جو بارگاہ کبریائی میں پیش ہونے کے مناسب ہے اور اس پر ان کی پکڑ ہو جائے یا ان کو اپنے گناہوں کی کثرت اور طاعت کی قلت کی وجہ سے یہ اندیشہ لگا رہتا ہے کہ کہیں یہ خیر خیرات بھی ان کو اللہ کے عذاب سے بچا نہ سکے۔

اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ یعنی اس بات سے ان کے دل ڈرتے ہیں کہ اللہ کے پاس ان کو لوٹ کر جانا ہے اور وہ ان کے ہر عمل سے واقف ہے۔ حسن بصریؒ نے فرمایا۔ وہ اللہ کی طاعت کرتے ہیں اور کوشش کے ساتھ کرتے ہیں پھر بھی ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کی طاعت نامقبول نہ ہو جائے۔

بیہقی کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ کیا یہ وہ شخص ہے جو زنا کرتا شراب پیتا اور چوری کرتا ہے فرمایا نہیں اے صدیق کی بیٹی! (یہ وہ شخص نہیں) بلکہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو رات کو (نماز کے لئے) اٹھتا ہے اور خیرات کرتا ہے اور (پھر بھی) ڈرتا ہے کہ کہیں قبول نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝۶۱

وہ لوگ دوڑ دوڑ کر لیتے ہیں بھلائیاں اور وہ اُن پر پہنچے سب سے آگے

اصل نیکی:

دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ کما قال تعالیٰ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ (آل عمران۔ رکوع ۱۵) تو درحقیقت اصلی بھلائی اعمال صالحہ، اخلاق حمیدہ اور ملکات فاضلہ میں ہوئی نہ کہ اموال و اولاد میں، جیسے کفار کا گمان تھا۔ (تفسیر عثمانی)

نیکی میں پیش قدمی کرنا:

آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ طاعتوں کی بہت زیادہ رغبت رکھتے ہیں اس لئے جلدی جلدی طاعتیں کرتے ہیں تاکہ کوئی طاعت فوت نہ ہو جائے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ طاعتوں میں پیش قدمی کرنے پر جن اُخروی بھلائیوں کا وعدہ کیا گیا ہے اور نیک اعمال میں تیزی کرنے سے جن دنیوی فوائد کو وابستہ کیا گیا ہے سب فائدوں کے حاصل کرنے کے لئے وہ تیزی سے کام لیتے ہیں اور جلدی جلدی حاصل کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مصیبت کو کوئی چیز رد نہیں کرتی سوائے دعا کے اور عمر میں کوئی چیز زیادتی نہیں کرتی مگر نیکی (یعنی خیر، خیرات، حسنِ سلوک)۔ اس تفسیر پر اس آیت کا مضمون ویسا ہی ہوگا جیسا آیت فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ کا ہے گویا ان کو وہ ثواب ملے گا جو ان کے مخالف لوگوں کو نہیں ملے گا۔

میں کہتا ہوں جن بھلائیوں کی طرف دنیا میں مؤمن تیزی سے بڑھتے ہیں ان سے مراد شاید یہ ہو کہ مؤمن کو اللہ کی یاد میں لذت آتی ہے اس کے دل کو چین ملتا ہے۔ وہ بقدر کفاف رزق پر قناعت کرتا اور سیر ہو جاتا ہے اس کو دنیوی نعمتوں کے زوال کا کوئی خوف نہیں ہوتا وہ سوائے اللہ کے نہ کسی سے امید وابستہ رکھتا ہے نہ ڈرتا ہے اس کو خواب میں یا بطور الہام مبشرات پہنچتی رہتی ہے۔

وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ یعنی وہ نیکیوں کی طرف پیش قدمی کی وجہ سے جنت کی طرف سب سے آگے بڑھنے والے ہیں۔ یا سابقون سے (مراد سب سے آگے بڑھنا اور سبقت کر جانا نہیں بلکہ) مراد ہے طاعتوں کی طرف یا ثواب کی طرف یا جنت کی طرف بڑھنا۔ یا یہ مراد ہے کہ آخرت سے پہلے وہ دنیوی فائدوں کی طرف بڑھنے والے ہیں کیونکہ (ثواب آخرت سے پہلے) فوری طور پر ان کے لئے دنیوی فائدے فراہم کر دیئے جاتے ہیں۔ بعض علماء کی قول ہے کہ لَهَا سٰبِقُوْنَ میں لام بمعنی الیٰ ہے یعنی وہ بھلائیوں کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں جیسے آیت لما نهوا عنه میں لام بمعنی الیٰ ہے۔ اسی وجہ سے کلبی نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں کہا ہے کہ وہ تمام اقوام سے بھلائیوں کی طرف سبقت کرنے والے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، اللہ کی طرف سے ان کے لئے سعادت پہلے ہی سے (مقدر) ہو چکی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ

اور ہم کسی پر بوجھ نہیں ڈالتے مگر اس کی گنجائش کے موافق اور ہمارے پاس لکھا ہوا ہے

يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۶۲

جو بولتا ہے سچ اور ان پر ظلم نہ ہو گا

انسان کو اس کی طاقت کے مطابق مکلّف بنایا گیا ہے:

یعنی اُوپر جو اعمال و خصائل بیان کئے گئے کوئی ایسے مشکل کام نہیں جن کا اٹھانا انسانی طاقت سے باہر ہو۔ ہماری یہ عادت نہیں کہ لوگوں کو تکلیف مالا یطاق دیجائے۔ یہ سب باتیں وہ ہیں جنکو اگر توجہ کرو تو بخوبی حاصل کر سکتے ہو۔ اور جو لوگ سابقین کاملین کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے انہیں بھی اپنی وسعت و ہمت کے موافق پوری کوشش کرنی چاہئے کہ وہ اُسی کے مکلّف ہیں۔ ہمارے یہاں صحائف اعمال میں درجہ بدرجہ ہر ایک کے اعمال لکھے ہوئے موجود ہیں جو قیامت

کے دن سب کے سامنے کھول کر رکھ دیئے جائیں گے اور اُن ہی کے موافق جزا دی جائے گی جس میں رتی برابر ظلم نہ ہوگا نہ کسی کی نیکی ضائع ہوگی۔ نہ اجر کم کیا جائے گا، نہ بے وجہ بے قصور دوسرے کا بوجھ اُس پر ڈالا جائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِیْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ

کوئی نہیں اُن کے دل بیہوش ہیں اس طرف سے اور ان کو اور کام

مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾

لگ رہے ہیں اس کے سوائے کہ وہ اُن کو کر رہے ہیں

انسان کسی اور طرف مشغول ہے:

یعنی آخرت کے حساب کتاب سے یہ لوگ غافل ہیں اور دنیا کے دوسرے دھندوں میں پڑے ہیں جن سے نکلنے کی فرصت ہی نہیں ہوتی جو آخرت کی طرف توجہ کریں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اُن کے دل شک و تردد اور غفلت و جہالت کی تاریک موجوں میں غرقاب ہیں۔ بڑا گناہ تو یہ ہوا، باقی اس سے ورے اور بہت سے گناہ ہیں جنکو وہ سمیٹ رہے ہیں۔ ایکدم کو اُن سے جُدا نہیں ہوتے اور جدا بھی کیونکر ہوں، جو کام اُنکی استعداد کی بدولت مقدر ہو چکے ہیں وہ کر کے رہیں گے اور لامحالہ اُن کا خمیازہ بھی اٹھانا پڑے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِیْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ یَجْـَٔرُوْنَ ﴿۶۴﴾

یہاں تک کہ جب پکڑیں گے ہم اُن کے آسودہ لوگوں کو آفت میں تبھی وہ لگیں گے چلانے

لَا تَجْـَٔرُوا الْیَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾

مت چلاؤ آج کے دن تم ہم سے چھوٹ نہ سکو گے

عذاب آئے تو چلاتے ہیں:

یعنی جب دنیوی یا اُخروی عذاب میں پکڑے جائیں گے تو چلائیں گے اور شور مچائیں گے کہ ہمیں اس آفت سے بچاؤ۔ بھلا وہاں بچانے والا کون؟ حکم ہوگا کہ چلاؤ نہیں، یہ سب چیخ پکار بیکار ہے۔ آج کوئی تمہاری مدد کو نہیں پہنچ سکتا نہ ہمارے عذاب سے چھڑا سکتا ہے۔ چنانچہ اس عذاب کا ایک نمونہ کفار مکہ کو بدر میں دکھلایا گیا جہاں اُنکے بڑے بڑے سردار مارے گئے یا قید ہو گئے۔ عورتیں مہینوں تک اُن کا نوحہ کرتی رہیں، سر کے بال کٹوا کر ماتم کئے گئے۔ روئے پیٹے، چیخے چلائے، کچھ بن نہ پڑا۔ ایک مرتبہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مظالم سے تنگ آ کر بددعا فرمائی تو سات سال کا قحط مسلط ہوا مُردار کی ہڈیاں اور چمڑے کھانے اور خون پینے کی نوبت آ گئی، آخر رحمۃ للعالمین سے رحم کا واسطہ دیکر دعاء کی درخواست کی۔ تب اللہ تعالیٰ نے وہ عذاب اُٹھایا۔ اُس وقت نہ "لات ومنات" کام آئے نہ ہُبل ونائل۔ (تفسیر عثمانی)

غزوہ بدر اور قحط کا عذاب:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مُراد وہ عذاب ہے جو غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی تلوار سے ان کے سرداروں پر پڑا تھا۔ اور بعض حضرات نے اس عذاب سے مراد قحط کا عذاب لیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے مکہ والوں پر مسلط کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ وہ مُردار جانور اور کتے اور ہڈیاں کھانے پر مجبور ہو گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے لئے بددعا بہت کم کی ہے لیکن اس موقع میں مسلمانوں پر اُن کے مظالم کی شدت سے مجبور ہو کر یہ بددعا کی تھی۔ اللّٰھمّ اشد دوطائک علیٰ مضرو اجعل ھا علیھم سنین کسنی یوسف (رواہ البخاری ومسلم) (قرطبی ومظہری) (معارف مفتی اعظم)

قَدْ كَانَتْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰى عَلَیْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى

تم کو سنائی جاتی تھی میری آیتیں تو تم ایڑیوں

اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾ مُسْتَكْبِرِیْنَ بِهٖ

پر اُلٹے بھاگتے تھے اُس سے تکبر کر کے ایک

اپنی غفلت واعراض کو یاد کرو:

یعنی اب کیوں شور مچاتے ہو، وہ وقت یاد کرو جب خدا کے پیغمبر آیات پڑھ کر سناتے تھے تو تم اُلٹے پاؤں بھاگتے تھے، سننا بھی گوارا نہ تھا۔ تمہاری شیخی اور تکبر اجازت نہ دیتا تھا کہ حق کو قبول کرو اور پیغمبروں کی بات پر کان دھرو۔ (تفسیر عثمانی)

سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾

قصہ گو کو چھوڑ کر چلے گئے

پیغمبر کی باتوں پر توجہ نہ دیتے تھے:

یعنی پیغمبر کی مجلس سے ایسے بھاگتے تھے گویا کسی فضول قصہ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ یا کا مطلب یہ ہے کہ رات کے وقت حرم میں بیٹھ کر پیغمبر علیہ السلام اور قرآن کریم کی نسبت باتیں بناتے اور طرح طرح کے قصے گھڑتے تھے، کوئی جادو کہتا تھا، کوئی شاعری کوئی کہانت، کوئی کچھ اور۔ اسی طرح کی بکواس اور بیہودہ ہذیان کیا کرتے تھے۔ آج اُس کا مزہ چکھو چیخنے چلانے سے کچھ حاصل نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَلَمْ یَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ

سو کیا انہوں نے دھیان نہیں کیا اس کلام میں

قرآن پر غور نہیں کیا: یعنی قرآن کی خوبیوں میں غور و فکر نہیں کرتے۔ ورنہ

حقیقت حال منکشف ہو جاتی کہ بلاشبہ یہ کلام اللہ جل شانہٗ کا ہے جس میں اُن کی بیماریوں کا صحیح علاج بتلایا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَأْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾
یا آئی ہے ان کے پاس ایسی چیز جو نہ آئی تھی ان کے پہلے باپ دادوں کے پاس

پیغمبر اور کتاب کوئی نئی بات نہ تھی:

یعنی نصیحت کرنے والے ہمیشہ ہوتے رہے ہیں پیغمبر ہوئے یا پیغمبر کے تابع ہوئے۔ آسمانی کتابیں بھی برابر اُترتی رہی ہیں۔ کبھی کہیں، کبھی کہیں۔ سو یہ کوئی انوکھی بات نہیں جس کا نمونہ پیشتر سے موجود نہ ہو۔ ہاں جو اکمل ترین واشرف ترین کتاب اب آئی اس شان و مرتبہ کی پہلے نہ آئی تھی تو اس کا مقتضی یہ تھا کہ اور زیادہ اس نعمت کی قدر کرتے اور آگے بڑھ کر اُس کی آواز پر لبیک کہتے جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہی۔

(تنبیہ) شاید یہاں "آباء اولین" سے آباء ابعدین مراد ہوں۔ اور سورۂ "یٰسٓ" میں جو آیا ہے لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ وہاں آباء اقربین کا ارادہ کیا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٦٩﴾
یا پہچانا نہیں انہوں نے اپنے پیغام لانے والے کو، سو وہ اس کو اوپرا سمجھتے ہیں

پیغمبر کی صداقت و دیانت بھی سامنے ہے:

یعنی کیا اس لئے اعراض و تکذیب پر تلے ہوئے ہیں کہ اُن کو پیغمبر کے احوال سے آگاہی نہیں۔ حالانکہ سارا عرب جانتا ہے کہ آپ بچپن سے صادق وامین اور عفیف و پاکباز تھے۔ چنانچہ حضرت جعفر نے بادشاہ حبشہ کے سامنے، حضرت مغیرہ ابن شعبہ نے نائب کسریٰ کے آگے اور ابوسفیان نے بحالت کفر قیصر روم کے دربار میں اسی چیز کا اظہار کیا۔ پھر ایسے مشہور و معروف راستباز بندہ کی نسبت کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ (العیاذ باللہ) خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ یعنی اُن کے انکار کی ایک وجہ یہ ہو سکتی تھی کہ جو شخص دعوتِ حق اور دعوائے نبوت لیکر آیا ہے یہ کہیں باہر سے آیا ہوتا تا کہ یہ لوگ اسکے نام و نسب اور عادات و خصال اور کردار سے واقف نہ ہوتے تو یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم اس مدعی کے حالات سے واقف نہیں اس کو کیسے نبی و رسول مان کر اپنا مقتدا بنالیں۔ مگر یہاں تو یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش ہی کے اعلیٰ نسب میں اسی شہر مکہ میں پیدا ہوئے اور بچپن سے لیکر جوانی اور مابعد کا سارا زمانہ اُنہیں لوگوں کے سامنے گذرا، آپ کا کوئی عمل کوئی عادت ان سے چھپی ہوئی نہیں تھی اور دعوائے نبوت سے پہلے تک سارے کفار مکہ آپ کو صادق وامین کہا کرتے تھے۔ (معارف مفتی اعظم)

اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ
یا کہتے ہیں اس کو سودا ہے کوئی نہیں وہ تو لایا ہے ان کے پاس
بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿٧٠﴾
سچی بات اور ان بہتوں کو سچی بات بُری لگتی ہے

فقط خواہش پرستی انکار کر رہی ہے:

یعنی سودائیوں اور دیوانوں کی باتیں کہیں ایسی کھری اور سچی ہوتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ بھی محض زبان سے کہتے تھے، دل ان کا جانتا تھا کہ بیشک جو کچھ آپ لائے ہیں حق ہے۔ پر حق بات چونکہ انکی اغراض و خواہشات کے موافق نہ تھی اس لئے بُری لگتی تھی اور قبول کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ
اور اگر سچا رب چلے ان کی خوشی پر تو خراب ہو جائیں
السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ
آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے

ان کی ہر خواہش پرستی کیلئے شے حق نہیں بدل سکتی:

یعنی سچی بات بُری لگتی ہے تو لگنے دو۔ سچائی اُن کی خوشی اور خواہش کے تابع نہیں ہو سکتی۔ اگر سچا خدا ان کی خوشی اور خواہش ہی پر چلا کرے تو وہ خدا ہی کہاں رہے۔ معاذ اللہ بندوں کے ہاتھ میں ایک کٹ پتلی بن جائے۔ ایسی صورت میں زمین و آسمان کے یہ محکم انتظامات کیونکر قائم رہ سکتے ہیں۔ اگر ایک چھوٹے سے گاؤں کا انتظام محض لوگوں کی خواہشات کے تابع کر دیا جائے، وہ بھی چار دن قائم نہیں رہ سکتا چہ جائیکہ زمین و آسمان کی حکومت۔ کیونکہ عام خواہشات نظام عقلی کے مزاحم اور باہم دگر بھی متناقض واقع ہوئی ہیں عقل و ہوٰی کی کشمکش اور اہوائے مختلفہ کی لڑائی میں سارے انتظامات درہم برہم ہو جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ
کوئی نہیں ہم نے پہنچائی ہے ان کو ان کی نصیحت

ہدایت آ پہنچی ہے:

جس کی وہ تمنا کیا کرتے تھے لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۔ (صافات۔ رکوع ۵) (تفسیر عثمانی)

فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٧١﴾
سو وہ اپنی نصیحت کو دھیان نہیں کرتے

مفاد پرست انکار کررہے ہیں:

جب آ گئی اور ایسی آئی جس سے اُن کو قومی حیثیت سے عظیم الشان فخر و شرف حاصل ہوا تو اب منہ پھیرتے ہیں اور ایسے اعلیٰ فضل و شرف کو ہاتھ سے گنوا رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ
یا تو ان سے مانگتا ہے کچھ محصول سو محصول تیرے رب کا بہتر ہے
وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿٧٢﴾
اور وہ ہے بہتر روزی دینے والا

پیغمبر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا:

یعنی دعوت و تبلیغ اور نصیحت و خیر خواہی کر کے ان سے کسی معاوضہ کے بھی طلب گار نہیں۔ خدا تعالیٰ نے دارین کی جو دولت آپ کو مرحمت فرمائی ہے وہ اس معاوضہ سے کہیں بہتر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٧٣﴾
اور تو تو بلاتا ہے ان کو سیدھی راہ پر
وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ
اور جو لوگ نہیں مانتے آخرت کو
عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿٧٤﴾
راہ سے ٹیڑھے ہو گئے ہیں

پیغمبر تو صراطِ مستقیم کی طرف بلاتا ہے:

یعنی آپ کے صدق و امانت کا حال سب کو معلوم ہے جو کلام آپ لائے اس کی خوبیاں اظہر من الشمس ہیں۔ معاذ اللہ آپ کو خلل دماغ نہیں، اُن سے کسی معاوضہ کے طالب نہیں، جس راستہ کی طرف آپ بلاتے ہیں بالکل سیدھا اور صاف راستہ ہے جس کو ہر سیدھی عقل والا بسہولت سمجھ سکتا ہے کوئی اینچ پیچ نہیں ٹیڑھا ترچھا نہیں۔ ہاں اس پر چلنا اُن ہی کا حصہ ہے جو موت کے بعد دوسری زندگی مانتے ہوں اور اپنی بدانجامی سے ڈرتے ہوں، جسے انجام کا ڈر اور عاقبت کی فکر ہی نہیں وہ کب سیدھے راستہ پر چلے گا، یقیناً ٹیڑھا رہے گا۔ اور سیدھی سی بات کو بھی اپنی کجروی سے کج بنالے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا
اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور کھول دیں جو تکلیف پہنچی ان کو تو بھی برابر لگے رہیں
فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿٧٥﴾
اپنی شرارت میں بہکے ہوئے

احسان فراموش اور ناشکرے:

یعنی تکلیف سے نکال کر آرام دیں۔ تب بھی احسان نہ مانیں اور شرارت و سرکشی سے باز نہ آئیں۔ حضرت کی دعاء سے ایک مرتبہ مکہ والوں پر قحط پڑا تھا، پھر حضرت ہی دعاء سے کھلا۔ شاید یہ اسی کو فرمایا، یا یہ مطلب ہے کہ اگر ہم اپنی رحمت سے اُن کے نقصان کو دور کر دیں یعنی قرآن کی سمجھ دے دیں تب بھی یہ لوگ اپنے ازلی خسران اور سوء استعداد کی وجہ سے اطاعت و انقیاد اختیار کرنیوالے نہیں کما قال تعالیٰ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۔ (انفال رکوع ۳)

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا
اور ہم نے پکڑا تھا ان کو آفت میں پھر نہ عاجزی کی
لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿٧٦﴾
اپنے رب کے آگے اور نہ گڑگڑائے

مثلاً قحط وغیرہ آفات مسلط ہوئیں۔ تب بھی عاجزی کر کے خدا کی بات نہ مانی۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: بیہقی نے دلائل میں بیان کیا ہے کہ ابن اثال حنفی جب گرفتار ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وعدہ لیکر چھوڑ دیا پھر وہ مکہ کو چلا گیا اور مسلمان ہو گیا (قریش نے اس کو گرفتار کرنا چاہا وہ بھاگ کر) مکہ اور یمامہ کے درمیان آ کر بیٹھا اور یمامہ سے جو غلے کی رسد مکہ کو آیا کرتی تھی اس کو روک دیا، قریش بھوکے مرنے لگے، یہاں تک کہ جانوروں کا اون کھانے لگے، مجبور ہو کر ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کیا آپ کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ آپ کو دنیا والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک یہی بات ہے۔ ابوسفیان نے کہا تو (یہ کیسی رحمت ہے کہ) آپ نے آباواجداد کو تو تلوار سے قتل کر

دیا اور ان کی اولاد کو قحط سالی سے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت میں (گویا) شہادت ہے اس بات کی کہ اگر ہم نے دوسرا عذاب بھی ان سے دور کر دیا تو یہ اللہ کے سامنے زاری نہیں کریں گے جیسے پہلے عذاب میں گرفتار ہونے کے بعد اللہ کی طرف انہوں نے رجوع نہیں کیا اور زاری نہیں کی۔ (تفسیر مظہری)

حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ

یہاں تک کہ جب کھول دیں ہم ان پر دروازہ ایک سخت آفت کا

اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾

تب اس میں ان کی آس ٹوٹ گئی

اس سے یا تو آخرت کا عذاب مراد ہے یا شاید وہ دروازہ لڑائیوں کا کھلا جس میں تھک کر عاجز ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ

اور اسی نے بنا دیئے تمہارے کان اور آنکھیں

وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾

اور دل تم بہت تھوڑا حق مانتے ہو

اللہ کی دی ہوئی صلاحیتیں استعمال کرو:

کانوں سے اس کی آیات تنزیلیہ کو سنو اور آنکھوں سے آیات تکوینیہ کو دیکھو اور دلوں سے دونوں کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ ان نعمتوں کا شکر یہ تھا کہ اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو اُس کے کام میں لاتے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ اکثر آدمیوں نے اکثر اوقات میں ان قوتوں کو بے جا خرچ کیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾

اور اسی نے تم کو پھیلا رکھا ہے زمین میں اور اسی کی طرف جمع ہو کر جاؤ گے

آخرت کی حاضری: ہاں ہر ایک کو شکر گزاری اور ناشکری کا بدلہ مل جائے گا۔ اُس وقت کوئی شخص یا کوئی عمل غیر حاضر نہ ہو سکے گا۔ جس نے پھیلایا اُس کو سمیٹنا کیا مشکل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ

اور وہی ہے جلاتا اور مارتا اور اسی کا کام ہے بدلنا

الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾

رات اور دن کا سو کیا تم کو سمجھ نہیں

دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں:

زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ یا اندھیرے سے اُجالا اور اُجالے سے اندھیرا کر دینا جس کے قبضہ میں ہے اُس کی قدرت عظیمہ کے سامنے کیا مشکل ہے کہ تم کو دوبارہ زندہ کر دے اور آنکھوں کے آگے سے ظلمت جہل کے پردے اٹھا دے۔ جس کے بعد حقائق اشیا ٹھیک ٹھیک منکشف ہو جائیں جیسا کہ قیامت میں ہوگا۔ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (تفسیر عثمانی)

بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوْٓا ءَاِذَا

کوئی بات نہیں یہ تو وہی کہہ رہے ہیں جیسا کہا کرتے تھے پہلے لوگ کہتے ہیں کیا

مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾

جب ہم مر گئے اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم کو زندہ ہو کر اٹھنا ہے

لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَاۗؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ

وعدہ دیا جاتا ہے ہم کو اور ہمارے باپ دادوں کو یہی پہلے سے

اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾

اور کچھ بھی نہیں یہ نقلیں ہیں پہلوں کی

رجعت پسندی اور اندھی تقلید:

یعنی عقل وفہم کی بات کچھ نہیں محض پرانے لوگوں کی اندھی تقلید کئے چلے جا رہے ہیں، وہی دقیانوسی شکوک پیش کرتے ہیں جو ان کے پیشرو کیا کرتے تھے۔ یعنی مٹی میں مل کر اور ریزہ ریزہ ہو کر ہم کیسے زندہ کئے جائیں گے؟ ایسی دور از عقل باتیں جو ہم کو سنائی جا رہی ہیں پہلے ہمارے باپ دادوں سے بھی کہی گئی تھیں لیکن ہم نے تو آج تک خاک کے ذروں اور ہڈیوں کے ریزوں کو آدمی بنتے نہ دیکھا۔ ہونہ ہو یہ سب قصے کہانیاں ہیں جو پہلے لوگ گھڑ گئے تھے۔ اور اب اُن ہی کی نقل کی جا رہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ

تو کہہ کس کی ہے زمین اور جو کوئی اس میں ہے بتاؤ اگر تم

تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾

جانتے ہو اب کہیں گے سب کچھ اللہ کا ہے تو کہہ پھر تم سوچتے نہیں

سب اللہ کے قبضہ میں ہے:

کہ جس کا قبضہ ساری زمین اور زمینی چیزوں پر ہے کیا تمہاری مشت خاک

اُس کے قبضہ سے باہر ہوگی؟ (تفسیر عثمانی)

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اگر تم اہل علم میں سے ہو یا اگر تم جانتے ہو تو جواب دو، بتاؤ۔ مخاطب کی اہانت اور تحقیر اس سوال سے مقصود ہے کہ ایسی بات جس کو بچے اور دیوانے بھی جانتے ہیں تم نہیں جانتے، تمہارا حال اور قول تمہاری جہالت کا شاہد ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس کا انکار ممکن ہی نہیں تمام لوگ اس کے قائل ہیں۔ عقل صریح اور نقل صحیح اس کی گواہ ہے اس لئے ان کو کہنا پڑے گا۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ

تو کہہ کون ہے مالک ساتوں آسمانوں کا　　اور مالک اس بڑے

الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾

تخت کا　　اب بتائینگے　　اللہ کو　　تو کہہ پھر تم ڈرتے نہیں

خوفِ خدا کرو: اتنا بڑا شہنشاہ تمہاری ان گستاخیوں اور نافرمانیوں پر تم کو دھر گھسیٹے۔ کیا یہ انتہائی گستاخی نہیں کہ اس شہنشاہ مطلق کو ایک ذرہ کے مقدار سے عاجز قرار دینے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

عرش الٰہی: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی شان بہت بڑی ہے۔ اس کا عرش آسمانوں پر اس طرح ہے اور آپ نے اپنے ہاتھ سے قبہ کی طرح بنا کر بتلایا (ابوداؤد)۔ اور حدیث میں ہے ساتوں آسمان و زمین اور ان کی کل مخلوق کرسی کے مقابلے پر ایسی ہے جیسے کسی چٹیل میدان میں کوئی حلقہ پڑا ہو۔ اور کرسی اپنی تمام چیزوں سمیت عرش کے مقابلے میں بھی ایسی ہی ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ عرش کی ایک جانب سے دوسری جانب کی دوری پچاس ہزار سال کی مسافت کی ہے۔

بعض سلف کا قول ہے کہ عرش سرخ رنگ یاقوت کا ہے اس آیت میں عرش عظیم کہا گیا ہے اور اس سورت کے آخر میں عرش کریم کہا گیا ہے یعنی بہت بڑا اور بہت حسن و خوبی والا پس لمبائی چوڑائی وسعت عظمت حسن و خوبی میں وہ بہت ہی اعلیٰ اور بالا ہے اسی لئے لوگوں نے اسے یاقوت سرخ کہا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ تمہارے رب کے پاس رات دن کچھ نہیں اس کے عرش کا نور اس کے چہرے کے نور سے ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ

تو کہہ کس کے ہاتھ میں ہے حکومت　　ہر چیز کی اور وہ　　بچا لیتا ہے

وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۚ

اور اس سے کوئی بچا نہیں سکتا بتاؤ اگر تم　جانتے ہو　اب بتائیں گے اللہ کو

اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا:

ہر چیز پر اُسی کا اختیار چلتا ہے جس کو چاہے وہ پناہ دے سکتا ہے لیکن کوئی دوسرا اُس کے مجرم کو پناہ نہیں دے سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہے عذاب اور مصیبت رنج و تکلیف سے پناہ دیدے اور یہ کسی کی مجال نہیں کہ اسکے مقابلہ پر کسی کو پناہ دیکر اُس کے عذاب و تکلیف سے بچالے یہ بات دنیا کے اعتبار سے بھی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو کوئی نفع پہنچانا چاہے اسکو کوئی روک نہیں سکتا اور جس کو کوئی تکلیف و عذاب دینا چاہے اُس سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ اور آخرت کے اعتبار سے بھی یہ مضمون صحیح ہے کہ جس کو وہ عذاب میں مبتلا کریگا اُس کو کوئی بچا نہ سکے گا اور جسکو جنت اور راحت دیگا اس کو کوئی روک نہ سکے گا۔ (قرطبی)

(معارف مفتی اعظم)

قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾

تو کہہ پھر کہاں سے تم پر جادو آ پڑتا ہے

تم پر کیا جادو ہے: جس سے مسحور ہو کر تم ہوش و حواس کھو بیٹھے ہو کہ ایسی موٹی باتیں بھی نہیں سمجھ سکتے جب تمام زمین و آسمان کا مالک وہ ہی ہوا اور ہر چیز اُسی کے زیر تصرف و اقتدار ہوئی تو آخر تمہارے بدن کی ہڈیاں اور ریزے اُس کے قبضہ اقتدار سے نکل کر کہاں چلے جائیں گے کہ اُن پر وہ قادر مطلق اپنی مشیت نافذ نہ کر سکے گا۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾

کوئی نہیں ہم نے اُن کو پہنچایا سچ　اور وہ البتہ جھوٹے ہیں

دلائل کے باوجود انکارِ حق:

یعنی دلائل و شواہد سے ظاہر کر دیا گیا کہ جو کچھ ان سے کہا جا رہا ہے ہو بہو صحیح اور حق ہے اور وہ لوگ محض جھوٹے خیالات کی پیروی کر رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ

اللہ نے　　کوئی بیٹا نہیں کیا　اور نہ اس کے ساتھ کسی کا حکم چلے

اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا

یوں ہوتا تو لے جاتا ہر حکم والا　　اپنی بنائی چیز کو　　اور چڑھائی کرتا

بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ

ایک پر ایک

اللہ کا کوئی شریک ہوتا تو نظام نہ چلتا:

یعنی زمین وآسمان اور ذرہ ذرہ کا تنہا مالک ومختار وہ ہی ہے نہ اُسے بیٹے کی ضرورت نہ مددگار کی، نہ اُس کی حکومت وفرمانروائی میں کوئی شریک جسے ایک ذرہ کا مستقل اختیار ہو۔ ایسا ہوتا تو ہر ایک بااختیار حاکم اپنی رعایا کو لے کر علیحدہ ہو جاتا اور اپنی جمعیت فراہم کر کے دوسرے پر چڑھائی کر دیتا اور عالم کا یہ مضبوط ومحکم نظام چند روز بھی قائم نہ رہ سکتا۔ سورۂ انبیاء کی آیت "لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا" کے فوائد میں اس کی تقریر کی جاچکی ہے ملاحظہ کر لی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

(جب کوئی اور بھی الٰہ ہوتا تو وہ ضرور خالق بھی ہوتا) اور ہر الٰہ (خدا) اپنی مخلوق کو (تقسیم کر کے) جدا کر لیتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتا۔

اپنی مخلوق کو لے کر جدا ہو جاتا اور دوسرے کو اپنی مخلوق پر تصرف کرنے سے روک دیتا اور ہر ایک کی ملکیت دوسرے کی ملکیت سے علیحدہ ہو جاتی (اور ان کے باہم لڑائی ہوتی) اور (لڑائی میں) ایک دوسرے پر غالب آجاتا۔ جیسے دنیا کے باشاہوں کا طریقہ ہے تعدد آلہہ کے وقت باہمی جنگ وجدال ناممکن نہیں اور جنگ میں ایک دوسرے پر غلبہ ہونا ہی چاہئے نتیجہ میں ایک مغلوب ہوتا اور مغلوب خدا نہیں ہو سکتا۔ مغلوبیت کمزوری اور حدوث کی علامت ہے۔ اور اگر کوئی کسی پر غالب نہ آسکتا تو دونوں غالب آنے سے عاجز ہوتے اور عجز علامت حدوث ہے الوہیت کے منافی ہے۔ (تفسیر مظہری)

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾
اللہ نرالا ہے اُن کی بتلائی باتوں سے

کیا خدا کی شان یہ ہوتی ہے کہ اُس کے آگے کوئی دم مار سکے یا ایک ذرہ اُس کے حکم سے باہر ہو سکے۔ (تفسیر عثمانی)

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾
جاننے والا چھپے اور کھلے کا وہ بہت اوپر ہے اس سے جس کو یہ شریک بتلاتے ہیں

اللہ شراکت سے پاک ہے: یعنی جس کی قدرت عامہ وتامہ کا حال پہلے بیان ہو چکا اور علم محیط ایسا کہ کوئی ظاہر وباطن اور غیب وشہادت اُس سے پوشیدہ نہیں۔ اُس کی حکومت میں کیا وہ چیزیں شریک ہونگی جن کی قدرت سب صفات محدود ومستعار ہیں؟! استغفر اللہ۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾
تو کہہ اے رب اگر تو دکھانے لگے مجھ کو جو ان سے وعدہ ہوا ہے

رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِى الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾
تو اے رب مجھ کو نہ کریو ان گنہگار لوگوں میں

ہر مؤمن عذاب سے بچنے کی دُعاء کرے:

یعنی حق تعالیٰ کی جناب میں ایسی گستاخی کی جاتی ہے تو یقیناً کوئی سخت آفت آکر رہے گی۔ اس لئے ہر مؤمن کو ہدایت ہوئی کہ اللہ کے عذاب سے ڈر کر یہ دعا مانگے کہ جب ظالموں پر عذاب آئے تو الٰہی مجھ کو اسکے ذیل میں شامل نہ کرنا۔ جیسا کہ حدیث میں آیا "واذا اردت بقوم فتنة فتوفني غير مفتون"۔ مطلب یہ ہے کہ خداوندا ہم کو ایمان واحسان کی راہ پر مستقیم رکھ۔ کوئی ایسی تقصیر نہ ہو کہ العیاذ باللہ تیرے عذاب کی لپیٹ میں آجائیں۔ جیسے دوسری جگہ ارشاد ہوا وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً (انفال- رکوع ۳) یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنا کر دوسروں کو سنانا ہے اور یہ قرآن کریم کی عام عادت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شیاطین سے حفاظت کی دُعاء:

مسند احمد اور ترمذی کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں یہ جملہ بھی ہوتا تھا کہ خدایا جب تو کسی قوم کے ساتھ فتنے کا ارادہ کرے تو مجھے فتنہ میں ڈالنے سے پہلے اٹھا لے۔ (ابن کثیر)

وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾
اور ہم کو قدرت ہے کہ تجھ کو دکھلا دیں جو ان سے وعدہ کر دیا ہے
اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ
بُری بات کے جواب میں وہ کہہ جو بہتر ہے ہم خوب
اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾
جانتے ہیں جو یہ بتاتے ہیں

اعلیٰ اخلاقی قدریں:

یعنی ہم کو قدرت ہے کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے دنیا ہی میں ان کو سزا دے دیں لیکن آپ کے مقام بلند اور اعلیٰ اخلاق کا مقتضی یہ ہے کہ اُن کی بُرائی کو بھلائی سے دفع کریں جہاں تک اس طرح دفع ہو سکتی ہو۔ اور اُن کی بیہودہ بکواس سے مشتعل نہ ہوں۔ اُس کو ہم خوب جانتے ہیں، وقت پر کافی سزا دی جائے گی۔ آپ کے اغماض اور نرم برتاؤ کا اثر یہ ہوگا کہ بہت سے لوگ گرویدہ ہو کر آپ کی طرف جھکیں گے اور دعوت واصلاح کا مقصود حاصل ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾

اور کہہ اے رب میں تیری پناہ چاہتا ہوں شیطان کی چھیڑ سے

شیاطین سے بچنے کا طریقہ:

پہلے شیاطین الانس کے ساتھ برتاؤ کرنے کا طریقہ بتلایا تھا۔ لیکن شیاطین الجن اُس طریقہ سے متاثر نہیں ہو سکتے۔ کوئی تدبیر یا نرمی اُن کو رام نہیں کرسکتی۔ اُس کا علاج صرف استعاذہ ہے یعنی اللہ کی پناہ میں آ جانا، تا وہ قادر مطلق اُن کی چھیڑ خانی اور شر سے محفوظ رکھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ شیطان کی چھیڑ یہ ہے کہ دین کے سوال و جواب میں بے موقع غصہ چڑھے اور لڑائی ہو پڑے۔ اسی پر فرمایا کہ بُرے کا جواب دے اُس سے بہتر۔ (تفسیر عثمانی)

هَمَزٰت زور سے دھکا دینا یعنی وسوسے ڈال کر گناہوں کی طرف لے جانا۔

اَنْ يَّحْضُرُوْنِ کہ میرے پاس آئیں۔ یعنی میری نماز میں عبادت میں اور دوسرے امور میں میرے پاس بھی آئیں کیونکہ شیطان جب پاس آئے گا تو ضرور وسوسہ بھی پیدا کرے گا۔ (تفسیر مظہری)

شیاطین سے حفاظت کی دُعاء:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ پڑھا کرتے تھے، اور میں پناہ مانگتا ہوں کہ شیطان میرے کسی کام میں حائل ہو اور وہ میرے پاس پہنچ جائے۔ پس ہر ایک کام کے شروع میں خدا کا ذکر شیطان کی شمولیت کو روک دیتا ہے، کھانا پینا، جماع ذبح وغیرہ کل کاموں کے شروع کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہئے۔ ابوداؤد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا یہ بھی تھی اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَرَمِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَدَمِ وَمِنَ الْغَرَقِ وَاَعُوْذُ بِكَ اَنْ يَّتَخَبَّطَنِيَ الشَّيْطٰنُ عِنْدَ الْمَوْتِ۔ اے اللہ! میں تجھ سے بُرے بڑھاپے سے اور دب کر مر جانے سے اور ڈوب کر مر جانے سے پناہ مانگتا ہوں اور اس سے بھی کہ موت کے وقت شیطان مجھ کو بہکا دے۔

نیند آنے کیلئے دُعاء:

مسند احمد میں ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دعا سکھاتے تھے کہ نیند اچاٹ ہو جانے کی مرض کو دور کرنے کے لئے ہم سوتے وقت پڑھا کریں بِسْمِ اللّٰهِ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَمِنْ شَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنِ۔ حضرت ابن عمرؓ کا دستور تھا کہ اپنی اولاد میں سے جو ہوشیار ہوتے انہیں تو یہ دعا سکھا دیا کرتے اور جو چھوٹے ناسمجھ ہوتے یاد نہ کر سکتے ان کے گلے میں اس دعا کو لکھ کر لٹکا دیتے۔ ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے امام ترمذیؒ اسے حسن غریب بتلاتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

شیاطین اور جنات کے دوسرے آثار اور حملوں سے بچنے کے لئے بھی یہ دعا مجرب ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو شب میں نیند نہ آتی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو یہ کلمات دعا تلقین فرمائے کہ یہ پڑھ کر لیٹا کریں، انہوں نے پڑھا تو یہ شکایت جاتی رہی وہ دعا یہ ہے اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَعِقَابِهٖ وَمِنْ شَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنِ۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾

اور پناہ تیری چاہتا ہوں اے رب اس سے کہ میرے پاس آئیں

یعنی کسی حال میں بھی شیطان کو میرے پاس نہ آنے دیجئے کہ مجھ پر وہ اپنا وار کر سکے۔ (تفسیر عثمانی)

اَنْ يَّحْضُرُوْنِ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان تمہارے ہر کام میں ہر حال میں تمہارے پاس آتا ہے اور ہر کام میں گناہوں اور غلط کاموں کا وسوسہ دل میں ڈالتا رہتا ہے (قرطبی) اسی سے پناہ مانگنے کے لئے یہ دعا تلقین فرمائی گئی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ

یہاں تک کہ جب پہنچے اُن میں کسی کو موت کہے گا اے رب

ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ

مجھ کو پھر بھیج دو شاید کچھ میں بھلا کام کر لوں اس میں جو پیچھے چھوڑ آیا

موت آئے گی تو پچھتائیں گے:

یعنی آپ ان کفار کی برائیوں کو بھلے طریقہ سے دفعہ کرتے رہئے۔ اور جو باتیں یہ بناتے ہیں اُن کو ہمارے حوالہ کیجئے یہاں تک کہ ان میں سے بعض کی موت کا وقت آ پہنچے اور نزع کی حالت میں مبادی عذاب کا معائنہ کر کے پچھتاوا شروع ہو۔ اُس وقت تمنا کریں گے کہ اے پروردگار! قبر کی طرف لے جانے کے بجائے ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس کر دو۔ تا گذشتہ زندگی میں جو تقصیرات ہم نے کی ہیں اب نیک عمل سے اُن کی تلافی کر سکیں۔ آئندہ ہم ایسی خطائیں ہرگز نہیں کریں گے۔ کما قال تعالیٰ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿﴾ (منافقون۔ رکوع۲) (تفسیر عثمانی)

موت کے فرشتوں سے مؤمن کی گفتگو:

ابن جریج کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن کو (موت کے) فرشتے نظر آتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کیا ہم تجھے دنیا کی طرف لوٹادیں۔ مؤمن کہتا ہے کیا افکار و آلام کے گھر کی طرف (تم مجھے لوٹانا چاہتے ہو میں ایسا نہیں چاہتا) بلکہ میں تو اللہ کے پاس جانا چاہتا ہوں اور کافر (کے سامنے جب ملائکہ آتے ہیں تو وہ) کہتا ہے رَبِّ ارْجِعُوْنِ۔

جواللہ سے ملنا چاہتا ہے اللہ اس سے ملنا چاہتا ہے:

صحیحین میں حضرت عبادہ بن صامت کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا پسند کرتا ہے اور جو اللہ سے ملنا بُرا سمجھتا ہے اللہ بھی اس سے ملنے سے نفرت کرتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے یا کسی اور بی بی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تو موت کو ناپسند کرتے ہیں (کون مرنا چاہتا ہے) فرمایا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ بات یوں ہے کہ مؤمن کے سامنے جب موت آتی ہے تو اس کو اللہ کی خوشنودی اور عزت بخشی کی بشارت دی جاتی ہے اس وقت (پیچھے رہنے والی) کوئی چیز بھی آگے آنے والی چیز سے زیادہ محبوب نہیں ہوتی اس لئے وہ اللہ سے ملنے کو پسند کرتا ہے اور اللہ اس سے ملنا پسند کرتا ہے۔ لیکن جب کافر کے مرنے کا وقت آتا ہے تو اس کو اللہ کے عذاب اور سزا کی اطلاع دی جاتی ہے اس وقت پیش آنے والی چیز سے زیادہ بُری کوئی چیز اس کی نظر میں نہیں ہوتی اس لئے وہ اللہ سے ملنے کو ناگوار سمجھتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

عمل صالح کرنے کا نسخہ:

حضرت علاء بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کیا ہی عمدہ بات فرماتے ہیں آپ فرماتے ہیں تم یوں سمجھ لو کہ میری موت آچکی تھی لیکن میں نے اللہ سے دعا کی کہ مجھے چند روز کی مہلت دیدی جائے تاکہ میں نیکیاں کرلوں اللہ تعالیٰ نے مجھے مہلت دیدی ہے تو اب مجھے چاہئے کہ دل کھول کر نیکیاں کرلوں۔ قتادہؒ فرماتے ہیں کافر کی اس امید کو یاد رکھو اور خود زندگی کی گھڑیاں اطاعتِ خدا میں بسر کرو۔

کافر کی درخواست رَدّ ہو جاتی ہے:

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں جب کافر اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اپنا جہنم کا ٹھکانا دیکھ لیتا ہے تو کہتا ہے میرے رب! مجھے لوٹا دے میں توبہ کرلوں گا اور نیک اعمال کرتا رہوں گا۔ جواب ملتا ہے کہ جتنی عمر تجھے دی گئی تھی تو ختم کرچکا۔ پھر اس کی قبر اس پر سمٹ جاتی ہے اور تنگ ہو جاتی ہے اور سانپ بچھو چمٹ جاتے ہیں۔

گناہگاروں کی قبریں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں گنہگاروں پر ان کی قبریں بڑی مصیبت کی جگہ ہوتی ہیں۔ ان کی قبروں میں انہیں کالے ناگ ڈستے رہتے ہیں جن میں سے ایک بہت بڑا اس کے سرہانے ہوتا ہے اور ایک اتنا ہی بڑا پائینتوں ہوتا ہے وہ سر کی طرف سے ڈسنا اور اُوپر چڑھنا شروع کرتا ہے یہ پیروں کی طرف سے کاٹتا اور اُوپر چڑھنا شروع کرتا ہے یہاں تک کی بیچ کی جگہ آکر دونوں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ پس یہ ہے وہ برزخ جہاں یہ قیامت تک رہیں گے۔

عالَم برزخ کے عذاب پر تنبیہ:

مِن وَّرَآءِ ھِمْ کے معنے کئے گئے ہیں کہ ان کے آگے برزخ ایک حجاب اور آڑ ہے دنیا اور آخرت کے درمیان۔ وہ نہ تو صحیح طور پر دنیا میں ہیں کہ کھائیں پئیں نہ آخرت میں ہیں کہ اعمال کے پورے بدلے میں آجائیں بلکہ بیچ ہی بیچ میں ہیں۔ پس اس آیت میں ظالموں کو ڈرایا جارہا ہے کہ انہیں عالَم برزخ میں بھی بڑے بڑے بھاری عذاب ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ناکام تمنا:

رَبِّ ارْجِعُوْنِ یعنی موت کے وقت کافر پر جب آخرت کا عذاب سامنے آنے لگتا ہے تو وہ تمنا کرتا ہے کہ کاش میں پھر دنیا میں لوٹ جاؤں اور نیک عمل کر کے اس عذاب سے نجات حاصل کرلوں۔ (معارف مفتی اعظم)

كَلَّا ۗ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ۗ
ہرگز نہیں یہ ایک بات ہے کہ وہی کہتا ہے

کافر واپس آکر بھی نیکی نہ کریں گے:

یعنی اجل آجانے کے بعد اس کام کیلئے ہرگز واپس نہیں کیا جاسکتا اور بالفرض واپس کردیا جائے تو ہرگز نیک کام نہ کرے گا۔ وہ ہی شرارتیں پھر سوجھیں گی وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (انعام۔ رکوع ۳) یہ محض اُس کی بات ہے جو زبان سے بنا رہا ہے اور غلبۂ حسرت وندامت کی وجہ سے خاموش نہیں رہ سکتا وہ ہی اپنی طرف سے یہ بات کہتا ہے کہتا رہے، ہمارے یہاں شنوائی نہیں ہوگی۔

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ
اور ان کے پیچھے پردہ ہے اس دن تک کہ اٹھائے جائیں

عالَم برزخ:

یعنی ابھی کیا دیکھا ہے۔ موت ہی سے اس قدر گھبرا گیا۔ آگے اس کے بعد ایک اور عالَم برزخ آتا ہے جہاں پہنچ کر دنیا والوں سے پردہ میں ہو جاتا ہے اور آخرت بھی سامنے نہیں آتی۔ ہاں عذاب آخرت کا تھوڑا سا نمونہ

سامنے آتا ہے جس کا مزہ قیامت تک پڑا چکھتا رہیگا۔ (تفسیر عثمانی)

موت کے بعد قیامت اور حشر تک کے زمانے کو برزخ کہا جاتا ہے کہ یہ دنیاوی حیات اور آخرت کے درمیان حدِ فاصل ہے اور معنے آیت کے یہ ہیں کہ جب مرنے والا کافر، فرشتوں سے دوبارہ دنیا میں بھیجنے کو کہتا ہے تو یہ کلمہ تو اس کو کہنا ہی تھا کیونکہ اب عذاب سامنے آ چکا ہے مگر اس کلمہ کا اب کوئی فائدہ اسلئے نہیں کہ وہ اب برزخ میں پہنچ چکا ہے جس کا قانون یہ ہے کہ برزخ سے لوٹ کر کوئی دنیا میں نہیں آتا اور قیامت اور بعث ونشر سے پہلے دوسری زندگی نہیں ملتی۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ
پھر جب پھونک ماریں صور میں تو نہ قرابتیں ہیں اُن میں
یَوْمَىِٕذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾
اس دن اور نہ ایک دوسرے کو پوچھے

کوئی کسی کو نہ پوچھے گا:

یعنی عالم برزخ کے بعد قیامت کی گھڑی ہے۔ دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے بعد تمام خلائق کو ایک میدان میں لا کھڑا کریں گے۔ اُس وقت ہر ایک شخص اپنی فکر میں مشغول ہوگا۔ اولاد ماں باپ سے، بھائی بھائی سے اور میاں بیوی سے سروکار نہ رکھے گا۔ ایک دوسرے سے بیزار ہوں گے۔ کوئی کسی کی بات نہ پوچھے گا۔ یوم یفر المرء من اخیه وامه وابیه وصاحبته وبنیه لکل امرئ منهم یومئذ شان یغنیه (عبس۔ رکوع۱) اسکے بعد دوسرے وقت ممکن ہے بعض قرابتوں سے کچھ نفع پہنچ جائے کما قال تعالیٰ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ (طور۔ رکوع۱)

(تنبیہ) بعض احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سارے نسب اور دامادی کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے (یعنی کام نہ دیں گے)" الاّ نسبی و صهری" (بجز میرے نسب اور صہر کے) معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقات عموم سے مستثنیٰ ہیں۔ اسی حدیث کو سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب سے نکاح کیا، اور چالیس ہزار درہم مہر باندھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ "وہاں باپ بیٹا ایک دوسرے کے شامل نہیں، ہر ایک سے اُس کے عمل کا حساب ہے۔" (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ برقرار رہے گا:

مسند احمد کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جو چیز اسے ناخوش کرے وہ مجھے بھی ناخوش کرتی ہے اور جو چیز اسے خوش کرے وہ مجھے بھی خوش کرتی ہے۔ قیامت کے روز سب رشتے ناطے ٹوٹ جائیں گے لیکن میرا نسب میرا سبب میری رشتے داری نہ ٹوٹے گی۔

بدعتیں ایجاد کرنے والے:

اس حدیث کی اصل بخاری و مسلم میں بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے اسے ناراض کرنے والی اور اسے ستانے والی چیزیں مجھے ناراض کرنے والی اور مجھے تکلیف پہنچانے والی ہیں۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر فرمایا لوگوں کا کیا حال ہے کہ کہتے ہیں رسول اللہ کا رشتہ بھی آپ کی قوم کو کوئی فائدہ نہ دیگا۔ بخدا میرا رشتہ دنیا میں اور آخرت میں ملا ہوا ہے۔ اے لوگو! میں تمہارا میر سامان ہوں جب تم آؤ گے ایک شخص کہے گا یا رسول اللہ میں فلاں ابن فلاں ہوں۔ میں جواب دوں گا کہ ہاں نسب تو میں نے پہچان لیا لیکن تم لوگوں نے میرے بعد بدعتیں ایجاد کی تھیں اور ایڑیوں کے بل مرتد ہو گئے تھے۔

حضرت عمرؓ کا حضرت ام کلثوم سے نکاح

مسند امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ میں ہم نے کئی سندوں سے یہ روایت وارد کی ہے کہ جب آپ نے امّ کلثوم بنت علی بن ابی طالبؓ سے نکاح کیا تو فرمایا کرتے تھے واللہ مجھے اس نکاح سے صرف یہ غرض تھی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہر سبب ونسب قیامت کے دن کٹ جائے گا مگر میرا نسب اور سبب۔ (تفسیر ابن کثیر)

پہلا نفخہ اور دوسرا نفخہ:

سعید بن جبیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ صور پھونکے جانے سے مراد اس جگہ پہلا نفخہ صور ہے۔ یعنی نفخہ بیہوشی جس کے متعلق فرمایا ہے وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ۔ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَىِٕذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ جب صور پھونکا جائے گا تو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب بیہوش ہو جائیں گے اور اس روز ان کے درمیان (دنیاوالی) رشتہ داریاں نہیں رہیں گی اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔

ثُمَّ نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ۔ پھر دوبارہ صور پھونکا جائیگا تو یک دم سب (اُٹھ کے) کھڑے ہو جائیں گے اور (حیرت سے) دیکھتے ہوں گے وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ اور ایک دوسرے کی جانب رُخ کر کے باہم پوچھیں گے الخ۔

صحیح یہ ہے کہ آیت میں نفخہ سے مراد نفخہ بعث (جس کے بعد سب لوگ زندہ ہو کر اُٹھ کھڑے ہوں گے) مراد ہے۔

قیامت میں حقوق کا اعتبار ہوگا انساب کا نہیں:

حضرت ابن مسعود نے فرمایا، قیامت کے دن بندے یا بندی کا ہاتھ پکڑ

کرعلی الاعلان سب اگلوں اور پچھلوں کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور ایک منادی نداء دے گا، یہ فلاں بن فلاں ہے اس کی طرف کسی کا حق ہو تو وہ اپنا حق لینے آجائے اس وقت جس شخص کا اپنے باپ یا بیٹے یا بی بی یا بھائی پر کوئی حق ہوگا وہ خوش ہوگا اور اپنا حق وصول کرے گا۔ اس کے بعد حضرت ابن مسعودؓ نے آیت فَلَآ اَنْسَابَ الخ پڑھی۔ عطاء کی روایت میں حضرت ابن عباس کا قول بھی آیا ہے کہ اس جگہ نفخہ سے مراد دوسرا نفخہ ہے۔

نسب پر فخر بے کار ہے:

فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ یعنی دنیا میں تو شرافت نسب پر فخر کرتے تھے، قیامت کے دن کوئی کسی پر نسبی (اور نسلی) فخر نہ کر سکے گا۔ یا یہ مطلب ہے کہ ر ناطے اس روز فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔ کیونکہ سب اتنے وحشت زدہ اور حیران ہوں گے کہ کوئی کسی سے محبت نہیں کرے گا اور آپس میں مہ [illegible] کا جذبہ معدوم ہو جائے گا اور یہ حالت ہو جائے گی کہ آدمی اپنے بھ ماں باپ اور بیوی بچوں سے بھی بھاگے گا۔

معصوم بچے والدین کو شراب پلائیں گے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، قیامت کا دن ہوگا تو اس روز مسلمانوں کے لڑکے نکلیں گے (یعنی کوثر و تسنیم کے پاس سے ایسی حالت میں برآمد ہوں گے) کہ ان کے ہاتھوں میں شربت (شراب طہور) ہوگا۔ لوگ ان سے کہیں گے ہم کو پلادو، وہ جواب دیں گے (نہیں) ہم اپنے ماں باپ کو پلائیں گے۔ اپنے ماں باپ کو پلائیں گے، یہاں تک کہ ساقط شدہ بچہ بھی جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا کہے گا جب تک میرے باپ اندر نہ جائیں گے، میں اندر داخل نہ ہوں گا۔ رواہ ابن ابی الدنیا عن عبداللہ بن عمر اللیثی۔ ابوذرارہ کی حدیث بھی اسی کے ہم معنی آئی ہے۔

ابن عساکر نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن میرے نسبی اور سسرالی ناتے کے علاوہ نسبی اور سسرالی رشتہ ٹوٹ جائے گا۔

مؤمنوں کے رشتے منقطع نہ ہوں گے:

مؤمنوں کی نسبی رشتہ داریاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں داخل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب مسلمانوں کے باپ تھے، اور آپ کی بی بیاں مسلمانوں کی مائیں تھیں۔ (پس آپ کا رشتہ منقطع نہ ہوگا یعنی مؤمنوں کے رشتے ناطے منقطع نہ ہوں گے۔)

بغوی نے کہا، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن کوئی ذریعہ اور نسب سودمند نہ ہوگا سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اور نسبت کے، یعنی سوائے قرآن و [illegible] کے۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء:

حدیث میں ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ جہاں میرا نکاح ہوا ہے اور جس کا نکاح میرے ساتھ ہوا ہے وہ سب جنت میں بھی میرے ساتھ رہیں تو خدا تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

سو جس کی بھاری ہوئی تول تو وہی لوگ کام لے نکلے

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

اور جس کی ہلکی نکلی تول سو وہی لوگ ہیں جو ہار بیٹھے اپنی جان

فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ

دوزخ ہی میں رہا کریں گے جھلس دے گی اُن کے منہ کو آگ اور وہ

فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اُس میں بدشکل ہو رہے ہوں گے

ہونٹ سوج جائیں گے اور زبان کو پاؤں روندیں گے:

جلتے جلتے بدن سوج جائیگا، نیچے کا ہونٹ لٹک کر ناف تک، اور اوپر کا پھول کر کھوپری تک پہنچ جائیگا، اور زبان باہر نکل کر زمین میں لٹکتی ہوگی جسے دوزخی پاؤں سے روندیں گے۔ (اللّٰھم احفظنا منه ومن سائر انواع العذاب) (تفسیر عثمانی)

میدان حشر کے مختلف احوال:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ محشر میں مختلف موقف ہوں گے ہر موقف کا حال مختلف ہوگا۔ ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ کوئی کسی کو نہ پوچھے گا پھر کسی موقف میں جب وہ ہیبت اور ہول کا غلبہ کم ہو جائیگا تو باہم ایک دوسرے کا حال بھی دریافت کریں گے۔ (مظہری)

مؤمنین کاملین اور کفار:

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ یعنی میزان عمل میں جس شخص کا نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا وہ ہی فلاح پانے والے ہیں اور جسکا پلہ نیکیوں کا ہلکا رہے گا تو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں خود اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا اور اب وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنے والے ہیں۔ اس آیت میں مقابلہ صرف مؤمنین

کاملین اور کفار کا ہے اور انہیں کے وزن اعمال کا اور ان میں سے ہر ایک کے انجام کا ذکر کیا گیا کہ مؤمنین کاملین کا پلہ بھاری ہوگا انکو فلاح حاصل ہوگی، کفار کا پلہ ہلکا رہے گا ان کو ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنا پڑے گا۔

ہر انسان کے اعمال کا وزن ہوگا:

بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسانکے اعمال جو دنیا میں بے وزن بے جسم اعراض ہوتے ہیں محشر میں ان کو مجسم کر کے میزان عمل میں رکھا جائے گا وہ تولے جائیں گے۔ طبرانی وغیرہ نے یہ بروایت ابن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ ان سب روایات حدیث کے الفاظ اور متن تفسیر مظہری میں مکمل موجود ہیں وہاں دیکھے جاسکتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

نکتہ: موازین میزان کی جمع ہے (اور میزان کا معنی ہے ترازو) یعنی جس کی ترازو میں نیکیوں کا پلڑہ نیچے کا جھکا ہوگا۔ موازین کو بصیغہ جمع اس لئے ذکر کیا کہ ہر شخص کی (وزن کشی کی) ترازو الگ ہوگی۔ یا تعدد میزان سے مراد وزن کا تعدد ہے۔

علمائے اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ میزان کا قائم ہونا اور اعمال کا اس میں تولا جانا حق ہے۔ خوارج معتزلہ اور شیعہ اس کا انکار کرتے ہیں اور اکثر اہل بدعت (جو سلف صالحین کے خلاف عقائد رکھتے ہیں) اس کے منکر ہیں۔

(۱) میزان اور ترازو پر ایمان لانا ضروری ہے

(۲) میزان کے متعلق احادیث متواتر المعنی ہیں

(۱) بیہقی نے البعث میں حضرت عمر بن خطاب کی روایت سے حدیث جبرئیل نقل کی ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ جبرئیلؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ایمان کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کو ماننا، اللہ کے فرشتوں اور رسولوں کو ماننا، اور جنت، دوزخ، میزان اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھائے جانے کا یقین کرنا۔ اور اس بات کو ماننا کہ اچھی بُری تقدیر اللہ کی طرف سے (مقرر) ہے (یعنی دنیا میں جو اچھائی بُرائی ہوتی ہے اللہ نے اسکا علمی اندازہ پہلے سے کرلیا تھا) جبرئیلؑ نے کہا اگر میں ایسا کرلوں تو کیا میں مؤمن ہو جاؤں گا، فرمایا، ہاں، جبرئیلؑ نے کہا آپ نے سچ کہا۔

(۲) حاکم نے مستدرک میں برشرط مسلم حضرت سلمان کی روایت سے بیان کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن میزان قائم کی جائے گی (اتنی بڑی ہوگی کہ) اگر آسمان و زمین اس میں رکھ دیئے جائیں تو اس میں سما جائیں۔ ابن مبارک نے الزہد میں اور اجری نے الشریعت میں حضرت سلمانؓ کا قول موقوفاً نقل کیا ہے اور ابوالشیخ ابن حبان نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس کا قول بھی یہی بیان کیا ہے کہ میزان کی ایک زبان اور دو پلڑے ہوں گے۔

ابن ابی الدنیا نے اور ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت حذیفہ کا قول بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن میزان والے حضرت جبرئیلؑ ہوں گے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن بعض لوگ آئیں گے جو عظیم الجثہ اور موٹے ہوں گے اور خدا کے نزدیک ان کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا تلاوت فرمائی۔ متفق علیہ من حدیث ابی ہریرہؓ۔

(۴) ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، بیہقی اور حاکم نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن میری امت کے ایک آدمی کو سب کے سامنے لایا جائے گا اور اس کے ننانوے طومار کھولے جائیں گے۔ ہر طومار کا طول بقدر رسائی نظر ہوگا پھر (اللہ اس سے) فرمائے گا کیا اس میں سے کسی بات کا تجھے انکار ہے کیا میری طرف سے اعمال نویسوں نے تیرے اوپر کوئی ظلم کیا ہے۔ وہ شخص عرض کرے گا نہیں، اے میرے رب۔ (اعمال نویسوں نے میری کوئی حق تلفی نہیں کی) اللہ فرمائے گا، کیوں نہیں، میرے پاس تیری ایک نیکی ہے تجھ پر آج ظلم مطلقاً نہ ہوگا (اس نیکی کا بدلہ ملے گا) چنانچہ اس شخص کا ایک کارڈ نکالا جائے گا جس میں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ لکھا ہوگا۔ بندہ عرض کرے گا اے میرے رب ان طوماروں کی موجودگی میں اس کارڈ کی کیا حقیقت ہے اللہ فرمائے گا تیری حق تلفی نہیں کی جائے گی، چنانچہ تمام طومار ایک پلڑے میں رکھے جائیں گے اور وہ کارڈ دوسرے پلڑے میں طوماروں والا پلڑا اوپر کو اڑ جائے گا (یعنی اٹھ جائیگا) اور کارڈ بھاری نکلے گا۔ اللہ کے نام سے کوئی چیز بھاری نہیں ہوتی۔ امام احمد نے حسن، صحیح سند سے حضرت ابن عمر کی روایت سے اسی طرح حدیث نقل کی ہے۔

(۵) بعض نے کہا اعمال کو مجسم بنا کر تولا جائے گا۔ حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر آسمانوں کو اور زمین اور ان کے اندر کی اور ان دونوں کے درمیان کی اور ان کے نیچے کی ساری کائنات کو لاکر میزان کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں لا الٰہ الا اللّٰہ کی گواہی کو رکھا جائے تو لا الٰہ الا اللّٰہ کی شہادت والا پلڑا جھک جائے گا (وزنی نکلے گا) رواہ الطبرانی۔

ابن عبدالرزاق نے علم کی فضیلت کے باب میں اپنی سند سے ابراہیم نخعی کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن آدمی کے عمل لاکر اس کی ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیئے جائیں گے تو وہ پلڑا ہلکا رہے گا پھر بادلوں کی طرح ایک

چیز لاکر ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھدی جائے گی وہ وزنی نکلے گی، پھر اس شخص سے کہا جائے گا تو جانتا ہے یہ کیا ہے وہ شخص جواب دے گا نہیں (میں واقف نہیں) کہا جائے گا یہ علم کی فضیلت ہے جو تو لوگوں کو تعلیم دیتا تھا۔

(۲) ذہبی نے علم کی فضیلت کے بیان میں حضرت عمران بن حصین کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن علماء کی روشنائی اور شہیدوں کے خون کا موازنہ کیا جائے گا تو علماء کی روشنائی شہیدوں کے خون سے بھاری نکلے گی۔

مؤمن بندہ اور اسکے اعمال کا کافر و کافر کے اعمال سے موازنہ

میں کہتا ہوں کہ مؤمن بندہ کو مع اس کے نیک اعمالناموں یا مع مجسم اعمال کے (دونوں باتوں کا مطلب ایک ہی ہے) ایک پلڑے میں رکھا جائے گا اور دوسرے کافر بندہ کو مع اس کے بُرے اعمالناموں کے یا مع اس کے مجسم بُرے اعمال کے دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا تو کافر کا وزن مچھر کے پر کے برابر نہ نکلے گا۔ اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ یعنی اس کی میزان میں (اس کا) کوئی وزن ہی نہ ہوگا مؤمن کی ترازو میں ضرور (کچھ نہ کچھ) وزن ہوگا خواہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت کے سبب ہی ہو اسی کے متعلق اللہ نے بطور کنایہ فرمایا فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ

اعمال کے درجات:

مگر مؤمن کے ثقل کے درجات ہوں گے جو کبیرہ گناہوں سے بچتے رہے ہوں گے اور اللہ نے ان کے گناہ ساقط کر دیئے ہوں گے تو ان کی میزانوں میں وزن سب سے زیادہ ہوگا بدیوں کا پلڑہ اڑ جائے گا۔ بالکل خالی رہے گا (اس میں کوئی وزن ہی نہ ہوگا) اور جن لوگوں کے عمل مخلوط ہوں گے، اچھے عمل بھی ہوں اور بُرے عمل بھی ان میں جنت کے اندر داخل ہونے کی صلاحیت ہوگی انہیں کے متعلق حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں کی حساب فہمی ہوگی گناہوں کی بہ نسبت ایک نیکی بھی اگر کسی کی زائد ہوگی تو وہ جنت میں چلا جائے گا اور جس کے گناہ نیکیوں سے زیادہ ہوں گے وہ دوزخ میں چلا جائے گا، یعنی گناہوں کی کثافت سے پاک صاف بنانے کے لئے اس کو آگ میں داخل کیا جائے گا جیسے لوہا آگ میں پڑ کر میل کچیل سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ایک دانگ کے وزن سے بھی میزان کا وزن ہلکا بھاری ہوگا۔

جس کے گناہ اور نیکیاں برابر ہوں:

اور جن اشخاص کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی وہ اصحاب اعراف ہوں گے اس وقت تک اعراف میں رہیں گے جب تک اللہ ان کے جنت میں داخلے کا حکم دیدے اس کے بعد جنت میں چلے جائیں گے۔

قرآن میں یا مؤمن صالح کا تذکرہ ہے یا کافر کا:

قرآن میں صرف مؤمنین صالحین کا ذکر ہے یا کافروں کا۔ گناہگار مؤمنوں کا کوئی تذکرہ نہیں اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ نزولِ قرآن کے زمانہ میں سارے مؤمن صالح ہی تھے۔ سب صحابہ تھے، کبائر سے پرہیز رکھنے والے تھے۔ یا گناہوں سے توبہ کرنے والے تھے اور گناہوں سے توبہ کرنے والے بے گناہ کی طرح ہو جاتے ہیں۔

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ اور جن لوگوں کی میزانیں ہلکی ہوں گی تو وہ ایسے ہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنی جانوں کو گھاٹے میں رکھا، جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ یعنی جن کے اچھے اعمال ہلکے ہوں گے یا اچھے اعمال کا پلڑہ ہلکا ہوگا ایسا کہ ان کی نیکیوں کا کوئی وزن ہی نہ ہوگا ایسے لوگ لامحالہ کافر ہی ہوں گے۔

ہمیشہ کی خوش نصیبی و بدنصیبی:

بزار اور بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن آدم کے بیٹے کو لا کر میزان کے دونوں پلڑوں کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور ایک فرشتے کو میزان پر مقرر کیا جائے گا اب اگر اس کی میزانیں بھاری نکلیں تو وہ فرشتہ ایسی آواز سے جس کو ساری مخلوق سنے گی کہے گا، فلاں شخص خوش نصیب ہو گیا اس کے بعد کبھی بدنصیب نہ ہوگا اور اگر اس کی میزانیں ہلکی نکلیں تو وہ فرشتہ ایسی آواز سے جس کو ساری مخلوق سنے گی کہے گا فلاں شخص بدنصیب ہو گیا آئندہ اس کے بعد کبھی خوش نصیب نہ ہوگا۔ اس حدیث میں خفت سے مراد ہے بالکل وزن نہ ہونا۔

گنہگار مؤمنوں کے اعمال دوبار تلیں گے:

میں کہتا ہوں شاید گنہگار مؤمنوں کے اعمال دوبار تولے جائیں گے اگر اس کی نیکیوں میں کسی قدر ہلکا پن ہوگا تو اس کو اس وقت تک کے لئے دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا کہ وہ پاک صاف ہو جائے پھر پاک صاف ہونے کے بعد اس کے اعمال کی پھر تول کی جائے گی اس وقت اس کی میزانیں بھاری نکلیں گی تو فرشتہ ندا دے گا فلاں شخص خوش نصیب ہو گیا اس کے بعد کبھی بدنصیب نہ ہوگا۔ ہم نے سورت القارعہ میں اس بحث کی کسی قدر تحقیق کر دی ہے۔

آیت مندرجہ بالا میں صرف کفار مراد ہیں اس کی دلیل اس سے آگے آنے والی آیت ہے فرمایا ہے فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ الخ وہ یہی لوگ ہوں گے جنہوں نے خود اپنا نقصان کیا اور نفس کو کامل کرنے کا جو وقت تھا وہ کھو دیا۔ (مظہری)

امت محمدیہ کے چہرے کو آگ نہیں جلائے گی:

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ جلس دے گی ان کے چہروں کو آگ۔ یعنی

ان کے چہروں کو آگ جلا ڈالے گی۔ (کذا فی القاموس) اور مومن کے چہرے کو آگ نہیں جلائے گی۔ مسلم نے حضرت جابر کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس امت کے کچھ لوگ دوزخ میں جائیں گے اور آگ ان کو جلائے گی لیکن ان کے چہروں کے گھیرے کو نہیں جلائے گی پھر کچھ مدت کے بعد ان کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔

پورے جسم کا گوشت اتر جائے گا:

ابن مردویہ اور ضیاء نے حضرت ابو درداء کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ کے متعلق دریافت کیا گیا فرمایا آگ کی ان کو ایک لپٹ لگے گی کہ ان کے گوشت بہہ کر ایڑیوں پر جا پڑیں گے۔ طبرانی نے الاوسط میں اور ابو نعیم نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم کی طرف جب دوزخیوں کو ہنکا کر لے جایا جائے گا تو آگ کی ایک لپٹ ان کو ایسی لگے گی کہ گوشت کو ہڈی پر لگا نہ چھوڑے گی سارا گوشت ایڑیوں پر (بہا کر) ڈال دے گی۔

شکلیں بگڑ جائیں گی:

وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ اور آگ کے اندر ان کی صورتیں بگڑ جائیں گی۔ کلوح کا معنی ہے دونوں ہونٹوں کا دانتوں کے اوپر سے سکڑ جانا (یعنی نیچے کا ہونٹ نیچے کی طرف آ جانا اور اوپر کا ہونٹ اوپر کو اٹھ جانا) ترمذی نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے لکھا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ کی تشریح میں فرمایا آگ اس کو بھون ڈالے گی کہ اوپر کا ہونٹ بالائی جانب کو اتنا اٹھ جائے گا کہ سر کے وسط تک پہنچ جائے گا اور نچلا ہونٹ اتنا لٹک جائے گا کہ ناف سے جا لگے گا۔

ہناد نے بیان کیا کہ حضرت ابو مسعودؓ نے آیت وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ کے متعلق فرمایا جیسے پکی ہوئی سری جس کے دانت باہر نکل آئے ہوں اور ہونٹ سکڑ گئے ہوں۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝

کیا تم کو سنائی نہ تھیں ہماری آیتیں پھر تم ان کو جھٹلاتے تھے

منکروں کو جتلایا جائے گا:

یعنی اس وقت ان سے یوں کہیں گے گویا جن باتوں کو دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے، اب آنکھوں سے دیکھ لو سچی تھیں یا جھوٹی؟ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ۝

بولے اے رب زور کیا ہم پر ہماری کم بختی نے اور رہے ہم لوگ بہکے ہوئے

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ۝

اے ہمارے رب نکال لے ہم کو اس میں سے اگر ہم پھر کریں تو ہم گنہگار

منکروں کا اعتراف: یعنی اعتراف کریں گے کہ بیشک ہماری بدبختی نے دھکا دیا جو سیدھے راستہ سے بہک کر اس ابدی ہلاکت کے گڑھے میں آ پڑے۔ اب ہم نے سب کچھ دیکھ لیا۔ از راہ کرم ایک دفعہ ہم کو یہاں سے نکال دیجئے پھر کبھی ایسا کریں تو گنہگار، جو سزا چاہے دیجئے گا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ۝ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ

فرمایا پڑے رہو پھٹکارے ہوئے اس میں اور مجھ سے نہ بولو ایک فرقہ تھا

مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا

میرے بندوں میں جو کہتے تھے اے رب ہمارے ہم یقین لائے سو معاف

وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝

کر ہم کو اور رحم کر ہم پر اور تو سب رحم والوں سے بہتر ہے

وہاں فریاد نہیں سنی جائے گی:

یعنی بک بک مت کرو، جو کیا تھا اب اس کی سزا بھگتو۔ آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جواب کے بعد پھر فریاد منقطع ہو جائے گی۔ بجز زفیر و شہیق کے کچھ کلام نہ کر سکیں گے۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

حسن نے کہا دوزخیوں سے یہ آخری کلام ہوگا اس کے بعد وہ کلام نہ کر سکیں گے سوائے دم گھٹنے اور آہیں بھرنے کے اور کوئی بات نہ کر سکیں گے۔ کتوں کی طرح بھونکیں گے نہ خود بات سمجھیں گے نہ اپنی بات سمجھا سکیں گے، قرطبی نے کہا، جب اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ان سے کہہ دیا جائے گا تو ان کی ساری امیدیں کٹ جائیں گی، بالکل نراس ہو جائیں گے اور ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے بھونکیں گے اس وقت دوزخ اوپر سے بند کر دی جائے گی۔

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ

پھر تم نے ان کو ٹھٹھوں میں پکڑا یہاں تک کہ بھول گئے ان کے پیچھے میری یاد

وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ۝

اور تم ان سے ہنستے رہے

دنیا میں مومنوں پر ہنستے تھے:

یعنی دنیا میں مسلمان جب اپنے رب کے آگے دعا و استغفار کرتے تو تم کو ہنسی

سوجھتی تھی۔اس قدر ٹھٹھا کرتے اور اُن کے نیک خصلتوں کا استہزاء اڑاتے تھے کہ انکے پیچھے پڑ کر تم نے مجھے بھی یاد نہ رکھا، گویا تمہارے سر پر کوئی حاکم ہی نہ تھا جو کسی وقت ان حرکتوں پر نوٹس لے اور ایسی سخت شرارتوں کی سزا دے سکے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنِّیْ جَزَیْتُهُمُ الْیَوْمَ بِمَا صَبَرُوْۤا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآىِٕزُوْنَ

میں نے آج دیا اُن کو بدلہ اُن کے صبر کرنے کا کہ وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے

مؤمنین کے صبر کا اجر:

بیچارے مسلمانوں نے تمہاری زبانی اور عملی ایذاؤں پر صبر کیا تھا، آج دیکھتے ہو تمہارے بالمقابل اُن کو کیا پھل ملا۔ ان کو ایسے مقام پر پہنچا دیا جہاں وہ ہر طرح کامیاب اور ہر قسم کی لذتوں اور مسرتوں سے ہمکنار ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِیْنَ ۝ قَالُوْا

فرمایا تم کتنی دیر رہے زمین میں برسوں کی گنتی سے بولے

لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ فَسْــٴَـلِ الْعَآدِّیْنَ ۝

ہم رہے ایک دن یا کچھ دن سے کم تو پوچھ لے گنتی والوں سے

دنیا کی زندگی بہت کم معلوم ہوگی:

یعنی فرشتوں سے جنہوں نے ہر نیکی بدی گن رکھی ہے یہ بھی گنا ہوگا ''زمین میں رہنا'' یعنی قبر میں رہنا یا دنیا کی عمر، یہ بھی وہاں تھوڑی نظر آئیگی۔ یہ پوچھنا اس واسطے کہ دنیا میں عذاب کی شتابی کیا کرتے تھے، اب جانا کہ شتاب ہی آیا۔ کذافی موضح القرآن۔ (تفسیر عثمانی)

دنیا کی زندگی قلیل کیوں معلوم ہوگی:

(۱) دکھ اور تکلیف کے وقت کو آدمی طویل سمجھتا ہے اور اس سے پہلے گذرے ہوئے زمانے کو چھوٹا جانتا ہے۔ (۲) پچھلی مدت تو گذر چکی تھی اور جو مدت گذر چکے وہ حقیر ہی معلوم ہوتی ہے۔ (۳) آخرت کی زندگی لامحدود ہے اس کے مقابلے میں یہ دنیوی زندگی اور قبر میں رہنے کی مدت بہت ہی کم ہے۔ (۴) پچھلی زندگی خوشی میں گذری اور خوشی کے ایام چھوٹے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ یہ آخری توجیہ اس صورت میں صحیح ہوگی جب مدت قیام سے صرف دنیا میں زندگی کی مدت مراد ہو۔ قبر کی مدت مراد نہ ہو کیونکہ نصوص قطعیہ اور اجماع سے ثابت ہے کہ (کافروں کے لئے خصوصیت کے ساتھ) عذاب قبر حق ہے۔ (تفسیر مظہری)

قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

فرمایا تم اُس میں بہت نہیں تھوڑا ہی رہے ہو اگر تم جانتے ہوتے

کاش کہ دنیا میں سمجھ جاتے:

یعنی واقعی دنیا کی عمر تھوڑی ہی تھی۔ لیکن اگر اس بات کو پیغمبروں کے کہنے سے دنیا میں سمجھ لیتے تو کبھی اس متاع فانی پر مغرور ہو کر انجام سے غافل نہ ہوتے اور وہ گستاخیاں اور شرارتیں نہ کرتے جن کا دنیا کے زائل وفانی لذتوں میں پڑ کر ارتکاب کیا۔ (تفسیر عثمانی)

لَوْ اَنَّكُمْ تمنائی ہے جس کے اندر توبیخ وملامت بھی ہے، یعنی کاش تم دنیا میں جان لیتے کہ وہاں تمہاری مدت قیام تھوڑی ہے پھر اس زندگی کو کھیل کود، تکمیل خواہشات اور نفس پرستی میں نہ کھودیتے اور آج کے دن کی پیشی کو نہ بھولتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، دنیا میں ایسے رہو جیسے تم مسافر یا راہ گیر ہو۔ رواہ البخاری عن ابن عمر، امام، ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں حدیث مذکورہ کے آخر میں یہ بھی ہے کہ اپنے آپ کو قبروں والوں میں شمار کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، آخرت میں یہ دنیا بس ایسی ہوگی جیسے کوئی شخص اپنی انگلی (ذرا) سمندر میں ڈال (کر نکال) لے پھر دیکھے کہ انگلی (سمندر کے پانی سے) کیا لے کر لوٹی۔ رواہ احمد وابن ماجہ ومسلم عن المستورد۔ (تفسیر مظہری)

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ

سو کیا تم خیال رکھتے ہو کہ ہم نے تم کو بنایا کھیلنے کو اور تم

اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝

ہمارے پاس پھر کر نہ آؤ گے

تمہیں یونہی فضول نہیں بنایا:

یعنی دنیا میں تو نیکی بدی کا پورا نتیجہ نہیں ملتا۔ اگر اس زندگی کے بعد دوسری زندگی نہ ہو تو گویا یہ سب کارخانہ محض کھیل تماشہ اور بے نتیجہ تھا۔ سوحق تعالیٰ کی جناب اس سے بہت بلند ہے کہ اُس کی نسبت ایسا رکیک خیال کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَاۤ اِلٰهَ

سو بہت اوپر ہے اللہ وہ بادشاہ سچا کوئی حاکم

اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِیْمِ ۝

نہیں اسکے سوائے مالک اُس عزت کے تخت کا

اللہ تعالیٰ وفاداروں کو یونہی نہیں چھوڑے گا:

جب وہ بالا وبرتر، شہنشاہ، مالک علی الاطلاق ہے تو ہو نہیں سکتا کہ وفاداروں

اور مجرموں کو یوں کس مپرسی کی حالت میں چھوڑ دے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلْمَلِكُ الْحَقُّ حقیقی بادشاہ جس کو حکومت کا حق ہے (اور جس کی حکومت واقعی ہے) دوسری مخلوق بالذات مالک نہیں مملوک ہے، (حاکم نہیں محکوم ہے) اس کی مالکیت (اور شاہیت) بالعرض ہے یعنی جب اللہ ہی بادشاہ حقیقی ہے تو اس کا فعل عبث نہیں ہوسکتا۔

اَلْعَرْشِ الْكَرِيْمِ عرش بزرگ۔ اللہ کی پر عظمت تجلیات خصوصی طور پر عرش پر پڑتی ہیں اسی لئے اس کی صفت کریم قرار دی۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ

اور جو کوئی پکارے اللہ کے ساتھ دوسرا حاکم جس کی سند نہیں

لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ

اُس کے پاس، سو اس کا حساب ہے اس کے رب کے نزدیک

یعنی وہاں حساب ہوکر مقدار جرم کے موافق سزا دی جائیگی۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت باطل ہے:

پکارنے سے مراد ہے عبادت کرنا۔ یہ دوسری صفت ہے اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت باطل ہے اور باطل کی کوئی دلیل نہیں یہ دوسری صفت یا تو محض تاکیدی ہے یا اس لئے ذکر کی گئی ہے کہ حکم توحید کی بنا اسی پر ہے۔ اس امر پر تنبیہ بھی ہے کہ کوئی ایسا دین اختیار کرنا جس کی کوئی دلیل نہ ہو ممنوع ہے چہ جائیکہ اس (عقیدہ و عمل) کے خلاف دلیل موجود ہو۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا آخری خطبہ:

امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آخری خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ لوگو تم بیکار اور عبث پیدا نہیں کئے گئے اور تم مہمل چھوڑ نہیں دیئے گئے، یاد رکھو وعدے کا ایک دن ہے جس میں خود خدائے تعالیٰ فیصلے کرنے اور حکم فرمانے کے لئے نازل ہوگا۔ وہ نقصان میں پڑا اس نے خسارہ اٹھایا وہ بے نصیب اور بدبخت ہوگیا وہ محروم اور خالی ہاتھ رہا جو خدا کی رحمت سے دور ہوگیا اور جنت سے روک دیا گیا جس کی چوڑائی مثل کل زمینوں اور آسمانوں کے ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کل قیامت کے دن وہ عذاب خدا سے بچ جائے گا جس کے دل میں اس دن کا خوف آج ہے اور جو اس فانی دنیا کو اس باقی آخرت پر قربان کر رہا ہے، اس تھوڑے کو اس بہت کے حاصل کرنے کے لئے بے تکان خرچ کر رہا ہے اور اپنے اس خوف کو امن سے بدلنے کے اسباب مہیا کر رہا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ تم سے اگلے ہلاک ہوئے جن کے قائم مقام اب تم ہو اسی طرح تم بھی مٹا دیئے جاؤ گے اور تمہارے بدلے آئندہ آنے والے آئیں گے یہاں تک کہ ایک وقت آئے گا کہ ساری دنیا سمٹ کر اس خیر الوارثین کے دربار میں حاضری دے گی، لوگو خیال تو کرو کہ تم دن رات اپنی موت سے قریب ہو رہے ہو اور اپنے قدموں اپنی گور کی طرف جا رہے ہو تمہارے پھل پک رہے ہیں تمہاری امیدیں ختم ہو رہی ہیں تمہاری عمریں پوری ہو رہی ہیں تمہاری اجل نزدیک آگئی ہے تم زمین کے گڑھوں میں دفن کر دیئے جاؤ گے جہاں نہ کوئی بستر ہوگا نہ تکیہ، دوست احباب چھوٹ جائیں گے حساب کتاب شروع ہو جائے گا۔ اعمال سامنے آجائیں۔ گے جو چھوڑ آئے ہو وہ دوسروں کا ہو جائے گا جو آگے بھیج چکے اسے سامنے پاؤ گے نیکیوں کے محتاج ہوگے بدیوں کی سزائیں بھگتو گے۔ اے اللہ کے بندو اللہ سے ڈرو اس کی باتیں سامنے آجائیں۔ اس سے پہلے موت تم کو اچک لے جائے، اس سے پہلے جوابدہی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اتنا کہا تھا جو رونے کے غلبے نے آواز بلند کر دی منہ پر چادر کا کونہ ڈال کر رونے لگے اور حاضرین کی بھی آہ وزاری شروع ہوگئی۔

جن کا علاج:

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک بیمار شخص جسے کوئی جن ستا رہا تھا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو آپ نے اسے سورت کے ختم تک کی آیتیں اس کے کان میں تلاوت فرمائیں۔ وہ اچھا ہوگیا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا عبداللہ تم نے اس کان میں کیا پڑھا تھا؟ آپ نے بتلا دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے یہ آیتیں اس کے کان میں پڑھ کر اسے جلا دیا، واللہ ان آیتوں کو اگر کوئی با ایمان بایقین شخص کسی پہاڑ پر پڑھے تو وہ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائے۔

غرق ہونے سے تحفظ کی دُعاء:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری امت کا ڈوبنے سے بچاؤ کشتیوں میں سوار ہونے کے وقت یہ کہنا ہے، بِسْمِ اللّٰهِ الْمَلِكِ الْحَقِّ

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (ابن کثیر)

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ

بیشک بھلا نہ ہوگا منکروں کا اور تو کہہ اے رب معاف کر

وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

اور رحم کر اور تو ہے بہتر سب رحم والوں سے

دُعائے مغفرت:

یعنی ہماری تقصیرات سے درگذر فرما اور اپنی رحمت سے دنیا و آخرت میں سرفراز کر۔ تیری رحمت بے نہایت کے سامنے کوئی چیز مشکل نہیں۔

آخری آیات کا ورد رکھنا چاہئے:

اَفَحَسِبْتُمْ سے ختم سورۃ تک کی یہ آیتیں بہت بڑی فضیلت اور تاثیر رکھتی ہیں، جس کا ثبوت بعض احادیث سے ہوا ہے اور مشائخ نے تجربہ کیا ہے۔ چاہئے کہ ان آیات کا ورد رکھا جائے، خاتمہ پر وہ دعا تبرکا و تفاؤلاً نقل کرتا ہوں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کو تلقین فرمائی کیونکہ اُس کے الفاظ ان آیات کے مناسب ہیں اَللّٰھُم اِنِیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْماً کَثِیْرًا و اِنَّہٗ لَایَغْفِرُ الذُّنُوبَ اِلاَّ اَنْتَ فَاغْفِر لِی مَغْفِرۃً مِنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔

تم سورۃ المؤمنون بفضلہ ومنہ وحسن توفیقہ ونرجومنہ اکمال بقیۃ الفوائد۔

(تفسیر عثمانی)

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ اور آپ کہا کریں اے میرے رب (میری خطائیں) معاف کردے اور (میرے حال پر) رحم فرما تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ یعنی اے اللہ تو میری تمام خطاؤں کو معاف فرمادے (خطاؤں کی معافی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر تکلیف دہ ضرر رساں چیز سے حفاظت ہوجائے گی) اور مجھ پر رحم فرما (ہر طرح کے رحم کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ ہر فائدہ بخش چیز عنایت فرمادیگا۔ مغفرت کا لازمی نتیجہ دفع مضرت ہے اور رحمت کا لازمی نتیجہ حصول منفعت)۔

اختتام سورۃ و آغاز سورۃ کا ربط: شروع سورت میں اہل ایمان کے لئے فلاح کو ثابت کیا اور اخیر سورت میں کافروں سے فلاح کی نفی کی۔

نبی اور امت کی دُعاء: اے نبی آپ اور آپ کے متبعین ہمیشہ یہ دعا مانگا کریں۔ اے میرے پروردگار ہمارا قصور معاف فرما اور ہم پر اپنی خاص رحمت فرما یعنی ہم کو اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما۔ اور ایمان پر قائم رکھ اور تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ کہ تیری رحمت کے بعد کسی کی رحمت کی حاجت نہیں رہتی۔

مقصود امت کو تعلیم ہے کہ اس طرح دعا مانگا کریں۔ گناہوں سے استغفار بھی فلاح کا ذریعہ ہے اگر اعمال صالحہ میں کوتاہی ہو تو استغفار سے گریز نہ کرے۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ۔

مجاہدین کا ورد: اَفَحَسِبْتُمْ سے لے کر ختم سورت تک یہ آیتیں بڑی فضیلت رکھتی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لئے ایک سَرِیَّۃ (چھوٹا لشکر) روانہ فرمایا اور یہ حکم دیا کہ صبح اور شام یہ آیتیں پڑھا کریں یعنی اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا الخ

صحابہ کہتے ہیں کہ ہم نے حسب الارشاد یہ آیتیں پڑھیں تو ہم صحیح سالم مال غنیمت لے کر واپس آئے۔ اخرجہ ابن السنی وابن مندہ و ابو نعیم بسند حسن — روح المعانی ص:۶۵ ج۱۸

پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک مصیبت زدہ شخص پر گزر ہوا جس کے کان میں تکلیف تھی۔ عبداللہ بن مسعود نے اَفَحَسِبْتُمْ سے لے کر آخر سورت تک آیتیں پڑھ کر اس کے کان میں دم کیں تو وہ اچھا ہوگیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو یہ فرمایا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر یقین والا مرد اس کو پہاڑ پر پڑھ دے تو وہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔ اخرجہ الحکیم و الترمذی وابن المنذر وابو نعیم فی الحلیۃ و اخرون عن ابن مسعود (روح المعانی ص:۶۵ ج۱۸، تفسیر قرطبی ص ۱۵۷، ج۱۲) (معارف کاندھلویؒ)

الحمدللہ سورۃ المؤمنون ختم ہوئی

سورة النور

جس نے اس کی خواب میں تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہوگا جو امر کو بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے ہیں اور اللہ کیلئے کسی سے محبت کریگا اور اللہ ہی کیلئے بغض رکھے گا دنیا میں اس کو کوئی مرض لاحق ہوگا۔ (علامہ ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّسِتُّوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ
سورۂ نور مدینہ میں نازل ہوئی اور اُس کی چونسٹھ آیتیں اور نو رکوع ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ
یہ ایک سورت ہے کہ ہم نے اُتاری اور ذمہ پر لازم کی اور اتاریں اس میں
اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ①
باتیں صاف تا کہ تم یاد رکھو

سورۂ نور کے مضامین:

یہ سورۃ بعض نہایت ضروری احکام وحدود، امثال و مواعظ، حقائق توحید اور بہت ہی اہم تنبیہات و اصلاحات پر مشتمل ہے اس کا سب سے زیادہ ممتاز اور سبق آموز حصہ وہ ہے، جس کا تعلق قصہ ''افک'' سے ہے۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے جو جھوٹی تہمت لگائی تھی اُس میں بعض سادہ دل اور مخلص مسلمانوں کے پائے استقامت کو بھی قدرے لغزش ہوگئی تھی جس کا خطرناک اثر نہ صرف عائشہ صدیقہؓ کی پوزیشن پر پڑتا تھا، بلکہ ایک حیثیت سے خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ مجد و شرف تک پہنچتا تھا، اس لئے ضروری ہوا کہ قرآن کریم پورے اہتمام اور قوت سے ایسی خوفناک غلط کاری یا غلط فہمی کی اصلاح کرے اور ہمیشہ کے لئے ایمانداروں کے کان کھول دے کہ آئندہ کبھی دشمنوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوکر ایسی ٹھوکر نہ کھائیں پیغمبر علیہ السلام کا مرتبہ رفیع یا امہات المؤمنین کی پاک و محترم حیثیت ایسی نہیں جسکے سمجھنے اور یاد رکھنے میں کوئی مسلمان کسی وقت بھی ذرا تساہل روا رکھے۔ شاید اسی لئے سورت کا آغاز ان الفاظ سے فرمایا سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا الخ تا مخاطبین سمجھ لیں کہ اس کے مضامین ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں اور بہت زیادہ محفوظ رکھنے اور لازم پکڑنے کے مستحق ہیں۔ اور جو صاف صاف نصیحتیں اور کھری کھری باتیں اس سورت میں بیان فرمائی گئی ہیں، اس لائق ہیں کہ ہر مسلمان اُن کو حرز جان بنائے اور یاد رکھے۔ ایک منٹ کے لئے اُس سے غفلت نہ کرے ورنہ دین و دنیا کی تباہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سورۂ نور میں بیان کئے گئے احکام کی اہمیت:

اس سورت کی پہلی آیت تو بطور تمہید کے ہے جس سے اسکے احکام کا خاص اہتمام بیان کرنا مقصود ہے اور احکام میں سب سے پہلے زنا کی سزا کا ذکر جو مقصود سورت، عفت اور اُس کے لئے نگاہوں تک کی حفاظت، بغیر اجازت کسی کے گھر میں جانے اور نظر کرنے کی ممانعت کے احکام آگے آنیوالے ہیں زنا کا ارتکاب ان تمام احتیاطوں کو توڑ کر عفت کے خلاف انتہائی حد پر پہنچنا اور احکام الٰہیہ کی کھلی بغاوت ہے۔ اسی لئے اسلام میں انسانی جرائم پر جو سزائیں (حدود) قرآن میں متعین کردی گئی ہیں زنا کی سزا بھی ان تمام جرائم کی سزا سے اشد اور زیادہ ہے زنا خود ایک بہت بڑا جرم ہونے کے علاوہ اپنے ساتھ سینکڑوں جرائم لیکر آتا ہے اور اُسکے نتائج پوری انسانیت کی تباہی ہے دنیا میں جتنے قتل و غارتگری کے واقعات پیش آتے ہیں تحقیق کی جائے تو ان میں بیشتر کا سبب کوئی عورت اور اُس سے حرام تعلق ہوتا ہے اس لئے شروع سورت میں اس انتہائی جرم و بے حیائی کا قلع قمع کرنے کے لئے اس کی حد شرعی بتلائی گئی ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عفت پر ایمان لانا فرض ہے:

جس طرح حضرت مریم صدیقہ کی عفت و عصمت پر ایمان لانا فرض ہے اور اس میں شک کرنا کفر ہے اسی طرح عائشہ صدیقہ بنت صدیق کی عفت و عصمت پر ایمان لانا فرض ہے اور عائشہ صدیقہ کی عصمت اور نزاہت میں شک کرنا کفر اور ارتداد ہے، دونوں کی عفت وعصمت نص قرآنی سے ثابت ہے اور نص قرآنی کا انکار کفر اور ارتداد ہے۔ (معارف کاندھلوی)

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا
بدکاری کرنے والی عورت اور مرد سو مارو ہر ایک کو دونوں میں سے
مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪
سو ۱۰۰ سو ۱۰۰ دُرّے

زانی کی سزا: یہ سزا اُس زانی اور زانیہ کی ہے جو آزاد، عاقل، بالغ ہو اور نکاح کئے ہوئے نہ ہو یا نکاح کرنے کے بعد ہمبستری نہ کر چکے ہوں اور جو آزاد نہ ہو

اسکے پچاس دُرّے لگتے ہیں، اُس کا حکم پانچویں پارہ کے اول رُکوع کے ختم پر مذکور ہے۔ اور جو عاقل یا بالغ نہ ہو وہ مکلف ہی نہیں اور جس مسلمان میں تمام صفتیں موجود ہوں (حریت بلوغ، عقل، نکاح اور ہمبستری سے فراغ) ایسے شخص کو ''محصن'' کہتے ہیں۔ اُس کی سزا ''رجم'' (سنگسار کرنا) ہے جیسا کہ سورۂ مائدہ میں ''تورات'' کے حوالہ سے فرمایا وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ الخ اور وہ حکم اللہ رجم تھا جیسا کہ وہاں کے فوائد میں گذر چکا۔

زناء اور قتل عمداور مرتد کی سزامیں تورات کا حکم باقی رکھا گیا:

چنانچہ نبی کریم نے اس کے موافق فیصلہ کیا اور فرمایا ''اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَوَّلُ مَنْ اَحْيَآ اَمْرَكَ اِذْ اَمَاتُوْهُ'' (خدایا! میں پہلا شخص ہوں جس نے تیرے حکم کو زندہ کیا جبکہ وہ اُسے مٹا چکے تھے) پھر نہ صرف اُن یہود کو بلکہ جس قدر واقعات اس قسم کے پیش آئے اُن سب میں زانی محصن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی رجم کی سزا دی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل برابر اسی قانون رجم پر رہا۔ بلکہ اہل سنت والجماعت میں کسی ایک شخص نے بھی اس سے اختلاف کی جُرأت نہ کی۔ گویا سنت متواترہ اور اجماع اہل حق نے بتلا دیا کہ اس مسئلہ میں شریعت محمدیہ نے تورات کے حکم کو باقی رکھا ہے جیسا کہ قتل عمد کی سزا قتل ہونا قرآن کریم نے بحوالہ تورات بیان فرمایا تھا وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ الخ اور مُرتدین کے قتل کا بنی اسرائیل کو حکم دینا سورۂ ''بقرۃ'' میں بیان کیا گیا۔ فَتُوْبُوْآ اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْآ اَنْفُسَكُمْ پھر ان ہی احکام کو اُمت محمدیہ کے حق میں بھی قائم رکھا گیا۔

ان احکام کی حفاظت فرض ہے:

شاید رجم محصن اور مسئلہ قصاص کو نقل کرنے کے بعد جو بڑی شدت و تاکید سے ترک حکم بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کی بُرائی بیان فرمائی اور آخر میں ارشاد ہوا وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ الخ اس سے یہی غرض ہو کہ تورات کے یہ احکام اب قرآن کے زیر حفاظت ہیں جن کے قائم رکھنے میں پیغمبر کو کسی کی اہواء وآراء کی پروا نہیں کرنی چاہئے۔ چنانچہ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پروا کی نہ آپ کے خلفاء نے۔ حتی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب رجم محصن کے متعلق یہ اندیشہ ہوا بلکہ مکشوف ہو گیا کہ آگے چل کر بعض زائغین اس کا انکار کرنے لگیں گے (چنانچہ خوارج نے اور ہمارے زمانہ کے ایک ممسوخ فرقہ نے کیا) تو آپ نے منبر پر چڑھ کر صحابہ وتابعین کے مجمع میں اس حکم خداوندی کا بہت شدّ ومدّ سے اعلان فرمایا اور اس میں قرآن کی ایک آیت کا حوالہ دیا جس میں رجم محصن کا صریح حکم تھا اور جس کی تلاوت گو بعد میں منسوخ ہو گئی مگر حکم برابر باقی رہا۔

(تنبیہ) کسی آیت کا محض منسوخ التلاوت ہونا اور حکم باقی رہنا یہ ایک مستقل مسئلہ ہے جسکی تحقیق ان مختصر فوائد میں درج نہیں ہو سکتی۔ انشاء اللہ العزیز اگر مستقل تفسیر قرآن لکھنے کی نوبت آئے تو وہاں لکھا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وہ لوگ جو رحمت سے محروم ہیں

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تین قسم کے لوگ ہیں جو جنت میں نہ جائیں گے اور جن کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہ دیکھے گا (۱) ماں باپ کا نافرمان (۲) وہ عورتیں جو مردوں کی مشابہت کریں (۳) اور دیوث، اور تین قسم کے لوگ ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہ دیکھے گا (۱) ماں باپ کا نافرمان (۲) ہمیشہ کا نشے کا عادی (۳) اور راہ خدا میں دے کر احسان جتانے والا۔ مسند میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تین قسم کے لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کر دی ہے ہمیشہ کا شرابی، ماں باپ کا نافرمان اور اپنے گھر والوں میں خباثت کو برقرار رکھنے والا۔ (تفسیر ابن کثیر)

کوڑے مارنے کا طریقہ: فَاجْلِدُوْا کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ صرف جلد بدن پر مارو۔ ایسا نہ مارو جو کھال کو اُدھیڑ کر گوشت تک پہنچ جائے۔ اسی سے فقہاء نے مسئلہ ذیل کا استنباط کیا ہے۔

مسئلہ: ایسے درمیانی سائز کے کوڑے سے مارا جائے جس کے سرے پر گھنڈی (گانٹھ) نہ ہو اور ضرب بھی درمیانی طور پر ماری جائے۔ ابن ابی شیبہ نے حنظلہ سدوسی کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت انس بن مالک فرماتے تھے، حکم دیا جاتا تھا کہ کوڑے کی گھنڈی کاٹ دی جائے، پھر اس کے سرے کو دو پتھروں میں رکھ کر خوب کوٹ دیا جائے پھر مارا جائے۔ حنظلہ کا بیان ہے، میں نے دریافت کیا حضرت کس کے زمانہ میں ایسا کیا جاتا تھا فرمایا حضرت عمر بن خطاب کے عہد (خلافت) میں۔

عبدالرزاق نے یحییٰ بن ابی کثیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ایسے جرم کا ارتکاب ہو گیا ہے جو موجب حد ہے اس لئے مجھ پر حد (شرعی) جاری فرما دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کوڑا طلب فرمایا، حکم کی تعمیل کی گئی، لیکن جو کوڑا پیش کیا گیا وہ سخت بھی تھا اور اس میں (سرے پر) گھنڈی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے کم (سخت) لاؤ۔ حسب الحکم ایک اور کوڑا پیش کیا گیا جو شکستہ بھی تھا اور نرم بھی فرمایا اس سے اونچے درجہ کا لاؤ (یعنی اتنا نرم بھی نہ ہو اور پہلے کوڑے کی طرح سخت اور گرہ دار بھی نہ ہو) چنانچہ درمیانی حیثیت کا کوڑا لایا گیا، فرمایا، یہ ٹھیک ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کوڑے سے اس شخص کو پٹوایا۔ ابن ابی شیبہ نے زید بن اسلم کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے اور امام مالک نے موطا میں بھی اس کو ذکر کیا ہے۔

نکتہ: زنا کی رغبت کا ظہور عموماً عورت کی طرف سے پہلے ہوتا ہے وہ

اکثر مردوں کے سامنے خودنمائی کرتی ہے اس لئے آیت میں زانیہ کا لفظ زانی کے لفظ سے پہلے ذکر کیا اور چوری کا صدور عام طور پر مردوں سے ہی ہوتا ہے اس لئے آیت سرقہ میں السارق کا ذکر السارقة سے پہلے کیا۔

مسئلہ: علمائے امت اسلامیہ کا اتفاق ہے کہ اگر زانی اور زانیہ آزاد، عاقل، بالغ اور کنوارے ہوں تو ہر ایک کے سو کوڑے مارے جائیں اس آیت میں یہی حکم دیا گیا ہے۔ اس سے زیادہ اور کوئی سزا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نہیں دی جاسکتی۔

حضرت زید بن خالد کا بیان ہے میں نے خود سُنا ناکتخدا زانی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے، سو کوڑے مارنا اور ایک سال کی جلاوطنی۔ رواہ البخاری۔

صحیحین میں حضرت زین بن خالد اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخصوں نے اپنا مقدمہ پیش کیا، ایک نے کہا کتاب اللہ کے موافق ہمارے درمیان فیصلہ کر دیجئے اور مجھے کچھ بولنے کی اجازت دیجئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیان کرو۔ اس شخص نے کہا میرا بیٹا اس شخص کے پاس مزدور تھا۔ میرے بیٹے نے اس کی بیوی سے زنا کیا، لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تیرے بیٹے کو سنگسار کی سزا دی جائے گی میں نے سزا سے بچانے کے لئے بطور معاوضہ اس شخص کو سو بکریاں اور ایک باندی دیدی، پھر علماء سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا تیرے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لئے شہر بدر کیا جائے گا اور اس عورت کو سنگسار کیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان سننے کے بعد فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تم دونوں کا فیصلہ کتاب اللہ کے موافق کروں گا، تیری بکریاں اور باندی تو واپس کی جائیں گی اور تیرے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لئے شہر بدر کیا جائے گا اور (حضرت انسؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا) اُنس اُٹھ اور میرے پاس اس شخص کی عورت کو لوٹا کر لے آ۔ اگر وہ اقرار کر لے تو اس کو سنگسار کر دے، چنانچہ اس عورت نے اقرار کر لیا اور اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگسار کرا دیا۔

امام مالک اور امام شافعیؒ کا مسلک:

امام مالک نے شہر بدر کرنے کا حکم صرف مردوں کے لئے خاص قرار دیا ہے، اور عورتوں کے لئے شہر بدر کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اور امام شافعی نے محرم کے ہمراہ ہونے کی شرط لگائی ہے۔

طحاوی نے لکھا ہے کہ جب عورتوں کے لئے تنہا سفر کرنے کی وجہ سے شہر بدر کرنے کا حکم ان کے لئے باقی نہیں رہا تو مردوں کو شہر بدر کرنے کی نفی بھی اس سے نکل آئی۔

جلاوطنی حدّ زناء کا حصہ نہیں ہے:

طحاوی نے لکھا ہے کہ حدّ زنا میں تغریب (جلاوطنی) داخل نہیں اس کا ثبوت حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث سے ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اگر تم میں سے کسی کی باندی زنا کرے اور فعل زنا ثابت ہو جائے تو اس کو کوڑے لگائے جائیں اور ڈانٹ ڈپٹ یا زجر و توبیخ نہ کرے۔

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ کوئی حدیث ایسی نہیں کہ جس سے تغریب واجب کا وجوب اس طرح ثابت ہوتا ہو کہ ہم اس کو بطریق حد (زناء) واجب قرار دے سکیں۔ ہاں اقامت حد (یعنی سزائے تازیانہ کے بعد) اگر حاکم وقت کی مصلحت عامہ کا تقاضا ہو اور وہ شہر بدر بھی کر دے تو اس کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا۔

عبدالرزاق نے زہری کی روایت سے سعید بن مسیبؒ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے شراب خوری کی سزا میں ربیعہ بن امیہ کو جلاوطن کر کے خیبر بھیج دیا ربیعہ ہرقل سے جا کر مل گیا اور عیسائی ہو گیا حضرت عمر کو جب یہ اطلاع ملی تو فرمایا آئندہ میں کسی مسلمان کو جلاوطنی کی سزا نہیں دوں گا۔

حدّ کے علاوہ جلاوطنی حاکم کا صوابدیدی عمل ہے:

اگر حاکم وقت مصلحت سمجھے کہ سزاء تازیانہ کے ساتھ شہر بدر بھی کر سکتا ہے بمصلحت حاکم شہر بدر کرنا جائز ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث تغریب اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان کے فیصلے جو روایت میں آتے ہیں ان سب کا مطلب یہی ہے (کہ حاکم کا یہ اختیار تمیزی ہے اگر وہ چاہے تو جلاوطن بھی کر دے) شہر بدر کرنے کا جواز صرف زنا کی صورت میں ہی نہیں ہے بلکہ حاکم اگر مصلحت سمجھے تو ہر مفسد کو جلاوطن کر سکتا ہے۔

طحاوی نے حضرت عمرو بن شعیب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنے غلام کو قتل کر دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سو کوڑے لگوائے پھر اس کو ایک سال کے لئے شہر بدر کر دیا اور (اس کا حصہ) مسلمانوں کی فہرست سے خارج کر دیا اور ایک بردہ آزاد کرنے کا اسکو حکم دیا۔

سعید بن منصور راوی ہیں کہ ایک شخص نے رمضان میں شراب پی تھی حضرت عمر نے اس کو دو سو کوڑے لگوائے اور جلاوطن کر کے شام کی طرف بھیج دیا۔ بخاری نے اس روایت کے ایک حصہ کو بطور تعلیق بیان کیا ہے۔ بغوی نے الجعدیات میں اتنا زائد بیان کیا ہے کہ حضرت عمر جب کسی شخص پر غضبناک ہوتے تھے تو اس کو شام کی طرف بھیج دیتے تھے بیہقی کی روایت میں آیا ہے کہ بصرہ کی طرف جلاوطن کر کے بھیج دیتے تھے۔ عبدالرزاق نے بوساطت معمر از ایوب از نافع بیان کیا کہ حضرت عمر نے فدک کی طرف (ایک شخص کو) شہر بدر کر کے بھیج دیا۔

ترکِ معصیت اور تزکیہ کیلئے ہجرت:

مشائخ کرام اسی لئے اگر کسی مرید کے اندر غلبۂ نفسانیت محسوس کرتے تو اس کو (کچھ مدت کے لئے) ترکِ وطن کا حکم دیدیتے تھے تاکہ اس کی

نفسانیت کا غلبہ ٹوٹ جائے اور دل میں نرمی آ جائے۔

میں کہتا ہوں اگر کسی مسلمان کو کوئی حاکم مبتلاء معصیت دیکھے اور اس مسلمان کو اپنے کیے پر ندامت بھی ہو اور وہ اپنے قصور پر شرمندہ بھی ہو تو اس کو سفر کرنے اور وطن کو (کچھ مدت کے لئے) چھوڑ دینے کا حکم دیدے لیکن جو مجرم اپنے قصور پر شرمندہ اور پشیمان نہ ہو اس کی سزا یہ ہے کہ جب تک توبہ نہ کرے ساری زمین سے اس کو نکال دیا جائے۔ ساری زمین سے نکال دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو قید کر دیا جائے۔ واللہ اعلم۔

سنگسار کرنا احادیث متواترہ سے ثابت ہے:

اگر زانی اور زانیہ شادی شدہ ہوں تو ان کو سنگسار کیا جائے گا، صحابہ کرام کا اس پر اتفاق ہے بعد کے علماء کا بھی اس پر اجماع ہے۔ صرف خارجی اس کے منکر ہیں کیونکہ اجماع صحابہ اور خبر آحاد کا وہ انکار کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ رجم (سنگسار کرنے) کا حکم قرآن سے ثابت نہیں۔ خبر آحاد میں آیا ہے اور خبر آحاد موجب حکم نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ رجم کا حکم احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔

حضرت عمرؓ کا خطبہ:

بیہقی کی روایت ہے کہ حضرت عمر نے خطبہ دیا اور خطبہ میں فرمایا، اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق بنا کر بھیجا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ نازل کردہ آیات میں آیت رجم بھی نازل فرمائی ہم نے وہ آیت پڑھی اور یاد رکھی (آیت یہ تھی) اَلشَّیْخُ وَالشَّیْخَۃُ اِذَا زَنَیَا فَارْجُمُوْھُمَا اَلْبَتَّۃَ نَکَالًا مِّنَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ۔ بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جب زنا کریں تو دونوں کو قطعاً اللہ کی طرف سے سزا کے طور پر سنگسار کر دو اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کرایا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کرایا اس حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا، اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ کہنے لگیں گے عمر نے کتاب اللہ میں اضافہ کر دیا تو میں مصحف کے حاشیہ پر آیت رجم لکھ دیتا ابوداؤد نے حضرت عمر کا خطبہ نقل کیا ہے اس خطبہ میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ جب طویل زمانہ گذر جائے گا تو لوگ کہنے لگیں گے کہ رجم کا حکم ہم کو کتاب اللہ میں نہیں ملتا۔ ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں (حضرت عمر نے خطبہ میں فرمایا مجھے یہ بات پسند نہیں کہ لوگ کہیں عمر نے کتاب اللہ میں اضافہ کر دیا، اگر یہ خیال نہ ہوتا تو میں اس کو قرآن میں لکھ دیتا۔ کیونکہ مجھے ڈر لگا ہوا ہے کہ آئندہ کچھ لوگ آئیں گے اور اس آیت کو قرآن میں نہیں پائیں گے تو اس کے منکر ہو جائیں گے (اور کہیں گے رجم کی کوئی آیت قرآن میں نہیں ہے) حضرت عمر نے یہ خطبہ صحابہ کے سامنے دیا تھا اور کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا (معلوم ہوا کہ آیت رجم کا قرآن میں ہونا اجماعی ہے) حاکم اور طبرانی نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جب زنا کریں تو ان کو اس لذت اندوزی کی پاداش میں سنگسار کر دو۔

صحیح ابن حبان میں آیا ہے کہ سورۃ احزاب سورۂ بقرہ کے برابر تھی اور اس میں آیت رجم الشیخ و الشیخۃ اذا زنیا الخ بھی تھی۔

تین چیزیں جو مسلمان کا خون حلال کرتی ہیں:

صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان لا الٰہ الا اللّٰہ اور محمد رسول اللّٰہ کی شہادت دیتا ہو اس کا خون حلال نہیں مگر تین وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے (۱) جان کے بدلے جان یعنی قصاص کی وجہ سے (۲) یا شادی شدہ زانی ہو (۳) یا دین سے نکل گیا ہو جماعت (مسلمین) کو چھوڑ کر علیحدہ ہو گیا ہو۔

حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف کا بیان ہے کہ جس روز حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کیا گیا تھا اس روز دریچہ سے باہر گردن نکال کر آپ نے فرمایا میں تم لوگوں کو اللہ کی قسم دیکر دریافت کرتا ہوں کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ مسلمان کا خون حلال نہیں مگر تین وجوہ میں کسی ایک وجہ سے (۱) شادی شدہ ہونے کے بعد اس نے زنا کیا ہو (۲) مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو گیا ہو (۳) یا ناحق کسی کو قتل کر دیا ہو۔ پس خدا کی قسم میں نے زنا نہیں کیا نہ اسلامی دور سے پہلے نہ اسلام کی حالت میں اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے بعد میں اسلام سے پھرا اور نہ کسی کو ناحق قتل کیا جس کو قتل کرنا اللہ نے حرام کیا ہو تو پھر تم لوگ مجھے کیوں قتل کرتے ہو۔ رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجۃ والدارمی۔ ورواہ الشافعی فی مسندہ ورواہ البزار والحاکم۔ حاکم نے اس کو برشرط شیخین صحیح قرار دیا ہے ورواہ البیہقی وابو داؤد۔ بخاری نے حسب روایت ابوقلابہ اس حدیث کو فعلی قرار دیا ہے، حضرت ابوقلابہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ نے کسی کو قتل نہیں کیا مگر تین وجوہ سے (اگر) کسی نے (ناحق) قتل کیا تو اس کو (قصاص میں) قتل کیا گیا۔ یا شادی شدہ ہوتے ہوئے کسی نے زنا کیا (تو اس کو سنگسار کیا گیا) یا کوئی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑا اور اسلام سے مرتد ہو گیا (تو اس کو قتل کیا)۔

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی سنگساری:

صحیح حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز بن مالک کو سنگسار کرایا تھا جبکہ انہوں نے خود زنا کا اقرار کیا تھا، رواہ مسلم والبخاری من حدیث ابن عباس ورواہ الترمذی وابن ماجۃ من حدیث ابی ہریرہ۔

حضور نے غیر محصن مرد کو کوڑے لگوائے اور محصنہ عورت کو سنگسار کرایا

صحیحین میں حضرت زید بن خالد کی روایت کردہ حدیث پہلے نقل کی جا

چکی ہے جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک شخص کے مزدور نے اس کی بیوی سے زنا کیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زانی کے تو کوڑے لگوائے اور ایک سال کے لئے شہر بدر کرنے کا حکم دیا۔ اور حضرت انیس سے فرمایا، انیس اٹھ کر جا، اگر عورت اعتراف کرلے تو اس کو سنگسار کردے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ پہلے اس کے کوڑے مارنا اور پھر سنگسار کرنا۔

ایک صاحب کی بیوی کی سنگساری:

طحاوی نے حضرت ابو واقد لیثی انجعی صحابی کا بیان نقل کیا ہے، حضرت ابو واقد نے فرمایا، ہم حضرت عمر کے پاس موجود تھے۔ ایک شخص حاضر ہوا، اور اس نے عرض کیا امیر المؤمنین میری بیوی نے زنا کا ارتکاب کیا ہے، اور وہ اس فعل کا اعتراف کرتی ہے، حضرت عمر نے مجھ کو چند لوگوں کے ساتھ اس عورت کے پاس دریافت کرنے کے لئے بھیجا۔ حسب الحکم ہم نے جا کر دریافت کیا اس عورت نے وہی بیان کیا جو اس کے شوہر نے کہا تھا اور کہا میرے شوہر نے سچ کہا، ہم نے یہ اطلاع حضرت عمر کو جا کر دیدی۔ آپ نے اس عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیدیا۔ سنگسار کرنے سے پہلے کوڑے نہیں لگوائے اور یہ واقعہ صحابہ کی جماعت کے سامنے کا ہے (کسی نے اس کا انکار نہیں کیا)۔

ایک خاتون کی دوہری سزا:

میں کہتا ہوں حضرت علی نے جو ہمدانیہ عورت کو دوہری سزا دی اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ پہلے اس کا شادی شدہ ہونا آپ کو معلوم نہیں ہوا تھا اس لئے کوڑے لگوائے پھر شادی شدہ ہونا معلوم ہوگیا تو رجم کی سزا دی۔ اور حضرت علی نے جو فرمایا کہ کتاب اللہ کے موافق میں اس کے کوڑے لگواتا ہوں اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق اس کو رجم کرتا ہوں اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ ناکتخدا کی سزا کوڑے مارنا قرآن میں مذکور ہے اور شادی شدہ کو سنگسار کرنے کا حکم حدیث میں ہے، پس جب تک اس کے شادی شدہ ہونے کا علم نہ تھا آپ نے قرآن کے مطابق اس کے کوڑے لگوادیئے اور جب شادی شدہ ہونے کا علم ہوگیا تو آپ نے اس کو رجم کرادیا، یہی تشریح ایک روایت میں بھی آئی ہے۔

ایک شخص کی دوہری سزا:

طحاوی نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے زنا کا ارتکاب کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اس کے کوڑے ماردیئے گئے، پھر آپ کو اطلاع ملی کہ وہ شادی شدہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رجم کرادیا۔

احصان کا معنی اور شرائط:

اُحصِنَّ سے مراد ہے نکاح کرلینا اور المحصنٰت سے مراد ہیں آزاد عورتیں۔

زانی اور زانیہ کو رجم کرنے کے لئے جو احصان کی شرط شرعاً ضروری ہے اس سے مراد ہے نکاحی ہونا یعنی صحیح نکاح میں ہونا، کیونکہ نکاح کے بعد عورت مرد کی حصن وحفاظت میں داخل ہوجاتی ہے، نتیجہ تزویج محصنؔ ہوجاتا ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محصن کو کتخدا اور غیر محصن کو ناکتخدا (ثیب اور بکر) کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

علماء نے احصانِ رجم کی شرائط میں سے زانی کا آزاد، عاقل، بالغ ہونا بھی ضروری قرار دیا ہے اور یہ بھی لازم قرار دیا ہے کہ اس نے صحیح طریقے سے نکاح کیا ہو اور نکاح کے بعد زوجہ سے قربت صنفی بھی کرلی ہو۔ یہ پانچوں شرطیں باجماع علماء ضروری ہیں (ان میں سے اگر کوئی شرط مفقود ہو تو رجم کا حکم جاری نہیں کیا جا سکتا) عقل اور بلوغ تو قابل سزا ہونے کی بلکہ اللہ کی طرف سے احکام کا مکلف اور مامور ہونے کی ضروری شرط ہے احصان رجم ہی میں ان کا خصوصی ذکر مناسب نہیں اور آزاد ہونا ہر سزا کی تکمیل کی شرط ہے رجم ہی کی کوئی خصوصیت نہیں، یہاں تک کہ غلام کے سو کوڑے بھی نہیں مارے جائیں گے بلکہ آدھی سزا دی جائے گی، ہاں نکاح کا صحیح ہونا رجم کے لئے ایک ضروری شرط ہے۔

امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک زانی کو سنگسار کرنے کے لئے اس کا مسلمان ہونا بھی ضروری ہے۔

یہودی زناکاروں کی سنگساری کا واقعہ:

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ کچھ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کا ارتکاب کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے متعلق کیا فیصلہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رجم کی بابت توریت میں تم کو کیا ملتا ہے؟ کہنے لگے (توریت کے موافق تو) زنا کرنے والوں کو ہم تعزیر کرتے ہیں (یعنی منہ کالا کرکے بازار میں گشت کراتے اور مشتہری کرتے ہیں) اور کوڑے مارتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن سلام بولے تم نے جھوٹ کہا توریت میں تو سنگسار کردینے کا حکم ہے۔ توریت لاؤ۔ توریت لائی گئی اور اس کو کھول کر پڑھا گیا تو ایک یہودی نے آیت رجم پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس نے اول وآخر کی عبارت پڑھ دی۔ عبداللہ نے فرمایا ہاتھ ہٹاؤ۔ اس نے ہاتھ ہٹایا تو آیت رجم سامنے آگئی۔ اس پر یہودی کہنے لگے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! عبداللہ نے سچ کہا، توریت میں آیت رجم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو سنگسار کردینے کا حکم نافذ فرمادیا۔ حسب الحکم دونوں کو رجم کردیا گیا۔ اس حدیث سے امام احمد وامام شافعی کے قول کا ثبوت ہوتا ہے کہ زانی کو رجم کرنے کے لئے اسلام کی شرط نہیں ہے۔

سابقہ شریعتوں کے احکام:

میں کہتا ہوں امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ گزشتہ شریعتوں کے احکام

ہمارے لئے واجب العمل ہیں تاوقتیکہ ان کا منسوخ کیا جانا ہماری شریعت میں واضح طور پر نہ آ گیا ہوخاص کر اس صورت میں تو ان کا واجب العمل ہونا ضروری قرار پا جاتا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر عمل کیا ہو شریعت سابقہ کے حکم پر رسول اللہ کا عمل کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ حکم ہماری شریعت میں بھی باقی ہے اگر ہماری شریعت میں منسوخ کر دیا گیا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ہرگز عمل نہ کرتے اور اللہ کے (آخری) نازل کردہ حکم کے خلاف کبھی حکم نہ دیتے۔ جب امام ابوحنیفہ کا خود یہ قول ہے کہ بغیر شرعی ناسخ کے شریعت سابقہ کا حکم ہمارے لئے بھی واجب العمل ہے تو پھر دیکھنا یہ ہے کہ کیا کوئی آیت یا حدیث ایسی ہے جو حکم رجم کو منسوخ کر رہی ہو ہم کو تو ایسی نہ کوئی آیت ملتی ہے نہ حدیث۔ زانی زانیہ، شیخ شیخہ، شیب اور بکر کے الفاظ تو عام ہیں مؤمن کو بھی شامل ہیں۔

مسئلہ: اگر دونوں میں سے ایک پاگل اور دوسرا عاقل ہو تو امام مالکؒ وامام شافعیؒ وامام احمدؒ کے نزدیک دونوں میں سے جو مجنون نہ ہوگا اس پر حد شرعی قائم کی جائے گی۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا اگر مرد عاقل ہے اور عورت پاگل تو حد شرعی مرد پر جاری ہوگی اور اگر عورت عاقل ہے اور مرد پاگل تو عورت پر حد جاری نہ ہوگی۔ کیونکہ فعل زنا کا فاعل تو مرد ہوتا ہے عورت تو محل زنا ہے عورت کو زانیہ مجازاً کہا جاتا ہے (حقیقت میں عورت مزنیہ ہوتی ہے) عورت کو جو زنا کی سزا دی جاتی ہے وہ صرف اس وجہ سے کہ اس نے مرد کو فعل زنا کی اجازت دی۔ باقی ائمہ نے کہا اگر عورت عذر شرعی رکھتی ہو اور اس کو سزا نہ دی جائے تو مرد جو غیر معذور ہے اجماعاً شرعی سزا سے نہیں بچ سکتا اسی طرح اگر مرد معذور ہو اور عورت عاقل ہو تو مرد کا معذور ہونا عورت سے حد شرعی کو ساقط نہیں کر سکتا۔

زناء کی تعریف:

مرد کا عورت سے آگے کے مقام میں بغیر کسی استحقاق ملکیت کے (یعنی بغیر نکاح اور بغیر ملکیت شخص کے) جماع کرنا شرعاً اور لغۃً زنا کہلاتا ہے دُبر میں جماع کرنا زنا نہیں کہلاتا خواہ مفعول عورت ہو یا مرد۔ سورت نساء کی آیت وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا کی تفسیر کے ذیل میں ہم نے لواطت کی سزا کی تشریح کر دی ہے۔

ایسی صورتیں جو زنا نہیں مگر زنا کے مشابہ ہیں:

پس اگر کسی نے اپنی حائضہ بی بی سے یا اپنی روزہ دار بیوی سے یا محرم (یعنی جس نے حج یا عمرہ کا احرام کر لیا ہو) بیوی سے یا استبراء کی مدت (تقریباً ایک ماہ) کے ختم کا انتظار کئے بغیر یا اس باندی سے جو اس کے اور دوسرے شخص کے درمیان مشترک ہو یا مشترک باندی سے یا دوسرے کی منکوحہ باندی سے یا اس باندی سے جو دودھ کے رشتہ سے حرام ہو گئی ہے صحبت کر لی تو اس کو زنا نہیں کہا جائے گا نہ اس فعل پر شرعی سزا جاری ہوگی کیونکہ ان تمام صورتوں میں کسی قدر ملکیت موجود ہے ہاں ایسا کرنے پر گناہگار ضرور ہوگا۔ اگر شبہ ملک ہو تو شرعاً اس کا حکم بھی ملک کی طرح ہے، چاروں ائمہ اور سوائے ظاہریہ فرقہ کے تمام علماء کے نزدیک حد ساقط ہو جاتی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے شبہات کی وجہ سے حدود کو ساقط کردو۔ (یعنی اگر ارتکاب جرم میں شبہ پیدا ہو جائے تو اس فعل کی مقررہ شرعی سزا جاری مت کرو) ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث بواسطہ مقسم حضرت ابن عباس کی روایت سے مسند ابوحنیفہ میں مذکور ہے۔

شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے:

ترمذی، حاکم اور بیہقی نے بطریق زہری بواسطہ عروہ حضرت عائشہ کی روایت سے حدیث مذکور کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں، جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو ساقط کرواگر اس (مجرم) کے لئے کوئی راستہ نکل سکے تو اس کو چھوڑ دو کیونکہ حاکم کا معافی میں غلطی کرنا، غلط طور پر سزا دینے سے بہتر ہے۔ اس روایت میں یزید بن زیاد دمشقی ضعیف ہے بخاری نے اس کو منکر اور نسائی نے متروک قرار دیا ہے۔ وکیع نے اس حدیث کو موقوفاً بیان کیا ہے اور یہی زیادہ صحیح بھی ہے۔ ترمذی نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ متعدد صحابہ کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت علیؓ کی مرفوع روایت کے یہ الفاظ ہیں شبہات کی وجہ سے حدود کو ساقط کردو اور حدود کو معطل کر دینا (جاری نہ کرنا) حاکم کے لئے جائز نہیں ہے (یعنی شبہات کی وجہ سے حدود کو ساقط کر دینا چاہئے لیکن ثبوت کے بعد حاکم حدود کو معطل نہیں کر سکتا) اس کی سند میں مختار بن نافع ہے جو منکر الحدیث ہے۔ امام بخاری نے اس کے متعلق یہی کہا ہے۔

اس موضوع کی صحیح ترین حدیث سفیان ثوری کے سلسلہ سے آئی ہے جس کے قائل حضرت ابن مسعود ہیں کہ شبہات سے حدود کو ساقط کر دو اور جہاں تک تم سے ہو سکے مسلمانوں سے قتل (یعنی جان لینے والی سزا) کو دفع کر دو۔ رواہ ابن ابی شیبہ۔ حضرت عقبہ بن عامر اور حضرت معاذ سے بھی یہ حدیث موقوفاً مروی ہے رواہ ابن ابی شیبہ حضرت عمر سے بھی منقطعاً اور موقوفاً یہ حدیث آئی ہے ابن حزم نے کتاب الایصال میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عمر پر اس کو موقوف قرار دیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے ابراہیم نخعی کے طریق سے حضرت عمر کا قول اس طرح نقل کیا ہے کہ اگر شبہات کی وجہ سے میں غلطی سے حدود ساقط کر دوں تو میرے نزدیک یہ فعل اس سے بہتر ہے کہ شبہات کی موجودگی میں میں حدود جاری کر دوں۔

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ شبہ کی وجہ سے سقوط حد کی حدیث کو ساری امت نے قبول کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے جو اقوال اس

سلسلہ میں مروی ہیں تو مسئلہ کا قطعی الثبوت ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعزؓ سے فرمایا تھا۔ شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا۔ شاید تو نے چھولیا ہوگا شاید تو نے دبالیا ہوگا، گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اقرار زنا کے بعد حضرت ماعزؓ کو اپنے اقرار سے لوٹ جانے کی در پردہ تلقین فرمائی تھی اور اس کا فائدہ سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کے جواب میں ہاں کہہ دیتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو چھوڑ دیتے۔ اسی طرح جو چور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا اس کے متعلق بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے خیال میں اس نے چوری نہیں کی۔

غامدیہ عورت (جس نے زنا کا اقرار کیا تھا) سے بھی ایسا ہی فرمایا تھا۔
حضرت علی نے بھی اسی طرح سراحہ سے (جس نے زنا کا اقرار کیا تھا) فرمایا تھا، شاید تو سو رہی ہوگی اور وہ تیرے اوپر آ پڑا ہوگا۔ شاید اس نے تجھ پر جبر کیا ہوگا شاید تیرے آقا نے تیرا نکاح اسی سے کرا دیا ہوگا اور تو اس بات کو چھپا رہی ہے۔ صحابہ کے اس طرح کے اقوال تلاش کے بعد بہت مل سکتے ہیں جن کی تفصیل موجب طول ہے خلاصہ یہ کہ تمام احادیث و آثار کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ حد کو ساقط کرنے کی ہر ممکن تدبیر کی جائے۔

شبہ اشتباہ: یعنی ایسا شبہ جو شبہ میں پڑنے والوں کے لئے تو ہوتا ہے اور جو شبہ نہ کریں ان کے لئے نہیں ہوتا، ایسا شبہ اس وقت ہوتا ہے جب حلت کی کوئی واقعی دلیل تو موجود نہیں ہوتی، لیکن مرتکب زنا اس چیز کو دلیل سمجھ لیتا ہے جو واقع میں دلیل نہیں ہو سکتی۔

مثلاً کسی نے ماں باپ یا اپنی بی بی کی باندی سے یہ سمجھتے ہوئے صحبت کر لی کہ ماں باپ کے ساتھ رشتۂ ولادت سے اور بی بی سے رشتۂ زوجیت کی وجہ سے ملکیت مشترک ہے اسی لئے ماں باپ اور بی بی کے لئے اس کی شہادت اور اس کے لئے والدین اور بی بی کی شہادت شرعاً قابل قبول نہیں۔ یا جس عورت کو تین طلاقیں دے چکا ہے اور وہ ابھی عدت میں ہے اس سے قربت کر لی یہ سمجھ کر کہ ابھی حقوق نکاح باقی ہیں عدت کا نفقہ میں دے رہا ہوں اور عدت میں عورت کا نکاح کسی دوسرے سے ہو بھی نہیں سکتا۔ ان تمام صورتوں میں اگر اس کو حرمت قربت کا علم نہیں ہے اور صحبت کر لی تو (اگرچہ یہ فعل زنا ہوگا لیکن) حد زنا جاری نہیں ہوگی اور اگر حرمت صحبت کا علم رکھنے کے بعد ایسا کرے گا تو حد زنا جاری ہوگی۔

حضرت جابر سے مروی ہے کہ ایک شخص نے خدمت گرامی میں گذارش کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا مال بھی ہے اور اولاد بھی مگر میرا باپ میرا مال چھین لینا چاہتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اور تیرا مال (سب کچھ) تیرے باپ کا ہے، ابن القطان اور منذری نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ یہ حدیث طبرانی نے الاصغر میں اور بیہقی نے دلائل میں بھی نقل کی ہے۔

حَدّ کا مطلب: حدود تو اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں۔ دیکھو تہمت زنا لگانے کی سزا شرعاً اسی کوڑے مقرر ہے اور تہمت کفر تہمت زنا سے زیادہ سخت ہے مگر اس کی کوئی سزا شرعاً مقرر نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کو زنا سے زیادہ سخت قرار دیا ہے، اور فرمایا ہے غیبت، زنا سے زیادہ سخت ہے۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان، عن ابی سعید و جابر۔ (اس کے باوجود غیبت کی کوئی شرعی سزا مقرر نہیں۔)

وہ عورتیں جن سے نکاح حلال نہیں:

جن عورتوں سے نکاح حلال نہیں ان سے مراد وہ عورتیں ہیں جن سے نکاح کی حرمت دوامی ہو کبھی ان سے نکاح حلال نہ ہو خواہ نسبی قرابت دار ہوں یا رضاعی یا سسرالی رشتہ دار ہوں (مثلاً ماں، دادی، نانی تمام اصول اور بیٹی پوتی نواسی تمام فروع اسی طرح تمام رضاعی محرمات یعنی رضاعی ماں کے تمام اصول و فروع وغیرہ اور منکوحہ موطوءہ بیوی کے تمام اصول و فروع وغیرہ) لیکن اگر صحت نکاح اختلافی ہو۔ جیسے بلا گواہوں کے نکاح تو ان سے نکاح حد زنا کو ساقط کر دیتا ہے۔

مسئلہ: اگر چار مردوں نے الگ الگ (متفرق اوقات یا متعدد مجالس میں) شہادت دی تو امام شافعی کے نزدیک ثبوت زنا ہو جائے گا اور حد زنا جاری کر دی جائے گی۔ دوسرے تینوں اماموں کے نزدیک زنا کا ثبوت نہ ہوگا اور شاہدوں کو تہمت زنا لگانے والا قرار دیا جائے گا کیونکہ ابتداء میں ایک گواہ یا دو گواہ یا تین گواہ پیش ہوئے تھے اس وقت نصاب شہادت پورا نہ تھا اور شہادت واجب الرد ہو گئی اور جب قلت تعداد کی وجہ سے ان کی شہادت رد کر دی گئی تو دوبارہ صرف اس وجہ سے کہ چوتھا شاہد بھی آ گیا اور اس نے شہادت دیدی رد شدہ شہادتوں کو قبول نہیں کیا جا سکتا پہلی شہادتوں کا اعتبار تو ختم ہو گیا اگر گواہ آئے تو الگ الگ پھر شہادت دینے کے وقت سب جمع ہو گئے اور سب نے ساتھ شہادت دی تو امام احمد کے نزدیک ایسی شہادت قبول کر لی جائے گی لیکن امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک چاروں گواہوں کا ساتھ آنا اور ساتھ ساتھ شہادت دینا ضروری ہے اس لئے الگ الگ آنے والے لوگوں کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی گو شہادت کے وقت سب کا اجتماع ہو جائے۔

مسئلہ: کیا اقرار کی صورت میں متعدد بار اقرار ضروری ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام احمد اور اکثر علماء کے نزدیک اقرار کا تعدد لازم ہے۔ عاقل بالغ شخص (ثبوت شہادت نہ ہونے کی صورت میں) اگر خود چار مرتبہ اقرار کرے گا تو ثبوت زنا ہو جائے گا اس تعداد سے کم اقرار کافی نہیں ہے۔ پھر امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک ہی مجلس میں چار بار اقرار کرنا بھی کافی نہیں ہے ہر اقرار کی مجلس بھی الگ ہونی چاہئے ثبوت زنا میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

امام احمد، اسحاق بن راہویہ اور مصنف میں ابن ابی شیبہ نے حضرت ابوبکر کی

روایت سے بیان کیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا کہ ماعز نے حاضر ہوکر ایک بار زنا کا اقرار کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رد کر دیا، ماعز پھر آئے اور آ کر دوبارہ اقرار کیا آپ نے پھر بھی لوٹا دیا وہ پھر آئے اور تیسری بار اقرار کیا۔ میں نے ماعز سے کہا اب اگر چوتھی بار تم نے اقرار کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم کو سنگسار کر دیں گے مگر ماعز نے چوتھی بار بھی اقرار کیا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قید کر دیا، اور اس کے متعلق (قبیلہ والوں سے) دریافت کیا (کہ یہ کیسا آدمی ہے اس کو جنون تو نہیں ہے) سب نے کہا ہم کو تو (اس کے اندر) بھلائی ہی معلوم ہے آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنگسار کرا دیا۔

اس حدیث سے بھی صراحۃً معلوم ہو رہا ہے کہ ماعز متعدد مرتبہ آئے تھے۔ اور تعدد آمد بغیر غائب ہوئے ممکن نہیں اسی لئے حنفیہ قائل ہیں کہ اگر غائب ہوکر پھر لوٹ آئے تو یہ دوسری مجلس مانی جائے گی۔

مسئلہ: حاکم کے لئے مستحب ہے کہ اقرار زنا کرنے والے کو پردے پردے میں اقرار سے لوٹ جانے کی تعلیم دے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز سے فرمایا، شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا، شاید تو نے چھو لیا ہوگا۔

مسئلہ: چار مرتبہ اقرار کرنے کے بعد حد جاری ہونے سے پہلے یا حد جاری ہونے کے بعد اقرار سے لوٹ جائے تو تینوں اماموں کے نزدیک اس کا رجوع قبول کیا جائے گا اور حد ساقط ہو جائے گی۔

ابوداؤد نے حضرت یزید بن منعم کی روایت سے حضرت ماعز کے قصہ کی جو تفصیل بیان کی ہے اس میں راوی کا یہ قول بھی منقول ہے کہ پتھر لگنے سے ماعز کو جب چوٹ کی تکلیف محسوس ہوئی تو وہ تیزی کے ساتھ بھاگ نکلے۔ سب مارنے والے لوگ پکڑ نہ سکے صرف عبداللہ بن انیس نے ماعز کو جا لیا اور اونٹ کے پاؤں کی ہڈی ماعز کے پھینک ماری جس سے وہ ختم ہو گئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ واقعہ بیان کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگوں نے اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا۔ شاید وہ توبہ کر لیتا اور اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا (اور گناہ معاف فرما دیتا) ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے حضرت ماعز کا جو قصہ بیان کیا ہے وہ اسی جیسا ہے۔

مریض پر حد جاری کرنا:

اگر مریض زنا کرلے اور رجم کا مستحق ہو جائے تو اس کو سنگسار کر دیا جائے گا۔ بیماری کا عذر مانع نہ ہوگا کیونکہ رجم کا مقصد ہی ہلاک کر دینا ہے لیکن اگر زانی مریض سزائے تازیانہ کا مستحق ہو تو صحت یاب ہونے تک سزا کو ملتوی رکھا جائے گا تاکہ سزا موجب ہلاکت نہ ہو جائے۔ اگر زانی مریض ایسے مرض میں مبتلا ہو جس سے صحت یاب ہونے کی امید ہی نہ ہو مثلاً سل کے مرض میں مبتلا ہو یا پیدائشی طور پر ضعیف ہو تو امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک ایک ایسا گچھا جس میں سو قمچیاں ہوں لیکر ایک مرتبہ اس گچھے سے اس کو اس طرح مار دیا جائے کہ ہر قمچی اس کے بدن پر پڑ جائے۔ جیسا کہ بغوی نے شرح السنۃ میں اور ابن ماجہ نے حضرت ابو امامہ بن سہل بن حنیف کی وساطت سے حسب روایت سعید بن عبادہ بیان کیا ہے کہ ہماری باندیوں میں ایک مرد رہتا تھا جو پیدائشی طور پر بہت کمزور تھا ایک روز دیکھتے کیا ہیں کہ وہ ایک باندی پر پڑا ہوا فعل گناہ میں مشغول ہے۔ حضرت سعد بن عبادہ نے اس کا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے سو کوڑے مارو۔ حضرت سعد نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، وہ تو بہت ہی کمزور ہے اگر ہم اس کے سو کوڑے ماریں گے تو وہ یقیناً مر جائے گا فرمایا، تو ایک گچھا جس میں سو قمچیاں ہوں ایک بار اس کے مارو اور پھر اس کو نکال دو۔ ابوداؤد نے یہ حدیث حضرت ابو امامہ بن سہل کی روایت سے ایک انصاری کے حوالہ سے بیان کی ہے اور نسائی نے بروایت ابو امامہ بن سہل عن سہل عن ابیہ (یعنی سہل کی وساطت سے) اور طبرانی نے بروایت ابو امامہ بحوالہ ابو سعید خدری بیان کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے یہ تمام طرق روایت محفوظ ہیں گویا ابو امامہ نے صحابہ کی ایک جماعت کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے اور بیہقی نے اس کو ابو امامہ سے مرسلاً بیان کیا ہے۔

حاملہ عورت پر حد:

حاملہ عورت کو زنا کی سزا میں وضع حمل سے پہلے حد زنا نہیں ماری جائے گی تاکہ پیٹ کا بچہ ہلاک نہ ہو جائے اگر وہ سزائے تازیانہ کی مستحق ہو تو نفاس سے فراغت سے پہلے اس کو کوڑے نہ مارے جائیں۔ حضرت علی نے ارشاد فرمایا تھا لوگو اپنے باندی غلاموں پر حد شرعی جاری کرو۔ شادی شدہ ہو یا نا کتخدا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک باندی نے جب زنا کیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اس کے کوڑے ماروں لیکن نفاس شروع ہوئے اس کو تھوڑا ہی زمانہ گذرا تھا مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں اس کے کوڑے ماروں گا تو یہ مر جائے گی۔ میں نے اس کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ فرمایا تم نے خوب کیا، رواہ مسلم۔ ابوداؤد کی روایت اس طرح ہے اس وقت تک باندی کو رہنے دو کہ اس کا خون بند ہو جائے پھر اس پر حد جاری کرنا اور اپنے باندی غلاموں پر حد زنا قائم کرتے رہنا۔

اور اگر نفاس میں مبتلا عورت کی سزا رجم ہو تو اس کو سنگسار کر دیا جائے گا کیونکہ بچہ پیدا ہو چکا اور وہ رجم کی مستحق ہے اس کو تو مرنا ہی ہے۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا، عورت کو رجم کرنے میں اتنی مدت کی تاخیر کی جائے گی کہ بچہ کو اس کی ضرورت نہ رہے۔

روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غامدیہ سے فرمایا جا اور اس وقت تک انتظار کر کہ بچہ پیدا ہو جائے جب بچہ پیدا ہو گیا اور وہ عورت

پھر آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جا اور بچہ کو دودھ پلاتی رہ جب دودھ چھڑا دے تو آنا جب غامدیہ نے (مدت پوری کر کے) دودھ چھڑا دیا تو بچہ کو لے کر آئی بچہ کے ہاتھ میں روٹی کی کرچ تھی، عورت نے عرض کیا یارسول اللہ اب میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا اور یہ کھانا کھانے لگا ہے حضور نے وہ بچہ ایک مسلمان کے سپرد کر دیا (تاکہ وہ پرورش کرتا رہے) اس کے بعد ایک گڑھا کھدوا کر جس کی گہرائی عورت کے سینہ تک تھی لوگوں کو حکم دیا کہ اس کو سنگسار کر دو۔ سب نے سنگسار کر دیا۔

مسئلہ: آیت فاجلدوا میں حاکموں کو خطاب ہے اسی لئے امام ابوحنیفہ کے نزدیک کوئی آقا، حاکم کی اجازت کے بغیر اپنے باندی غلام پر حد جاری نہیں کر سکتا، امام شافعی، امام احمد اور امام مالک کا قول اس کے خلاف ہے ایک روایت میں امام مالک کے نزدیک باندی پر اس کا آقا اجازت حاکم کے بغیر حد جاری کر سکتا ہے ہاں اگر باندی کسی کی منکوحہ ہو تو خود حد جاری نہیں کر سکتا۔

نووی (شافعی) نے کہا صحیح تر یہ بات ہے کہ (بغیر اجازت حاکم کے) اقامت حدود کا حکم عام ہے کیونکہ حدیث کے الفاظ میں اطلاق ہے (ہر حد کی اقامت کا حکم مسلمانوں کو دیا گیا ہے) تہذیب میں ہے کہ قطع دست اور قتل کرا دینے کا اختیار صرف حاکم کو ہے یہی صحیح ترین قول ہے۔

امام شافعی نے بحوالہ امام مالک بروایت نافع بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کے ایک غلام نے چوری کی، حضرت عبداللہ نے سعید بن عاص حاکم مدینہ کے پاس ہاتھ کاٹنے کے لئے بھیج دیا۔ سعید نے غلام کا ہاتھ کاٹنے سے انکار کر دیا اور کہا غلام کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگر اس نے چوری کی ہو۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا آپ نے کس کتاب میں پڑھا ہے، پھر آپ نے خود حکم دیدیا اور اس غلام کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

امام ابوحنیفہ نے اپنے مسلک کے استدلال میں اصحاب السنن کی اس روایت کو پیش کیا جو انہوں نے اپنی کتابوں میں موقوفاً و مرفوعاً لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر نے چار چیزوں کو حاکموں کے اختیار میں دیا ہے۔ حدود، زکوٰۃ (کی وصولی اور تقسیم) صلوٰۃ جمعہ اور مال فے (یعنی مال غنیمت کو جمع کرنا اور تقسیم کرنا)۔ (تفسیر مظہری اردو جلد ہشتم)

زناء کی تباہ کاریاں:

باقی جرائم کی سزا کو اس طرح متعین نہیں کیا گیا بلکہ امیر یا قاضی مجرم کی حالت اور جرم کی حیثیت اور ماحول وغیرہ کے مجموعہ پر نظر کر کے جس قدر سزا دینے کو انسداد جرم کے لئے کافی سمجھے وہ سزا دے سکتا ہے ایسی سزاؤں کو شریعت کی اصطلاح میں تعزیرات کہا جاتا ہے۔

جس قوم میں زنا عام ہو جائے وہاں کسی کا نسب محفوظ نہیں رہتا۔ ماں بہن بیٹی وغیرہ جن سے نکاح حرام ہے جب یہ رشتے ہی غائب ہو گئے تو اپنی بیٹی اور بہن بھی نکاح میں آسکتی ہے جو زنا سے بھی زیادہ اشد جرم ہے۔

فعل زنا ایک ایسی بے حیائی ہے جس کا صدور عورت کی طرف سے ہونا انتہائی بیباکی اور بے پروائی سے ہو سکتا ہے کیونکہ قدرت نے اس کے مزاج میں فطری طور پر ایک حیاء اور اپنی عفت کی حفاظت کا جذبہ قویہ ودیعت فرمایا ہے اور اسکی حفاظت کے لئے بڑے سامان جمع فرمائے ہیں اُس کی طرف سے اس فعل کا صدور بہ نسبت مرد کے زیادہ اشد ہے۔

نکتہ: فاجلدوا لفظ جلد کوڑا مارنے کے معنے میں آتا ہے وہ جلد سے مشتق ہے کیونکہ کوڑا عموماً چمڑے سے بنایا جاتا ہے۔ بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ لفظ جلد سے تعبیر کرنے میں اسطرف اشارہ ہے کہ یہ کوڑوں یا دُرّوں کی ضرب اس حد تک رہنی چاہئے کہ اسکا اثر انسان کی کھال تک رہے۔

جس جرم کی سزا سخت ہے اسکے ثبوت کی شرائط بھی سخت ہیں:

زنا کی سزا اسلام میں سب جرائم کی سزاؤں سے زیادہ سخت ہے اس کے ساتھ اسلامی قانون میں اُس کے ثبوت کے لئے شرائط بھی بہت سخت رکھی گئی ہیں جن میں ذرا بھی کمی رہے یا شبہ پیدا ہو جائے تو زنا کی انتہائی سزا جس کو حد کہا جاتا ہے وہ معاف ہو جاتی ہے صرف تعزیری سزا بقدر جرم باقی رہ جاتی ہے۔ تمام معاملات میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ثبوت کے لئے کافی ہو جاتی ہے مگر حد زنا جاری کرنے کے لئے چار مرد گواہوں کی عینی شہادت جس میں کوئی التباس نہ ہو شرط ضروری ہے جیسا کہ سورۂ نساء کی آیت میں گزر چکا ہے۔ دوسری احتیاط اور شدت اس شہادت میں یہ ہے کہ اگر شہادت زنا کی کوئی شرط مفقود ہونے کی بنا پر شہادت رد کی گئی تو پھر شہادت دینے والوں کی خیر نہیں، اُن پر قذف یعنی زنا کی جھوٹی تہمت کا جرم قائم ہو کر حد قذف اسّی کوڑے لگائے جانے کی صورت میں جاری کی جاتی ہے اس لئے ذرا سا شبہ ہونے کی صورت میں کوئی شخص اس کی شہادت پر اقدام نہیں کر سکتا۔ البتہ جس صورت میں صریح زنا کا ثبوت نہ ہو مگر شہادت سے دو مرد و عورت کا غیر مشروع حالت میں دیکھنا ثابت ہو جائے تو قاضی اُن کے جرم کی حیثیت کے مطابق تعزیری سزا کوڑے لگانے وغیرہ کی جاری کر سکتا ہے سزائے زنا اور اس کی شرائط وغیرہ کے مفصل احکام کتب فقہ میں مذکور ہیں وہاں دیکھے جا سکتے ہیں۔ (معارف القرآن جلد ششم)

آیت رجم جس کی تلاوت منسوخ ہوگئی:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس خطبہ میں جس آیت رجم کا ذکر فرمایا وہ پوری آیت اس طرح ہے: الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم۔ (اخرجہ النسائی وصححہ الحاکم)

(ترجمہ) شادی شدہ مرد یا عورت جب (دیکھو فتح الباری ص ۱۲۷ ج ۱۲) زنا کریں تو ان دونوں کو رجم یعنی سنگسار کر ڈالو قطعی طور پر اور یہ رجم کا حکم اللہ کی طرف سے بطور عبرت ہے تاکہ اس عبرتناک سزا کو دیکھ کر لوگ زنا سے باز آجائیں اور اللہ غالب ہے اور حکمت والا ہے۔ (معارف کاندھلویؒ)

وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ

اور نہ آوے تم کو اُن پر ترس — اللہ کے حکم چلانے میں

إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

اگر تم یقین رکھتے ہو اللہ پر اور پچھلے دن پر

احکام الٰہی جاری کرنے میں کوئی چیز مانع نہ بننے دو:

یعنی اگر اللہ پر یقین رکھتے ہو تو اس کے احکام و حدود جاری کرنے میں کچھ پس و پیش نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ مجرم پر ترس کھا کر سزا بالکل روک لو یا اس میں کمی کرنے لگو یا سزا دینے کی ایسی ہلکی اور غیر مؤثر طرز اختیار کرو کہ سزا سزا نہ رہے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ حکیم مطلق اور تم سے زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے اُس کا کوئی حکم سخت ہو یا نرم مجموعۂ عالم کے حق میں حکمت و رحمت سے خالی نہیں ہوسکتا۔ اگر تم اُس کے احکام و حدود کے اجراء میں کوتاہی کروگے تو آخرت کے دن تمہاری پکڑ ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

اگر فاطمہ بنت محمد ہوتی تو اس کا ہاتھ کاٹ دیتا:

صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی قریش کے لئے اس معاملہ نے بڑی پریشان کن حیثیت اختیار کرلی انہوں نے مشورہ کیا کہ کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی سفارش کردیتا، سب نے کہا سوائے اسامہ بن زید کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں اور کوئی اس کی جرأت نہیں کرسکتا۔ چنانچہ حضرت اسامہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلے میں گذارش کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تم اللہ کی قائم کردہ حد کے متعلق سفارش کررہے ہو۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (منبر پر) کھڑے ہوکر ایک خطبہ دیا اور فرمایا تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے تباہ کردیئے گئے کہ جب ان میں کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تھا تو اس پر حد جاری کرتے تھے۔ خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد نے بھی چوری کی ہوتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

حدود میں نرمی نہ کرو:

اہل تفسیر نے آیت کی تشریح اس طرح کی ہے کہ تم کو اللہ کے دین میں کوئی نرمی نہ پکڑ لے کہ ہلکی مار مارو۔ ایسا نہ کرو بلکہ دردناک مار مارو۔ سعید بن مسیب اور حسن نے یہی تفسیر کی ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا، زنا کی حد تو سختی سے جاری کی جائے پھر اس سے کم سختی شراب کی حد مارنے میں کی جائے اور تہمت زنا کی سزا میں اور بھی خفت سے کام لیا جائے۔ کیونکہ ممکن ہے تہمت زنا لگانے والا واقع میں سچا ہو (لیکن اپنے قول کو شہادت سے ثابت نہ کرسکا ہو) اور شراب پینے کی حد میں غلطی کا احتمال نہیں ہوسکتا اور زنا کا جرم شراب خوری سے بڑا ہے (اس لئے اس کی سزا کو جاری کرنے میں بہت زیادہ سختی سے کام لینا چاہئے) قتادہ کا قول ہے کہ شراب خوری اور تہمت زنا کی سزا میں خفت برتی جائے۔ زنا کی سزا جاری کرنے میں سختی سے کام لیا جائے۔ زہری نے کہا جرم زنا اور تہمت زنا کی سزا دینے میں خفت اختیار کی جائے کیونکہ ان کی سزائیں کتاب اللہ میں مذکور ہیں اور شراب کی سزا میں خفت اختیار کی جائے شراب کی سزا صرف حدیث میں آئی ہے قرآن مجید سے ثابت نہیں ہے۔

حد سے آگے بھی نہ بڑھو:

بغوی کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کی ایک باندی نے زنا کیا آپ نے اس کے کوڑے لگوائے اور کوڑے مارنے والے سے فرمایا، اس کی پیٹھ اور ٹانگوں پر کوڑے مارنا، آپ کے ایک بیٹے نے کہا لَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ (اللہ کا حکم ہے) حضرت عبداللہ نے فرمایا بیٹے! اللہ نے مجھے یہ حکم نہیں دیا کہ میں اس کو قتل کردوں۔ میں نے (کوڑے) ماردیئے اور درد پہنچادیا۔ (اتنا ہی کافی ہے) (تفسیر مظہری)

وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

اور دیکھیں ان کا مارنا کچھ لوگ مسلمان

سزا برسرِ عام ہو:

یعنی سزا تنہائی میں نہیں۔ مسلمانوں کے مجمع میں دینی چاہئے کیونکہ اُس رسوائی میں سزا کی تکمیل و تشہیر اور دیکھنے سننے والوں کے لئے سامان عبرت ہے۔ اور شاید یہ بھی غرض ہو کہ دیکھنے والے مسلمان اُس کی حالت پر رحم کھا کر عفو و مغفرت کی دعاء کریں گے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

برسرِ عام سزا کی حکمت:

فواحش اور بے حیائی کی روک تھام کیلئے اسلام نے دُور دُور تک پہرے بٹھائے ہیں عورتوں پر پردہ لازم کردیا گیا۔ مردوں کو نظر نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا۔ زیور کی آواز یا عورت کے گانے کی آواز کو ممنوع قرار دیا گیا کہ وہ بے حیائی کے لئے محرک ہیں اس کے ساتھ ہی جس شخص سے ان معاملات میں کوتاہی دیکھ لی جائے اس کو خلوت میں تو سمجھانے کا حکم ہے مگر اس کو رسوا

کرنے کی اجازت نہیں۔ لیکن جو شخص ان تمام شرعی احتیاطوں کو توڑ کر اس درجہ میں پہنچ گیا کہ اس کا جرم شرعی شہادت سے ثابت ہو گیا تو اب اس کی پردہ پوشی دوسرے لوگوں کی جرأت بڑھانے کا موجب ہو سکتی ہے۔

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۡ وَّالزَّانِيَةُ
بدکار مرد نہیں نکاح کرتا مگر عورت بدکار سے یا شرک والی سے اور بدکار عورت سے
لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ
نکاح نہیں کرتا مگر بدکار مرد یا مشرک

زانی کی طبیعت کا تجزیہ:

زنا کی سزا ذکر کرنے کے بعد اس فعل کی غایت شناعت بیان فرماتے ہیں یعنی جو مرد یا عورت اس عادت شنیع میں مبتلا ہیں حقیقت میں وہ اس لائق نہیں رہتے کہ کسی عفیف مسلمان سے اُن کا تعلق از دواج و ہمبستری قائم کیا جائے اُن کی پلید طبیعت اور میلان کے مناسب تو یہ ہے کہ ایسے ہی کسی بدکار و تباہ حال مرد و عورت سے یا ان سے بھی بدتر کسی مشرک و مشرکہ سے اُن کا تعلق ہو۔ کما قال تعالیٰ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ (سورۃ نور)۔

کند ہمجنس باہمجنس پرواز، کبوتر باکبوتر باز باباز

اُن کی حرکت کا اصلی اقتضاء تو یہ ہی تھا۔ اب یہ جُداگانہ امر ہے کہ حق تعالیٰ نے دوسری مصالح و حکم کی بنا پر کسی نام نہاد مسلمان کا مشرک و مشرکہ سے عقد جائز نہیں رکھا۔ یا مثلاً بدکار مرد کا پاکباز عورت سے نکاح ہو جائے تو بالکل باطل نہیں ٹھہرایا۔ (تنبیہ) آیت کی جو تقریر ہم نے کی وہ بالکل سہل اور بے تکلف ہے اس میں "لَا يَنْكِحُ" کے معنی وہ لئے گئے جو "السلطانُ لَا يَكْذِبُ" وغیرہ محاورات میں لئے جاتے ہیں یعنی نفی لیاقت فعل کو نفی فعل کی حیثیت دے دی گئی۔ فافہم واستقم۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: ترمذی شریف میں ہے کہ ایک صحابی جن کا نام مرثد بن ابو مرثد تھا یہ مکہ سے مسلمان قیدیوں کو اٹھا لایا کرتے تھے اور مدینے پہنچا دیا کرتے تھے۔ عناق نامی ایک بدکار عورت مکہ میں رہا کرتی تھی۔ جاہلیت کے زمانہ میں ان کا اس عورت سے تعلق تھا۔ حضرت مرثد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایک قیدی کو لانے کیلئے مکہ شریف گیا۔ ایک باغ کی دیوار کے نیچے میں پہنچ گیا۔ رات کا وقت تھا چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ اتفاق سے عناق آ پہنچی اور مجھے دیکھ لیا بلکہ پہچان بھی لیا اور آواز دیکر کہا کیا مرثد ہے؟ میں نے کہا ہاں مرثد ہوں۔ اس نے بڑی خوشی ظاہر کی اور مجھ سے کہنے لگی چلو رات میرے ہاں گزارنا۔ میں نے کہا عناق اللہ تعالیٰ نے زنا کاری حرام کر دی ہے۔ جب وہ مایوس ہو گئی تو اس نے مجھے پکڑوانے کے لئے غل مچانا شروع کیا کہ اے خیمے والو ہوشیار ہو جاؤ دیکھو چور آ گیا ہے۔ یہی ہے جو تمہارے قیدیوں کو چرایا کرتا ہے۔ لوگوں میں جاگ ہو گئی اور آٹھ آدمی میرے پکڑنے کو میرے پیچھے دوڑے میں مٹھیاں بند کر کے خندق کے راستے بھاگا اور ایک غار میں جا چھپا۔ یہ لوگ میرے پیچھے ہی پیچھے غار پر آ پہنچے لیکن میں انہیں نہ ملا۔ یہ وہیں پیشاب کرنے کو بیٹھے واللہ ان کا پیشاب میرے سر پر آ رہا تھا۔ لیکن اللہ نے انہیں اندھا کر دیا۔ انکی نگاہیں مجھ پر نہ پڑیں ادھر اُدھر ڈھونڈ ھ بھال کر واپس چلے گئے۔ میں نے کچھ دیر گزار کر جب یہ یقین کر لیا کہ وہ پھر سو گئے ہوں گے تو یہاں سے نکلا پھر مکہ کی راہ لی اور وہیں پہنچ کر اس مسلمان قیدی کو اپنی کمر پر چڑھایا اور وہاں سے لے بھاگا۔ چونکہ وہ بھاری بدن کے تھے میں جب اذخر میں پہنچا تو تھک گیا میں نے انہیں کمر سے اتار کر ان کے بندھن کھول دیئے اور آزاد کر دیا۔ اب اٹھاتا چلاتا مدینے پہنچ گیا۔ چونکہ عناق کی محبت میرے دل میں تھی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ میں اس سے نکاح کر لوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو رہے۔ میں نے دوبارہ یہی سوال کیا پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور یہ آیت اُتری۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے مرثد! زانیہ سے نکاح زانی یا مشرک ہی کرتا ہے تُو اس سے نکاح کا ارادہ چھوڑ دے۔

نسائی نے حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک عورت تھی جس کو ام مہزول کہا جاتا تھا وہ بدکار پیشہ ور عورت تھی کسی صحابی نے اس سے نکاح کرنا چاہا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

زانیہ سے زانی کا نکاح جائز ہے:

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے زنا کے سلسلہ میں ایک مرد اور ایک عورت کو پٹوایا اور ان کو ترغیب دی کہ دونوں میں نکاح ہو جائے لیکن اس مرد نے انکار کر دیا (معلوم ہوا کہ زانیہ سے زانی کا نکاح جائز ہے) طبرانی اور دار قطنی نے بیان کیا کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا کرے اور پھر اس سے نکاح کر لینا چاہے تو کیا حکم ہے، فرمایا حرام حلال کو حرام نہیں بنا دیتا۔ عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ نے اپنی اپنی مصنف میں بیان کیا ہے کہ کسی نے حضرت ابن عباس سے پوچھا اگر کسی نے کسی عورت سے زنا کیا ہو پھر نکاح کر لینا چاہتا ہو تو کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا اس کا آغاز زنا ہے اور انجام نکاح۔ (تفسیر مظہری)

مذکورہ تفسیر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس آیت میں زانی اور زانیہ سے مُراد وہ ہیں جو زنا سے توبہ نہ کریں اور اپنی اس بُری عادت پر قائم رہیں۔ اور اگر

ان میں سے کوئی مرد خانہ داری یا اولاد کی مصلحت سے کسی پاکدامن شریف عورت سے نکاح کرلے یا ایسی عورت کسی نیک مرد سے نکاح کرلے تو اس آیت سے اس نکاح کی نفی لازم نہیں آتی۔ یہ نکاح شرعاً درست ہوجائے گا۔

جمہور فقہاء اُمت امام اعظم ابوحنیفہ، مالک، شافعی وغیرہ رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے اور صحابہ کرام سے ایسے نکاح کرانے کے واقعات ثابت ہیں تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباس کا بھی یہی فتویٰ نقل کیا ہے۔

وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾
اور یہ حرام ہوا ہے ایمان والوں پر

مؤمنین کیلئے زنا اور زانیہ سے نکاح حرام ہے:

یعنی زنا مومنین پر حرام ہے۔ ایک مومن مومن رہتے ہوئے یہ حرکت کیسے کرے گا۔ حدیث میں ہے "لَایَزْنِی الزَّانِی حِیْنَ یَزْنِی وَھُوَ مُؤمِنٌ" یا یہ مطلب ہو کہ زانیہ سے نکاح کرنا اُن پاکباز مردوں پر حرام کردیا گیا ہے جو صحیح اور حقیقی معنوں میں مومنین کہلانے کے مستحق ہیں یعنی تکوینی طور پر اُن کے پاک نفوس کو ایسی گندی جگہ کی طرف مائل ہونے سے روک دیا گیا ہے۔ اس وقت "حُرِّمَ" کے معنی وہ ہوں گے جو وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ میں یا "وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ" میں لئے گئے ہیں۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

حرام نکاح اور حرام فعل:

کسی مشرک عورت سے یا جو عورتیں ہمیشہ کے لئے حرام ہیں ان میں سے کسی سے نکاح کرلیا تو یہ گناہ عظیم بھی ہے اور ایسا نکاح شرعاً کالعدم ہے زنا میں اور اس میں کوئی فرق نہیں۔ دوسرے یہ کہ فعل حرام ہے یعنی گناہ موجب سزا ہے مگر دنیا میں اس فعل کے کچھ ثمرات رہتے ہیں معاملہ صحیح ہوجاتا ہے جیسے کسی عورت کو دھوکہ دے کر یا اغوا کرکے لے آیا پھر شرعی قاعدے کے مطابق دو گواہوں کے سامنے اس کی مرضی سے نکاح کرلیا تو یہ فعل تو ناجائز وحرام تھا مگر نکاح صحیح ہوگیا اولاد ثابت النسب ہوگی اسی طرح زانیہ اور زانی کا نکاح جبکہ اُن کا مقصود اصلی زنا ہی ہو نکاح محض کسی دنیوی مصلحت سے کرتے ہوں اور زنا سے توبہ نہیں کرتے ایسا نکاح حرام ہے مگر دُنیوی احکام میں باطل کالعدم نہیں۔ نکاح کے ثمرات شرعیہ نفقہ، مہر، ثبوت نسب اور میراث سب جاری ہوں گے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ
اور جو لوگ عیب لگاتے ہیں حفاظت والیوں کو

ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ
پھر نہ لائے چار مرد شاہد

پاکدامن عورت پر زناء کی تہمت لگانا:

یعنی ایسی پاکدامن عورتوں کو زنا کی تہمت لگائیں جن کا بدکار ہونا کسی دلیل یا قرینہ شرعیہ سے ثابت نہیں۔ اُس کی سزا بیان فرماتے ہیں اور یہی حکم پاکباز مردوں پر تہمت لگانے کا ہے۔ چونکہ یہ آیات ایک عورت کے قصہ میں نازل ہوئیں اس لئے اُن ہی کا ذکر فرمایا۔ اگر چار گواہ پیش کردیے اور اُن کی شہادت بقاعدہ شریعت پوری اُتری تو مقذوف یا مقذوفہ پر حد زنا جاری کی جائے گی۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ اور جو لوگ پاک دامن عورتوں کو تہمت زنا لگاتے ہیں۔ یعنی صراحۃً لفظ زنا کی کسی پاک دامن عورت کی طرف نسبت کرتے ہیں مثلاً کوئی یوں کہتا ہے تو نے زنا کیا یا کہتا ہے اے زانیہ۔ یرمون کی یہ تفسیر تمام علمائے تفسیر وفقہ کے نزدیک مسلمہ ہے کیونکہ چار شہادتیں پیش کرنے کی شرط آیت میں صراحۃً مذکور ہے (اور یہ شرط صرف زنا ہی کے ثبوت کی ہے) اب کسی شخص نے کسی پر کسی دوسرے گناہ کی تہمت لگائی تو باجماع علماء حد قذف (تہمت زنا لگانے کی سزا) اس پر لازم نہ ہوگی۔ بلکہ حاکم حسب صوابدید اس کو تعزیر کرسکتا ہے۔ اس طرح اگر صراحۃً زنا کی تہمت نہیں لگائی بلکہ پردے پردے میں تعریضاً کسی کی طرف زنا کی نسبت کی (مثلاً یوں کہا، میں تو زانی نہیں۔ مطلب یہ کہ تم زانی ہو) تو امام ابوحنیفہ امام شافعی، امام احمد، سفیان ثوری، ابن سیرین اور حسن بن صلاح کے نزدیک حد قذف جاری نہیں کی جائے گی۔

محصنات کا مطلب:

باجماع علماء احصان سے اس جگہ مراد یہ ہے کہ آزاد ہو بالغ ہو عاقل ہو مسلمان ہو پاکدامن ہو اس سے پہلے متہم بالزنا نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا من اشرک باللہ فلیس بمحصن (جس نے کسی کو اللہ کے ساتھ عبادت میں ساجھی بنایا وہ محصن نہیں ہے) اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔

اگر کسی نے اپنی عمر میں کبھی جرم زنا کا ارتکاب کیا ہو پھر توبہ کرلی ہو اور اس کی حالت درست ہوگئی ہو اور درستی پر ایک مدت گزر گئی ہو پھر اس کی طرف مجرم زنا ہونے کی کوئی نسبت کرے تو تہمت لگانے والے پر حد قذف جاری نہیں کی جائے گی کیونکہ زنا کی نسبت کرنے والا اپنے قول میں سچا ہوتا ہے البتہ اس کو تعزیر کی جائے گی کیونکہ جس شخص نے توبہ کرلی ہے اس کی طرف اس نے گذشتہ گناہ کی نسبت کی حالانکہ گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہوجاتا ہے۔ اسی طرح کسی باندی غلام یا بچے یا پاگل کی طرف زنا کی نسبت کرنے والا بھی حد قذف کا مستوجب نہیں ہوتا۔ داؤد کے متعلق روایت میں آیا ہے کہ ان کے نزدیک باندی غلام پر تہمت زنا لگانے والے پر

حد قذف جاری کی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عائشہؓ کی فضیلت:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ماں صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ان کے آخری وقت آئے تو فرمانے لگے ام المومنین! آپ خوش ہو جائیے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ رہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم محبت سے پیش آتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے سوا کسی اور باکرہ سے نکاح نہیں کیا اور آپ کی براءت آسمان سے نازل ہوئی۔

مؤمنوں والا کلمہ:

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ اور حضرت زینبؓ اپنے اوصاف حمیدہ کا ذکر کرنے لگیں تو حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میرا نکاح آسمان سے اترا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میری پاکیزگی کی شہادت قرآن کریم میں آسمان سے اتری جب کہ صفوان بن معطلؓ مجھے اپنی سواری پر بٹھا لائے تھے۔ حضرت زینبؓ نے پوچھا یہ تو بتلاؤ جب تم اس اونٹ پر سوار ہوئی تھیں تو تم نے کیا کلمات کہے تھے؟ آپ نے فرمایا حسبی اللہ ونعم الوکیل اس پر وہ بول اٹھیں کہ تم نے مؤمنوں کا کلمہ کہا تھا۔ پھر فرمایا جس جس نے پاک دامن صدیقہؓ پر تہمت لگائی ہے ہر ایک کو بڑا عذاب ہوگا اور جس نے اس کی ابتداء اٹھائی ہے جو اسے ادھر ادھر پھیلاتا رہا ہے اس کے لئے سخت تر عذاب ہیں۔ اس سے مراد عبداللہ بن ابی بن سلول ملعون ہے۔ ٹھیک قول یہی ہے۔

ثبوت تہمت کی شرائط:

ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ پھر نہ لائے چار مرد گواہ، یعنی متہم بالزنا نے اگر زنا کا انکار کیا ہو اور تہمت زنا لگانے والا چار گواہ نہ پیش کرے تو تہمت لگانے والے کے کوڑے مارو اور اگر چار گواہ زنا کے پیش کردے تو اب قذف کرنے والا سبکدوش ہو جائے گا اس کے اوپر حد قذف جاری نہیں کی جائے گی (بلکہ ثبوت زنا مکمل ہو جانے کی وجہ سے زانی کو کوڑے مارے جائیں گے) اگر چار گواہ زنا کے تو پیش کردیئے لیکن مختلف اوقات میں متفرق طور پر پیش کیے اور سب گواہ مجتمع ہو کر نہیں آئے تو زنا کا ثبوت نہ ہوگا اور جس پر تہمت لگائی گئی ہے اس پر حد زنا جاری نہ ہوگی، امام ابو حنیفہ کا یہی مسلک ہے۔ لیکن تہمت لگانے والا بھی مستحق سزا نہیں رہے گا وہ بھی حد قذف سے محفوظ ہو جائے گا۔ کیونکہ زنا کی شہادت کی تعداد تو بہر حال موجود ہے۔ گواہوں کے ساتھ ساتھ آنے کی شرط محض احتیاطاً لگائی گئی ہے تاکہ زنا کی حد ساقط ہو جائے۔ قاذف (تہمت زنا لگانے والے) پر حد قذف لازم کرنے کے لئے یہ شرط نہیں لگائی گئی ہے (کہ اگر گواہ اجتماعی شکل میں شہادت نہ دیں یا ساتھ ساتھ نہ آئیں تو قاذف پر حد جاری کر دی جائے) اسی طرح اگر متہم بالزنا نے ایک بار اقرار کر لیا تو اس پر حد زنا جاری نہ ہوگی اور نہ قاذف پر حد قذف جاری ہوگی۔

آیت میں شہداء سے مراد وہ شاہد ہیں جو شرعاً شہادت کے اہل ہوں، اسی لئے اگر اندھوں نے شہادت دی یا ایسے لوگوں نے شہادت دی جو جرم قذف کے سزا یافتہ ہوں یا شاہدوں میں کوئی غلام ہو، ان سب صورتوں میں زنا کا ثبوت نہ ہوگا، بلکہ ان گواہوں پر حد قذف جاری کی جائے گی، ایسے لوگ شرعاً شہادت کے قابل نہیں۔ ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے غلام تو نہ شاہد بننے کا اہل ہے نہ شہادت دینے کا اس کی شہادت سے تو زنا کے شبہ کا ثبوت بھی نہ ہوگا زنا کا ثبوت تو ادائے شہادت سے ہوتا ہے۔

لیکن اگر گواہ فاسق ہوں تو ان پر حد قذف تو جاری نہ ہوگی لیکن ان کی شہادت سے زنا کا ثبوت بھی نہ ہو سکے گا۔ اس لئے متہم بالزنا پر حد زنا بھی جاری نہ ہوگی، کیونکہ فاسق شہادت ادا کرنے اور شاہد بننے کا اہل تو ہے لیکن فسق کی وجہ سے اس کی شہادت میں کسی قدر ضعف ہے اس لئے فاسقوں کی شہادت سے شبہ زنا تو پیدا ہو جائے گا اور وہ حد قذف سے محفوظ رہیں گے اور ثبوت زنا نہ ہوگا اس لئے زانی پر حد زنا جاری نہ ہوگی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک فاسق گواہوں پر حد قذف جاری کی جائے گی کیونکہ شافعی کے نزدیک فاسق غلام کی طرح شہادت کا اہل ہی نہیں ہے۔

اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ اگر گواہوں کی تعداد چار سے کم ہو تو ان پر حد قذف جاری کی جائے گی (اللہ کی قائم کی ہوئی حد معطل نہ ہو اور مجرم آزادی کے ساتھ جرم نہ کریں) اس نیت خیر کے لئے زنا کی (اور ہر جرم کی) شہادت کی ضرورت تھی اور چار سے کم گواہ ہوں تو یہ غرض حاصل نہیں ہو سکتی (پھر گواہوں کی گواہی صرف بدنام کرنے اور مسلمانوں کی آبروریزی کے جذبہ کے زیر اثر مانی جائے گی بلکہ واقع میں بھی ایسا ہی ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

شریعت اسلام نے بغیر ثبوت شرعی کے جس کا نصاب چار مرد گواہ عادل ہونا ہے اگر کوئی کسی پر تہمت صریح زنا کی لگائے تو اس تہمت لگانے کو بھی شدید جرم قرار دیا اور اس جرم پر بھی حد شرعی اسی کوڑے مقرر کی جس کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ کسی شخص پر زنا کا الزام کوئی شخص اسی وقت لگانے کی جرأت کرے گا جبکہ اس کے اس فعل خبیث کو خود اپنی آنکھ سے دیکھا بھی اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس کو یہ یقین ہو کہ میرے ساتھ اور تین مردوں نے دیکھا ہے اور وہ گواہی دیں گے۔ کیونکہ اگر دوسرے گواہ ہیں ہی نہیں یا چار سے کم ہیں یا اُن کے گواہی دینے میں شبہ ہے تو اکیلا یہ شخص گواہی دے کر تہمت زنا کی سزا کا مستحق بننا کسی حال گوارا نہ کرے گا۔

ایک شبہ اور جواب:

رہا یہ معاملہ کہ جب زنا کی شہادت کے لئے ایسی کڑی شرطیں لگا دی گئیں تو مجرموں کو کھلی چھٹی مل گئی نہ کسی کو شہادت کی جرأت ہوگی نہ کبھی ثبوت شرعی بہم

پہنچے گا نہ ایسے مجرم کبھی سزایاب ہوسکیں گے مگر یہ خیال اس لئے غلط ہے کہ زنا کی حد شرعی یعنی سو کوڑے یا رجم وسنگساری کی سزا دینے کے لئے تو یہ شرطیں ہیں لیکن دو غیر محرم مرد وعورت کو یکجا قابلِ اعتراض حالت میں یا بیجیائی کی باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر اس کی شہادت دینے پر کوئی پابندی نہیں اور ایسے تمام اُمور جو زنا کے مقدمات ہوتے ہیں یہ بھی شرعاً قابلِ سزا جرم ہیں لیکن حد شرعی کی سزا نہیں بلکہ تعزیری سزا قاضی یا حاکم کی صوابدید کے مطابق کوڑے لگانے کی دی جاتی ہے اس لئے جس شخص نے دو مرد وعورت کو زنا میں مبتلا دیکھا مگر دوسرے گواہ نہیں ہیں تو صریح زنا کے الفاظ سے تو شہادت نہ دے مگر بے حجابانہ اختلاط کی گواہی دے سکتا ہے اور حاکم قاضی اس پر تعزیری سزا بعد ثبوت جُرم جاری کر سکتا ہے۔

محصنٰت کون ہیں:

یہ ''لفظ'' احصان سے مشتق ہے اصطلاح شرع میں احصان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کا حد زنا میں اعتبار کیا گیا ہے وہ یہ کہ جس پر زنا کا ثبوت ہو جاوے وہ عاقل بالغ آزاد مسلمان ہو اور کسی عورت کے ساتھ نکاح صحیح کر چکا ہو اور اُس سے مباشرت بھی ہو چکی ہو تو اس پر سزائے رجم وسنگساری جاری ہو گی۔ (معارف مفتی اعظم)

فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا
تو مارو اُن کو اسی دُرّے اور نہ مانو
لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ
اُن کی کوئی گواہی کبھی

زنا کی تہمت لگانے کی سزا:

یہ سزا قاذف (تہمت لگانے والے) کی ہوئی کہ (مقذوف کے مطالبہ پر) اسی دُرّے لگائے جائیں اور آیندہ ہمیشہ کے لئے (معاملات) میں مردود الشہادت قرار دیا جائے۔ حنفیہ کے نزدیک توبہ کے بعد بھی اُس کی شہادت معاملات میں قبول نہیں کی جاسکتی۔ (تفسیر عثمانی)

ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً اسی کوڑے۔ بشرطیکہ گواہی دینے والے آزاد ہوں (غلام نہ ہوں) اگر گواہ غلام ہوں تو باجماع فقہاء ہر ایک کی سزا آدھی ہو جائے گی، یعنی ہر غلام گواہ کے چالیس کوڑے مارے جائیں گے۔ فقہاء نے حد قذف کو حد زنا پر قیاس کیا ہے (زانی غلام یا باندی ہو تو پچاس کوڑے مارے جانے کا حکم آیت قرآنی اور حدیث میں آیا ہے۔ اس لئے قاذف اگر غلام ہو تو اس کی سزا بھی آدھی ہوگی)۔ اللہ نے زانی باندیوں کے متعلق فرمایا فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ (تفسیر مظہری)

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۙ
اور وہ ہی لوگ ہیں نافرمان

تہمت لگانے والا فاسق ہوا:

اگر واقع میں جان بوجھ کر جھوٹی تہمت لگائی تھی تب تو اُن کا فاسق و نافرمان ہونا ظاہر ہے اور اگر واقعی سچ بیان کیا تھا لیکن جانتے تھے کہ چار گواہوں سے ہم اپنا دعوی ثابت نہیں کر سکیں گے تو ایسی بات کا اظہار کرنے سے بجز ایک مسلمان کی آبرو ریزی اور پردہ دری کے کیا مقصود ہوا جو بجائے خود ایک مستقل گناہ ہے اور علماء نے اُس کو کبائر میں شمار کیا ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ
مگر جنہوں نے توبہ کر لی اس کے پیچھے اور
اَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝
سنور گئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے

توبہ سے فسق کا ازالہ ہو جاتا ہے:

یعنی توبہ اور اصلاح حال کے بعد اللہ کے نافرمان بندوں میں اُس کا شمار نہ رہے گا۔ گو پچھلے قذف کی سزا میں مردود الشہادت پھر بھی رہے۔ یہی مذہب سلف میں سے قاضی شریح۔ ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر، مکحول، عبدالرحمن بن زید بن جابر حسن بصری محمد بن سیرین اور سعید بن المسیب رحمہم اللہ کا ہے۔ کما فی الدر المنثور وابن کثیر۔ (تفسیر عثمانی)

توبہ سے سزا ساقط نہیں ہوتی:

امام ابوحنیفہ نے فرمایا اِلَّا الَّذِيْنَ کا استثناء گذشتہ آخری جملہ کی طرف راجع ہے (یعنی جو لوگ توبہ کر لیں گے اور اپنے احوال کو درست کر لیں گے وہ فاسق نہیں رہیں گے مطلب یہ ہے کہ توبہ سے قذف کی سزا معاف نہیں ہوگی صرف فاسق ہونے کا حکم جاتا رہے گا) اصول فقہ میں امام ابوحنیفہ کا مسلک یہی ہے۔ توبہ سے فسق ختم ہو جاتا ہے، حدود ساقط نہیں ہوتیں جمہور علماء کے نزدیک توبہ سے حد ساقط نہیں ہوتی۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ
اور جو لوگ عیب لگائیں اپنی (منکوحہ) بی بیوں کو

یعنی زنا کی تہمت لگائے یا اپنے بچہ کو کہے کہ یہ میرے نطفہ سے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: بخاری نے صحیح میں حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ ہلال بن امیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی پر شریک بن سمحا سے زنا کرنے کی تہمت لگائی (واقعہ یقیناً سچا تھا لیکن شرعی شہادت موجود نہیں تھی اس لئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرعی ثبوت پیش کرو) ورنہ تمہاری پشت پر کوڑے مارے جائیں گے ہلال نے عرض کیا یارسول اللہ اگر کوئی شخص کسی کو اپنی بیوی پر دیکھے تو کیا گواہوں کو تلاش کرنے جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گواہ یا تمہاری پشت پر کوڑے۔ ہلال نے کہا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے میں بلا شک وشبہ سچا ہوں اللہ ضرور (کوئی حکم ایسا) نازل فرمائے گا جس سے میری پشت کوڑوں سے بچ جائے گی، اس وقت جبرئیل آیاتِ ذیل لے کر نازل ہوئے۔ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ اور جو لوگ اپنی بیویوں کی طرف زنا کی نسبت کرتے ہیں۔ کیفیت وحی دور ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت ان كان من الصّٰدِقِيْنَ تک تلاوت فرمائی حسب الحکم ہلال آئے اور انہوں نے شہادت دی یعنی لعان کیا اور حضور برابر فرماتے رہے کہ اللہ جانتا ہے کہ تم دونوں میں ایک جھوٹا ہے تو کیا تم دونوں میں سے کوئی ایک اپنے قول سے رجوع کرے گا۔ ہلال کی شہادت کے بعد عورت کھڑی ہوئی اور اس نے شہادت دی یعنی لعان کیا جب پانچویں شہادت کا نمبر آیا تو لوگوں نے اس کو روکا اور کہا یہ شہادت فیصلہ کر دینے والی ہے (اگر تو نے جرم کیا ہے تو شہادت سے اب بھی لوٹ سکتی ہے) عورت ذرا جھجکی اور مڑی یہاں تک کہ ہمارا خیال ہوا کہ یہ (شہادت سے) لوٹ جائے گی پھر کہنے لگی میں اپنے خاندان کو آئندہ ہمیشہ کے لئے رسوا نہیں کروں گی چنانچہ اس نے شہادت جاری رکھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس عورت کو دیکھتے رہنا (اگر اس کے بچہ پیدا ہوا اور آنکھیں سرگلیں ہوں سرین بھاری ہوں اور پنڈلیاں گداز ہوں تو (خیال کر لینا کہ) وہ شریک بن سمحا کا ہے، چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو وہ ایسا ہی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر کتاب اللہ کا فیصلہ نازل نہ ہوا ہوتا تو پھر میں اس عورت سے سمجھتا۔

ابن عویمر کی بیوی کا واقعہ:

صحیح میں حضرت سہل بن سعد ساعدی کی روایت سے آیا ہے کہ ابن عویمر عجلانی نے عرض کیا یارسول اللہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی آدمی کو (مشغول) دیکھے تو کیا کرے اگر وہ قتل کر دے گا تو لوگ (قصاص میں) اس کو قتل کر دیں گے (گواہ لینے جائے گا تو مرد فارغ ہو کر جا چکے گا) بتایئے وہ کیا کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اور تمہاری بیوی کے معاملہ میں حکم نازل ہو گیا ہے جاؤ اپنی بیوی کو لے آؤ حضرت سہل کا بیان ہے

پھر دونوں نے مسجد کے اندر لعان کیا میں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا لعان سے دونوں فارغ ہو گئے تو عویمر نے عرض کیا یارسول اللہ اب اس کے بعد میں اس عورت کو اپنے پاس رکھوں گا تو (گویا) میں نے اس پر تہمت تراشی کی (کیونکہ غیرت مند آدمی زنا کار عورت کو اپنے نکاح میں نہیں رکھتا ہے) چنانچہ انہوں نے عورت کو تین طلاقیں دے دیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذرا دیکھتے رہنا اگر اس عورت کے بچہ پیدا ہوا اور وہ سانولا، سیاہ چشم بھاری سرینوں اور گداز پنڈلیوں والا ہو تو میرا خیال ہو جائے گا کہ عویمر (یعنی ابن عویمر) نے سچ کہا تھا اور اگر اس کی طرح سرخ رنگ کا ہوا تو میں سمجھوں گا کہ عویمر نے اس عورت پر دروغ بندی کی چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو وہ ایسا ہی تھا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے مطابق عویمر کی سچائی ظاہر ہوتی تھی چنانچہ آئندہ اس بچہ کا نسب ماں سے ملایا جاتا (اور ولد عویمر نہیں کہا جاتا تھا)

حضرت سعد بن معاذ کی گفتگو، حضرت ہلال کا واقعہ:

امام احمد نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جب آیت

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ
فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا

نازل ہوئی تو انصار کے سردار حضرت سعد بن عبادہ نے عرض کیا (کیا) اسی طرح آیت نازل ہوئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے گروہ انصار سن رہے ہو تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے (اس کو نزول آیت میں شبہ ہے) انصار نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو آپ برا نہ کہیں یہ بڑے غیرت مند آدمی ہیں بخدا انہوں نے (کبھی کسی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح نہیں کیا) ہمیشہ ناکتخدا سے ہی نکاح کیا اور نہ اپنی کسی بیوی کو طلاق دی (یعنی جس عورت کا پردہ کسی مرد نے اٹھا لیا ہو اس کو انہوں نے کبھی ساتھ رکھنا پسند نہیں کیا اور انتہائی غیرت یہ کہ کسی عورت کو طلاق نہیں دی۔ کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کر سکے) ان کی اسی شدت غیرت کی وجہ سے ہم میں سے کوئی شخص جرأت نہیں کر سکتا کہ (اگر ان کی چھوڑی ہوئی کوئی عورت ہو تو) اس سے نکاح کر لے۔ حضرت سعد نے عرض کیا یارسول اللہ میرے ماں باپ قربان بخدا یہ تو میں ضرور جانتا ہوں کہ یہ آیت حق ہے اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے لیکن مجھے تعجب اس بات پر ہے کہ اگر میں بدکار عورت کو اس حالت میں دیکھوں کہ کوئی شخص اس کو اپنی رانوں میں دبائے ہوئے ہے تو مجھے یہ بھی اجازت نہیں کہ میں اس کو اس کی جگہ سے ہلا سکوں جب تک کہ چار گواہ لا کر ان کو آنکھوں سے دکھا نہ دوں خدا کی قسم جب تک میں گواہ لاؤں گا وہ شخص اپنا کام کر کے چل دے گا۔ اس واقعہ کو زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ

ہلال بن امیہ کا قصہ ہو گیا حضرت ہلال ان تینوں میں سے ایک تھے جن کی توبہ قبول ہونے کی صراحت آیت میں آئی تھی۔ (غزوۂ تبوک کو تین شخص باوجود قدرت کے نہیں گئے تھے اور واپسی کے وقت حاضر خدمت ہو کر انہوں نے سچ سچ عرض کر دیا تھا اور اپنے قصور کا اعتراف کر لیا تھا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر سخت عتاب کیا تھا اور مسلمانوں کو ان کے بائی کاٹ کا حکم دے دیا تھا انہوں نے چالیس پچاس دن برابر اللہ سے زاری کی اور روتے رہے آخر ان کی توبہ قبول ہوئی اور قبول توبہ کی آیت اللہ نے نازل فرمادی) واقعہ یوں ہوا کہ حضرت ہلال رات کو اندھیرا پڑے اپنی زمین سے واپس آئے آکر دیکھا کوئی شخص ان کی بیوی کے پاس موجود ہے (اور کام میں مشغول ہے) آپ نے اپنی آنکھوں سے ان کی حرکت دیکھی اور اپنے کانوں سے ان کی باتیں سنیں لیکن اس شخص کو متنبہ نہیں کیا صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا میں اندھیرا پڑے گھر آیا تو میں نے اپنی بیوی کے پاس ایک آدمی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے (ان کی باتیں) سنیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ناگوار ہوئی اور بارگذری، دوسری طرف انصار جمع ہوئے اور انہوں نے کہا سعد بن عبادہ کے قول نے ہم کو آزمائش میں ڈال دیا، اب ہلال بن امیہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کوڑے) لگوائیں گے اور لوگوں میں ان کی شہادت کو باطل قرار دیں گے۔ ہلال نے کہا خدا کی قسم مجھے امید ہے کہ اللہ میرے لئے اس سے رہائی کا کوئی راستہ ضرور نکال دے گا (راوی کا بیان ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوڑے لگوانے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ اللہ نے آپ پر وحی نازل فرمائی۔ جب وحی نازل ہو گئی (اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا دی) لوگ ہلال کو کوڑے مارنے سے رک گئے۔ آیت نازلہ یہ تھی وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ الخ ابو یعلیٰ نے ایسا ہی بیان حضرت انس کا نقل کیا ہے بغوی نے یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد اس کے آخر میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہلال تم کو خوش خبری ہو اللہ نے تمہارے لئے کشائش پیدا کر دی ہلال نے کہا مجھے اللہ سے اس کی امید تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کو بلاؤ حسب الحکم عورت حاضر ہوئی جب دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اکٹھے ہوئے تو عورت سے (ہلال کا قول) کہا گیا عورت نے ہلال کے قول کو جھوٹا قرار دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ یقیناً جانتا ہے کہ تم دونوں میں ایک جھوٹا ہے تو کیا تم دونوں میں سے کوئی (اپنے بیان سے) رجوع کرنے والا ہے۔ ہلال نے کہا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ قربان میں سچ کہہ چکا اور میں نے حق بات کہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ان دونوں کے درمیان لعان کرا دو۔ حسب الحکم ہلال سے کہا گیا، شہادت دو ہلال نے چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ میں یقیناً سچا ہوں، پانچویں شہادت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال سے فرمایا، ہلال اللہ سے ڈر دنیوی عذاب، آخرت کے عذاب سے آسان ہے اور اللہ کا عذاب لوگوں کے عذاب سے بہت زیادہ سخت ہے اور یہ پانچویں شہادت واجب کر دینے والی ہے (اگر تو جھوٹا ہے تو) عذاب کو تجھ پر واجب کر دے گی۔ ہلال نے کہا خدا کی قسم اللہ اس شہادت پر مجھے عذاب نہیں دے گا۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر میرے کوڑے نہیں ماریں گے۔ اس کے بعد پانچویں شہادت میں ہلال نے کہا کہ اللہ کی لعنت مجھ پر اگر میں جھوٹا ہوں، پھر پانچویں شہادت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو روکا اور فرمایا اللہ سے ڈر پانچویں شہادت یقیناً واجب کر دینے والی ہے اور اللہ کا عذاب لوگوں کے عذاب سے زیادہ سخت ہے، یہ سن کر عورت تھوڑی دیر کے لئے کچھ جھجکی اور اقرار کرنے کا ارادہ کیا، لیکن پھر کہنے لگی، خدا کی قسم میں اپنے خاندان کو رسوا نہیں کروں گی، چنانچہ اس نے پانچویں شہادت دے دی اور کہا اللہ کا مجھ پر غضب ہو اگر وہ (ہلال) سچا ہو، آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو الگ الگ کر دیا اور فیصلہ کر دیا کہ بچہ (اگر ہو گا تو) عورت کا ہو گا باپ کی طرف اس کی نسبت نہیں کی جائے گی۔ لیکن بچہ کو ولد حرام نہیں کہا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اگر بچہ ایسا ایسا ہو تو شوہر کا ہو گا اور اگر ایسا ایسا ہو تو وہ اس شخص کا ہو گا جس کا نام لیا گیا ہے۔ چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو خاکستری رنگ کے اونٹ کی طرح بدشکل تھا جو آئندہ زندگی میں مصر کا حاکم بنا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ میرا باپ کون تھا۔

عکرمہ نے کہا وہ بچہ مصر کا گورنر ہوا اور کسی باپ کی طرف اس کی نسبت نہیں کی جاتی تھی۔ اکثر طرق روایت میں آیا ہے کہ لعان کرنے کے وقت ہلال کی بیوی حاملہ تھی۔

عویمر کے واقعہ کی تفصیل:

بغوی نے لکھا ہے کہ تمام روایات میں حضرت ابن عباس کا بیان مندرجہ ذیل آیا ہے اور یہی مقاتل نے بیان کیا کہ جب آیت وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الخ نازل ہوئی۔ اور منبر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھ کر سنائی تو عاصم بن عدی انصاری نے اٹھ کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ مجھے آپ پر قربان کر دے (یہ فرمایئے) اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو (مشغول) دیکھ لے اور جو کچھ دیکھا ہے اس کو بیان کر دے تو اس کے اسی کوڑے مارے جائیں گے اور مسلمان اس کو فاسق کہیں گے اور آئندہ اس کی گواہی کبھی قبول نہیں کی جائے گی۔ ہم گواہ اس وقت تک کہاں سے لا سکتے ہیں گواہوں کی تلاش میں جائیں گے تو اتنے وقت میں وہ شخص اپنے کام سے

فارغ ہو کر جا چکا ہوگا۔ انہی عاصم کے ایک چچازاد ے تھے جن کا نام عویمر تھا اور عویمر کی بیوی خولہ بنت قیس بن محصن تھیں (چند روز بعد کا ذکر ہے کہ) عویمر عاصم کے پاس پہنچے اور کہا (بھائی) میں نے اپنی بیوی خولہ کے پیٹ پر سوار خود شریک بن سمحا کو دیکھ پایا (اب کیا کروں) عاصم نے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا اور آئندہ جمعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! گذشتہ جمعہ کو جو بات میں نے عرض کی تھی اس میں بتلا میرے ہی خاندان کا ایک شخص ہو گیا۔ عویمر خولہ، اور شریک، سب عاصم کے بنی عم (یعنی ایک ہی دادا کی اولاد) تھے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو طلب فرمایا اور عویمر سے ارشاد فرمایا وہ تیری بیوی اور تیرے چچا کی بیٹی ہے، اللہ سے ڈر اس کو بہتان تراشی کا نشانہ نہ بنا۔ عویمر نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے شریک کو اس کے پیٹ پر دیکھا اور چار مہینے سے میں خولہ کے قریب بھی نہیں گیا۔ اس کو اگر حمل ہے تو کسی اور کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت سے فرمایا، اللہ سے ڈر اور جو کچھ تو نے کیا مجھ سے بیان کردے۔ عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ! عویمر بڑا غیرت مند آدمی ہے اس نے دیکھا کہ میں اور شریک دیر تک بیدار رہتے اور باہم باتیں کرتے رہتے، اس کو غیرت آئی اور غیرت نے اس سے وہ بات کہلوائی (جو اس نے آپ سے کہی تھی)، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شریک سے فرمایا تیرا کیا بیان ہے؟ اس نے کہا جو عورت کہہ رہی ہے وہی میں کہتا ہوں، اس پر اللہ نے آیت وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ نازل ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کا حکم دیا کہ الصلوۃ جامعۃ کی نداء کردے، منادی نے ندا کردی لوگ جمع ہو گئے، آپ نے عصر کی نماز پڑھی پھر عویمر سے فرمایا، اٹھ اور کھڑا ہو کر اللہ کو گواہ کر کے کہہ کہ خولہ زانیہ ہے اور میں یقیناً بلاشبہ سچا ہوں۔ عویمر نے کھڑے ہو کر یہی شہادت دی، پھر دوسری شہادت میں عویمر نے کہا، میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے شریک کو خولہ کے پیٹ پر دیکھا اور میں بلاشبہ سچا ہوں، پھر تیسری شہادت میں عویمر نے کہا، میں شہادت دیتا ہوں کہ اس عورت کو جو حمل ہے وہ میرا نہیں کسی اور کا ہے اور میں سچا ہوں پھر چوتھی شہادت میں عویمر نے کہا میں اللہ کو شاہد جان کر کہتا ہوں کہ میں نے چار مہینے سے اس سے قربت نہیں کی اور بلاشک میں سچا ہوں، پھر پانچویں مرتبہ عویمر نے کہا اگر عویمر اس بات میں جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت ہو (اس کے بعد) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خولہ سے فرمایا، کھڑی ہو (اور قسم کھا کر بیان کر) خولہ کھڑی ہوئی اور اس نے کہا، میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں زانیہ نہیں ہوں اور عویمر جھوٹا ہے، پھر دوسری شہادت میں خولہ نے کہا، میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ عویمر نے شریک کو میرے پیٹ پر نہیں دیکھا اور عویمر جھوٹا ہے، پھر تیسری شہادت میں عورت نے کہا میں عویمر سے حاملہ ہوں اور یہ جھوٹا ہے، پھر چوتھی شہادت میں عورت نے کہا عویمر نے کبھی مجھے زناء کی حالت میں مبتلا نہیں دیکھا اور یہ جھوٹا ہے، پھر پانچویں شہادت میں اس نے کہا اگر عویمر اس قول میں سچا ہو تو خولہ پر اللہ کا عذاب ٹوٹے، تکمیل شہادت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو الگ کرادیا اور فرمایا اگر یہ قسمیں نہ ہوتیں تو اس وقت اس عورت کے معاملے میں کچھ رائے ہوتی، پھر لوگوں سے فرمایا بچے کی پیدائش کے وقت کو دیکھتے رہو اگر بچے کے دونوں ابرو کشادہ ہوں دونوں میں فاصلہ ہو بال بھورے ہوں رنگ مائل بہ سیاہی ہو تو (سمجھو کہ) وہ شریک بن سمحا کا ہے اور اگر رنگ خاکستری ہو بال گھنگھریالے ہوں، اعضاء کے جوڑ اونٹ کی طرح ہوں تو سمجھو کہ وہ اس شخص کا نہیں ہے جس کی طرف زنا کی نسبت کی گئی ہے (بلکہ وہ عویمر کا ہوگا) حضرت ابن عباس نے فرمایا خولہ کے بچہ پیدا ہوا تو وہ شریک سے بہت زیادہ مشابہ تھا۔

لعان کیلئے دو شرطیں:

امام ابوحنیفہ نے فرمایا، جب تک دو شرطیں نہ ہوں گی لعان جائز نہ ہوگا ایک شرط یہ ہے کہ مرد اہل شہادت ہو یعنی مسلمان آزاد عاقل بالغ ہو دوسری شرط یہ ہے کہ عورت ایسی ہو کہ اس کے قاذف (تہمت زنا لگانے والے) کو حد لگائی جاسکتی ہو یعنی مسلمان ہو آزاد ہو، عاقل ہو، بالغ ہو اور (اس سے پہلے) اس کی طرف زنا کی نسبت نہ کی گئی ہو امام صاحب کے اس قول پر اگر عورت ایسی ہو کہ اس کے قاذف کو حد زنا لگائی جاسکتی ہو اور مرد غلام ہو یا کافر ہو یا تہمت زنا کا پہلے سزا یافتہ ہو (اور ایسا مرد تہمت زنا لگائے) تو لعان کا حکم نہیں دیا جائے گا بلکہ حاکم اگر مناسب سمجھے گا تو تعزیری سزا مرد کو دے گا۔

امام صاحب نے شوہر کے لئے شہادت کا اہل ہونے کی شرط لگائی ہے اور یہ بھی ضروری قرار دیا ہے کہ عورت ایسی ہو جس کے قاذف پر حد قذف جاری کی جاسکتی ہو ان دونوں باتوں کا ثبوت عمرو بن شعیب کے دادا کی روایت کردہ حدیث سے ملتا ہے اس حدیث کو ابن ماجہ اور دارقطنی نے چند طرق سے نقل کیا ہے۔

دارقطنی نے بروایت عثمان بن عبدالرحمن زہری بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار (صورتیں) ہیں جن میں لعان نہیں ہے۔ آزاد مرد اور باندی عورت کے درمیان لعان نہیں ہے غلام مرد اور آزاد بی بی کے درمیان لعان نہیں ہے مسلم مرد اور یہودیہ عورت کے درمیان لعان نہیں ہے۔ مسلم مرد اور نصرانی عورت کے درمیان لعان نہیں ہے۔ یحییٰ، بخاری، ابوحاتم رازی اور ابوداؤد نے کہا عثمان بن عبدالرحمن کچھ نہیں ہے (ہیچ ہے ناقابل اعتبار ہے) یحییٰ نے ایک بار کہا وہ جھوٹ کہتا تھا ابن حبان نے کہا موضوع احادیث کی روایت کا سلسلہ قابل اعتماد راویوں سے ملاتا تھا اس کی روایت کردہ حدیث کو حجت میں پیش کرنا جائز نہیں۔ نسائی اور دارقطنی نے کہا یہ متروک الحدیث ہے۔

دار قطنی اور ابن ماجہ نے عثمان بن عطاء خراسانی کی روایت سے :

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار عورتوں سے لعان نہیں۔ عیسائی عورت مسلمان مرد، یہودی عورت مسلمان مرد، باندی عورت آزاد مرد، آزاد عورت غلام مرد۔ یحییٰ اور دار قطنی نے عثمان بن عطاء کو ضعیف کہا ہے ابو حاتم اور ابن حبان نے کہا اس کی حدیث سے احتجاج جائز نہیں۔ علی بن جنید نے کہا یہ متروک الحدیث ہے۔

دار قطنی نے کہا عثمان کی متابعت یزید بن زریع نے بھی کی ہے اس نے بھی بروایت عطاء یہ حدیث بیان کی ہے لیکن یزید بن زریع بھی ضعیف ہے۔

ابن ہمام نے لکھا ہے ضعیف حدیث اگر متعدد طریقوں سے مروی ہو (اور ہر سند میں ضعف ہو) تو وہ حجت (قابل استدلال) ہو جاتی ہے۔ یہ حدیث اسی قسم کی ہے اس کی تائید اوزاعی اور ابن جریج کی روایت سے ہو رہی ہے کہ دونوں اماموں نے اس کو عمرو بن شعیب کے دادا کا قول قرار دیا ہے (اگرچہ اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں کی اور مرفوعاً نہیں بیان کیا پھر بھی موقوفاً ضرور کہا ہے)

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ لعان سے انکار کرنا اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار ہے لیکن اس میں کسی قدر شبہ ہے (کیونکہ صراحۃً اس نے اقرار کذب نہیں کیا ہے) اور شبہ کی صورت میں حد جاری نہیں کی جاسکتی مجبوراً اس کو قید کیا جائے گا تاکہ وہ یا لعان پر تیار ہو جائے اور لعان کرے یا صراحۃً اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرے تاکہ اس پر حدِ قذف جاری کی جا سکے۔

اگر شوہر لعان کر لے تو عورت پر بھی لعان کرنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب ہو جاتا ہے اگر وہ انکار کرے تو حاکم اس کو قید کر دے اور اتنی مدت قید رکھے کہ وہ لعان کے لئے تیار ہو جائے یا زنا کا اقرار کر لے اور شوہر کی تصدیق کر دے۔ ہم کہتے ہیں لعان اس وقت تک متحقق نہیں ہوتا جب تک عورت بھی لعان نہ کر لے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ

اور شاہد نہ ہوں اُن کے پاس سوائے ان کی جان کے تو ایسے شخص کی گواہی

اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

کی یہ صورت ہے کہ چار بار گواہی دے اللہ کی قسم کھا کر کہ مقرر وہ شخص سچا ہے

وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝

اور پانچویں بار یہ کہ اللہ کی پھٹکار ہو اُس شخص پر اگر ہو وہ جھوٹا

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ

اور عورت سے ٹل جائے گی مار یوں کہ وہ گواہی دے چار گواہی

بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۙ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ

اللہ کی قسم کھا کر کہ مقرر وہ شخص جھوٹا ہے اور پانچویں یہ کہ اللہ کا غضب

اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

آئے اس عورت پر اگر وہ شخص سچا ہے

لعان کا طریقہ:

یعنی جو اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اول اس سے چار گواہ طلب کئے جائیں گے اگر پیش کر دے تو عورت پر حد زنا جاری کر دی جائے گی۔ اگر گواہ نہ لا سکا تو اس کو کہا جائے گا کہ چار مرتبہ قسم کھا کر بیان کرے کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے (یعنی جو تہمت اپنی بیوی پر لگائی ہے اس میں جھوٹ نہیں بولا) گویا چار گواہوں کی جگہ خود اس کی یہ چار حلفیہ شہادتیں ہوئیں اور آخر میں پانچویں مرتبہ یہ الفاظ کہنے ہوں گے کہ "اگر وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت اور پھٹکار" اگر الفاظ مذکورہ بالا کہنے سے انکار کرے تو حبس کیا جائے گا اور حاکم اس کو مجبور کرے گا کہ یا اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرے، تو حد قذف لگے گی جو اوپر گزری۔ اور یا پانچ مرتبہ وہی الفاظ کہے جو اوپر مذکور ہوئے۔ اگر کہہ لئے تو پھر عورت سے کہا جائے گا کہ وہ چار مرتبہ قسم کھا کر بیان کرے کہ "یہ مرد تہمت لگانے میں جھوٹا ہے" اور پانچویں دفعہ یہ الفاظ کہے کہ "اللہ کا غضب آوے اس عورت پر اگر یہ مرد اپنے دعوے میں سچا ہو" تاوقتیکہ عورت یہ الفاظ نہ کہے گی اُس کو قید میں رکھیں گے اور مجبور کریں گے کہ یا صاف طور پر مرد کے دعوے کی تصدیق کرے تب تو حد زنا اس پر جاری ہوگی اور یا بالفاظ مذکورہ بالا اس کی تکذیب کرے۔ اگر اس نے بھی مرد کی طرح یہ الفاظ کہہ دیئے اور "لعان" سے فراغت ہوئی تو اس عورت سے صحبت اور دواعی صحبت سب حرام ہو گئے۔ پھر اگر مرد نے اس کو طلاق دے دی فبہا ورنہ قاضی اُن میں تفریق کر دے۔ گو دونوں رضامند نہ ہوں یعنی زبان سے کہہ دے کہ میں نے ان میں تفریق کی۔ اور یہ تفریق طلاق بائن کے حکم میں ہو گی۔ (تنبیہ) زوجین سے اس طرح الفاظ کہلوانے کو شریعت میں "لعان" کہتے ہیں اور لعان صرف قذف ازواج کے ساتھ مخصوص ہے عام محصنات کے قذف کا وہی حکم ہے جو اوپر کی آیات میں مذکور ہو چکا۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ: اگر عورت نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ واقعی یہ بچہ شوہر کا نہیں ہے انکار ولد میں یہ سچا ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس صورت میں نہ لعان کا حکم باقی رہے گا نہ حد زنا ثابت ہوگی، اور بچہ دونوں کا مانا جائے گا کیونکہ لعان ہو جاتا تو بچے کی نسبت پھر شوہر سے نہ ہوتی لیکن لعان نہ ہوا اور زوجین سے نسبی الحاق بچے کا حق ہے اس لئے زوجین کے کہنے سے اس حق کا ابطال نہیں ہو سکتا۔

لعان کے بعد تفریق واجب ہے:

فریقین کے لعان کر چکنے کے بعد دونوں میں تفریق کر دینا حاکم پر واجب ہو جاتا ہے۔

صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں لعان کرنے والوں (یعنی مرد اور عورت) سے فرمایا۔ تمہارا حساب اللہ کے ذمے ہے یقینی بات ہے کہ تم دونوں میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے (مرد کو مخاطب کر کے فرمایا) اب تیری اس پر کوئی راہ نہیں (یعنی اس سے ملنے کا اب تیرے لئے کوئی راستہ نہیں رہا دوامی انقطاع ہو گیا) اس نے عرض کیا یارسول اللہ میرا مال (یعنی جو مہر میں نے دیا اس کا کیا ہوگا) فرمایا اگر تو نے اس پر سچا الزام لگایا ہے تو مال (مہر) اس حلت کا معاوضہ ہو گیا جو تجھے اس سے جماع کرنے کی حاصل تھی (یعنی تو اس سے قربت کر چکا مہر اس کا معاوضہ ہو جائے گا) اور اگر تو نے اس پر جھوٹی تہمت لگائی ہے تو یہ مال بہت دور چلا گیا اس لئے تیرے لئے اب کوئی مال نہیں ہو سکتا۔ ابوداؤد نے حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت سے لعان کرنے والے مرد و عورت کے مقدمہ میں جو حدیث بیان کی ہے وہ اوپر گزر چکی ہے کہ دونوں میں (دوامی) تفریق کرا دی جائے کہ آئندہ کبھی دونوں نہ مل سکیں۔ دارقطنی نے حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بھی ایسا ہی بیان کیا ہے۔

لعان سے فسخ نکاح از خود نہیں ہو جاتا:

امام ابوحنیفہ نے فرمایا، ثبوت حرمت فسخ نکاح کا تقاضا نہیں کرتا۔ دیکھو ظہار سے حرمت ہو جاتی ہے اور نکاح فسخ نہیں ہوتا (بلکہ کفارۂ ظہار ادا کرنے کے بعد پھر حلت ہو جاتی ہے) ہاں ثبوت حرمت کے بعد شوہر بیوی کو دستور شرعی کے مطابق اپنے پاس رکھنے سے جب قاصر ہے تو اچھی طرح بحسن وخوبی عورت کو آزاد کر دینا اس پر لازم ہے اور جب اس نے ایسا نہیں کیا تو حاکم نے قائم مقام کی حیثیت سے عورت کو اس سے الگ کر دیا تا کہ عورت پر ظلم نہ ہو۔ اس کا ثبوت صحیحین کی اس روایت سے ہوتا ہے جس کے راوی حضرت سہل بن سعد ہیں کہ دونوں کے لعان کر چکنے کے بعد عویمر نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب اگر میں نے اس کو اپنے پاس روکے رکھا (یعنی اپنے نکاح میں رکھا) تو (گویا) میں نے اس پر جھوٹی تہمت تراشی کی چنانچہ لعان کے بعد عویمر نے اس کو تین طلاقیں دے دیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دینے کے سلسلے میں اس کے خلاف کچھ نہیں فرمایا۔

میں کہتا ہوں لعان کے بعد حرمت ہو جانا باجماع علماء ثابت ہے۔ امام شافعی امام زفر اور دوسرے ائمہ کے نزدیک تو حرمت کا ثبوت ظاہری ہے (کہ یہ حضرات لعان کو فسخ نکاح قرار دیتے ہیں اور لعان کے بعد بغیر حکم حاکم کے فرقت واقع ہو جاتی ہے) اور امام ابوحنیفہؒ کے قول پر بھی حرمت کا ثبوت یقینی ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعان کے بعد دونوں میں تفریق نہ کراتے امام صاحب خود قائل ہیں کہ لعان کے بعد قاضی دونوں میں تفریق کرا دے۔

امام صاحب کا یہ قول کہ چونکہ شوہر لعان کے بعد بیوی کو دستور شرعی کے مطابق اپنے پاس روک نہیں سکتا اس لئے حاکم عورت کو آزاد کرا دینے کا فیصلہ کر دے تسریح بالاحسان کے لئے قاضی شوہر کا قائم مقام ہے۔ یہ قول چاہتا ہے کہ لعان کے بعد قاضی شوہر کو طلاق دینے کا حکم دے۔

مسئلہ: اگر مرد نے عورت سے کہا تیرا (یہ) حمل مجھ سے نہیں ہے تو امام ابوحنیفہ، امام زفر اور امام احمد کے نزدیک لعان کا حکم نہیں دیا جائے (نہ مرد پر حد قذف جاری ہوگی نہ عورت کو زانیہ قرار دیا جائے گا) کیونکہ بچہ ہونا یقینی نہیں ہے (ممکن ہے حمل ہی نہ ہو)

نسائی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عجلانی اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کرایا، بیوی اس وقت حاملہ تھی۔ عبدالرزاق نے بھی یہ واقعہ اسی طرح نقل کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ شوہر نے کہا میں عفار النخل سے ہی اس (عورت) کے قریب نہیں گیا ہوں (اس لئے یہ بچہ مجھ سے نہیں ہے) عفار النخل کا یہ معنی ہے کہ شاخ تراشی کے بعد دو مہینہ تک درخت کو سینچا نہ جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے اللہ ظاہر کر دے چنانچہ پیدا ہوا تو بڑی بری شکل کا تھا۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انکار حمل کی صورت میں لعان جائز ہے۔

عویمر کو اس کے خاندان والے بہت ملامت کیا کرتے تھے اور کہتے تھے ہم تو اس عورت کو نیک ہی جانتے ہیں لیکن جب بچہ شریک کا ہم شکل پیدا ہوا تو پھر لوگوں نے عویمر کو معذور سمجھا (یعنی ملامت کرنا چھوڑ دیا) بچہ دو سال زندہ رہ کر مر گیا اس کی ماں بھی اس کے کچھ دنوں بعد مر گئی اور شریک اس واقعہ کے بعد لوگوں کی نظر میں ذلیل ہو گیا۔ قصہ کی یہ تفصیل دلالت کر رہی ہے کہ عویمر نے عورت کے زنا کرنے کا بھی دعویٰ کیا تھا اور حمل کا بھی انکار کیا تھا۔

زنا کار خاتون اور تہمت تراش مرد کی اخروی سزا:

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جس عورت نے کسی دوسری قوم کے آدمی کو اپنی قوم میں شامل کیا (یعنی کسی دوسرے شخص سے زنا کر کے بچہ کو اپنے شوہر کا بتایا) وہ اللہ کی رحمت سے خارج ہو گئی اور اللہ قیامت کے دن اس کو جنت میں داخل نہیں فرمائے گا اور جس مرد نے دیدہ دانستہ اپنے بچہ کا باپ ہونے سے انکار کر دیا تو اللہ قیامت کے دن اس سے پردہ کرے گا (اللہ کا دیدار اسے میسر نہ ہوگا) اور اگلے پچھلوں کے سامنے اس کو رسوا کرے گا۔ رواہ ابوداؤد والنسائی والشافعی و

ابن حبان و الحاکم۔ دار قطنی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

غیر باپ کو اپنا باپ بنانا حرام ہے:

صحیحین میں حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابوبکرہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام (کے دور) میں کسی نے غیر باپ کو اپنا باپ قرار دیا اور وہ واقف بھی ہے کہ جس شخص کی طرف وہ اپنے باپ ہونے کی نسبت کر رہا ہے وہ اس کا باپ نہیں ہے تو جنت اس پر حرام ہے۔

مسئلہ: اگر بچے کی پیدائش کے وقت مرد کہیں غائب تھا تو واپس آنے کے بعد کی مدت کا اعتبار کیا جائے گا۔ صاحبین کے نزدیک اتنی مدت غور کرنے کے لئے دی جائے گی جتنی مدت نفاس کی ہوتی ہے اور امام صاحب کے نزدیک مدت مبارکباد کی برابر مدت تامل کے لئے کافی ہے۔

مسئلہ: اگر شوہر کو اپنی بیوی کے زنا کا یقین ہوگیا یا زید سے زنا کرنے کی خبر مشہور ہونے کی بناء پر پختہ گمان ہوگیا اور تائیدی قرینہ بھی موجود ہے (مثلاً) شوہر نے زید کو اس عورت کے ساتھ تنہائی میں دیکھ لیا تو اس صورت میں وہ عورت پر زنا کا الزام قائم کرسکتا ہے یا اگر عورت کے کوئی بچہ پیدا ہوا اور اس نے بیوی سے قربت ہی نہیں کی اس لئے اس کو یقین ہوگیا کہ یہ بچہ مجھ سے نہیں ہے تو انکار ولدیت کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: اگر جماع کیا یا عزل کیا یا عورت کے زنا کرنے کا اس کو (یقینی) علم ہوگیا اور اس بات کا احتمال ہے کہ بچہ اس کا ہو یا زانی کا ہو تو اپنا بچہ ہونے کا انکار حرام ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ
اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تمہارے اُوپر اور اس کی رحمت
وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰ ع
اور یہ کہ اللہ معاف کرنے والا ہے حکمتیں جاننے والا تو کیا کچھ نہ ہوتا

قانون الٰہی رحمت و فضل ہے:

یعنی اگر یہ حکم لعان مشروع نہ ہوتا تو قذف کے عام قاعدہ کے موافق زوج پر حد قذف آتی اور یا ساری عمر خون کے گھونٹ پیتا۔ کیونکہ ممکن ہے وہ سچا ہو۔ بخلاف غیر شوہر کے کہ وہ اظہار میں مضطر نہیں، اس لئے اس کے قانون میں ان امور کی رعایت ضرور نہیں۔ دوسری طرف اگر محض خاوند کے قسمیں کھانے پر زنا کا ثبوت ہو جایا کرتا تو عورت کی سخت مصیبت تھی، حالانکہ ممکن ہے وہ ہی سچی ہو۔ اسی طرح اگر عورت کو قسمیں کھانے پر یقیناً بری سمجھ لیا جاتا تو مرد پر حد قذف واجب ہو جاتی باوجودیکہ اس کے صادق ہونے کا بھی مساوی احتمال موجود ہے پس ایسے طور پر لعان کا مشروع کرنا کہ سب کی رعایت رہے یہ اثر ہے حق تعالیٰ کے فضل و رحمت کا، کیونکہ فریقین میں سے جو سچا ہو وہ بے محل سزا سے بچ گیا۔ اور جھوٹے کی دنیا میں پردہ پوشی کر کے مہلت دی گئی کہ شاید توبہ کر لے۔ پھر اس کی توبہ کا قبول کر لینا یا اثر صفت توابیت کا ہوا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ
جو لوگ لائے ہیں یہ طوفان

حضرت عائشہؓ پر تہمت کا واقعہ:

یہاں سے اُس طوفان کا ذکر ہے جو حضرت عائشہؓ پر اٹھایا گیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۶ھ میں غزوہ بنی المصطلق سے واپس مدینہ تشریف لا رہے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی ہمراہ تھیں، ان کی سواری کا اونٹ علیحدہ تھا، وہ ہودہ میں پردہ چھوڑ کر بیٹھ جاتیں۔ حمال ہودے کو اُونٹ پر باندھ دیتے۔ ایک منزل پر قافلہ ٹھہرا ہوا تھا، کوچ سے ذرا پہلے حضرت عائشہ کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئی۔ جس کے لئے قافلہ سے علیحدہ ہو کر جنگل کی طرف تشریف لے گئیں۔ وہاں اتفاق سے ان کا ہار ٹوٹ کر گر گیا۔ اُس کی تلاش میں دیر لگ گئی، یہاں پیچھے کوچ ہو گیا۔ حمال حسب عادت اُونٹ پر ہودہ باندھنے آئے۔ اور اُس کے پردے پڑے رہنے سے گمان کیا کہ حضرت عائشہؓ اُس میں تشریف رکھتی ہیں۔ اُٹھاتے وقت بھی شبہ نہ ہوا۔ کیونکہ اُن کی عمر تھوڑی تھی اور بدن بہت ہلکا پھلکا تھا۔ غرض حمالوں نے ہودہ باندھ کر اُونٹ کو چلتا کر دیا۔ حضرت عائشہؓ واپس آئیں تو وہاں کوئی نہ تھا۔ نہایت استقلال سے انہوں نے یہ رائے قائم کی کہ یہاں سے اب جانا خلاف مصلحت ہے۔ جب آگے جا کر میں نہ ملوں گی تو یہیں تلاش کرنے آئیں گے۔ آخر وہیں قیام کیا، رات کا وقت تھا، نیند کا غلبہ ہوا وہیں لیٹ گئیں۔ حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ گرے پڑے کی خبر گیری کی غرض سے قافلہ کے پیچھے کچھ فاصلہ سے رہا کرتے تھے، وہ اس موقع پر صبح کے وقت پہنچے۔ دیکھا کوئی آدمی پڑا سوتا ہے۔ قریب آ کر پہچانا کہ حضرت عائشہ ہیں (کیونکہ پردہ کا حکم آنے سے پہلے انہوں نے ان کو دیکھا تھا) دیکھ کر گھبرا گئے اور اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھا۔ جس سے اُن کی آنکھ کُھل گئی فوراً چہرہ چادر سے ڈھانک لیا۔ حضرت صفوانؓ نے اُونٹ اُن کے قریب لا کر بٹھلا دیا۔ یہ اُس پر پردہ کے ساتھ سوار ہو گئیں۔ انہوں نے اُونٹ کی نکیل پکڑ کر دوپہر کے وقت قافلہ سے جا ملایا۔ عبداللہ بن اُبی بڑا خبیث، بد باطن، اور دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، اُسے ایک بات ہاتھ لگ گئی اور بدبخت نے واہی تباہی بکنا شروع کیا۔ اور بعض بھولے بھالے مسلمان بھی (مثلاً مردوں میں سے حضرت حسان، حضرت مسطح، اور عورتوں میں سے حضرت حمنہ بنت جحش) منافقین کے مغویانہ پراپیگنڈہ سے متاثر ہو کر اس قسم کے

افسوسناک تذکرے کرنے لگے۔ عموماً مسلمانوں کو اور خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کے واہیات تذکروں اور شہرتوں سے سخت صدمہ تھا۔ ایک مہینہ تک یہی چرچا رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنتے اور بغیر تحقیق کچھ نہ کہتے، مگر دل میں خفا رہتے۔ ایک ماہ بعد ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس شہرت کی اطلاع ہوئی شدت غم سے بیتاب ہو گئیں اور بیمار پڑ گئیں۔ شب و روز روتی تھیں۔ ایک منٹ کے لئے آنسو نہ تھمتے تھے۔ اسی دوران میں بہت سے واقعات پیش آئے اور گفتگوئیں ہوئیں جو صحیح بخاری وغیرہ میں مذکور ہیں اور پڑھنے کے قابل ہیں۔ آخر حضرت صدیقہ کی براءت میں خود حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں سورۂ نور کی یہ آیتیں اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ الخ سے دور تک نازل فرمائیں جس پر عائشہ صدیقہ فخر کیا کرتی تھیں اور بلاشبہ جتنا فخر کریں تھوڑا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

مفصل واقعہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی:

زہری نے کہا مجھ سے متعدد اہل حدیث نے یہ قصہ بیان کیا، بعض نے کم بعض نے زیادہ لیکن ہر ایک کا بیان دوسرے کے بیان کی تائید کرتا ہے۔

سفر کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول:

عروہ کی روایت میں حضرت عائشہ کا بیان حسب ذیل آیا ہے۔ ام المومنین نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر پر تشریف لے جاتے تو اپنی بیبیوں میں قرعہ اندازی کرتے تھے، جس بی بی کا نام نکل آتا اس کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔

غزوۂ بنی مصطلق کے سفر میں میری رفاقت:

چنانچہ ایک جہاد پر آپ تشریف لے جانے لگے تو حسب معمول قرعہ اندازی کی، میرا نام نکل آیا، مجھے آپ نے ساتھ لے لیا، یہ واقعہ پردہ کی آیت نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ میں ہودج میں سوار ہوتی میرا ہودج ہی اٹھا کر (اونٹ پر) رکھا جاتا تھا اور نیچے اتارا جاتا تھا (مجھے باہر نکلنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی) اس طرح ہم مدینے سے چل دیے۔

میرا پیچھے رہ جانا:

جب جہاد سے فارغ ہو کر واپس ہوئے اور مدینے کے قریب پہنچ کر ایک جگہ اترے، رات کو کوچ کرنے کا اعلان ہوا۔ میں (رفع ضرورت کو جانے کے لئے) اٹھی اور چل کر لشکر سے آگے نکل گئی۔ ضرورت سے فارغ ہو کر جب اپنے مقام پر پہنچی اور سینہ کو ٹٹولا تو عقیق یمنی کا جو ہار میں پہنے تھی وہ ٹوٹ کر کہیں گر گیا، میں ہار کو ڈھونڈنے کے لئے فوراً لوٹ پڑی، ہار کی تلاش میں مجھے دیر ہوگئی، میرے ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھنے والے لوگ آئے اور یہ خیال کر کے کہ میں ہودج کے اندر ہوں خالی ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا، اس زمانہ میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں بھاری نہیں ہوتی تھیں ان پر گوشت نہیں چڑھا ہوتا تھا، کھانا تھوڑا کھاتی تھیں، اس لئے لوگوں نے ہودج کی خفت محسوس نہ کی، پھر میں تو کم سن لڑکی ہی تھی انہوں نے ہودج کو اونٹ پر لاد دیا اور اونٹ کو کھڑا کر کے چل دیئے لشکر کے روانہ ہونے کے بعد مجھے ہار مل گیا۔ پڑاؤ پر واپس آئی تو وہاں کوئی بھی نہ تھا پڑاؤ بالکل خالی تھا، مجبوراً میں اپنی فرودگاہ پر ہی رک گئی اور خیال کیا کہ جب لوگ مجھے نہ پائیں گے تو لوٹ کر ضرور آئیں گے۔ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے مجھے نیند آ گئی اور میں سو گئی۔

حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کے ساتھ قافلہ کے ساتھ شمولیت:

صفوان بن معطل سلمی ذکوانی نے لشکر سے پیچھے بہت دور قیام کیا تھا (کیونکہ لشکر کی کوئی گری پڑی چیز تلاش کرنے اور نگرانی رکھنے پر ان کو مامور کیا گیا تھا) وہ رات کے آخری حصہ میں اپنی فرودگاہ سے (حسب الحکم) روانہ ہوئے اور صبح کو میری فرودگاہ پر پہنچ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ کوئی سو رہا ہے، دیکھتے ہی مجھے پہچان لیا، کیونکہ پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا تھا۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھا۔ میں ان کے پڑھنے کی آواز سے بیدار ہوگئی اور اپنا چہرہ چادر سے ڈھانک لیا، خدا کی قسم انہوں نے مجھ سے کوئی بات ہی نہیں کی اور سوائے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کے اور کوئی لفظ میں نے ان سے نہیں سنا، اپنی اونٹنی انہوں نے میرے پاس لا کر بٹھا دی اور اس کا ڈھنگنا باندھ دیا، میں اٹھ کر اونٹنی پر سوار ہوگئی وہ مہار پکڑے ہوئے آگے آگے چلتے رہے ہمارا لشکر ٹھیک دوپہر کے وقت ایک جگہ ٹھہر گیا تھا، میں اس طرح لشکر تک پہنچ گئی۔

واپسی پر میری علالت:

میرے معاملہ میں جس (تہمت تراش) کو ہلاک ہونا تھا وہ (غلط افواہیں پھیلا کر) مارا گیا۔ اس تہمت تراشی کا سب سے بڑا مدار عبداللہ بن ابی بن سلول تھا، میں مدینے پہنچ کر بیمار ہوگئی اور ایک مہینہ بیمار رہی لوگ الزام تراشوں کی باتوں میں مشغول تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے التفات میں کمی:

بیماری کے زمانے میں مجھے پتہ نہیں تھا صرف یہ بات میرے لئے ضرور پریشان کن اور شبہ پیدا کرنے والی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ التفات میری طرف نہ تھا جو میری بیماری میں پہلے ہوا کرتا تھا، بس اتنی بات ہوتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حسب معمول) آتے اور سلام علیک کرتے اور فرماتے تھے تم لوگ کیسے ہو پھر واپس چلے جاتے اس سے مجھے شبہ ہوتا پریشانی ہوتی، لیکن راز کا پتہ نہ تھا۔

تہمت تراشی کی خبر:

جب میں اچھی ہوگئی مگر کمزور تھی تو ایک رات کو ام مسطح کو ساتھ لے کر میں

مناصع کی طرف جانے کے لئے نکلی پہلے ہمارے گھروں کے پاس بیت الخلاء بنے ہوئے نہیں ہوتے تھے، رفع ضرورت کے لئے رات کو ہم جنگل کی طرف عربوں کے پہلے رواج کے مطابق جایا کرتے تھے ہم کو گھروں کے قریب ٹٹیاں بنانے سے (بدبوسے) ایذا ہوتی تھی۔ (مسطح کی ماں ابورہم بن عبدمناف کی بیٹی تھی اور مسطح کی نانی صخر بن عامر کی بیٹی تھی صخر کی بیٹی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خالہ تھی اور اس کا بیٹا مسطح بن اثاثہ تھا) غرض میں اور ام مسطح دونوں ساتھ ساتھ ضرورت سے فارغ ہوکر گھر کی طرف کو لوٹے، ام مسطح کا پاؤں چادر میں الجھ گیا اور اس نے ٹھوکر کھائی گرتے ہی اس کے منہ سے نکلا مسطح مرے، میں نے کہا تم نے یہ بہت بُری بات کہی، کیا تم ایسے شخص کو کوس رہی ہو جو بدر میں شریک تھا۔ ام مسطح نے کہا بیٹی کیا تم نے اس کی بات نہیں سنی؟ میں نے کہا اس نے کیا کہا۔ اس پر ام مسطح نے مجھے تہمت تراشوں کی کہی ہوئی بات بتائی، اس کو سن کر میری بیماری اور بڑھ گئی۔

والدین کے گھر جاکر رات بھر روتے رہنا:

جب گھر لوٹ کر آئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حسب معمول) تشریف لائے اور دریافت کیا آپ لوگ کیسے ہیں تو میں نے کہا کیا آپ کی اجازت ہے میں اپنے والدین کے گھر جانا چاہتی ہوں۔ میرا خیال تھا کہ مجھے یقینی خبر ماں باپ سے مل جائے گی، آپ نے اجازت دے دی میں والدین کے گھر پہنچی اور اپنی والدہ سے پوچھا اماں لوگ یہ کیا باتیں کر رہے ہیں والدہ نے کہا بیٹا تم اس کا رنج نہ کرو جب کوئی عورت کسی شوہر کی نظر میں چہیتی ہوتی ہے اور شوہر اس سے محبت کرتا ہے اور اس کی سوکنیں بھی ہوتی ہیں تو سوکنیں اس کے خلاف بڑی بڑی باتیں بناتی ہیں میں نے کہا سبحان اللہ لوگ یہ باتیں کہہ رہے ہیں، میں اس خبر کو سن کر رات بھر روتی رہی صبح تک نہ میرا آنسو تھما نہ نیند آئی، پھر صبح کو بھی روتی رہی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا متعلقین سے تحقیق کرنا:

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالب اور اسامہ بن زید کو مشورہ کے لئے بلایا کیونکہ وحی آنے میں دیر ہوگئی تھی (مدت سے وحی نہیں آئی تھی) اسامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی کی پاک دامنی سے واقف تھے انہوں نے پاک دامن ہونے کا ہی مشورہ دیا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ اسامہ کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کی محبت تھی اسی کے مطابق انہوں نے مشورہ دیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ آپ کی بیوی ہیں اور ہم تو ان کو اچھا ہی جانتے ہیں لیکن علی نے کہا آپ کے لئے اللہ نے کوئی تنگی نہیں رکھی ان کے علاوہ بہت عورتیں ہیں۔ آپ خادمہ سے دریافت کریں وہ سچ سچ کہہ دے گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ کو بلایا اور فرمایا کیا تو نے عائشہ کی کوئی ایسی حرکت دیکھی ہے جس سے تیرے دل میں کچھ شک گزر رہا ہو بریرہ نے کہا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے میں نے عائشہؓ کی کوئی بات ایسی نہیں دیکھی کہ میں نکتہ چینی کر سکوں ہاں بس اتنی بات ضرور ہے کہ وہ چونکہ کم سن لڑکی ہے سو جاتی ہے آٹا گوندھا ہوا رکھا رہتا ہے بکری آتی ہے اس کو کھا جاتی ہے۔

برسر منبر بہتان تراشوں کی تردید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب

اس تحقیقات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور عبداللہ بن ابی کی طرف سے معذرت پیش کرنے کے خواستگار ہوئے اور فرمایا اے گروہ اہل اسلام میرے گھر والوں کے معاملہ میں عبداللہ بن ابی کی ذات سے مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے کیا کوئی اس کی طرف سے میرے سامنے کوئی عذر پیش کر سکتا ہے خدا کی قسم مجھے اپنی بیوی کے متعلق (کوئی بُری بات معلوم نہیں ہوئی) اچھائی ہی معلوم ہوئی لوگ ایک ایسے آدمی کا نام لے رہے ہیں جس کے اندر مجھے کوئی بُرائی معلوم نہیں ہے (وہ اچھا ہی ہے) اور وہ میرے گھر کے اندر میرے ساتھ ہی جاتا ہے، (تنہا نہیں جاتا) یہ سن کر سعد بن معاذ اشہلی کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اگر آپ کی طرف سے تہمت تراش کو کچھ دکھ پہنچ جائے تو) میں آپ کو معذور جانتا ہوں اگر وہ اوس کے قبیلہ میں ہے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا اور اگر ہمارے خزرجی بھائیوں میں سے ہے تو آپ جو حکم دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ یہ بات سن کر قبیلہ خزرج کا ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا۔ حسان کی ماں اس شخص کے چچا کی بیٹی تھی، یعنی سعد بن عبادہ سردار خزرج کھڑے ہوئے پہلے یہ نیک آدمی تھے لیکن قبیلہ کی حمیت ان پر سوار ہوگئی او رسعد بن معاذ سے کہنے لگے خدا کی قسم تم نے جھوٹ کہا تم نہ اس کو قتل کرو گے نہ اس کو قتل کرنے کی تم میں ہمت ہے اور اگر تمہارے قبیلہ والوں میں سے وہ ہوتا تو میرے خیال میں تم اس کو قتل کرنے کا ارادہ ہی نہ کرتے اس پر سعد بن معاذ کے چچازاد بھائی اسید بن حضیر نے سعد بن عبادہ سے کہا تم نے خدا کی قسم جھوٹ کہا ہم اسکو ضرور بالضرور قتل کردیں گے تم یقیناً منافق ہو منافقوں کی طرف سے لڑتے ہو اس کے بعد اوس اور خزرج دونوں قبیلے جوش میں آ گئے قریب تھا کہ آپس میں لڑ پڑیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر موجود تھے آپ سب کو ٹھنڈا کر رہے تھے آخر سب خاموش ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خاموشی اختیار کرلی۔

میرا رات دن روتے رہنا:

حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں اس روز بھی دن بھر روتی رہی اور رات بھر بھی میرا آنسو نہ تھما نہ نیند آئی والدین کو اندیشہ ہوگیا کہ روتے روتے میرا جگر پھٹ جائے گا۔ دونوں حضرات میرے پاس بیٹھے ہی ہوئے تھے اور میں رو رہی تھی کہ ایک انصاری عورت نے اندر آنے کی اجازت طلب کی، میں نے

اجازت دے دی وہ آ کر بیٹھ گئی اور میرے ساتھ رونے لگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی:

کچھ دیر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور بیٹھ گئے اس سے پہلے جب سے میرے متعلق چہ میگوئیاں شروع ہوئی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس نہیں بیٹھے تھے، اور ایک مہینہ کا وقفہ گزر چکا تھا اس عرصہ میں میرے معاملے کے متعلق کوئی وحی بھی نہیں آئی تھی بیٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول کلمہ شہادت پڑھا، پھر فرمایا، عائشہ مجھے تیرے متعلق ایسی ایسی خبریں پہنچی ہیں اگر تو ان سے پاک ہے تو اللہ تیری پاکی ظاہر فرما دے گا اور اگر تو اتفاقاً کسی گناہ میں مبتلا ہوگئی ہے تو اللہ سے توبہ و استغفار کر، بندہ جب گناہ کا اقرار کر لیتا ہے اور معافی کا طلبگار ہوتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میرا بیان:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بات پوری کر چکے تو میرے آنسو تھم گئے کہ ایک قطرہ بھی نکلتا مجھے محسوس نہ ہوا پھر میں نے اپنے والد سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب دیجئے، والد نے کہا خدا کی قسم مجھے کوئی جواب معلوم نہیں کیا جواب دوں۔ پھر میں نے اپنی والدہ سے یہی بات کہی کہ آپ جواب دیجئے، انہوں نے بھی والد کی طرح یہی کہا کہ میں کیا کہوں مجھے کوئی جواب معلوم نہیں، آخر میں نے خود کہا (اس وقت میں نوعمر لڑکی تھی زیادہ قرآن بھی نہیں پڑھا تھا) خدا کی قسم میں جان گئی کہ تم لوگوں نے یہ بات سن کر اپنے دلوں میں جمالی ہے اور اس کو سچ ماننے لگے ہو، اب اگر میں کہوں کہ میں اس سے پاک ہوں اور خدا جانتا ہے کہ میں اس سے پاک ہوں تو تم مجھے سچا نہ جانو گے اور اگر میں تمہارے سامنے اقرار کرلوں اور خدا جانتا ہے کہ میں اس فعل سے پاک ہوں تو تم مجھے سچا سمجھو گے (اس لئے میں کچھ نہیں کہہ سکتی) مجھے اپنی اور تمہاری حالت کی سوائے اس کے اور کوئی مثال نہیں ملتی جو یوسفؑ کے باپ نے کہا تھا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ (پس میں بھی یہی کہتی ہوں) یہ کہنے کے بعد میں نے منہ موڑ لیا اور بستر پر لیٹ گئی۔

مجھے اپنی براءت کا یقین تھا:

میں یہ تو جانتی تھی کہ چونکہ میں پاک ہوں، اللہ ضرور میری پاکی کا اظہار فرما دے گا۔ لیکن میرا یہ گمان بھی نہ تھا کہ میرے معاملے میں اللہ کوئی ایسی وحی نازل فرمائے گا جو (ہمیشہ قرآن میں) پڑھی جائے گی۔ میرے دل میں میری حالت اس قابل نہ تھی کہ اللہ اس کے سلسلہ میں اپنا کلام نازل فرماتا جو (ہمیشہ) پڑھا جائے گا۔ مجھے تو یہ امید تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے میری پاک دامنی کا کوئی خواب دکھا دیا جائے گا۔

وحی اُترنا:

خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے ہٹے بھی نہ تھے اور نہ کوئی گھر والا باہر نکلا تھا کہ اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرما دی اور نزول وحی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تکلیف ہوتی تھی وہ ہونے لگی، سخت سردی کے زمانے میں نزول وحی کے وقت چاندی کے موتیوں جیسے پسینے کے قطرے (آپ کی پیشانی سے) ٹپکنے لگتے تھے۔

خوشخبری:

کچھ دیر کے بعد وحی کی وہ حالت دور ہوئی اور ہنستے ہوئے جو لفظ آپ نے سب سے پہلے اپنے منہ سے نکالا وہ یہ تھا، عائشہؓ خوش ہو جا، اللہ نے تیری پاک دامنی کا اظہار کر دیا، میری ماں نے کہا اٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ میں نے کہا خدا کی قسم میں نہ اٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جاؤں گی نہ اللہ کے سوا کسی کا شکر کروں گی، اللہ نے میری پاکی ظاہر فرمائی ہے۔ (تفسیر مظہری)

صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس مجلس سے ابھی نہیں اُٹھے تھے اور گھر والوں میں بھی کوئی نہیں اُٹھا تھا کہ آپ پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو نزول وحی کے وقت ہوا کرتی تھی جس سے سخت سردی کے زمانے میں آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ پھوٹنے لگتا تھا جب یہ کیفیت رفع ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے ہوئے اُٹھے اور سب سے پہلا کلمہ جو فرمایا وہ یہ تھا بشری یا عائشة اما اللہ فقد ابرأک یعنی اے عائشہؓ خوشخبری سنو اللہ تعالیٰ نے تو تمہیں بری کر دیا۔ میری والدہ نے کہا کہ کھڑی ہو جاؤ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو میں نے کہا کہ نہ میں اس معاملہ میں اللہ کے سوا کسی کا احسان مانتی ہوں نہ کھڑی ہوں گی میں اپنے رب کی شکرگزار ہوں کہ اسی نے مجھے بری فرمایا۔

حضرت صدیقہؓ کی چند خصوصیات:

امام بغویؒ نے انہیں آیات کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ حضرت صدیقہ عائشہؓ کی چند خصوصیات ایسی ہیں جو ان کے علاوہ کسی دوسری عورت کو نصیب نہیں ہوئیں اور صدیقہ عائشہؓ بھی (بطور تحدیث بالنعمۃ) ان چیزوں کو فخر کے ساتھ بیان فرمایا کرتی تھیں۔

پہلی خصوصیت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے پہلے جبرئیل امین ایک ریشمی کپڑے میں میری تصویر لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور فرمایا کہ یہ تمہاری زوجہ ہے (رواہ الترمذی عن عائشہؓ) اور بعض روایات

میں ہے کہ جبرئیل امین اپنی ہتھیلی میں یہ صورت لے کر تشریف لائے تھے۔

دوسری خصوصیت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوا کسی کنواری لڑکی سے نکاح نہیں کیا۔

تیسری خصوصیت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ان کی گود میں ہوئی۔

چوتھی خصوصیت:

بیت عائشہؓ ہی میں آپ مدفون ہوئے۔

پانچویں خصوصیت:

آپ پر اس وقت بھی وحی نازل ہوتی تھی جبکہ آپ حضرت عائشہؓ کے ساتھ ایک لحاف میں ہوتے تھے دوسری کسی بی بی کو یہ خصوصیت حاصل نہ تھی۔

چھٹی خصوصیت:

آسمان سے اُن کی براءت نازل ہوئی۔

ساتویں خصوصیت:

وہ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہیں اور صدیقہ ہیں اور ان میں سے ہیں جن سے دُنیا ہی میں مغفرت کا اور رزق کریم کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا ہے۔ (مظہری)

حضرت صدیقہؓ کی فقیہانہ اور عالمانہ تحقیقات اور فاضلانہ تقریر کو دیکھ کر حضرت موسیٰ بن طلحہؒ نے فرمایا کہ میں نے صدیقہ عائشہؓ سے زیادہ فصیح و بلیغ نہیں دیکھا۔ (رواہ الترمذی) (معارف مفتی اعظم)

اِفک کا معنی اور مطلب:

افک، انتہائی درجہ کا جھوٹ، افک کا لغوی معنی ہے موڑ دینا، اُلٹ دینا، حضرت عائشہؓ پر تہمت کو افک اس وجہ سے فرمایا کہ آپ اپنی پاک دامنی اور شرافت نفس کی وجہ سے تعریف اور دعا کی مستحق تھیں، صدیق اکبرؓ کی بیٹی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی تھیں۔ مسلمانوں کی ماں تھیں ہر طرح کی تعظیم و تکریم آپ کی واجب تھی، پس اس کے برعکس جس نے آپ کے اوپر تہمت لگائی اس نے (گویا) حقیقت کو ہی اُلٹ دیا۔ یہ قلب حقیقت ہوگیا۔ (تفسیر مظہری)

عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ
تمہیں میں ایک جماعت ہیں

طوفان اٹھانے والے:

یعنی طوفان اُٹھانے والے خیر سے وہ لوگ ہیں جو جھوٹ یا سچ اسلام کا نام لیتے اور اپنے کو مسلمان بتلاتے ہیں۔ اُن میں سے چند آدمیوں نے مل کر یہ سازش کی اور کچھ لوگ نادانستہ اُن کی عیارانہ سازش کا شکار ہوگئے۔ تاہم خدا کا احسان ہے کہ جمہور مسلمان اُن کے جال میں نہیں پھنسے۔ (تفسیر عثمانی)

عُصْبَةٌ دس سے چالیس تک کے آدمیوں کی جماعت۔ اس کا کوئی واحد نہیں۔ كذافی النهاية مِنْكُمْ یعنی مسلمانوں میں سے۔

بخاری وغیرہ کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں (ام المومنین) زینب بنت جحشکو ان کی دینداری کی وجہ سے اللہ نے (اس تہمت تراشی سے) بچائے رکھا، انہوں نے سوائے کلمہ خیر کے اور کچھ نہیں کیا، لیکن ان کی بہن حمنہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہوگئی (یعنی تہمت تراشی کرنے والوں کی ہمنوا بن گئی) یہ باتیں کرنے والے مسطح حسان بن ثابت اور عبداللہ بن ابی منافق تھے۔ عبداللہ بن ابی ہی ایسی باتیں نکال کر لاتا اور جمع کرتا تھا۔

بغوی نے لکھا ہے عروہ نے اہل افک میں صرف حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ، اور حمنہ بنت جحش کے نام دوسرے لوگوں کے ساتھ ذکر کئے، مجھے باقی لوگوں کے نام معلوم نہیں، اتنا ضرور معلوم ہے کہ ایک جماعت تھی جیسا کہ اللہ نے عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ فرمایا ہے (اور عصبہ دس سے کم کو نہیں کہتے)۔

حضرت عائشہؓ کا حسنِ خلق ومروت:

عروہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ کو پسند نہ تھا کہ آپ کے سامنے حضرت حسان کو بُرا کہا جائے آپ فرماتی تھیں حسان کا ہی تو یہ شعر ہے۔

فَانَّ ابِىْ وَوَالِدَتِىْ وَعِرْضِىْ لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِّنْكُمْ وِقَاءٌ

(ترجمہ) میرے ماں باپ اور میری آبرو تم سے محمد کی آبرو کو بچانے والے ہیں۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو پر میرے والدین اور آبرو قربان۔ (تفسیر مظہری)

لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۭ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ
تم اس کو نہ سمجھو بُرا اپنے حق میں بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں

الزام سے متاثرہ شخصیات کیلئے تسلی:

یہ خطاب ان مسلمانوں کی تسلی کے لئے ہے جنہیں اس واقعہ سے صدمہ پہنچا تھا بالخصوص عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور اُن کا گھرانا کہ ظاہر ہے وہ سخت غمزدہ اور پریشان تھے یعنی گو بظاہر یہ چرچا بہت مکروہ، رنجدہ اور ناخوشگوار تھا۔ لیکن فی الحقیقت تمہارے لئے اس کی تہ میں بڑی بہتری چھپی ہوئی تھی۔ آخراتنی مُدت تک ایسے جگرخراش حملوں اور ایذاؤں پر صبر کرنا کیا خالی جاسکتا ہے۔ کیا یہ شرف تھوڑا ہے کہ خود حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں تمہاری نزاہت و براءت اُتاری۔ اور دشمنوں کو رسوا کیا اور قیامت تک کے لئے تمہارا ذکر خیر قرآن پڑھنے والوں کی زبان پر جاری کردیا۔ اور مسلمانوں

کو پیغمبر علیہ السلام کی ازواج و اہل بیت کا حق پہچاننے کے لئے ایسا سبق دیا جو کبھی فراموش نہ ہو سکے۔ فللّٰہ الحمد علی ذٰلک۔ (تفسیر عثمانی)

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ

ہر آدمی کے لئے اُس میں سے وہ ہے جتنا اس نے گناہ کمایا

وَالَّذِىْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ

اور جس نے اُٹھایا ہے اُس کا بڑا بوجھ اُس کے واسطے بڑا عذاب ہے

الزام تراشی کے فتنہ کے حصہ داروں کا گناہ:

یعنی جس شخص نے اس فتنہ میں جس قدر حصہ لیا اُسی قدر گناہ سمیٹا اور سزا کا مستحق ہوا۔ مثلاً بعض خوش ہو کر اور خوب مزے لے کر ان واہیات باتوں کا تذکرہ کرتے تھے۔ بعض اظہار افسوس کے طرز میں بعض چھیڑ کر مجلس میں چرچا اُٹھا دیتے اور آپ خود چپکے سُنا کرتے۔ بعض سن کر تردد میں پڑ جاتے، بہت سے خاموش رہتے اور بہت سے سُن کر جھٹلا دیتے ان پچھلوں کو پسند فرمایا اور سب کو درجہ بدرجہ کم و بیش الزام دیا۔ اور بڑا بوجھ اٹھانے والا منافقوں کا سردار عبداللہ بن اُبی تھا جیسا کہ روایات کثیرہ میں تصریح ہے۔ یہی خبیث لوگوں کو جمع کرتا اور اُبھارتا اور نہایت چالاکی سے خود دامن بچا کر دوسروں سے اس کی اشاعت کرایا کرتا تھا۔ اس کے لئے آخرت میں بڑا عذاب تو ہے ہی، دنیا میں بھی ملعون خوب ذلیل و رسوا ہوا اور قیامت تک اسی ذلت و خواری سے یاد کیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

کوڑوں کی سزا:

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عائشہؓ پر تہمت تراشی کی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک (پر حد قذف جاری کی ہر ایک) کو اسی اسی کوڑے لگوائے میں کہتا ہوں سزائے تازیانہ اور دنیا میں رسوائی تو ان کی دنیوی سزا تھی اور آخرت میں جتنی سزا اللہ کو منظور ہوگی مل جائے گی۔

عبداللہ بن اُبی کی بکواس بازی:

ابن ابی ملیکہ نے بروایت عروہ قصہ افک کے ذیل میں حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا ہے۔ ام المومنین نے فرمایا، پھر میں سوار ہو گئی صفوان نے اونٹ کی مہار پکڑ لی (اور مہار پکڑے آگے آگے چلنے لگے) چلتے چلتے منافقوں کی ایک جماعت کی طرف سے ہمارا گذر ہوا منافقوں کا قاعدہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے عام) لشکر سے الگ اپنا پڑاؤ کرتے تھے (ان کی فرودگاہ عام مسلمانوں کی فرودگاہ سے الگ ہوتی تھی) منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی کہنے لگا یہ عورت کون ہے۔ ساتھیوں نے جواب دیا عائشہ ہے، عبداللہ بولا خدا کی قسم یہ اس سے نہیں بچی اور نہ وہ اس سے بچا، تمہارے نبی کی بیوی رات بھر ایک مرد کے ساتھ رہی۔ پھر صبح ہوئی تو وہ شخص آگے آگے چلنے لگا۔

آیت کی تفسیر میں ایک کمزور قول:

بعض کا قول ہے کہ وَالَّذِىْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ سے چار شخص مراد ہیں، عبداللہ بن ابی بن سلول، حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش۔ یہ قول کمزور ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو الّذی تولّٰی کے بجائے والّذین تولّوا (بصیغۂ جمع) ہوتا، اس کے علاوہ مسطح اور حسان تو بدری تھے، بدر میں شریک تھے اور شرکاء بدر کے تمام اگلے پچھلے گناہ اللہ نے معاف فرما دیئے ہیں (اس لئے ان پر آخرت میں عذاب عظیم نہیں ہوسکتا)

اہل بدر کی فضیلت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بدر سے فرمایا تھا جو چاہو کرو اللہ نے تم کو بخش دیا ہے۔ اللہ نے تمام (مخلص) صحابیوں کے متعلق فرمایا ہے وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى اور ہر ایک کے لئے اللہ نے جنت کا وعدہ کرلیا ہے۔ (اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ عذاب نہ ہوگا ممکن ہے عذاب کے بعد جنت میں داخلہ ہو) مسروق نے کہا، میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا حسان بن ثابت اُس وقت ام المومنین کے پاس موجود تھے اور حضرت عائشہؓ کی شان میں یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

حَصَانٌ　رَزَانٌ　مَاتُزَنُّ　بِرِيبَةٍ
وَتُصْبِحُ　غَرْثٰى　مِنْ　لُحُوْمِ　الْغَوَافِلِ

(ترجمہ) وہ بڑی پاک دامن اور بڑی باوقار ہیں، کسی شبہ کی بات سے متہم نہیں کی جاسکتیں ان کا پیٹ بے خبر بھولی عورتوں کے گوشت سے خالی رہتا ہے (یعنی کسی کی غیبت نہیں کرتیں)۔ (تفسیر عثمانی)

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ

کیونکہ نہ جب تم نے اس کو سنا تھا خیال کیا ہوتا ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں

بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾

نے اپنے لوگوں پر بھلا خیال اور کہا ہوتا یہ صریح طوفان ہے

ایک مسلمان کا طرز معاشرت:

مسلمان کو چاہیے کہ اپنے مسلمان بھائی بہنوں کے ساتھ حسن ظن رکھے اور جب سنے کہ لوگ ایک نیک شخص پر یوں ہی رجما بالغیب بری تہمتیں لگاتے ہیں تو اپنے میں ایسے خیالات کو راہ نہ دے بلکہ اُن کو جھٹلائے۔ پیغمبر

علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کوئی پیٹھ پیچھے بھائی مسلمان کی مدد کرے اللہ پیٹھ پیچھے اُس کی مدد کرے گا۔ بے تحقیق تہمتیں تراشنا ایمان سے بعید ہے۔ چاہئے کہ آدمی خود اپنی آبرو پر دوسروں کی آبرو کو قیاس کر لے۔

حضرت ابوایوبؓ کا کمال:

جیسا کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ وغیرہ نے قصہ ''افک'' میں کیا۔ ایک روز اُن کی بیوی نے کہا کہ لوگ عائشہ صدیقہؓ کی نسبت ایسا کہتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ جھوٹے ہیں۔ کیا ایسا کام تو کر سکتی ہے؟ بولی ہرگز نہیں۔ فرمایا پھر (صدیقؓ کی بیٹی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی) عائشہ صدیقہؓ تجھ سے کہیں بڑھ کر پاک وصاف اور طاہر ومطہر ہیں، اُن کی نسبت بے وجہ ایسا گمان کیوں کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت کے آخری جملے وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ تقاضا ایمان کا یہ تھا کہ مسلمان اس خبر کو سنتے ہی کہہ دیتے کہ یہ کھلا جھوٹ ہے اس سے ثابت ہوا کہ کسی مسلمان کے بارے میں جب تک کسی گناہ یا عیب کا علم کسی دلیل شرعی سے نہ ہو جائے اُس وقت تک اُس کے ساتھ نیک گمان رکھنا اور بلا کسی دلیل کے عیب وگناہ کی بات اُس کی طرف منسوب کرنے کو جھوٹ قرار دینا عین تقاضائے ایمان ہے۔

بلا دلیل مسلمان سے بدگمانی جائز نہیں ہے:

اس سے ثابت ہوا کہ ہر مسلمان مرد وعورت کے ساتھ اچھا گمان رکھنا واجب ہے جب تک کسی دلیل شرعی سے اس کے خلاف ثابت نہ ہو جائے۔ اور جو شخص بلا دلیل شرعی کے اُس پر الزام لگاتا ہے اُس کی بات کو رد کرنا اور جھوٹا قرار دینا بھی واجب ہے کیونکہ وہ محض ایک غیبت اور مسلمان کو بلا وجہ رُسوا کرنا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ایک اہم اور ضروری تنبیہ:

مذکورہ دونوں آیتوں میں ہر مسلمان کو دوسرے مسلمانوں سے حُسن ظن رکھنے کی ہدایت اور اس کے خلاف بے دلیل باتوں کی تردید کو واجب قرار دیا ہے اس پر کسی کو یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی سے اس خبر کے غلط ہونے پر یقین کیوں نہ فرمایا اور اس خبر کی تردید کیوں نہ کر دی اور ایک مہینہ تک تردد کی حالت میں کیوں رہے یہاں تک کہ حضرت صدیقہ عائشہؓ سے فرمایا کہ اگر تم سے کوئی لغزش ہو گئی ہو تو توبہ کر لینا چاہئے۔ (کمارواہ البخاری)

وجہ یہ ہے کہ یہاں ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر حُسن ظن رکھنے کا حکم ہے وہ اس تردد کے منافی نہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آیا۔ کیونکہ آپ نے اس خبر کی نہ تصدیق فرمائی اور نہ اس کے مقتضے پر کوئی عمل فرمایا نہ اس کا چرچا کرنا پسند فرمایا بلکہ صحابہ کرام کے مجمع میں یہی فرمایا کہ ماعلمت علی اھلی الاخیرا۔ رواہ البخاری۔ یعنی میں اپنی اہلیہ کے بارہ میں بھلائی اور نیکی کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ یہ سب انہیں آیات مذکورہ کے مقتضیٰ پر عمل اور حُسن ظن رکھنے کے شواہد ہیں۔ البتہ قطعی اور یقینی علم جس سے طبعی تردد (بھی رفع ہو جاوے وہ اس وقت ہوا جب آیات براءت نازل ہو گئیں۔

ہر مسلمان کو گناہوں سے پاک صاف سمجھنا اصل شرعی ہے جو دلیل سے ثابت ہے اسکے خلاف جو بات بغیر دلیل کے کہی جائے اس کو جھوٹا سمجھنے کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں۔ صرف اتنا کافی ہے کہ ایک مؤمن مسلمان پر بغیر کسی دلیل شرعی کے الزام لگایا گیا ہے لہٰذا یہ بہتان ہے۔

انسدادِ فواحش کا قرآنی نظام:

قرآن حکیم نے فواحش کے انسداد کا یہ خاص نظام بنایا ہے کہ اول تو اس قسم کی خبر کہیں مشہور نہ ہونے پاوے اور شہرت ہو تو ثبوت شرعی کے ساتھ ہو تا کہ اس شہرت کے ساتھ ہی مجمع عام میں حد زنا اُس پر جاری کر کے اس شہرت ہی کو سبب انسداد بنا دیا جائے۔ اور جہاں ثبوت شرعی نہ ہو وہاں اس طرح کی بے حیائی کی خبروں کو چلتا کر دینا اور شہرت دینا جبکہ اس کے ساتھ کوئی سزا نہیں طبعی طور پر لوگوں کے دلوں سے بے حیائی اور فواحش کی نفرت کم کر دینے اور جرائم پر اقدام کرنے اور شائع کرنے کا موجب ہوتی ہے جس کا مشاہدہ آج کل کے اخبارات میں روزانہ ہوتا ہے کہ اس طرح کی خبریں ہر روز ہر اخبار میں نشر ہوتی رہتی ہیں، نوجوان مرد اور عورتیں اُن کو دیکھتے رہتے ہیں روزانہ ایسی خبروں کے سامنے آنے اور اُس پر کسی خاص سزا کے مرتب نہ ہونے کا لازمی اور طبعی اثر یہ ہوتا ہے کہ دیکھتے دیکھتے وہ فعل خبیث نظروں میں ہلکا نظر آنے لگتا ہے اور پھر نفس میں ہیجان پیدا کرنے کا موجب ہوتا ہے اسی لئے قرآن حکیم نے ایسی خبروں کی تشہیر کی اجازت صرف اُس صورت میں دی ہے جبکہ وہ ثبوت شرعی کے ساتھ ہو اُس کے نتیجہ میں خبر کے ساتھ ہی اس بے حیائی کی ہولناک پاداش بھی دیکھنے سننے والوں کے سامنے آ جائے۔ اور جہاں ثبوت اور سزا نہ ہو تو ایسی خبروں کی اشاعت کو قرآن نے مسلمانوں میں فواحش پھیلانے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ کاش مسلمان اس پر غور کریں۔ (مفتی اعظم)

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا

کیوں نہ لائے وہ اس بات پر چار شاہد پھر جب نہ لائے

بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ

شاہد تو وہ لوگ اللہ کے یہاں وہی ہیں جھوٹے

بغیر ثبوت الزام اٹھانا غلط ہے:

یعنی اللہ کے حکم اور اس کی شریعت کے موافق وہ لوگ جھوٹے قرار دیے گئے ہیں۔ جو کسی پر بدکاری کی تہمت لگا کر چار گواہ پیش نہ کر سکیں۔ اور بدون کافی ثبوت کے ایسی سنگین بات زبان سے بکتے پھریں۔ (تفسیر عثمانی)

اگر کوئی کسی پر زنا کا الزام قائم کرے اور اتنے گواہ بھی پیش کر دے جو زنا کی سزا جاری کرنے کے لئے کافی ہوں تو ممکن ہو اس کی نیت بخیر ہو وہ اللہ کی نافرمانی سے لوگوں کو روکنا چاہتا ہو لیکن ضروری شہادت پیش نہ کر سکے تو اس صورت میں کسی پر زنا کا الزام لگانے کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ ایک مسلمان کو بدنام کرنا چاہتا ہے حد شرعی قائم کرانا نہیں چاہتا اس حالت میں اگر وہ شرعی سزا قائم کرانے کی نیت کا دعوی کرتا ہے تو عند اللہ جھوٹا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا
اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت دنیا
وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ
اور آخرت میں تو تم پر پڑتی اس چرچا کرنے میں کوئی آفت بڑی

اللہ کے فضل نے بچالیا:

یعنی اللہ تعالی نے اس اُمت کو پیغمبرؐ کے طفیل دنیا کے عذابوں سے بچایا ہے۔ نہیں تو یہ بات قابل تھی عذاب کے۔ (موضح القرآن) نیز تم میں سے مخلصین کو توبہ کی توفیق دے کر خطا معاف کر دی ورنہ منافقین کی طرح وہ بھی قیامت کے دن عذاب عظیم میں گرفتار ہوتے۔ (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

یعنی اے مسلمانو! اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے تم پر اللہ کا کرم نہ ہوتا اور دنیا میں طرح طرح کی نعمتیں وہ اپنی رحمت سے نہ دیتا (منجملہ دوسری نعمتوں کے ایک اسلام کی توفیق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا میسر آجانا بھی ہے جس کی وجہ سے عذاب کے نزول میں رکاوٹ ہوئی اور توبہ کا وقت مل گیا) اور آخرت میں اللہ کی رحمت تم پر نہ ہوتی (کہ اس نے عفو و درگزر اور جنت میں داخل کرنے کا وعدہ فرما لیا ہے) تو جس نازیبا اور پُر معصیت مشغلہ میں تم گھس گئے تھے اس کی وجہ سے دنیا و آخرت میں تم پر بڑا عذاب آجاتا۔ (تفسیر عثمانی)

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ
جب لینے لگے تم اس کو اپنی زبانوں پر اور بولنے لگے اپنے منہ سے جس چیز کی تم کو
لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ
خبر نہیں اور تم سمجھتے ہو اس کو ہلکی بات اور یہ اللہ کے یہاں بہت بڑی ہے

جرم کی سنگینی: یعنی عذاب عظیم کے مستحق کیوں نہ ہوتے جبکہ تم ایسی بے تحقیق اور ظاہر البطلان بات کو ایک دوسرے کی طرف چلتا کر رہے تھے۔ اور زبان سے وہ اٹکل پچو باتیں نکالتے تھے جن کی واقعیت کی تمہیں کچھ بھی خبر نہ تھی پھر اصل یہ ہے کہ ایسی سخت بات کو (یعنی کسی محصنہ خصوصاً پیغمبر علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ او رمومنین کی روحانی والدہ کو متہم کرنا) جو اللہ کے نزدیک بہت بڑا سنگین جرم ہے محض ایک ہلکی اور معمولی بات سمجھنا، یہ اصل جرم سے بھی بڑا جرم تھا۔ (تفسیر عثمانی)

تمام نیکیوں کا مدار: حضرت معاذ بن جبل کا بیان ہے میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت میں لے جائے اور دوزخ سے دور کر دے فرمایا تم نے بڑی بات دریافت کی لیکن جس کے لئے اللہ آسان کر دے اس کے لئے آسان بھی ہے اللہ کی عبادت کرو۔ کسی چیز کو اس کے ساتھ (الوہیت و ربوبیت میں) ساجھی نہ بناؤ نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو۔ رمضان کے روزے رکھو، کعبے کا حج کرو۔ آخر میں فرمایا کیا میں تم کو بھلائی کے دروازے نہ بتا دوں، (یاد رکھو) روزہ (عذاب سے بچنے کی) سپر ہے، خیرات گناہوں (کی آگ) کو اس طرح بجھا دیتی ہے جیسے پانی آگ کو اور رات کے جوف (وسط) میں نماز پڑھنا (بھی گناہ کی آگ کو بجھا دیتا ہے) پھر آپ نے آیت تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ... يَعْمَلُوْنَ تک تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا کیا میں تمہیں (دینی) امور کا سر اور ستون اور اس کے کوہان کی چوٹی نہ بتا دوں، اسلام اس کا سر ہے، نماز اس کا ستون ہے اور جہاد اس کے کوہان کی چوٹی ہے، پھر فرمایا، کیا میں تم کو ایسی بات نہ بتا دوں جس پر ان سب کا مدار ہے۔ میں نے عرض کیا ضرور فرمائیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان کو پکڑ کر فرمایا اس کو روکے رکھو۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا بات کرنے پر بھی ہماری پکڑ ہوگی، فرمایا، معاذ! تجھ پر تیری ماں روئے زبانوں کے نتائج ہی تو لوگوں کو اوندھے منہ دوزخ میں گرائیں گے (یعنی باتوں کی کھیتی دوزخ کی شکل میں کٹ کر سامنے آئے گی) رواہ احمد، والترمذی وابن ماجہ۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ
اور کیوں نہ جب تم نے اس کو سنا تھا کہا ہوتا ہم کو نہیں لائق کہ منہ پر لائیں
نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ
یہ بات اللہ تو پاک ہے یہ تو بڑا بہتان ہے

تہمت کی بات سنتے ہی انکار کیوں نہ کیا:

یعنی اول تو حسن ظن کا اقتضاء یہ تھا کہ دل میں بھی یہ خیال نہ گزرنے پائے۔ جیسا کہ اوپر ارشاد ہوا لیکن اگر شیطانی اغواء سے فرض کیجئے کسی کے

دل میں کوئی بُرا وسوسہ گزرے تو پھر یہ جائز نہیں کہ ایسی ناپاک بات زبان پر لائی جائے۔ چاہئے کہ اس وقت مومن اپنی حیثیت اور دیانت کو ملحوظ رکھے اور صاف کہہ دے کہ ایسی بے سروپا بات کا زبان سے نکالنا مجھ کو زیب نہیں دیتا اے اللہ تو پاک ہے۔ کس طرح لوگ ایسی نامعقول بات منہ سے نکالتے ہیں۔ بھلا جس پاکباز خاتون کو تو نے سید الانبیاء اور راس المتقین کی زوجیت کے لئے چنا کیا وہ (معاذ اللہ) خود بے آبرو ہوکر پیغمبر کی آبرو کو بٹہ لگائے گی (حاشا ثم حاشا) ہو نہ ہو دشمنوں نے ایک بے قصور پر بہتان باندھا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ ہمارے لئے یہ بات کہنی بھی جائز نہیں اے اللہ تو پاک ہے (تیرا رسول صلی اللہ علیہ وسلم پاک ہے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی پاک ہے) یہ بڑا بہتان ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی بیٹی کیلئے ایسی بات کیوں کہی گئی:

مَا يَكُوْنُ لَنَآ یعنی ہمارے لئے جائز نہیں، سزاوار نہیں کہ یہ بات یا اس قسم کی باتیں کہیں، صدیق اکبر کی بیٹی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی کے متعلق ایسے بات کہنی تو سچے مسلمانوں کے لئے بہت ہی شاق تھی ویسے بھی کسی پاک دامن پر زنا کی تہمت لگانی فاسق بنا دیتی ہے آئندہ ایسے شخص کی شہادت قابل پذیرائی نہیں رہتی اور تہمت تراش مستحق سزا ہو جاتا ہے۔

سُبْحٰنَكَ یعنی اے اللہ تو اس بات سے پاک ہے کہ تیرے نبی کی بیوی زانیہ ہو، کیونکہ بیوی کی زناکاری تو شوہر کی آبرو کو تباہ کر دیتی ہے۔ نبی لوگوں کو دعوت اصلاح دیتا ہے۔

یہ بہت بڑا بہتان تھا:

هٰذَا بُهْتَانٌ یعنی یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ سننے والا اس کو سن کر حیران رہ جاتا ہے جس پر دروغ بندی کی جا رہی ہے اس کی عظمت شان اور پھر اس کی طرف ایسی ذلیل حرکت کی نسبت سننے والے کو متحیر بنا دیتی ہے جس پر دروغ تراشی کی جاتی ہے اس کے مرتبے کے موافق تہمت (کے ہلکے بھاری ہونے) کا اندازہ قائم کیا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ
اللہ تم کو سمجھاتا ہے کہ پھر نہ کرو ایسا کام کبھی اگر تم ایمان رکھتے ہو

خبردار! آئندہ ایسا نہ ہو:

یعنی مومنین کو پوری طرح چوکس اور ہشیار رہنا چاہیے۔ بدباطن منافقین کے چکموں میں کبھی نہ آئیں۔ ہمیشہ پیغمبر علیہ السلام اور آپ کے اہل بیت کی عظمت شان کو ملحوظ رکھیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ کہ ایسی حرکت دوبارہ پھر کبھی نہ کرنا۔ وعظ کا معنی ہے ایسی باز داشت جس میں خوف بھی دلایا گیا ہو۔ خلیل نے کہا وعظ کا معنی ہے اس طور پر خیر کی یاددہانی کرنا کہ دلوں میں رقت پیدا ہو جائے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تم کو اپنا عذاب یاد دلاتا اور سزا سے ڈراتا ہے۔

یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تم کو تنبیہ کرتا ہے اور ڈراتا ہے کیونکہ اس کو تمہارا پھر ایسا کرنا پسند نہیں ہے۔

مجاہد نے يَعِظُكُمْ کا ترجمہ کیا تم کو منع کرتا ہے دوبارہ ایسی حرکت کرنے سے۔

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ یعنی اگر تم مومن ہو تو نصیحت مانو، ایسی حرکت پھر کبھی نہ کرنا یہ حرکت تقاضائے ایمان کے خلاف ہے۔

جو شیعہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کو متہم کرتے ہیں وہ مومن نہیں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ
اور کھولتا ہے اللہ تمہارے واسطے پتے کی باتیں اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا ہے

اللہ کی طرف سے راہنمائی:

یعنی پتہ اس کا کہ یہ طوفان اٹھایا کس نے معلوم ہوا کہ منافقین نے جو ہمیشہ چھپے دشمن تھے۔ اگلی آیت میں پتہ بتلا دیا۔ (کذا فی الموضح) عموماً مفسرین نے آیات سے مراد احکام، نصائح، حدود اور قبول توبہ وغیرہ کے مضامین لئے ہیں۔ اس وقت صفات علم وحکمت کے ذکر سے یہ غرض ہوگی کہ اللہ تعالیٰ تم میں سے مخلصین کی ندامت قلبی کا حال خوب جانتا ہے۔ اس لئے توبہ قبول کی اور چونکہ حکیم مطلق ہے اس لئے نہایت حکمت ودانائی کے ساتھ تمہاری سیاست کی گئی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ
جو لوگ چاہتے ہیں کہ چرچا ہو بدکاری کا
فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
ایمان والوں میں

بدکاری کی خبروں کا چرچا کرنے والے:

یعنی بدکاری پھیلے یا بدکاری کی خبریں پھیلیں۔ یہ چاہنے والے منافقین تھے لیکن ان کا تذکرہ کر کے مومنین کو بھی متنبہ فرما دیا کہ اگر فرض کرو کسی کے دل میں ایک بُری بات کا خطرہ گزرا اور بے پروائی سے کوئی لفظ زبان سے بھی کہہ گزرا تو چاہیئے کہ اب ایسی مہمل بات کا چرچا کرتا نہ پھرے۔ اگر خواہی نہ خواہی کسی مومن کی آبروریزی کرے گا تو خوب سمجھ لے کہ اس کی آبرو بھی محفوظ نہ رہے گی۔ حق تعالیٰ اسے ذلیل وخوار کر کے چھوڑے گا۔ کما فی حدیث احمد رحمہ اللہ۔ (تفسیر عثمانی)

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

ان کے لئے عذاب ہے دردناک دنیا اور آخرت میں

دنیا میں حد قذف، رسوائی اور قسم قسم کی سزائیں اور آخرت میں دوزخ کی سزا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

اللہ جانتا ہے کس کا کتنا جرم ہے:

یعنی ایسے فتنہ پردازوں کو خدا خوب جانتا ہے گو تم نہ جانتے ہو۔ اور اسی کے علم میں ہے کہ کس کا جرم کتنا ہے اور کس کی کیا غرض ہے۔ (تنبیہ) حب شیوع فاحشہ، حسد و کینہ وغیرہ کی طرح اعمال قلبیہ میں سے ہے۔ مراتب قصد میں سے نہیں۔ اس لئے اس پر ماخوذ ہونے میں اختلاف نہ ہونا چاہئے۔ فتنبہ لہ۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اور (اے لوگو!) تم نہیں جانتے۔ اس لئے تم کو تو ظاہری امور کا اتباع کرنا چاہیے تھا، اگر الزام زنا کے ریزی اس کا مقصد نہیں وہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کو قائم کرانا اور زمین سے بگاڑ کو دور کرنا چاہتا ہے، لیکن اگر شرعی گواہ نہ ہوں تو الزام زنا لگانے والا اچھی نیت نہیں رکھتا۔ حدود الٰہیہ کو قائم نہیں کرا سکتا۔ مسلمانوں کی آبرو ریزی کرنا اس کا مقصد ہے اس لئے حد قذف اس پر جاری کرو۔ خواہ واقع میں سچا ہو حقیقت خدا جانے۔ اللہ کے حکم کے بموجب وہ جھوٹا ہے تم ظاہری احکام کے پابند ہو اللہ نے ایسے لوگوں کو بہتان تراش کہا، اور تہمت تراشی کی سزا مقرر کر دی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ

اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت

وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

اور یہ کہ اللہ نرمی کرنے والا ہے مہربان تو کیا کچھ نہ ہوتا

اللہ کی مہربانی سے فتنہ ختم ہوا:

یعنی یہ طوفان تو ایسا اٹھا تھا کہ نہ معلوم کون کون اس کی نذر ہوتے لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و رحمت اور شفقت و مہربانی سے تم میں سے تائبین کی توبہ کو قبول فرمایا اور بعض کو حدِ شرعی جاری کر کے پاک کیا اور جو زیادہ خبیث تھے اُن کو ایک گونہ مہلت دی۔ (تفسیر عثمانی)

یہ خطاب ان مسلمانوں کو ہے جنہوں نے حضرت عائشہ کے قصہ میں کچھ دخل اندازی کی تھی۔ شرط کی جزا محذوف ہے۔ یعنی اگر اللہ کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا تو دنیا میں ایسا عذاب تم پر نازل کرتا کہ تمہاری بیخ و بن اکھڑ جاتی اور آخرت میں تم کو ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈال دیتا۔

اللہ نے اس آیت میں دوبارہ عذاب سے ڈرایا ہے اور اپنی رحمت کا تذکرہ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ بڑا اہم اور جرم بہت سنگین تھا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ الخ میں عبداللہ بن ابی اور اسکے ساتھی مراد ہیں اور لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ سے مراد ہے دنیا میں حدِ قذف اور آخرت میں دوامی دوزخ اور وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ میں مراد ہیں حسان، اور مسطح اور حمنہ۔ (تفسیر مظہری)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ

اے ایمان والو نہ چلو قدموں پر شیطان کے

وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ

اور جو کوئی چلے گا قدموں پر شیطان کے سو وہ تو

يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ

یہی بتلائے گا بے حیائی اور بری بات

شیطانی چالوں سے ہوشیار رہو:

یعنی شیطان کی چالوں سے ہشیار رہا کرو۔ مسلمان کا یہ کام نہیں ہونا چاہئے کہ شیاطین الانس والجن کے قدم بقدم چلنے لگے۔ اُن ملعونوں کا تو مشن ہی یہ ہے کہ لوگوں کو بے حیائی اور برائی کی طرف لے جائیں تم جان بوجھ کر کیوں اُن کے بھرے میں آتے ہو۔ دیکھ لو شیطان نے ذرا سا چرکہ لگا کر کتنا بڑا طوفان کھڑا کر دیا اور کئی سیدھے سادھے مسلمان کس طرح اُس کے قدم پر چل پڑے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى

اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت تو نہ سنورتا

مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ

تم میں ایک شخص بھی کبھی اور لیکن اللہ سنوارتا ہے جس کو چاہے

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ

اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے

اللہ نے شیطان کو ناکام کر دیا:

یعنی شیطان تو سب کو بگاڑ کر چھوڑتا ایک کو بھی سیدھے راستہ پر نہ رہنے دیتا۔ یہ تو

خدا کا فضل اور اس کی رحمت ہے کہ وہ اپنے مخلص بندوں کی دستگیری فرما کر بہتیروں کو محفوظ رکھتا ہے اور بعض کو مبتلا ہو جانے کے بعد توبہ کی توفیق دے کر درست کر دیتا ہے۔ یہ بات اُسی خدائے واحد کے اختیار میں ہے اور وہ ہی اپنے علم محیط اور حکمت کاملہ سے جانتا ہے کہ کون بندہ سنوارے جانے کے قابل ہے اور کس کی توبہ قبول ہونی چاہئے۔ وہ سب کی توبہ وغیرہ کو سنتا اور ان کی قلبی کیفیات سے پوری طرح آگاہ ہے۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ
اور قسم نہ کھائیں بڑے درجہ والے تم میں سے اور کشائش والے
أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ
اس پر کہ دیں قرابتیوں کو اور محتاجوں کو اور وطن چھوڑنے والوں کو
فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ
اللہ کی راہ میں اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم نہیں چاہتے
أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٢﴾
کہ اللہ تم کو معاف کرے اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان

احسان و مروت کی تعلیم

حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت مسطحؓ کا معاملہ

حضرت عائشہؓ پر طوفان اُٹھانے والوں میں بعض مسلمان بھی نادانی سے شریک ہو گئے۔ ان میں سے ایک حضرت مسطحؓ تھے جو ایک مفلس مہاجر ہونے کے علاوہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بھانجے یا خالہ زاد بھائی ہوتے ہیں قصۂ ''افک'' سے پہلے حضرت صدیق اکبرؓ ان کی امداد اور خبر گیری کیا کرتے۔ جب یہ قصہ ختم ہوا اور عائشہ صدیقہؓ کی براءت آسمان سے نازل ہو چکی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ آئندہ مسطحؓ کی امداد نہ کروں گا۔ شاید بعض دوسرے صحابہ کو بھی ایسی صورت پیش آئی ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی یعنی تم میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی بزرگی اور دنیا کی وسعت دی ہے انہیں لائق نہیں کہ ایسی قسم کھائیں ان کا ظرف بہت بڑا اور ان کے اخلاق بہت بلند ہونے چاہئیں۔ بڑی جوانمردی تو یہی ہے کہ بُرائی کا بھلائی سے دیا جائے۔ محتاج رشتہ داروں اور خدا کے لئے وطن چھوڑ والوں کی اعانت سے دست کش ہو جانا بزرگوں اور بہادروں کا کام نہیں۔ اگر قسم کھالی ہے تو ایسی قسم کو پورا مت کرو۔ اس کا کفارہ ادا کر دو۔ تمہاری شان یہ ہونی چاہیئے کہ خطا کاروں کی خطا سے اغماض اور درگزر کرو۔ ایسا کرو گے تو حق تعالیٰ تمہاری کوتاہیوں سے درگزر کرے گا۔ کیا تم حق تعالیٰ سے عفو و درگزر کی امید اور خواہش نہیں رکھتے؟ اگر رکھتے ہو تو تم کو اس کے بندوں کے معاملہ میں یہی خُو اختیار کرنی چاہیئے۔ گویا اس میں ''تخلق باخلاق اللّٰہ'' کی تعلیم ہوئی۔ احادیث میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب سنا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے تو فوراً بول اُٹھے۔ بلیٰ یا ربنا انا نحب (بیشک اے پروردگار! ہم ضرور چاہتے ہیں) یہ کہہ کر مسطحؓ کی جو امداد کرتے تھے بدستور جاری فرما دی، بلکہ بعض روایات میں ہے کہ پہلے سے دگنی کر دی۔ رضی اللہ عنہ (تفسیر عثمانی)

أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (اے فضیلت اور دولت والو) کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ (تمہارے درگزر کرنے اور حسن سلوک کرنے اور معاف کر دینے کے بدلے میں) تمہارے قصور معاف کر دے۔ یعنی تم سے بھی تو اللہ کے حقوق ادا نہیں ہوتے تو کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری کوتاہیوں کو معاف کر دے تم پر اللہ کی نعمتیں اور حقوق بہت زیادہ ہیں اور وہ بدلہ لینے پر پوری پوری قدرت بھی رکھتا ہے اس کے باوجود وہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔ لہٰذا تم بھی اپنے اندر اللہ کی یہ پسندیدہ صفت پیدا کرو۔

شیخین وغیرہ کی روایت ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا خدا کی قسم میں تو دل سے خواستگار ہوں کہ اللہ میرے قصور بخش دے۔ اس کے بعد آپ نے دوبارہ حضرت مسطحؓ کے مصارف جاری کر دیئے اور فرمایا واللہ! آئندہ کبھی میں یہ مصارف نہیں روکوں گا۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صلۂ رحم جوڑنے والا وہ نہیں ہے جو برابر کا بدلہ لے لے بلکہ واصل رحم وہ شخص ہے کہ اگر کوئی تم سے اپنا رشتہ توڑے تو تم اس کو جوڑے رکھو۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابن عباسؓ اور ضحاک کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور دوسرے چند صحابیوں نے قسم کھائی تھی کہ جن لوگوں نے اس بہتان تراشی میں حصہ لیا ہے ان کو کچھ نہیں دیں گے اس پر آیت مذکور کا نزول ہوا۔ (تفسیر مظہری)

ایک اہم تنبیہ: حضرت صدیقہ عائشہؓ پر تہمت کے قضیہ میں جو بعض مسلمان بھی شریک ہو گئے تھے یہ قضیہ اس وقت کا تھا جب تک آیات براءت قرآن میں نازل نہیں ہوئی تھیں۔ آیات براءت نازل ہونے کے بعد جو شخص حضرت صدیقہ عائشہؓ پر تہمت لگائے وہ بلاشبہ کافر منکر قرآن ہے جیسا کہ شیعوں کے بعض فرقے اور بعض افراد اس میں مبتلا پائے جاتے ہیں اُن کے کافر ہونے میں کوئی شک و شبہ کرنے کی بھی گنجائش نہیں وہ باجماعِ اُمت کافر ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ
جو لوگ عیب لگاتے ہیں حفاظت والیوں بے خبر ایمان والیوں کو
لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾
ان کو پھٹکار ہے دنیا میں اور آخرت میں اور ان کے لئے ہے بڑا عذاب

پاکدامن خواتین پر تہمت گناہِ کبیرہ ہے:

صحیحین کی حدیث میں ہے۔ " اجتنبوا السبع الموبقات الشرک باللّٰه وقتل النفس التی حرّم اللّٰه الّا بالحق واکل الربوا واکل مال الیتیم والتولی یوم الزحف وقذف المحصنات المومنات الغافلات " اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قذف محصنات مطلقاً مہلکات میں سے ہے۔

ازواج مطہرات میں سے کسی پر تہمت لگانا کفر ہے:

پھر ان میں سے بھی ازواج مطہرات بالخصوص اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا قذف تو کس درجہ کا گناہ ہوگا، علماء نے تصریح کی ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد جو شخص عائشہ صدیقہؓ یا ازواج مطہرات میں سے کسی کو متہم کرے وہ کافر، مکذب قرآن اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اور طبرانی کی ایک حدیث میں ہے۔ "قذف المحصنة يهدم عمل مائة سنة" (محصنہ پر تہمت لگانا سو برس کے عمل کو ڈھا دیتا ہے)۔ العیاذ باللّٰه. (تفسیر عثمانی)

عوام بن حوشب نے قبیلہ بنی کاہل کے ایک شیخ کے حوالہ سے نقل کیا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا آیت مذکورہ حضرت عائشہؓ اور دوسری امہات المومنین کے حق میں خاص طور پر نازل ہوئی اس میں توبہ کا ذکر نہیں ہے اور اگر کوئی کسی دوسری مومن عورت پر زنا کی تہمت لگائے اس کے لئے اللہ نے توبہ کی گنجائش رکھی ہے۔ اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے آیت وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ... اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا الخ تلاوت کی اور فرمایا ان لوگوں کے لئے توبہ کا ذکر کیا گیا اور (آیت مذکورہ بالا میں) ان لوگوں کے لئے توبہ کا ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح طبرانی نے ضحاک بن مزاحم کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول صرف امہات المومنین کے حق میں ہوا تھا۔ (تفسیر مظہری)

يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ
جس دن کہ ظاہر کر دیں گی اُن کی زبانیں اور ہاتھ
وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾
اور پاؤں جو کچھ وہ کرتے تھے

قیامت کے دن مجرم کی رسوائی:

یعنی مجرم منہ سے بولنا اور ظاہر کرنا نہ چاہے گا۔ مگر خود زبان اور ہاتھ پاؤں بولیں گے اور ان میں سے ہر عضو اس عمل کو ظاہر کرے گا جو اس کے ذریعہ سے کیا گیا تھا (لطیفہ) قاذف نے زبان سے تہمت لگائی تھی اور چار گواہوں کا اس سے مطالبہ تھا جو پورا نہ کر سکا۔ اس کے بالمقابل یہاں بھی پانچ چیزیں ذکر ہوئیں۔ ایک زبان جو قذف کا اصلی آلہ ہے اور چار ہاتھ پاؤں جو اس کی شرارت کے گواہ ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

مؤمن کی پردہ پوشی اور کافر کی رسوائی:

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن حساب کے لئے مومن کو طلب کیا جائے گا اور اس کا رب اس کے کئے ہوئے وہ اعمال اسکے سامنے لائے گا جو بندے اور رب کے درمیان تھے، یعنی حقوق اللہ سے تعلق رکھنے والے اعمال جن سے بندہ واقف ہوگا اور اس کا رب بندے کے سامنے لائے جائیں گے مومن ان کا اقرار کرے گا اور عرض کرے گا اے میرے رب! میں نے یہ کئے تھے میں نے یہ کئے تھے، اقرار کرانے کے بعد اللہ ان پر پردہ ڈال دے گا اور معاف فرما دے گا، وہ گناہ اس طرح چھپا دیئے جائیں گے کہ روئے زمین پر کوئی مخلوق اس کو نہ دیکھ سکے گی ہاں اس کی نیکیاں ہی نیکیاں نمایاں ہوں گی سارے لوگ اس کی نیکیاں دیکھیں گے اور باہم بیان کریں گے۔ منافق کو جب حساب کے لئے طلب کیا جائے گا اور اس کا رب اس کے عمل اس کے سامنے لائے گا تو وہ انکار کرے گا اور عرض کرے گا اے میرے رب! تیری عزت کی قسم میں نے یہ کام نہیں کئے جتنے کام فرشتے نے مجھ پر لکھ دیئے ہیں۔ فرشتہ کہے گا کیا تو نے فلاں دن فلاں جگہ یہ کام نہیں کیا تھا۔ منافق کہے گا قسم ہے عزت رب کی میں نے نہیں کئے اس وقت اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی (اور اعضاء شہادت دیں گے) حضرت ابوموسیٰ نے کہا میرا خیال ہے کہ سب سے پہلے اس کی داہنی ران بولے گی، پھر ابوموسیٰ نے آیت اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ الخ تلاوت کی۔

ابویعلی اور حاکم نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا (یعنی یہ حدیث مرفوع ہے)

زبان پر مہر اور مختلف اعضاء کی گواہی:

احمد نے بسند صحیح اور طبرانی نے حضرت عقبہ بن عامر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جس روز منہ پر مہر لگا دی جائے گی اس روز انسان کی سب سے پہلی ہڈی جو کلام کرے گی وہ اس کی بائیں ران کی ہو گی۔ احمد، نسائی، حاکم اور بیہقی حضرت معاویہ بن جیدہ کی روایت سے بیان کیا اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن (منافق) لوگ اس حالت میں آئیں گے کہ ان کے مونہوں پر دہانے چڑھے ہوں گے (کہ منہ بند ہوں گے بول نہ سکیں گے) سب سے پہلے آدمی کی ران اور ہتھیلی کلام کرے گی۔ مسلم نے رویت باری تعالیٰ کے باب میں

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ ایک طویل حدیث کے ذیل میں بیان کیا ہے کہ آدمی کے عمل (کی شہادت دینے کے لئے) اس کی ران اور اس کا گوشت اور اس کی ہڈی بولے گی اور یہ شخص منافق ہوگا جس پر اللہ کا غضب ہوگا۔

منہ پر مہر لگانے کا یہ مطلب ہے کہ خود اپنے ارادے سے وہ منہ سے بول نہ سکیں گے (اپنی مرضی کے مطابق زبانوں سے کلام نہ کرسکیں گے) یہ مطلب نہیں کہ ان کے ارادے کے خلاف بھی ان کی زبانوں سے کوئی لفظ نکل نہ سکے گا (اور گویائی کی قوت سلب ہوجائے گی)

قرطبی نے لکھا ہے جسمانی اعضاء ان لوگوں کے خلاف شہادت دیں گے جو اعمال ناموں کی تحریر کے منکر ہوں گے (اور اعمال نامہ کے اندراج کو غلط بتائیں گے) اور جھگڑا کریں گے۔ ایسے لوگوں کے خلاف اعضائے جسم شہادت دیں گے۔

میں کہتا ہوں اس تفسیر پر گذشتہ آیات کا نزول عبداللہ بن ابی کے لئے مانا جائے گا جیسا کہ قتادہ کا خیال ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ

اُس دن پوری دے گا ان کو اللہ ان کی سزا جو چاہئے اور جان لیں گے

أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿٢٥﴾

کہ اللہ وہی ہے سچا کھولنے والا

رتی رتی عمل سامنے آئے گا:

جو رتی رتی عمل کھول کر سامنے رکھ دیتا ہے اور جس کا حساب بالکل صاف ہے اس کے ہاں کسی طرح کا ظلم و تعدی نہیں۔ یہ مضمون قیامت کے دن سب کو مکشوف و مشہود ہوجائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ

گندیاں ہیں گندوں کے واسطے اور گندے واسطے گندیوں کے

وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ

اور ستھریاں ہیں ستھروں کے واسطے اور ستھرے واسطے ستھریوں کے

بروں کیلئے برے اچھوں کیلئے اچھے:

یعنی بدکار اور گندی عورتیں گندے اور بدکار مردوں کے لائق ہیں۔ اسی طرح بدکار اور گندے مرد اس قابل ہیں کہ ان کا تعلق اپنے جیسی گندی اور بدکار عورتوں سے ہو۔ پاک اور ستھرے آدمیوں کا ناپاک بدکاروں سے کیا مطلب۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ پیغمبر کی عورت بدکار (زانیہ) نہیں ہوتی یعنی اللہ تعالیٰ ان کی ناموس کی حفاظت فرماتا ہے نقلہ فی موضح القرآن۔ (تنبیہ) آیت کا یہ مطلب تو ترجمہ کے موافق ہوا۔ مگر بعض مفسرین سلف سے یہ منقول ہے کہ "الْخَبِيثَاتُ" اور "الطَّيِّبَاتُ" سے یہاں عورتیں مراد نہیں بلکہ اقوال و کلمات مراد ہیں یعنی گندی باتیں گندوں کے لائق ہیں۔ اور ستھری باتیں ستھرے آدمیوں کے۔ پاکباز اور ستھرے مرد و عورت ایسی گندی تہمتوں سے بری ہوتے ہیں جیسا کہ آگے "أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ" سے ظاہر ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ گندی باتیں گندوں کی زبان سے نکلا کرتی ہیں۔ تو جنھوں نے کسی پاکباز کی نسبت گندی بات کہی، سمجھو کہ وہ خود گندے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عائشہؓ کی براءت:

ابن زید نے کہا، خبیثات سے گندی عورتیں اور خبیثین سے گندے مرد مراد ہیں یعنی اکثر گندی عورتیں گندے مردوں کے لئے اور گندے مرد گندی عورتوں کے لئے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے ہوتے ہیں اور عائشہؓ پاک ہیں، اس لئے اللہ نے ان کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے لئے منتخب فرمایا۔ عائشہؓ اور ان جیسے لوگ ان افتراء پردازوں کی الزام تراشی سے پاک ہیں۔ اگر عائشہؓ پاک نہ ہوتیں تو پاک رسول کی بیوی بننے کی اہل نہ ہوتیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج جنتی ہیں:

حضرت ہند بن ابی ہالہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کو ناپسند ہے کہ میں سوائے جنتی (عورت) کے کسی اور سے نکاح کروں۔ رواہ ابن عساکر۔

أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ

وہ لوگ بے تعلق ہیں ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں

یعنی ستھرے آدمی اُن باتوں سے بری ہیں جو یہ گندے لوگ بکتے پھرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٢٦﴾

اُن کے واسطے بخشش ہے اور روزی ہے عزت کی

یعنی بُرا کہنے سے وہ بُرے نہیں ہوجاتے، بلکہ جب وہ اس پر صبر کرتے ہیں تو یہ چیز اُن کی خطاؤں یا لغزشوں کا کفارہ بنتی ہے۔ اور یہاں مفسد لوگ جس قدر اُن کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں وہاں اُس کے بدلہ میں عزت کی روزی ملتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن مجید کی ان آیات سے جو عائشہ صدیقہؓ کی عنداللہ قدر و منزلت ثابت ہوئی وہ روز روشن سے زیادہ واضح ہے حق جل شانہ کی اس شہادت کے بعد بھی اگر کوئی بدباطن عائشہ صدیقہ پر تہمت لگائے تو باتفاق علماء امت وہ کافر ہے اور عائشہ صدیقہ پر تہمت لگانے والے کا وہی حکم ہے جو مریم

صدیقہ پر تہمت لگانے والے کا ہے۔ حضرت مسروق (جو کبار علماء تابعین میں سے ہیں) ان کی یہ عادت تھی جب وہ عائشہ صدیقہ سے روایت کرتے تو یوں کہتے کہ مجھ سے صدیقہ بنت صدیق، حبیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مُبَرَّأۃٌ من السماء نے اس طرح بیان کیا۔

(نکتہ) خاتمہ پر اُولٰٓئِکَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ بصیغہ جمع ذکر فرمایا سو اس عموم میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ حکم فقط عائشہ صدیقہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہی حکم تمام ازواج مطہرات کو بھی شامل ہے۔ (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

(معارف القرآن کاندھلوی)

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ان کے (یعنی عائشہ اور ان جیسے لوگوں کے) لئے (گناہوں کی) مغفرت ہے اور عزت والا رزق یعنی جنت ہے۔

حضرت عائشہؓ کی مایہ ناز خصوصیتیں:

بغوی نے لکھا ہے کہ روایت میں آیا ہے حضرت عائشہؓ چند باتوں پر ناز کرتی تھیں جو آپ ہی کو عطا کی گئی تھیں، کسی اور عورت کو نہیں دی گئیں۔

(۱) حضرت جبرئیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت عائشہؓ کی تصویر ایک ریشمی کپڑے میں (لپیٹ کر) لائے اور کہا یہ آپ کی بیوی ہیں۔

میں کہتا ہوں ترمذی نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے۔ روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت جبرئیل حضرت عائشہؓ کی تصویر اپنے ہاتھ میں لائے تھے۔ (۲) حضرت عائشہؓ کے سوا کسی اور ناکتخدا (دوشیزہ) سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی نہیں کی۔ (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضور والا کا سر حضرت عائشہؓ کی گود میں تھا۔ (۴) حضرت عائشہؓ کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک دفن کیا گیا۔ (۵) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے ساتھ ایک چادر میں ہوتے تو (کبھی اسی حالت میں) وحی آجاتی (اور کسی بیوی کو یہ شرف حاصل نہیں تھا) (۶) حضرت عائشہؓ کی پاک دامنی کی صراحت آسمان سے نازل ہوئی۔ (۷) آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (اول) خلیفہ کی صاحبزادی ہیں۔ (۸) آپ صدیقہ طاہرہ تھیں۔ (۹) آپ سے مغفرت اور رزق کریم عطا فرمانے کا وعدہ کیا گیا۔

صدیق کی بیٹی صدیقہ:

مسروق اگر حضرت عائشہؓ کی روایت سے کوئی حدیث بیان کرتے تو یہ الفاظ کہتے، مجھ سے بیان کیا صدیق کی صاحبزادی صدیقہ نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی بیوی تھیں اور جن کی پاک دامنی آسمان سے نازل کی گئی تھی۔

حضرت عائشہؓ کی خاص عظمت:

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اگر پورے قرآن میں تلاش کیا جائے تو کسی کے لئے کوئی وعید اتنی سخت نہیں نازل ہوئی۔ جتنی حضرت عائشہ پر تہمت تراشنے والوں کے حق میں نازل ہوئی۔

صحیحین میں آیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تجھے (یعنی تیری صورت کو) تین رات برابر خواب میں میری نظر کے سامنے لایا گیا، فرشتہ ایک ریشمی کپڑے میں تجھے لاتا تھا اور مجھ سے کہتا تھا یہ آپ کی بیوی ہے، میں نے تیرے چہرے سے کپڑا ہٹایا تو وہ تیری ہی صورت تھی، میں نے کہا اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اس کو پورا کردے گا۔

جبریلؑ کا حضرت عائشہؓ کو سلام:

صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے یہ بھی آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ جبرئیلؑ ہیں تم کو سلام کر رہے ہیں۔ میں نے جواب دیا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کچھ نظر آتا تھا جو میں نہیں دیکھتی تھی۔

تمام ازواج مطہرات پر فضیلت:

یہ بھی حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ لوگ قصداً عائشہؓ کی باری کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے ہدیے بھیجتے تھے (باری کی اس تعیین سے) ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنا مقصود ہوتی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے دو گروہ (جدا جدا) ہو گئے تھے۔ ایک گروہ عائشہ، حفصہ، صفیہ اور سودہ کا تھا اور دوسرا گروہ ام سلمہ اور باقی بیویوں کا تھا۔ ایک روز ام سلمہ کی ساتھ والی بیویوں نے ام سلمہ سے کہا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کریں کہ آپ لوگوں سے فرمادیں کہ اگر کسی شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی ہدیہ بھیجنا ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس بیوی کے گھر ہوں وہیں بھیج دیں (عائشہؓ کی باری ہی کی تخصیص نہ رکھیں) چنانچہ ام سلمہ نے (بیویوں کا قول) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم مجھے عائشہؓ کے معاملے میں مت ستاؤ۔ سوائے عائشہؓ کے اور کسی عورت کی چادر میں (اگر میں موجود ہوتا ہوں تو) میرے پاس وحی نہیں آتی۔ ام سلمہ نے کہا میں اللہ کے رسول کو ایذا دینے سے اللہ سے توبہ کرتی ہوں۔ اس کے بعد بیویوں نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی) فاطمہؓ کو اسی غرض سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور (سیدہ) فاطمہؓ نے اس بات کے سلسلے میں گذارش کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بیٹا! کیا تجھے وہ بات ناپسند ہے جو مجھے پسند ہے۔ سیدہ نے کہا کیوں نہیں (پسند ہے)۔ فرمایا تو تو بھی اس سے محبت کر۔ متفق علیہ۔

تمام عورتوں پر حضرت عائشہؓ کی فضیلت:

صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت سے آیا ہے (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید (ایک خاص قسم کا کھانا) کی فضیلت اور کھانوں پر۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے فرمایا۔ صحابہ کو جب کسی حدیث (کے سمجھنے) میں کوئی دشواری ہوتی تو ہم جا کر حضرت عائشہؓ سے دریافت کرتے تو اس کا علم ہم کو ان کے پاس ملتا۔ رواہ الترمذی۔

حضرت عائشہؓ کی بلاغت وسلاست:

حضرت موسیٰ بن طلحہ کا بیان ہے میں نے عائشہؓ سے زیادہ سلیس بیان والا کسی کو نہیں پایا۔ رواہ الترمذی۔

چار شخصیتوں کی براءت:

بیضاوی نے لکھا ہے، اللہ نے چار شخصوں کو چار کے ذریعہ سے پاکی (یعنی تہمت سے براءت) عنایت کر دی۔

(۱) یوسف کو زلیخا کے ایک گھر والے (بچہ) کی شہادت کی وجہ سے۔

(۲) موسیٰ کو یہودیوں کی تہمت سے اس پتھر کے ذریعہ جو آپ کے کپڑے لے بھاگا تھا۔

(۳) مریمؑ کو انہی کے بچے (عیسیٰ) کی شہادت کی وجہ سے۔

(۴) عائشہ کو ان مذکور آیات کے ذریعے سے اور مختلف پرزور طریقوں سے، حضرت عائشہؓ کی پاک دامنی کا اظہار اتنی موکد عبارتوں میں محض منصب رسول کی عظمت کو بیان کرنے اور آپ کے مرتبے کو بالا اور اعلیٰ بنانے کے لئے کیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں اس سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں حضرت عائشہؓ کی عظمت وشان کا اظہار بھی مقصود ہے۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ

اے ایمان والو مت جایا کرو کسی گھر میں اپنے گھروں کے سوائے

حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ

جب تک بول چال نہ کرلو، اور سلام کرلو اُن گھر والوں پر یہ

خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾

بہتر ہے تمہارے حق میں تاکہ تم یاد رکھو

کسی کے ہاں جانے کے آداب:

یعنی خاص اپنے ہی رہنے کا جو گھر ہو اس کے سوا کسی دوسرے کے رہنے کے گھر میں یوں ہی بے خبر نہ گھس جائے کیا جانے وہ کس حال میں ہو اور اس وقت کسی کا اندر آنا پسند کرتا ہے یا نہیں۔ لہٰذا اندر جانے سے پہلے آواز دے کر اجازت حاصل کرے اور سب سے بہتر آواز سلام کی، حدیث میں ہے کہ تین مرتبہ سلام کرے اور اجازت داخل ہونے کی لے۔ اگر تین بار سلام کرنے کے بعد بھی اجازت نہ ملے تو واپس چلا جائے۔ فی الحقیقت، یہ ایسی حکیمانہ تعلیم ہے کہ اگر اس کی پابندی کی جائے تو صاحب خانہ اور ملاقاتی دونوں کے حق میں بہتر ہے۔ مگر افسوس آج مسلمان اُن مفید ہدایات کو ترک کرتے جاتے ہیں جن کو دوسری قومیں اُن ہی سے سیکھ کر ترقی کر رہی ہیں (ربط) شروع سورت سے احکام زنا وقذف وغیرہ کے بیان ہوئے تھے۔ چونکہ بسا اوقات بلا اجازت کسی کے گھر میں چلا جانا ان امور کی طرف مفضی ہو جاتا ہے اس لئے ان آیات میں مسائل استئذان کو بیان فرما دیا۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: ابن جریر نے حضرت عدی بن ثابت کی روایت سے بیان کیا کہ ایک انصاری عورت نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے گھر کے اندر (بعض وقت) ایسی حالت میں ہوتی ہوں کہ میں نہیں چاہتی کہ اس حالت میں کوئی مجھے دیکھے، لیکن گھر کے آدمیوں سے کوئی (نہ کوئی) آدمی (بے روک ٹوک) اندر آجاتا ہے اور اس حالت میں مجھے دیکھ لیتا ہے، میں کیا کروں۔ اس سوال پر آیت ذیل کا نزول ہوا۔ (تفسیر مظہری)

استیناس کا مطلب:

ابن ابی حاتم نے کہا کہ حضرت ابوایوب کے بھتیجے حضرت ابوسودہ نے بیان کیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سلام کرنا تو ہم جانتے ہیں لیکن استیناس (طلب انس) کا کیا مطلب ہے، فرمایا (استیناس یہ ہے کہ) آدمی (باہر ہی رہ کر) سبحان اللہ اور اللہ اکبر اور الحمدللہ کہے اور کھنکھارے (تاکہ گھر والے کو اس کی آمد کی اطلاع ہو جائے) پھر اہل خانہ اجازت دے دے۔ (تو اندر داخل ہو جائے)

قاموس میں ہے اُنس، ضد وحشت (کو کہتے ہیں) آنس الشیءَ کسی چیز کو دیکھا جانا، احساس کیا آنس الصوت آواز کو سُنا، خلیل نے کہا استیناس کا معنی دیکھنا۔

حضور کی نصیحت:

تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا یعنی گھر والوں کو السلام علیکم کہو۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بیٹے! جب تو گھر والوں کے پاس جائے تو انہیں سلام کر تیرے اور تیرے گھر والوں کے لئے برکت حاصل ہو گی۔ رواہ الترمذی۔

سلام کے بغیر داخلہ کی اجازت نہ دو:

حضرت کلدہ بن حنبل کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا پہنچا نہ اجازت داخلہ مانگی نہ سلام کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، واپس جاؤ اور واپس جا کر کہو السلام علیکم کیا میں اندر آ سکتا ہوں، رواہ ابوداود والترمذی۔

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے پہلے سلام نہ کیا ہو اس کو (داخلے کی) اجازت نہ دو۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

بغوی نے لکھا ہے ایک شخص نے حضرت ابن عمر سے داخلہ کی اجازت طلب کی اور کہا کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا، نہیں ایک شخص نے آنے والے کو مشورہ دیا کہ پہلے سلام کر پھر اجازتِ داخلہ طلب کر۔ حسب مشورہ اس نے سلام کیا پھر اجازت طلب کی حضرت ابن عمر نے اجازت داخلہ دے دی۔

امام بخاری نے الادب المفرد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص سلام سے پہلے استیذان کرے اس کو اجازت نہ دو (کیونکہ اس نے مسنون طریقہ کو چھوڑ دیا) (روح المعانی) اور ابوداود کی حدیث میں ہے کہ بنی عامر کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح استیذان کیا کہ باہر سے کہا ااَلِجُ کیا میں گھس جاؤں۔ آپ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ یہ شخص استیذان کا طریقہ نہیں جانتا باہر جا کر اس کو طریقہ سکھلاؤ کہ یوں کہے السلام علیکم أأدخل یعنی کیا میں داخل ہو سکتا ہوں۔ ابھی یہ خادم باہر نہیں گیا تھا کہ اس نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات سن لئے اور اس طرح کہا السلام علیکم أأدخل تو آپ نے اندر آنے کی اجازت دے دی (ابن کثیر) اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاتاذنوا لمن لم یبدأ بالسلام یعنی جو شخص پہلے سلام نہ کرے اس کو اندر آنے کی اجازت نہ دو۔ (مظہری)

ترمذی میں ہے حضرت ابن عمرؓ حاجت سے فارغ ہو کر آ رہے تھے لیکن دھوپ کی تاب نہ لا سکے تو ایک قریشی عورت کی جھونپڑی کے پاس پہنچ کر فرمایا السلام علیکم، کیا میں اندر آ جاؤں؟ اس نے کہا سلامتی سے آ جاؤ۔ آپ نے پھر یہی کہا اس نے پھر یہی جواب دیا۔ آپ کے پاؤں جل رہے تھے کبھی اس قدم پر سہارا لیتے کبھی اس قدم پر فرمایا یوں کہو کہ آ جاؤ۔ اس نے کہا کہ آ جاؤ۔ اب آپ اندر تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہؓ کے پاس چار عورتیں گئیں اجازت چاہی کیا ہم آ جائیں؟ آپ نے فرمایا نہیں تم میں جو اجازت کا طریقہ جانتی ہو اسے کہو کہ وہ اجازت لے تو ایک عورت نے پہلے سلام کیا پھر اجازت مانگی۔ حضرت عائشہؓ نے اجازت دے دی پھر یہی آیت پڑھ کر سنائی۔

حضرت زینبؓ فرماتی ہیں کہ میرے خاوند حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جب میرے پاس گھر میں آتے تو کھنکھار کر آتے۔ کبھی بلند آواز سے دروازے سے باہر کسی سے باتیں کرنے لگتے تا کہ گھر والوں کو آپ کے آنے کی اطلاع ہو جائے چنانچہ حضرت مجاہدؒ نے تَسْتَانِسُوْا کے معنی بھی یہی کئے ہیں کہ کھنکھار دینا تھوک دینا وغیرہ۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں مستحب ہے کہ جب انسان اپنے گھر میں جانا چاہے باہر سے ہی کھنکھار دے یا جوتیوں کی آہٹ سنا دے۔ ایک حدیث میں ہے کہ سفر سے رات کے وقت بے اطلاع گھر آ جانے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کیونکہ اس سے گویا گھر والوں کی خیانت کو پوشیدہ طور پر ٹٹولنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ایک سفر سے صبح کے وقت آئے تو حکم دیا کہ بستی کے پاس لوگ اتریں تا کہ مدینہ میں خبر مشہور ہو جائے شام کو اپنے گھروں میں جانا اس لئے کہ اس اثناء میں عورتیں اپنی صفائی ستھرائی کر لیں۔ اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا سلام تو ہم جانتے ہیں لیکن استیناس کا طریقہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ یا الحمد للہ یا اللہ اکبر بلند آواز سے کہہ دینا یا کھنکھار دینا جس سے گھر والے معلوم کر لیں کہ فلاں آ رہا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

مسئلہ: اگر قاصد بھیج کر کسی کو بلوایا جائے اور وہ قاصد کے ساتھ آ جائے تو مزید اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر تم میں سے کسی کو بلوایا جائے اور وہ قاصد کے ساتھ آ جائے تو یہی اس کے لئے اجازت ہے۔ رواہ ابوداود۔

دوسری روایت میں آیا ہے کسی کو بلوانے کیلئے قاصد بھیجنا ہی اجازت ہے۔

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ یعنی اچانک اندر گھس پڑنے سے یا رسم جاہلیت سے یہ طریقہ بہتر ہے۔

جاہلیت کا طریقہ: حضرت عمران بن حصین کا بیان ہے ہم جاہلیت کے زمانے میں (بجائے سلام علیک کے) کہتے تھے انعم اللہ بک عینا اللہ تم کو خنک چشم رکھے۔ انعم صباحاً صبح بخیر، جب اسلام آیا تو اس نے ہم کو ایسا کرنے کی ممانعت کر دی۔ رواہ ابوداود۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ: ان آیات میں يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے خطاب کیا گیا جو مردوں کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر عورتیں بھی اس حکم میں داخل ہیں جیسا کہ عام احکام قرآنیہ اسی طرح مردوں کو مخاطب کر کے آتے ہیں عورتیں بھی اس میں شامل ہوتی ہیں بجز مخصوص مسائل کے جن کی خصوصیت مردوں کے ساتھ بیان کر دی جاتی ہے۔ چنانچہ نساء صحابہ کا بھی یہی معمول تھا کہ کسی کے گھر جائیں تو پہلے ان سے استیذان کریں۔ حضرت ام ایاسؓ فرماتی ہیں کہ ہم چار عورتیں

اکثر حضرت صدیقہ عائشہؓ کے پاس جایا کرتی تھیں اور گھر میں جانے سے پہلے اُن سے استیذان کرتی تھیں جب وہ اجازت دیتی تو اندر جاتی تھیں۔ (ابن کثیر بحوالہ ابن ابی حاتم)

مسئلہ: اسی آیت کے عموم سے معلوم ہوا کہ کسی دوسرے شخص کے گھر میں جانے سے پہلے استیذان کا حکم عام ہے مرد عورت محرم غیر محرم سب کو شامل ہے۔ عورت کسی عورت کے پاس جائے یا مرد مرد کے پاس، سب کو استیذان کرنا واجب ہے، اسی طرح ایک شخص اگر اپنی ماں اور بہن یا دوسری محرم عورتوں کے پاس جائے تو بھی استیذان کرنا چاہئے۔

اپنے گھر میں بھی اجازت لے کر داخل ہونا:

حضرت ابوموسیٰ اور حضرت حذیفہ اپنی محرم عورتوں کے پاس (گھر کے اندر) آنا چاہتے تو ان سے بھی اجازتِ داخلہ کے طلب گار ہوتے تھے۔

امام مالکؒ نے مؤطا میں مرسلاً عطاء بن یسارؒ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں اپنی والدہ کے پاس جانے وقت بھی استیذان کروں آپ نے فرمایا ہاں استیذان کرو۔ اُس شخص نے کہا یا رسول اللہ! میں تو اپنی والدہ ہی کے ساتھ گھر میں رہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا پھر بھی اجازت لئے بغیر گھر میں نہ جاؤ۔ اس نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو ہر وقت اُن کی خدمت میں رہتا ہوں آپ نے فرمایا پھر بھی اجازت لئے بغیر گھر میں نہ جاؤ کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ اپنی والدہ کو ننگی دیکھو اس نے کہا کہ نہیں۔ فرمایا اسی لئے استیذان کرنا چاہئے کیونکہ یہ احتمال ہے کہ وہ گھر میں کسی ضرورت سے ستر کھولے ہوئے ہوں۔ (مظہری)

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آیت قرآن میں غیر بیوتکم آیا ہے اس میں بیوتکم سے مراد وہ بیوت اور گھر ہیں جن میں انسان تنہا خود ہی رہتا ہو۔ والدین، بہن بھائی وغیرہ اُس میں نہ ہوں۔

مسئلہ: جب گھر میں صرف اپنی بیوی رہتی ہو اُس میں داخل ہونے کے لئے اگرچہ استیذان واجب نہیں مگر مستحب اور طریقِ سنت یہ ہے کہ وہاں بھی اچانک بغیر کسی اطلاع کے اندر نہ جائے بلکہ داخل ہونے سے پہلے اپنے پاؤں کی آہٹ سے یا کھنکھارنے سے کسی طرح پہلے باخبر کر دے پھر داخل ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زوجہ محترمہ فرماتی ہیں کہ عبداللہ جب کبھی باہر سے گھر میں آتے تھے تو دروازہ میں کھنکھار کر پہلے اپنے آنے سے باخبر کر دیتے تھے تاکہ وہ ہمیں کسی ایسی حالت میں نہ دیکھیں جو ان کو پسند نہ ہو (ابن کثیر بحوالہ ابن جریر وقال اسنادہ صحیح) (مظہری)

اجازت لیتے وقت اپنا نام بتائے:

پہلے سلام اور پھر داخل ہونے کی اجازت لینے کا جو بیان اوپر احادیث سے ثابت ہوا اس میں بہتر یہ ہے کہ اجازت لینے والا خود اپنا نام لے کر اجازت طلب کرے جیسا کہ حضرت فاروق اعظم کا عمل تھا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پہ آ کر یہ الفاظ کہے۔ **السلام علیٰ رسول اللّٰہ السلام علیکم ایدخل عمر** یعنی سلام کے بعد کہا کہ کیا عمر داخل ہوسکتا ہے (رواہ قاسم بن اصبغ وابن عبدالبر فی التمہید عن ابن عباس عن عمرؓ (ابن کثیر) اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت عمرؓ کے پاس گئے تو استیذان کے لئے یہ الفاظ فرمائے **السلام علیکم ھذا ابو موسیٰ السلام علیکم ھذا الاشعری** (قرطبی) اس میں بھی پہلے اپنا نام ابوموسیٰ بتلایا پھر مزید وضاحت کے لئے اشعری کا ذکر کیا۔ اور یہ اس لئے کہ جب تک آدمی اجازت لینے والے کو پہچانے نہیں تو جواب دینے میں تشویش ہوگی۔ اس تشویش سے بھی مخاطب کو بچانا چاہئے۔

خطیب بغدادی نے اپنے جامع میں علی بن عاصم واسطی سے نقل کیا ہے کہ وہ بصرہ گئے تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی ملاقات کو حاضر ہوئے۔ دروازہ پر دستک دی۔ حضرت مغیرہؓ نے اندر سے پوچھا کون ہے تو جواب دیا انا (یعنی میں ہوں) تو حضرت مغیرہ نے فرمایا کہ میرے دوستوں میں تو کوئی بھی ایسا نہیں جس کا نام انا ہو پھر باہر تشریف لائے اور اُن کو حدیث سنائی کہ ایک روز حضرت جابر عبداللہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اجازت لینے کے لئے دروازہ پر دستک دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر سے پوچھا کون صاحب ہیں، تو جابرؓ نے یہی لفظ کہہ دیا انا یعنی میں ہوں۔ آپ نے بطور زجر وتنبیہ کے فرمایا انا انا یعنی انا انا کہنے سے کیا حاصل ہے اس سے کوئی پہچانا نہیں جاتا۔

ایک برا طریقہ:

اس سے بھی زیادہ برا یہ طریقہ ہے جو آج کل بہت سے لکھے پڑھے لوگ بھی استعمال کرتے ہیں کہ دروازہ پر دستک دی جب اندر سے پوچھا گیا کہ کون صاحب ہیں تو خاموش کھڑے ہیں کوئی جواب ہی نہیں دیتے۔ یہ مخاطب کو تشویش میں ڈالنے اور ایذا پہچانے کا بدترین طریقہ ہے جس سے استیذان کی مصلحت ہی فوت ہوجاتی ہے۔

جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر دستک دیتے تھے تو ان کی عادت یہ تھی کہ ناخنوں سے دروازہ پر دستک دیتے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ ہو (رواہ الخطیب فی جامعہ۔ قرطبی) جو شخص استیذان کے مقصد کو سمجھ لے کہ اصل اُس سے استیناس ہے یعنی مخاطب کو مانوس کرکے اجازت حاصل کرنا وہ خود بخود ان سب چیزوں کی رعایت کو ضروری سمجھے گا جن چیزوں سے مخاطب کو تکلیف ہو اُس سے بچائے گا۔ اپنا نام ظاہر کرے

اور دستک دے تو متوسط انداز سے دے یہ سب چیزیں اُس میں شامل ہیں۔

مسئلہ: کسی شخص کو ایسے وقت ٹیلیفون پر مخاطب کرنا جو عادۃً اُس کے سونے یا دوسری ضروریات میں یا نماز میں مشغول ہونے کا وقت ہو بلا ضرورت شدیدہ جائز نہیں کیونکہ اس میں بھی وہی ایذا رسائی ہے جو کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونے اور اُس کی آزادی میں خلل ڈالنے سے ہوتی ہے۔

مسئلہ: جس شخص سے ٹیلیفون پر بات چیت اکثر کرنا ہو تو مناسب یہ ہے کہ اس سے دریافت کر لیا جائے کہ آپ کو ٹیلیفون پر بات کرنے میں کس وقت سہولت ہوتی ہے پھر اس کی پابندی کرے۔

مسئلہ: ٹیلیفون پر اگر کوئی طویل بات کرنا ہو تو پہلے مخاطب سے دریافت کر لیا جائے کہ آپ کو ذرا سی فرصت ہو تو میں اپنی بات عرض کروں کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ٹیلیفون کی گھنٹی آنے پر آدمی طبعاً مجبور ہوتا ہے کہ فوراً معلوم کرے کہ کون کیا کہنا چاہتا ہے اور اس ضرورت سے وہ کسی بھی حال میں اور اپنے ضروری کام میں ہو اس کو چھوڑ کر ٹیلیفون اُٹھاتا ہے۔ کوئی بے رحم آدمی اس وقت لمبی بات کرنے لگے تو سخت تکلیف محسوس ہوتی ہے۔

مسئلہ: بعض لوگ ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی رہتی ہے اور کوئی پروا نہیں کرتے نہ پوچھتے ہیں کہ کون ہے کیا کہنا چاہتا ہے یہ اسلامی اخلاق کے خلاف اور بات کرنے والے کی حق تلفی ہے جیسے حدیث میں آیا ہے ان لزورک علیک حقا یعنی جو شخص آپ کی ملاقات کو آئے اُس کا تم پر حق ہے کہ اس سے بات کرو اور بلا ضرورت ملاقات سے انکار نہ کرو اسی طرح جو آدمی ٹیلیفون پر آپ سے بات کرنا چاہتا ہے اس کا حق ہے کہ آپ اس کو جواب دیں۔ (معارف مفتی اعظم)

فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا
پھر اگر نہ پاؤ اُس میں کسی کو تو اس میں نہ جاؤ

حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ
جب تک کہ اجازت نہ ملے تم کو

بہرحال دوسرے کے گھر میں بلا اجازت داخل ہو جائز نہیں:

اگر یہ معلوم ہوا ہو کہ گھر میں کوئی موجود نہیں تب بھی دوسرے کے گھر میں بدون مالک و مختار کی اجازت کے مت جاؤ۔ کیونکہ ملک غیر میں بدون اجازت تصرف کا کوئی حق نہیں۔ نہ معلوم بے اجازت چلے جانے سے کیا جھگڑا پیش آ جائے ہاں صراحۃً یا دلالۃً اجازت ہو تو جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جب تک گھر والا اگر تم کو اجازت نہ دے دے اندر نہ جاؤ۔ بات یہ ہے کہ بغیر اجازت اندر داخل ہو جانے کی ممانعت کی وجہ صرف یہی نہیں ہے کہ بغیر اجازت داخلے سے ننگا کھلا آدمی سامنے آ جاتا ہے اور بے پردگی ہو جاتی ہے، بلکہ ایک وجہ ممانعت کی یہ بھی ہے کہ اس سے بعض ان باتوں یا چیزوں کا اظہار ہو جاتا ہے جس کو آدمی لوگوں سے چھپانا چاہتا ہے پھر ممانعت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دوسرے کی چیز میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا یوں بھی ممنوع ہے ہاں اس مکان میں بدون اجازت داخلہ کی ممانعت نہیں جس میں اچانک داخلہ کی کوئی معقول وجہ ہو مثلاً مکان میں آگ لگ گئی ہو یا ڈھے رہا ہو۔ یا اس میں کوئی ممنوع فعل ہو رہا ہو۔ (مثلاً چوری ہو رہی ہو یا قتل ہو رہا ہو یا شراب فروخت ہو رہی ہو) (تفسیر مظہری)

وَإِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا
اور اگر تم کو جواب ملے کہ پھر جاؤ تو پھر جاؤ

هُوَ أَزْكٰى لَكُمْ
اُس میں خوب ستھرائی ہے تمہارے لئے

اجازت نہ ملے تو لوٹ آؤ:

یعنی ایسا کہنے سے برا نہ مانو بسا اوقات آدمی کی طبیعت کسی سے ملنے کو نہیں چاہتی یا حرج ہوتا ہے یا کوئی ایسی بات کر رہا ہے جس پر غیر کو مطلع کرنا پسند نہیں کرتا تم کو کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ اُس پر بوجھ ڈالو۔ اس طرح بار خاطر بننے سے تعلقات صاف نہیں رہتے۔ (تفسیر عثمانی)

تین مرتبہ مانگنے سے اجازت نہ ملے تو لوٹ آؤ:

حضرت ابوسعید خدری کا بیان ہے میرے پاس ابوموسیٰ اشعریؓ آئے اور کہا، مجھے حضرت عمرؓ نے آدمی بھیج کر بلوایا (آدمی کہہ کر واپس چلا گیا) حسب الطلب میں حضرت عمر کے دروازے پر پہنچا اور تین بار (باہر سے) سلام کیا لیکن (اندر سے) حضرت عمرؓ نے سلام کا جواب نہیں دیا، میں لوٹ آیا۔ اب جو ملاقات ہوئی تو حضرت عمرؓ نے مجھ سے جواب طلب کیا کہ تم کیوں نہیں آئے۔ میں نے جواب دیا، میں تو آیا تھا اور تین مرتبہ سلام کرنے کے بعد بھی جب سلام کا جواب آپ کی طرف سے نہیں ملا تو لوٹ گیا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرما دیا تھا، اگر تم میں سے کوئی تین مرتبہ (داخلہ کی) اجازت طلب کرے اور اس کو اجازت نہ ملے تو اس کو لوٹ جانا چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، اس ارشاد پر شہادت پیش کرو۔ (اگر آپ لوگوں میں سے کوئی اس فرمان کا شاہد ہو تو میرے ساتھ چل کر شہادت دے دے) حضرت ابوسعیدؓ نے فرمایا، میں اُٹھ کھڑا ہوا اور ان کے ساتھ جا کر حضرت عمرؓ کے سامنے شہادت دے دی۔ متفق علیہ۔

حضرت ابوایوب انصاری کی مرفوع روایت ہے کہ تسلیم (جس کا حکم آیت

میں دیا گیا ہے) یہ ہے کہ تین مرتبہ کہے السلام علیکم، کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔ اگر اجازت مل جائے تو اندر چلا جائے ورنہ لوٹ جائے۔ رواہ ابن ماجہ۔

حسن نے کہا، پہلی مرتبہ (اجازت طلبی اور سلام) اطلاع آمد ہے اور دوسری مرتبہ سلام و اجازت طلبی ایک قسم کا مشورہ اور طلب امر ہے اور تیسری مرتبہ الفاظ مذکور کہنا واپسی کیلئے اجازت کی طلب ہے۔ حضرت انس راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ کے پاس (ملاقات کے لئے) تشریف لے گئے اور (باہر سے) داخلے کی اجازت طلب کی اور فرمایا السلام علیکم ورحمۃ اللہ، حضرت سعد نے چپکے سے جواب دے دیا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں سنا۔ یہاں تک کہ آپ نے تین بار سلام علیک کی اور سعد نے ایسی آواز سے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ سن سکے۔ بالآخر آپ لوٹ آئے۔ اب سعد پیچھے دوڑے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار آپ نے جتنی بار سلام علیک کی میں نے اپنے کانوں سے اس کو سنا اور جواب بھی برابر دیا، لیکن اپنا جواب آپ کو نہیں سنایا (اتنی پست آواز سے جواب دیا کہ آپ نہ سن سکیں (مجھے دل سے خواہش تھی کہ آپ کی طرف سے سلامتی اور برکت زیادہ سے زیادہ مجھے مل جائے۔ (آپ برابر مجھے برکت و سلامتی کی دعا دیتے رہیں) اس کے بعد سب لوگ سعد کے گھر کے اندر داخل ہوئے۔ سعد نے کشمش پیش کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمائی اور کھانے سے فارغ ہو کر فرمایا، تمہارا کھانا نیک لوگوں نے کھایا اور ملائکہ نے تمہارے لئے نزولِ رحمت کی دعا کی اور روزہ داروں نے تمہارے پاس روزہ کھولا۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ۔

مسئلہ: اگر کوئی کسی کے دروازے پر جائے اور اجازتِ داخلہ طلب نہ کرے بلکہ صاحب خانہ کے باہر نکلنے کے انتظار میں دروازے پر بیٹھ جائے تو جائز ہے۔ حضرت ابن عباس ایک انصاری کے دروازے پر طلب حدیث کے لئے جاتے اور انصاری کے برآمد ہونے کے انتظار میں دروازے پر بیٹھ جاتے۔ داخل ہونے کی اجازت طلب نہ کرتے۔ انصاری فرماتے اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے آپ نے مجھے اطلاع دے دی ہوتی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہم کو اسی طرح طلب علم کا حکم دیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں، اللہ نے فرمایا ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ یہ آیت بھی مضمون مذکور پر دلالت کر رہی ہے۔

کسی کے گھر جھانکنا منع ہے:

اگر کوئی کسی کے دروازے پر جائے اور اجازت طلب کرے اور دروازے پر پردہ نہ ہو تو دروازے کے سامنے منہ کر کے نہ کھڑا ہو اور نہ دروازے کی جھریوں سے اندر جھانکے حضرت عبداللہ بن بسر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے دروازے پر جاتے تو دروازے کے بالکل سامنے منہ کر کے نہیں کھڑے ہوتے بلکہ دائیں یا بائیں بازو کے پاس کھڑے ہو کر فرماتے السلام علیکم، السلام علیکم اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں گھروں (کے دروازوں) پر پردے نہیں ہوتے تھے۔ رواہ ابوداؤد۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی راوی ہیں کہ ایک بار ایک شخص نے حجرے کے پردے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر جھانک کر دیکھا، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں کوئی نوک دار لوہے کی چیز تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے تو میں اس کی آنکھ میں اس کو چبھو دیتا۔ طلب اجازت کا حکم تو فقط نہ دیکھنے کے لئے ہی دیا گیا ہے (جب دیکھ لیا تو طلب اجازت بیکار ہے) رواہ البغوی۔

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر کوئی شخص تمہاری اجازت کے بغیر تم کو جھانک کر دیکھے اور تم کوئی کنکری اس کے پھینک مارو اور کنکری سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تمہارا کوئی جرم نہیں۔ رواہ احمد والشیخان فی الصحیحین۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾

اور اللہ جو تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے

جو کچھ کرتے ہو اللہ جانتا ہے:

وہ تمہارے تمام اعمال قلبیہ و قالبیہ سے باخبر ہے جیسا کچھ کرو گے اور جس نیت سے کرو گے حق تعالیٰ اس کے مناسب جزا دے گا۔ اور اس نے اپنے علم محیط سے تمام امور کی رعایت کر کے یہ احکام دیئے ہیں۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا

نہیں گناہ تم پر اس میں کہ جاؤ اُن گھروں میں

غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ

جہاں کوئی نہیں بستا اس میں کچھ چیز ہو تمہاری

غیر رہائشی مکانات کا مسئلہ:

یعنی جن مکانوں میں کوئی خاص آدمی نہیں رہتا، نہ کوئی روک ٹوک ہے مثلاً مسجد، مدرسہ، خانقاہ، سرائے وغیرہ۔ اگر وہاں تمہاری کوئی چیز ہے یا تم کو چندے اس کے برتنے کی ضرورت ہے تو بیشک وہاں جا سکتے ہو اس کے لئے استیذان کی ضرورت نہیں۔ اس طرح کے مسائل کی تفصیل فقہ میں دیکھی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے کہ جن بیوت میں بلا اجازت داخلے کا حکم آیت مذکور میں دیا گیا ہے ان سے مراد کون سے مکان ہیں علماء کے اقوال اس میں مختلف آئے ہیں، قتادہ نے کہا ان سے مراد وہ دوکانیں، کوٹھڑیاں اور مکان ہیں جو قافلوں کے لئے بنا دیئے جاتے تھے، قافلے آتے جاتے وہاں ٹھہرتے تھے او راپنا سامان رکھتے تھے۔ ان مکانون میں بغیر اجازت طلبی کے داخلے کو جائز کر دیا گیا۔ اس صورت میں متاع (بمعنی منفعت) یہ ہوگی کہ وہاں لوگ اترتے ہیں اور سامان رکھتے ہیں اور سردی گرمی سے بچتے ہیں۔

ابن زید نے کہا، ان سے مراد وہ تجارتی کوٹھیاں اور دکانیں ہیں جو بازاروں میں ہوتی ہیں جہاں خرید وفروخت کے لئے لوگ داخل ہوتے ہیں یہی منفعت ہے۔

ابراہیم نخعی نے کہا بازار کی دوکانوں میں داخل ہونے کی اجازت لینی ضروری نہیں۔ ابن سیرینؒ جب بازار کی کسی دوکان پر جاتے تو فرماتے السلام علیکم، میں داخل ہو جاؤں، پھر (جواب کا انتظار کئے بغیر داخل ہو جاتے) (تفسیر مظہری)

شانِ نزول: حضرت صدیق اکبرؓ سے روایت ہے کہ جب استیذان کی آیاتِ مذکورہ نازل ہوئیں جنہیں بغیر اجازت کے کسی مکان میں داخل ہونے کی ممانعت ہے تو صدیق اکبرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ اس ممانعت کے بعد قریش کے تجارت پیشہ لوگ کیا کریں گے کیونکہ مکہ اور مدینہ سے ملک شام تک ان کے تجارتی سفر ہوتے ہیں اور اس راستہ میں جا بجا ان کے مسافر خانے بنے ہوتے ہیں جن میں دوران سفر وہ لوگ قیام کرتے ہیں۔ ان میں کوئی مستقل رہنے والا نہیں ہوتا تو وہاں استیذان کی کیا صورت ہوگی اجازت کس سے حاصل کی جائے گی۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (رواہ ابن ابی حاتم۔ مظہری)

مسئلہ: رفاہِ عام کے اداروں میں جس مقام پر اس کے مالکان یا متولیان کی طرف سے داخلہ کے لئے کچھ شرائط اور پابندیاں ہوں اس کی پابندی شرعاً واجب ہے مثلاً ریلوے اسٹیشن پر اگر بغیر پلیٹ فارم کے جانے کی اجازت نہیں ہے تو پلیٹ فارم ٹکٹ حاصل کرنا ضروری ہے اس کی خلاف ورزی ناجائز ہے ایرڈروم (ہوائی اڈے) کے جس حصہ میں جانے کی محکمہ کی طرف سے اجازت نہ ہو وہاں بغیر اجازت کے جانا شرعاً جائز نہیں۔

مسئلہ: اسی طرح مساجد۔ مدارس۔ خانقاہوں۔ ہسپتالوں وغیرہ میں جو کمرے وہاں کے منتظمین یا دوسرے لوگوں کی رہائش کے لئے مخصوص ہوں جیسے مساجد مدارس اور خانقاہوں کے خاص حجرے یا ریلوے۔ ایرڈروم اور ہسپتالوں کے دفاتر اور مخصوص کمرے جو مریضوں یا دوسرے لوگوں کی رہائش گاہ ہیں وہ بیوت غیر مسکونہ کے حکم میں نہیں۔ بلکہ مسکونہ کے حکم میں ہیں ان میں بغیر اجازت جانا شرعاً ممنوع اور گناہ ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿٢٩﴾

اور اللہ کو معلوم ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو

اس نے تمہارے تمام کھلے چھپے حالات کی رعایت سے یہ احکام مشروع کئے ہیں جن سے مقصود فتنہ وفساد کے مداخل کو بند کرنا ہے۔ مؤمن کو چاہئے کہ اپنے دل میں اسی غرض کو پیش نظر رکھ کر عمل کرے۔ (تفسیر عثمانی)

تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو۔ یہ وعید ان لوگوں کے لئے ہے جو کسی فساد کی غرض سے یا لوگوں کو برہنہ دیکھنے کے لئے گھروں میں بلا اجازت داخل ہوتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ

کہہ دے ایمان والوں کو نیچی رکھیں ذری اپنی آنکھیں

بدنظری حرام ہے: بدنظری عموماً زنا کی پہلی سیڑھی ہے۔ اسی سے بڑے بڑے فواحش کا دروازہ کھلتا ہے قرآن کریم نے بدکاری اور بےحیائی کا انسداد کرنے کے لئے اول اسی سوراخ کو بند کرنا چاہا۔ یعنی مسلمان مرد وعورت کو حکم دیا کہ بدنظری سے بچیں اور اپنی شہوات کو قابو میں رکھیں۔ اگر ایک مرتبہ بے ساختہ مرد کی کسی اجنبی عورت پر یا عورت کی کسی اجنبی مرد پر نظر پڑ جائے تو دوبارہ ارادہ سے اس طرف نظر نہ کرے۔ کیونکہ یہ دوبارہ دیکھنا اس کے اختیار سے ہوگا جس میں وہ معذور نہیں سمجھا جاسکتا۔ اگر آدمی نگاہ نیچی رکھنے کی عادت ڈال لے اور اختیار وارادہ سے ناجائز امور کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا کرے تو بہت جلد اس کے نفس کا تزکیہ ہوسکتا ہے چونکہ پہلی مرتبہ دفعۃً جو بے ساختہ نظر پڑتی ہے۔ ازراہ شہوت ونفسانیت نہیں ہوتی۔ اس لئے حدیث میں اس کو معاف رکھا گیا ہے۔ شاید یہاں بھی مِنْ اَبْصَارِهِمْ میں مِنْ کو تبعیضیہ لے کر اسی طرف اشارہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

حسن کی مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی لعنت ہے (نامحرم کو) دیکھنے والے پر اور جس عورت کو دیکھا جائے اس پر رواہ البیہقی فی شعب الایمان يَغُضُّوْا امر کا صیغہ ہے۔

مومنوں کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ کسی کو نہ دیکھیں سب کی طرف سے آنکھیں بند رکھیں، بلکہ جس کو دیکھنے کی اجازت نہیں اس کی طرف نظر اٹھانے کی ممانعت ہے بلکہ نامحرم کی طرف بالارادہ دوسری بار دیکھنے کی بندش ہے۔ پہلی مرتبہ جو بلاارادہ نظر پڑ جائے اس کا گناہ نہیں۔ حضرت بریدہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا، علی یہ پہلی (بے ساختہ) نظر کے پیچھے (دوسری بالارادہ) نظر نہ کرنا پہلی نظر تمہارے لئے جائز ہے دوسری نظر مباح نہیں۔ رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والدارمی۔

اچانک نظر پڑنا:

حضرت جریر بن عبداللہ کا بیان ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر پڑ جانے کا مسئلہ دریافت کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ نظر پھیر لیا کرو۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابوامامہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو مسلمان کسی (اجنبی) عورت کی خوبصورتی پہلی مرتبہ (اچانک) دیکھ کر آنکھ بند کر لیتا ہے اللہ اس کے لئے عبادت میں احساس حلاوت پیدا کر دیتا ہے رواہ احمد۔ (تفسیر مظہری)

نابینا سے بھی پردہ ضروری ہے:

ابوداؤد اور ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت اُم سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیٹھی تھیں جو ابن اُم مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے۔ یہ واقعہ پردے کی آیتیں اُترنے کے بعد کا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پردہ کر لو۔ انہوں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ تو نابینا ہیں نہ ہمیں دیکھیں گے نہ پہچانیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم تو نابینا نہیں ہو کہ اسے نہ دیکھو۔

دیور موت ہے: صحیحین میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! عورتوں کے پاس جانے سے بچو۔ پوچھا گیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دیور جیٹھ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ تو موت ہے۔

عورت کا خوشبو لگا کر مسجد آنا:

ابوداؤد میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک عورت خوشبو سے مہکتی ہوئی ملی۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا تو مسجد سے آ رہی ہے؟ اس نے کہا ہاں! فرمایا کیا تم نے خوشبو لگائی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا میں نے اپنے حبیب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو عورت اس مسجد میں آنے کے لئے خوشبو لگائے اس کی نماز نامقبول ہے جب تک کہ وہ لوٹ کر جنابت کی طرح غسل نہ کرے۔

غیر جگہ زینت ظاہر کرنا:

ترمذی میں ہے کہ اپنی زینت کو غیر جگہ ظاہر کرنے والی عورت کی مثال قیامت کے اس اندھیرے جیسی ہے جس میں نور نہ ہو۔

عورتیں راستہ کے ایک طرف ہو کر چلیں:

ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں عورتوں کو راستے میں ملے جلے چلتے ہوئے دیکھ کر فرمایا عورتو! تم اِدھر اُدھر ہو جاؤ۔ تمہیں بیچ راہ میں نہ چلنا چاہئے۔ یہ سن کر عورتیں دیواروں سے لگی لگی چلنے لگیں یہاں تک کہ اُن کے کپڑے دیواروں سے رگڑتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ
اور تھامتے رہیں اپنے ستر کو

یعنی حرامکاری سے بچیں اور ستر کسی کے سامنے نہ کھولیں۔ الاَّ عند من اباحهُ الشارعُ من الازواج وما ملكت ايمانهُم.

انسدادِ فواحش اور حفاظتِ عصمت:

عورتوں کے لئے حجاب اور پردہ کے احکام کی پہلی آیات وہ ہیں جو سورۂ احزاب میں ام المومنین حضرت زینب بنت جحش کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آنے کے وقت نازل ہوئیں، جس کی تاریخ بعض حضرات نے ۳ھ اور بعض نے ۵ھ بتائی ہے تفسیر ابن کثیر اور نیل الاوطار میں ۵ھ کو ترجیح دی ہے اور روح المعانی میں حضرت انس سے روایت نقل کی ہے کہ ذی قعدہ ۵ھ میں یہ عقد ہوا ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پہلی آیت حجاب اسی موقع پر نازل ہوئی۔ اور سورۂ نور کی یہ آیات قصہ افک کے ساتھ نازل ہوئی ہیں جو غزوہ بنی المصطلق یا مریسیع سے واپسی میں پیش آیا یہ غزوہ ۶ ہجری میں ہوا۔

غیر محرم عورت کی طرف بُری نیت سے دیکھنا تحریماً اور بغیر کسی نیت کے دیکھنا کراہتہً داخل ہے اور کسی عورت یا مرد کے ستر شرعی پر نظر ڈالنا بھی اس میں داخل ہے (مواضع ضرورت جیسے علاج معالجہ وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہیں) کسی کا راز معلوم کرنے کے لئے اُس کے گھر میں جھانکنا اور تمام وہ کام جن میں نگاہ کے استعمال کرنے کو شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے اس میں داخل ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ: شرمگاہوں کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ نفس کی خواہش پورا کرنے کی جتنی ناجائز صورتیں ہیں ان سب سے اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں۔ اس میں زنا، لواطت اور دو عورتوں کا باہمی سحاق جس سے شہوت پوری ہو جائے، ہاتھ سے شہوت پوری کرنا یہ سب ناجائز و حرام چیزیں داخل ہیں۔ مراد اس آیت کی ناجائز و حرام شہوت رانی اور اس کے تمام مقدمات کو ممنوع کرنا ہے جن میں سے ابتدا اور انتہا کو تصریحاً بیان فرما دیا باقی درمیانی مقدمات سب اس میں داخل ہو گئے۔ فتنۂ شہوت کا سب سے پہلا سبب اور مقدمہ نگاہ ڈالنا اور دیکھنا ہے اور آخری نتیجہ زنا ہے ان دونوں کو صراحۃً ذکر کر کے حرام کر دیا گیا اُن کے درمیانی حرام مقدمات مثلاً باتیں سُننا۔ ہاتھ لگانا وغیرہ یہ سب ضمناً آ گئے۔

ابن کثیر نے حضرت عبیدہ سے نقل کیا ہے کہ کل ماعصى الله به فهو كبيرة وقد ذكر الطرفين۔ یعنی جس چیز سے بھی اللہ کے حکم کی مخالفت ہوتی ہو سب کبیرہ ہی ہیں لیکن آیت میں اُن کے دو طرف ابتدا و انتہا

کو ذکر کر دیا گیا ابتداءً نظر اُٹھا کر دیکھنا اور انتہاءً زنا ہے۔ طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

النظر سهم من سهام ابليس مسموم من تركها مخافتی ابدلته ايمانا يجد حلاوته فی قلبه۔ (از ابن کثیر)

(ترجمہ) نظر ایک زہریلا تیر شیطان کے تیروں سے ہے جو شخص باوجود دل کے تقاضے کے اپنی نظر پھیر لے تو میں اس کے بدلے اس کو ایسا پختہ ایمان دوں گا جس کی لذت وہ اپنے قلب میں محسوس کرے گا۔ (ابن کثیر)

برہنہ ہونے سے بچو:

بہز بن حکیم کے دادا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنی شرمگاہ کو سوائے اپنی بیوی اور اپنی باندی کے اوروں سے محفوظ رکھ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آدمی تنہائی میں ہو تو کیا حکم ہے فرمایا اللہ زیادہ مستحق ہے اس بات کا کہ اس سے شرم کی جائے۔ رواہ الترمذی و ابوداؤد وابن ماجۃ۔

حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، برہنہ ہونے سے بچو تمہارے ساتھ (ہر وقت) ایسی ہستیاں رہتی ہیں جو تم سے کسی وقت الگ نہیں ہوتیں سوائے رفع حاجت کے وقت کے یا اس وقت کے جب کوئی شخص اپنی بیوی سے قربت کرتا ہے۔ لہٰذا تم ان سے شرم کرو اور ان کی عزت کرو۔

ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝
اس میں خوب ستھرائی ہے اُن کے لئے بیشک اللہ کو خبر ہے جو کچھ کرتے ہیں

آنکھ کی چوری اور دل کا بھید اللہ کو معلوم ہے:

یعنی آنکھ کی چوری اور دلوں کے بھید اور نیتوں کا حال اس کو سب معلوم ہے لہٰذا اس کا خیال کر کے بدنگاہی اور ہر قسم کی بدکاری سے بچو۔ ورنہ وہ اپنے علم کے موافق تم کو سزا دے گا۔ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ (مومن - رکوع ۲) حضرت شاہ صاحبؒ نے "مَايَصْنَعُوْنَ" سے مراد غالباً جاہلیت کی بے اعتدالیاں لی ہیں یعنی جو بے اعتدالیاں پہلے سے کرتے آ رہے ہیں وہ اللہ کو سب معلوم ہے اسی لئے اب اُس نے اپنے پیغمبر کے ذریعہ سے یہ احکام جاری کئے تا تمہارا تزکیہ ہو سکے۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ
اور کہہ دے ایمان والیوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں
وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ
اور تھامتی رہیں اپنے ستر کو اور نہ دکھلائیں اپنا سنگار

اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا
مگر جو کھلی چیز ہے اُس میں سے

زینت کو ظاہر نہ کرنا:

سنگار عرف میں خارجی اور کسی آرائش کو کہتے ہیں جو مثلاً لباس یا زیور وغیرہ سے حاصل ہو۔ احقر کے نزدیک یہاں "زینت" کا ترجمہ "سنگار" کے بجائے "زیبائش" کیا جاتا تو زیادہ جامع اور مناسب ہوتا۔ زیبائش کا لفظ ہر قسم کی خلقی اور کسبی زینت کو شامل ہے، خواہ وہ جسم کی پیدائشی ساخت سے متعلق ہو یا پوشاک وغیرہ خارجی ٹیپ ٹاپ سے خلاصہ مطلب یہ ہے کہ عورت کو کسی قسم کی خلقی یا کسبی زیبائش کا اظہار بجز محارم کے جن کا ذکر آگے آتا ہے کسی کے سامنے جائز نہیں۔ ہاں جس قدر زیبائش کا ظہور ناگزیر ہے اور اس کے ظہور کو بسبب عدم قدرت یا ضرورت کے روک نہیں سکتی، اس کے مجبوری یا بضرورت کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں (بشرطیکہ فتنہ کا خوف نہ ہو) حدیث و آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ چہرہ اور کفین ہتھیلیاں "الّا ما ظهر منها" میں داخل ہیں کیونکہ بہت سی ضروریات دینی و دنیوی ان کے کھلا رکھنے پر مجبور کرتی ہیں۔ اگر ان کے چھپانے کا مطلقاً حکم دیا جائے تو عورتوں کے لئے کاروبار میں سخت تنگی اور دشواری پیش آئے گی۔ آگے فقہاء نے قدمین کو بھی ان ہی اعضاء پر قیاس کیا ہے اور جب یہ اعضاء مستثنیٰ ہوئے تو ان کے متعلقات مثلاً انگوٹھی، چھلا یا مہندی کا جل وغیرہ کو بھی استثناء میں داخل ماننا پڑے گا لیکن واضح ہے کہ "الّا ما ظهر منها" سے صرف عورتوں کو بضرورت ان کے کھلا رکھنے کی اجازت ہوئی۔ نامحرم مردوں کو اجازت نہیں دے گئی کہ وہ آنکھیں لڑایا کریں اور ان اعضاء کا نظارہ کیا کریں۔ شاید اسی لئے اس اجازت سے پیشتر ہی حق تعالیٰ نے غض بصر کا حکم مومنین کو سنا دیا ہے معلوم ہوا کہ ایک طرف سے کسی عضو کے کھولنے کی اجازت اس کو مستلزم نہیں کہ دوسری طرف سے اس کو دیکھنا بھی جائز ہو آخر مرد جن کے لئے پردہ کا حکم نہیں اسی آیت بالا میں عورتوں کو ان کی طرف دیکھنے سے منع کیا گیا۔ نیز یاد رکھنا چاہئے کہ ان آیات میں محض ستر کا مسئلہ بیان ہوا ہے یعنی اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ اپنے گھر کے اندر ہو یا باہر عورت کو کس حصہ بدن کا کس کے سامنے کن حالات میں کھلا رکھنا جائز ہے۔ باقی مسئلہ "حجاب" یعنی شریعت نے اس کو کن حالات میں گھر سے باہر نکلنے اور سیر و سیاحت کرنے کی اجازت دی، یہاں مذکور نہیں۔ اس کی کچھ تفصیل انشاء اللہ سورۂ احزاب میں آئے گی۔ اور ہم نے فتنہ کا خوف نہ ہونے کی جو شرط بڑھائی وہ دوسرے دلائل اور قواعد شرعیہ سے ماخوذ ہے جو ادنیٰ تامل اور مراجعت نصوص سے دریافت ہو سکتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے بحوالہ مُقاتل بیان کیا کہ حضرت جابر بن عبداللہ نے فرمایا، (ایک بار) حضرت اسماء بنت مرثد اپنے نخلستان میں تھیں کچھ عورتیں ان کے پاس آئیں جو ازار پہنے ہوئے نہ تھیں اس لئے جو کچھ وہ پانوؤں میں پہنے ہوئی تھیں (یعنی پازیب وغیرہ) وہ کھلا نظر آرہا تھا ان کے سینے اور گیسو بھی کھلے ہوئے تھے۔ حضرت اسماء نے فرمایا یہ کیسی بُری ہیئت ہے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ایک بار حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھیں۔ حضرت ابن ام مکتوم بھی آ گئے (یہ واقعہ حکم حجاب نازل ہونے کے بعد کا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم دونوں پردے میں ہو جاؤ (حضرت ام سلمہ کا بیان ہے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا وہ نابینا نہیں ہیں۔ فرمایا کیا تم دونوں بھی نابینا ہو کیا تم اس کو نہیں دیکھ سکتیں۔ رواہ احمد وابوداؤد والترمذی۔

مسئلہ: ناف سے زانو تک عورت کو عورت نہیں دیکھ سکتی اور نہ مرد مرد کو۔ حضرت ابوسعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مرد مرد کے ستر کو نہ دیکھے اور نہ عورت، عورت کے ستر کو، مرد، مرد کے ساتھ برہنہ ایک کپڑے میں نہ لیٹے اور نہ عورت، عورت کے ساتھ برہنہ ایک کپڑے میں لیٹے۔ رواہ مسلم۔

وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا اور اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت کریں اور اپنی زینت (کے مواقع) کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس (موقع زینت) میں سے (غالبًا) کھلا رہتا ہے۔ زینت سے مراد ہیں۔ زیور کپڑے، سنگھار یعنی سج دھج اور سنگھار کو پردہ سے نہیں ہے کیونکہ آزاد عورت کا سارا بدن واجب الستر ہے سوائے شوہر اور محرم کے عورت کے بدن کا کوئی حصہ دیکھنا کسی مرد کے لئے جائز نہیں۔ ہاں مجبوری ہو تو الگ بات ہے جیسے بیماری کا علاج یا ادائے شہادت وغیرہ۔

عورت سرتاپا پردے کی چیز ہے:

حُسن کا اصل سرچشمہ تو چہرہ ہی ہے چہرے کو دیکھنے سے ہی فتنہ پیدا ہونے کا خطرہ بہت زیادہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے عورت (سرتاپا) عورت ہے (یعنی قابل ستر ہے) جب باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک جھانک میں رہتا ہے۔ رواہ الترمذی عن ابن مسعود۔

یہ حدیث بتارہی ہے کہ عورت (از سرتاپا) واجب الستر ہے۔

ضرورت ومجبوری کا حکم:

ضرورتیں اس حکم سے باجماعِ امت مستثنیٰ ہیں۔ عورت کو بازار سے ضروری سودا سلف لانے والا نہ ملے تو یہ بھی ایک طرح کی ضرورت ہے، برقعہ پہن کر وہ نکل سکتی ہے۔ راستہ دیکھنے کے لئے وہ ایک آنکھ کھلی رکھے، سر سے پاؤں تک چھپانے والا کپڑا نہ ملے تو جہاں تک ممکن ہو اور جو کپڑے میسر ہوں وہی کپڑے پہن کر اور بدن کو چھپا کر باہر آ سکتی ہے۔ کبھی علاج معالجہ کے لئے ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کبھی گواہوں کے پاس اور کبھی عدالت میں حاکم کے سامنے جانے کی مجبوری ہوتی ہے ان سب صورتوں میں بقدر ضرورت پردے کا انکشاف درست ہے۔ ہم نے زینت کا مرادی معنی دو طرح سے بیان کیا ہے (۱) کپڑے، زیور اور بناؤ سنگھار کی چیزیں۔ بیضاوی کے نزدیک زینت سے یہی مراد ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے بھی زینت سے مراد کپڑے لئے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

اوپر کے کپڑے:

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ **ماظهر منها** میں جس چیز کو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ اوپر کے کپڑے ہیں جیسے بُرقع یا لمبی چادر جو برقع کے قائم مقام ہوتی ہے۔ یہ کپڑے زینت کے کپڑوں کو چھپانے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں تو مراد آیت کی یہ ہوگی کہ زینت کی کسی چیز کو ظاہر کرنا جائز نہیں بجز اُن اوپر کے کپڑوں کے جن کا چھپانا بضرورت باہر نکلنے کے وقت ممکن نہیں جیسے برقع وغیرہ۔

چہرہ کا کھولنا جائز نہیں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود کی تفسیر کے مطابق تو غیر محرم مردوں کے سامنے عورت کو چہرہ اور ہاتھ کھولنا بھی جائز نہیں صرف اوپر کے کپڑے برقع وغیرہ کا اظہار بضرورت مستثنیٰ ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ حسن اور زینت کا اصل مرکز انسان کا چہرہ ہے اور زمانہ فتنہ وفساد اور غلبۂ ہویٰ اور غفلت کا ہے اس لئے بجز مخصوص ضرورتوں کے مثلاً علاج معالجہ یا کوئی خطرہ شدیدہ وغیرہ عورت کو غیر محارم کے سامنے قصداً چہرہ کھولنا بھی ممنوع ہے اور مردوں کو اس کی طرف قصداً نظر کرنا بھی بغیر ضرورت شرعیہ کے جائز نہیں۔

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ

اور ڈال لیں اپنی اوڑھنی اپنے گریبان پر

سینہ چھپانے کی تاکید:

بدن کی خلقی زیبائش میں سب سے زیادہ نمایاں چیز سینہ کا ابھار ہے اُس کے مزید تستر کی خاص طور پر تاکید فرمائی اور جاہلیت کی رسم کو مٹانے کی صورت بھی بتلا دی۔ جاہلیت میں عورتیں خمار اوڑھنی سر پر ڈال کر اُس کے دونوں پلے پشت پر لٹکا لیتی تھیں۔ اس طرح سینہ کی ہیئت نمایاں رہتی تھی۔ یہ

گویا حسن کا مظاہرہ تھا۔ قرآن کریم نے بتلا دیا کہ اوڑھنی کو سر پر سے لا کر گریبان پر ڈالنا چاہیئے تا کہ اس طرح کان، گردن اور سینہ پوری طرح مستور رہے۔ (تفسیر ثنائی)

زینت ظاہرہ کے استثناء کے بعد ارشاد ہے وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ یعنی آنچل مار لیا کریں اپنے دوپٹوں کا اپنے سینوں پر، خُمر، خمار کی جمع ہے اُس کپڑے کو کہتے ہیں جو عورت سر پر استعمال کرے اور اُس سے گلا اور سینہ بھی چھپ جائے۔ جیوب جیب کی جمع ہے جس کے معنی ہیں گریبان، چونکہ زمانۂ قدیم سے گریبان سینہ ہی پر ہونے کا معمول ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں عورتیں دوپٹہ سر پر ڈال کر اس کے دونوں کنارے پشت پر چھوڑ دیتی تھیں جس سے گریبان اور گلا اور سینہ اور کان کھلے رہتے تھے اس لئے مسلمان عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ ایسا نہ کریں بلکہ دوپٹے کے دونوں پلے ایک دوسرے پر اُلٹ لیں تا کہ یہ سب اعضاء چھپ جائیں۔ (رواہ ابن ابی حاتم عن ابن جبیرؒ۔ روح) آگے دوسرا استثناء اُن مردوں کا بیان کیا گیا ہے جن سے شرعاً پردہ نہیں جس کے دو سبب ہیں اول تو جن مردوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے اُن سے کسی فتنہ کا خطرہ نہیں وہ محارم ہیں جن کی طبائع کو حق تعالیٰ نے خلقۃً ایسا بنایا ہے کہ وہ ان عورتوں کی عصمت کے محافظ ہوتے ہیں اُن سے خود کوئی فتنہ کا احتمال نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ

اور نہ کھولیں اپنا سنگار مگر اپنے خاوند کے آگے یا اپنے باپ کے

محرم رشتہ داروں کا حکم:

چچا اور ماموں کا بھی یہی حکم ہے اور ان محارم میں پھر فرق مراتب ہے مثلاً جو زینت خاوند کے آگے ظاہر کر سکتی ہے دوسرے محارم کے سامنے نہیں کر سکتی۔ ابدائے زینت کے درجات ہیں جن کی تفصیل تفاسیر اور کتب فقہ میں دیکھنی چاہیے۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ جس قدر تستر کا اہتمام اجنبیوں سے تھا، اُتنا محارم سے نہیں یہ مطلب نہیں کہ ہر ایک عضو کو ان میں سے ہر ایک کے آگے کھول سکتی ہے۔ (تفسیر ثنائی)

خاوند کا حکم:

اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ مگر اپنے شوہروں کے لئے، زینت کا مرکزی نقطہ تو شوہر ہی ہیں اپنی بیویوں کے سارے بدن کو دیکھنا جائز ہے، یہاں تک کہ شرمگاہوں کو بھی۔ مگر شرمگاہوں کو دیکھنا مکروہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے جو شخص اپنی بیوی سے قربت کرے تو پردہ کر لے۔ دونوں گدھوں کی طرح ننگے نہ ہوں۔ رواہ الشافعی والطبرانی والبیہقی عن ابن مسعود عن عتبہ بن عبد والنسائی عن عبداللہ بن سرجس والطبرانی ایضا عن ابی امامۃ

ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرمگاہ کبھی نہیں دیکھی۔ (تفسیر مظہری)

ابن عباسؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"اذا جامع احد کم زوجه او جاریته فلاینظر الی فرجها فان ذلک یورث العمی." قال ابن الصلاح جید الاسناد کذافی شرح الجامع الصغیر.

جب کوئی اپنی بیوی اور باندی سے جماع کرے تو اس کی شرمگاہ کی طرف نظر نہ کرے یہ دیکھنا نابینائی پیدا کرتا ہے۔

ابن صلاح کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند نہایت عمدہ ہے۔

مسئلہ: کسی بیگم صاحب کا تنہا موٹر میں بیٹھ کر کہیں جانا جبکہ ان کا شوہر یا باپ یا بھائی ان کے ساتھ نہ ہو اور فقط موٹر چلانے والا اس موٹر میں موجود ہو تو یہ خلوت بالاجنبیہ ہے اور بلاشبہ حرام ہے۔

محرم کے سامنے زینت کا اظہار مقصود نہ ہو:

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عورت کے محارم کا ذکر فرمایا اور بتلایا کہ عورت کے لئے اپنی زینت کو ان محارم کے سامنے ظاہر کرنا اور کھولنا جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ محارم کے سامنے بھی اس کشف و اظہار سے اپنے حسن و جمال کا اظہار مقصود نہ ہو۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۴ ج ۳۔

جیسا کہ سورۂ احزاب کی یہ آیت فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ اس بارہ میں نص صریح ہے مقصود یہ ہے کہ عورتوں کو چاہیئے کہ چلتے وقت ایسی حرکت نہ کریں جس سے مردوں کو عورتوں کے جانے اور چلنے کا علم ہو جائے اور ان کے پازیب کی آواز مردوں کی شہوت کو برانگیختہ کرنے کا سبب بنے۔

خوشبو لگا کر لوگوں پر گذرنا:

اور اسی قسم سے ہے کہ عورت اپنے گھر سے خوشبو لگا کر نکلے اگرچہ وہ برقعہ اوڑھے ہوئے ہو جیسا کہ ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت عطر لگا کر گھر سے نکلے اور کسی مجلس پر گزرے تو وہ ایسی اور ایسی ہے یعنی زانیہ اور بدکار ہے۔ رواہ ابوداؤد والنسائی والترمذی وقال ہذا حدیث حسن صحیح۔

آواز سنانا: پس جب عورت کے لئے اپنے زیور کی آواز کا نکالنا ناجائز اور حرام ہے۔ تو عورت کا خود اپنی آواز کا نکالنا مثلاً کسی اجنبی مرد سے باتیں کرنا یا گانا بجانا وہ بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ اجنبی عورت کا تو قرآن سننا بھی حرام ہے اور عورت کی اذان اور اقامت بھی بالاجماع ناجائز ہے۔ معلوم ہوا کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے جس کا پردہ

واجب ہے پس جب عورت کی اذان اور اقامت ناجائز ہے تو جلسۂ عام میں عورت کی تقریر بدرجہ اولیٰ حرام اور ناجائز ہوگی۔ پس معلوم ہوا کہ عورت کا کھلے منہ جلسوں میں آنا اور تقریر کرنا اور مردوں کی پارٹیوں میں کھلے منہ شرکت کرنا اور اپنی تصویر اتروانا اور اس کا اخباروں میں چھپوانا بالاشبہ حرام ہوگا۔ جب عورت کے زیور کی آواز فتنہ ہے اور اس کا اظہار ناجائز ہے تو خود عورت کی تصویر اور اس کی آواز کیسے فتنہ نہ ہوگی اور اس کا اظہار اور اشتہار کیوں حرام نہ ہوگا۔ خوب سمجھ لو کہ عورت کی تقریر اور عورت کی تصویر یہ سب زنا کے دروازے ہیں۔ شریعت مطہرہ ان کو بند کرنا چاہتی ہے مگر یہ دلدادگان مغربیت اس فکر میں ہیں کہ بے پردگی اس درجہ بام عروج پر پہنچ جائے کہ نفس پرستوں کو نکاح ہی کی ضرورت نہ ہو۔

نیز احادیث میں عورت کو اجنبی مرد کے ساتھ خلوت کی ممانعت ہے۔

اور عورت کو بغیر محرم کے سفر کرنے کی ممانعت آئی ہے۔

اور عورت کو بغیر شوہر کی اجازت کے مسجد وغیرہ میں جانے کی ممانعت آئی ہے۔ اس ممانعت کی علت صرف یہی فتنۂ شہوت ونفسانیت ہے جس کا شریعت مطہرہ سد باب کرنا چاہتی ہے۔ (معارف کاندھلوی)

اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ

یا اپنے خاوند کے باپ کے یا اپنے بیٹے کے یا اپنے خاوند کے بیٹے کے

اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ

یا اپنے بھائی کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے

اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ

یا اپنی عورتوں کے

یعنی جو عورتیں اُس کے پاس اُٹھنے بیٹھنے والی ہیں۔ بشرطیکہ نیک چلن ہوں۔ بدراہ عورتوں کے سامنے نہیں اور بہت سے سلف کے نزدیک اس سے مسلمان عورتیں مراد ہیں۔ کافر عورت اجنبی مرد کے حکم میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَوْ بَنِیْٓ اِخْوَانِهِنَّ یا اپنے بھانجوں کے لئے۔ بہنوں کے پوتے نواسے بھی اسی حکم میں شامل ہیں۔ مذکورۂ بالا سب لوگ عام طور پر اپنی بزرگ یا خورد عورتوں کے گھروں میں ہر وقت آمد ورفت رکھتے ہیں اور عموماً کسی فتنہ کا اندیشہ نہیں ہوتا، اصول وفروع سے صنفی تعلقات کو طبعاً لوگ بُرا سمجھتے ہیں پھر حیاءً اور شرم بھی دامن گیر ہوتی ہے۔ اس لئے مذکورۂ بالا مردوں کے سامنے مذکورہ عورتوں کا آنا اور اپنی زینت کو ظاہر کرنا اللہ نے جائز قرار دیا اور مردوں کے لئے مباح کر دیا کہ خدمت کے وقت جو حصۂ بدن کھلا رہتا ہے یا کھل جاتا ہے اس کو دیکھ سکتے ہیں یعنی سر، پنڈلیاں، بازو اور سینہ۔ پیٹ اور پشت کو دیکھنا روا نہیں، نہ ناف سے زانو تک کوئی حصہ دیکھنا جائز ہے عام طور پر یہ حصے کام کے وقت بھی چھپے رہتے ہیں اور ان کو چھپا رکھنے میں کوئی تکلیف بھی نہیں ہوتی۔ یہ حکم ان مردوں اور عورتوں کے لئے ہے جو باہم محرم ہیں جن کے درمیان سلسلۂ نکاح ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا ہے، خواہ حرمت نسبی ہو یا دودھ کی شرکت کی وجہ سے۔ آیت میں باپ کے بھائیوں اور ماں کے بھائیوں کا ذکر صراحت کے ساتھ نہیں کیا گیا کیونکہ دلالت النص سے ان کا حکم وہی معلوم ہو جاتا ہے جو بھتیجوں اور بھانجوں کا ہے اس پر اجماع اہل علم ہے کیونکہ جب پھوپھی اپنی زینت کا اظہار اپنے بھتیجے کے سامنے کر سکتی ہے تو بھتیجی کے لئے بھی اپنے چچا کے سامنے زینت کا اظہار جائز ہوگا۔ دونوں رشتے برابر کے ہیں اسی طرح خالہ بھانجے کے سامنے جب اپنی زینت کا اظہار کر سکتی ہے تو بھانجی ماموں کے سامنے بھی زینت کو ظاہر کر سکتی ہے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ اعمام واخوال کو صراحت کے ساتھ ذکر نہ کرنے سے اس طرف اشارہ ہو کہ چچا اور ماموں کے سامنے اظہار زینت نہ کرنا تقاضاءِ احتیاط ہے۔ ممکن ہے کہ وہ ان کی زینت کو دیکھ کر اپنے بیٹوں کے سامنے ان عورتوں کی زینت کو بیان کر دیں۔

آنکھوں اور ہاتھوں کا زنا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، دونوں آنکھیں زنا کرتی ہیں اور دونوں آنکھوں کا زنا (بُری نیت سے) دیکھنا ہے اور دونوں ہاتھ زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا (بُری نیت سے) پکڑنا ہے۔ دوسری روایت میں ہے دونوں آنکھیں زنا کرتی ہیں اور دونوں ہاتھ زنا کرتے ہیں اور دونوں پاؤں زنا کرتے ہیں اور شرمگاہ زنا کرتی ہے۔ رواہ احمد والطبرانی عن ابن مسعود۔ مرفوعاً۔

اگر خطرہ ہو تو محرم سے بھی پرہیز کرے:

محرم عورتوں سے زنا کرنے کا جرم بہت ہی سخت ہے۔ اس لئے اگر ان کو دیکھنے یا چھونے سے نفسانیت کے بیدار ہو جانے کا کسی ایک طرف بھی خطرہ ہو تو دیکھنے سے پرہیز رکھے اور چھونے سے بھی۔

عورت کا عورت کی زینت کو دیکھنا:

اَوْ نِسَآئِهِنَّ یا اپنی عورتوں کے لئے یعنی ایک عورت دوسری عورت کے سامنے اپنی زینت کا اظہار کر سکتی ہے خواہ وہ عورت مومنہ ہو یا غیر مومنہ آزاد ہو یا باندی کیونکہ ہر عورت دوسری عورت کی ہم جنس ہے اور نفسانی خواہشات کی بیداری کا عام طور پر خطرہ نہیں ہوتا۔ ہاں ناف سے زانو تک کا انکشاف ایک عورت دوسری عورت کے سامنے بھی (باستثناء ضرورت خاص) نہیں کر سکتی۔

امام ابوحنیفہ کا ایک قول منقول ہے کہ عورت کا عورت کی طرف دیکھنا ایسا ہی ہے جیسے مرد کا اپنی محرم عورتوں کی طرف دیکھنا۔ (تفسیر مظہری)

بارہ قسم کے محارم

تنبیہ: یاد رہے کہ اس جگہ لفظ محرم عام معنے میں استعمال ہوا ہے جو شوہر پر بھی مشتمل ہے فقہاء کی اصطلاح میں محرم کی جو خاص تفسیر ہے کہ جس سے کبھی نکاح جائز نہ ہو وہ یہاں مراد نہیں تفصیل ان بارہ مستثنیات کی جو سورۂ نور کی مذکورہ آیت میں ہے یہ ہے سب سے پہلے شوہر ہے جس سے بیوی کے کسی عضو کا پردہ نہیں اگرچہ اعضاء مخصوصہ کو بلاضرورت دیکھنا خلاف اولیٰ ہے حضرت صدیقہ عائشہؓ نے فرمایا ما رأى منى ولا رأيت منه یعنی نہ آپ نے میری خاص عضو کو دیکھا نہ میں نے آپ کے۔

دوسرے اپنے باپ ہیں۔ جس میں دادا، پردادا سب داخل ہیں۔ تیسرے شوہر کا باپ ہے اس میں بھی دادا، پردادا سب داخل ہیں چوتھے اپنے لڑکے جو اپنی اولاد میں ہیں۔ پانچویں شوہر کے لڑکے جو کسی دوسری بیوی سے ہوں۔ چھٹے اپنے بھائی، اس میں حقیقی بھی داخل ہیں اور باپ شریک یعنی علاتی اور ماں شریک یعنی اخیافی بھی۔ لیکن ماموں، خالہ یا چچا، تایا اور پھوپی کے لڑکے جن کو عام عرف میں بھائی کہا جاتا ہے وہ اس میں داخل نہیں وہ غیر محرم ہیں۔ ساتویں بھائیوں کے لڑکے یہاں بھی صرف حقیقی یا علاتی یا اخیافی بھائی کے لڑکے مراد ہیں دوسرے عرفی بھائیوں کے لڑکے شامل نہیں۔ آٹھویں بہنوں کے لڑکے۔ اس میں بھی بہنوں سے حقیقی اور علاتی اخیافی بہنیں مراد ہیں۔ نویں لفظ نسائھن میں داخل ہیں ان کو علیحدہ بیان کرنے کی ضرورت کیا تھی اس کا جواب جصاصؒ نے یہ دیا ہے کہ لفظ نسائھن اپنے ظاہر کے اعتبار سے صرف مسلمان عورتوں کے لئے ہے۔ اور مملوکہ باندیوں میں اگر کافر بھی ہوں تو ان کو مستثنیٰ کرنے کے لئے یہ لفظ علیحدہ لایا گیا ہے۔

گیارھویں قسم اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِى الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ مغفل اور بدحواس قسم کے لوگ ہیں جن کو عورتوں کی طرف کوئی رغبت و دلچسپی ہی نہ ہو (ابن کثیر) اور یہی مضمون ابن جریر نے ابوعبداللہ، ابن جُبیر ابن عطیہ وغیرہ سے نقل کیا ہے اس لئے اس سے مراد وہ مرد ہیں جو عورتوں کی طرف نہ کوئی رغبت و شہوت رکھتے ہیں، نہ ان کے اوصاف حُسن اور حالات سے کوئی دلچسپی رکھتے ہیں کہ دوسرے لوگوں سے بیان کر دیں بخلاف مخنث قسم کے لوگوں کے جو عورتوں کے اوصاف خاص سے تعلق رکھتے ہوں اُن سے بھی پردہ واجب ہے جیسا کہ صدیقہ عائشہؓ کی حدیث میں ہے کہ ایک مخنث ازواج مطہرات کے پاس آیا کرتا تھا اور اُمہات المومنین اس کو غَيْرِ اُولِى الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ جو اس آیت میں مذکور ہے داخل سمجھ کر اُس کے سامنے آ جاتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اُس کو دیکھا اور اُس کی باتیں سنیں تو گھروں میں داخل ہونے سے اس کو روک دیا (روح المعانی)

اسی لئے ابن حجر مکیؒ نے شرح منہاج میں فرمایا ہے کہ مرد اگرچہ عنین (نامرد) یا مجبوب (مقطوع العضو) یا بہت بوڑھا ہو وہ اس غیر اولی الاربۃ کے لفظ میں داخل نہیں ان سب سے پردہ واجب ہے۔ اس میں غیر اولی الاربۃ کے لفظ کے ساتھ جو التابعین کا لفظ مذکور ہے۔ اُس سے مراد یہ ہے کہ ایسے مغفل بدحواس لوگ جو طفیلی بن کر کھانے پینے کے لئے گھروں میں چلے جائیں وہ مستثنیٰ ہیں۔ اس کا ذکر صرف اس لئے کیا گیا کہ اس وقت ایسے مغفل قسم کے کچھ مرد ایسے ہی تھے جو طفیلی بن کر کھانے پینے کے لئے گھروں میں جاتے تھے اصل مدار حکم کا ان کے مغفل بدحواس ہونے پر ہے تابع اور طفیلی ہونے پر نہیں۔ واللہ اعلم۔

بارھویں قسم اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ ہے۔ اس سے مراد وہ نابالغ بچے ہیں جو ابھی بلوغ کے قریب بھی نہیں پہنچے اور عورتوں کے مخصوص حالات وصفات اور حرکات وسکنات سے بالکل بے خبر ہوں اور جو لڑکا ان امور سے دلچسپی لیتا ہو وہ مراہق یعنی قریب البلوغ ہے اُس سے پردہ واجب ہے (ابن کثیر) امام جصاصؒ نے فرمایا کہ یہاں طفل سے مراد وہ بچے ہیں جو مخصوص معاملات کے لحاظ سے عورتوں اور مردوں میں کوئی امتیاز نہ کرتے ہوں (ذکرہ عن المجاہد) پردہ سے مستثنیات کا بیان ختم ہوا۔ (معارف مفتی اعظم)

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ
یا اپنے ہاتھ کے مال کے

غلام اور باندی:

یعنی اپنی لونڈیاں (باندیاں) اور بعض سلف کے نزدیک مملوک غلام بھی اس میں داخل ہے اور ظاہر قرآن سے اسی کی تائید ہوتی ہے لیکن جمہور ائمہ اور سلف کا یہ مذہب نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلام سیدہ فاطمہ کو عطا فرمایا اور غلام کو ساتھ لے کر حضرت فاطمہ کے پاس تشریف لے گئے اس وقت حضرت سیدہ کے پاس صرف اتنا کپڑا تھا کہ اگر سر چھپاتی تھیں تو پاؤں کھلے رہتے تھے اور ٹانگیں چھپاتی تھیں تو سر تک کپڑا نہیں پہنچتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ملاحظہ فرمائی تو ارشاد فرمایا کوئی حرج نہیں (کوئی غیر نہیں ہے) صرف تمہارا باپ اور تمہارا غلام ہے۔ رواہ ابوداؤد۔ اس حدیث کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے وہ غلام چھوٹی عمر کا ہو۔ حدیث میں جو لفظ غلام آیا ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے (غلام کا معنی ہے لڑکا) (تفسیر مظہری)

اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ

یا کار بار کرنے والوں کے جو مرد کہ کچھ غرض نہیں رکھتے

یعنی کمیرے خدمتگار جو محض اپنے کام سے کام رکھیں اور کھانے سونے غرق ہوں، شوخی نہ رکھتے ہوں یا فاتر العقل پاگل جن کے حواس وغیرہ بھی ٹھکانے نہ ہوں، محض کھانے پینے میں گھر والوں کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مخنث وغیرہ: صحیح یہ ہے کہ خصی اور ذکر بریدہ نامحرم عورت کے معاملہ میں نر کا حکم رکھتے ہیں۔ ہدایہ میں ہے خصی نر قابل جماع ہوتا ہے اور ذکر بریدہ کی بھی یہی حالت ہوتی ہے مس کر سکتا ہے، رگڑ سکتا ہے اس کو انزال ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ زنانہ جو بدفعلیوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے زنانہ بن گیا ہو وہ بھی بدچلن نر ہوتا ہے یہ سب لوگ آیت قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ کے حکم میں داخل ہیں، آیت کا حکم ذکر بریدہ خصی اور مخنث کو بھی شامل ہے اور شمول قطعی ہے۔ اور آیت التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ میں ان ذکر بریدہ خصی وغیرہ کا شامل ہونا قطعی نہیں ہے اس لئے اول آیت میں جو نظریں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے وہ ان پر لاگو ہوگا۔

میں کہتا ہوں اصلی فطری خنثیٰ جس کے پاس آلہ مردانگی بھی ہوتا ہے اور شرمگاہ نسوانی بھی۔ اگر اس میں نسوانی علامات نمایاں ہوں، مثلاً عورتوں کی طرح پستان ہوں یا عورتوں کی مثل پستانوں میں دودھ اتر آئے، یا حیض آتا ہو یا حمل ہو، یا شرمگاہ نسوانی سے اس سے جماع کیا جا سکتا ہو تو ایسا خنثیٰ عورت کے حکم میں ہے۔ ورنہ مرد کا حکم اس پر لاگو ہوگا، عورتوں کے لئے اس کے سامنے اظہار زینت جائز نہ ہوگا۔ اور اگر خنثیٰ مشکل ہے تو محتاط طریقہ اختیار کیا جائے گا نہ وہ مردوں کے سامنے اپنا کشف کر سکے گا نہ عورتیں اس کے سامنے اپنی زینت کو نمایاں کر سکیں گی۔ واللہ اعلم۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت ام سلمہ کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ کے پاس موجود تھے اور گھر میں ایک مخنث بھی موجود تھا، مخنث نے حضرت ام سلمہ کے بھائی حضرت عبداللہ بن امیہ سے کہا عبداللہ! اگر کل کو اللہ تم کو طائف کی فتح عنایت فرما دے تو میں تم کو غیلان کی بیٹی کا پتہ بتاؤں گا، وہ چار کے ساتھ سامنے آتی ہے اور آٹھ کے ساتھ پیٹھ موڑ کر جاتی ہے (یعنی اس کے حسن کا یہ عالم ہے کہ جب وہ سامنے سے آتی ہے تو پیٹ پر چار شکنیں پڑتی دکھائی دیتی ہیں اور پشت پھیر کر واپس جاتی ہے تو آٹھ شکنیں نمودار ہوتی ہیں، چار دائیں پہلو کی طرف اور چار بائیں پہلو کی طرف) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ لوگ تمہارے پاس اندر نہ آئیں۔ (تفسیر مظہری)

اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ

یا لڑکوں کے جنہوں نے ابھی نہیں پہچانا عورتوں کے بھید کو

یا جن لڑکوں کو ابھی تک نسوانی سرائر کی کوئی تمیز نہیں، نہ نفسانی جذبات رکھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ

اور نہ ماریں زمین پر اپنے پاؤں کو کہ جانا جائے

مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ

جو چھپاتی ہیں اپنا سنگار

یعنی چال ڈھال ایسی نہ ہونی چاہئے کہ زیور وغیرہ کی آواز سے اجانب کو اُدھر میلان اور توجہ ہو۔ بسا اوقات اس قسم کی آواز صورت دیکھنے سے بھی زیادہ نفسانی جذبات کے لئے محرک ہو جاتی ہے۔

عورت عورت سے قرآن سیکھے:

بیضاوی نے النوازل میں صراحت کی ہے کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے۔ اسی پر یہ مسئلہ مبنی ہے کہ عورت کا عورت سے قرآن سیکھنا افضل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے ارشاد فرمایا کہ سبحان اللہ کہنا مردوں کے لئے ہے اور تالی بجانا عورتوں کے لئے۔ متفق علیہ۔

ابن ہمام نے لکھا ہے اسی وجہ سے اگر کہا جائے۔ کہ عورت نماز میں اگر جہری قرأت کرے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ تو اس کی بنیاد معقول ہے امام کو نماز میں اگر سہو ہو جائے تو اس کو متنبہ کرنے کے لئے بجائے اس کے کہ عورت آواز سے سبحان اللہ کہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تالی بجا دینے کا حکم دیا۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا قدم بھی عورت ہے۔ (تفسیر مظہری)

اپنی مخفی زینت کا اظہار خواہ کسی ذریعہ سے ہو وہ بھی جائز نہیں۔ زیور کے اندر خود کوئی چیز ایسی ڈالی جائے جس سے وہ بجنے لگے یا ایک زیور دوسرے زیور سے ٹکرا کر بجے یا پاؤں زمین پر اس طرح مارے جس سے زیور کی آواز نکلے اور غیر محرم مرد سنیں یہ سب چیزیں اس آیت کی رو سے ناجائز ہیں۔ اور اسی وجہ سے بہت سے فقہاء نے فرمایا کہ جب زیور کی آواز غیر محرموں کو سنانا اس آیت سے ناجائز ثابت ہوا تو خود عورت کی آواز کا سنانا اس سے بھی زیادہ سخت اور بدرجۂ اولی ناجائز ہوگا اس لئے عورت کی آواز کو بھی ان حضرات نے ستر میں داخل قرار دیا ہے اور اسی بنا پر نوازل میں فرمایا کہ عورتوں کو جہاں تک ممکن ہو قرآن کی تعلیم بھی عورتوں ہی سے لینا چاہئے۔ مردوں سے تعلیم لینا بدرجہ مجبوری جائز ہے۔

صحیح بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ نماز میں اگر کوئی سامنے سے گزرنے لگے تو مرد کو چاہئے کہ بلند آواز سے سبحان اللہ کہہ کر گزرنے والے کو متنبہ کر دے مگر عورت آواز نہ نکالے بلکہ اپنی ایک ہتھیلی کی پشت پر دوسرا ہاتھ مار کر اس کو متنبہ کرے۔

حنفیہ کے نزدیک عورت کی اذان مکروہ ہے لیکن حدیث سے ثابت ہے کہ ازواج مطہرات نزولِ حجاب کے بعد بھی پس پردہ غیر محارم سے بات کرتی تھیں اس مجموعہ سے راجح اور صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس موقع اور جس محل میں عورت کی آواز سے فتنہ پیدا ہونے کا خطرہ ہو وہاں ممنوع ہے جہاں یہ نہ ہو جائز ہے (بصاص) اور احتیاط اسی میں ہے کہ بلا ضرورت عورتیں پس پردہ بھی غیر محرموں سے گفتگو نہ کریں۔ واللہ اعلم۔

خوشبو لگا کر باہر نکلنا:

اس حکم میں یہ بھی داخل ہے کہ عورت جب بضرورت گھر سے باہر نکلے تو خوشبو لگا کر نہ نکلے کیونکہ وہ بھی اس کی مخفی زینت ہے غیر محرم تک یہ خوشبو پہنچے تو ناجائز ہے۔ ترمذی میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث ہے جس میں خوشبو لگا کر باہر جانے والی عورت کو بُرا کہا گیا ہے۔

مزین برقع پہن کر نکلنا بھی ناجائز ہے۔

وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ
اور توبہ کرو اللہ کے آگے سب مل کر اے ایمان والو
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾
تاکہ تم بھلائی پاؤ

آئندہ کیلئے توبہ کرلو:

یعنی پہلے جو کچھ حرکات ہو چکیں اُن سے توبہ کرو اور آئندہ کے لئے ہر مرد و عورت کو خدا سے ڈر کر اپنی تمام حرکات وسکنات اور چال چلن میں انابت اور تقویٰ کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ اسی میں دارین کی بھلائی اور کامیابی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اور اے مسلمانو تم سب کے سب اللہ سے توبہ کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے اوامر و نواہی کی تعمیل میں کوتاہی ہر شخص سے ہوتی ہے اس لئے سب کو توبہ کرنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام بنی آدم خطاوار ہیں اور خطاواروں میں سب سے اچھے توبہ کرنے والے ہیں۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی۔

بعض اہل تفسیر نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ سورۂ نور میں اللہ نے جن اخلاق و آداب کو اختیار کرنے یا نہ کرنے کی تم کو ہدایت کی ہے اس کی تعمیل کی طرف رجوع کرو۔

بعض نے کہا جاہلیت کے زمانہ میں تم جو کچھ کرتے تھے اس سے توبہ کرو، اسلام کی وجہ سے اگرچہ پچھلے دور کفر کے اعمال قابل مواخذہ نہیں رہے، لیکن جب بھی ان بداعمالیوں کی یاد آجائے ان پر ندامت تو بہر حال واجب ہی ہے اور ان کو دوبارہ اختیار نہ کرنے کا پکا ارادہ لازم ہی ہے۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

فلاح دارین توبہ ہی سے وابستہ ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس شخص کے لئے خوشی ہے جو اپنے اعمالنامے میں بکثرت استغفار پائیگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توبہ واستغفار:

حضرت ابن عمر کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے لوگو اپنے رب کی طرف رجوع کرو۔ میں ہر روز سو بار اپنے رب کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم میں دن میں ستر بار سے زیادہ اپنے رب سے معافی مانگتا اور توبہ کرتا ہوں۔ رواہ البخاری۔

اعرابی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ میرے دل پر کثافت آجاتی ہے اور میں دن میں سو مرتبہ اللہ سے استغفار اور توبہ کرتا ہوں۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابن عمر کا بیان ہے ہم گنتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مجلس میں سو بار فرماتے تھے رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ وابوداؤد۔ (تفسیر مظہری)

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ
اور نکاح کر دو رانڈوں کا اپنے اندر

بیوہ، رنڈوں اور غیر شادی شدہ کا نکاح کرو:

اوپر استیذان، غض بصر اور تستر وغیرہ کے احکام بیان ہوئے تھے، تاکہ بے حیائی اور بدکاری کی روک تھام کی جائے۔ اس آیت میں یہ حکم دیا کہ جن کا نکاح نہیں ہوا یا ہوکر بیوہ اور رنڈوے ہو گئے تو موقع مناسب ملنے پر اُن کا نکاح کر دیا کرو۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے علی! تین کاموں میں دیر نہ کر، نماز فرض کا جب وقت آجائے، جنازہ جب موجود ہو اور رانڈ عورت جب اس کا کفول جائے۔" جو تو میں رانڈوں کے نکاح پر ناک بھوں چڑھاتی ہیں سمجھ لیں کہ اُن کا ایمان سلامت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بقاءِ نسل کا عقلی اور شرعی تقاضا بھی یہی ہے کہ کچھ حدود کے اندر رہ کر مرد و عورت کے اختلاط کی کوئی صورت تجویز کی جائے۔ اسی کا نام قرآن وسنت کی اصطلاح میں نکاح ہے۔ آیت مذکورہ میں اس کے متعلق حرہ عورتوں کے اولیاء اور کنیزوں غلاموں کے آقاؤں کو حکم دیا ہے کہ وہ اُن کا نکاح کر دیا کریں۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ الآیۃ، ایامیٰ ایم کی جمع ہے جو ہر اس مرد و عورت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جس کا نکاح موجود نہ ہو۔ خواہ اول ہی سے نکاح نہ کیا ہو یا زوجین میں سے کسی ایک کی موت سے یا طلاق سے نکاح ختم ہو چکا

ہو۔ ایسے مردوں وعورتوں کے نکاح کے لئے اُن کے اولیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اُن کے نکاح کا انتظام کریں۔

نکاح کرنے کا مسنون طریقہ:

آیت مذکورہ کے طرز خطاب سے اتنی بات تو باتفاق ائمہ فقہاء ثابت ہے کہ نکاح کا مسنون اور بہتر طریقہ یہی ہے کہ خود اپنا نکاح کرنے کے لئے کوئی مرد یا عورت بلا واسطہ اقدام کے بجائے اپنے اولیاء کے واسطے سے یہ کام انجام دے اس میں دین ودنیا کے بہت سے مصالح اور فوائد ہیں۔ خصوصاً لڑکیوں کے معاملہ میں کہ لڑکیاں اپنے نکاح کا معاملہ خود طے کریں، یہ ایک قسم کی بے حیائی بھی ہے اور اس میں فواحش کے راستے کھل جانے کا خطرہ بھی، اسی لئے بعض روایاتِ حدیث میں عورتوں کو خود اپنا نکاح بلا واسطہ ولی کرنے سے روکا بھی گیا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک یہ حکم ایک خاص سنت اور شرعی ہدایت کی حیثیت میں ہے اگر کوئی بالغ لڑکی اپنا نکاح بغیر اجازت ولی کے اپنے کفو میں کرے تو نکاح صحیح ہوجائے گا اگرچہ خلاف سنت کرنے کی وجہ سے وہ موجب ملامت ہوگی جبکہ اس نے کسی مجبوری سے اس پر اقدام نہ کیا ہو۔

لفظ ایامیٰ میں بالغان مرد وعورت دونوں داخل ہیں اور بالغ لڑکوں کا نکاح بلا واسطہ ولی سب کے نزدیک صحیح ہوجاتا ہے اس کو کوئی باطل نہیں کہتا۔ اسی طرح ظاہر یہ ہے کہ لڑکی بالغ اگر اپنا نکاح خود کرے تو وہ بھی صحیح اور منعقد ہوجائے ہاں خلاف سنت کام کرنے پر ملامت دونوں کو کی جائے گی۔

نکاح واجب ہے یا سنت یا مختلف حالات میں حکم مختلف ہے:

اس پر ائمہ مجتہدین تقریباً سبھی متفق ہیں کہ جس شخص کو نکاح نہ کرنے کی صورت میں غالب گمان یہ ہو کہ وہ حدودِ شریعت پر قائم نہیں رہ سکے گا گناہ میں مبتلا ہوجائے گا اور نکاح کرنے پر اس کو قدرت بھی ہو کہ اس کے وسائل موجود ہوں تو ایسے شخص پر نکاح کرنا فرض یا واجب ہے جب تک نکاح نہ کرے گا گنہگار رہے گا۔

مسند احمد میں روایت ہے کہ حضرت عکافؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تمہاری زوجہ ہے انہوں نے عرض کیا نہیں۔ پھر پوچھا کوئی شرعی لونڈی ہے کہا کہ نہیں پھر آپ نے دریافت کیا کہ تم صاحب وسعت ہو یا نہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ صاحب وسعت ہوں، مراد یہ تھی کہ کیا تم نکاح کے لئے ضروری نفقات کا انتظام کرسکتے ہو جس کے جواب میں انہوں نے اقرار کیا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تو تم شیطان کے بھائی ہو اور فرمایا کہ ہماری سنت نکاح کرنا ہے۔ تم میں بدترین آدمی وہ ہیں جو بے نکاح ہوں اور تمہارے مُردوں میں سب سے رذیل وہ ہیں جو بے نکاح مرگئے۔ (مظہری) اس روایت کو بھی جمہور فقہاء نے اسی حالت پر محمول فرمایا ہے جبکہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں گناہ کا خطرہ غالب ہو۔ عکافؓ کا حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوگا کہ وہ صبر نہیں کرسکتے۔

اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک نکاح میں عبادت کا پہلو بہ نسبت دوسرے مباحات کے غالب ہے احادیث صحیحہ میں اُس کو سنت المرسلین اور اپنی سنت قرار دے کر تاکیدات بکثرت آئی ہیں، اُن روایات حدیث کے مجموعہ سے اتنا واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ نکاح عام مباحات کی طرح مُباح نہیں بلکہ سنتِ انبیاء ہے جس کی تاکیدات بھی حدیث میں آئی ہیں۔ صرف نیت کی وجہ سے عبادت کی حیثیت اس میں نہیں بلکہ سنتِ انبیاء ہونے کی حیثیت سے بھی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اس طرح تو کھانا پینا سونا بھی سنتِ انبیاء ہے کہ سب نے ایسا کیا ہے مگر جواب واضح ہے کہ ان چیزوں پر سب انبیاء کا عمل ہونے کے باوجود یہ کسی نے نہیں کہا نہ کسی حدیث میں آیا کہ کھانا پینا اور سونا سنتِ انبیاء ہے بلکہ اس کو عام انسانی عادت کے تابع انبیاء کا عمل قرار دیا ہے بخلاف نکاح کے کہ اس کو صراحۃً سنت المرسلین اور اپنی سُنت فرمایا ہے۔

تفسیر مظہری میں اس موقع پر ایک معتدل بات یہ کہی ہے کہ جو شخص حالت اعتدال میں ہو کہ نہ غلبۂ شہوت سے مجبور ومغلوب ہو اور نہ نکاح کرنے سے کسی گناہ میں پڑنے کا اندیشہ رکھتا ہو یہ شخص اگر یہ محسوس کرے کہ نکاح کرنے کے باوجود نکاح اور اہل وعیال کی مشغولیت میرے لئے کثرت ذکر اللہ اور توجہ الی اللہ سے مانع نہیں ہوگی تو اس کے لئے نکاح افضل ہے اور انبیاء علیہم السلام اور صلحاء اُمت کا عام حال یہی تھا۔ اور اگر اس کا اندازہ یہ ہے کہ نکاح اور اہل وعیال کے مشاغل اس کو دینی ترقی، کثرت ذکر وغیرہ سے روک دیں گے تو بحالتِ اعتدال اس کے لئے عبادت کے لئے خلوت گزینی اور ترکِ نکاح افضل ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

صدیق اکبرؓ کا قول ہے کہ تم نکاح کے بارے میں خدا کا حکم مانو وہ تم سے اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں امیری کو نکاح میں طلب کرو۔

تین آدمی جن کی مدد ضرور ہوتی ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تین قسم کے لوگوں کی مدد کا اللہ تعالیٰ کے ذمہ حق ہے نکاح کرنے والا جو حرام کاری سے بچنے کی نیت سے نکاح کرے، وہ لکھت لکھ دینے والا غلام جس کا ارادہ ادائیگی کا ہو، وہ غازی جو خدا تعالیٰ کی راہ میں نکلا ہو (ترمذی وغیرہ)

ایک بے سروسامان آدمی کا نکاح:

اسی کی تائید میں وہ روایت ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کا نکاح ایک عورت سے کرادیا جس کے پاس بجز تہمد کے اور کچھ نہ تھا یہاں تک کہ لوہے کی انگوٹھی بھی اس کے پاس سے نہیں نکلی تھی۔

باوجود اس فقیری اور مفلسی کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نکاح کرادیا اور مہر یہ ٹھہرایا کہ جو قرآن اسے یاد ہے اپنی بیوی کو یاد کرادے۔

اسلام میں سب سے پہلی قسطیں:

حضرت عمرؓ کے غلام ابوامیہؓ نے مکاتبہ کیا تھا۔ جب وہ اپنی رقم کی پہلی قسط لے کر آیا تو آپ نے فرمایا جاؤ اپنی اس رقم میں دوسروں سے بھی مدد طلب کرو۔ اس نے جواب دیا کہ امیرالمومنین! آپ آخری قسط تک تو مجھے ہی محنت کرنے دیجئے۔ فرمایا نہیں مجھے ڈر ہے کہ کہیں خدا تعالیٰ کے اس فرمان کو ہم چھوڑ نہ بیٹھیں کہ انہیں کا وہ مال دو جو اس نے تمہیں دے رکھا ہے پس یہ پہلی قسطیں تھیں جو اسلام میں ادا کی گئیں ابن عمرؓ کی عادت تھی کہ شروع شروع میں آپ نہ کچھ دیتے تھے نہ معاف فرماتے تھے۔ کیونکہ خیال ہوتا تھا کہ ایسا نہ ہو آخر میں یہ رقم پوری نہ کر سکے تو میرا دیا ہوا مجھے ہی واپس آ جائے۔ ہاں آخری قسطیں ہوتیں تو جو چاہتے اپنی طرف سے معاف کر دیتے۔

حفاظتِ عصمت کا نسخہ:

عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ جو مرد کسی عورت کو دیکھے اور اس کے دل میں خواہش پیدا ہوا سے چاہیے کہ اگر اس کی بیوی موجود ہو تو اس کے پاس چلا جائے ورنہ خدا تعالیٰ کی خدائی میں نظریں ڈالے اور صبر کرے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ اسے غنی کر دے۔

وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ
اور جو نیک ہوں تمہارے غلام اور لونڈیاں

لونڈیوں اور غلاموں کا نکاح:

یعنی لونڈی غلام کو اگر اس لائق سمجھو کہ حقوق زوجیت ادا کر سکیں گے اور نکاح ہو جانے پر مغرور ہو کر تمہاری خدمت نہ چھوڑ بیٹھیں گے تو اُن کا بھی نکاح کر دو۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ صالحین سے مراد ہیں وہ لوگ جن میں نکاح کرنے اور حقوق نکاح ادا کرنے کی صلاحیت واہلیت ہو۔

مسئلہ: اگر جوش صنفی غالب ہو، اور حرام میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو نکاح واجب ہے صاحب نہایہ نے لکھا ہے اگر زنا میں مبتلا ہو جانے کا ڈر ہو اور رکنے پر قدرت نہ ہو تو ایسی حالت میں نکاح فرض ہے۔ ابن ہمام نے لکھا ہے اگر ایسا قوی اندیشہ ہو کہ نکاح نہ کرے گا تو اپنے پر قابو نہ پا سکے گا۔ یقیناً حرام میں مبتلا ہو جائے گا تو نکاح فرض ہے اور اگر مغلوبیت اس حد تک نہ ہو بلکہ جوش کی وجہ سے مبتلاء معصیت ہو جانے کا خطرہ ہو تو نکاح واجب ہے لیکن یہ وجوب اس وقت ہے جب حقوقِ نکاح ادا کرنے کا یقین ہو نکاح کے بعد حق تلفی کا اندیشہ نہ ہو، اگر لوازم نکاح ادا نہ کر سکنے کا خوف ہو تو نکاح مکروہ ہے۔ ابن ہمام نے یہ بھی لکھا ہے کہ حق تلفی کا خوف بھی تفصیل طلب ہے اگر فریضۂ نکاح کے تلف ہونے کا یقین ہو تو نکاح حرام ہے اگر حق تلفی کا خطرہ ہو یقین نہ ہو تو نکاح مکروہ تحریمی ہے۔

بدائع میں ذکر کیا گیا ہے جوش شہوانی (کے وقت) جو نکاح فرض ہو جاتا ہے اس کے لئے یہ شرط بھی ضروری ہے کہ بقدر مہر معجّل ادا کرنے اور نفقہ برداشت کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔ اگر جوش شہوانی کے ساتھ یہ شرطیں بھی موجود ہوں اور نکاح نہ کرے تو گناہگار ہوگا۔

بغیر نکاح رہنے کی ممانعت:

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ مجرد رہنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ رواہ الترمذی وابن ماجۃ۔

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عکاف سے فرمایا کیا تیری بیوی ہے عکاف نے کہا نہیں فرمایا اور کوئی باندی بھی نہیں ہے۔ عکاف نے کہا نہیں۔ فرمایا تو خوش حال (مالدار) بھی ہے عکاف نے کہا میں فراخ حال ہوں (مالدار ہوں) فرمایا تب تو تو شیطان کے بھائیوں میں سے ہے۔

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہماری سنت (طریقہ) نکاح ہے تم میں جو لوگ مجرد ہیں وہ بُرے لوگ ہیں اور جو مجرد ہونے کی حالت میں مر گئے وہ بہت رذیل مردے ہیں۔ رواہ احمد۔

حضرت انسؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کرنے کا حکم دیتے تھے اور مجرد رہنے کی سختی کے ساتھ ممانعت فرماتے تھے اور ارشاد فرماتے تھے اس عورت سے نکاح کرو جو شوہر سے بہت زیادہ محبت کرنے والی اور بکثرت بچے پیدا کرنے والی ہو۔ میں قیامت کے دن متقی لوگوں کے مقابلے میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔ رواہ احمد وابوداؤد والنسائی۔

خطاب سرپرستوں کو ہے کہ اگر ایامیٰ نکاح کرنا چاہیں تو وہ نکاح نہ روکیں نکاح فرض عین نہیں ہے اس پر اجماع امت ہے۔ بعض کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے بعض کے نزدیک مستحب لیکن سنت یا مستحب ہونا صرف اس شرط کے ساتھ ہے کہ جماع پر قدرت رکھتا ہو بیوی کا خرچ اٹھا سکتا ہے اور حق تلفی کا اس کو خطرہ نہ ہو ان میں سے اگر کوئی شرط مفقود ہو تو نکاح مکروہ ہے یا حرام۔

جوانوں کو حکم:

عملی سنت ہونے کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوامی عمل سے ملتا ہے اور قولی سنت کے ثبوت کے لئے یہ حدیث کافی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے گروہ جواناں تم میں سے جو شخص نکاح کی طاقت رکھتا ہے وہ نکاح کرلے اور جس میں (مالی) استطاعت نہ ہو وہ روزے رکھے، روزہ اس

کے لئے شہوت شکن ہے۔ (خصی بننے کی ضرورت نہیں، روزہ خود ایسا ہی شہوت شکن ہے جیسے خصی ہونا، متفق علیہ من حدیث ابن مسعود۔

نکاح میری سنت ہے:

ابن ماجہ نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نکاح میری سنت ہے، جس نے میری سنت پر عمل نہیں کیا وہ مجھ سے (متعلق) نہیں ہے۔ (یعنی میری تعلیم سے اس کا تعلق نہیں) نکاح کرو۔ دوسری امتوں کے مقابلہ میں، میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔ جو استطاعت رکھتا ہو اس کو نکاح کرنا چاہیے جو استطاعت نہ رکھتا ہو اس کو روزہ رکھنا ضروری ہے۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی عیسیٰ بن میمون ہے اور یہ راوی ضعیف ہے۔

پیغمبروں کی چار سنتیں:

صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت سے آیا ہے کہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) میں روزے رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے (یعنی وہ میرا نہیں مجھ سے اس کا تعلق نہیں ہے)

ترمذی نے ایوب کی روایت سے لکھا ہے کہ پیغمبروں کی چار سنتیں ہیں۔ حیاء، خوشبو کا استعمال، مسواک اور نکاح۔

ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص طاہر اور مطہر ہونے کی حالت میں اللہ سے ملنے کا خواستگار ہو اس کو آزاد عورتوں سے نکاح کرنا چاہیئے۔

بعض صحابہ کے جذبات کی اصلاح:

شیخین نے صحیحین میں بیان کیا ہے کہ چند صحابہ نے امہات المومنین سے (اندرونِ خانہ) پوشیدگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کے متعلق دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ گھر کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اوقات غیر معمولی عبادت میں نہیں گزرتے تھے، آپ سوتے بھی تھے عبادت بھی کرتے تھے تو کہنے لگے ہم میں سے کون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہوسکتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فروگذاشتیں تو اللہ نے پہلے ہی سے معاف فرمادی ہیں۔ ایک صاحب بولے، میں تو عورتوں سے قربت ہی چھوڑ دوں گا، دوسرے نے کہا میں گوشت نہیں کھاؤں گا، تیسرے کہنے لگے میں بستر پر نہیں سوؤں گا، اس گفتگو کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچ گئی دوسرے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تقریر کی اور خطبہ میں حمد وثناء کے بعد فرمایا کیا وجہ کہ کچھ لوگوں نے ایسی باتیں کیں، میں تو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں روزہ بھی رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے (متعلق) نہیں ہے۔

اس امت کے سب سے افضل آدمی:

بخاری نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے ابن عباسؓ نے فرمایا، نکاح کرو۔ اس امت کے سب سے افضل آدمی کی بیبیاں بہت تھیں، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو سب سے افضل تھے آپ کی بیبیاں بھی بہت تھیں اور بیبیوں کی کثرت نے آپ کے مرتبہ کی عظمت کم نہیں کی۔ اوپر گزر چکا ہے کہ مجرد رہنے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ممانعت فرمائی ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہؒ کی تحقیق:

میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ جو شخص اپنے لئے نکاح کرنے اور اہل و عیال سے تعلق رکھنے کو تعلق باللہ رکھنے میں رکاوٹ نہیں سمجھتا اس کو اپنے اوپر اتنا قابو ہے کہ باوجود ان مشاغل کے عبادت اور ذکر اللہ کی کثرت اور تعمیر اوقات میں اس کے کوئی فرق نہیں آسکتا تو اس کے لئے نکاح افضل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر انبیاء، صحابہ کرام اور بیشتر علمائے صالحین اسی درجہ پر فائز تھے، باوجود کثرت موانع کے ان بزرگوں کے مجاہدے میں کوئی فرق نہیں آسکتا تھا ان کا مرتبہ یقیناً بہت اونچا تھا اور ان کا ثبات فکر ونظر نہایت پختہ تھا اور ان کا عملی جہاد نفس سب عوائق وموانع پر غالب تھا۔ لیکن جو شخص اپنے آپ کو اتنا راسخ القدم نہیں سمجھتا وہ ڈرتا ہے کہ نکاح کرنے اور اہل وعیال کی پرورش میں مشغول ہونے سے اس کے تعمیری اوقات میں فرق آجائے گا، اس کے دل کی دنیا اجاڑ ہوجائے گی وہ پراگندہ خاطر ہوکر ذکر اللہ کی کثرت نہ کرسکے گا اور انقطاع کلی میں رخنہ پیدا ہوجائے گا۔ اس کے لئے ترک نکاح افضل ہے لیکن یہ ترک کی افضلیت اس وقت ہے جب اس کو زنا میں مبتلا ہوجانے کا اندیشہ نہ ہو۔ اللہ نے ذکر خدا اور تعلق باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ پر زور دیتے ہوئے تمام پرکشش اسباب دنیا اور پرفریب جذبات قرابت سے مغلوب نہ ہونے کی تعلیم دی ہے اور فرمایا ہے۔

مسلم نے حضرت عمرو بن العاص کی روایت سے مرفوعاً بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا متاع (فائدہ اندوزی کی چیز) ہے اور دنیا کے متاع میں صالح عورت سب سے اچھی متاع ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نکاح دنیاوی امور میں سے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اللہ کے) فرض کے بعد حلال کی طلب بھی فرض ہے رواہ الطبرانی والبیہقی عن ابن مسعودؓ۔

طبرانی نے حضرت انس بن مالک کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ بھی بیان کی ہے کہ حلال کی طلب ہر مسلمان پر واجب ہے۔ بقائے نسل کے لئے نکاح جس طرح فرض کفایہ ہے (تاکہ مسلمانوں کی نسل دنیا میں ختم نہ ہو) اسی طرح بقدر بقائے زندگی کھانا پینا ہر شخص پر فرض عین ہے او

رتجارت زراعت وغیرہ دوسرے معاملات اور پیشے فرض کفایہ ہیں۔ اگر سب لوگ ان کو چھوڑ دیں گے تو معاشی انتظام درہم برہم ہو جائے گا اور دینی نظم بھی بگڑ جائے گا (اور سب گناہگار ہوں گے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ امانت دار سچا تاجر (قیامت کے دن) انبیاء اور صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا، رواہ الترمذی عن ابی سعید الخدری وحسنہ وابن ماجہ من حدیث ابن عمر۔

بغوی نے شرح السنۃ میں حضرت انس کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ لیکن (نکاح ہو یا تجارت یا زراعت یا کھانا پینا) ان تمام امور کی خوبی (یعنی عبادت ہو جانا) بالغیر ہے (حسن نیت کی وجہ سے یہ امور عبادت بن جاتے ہیں) اور ذکر خداوندی اور سب سے کٹ کر اللہ سے لو لگانا فی نفسہ عبادت ہیں ان کی خوبی ذاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ نوافل کی وجہ سے برابر میرا مقرب ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، الحدیث رواہ البخاری۔ اس حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ میرا بندہ نکاح یا کھانے پینے سے برابر میرا اقرب حاصل کرتا جاتا ہے۔ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس وحی نہیں آئی کہ میں مال جمع کروں اور تاجروں میں سے ہو جاؤں بلکہ یہ وحی آئی ہے کہ اپنے رب کی تسبیح و تحمید کروں اور سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو جاؤں۔ رواہ البغوی فی تفسیر سورۃ الحجر۔

تمام پیغمبروں کی شریعتوں میں نکاح کرنا مجرد رہنے سے افضل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار چیزوں کو سنن انبیاء میں شمار کیا ہے ان چار چیزوں میں ایک نکاح کو بھی شامل کیا ہے۔ آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ موسیٰؑ، ہارونؑ، ایوبؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، زکریاؑ وغیرہم سب ہی نے نکاح کئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، مسلمانوں کا بہترین مال وہ بکریاں ہیں جن کو ہنکا کر وہ پہاڑ کی چوٹی پر لے جائے (اور سب سے الگ ہو جائے) تاکہ فتنوں سے اپنے دین کو بچا کر بھاگ جائے۔ رہبانیت سے مراد ہے ان جائز امور کو ترک کر دینا جن کو ترک کرنے کا کوئی ثواب نہیں، جیسے نکاح کا ترک کر دینا بستر پر سونا ترک کر دینا، گوشت ترک کر دینا، ہمیشہ چپ رہنا اور کلام کو ترک کر دینا، جیسے نصاریٰ کے راہب کیا کرتے تھے، اللہ نے فرمایا ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ شریعت میں ممانعت اسی اختراعی خود ساختہ رہبانیت کی ہے۔ جائز شرعی رہبانیت کی ممانعت نہیں ہے۔ صحابہ کرام کی تعریف میں حدیث میں آیا ہے وہ رات میں راہب اور دن میں شیر تھے۔

گویا آیت یہ تعلیم دے رہی ہے کہ اگر غلام آقا سے یا بالغ عورت سرپرست سے اپنا نکاح کرانے کی درخواست کرے تو آقا اور ولی پر ان کا نکاح کرا دینا واجب ہے یہ مطلب امام شافعی کے مسلک پر ہوگا اور ان لوگوں کے نزدیک بھی آیت کا یہی مفہوم ہوگا جو عورتوں کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ سے نکاح کو جائز نہیں قرار دیتے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک تو آیت کا مقصد صرف یہ ہے کہ سرپرست لوگ عورتوں کو نکاح سے نہ روکیں یہی مفہوم آیت فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ کا ہے۔

مناسب رشتہ آئے تو نکاح کر دو:

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر تمہارے پاس کوئی ایسا شخص پیام نکاح بھیجے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے (اپنی بہن، بیٹی یا عزیزہ کا) نکاح کر دو اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین پر فتنہ اور لمبا چوڑا بگاڑ پیدا ہو جائے گا (رسوائی ذلت اور زناکاری کا برا نتیجہ پیدا ہوگا) رواہ الترمذی۔

اولاد کا نکاح نہ کرنے کا نقصان:

حضرت عمر بن خطابؓ اور انس بن مالک راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، توریت میں لکھا ہوا تھا کہ جس کی بیٹی بارہ سال کی ہو جائے اور وہ اس کا نکاح نہ کرے اس حالت میں اگر لڑکی کسی گناہ کا ارتکاب کر لے تو گناہ نکاح نہ کرنے والے پر پڑے گا۔

حضرت ابوسعید اور حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کے لڑکا ہو وہ لڑکے کا اچھا نام رکھے اور اچھی تہذیب سکھائے، جوان ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے، اگر بالغ ہو جانے کے بعد اس کا نکاح نہیں کرے گا اور وہ کوئی گناہ کر بیٹھے گا تو اس کا گناہ باپ پر ہوگا، دونوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں بیان کی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

غلام اور باندیاں نکاح کے قابل ہوں تو انکے نکاح میں رکاوٹ نہ ڈالو

وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ یعنی اپنے غلاموں اور کنیزوں میں جو صالح ہوں، اُن کے نکاح کرا دیا کرو۔ یہ خطاب اُن کے آقاؤں اور مالکوں کو ہے اس جگہ صالحین کا لفظ اپنے لغوی معنے میں آیا ہے یعنی ان میں جو شخص نکاح کی صلاحیت و استطاعت رکھتا ہو اس کا نکاح کرا دینے کا حکم ان کے آقاؤں کو دیا گیا ہے مراد اس صلاحیت سے وہی ہے کہ بیوی کے حقوق زوجیت اور نفقہ و مہر معجّل ادا کرنے کے قابل ہوں۔ اور اگر صالحین کو معروف

یعنی نیک لوگوں کے معنے میں لیا جائے تو پھر ان کی تخصیص بالذکر اس وجہ سے ہوگی کہ نکاح کا اصل مقصد حرام سے بچنے کا وہ صالحین ہی میں ہوسکتا ہے۔

بہر حال اپنے غلاموں اور کنیزوں میں جو صلاحیت نکاح کی رکھنے والے ہوں ان کے نکاح کا حکم ان کے آقاؤں کو دیا گیا ہے اور مُراد اس سے یہ ہے کہ اگر وہ اپنی نکاح کی ضرورت ظاہر کریں اور خواہش کریں کہ اُن کا نکاح کر دیا جائے تو آقاؤں پر بعض فقہاء کے نزدیک واجب ہوگا کہ ان کے نکاح کر دیں اور جمہور فقہاء کے نزدیک اُن پر لازم ہے کہ ان کے نکاح میں رکاوٹ نہ ڈالیں بلکہ اجازت دے دیں کیونکہ مملوک غلاموں اور کنیزوں کا نکاح بغیر مالکوں کی اجازت کے نہیں ہوسکتا۔ تو یہ حکم ایسا ہی ہوگا جیسا کہ قرآن کریم کی ایک آیت میں ہے فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ یعنی عورتوں کے اولیاء پر لازم ہے کہ اپنی زیر ولایت عورتوں کو نکاح سے نہ روکیں اور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص منگنی لے کر آئے اور اخلاق آپ کو پسند ہوں تو ضرور نکاح کر دو اگر ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور وسیع پیمانے کا فساد پیدا ہو جائے گا۔ (رواہ الترمذی)

خلاصہ یہ ہے کہ یہ حکم آقاؤں کو اس لئے دیا گیا کہ وہ اجازت نکاح دینے میں کوتاہی نہ کریں خود نکاح کرانا ان کے ذمہ واجب ہو یہ ضروری نہیں۔ واللہ اعلم۔

اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ
اگر وہ ہوں گے مُفلس اللہ اُن کو غنی کر دے گا اپنے فضل سے

رزق کے خوف سے نکاح ترک نہ کرو:

بعض لوگ نکاح میں اس لئے پس وپیش کیا کرتے ہیں کہ نکاح ہو جانے کے بعد بیوی بچوں کا بار کیسے اُٹھے گا۔ انہیں سمجھا دیا کہ ایسے موہوم خطرات پر نکاح سے مت رُکو۔ روزی تمہاری اور بیوی بچوں کی اللہ کے ہاتھ میں ہے کیا معلوم ہے کہ خدا چاہے تو ان ہی کی قسمت سے تمہارے رزق میں کشائش کر دے۔ نہ مجرد رہنا غنا کا موجب ہے اور نہ نکاح کرنا فقر وافلاس کو مستلزم ہے۔ یہ باتیں حق تعالیٰ کی مشیت پر ہیں جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا۔ وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً فَسَوْفَ یُغْنِیْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ اِنْ شَآءَ (توبہ۔ رکوع ۴) اور ظاہری اسباب کے اعتبار سے بھی یہ چیز معقول ہے کہ نکاح کر لینے یا ایسا ارادہ کرنے سے آدمی پر بوجھ پڑتا ہے اور وہ پہلے سے بڑھ کر کمائی کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ اُدھر بیوی اور اولاد ہو جائے تو وہ بلکہ بعض اوقات بیوی کے کنبہ والے بھی کسب معاش میں اس کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ بہر حال روزی کی تنگی یا وسعت نکاح یا تجرد پر موقوف نہیں۔ پھر یہ خیال نکاح سے مانع کیوں ہو۔ (تفسیر عثمانی)

نکاح کے ذریعہ اللہ کا فضل تلاش کرو:

حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا، نکاح کے سلسلہ میں اللہ کے حکم کی تعمیل کرو، اللہ نے جو تم سے غنی بنا دینے کا وعدہ کیا ہے وہ اس کو پورا کرے گا۔ اللہ نے فرمایا ہے اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ حضرت قتادہ کا بیان ہے، حضرت عمر بن خطاب کا فرمان ہم سے نقل کیا گیا ہے۔ میں نے اس شخص کی طرح (عجیب آدمی) نہیں دیکھا جو نکاح کے ذریعہ غنا کا طلبگار نہیں ہوتا۔ حالانکہ اس سلسلہ میں اللہ نے وعدہ فرمایا ہے وہ فرماتا ہے نکاح کے ذریعے سے غنا طلب کرو۔ نکاح کر کے ہی اللہ کے فضل کے خواستگار بنو۔ اس کے بعد آپ نے یہی آیۃ تلاوت فرمائی۔

بزار خطیب اور دار قطنی نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عورتوں سے نکاح کرو۔ وہ خود مال لے کر آئیں گی (یعنی نکاح کے بعد اللہ تمہارے لئے فراخ دستی کے دروازے کھول دے گا) رواہ ابوداؤد فی مراسیلہ مرسلا عن عروۃ۔

ثعلبی اور دیلمی مؤلف مسند الفردوس نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے نکاح کے ذریعہ سے رزق کی تلاش کرو۔

میں کہتا ہوں شاید یہ وعدہ ان لوگوں کے لئے ہے جو نکاح کے ذریعہ سے پاک دامن رہنے کے خواستگار ہوتے ہیں اور رزق کا بھروسہ اللہ پر رکھتے ہیں۔ ذیل کی آیت سے اس کی تائید ہو رہی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۳۲﴾
اور اللہ کشائش والا ہے سب کچھ جانتا ہے

جس کے حق میں مناسب جانتا ہے کشائش کر دیتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلْیَسْتَعْفِفِ الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى
اور اپنے آپکو تھامتے رہیں جن کو نہیں ملتا سامان نکاح کا جب تک
یُغْنِیَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ
کہ مقدور دے اُن کو اللہ اپنے فضل سے

جب تک نکاح کی ہمت نہیں عفت محفوظ رکھو:

یعنی جن کو فی الحال اتنا بھی مقدور نہیں کہ کسی عورت کو نکاح میں لا سکیں تو جب تک خدا تعالیٰ مقدور دے چاہئے کہ اپنے نفس کو قابو میں رکھیں۔ اور عفیف رہنے کی کوشش کریں۔ کچھ بعید نہیں کہ اسی ضبط نفس اور عفت کی برکت سے حق تعالیٰ اُن کو غنی کر دے اور نکاح کے بہترین مواقع مہیا فرما دے۔

وَالَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ
اور جو لوگ چاہیں لکھت آزادی کی مال دے کر اُن میں سے کہ جو تمہارے ہاتھ

فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا

کے مال ہیں تو ان کو لکھ کر دے دو اگر سمجھو ان میں کچھ نیکی

غلام اور لونڈی کی آزادی:

یعنی کسی کا غلام یا لونڈی کہے یا مزید توثیق کے لئے لکھوانا چاہے کہ میں اتنی مدت میں اس قدر مال تجھ کو کما دوں تو مجھے آزاد کر دے، تو مالک کو چاہیے کہ قبول کر لے اور لکھ دے (اس معاملہ کو مکاتبہ کہتے ہیں (اور یہ غلاموں کے آزاد کرانے کی ایک خاص صورت ہے) لیکن یہ مالک کو اُس وقت قبول کرنا چاہیے جبکہ وہ سمجھے کہ واقعی اس غلام یا لونڈی کے حق میں آزادی بہتر ہوگی۔ قید غلامی سے چھوٹ کر چوری یا بدکاری یا اور طرح کی بدمعاشیاں کرتا نہ پھرے گا۔ اگر یہ اطمینان ہو تو بیشک اس کو آزادی کا موقع دینا چاہیے۔ تا وہ آزاد ہو کر اپنی فلاح کے میدانوں میں خوب ترقی کر سکے اور کہیں نکاح کرنا چاہے تو باختیار خود نکاح کر لے۔ غلامی کی وجہ سے میدان تنگ نہ ہو۔ (تفسیر عثانی)

بغوی نے لکھا یہ آیت نازل ہوئی تو حویطب نے اپنے غلام کو سو دینار ادا کرنے کی شرط پر مکاتب بنا دیا اور بیس دینار (تجارت وغیرہ کے لئے) اس کو خود دے دیئے، چنانچہ غلام نے (کمائی کر کے) سو دینار ادا کر دیئے (اور آزاد ہو گیا) یہ غلام جنگ حنین میں شہید ہو گیا۔

آیت مذکور میں، جمہور علماء کے نزدیک امر استحبابی ہے وجوبی نہیں مکاتب بنانا واجب نہیں)

حضرت ابن سیرینؒ کی آزادی:

بغوی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ابن سیرین نے اپنے آقا حضرت انس بن مالک سے درخواست کی کہ مجھے مکاتب بنا دیجئے۔ حضرت انس نے کچھ توقف کیا۔ ابن سیرین نے حضرت عمر سے جا کر شکایت کی۔ حضرت عمر درہ لے کر حضرت انس پر چڑھ دوڑے۔ اور مکاتب بنانے کا حکم دیا۔ حضرت انس نے ابن سیرین کو مکاتب بنا دیا۔ (تفسیر مظہری)

اگر آزادی میں ان کی بہتری ہو تو آزاد کرو:

اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا یعنی مکاتب بنانا جب درست ہوگا جبکہ تم ان میں بہتری کے آثار دیکھو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور اکثر حضرات ائمہ نے اس بہتری سے مراد قوت کسب بتلائی ہے یعنی جس شخص میں یہ دیکھو کہ اگر اس کو مکاتب بنا دیا تو کما کر معینہ رقم جمع کر لے گا اُس کو مکاتب بناؤ ورنہ جو اس قابل نہ ہو اُس کو مکاتب بنا دینے سے غلام کی محنت بھی ضائع ہوگی آقا کا نقصان بھی ہوگا۔ اور صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ خیر اور بہتری سے مراد اس جگہ یہ ہے کہ اُس کے آزاد ہونے سے مسلمانوں کو کسی نقصان کے پہنچنے کا خطرہ نہ ہو مثلاً یہ کہ وہ کافر ہو اور اپنے کافر بھائیوں کی مدد کرتا ہو اور صحیح بات یہ ہے کہ لفظ خیر اس جگہ دونوں چیزوں پر حاوی ہے کہ غلام میں قوت کسب بھی ہو اور اُس کی آزادی سے مسلمانوں کو کوئی خطرہ بھی نہ ہو۔ (مظہری)

جدید مادہ پرستانہ نظریات اور قرآن کا نظریۂ ملکیت:

آج کل دنیا میں مادہ پرستی کا دور دورہ ہے۔ ساری دنیا معاد و آخرت کو بھال کر صرف معاش کے جال میں پھنس گئی ہے ان کی علمی تحقیقات اور غور و فکر کا دائرہ صرف معاشیات ہی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے اور اس میں بحث و تحقیق کے زور نے ایک ایک معمولی مسئلہ کو ایک مستقل فن بنا دیا ہے۔ ان فنون میں سب سے بڑا فن معاشیات کا ہے۔

اس معاملہ میں آج کل عقلاء دنیا کے دو نظریئے زیادہ معروف و مشہور ہیں اور دونوں ہی باہم متصادم ہیں اُن کے تصادم نے اقوام دنیا میں تصادم اور جنگ و جدال کے ایسے دروازے کھول دیئے ہیں کہ ساری دنیا امن و اطمینان سے محروم ہو گئی۔

قرآن کریم نے اُصول یہ بنایا کہ کائنات کی ہر چیز در اصل اللہ تعالیٰ کی ملک ہے جو ان کا خالق ہے پھر اس نے اپنے فضل و کرم سے انسان کو ایک خاص قانون کے تحت ملکیت عطا فرمائی ہے جن چیزوں کا اس قانون کی رو سے وہ مالک بنا دیا گیا ہے اس میں دوسروں کے تصرف کو بغیر اس کی اجازت کے حرام قرار دیا مگر مالک بننے کے بعد بھی اس کو آزاد ملکیت نہیں دی کہ جس طرح چاہے کمائے اور جس طرح چاہے خرچ کرے بلکہ دونوں طرف ایک عادلانہ اور حکیمانہ قانون رکھا ہے کہ فلاں طریقہ کمانے کا حلال ہے فلاں حرام اور فلاں جگہ خرچ کرنا حلال ہے اور فلاں حرام۔ اور یہ کہ جو چیز اس کی ملکیت میں دی ہے اُس میں کچھ اور لوگوں کے حقوق بھی لگا دیئے ہیں جن کو ادا کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔ (مفتی اعظم)

وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ

اور دو اُن کو اللہ کے مال سے جو اُس نے تم کو دیا ہے

غلاموں کی آزادی میں مالی امداد کرو:

یہ دولتمند مسلمانوں کو فرمایا کہ ایسی لونڈی غلام کی مالی امداد کرو خواہ زکوٰۃ سے یا عام صدقات و خیرات وغیرہ سے، تا وہ جلد آزادی حاصل کر سکیں اور اگر مالک بدل کتابت کا کوئی حصہ معاف کر دے، یہ بھی بڑی امداد ہے (تنبیہ) مصارف زکوٰۃ میں جو وفی الرقاب کا ایک مد رکھا ہے وہ ان ہی غلاموں کے آزاد کرانے کا فنڈ ہے۔ خلفائے راشدین کے عہد میں بیت المال سے ایسے غلاموں کی امداد ہوتی تھی۔ (تفسیر عثانی)

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا

اور نہ زبردستی کرواپنی چھوکریوں پر بدکاری کے واسطے اگر وہ چاہیں قید سے رہنا

لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ

کہ تم کمانا چاہو اسباب دنیا کی زندگانی کا

لونڈیوں کو غلط کاری نہ کراؤ:

جاہلیت میں بعض لوگ اپنی لونڈیوں سے کسب کراتے تھے عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کے پاس کئی لونڈیاں تھیں جن سے بدکاری کرا کر روپیہ حاصل کرتا تھا۔ ان میں بعض مسلمان ہو گئیں تو اس فعل شنیع سے انکار کیا۔ اس پر وہ ملعون زدوکوب کرتا تھا۔ یہ آیت اسی قصہ میں نازل ہوئی۔ اور اسی شان نزول کی رعایت سے مزید تقبیح کیلئے اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا اور لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کی قیود بڑھاتی ہیں ورنہ لونڈیوں سے بدکاری کرانا بہرحال حرام ہے اور اس طرح جو کمائی کریں سب ناپاک ہے۔ خواہ لونڈیاں یہ کام رضاء ورغبت سے کریں یا زبردستی اور ناخوشی سے۔ ہاں اگر لونڈیاں نہ چاہیں اور یہ محض دنیا کے حقیر فائدے کے لئے زبردستی مجبور کرے تو اور بھی زیادہ وبال اور انتہائی وقاحت اور بے شرمی کی دلیل ہے۔

وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْ بَعْدِ

اور جو کوئی ان پر زبردستی کرے گا تو اللہ ان کی بے بسی کے پیچھے

اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾

بخشنے والا مہربان ہے

مجبور ومحکوم قابل رحم ہے:

یعنی زنا ایسی بُری چیز ہے جو جبر واکراہ کے بعد بھی بُری رہتی ہے لیکن حق تعالیٰ محض اپنی رحمت سے مکرہ کی بے بسی اور بیچارگی کو دیکھ کر درگذر فرماتا ہے۔ اس صورت میں مکرِہ (زبردستی کرنے والے) پر سخت عذاب ہوگا اور مکرہ پر (جس پر زبردستی کی گئی) رحم کیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

گناہ اس وقت قرار نہ دیا جائے گا جب جبر کرنے والا اضطرار کی حد تک مجبور کر کے وہ گناہ کرائے یعنی مجبور کو یہ اندیشہ ہو جائے اگر میں جابر کے قول پر عمل نہیں کروں گا تو مارا جاؤں گا یا میرا کوئی عضو کاٹ دیا جائے گا۔ اگر اس حد تک اندیشہ نہ ہو تو گناہ قائم رہتا ہے۔ اور چونکہ عبداللہ نے باندیوں کو اس حد تک مجبور نہیں کیا تھا کہ اگر وہ زنا نہ کریں گی تو ان کو قتل کر دیا جائے گا یا جسم کا کوئی عضو کاٹ دیا جائے گا یا توڑ پھوڑ دیا جائے گا اس لئے گناہ قائم رہا وہ عورتیں زنا کرنے کے بعد بے گناہ نہیں ہوئیں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ

اور ہم نے اتاریں تمہاری طرف آیتیں کھلی ہوئی اور کچھ حال ان کا جو

خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾

ہو چکے تم سے پہلے اور نصیحت ڈرنے والوں کو

قرآن کا بیان نصیحت وعبرت کا کامل سامان ہے:

یعنی قرآن میں سب کچھ نصیحتیں احکام اور گذشتہ اقوام کے عبرتناک واقعات بیان کر دیئے گئے ہیں۔ تا خدا کا ڈر رکھنے والے سن کر نصیحت وعبرت حاصل کریں اور اپنے انجام کو سوچیں وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا اس کی مراد یہ ہو کہ پہلی امتوں پر بھی اسی طرح کی حدود اور احکام جاری کئے گئے تھے جو اس سورت میں مذکور ہوئے۔ اور بعض قصے بھی اس قصہ افک کے مشابہ پیش آئے جو سورت ہذا میں بیان کیا گیا ہے۔ پس جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم صدیقہ اور حضرت یوسف صدیق کی دشمنوں کے بہتان سے براءۃ ظاہر فرمائی، عائشہ صدیقہ بنت الصدیقؓ کی براءۃ اور بزرگی بھی تاقیام قیامت صادقین کے قلوب میں نقش فی الحجر کر دی۔ اور دشمنوں کا منہ کالا کیا۔ (تفسیر عثمانی)

اور جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں ان کی بعض حکایات یعنی جس طرح یوسفؑ، مریمؑ وغیرہ کے ہم نے عجیب تاریخی واقعات بیان کئے انہی کی طرح عجیب واقعہ ہم نے عائشہؓ کا بھی بیان کر دیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ جو حالات اور نتائج گذشتہ قوموں کے ہم نے بیان کئے انہی کی طرح اے دروغ بندی، تہمت تراشی کرنے والو تمہارا حال بھی بیان کر دیا جو نتیجہ ان کا ہوا وہی تمہارا ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

اللہ روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی

اللہ کے نور سے جہان آباد ہے:

یعنی اللہ سے رونق اور ہستی ہے زمین اور آسمان کی، اُس کی مدد نہ ہو تو سب ویران ہو جائیں (موضح القرآن) سب مخلوق کو نور وجود اسی سے ملا ہے۔ چاند، سورج، ستارے، فرشتے اور انبیاء و اولیاء میں جو ظاہری یا باطنی روشنی ہے اسی منبع النور سے مستفاد ہے۔ ہدایت ومعرفت کا جو چمکارا کسی کو پہنچتا ہے اُسی بارگاہ رفیع سے پہنچتا ہے تمام علویات وسفلیات اُس کی آیات تکوینیہ وتنزیلیہ سے منور ہیں حسن وجمال یا خوبی وکمال کی کوئی چمک اگر کہیں نظر پڑتی ہے وہ اُسی کے وجہ منور اور ذات مبارک کے جمال وکمال کا ایک پرتو ہے۔

طائف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء:

سیرۃ ابن اسحٰق میں ہے کہ طائف میں جب لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کو ستایا تو یہ دعا زبان پر تھی۔ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَیْهِ اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ اَنْ یَحِلَّ بِیْ غَضَبُكَ اَوْ یَنْزِلَ بِیْ سَخَطُكَ لَكَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ رات کی تاریکی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کو "اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" کہہ کر پکارا کرتے اور اپنے کان، آنکھ، دل، ہر ہر عضو بلکہ بال بال میں اُس سے نور طلب فرماتے تھے اور اخیر میں بطور خلاصہ فرماتے "وَاجْعَلْ لِّیْ نُوْرًا یا وَاَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا یا "وَاجْعَلْنِیْ نُوْرًا" یعنی میرے نور کو بڑھا بلکہ مجھے نور ہی نور بنا دے۔ اور ایک حدیث میں ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ خَلْقَهٗ فِیْ ظُلْمَةٍ ثُمَّ اَلْقٰی عَلَیْهِمْ مِّنْ نُّوْرِهٖ فَمَنْ اَصَابَهٗ مِنْ نُّوْرِهٖ یَوْمَئِذٍ اهْتَدٰی وَمَنْ اَخْطَاَهٗ ضَلَّ (فتح الباری ص ۴۳۰) یعنی جس کو اُس وقت اللہ کے نور (توفیق) سے حصہ ملا وہ ہدایت پر آیا اور جو اُس سے چوکا گمراہ رہا۔ واضح رہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات مثلاً سمع ۔ بصر وغیرہ کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی۔ ایسے ہی صفت نور بھی ہے ممکنات کے نور پر قیاس نہ کیا جائے۔ تفصیل کے لئے امام غزالیؒ کا رسالہ "مشکوٰۃ الانوار" دیکھو۔ (تفسیر عثمانی)

نور کا مطلب:

اللہ آسمانوں کا اور زمین کا نور ہے۔ نور اس کیفیت کا نام ہے جس کو آنکھ سب سے پہلے ادراک کرتی ہے پھر اس کے ذریعے سے دوسری قابل دید چیزوں کا انکشاف کرتی ہے۔ جیسے چاند سورج کی روشنی کہ (پہلے چاند سورج اس سے روشن ہوتے ہیں پھر) ان چیزوں کا اس سے انجلاء ہو جاتا ہے جو سورج و چاند کے سامنے ہوتی ہیں۔ اس تعریف کی رو سے لفظ نور کا ذات باری تعالیٰ پر حقیقی اطلاق ممکن نہیں (کیونکہ یہ نور مادی ہے اور عوارض مادیات میں سے ہے) لامحالہ تاویل کی جائے گی۔ تاویل کی چند صورتیں ہیں۔

(۱) مضاف کو محذوف مانا جائے یعنی اللہ زمین و آسمان کو نور عطا کرنے والا ہے (۲) بطور مبالغہ مصدر کو اللہ پر محمول کیا جائے (اللہ میں اتنی زیادہ نور بخشی ہے کہ گویا خدا خود نور ہو گیا) جیسے زید کا اگر بہت زیادہ منصف ہونا ظاہر کرنا ہوتا ہے تو کہتے ہے زیدٌ عدلٌ یا اعلیٰ ترین کریم کو کرم کہہ لیتے ہیں۔

کبھی لفظ نور کا اطلاق بطور مدح بھی کیا جاتا ہے جیسے ایک شاعر کا شعر ہے۔

جب کسی رات کو عبداللہ مرد سے چلا جاتا ہے تو مرد کا نور اور حسن چلا جاتا ہے۔

بعض نے کہا نور سے مراد ہے مدبر جو سردار قوم بڑا مدبر اور منتظم ہو اس کو نور القوم کہا جاتا ہے۔

بعض نے کہا نور وہ کیفیت ہے جو خود ظاہر ہو اور دوسری چیزوں کو ظاہر کرنے والی ہو اور اصل ظہور و جود و ہستی ہے جس طرح اصل خفاء عدم و نیستی ہے، پس نور السموات سے مراد ہے آسمانوں کا موجود ہونا۔ اللہ بذات خود موجود ہے اور دوسری چیزوں کو موجود کرنے والا ہے۔

باصرہ، (قوت بینائی) پر بھی اس کا اطلاق اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ ادراک اشیاء اس پر موقوف ہے اور بصیرت تو، بہرحال اعلیٰ ترین مدرک ہے آنکھ اپنا ادراک نہیں کرتی بصیرت اپنا بھی ادراک ہے اور اپنی ذات کے علاوہ تمام کلیات و جزئیات کا ادراک بھی اسی پر موقوف ہے۔ یہی حقائق پر غور کرتی اور ان کی تحلیل و ترکیب کرتی ہے اس لئے اس کو نور کہنا تو بدرجہ اولیٰ لازم ہے۔ اور چونکہ بصیرت بذاتِ خود اور باختیار کامل نہ اپنی ذات کا ادراک کر سکتی ہے نہ دوسری چیزوں کا بلکہ اللہ کی طرف سے اس پر فیضانِ ادراک ہوتا ہے کبھی بلاواسطہ اور کبھی ملائکہ و انبیاء کے توسط سے اس لئے ان سب کو انوار کہا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

مذکورہ مثال کا حاصل:

اس لئے حاصل اس مثال کا یہ ہے کہ مؤمن کا سینہ ایک طاق کی مثال ہے اس میں اس کا دل ایک قندیل کی مثال ہے اس میں نہایت شفاف روغن زیتون فطری نور ہدایت کی مثال ہے جو مؤمن کی فطرت میں ودیعت رکھا گیا ہے۔ جس کا خاصہ خود بخود بھی قبول حق کا ہے پھر جس طرح روغن زیتون آگ کے شعلہ سے روشن ہو کر دوسروں کو روشن کرنے لگتا ہے اسی طرح فطری نور ہدایت جو قلب مؤمن میں رکھا گیا ہے جب وحی الٰہی اور علم الٰہی کے ساتھ اس کا اتصال ہو جاتا ہے تو روشن ہو کر عالم کو روشن کرنے لگتا ہے اور حضرات صحابہ وتابعین نے جو اس مثال کو قلب مؤمن کے ساتھ مخصوص فرمایا وہ بھی غالباً اس لئے ہے کہ فائدہ اس نور کا صرف مؤمن ہی اُٹھاتا ہے ورنہ وہ فطری نور ہدایت جو ابتداء تخلیق کے وقت انسان کے قلب میں رکھا جاتا ہے وہ مؤمن کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ ہر انسان کی فطرت اور جبلت میں وہ نور ہدایت رکھا جاتا ہے اسی کا یہ اثر دنیا کی ہر قوم ہر خطہ ہر مذہب و مشرب کے لوگوں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ وہ خدا کے وجود کو اور اُس کی عظیم قدرت کو فطرۃً مانتا ہے اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کے تصور اور تعبیر میں خواہ کیسی ہی غلطیاں کرتا ہو مگر اللہ تعالیٰ کے نفسِ وجود کا ہر انسان فطرۃً قائل ہوتا ہے بجز چند مادہ پرست افراد کے جن کی فطرت مسخ ہو گئی ہے کہ وہ خدا ہی کے وجود کے منکر ہیں۔

ایک صحیح حدیث سے اس عموم کی تائید ہوتی ہے جس میں یہ ارشاد ہے کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ ، یعنی ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو فطرت کے تقاضوں سے ہٹا کر غلط راستوں پر ڈال دیتے ہیں۔ اس فطرت سے مراد ہدایت ایمان ہے۔

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ

مثال اس کی روشنی کی جیسے ایک طاق اس میں ہو ایک چراغ وہ چراغ دھرا ہو

فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ

ایک شیشہ میں وہ شیشہ ہے جیسے ایک تارہ چمکتا ہوا تیل جلتا ہے

مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا

اُس میں ایک برکت کے درخت کا وہ زیتون ہے نہ مشرق کی طرف ہے اور نہ

غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْۗءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ

مغرب کی طرف قریب ہے اُس کا تیل کہ روشن ہو جائے اگرچہ نہ لگی ہو اُس میں آگ

نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ ۭ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ

روشنی پر روشنی اللہ راہ دکھلا دیتا ہے اپنی روشنی کی جس کو چاہے

وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ

اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے واسطے اور اللہ سب

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۙ

چیز کو جانتا ہے

مؤمن نورِ الٰہی سے کس طرح ہدایت حاصل کرتا ہے:

یعنی یوں تو اللہ تعالیٰ کے نور سے تمام موجودات کی نمود ہے لیکن مؤمنین مہتدین کو نورِ الٰہی سے ہدایت وعرفان کا جو خصوصی حصہ ملتا ہے اس کی مثال ایسی سمجھو گویا مؤمن قانت کا جسم ایک طاق کی طرح ہے جس کے اندر ایک ستارہ کی طرح چمکدار شیشہ (قندیل) رکھا ہو یہ شیشہ اُس کا قلب ہوا جس کا تعلق عالم بالا سے ہے۔ اُس شیشہ (قندیل) میں معرفت وہدایت کا چراغ روشن ہے، یہ روشنی ایسے صاف وشفاف اور لطیف تیل سے حاصل ہو رہی ہے جو ایک نہایت ہی مبارک درخت (زیتون) سے نکل کر آیا ہے اور زیتون بھی وہ جو کسی حجاب سے نہ مشرق میں ہو نہ مغرب میں یعنی کسی طرف دھوپ کی روک نہیں کھلے میدان میں کھڑا ہے جس پر صبح وشام دونوں وقت کی دھوپ پڑتی ہے۔ تجربہ سے معلوم ہوا کہ ایسے زیتون کا تیل اور بھی زیادہ لطیف وصاف ہوتا ہے غرض اُس کا تیل اس قدر صاف اور چمکدار ہے کہ بدون آگ دکھلائے ہی معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود روشن ہو جائے گا۔ یہ تیل میرے نزدیک اُسی حسن استعداد اور نور توفیق کا ہوا جو نور مبارک کے القاء سے بدء فطرت میں مؤمن کو حاصل ہوا تھا۔ جیسا کہ اُوپر کے فائدہ میں گذر چکا اور جس طرح شجرۂ مبارکہ کو لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ فرمایا تھا وہ نور ربانی بھی جہت کی قید سے پاک ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ مؤمن کا شیشۂ دل نہایت صاف ہوتا ہے اور خدا کی توفیق سے اُس میں قبولِ حق کی ایسی زبردست استعداد پائی جاتی ہے کہ بدون دیا سلائی دکھائے ہی جل اُٹھنے کو تیار ہوتا ہے۔ اب جہاں ذرا آگ دکھائی یعنی وحی وقرآن کی تیز روشنی نے اس کو مس کیا فوراً اُس کی فطری روشنی بھڑک اُٹھی۔ اسی کو "نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ" فرمایا۔ باقی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے، جس کو چاہے اپنی روشنی عنایت فرمائے اور وہ ہی جانتا ہے کہ کس کو یہ روشنی ملنی چاہئے کس کو نہیں ان عجیب وغریب مثالوں کا بیان فرمانا بھی اسی غرض سے ہے کہ استعداد رکھنے والوں کو بصیرت کی ایک روشنی حاصل ہو۔ حق تعالیٰ ہی تمثیل کے مناسب موقع ومحل کو پوری طرح جانتا ہے کسی دوسرے کو قدرت کہاں کہ ایسی موزوں وجامع مثال پیش کر سکے۔ آگے فرمایا کہ وہ روشنی ملتی ہے اس سے کہ جن مسجدوں میں کامل لوگ صبح وشام بندگی کرتے ہیں وہاں دھیان لگا رہے۔ (تنبیہ) مفسرین نے تشبیہ کی تقریر بہت طرح کی ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی موضح القرآن میں نہایت لطیف وعمیق تقریر فرمائی ہے مگر بندہ کے خیال میں جو توجیہ آئی وہ درج کر دی۔ وللنّاس فیما یعشقون مذاہب واضح رہے کہ "یُوْقَدُ اور وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ" میں جس نار کی طرف اشارہ ہے میں نے مشبہ میں اُس کی جگہ وحی وقرآن کو رکھا ہے۔ اس کا ماخذ وہ فائدہ ہے جو حضرت شاہ صاحبؒ نے "مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا" پر لکھا ہے اور جس کی تائید صحیحین کی ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں آپ نے یہ الفاظ فرمائے ہیں۔ "انّما مثلی ومثل النّاس کرجل استوقد نارا فلمّا اضاءت ماحولہ جعل الفراش وھٰذہ الدّوابّ الّتی یقعن فیھا الخ" (تفسیر عثمانی)

دلوں کی چار قسمیں:

مسند کی ایک حدیث میں ہے دلوں کی چار قسمیں ہیں ایک تو صاف اور روشن، ایک غلاف دار بندھا ہوا ایک اُلٹا اور اوندھا، ایک پھرا ہوا اُلٹا سیدھا، پہلا دل تو مؤمن کا دل ہے جو نورانی ہوتا ہے اور دوسرا دل کافر کا دل ہے اور تیسرا دل منافق کا دل ہے کہ اس نے جانا پھر انجان ہو گیا، پہچان لیا پھر منکر ہو گیا۔ چوتھا دل وہ دل ہے جس میں ایمان بھی ہے نفاق بھی ہے۔ ایمان کی مثال تو اس میں مثل ترکاری کے درخت کے ہے کہ اچھا پانی اسے بڑھا دیتا ہے اور نفاق کی مثال اس میں مثل پھوڑے کے ہے کہ خون پیپ اسے اُبھار دیتا ہے اب جو غالب آ گیا وہ اس دل پر چھا جاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

نورِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم:

اور امام بغویؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے کعب احبار سے پوچھا کہ اس آیت کی تفسیر میں آپ کیا کہتے ہیں مثل نورہ کمشکوٰۃ الآیۃ کعب احبار جو تورات وانجیل کے بڑے عالم مسلمان تھے انہوں نے فرمایا کہ یہ مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی بیان کی گئی ہے۔ مشکوٰۃ آپ کا سینہ اور زجاجۃ (قندیل) آپ کا قلب

مبارک اور مصباح (چراغ) نبوت ہے۔ اور اس نور نبوت کا خاصہ یہ ہے کہ نبوت کے اظہار و اعلان سے پہلے ہی اس میں لوگوں کے لئے روشنی کا سامان ہے پھر وحی الٰہی اور اس کے اعلان کا اس کے ساتھ اتصال ہو جاتا ہے تو یہ ایسا نور ہوتا ہے کہ سارے عالم کو روشن کرنے لگتا ہے۔

بہت سے واقعات عجیبہ صحیح روایات سے ثابت ہیں جن کو شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خصائص کبریٰ میں اور ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں اور دوسرے علماء نے بھی اپنی مستقل کتابوں میں جمع کر دیا ہے۔ اس کا ایک کافی حصہ اس جگہ تفسیر مظہری میں بھی نقل کر دیا ہے۔

روغن زیتون کی برکات:

شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ اس سے زیتون اور اس کے درخت کا مبارک او ر نافع و مفید ہونا ثابت ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روغن زیتون کو کھاؤ بھی اور بدن پر مالش بھی کرو کیونکہ یہ شجرۂ مبارکہ ہے (رواہ البغوی والترمذی عن عمرؓ مرفوعاً۔ مظہری) (معارف مفتی اعظم)

مؤمن کے دل کا نور:

مَثَلُ نُوْرِهٖ اللہ کے نور کی صفت۔ یعنی وہ نور جو مومن کے دل میں جگمگاتا ہے جس کی پرتو اندازی کی وجہ سے مومن کا دل اللہ کی ذات وصفات کی طرف راستہ پاتا ہے عقل انسانی جس کو پا نہیں سکتی تھی۔ اس نور کی ضیاء پاشی کی وجہ سے وہاں تک پہنچ جاتی ہے اور جس کے ذریعہ یہ عقل بشری حق کو حق اور باطل کو باطل جان لیتی ہے، اللہ نے فرمایا، فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ

بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن مسعود پڑھتے تھے مَثَلُ نُوْرِهٖ فِیْ قَلْبِ الْمُؤْمِنِ بقول سعید بن جبیر حضرت ابن عباس نے فرمایا، اس نور کی حالت و صفت جو اللہ نے مومن کو عطا فرمایا ہے۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ نورہ کی ضمیر مومن کی طرف راجع ہے۔ حضرت ابی نے فرمایا، مومن کے دل کے نور کی صفت۔ یہ مومن وہ بندہ ہے، جس کے دل کے اندر اللہ نے ایمان اور سینہ کے اندر قرآن جمادیا ہے۔ حسن اور زید بن اسلم نے کہا نور سے مراد قرآن ہے، سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا نور سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک۔ بعض کے نزدیک نور سے اللہ کی طاعت مراد ہے۔ بندے کی طاعت کو اللہ نے اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے۔

كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ جیسے ایک طاقچہ جس میں ایک چراغ ہو۔ مشکوٰۃ طاقچہ جس میں آر پار سوراخ نہ ہو اگر آر پار سوراخ ہو تو اس کو کوّۃ (روشن دان) کہتے ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک مشکوٰۃ حبشی زبان کا لفظ ہے۔ مجاہد نے مشکوٰۃ کا ترجمہ قندیل کیا ہے اس وقت مضاف محذوف ہوگا، یعنی نور قندیل کی طرح ہے جس میں چراغ موجود ہو۔ مصباح چراغ۔ یہ اسم آلہ بروزن مفعال ہے، صبح کا معنی ہے روشنی مصباح روشنی کا آلہ۔

اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ چراغ شیشہ (کے فانوس) میں ہو۔ زجاج نے کہا شیشے کے اندر نور اور آگ کی روشنی بہت زیادہ جھلکتی ہے، اسی لئے لفظ زجاجۃ ذکر کیا۔

اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ شیشے کا فانوس ایسا معلوم ہوتا ہو۔ دُرّیٌّ میں یا نسبتی ہے۔ دُرموتی۔ (یعنی موتی جیسا تارا) صفائی اور حسن میں موتی کی طرح۔

يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ وہ چراغ جو برکت والے درخت یعنی زیتون (کے تیل) سے روشن ہو۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حدیث میں آیا ہے زیتون کے تیل سے ناسور اچھا ہوتا ہے۔ چوٹی سے جڑ تک اس کے درخت میں تیل ہی تیل ہوتا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت اسید بن ثابت یا حضرت اسید انصاری کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زیتون کا تیل کھاؤ اور استعمال کرو یہ مبارک درخت ہے۔ رواہ الترمذی عن عمرؓ۔ واحمد الترمذی والحاکم عن ابی اسید ورواہ ابن ماجۃ والحاکم عن ابی ہریرۃؓ۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں زیتون کا تیل کھاؤ اور استعمال کرو یہ نفیس اور برکت والا ہوتا ہے۔

ابونعیم نے الطب میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زیتون کا تیل کھاؤ اور لگاؤ یہ ستر بیماریوں کے لئے شفاء ہے، جن میں سے ایک کوڑھ کی بیماری بھی ہے۔

لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ جو نہ شرقی ہو نہ غربی۔

بعض نے کہا وہ درخت نہ زمین کے مشرقی حصہ میں واقع ہے نہ مغربی حصہ میں بلکہ درمیان میں یعنی ملک شام میں واقع ہے، شام کا زیتون بہت عمدہ ہوتا ہے۔

نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ نور بالائے نور ہے۔ ایک تو تیل کی بجائے خود چمک پھر آگ کی وجہ سے اس کی اشتعالی روشنی۔ یہ دوہرا نور ہے۔ بلکہ چند در چند نور ہے تیل کے صاف ہونے کی وجہ سے اس کی ذاتی چمک شیشہ کے اشتعال کی چمک اور ایسے طاقچہ کی جگمگاہٹ جس میں ادھر ادھر سوراخ اور آر پار راستہ نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کا بیان ہے میں نے بحالت حمل خواب میں دیکھا کہ ایک نور میرے اندر سے نکلا جس کی وجہ سے شہر بصریٰ علاقہ شام کے محلات میری نظر کے سامنے چمک اٹھے پھر پیدا ہوتے ہی آپ نے سر آسمان کی طرف اٹھایا، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ جونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے آپ کی والدہ نے ایک نور دیکھا جس سے ملک شام کے محل ان کی نظر کے سامنے چمک اٹھے، ابن حبان اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

مہر نبوت: ابونعیم نے دلائل میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے بیان کیا جب آپ پیدا ہوئے تو فرشتہ نے آپ کو تین بار پانی میں غوطہ دیا۔ پھر ایک ریشمی بٹوے کے اندر سے ایک مہر نکال کر آپ کے شانہ پر لگائی جس کی وجہ سے ایک سفید انڈے کی طرح چیز پیدا ہوگئی جو زہرہ کی طرح چمکنے لگی۔

عالم کفر میں زلزلہ: بیہقی، ابن ابی الدنیا اور ابن السکن کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی رات کو کسریٰ کے محل میں لرزہ آ گیا اس کے چودہ کنگرے گر پڑے اور کسریٰ خوف زدہ ہو گیا۔ اور فارس کی جو آگ ہزار برس سے نہیں بجھی تھی وہ بجھ گئی اور ساوت جھیل خشک ہوگئی۔

یہودی تاجر کی خبر: حضرت عائشہؓ کی روایت میں آیا ہے کہ ایک یہودی مکہ میں رہتا اور تجارت کرتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی رات کو اس نے قریش سے کہا اے گروہ قریش آج رات اس امت کا نبی پیدا ہو گیا جس کے دونوں شانوں کے درمیان ایک نشان ہے اور نشان میں گھوڑے کے ریال کی طرح چند بالوں کی ایک قطار ہے لوگ یہودی کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے پاس پہنچے اور نومولود بچے کی پشت کھول کر دیکھی یہودی کی نظر جب مسہ پر پڑی فوراً بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ لوگوں نے پوچھا ارے ارے تجھے کیا ہو گیا، یہودی کہنے لگا واللہ بنی اسرائیل سے نبوت نکل گئی۔ رواہ الحاکم۔

راہب کی پیش گوئی:

مواہب لدنیہ میں عیصا راہب کا قصہ ذکر کیا گیا ہے، عیصا مکہ والوں سے کہتا تھا اے اہل مکہ عنقریب تم میں ایک پیغمبر پیدا ہونے والا ہے۔ سارا عرب جس کا تابع ہو جائے گا اور عجم پر بھی اس کا اقتدار ہوگا یہ زمانہ اس کی پیدائش کا ہے۔

حضرت عباس کے مسلمان ہونے کا خاص سبب:

حضرت عباس بن عبدالمطلب کا بیان ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے دین میں میرے داخل ہونے کا ایک خاص باعث ہوا آپ کے نبی ہونے کی نشانی میں نے اسی وقت دیکھ لی تھی جب آپ جھولنے میں پڑے ہوئے چاند سے باتیں کر رہے تھے اور انگلی سے اس کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور جب آپ اس کی طرف اشارہ کرتے تھے وہ (کنارہ) جھک جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اس سے باتیں کر رہا تھا اور وہ مجھ سے باتیں کر رہا تھا وہ مجھے رونے سے بہلاتا تھا اور جب وہ عرش کے نیچے سربسجود ہوتا تھا تو میں اس کی آواز سنتا تھا۔

فرشتے جھولا جھلاتے تھے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی شمار کی گئی ہے کہ آپ کے جھولنے کو فرشتے جھلاتے تھے۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ پیدا ہوتے ہی آپ نے کلام کیا تھا۔

حضرت حلیمہ کی گود میں برکتیں:

ابویعلیٰ اور ابن حبان نے حضرت عبداللہ بن جعفر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انا حضرت حلیمہ نے کہا جب میں نے آپ کو اپنی گود میں لے لیا تو فوراً میری چھاتیاں بقدر ضرورت دودھ سے بھر آئیں پہلے میرا بچہ یعنی ضمرہ بھوکا رہنے کی وجہ سے سوتا نہ تھا، اب دونوں نے سیر ہو کر پی لیا اور دونوں سو گئے پہلے میری پستان میں اتنا دودھ ہی نہ تھا جو بچہ کے لئے کافی ہوتا نہ ہماری اونٹنی کے پاس دودھ تھا جو بچہ کو پلایا جا سکتا اب جو میرا شوہر اونٹنی کے پاس گیا تو دیکھتا کیا ہے کہ اونٹنی کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہیں میرے شوہر نے اس کو دوہا اور میں نے خوب سیر ہو کر پیا اور شوہر نے بھی خوب پیا اور وہ رات بڑے چین سے گزری محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر جب میں واپس آئی اور گدھی پر سوار ہوئی تو خدا کی قسم وہ اتنی تیز چلنے لگی کہ ساتھیوں کا کوئی گدھا اس کا مقابلہ نہ کر سکا ساتھ والیاں کہنے لگیں اری ابی ذویب کی بیٹی! ذرا ٹھہر تو، کیا یہ تیری وہی گدھی ہے جس پر تو آئی تھی، میں نے کہا ہاں۔ بات یہ تھی کہ کمزوری اور لاغری کی وجہ سے میری گدھی ساتھ والے قافلہ کے لئے بار ہوگئی تھی بار بار ان کو رکنا پڑتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا کلام:

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ حضرت حلیمہ نے کہا جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دودھ چھڑایا تو آپ نے کہا، اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا۔ یہ آپ کا سب سے پہلا کلام تھا۔ الحدیث۔

بادل کا سایہ: حضرت ابن عباس کا بیان ہے حلیمہ آپ کو دور نہیں جانے دیتی تھیں تا کہ آپ کی طرف سے ان کو بے خبری نہ رہے ایک روز آپ اپنی (رضاعی) بہن شیماء کے ساتھ باہر چلے گئے اور جہاں (جنگل میں) اونٹ تھے وہاں جا پہنچے حلیمہ تلاش میں نکلیں آپ اپنی بہن کے ساتھ (کہیں) مل گئے حلیمہ نے کہا اس گرمی میں تم کہاں پھر رہے ہو شیماء نے کہا اماں! مجھے اپنے بھائی کے ساتھ تو گرمی محسوس ہی نہیں ہوئی، برابر ان کے اوپر ایک بدلی سایہ کئے رہی جب یہ کہیں ٹھہر جاتے تھے بدلی بھی (ان کے اوپر) ٹھہر جاتی تھی یہ چل دیتے تھے تو بدلی بھی ان کے اوپر چل دیتی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں چراغ کی ضرورت نہیں تھی:

شمائل مجدیہ میں مذکور ہے کہ حلیمہ نے کہا جس روز سے ہم نے آپ کو لیا کبھی ہم کو چراغ کی ضرورت نہیں رہی آپ کے چہرہ کی روشنی تو چراغ سے زیادہ نورانی تھی۔ اگر ہم کو کسی جگہ چراغ کی ضرورت پڑتی تو ہم آپ کو وہاں لے جاتے آپ کی برکت سے تمام مقامات روشن ہو جاتے۔

بت اور حجر اسود تعظیم سے جھک گئے:

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حلیمہ جب آپ کو لے کر بتوں کی طرف گئیں تو ہبل اور دوسرے بت آپ کی تعظیم میں اپنی اپنی جگہ سرنگوں ہو گئے اور سنگ اسود کے پاس لے کر گئیں تو سنگ اسود خود اپنی جگہ سے نکل کر آپ کے منہ کو چمٹ گیا۔

خشک وادیاں سرسبز ہو گئیں:

یہ بھی مروی ہے کہ حلیمہ جب آپ کو دودھ پلانے لگیں تو پستانوں سے اتنا دودھ بہنے لگا جو دس بلکہ اس سے بھی زیادہ بچوں کے لئے کافی ہوتا۔ جب حلیمہ آپ کو لے کر کسی خشک وادی سے گزرتیں تو وہ فوراً سرسبز ہو جاتی، حضرت حلیمہ خود کہتی اور دیکھتی تھیں کہ پتھر اور درخت آپ کو سلام کرتے تھے اور درختوں کی شاخیں آپ کی طرف جھک جاتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رضاعی بھائی دونوں ساتھ ساتھ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ رضاعی بھائی کا بیان ہے کہ میرا رضاعی بھائی جب کسی وادی پر جا کر کھڑا ہوتا تھا تو وہ فوراً سرسبز ہو جاتی تھی۔ اور بکریوں کو پانی پلانے کے لئے ہم کنویں پر آتے تھے تو کنویں کا پانی ابل کر کنویں کے منہ تک آ جاتا تھا، جب آپ دھوپ میں کھڑے ہوتے تھے تو بدلی آ کر سایہ کر لیتی تھی اور جنگلی جانور آپ کے پاس آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چومتے تھے۔

شق صدر:

خلاصۃ السیر میں ہے کہ آپ کی انا نے بیان کیا ایک بار آپ ہمارے اونٹوں کے مقام پر تھے اچانک آپ کا رضاعی بھائی دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ دو سفید پوش آدمیوں نے میرے قرشی بھائی کو پکڑ کر زمین پر لٹا کر پیٹ پھاڑ دیا، حضرت حلیمہ کا بیان ہے ہم یہ بات سن کر فوراً ان کی طرف نکل کھڑے ہوئے جا کر دیکھا تو آپ منہ لپیٹے کھڑے ہوئے تھے ہم نے آپ کو چمٹا لیا اور دریافت کیا، کیا واقعہ ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو آدمی سفید پوش آئے اور انہوں نے مجھے لٹا کر میرا پیٹ پھاڑا پھر اس کے اندر کسی چیز کو ٹٹولا، مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے کیا چیز نکالی۔ حضرت شداد بن اوس کی روایت سے ابویعلی، ابونعیم اور ابن ابی عساکر نے ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے کہ تین آدمیوں کا ایک گروہ آیا ان کے پاس سونے کا طشت تھا جو برف سے بھرا ہوا تھا ان میں سے ایک نے مجھے زمین پر لٹایا (اور پیٹ پھاڑ کر) پھر پیٹ کے اندر کی چیزیں نکالیں۔ پھر ان کو برف سے دھویا اور خوب دھویا پھر ان کو ان کی جگہ دوبارہ رکھ دیا پھر دوسرا کھڑا ہوا اور اس نے میرا دل نکال کر پھاڑا اور اس کو صاف کیا یہ سب باتیں میں دیکھ رہا تھا، پھر ایک سیاہ بوٹی اس کے اندر سے نکال کر پھینک دی پھر دائیں بائیں طرف ہاتھ گھمانے لگا معلوم ہوتا تھا کوئی چیز تلاش کر رہا ہے پھر مجھے نظر آیا کہ اس کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی ہے، جو مجسم نور ہے اس کو دیکھنے سے نگاہ میں چکا چوند ہو رہی تھی اس انگوٹھی سے اس نے میرے دل پر مہر لگا دی مہر لگاتے ہی میرا دل نور سے بھر گیا یہ نبوت و دانش کا نور تھا پھر دل کو لوٹا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا میں اس مہر کی خنکی اپنے دل میں مدت تک محسوس کرتا رہا پھر تیسرے شخص نے اپنے ساتھی سے کہا تم ہٹ جاؤ (وہ ہٹ گیا) تیسرے شخص نے سینے کی وسطی لکیر (خط ابیض) کے آغاز سے زیر ناف کے آخری حصہ تک ہاتھ پھیرا فوراً شگاف جڑ گیا۔

حضرت انس کا بیان ہے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ پر سلائی کا نشان دیکھتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے قحط دور ہو گیا:

ابن عساکر کی روایت میں آیا ہے کہ ایک سال کال پڑا، ابوطالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر بارش کی دعا کرنے کعبے کے پاس پہنچے کعبہ کی دیوار سے اپنی پشت لگائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی پکڑی اس وقت آسمان پر بادل کا ٹکڑا بھی نہ تھا، فوراً ادھر ادھر سے بادل آ گیا اور موسلا دھار خوب بارش ہوئی اتنی کہ ساری وادی بہ نکلی۔ اس واقعہ کی طرف ابوطالب نے ذیل کے شعر میں اشارہ کیا ہے" ان کا رنگ گورا ہے ان کے طفیل میں بارش کی دعا کی جاتی ہے وہ یتیموں کی پناہ گاہ اور رانڈوں کی عصمت بچانے والے ہیں۔"

راہب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا:

خلاصۃ السیر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارہ سال کی عمر میں اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ ملک شام کی طرف گئے۔ مقام بصریٰ میں پہنچے تو بحیرا راہب نے آپ کا حلیہ دیکھ کر پہچان لیا اور دست مبارک کو پکڑ کر کہا۔ یہ رب العالمین کے رسول ہیں اللہ ان کو انسانوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمائے گا۔ راہب سے دریافت کیا گیا تم کو اس کا کیسے علم ہوا، راہب نے کہا جب تم لوگ گھاٹی سے نکل کر آ رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ ہر درخت اور پتھر ان کی طرف کو جھک رہا تھا اور ایسا صرف نبی کے لئے ہی ہوتا ہے ہم نے اپنی کتابوں میں ان کے حالات پڑھے ہیں۔ پھر ابوطالب سے بحیرا نے کہا اگر تم ان کو لے کر شام کو گئے تو یہودی ان کو قتل کر دیں گے۔ چنانچہ راہب کے مشورے سے ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بصریٰ سے ہی واپس کر دیا (یا ساتھ لے کر واپس لوٹ آئے) دوبارہ حضرت خدیجہؓ کے غلام کو ساتھ لے کر تجارت کی غرض سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ملک شام کو گئے اس وقت سن مبارک پچیس ۲۵ سال کا تھا اور حضرت خدیجہ سے نکاح نہیں ہو پایا تھا، شام میں پہنچ کر ایک راہب کے گرجے کے پاس اترے راہب نے اوپر سے میسرہ کی طرف جھانک کر دریافت کیا تمہارے ساتھ یہ کون شخص ہے

میسرہ نے کہا باشندگان حرم میں سے ایک قریشی شخص ہے۔ راہب نے کہا اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے کبھی کوئی اور نہیں اترا۔

راہب مسلمان ہو گیا:

بعض روایات میں آیا ہے کہ راہب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا میں ایمان لے آیا اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ وہی (نبی) ہیں جن کا ذکر اللہ نے توریت میں کیا ہے، پھر مہر نبوت کو دیکھ کر چوما اور کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول نبی امی ہاشمی عربی ہیں آپ ہی صاحب حوض ہیں آپ ہی شفاعت کرنے والے ہیں آپ ہی کے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا۔

فرشتے سایہ کرنے لگے:

بعض روایات میں آیا ہے کہ میسرہ نے بیان کیا دوپہر کا وقت ہوا اور گرمی سخت ہوگئی تو دو فرشتے اتر کر آپ پر سایہ کرنے لگے تاکہ گرمی (اور سورج کی تیزی) سے آپ کو تکلیف نہ ہو آپ اس وقت اپنے اونٹ پر سفر کر رہے تھے حضرت خدیجہ نے میسرہ کا جب بیان سنا تو آپ کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کرنے کا شوق پیدا ہو گیا۔

علامہ سہیلی کی توجیہہ:

سہیلی نے راہب مذکور کے قول کا مطلب اس طرح بیان کیا۔ راہب کی مراد یہ تھی کہ اس وقت اس درخت کے نیچے پیغمبر ہی فروکش ہوا ہے۔ سہیلی کو اس تاویل کی ضرورت اس لئے پڑی کہ انبیاء کے دور کو گزرے ایک طویل مدت (تقریباً پانچ سو سال) گزر چکے تھے اتنی طویل مدت کسی ایک درخت کا باقی رہنا بعید از عقل تھا پھر درخت بھی سر راہ تھا آنے جانے والے ضرور اس کے نیچے آرام لیتے رہے ہوں گے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ لب راہ درخت کے نیچے کوئی مسافر سوائے نبی کے کبھی نہ اترا ہو۔ سہیلی کی توجیہ ٹھیک ہے لیکن یہ توجیہ لفظ قطُّ کے خلاف ہے قطُّ کا تو یہ معنی ہے کہ کبھی اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے اور کوئی نہیں اترا حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی قدرت ہمہ گیر معمولی حالات اللہ کی قدرت سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے اور کوئی کبھی نہ اترا ہو۔ اللہ کی قدرت سے کوئی بات بعید نہیں۔ (سہیلی کی توجیہ کا یہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے کہ یہ درخت جس کی عمر دس بیس یا پچاس برس ہے اس مدت میں کوئی شخص کبھی اس کے نیچے نہیں نازل ہوا اس وقت صرف پیغمبر ہی فروکش ہوا اور حسب صراحت توریت اس کے نیچے پیغمبر ہی اتر سکتا تھا) واللہ اعلم۔

حضرت ابن عمرؓ کا قول:

سالم کی روایت میں آیا ہے کہ آیت مذکورہ کی تفسیر میں حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا "مشکوٰۃ" سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک سینہ اور "زجاجۃ" سے مراد ہے آپ کا دل اور مصباح وہ نور تھا جو آپ کے دل میں روشن تھا اور "شجرۂ مبارکہ" سے مراد ہیں حضرت ابراہیم اور "شرقی غربی" نہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ حضرت ابراہیم نہ یہودی تھے نہ عیسائی اور "نور علیٰ نور" کا یہ مطلب ہے کہ ایک نور تو حضرتِ ابراہیم کے دل کا نور تھا اور دوسرا نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کا نور۔

محمد بن کعب کا قول:

محمد بن کعب قرظی نے کہا "مشکوٰۃ" حضرت ابراہیم تھے اور "زجاجۃ" حضرت اسمٰعیلؑ اور "مصباح" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی کی ذات کو اللہ تعالیٰ نے آیت سراجاً منیراً میں سراج فرمایا ہے۔ یہ چراغ ایک برکت والے درخت کے تیل یعنی حضرت ابراہیمؑ کی ذات سے روشن تھا، حضرت ابراہیم یقیناً بہت ہی بابرکت تھے اکثر انبیاء آپ ہی کی نسل سے ہوئے پھر آپ ایسے درخت کی طرح تھے جو نہ شرقی ہو نہ غربی یعنی آپ نہ یہودی تھے نہ عیسائی یہودی مغرب کو منہ کر کے عبادت کرتے ہیں اس لئے یہودیوں کو غربی قرار دیا اور عیسائی شرقی قرار پائے۔

وحی سے قبل ہی کمالات ظاہر ہونے لگے:

یَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ سے اس طرف اشارہ ہے کہ وحی آنے سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اور محاسن ظہور پذیر ہونے والے تھے (آگ کے چھونے یعنی وحی آنے کے بعد تو ان کا ظہور ہو ہی گیا وحی سے پہلے ہی وہ قریب الظہور تھے)

نور اصل اور نور نسل:

نور بالائے نور کا یہ مطلب ہے کہ نور اصل نور نسل کے ساتھ شامل ہو گیا ایک تو نور ابراہیمی تھا پھر نور محمدیؐ اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ پس نور محمدی نور بالائے نور ہو گیا۔

حضرت ابی بن کعب کی تفسیر:

ابو العالیہ نے حسب ذیل تفسیر کی حضرت ابی بن کعب کی طرف نسبت کی ہے کہ یہ مومن کی مثال ہے مومن کی ذات ایک مشکوٰۃ ہے زجاجہ مومن کا سینہ ہے مصباح اس کا دل ہے نور مصباح ایمان اور قرآن کی روشنی ہے جو مومن کے دل میں ہوتی ہے۔ شجرۂ مبارکہ سے یہ روشنی اخلاص اللہ کے مبارک درخت سے حاصل ہوتی ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سرسبز شاداب درخت جو گھنے باغ میں دوسرے درختوں سے گھرا ہوا ہو کہ سورج کے طلوع و غروب کے وقت دھوپ سے محفوظ ہو مومن بھی ہر طرح کے فتنہ سے محفوظ رہتا ہے، چار اوصاف اس کے خصوصی اوصاف ہوتے ہیں اگر اللہ کی طرف سے اس کو کچھ ملتا ہے تو شکر ادا کرتا ہے نہیں ملتا تو صبر کرتا ہے فیصلہ کرتا ہے تو

انصاف کا کرتا ہے بات کہتا ہے تو سچی کہتا ہے اس کا دل ایسا چراغ ہوتا ہے جو آگ چھو جانے کے بغیر بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روشن ہو جانے کے قریب ہے یعنی ظہور حق سے پہلے ہی اس کو معرفت حق حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ اس کا دل فطری طور پر حق پرست ہے، وہ نور بالائے نور ہوتا ہے اس کا قول ایک نور ہوتا ہے اس کا علم ایک نور ہوتا ہے اس کا آنا نور اور جانا نور ہوتا ہے اور قیامت کے دن وہ نور ہی کی طرف جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول:

حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ اللہ کے نور کی مثال ہے جو مومن کے دل میں ہوتا ہے مومن کا دل فطرتاً ہدایت پر عمل کرتا ہے جب اس کو (شریعت کے ذریعہ سے) علم حاصل ہو جاتا ہے تو اس کی ہدایت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے نور بالائے نور ہو جاتا ہے۔

صوفی کا دل:

میں کہتا ہوں صوفی کا دل حق بات، حق عمل اور حق اعتقاد کی وجہ سے کھل جاتا ہے حق کو قبول کرتا ہے اور باطل کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے، باطل سے اس میں انقباض ہو جاتا ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ اپنے دل سے (مشتبہ امور میں) فتویٰ طلب کرو۔ اگرچہ مفتیوں نے تم کو فتویٰ دے دیا رواہ البخاری فی التاریخ بسند حسن۔ جب مومن کے دل میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم آ جاتا ہے تو اس کے اندر یقین وہدایت کا نور اور بڑھ جاتا ہے۔ ''نور علیٰ نور'' کی تشریح میں کلبی نے کہا یعنی مومن کا ایمان اور اس کا عمل، سدی نے کہا نور ایمان اور نور قرآن۔

حسن اور ابن زید کا قول:

حسن اور ابن زید نے کہا یہ قرآن کی مثال ہے مصباح قرآن ہے جس طرح چراغ سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اسی طرح قرآن سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ زجاجہ مومن کا دل ہے مشکوٰۃ اس کا منہ اور زبان ہے، مبارک درخت وحی کا درخت ہے، زیت سے مراد ہے قرآنی دلائل، تیل کے روشن ہو جانے سے مراد ہے حجت قرآن کا واضح ہو جانا خواہ اس کو پڑھا نہ گیا ہو، یعنی نزول قرآن سے پہلے اللہ نے مخلوق کی ہدایت کی نشانیاں اور دلائل قائم فرما دی تھیں پھر جب قرآن نازل ہوا تو نور بالائے نور ہو گیا، نور فطرت میں نور قرآن کا اضافہ ہو گیا۔

بعض علماء کا قول:

بعض علماء نے کہا یہ حقیقت میں اس ہدایت کی تمثیل ہے جو واضح آیات کے مفہوم کے اندر موجود ہے اور اس ہدایت کا ظہور مشکوٰۃ ہے یا یوں کہا جائے کہ لوگوں کے اوہام وخیالات کی تاریکیاں ہدایت کو گھیرے رہتی ہیں پس یہ ہدایت چراغ کی طرح ہے جس کو ہر طرف سے ظلمت محیط ہوتی ہے (اور وہ بیچ میں جگمگاتا رہتا ہے)

انسان کی پانچ علمی ادراکی قوتیں:

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ نے انسان کو پانچ علمی ادراکی قوتیں عطا فرمائی ہیں جن سے انسانی معاش ومعاد وابستہ ہے۔

(۱) حسی قوت (یعنی حس مشترک) جس کے ذریعہ سے دماغ ان چیزوں کو جان لیتا ہے جو ظاہری پانچوں حواس کے ذریعہ سے محسوس ہوتی ہیں۔

(۲) خیال کی قوت یہ طاقت احساسی قوت کے معلومات کا خزانہ ہے محسوسات کی جو صورتیں حسی قوت میں آتی ہیں ان کو یہ اپنے اندر جمع رکھتی ہے تاکہ ضرورت کے وقت قوت عقلیہ کے سامنے لا سکے۔

(۳) قوت عاقلہ جو صرف کلی حقائق کا ادراک کرتی ہے (جزئی صورتوں سے حقائق کلیہ کا تجرد اور استنباط کر لیتی ہے)

(۴) فکری قوت یعنی قوت متفکرہ جو معلومات کو ترتیب دے کر نامعلوم چیزوں کا علم حاصل کرتی ہے اس کا کام دلائل کو جوڑنا اور معلومات کو ترتیب دینا ہے۔

(۵) قوت قدسیہ یہ قوت انبیاء اور اولیاء کے ساتھ مخصوص ہے اسرار ملکوت اور انوار غیب کا اس کے ذریعہ سے انکشاف ہوتا ہے آیت وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا میں یہی قوت مراد ہے۔ آیت زیر تفسیر میں یہی پانچوں قوتیں مشکوٰۃ، زجاجہ، مصباح، شجرہ اور زیت سے مراد ہیں۔

حسی قوت، مشکوٰۃ کی طرح ہے گویا یہ ایک کھڑکی یا روشندان ہے جس کا رُخ باہر کی طرف کو ہے اور صرف محسوسات خارجیہ کو جانتی ہے اپنے پیچھے کا اس کو کچھ ادراک نہیں، اس کا معقولات کے ذریعہ سے روشن ہو جانا بالذات نہیں۔

قوت خیالیہ، اس قارورے یا شیشے کی طرح ہے جو ہر جہتی معقولات کی صورتوں کا ادراک کرتی ہے اور انوار عقلیہ کو اپنے اندر محفوظ رکھتی اور قوت عاقلہ کی ضیاء پاشی سے روشن رہتی ہے۔

قوت عاقلہ ایک چراغ ہے جو علوم کلیہ اور معارف ربانیہ کے نور سے جگمگا رہا ہے، قوت متفکرہ ایک مبارک درخت ہے جس کے پھل لامحدود ہیں یہ زیتون کا درخت ہے جس سے روغن پیدا ہوتا ہے اور اسی روغن سے چراغ روشن ہوتا ہے۔ یہ درخت نہ غربی ہے نہ شرقی، کیونکہ تمام جسمانی عوارض سے پاک ہے یا یوں کہو کہ یہ درخت فکر یہ صورتوں اور معانی کے درمیان واقع ہے، دونوں سے بہرہ یاب ہوتا ہے اور دونوں میں تصرف کرتا ہے۔

قوت قدسیہ روغن زیتون کی طرح صاف وشفاف ہے، بغیر سوچ، بچار اور کسی سے سیکھنے کے خود ہی معارف وعلوم کی نورانیت سے جگمگا جانے کے

قریب ہوتی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ آیت مذکورہ میں قوت عقلیہ کی تمثیل ہو، ہر شخص کی قوت عقلیہ و عملیہ ہر قسم کی صورتوں سے خالی ہوتی ہے لیکن قبولِ علم کی اس میں صلاحیت و استعداد ہوتی ہے اس درجہ کو آیت میں مشکوٰۃ قرار دیا ہے (قدماء فلاسفہ حسبِ صراحت بہ ہروی و شیخ ابن سینا قوتِ عقلیہ کے اس مرتبہ کو عقل ہیولانی کہتے ہیں)

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تشریح:

حضرت مجدد الف ثانی کے کشفِ الہامی پر مبنی آیت زیر تفسیر کی دو تاویلیں اور بھی ہیں جن کو ہم اس جگہ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ (۱) اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی آسمان وزمین کو موجود کرنے والا اور پردہ عدم سے میدان خارجی میں لانے والا ہے اور یہ وجود خارجی مثل ظل اور سایہ کے ہے۔

مَثَلُ نُوْرِہٖ نور سے مراد ہے وجود عظمت نور کو ظاہر کرنے کے لئے اپنی ذات کی طرف نور کی نسبت کی جیسے بیت اللہ (خانۂ خدا) اور ناقۃ اللہ (اللہ کی براہِ راست پیدا کی ہوئی متبرک اونٹنی) کہا جاتا ہے یا یوں کہاں جائے کہ ماہیاتِ ممکنات پر وجود خداوندی پرتو انداز اور سایہ افگن ہے جیسے چاند اور سورج کے مقابل جو خطہ زمین آجاتا ہے اس پر چاند اور سورج کا نور عکس ریز ہوتا ہے۔

کَمِشْکٰوۃٍ یعنی جیسے مشکوٰۃ (طاقچہ ، چراغ دان) کی روشنی ، مضاف محذوف ہے۔

فِیْھَا مِصْبَاحٌ یعنی مشکوٰۃ کے اندر چراغ روشن ہے اور چراغ کی روشنی سے مشکوٰۃ پرنور ہو رہا ہے اسی طرح اللہ کی صفات و اسماء کے چراغ سے تمام ممکنات کی حقیقتیں نورِ وجود حاصل کر رہی ہیں۔

اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ یعنی چراغ کی نور پاشی بدرجہ کمال ہے، حضرت مجدد نے فرمایا انبیاء اور اولیاء کو چھوڑ کر باقی تمام ممکنات کے مبادیٔ تعین اللہ کی صفات نہیں بلکہ صفات کا پرتو اور ظل مبدءِ تعین ہے اس کی توضیح یہ ہے کہ اللہ اپنی صفات کمال کو بھی جانتا ہے اور ان صفات کے نقائص کو بھی یعنی وہ اپنی صفات ثبوتیہ کا بھی علم رکھتا ہے اور صفات سلبیہ تنزیہیہ کا بھی۔ جیسے موت نقیض حیات ہے جہالت نقیض علم ہی کمزوری اور عجز قدرت کی نقیض ہے۔ بہرا ہونا سننے کی نقیض ہے نابینا ہونا بینا ہونے کی نقیض گونگا ہونا کلام کی نقیض ہے، مجبور ہونا بااختیار ہونے کی نقیض ہے اور تعطل تکوین کی نقیض ہے۔

جب اللہ کی صفات ثبوتیہ اور سلبیہ مرتبہ علم میں جمع ہو جاتی ہیں تو نقائص کی تصویریں صفات سلبیہ کے ساتھ آمیختہ ہو جاتی ہیں ان مخلوطات کی حقیقت عدم ہوتی ہے اور سلب صفات ان کے عوارض ہوتے ہیں یعنی یہ صفات سلبیہ اور تنزیہیہ ہوتی ہیں۔ صوفیا کی اصطلاح میں انہی مخلوطات کو ظل صفات کہتے انہی کو اعیانِ ثابتہ کہا جاتا ہے یہی ممکنات اور حقائق ممکنات کے مبادیٔ تعین ہوتے ہیں یہی حقائق امکانیہ کی مربی (تعین کرنے والی) ہوتی ہیں، صفات کی تشبیہ روشن چراغ سے دی جاسکتی ہے اور ظلالِ صفات کو شیشہ کہہ سکتے ہیں اور ماہیات امکانیہ کے وجود و ظہور کو مشکوٰۃ قرار دیا جاسکتا ہے، چراغ کی روشنی سے شیشہ اور قارورہ روشن ہو جاتا ہے، مصباح کے نور سے شیشہ جگمگا جاتا ہے۔

مسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نور اللہ (کے چہرہ) کا نقاب ہے اگر وہ اس نقاب کو کھول دے تو اس چہرے کے چمکارے (شعاعیں) وہاں تک ساری مخلوق کو جلا کر سوختہ کر دیں جہاں تک اس کی نظر پہنچے۔ شاید اس حدیث میں نور سے مراد مرتبہ ظلال ہے اور انوار وجہ سے مراد ہیں صفات۔

بات یہ ہے کہ عام ممکنات کی ماہیات اپنی استعداد کی کمزوری سے براہِ راست ظلال کی وساطت کے بغیر صفات سے نورِ وجود کو حاصل نہیں کر سکتیں۔ اگر ظلال صفات کا توسط نہ ہو تو عام ممکنات معدوم ہو جائیں البتہ انبیاء واولیاء اپنی استعداد و صلاحیت کی قوت کی وجہ سے براہِ راست صفات سے بہرہ اندوز ہو سکتے ہیں۔

اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یعنی نورِ مصباح سے شیشہ روشن اور چمکیلا ہو جاتا ہے شیشہ کو دیکھ کر دھوکا ہو جاتا ہے کہ یہی مصباح ہے دیکھنے والے شیشہ (یعنی فانوس) اور چراغ میں امتیاز نہیں کر پاتے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

رَقَّ الزُّجَاجُ وَرَقَّتِ الْخَمْرُ فتشابھا وَتشاکل الْاَمْرُ

(ترجمہ) شیشہ بھی شفاف ہے اور شراب بھی شفاف ہے، دونوں ہم شکل ہیں۔

فَکَاَنَّمَا خَمْرٌ وَلَا زُجَاجٌ وَکَاَنَّمَا زُجَاجٌ وَلَا خَمْرٌ

(ترجمہ) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صرف شراب ہے شیشہ نہیں ہے اور یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ صرف شیشہ ہے شراب نہیں ہے۔

ظلال و صفات میں چونکہ اتنا اشتباہ ہے کہ دونوں میں امتیاز کرنا بہت مشکل ہے اسی لئے عارفوں کا ایک گروہ یعنی وہ صوفی جو وحدۃ الوجود کے قائل ہیں نظری فریب میں مبتلا ہو گئے۔ ظلال کو صفات سمجھ بیٹھے دونوں مرتبوں کا فرق نہ سمجھ سکے اور صفات کو عین ذات کہنے لگے اور خیال کرنے لگے کہ ممکنات کی ماہیات میں جو حقیقت جلوہ انداز ہے وہ ان ممکنات کی عین ہے نور پذیر اور نور افگن ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اسی غلط فہمی کی بنیاد پر وہ پکار اُٹھے، لیس فی الکون الا اللّٰہ عالم وجود میں سوائے اللہ کے اور کچھ نہیں۔ ایک عارف نے کہا۔ لَیْسَ فِی جُبَّتِیْ سوی اللّٰہ میرے جبہ کے اندر سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں، ایک وجودی شاعر کا قول ہے۔

لا مُلْکَ سُلَیْمَان وَلا بلقیسُ وَلا اٰدم فی الکون ولاابلیسُ

(ترجمہ) عالم وجود میں نہ ملک سلیمان ہے نہ بلقیس نہ آدمی نہ ابلیس۔

وَالکل صُوَرٌ وانت المعنی یامن ھُوَ للقلوب مقناطیس

(ترجمہ) اے وہ ذات جو دلوں کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے مقناطیس ہے حقیقت تو ہی ہے اور باقی سارا جہان محض صورتیں، مورتیں ہیں۔

یہ ساری خرافات سکر اور فریفتگی عشق کا نتیجہ ہیں یہ لوگ جلوہ آفریں اور جلوہ پذیر میں فرق نہ کر سکے۔

ذات اور صفات:

شیخ مجدد نے فرمایا صفات ضرور ذات سے زائد ہیں اور خارج (یعنی نفس الامر) میں ان کا وجود ہے نصوص قرآنی اور صراحت احادیث سے یہی ثابت ہے لیکن ذات فی نفسہا ترتب آثار میں صفات کی محتاج نہیں ہے (یعنی تنہا ذات بغیر صفات کے اظہار آثار کے لئے کافی ہے) اگر ہم ساری صفات کا عدم فرض کر لیں تب بھی آثار کا ظہور ذات سے ضرور ہوگا۔ مثلاً اگر سننے اور دیکھنے کی صفت ذات میں نہ مانی جائے تب بھی تنہا ذات ان آثار کے اظہار کے لئے کافی ہے جو شنوائی اور بینائی کی صفات پر مرتب ہوتے ہیں۔ شنوائی کے آثار اگر (بغیر صفت سمع کے) تنہا ذات سے ظاہر ہوں تو اس وقت اس کو شان سمع کہا جائے گا اسی طرح بصارت کے آثار بغیر صفت بصارت کے ذات سے ظاہر ہو سکتے ہیں اس لئے اس کو شانِ بصارت کہا جائے گا۔

نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یعنی ایک تو چراغ کا نور ہے جو شیشے اور مشکوٰۃ کو روشن کر رہا ہے دوسرا درخت زیتون کے روغن کا نور ہے جیسے ایک نور صفات ہے جس سے آثار کا ظہور ماہیات کی نور اندوزی اور ممکنات کی ایجاد وابستہ ہے دوسرا نور شیونِ ذات کا ہے اس طرح نور بالائے نور ہے۔

یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ یعنی جس شخص کو چاہتا ہے اللہ اپنا نور معرفت عطا فرماتا ہے اس کی معرفت کا نور خاص خاص عارف ہی حاصل کرتے ہیں۔

ایجادِ اشیاء: اس توجیہ پر اس آیت میں ایجادِ اشیاء کی طرف اشارہ ہوگا وجود خارجی وظلی کے میدان میں پردۂ عدم سے نکل کر آنا مراد ہوگا اور اس بات کا ثبوت ہوگا کہ تمام موجودات سے ذات خداوندی انتہائی قریب ہے۔

سورۂ قاف کی آیت وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ کی تفسیر میں ہم نے اقربیت ذات کی مفصل تشریح کر دی ہے۔

(۲) دوسری تاویل جو سلف سے مروی ہے حسب ذیل ہے

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی آسمان و زمین کے رہنے والوں کو اللہ اپنی معرفت کا راستہ بتانے والا ہے پس تمام اہل ارض وسما اسی کے نور کے ذریعہ سے ذات وصفات کی معرفت کا راستہ پاتے اور مراتب قرب تک ترقی کرتے جاتے ہیں آیت قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ اور آیت اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ میں درپردہ اسی نور کو بیان کیا ہے۔ ایک حدیث قدسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ فرماتا ہے میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے میرا قرب حاصل کرتا جاتا ہے، بالآخر میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ الحدیث۔ اسی قرب کا نام ولایت خاصہ ہے۔

مؤمن کے دل میں نور کی مثال:

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ یعنی مومن کے دل میں اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے مشکوٰۃ کا نور جس کے اندر چراغ روشن ہو۔ پس مومن کا دل ایک مشکوٰۃ ہے جس کے اندر صفاتِ الٰہی کی جلوہ پاشی ہو رہی ہے او رصفاتِ خداوندی مثل روشن چراغ کے ہیں۔ اور یہ چراغ زیتون کے ایک بابرکت درخت (کے تیل) سے روشن ہے اور درخت بھی وہ ہے جو شرقی ہے نہ غربی، یعنی صفاتِ الٰہیہ ذات الٰہی سے پھوٹ رہی ہیں اور ذات کے اندر شیون ذاتیہ اور اعتبارات ان صفات کے لئے سرچشمہ ہیں۔

اولیاء کی نور چینی:

اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ اس آیت میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ اولیاء عموماً براہ راست صفاتِ الٰہیہ سے پرتو اندوز نہیں ہو سکتے، ان کی نور چینی ظلال کی وساطت پر موقوف ہے ظلال کے پردے کے پیچھے صفات ہیں جو ظلال پر پرتو افگن ہیں اور ظلال کی نور پاشی اولیاء پر ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

(۱) ظہور (۲) بطون۔ ظہوری حیثیت تو یہ ہے کہ وہ ذات الٰہی کے ساتھ قائم ہیں۔ یہی ظہورِ صفات ولایت کبریٰ یعنی ولایت انبیاء ہے اور بطون کی حیثیت کا نام ولایتِ عُلیا یعنی ولایت ملائکہ ہے۔

انبیاء کے بعد صدیقین کا مرتبہ ہے صدیقین صحابہ کے متعلق فرمایا ہے، ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ اور صحابہ کے بعد دوسرے صدیقوں کے متعلق فرمایا، وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ صدیق مرتبہ صفات وشیون سے ترقی کر کے مرتبۂ ذات تک پہنچتے ہیں۔ صفات وشیون کے حجاب کے بغیر خالص ذات ان پر جلوہ پاش ہو جاتی ہے آیت میں آخری دونوں فریقوں کے متعلق کوئی اشارہ نہیں ہے البتہ نور علیٰ نور سے اولیاء کے مراتب وصول کے اختلاف کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس مقام پر ایک نور دوسرے نور سے اوپر ہے درجۂ نورانیت میں بڑا تفاوت ہے۔

تاریکی کے بعد نور:

یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ اللہ اپنے نور کے ذریعہ سے جس کو چاہتا

ہے ہدایت یاب کر دیتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ اللہ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا پھر اس پر اپنے نور کا کچھ حصہ (پرتو) ڈالا، پس جس شخص نے اس نور کا کچھ حصہ پالیا وہ ہدایت یاب ہو گیا اور جس نے نور کا حصہ نہ پایا وہ گمراہ ہو گیا اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اللہ کے علم پر قلم خشک ہو گیا۔ رواہ احمد والترمذی۔

نور پڑنے اور پہونچنے کی صورت یہ ہے کہ جس ذاتِ گرامی کو اللہ نے رحمت عالم بنا کر بھیجا اور اس کے سینے کو کھول دیا اور اس کے دل کے اندر نور حکمت اور ایمان کو بھر دیا، اس کی پیروی کی جائے اس کے چمکتے ہوئے نور کا کوئی چمکارا چن لیا جائے اپنے دل کو اس رحمت عالم کے دل کا آئینہ بنا دیا جائے تاکہ اپنا دل بھی بقدرِ نورچینی روشن ہو جائے۔ آدمی تین طرح کے ہیں ایک وہ گروہ ہے جس نے صورتِ ایمان حاصل کر لی، دنیا میں کفر سے اور آخرت میں دوزخ سے نجات پالی، دوسرا وہ گروہ ہے جس نے حقیقت پالی حقیقت ایمان پانے والوں کے درجات مختلف ہیں۔ تیسرا وہ طبقہ ہے جس نے نور ایمان قطعاً حاصل نہیں کیا، صحیح راستہ سے محروم رہا، اور ادھر اُدھر بھٹکتا رہا۔ یہ گروہ اہلِ ضلالت کا ہے۔

نور کے برتن:

حضرت ابوعنبہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، زمین والوں میں اللہ (کے نور) کے کچھ ظروف ہیں، یعنی اللہ کے نیک بندوں کے دل، جو دل سب سے زیادہ نرم اور بہت زیادہ پسیجنے والے ہیں، اللہ کو وہ سب سے زیادہ پیارے ہیں۔ رواہ الطبرانی

قرآنی تمثیلات:

وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ اور لوگوں کے فائدے کے لئے اللہ مثالیں بیان کرتا ہے، یعنی وہ عقلی معانی جن کو آدمی حواس کے ذریعہ سے نہیں سمجھتا ان کو سمجھانے کے لئے اللہ محسوس مثالیں دیتا ہے تاکہ غیر محسوس امور کا انسان کو علم ہو جائے، آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ اپنے اولیاء کو عالمِ مثال میں ان چیزوں کی تصویریں دکھا دیتا ہے جن کی (عالم محسوسات و معقولات میں) کوئی تصویر نہیں اور اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ حق بالکل نمایاں ہو کر ان کے سامنے آ جائے اور وہ حقیقت کی صورت دیکھ لیں۔ بات یہ ہے کہ اللہ سے بندے کا قریب ہونا تو قرآن اور حدیث سے ثابت ہے، نوافل کے ذریعہ سے بندہ اللہ کا قرب حاصل کرتا رہتا ہے لیکن یہ قرب جسمانی نہیں، مادی نہیں، بے کیف ہے اس کی کیفیت نہیں بیان کی جا سکتی۔ نہ حواس ظاہری و باطنی سے اس کا احساس کیا جا سکتا ہے نہ عقلِ نارسا کی علمی رسائی وہاں تک ہے۔ نہ علم حصولی کا اس سے تعلق ہے نہ اس کا علم حضوری ہو سکتا ہے بلکہ عقلی اور حسی علم کے علاوہ براہ راست اللہ کی طرف اس کا فیضان ہوتا ہے اسی علم کو بطور کنایہ بیان کیا گیا ہے اس حدیث قدسی میں جس میں اللہ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے حتی کنت سمعه الذی یسمع به (میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے) علم وجدانی کے حصول کا براہِ راست فیضان کے علاوہ ایک اور ذریعہ بھی ہوتا ہے، عالمِ مثال میں ان تمام حقائق و معانی کی صورتیں اور جسمانی شکلیں موجود ہیں جن کی اس عالم جسمانی میں کوئی شکل نہیں (مثلاً عداوت، محبت، صداقت، علم، ایمان، جہالت وغیرہ ایسے معانی ہیں جن کی کوئی شکل اس عالم میں موجود نہیں، ہاں ان معانی کے مظاہر موجود ہیں) صوفی عالم مثال میں ظلال کا دائرہ دیکھتا ہے اور صفات کا دائرہ بھی اس کو نظر آتا ہے اور جتنا نوافل کو انابت اور رجوع الی اللہ کے زینے پر آگے بڑھاتا ہے اس کو اپنی ذات دائرۂ ظلال کی طرف بڑھتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ آخر دائرۂ ظلال میں اس کی ذات مخلوط ہو کر گم ہو جاتی ہے۔ اور دائرے کے رنگ میں ڈوب جاتی ہے اس کے آگے دائرہ صفات کی طرف اس کی سیر شروع ہوتی ہے اور جب حدود صفات تک اس کی رسائی ہو جاتی ہے تو اس وقت وہ اپنی انفرادی ہستی کھو دیتا ہے اور صفات کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔

حقیقت میں وہاں کوئی رنگ نہیں ہوتا (رنگ تو عرض کی قسم ہے اور مقولۂ کیف سے ہے وہاں تو کوئی کیفیت نہیں) لیکن سمجھانے کے لئے کوئی لفظ نہیں۔ زبان اس حالت کو بیان کرنے سے قاصر ہے اس لئے رنگ کا لفظ استعمال کیا گیا، اللہ نے فرمایا ہے سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ہم ان کو انفسی اور آفاقی نشانیاں دکھاتے ہیں تاکہ ان کو کامل انکشاف ہو جائے کہ اللہ ہی حق ہے (اور اللہ کے سوا ہر چیز باطل اور بے حقیقت) وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اور اللہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے۔ یہ جملہ حالیہ ہے (یعنی ایسا نہیں کہ بغیر علم کے اللہ مثالیں بیان کرتا ہے۔ نہیں ایسا نہیں۔ بلکہ بخوبی کامل علم کی حالت میں اللہ بیان فرماتا ہے)۔ (تفسیر مظہری)

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ

اُن گھروں میں کہ اللہ نے حکم دیا اُن کو بلند کرنے کا

مسجدوں کی تعمیر و تعظیم:

اُن کی تعظیم و تطہیر کا حکم دیا یعنی اُن کی خبر گیری کی جائے اور ہر قسم کی گندگی اور لغو افعال و اقوال سے پاک رکھا جائے۔ مساجد کی تعظیم میں یہ بھی داخل ہے کہ وہاں پہنچ کر دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے۔ (تفسیر عثمانی)

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ ان گھروں میں جن کو بنانے کا اللہ نے حکم دیا ہے بیوت سے مراد ہیں مسجدیں۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ مسجدیں زمین پر اللہ کے گھر ہیں یہ آسمان والوں کی نظر میں ایسی چمکیلی دکھائی دیتی ہیں جیسے زمین والوں کے لئے ستارے۔ مسجدیں بلند کرنے سے مراد ہے مسجدوں کا بنایا جانا، کذا قال مجاہد۔ رفع بمعنی تعمیر آیت وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ میں بھی آیا ہے (جب ابراہیم بیت اللہ کی دیواریں اٹھارہے تھے، یعنی بنارہے تھے) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کے (ذکر) کے لئے مسجد بنائے گا اللہ جنت کے اندر اس کے لئے گھر بنادے گا۔ (متفق علیہ من حدیث عثمان)

حسن نے کہا آیت اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ اس کے گھر کی تعظیم کی جائے، یعنی اس میں بیہودہ بُری باتیں نہ کی جائیں، آیت اَنْ طَھِّرَا بَیْتِیَ میں پاک رکھنے سے مراد بھی یہی ہے کہ اس میں بُری باتیں نہ کی جائیں۔

پیغمبروں کی بنائی ہوئی مسجدیں:

بغوی نے بروایت صالح بن حبان بریدہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ صرف چار مسجدیں ہیں جن کو پیغمبروں نے بنایا تھا کعبہ کو حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل نے بنایا، بیت المقدس کو حضرت داؤد و حضرت سلیمان نے بنایا، مسجد مدینہ اور مسجد قبا کو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا، مسجد قبا وہی مسجد ہے جس کی بنیاد اول دن سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی تھی۔

میں کہتا ہوں یہ مسجدیں گو بڑی فضیلت رکھتی ہیں لیکن انہی کو خاص طور پر مراد قرار دینے کی کوئی دلیل نہیں۔ اس لئے زیادہ مناسب یہ ہے کہ فی بیوت کو یہدی اللہ لنورہ سے وابستہ قرار دیا جائے اکثر ہدایت الہیہ مسجدوں کے اندر اعتکاف کرنے والوں اور نماز ادا کرنے والوں کو حاصل ہوتی ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز مومن کی معراج ہے۔ یہ بھی ارشاد فرمایا، بندہ اپنے رب سے بہت زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے لہٰذا تم (سجدہ میں) دعا بہت کیا کرو۔ رواہ مسلم وابوداؤد والنسائی عن ابی ہریرۃؓ۔ (تفسیر مظہری)

اللہ کی محبت کا راستہ:

جمہور مفسرین کے نزدیک ان بُیوت سے مراد مساجد ہیں۔
مساجد اللہ کے گھر ہیں ان کی تعظیم واجب ہے

قرطبی نے اسی کو ترجیح دی اور استدلال میں حضرت انسؓ کی یہ حدیث پیش کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنا چاہتا ہے اس کو چاہئیے کہ مجھ سے محبت کرے۔ اور جو مجھ سے محبت رکھنا چاہے اس کو چاہئیے کہ میرے صحابہ سے محبت کرے۔ اور جو صحابہ سے محبت رکھنا چاہے اس کو چاہئیے کہ قرآن سے محبت کرے۔ اور جو قرآن سے محبت رکھنا چاہے اس کو چاہئیے کہ مسجدوں سے محبت کرے کیونکہ وہ اللہ کے گھر ہیں، اللہ نے اُن کی تعظیم کا حکم دیا ہے اور ان میں برکت رکھی ہے وہ بھی بابرکت اور ان کے رہنے والے بھی بابرکت وہ بھی اللہ کی حفاظت میں ہیں اور ان کے رہنے والے بھی حفاظت میں۔ وہ لوگ اپنی نمازوں میں مشغول ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کے کام بناتے اور حاجتیں پوری کرتے ہیں وہ مسجدوں میں ہوتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اُن کے پیچھے اُن کی چیزوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ (قرطبی)

بدبو کے ساتھ مسجد میں نہ آئے:

صحیح مسلم میں حضرت فاروق اعظمؓ سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس شخص کے منہ سے لہسن یا پیاز کی بدبو محسوس فرماتے تھے اس کو مسجد سے نکال کر بقیع میں بھیج دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس کو لہسن پیاز کھانا ہی ہو تو اس کو خوب اچھی طرح پکا کر کھائے کہ اُن کی بدبو ماری جائے۔

مسجدوں کی شان وشوکت اور زینت:

رفع مساجد کا مفہوم جمہور صحابہ و تابعین کے نزدیک یہی ہے کہ مسجدیں بنائی جائیں اور ان کو ہر بُری چیز سے پاک صاف رکھا جائے۔ بعض حضرات نے اس میں مسجدوں کی ظاہری شان وشوکت اور تعمیری بُلندی کو بھی داخل قرار دیا ہے اور استدلال کیا ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ نے مسجد نبوی کی تعمیر اصل کی لکڑی سے شاندار بنائی تھی اور حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے مسجد نبوی میں نقش و نگار اور تعمیری خوبصورتی کا کافی اہتمام فرمایا تھا اور یہ زمانہ اجلۂ صحابہ کا تھا کسی نے اُن کے اس فعل پر انکار نہیں کیا اور بعد کے بادشاہوں نے تو مسجدوں کی تعمیرات میں بڑے اموال خرچ کئے ہیں۔ ولید بن عبدالملک نے اپنے زمانہ خلافت میں دمشق کی جامع مسجد کی تعمیر وتزیین پر پورے ملک شام کی سالانہ آمدنی سے تین گنا زیادہ مال خرچ کیا تھا اُن کی بنائی ہوئی یہ مسجد آج تک قائم ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر نام ونمود اور شہرت کے لئے نہ ہو اللہ کے نام اور اللہ کے گھر کی تعظیم کی نیت سے کوئی شخص مسجد کی تعمیر شاندار بلند و مستحکم خوبصورت بنائے تو کوئی ممانعت نہیں بلکہ امید ثواب کی ہے۔

فضائل مساجد:

ابوداؤد نے حضرت ابوامامہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے گھر سے وضو کر کے فرض نماز کے لئے مسجد کی طرف نکلا اُس کا ثواب اُس شخص جیسا ہے جو احرام باندھ کر گھر سے حج کے لئے نکلا ہو اور جو

شخص نمازِ اشراق کے لئے اپنے گھر سے وضو کر کے مسجد کی طرف چلا تو اس کا ثواب عمرہ کرنے والے جیسا ہے۔ اور ایک نماز کے بعد دوسری بشرطیکہ ان دونوں کے درمیان کوئی کام یا کلام نہ کرے، علیین میں لکھی جاتی ہے۔ اور حضرت بریدہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ اندھیرے میں مساجد کو جاتے ہیں اُن کو قیامت کے روز مکمل نور کی بشارت سنا دیجئے۔ (رواہ مسلم)

اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا، گھر میں یا دُکان میں نماز پڑھنے کی نسبت بیس سے زائد درجہ افضل ہے اور یہ اس لئے کہ جب کوئی شخص وضو کرے اور اچھی طرح (سنت کے مطابق) وضو کرے پھر مسجد کو صرف نماز کی نیت سے چلے اور کوئی غرض نہ ہو تو ہر قدم پر اس کا مرتبہ ایک درجہ بلند ہو جاتا ہے اور ایک گناہ معاف ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ مسجد میں پہنچ جائے۔ پھر جب تک جماعت کے انتظار میں بیٹھا رہے گا اس کو نماز ہی کا ثواب ملتا رہے گا اور فرشتے اس کے لئے یہ دعا کرتے رہیں گے کہ یا اللہ، اس پر رحمت نازل فرما اور اس کی مغفرت فرما، جب تک کہ وہ کسی کو ایذا نہ پہنچائے اور اس کا وضو نہ ٹوٹے۔ اور حضرت حکم بن عُمیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں مہمانوں کی طرح رہو اور مسجدوں کو اپنا گھر بناؤ۔ (معارف القرآن)

اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخر زمانے میں ایسے لوگ ہوں گے جو مسجدوں میں آ کر جگہ جگہ حلقے بنا کر بیٹھ جائیں گے اور وہاں دنیا ہی کی اور اس کی محبت کی باتیں کریں گے تم ایسے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایسے مسجد میں آنے والوں کی ضرورت نہیں۔ اور حضرت سعید بن مسیّبؒ نے فرمایا کہ جو شخص مسجد میں بیٹھا گویا وہ اپنے رب کی مجلس میں بیٹھا ہے اس لئے اُس کے ذمہ ہے کہ زبان سے سوائے کلمۂ خیر کے اور کوئی کلمہ نہ نکالے۔ (قرطبی)

مساجد کے پندرہ آداب:

علماء نے آدابِ مساجد میں پندرہ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اول یہ کہ مسجد میں پہنچنے پر اگر کچھ لوگوں کو بیٹھا دیکھے تو اُن کو سلام کرے اور کوئی نہ ہو تو السلام علینا وعلیٰ عباد الله الصالحین کہے (لیکن یہ اُس صورت میں ہے جبکہ مسجد کے حاضرین نفلی نماز یا تلاوت و تسبیح وغیرہ میں مشغول نہ ہوں ورنہ اس کو سلام کرنا درست نہیں۔) دوسرے یہ کہ مسجد میں داخل ہو کر بیٹھنے سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد کی پڑھے (یہ بھی جب ہے کہ اس وقت نماز پڑھنا مکروہ نہ ہو، مثلاً عین آفتاب کے طلوع یا غروب یا استواء نصف النہار کا وقت نہ ہو۔ ۱۲ش) تیسرے یہ کہ مسجد میں خرید و فروخت نہ کرے۔ چوتھے یہ کہ وہاں تیر تلوار نہ نکالے۔ پانچویں یہ کہ مسجد میں اپنی گم شدہ چیز تلاش کرنے کا اعلان نہ کرے۔ چھٹے یہ کہ مسجد میں آواز بلند نہ کرے۔ ساتویں یہ کہ وہاں دنیا کی باتیں نہ کرے۔ آٹھویں یہ کہ مسجد میں بیٹھنے کی جگہ میں کسی سے جھگڑا نہ کرے۔ نویں یہ کہ جہاں صف میں پوری جگہ نہ ہو وہاں گھس کر لوگوں پر تنگی پیدا نہ کرے۔ دسویں یہ کہ کسی نماز پڑھنے والے کے آگے سے نہ گزرے۔ گیارھویں یہ کہ مسجد میں تھوکنے ناک صاف کرنے سے پرہیز کرے۔ بارھویں اپنی انگلیاں نہ چٹخائے تیرھویں یہ کہ اپنے بدن کے کسی حصہ سے کھیل نہ کرے۔ چودھویں نجاسات سے پاک صاف رہے اور کسی چھوٹے بچے یا مجنون کو ساتھ نہ لے جائے پندرھویں یہ کہ وہاں کثرت سے ذکر اللہ میں مشغول رہے۔

قرطبی نے یہ پندرہ آداب لکھنے کے بعد فرمایا ہے کہ جس نے یہ کام کر لئے اُس نے مسجد کا حق ادا کر دیا اور مسجد اس کے لئے حرز و امان کی جگہ بن گئی۔

احقر نے مساجد کے آداب و احکام ایک مستقل رسالہ بنام ''آداب المساجد'' میں جمع کر دیئے ہیں جن کو ضرورت ہو اس کا مطالعہ فرمائیں۔

وہ مکانات جو مساجد کے حکم میں ہیں:

تفسیر بحر محیط میں ابو حیان نے فرمایا کہ فی بیوت کا لفظ قرآن میں عام ہے جس طرح مساجد اس میں داخل ہیں اسی طرح وہ مکانات جو خاص تعلیم قرآن تعلیم دین یا وعظ و نصیحت یا ذکر و شغل کے لئے بنائے گئے ہوں جیسے مدارس اور خانقاہیں، وہ بھی اس حکم میں داخل ہیں اُن کا بھی ادب و احترام لازم ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ
اور وہاں اُس کا نام پڑھنے کا

تسبیح و تہلیل اور تلاوت قرآن وغیرہ سب اذکار اس میں شامل ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وہ کام جو مساجد میں ناجائز ہیں:

فرمان ہے کہ جسے مسجد میں خرید و فروخت کرتے ہوئے دیکھو تو کہو کہ اللہ تو تیری تجارت میں نفع نہ دے اور جب کسی کو گم شدہ جانور مسجد میں تلاش کرتا ہوا پاؤ تو کہو کہ اللہ تعالیٰ کرے نہ ملے (ترمذی) ارشاد ہے کہ بہت سی باتیں مسجد کے لائق نہیں، مسجد کو راستہ نہ بنایا جائے۔ مسجد میں ہتھیار نہ نکالے جائیں، مسجد میں تیر کمان پر نہ لگایا جائے نہ تیر پھیلائے جائیں، نہ کچا گوشت لایا جائے نہ یہاں حد ماری جائے، نہ یہاں باتیں اور قصے کہے جائیں نہ اسے بازار بنایا جائے (ابن ماجہ) فرمان ہے کہ ہماری مسجدوں سے اپنے بچوں کو اور دیوانوں کو اور خرید و فروخت کو اور لڑائی جھگڑے کو اور بلند آواز سے بولنے کو اور حدوں کے جاری کرنے کو اور تلواروں کے ننگی کرنے کو روکو، ان

کے دروازوں پر وضو وغیرہ کی جگہ بناؤ اور جمعہ کے دن انہیں خوشبو سے مہکا دو (ابن ماجہ) اس کی سند ضعیف ہے۔

سائب بن یزید کندیؓ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں کھڑا تھا کہ اچانک مجھ پر کسی نے کنکر پھینکا میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے مجھ سے فرمانے لگے جاؤ اُن دونوں شخصوں کو میرے پاس لاؤ جب میں آپ کے پاس انہیں لایا تو آپ نے دریافت فرمایا تم کون ہو؟ یا پوچھا کہ تم کہاں کے ہو؟ انہوں نے کہا ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا اگر تم یہاں کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا، تم مسجد نبوی میں اونچی اونچی آوازوں سے بول رہے ہو؟ (بخاری)

مسجد میں جانے کی دُعاء:

ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں جائے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجے پھر اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ پڑھے اور جب مسجد سے نکلے تو نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیج کر اَللّٰھُمَّ اعْصِمْنِیْ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھے

عورتوں کا مسجد میں آنا:

صحیحین میں ہے کہ مسلمان عورتیں صبح کی نماز میں آتی تھیں پھر وہ اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی چلی جاتی تھیں اور بوجہ رات کے قدرے اندھیرے کے وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ عورتوں نے یہ جو نئی نئی باتیں نکالی ہیں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کو پا لیتے تو انہیں مسجدوں میں آنے سے روک دیتے جیسے کہ بنو اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں (بخاری و مسلم) (تفسیر ابن کثیر)

یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝
یاد کرتے ہیں اُس کی وہاں صبح اور شام

نمازوں کی تاکید: یعنی تمام مناسب اوقات میں خدا کو یاد کرتے ہیں بعض مفسرین نے کہا کہ ''غدو'' سے صبح کی نماز مراد ہے اور ''آصال'' میں باقی چاروں نمازیں داخل ہیں۔ کیونکہ اصیل زوال شمس سے صبح تک کے اوقات پر بولا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے ایک روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ صبح کی تسبیح سے چاشت کی نماز مراد ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو شخص باوضو فرض نماز کے لئے چل کر جاتا ہے اس کا ثواب محرم حاجی کی طرح ہوتا ہے اور جو چاشت کی نماز کی غرض سے چل کر جاتا ہے اور صرف چاشت کی نماز کا ارادہ ہی اس کو کھڑا کرتا ہے اس کا ثواب عمرہ کرنے والے کے ثواب کے برابر ہوتا ہے اور (ایک) نماز کے پیچھے (دوسری) نماز علیین میں لکھ دی جاتی ہے۔

بغوی اور طبرانی نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے جو شخص فرض نماز کے لئے پیدل چل کر گیا تو (اس کا یہ عمل) ایسا ہے جیسے ایک حج (کرنا) اور جو شخص نفل نماز کے لئے پیدل چل کر گیا تو یہ نماز نفل عمرہ کی طرح ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ
وہ مرد کہ نہیں غافل ہوتے سودا کرنے میں اور نہ بیچنے میں اللہ کی یاد سے
وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ
اور نماز قائم رکھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے

اللہ کے بندے:

یعنی معاش کے دھندے اُن کو اللہ کی یاد اور احکام الٰہیہ کی بجا آوری سے غافل نہیں کرتے۔ بڑے سے بڑا بیوپار یا معمولی خرید و فروخت کوئی چیز خدا کے ذکر سے نہیں روکتی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہی شان تھی۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہل علم نے کہا کہ تجارت سے مفید لین دین مراد ہے اور اس کے بعد بیع کا خصوصی ذکر بیع کی اہمیت دکھانے کے لئے کیا گیا ہے۔

ذکر اللہ سے مراد ہے نماز پڑھنے کے لئے مسجدوں میں آنا۔ بغوی نے بروایت سالم حضرت ابن عمر کا قول نقل کیا ہے کہ میں بازار میں تھا، اتنے میں نماز کی اقامت ہوئی۔ لوگ اُٹھ کر دکانیں بند کر کے مسجد میں چلے گئے انہیں کے متعلق آیت لَا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ الخ نازل ہوئی۔

یا ذکر اللہ سے مراد ہے اللہ کی عمومی یاد اور مالک سے لو لگانا اس وقت ذکر اللہ کا لفظ عام ہوگا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ نماز قائم کرنے سے مراد ہے مقررہ اوقات میں نماز ادا کرنا، مقررہ وقت سے نماز کو مؤخر کرنے والا نماز کو قائم کرنے والا نہیں ہوتا۔

وَاِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ اور (فرض) زکوٰۃ ادا کرنے سے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب ادائے زکوٰۃ کا وقت آ جاتا ہے تو وہ زکوٰۃ کو روکتے نہیں فوراً ادا کر دیتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

بازار والوں کی فضیلت:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ یہ آیت بازار والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اُن کے صاحبزادے حضرت سالمؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت عبداللہ بن عمرؓ بازار سے گزر رہے تو نماز کا وقت ہو گیا تھا لوگوں کو دیکھا کہ دکانیں بند کر کے مسجد کی طرف جا رہے ہیں تو فرمایا کہ انہی لوگوں کے

بارے میں قرآن کا یہ ارشاد ہے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ ۔

عہد رسالت کے دکاندار:

اور عہد رسالت میں دو صحابی تھے ایک تجارت کرتے تھے دوسرے صنعت وحرفت یعنی لوہار کا کام کرتے اور تلواریں بنا کر بیچتے تھے۔ پہلے صحابی کی تجارت کا حال یہ تھا کہ اگر سودا تولنے کے وقت اذان کی آواز کان میں پڑ جاتی تو وہیں ترازو کو پٹک کر نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ دوسرے بزرگ کا یہ عالم تھا کہ اگر گرم لوہے پر ہتھوڑے کی ضرب لگا رہے ہیں اور کان میں آواز اذان کی آ گئی تو اگر ہتھوڑا مونڈھے پر اُٹھائے ہوئے ہیں تو وہیں مو پیچھے ہتھوڑا ڈال کر نماز کو چل دیتے تھے اُٹھائے ہوئے ہتھوڑے کی کام لینا بھی گوارا نہ تھا۔ اُن کی مدح میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (قرطبی)

عورتوں کی نماز گھروں میں بہتر ہے:

لفظ رجال کی تعبیر میں اس طرف اشارہ ہے کہ مساجد کی حاضری دراصل مردوں کے لئے ہے عورتوں کی نماز اُن کے گھروں میں افضل ہے۔

مسند احمد اور بیہقی میں حضرت اُم سلمہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خیر مساجد النساء قعر بیوتھن یعنی عورتوں کی بہترین مساجد اُن کے گھروں کے تنگ وتاریک گوشے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ﴿۳۷﴾

ڈرتے رہتے ہیں اُس دن سے جس میں اُلٹ جائیں گے دل اور آنکھیں

قیامت کا دن:

یعنی اس روز دل وہ باتیں سمجھ لیں گے جو ابھی تک نہ سمجھے تھے اور آنکھیں وہ ہولناک واقعات دیکھیں گی جو کبھی نہ دیکھے تھے۔ قلوب میں کبھی نجات کی توقع پیدا ہوگی۔ کبھی ہلاکت کا خوف۔ اور آنکھیں کبھی داہنے کبھی بائیں دیکھیں گی کہ دیکھئے کس طرف سے پکڑے جائیں، یا کس جانب سے اعمالنامہ ہاتھ میں دیا جائے۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ

تاکہ بدلہ دے اُن کو اللہ اُن کے بہتر سے بہتر کاموں کا اور زیادتی دے اُن کو اپنے فضل سے

یعنی اچھے کاموں کا جو صلہ مقرر ہے وہ ملے گا۔ اور حق تعالیٰ کے فضل سے اور زیادہ دیا جائے گا جس کی تفصیل وتعیین ابھی نہیں کی جا سکتی۔

وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

اور اللہ روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے شمار

یعنی اس کے ہاں کیا کمی ہے اگر جنتیوں کو بے حد وحساب عنایت فرمائے تو کچھ مشکل نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ

اور جو لوگ منکر ہیں اُن کے کام جیسے ریت جنگل میں پیاسا جانے اُس کو

الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا

پانی یہاں تک کہ جب پہنچا اُس پر اُس کو کچھ نہ پایا

وَوَجَدَ اللَّهَ عِندَهُ فَوَفَّاهُ حِسَابَهُ ۗ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾

اور اللہ کو پایا اپنے پاس پھر اس کو پورا پہنچا دیا اُس کا لکھا اور اللہ جلد لینے والا ہے حساب

فریب خوردہ لوگ:

کافر دو قسم کے ہیں ایک وہ جو اپنے زعم اور عقیدہ کے موافق کچھ اچھے کام کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد کام آئیں گے۔ حالانکہ اگر کوئی کام بظاہر اچھا بھی ہو تو کفر کی شامت سے وہ عنداللہ مقبول ومعتبر نہیں۔ ان فریب خوردہ کافروں کی مثال ایسی سمجھو کہ دوپہر کے وقت جنگل میں ایک پیاسے کو دور سے پانی دکھائی دیا اور وہ حقیقت میں چمکتی ہوئی ریت تھی۔ پیاسا شدت تشنگی سے بیتاب ہو کر وہاں پہنچا دیکھا تو پانی وانی کچھ نہ تھا، ہاں ہلاکت کی گھڑی سامنے کھڑی تھی اور اللہ تعالیٰ عمر بھر کا حساب لینے کے لئے موجود تھا، چنانچہ اسی اضطراب وحسرت کے وقت اللہ نے اُس کا سب حساب ایکدم میں چکا دیا۔ کیونکہ وہاں حساب کرتے کیا دیر لگتی ہے۔ ہاتھوں ہاتھ عمر بھر کی شرارتوں اور غفلتوں کا بھگتان کر دیا گیا۔ دوسرے وہ ہیں جو سر سے پاؤں تک دنیا کے مزوں میں غرق اور جہل وکفر، ظلم وعصیان کی اندھیریوں میں پڑے غوطے کھا رہے ہیں اُن کی مثال آگے بیان فرمائی۔ اُن کے پاس روشنی کی اتنی بھی چمک نہیں جتنی سراب پر دھوکہ کھانے والے کو نظر آتی تھی۔ یہ لوگ خالص اندھیریوں اور تہ بر تہ ظلمات میں بند ہیں کسی طرف سے روشنی کی شعاع اپنے تک نہیں پہنچنے دیتے۔ نعوذ باللہ منہا۔

أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ مَوْجٌ

یا جیسے اندھیرے گہرے دریا میں چڑھی آتی ہے اُس پر ایک لہر اُس پر ایک لہر

مِّن فَوْقِهِ سَحَابٌ ۚ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ

اُس کے اوپر بادل اندھیرے ہیں ایک پر ایک

تاریکی میں ڈوبے ہوئے (کافر)

یعنی سمندر کی تہ میں خود دریا کا اندھیرا، اُس پر طوفانی لہریں جو ایک پر ایک

چڑھی آتی ہے۔ پھر سب کے اوپر گھنا بادل کا اندھیرا، اور رات کا وقت فرض کیا جائے تو ان اندھیریوں میں اور اضافہ ہو جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

إِذَآ أَخْرَجَ يَدَهُۥ لَمْ يَكَدْ يَرَىٰهَا

جب نکالے اپنا ہاتھ لگتا نہیں کہ اُس کو وہ سوجھے

یعنی اپنا ہاتھ اُٹھا کر آنکھوں سے قریب کر کے دیکھے تو اندھیرے کی وجہ سے نظر نہ آئے جس کو ہمارے یہاں کہتے ہیں کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں پہچانتا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ ٱللَّهُ لَهُۥ نُورًا فَمَا لَهُۥ مِن نُّورٍ ﴿٤٠﴾

اور جس کو اللہ نے نہ دی روشنی اُس کے واسطے کہیں نہیں روشنی

اوپر مومنین کے ذکر میں جو يَهْدِي ٱللَّهُ لِنُورِهِۦ مَن يَشَآءُ فرمایا تھا یہ جملہ اس کے مقابل ہوا یعنی جس کو خدا تعالیٰ نور توفیق نہ دے اسے اور کون روشنی پہنچا سکتا ہے۔ ان کی استعداد خراب تھی توفیق نہ ملی۔ اور دریا کی تہ میں گر کر انہوں نے سب دروازے روشنی کے اپنے اوپر بند کر لئے۔ پھر نور آئے تو کدھر سے آئے۔ (تفسیر عثمانی)

أَلَمْ تَرَ أَنَّ ٱللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُۥ مَن فِى

کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ کی یاد کرتے ہیں جو کوئی ہیں

ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱلطَّيْرُ صَٰٓفَّٰتٍ

آسمان و زمین میں اور اڑتے جانور پر کھولے ہوئے

پرندے قدرت کی نشانی ہیں:

شاید اُڑتے جانوروں کا علیحدہ ذکر اس لئے کیا کہ وہ اُس وقت آسمان و زمین کے بیچ میں معلق ہوتے ہیں۔ اور ان کا اس طرح ہوا میں اُڑتے رہنا قدرت کی بڑی نشانی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُۥ وَتَسْبِيحَهُۥ

ہر ایک نے جان رکھی ہے اپنی طرح کی بندگی اور یاد

ہر مخلوق اپنا وظیفہ پورا کر رہی ہے:

یعنی حق تعالیٰ نے ہر ایک چیز کو اُس کے حال کے مناسب جو طریقہ انابت و بندگی اور تسبیح خوانی کا الہام فرمایا اُس کو سمجھ کر وہ اپنا وظیفہ ادا کرتی رہتی ہے لیکن افسوس و تعجب کا مقام ہے کہ بہت سے انسان کہلانے والے غفلت اور ظلمت جہالت میں پھنس کر مالک حقیقی کی یاد اور ادائے عبودیت سے بے بہرہ ہیں۔

(تنبیہ) مخلوقات کی تسبیح کے متعلق پندرھویں پارہ میں ربع کے قریب کچھ مضمون گزر چکا۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو تسبیح کی وصیت کی اور فرمایا۔ "وانھا لصلوۃ الخلق"۔ (یہی باقی مخلوق کی نماز ہے) (تفسیر عثمانی)

زمخشری اور دوسرے مفسرین نے فرمایا کہ اس میں بھی کوئی بُعد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کے اندر اتنا فہم و شعور رکھا ہو جس سے وہ اپنے خالق و مالک کو پہچانے اور اس میں بھی کوئی بُعد نہیں کہ ان کو کسی خاص قسم کی گویائی عطا فرمائی ہو اور خاص قسم کی تسبیح و عبادت اُن کو سکھا دی ہو جس میں وہ مشغول رہتے ہوں آخری جملے كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُۥ میں اس مضمون کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور نماز میں ساری مخلوق لگی ہوئی ہے مگر ہر ایک کی نماز اور تسبیح کا طریقہ اور صورت مختلف ہے۔ فرشتوں کا اور طریقہ، انسان کا دوسرا، اور نباتات کسی اور طرح سے عبادت نماز و تسبیح ادا کرتے ہیں جمادات کسی اور طریق سے قرآن کریم کی ایک دوسری آیت سے بھی اسی مضمون کی تائید ہوتی ہے جس میں ارشاد ہے أَعْطَىٰ كُلَّ شَىْءٍ خَلْقَهُۥ ثُمَّ هَدَىٰ، یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کو ہدایت دی۔ وہ ہدایت یہی ہے کہ وہ ہر وقت حق تعالیٰ کی اطاعت میں لگی ہوئی اپنی مفوضہ ڈیوٹی کو پورا کر رہی ہے۔

وَٱللَّهُ عَلِيمٌۢ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٤١﴾

اور اللہ کو معلوم ہے جو کچھ کرتے ہیں

یعنی اُن کی بندگی اور تسبیح کو خواہ تم نہ سمجھو لیکن حق تعالیٰ کو سب معلوم ہے کہ کون کیا کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِلَّهِ مُلْكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۖ وَإِلَى ٱللَّهِ ٱلْمَصِيرُ ﴿٤٢﴾

اور اللہ کی حکومت ہے آسمان اور زمین میں اور اللہ ہی تک پھر جانا ہے

اللہ کی حکومت سب پر محیط ہے:

یعنی جیسے اُس کا علم سب کو محیط ہے، اس کی حکومت بھی تمام علویات و سفلیات پر حاوی ہے اور سب کو آخر کار اُسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ آگے اپنے حاکمانہ اور قادرانہ تصرفات کو بیان فرماتے ہیں۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ ٱللَّهَ يُزْجِى سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُۥ

تو نے نہ دیکھا کہ اللہ ہانک لاتا ہے بادل کو پھر اُن کو ملا دیتا ہے

ثُمَّ يَجْعَلُهُۥ رُكَامًا فَتَرَى ٱلْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَٰلِهِۦ

پھر اُن کو رکھتا ہے تہ بر تہ پھر تو دیکھے مینہ نکلتا ہے اُس کے بیچ سے

نظام بادو باراں: یعنی ابتداء میں بادل کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اُٹھتے ہیں پھر مل کر بڑا بادل بن جاتا ہے پھر بادلوں کی تہ پر تہ جمادی جاتی ہے۔

وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ
اور اُتارتا ہے آسمان سے اس میں جو پہاڑ ہیں اولوں کے
فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَآءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ
پھر وہ ڈالتا ہے جس پر چاہے اور بچا دیتا ہے جس سے چاہے

یعنی جیسے زمین میں پتھروں کے پہاڑ ہیں بعض سلف نے کہا کہ اسی طرح آسمان میں اولوں کے پہاڑ ہیں۔ مترجم رحمہ اللہ نے اُسی کے موافق ترجمہ کیا ہے لیکن زیادہ راجح اور قوی یہ ہے کہ سماء سے بادل مراد ہو مطلب یہ ہے کہ بادلوں سے جو کثیف اور بھاری ہونے میں پہاڑوں کی طرح ہیں۔ اولے برساتا ہے جس سے بہتوں کو جانی یا مالی نقصان پہنچ جاتا ہے اور بہت سے محفوظ رکھے جاتے ہیں مشہور ہے کہ اولے کی چھال بیل کے ایک سینگ پر پڑتی ہے اور دوسرا سینگ خشک رہ جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ نے اس آیت میں اطلاع دی ہے کہ آسمان میں اولوں کے پہاڑ ہیں۔ دوسرے ترجمہ کی بناء پر مِنْ جِبَالٍ مِنْ بَرَدٍ مفعول ہوگا یعنی اولوں کے بڑے بڑے تودے جو پہاڑوں کی طرح ہوتے ہیں، اللہ اوپر سے اتارتا ہے۔

فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَآءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ پھر اس کو جس (کی جان و مال) پر چاہتا ہے گراتا ہے اور جس سے ہٹانا چاہتا ہے ہٹا دیتا ہے۔ یعنی جس کی کھیتیاں اور مال اولوں سے تباہ کرنا چاہتا ہے تباہ کر دیتا ہے اور جس سے (اولوں کے رخ کو) پھیرنا چاہتا ہے پھیر دیتا ہے اس کو ژالہ باری سے نقصان نہیں پہنچتا۔ (تفسیر مظہری)

يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ
ابھی اس کی بجلی کی کوند لے جائے آنکھوں کو

یعنی بجلی کی چمک اس قدر تیز ہوتی ہے کہ آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، قریب ہے کہ بینائی جاتی رہے۔ (تفسیر عثمانی)

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ
اللہ بدلتا ہے رات اور دن کو

رات و دن کا نظام: یعنی دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن اُسی کی قدرت سے آتا ہے اور وہ ہی کبھی رات کو کبھی دن کو گھٹاتا بڑھاتا رہتا ہے اور اُن کی گرمی کو سردی سے، سردی کو گرمی سے تبدیل کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ نے فرمایا مجھے ابن آدم دکھ پہنچاتا ہے زمانے کو گالیاں دیتا ہے، حالانکہ میں ہی زمانہ (کو الٹنے پلٹنے والا) ہوں میرے ہی ہاتھ میں حکم ہے، میں ہی رات دن کا ادل بدل کرتا ہوں۔ (رواہ البخاری و مسلم فی صحیحیھما)۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ
اس میں دھیان کرنے کی جگہ ہے آنکھ والوں کو

آنکھ والو عبرت حاصل کرلو:

یعنی چاہیے کہ قدرت کے ایسے عظیم الشان نشانات دیکھ کر آدمی بصیرت وعبرت حاصل کرے اور اس شہنشاہ حقیقی کی طرف سچے دل سے رجوع ہو جس کے قبضہ میں ان تمام تصرفات وتقلبات کی باگ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عبرت سے مراد یہ ہے کہ یہ واقعات ایک خالق قدیم کی ہستی پر دلالت کرتے ہیں جس کی قدرت ہمہ گیر علم محیط کل اور مشیت نافذ ہے وہ کسی کا محتاج نہیں (بلکہ دنیا کا ہر واقعہ اسی کا مرہون قدرت ومشیت ہے) الا بصار سے مراد ہے بصیرت اور صحیح فہم۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ
اور اللہ نے بنایا ہر پھرنے والے کو ایک پانی سے

اس کے لئے سترھویں پارہ کے تیسرے رکوع میں آیت وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ کا فائدہ دیکھنا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

مخلوقات کا جوہر وجود:

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ۔ اور اللہ ہی نے پیدا کیا ہر رینگنے پھرنے والے جانور کو پانی سے۔

پانی سے مراد ہے وہ پانی جو ہر جانور کے خمیری مادے میں داخل ہے یا نطفہ مراد ہے اس صورت میں کل جانور مراد نہ ہوں گے، کیونکہ بعض جانور بغیر نطفہ کے پیدا ہوں گے لیکن اکثریت انہی جانداروں کی ہے جن کی تخلیق نطفہ سے ہوتی ہے۔

بعض علماء نے کہا تمام (عنصری) مخلوق کی اصل پانی ہی ہے ارسطو اور اس کے پیرو کہتے ہیں کہ ہر جانور کی تخلیق کے اصل ارکان وعناصر چار ہیں پانی ہوا مٹی آگ ارسطو اور شیخ ابن سینا نے انہی کو اُسطقسات بھی کہا ہے بعض یونانیوں کا خیال ہے کہ اجزاء تخلیقی دو ہیں۔ بعض نے کہا صرف گیس ہر تخلیق کی بنیاد ہے پانی مٹی وغیرہ اسی کے روپ ہیں۔

لیکن بعض علمائے اسلام قائل ہیں کہ سنگ بنیاد پانی ہے پانی جم کر پتھر بنا۔ پانی تحلیل وتبخیر کے ذریعہ ہوا بن گیا۔ پھر ہوا آگ ہوگئی سب حیوانوں کا اصل خمیر پانی ہی ہے اور پانی ہی بنیاد ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ اللہ نے اول پانی کو پیدا کیا پھر اس کے کچھ حصے بنا دیا، جس سے فرشتے بنے اور کچھ حصہ کو آگ میں تبدیل کر دیا جس سے جنات کی تخلیق ہوئی اور کچھ حصہ کو مٹی بنا دیا گیا جس سے حضرت آدم کی ساخت ہوئی اور مٹی سے ہی تمام جانور بنائے گئے۔ (تفسیر مظہری)

فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ

پھر کوئی ہے کہ چلتا ہے اپنے پیٹ پر

مخلوقات کی مختلف ہیئتیں:

جیسے سانپ اور مچھلی فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ سو کچھ جانور تو وہ ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں۔ جیسے سانپ گنڈا روغیرہ۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ

اور کوئی ہے کہ چلتا ہے دو پاؤں پر

جیسے آدمی اور طیور۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ

اور کوئی ہے کہ چلتا ہے چار پر

جیسے گائے بھینس وغیرہ۔ (تفسیر عثمانی)

يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٤٥﴾

بناتا ہے اللہ جو چاہتا ہے بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے

یعنی کسی جانور کو چار سے زائد پاؤں دیئے ہوں تو بعید نہیں۔ اس کی لامحدود قدرت ومشیت کو کوئی محصور نہیں کر سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ

ہم نے اتاریں آیتیں کھول کھول کر بتلانے والی اور اللہ چلائے

مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٤٦﴾

جس کو چاہے سیدھی راہ پر

واضح نشانیاں موجود ہیں:

یعنی آیات تکوینیہ وتنزیلیہ تو اس قدر واضح ہیں کہ انہیں دیکھ کر اور سن کر چاہیے کوئی آدمی نہ بہکے لیکن سیدھی راہ پر چلتا وہ ہی ہے جسے خدا تعالیٰ نے ہدایت کی توفیق دی ہو۔ لاکھوں آدمی یہ کھلی کھلی نشانیاں دیکھتے ہیں پر نتیجہ کے اعتبار سے اُن کا دیکھنا نہ دیکھنا برابر ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى

اور لوگ کہتے ہیں ہم نے مانا اللہ کو اور رسول کو اور حکم میں آ گئے پھر پھر جاتا ہے

فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٧﴾

ایک فرقہ اُن میں سے اس کے پیچھے اور وہ لوگ نہیں ماننے والے

منافقین کا وطیرہ:

یہ منافقین کا ذکر ہے۔ وہ زبان سے دعویٰ ایمان واطاعت کا کیا کرتے تھے اور جب عمل کا وقت آتا تو پھر جاتے حقیقت یہ ہے کہ اُن کے دلوں میں شروع سے ایمان وانقیاد موجود ہی نہ تھا جو کچھ زبانی جمع خرچ تھا امتحان و ابتلاء کے وقت اُس کی بھی قلعی کھل جاتی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

آئندہ آیت کا شانِ نزول:

ابن ابی حاتم نے حسن بصری کی مرسل روایت بیان کی ہے کہ بعض (منافق) لوگوں کا اگر کسی سے کچھ نزاع ہوتا تھا اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑے کا فیصلہ کرانے کی دعوت دی جاتی تھی تو وہ اگر حق پر ہوتا اور اس کو بجائے خود یہ یقین ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہر حال حق فیصلہ کریں گے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانے اور مقدمہ پیش کرنے پر راضی ہو جاتا تھا لیکن اگر وہ حق پر نہ ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس معاملہ لے جانے کی اس کو دعوت دی جاتی تو کترا جاتا اور کہتا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں) فلاں شخص سے چل کر فیصلہ کراؤ۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ

اور جب ان کو بلائیے اللہ اور رسول کی طرف کہ اُن میں فیصلہ چکا دے

اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ

تبھی ایک فرقہ کے لوگ اُن میں منہ موڑتے ہیں اور اگر ان کو

الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿٤٩﴾

کچھ پہنچتا ہو تو چلے آئیں اُس کی طرف قبول کر کر

یعنی اگر ان کا جھگڑا کسی سے ہو گیا اور سمجھتے ہوں کہ ہم ناحق پر ہیں اُس

وقت اگر دوسرا فریق کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چل کر اس معاملہ کو طے کرا لو تو یہ منافق رضامند نہیں ہوتے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً بلا رو رعایت حق کے موافق فیصلہ کریں گے جو ان کے مفاد کے خلاف پڑے گا۔ حالانکہ پہلے سے یہ دعویٰ کر رہے تھے کہ ہم اللہ و رسول پر ایمان لانے اور اُن کا حکم ماننے کو تیار ہیں۔ اب وہ دعویٰ کہاں گیا۔ ہاں فرض کیجئے اگر کسی معاملہ میں حق ان کی جانب ہو تو اُس وقت بہت جلدی سے گردن جھکا کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو جائیں اور فیصلہ کا انحصار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر کر دیں گے۔ کیونکہ سمجھتے ہیں عدالت سے ہمارے موافق فیصلہ ہوگا۔ تو یہ ایمان و اسلام کیا ہوا۔ محض ہوا پرستی ہوئی۔

اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
کیا اُن کے دلوں میں روگ ہے

دِل بیمار ہیں: روگ یہ کہ خدا و رسول کو سچ مانا لیکن حرص نہیں چھوڑتی کہ کہے پر چلیں جیسے بیمار چاہتا ہے چلے اور پاؤں نہیں اُٹھتا۔ (تفسیر عثمانی)

اَمِ ارْتَابُوْۤا اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ
یا دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں یا ڈرتے ہیں کہ بے انصافی کرے گا اُن پر اللہ
وَرَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۟
اور اُس کا رسول کچھ نہیں وہ ہی لوگ بے انصاف ہیں

منافق غلط شک میں مبتلا ہیں:

یعنی خدا اور رسول کی بابت کوئی دھوکہ لگا ہوا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت یا اللہ کے وعدہ وعید میں کوئی شک وشبہ ہے؟ یا گمان ہے کہ اللہ اور اس کا رسول آن کے معاملات کا خلاف انصاف فیصلہ کریں گے؟ اس لئے اُن کی عدالت میں مقدمہ لے جانے سے کتراتے ہیں۔ سو یاد رکھو وہاں تو ظلم و بے انصافی کا احتمال ہی نہیں۔ ہاں خود ان ہی لوگوں نے ظلم پر کمر باندھ رکھی ہے۔ چاہتے ہیں کہ اپنا حق پورا وصول کر لیں اور دوسروں کا ایک پیسہ نہ دیں۔ اسی لئے اُن معاملات کو خدائی عدالت میں لانے سے گھبراتے ہیں جن میں سمجھتے ہیں کہ رسول کا منصفانہ فیصلہ ہمارے مطلب کے خلاف ہوگا۔ یہ تو منافقین کا ذکر تھا۔ آگے ان کے بالمقابل مخلصین کی اطاعت و فرمانبرداری کو بیان فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ
ایمان والوں کی بات یہی تھی کہ جب بلایئے اُن کو اللہ
وَرَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ
اور رسول کی طرف فیصلہ کرنے کو اُن میں تو کہیں ہم نے سن لیا اور حکم مان لیا
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۟
اور وہ لوگ کہ انہی کا بھلا ہے

سچے مسلمان کا کام: یعنی سچے مسلمان کا کام یہ ہوتا ہے اور یہ ہونا چاہیے کہ جب کسی معاملہ میں ان کو خدا اور رسول کی طرف بُلایا جائے خواہ اس میں بظاہر اُن کا نفع ہو یا نقصان۔ ایک منٹ کا توقف نہ کریں۔ فی الفور "سمعاو طاعة" کہہ کر حکم ماننے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اسی میں ان کی اصلی بھلائی اور حقیقی فلاح کا راز مضمر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَخْشَ اللّٰهَ وَیَتَّقْهِ
اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور اس کے رسول کے اور ڈرتا رہے اللہ سے اور بچ کر چلے
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۟
اُس سے سو وہی لوگ ہیں مراد کو پہنچنے والے

کامیاب کون ہوگا؟ یعنی جو فی الحال فرمانبردار ہو، گزشتہ تقصیرات پر نادم ہو کر اور خدا سے ڈر کر توبہ کرے اور آئندہ برے راستہ سے بچ کر چلے۔ اُسی کے لئے دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

رومی کسان کا عجیب واقعہ: تفسیر قرطبی میں اس جگہ ایک واقعہ حضرت فاروق اعظمؓ کا نقل کیا جس سے ان چاروں چیزوں کے مفہوم کا فرق اور وضاحت ہو جاتی ہے واقعہ یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ ایک روز مسجد نبوی میں کھڑے تھے اچانک ایک رومی دہقانی آدمی بالکل آپ کے برابر آ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا انا اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا رسول الله، حضرت فاروق اعظمؓ نے پوچھا کیا بات ہے تو کہا میں اللہ کے لئے مسلمان ہو گیا ہوں۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے پوچھا کیا اس کا کوئی سبب ہے اس نے کہا ہاں۔ بات یہ ہے کہ میں نے تورات، انجیل، زبور اور انبیاء سابقین کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں۔ مگر حال میں ایک مسلمان قیدی قرآن کی ایک آیت پڑھ رہا تھا وہ سنی تو معلوم ہوا کہ اس چھوٹی سی آیت نے تمام کتب قدیمہ کو اپنے اندر سمو لیا ہے تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ فاروق اعظمؓ نے پوچھا کہ وہ کون سی آیت ہے تو اس رومی دہقان نے یہی آیت مذکورہ تلاوت کی اور اس کے ساتھ اس کی تفسیر بھی عجیب و غریب اس طرح بیان کی کہ من یطع اللہ فرائض الٰہیہ کے متعلق ہے و رسولہ سنت نبوی کے متعلق ہے۔ ویخش اللہ گزشتہ عمر کے متعلق ہے ویتقہ آئندہ

باقی عمر کے متعلق ہے۔ جب انسان چار چیزوں کا عامل ہو جائے تو اس کو اولٰئک هم الفائزون کی بشارت ہے اور فائز وہ شخص ہے جو جہنم سے نجات پائے اور جنت میں اُس کو ٹھکانا ملے۔ فاروق اعظمؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (کے کلام میں اس کی تصدیق موجود ہے آپ) نے فرمایا ہے اوتیت جوامع الکلم یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسے جامع کلمات عطا فرمائے ہیں جن کے الفاظ مختصر اور معانی نہایت وسیع ہیں۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ
اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی اپنی تاکید کی قسمیں کہ اگر تو حکم کرے تو
لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ
سب کچھ چھوڑ کر نکل جائیں تو کہہ قسمیں نہ کھاؤ حکمبرداری چاہیے جو دستور ہے
اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾
البتہ اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو

منافقوں کی جھوٹی قسمیں:

یعنی منافقین بڑی سخت تاکیدی قسمیں کھا کر آپ کو یقین دلانا چا۔ کہ ہم کو آپ حکم دیں تو سب گھر بار چھوڑ کر خدا کے راستہ میں نکل جا۔ لئے تیار ہیں ذرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ فرمائیں تو سب مال و دولت اللہ کے راستہ میں لٹا کر الگ ہو جائیں۔ اُس پر فرمایا کہ اس قدر منہ بھر قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری فرمانبرداری کی حقیقت ... چکی کہ زبان سے دعوے بہت کیا کرتے ہو۔ اور عمل کا وقت آئے تو آہستہ سے کھسک جاتے ہو۔ چاہیے کہ سچے مسلمانوں کے دستور کے موافق حکمبرداری کر کے دکھلاؤ زبانی قسمیں کھانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ فرض کرو تم قسمیں کھا کر بندوں کو اپنی بات کا یقین دلا دو لیکن اللہ کے آگے کسی کی چالاکی اور فریب نہیں چل سکتا۔ وہ تو تمام ظاہر اور پوشیدہ باتوں کی خبر رکھتا ہے۔ آگے چل کر تمہاری مکاری اور نفاق کا پردہ فاش کر دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا
تو کہہ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا پھر اگر تم منہ پھیرو گے
فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ
تو اس کا ذمہ ہے جو بوجھ اس پر رکھا اور تمہارا ذمہ ہے جو بوجھ تم پر رکھا اور اگر
تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾
اُس کا کہا مانو تو راہ پاؤ اور پیغام لانے والے کا ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا کھول کر

اطاعت وتصدیق کی ذمہ داری پوری کرو:

یعنی پیغمبر پر خدا کی طرف سے تبلیغ کا بوجھ رکھا گیا ہے، سو اُس نے پوری طرح ادا کر دیا۔ اور تم پر جو بوجھ ڈالا گیا وہ تصدیق وقبول حق کا ہے اور یہ کہ اُس کے ارشاد کے موافق چلو۔ اگر تم اپنی ذمہ داری کو محسوس کر کے اُس کے احکام کی تعمیل کرو گے تو کامیابی دارین کی راہ پاؤ گے اور دنیا و آخرت میں خوش رہو گے ورنہ پیغمبر کا کچھ نقصان نہیں، تمہاری شرارت وسرکشی کا خمیازہ تم کو ہی بھگتنا پڑے گا۔ پیغمبر تو اپنا فرض ادا کر کے عند اللہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکے۔ آگے اطاعت رسول کے بعض ثمرات بیان فرماتے ہیں جن کا سلسلہ دنیا ہی میں شروع ہو جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کئے ہیں انہوں
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ
نے نیک کام البتہ پیچھے حاکم کر دے گا اُن کو ملک میں جیسا حاکم کیا تھا ان سے
مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى
اگلوں کو اور جما دے گا اُن کے لئے دین اُن کا جو پسند کر دیا اُن کے واسطے
لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِىْ
اور دے گا اُن کو ان کے ڈر کے بدلے میں امن میری بندگی کریں گے
لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْــًٔا ؕ
شریک نہ کریں گے میرا کسی کو

اطاعتِ رسول کے ثمرات:

یہ خطاب فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کے لوگوں کو یعنی جو ان میں اعلیٰ درجہ کے نیک اور رسول کے کامل متبع ہیں رسول کے بعد اُن کو زمین کی حکومت دے گا اور جو دین اسلام خدا کو پسند ہے اُن کے ہاتھوں سے دنیا میں اُس کو قائم کرے گا۔ گویا جیسا کہ لفظ استخلاف میں اشارہ ہے وہ لوگ محض دنیوی بادشاہوں کی طرح نہ ہوں گے بلکہ پیغمبر کے جانشین ہو کر آسمانی بادشاہت کا اعلان کریں گے اور دین حق کی بنیادیں جمائیں گے اور خشکی و تری میں اُس کا سکہ بٹھا دیں گے۔ اُس وقت مسلمانوں کو کفار کا خوف مرعوب نہ کرے گا وہ کامل امن واطمینان کے ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول رہیں گے اور دنیا میں امن وامان کا دور دورہ ہوگا۔ ان مقبول و

معزز بندوں کی ممتاز شان یہ ہوگی کہ وہ خالص خدائے واحد کی بندگی کریں گے جس میں ذرہ برابر شرک کی آمیزش نہ ہوگی۔ شرک جلی کا تو وہاں ذکر کیا ہے شرک خفی کی ہوا بھی اُن کو نہ پہنچے گی۔ صرف ایک ذات کے غلام ہوں گے، اُسی سے ڈریں گے اُسی سے اُمید رکھیں گے۔ اُسی پر بھروسہ کریں گے اسی کی رضا میں اُن کا جینا اور مرنا ہوگا۔ کسی دوسری ہستی کا خوف وہراس اُن کے پاس نہ پھٹکے گا۔ نہ کسی دوسرے کی خوشی ناخوشی کی پروا کریں گے۔ الحمدللہ کہ یہ وعدہ الٰہی چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پر پورا ہوا۔ اور دنیا نے اس عظیم الشان پیشین گوئی کے ایک ایک حرف کا مصداق اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ خلفائے اربعہ کے بعد بھی کچھ بادشاہان اسلام وقتاً فوقتاً اُس نمونہ کے آتے رہے اور جب اللہ چاہے گا آئندہ بھی آئیں گے۔ احادیث سے معلوم ہوا کہ آخری خلیفہ حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ ہوں گے جن کے متعلق عجیب وغریب بشارات سنی گئیں ہیں۔ وہ خدا کی زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے اور خارق عادت جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ اسلام کا کلمہ بلند کریں گے۔ اَللّٰهُمَّ احْشُرْ نافِیْ زُمْرَتِهٖ وارْزُقْنا شَهادَةً فِی سَبِیْلِکَ اَنَّکَ واسِعُ المَغْفِرة وذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْم"

(تنبیہ) اس آیت استخلاف سے خلفائے اربعہ کی بڑی بھاری فضیلت و منقبت نکلتی ہے۔ ابن کثیرؒ نے اس کے تحت میں عہد نبوت سے لے کر عہد عثمانی تک کی فتوحات کو درجہ بدرجہ بیان کیا ہے آخر میں یہ الفاظ لکھے ہیں۔ وَجُبِیَ الْخراجُ من المَشارِقِ و الْمَغارِب الیٰ حَضْرة اَمِیْرِ الْمؤمِنِیْن عُثْمَانَ بِن عَفَّان رَضِیَ اللّٰه عَنْهُ وذٰلک ببَرکَةِ تِلاوَتِه ودِراسَته وَجَمْعِهِ الْاُمَّةَ علیٰ حِفْظِ الْقُران و لِهٰذا ثَبَتَ فِی الصَّحِیحِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال اِنَّ اللّٰهَ زَوٰی لِی الارض فرأیت مَشارِقَها وَمَغارِبَها وَسَیَبْلُغُ مُلْکُ اُمَّتِی مازُوِیَ لِی مِنْها فَها نَحْنُ نَتَقَلَّبُ فِیْمَا وَعَدَنااللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ فَنسالُ اللّٰهَ الاِیْمانَ به وبِرَسُوْلِهٖ وَالْقِیَامَ بِشُکْرِهٖ علی الْوجه الَّذِی یُرْضِیْهِ عَنَّا۔" (تفسیر عثمانی)

دورِ خلافت کی فتوحات:

حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل میں اپنے بعد عمرؓ بن خطاب کو خلیفہ بنانے کا الہام فرمایا۔ عمر بن خطابؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے نظام خلافت ایسا سنبھالا کہ آسمان نے انبیاء علیہم السلام کے بعد ایسا نظام کہیں نہ دیکھا تھا۔ اُن کے زمانے میں ملک شام پورا فتح ہو گیا اسی طرح پورا ملک مصر اور ملک فارس کا اکثر حصہ۔ اُنہیں کے زمانے میں قیصر وکسریٰ کی قیصری اور کسروی کا خاتمہ ہوا۔ اس کے بعد خلافت عثمانی کا وقت آیا تو اسلامی فتوحات کا دائرہ مشارق ومغارب تک وسیع ہو گیا۔ بلاد مغرب، اندلس اور قبرص تک اور مشرق اقصیٰ میں بلاد چین تک اور عراق، خراسان، اھواز سب آپ کے زمانے میں فتح ہوئے۔ اور صحیح حدیث میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مجھے پوری زمین کے مشارق و مغارب سمیٹ کر دکھائے گئے ہیں اور میری اُمت کی حکومت اُن تمام علاقوں تک پہنچے گی جو مجھے دکھائے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ خلافت عثمانیہ کے دور ہی میں پورا فرما دیا (یہ سب مضمون تفسیر ابن کثیر سے لیا گیا ہے)

اور ایک حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ خلافت میرے بعد تیس سال رہے گی اس کی مراد خلافت راشدہ ہے جو بالکل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر قائم رہی اور حضرت علیؓ مرتضیٰ تک چلی کیونکہ یہ تیس سال کی مدت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے تک پوری ہوئی۔

بارہ خلفاء:

ابن کثیرؒ نے اس جگہ صحیح مسلم کی یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری اُمت کا کام چلتا رہے گا جب تک کہ بارہ خلیفہ رہیں گے۔ ابن کثیر نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ یہ حدیث بارہ خلیفہ عادل اس اُمت میں ہونے کی خبر دے رہی ہے جس کا وقوع ضروری ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ سب کے سب مسلسل اور متصل سے ہوں بلکہ ہوسکتا ہے کہ کچھ وقفوں کے بعد ہوں۔ ان میں سے چار تو یکے بعد دیگرے ہو چکے جو خلفاء راشدین تھے پھر کچھ وقف کے بعد حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز ہوئے اُن کے بعد بھی مختلف زمانوں میں ایسے خلیفہ ہوتے رہے اور تا قیامت رہیں گے آخری خلیفہ حضرت مہدی ہوں گے۔ روافض نے جن بارہ خلفاء کو متعین کیا ہے اس کی کوئی دلیل حدیث میں نہیں بلکہ ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کا خلافت سے کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ان سب کے درجات برابر ہوں اور سب کے زمانے میں امن وسکون دنیا کا یکساں ہو۔ بلکہ اس وعدہ کا مدار ایمان وعمل صالح پر استقامت اور مکمل اتباع پر ہے اس کے درجات کے اختلاف سے حکومت کی نوعیت وقوت میں بھی فرق واختلاف لازمی ہے، اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں جب اور جہاں کوئی مسلمان عادل اور صالح بادشاہ ہوا ہے اس کو اپنے عمل وصلاح کے پیمانے پر اس وعدۂ الٰہیہ کا حصہ ملا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا ہے ان حزب اللہ هم الغالبون یعنی اللہ کی جماعت ہی غالب رہے گی۔

خلفائے راشدین کے حق ہونے کی دلیل:

یہ آیت حضرات خلفاء راشدین کی خلافت کے حق وصحیح اور مقبول عند اللہ

ہونے کی بھی دلیل ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ اپنے رسول اور اس کی اُمت سے فرمایا تھا اس کا پورا پورا ظہور انہیں حضرات کے زمانے میں ہوا۔ اگر ان حضرات کی خلافت کو حق و صحیح نہ مانا جائے جیسے روافض کا خیال ہے تو پھر قرآن کا یہ وعدہ ہی کہیں پورا نہیں ہوا۔ اور روافض کا یہ کہنا کہ یہ وعدہ حضرت مہدی کے زمانے میں پورا ہوگا ایک مضحکہ خیز چیز ہے اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ چودہ سو برس تو پوری اُمت ذلت و خواری میں رہے گی اور قرب قیامت میں جو چند روز کے لئے ان کو حکومت ملے گی وہی حکومت اس وعدہ سے مراد ہے معاذ اللہ۔

حضرت عبداللہ بن سلام کا خطاب:

بغویؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن سلام کا یہ خطبہ نقل کیا ہے جو انہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف ہنگامہ کے وقت دیا تھا۔ خطبہ کے الفاظ یہ ہیں "اللہ کے فرشتے تمہارے شہر کے گرد احاطہ کئے ہوئے حفاظت میں اس وقت سے مشغول تھے جب سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما ہوئے اور آج تک یہ سلسلہ جاری تھا۔ خدا کی قسم اگر تم نے عثمان کو قتل کر دیا تو یہ فرشتے واپس چلے جائیں گے اور پھر کبھی نہ لوٹیں گے۔ خدا کی قسم تم میں سے جو شخص ان کو قتل کرے گا وہ اللہ کے سامنے دست بُریدہ حاضر ہوگا اُس کے ہاتھ نہ ہوں گے۔ اور سمجھ لو کہ اللہ کی تلوار اب تک میان میں تھی، خدا کی قسم اگر وہ تلوار میان سے نکل آئی تو پھر کبھی میان میں نہ جائے گی۔ کیونکہ جب کوئی نبی قتل کیا جاتا ہے تو اس کے بدلے میں ستر ہزار آدمی مارے جاتے ہیں اور جب کسی خلیفہ کو قتل کیا جاتا ہے تو پینتیس ہزار آدمی مارے جاتے ہیں۔ (مظہری)

چنانچہ قتل عثمان غنیؓ سے جو باہمی خونریزی کا سلسلہ شروع ہوا تھا اُمت میں چلتا ہی رہا ہے۔ اور جیسے اللہ تعالیٰ کی نعمت استخلاف اور استحکام دین کی مخالفت اور ناشکری قاتلان عثمان نے کی تھی اُن کے بعد روافض اور خوارج کی جماعتوں نے خلفاء راشدین کی مخالفت میں گروہ بنا لئے۔ اسی سلسلے میں حضرت حسین بن علیؓ کی شہادت کا عظیم حادثہ پیش آیا نسئل اللہ الھدایۃ وشکر نعمتہ۔ (معارف مفتی اعظم)

حضرت شعیاؑ کا خطاب:

وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ شعیا نبی کی طرف وحی خدا تعالیٰ آئی کہ تو بنی اسرائیل کے مجمع میں کھڑا ہو جا تا میں تیری زبان سے جو چاہوں گا نکلواؤں گا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو آپ کی زبان سے بحکم خدا تعالیٰ یہ خطبہ بیان ہوا، اے آسمان سُن اے زمین خاموش رہ اللہ تعالیٰ ایک شان پوری کرنا اور ایک امر کی تدبیر کرنا چاہتا ہے جسے وہ پورا کرنے والا ہے، وہ چاہتا ہے کہ جنگلوں کو آباد کر دے، ویرانے کو بسا دے، صحراؤں کو سرسبز بنا دے، فقیروں کو غنی کر دے، چرواہوں کو سلطان بنا دے، ان پڑھوں میں سے ایک اُمی کو نبی بنا کر بھیجے جو نہ بدگو ہو، نہ بداخلاق ہو، نہ بازاروں میں شور و غل کرنے والا ہو، اتنا مسکین صفت اور متواضع ہو کہ اس کے دامن کی ہوا سے وہ چراغ بھی نہ بجھے جس کے پاس سے وہ گزرا ہو، اگر وہ سوکھے بانسوں پر پیر رکھ کر چلے تو بھی چرچراہٹ کسی کے کان میں نہ پہنچے میں اسے بشیر و نذیر بنا کر بھیجوں گا وہ زبان کا پاک ہوگا، اندھی آنکھیں اس کی وجہ سے روشن ہو جائیں گی، بہرے کان اس کے باعث سننے لگیں گے، غلاف والے دل اس کی برکت سے کھل جائیں گے، ہر ہر بھلے کام سے میں اسے سنواروں گا، ہر ہر خلق کریم سے میں اسے سرفراز فرماؤں گا، سکینت اس کا لباس ہوگی، نیکی اس کا وطیرہ ہوگی، تقویٰ اس کی ضمیر ہوگا، حکمت اس کی باتیں ہوں گی، صدق و وفا اس کی طبیعت ہوگی، عفو درگذر کرنا اور عمدگی و بھلائی چاہنا اس کی خصلت ہوگی، حق اس کی شریعت ہوگی، عدل اس کی سیرت ہوگی، ہدایت اس کی امام ہوگی، اسلام اس کی ملت ہوگی، احمد اس کا نام ہوگا، (صلی اللہ علیہ وسلم) گمراہی کے بعد اس کے ذریعہ سے میں ہدایت پھیلا دوں گا، جہالت کے بعد علم چمک اُٹھے گا، پستی کے بعد اس کی وجہ سے ترقی ہوگی، انجان پنا اس کی ذات سے پہچاننے سے بدل جائے گا کمی زیادتی سے بدل جائے گی، فقیری کو اس کے ذریعہ میں امیری سے بدل دوں گا، اس کی ذات سے جُدا جُدا لوگوں کو میں ملا دوں گا، فرقت کے بعد اُلفت ہوگی، چھوٹ کے بعد ایکا ہوگا، اختلاف کے بعد اتفاق ہوگا مختلف دل جدا گانہ خواہشیں ایک ہو جائیں گی، بے شمار بندگان خدا ہلاکت سے بچ جائیں گے اس کی امت کو میں تمام امتوں سے بہتر کر دوں گا جو لوگوں کے نفع کے لئے ہوگی، بھلائیوں کا حکم کرنے والی بُرائیوں سے روکنے والی ہوگی، موحد مومن مخلص ہوں گے، خدا تعالیٰ کے جتنے رسول خدا تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ لائے ہیں یہ سب کو مانیں گے کسی کے انکاری نہ ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

دورِ خلافت میں وعدہ الٰہی پورا ہوا:

حضور گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے بنی حنیفہ (یعنی مسیلمہ کے لشکر) سے اور عرب مرتدوں سے جہاد کیا اور غلبہ روم سے نو سال بعد حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں اللہ نے فتح شام مرحمت فرمائی۔ حدیبیہ کے سال ۶ھ میں رومی غالب آئے تھے اس کے نو سال بعد مسلمانوں نے ملک شام ان سے چھین لیا اور اللہ کا وعدہ پورا ہوا، حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام سے عراق پر لشکر کشی کرنے کا مشورہ کیا، حضرت علیؓ نے اسی آیت کو ثبوت میں پیش کرتے ہوئے جہاد کا مشورہ دیا۔ حضرت علیؓ کا یہ مشورہ اہل سنت کی متعدد کتابوں میں منقول ہے اور شیعی کتب میں سے نہج البلاغہ میں

بھی حضرت علی اسی آیت سے یہ استنباط مذکور ہے بروایت نہج البلاغہ حضرت علیؓ نے فرمایا اس کام (دین) کی کامیابی یا ناکامی تعداد کی قلت و کثرت پر موقوف نہیں ہے یہ تو اللہ کا دین ہے جس کو اس نے غالب بنایا ہے اور (یہ) اللہ کا لشکر ہے جس کو اس نے غلبہ عنایت کیا ہے اور مدد فرمائی ہے یہاں تک کہ جہاں سے نکلا نکلا اور جہاں پہنچا پہنچا، اللہ نے خود فرمادیا، وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ الخ پس اللہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا اور اپنے لشکر کو ضرور فتیاب بنائے گا۔

وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ اور جس دن کو اللہ نے ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو ضرور ضرور جما دُ عطا فرمائے گا۔ حضرت ابن عباس نے اس کی تشریح میں فرمایا ان کو ملکی وسعت عطا کرے گا دوسرے ممالک پر ان کا قبضہ ہو جائے گا اور اپنے دین کو تمام مذاہب پر غالب کرے گا۔ (تفسیر مظہری)

خلفائے راشدین کا فتوی شرعی حجت ہے:

فقہاء کرام کا فتویٰ یہ ہے کہ جو شخص خلفاء راشدین کے فتوے کو حجت نہ سمجھے وہ اہل سنت و جماعت میں سے نہیں، نیز چونکہ یہ استخلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس لئے اس کا مفاد یہ ہوگا کہ منجانب اللہ لوگوں پر اس خلیفہ کی اطاعت واجب ہوگی اس لئے بادشاہ کا یہ کہنا کہ ہم نے فلاں شخص کو وزیر اور والی بنایا۔ اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس کے احکام ماننا رعایا پر واجب ہے کیونکہ جب شروع آیت میں وعدہ کی اسناد اللہ کی طرف ہے اور بعد میں **یستخلفنھم** میں بھی استخلاف کی اسناد اللہ کی طرف ہے کہ اللہ خلیفہ بنائے گا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ خلیفہ اللہ کا بنایا ہوا اور اس کا مقرر کردہ ہوگا اور اس کا ظہور اس وعدہ کے مطابق ہوگا اور جس کو خدا تعالیٰ خلیفہ مقرر کرے اس کی اطاعت بلاشبہ واجب ہے۔

قاضی شوستری کی تحریر:

قاضی نور اللہ شوستری احقاق الحق میں لکھتے ہیں حاصل یہ کہ حضرت امیر کی خلافت برائے نام تھی خلافت کا نام تھا معنی اور حقیقت نہ تھی زمانہ خلافت کے لوگ ان سے معارضہ اور مناقشہ کرتے تھے اور وہ مبغوض تھے اپنے زمانہ خلافت میں اپنے پیش رو خلفاء کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے جن لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی وہ سب ان کے دشمنوں کے گروہ تھے اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ خلفاء ثلثہ نہایت عدل وانصاف اور افضل حالت میں گزرے اور ان کے بعد آنے والے خلیفہ کی انتہائی معراج یہ ہے کہ قدم بقدم انہیں کے راستہ پر چلے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تحریر:

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا۔ وہ پورا کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت صدیق اور حضرت فاروق اور حضرت عثمان کے اخیر زمانہ تک امن قائم رہا۔ یہاں تک کہ جب مسلمانوں کے ایک گروہ نے اس نعمت کا کفران کیا اور ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے ایک تغیر عظیم پیدا کر دیا اور موجودہ حالت کو تبدیل کر دیا اور خوف کو پھر ان پر مسلط کر دیا۔ (ازالۃ الخفاء)

مثالی دورِ حکومت:

خلفاء راشدین کے دور خلافت میں جو فتوحات بلاد عجم و شام حاصل ہوئیں وہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سعادت سے لے کر اس وقت تک کسی کو حاصل نہیں ہوئی تھیں اور وہ تالیف قلوب اور تمکین وتوسیع دین متین علی وجہ الکمال والتمام جس کا عشر عشیر کسی دین وملت کو نصیب نہیں ہوا۔ انہیں حاصل ہوئی پس اگر ان بزرگانِ دین کی خلافت۔ وعدہ الٰہی کا مصداق نہ تھی تو بتلایا جائے تو پھر اور کس کی خلافت وعدہ الٰہی کا مصداق بن سکے گی۔ خاص کر خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں اہلِ اسلام دینی اور دنیوی ترقیات کے لحاظ سے اوج کمال کو پہنچے۔ احکام شریعت جاری ہوئے۔ اسلام سربلند ہوا او ر کفر سرنگوں ہوا۔ اور کفار ذلیل خوار ہوئے اور اہل اسلام کے باج گزار بنے اور جہاد کا بازار گرم ہوا اور ملک کے ملک مسلمانوں کے زیر نگین آئے اور وعدہ استخلاف سے جو غرض تھی کہ دین اسلام سربلند ہو اور دنیا پر حکمران ہو یہ غرض خلفاء ثلاثہ کے عہد خلافت میں خوب حاصل ہوئی۔

حضرت علی اپنے پیشرو خلفاء کو حق پر سمجھتے تھے:

حضرت علیؓ نے اپنی صاحبزادی کا حضرت عمر سے نکاح کر دیا جو باتفاق حضرات شیعہ واہل سنت ثابت ہے۔

نیز فریقین کی کتابوں سے یہ امر بالاتفاق ثابت ہے کہ حضرت علی نے اپنے زمانہ خلافت میں ان تمام احکام اور سنن کو جاری اور باقی رکھا کہ جو خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں جاری تھیں۔ پس اگر خلفاء ثلاثہ کی خلافتیں اور ان کے احکام بدعت تھے تو حضرت علی پر ان کی تائید قطعاً حرام تھی کیونکہ بدعت کی تائید باتفاق فریقین موجب لعنت ہے اور بدعتی کی تعظیم اسلام کے ڈھانے کی سعی اور کوشش ہے اہل سنت والجماعت حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کو ان تمام خرافات سے پاک اور منزہ سمجھتے اہل سنت کا یقین ہے کہ حضرت علی بلاشبہ شیر خدا تھے۔

بفرض محال وہ اگر خلفاء ثلاثہ کافر اور منافق سمجھتے تو مدینہ سے ہجرت کر جاتے مگر کافروں کے ہم نوالہ اور ہم پیالہ نہ بنتے معلوم ہوا کہ اس قسم کی روایتیں دشمنان اہل بیت کی ساختہ اور پرداختہ ہیں۔ (معارف القرآن)

شیعوں کی کتاب سے ثبوت:

چنانچہ نہج البلاغہ میں (جو شیعوں کی اعلیٰ ترین کتاب ہے) مذکور ہے کہ جب عمر بن الخطاب نے اہل فارس کی لڑائی میں جانے کے لئے حضرت امیرؓ

سے مشورہ کیا تو حضرت امیر نے جواب میں یہ عبارت ارشاد فرمائی۔

ان هذاالامر لم يكن نصرته وخذلانه بكثرة ولاقلة وهودين الله الذى اظهره وجنده الذى اعزه وايده حتى بلغ مابلغ وطلع حيث طلع ونحن على موعود من الله تعالى منكم و عملوا الصالحات الى اخر الآية فالله منجز وعده وناصر جنده الخ

(تحفہ ص ۱۷۲ باب ہفتم در امامت و ازالۃ الخفاء ص ۴۰)

بے شک اس دین کو فتح لشکر کی کثرت سے نہیں ملی اور نہ لشکر کی قلت سے اس کو شکست ہوئی۔ بلکہ یہ دین خدا کا دین ہے جس نے اس کو غلبہ عطا کیا اور لشکر اسلام اللہ کا لشکر اور اس کی فوج ہے کہ خدا نے اس کو عزت اور قوت دی یہاں تک کہ یہ دین پہنچا جہاں تک پہنچا اور ظاہر اور روشن ہوا جیسا کہ ظاہر اور روشن ہوا اور ہم خدا کے وعدہ پر ہیں جیسا کہ اس نے قرآن عزیز میں اہل ایمان سے خلافت اور تمکین دین اور امن کا وعدہ کیا ہے جو اس آیت یعنی وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ میں مذکور ہے پس اللہ اپنے وعدہ کو پورا اور اپنے لشکر کی مدد کرے گا یعنی ان کو غلبہ اور فتح دے گا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس کلام سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک خلافت فاروقی خلافت موعودہ فی القرآن کا مصداق ہے اور نہج البلاغہ کے تمام شارحین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت علی کا مقصود آیت استخلاف کی طرف اشارہ ہے۔

حق شانہ نے نبی امی فداہ نفسی والی سے جو وعدے کئے تھے کہ تیرے خادموں اور غلاموں کو داؤد اور سلیمان اور ذوالقرنین جیسی حکومت عطا کروں گا وہ وعدہ ہائے خداوندی ابوبکر و عمر و عثمان کے ہاتھوں پورے ہو گئے۔ دیکھو قرۃ العینین ص ۲۲۲

مصطفیٰ را وعدہ کرد الطاف حق — گر بمیری تو نمیرد ایں سبق
چاکرانت شہر ہا گیرند وجاہ — دین تو گیرد ز ماہی تا بماہ

کسریٰ کا خاتمہ:

حجاز اور نجد اور یمن اور بحرین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں اہل اسلام کے قبضہ میں آ گیا تھا۔ اور نواحی عرب میں جو بت پرستی رائج تھی اس کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ خیبر جو یہودیوں کا اڈہ تھا وہ ختم ہو چکا تھا اور ہجر کے مجوسی اور نواحی شام کے کچھ عیسائی جزیہ گزار ہو گئے تھے۔ صدیق اکبر کے زمانہ خلافت میں فارس کے کچھ علاقے بصریٰ اور ملک شام کے کچھ علاقے مسلمانوں کے تصرف میں آئے اور فاروق اعظم کے زمانہ خلافت میں تمام ملک شام اور تمام ملک مصر اور فارس کا اکثر ملک مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور کسریٰ شاہ فارس نے ہر چند کوشش کی لیکن سوائے کسر شوکت (اقبال کچھ نہ ملا اور قیصر روم نے بہتیرے ہاتھ پیر مارے لیکن سوائے قصور طالع کے کچھ نہ دیکھا اور ان دونوں سلطنتوں کے بے شمار خزانے اور بے حساب اسباب مسلمانوں میں تقسیم ہوئے اور ان تمام اقالیم میں اسلام کا ڈنکا بج گیا اور بے خوف وخطر توحید حق پھیل گئی اور کفر وشرک دور مجوسیت اور عیسائیت کا بعض جگہوں سے بالکل خاتمہ ہو گیا اور بعض جگہ مقہور ومغلوب ہو گئی اور عثمان غنی کے دور خلافت میں اسلام کی حکومت مغرب کی جانب میں اور اندلس اور قیروان اور بحر محیط تک اور مشرق میں چین تک کا علاقہ مفتوح ہو گیا۔

اور ۳۰ھ میں حضرت عثمان غنی کے دور خلافت میں کسریٰ مارا گیا اور کسریٰ کی سلطنت کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا اور مشرق ومغرب کا خراج مدینہ منورہ آنے لگا۔ (معارف کاندھلوی)

امن وچین کا دور:

ابوالعالیہ نے کہا اللہ نے اپنی نبی کو جزیرۃ العرب پر اقتدار عطا فرما دیا، سب عربوں نے ہتھیار رکھ دیئے اور مسلمان ہو گئے، وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مسلمان اسی چین سے رہے پھر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے دور میں بھی امن وچین کی یہی حالت قائم رہی اور حضرت عثمانؓ کا دور خلافت بھی اسی طرح گزر گیا آخر جس (خانہ جنگی کی مصیبت) میں پھنسنا تھا پھنس گئے اور اللہ کی نعمت کے شکر گزار نہ رہے۔

آیت مذکورہ کا شان نزول:

ابوالعالیہ کا بیان ہے کہ نزول وحی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں صحابہ کے ساتھ رہے صحابہ کو حکم تھا کہ کافروں کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں پر صبر رکھیں، پھر مدینے کو ہجرت کر جانے کا حکم ہو گیا لڑنے کا بھی حکم مل گیا، لیکن (ہر طرف سے خوف کی یہ حالت تھی کہ) کوئی ہتھیار اپنے بدن سے الگ نہ کرتا تھا آخر ایک شخص نے کہا کیا ہمارے لئے کوئی دن بھی ایسا نہ آئے گا کہ ہم امن سے رہیں اور ہتھیار کھول دیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ حضرت براء نے فرمایا یہ آیت ہمارے متعلق نازل ہوئی تھی ہم سخت خوف کی حالت میں تھے پھر اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور خوف کی بجائے امن عطا کیا اور زمین پر امن کو پھیلا دیا یعنی ملکی فتوحات عطا فرمادیں)

اہلسنت کی تصدیق اور روافض کی تردید:

اس آیت میں آئندہ واقعہ کے متعلق پیشین گوئی ہے (جو صحیح ثابت ہوئی) اس لئے یہ صداقت نبوت کی دلیل ہے۔ اور خلفائے راشدین کی حالت کی حجت پر بھی آیت دلالت کر رہی ہے اگر خلفائے راشدین کی خلافت مراد نہ ہو تو وعدہ الٰہی میں کذب لازم آئے گا کیونکہ سوائے خلافت راشدہ کے زمانہ کے موعود (فتوحات ملکیہ) اور موعود لہم (مومنین صالحین) یکجا جمع نہ ہوئے اس سے اہلسنت کے مسلک کی صداقت واضح ہوتی ہے اور

یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دین اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے اور رافضیوں کا یہ قول غلط ہو جاتا ہے کہ ائمہ آج تک خوف کی حالت میں رہے ہیں یہاں تک کہ دشمنوں کے خوف سے امام مہدی بھی پوشیدہ ہیں۔

لفظ منکم (میں خطاب صحابہ کو ہے اس لئے اس لفظ) سے یہ بھی غلط ثابت ہوتا ہے کہ امام مہدی کے ظہور کے بعد اللہ اپنا وعدہ پورا کرے گا ابھی تک اس نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا) دین کا ظہور کب اور کیسے ہوگا جب کہ کچھ اوپر گیارہ سو برس تک نہیں ہوا۔ ایسا خیال کرنا کتنی بڑی حماقت ہے۔

خلافت کے تیس سال:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہ کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہے پھر ملوکیت ہو جائے گی۔ حضرت سفینہ نے کہا دو سال حضرت ابوبکرؓ خلافت کو تھامے رہے، پھر حضرت عمرؓ کی خلافت دس سال رہی۔ پھر حضرت عثمانؓ کی خلافت بارہ سال رہی پھر حضرت علیؓ چھ سال خلیفہ رہے۔

فتوحات اور قیام امن کی نبوی پیش گوئی:

حضرت عدی بن حاتم نے فرمایا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور اس نے فاقہ کی شکایت کی اور دوسرے آدمی نے آکر راستہ میں لوٹا جائے کا شکوہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عدی کیا تم نے حیرہ دیکھا ہے، میں نے عرض کیا میں نے خود نہیں دیکھا البتہ اس کے متعلق سنا ضرور ہے فرمایا اگر تمہاری عمر (کچھ) لمبی ہوئی تو دیکھ لوگے کہ (تنہا) عورت حیرہ سے سفر کرتی ہوئی آئے گی اور کعبہ کا طواف کرے گی اور سوائے خدا کے کسی سے خوف نہ ہوگا میں نے اپنے دل میں کہا اس وقت بنی طے کے غارت گر کہاں ہوں گے جنہوں نے ملک میں آگ لگا دی ہے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اگر تیری عمر (کچھ) دراز ہوئی تو کسریٰ کے خزانے تم لوگ فتح کرلو گے، میں نے کہا کیا کسریٰ بن ہرمز کے فرمایا، کسریٰ بن ہرمز کے (پھر فرمایا) اگر تمہاری عمر دراز ہوئی تو دیکھ لوگے کہ آدمی مٹھی بھر چاندی یا سونا قبول کرنے والے کو تلاش میں لئے پھرے گا اور کوئی لینے والا نہ ملے گا اور جس روز آدمی اپنے رب کے سامنے جائے گا اور بندے کے اور اس کے رب کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا کہ اللہ کا مطلب بندے کو سمجھائے (بلکہ اللہ براہ راست بندہ سے خطاب کرے گا) اور فرمائے گا کیا اپنے احکام پہنچانے کے لئے میں نے تیرے پاس اپنا رسول نہیں بھیجا تھا؟ بندہ کہے گا کیوں نہیں (یقیناً بھیجا تھا) اللہ فرمائے گا کیا میں نے تجھے مال نہیں دیا تھا اور تجھ پر اپنی مہربانی نہیں کی تھی بندہ عرض کرے گا کیوں نہیں (یہ سب کچھ ہوا تھا) اس وقت آدمی اپنی دائیں جانب دیکھے گا تو جہنم کے سوا اس کو کچھ نہیں دکھائی دے گا اور بائیں طرف دیکھے گا تب بھی جہنم ہی دکھائی دے گا (غرض جہنم میں پھینک دیا جائے گا) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ سے بچو، خواہ چھوارے کا ایک ٹکڑا ہی خیرات کر کے (یعنی چھوارے کا ایک ٹکڑا غریب کو دینا دوزخ سے بچنے کا سبب بن جائے گا) اگر چھوارے کا ایک ٹکڑا بھی میسر نہ ہو تو (سائل سے) میٹھی بات کہہ کر ہی (دوزخ سے اپنی حفاظت کرو) حضرت عدی نے (اپنے شاگردوں سے) فرمایا میں نے تو یہ دیکھ لیا کہ ایک عورت حیرہ سے کعبہ کا طواف کرنے کے لئے چلتی یہاں تک کہ طواف کر لیتی ہے اور (راستہ میں اس کو کسی لٹیرے بدمعاش کا اندیشہ نہیں ہوتا) اللہ کے سوا اس کو کسی کا خوف نہیں ہوتا اور کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کرنے میں تو میں خود شریک تھا۔ آئندہ اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو بھی صحیح پالو گے کہ مٹھی بھر (سونا چاندی) آدمی لے کر قبول کرنے والے کی تلاش میں نکلے گا اور قبول کرنے والا اس کو نہیں ملے گا۔ (تفسیر مظہری)

بارہ خلفاء قریشی ہوں گے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لوگوں کا کام بھلائی سے جاری رہے گا یہاں تک کہ ان میں بارہ خلیفے ہوں۔ پھر آپ نے ایک جملہ آہستہ بولا جو راوی حدیث حضرت جابر بن سمرہؓ سن نہ سکے تو انہوں نے اپنے والد صاحب سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ انہوں نے بیان کیا کہ یہ فرمایا ہے یہ سب کے سب قریشی ہوں گے (مسلم) آپ نے یہ بات اس شام کو بیان فرمائی تھی جس دن حضرت ماعزؓ بن مالکؓ کو رجم کیا گیا تھا پس معلوم ہوا کہ ان بارہ خلیفوں کا ہونا ضروری ہے لیکن یہ یاد رہے کہ یہ وہ خلیفے نہیں جو شیعوں نے سمجھ رکھے ہیں کیونکہ شیعوں کے اماموں میں تو بہت سے وہ بھی ہیں جنہیں خلافت و سلطنت کا کوئی حصہ بھی پوری عمر میں نہیں ملا تھا۔ اور یہ بارہ خُلفاء ہوں گے سب کے سب قریشی ہوں گے حکم میں عدل کرنے والے ہوں گے ان کی بشارت اگلی کتابوں میں بھی ہے اور یہ بھی شرط نہیں ہے کہ یہ سب کے سب یکے بعد دیگرے ہوں گے بلکہ ان کا ہونا یقینی ہے خواہ پے در پے کچھ ہوں خواہ متفرق زمانوں میں کچھ ہوں چنانچہ چاروں خلیفے تو بالترتیب ہوئے اول ابوبکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنھم اجمعین ان کے بعد پھر سلسلہ ٹوٹ گیا پھر بھی ایسے خلیفہ ہوئے اور ممکن ہے آگے چل کر بھی ہوں ان کے صحیح زمانوں کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے ہاں اتنا یقینی ہے کہ حضرت امام مہدیؒ بھی انہی بارہ میں سے ہوں گے جن کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے جن کی کنیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت سے مطابق ہوگی تمام زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے جیسے کہ وہ ظلم و ناانصافی سے بھر گئی ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی، پھر کاٹ کھانے

والا ملک ہو جائے گا۔(تفسیر ابن کثیر)

وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور جو کوئی ناشکری کرے گا اس کے پیچھے سو وہ ہی لوگ ہیں نافرمان

ناشکری کرنے والے:

یعنی ایسے انعامات عظیمہ کے بعد ناشکری کرنا بہت ہی بڑے نافرمان اور اصل مجرم کا کام ہے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جو کوئی خلفائے اربعہ کی خلافت اور ان کے فضل و شرف سے منکر ہوا۔ ان الفاظ سے اُس کا حال سمجھا گیا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (تفسیر عثمانی)

قاتلین عثمان: فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ سو یہی لوگ (ایمان یا دائرہ اطاعت سے) خارج ہوں گے بغویؒ نے لکھا ہے اہل تفسیر کا بیان ہے کہ سب سے پہلے خداداد نعمت کی ناشکری کرنے والے وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت عثمان کو شہید کر دیا، جب حضرت عثمانؓ کو انہوں نے شہید کر دیا تو اللہ نے وہ نعمت بھی بدل ڈالی جوان کو عطا فرمائی تھی، چنانچہ خوف ان پر طاری ہو گیا اور (دینی) بھائی بھائی ہونے کے باوجود آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرنے لگا۔

بغوی نے حمید بن ہلال کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن سلام نے حضرت عثمانؓ کی بابت فرمایا۔ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما ہوئے اس وقت سے آج تک (اللہ کے حفاظتی) فرشتے تمہارے اس شہر کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہیں اب اگر تم عثمانؓ کو قتل کر دو گے تو خدا کی قسم فرشتے چلے جائیں گے اور پھر کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ جو شخص عثمان کو شہید کرے گا خدا کی قسم جب وہ اللہ کے سامنے جائے گا تو کوڑھی ہو کر جائے گا اللہ کی تلوار نیام کے اندر ہے اگر اللہ نے نیام سے اس کو نکال دیا تو خدا کی قسم پھر تم سے (ہٹا کر) وہ (کبھی یا روز قیامت تک) نیام میں داخل نہیں کرے گا کیونکہ جب بھی کوئی نبی شہید کیا گیا (اسکے انتقام میں) ستر ہزار آدمی مارے گئے اور جب بھی کوئی خلیفہ شہید کیا گیا (اسکے بدلہ میں) پینتیس ہزار آدمی قتل کئے گئے۔

رافضی وخارجی: میں کہتا ہوں اللہ نے جو مسلمانوں کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا اور خلافت عطا فرمائی، رافضیوں اور خارجیوں کے مختلف گروہوں نے اس کی ناشکری کی۔

یزید بن معاویہ

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ میں یزید بن معاویہ طرف اشارہ ہو یزید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو اور آپ کے ساتھیوں کو شہید کیا یہ ساتھی خاندان نبوت کے ارکان تھے عزت رسول کی بے عزتی کی اور اس پر فخر کیا اور کہنے لگا آج بدر کے دن کا انتقام ہو گیا اس نے مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم پر لشکر کشی کی اور حرہ کے واقعہ میں مدینہ کو غارت کیا اور وہ مسجد جس کی بناء تقویٰ پر قائم کی گئی تھی اور جس کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ کہا گیا ہے اس کی بے حرمتی کی اسی نے بیت اللہ پر سنگباری کے لئے منجنیقیں نصب کرائیں اور اسی نے اول خلیفہ رسول اللہ یعنی حضرت ابوبکرؓ کے نواسے حضرت عبداللہ بن زبیر کو شہید کرایا اور ایسی ایسی نازیبا حرکتیں کیں کہ آخر اللہ کے دین کا منکر ہو گیا اور (اللہ کی حرام کی ہوئی) شراب کو حلال کر دیا۔(تفسیر مظہری)

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا

اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوۃ اور حکم پر چلو

الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

رسول کے تاکہ تم پر رحم ہو

مقبول بندوں کا طریقہ:

یعنی خدا کی رحمت سے حصہ لینا چاہتے ہو تو تم بھی اُن ہی مقبول بندوں کی روش اختیار کرو۔ وہ روش یہی ہے نمازیں قائم کرنا، زکوٰۃ دیتے رہنا اور تمام شعب زندگی میں رسول کے احکام پر چلنا۔ "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا مُتَابَعَةَ رَسُوْلِكَ صلی اللہ علیہ وسلم وَتَوَفَّنَا عَلَيْهَا وَاَلْحِقْنَا بِالصّٰلِحِيْنَ آمین۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ

نہ خیال کر کہ یہ جو کافر ہیں تھکا دیں گے بھاگ کر ملک میں

وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾

اور ان کا ٹھکانا آگ ہے اور وہ بُری جگہ ہے پھر جانے کی

مردود لوگوں کی شکست:

یہ نیک بندوں کے بالمقابل مردود و مغضوب لوگوں کا انجام بتلایا۔ یعنی جبکہ نیکوں کو ملک کی حکومت اور زمین کی خلافت عطا کی جاتی ہے، کافروں اور بدکاروں کی ساری مکاریاں اور تدبیریں شکست ہو جاتی ہیں۔ اللہ کے ارادہ کو کوئی روک نہیں سکتا اگر تمام خدائی میں ادھر اُدھر بھاگتے پھریں تب بھی وہ خدائی سزا سے اپنے کو نہیں بچا سکتے یقیناً اُن کو جہنم کے جیلخانہ میں جانا پڑے گا۔ (تفسیر عثمانی)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

اے ایمان والو اجازت لے کر آئیں تم سے جو تمہارے ہاتھ کے مال ہیں

مسئلہ استیذان کا تتمہ:

یعنی لونڈی غلام، چار رکوع پہلے مسئلہ استیذان (اجازت لینے) کا ذکر

تھا۔ یہ اُسی کا تتمہ ہے۔ درمیان میں خاص خاص مناسبتوں سے دوسرے مضامین آ گئے۔ (تفسیر عثانی)

حضرت اسماءؓ کی ناگواری پر آیت کا نزول:

ابن ابی حاتم نے مقاتل بن حبان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت اسماء بنت مرثد کا ایک غلام تھا جو اکثر حضرت اسماء کے پاس ایسے وقت میں (بلا اجازت) آ جاتا تھا کہ اس وقت غلام کا آنا حضرت اسماء کو ناگوار گزرتا تھا، حضرت اسماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے خادم اور غلام ایسے وقت ہمارے پاس آ جاتے ہیں کہ اس وقت ان کا آنا ہم کو ناگوار ہوتا ہے اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ
اور جو کہ نہیں پہنچے تم میں عقل کی حد کو تین بار فجر کی
مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ
نماز سے پہلے اور جب اتار رکھتے ہو اپنے کپڑے دو پہر میں
الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ
اور عشا کی نماز سے پیچھے یہ تین وقت بدن کھلنے کے ہیں تمہارے

غلاموں اور نابالغوں کے گھر میں آنے کا ادب:

ان تین وقتوں میں عموماً زائد کپڑے اُتار دیئے جاتے ہیں یا سونے جاگنے کا لباس تبدیل کیا جاتا ہے اور بیوی کے ساتھ مخالطت بھی بیشتر ان ہی اوقات میں ہوتی ہے کبھی فجر سے قبل یا دو پہر کے وقت آدمی غسل کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ کوئی مطلع نہ ہو۔ اس لئے حکم دیا کہ ان تین وقتوں میں نابالغ لڑکوں اور لونڈی غلام کو بھی اجازت لے کر آنا چاہیے۔ باقی وقتوں میں ان کو اجانب کی طرح اجازت طلب کرنے کی حاجت نہیں۔ الّا یہ کہ کوئی شخص اپنی مصلحت سے دوسرے اوقات میں بھی استیذان کی پابندی عائد کر دے۔ (تفسیر عثانی)

شانِ نزول: بغوی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری غلام کو دوپہر کے وقت حضرت عمر کو بلانے کے لئے بھیجا، غلام حضرت عمر کے پاس (گھر کے اندر) پہنچا ایسی حالت میں دیکھا کہ حضرت عمر کو اس حالت میں دیکھا جانا ناگوار گزرا۔ اس پر آیت وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ نازل ہوئی۔

جوانی کو نہ پہنچنے سے مراد یہ ہے کہ جوانی کے قریب بھی نہ پہنچے ہوں (مراہق بھی نہ ہوں) جو لڑکے بالغ ہونے کے قریب پہنچ گئے ہوں وہ بالغ کے حکم میں ہیں۔

مسئلہ: آیت مذکور کا اقتضاء ہے کہ مذکورہ تینوں اوقات میں غلام کا اپنے آقا کے پاس بلا اجازت (تنہائی میں) جا پہنچنا ممنوع ہے خواہ غلام چھوٹی عمر کا ہی ہو لیکن ہو باشعور۔ اور باندی (اوقات مذکورہ میں بلا اجازت) اپنی مالکہ کے پاس نہیں جا سکتی ہاں باندی اپنے آقا اور مالک کے پاس ہر وقت بلا اجازت داخل ہو سکتی ہے کیونکہ وہ تو بیوی کی طرح ہے (جو ننگے کھلے سے واقف ہوتی ہے) بالغ یا قریب البلوغ غلام اپنی مالکہ کے پاس کسی وقت داخل نہیں ہو سکتا (شرعاً مالکہ کو اس سے پردہ کرنا چاہیے) اللہ نے فرمایا ہے قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ الخ اس آیت میں جن مملوک لوگوں کا استثناء کیا گیا ہے ان سے مراد باندیاں ہیں غلام نہیں ہیں اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں ہم نے یہ مضمون بیان کر دیا ہے۔

جو لڑکا باشعور ہے وہ بغیر اجازت لئے ہر سہ اوقات مذکورہ میں داخل نہیں ہو سکتا اور ان تین اوقات کے علاوہ ہر وقت بغیر اجازت حاصل کئے داخل ہو سکتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ
کچھ تنگی نہیں تم پر اور نہ اُن پر ان وقتوں کے پیچھے
طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ
پھرا ہی کرتے ہو ایک دوسرے کے پاس

یعنی اوقات مذکورہ بالا کو چھوڑ کر باقی جن اوقات میں عادۃً ایک دوسرے کے پاس بے روک ٹوک آتے جاتے ہیں اُن میں نابالغ لڑکوں یا لونڈی غلام کو ہر مرتبہ اجازت لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ ایسا پابند کرنے میں بہت تنگی اور کاروبار کا تعطل ہے جو حق تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔ (تفسیر عثانی)

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ
یوں کھولتا ہے اللہ تمہارے آگے باتیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا
حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ
حکمت والا ہے اور جب پہنچیں لڑکے تم میں سے عقل کی حد کو
فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ
تو ان کو ویسی ہی اجازت لینی چاہئے جیسے لیتے رہے ہیں ان سے اگلے

نابالغ لڑکا: یعنی لڑکا جب تک نابالغ ہے تین وقتوں کے سوا باقی اوقات میں بلا اجازت لئے آ جا سکتا ہے۔ جس وقت حدِ بلوغ کو پہنچا پھر اس کا حکم اُن ہی مردوں جیسا ہو گیا جو اس سے پہلے بالغ ہو چکے ہیں اور جن کا حکم پیشتر آیت

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا" میں گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ اٰيٰتِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ
یوں کھول کر سناتا ہے اللہ تم کو اپنی باتیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا
حَكِيْمٌ ۞ وَ الْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ
حکمت والا ہے اور جو بیٹھ رہی ہیں گھروں میں تمہاری عورتوں میں سے جن کو
نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ
توقع نہیں رہی نکاح کی ان پر گناہ نہیں کہ اتار رکھیں اپنے کپڑے
غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ ؕ وَ اَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ
یہ نہیں کہ دکھاتی پھریں اپنا سنگار اور اس سے بھی بچیں تو بہتر ہے ان کے لئے

بوڑھی خواتین کا مسئلہ:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی بوڑھی عورتیں گھر میں تھوڑے کپڑوں میں رہیں تو درست ہے اور پورا پردہ رکھیں تو اور بہتر" اور گھر سے باہر نکلتے وقت بھی زائد کپڑے مثلاً برقع وغیرہ اتار دیں تو کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ اس زینت کا اظہار نہ ہو جس کے چھپانے کا حکم آیت "وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ" میں دیا جا چکا ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جوان عورتوں کے تستر کے متعلق قرآن کریم کا منشا کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا یعنی وہ عورتیں جو بڑی بوڑھی ہونے کی وجہ سے اس قابل نہ رہی ہوں کہ نکاح کی کوئی توقع کر سکیں۔ ربیعہ نے کہا اس سے مراد وہ بوڑھی عورتیں ہیں جن سے مرد نفرت کرتے ہیں بڑھاپے کی وجہ سے کوئی اس کی طرف رغبت نہیں کرتا۔ جو عمر رسیدہ عورت ایسی ہو کہ اس کے اندر کچھ رعنائی باقی ہو وہ اس آیت سے خارج ہے۔

کپڑے اتار دینے سے مراد ہے کچھ کپڑے اتار دینا لہٰذا کسی (آزاد) بوڑھی عورت کے لئے بھی اجنبی مردوں کے سامنے پشت یا پیٹ اور ناف سے نیچے کا بدن کھولنا جائز نہیں۔ سر، چہرہ اور دونوں بانہیں کھول سکتی ہے۔

عورتوں کیلئے اظہار زینت ممنوع ہے:

غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ برج کا لغوی مفہوم ہے ظہور قلعہ مضبوط عمارت، آسمانی ستاروں کا جھمگھٹ۔

لفظ تبرج کا خصوصی استعمال عورتوں کے بے پردہ بن ٹھن کر مردوں کے سامنے آنے کے لئے ہوتا ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس باتوں کو برا سمجھتے تھے ان میں سے ایک بات یہ (حضور کو پسند نہ) تھی کہ عورت سنگھار کر کے غیر مقام میں نمودار ہو۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ تبرج کا معنی ہے غیر مردوں کے سامنے عورتوں کا اظہار زینت۔ ایسا اظہار زینت شرعاً مذموم ہے ہاں شوہر کے سامنے اظہار زینت مذموم نہیں ہے حدیث میں لغیر محلھا سے یہی مذموم اظہار زینت ہے۔

اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ کے بعد غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ کی قید کا اضافہ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ کچھ کپڑے اتار کر غیر مردوں کے سامنے بوڑھی عورتوں کا آنا اس وقت قابل گناہ نہیں قرار دیا جائے گا جب کچھ کپڑے اتارنے سے ان عورتوں کا مقصد اظہار زینت نہ ہو اگر کپڑے اتارنے کا مقصد اندرونی زینت اور لباس کی نمائش ہو تو بہر حال گناہ اور حرام ہے۔

وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۶۰
اور اللہ سب باتیں سنتا جانتا ہے

خفیہ فتنہ بازی بھی اللہ سے پوشیدہ نہیں:

یعنی یہ تو فتنہ کی روک تھام کے ظاہری انتظامات تھے باقی پردہ کے اندر جو باتیں کی جاتی ہیں اور فتنے اٹھائے جاتے ہیں یاد رہے۔ خدا تعالیٰ ان سب کو سنتا اور جانتا ہے۔ اسی کے موافق ہر ایک سے معاملہ کرے گا۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ
نہیں ہے اندھے پر کچھ تکلیف اور نہ لنگڑے پر
حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ
تکلیف اور نہ بیمار پر تکلیف

معذوروں کیلئے عذر پذیری اور ان سے معاملات کا طریقہ

یعنی جو کام تکلیف کے ہیں وہ ان کو معاف ہیں مثلاً جہاد، حج، جمعہ اور جماعت اور ایسی چیزیں۔ (کذا فی الموضح) یا یہ مطلب ہے کہ ان معذور محتاج لوگوں کو تندرستوں کے ساتھ کھانے میں کچھ حرج نہیں۔ جاہلیت میں اس قسم کے محتاج و معذور آدمی اغنیاء اور تندرستوں کے ساتھ کھانے سے رکتے تھے انہیں خیال گزرتا تھا کہ شاید لوگوں کو ہمارے ساتھ کھانے سے نفرت ہو اور ہماری بعض حرکات و اوضاع سے ایذا پہنچتی ہو، اور واقعی بعضوں کو نفرت و وحشت ہوتی بھی تھی۔ نیز بعض مومنین کو غایت اتقاء سے یہ خیال پیدا ہوا کہ ایسے معذوروں اور مریضوں کے ساتھ کھانے میں شاید اصول عدل و مساوات قائم نہ رہ سکے۔ اندھے کو سب کھانے نظر نہیں آتے لنگڑا ممکن ہے دیر میں پہنچے

اور مناسب نشست سے نہ بیٹھ سکے۔ بیمار کا تو پوچھنا ہی کیا ہے اس بناء پر ساتھ کھلانے میں احتیاط کرتے تھے کہ ان کی حق تلفی نہ ہو۔ دوسری ایک اور صورت پیش آتی تھی کہ یہ معذور و محتاج لوگ کسی کے پاس گئے، وہ شخص استطاعت نہ رکھتا تھا، ازراہ بے تکلفی ان کو اپنے باپ، بھائی، بہن، چچا، ماموں وغیرہ کسی عزیز و قریب کے گھر لے گیا۔ اس پر ان حاجتمندوں کو خیال ہوتا تھا کہ ہم تو آئے تھے کہ اس کے پاس، یہ دوسرے کے ہاں لے گیا، کیا معلوم وہ ہمارے کھلانے سے کارہ اور ناخوش تو نہیں۔ ان تمام خیالات کی اصلاح آیت حاضرہ میں کر دی گئی کہ خواہی نہ خواہی اس طرح کے اوہام و وساوس میں مت پڑو۔ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں وسعت رکھی ہے پھر تم خود اپنے اوپر تنگی کیوں کرتے ہو۔

وَّلَا عَلٰٓی اَنۡفُسِکُمۡ اَنۡ تَاۡکُلُوۡا مِنۡۢ بُیُوۡتِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ
اور نہیں تکلیف تم لوگوں پر کہ کھاؤ اپنے گھروں سے یا اپنے باپ کے گھر
اٰبَآئِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ اُمَّهٰتِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ اِخۡوَانِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ
سے یا اپنی ماں کے گھر سے یا اپنے بھائی کے گھر سے یا اپنی بہن کے گھر سے
اَخَوٰتِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ اَعۡمَامِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ عَمّٰتِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ
یا اپنے چچا کے گھر سے یا اپنی پھوپھی کے گھر سے
اَخۡوَالِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ خٰلٰتِکُمۡ اَوۡ مَا مَلَکۡتُمۡ
یا اپنے ماموں کے گھر سے یا اپنی خالہ کے گھر سے یا جس گھر کی کنجیوں کے
مَّفَاتِحَهٗۤ اَوۡ صَدِیۡقِکُمۡ ؕ
تم مالک ہو یا اپنے دوست کے گھر سے

یعنی تمہارے زیر تصرف دے دیا گیا ہو۔ مثلاً کسی نے اپنی چیز کا وکیل یا محافظ بنا دیا اور بقدر معروف اس میں سے کھانے پینے کی اجازت دے دی۔ (تفسیر عثمانی)

اولاد کا گھر اپنا گھر ہوتا ہے:

اپنے گھروں سے مراد ہیں وہ گھر جن میں بیوی بچے ہوں اس میں اولاد کے گھر بھی شامل ہیں، اپنی اولاد کا گھر اپنا ہی گھر ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے اخرجہ اصحاب الستۃ وابن ماجہ والحاکم عن عائشہ رضی اللہ عنہا۔

پاکیزہ ترین مال: ابن ماجہ نے بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پاکیزہ ترین مال وہ ہے جو آدمی اپنی کمائی سے کمائے اور آدمی کی اولاد بھی اسی کی کمائی سے ہے مطلب یہ ہے کہ بیویوں کا اور اپنی اولاد کا مال کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کذا قال ابن قتیبۃ

اَوۡ صَدِیۡقِکُمۡ یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔

وہ گھر جن سے بلا اجازت کھانا جائز ہے:

بغوی نے لکھا ہے حسن اور قتادہ اسی آیت کی بنا پر قائل تھے کہ دوست کے گھر میں داخل ہو کر اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے کوئی چیز کھا لینا جائز ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مذکورۂ بالا اشخاص (یعنی اقرباء اور اعزاء) کے گھروں میں جا کر ان کی موجودگی کے بغیر کچھ کھا لینا جائز ہے۔ کھا سکتے ہو لیکن بطور توشہ ذخیرہ کرنا اور اٹھا کر لے آنا جائز نہیں۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے یہ حکم شروع اسلام میں تھا پھر منسوخ کر دیا گیا۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حکم اب بھی باقی ہے لیکن اس کا جواز اس بات پر موقوف ہے کہ گھر والے نے صریح اجازت دے دی ہو یا قرینہ سے اس کی اجازت معلوم ہو گئی ہو یہی وجہ ہے کہ آیت میں ذکر ایسے ہی لوگوں کا کیا گیا جن سے عام طور پر بے تکلفی ہوتی ہے۔ (اور آپس میں کھانے پینے کا کوئی پرہیز یا تکلف نہیں ہوتا) ان لوگوں کا آیت میں تذکرہ صرف عادت و رواج کے پیش نظر ہے (حصر کے لئے نہیں ہے) اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ بالکل اجنبی اور غیر آدمی کے گھر پہنچ کر اس کی صریحی یا غیر صریحی اجازت کے بغیر کچھ کھا لینا بھی جائز ہے، بشرطیکہ گھر والے کی رضامندی کا کسی طور پر علم ہو گیا ہو۔

مسئلہ: یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ عام طور پر قریبی محرم رشتہ داروں میں چونکہ بے تکلفی اور (کھانے پینے سے) انبساط خاطر ہوتا ہے اس لئے حنفیہ کہتے ہیں کہ محرم قرابت دار کے مکان کے اندر سے اگر کوئی شخص اس قرابت دار کا یا کسی غیر کا مال چرا لے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، لیکن اگر کسی غیر کے مکان سے کچھ مال چرایا خواہ چرانے والے کے قریبی محرم ہی کا ہو تب بھی ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ اول صورت میں مال محرز نہ تھا اور دوسری صورت میں محرز تھا (محرز بمعنی محفوظ یعنی اول صورت میں مال ایسی جگہ نہیں رکھا ہوا تھا جو چرانے والے کے لئے محفوظ مقام سمجھا جائے۔ اور دوسری صورت میں اس چور کے لئے غیر کا گھر ممنوع ہے۔ اور محفوظ مقام ہے)۔ (تفسیر مظہری)

لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَاۡکُلُوۡا جَمِیۡعًا اَوۡ اَشۡتَاتًا ؕ
نہیں گناہ تم پر کہ کھاؤ آپس میں مل کر یا جدا ہو کر
فَاِذَا دَخَلۡتُمۡ بُیُوۡتًا فَسَلِّمُوۡا عَلٰٓی اَنۡفُسِکُمۡ تَحِیَّةً
پھر جب کبھی جانے لگو گھروں میں تو سلام کہو اپنے لوگوں پر
مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُبٰرَکَةً طَیِّبَةً ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ
نیک دعا ہے اللہ کے یہاں سے برکت والی ستھری یوں کھولتا ہے اللہ

لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

تمہارے آگے اپنی باتیں تا کہ تم سمجھ لو

یعنی اپنایت کے علاقوں میں کھانے کی چیز کو ہر وقت پوچھنا ضروری نہیں۔ نہ کھانے والا احجاب کرے نہ گھر والا دریغ کرے۔ مگر عورت کا گھر اگر اُس کے خاوند کا ہو۔ اُس کی مرضی حاصل کرنی چاہئے اور مل کر کھاؤ یا جدا یعنی اس کی تکرار دل میں نہ رکھے کہ کس نے کم کھایا کس نے زیادہ۔ سب نے مل کر کھایا۔ اور اگر ایک شخص کی مرضی نہ ہو تو پھر کسی کی چیز کھانی ہرگز درست نہیں اور تقید فرمایا سلام کا آپس کی ملاقات میں۔ کیونکہ اس سے بہتر دعا نہیں۔ جو لوگ اس کو چھوڑ کر اور الفاظ گھڑتے ہیں اللہ کی تجویز سے ان کی تجویز بہتر نہیں ہو سکتی۔

(تنبیہ) آیت سے تنہا کھانے کا جواز بھی نکلا۔ بعض حضرات کو لکھا ہے کہ جب تک کوئی مہمان ساتھ نہ ہو کھانا نہ کھاتے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ غلو ہے۔ البتہ اگر کئی کھانے والے ہوں اور اکٹھے بیٹھ کر کھائیں تو موجب برکت ہوتا ہے کما ورد فی الحدیث۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول بنی لیث بن بکر کنانی کے متعلق ہوا اس قبیلہ کا ایک شخص تنہا بغیر مہمان کے نہیں کھاتا تھا مہمان ساتھ کھانے کے لئے مل جاتا تو کھانا کھالیتا ورنہ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ صبح سے بیٹھے بیٹھے شام ہوگئی اور کھانا سامنے رکھا رہا مگر اس شخص نے نہیں کھایا، اونٹنیوں کے تھنوں میں دودھ بھرا رہتا مگر وہ تنہا نہ پیتا (اس لئے دودھ دوہتا ہی نہ تھا) جب کوئی مہمان ہم مشرب ہونے کے لئے آجاتا تو پی لیتا۔ دن بھر مہمان کے نہ ملنے اور تنہا نہ کھانے کی وجہ سے بھوکا پیاسا رہتا، آخر جب شام ہو جاتی تو کچھ کھالیتا۔ یہ بیان قتادہ ضحاک اور ابن جریج کا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ایک ساتھ کھانے سے برکت ہوتی ہے:

مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے آ کر کہا یا رسول اللہ ہم کھاتے تو ہیں لیکن آسودگی حاصل نہیں ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تم الگ الگ کھاتے ہو گے جمع ہو کر ایک ساتھ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھاؤ تو تمہیں برکت دی جائے گی۔

غلام اپنے آقا کے گھر سے کھا سکتا ہے:

امام ابوحنیفہؒ کا اور امام احمدؒ کے مذہب کا مشہور مقولہ ہے جس کی کنجیاں تمہاری ملکیت میں ہیں اس سے مراد غلام اور داروغے ہیں کہ وہ اپنے آقا کے مال سے حسب ضرورت و دستور کھا پی سکتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

سلام کا طریقہ: تَحِيَّةً بطور دعا۔ تحیۃ کے معنی ہی سلام کرنا ہیں۔ اس لئے لفظ تحیۃ. سَلِّمُوْا کا مفعول مطلق ہے۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ نے آدم کو اپنی (قائم کردہ) صورت میں پیدا کیا۔ آدمؑ کے قد کی لمبائی ساٹھ ہاتھ تھی۔ بنا چکنے (اور روح پھونکنے) کے بعد فرمایا کہ جاؤ فرشتوں کی جماعت جو بیٹھی ہوئی ہے اس کو سلام کرو۔ اور سنو وہ تم کو کیا جواب دیتے ہیں۔ وہ جو جواب دیں گے وہی تمہارا اور تمہاری نسل کا جواب (سلام) ہوگا آدمؑ نے جا کر السلام علیکم کہا فرشتوں نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ الخ۔

حضرت ابوامامہ کی مرفوع روایت ہے کہ سب سے زیادہ اللہ سے قرب رکھنے والا وہ شخص ہے جو سلام کی ابتداء کرتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ کی مرفوع روایت ہے جو شخص کسی جلسہ میں پہنچے تو سلام کرے، پھر اس کا دل بیٹھنے کو چاہے تو بیٹھ جائے۔ پھر (واپسی کے وقت) جب اٹھے تو سلام کرے۔ پہلا سلام دوسرے سلام سے زیادہ مستحق (ثواب) نہیں ہے۔ رواہ الترمذی وابوداؤد۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً سے مراد ہے اچھی خوبصورت،

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میرے کسی اُمتی سے ملو تو اس کو سلام کرو۔ اس سے تمہاری عمر لمبی ہوگی او ر جب اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو۔ اس سے تمہارے گھر کی خیر بڑھے گی اور چاشت کی نماز پڑھا کرو۔ یہ صلوٰۃ اوابین (اللہ کی طرف لوٹنے والوں کی نماز) ہے۔ اخرجہ البیہقی، فی شعب الایمان والثعلبی وحمزۃ بن یوسف الجرجانی فی تاریخ جرجان، اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو کا بیان ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اسلام (میں) کون سا (عمل) سب سے اچھا ہے۔ فرمایا، یہ کہ تم کھانا کھلاؤ اور (ہر شخص کو) سلام کرو۔ خواہ اس کو جانتے ہو یا نہ جانتے ہو، متفق علیہ۔

قتادہ نے کہا اگر تم اپنے گھر میں داخل ہو تو اپنے گھر والوں کو سلام کرو۔ وہ تمہارے سلام کے زیادہ مستحق ہیں اور اگر خالی گھر میں داخل ہو جہاں کوئی نہ ہو تب (بھی سلام کرو اور) یوں کہو السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ، ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ ملائکہ سلام کا جواب دیتے ہیں۔

بیہقی نے شعب الایمان میں قتادہ کی مرسل روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم باہر جاؤ تو اپنے گھر والوں کو سلام کے ساتھ رخصت کرو۔

ترمذی نے حضرت انس کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھ سے) فرمایا، بیٹے جب تو گھر والوں کے پاس (گھر کے اندر) داخل ہو تو ان کو سلام کیا کر تیرے لئے اور تیرے گھر والوں کے لئے برکت ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

خالی گھر پر سلام کا طریقہ:

حضرت ابن عباس نے فرمایا، اگر گھر کے اندر کوئی نہ ہو تو یوں کہے "اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا مِنْ رَّبِّنَا اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلٰى اَهْلِ الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ" ہم پر ہمارے رب کی طرف سے سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلامتی ہو گھر والوں پر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔

اس آیت کی توضیح میں عمرو بن دینار نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ جب تو مسجد میں داخل ہو تو یوں کہہ "اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ".

مسلمان کے حقوق:

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں اگر کوئی بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے۔ اگر وہ مر جائے تو اس کے جنازے میں یہ حاضر ہو۔ اگر وہ دعوت کرے تو یہ دعوت کو قبول کرے۔ ملاقات ہو تو سلام کرے۔ اس کو چھینک آئے تو یہ یرحمک اللہ کہے اور وہ سامنے موجود ہو یا نہ ہو بہرحال اس کی خیر خواہی کرے۔ رواہ النسائی والترمذی۔ اور بزار نے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

محبت کا نسخہ: حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ فرمایا، تم جب تک مومن نہ ہو گے جنت میں نہ جاؤ گے اور جب تک آپس میں محبت نہ کرو گے مومن نہ ہو گے، کیا میں تم کو ایسی بات نہ بتادوں کہ اگر تم اس کو کرو گے تو آپس میں محبت کرنے لگو گے۔ سلام (کے رواج) کو پھیلاؤ۔ رواہ مسلم۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
ایمان والے وہ ہیں جو یقین لائے ہیں اللہ پر اور اُس کے رسول پر
وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا
اور جب ہوتے ہیں اُس کیساتھ کسی جمع ہونے کے کام میں تو چلے نہیں جاتے
حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ
جب تک اُس سے اجازت نہ لے لیں جو لوگ تجھ سے اجازت لیتے ہیں
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ
وہ ہی ہیں جو مانتے ہیں اللہ کو اور اُس کے رسول کو

اُوپر کی آیتوں میں آنے کے وقت استیذان (اجازت طلب کرنے) کا ذکر تھا۔ یہاں جانے کے وقت استیذان کی ضرورت بتلائی ہے یعنی پورے ایمان والے وہ ہیں جو رسول کے بُلانے پر حاضر ہوتے ہیں اور جب کسی اجتماعی کام میں شریک ہوں مثلاً جمعہ، عیدین، جہاد اور مجلس مشاورت وغیرہ میں تو بدون اجازت کے اُٹھ کر نہیں جاتے۔ یہ ہی لوگ ہیں جو کامل اور صحیح معنی میں اللہ اور رسول کو مانتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: دلائل میں بیہقی نے اور ابن اسحاق نے عروہ اور محمد بن کعب قرظی کے حوالہ سے بیان کیا کہ جنگ احزاب کے سال (جب قریش اور غطفان کے قبائل وغیرہ مدینہ پر چڑھ کر آئے تو) قریش نے مدینہ میں چاہ رومہ کے مجمع الاسیال کے مقام پر اپنا پڑاؤ کیا ان کا کمانڈر ابوسفیان تھا اور غطفان (کے قبائل) نے آکر احد کے ایک طرف نقمین میں قیام کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع مل چکی تھی آپ نے مدینہ کے گرد خندق کھدوادی تھی خود بھی حضور خندق کھودنے میں مصروف عمل تھے اور مسلمان بھی کام میں لگے ہوئے تھے، لیکن منافقوں میں سے کچھ لوگ سستی کر رہے تھے۔ جھوٹ موٹ کام میں شریک تھے اور موقع پاتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و اجازت کے بغیر گھروں کو چپکے سے سرک لیتے تھے پھر کسی مسلمان کو کوئی حادثہ درپیش ہو جاتا جس سے وہ مجبور ہو جاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کر دیتا۔ اور اجازت لے کر جاتا تھا۔ اجازت ملنے پر ضرورت پوری کر کے فوراً واپس آجاتا تھا اس پر یہ آیات ذیل آخر سورۃ تک نازل ہوئیں۔ (تفسیر مظہری)

فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ
پھر جب اجازت مانگیں تجھ سے اپنے کسی کام کے لئے تو اجازت دے جس کو
وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۶۲
ان میں سے تو چاہے اور معافی مانگ اُن کے واسطے اللہ سے اللہ بخشنے والا مہربان ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جسے چاہیں اجازت دیں:

یعنی غور و فکر کے بعد جس کو مناسب سمجھیں اجازت دے دیں۔ اور چونکہ اس اجازت پر عمل کرنا بھی فی الجملہ صحبت نبوی سے حرمان اور صورۃ تقدیم الدنیا علی الدین کا شائبہ اپنے اندر رکھتا ہے اس لئے اُن مخلصین کے حق میں استغفار فرمائیں تا آپ کے استغفار کی برکت سے اس نقص کا تدارک ہو سکے۔ (تفسیر عثمانی)

لِمَنْ شِئْتَ یعنی ہر طلب گار اذن کو اجازت دے دینا رسول پر لازم نہیں ورنہ اجازت طلب کرنے کا فائدہ ہی کیا ہے، اجازت کی درخواست تو ہر ایک کر سکتا تھا۔ لِمَنْ شِئْتَ کی قید سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ بعض احکام اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے پر موقوف ہیں اور اسی طرح خلیفۂ وقت (کے امتیازی اختیار) کو ان میں دخل ہے۔ (تفسیر مظہری)

اجتماعی کاموں سے رخصت کا طریقہ:

مجاہد نے کہا جمعہ کے دن (خطبہ کے وقت) امام کی طرف سے ہاتھ سے اشارہ کر دینا ہی اذن ہے اہل علم کہتے ہیں، مسلمانوں کے ہر اجتماعی کام کا یہی

حکم ہے۔ جب امام کے ساتھ لوگ کسی اجتماعی کام کے لئے جمع ہوں تو بغیر اجازت امام کے اجتماع کو چھوڑ کر نہ جائیں اور امام کو اختیار ہے کہ جب کوئی جانے کے لئے اجازت مانگے تو جس کو چاہے اجازت دے دے نہ چاہے نہ دے۔ اجازت طلب کرنے اور اجازت دینے نہ دینے کی تفصیل اس وقت ہے جب ٹھہرے رہنے سے کوئی اضطراری سبب مانع نہ ہو۔ اگر اضطراری سبب پیدا ہو گیا تو اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے، مثلاً مسجد میں کسی عورت کو حیض شروع ہو گیا یا کوئی جلبھو گیا یا کسی کو کوئی (شدید) مرض لاحق ہو گیا۔ ایسے حالات میں اجازت طلب کرنا لازم نہیں۔ (تفسیر مظہری)

ابوداؤد وغیرہ میں ہے جب تم میں سے کوئی کسی مجلس میں جائے تو اہل مجلس کو سلام کر لیا کرے اور جب وہاں سے آنا چاہے تو بھی سلام کر لیا کرے۔ آخر دفعہ کا سلام پہلی مرتبہ کے سلام سے کچھ کم نہیں ہے۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام صاحب نے اسے حسن فرمایا ہے۔

مقاتل بن حیانؒ فرماتے ہیں، جمعہ کے دن خطبے میں بیٹھا رہنا منافقوں پر بہت بھاری پڑتا تھا اور مسجد میں آ جانے اور خطبہ شروع ہو جانے کے بعد کوئی شخص بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے نہیں جا سکتا تھا جب کسی کو کوئی ایسی ہی ضرورت ہوتی تو اشارے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دے دیتے اس لئے کہ خطبے کی حالت میں بولنے سے جمعہ باطل ہو جاتا ہے تو یہ منافق آڑ ہی آڑ میں نظریں بچا کر سرک جاتے۔ (تفسیر ابن کثیر)

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۚ

مت کر لو بلانا رسول کا اپنے اندر برابر اس کے جو بلاتا ہے تم میں ایک دوسرے کو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طلب فرمانے پر حاضر ہونا فرض ہو جاتا ہے

یعنی حضرت کے بلانے پر حاضر ہونا فرض ہو جاتا ہے۔ آپ کا بلانا اوروں کی طرح نہیں کہ چاہے اس پر لبیک کہے یا نہ کہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر حاضر نہ ہو تو آپ کی بددعاء سے ڈرنا چاہئے کیونکہ آپ کی دعاء معمولی انسانوں جیسی نہیں۔ نیز مخاطبات میں حضور کے ادب و عظمت کا پورا خیال رکھنا چاہئے۔ عام لوگوں کی طرح ''یا محمد'' وغیرہ کہہ کر خطاب نہ کیا جائے بلکہ یا نبی اللہ اور یا رسول اللہ جیسے تعظیمی القاب سے پکارنا چاہئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ''حضرت کے بلانے سے فرض ہوتا تھا حاضر ہونا جس کام کو بلائیں۔ پھر یہ بھی تھا کہ وہاں سے بے اجازت اٹھ کر چلے نہ جائیں۔ اب بھی سب مسلمانوں کو اپنے سرداروں کے ساتھ یہ برتاؤ کرنا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

دیہاتیوں کی اصلاح:

ابونعیم نے الدلائل میں ضحاک کی سند سے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ (دیہاتی اعرابی لوگ) یا محمد یا ابا القاسم کہتے تھے، اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس حکم کے بعد وہ لوگ یا نبی اللہ یا رسول اللہ کہہ کر خطاب کرنے لگے۔

فائدہ: یہ تشریح آیت کے سیاق وسباق کے مناسب نہیں ہے کیونکہ پچھلا کلام تو اجازت طلب کرنے نہ کرنے کے سلسلے میں تھا (اور یہاں رسول کو پکارنے اور بلانے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ دونوں کلاموں میں کوئی ربط نہیں) اس کے علاوہ نفس عبارت بھی اس مطلب سے انکار کرتی ہے کیونکہ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا مشبہ بہ ہے اور اس میں لفظ بعض (اول) فاعل ہے دُعاء کی اس کی طرف اضافت ہے۔ کیونکہ بعضا منصوب ہے اس لئے یقینی طور پر مفعول ہے پس عبارت کا تقاضا ہے کہ دعاء الرسول (مشبہ) میں بھی دعا کی اضافت فاعل کی طرف ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعاء سے ڈرتے رہو!

بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباس نے آیت کا (تشریحی) معنی اس طرح بیان کیا (تم اللہ کے رسول کو ناراض نہ کرو) تم کو ان کی بددعاء سے ڈرتے رہنا چاہئے، ان کی بددعاء موجب (عذاب) ہے دوسروں کی بددعا کی طرح نہیں ہے۔

یہودیوں کی گستاخیاں:

بخاری نے صحیح میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ کچھ یہودی خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور کہا السام علیک (تم پر ہلاکت ہو، تم کو موت آ جائے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وعلیکم (اور تم پر بھی) حضرت عائشہؓ نے فرمایا، السام علیکم و لعنة اللّٰه و غضب علیکم (تم کو موت آئے تم پر اللہ کی لعنت ہو اور غضب ٹوٹے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عائشہ! نرمی کرو۔ نرم کلام اختیار کرو، سخت کلامی اور بیہودہ بات کہنے سے پرہیز رکھو۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا، کیا آپ نے نہیں سنا کہ انہوں نے کیا کہا تھا۔ فرمایا کیا تم نے نہیں سنا کہ میں نے ان کو کیا جواب (لوٹا کر) دیا تھا۔ میری دعا ان کے بارے میں قبول ہو جائے گی۔ اور ان کی دعا میرے بارے میں قبول نہ ہو گی۔ (تفسیر مظہری)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے خصوصاً اور عام معاشرت کے بعض آداب واحکام

آیات مذکور میں دو حکم دیئے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کسی دینی جہاد وغیرہ کے لئے جمع کریں تو مقتضائے ایمان یہ ہے کہ سب جمع ہو جائیں اور پھر آپ کی مجلس سے بغیر آپ کی اجازت کے نہ

جائیں۔کوئی ضرورت پیش آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت حاصل کر لیں اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت ہے کہ کوئی خاص حرج اور ضرورت نہ ہو تو اجازت دے دیا کریں اسی ضمن میں اُن منافقین کی مذمت ہے جو اس تقاضائے ایمان کے خلاف بدنامی سے بچنے کے لئے حاضر تو ہو جاتے ہیں مگر پھر کسی کی آڑ لے کر چپکے سے کھسک جاتے ہیں۔(معارف مفتی اعظم)

مسند احمد میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری او تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی جب وہ روشن ہوئی تو پتنگوں پروانوں کا اجتماع ہو گیا اور وہ دھڑادھڑ اس میں گرنے لگے اب یہ انہیں ہر چند روک رہا ہے لیکن وہ ہیں کہ شوق سے اس میں گرے جاتے ہیں اور اس شخص کے روکنے سے نہیں رُکتے۔یہی حالت میری اور تمہاری ہے کہ تم آگ میں گرنا چاہتے ہو اور میں تمہاری کولیاں بھر بھر کر تمہیں اس سے روک رہا ہوں کہ آگ میں نہ گھسو آگ سے بچو لیکن تم میری نہیں مانتے اور اس آگ میں گھسے چلے جارہے ہو۔یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔(تفسیر ابن کثیر)

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ

اللہ جانتا ہے اُن لوگوں کو تم میں سے جو سٹک جاتے ہیں آنکھ بچا کر

منافقین کی گستاخیاں: یہ منافقین تھے جن کو مجلس نبوی میں بیٹھنا اور پند و نصیحت سُننا شاق گزرتا تھا۔وہ اکثر موقع پا کر اور آنکھ بچا کر مجلس سے بلا اجازت لے کر اُٹھا، یہ بھی اُس کی آڑ میں ہو کر ساتھ ساتھ چل دیئے اُس کو فرمایا کہ تم پیغمبر سے کیا چھپاتے ہو، خدا تعالیٰ کو تمہارا سب کا حال معلوم ہے۔(تفسیر عثمانی)

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ

سو ڈرتے رہیں وہ لوگ جو خلاف کرتے ہیں اُس کے حکم کا اس سے کہ آپڑے

فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾

اُن پر کچھ خرابی یا پہنچے اُن کو عذاب درد ناک

نافرمانوں کو عذاب سے ڈرنا چاہیے:

یعنی اللہ و رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں اُن کے دلوں میں کفر و نفاق وغیرہ کا فتنہ ہمیشہ کے لئے جڑ نہ پکڑ جائے۔اور اس طرح دنیا کی کسی سخت آفت یا آخرت کے دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔العیاذ باللہ

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قَدْ يَعْلَمُ

سنتے ہو اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں اُس کو معلوم ہے

مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ۭ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا

جس حال پر تم ہو اور جس دن پھیرے جائیں گے اُس کی طرف تو بتائے گا

عَمِلُوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾

ان کو جو کچھ انہوں نے کیا، اور اللہ ہر ایک چیز کو جانتا ہے

اللہ تعالیٰ سے کوئی کام چھپ نہیں سکتا:

یعنی ممکن ہے مخلوق سے آنکھ بچا کر کوئی کام کر گزرو، لیکن حق تعالیٰ سے تمہارا کوئی حال پوشیدہ نہیں رہ سکتا نہ اُس کی زمین و آسمان میں سے نکل کر کہیں بھاگ سکتے ہو۔وہ جس طرح تمہارے احوال موجودہ سے باخبر ہے ایسے ہی اُس دن کی کیفیت مجازات سے بھی پورا آگاہ ہے جب تمام مخلوق حساب و کتاب کے لئے اُس کی طرف لوٹائی جائے گی اور ہر ایک کے سامنے اُس کا ذرہ ذرہ عمل کھول کر رکھ دیا جائے گا۔ایسے علیم الکل اور مالک الکل کی سزا سے مجرم کس طرح اپنے کو بچا سکتا ہے۔(تفسیر عثمانی)

عورتوں کو سورۂ نور سکھاؤ:

بغوی نے حضرت عائشہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عورتوں کو بالا خانوں پر نہ رکھو اور ان کو لکھنا نہ سکھاؤ (بلکہ) ان کو چرخہ کی اور سورتِ نور کی تعلیم دو۔اللہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ کرام نے سچ فرمایا۔(تفسیر مظہری)

تَمَّ سُوْرَةُ النُّوْرِ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَتَوْفِيْقِهٖ، اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ قُلُوْبَنَا بِالْاِيْمَانِ وَالْاِحْسَانِ وَنَوِّرْ قُبُوْرَنَا وَاَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْلَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَبِالْاِجَابَةِ جَدِيْرٌ

الحمد للہ سورۃ النور ختم ہوئی

سورۃ الفرقان

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ حق کو پسند کرے گا اور باطل اس کو ناگوار ہوگا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ
سورۂ فرقان مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی ستتر آیتیں اور چھ رکوع ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے
تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ
بڑی برکت ہے اس کی جس نے اُتاری فیصلہ کی کتاب

حق و باطل کا فیصلہ کرنے والی کتاب:

"فرقان" (فیصلہ کی کتاب) قرآن کریم کو فرمایا جو حق و باطل کا آخری فیصلہ اور حرام و حلال کو کھلے طور پر ایک دوسرے سے جُدا کرتا ہے یہ ہی کتاب ہے جس نے اپنے اتارنے والے کی عظمت شان، علو صفات اور اعلیٰ درجہ کی حکمت و رافت کو انتہائی شکل میں پیش کیا اور تمام جہان کی ہدایت و اصلاح کا تکفل اور اُن کو خیر کثیر اور غیر منقطع برکت عطا کرنے کا سامان بہم پہنچایا۔ (تفسیر عثمانی)

تبارک بڑی خیر والا ہے۔

قرآن کی قرأتیں:

امام مالک، امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عمرؓ بن خطاب کا بیان نقل کیا ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں میں نے ہشام بن حکیم کو سورۂ فرقان پڑھتے سنا اور کان لگا کر سنا تو محسوس کیا کہ ہشام ان کثیر الفاظ پر سورۂ فرقان پڑھ رہے ہیں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھایا تھا (کثیر الفاظ سے غالباً مراد الفاظ کے ادا کرنے کی کیفیت ہے جیسے امالہ اشمام وغیرہ قریب تھا کہ نماز ہی میں میں ان پر جا کودوں لیکن میں رکا رہا، جب انہوں نے سلام پھیر دیا تو فوراً جا کر ان کا گریبان پکڑ لیا اور دریافت کیا، یہ سورت جو تم پڑھ رہے تھے تم کو کس نے پڑھائی تھی۔ ہشام نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی تھی۔ میں نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو مجھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قراءت کے خلاف پڑھائی تھی جو تم نے پڑھی۔

غرض میں ہشام کو کھینچتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا اور عرض کیا میں نے ان کو سورۂ فرقان ان طریقوں سے پڑھتے نہیں سنا جن کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ سورۃ پڑھائی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہشام سے فرمایا، ہشام پڑھو، ہشام نے جس طریقے سے پہلے پڑھا تھا اسی طریقے سے پڑھ کر سنا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح ہے یونہی نازل کی گئی، پھر مجھ سے فرمایا تم پڑھو۔ حسب الحکم میں نے اس طریقے سے یہ سورت پڑھی جس طریقہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پڑھائی تھی، فرمایا، یہ اسی طرح نازل ہوئی یہ قرآن سات حرفوں (لہجوں یا طرق ادا وغیرہ) پر نازل ہوا ہے تم کو جو طریقہ سہل معلوم ہو اس طریقہ سے پڑھو۔ (مؤلف) (تفسیر مظہری)

تبارک کا استعمال صرف اللہ کے لئے مخصوص ہے یہ لفظ برکت سے بنایا گیا ہے، برکت کا معنی ہے کثرت خیر یعنی اس کی خیر کثیر ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، یعنی ہر خیر اسی کی طرف سے آئی ہے۔

برکت کا مطلب: تبارک، برکت سے مشتق ہے۔ برکت کے معنے خیر کی کثرت کے ہیں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ معنی آیت کے یہ ہیں کہ ہر خیر و برکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

قرآن کو فرقان کیوں فرمایا:

فرقان، قرآن کریم کا لقب ہے لغوی معنے اس کے تمیز اور فرق کرنے کے ہیں۔ قرآن چونکہ اپنے واضح ارشادات کے ذریعہ حق و باطل میں تمیز اور فرق بتلاتا ہے اور معجزہ کے ذریعہ اہل حق و اہل باطل میں امتیاز کر دیتا ہے اس لئے اس کو فرقان کہا جاتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

عَلٰى عَبْدِهٖ
اپنے بندہ پر

کامل و اکمل بندہ: یعنی اپنے اس کامل و اکمل بندہ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پر جن کا ممتاز لقب ہی کمال عبودیت کی وجہ سے "عبداللہ" ہو گیا۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا
تا کہ رہے جہان والوں کے لئے ڈرانے والا

قرآن کا پیغام عالمگیر ہے:

یعنی قرآن کریم سارے جہان کو کفر و عصیان کے انجام بد سے آگاہ کرنے والا ہے۔ چونکہ سورت ہذا میں مکذبین و معاندین کا ذکر بکثرت ہوا ہے، شاید اسی لئے یہاں صفت "نذیر" کو بیان فرمایا۔ "بشیر" کا ذکر نہیں کیا۔ اور

"للعالمین" کے لفظ سے بتلا دیا کہ یہ قرآن صرف عرب کے اُمیوں کے لئے نہیں اترا بلکہ تمام جن وانس کی ہدایت واصلاح کے واسطے آیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

للعلمین، اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت سارے عالم کے لئے ہے بخلاف پچھلے انبیاء کے کہ اُن کی نبوت و رسالت کسی مخصوص جماعت یا مخصوص مقام کے لئے ہوتی تھی۔ صحیح مسلم کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے چھ خصوصی فضائل کا ذکر فرمایا ہے اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کی بعثت سارے جہان کے لئے عام ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وہ کہ جس کی ہے سلطنت آسمان اور زمین میں
وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ
اور نہیں پکڑا اس نے بیٹا اور نہیں کوئی اس کا ساجھی
فِى الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَىْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝
سلطنت میں اور بنائی ہر چیز پھر ٹھیک کیا اس کو ماپ کر

تخلیق ربانی کا اعجاز:

یعنی ہر چیز کو ایک خاص اندازہ میں رکھا کہ اُس سے وہی خواص و افعال ظاہر ہوتے ہیں جن کے لئے پیدا کی گئی ہے اپنے دائرہ سے باہر قدم نہیں نکال سکتی نہ اپنی حدود میں عمل و تصرف کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ غرض ہر چیز کو ایسا ماپ تول کر پیدا فرمایا کہ اس کی فطری موزونیت کے لحاظ سے ذرا کمی بیشی یا انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ بڑے بڑے سائنس دان حکمت کے دریا میں غوطہ لگاتے ہیں اور آخر کار اُن کو یہی کہنا پڑتا ہے صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِىْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَىْءٍ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۔ (تفسیر عثمانی)

حکومت میں کوئی اللہ کا شریک نہیں ہے:

وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا اور اس نے (اپنے لئے) کوئی بیٹا نہیں اختیار کیا (جیسا کہ عیسائیوں کا خیال ہے کہ مسیح صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا بیٹا تھا)

وَخَلَقَ كُلَّ شَىْءٍ اور اسی نے ہر چیز پیدا کی۔ یعنی ایک خاص اندازے کے ماتحت ہر چیز کو نیستی سے ہستی میں لایا۔ مثلاً انسان کو خاص مادہ سے مخصوص معین شکل دے کر پیدا کیا۔

فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا پھر سب کا الگ الگ اندازہ رکھا۔

یعنی اس کو ٹھیک بنایا، جو خواص و افعال اس میں پیدا کرنا مقصود تھا اس کے مطابق اس چیز میں تخلیقی صلاحیت پیدا کر دی۔ جیسے انسان میں فہم ادراک غور وفکر تدبیر، نوع در نوع صنعتوں کے اختراع اور گوناگوں افعال واعمال پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا کر دی۔

بعض علماء نے قدّر کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ نے ہر چیز کے لئے مدت زندگی، عمل اور رزق پہلے سے ہی مقدر کر دیا۔ اب (اس دنیا میں آ کر) یہ تینوں چیزیں تخلیق کے مطابق ہوتی ہیں۔ (اللہ کے اندازۂ تخلیقی کے خلاف نہیں ہو سکتیں۔ (تفسیر مظہری)

فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا تخلیق کے بعد تقدیر کا ذکر فرمایا گیا۔ تخلیق کے معنی تو اتنے ہیں کہ بغیر کسی سابق مادہ وغیرہ کے ایک چیز کو عدم سے وجود میں لایا جائے وہ کیسی بھی ہو۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ اور نہ حکومت میں کوئی اس کا ساجھی ہے جیسا کہ مجوسی اور ثنویہ فرقہ والے کہتے ہیں (مجوسی اور ثنویہ فرقہ والے دو خالق مانتے ہیں۔ ایک خیر اور بھلائی کا خالق، دوسرا شر اور بُرائی کا خالق۔ مجوسی اول خالق کو یزداں اور دوسرے کو (اہرمن کہتے ہیں)۔ اس آیت میں اللہ نے اپنے لئے اقتدار مطلق ہونے کا اظہار فرمایا اور اس کی دلیل پر آئندہ آیت میں تنبیہ فرمائی۔

مخلوقات میں سے ہر ایک چیز میں خاص خاص حکمتیں:

اور تقدیر کا مفہوم یہ ہے کہ جس چیز کو بھی پیدا فرمایا اس کے اجزاء کی ساخت اور شکل وصورت اور آثار وخواص بڑی حکمت کے ساتھ اُس کام کے مناسب پیدا کئے جس کام کے لئے اس چیز کو پیدا کیا گیا ہے آسمان کی ساخت اس کے اجزاء ترکیبی اور ہیئت اُس کام کے مناسب ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے آسمان بنایا ہے۔ سیاروں اور ستاروں کی تخلیق میں وہ چیزیں رکھی گئیں جو اُن کے منشاء وجود کے مناسب ہیں۔ زمین اور اس کے پیٹ میں پیدا ہونے والی ہر چیز جس پر نظر ڈالو ہر ایک کی ساخت، شکل و صورت، نرمی، سختی اُس کام کے مناسب بنائی گئی ہے جس کام کے لئے قدرت نے اس کو پیدا کیا ہے۔ زمین کو نہ اتنا رقیق مادہ پانی کی طرح بنایا کہ جو کچھ اُس پر رکھا جائے وہ اس کے اندر ڈوب جائے، نہ اتنا سخت پتھر اور لوہے کی طرح بنایا کہ اس کو کھود نہ سکیں کیونکہ اس سے یہی ضرورتیں متعلق تھیں کہ اس کو کھود کر پانی بھی نکالا جا سکے۔ اس میں بنیادیں کھود کر بڑی اُونچی عمارتیں اس پر کھڑی کی جا سکیں۔ پانی کو سیال بنایا جس میں ہزاروں حکمتیں ہیں۔ ہوا بھی سیال ہی ہے مگر پانی سے مختلف، پانی ہر جگہ خود بخود نہیں پہنچتا اُس میں انسان کو کچھ محنت بھی کرنا پڑتی ہے ہوا کو قدرت نے اپنا جبری انعام بنایا کہ وہ بغیر کسی محنت وعمل کے ہر جگہ پہنچ جاتی ہے بلکہ کوئی شخص ہوا سے بچنا چاہے تو اس کو اس کے لئے بڑی محنت کرنا پڑتی ہے۔ یہ جگہ مخلوقات الٰہیہ کی حکمتوں کی تفصیل بیان کرنے کی نہیں۔ ایک ایک مخلوق کو دیکھو ان میں سے

ہر ایک قدرت وحکمت کا شاہکار ہے۔ امام غزالیؒ نے اپنی ایک مستقل کتاب اس موضوع پر لکھی ہے بنام الحکمۃ فی مخلوقات اللہ تعالیٰ۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا

اور لوگوں نے پکڑ رکھے ہیں اُس سے ورے کتنے حاکم جو نہیں بناتے کچھ چیز

وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ

اور وہ خود بنائے گئے ہیں اور نہیں مالک اپنے حق میں

ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝

بُرے کے اور نہ بھلے کے اور نہیں مالک مرنے کے اور نہ جینے کے اور نہ جی اُٹھنے کے

ظلم وحماقت کی انتہاء:

یعنی کس قدر ظلم اور تعجب وحیرت کا مقام ہے کہ ایسے قادر مطلق، مالک الکل حکیم علی الاطلاق کی زبردست ہستی کو کافی نہ سمجھ کر دوسرے معبود اور حاکم تجویز کر لئے گئے۔ جو گویا خدا کی حکومت میں حصہ دار ہیں۔ حالانکہ اُن بیچاروں کا خود اپنا وجود بھی اپنے گھر کا نہیں نہ وہ ایک ذرہ کے پیدا کرنے کا اختیار رکھتے ہیں، نہ مارنا جلانا اُن کے قبضہ میں ہے، نہ اپنے مستقل اختیار سے کسی کو ادنیٰ ترین نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ بلکہ خود اپنی ذات کے لئے بھی ذرہ برابر فائدہ حاصل کرنے یا نقصان سے محفوظ رہنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ ایسی عاجز ومجبور ہستیوں کو خدا کا شریک ٹھہرانا کس قدر سفاہت اور بے حیائی ہے۔ (ربط) یہ تو قرآن نازل کرنے والے کی صفات وشئون کا ذکر تھا اور اس کے متعلق مشرکین جو بے تمیزی کر رہے تھے اُس کی تردید تھی۔ آگے خود قرآن اور حامل قرآن کی نسبت سفیہانہ نکتہ چینیوں کا جواب ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جھوٹے معبودوں کی عاجزی:

لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا جو نہ کسی جوہر کو پیدا کرتے نہ عرض کو نہ عمل وفعل کو نہ حالت کو۔ جو ممکن خود مستقل بالذات ہو اپنے وجود خارجی میں دوسرے کا محتاج نہ ہو اس کو جوہر کہتے ہیں جیسے تمام اجسام اور جو وجود خارجی میں اگر دوسرے کا محتاج ہو تو اس کو عرض کہتے ہیں جیسے سیاہی سرخی جسم کی محتاج ہے۔

وَهُمْ يُخْلَقُوْنَ اور وہ پیدا کئے جاتے ہیں، وہ مخلوق ہیں۔ اللہ سب کا خالق ہے۔ عبارت کے الفاظ ومعانی میں عموم ہے تمام باطل معبودوں کو یہ لفظ شامل ہے لیکن مراد صرف بُت ہیں۔

نفع ونقصان پر قادر نہ ہونا صرف بتوں ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ عالی مرتبہ پیغمبر جیسے حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر اور تمام فرشتے بھی عاجز ہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے قُل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ماشاء اللّٰه ولو کنت اعلم الغیب لا ستکثرت من الخیر وما مسنی السوٓء۔

وَلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا۔ اور نہ وہ قابو رکھتے ہیں موت پر نہ زندگی پر نہ (دوبارہ) اُٹھنے پر یعنی ان میں قدرت نہیں کہ کسی پر موت کو مسلط کر سکیں یا کسی کو (ابتداء) زندگی دے سکیں یا (مرنے کے بعد) دوبارہ زندہ کر کے اٹھا سکیں۔ اور یہ تمام امور الوہیت کے لوازم ہیں جس کے اندر یہ لوازم نہیں وہ الٰہ نہیں ہوسکتا۔ آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ الٰہ کے لئے ضروری ہے کہ دوبارہ زندہ کر کے سزا و جزا دے سکے۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ اِفْتَرٰىهُ

اور کہنے لگے جو منکر ہیں اور کچھ نہیں ہے یہ مگر طوفان باندھ لایا ہے

وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ

اور ساتھ دیا ہے اُس کا اُس میں اور لوگوں نے

کافروں کی بے سروپا باتیں:

یعنی یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے معاذ اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چند یہودیوں کی مدد سے ایک کلام تیار کر لیا اور اس کو جھوٹ طوفان خدا کی طرف منسوب کر دیا۔ پھر اُن کے ساتھی لگے اُس کی اشاعت کرنے بس کل حقیقت اتنی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

انکار نبوت کفر ہے:

صراحت کے ساتھ کفروا کہنے میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ انکار توحید کی طرح انکار نبوت بھی کفر ہے۔ صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے قبیلۂ عبدالقیس کے وفد کے قصہ میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تم جانتے ہو کہ ایک اللہ کے ماننے کے معنی کیا ہیں؟ اہل وفد نے کہا، اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بخوبی واقف ہے۔ فرمایا (اللہ کی توحید کو) ماننا یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللّٰه محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ کی شہادت دو۔

قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ مجاہد نے کہا قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ سے ان کی مراد تھی یہودیوں کی ایک جماعت۔ حسن نے کہا ایک حبشی (غلام) مراد تھا جس کا نام عبید بن الحصر تھا۔ یہ کاہن تھا۔ بعض نے کہا مکہ میں کچھ غلام تھے جن کے نام تھے، جبر، یسار، عداس۔ یہ لوگ کتابی تھے، قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ سے یہی لوگ مراد تھے۔

مشرکوں کا خیال تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ہی قرآن سیکھ لیتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝

سو آ گئے بے انصافی اور جھوٹ پر

قرآن کی صداقت کو جھٹلانا سب سے بڑا ظلم ہے:

یعنی اس سے بڑھ کر ظلم اور جھوٹ کیا ہوگا کہ ایسے کلام معجز اور کتاب حکیم کو جس کی عظمت و صداقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے کذب و افتراء کہا جائے۔ کیا چند یہودی غلاموں کی مدد سے ایسا کلام بنایا جا سکتا ہے جس کے مقابلہ سے تمام دنیا کے فصیح و بلیغ عالم و حکیم بلکہ جن و انس ہمیشہ کے لئے عاجز رہ جائیں۔ اور جس کے علوم و معارف کی تھوڑی سی جھلک بڑے بڑے عالی دماغ عقلاء و حکماء کی آنکھوں کو خیرہ کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا

اور کہنے لگے یہ نقلیں ہیں پہلوں کی جن کو اس نے لکھ رکھا ہے

فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝

سو وہی لکھوائی جاتی ہیں اُس کے پاس صبح اور شام

کافروں کی کور مغزی:

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب سے کچھ قصے کہانیاں سن کر نوٹ کر لی ہیں یا کسی سے نوٹ کرالی ہیں۔ وہ ہی شب و روز اُن کے سامنے پڑھی اور رٹی جاتی ہیں۔ نئے نئے اسلوب سے اُن ہی کا اُلٹ پھیر رہتا ہے اور کچھ بھی نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اول نماز کے دو وقت مقرر تھے صبح اور شام۔ مسلمان حضرت کے پاس جمع ہوتے جو نیا قرآن اُترا ہوتا لکھ لیتے یاد کرنے کو۔ اُس کو کافر یوں کہنے لگے۔

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

تو کہہ اس کو اتارا ہے اُس نے جو جانتا ہے چھپے ہوئے بھید آسمانوں میں اور زمین میں

قرآن تو علیم و خبیر کا اتارا ہوا ہے:

یعنی کتاب خود بتلا رہی ہے کہ وہ کسی ایک انسان یا کمیٹی کی بنائی ہوئی نہیں، بلکہ اُس خدا کی اتاری ہوئی ہے جس کے احاطہ علمی سے زمین و آسمان کی کوئی چیز باہر نہیں ہو سکتی۔ اس کلام کی معجزانہ فصاحت و بلاغت، علوم و معارف، اخبار غیبیہ احکام و قوانین اور وہ اسرار مکنونہ جن کی تہ تک بدوں توفیق الٰہی کے عقول و افہام کی رسائی نہیں ہو سکتی صاف ظاہر کرتے ہیں کہ یہ کسی محدود علم والے آدمی یا سازشی جماعت کا کلام نہیں۔

اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

بیشک وہ بخشنے والا مہربان ہے

اللہ کی بخشش و مہربانی:

یعنی اپنی بخشش اور مہر سے ہی یہ قرآن اتارا، موضح القرآن۔ پھر جو لوگ ایسی روشن حقیقت کے منکر ہیں باوجود اُن کے جرائم کا تفصیلی علم رکھنے کے فوراً سزا نہیں دیتا۔ یہ بھی اُس کی بخشش اور مہر ہی کا پرتو ہے۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ

اور کہنے لگے یہ کیسا رسول ہے کھاتا ہے کھانا

وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ

اور پھرتا ہے بازاروں میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کافروں کی چہ میگوئیاں:

یعنی جب ہماری طرح کھانا کھائے اور ہماری طرح خرید و فروخت کے لئے بازاروں میں جائے تو ہم میں اُس میں فرق کیا رہا۔ اگر واقعی رسول تھا تو چاہیے تھا کہ فرشتوں کی طرح کھانے پینے اور طلب معاش کے بکھیڑوں سے فارغ ہوتا۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے، کافر کہتے تھے تم فرشتہ نہیں ہو۔ فرشتہ کھاتا پیتا نہیں اور تم کھاتے پیتے ہو۔ اور تم بادشاہ بھی نہیں ہو۔ بادشاہ بازاروں میں نہیں گھومتا پھرتا اور تم گھومتے پھرتے ہو۔

کافروں کی باتیں بے بنیاد ہیں:

میں کہتا ہوں یہ بات غلط ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو نہ کبھی فرشتہ ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور نہ بادشاہ ہونے کا (پھر کافر اس کی تردید ہی کیوں کرتے) بلکہ آپ نے تو فرمایا تھا اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ میں تم جیسا انسان ہوں (مگر) میرے پاس وحی آتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا اور نبوت کا دعویٰ کھانا کھانے اور بازاروں میں چلنے پھرنے کے منافی نہیں ہے۔ یہ چیزیں تو مقتضائے بشریت ہیں اور بشریت نبوت کے لئے لازم ہے، افادہ اور استفادہ کے لئے ہم جنس ہونا ضروری ہے۔ اللہ نے فرمایا اگر زمین پر ملائکہ (آباد) ہوتے، اطمینان کے ساتھ زمین پر چلتے پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتہ ہی رسول اتارتے (انسانوں کے لئے انسان ہی پیغمبر ہونا چاہیے)۔ (تفسیر مظہری)

لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝

کیوں نہ اترا اس کی طرف کوئی فرشتہ کہ رہتا اُس کے ساتھ ڈرانے کو

اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ

یا آ پڑتا اُس کے پاس خزانہ یا ہو جاتا اس کے لئے ایک باغ کہ کھایا کرتا اُس میں سے

کافروں کا ایک بیوقوفانہ خیال:

یعنی اگر فرشتوں کی فوج نہیں تو کم از کم خدا کا ایک آدھ فرشتہ ان کو سچا ثابت کرنے اور رُعب جمانے کے لئے ساتھ رہتا جسے دیکھ کر خواہ مخواہ لوگوں کو جھکنا پڑتا۔ یہ کیا کہ کسمپرسی کی حالت میں اکیلے دعوے کرتے پھر رہے ہیں۔ یا اگر فرشتے بھی ہمراہ نہ ہوں تو کم از کم آسمان سے سونے چاندی کا کوئی غیبی خزانہ مل جاتا کہ لوگوں کو بے دریغ مال خرچ کر کے ہی اپنی طرف کھینچ لیا کرتے۔ اور خیر یہ بھی نہ سہی معمولی رئیسوں اور زمینداروں کی طرح انگور کھجور وغیرہ کا ایک باغ تو ان کی مِلک میں ہوتا جس سے دوسروں کو نہ دیتے تو کم از کم خود بے فکری سے کھایا پیا کرتے جب اتنا بھی نہیں تو کس طرح یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ نے رسالت کے عہدۂ جلیلہ پر معاذ اللہ ایسی معمولی حیثیت کے آدمی کو مامور کیا ہے۔

وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۸﴾

اور کہنے لگے بے انصاف تم پیروی کرتے ہو اس ایک مرد جادو مارے کی

یعنی میاں کی یہ پوزیشن اور اتنے اونچے دعوے؟ بجز اس کے کیا کہا جائے کہ عقل کھوئی گئی ہے یا کسی نے جادو کے زور سے دماغ مختل کر دیا ہے جو ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا

دیکھ کیسی بٹھلاتے ہیں تجھ پر مثلیں سو بہک گئے

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹﴾

اب پا نہیں سکتے راستہ

دیکھو! کافروں کی گمراہیاں:

یعنی کبھی کہتے ہیں کہ ان کی باتیں محض مفتریات ہیں کبھی دعوے کرتے ہیں کہ نہیں دوسروں سے سیکھ کر اپنے سانچے میں ڈھال لی ہیں۔ کبھی آپ کو مسحور بتلاتے ہیں کبھی ساحر، کبھی کاہن، کبھی شاعر، کبھی مجنوں، یہ اضطراب خود بتلاتا ہے کہ ان میں سے کوئی چیز آپ پر منطبق نہیں ہوتی۔ اسی لئے کسی ایک بات پر قرار نہیں۔ اور الزام لگانے کا کوئی راستہ ہاتھ نہیں آتا۔ جو لوگ انبیاء کی جناب میں اس طرح کی گستاخیاں کر کے گمراہ ہوتے ہیں اُن کے راہ راست پر آنے کی کوئی توقع نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا

بڑی برکت ہے اُس کی جو چاہے تو کر دے تیرے واسطے اس سے بہتر

مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ

باغ کہ نیچے بہتی ہیں اُن کے نہریں

وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾

اور کر دے تیرے واسطے محل

اللہ سب کچھ پر قادر ہے مگر منکر ازلی محروم ہیں:

یعنی اللہ کے خزانہ میں کیا کمی ہے، وہ چاہے تو ایک باغ کیا، بہت سے باغ اُس سے بہتر عنایت فرما دے جس کا یہ لوگ مطالبہ کرتے ہیں۔ بلکہ اس کو قدرت ہے کہ آخرت میں جو باغ اور نہریں اور حور و قصور ملنے والے ہیں وہ سب آپ کو ابھی دنیا میں عطا کر دے لیکن حکمت الٰہی بالفعل اس کو مقتضی نہیں۔ اور معاندین کے سارے مطالبات اور فرمائشیں بھی اگر پوری کر دی جائیں تب بھی یہ حق و صداقت کو قبول کرنے والے نہیں ہیں۔ باقی پیغمبر علیہ السلام کی صداقت ثابت کرنے کے لئے جو دلائل و معجزات پیش کئے جا چکے وہ کافی سے زیادہ ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول:

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے نیز ابن ابی شیبہ نے مصنف میں حضرت خیثمہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ (اللہ کی طرف سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا اگر آپ چاہیں تو ہم آپ کو زمین کے خزانے اور خزانوں کی کنجیاں عطا کر دیں اور اس سے آپ کے اس اجر میں کمی نہ ہوگی جو قیامت کے دن ہمارے پاس سے آپ کو ملے گا اور اگر آپ چاہیں تو اس (نعمت) کو بھی ہم آخرت (کی نعمتوں) کے ساتھ جمع کر دیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا نہیں (میں یہاں لینا نہیں چاہتا) میرے لئے آخرت میں دونوں (نعمتوں) کو جمع کر لیا جائے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

بغوی نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباسؓ کا قول اس طرح نقل کیا ہے اگر وہ چاہے تو اس سے یعنی بازاروں میں گھومنے اور معاش کی تلاش میں پھرنے سے بہتر عنایت کر دے۔

قصوراً مضبوط مکان۔ عرب ہر پختہ مکان کو قصر کہتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فقر پسندی:

امام احمد اور ترمذی نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے وادیٔ مکہ کو میرے لئے سونا بنا دینے کی مجھ سے پیش کش کی۔ میں نے عرض کیا نہیں میرے رب۔ میں تو ایک دن سیر شکم ہوں اور ایک دن بھوکا

رہوں (یہی مجھے پسند ہے) جب میں بھوکا ہوں تو تیرے سامنے زاری کروں اور سیر شکم ہوں تو تیری تعریف اور شکر کروں۔

حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر میں چاہتا تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلتے، ایک فرشتہ جس کی کمر کعبے کے برابر تھی میرے پاس آیا اور اس نے کہا آپ کا رب آپ کو سلام فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو نبی (اور) بندہ (غلام) رہیں اور اگر چاہیں تو نبی (اور) بادشاہ ہو جائیں۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف دیکھا۔ جبرئیل علیہ السلام نے اشارہ کیا کہ اپنے آپ کو نچلا رکھو۔ میں نے کہہ دیا میں نبی اور بندہ (غلام) رہنا چاہتا ہوں۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے کھانا نہیں کھاتے تھے اور فرماتے تھے میں غلاموں کی طرح کھاتا ہوں اور غلاموں کی طرح بیٹھتا ہوں۔ (تفسیر مظہری)

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ

کچھ نہیں وہ جھٹلاتے ہیں قیامت کو اور ہم نے تیار کی ہے اُس کے واسطے کہ

بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ﴿١١﴾

جھٹلاتا ہے قیامت کو آگ

کافروں کا اصل مقصد شرارت ہے:

یعنی یہ لوگ جن چیزوں کا مطالبہ کر رہے ہیں، فی الحقیقت طلب حق کی نیت نہیں۔ محض شرارت اور تنگ کرنے کے لئے ہے۔ اور شرارت کا سبب یہ ہے کہ انہیں ابھی تک قیامت اور سزا و جزاء پر یقین نہیں آیا۔ سو یاد رکھنا چاہئے کہ اُن کے جھٹلانے سے کچھ نہیں بنتا، قیامت آ کر رہے گی اور ان مکذبین کے لئے آگ کا جو جیل خانہ تیار کیا گیا ہے اس میں ضرور رہنا پڑے گا۔

اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ﴿١٢﴾

جب وہ دیکھے گی اُن کو دور کی جگہ سے سنیں گے اُس کا جھنجھلانا اور چلانا

شرارت پسندوں کا عذاب:

یعنی دوزخ کی آگ محشر میں جہنمیوں کو دُور سے دیکھ کر جوش میں بھر جائے گی اور اس کی غضبناک آوازوں اور خوفناک پھنکاروں سے بڑے بڑے دلیروں کے پتے پانی ہو جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میرا نام لے کر میرے ذمے وہ بات کہے جو میں نے نہ کہی ہو اور جو شخص اپنے ماں باپ کے سوا دوسروں کو اپنا ماں باپ کہے اور جو غلام اپنے آقا کے سوا اور کی طرف اپنی غلامی کی نسبت کرے وہ جہنم کی دونوں آنکھوں کے درمیان اپنا ٹھکانا بنالے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! کیا جہنم کی بھی آنکھیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں کیا تم نے خدا کے کلام کی یہ آیت نہیں سنی اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ الخ۔

حضرت ربیعؒ کا خوفِ آخرت:

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت ربیعؒ وغیرہ کو ساتھ لئے ہوئے کہیں جا رہے تھے راستے میں لوہار کی دوکان آئی آپ وہاں ٹھہر گئے اور لوہا جو آگ میں تپایا جا رہا تھا اسے دیکھنے لگے۔ حضرت ربیعؒ کا تو بُرا حال ہو گیا عذاب خدا کا نقشہ آنکھوں تلے پھر گیا قریب تھا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ اس کے بعد آپ فرات کے کنارے گئے وہاں آپ نے تنور کو دیکھا کہ اس کے بیچ میں آگ شعلے مار رہی ہے، بے ساختہ آپ کی زبان سے یہ آیت نکل گئی اسے سُنتے ہی حضرت ربیعؒ بے ہوش ہو کر گر پڑے چارپائی پر ڈال کر آپ کو گھر پہنچایا گیا، صبح سے لے کر دوپہر تک حضرت عبداللہؓ ان کے پاس بیٹھے رہے اور چارہ جوئی کرتے رہے لیکن حضرت ربیعؒ کو ہوش نہ آیا۔

دوزخ کی دہشت:

حضرت عبید بن عمیرؒ فرماتے ہیں کہ جب جہنم مارے غصے کے تھرتھرائے گی اور شور و غل اور چیخ و پکار اور جوش خروش شروع کرے گی اس وقت تمام مقرب فرشتے اور ذی رتبہ انبیاء کانپنے لگیں گے یہاں تک کہ خلیل خدا حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے اور کہنے لگیں گے کہ خدایا! میں آج تجھ سے صرف اپنی جان کا بچاؤ چاہتا ہوں اور کچھ نہیں مانگتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ

اور جب ڈالے جائیں گے اس کے اندر ایک جگہ تنگ میں ایک زنجیر

دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿١٣﴾

میں کئی کئی بندھے ہوئے پکاریں گے اُس جگہ موت کو

دوزخ میں مجرموں کی جگہیں:

یعنی دوزخ میں ہر مجرم کے لئے خاص جگہ ہوگی جہاں سے ہل نہ سکے گا۔ اور ایک نوعیت کے کئی کئی مجرم ایک ساتھ زنجیروں میں جکڑے ہوں گے۔ اُس وقت مصیبت سے گھبرا کر موت کو پکاریں گے کہ کاش موت آ کر ہماری ان دردناک مصائب کا خاتمہ کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

دوزخ کی تنگی:

اور جب ان کو دوزخ کے تنگ مقام میں باندھ جکڑ کر ڈالا جائے گا تو

وہاں وہ ہلاکت (یعنی موت) کو پکاریں گے۔

تنگ مقام میں ڈالے جانے کی غرض ہوگی عذاب کی شدت تنگی میں بے چینی اور وسعت مکان میں کچھ راحت ہوتی ہی ہے۔ ابن ابی حاتم نے یحییٰ بن اسید کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا، فرمایا قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس کو دوزخ میں اس طرح ٹھونسا جائے گا جیسے دیوار میں میخ۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں آیا ہے جیسے برچھے بوری میں۔

ابن مبارک نے بطریق قتادہ بیان کیا کہ حضرت عبداللہ (بن عمر) فرماتے تھے کافروں پر دوزخ کی ایسی تنگی ہوگی جیسے نیزے بوری میں۔

لوہے کے صندوقوں میں بند ہوں گے:

ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب ان لوگوں کو جن کو ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے دوزخ میں ڈالا جائے گا (یعنی ڈالے جانے کا حکم ہوگا) تو اول ان کو لوہے کے صندوقوں میں بند کر کے لوہے کی کیلیں ٹھونک دی جائیں گی پھر ان صندوقوں کو دوسرے آہنی صندوقوں میں بند کر دیا جائے گا۔ پھر جہنم کی تہ میں ان کو پھینک دیا جائے گا، پس کوئی بھی سوا اپنے کسی دوسرے کو عذاب میں مبتلا دیکھ نہ سکے گا۔

سوید بن غفلہ کی روایت سے بھی ابونعیم اور بیہقی نے اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

مُقَرَّنِيْنَ یعنی گردن سے ہاتھ بندھے ہوئے زنجیروں سے جکڑے ہوئے، بعض نے کہا شیطانوں کے ساتھ باندھے گئے۔ شیطانوں کی جٹ میں بندھے ہوئے۔ (تفسیر مظہری)

یہ لوگ جہنم کے ایسے تنگ و تاریک مکان میں ٹھونس دیئے جائیں گے جیسے بھالا کسی سوراخ میں اور روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی بابت سوال ہونا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا مروی ہے کہ جیسے کیل دیوار میں بمشکل گاڑی جاتی ہے اس طرح ان دوزخیوں کو ٹھونسا جائے گا یہ اُس وقت خوب جکڑے ہوئے ہوں گے بال بال بندھا ہوا ہوگا۔ وہاں وہ موت کو فوت کو ہلاکت کو حسرت کو پکارنے لگیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سب سے پہلے ابلیس جہنم رسید ہوگا:

احمد بزار، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سب سے پہلے ابلیس کو آگ کا لباس پہنایا جائے گا وہ اس لباس کو اپنی دونوں بھنوؤں پر رکھ کر کھینچے گا اور یا ثبور پکارے گا (ہائے میری ہلاکت) اس کی ذریات اس کے پیچھے (اسی طرح کا لباس پہنے) یا ثبور پکارتی ہوگی، آخر سب دوزخ پر جا کر ٹھہریں گے اس وقت ان سے کہا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۴﴾

مت پکارو آج ایک مرنے کو اور پکارو بہت سے مرنے کو

یعنی ایک بار مریں تو چھوٹ جائیں۔ دن میں ہزار بار مرنے سے بدتر حال ہوتا ہے۔ (موضح القرآن)

قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ

تو کہہ بھلا یہ چیز بہتر ہے یا باغ ہمیشہ رہنے کا جس کا وعدہ ہو چکا پرہیزگاروں سے

یعنی مکذبین کا انجام سن لیا۔ اب خود فیصلہ کر لو کہ یہ پسند ہے یا وہ جس کا وعدہ مومنین متقین سے کیا گیا۔

كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا ﴿۱۵﴾ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ

وہ ہوگا اُن کا بدلہ اور پھر جانے کی جگہ اُن کے واسطے وہاں ہے جو وہ چاہیں

اور چاہیں گے وہی جو اُن کے مرتبہ کے مناسب ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

مؤمنوں کا انعام:

جو کچھ وہ چاہیں گے جنت میں ان کو ملے گا (یا ان کے لئے موجود ہے) ہمیشہ (وہاں) رہیں گے۔

یعنی اپنے مرتبے کے لائق مؤمن جنت کے اندر جو کچھ چاہے گا وہ اس کو ملے گا۔ ظاہر ہے کہ ناقص کو وہ نعمت نہیں ملے گی جو کامل کو ملے گی۔ آیت میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ تمام ارمان تو صرف جنت میں ہی پورے ہوں گے (دنیا میں پورے نہیں ہو سکتے) (تفسیر مظہری)

خٰلِدِيْنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا ﴿۱۶﴾

رہا کریں ہمیشہ ہو چکا تیرے رب کے ذمہ وعدہ مانگا ملتا

اللہ نے اپنی مہربانی سے لازم کر لیا:

وَعْدًا مَّسْئُوْلًا سے مراد حتمی وعدہ ہے جو خدا تعالیٰ نے محض فضل و عنایت سے اپنے ذمہ لازم کر لیا۔ یا یہ مطلب کہ اس وعدہ کے ایفاء کا متقین سوال کریں گے۔ جو یقیناً پورا کیا جائے گا۔ جیسا کہ دعا میں ہے رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ۔ (تفسیر عثمانی)

عَلٰى رَبِّكَ یعنی آپ کے رب پر لازم ہے اور واجب ہے کیونکہ اس نے وعدہ کر لیا ہے اور وعدہ خداوندی کے خلاف ہونا ممکن نہیں (یعنی اللہ پر کوئی بات فی نفسہ واجب نہیں وجوب مجبور، عاجز پر ہوتا ہے اور خدا ہر عجز سے پاک ہے لیکن اس نے اپنے ارادے اور اختیار سے وعدہ فرما لیا ہے اس لئے

وعدے کو پورا کرنا اس پر لازم ہے، پس یہ وجوب اضافی ہے خود اسی کا اختیار کردہ ہے پہلے ارادے کے ساتھ اس نے وعدہ کیا پھر وعدے کے مطابق ایفاء کو اس نے اپنے اوپر واجب کیا (اس لئے اگر ایفاء وعدہ اس پر واجب ہوا تو اس کے اختیار کے ماتحت ہوا) (تفسیر مظہری)

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اور جس دن جمع کر بلائے گا اُن کو اور جن کو وہ پوجتے ہیں اللہ کے سوائے
فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ
پھر ان سے کہے گا کیا تم نے بہکایا میرے ان بندوں کو
اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾
یا وہ آپ بہکے راہ سے

میدان حشر میں جھوٹے معبودوں سے سوال:

یعنی عابدین کو سُنا کر معبودوں سے دریافت کیا جائے گا کہ کیا تم نے ان کو شرک کی اور اپنی پرستش کرانے کی ترغیب دی تھی یا یہ خود اپنی حماقت و جہالت اور غفلت و بے توجہی سے گمراہ ہوئے۔ (تفسیر عثانی)

مَا يَعْبُدُوْنَ سے مراد ہیں تمام باطل معبود عقل والے ہوں یا عقل سے محروم کیونکہ زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ لفظ ما دونوں کو شامل ہوتا ہے اہل عقل کو اور بے عقل چیزوں کو مجاہد نے سوال و جواب کے قرینہ کا لحاظ کرتے ہوئے کہا کہ اس جگہ ملائکہ جنات، حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیرؑ مراد ہیں۔ عکرمہ ضحاک اور کلبی کے نزدیک صرف اصنام (بت) مراد ہیں کیونکہ اہل نحو کا مشہور قول یہ ہے کہ ما کا استعمال بے عقل چیزوں کے لئے ہوتا ہے اس قول کا مطلب یہ ہوا کہ قیامت کے دن اللہ ان بتوں کو زندہ کردے گا اور بولنے پر قدرت عطا کردے گا جس طرح انسان کے ہاتھ پاؤں اور مقامات گناہ کو گویا بنادیئے جائیں گے۔

اَضْلَلْتُمْ کیا تم نے گمراہ کیا تھا، یعنی کیا تم نے ان کو اپنی پوجا کی دعوت دی تھی۔

اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ وہ خود معرفت حق کا راستہ کھو بیٹھے تھے۔ انہوں نے خود صحیح غور و فکر نہیں کیا، اور ہادی برحق کی نصیحت سے گریز کیا۔ اس سوال کی غرض معبودان باطل کے پرستاروں کو سرزنش اور زجر ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ
بولیں گے تو پاک ہے ہم سے بن نہ آتا تھا کہ پکڑ لیں
مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ
کسی کو تیرے بغیر رفیق

معبودوں کا عابدوں سے اظہار براءت:

یعنی ہماری کیا مجال تھی کہ تجھ سے ہٹ کر کسی دوسرے کو اپنا رفیق و مددگار سمجھتے۔ پھر جب ہم اپنے نفس کے لئے تیرے سوا کوئی سہارا نہیں رکھتے تھے تو دوسروں کو کیسے حکم دیتے کہ ہم کو اپنا معبود اور حاجت روا سمجھیں۔ (تفسیر عثانی)

نقلی معبودوں کو سوال پر تعجب ہوگا:

سُبْحٰنَكَ، یعنی بطور تعجب وہ یہ لفظ کہیں گے کیونکہ معبودان باطل اگر ملائکہ یا انبیاء ہوں گے تو اس سوال پر ان کا تعجب ظاہر ہی ہے۔ اللہ نے ان کو معصوم بنایا تھا ان سے ایسا جرم کیسے سرزد ہوسکتا تھا اور اگر مخاطب جمادات اور پتھروں وغیرہ کو مانا جائے تب بھی ان کا تعجب صحیح ہے ان کو اللہ کی طرف سے تخلیقاً قدرت ہی نہیں دی گئی پھر وہ کیسے گمراہ کر سکتے تھے ان سے ایسا سوال تعجب انگیز تھا۔

یا ان کو اس بات پر تعجب اس وجہ سے ہوا کہ ہمارے متعلق تو فرمادیا گیا کہ ہم اللہ کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہتے ہیں۔ اللہ نے فرمادیا ہے وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ پھر ہم کس طرح گمراہ کر سکتے ہیں اور کیونکر شرک کی تعلیم دے سکتے ہیں۔

مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ ہمارے لئے تو یہ بھی جائز نہیں، یعنی اللہ نے ہم کو معصوم بنایا ہے یا قدرت ہی نہیں دی، اس لئے کسی دوسرے کو اللہ کے سوا ہم اپنا کارساز قرار دیں یہ ہمارے لئے درست ہی نہیں ہے، دوسروں کو بہکانے یا گمراہ کرنے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

جو معبودیت کا دعویٰ کرتے تھے ان کا جواب:

یہ جواب انبیاء، ملائکہ اور جمادات کی طرف سے ہوگا۔ لیکن جو لوگ خود معبود اور رب بن بیٹھے ہیں خواہ وہ انسان ہوں یا جنات، ان کی طرف سے یہ جواب نہ ہوگا بلکہ وہ اس طرح کے جواب دیں گے۔

وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ قسم اللہ کی جو ہمارا رب ہے ہم مشرک نہیں تھے شیطان کہے گا اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا وہ سچا وعدہ تھا اللہ نے وہ پورا کیا اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا میرا تم پر کوئی جبر نہ تھا۔ الآیۃ۔ (تفسیر مظہری)

وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا
لیکن تو ان کو فائدہ پہنچاتا رہا اور ان کے باپ دادوں کو یہاں تک کہ
الذِّكْرَ وَكَانُوْا قَوْمًا بُوْرًا ﴿۱۸﴾
بھلا بیٹھے تیری یاد اور یہ تھے لوگ تباہ ہونے والے

حقیقتِ حال: یعنی اصل یہ ہے کہ یہ بدبخت اپنی سوءِ استعداد سے خود ہی تباہ ہونے کو پھر رہے تھے ہلاکت ان کے لئے مقدر ہو چکی تھی، ظاہری سبب اس کا یہ ہوا کہ عیش و آرام میں پڑ کر اور غفلت کے نشہ میں چور ہو کر آپ کی یاد کو بھلا بیٹھے، کسی نصیحت پر کان نہ دھرا پیغمبروں کی ہدایت و ارشاد کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کر لیں اور دنیوی تمتع پر مغرور ہو گئے آپ نے اپنی نوازش سے جس قدر ان کو اور ان کے باپ دادوں کو دنیا کے فائدے پہنچائے، یہ اسی قدر غفلت و نسیان میں ترقی کرتے گئے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ انعامات الٰہیہ کو دیکھ کر منعم حقیقی کی بندگی اور شکر گزاری اختیار کرتے، اُلٹے مغرور مفتون ہو کر کفر و عصیان پر تُل گئے۔ گویا جو امرت تھا، بدبختی سے ان کے حق میں زہر بن گیا۔

فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ بِمَا تَقُولُونَ
سو وہ تو جھٹلا چکے تم کو تمہاری بات میں

مشرکوں کے سب سہارے ٹوٹ جائیں گے:

یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا کہ لو! جن کی اعانت پر تم کو بڑا بھروسہ تھا وہ خود تمہارے دعاوی کو جھٹلا رہے ہیں اور تمہاری حرکات سے علانیہ بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ ہم قیامت کے دن مشرکوں سے کہیں گے کہ تمہارے معبود ہی تم کو جھوٹا قرار دے رہے ہیں۔ بِمَا تَقُوْلُوْنَ یعنی یہ بات جو تم کہتے تھے کہ یہ ہمارے معبود ہیں یا کہتے ہو کہ ہمارے ان معبودوں نے ہم کو گمراہ کیا، اس بات کی تکذیب تمہارے معبودوں نے ہی کر دی۔ (تفسیر مظہری)

فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا ۚ
اب نہ تم لوٹا سکتے ہو اور نہ مدد کر سکتے ہو

یعنی اب نہ عذاب الٰہی کو پھیر سکتے ہو نہ بات کو پلٹ سکتے ہو نہ ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہو جس کو جو سزا ملنے والی ہے اُس کا بڑے مزہ چکھتے رہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ يَظْلِمْ مِنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا ﴿١٩﴾
اور جو کوئی تم میں گنہگار ہے اُس کو ہم چکھائیں گے بڑا عذاب

شاید ظلم سے مراد یہاں شرک ہو، اور ممکن ہے ہر قسم کا ظلم و گناہ مُراد لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ
اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے رسول سب

لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ۗ
کھاتے تھے کھانا اور پھرتے تھے بازاروں میں

کافروں کے اعتراض کی تردید:

یہ جواب ہوا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ الخ کا یعنی آپ سے پہلے جتنے پیغمبر دنیا میں آئے سب آدمی تھے۔ آدمیوں کی طرح کھاتے پیتے اور معاشی ضروریات کے لئے بازار بھی جاتے تھے۔ اُن کو فرشتہ بنا کر نہیں بھیجا جو کھانے پینے اور حوائج بشریہ سے مستغنی ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے لئے بازاروں میں پھرنا شانِ تقدس اور بزرگی کے منافی نہیں۔ بلکہ اگر بازار نہ جانے کا منشاء کبر و خود بینی ہو تو یہ بزرگی کے خلاف ہے۔

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۗ أَتَصْبِرُونَ ۚ
اور ہم نے رکھا ہے تم میں ایک دوسرے کے جانچنے کو دیکھیں ثابت بھی رہتے ہو

کشمکشِ دنیا امتحان ہے:

یعنی پیغمبر ہیں کافروں کا ایمان جانچنے کو۔ اور کافر ہیں پیغمبروں کا صبر جانچنے کو۔ اب دیکھیں کافروں کے سفیہانہ طعن و تشنیع اور لغو اعتراضات سُن کر تم کس حد تک صبر و استقلال دکھاتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

قتادہ نے کہا، قریش مومنوں کا مذاق بناتے تھے اور کہتے تھے ذرا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو تو دیکھو، جن لوگوں نے ان کا ساتھ دیا ہے وہ تو ہمارے غلام ہیں، کمینے ہیں ذلیل طبقے کے ہیں، اللہ نے ان مومنوں کو خطاب کر کے فرمایا اتصبرون کیا اس فقر و مصیبت اور کافروں کی طرف سے اذیت پہنچنے پر تم صبر رکھو گے۔ یا صبر نہ رکھو گے، صبر رکھو گے تو اجر پاؤ گے۔ صبر نہ رکھو گے تو غم و الم میں مزید مبتلا ہو گے مطلب یہ کہ صبر رکھو۔ (تفسیر مظہری)

شکر کی توفیق کا نسخہ:

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مال اور جسم کے لحاظ سے اپنے سے اونچے کو دیکھے تو اپنے سے نیچے کو بھی دیکھے (یعنی) اپنے سے اونچے کو مت دیکھو کہ حسرت ہو نیچے کو دیکھو کہ تسلی ہو اور شکر کی توفیق ہو۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین واحمد۔ (تفسیر مظہری)

پیغمبروں کا فقر

صحیح مسلم شریف میں ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں خود تجھے اور تیرے ذریعہ سے اور لوگوں کو آزمانے والا ہوں۔ مسند میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہتا تو میرے

ساتھ سونے چاندی کے پہاڑ چلتے رہتے۔ اور صحیح حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی اور بادشاہ بننے میں اور نبی اور بندہ بننے میں اختیار دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بندہ اور نبی بننا پسند فرمایا، فصلوٰت اللہ وسلامہٗ علیہ و علیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔ (تفسیر ابن کثیر)

مسند احمد، ترمذی میں حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھ سے فرمایا کہ میں آپ کے لئے پورے بطحاء مکہ اور اس کے پہاڑوں کو سونا بنا دیتا ہوں، تو میں نے عرض کیا نہیں، اے میرے پروردگار مجھے تو یہ پسند ہے کہ مجھے ایک روز پیٹ بھرائی کھانا ملے (جس پر اللہ کا شکر ادا کروں) اور ایک روز بھوکا رہوں (اُس پر صبر کروں) اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ پھرا کرتے۔ (مظہری)

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا عام طور پر فقر وفاقہ میں رہنا اللہ تعالیٰ کی ہزاروں حکمتوں اور عام انسانوں کی مصالح کی بناء پر ہے اور اس میں بھی وہ اس حالت پر مجبور نہیں ہوتے اگر وہ چاہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کو بڑا مالدار صاحب جائیداد بنا سکتے ہیں مگر اُن کی ذات کو حق تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ وہ مال و دولت سے کوئی دلچسپی ہی نہیں رکھتے، فقر وفاقہ ہی کو پسند کرتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ۝٢٠

اور تیرا رب سب کچھ دیکھتا ہے

یعنی کافروں کا کفر وایذاء دہی اور صابروں کا صبر وتحمل سب اُس کی نظر میں ہے۔ ہر ایک کو اُس کے کئے کا پھل دے کر رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا

اور بولے وہ لوگ جو اُمید نہیں رکھتے کہ ہم سے ملیں گے کیوں نہ

أُنزِلَ عَلَيْنَا الْمَلَائِكَةُ أَوْ نَرَىٰ رَبَّنَا ۗ

اُترے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھ لیتے اپنے رب کو

منکرین آخرت کی بیہودہ گوئی:

یعنی جن کو یہ امید نہیں کہ ایک روز ہمارے رُوبرو حاضر ہو کر حساب وکتاب دینا ہے وہ سزا کے خوف سے بالکل بے فکر ہو کر معاندانہ اور گستاخانہ کلمات زبان سے بکتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہم پر فرشتے وحی لے کر کیوں نہ اُترے۔ یا خدا تعالیٰ سامنے آ کر ہم سے ہم کلام کیوں نہ ہو گیا۔ کم از کم فرشتے تمہاری تصدیق ہی کے لئے آ جاتے یا خود خداوند رب العزت کو ہم دیکھتے کہ سامنے ہو کر تمہارے دعوے کی تائید وتصدیق کر رہا ہے کما فی موضع آخر قَالُوا لَن نُّؤْمِنَ حَتَّىٰ نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ (انعام رکوع ۱۵) وفی سورۃ الاسرا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا رکوع ۱۰۔ (تفسیر عثمانی)

لَقَدِ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيرًا ۝٢١

تحقیق بہت بڑائی رکھتے ہیں اپنے جی میں اور سر چڑھ رہے ہیں بڑی شرارت میں

منکر تکبر کے مریض ہیں:

یعنی انہوں نے اپنے دل میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ رکھا ہے جو وحی اور فرشتوں کے آنے کی تمنا رکھتے ہیں شرارت وسرکشی کی حد ہو گئی کہ باوجود ایسی سیاہ کاریوں کے دنیا میں ان آنکھوں سے خداوند قدوس کو دیکھنے اور شرف ہم کلامی سے مشرف ہونے کا مطالبہ کریں۔

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلَائِكَةَ لَا بُشْرَىٰ يَوْمَئِذٍ

جس دن دیکھیں گے فرشتوں کو کچھ خوشخبری نہیں اُس دن

لِّلْمُجْرِمِينَ وَيَقُولُونَ حِجْرًا مَّحْجُورًا ۝٢٢

گنہگاروں کو اور کہیں گے کہیں روک دی جائے کوئی آڑ

گھبراؤ نہیں وقت آ رہا ہے:

یعنی گھبراؤ نہیں، ایک دن آنے والا ہے جب فرشتے تم کو نظر پڑیں گے لیکن اُن کے دیکھنے سے تم جیسے مجرموں کو کچھ خوشی حاصل نہ ہو گی، بلکہ سخت ہولناک مصائب کا سامنا ہو گا۔ حتیٰ کہ جو لوگ اس وقت فرشتوں کے نزول کا مطالبہ کرنے والے ہیں اُس وقت حِجْرًا مَّحْجُورًا کہہ کر پناہ طلب کریں گے، اور چاہیں گے کہ اُن کے اور فرشتوں کے درمیان کوئی سخت روک قائم ہو جائے کہ وہ اُن تک نہ پہنچ سکیں لیکن خدا کا فیصلہ کب رُک سکتا ہے فرشتے بھی حِجْرًا مَّحْجُورًا کہہ کر بتلا دیں گے کہ آج مسرت وکامیابی ہمیشہ کے لئے تم سے روک دی گئی ہے۔ (تنبیہ) ممکن ہے یہ تذکرہ احتضار (موت) کے وقت کا ہو۔ کما قال تعالیٰ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا ۙ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ (انفال۔ رکوع ۷) وقال تعالیٰ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ ۖ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ (انعام رکوع ۱۱)

گویا یہ کیفیت اُسکے بالمقابل ہو گی۔ جو دوسری جگہ مؤمنین کی بیان ہوئی ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ (حم السجدہ۔ رکوع ۴) اور ممکن ہے یہاں قیامت کے دن کا ذکر ہو۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے بحوالۂ ابن جریج لکھا ہے کہ عربوں پر جب کوئی مصیبت آتی

ہے اور کسی ناخوشگوار امر میں مبتلا ہوتے ہیں تو حجرا محجورا کہتے ہیں چنانچہ مجرم فرشتوں کو دیکھنے کے بعد یہ الفاظ کہیں گے۔ (تفسیر مظہری)

مؤمن کی روح کا اعزاز:

صحیح حدیث میں ہے کہ فرشتے مؤمن کی روح سے کہتے ہیں اے پاک روح جو پاک جسم میں تھی تو اللہ تعالیٰ کے رحم اور رحمت کی طرف چل جو تجھ سے ناراض نہیں ہے۔ شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ ان میں سے چار کی تسبیح تو یہ ہوگی سُبحانک اللّٰھُمّ وبحمدک لک الحمد علیٰ حلمک بعد علمک خدایا تو پاک ہے تو قابل ستائش وتعریف ہے باوجود علم کے پھر بھی بُردباری برتنا تیرا وصف ہے جس پر ہم تیری تعریف بیان کرتے ہیں اور چار کی تسبیح یہ ہوگی۔ سُبحانک اللّٰھُمّ وبحمدک لک الحمدُ علیٰ عفوک بعد قُدرتک خدایا تو پاک ہے اور اپنی تعریفوں کے ساتھ ہے تیرے ہی لئے سب تعریف ہے کہ تو باوجود قدرت کے معاف فرماتا رہتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾

اور ہم پہنچے اُن کے کاموں پر جو انہوں نے کئے تھے پھر ہم نے کر ڈالا اس کو خاک اُڑتی ہوئی

غرور خاک ہو جائے گا:

یعنی وہ ہم کو بلاتے تھے تو ہم بھی آ پہنچے، مگر اُن کی عزت بڑھانے کو نہیں، بلکہ اس لئے کہ انہوں نے اپنے زعم باطل کے موافق جو بھلے کام کئے تھے جن پر بڑا بھروسہ تھا انہیں ہم قطعاً ملیامیٹ کر دیں اور اس طرح بے حقیقت کر کے اُڑا دیں جیسے خاک کے حقیر ذرات ہوا میں ادھر اُدھر اُڑ جایا کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اعمال روح اخلاص وایمان سے یکسر خالی یا طریق حق کے بالکل متضاد واقع ہوئے ہیں۔ قال تعالیٰ مَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ (ابراہیم۔ رکوع ۳) وغیر ذٰلک من الآیات۔ (تفسیر عثمانی)

هَبَآءً مَّنْثُوْرًا یعنی بے کار، رائیگاں جس کا آخرت میں کوئی ثواب نہ ہوگا، کیونکہ ثواب کی شرط ہے ایمان اور محض اللہ کے لئے نیکی کرنا اور یہ دونوں شرطیں کافروں کے اعمال میں مفقود ہیں۔

ہباء کا معنی:

حضرت علیؓ نے فرمایا، ہباء ان ذروں کو کہتے ہیں جو روشندانوں (اور کواڑوں) کے شگافوں سے سورج کی روشنی پر غبار کی طرح نظر آتے ہیں، مگر ہاتھ سے ان کو چھوا نہیں جا سکتا اور نہ وہ سایہ میں نظر آتے ہیں حسن، مجاہد اور عکرمہ نے بھی اس لفظ کی یہی تشریح کی۔ منثور کا معنی ہے پراگندہ۔ (تفسیر مظہری)

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾

بہشت کے لوگوں کا اُس دن خوب ہے ٹھکانا اور خوب ہے جگہ دوپہر کے آرام کی

اہل جنت کے مزے:

یعنی یہ لوگ تو اس روز اس مصیبت میں گرفتار ہوں گے اور جن کی ہنسی اُڑایا کرتے تھے وہ جنت میں خوب عیش وآرام کے مزے لوٹیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

جنت ودوزخ میں داخلہ کا وقت:

بغوی کی روایت میں حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ان الفاظ کے ساتھ آیا ہے۔ قیامت کا دن آدھا نہ ہونے پائے گا کہ اہل جنت، جنت میں اور اہل نار دوزخ میں جا کر ٹھہر جائیں گے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت میں یہ آیت اسی طرح آئی ہے۔ ابن جریر، ابن المنذر اور ابونعیم نے الحلیہ میں ابراہیم نخعی کا قول نقل کیا ہے۔ لوگ خیال کرتے تھے کہ قیامت کے دن آدھے دن میں لوگوں کا حساب ختم ہو جائے گا پھر جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں قیلولہ کریں گے (دوپہر بسر کریں گے) بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے اس روز حساب شروع دن میں ہی ہو جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں مجھے معلوم ہوا ہے کہ کس وقت جنتی جنت میں جائیں گے اور جہنمی جہنم میں، یہ وہ وقت ہوگا جو یہاں دنیا میں دوپہر کا وقت ہوتا ہے کہ لوگ اپنے گھروں کو دو گھڑی آرام حاصل کرنے کی غرض سے لوٹتے ہیں۔ جنتیوں کا یہ قیلولہ جنت میں ہوگا۔ مچھلی کی کلیجی انہیں پیٹ بھر کر کھلائی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾

اور جس دن پھٹ جائے آسمان بادل سے اور اُتارے جائیں فرشتے تار لگا کر

اللہ تعالیٰ کا نزولِ اجلال:

قیامت کے دن آسمانوں کے پھٹنے کے بعد اوپر سے بادل کی طرح کی ایک چیز اُترتی نظر آئے گی جس میں حق تعالیٰ کی ایک خاص تجلی ہوگی۔ اُسے ہم چتر شاہی سے تعبیر کئے لیتے ہیں۔ شاید یہ وہی چیز ہو جسے ابورزین کی حدیث میں عماء سے اور نسائی کی ایک روایت میں جو معراج سے متعلق ہے غیابہ سے تعبیر کیا ہے۔ واللہ اعلم اس کے ساتھ بیشمار فرشتوں کا ہجوم ہوگا اور آسمانوں کے فرشتے اُس روز لگاتار مقام محشر کی طرف نزول فرمائیں گے۔ دوسرے پارہ کے نصف کے قریب آیت هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ الخ میں بھی اسی طرح کا مضمون گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن جریر اور ابن مبارک نے ضحاک کا قول نقل کیا ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ کے حکم سے آسمان اپنے باشندوں سمیت پھٹ پڑے گا اس حکم کے وقت ملائکہ آسمان کے کناروں پر ہوں گے اور نیچے اتر کر ساری زمین اور زمین والوں کو گھیر لیں گے، پھر دوسرے تیسرے چوتھے پانچویں چھٹے اور ساتویں آسمان کا بھی یہی حال ہوگا۔ پھر سب فرشتے صف بستہ ہو جائیں گے ایک قطار کے بعد دوسری قطار (ترتیب وار) ہو جائے گی پھر ایک فرشتہ اترے گا جس کے بائیں جانب جہنم ہوگا۔ زمین والے جہنم کو دیکھ کر ادھر اُدھر بھاگ پڑیں گے مگر زمین کے جس کنارے پر پہنچیں گے وہاں ملائکہ کی سات صفیں گھیرے ہوئے ملیں گی مجبوراً اسی جگہ جہاں سے بھاگے تھے لوٹ آئیں گے۔ آیات ذیل میں اسی کا بیان ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے۔

إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۝ يَوْمَ تُوَلُّونَ مُدْبِرِينَ

وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝ وَجِيءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ ۝ يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ

إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا ۝ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ

فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ ۝ وَالْمَلَكُ عَلَىٰ أَرْجَائِهَا

لوگ اسی حالت میں ہوں گے کہ اچانک ایک آواز سنائی دے گی اور لوگ حساب (فہمی) کے لئے چل دیں گے۔ (تفسیر مظہری)

اللہ تعالیٰ کا نزولِ اجلال:

ابوبکر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ عرش کو اُترتا دیکھ کر اہل محشر کی آنکھیں پھٹ جائیں گی جسم کانپ اُٹھیں گے دل ہل جائیں گے۔ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جس وقت اللہ عزوجل مخلوق کی طرف اُترے گا تو درمیان میں ستر ہزار پردے ہوں گے بعض نور کے بعض ظلمت کے۔ اس ظلمت میں سے ایک ایسی آواز نکلے گی کہ جس سے دل پاش پاش ہو جائیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ ای عن الغمام ۔قرطبی۔ معنے یہ ہیں کہ آسمان شق ہو کر اس میں سے ایک رقیق بادل اُترے گا جس میں فرشتے ہوں گے۔ یہ ابر بشکل سائبان آسمان سے آوے گا اور اس میں حق تعالیٰ کی تجلی ہوگی اور اس کے گرداگرد ملائکہ ہوں گے۔ یہ حساب شروع ہونے کا وقت ہوگا اور اُس وقت آسمان کا پھٹنا صرف کھلنے کے طور پر ہوگا یہ وہ پھٹنا نہیں ہوگا جو پہلی مرتبہ نفخۂ صور کے وقت آسمان زمین کو فنا کرنے کے لئے ہوگا کیونکہ یہ نزول غمام جس کا ذکر آیت میں ہے نفخۂ ثانیہ کے بعد ہے جبکہ سب زمین و آسمان دوبارہ درست ہو چکے ہوں گے۔ (بیان القرآن) (معارف مفتی اعظمؒ)

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ۨالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا
بادشاہی اُس دن سچی ہے رحمن کی اور ہے وہ دن

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ۝
منکروں پر مشکل

فقط اللہ کی بادشاہی ہوگی:

یعنی ظاہراً و باطناً صورۃً و معنیً من کل الوجوہ اکیلے رحمان کی بادشاہت ہوگی اور صرف اُسی کا حکم چلے گا۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (مومن۔ رکوع ۲) پھر جب رحمان کی حکومت ہوئی تو جو مستحق رحمت ہیں اُن کے لئے رحمت کی کیا کمی، بے حساب رحمتوں سے نوازے جائیں گے مگر باوجود ایسی لامحدود رحمت کے کافروں کے لئے وہ دن بڑی سخت مشکل اور مصیبت کا ہوگا۔

کہ بازار چنداں کہ آگندہ تر تہیدست را دل پراگندہ تر

(تفسیر عثمانی)

قیامت کے دن کی سختی:

وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا اور وہ دن کافروں کے لئے سخت دشوار دن ہوگا۔ حضرت ابوسعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دن کے متعلق دریافت کیا گیا جس کی مقدار پچاس ہزار برس کے برابر ہوگی (اور عرض کیا گیا) کیسا لمبا دن ہوگا (اور اتنا لمبا وقت کیسے کٹے گا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مومن کے لئے وہ بہت ہلکا ہوگا یہاں تک کہ فرض نماز کے (ایک) وقت سے بھی اس کے لئے زیادہ آسان (اور چھوٹا) ہوگا۔

آئندہ آیت کا شانِ نزول:

بغویؒ نے لکھا ہے، عقبہ بن ابی معیط کا دستور تھا کہ جب سفر سے واپس آتا تھا تو کھانا تیار کراتا اور اپنی قوم کے بڑے بڑے لوگوں کی دعوت کرتا تھا، یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زیادہ بیٹھتا تھا ایک روز سفر سے واپس آ کر کھانا تیار کرایا اور لوگوں کی دعوت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کھانے کے لئے بلایا (آپ تشریف لے گئے) جب عقبہ نے کھانا لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اس وقت تک تمہارا کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک تم لا الٰہ الا اللّٰہ اور محمد رسول اللّٰہ کی شہادت نہ دو گے عقبہ نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کھانا کھا لیا عقبہ اُبی بن خلف کا دوست تھا (اور اُبی سخت کافر تھا) اُبی کو عقبہ کے کلمۂ شہادت پڑھنے کی اطلاع ملی تو اس نے عقبہ سے کہا عقبہ تم بے دین ہو گئے عقبہ نے کہا نہیں تو خدا کی قسم میں تو بے دین نہیں ہوا۔ بات صرف یہ تھی کہ میرے گھر ایک آدمی آیا اور بغیر کلمۂ شہادت پڑھوائے میرا کھانا کھانے سے اس نے انکار کر دیا میری غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ وہ میرے گھر سے بغیر کھانا کھائے چلا جائے اس لئے میں نے شہادت دے دی

اور اس نے کھانا کھالیا ابی نے کہا میں اس وقت تک تم سے راضی نہیں ہوں گا جب تک تم جا کر اس کے منہ پر تھوک نہ دو گے، عقبہ نے جا کر ایسا کر دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے بھی اگر مکہ کے باہر تجھے پالیا تو تیرے سر پر تلوار ماروں گا (یعنی تجھے قتل کر دوں گا۔ چنانچہ عقبہ کو بدر کے دن بندھوا کر قتل کر دیا گیا۔ رہا اُبی تو اس کو احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا۔ ابن جریر نے یہ روایت مرسل بھی نقل کی ہے اس روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔ اُبی نے عقبہ سے کہا میں تم سے اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک تم اس کی گردن کو پاؤں سے روند نہ دو گے، اور اس کے منہ پر تھوک نہ دو گے، چنانچہ عقبہ نے جب دارالندوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدے کی حالت میں پایا تو وہ ایسا کر گزرا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میں مکہ کے باہر تجھ کو پاؤں گا تو تیرے سر پر تلوار ماروں گا بدر کے دن عقبہ قید کر لیا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو عقبہ کے قتل کر دینے کا حکم دیا اور مقابلہ کے وقت اُبی کے بھالا مارا پھر اُبی مکہ کو لوٹ گیا اور مر گیا۔ عقبہ اور اُبی کے متعلق آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي

اور جس دن کاٹ کاٹ کھائے گا گنہگار اپنے ہاتھوں کو کہے گا اے کاش

اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ﴿٢٧﴾

کہ میں نے پکڑا ہوتا رسول کے ساتھ رستہ

کافروں کی بے انتہاء حسرت:

یعنی مارے حسرت وندامت کے اپنے ہاتھ کاٹے گا اور افسوس کرے گا کہ میں نے کیوں دنیا میں رسول خدا کا راستہ اختیار نہ کیا اور کیوں شیاطین الانس والجن کے بہکائے میں آ گیا جو آج یہ روز بد دیکھنا پڑا۔ (تفسیر عثمانی)

الظَّالِم سے مراد ہے عقبہ بن ابی معیط ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ اُبی بن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، عقبہ بن ابی معیط نے اس کو سرزنش کی اس پر یہ آیت خَذُولًا تک نازل ہوئی، شعبی اور مقسم سے بھی ایسی ہی روایت آئی ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے دانتوں سے ہاتھ کاٹنا۔ انگلیوں کے پورے کھانا، دانت پیسنا یہ سب کنائی الفاظ ہیں ان سے مراد ہوتا ہے انتہائی غصہ اور حسرت۔

عقبہ کا انجام بد:

ضحاک نے کہا، جب عقبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر تھوک پھینکا تو اس کا تھوک لوٹ کر اسی کے رخساروں پر آ پڑا۔ جس سے دونوں رخسارے جل گئے۔ اور مرتے دم تک جلنے کا نشان نہیں گیا شعبی کا بیان ہے کہ عقبہ بن ابی معیط امیہ بن خلف کا دوست تھا۔ عقبہ مسلمان ہو گیا امیہ نے کہا چونکہ تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر لی ہے اس لئے میرا چہرہ تیرے لئے اور تیرا چہرہ میرے لئے دیکھنا حرام ہے عقبہ نے اسلام کا انکار کر دیا اور مرتد ہو گیا اس پر اللہ نے اس کے بارے میں آیت وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ نازل فرمائی الظالم سے مراد ہے عقبہ بن ابی معیط بن امیہ بن عبد الشمس بن عبد مناف۔ ہاتھ کاٹنے سے مراد ہے ندامت وافسوس کہ وہ دوست جس نے اس کو اللہ کے راستہ سے روکا اس نے اس کا کہا مان لیا اور گناہ وکفر کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو خود تباہ کر دیا۔ عطاء نے کہا وہ (قیامت کے دن) اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک کھا جائے گا پھر ہاتھ اُگ آئیں گے وہ حسرت وافسوس کرتے ہوئے ان کو پھر کھا جائے گا اور یوں ہی ہاتھ اُگتے رہیں گے اور وہ حسرت کے ساتھ کھاتا رہے گا۔ (تفسیر مظہری)

يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ﴿٢٨﴾

اے خرابی میری کاش کہ نہ پکڑا ہوتا میں نے فلانے کو دوست

گمراہوں کی دوستی کا انجام:

یعنی جن کی دوستی اور اغواء سے گمراہ ہوا تھا یا گمراہی میں ترقی کی تھی، اس وقت پچتائے گا کہ افسوس ایسوں کو میں نے اپنا دوست کیوں سمجھا۔ کاش میرے اور ان کے درمیان کبھی دوستی اور رفاقت نہ ہوئی ہوتی۔ (تنبیہ) مفسرین نے یہاں عقبہ بن ابی معیط اور ابی بن خلف کا جو واقعہ نقل کیا ہے، کچھ ضرورت نہیں کہ آیت کے مدلول کو اس پر مقصور کیا جائے۔ ہاں جو تقریر ہم نے کی ہے اس میں وہ بھی داخل ہے۔

صرف مؤمن کو اپنا ساتھی بناؤ:

مسند احمد ترمذی، ابوداؤد وغیرہ نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لاتصاحب الامؤمنا ولایاکل مالک الاتقی (مظہری) کسی غیر مسلم کو اپنا ساتھی نہ بناؤ، اور تمہارا مال (بطور دوستی کے) صرف متقی آدمی کھائے، یعنی غیر متقی سے دوستی نہ کرو، اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

المرء علیٰ دین خلیله فلینظر من یخالل (رواہ البخاری)

(ترجمہ) ہر انسان (عادۃ) اپنے دوست کے دین اور طریقہ پر چلا کرتا ہے اس لئے دوست بنانے سے پہلے خوب غور کر لیا کرو کہ کس کو دوست بنا رہے ہو۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ہمارے مجلسی دوستوں میں کون لوگ بہتر ہیں تو آپ نے فرمایا۔

من ذكركم بالله رويته وزاد في علمكم منطقه وذكركم بالاخرة عمله رواه البزار (قرطبی)

ترجمہ: وہ شخص جس کو دیکھ کر خدا یاد آئے اور جس کی گفتگو سے تمہارا علم بڑھے اور جس کے عمل کو دیکھ کر آخرت کی یاد تازہ ہو۔

لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ
اُس نے تو بہکا دیا مجھ کو نصیحت سے مجھ تک پہنچ چکنے کے پیچھے
وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾
اور ہے شیطان آدمی کو وقت پر دغا دینے والا

یعنی پیغمبر کی نصیحت مجھ کو پہنچ چکی تھی۔ جو ہدایت کے لئے کافی تھی اور امکان تھا کہ میرے دل میں گھر کر لے۔ مگر اس کمبخت کی دوستی نے تباہ کیا اور دل کو اُدھر متوجہ نہ ہونے دیا۔ بیشک شیطان بڑا دغاباز ہے آدمی کو عین وقت پر دھوکا دیتا اور بُری طرح رُسوا کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

نیک و بد ساتھی کی مثال:

حضرت ابوموسیٰ اشعری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک اور بدہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کے پاس تو مشک ہے اور دوسرا لوہار کی بھٹی دھونک رہا ہے۔ مشک اپنے پاس رکھنے والا یا تو تم کو (کچھ مشک مفت) دے دے گا یا تم اس سے خرید لوگے یا (کم از کم) عمدہ خوشبو ہی تم کو (اس کی طرف سے) مل جائے گی۔ اور بھٹی دھونکنے والا، یا تمہارے کپڑوں کو جلا دے گا یا (کم از کم) بدبو تم کو اس کی طرف سے پہنچے گی (رواہ البخاری)

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (عام طور پر) آدمی اپنے دوست کے مسلک پر ہوتا ہے اس لئے اس کو (پہلے سے) دیکھ لینا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔ (رواہ البغوی)

امام احمد اور اصحاب سنن نے اور شیخین نے صحیحین میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے نیز صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بھی آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آدمی اسی کے ساتھ ہوگا (یا ہوتا ہے) جس سے اس کو محبت ہوگی۔ (یا محبت ہے) (تفسیر مظہری)

وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا
اور کہا رسول نے اے میرے رب میری قوم نے ٹھہرایا ہے
هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾
اس قرآن کو جھک جھک

بدبخت قوم:

یعنی ضدی معاندین نے جب کسی طرح نصیحت پر کان نہ دھرا، تب پیغمبر نے بارگاہ الٰہی میں شکایت کی کہ خداوند! میری قوم نہیں سنتی، انہوں نے قرآن جیسی عظیم الشان کتاب کو (العیاذ باللہ) بکواس قرار دیا ہے، جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو خوب شور مچاتے اور بک بک جھک جھک کرتے ہیں۔ تاکوئی شخص سُن اور سمجھ نہ سکے۔ اس طرح ان اشقیاء نے قرآن جیسی قابل قدر کتاب کو بالکل متروک و مہجور کر چھوڑا ہے۔ (تنبیہ) آیت میں اگرچہ مذکور صرف کافروں کا ہے تاہم قرآن کی تصدیق نہ کرنا، اس میں تدبر نہ کرنا، اُس پر عمل نہ کرنا۔

قرآن کے ترک کی صورتیں:

اُس کی تلاوت نہ کرنا، اُس کی تصحیح قرأت کی طرف توجہ نہ کرنا، اُس سے اعراض کر کے دوسری لغویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا، یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ہجران قرآن کے تحت میں داخل ہوسکتی ہیں۔ "فنسأل الله الكريم المنان القادر علی مايشاء ان يخلصنا مما يسخطهٗ ويستعملنا فيما يرضيه من حفظ كتابه وفهمه والقيام بمقتضاه آناء الليل واطراف النهار علی الوجه الذی يحبه ويرضاه انه كريم وهاب"۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے قرآن پڑھا مگر پھر اس کو بند کر کے گھر میں معلق کر دیا نہ اس کی تلاوت کی پابندی کی نہ اسکے احکام میں غور کیا، قیامت کے روز قرآن اس کے گلے میں پڑا ہوا آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرے گا کہ آپ کے اس بندہ نے مجھے چھوڑ دیا تھا اب آپ میرے اور اس کے معاملہ کا فیصلہ فرمادیں۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظمؒ)

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ
اور اسی طرح رکھے ہیں ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن گنہگاروں میں سے

ہر نبی کے دشمن ہوئے ہیں:

جو نبی کی بات ماننے میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں اور لوگوں کو قبول حق سے روکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَفٰی بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾
اور کافی ہے تیرا رب راہ دکھلانے کو اور مدد کرنے کو

اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرے گا:

یعنی کافر پڑے بہکایا کریں، جس کو اللہ چاہے گا راہ پر لے آئے گا یا یہ

مطلب ہے کہ اللہ جس کو چاہیے گا ہدایت کر دے گا اور جن کو ہدایت نصیب نہ ہوگی اُن سب کے مقابلہ میں تیری مدد کرے گا۔ یا یہ کہ حق تعالیٰ تیری مدد کر کے مقام مطلوب تک پہنچادے گا۔ کوئی رکاوٹ مانع نہ ہو سکے گی۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ
اور کہنے لگے وہ لوگ جو منکر ہیں کیوں نہ اُترا
عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ
اس پر قرآن سارا ایک جگہ ہو کر

دشمنوں کا اعتراض:

یعنی نبی کے دشمن لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے ایسے ایسے اعتراض چھانٹتے ہیں کہ صاحب! دوسری کتابوں کی طرح پورا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتارا گیا برسوں میں جو تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارا گیا اللہ میاں کو کچھ سوچنا پڑتا تھا، اس سے تو شبہ ہوتا ہے کہ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم سوچ سوچ کر بناتے ہیں پھر موقع مناسب دیکھ کر تھوڑا تھوڑا سناتے رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن پاک کی فضیلت:

لطیفہ یہ ہے کہ قرآن کو دونوں بزرگیاں ملیں۔ یہ ایک ساتھ لوح محفوظ سے ملا اعلےٰ میں اُترا لوح محفوظ سے پورا کا پورا آسمان دنیا تک پہنچا۔ پھر حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوتا رہا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سارا قرآن ایک دفعہ ہی لیلۃ القدر میں آسمانِ دنیا پر نازل ہوا۔ پھر بیس سال تک زمین پر اترتا رہا۔ پھر اس کے ثبوت میں آپ نے وَلَا يَاْتُوْنَكَ الخ اور آیت وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ الخ تلاوت فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر)

كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا
اسی طرح اتارا تاکہ ثابت رکھیں ہم اُس سے تیرا دل اور پڑھ سنایا ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر

قرآن تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی حکمتیں:

یعنی یہ کیا ضرور ہے کہ تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارنا اس سبب سے ہو جو تم نے سمجھا۔ اگر غور کرو گے تو اس طرح نازل کرنے میں بہت سے فوائد ہیں جو دفعۃً نازل کرنے کی صورت میں پوری طرح حاصل نہ ہوتے مثلاً اس صورت میں قرآن کا حفظ کرنا زیادہ آسان ہوا، سمجھنے میں سہولت رہی، کلام پوری طرح منضبط ہوتا رہا اور جن مصالح و حکم کی رعایت اس میں کی گئی تھی، لوگ موقع بہ موقع اُن کی تفاصیل پر مطلع ہوتے رہے۔ ہر آیت کی جُداگانہ شان نزول کو دیکھ کر اُس کا صحیح مطلب متعین کرنے میں مدد ملی۔ ہر ضرورت کے وقت ہر بات کا برووقت جواب ملتے رہنے سے پیغمبر اور مسلمانوں کے قلوب تسکین پاتے رہے۔ اور ہر آیت کے نزول پر گویا دعویٰ اعجاز کی تجدید ہوتی رہی۔ اس سلسلہ میں جبریل علیہ السلام کا بار بار آنا جانا ہوا جو ایک مستقل برکت تھی، وغیر ذلک من الفوائد۔ ان ہی میں سے بعض فوائد کی طرف یہاں اشارہ فرمایا ہے۔

وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ
اور نہیں لاتے تیرے پاس کوئی مثل کہ ہم نہیں پہنچا دیتے تجھ کو
بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا
ٹھیک بات اور اُس سے بہتر کھول کر

قرآن شافی جواب دیتا ہے:

یعنی کفار جب کوئی اعتراض قرآن پر یا کوئی مثال آپ پر چسپاں کرتے ہیں تو قرآن اُس کے جواب میں ٹھیک ٹھیک بات بتلا دیتا ہے جس میں کسی قسم کا ہیر پھیر نہیں ہوتا۔ بلکہ صاف واضح معتدل اور بے غل وغش بات ہوتی ہے ہاں جن کی عقل اوندھی ہوگئی ہو وہ سیدھی اور صاف بات کو بھی ٹیڑھی سمجھیں یہ الگ چیز ہے ایسوں کا انجام اگلی آیت میں بیان فرمایا۔

اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ
جو لوگ کہ گھیر کر لائے جائیں گے اوندھے پڑے ہوئے اپنے منہ پر دوزخ کی طرف
اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ؏
انہی کا بُرا درجہ ہے اور بہت بہکے ہوئے ہیں راہ سے

گمراہی پسندوں کا انجام:

یہ وہی لوگ ہیں جن کی عقل اوندھی ہوگئی اور رطوبات کو چھوڑ کر سفلی خواہشات پر جھک پڑے۔ آگے ایسی چند اقوام کا جو حشر ہوا عبرت کے لئے اُس کو بیان فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تین طرح لوگوں کو چلایا جائے گا:

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن تین طور پر لوگوں کو چلایا جائے گا کچھ سوار، کچھ پیدل، کچھ منہ کے بل چلنے والے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا منہ کے بل چلیں گے فرمایا جس نے پاؤں سے چلایا ہے وہ منہ کے بل چلانے کی بھی قدرت رکھتا ہے۔ رواہ ابوداؤد والبیہقی۔ (تفسیر مظہری)

حدیث میں ہے کہ کفار قیامت کے دن اوندھے منہ کے بل چلائے

جائیں گے اور اپنے منہ سے راستہ کے کانٹے کو ہٹائیں گے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ قیامت کے دن کافر کس طرح منہ کے بل چلے گا آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو خدا اس کو دنیا میں پیروں کے بل چلانے پر قادر ہے وہ قیامت کے دن منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے۔ یعنی سر کے بل چلانا او رپیروں کے بل چلانا خدا کی قدرت کے لحاظ سے یکساں ہے۔

نکتہ: امام غزالی فرماتے ہیں کہ جس طرح کفار کے دل دنیا میں ہو گئے اور زمین اور پستی کی طرف مائل ہو گئے اور بلندی سے اعراض کیا اس لئے ان کا حشر اسی ہیئت کے ساتھ ہوگا۔ ایسے ہی لوگ جو قلب اور عقل کے اندھے اور اوندھے۔ باعتبار مکان کے یا باعتبار مرتبہ کے بدترین خلائق ہیں اور سب سے زیادہ گمراہ ہیں اس لئے ان کا حشر منہ کے بل ہوگا۔ (معارف کاندھلوی)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ

اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اور کر دیا ہم نے اس کے ساتھ اُس کا بھائی

هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ۚ فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ

ہارون کام بٹانے والا پھر کہا ہم نے تم دونوں جاؤ اُن لوگوں کے پاس

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ

جنہوں نے جھٹلایا ہماری باتوں کو

قوم فرعون کا حق سے انکار:

یعنی آیات تکوینیہ کو جو اللہ کی توحید وغیرہ پر دال ہیں اور انبیائے سابقین کے متفقہ بیانات کو جن کا تھوڑا بہت چرچا پہلے سے چلا آتا تھا، جھٹلا کر خدائی کے دعوے کرنے لگے تھے۔

فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ۝ وَقَوْمَ نُوْحٍ

پھر دے مارا ہم نے اُن کو اکھاڑ کر اور نوح کی قوم کو

لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ

جب انہوں نے جھٹلایا پیغام لانے والوں کو

قوم نوحؑ کا کرتوت:

ایک پیغمبر کا جھٹلانا سب کا جھٹلانا ہے کیونکہ اصول دین میں سب انبیاء متحد ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تکذیب رسل سے مراد ہے حضرت نوح کی اور آپ سے پہلے گزرے ہوئے پیغمبروں کی تکذیب یا یوں کہا جائے کہ صرف حضرت نوحؑ کی تکذیب ہی مراد ہے لیکن ایک پیغمبر کی تکذیب حقیقت میں سب پیغمبروں کی تکذیب ہے کیونکہ ہر پیغمبر دوسرے تمام پیغمبروں کی تصدیق کرتا ہے اس ایک کو جھوٹا جاننا حقیقت میں تمام پیغمبروں کو دروغ گو قرار دینا ہوتا ہے اس لئے تکذیب نوح کو تکذیب رسل قرار دیا۔ (تفسیر مظہری)

اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ

ہم نے ان کو ڈبا دیا اور کیا اُن کو لوگوں کے حق میں نشانی، اور تیار کر رکھا ہے ہم نے گنہگاروں

عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ

کے واسطے عذاب درد ناک اور عاد کو اور ثمود کو اور کنوئیں والوں کو

کنوئیں والی قوم:

اصحاب الرس (کنوئیں والے) کون تھے؟ اس میں سخت اختلاف ہوا ہے "روح المعانی" میں بہت سے اقوال نقل کر کے لکھا ہے۔ "وملخص الا قوال انهم قوم اهلكهم الله بتكذيب من ارسل اليهم" یعنی خلاصہ یہ ہے کہ وہ کوئی قوم تھی جو اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی پاداش میں ہلاک ہوئی حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ایک اُمت نے اپنے رسول کو کنوئیں میں بند کیا پھر اُن پر عذاب آیا تب وہ رسول خلاص ہوا" (تفسیر عثمانی)

اس جگہ اصحاب الرس سے مراد ہے حضرت شعیبؑ کی قوم، جس نے ایک کنوئیں پر اپنی آبادی کر لی تھی۔ یہ لوگ جانور پالتے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے ایک وقت جب وہ سب کنوئیں کے گرداگرد اپنے گھروں میں موجود تھے وہاں کی زمین دھنس گئی، وہ کنواں اور آبادی اور ساری زمین اندر گھس گئی اور سب مر گئے اُن کے یکدم ہلاک ہو جانے کی اصلی علت یہ تھی کہ اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے حضرت شعیب پیغمبر کو مبعوث فرمایا، حضرت شعیبؑ نے ان کو اسلام کی دعوت دی لیکن ان کی سرکشی اور بڑھتی گئی اور حضرت شعیبؑ کو طرح طرح سے ایذا پہنچانے لگے۔ آخر ہلاک کر دیئے گئے۔ زمین سب کو کھا گئی، کنوئیں کو بھی، ان کو بھی اور ان کے گھروں کو بھی۔ یہ تفصیل وہب بن منبہ نے بیان کی۔ ابن جریر اور ابن عساکر نے قتادہ کی طرف بھی اس بیان کی نسبت کی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ سعید بن جبیر نے بیان کیا کہ اصحاب الرس کا ایک پیغمبر تھا جس کا نام حنظلہ بن صفوان تھا، رس والوں نے اپنے پیغمبر کو شہید کر دیا، اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لوگ اللہ کی طرف سے ایک مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ ایک دراز گردن، عظیم الجثہ پرندہ کوہ فتح پر رہتا تھا، پرندہ کو لمبی گردن ہونے کی وجہ سے عنقاء کہا جاتا تھا۔ عنقاء اس قوم کے بچوں پر آ پڑتا تھا اور اُچک کر لے جاتا تھا۔ حنظلہ نے عنقاء کو بددعا دی نتیجہ یہ

ہوا کہ ایک بجلی اس پر ٹوٹ پڑی۔ لیکن کچھ مدت کے بعد قوم والوں نے حنظلہ کو شہید کر دیا اور (اس جرم کی سزا میں) ان کو بھی ہلاک کر دیا گیا۔

حبیب نجار:

بغوی نے لکھا ہے، رسدی کا بیان ہے رس نطاکیہ میں ایک کنواں تھا، لوگوں نے حبیب بن نجار کو قتل کر کے اس کنوئیں میں ڈال دیا، حبیب بن نجار اور ان کی قوم کا تذکرہ سورہ یٰسین میں آیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

سورۂ اعراف وغیرہ میں اصحاب الرّس کی بابت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ یہ ثمودیوں کی ایک بستی والے تھے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ یہ فلج والے تھے جن کا ذکر سورہ یٰسین میں ہے۔ ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ آذر بیجان کے ایک کنوئیں کے پاس ان کی بستی تھی۔ عکرمہ فرماتے ہیں انہیں کنوئیں والے اس لئے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے پیغمبر کو کنوئیں میں ڈال دیا تھا۔

اوّل جنت میں جانے والا غلام:

ابن اسحاق محمد بن کعبؒ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سیاہ فام غلام سب سے اول جنت میں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بستی والوں کی طرف اپنا نبی بھیجا تھا لیکن اس بستی والوں میں سے بجز اس کے کوئی بھی ایمان نہ لایا بلکہ انہوں نے اللہ کے نبیؑ کو ایک غیر آباد کنوئیں میں اوجڑ میدان میں ڈال دیا، اور اس کے منہ پر ایک بڑی ساری چٹان رکھ دی کہ یہ وہیں مر جائیں۔ یہ غلام جنگل میں جاتا لکڑیاں کاٹ کر لاتا انہیں بازار فروخت کرتا اور روٹی وغیرہ خرید کر کنوئیں پر آتا۔ اس پتھر کو سرکا دیتا یوں آدمیوں سے کھسک نہ سکتا تھا۔ لیکن خدائے تعالیٰ اس کے ہاتھوں اسے سرکا دیتا۔ یہ ایک رسی میں لٹکا کر روٹی اور پانی اس پیغمبرؑ کے پاس پہنچا دیتا جسے وہ کھا پی لیتے مدتوں تک یوں ہی ہوتا رہا۔ ایک مرتبہ یہ گیا لکڑیاں کاٹیں، چنیں جمع کیں، گٹھڑی باندھی، اتنے میں نیند کا غلبہ ہوا سو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر نیند ڈال دی سات سال تک وہ سوتا رہا۔ سات سال کے بعد آنکھ کھلی انگڑائی لی اور کروٹ بدل کر پھر سو رہا۔ سات سال کے بعد پھر آنکھ کھلی تو اس نے اپنی لکڑیوں کی گٹھڑی اٹھائی اور شہر کی طرف چلا اسے یہی خیال تھا کہ ذرا سی دیر کے لئے سو گیا تھا۔ شہر میں آکر لکڑیاں فروخت کیں حسب عادت کھانا خریدا اور وہیں پہنچا دیکھتا ہے کہ کنواں تو وہاں ہے ہی نہیں۔ بہت ڈھونڈا، لیکن نہ ملا۔ یہاں یہ ہوا تھا کہ قوم کے دل ایمان کی طرف راغب ہوئے انہوں نے جا کر اپنے نبیؑ کو کنوئیں سے نکالا سب کے سب ایمان لائے پھر نبی اپنی وفات فوت ہو گئے نبی علیہ السلام بھی اپنی زندگی میں اس حبشی غلام کو تلاش کرتے رہے لیکن اس کا پتہ نہ چلا۔ پھر اس نبی کے انتقال کے بعد یہ شخص اپنی نیند سے جگایا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پس یہ حبشی غلام ہے جو سب سے پہلے جنت میں جائے گا۔ یہ روایت مُرسل ہے اور اس میں غرابت و نکارت ہے اور شاید ادراج بھی ہے، واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَّقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ۝ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ

اور اس کے بیچ میں بہت سی جماعتوں کو اور سب کو کہہ سنائیں ہم نے

الْاَمْثَالَ ۡ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ۝

مثالیں اور سب کو کھو دیا ہم نے غارت کر کر

یعنی پہلے سب کو اچھی طرح سمجھایا جب کسی طرح نہ مانا تو تختہ الٹ دیا۔ (تفسیر عثمانی)

بہتر قرآن: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرن تو صحابہ تھے، جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا اور دوسرا قرن وہ لوگ تھے جنہوں نے اکثر صحابہ کو یا کسی ایک صحابی ہی کو دیکھا تھا۔ اور تیسرا قرن وہ لوگ تھے جنہوں نے تابعین ہی میں سے کسی ایک کو دیکھا تھا۔

قرن کا مطلب: سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ قرن ایک صدی کو کہتے ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو دعا دی تھی اور فرمایا تھا ایک قرن جیو چنانچہ اس کی عمر سو سال ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ

اور یہ لوگ ہو آئے ہیں اُس بستی کے پاس جن پر برسا برا برساؤ

قوم لوط کی بستیاں:

یعنی قوم لوط کی بستیاں جن کے کھنڈرات پر سے مکہ والے شام کے سفر میں گزرتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے قوم لوط کی بستیاں پانچ تھیں اللہ نے ان میں سے چار کو تباہ کر دیا اور ایک بستی جو چھوٹی سی تھی بچ گئی اس بستی کے رہنے والے خبیث حرکات میں مبتلا نہ تھے۔ ملک شام کو جاتے ہوئے یہ بستیاں سرراہ پڑتی تھیں۔ (تفسیر مظہری)

اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ

کیا دیکھتے نہ تھے اس کو

یعنی کیا اُن کے کھنڈرات کو عبرت کی نگاہ سے نہ دیکھا۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ۝

نہیں پر اُمید نہیں رکھتے جی اُٹھنے کی

عبرت آموزی میں رکاوٹ:

یعنی عبرت کہاں سے ہوتی جب اُن کے نزدیک یہ احتمال ہی نہیں کہ مرنے کے بعد پھر جی اُٹھنا اور خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ عبرت تو وہ ہی حاصل کرتا ہے جس کے دل میں تھوڑا بہت ڈر ہو اور انجام کی طرف سے بالکل بے فکر نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا الَّذِيْ

اور جہاں تجھ کو دیکھیں کچھ کام نہیں اُن کو تجھ سے مگر ٹھٹھے کرنے کیا یہی ہے جس کو

بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ

بھیجا اللہ نے پیغام دے کر یہ تو ہم کو بچلا ہی دیتا ہمارے معبودوں سے اگر ہم نہ

اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۭ

جمے رہتے اُن پر

استہزاء بازی:

یعنی بجائے عبرت حاصل کرنے کے اُن کا مشغلہ تو یہ ہے کہ پیغمبر سے ٹھٹھا کیا کریں۔ چنانچہ آپ کو دیکھ کر استہزاءً کہتے ہیں کہ کیا یہ ہی بزرگ ہیں جن کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ بھلا یہ حیثیت اور منصب رسالت؟ کیا ساری خدائی میں سے یہ ہی اکیلے رسول بننے کے لئے رہ گئے تھے؟ آخر کوئی بات تو ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کی تقریر جادو کا اثر رکھتی ہے۔ قوت فصاحت اور زورِ تقریر سے رنگ تو ایسا جمایا تھا کہ بڑے بڑوں کے قدم پھسل گئے ہوتے۔ قریب تھا کہ اس کی باتیں ہم کو ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دیتیں۔ وہ تو ہم پکے ہی ایسے تھے کہ برابر جمے رہے اور ان کی کسی بات کا اثر قبول نہ کیا۔ ورنہ یہ ہم سب کو کبھی کا گمراہ کر کے چھوڑتے۔ (العیاذ باللہ)

وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ

اور آگے جان لیں گے جس وقت دیکھیں گے عذاب

مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾

کہ کون بہت بچلا ہوا ہے راہ سے

عذاب آنکھیں کھول دے گا:

یعنی عذاب الٰہی کو آنکھوں سے دیکھیں گے تب ان کو پتہ لگے گا کہ واقع میں کون گمراہی پر تھا۔

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۭ اَفَاَنْتَ

بھلا دیکھ تو اُس شخص کو جس نے پوجنا اختیار کیا اپنی خواہش کو کہیں

تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿۴۳﴾

تو لے سکتا ہے اُس کا ذمہ

خواہش نفس کے بندے:

یعنی آپ ایسے ہوا پرستوں کو راہ ہدایت پر لے آنے کی کیا ذمہ داری کر سکتے ہیں جن کا معبود ہی محض خواہش ہو کہ جدھر خواہش لے گئی اُدھر ہی جھک پڑے جو بات خواہش کے موافق ہوئی قبول کر لی، جو مخالف ہوئی رد کر دی۔ آج ایک پتھر اچھا معلوم ہوا اُسے پوجنے لگے کل دوسرا اُس سے خوبصورت مل گیا پہلے کو چھوڑ کر اُس کے آگے سر جھکا دیا۔ (تفسیر عثمانی)

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اے پیغمبر آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی، جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے، یعنی اپنی خواہشات کا تابع ہو گیا۔ خواہشات پر ہی اس نے اپنے مذہب کی بنیاد رکھی (خواہشاتِ نفس کا پرستار ہو گیا) نہ کسی دلیل کو سنتا ہے نہ دیکھتا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباس نے آیت کا تفسیری مطلب اس طرح بیان کیا، کیا آپ اس شخص کو دیکھ رہے ہیں۔ جس نے اس اللہ کی عبادت تو ترک کر دی جو اس کا خالق ہے اور پتھروں کی طرف جھک گیا، ان کی پوجا کرنے لگا۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ جاہلیت میں عرب کی یہ حالت تھی کہ جہاں کسی سفید گول مول پتھر کو دیکھا اس کی ڈنڈوت کرنے لگے۔ اس سے اچھا کوئی نظر پڑ گیا اس کے سامنے جھک گئے۔ اور اول کو چھوڑ دیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ۭ

یا تو خیال رکھتا ہے کہ بہت سے اُن میں سنتے یا سمجھتے ہیں

اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾

اور کچھ نہیں وہ برابر ہیں چوپایوں کے بلکہ وہ زیادہ بہکے ہوئے ہیں راہ سے

چوپایوں سے بدتر انسان:

یعنی کیسی ہی نصیحتیں سنایئے، یہ تو چوپائے جانور ہیں بلکہ اُن سے بھی بدتر انہیں سننے یا سمجھنے سے کیا واسطہ چوپائے تو بہر حال اپنے پرورش کرنے والے مالک کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں۔ اپنے محسن کو پہچانتے ہیں۔ نافع و مضر کی کچھ شناخت رکھتے ہیں۔ کھلا چھوڑ دو تو اپنی چراگاہ اور پانی پینے کی جگہ پہنچ جاتے ہیں لیکن ان بدبختوں کا حال یہ ہے کہ نہ اپنے خالق و رازق کا حق پہچانا

نہ اس کے احسانات کو سمجھا نہ بھلے برے کی تمیز کی، نہ دوست دشمن میں فرق کیا، نہ غذائے روحانی اور چشمہ ہدایت کی طرف قدم اٹھایا۔ بلکہ اس سے کوسوں دور بھاگے اور جو قوتیں خدا تعالیٰ نے عطا کی تھیں ان کو معطل کئے رکھا بلکہ بے موقع صرف کیا۔ اگر ذرا بھی عقل وفہم سے کام لیتے تو اس کارخانہ قدرت میں بیشمار نشانیاں موجود تھیں جو نہایت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی توحید و تنزیہ اور اصول دین کی صداقت وحقانیت کی طرف رہبری کر رہی ہیں جن میں سے بعض نشانیوں کا ذکر آئندہ آیات میں کیا گیا ہے۔

یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ جانور اپنے خالق کو جانتے اور اس کے حکم کی اطاعت کرتے اور تسبیح وتحمید میں مشغول رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں اگرچہ ان کی قوت فہم کو عام لوگ نہیں سمجھتے۔

چوپایوں کا بولنا:

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص ایک بیل کو ہنکا کر لے جا رہا تھا (چلتے چلتے جب) تھک گیا تو بیل پر سوار ہو گیا۔ بیل نے کہا ہم کو اس کام کے لئے نہیں پیدا کیا گیا ہے، لوگوں نے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سن کر) کہا سبحان اللہ! بیل بھی (کہیں) بولتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا تو اس پر ایمان ہے اور ابوبکرؓ وعمرؓ کا بھی۔ اس وقت یہ دونوں حضرات وہاں موجود بھی نہیں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص اپنی بکریوں کے ساتھ تھا اچانک ایک بھیڑیئے نے ایک بکری پر حملہ کر دیا اور پکڑ لیا، بکریوں کا مالک جا پہنچا اور بکری کو چھڑایا، بھیڑیئے نے کہا، قیامت کے دن اس کی حمایت کون کرے گا جب کہ سوائے میرے اور کوئی اس کی نگرانی کرنے والا نہیں ہوگا لوگوں نے کہا سبحان اللہ (کیا) بھیڑیا بھی باتیں کرتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں تو اس پر ایمان رکھتا ہوں اور ابوبکرؓ وعمرؓ بھی۔ یہ دونوں حضرات وہاں موجود بھی نہیں تھے۔

فائدہ: ملائکہ میں روح اور عقل ہوتی ہے۔ اور چوپایوں میں نفس و خواہشات۔ آدمی سب کا مجموعہ ہے پس اگر آدمی کی نفسانیت اور خواہشات کا روحانیت (عقل پر غلبہ ہو جاتا ہے تو آدمی چوپایوں سے بھی زیادہ گمراہ ہو جاتا ہے اور اگر روحانیت کا نفس وخواہشات پر تسلط ہو جاتا ہے تو آدمی ملائکہ سے افضل ہو جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ

تو نے نہیں دیکھا اپنے رب کی طرف کیسے دراز کیا سایہ کو اور اگر چاہتا تو اس

سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ

کو ٹھہرا رکھتا پھر ہم نے مقرر کیا سورج کو اس کا راہ بتلانے والا پھر کھینچ لیا ہم

اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿۴۶﴾

نے اس کو اپنی طرف سہج سہج سمیٹ کر

دھوپ اور سائے کا نظام:

صبح سے طلوع شمس تک سب جگہ سایہ رہتا ہے اگر حق تعالیٰ سورج کو طلوع نہ ہونے دیتا تو یہی سایہ قائم رہتا، مگر اس نے اپنی قدرت سے سورج نکالا جس سے دھوپ پھیلنی شروع ہوئی اور سایہ بتدریج ایک طرف کو سمٹنے لگا۔ اگر دھوپ نہ آتی تو سایہ کو ہم سمجھ بھی نہ سکتے۔ کیونکہ ایک ضد کے آنے سے ہی دوسری ضد پہچانی جاتی ہے۔ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ الخ (قصص۔ رکوع ۷)

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اول ہر چیز کا سایہ لمبا پڑتا ہے۔ پھر جس طرف سورج چلتا ہے اس کے مقابل سایہ ہٹتا جاتا ہے جب تک کہ جڑ میں آ لگے۔ اپنی طرف کھینچ لیا کا یہ مطلب ہے کہ اپنی اصل کو جا لگتا ہے سب کی اصل اللہ ہے (موضح القرآن) پھر زوال کے بعد سے ایک طرف سے دھوپ سمٹنا شروع ہوتی ہے اور دوسری طرف سایہ لمبا ہونے لگتا ہے حتیٰ کہ آخر نہار میں دھوپ غائب ہو جاتی ہے۔ یہی مثال دنیا کی ہستی کی سمجھو۔ اول عدم تھا، پھر نور وجود میں آیا، پھر آخر کار کتم عدم میں چلی جائے گی۔ اور اسی جسمانی نور وظل کے سلسلہ پر روحانی نور وظلمت کو قیاس کر لو۔ اگر کفر و عصیان اور جہل وطغیان کی ظلمات میں آفتاب نبوۃ کی روشنی اللہ تعالیٰ نہ بھیجتا تو کسی کو معرفت صحیحہ کا راستہ ہاتھ نہ آتا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت قاضی ثناء اللہؒ کی تحقیق:

میرے نزدیک ان آیات کی تاویل دوسرے رنگ سے بھی کی جا سکتی ہے ظل سے مراد عالم مکان ہے عالم مکان کا وجود، خارجی ظلی ہے امکان مرتبہ وجوب کا ظل ہے شمس سے مراد ہیں اللہ کی صفات واسماء کے مراتب اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح عالم امکان کو ایجاد کیا اور اس کے وجود کو جو وجود واجب کا ظل ہے کس طرح ماہیات ممکنہ کی مختلف صورتوں پر پھیلا دیا اگر اللہ چاہتا تو سارے عالم امکان کے وجود کو ساکن مستقر اور ایک ہی حالت پر کر دیتا مگر اس نے ایسا نہیں چاہا بلکہ اس کو محل حوادث اور تغیرات وفناء کی آماجگاہ بنا دیا تاکہ وہ ذات واجب الوجود حقیقی کا محتاج رہے اور اس کی امکانی احتیاج نمودار ہو پھر ہم نے آفتاب کو اس کے لئے راہنما بنایا، یعنی جب اللہ کی صفات واسماء کا جلوہ صوفی کے دل پر پڑتا ہے اور قلبی بصیرت کے ذریعہ اس کو وجود حق تعالیٰ کا مشاہدہ ہوتا ہے تو اس وقت اس پر یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ تمام عالم امکان وجود حق تعالیٰ کا ظل ہے تجلیات و

مشاہدات سے پہلے وہ خیال کرتا ہے کہ عالم امکان کا بجائے خود کوئی وجود ہے لیکن صفاتی اور اسمائی نور پاشی کے بعد اس کا یہ خیال دور ہو جاتا ہے۔

پھر ہم اس کو دھیرے دھیرے سمیٹ لیتے ہیں یعنی صوفی کو رفتہ رفتہ اپنا مقرب بنا لیتے ہیں اور ہماری صفات و ذات کی بے کیف قربت اس کو حاصل ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا فرمان نقل کیا تھا۔ اللہ فرماتا ہے کہ نوافل کے ذریعہ میرا بندہ برابر میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ الحدیث

صوفیاء کا قول ہے جس کے دونوں دن برابر (ایک جیسے) ہوں وہ گھاٹے میں رہتا ہے (یعنی جو دوسرے دن پہلے دن سے زیادہ عروج حاصل نہ کرے وہ خسارے میں ہے) (تفسیر مظہری)

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ

اور وہی ہے جس نے بنا دیا تمہارے واسطے رات کو اوڑھنا اور نیند کو

سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾

آرام اور دن کو بنا دیا اٹھ نکلنے کے لئے

رات اور دن کا خالق:

یعنی رات کی تاریکی چادر کی طرح سب پر محیط ہو جاتی ہے جس میں لوگ کاروبار چھوڑ کر آرام کرتے ہیں، پھر دن کا اجالا ہوتا ہے تو نیند سے اٹھ کر ادھر اُدھر چلنے پھرنے لگ جاتے ہیں۔ اسی طرح موت کی نیند کے بعد قیامت کی صبح آئے گی جس میں سارا جہان دوبارہ اٹھ کھڑا ہو گا اور یہی حالت اُس وقت پیش آتی ہے جب انبیاء علیہم السلام وحی والہام کی روشنی سے دنیا میں اجالا کرتے ہیں، تو جہل وغفلت کی نیند سے سوئی ہوئی مخلوق ایک دم آنکھیں مل کر اٹھ بیٹھتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حسن تخلیق:

یہاں کئی چیزیں قابل غور ہیں اول یہ کہ نیند کا راحت ہونا بلکہ راحت کی جان ہونا تو ہر شخص جانتا ہے مگر انسانی فطرت یہ ہے کہ روشنی میں نیند آنا مشکل ہوتا ہے اور آ بھی جائے تو جلد آنکھ کھل جاتی ہے۔ حق تعالیٰ نے نیند کے مناسب رات کو تاریک بھی بنایا اور ٹھنڈا بھی۔ اسی طرح رات خود ایک نعمت ہے اور نیند دوسری نعمت، اور تیسری نعمت یہ ہے کہ سارے جہان کے انسانوں جانوروں کی نیند ایک ہی وقت رات میں جبری کر دی، ورنہ اگر ہر انسان کی نیند کے اوقات دوسرے انسان سے مختلف ہوتے تو جس وقت کچھ لوگ سونا چاہتے دوسرے لوگ کاموں میں مصروف اور شور شغب کا سبب بنے رہتے۔ اسی طرح جب دوسروں کے سونے کی باری آتی تو اس وقت کام کرنے والے چلنے پھرنے والے ان کی نیند میں خلل انداز ہوتے۔ اس کے علاوہ ہر انسان کی ہزاروں حاجتیں دوسرے انسانوں سے وابستہ ہوتی ہیں باہمی تعاون و تناصر اور کاموں میں بھی شدید حرج ہوتا کہ جس شخص سے آپ کو کام ہے اس کے سونے کا وقت ہے اور جب اُس کے جاگنے کا وقت آئے گا تو آپ کا سونے کا وقت ہوگا۔

اگر ان مقاصد کی تکمیل کے لئے کسی بین الاقوامی معاہدہ سے کام لیا جاتا کہ سب لوگ اپنے سونے کا وقت ایک ہی مقرر کر لیں، اول تو ایسا معاہدہ اربوں کروڑوں انسانوں میں ہونا آسان نہ تھا پھر اُس پر کار بند رکھنے کے لئے ہزاروں محکمے کھولنے پڑتے اس کے باوجود عام قانونی اور معاہداتی طریقوں سے طے ہونے والی چیزوں میں جو خلل ہر جگہ رشوت، رعایت وغیرہ کے سبب پایا جاتا ہے وہ پھر بھی باقی رہتا۔

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنی قدرت کاملہ سے نیند کا ایک وقت جبری طور پر مقرر کر دیا ہے کہ ہر انسان اور ہر جانور کو اُسی وقت نیند آتی ہے کبھی کسی ضرورت سے جاگنا بھی چاہے تو اُس کیلئے مشکل سے انتظام کر پاتا ہے۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (معارف مفتی اعظم)

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ

اور وہی ہے جس نے چلائیں ہوائیں خوشخبری لانے والیاں اُس کی رحمت سے آگے

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً

اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی پاکی حاصل کرنے کا کہ زندہ کر دیں اُس سے

مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾

مرے ہوئے دیس کو اور پلائیں اُس کو اپنے پیدا کئے ہوئے بہت سے چوپایوں اور آدمیوں کو

مردہ زمینوں کی زندگی کا نظام:

یعنی اول برساتی ہوائیں بارش کی خوشخبری لاتی ہیں، پھر آسمان کی طرف سے پانی برستا ہے جو خود پاک اور دوسروں کو پاک کرنے والا ہے۔ پانی پڑتے ہی مُردہ زمینوں میں جان پڑ جاتی ہے کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں جہاں خاک اُڑ رہی تھی وہاں سبزہ زار بن جاتا ہے۔ اور کتنے جانور اور آدمی بارش کا پانی پی کر سیراب ہوتے ہیں۔ اسی طرح قیامت کے دن ایک غیبی بارش کے ذریعہ مردہ جسموں کو جو خاک میں مل چکے تھے زندہ کر دیا جائے گا اور دنیا میں بھی اسی طرح جو دل جہل وعصیان کی موت سے مر چکے تھے وحی الٰہی کی آسمانی بارش ان کو زندہ کر دیتی ہے جو روحیں پلیدی میں پھنس کر تھیں روحانی

بارش کے پانی سے دھل کر پاک وصاف ہو جاتی ہیں اور معرفت و وصول الی اللہ کی پیاس رکھنے والے اسی کو پی کر سیراب ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

طہور کا معنی:

طہور وہ چیز جس سے پاکی حاصل ہوتی ہے جیسے سحور سحری کا کھانا۔ فطور افطار کی چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پاک مٹی مسلمان کو طاہر بنانے کی چیز ہے، جب تک پانی نہ پائے خواہ دس سال گزر جائیں رواہ احمد والبوداؤد والترمذی عن ابی ذر۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ساری زمین ہمارے لئے مسجد بنا دی گئی ہے اور زمین کی مٹی کو طہور (پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ) بنادیا گیا ہے۔

یا طہور قبول کی طرح مصدر ہے، مسلم وابوداؤد نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کے برتن میں اگر کتا منہ ڈال دے تو اس برتن کی پاکی یہ ہے کہ اس کو سات مرتبہ دھو ڈالے جن میں پہلی مرتبہ مٹی سے (مانجھے) اس صورت میں پانی کو طہور کہنا بطور مبالغہ کے ہوگا۔

نیند سے بیدار ہو کر پہلے ہاتھ دھوئے:

امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، اور اصحاب سنن اربعہ نے حضرت ابوداؤد کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو جائے تو بغیر تین مرتبہ ہاتھ دھوئے برتن میں ہرگز نہ ڈالے کیونکہ کسی کو نہیں معلوم کہ اس کا ہاتھ رات کو (سوتے میں) کہاں رہا۔ یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایت سے بھی آئی ہے۔

کثیر پانی: امام ابوحنیفہؒ نے کہا، جو شخص آب کثیر استعمال کر رہا ہے اگر اس کے غالب خیال میں پانی اتنا ہے کہ ایک طرف کی نجاست (کا اثر) دوسرے کنارے تک پہنچنے سے قاصر ہے تو ایسا پانی کثیر ہے ورنہ قلیل ہے۔

اللہ نے فرمایا ہے اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ارشاد گرامی ہے کہ پانچوں نمازیں (درمیانی اوقات کے گناہوں کے لئے) اور جمعہ کی نماز آئندہ جمعہ تک (کے گناہوں) کے لئے اور رمضان (آئندہ) رمضان تک (کے گناہوں) کے لئے کفارہ ہیں درمیانی (اوقات وایام کے) گناہوں کو اتار دینے والے ہیں بشرطیکہ آدمی کبیرہ گناہوں سے بچا رہے رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ۔

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے کسی اجنبی عورت کا بوسہ لے لیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا اظہار کر دیا، اس پر آیت وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ الی آخرہ نازل ہوئی۔ (متفق علیہ)

استعمال شدہ پانی:

آب مستعمل کو جو لوگ پاک کہتے ہیں ان کے قول کی تائید متعدد احادیث سے ہوتی ہے۔ حضرت جابر کا بیان ہے میں بیمار تھا، بیہوش پڑا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو تشریف لائے آکر وضو کیا اور وضو کا پانی میرے اوپر ڈالا، مجھے فوراً ہوش آ گیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے وارث نہ میرے ماں باپ ہیں نہ اولاد، اس پر آیت فرائض نازل ہوئی۔ متفق علیہ

حضرت سائب بن یزید کا بیان ہے مجھے میری خالہ رسول اللہ کی خدمت میں لے گئیں اور عرض کیا یہ میری بہن کا لڑکا دکھی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا کی، پھر وضو کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی میں نے پیا، متفق علیہ۔

حضرت مسور بن مخرمہ کی حدیث صلح حدیبیہ کے تذکرے کے ذیل میں آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کوئی تھوک تھوکا تو خدا کی قسم وہ (زمین پر گرنے کے بجائے) کسی آدمی کے ہاتھ پر لگا اور اس نے اس لعاب کو اپنے بدن اور چہرے پر مل لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو کرتے تھے (لوگ وضو کے پانی کو لینے کے لئے ٹوٹ پڑتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وضو کے پانی پر لڑ پڑیں گے۔ (رواہ البخاری)

رکا ہوا پانی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی ایسا نہ کرے کہ رکے ہوئے پانی میں جو جاری نہ ہو پیشاب کر کے پھر اسی سے وضو کرے۔ متفق علیہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی رکے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے۔ اس حدیث میں رکے ہوئے پانی میں غسل کرنے کی ممانعت فرمائی گئی اور اس ممانعت کی وجہ یا تو یہ ہے کہ وہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے یا یہ وجہ ہے کہ وہ مطہر نہیں رہتا استعمال کے بعد پانی کا نجس ہو جانا تو ناقابل تصور ہے صرف دوسری ہی شق باقی رہی یعنی وہ طاہر تو ہے مطہر نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں ممانعت تحریمی نہیں تنزیہی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا، اس سے وضو جائز ہے ہاں اگر کوئی جامد چیز آمیختہ ہو جائے جس سے پانی میں گاڑھا پن آ گیا یا پانی کے بیشتر اوصاف بدل گئے جیسے نبیذ کی حالت ہوتی ہے نبیذ خیسانده پانی میں کوئی چیز بھگوئی ہوئی یا حد خاص تک پکائی ہوئی یا کوئی سیال چیز ہی زیادہ مقدار میں پانی میں مل گئی ہو کہ اس کی مقدار کے مقابلے میں پانی کے اجزاء کم ہوں یا پانی کے اکثر اوصاف بدل گئے ہوں یا اس کو پانی میں پکایا گیا ہو جس کی وجہ سے پانی کی طبیعت ہی بدل گئی ہو جیسے شوربہ یا آب باقلی تو اس سے وضو جائز نہیں لیکن اگر آمیزش

سے پانی میں تھوڑا سا تغیر آ جائے تو کوئی حرج نہیں۔ ابن خزیمہ اور نسائی نے حضرت ام ہانی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت میمونہؓ نے ایک بڑے لگن سے غسل کیا جس میں گوندھے ہوئے آٹے کے آثار موجود تھے۔

میت کا غسل:

بخاری نے حضرت ام عطیہ انصاریہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کی وفات ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے تو فرمایا اس کو تین بار یا پانچ بار اس سے زیادہ بار جتنا مناسب سمجھو پانی اور بیری کے پتوں سے (یعنی بیری کے پتوں کے ساتھ گرم کئے ہوئے پانی سے غسل دینا اور آخری بار کچھ کافور شامل کر دینا یا فرمایا، کافور شامل کر دینا۔

بزار نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ثمامہ بن اثال مسلمان ہونے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ پانی اور بیری کے پتوں سے غسل کر لیں قیس بن عاصم کی حدیث میں بھی یہی آیا ہے کہ وہ مسلمان ہونے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل کرنے کا حکم دیا۔

ناپاک زمین کو پاک کرنا:

دار قطنی نے عبد الجبار کے طریق سے بروایت ابن حنیف از یحییٰ بن سعید بیان کیا کہ حضرت انسؓ نے فرمایا ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا، حضور گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس جگہ کو کھود دو (اور مٹی نکال کر) پھر اس جگہ ایک ڈول پانی بہا دو حافظ ابن حجر نے کہا، اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ لِیَذَّكَّرُوْا ۖ

اور طرح طرح سے تقسیم کیا ہم نے اس کو ان کے بیچ میں تا دھیان رکھیں

فَاَبٰۤی اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝۵۰

پھر بھی نہیں رہتے بہت لوگ بدون ناشکری کیے

آب پاشی کا نظام:

یعنی بارش کا پانی تمام زمینوں اور آدمیوں کو یکساں نہیں پہنچتا۔ بلکہ کہیں کم کہیں زیادہ کہیں جلد کہیں بدیر جس طرح اللہ کی حکمت مقتضی ہو پہنچتا رہتا ہے۔ تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کی تقسیم کسی قادر مختار و حکیم کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن بہت لوگ پھر بھی نہیں سمجھتے اور نعمت الٰہی کا شکر ادا نہیں کرتے۔ اُلٹے کفر اور ناشکری پر اتر آتے ہیں۔ یہی حال روحانی بارش کا ہے کہ جس کو اپنی استعداد اور ظرف کے موافق جتنا حصہ ملنا تھا مل گیا اور بہت سے اس نعمت عظمیٰ کا کفران ہی کرتے رہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ اور ہم نے پانی کو انسانوں میں گھمایا پھرایا کبھی ایک شہر میں کبھی دوسری بستی میں بارش کی۔ بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ کوئی سال ایسا نہیں ہوتا کہ دوسرے سال سے اس میں بارش زیادہ ہو بلکہ اللہ بارش کو زمین پر گھماتا رہتا ہے پھر آپ نے یہی آیت پڑھی ایک مرفوع روایت میں آیا ہے کہ کوئی ساعت ایسی نہیں ہوتی نہ رات میں نہ دن میں کہ ابر سے بارش نہ ہوتی ہو، اللہ بارش کا رُخ جس طرف چاہتا ہے پھیر دیتا ہے ابن اسحاق ابن جریج اور مقاتل نے حضرت ابن مسعودؓ تک اس قول کو پہنچایا ہے اور حضرت ابن مسعودؓ نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمایا ہے کہ کسی ایک سال دوسرے سال سے زیادہ بارش نہیں ہوتی لیکن اللہ نے رزق کی تقسیم کر دی ہے نچلے آسمان (یعنی بادل) میں بینہ (کا خزانہ) رکھ دیا ہے اور مخصوص ناپ تول کے ساتھ نیچے اتارتا ہے جب کوئی قوم گناہ کرتی ہے تو اللہ اس کی طرف سے بارش کا رُخ موڑ کر دوسروں کی طرف کر دیتا ہے۔ اور جب سب نافرمان ہو جاتے ہیں تو پھر بیابانوں اور دریاؤں کی طرف بارش کو موڑ دیا جاتا ہے۔

ناشکرے لوگ:

فَاَبٰۤی اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا لیکن اکثر لوگ بے ناشکری کئے نہیں رہے۔ یعنی جب اللہ نے بارش کی تو اکثر لوگوں نے ناشکری کی اور کہنے لگے یہ بارش تو فلاں ستارہ کی تاثیر سے ہوئی ہے، حضرت زید بن خالدؓ جہنی راوی ہیں کہ حدیبیہ میں رات کو بارش ہوئی جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد لوگوں کی طرف رخ پھیرا اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا، صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ نے فرمایا صبح کو میرے بندوں میں سے کچھ مجھ پر ایمان رکھنے والے ہوئے کچھ کافر (ہوئے) جن لوگوں نے کہا ہم پر اللہ کے فضل و رحمت سے بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان رکھنے والے ہیں اور ستاروں کے منکر اور جن لوگوں نے کہا فلاں ستارہ (کی تاثیر) سے ہم پر بارش ہوئی وہ میرے منکر ہو گئے اور ستاروں (کی تاثیر) پر یقین رکھنے والے۔ متفق علیہ (تفسیر مظہری)

بادل کے فرشتے:

ایک مُرسل حدیث ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے کہا کہ میں بادل کی نسبت کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا بادلوں پر جو فرشتہ مقرر ہے وہ یہ ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے جو چاہیں دریافت فرمالیں۔اس نے کہا یا رسول اللہ! ہمارے پاس تو خدا تعالیٰ کا حکم آتا ہے کہ فلاں فلاں شہر میں اتنے اتنے قطرے برساؤ، ہم تعمیل ارشاد کردیتے ہیں۔ بارش جیسی نعمت کے وقت اکثر لوگوں کے کفر کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے یہ بارش برسائے گئے چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ بارش برس چکنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! جانتے ہو تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول خوب جاننے والا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندوں میں سے بہت سے میرے ساتھ مؤمن ہوگئے اور بہت سے کافر ہوگئے۔

جنہوں نے کہا کہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ بارش ہم پر برسی ہے وہ تو میرے ساتھ ایمان رکھنے والے اور ستاروں سے کفر کرنے والے ہوئے اور جنہوں نے کہا کہ ہم پر فلاں فلاں تارے کے اثر سے پانی برسایا گیا وہ میرے ساتھ کافر ہوئے اور تاروں کے ساتھ مؤمن ہوئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

بارش ہر سال یکساں برستی ہے:

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ مطلب آیت کا یہ ہے کہ بارش کو ہم بدلتے اور پھیرتے رہتے ہیں کبھی ایک شہر میں کبھی دوسرے میں، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ جو لوگوں میں شہرت ہوتی ہے کہ اس سال بارش زیادہ ہے اس سال کم ہے یہ حقیقت کے اعتبار سے صحیح نہیں بلکہ بارش کا پانی تو ہر سال اللہ تعالیٰ کی طرف سے یکساں نازل ہوتا ہے البتہ بحکم الٰہی یہ ہوتا رہتا ہے کہ اس کی مقدار کسی شہر بستی میں زیادہ کردی کسی میں کم کردی۔ بعض اوقات کمی کرکے کسی بستی کے لوگوں کو سزا دینا اور متنبہ کرنا ہوتا ہے اور بعض اوقات زیادتی بھی عذاب بن جاتی ہے تو یہی پانی جو خالص رحمت ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور نافرمانی کرتے ہیں ان کے لئے اسی کو عذاب اور سزا بنادیا جاتا ہے۔ (معارف القرآن)

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿٥١﴾ فَلَا
اور اگر ہم چاہتے تو اٹھاتے ہر بستی میں کوئی ڈرانے والا سو تو
تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿٥٢﴾
کہنا مت مان منکروں کا اور مقابلہ کر ان کا اس کے ساتھ بڑے زور سے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم زور وشور سے منکرین کا مقابلہ کرتے رہیں

یعنی نبی کا آنا تعجب کی چیز نہیں اللہ چاہے تو اب بھی نبیوں کی کثرت کردے کہ ہر بستی میں علیحدہ نبی ہو۔ مگر اس کو منظور یہی یہ ہوا کہ اب آخر میں سارے جہان کے لئے اکیلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجے۔ سو آپ کافروں کے احمقانہ طعن وتشنیع اور سفیہانہ نکتہ چینیوں کی طرف التفات نہ فرمائیں۔ اپنا کام پوری قوت اور جوش سے انجام دیتے رہیں اور قرآن ہاتھ میں لے کر ان منکرین کا مقابلہ زور وشور کے ساتھ کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کرنے والا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ختم نبوت کی حکمت:

یعنی اس طرح آپ کے اوپر سے تبلیغ کا بار ہلکا ہوجاتا لیکن آپ کو عظمت عطا کرنے اور آپ کی شان بلند کرنے کے لئے ہم نے سب لوگوں کے لئے تنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور تمام پیغمبروں پر آپ کو فضیلت عطا کی۔

نذیر سے مراد ہے پیغمبر جو بستی والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائے۔

کافروں کی طرف نہ جھکیں:

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا سو اس نعمت کے شکر یہ میں آپ کافروں کی خوشی کا کام نہ کیجئے اور قرآن سے بڑے زور شور سے ان کا مقابلہ کیجئے۔

یعنی کافر جس طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاتے ہیں آپ ان کا کہنا نہ مانیں ان کی موافقت نہ کریں نہ اس چیز میں ان سے رواداری کا سلوک کریں بلکہ ہماری نعمت کا شکر ادا کریں کہ ہم نے سب لوگوں کے لئے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے آپ اپنی دعوت اور اظہار حق پر ثابت قدم رہیں اور اللہ کی مدد توفیق یا قرآن کے ذریعہ سے یا کافروں کی مخالفت کرکے۔ ان سے جہاد عظیم کریں دل سے بھی اور زبان سے بھی اور تلوار سے بھی (جیسا موقع ہو ویسا جہاد کیجئے) مراد یہ ہے کہ کافر ابطال حق کی کوشش کرتے ہیں آپ ان کے مقابلہ میں ہر طرح اظہار حق اور حمایت حق کی کوشش کریں۔ (تفسیر مظہری)

وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ
اور وہی ہے جس نے ملے ہوئے چلائے دو دریا یہ میٹھا ہے پیاس بجھانے والا
وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا
اور یہ کھاری کڑوا اور رکھا اُن دونوں کے بیچ پردہ
وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿٥٣﴾
اور آڑ روکی ہوئی

میٹھا وکڑوا پانی ایک ساتھ:

بیان القرآن میں دو معتبر بنگالی علماء کی شہادت نقل کی ہے کہ ارکان سے چاٹگام تک دریا کی شان یہ ہے کہ اس کی دو جانبیں بالکل الگ الگ نوعیت

کے دو دریا نظر آتے ہیں ایک کا پانی سفید ہے، ایک کا سیاہ، سیاہ میں سمندر کی طرح طوفانی تلاطم اور تموج ہوتا ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے کشتی سفید میں چلتی ہے اور دونوں کے بیچ میں ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے جو دونوں کا ملتقی ہے لوگ کہتے ہیں کہ سفید پانی میٹھا ہے اور سیاہ کڑوا۔ اور مجھ سے باریسال کے بعض طلبہ نے بیان کیا کہ ضلع باریسال میں دو ندیاں ہیں جو ایک ہی دریا سے نکلی ہیں۔ ایک کا پانی کھاری بالکل کڑوا اور ایک کا نہایت شیریں اور لذیذ ہے یہاں گجرات میں راقم الحروف جس جگہ آج کل مقیم ہے ڈابھیل ملک ضلع سورت سمندر تقریباً دس بارہ میل کے فاصلہ پر ہے ادھر کی ندیوں میں برابر مد و جزر (جوار بھاٹا) ہوتا رہتا ہے۔ بکثرت ثقات نے بیان کیا کہ مد کے وقت جب سمندر کا پانی ندی میں آجاتا ہے لیکن اس وقت بھی دونوں پانی مختلط نہیں ہوتے۔ اوپر کھاری رہتا ہے نیچے میٹھا، جزر کے وقت اوپر سے کھاری اتر جاتا اور میٹھا جوں کا توں باقی رہ جاتا ہے واللہ اعلم۔ ان شواہد کو دیکھتے ہوئے آیت کا مطلب بالکل واضح ہے یعنی خدا کی قدرت دیکھو کہ کھاری اور میٹھے دونوں دریاؤں کے پانی کہیں نہ کہیں مل جانے کے باوجود بھی کس طرح ایک دوسرے سے ممتاز رہتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں دریا الگ الگ اپنے اپنے مجریٰ میں چلائے اور دونوں زور لگا کر درمیان سے زمین کو ہٹا دیتے اور اس کی ہستی کو تباہ کر دیتے، پھر دونوں میں ہر ایک کا جو مزہ ہے وہ اسی کے لئے لازم ہے۔ یہ نہیں کہ میٹھا دریا کھاری یا کھاری میٹھا بن جائے۔ گویا باعتبار اوصاف کے ہر ایک دوسرے سے بالکل الگ رہنا چاہتا ہے۔ وقیل غیر ذلک والراجح عندی ہوالاول۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

میٹھا اور کھاری پانی اللہ کی عظیم نعمت:

بعض ٹھہرے ہوئے سمندروں کا پانی کھاری اور بدمزہ ہوتا ہے۔ اللہ کی اس نعمت پر بھی شکر کرنا چاہئے کہ اس نے میٹھے پانی کی چوطرف ریل پیل کر دی کہ لوگوں کو نہانے دھونے اور اپنے کھیت اور باغات کو پانی دینے میں آسانی رہے۔ مشرقوں اور مغربوں میں محیط سمندر کھاری پانی کے اس نے بہا دیئے جو ٹھہرے ہوئے ہیں ادھر اُدھر بہتے نہیں۔ لیکن موجیں مار رہے ہیں تلاطم کر رہے ہیں۔ بعض میں مد و جزر ہے۔ ہر مہینے کی ابتدائی تاریخوں میں تو ان میں زیادتی اور بہاؤ ہوتا ہے پھر چاند کے گھٹنے کے ساتھ وہ گھٹتا جاتا ہے یہاں تک کہ آخر میں اپنی حالت پر آجاتا ہے پھر جہاں چاند چڑھا یہ بھی چڑھنے لگا چودہ تاریخ تک برابر چاند کے ساتھ چڑھتا رہا پھر اُترنا شروع ہوا۔ ان تمام سمندروں کو اسی خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے وہ پوری اور زبردست قدرت والا ہے۔ کھاری اور گرم پانی گو پینے کے کام نہیں آتا لیکن ہواؤں کو صاف کر دیتا ہے جس سے انسانی زندگی ہلاکت میں نہ پڑے اس میں جو جانور مر جاتے ہیں ان کی بدبو دنیا والوں کو ستا نہیں سکتی اور کھاری پانی کے سبب سے اس کی ہوا صحت بخش اور اس کا مزہ پاک طیب ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب سمندر کے پانی کی نسبت سوال ہوا کہ کیا ہم اس سے وضو کر لیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حِجْرًا مَّحْجُوْرًا﴾ پردہ سخت روک کہ کوئی اپنی حد سے آگے نہیں بڑھتا، اور نمکین سمندر، میٹھے سمندر کو بگاڑ نہیں سکتا۔ بیضاوی نے لکھا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باہر سے کسی چیز نے داخل ہو کر سمندر کو بیچ سے پھاڑ دیا ہے اور اس طرح یہ دخیل (دھارا) میلوں تک گھستا چلا جاتا ہے اور اس کے مزے میں فرق نہیں۔ (تفسیر مظہری)

اللہ کی قدرت کا عظیم کرشمہ:

مرادان دو دریاؤں سے وہ مواقع ہیں جہاں شیریں ندیاں اور نہریں بہتے سمندر میں آ کر گری ہیں وہاں باوجود اس کے کہ اوپر سے دونوں کا سطح ایک معلوم ہوتا ہے لیکن قدرتِ الٰہیہ سے ان میں ایک ایسی حد فاصل ہے کہ ملتقیٰ کے ایک جانب سے پانی لیا جائے تو شیریں اور دوسری جانب سے جو کہ جانب اول سے بالکل قریب ہے پانی لیا جائے تو تلخ۔ دُنیا میں جہاں جس جگہ شیریں پانی کی نہریں چشمے سمندر کے پانی میں گرتے ہیں وہاں اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ میلوں دُور تک میٹھا اور کھاری پانی الگ الگ چلتے ہیں، دائیں طرف میٹھا بائیں طرف تلخ کھاری یا اوپر نیچے شیریں اور تلخ پانی الگ الگ پائے جاتے ہیں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ بیان القرآن میں دو معتبر بنگالی علماء کی شہادت نقل کی ہے کہ ارکان سے چاٹگام تک دریا کی شان یہ ہے کہ اس کی دو جانبیں بالکل الگ الگ نوعیت کے دو دریا نظر آتے ہیں ایک کا پانی سفید ہے اور ایک کا سیاہ، سیاہ میں سمندر کی طرح طوفانی تلاطم اور تموج ہوتا ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے کشتی سفید میں چلتی ہے اور دونوں کے بیچ میں ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے جو دونوں کا ملتقی ہے لوگ کہتے ہیں کہ سفید پانی میٹھا ہے اور سیاہ کڑوا۔ اھ، اور مجھ سے باریسال کے بعض طلباء نے بیان کیا کہ ضلع باریسال میں دو ندیاں ہیں جو ایک ہی دریا سے نکلی ہیں ایک کا پانی کھاری بالکل کڑوا اور ایک کا نہایت شیریں اور لذیذ ہے۔ یہاں گجرات میں راقم الحروف جس جگہ آج کل مقیم ہے (ڈابھیل سملک ضلع سورت) سمندر وہاں سے تقریباً دس بارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ ادھر کی ندیوں میں برابر مد و جزر (جوار بھاٹا) ہوتا رہتا ہے بکثرت ثقات نے بیان کیا کہ مد کے وقت جب سمندر کا پانی ندی میں آجاتا ہے تو میٹھے پانی کی سطح پر کھاری پانی بہت زور سے چڑھ جاتا ہے لیکن اس وقت بھی دونوں پانی مختلط نہیں ہوتے۔ اوپر

کھاری رہتا ہے نیچے میٹھا جزر کے وقت اوپر سے کھاری اُتر جاتا ہے اور میٹھا جوں کا توں میٹھا باقی رہ جاتا ہے واللہ اعلم ۔ ان شواہد کو دیکھتے ہوئے آیت کا مطلب بالکل واضح ہے یعنی خدا کی قدرت دیکھو کہ کھاری اور میٹھے دونوں دریاؤں کے پانی کہیں نہ کہیں مل جانے کے باوجود بھی کس طرح ایک دوسرے سے ممتاز رہتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا
اور وہی ہے جس نے بنایا پانی سے آدمی پھر ٹھہرایا اُس کے لئے جد اور سسرال
وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ﴿۵۴﴾ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ
اور تیرا رب سب کچھ کر سکتا ہے اور پوجتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر
مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ وَكَانَ الْكَافِرُ
وہ چیز جو نہ بھلا کرے اُن کا نہ بُرا اور ہے کافر
عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا ﴿۵۵﴾
اپنے رب کی طرف سے پیٹھ پھیر رہا

ایک قطرۂ آب سے انسان کی پیدائش:

دیکھ لو اکس طرح اپنی قدرت کاملہ سے ایک قطرۂ آب کو عاقل و کامل آدمی بنا دیا۔ پھر آگے اُس سے نسلیں چلائیں اور دامادی اور سسرال کے تعلقات قائم کئے ۔ ایک ناچیز قطرہ کو کیا سے کیا کر دیا اور کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ لیکن یہ حضرت تھوڑی ہی دیر میں اپنی اصل کو بھول گئے اور اس رب قدیر کو چھوڑ کر عاجز مخلوق کو خدا کہنے لگے۔ اپنے پروردگار کا حق تو کیا پہچانتے اُس سے منہ موڑ کر اور پیٹھ پھیر کر شیطان کی فوج میں جا شامل ہوئے۔ تا کہ اغواء واضلال کے مشن میں اس کی مدد کریں اور مخلوق کو گمراہ کرنے میں اس کا ہاتھ بٹائیں۔ نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ
اور تجھ کو ہم نے بھیجا یہی خوشی اور ڈر سنانے کے لئے تو کہہ میں نہیں مانگتا
عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ
تم سے اس پر کچھ مزدوری مگر جو کوئی چاہے کہ پکڑ لے
إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿۵۷﴾
اپنے رب کی طرف راہ

پیغمبر کا کام:

یعنی آپ کا کام خدا تعالیٰ کی وفاداری پر بشارات سنانا اور غداروں کو خراب نتائج و عواقب سے آگاہ کر دینا ہے۔ آگے کوئی مانے یا نہ مانے آپ کو کچھ نقصان نہیں۔ آپ ان سے کچھ فیس یا مزدوری تھوڑی طلب کر رہے تھے کہ ان کے نہ ماننے سے اس کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔ آپ تو ان سے صرف اتنا ہی چاہتے ہیں کہ جو کوئی چاہے خدا کی توفیق پا کر اپنے رب کا راستہ پکڑے۔ اسی کو چاہو فیس کہہ لو یا مزدوری۔ (تفسیر عثمانی)

رسالت کا اجر: اللہ کے امر ونواہی کی تعمیل کے لئے اللہ کے رسول کی اطاعت کو اجر رسالت قرار دیا کیونکہ رسالت کا اصل مقصد ہی یہ ہے اس کے علاوہ ہر اجر تبلیغ کی نفی کر دی تا کہ کسی کو شبہ کرنے کا موقع ہی باقی نہ رہے۔ شاید کوئی سرپھرا یہ خیال کرنے لگتا کہ اللہ کی طرف احکام کو منسوب کر کے یہ اپنی اطاعت تحصیل زر ومال کے لئے کرانا چاہتے ہیں اور ہم سے معاوضہ مالی کے طلب گار ہیں، ہر قسم کے معاوضہ مالی کی طلب کی ممانعت کر کے اس وہم کی بیخ کنی کر دی، پھر اس طرز ادا میں انتہائی شفقت کا اظہار بھی ہے کافروں کے لئے جو بات فائدہ رساں تھی اس کو اپنے لئے سود مند ظاہر کیا اور بتا دیا کہ تم لوگوں کا اس راستہ پر چلنا ہی میری خدمت رسالت کا پورا معاوضہ ہے اس طریق بیان سے اس امر پر تنبیہ بھی ہوگئی کہ امت کی اطاعت کا فائدہ مآل کے اعتبار سے رسول کی طرف لوٹے گا چونکہ رسول کی راہنمائی سے امت ہدایت یاب ہوئی ہے اس لئے (راہنمائی کا اور) ہدایت یاب ہونے کا ثواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے گا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیکی کا راستہ بتانے والا بھی نیکی کرنے والے کی طرح ہے یہ حدیث بزار نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت سہل بن سعد اور حضرت ابو مسعودؓ کی روایت سے اور امام احمد نیز صحاح ستہ کے مؤلفین نے اور ضیاء نے کچھ زیادتی کے ساتھ حضرت بریدہؓ کی روایت سے اور ابن ابی الدنیا نے قضاء الحوائج میں حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔ ضیاء نے اتنا ٹکڑا حدیث کا اور نقل کیا ہے کہ اللہ مصیبت زدہ کی فریاد رسی کو پسند فرماتا ہے۔ مسلم نے حضرت جریر کی روایت سے ایک طویل حدیث کے ذیل میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ قائم کیا اس کو اس طریقے پر چلنے کا ثواب ملے گا اور ان لوگوں کے عمل کا بھی ثواب ملے گا جو اس طریقہ پر چلیں گے مگر اس سے ان عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ
اور بھروسہ کر اوپر اُس زندہ کے جو نہیں مرتا

اللہ کے سوا کسی کے بھروسہ کی ضرورت نہیں:
یعنی آپ تنہا خدا پر بھروسہ کر کے اپنا فرض (تبلیغ ودعوت وغیرہ) ادا کئے جایئے۔ کسی کی مخالفت یا موافقت کی پرواہ نہ کریں۔ فانی چیزوں کا کیا سہارا۔ سہارا تو اسی کا ہے جو ہمیشہ زندہ رہے کبھی نہ مرے۔ (تفسیر عثمانی)

وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۚ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۸﴾

اور یاد کر اس کی خوبیاں اور وہ کافی ہے اپنے بندوں کے گناہوں سے خبردار

یعنی اسی پر توکل رکھیے اور اسی کی عبادت اور حمد وثنا کرتے رہیے۔ ان مجرموں سے وہ خود نمٹ لے گا۔

اور جب تیرا پروردگار حی لایموت ہے تو سمجھ لے کہ اس کی مدد بھی دائم ہوگی جس پر کبھی موت نہیں آئے گی جس زندہ پر بھی بھروسہ کیا جائے اس کے مرنے کے بعد سہارا باقی نہیں رہتا مگر خداوند ذو الجلال حي لايموت ہے آپ کے کسی دشمن میں یہ طاقت نہیں کہ اس سہارے کو ختم کر سکے اور آپ ان کی دشمنی کی وجہ سے پریشان نہ ہوں۔ اطمینان کے ساتھ اللہ کی تسبیح میں لگے رہئے اور سبحانک اللهم وبحمدک یا سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم پڑھتے رہئے اللہ کے ذکر اور تسبیح کی یہ خاصیت ہے کہ اس سے قلب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اور دل کی پریشانی دور ہوتی ہے لہذا آپ تبلیغ بھی کرتے رہیے اور تسبیح بھی پڑھتے رہیے اور ان دشمنوں کی دشمنی کی پرواہ نہ کیجئے۔ (معارف کاندھلوی)

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا

جس نے بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ اُن کے بیچ میں ہے

فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ

چھ دن میں پھر قائم ہوا عرش پر

اس کا بیان سورۂ اعراف میں گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۹﴾

وہ بڑی رحمت والا سو پوچھ اُس سے جو اس کی خبر رکھتا ہو

اللہ کی قدر جاننے والے:
یعنی اللہ تعالیٰ کی شانوں اور رحمتوں کو کسی جاننے والے سے پوچھو۔ یہ جاہل مشرک اُسے کیا جانیں وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اپنی شئون وکمالات کا پوری طرح جاننے والا تو خدا ہی ہے اَنْتَ كما اثنيت عَلٰى نَفْسِكَ لیکن مخلوق میں سب سے بڑے جاننے والے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی ذات گرامی میں حق تعالیٰ نے اولین وآخرین کے تمام علوم جمع کر دیے، خدا تعالیٰ کی شانوں کو کوئی اُن سے پوچھے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا

اور جب کہیے اُن سے سجدہ کرو رحمٰن کو کہیں

وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾

رحمٰن کیا ہے کیا سجدہ کرنے لگیں ہم جس کو تو فرمائے اور بڑھ جاتا ہے اُن کا بدکنا

بے قدرے لوگ: یعنی یہ جاہل مشرک رحمان کی عظمتِ شان کو کیا سمجھ سکتے ہیں جن کو اس نام سے بھی چڑ ہے۔ جب یہ نام سنتے ہیں تو انتہائی جہل یا بیحیائی اور تعنت سے ناواقف بن کر کہتے ہیں کہ رحمان کون ہے، جس کو ہم سے سجدہ کراتا ہے کیا محض تیرے کہہ دینے سے ایسی بات مان لیں؟ بس تم نے ایک نام لے دیا اور ہم سجدہ میں گر پڑے غرض جس قدر انہیں رحمان کی اطاعت وانقیاد کی طرف توجہ دلایئے اُسی قدر زیادہ بدکتے اور بھاگتے ہیں۔

سجدہ فقط اللہ کو ہے:
ایک مرسل حدیث میں ہے کہ مدینہ طیبہ کی کسی گلی میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سلمان! مجھے سجدہ نہ کر سجدے کے لائق وہ ہے جو ہمیشہ کی زندگی والا ہے جس پر کبھی موت نہیں (ابن ابی حاتم) اور اس کی تسبیح وحمد بیان کرتا رہ۔ (تفسیر ابن کثیر)

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا

بڑی برکت ہے اس کی جس نے بنائے آسمان میں بُرج

آسمان کے بُرج:
یعنی بڑے بڑے ستارے، یا آسمانی قلعے جن میں فرشتے پہرہ دیتے ہیں۔ یا ممکن ہے سورج کی بارہ منزلیں مُراد ہوں جو اہل ہیئت نے بیان کی ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ آسمان کے بارہ حصے، اُن کا نام بُرج، ہر ایک پر ستاروں کا پتہ، یہ حدیں رکھی ہیں حساب کو۔ (موضح) (تفسیر عثمانی)

حضرت علی اور ابن عباس اور محمد بن کعب اور ابراہیم نخعی اور سلیمان بن مہران اعمش سے منقول ہے کہ یہ پہرہ دینے والے فرشتوں کے ٹھکانے ہیں۔ دیکھو (تفسیر ابن کثیر)

اور بعض کہتے ہیں کہ بروج سے آسمان کی وہ بارہ منزلیں مراد ہیں جو اہل ہیئت بیان کرتے ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد جس کو لیث بھی کہتے ہیں۔ سنبلہ۔ میزان۔ عقرب۔ قوس۔ جدی۔ دلو۔ حوت۔

آسمان میں ستاروں کے اجتماع سے مختلف صورتیں پیدا ہوگئیں۔ کہیں شیر کی اور کہیں ترازو کی اور کہیں بچھو کی کہیں مچھلی کی۔ اور آفتاب جب ایک برج سے دوسرے برج میں جاتا ہے تو موسم بدل جاتا ہے یہ بھی خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اس لئے وہ ان ناموں سے موسوم ہوئے، حکماء نے آسمان کو خیالی طور پر اس طرح تقسیم کیا ہے کہ جس طرح خربوزہ کی قاشیں ہوتی ہیں اور اس نام کے ساتھ اس کو نامزد کیا کہ جو صورت اس میں نمودار ہوئی۔ (معارف کاندھلوی)

موسموں کی تبدیلی کا نظام:

ہر شخص مشاہدہ سے دیکھتا اور سمجھتا ہے کہ شمس وقمر اور دوسرے ستاروں کے کبھی سامنے آنے اور کبھی غائب ہو جانے سے نیز چاند کے گھٹنے بڑھنے سے اور رات دن کے انقلاب سے پھر مختلف موسموں اور مختلف خطوں میں دن رات کے گھٹنے بڑھنے کے عجیب وغریب نظام سے جس میں ہزاروں سال سے کبھی ایک منٹ ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آتا، ان سب اُمور سے ایک ادنیٰ عقل وبصیرت رکھنے والا انسان یہ یقین کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ سب کچھ حکیمانہ نظام یوں ہی خود بخود نہیں چل رہا کوئی اس کو بنانے چلانے والا اور باقی رکھنے والا ہے اور اتنا سمجھنے کے لئے انسان کو نہ کسی فلسفی تحقیق اور آلات رصدیہ وغیرہ کی حاجت پڑتی ہے نہ قرآن نے اس کی طرف دعوت دی۔ قرآن کی دعوت صرف اُسی حد تک ان چیزوں میں غور وفکر کی ہے جو عام مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ انکشافات اس کی واضح دلیل ہیں کہ کسی نظریہ اور تحقیق کو یقینی اور آخری نہیں کہا جا سکتا۔ انسانی ضرورت سے متعلقہ تمام فنون، فلکیات، کائنات فضاء ابر وباراں، خلاء، طبقات الارض، پھر زمین پر پیدا ہونے والی مخلوقات، جمادات نباتات حیوانات سے اور عالم انسان اور انسانی علوم وفنون، تجارت، زراعت صنعت وغیرہ ان سب میں سے قرآن حکیم صرف اُن کی روح اور مشاہداتی حصہ کو اسقدر لیتا ہے جس سے انسان کی دینی یا دُنیوی ضرورت متعلق ہے، دور از کار تحقیقات کی دلدل میں انسان کو نہیں پھنساتا البتہ کہیں کہیں کسی خاص مسئلے کی طرف اشارہ یا صراحت بھی پائی جاتی ہے۔

تفسیر قرآن میں سائنسی نظریات کی موافقت یا مخالفت کا صحیح معیار

علماء اہلِ حق قدیم وجدید اس پر متفق ہیں کہ ان مسائل کے متعلق جو بات قرآن کریم سے یقینی طور پر ثابت ہے۔ اگر کوئی قدیم یا جدید نظریہ اُس سے مختلف ہو تو اس کی وجہ سے قرآنی آیات میں کھینچ تان اور تاویل جائز نہیں، اس نظریہ ہی کو مغالط قرار دیا جائے گا، البتہ جن مسائل میں قرآن کریم کی کوئی تصریح موجود نہیں الفاظ قرآنی میں دونوں معنے کی گنجائش ہے وہاں اگر مشاہدات اور تجربے سے کسی ایک نظریہ کو قوت حاصل ہو جائے تو آیتِ قرآن کو بھی اسی معنی پر محمول کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ جیسے اسی آیت جعل فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا میں ہے کہ قرآن کریم نے اس بارہ میں کوئی واضح فیصلہ نہیں دیا کہ ستارے آسمان کے اندر ہیں یا باہر فضائے آسمانی میں ہیں۔

فیثاغورس کی تحقیق کی تائید:

آج کل جبکہ خلائی تجربات نے یہ ثابت کر دیا کہ ان سیارات تک پہنچا جا سکتا ہے تو اس سے فیثاغورسی نظریہ کی تائید ہوگئی کہ ستارے آسمانوں میں پیوست نہیں کیونکہ قرآنِ کریم اور احادیث صریحہ کی تصریحات کی رُو سے آسمان ایک ایسا حصار ہے جس میں دروازے ہیں اور دروازوں پر فرشتوں کا پہرہ ہے اُن میں ہر شخص داخل نہیں ہو سکتا۔ اس مشاہدے اور تجربے کی بناء پر آیت مذکورہ کا یہ مفہوم قرار دیا جائے گا کہ کواکب کو فضائے آسمانی میں پیدا کیا گیا ہے اور یہ کوئی تاویل نہیں بلکہ دو مفہوم میں سے ایک کی تعیین ہے۔

غلط دعویٰ: لیکن اگر کوئی سرے سے آسمانوں کے وجود کا انکار کرے جیسے بعض ہئیت جدید والے کہتے ہیں یا کوئی یہ دعویٰ کرے کہ راکٹوں اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ آسمانوں کے اندر داخلہ ہو سکتا ہے تو از روئے قرآن اُس دعوے کو غلط قرار دیا جائے گا کیونکہ قرآن کریم نے متعدد آیات میں یہ بات واضح طور پر بتلائی ہے کہ آسمانوں میں دروازے ہیں اور وہ دروازے خاص خاص حالات میں کھولے جاتے ہیں ان دروازوں پر فرشتوں کا پہرہ مسلط ہے۔ آسمانوں میں داخلہ ہر شخص کا جب چاہے نہیں ہو سکتا، اس دعوے کی وجہ سے اُن آیات میں کوئی تاویل نہیں کی جائے گی اور اس دعوے کو غلط قرار دیا جائے گا۔

اسی طرح جبکہ قرآن کریم کی آیت كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ سے ستاروں کا حرکت کرنا ثابت ہے۔

علامہ آلوسیؒ کا تجزیہ:

زمانۂ حال کے سب سے بڑے مفسر قرآن سید محمود آلوسی بغدادی جن کی تفسیر روح المعانی علماءِ سلف کی تفاسیر کا بہترین خلاصہ اور عرب وعجم مشرق ومغرب میں مقبول ومستند تفسیر ہے۔

اُن کے پوتے علامہ سید محمود شکری آلوسی نے ان مسائل پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے **مادل علیه القرآن هما یعضد الهیئة الجدیدة القویمة البرهان** جس میں ہئیت جدیدہ کے نظریات کی تائید قرآن کریم کی روشنی میں کی گئی ہے مگر دوسرے تجدد پسند علماء کی طرح قرآنی آیات میں کسی قسم کی تاویل کو روا نہیں رکھا۔ اُن کے چند جملے اس جگہ نقل کر دینا کافی ہیں جو ہئیتِ جدیدہ کی تائید میں لکھے ہیں وہ فرماتے ہیں۔

میں نے ہیئت جدیدہ کے بہت سے قواعد کو دیکھا ہے وہ قرآن وسنت کی نصوص کے خلاف نہیں۔ اور اس کے باوجود اگر وہ قرآن وسنت کی کسی نص کے خلاف ہو تو ہم اس کی طرف رُخ نہ کریں گے اور قرآن وسنت کی نصوص میں اس کی وجہ سے تاویل نہ کریں گے کیونکہ ایسی تاویل سلف صالحین کے مذہب مقبول میں نہیں ہے بلکہ ہم اُس وقت یہ کہیں گے کہ جو نظریہ قرآن و سنت کے خلاف ہے اس میں ہی کوئی خلل ہے کیونکہ عقل سلیم اور نقل صحیح میں کبھی اختلاف نہیں ہوتا بلکہ ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔

علم فلکیات کی تاریخ:

فلکیات اور ستاروں، سیاروں کی حرکات اور ہیئات کے متعلق بحث و تحقیق کوئی نیا فن نہیں، ہزاروں سال پہلے سے ان مسائل پر تحقیقات کا سلسلہ جاری ہے۔ مصر، شام، ہند، چین وغیرہ میں ان فنون کا چرچا قدیم زمانہ سے چلا آ رہا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام سے پانسو سال پہلے اس فن کا بڑا معلم فیثا غورس گزرا ہے جو اطالیہ کے مدرسہ کوتونا میں باقاعدہ اس کی تعلیم دیتا تھا، اس کے بعد میلادِ مسیح علیہ السلام سے تقریباً ایکسو چالیس سال پہلے اس فن کا دوسرا محقق بطلیموس رومی آیا اور اسی زمانے میں ایک دوسرے فلاسفر ہیئر خوس کی شہرت ہوئی جس نے زاویئے ناپنے کے آلات ایجاد کئے۔

فیثا غورس اور بطلیموس کے نظریات ہیئتِ افلاک کے متعلق بالکل ایک دوسرے سے متضاد تھے۔ بطلیموس کو اپنے زمانے کی حکومت اور عوام کا تعاون حاصل ہوا۔ اس کا نظریہ اتنا پھیلا کہ فیثا غورس کا نظریہ گوشۂ گمنامی میں جا پڑا، اور جب یونانی فلسفہ کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا تو یہی بطلیموس کا نظریہ ان کتابوں میں منتقل ہوا اور اہل علم میں عام طور سے یہی نظریہ جانا پہچانا گیا۔ بہت سے مفسرین نے آیات قرآنیہ کی تفسیر میں بھی یہ نظریہ سامنے رکھ کر کلام کیا۔

گیارہویں صدی ہجری اور پندرہویں صدی عیسوی جس میں اقوام یورپ کی ترقی کا آغاز ہوا اور یورپین محققین نے ان مسائل پر کام کرنا شروع کیا جن میں سب سے پہلے کوپرنک پھر جرمنی مین کیلر اور اطالیہ میں گلیلیو وغیرہ کے نام آتے ہیں انہوں نے ازسرنو ان مباحث کا جائزہ لیا، یہ سب اس پر متفق ہو گئے کہ ہیئت افلاک کے متعلق بطلیموسی نظریہ غلط اور فیثا غورس کا نظریہ صحیح ہے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی اور تیرہویں صدی ہجری میں اسحٰق نیوٹن کی شہرت ہوئی، اس کی تحقیقات وایجادات نے اس کو مزید تقویت پہنچائی، اس نے یہ تحقیق کی کہ وزنی چیزیں اگر ہوا میں چھوڑی جائیں تو ان کے زمین پر آ گرنے کا سبب وہ نہیں جو بطلیموسی نظریہ میں بتلایا گیا ہے کہ زمین کے وسط میں مرکزِ عالم ہے اور تمام وزنی چیزیں مرکز کی طرف فطرۃً رجوع کرتی ہیں بلکہ اُس نے بتلایا کہ جتنے ستارے اور سیارات ہیں سب میں ایک جذب وکشش کا مادہ ہے زمین بھی اسی طرح کا ایک سیارہ ہے اس میں بھی کشش ہے۔ جس حد تک زمین کی کشش کا اثر رہتا ہے وہاں سے ہر وزنی چیز زمین پر آئے گی لیکن اگر کوئی چیز اس کی کشش کے دائرہ سے باہر نکل جائے تو وہ پھر نیچے نہیں آئے گی۔

ابوریحان البیرونی کی تحقیقاتِ پر راکٹ کی ایجاد:

حال میں روسی اور امریکی ماہرین نے قدیم اسلامی فلاسفر ابوریحان محمد البیرونی کی تحقیقات کی امداد سے راکٹ وغیرہ ایجاد کر کے اس کا عملی تجربہ اور مشاہدہ کرلیا کہ راکٹ جب اپنی شدید قوت اور تیز رفتاری کے سبب زمین کی کشش کو توڑ کر اس کے دائرہ سے باہر نکل گیا تو پھر یہ نیچے نہیں آتا بلکہ ایک مصنوعی سیارے کی صورت اختیار کر لیتا اور اپنے مدار پر چکر لگاتا ہے۔ پھر ان مصنوعی سیاروں کا تجربہ کرتے کرتے اس کے ماہرین نے سیارات تک پہنچنے کی تدبیریں شروع کیں اور بالآخر چاند پر پہنچ گئے جس کی تصدیق اس زمانے کے تمام ماہرین فن موافق ومخالف نے کی اور اب تک چاند پر بار بار جانے وہاں کے پتھر، خاک وغیرہ لانے اور اس کے فوٹو مہیا کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ دوسرے سیارات تک پہنچنے کی بھی کوششیں ہو رہی ہیں اور خلانوردی خلا پیمائی کی مشقیں جاری ہیں۔

خلائی سفر:

ان میں سے امریکن خلانورد جان گلین جو کامیابی کے ساتھ خلا کا سفر کر کے واپس آیا اور اس کی کامیابی پر اس کے موافق ومخالف سبھی نے اعتماد کیا، اس کا ایک بیان امریکہ کے مشہور ماہنامہ ریڈرز ڈائجسٹ میں اور اس کا اُردو ترجمہ امریکہ کے اُردو ماہنامہ سیربین میں مفصل شائع ہوا ہے یہاں اس کے اہم اقتباسات ماہنامہ سیربین سے نقل کئے جاتے ہیں جن سے ہمارے زیر بحث مسئلہ پر کافی روشنی پڑتی ہے جان گلین نے اپنے طویل مقالہ میں خلاء کے عجائب کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''یہی وہ ایک واحد شئی ہے جو خلاء میں خدا کے وجود پر دلالت کرتی ہے، اور یہ کہ کوئی طاقت ہے جو ان سب کو مرکز ومحور سے وابستہ رکھتی ہے۔'' آگے لکھا ہے کہ: ''اُس کے باوجود خلا میں پہلے ہی سے جو عمل جاری ہے اُس کو دیکھتے ہوئے ہماری کوششیں انتہائی حقیر ہیں۔ سائنسی اصطلاحات و پیمانوں میں خلائی پیمائش ناممکن ہے۔''

قطب نما کے پس پردہ قوت:

آگے ہوائی جہاز کی مشینی قوت کا تذکرہ کر کے لکھا ہے کہ:

''لیکن ایک یقینی اور غیر محسوس قوت کے بغیر اس کا استعمال بھی محدود اور بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے اس لئے کہ جہاز کو اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے تعین رُخ کی حاجت ہوتی ہے اور یہ کام قطب نما سے لیا جاتا ہے۔ وہ قوت جو

قطب نما کو متحرک رکھتی ہے ہمارے تمام حواس خمسہ کے لئے ایک کھلا چیلنج ہے اسے نہ ہم دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ چھو سکتے ہیں نہ چکھ سکتے ہیں نہ سونگھ سکتے ہیں حالانکہ نتائج کا ظہور اس پر واضح دلالت کر رہا ہوتا ہے کہ یہاں کوئی پوشیدہ قوت ضرور موجود ہے۔''

آگے سب سیر و سفر کے نتیجہ کے طور پر لکھتا ہے:

''عیسائیت کے اُصول و نظریات کی حقیقت بھی ٹھیک یہی کچھ ہے۔ اگر ہم ان کو اپنا رہنما بنائیں تو باوجود یہ کہ ہمارے حواس ان کے ادراک سے عاجز ہوتے ہیں لیکن اس رہنما قوت کے نتائج و تاثرات اپنے اور اپنے دوسرے بھائیوں کی زندگیوں میں کھلی آنکھوں دیکھیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم جانتے ہیں اور اس بنا پر کہتے ہیں کہ اس کائنات میں ایک رہنما قوت موجود ہے۔''

یہ ہیں خلاء کے مسافروں اور سیارات پر کمند پھینکنے والوں کی کمائی کے حاصلات۔

نظام کائنات کا پیغام:

بس حاصل اُتنی بات ہوئی کہ یہ سب نظامِ کائنات اور نجوم و سیارات خود بخود نہیں، بلکہ کسی عظیم اور غیر محسوس طاقت کے زیر فرمان چل رہے ہیں۔ یہی وہ بات ہے جس کو انبیاء علیہم السلام نے پہلے قدم پر عام انسانوں کو بتلا دیا تھا اور قرآن کریم کی بیشمار آیات میں اسی چیز کا یقین دلانے کے لئے آسمان زمین، نجوم و سیارات وغیرہ کے حالات پر غور و فکر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

آپ نے دیکھ لیا کہ جس طرح زمین میں بیٹھ کر آسمانی فضاؤں اور نجوم و سیارات کی تحقیقات و ہیئات پر فلسفیانہ بحثیں کرنے والے ان چیزوں کی حقیقت تک نہ پہنچ سکے اور بالآخر اپنے عجز و بے بسی کا اعتراف کیا، اسی طرح یہ زمین سے لاکھوں میل اُوپر کا سفر کرنے والے اور چاند کے پتھر اور مٹی اور وہاں کے فوٹو لانے والے بھی حقیقت شناسی کے میدان میں کچھ اس سے آگے نہ بڑھ سکے۔

بزرگانِ سلف نے یہ نصیحت فرمائی

زباں تازہ کردن باقرارِ تو نینگیختن علت از کارِ تو

مہندس لبے جوید از رازِ شاں نداند کہ چوں کردی آغازِ شاں

صوفیائے کرام جو نظر کشفی سے ان چیزوں کو دیکھتے ہیں ان کا فیصلہ بھی انجام کار وہی ہے جو شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔

چہ شبہا نشستم دریں سیر گم کہ حیرت گرفت آستینم کہ قُم

حافظ شیرازی نے اپنی لے میں فرمایا۔

سخن از مطرب ومی گوئی وراز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود ونکشاید بحکمت ایں معمارا

اس تمام تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ کائنات افلاک و فضاء اور کائنات ارضی میں غور و فکر اس حیثیت سے کہ اُن سے پیدا کرنے والے کے وجود اور توحید اور اس کی بے مثال علم و قدرت پر استدلال کیا جا سکے عین مقصودِ قرآنی ہے اور قرآن جا بجا اس کی دعوت دے رہا ہے۔

تجربات و مشاہدات سے کوئی چیز ثابت ہو جائے تو اس کو قرآن کے منافی کہنا بھی صحیح نہیں۔ چاند کے اوپر پہنچنا، رہنا بسنا اور وہاں کی معدنیات وغیرہ سے نفع اُٹھانا وغیرہ سب اس میں داخل ہیں ان میں سے کوئی چیز مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہو جائے تو اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں اور جب تک ثابت نہ ہو خواہ مخواہ اس کے تصورات باندھنا اور اس میں عمر عزیز کے اوقات صرف کرنا بھی کوئی دانشمندی نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

وَّجَعَلَ فِيهَا سِرٰجًا
اور رکھا اس میں چراغ

آسمان کا چراغ:

یعنی سورج، شاید نور و حرارت کے جمع ہونے اور صفت احراق رکھنے کی وجہ سے اس کو چراغ فرمایا وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا (نوح۔ رکوع ا)

وَّقَمَرًا مُّنِيرًا ۝ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً
اور چاند اُجالا کرنے والا اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن بدلتے بدلتے

رات و دن کا نظام:

گھٹنے بڑھنے یا آنے جانے کو بدلنا سدلنا فرمایا، یا یہ مطلب ہے کہ ایک کو دوسرے کا بدل بنایا ہے مثلاً دن کا کام رہ گیا، رات کو کر لیا اور رات کا وظیفہ رہ گیا، دن میں پورا کر دیا۔ کما ورد فی الحدیث۔ (تفسیر عثمانی)

خِلْفَةً یعنی رات اور دن میں سے ہر ایک دوسرے کا قائم مقام ہو جاتا ہے، اسی لئے اگر کسی سے دن یا رات کا کوئی عمل فوت ہو گیا ہو تو دن کے عمل کو رات میں اور رات کے عمل کو دن میں ادا کر سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ کی فراست:

بغوی نے لکھا ہے کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا آج میری رات کی نماز فوت ہو گئی حضرت عمرؓ نے فرمایا رات کو جو نماز فوت ہو گئی اس کو دن میں (پورا) کر لو۔ اللہ نے فرمایا ہے

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَن يَذَّكَّرَ

حسن راوی ہیں کہ ایک بار حضرت عمرؓ نے چاشت کی نماز بہت طویل کر دی کسی نے دریافت کیا آج آپ نے وہ بات کی جو اس سے پہلے آپ نہیں کرتے تھے فرمایا میرا رات کا کچھ وظیفہ آج رہ گیا تھا میں اس کو پورا کرنا چاہتا

تھا۔ یا فرمایا۔ میں نے اس کو ادا کرنا چاہا، اس کے بعد آپ نے آیت وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً تلاوت فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾
اس شخص کے واسطے کہ چاہے دھیان رکھنا یا چاہے شکر کرنا

بدلتے حالات کا سبق:

یعنی چاند، سورج وغیرہ کا اُلٹ پھیر اور رات دن کا ادل بدل اس لئے ہے اُس میں دھیان کر کے لوگ خداوند قدیر کی معرفت کا سُراغ لگائیں کہ یہ سب تصرفات وتقلبات عظیمہ اُسی کے دستِ قدرت کی کارسازیاں ہیں۔ اور رات دن کے فوائد وانعامات کو دیکھ کر اُس کی شکرگزاری کی طرف متوجہ ہوں۔ چنانچہ رحمٰن کے مخلص بندے جن کا ذکر آگے آتا ہے، ایسا ہی کرتے ہیں۔

صحیح حدیث شریف میں ہے، اللہ تعالیٰ رات کو اپنے ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن کا گنہگار توبہ کرلے اور دن کو ہاتھ پھیلاتا ہے کہ رات کا گنہگار توبہ کرلے۔

خلفة کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ مختلف یعنی دن روشن رات تاریک اس میں اُجالا اس میں اندھیرا یہ نورانی وہ ظلماتی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا
اور بندے رحمٰن کے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں

اللہ کے سچے بندے:

یعنی مشرکین کی طرح رحمان کا نام سن کر ناک بھوں نہیں چڑھاتے بلکہ ہر فعل وقول سے بندگی کا اظہار کرتے ہیں۔ اُن کی چال ڈھال سے تواضع، متانت، خاکساری اور بے تکلفی ٹپکتی ہے متکبروں کی طرح زمین پر اکڑ کر نہیں چلتے۔ یہ مطلب نہیں کہ ریاء وتصنع سے بیماروں کی طرح قدم اُٹھاتے ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو رفتار احادیث میں منقول ہے، اس کی تائید نہیں کرتی۔ (تفسیر عثمانی)

یا یہ مقصود ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جو رحمٰن کی عبادت میں ڈوبے ہوئے ہیں (گویا حقیقت میں یہ ہی اللہ کی بندگی کرنے والے ہیں) اس صورت میں عباد عابد کی جمع ہے جیسے تجار تاجر کی جمع ہے۔ اللہ کے دوسرے نام اس جگہ ذکر نہیں کئے صرف الرحمٰن کا ذکر کیا اس میں اشارہ ہے کہ اللہ نے ان سے اپنی رحمت کاملہ کا وعدہ کرلیا ہے اور یہ بھی مخلوقِ خدا پر کامل طور پر مہربان ہیں (جب رحمان کے پرستار ہیں تو خود بھی ان کا رحیم ہونا ضروری ہے)

یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا یعنی تواضع اور فروتنی کے ساتھ پروقار پر سکون چال سے چلتے ہیں ان کی چال میں نہ غرور ہے نہ اترانا۔ لغت میں ہَون کا معنی ہے نرمی، صاحب قاموس نے ہَون کا معنی لکھا ہے وقار (سنجیدگی) یہی معنی مراد ہیں اس قولِ رسول میں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، مؤمن نرم رفتار اور پروقار ہوتا ہے اتنا کہ انتہائی نرمی کی وجہ سے تم اس کو احمق خیال کرنے لگتے ہو۔ رواہ البیہقی بسند ضعیف عن ابی ہریرہؓ۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عمرؓ نے ایک نوجوان کو اکڑ کر چلتے دیکھا فرمایا جس چال میں غرور ہو وہ بُری ہے سوائے جہاد کے (جب دشمنوں کا مقابلہ ہو) اللہ نے کچھ لوگوں کی تعریف کی ہے اور فرمایا ہے وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ ـــــ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا تک۔ پس تو اپنی چال میں درمیانی صورت اختیار کر۔ (نہ زیادہ جھک کر چل نہ اکڑ کر)

یہاں ان مخصوص بندوں کو اپنا بندہ فرما کر ان کو اعزازی لقب دینا تھا مگر اپنی طرف نسبت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے سب اسماءِ حسنیٰ اور صفات کمال میں سے اس جگہ لفظ رحمٰن کا انتخاب شاید اس لئے کیا گیا کہ مقبولین کی عادات وصفات اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کی ترجمان اور مظہر ہونا چاہئیں اس کی طرف اشارہ کرنا منظور ہے۔

مقبول بندوں کی مخصوص صفات وعلامات:

آیات مذکورہ میں اللہ کے مخصوص اور مقبول بندوں کی تیرہ صفات و علامات کا ذکر آیا ہے جن میں عقائد کی درستی اور اپنے ذاتی اعمال میں خواہ وہ بدن سے متعلق ہوں یا مال سے، سب میں اللہ و رسول کے احکام اور مرضی کی پابندی۔ دوسرے انسانوں کے ساتھ معاشرت اور تعلقات کی نوعیت، رات دن کی عبادت گزاری کے ساتھ خوفِ خدا۔ تمام گناہوں سے بچنے کا اہتمام اور اپنے ساتھ اپنی اولاد وازواج کی اصلاح کی فکر وغیرہ شامل ہیں۔

ان کا سب سے پہلا وصف عباد ہونا ہے عباد عبد کی جمع ہے عبد کا ترجمہ ہے بندہ جو اپنے آقا کا مملوک ہو، اس کا وجود اور اس کے تمام اختیارات و اعمال آقا کے حکم ومرضی پر دائر ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا بندہ کہلانے کا مستحق وہی شخص ہوسکتا ہے جو اپنے عقائد وخیالات کو اور اپنے ہر ارادے اور خواہش کو اور اپنی ہر حرکت وسکون کو اپنے رب کے حکم او رمرضی کے تابع رکھے ہر وقت گوش برآواز رہے کہ جس کام کا حکم ہو وہ بجالاؤں۔

دوسری صفت یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا یعنی چلتے ہیں وہ زمین پر تواضع کے ساتھ لفظ ہَون کا مفہوم اس جگہ سکینت ووقار اور تواضع ہے کہ اکڑ کر نہ چلے، قدم متکبرانہ انداز سے نہ رکھے بہت آہستہ چلنا مراد نہیں، کیونکہ وہ بلاضرورت ہو تو خلافِ سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے کی جو صفت شمائل نبویہ میں منقول ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا چلنا بہت آہستہ نہیں بلکہ کسی قدر تیزی کے ساتھ تھا۔ حدیث میں ہے **کانما الارض تطوی لهٗ** یعنی آپ ایسا چلتے تھے کہ گویا زمین آپ کے لئے سمٹی ہے (ابن

کثیر) اسی لئے سلف صالحین نے تبرکلف مریضوں کی طرح آہستہ چلنے کو علامت تکبر وتصنع ہونے کے سبب مکروہ قرار دیا ہے۔ فاروق اعظمؓ نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ بہت آہستہ چل رہا ہے، پوچھا، کیا تم بیمار ہو۔ اس نے کہا نہیں، تو آپ نے اس پر دُرہ اٹھایا اور حکم دیا کہ قوت کے ساتھ چلا کرو (ابن کثیر)

حضرت حسن بصریؒ نے اس آیت يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا کی تفسیر میں فرمایا کہ مؤمنین مخلصین کے تمام اعضاء وجوارح آنکھ، کان، ہاتھ پاؤں سب اللہ کے سامنے ذلیل و عاجز ہوتے ہیں ناواقف اُن کو دیکھ کر معذور عاجز سمجھتا ہے حالانکہ نہ وہ بیمار ہیں نہ معذور بلکہ تندرست قوی ہیں مگر اُن پر حق تعالیٰ کا خوف ایسا طاری ہے جو دوسروں پر نہیں ہے۔ اُن کو دنیا کے دھندوں سے آخرت کی فکر نے روکا ہوا ہے۔ اور جو شخص اللہ پر بھروسہ نہیں کرتا اور اس کی ساری فکر دُنیا ہی کے کاموں میں لگی رہتی ہے تو وہ ہمیشہ حسرت ہی حسرت میں رہتا ہے (کہ دنیا تو ساری ملتی نہیں اور آخرت میں اُس نے حصہ نہیں لیا) اور جس شخص نے اللہ کی نعمت صرف کھانے پینے کی ہی چیزوں کو سمجھا ہے اور اعلیٰ اخلاق کی طرف دھیان نہیں دیا، اُس کا علم بہت تھوڑا ہے اور عذاب اُس کے لئے تیار ہے۔ (از ابن کثیر ملخصاً)

بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی گواہی کو اکبر کبائر فرمایا ہے۔

وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾

اور جب بات کرنے لگیں اُن سے بے سمجھ لوگ تو کہیں صاحب سلامت

جاہلوں سے سلوک: یعنی کم عقل اور بے ادب لوگوں کی بات کا جواب عفو و صلح سے دیتے ہیں۔ جب کوئی جہالت کی گفتگو کرے تو ملائم بات اور صاحب سلامت کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں۔ ایسوں سے منہ نہیں لگتے۔ نہ اُن میں شامل ہوں نہ اُن سے لڑیں۔ اُن کا شیوہ وہ نہیں جو جاہلیت میں کسی نے کہا تھا ؎

اَلا لا یَجْهَلَنْ اَحَدٌ عَلَیْنا   فَنَجْهَلَ فَوْقَ جَهْلِ الْجَاهِلِیْنا

یہ تو رحمان کے ان مخلص بندوں کا دن تھا، آگے رات کی کیفیت بیان فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مروی ہے کہ حسن بصری نے یہ آیت پڑھی تو فرمایا یہ تو ان کی دن کی حالت ہوتی ہے (اور رات میں حالت وہ ہوتی ہے جو آئندہ آیت میں بیان کی گئی ہے (تفسیر مظہری)

وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ﴿۶۴﴾

اور وہ لوگ جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدہ میں اور کھڑے

رات کی عبادت گذاری:

یعنی رات کو جب غافل بندے نیند اور آرام کے مزے لوٹتے ہیں، یہ خدا کے آگے کھڑے اور سجدہ میں پڑے ہوئے گزارتے ہیں۔ رکوع چونکہ قیام وسجود کے درمیان واقع ہے، شاید اسی لئے اس کو علیحدہ ذکر نہیں کیا۔ گویا ان ہی دونوں کے بیچ میں آ گیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا اور وہ لوگ جو رات کو اپنے رب کے سامنے سجدے کرتے اور کھڑے رہتے ہیں۔

حسن نے فرمایا، یہ حالت ان کی رات کو ہوتی ہے، عبادت کے لئے رات کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے کیا کہ رات کی عبادت زیادہ دشوار ہوتی ہے ریاکاری کا بھی اس میں شائبہ نہیں ہوتا خضوع قلب اور زبان سے دل کی موافقت خوب ہوتی ہے اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دن دوسری قسم کی عبادتوں کے لئے مخصوص ہے (جو عام طور پر رات کو ادا نہیں کی جا سکتیں) مثلاً اللہ کی راہ میں جہاد اور کسی ملامت گر کی ملامت کا اندیشہ نہ کرنا تعلیم و تعلم اور ہدایت کرنے اور ہدایت پانے کے لئے نیک لوگوں اور بزرگوں کی صحبت (وغیرہ)

رات کی نماز کی فضیلت:

سُجَّدًا ساجد کی جمع ہے اور قیام قائم کی یا قیام مصدر بمعنی اسم فاعل ہے، نماز شب (کی فضیلت) کے متعلق حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت کے سردار حاملین قرآن اور نماز شب ادا کرنے والے ہیں۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے، میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات میں پڑھی جانے والی نماز ہے۔ رواہ احمد۔

حضرت ابوامامہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیام شب کا التزام کرو یہ گزشتہ صلحاء کی عادت جاریہ ہے رب سے قربت حاصل کرنے گناہوں کو ساقط کرنے اور (آئندہ) گناہ سے روکنے کا ذریعہ ہے۔ رواہ الترمذی۔

حضرت ابوسعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تین چیزیں ہیں جن کی طرف دیکھ کر اللہ ہنستا (یعنی اظہار پسندیدگی فرماتا) ہے۔ (۱) اس آدمی کو دیکھ کر جو رات میں اُٹھ کر نماز پڑھتا ہے۔ (۲) ان لوگوں کو دیکھ کر جو نماز میں صف بند ہوتے ہیں۔ (۳) ان لوگوں کو دیکھ کر جو دشمن کے مقابلے میں لڑنے کے لئے صفیں قائم رکھتے ہیں۔ (رواہ البغوی فی شرح السنۃ)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جس نے عشاء (کی نماز) کے بعد دو رکعتیں یا اس سے زیادہ پڑھ لیں (تو گویا) اس نے رات بھر اللہ کے سامنے سجدہ اور قیام میں گزاری، حضرت عثمان بن عفانؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لی تو ایسا ہو گیا جیسے اس نے آدھی رات قیام کیا۔ رواہ مسلم واحمد (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ

اور وہ لوگ کہ کہتے ہیں اے رب ہٹا ہم سے دوزخ کا عذاب

جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ

بیشک اُس کا عذاب چمٹنے والا ہے وہ بُری جگہ ہے

مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٦٦﴾

ٹھہرنے کی اور بُری جگہ رہنے کی

خوفِ آخرت:

یعنی اتنی عبادت پر اتنا خوف بھی ہے۔ یہ نہیں کہ تہجد کی آٹھ رکعت پڑھ کر خدا کے عذاب وقہر سے بےفکر ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

اپنے عملوں پر بھروسہ نہ کر بیٹھو:

حضرت علیؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے انبیاء بنی اسرائیل میں سے ایک نبی (یعنی حضرت داؤد) کے پاس وحی بھیجی کہ اپنی امت کے اطاعت گزار بندوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں کیونکہ قیامت کے دن حساب فہمی کے وقت میں جس بندے کو کھڑا کروں گا اور اس کو عذاب دینا چاہوں گا تو (بتقاضاء عدل) اس کو عذاب دوں گا اور میرے نافرمان بندوں سے کہہ دو کہ وہ خود اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالیں (یعنی مغفرت سے ناامید نہ ہوں) کیونکہ میں بڑے بڑے گناہ (اگر چاہوں گا تو اپنی رحمت سے) بخش دوں گا اور مجھے پروا نہیں ہے (نہ کسی کو عذاب دینے نہ بخش دینے کی) رواہ ابونعیم (تفسیر مظہری)

جہنم کے گڑھے:

حضرت عُبید ابن عُمیر فرماتے ہیں کہ جہنم میں گڑھے ہیں کنوؤں جیسے ان میں سانپ ہیں جیسے بختی اُونٹ اور بچھو ہیں جیسے خچر جب کسی جہنمی کو جہنم میں ڈالا جاتا ہے تو وہاں سے نکل کر آتے اور انہیں لپٹ جاتے ہیں ہونٹوں پر سروں پر جسم کے اور حصوں پر ڈستے اور ڈنک مارتے ہیں جس سے ان کے سارے بدن میں زہر پھیل جاتا ہے اور پھکنے لگتے ہیں۔ سارے سر کی کھال جھلس کر گر پڑتی ہے پھر وہ سانپ چلے جاتے ہیں۔

جہنمیوں کی آہ وزاری:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جہنمی ایک ہزار سال تک جہنم میں چلاتا رہے گا۔ یا حنّان یا منّان تب اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل سے فرمائے گا جاؤ دیکھو یہ کیا کہہ رہا ہے۔ حضرت جبرئیل آ کر دیکھیں گے کہ سب جہنمی بُرے حال سر جھکائے آہ وزاری کر رہے ہیں جا کر جناب باری تعالیٰ میں خبر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا پھر جاؤ فلاں فلاں جگہ یہ شخص ہے جاؤ اور اسے لے آؤ۔ آپ بحکم خدا تعالیٰ جائیں گے اور اسے لا کر خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس سے دریافت فرمائے گا کہ تو کیسی جگہ ہے؟ یہ جواب دے گا کہ خدایا ٹھہرنے کی بھی بُری جگہ اور سونے بیٹھنے کی بھی بدترین جگہ ہے۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا اچھا اب اسے اس کی جگہ واپس کر آؤ۔ تو یہ گڑگڑائے گا عرض کرے گا کہ اے میرے ارحم الراحمین خدا! جب کہ تو نے مجھے اس سے باہر نکالا تو تیری ذات ایسی نہیں کہ پھر مجھے اس میں داخل کر دے مجھے تو تجھ سے رحم وکرم کی ہی اُمید ہے۔ خدایا بس اب مجھ پر کرم فرما۔ جب تو نے مجھے جہنم سے نکالا تو میں خوش ہو گیا تھا کہ اب تو اس میں نہ ڈالے گا۔ اس مالک ورحمٰن ورحیم خدا کو بھی رحم آ جائے گا اور فرمائے گا اچھا میرے بندے کو چھوڑ دو۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا

اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرنے لگیں نہ بے جا اڑائیں اور نہ تنگی کریں

وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾

اور ہے اس کے بیچ ایک سیدھی گزران

خرچ میں میانہ روی:

یعنی موقع دیکھ بھال کر میانہ روی کے ساتھ خرچ کرتے ہیں۔ نہ مال کی محبت نہ اُس کی اضاعت۔ کما قال تعالیٰ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ (بنی اسرائیل۔ رکوع ۳) (تفسیر عثمانی)

مسند احمد میں فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ اپنی گزران میں میانہ روی کرنا انسان کی سمجھداری کی دلیل ہے اور حدیث میں ہے جو افراط تفریط سے بچتا ہے وہ کبھی فقیر محتاج نہیں ہوتا۔ بزار کی حدیث میں ہے کہ امیری میں فقیری میں عبادت میں درمیانہ روی بڑی ہی بہتر اور احسن چیز ہے۔ امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ راہِ خدا میں کتنا ہی چاہو دو اس کا نام اسراف نہیں ہے۔ حضرت ایاس بن معاویہؒ فرماتے ہیں جہاں کہیں تو حکم خدا تعالیٰ سے آگے بڑھ جائے وہی اسراف ہے اور بزرگوں کا قول ہے کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ اسراف ہے۔

صحابہ کرام کے کھانے پینے کا مقصد:

صحابہ کرامؓ مزے اور لذت کے لئے کھانا نہیں کھاتے تھے نہ آرائش و زیبائش کے لئے لباس پہنتے تھے بلکہ کھانا کھانے سے ان کا مقصد تھا بھوک کو دور کرنا اور عبادت رب کے لئے قوت حاصل کرنا اسی طرح لباس سے ان کی

غرض تھی تا قابل ستر حصہ بدن کو چھپانا اور سردی گرمی سے جسم کی حفاظت کرنی۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا یہ بھی اسراف ہے کہ آدمی کو جو چیز پسند آئے وہ خرید ے۔ (از مفسر رحمہ اللہ) (تفسیر مظہری)

محتاجی سے تحفظ:

ایک دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماعال من اقتصد، یعنی جو شخص خرچ میں میانہ روی اور اعتدال پر قائم رہتا ہے وہ کبھی فقیر محتاج نہیں ہوتا۔ (رواہ الامام احمد۔ ابن کثیر)

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ

اور وہ لوگ کہ نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ دوسرے حاکم کو

وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ

اور نہیں خون کرتے جان کا جو منع کر دی اللہ نے مگر جہاں چاہیے

مثلاً قتل عمد کے بدلہ قتل کرنا، یا بدکاری کی سزا میں زانی محصن کو سنگسار کرنا، یا جو شخص دین چھوڑ کر جماعت سے علیحدہ ہو جائے اس کو مار ڈالنا۔ یہ سب صورتیں الا بالحق میں شامل ہیں۔ کما ورد فی الحدیث۔

وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾

اور بدکاری نہیں کرتے اور جو کوئی کرے یہ کام وہ جا پڑا گناہ میں ☆

اثام: یعنی بڑا سخت گناہ کیا جس کی سزا مل کر رہے گی بعض روایات میں آیا کہ ”آثام“ جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس میں بہت ہی ہولناک عذاب بیان کئے گئے ہیں۔ اعاذنا اللہ عنہا۔ (تفسیر عثمانی)

سب سے بڑا گناہ: شیخین نے صحیحین میں حضرت ابن مسعود کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابن مسعود نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا سب سے بڑا کون سا گناہ ہے فرمایا، اللہ کی مثل دوسرے کو قرار دینا حالانکہ اللہ نے ہی تم کو پیدا کیا ہے میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے، فرمایا اس خوف سے اپنی اولاد کو قتل کر دینا کہ وہ تمہارے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائے گی، میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے فرمایا، اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا۔

ابن جریر، طبرانی اور بیہقی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی پتھر جس کا وزن دس اوقیہ ہو جہنم کے کنارہ سے (اندر کی طرف) پھینکا جائے تو ستر برس میں غی و اثام تک پہنچے گا۔ راوی کا بیان ہے میں نے عرض کیا غی اور اثام کیا ہیں فرمایا، جہنم کی تلی میں دو نہریں ہیں جن کے اندر دوزخیوں کا کچ لہو بہہ کر جاتا ہے انہی دونوں کا ذکر اللہ نے اپنی کتاب میں کیا ہے اور فرمایا ہے؛ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ... وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا (تفسیر مظہری)

فنائے قلب کا مقام:

میں کہتا ہوں آیت وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ سے شاید فناء قلب کی طرف اشارہ ہے، فناء قلب کے بعد آدمی سوائے خدا کے کسی چیز کا قصد نہیں کرتا، اللہ کے سوا اس کو نہ کسی سے کوئی امید رہتی ہے نہ خوف، اللہ ہی اس کا مقصود ہو جاتا ہے اور جو مقصود ہوتا ہے وہی معبود ہوتا ہے بلکہ اس کو اللہ کے سوا کوئی چیز موجود ہی نہیں دکھائی دیتی کیونکہ حقیقی وجود اللہ کا ہے دوسری چیزوں کا حقیقی وجود نہیں (بلکہ وجود حقیقی کا ایک پرتو اور سایہ ہے) صرف اللہ ہی کا اصل وجود ہے، ذات الٰہی کا تقاضا ہے وجود۔

يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾

دونا ہوگا اس کو عذاب قیامت کے دن اور پڑا رہے گا اس میں خوار ہو کر

یعنی اور گناہوں سے یہ گناہ بڑے ہیں۔ عذاب بھی ان پر بڑا ہوگا اور دم بدم بڑھتا رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ

مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کیا کچھ کام نیک سو ان کو

يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾

بدل دے گا اللہ برائیوں کی جگہ بھلائیاں اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

توبہ کا فائدہ:

یعنی گناہوں کی جگہ نیکیوں کی توفیق دے گا اور کفر کے گناہ معاف کرے گا۔ یا یہ کہ بدیوں کو مٹا کر توبہ اور عمل صالح کی برکت سے ان کی تعداد کے مناسب نیکیاں ثبت فرمائے گا۔ کما یظہر من بعض الاحادیث۔ (تفسیر عثمانی)

کچھ علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ اپنی مہربانی سے اسلام میں کیے ہوئے برے اعمال کو قیامت کے دن نیکیوں میں تبدیل کر دے گا یہی قول سعید بن مسیب مکحول ام المؤمنین حضرت عائشہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ کا مروی ہے اس کی تائید حضرت ابو ذرؓ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن ایک آدمی کو (حساب کے لئے) لایا جائے گا اور حکم ہوگا اس کے چھوٹے گناہ اس کے سامنے لاؤ حسب الحکم چھوٹے گناہ اس کے سامنے لائیں گے اور اس کے بڑے گناہ پوشیدہ رکھے جائیں گے وہ چھوٹے گناہوں کا اقرار کرے گا انکار نہیں کرے گا اور بڑے گناہوں (کی پیشی) کا اندیشہ کرتا رہے گا حکم ہوگا ہر گناہ کی جگہ اس کو ایک نیکی دے دو وہ کہے گا میرے گناہ تو اور بھی ہیں جو مجھے

یہاں دکھائی نہیں دیتے۔ راوی کا بیان ہے یہ فرماتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنے ہنس پڑے کہ کچلیاں نظر آنے لگیں رواہ مسلم۔ ابن ابی حاتم نے حضرت سلمانؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن ایک شخص کو اس کا اعمالنامہ دیا جائے گا جو نہی وہ اعمالنامہ کا بالائی حصہ پڑھے گا تو اس کے خیالات برے ہونے لگیں گے (لیکن) وہ یکدم اعمالنامہ کے نیچے کے اندراجات کو دیکھے گا تو اس میں اس کو اپنی نیکیاں دکھائی دیں گی پھر جو بالائی حصہ کو دیکھے گا تو اس میں مندرجہ برائیاں نیکیوں سے تبدیل ہو چکی ہوں گی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن کچھ ایسے لوگوں کو بھی اللہ (موقف میں) لائے گا جو دل سے خواہشمند ہوں گے کہ انہوں نے (کاش) گناہ بہت کئے ہوتے دریافت کیا گیا یہ کون لوگ ہوں گے فرمایا جن کی بُرائیاں نیکیوں میں تبدیل کر دی گئی ہوں گی۔ اگر کسی کے ذہن میں یہ آئے کہ گناہ جیسی ناپسندیدہ چیز نیکی میں کیسے بدل سکتی ہے تو اس کا دو طرح سے ازالہ ہو سکتا ہے۔

گناہ پر نیک بندوں کی ندامت:

اللہ کے نیک بندوں سے اگر بتقدیر الٰہی کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو ان کو انتہائی پشیمانی ہوتی ہے اتنی کہ خود ان کو اپنی جان ذلیل معلوم ہونے لگتی ہے، فوراً اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں زاری کرتے ہیں اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں، معافی کے طلبگار ہوتے ہیں آخر رحمت الٰہی کی ان پر اتنی اور ایسی بارش ہونے لگتی ہے کہ اگر وہ گناہ نہ کرتے تو اس رحمت کا نزول ان پر نہ ہوتا اور اس مرتبے پر نہ پہنچتے حاصل یہ کہ گناہ جو موجب عذاب تھا، ندامت و استغفار کے بعد سبب ثواب بن جاتا ہے اسی مفہوم کو ظاہر کرتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اگر تم نے گناہ نہ کئے تو اللہ تم کو لے جائے گا اور تمہاری جگہ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جو گناہ کریں گے پھر اللہ سے معافی کے طلبگار ہوں گے اور اللہ ان کو معاف کر دے گا۔ رواہ مسلم من حدیث ابی ہریرہؓ۔

حضرت ماعزؓ کی توبہ:

یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ماعز بن مالک کے لئے دعائے مغفرت کرو۔ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایک گروہ کو تقسیم کر دی جائے تو سب کو اپنے اندر سمالے (سب کی مغفرت کے لئے کافی ہو جائے)

ایک خاتون کی توبہ:

ایک عورت قبیلہ غامد میں کی تھی اس سے فعل زنا سرزد ہو گیا اس نے بھی حاضر ہو کر سزائے زنا جاری کرنے کی درخواست کی اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے پاک کر دیجئے اس کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چند ٹالنا چاہا مگر وہ نہ مانی آخر اس کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگسار کرا دیا حضرت خالد بن ولید نے اس غامدیہ عورت کے متعلق کچھ ناشائستہ الفاظ کہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خالد زبان روک قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایسی توبہ مکس والا بھی کرے تو اس کی بھی مغفرت ہو جائے (مکس وہ ٹیکس جو عُشر کے بہانہ سے سرکاری آدمی سوداگروں سے وصول کر لیتے تھے یہ ٹیکس بیرونی سوداگروں سے دھوکہ دے کر لیا جاتا تھا۔ مجمع البحار۔ رواہ مسلم فی قصۃ ماعز والغامدیۃ عن بریدۃ۔

یہی روح ہے اس قول کی کہ جس گناہ کا آغاز غفلت اور انجام ندامت (و توبہ) ہو وہ اس طاعت سے بہتر ہے جس کا آغاز فخر اور انجام ریاکاری ہو۔

اہل محبت کے بعض اعمال واقوال:

بحر محبت میں ڈوبنے والوں سے کبھی کبھی کوئی ایسا عمل یا قول سرزد ہو جاتا ہے جو معیارِ شریعت سے گرا ہوا ہوتا ہے جیسے رہبانیت (ترک لذائذ، ترک تعلقات، ترک کل) سماع، وجد اور شطحیات (غیر شرعی کلمات) چونکہ ان امور کا ان سے صدور خالص محبت و عشق کے زیر اثر ہوتا ہے اس لئے ان کی ان ظاہری لغزشوں کو اللہ نیکیوں سے تبدیل کر دے گا۔

عارف رومی نے فرمایا ہے۔

ہر چہ گیرد علتی علت شود کفر گیرد کاملے ملت شود
کار پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر
او بدل گشت و بدل شد کار او لطف گشت و نور شد ہر نار او

شاید حضرت ابو ذرؓ کی حدیث میں جو آیا ہے کہ (قیامت کے دن بعض لوگوں کے متعلق حکم ہوگا کہ) ان کے چھوٹے گناہ اس کے سامنے لاؤ حسب الحکم چھوٹے گناہ اس کے سامنے لائے جائیں گے اور پوشیدہ گناہوں کو پوشیدہ رکھا جائے گا۔ اس سے اشارہ ہمارے مذکورہ بالا قول کی طرف ہے کیونکہ کاملوں سے جو ان امور کا صدور ہوتا ہے وہ غلبہ محبت کے زیر اثر ہوتا ہے۔

شرعی نقطۂ نظر سے ان کو چھوٹے گناہ کہا جا سکتا ہے کبیرہ گناہ نہیں قرار دیا جا سکتا چونکہ ان صغیرہ گناہوں کا اصل سرچشمہ (ارادۂ معصیت نہیں بلکہ) غلبہ محبت ہوتا ہے اس لئے اللہ ان کو نیکیاں بنا دے گا رہے کبیرہ گناہ جو بقضاء خداوندی کبھی کبھی ان سے سرزد ہو گئے ہوں گے ان کو پوشیدہ رکھا جائے گا اور معاف کر دیا جائے گا ذکر بھی نہیں کیا جائے گا جیسا کہ آئندہ آیت اس کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۞ اور اللہ بہت معاف کرنے والا بڑا مہربان ہے چھوٹے بڑے سب گناہوں کو بخشدے گا توبہ کے بعد بھی اور بغیر توبہ کے بھی۔

سونے کا وظیفہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب انسان

سوتا ہے تو فرشتہ شیطان سے کہتا ہے مجھے اپنا صحیفہ جس میں اس کے گناہ لکھے ہوئے ہیں دے وہ دے دیتا ہے تو ایک ایک نیکی کے بدلے دس دس گناہ وہ اس کے صحیفے سے مٹا دیتا ہے اور انہیں نیکیاں لکھ دیتا ہے پس تم میں سے جو بھی سونے کا ارادہ کرے وہ تینتیس دفعہ اللہ اکبر اور چونتیس دفعہ الحمد للہ کہے اور تینتیس دفعہ سبحان اللہ کہے یہ مل کر سو ۱۰۰ مرتبہ ہو گئے۔

برائیاں نیکیوں میں بدل جائیں گی:

حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ انسان کو قیامت کے دن نامہ اعمال دیا جائے گا وہ پڑھنا شروع کرے گا تو اوپر اس کی برائیاں درج ہوں گی جنہیں پڑھ کر یہ کچھ ناامید سا ہونے لگے گا۔ اسی وقت اس کی نظر نیچے کی طرف پڑے گی تو اپنی نیکیاں لکھی ہوئی پائے گا جس سے کچھ ڈھارس بندھے گی۔ اب دوبارہ اوپر کی طرف دیکھے گا تو وہاں کی برائیوں کو بھی بھلائیوں سے بدلا ہوا پائے گا حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ بہت سے لوگ خدا تعالیٰ کے سامنے آئیں گے جن کے پاس بہت کچھ گناہ ہوں گے پوچھا گیا کہ وہ کون سے لوگ ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ بھلائیوں سے بدل دے گا۔

چار قسم کے جنتی:

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ جنتی جنت میں چار قسم کے جائیں گے۔ متقین یعنی پرہیز گاری کرنے والے پھر شاکرین یعنی شکر خدا کرنے والے پھر خائفین یعنی خوف خدا رکھنے والے پھر اصحاب یمین جن کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال ملے ہوں گے۔ پوچھا گیا کہ انہیں اصحاب یمین کیوں کہا جاتا ہے؟ جواب دیا اس لئے کہ انہوں نے نیکیاں بدیاں سب کچھ کی تھیں ان کے عمل نامے ان کے داہنے ہاتھ میں ملے اپنی بدیوں کا ایک ایک حرف پڑھ کر یہ کہنے لگا کہ خدایا ہماری نیکیاں کہاں ہیں؟ یہاں تو سب بدیاں لکھی ہوئی ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ان بدیوں کو مٹا دے گا اور ان کے بدلے نیکیاں لکھ دے گا انہیں پڑھ کر خوش ہو کر اب تو یہ دوسروں سے کہیں گے کہ آؤ ہمارے عملنامے دیکھو۔ جنتیوں کے اکثر یہی ہوں گے۔ علی بن حسین زین العابدینؒ فرماتے ہیں کہ برائیوں کو بھلائیوں سے بدلنا آخرت میں ہوگا مکحولؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو بخشے گا اور انہیں نیکیاں کر دے گا۔

ایک بوڑھے گناہ گار کا واقعہ:

حضرت مکحولؒ نے ایک مرتبہ حدیث بیان کی کہ ایک بہت بوڑھے ضعیف آدمی جن کی بھویں آنکھوں پر آ گئی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! میں ایک ایسا شخص ہوں جس نے کوئی غداری کوئی گناہ کوئی بدکاری باقی نہیں چھوڑی میرے گناہ اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ اگر تمام انسانوں پر تقسیم ہو جائیں تو سب کے سب غضب خدا میں گرفتار ہو جائیں۔ کیا میری بخشش کی بھی کوئی صورت ہے؟ کیا میری توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ اس نے کلمہ پڑھ لیا کہ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ اللہ تعالیٰ تیری تمام برائیاں گناہ بدکاریاں سب کچھ معاف فرما دے گا بلکہ جب تک تو اس پر قائم رہے گا اللہ تعالیٰ تیری برائیاں بھلائیوں سے بدل دے گا۔ اس نے پھر پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے چھوٹے بڑے گناہ سب صاف ہو جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں سب کے سب۔ پھر تو وہ شخص خوشی خوشی واپس جانے لگا اور تکبیر وتہلیل، پکارتا ہوا لوٹ گیا، رضی اللہ عنہ۔ (ابن جریر)

ایک خاتون کا واقعہ:

ایک عورت حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس آئی اور دریافت فرمایا کہ مجھ سے بدکاری ہو گئی اس سے بچہ ہو گیا میں نے اسے مار ڈالا اب کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے آپؓ نے فرمایا کہ اب نہ تیری آنکھیں ٹھنڈی ہو سکتی ہیں نہ خدا تعالیٰ کے ہاں تیری بزرگی ہو سکتی ہے تیرے لئے توبہ ہرگز نہیں، وہ روتی پیٹتی واپس چلی گئی۔ صبح کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھ کر میں نے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے اس سے بہت ہی بری بات کہی کیا تو ان آیتوں کو قرآن میں نہیں پڑھتا وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ سے اِلَّا مَنْ تَابَ تک۔ مجھے بڑا ہی رنج ہوا اور میں لوٹ کر اس عورت کے پاس پہنچا۔ اور اسے یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں وہ خوش ہو گئی اور اسی وقت سجدے میں گر پڑی اور کہنے لگی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میرے چھٹکارے کی صورت پیدا کر دی (طبرانی) اور روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کا پہلا فتویٰ سن کر وہ حسرت وافسوس کے ساتھ یہ کہتی ہوئی واپس چلی کہ ہائے ہائے یہ اچھی صورت کیا جہنم کے لئے بنائی گئی تھی؟ اس میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت ابو ہریرہؓ کو اپنی غلطی کا علم ہوا تو اس عورت کو ڈھونڈنے کے لئے نکلے۔ تمام مدینہ اور ایک ایک گلی چھان ماری لیکن کہیں پتہ نہ چلا۔ اتفاق سے رات کو وہ عورت پھر آئی تب حضرت ابو ہریرہؓ نے انہیں صحیح مسئلہ بتلایا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ اس نے میرے لئے چھٹکارے کی صورت بنائی اور میری توبہ کی قبولیت رکھی۔ یہ کہہ کر اس کے ساتھ جو لونڈی تھی اسے آزاد کر دیا اس لونڈی کے ایک لڑکی بھی تھی اور سچے دل سے توبہ کر لی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾

اور جو کوئی توبہ کرے اور کرے کام نیک سو وہ پھر آتا ہے اللہ کی طرف پھر آنے کی جگہ۔

مسلمان گناہ گار کی توبہ:

پہلے ذکر تھا کافر کے گناہوں کا جو پیچھے ایمان لے آیا۔ یہ ذکر ہے اسلام

میں گناہ کرنے کا۔ وہ بھی جب توبہ کرے یعنی پھرے بُرے کام سے تو اللہ کے یہاں جگہ پائے۔ معلوم ہوا کہ سورۂ نساء میں جو فرمایا وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا (نساء رکوع ۱۳) وہ غیر تائب کے حق میں ہے۔ واللہ اعلم۔

وَمَنْ تَابَ اور جس نے توبہ کی۔ یعنی شرک و معاصی سے توبہ کی۔ شرک اور گناہ کو چھوڑ دیا اور ندامت کے ساتھ معافی کا طلبگار رہا۔

مَتَابًا کی تنوین بعض اہل تفسیر کے نزدیک تعظیم کے لئے اور توبہ کی ترغیب کے لئے ہے مطلب یہ کہ وہ اللہ کی طرف ایسا عظیم الشان رجوع کرتے ہیں جو اللہ کی نظر میں پسندیدہ ہے عذاب کو مٹا دینے والا اور حصولِ ثواب کا ذریعہ ہے بعض علماء نے کہا اللہ کی طرف لوٹنے سے مراد ہے اللہ کے ثواب کی طرف لوٹنا اور یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے۔ بغوی نے لکھا ہے بعض اہلِ علم کا قول ہے کہ جن گناہوں سے اجتناب کرنے کی سابق آیت میں صراحت کی گئی ہے اس آیت میں ان گناہوں سے توبہ مقصود نہیں ہے دوسری قسم کی توبہ اور رجوع مقصود ہے۔ یعنی جن لوگوں نے شرک سے توبہ کی اور فرائض کو ادا کیا اور قتل و زناء کا ارتکاب نہیں کیا اس کا رجوع مرنے کے بعد اللہ کی طرف بحسن و خوبی ہوگا۔ قتل و زناء کا ارتکاب کرنے والوں سے قتل و زنا نہ کرنے والوں کا رجوع بہتر حالت میں ہوگا، اس صورت میں پہلی توبہ جس کا ذکر وَمَنْ تَابَ میں کیا گیا ہے جزا ہوگی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیت تمام گناہوں سے توبہ کے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص توبہ کرنے کا ارادہ کرے اور عزم کر چکا ہو تو اس کو لوجہ اللہ توبہ کرنا چاہئے فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اگرچہ خبر ہے لیکن بمعنی امر ہے۔ بعض نے کہا (یتوب میں توبہ بمعنی رجوع ہے) مطلب یہ ہے کہ آخر اللہ کی طرف لوٹنا اور منتقل ہونا ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی صوفیانہ توجیہ:

میں کہتا ہوں کہ اگر آیت يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ میں وہ تائب مراد ہوں جن سے غلبۂ حال اور سکر و محبت کے زیر اثر کچھ ایسی لغزشیں ہوگئی ہوں جو غیر شرعی ہوں معیار شرع پر پوری نہ اترتی ہوں پھر اس محبت کے غلبہ کی وجہ سے اللہ ان کی لغزشوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دے تو اس آیت میں وہ نیک بندے مراد ہو سکتے ہیں جن سے کوئی غیر شرعی حرکت سرزد نہیں ہوئی نہ سکر اور غلبۂ حال کی وجہ سے نہ حالت صحو میں بلکہ ان بندوں نے تمام مکروہات و ممنوعات شرعیہ سے رجوع کر لیا اور کبھی کوئی گناہ کا کام نہیں کیا، ان اصحاب صحو کا رجوع اللہ کی طرف اصحاب سکر سے بہتر ہوگا جیسے نقشبندیہ ہیں جو بالکل صحابہ کرام کا نمونہ ہیں اور صحابہ کی طرح سنت کے پیرو ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ

اور جو لوگ شامل نہیں ہوتے جھوٹے کام میں

جھوٹ سے پرہیز:

یعنی نہ جھوٹ بولیں نہ جھوٹی شہادت دیں۔ نہ باطل کاموں اور گناہ کی مجلسوں میں حاضر ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

جھوٹے گواہ کی سزا:

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا جھوٹے گواہ کے چالیس تسمے (کوڑے) مارے جائیں اور منہ کالا کر کے بازار میں گھمایا جائے۔

حضرت عمرؓ کے انہی احکام کی روشنی میں امام مالک، امام شافعی امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا جھوٹے گواہ کو (کوڑے) مارنے کی تعزیری سزا دی جائے اور اس کی قوم کے سامنے لے جا کر اس کو کھڑا کیا جائے تاکہ وہ بھی پہچان جائیں کہ یہ جھوٹا گواہ ہے۔

امام مالک نے اتنا زائد فرمایا کہ مسجدوں اور بازاروں میں اس کو حاضر کیا جائے۔

گناہ کبیرہ: مذکورۂ بالا ائمہ نے فرمایا کہ جھوٹی شہادت گناہ کبیرہ ہے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان حضرت انسؓ کی روایت سے شیخین نے صحیحین میں نقل کیا ہے بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو بتاؤں کہ سب سے بڑے کبیرہ گناہ کون سے ہیں صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور فرمائیے، فرمایا اللہ کا ساجھی قرار دینا، ماں باپ سے سرکشی کرنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تکیہ لگائے ہوئے تھے فوراً اُٹھ بیٹھے اور فرمایا سنو، اور جھوٹی بات کہنی، جھوٹی شہادت دینی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کو بار بار اتنی مرتبہ فرمایا کہ ہم نے (اپنے دل میں) کہا اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو جاتے تو بہتر تھا۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تعزیری سزا کے لئے صرف تشہیر کافی ہے۔ مارنا اور قید کرنا جائز نہیں کیونکہ تعزیز کا مقصد ہے (مجرم کو) بازداشت اور یہ بازداشت تشہیر سے حاصل ہو جاتی ہے۔ مارنے اور قید کرنے میں زجر و بازداشت کی شدت ہے لیکن ایسی سخت سزا کا تصور مجرم کو اپنی شہادت کے جھوٹے ہونے کے اقرار اور شہادت سے لوٹ جانے سے روکتا ہے اور شہادت کا جھوٹ ہونا بغیر اس کے ثابت نہیں ہوتا کہ مجرم خود ہی اپنی شہادت کے کاذب ہونے کا اقرار کرے اور دی ہوئی شہادت سے لوٹ جائے لہٰذا جھوٹی شہادت کی سزا میں تخفیف ہونی چاہئے (تاکہ مجرم اپنی شہادت کے جھوٹے ہونے کے اقرار کی جراءت کر سکے) رہا حضرت عمرؓ کا اثر تو وہ محض سیاسی تھا۔ (آئینی نہ تھا آرڈیننس تھا جس کا امیر وقت کو اختیار ہے)۔

قاضی شُریح رحمہ اللہ کا عمل:

امام ابو حنیفہؒ کے قول کی طرح قاضی شریح کا قول بھی روایت میں آیا ہے

امام محمد نے کتاب الآثار میں بیان کیا ہے کہ شریح جب کسی جھوٹے گواہ کو پکڑ لیتے تھے اور مجرم بازاری شخص ہوتا تو شریح اپنے قاصد کو حکم دیتے کہ جا کر بازار والوں سے کہہ دو کہ شریح تم کو سلام کہتا ہے اور سلام کے بعد اس نے کہا ہے کہ ہم نے اس شخص کو جھوٹا شاہد پایا یا تم لوگ اس سے پرہیز رکھو اور اگر مجرم (بازاری نہ ہوتا بلکہ) عرب کے قبیلہ میں سے ہوتا تو اس قبیلہ کی مسجد میں قاصد کو بھیج کر مذکورہ بالا پیام کہلا بھیجتے ابن ابی شیبہ نے بھی شریح کا یہی فیصلہ نقل کیا ہے ابن جریج کے نزدیک شہادت زور سے ہر جھوٹ مراد ہے صرف شرک ہی مراد نہیں ہے۔

جھوٹ کی مجلسوں سے پرہیز:

بعض علماء نے لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ کا مطلب یہ بیان کیا کہ وہ جھوٹ کی محفلوں میں شرکت نہیں کرتے (یعنی الزور سے پہلے مضاف محذوف ہے) کیونکہ بیہودہ جلسوں میں موجود ہونا بھی شرکت کا حکم رکھتا ہے۔ اس تفسیر پر بیہودہ قصوں یا شاعری کی مجلسوں میں شرکت کرنا ناجائز قرار پائے گا مجاہد کا یہی قول ہے۔ مراد یہ ہے کہ مشرکوں کے تہواروں اور میلوں میں وہ شریک نہیں ہوتے۔

بعض نے الزور سے نوحہ کی مجلس مراد لی ہے۔ قتادہ نے عدم شہادت زور کا یہ مطلب بیان کیا کہ بیہودہ، باطل باتوں کی تائید اور اعانت نہیں کرتے۔

محمد بن حنیفہ نے فرمایا، لغو اور گانے کے موقع پر حاضر نہیں ہوتے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا گانا دلوں میں نفاق کو اس طرح اگاتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو۔ (تفسیر مظہری)

حدیث میں بھی ہے کہ سچے مؤمن کو چاہیے کہ اس دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر دور شراب چل رہا ہو اور یہ بھی مطلب ہے کہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ صحیحین میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں سب سے بڑا گناہ بتادوں؟ تین دفعہ یہی فرمایا صحابہؓ نے کہا ہاں یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے تھے اب اس سے الگ ہو کر فرمانے لگے سنو اور جھوٹی بات کہنا سنو اور جھوٹی گواہی دینا اسے بار بار فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم اپنے دل میں کہنے لگے کہ کاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب خاموش ہو جاتے۔ زیادہ ظاہر لفظوں سے تو یہ ہے کہ وہ جھوٹ کے پاس نہیں جاتے؟ اسی لئے آگے بیان ہوا کہ اگر اتفاقاً گزر ہو جائے تو وہ اس سے کوئی دلچسپی نہیں لیتے، منہ پھیرے مڑ جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کسی کھیل کے پاس سے گزرے تو منہ پھیرے ہوئے بغیر رکے چلے گئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کریم ہوگئے۔

رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم فرماتے ہیں کہ انسان کے مرتے ہی اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں، مگر تین چیزیں، نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے یا علم جس سے اس کے بعد نفع اٹھایا جائے یا صدقہ جاریہ۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ﴿۷۲﴾

اور جب گزرتے ہیں کھیل کی باتوں پر نکل جائیں بزرگانہ

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی گناہ میں شامل نہیں، اور کھیل کی باتوں کی طرف دھیان نہیں کرتے نہ اس میں شامل نہ ان سے لڑیں۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ وہ خود اپنے ارادہ سے گناہوں کی مجلسوں میں نہیں جاتے لیکن اتفاقاً اگر کسی گناہ کی محفل کی طرف سے ان کا گذر ہو جاتا ہے تو منہ پھیر کر تیزی کے ساتھ وہاں سے گزر جاتے ہیں۔ عربی محاورہ ہے کَرُمَ فُلَانٌ عَمَّا يَشِينه فلاں شخص ایسی باتوں سے پاک ہے جو اس کو عیب دار بناتی ہیں اکرم نفسه عنه اس نے اپنے نفس کو عیب دار بنانے والی باتوں سے پاک رکھا۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا

اور وہ لوگ کہ جب اُن کو سمجھایئے اُن کے رب کی باتیں نہ پڑیں

عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾

اُن پر بہرے اندھے ہو کر

غور وفکر کی عادت:

بلکہ نہایت فکر وتدبر اور دھیان سے سنیں اور سن کر متاثر ہوں مشرکین کی طرح پتھر کی مورتیں نہ بن جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی بغیر گوش ہوش سے سننے اور بغیر چشم حقیقت بین سے دیکھنے کے اندھوں بہروں کی طرح نہیں اُٹھ کھڑے ہوتے بلکہ گوش قبول سے سنتے اور سمجھتے ہیں اور چشم بصیرت سے حق کو دیکھتے اور اس پر چلتے ہیں۔

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا

اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے رب دے ہم کو ہماری عورتوں کی طرف سے

وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ

اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک

صالح اہل وعیال:

یعنی بیوی بچے ایسے عنایت فرما جنہیں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی اور قلب مسرور ہو۔ اور ظاہر ہے مومن کامل کا دل اسی وقت ٹھنڈا ہوگا جب اپنے اہل و عیال کو طاعت الٰہی کے راستہ پر گامزن اور علم نافع کی تحصیل میں مشغول

پائے۔ دنیا کی سب نعمتیں اور مسرتیں اس کے بعد ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قرطبی نے لکھا ہے مؤمن کی آنکھ کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی ٹھنڈک نہیں کہ وہ اپنی بیوی اور اولاد کو اللہ کا فرمانبردار دیکھے۔ (تفسیر مظہری)

وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾

اور کر ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا

نیکی کی امامت:

یعنی ایسا بنادے کہ لوگ ہماری اقتداء کر کے متقی بن جایا کریں۔ حاصل یہ کہ ہم نہ صرف بذاتِ خود مہتدی، بلکہ دوسروں کے لئے ہادی ہوں۔ اور ہمارا خاندان تقویٰ وطہارت میں ہماری پیروی کرے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت مکحول شامی نے فرمایا کہ [illegible] کا مقصود اپنے لئے تقویٰ کا ایسا اعلیٰ مقام حاصل کرنا ہے کہ دنیا کے متقی لوگ [illegible] بھی ہمارے عمل سے فائدہ پہنچے۔

قرطبی نے یہ دونوں قول نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ ان دونوں کا حاصل ایک ہی ہے کہ ریاست وامامت کی طلب جو دین کے لئے اور آخرت کے فائدہ کے لئے ہو وہ مذموم نہیں بلکہ جائز ہے۔ اور آیت لایریدون علوا میں اس ریاست واقتداء کی خواہش کی مذمت ہے جو دُنیوی عزت وجاہ کے لئے ہو، واللہ اعلم۔

یہاں تک عباد الرحمٰن، یعنی مؤمنین کاملین کی اہم صفات کا بیان پورا ہو گیا، آگے اُن کی جزاء اور آخرت کے درجات کا ذکر ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ

ان کو بدلہ ملے گا بالاخانوں سے اس لئے کہ وہ ثابت قدم رہے اور لینے آئیں گے

فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾

ان کو وہاں دعا اور سلام کہتے ہوئے

مؤمنین کا انعام:

یعنی جنت میں اُوپر کے درجے ملیں گے اور فرشتے دعاء وسلام کہتے ہوئے ان کا استقبال کریں گے اور آپس کی ملاقاتوں میں یہی کلمات سلام ودعاء اُن کی تکریم وعزت افزائی کے لئے استعمال ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

جنت کے درجات:

شیخین نے صحیحین میں اور امام احمد نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت اپنے سے اوپر بالائی منزلوں والوں کو آپس کے تفاوت مراتب کی وجہ سے اس طرح دیکھیں گے جیسے تم لوگ ابر آلود آسمان میں مشرقی یا مغربی افق سے ستاروں کو دیکھتے ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو انبیاء کے مکان ہوں گے دوسرا کوئی وہاں نہیں پہنچے گا۔ فرمایا، کیوں نہیں، قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور پیغمبروں کو سچا جانا (وہ انسان ان مراتب تک پہنچ سکتے ہیں) حضرت سہل بن سعد کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث آئی ہے۔

جنت کے بالاخانے: احمد حاکم، اور بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے اور ترمذی بیہقی نے حضرت علیؓ کی روایت سے اور امام احمد نے حضرت ابو مالک اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جنت کے اندر کچھ بالاخانے ایسے ہیں جن کے اندر کی حالت باہر سے اور باہر کی حالت اندر سے دکھائی دے گی۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بالاخانے کن لوگوں کے لئے ہوں گے، فرمایا ان لوگوں کے لئے جو پاکیزہ کلام کرتے ہیں (غریبوں کو) کھانا کھلاتے ہیں اور جب دوسرے لوگ سوتے ہوتے ہیں تو وہ رات کو (نماز میں) کھڑے رہتے ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں یہ حدیث اسی طرح آئی ہے۔ حضرت علیؓ کی روایت کے لحاظ سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے، ان لوگوں کے لئے ہیں جو پاکیزہ کلام کرتے ہیں سلام پھیلاتے ہیں کھانا کھلاتے ہیں اور رات میں ایسے وقت نماز پڑھتے ہیں کہ (اور) لوگ سوتے ہوتے ہیں۔

حضرت ابو مالک کی روایت کے یہ الفاظ ہیں، اُن لوگوں کے لئے ہیں جو کھانا کھلاتے ہیں، نرم کلام کرتے ہیں، متواتر روزے رکھتے ہیں اور رات میں نماز پڑھتے ہیں جبکہ (اور) لوگ سوتے ہوتے ہیں۔

بیہقی اور ابونعیم نے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا میں تم کو جنت کے بالاخانوں کے متعلق نہ بتاؤں، صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (فرمائیے) ارشاد فرمایا، جنت کے اندر یقیناً کچھ بالاخانے قسم قسم کے جواہرات کے ایسے (شفاف) ہیں کہ ان کے باہر سے اندر کی نعمتیں لذتیں اور عزت بخشیاں دکھائی دیں گی اور اندر سے باہر کی راحت لذت اور عزت دکھائی دے گی یہ نعمت لذت اور عزت ایسی ہوگی جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کان نے سنی ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ بالاخانے کن لوگوں کے لئے ہوں گے فرمایا ان لوگوں کے لئے جنہوں نے سلام کو پھیلایا کھانا کھلایا ہمیشہ روزے رکھے اور رات میں ایسے وقت نماز پڑھی جبکہ (اور) لوگ سوتے ہوں۔ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرنے کی کس میں طاقت ہے فرمایا میری امت اس کی طاقت رکھتی ہے میں اس کی تفصیل تم کو بتاتا ہوں جو اپنے بھائی (مسلمان) سے ملا اور اس کو سلام کیا اور سلام کا جواب دیا۔ اس نے سلام کو پھیلایا اور جس نے اپنے اہل وعیال کو پیٹ بھر کھانا کھلایا تو اس نے (ضروری) کھانا کھلا دیا اور جس نے رمضان

کے اور ہر مہینے تین دن کے (یعنی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخوں کے) روزے رکھے اس نے (گویا) ہمیشہ روزے رکھے اور جس نے عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھ لی تو بیشک اس نے رات ایسے وقت نماز پڑھی کہ یہودی عیسائی اور مجوسی اس وقت خواب میں ہوتے ہیں۔ اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔

ابن عدی اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کوئی شک نہیں کہ جنت کے اندر کچھ بالا خانے ایسے ہیں کہ ان کے اندر رہنے والا اگر ان کے اندر ہوگا تو بالا خانہ سے پیچھے والی چیزیں اس سے پوشیدہ نہ ہوں گی اور اگر بالا خانوں سے پیچھے (باہر) ہوگا تو اندر کی چیزیں اس سے مخفی نہ ہوں گی۔ عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول یہ بالا خانے کن کے لئے ہوں گے فرمایا ان کے لئے جنہوں نے پاکیزہ کلام کیا، مسلسل روزے رکھے سلام کو پھیلایا اور رات میں ایسے وقت نماز پڑھی کہ لوگ سوتے ہوں عرض کیا گیا کلام کی پاکیزگی سے کیا مراد ہے، فرمایا، سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر قیامت کے دن جب ان کا قائل (محشر کے میدان میں) آئے گا تو یہ کلمات آگے پیچھے ہوں گے اور نجات دلانے والے ہوں گے عرض کیا گیا، مسلسل روزے رکھنے کا کیا مطلب ہے فرمایا، جس نے رمضان کے روزے رکھے اس نے بلاشبہ (ہمیشہ کے) مسلسل روزے رکھے عرض کیا گیا کھلانے سے کیا مراد ہے فرمایا جس نے اپنے عیال کو کھانا دیا۔ عرض کیا گیا سلام کو پھیلانے سے کیا مراد ہے فرمایا اپنے (مسلمان) بھائی کی مصاحبت اور اس کو سلام کرنا عرض کیا گیا لوگوں کے سونے کی حالت میں نماز کا کیا مطلب، فرمایا عشاء کی نماز۔

حکیم، ترمذی نے حضرت سہل بن سعد کی مرفوع روایت سے اس آیت کے ذیل میں بیان کیا ہے کہ بالا خانہ سرخ یاقوت، سبز زبرجد اور سفید موتی کا ہوگا جس میں نہ کوئی شگاف ہوگا نہ کوئی عیب۔

سلامتی کے تحفے: وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا اور ان کو اس بہشت میں (فرشتوں کی طرف سے) بقا کی دعا اور سلام ملے گا۔

یعنی بالا خانوں کے اندر فرشتے تحیۃ وسلام کے ساتھ استقبال کریں گے مراد یہ ہے کہ ان کے لئے اللہ سے سلامتی وعافیت کی دعا کریں گے یا یہ مراد ہے کہ ان کو ہر آفت سے سالم رہنے اور ہمیشہ باقی رہنے کی بشارت دیں گے۔ کلبی نے کہا مراد یہ ہے کہ وہ باہم ایک دوسرے کو سلام کریں گے اور اللہ کی طرف سے ان کو سلام بھیجا جائے گا۔ احمد، بزار اور ابن حبان نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کی مخلوق میں سے جنت کے اندر وہ فقراء مہاجرین داخل ہوں گے جن کے ذریعہ سے سرحدوں کی حفاظت کی جاتی ہے اور انہی کی وجہ سے مکروہات سے (مسلمانوں کا) بچاؤ ہوتا ہے (لیکن ان کی خود یہ حالت ہوتی ہے کہ) وہ اپنی ضروریات کو اپنے سینے میں لے کر مر جاتے ہیں اور زندگی بھر ان کو پورا نہیں کر سکتے۔ اللہ اپنے فرشتوں میں سے جن کو چاہے گا حکم دے گا کہ جاؤ ان کو سلام کرو۔ (ان کا استقبال کرو) ملائکہ عرض کریں گے اے ہمارے رب ہم تیرے آسمان کے باشندے ہیں اور تیری مخلوق میں سے تیرے برگزیدہ بنائے ہوئے ہیں۔ پھر تو ہی ہم کو حکم دے رہا ہے کہ ہم ان کے پاس جائیں اور ان کو سلام کریں، اللہ فرمائے گا یہ وہ لوگ ہیں جو میری (ہی) عبادت کرتے تھے میرا ساجھی کسی کو نہیں بناتے تھے انہی کے ذریعہ سے سرحدوں کی حفاظت کی جاتی تھی اور انہی کی وجہ سے مکروہات سے بچاؤ ہوتا تھا لیکن وہ ایسی حالت میں مر جاتے تھے کہ ان کی ضروریات ان کے سینوں کے اندر ہوتی تھیں اور وہ ضروریات کو پورا نہ کر سکے تھے۔ حسب الحکم ملائکہ ان کے پاس جائیں گے اور ہر دروازے سے داخل ہو کر کہیں گے سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ بعض لوگوں نے کہا آیت کا یہ مطلب ہے کہ ان کو تحیت یعنی بقائے دوامی اور سلام یعنی ہر آفت سے سلامتی کی پیش کش کی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾

سدا رہا کریں ان میں خوب جگہ ہے ٹھہرنے کی اور خوب جگہ رہنے کی

یعنی ایسی جگہ تھوڑی دیر ٹھہرنا ملے تو بھی غنیمت ہے ان کا تو وہ گھر ہوگا۔

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاۗؤُكُمْ ۚ

تو کہہ پروا نہیں رکھتا میرا رب تمہاری اگر تم اس کو نہ پکارا کرو

اللہ بے نیاز ہے ہم محتاج ہیں:

یعنی تمہارے نفع نقصان کی باتیں سمجھا دیں۔ بندہ کو چاہئے مغرور اور بیباک نہ ہو، خدا کو اس کی کیا پروا، ہاں اس کی التجا، پر رحم کرتا ہے نہ التجا کرو گے اور بڑے بنے رہو گے تو مٹھ بھیڑ کے لئے تیار ہو جاؤ جو عنقریب ہونے والی ہے۔

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾

سو تم تو جھٹلا چکے اب آگے کو ہوتی ہے مٹھ بھیڑ

تکذیب حق کی سزا ملنے والی ہے:

یعنی کافر جو حق کو جھٹلا چکے۔ یہ تکذیب عنقریب ان کے گلے کا ہار بنے گی اس کی سزا سے کسی طرح چھٹکارا نہ ہوگا۔ آخرت کی ابدی ہلاکت تو ہے ہی دنیا میں بھی اب جلد مٹھ بھیڑ ہونے والی ہے یعنی لڑائی جہاد۔ چنانچہ غزوہ بدر میں اس مٹھ بھیڑ کا نتیجہ دیکھ لیا۔ تم سورۃ الفرقان وللہ الحمد والمنہ۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کی مدد اور اس کی توفیق سے سورت فرقان کی تفسیر ۱ صفر ۱۲۰۵ھ کو ختم ہوئی۔ (مظہری)

سورۃ الفرقان کے آخری رکوع کا خلاصہ

از حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مذہب کی بنیاد تین چیزیں ہیں ایک مبداء، ایک معاد، ایک میعاد، مبداء کا مطلب یہ ہے کہ ابتداء کہاں سے ہوئی، معاد کا مطلب یہ کہ لوٹ کر کہاں جانا ہے، میعاد کا مطلب یہ ہے کہ درمیان میں کس طرح زندگی گزاری جائے تو اس رکوع میں مبداء کا بھی ذکر ہے کہ وہ کون ذات ہے جو تمہاری اصل ہے معاد کا بھی ذکر ہے کہ تمارا انجام کیا ہونا ہے اور اس کا بھی ذکر ہے کہ درمیان کی زندگی کس طرح گذارنی ہے۔

انسان کا مبداء کیا ہے؟

ابتداء یہاں سے کی گئی ہے کہ:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا برکت والی وہ ذات ہے جس نے آسمان میں برج قائم کئے، منزلیں قائم کیں اور ان منزلوں میں سے سورج اور چاند کو گزارا، جس سے رات اور دن پیدا ہونے لگے، موسم بننے لگے، سردی گرمی اور برسات آنے لگی۔

یہ گویا مبداء کا ذکر ہے کہ اصل ابتداء جس ذات سے ہے، اس کی قدرۃ آسمانوں زمین میں بھی کام کررہی ہے۔ آسمان بنادیئے، چاند، سورج پیدا کر دیئے اور اُن میں حرکت پیدا کردی۔

انسان کا میعاد رحمٰن کے بندوں کی چال:

اسکے بعد دس احکام شروع کیے کہ اس کی رضا کے لئے کس طرح زندگی گزاری جائے۔ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا رحمٰن کے بندوں کا دنیا میں کیا ڈھنگ ہونا چاہئے؟

رحمٰن لغت میں اور شریعت میں بھی اس ذات کو کہتے ہیں جو ساری نعمتوں کا مالک ہو، ظاہری اور باطنی تمام نعمتیں دینے پر قادر ہو، ہر نعمت اس کے قبضے میں ہو، ساری نعمتوں کا والی، وارث اور مالک ہو، تو اس رحمٰن کے بندے کس طرح سے دنیا میں زندگی بسر کریں فرمایا، رحمٰن کے بندوں کا ڈھنگ یہ ہونا چاہئے کہ جب وہ زمین میں چلیں تو نرم چال چلیں اس میں ہدایت دی گئی کہ زندگی کی بنیاد تواضع اور خاکساری پر رکھی جائے کبر ونخوت پر نہ رکھی جائے، تکبر اور اپنے کو بڑا بنانا یہ نہیں بلکہ چال سے واضح ہو کہ کوئی خدا کا بندہ جارہا ہے، یہ نہ معلوم ہو کہ کوئی جبار قہار جا رہا ہے یہ انسان کی شان نہیں ہے۔ اور انسان کی شان یہ کیوں نہیں ہے؟

اس کی وجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی کہ کلکم بنو ادم و ادم من تراب تم سب آدم کی اولاد ہو۔ آدم کو خدا نے مٹی سے پیدا کیا ہے مٹی کا یہ کام نہیں ہے کہ اچھل اچھل کر اوپر جائے، یہ جب تک پست اور پامال رہے گی جب ہی تک اس کی قدر ہو گی مٹی جوتوں میں روندی جاتی ہے مگر چوں نہیں کرتی جب ہی تک اس کی قدر ہے کہ جس طرح ہم تصرف کریں بلا چون و چرا اس تصرف کو قبول کرے اگر مٹی اوپر اڑی، کسی کی آنکھ میں پڑی وہ لعنت کرے گا کسی کے کپڑے پر گرے گی وہ کپڑے کو جھٹک دے گا کہے گا کمبخت گرد کہاں سے آگئی تو مٹی نے ذرا ابھرنے کا نام لیا تو اس پر لعنتیں برسنا شروع ہوگئیں۔

تو جس مٹی سے انسان پیدا کیا گیا، اگر وہ اینٹھنے لگے، غرور کرنے لگے، کبر و نخوت اختیار کرنے لگے ہر شخص اس انسان کو برا کہے گا اور جو تواضع وخاکساری اختیار کرلے اور مٹی بن کر رہے، سب اس کو سر پر بٹھائیں گے کہ یہ بڑی کیمیا معلوم ہوتی ہے کسی بھی مجلس میں جو بڑا بول بولتا ہے ہاتھ کے ہاتھ وہیں اس کو سزا مل جاتی ہے اور جو تواضع کا کلمہ بولتا ہے، سب اس کی قدر کرتے ہیں۔

حق تعالی شانہ کی عادت کریمہ بھی یہ ہے چنانچہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی بندہ عبادت کرکے یوں کہے کہ اے اللہ! میرے سے کچھ نہیں بن پایا، میرے بس میں کچھ نہیں، تیرا فضل ہے کہ یہ کام تو نے مجھ سے کرادیا میرے اندر یہ طاقت نہیں تھی حق تعالی شانہ فوراً فرماتے ہیں کہ نہیں عمل تو نے ہی کیا تھا مسجد کی طرف چل کر تو ہی گیا تھا حج کیلئے بیت اللہ کی طرف تو نے ہی سفر کیا تھا تو نے سب کچھ کیا اور اگر کوئی کبر و نخوت سے یوں کہے کہ اے اللہ میں نے نماز پڑھی، میں نے عبادت کی، میں نے یہ کام کیا، فرماتے ہیں کہ نالائق! تو نے کیا کیا؟ ارادہ ہم نے تیرے اندر پیدا کیا بدن، روح اور طاقت ہم نے دی، تو نے کیا کیا؟ جو خود دعویٰ کرتا ہے اسے پست کردیتے ہیں اور جو دعویٰ چھوڑ کر کہتا ہے کہ میں نے کچھ نہیں کیا، اُسے فرماتے ہیں کہ تو نے سب کچھ کیا، اس لیے سنت اللہ یہ ہے کہ جو آدمی خاکساری برتے، عجز و نیاز برتے، بندگی کی شان سے آئے، اُسے اونچا اٹھاتے ہیں، اسے عزت دیتے ہیں اور جو خود ابھرنے لگا اسے زمین پر پٹخ دیتے ہیں کسی شاعر نے خوب کہا ہے کہ

پستی سے ہو سر بلند اور سرکشی سے پست
اس راہ کے عجیب نشیب و فراز ہیں

تو انسان کی فطرت یہی بنائی گئی کہ تیرے سامنے مٹی ہے اگر وہ ابھرتی ہے تو تو لعنت بھیجتا ہے یہ جوتیوں کے نیچے رہتی ہے تو تو عزت کرتا ہے تو جس چیز سے تو بنا ہے تیرا مزاج بھی ایسا ہی ہونا چاہئے کہ جتنی تو خاکساری برتے گا تیری عزت ہوگی جتنا تو غرور کرے گا، اتنا ہی تجھے پست کردیا جائے گا تو پہلی بات تو یہ فرمائی گئی کہ رحمٰن کے بندوں کی زندگی کا ڈھنگ کیا ہونا چاہئے جب گھر سے باہر نکلیں اور چلیں تو زمین پر ہلکی چال چلیں، نخوت و کبر کی چال نہ چلیں اس کو دوسرے موقع پر قرآن کریم نے فرمایا: وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ۔

اپنی چال میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرو اور زیادہ زور سے چلا کر مت بولو حسب ضرورت آواز بلند کرو بہت زیادہ شور مچا کے بولنا کبر ونخوت کی علامت ہوتی ہے۔

ایک تو یہ کہ کسی کی آواز ہی خلقۃً بلند ہو، وہ دوسری بات ہے لیکن ارادہ کر کے آدمی چلائے یہ سمجھ کر کہ دوسرے کے اوپر میری آواز کا دباؤ پڑے یہ ممنوع ہے بس ضرورت کے وقت اعتدال کے ساتھ آواز بلند کرے تو بولنے اور چلنے دونوں میں اعتدال ہونا چاہئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چال مبارک کا جو نقشہ حدیث میں آتا ہے کہ یمشی کا نما ینقلع آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح سے چلتے تھے کہ عجیب شان تھی، اس طرح کہ گردن تو جھکی ہوئی جس کو خاکساری کی چال کہتے ہیں مگر ساتھ میں قوت اتنی تھی کہ یوں معلوم ہوتا تھا زمین کو کھود کر اندر گھس رہے ہیں اتنی قوت سے قدم پڑتا تھا تو قوت بھی ہو، شجاعت بھی ہو اور خاکساروں کی طرح نیازمندی بھی ہو وقار بھی اور تواضع بھی ہو، نہ بیماروں کی چال چلے جیسے کوئی مریض جا رہا ہے کہ ذرا کوئی تھپڑ مار دے تو گر پڑے، یہ بھی نہیں اور نہ اُبھر کر چلے جیسے کوئی متکبر جا رہا ہے بیچ کی چال ہو کہ اس سے خودداری اور خاکساری بھی ٹپکے یمشون هونا کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آہستہ آہستہ چلے، بلکہ یہ کہ تواضع سے چلے چاہے تیز چلے گویا یہ پہلا نقشہ بتلایا گیا کہ جب گھر سے نکلو تو ایسی چال چلو، اس لیے کہ مسلمان بے فکرا نہیں پیدا کیا گیا کہ جس طرح اس کا جی چاہے چل پڑے، قدموں پر نگاہ ہونی چاہئے کہ یہ کس طرح سے چلیں اس لیے کہ مومن کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ حاضر و ناظر ہے قرآن کریم میں فرمایا گیا مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ وَلَا خَمْسَۃٍ اِلَّا ھُوَ سَادِسُھُمْ وَلَآ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِکَ وَلَآ اَکْثَرَ اِلَّا ھُوَ مَعَھُمْ اَیْنَ مَا کَانُوْا۔

تم تین آدمی تنہائی میں بیٹھ کر آہستہ آہستہ سرگوشی کرو گے تو چوتھا خدا وہاں موجود ہوگا، یہ نہیں ہے کہ تمہاری باتوں کا سننے والا کوئی نہیں تم چار ہو گے پانچواں خدا ہوگا تم زیادہ ہو گے تب خدا موجود، کم ہو گے تب خدا موجود، جب اللہ ہر جگہ حاضر و ناظر اور موجود ہے تو آدمی کو ہر جگہ ادب سے چلنا پڑے گا۔ بے ادبی وہ کرے جس کا عقیدہ یہ ہو کہ مسجد میں خدا ہے اس لیے میں ادب کرتا ہوں اور سڑک پر گویا خدا نہیں تو میرا جی جس طرح چاہے چلوں یہاں بھی ہے وہاں بھی ہے، ہر جگہ کے مناسب ادب ہوگا اور عجز و نیازمندی اختیار کی جائے گی تو زندگی گزارنے کی پہلی بات یہ ہے کہ ہم زندگی میں قدم قدم پر نگاہ رکھیں کہ ہماری چال ڈھال کیا ہے۔

رحمٰن کے بندوں کا قال:

اس کے بعد آگے فرمایا چلتے چلتے لوگوں سے ملاقات ہوئی، تو اس میں اچھے بھی ملتے ہیں اور برے بھی۔ بعضے تو ایسے ملتے ہیں جو بڑے مہذب اور شائستہ ہیں آپ نے سلام کیا، انہوں نے جواب دیا، انہوں نے آپ کا شکریہ ادا کیا آپ نے اُن کا شکریہ ادا کیا محبت بڑھ گئی اور بعض ایسے بھی ملتے ہیں کہ وہ جھگڑے اور فساد کی بات اٹھاتے ہیں کہ کسی کو بری نگاہ سے دیکھ لیا یا کسی پر پھبتی کس دی، ایسے موقع پر ہماری رفتار کیا ہونی چاہئے اس پر فرمایا

وَّاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا اگر جاہل ملیں اور جاہلانہ حرکتیں کریں تو تم ان کے ساتھ جاہل مت بنو تم سلام کہو یعنی جب وہ جاہلانہ بات کریں بس اُن سے کہہ دو کہ بھئی! ہمارا سلام ہم یہ باتیں نہیں جانتے تمہارے لیے بھی زیبا نہیں ہمارے لیے بھی اور اگر آپ بھی جھگڑے میں لگ گئے تو وہاں اچھی خاصی لاٹھی چل جائے گی جھگڑا اٹھ جائے گا اور جھگڑا اٹھانا بہت آسان ہے مگر اس کا مٹانا بہت مشکل ہے اس لیے صبر وتحمل کرنا پڑتا ہے تو فرمایا گیا جب چلو تو چال میں نرمی پیدا کرو نرم چال رکھو کہ ہر ایک آدمی محبت کی نگاہ سے دیکھے گا آپ سے کوئی جھگڑا نہیں کرے گا جھگڑا جب کرے گا جب آپ متکبرانہ انداز سے جائیں اور جب تواضع سے گئے تو اول تو سب عزت کریں گے لیکن پھر بھی اگر کوئی بے وقوف آدمی مل جائے اور جاہلانہ باتیں کرے تو آپ کہیں گے۔ قالوا سلما بھئی! ہم یہ بات نہیں جانتے، ہمارا سلام ہے یہ مناسب نہیں ہے ہمارا کام یہ نہیں ہے تم جانو تمہارا کام جانے۔

سلام کی برکات اور آداب:

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سلام ایک ایسی عظیم چیز ہے جو جھگڑوں کو ختم کر دیتی ہے سلام آدمی نہ کرے تو برا سمجھا جاتا ہے اور اگر سلام کر لے تو جاہل بھی ہوں گے وہ بھی جھک جائیں گے کہ یہ بڑا اچھا آدمی ہے سلام کر رہا ہے۔

اس واسطے فرمایا گیا اگر باہم دشمنیاں بھی ہوں، عداوتیں بھی ہوں، اگر دشمن کو آپ سلام کریں گے دشمنیاں ڈھیلی پڑ جائیں گی وہ وعلیکم السلام کہنے پر مجبور ہوگا جس کا مطلب ہے کہ تمہارے لئے بھی سلامتی ہو جب سلامتی کی دعا دے گا تو جھگڑا اٹھائے گا کیوں؟ خود کہہ رہا ہے کہ اللہ تمہیں صحیح سلامت رکھے، تو دعا بھی دے اور اوپر سے جھگڑا بھی اٹھائے؟ اس سلام نے ساری دشمنی ختم کر دی۔

اس واسطے حدیث میں فرمایا گیا کہ افشوا السلام علی من عرفت ومن لم تعرف۔ جب چلو سلام کرنے کی عادت ڈالو، خواہ تعارف ہو یا نہ ہو۔

آج کے زمانہ کا تمدن یہ ہے کہ جب تک تیسرا آدمی تعارف نہ کرائے نہ بول، نہ چال، نہ سلام، نہ کلام، یہ متکبرانہ تمدن ہے یہ اسلام کا تمدن نہیں ہے اسلام کا تمدن یہ ہے کہ جب ہم بھی اور تم بھی اسلام کا رشتہ مشترک ہے، اسلامی اخوت اور بھائی بندی پہلی ہوتی ہے تو کیا ضرورت ہے کہ کوئی تیسرا تعارف کرائے، پہلے سے ہی تعارف حاصل ہے یہ ہمارا بھائی مسلمان ہے اس

میں اسلام بھرا ہوا ہے۔

ہمارا تعارف بھی اسے حاصل ہے یہ بھی جانتا ہے کہ میں مسلمان ہوں جب دونوں کے اندر ایک رشتہ مشترک ہے، پھر تیسرے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ تعارف کرائے۔ اگر گھر میں دو حقیقی بھائی موجود ہوں وہ دونوں یوں کہیں کہ کوئی تیسرا ملنے والا آ کر تعارف کرائے کہ یہ آپ کے حقیقی بھائی ہیں اور یہ آپ کے حقیقی بھتیجے ہیں تب آپ کلام کریں گے آپ کہیں گے کہ میری رشتہ داری ہے مجھے کیا مصیبت ہے کہ میں تیسرے آدمی کو بلاؤں کہ بھئی! میرا تعارف کرادو، یہ تکلف اور بناوٹ ہے تو نسبتی رشتے سے زیادہ قوی رشتہ اسلام کا ہے دو حقیقی بھائی اتنے قریب نہیں ہوتے جتنے دینی رشتہ کی وجہ سے دو مسلمان قریب ہوتے ہیں اس لیے ضرورت نہیں ہے کہ کوئی چوتھا آدمی تعارف کرائے۔

ہاں اس میں البتہ اس زمانے میں ایک مصیبت پڑ گئی، کہ ہم صورت سے یہ نہیں سمجھتے کہ مسلمان ہے بھی یا نہیں؟ بعض اوقات سلام کرنے کو جی چاہتا ہے لیکن سوچتے ہیں کہ یہ مسلمان ہے یا عیسائی ہے یا یہودی ہے یہ مصیبت آ کے پڑ گئی اس سے معلوم ہوا کہ ہیئت اور وضع بھی ایسی ہو جس سے دُور سے سمجھ لیا جائے کہ مسلمان آ رہا ہے تاکہ سلام و کلام کی نوبت آ جائے۔

بہر حال اس حدیث میں ہدایت کی گئی کہ پہچان پہچان کر سلام نہ کرو، اس واسطے کہ تعارف کرانے میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بڑا آدمی ہوا، اس کا تو تعارف ہو گیا اور اگر کوئی چھوٹا موٹا آدمی آئے تو اس کا کوئی تعارف نہیں کراتا گویا آپ کا سلام بڑے آدمی کو تو ہوگا چھوٹے کو نہیں ہوگا، یہ خود ایک تکبر ہے کہ چھوٹوں کو منہ نہ لگایا جائے اور بڑوں کے سامنے جھکے۔

اسی واسطے فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر کوئی سواری پر سوار جا رہا ہو اور لوگ سڑک پر سامنے بیٹھے ہوں تو سوار ہونے والے کا فرض ہے کہ وہ بیٹھنے والوں کو سلام کرے، اپنے اندر خاکساری پیدا کرے ایسی صورت نہ پیدا ہونے دے جس میں یہ انتظار ہو کہ یہ مجھے سلام کریں کیونکہ یہ میرے سے چھوٹے ہیں یہ چھوٹائی بڑائی کہاں کی؟ آدمی خود ہی چھوٹا ہے بڑا اللہ ہے سب سے بڑی ذات وہ ہے اس کے سامنے سب چھوٹے ہیں اس لیے ہر شخص یہ سمجھے کہ میں چھوٹا ہوں وہ بڑا ہے جب یہ سمجھے گا تو سلام کی ابتداء کرنے کی کوشش کرے گا اس لیے سلام کے آداب میں سے یہ ہے کہ جب دو آدمی ملیں تو یہ انتظار نہ کریں کہ دوسرا مجھے سلام کہے اسی کو فرمایا گیا:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا رحمٰن کے بندے جب چلیں تو خاکساری کی چال چلیں اور جب لوگوں سے ملیں تو سلام کی عادت ڈالیں اگر نیک لوگ ہیں تو سلامتی کی دعاء ہوگی اگر برے اور جھگڑالو لوگ ہیں تو یہ سلام رخصت کا ہوگا کہ بھئی! ہمارا سلام ہم جاتے ہیں ہم ان جھگڑوں میں نہیں پڑتے تو سلام ہر صورت میں انسان کے لیے رہا۔

پھر یہ اتنی پاکیزہ چیز ہے کہ حدیث میں فرمایا گیا:

تحية اليهود بالاصابع و تحية النصارى بالاكف وتحية المسلمين السلام عليكم یہودیوں کا سلام انگلیوں سے ہے، نصاریٰ کا سلام ہتھیلی سے ہے اور مسلمانوں کا سلام السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ ہے تو یہود و نصاریٰ کا سلام اشارہ محض ہیں اور مسلمانوں کا سلام ایک مستقل دعا ہے کہ تم پر سلامتی ہو اللہ کی رحمتیں تم پر نازل ہوں، برکتیں تم پر نازل ہوں ہر مسلمان جو دوسرے کو دعاء دے اس سے اس کی خیر خواہی اور محبت ظاہر ہوگی تعلق بھی مضبوط ہو جائے گا۔

وہ مثل مشہور ہے کہ کسی آدمی کے سامنے کوئی جن آ گیا تو اسے خطرہ لاحق ہو گیا کہ یہ تو کھا جائے گا اس نے آگے بڑھ کر کہا ماموں جان! سلام اس نے کہا بھانجے وعلیکم السلام اور کہا کہ میرا ارادہ تجھے کھانے کا تھا لیکن تو نے ماموں کہا اور سلام کیا میرے دل میں رحم آ گیا میں نے چھوڑ دیا اب تو آزاد ہے جہاں چاہے جا چلا جا۔ تو سلام نے جان بچائی یہی صورت دشمن کی بھی ہے اگر کسی سے پکی دشمنی ہے آپ کہیں السلام علیکم وہ پسیج جائے گا دشمنی ڈھیلی پڑ جائے گی تو یہ بہت بڑی نعمت اور عظیم دعاء ہے۔

تو زندگی گزارنے کے طریقے میں پہلی چیز چال ہے دوسری چیز قال ہے کہ قال میں دعاء ہو، چال میں تواضع ہو اور جھگڑالوؤں سے بھی جب کلام کرو، سلام کے ساتھ کرو، کہ **سلامٌ عليكم لا نبتغى الجاهلين** ہمارا سلام ہو ہم ان باتوں میں نہیں پڑتے۔

گویا اسلامی شریعت نے رہن سہن کیلئے ابتدائی دو چیزیں بتلائیں ایک زبان کو قابو میں رکھو، دوسرے قدم کو قابو میں رکھو بے ڈھنگا چلو بھی مت اور کلام بھی مت کرو۔

رحمٰن کے بندوں کی تنہائی:

یہ تو لوگوں کے ساتھ معاملہ ہے اب آگے اور چلے تو آ گئی مسجد یا تنہائی آ گئی یا رات کا وقت آ گیا جس میں لوگوں کے ساتھ اختلاط نہیں پھر کیا کرے آگے کی ہدایت دی۔ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا رحمٰن کے بندوں کی شان یہ ہے کہ جب وہ رات گزارتے ہیں تو سجود اور قیام کے ساتھ گزارتے ہیں کہ سو بھی جاتے ہیں کبھی سجدے میں ہیں کبھی قیام و رکوع میں ہیں، اللہ کی یاد کرتے ہیں، اُس کے سامنے گڑ گڑ گڑاتے ہیں گویا مخلوق کے آگے مہذب بن کر آتے ہیں اور خدا کے سامنے عابد بن کر آتے ہیں یہاں عبادت کی ضرورت ہے، وہاں شفقت کی ضرورت ہے، شفقت کا تو یہ ہے کہ سلام کرے اور عبادت کا اثر یہ ہے کہ سجدہ و رکوع کرے، ناک اور پیشانی کو اللہ کے سامنے سجدے میں رگڑے۔

یہ گویا جانی عبادت بتلائی گئی جب تم اپنے گھر میں آؤ یعنی مسجد میں تو بھی عبادت کرتے ہیں، اس کو تو ساری دنیا جانتی ہی ہے لیکن اگر گھر میں مبیت کے لئے آؤ مبیت کہتے ہیں رات گزارنے کو رات گزارنے میں ہر انسان تنہا ہوتا ہے جب سو گیا تو وہ تن تنہا ہے اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں، جاگتا ہوا ہوگا، مجلس کرے گا دوستوں میں بیٹھے گا، باتیں بھی کرے گا اور جب سو گیا تو ایک لاکھ آدمی اگر ایک جگہ سوئے ہوئے ہیں، ہر ایک ان میں سے تن تنہا ہے اس وقت ہر ایک کا سابقہ اللہ کے ساتھ ہے بندوں کے ساتھ نہیں اس واسطے اس موقع کا ادب بتلایا کہ جب تم تن تنہا ہو اور اللہ کے سوا کوئی نہ ہو اس وقت سجود و قیام اور طاعت وعبادت کو اپنا شیوہ بنالو تا کہ تمہاری بندگی نمایاں ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حدیث میں فرماتے ہیں کہ ثلث درجات تین چیزیں ہیں جن سے انسان کے درجات بلند ہوتے ہیں عند اللہ بھی اس کا رتبہ اونچا ہے اور خلقت کے نزدیک بھی اس کا رتبہ بلند ہوتا ہے۔

افشاء السلام، و اطعام الطعام، و الصلوۃ باللیل و الناس نیام.

سب سے پہلی چیز افشاء السلام ہے یعنی مخلوق کو سلام کرنا ہے اس سے انسان کے درجات بلند ہوتے ہیں اور اتنی بلندی کہ اللہ کے ہاں جو مرتبہ ہوگا اسے اللہ جانے یا یہ بندہ آخرت میں جانے گا دُنیا میں یہ ہے کہ کثرت سلام سے لوگوں کے دلوں میں عزت ووقار پیدا ہو جاتا ہے۔

دوسری چیز فرمائی، اطعام الطعام، حاجت مندوں کو کھانا کھلانا، اس میں مسکین، غریب، سائل، مسافر، مہمان بھی آتے ہیں کھانا کھلانا سب کے لئے عام ہے یعنی حقوق قائم کر دیئے گویا یہ فرمایا گیا کہ اس سے درجات بلند ہوتے ہیں خواہ کوئی سائل بن کر آئے، مہمان بن کر آئے یا ان میں سے کوئی نہ ہو آپ کو معلوم ہے کہ فلاں حاجت مند ہے۔ از خود آپ اس کو کھانا کھلائیں اس سے بھی درجات بلند ہوتے ہیں۔

تیسری چیز رات کو نماز پڑھنا، جب کہ دنیا پڑی سو رہی ہو اس لیے کہ یہ نماز انتہائی خلوص کی ہوگی، نہ اس میں نام ونمود کا جذبہ ہوگا نہ ریاء وشہرت پسندی کا ہوگا، نہ لوگوں کو دکھلاوے کے لیے ہوگی دکھلاوے بھی کس کو؟ سب تو سو رہے ہیں، لوگوں کو کچھ خبر نہیں اس وقت جو نماز پڑھتا ہے تو بجز اس کے کہ اللہ ہی کی محبت اس کو اٹھا کر جگائے اور کچھ نہیں۔

علماء لکھتے ہیں کہ جس کو بھی جو کچھ ملا ہے وہ رات کی نماز سے ملا ہے دنیا بھی ملی ہے وہ بھی رات کی نماز سے، آخرت بنی ہے وہ بھی رات کی نماز سے۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا سکون وآرام کا وقت رات ہی کا وقت ہوتا ہے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ تہجد آداب صالحین میں سے ہے کیونکہ دن میں ریاء کاری اور دکھلاوے کا وہم ہو سکتا ہے رات کی نماز میں دکھلاوے اور ریاء کاری کا کوئی دخل نہیں غرض جس کو جو ملا وہ رات کی نماز سے ملا۔

حدیث میں ہے کہ چند باتیں ایسی ہیں کہ ان سے اللہ کو ہنسی آتی ہے جیسی ہنسی اس کی شان کے مناسب ہے یہ ایسی ہنسی نہیں جیسے ہم اور آپ ہنستے ہیں اس لیے کہ وہ جسم سے پاک ہے مگر ہماری جسمانی ہنسی کی حقیقت یہ ہے کہ جب دل میں کوئی خوشی پیدا ہو جب ہنسی آتی ہے غم دل میں بھرا ہوا ہو تو کون ہنسا کرتا ہے تو رونا غم کی اور ہنسنا خوشی کی علامت ہے۔ غرض خوشی ایک کیفیت ہے اسے ظاہر کرنے کے لئے اللہ نے ہنسی رکھ دی چونکہ ہمارے پاس بدن ہے تو جب اندر خوشی ہے تو باہر بدن پر ہنسی آتی ہے حق تعالیٰ چونکہ بدن و صورت سے پاک ہیں اس لیے جب اس کو بیان کریں گے تو کہیں گے ہنسی درست ہے مگر ہنسی کا وہ مطلب نہیں ہوگا جو ہمارے ہاں ہو یا ہے۔

تو حدیث میں ہے کہ تین موقعوں پر حق تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے ایک میدان حج میں جب ننگے سر، ننگے پاؤں، گرد پڑا ہوا، بال بکھرے ہوئے، ناخن بڑھے ہوئے، نہ خوشبو اور نہ زینت اور لبیک لبیک کہتے ہوئے بندے پھر رہے ہیں حق تعالیٰ کو اس موقع پر ہنسی آتی ہے کہ کیا چیز ان کو ان کے گھروں سے نکال کر لائی ہے، بیوی بچے چھوڑے، وطن چھوڑا، آخر یہ کیوں فقیروں کی طرح سے بے وطن ہوئے ہیں؟ میری محبت میں ہی تو پھر رہے ہیں حق تعالیٰ ہنستے ہیں اور ملائکہ سے کہتے ہیں کہ تمہیں گواہ کرتا ہوں میں نے ان سب کی مغفرت کی، یہ میری محبت میں گھر بار، بیوی بچوں کو چھوڑ کر آئے ہیں میں کریم ہوں یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ گھر بار چھوڑیں اور میں توجہ نہ کروں میں نے ان سب کی مغفرت کی تو خوش ہو کر مغفرت فرماتے ہیں اس خوشی کو ہنسی سے تعبیر کیا گیا۔

دوسری ہنسی کب آتی ہے؟ جب مکبر تکبیر کہے اور لوگ دوڑ دوڑ کے آ رہے ہیں کہ صف اولیٰ میں جگہ ملے، ہر ایک کہتا ہے مجھے ملے گویا ایک قسم کا جھگڑا ہے اور آگے پیچھے ہونے کی دوڑ ہے حق تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے کہ یہ جو اپنا گھر چھوڑ کر میرے گھر میں آئے ہیں ان میں سے ہر ایک آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا ہے یہاں کوئی مٹھائی روٹی نہیں مل رہی؟ یہ آخر کیوں دوڑ رہے ہیں؟ یہ میری محبت میں دوڑ رہے ہیں، یہ میرا دربار جان کر آئے ہیں یہ چاہتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے جتنا بھی قریب ہو جائیں گے اتنے ہی ہمارے درجات بلند ہوں گے اس سے خوش ہو کر حق تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے۔

اور تیسرا موقع کون سا ہے؟ فرمایا گیا کہ خاوند اور بیوی پڑے ہوئے سو رہے ہیں اچانک خاوند کی آنکھ کھلی اور اس کا جی چاہا کہ تہجد پڑھوں اس نے بیوی کے منہ کے اوپر پانی کا چھینٹا مارا وہ بڑبڑا کے اٹھی اس نے کہا کیا مصیبت آئی ہے خاوند نے کہا دو رکعت نفل پڑھ لے تہجد کا وقت ہے حق تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے کہ یہ ایک محبوبہ ہے اس کے پاس لیٹی ہوئی ہے آرام سے میٹھی نیند سو رہی تھی ایک دم گھبرا کے اٹھی کہ بارش تو نہیں آ گئی، خاوند نے کہا، بارش تو نہیں مگر دو رکعت پڑھ لے تو یہ آگے سے کہتی ہے کہ میں شکریہ ادا کرتی ہوں کہ مجھے دو رکعت

پڑھنے کی توفیق ہوگئی اس نے بھی کھڑے ہوکر دو رکعتیں پڑھیں یا بیوی نے خاوند کے منہ پر چھینٹا مار دیا اور وہ بیدار ہوکر اٹھا تو یہ موقع بھی حق تعالیٰ کی ہنسی کا ہوتا ہے چونکہ یہ تینوں چیزیں درجات کے بلند ہونے کا باعث ہیں اور اللہ کی انتہائی رضاء کا وقت ہے اس واسطے اس کو ہنسی سے تعبیر کیا گیا تو یہ جو فرمایا گیا ہے کہ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا کہ جب رات تنہائی میں گزارتے ہیں تو کبھی سجدہ و رکوع میں اور کبھی تلاوت میں ہیں اس پر حق تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے کہ کوئی دیکھنے والا نہیں کسی کو یوں نہیں کہہ سکتے کہ دیکھو میں بڑا عابد زاہد ہوں کسی کو دکھلانے کے لئے یہ نہیں اٹھا یہ صرف مجھے دکھلانے اور میری رضا کے لئے اٹھا ہے میں کریم ہوں میں بخشتا ہوں اور مغفرت کرتا ہوں۔

اب گویا تین باتیں ہوئیں گھر سے نکلو تو تواضع کی چال چلو، قال ہو تو سلامتی کا کلمہ ہو، بُرے کلمات نہ ہوں، جاہلانہ باتیں نہ ہوں اور رات گزارو تنہائی میں جب کسی انسان سے سابقہ نہیں تو سجود و قیام اور اللہ کے ذکر و طاعت کرو۔

رحمٰن کے بندوں کی زبان سے عبادت:

اور یہ تو عمل ہے کہ قیام کرلیا، سجدہ کرلیا اور قلب کے جذبات کیا ہونے چاہئیں؟ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ دل میں خوف بھرا ہوا ہو، زبان پر اس کو ادا کرے اور یہ دُعا کرے اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم کا عذاب ہٹا دے، اس کو ہمارے سے دُور دُور رکھ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا اس لیے کہ یہ عذاب گلے کا ہار ہے جب لٹک جائے گا تو اس کا جدا ہونا مشکل ہوگا کسی کے بس میں نہیں ہوگا کہ اس عذاب کو دُور کرے اللہ کی طرف سے جب عذاب آتا ہے تو کوئی پناہ دینے والا نہیں ہے آخرت تو آخرت دنیا میں بھی حق تعالیٰ اگر کسی کو عیاذاً باللہ مبتلا کردیں کہیں پناہ کی جگہ نہیں ملتی جب تک اللہ ہی پناہ نہ دے کسی قوم کو گھیرے تو چار طرف سے راستے بند ہوجاتے ہیں بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں ملتا، بجز اس کے اللہ ہی پناہ دے اور مخرج پیدا کردے اور آخرت میں تو اسباب کا ذکر ہی نہیں، وہاں تو سارا کارخانہ مسبب الاسباب کا ہے اس لیے بڑا ڈر وہاں کا ہے۔

اس لیے کہ یہاں اگر آدمی مبتلا ہوجائے تو کم سے کم خیال تو باندھ لے گا کہ شاید کل کو چھٹکارا ہوجائے شاید پرسوں کو، وہاں تو خیال پر بھی پابندی ہوگی کہ راحت کا آدمی سوچ بھی نہیں سکتا تو انتہائی قید و بند ہے کہ دل بھی گرفتار، زبان بھی گرفتار، ہاتھ پیر بھی گرفتار کوئی پناہ کی جگہ نہیں یہ ہے عذاب جہنم اس لیے فرمایا گیا کہ تم ایک تو بدن سے عمل کرو یعنی سجود اور قیام کرو اور ایک زبان سے یہ دُعاء پڑھو۔ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا۔

غرض پہلے قدموں کو لیا کہ انہیں ٹھیک ڈالو کہ چال درست ہو، پھر بدن کو لیا کہ سجدے اور قیام میں لگو پھر زبان کو لیا کہ سلامتی کی بات کرو اللہ سے دُعائیں کرو اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۔ اس لیے کہ جہنم جسے کہتے ہیں وہ بدترین ٹھکانا ہے اللہ اس سے پناہ دے اور نجات عطا فرمادے، اب گویا قول، بدن اور قدم کی سب عبادتیں آگئیں۔

مالیات کے سلسلہ میں رحمٰن کے بندوں کی شان:

اب اس سے آگے انسان کے وسائل اور اسباب ہیں جن کو مالیات کہتے ہیں نقد، سامان، گھر بار یہ سب اموال کہلاتے ہیں جب ہم اللہ کے پیدا کیئے ہوئے ہیں، تو ہمارا سامان بھی اسی کا پیدا کیا ہوا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ جان اور بدن سے عبادت کریں مال سے نہ کریں، مال اسی کی چیز ہے اس نے ہمیں دے دیا یہ اس کا فضل ہے مگر اصل مالک وہ ہے تو فرمایا جب بدن سے فارغ ہوگئے بدن کا، قدموں کا، زبان ہاتھ، پیر اور سونے جاگنے کا ڈھنگ معلوم ہوگیا اب ایک چیز رہ جاتی ہے جو مالیات ہیں اس کے بارے میں فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا رحمٰن کے بندوں کی شان یہ ہے کہ جب اللہ ان کو مال و دولت دے تو وہ اعتدال کیساتھ چلیں نہ تو بخیل بنیں کہ ایک پائی بھی ان کے ہاتھ سے نہ نکلے نہ فضول خرچ بے جا اپنی دولت خرچ کرکے محض اپنے نفس کی راحتوں میں گنوا دیں اعتدال کے ساتھ چلیں نہ اسراف کریں نہ تقصیر کریں اسراف فضول خرچی کو کہتے ہیں تقتیر امساک اور بخل کو کہتے ہیں جس طرح اور جگہ فرمایا گیا۔ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا نہ تو اپنے ہاتھ کو اتنا سکیڑو کہ تمہارا ہاتھ مونڈھے کو لگ جائے کہ دینے کے لیے کچھ نہیں اور نہ اتنا پھیلاؤ کہ جو کچھ ہے سب دے ڈالو، کل کو بھیک مانگنے لگو، دونوں چیزیں ممنوع ہیں درمیانی چال یہ ہے کہ دو بھی اور نہ بھی دو، یعنی یہ پہچان کر کہاں دینا جائز ہے کہاں ناجائز ہے کہاں موزوں ہے کہاں ناموزوں ہے کہاں دینا حق ہے، کہاں دینا ناحق ہے لہو و لعب، کھیل تماشے میں مت دو، وہاں بخیل بن جاؤ یہی بہتر ہے اور اگر عمل خیر ہو، یہاں دینا بہتر ہے جب آدمی اعتدال کے ساتھ خرچ کرے گا تو حدود معلوم کرنے کی ضرورت ہوگی، کہ کہاں خرچ کروں کہاں نہ کروں؟

اسلام کا اصول ہی اعتدال ہے، عمل میں بھی اعتدال ہو، چنانچہ یہ اسراف ہے کہ آدمی نفل پڑھنے پر آئے تو ساری رات پڑھتا رہے اور جب چھوڑ کے بھاگے تو فرضوں کی بھی خیر نہیں یہ اچھی چیز نہیں، عبادت کرے، نفل پڑھے، مگر اس طرح کہ پھر عمر بھر اس کو نبھاوے فرائض تو ادا کرے مگر نوافل پڑھے تو ان کو پھر عمر بھر نبھائے۔

اسی کو فرمایا گیا۔ خير الا مور ما ديم عليه ۔ آدمی کا بہترین عمل وہ ہے جس پر وہ ہمیشگی کر سکے مثل مشہور ہے کہ " نہ دوڑ کے چلے نہ اکھڑ کے گرے " چلے تو آدمیوں کی طرح چلے نہ دوڑے نہ بالکل ضعیف بن جائے، بیچ کی چال چلے اسی کو فرمایا گیا کہ نفل، تلاوت، ذکر کرنے میں اعتدال ہو۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا جی چاہتا ہے کہ ایک قرآن روز ختم کیا کروں گا؟

فرمایا ہرگز نہیں، یہ نبھ نہیں سکے گا، کم کرو۔

عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دو دن میں ایک ختم کرلیا کروں گا؟

فرمایا نہیں، یہ نبھ نہیں سکے گا۔

پھر عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں چاہتا ہوں کہ دس پارے روز پڑھوں اور ہر تیسرے دن ختم کروں؟

فرمایا۔ نہیں نبھ سکے گا۔

پھر عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایک منزل روزانہ پڑھ لیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ خوشی سے اس کی بھی اجازت نہیں دی مگر جب اصرار دیکھا تو فرمایا اچھا۔

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میرا بڑھاپے کا زمانہ آیا اب مجھے قدر ہوئی کہ پانچ پارے روز بھی نہیں پڑھ سکتا تھا تو میں کہتا تھا کہ اگر میں روز کا ایک قرآن شریف شروع کر دیتا تو چھوڑ کے بن پڑتی اور محرومی اختیار کرتا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی سچی بات فرمائی تھی کیسی پاک نصیحت فرمائی تھی، یہ بھی منشا نہیں تھا کہ پانچ پارے روزانہ پڑھوں، مقصد نبھانا تھا۔ اب ان پانچ کا نبھانا بھی مشکل ہو رہا ہے، اس لیے آدمی کام اتنا کرے جو نبھ سکے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں، یہ مسجد نبوی میں عبادت کیا کرتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن تشریف لائے دیکھا کہ چھت میں ایک رسی لٹک رہی ہے فرمایا یہ رسی کیسی ہے؟

عرض کیا گیا کہ ام سلمہ عبادت کرتی ہیں جب بیٹھے بیٹھے تھک جاتی ہیں، اونگھ آنے لگتی ہے تو رسی کا سہارا لے کر بیٹھتی ہیں پھر عبادت کرنے لگتی ہیں۔

فرمایا: اس کی کیا ضرورت ہے جب نیند آئے پڑ کے سو جاؤ جب سو کر اٹھو بشاشت ہو پھر اللہ کو یاد کرو اس تکلف کی کیا ضرورت ہے کہ نیند آ رہی ہے، اونگھ آ رہی ہے کہیں رسی کی آڑ، کہیں دیوار کی آڑ اس تصنع اور بناوٹ کی ضرورت نہیں اتنا کام کرو جتنا نبھ جائے، تو اقتصاد یعنی عمل میں میانہ روی یہ معتبر ہے خواہ جان کے خرچ کرنے کا عمل ہو یا مال کے خرچ کرنے کا اعتدال ہونا چاہئے۔

رحمٰن کے بندوں کی قلبی عبادت:

یہاں تک گویا اعمال آ گئے، چال ایسی ہو سلام کرنا ایسا ہو وغیرہ یہ گویا ہاتھ، پیر اور زبان کی عبادت آ گئی آگے قلب کی عبادت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس مبداء اور معاد کے درمیان میں جو زندگی گزارو تو دل کیسا ہونا چاہئے، دل کی عبادت کیا ہو؟ تو فرمایا: وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ۔ رحمٰن کے بندوں کی شان یہ ہے کہ جب وہ اللہ کو پکاریں تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، کسی کو ساجھی نہ ٹھہرائیں نہ اس کی ذات میں، نہ صفات میں اور نہ ہی افعال میں، ذات بھی اس کی یکتا ہے کہ اس جیسا کوئی نہیں، صفات وکمالات بھی اسکے یکتا ہیں کہ کوئی اس جیسا نہیں، افعال میں بھی وہ یکتا ہے کہ کوئی اس جیسا نہیں۔

ذات لامحدود ہے پس اس کی حد نہیں، اس کے سوا جو بھی ہے اس کی ایک حد ہے سب سے بڑی مخلوق انسان ہے مگر اس کی ایک حد ہے، ڈیڑھ گز کے اندر ہے اس سے باہر نہیں ہے ہم ایک حد میں ہیں اس سے آگے نہیں ہیں، آپ اپنی حد میں ہیں اس سے باہر نہیں میں اپنی حد میں ہوں اس سے باہر نہیں ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ جہاں جاؤ وہ موجود کہیں پہنچ جاؤ وہ موجود ہے، آسمانوں، زمینوں اور ان کی تہوں میں گھس جاؤ تب اللہ موجود ہے اس کے وجود کی کوئی حد نہیں ہے، تو اللہ کے سوا کون ہے کہ اس کے وجود کی حد نہ ہو غ جسے دیکھو اس کی ایک حد ہے پہاڑ ہیں گو کتنے بڑے ہیں مگر ایک حد میں ہیں سمندر ہیں ان کی ایک حد ہے جہاں کنارہ آ گیا سمندر ختم ہو گیا آگے زمین شروع ہو گئی، یہ نہیں کہ سمندر ہر جگہ موجود، آسمانوں، زمینوں، فضا میں بھی ہے ایسا نہیں ہے اپنے دائرے کے اندر ہے زمین اپنے دائرے میں ایک حد میں ہے حد سے آگے کچھ نہیں ہے اور اللہ کی ذات اس کی کہیں حد ہی نہیں ہے، کسی عالم میں پہنچو اللہ کی ذات موجود ہے اس جیسی دوسری ذات نہیں وہ بے مثل و بے مثال ہے۔

اسی طرح اس کی صفات بھی یکتا ہیں، مثلاً اس کی صفت علم ہے آپ کا علم ہوگا کہ سو مسئلے معلوم ہوں گے، ہزار ہوں گے، دس ہزار معلوم ہوں گے اس کے بعد پھر جہالت آگے کچھ معلوم نہیں، لیکن اللہ کی ذات کا علم لامحدود ہے کوئی ذرہ نہیں ہلتا کہ اسے علم نہ ہو، کوئی پتہ نہیں حرکت کرے گا کہ اس کے علم میں نہ ہو، آپ کی اور ہماری قدرت ایک حد میں ہے ہم یہ لاؤڈ اسپیکر اٹھا لیں گے، جائے نماز تہہ کر کے اٹھا لیں گے لیکن اگر کوئی کہے کہ مسجد کو اٹھا لو آپ ہم کہہ دیں گے کہ یہ ہماری قدرت میں نہیں ہے ہمارے بس میں نہیں ہے، ایک جن مسجد کو اٹھا لے گا لیکن اس کو اگر کہا جائے کہ ساری زمین کو اٹھا لے وہ کہے گا میرے قبضے میں نہیں، ملائکہ علیہم السلام زمین کا ایک ٹکڑا اٹھا کر پھینک دیں جبریل علیہ السلام نے لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں الٹ دیں لیکن ان سے کہا جائے کہ آسمانوں کو پلٹ دو، وہ کہیں گے میری قدرت ہی نہیں غرض بڑے سے بڑے طاقت والے کی طاقت کی ایک حد ہے، مگر اللہ کی طاقت کی کوئی حد نہیں ہے، قدرت علم، سماعت، بصارت ساری صفات اس کی ایسی ہیں۔

ایسے ہی وہ اپنے افعال میں بھی یکتا ہے کہ اس جیسا کوئی بھی فعل نہیں کر سکتا وہ ماں کے پیٹ میں بچے کو بنا دیتا ہے، کوئی اور دوسرا نہیں کر سکتا، اس نے چاند سورج بنائے، ہمارے آپ کے بس میں نہیں ہے ساری زمین کے حکماء ملیں چاند تو بڑا اونچا ہے زمین کا ایک ذرہ بنا دیں جس میں وہ خاصیتیں ہوں جو اللہ کی زمین میں ہیں زمین کے ٹکڑوں کو جوڑ توڑ کر کچھ بنا لیں گے لیکن

خود زمین کی ایجاد کریں ایک ذرہ بھی نہیں کر سکتے ساری دنیا کے فلاسفر جمع ہو جائیں سورج کی ایک کرن بھی نہیں بنا سکتے اور اللہ نے بنایا، معلوم ہوا اس جیسا فعل کوئی نہیں کر سکتا۔

تو ذات، صفات اور افعال سب کچھ یکتا اور بے مثل ہے اس لیے جب جھکیں گے تو اس کے آگے جھکیں گے اگر اس کا کوئی شریک اور ساجھی ٹھہرا لیں تو یہ کیسے درست ہوگا؟ کیوں کہ جب اس کی ذات وصفات اور افعال میں کوئی شریک نہیں تو عبادت میں کون شریک ہو سکتا ہے؟ سب عبادتیں اسی کے لئے ہوں گی سجدہ رکوع اور فریاد اسی کے سامنے کریں گے، رزق، اولاد اسی سے مانگیں گے، اس کی ذات کے سوا دینے والا کوئی نہیں ہے۔

انبیاء علیہم السلام اتنے مقدس بندے ہیں اور ان میں سے سب سے زیادہ افضل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ساری کائنات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم برتر ہیں لیکن عبدیت کا یہ حال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ تم خود اپنی زبان سے کہو۔

قُلْ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۔

اے پیغمبر! اعلان کرو کہ میں نہ تمہارے نفع کا مالک ہوں نہ نقصان کا۔

حضرت فاطمہؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب کر کے فرمایا:

یا فاطمة بنت محمد لا اغنی عنک من اللہ شیئا

اے فاطمہؓ بیٹی محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے قبضے میں کچھ نہیں ہے، تیرے اندر ایمان اور عمل ہوگا تو نجات پا جائے گی میں نجات نہیں دلا سکوں گا، نہ دنیا میرے قبضے میں ہے نہ آخرت، جب سید الاولین والآخرین یہ فرمائیں کہ میرے بس میں کچھ نہیں تو میں اور آپ کیا چیز ہیں؟ پوری مخلوق کیا چیز ہے؟ جو اس سے نمٹ لے، بالکل کسی کے بس میں کچھ نہیں، تو اسی کو مانو، جس کے بس میں سب کچھ ہے وہ اللہ کی ذات ہے۔

ہارون رشید کی بادشاہت کا زمانہ تھا اس وقت قحط پڑا، ایک دیہاتی آیا کہ میں بھی جا کر بادشاہ سے کچھ مانگوں، تا کہ میری اصلاح حال ہو بچے بھوکے مر رہے ہیں میں جا کر بادشاہ سے کہوں کہ اپنے خزانے سے مجھے کچھ دے جب آیا تو دیکھا کہ ہارون رشید نماز میں مصروف ہیں تو چوب دار نے کہا کہ ذرا ٹھہر جا یہ دیہاتی بے چارہ ٹھہر گیا ہارون رشید جب سلام پھیر چکے اور دُعا مانگ چکے تو ہارون رشید نے پوچھا کہ چودھری صاحب کیوں آئے؟

چودھری صاحب نے کہا کہ یہ تو میں بعد میں بتاؤں گا کہ کیوں آیا پہلے یہ بتا کہ تو کر کیا رہا تھا یہ کیا بات تھی اس نے کہا میں اپنے اللہ کے آگے جھک رہا تھا اُس نے کہا اچھا تیرے سے بھی کوئی بڑا ہے؟ اس نے کہا میرے سے بڑے اللہ میاں ہیں، میں ان سے مانگتا ہوں۔

بس دیہاتی وہیں سے لوٹا کہ مجھے اس سے مانگنے کی ضرورت نہیں میں اس سے کیوں نہ مانگوں، جس سے تو مانگ رہا ہے جب تو بھی اس کا محتاج ہے تو میں محتاج کا محتاج کیوں بنوں؟ حقیقت یہی ہے کہ سب اس کے سامنے بے بس ہیں وہی سب کے کام کرتے ہیں نہ کوئی کسی کو دے سکتا ہے نہ چھین سکتا ہے وہی دیتا ہے اسی کو چھیننے کی قدرت ہے۔

آدمی کو اگر کچھ لینا ہے تو اپنے معاملے کو اللہ میاں سے درست کرے سب کچھ مل جائے گا ان سے بگاڑ لی تو ملا ملایا بھی چھن جائے گا۔

ہارون رشید ایک دفعہ دربار میں بیٹھے ہوئے تھے بادشاہی کا جوش جو آیا تو ہارون رشید نے کہا آج جس کو جو جی چاہے مانگے اسے وہی دوں گا بس لوگ کھڑے ہو گئے کسی نے کہا مجھے دس لاکھ روپے دے دو اس نے کہا دے دیا کسی نے کہا مجھے فلاں صوبے کی گورنری دے دیجئے اس نے کہا دے دی کسی نے کہا مجھے وائسرائے بنا دیجئے اس نے کہا بنا دیا کسی نے کہا مجھے قلعہ دے دیجئے اس نے کہا دے دیا جو جس نے مانگا ہارون نے حکم دیا کہ وہ اسے دے دیا جائے۔

ہارون رشید کی پشت پر باندی کھڑی ہوئی پنکھا جھل رہی تھی تو ہارون نے گردن پھیر کر باندی سے کہا کہ تو نے کچھ نہیں مانگا سب درباری مانگ رہے ہیں۔

باندی نے کہا ان بے وقوفوں کو نمٹنے دیجئے بعد میں میں بھی مانگوں گی۔

اس نے کہا اچھا یہ میرے وزراء، امراء سب بے وقوف، پاگل اور احمق ہیں۔

ہارون رشید کو بُرا معلوم ہوا کہ اس نے میرے سارے وزراء، امراء کو اس نے پاگل بنا دیا، ان امراء کو بھی برا لگا مگر امیر المؤمنین کی باندی تھی اس لیے کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا تھا بہرحال اس نے کہا کہ پہلے یہ احمق نمٹ لیں اس کے بعد میں بھی آپ سے مانگوں گی جب سب دربار والوں کی مرادیں پوری ہو گئیں ہارون نے کہا اب مانگ کیا مانگتی ہے؟ اس نے کہا جو کچھ میں مانگوں گی آپ دے سکیں گے ہاں میں دوں گا، میرا اعلان ہے ضرور دوں گا اس نے ہارون رشید کی پشت پر ہاتھ رکھ دیا کہ میں تو آپ کو مانگتی ہوں جب آپ میرے ہو گئے تو ملک، قلعے، دولت اور خزانے بھی کچھ میرے ہیں یہ سب بے وقوف تھے اس لیے کہ جس نے خزانہ لیا اسے خزانہ مل گیا آگے کچھ بھی نہیں، قلعہ مانگا قلعہ مل گیا، باقی کچھ نہیں کسی نے گورنری مانگی گورنر بن گیا باقی کچھ نہیں، تو انہوں نے ایک ایک چیز مانگی اور میں نے وہ چیز مانگی کہ ساری چیزیں میرے قبضے میں آ جائیں۔

یہی شان اہل اللہ اور اہل دنیا کی ہے مثلاً اہل دُنیا مانگتے ہیں کہ یا اللہ! مجھ کو لکھ پتی بنا دیجئے، یا کروڑ پتی بنا دیجئے تو وہ بنا دیئے گئے کسی نے کہا کہ مجھے جاگیر دے دیجئے فرماتے ہیں حق تعالیٰ کہ دے دی اللہ والے کہتے ہیں کہ آپ میرے ہو جائیے تو سب کچھ میرے قبضے میں ہے وہ کروڑ پتی بھی ہے، لکھ پتی بھی ہے، تو دانش مندی کی بات یہ ہے کہ جڑ بنیاد کو آدمی پکڑ لے۔

اس لیے آدمی کو اگر مانگنا چاہئے تو اللہ سے مانگے اس سے کیا مانگے جو خود

مانگنے والا اور محتاج ہو، اسی لیے فرمایا گیا۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ رحمن کے بندوں کی شان یہ ہے کہ جب وہ پکارنے بیٹھتے ہیں تو تنہا اللہ کی ذات کو پکارتے ہیں کسی اور کو ساجھی نہیں سمجھتے۔ اس لیے کہ اللہ کا کوئی اور مددگار تو نہیں ہے۔ جب انہوں نے آسمان بنایا تھا تو کسی سے کہا تھا کہ اتنا کام تم کروا دتا میں کرلوں گا۔ جب پیٹ میں بچے کو بنایا تھا تو کیا کسی سے مدد مانگی تھی کہ آ تو بھی شریک ہو جا۔ مجھ اکیلے سے نہیں بنتا، تو شریک ہو جائے گا تو بن جائے گا جب کسی کام کی تخلیق میں کوئی شریک نہیں ہے تو عبادت میں کیسے شریک ہو گئے؟ وہ تنہا بناتا ہے، تو تنہا وہ معبود بھی ہوگا۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ تنہا آپ ہی کی عبادت کریں گے تنہا آپ ہی سے مدد مانگیں گے، مسلم کو اللہ نے یہ شان دی ہے کہ اس کا سر خدا کے سوا کسی اور کے آگے نہیں جھکتا، یہ ذلت پیش کرے گا تو اللہ کے سامنے کرے گا بندہ بندہ کے آگے ذلیل ہونے کیلئے دنیا میں نہیں بھیجا گیا اسی واسطے شریعت نے بھیک مانگنے سے ممانعت فرمائی ہے کوئی کسی کے آگے بھیک نہ مانگے اس لیے کہ مانگنے سے زیادہ ذلت کسی چیز میں نہیں ہے، بھیک مانگنا اپنے کو بے آبرو کرنا ہے بندے کو حق نہیں ہے کہ اپنے جیسے بندہ کے آگے بے آبرو بنے۔

ایک دوستی میں مانگنا ہے جیسے آپ کسی بے تکلفی میں یوں کہیں کہ بھئی یہ چیز مجھے دے دو یہ تعلق کو بڑھانے کا ذریعہ بنتا ہے جیسے قرآن کریم میں فرمایا گیا

اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوْ صَدِيْقِكُمْ

فرماتے ہیں اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں ہے تم اپنے گھروں میں جس طرح تمہارا جی چاہے کھا سکتے ہو ماں کے گھر سے مانگ کر کھا سکتے ہو یہ مانگنا تعلق اور مانگنا تعلق کی علامت ہوگا باپ، حقیقی بھائی، بہن، چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ یا ایسے گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں یا اپنے دوستوں کے گھر سے بھی مانگ کر کھا سکتے ہو کوئی حرج نہیں ان سے مانگ کر لو گے تو وہ یہ سمجھیں گے کہ جب انہوں نے اپنا سمجھا جب تو مانگا کوئی دنیا کے آگے تو یہ مانگتا نہیں پھرتا اس طرح بے تکلفی سے اگر کوئی مانگ لے تو یہ بجائے بے آبروئی کے آبرو کا ذریعہ بنتا ہے اور تعلق کے استحکام کا ذریعہ بنتا ہے اس کی اجازت دی گئی ہے ایک ہے بھیک مانگنا یعنی محتاج و مفلس بن کے کسی کے آگے آنا کہ تم ہمارا کام پورا کردو ہم تو کچھ بھی نہیں کر سکتے اس ذلت کے اظہار سے ممانعت کی گئی ہے وقار کے ساتھ مانگنا جو ہے اس کی ممانعت نہیں ہے بہر حال سوال میں چونکہ ذلت تھی اور ایسی ذلت صرف اللہ کے آگے اختیار کی جا سکتی ہے غیر کے آگے نہیں اس لیے اس کی ممانعت کی گئی ہے اور مانگو تو صرف خدا سے مانگو، فریاد اس سے کرو، اولاد، رزق، صحت سب کچھ اس سے مانگو اس لیے کہ ہر چیز کے خزانے اس کے قبضے میں ہیں اس لیے فرمایا

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ رحمن کے بندے وہ ہیں کہ جب وہ پکارنے بیٹھتے ہیں تو اللہ کے سوا کسی کو شریک نہیں مانتے، تنہا اسی کو پکارتے ہیں۔

حقوق العباد کے بارے میں رحمن کے بندوں کا طرز عمل:

تو یہاں تک چال ڈھال، زبان، ہاتھ، پیر، مال و دولت اور روح کی سب عبادت آ گئی اب آگے دوسرے کے ساتھ معاملہ، دوسرے کے حقوق کو بتلایا گیا اس بارے میں رحمن کے بندوں کی کیا شان ہے؟

وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ

رحمن کے بندے وہ ہیں جو ناحق قتل نہیں کرتے کہ کسی کی جان لے لی، کسی کی گردن اڑا دی، یہ رحمن کے بندے کی شان نہیں ہے یہ فساق و فجار کی شان ہے کہ دوسرے کو ایذاء پہنچائیں۔ اپنی بڑائی جتلانے کیلئے دوسروں کی حقارت چاہیں معاملات میں دوسروں کو حقیر سمجھیں یہ متکبروں کی شان ہے ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے وہ دنیا میں اپنے آپ کو سمجھیں کہ ہم بہت بڑے ہیں لیکن دنیا ہی میں ایسے لوگوں کا انجام برا ہو جاتا ہے جو دوسروں کی تحقیر کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔

ہاں اللہ ہی حکم دیں کہ قتل کرو، پھر قتل کرنا فرض ہے جیسے قصاص میں قتل کریں کسی نے ناحق قتل کیا تھا تو سزا میں اس کا قتل کرنا یہ جائز ہے یا کوئی اپنے دین سے مرتد ہو جائے اس کا قتل کر دینا جائز ہے یا اس طرح سے کوئی زنا کار ہو پتھروں سے سنگسار کر دینا یا اس کا قتل کر دینا ہے یہ بھی جائز ہے، اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اسے پتھروں سے قتل کیا جائے غرض زنا کاری یا قاتلوں کو دنیا سے پاک کرنے کے لیے یا مرتدین جو دین کی کوئی اہمیت نہ سمجھیں اور اپنے دین کو بدل ڈالیں ایسے لوگوں سے دنیا کو پاک کرنے کے لیے ان کا قتل جائز ہے، یہ قتل حق ہے، ناحق وہ قتل ہے کہ قتل کا کوئی استحقاق نہیں تھا اور چار پیسے کی خاطر گردن مار دی یا ڈاکہ ڈالنا تھا جائے قتل کر دیا یا جدھر آیا لڑائی شروع ہوئی ادھر سے بھی چھری نکل آئی ادھر سے بھی نکل آئی قتل و غارت شروع ہو گیا اس کا کوئی حق نہیں تو یہی فرمایا گیا جن کی نسبت رحمن کی طرف ہوگی اور وہ رحمانی ہوں گے وہ یہ کام نہیں کریں گے یہ فساق و فجار کا کام ہے کہ وہ بیلوں کی طرح سے پھرتے ہیں بیل کا کام یہی ہے کہ جو سامنے آ گیا اس کے سینگ مار دیا یا شیر کے آگے کوئی آ گیا تو وہ دانت کھول کر پھاڑ کھانے کے لیے جا پڑا، غرض یہ بہائم کا کام ہے انسانوں کا کام نہیں ہے۔

حدیث میں فرمایا گیا کہ مؤمن کون ہے؟ مؤمن کی علامت کیا ہے؟

فرمایا: المؤمن من امنه الناس علی دمائهم و اموالهم مؤمن وہ ہے کہ لوگ اس سے اپنی جان، اپنے مال اور اپنی آبرو کے بارے میں مطمئن ہو جائیں کہ یہ مؤمن ہے کہ یہ ہماری جان نہیں لے سکتا، یہ ہمارے مال کو ضائع نہیں کر سکتا اور ہماری آبرو کو خراب نہیں کر سکتا لوگوں کو اتنا اطمینان پیدا

ہوجائے پھر سمجھا جائے گا کہ یہ مؤمن ہے۔

پھر امن الناس میں لفظ بھی عام ہے کہ لوگ مطمئن ہوں خواہ مسلم یا غیر مسلم ہوں، ہر ایک کو اطمینان ہوجائے کہ بھئی! یہ مؤمن ہے اس کا کام یہ نہیں کہ مار دھاڑ کرتا پھرے یا آبرو ریزیاں کرتا پھرے دنیا اس سے مطمئن رہے کہ یہ صالح آدمی ہے اس سے کسی نقصان کا اندیشہ نہیں ہے۔

اور اگر آپ کسی سے کھٹکتے رہیں کہ بھئی کہیں یہ چھری نہ مار دے یہ مؤمن کیا اچھا خاصا بیل ہے بیل جب سڑک پر چلتا ہے تو آپ دامن بچا کر چلتے ہیں کہ کہیں پیشاب نہ کردے کہ کوئی چھینٹ نہ آجائے کہیں سینگ نہ مار دے تو اگر مؤمن سے بھی کوئی یوں بچنے لگے کہ بھئی جیب بچاؤ کہیں جیب نہ کتر لے کہیں جیب سے فونٹین پن نہ نکال لے جائے تو یہ مؤمن کیا ہوا مؤمن کا یہ کام نہیں ہے۔

اس لیے فرمایا کہ رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو نفس انسانی کے درپے نہیں ہوتے قتل وغارت کرتے نہیں پھرتے ہاں خدا کا حکم آجائے حکم کیلئے قصاص لے لیں تو قتل کردیں ویسے ان کا کام نہیں ہے۔

وَلَا يَزْنُوْنَ آبرو ریزی نہیں کرتے۔

سب سے بڑی آبرو ریزی زنا کاری ہے، کہ ایک عورت کی آبرو ختم کردی اور اس در بے ختم کردی کہ عمر بھر کیلئے بے آبرو ہوگئی اس سے اگر بچہ پیدا ہوا وہ ولدالزنا ہوگا تو پوری برادری کہے گی کہ یہ حرام کا بچہ ہے اس کو بیٹی مت دو اس سے معاملہ مت کرو تو کتنا عظیم اس نے گناہ کیا کہ ایک عورت کی پوری زندگی برباد کردی سوسائٹی میں اس کی کوئی وقعت اور آبرو باقی نہ رہی ایسا شخص قابل گردن زدنی ہے۔

پھر آبرو ریزی ایک کی کی اور امن ساری سوسائٹی سے اٹھا دیا دوسروں کو جرأت ہوگی کہ وہ بھی یہ حرکت کریں تو دنیا کے اندر بدامنی پھیل گئی آبرو باقی نہ رہی تو ایک کی آبرو جائے گی اور دوسرے کو اس نے آبرو ریزی کرنے کی جرأت دلائی اس واسطے فرمایا گیا کہ زانی کی سزا سنگسار کرنا ہے، تو فقط یہ نہیں ہے کہ قتل کیا جائے بلکہ اس کا نصف حصہ زمین میں گاڑ کر پبلک اکٹھی ہو اور پھر مار مار کر اسے سنگسار کیا جائے ظاہر میں تو یہ سزا بڑی سخت معلوم ہوتی ہے لوگ کہتے ہیں کہ وحشت والی سزا ہے لیکن میں عرض کرتا ہوں کہ جرم کی نوعیت کو دیکھو کہ ایک شخص کی آبرو ضائع کی سوسائٹی برباد کی دنیا سے اس نے امن اٹھا دیا ایسے شخص کو تو اس سے زیادہ سزا دینی چاہئے۔

اس لیے فرمایا گیا کہ رحمٰن کے بندوں کی شان یہ ہے کہ نہ وہ کسی کی جان گنواتے ہیں نہ کسی کی آبرو گنواتے ہیں دونوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا

پھر بھی اگر کوئی یہ حرکت کرے گا اُسے اثام میں ڈالا جائے گا۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اثام ایک وادی اور جہنم میں جنگل ہے اس میں شدید عذاب ہے کہ جہنم بھی اس سے پناہ مانگتا ہے اس میں اس کا ٹھکانا بنایا جائے گا۔

يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ، دوگنا تگنا عذاب اس کے اُوپر بڑھتا ہوا ہوگا، اس لیے کہ جیسے اس نے دنیا میں آبرو ریزی کرکے آبرو کو تہہ و بالا کیا کہ پھر آبرو ابھر ہی نہ سکے اس طرح عذاب بھی تہہ بہ تہہ ڈالا جائے گا تاکہ وہ ابھر ہی نہ سکے اسے بھی وہاں امن نہیں ہوگا، وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا اور ایک لمبی مدت تک ذلت اور رسوائی کے ساتھ یہ عذاب بھگتے گا۔

توبہ کرنے والوں سے حق تعالیٰ کا معاملہ:

اِلَّا مَنْ تَابَ۔ سوائے اس کے کہ کوئی توبہ کرے اس سے آخرت کا عذاب ٹل جائے گا دنیا میں تو عذاب آ گیا کہ اسے سنگسار کردیں گے لیکن ابھی آخرت کی توبہ باقی ہے اگر توبہ کرلی وہاں کا عذاب ختم ہوجائے گا۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ جو توبہ کرے اور توبہ کے بعد نیک راستے پر چلنے لگے فضول حرکتوں کو ترک بھی کردے پھر فقط گناہ معاف ہی نہیں ہوں گے بلکہ اس کی نیکیاں بدیوں کو بھی مٹا دیں گی اس کی نیکیاں غالب آجائیں گی اللہ تعالیٰ اس کی برائیاں نیکیوں سے بدل دے گا اور اس تبدیلی کا ظہور آخرت میں ہوگا۔

حدیث میں ہے کہ ایک شخص میدان محشر میں حاضر ہوگا حق تعالیٰ اسے بلائیں گے وہ بے چارہ یا تو توبہ کرکے گیا ہوگا یا توبہ نہ کی ہوگی تو حق تعالیٰ کا فضل متوجہ ہوگا۔ اسے فرمائیں گے قریب ہوجا، وہ قریب ہوگا فرمائیں گے اور قریب ہوجا، یہ بے چارہ لرز رہا ہے کپکپا رہا ہے، ہیبت زدہ اور ڈر رہا ہے فرمائیں گے اور قریب ہوجا، اتنا قریب آئے گا کہ حدیث میں ہے اس کے کانوں میں آہستہ آہستہ بات چیت ہوگی حق تعالیٰ اس کو اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ یاد دلائیں گے، فرمائیں گے یہ حرکت کیوں کی؟ اور اس کا دل اُچھل اُچھل کر منہ کو آرہا ہوگا کہ اب میری نجات کی کوئی صورت نہیں اور حکم ہوگا جاؤ جہنم میں اس لیے کہ ابھی تو چھوٹی چھوٹی برائیاں پوچھ رہے ہیں جو میں نے بڑی بڑی حرکتیں کی ہیں ان کی نوبت آگئی تو کیا ہوگا؟ یہ معمولی باتیں تھیں ان کو پوچھ لیا ہے۔

عذر کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی عرض کرے گا اللہ میاں میں نے اپنی بدبختی سے ایسی حرکتیں کیں بہت سے بدیاں گنوانے کے بعد حق تعالیٰ فرمائیں گے ان سب کے بدلے ہم تجھے نیکیاں دیتے ہیں اور تیرے نامۂ اعمال میں وہ لکھی جاتی ہیں اب وہ حیران ہوگا کہ یہ تو دوسرا قصہ ہے میں تو ڈر رہا تھا کہ میرے لیے ہلاکت ہے، یہاں تو بدیوں کو نیکیوں سے بدلا جا رہا ہے اب خود ہی کہے گا اللہ میاں، وہ جو بہت بڑی بدی میں نے کی تھی وہ تو آپ نے پوچھی ہی نہیں، فرمائیں گے حق تعالیٰ وہ کیا تھی؟ بندہ عرض کرے گا وہ یہ تھی فرمائیں گے اس کے بدلہ میں اتنی نیکیاں دیں پھر کہے گا ایک تو اس سے بھی بڑی کی تھی وہ آپ نے پوچھی ہی نہیں فرمائیں گے وہ کیا تھی؟ عرض کرے گا وہ یہ تھی فرمائیں گے حق تعالیٰ اسکے بدلے میں اتنی نیکیاں دیں تو رحمت متوجہ ہوجائے تو ہلاکت کی کوئی صورت نہیں اور غضب خدانخواستہ متوجہ ہوجائے تو نجات کی کوئی صورت نہیں۔

آگے فرمایا: وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا اس سے پہلے تو وہ گنہگاروں سے معاملہ تھا اب آگے اصول بیان کیا جس سے جو بھی قصور ہو وہ

توبہ ورجوع کرے توبہ کا دروازہ کسی کے لیے بند نہیں مومن کا فرض یہ ہے کہ وہ اللہ سے مایوس نہ ہو توبہ کا دروازہ اس وقت بند ہوگا جب آفتاب مغرب سے طلوع کرے گا اور قیامت کی بڑی علامات نمایاں ہوں گی اور دنیا کا خاتمہ قریب ہوگا اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہوگا اس لیے اگر ستر برس سے بھی معصیت میں بتلا ہو اور آج دل سے سچی توبہ کرلے آج بھی معافی مل جائے گی۔

حدیث میں ہے کہ کسی شخص نے زنا کیا اور اس کے دل میں ندامت اور شرمندگی آئی اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا اے میرے پروردگار! فرماتے ہیں کہ ابھی اس نے یہ نہیں کہا کہ مجھے بخش دیجیے حق تعالیٰ فوراً فرماتے ہیں۔ ایعلم ان لہ ربا۔ یعنی یہ جان گیا کہ اس کا بھی کوئی رب ہے جو اس کی پکڑ کرلے گا یہ جان گیا فرماتے ہیں جب یہ جان گیا تو قبل اس کے کہ یہ مغفرت مانگے اس کی مغفرت ہو جاتی ہے اور حدیث میں ہے کہ مغفرت مانگ کر گیا اور اب پھر زنا کیا پھر ندامت ہوئی پھر آیا پھر کہا یارب پھر حق تعالیٰ فرمائیں گے اچھا اب بھی سمجھ گیا کہ ہے رب؟! پھر مغفرت مانگنے سے پہلے مغفرت کردیتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اے لوگو! تم گناہ کرتے کرتے تھک جاؤ گے لیکن اللہ بخشتے بخشتے نہیں تھکیں گے تمہارے گناہوں کی ایک حد ہے مگر اس کی رحمت کی کوئی حد ونہایت نہیں ہے تو اس لیے یہ اصولاً فرمادیا کہ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا اسکے بعد ایک دوسرا معاملہ ارشاد فرمایا وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا۔ رحمٰن کے بندوں کی شان یہ ہے کہ جب ان سے کوئی معاملہ پڑتا ہے تو وہ جھوٹ میں نہیں پڑتے زور کے معنی جھوٹی گواہی دیئے کے ہیں تو رحمٰن کے بندے جھوٹی گواہیوں اور جھوٹی مقدمہ بازیوں میں نہیں پڑتے اور جب وہ لغو اور فضول مجلسوں سے گزرتے ہیں تو سادگی اور صفائی سے گزر جاتے ہیں ادھر متوجہ نہیں ہوتے۔ کرام بن کر گزر جاتے ہیں۔

اور انکی دعاء ہر وقت یہ ہوتی ہے کہ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا اے ہمارے پروردگار ہمیں جو ہماری بیویوں سے اولاد دے وہ صالح اور پاک اولاد دے اور ہمیں صالح اور پاک لوگوں سے آگے چلنے والے بنا کہ ہم خود اپنی اولاد اور بیویوں کو راہ دکھلائیں۔

اور یہ بھی فرمایا گیا وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا اور ان کے دلوں پر دینی سمجھ اور علم اتنا ہوتا ہے کہ جب قرآن کی آیتیں ان کے سامنے پڑھی جاتی ہوں تو فوراً قلب کی سلامتی کی وجہ سے اس کا مطلب سمجھتے ہیں دین پر استقامت کی وجہ سے اس کا مطلب سمجھتے ہیں دین پر استقامت کی وجہ سے ان میں سمجھ پیدا کردی جاتی ہے وہ ان آیات کو اندھے بہروں کی طرح قبول نہیں کرتے بلکہ سمجھداری کے ساتھ شنوا وبینا ہو کر قبول کرتے ہیں وہ مطلب سمجھتے ہیں جو اللہ کا مطلب ہے۔

رحمٰن کے بندوں کی معاد:

آگے فرماتے ہیں: أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ۔ یعنی وہ لوگ ہیں جن کو بالائی منزلوں میں اعلیٰ سے اعلیٰ بلڈنگیں عالم آخرت میں عطا کی جائیں گی مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ محلات اور باغات ان کو عطا کیے جائیں گے اور ان کو ابدی زندگی دی جائے گی گویا یہ ہماری مقامات معاد ہے جہاں ہم کو جانا ہے اور ایک وہ جگہ ہے جہاں سے ہم آئے تھے یعنی اللہ کی ذات بابرکات اور اس کا حکم وہ ہمارے لیے مبداء تھا جس سے ہماری ابتداء ہوئی اور یہ (جزائے غرفات) ہماری معاد ہوگی اور بیچ میں زندگی گزارنے کا یہ طریقہ ہے کہ زبان، ہاتھ، پیر، روح اور مالیات کی بھی حفاظت ہو اور ہر چیز اللہ کے حکم کے مطابق ہو صرف کرنے کا جذبہ ہمارے اندر ہو اور یہ جب ہی ہوگا جب شریعت سامنے آئے اس کا علم اور تعلیم ہمارے سامنے آئے جس کے ذریعے ہم ہاتھ، پیر، قلب، دماغ، روح وغیرہ کو اس راستے پر ڈال سکیں۔

تو یہ جو ابتداء میں کہا گیا تھا کہ تین سوال ہیں اور فطرت سے پیدا ہوتے ہیں کہ کہاں سے آئے؟! کہاں جائیں گے؟! کس طرح سے زندگی گزاریں؟! تو جہاں سے ہم آئے وہ اللہ رب العزت کی ذات بابرکات ہے جس کے امر سے آئے اس کے وجود سے ہمیں پرتو ملا تو ہمارا وجود ہوگیا اس نے حکم دیا کہ ہو جا، ہم ہوگئے تو اصل اللہ کا حکم اور امر ہے اور کہاں جائیں گے؟! یہ معاد ہے کہ لوٹ کر اسی کے پاس جانا ہے، وہیں جا کر راحت مل سکتی ہے اور بیچ میں ہم اس کے کہے کے مطابق زندگی گزاریں اور اس کا کہا ہوا کیسے سامنے آئے؟! اس کے رسول اس کا فرمایا ہوا لے کر آئے ہیں جس کو صراط مستقیم کہتے ہیں جس پر ہم کو چلنا ہے جب ان تینوں چیزوں پر آجائیں جب ہی فطرت کو تسلی ہوتی ہے اتنا آدمی اندھا رہے کہ اسے راستہ ہی نہ ملے جس کے اوپر وہ رہے اور یہ نہ پتہ ہو کہ میں کہاں سے آیا ہوں بس یہ کہ دنیا یوں ہی چلتی آتی ہے اس کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے اس کی فطرت میں سکون کبھی نہیں ہوگا۔

اسی طرح سے اگر یوں کہے کہ بس ایسے ہی چلتے رہیں گے نہ آخرت آئے گی نہ قیامت آئے گی، نہ یہ عالم ختم ہوگا تو پھر یہ الجھن پیدا ہوگی کہ جس چیز کی ابتداء ہوتی ہے اس کی انتہا بھی ہوتی ہے جب اس عالم کی ایک ابتداء ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ عالم کے ہر ہر جزء کی ابتداء ہے تو کل کی بھی ابتداء ہے جب ابتداء ہے تو انتہاء بھی ہوگی گویا عقل اسے مجبور کرتی ہے کہ مان اور اس کا نفس مجبور کرتا ہے کہ نہ مان تو سکون پیدا نہیں ہوگا لیکن اگر مان لیتا ہے تو سکون قلب پیدا ہو جاتا ہے کہ آدمی ایک راستے پر لگ گیا اسے پھر طمانیت اور بشاشت حاصل ہو جاتی ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۳)

الحمد للہ سورۃ الفرقان مکمل ہوئی

سورۃ الشعراء

جس نے خواب میں اسکی تلاوت کی اسکی تعبیر یہ ہے کہ اسکو رزق حاصل کرنے میں دقت ہوگی اور کوئی چیز بغیر مصیبت کے نہ پائے گا اور سفر کو دوست رکھے گا اور فائدہ کم اٹھائے گا۔ (علامہ ابن سیرینؒ)

سُوۡرَةُ الشُّعَرَآءِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَانِ وَّسَبْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّاَحَدَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۃ الشعراء مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی دو سو ستائیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

طٰسٓمّٓ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝

یہ آیتیں ہیں کھلی کتاب کی

اعجاز قرآن: یعنی اس کتاب کا اعجاز کھلا ہوا ہے۔ احکام واضح ہیں اور حق کو باطل سے الگ کرنے والی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سورۃ کی فضیلت: حاکم نے مستدرک میں حضرت معقل بن یسارؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طٰہٰ اور طٰس والی سورتیں اور حٰم والی سورتیں مجھے الواح موسیٰ سے عطا کی گئیں۔

طٰسٓمّٓ کا معنی:

طٰسٓمّٓ بغوی نے بروایت عکرمہ بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا طٰسٓمّٓ کی تفسیر سے علماء عاجز ہیں۔ علی بن طلحہ والبی کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ قسم ہے اور اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے (یعنی اللہ نے اپنے اس نام کی قسم کھائی ہے) قتادہ نے کہا قرآن کے ناموں میں سے ایک نام طٰسٓمّٓ ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝

شاید تو گھونٹ مارے اپنی جان اس بات پر کہ وہ یقین نہیں کرتے

امت کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دلسوزی:

یعنی ان بدبختوں کے غم میں اپنے کو اس قدر گھلانے کی ضرورت نہیں کیا ان کے پیچھے آپ اپنی جان کو ہلاک کر کے رہیں گے دلسوزی اور شفقت کی بھی آخر ایک حد ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بخع نفسہٗ اس نے غم میں اپنی جان ہلاک کر دی۔
نخاع پشت میں ایک رگ ہوتی ہے جو گردن میں بھی آتی ہے۔

نزول آیت کا زمانہ:

اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب اہل مکہ نے رسول اللہ کی تکذیب کی اور آپ کو یہ بات بہت شاق ہوئی کیونکہ حضور کو بہت زیادہ تمنا اور رغبت تھی کہ اہل مکہ مسلمان ہو جائیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضور کو اہل مکہ کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے اس بات کا غم ہو کہ کہیں خدا تعالیٰ مجھ سے اس کی باز پرس نہ کرے اس صورت میں یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پیام تسلی ہے۔ لعلّ کلمہ امید ہے لیکن اس جگہ رحم کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے یعنی اپنی جان پر آپ رحم کریں اور غم میں نہ پڑیں آپ اگر غم کریں گے تو شاید آپ غم کی وجہ سے اپنی جان ہلاک کر دیں۔ درحقیقت ہم ہی ان کا مومن ہونا نہیں چاہتے۔ (تفسیر مظہری)

آیت سے معلوم شدہ احکام:

اس آیت سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ کسی کافر کے بارے میں اگر یہ معلوم بھی ہو جائے کہ اس کی تقدیر میں ایمان لانا نہیں ہے تب بھی اس کو تبلیغ کرنے سے رکنا نہیں چاہئے، دوسرے یہ معلوم ہوا کہ مشقت میں اعتدال چاہئے اور جو شخص ہدایت نہ پائے اس پر زیادہ حزن وغم نہ کیا جائے۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ

اگر ہم چاہیں اتاریں ان پر آسمان سے ایک نشانی پھر رہ جائیں

اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۝

ان کی گردنیں اس کے آگے نیچی

حکمت الٰہی:

یعنی یہ دنیا ابتلاء کا گھر ہے جہاں بندوں کے انقیاد و تسلیم اور سرکشی کو آزمایا جاتا ہے۔ اسی لئے حکمت الٰہی مقتضی نہیں کہ ان کا اختیار بالکل سلب کر لیا جائے۔ ورنہ خدا چاہتا تو کوئی ایسا آسمانی نشان دکھلاتا کہ اس کے آگے زبردستی سب کی گردنیں جھک جاتیں۔ بڑے بڑے سرداروں کو بھی انکار و انحراف کی قدرت باقی نہ رہتی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا تو نہیں کیا، ہاں وہ نشان بھیجے جنہیں دیکھ کر آدمی حق کو سمجھنا چاہے تو بآسانی سمجھ سکے۔ اور کبھی کبھی مغلوب ہو کر گردن جھکانے سے مفر بھی نہ ملے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ

اور نہیں پہنچتی ان کے پاس کوئی نصیحت رحمٰن سے

مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ۵

نئی | جس سے | منہ نہیں | موڑتے

محروم ہدایت لوگ:

یعنی آپ جن کے غم میں پڑے ہیں اُن کی حالت یہ ہے کہ رحمٰن اپنی رحمت وشفقت سے جب اُن کی بھلائی کے لئے کوئی پند ونصیحت بھیجتا ہے یہ اُدھر متوجہ نہیں ہوتے بلکہ منہ پھیر کر بھاگتے ہیں گویا کوئی بہت بُری چیز سامنے آ گئی۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ جب یہ زمین کو اور اس کی روئیدگی کو دیکھ رہے ہیں اور توحید الٰہی اور قیامت کے وقوع کی نشانیاں ان کے سامنے ہیں تو مزید آیات کی طلب نہ کرنی چاہیے۔ (تفسیر مظہری)

فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۶

سو یہ تو جھٹلا چکے اب پہنچے گی اُن پر حقیقت اُس بات کی جس پر ٹھٹھے کرتے تھے

تکذیب وانکار کی سزا ملنے والی ہے:

یعنی صرف معمولی اعراض ہی نہیں۔ تکذیب واستہزا بھی ہے سو عنقریب دنیا اور آخرت میں اپنے کرتوت کی سزا بھگتیں گے۔ تب اُس چیز کی حقیقت کُھلے گی جس کا مذاق اُڑایا کرتے تھے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا

کیا نہیں دیکھتے وہ زمین کو کتنی اُگائیں ہم نے اُس میں

مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۷ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

ہر ایک قسم کی خاصی چیزیں اس میں البتہ نشانی ہے

وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۸

اور اُن میں بہت لوگ نہیں ماننے والے

تھوڑا سا غور کر کے حق تک رسائی ممکن ہے:

یعنی یہ مکذبین اگر ایک پیش پا افتادہ زمین ہی کے احوال میں غور کرتے تو مبدا و معاد کی معرفت حاصل کرنے کے لئے کافی ہو سکتی تھی۔ کیا دیکھتے نہیں کہ اسی کر کری اور حقیر مٹی سے کیسے عجیب وغریب رنگ برنگ پھول پھل اور قسم قسم کے غلے اور میوے ایک مضبوط نظام تکوین کے ماتحت پیدا ہوتے ہیں۔ کیا یہ اس کی دلیل نہیں کہ کسی لامحدود قدرت وحکمت رکھنے والے صانع نے اس پُر رونق چمن کی گلکاریاں کی ہیں جس کے قبضہ میں وجود کی باگ ہے اور وہ ہی جب چاہے اُسے ویران کر سکتا اور ویرانی کے بعد دوبارہ آباد کر سکتا ہے۔ پھر ان آیات تکوینیہ کو سمجھ لینے کے بعد آیات تنزیلیہ کی تصدیق میں کیا اشکال رہ جاتا ہے۔ ہاں ماننا ہی منظور نہ ہو تو الگ بات ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۹

اور تیرا رب | وہی ہے زبردست | رحم | والا

قدرتِ الٰہی:

یعنی زبردست تو ایسا ہے کہ نہ ماننے پر فوراً عذاب بھیج سکتا تھا مگر رحم کھا کر تاخیر کرتا ہے کہ ممکن ہے اب بھی مان لیں۔

ربطِ مضامین: آگے عبرت کے لئے مکذبین کے چند واقعات بیان فرمائے ہیں جن سے ظاہر ہوگا کہ خدا نے اُن کو کہاں تک ڈھیل دی، جب کسی طرح نہ مانے تو پھر کیسے تباہ وبرباد کیا۔ اُن میں پہلا قصہ قوم فرعون کا ہے جو پیشتر سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ وغیرہ میں بالتفصیل گزر چکا۔ وہاں کے فوائد ملاحظہ کر لئے جائیں۔

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۱۰

اور جب پکارا تیرے رب نے موسیٰ کو کہ جا اُس قوم گنہگار کے پاس

قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۭ اَلَا يَتَّقُوْنَ ۱۱

قوم فرعون کے پاس کیا وہ ڈرتے نہیں

تم جا کر انہیں خدا کے غصہ سے ڈراؤ۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ یاد کرو:

یعنی اس واقعہ کو یاد کرو جب آپ کے رب نے موسیٰ کو پکارا تھا موسیٰ نے درخت کو اور (درخت سے اُٹھتی ہوئی) آگ کو دیکھا اس وقت اللہ نے ان کو ندا دی تھی۔

اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پیام تسکین ہے کہ آپ کافروں کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے اپنی جان کا نقصان نہ کریں اور اس وقت کو یاد کریں جب اللہ نے موسیٰ کو ندا دی تھی اور قوم فرعون کے پاس جا کر ہدایت کرنے کا حکم دیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۱۲ وَيَضِيْقُ

بولا اے رب میں ڈرتا ہوں کہ مجھ کو جھٹلائیں اور رک جاتا ہے

صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ۱۳

میرا جی اور نہیں چلتی ہے میری زبان سو پیغام دے ہارون کو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اندیشہ:

یعنی پوری بات سننے سے پہلے ہی جھٹلانا شروع کر دیں گے اور مجلس میں کوئی تائید کرنے والا نہ ہوگا۔ ممکن ہے اُس وقت ملول اور حزین ہو کر طبیعت رُک جائے، دل نہ کھلے اور زبان میں کچھ لکنت پہلے ہی سے ہے۔ تنگدل ہو کر بولنے میں زیادہ رُکاوٹ پیدا نہ ہو جائے اس لئے میری تقویت وتائید کے لئے اگر ہارون کو جو مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہیں، میرا شریک حال کر دیا جائے تو بڑی مہربانی ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ

اور ان کو مجھ پر ہے ایک گناہ کا دعویٰ

یعنی ایک قبطی کے خون کا دعویٰ جس کی تفصیل سورۂ قصص میں آئے گی۔ (تفسیر عثمانی)

فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ

سو ڈرتا ہوں کہ مجھ کو مار ڈالیں

یعنی دعوت وتبلیغ سے پہلے ہی میرا کام تمام نہ کر دیں کہ یہ وہی شخص ہے جو ہمارے آدمی کا خون کر کے بھاگا تھا۔ ایسی صورت میں فرض تبلیغ کس طرح ادا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ كَلَّا فَاذْهَبَا بِآيَاتِنَا إِنَّا مَعَكُمْ مُسْتَمِعُونَ

فرمایا کبھی نہیں تم دونوں جاؤ لے کر ہماری نشانیاں ہم ساتھ تمہارے سنتے ہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے تسکین وتسلی:

یعنی کیا مجال ہے کہ ہاتھ لگا سکیں۔ جاؤ اپنی استدعاء کے موافق ہارون کو بھی ساتھ لو اور ہمارے دیئے ہوئے معجزات ونشانات لے کر وہاں پہنچو۔ ان نشانات کے ساتھ ہوتے ہوئے تم کو کیا ڈر، اور نشان کیا ہم خود ہر موقع پر تمہارے ساتھ ہیں اور فریقین کی گفتگو سن رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ

سو جاؤ فرعون کے پاس اور کہو ہم پیغام لے کر آئے ہیں پروردگار عالم کا

أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ

یہ کہ بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو

آزادی بنی اسرائیل کا پروگرام:

بنی اسرائیل کا وطن حضرت ابراہیم کے زمانہ سے ملک شام تھا۔ حضرت یوسف کے سبب سے مصر میں آ رہے، وہاں ایک مدت گزری۔ اب اُن کو حق تعالیٰ نے ملک شام دینا چاہا۔ فرعون اُن کو نہ چھوڑتا تھا۔ کیونکہ اُن سے غلاموں کی طرح بیگار میں کام لیتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن کی آزادی کا مطالبہ فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کو دعوت:

بغوی نے لکھا ہے فرعون نے بنی اسرائیل کو چار سو برس غلام بنائے رکھا، اس زمانہ میں بنی اسرائیل کی تعداد چھ سو اسی ہزار تھی (یعنی چھ لاکھ اسی ہزار) غرض موسیٰ مصر کی طرف چلے ہارون وہاں موجود ہی تھے موسیٰ نے ہارون کو حکم الٰہی سے مطلع کیا۔ قصہ کی تفصیل میں آیا ہے کہ موسیٰ جب مصر کو لوٹ کر آئے تو اس وقت اونی چوغہ پہنے ہاتھ میں لاٹھی لئے لاٹھی کے سرے میں تو بڑا لٹکا ہوا (جس کے اندر کھانے پینے کا سامان تھا) اس ہیئت سے مصر میں داخل ہوئے۔ مصر میں آ کر اپنے گھر میں داخل ہوئے اور ہارون کو اطلاع دی کہ اللہ نے مجھے فرعون کے اور تمہارے پاس بھیجا ہے تمہارے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ ہم دونوں جا کر فرعون کو دعوت دیں یہ سن کر موسیٰ وہارون کی ماں آ گئی اور چیخ پڑی کہنے لگی فرعون تو تجھے قتل کرنے کے لئے تیری تلاش میں ہے اگر تم لوگ اس کے پاس جاؤ گے تو وہ تم کو مروا ڈالے گا۔ حضرت موسیٰ نے اس کی ایک نہ مانی اور رات کو دونوں فرعون کے دروازہ پر جا پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ دربان ہکے بکے ہو گئے اور گھبرا کر انہوں نے پوچھا، دروازہ پر کون ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ دربانوں نے اوپر سے جھانک کر دیکھا اور پوچھا تم دونوں کون ہو۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا، میں رب العالمین کا قاصد ہوں فوراً دربان نے فرعون سے جا کر کہا، ایک پاگل دروازے پر کھڑا کہہ رہا ہے میں رب العالمین کا قاصد ہوں۔ فرعون نے صبح تک یوں ہی چھوڑے رکھا۔ صبح ہوئی تو دونوں کو طلب کیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ دونوں فرعون کی طرف گئے لیکن سال بھر تک فرعون نے اپنے پاس آنے کی اجازت نہیں دی پھر دربان نے جا کر فرعون سے کہا یہاں ایک آدمی ہے جو کہہ رہا ہے کہ میں رب العالمین کا قاصد ہوں، فرعون نے کہا اندر آنے دو۔ ہم اس سے کچھ دل لگی ہی کریں گے۔ دونوں فرعون کے پاس پہنچے اور اللہ کا پیغام پہنچایا۔ فرعون حضرت موسیٰ کو پہچان گیا۔ کیونکہ آپ نے اسی کے گھر میں پرورش پائی تھی۔ (تفسیر مظہری)

در بہ بست و دشمن اندر خانہ بود — قصۂ فرعون زین افسانہ بود

رب العالمین کی طرف سے جو پیغام ہدایت لے کر تیرے پاس آیا ہوں۔ وہ تیری روحانی تربیت بلکہ روحانی حیات اور دائمی زندگی کا سامان ہے جس کے سامنے وہ چند روزہ تربیت جس کا تو مجھ پر احسان جتلا رہا ہے ہیچ ہے، تو مردہ ہے میں تیرے لئے ہدایت کا تریاق لے کر آیا ہوں ایک گھونٹ پی

لے زندہ ہو جائے گا۔ (معارف کاندھلوی)

قَالَ اَلَمۡ نُرَبِّكَ فِيۡنَا وَلِيۡدًا
بولا کیا نہیں پالا ہم نے تجھ کو اپنے اندر لڑکا سا

فرعون کا جواب:

یعنی تو وہ ہی نہیں جس کو ہم نے اپنے گھر میں بڑے ناز ونعم سے پالا پوسا اور پرورش کر کے اتنا بڑا کیا۔ اب تیرا یہ دماغ ہو گیا کہ ہم ہی سے مطالبات کرتا اور اپنی بزرگی منواتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَبِثۡتَ فِيۡنَا مِنۡ عُمُرِكَ سِنِيۡنَ ۱۸
اور رہا تو ہم میں اپنی عمر میں سے کئی برس

اتنے برسوں تک کبھی یہ دعوے نہ کئے، اب یہاں سے نکلتے ہی رسول بن گئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَفَعَلۡتَ فَعۡلَتَكَ الَّتِىۡ فَعَلۡتَ
اور کر گیا تو اپنی وہ کرتوت جو کر گیا

یعنی جو کرتوت کر کے بھاگا تھا (قبطی کا خون) اُسے ہم بھولے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَنۡتَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ ۱۹
اور تو ہے ناشکر

یعنی ہمارے سب احسانات بھلا کر لگا پیغمبری کے دعوے کرنے اُس وقت تو بھی (العیاذ باللہ) اُن ہی میں کا ایک تھا جن کو آج کافر بتلاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ فَعَلۡتُهَاۤ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيۡنَ ۲۰
کہا کیا تو تھا میں نے وہ کام اور میں تھا چوکنے والا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عذر:

یعنی قبطی کا خون میں نے دانستہ نہیں کیا تھا، غلطی سے ایسا ہو گیا مجھے کیا خبر تھی کہ ایک مکا مارنے میں جو تادیب کے لئے تھا اُس کا دم نکل جائے گا۔ فَوَكَزَهٗ مُوۡسٰى فَقَضٰى عَلَيۡهِ (قصص۔ رکوع۲) (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں لفظ ضلال کا مفہوم

قَالَ فَعَلۡتُهَاۤ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيۡنَ فرعون کے اس سوال پر کہ تم نے اے موسیٰ ایک قبطی کو قتل کیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواباً فرمایا کہ ہاں میں نے قتل ضرور کیا تھا لیکن وہ قتل ارادۃً اور قصد سے نہ تھا بلکہ اس قبطی کو اس کی خطا پر متنبہ کرنے کے لئے گھونسہ مارا جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ خلاصہ یہ کہ نبوت کے منافی قتل عمد ہے اور یہ قتل بلا ارادہ ہوا تھا جو منافی نبوت نہیں، حاصل یہ ہوا کہ یہاں ضلال کا مطلب بے خبری ہے اور اس سے مراد قبطی کا بلا ارادہ قتل ہو جانا ہے، اس معنی کی تائید حضرت قتادہؒ اور ابن زیدؒ کی روایات سے بھی ہوتی ہے کہ دراصل عربی میں ضلال کے کئی معنی آتے ہیں، اور ہر جگہ اس کا مطلب گمراہی نہیں ہوتا۔ یہاں بھی اس کا ترجمہ گمراہ کرنا درست نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

فَفَرَرۡتُ مِنۡكُمۡ لَمَّا خِفۡتُكُمۡ فَوَهَبَ لِىۡ رَبِّىۡ حُكۡمًا
پھر بھاگا میں تم سے جب تمہارا ڈر دیکھا پھر بخشا مجھ کو میرے رب نے حکم
وَّجَعَلَنِىۡ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۲۱
اور ٹھہرایا مجھ کو پیغام پہنچانے والا

دعوائے نبوت: یعنی بیشک میں خوف کھا کر یہاں سے بھاگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ مجھے نبوت وحکمت عطا فرمائے۔ اُس نے اپنے فضل سے مجھے سرفراز کیا اور رسول بنا کر تمہاری طرف بھیجا۔ یہ بجائے خود میری صداقت کی دلیل ہے کہ جو شخص تم سے خوف کھا کر بھاگا ہو، پھر اس طرح بے خوف وخطر تنہا تمہارے سامنے آ کر ڈٹ جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَتِلۡكَ نِعۡمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَىَّ اَنۡ عَبَّدتَّ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ۲۲
اور کیا وہ احسان ہے جو تو مجھ پر رکھتا ہے کہ غلام بنایا تو نے بنی اسرائیل کو

فرعون کے احسان کا تجزیہ:

یعنی بچپن میں میری پرورش کا احسان جتلانا تجھے زیب نہیں دیتا کیا ایک اسرائیلی بچہ کی تربیت سے اس کا جواب ہو سکتا ہے کہ تو نے اُس کی ساری قوم کو غلام بنا رکھا ہے۔ بالخصوص جبکہ اُس بچہ کی تربیت بھی خود تیرے زہرہ گداز مظالم کے سلسلہ ہی میں وقوع پذیر ہوئی ہو۔ نہ تو بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کرتا، نہ خوف کی وجہ سے میری والدہ تابوت میں رکھ کر مجھے دریا میں چھوڑتی، نہ تیرے محل سرا تک رسائی ہوتی، ان حالات کا تصور کر کے تجھ کو ایسا احسان جتلاتے ہوئے شرمانا چاہئیے اور صاف بات یہ ہے کہ جس پروردگار نے تجھ جیسے دشمن کے گھر میں میری پرورش کرائی اُسی نے آج تیری خیر خواہی کے لئے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ کی طرف سے یہ اقرار احسان ہے کہ تو نے مجھے زندہ چھوڑ دیا اور پالا، اور دوسرے اسرائیلی بچوں کی طرح قتل نہیں کرایا، گویا حضرت موسیٰ نے فرمایا، بیشک یہ تیرا احسان ہے جو تو مجھے جتلا رہا ہے کہ بنی اسرائیل کو

تو نے غلام بنائے رکھا اور مجھے چھوڑ دیا۔ غلام نہیں بنایا۔

بظاہر یہ اقرار نعمت ہے اور حقیقت میں انکار ہے، حضرت موسیٰ نے اول فرعون کی تردید و توبیخ کی اور پھر اس نعمت تربیت کی طرف کلام کا رخ کیا جس کا فرعون نے ذکر کیا تھا لیکن اس کا صراحۃً انکار نہیں کیا۔ کیونکہ فرعون نے واقع میں پالا ہی تھا بلکہ اس بات پر تنبیہ کی کہ یہ نعمت حقیقت میں احسان نہ تھی لیکن ظلم کے مقابلے میں یا ظلم کے نتیجے میں یہ نعمت تھی مجھ پر تیرا احسان نتیجہ تھا اس بات کا کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا ان کے لڑکوں کو تو قتل کراتا تھا اسی وجہ سے میں تیرے ہاتھ لگا اور تیرے پاس مجھے پہنچایا گیا اور تو نے میری پرورش و کفالت کی۔ اگر تو بنی اسرائیل کو حد سے زیادہ ذلیل نہ کرتا اور ان کے لڑکوں کو قتل نہ کراتا تو میرے گھر والے میری پرورش کرتے اور دریا میں مجھے نہ پھینکتے اور میں تیرے مکان میں نہ لایا جاتا۔ (تفسیر مظہری)

فرعون کا جواب:

تو نے مجھے اپنا بیٹا بنا کر میری پرورش کی۔ مجھے تو تو نے چھوڑ دیا اور میرے سوا ساری قوم کو غلام بنالیا تو کیا اسی طرح کی اس چندروزہ پرورش سے میری نبوت و رسالت کو دفع کرنا چاہتا ہے میں نے اگر تیری چندروزہ نعمت تربیت کا کفران کیا ہے تو تو رب العالمین کی بے شمار نعمتوں کے کفران میں مبتلا ہے اور جس رب العالمین نے تجھ کو اور تیرے آباؤ اجداد کو پیدا کیا ہے۔ تو تو اسی رب العالمین کا کافر اور منکر بنا ہوا ہے اور جس رب العالمین نے تیری روحانی تربیت اور ہدایت کے لئے رسول بھیجا ہے تو تو اس کی ہی تکذیب اور کفر پر تلا ہوا ہے اور رب العالمین نے جو مجھے آب حیات دے کر بھیجا ہے تو اس کا ایک گھونٹ بھی پینے کے لئے تیار نہیں کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی کفران نعمت ہو سکتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٣﴾

بولا فرعون کیا معنی پروردگار عالم کا

رب العالمین کے متعلق فرعون کا سوال:

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے امتثال میں اپنے کو رب العالمین کا پیغمبر کہا، اس پر فرعون جحود، تعنت اور ہٹ دھرمی کی راہ سے بولا کہ (العیاذ باللہ) رب العالمین کیا چیز ہوتی ہے، میری موجودگی میں کسی اور رب کا نام لینا کیا معنی رکھتا ہے کیونکہ اس شقی ازلی کا دعویٰ تو اپنی قوم کے روبرو یہ تھا مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ (میں اپنے سوا تمہارے لئے کوئی معبود نہیں سمجھتا) اور اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (تمہارا بڑا پروردگار میں ہوں) چنانچہ اس کی قوم کے لوگ بعض تو انتہائی جہل و بلادت سے اور بعض خوف یا طمع سے اسی کی پرستش کرتے تھے۔ گو دل میں اس ملعون کو بھی خدا کی ہستی کا یقین تھا۔ جیسا کہ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ (بنی اسرائیل رکوع ۱۲) سے ظاہر ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (بطور تحقیق) کہنے لگا رب العالمین کیا چیز ہوتی ہے یعنی فرعون نے رب العالمین کی حقیقت دریافت کی اور ظاہر ہے کہ اللہ کی ذات مرکب نہیں ہے کہ اس کے اجزاء ذاتیہ حضرت موسیٰ بتا دیتے اور فرد کے صرف خصوصیات ہی بتائے جا سکتے ہیں (یعنی صرف تعریف بالخاصہ ہی ہو سکتی ہے) اس لئے حضرت موسیٰ نے جواب میں اللہ کے خصوصی افعال اور آثار کا ذکر کیا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ

کہا پروردگار آسمان اور زمین کا اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے

اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿٢٤﴾

اگر تم یقین کرو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب:

یعنی آسمان و زمین کی سب چیزیں جس کے زیر تربیت ہیں وہ ہی رب العالمین ہے۔ اگر تمہارے قلوب میں کسی چیز پر بھی یقین لانے کی استعداد موجود ہو تو فطرۃ انسانی سب سے پہلے اس چیز کا یقین دلانے کے لئے کافی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿٢٥﴾

بولا اپنے گرد والوں سے کیا تم نہیں سنتے ہو

فرعون کی چالاکی:

فرعون جان بوجھ کر بات کو رلانا چاہتا تھا اپنے حوالی موالی کو ابھارنے اور موسیٰ علیہ السلام کی بات کو خفیف کرنے کے لئے کہنے لگا، سنتے ہو، موسیٰ کیسی دور از کار باتیں کر رہے ہیں۔ کیا تم میں کوئی تصدیق کرے گا کہ میرے سوا آسمان و زمین میں کوئی اور رب ہے؟ (تفسیر عثمانی)

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٦﴾

کہا پروردگار تمہارا اور پروردگار تمہارے اگلے باپ دادوں کا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زور خطاب:

یعنی او احمق! میں جس رب العالمین کا ذکر کر رہا ہوں، وہ ہے جس نے خود تم کو اور تمہارے باپ دادوں کو پیدا کیا۔ اور جب تمہارا نام بھی نہ تھا اس

وقت زمین وآسمان کی تربیت وتدبیر کررہا تھا۔

قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿٢٧﴾

بولا تمہارا پیغام لانے والا جو تمہاری طرف بھیجا گیا ضرور باؤلا ہے

فرعون کا دوسرا پینترا:

یعنی (العیاذ باللہ) کس دیوانہ کورسول بنا کر بھیجا ہے جو ہماری اور ہمارے باپ دادوں کی خبر لیتا ہے۔ اور ہماری شوکت وحشمت کو دیکھ کر ذرا نہیں جھجکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دماغ عقل سے بالکل خالی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ

کہا پروردگار مشرق کا اور مغرب کا اور جو کچھ اُنکے بیچ میں ہے

اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢٨﴾

اگر تم سمجھ رکھتے ہو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک اور ناقابل انکار دلیل:

حضرت موسیٰ نے پھر ایک بات کہی جس طرح کی حضرت ابراہیم نے نمرود کے سامنے آخر میں کہی تھی۔ یعنی رب العالمین وہ ہے جو مشرق ومغرب کا مالک اور تمام سیارات طلوع وغروب کی تدبیر ایک محکم ومضبوط نظام کے موافق کرنے والا ہے۔ اگر تم میں ذرا بھی عقل ہو تو بتلا سکتے ہو کہ اس عظیم الشان نظام کا قائم رکھنے والا بجز خدا کے کون ہوسکتا ہے۔ کیا کسی کو قدرت ہے کہ اُس کے قائم کئے ہوئے نظام کو ایک سیکنڈ کے لئے توڑ دے یا بدل ڈالے۔ یہ آخری بات سن کر فرعون بالکل مبہوت ہوگیا اور بحث وجدال سے گزر کر دھمکیوں پر اُتر آیا۔ جیسا کہ آگے آتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ''حضرت موسیٰ ایک بات کہے جاتے تھے اللہ کی قدرتیں بتانے کو اور فرعون بیچ میں اپنے سرداروں کو ابھارتا تھا کہ اُن کو یقین نہ آجائے۔'' (تفسیر عثمانی)

یعنی روزانہ دیکھتے ہو کہ اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اور گزشتہ دن کے محور کے علاوہ دوسرے محور پر چلاتا ہے یہاں تک کہ مغرب تک ایسے طریقہ سے پہنچا دیتا ہے جو انتظام کائنات کے لئے انتہائی مفید ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ اگر تم عقل رکھتے ہو تو سمجھ گئے ہو گے کہ جو جواب میں نے دیا ہے اس سے اعلیٰ جواب (اللہ کے بارے میں) ممکن نہیں۔

حضرت موسیٰ نے پہلے گفتگو میں نرمی کی تھی لیکن جب ان لوگوں کی طرف سے شدت محسوس کی تو ان ہی کے قول کی طرح اپنے کلام میں بھی درشتی اختیار کرلی۔

مغلوب جاہلوں کی عادت ہے کہ جب کوئی جواب بن نہیں پڑتا تو دھمکیاں دینے پر اتر آتے ہیں فرعون نے بھی ایسا ہی کیا۔ جب لاجواب ہو گیا تو۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ

بولا اگر تو نے ٹھہرایا کوئی اور حاکم میرے سوائے تو مقرر ڈالوں گا تجھ کو

مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿٢٩﴾

قید میں

فرعون کی دہشت گردی:

اس مرتبہ فرعون نے اپنا مطلب صاف کہہ دیا کہ یہاں ''مصر'' میں کوئی اور خدا نہیں۔ اگر میرے سوا کسی اور معبود کی حکومت مانی تو یاد رکھو قید خانہ تیار ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بولا اگر میرے سوا تو نے کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں شامل کردوں گا۔

الْمَسْجُوْنِيْنَ میں الف لام عہدی ہے یعنی ان قیدیوں میں شامل کردوں گا جن کی حالت میرے قید خانے میں تجھے معلوم ہے۔ کلبی نے کہا فرعون کی قیدی کی حالت قتل سے بھی زیادہ سخت تھی، قیدی کو ایک تنہا اندھیری کوٹھڑی میں پھینک دیتا تھا، قیدی کو وہاں کچھ نظر نہ آتا تھا اور لڑھکتا ہوا زمین کے اندر چلا جاتا تھا۔ فرعون کو سخت عذاب دینے کی قدرت حاصل تھی اس سے اس نے اپنے رب ہونے پر استدلال کیا اور صانع عالم کا انکار کرنے لگا اس نے بطور تعجب اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ کہا تھا کہ میرے سوا کسی دوسرے الٰہ کا ہونا عجیب بات ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٠﴾ۚ

کہا اور اگر لے کر آیا ہوں تیرے پاس ایک چیز کھول دینے والی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک اور چیلنج:

یعنی فیصلہ میں ابھی جلدی نہ کر۔ یہ تو تیری باتوں کا جواب تھا اب ذرا وہ کھلے ہوئے نشان بھی دیکھ جن سے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور میری صداقت دونوں کا اظہار ہو۔ اگر ایسے نشان دکھلاؤں تو کیا پھر بھی تیرا فیصلہ یہی رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٣١﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ

بولا تو وہ چیز لا اگر تو سچ کہتا ہے پھر ڈال دیا اپنا عصا

فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿٣٢﴾ۚ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا

سو اُسی وقت وہ اژدہا ہوگیا صریح اور اندر سے نکالا اپنا ہاتھ سو

هِيَ بَيْضَاۗءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿٣٣﴾ۧ قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ

اسی وقت وہ سفید تھا دیکھنے والوں کے سامنے، بولا اپنے گرد کے سرداروں

اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۙ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ
سے یہ تو کوئی جادوگر ہے پڑھا ہوا چاہتا ہے کہ نکال دے تم کو
مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۞
تمہارے دیس سے اپنے جادو کے زور سے، سواب کیا حکم دیتے ہو

فرعون کی بدحواسی:

یا تو خدائی کے دعوے تھے، یا اتنی جلد ایسا حواس باختہ ہو گیا کہ اپنے غلاموں اور پرستاروں کے احکام پر چلنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۙ
بولے ڈھیل دے اس کو اور اُس کے بھائی کو اور بھیج دے شہروں میں نقیب
يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ۞ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ
لے آئیں تیرے پاس جو بڑا جادوگر ہو پڑھا ہوا پھر اکٹھے کئے جادوگر وعدہ پر
يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۙ
ایک مقرر دن کے

یعنی عید کے دن چاشت کے وقت۔

وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ۙ
اور کہہ دیا لوگوں کو کیا تم بھی اکٹھے ہو گے
لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۞
شاید ہم راہ قبول کر لیں جادوگروں کی اگر ہو اُن کو غلبہ

فرعون جادوگروں کا سہارا لینے لگا:

یعنی سب کو اکٹھا ہونا چاہئے۔ امید قوی ہے کہ ہمارے جادوگر غالب آئیں گے۔ اُس وقت ہم موسیٰ کی شکست اور مغلوبیت دکھلانے کے لئے اپنے ساحرین ہی کی راہ پر چلیں گے۔ گویا یہ ظاہر کرنا تھا کہ اس میں ہماری کوئی خودغرضی نہیں۔ جب مقابلہ میں ہمارا پلہ بھاری رہے گا تو انصافاً کسی کو ہمارے طریقہ سے منحرف ہونے کی گنجائش نہیں رہ سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

جادوگروں سے مراد ہیں وہ جادوگر جن کو فرعون نے موسیٰ کے مقابلے کے لئے بلوایا تھا۔ لعل امید ظاہر کرنے کے لئے آتا ہے اور امید کا لفظ اسی کی کر رہا ہے کہ جادوگروں سے مراد ہیں فرعون کے جمع کئے ہوئے جادوگر۔ (حضرت مؤلف نے کہا) جادوگروں سے مراد ہیں موسیٰ ہارونؑ اور ان کی قوم والے اور اتباع سے مراد ہے اتباع دینی۔ اس وقت امید کا (حقیقی اصل معنی مراد نہ ہوگا بلکہ) مطلب یہ ہوگا کہ اگر موسیٰ اور ہارون غالب ہو گئے تو شاید ہم ان کے دین پر چلنے لگیں، یعنی ہم ان کے دین پر نہیں چلیں گے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا
پھر جب آئے جادوگر کہنے لگے فرعون سے بھلا کچھ ہمارا حق بھی ہے
اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۞ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ
اگر ہو ہم کو غلبہ ہوا البتہ اور تم اُس
اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۞
وقت مقربوں میں ہو گے

فرعون کے جادوگر کرائے کے مزدور:

یعنی نہ صرف مالی انعام واکرام بلکہ تم میرے خاص مصاحبوں میں رہو گے۔ ان آیات کا مفصل بیان ''اعراف'' اور ''طٰہٰ'' میں گزر چکا ہے۔

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۞
کہا اُن کو موسیٰ نے ڈالو جو تم ڈالتے ہو

جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چیلنج:

یعنی جب ساحرین نے کہا کہ موسیٰ تم پہلے اپنی لاٹھی ڈالتے ہو، یا ہم ڈالیں، اُس کے جواب میں فرمایا کہ تم ہی اپنی قوت خرچ کر دیکھو۔ (تفسیر عثمانی)

اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں سے کہا کہ آپ جو کچھ جادو دکھانا چاہتے ہو وہ دکھاؤ، اس پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کو جادو کا حکم دے رہے ہیں، لیکن ذرا سے غور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے جادو دکھانے کا حکم نہیں تھا بلکہ جو کچھ وہ کرنے والے تھے اس کا ابطال مقصود تھا لیکن اس کا باطل ہونا بغیر اس کے ظاہر کرنے کے ناممکن تھا اس لئے آپ نے ان کو اظہار جادو کا حکم دیا جیسے کہ ایک زندیق کو کہا جائے کہ تم اپنے زندقہ، اور بے دینی کے دلائل پیش کرو تا کہ میں ان کو باطل ثابت کر سکوں ظاہر ہے کہ اسے کفر پر رضامندی نہیں کہا جا سکتا۔ (معارف، مفتی اعظم)

فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ
پھر ڈالیں انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں اور بولے فرعون کے اقبال

اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾

بے ہماری ہی فتح ہے

جادوگروں نے فرعون کی قوت کا سہارا لیا:

بعض نے بعزۃ فرعون کو قسم کے معنی میں لیا ہے یعنی فرعون کے اقبال کی قسم ہم ہی غالب ہو کر رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ یہ کلمہ ان جادوگروں کے لئے بمنزلہ قسم ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھی۔ افسوس کہ مسلمانوں میں بھی اب ایسی قسمیں رائج ہو گئی ہیں جو اس سے زیادہ شنیع اور قبیح ہیں مثلاً بادشاہ کی قسم، تیرے سر کی قسم، تیری ڈاڑھی کی قسم یا تیرے باپ کی قبر کی قسم، اس قسم کی قسمیں کھانا شرعاً جائز نہیں، بلکہ ان کے متعلق یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ خدا کے نام کی جھوٹی قسم کھانے میں جو گناہ عظیم ہے۔ ان ناموں کی سچی قسم بھی گناہ میں اس سے کم نہیں (کمالی ادروح) (معارف مفتی اعظم)

فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾

پھر ڈالا موسیٰ نے اپنا عصا پھر تب ہی وہ نگلنے لگا جو سانگ انہوں نے بنایا تھا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فتح:

شیخ اکبرؒ نے لکھا ہے کہ خالی رسیاں اور لاٹھیاں رہ گئیں جو سانپوں کی صورتیں انہوں نے بنائی تھیں، موسیٰ کا عصا اُن کو نگل گیا۔

فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾

پھر اوندھے گرے جادوگر سجدہ میں بولے ہم نے مان لیا جہان کے رب کو

رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ

جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا بولا تم نے اُس کو مان لیا ابھی

اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ

میں نے حکم نہیں دیا تم کو مقرر وہ تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو سکھلایا جادو

فرعون کی سیاسی چالبازیاں:

یعنی موسیٰ تمہارا بڑا استاد ہے، آپس میں سازش کر کے آئے ہو کہ تم یہ کرنا، ہم یوں کہیں گے اور حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "تمہارا بڑا" کہا رب کو "یعنی موسیٰ اور تم ایک استاد کے شاگرد ہو" واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

یعنی فرعون کو یہ اندیشہ ہو گیا کہ لوگ جادوگروں کے ایمان لانے سے بہک جائیں گے اور خیال کرنے لگیں گے کہ جادوگروں کے سامنے حق کا ظہور ہو گیا اس لئے وہ ایمان لے آئے پس قوم کو دھوکہ دینے اور حقیقت کو مشتبہ بنانے کے لئے اس نے کہا کہ میری اجازت کے بغیر تم نے موسیٰ (کی اس کرشمہ سازی) کا یقین کر لیا۔ (تفسیر مظہری)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ:

یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ جادوگر جو عمر بھر جادوگری کے کفر میں مبتلا، اس پر مزید فرعون کے دعوائے خدائی کو ماننے والے اور اس کی پرستش کرنے والے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر اپنی پوری قوم کے خلاف، فرعون جیسے ظالم جابر بادشاہ کے خلاف ایمان کا اعلان کر دیں یہی ایک حیرت انگیز چیز تھی مگر یہاں تو صرف ایمان کا اعلان ہی نہیں بلکہ ایمان کا وہ گہرا رنگ چڑھ جانے کا مظاہرہ ہے کہ قیامت و آخرت گویا ان کے سامنے نظر آنے لگی۔ آخرت کی نعمتوں کا مشاہدہ ہونے لگا ہے جس کے مقابلے میں دنیا کی ہر سزا اور مصیبت سے بے نیاز ہو کر فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ کہہ دیا یعنی جو تیرا جی چاہے کر لے ہم تو ایمان سے پھرنے والے نہیں۔ یہ بھی درحقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کا معجزہ ہے جو معجزۂ عصا اور ید بیضاء سے کم نہیں، اسی طرح کے بہت سے واقعات ہمارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ظاہر ہوئے ہیں کہ ایک منٹ میں ستر برس کے کافر میں ایسا انقلاب آ گیا کہ صرف مؤمن ہی نہیں ہو گیا بلکہ غازی بن کر شہید ہونے کی تمنا کرنے لگا۔ (معارف مفتی اعظم)

فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ؕ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ

سو اب معلوم کر لو گے البتہ کاٹوں گا تمہارے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں

مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾ قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۫

اور سولی پر چڑھاؤں گا تم سب کو بولے کچھ ڈر نہیں

اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾

ہم کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے

جادوگروں کے ایمان کی پختگی:

یعنی بہر حال مر کر خدا کے یہاں جانا ہے اس طرح مریں گے، شہادت کا درجہ ملے گا، یہ سب مضامین "سورۂ اعراف" وغیرہ میں گزر چکے ہیں۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔

اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ

ہم غرض رکھتے ہیں کہ بخش دے ہم کو رب ہمارا تقصیریں ہماری اس واسطے

اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾

کہ ہم ہوئے پہلے قبول کرنے والے

یعنی موسیٰ علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ کے بعد بھرے مجمع میں ظالم فرعون کے روبرو سب سے پہلے ہم نے قبول حق کا اعلان کیا۔ اس سے اُمید ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ ہماری گزشتہ تقصیرات کو معاف فرمائے گا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ رات کو لے نکل میرے بندوں کو البتہ تمہارا پیچھا کریں گے

ہجرت کا حکم:

یعنی جب ایک مُدت مدید تک سمجھانے اور آیات دکھلاتے رہنے کے بعد بھی فرعون نے حق کو قبول نہ کیا اور ''بنی اسرائیل'' کا ستانا نہ چھوڑا، تو ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنی قوم کو لے کر رات میں یہاں سے ہجرت کر جاؤ۔ اور دیکھنا یہ فرعونی لوگ تمہارا پیچھا کریں گے (گھبرانا نہیں)۔

فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

پھر بھیجے فرعون نے شہروں میں نقیب

تعاقب کی تیاری:

تا کہ تمام قبطیوں کو جمع کر کے بنی اسرائیل کا تعاقب کرے۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾

یہ لوگ جو ہیں سو ایک جماعت ہے تھوڑی سی

فرعون کے دعوے:

یعنی ان تھوڑے سے آدمیوں نے تم کو تنگ کر رکھا ہے۔ حالانکہ ان کی ہستی کیا ہے، جو تمہارے مقابلہ میں عہدہ برآ ہوسکیں۔ یہ باتیں قوم کو غیرت اور جوش دلانے کے لئے کہیں۔

وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور وہ مقرر ہم سے دل جلے ہوئے ہیں

یا ہم کو غصہ دلا رہے ہیں معلوم ہوتا ہے ان کی کم بختی نے دھکا دیا ہے۔

وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور ہم سارے اُن سے خطرہ رکھتے ہیں

تو اس روز روز کے خطرہ کا قلع قمع ہی کر دو بعض مفسرین نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ ہماری بڑی جمعیت ہے جو محتاط یا مسلح ہے تو یہ الفاظ دل بڑھانے کے لئے ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾

پھر نکال باہر کیا ہم نے ان کو باغوں اور چشموں سے

وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾

اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے اسی طرح

فرعونیوں کی بدبختی:

یعنی اس طرح قبطی گھربار، مال و دولت، باغ اور کھیتیاں چھوڑ کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں ایک دم نکل پڑے۔ جنہیں پھر لوٹنا نصیب نہ ہوا۔ گویا اس تدبیر سے اللہ تعالیٰ نے اُن کو نکال باہر کیا۔ (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾

اسی طرح اور ہاتھ لگا دیں ہم نے یہ بنی اسرائیل کے

بنی اسرائیل کو مصر کا وارث بنا دیا:

یا تو اُس کے بعد ہی یہ چیزیں بنی اسرائیل کے ہاتھ لگیں اور یا ایک مدت بعد سلیمان علیہ السلام کے عہد میں جب ملک مصر بھی اُن کی سلطنت میں شامل ہوا۔ واللہ اعلم پہلے اس کے متعلق اختلاف گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ

پھر پیچھے پڑے اُن کے سورج نکلنے کے وقت پھر جب مقابل ہوئیں دونوں فوجیں

قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾

کہنے لگے موسیٰ کے لوگ ہم تو پکڑے گئے

دریائے قلزم کے کنارے پر:

یعنی بحر قلزم کے کنارہ پہنچ کر بنی اسرائیل پار ہونے کی فکر کر رہے تھے کہ پیچھے سے فرعونی لشکر نظر آیا گھبرا کر موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ اب ان کے ہاتھ سے کیسے بچیں گے۔ آگے سمندر حائل ہے اور پیچھے سے دشمن دبائے چلا آرہا ہے۔

قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِىَ رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾

کہا ہرگز نہیں میرے ساتھ ہے میرا رب وہ مجھ کو راہ بتلائے گا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اطمینان علی اللہ:

یعنی گھبراؤ نہیں، اللہ کے وعدوں پر اطمینان رکھو، اُس کی حمایت ونصرت میرے ساتھ ہے۔ وہ یقیناً ہمارے لئے کوئی راستہ نکال دے گا۔ ناممکن ہے

کہ دشمن ہم کو پکڑ سکے۔

فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ

پھر حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ مار اپنے عصا سے دریا کو

فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۳﴾

پھر دریا پھٹ گیا تو ہو گئی ہر پھانک جیسے بڑا پہاڑ

عصائے موسیٰ سے پانی میں راستے بن گئے:

پانی بہت گہرا تھا۔ بارہ جگہ سے پھٹ کر خشک راستے بن گئے بارہ قبیلے بنی اسرائیل کے الگ الگ اُن میں کو گزرے اور بیچ میں پانی کے پہاڑ کھڑے رہ گئے۔ (کذافی موضح القرآن)

وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ

اور پاس پہنچا دیا ہم نے اُسی جگہ دوسروں کو اور بچا دیا ہم نے موسیٰ کو اور جو

مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۶﴾

لوگ تھے اُس کے ساتھ سب کو پھر ڈبا دیا ہم نے اُن دوسروں کو

فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی:

یعنی فرعونی لشکر بھی قریب آ گیا اور دریا میں راستے بنے ہوئے دیکھ کر بنی اسرائیل کے بعد بے سوچے سمجھے گھس پڑا۔ جب تمام لشکر دریا کی لپیٹ میں آ گیا، فوراً خدا کے حکم سے پانی کے پہاڑ ایک دوسرے سے مل گئے۔ یہ قصہ پہلے گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۶۷﴾

اس چیز میں ایک نشانی ہے اور نہیں تھے بہت لوگ اُن میں ماننے والے

حق کی کامیابی کی دلیل:

یعنی جب اکثروں نے حق کو قبول نہ کیا تو آخر میں قدرت نے یہ نشان دکھلایا۔ جس سے صادقین اور مکذبین کے انجام کا دنیا ہی میں الگ الگ پتہ چل جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بلاشبہ اس میں (یعنی موسیٰ کو ساتھیوں سمیت بچا لینے اور فرعون کو ساتھیوں سمیت غرق کر دینے میں) کھلی ہوئی دلیل ہے (موسیٰ کی سچائی کی) اور ان میں (یعنی فرعون کے ساتھیوں میں) اکثر لوگ مؤمن نہ تھے۔ روایت میں آیا ہے کہ فرعون کے ساتھیوں میں سے صرف یہ لوگ ایمان لائے تھے آسیہ فرعون کی بی بی، ایک وہ شخص جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوا تھا یعنی خربیل اور اس کی بی بی اور مریم بنت ناموسیا۔ یہ مریم وہی عورت تھی جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کی نشاندہی کی تھی۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۶۸﴾

اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی:

یہ سُنا دیا ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ مکہ کے فرعون بھی مسلمانوں کے پیچھے نکلیں گے لڑائی کو۔ پھر وطن سے باہر تباہ ہوں گے "بدر" کے دن جیسے فرعون تباہ ہوا۔ (موضح القرآن)

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ

اور سنا دے اُن کو خبر ابراہیم کی جب کہا اپنے باپ کو

وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۰﴾

اور اس کی قوم کو تم کس کو پوجتے ہو

دعوتِ ابراہیمی: یعنی یہ چیز کیا ہے جسے تم پوجتے ہو؟ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿۷۱﴾

وہ بولے ہم پوجتے ہیں مورتوں کو پھر سارے دن انہی کے پاس لگے بیٹھے رہتے ہیں

قوم کا جواب:

یعنی تم ہمارے معبودوں کو جانتے نہیں جو ایسی تحقیر سے سوال کر رہے ہو۔ ہم ان مورتوں کو پوجتے ہیں اور اس قدر وقعت وعقیدت ہمارے دل میں ہے کہ دن بھر آسن جما کر ان ہی کو لگے بیٹھے رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

کہنے لگے ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور ہمیشہ ان ہی پر جمے رہتے ہیں (حضرت ابراہیم کا سوال مختصر تھا لیکن) فخر کے طور پر انہوں نے جواب کو طول دے دیا نَظَلُّ (کا لغوی ترجمہ ہے، ہم دن کو ہوتے ہیں۔ لیکن یہ ترجمہ یہاں مناسب نہیں ہے اس لئے اس جگہ اس کا معنی ہے ہم ہمیشہ رہتے ہیں؟ بغوی نے لکھا ہے وہ لوگ دن میں بتوں کی پوجا کرتے تھے رات کو نہیں کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿۷۲﴾

کہا کچھ سنتے ہیں تمہارا کہا جب تم پکارتے ہو

حضرت ابراہیمؑ کا سوال:

یعنی اتنا پکارنے پر کبھی تمہاری بات سنتے ہیں؟ اگر نہیں سنتے (جیسا کہ

اُن کے جماد ہونے سے ظاہر ہے) تو پکارنا فضول ہے۔

اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿٧٣﴾

یا کچھ بھلا کرتے ہیں تمہارا یا بُرا

یعنی کیا پوجنے پر کچھ نفع یا نہ پوجنے کی صورت میں کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ ظاہر ہے جو اپنے اُوپر سے مکھی تک نہ اُڑا سکیں وہ دوسرے کو کیا نفع نقصان پہنچا سکیں گے؟ پھر ایسی عاجز ولایعقل چیز کو معبود بنانا کہاں کی عقلمندی ہے۔

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٤﴾

بولے نہیں پر ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو یہی کام کرتے

قوم کا جواب:

یعنی ان منطقی بحثوں اور کج حجتیوں کو ہم نہیں جانتے، نہ ہماری عقیدت اور پرستش کا مدار ان باتوں پر ہے بس سو دلیلوں کی ایک دلیل یہ ہے کہ ہمارے بڑے اسی طرح کرتے چلے آئے۔ کیا ہم اُن سب کو احمق سمجھ لیں۔

قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٥﴾

کہا بھلا دیکھتے ہو جن کو پوجتے رہے ہو

اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿٧٦﴾

تم اور تمہارے باپ دادے اگلے

یعنی ان کا پوجنا ایک پُرانی حماقت ہے، ورنہ جس کے اختیار اور قبضہ میں ذرہ برابر نفع نقصان نہ ہو اُس کی عبادت کیسی؟

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ

سو وہ میرے غنیم ہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اعلانِ جنگ:

یعنی لو! میں بے خوف وخطر اعلان کرتا ہوں کہ تمہارے ان معبودوں سے میری لڑائی ہے میں ان کی گت بنا کر رہونگا وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ (انبیاء رکوع ۵) اگر ان میں کوئی طاقت ہے تو مجھ کو نقصان پہنچا دیکھیں۔ کما قال تعالیٰ فی موضع آخر وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْئًا الآیۃ (انعام۔ رکوع ۹) وقال نوح علیہ السلام فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ (یونس۔ رکوع ۸) وقال ھود (علیہ السلام) فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ (ھود۔ رکوع ۵) اور بعض مفسرین نے کہا کہ یہ نہایت موثر ولطیف پیرایہ میں مشرکین پر تعریض ہے۔ یعنی جن کی تم عبادت کر رہے ہو میں اُن کو اپنا دشمن سمجھتا ہوں۔ اگر نعوذ باللہ ان کی پرستش کروں تو سراسر نقصان ہے۔ اسی سے سمجھ لو کہ تم بھی ان کی عبادت کر کے نقصان اُٹھا رہے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اپنا دشمن کہنے سے در پردہ یہ مراد ہے کہ وہ تمہارے دشمن ہیں تم کو ان کی پوجا کرنے سے ایسا ضرر پہنچے گا جو کسی شخص کو اپنے دشمن سے نہیں پہنچتا۔ مہربان واعظ کی نصیحت کرنے کا یہ مؤثر طریقہ ہی ہے کہ پہلے وہ اپنی ذات کو مخاطب کرتا ہے اور مقصد ہوتا ہے دوسروں کو نصیحت کرنا۔ اسی قسم کا استعمال دوسری آیت میں آیا ہے فرمایا ہے وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ یعنی کیا وجہ کہ تم اپنے خالق کی عبادت نہ کرو۔

جمادات کی طرف دشمن ہونے کی نسبت مجازی ہے یا تو اس وجہ سے کہ وہ ضرر پہنچنے کا ذریعہ ہیں یا اس وجہ سے کہ قیامت کے دن وہ دشمن بن جائیں گے۔ (تفسیر مظہری)

اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٧﴾

مگر جہان کا رب

کہ وہ ہی میرا معبود دوست اور مددگار ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہل علم نے کہا کہ قوم ابراہیم بتوں کے ساتھ اللہ کی بھی عبادت کرتے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تمہارے سارے معبود سوائے رب العالمین کے میرے دشمن ہیں یا یوں کہا جائے کہ ان کے آباؤ اجداد میں سے کچھ لوگ اللہ کو مانتے اور اس کی عبادت کرتے تھے (ان دونوں صورتوں میں استثناء متصل ہوگا) (تفسیر مظہری)

الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿٧٨﴾

جس نے مجھ کو بنایا سو وہی مجھ کو راہ دکھلاتا ہے

اللہ تعالیٰ ہی خالق و راہنما ہے:

یعنی فلاح دارین کی راہ دکھاتا اور اعلیٰ درجہ کے فوائد و منافع کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ہر مخلوق کو زندگی کا دنیوی و اخروی راستہ وہی بتاتا ہے اللہ نے فرمایا ابتداء ایجاد سے انتہا موت تک پوری زندگی اللہ تخلیقی تدریجی رہنمائی فرماتا رہتا ہے تاکہ انسان مفید حیات چیزوں کو حاصل کرتا اور ضرر رساں چیزوں سے بچتا رہے۔ رحم کے اندر بچہ ماں کا فضول خون ناف کے ذریعہ سے چوسنا شروع کرتا ہے اور اس سفر کی انتہاء داخلہ جنت ہے یہ ساری رہنمائی اللہ ہی کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿٧٩﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ

اور وہ جو مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوں

فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ۝

تو وہی شفا دیتا ہے اور وہ جو مجھ کو مارے گا پھر جلائے گا

رازق، شافی اور زندگی وموت کا مالک اللہ ہی ہے

یعنی کھلانا پلانا، مارنا جلانا اور بیماری سے اچھا کرنا، سب اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہ ہی مجھے شفا عنایت کرتا ہے۔

ادب کا لحاظ: بیماری اور شفا دونوں کا خالق اللہ ہی ہے لیکن بلحاظ ادب مریض کرنے کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی۔ حضرت خضر کے قول کو نقل کیا ہے اور فرمایا فَأَرَدْتُّ أَنْ أَعِيْبَهَا میں نے ارادہ کیا کہ اس کشتی کو عیب دار کر دوں۔ فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَّبْلُغَا أَشُدَّهُمَا آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی بھرپور طاقت کو پہنچ جائیں (اول آیت میں ارادہ عیب کی نسبت حضرت خضر نے اپنی طرف کی تقاضاء ادب یہی تھا اور دوسری آیت میں ارادہ کی نسبت اللہ کی طرف کی تقاضا ء معرفت یہی تھا۔ مترجم

حضرت ابراہیم نے بیمار ہونے کو اپنا فعل اسی لحاظ سے بھی قرار دیا کہ (گو بیماری اللہ پیدا کرتا ہے مگر) ہر مصیبت جو انسان پر آتی ہے وہ اسی کے کرتوت کا نتیجہ ہوتی ہے۔

موت اور بیماری کا فرق

اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو بیان کرنا چاہتے تھے (اور بیمار کرنا نعمت نہیں اس لئے بیمار کرنے کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی) لیکن آئندہ آیت میں موت دینے کی نسبت اللہ کی طرف کی ہے گو بظاہر موت بھی سخت تکلیف کا نام ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ موت میں کوئی ضرر نہیں ہوتا وہ تو ایک غیر محسوس چیز ہے مرنے سے پہلے جو عوارض واسباب عارض ہوتے ہیں دکھ دینے والے تو وہ ہوتے ہیں ان کے بعد موت کا غیر محسوس درد ہوتا ہے ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ اہل کمال کے لئے موت تو دنیوی مصائب وآلام سے چھوٹنے اور لازوال راحت ونعمت حاصل ہونے کا ذریعہ ہے مشہور مقولہ ہے کہ موت ایک پل ہے جو حبیب کو حبیب کے پاس پہنچا دیتا ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ اچانک موت مؤمن کے لئے راحت اور کافر کے لئے مؤاخذہ ہے۔ رواہ احمد والبیہقی عن عائشہؓ مرفوعاً دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ہر مسلم کے لئے موت (گناہوں کا) کفارہ ہے۔ رواہ ابونعیم فی الحلیۃ والبیہقی بسند ضعیف عن انسؓ۔

پھر ایک عقلی بات یہ بھی ہے کہ موت عموماً کھانے پینے کی چیزوں میں (انتہائی) کمی (یا بیشی) کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یوں بھی اخلاط (سوداء، صفراء، بلغم، خون) اور عناصر (آگ پانی مٹی ہوا) کے درمیان انتہائی تضاد اور کیفیات کا اختلاف ہے ان کے باہمی اختلاط کے بعد اعتدال مزاجی اور معتدل کیفیت کا ظہور تو جبراً اللہ کی قدرت سے ہو جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْ أَطْمَعُ أَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝

اور وہ جو مجھ کو توقع ہے کہ بخشے میری تقصیر انصاف کے دن

یعنی کسی معاملہ میں بھول چوک یا اپنے درجہ کے موافق خطاء وتقصیر ہو جائے تو اُسی کی مہربانی سے معافی کی توقع ہو سکتی ہے کوئی دوسرا معاف کرنے والا نہیں۔ آگے حق تعالیٰ کے کمالات اور مہربانیوں کا ذکر کرتے کرتے حضرت ابراہیم نے غلبہ حضور سے دعاء شروع کر دی جو کمال عبدیت کے لوازم میں سے ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مقامِ عصمت کی وضاحت:

جھوٹ اور معصیت کا لزوم تو اس وقت ہوتا جب کہ وہ اپنے آپ کو معصوم اور ہر گناہ سے پاک سمجھتے ہوئے زبان سے کہتے کہ میں گناہگار، خطا وار ہوں مگر وہ تو اپنے آپ کو گناہوں سے پاک جانتے ہی نہ تھے (گو پاک تھے) واقعہ یہ ہے کہ صوفی جب مقام فقر وفنا کی تکمیل کر لیتا ہے تو وہ اپنی ہستی اور اپنے سارے کمالات کو حق تعالیٰ کی طرف سے عاریت سمجھتا ہے اور اپنے نفس کو معدوم محض تصور کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میرا نفس تو تمام شرور کا مبدء ہے اللہ نے فرمایا ہے مَآ أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ تم کو جو بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے پہنچتی ہے اور جو برائی پہنچتی ہے وہ تمہارے نفس کی طرف سے پہنچتی ہے۔ اس حالت میں اگر صوفی اپنے کو گناہگار کہتا ہے تو اس کو جھوٹ نہیں کہا جا سکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ:

ایک بار ظہر کی دو رکعتیں پڑھنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو ہو گیا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال کیا میں پوری نماز پڑھ چکا اسلئے سلام پھیر دیا) ذوالیدین (ایک صحابی تھے) نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا نماز میں قصر کر دیا گیا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے فرمایا اس میں سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ ذوالیدین نے عرض کیا (حضور) کچھ تو ہوا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا اس میں سے کوئی بات نہیں ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات ہرگز ہرگز نہ جھوٹ ہو سکتی ہے نہ گناہ ہاں نسیان ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دعا کی تھی رَبِّ اغْفِرْلِيْ خَطِيْئَتِيْ اے میرے رب میرے قصور کو معاف فرما دے اس دعا کی بنیاد بھی انکسار نفس ہے اور چونکہ یہ امر ہے اور امر انشاء

کی قسم ہے اسلئے اس میں کذب کا احتمال بھی نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

بندہ ہمان بہ کہ زتقصیر خویش عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوند لیش کس نتواند کہ بجا آورد

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝
اے میرے رب دے مجھ کو حکم اور ملا مجھ کو نیکوں میں

حضرت ابراہیمؑ کی دُعاء:

یعنی مزید علم و حکمت اور درجات قرب و قبول مرحمت فرما، اور اعلیٰ درجہ کے نیکوں کے زمرہ میں (جو انبیاء علیہم السلام ہیں) شامل رکھ۔ کما قال نبینا صلی اللہ علیہ وسلم "اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی" اس دعاء سے اپنی کامل احتیاج اور حق تعالیٰ کی عنایت کا اظہار مقصود ہے یعنی نبی ہو یا ولی، اللہ تعالیٰ کسی کے معاملہ میں مجبور و مضطر نہیں، ہمہ وقت اُس کے فضل و رحمت سے کام چلتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَ اجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝
اور رکھ میرا بول سچا پچھلوں میں

یعنی ایسے اعمال مرضیہ اور آثار حسنہ کی توفیق دے کہ پیچھے آنے والی نسلیں ہمیشہ میرا ذکر خیر کریں اور میرے راستہ پر چلنے کی طرف راغب ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آخر زمانہ میں میرے گھرانے سے نبی ہو اور اُمت ہو، اور میرا دین تازہ کریں۔ چنانچہ یہی ہوا کہ حق تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو دنیا میں قبول عام عطا فرمایا اور اُن کی نسل سے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا جنہوں نے ملت ابراہیمی کی تجدید کی اور یہ فرمایا کہ میں ابراہیمؑ کی دعاء ہوں، آج بھی ابراہیمؑ کا ذکر خیر اہل ملل کی زبانوں پر جاری ہے اور اُمت محمدیہ تو ہر نماز میں "کما صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ" اور "کما بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ" پڑھتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی میری اچھی تعریف اور بھلائی کا ذکر اور قبولِ عام آئندہ لوگوں کی زبانوں پر کر دے (کہ سب مجھے اچھا کہیں کوئی برائی کے ساتھ میرا ذکر نہ کرے) یا یہ مطلب ہے کہ آنے والی امتیں اگر میری ثناء کریں تو وہ سچی ہو (میری غیر واقعی اور غلط تعریف نہ کریں)۔ (تفسیر مظہری)

وَ اجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ۝
اور کر مجھ کو وارثوں میں نعمت کے باغ کے

یعنی جنت کا جو آدم کی میراث ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝
اور معاف کر میرے باپ کو وہ تھا راہ بھولے ہوؤں میں

ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دعاء باپ کی موت کے بعد کی۔ مگر دوسری جگہ تصریح آ گئی کہ جب اُس کا دشمن خدا ہونا ظاہر ہو گیا تو براءت اور بیزاری کا اظہار فرمایا۔ کما قال تعالیٰ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ (توبہ۔ رکوع ۱۴) اور اگر اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ میں کان کا ترجمہ تھا کے بجائے ہے سے کیا جائے پھر کوئی اشکال نہیں۔ کیونکہ زندگی میں ایمان لے آنے کا امکان تھا۔ تو دعاء کا حاصل یہ ہے کہ الٰہی اس کو ایمان سے مشرف فرما کر کفر کے زمانہ کی خطائیں معاف فرما دے۔ اس کی قدرے مفصل تحقیق پہلے کسی جگہ گزر چکی ہے۔ فلیراجع۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابراہیم کا والد کیلئے استغفار:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے ان کی زندگی میں استغفار اس نیت اور خیال سے کی تھی کہ اللہ رب العزت ان کو ایمان لانے کی توفیق دے جس کے بعد مغفرت یقینی ہے یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ خیال تھا کہ میرا باپ خفیہ طور پر ایمان لے آیا ہے اگرچہ اس کا اظہار اور اعلان نہیں کیا لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ میرا باپ تو کفر پر مرا ہے تو انہوں نے اپنی پوری بیزاری اور براءۃ کا اظہار فرمایا۔

(فائدہ) اس بات کی تحقیق کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو باپ کا کفر اور شرک اپنے باپ کی زندگی میں معلوم ہو گیا تھا یا مرنے کے بعد یا قیامت کے روز ہو گا، اس کی پوری تفصیل سورہ توبہ میں مذکور ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ
اور رسوا نہ کر مجھ کو جس دن سب جی کر اٹھیں جس دن نہ کام آئے کوئی مال
وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝
اور نہ بیٹے مگر جو کوئی آیا اللہ کے پاس لے کر دل چنگا

پاک دِل:

یعنی بھلا چنگا بے روگ دل جو کفر و نفاق اور فاسد عقیدوں سے پاک ہو گا وہ ہی وہاں کام دے گا۔ نرے مال و اولاد کچھ کام نہ آئیں گے۔ اگر کافر چاہے کہ قیامت میں مال و اولاد فدیہ دے کر جان چھڑا لے، تو ممکن نہیں۔ یہاں کے صدقات و خیرات اور نیک اولاد سے بھی کچھ نفع کی توقع اُسی وقت ہے جب اپنا دل کفر کی پلیدی سے پاک ہو۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں اور منافقوں کی رسوائی:

شیخین نے صحیحین میں خود حضرت ابن عمر کا بیان نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا مجھ سے دریافت کیا گیا کہ (قیامت کے دن اللہ جو بعض بندوں سے

کچھ چپکے چپکے فرمائے گا جس کی دوسروں کو اطلاع نہ ہوگی اس) سرگوشی کے متعلق آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سنا ہے۔ میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ تم میں سے بعض لوگ اپنے رب کے قریب ہو جائیں گے یہاں تک کہ وہ ان پر اپنا پردہ ڈال دے گا اور فرمائے گا کیا تو نے ایسا ایسا کیا تھا۔ بندہ عرض کرے گا جی ہاں جی ہاں۔ اللہ فرمائے گا میں نے دنیا میں تیرے اس عمل پر پردہ ڈالے رکھا تھا اور آج معاف کرتا ہوں پھر اس کی نیکیوں کی تحریر سیدھے ہاتھ میں دے دی جائے گی۔ البتہ کافروں اور منافقوں کو سب کے سامنے علی الاعلان پکارا جائے گا۔ هٰؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر دروغ تراشی کی تھی۔ آگاہ ہو جاؤ کہ ان ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔

شرک اور شک سے پاک دل:

سلیم سے مراد شرک اور شک سے پاک دل ہے گناہوں سے پاک ہونا مراد نہیں ہے کیونکہ کوئی شخص بھی (لغزش یا چھوٹے بڑے ہر قسم کے) گناہ سے پاک نہیں ہے۔ بغوی نے لکھا ہے یہی قول اکثر اہل تفسیر کا ہے۔

بدعت سے پاک دل:

سعید بن جبیر نے کہا سلیم (تندرست صحت مند) دل مؤمن کا ہے اور بیمار دل کافر اور منافق کا (اس قول پر آیت میں ہر مؤمن مراد ہوگا) ابو عثمان نیشا پوری نے کہا سلیم (سالم۔ خالی) دل اس کا ہے جو ہر بدعت سے خالی ہو اور سنت پر قائم ہو یعنی (آیت میں) اہل سنت والجماعت (مراد ہیں)

کافر کو کوئی چیز فائدہ نہ دے گی:

آیت کا تفسیری مطلب یہ ہے کہ اس روز مال اور اولاد کسی کو فائدہ نہیں پہنچائے گی۔ ہاں مؤمن کو فائدہ پہنچائے گی۔ اس صورت میں مستثنیٰ مفرغ ہوگا یا یہ مطلب ہے کہ کسی کا مال و اولاد مفید نہ ہوگی ہاں مؤمن کا مال اور اولاد کام آئے گی۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ کافر خواہ اپنے قرابتداروں کے لئے کتنا ہی مال صرف کر دے اور کتنے ہی مسکینوں کو کھانا کھلائے کچھ بھی اس کے کام نہ آئے گا نہ اولاد اس کے کام آئے گی خواہ اس کی اولاد صلحا اور انبیاء ہی ہوں مگر کافر کی کوئی شفاعت نہیں کرے گا نہ اس کے لئے معافی کا طلبگار ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

تندرست دل:

دوسری بات یہ ہے کہ قلب سلیم کے لفظی معنے تندرست دل کے ہیں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ قلب ہے، جو کلمہ توحید کی گواہی دے اور شرک سے پاک ہو، یہی مضمون مجاہد حسن بصری سعید بن مسیب سے بعنوان مختلف منقول ہے۔ سعید بن مسیبؒ نے فرمایا کہ تندرست دل صرف مؤمن کا ہو سکتا ہے، کافر کا دل بیمار رہتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٩٠﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿٩١﴾

اور پاس لائیں بہشت کو واسطے ڈر والوں کے اور نکالیں دوزخ کو سامنے بے راہوں کے

جنت و دوزخ کا نظارہ: یعنی محشر میں جنت مع اپنی انتہائی آرائش و زیبائش کے متقین کو قریب نظر آئے گی۔ جسے دیکھ کر داخل ہونے سے پہلے ہی مسرور و محظوظ ہوں گے۔ اسی طرح دوزخ کو مجرموں کے پاس لے آئیں گے تا داخل ہونے سے پیشتر ہی خوف کھا کر لرزنے لگیں۔

وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿٩٢﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور کہیں ان کو کہاں ہیں جن کو تم پوجتے تھے اللہ کے سوائے

هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿٩٣﴾

کیا کچھ مدد کرتے ہیں تمہاری یا بدلہ لے سکتے ہیں

فرضی معبود کہاں ہیں: یعنی اب وہ فرضی معبود کہاں گئے کہ نہ تمہاری مدد کر کے اس عذاب سے چھڑا سکتے ہیں نہ بدلہ لے سکتے ہیں بلکہ خود اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے۔

فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿٩٤﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ

پھر اوندھے ڈالیں اس میں ان کو اور سب بے راہوں کو اور ابلیس کے لشکر کو

اَجْمَعُوْنَ ﴿٩٥﴾ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٩٦﴾

سبھوں کو کہیں گے جب وہ وہاں باہم جھگڑنے لگیں

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٩٧﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ

قسم اللہ کی ہم تھے صریح غلطی میں جب ہم تم کو برابر کرتے تھے

بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٨﴾ وَمَا اَضَلَّنَا اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٩٩﴾

پروردگار عالم کے، اور ہم کو راہ سے بہکایا سو ان گنہگاروں نے

فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿١٠٠﴾ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿١٠١﴾

پھر کوئی نہیں ہماری سفارش کرنے والے اور نہ کوئی دوست محبت کرنیوالا

انجام کار سب باطل پرستوں کا آپس میں جھگڑا:

یعنی بت اور بت پرست اور ابلیس کا سارا لشکر، سب کو دوزخ میں اوندھے منہ گرا دیا جائے گا۔ وہاں پہنچ کر آپس میں جھگڑیں گے۔ ایک دوسرے کو الزام دے گا اور آخر کار اپنی گمراہی کا اعتراف کریں گے کہ واقعی ہم سے بڑی سخت

غلطی ہوئی کہ تم کو (یعنی بتوں کو یا دوسری چیزوں کو جنہیں خدائی کے حقوق و اختیارات دے رکھے تھے) رب العالمین کے برابر کر دیا۔ کیا کہیں یہ غلطی ہم سے ان بڑے شیطانوں نے کرائی، اب ہم اس مصیبت میں گرفتار ہیں نہ کوئی بت کام دیتا ہے نہ شیطان مدد کو پہنچتا ہے۔ وہ خود ہی دوزخ کے کندے بن رہے ہیں۔ کوئی اتنا بھی نہیں کہ خدا کے یہاں ہماری سفارش کر دے یا کم از کم اس آڑے وقت میں کوئی دوست دلسوزی و ہمدردی ہی کا اظہار کرے۔ سچ ہے اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ (زخرف۔ رکوع ۶)
(تفسیر عثمانی)

نکتہ: شافعین کو جمع اور صدیق کو مفرد ذکر کرنے کی چند وجوہ ہو سکتی ہیں۔
(۱) عام طور پر سفارشی تو بہت ہو جاتے ہیں اور سچا دوست کم ہی ملتا ہے۔
(۲) جتنی کوشش متعدد سفارشی کرتے ہیں ان سب سے زیادہ لگن کے ساتھ ایک دوست کوشش کرتا ہے۔
(۳) صدیق کا اطلاق واحد پر بھی ہوتا ہے اور جمع پر بھی۔

کافر کو گہری دوستی بھی کام نہ آئے گی:

اس روز گہرے دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے ہاں متقی (باہم دشمن نہ ہوں گے) بغوی نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی روایت سے بیان کیا۔ حضرت جابر نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ آدمی جنت کے اندر کہے گا میرا فلاں دوست کیا ہوا (کہاں گیا) اس وقت اس جنتی کا دوست جہنم میں ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

سو کسی طرح ہم کو پھر جانا ملے تو ہم ہوں ایمان والوں میں

کافروں کی ناکام حسرت:

یعنی اگر ایک مرتبہ ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس جانے کا موقع دیا جائے تو اب وہاں سے پکے ایماندار بن کر آئیں لیکن یہ کہنا بھی جھوٹ ہے۔ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (انعام رکوع ۳)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۗ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

اس بات میں نشانی ہے اور بہت لوگ اُن میں نہیں ماننے والے

قصہ ابراہیمؑ کا سبق:

یعنی ابراہیمؑ کے اس قصہ میں توحید وغیرہ کے دلائل اور مشرکین کا عبرتناک انجام دکھلایا گیا ہے مگر لوگ کہاں مانتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)
حضرت ابراہیم اپنی قوم پر کس قدر مہربان تھے۔ بیان قرآنی میں اس کی کیسی اعلیٰ تصویر پیش کی ہے اور نفسِ واقعہ کی کیسی تصویر کشی کی ہے وعدہ وعید کو بھی بطور نقل بیان کیا ہے لیکن در پردہ تاکہ سننے والے گوش قبول سے اس کو سنیں اور نفرت نہ کریں پھر اس بیان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی بھی واضح دلیل اور کھلا ہوا ثبوت موجود ہے (کہ آپ باوجود امی ہونے کے ہزاروں سال پرانا واقعہ کس قدر خوبصورتی اور صداقت کے ساتھ بیان کر رہے ہیں اگر یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بیان کردہ نہیں ہے تو اور کیا ہے) (تفسیر مظہری)

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨ

اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا جھٹلایا نوح کی قوم نے

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

پیغام لانیوالوں کو جب کہا ان کو ان کے بھائی نوح نے کیا تم کو ڈر نہیں

اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۰۸﴾

میں تمہارے واسطے پیغام لانیوالا ہوں معتبر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

حضرت نوحؑ کی دعوت:

یعنی نہایت صدق وامانت کے ساتھ حق تعالیٰ کا پیغام بلا کم وکاست تم کو پہنچاتا ہوں۔ لہٰذا واجب ہے کہ پیغام الٰہی سن کر خدا سے ڈرو۔ اور میرا کہا مانو۔ (تفسیر عثمانی)

ایک پیغمبر کا انکار سب کا انکار ہے:

روایات میں آیا ہے کہ حسن بصریؒ سے دریافت کیا گیا۔ ابوسعید یہ تو بتایئے کہ اللہ نے كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ كَذَّبَتْ عَادُ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ فرمایا ہے باوجودیکہ ان میں سے ہر قوم نے صرف اپنے ہی ایک پیغمبر کی تکذیب کی کیونکہ ان کی ہدایت کے لئے ایک ہی پیغمبر کو بھیجا گیا تھا۔ حسن بصری نے فرمایا ہر دوسرا پیغمبر انہی (عقائد واعمال) کی تعلیم لے کر آیا جس کے لئے پہلا پیغمبر آیا اور جب انہوں نے ایک پیغمبر کی تکذیب کی تو حقیقت میں سب کی تکذیب کی۔ (تفسیر مظہری)

وَمَآ اَسْــَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ

اور مانگتا نہیں میں تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے

اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾

اسی پروردگار عالم پر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

پیغمبر بےلوث ہوتا ہے:

یعنی ایک بے غرض اور بے لوث آدمی کی بات مانی چاہیئے۔ (تفسیر عثمانی)

طاعات پر اُجرت لینے کا حکم:

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم اور تبلیغ پر اجرت لینا درست نہیں ہے اس لئے سلف صالحین نے اجرت لینے کو حرام کہا ہے لیکن متاخرین نے اس کو بحالت مجبوری جائز قرار دیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

بولے کیا ہم تجھ کو مان لیں اور تیرے ساتھ ہو رہے ہیں کمینے

قوم کے سرداروں کا اعتراض:

یعنی تھوڑے سے کمینے اور نیچ قوم کے لوگ اپنی نمود کے لئے تیرے ساتھ ہو گئے ہیں، بھلا یہ کیا اونچے کام کریں گے اور ہمارا فضل و شرف کب اجازت دے سکتا ہے کہ ان کمینوں کے دوش بدوش تمہاری مجلس میں بیٹھا کریں، پہلے تو آپ ان کو اپنے یہاں سے کھسکائیے پھر ہم سے بات کرنا۔ (تفسیر عثمانی)

قوم نوح کا احمق پن:

بغوی نے ترجمہ کیا ہے نچلے طبقہ والے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا سنار عکرمہ نے کہا کپڑا بننے والے اور موچی۔ قوم نوح کے یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ وہ بہت خفیف العقل احمق تھے ان کے پیش نظر صرف حقیر متاع دنیا تھا وہ نادار مومنوں کے متعلق یہی رائے رکھتے تھے کہ صرف مال کے لالچ اور کچھ اونچا اٹھنے کے لئے وہ ایمان لائے ہیں۔ غور و خوض اور فکر و بصیرت کے بعد مسلمان نہیں ہوئے ان لوگوں کا تمہاری دعوت قبول کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ تمہاری دعوت و نصیحت غلط اور باطل ہے ایسے کمینوں کے ساتھ ہم کیسے ایمان لا سکتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ وَمَا عِلْمِىْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ

کہا مجھ کو کیا جاننا ہے اُس کا جو کام وہ کر رہے ہیں اُن کا حساب پوچھنا

اِلَّا عَلٰى رَبِّىْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

میرے رب کا ہی کام ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو اور میں ہانکنے والا نہیں ایمان لانے والوں کو

غریبوں کو دھکے نہیں دیے جا سکتے:

یعنی مجھے ان کا صدق و ایمان قبول ہے۔ ان کے پیشے یا نیت اور اندرونی کاموں کے جاننے سے کیا مطلب۔ اس کا فیصلہ اور حساب تو پروردگار کے یہاں ہوگا۔ باقی میں تمہاری خاطر سے غریب ایمانداروں کو اپنے پاس سے دھکے نہیں دے سکتا۔

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۵﴾

میں تو بس یہی ڈر سنا دینے والا ہوں کھول کر

یعنی میرا فرض تم کو آگاہ کر دینا تھا سو کر چکا تمہاری لغو فرمائشیں پوری کرنا میرے ذمہ نہیں۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾

بولے اگر تو نہ چھوڑے گا اے نوح تو ضرور سنگسار کر دیا جائے گا

قوم والوں کی دھمکی:

یعنی بس اب ہم کو اپنی نصیحت سے معاف رکھو، اگر اس روش سے باز نہ آئے تو سنگسار کیے جاؤ گے۔

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِىْ كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَيْنِىْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا

کہا اے رب میری قوم نے تو مجھ کو جھٹلایا سو فیصلہ کر دے میرے ان کے بیچ میں کسی طرح کا فیصلہ

حضرت نوح علیہ السلام کی دُعاء:

یعنی میرے اور اُن کے درمیان عملی فیصلہ فرما دیجئے۔ اب ان کے راہ راست پر آنے کی توقع نہیں۔

وَّنَجِّنِىْ وَمَنْ مَّعِىَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

اور بچا لے مجھ کو اور جو میرے ساتھ ہیں ایمان والے

یعنی مجھ کو اور میرے ساتھیوں کو الگ کر کے ان کا بیڑا غرق کر۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾

پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے اس لدی ہوئی کشتی میں

ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

پھر ڈبا دیا ہم نے اس کے پیچھے اُن باقی رہے ہوؤں کو

اس قصہ کی تفصیل پہلے کئی جگہ گزر چکی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۗ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾

البتہ اس بات میں نشانی ہے اور ان میں بہت لوگ نہیں ہیں ماننے والے

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۲﴾ كَذَّبَتْ عَادُ

اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا جھٹلایا عاد نے

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

پیغام لانے والوں کو جب کہا اُن کو اُن کے بھائی ہود نے کیا تم کو ڈر نہیں

إِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٢٥﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٢٦﴾

میں تمہارے پاس پیغام لانے والا معتبر ہوں سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى

اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ بدلہ   میرا بدلہ ہے اسی جہان کے

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢٧﴾ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿١٢٨﴾

مالک   پر   کیا بناتے ہو ہر اونچی زمین پر ایک نشان کھیلنے کو

وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿١٢٩﴾

اور بناتے ہو   کاریگریاں   شاید تم ہمیشہ رہو گے

قوم عاد کی عمارت پرستی:

ان لوگوں کو بڑا شوق تھا اونچے مضبوط منارے بنانے کا جس سے کچھ کام نہ نکلے، مگر نام ہو جائے اور رہنے کی عمارتیں بھی بڑے تکلف کی بناتے تھے مال ضائع کرنے کو۔ ان میں بڑی کاریگریاں دکھلاتے گویا یہ سمجھتے تھے کہ ہمیشہ یہیں رہنا ہے اور یہ یادگاریں اور عمارتیں کبھی برباد نہ ہوں گی۔ لیکن آج دیکھو تو ان کے کھنڈر بھی باقی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

کبوتر بازی:

سعید بن جبیر نے کہا قوم عاد والے کبوتر بازی کرتے تھے کبوتروں کے لئے انہوں نے برج بنا رکھے تھے۔ حضرت ہودؑ نے ان کے اس فعل کو پسند نہیں کیا اور ان برجوں کے بنانے کو لغو قرار دیا اس کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں تعبثون آیا ہے یعنی تم لوگ ان سے کھیلتے ہو۔

ذلت والا کام:

میں کہتا ہوں کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ یادگار قائم رکھنے کے لئے محلات اونچی عمارتیں اور قلعے تعمیر کرتے تھے دنیا پرستوں کا شیوہ ہی یہی ہے۔ اس کی غرض یہ ہوتی تھی کہ ہمیشہ ان عمارتوں کو بنانے والوں کی یادگار باقی رہے۔ اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے رب نے بڑی بڑی لاٹیں بنانے والی عاد ارم کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ چونکہ یہ عمل فضول اور بے نتیجہ تھا اس لئے حضرت ہودؑ نے اس کو پسند نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ تعمیری عمل پسند نہیں تھا اسی لئے حضور اقدس نے ارشاد فرمایا جب اللہ کسی بندہ کی برائی چاہتا ہے تو کچی اینٹوں اور گارے میں اس کی ہمت کو محصور کر دیتا ہے کہ وہ عمارتیں بنانے لگتا ہے۔ رواہ الطبرانی بسند جید عن حدیث جابر۔

لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں بیان فرمایا کہ اس آیت میں لعل تشبیہ کے لئے ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے ترجمہ یہ فرمایا كَاَنَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ یعنی گویا تم ہمیشہ رہو گے (کما فی الروح)۔

بلاضرورت عمارت بنانا مذموم ہے:

اس آیت سے ثابت ہوا کہ بغیر ضرورت کے مکان بنانا اور تعمیرات کرنا شرعاً برا ہے۔ اور یہی معنی ہیں اس حدیث کے جو امام ترمذی نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ النفقة كلها فى سبيل الله الا البناء فلاخير فيه یعنی وہ عمارت جو ضرورت سے زائد بنائی گئی ہو اس میں کوئی بہتری اور بھلائی نہیں، اور اس معنی کی تصدیق حضرت انسؓ کی دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے کہ ان كل بناء وبال على صاحبه الا مالا يعنى الا مالا بدمنه (ابو داؤد) یعنی ہر تعمیر صاحب تعمیر کے لئے مصیبت ہے مگر وہ عمارت جو ضروری ہو وہ وبال نہیں ہے روح المعانی میں فرمایا کہ بغیر غرض صحیح کے بلند عمارت بنانا شریعت محمدیہ میں بھی مذموم اور برا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

حضرت واثلہ بن اسقع کی روایت سے طبرانی نے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر عمارت اپنے مالک کے لئے وبال ہے سوائے اس کے جو ایسی ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرماتے وقت اپنی ہتھیلی سے اشارہ کیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

ایک انصاری صحابی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی:

حضرت انس راوی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے (یعنی بازار کو گئے) ایک گول اونچے گنبد (نما مکان) کو دیکھ کر فرمایا یہ کیا ہے صحابہ نے عرض کیا یہ فلاں انصاری کا ہے حضور خاموش ہو گئے مگر یہ بات اپنے دل میں لئے رہے جب اس کا مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ اس وقت لوگوں کے مجمع میں تشریف فرما تھے اس شخص نے سلام کیا آپ نے منہ پھیر لیا ایسا کئی مرتبہ ہوا وہ شخص سمجھ گیا کہ حضور مجھ سے ناراض ہیں اس لئے بے رخی برت رہے ہیں (لیکن ناراضگی کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آئی) صحابہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ مجھے غیر غیر دکھائی دیتا ہے کیا وجہ ہے صحابہ نے کہا باہر تشریف لے گئے تھے اور تمہارے بنائے ہوئے گنبد کو دیکھا تھا یہ سنتے ہی وہ شخص فوراً لوٹ پڑا اور جا کر گنبد کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دیا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز پھر باہر تشریف لے گئے اور گنبد دکھائی نہیں دیا تو فرمایا وہ گنبد کیا ہوا صحابہ نے عرض کیا اس کے مالک نے حضور کی بے رخی کا ہم سے شکوہ کیا تھا ہم نے اس کو بات بتا دی اس نے جا کر گنبد کو ڈھا دیا۔ فرمایا سنو ہر عمارت اپنے مالک کے لئے وبال ہو گی سوائے اس کے جو ضروری ہو جس کے بغیر چارہ نہ ہو۔

امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر عمارت قیامت کے دن اپنے مالک کے لئے وبال ہوگی۔ سوائے مسجد اور (سکونت کے) گھر کے۔

اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے مضبوط عمارتیں بناتے ہو۔

مسئلہ: لمبی لمبی آرزوئیں کرنی مکروہ ہے آرزو کی کمی مستحب ہے۔ حضرت ابن عمر کا بیان ہے ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے جسم کے کسی حصہ کو پکڑ کر فرمایا دنیا میں اس طرح رہنا جیسے تو پردیسی ہے، یا راہ گیر ہے اور اپنے آپ کو مردوں (کی فہرست) میں شمار کرنا۔ رواہ البخاری۔

موت سر پر کھڑی ہے:

یہ بھی حضرت عمر کی روایت ہے کہ ایک بار ہماری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا میں اور میری ماں کچھ مٹی سے کر رہے تھے (یعنی مٹی کی لسائی یا لپائی کر رہے تھے) فرمایا عبداللہ یہ کیا ہے میں نے کہا ہم کچھ درستی (مرمت) کر رہے ہیں۔ فرمایا امر (یعنی تقدیری حکم) اس سے بھی پہلے پہنچنے والا ہے (یعنی موت سر پر کھڑی ہے معلوم نہیں اس کی درستی سے پہلے آ جائے) رواہ احمد والترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل:

حضرت ابن عباس نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بچے ہوئے) پانی کو بہا دیا کرتے تھے (آگے بڑھ کر سفر میں جب پانی کی ضرورت ہوتی اور پانی موجود نہ ہوتا تو) تیمم کر لیتے تھے میں عرض کرتا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی قریب ہی ہے حضور فرماتے مجھے کیا معلوم شاید میں پانی تک نہ پہنچ سکوں۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ وابن الجوزی فی کتاب الوفاء۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿۱۳۰﴾
اور جب ہاتھ ڈالتے ہو تو پنجہ مارتے ہو ظلم سے
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾
سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

کمزوروں پر ظلم سے باز آؤ:

یعنی ظلم و ستم سے زیردستوں اور کمزوروں کو تنگ کر رکھا ہے گویا انصاف اور نرمی کا سبق ہی نہیں پڑھا۔ خدا کی ضعیف مخلوق کو جبر و تعدی کا تختہ مشق بنا رکھا ہے۔ سو اللہ سے ڈرو، ظلم و تکبر سے باز آؤ، اور میری بات مانو۔ (تفسیر عثمانی)

جبارین:

جبارین بغیر رحم کے ناحق قتل کرنے والے۔ قاموس میں ہے جبار متکبر آدمی اور وہ دل جس میں رحم نہ آئے اور ناحق بہت زیادہ قتل کرنے والا۔ (تفسیر مظہری)

وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّكُمْ
اور ڈرو اُس سے جس نے تم کو پہنچائیں وہ چیزیں جو تم جانتے ہو پہنچائے
بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾ اِنِّيْٓ اَخَافُ
تم کو چوپائے اور بیٹے اور باغ اور چشمے میں ڈرتا ہوں
عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳۵﴾
تم پر ایک بڑے دن کی آفت سے

اپنے انجام کو سوچو:

یعنی اتنا تو سوچو کہ آخر یہ سامان تم کو کس نے دیئے ہیں؟ کیا اُس منعم حقیقی کا تمہارے ذمہ کوئی حق نہیں۔ اگر تمہاری یہ ہی شرارت اور سرکشی رہی تو مجھے اندیشہ ہے کہ پہلی قوموں کی طرح کسی سخت آفت میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔ دیکھو! میں تم کو نصیحت کر چکا اپنے انجام کو خوب سوچ لو۔

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿۱۳۶﴾
بولے ہم کو برابر ہے تو نصیحت کرے یا نہ بنے تو نصیحت کرنے والا
اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾
اور کچھ نہیں یہ باتیں عادت ہے اگلے لوگوں کی اور ہم پر آفت نہیں آنے والی

قوم والوں کی بے حسی:

یعنی تمہاری نصیحت بیکار ہے۔ یہ جادو ہم پر چلنے والا نہیں قدیم سے یہ عادت چلی آتی ہے کہ کچھ لوگ نبی بن کر عذاب سے ڈرایا کرتے ہیں اور مرنے جینے کا سلسلہ بھی پہلے سے چلا آتا ہے تو اسے ہم کو کیا اندیشہ ہو سکتا ہے رہا جو طریقہ ہمارا ہے وہ ہی ہمارے اگلے باپ دادوں کا تھا۔ ہم اس سے کسی طرح ہٹنے والے نہیں۔ نہ عذاب کی دھمکیوں کو خاطر میں لا سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وعظ اس کلام کو کہتے ہیں جو وعد و وعید (ترغیب و ترہیب) کے ذکر کی وجہ سے دلوں میں نرمی پیدا کر دے (یعنی وعظ کے اندر ترغیب و ترہیب ضروری ہے تاکہ دلوں کی سختی دور ہو)

اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ یہ تو پہلے لوگوں کی عادت ہی ہے (کہ وہ اسی طرح کی جھوٹی باتیں بنایا کرتے تھے) یا یہ مطلب ہے کہ ہمارا جو مذہب اور دین ہے۔ یہی دین ہمارے اسلاف کا تھا اور ہم ان کے پیرو ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ زندگی اور موت کی یہ رفتار پہلے زمانے سے یوں ہی چلی آئی

ہے سب لوگ پیدا ہوتے اور مرتے رہتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ

پھر اُس کو جھٹلانے لگے تو ہم نے اُن کو غارت کردیا

یعنی سخت آندھی بھیج کر ان کا قصہ بھی پہلے اعراف وغیرہ میں مفصل گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (۱۳۹)

اس بات میں البتہ نشانی ہے اور اُن میں بہت لوگ نہیں ماننے والے

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ (۱۴۰) كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ

اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا جھٹلایا ثمود

الْمُرْسَلِیْنَ (۱۴۱) اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ (۱۴۲)

نے پیغام لانے والوں کو جب کہا اُن کو اُن کے بھائی صالح نے کیا تم ڈرتے نہیں

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ (۱۴۳) فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ (۱۴۴)

میں تمہارے پاس پیغام لانے والا ہوں معتبر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ

اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے

اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۱۴۵) اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِیْنَ (۱۴۶)

اس جہان کے پالنے والے پر کیا چھوڑے رکھیں گے تم کو یہاں کی چیزوں میں بے کھٹکے

فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ (۱۴۷) وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِیْمٌ (۱۴۸)

باغوں میں اور چشموں میں اور کھیتوں میں اور کھجوروں میں جن کا گابھا ملائم ہے

وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فٰرِهِیْنَ (۱۴۹)

اور تراشتے ہو پہاڑوں کے گھر تکلف کے

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ (۱۵۰)

سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

حضرت صالح علیہ السلام کی تبلیغ:

یعنی کیا یہ خیال ہے کہ ہمیشہ اس عیش و آرام اور باغ و بہار کے مزے لوٹو گے؟ اور پہاڑوں کو تراش کر جو تکلف کے مکان تیار کئے ہیں ان سے کبھی نہ نکلو گے؟ یا یہ مضبوط اور سنگین عمارتیں تم کو خدا کے عذاب سے بچالیں گی؟ اس سودائے خام کو دل سے نکال ڈالو۔ اور خدا تعالیٰ سے ڈر کر میرا کہا مانو۔ میں تمہارے بھلے کی کہتا ہوں۔

وَلَا تُطِیْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ (۱۵۱) الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ

اور نہ مانو حکم بیباک لوگوں کا جو خرابی کرتے ہیں

فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ (۱۵۲)

ملک میں اور اصلاح نہیں کرتے

عوام سے خطاب:

یہ عوام کو فرمایا کہ تم ان بڑے مفسد شیطانوں کے پیچھے چل کر تباہ نہ ہو۔ یہ تو زمین میں خرابی پھیلانے والے ہیں۔ اصلاح کرنے والے اور نیک صلاح دینے والے نہیں۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ (۱۵۳)

بولے تجھ پر تو کسی نے جادو کیا ہے

مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ

تو بھی ایک آدمی ہے جیسے ہم

سرداروں کی بے پرواہی:

یعنی ہم سے کون سی بات تجھ میں زائد ہے جو نبی بن گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے جادو کردیا ہے جس سے تیری عقل ماری گئی (العیاذ باللہ)

فَاْتِ بِاٰیَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ (۱۵۴)

سو لے آ کچھ نشانی اگر تو سچا ہے

یعنی اگر تو نبی ہے اور ہم سے ممتاز درجہ رکھتا ہے تو اللہ سے کہہ کہ کوئی ایسا نشان دکھلا جسے ہم بھی تسلیم کرلیں پھر فرمائش کی کہ اچھا پتھر کی اس چٹان میں سے ایک اونٹنی نکال دے جو ایسی اور ایسی ہو۔ حضرت صالحؑ نے دعاء فرمائی، حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے یہ نشان دکھلا دیا۔

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (۱۵۵)

کہا یہ اونٹنی ہے اس کیلئے پانی پینے کی ایک باری اور تمہارے لئے باری ایک دن کی مقرر

حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ اونٹنی پیدا ہوئی پتھر میں سے اللہ کی قدرت

سے حضرت صالحؑ کی دعاء سے وہ چھوٹی پھرتی، جس جنگل میں چرنے یا جس تالاب پر پانی پینے جاتی سب مواشی بھاگ کر کنارے ہو جاتے۔ تب یوں ٹھہرا دیا کہ ایک دن اُس پانی پر وہ جائے، ایک دن اوروں کے مواشی جائیں۔

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾

اور مت چھیڑیو اُس کو بُری طرح سے پھر پکڑ لے تم کو آفت ایک بڑے دن کی

یعنی اونٹنی کے ساتھ برائی سے پیش نہ آنا ورنہ بڑی سخت آفت ہو گی۔

فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾

پھر کاٹ ڈالا اُس اونٹنی کو پھر کل کو رہ گئے پچھتاتے

اونٹنی کے ساتھ ظلم:

ایک بدکار عورت کے گھر مواشی بہت تھے، چارے اور پانی کی تکلیف سے اپنے ایک آشنا کو اکسایا، اس نے اونٹنی کے پاؤں کاٹ کر ڈال دیے۔ اُس کے تین دن بعد عذاب آیا (موضح القرآن) یہ قصہ بھی پہلے مفصل گزر چکا۔

فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا

پھر آ پکڑا اُن کو عذاب نے البتہ اس بات میں نشانی ہے اور

كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ

اُن میں بہت لوگ نہیں ماننے والے اور تیرا رب وہی ہے زبردست

الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ

رحم کرنے والا جھٹلایا لوط کی قوم نے پیغام لانے والوں کو جب کہا اُن کو

اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۶۲﴾

اُن کے بھائی لوط نے کیا تم ڈرتے نہیں میں تمہارے لئے پیغام لانے والا ہوں معتبر

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ

سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو، اور مانگتا نہیں میں تم سے اس کا کچھ بدلہ

اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۴﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ

میرا بدلہ ہے اُسی پروردگار عالم پر کیا تم دوڑتے ہو

مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾

جہان کے مردوں پر

قوم لوط کی بدکاری:

یعنی سارے جہان میں سے مرد ہی تمہاری شہوت رانی کیلئے رہ گئے، یا یہ کہ سارے جہان میں سے تم ہی ہو جو اس فعل شنیع کے مرتکب ہوتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت لوط علیہ السلام ان کا نام لوط بن ہاران بن آزر تھا یہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی حیات میں بہت بڑی امت کی طرف بھیجا تھا۔ یہ لوگ سدوم اور اُس کے آس پاس بستے تھے بالآخر یہ بھی خدا تعالیٰ کے عذابوں میں پکڑے گئے سب کے سب ہلاک ہوئے اور ان کی بستیوں کی جگہ ایک جھیل سڑے ہوئے گندے کھاری پانی کی رہ گئی۔ یہ اب تک بھی بلاد غور میں مشہور ہے جو کہ بیت المقدس اور کرک و شوبک کے درمیان ہے۔ ان لوگوں نے بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ کیا تمام دنیا جہان والوں میں سے تم (یہ حرکت کرتے ہو کہ) مردوں سے فعل بد کرتے ہو یعنی سارے جہان سے ہٹ کر سب کے خلاف تم مردوں سے لواطت کرتے ہو دنیا میں کوئی مخلوق بھی اس عمل میں تمہاری شریک نہیں ہے کوئی بھی یہ حرکت نہیں کرتا اس مطلب پر عالمین سے مراد ہو گا ہر جماع کرنے والا (خواہ آدمی ہو یا کوئی اور) یا یہ مطلب ہے کہ آدمیوں میں سے تم ہی مردوں سے لواطت کرتے ہو اور کوئی آدمی ایسا نہیں کرتا اس مطلب پر العالمین سے مراد آدمی ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ

اور چھوڑتے ہو جو تمہارے واسطے بنادی ہیں تمہارے رب نے تمہاری بیبیاں

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾

بلکہ تم لوگ ہو حد سے بڑھنے والے

فطرت کی خلاف ورزی:

یعنی یہ خلاف فطرت کام کر کے آدمیت کی حد سے بھی نکل چلے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اور جو بیبیاں اللہ نے تمہارے لئے پیدا کی ہیں ان کو چھوڑے رہتے ہو اس ترجمہ پر من ازواجکم میں من بیانیہ ہو گا۔ یا یہ مطلب یہ ہے کہ تمہاری بیبیوں کا جو مقام اللہ نے تمہارے لئے بنایا ہے تم اس کو چھوڑے رکھتے ہو (یعنی عورتوں سے صنفی مجامعت نہیں کرتے بلکہ ان سے بھی لواطت کرتے ہو) وہ لوگ عورتوں سے بھی لواطت کرتے تھے۔ جیسے رافضی کرتے ہیں۔

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ بلکہ تم حد سے تجاوز کرنے والے ہی لوگ ہو۔ یعنی شہوت رانی میں حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرتے ہو شہوت کو پورا کرنے میں تم تمام لوگوں کی حد بندیوں سے آگے بڑھنے والے بلکہ جانوروں سے بھی اس معاملہ میں بڑھ کر ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ گناہوں میں تم حد سے بڑھے ہوئے ہو یا یہ مطلب ہے کہ اس نالائق حرکت کرنے کی وجہ سے تم اس بات کے مستحق ہو کہ تم کو حد سے تجاوز کرنے والا کہا جائے۔ (تفسیر مظہری)

غیر فطری فعل اپنی بیوی سے بھی حرام ہے:

لفظ مِن ازواجکم میں حرف مِن اصطلاحی الفاظ میں بیانیہ بھی ہوسکتا ہے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ تمہاری خواہش نفسانی کے لئے جو اللہ نے بیویاں پیدا فرمائی ہیں تم ان کو چھوڑ کر اپنے ہم جنس مردوں کو اپنی شہوت نفس کا نشانہ بناتے ہو جو خباثت نفس کی دلیل ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حرف مِن کو تبعیض کے لئے قرار دیں تو اشارہ اس طرف ہوگا کہ تمہاری بیبیوں کا جو مقام تمہارے لئے بنایا گیا اور جو امر فطری ہے اس کو چھوڑ کر بیویوں سے خلاف فطرت عمل کرتے ہو جو کہ قطعاً حرام ہے، غرض اس دوسرے معنے کے لحاظ سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوگیا کہ اپنی زوجہ سے خلافِ فطرت عمل حرام ہے، حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص پر لعنت فرمائی ہے نعوذ باللہ منہ (کذا فی الروح)

(معارف مفتی اعظم)

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾

بولے اگر نہ چھوڑے گا تو اے لوط تو تو نکال دیا جائے گا

قوم والوں کی دھمکی:

یعنی یہ وعظ ونصیحت رہنے دو۔ اگر آئندہ ہمیں تنگ کرو گے تو تم کو بستی سے نکال باہر کریں گے۔

قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

کہا میں تمہارے کام سے البتہ بیزار ہوں

حضرت لوط علیہ السلام کی استقامت:

اسلئے ضرور اُس پر اظہار نفرت کروں گا اور نصیحت سے باز نہیں آسکتا۔ (تفسیر عثمانی)

لوطؑ نے کہا میں تمہارے (عمل سے سخت نفرت کرنے والا ہوں یا) عمل کا سخت دشمن ہوں قالی بغض رکھنے والا یعنی تمہارے عمل سے مجھے سخت نفرت ہے اسی لئے مجھے بستی سے نکالے جانے کی دھمکی کی پروا نہیں ہے مِنَ الْقَالِيْنَ کہنے میں قالی کہنے سے زیادہ زور ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے عمل سے نفرت کرنیوالی جماعت میں میں شامل ہوں اور اس گروہ میں مشہور ہوں۔ (تفسیر مظہری)

رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

اے رب خلاص کر مجھ کو اور میرے گھر والوں کو اُن کاموں سے جو یہ کرتے ہیں

حضرت لوط علیہ السلام کی دُعاء:

یعنی ان کی نحوست اور وبال سے ہم کو بچا اور انہیں غارت کر۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت لوط کو جب معلوم ہوگیا کہ میری نصیحت ودعوت کا ان لوگوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا (آئندہ ان کے ساتھ رہنا بیکار ہے) تو آپ نے دعا کی کہ مجھے ان سے الگ کردیا جائے تاکہ ان پر آنے والے عذاب سے میں محفوظ رہوں۔ (تفسیر مظہری)

فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

پھر بچا دیا ہم نے اُس کو اور اسکے گھر والوں کو سب کو مگر ایک بڑھیا رہ گئی رہنے والوں میں

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی:

یہ اُن کی بیوی تھی جو اُن بدمعاشوں سے مل رہی تھی۔ جب عذاب آیا تو یہ بھی ہلاک ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ عجوز سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہے جو کہ قوم لوط کے اس فعل سے راضی تھی اور کافرہ تھی۔ لوط علیہ السلام کی یہ کافر بیوی اگر واقع میں بڑھیا تھی تو اس کے لئے لفظ عجوز استعمال کرنا ظاہر ہی ہے اور اگر یہ عمر کے لحاظ سے بڑھیا نہ تھی تو اس کو عجوز کے لفظ سے شاید اس لئے تعبیر کیا گیا کہ پیغمبر کی بیوی اُمت کے لئے ماں کی جگہ ہوتی ہے جو عورت کثیر الاولاد ہو اُس کو بڑھیا کہہ دینا کچھ مستبعد نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا

پھر اُٹھا مارا ہم نے اُن دوسروں کو اور برسایا اُن پر ایک برساؤ

فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾

سو کیا بُرا برساؤ تھا اُن ڈرائے ہوؤں کا

عذاب کی صورت:

یعنی اُن کی بستیاں اُلٹ دیں اور آسمان سے پتھروں کا برساؤ کیا۔ سو ڈھیر ہوکر رہ گئے۔ اُن کا قصہ بھی مفصل اعراف وغیرہ میں گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

لوطی کی سزا:

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ اس آیت سے ثابت ہوا

کہ لوطی پر دیوار گرائے یا بلند مقام سے نیچے پھینکنے کی تعزیر جائز ہے جیسے حنفیہ کا مسلک ہے کیونکہ قوم لوط اسی طرح ہلاک کی گئی تھی کہ ان کی بستیوں کو اوپر اٹھا کر الٹا زمین پر پھینک دیا گیا تھا (شامی کتاب الحدود) (معارف مفتی اعظم)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۴﴾

البتہ اس بات میں نشانی ہے اور ان میں بہت لوگ نہیں تھے ماننے والے

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۷۵﴾ كَذَّبَ اَصْحٰبُ

اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا جھٹلایا بن کے

لْـَٔیْكَةِ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۷۶﴾

رہنے والوں نے پیغام لانے والوں کو

مدین والے:

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اصحاب ایکہ وہ ہی قوم مدین ہے ایکہ ایک درخت تھا جسے یہ لوگ پوجتے تھے اسی نسبت سے اصحاب الایکہ کہا گیا۔ اور اسی لئے شعیبؑ کو اخوہم سے تعبیر نہیں فرمایا۔ کیونکہ انبیاء کی اخوت محض قومی و نسبی تعلقات پر مبنی تھی۔ اگر مدین کہتے تو اخوہم کہنا موزوں تھا۔ جب اصحاب الایکہ کہہ کر ایک مذہبی نسبت سے ذکر کیا تو اس حیثیت سے اخوہم فرمانا حضرت شعیبؑ کی شان کے مناسب نہ تھا۔ بہرحال مدین اور اصحاب ایکہ ایک قوم ہے اور شعیبؑ اسی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے پہلے بھی اس کے متعلق کچھ بحث گزر چکی۔ (تفسیر عثمانی)

ایکہ درختوں کی گھنی جھاڑی بن مدین کے قریب ایک گھنا جنگل تھا جس میں کچھ لوگ رہتے تھے یہ گروہ مدین والوں سے الگ تھا۔ اللہ نے حضرت شعیب کو جس طرح مدین والوں کی ہدایت پر مامور کیا تھا اسی طرح اس جنگل کے باشندوں کی ہدایت کے لئے بھی مقرر کیا تھا حضرت شعیب اہل مدین میں سے تھے اصحاب ایکہ میں سے نہیں تھے۔ (تفسیر مظہری)

اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَیْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّیْ لَكُمْ

جب کہا ان کو شعیب نے کیا تم ڈرتے نہیں میں تم کو پیغام

رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾ وَمَاۤ اَسْــَٔلُكُمْ

پہنچانے والا ہوں معتبر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو اور نہیں مانگتا میں

عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۰﴾

تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے اسی پروردگار عالم پر

اَوْفُوا الْكَیْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَزِنُوْا

پورا بھر کر دو ماپ اور مت ہو نقصان دینے والے اور تولو

بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ﴿۱۸۲﴾

سیدھی ترازو سے

حضرت شعیبؑ کی تبلیغ:

یعنی معاملات میں خیانت اور بے انصافی مت کرو جس طرح لینے کے وقت پورا ناپ تول کر لیتے ہو دیتے وقت بھی پورا ناپ تول کر دو۔

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا

اور مت گھٹا دو لوگوں کو ان کی چیزیں اور مت دوڑو

فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۱۸۳﴾

ملک میں خرابی ڈالتے ہوئے

یعنی ملک میں ڈاکے مت ڈالو اور لوگوں کے حقوق نہ مارو۔ (تفسیر عثمانی)

فساد فی الارض:

مُفسدِیْنَ دانستہ تباہی لاتے ہوئے مطلب یہ ہے کہ قصداً بگاڑ نہ پیدا کرو تباہی نہ پھیلاؤ اس سے معلوم ہوا کہ اگر نیت اصلاح کی ہو اور خرابی پیدا ہو جائے تو اس کو فساد فی الارض نہیں کہا جائے گا اور اس کا کوئی مواخذہ نہیں۔ کسی نے کافر کے تیر مارا کافر نے مسلمان قیدی کو اپنے سامنے ڈھال کی طرح کر دیا اور مسلمان مارا گیا یا زخمی ہو گیا تو نہ دیت ہوگی نہ قصاص نہ کوئی تاوان۔ (تفسیر مظہری)

ادائیگی کے حقوق:

ولا تبخسوا الناس اشیاء هم ۔ یعنی نہ کمی کرو لوگوں کی اپنی چیزوں میں مراد یہ ہے کہ معاہدہ کے مطابق جتنا کسی کا حق ہے اس سے کمی کرنا حرام ہے خواہ وہ ناپنے تولنے کی چیز ہو یا کوئی دوسری۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی ملازم مزدور اگر اپنے مقررہ وقت میں چوری کرتا ہے وقت کم لگاتا ہے وہ بھی اسی وعید میں داخل ہے۔ امام مالکؒ نے مؤطا میں روایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز عصر میں شریک نہیں ہوا، وجہ پوچھی تو اس نے کچھ عذر کیا تو حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا طففت یعنی تو نے تولنے میں کمی کر دی، چونکہ نماز کوئی تولنے کی چیز نہیں اس لئے یہ حدیث نقل فرما کر امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ وفاء وتطفیف یعنی حق کے مطابق کرنا یا کم کرنا ہر چیز میں ہے یعنی صرف ناپ تول ہی کے ساتھ یہ حکم مخصوص نہیں بلکہ کسی کے حق

میں کمی کرنا خواہ کسی صورت سے ہو وہ تطفیف میں داخل ہے جس کا حرام ہونا وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۸۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ
اور ڈرو اُس سے جس نے بنایا تم کو اور اگلی خلقت کو بولے تجھ پر تو
اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا
کسی نے جادو کر دیا ہے اور تو بھی ایک آدمی ہے جیسے ہم
وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۱۸۶﴾
اور ہمارے خیال میں تو تو جھوٹا ہے

قوم کا جواب: یعنی دعوے نبوت میں اور عذاب وغیرہ کی دھمکیوں میں۔

فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۷﴾
سو گرا دے ہم پر کوئی ٹکڑا آسمان کا اگر تو سچا ہے

اگر سچا ہے تو آسمان کا یا بادل کا کوئی ٹکڑا گروا کر ہم کو ہلاک کیوں نہیں کر دیتا۔

قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾
کہا میرا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو

حضرت شعیبؑ کی وضاحت:

یعنی وہ ہی جانتا ہے کہ کس مجرم پر کس وقت اور کتنی سزا ملنی چاہیے۔ عذاب دینا ہمارا کام نہیں۔ ہمارا کام ہشیار کر دینا تھا، سو کر چکے۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ
پھر اس کو جھٹلایا پھر پکڑ لیا اُن کو آفت نے سائبان والے دن کی بیشک وہ تھا
عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾
عذاب بڑے دن کا

زلزلے اور آگ کا عذاب:

سائبان کی طرح ابر آیا اس میں سے آگ برسی، نیچے سے زمین کو بھونچال آیا اور سخت ہولناک آواز آئی، اس طرح سب قوم تباہ ہوگئی۔ ان کا قصہ بھی پہلے مفصل گزر چکا ہے۔ ایک نظر وہاں کے فوائد پر ڈال لی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

خدا کا مجرم اپنے پاؤں چل کر آتا ہے:

عذاب یوم الظلہ، جس کا ذکر اس آیت میں آیا ہے اس کا واقعہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اُن کی قوم پر سخت گرمی مسلط فرمائی کہ نہ مکان کے اندر چین آتا نہ باہر، پھر ان کے قریبی جنگل میں ایک گہرا بادل بھیج دیا جس کے نیچے ٹھنڈی ہوا تھی، ساری قوم گرمی سے پریشان تھی سب دوڑ دوڑ کر اس بادل کے نیچے جمع ہو گئے جب ساری قوم بادل کے نیچے آ گئی تو اس بادل نے ان پر پانی کے بجائے آگ برسادی جس سے سب بھسم ہو کر رہ گئے۔ (کذا روی عن ابن عباس۔ روح) (معارف مفتی اعظم)

یوم الظلہ (سائبان کے دن) کے عذاب نے ان کو آ پکڑا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ ایکہ والوں کے جنگل میں سخت گرمی پڑی، لوگ بے تاب ہو کر تہ خانوں میں گھس گئے اندر پہنچے تو وہاں اور بھی شدید گرمی محسوس ہوئی مجبور ہو کر باہر آ گئے اس وقت آسمان پر ایک بدلی آئی اور بدلی کے سایہ میں سب جمع ہو گئے اسی بدلی کو ظلہ (سائبان) کہا گیا ہے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ بادل سے آگ برسنے لگی اور سب جل بھن گئے یہ قصہ سورت ہود میں گزر چکا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۰﴾
البتہ اس بات میں نشانی ہے اور اُن میں بہت لوگ نہیں ماننے والے
وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۹۱﴾ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ
اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا اور یہ قرآن ہے اتارا
رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰي قَلْبِكَ
ہوا پروردگار عالم کا لے کر اترا ہے اس کو فرشتہ معتبر تیرے دل پر
لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾
کہ تو ہو ڈر سنا دینے والا

نزول قرآن:

آغاز سورت میں قرآن کریم کا ذکر تھا اور اس کی تکذیب پر دھمکی دی گئی تھی درمیان میں مکذبین حق کے واقعات بیان ہوئے، یہاں سے پھر مضمون سابق کی طرف عود کیا گیا ہے یعنی قرآن کریم وہ مبارک اور عظیم الشان کتاب ہے جسے رب العالمین نے اُتارا، جبریل امین لے کر اُترے اور تیرے پاک و صاف قلب پر اتاری گئی کیونکہ یہی قلب تھا جو اللہ کے علم میں اس بھاری امانت کو اُٹھانے اور سنبھالنے کے لائق تھا، چنانچہ وحی قرآنی آئی اور سیدھی تیرے دل میں اُترتی چلی گئی۔ تو نے اُس کو اپنے سارے دل سے سنا اور سمجھا اور محفوظ رکھا، شاید عَلٰی قَلْبِكَ کے لفظ میں یہ بھی اشارہ ہو کہ نزول وحی کی جو دو کیفیتیں احادیث صحیحہ میں وارد ہوئی ہیں (یعنی کبھی صلصلة الجرس کی طرح آنا اور کبھی فرشتہ کا آدمی کی صورت میں سامنے آ کر بات کرنا) اُن میں

سے قرآن کی وحی اکثر پہلی کیفیت کے ساتھ آتی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

وحی کی صورتیں:

کیونکہ دونوں حالتوں میں محققین کے نزدیک فرق یہ تھا کہ پہلی حالت میں پیغمبر کو بشریت سے منخلع ہو کر ملکیت کی طرف جانا پڑتا تھا۔ گویا اس وقت آلات جسمانیہ کو بالکل معطل کر کے صرف روحی قوتوں اور قلبی حواس سے کام لیتے تھے، دل کے کانوں سے وحی کی آواز سنتے تھے اور دل کی آنکھوں سے فرشتہ کو دیکھتے تھے اور دل کی الہٰی قوتوں سے ان علوم کی تلقی کرتے تھے اور محفوظ رکھتے تھے بخلاف دوسری حالت کے کہ اس میں فرشتہ ملکیت سے نزول کر کے بشریت کی طرف آنا پڑتا تھا، اس وقت پیغمبر ان ہی ظاہری آنکھوں سے فرشتہ کو دیکھتے اور ان ہی ظاہری کانوں کے توسط سے آواز سنتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وحی کی پہلی قسم کو احادیث میں فرمایا کہ ھو اشدہ علی (وہ مجھ پر بہت بھاری ہوتی ہے) کیونکہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشریت سے ملکیت کی طرف صعود کرنا پڑتا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیاز:

قال ابن الشیخ فھو علیه افضل الصلاۃ والسلام مختص بھذہ الرتبة العلیة والکرامة السنیة من سائر الانبیاء فان کتبھم انزلت علیھم بالالواح والصحائف جملة واحدۃ فھی منزلة علی صورھم وظاھرھم علی قلوبھم حاشیه شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۴۷۹ ج ۳ وکذافی روح البیان ص ۳۰۶ ج ۶ (معارف کاندھلوی)

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ﴿۱۹۵﴾
کھلی عربی زبان میں (؟)

یعنی اتارا نہایت فصیح، واضح اور شگفتہ عربی زبان میں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ عَلٰی قَلْبِکَ سے مراد یہ نہیں کہ صرف مضامین قرآن کے آپ کے دل میں اتار دیئے پھر آپ نے ان کو اپنے الفاظ میں ادا کر دیا۔ بلکہ الفاظ اور مضامین سب وحی ربانی سے قلب مبارک پر القا کئے گئے۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت:

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے سامنے نہایت فصاحت سے ابر کے اوصاف بیان کئے جسے سن کر صحابہؓ کہہ اٹھے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ تو کمال درجہ کی فصیح و بلیغ زبان بولتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بھلا میری زبان ایسی پاکیزہ کیوں نہ ہوگی قرآن بھی تو میری زبان میں اترا ہے۔

امام سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں، وحی عربی میں اتری ہے یہ اور بات ہے کہ

ہر نبی نے اپنی قوم کے لئے ان کی زبان میں ترجمہ کر دیا قیامت کے دن سریانی زبان ہوگی، ہاں جنتیوں کی زبان عربی ہوگی۔ (ابن ابی حاتم) (تفسیر ابن کثیر)

قرآن پاک کے متعلق عقیدہ:

قال ابن الشیخ فالقرآن کلام اللہ وصفة القائمة به کساہ کسوۃ الالفاظ المرکبة من الحروف العربیة ونزله الی جبریل وجعله امینا لئلا یتصرف فی حقائقه ثم نزل به کماھو علی قلب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لیتعرفه ویتخلق بخلقه ویتنور بانوارہ ویتحلی بحقائقه ففھم وتمکن من تفھیمه. الخ حاشبه شیخ زادہ ص ۴۷۹ ج ۳

قرآن اللہ کا کلام ہے اور اس کی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور بے چون وچگون ہے۔ بندوں کی ہدایت کے لئے اس کو حروف عربیہ کے لباس میں بارگاہ قدس سے نازل کیا۔ جبریل امین نے جن الفاظ اور حروف کے ساتھ اس کو سنا اسی طرح بعینہ اللہ کی امانت کو اللہ کے رسول تک پہنچا دیا۔ (دیکھو حاشیہ) شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۴۷۹ ج ۳ اور دیکھو تفسیر روح البیان ص ۳۰۶ ج ۶۔

تمام امت کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ مابین دفتی المصحف کلام اللہ یعنی مصحف میں دو دفتوں کے درمیان اللہ کا کلام ہے اور جو شخص اس مصحف کو کلام اللہ نہ مانے وہ کافر ہے لیکن وہ اس مصحف کے نقوش کتابیہ اور حروف مطبوعہ کو قدیم نہ مانے تو اس انکار سے وہ کافر نہ ہوگا۔ جن الفاظ قرآن کو اپنی زبانوں سے پڑھتے ہیں اور جن حروف قرآنیہ کو اپنے مصاحف میں لکھتے ہیں اگرچہ وہ حادث اور مخلوق ہیں لیکن ہمارے لئے یہ ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ کہ ہم مطلق قرآن کو یا کلام اللہ کو مخلوق اور حادث کہیں۔ کلام الٰہی جو ذات باری کے ساتھ قائم ہے اور اس کی صفت ہے کہ وہ بلاشبہ قدیم اور غیر مخلوق ہے لیکن ہماری قرأت اور سماعت اور کتابت یہ سب مخلوق اور حادث ہیں قرآن جس حیثیت سے بندہ سے متعلق ہے اس حیثیت سے اس کو حادث اور مخلوق کہہ سکتے ہیں تاکہ خدا کی صفت میں اور بندہ کی صفت میں فرق ہو جائے مطلقاً کلام اللہ اور قرآن کو مخلوق اور حادث کہنا جائز نہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب) (معارف کاندھلوی)

نزول قرآن عربی میں ہوا:

اس آیت کا بعض اہل تفسیر نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ روح الامین نے یہ قرآن آپ کے دل پر عربی زبان میں اتارا ہے اگر کسی اور زبان میں نازل ہوتا تو آپ کے کانوں پر نازل ہوتا دل پر نازل نہ ہوسکتا کیونکہ غیر عربی الفاظ کے معنی آپ سمجھ نہ پاتے۔ آدمی کبھی چند زبانوں سے واقف ہوتا ہے اگر کوئی اس کی مادری زبان میں بات کرے تو فوراً اس کا ذہن مطلب کی طرف متوجہ ہوتا

ہے الفاظ کی طرف اس کی توجہ نہیں ہوتی اور اگر مادری زبان کے علاوہ کسی دوسری سیکھی ہوئی زبان میں اس سے کلام کرتا ہے تو اول اس کا ذہن الفاظ کی طرف متوجہ ہوتا ہے پھر الفاظ سے معانی کی طرف انتقال ذہنی ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

نماز میں ترجمہ قرآن پڑھنا ناجائز ہے:

اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز میں فرض تلاوت کی جگہ قرآن کے الفاظ کا ترجمہ کسی زبان فارسی۔ اردو۔ انگریزی میں پڑھ لینا بدون اضطرار کے کافی نہیں۔ بعض ائمہ سے جو اس میں توسع کا قول منقول ہے اُن سے بھی اپنے اس قول سے رجوع ثابت ہے۔

قرآن کے اُردو ترجمہ کو قرآن کہنا جائز نہیں:

اسی طرح قرآن کا صرف ترجمہ کسی زبان میں بغیر عربی متن کے لکھا جائے تو اس کو اس زبان کا قرآن کہنا جائز نہیں۔ جیسے آج کل بہت سے لوگ صرف اردو ترجمہ قرآن کو اُردو کا قرآن اور انگریزی کو انگریزی کا قرآن کہہ دیتے ہیں یہ ناجائز اور بے ادبی ہے قرآن کو بغیر متن عربی کے کسی دوسری زبان میں بنام قرآن شائع کرنا اور اس کی خرید وفروخت سب ناجائز ہے اس مسئلہ کی پوری تفصیل احقر کے رسالہ "تحذیر الاخوان عن تغییر رسم القرآن" میں مذکور ہے۔

سابقہ کتب کو قرآن نہ کہا جائے:

مستدرک حاکم میں حضرت معقل بن یسارؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سورۂ بقرہ ذکر اول سے دی گئی ہے اور سورۂ طٰہٰ اور طواسین یعنی جتنی سورتیں طٰس سے شروع ہوتی ہیں اور حوامیم یعنی جو سورتیں حٰم سے شروع ہیں یہ سب سورتیں الواح موسیٰ میں سے دی گئی ہیں اور سورۂ فاتحہ مجھے تحت عرش سے دی گئی ہے۔ اور طبرانی۔ حاکم۔ بیہقی وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ سورۂ ملک تورات میں موجود ہے۔ الحدیث اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى میں تو خود قرآن کی تصریح یہ ہے إِنَّ هَٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ یعنی یہ مضامین سورت حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں بھی ہیں، لیکن تمام آیات وروایات کا حاصل یہی ہے کہ بہت سے مضامین قرآن کتب سابقہ میں بھی موجود تھے۔

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان مضامین کی وجہ سے کتب سابقہ کے اُن حصوں کو جن میں یہ مضامین قرآن آئے ہیں قرآن کا نام دے دیا جائے۔ نہ امت میں کوئی اس کا قائل ہے کہ ان صحیفوں اور کتابوں کو جن میں مضامین قرآن مذکور ہیں قرآن کہا جائے، بلکہ عقیدہ جمہور اُمت کا یہی ہے کہ قرآن نہ صرف الفاظ قرآن کا نام ہے۔ نہ صرف معانی قرآن کا۔ اگر کوئی شخص قرآن ہی کے الفاظ مختلف جگہوں سے چن کر ایک عبارت بنادے، مثلاً کوئی یہ عبارت بنالے الحمد الله العزيز الرحيم الذي له ملك السموات وهو رب العلمين خالق كل شيء وهو المستعان یہ سارے الفاظ قرآن ہی کے ہیں مگر اس عبارت کو کوئی قرآن نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح صرف معانی قرآن جو کسی دوسری زبان میں بیان کئے جائیں وہ بھی قرآن نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٩٦﴾
اور یہ لکھا ہے پہلوں کی کتابوں میں

مضامین قرآن کا تسلسل:

یعنی قرآن کی اور اس کے لانے والے کی خبر پہلی آسمانی کتابوں میں موجود ہے انبیائے سابقین برابر پیشین گوئی کرتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ باوجود بہت سی تحریف وتبدیل کے اب تک بھی ایک ذخیرہ اس قسم کی پیشینگوئیوں کا پایا جاتا ہے۔ اور یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ اس قرآن کے بیشتر مضامین اجمالاً یا تفصیلاً اگلی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ خصوصاً قصص، توحید، رسالت، معاد وغیرہ مضامین جن پر تمام کتب سماویہ اور انبیاء ومرسلین کا اتفاق رہا ہے۔

أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ آيَةً أَن يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿١٩٧﴾
کیا ان کے واسطے نشانی نہیں یہ بات کہ اس کی خبر رکھتے ہیں پڑھے لوگ بنی اسرائیل کے

علمائے یہود کا علم:

یعنی علمائے بنی اسرائیل خوب جانتے ہیں کہ یہ وہی کتاب اور پیغمبر ہے جس کی خبر پہلے سے آسمانی صحیفوں میں دی گئی تھی۔ چنانچہ اُن میں سے بعض نے علانیہ اور بعض نے اپنی خصوصی مجلسوں میں امر حق کا اقرار کیا ہے اور بعض انصاف پسند اسی علم کی بناء پر مسلمان ہوگئے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ، بہرحال ایک منصف فہیم کے لئے جس کا دل حق کی طلب رکھتا اور خدا سے ڈرتا ہو، اس چیز میں بڑی نشانی ہے کہ دوسرے مذاہب کے علماء بھی اپنے دلوں میں قرآن کی حقانیت کو سمجھتے ہیں، گو کسی وجہ سے بعض اوقات اعلان و اقرار کر جرأت نہ کرسکیں۔ (تفسیر عثمانی)

علماء بنی اسرائیل سے مراد بقول عطیہ پانچ علماء تھے عبداللہ بن سلام۔ ابن یامین۔ ثعلبہ، اسد، اُسید حضرت ابن عباس نے فرمایا اہل مکہ نے مدینہ میں یہودیوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کرایا، یہودیوں نے کہا ان کی (یعنی پیغمبر آخر الزماں کی) بعثت کا زمانہ یہی ہے اور

ہم توریت میں ان کے اوصاف وخصوصی احوال پاتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ

اور اگر اتارتے ہم یہ کتاب کسی اوپری زبان والے پر اور وہ اس کو پڑھ کر

مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۹﴾

سناتا تو بھی اس پر یقین نہ لاتے

مشرکین کے بہانے کبھی ختم نہ ہوں گے:

یعنی آپ تو فصحائے عرب میں سے ہیں۔ ممکن ہے مشرکین مکہ یوں کہہ دیں کہ قرآن آپ نے خود تصنیف کرلیا ہوگا (حالانکہ قرآن اس حد اعجاز کو پہنچا ہوا ہے، جس کا مثل تمام جن وانس بھی بنا کر نہیں لاسکتے) تاہم کہنے کو یہ احتمال پیدا کرسکتے ہیں۔ لیکن ان کی ہٹ دھرمی وشقاوت اور بدبختی کا حال تو یہ ہے کہ اگر یہ قرآن فرض کرو ہم کسی غیر فصیح عرب یا عجمی انسان پر اتارتے جو ایک حرف عربی کا بولنے پر قادر نہ ہوتا، بلکہ بفرض محال کسی حیوان لایعقل پر اتارا جاتا، تب بھی یہ لوگ اس کے ماننے والے نہ تھے۔ اُس وقت کچھ اور احتمالات پیدا کرتے۔ حضرت شاہ صاحب" لکھتے ہیں" کافر کہتے تھے کہ قرآن آیا ہے عربی زبان میں، اس نبی کی زبان بھی عربی ہے شاید آپ ہی کہہ لاتا ہو۔ اگر غیر زبان والے پر عربی قرآن اُترتا تو یقین کرتے فرمایا کہ دھوکہ والے کا جی کبھی نہیں ٹھہرتا۔ تب اور شبہے نکالتے کہ کوئی سکھا جاتا ہے (موضح القرآن) (تفسیر عثمانی)

عجمی کا مطلب:

اعجمین اعجم کی جمع ہے، عجم اس شخص کو کہتے ہیں جو فصیح عربی اچھی طرح نہ بول سکے خواہ نسباً عربی ہی ہو اور عجمی کی نسبت عجم کی طرف ہے، عجمی اس شخص کو کہتے ہیں جو نسباً غیر عربی ہو خواہ عربی فصیح بولتا ہو۔ اس تشریح لغوی کی بنا پر آیت کا یہ معنی ہوگا کہ اگر ہم یہ قرآن کسی ایسے شخص پر نازل کرتے جس کی عربی زبان فصیح نہ ہوتی۔ (تفسیر مظہری)

كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِىْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ

اسی طرح گھسا دیا ہم نے اس انکار کو گنہگاروں کے دل میں وہ نہ مانیں گے اس کو

حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۲۰۱﴾

جب تک نہ دیکھ لیں گے عذاب دردناک

اللہ تعالیٰ کا قانون مہلت:

یعنی جو آدمی جرائم اور گناہوں کا خوگر ہو جاتا ہے اور اپنے قوی کو شرارت اور سرکشی میں لگا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی عادت کے موافق ڈھیل چھوڑ دیتا ہے اور اس کے دل میں انکار وتکذیب کے اثر کو جاگزیں کر دیتا ہے۔ یہ تقریر ترجمہ کے موافق ہوئی۔

حقانیتِ قرآن:

لیکن بہت سے مفسرین نے سلکنٰہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع کی ہے یعنی قرآن کو ہم نے اس طرح مجرمین کے دل میں گھسا دیا ہے کہ وہ دل میں خوب سمجھتے ہیں کہ یہ کلام بشر کا نہیں ہوسکتا۔ پھر بھی ہٹ دھرمی سے ایمان نہیں لاسکتے اور تکذیب کئے چلے جاتے ہیں۔ تا آنکہ دنیا یا آخرت میں دردناک عذاب کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیں، اُس وقت مانیں گے کہ ہاں پیغمبر سچے تھے اور جو کتاب لائے تھے وہ سچی تھی، مگر اُس وقت ماننا کچھ نفع نہ دے گا۔

فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ فَيَقُوْلُوْا

پھر آئے اُن پر اچانک اور اُن کو خبر بھی نہ ہو پھر کہنے لگیں

هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

کچھ بھی ہم کو فرصت ملے گی

جب آنکھ کھلے گی مہلت نہیں ملے گی:

یعنی جب عذاب الٰہی ایک دم سر پر پہنچ جائے گا اُس وقت کہیں گے کیا ہمیں تھوڑی سی مہلت دی جاسکتی ہے کہ اب توبہ کرکے اپنا چال چلن درست کرلیں اور پیغمبروں کا اتباع کرکے دکھلائیں دنیا میں تو عذاب کی جلدی مچا رہے تھے اب مہلت طلب کرنے لگے۔

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿۲۰۵﴾

کیا ہمارے عذاب کو جلد مانگتے ہیں بھلا دیکھ تو اگر فائدہ پہنچاتے رہیں ہم ان کو برسوں

ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾

پھر پہنچے اُن پر جس چیز کا اُن سے وعدہ تھا تو کیا کام آئے گا اُن کے جو کچھ فائدہ اٹھاتے رہے

ساری زندگی کی مہلت گنوادی:

یعنی سالہا سال کی ڈھیل اور مہلت بھی جو دی گئی تھی اُس وقت کچھ کام نہ آئے گی۔ اُس وقت یہ برسوں کی مہلت کالعدم معلوم ہوگی اور سمجھیں گے کہ واقعی بہت ہی جلدی پکڑے گئے۔ (نازعات۔ رکوع ۲) (تفسیر عثمانی)

لمبی عمر نعمت ہے:

اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ اس آیت میں اشارہ ہے کہ دنیا میں کسی کو عمر

دراز ملنا بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے لیکن جو لوگ اس نعمت کی ناشکری کریں ایمان نہ لائیں ان کو عمر دراز کی عافیت و مہلت کچھ کام نہ آئے گی۔ امام زہریؒ نے نقل فرمایا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ روز صبح کو اپنی داڑھی پکڑ کر اپنے نفس کو خطاب کر کے یہ آیت پڑھا کرتے تھے اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ الآیۃ اس کے بعد ان پر گریہ طاری ہو جاتا اور یہ اشعار پڑھتے تھے

نهارک بالغرور سهو و غفلة	وليلک نوم والتردی لک لازم
فلاانت فی الايقاظ يقظان حازم	ولا انت فی النوم ناج وسالم
وتسعی الی ماسوف تکره غبة	کذلک فی الدنيا تعيش البهائم

(ترجمہ) اے فریب خوردہ تیرا سارا دن غفلت میں اور رات نیند میں صرف ہوتی ہے حالانکہ موت تیرے لئے لازمی ہے، نہ تو بیدار لوگوں میں ہوشیار و بیدار ہے اور نہ سونے والوں میں اپنی نجات پر مطمئن ہے۔ تیری کوشش ایسے کاموں میں رہتی ہے جس کا انجام عنقریب ناگوار صورت میں سامنے آئے گا، دنیا میں چوپائے جانور ایسے ہی جیا کرتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ

اور کوئی بستی نہیں غارت کی ہم نے جس کے لئے نہیں تھے ڈر سنا دینے والے

ذِكْرٰى وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ

یاد دلانے کو اور ہمارا کام نہیں ہے ظلم کرنا

مہلت کے بعد عذاب آتا ہے:

یعنی کسی قوم کا تختہ یوں ہی ایک دم نہیں اُلٹ دیا گیا۔ عذاب بھیجنے سے پہلے کافی مہلت دی گئی اور ہشیار کرنے والے پیغمبر بھیجے گئے کہ لوگ غفلت میں نہ رہیں، جب کسی طرح نہ مانے آخر غارت کئے گئے۔ العیاذ باللہ۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

اور اس قرآن کو نہیں لے کر اترے شیطان اور نہ اُن سے بن آئے اور نہ وہ کر سکیں

قرآن کریم شیطان کے دخل سے پاک ہے:

درمیان میں مکذبین کے احوال بیان فرما کر پھر اصل مضمون وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ کی تکمیل و تتمیم فرماتے ہیں یعنی یہ کتاب خدا تعالیٰ کے ہاں سے جبریل امین لائے ہیں۔ شیاطین کی سکھلائی ہوئی چیز نہیں۔ بھلا شیاطین سے کہاں ممکن ہے کہ ایسی کتاب بن آئے۔ اُن کی طبائع کا خاصہ تو گمراہی، فساد، اور ظلمت پھیلانا ہے۔ اور یہ کتاب اول سے آخر تک رُشد و صلاح اور نور ہدایت سے بھری ہوئی ہے۔ جس کی تعلیم سے وہ جماعت تیار ہوئی۔ جس سے زیادہ آسمان کے نیچے بجز انبیاء کے کوئی پاکباز، صادق، خداترس اور خداپرست جماعت نہیں تو اس کتاب کے علوم اور شیاطین کی طبائع میں کوئی مناسبت نہیں۔ نہ وہ اس لائق ہیں کہ اس عظیم الشان، متبرک بار امانت کو اٹھا سکیں۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (حشر رکوع ۳) روایت میں ہے کہ بعض مشرکین کا خیال تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی جن آ کر یہ قرآن سکھلا جاتا ہے۔ بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ وحی آنے میں کچھ دیر ہوئی تو ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا (نعوذ باللہ) ان آیات میں اسی خیال کی تردید ہے۔

اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ

اُن کو تو سننے کی جگہ سے دور کر دیا ہے

شیاطین کی ناکہ بندی:

یعنی نزول قرآن کے زمانہ میں اُس کی حفاظت کے لئے ایسے غیبی پہرے بٹھائے گئے ہیں کہ شیاطین پاس بھی نہیں پھٹک سکتے نہ ایک حرف اُچک سکتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ۔ وَاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا (جن۔ رکوع ۱) وقال تعالیٰ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا (جن۔ رکوع ۲ وقال تعالیٰ) لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ (حم السجدہ۔ رکوع ۵)

(تنبیہ) شیاطین کے غیبی خبریں سننے کی کوشش کرنے اور ناکام رہنے کے متعلق سورۃ حجر کے شروع میں مفصل کلام کیا جا چکا ہے وہاں مطالعہ کرنا چاہیے۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ

سو تو مت پکار اللہ کے ساتھ دوسرا معبود پھر تو پڑے عذاب میں

قرآن کو چھوڑنا عذاب کو دعوت دینا ہے:

یہ فرمایا رسول کو اور سنایا اوروں کو یعنی جب یہ کتاب بلاشک و شبہ خدا کی اتاری ہوئی ہے۔ شیطان کا اس میں ذرہ بھر دخل نہیں تو چاہیے کہ اس کی تعلیم پر چلو جس میں اصل اصول توحید ہے۔ شرک و کفر اور تکذیب کی شیطانی راہ اختیار مت کرو۔ ورنہ عذاب الٰہی سے رستگاری کی کوئی سبیل نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس نے فرمایا (بظاہر خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن حقیقت میں) اس سے دوسروں کو ڈرانا مقصود ہے گویا یوں فرمایا کہ آپ تمام مخلوق میں میرے نزدیک زیادہ معزز ہیں۔ میرے سوا کسی دوسرے کو معبود بنائیں گے تو آپ کو بھی عذاب دوں گا۔ (تفسیر مظہری)

وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿۲۱۴﴾

اور ڈرسنا دے اپنے قریب کے رشتہ داروں کو

قرابتداروں کو ڈرانے کا حکم:

یعنی اوروں سے پہلے اپنے اقارب کو تنبیہ کیجئے کہ خیر خواہی میں ان کا حق مقدم ہے اور ویسے بھی آدمی کی صداقت وحقانیت اقارب کے معاملہ سے پرکھی جاتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے قریش کو پکار کر سنا دیا اور اپنی پھوپی تک اور اپنی بیٹی تک اور بچا تک کہہ سنایا کہ اللہ کے ہاں اپنی فکر کرو۔ خدا کے ہاں میں تمہارا کچھ نہیں کر سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے قرابتداروں کو دعوت دینا:

بغوی نے لکھا ہے کہ محمد بن اسحٰق نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت علی نے فرمایا جب یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طلب کیا اور فرمایا علی اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریب ترین عزیزوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤں میں یہ حکم سن کر سوچ میں پڑ گیا کہ کیا کروں مجھے معلوم تھا کہ اگر میں ان لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤں گا اور اس کام کے لئے پکاروں گا تو ان کی طرف سے میرے سامنے ایسا عمل آئے گا جو مجھے ناگوار ہوگا یہ سوچ کر میں خاموش ہو رہا لیکن اب جبرئیل نے مجھ سے آ کر کہا کہ محمد اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اللہ تم کو عذاب دے گا لہٰذا علی تم جا کر ایک صاع (آٹے) کی روٹی بنواؤ اور بکری کی ایک ٹانگ (پکا کر بطور سالن کے) اس کے ساتھ رکھ دو اور ایک بڑے پیالہ میں دودھ بھر کر لے آؤ پھر اولادِ عبدالمطلب کو اکٹھا کرو تاکہ جس بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے میں وہ بات ان کو پہنچا دوں حضرت علی نے فرمایا میں نے حکم کی تعمیل کی پھر سب کی دعوت کر دی وہ لوگ آئے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تائے (چچے) ابوطالب، حمزہ، عباس اور ابولہب بھی تھے سب کم وبیش چالیس آدمی تھے جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے وہ کھانا منگوایا جو میں نے تیار کیا تھا میں نے لا کر رکھ دیا آپ نے اس میں سے ایک ٹکڑا گوشت کا لے کر اپنے دانتوں سے اس کو کاٹا پھر اس کو پیالہ میں رکھ دیا پھر فرمایا بسم اللہ کھائیے سب نے کھایا یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے خدا کی قسم جتنا کھانا میں نے سب کے لئے رکھا تھا اتنا تو ان میں کا ایک آدمی کھا لیتا (مگر کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ سب کے پیٹ بھر گئے اور کسی کو مزید ضرورت نہیں رہی) پھر فرمایا ان کو (دودھ) پلاؤ میں ان کے سامنے وہی (دودھ بھرا) پیالہ لے آیا خدا کی قسم دودھ اتنا تھا کہ اتنا تو ایک آدمی پی جاتا لیکن سب پی کر سیر ہو گئے اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ بات کرنے کا موقع پایا لیکن حضور کے کچھ کہنے سے پہلے ابولہب بول اٹھا اور کہنے لگا تمہارے ساتھی نے تم پر جادو کر دیا یہ سنتے ہی لوگ منتشر ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بات نہ کر سکے دوسرے دن حضور نے فرمایا علی تم کو معلوم ہے کہ یہ شخص پہلے بول اٹھا اور میرے بات کرنے سے پہلے ہی لوگ منتشر ہو گئے اب پھر ویسا ہی کھانا تیار کرو جیسا (کل) کیا تھا اور لوگوں کو پھر جمع کرو میں نے حکم کی تعمیل کی پھر سب کو جمع کیا حضور نے کھانا منگوایا میں نے سامنے لا کر رکھ دیا آپ نے وہی عمل کیا جو گذشتہ دن کیا تھا اس کے بعد سب نے کھایا پیا کھا چکنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام شروع کیا اور فرمایا اے اولادِ عبدالمطلب میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم کو بھی اس کی دعوت دوں تم میں سے کون شخص ہے جو اس کام میں مدد کرے اور میرا بھائی اور وصی اور نائب ہو جائے لوگ یہ سن کر سب کے سب جھجکے میں سب سے کم عمر تھا میں نے کہا یا نبی اللہ میں اس کام میں آپ کا مددگار رہوں گا یہ سن کر آپ نے میری گردن پکڑی اور فرمایا یہ میرا بھائی میرا وصی اور میرا نائب ہے تم اس کی بات سنو اور اس کا کہا مانو لوگ ہنستے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اس نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم علی کی بات سنیں اور اس کی اطاعت کریں۔

کوہِ صفا سے سب کو بلانا:

صحیحین میں سعید بن جبیر کی وساطت سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان آیا ہے کہ جب آیت وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿۲۱۴﴾ نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہِ صفا پر چڑھ کر (مختلف) بطونِ قریش کو پکارنا شروع کیا اے اولادِ فہر اے بنی عدی آواز سن کر سب لوگ جمع ہو گئے جو خود نہ آ سکا اس نے اپنا قاصد بھیج دیا تاکہ وہ جا کر دیکھے کہ واقعہ کیا ہے ابولہب بھی آ گیا اور دوسرے قریش والے بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھلا بتاؤ اگر میں تم کو اطلاع دوں کہ وادی کے اندر (اس وقت) کچھ سوار موجود ہیں جو تم پر تاخت کرنا چاہتے ہیں تو کیا تم میری تصدیق کرو گے سب نے کہا جی ہاں ہم نے اپنے تجربہ میں آپ کا کبھی کوئی جھوٹ نہیں پایا حضور نے فرمایا تو عذابِ شدید آنے سے پہلے میں تم کو اس سے ڈرا رہا ہوں (عذابِ شدید میرے سامنے ہے جو آنے والا ہے) ابولہب بولا تو ہمیشہ کے لئے ہلاک ہو جائے کیا اسی لئے تو نے ہم کو جمع کیا تھا اس پر سورت تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ آخر تک نازل ہوئی۔

قوم والوں سے خطاب:

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے آیا ہے کہ جب آیت وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿۲۱۴﴾ اتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے

اور فرمایا اے گروہ قریش۔ (راوی کا بیان ہے کہ یہ لفظ فرمایا یا اسی طرح کا کوئی دوسرا لفظ) اپنی جانوں کو خود خرید لو (یعنی آنے والے عذاب سے بچالو) میں اللہ (کے عذاب سے تمہارے کسی کام نہیں آؤں گا۔ اے عباس بن عبدالمطلب میں اللہ (کے عذاب) سے بچانے کے لئے بالکل تمہارے کام نہیں آ سکتا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی صفیہ تم کو بھی میں اللہ سے نہیں بچا سکتا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ میرے مال میں تو جو کچھ مانگنا چاہتی ہے مجھ سے مانگ لے اللہ کے مقابل میں تیرے کوئی کام نہیں آؤں گا۔

ابولہب کی ہلاکت:

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ حدیث نقل کی ہے کہ جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بستی سے) نکل کر کوہ صفا پر چڑھ گئے اور وہاں سے اونچی آواز سے پکارا یا صباحاہ (اے لوگو ہوشیار ہو جاؤ دشمن آخر رات میں حملہ کرنے والا ہے) لوگوں نے آواز سن کر کہا یہ کون ہے سب آپ کے پاس جمع ہو گئے حضور نے فرمایا بھلا بتاؤ تو اگر میں تم کو اطلاع دوں کہ کچھ سوار اس پہاڑ کے دامن سے برآمد ہو رہے ہیں (جو تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں) تو کیا تم مجھے سچا جانو گے لوگوں نے کہا ہم نے تجربہ میں آپ کی کوئی بات جھوٹی نہیں پائی فرمایا تو میں عذاب شدید آنے سے پہلے تم کو (اس کی آمد سے) ڈرا رہا ہوں (عذاب شدید میرے سامنے ہے) ابولہب بولا تجھے ہلاکت ہو کیا اس لئے تو نے ہم کو اکٹھا کیا تھا یہ کہہ کر کھڑا ہو گیا اس پر اسی روز تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ (اعمش کی قراءت میں اسی طرح آیا ہے) نازل ہوئی۔

بغوی نے حضرت عبداللہ بن حمار مجاشعیؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ جو علم اس نے مجھے عطا فرمایا ہے اور تم اس سے واقف نہیں آج تم کو اس کے کچھ حصہ سے واقف کر دوں اس نے فرمایا کہ جو مال میں نے اپنے بندوں کو (بطور حلال) عطا کر دیا وہ ان کے لئے حلال ہے میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا پھر شیطانوں نے پہنچ کر ان کو ان کے دین سے بہکایا اور جو چیز میں نے ان کے لئے حلال کر دی تھی شیطانوں نے وہ چیز ان کے لئے حرام قرار دیں میں نے ان کو حکم دیا تھا کہ جس چیز کی معبودیت کی میں نے کوئی دلیل نہیں، اتاری اس کو میرا ساجھی نہ قرار دیں۔ اللہ نے تمام زمین والوں کو دیکھا اور سب سے نفرت کی عرب ہوں یا عجمی ہوں۔ ہاں اہل کتاب میں سے جو (اصلی دین پر) باقی رہ گئے تھے (ان سے نفرت نہیں کی) اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں (اللہ کی نافرمانی اور عذاب سے) قریش کو ڈراؤں میں نے عرض کیا اے رب وہ تو میرا سر توڑ ڈالیں گے اور میرے سر کو (کچل کر) روٹی بنا دیں گے اللہ نے فرمایا میں نے تجھے اسی لئے بھیجا ہے کہ تیری بھی جانچ کروں اور تیرے ذریعہ سے دوسروں کی بھی میں نے تیرے اوپر ایک کتاب اتاری ہے جس کو پانی نہیں دھو سکتا تو اس کو سوتے جاگتے پڑھا کر، تو ان سے جہاد کر کامیاب ہو گا تو (اللہ کے بندوں پر) خرچ کر (اللہ کی طرف سے) تجھ پر خرچ کیا جائے گا۔ تو ایک لشکر (کافروں کے مقابلے کے لئے) تیار کر میں اس سے پانچ گنا لشکر تیری مدد کے لئے بھیج دوں گا۔ اور اپنے فرمانبرداروں کو ساتھ لے کر نافرمانوں سے جنگ کر پھر فرمایا اہل جنت تین ہیں۔

(۱) منصف حاکم (۲) ہر قرابتدار اور مسلم پر مہربانی کرنے والا نرم دل آدمی (۳) دولت مند پاک دامن آدمی جو خود پاکدامن رہتا ہے اور دوسروں کو خیرات دیتا ہے۔

اور دوزخی پانچ ہیں وہ کمزور بے عقل جس میں برائیوں سے رکنے والی سمجھ نہ ہو محض دوسروں کے پیچھے لگ جانے والا ہو اور وہ شخص کہ جب صبح کو اٹھتا ہے تو تم کو تمہارے مال وعیال کے معاملہ میں فریب دیتا، اٹھتا ہے اور وہ شخص کہ اس کا ہر لالچ خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو اس کو (اپنے ساتھ) لے جاتا ہے۔ اور وہ شخص جو بداخلاق اور فاحش ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بخل اور کذب کا بھی ذکر کیا تھا۔ واللہ اعلم

ایک ایک کو خطاب:

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے اُترتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریشیوں کو بُلایا اور انہیں ایک ایک کر کے اور عام طور پر خطاب کر کے فرمایا کہ اے قریشیو! اپنی جانیں جہنم سے بچالو۔ اے کعب کے خاندان والو! اپنی جانیں آگ سے بچالو۔ اے ہاشم کی اولاد کے لوگو! اپنے تئیں خدا کے عذابوں سے چھڑالو۔ اے عبدالمطلب کے لڑکو! خدا کے عذابوں سے بچنے کی کوشش کرو۔ اے فاطمہ بنت محمد! اپنی جان کو دوزخ سے بچالے۔ میں خدا کے ہاں کی کسی چیز کا مالک نہیں۔ بیشک تمہاری قرابت داری ہے جس کے دنیوی حقوق میں ہر طرح ادا کرنے کو تیار ہوں (مسلم وغیرہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کی مثال:

مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت اُتری تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک پہاڑی پر چڑھ گئے جس کی چوٹی پر پتھر تھے وہاں پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بنی عبدالمناف میں تو صرف ہوشیار کر دینے والا ہوں میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے دشمن کو دیکھا اور دوڑ کر اپنے والوں کو ہوشیار کرنے کے لئے آیا تا کہ وہ بچاؤ کر لیں دور سے ہی اس نے غل مچانا شروع کر دیا کہ پہلے ہی خبردار ہو جائیں (مسلم نسائی وغیرہ)

حضرت علیؓ کی فضیلت:

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اُتری تو آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم نے اپنے اہل بیت کو جمع کیا یہ تیس شخص تھے جب یہ کھا پی چکے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو میرا قرض اپنے ذمے لے اور میرے بعد میرے وعدے پورے کرے وہ جنت میں بھی میرا ساتھی اور میرے اہل میں میرا خلیفہ ہوگا۔ تو ایک شخص نے کہا کہ آپ تو ایک سمندر ہیں آپ کے ساتھ کون کھڑا ہو سکتا ہے؟ تین دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن کوئی تیار نہ ہوا تو میں نے کہا یا رسول اللہ! میں اس کے لئے تیار ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۱۵﴾

اور اپنے بازو نیچے رکھ ان کے واسطے جو تیرے ساتھ ہیں ایمان والے

یعنی شفقت میں رکھ ایمان والوں کو اپنے ہوں یا پرائے۔

فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۲۱۶﴾

پھر اگر تیری نافرمانی کریں تو کہہ دے میں بیزار ہوں تمہارے کام سے

یعنی خلاف حکم خدا جو کوئی کرے اُس سے تو بیزار ہو جا، اپنا ہو یا پرایا۔ (موضح) (تفسیر عثمانی)

گناہوں سے بیزاری:

پھر اگر وہ مومن (بعض امور میں) تمہاری نافرمانی کریں تو کہہ دو کہ میں تمہارے ان (گناہوں کے) اعمال سے بری ہوں۔ اس آیت میں گناہوں سے الگ ہونے کے اظہار کا حکم دیا گیا ہے گناہگاروں سے الگ ہونے کے اظہار کا حکم نہیں دیا گیا۔ (تفسیر مظہری)

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿۲۱۷﴾

اور بھروسہ کر اُس زبردست رحم والے پر

اللہ پر بھروسہ رکھو:

یعنی نافرمانی کرنے والے کوئی ہوں اور کتنے ہی ہوں تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ سب سے بیزار ہو کر ایک خدا پر بھروسہ رکھ جو زبردست بھی ہے کسی کی اس کے مقابلہ میں چل نہیں سکتی، اور مہربانی فرمانے والا بھی، چنانچہ اپنی مہربانی سے تیرے حال پر ہر وقت نظر، عنایت رکھتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

توکل کا معنی ہے اپنا کام (مکمل طور پر) دوسرے کے سپرد کر دینا اور ایسا کرنا نہ عقلاً جائز ہے نہ نقلاً صحیح۔ ہاں اگر جس کی سپردگی میں کام دیا ہو وہ نفع پہنچانے اور ضرر کو دفع کرنے پر کامل قدرت رکھتا۔ بھروسہ کرنے والے کے اقوال کو سنتا اور تمام احوال کو دیکھتا ہو اور انجام سے باخبر ہو اور بھروسہ کرنے والے کا ہر وقت نگراں ہو تو اس کی سپردگی میں اپنے کام دیئے جا سکتے ہیں اسی لئے فرمایا علی العزیز یعنی اس اللہ پر اعتماد رکھو جو اپنے دشمنوں پر غالب ان کو مقہور کرنے والا اور اپنے دوستوں کی مدد کرنے والا ہے الرحیم جو رحیم ہے تمہارے اوپر بھی اور تمہاری پیروی کرنے والوں پر بھی۔ (تفسیر مظہری)

الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ ﴿۲۱۹﴾

جو دیکھتا ہے تجھ کو جب تو اُٹھتا ہے اور تیرا پھرنا نمازیوں میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساجدین میں تقلب:

یعنی جب تو تہجد کو اُٹھتا ہے اور متوسلین کی خبر لیتا ہے کہ خدا کی یاد میں ہیں یا غافل (موضح) یا تو جب نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور جماعت کی نماز میں نقل و حرکت (رکوع وسجود وغیرہ) کرتا ہے، اور مقتدیوں کی دیکھ بھال رکھتا ہے اور بعض سلف نے کہا کہ ساجدین سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء مراد ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کا ایک نبی کی صلب سے دوسرے نبی کی صلب تک منتقل ہونا اور آخر میں نبی ہو کر تشریف لانا بلکہ بعض مفسرین نے اس لفظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان پر استدلال کیا ہے۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تم کو اس وقت بھی دیکھتا ہے جب تم تنہا نماز پڑھتے ہو اور اس وقت بھی دیکھتا ہے جب نمازیوں کے ساتھ جماعت کی نماز پڑھتے ہو۔ مجاہد نے کہا مطلب یہ ہے کہ تم جو نمازیوں کی طرف نظر گھماتے پھراتے ہو اللہ اس کو دیکھتا ہے بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح سامنے سے دیکھتے تھے اسی طرح پشت کے پیچھے کی چیز کو بھی دیکھتے تھے (تو نماز کے اندر نظر نبوت سے مقتدیوں کے حال کا بھی مشاہدہ کر لیتے تھے حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میرا رخ یہاں (یعنی سامنے کی طرف) دیکھتے ہو واللہ تمہارے خضوع کی حالت مجھ سے پوشیدہ نہیں ہوتی میں تمہیں بلاشبہ اپنی پشت کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں رواہ البغوی۔

عطاء کی روایت میں حضرت ابن عباس کا ایک قول آیا ہے کہ تقلب سے مراد ہے آباء واجداد کی پشتوں میں منتقل ہونا یعنی ایک نبی سے نور محمدی کا دوسرے نبی کی پشت میں منتقل ہو کر آنا۔ لیکن اس تفسیر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی خاص مدح نہ ہوگی کیونکہ آباء واجداد میں ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہونا تو صرف رسول اللہ ہی کے لئے مخصوص نہ تھا تمام قریش بلکہ تمام انسان یونہی پشت در پشت منتقل ہوتے چلے آئے ہیں۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ تقلب سے مراد ہو پاک عبادت گزار مردوں کی پشت سے مقدس پاک دامن عورتوں کے رحموں میں آپ کا منتقل ہوتے رہنا یعنی موحد، مومن مردوں کی پشتوں سے مومن، موحد عورتوں کے رحموں کی طرف انتقال۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کا مؤمن ہونا:

اس تفسیر سے آیت پر استدلال کیا جا سکے گا اس امر پر کہ

حضور کے سارے آباء واجداد مومن تھے۔ کذا قال السیوطی۔

حافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی کے شعر ہیں۔

وینقل احمد نوراً عظیماً تلالأ فی وجوہ الساجدین

تقلب فیہم قرناً فقرناً الی ان جاء خیر المرسلین

ہرایک نورِ عظیم منتقل کرتا رہا جو موحدوں کے چہروں میں جگمگاتا رہا وہ نور ہرزمانہ میں منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ سید المرسلینؐ پیدا ہوگئے۔

اس تفسیر کی تائید صحیح بخاری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے قرن در قرن (منتقل کرکے) بنی آدم کے بہترین قرن میں بھیجا گیا یہاں تک کہ میری بعثت اس زمانہ میں ہوگئی جس میں میں ہوں۔ مسلم نے حضرت واثلہ بن اسقع کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے اولاد ابراہیم میں سے اسماعیل کا انتخاب کرلیا اور اولاد اسماعیل میں سے بنی کنانہ کا اور بنی کنانہ میں سے قریش کا اور قریش میں سے بنی ہاشم کا اور بنی ہاشم میں سے مجھے چن لیا۔ بیہقی نے دلائل النبوت میں حضرت انسؓ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے حضور نے فرمایا جب بھی اللہ نے آدمیوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین فرقہ میں سے کردیا آخر مجھے میرے والدین سے پیدا کردیا گیا کہ دور جاہلیت کی کوئی خرابی مجھے نہیں پہنچی آدم سے لے کر اپنے والدین تک میں نکاح سے پیدا ہوا زنا سے نہیں۔ پس میں ذاتی حیثیت میں بھی تم سے بہتر ہوں اور نسبی اعتبار سے بھی افضل ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد کے مؤمن ہونے کے موضوع پر مجمل اور مفصل ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں مثبت ومنفی ہر طرح کی بحث کی ہے میں نے اس کا خلاصہ ایک رسالہ کی شکل میں لکھ دیا ہے اس موضوع کی تنقیح کے لئے اس رسالہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۲۲۰﴾ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلُ

بیشک وہی ہے سننے والا جاننے والا میں بتلاؤں تم کو کس پر اُترتے ہیں

الشَّيَاطِينُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ﴿۲۲۲﴾

شیطان اُترتے ہیں ہر جھوٹے گنہگار پر

صداقت وعظمت قرآن وپیغمبر:

یہاں پھر قرآن کے صدق اور عظمت شان پر تنبیہ فرمائی یعنی ایسے ساجدین اور تہجد گزاروں کے امام کو جو اللہ کے معاملہ میں اپنے اور بیگانے کی کوئی پروا نہ کرے اور ساری دنیا سے ٹوٹ کر اکیلے خدا پر بھروسہ رکھے، کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ (معاذ اللہ) شیطان اُن پر وحی لاتا تھا؟ آؤ! میں تم کو بتاؤں کہ شیطانی وحی کس قسم کے لوگوں پر آتی ہے۔ وہ آتی ہے جھوٹوں پر بدمعاشوں اور بدکاروں پر۔ کیونکہ شیطان سچے اور نیک آدمیوں سے بیزار ہے کہ یہ اس کو برا جانتے ہیں۔ جھوٹے دغابازوں سے خوش ہے جو اس کی مرضی کے موافق ہیں۔ بھلا سب سچوں سے زیادہ سچے اور تمام نیکوں سے بڑھ کر نیک انسان کو شیطانی وحی سے کیا نسبت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق وامانت اتقاء، پاکبازی، خداترسی تو وہ اوصاف ہیں جو بچپن سے لے کر دعوائے نبوت تک آپ کی ساری قوم کو تسلیم تھے۔ حتیٰ کہ الصادق الامین آپؐ کا لقب ہی پڑ گیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

''شیاطین اترتے ہیں ہر بڑے دروغ گو پکے گناہگار پر۔''

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ شریر دروغ گو ہیں۔ نہ گناہگار اللہ کے نافرمان اس لئے شیاطین کا نزول ان پر نہیں ہوسکتا تعلیم دینے والے اور تعلیم پانے والے میں (عملی وقولی) مناسبت وموافقت ضروری ہے۔ (تفسیر مظہری)

يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ ﴿۲۲۳﴾

لا ڈالتے ہیں سنی ہوئی بات اور بہت اُن میں جھوٹے ہیں

شیطان کی جھوٹی روایات:

یعنی شیاطین کوئی ایک آدھ ناتمام بات امور غیبیہ جزئیہ کے متعلق جو سن بھاگتے ہیں اس میں سو جھوٹ ملا کر اپنے کاہن دوستوں کو پہنچاتے ہیں، یہ حقیقت اُن کی وحی کی ہے۔ برخلاف اس کے انبیاء علیہ السلام کی وحی کا ایک حرف اور ایک شوشہ بھی جھوٹ نہیں ہوسکتا۔ بعض نے يُلْقُونَ السَّمْعَ کے معنی یہ لئے ہیں، کہ شیاطین ملاءِ اعلیٰ کی طرف کان لگاتے ہیں کہ کوئی غیبی بھنک کان میں پڑ جائے، یا جھوٹے گنہگار شیاطین کی طرف کان جھکائے رکھتے ہیں کہ کوئی چیز اُدھر سے ہاتھ آئے تو چلتی کریں۔ (تفسیر عثمانی)

کاہنوں کی باتیں:

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کے متعلق دریافت کیا حضور نے فرمایا وہ (یعنی کاہن) ہیچ ہیں عرض کیا گیا یارسول اللہ وہ بسا اوقات ایسی باتیں کہتے ہیں جو صحیح ثابت ہوتی ہیں فرمایا کوئی ایک صحیح بات کوئی جن (فرشتوں کی گفتگو سے) جھپٹ کر لے بھاگتا ہے اور لاکر اپنے دوست کے کان میں مرغی کے کٹکٹانے کی طرح کٹ کٹ کردیتا ہے کاہن اس (ایک صحیح بات) میں سو سے بھی زیادہ جھوٹ ملا کر بیان کردیتے ہیں۔ متفق علیہ۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ فرشتے عنان یعنی ابر میں اترتے ہیں اور ان میں باہم اس امر کا تذکرہ ہوتا ہے جس کا فیصلہ آسمان پر ہوچکا ہے شیاطین (بادلوں تک پہنچ کر) اس

بات کو چوری سے سن پاتے ہیں اور کاہنوں کے دلوں میں لاکر ڈال دیتے ہیں کاہن اسکے ساتھ سو جھوٹ اپنی طرف سے شامل کر دیتے ہیں۔ رواہ البخاری۔

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ جب کسی امر کا فیصلہ آسمان پر کر دیتا ہے تو فرشتے عاجزی اور اطاعت کے اظہار کے لئے اپنے بازو پھٹ پھٹاتے ہیں جیسے کسی چٹان پر زنجیر مارنے سے آواز پیدا ہوتی ہے جب گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو (باہم) پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا (دوسرے جواب میں) کہتے ہیں جو کچھ فرمایا وہ حق ہے وہی بزرگ، برتر، عالی قدر ہے۔ اس بات کو کچھ چوری سے سننے والے، (شیاطین) سن پاتے ہیں وہ نیچے والے چوری سے سننے والے سے کہہ دیتے ہیں اور اسی طرح ایک کے بعد ایک ترتیب وار سن لیتا ہے (سفیان راوی نے اپنی انگلیاں کھول کر ہاتھ کو ترچھا کر کے دکھایا یعنی چاروں انگلیوں کو اس طرح ترتیب دے کر بتایا کہ ایک انگلی دوسری کے اوپر اور دوسری تیسری کے اوپر تیسری چوتھی کے اوپر کر کے دکھائی۔ (مترجم) نیچے والا سن کر اپنے سے نیچے والے کو بتا دیتا ہے اور وہ اپنے سے نیچے والے کو یہاں تک کہ سب سے نچلا شیطان ساحر یا کاہن کو بتا دیتا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اوپر والا نیچے والے کو بتانے بھی نہیں پاتا کہ پہلے ہی ایک انگارہ (ٹوٹنے والا ستارہ) اس پر آ گرتا ہے اور اس کو جلا دیتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انگارہ پڑنے سے پہلے وہ اپنے نیچے والے کو بتا چکتا ہے۔ کاہن اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتا ہے اور لوگوں سے کہہ دیتا ہے اسی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ کیا فلاں فلاں دن کاہن نے ایسا نہیں کہا تھا غرض اسی آسمان والی بات کی وجہ سے کاہن کی تصدیق کی جاتی ہے۔ رواہ البخاری

ستاروں کا ٹوٹنا:

حضرت ابن عباس نے کسی انصاری کا مقولہ نقل کیا انصاری نے کہا ہم ایک رات رسول اللہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک تارہ ٹوٹا اور اس کی روشنی ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاہلیت کے زمانہ میں اس طرح (تارہ) پھینکا جاتا تھا تو تم لوگ کیا کہتے تھے حاضرین نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتے ہیں ہم کہا کرتے تھے کہ آج رات کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ (تارے) نہ کسی کے مرنے کی وجہ سے پھینکے جاتے ہیں۔ نہ کسی کی زندگی کی وجہ سے پھینکے جاتے ہیں بلکہ ہمارا رب بزرگ و برتر جب کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو حاملین عرش تسبیح پڑھتے ہیں پھر ان سے متصل آسمان والے یہاں تک کہ تسبیح (کی آواز) اس نچلے قریبی آسمان والوں کو پہنچ جاتی ہے پھر حاملین عرش سے متصل آسمان والے حاملین عرش سے کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا وہ بتاتے ہیں کہ

اللہ نے یہ فرمایا پھر (ترتیب وار) ایک آسمان والے دوسرے آسمان والوں سے پوچھتے چلے آتے ہیں یہاں تک کہ وہ بات اس دنیوی آسمان تک پہنچ جاتی ہے اور جن جھپٹ کر اس کو سن کر لے بھاگتا ہے اس طرح شیاطین اپنے دوستوں کی طرف لاکر دے مارتے ہیں (کاہن لوگ) جب اس بات کو اسی طرح بیان کرتے ہیں جیسی وہ ہوتی ہے تو وہ حق ہوتی ہے لیکن وہ تو اس میں بڑھا دیتے ہیں۔ رواہ مسلم۔ (تفسیر مظہری)

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ؁
اور شاعروں کی بات پر چلیں وہی جو بے راہ ہیں

پیغمبر شاعر نہیں ہے:

کافر لوگ پیغمبر کو کبھی کاہن بتاتے کبھی شاعر، سو فرمایا کہ شاعری کی باتیں محض تخیلات ہوتی ہیں تحقیق سے اس کو کچھ علاقہ نہیں ہوتا، اس لئے اس کی باتوں سے بجز گرمی محفل یا وقتی جوش اور واہ واہ کے کسی کو مستقل ہدایت نہیں ہوتی حالانکہ اس پیغمبر کی صحبت میں قرآن سن سن کر ہزاروں آدمی نیکی اور پرہیزگاری پر آتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

دور فاروقی کے ایک گورنر کی معزولی کا واقعہ:

امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں حضرت نعمان بن عدی بن نضلہ کو بصرے کے شہر میسان کا گورنر مقرر کیا تھا وہ شاعر تھے ایک مرتبہ اپنے شعروں میں کہا کہ کیا حسینوں کو یہ اطلاع نہیں ہوئی کہ ان کا محبوب میسان میں ہے جہاں ہر وقت شیشے کے گلاسوں سے دور شراب چل رہا ہے اور گاؤں کی بھولی لڑکیوں کے گانے اور ان کے رقص و سرود مہیا ہیں ہاں اگر میرے کسی دوست سے ہو سکے تو اس سے بڑے اور بھرے ہوئے جام مجھے پلائے لیکن ان سے چھوٹے جام مجھے سخت ناپسند ہیں۔ خدا کرے امیر المومنین کو یہ خبر نہ پہنچے ورنہ وہ برا مانیں گے اور سزا دیں گے۔ یہ اشعار بچ بچ حضرت امیر المومنین تک پہنچے آپ سخت ناراض ہوئے اور اسی وقت آدمی بھیجا کہ میں نے تجھے تیرے عہدے سے معزول کیا اور آپ نے ایک خط بھیجا جس میں بسم اللہ الخ کے بعد حم کی تین آیتیں الیہ المصیر تک لکھ کر پھر تحریر فرمایا کہ تیرے اشعار میں نے سُنے مجھے سخت رنج ہوا۔ میں تجھے تیرے عہدے سے معزول کرتا ہوں۔ چنانچہ اس خط کو پڑھتے ہی حضرت نعمانؓ دربار خلافت میں حاضر ہوئے اور بادب عرض کی کہ امیر المومنین! واللہ نہ میں نے کبھی شراب پی نہ ناچ رنگ اور گانا بجانا دیکھا سنا یہ تو صرف شاعرانہ ترنگ تھی۔ آپ نے فرمایا یہی میرا خیال ہے لیکن میری ہمت تو نہیں پڑتی کہ ایسے فحش گو شاعر کو کوئی عہدہ دوں

پس معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک بھی شاعر اپنے شاعروں میں کسی جرم کے اعلان پر گو وہ قابل حد ہو مارا نہ جائے گا اس لئے کہ وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ ہاں وہ قابل ملامت اور لائق سرزنش ضرور ہیں چنانچہ حدیث میں ہے کہ پیٹ کو لہو پیپ سے بھر لینا اشعار سے بھر لینے سے بہتر ہے۔

شعر کی تعریف:

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ اصل لغت میں شعر ہر اس کلام کو کہا جاتا ہے جس میں محض خیالی اور غیر حقیقی مضامین بیان کئے گئے ہوں جس میں کوئی بحر، وزن، ردیف اور قافیہ کچھ شرط نہیں فن منطق میں بھی ایسے ہی مضامین کو ادلہ شعریہ اور قضایا شعریہ کہا جاتا ہے اصطلاحی شعر و غزل میں بھی چونکہ عموماً خیالات کا ہی غلبہ ہوتا ہے اس لئے اصطلاح شعراء میں کلام موزوں مقفی کو شعر کہنے لگے۔ بعض مفسرین نے آیات قرآن بَلْ هُوَ شَاعِرٌ - شَاعِرٌ مَّجْنُوْنٌ - شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ وغیرہ میں شعر اصطلاحی کے معنی میں مراد لے کر کہا کہ کفار مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وزن دار، قافیہ دار کلام لانے والے کہتے تھے لیکن بعض نے کہا کہ کفار کا مقصد یہ نہ تھا اس لئے کہ وہ شعر کے طرز وطریق سے واقف تھے، اور ظاہر ہے کہ قرآن اشعار کا مجموعہ نہیں اس کا قائل تو ایک عجمی بھی نہیں ہوسکتا چہ جائے کہ فصیح و بلیغ عرب، بلکہ کفار آپ کو شاعر شعر کے اصلی معنی یعنی خیالی مضامین کے لحاظ سے کہتے تھے مقصد ان کا دراصل آپ کو نعوذ باللہ جھوٹا کہنا تھا کیونکہ شعر بمعنی کذب بھی استعمال ہوتا ہے اور شاعر کاذب کو کہا جاتا ہے اس لئے ادلہ کاذبہ کو ادلہ شعر کہا جاتا ہے خلاصہ یہ کہ جیسے موزوں اور مقفی کلام کو شعر کہتے ہیں اسی طرح ظنی اور تخمینی کلام کو بھی شعر کہتے ہیں جو اہل منطق کی اصطلاح ہے۔

اچھے اشعار: تفسیر قرطبی میں ہے کہ مدینہ منورہ کے فقہاء عشرہ جو اپنے علم وفضل میں معروف ہیں ان میں سے عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود مشہور قادر الکلام شاعر تھے اور قاضی زبیر بن بکار کے اشعار ایک مستقل کتاب میں جمع تھے۔ پھر قرطبی نے لکھا کہ ابو عمرو نے فرمایا ہے کہ اچھے مضامین پر مشتمل اشعار اہل علم اور اہل عقل میں سے کوئی برا نہیں کہہ سکتا، کیونکہ اکابر صحابہ جو دین کے مقتدا ہیں ان میں کوئی بھی ایسا نہیں جس نے خود شعر نہ کہے ہوں یا دوسروں کے اشعار نہ پڑھے یا سنے ہوں اور پسند کیا ہو۔

کون سے اشعار برے ہیں:

جن روایات میں شعر شاعری کی مذمت مذکور ہے ان سے مقصود یہ ہے کہ شعر میں اتنا مصروف اور منہمک ہو جائے کہ ذکر اللہ عبادت اور قرآن سے غافل ہو جائے۔ امام بخاریؒ نے اس کو ایک مستقل باب میں بیان فرمایا ہے اور اس باب میں حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے۔ لَاَنْ يَّمْتَلِئَ جَوْفُ رَجُلٍ قَيحاً يَرِيْهِ خَيْرٌ مِنْ اَنْ يَّمْتَلِئَ شِعْراً، یعنی کوئی آدمی پیپ سے اپنا پیٹ بھرے یہ اس سے بہتر ہے کہ اشعار سے پیٹ بھرے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ شعر جب ذکر اللہ اور قرآن اور علم کے اشتغال پر غالب آ جائے۔ اور اگر شعر مغلوب ہے تو برا نہیں ہے اسی طرح وہ اشعار جو فحش مضامین یا لوگوں پر طعن و تشنیع یا دوسرے خلاف شرع مضامین پر مشتمل ہوں وہ باجماع اُمت حرام و ناجائز ہیں اور یہ کچھ شعر کے ساتھ مخصوص نہیں جو نثر کلام ایسا ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ (قرطبی)

حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے گورنر عدی بن نضلہ کو اُن کے عہدہ سے اس لئے برخاست کر دیا کہ وہ فحش اشعار کہتے تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عمرو بن ربیعہ اور ابوالاحوص کو اسی جرم میں جلا وطن کرنے کا حکم دیا۔ عمرو بن ربیعہ نے توبہ کر لی وہ قبول کی گئی۔ (قرطبی)

خدا و آخرت سے غافل کر دینے والا ہر علم اور فن مذموم ہے:

ابن ابی جمرہ نے فرمایا کہ بہت قافیہ بازی اور ہر ایسا علم وفن جو دلوں کو سخت کر دے اور خدا تعالیٰ کے ذکر سے انحراف و اعراض کا سبب بنے اور اعتقادات میں شکوک وشبہات اور روحانی بیماریاں پیدا کرے اس کا بھی وہی حکم ہے جو مذموم اشعار کا حکم ہے۔

اکثر تابعین کی گمراہی متبوع کی گمراہی کی علامت ہوتی ہے:

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ اس آیت میں شعراء پر یہ عیب لگایا گیا ہے کہ ان کے متبعین گمراہ ہیں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گمراہ تو ہوئے متبعین ان کے عمل کا الزام متبوعین یعنی شعراء پر کیسے عائد ہوا، وجہ یہ ہے کہ عموماً اتباع کرنے والوں کی گمراہی علامت اور نشانی ہوتی ہے متبوع کی گمراہی کی لیکن سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حکم اس وقت ہے جب تابع کی گمراہی بھی اس متبوع کے اتباع کیا [illegible] متبوع کو جھوٹ اور غیبت سے نہیں بچانے کا اہتمام نہیں ہے اور [illegible] طرح کی باتیں ہوتی ہیں وہ روک ٹوک نہیں کرتا اس سے تابع [illegible] غیبت کی عادت پڑ گئی تو یہ تابع کا گناہ خود متبوع کے گناہ کی علامت [illegible] اگر گمراہی متبوع کی ایک وجہ ہے اور اتباع کسی دوسری [illegible] کی گمراہی متبوع کی گمراہی کی علامت نہیں ہوگی، مثلاً ایک [illegible] عقائد و مسائل میں کسی عالم کا اتباع کرتا ہے اور ان میں کوئی گمراہی نہیں، اعمال و اخلاق میں اس عالم کا اتباع نہیں کرتا ان میں یہ گمراہ ہے تو اس کی عملی اور اخلاقی گمراہی اس عالم کی گمراہی پر دلیل نہیں ہوگی۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

شاعروں کی گپوں کا ایک نمونہ لکھا جاتا ہے:

اے رشک مسیحا تری رفتار کے قرباں ٹھوکر سے مری لاش کئی بار جلا دی

اے بادِ صبا ہم تجھے کیا یاد کریں گے اُس گل کی خبر تو نے کبھی ہم کو نہ لا دی
صبا نے اس کے کوچہ سے اڑا کر خدا جانے ہماری خاک کیا کی

وغیرہ وغیرہ حتیٰ کہ کبھی کفریات بکنے لگتے ہیں۔

قرآن قرآن کے اعجاز کے دو رُخ ہیں اول ترتیبی یعنی اسلوب ادا اور دوسرا معنوی۔ قرآن کی معنویت پر تو وہ لوگ یہ جرح کرتے تھے کہ یہ شیاطین لے کر اترتے ہیں اور اعجاز لفظی کے سلسلہ میں کہتے تھے یہ شاعری ہے اس لئے اللہ نے کاہنوں اور شاعروں کی حالت بیان کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کا ان کی حالتوں سے فرق ظاہر کر دیا۔

شعر گوئی کی مذمت:

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی کے پیٹ میں لہو، پیپ بھرا ہو کہ اس کی صحت کو غارت کر دے تو اس سے بہتر ہے کہ اس کے اندر شعر بھرے ہوں۔ رواہ البخاری ومسلم واحمد وابو داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ۔

حضرت ابو سعید خدری کا بیان ہے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب (کوہ) عرج میں چل رہے تھے اچانک ایک شاعر گاتا ہوا سامنے آیا حضور نے فرمایا شیطان کو پکڑ لو یا تھام لو فرمایا اگر کسی کے جوف کے اندر پیپ، لہو بھرا ہو تو اس سے بہتر ہے کہ اس کے اندر شعر بھرے ہوں۔

حضرت ابن مسعود راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کلام میں انتہائی مبالغہ کرنے والے غارت ہو گئے حضور نے یہ بات تین بار فرمائی۔

حضرت ابو ثعلبہ خشنی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سب سے زیادہ پیارے اور قیامت کے دن سب سے زیادہ میرے مقرب تم میں سے وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق سب سے اچھے ہوں اور میرے لئے سب سے زیادہ قابل نفرت اور قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ دور تم میں سے وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق سب سے بُرے ہوں فضول بکواس کرنے والے ہوں بنا بنا کر خلاف حقیقت کثیر کلام کرنے والے ہوں حلق پھاڑ کر بغیر احتیاط کے کام کو پھیلانے والے ہوں۔ میں کہتا ہوں شعراء کی یہی حالت ہوتی ہے۔ ترمذی نے حضرت جابر کی روایت سے بھی حدیث اسی طرح نقل کی ہے ایک روایت میں آیا ہے کہ صحابہ نے عرض کیا ہم ثرثاروں (بکواسی، کثیر گو) اور متشدقون (باچھیں پھاڑ کر بنا کر کلام کرنے والے) کو تو جانتے ہیں متفیھقون کے کیا معنی فرمایا تکبر کرنے والے۔

بے عمل خطیب:

حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رات مجھے (معراج میں) لے جایا گیا تو میرا گزر کچھ لوگوں کی طرف سے ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے میں نے پوچھا جبرئیل یہ کون لوگ ہیں جبرئیل نے کہا یہ آپ کی امت کے وہ خطیب ہیں جو ایسی باتیں (تقریر میں) کہتے تھے جو خود نہیں کرتے تھے۔ رواہ الترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔

شانِ نزول:

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بروایت عوفی حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو آدمیوں نے (یعنی دو شاعروں نے) باہم ہجو کا مقابلہ کیا ایک انصاری تھا دوسرا کسی اور قبیلہ کا ہر ایک کے ساتھ اس کی قوم کے کچھ غاوی (گمراہ یعنی اشعار کو نقل کرنے اور یاد رکھنے والے) بھی تھے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

غاوی کون ہیں:

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ؕ اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں بغوی نے ضحاک کی روایت سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے عطیہ کی ایک روایت بھی ابن عباس سے یہی ہے حضرت ابن عباس کا قول عطیہ نے بھی یہی نقل کیا ہے اور ابن ابی حاتم نے بھی بروایت عکرمہ اسی طرح بیان کیا ہے۔

لیکن اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ آیت میں وہ شعراء مراد ہیں جو کافروں کی حمایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجاء کرتے تھے مقاتل نے ان کے نام اس طرح نقل کئے ہیں عبداللہ بن زبیر سہمی۔ ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی۔ شافع بن عبد مناف۔ ابو عزہ عبداللہ بن عمر جمحی۔ امیہ بن صلت ثقفی۔

یہ شعراء جھوٹی غلط سلط باتیں کہتے اور دعویٰ کرتے تھے کہ جیسا محمد کہتے ہیں ویسا ہم بھی کہتے ہیں یہ لوگ اشعار سناتے اور ان کی قوم کے کچھ گمراہ لوگ جمع ہو جاتے اور رسول اللہ اور صحابہ کے متعلق ان شاعروں کے ہجائیہ اشعار سنتے اور پھر نقل کرتے تھے یہی وہ لوگ تھے جن کو اللہ نے غاوون فرمایا۔ یعنی وہ لوگ جو رسول اللہ اور مسلمانوں کے متعلق کہے ہوئے ہجائیہ اشعار نقل کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۙ
تو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر میدان میں سر مارتے پھرتے ہیں

شعراء کی گمراہیاں:

یعنی جو مضمون پکڑ لیا اُسی کو بڑھاتے چلے گئے کسی کی تعریف کی تو آسمان پر چڑھا دیا، مذمت کی تو ساری دنیا کے عیب اُس میں جمع کر دیئے۔ موجود کو معدوم اور معدوم کو موجود ثابت کرنا اُن کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے غرض جھوٹ، مبالغہ اور تخیل کے جس جنگل میں نکل گئے پھر مڑ کر نہیں دیکھا۔ اسی

لئے شعر کی نسبت مشہور ہے۔ اکذب اَو احسن اُو۔

وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ؀
اور یہ کہ وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے

زبانی وخیالی باتیں:

یعنی شعر پڑھو تو معلوم ہو کہ رستم سے زیادہ بہادر اور شیر سے زیادہ دلیر ہوں گے اور جا کر ملو تو پرلے درجہ کے نامرد اور ڈرپوک کبھی دیکھو تو ہنسے کٹے ہیں اور اشعار پڑھو تو خیال ہو کہ نبضیں ساقط ہو چکیں، قبض روح کا انتظار ہے۔ حالی نے مسدس میں ان کے جھوٹ کا خوب نقشہ کھینچا ہے۔

پیغمبر کو شاعروں سے کوئی لگاؤ نہیں:

غرض ایک پیغمبر خدا اور وہ بھی خاتم الانبیاء کو اس جماعت سے کیا لگاؤ۔ اسی لئے فرمایا وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بات تھی سچی تلی باون تولے پاؤ رتی تحقیق کی ترازو میں تلی ہوئی۔ پھر جو بات زبان مبارک سے کہی جاتی تھی وہ ہی عمل میں آنکھوں سے نظر آتی تھی۔ بھلا شاعر ایسے ہوتے ہیں؟ اور شاعری اسے کہتے ہیں؟ حاشا ثم حاشا۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا
مگر وہ لوگ جو یقین لائے اور کام کئے اچھے اور یاد کی
اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۭ
اللہ کی بہت اور بدلہ لیا اُس کے پیچھے کہ اُن پر ظلم ہوا

اچھے شعراء:

مگر جو کوئی شعر میں اللہ کی حمد کہے یا نیکی کی ترغیب دے یا کفر کی مذمت یا گناہ کی بُرائی کرے یا کافر اسلام کی ہجو کریں یہ اُس کا جواب دے یا کسی نے اس کو ایذا پہنچائی اُس کا جواب بحد اعتدال دیا ایسا شعر عیب نہیں چنانچہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ ایسے ہی اشعار کہتے تھے اسی لئے حضور نے فرمایا کہ ان کافروں کا جواب دے اور روح القدس تیرے ساتھ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: ابن ابی حاتم اور ابن جریر اور حاکم نے ابوالحسن براد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب آیت وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الخ نازل ہوئی تو عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن مالک اور حسان بن ثابت خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ اللہ نے یہ آیت نازل کی ہے اور وہ جانتا ہے کہ ہم شاعر ہیں اب ہم تو غارت ہوگئے اس پر اللہ نے آیت اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ نازل فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو طلب فرمایا اور یہ آیات پڑھ کر سنا دیں۔

وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا یعنی ان کی شاعری ان کے لئے اللہ کے ذکر کی کثرت سے مانع نہ ہو۔ اور اپنے بیشتر اشعار میں وہ اللہ کے ذکر توحید۔ اللہ کی حمد وثنا اور اس کی اطاعت کی ترغیب بیان کرتے ہوں۔

ابو یزید نے کہا ذکر کی کثرت تعداد کی کثرت سے نہیں ہوتی بلکہ حضور قلب سے ہوتی ہے۔

وَّانْتَصَرُوْا یعنی مسلمانوں کی ہجا جن لوگوں نے کی ہو ان مؤمن شاعروں نے اس کے مقابلے میں ان کی ہجا کی ہو اور اس طرح کافروں کے ظلم کا انتقام لیا ہو۔

بغوی نے شرح السنۃ اور معالم میں لکھا ہے کہ حضرت کعب بن مالک نے رسول اللہ کی خدمت میں عرض کیا یا نبی اللہ شاعری کے متعلق اللہ نے جو کچھ نازل فرمایا وہ معلوم ہی ہے (پھر ہمارا کیا ہوگا) فرمایا مومن اپنی تلوار (سے بھی جہاد کرتا ہے) اور زبان سے (بھی) جہاد کرتا ہے قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم جو (اپنی زبانوں سے) ان کے تیر مارتے ہو وہ گویا کمانوں سے تیر مارنے کی طرح ہیں۔

استیعاب میں عبدالبر نے لکھا ہے کہ حضرت کعب نے عرض کیا یا رسول اللہ شاعری کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ فرمایا مؤمن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور اپنی زبان سے بھی۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ:

بغوی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ عمرۃ القضاء کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے ابن رواحہ حضور کے آگے آگے چل رہے تھے اور حرم کے اندر شعر پڑھ رہے تھے حضور نے (حضرت عمر سے) فرمایا عمر اس کو پڑھنے دے یہ اشعار کمانوں کے تیروں سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ ان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ:

صحیحین میں حضرت براء بن عازب کی روایت سے آیا ہے کہ غزوہ بنی قریظہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت سے فرمایا مشرکوں کی ہجو کرو جبرئیل (مدد کے لئے) تمہارے ساتھ ہیں یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان سے فرما رہے تھے میری طرف سے ان کو جواب دو۔ اے اللہ روح القدس کے ذریعہ سے اس کی مدد کر۔

مسلم نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریش کی ہجو کرو تمہاری طرف سے یہ ہجو قریش کے لئے تیر لگنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔

یہ بھی حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حسان سے یہ فرماتے ہوئے سنا روح القدس برابر تیری مدد پر رہے گا جب تو اللہ او

راللہ کے رسول کی طرف سے دفاع کرے گا۔

حضرت عائشہ کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ فرما رہے تھے حسان نے ان کی ہجا کی پس شفادی اور شفا دینے والی چیز بیان کر دی۔

بخاری نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسان کے لئے مسجد کے اندر منبر رکھوا دیتے تھے جس پر وہ کھڑے ہو کر رسول اللہ کی طرف سے فخریہ یا دفاعیہ کلام پڑھتے تھے اور رسول اللہ فرماتے تھے اللہ روح القدس سے حسان کی مدد کراتا ہے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حسان دفاع کرتا ہے۔

بغوی نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریش کی ہجو کرو یہ ان کے لئے تیر لگنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔ پھر ابن رواحہ کے پاس آدمی بھیجا اور ان کو حکم دیا ان کی ہجا کرو اور ان سے ہجو میں مقابلہ کرو (لیکن وہ) حضور کی خوشی کے مطابق (ہجو) نہ کر سکے پھر کعب بن مالک کو بلوایا پھر حسان بن ثابت کو بلوایا جب حسان آئے تو فرمایا اب وقت آ گیا کہ تم اس شیر کی طرف تیر بھیجو جو دُم پٹک رہا ہے (یعنی حملہ کے لئے تیار ہے) پھر حضرت حسان نے اپنی زبان منہ سے باہر نکالتے ہوئے اسے ہلا کر کہا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اپنی زبان سے ان کو چمڑے کی طرح چیر ڈالوں گا حضور نے فرمایا جلدی نہ کرو ابوبکر قریش کے نسبوں سے بخوبی واقف ہیں میرا نسب بھی قریش کے اندر ہی ہے ابوبکر میرے نسب کو ان کے اندر سے الگ چھانٹ دیں گے حسان حضرت ابوبکر کے پاس گئے پھر لوٹ کر آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ابوبکر نے آپ کے نسب کو چھانٹ دیا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں آپ کو ان کے اندر سے اس طرح کھینچ نکالوں گا جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔ حسان نے یہ شعر کہے۔

هجوت محمدا فاجبت عنه وعند الله فى ذاک الجزاء

تو نے محمد کی ہجو کی میں نے ان کی طرف سے جواب دیا اللہ کے ہاں اس کا بدلہ ہے۔

هجوت محمدا براتقيا رسول الله شيمته الوفاء

تو نے مقدس پرہیزگار محمد کی ہجو کی جو اللہ کے رسول ہیں اور ان کی خصلت وفاء عہد ہے۔

فان ابى ووالدتى وعرضى لعرض محمد منكم وقاء

میرے ماں باپ اور میری آبرو ــــــ محمد کی آبرو کو تم سے بچانے والی ہے یعنی محمد کی آبرو پر سب قربان

امن يهجو رسول الله منكم ويمدحه وينصره سواء

تم میں سے جو رسول اللہ کی ہجو کرتا ہے اور جو رسول اللہ کی مدح اور امداد کرتا ہے کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔

وجبريل رسول الله فينا وروح القدس ليس له كفاء

اللہ کے رسول جبریل اور روح القدس ہمارے اندر ہیں جن کا کوئی ہمسر نہیں۔

ابن سیرین کی مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن مالک سے فرمایا لاؤ حضرت کعب نے آپ کو (قصیدہ) سنایا حضور نے فرمایا یہ ان (قریش) کے لئے تیر پڑنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔

فائدہ: ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر شعر جھوٹ اور دوسری ناجائز باتوں سے پاک ہو تو ایسی شاعری میں کوئی حرج نہیں دارقطنی نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شعر (کے جواز وعدم جواز) کا ذکر کیا گیا فرمایا یہ بھی ایک کلام ہے اچھا بھی ہوتا ہے برا بھی ہوتا ہے اچھے کو لے لو برے کو چھوڑ دو۔

لبید کا کلام:

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے اچھا کلام جو کسی شاعر نے کہا ہو۔ وہ لبید کا یہ کلام ہے الاكل شئ ماخلا الله باطل خوب سن لو اللہ کے سوا ہر چیز بے حقیقت ہے۔ متفق علیہ

امیہ بن صلت کے اشعار:

عمرو بن شدید نے اپنے باپ کی روایت سے بیان کیا عمرو کے باپ نے کہا میں ایک روز رسول اللہ کے پیچھے حضور کے ساتھ سوار تھا فرمایا کہ امیہ بن صلت کا کوئی شعر تمہیں یاد ہے میں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا لاؤ میں نے ایک شعر سنا دیا فرمایا اور لاؤ میں نے ایک شعر اور سنا دیا فرمایا اور پڑھو یہاں تک کہ میں نے حضور کو سو شعر پڑھ کر سنائے۔ رواہ مسلم۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد:

حضرت جندب راوی ہیں کہ کسی معرکہ میں حضور کی ایک انگلی زخمی (یا خون آلود) ہوگئی آپ نے فرمایا۔

هَلْ اَنْتِ اِلاَّ اِصْبَعٌ دُمِيتِ وَفِيْ سَبِيلِ اللهِ مَالَقِيتِ

تو صرف ایک انگلی ہے جو زخمی ہوگئی اور جو کچھ تو نے دکھ پایا اللہ کی راہ میں پایا۔ متفق علیہ۔

حضرت صدیق وفاروق وحیدر رضی اللہ عنہم:

شعبی کا بیان ہے کہ ابوبکر بھی شعر کہتے تھے اور عمر بھی شعر کہتے تھے اور علی بھی شعر کہتے تھے تینوں شعر کہتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس کی شعر پسندی:

روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عباس مسجد کے اندر خود بھی شعر

پڑھتے تھے اور پڑھواتے بھی تھے ایک بار عمرو بن ربیع کو طلب فرما کر اس سے اس کا قصیدہ سنا جس کا پہلا شعر یہ تھا۔

امن آل نعمیٰ انت غادٍ مبکرٌ   غداۃ غدام رائحٌ فمُحجّرٌ

ابن ربیعہ نے آپ کو پورا قصیدہ آخر تک سنا دیا جو تقریباً ستر شعر کا تھا۔ حضرت ابن عباس نے دوبارہ لوٹ کر سنا دیا کیونکہ آپ پورا قصیدہ ایک بار سن کر یاد کر لیا کرتے تھے۔

فائدہ: اگر شعروں میں اللہ کا ذکر ہو یا علم دین ہو یا مسلمانوں کو وعظ و نصیحت ہو تو ایسی شاعری عبادت ہے۔ حضرت ابی بن کعب راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض شعر حکمت ہوتے ہیں۔ رواہ البخاری۔

صخر بن عبداللہ بن بریدہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے بعض بیان جادو ہوتے ہیں اور بعض علم جہالت اور بعض شعر حکمت اور بعض قول عیال۔ رواہ ابوداؤد۔

حضرت ابن عباس کی روایت ہے بعض بیان جادو ہوتے ہیں اور بعض علم جہالت اور بعض شعر حکمت اور بعض قول عیال۔ رواہ ابوداؤد۔

حضرت ابن عباس کی روایت ہے بعض بیان جادو ہوتے ہیں اور بعض شعر حکمتیں۔ رواہ ابوداؤد۔ واحمد۔

ایک حدیث اوپر درج کی جا چکی ہے کہ مومن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور زبان سے بھی۔ ابوداؤد نسائی دارمی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرکوں سے جہاد کرو اپنے مالوں سے اپنی جانوں سے اور اپنی زبانوں سے۔

اوپر کی آیت میں جب اللہ نے مسلم شعراء اور مشرک شعراء کا ذکر کر دیا تو آئندہ آیت میں مشرک شعراء کو وعید سنائی اور فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾

اور اب معلوم کر لیں گے ظلم کرنے والے کہ کس کروٹ الٹتے ہیں

ظالموں کو دھمکی:

یہ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا کی مناسبت سے فرمایا کہ ظالموں کو عنقریب اپنا انجام معلوم ہو جائے گا کہ کس کروٹ اونٹ بیٹھتا ہے سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ اللہ کی کتابوں اور پیغمبروں کو کاہن و شاعر کہہ کر جھٹلائے۔ (تفسیر عثمانی)

بیضاوی نے لکھا ہے یہ سخت تہدید ہے سیعلم کے اندر وعید بلیغ ہے اور الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا میں عموم واطلاق ہے اور اَيَّ مُنْقَلَبٍ میں ابہام کے ساتھ عظیم ہولناکی کا اظہار ہے مطلب یہ ہے کہ ظالم امید رکھتے ہیں کہ عذاب سے (ان کو چھوٹ مل جائے گی اور وہ) لوٹ جائیں گے مگر (مرنے کے بعد) ان کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ عذاب سے لوٹنے کی کوئی وجہ نہیں ہوگی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وصیت نامہ:

ابن ابی حاتم نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا میرے والد نے اپنے وصیت نامہ میں دو سطریں لکھیں (اور وصیت نامہ اس طرح تحریر کیا) بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ وصیت وہ ہے جو ابوبکر بن ابوقحافہ نے دنیا سے نکلتے وقت لکھی تھی (یہ وقت ایسا ہوتا ہے کہ) اس وقت کافر بھی ایمان لے آتا ہے اور بدکار بھی نیک ہو جاتا ہے اور جھوٹا بھی سچ کہتا ہے میں نے تم پر عمر بن خطاب کو اپنا جانشین بنایا، اگر وہ انصاف کریں تو ان کے متعلق میرا یہی خیال اور امید ہے اور اگر وہ ظلم کریں اور (مذہبی احکام کو بدل ڈالیں) تو میں (معذور ہوں) غیب داں نہیں ہوں۔ (آئندہ کا مجھے علم نہیں) وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۔ (تفسیر مظہری)

اور صرف یہی انصاری شعراء رضی اللہ عنہم ہی نہیں بلکہ اگر کسی شاعر نے اپنی جاہلیت کے زمانہ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بھی اشعار کہے ہوں اور پھر وہ مسلمان ہو جائے توبہ کر لے اور اس کے مقابلہ میں ذکر اللہ بکثرت کرے وہ بیشک اس برائی سے الگ ہے۔ حسنات سیآت کو دور کر دیتی ہیں جب کہ اس نے مسلمانوں کو اور دین خدا کو برا کہا تھا وہ برا تھا لیکن جب اس نے مدح کی وہ برائی اچھائی سے بدل گئی۔ جیسے حضرت عبداللہ بن الزبعری نے اسلام سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو بیان کی تھی لیکن اسلام کے بعد بڑی مدح بیان کی اور اپنے اشعار میں اس ہجو کا عذر بھی بیان کر دیا کہ اس وقت میں شیطانی پنجہ میں پھنسا ہوا تھا اسی طرح ابوسفیان بن حارث باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچازاد بھائی ہونے کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانی دشمن تھا اور بہت ہی ہجو کیا کرتا تھا جب مسلمان ہو گئے تو ایسے مسلمان ہوئے کہ دنیا بھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب انہیں کوئی نہ تھا۔ اکثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کیا کرتے تھے اور بہت ہی عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سورۃ النمل

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ حق کو پسند کرے گا اور باطل کو برا سمجھے گا اور اپنی قوم کا سردار ہوگا اور علم اور سرداری پائے گا۔ (علامہ ابن سیرین)

سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورہ نمل مکہ میں اتری اور اس کی ترانوے آیتیں اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۱

یہ آیتیں ہیں قرآن اور کھلی کتاب کی

هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۲ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ

ہدایت اور خوشخبری ایمان والوں کے واسطے جو قائم رکھتے ہیں

الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۳

نماز کو اور دیتے ہیں زکوۃ اور ان کو آخرت پر یقین ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ

جو لوگ نہیں مانتے آخرت کو اچھے دکھلائے ہم نے ان کی نظروں میں

اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۴

ان کے کام سو وہ بہکے پھرتے ہیں

دنیا پرستی کے مریض:

یعنی جن کو انجام کی کوئی فکر اور مستقبل کا خیال نہ ہو، وہ اسی دنیائے فانی کی فکر میں ڈوبے رہتے ہیں۔ اُن کی تمام کوششوں کا مرکز یہی چند روزہ زندگی ہے جو کتاب یا پیغمبر ادھر سے ہٹا کر عاقبت کی طرف توجہ دلائے، اس پر کیوں کان دھرنے لگے۔ وہ دنیا کے عشق میں غرق ہو کر ہادیوں پر آوازیں کستے ہیں۔ آسمانی صحیفوں کو مورد طعن بناتے ہیں۔ پیغمبروں کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہیں۔ اور یہی کام ہیں، جن کو اپنے نزدیک بہت اچھا سمجھ کر برابر گمراہی میں ترقی کرتے جاتے ہیں۔ (تنبیہ) تزیین کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف اس حیثیت سے کی کہ خالق ہر چیز کا وہی ہے کسی سبب پر مسبب کا ترتب بدون اس کی مشیت وارادہ کے نہیں ہو سکتا جیسا کہ دوسرے مواضع میں اضلال وختم وطبع وغیرہ کی نسبت اس کی طرف ہوئی ہے۔ سورہ نمل کی ان ابتدائی آیات کا مضمون سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات سے بہت مشابہ ہے اُن کو ایک مرتبہ مطالعہ کر لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ یعنی جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے اعمال بد ان کی نظروں میں مزین کر دیے ہیں۔ اس لئے وہ انہی کو بہتر سمجھ کر گمراہی میں مبتلا رہتے ہیں اور بعض مفسرین نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ اعمالھم سے مراد نیک اعمال ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے تو نیک اعمال کو مزین کر کے ان کے سامنے رکھ دیا تھا مگر ان ظالموں نے انکی طرف التفات نہ کیا بلکہ کفر وشرک میں مبتلا رہے اس لئے گمراہی میں بھٹکنے لگے۔ لیکن پہلی تفسیر زیادہ واضح ہے، اول تو اس لئے کہ مزین کرنے کے الفاظ عموماً اعمال بد کے لئے استعمال ہوئے ہیں جیسے زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ۔ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ الخ اور اچھے اعمال کے لئے اس لفظ کا استعمال بہت کم ہے جیسے حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ الآیۃ دوسری آیت میں اعمالھم (ان کے اعمال) کا لفظ بھی اس پر دلالت کر رہا ہے کہ مراد اعمال بد ہیں نہ کہ اعمال صالحہ۔ (معارف مفتی اعظم)

تلک سے آیات سورت کی طرف اشارہ ہے۔

لوحِ محفوظ:

کِتَابٍ مُّبِيْنٍ سے مراد لوح محفوظ ہے جس کے اندر ہر ہونے والی چیز کا اندراج ہے اس کو مبین یعنی مظہر کل فرمایا لوح محفوظ تحریر کے لحاظ سے قرآن پر مقدم ہے لیکن ہمارے علم کا تعلق قرآن سے ہی ہے اسی تعلق کا لحاظ کر کے القرآن کو کتاب مبین سے پہلے ذکر کیا۔

قرآن کے احکام واضح ہیں:

یا کتاب مبین سے بھی قرآن ہی مراد ہے قرآن حلال وحرام احکام کو کھول کر بیان کرنے والا ہے اور چونکہ معجز ہے اس لئے اپنے صحیح ہونے کو بھی واضح طور پر بیان کر رہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ

وہی ہیں جن کے واسطے بری طرح کا عذاب ہے اور

فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۵

آخرت میں وہی ہیں خراب

یعنی وہاں سب سے زیادہ خسارہ میں یہی لوگ ہوں گے۔

وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝

اور تجھ کو تو قرآن پہنچتا ہے ایک حکمت والے خبردار کے پاس سے

دنیا پرستوں کو چھوڑیئے آپ عظیم الشان کتاب کا شکر ادا کرتے رہیں

یعنی ان بدبختوں کو تیہ ضلالت میں بھٹکنے دو۔ جب انہوں نے قرآن مبین کی قدر نہ پہچانی اور اُس کی ہدایات وبشارات سے فائدہ نہ اُٹھایا تو یہی حشر ہونا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو خدا کا شکر کیجئے کہ اُس علیم وحکیم کی سب سے زیادہ عظیم الشان کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرحمت کی گئی ہے جس سے ہر وقت تازہ بتازہ فوائد پہنچ رہے ہیں جس میں مومنین کے لئے بشارتیں ہیں اور مکذبین کو عبرتناک واقعات سنائے گئے ہیں تا سچوں کا دل مضبوط وقوی ہو اور جھوٹ کی حمایت کرنے والے اپنی بدانجامی پر مطلع ہو جائیں۔ چنانچہ ان ہی اغراض کے لئے آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعونیوں کا قصہ سنایا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

علم وحکمت:

علم حکمت کے اندر داخل ہے کیونکہ علم عام مفہوم پر دلالت کرتا ہے اور حکمت کا لفظ عمل کے استحکام پر دلالت کرتا ہے لہٰذا دونوں اوصاف کو ظاہر کرنے کے لئے حکیم کے ساتھ علیم بھی فرما دیا پھر اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ کچھ علوم تو حکمت ہوتے ہیں جیسے علم العقائد علم شریعت وغیرہ اور بعض علوم حکمت نہیں ہوتے جیسے قصص اور آئندہ چیزوں کا بیان۔ گویا لفظ علیم سے اس طرف اشارہ ہے کہ اس قرآن میں گزشتہ واقعات کو بھی بیان کیا گیا ہے چنانچہ اس سے آگے حضرت موسیٰ کے قصہ کی تفصیل ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ

جب کہا موسیٰ نے اپنے گھر والوں کو میں نے دیکھی ہے ایک آگ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدین سے واپسی سفر کا حال:

یہ مدین سے جاتے ہوئے وادی طوی کے قریب پہنچ کر کہا جبکہ سخت سردی کی اندھیری رات میں راستہ بھول گئے تھے مفصل واقعہ سورۃ طٰہٰ کے فوائد میں گزر چکا۔ ملاحظہ کرلیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

روایت بالمعنی کی دلیل:

(اللہ نے وہ قول نقل کیا جو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی سے کہا تھا اور ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے عربی میں نہیں کہا ہوگا بلکہ اس مفہوم کو اپنی زبان میں ادا کیا ہو جس کو قرآن کے اندر عربی عبارت میں اللہ نے بیان کر دیا) اس میں دلیل ہے اس امر کی کہ حدیث کے معنی کو دوسرے الفاظ میں نقل کرنا (اور یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا) جائز ہے اور نکاح بھی ایسے الفاظ سے جائز ہے جو تزویج ونکاح کے مفہوم کو ظاہر کر رہے ہوں۔ (تفسیر مظہری)

سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ

اب لاتا ہوں تمہارے پاس وہاں سے کچھ خبر یا لاتا ہوں انگارا

قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝

سلگا کر شاید تم سینکو

یعنی رستہ کی خبر لاتا ہوں اگر آگ کے پاس کوئی موجود ہو ورنہ کم از کم سینکنے تاپنے کے لئے ایک انگارا لے آؤں گا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ کو امید تھی اس لئے لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ کہہ دیا اور یہ یقینی تھی کہ ضرور کوئی اطلاع مفید لے کر آؤں گا اس لئے ساٰتیکم کہہ دیا۔

بخبر کوئی اطلاع یعنی صحیح راستہ کی اطلاع۔ حضرت موسیٰ راستہ بھٹک گئے تھے صحیح راستے کی بھی تلاش تھی۔ (تفسیر مظہری)

جدوجہد توکل کے منافی نہیں ہے:

معلوم ہوا کہ ضروریات کے حصول کے لئے جدوجہد توکل کے منافی نہیں، لیکن بھروسہ اپنی کوشش کیجائے اللہ پر ہونا چاہئے اور آگ آپ کو دکھلائے جانے میں بھی شاید یہی حکمت ہو کہ اس سے آپ کے دونوں مقصود پورے ہو سکتے تھے، راستے کا مل جانا اور آگ سے گرمی حاصل کرنا۔ (کمافی الروح)

ادب کا لحاظ:

اس جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے امکثو اور تصطلون جمع کے صیغے بولے حالانکہ آپ کے ساتھ صرف آپ کی بیوی یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی تھیں ان کے لئے لفظ جمع استعمال فرمانا بطور اکرام کے ہوا جیسے معزز لوگوں میں کسی ایک فرد سے بھی خطاب ہوتا ہے تو صیغہ جمع کا استعمال کیا جاتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لئے صیغہ جمع استعمال فرمانا روایات حدیث میں وارد ہوا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ

پھر جب پہنچا اس کے پاس آواز ہوئی کہ برکت ہے

مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا

اس پر جو کوئی کہ آگ میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے

نورِ الٰہی کا ظہور:

وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ دنیا کی آگ نہیں بلکہ غیبی اور نورانی آگ ہے جس کے اندر نورِ الٰہی ظاہر ہو رہا تھا یا اُس کی بجلی چمک رہی تھی۔ شاید وہ وہی ہو جس کو حدیث میں فرمایا۔ حجابہ النّار یا حجابہُ النُّورُ پھر غیب سے آواز آئی اَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا یعنی زمین کا یہ ٹکڑا مبارک آگ میں جو تجلی ہے وہ بھی مبارک اور اس کے اندر یا اُس کے آس پاس جو ہستیاں ہیں مثلاً فرشتے یا خود موسیٰ علیہ السلام وہ سب مبارک ہیں۔ یہ غالباً موسیٰ علیہ السلام کو مانوس کرنے کے لئے بطورِ اعزاز واکرام کے فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے سلام:

(یعنی موسیٰ علیہ السلام) اس پر بھی (برکت ہو، یہ دُعا بطور تحیۃ وسلام کے ہے جیسے ملاقاتی آپس میں سلام کرتے ہیں۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام جانتے نہ تھے کہ یہ نور انوار الٰہیہ سے ہے اس لئے خود سلام نہیں کر سکے تو منجانب اللہ ان کے اُنس کے لئے سلام ارشاد ہوا اور فرشتوں کو ملا لینا شاید اس لئے ہو کہ جس طرح فرشتوں کو سلام حق تعالیٰ کے قرب خاص کی علامت ہوتی ہے یہ سلام بھی موسیٰ علیہ السلام کو قرب خاص کی بشارت ہو گیا) اور (اس امر کے بتلانے کے لئے کہ یہ نور جو بشکل نار ہے خود حق تعالیٰ کی ذات نہیں (ساتھ ہی آگے) ارشاد فرمادیا کہ) اللہ رب العالمین (رنگ، جہات، مقدار اور حد بندی وغیرہ سے) پاک ہے (اور اس نور میں یہ چیزیں پائی جاتی ہیں۔

آگ میں کیا تھا:

ابن جریر، ابن ابی حاتم۔ ابن مردویہ وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت حسن بصریؒ۔ سعید بن جبیرؒ سے مَنْ فِي النَّارِ کی تفسیر میں یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ مَنْ فِي النَّارِ سے خود ذات حق سبحانہ وتعالیٰ مراد ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ آگ ایک مخلوق ہے اور کسی مخلوق میں خالق کا حلول نہیں ہوسکتا اس لئے اس روایت کا یہ مفہوم تو ہو نہیں سکتا کہ ذات حق سبحانہ و تعالیٰ نے آگ کے اندر حلول فرمایا تھا جیسا کہ بہت سے بت پرست مشرکین بتوں کے وجود میں ذاتِ حق کے حلول کے قائل ہیں اور یہ توحید کے قطعاً خلاف ہے بلکہ مراد ظہور ہے جیسا آئینہ میں جس چیز کو دیکھا جاتا ہے وہ آئینہ میں حلول کئے ہوئے نہیں ہوتی اس سے الگ اور خارج ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے۔ یہ ظہور جس کو تجلی بھی کہا جاتا ہے خود ذات حق سبحانہ وتعالیٰ کی تجلی نہیں تھی ورنہ اگر ذات حق تعالیٰ کا مشاہدہ موسیٰ علیہ السلام نے کرلیا ہوتا تو بعد میں ان کے اس سوال کی کوئی وجہ نہیں رہتی رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ (یعنی اے میرے پروردگار مجھے اپنی ذات پاک دکھا کہ میں دیکھ سکوں) اور اس کے جواب میں حق تعالیٰ کی طرف سے لَنْ تَرٰىنِیْ کا ارشاد بھی پھر کوئی معنے نہ رکھتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباسؓ کے اس قول میں حق تعالیٰ جل شانہٗ کا ظہور مراد ہے یعنی تجلی جو آگ کی صورت میں ہوئی یہ جس طرح حلول نہیں تھا اسی طرح تجلی ذات بھی نہیں تھی بلکہ لَنْ تَرٰىنِیْ الآیۃ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس عالم دنیا میں تجلی ذاتی کا کوئی شخص مشاہدہ نہیں کرسکتا۔ پھر اس ظہور وتجلی کا کیا مفہوم ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تجلی مثالی تھی جو حضرات صوفیہ کرام میں معروف ہے اس کی حقیقت کا سمجھنا تو انسان کے لئے مشکل ہے۔ بقدر ضرورت تقریب الی الفہم کیلئے احقر نے اپنی کتاب احکام القرآن بزبان عربی سورۃ قصص میں اس کی کچھ تفصیل لکھی ہے اہل علم اس میں دیکھ سکتے ہیں عوام کی ضرورت کی چیز نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

نودی ندا دی گئی ندا، کے اندر قول کا معنی ہے یعنی پکار کر کہا گیا بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ یعنی پاک ہے وہ جو آگ کے اندر جلوہ افروز ہے اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ۔ حضرت ابن عباسؓ وسعید بن جبیر اور حسن کی بھی تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے موسیٰ کو ندا دی اور اپنا کلام سنایا بعض علماء نے لکھا ہے کہ وہ آگ نہ تھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا نور جلوہ افروز تھا موسیٰ نے اس کو آگ خیال کیا تھا اس لئے لفظ نار (آگ) کہا تھا۔

سعید بن جبیر نے کہا وہ بعینہٖ آگ ہی تھی جو اللہ (کی ذات) کیلئے حجاب تھی جیسا کہ بعض روایت میں حجابہ النور کی بجائے حجابہ النار آیا ہے اس تفسیر پر اس آیت کا شمار متشابہات میں ہوگا جیسا دوسری آیت میں آیا ہے، هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وہ صرف اس بات کا انتظار کررہے ہیں کہ اللہ غمام کے سائبانوں میں ان کے پاس آپہنچے۔ (تفسیر مظہری)

بعض اہل علم نے کہا بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ میں مضاف محذوف ہے یعنی بورک من في طلب النار (برکت دی گئی اس کو جو آگ کی طلب میں ہے) یا بورک من في مکان النار، (مبارک ہے وہ جو آگ کے مقام پر ہے) بہرحال اس سے مراد حضرت موسیٰ ہیں اور مَنْ حَوْلَهَا سے ملائکہ مراد ہیں جو آگ کے آس پاس موجود تھے اللہ کی طرف سے موسیٰ کے لئے اس لفظ میں پیام برکت تھا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتوں کی زبانی پیام برکت ورحمت دیا گیا تھا رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اور فرشتوں نے کہا تھا۔

بعض نے کہا مَنْ فِي النَّارِ سے مراد ملائکہ ہیں اور من حولھا سے مراد موسیٰ جو نور موسیٰ نے دیکھا تھا اس کے اندر ملائکہ تسبیح تحمید اور تقدیس میں مشغول تھے اور موسیٰ آگ کے قریب تھے۔

بعض علماء نے کہا مَنْ حَوْلَهَا کا لفظ عام ہے وادی کے اندر جو کوئی تھا سب کو یہ لفظ شامل تھا اور ارض شام (جس کو مخزن انبیاء ہونے کی وجہ سے برکات بھی کہا گیا ہے) بھی اس میں داخل ہے اور خطاب کا صیغہ ذکر کرنے سے پہلے

مَنْ حَوْلَهَا کا ذکر کرنا موسیٰ کو ایک طرح کی بشارت اور اس امر کی پہلے سے خوشخبری ہے کہ تمہارا واقعہ بڑی عظمت والا ہوگا تمہاری برکتیں ارض شام میں پھیلیں گی ان تمام تاویلات پر سبحان اللہ رب العالمین سے دو باتیں مستفاد ہوں گی ایک تو توہم تشبیہ کی نفی ہو جائے گی دوسری بات یہ کہ آئندہ واقعہ موسیٰ کی عظمت کا اظہار اور اس کا تعجب آفرین ہونا معلوم ہو جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

موسیٰ علیہ السلام کو یہ ندا بطور سلام اور تحیہ اکرام تھی جس سے ان کا اعزاز اور اکرام اور ان کی تسلی مقصود تھی کہ اے موسیٰ گھبراؤ نہیں مبارک ہو تم کو اور ملائکہ حاضرین کو۔ جیسے فرشتے جب ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے تو مِن جانب اللہ یہ کہا رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اہل البیت۔ یہ فرشتوں کی طرف سے سلام اور تحیہ اکرام تھا اور ابن عباس اور سعید بن جبیر اور حسن بصری سے یہ منقول ہے کہ مَنْ فِي النَّارِ سے اللہ پاک مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا نور اور اس کی قدرت کا جلوہ مراد ہے اور ایک روایت میں ابن عباس سے اس طرح آیا ہے کہ وہ آگ در حقیقت آگ نہ تھی بلکہ وہ ایک نور تھا جو آگ کی صورت میں ظاہر ہوا اور اس روایت کی بنا پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ بابرکت ہے وہ ذات پاک جو اس آگ میں جلوہ فرما ہے اور جس کا نور اس آگ میں ظاہر ہو رہا ہے یہ نور الٰہی کی ایک تجلی تھی جو اس آگ کے آئینے میں ظاہر ہو رہی تھی جیسے آنکھ کی پتلی میں آسمان کا جلوہ نظر آ جاتا ہے اور یہ مطلب نہیں کہ آنکھ میں آسمان سما گیا۔ غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو دیکھا وہ نور الٰہی کی ایک تجلی تھی جو چمک رہی تھی اور وہ دنیا کی آگ نہ تھی بلکہ ایک نورانی اور غیبی آگ تھی جس میں نور الٰہی ظاہر ہو رہا تھا اور یہ ظاہری آگ نور الٰہی کا ایک حجاب اور ایک پردہ یا آئینہ تھی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے حجابہ النار اور ظاہر ہے کہ جو چیز کسی آئینہ میں ظاہر ہو وہ اس آئینہ کا عین نہیں ہوتی اور نہ آئینہ اس کا عین ہوتا ہے آئینہ اس چیز کا مظہر ہوتا ہے اور آئینہ میں ظاہر ہونے والی صورت اصل ظاہر کا ایک جلوہ ہوتا ہے اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ مَنْ فِي النَّارِ سے اللہ سبحانہ تعالیٰ مراد ہیں تو ممکن تھا کہ کسی نادان کو یہ وہم ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی مکان اور کسی چیز میں سمایا ہوا ہے تو آئندہ آیت وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں اس کی تنزیہ و تقدیس پر متنبہ فرمایا جس کا مطلب یہ ہے اور اللہ جو جہانوں کا پروردگار ہے وہ مخلوقات کی مشابہت سے اور مکان سے اور سمت سے اور جہت سے اور کسی محل میں نزول اور حلول کرنے سے پاک اور منزہ ہے اس آگ میں جو کچھ نظر آیا وہ اللہ کے نور کی ایک تجلی تھی جو آگ میں نمودار ہوئی جیسے آفتاب کسی آئینہ میں متجلی ہو سکتا ہے مگر اس میں سما نہیں سکتا اسی طرح سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کسی مخلوق میں متجلی اور جلوہ افروز ہو سکتا ہے مگر اس میں سما نہیں سکتا۔ (معارف کاندھلوی)

وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸﴾
اور پاک ہے ذات اللہ کی جو رب سارے جہان کا

اللہ تعالیٰ جسم، صورت، جہت وغیرہ سے پاک ہے:

یعنی مکان، جہت، جسم صورت اور رنگ وغیرہ سمات حدوث سے اللہ کی ذات پاک ہے۔ آگ میں اس کی تجلی کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ اس کی ذات پاک آگ میں حلول کر آئی؟ آفتاب عالمتاب قلعی دار آئینہ میں متجلی ہوتا ہے لیکن کون احمق کہہ سکتا ہے کہ اتنا بڑا کرہ شمسی چھوٹے سے آئینہ میں سما گیا؟

يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۹﴾		
اے موسیٰ	وہ میں اللہ ہوں	زبردست حکمتوں والا

یعنی اس وقت تجھ سے کلام کرنے والا میں ہوں یہ سب واقعہ مفصلاً سورہ طہ میں گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ
اور ڈال دے لاٹھی اپنی پھر جب دیکھا اس کو پھنپھناتے جیسے سانپ کی سٹک

شاید ابتداء میں پتلا ہوگا، یا سرعت حرکت میں تشبیہ ہوگی اصغر جثہ میں نہیں۔

وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ
لوٹا پیٹھ پھیر کر اور مڑ کر نہ دیکھا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خوف:

یہ خوف طبعی تھا جو منافی نبوت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ایک حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں رہنے والے ایسے سانپوں کے قتل سے ممانعت فرمائی ہے۔ الغرض جناب موسیٰ اسے دیکھ کر ڈر اور دہشت کے مارے ٹھہر نہ سکے اور منہ موڑ کر پیٹھ پھیر کر وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے ایسے دہشت زدہ تھے کہ مڑ کر بھی نہ دیکھا اسی وقت اللہ تعالیٰ نے آواز دی کہ موسیٰ! ڈرو نہیں۔ میں تو تمہیں اپنا برگزیدہ رسول اور ذی عزت پیغمبر بنانا چاہتا ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر)

يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۣ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۰﴾			
اے موسیٰ مت ڈر	میں جو ہوں	میرے پاس نہیں ڈرتے	رسول

پیغمبر اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا:

یعنی اس مقام حضور و اصطفاء میں پہنچ کر ایسی چیزوں سے ڈرنے کا کیا مطلب۔ مرسلین کو لائق نہیں کہ ہماری بارگاہ قرب میں پہنچ کر لاٹھی یا سانپ یا کسی مخلوق سے ڈریں۔ وہاں تو دل کو انتہائی سکون وطمانیت حاصل ہونا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جب میرا قرب مل جاتا ہے اور میری بارگاہ میں پیغمبر آ جاتے ہیں تو (حالت قرب میں) پھر کسی (خوفناک چیز سے نہیں ڈرتے)۔ یہ آخری جملہ عدم خوف کی علت ہے مطلب یہ ہے کہ جو پیغمبر میرا پیام مخلوق کو پہنچاتے ہیں وہ صرف مجھ سے ڈرتے ہیں اور میرے سوا کسی سے نہیں ڈرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا انا اخشاکم باللہ بظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر سب سے زیادہ ڈرتے ہیں لیکن آیت کا جو مطلب ہم نے بیان کیا اس کی روشنی میں حدیث کا مطلب بھی واضح ہو گیا (کہ پیغمبروں کو بارگاہ الٰہی میں رسائی کے بعد مخلوق میں سے کسی کا خوف نہیں رہتا وہ صرف اللہ سے ڈرتے ہیں)

یا یہ مطلب ہے کہ پیغمبروں پر جس وقت وحی نازل ہوتی ہے تو اس وقت وہ اتنے مستغرق ہو جاتے ہیں کہ ان کو مطلقاً کوئی خوف نہیں رہتا۔ یا یہ مطلب ہے کہ ان کو اپنا انجام برا ہونے کا اندیشہ نہیں رہتا کیونکہ ان کا انجام اور مآل کار برا ہوتا ہی نہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کا ڈر جانا بعض نے کہا ہے کہ طبعی ہے جو کسی طرح جلالت شان کے منافی نہیں اور بعض نے کہا ہے کہ جو حادثہ مخلوق کی جانب سے ہو اس میں تو نہ ڈرنا کمال ہے جیسے ابراہیم آتش نمرود سے نہیں ڈرے اور جو امر خالق کی طرف سے ہو اس میں ڈرنا ہی کمال ہے کہ وہ فی الحقیقت حق تعالیٰ سے ڈرنا ہے جیسے ہوا تیز ہونے کے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھبرا جانا حدیثوں میں آتا ہے سو چونکہ اس تبدل میں مخلوق کا واسطہ نہ تھا اس سے ڈر گئے کہ یہ کوئی قہر الٰہی نہ ہو۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا اپنی لاٹھی زمین پر پھینک دو موسیٰ نے لاٹھی پھینک دی وہ سانپ بن گئی اور تیزی کے ساتھ دوڑنے لگی اور حکم ملا اپنا ہاتھ گریبان کے اندر کر کے نکالو وہ سفید بے داغ نکلے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس حکم کی بھی تعمیل کی اور ہاتھ اندر سے گورا چمکیلا بے داغ نکلا اور حکم ملا یہ دونوں نشانیاں لے کر مع نو نشانیوں کے فرعون اور اس کی قوم کے پاس جاؤ وہ بدکار لوگ ہیں موسیٰ علیہ السلام گئے اور معجزات پیش کئے فرعون اور اس کے ساتھیوں نے کہا یہ کھلا جادو ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ
مگر جس نے زیادتی کی پھر بدلے میں نیکی کی برائی کے پیچھے
فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۱﴾
تو میں بخشنے والا مہربان ہوں

کوتاہی کے بعد توبہ و اصلاح:

یہ استثناء منقطع ہے۔ یعنی خدا کے حضور میں پہنچ کر خوف و اندیشہ صرف اس کو ہونا چاہیے جو کوئی زیادتی یا خطاء و تقصیر کر کے آیا ہو۔ اس کے متعلق بھی ہمارے ہاں یہ قاعدہ ہے کہ برائی کرنے کے بعد اگر دل سے توبہ کر کے اپنی روش درست کر لی اور نیکیاں کر کے برائی کا اثر مٹا دیا تو حق تعالیٰ اپنی رحمت سے معاف فرمانے والا ہے حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں موسیٰ علیہ السلام سے چوک کر ایک کافر کا خون ہو گیا تھا اس کا ڈر تھا ان کے دل میں، ان کو وہ معاف کر دیا۔ (تفسیر عثمانی)

پیغمبر گناہ سے پاک ہوتا ہے:

صحیح تر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے جو لغزشیں ہوئی ہیں وہ در حقیقت گناہ ہی نہ تھے نہ صغیرہ نہ کبیرہ، البتہ صورت گناہ کی تھی اور در حقیقت وہ اجتہادی خطا میں ہوئی ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

بعض علماء کے نزدیک استثناء منقطع ہے کیونکہ پیغمبروں سے ظلم (گناہ) کا صدور ممکن نہیں (اللہ نے ان کو معصوم بنایا ہے) اس وقت الا کا معنی ہوگا لیکن (اور کلام بالکل علیحدہ ہوگا) مطلب اس طرح ہوگا۔ لیکن پیغمبروں کے علاوہ جس نے گناہ کیا ہو پھر توبہ کر لی ہو، تو اللہ غفور رحیم ہے اس کو معاف کر دے گا لیکن ایسے شخص کو اللہ کے سوا دوسروں کا خوف ہو جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ
اور ڈال دے ہاتھ اپنا اپنے گریبان میں کہ نکلے سفید ہو کر نہ کسی برائی سے
فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۱۲﴾
یہ دونوں مل کر نو نشانیاں لے کر جا فرعون اور اس کی قوم کی طرف بیشک وہ تھے لوگ نافرمان

نو نشانیوں کا بیان سورہ بنی اسرائیل کی آیت الخ کے تحت میں دیکھو۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾
پھر جب پہنچیں ان کے پاس ہماری نشانیاں سمجھانے کو بولے یہ جادو ہے صریح
وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۭ
اور ان کا انکار کیا اور ان کا یقین کر چکے تھے اپنے جی میں بے انصافی اور غرور سے
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴﴾
سو دیکھ لے کیسا ہوا انجام خرابی کرنے والوں کا

قوم والوں کا انکار اور عذاب:

یعنی جب وقتاً فوقتاً ان کی آنکھیں کھولنے کیلئے وہ نشانیاں دکھلائی گئیں تو کہنے لگے کہ یہ سب جادو ہے حالانکہ ان کے دلوں میں یقین تھا کہ موسیٰ علیہ

السلام سچے ہیں اور جو نشانیاں دکھلا رہے ہیں یقیناً خدائی نشان ہیں۔ جادو، شعبدہ اور نظر بندی نہیں مگر محض بے انصافی اور غرور و تکبر سے جان بوجھ کر اپنے ضمیر کے خلاف حق کی تکذیب اور سچائی کا انکار کر رہے تھے، پھر کیا ہوا چند روز بعد پتہ لگ گیا کہ ایسے ہٹ دھرم مفسدوں کا انجام کیسا ہوتا ہے سب کو بحر قلزم کی موجوں نے کھا لیا کسی کو گور و کفن بھی نصیب نہ ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا
اور ہم نے دیا داؤد اور سلیمان کو ایک علم

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے علوم:

حضرت سلیمانؑ حضرت داؤد علیہ السلام کے صاحبزادہ ہیں باپ بیٹے میں سے ہر ایک کو اس کی شان کے لائق اللہ تعالیٰ نے علم کا خاص حصہ عطا فرمایا، شرائع و احکام اور اصول سیاست و حکمرانی وغیرہ کے علوم سب اس لفظ کے تحت میں داخل ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

ظاہر ہے کہ اس سے مراد علوم انبیاء ہیں جو نبوت و رسالت سے متعلق ہوتے ہیں اس کے عموم میں دوسرے علوم و فنون بھی شامل ہوں تو بعید نہیں جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہ سازی کی صنعت سکھا دی گئی تھی۔ حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام زمرہ انبیاء میں ایک خاص امتیاز یہ رکھتے ہیں کہ ان کو نبوت و رسالت کے ساتھ سلطنت بھی دی گئی تھی اور سلطنت بھی ایسی بے نظیر کہ صرف انسانوں پر نہیں بلکہ جنات اور جانوروں پر بھی ان کی حکمرانی تھی ان سب عظیم الشان نعمتوں سے پہلے حق تعالیٰ کے نعمت علم کا ذکر فرمانے سے اس طرف اشارہ ہو گیا کہ نعمتِ علم تمام دوسری نعمتوں سے فائق اور بالاتر ہے۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا
اور بولے شکر اللہ کا جس نے ہم کو بزرگی دی

نعمتوں کا شکر:

حق تعالیٰ نے جو علم داؤد و سلیمان علیہم السلام کو دیا تھا اسی کا اثر یہ تھا کہ حق تعالیٰ کے انعامات کا شکر ادا کرتے تھے کسی نعمت الٰہی پر شکر ادا کرنا اصل نعمت سے بڑی نعمت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے لکھا ہے کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ جو نعمتیں دے اور ان پر وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے تو اس کی حمد ان نعمتوں سے بہت افضل ہے دیکھو خود کتاب اللہ میں یہ نکتہ موجود ہے پھر آپ نے یہی آیت لکھ کر لکھا کہ ان دونوں پیغمبروں کو جو نعمت دی گئی تھی اس سے افضل اور نعمت کیا ہو۔ (ابن کثیر)

علم کی فضیلت:

آیت بتا رہی ہے کہ علم بڑی فضیلت ہے باعث شرف ہے اور علماء کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے چودھویں کے چاند کو باقی ستاروں پر فضیلت ہے۔ علماء انبیاء علیہم السلام کے جانشین ہیں اور انبیاء نے کوئی دینار و درہم اپنی میراث میں نہیں چھوڑا بلکہ علم کی میراث چھوڑی پس جس نے اس میراث کو لیا (وہ بڑا خوش نصیب ہے) اس نے بڑی میراث پائی رواہ احمد والترمذی وابوداؤد۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عابد پر عالم کی برتری ایسی ہے جیسے تم میں سے ادنیٰ آدمی پر میری برتری رواہ الترمذی عن ابی امامۃ الباہلی۔

آیت میں نعمت علم کا شکر ادا کرنے کی ترغیب ہے اور اس بات کی تعلیم ہے کہ آدمی کو خواہ بہت لوگوں پر فضیلت حاصل ہو پھر بھی اس کو تواضع کرنا چاہئے اور یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس پر بھی بہت لوگوں کو برتری حاصل ہے وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ہر عالم سے اونچا عالم ہے۔ (تفسیر مظہری)

عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾
اپنے بہت سے بندوں ایمان والوں پر

بہت سے اس لئے کہا کہ بہت بندگان خدا کو ان پر فضیلت دی گئی ہے۔ باقی تمام مخلوق پر فضیلت کلی تو سارے جہان میں ایک ہی بندے کو حاصل ہوئی جن کا نام مبارک ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ
اور قائم مقام ہوا سلیمان داؤد کا

حضرت سلیمانؑ کے فضائل:

یعنی داؤد کے بیٹوں میں سے اُن کے اصل جانشین حضرت سلیمان علیہ السلام ہوئے جن کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے نبوت اور بادشاہت دونوں جمع کر دیں اور وہ ملک عطا فرمایا جو اُن سے قبل یا بعد کسی کو نہ ملا جن، ہوا اور پرندوں کو ان کے لئے مسخر فرما دیا۔ جیسا کہ سورۂ سبا میں آئیگا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت داؤدؑ کے وارث حضرت سلیمانؑ ہوئے اس سے مراد مال کی وراثت نہیں بلکہ ملک و نبوت کی وراثت ہے اگر مالی میراث میراد ہوتی تو اس میں صرف حضرت سلیمانؑ ہی کا نام نہ آتا کیونکہ حضرت داؤدؑ کی سو بیویاں تھیں انبیاءؑ کے مال کی میراث نہیں بٹتی۔ (تفسیر ابن کثیر)

انبیاء میں مال کی وراثت نہیں ہوتی:

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ ... ورث سے وراثت علم اور نبوت مُراد ہے

وراثت مال نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث یعنی انبیاء نہ وارث ہوتے ہیں اور نہ مورث، حضرت ابوالدرداءؓ سے ترمذی اور ابوداؤد میں روایت ہے۔

العلماء ورثة الانبياء وان الانبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما ولكن ورثوا العلم فمن اخذهٗ اخذ بحظ وافر یعنی علماء انبیاء کے وارث ہیں، لیکن انبیاء میں وراثت علم اور نبوت کی ہوتی ہے مال کی نہیں ہوتی۔ حضرت ابوعبداللہ کی روایت اس مسئلہ کو اور زیادہ واضح کر دیتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام کے وارث ہوئے (روح عن الکلینی) عقلی طور پر بھی یہاں وراثت مال مراد نہیں ہو سکتی کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ کی اولاد میں اُنیس بیٹوں کا ذکر آتا ہے اگر وراثت مال مراد ہوتو یہ بیٹے سب کے سب وارث ٹھہریں گے پھر وراثت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی تخصیص کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ وراثت وہ مراد ہے جس میں بھائی شریک نہ تھے بلکہ صرف حضرت سلیمان علیہ السلام وارث بنے اور وہ صرف علم اور نبوت کی وراثت ہی ہو سکتی ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کا ملک وسلطنت بھی حضرت سلیمان کو عطا فرما دیا اور اس میں مزید اضافہ اس کا کر دیا کہ آپ کی حکومت جنات اور وحوش و طیور تک عام کر دی، ہوا کو آپ کے لئے مسخر کر دیا، ان دلائل کے بعد طبرسی کی وہ روایت غلط ہو جائے گی جس میں انہوں نے بعض ائمہ اہل بیت کے حوالے سے مال کی وراثت مراد لی ہے (روح)

حضرت سلیمان اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا درمیانی عرصہ

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے درمیان ایک ہزار سات سو سال کا فاصلہ ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ اور سلیمانؑ داؤدؑ کے وارث ہوئے یعنی نبوت کے حکومت کے اور علم کے وارث ہوئے۔ قتادہ نے یہی تفسیر کی اخرجہ عبد بن حمید وابن المنذر وابن ابی حاتم شیعہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ انبیاء بھی دوسروں کو اپنا وارث بناتے ہیں۔ لیکن شیعہ فرقہ کا یہ استدلال بجائے فائدہ کے ان کو نقصان پہنچاتا ہے اگر سلیمانؑ داؤدؑ کے مال کے وارث ہوئے یہ صحیح مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت داؤدؑ کے جو دوسرے اٹھارہ بیٹے تھے ان کو باپ کے مال میں سے کچھ نہیں ملا سب کے وارث سلیمانؑ ہو گئے وراثت کا معنی یہ ہے کہ ایک شئ دوسرے کی طرف بغیر کسی بیع شراء اور ہبہ اور عاریت وغیرہ کے منتقل ہو جائے خواہ وہ دونوں آپس میں قرابت دار ہوں یا نہ ہوں اللہ نے فرمایا ہے وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ہم نے اس سرزمین کا بنی اسرائیل کو وارث بنا دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں جو لا نورث کا لفظ آیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی آدمی (خواہ کتنا ہی عزیز اور قرابتدار ہو) کسی نبی کے مال کا وارث نہیں ہوتا بلکہ نبی کی وفات کے بعد اس کا مال وقف قرار پائے گا اور اللہ براہ راست اس کا مالک ہوگا۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت داؤدؑ کو اللہ نے جو نعمتیں عطا فرمائی تھیں وہ نعمتیں سب حضرت سلیمان کو عطا فرما دیں بلکہ تسخیر ہوا اور تسخیر شیاطین یہ دونوں چیزیں زیادہ عنایت فرمائیں۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ

اور بولا اے لوگو ہم کو سکھائی ہے بولی اُڑتے جانوروں کی

پرندوں کی بولیاں:

اس بات کا انکار کرنا بداہت کا انکار ہوگا کہ پرندے جو بولیاں بولتے ہیں اُن میں ایک خاص حد تک افہام وتفہیم کی شان پائی جاتی ہے ایک پرند جس وقت اپنے جوڑے کو بُلاتا یا دانہ دینے کے لئے اپنے بچوں کو آواز دیتا یا کسی چیز سے خوف کھا کر خبردار کرتا ہے ان تمام حالات میں اُس کی بولی اور لب ولہجہ یکساں نہیں ہوتا چنانچہ اُس کے مخاطبین اس فرق کو بخوبی محسوس کرتے ہیں۔ اس سے ہم سمجھتے ہیں کہ دوسرے احوال وضروریات کے وقت بھی اُن کے چہچہوں میں (گو ہمیں کتنے ہی متشابہ ومتعارف معلوم ہوں) ایسا لطیف وخفیف تفاوت ہوتا ہوگا جسے وہ آپس میں سمجھ لیتے ہوں گے۔ تم کسی پوسٹ آفس میں چلے جاؤ اور تار کی متشابہ کھٹ کھٹ گھنٹوں سنتے رہو، تمہارے نزدیک محض بے معنی حرکات واصوات سے زیادہ وقعت نہ ہوگی لیکن ٹیلی گراف ماسٹر فوراً بتا دے گا کہ فلاں جگہ سے فلاں آدمی یہ مضمون کہہ رہا ہے یا فلاں لیکچرار کی تقریر انہی تاروں کی کھٹکھٹاہٹ میں صاف سنائی دے رہی ہے۔ کیونکہ وہ ان فقرات تلغرافیہ کی دلالت وضعیہ سے پوری طرح واقف ہے۔ علیٰ ہذا القیاس کیا بعید ہے کہ واضع حقیقی نے نغمات طیور کو بھی مختلف معانی ومطالب کے اظہار کے لئے وضع کیا ہو۔ اور جس طرح انسان کا بچہ اپنے ماں باپ کی زبان سے آہستہ آہستہ واقف ہوتا رہتا ہے طیور کے بچے بھی اپنی فطری استعداد سے اپنے ہی نوع کی بولیوں کو سمجھنے لگتے ہوں اور بطور ایک پیغمبرانہ اعجاز کے حق تعالیٰ کسی نبی کو بھی اُن کا علم عطا فرما دے۔ حیوانات کے لئے جزئی ادراکات کا حصول تو پہلے سے مسلم چلا آتا ہے لیکن یورپ کی جدید تحقیقات اب حیوانات کی عاقلیت کو آدمیت کی سرحد سے قریب کرتی جاتی ہیں حتیٰ کہ حیوانات کی بولیوں کی ابجد تیار کی جا رہی ہے قرآن کریم نے خبر دی تھی کہ ہر چیز اپنے پروردگار کی

تسبیح وتحمید کرتی ہے جسے تم سمجھتے نہیں اور ہر پرندہ اپنی صلوٰۃ وتسبیح سے واقف ہے احادیث صحیحہ میں حیوانات کا تکلم بلکہ جمادات مخصہ کا بات کرنا اور تسبیح پڑھنا ثابت ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اپنے خالق کی اجمالی مگر صحیح معرفت ہر چیز کی فطرت میں تہ نشین کر دی گئی ہے پس اُن کی تسبیح وتحمید یا بعض محاورات و خطابات پر بعض بندگانِ خدا کا بطور خرق عادت مطلع کر دیا جانا از قبیل محالات عقلیہ نہیں۔ ہاں عام عادت کے خلاف ضرور ہے۔ سو اعجاز و کرامت اگر عام عادت اور معمول کے موافق ہوا کرے تو اعجاز و کرامت ہی کیوں کہلائے (خوارق عادت پر ہم نے مستقل مضمون لکھا ہے اُسے ملاحظہ کر لیا جائے) بہرحال اس رکوع میں کئی معجزے اس قسم کے مذکور ہیں۔ جن میں زائغین نے عجیب طرح کی رکیک اور لچر تحریفات شروع کر دی ہیں، کیونکہ بعض طیور کا اپنی بولی میں آدمیوں کے بعض علوم کو ادا کرنا، یا چیونٹیوں کا آپس میں ایک دوسرے کو مخاطب بنانا اور سلیمان پیغمبر کا اُن کو سمجھ لینا یہ سب باتیں اُن کے نزدیک ایسی لغو اور احمقانہ ہیں جن پر ایک بچہ بھی یقین نہیں کر سکتا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ لاکھوں محققین اور علمائے سلف وخلف کی نسبت خیال کرنا کہ وہ ایسی پچی، لغو اور بدیہی البطلان باتوں کو جنہیں ایک بچہ اور گنوار بھی نہیں مان سکتا تھا بلا تردید و تکذیب بیان کرتے چلے آئے اور ان اوہام کو رد کر کے مضمون آیات کی صحیح حقیقت جو تم پر آج منکشف ہوئی ہے کسی نے بیان نہ کی؟ یہ خیال اُن باتوں سے بھی بڑھ کر لغو اور احمقانہ ہے جن کی لغویت کو تم تسلیم کرانا چاہتے ہو۔ علماء سے ہر زمانہ میں غلط فہمی یا خطاء و تقصیر ہو سکتی ہے، مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ شب و روز کی جن محسوسات اور پیش پا افتادہ حقائق کو انسان کا بچہ بچہ جانتا ہے وہ صدیوں تک بڑے بڑے عقلمند اور محقق علماء کو ایک دن بھی نظر نہ آتی ہوں۔ یاد رہے کہ ہم اسرائیلی خرافات کی تائید نہیں کر رہے۔ ہاں جس حد تک اکابر سلف نے بلا اختلاف کلام الٰہی کا مدلول بیان کیا ہے اُس کو ضرور تسلیم کرتے ہیں خواہ وہ اسرائیلی روایات کے موافق پڑ جائیں یا مخالف۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جانوروں کی بولیوں کا علم:

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی منطق الطیر کا علم عطا فرمایا۔ جانوروں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرنا اور اونٹ کا آپ سے شکایت کرنا اور درختوں اور پتھروں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو السلام علیک یا رسول اللہ کہنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

اور اس قسم کی کرامتوں کا نمونہ فاروق اعظمؓ کو بھی عطا ہوا۔ حضرت عمرؓ کا عین خطبہ میں یا ساریۃ الجبل الجبل کہنا۔ اور حضرت ساریۃ کا میدان کا رزار میں حضرت عمرؓ کی آواز سننا۔ روایات معتبرہ سے ثابت ہے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک بار زلزلہ آیا تو حضرت عمرؓ نے زمین پر پاؤں مارا اور کہا کہ اے زمین میں تجھ پر عدل اور انصاف جاری کئے ہوئے ہوں اور تو حرکت کر رہی ہے زمین فوراً ساکن ہو گئی اور دریائے نیل کے نام حضرت عمرؓ کے ایک پرچہ لکھنے کا بھی واقعہ مشہور ہے دریائے نیل خشک ہو گیا تھا حضرت عمر کا یہ پرچہ ڈالتے ہی جاری ہو گیا۔ (معارف کاندھلوی)

اپنے لئے جمع کا صیغہ بولنا جائز ہے بشرطیکہ تکبراً نہ ہو:

عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَأُوتِيْنَا الخ، حضرت سلیمان علیہ السلام نے باوجود خود اکیلے ہونے کے اپنے لئے جمع کا صیغہ شاہانہ محاورہ کے طور پر استعمال کیا ہے تاکہ رعایا پر رُعب پڑے اور رعایا اطاعت خداوندی اور اطاعت سلیمان علیہ السلام میں سستی نہ کریں۔ اسی طرح امراء، حکام اور افسران کو اپنی رعایا کی موجودگی میں اپنے لئے جمع کا صیغہ استعمال کرنے میں مضائقہ نہیں جبکہ وہ سیاسۃً اور اظہارِ نعمت کی غرض سے ہو تکبر و تعلّی کے لئے نہ ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

مختلف پرندوں کی نصیحتیں:

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت کعبؓ نے فرمایا حضرت سلیمانؑ کے پاس جنگلی کبوتر نے آواز نکالی تو آپ نے پوچھا کیا تم کو معلوم ہے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے حاضرین نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ کہہ رہا ہے مرنے کے لئے جنو اور ویران ہونے کے لئے عمارتیں بناؤ۔ فاختہ چیخی تو آپ نے فرمایا جانتے ہو یہ کیا کہہ رہی ہے حاضرین نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہی ہے کاش یہ مخلوق پیدا نہ کی جاتی۔ مور چیخا تو آپ نے پوچھا جانتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے حاضرین نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ کہہ رہا ہے جیسا دوسروں سے معاملہ کرو گے ویسا ہی تم سے کیا جائے گا۔ ہدہد بولا تو پوچھا یہ کیا کہہ رہا ہے تمہیں معلوم ہے حاضرین نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہا ہے جو رحم نہیں کرے گا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔ ترمتی (باز اور شکرہ کی طرح شکاری پرندہ) نے آواز دی تو پوچھا تم جانتے ہو یہ کیا کہہ رہی ہے حاضرین نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ کہہ رہی ہے گناہگار و اللہ سے معافی کی درخواست کرو میہو (ایک قسم کا مرغ) چیخا تو پوچھا تم کو معلوم ہے یہ کیا کہہ رہا ہے لوگوں نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہا ہے ہر زندہ مرے گا اور ہر نیا پرانا فرسودہ ہو گا۔ خطاف (ابابیل کی قسم کا پرندہ جس کے بازو بہت لمبے ہوتے ہیں اور بہت تیز اڑتا ہے) چیخا تو پوچھا کیا جانتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے حاضرین نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہا ہے پہلے سے نیکی بھیجو (وہاں) تم کو مل جائے گی۔ کبوتری نے آواز دی تو فرمایا یہ کیا کہہ رہی ہے تم کو معلوم ہے حاضرین نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہی ہے پاکی بیان کرو میرے رب برتر کی اتنی کہ آسمانوں اور زمین کو بھر دے۔ قمری چیخی تو پوچھا جانتے ہو یہ کیا کہہ رہی ہے لوگوں نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہی ہے میرے رب اعلیٰ کی پاکی بیان کرو۔ فرمایا کوا عشر وصول کرنے والے (کل مال کا دسواں حصہ بطور ٹیکس وصول کرنے والے) کو بددعا دیتا ہے اور چیل کہتی ہے سواء اللہ کے ہر چیز کو فنا

ہے۔ اور قسطاۃ کہتی ہے جو خاموش رہا محفوظ رہا۔ اور طوطا کہتا ہے تباہی ہے اس کے لئے جس کا مقصد دنیا ہی ہے اور مینڈک کہتا ہے میرے رب قدوس کی پاکی بیان کرو اور باز کہتا ہے۔ میرے رب کی پاکی بیان کرو اور ثنا کرو اور مینڈکی کہتی ہے پاکی بیان کرو اس کی جس کا ذکر ہر زبان پر ہے۔

مکحول نے کہا سلیمانؑ کے پاس ایک تیتر چیخا تو آپ نے پوچھا جانتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے لوگوں نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہا ہے **الرحمن علی العرش استوی** (رحمن عرش پر متمکن ہے) فرقد حجی کا بیان ہے ایک بلبل درخت پر بیٹھا سر ہلا رہا تھا اور دم نیچے کو جھکا رہا تھا (اور بول رہا تھا) حضرت سلیمانؑ کا ادھر سے گزر ہوا فرمایا جانتے ہو یہ بلبل کیا کہہ رہا ہے لوگوں نے کہا اللہ اور اس کا نبی ہی خوب واقف ہیں فرمایا یہ کہہ رہا ہے میں نے آدھا چھوارا کھالیا پس دنیا پر لازم ہے کہ اس کو بڑھا کر پورا کر دے۔

حضرت ابن عباسؓ سے یہودیوں کے سوال:

روایت میں آیا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا ہم سات چیزوں کے متعلق آپ سے دریافت کرتے ہیں اگر آپ بتا دیں گے تو ہم مسلمان ہو جائیں گے اور آپ کی تصدیق کریں گے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا سمجھنے کے لئے پوچھ سکتے ہو ضد کے لئے نہیں پوچھ سکتے یہودیوں نے پوچھا بتایئے چنڈول (ایک خوش آواز چڑیا) اپنے گانے میں کیا کہتا ہے اور مینڈک اپنی ٹرٹر میں کیا کہتا ہے اور مرغ اپنی بانگ میں کیا کہتا ہے اور گدھا اپنے رینگنے میں کیا کہتا ہے اور گھوڑا اپنی ہنہناہٹ میں کیا کہتا ہے اور زرزور اور تیتر کیا کہتا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا چنڈول کہتا ہے اے اللہ محمد اور آل محمد سے بغض رکھنے والوں پر لعنت کر اور مرغ کہتا ہے غافلو اللہ کی یاد کرو، اور مینڈک کہتا ہے پاک ہے وہ معبود جس کی عبادت سمندروں کے گنڈوں میں بھی کی جاتی ہے اور گدھا کہتا ہے اے اللہ عشر (ناجائز ٹیکس) وصول کرنے والے پر لعنت کر۔ گھوڑا جب معرکہ میں صفوں مقابلہ پر ہوتا ہے تو کہتا ہے **سبوح قدوس رب الملائکہ والروح**۔ پاک اور مقدس ہے ملائکہ اور جبریل کا رب۔ زرزور کہتا ہے اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ ہر روز کی روزی اسی روز عطا فرما اور تیتر کہتا ہے الرحمٰن علی العرش استوی۔ یہودی یہ جواب سن کر مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلام اچھا رہا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا قول:

حضرت امام جعفر صادق نے اپنے والد کی وساطت سے اپنے دادا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب گدھ چلاتا ہے تو کہتا ہے اے آدم کے بیٹے جی لے جب تک چاہے آخر موت ہے عقاب چیختا ہے تو کہتا ہے لوگوں سے دور رہنے میں سلامتی ہے اور چنڈول چیختا ہے تو کہتا ہے اے اللہ آل محمد سے بغض رکھنے والوں پر لعنت بھیج اور خطاف چلاتا ہے تو کہتا ہے **الحمد للہ رب العالمین** اور الضالین کو ایسا کھینچا ہے جیسے قاری کھینچتا ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہؒ کی تحقیق:

میں کہتا ہوں کہ جانوروں کی آوازوں کی جو تشریح حضرت کعبؓ سے منقول ہے اور جو تفصیل مکحول اور فرقد کے اقوال میں آئی ہے اس سب کا تعلق ممکن ہے کہ کسی ہنگامی آواز سے ہو (حضرت سلیمان کے سامنے کسی وقت جانور اس طرح بولے ہوں) اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ جانور جب بھی بولتے ہیں تو یہی کلمات کہتے ہیں۔ اللہ نے اس سورت میں جو ہدہد اور چیونٹی کا کلام نقل کیا ہے اس کا تعلق تو پیش آمدہ واقعہ کے ساتھ تھا ہی البتہ یہودیوں کے سوال کے جواب میں جو کچھ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ بیشک بتا رہا ہے کہ یہ جانور ہمیشہ ہی یہ الفاظ کہتے ہیں اگر یہ روایت پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو اس کی تاویل کرنی ضروری ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

حضرت داؤدؑ کی وفات

مسند امام احمدؒ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں حضرت داؤدؑ بہت ہی غیرت والے تھے جب آپ گھر سے باہر جاتے تو دروازے بند کرتے جاتے پھر کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی ایک مرتبہ آپ اسی طرح باہر تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک بیوی صاحبہ کی نظر اٹھی تو دیکھتی ہیں کہ گھر کے بیچوں بیچ ایک صاحب کھڑے ہیں۔ حیران ہو گئیں۔ اور دوسروں کو دکھایا، آپس میں سب کہنے لگیں یہ کہاں سے آ گئے؟ دروازے بند ہیں یہ داخل کیسے ہوئے؟ خدا کی قسم حضرت داؤدؑ کے سامنے ہماری سخت رسوائی ہوگی۔ اتنے میں حضرت داؤدؑ بھی آ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انہیں کھڑا دیکھا اور دریافت کیا کہ تم کون ہو اس نے جواب دیا وہ جسے کوئی روک اور دروازہ روک نہ سکے، وہ جو کسی بڑے سے بڑے کی مطلق پروانہ کرے، حضرت داؤدؑ سمجھ گئے اور فرمانے لگے مرحبا، مرحبا آپ ملک الموت ہیں۔ اسی وقت ملک الموت نے آپؑ کی روح قبض کی۔ سورج نکل آیا اور آپ پر دھوپ آ گئی تو حضرت سلیمانؑ نے پرندوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت داؤدؑ پر سایہ کریں انہوں نے اپنے پر کھول کر ایسی گہری چھاؤں کر دی کہ زمین پر اندھیرا سا چھا گیا۔

ایک اللہ والے کا عجیب قصہ:

حضرت عبداللہ برزیؒ ایک ولی اللہ شخص تھے پیر اور خمیس کا روزہ پابندی سے رکھا کرتے تھے۔ اسی سال کی عمر تھی ایک آنکھ سے کانے تھے۔ سلیمان بن زید نے ان سے آنکھ کے جانے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے اس کے بتانے سے انکار کر دیا۔ یہ بھی پیچھے پڑ گئے مہینوں گزر گئے نہ وہ بتاتے نہ یہ سوال چھوڑتے۔ آخر تنگ آ کر فرمایا سن لو! دو خراسانی میرے پاس برزہ میں جو

دمشق کے پاس ایک شہر ہے آئے اور مجھ سے کہا کہ میں انہیں برزہ کی وادی میں لے جاؤں۔ میں انہیں وہاں لے گیا انہوں نے انگیٹھیاں نکالیں بخور نکالے اور جلانے شروع کئے یہاں تک کہ تمام وادی خوشبو سے مہکنے لگی اور ہر طرف سے سانپوں کی آمد شروع ہوگئی لیکن یہ بے پرواہی سے بیٹھے رہے کسی سانپ کی طرف التفات تک نہ کرتے تھے۔ تھوڑی دیر میں ایک سانپ آیا جو ہاتھ بھر کا تھا اور اس کی آنکھیں سونے کی طرح چمک رہی تھی۔ یہ بہت ہی خوش ہوئے اور کہنے لگے خدا کا شکر ہے کہ ہماری سال بھر کی محنت ٹھکانے لگی۔ انہوں نے اس سانپ کو لے کر اس کی آنکھوں میں سلائی پھیر کر اپنی آنکھوں میں وہ سلائی پھیر لی، میں نے اُن سے کہا کہ میری آنکھوں میں بھی یہ سلائی پھیر دو۔ انہوں نے انکار کر دیا، میں نے ان سے منت سماجت کی بمشکل وہ راضی ہوئے اور میری داہنی آنکھ میں وہ سلائی پھیر دی اب جو میں دیکھتا ہوں تو زمین مجھے ایک شیشے کی طرح معلوم ہونے لگی جیسی اوپر کی چیزیں نظر آتی تھیں ایسی ہی زمین کے اندر کی چیزیں بھی دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ اچھا اب آپ ہمارے ساتھ ہی کچھ دور چلئے۔ میں نے منظور کر لیا وہ باتیں کرتے ہوئے مجھے ساتھ لئے ہوئے چلے۔ جب میں بستی سے بہت دور نکل گیا تو دونوں نے مجھے دونوں طرف سے پکڑ لیا اور ایک نے اپنی انگلی ڈال کر میری آنکھ نکال لی اور پھینک دی۔ اور مجھے یونہی بندھا ہوا وہیں پٹک کر دونوں کہیں چل دیئے۔ اتفاقاً وہاں سے ایک قافلہ گزرا اور انہوں نے مجھے اس حالت میں دیکھ کر رحم کھایا قید و بند سے مجھے آزاد کیا اور میں چلا آیا، یہ قصہ ہے میری آنکھ کے جانے کا (ابن عساکر) (تفسیر ابن کثیر)

وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ

اور دیا ہم کو ہر چیز میں سے

یعنی ایسی عظیم الشان سلطنت ونبوت کے لئے جو چیزیں اور سامان درکار تھے وہ عطا فرمائے۔ (تفسیر عثمانی)

عُلِّمْنَا اور اُوْتِيْنَا جمع متکلم کے صیغے ہیں حضرت سلیمانؑ نے اپنے ساتھ حضرت داؤدؑ کو شامل کر کے جمع متکلم کے صیغے استعمال کئے۔ یا حضرت سلیمانؑ نے اپنے متبعین کو شامل کر کے یہ لفظ کہے۔ کیونکہ آپکے متبعین کو آپ کی وساطت سے وہ علم اور وہ انعام ملا جو اللہ نے آپکو عطا فرمایا تھا۔ یا اصولِ سیاست کو پیش نظر رکھ کر حضرت سلیمانؑ نے شاہانہ الفاظ استعمال کئے بادشاہ اپنے کو ہم کہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کُلِّ شَيْءٍ سے دنیا اور آخرت سے تعلق رکھنے والی ہر چیز مراد ہے مقاتل نے کہا نبوت حکومت اور شیاطین و ہوا کی تسخیر مراد ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ

بیشک یہی ہے فضیلت صریح اور جمع کئے گئے سلیمان کے پاس اُسکے لشکر

مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

جن اور انسان اور اُڑتے جانور پھر اُن کی جماعتیں بنائی جاتیں

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر:

یعنی سلیمان علیہ السلام جب کسی طرف کوچ کرتے تو جن انس طیور تینوں قسم کے لشکروں میں سے حسب ضرورت و مصلحت ساتھ لئے جاتے تھے۔ اور اُن کی جماعتوں میں خاص نظم وضبط قائم رکھا جاتا تھا۔ مثلاً پچھلی جماعتیں تیز چل کر یا اُڑ کر اگلی جماعتوں سے آگے نہیں نکل سکتی تھیں۔ نہ کوئی سپاہی اپنے مقام اور ڈیوٹی کو چھوڑ کر جا سکتا تھا جس طرح آج بری، بحری اور ہوائی طاقتوں کو ایک خاص نظم و ترتیب کے ساتھ کام میں لایا جاتا ہے۔

حضرت سلیمانؑ نے یہ بات ادائے شکر کے طور پر کہی اظہار فخر کے لئے نہیں کہی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور (یہ بات) فخر (کے طور پر) نہیں ہے اور قیامت کے دن آدم کے سوا سب لوگ میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی جو بات فرمائی وہ اس حکم کی تعمیل کے طور پر تھی جو آیت وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ میں دیا گیا ہے۔

حضرت سلیمانؑ کی حکومت:

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت سلیمان نے ساری روئے زمین پر سات سو برس اور چھ ماہ تمام جن وانس اور پرندوں اور چرندوں اور درندوں پر حکومت کی اور ہر چیز کی بولی اللہ نے ان کو سکھا دی تھی اور انہیں کے زمانہ میں عجیب عجیب صنعتوں کی ایجاد ہوئی۔

محمد بن کعب نے کہا سلیمان کی لشکر گاہ سو فرسخ تھی ۲۵ فرسخ جنات کے لئے ۲۵ فرسخ آدمیوں کے لئے ۲۵ فرسخ پرندوں کے لئے اور ۲۵ فرسخ جنگلی جانوروں کے لئے سلیمانؑ کے ایک ہزار کمرے تھے جو لکڑی کے تختوں کے فرش پر قائم تھے تین سو منکوحہ بیبیاں تین سو گھروں میں رہتی تھیں اور سات سو باندیاں سات سو گھروں میں۔ سلیمانؑ کے حکم سے تند ہوا اس تخت کو اٹھا کر اوپر کو لے جاتی تھی پھر بحکم سلیمانؑ نرم نرم ہوا اس کو لے کر چلتی تھی۔ (ایک روز) جو آپ کہیں جا رہے تھے اور آسمان و زمین کے درمیان تھے کہ اللہ نے وحی بھیجی میں نے تمہاری حکومت میں اضافہ کر دیا ہے اب کوئی مخلوق جہاں بھی کوئی بات کرے گی ہوا وہ بات لاکر تم کو پہنچا دے گی۔ (تفسیر مظہری)

حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ

یہاں تک کہ جب پہنچے چیونٹیوں کے میدان پر

چیونٹیوں کی وادی پر گذر:

یعنی سلیمان کا اپنے لاؤلشکر کے ساتھ ایسے میدان کی طرف گزر ہوا جہاں چیونٹیوں کی بڑی بھاری بستی تھی۔ (تنبیہ) جہاں چیونٹیاں مل کر خاص سلیقہ سے اپنا گھر بناتی ہیں اُسے زبان عرب میں قریۃ النمل کہتے ہیں (چیونٹیوں کی بستی) مفسرین نے مختلف بلاد میں کئی ایسی وادیوں کا پتہ بتلایا ہے جہاں چیونٹیوں کی بستیاں بکثرت تھیں۔ ان میں سے کسی ایک پر حسب اتفاق حضرت سلیمان علیہ السلام کا گزر ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت سلیمانؑ کے سفری انتظامات:

وہب بن منبہ نے بحوالہ کعب بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ جب تخت پر سوار ہوتے تو اہل وعیال کو نوکروں چاکروں کو اور لاؤلشکر کو بھی سوار کر لیتے تھے سالن پکانے کے برتن اور روٹیاں پکانے کی آتشی تنور بھی ساتھ ہوتے تھے اتنی بڑی بڑی دیگیں بھی ہوتی تھیں کہ ایک دیگ میں دس اونٹوں کا گوشت آ جائے چوپایوں کیلئے میدان بھی اپنے سامنے بنواتے تھے اثنائے سیر میں آسمان وزمین کے درمیان چوپائے اپنے میدانوں میں دوڑتے تھے اور باورچی کھانا اور روٹیاں پکانے میں مشغول رہتے تھے ہوا ان سب کو لے کر چلتی تھی۔

مدینہ اور مکہ سے حضرت سلیمانؑ کا گذر

ایک بار اصطخر سے یمن کو جاتے میں مدینہ شریف کے اوپر سے بھی گزرے اور فرمایا یہ نبی آخر الزماں کی ہجرت گاہ ہے خوشخبری ہے اس کے لئے جو ان کے اوپر ایمان لائے اور خوشی ہے۔

اس کے لئے جس نے ان کا اتباع کیا۔ کعبہ کے اوپر سے گزرے تو کعبہ کے گرداگرد بہت نظر آئے جن کی پوجا کی جاتی تھی جب سلیمان کعبہ سے آگے بڑھ گئے تو کعبہ رونے لگا اللہ نے کعبہ کے پاس وحی بھیجی (اور دریافت فرمایا) تیرے رونے کا کیا سبب ہے کعبہ نے کہا اے میرے رب مجھے اس بات نے رلایا کہ یہ تیرا نبی تھا اور تیرے دوستوں کی جماعت تھی یہ لوگ میری طرف سے گزرے اور میرے پاس نماز نہیں پڑھی حالانکہ میرے آس پاس تجھے چھوڑ کر بتوں کی پوجا کی جاتی ہے اللہ نے وحی بھیجی تو نہ رو کچھ مدت کے بعد میں تجھے سجدہ کرنے والے چہروں سے بھر دوں گا اور تیرے اندر جدید قرآن نازل کروں گا اور تیرے اندر سے آخر زمانہ میں ایک نبی پیدا کروں گا میں اپنے انبیاء سے محبت رکھتا ہوں تیرے اندر اپنی مخلوق سے ایسے لوگوں کو آباد کروں گا جو میری عبادت کریں گے اور میں اپنے بندوں پر ایک فرض (یعنی فریضہ حج) مقرر کر دوں گا (جس کو ادا کرنے کے لئے) وہ اتنی تیزی سے تیرے قریب پہنچیں گے جتنی تیزی سے گدھ اپنے آشیانوں کی طرف جاتے ہیں وہ تیرے ایسے مشتاق ہوں گے جیسے اونٹنی کو اپنے بچہ کی طرف اور کبوتری کو اپنے انڈوں کی طرف اشتیاق ہوتا ہے (اونٹنی اپنے بچہ کے پاس اور کبوتری اپنے انڈوں کے پاس بڑی بے تابی سے پہنچنا چاہتی ہے میں تجھے بتوں اور شیطانوں کے پجاریوں سے پاک کر دوں گا۔ پھر سلیمان چلتے چلتے وادی سدیر کی طرف سے گزرے وادی سدیر وادی طائف کا حصہ ہے۔ وہاں آپ کا مرور وادی نمل پر ہوا۔ کعب کا یہی قول ہے کہ وادی نمل طائف میں تھی مقاتل اور قتادہ وہ شام میں ایک زمین تھی بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس وادی میں جن رہتے تھے اور وہاں کی چیونٹیاں ان کی سواریاں تھیں فرقہ حمیدی نے اس وادی کی چونٹیاں مکھیوں کی طرح تھیں بعض نے کہا بختی اونٹ کے برابر تھیں مشہور یہ ہے کہ یہ بات کہنے والی ایک چھوٹی چیونٹی تھی۔ (تفسیر مظہری)

قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ

کہا ایک چیونٹی نے اے چیونٹیو گھس جاؤ اپنے گھروں میں

لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ

نہ پیس ڈالے تم کو سلیمان اور اس کی فوجیں اور ان کو خبر بھی نہ ہو

چیونٹی کا اعلان:

یعنی بیا ایسے تو نہیں جو جان بوجھ کر تم کو ہلاک کریں۔ ہاں ممکن ہے بے خبری میں پس جاؤ۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں چیونٹی کی آواز کوئی (آدمی) نہیں سنتا، انہیں (سلیمان علیہ السلام کو) معلوم ہوگئی یہ اُن کا معجزہ ہوا۔

چیونٹیوں کی معاشرت کا نظام:

(تنبیہ) علمائے حیوانات نے سالہا سال جو تجربے کئے ہیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حقیر ترین جانور اپنی حیات اجتماعی اور نظام سیاسی میں بہت ہی عجیب اور شئون بشریہ سے بہت قریب واقع ہوا ہے۔ آدمیوں کی طرح چیونٹیوں کے خاندان اور قبائل ہیں اُن میں تعاون باہمی کا جذبہ تقسیم عمل کا اصول اور نظام حکومت کے ادارات نوع انسانی کے مشابہ پائے جاتے ہیں محققین یورپ نے مدتوں اُن اطراف میں قیام کر کے جہاں چیونٹیوں کی بستیاں بکثرت ہیں بہت قیمتی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ افسوس ہے ان مختصر فوائد میں ان کی گنجائش نہیں۔ محض مقام کی مناسبت سے دائرۃ المعارف المصر یہ کے آخری جملے نقل کرتا ہوں فمتی ذاھم غذو قریۃ النمل اختمت العملۃ وخرجت الجنود للقتال والنصال فیخرج اولا واحد معھا لِلا ستطلاع ثم یعُوذُ فخبرابمارأی وبعد ھنیھۃ

تخرج ثلاثة او اربعة يتبعها عدد كثيف من الجيوش بادية عليهم، علائم الحنق فتلدغ كل ما صادفته ولا تفلتُ منْ تلدغه ولو قطعتْ اربا اربا فاذا انتهى القتال رجع الفعلةُ فاعادوا ابنا ء ما تهدم يتخللها عدد من الجنود للحراسة لاللعمل. مذکورہ جملوں میں بتلایا ہے کہ خطرہ کی آہٹ پاکر اول ایک چیونٹی باہر نکلتی اور واپس جاکر اپنی قوم کو اپنی معلومات سے آگاہ کرتی ہے۔ باقی سلیمان علیہ السلام کا پتہ لگالینا اور سلیمانؑ کا اس کی بات پر مطلع ہوجانا بطریق خرق عادت تھا۔ (تفسیر عثمانی)

حیوانوں میں بھی ایک درجہ کی عقل موجود ہے:

پرندوں اور چوپاؤں میں بھی عقل وشعور ہے اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ پرندے، چرندے اور تمام حیوانات میں بھی عقل وشعور کسی درجہ میں موجود ہے البتہ ان کی عقول اس درجہ کی نہیں کہ ان کو احکام شرع کا مکلف بنایا جاتا اور انسان اور جنات کو عقل وشعور کا وہ کامل درجہ عطا ہوا ہے جس کی بنا پر وہ اللہ تعالیٰ کے مخاطب ہوسکیں اور ان پر عمل کرسکیں۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ کبوتر سب پرندوں میں زیادہ عقلمند ہے ابن عطیہ نے فرمایا کہ چیونٹی ذہین عقلمند جانور ہے اس کی قوت شامہ بڑی تیز ہے جو کوئی دانہ اس کے قبضہ میں آتا ہے اس کے دو ٹکڑے کر دیتی ہے تاکہ اگے نہیں اور سردی کے تمام کیلئے اپنی غذا کا ذخیرہ جمع کرتی ہے (قرطبی) (معارف مفتی اعظمؒ)

چیونٹی کا اندازِ خطاب:

جمع مذکر کا خطابی صیغہ استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب کلام کرتا ہے اور حیوانات کے متعلق بات کرتا ہے تو حیوانات کے بے عقل ہونے کی وجہ سے ان کے لئے وہ ضمیریں استعمال کرتا ہے جو جمادات کے لئے مستعمل ہیں عورتوں کے لئے بھی ان کے ضعیف العقل ہونے کی وجہ سے جمادات کی ضمیریں استعمال کر لی جاتی ہیں گویا ان کو بھی بے عقل مان کر جمادات کے ساتھ شامل کر دیا جاتا ہے لیکن حیوانات جب دوسرے حیوانات سے کلام کرتے ہیں تو وہ اپنی نظر میں اپنے کو ذی عقل سمجھتے ہیں اور دوسرے کو اہل عقل کی طرح خطاب کرتے ہیں اس جگہ اللہ نے وہ کلام نقل کیا ہے جو ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں کو اہل عقل قرار دے کر کہا تھا اس لئے وہ صیغہ اختیار کرلیا جس کے مخاطب اہل عقل ہوتے ہیں۔

لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ تم کو سلیمان اور ان کی فوجیں کہیں پیس نہ ڈالیں۔ اس کلام میں (بظاہر) پیس ڈالنے کی ممانعت ہے (لیکن ایک چیونٹی حضرت سلیمانؑ اور ان کی فوج کو پیسنے کی ممانعت کیسے کرسکتی تھی پھر چیونٹی کا روئے خطاب تو دوسری چیونٹیوں کی طرف تھا حضرت سلیمانؑ اور ان کی فوج کی جانب نہیں تھا) لیکن فی الحقیقت چیونٹیوں کو باہر نکلنے اور باہر رہنے کی ممانعت ہے تاکہ پامال ہونے سے بچ جاؤ جیسے عرب کہتے ہیں لا اراک ھٰھنا میں تجھے یہاں نہ دیکھوں یعنی یہاں نہ ٹھہرنا (یا پھر نہ آنا)۔

حضرت سلیمان اوران کے لشکر کے متعلق چیونٹی کا حسن ظن:

وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ایسی حالت میں کہ ان کو پتہ بھی نہ ہو۔ کیونکہ اگر ان کو معلوم ہوگا تو وہ خود ہی تم کونہیں روندیں گے۔ گویا یہ حضرت سلیمانؑ اور آپ کے ساتھیوں کی طرف سے ممکن الوقوع فعل کی معذرت کا اظہار ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دانستہ یہ قصور تو ان سے سرزد نہ ہوگا۔

افسوس شیعہ فرقہ کو چیونٹی کی برابر بھی سمجھ نہیں کہ وہ صحابہ کرام کی جانب سے قصداً اہل بیت وایذا پہنچانے کے قائل ہیں۔

اہل معرفت کا قول:

بعض اہل عرفان نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہا ایسا نہ ہو کہ تم حضرت سلیمانؑ کے لشکر اور ان کے ساز و سامان اور شان شوکت کی سیر کرنے میں اتنی مشغول ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر سے بھی غافل ہو اور ذکر خدا سے غفلت تمہاری ہلاکت کا ذریعہ ہو جائے یہ بات سلیمان نے تین میل سے سن پڑی۔ كذا قال مقاتل. کیونکہ جہاں کہیں جو مخلوق بات کرتی تھی ہوا وہ بات حضرت سلیمانؑ کے گوش گزار کردیتی تھی۔ (تفسیر مظہری)

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا	
پھر مسکرا کر ہنس پڑا	اس کی بات سے

حضرت سلیمانؑ کا تعجب اور خوشی:

اس چیونٹی کی بات سمجھ کر تعجب ہوا اور فرط سرور ونشاط سے ادائے شکر کا جذبہ جوش میں آیا۔ (تفسیر عثمانی)

اس چیونٹی کو یقین تھا کہ نبی اور اس کے اصحاب جان بوجھ کر کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کرسکتے یہ چیونٹی رافضیوں سے زیادہ عقلمند تھی جو صحابہ کرامؓ سے بدگمان ہیں اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے نبی کی آل واولاد پر جان بوجھ کر ظلم کیا۔ معلوم ہوا کہ حیوانات کو بھی اس کا علم ہے کہ انبیاء کرامؑ اور ان کے اصحابؓ سے دیدہ ودانستہ کسی پر ظلم اور زیادتی ممکن نہیں حضرت سلیمانؑ نے دور سے اس کی آواز کو سن لیا اور سمجھ گئے پس سلیمان علیہ السلام اس کی اس بات سے مسکراتے ہوئے ہنسنے لگے اور خوش ہوئے کہ جانوروں کو بھی مجھ پر اطمینان ہے کہ میں اور میرے اصحاب ان پر ظلم نہیں کریں گے نیز جانوروں کی بولی سمجھ لینا حق جل شانہ کی ایک عظیم نعمت اور کرامت ہے اس ایک نعمت کو دیکھ کر اور نعمتیں یاد آگئیں تو نعمت کو چھوڑ کر منعم حقیقی کی طرف متوجہ ہوگئے اور شکر اور مناجات میں مشغول ہوگئے۔ (معارف کاندھلوی)

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا پس سلیمانؑ مسکراتے ہوئے ہنس پڑے یہاں کچھ کلام محذوف ہے اور اسی پر عطف ہے پورا کلام اس طرح تھا سلیمانؑ نے چیونٹی کی بات سن لی اس کا مطلب سمجھ لیا مطلب سمجھ کر خوش ہوئے اور اس بات سے بھی ان کو مسرت ہوئی کہ چیونٹی نے آپ کو اور آپ کی فوج کو عادل سمجھا یہ تمام باتیں سمجھ کر آپ خوش ہوئے اور مسکرا دیئے۔ یا یوں کہا جائے کہ آپ کو چیونٹی کی دانش مندی اور احتیاط سے تعجب ہوا اور اس بات پر بھی اچنبھا ہوا کہ ایک حقیقی چیونٹی اپنی اور اپنی قوم کے بچاؤ کے راستے کیسے جانتی ہے ان باتوں پر آپ کو تعجب ہوا اور آپ مسکرا دیئے۔

انبیاء کی ہنسی:

ضاحکا یعنی حضرت سلیمانؑ کا تبسم ضحک کی حد تک پہنچ گیا (گویا ہنس دیئے) زجاج نے کہا انبیاءؑ کی ہنسی اکثر بصورت تبسم ہی ہوتی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شروع میں مسکرائے ہوں پھر ہنس دیئے ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھرپور ہنستے نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلق کا کوا نظر آ گیا ہو آپ صرف مسکرا دیا کرتے تھے۔ رواہ البخاری۔

حضرت عبداللہ بن حارث بن جزءؓ کا بیان ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو مسکراتے نہیں دیکھا رواہ الترمذی۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ
اور بولا اے میرے رب میری قسمت میں دے کہ شکر کروں تیرے
اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا
احسان کا جو تو نے کیا مجھ پر اور میرے ماں باپ پر اور یہ کہ کروں کام نیک
تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾
جو تو پسند کرے اور ملا لے مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں

توفیق شکر کی دُعاء:

یعنی حیران ہوں تیرے انعامات عظیمہ کا شکر کس طرح ادا کروں، پس آپ ہی سے التجاء کرتا ہوں کہ مجھے پورا شاکر بنا دیجئے زبان سے بھی اور عمل سے بھی۔ اور اعلیٰ درجہ کے نیک بندوں میں (جو انبیاء و مرسلین ہیں) محشور فرمایئے۔ (تفسیر عثمانی)

عمل صالح کیلئے قبولیت کی دُعاء:

وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ یہاں رضا معنے قبول ہے، معنے یہ ہیں کہ یا اللہ مجھے ایسے عمل صالح کی توفیق دیجئے جو آپ کے نزدیک مقبول ہو۔ روح المعانی میں اس سے اس پر استدلال کیا ہے کہ عمل صالح کے لئے قبولیت لازم نہیں ہے بلکہ قبولیت کچھ شرائط پر موقوف ہوتی ہے، اور فرمایا کہ صالح اور مقبول ہونے میں نہ عقلاً کوئی لزوم ہے نہ شرعاً۔ اسی لئے انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے کہ اپنے اعمال صالحہ کے مقبول ہونے کی بھی دُعا کرتے تھے جیسے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کے وقت دُعا فرمائی، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اس سے معلوم ہوا کہ جو عمل نیک ہے صرف اس کو کر کے بے فکر ہونا نہیں چاہئے، اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دُعا کرے کہ اس کو قبول فرمائے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام بھی ان کلمات میں دخول جنت کے لئے فضلِ ربی کی دُعا فرما رہے ہیں یعنی اے اللہ، مجھے وہ فضل بھی عطا فرما جس سے جنت کا مستحق ہو جاؤں۔ (معارف مفتی اعظم)

نکتہ: گزشتہ آیات میں فھم یوزعون کا لفظ آیا ہے اور اس آیت میں رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ آیا ہے دونوں کا اصل مادہ ایک ہے دونوں لفظ وزع بمعنی منع سے مشتق ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ مجھ کو اپنی ناشکری سے روک دے اور تیرا شکر میرے پاس رکا رہے اور میں اس کو ایسا باندھ کر رکھوں کہ تیرا شکر میرے ہاتھ سے چھوٹ نہ جائے۔ کمافی الکشاف اجعلنی ازع شکر نعمتک عندی واکفه وار تبطه لاینفلت عنی حتی لاانفک شاکر الک انتھی۔ (معارف کاندھلوی)

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ
اور خبر لی اُڑتے جانوروں کی تو کہا کیا ہے جو میں نہیں دیکھتا ہُد ہُد کو
اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿۲۰﴾
یا ہے وہ غائب

ہُد ہُد کی غیر حاضری:

کسی ضرورت سے سلیمان علیہ السلام نے اڑنے والی فوج کا جائزہ لیا، ہُد ہُد اُن میں نظر نہ پڑا۔ فرمایا کیا بات ہے ہُد ہُد کو میں نہیں دیکھتا۔ آیا پرندوں کے جھنڈ میں مجھ کو نظر نہیں آیا، یا حقیقت میں غیر حاضر ہے؟ (تنبیہ) پرندوں سے حضرت سلیمانؑ مختلف کام لیتے تھے مثلاً ہوائی سفر میں اُن کا پرے باندھ کر اوپر سایہ کرتے ہوئے جانا یا ضرورت کے وقت پانی وغیرہ کا کھوج لگانا، یا نامہ بری کرنا وغیرہ۔ ممکن ہے اس وقت ہُد ہُد کی کوئی خاص ضرورت پیش آئی ہو۔ مشہور ہے کہ جس جگہ زمین کے نیچے پانی قریب ہو ہُد ہُد کو محسوس ہو جاتا ہے۔ اور یہ کچھ مستبعد نہیں کہ حق تعالیٰ کسی جانور کو کوئی خاص حاسہ انسانوں اور دوسرے جانوروں سے تیز عنایت فرما دے۔ اسی ہُد ہُد کی نسبت نہایت معتبر ثقات نے بیان کیا کہ زمین میں جس جگہ مٹی کے نیچے پہنچوا ہوا سے

محسوس کر کے فوراً نکال لیتا ہے حتیٰ کہ کبھی کبھی ایک دو بالشت زمین کھودتا ہے تب وہاں سے کیڑا نکالتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے انسانوں کے علاوہ جنات اور وحوش وطیور پر حکومت عطا فرمائی تھی اور جیسا کہ حکمرانی کا اُصول ہے رعایا کے ہر طبقہ کی نگرانی اور خبر گیری حاکم کے فرائض میں سے ہے اس کے مطابق اس آیت میں بیان فرمایا وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ یعنی سلیمان علیہ السلام نے اپنی رعایا کے طیور کا معائنہ فرمایا اور یہ دیکھا کہ ان میں کون حاضر ہے کون غیر حاضر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی عادت شریفہ یہ تھی کہ صحابہ کرامؓ کے حالات سے باخبر رہنے کا اہتمام فرماتے تھے جو شخص غیر حاضر ہوتا اگر بیمار ہے تو عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے تیمارداری کرتے اور کسی تکلیف میں مبتلا ہے تو اس کے لئے تدبیر فرماتے تھے۔

حاکم کو اپنی رعیت کی اور مشائخ کو اپنے شاگردوں اور مُریدوں کی خبر گیری ضروری ہے:

آیت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی رعایا کے ہر طبقہ پر نظر رکھتے اور ان کے حالات سے اتنے باخبر رہتے تھے کہ ہُد ہُد جو طیور میں چھوٹا اور کمزور بھی ہے اور اس کی تعداد بھی دنیا میں بہ نسبت دوسرے طیور کے کم ہے وہ بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی نظر سے اوجھل نہیں ہوا، بلکہ خاص ہُد ہُد کے متعلق جو سوال آپ نے فرمایا اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ زمرۂ طیور میں کم تعداد اور کمزور ہے، اس لئے اپنی رعیت کے کمزوروں پر نظر رکھنے کا زیادہ اہتمام فرمایا صحابہ کرامؓ میں حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس سنت انبیاءؑ کو پوری طرح جاری کیا، راتوں کو مدینہ منورہ کی گلیوں میں پھرتے تھے کہ سب لوگوں کے حالات سے باخبر رہیں، جس شخص کو کسی مصیبت وتکلیف میں گرفتار پاتے اُس کی امداد فرماتے تھے جس کے بہت سے واقعات ان کی سیرت میں مذکور ہیں۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر دریائے فرات کے کنارہ پر کسی بھیڑیئے نے کسی بکری کے بچے کو پھاڑ ڈالا تو اس کا بھی عمر سے سوال ہوگا۔ (قرطبی)

یہ تھے وہ اُصولِ جہانبانی وحکمرانی جو انبیاء علیہم السلام نے لوگوں کو سکھائے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اُن کو عملاً جاری کر کے دکھلایا اور جس کے نتیجہ میں پوری مسلم وغیر مسلم رعایا امن واطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھی اور اُن کے بعد زمین وآسمان نے ایسے عدل وانصاف اور عام دنیا کے امن وسکون اور اطمینان کا یہ منظر نہیں دیکھا۔

فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے کیا ہوگیا کہ میں ہُد ہُد کو مجمع میں نہیں دیکھتا۔

اپنے نفس کا محاسبہ:

یہاں موقع تو یہ فرمانے کا تھا کہ ہُد ہُد کو کیا ہوگیا کہ وہ مجمع میں حاضر نہیں۔ عنوان شاید اس لئے بدلا کہ ہُد ہُد اور تمام طیور کا مسخر ہونا حق تعالیٰ کا ایک انعام خاص تھا، ہُد ہُد کی غیر حاضری پر ابتداء میں یہ خوف دل میں پیدا ہوا کہ شاید میرے کسی قصور سے اس نعمت میں کمی آئی کہ ایک صنف طیور کی یعنی ہُد ہُد غائب ہوگیا اس لئے اپنے نفس سے سوال کیا کہ ایسا کیوں ہوا، جیسا کہ مشائخ صوفیہ کا معمول ہے کہ جب اُن کو کسی نعمت میں کمی آئے یا کوئی تکلیف وپریشانی لاحق ہو تو وہ اس کے ازالہ کے لئے مادی اسباب کی طرف توجہ کرنے سے پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کرتے تھے کہ ہم سے اللہ تعالیٰ کے حق شکر میں کون سی کوتاہی ہوئی جس کے سبب یہ نعمت ہم سے لے لی گئی۔ قرطبی نے اس جگہ بحوالہ ابن عربی ان بزرگوں کا یہ حال نقل کیا ہے۔

اذا فقدوا اٰمالهم تفقدوا اعمالهم

یعنی ان حضرات کو جب اپنی مراد میں کامیابی نہیں ہوتی تو یہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے ہیں کہ ہم سے کیا قصور سرزد ہوا۔ اس ابتدائی محاسبہ نفس اور غور وفکر کے بعد فرمایا أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ اس جگہ حرف اَم بمعنے بل ہے (قرطبی) معنے یہ ہیں کہ یہ بات نہیں کہ ہُد ہُد کے دیکھنے میں میری نظر نے خطاء کی بلکہ وہ حاضر ہی نہیں۔

طیور میں سے ہُد ہُد کی تخصیص کی وجہ اور ایک اہم عبرت:

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے سوال کیا گیا کہ تمام پرندوں میں ہدہد کی تفتیش کی کیا وجہ پیش آئی تو آپ نے فرمایا کہ سلیمان علیہ السلام نے کسی ایسے مقام میں قیام فرمایا جہاں پانی نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ نے ہُد ہُد کو یہ خاصیت عطا فرمائی ہے کہ وہ زمین کے اندر کی چیزوں کو اور زمین کے اندر بہنے والے چشموں کو دیکھ لیتا ہے مقصود حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ تھا کہ ہُد ہُد سے یہ معلوم کریں کہ اس میدان میں پانی کتنی گہرائی میں ہے اور کس جگہ زمین کھودنے سے پانی کافی مل سکتا ہے۔ ہُد ہُد کی اس نشاندہی کے بعد وہ جنات کو حکم دے دیتے کہ اس زمین کو کھود کر پانی نکالو وہ بڑی جلد کھود کر پانی نکال لیتے تھے۔ ہُد ہُد اپنی تیز نظر اور بصیرت کے باوجود شکاری کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ اور پرندوں کو طلب کیا۔

یعنی پرندوں کے متعلق تفتیش کی اور ان کو طلب کیا۔ تفقد کا معنی ہے گم شدہ چیز کا ڈھونڈنا غرض پرندوں کی تفتیش کرنے کے بعد ہدہد کو غیر حاضر پایا۔ ہدہد کو تلاش کرنے کی وجہ یہ تھی کہ جب حضرت سلیمان کسی منزل پر اترتے تھے تو دھوپ سے بچانے کے لئے پرندے پورے لشکر پر سایہ کر لیتے تھے اور ہدہد اوپر چڑھ کر زمین کو دیکھتا تھا اور زمین کے اندر پانی کی تلاش کرتا تھا اور پانی کا دور یا قریب ہونا معلوم کرتا تھا کیونکہ اس کو زمین کے اندر کی چیزیں اسی طرح نظر آتی

تھیں جیسے شیشہ کے اندر چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔ پانی جہاں نظر آجاتا وہاں جا کر چونچ سے زمین کو کریدتا تھا پھر جنات پہنچ کر زمین کو کھود کر پانی برآمد کر لیا کرتے تھے، کذا اخرج ابن ابی شیبۃ و عبدابن حمید و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و الحاکم۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس پر سوال اور اس کا جواب:

سعید بن جبیر نے کہا جب حضرت ابن عباسؓ نے یہ فرمایا تو نافع بن ازرق نے کہا اے بیان کرنے والے دیکھ کیا کہہ رہا ہے (سمجھ کے بات کر) ایک بچہ جب جال بچھا کر اس پر مٹی ڈال دیتا ہے (اور اس پر دانہ بکھیر دیتا ہے) تو ہد ہد کو جال نظر نہیں آتا اور آکر پھنس جاتا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تیرا برا ہو جب تقدیری حکم ہو جاتا ہے تو کچھ دکھائی نہیں دیتا دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں جب قضاوقدر آجاتی ہے تو نظر جاتی رہتی ہے اور نابینا ہو جاتی ہے۔

غرض حضرت سلیمانؑ ایک منزل پر اترے لوگوں نے پانی تلاش کیا کہیں نہیں ملا پانی کی ضرورت سخت تھی حضرت سلیمان نے ہد ہد کو تلاش کرایا آپ کو خیال تھا کہ وہ حاضر ہوگا لیکن وہ نہیں ملا۔

فَقَالَ مَالِیَ لَآ اَرَی الْهُدْهُدَ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِیْنَ پس کہا مجھے کیا ہو گیا ہے مجھے ہد ہد دکھائی نہیں دیتا یا (واقعی) وہ غیر حاضر ہے۔ اس جملہ کا عطف تفقد الطیر پر ہے یعنی سلیمانؑ نے پرندوں کو سایہ فگن ہونے کا حکم دیا لیکن دھوپ آپ کے تخت پر دکھائی دی اور پرندوں کی طرف تفتیشی نظر سے دیکھا تو ہد ہد کو نہ پایا اور فرمایا۔

یا یوں کہا جائے کہ سلیمان کے لئے تمام لشکر فوجیں جتھے جمع کر دیئے گئے اور وہ ایک منزل پر اترے پانی کی ضرورت ہوئی اور پانی نہ ملا تو ہد ہد کو بلوایا ہد ہد نہ ملا تو فرمایا۔ مالی میں استفہام تعجبی ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِیْدًا
اُس کو سزا دوں گا   سخت سزا

مثلاً اُس کے بال و پر نوچ ڈالوں گا۔ (تفسیر عثمانی)

کام میں سستی پر معتدل سزا دینا جائز ہے:

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے حق تعالیٰ نے جانوروں کو ایسی سزائیں دینا حلال کر دیا تھا جیسا عام اُمتوں کے لئے جانوروں کو ذبح کر کے ان کے گوشت پوست وغیرہ سے فائدہ اُٹھانا اب بھی حلال ہے۔ اسی طرح پالتو جانور گائے، بیل، گدھا، گھوڑا، اونٹ وغیرہ اپنے کام میں سستی کرے تو اُس کو تادیب کے لئے بقدر ضرورت مارنے کی معتدل سزا اب بھی جائز ہے۔ دوسرے جانوروں کو سزا دینا ہماری شریعت میں ممنوع ہے۔ (قرطبی)

یا یہ مطلب تھا کہ میں اس کے مخالف کے ساتھ اسکو قید کر دوں گا۔ یا یہ معنی تھا کہ میں اس کو ساتھیوں کا خدمت گار بنادوں گا کہ وہ اپنے ساتھ والوں کی خدمت کرتا رہے حضرت سلیمان کے لئے (ہد ہد کو) عذاب دینا جائز تھا۔ (تفسیر مظہری)

اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَیَاْتِیَنِّیْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ
یا ذبح کر ڈالوں گا   یا لائے میرے پاس کوئی سند صریح

یعنی اپنی غیر حاضری کا واضح عذر پیش کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

مجرم کو عذر کا موقع دینا چاہیئے:

اَوْ لَیَاْتِیَنِّیْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ یعنی اگر ہد ہد نے اپنی غیر حاضری کا کوئی عذر واضح پیش کر دیا تو وہ اس سزا سے محفوظ رہے گا، اس میں اشارہ ہے کہ حاکم کو چاہیئے کہ جن لوگوں سے کوئی قصور عمل میں سرزد ہو جائے اُن کو عذر پیش کرنے کا موقع دے، عذر صحیح ثابت ہو تو سزا کو معاف کر دے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَمَكَثَ غَیْرَ بَعِیْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ
پھر بہت دیر نہ کی کہ آ کر کہا میں لے آیا خبر ایک چیز کی کہ تجھ کو اس کی خبر
بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ
نہ تھی اور آیا ہوں تیرے پاس سبا سے ایک خبر لے کر تحقیقی

قوم سباء: حضرت سلیمانؑ کو اس ملک کا حال مفصل نہ پہنچا تھا)۔ اب پہنچا۔ سبا ایک قوم کا نام ہے اُن کا وطن عرب میں تھا یمن کی طرف (موضح القرآن) گویا ہد ہد کے ذریعہ سے حق تعالیٰ نے متنبہ فرمادیا کہ بڑے سے بڑے انسان کا علم بھی محیط نہیں ہوسکتا دیکھو جن کی بابت خود فرمایا تھا وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا اُن کو ایک جزئی کی اطلاع ہد ہد نے کی۔ (تفسیر عثمانی)

اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ یعنی ہد ہد نے اپنا عذر بتلاتے ہوئے کہا کہ مجھے وہ چیز معلوم ہے جو آپ کو معلوم نہیں، یعنی میں ایک ایسی خبر لایا ہوں جس کا آپ کو پہلے علم نہیں تھا۔

وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ سبا یمن کا ایک مشہور شہر جس کا ایک نام مآرب بھی ہے، اس کے اور یمن کے دارالحکومت صنعاء کے درمیان تین دن کی مسافت تھی۔

انبیاء علیہم السلام عالم الغیب نہیں ہوتے:

امام قرطبی نے فرمایا کہ اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام عالم الغیب نہیں ہوتے جس سے اُن کو ہر چیز کا علم ہو سکے۔

کیا چھوٹے آدمی کو یہ حق ہے کہ اپنے بڑوں سے کہے کہ مجھے آپ سے زیادہ علم ہے

ہد ہد کی مذکورہ گفتگو سے بعض لوگوں نے اس پر استدلال کیا ہے

کہ کوئی شاگرد اپنے استاد سے یا غیر عالم عالم سے کہہ سکتا ہے کہ اس مسئلہ کا علم مجھے آپ سے زیادہ ہے بشرطیکہ اس کو اس مسئلہ کا واقعی طور پر مکمل علم دوسروں سے زائد ہو۔ مگر روح المعانی میں فرمایا کہ یہ طرز گفتگو اپنے مشائخ اور بڑوں کے سامنے خلاف ادب ہے اس سے احتراز کرنا چاہئے ، اور ہُد ہُد کے قول سے اس پر استدلال اس لئے نہیں ہوسکتا کہ اس نے یہ بات اپنے آپ کو سزا سے بچانے اور عذر کے قوی ہونے کے لئے کہی ہے تاکہ اس کی غیر حاضری کا عذر پوری طرح حضرت سلیمانؑ کے سامنے آجائے ایسی ضرورت میں ادب کی رعایت رکھتے ہوئے کوئی بات کی جائے تو مضائقہ نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

چار جانوروں کا قتل ممنوع ہے:

مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار جانوروں کا قتل منع فرمادیا، چیونٹی، شہد کی مکھی، ہُد ہُد اور صُرد یعنی لٹورا۔ (تفسیر ابن کثیر)

ہُد ہُد کا غیر حاضری کے سبب کا مفصل واقعہ:

غَیْرَ بَعِیْدٍ یعنی لمبا توقف نہیں کیا تھا یا دراز مدت تک نہیں ٹھہرے تھے مطلب یہ کہ حضرت سلیمانؑ کے خوف سے ہد ہد جلد واپس آ گیا ہد ہد کی غیر حاضری کا سبب علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہو کر حرم (کعبہ) کو چلے گئے اور اللہ کی مشیت جتنی تھی اسی کے مطابق وہاں قیام پذیر رہے جب تک مکہ میں رہے روزانہ پانچ ہزار اونٹنیاں پانچ ہزار بیل اور بیس ہزار مینڈھے ذبح کرتے رہے آپ نے اپنی قوم کے سرداروں سے فرمایا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں سے نبی عربی جن کے اوصاف یہ یہ ہوں گے برآمد ہوں گے ان کو مخالفین پر فتحیاب کیا جائے گا ان کا رعب ایک ماہ کی مسافت تک پڑے گا نزدیک اور دور ان کے لئے برابر ہوگا اللہ کے معاملہ میں وہ کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے حاضرین نے پوچھا اے اللہ کے نبی ان کا دین کیا ہوگا فرمایا وہ دین توحید (دین حنیف یعنی دین ابراہیمی) پر چلیں گے خوشی ہو اس کے لئے جو ان کو پالے اور ان پر ایمان لائے حاضرین نے دریافت کیا ان کی بعثت میں کتنی مدت باقی ہے حضرت سلیمان نے فرمایا ایک ہزار حاضرین کو چاہئے کہ وہ یہ بات ان لوگوں تک پہنچادیں جو یہاں حاضر نہیں ہیں۔ بیشک وہ انبیاء کے سردار اور خاتم المرسلین ہوں گے۔

راوی کا بیان ہے حضرت سلیمانؑ مکہ میں قیام پذیر رہے جب حج پورا کرلیا تو مکہ سے نکلے اور صبح کو مکہ سے روانہ ہو کر یمن کی طرف چل دیئے صنعاء میں زوال کے وقت پہنچ گئے یہ مسافت ایک ماہ کی راہ تھی صنعاء کی [illegible] اور سرسبز پایا آپ نے وہاں اترنے کو پسند کیا تاکہ کھانے اور نماز سے فراغت حاصل کرلیں ہد ہد نے سوچا کہ سلیمان تو اترنے میں لگے ہوئے ہیں اتنے میں آسمان کی طرف اڑ کر زمین کی لمبائی چوڑائی دیکھ لوں چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور اوپر جاکر دائیں بائیں نظر دوڑائی تو بلقیس کا ایک باغ نظر آیا ہد ہد سبزے کی طرف چل دیا اور باغ میں اتر گیا وہاں ایک اور ہد ہد سے ملاقات ہوگئی ہد ہد سلیمان اس کے پاس اتر کر پہنچ گیا۔ ہد ہد سلیمان کا نام یعفور اور ہد ہد یمن کا نام عنفیر تھا عنفیر نے یعفور سے پوچھا کہاں سے آئے ہو اور کہاں کا ارادہ ہے یعفور نے کہا میں اپنے مالک سلیمان بن داؤد کے ساتھ شام سے آیا ہوں عنفیر نے پوچھا سلیمان کون ہے یعفور نے کہا وہ جن وانس اور شیطانوں وحشی جانوروں پرندوں اور ہواؤں کے بادشاہ ہیں۔ (ان کا حکم سب پر چلتا ہے) تم کہاں کے رہنے والے ہو عنفیر نے کہا اسی ملک کا باشندہ ہوں یعفور نے پوچھا اس ملک کا بادشاہ کون ہے عنفیر نے کہا یہاں کی بادشاہ ایک عورت ہے جس کو بلقیس کہا جاتا ہے بیشک تمہارے آقا کا ملک بڑا ہے لیکن بلقیس کا ملک بھی کم نہیں ہے وہ یمن کی ملکہ ہے اس کے زیر حکم بارہ ہزار جرنل ہیں اور ہر جرنل کے ماتحت ایک لاکھ جنگی سپاہی ہیں کیا تم میرے ساتھ چل کر اس کی حکومت دیکھنا چاہتے ہو یعفور نے کہا مجھے یہ ڈر لگا ہوا ہے کہ نماز کے وقت سلیمان کو پانی کی ضرورت ہوگی اور مجھے تلاش کریں گے عنفیر نے کہا تمہارا مالک اس بات سے خوش ہوگا کہ تم اس کو اس ملک کی خبر بتاؤ گے یعفور نے عنفیر کے ساتھ بلقیس کو اور اس کی حکومت کو دیکھا اور سلیمان کے پاس عصر کے وقت سے پہلے نہ پہنچ سکا ادھر جب سلیمان اتر پڑے تو اس جگہ پانی نہ تھا نماز کا وقت آ گیا اور پانی کی ضرورت ہوئی تو پانی نہیں ملا آپ نے جنات سے آدمیوں سے اور شیاطین سے پانی کے متعلق دریافت کیا لیکن کسی کو معلوم نہ تھا کہ پانی کہاں ہے پرندوں کی تلاش کی تو ہد ہد کو غیر حاضر پایا پرندوں کے عریف (مانیٹر۔ سردار۔ ناظم) یعنی گدھ کو طلب فرمایا اور ہد ہد کے متعلق اس سے پوچھا گدھ نے کہا مجھے معلوم نہیں وہ کہاں ہے میں نے تو اس کو کہیں بھیجا نہیں ہے۔ اس وقت حضرت سلیمانؑ کو غصہ آ گیا اور فرمایا لَأُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ پھر پروں کے سردار عقاب کو بلوایا اور حکم دیا ابھی ہد ہد کو پکڑ لاؤ عقاب فوراً اڑا اور آسمان کے نیچے ہوا کے ساتھ چسپاں ہو گیا وہاں سے اس کو یہ دنیا ایک پیالہ کی طرح نظر آئی پھر ادھر اُدھر نظر دوڑائی تو یمن کی طرف سے ہد ہد بھی آتا دکھائی دیا عقاب اس پر ٹوٹ پڑا ہد ہد نے عقاب کو پرتو کرا اپنی طرف آتا دیکھا تو سمجھ گیا کہ عقاب کا ارادہ میرے متعلق برا ہے ہد ہد نے اس کو قسم دی اور کہا میں تجھے اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے تجھے طاقت عطا کی ہے اور مجھ پر قدرت دی ہے تو مجھ پر رحم کر اور کوئی دکھ پہنچانے کے درپے نہ ہو عقاب ہد ہد کی طرف سے پلٹ گیا کم بخت تو مرے اللہ کے پیغمبر نے قسم کھائی ہے کہ وہ تجھے عذاب دیں گے یا ذبح کر ڈالیں گے اس کے بعد دونوں نے حضرت

سلیمانؑ کی طرف رخ کر دیا جب لشکر تک پہنچے تو گدھ اور دوسرے پرندوں نے جالیا اور کہا ارے آج تو دن بھر کہاں غائب رہا اللہ کے پیغمبر نے تیرے متعلق یہ یہ کہا تھا ہدہد نے کہا کیا انہوں نے (اپنی قسم میں) کوئی شرط بھی لگائی تھی پرندوں نے کہا ہاں یہ بھی فرمایا کہ اَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ہدہد نے کہا بس تو میں عذاب سے بچ گیا پھر عقاب اور ہدہد اڑ کر حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں پہنچا آپ اس وقت کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے عقاب نے کہا یا نبی اللہ میں اس کو لے آیا ہدہد نے سلیمان کو دیکھ کر اظہار عاجزی کے طور پر اپنا سر اٹھایا دم اور دونوں بازو نیچے کو لٹکا دیئے اور زمین پر ان کو کھینچنے لگا جب آپ کے قریب پہنچ گیا تو آپ نے اس کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور فرمایا تو کہاں تھا میں تجھے ضرور سخت عذاب دوں گا ہدہد نے کہا یا نبی اللہ اس وقت کو یاد کیجئے جب آپ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے یہ بات سن کر حضرت سلیمان لرز گئے اور ہدہد کو معاف کر دیا۔ پھر غیر حاضری کی وجہ دریافت کی۔

کسی کو اپنے علم پر ناز نہ کرنا چاہئے:

فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ (کہ ہدہد آ گیا) اور اس نے کہا میں ایسی بات پوری پوری معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں۔

احاطہ کسی چیز کا ہمہ جہتی (پورا پورا) علم۔ اللہ کے سوا دوسروں کے علم کے لئے اس کا استعمال یا بطور مجاز ہوتا یا بطریق مبالغہ مطلب یہ ہے کہ مجھے ایک بات یقینی طور پر معلوم ہوئی ہے جو آپ کے علم میں نہیں ہے ایک ہدہد کا ایک جلیل القدر نبی سے اس طرح خطاب کرنا بتا رہا ہے کہ ادنیٰ جانور کو بھی بعض وہ باتیں معلوم تھیں جو سلیمان کو بھی نہ تھیں اس میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ سلیمان علیہ السلام کو اپنے علم پر ناز نہ کرنا چاہئے بلکہ سمجھ لینا چاہئے کہ میرا علم بہت ہی ناقص ہے اس سے شیعہ فرقہ کا اس عقیدہ کا غلط ہونا ثابت ہوتا ہے کہ امام سے کوئی بات چھپی نہیں رہتی اور اس کے زمانہ میں کوئی بھی اس سے زیادہ اور بڑھ کر عالم نہیں ہوتا۔

سبا یمن کے ایک شہر کا نام ہے جس کا صنعاء سے فاصلہ تین برید ہے بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سبا کے متعلق دریافت کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبا ایک آدمی تھا جس کے دس بیٹے تھے جن میں سے چھ دائیں سمت کو چلے گئے اور چار بائیں رخ کو یعنی چھ نے دائیں طرف جا کر آبادی کر لی یہ ملک یمن ہو گیا اور چار نے بائیں جانب جا کر آباد ہو گئے یہ آبادی شام کے نام سے موسوم ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ
میں نے پایا ایک عورت کو جو ان پر بادشاہی کرتی ہے اور اس کو ہر ایک چیز ملی ہے

ہر ایک چیز میں مال، اسباب، فوج، اسلحہ اور حسن و جمال سب آ گیا۔ (تفسیر عثمانی)

ملکہ سباء: اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ یعنی میں نے ایک عورت کو پایا جو قوم سبا کی مالک ہے یعنی اُن پر حکومت کرتی ہے اس عورت یعنی ملکہ سبا کا نام تاریخ میں بلقیس بنت شراحیل بتلایا گیا ہے اور بعض روایات میں ہے کہ اس کی والدہ جنات میں سے تھی جس کا نام ملعمہ بنت شیصان بتلایا جاتا ہے (رواہ وہیب بن جریر عن الخلیل ابن احمد۔ قرطبی) اور اُن کا دادا ہُد ہُد پورے ملک یمن کا ایک عظیم الشان بادشاہ تھا جس کی اولاد میں چالیس لڑکے ہوئے سب کے سب مُلوک اور بادشاہ بنے۔ ان کے والد شراح نے ایک جنیہ عورت سے نکاح کر لیا تھا اُسی کے بطن سے بلقیس پیدا ہوئی۔ جنیہ سے نکاح کرنے کی مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ یہ اپنی حکومت و سلطنت کے غرور میں لوگوں سے کہتا تھا کہ تم میں کوئی میرا کفو نہیں اس لئے میں نکاح ہی نہ کروں گا کیونکہ غیر کفو میں نکاح مجھے پسند نہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے اس کا نکاح ایک جنیہ عورت سے کرا دیا (قرطبی) شاید یہ اُسی فخر و غرور کا نتیجہ تھا کہ اس نے انسانوں کو جو درحقیقت کفو تھے حقیر و ذلیل سمجھا اور اپنا کفو تسلیم نہ کیا تو قدرت نے اس کا نکاح ایک ایسی عورت سے مقدر کر دیا جو نہ اس کی کفو تھی نہ اس کی جنس و قوم سے تھی۔

کیا انسان کا نکاح جنی عورت سے ہو سکتا ہے:

احادیث صحیحہ سے جنات میں توالد و تناسل اور مرد و عورت کی تمام وہ خصوصیات جو انسانوں میں ہیں جنات میں بھی موجود ہونا ثابت ہے۔

دوسرا سوال شرعی حیثیت سے ہے کہ کیا عورت جنیہ کسی انسان مرد کے لئے نکاح کر کے حلال ہو سکتی ہے۔

اس مسئلہ کی تفصیل آکام المرجان فی احکام الجان میں مذکور ہے اس میں بعض ایسے واقعات بھی ذکر کئے ہیں کہ مسلمان مرد سے مسلمان جنیہ کا نکاح ہوا اور اس سے اولاد بھی ہوئی یہاں یہ مسئلہ اس لئے زیادہ قابل بحث نہیں کہ نکاح کرنے والا بلقیس کا والد مسلمان ہی نہ تھا اس کے عمل سے کوئی استدلال جواز یا عدم جواز پر نہیں ہو سکتا اور چونکہ شرع اسلام میں اولاد کی نسبت باپ کی طرف ہوتی ہے اور بلقیس کے والد انسان تھے اس لئے بلقیس انسان ہی قرار پائے گی۔

عورت کی حکمرانی:

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی کہ اہل فارس نے اپنے ملک کا بادشاہ کسریٰ کی بیٹی کو بنا دیا ہے تو آپ نے فرمایا لن یفلح قوم ولوا امرھم امراۃ یعنی وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جس نے اپنے اقتدار کا مالک عورت کو بنا دیا۔ اس لئے علماء اُمت اس پر متفق ہیں کہ کسی عورت کو امامت و خلافت یا سلطنت و حکومت سپرد نہیں کی جا سکتی، بلکہ نماز کی امامت کی طرح امامت کبریٰ بھی صرف مردوں کو

سزاوار ہے۔ رہا بلقیس کا ملکہ سبا ہونا تو اس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہوسکتا جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے خود نکاح کیا اور پھر اس کو حکومت وسلطنت پر برقرار رکھا، اور یہ کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں جس پر احکام شرعیہ میں اعتماد کیا جاسکے۔ (معارف مفتی اعظم)

بلقیس.... پیدائش سے حکمرانی تک:

ملکہ سبا کا نام بلقیس بنت شراحیل تھا وہ یعرب بن قحطان کی نسل سے تھی اس کا باپ بہت بڑا بادشاہ تھا جس کے ۳۹ آباء واجداد بادشاہ ہو گزرے تھے وہ خود چالیسواں تھا ملک یمن پر حکومت کرتا تھا اور سرحدی ہمسران بادشاہوں میں سے کسی کو اپنا ہمسر نہیں جانتا تھا اسی لئے اس نے ہر بادشاہ کی بیٹی سے نکاح کرنے سے انکار کر دیا تھا آخر اس کا نکاح (خاندان جنات میں) ایک پری سے ہو گیا جس کا نام ریحانہ بنت سکن تھا اس پری کے پیٹ سے بلقیس بنت شراحیل پیدا ہوئی۔ سوا بلقیس کے شراحیل کا کوئی اور بچہ نہیں ہوا۔ حدیث میں آیا ہے کہ بلقیس کے ماں باپ میں سے کوئی ایک جنات میں سے تھا۔

باپ کے مرنے کے بعد بلقیس نے ملکہ بننے کی خواہش کی اور اپنی حکومت کا اعلان کر دیا قوم میں سے کچھ لوگوں نے مان لیا اور کچھ نے مخالفت کی مخالفین نے ایک اور شخص کو اپنا بادشاہ بنا لیا قوم دو فرقوں میں بٹ گئی یمن کی مملکت کے بھی دو ٹکڑے ہو گئے جس مرد کو بادشاہ بنایا گیا تھا اس نے لوگوں سے بہت برا سلوک کیا۔ رعیت کی عورتوں پر بھی دست درازی کرنے لگا لوگوں نے اس کو معزول کرنا چاہا لیکن اس کی طاقت زیادہ تھی کچھ بس نہ چلا بلقیس نے جب عورتوں کی یہ بے حرمتی دیکھی تو اس کو غیرت آئی اور اس نے اس ظالم بادشاہ کے پاس از خود تحریر بھیجی اور خواہش کی کہ تم مجھ سے نکاح کر لو (تاکہ دونوں حکومتیں ایک ہو جائیں اور قومی نفاق مٹ جائے) بادشاہ نے جواب لکھا۔ مجھے تمہاری طرف سے امید نہ تھی کہ تم میرے پیام نکاح کو قبول کر لوگی اسی لئے میں نے اپنی طرف سے نکاح کی تحریک نہیں کی بلقیس نے کہا مجھے کوئی عذر نہیں تم میرے کفو اور شریف ہو اب میری قوم والوں کو جمع کر کے ان کے سامنے مجھ سے نکاح کرنے کی درخواست رکھو بادشاہ نے سب لوگوں کو جمع کیا اور سب کو نکاح کا پیام دیا لوگوں نے کہا ہمارے خیال میں تو بلقیس راضی نہیں ہوگی بادشاہ نے کہا ابتدائی تحریک خود اس کی طرف سے ہو چکی ہے میں آپ لوگوں سے یہ چاہتا ہوں کہ اس کی زبان سے تم خود اس کا اقرار سن لو قوم والوں نے آ کر بلقیس سے اس کا ذکر کیا بلقیس نے کہا ہاں مجھے اولاد کی تمنا ہے غرض لوگوں نے بلقیس کا نکاح بادشاہ سے کر دیا بلقیس جب وداع ہو کر گئی تو اپنی بہت سی فوج کو (جلو میں) لیتی گئی اور بادشاہ کے پاس پہنچی تو اس کو اتنی شراب پلائی کہ وہ بے ہوش ہو گیا پھر اس کا سر کاٹ کر رات ہی کو اپنے گھر واپس آ گئی صبح ہوئی اور لوگوں نے بادشاہ کو مقتول اور سر دروازہ پر لٹکا ہوا پایا تو سمجھ لیا کہ یہ نکاح ایک فریب و مکر تھا اس کے بعد سب لوگوں نے بالاتفاق بلقیس کو ملکہ مان لیا۔ (تفسیر مظہری)

بلقیس کی والدہ:

قتادہؒ کہتے ہیں کہ اس کی ماں جنیہ عورت تھی اس کے قدم کا پچھلا حصہ چوپائے کے کھر جیسا تھا اور روایت میں ہے کہ اس کی ماں کا نام فارعہ تھا۔ ابن جریج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کے باپ کا نام ذی شرح تھا اور ماں کا نام بلتعہ تھا۔

بلقیس کا لاؤ و لشکر:

لاکھوں کا اس کا لاؤ لشکر تھا۔ اس کی بادشاہی ایک عورت کو کرتے ہوئے میں نے پایا۔ اس کے مشیر وزیر تین سو بارہ شخص ہیں ان میں سے ہر ایک کے ماتحت بارہ ہزار کی جمعیت ہے۔ اس کی زمین کا نام مارب ہے۔ یہ صنعا سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہی قول قرین قیاس ہے۔ (اس کا اکثر حصہ مملکت یمن میں ہے۔ واللہ علم۔ دنیوی ضروری اسباب ہر قسم کا اسے مہیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾

اور اُس کا	ایک تخت ہے بڑا

بلقیس کا تخت:

یعنی اُس ملکہ کے بیٹھنے کا تخت ایسا مکلف و مرصع اور بیش قیمت تھا کہ اُس وقت کسی بادشاہ کے پاس نہ تھا مفسرین ملکہ کا نام بلقیس لکھتے ہیں۔ واللہ اعلم (تفسیر عثانی)

وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ اور اس کا تخت عظیم ہے۔

یعنی جسم میں بڑا سونے کا بنا ہوا یاقوت سرخ زبرجد سبز اور موتیوں سے مرصع جس کے پائے یاقوت و زمرد کے تھے۔ اس کے اوپر سات کمرے تھے اور ہر کمرہ کا دروازہ علیحدہ تھا جو بند رہتا تھا۔ ابن ابی حاتم نے زہیر بن محمد کے حوالہ سے بیان کیا کہ وہ تخت سونے کا تھا جس کے دونوں پہلو یاقوت و زبرجد سے مرصع تھے اس کا طول ۸۰ ہاتھ اور عرض ۴۰ ہاتھ تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا بلقیس کا تخت تیس ہاتھ لمبا تیس ہاتھ چوڑا تھا۔ (تفسیر مظہری)

اس کا نہایت ہی شاندار تخت ہے جس پر وہ جلوس کرتی ہے سونے سے منڈھا ہوا ہے اور جڑاؤ اور مروارید کی کاریگری اس پر ہوئی ہے یہ اسی ہاتھ اونچا تھا اور چالیس ہاتھ چوڑا تھا۔ چھ سو عورتیں ہر وقت اس کی خدمت میں کمربستہ رہتی تھیں اس کا دیوان خاص جس میں یہ تخت تھا بہت بڑا محل تھا بلند و بالا کشادہ اور فراخ پختہ مضبوط اور صاف۔ جس کے شرقی حصے میں تین سو ساٹھ طاق تھے اور اتنے ہی مغربی حصے میں اسے اس صنعت سے بنایا تھا کہ ہر دن سورج ایک طاق سے نکلتا اور اسی کے مقابلہ کے طاق سے غروب ہوتا۔ اہل دربار صبح شام اسے سجدہ کر لیتے راجا پرجا سب آفتاب پرست تھے خدا کا پجاری ان میں ایک بھی نہ تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

میں نے پایا کہ وہ اور اس کی قوم سجدہ کرتے ہیں سورج کو اللہ کے سوائے

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ

اور بھلے دکھلا رکھے ہیں اُن کو شیطان نے اُن کے کام پھر روک دیا ہے

عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾

اُن کو رستہ سے سو وہ راہ نہیں پاتے

قوم سبا کا شرک:

یعنی وہ قوم مشرک آفتاب پرست ہے شیطان نے اُن کی راہ مار دی، اور مشرکانہ رسوم واطوار کو اُن کی نظر میں خوبصورت بنا دیا۔ اسی لئے وہ راہِ ہدایت نہیں پاتے۔ ہُد ہُد نے یہ کہہ کر گویا سلیمان علیہ السلام کو اس قوم پر جہاد کرنے کی ترغیب دی۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ

کیوں نہ سجدہ کریں اللہ کو جو نکالتا ہے چھپی ہوئی چیز آسمانوں میں

وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور زمین میں اور جانتا ہے جو چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو

جانوروں کی فطری معرفت:

غالباً یہ ہد ہد کے کلام کا تتمہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جانور اپنے خالق کی صحیح معرفت فطرۃً رکھتے ہیں۔ یا بطور خرق عادت اُسی ہُد ہُد کو اس طرح کی تفصیلی معرفت عطا کی گئی ہو۔ خدا چاہے تو ایسی معرفت ایک خشک لکڑی میں پیدا کر دے۔ باقی جانوروں میں فطری طور پر اس قسم کی عقل ومعرفت کا موجود ہونا جیسے صدر شیرازی نے اسفار اربعہ میں علم حضوری یا شعور بسیط سے تعبیر کیا ہے اس کو مستلزم نہیں کہ ان کی طرف انبیاء مبعوث ہوں۔ کیونکہ یہ فطری معرفت کسبی نہیں جبلی ہے۔ اور بعثت انبیاء کا تعلق کسبیات سے ہوتا ہے۔ نیز یہ صحیح نہیں کہ جس چیز میں کوئی درجہ عقل وشعور کا ہو وہ مکلف بھی ہو۔ مثلاً شریعت حقہ نے صبی کو مکلف قرار نہیں دیا۔ حالانکہ قبل از بلوغ اس میں خاصا درجہ عقل کا موجود ہے اسی سے حیوانات کی عاقلیت کا اندازہ کر لو۔ (تنبیہ) حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ہُد ہُد کی روزی ہے ریت سے کیڑے نکال نکال کر کھانا۔ نہ دانہ کھائے نہ میوہ، اُس کو اللہ کی اسی قدرت سے کام ہے شاید اس لئے یخرج الخبء کا خاص طور پر ذکر کیا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾

اللہ ہے کسی کی بندگی نہیں اُس کے سوائے پروردگار تخت بڑے کا

یعنی اُس کے عرش عظیم سے بلقیس کے تخت کو کیا نسبت۔

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾

سلیمان نے کہا ہم اب دیکھتے ہیں تو نے سچ کہا یا تو جھوٹا ہے

یعنی تیرے جھوٹ سچ کا امتحان کرتا ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت سلیمانؑ کا خط:

اس کے بعد ہد ہد نے لوگوں کو پانی کا پتہ بتایا اور لوگوں نے گڑھے کھود کر پانی خود بھی پیا اور جانوروں کو بھی پلایا۔ حضرت سلیمان نے ایک خط اس طرح لکھا۔ بندۂ خدا سلیمان بن داؤد کی طرف سے بلقیس ملکہ سبا کے نام۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت پر چلے۔ امابعد۔ مجھ پر فخر نہ کرو اور میرے پاس اطاعت گزار ہو کر آ جاؤ۔ ابن جریج نے کہا حضرت سلیمان نے صرف اتنے ہی الفاظ لکھے جتنے اللہ نے اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں قتادہ نے کہا انبیاءؑ کی تحریریں ایسی ہی مختصر ہوتی ہیں وہ کلام کو طول نہیں دیتے نہ زیادہ بات لکھتے ہیں۔ خط لکھ کر حضرت سلیمانؑ نے اس پر مشک چسپاں کیا اور اس پر اپنی مہر لگا کر ہد ہد کے حوالہ کیا اور فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ

لے جا میرا یہ خط اور ڈال دے اُنکی طرف پھر اُنکے پاس سے ہٹ آ

فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾

پھر دیکھ وہ کیا جواب دیتے ہیں

قاصد شاہی کے آداب:

یعنی سلیمانؑ نے ایک خط لکھ کر ہُد ہُد کے حوالہ کیا کہ ملکہ سبا کو پہنچا دے اور جواب لے کر آ۔ اور دیکھنا خط پہنچا کر وہاں سے ایک طرف ہٹ جانا۔ کیونکہ قاصد کا وہیں سر پر کھڑا رہنا آداب شاہانہ کے خلاف ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں یعنی آپ کو چھپایا لیکن وہاں کا ماجرا دیکھ ہد ہد خط لے گیا بلقیس جہاں اکیلی سوتی تھی۔ روزن میں سے جا کر اس کے سینہ پر رکھ دیا۔ (موضح) (تفسیر عثمانی)

تحریر اور خط بھی عام معاملات میں حجت شرعیہ ہے:

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کے نام خط بھیجنے و

اس پر اتمام حجت کے لئے کافی سمجھا اور اسی پر عمل فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ عام معاملات میں تحریر وخط قابل اعتبار ثبوت ہے۔ فقہاء رحمہم اللہ نے صرف اُن مواقع میں خط کو کافی نہیں سمجھا جہاں شہادت شرعیہ کی ضرورت ہے کیونکہ خط اور ٹیلیفون وغیرہ کے ذریعہ شہادت نہیں لی جاسکتی۔ شہادت کا مدار شاہد کا عدالت کے سامنے آ کر بیان دینے پر رکھا گیا جس میں بڑی حکمتیں مضمر ہیں، یہی وجہ ہے کہ آجکل بھی دنیا کی کسی عدالت میں خط اور ٹیلیفون پر شہادت لینے کو کافی نہیں سمجھا جاتا۔

مشرکین کو خط لکھنا اور اُن کے پاس بھیجنا جائز ہے:

دوسرا مسئلہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس خط سے یہ ثابت ہوا کہ تبلیغ دین اور دعوت اسلام کے لئے مشرکین اور کفار کو خطوط لکھنا جائز ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مختلف کفار کو خطوط بھیجنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

انسانی اخلاق کی رعایت ضروری ہے:

فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد سے نامہ بری کا کام لیا تو اس کو یہ ادب مجلس بھی سکھایا کہ خط ملکہ سبا کو پہنچا کر وہیں سر پر سوار نہ رہے بلکہ وہاں سے ذرا ہٹ جائے جو عام شاہی مجلسوں کا طریقہ ہے اس میں آداب معاشرت اور انسانی اخلاق کا عام مخلوقات کے ساتھ مطلوب ہونا معلوم ہوا۔ (معارف مفتی اعظم)

خط بلقیس کے پاس:

حسب الحکم ہدہد خط لے کر بلقیس کے پاس پہنچا بلقیس اس وقت صنعاء سے تین منزل پر مقام مآرب میں تھی ہدہد ملکہ کے قصر میں پہنچا تو دروازے سب مقفل پائے اور کنجیاں ملکہ نے اپنے سرہانے رکھ لی تھیں غرض ہدہد (کسی طرح) بلقیس کے قریب پہنچ گیا بلقیس چت لیٹی سو رہی تھی ہدہد نے خط اس کے سینہ پر رکھ دیا۔
كذا اخرج عبد بن حميد و ابن المنذر و ابن ابی حاتم عن قتادة.

مقاتل کا بیان ہے کہ ہدہد اپنی چونچ میں خط پکڑ کر لے گیا اور بلقیس کے سرہانے جا کھڑا ہوا باڈی گارڈ سردار اور سپاہی موجود تھے ہدہد نے پر پھڑ پھڑائے لوگ اس کو دیکھتے رہے آخر ملکہ نے خود سر اٹھایا ہدہد نے فوراً خط ملکہ کی گود میں ڈال دیا۔

وہب بن منبہ اور ابن زید کا بیان ہے کہ سورج کے رخ پر ایک روشن دان تھا اور سورج سامنے سے نکلتا تھا جونہی ملکہ روشن دان (یا دریچہ) سے اس کی طرف دیکھتی اور سورج نظر آتا فوراً اس کو سجدہ کرتی تھی ہدہد اس دریچہ میں گھس گیا اور دونوں بازو پھیلا کر روشندان کو بند کر دیا سورج حسب معمول اونچا ہوا لیکن روشن دان بند ہونے کی وجہ سے ملکہ کو پتہ نہ چلا جب دیر ہوگئی تو اُٹھ کر سورج کو دیکھنے گئی ہدہد نے فوراً خط اس کی طرف پھینک دیا بلقیس پڑھی ہوئی تھی خط لے کر مہر دیکھی مہر دیکھتے ہی لرز گئی کیونکہ سلیمان کی حکومت (کا نقشہ) مہر میں موجود تھا سمجھ گئی کہ جس نے یہ خط بھیجا ہے وہ مجھ سے بڑا بادشاہ ہے ہدہد خط پھینک کر کچھ پیچھے ہٹ گیا بلقیس نے خط پڑھا پھر جا کر تخت پر بیٹھی اور اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا یہ سردار بارہ ہزار تھے ہر سردار کے ماتحت ایک لاکھ سپاہی تھے حضرت ابن عباس کا قول ایک روایت میں آیا ہے کہ بلقیس کے ساتھ ایک لاکھ اقیال تھے اور ہر قیل کے پاس ایک لاکھ فوج تھی قیل بمعنی نواب یا بادشاہ جو شہنشاہ کے ماتحت ہوتا ہے قتادہ اور مقاتل نے کہا بلقیس کی مشورہ میٹی ۳۱۳ آدمیوں کی تھی ہر ممبر شوریٰ کے ماتحت دس دس ہزار سپاہی تھے سب آ کر اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے تو۔ (تفسیر مظہری)

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾

کہنے لگی اے دربار والو میرے پاس ڈالا گیا ایک خط عزت کا

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ

وہ خط ہے سلیمان کی طرف سے

بلقیس کا اپنے وزیروں سے مشورہ:

بلقیس نے خط پڑھ کر اپنے مشیروں اور درباریوں کو جمع کیا، کہنے لگی کہ میرے پاس یہ خط عجیب طریقہ سے پہنچا ہے جو ایک بہت بڑے معزز ومحترم بادشاہ (سلیمانؑ) کی طرف سے آیا ہے۔ غالباً حضرت سلیمان کا نام اور اُن کی بے مثال حکومت وشوکت کا شہرہ پہلے سے سن چکی ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط کس زبان میں تھا:

حضرت سلیمان علیہ السلام گو عربی نہ تھے لیکن عربی زبان جاننا اور سمجھنا آپ سے کوئی بعید بھی نہیں، جبکہ آپ پرندوں تک کی زبان بھی جانتے تھے اور عربی زبان تو تمام زبانوں سے افضل اور اشرف ہے لہٰذا ہوسکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط عربی زبان میں لکھا ہو کیونکہ مکتوب الیہ (بلقیس) عربی النسل تھی اس نے خط کو پڑھا بھی اور سمجھا بھی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط اپنی ہی زبان میں تحریر فرمایا ہو اور بلقیس کے پاس حضرت سلیمان علیہ السلام کی زبان کا ترجمان ہو جس نے پڑھ کر خط سنایا اور سمجھایا ہو۔ (روح)

خط نویسی کے چند آداب:

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ کریم کے لفظی معنی معزز مکرم کے ہیں اور محاورہ میں کسی خط کو معزز مکرم جب کہا جاتا ہے جبکہ اس پر مہر لگائی گئی ہو۔ اسی لئے اس آیت میں كِتٰبٌ كَرِيْمٌ کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ قتادہ

زبیرؒ وغیرہ نے کتاب مختوم سے کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط پر اپنی مہر ثبت فرمائی تھی۔ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ملوک عجم کی یہ عادت معلوم ہوئی کہ جس خط پر مہر نہ ہو اُس کو نہیں پڑھتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بادشاہوں کے خطوط کے لئے مہر بنوائی اور قیصر وکسریٰ وغیرہ کو جو خطوط تحریر فرمائے اُن پر مہر ثبت فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ خط پر مہر لگانا مکتوب الیہ کا بھی اکرام ہے اور اپنے خط کا بھی، آج کل عادت خط کو لفافہ میں بند کر کے بھیجنے کی ہوگئی ہے یہ بھی مہر کے قائم مقام ہے جس جگہ مکتوب الیہ کا اکرام منظور ہو، کھلا خط بھیجنے کے بجائے لفافہ میں بند کر کے بھیجنا اقرب الی السنۃ ہے۔

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قرآن کریم نے انسانی زندگی کا کوئی پہلو نہیں چھوڑا جس پر ہدایات نہ دی ہوں۔ خط وکتابت اور مراسلت کے ذریعہ باہمی گفت وشنید بھی انسان کی اہم ضروریات میں داخل ہے اس سورت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا مکتوب بنام ملکہ سبا (بلقیس) پورا کا پورا نقل فرمایا گیا، یہ ایک پیغمبر ورسول کا خط ہے اور قرآن کریم نے اس کو بطور استحسان کے نقل کیا ہے اس لئے اس خط میں جو ہدایات خط وکتابت کے معاملے میں پائی جاتی ہیں وہ مسلمانوں کے لئے بھی قابل اتباع ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

حضرت سلیمانؑ کے خط کا اعزاز:

امام قشیری فرماتے ہیں کہ اس کتاب کو کتاب کریم اس لئے کہا کہ اس گرامی نامہ کا مضمون اللہ کے نام سے شروع ہوا ہے اور اس میں مالک الملک کی اطاعت اور فرمانبرداری کی دعوت دی گئی ہے اور اس میں اپنے لئے ملک اور سلطنت کی طمع کا کوئی شائبہ اور رائحہ بھی نہیں۔

نظم

اے نام تو بہترین سر آغاز   بے نام تو نامہ کے کنم آغاز

آرائش نامہاست نامت   آسائش سینہا کلامت

غرض یہ کہ ملکہ بلقیس نے جب یہ دیکھا کہ اس کتاب کریم کو ایک پرندہ لے کر آیا ہے جو نہایت شائستہ اور ادب سے آراستہ ہے تو سمجھ گئی کہ پرند جس کے مطیع اور فرمانبردار ہوں وہ شاہانِ عالم کی قسم کا بادشاہ نہیں وہ کوئی خاص برگزیدہ ہستی ہے اس لئے اس نے ارکانِ دولت کو جمع کر کے سلیمان علیہ السلام کا یہ گرامی نامہ سنایا تمام دربار ہل گیا اور گھبرا اُٹھے۔

کاتب اپنا نام پہلے لکھے پھر مکتوب الیہ کا:

سب سے پہلی ایک ہدایت تو اس خط میں یہ ہے کہ خط کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے نام سے شروع کیا، مکتوب الیہ کا نام کس طرح لکھا قرآن کریم کے الفاظ میں وہ مذکور نہیں۔ مگر اتنی بات اس سے معلوم ہوئی کہ خط لکھنے والے کے لئے سنتِ انبیاء یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنا نام لکھے جس میں بہت سے فوائد ہیں مثلاً خط پڑھنے سے پہلے ہی مکتوب الیہ کے علم میں آ جائے کہ میں کس کا خط پڑھ رہا ہوں تاکہ وہ اُسی ماحول میں خط کے مضمون کو پڑھے اور غور کرے مخاطب کو یہ تکلیف نہ اُٹھانی پڑے کہ کاتب کا نام خط میں تلاش کرے کہ کس کا خط ہے کہاں سے آیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جتنے مکاتیب منقول اور شائع شدہ عالم میں موجود ہیں اُن سب میں بھی آپ نے یہی طریقہ اختیار فرمایا ہے کہ (من محمد عبداللہ ورسولہ) سے شروع فرمایا گیا ہے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ جب کوئی بڑا آدمی اپنے چھوٹے کو خط لکھے اس میں تو اپنے نام کی تقدیم پر کوئی اشکال نہیں، لیکن کوئی چھوٹا اپنے باپ، اُستاد وشیخ یا اور کسی بڑے کو خط لکھے اس میں اپنے نام کو مقدم کرنا کیا اس کے ادب کے خلاف نہ ہوگا اور اس کو ایسا کرنا چاہئے یا نہیں، اس معاملے میں حضرات صحابہ کرامؓ کا عمل مختلف رہا ہے اکثر حضرات نے تو اتباع سنت نبوی کو ادب پر مقدم رکھ کر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خطوط لکھے اُن میں بھی اپنے نام کو مقدم لکھا ہے۔ روح المعانی میں بحرمحیط کے حوالہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تو کوئی انسان قابلِ تعظیم نہیں، مگر صحابہ کرامؓ جب آپ کو بھی خط لکھتے تو اپنا نام ہی شروع میں لکھا کرتے تھے اور حضرت علاء حضرمی کا خط جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام معروف ہے وہ اس پر شاہد ہے۔

البتہ روح المعانی میں مذکورہ روایات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ سب کلام افضلیت میں ہے جواز میں نہیں اگر کوئی شخص اپنا نام شروع کے بجائے اخیر میں لکھ دے تو یہ بھی جائز ہے۔ فقیہ ابواللیث کی بُستان میں ہے کہ اگر کوئی شخص مکتوب الیہ کے نام سے شروع کر دے تو اس کے جواز میں کسی کو کلام نہیں کیونکہ اُمت میں یہ طریقہ بھی چلا آ رہا ہے اس پر نکیر نہیں کی گئی (روح المعانی، قرطبی)

خط کا جواب دینا بھی سنتِ انبیاء ہے:

تفسیر قرطبی میں ہے کہ جس شخص کے پاس کسی کا خط آئے اُس کے لئے مناسب ہے کہ اس کا جواب دے کیونکہ غائب کا خط حاضر کے سلام کے قائم مقام ہے اس لئے حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت میں ہے کہ وہ خط کے جواب کو جواب سلام کی طرح واجب قرار دیتے تھے۔ (قرطبی)

خطوط میں بسم اللہ لکھنا:

حضرت سلیمان علیہ السلام کے مذکورہ خط سے نیز رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام مکاتیب سے ایک مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ خط کے شروع میں بسم اللہ

الرحمٰن الرحیم لکھنا سنت انبیاء ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ بسم اللہ کو اپنے نام سے پہلے لکھے یا بعد میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاتیب اس پر شاہد ہیں کہ بسم اللہ کو سب سے مقدم، اس کے بعد کاتب کا نام، پھر مکتوب الیہ کا نام لکھا جائے، اور قرآن کریم میں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام پہلے اور بسم اللہ بعد میں مذکور ہے اس کے ظاہر سے جواز اس کا بھی معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ اپنے نام کے بعد لکھی جائے۔ لیکن ابن ابی حاتم نے یزید بن رومان سے نقل کیا ہے، کہ دراصل حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے خط میں اس طرح لکھا تھا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ من سلیمان بن داؤد الی بلقیس ابنة ذی شرح وقومها. ان لاتعلوا الخ بلقیس نے جب یہ خط اپنی قوم کو سنایا تو اس نے قوم کی آگاہی کے لئے سلیمان علیہ السلام کا نام پہلے ذکر کر دیا، قرآن کریم میں جو کچھ آیا ہے وہ بلقیس کا قول ہے قرآن کریم میں اس کی تصریح نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصل خط میں بسم اللہ مقدم تھی یا سلیمان علیہ السلام کا نام اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کا نام لفافہ کے اوپر لکھا ہو اور اندر بسم اللہ سے شروع ہو، بلقیس نے جب اپنی قوم کو خط سنایا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام پہلے ذکر کر دیا۔

مسئلہ: خط نویسی کی اصل سنت تو یہی ہے کہ ہر خط کے شروع میں بسم اللہ لکھی جائے، لیکن قرآن وسنت کے نصوص واشارات سے حضرات فقہاء نے یہ کلیہ قاعدہ لکھا ہے کہ جس جگہ بسم اللہ یا اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لکھا جائے اگر اس جگہ اُس کاغذ کے بے ادبی سے محفوظ رکھنے کا کوئی اہتمام نہیں بلکہ وہ پڑھ کر ڈال دیا جاتا ہے تو ایسے خطوط اور ایسی چیز میں بسم اللہ یا اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لکھنا جائز نہیں کہ اس طرح اس بے ادبی کے گناہ کا شریک ہو جائے گا، آج کل جو عموماً ایک دوسرے کو خطوط لکھے جاتے ہیں ان کا حال سب جانتے ہیں کہ نالیوں اور گندگیوں میں پڑے نظر آتے ہیں، اس لئے مناسب یہ ہے کہ ادائے سنت کے لئے زبان سے بسم اللہ کہہ لے تحریر میں نہ لکھے۔

آیتِ قرآنی والی تحریر کیا کسی کافر مشرک کے ہاتھ میں دینا جائز ہے

یہ خط حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو اس وقت بھیجا ہے جب وہ مسلمان نہیں تھیں حالانکہ اس خط میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ لکھا ہوا تھا جس سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطوط ملوک عجم کو لکھے ہیں اور وہ مشرک تھے، اُن میں بھی بعض آیات قرآن لکھی ہیں۔ وجہ دراصل یہ ہے کہ قرآن کریم کا کسی کافر کے ہاتھ میں دینا تو جائز نہیں لیکن ایسی کوئی کتاب یا کاغذ جس میں کسی مضمون کے ضمن میں کوئی آیت آ گئی ہے وہ عرف میں قرآن نہیں کہلاتا اس لئے اس کا حکم بھی قرآن کا حکم نہیں ہوگا وہ کسی کافر کے ہاتھ میں بھی دے سکتے ہیں اور بے وضو کے ہاتھ میں بھی (عالمگیری کتاب الحظر والاباحۃ)

خط مختصر، جامع، بلیغ اور مؤثر انداز میں لکھنا چاہئے:

حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس والا نامہ کو دیکھئے تو چند سطروں میں تمام اہم اور ضروری مضامین بھی جمع کر دیئے اور بلاغت کا اعلیٰ معیار بھی قائم ہے۔ کافر کے مقابلے میں اپنی شاہانہ شوکت کا اظہار بھی ہے۔ اس کے ساتھ حق تعالیٰ کی صفات کمال کا بیان اور اسلام کی طرف دعوت بھی، اور ترفع وتکبر کی مذمت بھی، درحقیقت یہ خط بھی اعجاز قرآنی کا ایک نمونہ ہے۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ خط نویسی میں تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت بھی وہی ہے کہ تحریر میں طول نہ ہو، مگر ضروری کوئی مضمون چھوٹے بھی نہیں۔ (روح المعانی)

اہم امور میں مشورہ کرنا سنت ہے اس میں دوسروں کی رائے سے فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے اور لوگوں کی دلجوئی بھی ہوتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

بعض نے کریم کہنے کی یہ وجہ بیان کی کہ خط پہنچنے کا واقعہ عجیب تھا بلقیس اپنے کمرہ کے اندر لیٹی ہوئی تھی دروازے سب مقفل تھے ہدہد روشن دان سے آکر بلقیس کے سینہ پر خط ڈال گیا اور بلقیس کو پتہ بھی نہ چلا بعض نے کہا خط کی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ابتداء کی گئی تھی اس لئے اس کو کریم کہا۔

اس کے بعد بلقیس نے بتایا کہ یہ خط کہاں سے آیا۔ اور کہا:

اِنَّهٗ مِنۡ سُلَيۡمٰنَ بلاشبہ یہ (خط یا عنوان) سلیمان کے پاس سے آیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّهٗ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِۙ

اور وہ یہ ہے شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلَّا تَعۡلُوۡا عَلَىَّ وَاۡتُوۡنِىۡ مُسۡلِمِيۡنَ

کہ زور نہ کرو میرے مقابلہ میں اور چلے آؤ میرے سامنے حکم بردار ہو کر

خط کی جامعیت:

ایسا مختصر، جامع اور پُرعظمت خط شاید ہی دنیا میں کسی نے لکھا ہو۔ مطلب یہ تھا کہ میرے مقابلہ میں زور آزمائی سے کچھ نہ ہوگا۔ خیریت اس میں ہے کہ اسلام قبول کرو اور حکم بردار ہو کر آدمیوں کی طرح سیدھی انگلیوں میرے سامنے حاضر ہو جاؤ۔ تمہاری شیخی اور تکبر میرے آگے کچھ نہ چلے گی۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَتۡ يٰۤاَيُّهَا الۡمَلَؤُا اَفۡتُوۡنِىۡ فِىۡۤ اَمۡرِىۡۚ

کہنے لگی اے دربار والو مشورہ دو مجھ کو میرے کام میں

مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾

میں طے نہیں کرتی کوئی کام تمہارے حاضر ہونے تک

یعنی مشورہ دو کیا جواب دیا جائے اور کیا کاروائی کی جائے جیسا کہ تمہیں معلوم ہے میں کسی اہم معاملہ کا فیصلہ بدون تمہارے مشورہ کے نہیں کرتی۔ (تفسیر عثمانی)

فُتیا اور فتویٰ کسی مشکل بات کا جواب یعنی جو معاملہ میرے سامنے ہے اس میں مجھے مشورہ دو۔

حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ یہاں تک کہ تم میرے پاس موجود نہ ہو اور مجھے مشورہ نہ دو یا جب تک اس بات کے درست ہونے کی شہادت نہ دے دو۔ (تفسیر مظہری)

قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ

وہ بولے ہم لوگ زور آور ہیں اور سخت لڑائی والے

وَّ الْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾

اور کام تیرے اختیار میں ہے سو تو دیکھ لے جو حکم کرے

درباریوں کا مشورہ:

یعنی ہمارے پاس زور و طاقت اور سامانِ حرب کی کمی نہیں۔ نہ کسی بادشاہ سے دبنے کی ضرورت تیرا حکم ہو تو ہم سلیمان سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ آگے تو مختار ہے سوچ سمجھ کر حکم دے۔ ہماری گردن اُس کے سامنے خم ہوگی۔ معلوم ہوتا ہے کہ درباریوں کی صلاح لڑائی کرنے کی تھی مگر ملکہ نے اس میں تعمیل مناسب نہ سمجھی اور ایک بین بین صورت اختیار کی جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُوَّةٍ یعنی لڑنے کی قوت بَاْسٍ شَدِيْدٍ یعنی لڑائی کے وقت سخت طاقتور تعداد کی کثرت اور باس سے مراد ہے شدتِ شجاعت۔

بلقیس نے اہلِ دربار سے صلح یا جنگ دونوں کا مشورہ لیا تھا لڑائی صلح کے مقابلہ میں مشکل اور سخت کام ہے جنگ کی صورت میں اہلِ دربار نے تعمیل حکم کا اقرار کیا۔ برخلاف ان یہودیوں کے جنہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ تم اور تمہارا خدا دونوں جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں یعنی ہم تو آگے نہیں جائیں گے۔ جب بلقیس کے حکم پر انہوں نے لڑنے کا اظہار کر دیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ صلح کا اگر حکم ہوا تو ہم اس کی تعمیل بدرجۂ اولیٰ کریں گے آپ کو دونوں باتوں کا اختیار ہے۔

مَاذَا تَاْمُرِيْنَ میں ما استفہامیہ ہے اور پورا جملہ بتاویل مفرد ہو کر اُنظری کا مفعول ہے یعنی آپ خود دیکھ لیں اور سوچ لیں کہ دونوں میں کون سی چیز آپ کے لئے مفید ہے جنگ یا صلح۔ بہرحال ہم آپ کے فیصلہ پر چلنے کے لئے تیار ہیں۔ (تفسیر مظہری)

اگر جنگ خواہی نبرد آوریم دلِ دشمناں رابدرد آوریم
وگر صلح جوئی ترا بندہ ایم بتسلیم حکمت سرافگندہ ایم

مطلب یہ تھا کہ ہم جنگ کے لئے تیار ہیں آگے آپ کو اختیار ہے ارکانِ دولت کا میلان جنگ کی طرف تھا مگر ملکہ نے جنگ میں تعجیل مناسب نہ سمجھی بلکہ صلح اور جنگ کے بین بین ایک صورت اختیار کی۔ (معارف کاندھلوی)

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا

کہنے لگی بادشاہ جب گھستے ہیں کسی بستی میں اس کو خراب کر دیتے ہیں

وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ

اور کر ڈالتے ہیں وہاں کے سرداروں کو بے عزت اور ایسا ہی کچھ کریں گے اور میں بھیجتی ہوں

اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

اُن کی طرف کچھ تحفہ پھر دیکھتی ہوں کیا جواب لے کر پھرتے ہیں بھیجے ہوئے

بلقیس کا فیصلہ:

معلوم ہوتا ہے کہ مضمون خط کی عظمت و شوکت اور دوسرے قرائن و آثار سے بلقیس کو یقین ہو گیا کہ اس بادشاہ پر ہم غالب نہیں آ سکتے اور کم از کم اس کا قوی احتمال تو ضرور تھا۔ اُس نے بتلایا کہ ایسی شان و شکوہ رکھنے والے بادشاہوں سے لڑنا کھیل نہیں۔ اگر وہ غالب آ گئے (جیسا کہ قوی امکان ہے) تو ملوک و سلاطین کی عام عادت کے موافق تمہارے شہروں کو تہ و بالا کر کے رکھ دیں گے۔ اور وہ انقلاب ایسا ہوگا جس میں بڑی عزت والے سرداروں کو ذلیل و خوار ہونا پڑے گا۔ لہٰذا میرے نزدیک بہتر ہے کہ ہم جنگ کرنے میں جلدی نہ کریں بلکہ اُن کی طاقت طبعی رجحانات، نوعیت حکومت اور اس بات کا پتہ لگائیں کہ اُن کی دھمکیوں کی پشت پر کون سی قوت کارفرما ہے۔ اور یہ کہ واقعی طور پر وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ اگر کچھ تحائف و ہدایا دے کر ہم آنے والی مصیبت کو اپنے سر سے ٹال سکیں تو زیادہ اچھا ہوگا ورنہ جو کچھ رویہ معلوم ہو جائے گا ہم اُس کے مناسب کاروائی کریں گے۔ حضرت شاہ صاحب" لکھتے ہیں۔ بلقیس نے چاہا کہ اس بادشاہ کا شوق دریافت کرے کس چیز سے ہے۔ مال، خوبصورت آدمی، یا نادر سامان، سب قسم کی چیزیں تحفہ میں بھیجی تھیں۔ (تفسیر عثمانی)

ملکہ نے عام بادشاہوں کا عمومی ضابطہ بیان کر کے اول قوم کو مبہم طور پر جنگ سے ڈرایا پھر آخری فقرہ کہہ کے صراحت کر دی کہ ان لوگوں سے بھی مجھے یہی خطرہ ہے۔ كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ کا ایک ترجمہ یہ بھی کیا گیا ہے کہ بادشاہ ایسا ہی کرتے رہتے ہیں ان کا دستور ہی یہی ہے۔ اس ترجمہ پر اس فقرہ کا

ارتباط سابق جملہ سے ہوگا اور یفعلون کی ضمیر ملوک کی طرف راجع ہوگی حضرت سلیمان اور آپ کے لشکر کی طرف راجع نہ ہوگی۔

یا یہ مقولہ اللہ کا ہے اللہ نے بلقیس کے قول کی تصدیق فرمادی کہ ہاں بادشاہوں کا یہی طریقہ عمل ہے۔ ملکہ کے اس کلام سے معلوم ہو رہا ہے کہ بلقیس صلح کو مناسب خیال کرتی تھی۔

بلقیس کے تحائف:

وَاِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ اور میں ان کو ایک ہدیہ بھیجوں گی پھر دیکھوں گی کہ قاصد کیا جواب لے کر آتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ میں اپنے پاس سے کچھ تحفہ دے کر قاصدوں کو روانہ کروں گی۔ ہدیہ وہ چیز جو ہدیہ میں دی جائے۔ جیسے عطیہ دی ہوئی چیز۔

بغوی نے لکھا ہے بلقیس ہدیہ بھیج کر حضرت سلیمان کی جانچ کرنی چاہتی تھی کہ بادشاہ ہیں یا نبی اگر بادشاہ ہوں گے تو ہدیہ قبول کرلیں گے اور لشکرکشی نہیں کریں گے اور نبی ہوں گے تو ہدیہ کو رد کردیں گے اور بغیر اتباع ایمانی کے راضی نہیں ہوں گے۔

اس کے بعد ہدیہ میں ملکہ نے کچھ غلام اور کچھ باندیاں بھیجیں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا سب کو ایک ہی طرح کا لباس پہنا دیا تاکہ (لڑکے اور لڑکی کی) شناخت نہ ہو سکے۔ مجاہد نے کہا دو سو غلام اور دو سو باندیاں بھیجی تھیں۔ مجاہد اور مقاتل کا قول ہے کہ باندیوں کو غلاموں کا لباس اور غلاموں کو باندیوں کا لباس پہنا دیا تھا۔ سعید بن جبیر نے کہا (سونے کی) اینٹ ریشم اور دیبا کے ساتھ بھیجی تھی بعض نے کہا سونے کی چار اینٹیں بھیجی تھیں۔ وہب بن منبہ نے بیان کیا بلقیس نے پانسو لڑکے اور لڑکیاں بھیجیں لڑکیوں کو قبائیں اور کمر کے پٹکے یعنی لڑکوں کا لباس پہنایا اور غلاموں کو باندیوں کے کپڑے پہنائے۔ کلائیوں میں سنہری کنگن گلے میں سونے کے طوق کانوں میں بالیاں اور بالے جواہر سے مرصع پہنائے لڑکوں کو پانسو گھوڑوں پر اور لڑکیوں کو پانسو خچروں پر سوار کرایا ہر گھوڑے کی لگام سنہری جواہر سے جڑی تھی اور چار جامے رنگا رنگ، کے دیبا کے بلقیس نے چاندی کی پانچ سو اینٹیں اور موتی اور یاقوت سے جڑا ہوا تاج بھی بھیجا مشک وعنبر وعود بھی پھر ایک ڈبہ میں بلا سوراخ کیا ہوا ایک قیمتی موتی اور ٹیڑھا کیا ہوا ایک پوتھ رکھ کر بند کر دیا۔

بلقیس کا قاصد اور اس کو ہدایات:

اور اپنی قوم کے ایک سردار کو جس کا نام منذر بن عمرو تھا بلوا کر کچھ دوسرے سمجھدار ہوشیار آدمیوں کو اس کے ساتھ کر کے ایک خط جس میں تحفوں کی فہرست تھی دے کر ہدایت کی اور سب چیزیں دے کر بھیج دیا اور نمائندہ سے کہہ دیا کہ سلیمان سے جا کر یہ کہنا کہ اگر آپ نبی ہیں تو باندیوں کو غلاموں سے الگ چھانٹ دیجئے اور بغیر کھولے بتائیے کہ ڈبہ میں کیا ہے اور جب وہ بتادیں تو کہنا کہ اس موتی میں ٹھیک سوراخ کر دیجئے اور سوراخ دار پوتھ میں دھاگہ ڈال دیجئے لیکن کسی آدمی یا جن سے اس میں مدد نہ لیجئے غلاموں اور باندیوں کو یہ حکم دیا کہ غلام باندیوں کی بولی میں زنانہ لوچدار بات کریں اور باندیاں کرخت لہجے میں مردانہ بات کریں پھر قاصد سے یہ بھی کہہ دیا کہ تم اس بات کا اندازہ کرنا کہ وہ کس طور پر پیش آتے ہیں اگر غصہ کی نظر سے تم کو دیکھیں تو سمجھ لینا وہ بادشاہ ہیں تم ہرگز خوف زدہ نہ ہونا ہم ان سے زیادہ عزت رکھتے ہیں اور اگر کشادہ پیشانی اور مہربانی سے پیش آئیں تو سمجھ لینا وہ نبی مرسل ہیں ان کی بات سمجھنا اور (ادب کے ساتھ) جواب دینا غرض بلقیس کے قاصد سارے تحفے لے کر روانہ ہوگئے۔

حضرت سلیمانؑ کے انتظامات:

ادھر ہدہد نے جلد جا کر حضرت سلیمان کو اس واقعہ کی اطلاع دے دی آپ نے جنات کو حکم دیا کہ سونے چاندی کی اینٹیں تیار کریں حکم کی تعمیل کی گئی پھر آپ نے حکم دیا کہ ان اینٹوں کو اس جگہ سے نو فرسخ تک ایک میدان میں یہ اینٹیں بچھا دیں اور میدان کے گرداگرد سونے چاندی کی اونچی دیوار کھینچ دیں پھر فرمایا خشکی اور دریا میں کون سا جانور سب سے اچھا ہوتا ہے حاضرین نے عرض کیا یا نبی اللہ ہم نے فلاں سمندر میں کچھ جانور دیکھے ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں ان کے دو بازو گردن پر کلغیاں اور پیشانیوں پر بال ہوتے ہیں فرمایا ابھی لے آؤ جنات نے فوراً لاکر حاضر کر دیئے فرمایا میدان کے دائیں بائیں دونوں طرف سونے چاندی کی اینٹوں کے فرش پر ان کو باندھ دو اور ان کا چارہ ان کے سامنے ڈال دو پھر جنات کو حکم دیا اپنی اولاد کو لاکر میدان کے دائیں بائیں کھڑا کر دو۔

ان احکام کی تعمیل کے بعد حضرت سلیمان اپنے تخت پر رونق افروز ہوگئے اور اپنے دائیں بائیں جانب چار چار ہزار کرسیاں بچھوا دیں اور دائیں بائیں فرسخوں تک صف بستہ کھڑے ہونے کا شیطانوں کو حکم دیا۔

بلقیس کے قاصدوں کا احساس کمتری:

جب قاصد قریب پہنچ گئے اور سلیمانؑ کی حکومت دیکھی اور ایسے چوپائے دیکھے جو کبھی نہ دیکھے تھے اور ان کو چاندی سونے کی اینٹوں پر گوبر کرتے پایا تو خود وہ اپنی نظروں میں حقیر ہوگئے اور جو تحفے ساتھ لائے تھے سب پھینک دیئے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے سونے چاندی کی اینٹیں بچھانے کا حکم جس وقت دیا تھا اس وقت بلقیس کی بھیجی ہوئی اینٹوں کی گنتی کے مطابق جگہ خالی چھوڑ دی تھی قاصدوں نے جب کچھ اینٹوں کی جگہ خالی دیکھی اور باقی زمین پر فرش پایا تو ان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں کوئی ہم پر اینٹیں اٹھا لینے کی تہمت نہ لگائے۔ اس لئے خالی جگہ پر اینٹیں پھینک دیں پھر شیاطین کو دیکھ کر تو خوف زدہ ہوگئے ان سے کہا گیا آگے بڑھو ڈر کی کوئی بات

نہیں قاصد تمام جن وانس اور پرندوں درندوں اور چرندوں کی ٹکڑیوں سے گزر کر حضرت سلیمان کے سامنے جا کھڑے ہوئے آپ نے ان کی طرف کشادہ روئی کے ساتھ اچھی نظروں سے دیکھا اور فرمایا کیا بات ہے امیر وفد نے ساتھ لائی ہوئی چیزیں پیش کر دیں اور ملکہ کا خط بھی دے دیا۔

حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کے تمام سوالات حل کر دیئے:

آپ نے خط غور سے پڑھا اور فرمایا ڈبہ کہاں ہے امیر وفد نے پیش کر دیا آپ نے ڈبہ کو ہلایا اتنے میں جبرئیل آ گئے اور ڈبہ کے اندر جو چیز تھی وہ بتادی حضرت سلیمانؑ نے فرمایا اس کے اندر بغیر سوراخ کا ایک قیمتی موتی ہے۔ اور ایک ٹیڑھا سوراخ کیا ہوا پوتھ ہے قاصد نے عرض کیا آپ نے صحیح فرمایا اب موتی میں سوراخ کر دیجئے اور پوتھ میں دھاگہ پرو دیجئے حضرت سلیمانؑ نے جنات اور آدمیوں سے دریافت فرمایا کوئی اس میں سوراخ کر سکتا ہے کسی کو سوراخ کرنے کی تدبیر معلوم نہ تھی اس لئے خاموش رہے پھر آپ نے شیاطین سے دریافت کیا ایک شیطان نے کہا لکڑی کے کیڑے کو بلوایئے حسب الحکم لکڑی کا کیڑا آیا اور دھاگہ منہ میں پکڑ کر موتی میں سوراخ کرتا ہوا دوسری جانب نکل آیا حضرت سلیمانؑ نے فرمایا تو کیا انعام چاہتا ہے کیڑے نے عرض کیا میری روزی درخت (لکڑی) میں مقرر کر دی جائے حضرت نے فرمایا تیرے لئے ایسا ہی کر دیا گیا۔ پھر آپ نے لڑکوں اور لڑکیوں کو الگ الگ چھانٹ دیا جس کی تدبیر یہ کی کہ سب کو ہاتھ منہ دھونے کا حکم دیا لڑکی برتن میں سے پانی ایک ہاتھ میں لیتی پھر ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں ڈالتی پھر منہ پر مارتی تھی اور لڑکا براہ راست برتن سے پانی لے کر منہ پر مارتا تھا۔ لڑکی بانہہ کے اندرونی جانب پانی ڈالتی تھی اور لڑکا کلائی کے بیرونی جانب پانی بہاتا تھا لڑکی یونہی پانی دھارتی تھی اور لڑکا اوپر سے نیچے کو ہاتھ پر پانی گراتا تھا۔ خلاصہ یہ کہ آپ نے سب کو الگ الگ چھانٹ دیا پھر لائے ہوئے ہدیے واپس کر دیئے جیسا کہ آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ

پھر جب پہنچا سلیمان کے پاس بولا کیا تم میری اعانت کرتے ہو مال سے

اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾

سو جو اللہ نے مجھ کو دیا ہے بہتر ہے اس سے جو تم کو دیا ہے، بلکہ تم ہی اپنے تحفہ سے خوش رہو

حضرت سلیمانؑ نے تحائف واپس کر دیئے:

یعنی یہ تحفہ تمہیں ہی مبارک رہے، کیا تم نے مجھے محض ایک دنیوی بادشاہ سمجھا جو مال ومتاع کا لالچ دیتے ہو، تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے جو روحانی و مادی دولت مجھے عطا فرمائی ہے وہ تمہارے ملک و دولت سے کہیں بڑھ کر ہے ان سامانوں کی ہمیں کیا پرواہ۔ (تفسیر عثمانی)

کافر کا ہدیہ قبول کرنے کا اصول:

کافر کا ہدیہ قبول کرنے میں اگر اپنی یا مسلمانوں کی کسی مصلحت میں خلل آتا ہو یا ان کے حق میں رائے کی کمزوری پیدا ہوتی ہو تو ان کا ہدیہ قبول کرنا درست نہیں (روح المعانی) ہاں اگر کوئی دینی مصلحت اس ہدیہ کے قبول کرنے کی داعی ہو، مثلاً اس کے ذریعہ کافر کے مانوس ہو کر اسلام سے قریب آنے پھر مسلمان ہونے کی امید ہو یا اس کے کسی شر وفساد کو اس کے ذریعہ دفع کیا جا سکتا ہو تو قبول کرنے کی گنجائش ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اس معاملہ میں یہی رہی ہے کہ بعض کفار کا ہدیہ قبول فرما لیا، بعض کا رد کر دیا۔ عمدہ القاری شرح بخاری کتاب الھبۃ میں اور شرح سیر کبیر میں حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ براء کا بھائی عامر بن ملک مدینہ طیبہ میں کسی ضرورت سے پہنچا جبکہ وہ مشرک کافر تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو گھوڑے اور دو جوڑے کپڑے کا ہدیہ پیش کیا، آپ نے اس کا ہدیہ یہ فرما کر واپس کر دیا کہ ہم مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتے۔ اور عیاض بن حمار مجاشعی نے آپ کی خدمت میں ایک ہدیہ پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے سوال کیا کہ تم مسلمان ہو اس نے کہا کہ نہیں آپ نے ان کا ہدیہ بھی یہ کہہ کر رد فرما دیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے عطایا لینے سے منع فرمایا ہے اس کے بالمقابل یہ روایات بھی موجود ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مشرکین کے ہدایا قبول فرمائے۔ ایک روایت میں ہے کہ ابو سفیان نے بحالت شرک آپ کو ایک چمڑا ہدیہ میں بھیجا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما لیا اور ایک نصرانی نے ایک ریشمی حریر کا بہت چمکتا ہوا کپڑا ہدیہ میں پیش کیا، آپ نے قبول فرما لیا۔

شمس الائمہؒ اس کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سبب یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض کا ہدیہ رد کر دینے میں اس کے اسلام کی طرف مائل ہونے کی اُمید تھی وہاں رد کر دیا اور بعض کا ہدیہ قبول کرنے میں اسکے مسلمان ہو جانے کی اُمید تھی تو قبول کر لیا (از عمدۃ القاری کتاب الھبہ)

اور بلقیس نے جو رد ہدیہ کو نبی ہونے کی علامت قرار دیا اس کا سبب یہ نہ تھا کہ نبی کے لئے ہدیہ قبول کرنا مشرک کا جائز نہیں بلکہ سبب یہ تھا کہ اس نے اپنا ہدیہ در حقیقت ایک رشوت کی حیثیت سے بھیجا تھا کہ اس کے ذریعہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حملے سے محفوظ رہے۔

حضرت سلیمانؑ کا جواب:

اللہ نے جو کچھ عطا فرما دیا ہے (یعنی دین نبوت، حکمت، حکومت) وہ

اس سے افضل و بہتر ہے جو تم کو دیا ہے (میں اس ہدیہ کے لین دین سے خوش نہیں ہوتا) بلکہ تم ہی اپنے ہدیہ سے خوش ہوتے ہو۔

کیونکہ تم لوگ صرف ظاہری دنیوی زندگی کو جانتے ہو یہی تمہاری نظروں کے سامنے ہے اس لئے ہدیے لے کر مال میں اضافہ کرنا چاہتے ہو اور ہدیے دے کر اپنے ہمسروں پر فخر کرنا چاہتے ہو۔ تم میری حالت کو اپنی حالت پر قیاس کرتے ہو حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ پھر منذر بن عمرو سردار وفد کی طرف رخ کر کے فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا

پھر جا ان کے پاس اب ہم پہنچتے ہیں اُن پر ساتھ لشکروں کے جن کا مقابلہ نہ ہو سکے ان سے

وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝

اور نکال دیں گے اُن کو وہاں سے بے عزت کر کے اور وہ خوار ہوں گے

حملہ کی اطلاع:

یعنی قیدی بنیں گے، جلاوطن ہوں گے اور ذلت و خواری کے ساتھ دولت و سلطنت سے دستبردار ہونا پڑے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں اور کسی پیغمبر نے اس طرح کی بات نہیں فرمائی۔ سلیمانؑ کو حق تعالیٰ کی سلطنت کا زور تھا جو یہ فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

بعض علماء نے کہا ذلت عزت کی ضد ہے آبرو اور حکومت کا زوال ذلت ہے اور صغار سے مراد ہے قیدی ہو جانا یعنی اگر وہ مسلمان ہو کر نہیں آئیں گے تو ہم ان کو ان کی سرزمین سے نکال دیں گے اور ان کو قیدی بنا لیا جائے گا۔

بلقیس کی حضرت سلیمانؑ کے ہاں حاضری کی تیاری:

وہب بن منبہ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ جب وفد یمن حضرت سلیمانؑ کے پاس سے لوٹ کر بلقیس کے پاس پہنچا (اور واقعہ بیان کیا) تو بلقیس نے کہا واللہ میں تو پہلے ہی پہچان چکی کہ وہ بادشاہ نہیں ہے اور اس کے مقابلہ کی ہم میں سکت نہیں۔ اس کے بعد بلقیس نے حضرت سلیمانؑ کے پاس پیام بھیجا میں خود اپنی قوم کے سرداروں کے ساتھ آپ کے پاس آ رہی ہوں اور دیکھوں گی کہ جس دین کی طرف آپ ہم کو بلا رہے ہیں وہ کیا ہے پھر بلقیس نے حکم دے کر اپنے تخت کو تہ بر تہ سات کمروں میں بند کرا کے دروازوں کو مقفل کر دیا یا سات محلوں کے اندر اس کو رکھوا دیا اور حفاظت کے لئے کچھ نگراں مقرر کر دیئے اور اپنے نائب سے کہا تم یہاں کے حالات کے نگراں رہنا میرے تخت تک کوئی پہنچنے نہ پائے اور کوئی اس کو خراب نہ کر سکے۔ پھر اعلانچی کو یہ اعلان کرنے کا حکم دے دیا کہ تمام ممالک محروسہ کے باشندوں کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ ہم کوچ کر رہے ہیں اس کے بعد یمن کے بارہ ہزار نوابوں کو لے کر روانہ ہوگئی ہر نواب کے ماتحت ہزاروں سپاہی تھے۔

حضرت سلیمانؑ کا رعب:

حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ حضرت سلیمانؑ بڑے باوقار اور رعب داب کے آدمی تھے اگر کسی سے کچھ دریافت کرتے تھے تو (اس کی مجال نہ ہوتی کہ خود اپنی طرف سے جواب دے سکے بلکہ) وہ حضرت پر بھی آپ کے سوال کا جواب محول کر دیتا (اور کہہ دیتا کہ اللہ کے نبی کو ہی اس کا بخوبی علم ہے) ایک روز اپنے تخت حکومت پر باہر نکل کر تشریف فرما تھے کہ ایک غبار قریب ہی اڑتا نظر آیا دریافت فرمایا یہ کیا ہے حاضرین نے عرض کیا بلقیس اس جگہ آ کر اتری ہے یہ مقام حضرت سلیمانؑ کی مجلس سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر تھا حضرت سلیمانؑ نے یہ بات سن کر اپنے لشکر والوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا

بولا اے دربار والو تم میں کوئی ہے کہ لے آوے میرے پاس اُس کا تخت

قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝

پہلے اس سے کہ وہ آئیں میرے پاس حکمبردار ہو کر

بلقیس کے تخت اٹھانے کا پروگرام:

قاصد نے واپس جا کر پیغام جنگ پہنچا دیا بلقیس کو یقین ہو گیا کہ یہ کوئی معمولی بادشاہ نہیں ان کی قوت خدائی زور سے ہے۔ جدال وقتال سے کچھ فائدہ نہ ہوگا، نہ کوئی حیلہ اور زور ان کے روبرو چل سکتا ہے آخر اظہار اطاعت وانقیاد کی غرض سے بڑے ساز وسامان کے ساتھ حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں حاضری دینے کے لئے روانہ ہوگئی جب ملک شام کے قریب پہنچی حضرت سلیمان نے اپنے درباریوں سے فرمایا کوئی ہے جو بلقیس کا تخت شاہی اس کے پہنچنے سے پیشتر میرے سامنے حاضر کر دے۔ اس میں بھی حضرت سلیمان کو کسی طرح بلقیس پر اپنی خداداد عظمت وقوت کا اظہار مقصود تھا۔ تا وہ سمجھ لے کہ یہ نرے بادشاہ نہیں، کوئی اور فوق العادت باطنی طاقت بھی اپنے ساتھ رکھتے ہیں (تنبیہ) قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ سے معلوم ہوا کہ اسلام وانقیاد سے پہلے حربی کا مال مباح ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مسلمین کی قید اظہار واقعہ کے لئے ہے کیونکہ وہ لوگ اسی قصد سے آ رہے تھے تخت کا منگانا غالباً اس غرض سے ہے کہ وہ لوگ میرا معجزہ بھی دیکھ لیں کیونکہ اتنا بڑا تخت اور پھر اس کا ایسے سخت پہروں میں اس طور پر اچانک آ جانا کہ اطلاع تک نہ ہو عادت بشریہ سے باہر ہے اگر جنوں کی تسخیر یعنی تابع ہونے سے ہو تب بھی جنوں کا خود بخود تابع ہو جانا بھی ایک معجزہ ہی ہے اور

اگر کسی ولی امت کی کرامت کے ذریعہ ہے تو ولی کی کرامت بھی نبی کا معجزہ ہوتا ہے اور اگر بغیر کسی واسطے کے ہے تو پھر معجزہ ہونا ظاہر ہے بہر حال ہر صورت پر یہ معجزہ اور نبوت کی دلیل ہے لہٰذا مقصود یہ ہوگا کہ اندرونی کمالات کے ساتھ ساتھ یہ معجزہ کے کمالات بھی دیکھ لیں تا کہ ایمان واطمینان زیادہ ہو۔

بلقیس کی حاضری دربارِ سلیمانی میں:

قرطبی نے تاریخی روایات کے حوالے سے لکھا ہے کہ بلقیس کے قاصد خود بھی مرعوب ومبہوت ہو کر واپس ہوئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا اعلان جنگ سنا دیا تو بلقیس نے اپنی قوم سے کہا کہ پہلے بھی میرا یہی خیال تھا کہ سلیمان دنیا کے بادشاہوں کی طرح بادشاہ نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے کوئی خاص منصب بھی ان کو ملا ہے اور اللہ کے نبی ورسول سے لڑنا اللہ کا مقابلہ ہے۔ جس کی ہم میں طاقت نہیں، یہ کہہ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کی تیاری شروع کر دی، بارہ ہزار سرداروں کو اپنے ساتھ لیا جن کے تحت ایک ایک لاکھ افواج تھیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے ایسا رعب وجلال عطا فرمایا تھا کہ ان کی مجلس میں کوئی ابتداءً گفتگو کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ ایک روز حضرت سلیمان علیہ السلام نے دور سے غبار اٹھتا ہوا دیکھا تو حاضرین سے سوال کیا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا، اے نبی اللہ! ملکہ بلقیس اپنے ساتھیوں کے ساتھ آ رہی ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ اس وقت وہ دربارِ سلیمانی سے ایک فرسخ یعنی تقریباً تین میل کے فاصلے پر تھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے تسخیر جنات کا عام معجزہ عطا فرمایا ہوا تھا شاید حق تعالیٰ کی طرف سے اشارہ پا کر انہوں نے یہ ارادہ فرمایا کہ کسی طرح بلقیس کا تختِ شاہی اس کے یہاں پہنچنے سے پہلے حاضر ہو جائے اس لئے حاضرین کو جن میں جنات بھی تھے خطاب فرما کر یہ تخت لانے کے لئے فرما دیا اور اس کے تمام اموال ودولت میں تختِ شاہی کا انتخاب بھی شاید اس لئے کیا گیا کہ وہ اس کی سب سے زیادہ محفوظ چیز تھی جس کو سات محلات شاہی کے وسط میں ایک محفوظ محل کے اندر مقفل کر کے رکھا تھا کہ اس کے اپنے آدمیوں کا بھی وہاں تک گزر نہ تھا، اس کے بغیر دروازہ یا قفل توڑے ہوئے منتقل ہو جانا اور اتنی مسافت بعیدہ پر پہنچ جانا حق تعالیٰ شانہٗ کی ہی قدرتِ کاملہ سے ہو سکتا ہے یہ اس کو حق تعالیٰ کی قدرت عظیمہ پر یقین کا سب سے بڑا ذریعہ ہو سکتا تھا اس کے ساتھ اس پر بھی یقین لازم تھا کہ سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ ہی کی طرف سے کوئی خاص منصب حاصل ہے کہ ان کے ہاتھ پر ایسی فوق العادت چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں (ذکرہ واختارہ ابن جریر)

قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ مُسْلِمِیْن، مُسْلِم کی جمع ہے جس کے لغوی معنی مطیع وفرمانبردار کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں مومن کو مسلم کہا جاتا ہے یہاں بقول ابن عباسؓ اس کے لغوی معنی مراد ہیں، یعنی مطیع وفرمانبردار کیونکہ ملکہ بلقیس کا اسلام لانا اس وقت ثابت نہیں بلکہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہونے اور کچھ گفتگو کرنے کے بعد مسلمان ہوئی ہے جیسا کہ خود قرآن کریم کے آنے والے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ
بولا ایک دیو جنوں میں سے میں لائے دیتا ہوں وہ تجھ کو پہلے
اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ
اس سے کہ تو اٹھے اپنی جگہ سے

ایک دیو کا دعویٰ:

حضرت سلیمانؑ کا دربار روزانہ ایک معین وقت تک لگتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے کہ آپ دربار سے اٹھ کر جائیں، میں تخت کو حاضر کر سکتا ہوں، مگر اس کو پھر کچھ عرصہ لگتا۔ حضرت سلیمانؑ اس سے بھی زیادہ جلدی چاہتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنِّیْ عَلَيْهِ لَقَوِیٌّ اَمِيْنٌ (۳۹)
اور میں اس پر زور آور ہوں معتبر

زور آور ہوں یعنی اپنی قوتِ بازو سے بہت جلد اٹھا کر لا سکتا ہوں، اللہ نے مجھ کو قدرت دی ہے اور معتبر ہوں، یعنی اس میں خیانت نہ کروں گا کہتے ہیں تخت بہت بیش قیمت تھا سونے چاندی کا اور لعل وجواہر جڑے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت سلیمان علیہ السلام بلقیس کو اللہ کی قدرت اور اس کا عطا کردہ معجزہ دکھانا چاہتے تھے بلقیس کی عقل کی آزمائش بھی مقصود تھی کہ (مرصع کاری کو) بدلنے کے بعد وہ اپنے تخت کو پہچان سکے گی یا نہیں۔

مسلمان ہو کر آنے سے پہلے کی (حسب صوابدید مفسرؒ) شرط اس لئے لگائی کہ مسلمان ہونے کے بعد تو بلقیس کی رضامندی کے بغیر اس کا تخت لینا حضرت سلیمان کے لئے حلال نہ تھا (اس فقیر مترجم کی نظر میں یہ توجیہ نامناسب ہے اس سے معصوم پیغمبر پر الزام عائد ہوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ بلقیس کے تخت پر ہر حیلے اور بہانہ سے قبضہ کرنا چاہتے تھے حالانکہ حضرت سلیمانؑ کو اللہ نے سونے چاندی اور جواہر کے انبار عطا فرما دیئے تھے آپ کو کسی طرح کسی غیر مسلم کے مال کا لالچ نہیں ہو سکتا۔ (واللہ اعلم)

عفریت کا ترجمہ ضحاک نے کیا خبیث فراء نے کہا سخت طاقتور ابن قتیبہ نے کہا وہ جس کی تخلیقی ساخت مضبوط ہو اس کو عفریت کہتے ہیں اصل میں یہ لفظ عفر سے بنا ہے اور عفر مٹی کو کہتے ہیں۔ عافرہ اس نے کشتی لڑ کر اس کو مٹی

پر گرادیا۔ بہر حال۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ
بولا وہ شخص جس کے پاس تھا ایک علم کتاب کا میں لائے دیتا ہوں
قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ؕ
تیرے پاس اس کو پہلے اس سے کہ پھر آئے تیری طرف تیری آنکھ

آصف بن برخیا:

راجح یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص حضرت سلیمان کا صحابی اور وزیر آصف بن برخیا ہے جو کتب سماویہ کا عالم اور اللہ کے اسماء اور کلام کی تاثیر سے واقف تھا، اُس نے عرض کیا کہ میں چشم زدن میں تخت کو حاضر کر سکتا ہوں۔ آپ کسی طرف دیکھئے قبل اس کے آپ ادھر سے نگاہ ہٹائیں تخت آپ کے سامنے رکھا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

اکثر ائمہ تفسیر قتادہ وغیرہ سے ابن جریر نے نقل کیا ہے اور قرطبی نے اسی کو جمہور کا قول قرار دیا ہے کہ یہ کوئی شخص حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھا۔ ابن اسحٰق نے اس کا نام آصف بن برخیا بتلایا ہے اور یہ کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دوست تھا، اور بعض روایات کے اعتبار سے اُن کا خالہ زاد بھائی بھی تھا جس کو اسم اعظم کا علم تھا جس کا خاصہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے جو بھی دُعا کی جائے قبول ہوتی ہے اور جو کچھ مانگا جائے اللہ کی طرف سے عطا کر دیا جاتا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اسم اعظم کا علم نہیں تھا کیونکہ یہ کچھ بعید نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مصلحت اس میں دیکھی ہو کہ یہ عظیم کارنامہ ان کی امت کے کسی آدمی کے ذریعہ ظاہر ہو جس سے بلقیس پر اور زیادہ اثر پڑے۔

معجزہ اور کرامت میں فرق:

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح معجزہ میں اسباب طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ وہ براہِ راست حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا ہے وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی اسی طرح کرامت میں بھی اسباب طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا براہِ راست حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی کام ہو جاتا ہے۔ اور معجزہ اور کرامت دونوں خود صاحب معجزہ و کرامت کے اختیار میں بھی نہیں ہوتے۔ ان دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ ایسا کوئی خارق عادت کام اگر کسی صاحب وحی نبی کے ہاتھ پر ہو تو معجزہ کہلاتا ہے غیر نبی کے ذریعہ اس کا ظہور ہو تو کرامت کہلاتی ہے اس واقعہ میں اگر یہ روایت صحیح ہے کہ یہ عمل حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب میں سے آصف بن برخیا کے ذریعہ ہوا تو یہ اُن کی کرامت کہلائے گی اور ہر ولی کے کمالات چونکہ ان کے رسول و پیغمبر کے کمالات کا عکس اور انہی سے مستفاد ہوتے ہیں اس لئے اُمت کے اولیاء اللہ کے ہاتھوں جتنی کرامتوں کا ظہور ہوتا رہتا ہے یہ سب رسول کے معجزات میں شمار ہوتے ہیں۔

اکثر مفسرین نے صراحت کی ہے کہ وہ آصف بن برخیا تھے جو صدیقیت کے مرتبہ پر فائز تھے اللہ کا اسم اعظم ان کو معلوم تھا جب اسم اعظم لے کر اللہ سے دعا کرتے تھے تو اللہ ان کی دعا قبول فرما لیتا تھا اور ان کا سوال پورا کر دیتا تھا جریر اور مقاتل نے بوساطت ضحاک حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس بیان کی نسبت کی ہے کہ آصف نے نماز کے بعد حضرت سلیمان سے کہا جہاں تک آپ کی نظر پہنچے اپنی آنکھیں اٹھا کر دیکھئے حضرت سلیمان نے نظر اٹھا کر یمن کی طرف دیکھا اور آصف نے دعا کی فوراً اللہ نے فرشتوں کو بھیج دیا فرشتوں نے تخت اٹھا لیا اور زمین کو اندر ہی اندر چیرتے ہوئے لا کر حضرت سلیمان کے سامنے رکھ دیا۔

تخت بلقیس کا واقعہ کرامت تھی یا تصرف:

تصرف اصطلاح میں خیال ونظر کی طاقت استعمال کر کے حیرت انگیز کام صادر کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کے لئے نبی یا ولی بلکہ مسلمان ہونا بھی شرط نہیں، وہ مسمریزم جیسا ایک عمل ہے۔ صوفیائے کرام نے اصلاح مریدین کے لئے کبھی کبھی اس کو استعمال کیا ہے۔

رہا یہ شبہ کہ ان کا یہ کہنا کہ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ یعنی میں یہ تخت آنکھ جھپکنے سے پہلے لا دوں گا، یہ علامت اس کی ہے کہ یہ کام اُن کے قصد واختیار سے ہوا جو علامت تصرف کی ہے کیونکہ کرامت ولی کے اختیار میں نہیں ہوتی تو اس کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ اطلاع کر دی ہو کہ تم ارادہ کرو گے تو ہم یہ کام اتنی جلدی کر دیں گے۔ یہ تقریر حضرت سیدی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی ہے جو احکام القرآن میں سورۂ نمل کی تفسیر لکھنے کے وقت حضرت نے ارشاد فرمائی تھی، اور تصرف کی حقیقت اور اس کے احکام پر حضرت کا ایک مستقل رسالہ بنام التصرف عربی زبان میں تھا۔ جس کا اُردو ترجمہ احقر نے لکھا تھا وہ جداگانہ شائع ہو چکا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس شخص کا نام آصف بن برخیا تھا جو سلیمان علیہ السلام کا صحابی اور ان کا وزیر تھا۔ جو کتب الٰہیہ کا عالم تھا اور اسماء الٰہیہ کے خواص اور تاثیرات سے واقف تھا دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۳۶۴ ج ۳ و روح المعانی ص ۱۸۳ ج ۱۹۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا اس نے عرض کیا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں اور نبی کے بیٹے ہیں آپ اللہ سے دُعا

فرمایئے آپ اگر اللہ سے دُعاء کریں گے تو حاضر ہو جائیگا حضرت سلیمانؑ نے دعاء کی تو فوراً تخت حاضر ہوگیا (دیکھو زادالمسیر ص ۵۷)

تخت کا اس طرح طرفۃ العین میں حاضر ہو جانا سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا اور ان کے صحابی کی کرامت تھی۔ کیونکہ صحابی کو یہ مرتبہ اپنے نبی کی متابعت سے ملا یہ بھی ممکن تھا کہ خود سلیمان علیہ السلام اس تخت کو لے آتے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ کام ان کے خادم کے ہاتھ سے کرایا تاکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے مزید اعزاز واکرام کا سبب بنے کہ یہ شخص اللہ کا اس درجہ مقبول بندہ ہے کہ اس کے خادم ایسے ہیں جن سے ایسی کرامتیں ظہور میں آرہی ہیں۔

(فائدہ) اور طرفۃ العین میں اس طرح تخت کا حاضر ہو جانا عقلاً محال نہیں اور موجودہ سائنس کی تحقیق پر اجسام کی تیز رفتاری کی کوئی حد مقرر نہیں ابھی تک تو بندہ کی قدرت کا بھی صحیح اندازہ نہیں ہو سکا کہ کہاں تک پہنچے گی تو خدائے قادر مطلق کی قدرت کی کون حد مقرر کر سکتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

آصف بن برخیا کی دُعاء:

بعض اہل روایت کا کہنا ہے یہ مسافت دو مہینے کی راہ کے برابر تھی آصف نے کیا دعا مانگی تھی مجاہد نے کہا یاذا الجلال والاکرام کہا تھا یعنی یہ اسم اعظم ہے کلبی نے کہا یاحی یاقیوم تھا (یہی اسم اعظم ہے) حضرت عائشہؓ کا بھی یہی قول ہے۔

زہری کا قول مروی ہے کہ جس کے پاس علم کتاب تھا اس نے اس طرح دعا کی تھی یا الٰھنا والٰه کل شیء الٰھاً واحداً لا الٰه الا انت ائتنی بعرشها اے ہمارے معبود اور ہر چیز کے تنہا معبود تیرے سوا کوئی معبود نہیں میرے پاس اس کا تخت لے آ۔

اللہ کے اسم اعظم کی بحث ہم نے سورۂ آل عمران کے شروع میں تفصیل کیساتھ لکھ دی ہے میرے نزدیک زہری کا قول قابل ترجیح ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ

پھر جب دیکھا اُس کو دھرا ہوا اپنے پاس کہا یہ میرے رب کا فضل ہے

فضل الٰہی کا شکر:

یعنی یہ ظاہر کے اسباب سے نہیں آیا، اللہ کا فضل ہے کہ میرے رفیق اس درجہ کو پہنچے جن سے ایسی کرامات ظاہر ہونے لگیں۔ اور چونکہ ولی کی خصوصاً صحابی کی کرامت اُس کے نبی کا معجزہ اور اُس کے اتباع کا ثمرہ ہوتا ہے اس لئے حضرت سلیمان پر بھی اُس کی شکر گزاری عائد ہوئی۔ (تنبیہ) معلوم ہوا کہ اعجاز و کرامت فی الحقیقت خداوند قدیر کا فعل ہے جو ولی یا نبی کے ہاتھ پر خلاف معمول ظاہر کیا جاتا ہے پس جس کی قدرت سے سورج یا زمین کا کرہ ایک لمحہ میں ہزاروں میل کی مسافت طے کر لیتا ہے اسے کیا مشکل ہے کہ تخت بلقیس کو پلک جھپکنے میں مآرب سے شام پہنچا دے حالانکہ تخت بلقیس کو سورج اور زمین سے ذرہ اور پہاڑ کی نسبت ہے۔

لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ

میرے جانچنے کو کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری

حضرت سلیمان ہر ہر قدم پر حق تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچانتے اور ہمہ وقت شکر گزاری کے لئے تیار رہتے تھے گویا یہ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا کے حکم کی تعمیل تھی۔ (تفسیر عثمانی)

لِيَبْلُوَنِيْ یعنی اس کا یہ فضل مجھ پر میری جانچ کرنے کے ہے ءَاَشْكُرُ کہ کیا میں اس کی نعمت کا شکر کرتا ہوں اور محض اس کی مہربانی سمجھتا ہوں اپنی طاقت اور قوت کا نتیجہ نہیں قرار دیتا اور پھر اس عطیۂ خداوندی کا حق ادا کرتا ہوں۔ اَمْ اَكْفُرُ یا ناشکری کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو اس کا مستحق قرار دیتا ہوں یا اس کا حق ادا کرنے میں قصور کرتا ہوں۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ

اور جو کوئی شکر کرے سو شکر کرے اپنے واسطے اور جو کوئی ناشکری کرے سو

رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ (۴۰)

میرا رب بے پروا ہے کرم والا

شکر گزاری کا نفع:

یعنی شکر گزاری کا نفع شاکر ہی کو پہنچتا ہے کہ دنیا و آخرت میں مزید انعامات مبذول ہوتے ہیں ناشکری کرے گا تو خدا کا کیا نقصان وہ ہمارے شکریوں سے قطعاً بے نیاز اور بذات خود کامل الصفات اور منبع الکمالات ہے۔ ہمارے کفران نعمت سے اس کی کسی صفت کمالیہ میں کمی نہیں آجاتی۔ یہ بھی اُس کا کرم ہے کہ ناشکروں کو فوراً سزا نہیں دیتا۔ ایسے کریم کی ناشکری کرنے والا پرلے درجہ کا بیحیا اور احمق ہے۔ (تفسیر عثمانی)

الشکر قید النعمة الموجودة وصید النعمة المفقودة شکر موجود نعمت کو روک رکھتا ہے اور غیر موجود نعمت کا شکار کرتا ہے (یعنی زیادت نعمت کا ذریعہ ہے) شکر کرنے سے صاحب نعمت کی ذمہ داری پوری ہو جاتی ہے وہ حق واجب کر دیتا ہے اور اس کا درجہ عنداللہ اونچا ہو جاتا ہے اور آخرت میں ثواب کا استحقاق پیدا ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کھانے والا شکر ادا کرنے والا (یعنی کھا کر شکر ادا کرنے والا) صابر روزہ دار کی مثل ہے رواہ احمد والترمذی وابن ماجه والحاکم بسند صحیح عن ابی هریرةؓ

امام احمد اور ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت سنان بن سنہ کی روایت سے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے کھانے والے (پھر اس کا) شکر کرنے والے کے لئے اتنا ہی اجر ہے جیسے صابر روزہ دار کا۔

غنی یعنی اس کے شکر سے بے پرواہ ہے کریم یعنی شاکر اور کافر سب کو دیتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ

کہا روپ بدل دکھلاؤ اس عورت کے آگے اسکے تخت کا ہم دیکھیں سمجھ پاتی ہے یا ان لوگوں

مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ ﴿٤١﴾

میں ہوتی ہے جن کو سمجھ نہیں

تخت کے رنگ و روپ میں تبدیلی:

یعنی تخت کا رنگ روپ تبدیل کر دو۔ اور اس کی وضع و ہیئت بدل ڈالو، جسے دیکھ کر بلقیس بآسانی نہ سمجھ سکے۔ اس سے بلقیس کی عقل وفہم کو آزمانا تھا کہ ہدایت پانے کی استعداد اُس میں کہاں تک موجود ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سلیمانؑ نے (بلقیس کی سمجھ کو جانچنے کے لئے) حکم دیا اس کے لئے اس کے تخت کی صورت بدل دو ہم دیکھیں کہ اس کو صحیح پتہ لگتا ہے یا اس کا شمار انہی لوگوں میں ہے جو (ایسی باتوں کا) پتہ نہیں لگا سکتے۔ نکروا یعنی تخت کو ایسا کر دو کہ وہ پہچان نہ سکے۔ (اس کو اپنا نہیں کوئی غیر تخت محسوس ہو۔ مترجم) روایت میں آیا ہے کہ حسب الحکم تخت کے نچلے حصہ کو بالائی اور بالائی حصہ کو نچلا کر دیا گیا۔ اور سرخ جواہر کی جگہ سبز جواہر جڑ دیئے گئے اور سبز کی جگہ سرخ۔

اتھتدی کیا وہ اپنے تخت کو شناخت کرنے کی راہ پالے گی (کسی طریقہ سے شناخت کر سکے گی)

تخت کے ذریعہ بلقیس کے امتحان کی حکمت:

سلیمانؑ نے ایسا کیوں کیا اس کے متعلق وہب بن منبہ اور کعبؓ وغیرہ کا بیان ہے کہ شیاطین کو یہ اندیشہ تھا کہ سلیمانؑ بلقیس سے عقد نہ کر لیں اگر ایسا کر لیا تو جنات کے سارے راز وہ سلیمانؑ سے کہہ دے گی کیونکہ اس کی ماں پری تھی وہ جنات کی خفیہ باتوں سے واقف تھی پھر اگر کوئی اولاد ہو گئی تو سلیمانؑ کے بعد اس کے زیر حکم رہنا پڑے گا اور یہ نسل سلیمانی کی غلامی کبھی دور نہ ہوگی اس لئے حضرت سلیمانؑ کو نفرت دلانے کے لئے شیاطین نے حضرت سلیمانؑ سے بلقیس کی مذمت کی اور کہا اس کی عقل میں کچھ کمزوری ہے اس کے دونوں قدم گدھے کے سم کی طرح ہیں اس کی پنڈلیوں پر بال ہیں اسی اطلاع کی بنیاد پر حضرت سلیمان نے تخت کی صورت بدل ڈالنے کا حکم دیا تا کہ بلقیس کی عقل کی جانچ ہو جائے اور پنڈلیاں دیکھنے کے لئے ایک شیشہ گھر بنانے کا حکم دیا۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَٰكَذَا عَرْشُكِ ۖ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ

پھر جب وہ آ پہنچی کسی نے کہا کیا ایسا ہی ہے تیرا تخت بولی گویا یہ وہی ہے

بلقیس کی دانائی:

نہ کہا ہاں وہ ہی ہے اور نہ بالکل نفی کی، جو حقیقت تھی ٹھیک ٹھیک ظاہر کر دی کہ تخت وہ ہی ہے مگر کچھ اوصاف میں فرق آ گیا۔ اور فرق چونکہ معتد بہ نہیں اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ گویا وہ ہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

پھر جب وہ آ گئی تو اس سے کہا گیا آپ کا تخت بھی ایسا ہی ہے ملکہ نے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے بعینہ یہ وہی ہے اہکذا عرشک۔ یہ اشتباہی لفظ بلقیس کی عقل کی آزمائش کے لئے کیا گیا مقاتل کا بیان ہے کہ بلقیس نے اپنا تخت پہچان تو لیا تھا لیکن اشتباہی الفاظ میں اس نے جواب اس لئے دیا کہ اس سے مشتبہ الفاظ میں ہی سوال کیا گیا تھا بعض نے کہا واقعی وہ پوری یقینی شناخت نہیں کر پائی تھی اس لئے نہ کھل کر اقرار کیا نہ انکار حضرت سلیمانؑ اس طرز کلام سے اس کی دانشمندی کو پہچان گئے۔ پھر اس سے کہا گیا واقعی یہ تخت آپ ہی کا ہے لیکن آپ نے دیکھا کہ سات دروازوں میں مقفل ہونے اور چوکیداروں کی حفاظت کرنے سے یہ محفوظ نہ رہ سکا۔ اس پر بلقیس نے جواب دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ﴿٤٢﴾

اور ہم کو معلوم ہو چکا پہلے سے، اور ہم ہو چکے حکم بردار

بلقیس کے یقین کا اظہار:

یعنی اس معجزہ کی حاجت نہ تھی ہم کو پہلے ہی یقین ہو چکا تھا کہ سلیمان محض بادشاہ نہیں۔ اللہ کے مقرب بندہ ہیں اور اسی لئے ہم نے فرمانبرداری اور تسلیم وانقیاد کا رستہ اختیار کر لیا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی دوسری نشانیوں سے ہم نے آپ کی نبوت کو جان لیا تھا ہدہد کا خط ڈالنا اور ہمارے تحفوں کو واپس کر دینا اور قاصدوں کے ذریعہ سے پیام بھیجنا بعض علماء نے کہا کہ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ حضرت سلیمانؑ اور آپ کے ساتھیوں کا کلام ہے یعنی ہم تو اللہ کی قدرت اور ہر حکم خدا کی صحت کو اس واقعہ سے پہلے ہی جانتے ہیں اور ہم اس کے بھیجے ہوئے دین پر قائم ہیں اور برابر اس کے اطاعت گزار اور فرمانبردار ہیں۔ اس وقت اس کلام کی غرض ہوگی محض اللہ کی نعمتوں کا ذکر اور ان کے شکر کا اظہار بعض اہل علم نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہم کو بلقیس کے ایمان لانے اور آنے سے پہلے اطاعت گزار

ہو جانے کا علم ہو چکا تھا اور ہم اللہ کے فرماں بردار ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اور روک دیا اُس کو اُن چیزوں سے جو پوجتی تھی اللہ کے سوائے
اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾
البتہ وہ تھی منکر لوگوں میں

حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کو شرک سے منع کیا:

یعنی حق تعالیٰ نے یا سلیمان علیہ السلام نے حق تعالیٰ کے حکم سے ملکہ بلقیس کو آفتاب وغیرہ کی پرستش سے روک دیا جس میں وہ بمعیت اپنی قوم کے مبتلا تھی۔ یا یہ مطلب ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے تک جو علانیہ اسلام کا اظہار نہیں کیا اس کا سبب یہ ہے کہ جھوٹے معبودوں کے خیال اور قوم کفار کی تقلید وصحبت نے اس کو ایسا کرنے سے روک رکھا تھا۔ نبی کی صحبت میں پہنچ کر وہ روک جاتی رہی، ورنہ سلیمان علیہ السلام کی صداقت کا اجمالی علم اس کو پہلے ہی ہو چکا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

بعض نے کہا شیشہ کا صحن خانہ تیار کرنے کا حکم دیا جس کے نیچے پانی ہی پانی رکھا اور پانی میں مینڈکیاں اور طرح طرح کی مچھلیاں چھوڑ دیں پھر اس صحن کے شہ نشین میں اپنا تخت بچھوا دیا اور اس پر رونق افروز ہو گئے پرندے جنات اور انسان آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے بعض کا خیال ہے شیشہ کا ایک صحن تیار کرایا تھا جس کے نیچے مچھلیوں اور مینڈکیوں کی مورتیں رکھی تھیں دیکھنے والا اس کو پانی ہی سمجھتا تھا۔ غرض اس کے بعد بلقیس کو بلوایا۔ (تفسیر مظہری)

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ
کسی نے کہا اُس عورت کو اندر چل محل میں پھر جب دیکھا اُس کو خیال کیا
لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا
کہ وہ پانی ہے گہرا اور کھولیں اپنی پنڈلیں

بلقیس حضرت سلیمانؑ کے دربار کو سمجھ نہ سکی:

یعنی پانی میں گھسنے کے لئے پائنچے چڑھا لئے جیسے عام قاعدہ ہے کہ پانی کی گہرائی پوری طرح پر معلوم نہ ہو تو گھسنے والا شروع میں پائنچے چڑھا لیتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا اور اپنی پنڈلیوں سے کپڑا ہٹایا تاکہ میں داخل ہو جاؤں۔ ابن ابی شیبہ ابن المنذر رعبد بن حمید اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کے نقل کردہ ایک طویل بیان میں کہا ہے کہ بلقیس کے آنے سے پہلے حضرت سلیمان نے ایک قصر بنوایا جس کا صحن سفید آبگینہ کا رکھا اور اس کے نیچے پانی چھوڑ دیا پانی کے نیچے آبی جانور بھی چھوڑ دیئے اور اپنے تخت کو اس صحن کے شہ نشین پر بچھوایا اور تخت پر تشریف فرما ہو گئے جب بلقیس آئی اور اس نے صحن کو دیکھا تو رکا ہوا پانی خیال کیا اور پنڈلیوں سے کپڑا اٹھا دیا تاکہ پانی میں گھس کر سلیمان کے پاس پہنچ جائے سلیمانؑ نے اس کی طرف دیکھا تو پنڈلیاں اور قدم بہت ہی خوبصورت دکھائی دیئے البتہ پنڈلیوں پر بال تھے سلیمانؑ نے دیکھ کر نظر پھیر لی۔

نکاح سے پہلے عورت کو دیکھنا:

علماء نے اسی جگہ سے یہ مطلب اخذ کیا ہے کہ اگر اجنبی عورت کو نکاح کا پیام دینا ہو تو اس کو دیکھ لینا جائز ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا تم میں سے جب کوئی کسی عورت کو نکاح کا پیام دے اور وہ حصہ بدن (چہرہ وغیرہ) دیکھنا ممکن ہو جس کو دیکھ کر نکاح کر سکے تو ایسا کر لے۔ رواہ ابوداؤد عن جابر وروی احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی عن مغیرۃ بن شعبۃ۔ حضرت مغیرہ کا بیان ہے میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیام بھجوایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کیا تم نے اس کو دیکھ لیا ہے میں نے کہا نہیں فرمایا تو اس کو دیکھ لو تم دونوں کے آپس میں محبت پیدا کرنے کے لئے یہ بات مناسب ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ
کہا یہ تو ایک محل ہے جڑے ہوئے ہیں اس میں شیشے

حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کو حقیقت بتلائی:

حضرت سلیمان علیہ السلام دیوانخانہ میں بیٹھے تھے۔ اُس میں پتھروں کی جگہ شیشے کا فرش تھا۔ صاف شیشہ دور سے نظر آتا کہ پانی لہرا رہا ہے۔ اور ممکن ہے شیشہ کے نیچے واقعی پانی ہو یعنی حوض کو شیشہ سے پاٹ دیا ہو۔ اُس نے پانی میں گھسنے کے لئے پنڈلیاں کھولیں۔ سلیمان نے پکارا کہ یہ شیشہ کا فرش ہے پانی نہیں، اُس کو اپنی عقل کا قصور اور ان کی عقل کا کمال معلوم ہوا۔ سمجھی کہ دین میں بھی جو یہ سمجھے ہیں وہی صحیح ہوگا۔ اور یہ بھی پتہ لگ گیا کہ جس ساز وسامان پر اس کی قوم کو ناز تھا، یہاں اس سے بڑھ کر سامان موجود ہے۔ گویا سلیمان علیہ السلام نے اُس کو متنبہ فرما دیا کہ آفتاب وستاروں کی چمک پر مفتون ہو کر انہیں خدا سمجھ لینا ایسا ہی دھوکہ ہے جیسے آدمی شیشہ کی چمک دیکھ کر پانی گمان کر لے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ
بولی اے رب میں نے برا کیا ہے اپنی جان کا اور میں حکم بردار ہوئی
مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾
ساتھ سلیمان کے اللہ کے آگے [illegible]

بلقیس کے اسلام کا اعلان:

یعنی اے پروردگار! میں تیری حکمبر دار ہو کر سلیمان کا راستہ اختیار کرتی ہوں۔ اب تک میں نے اپنی جان پر بڑا ظلم کیا کہ شرک وکفر میں مبتلا رہی، اب اُس سے تائب ہو کر تیری بارگاہ ربوبیت کی طرف رجوع کرتی ہوں۔ (تفسیر عثانی)

حضرت سلیمانؑ کا بلقیس سے نکاح:

ابن عساکر نے حضرت عکرمہؓ سے روایت کیا ہے کہ اس کے بعد بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے نکاح میں آ گئی اور اس کو اس کے ملک پر برقرار رکھ کر یمن واپس بھیج دیا۔ ہر مہینے حضرت سلیمان علیہ السلام وہاں تشریف لے جاتے اور تین روز قیام فرماتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے لئے یمن میں تین عمدہ محلات ایسے تیار کرا دیئے تھے جس کی مثال ونظیر نہیں تھی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

علماء تفسیر وسیر میں یہ مشہور ہے کہ ملکہ سبا کے اسلام لانے کے بعد سلیمان علیہ السلام نے اس سے نکاح فرمالیا۔ ملکہ سبا غیر شادی شدہ تھی۔ والمشهور انه عليه السلام تزوجها و اليه ذهب جماعة من اهل الاخبار تفسير روح المعاني ص۱۸۹ ج۱۹۔ (معارف کاندھلوی)

حضرت سلیمانؑ نے جب بلقیس سے نکاح کرلیا تو آپ کو بلقیس سے بڑی محبت ہوگئی اور یمن کی سلطنت پر اس کو برقرار رکھا۔ اور حضرت سلیمان کے حکم سے جنات نے یمن میں تین قلعے اتنے اونچے بنائے کہ ایسے اونچے اور خوبصورت قلعے کسی نے نہ دیکھے ہوں گے ان کے نام تھے سلحون سنون اور عمدان جب حضرت سلیمان نے بلقیس کو ان کے ملک میں واپس کر دیا تو ہر مہینے ملاقات کے لئے ایک بار جایا کرتے تھے اور تین روز وہاں قیام پذیر رہتے تھے صبح کو شام سے یمن کو چل دیتے تھے اور پھر صبح کو ہی یمن سے شام کو روانہ ہوجاتے تھے بلقیس کے بطن سے حضرت سلیمان کا ایک لڑکا بھی ہوا۔

کہا گیا ہے کہ ۱۳ سال کی عمر میں حضرت سلیمان کو حکومت ملی تھی اور ۵۳ سال کی عمر پا کر آپ کی وفات ہوئی "سبحان الله من لازوال لملكه" پاک ہے وہ خدا جس کی حکومت کو کبھی زوال نہیں۔

لا ملک سلیمان ولا بلقیس   لا آدم فی الکون ولا ابلیس

والکل فصورة وانت المعنی   یا من هو للقلوب مقناطیس

نہ سلیمان کی حکومت (کوئی حقیقت رکھتی) ہے نہ بلقیس نہ آدم اس کائنات میں وجود (حقیقی) رکھتے ہیں نہ ابلیس اے وہ ذات جو دلوں کو اپنی طرف کھینچنے والی مقناطیس ہے تو ہی حقیقت ہے اور کل جہان صورت۔ (تفسیر مظہری)

بلقیس کی ایک بدگمانی:

آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب بلقیس صحن پر پہنچی اور اس کو کنڈ سمجھی تو خیال کیا کہ سلیمان مجھے غرق کرنا چاہتے ہیں اس سے تو قتل ہونا آسان ہے پھر جب حقیقت ظاہر ہوگئی تو کہنے لگی میں نے سلیمان پر بدگمانی کر کے اپنے اوپر ظلم کیا اب میں نے توبہ کی اور اسلام لے آئی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

اور ہم نے بھیجا تھا ثمود کی طرف اُن کے بھائی صالح کو کہ بندگی کرو اللہ کی

فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

پھر وہ تو دو فرقے ہو کر لگے جھگڑنے

قوم ثمود میں گروہ بندی:

یعنی ایک ایمان والے اور ایک منکر، جیسے مکہ کے لوگ پیغمبر کے آنے سے جھگڑنے لگے۔ قوم ثمود کے جھگڑنے کی قدرے تفصیل سورۂ اعراف کی ان آیات میں گزر چکی۔ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ الخ (اعراف۔ رکوع ۱۰) (تفسیر عثانی)

قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ

کہا اے میری قوم کیوں جلدی مانگتے ہو برائی کو پہلے بھلائی سے

لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾

کیوں نہیں گناہ بخشواتے اللہ سے شاید تم پر رحم ہو جائے

حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم:

حضرت صالح علیہ السلام نے اُن کو بہت سمجھایا ہر طرح فہمائش کی اور آخرت میں عذاب کی دھمکی دی۔ جس پر وہ کہنے لگے يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (اعراف۔ رکوع ۱۰) یعنی سچا ہے تو عذاب الٰہی ہم پر لے آ، دیر کس بات کی ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ کم بختو! ایمان وتوبہ اور بھلائی کی راہ تو اختیار نہیں کرتے جو دنیا وآخرت میں کام آئے۔ اُلٹے بُرائی طلب کرنے میں جلدی مچا رہے ہو۔ بُرا وقت آ پڑے گا تو ساری طمطراق ختم ہو جائیگی۔ ابھی موقع ہے کہ گناہوں سے توبہ کر کے محفوظ ہو جاؤ۔ کیوں توبہ واستغفار نہیں کرتے حق تعالیٰ عذاب کی جگہ اپنی رحمتیں تم پر نازل فرمائے۔ (تفسیر عثانی)

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ

بولے ہم نے منحوس قدم دیکھا تجھ کو اور تیرے ساتھ والوں کو

قوم کا حضرت صالح علیہ السلام پر الزام:

یعنی جب سے تیرا منحوس قدم آیا ہے اور یہ باتیں شروع کی ہیں ہم پر قحط وغیرہ کی سختیاں پڑتی جاتی ہیں اور گھر گھر میں لڑائی جھگڑے شروع ہوگئے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ

کہا تمہاری بری قسمت اللہ کے پاس ہے

یعنی یہ سختیاں یا برائیاں میری وجہ سے نہیں۔ تمہاری بدقسمتی سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری شرارتوں اور بداعمالیوں کے سبب سے مقدر کی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿٤٧﴾

کچھ نہیں تم لوگ جانچے جاتے ہو

یعنی کفر کی شامت سے تم پر سختی پڑی ہے کہ دیکھیں سمجھتے ہو یا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ

اور تھے اُس شہر میں نو شخص کہ خرابی کرتے

فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿٤٨﴾

ملک میں اور اصلاح نہ کرتے

قوم ثمود کے نو سردار:

یہ نو شخص شاید نو جماعتوں کے سردار ہوں گے جن کا کام ملک میں فساد پھیلانے اور خرابی ڈالنے کے سوا کچھ نہ تھا۔ اصلاح ودرستی کی طرف اُن کا قدم کبھی نہ اُٹھتا تھا مکہ میں بھی کافروں کے نو سردار تھے جو ہمہ وقت اسلام کی بیخ کنی اور پیغمبر کی دشمنی میں ساعی رہتے تھے بعض مفسرین نے ان کے نام لکھے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تِسْعَةُ رَهْطٍ لفظ رھط جماعت کے معنے میں آتا ہے۔ یہاں نو اشخاص میں سے ہر شخص کو رھط کے لفظ سے شاید اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ لوگ اپنے مال ودولت اور جاہ وحشم کے سبب قوم کے بڑے مانے جاتے تھے اور ہر ایک کے ساتھ الگ الگ جماعتیں تھیں، اس لئے ان نو آدمیوں کو نو جماعتیں فرمایا۔ یہ لوگ قوم صالح علیہ السلام کی بستی یعنی حجر کے بڑے مانے جاتے تھے۔ حجر ملک شام میں معروف مقام ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ

بولے کہ آپس میں قسم کھاؤ اللہ کی کہ البتہ رات کو جا پڑیں ہم اس پر اور اسکے گھر پر پھر کہہ دیں گے

لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٤٩﴾

اس کے دعویٰ کرنے والے کو ہم نے نہیں دیکھا جب تباہ ہوا اس کا گھر اور ہم بیشک سچ کہتے ہیں

حضرت صالح علیہ السلام پر حملہ کا پروگرام:

یعنی آپس میں معاہدے اور حلف ہوئے کہ سب مل کر رات کو حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پر ٹوٹ پڑو اور کسی کو زندہ نہ چھوڑو۔ پھر جب کوئی ان کے خون کا دعویٰ کرنے والا کھڑا ہو تو کہہ دینا ہمیں خبر نہیں۔ ہم سچ کہتے ہیں کہ اس گھر کی تباہی ہماری آنکھوں نے نہیں دیکھی۔ گویا ہم خود تو ایسی حرکت کیا کرتے اس وقت موقع پر موجود بھی نہ تھے۔ اس طرح کی متفقہ سازش اور دروغ گوئی سے ہم میں ایک بھی ملزم نہ ٹھہر سکے گا جس سے اُن کے حمایتی خون بہا وصول کریں۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ تھا کہ ہم سب مل کر رات کے اندھیرے میں ان پر اور ان کے متعلقین پر چھاپہ ماریں، سب کو ہلاک کردیں، پھر ان کے خون کا دعویدار وارث تحقیق تفتیش کے لئے کھڑا ہوگا تو ہم یہ کہہ دیں گے کہ ہم نے تو فلاں آدمی کو نہ مارا، نہ مارتے کسی کو دیکھا، اور ہم اپنے اس قول میں اس لئے سچے ہوں گے کہ رات کے اندھیرے میں یہ تعیین کہ کس نے کس کو مارا ہمیں معلوم نہیں ہوگی۔

جھوٹ کی برائی:

اس میں ایک بات یہ قابل نظر ہے کہ یہ کفار اور ان میں سے بھی چیدہ بد معاش جو فساد میں معروف تھے یہ سارے کام شرک کفر اور قتل وغارت گری کے کررہے ہیں اور کوئی فکر نہیں مگر ان کو بھی یہ فکر لاحق ہوئی کہ ہم جھوٹ نہ بولیں یا جھوٹے قرار نہ دیئے جائیں۔ اس سے اندازہ لگایئے کہ جھوٹ کیسا بڑا گناہ ہے کہ سارے بڑے بڑے جرائم کے مرتکب بھی اپنی شرافت نفس اور عزت کی حفاظت کے لئے جھوٹ بولنے پر اقدام نہ کرتے تھے۔ دوسری بات اس آیت میں یہ قابل غور ہے کہ جس شخص کو ان لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام کا ولی قرار دیا ہے وہ تو انہی اہل صالح میں شامل تھا اس کو قتل کے ارادہ سے کیوں چھوڑ دیا۔ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے وہ ولی خاندانی اعتبار سے ولی ہو مگر کافر ہو کافروں کے ساتھ ملا ہوا ہو صالح علیہ السلام اور ان کے متعلقین کے قتل کے بعد وہ ان کے خون کا دعویٰ اپنے نسبی تعلق کی بناء پر کرے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مسلمان ہی ہو مگر کوئی بڑا آدمی ہو جس کے قتل کرنے سے اپنی قوم میں اختلاف وانتشار کا خطرہ ہو اس لئے اس کو چھوڑ دیا، واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٥٠﴾

اور انہوں نے بنایا ایک فریب اور ہم نے بنایا ایک فریب اور ان کو خبر نہ ہوئی ☆

ان کا مکر تو وہ جھوٹی سازش تھی اور خدا کا مکر تھا ان کو ڈھیل دینا کہ خوب دل کھول کر اپنی شرارتوں کی تکمیل کرلیں۔ تا مستحق عذاب عظیم ہونے میں کوئی حجت وعذر باقی نہ رہے وہ سمجھ رہے تھے کہ ہم حضرت صالح کا قصہ ختم کررہے

ہیں یہ خبر نہ تھی کہ اندر اندر ان ہی کی جڑ کٹ رہی ہے اور ان ہی کا قصہ ختم ہو رہا ہے حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ان کی ہلاکت کے اسباب پورے ہونے تھے شرارت جب تک حد کو نہ پہنچے ہلاکت نہیں آتی ۔ (تفسیر عثمانی)

ان کا فساد اور ہلاکت:

یہی وہ لوگ تھے جو درہم کے سکے کو تھوڑا سا کتر لیتے تھے اور اسے چلاتے تھے۔ سکے کو کاٹنا بھی ایک طرح کا فساد ہے چنانچہ ابوداؤد وغیرہ میں حدیث ہے جس میں بلا ضرورت سکے کو جو مسلمانوں میں رائج ہو کاٹنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے الغرض ان کا یہ فساد بھی تھا اور دیگر فساد بھی بہت سارے تھے اس ناپاک گروہ نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ آج رات کو صالح علیہ السلام کو اور اس کے گھرانے کو قتل کر ڈالو اس پر سب نے حلف اُٹھائے اور مضبوط عہد و پیمان کئے ۔لیکن یہ لوگ حضرت صالح تک پہنچیں اس سے پہلے عذاب خدا تعالیٰ ان تک پہنچ گیا اور ان کا ستیاناس کر دیا۔ اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آئی اور ان سب سرداروں کے سر پھوٹ گئے سارے ہی ایک ساتھ مر گئے۔ ان کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے خصوصاً جب انہوں نے حضرت صالح والی اونٹنی کو قتل کیا، اور دیکھا کہ کوئی عذاب نہیں آیا تو اب نبی اللہ کے قتل پر آمادہ ہوئے ۔مشورے کیے کہ چپ چاپ اچانک اسے اور اس کے بال بچوں کو ہلاک کر دو اور اس کے ولی وارثوں اور قوم سے کہہ دو کہ ہمیں کیا خبر! اگر صالح نبی ہے تو وہ ہمارے ہاتھ لگنے کا نہیں ورنہ اسے بھی اس کی اونٹنی کے ساتھ سلا دو۔ اس ارادے سے چلے راہ میں ہی تھے جو فرشتے نے پتھر سے ان سب کے دماغ پاش پاش کر دیئے ۔ ان کے مشوروں میں اور جو جماعت شریک تھی انہوں نے جب دیکھا کہ انہیں گئے ہوئے عرصہ ہوا اور واپس نہیں لوٹے تو یہ خبر لینے چلے ۔دیکھا کہ سب کے سر پھٹے ہوئے ہیں بھیجے نکلے پڑے ہیں اور سب مردہ ہیں ۔انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام پر ان کے قتل کی تہمت رکھی اور انہیں مار ڈالنے کے لئے چڑھے لیکن ان کی قوم ہتھیار لگا کر آ گئی اور کہنے لگی دیکھو اس نے تم سے کہا ہے کہ تین دن میں عذاب خدا تعالیٰ تم پر آئے گا تم یہ تین دن گزر جانے دو اگر یہ سچا ہے تو اس کے قتل سے خدا تعالیٰ کو اور ناراض کرو گے اور زیادہ سخت عذاب آئیں گے اور اگر یہ جھوٹا ہے تو پھر تمہارے ہاتھ سے بچ کر کہاں جائے گا چنانچہ وہ لوگ چلے گئے ۔فی الواقع ان سے حضرت صالحؑ نے صاف فرما دیا تھا کہ تم نے خدا تعالیٰ کی اونٹنی کو قتل کیا ہے تو تم تین دن تک تو مزے اُڑا لو پھر خدا تعالیٰ کا سچا وعدہ ہو کر رہے گا۔ یہ لوگ حضرت صالحؑ کی زبانی یہ سن کر کہنے لگے یہ تو اتنی مدت کہہ رہا ہے آؤ ہم آج ہی اس سے فارغ ہو جائیں جس پتھر سے اونٹنی نکلی تھی اسی پہاڑی پر حضرت صالح علیہ السلام کی ایک مسجد تھی جہاں آپ نماز پڑھا کرتے تھے انہوں نے مشورہ کیا کہ جب وہ نماز کو آئے اسی وقت راہ میں ہی اس کا کام تمام کر دو۔ جب پہاڑی پر چڑھنے لگے تو دیکھا کہ اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آ رہی ہے اس سے بچنے کے لئے ایک غار میں گھس گئے چٹان آ کر غار کے منہ پر اس طرح ٹھہر گئی کہ منہ بالکل بند ہو گیا سب کے سب ہلاک ہو گئے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلا کہ کہاں گئے؟ انہیں یہاں یہ عذاب آیا وہاں باقی والے وہیں ہلاک کر دیئے گئے ۔ نہ ان کی خبر انہیں ہوئی اور نہ ان کی انہیں۔ حضرت صالحؑ اور باایمان لوگوں میں سے کسی کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے اور اپنی جانیں خدا تعالیٰ کے عذابوں میں کھو دیں ۔انہوں نے مکر کیا ہم نے ان کی چال بازی کا مزہ انہیں چکھا دیا اور انہیں اس سے ذرا پہلے بھی مطلق علم نہ ہو سکا انجام کار ان کی فریب بازیوں کا یہ ہوا کہ سب کے سب تباہ و برباد ہوئے یہ ہیں ان کی بستیاں جو اوجڑ پڑی ہیں ان کے ظلم کی وجہ سے یہ ہلاک ہو گئے ان کے بارونق شہر تباہ کر دیئے گئے ۔ذی علم لوگ ان نشانوں سے عبرت حاصل کر سکتے ہیں ہم نے ایماندار متقیوں کو بال بال بچا لیا۔(تفسیر ابن کثیر)

مَکَرُوْا مَکْرًا یعنی انہوں نے غداری کی کہ شب خوں مار کر صالح کو قتل کر ڈالنے کا باہم مشورہ طے کر لیا۔ وَمَکَرْنَا مَکْرًا یعنی ہم نے بھی ان کو ہلاک کرنے کا سبب اسی بات کو بنا دیا۔ کَیْفَ کَانَ میں استفہام تعجبی ہے تعجب کے ساتھ ان کے انجام پر نظر کرو اَنَّا دَمَّرْنٰھُمْ کہ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا ان نو آدمیوں کو ہلاک کس طرح کیا گیا اس کے متعلق روایات میں اختلاف ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے فرشتوں کو صالح علیہ السلام کے مکان کی حفاظت کے لئے بھیج دیا جب ان نو آدمیوں نے تلواریں سونت کر صالح کے گھر پر چڑھائی کی تو فرشتوں نے ان پر پتھر برسائے پتھر تو ان کو دکھتے تھے اور پتھر مارنے والا کوئی نظر نہ آتا تھا آخر سب وہیں ڈھیر ہو گئے ۔(تفسیر مظہری)

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ

پھر دیکھ لے کیسا ہوا انجام اُن کے فریب کا کہ ہلاک کر ڈالا ہم نے اُن کو

وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ (۵۱)

اور اُن کی قوم کو سب کو

آخر کار اللہ کی تدبیر کامیاب ہوئی:

اُن نو اشخاص نے اول اتفاق کر کے اونٹنی کو ہلاک کیا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ اب تین دن سے زیادہ مہلت نہیں عذاب آ کر رہے گا تب آپس میں ٹھہرایا کہ ہم تو خیر تین دن کے بعد ہلاک کئے جائیں گے ان کا تین دن سے پہلے ہی کام تمام کر دو۔ چنانچہ شب کے وقت حضرت صالح کے گھر پر چھاپہ مارنے اور اُن کو مع اہل وعیال کے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ نو آدمی اس

ناپاک مقصد کے لئے تیار ہو کر نکلے باقی کفار ان کے تابع یا معین تھے۔ حق تعالیٰ نے حضرت صالح کی حفاظت فرمائی۔ فرشتوں کا پہرہ لگا دیا۔ آخر وہ عذاب سماوی سے تباہ ہوئے اور اپنے ساتھ قوم کو بھی تباہ کرایا۔ (تفسیر عثمانی)

فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا

سو یہ پڑے ہیں اُن کے گھر ڈھئے ہوئے بسبب اُن کے انکار کے

قوم ثمود کی بستیوں کے کھنڈر:

مکہ والے شام کا سفر کرتے تو راستہ پر وادی القریٰ میں ثمود کی بستیوں کے کھنڈر دیکھتے تھے فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً الخ میں ان ہی کی طرف اشارہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۵۲

البتہ اس میں نشانی ہے اُن لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں

یعنی جاننے والوں کو چاہیے کہ ان واقعات ہائلہ سے عبرت حاصل کریں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝۵۳

اور بچا دیا ہم نے اُن کو جو یقین لائے تھے اور بچتے رہے تھے

ایمان والے کامیاب ہوئے:

یعنی حضرت صالح ﷤ کے رفقاء جو ایمان لائے اور کفر و عصیان سے بچتے تھے ہم نے اُن کو عذاب کی لپیٹ سے بچا دیا۔ خدا کی قدرت دیکھو! مومن و کافر رلے ملے ایک بستی میں رہیں مگر عذاب آتا ہے تو چُن چُن کر کافروں کو ہلاک کرتا ہے مومن کو نہیں چھوتا۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝۵۴

اور لوط کو جب کہا اُس نے اپنی قوم کو کیا تم کرتے ہو بے حیائی اور تم دیکھتے ہو

حضرت لوط ﷤ کی دعوت:

یعنی دیکھتے ہو کیسا بُرا اور گندہ کام ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ کہ دیدہ دانستہ تم انتہائی بے حیائی کا کام کرتے ہو یا یہ مطلب ہے کہ بے حیائی کا کام تم ایک دوسرے کی نظروں کے سامنے (بلا جھجک) کرتے ہو ان لوگوں کا یہ طریقہ تھا کہ لوگوں کی موجودگی میں سب کے سامنے ایسے بُرے کام کرتے تھے۔

یا مطلب ہے کہ گزشتہ نافرمان قوموں کے نشانات و آثار تباہی تمہاری نظروں کے سامنے ہیں پھر بھی یہ حرکت کرتے ہو۔ (تفسیر مظہری)

اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ

کیا تم دوڑتے ہو مردوں پر للچا کر عورتوں کو چھوڑ کر

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝۵۵

کوئی نہیں تم لوگ بے سمجھ ہو

یعنی تم سمجھتے نہیں کہ اس بے حیائی کا انجام کیا ہونے والا ہے پرلے درجہ کے جاہل اور احمق ہو۔ (تفسیر عثمانی)

کیا تم شہوت کے ساتھ مردوں پر چڑھتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر (اس کی وجہ کوئی نہیں) بلکہ (اس معاملہ میں تم بالکل جاہل لوگ ہو) محض جہالت کرتے ہو۔

یہ قوم لوط کی بدکاری کا بیان ہے کہ شہوت رانی کے لئے مردوں پر آتے ہیں عورتوں کو چھوڑ کر حالانکہ عورتیں اس کام کے لئے پیدا کی گئی ہیں آیت میں اس امر پر تنبیہ بھی ہے کہ جماع کا اصل مقصد ہے طلب نسل محض تقاضاء شہوت پورا کرنا مقصود نہیں ہے (کہ جہاں چاہا بے محل اس عمل کو کر لیا)

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ یعنی یہ حرکت اس شخص کی طرح کرتے ہو جو اس کی برائی سے ناواقف ہو یا سبک سر بے وقوف ہو جو اچھے برے کا امتیاز نہ رکھتا ہو۔ یا تم اس کے انجام سے ناواقف لوگ ہو۔

یہ آیات دلالت کر رہی ہیں کہ اشیاء کا حسن قبح (محض شرعی نہیں ہے بلکہ) واقعی اور نفس الامری چیز ہے اگرچہ بعض چیزوں کے اچھے بُرے ہونے کا علم شریعت پر موقوف ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ

پھر اور کچھ جواب نہ تھا اُن کی قوم کا مگر یہی کہ کہتے تھے نکال دو لوط کے گھر کو

مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝۵۶

اپنے شہر سے یہ لوگ ہیں ستھرے رہا چاہتے

قوم والوں کا جواب:

یعنی اپنے کو بڑا پاک وصاف بنانا چاہتے ہیں۔ پھر ہم ناپاکوں میں اُن کا کیا کام ہے۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ

پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو

یعنی انہیں تباہ کر کے انہیں بچا لیا۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۡ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝۵۷

مگر اس کی عورت مقرر کر دیا تھا ہم نے اس کو رہ جانے والوں میں

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی:

یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی جو اُن بدمعاشوں کی اعانت کرتی تھی وہ بھی ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ڈھیر ہوگئی۔

وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ

اور برسادیا ہم نے اُن پر برساؤ پھر کیا بُرا برساؤ تھا اُن ڈرائے ہوؤں کا

پتھروں کی بارش:

یعنی آسمان سے پتھر برسائے اور شہر کا تختہ الٹ دیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ مذکورہ بالا تین قصوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا۔ ہم لائیں گے لشکر جس کا سامنا نہ کرسکیں گے، وہ ہی بات ہوئی رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اور مکہ والوں میں۔ اور حضرت صالح علیہ السلام پر نو شخص متفق ہوئے کہ رات کو جا پڑیں۔ اللہ نے اُن کو بچایا اور ان کو غارت کیا۔ مکہ کے لوگ بھی یہ ہی چاہ چکے لیکن نہ بن پڑا جس رات حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی، کتنے کافر حضرت کا گھر گھیر بیٹھے تھے کہ صبح کو اندھیرے میں نکلیں تو سب مل کر ماریں (کسی ایک کو خون بہانہ دینا پڑے) حضرت صاف بچ کر نکل گئے۔ اُن کو نہ سوجھا۔ اور قوم لوط نے چاہا کہ پیغمبر کو شہر سے نکال دیں، یہ ہی مکہ والے بھی چاہ چکے۔ اللہ نے آپ سے نکلنا بتایا کہ خود اپنے اختیار سے شہر چھوڑ کر نکل جاؤ۔ اور اُسی میں کام نکالا۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

تو کہہ تعریف ہے اللہ کو اور سلام ہے اُس کے بندوں پر جن کو اُس نے پسند کیا

قصص سے فارغ ہو کر آگے آٰللّٰهُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِکُوْنَ سے توحید کا بیان فرمانا ہے۔ یہ الفاظ بطور خطبہ کے تعلیم فرمائے جو بیان شروع کرنے سے قبل ہونا چاہیے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اللہ کی تعریف اور پیغمبر پر سلام بھیج کر اگلی بات شروع کرنی لوگوں کو سکھلا دی۔ (موضح) اور بعض مفسرین کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے جو کمالات و احسانات اوپر بضمن قصص مذکور ہوئے ہیں اُن پر پیغمبر کو حکم ہوا کہ اللہ کی حمد و ثنا کریں اور شکر بجالائیں اور اس کے مقبول بندوں پر جن میں سے بعضوں کا اوپر نام لیا گیا ہے سلام بھیجیں۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کے پسندیدہ بندے: اس آیت میں اَلَّذِیْنَ اصْطَفٰی کے الفاظ سے ظاہر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام مراد ہیں جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ہے وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ اور حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت میں ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ ہیں۔ سفیان ثوری نے اسی کو اختیار کیا ہے (اخرجه عبد بن حميد والبزار وابن جرير وغيرهم)

اگر آیت میں اَلَّذِیْنَ اصْطَفٰی سے مراد صحابہ کرام لئے جائیں جیسا کہ ابن عباسؓ کی روایت میں ہے تو اس آیت سے غیر انبیاء پر سلام بھیجنے کے لئے انہیں علیہ السلام کہنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اس مسئلہ کی پوری تحقیق سورۃ احزاب میں آیت صلوا علیه وسلموا کی تفسیر میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ: اس آیت سے خطبہ کے آداب بھی ثابت ہوئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور انبیاء علیہم السلام پر درود و سلام سے شروع ہونا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے تمام خطبات میں یہی معمول رہا ہے بلکہ ہر اہم کام کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام مسنون و مستحب ہے (کذافی الروح) (معارف مفتی اعظم)

بروایت امام مالک حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ اس سے مراد صحابہ کرامؓ ہیں سفیان ثوری کا بھی یہی قول ہے کلبی نے کہا ساری امت محمد یہ مراد ہے کیونکہ اللہ نے ساری امت کے لئے فرمایا ہے ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ بعض نے کہا گزشتہ اور آئندہ سب مومن مراد ہیں یا یہ مطلب ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعا سلامتی کرو کیونکہ انبیاء اور ان کی امتوں کو جن آفتوں سے اللہ نے بچایا اور عزت و کرامت عطا فرمائی وہ سب کچھ نور محمدی کی برکت سے ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں (آغاز) آفرینش کے لحاظ سے سب سے پہلا ہوں اور بعثت کے اعتبار سے سب کے بعد۔ رواه ابو سعد عن قتادة مرسلاً۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں (اس وقت) نبی تھا جب کہ آدم روح و جسم کے درمیان تھے (یعنی حضرت آدمؑ کے بدن میں روح بھی نہیں پڑی تھی) رواه ابن سعد بسند صحيح عن ميسرة بن سعد عن ابی الجدعاء ورواه الطبرانی عن ابن عباس (تفسیر مظہری ۶)

آٰللّٰهُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِکُوْنَ

بھلا اللہ بہتر ہے یا جن کو وہ شریک کرتے ہیں

وعظ توحید: یہاں سے توحید کا وعظ شروع کیا گیا ہے یعنی قصص مذکورہ بالا سن کر اور دلائل تکوینیہ و تنزیلیہ میں غور کر کے تم ہی بتلاؤ کہ ایک خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کا ماننا بہتر اور نافع اور معقول ہے یا اس کی خدائی میں اُس کی عاجز ترین مخلوق کو شریک ٹھہرانا۔ یہ مسئلہ اب کچھ ایسا مشکل تو نہیں رہا جس کا فیصلہ کرنے میں کچھ وقت ہو یا دیر لگے تاہم مزید تذکیر و تنبیہ کی غرض سے آگے اللہ تعالیٰ کی بعض شئون و صفات بیان کی جاتی ہیں جو توحید پر دال ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مشرکوں کی حماقت: اس آیت میں درحقیقت مشرکوں کی حماقت اور سبک سری کا اظہار ہے جب انبیاء علیہ السلام اور ان کی امتوں کے قصے بیان کر دیئے

جن سے ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ کو اپنے نیک بندوں کی عزت افزائی اور دشمنوں کو ذلیل کرنے کی قدرت کاملہ حاصل ہے اور کوئی اس کی قدرت سے سرتابی نہیں کر سکتا تو اب فرمایا کہ ایسا رب قادر عبادت کے قابل اور مرکز خوف ورجا ہونے کا مستحق ہے یا وہ عاجز بے بس بت وغیرہ جو نہ نفع پہنچانے کی قدرت رکھتے ہیں۔ نہ ضرر پہنچانے کی طاقت بلکہ ان کا ضرر نفع سے زیادہ قریب ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ
بھلا کس نے بنائے آسمان اور زمین اور اُتار دیا تمہارے
مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ
لئے آسمان سے پانی پھر اُگائے ہم نے اُس سے باغ رونق والے
مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا
تمہارا کام نہ تھا کہ اُگاتے اُن کے درخت

اللہ کی خالقیت مشرک بھی مانتے ہیں:

سرے سے درختوں کا اُگانا تمہارے اختیار میں نہیں۔ چہ جائے کہ اُس کا پھول پھل لانا اور بار آور کرنا۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور اس کی روزی رسانی کو مشرکین بھی مانتے تھے جیسے دوسری آیت میں بیان ہوا ہے کہ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ الخ یعنی اگر تو ان سے دریافت کرے کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے اور اگر تو ان سے سوال کرے کہ آسمان سے پانی برسا کر مردہ زمین کو کس نے زندہ کر دیا؟ تو بھی ان کا یہی جواب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے۔ الغرض یہ جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ خالق کل صرف اللہ ہی ہے لیکن ان کی عقلیں ماری گئی ہیں کہ عبادت کے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کر لیتے ہیں باوجودیکہ جانتے ہیں کہ وہ نہ پیدا کرنے والے ہیں نہ روزی دینے والے۔ اور اس بات کا فیصلہ تو آسانی سے ہر عقلمند کر سکتا ہے کہ لائق عبادت وہی ہے جو خالق مالک اور رازق ہے۔ اسی لئے یہاں اس آیت میں بھی سوال کیا کہ کیا معبود برحق کے ساتھ کوئی اور بھی عبادت کے لائق ہے کیا خدا کے ساتھ مخلوق کو پیدا کرنے میں مخلوق کی روزی رسائی میں کوئی اور بھی شریک ہے؟ چونکہ وہ مشرک خالق رازق صرف اللہ ہی کو مانتے تھے اور عبادت اوروں کی بھی کرتے تھے اس لئے اور آیت میں فرمایا اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ الخ خالق اور غیر خالق یکساں نہیں ہیں پھر تم خالق مخلوق کو کیسے ایک کر رہے ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ؕ
اب کوئی اور حاکم ہے اللہ کے ساتھ کوئی نہیں وہ لوگ راہ سے مُڑتے ہیں

جو خالق ہے وہی معبود ہے:

یعنی تمام دنیا جانتی ہے اور خود یہ مشرکین بھی مانتے ہیں کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنا، بارش برسانا درخت اگانا۔ بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کا کام نہیں۔ چنانچہ دوسری جگہ قرآن میں اُن کا اقرار و اعتراف مذکور ہے پھر یہاں تک پہنچ کر راستہ سے کیوں کترا جاتے ہیں۔ جب اللہ کے سوا کوئی ہستی نہیں جو خلق و تدبیر کر سکے یا کسی چیز کا مستقل اختیار رکھے، تو اُس کی الوہیت و معبودیت میں وہ کس طرح شریک ہو جائے گی۔ عبادۃ انتہائی تذلل کا نام ہے سو وہ اُسی کی ہونی چاہیے جو انتہائی درجہ میں کامل اور با اختیار ہو۔ کسی ناقص یا عاجز مخلوق کو معبودیت میں خالق کے برابر کر دینا انتہائی ظلم اور ہٹ دھرمی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اوتار: ہندوستان کے مشرک یعنی ہندو اوتاروں کے قائل ہیں اوتار اس کو کہتے ہیں کہ جس میں خدا حلول کر جائے جیسے رام اور کنہیا کے متعلق ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ وہ اوتار تھے۔

اہل اسلام اس سے بری اور بیزار ہیں مسلمانوں کے نزدیک خدا اس سے پاک اور منزہ ہے کہ وہ کسی چیز میں حلول کرے یا کسی چیز کا جز ہو جائے۔ سبحانہ و تعالیٰ عما یصفون. (معارف کاندھلوی)

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا
بھلا کس نے بنایا زمین کو ٹھہرنے کے لائق

زمین کا فرش کس نے بنایا:

یعنی آدمی اور جانوروں کی قیام گاہ ہے۔ آرام سے اُس پر زندگی بسر کرتے اور اُس کے محاصل سے منتفع ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ
اور بنائیں اس کے بیچ میں ندیاں اور رکھے اس کے ٹھہرانے کو بوجھ

نہریں اور پہاڑ کس نے بنائے:

یعنی پہاڑ رکھ دیئے تاکہ ٹھہری رہے، کپکپائے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ
اور رکھا دو دریاؤں میں پردہ

دریاؤں کا نظام کس نے بنایا:

اس کی تحقیق قریب ہی سورۂ فرقان میں گزر چکی۔ آیت وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا کا فائدہ ملاحظہ کر لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾

اب کوئی اور حاکم ہے اللہ کے ساتھ کوئی نہیں بہتوں کو اُن میں سمجھ نہیں

اللہ ہی نے یہ سب کچھ بنایا ہے:

یعنی کوئی اور بااختیار ہستی ہے جس سے یہ کام بن پڑیں اور اس بناء پر وہ معبود بننے کے لائق ہو۔ جب نہیں تو معلوم ہوا کہ یہ مشرکین محض جہالت اور ناسمجھی سے شرک و مخلوق پرستی کے غار عمیق میں گرتے چلے جارہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ

بھلا کون پہنچتا ہے بے کس کی پکار کو جب اس کو پکارتا ہے اور دور کر دیتا ہے سختی

مظلوم کی فریاد کون سنتا ہے:

یعنی جب اللہ چاہے اور مناسب جانے تو بے کس اور بیقرار کی فریاد سن کر سختی کو دور کر دیتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ (انعام۔ رکوع ۴)

گویا اسی نے دعاء کو بھی اسباب عادیہ میں سے ایک سبب بنایا ہے۔ جس پر مسبب کا ترتب بمشیت الٰہی اجتماع شروط اور ارتفاع موانع کے بعد ہوتا ہے اور علامہ طیبی وغیرہ نے کہا کہ آیۃ میں مشرکین کو تنبیہ ہے کہ سخت مصائب و شدائد کے وقت تو تم بھی مضطر ہوکر اُسی کو پکارتے ہو اور دوسرے معبودوں کو بھول جاتے ہو، پھر فطرت اور ضمیر کی اس شہادت کو امن و اطمینان کے وقت کیوں یاد نہیں رکھتے۔ (تفسیر عثمانی)

یا کون ہے ایسا کہ جب کوئی بے قرار اس کو پکارتا ہے تو وہ اس کی دعا قبول کرتا ہے اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں۔ اضطرار (باب افتعال) ضرر سے بنا ہے مضطر یعنی وہ شخص جو ایسے دکھ میں مبتلا ہو گیا ہو جس سے مجبور ہوکر بے قراری کے ساتھ وہ اللہ کی طرف رخ کرتا اور اس سے پناہ کا خواستگار ہوتا ہو۔ المضطر میں الف لام جنسی ہے استغراق کے لئے نہیں ہے اس لئے ہر دعا کرنے والے کی ہر دعا قبول کرنا ضروری نہیں۔ اذا دعاہ یعنی اللہ اگر چاہتا ہے تو مضطر کی دعا قبول کر لیتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

مضطر کون ہے؟

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ۔

اَلْمُضْطَرَّ۔ اضطرار سے مشتق ہے کسی ضرورت سے مجبور و بے قرار ہونے کو اضطرار کہا جاتا ہے اور وہ جبھی ہوتا ہے جب اس کا کوئی یار و مددگار اور سہارا نہ ہو، اس لئے مضطر وہ شخص ہے جو سب دنیا کے سہاروں سے مایوس ہو کر خالص اللہ تعالیٰ ہی کو فریادرس سمجھ کر اس کی طرف متوجہ ہو۔ مضطر کی یہ تفسیر سُدی، ذوالنون مصری، سہل بن عبداللہ وغیرہ سے منقول ہے (قرطبی)

بے کس کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی دُعاء:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے لئے ان الفاظ سے دعا کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَاَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ (ترجمہ) یا اللہ میں تیری رحمت کا اُمیدوار ہوں اس لئے مجھے ایک لحظہ کے لئے بھی میرے اپنے نفس کے حوالہ نہ کیجئے۔ اور آپ ہی میرے سب کاموں کو درست کر دیجئے آپ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (قرطبی)

مضطر کی دُعا اخلاص کی بناء پر ضرور قبول ہوتی ہے:

امام قرطبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مضطر کی دعا قبول کرنے کا ذمہ لے لیا ہے اور اس آیت میں اس کا اعلان بھی فرما دیا ہے، جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ دُنیا کے سب سہاروں سے مایوس اور علائق سے منقطع ہوکر صرف اللہ تعالیٰ ہی کو کارساز سمجھ کر دعا کرنا سرمایۂ اخلاص ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اخلاص کا بڑا درجہ ہے وہ جس کسی بندہ سے پایا جائے وہ مومن ہو یا کافر، اور متقی ہو یا فاسق فاجر اس کے اخلاص کی برکت سے اس کی طرف رحمت حق متوجہ ہو جاتی ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے کفار کا حال ذکر فرمایا ہے کہ جب یہ لوگ دریا میں ہوتے ہیں اور کشتی سب طرف سے موجوں کی لپیٹ میں آجاتی ہے اور یہ گویا آنکھوں کے سامنے اپنی موت کو کھڑا دیکھ لیتے ہیں اس وقت یہ لوگ پورے اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں کہ اگر ہمیں اس مصیبت سے آپ نجات دے دیں تو ہم شکر گزار رہوں گے، لیکن جب اللہ تعالیٰ ان کی دُعا قبول کر کے خشکی پر لے آتے ہیں تو یہ پھر شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

تین دُعائیں: ایک صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین دُعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں، جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، ایک مظلوم کی دُعاء، دوسرے مسافر کی دُعاء، تیسرے باپ جو اپنی اولاد کے لئے بددُعا کرے۔ قرطبی نے اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا کہ ان تینوں دُعاؤں میں بھی وہی صورت ہے جو دعائے مضطر میں اوپر لکھی گئی ہے کہ جب کوئی مظلوم دُنیا کے سہاروں اور مددگاروں سے مایوس ہوکر دفع ظلم کے لئے اللہ کو پکارتا ہے وہ بھی مضطر ہی ہوتا ہے اسی طرح مسافر حالت سفر میں اپنے خویش و عزیز اور ہمدردوں غمگساروں سے الگ بے سہارا ہوتا ہے۔ اسی طرح باپ اولاد کے لئے اپنی فطرت اور پدری شفقت کی بناء پر کبھی بددعا نہیں کرسکتا بجز اس کے کہ اس کا دل بالکل ٹوٹ جائے اور اپنے آپ کو مصیبت سے بچانے کے لئے اللہ کو پکارے۔ امام حدیث آجری نے حضرت ابوذرؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ میں مظلوم کی دعا کو کبھی رد نہیں کروں گا اگرچہ وہ کسی کافر کے منہ سے ہو (قرطبی)

دُعاء قبول نہ ہو تو مایوس نہ ہو:

اگر کسی مضطر یا مظلوم یا مسافر وغیرہ کو کبھی یہ محسوس ہو کہ اس کی دعا قبول نہیں ہوئی تو بدگمان اور مایوس نہ ہو بعض اوقات دعا قبول تو ہو جاتی ہے مگر کسی حکمت و مصلحت ربانی سے اس کا ظہور دیر میں ہوتا ہے۔ یا پھر وہ اپنے نفس کو ٹٹولے کہ اس کے اخلاص اور توجہ الی اللہ میں کمی کوتاہی رہی ہے۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

ایک بےکس و مجبور کا عجیب واقعہ:

ایک بہت ہی عجیب واقعہ حافظ ابن عساکرؒ نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے ایک صاحب فرماتے ہیں کہ میں ایک خچر پر لوگوں کو دمشق سے زبدانی لے جایا کرتا تھا اور اسی کرایہ پر میری گزر بسر تھی۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے خچر کرایہ پر لیا، میں نے اسے سوار کرایا اور لے چلا، ایک جگہ جہاں دو راستے تھے پہنچے تو اس نے کہا اس راہ چلو میں نے کہا میں اس سے واقف نہیں ہوں سیدھی راہ یہی ہے اس نے کہا نہیں میں پوری طرح واقف ہوں یہ بہت نزدیک کا راستہ ہے میں اس کے کہنے سے اسی راہ چلا تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک لق و دق بیابان میں ہم آ گئے ہیں جہاں کوئی راستہ نظر نہیں آتا نہایت خطرناک جنگل اور بن ہے اور ہر طرف لاشیں پڑی ہوئی ہیں میں سہم گیا۔ وہ مجھ سے کہنے لگا ذرا لگام تھام لو مجھے یہاں اترنا ہے میں نے لگام تھام لی وہ اترا اور اپنا تہمد اونچا کر کے کپڑے ٹھیک کر کے چھری نکال کر مجھ پر حملہ کیا، میں وہاں سے سرپٹ بھاگا لیکن اس نے میرا تعاقب کیا اور مجھے پکڑ لیا۔ میں اسے قسمیں دینے لگا لیکن اس نے خیال بھی نہ کیا۔ میں نے کہا اچھا یہ خچر اور کل سامان جو میرے پاس ہے تو لے لے اور مجھے چھوڑ دے۔ اس نے کہا یہ تو میرا ہو ہی چکا لیکن میں تو تجھے زندہ چھوڑنا چاہتا ہی نہیں۔ میں نے اسے خدا کا خوف دلایا آخرت کے عذابوں کا ذکر کیا لیکن اس چیز نے بھی اس پر کوئی اثر نہ کیا اور وہ میرے قتل پر تُلا رہا۔ اب میں مایوس ہو گیا اور مرنے کے لئے تیار ہو گیا اور اس سے بہ منت التجا کی کہ آپ مجھے دو رکعت نماز ادا کر لینے دیجئے، اس نے کہا اچھا جلدی پڑھ لے۔ میں نے نماز شروع کی لیکن خدا کی قسم میری زبان سے قرآن کا ایک حرف نہیں نکلتا تھا یونہی ہاتھ باندھے دہشت زدہ کھڑا ہوا تھا اور وہ جلدی مچا رہا تھا، اسی وقت اتفاق سے یہ آیت میری زبان پر آ گئی اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ یعنی خدا ہی ہے جو بے قرار کی بے قراری کے وقت کی دعا کو سنتا اور قبول فرماتا ہے اور بےبسی بےکسی کو سختی اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے پس اس آیت کا زبان سے جاری ہونا تھا جو میں نے دیکھا کہ بیچوں بیچ جنگل میں سے ایک گھوڑے سوار تیزی سے اپنا گھوڑا بھگائے نیزہ تانے ہماری طرف چلا آ رہا ہے اور بغیر کچھ کہے اس ڈاکو کے پیٹ میں اُس نے اپنا نیزہ گھسیڑ دیا جو اس کے جگر کے آر پار ہو گیا، وہ اسی وقت بے جان ہو کر گر پڑا۔ سوار نے باگ موڑی اور جانا چاہا لیکن میں اس کے قدموں سے لپٹ گیا اور بالحاح کہنے لگا خدا کے لئے یہ تو بتلاؤ کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا میں اس کا بھیجا ہوا ہوں جو مجبوروں بےکسوں اور بےبسوں کی دعا قبول فرماتا ہے اور مصیبت و آفت کو ٹال دیتا ہے میں نے خدا کا شکر کیا اور وہاں سے اپنا خچر اور مال لے کر صحیح سالم واپس لوٹا، رحمہ اللہ۔

ایک بزرگ کا عجیب واقعہ:

اسی قسم کا ایک اور واقعہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے ایک لشکر نے ایک جنگ میں کافروں سے شکست کھائی اور واپس لوٹے۔ ان میں ایک مسلمان جو بڑے سخی اور نیک تھے یہ بھی تھے، ان کا گھوڑا جو بہت تیز رفتار تھا راستہ میں اَڑ گیا۔ اس ولی اللہ نے بہت کوشش کی لیکن جانور نے قدم ہی نہ اُٹھایا آخر عاجز آ کر اس نے کہا کیا بات ہے تو اَڑ گیا۔ ایسے ہی موقعہ کے لئے تو میں نے تیری خدمت کی تھی اور تجھے پیار سے پالا تھا۔ گھوڑے کو خدا تعالیٰ نے زبان دی، اس نے جواب دیا کہ وجہ یہ ہے کہ آپ میرا گھاس دانہ سائیس کو سونپ دیتے تھے وہ اس میں سے چرا لیتا تھا مجھے بہت کم کھانے کو دیتا تھا اور مجھ پر ظلم کرتا تھا۔ خدا کے اس نیک بندے نے کہا اب تو چل میں خدا کو بیچ میں رکھ کر وعدہ کرتا ہوں کہ اب سے تجھے میں ہمیشہ اپنی گود میں ہی کھلایا کروں گا۔ جانور یہ سنتے ہی تیزی سے لپکا اور انہیں جائے امن تک پہنچا دیا۔ حسب وعدہ اب سے یہ بزرگ اپنے اس جانور کو اپنی گود ہی میں کھلایا کرتے تھے۔ لوگوں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی، انہوں نے کسی سے واقعہ کہہ دیا جس کی عام شہرت ہو گئی اور لوگ اس واقعہ کو سننے کے لئے اُن کے پاس دُور دُور سے آنے لگے۔ شاہِ رُوم کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے چاہا کہ کسی طرح انہیں اپنے شہر میں بُلا لے بہت کوششیں کیں لیکن بے سود رہیں آخر میں اس نے ایک شخص کو بھیجا کہ کسی طرح حیلے حوالے سے انہیں بادشاہ تک پہنچائے۔ یہ شخص پہلے مسلمان تھا پھر مُرتد ہو گیا تھا۔ یہ بادشاہ کے پاس سے چلا یہاں آ کر ان سے ملا اپنا اسلام ظاہر کیا توبہ کی اور نہایت نیک بن کر رہنے لگا، یہاں تک کہ اس ولی اللہ کو اس پر پورا اعتماد ہو گیا اور اسے صالح اور دیندار سمجھ کر انہوں نے دوستی پیدا کر لی اور ساتھ ساتھ پھرنے لگے۔ اس نے اپنا پورا رسوخ جما کر اپنی ظاہری دینداری کے فریب میں انہیں پھنسا کر ادھر بادشاہ کو اطلاع دی کہ فلاں وقت دریا کے کنارے ایک مضبوط جری شخص کو بھیجو میں انہیں لے کر وہاں آ جاؤں گا اور اس شخص کی مدد سے انہیں گرفتار کرلوں گا۔ یہاں سے انہیں جُل دے کر لے چلا اور اسی جگہ پہنچایا۔ دفعۃً یہ شخص نمودار ہوا اور اس بزرگ پر حملہ کیا، ادھر سے اس مرتد نے حملہ کیا اس نیک دل شخص نے اس وقت آسمان کی طرف نگاہیں اُٹھائیں اور دعا کی کہ خدایا اس شخص نے

تیرے نام سے مجھے دھوکا دیا ہے میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ تو جس طرح چاہے مجھے ان دونوں سے بچالے۔ وہیں جنگل سے دو درندے بھاگتے ہوئے آتے دکھائی دیئے اور ان دونوں شخصوں کو انہوں نے دبوچ لیا اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے چل دیئے اور یہ بندہ خدا باامن و امان وہاں سے صحیح و سالم واپس تشریف لے آئے، رحمہ اللہ (تفسیر ابن کثیر)

وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ

اور کرتا ہے تم کو نائب اگلوں کا زمین پر

قوموں کو زمین کی وراثت کون دیتا ہے؟

یعنی ایک قوم یا نسل کو اُٹھا لیتا اور اُس کی جگہ دوسری کو آباد کرتا ہے جو زمین میں مالکانہ اور بادشاہانہ تصرف کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ اور تم کو زمین کے وارث بناتا ہے یعنی اسلاف کے جانشین اخلاف ہوتے ہیں زمین کے وارث بنانے کا مطلب ہے زمین پر رہنے زمین میں تصرف کرنے یا زمین پر تسلط جمانے کا اختیار دینا۔ بعض اہل علم نے کہا انسانوں کو اللہ نے زمین پر جنات کا جانشین کردیا۔ میں کہتا ہوں یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ نے زمین پر تم میں سے کچھ آدمیوں کو اپنا نائب بنایا یہی مضمون آیت اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خلیفة کا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ

اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ تم بہت کم دھیان کرتے ہو

غور کرو تو حقیقت نظر آئے؟

یعنی پوری طرح دھیان کرتے تو دور جانے کی ضرورت نہ پڑتی انہی اپنی حوائج و ضروریات اور قوموں کے ادل بدل کو دیکھ کر سمجھ سکتے تھے کہ جس کے ہاتھ میں ان امور کی باگ ہے تنہا اسی کی عبادت کرنی چاہیئے۔ (تفسیر عثمانی)

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ

بھلا کون راہ بتاتا ہے تم کو اندھیروں میں جنگل کے اور دریا کے

جنگل و دریاء میں کون راہنمائی کرتا ہے:

یعنی خشکی اور دریا کی اندھیریوں میں ستاروں کے ذریعہ سے تمہاری رہنمائی کرتا ہے۔ خواہ بلاواسطہ یا بواسطہ قطب نما وغیرہ آلات کے۔ (تفسیر عثمانی)

بھلا بتاؤ کہ یہ بت بہترین یا وہ ذات بہتر ہے جو تم کو بیابانوں میں اور دریاؤں کے اندھیروں میں راستہ بتاتا ہے یعنی اس نے تمہاری رہنمائی کے لئے ستارے پیدا کئے تاکہ اندھیروں میں ان کے ذریعہ راستہ معلوم کرسکو کما قال تعالٰی وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ اور ان ستاروں کا پیدا کرنے والا سوائے خدا کے کون ہے۔

معنوی ستارے:

یہ تو ظاہری ستارے ہیں اور معنوی ستارے صحابہ کرام ہیں جن کے متعلق حدیث میں آیا ہے۔ اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم میرے تمام صحابہ نجوم ہدایت ہیں تم جس کی پیروی کرو گے راہ یاب ہوگے۔

غم مخور ز آنرا کہ غمخوارت منم   وز ہمہ بربلا نگہدارت منم
از تو گر اغیار بردارند روئی   ایں جہان و آں جہاں یارت منم

(معارف کاندھلوی)

وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ

اور کون چلاتا ہے ہوائیں خوشخبری لانے والیاں اُس کی رحمت سے پہلے

ہوا و بارش کون بھیجتا ہے:

یعنی باران رحمت سے پہلے ہوائیں چلاتا ہے جو بارش کی آمد کی خوشخبری سناتی ہیں۔

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ

اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ اللہ بہت اوپر ہے اس سے جس کو شریک بتلاتے ہیں

یہ سب کچھ جھوٹے معبودوں کے بس کا نہیں ہے:

یعنی کہاں وہ قادر مطلق اور حکیم برحق اور کہاں عاجز و ناقص مخلوق جسے اُس کی خدائی کا شریک بتلایا جارہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ

بھلا کون سرے سے بناتا ہے پھر اس کو دہرائے گا

کس نے ابتداءً پیدا کیا اور کون دوبارہ زندہ کرے گا:

ابتداء پیدا کرنا تو سب کو مسلم ہے کہ اللہ کا کام ہے۔ موت کے بعد دوبارہ پیدا کرنے کو بھی اس سے سمجھ لو۔ منکرین بعث بعد الموت بھی اتنا سمجھتے تھے کہ اگر بالفرض دوبارہ پیدا کئے گئے تو یہ کام اُسی کا ہوگا جس نے اول پیدا کیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

(پہلی تخلیق تو مسلمہ تھی لیکن) قیامت کے دن دوبارہ پیدا ہونے کے کفار منکر تھے پر عقلاً اعادہ تخلیق ناممکن نہیں۔ اور نقلی دلائل سے وجوب اعادہ ثابت ہے نقلی دلائل کے واجب الیقین ہونے پر معجزات کی تائید کافی ہے اس لئے دوبارہ تخلیق بھی ناقابل شک ہے اور یہ یقینی ہے کہ اللہ ہی دوبارہ پیدا کرے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ

اور کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے

آسمان وزمین سے تمہیں رزق کون دیتا ہے:

یعنی کون ہے جو آسمانی اور زمینی اسباب کے ذریعہ سے اپنی حکمت کے موافق تم کو روزی پہنچاتا ہے۔

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ

اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ تو کہہ لاؤ اپنی سند

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾

اگر تم سچے ہو

تمہارے پاس مقابلہ کی کوئی دلیل ہے تو پیش کرو؟

یعنی اگر اتنے صاف نشانات اور واضح دلائل سننے کے بعد بھی تم خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور شرک کی قباحت کو تسلیم نہیں کرتے تو جو کوئی دلیل تم اپنے دعوائے باطل کے ثبوت میں رکھتے ہو پیش کرو۔ ابھی تمہارا جھوٹ سچ کھل جائے گا۔ مگر وہاں دلیل و برہان کہاں محض اندھی تقلید ہے۔ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ (مومنون۔ رکوع ۶) (تفسیر عثمانی)

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ

تو کہہ خبر نہیں رکھتا جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں چھپی ہوئی چیز کی مگر اللہ

اللہ کے معبود ہونے پر ایک دوسری طرح کی دلیل:

اس آیت میں مضمون سابق کی تکمیل اور مضمون لاحق کی تمہید ہے۔ شروع پارہ سے یہاں تک حق تعالیٰ کی قدرت تامہ، رحمت عامہ اور ربوبیت کاملہ کا بیان تھا یعنی جب وہ ان صفات وشئون میں متفرد ہے تو الوہیت و معبودیت میں بھی متفرد ہونا چاہیے۔ آیت حاضرہ میں اُس کی الوہیت پر دوسری حیثیت سے استدلال کیا جا رہا ہے یعنی معبود وہ ہوگا۔ جو قدرت تامہ کے ساتھ علم کامل ومحیط بھی رکھتا ہو۔ اور یہ وہ صفت ہے جو زمین وآسمان میں کسی مخلوق کو حاصل نہیں۔ اُسی رب العزت کے ساتھ مخصوص ہے پس اس اعتبار سے بھی معبود بننے کی مستحق اکیلی اُس کی ذات ہوئی۔

علم غیب کا مسئلہ:

(تنبیہ) کُل مغیبات کا علم بجز خدا کے کسی کو حاصل نہیں نہ کسی ایک غیب کا علم کسی شخص کو بالذات بدون عطائے الٰہی کے ہوسکتا ہے اور نہ مفاتیح غیب (غیب کی کنجیاں جن کا ذکر سورۃ انعام میں گزر چکا) اللہ نے کسی مخلوق کو دی ہیں۔ ہاں بعض بندوں کو بعض غیوب پر باختیار خود مطلع کر دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص کو حق تعالیٰ نے غیب پر مطلع فرما دیا۔ یا غیب کی خبر دے دی لیکن اتنی بات کی وجہ سے قرآن وسنت نے کسی جگہ ایسے شخص پر عالم الغیب یا فلان یعلم الغیب کا اطلاق نہیں کیا۔ بلکہ احادیث میں اُس پر انکار کیا گیا ہے۔ کیونکہ بظاہر یہ الفاظ اختصاص علم الغیب بذات الباری کے خلاف موہم ہوتے ہیں۔ اسی لئے علمائے محققین اجازت نہیں دیتے کہ اس طرح کے الفاظ کسی بندہ پر اطلاق کئے جائیں۔ گو لغۃً صحیح ہوں جیسے کسی کا یہ کہنا کہ ان اللہ لا یعلم الغیب (اللہ کو غیب کا علم نہیں) گو اس کی مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے کوئی چیز غیب ہے ہی نہیں سخت ناروا اور سوء ادب ہے۔ یا کسی کا حق سے موت اور فتنہ سے اولاد اور رحمت سے بارش مراد لے کر یہ الفاظ کہنا انی اکرہ الحق واحب الفتنة وافر من الرحمة (میں حق کو بُرا سمجھتا ہوں اور فتنہ کو محبوب رکھتا ہوں اور رحمت سے بھاگتا ہوں) سخت مکروہ اور قبیح ہے، حالانکہ باعتبار نیت ومراد کے قبیح نہ تھا۔ اسی طرح فلان عالم الغیب وغیرہ الفاظ کو سمجھ لو اور واضح رہے کہ علم غیب سے ہماری مراد محض ظنون وتخمینات نہیں اور نہ وہ علم جو قرائن ودلائل سے حاصل کیا جائے۔ بلکہ جس کے لئے کوئی دلیل و قرینہ موجود نہ ہو وہ مراد ہے۔ سورۂ انعام واعراف میں اس کے متعلق کسی قدر لکھا جا چکا ہے۔ وہاں مراجعت کر لی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ آپ لوگوں کو بتلا دیں کہ جتنی مخلوق آسمانوں میں ہے جیسے فرشتے اور جتنی مخلوق زمین میں ہے جیسے بنی آدم اور جنات وغیرہ ان میں سے کوئی بھی غیب کو نہیں جانتا۔ بجز اللہ تعالیٰ کے آیت مذکورہ نے پوری وضاحت اور صراحت کے ساتھ یہ بتلایا ہے کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے جس میں کوئی فرشتہ یا نبی ورسول بھی شریک نہیں ہوسکتا۔ (معارف مفتی اعظم)

مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ یعنی فرشتے والارض یعنی جن وانس جن میں تمام انبیاء بھی شامل ہیں۔ الغیب غیب سے مراد وہ چیز ہے جو حواس (ظاہری وباطنی) کی رسائی سے باہر ہو یعنی حسی نہ ہو اور نہ اس کے ثبوت پر کوئی عقلی دلیل قائم ہو (یعنی نظری ہونا قابل استدلال غیر ممکن الفکر مترجم) الا اللہ یعنی صرف اللہ ہی ان تمام باتوں کو جانتا ہے جو ملائکہ اور جن وانس کے لئے ناممکن الحصول ہیں۔ ہاں اگر اللہ چاہے تو بعض غیب کی باتیں اپنے بندوں کو بتا دے اس طرح اللہ کی عطا وموہبت سے کچھ غیبی باتیں بندوں کو بھی معلوم ہو جائیں الا اللہ میں استثناء منقطع ہے کیونکہ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں اللہ پہلے سے داخل نہ تھا اللہ کے لئے نہ آسمان مکان بن سکتا ہے نہ زمین اللہ ہر استقرار وتمکن سے پاک ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا فرمان ہے کہ جو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کل کی بات جانتے تھے اُس نے اللہ تبارک وتعالیٰ پر بہتان عظیم باندھا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ زمین وآسمان والوں میں سے کوئی بھی غیب کی بات جاننے والا نہیں۔

ستاروں کے فائدے اور جاہلوں کا علم:

قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں میں تین فائدے رکھے ہیں۔آسمان کی زینت، بھولے بھٹکوں کی رہبری اور شیطانوں کی مارکسی اور بات کا ان کے ساتھ عقیدہ رکھنا اپنی رائے سے بات بنانا اور تکلیف اُٹھانا اور اپنے حصہ کو کھونا ہے۔ جاہلوں نے ستاروں کے ساتھ علم نجوم کو متعلق رکھ کر فضول باتیں بنائی ہیں کہ اس ستارے کے وقت جو نکاح کرے یوں ہوگا فلاں ستارے کے موقعہ پر سفر کرنے سے یہ ہوتا ہے فلاں ستارے کے وقت جو تولد ہوا وہ ایسا وغیرہ وغیرہ یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔ان کی اس بکواس کے خلاف اکثر ہوتا رہتا ہے ہر ستارے کے وقت کوئی کالا گورا ٹھنگنا لمبا خوبصورت بدشکل پیدا ہوتا ہی ہے نہ کوئی جانور غیب جانے نہ کسی پرندے غیب حاصل ہوسکے نہ ستارے غیب کی رہنمائی کریں۔ سنو خدائی [illegible] ہو چکا ہے کہ آسمان اور زمین کی کل مخلوق غیب سے بے خبر ہے۔ انہیں تو اپنے جی اُٹھنے کا وقت بھی نامعلوم ہے (ابن ابی حاتم) سُبحان اللہ قتادہؒ کا یہ قول کتنا صحیح کس قدر مفید اور معلومات سے پُر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٦٥﴾

اور اُن کو خبر نہیں　کب　جی اُٹھیں گے

قیامت کا معین وقت کسی کو معلوم نہیں:

یعنی قیامت کب آئے گی جس کے بعد مردے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔اس کی خبر کسی کو نہیں۔ پہلے سے مبدا کا ذکر چلا آتا تھا۔ یہاں سے معاد کا شروع ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ؕ اوران کو پتہ بھی نہیں کہ ان کا حشر کب ہوگا کیونکہ وقت حشر حسی نہیں کہ حواس کے ذریعہ سے اس کا وقت معلوم ہو سکے اور نہ اس کے وقت کی تعیین نظری قابل استدلال ہے اس لئے کسی آسمانی زمینی مخلوق کے لئے قیامت کا تعیینی علم ممکن نہیں۔ ہاں اگر اللہ کسی کو بتادے تو معلوم ہونا ممکن ہے مگر اللہ نے کسی کو قیامت کی تعیین کا علم عطا نہیں فرمایا یہ علم اپنی ذات کے لئے مخصوص رکھا ہے۔ (تفسیر مظہری)

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ

بلکہ تھک کر گر گیا اُن کا فکر　آخرت کے بارہ میں　بلکہ اُن کو

فِي شَكٍّ مِّنْهَا ۖ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُونَ ﴿٦٦﴾

شبہ ہے　اُس میں　بلکہ وہ اُس سے اندھے ہیں

کم عقلوں کا انکارِ قیامت:

یعنی عقل دوڑا کر تھک گئے، آخرت کی حقیقت نہ پائی کبھی شک کرتے ہیں کبھی منکر ہوتے ہیں (موضح) اور بعض مفسرین نے یوں تقریر کی ہے کہ آخرت کے ادراک تک اُن کے علم کی رسائی نہ ہوئی اور نہ عدم علم کی وجہ سے صرف خالی الذہن رہے بلکہ اس کے متعلق شک وتردد میں پڑ گئے، اور نہ صرف شک وتردد بلکہ اُن دلائل وشواہد سے بالکل آنکھیں بند کر لیں جن میں غور و تامل کرتے تو شک رفع ہوسکتا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَإِذَا كُنَّا تُرَابًا وَآبَاؤُنَا

اور بولے وہ لوگ جو منکر ہیں کیا جب ہم ہو جائیں مٹی اور ہمارے باپ　دادے

أَئِنَّا لَمُخْرَجُونَ ﴿٦٧﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هَٰذَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا

کیا ہم کو زمین سے نکالیں گے وعدہ پہنچ چکا ہے اس کا ہم کو اور ہمارے باپ دادوں کو

مِنْ قَبْلُ إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٦٨﴾

پہلے سے　کچھ بھی نہیں　یہ　نقلیں ہیں　اگلوں کی

منکروں کی دلیل:

یعنی پہلے ہمارے بڑوں سے یہ ہی وعدے کئے گئے تھے۔ جو پہلے کہہ گئے اُن ہی کی نقل آج یہ پیغمبر بھی اتار رہے ہیں لیکن کتنے قرن گزر چکے ہم نے تو آج تک نہ دیکھا نہ سنا کہ کوئی مردہ مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہوا ہو اور اُس کو سزا ملی ہو۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ

تو کہہ دے　پھرو　ملک میں　تو دیکھو　کیسا

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿٦٩﴾

ہوا انجام　کار گنہگاروں　کا

قیامِ قیامت کی دلیل:

یعنی کتنے مجرموں کو دنیا ہی میں عبرتناک سزائیں مل چکی ہیں اور پیغمبروں کا فرمانا پورا ہوکر رہا۔ اسی پر قیاس کرلو کہ بعث بعد الموت اور عذاب آخروی کی جو خبر انبیاء دیتے چلے آئے ہیں یقیناً پوری ہوکر رہے گی یہ کارخانہ یوں ہی

بے سر انہیں کہ اُس پر کوئی حاکم نہ ہو، وہ اپنی رعایا کو یوں ہی مہمل نہ چھوڑے گا جب سب مجرموں کو یہاں پوری سزا نہیں ملتی تو یقیناً کوئی دوسری زندگی ہو گی جہاں ہر ایک اپنی کیفر کردار کو پہنچے اگر تمہاری یہ ہی تکذیب رہی تو مکذبین کا جو انجام دنیا میں ہوا تمہارا بھی ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

منکروں کو دھمکی:

(اے محمد) آپ کہہ دیجئے کہ ملک میں چل پھر کر دیکھو کہ مجرموں کا انجام کیسا (برا) ہوا۔

یہ دھمکی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کافروں کو کہ دیکھو تکذیب انبیاءؑ کا نتیجہ کتنا برا نکلا۔ اس سے تم کو بھی ڈرنا چاہئے کہ تکذیب کا جو خمیازہ ان کو بھگتنا پڑا تم کو بھی تکذیب رسول کی ویسی ہی سزا ملے گی۔ کافروں کو مجرمین کہنے سے مومنوں کے غیر مجرم ہونے کی طرف لطیف ایماء ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾

اور غم نہ کر اُن پر اور نہ خفا ہو اُن کے فریب بنانے سے

جو منکر ہی ہے اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیں:

یعنی اُن کو سمجھا کر اور بدی کے انجام پر متنبہ کر کے الگ ہو جائیے اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو آپ بہت زیادہ غم و تأسف نہ کریں اور نہ ان کے مکر و فریب اور حق کے خلاف تدبیریں کرنے سے تنگدل اور خفا ہوں آپ اپنا فرض ادا کر چکے، اللہ تعالیٰ ایسے ضدی مجرموں سے خود نبٹ لے گا اور جس طرح پہلے مجرموں کو سزائیں دی گئی ہیں اُن کو بھی دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت:

ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے ساتھ جو شفقت و ہمدردی کا جذبہ رکھتے تھے اس کا تقاضا تھا کہ سب کو اللہ کا پیغام سنا کر جہنم سے بچا لیں جو لوگ اس پیغام کو قبول نہ کرتے تو آپ کو سخت صدمہ پہنچتا تھا اور آپ ایسے غمگین ہوتے تھے جیسے کسی کی اولاد اس کے کہنے کے خلاف آگ میں جا رہی ہو اس لئے قرآن نے جا بجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے مختلف عنوانات اختیار فرمائے ہیں۔ سابقہ آیات میں وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ اسی سلسلہ کا ایک عنوان تھا۔ مذکور الصدر آیت میں بھی تسلی کا مضمون دوسرے انداز سے بیان فرمایا ہے کہ آپ کا کام پیغام حق کو پہنچا دینے کا وہ آپ پورا کر چکے ہیں جن لوگوں نے اس کو قبول نہیں کیا اس میں آپ کا کوئی قصور اور کوتاہی نہیں جس پر آپ غم کریں بلکہ وہ اپنی صلاحیت قبول ہی کو کھو چکے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٧١﴾

اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو

یعنی آخر وہ قیامت کب آئے گی؟ اور جس عذاب کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں کب نازل ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ

تو کہہ کیا بعید ہے جو تمہاری پیٹھ پر پہنچ چکی ہو

بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٧٢﴾

بعض وہ چیز جس کی جلدی کر رہے ہیں

معرکہ بدر مشرکین کیلئے عذاب:

یعنی گھبراؤ نہیں وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ اور کچھ بعید نہیں کہ وعدہ کا کچھ حصہ قریب ہی آ لگا ہو (چنانچہ زیادہ دن نہ گزرے کہ بدر میں سزا کی ایک قسط پہنچ گئی رہی قیامت کبریٰ سو اس کے بھی بعض آثار و علامات ظاہر ہونے شروع ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ

اور تیرا رب تو فضل رکھتا ہے لوگوں پر

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾

پر اُن میں بہت لوگ شکر نہیں کرتے

مہلت اللہ کا فضل ہے:

یعنی حق تعالیٰ اپنے فضل سے اگر عذاب میں تاخیر کرتا ہے تو چاہئے تھا اس مہلت کو غنیمت سمجھتے اور اس کی مہربانی کے شکر گزار ہو کر ایمان و عمل صالح کا راستہ اختیار کرتے لیکن وہ اس کے خلاف ناشکری کرتے اور اپنے منہ سے عذاب مانگتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ

اور تیرا رب جانتا ہے جو چھپ رہا ہے ان کے سینوں میں

وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٤﴾ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ

اور جو کچھ کہ ظاہر کرتے ہیں اور کوئی چیز نہیں جو غائب ہو آسمان

وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٥﴾

اور زمین میں مگر موجود ہے کھلی کتاب میں

سب کے سب اعمال اللہ کے علم میں ہیں:

یعنی تمہارے ظاہری و پوشیدہ اعمال، دلوں کے بھید نیتیں ارادے اور زمین و آسمان کے چھپے سے چھپے راز سب اللہ تعالیٰ کے علم میں حاضر اور اُس کے دفتر میں درج ہیں۔ ہر بات اُسی کے موافق اپنے اپنے وقت پر وقوع پذیر ہوگی۔ جلدی مچانے یا دیر لگانے سے کچھ حاصل نہیں۔ جو چیز علمِ الٰہی میں طے شدہ ہے جلد یا بدیر اپنے وقت پر آئے گی اور ہر ایک کو اس کے عمل اور نیت وعزم کے موافق پھل مل کر رہے گا۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

یہ قرآن سُناتا ہے بنی اسرائیل کو

اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾ وَاِنَّهٗ لَهُدًى

بہت چیزیں جس میں وہ جھگڑ رہے ہیں اور بیشک وہ ہدایت ہے

وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾

اور رحمت ہے ایمان والوں کے واسطے

اہل کتاب کے جھگڑوں کا فیصلہ:

یعنی ابھی عملی فیصلہ کا وقت نہیں آیا، البتہ قرآن قولی و عملی فیصلہ کے لئے آیا ہے۔ اُس وقت سماوی علوم اور مذہبی چیزوں کے سب سے بڑے عالم بنی اسرائیل سمجھے جاتے تھے مگر عقائد، احکام اور قصص وروایات کے متعلق اُن کے شدید اختلافات کا فیصلہ کن تصفیہ بھی قرآن نے سنایا۔ فی الحقیقت قرآن ہی وہ کتاب ہے جس نے دنیا کو خداوند قدوس کا آخری پیغام پہنچایا۔ او رایمان لانے والوں کی رہبری کی تالوگ اُس دن کے لئے تیاری کر رکھیں۔ جبکہ ہر معاملہ کا عملی فیصلہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ

تیرا رب اُن میں فیصلہ کریگا اپنی حکومت سے

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۸﴾

اور وہی ہے زبردست سب کچھ جاننے والا

یعنی قرآن تو آیا ہے سمجھانے اور آگاہ کرنے کو، باقی تمام معاملات کا حکیمانہ اور حاکمانہ فیصلہ خدائے قادر وتوانا کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿۷۹﴾

سوتو بھروسہ کر اللہ پر بیشک تو ہے صحیح کھلے رستہ پر

آپ کسی کے اختلاف سے متاثر نہ ہوں:

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے اختلاف وتکذیب سے متاثر نہ ہوں۔ خدا پر بھروسہ کر کے اپنا کام کئے جائیں جس صحیح وصاف راستہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چل رہے ہیں اُس میں کوئی کھٹکا نہیں۔ آدمی جب صحیح راستہ پر ہو اور خدائے واحد پر بھروسہ رکھے پھر کیا غم ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ

البتہ تو نہیں سنا سکتا مردوں کو اور نہیں سنا سکتا بہروں کو اپنی پکار

اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي

جب لوٹیں وہ پیٹھ پھیر کر اور نہ تو دکھلا سکے

الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ

اندھوں کو جب وہ راہ سے بچلیں

مردہ دلوں کا حال:

یعنی جس طرح ایک مردہ کو خطاب کرنا یا کسی بہرے کو پکارنا خصوصاً جبکہ وہ پیٹھ پھیرے چلا جا رہا ہو اور پکارنے والے کی طرف قطعاً ملتفت نہ ہو اُن کے حق میں سودمند نہیں یہی حال ان مکذبین کا ہے جن کے قلوب مرچکے ہیں اور دل کے کان بہرے ہوگئے ہیں اور سننے کا ارادہ بھی نہیں رکھتے کیا ان کے حق میں کوئی نصیحت نافع اور کارگر نہیں ایک نپٹ اندھے کو جب تک آنکھ نہ بنوائے تم کس طرح راستہ یا کوئی چیز دکھلا سکتے ہو۔ یہ لوگ بھی دل کے اندھے ہیں اور چاہتے بھی نہیں کہ اندھے پن سے نکلیں۔ پھر تمہارے دکھلانے سے وہ دیکھیں تو کیسے دیکھیں۔ (تفسیر عثمانی)

اس کے معنی بھی یہی ہوئے کہ جیسے مردے اگر کوئی بات حق کی سن بھی لیں اور اس وقت وہ حق کو قبول کرنا بھی چاہیں تو یہ ان کے لئے نافع نہیں، کیونکہ وہ دنیا کے دارالعمل سے گزر چکے ہیں جہاں ایمان وعمل نافع ہوسکتا تھا مرنے کے بعد برزخ یا محشر میں تو سبھی کافر منکر ایمان وعمل صالح کی تمنائیں کریں گے مگر وہ وقت ایمان وعمل کے قبول ہونے کا وقت نہیں۔ اس لئے اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مردے کوئی کلام کسی کا سن ہی نہیں سکتے اس لئے سماع اموات کے مسئلہ سے درحقیقت یہ آیت ساکت ہے۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ قابل نظر ہے کہ مردے کسی کلام کو سن سکتے ہیں یا نہیں۔

مسئلہ سماع اموات:

یہ مسئلہ کہ مُردے کوئی کلام سن سکتے ہیں یا نہیں اُن مسائل میں سے ہے جن

میں خود صحابہ کرام کا باہم اختلاف رہا ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سماع موتی کو ثابت قرار دیتے ہیں اور حضرت ام المؤمنین صدیقہ عائشہؓ اس کی نفی کرتی ہیں اسی لئے دوسرے صحابہ وتابعین میں بھی دو گروہ ہو گئے بعض اثبات کے قائل ہیں بعض نفی کے۔ اور قرآن کریم میں یہ مضمون ایک تو اسی موقع پر سورۂ نمل میں آیا ہے دوسرے سورۂ روم میں تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ دوسری آیت آئی ہے اور سورۂ فاطر میں یہ مضمون ان الفاظ سے آیا ہے وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ یعنی آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو کہ قبروں میں ہیں۔

ان تینوں آیتوں میں یہ بات قابل نظر ہے کہ ان میں سے کسی میں بھی یہ نہیں فرمایا کہ مردے سن نہیں سکتے بلکہ تینوں آیتوں میں نفی اس کی کی گئی ہے کہ آپ نہیں سنا سکتے۔ تینوں آیتوں میں اسی تعبیر واختیار کرنے سے اس طرف واضح اشارہ نکلتا ہے کہ مردوں میں سننے کی صلاحیت تو ہو سکتی ہے مگر ہم باختیار خود ان کو نہیں سنا سکتے۔

ان تینوں آیتوں کے بالمقابل ایک چوتھی آیت جو شہداء کے بارے میں آئی ہے وہ یہ ثابت کرتی ہے کہ شہداء کو اپنی قبروں میں ایک خاص قسم کی زندگی عطا ہوتی ہے اور اس زندگی کے مطابق رزق بھی ان کو ملتا ہے اور اپنے پسماندہ متعلقین کے متعلق بھی منجانب اللہ ان کو بشارت سنائی جاتی ہے آیت یہ ہے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ مرنے کے بعد بھی روح انسانی میں شعور اور ادراک باقی رہ سکتا ہے بلکہ شہداء کے معاملہ میں اس کے وقوع کی شہادت بھی یہ آیت دے رہی ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ یہ حکم تو شہیدوں کے ساتھ مخصوص ہے دوسرے اموات کے لئے نہیں، سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے کم از کم اتنا تو ثابت ہو گیا کہ مرنے کے بعد بھی روح انسانی میں شعور وادراک اور اس دنیا کے ساتھ علاقہ باقی رہ سکتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے شہداء کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ ان کی ارواح کا تعلق ان کے اجساد اور قبور کے ساتھ قائم رہتا ہے اسی طرح جب اللہ تعالیٰ چاہیں تو دوسرے اموات کو یہ موقع دے سکتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو سماع اموات کے قائل ہیں، ان کا یہ قول بھی ایک صحیح حدیث کی بناء پر ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر سے اسناد صحیح کے ساتھ منقول ہے وہ یہ ہے جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی قبر پر گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور وہ اس کو سلام کرے تو اللہ تعالیٰ اس مردے کی روح اس میں واپس بھیج دیتے ہیں تاکہ وہ سلام کا جواب دے۔

امام غزالی اور علامہ سبکی وغیرہ کی تحقیق یہ ہے کہ اتنی بات تو احادیث صحیحہ اور قرآن کی آیت مذکورہ سے ثابت ہے کہ بعض اوقات میں مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں لیکن یہ ثابت نہیں کہ ہر مردہ ہر حال میں ہر شخص کے کلام کو ضرور سنتا ہے اس طرح آیات وروایات کی تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مردے ایک وقت میں احیاء کے کلام کو سن سکیں دوسرے وقت نہ سن سکیں، یہ بھی ممکن ہے کہ بعض کے کلام کو سنیں بعض کے کلام کو نہ سنیں، یا بعض مردے سنیں بعض نہ سنیں، کیونکہ سورۂ نمل، سورۂ روم، سورۂ فاطر کی آیات سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ مردوں کو سنانا ہمارے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ جس کو چاہتے ہیں سنا دیتے ہیں۔

اس لئے جن مواقع میں حدیث کی روایات صحیحہ سے سننا ثابت ہے وہاں سننے پر عقیدہ رکھا جائے اور جہاں ثابت نہیں وہاں دونوں احتمال ہیں اس لئے نہ قطعی اثبات کی گنجائش ہے نہ قطعی نفی کی، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

اس مسئلہ کی مکمل تحقیق میں احقر نے ایک مستقل رسالہ بنام "تکمیل الحبور بسماع اہل القبور" لکھا ہے جو احکام القرآن سورۂ روم حزب خامس میں بزبان عربی شائع ہوا ہے جس میں آیات وروایات اور اقوال سلف وخلف اور شرح الصدور وغیرہ سے بہت سے واقعات ومخاطبات اہل قبور کے نقل کئے گئے ہیں۔ اہل علم وہاں دیکھ سکتے ہیں عوام کے لئے یہاں اس کا ضروری خلاصہ لکھا گیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۸۱
تو تو سناتا ہے اس کو جو یقین رکھتا ہو ہماری باتوں پر سو وہ حکمبردار ہیں

نصیحت کس کو نفع دیتی ہے؟

یعنی نصیحت سنانا ان کے حق میں نافع ہے جو سن کر اثر قبول کریں۔ اور اثر قبول کرنا یہی ہے کہ خدا کی باتوں پر یقین کرکے فرماں بردار بنیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اللہ نے جس کے دل کو اندھا کر دیا ہے ایمان کی راہ اس کو سوجھائی نہیں دیتی آپ اس کو ایمان کا راستہ نہیں دکھا سکتے آپ کا قرآن سنانا سوائے ان لوگوں کے کسی کو فائدہ نہیں دے سکتا جو ہماری آیات پر ایمان رکھنے والے ہیں یعنی ایمان لانا ہم نے ان کے لئے مقدر کر دیا ہے پس وہ ہی مسلم ہوتے ہیں یعنی اپنا رخ خلوص کے ساتھ اللہ کی طرف کر دیتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً
اور جب پڑ چکے گی ان پر بات نکالیں گے ہم ان کے آگے ایک جانور
مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا
زمین سے ان سے باتیں کرے گا اس واسطے کہ لوگ ہماری
بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ۸۲
نشانیوں کا یقین نہیں کرتے تھے

باتیں کرنے والا جانور:

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں قیامت سے پہلے صفا پہاڑ مکہ کا پھٹے گا اس میں سے ایک جانور نکلے گا جو لوگوں سے باتیں کرے گا کہ اب قیامت نزدیک ہے اور سچے ایمان والوں کو اور چھپے منکروں کو نشان دے کر جدا کر دے گا (موضح) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل آخر زمانہ میں طلوع الشمس من المغرب کے دن ہوگا۔ قیامت تو نام ہی اس کا ہے کہ عالم کا سب موجودہ نظام درہم و برہم کر دیا جائے لہٰذا اس قسم کے خوارق پر کچھ تعجب نہیں کرنا چاہیے جو قیامت کی علامات قریبہ اور اس کے پیش خیمہ کے طور پر ظاہر کی جائیں گی شاید دابۃ الارض کے ذریعہ سے یہ دکھلانا ہو کہ جس چیز کو تم پیغمبروں کے کہنے سے نہ مانتے تھے آج وہ ایک جانور کی زبانی ماننی پڑ رہی ہے۔ مگر اس وقت کا ماننا نافع نہیں صرف مکذبین کی تجہیل و تحمیق مقصود ہے ماننے کا جو وقت تھا گزر گیا۔ (تنبیہ) دابۃ الارض کے متعلق بہت سے رطب و یابس اقوال و روایات تفاسیر میں درج کی گئی ہیں مگر معتبر روایات سے تقریباً اتنا ہی ثابت ہے جو حضرت شاہ صاحبؒ نے لکھا۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

قیامت کی دس نشانیاں:

مسند احمد میں حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو۔ (۱) آفتاب کا مغرب کی جانب سے طلوع ہونا (۲) دخان (۳) دابہ (۴) خروج یاجوج و ماجوج (۵) نزول عیسیٰ علیہ السلام (۶) دجال (۷) تین خسوف کے معنی، ایک مغرب میں دوسرا مشرق میں تیسرا جزیرۃ العرب میں ہوگا (۸) ایک آگ جو قعر عدن سے نکلے گی اور سب لوگوں کو ہنکا کر میدان حشر کی طرف لے آئے گی جس مقام پر لوگ رات گزارنے کیلئے ٹھیریں گے یہ آگ بھی ٹھہر جائے گی پھر اُن کو لے چلے گی۔

(ہکذا رواہ مسلم واہل السنن من طرق وقال الترمذی حدیث حسن صحیح)

دابہ کوہ صفا سے نکلے گا:

ابن کثیر نے بحوالہ ابوداؤد طیالسی حضرت طلحہ بن عمر سے ایک طویل حدیث میں روایت کیا ہے کہ یہ دابۃ الارض مکہ مکرمہ میں کوہ صفا سے نکلے گا اور اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہوا مسجد حرام میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان پہنچ جائے گا لوگ اس کو دیکھ کر بھاگنے لگیں گے ایک جماعت رہ جائے گی یہ دابہ اُن کے چہروں کو ستاروں کی طرح روشن کر دے گا۔ اس کے بعد وہ زمین کی طرف نکلے گا، ہر کافر کے چہرے پر کفر کا نشان لگا دے گا۔ کوئی اس کی پکڑ سے بھاگ نہ سکے گا یہ ہر مومن و کافر کو پہچانے گا۔ (ابن کثیر)

قیامت کی سب سے آخری علامت:

مسلم بن حجاج نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سُنی تھی جس کو میں کبھی بھولتا نہیں وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی آخری علامات میں سب سے پہلے آفتاب کا طلوع مغرب کی طرف سے ہوگا اور آفتاب بلند ہونے کے بعد دابۃ الارض نکلے گا ان دونوں علامتوں میں سے جو بھی پہلے ہو جائے اس کے فوراً بعد قیامت آ جائے گی (ابن کثیر) (معارف مفتی اعظم)

صحیح مسلم میں ہے کہ سب سے پہلے جو نشانی ظاہر ہوگی وہ سورج کا مغرب سے نکلنا اور دَآبَّةُ الْاَرْضِ کا ضحیٰ کے وقت آ جانا ہے ان دونوں میں سے جو پہلے ہوگا اس کے بعد ہی دوسرا ہوگا۔

چھ چیزوں سے پہلے عمل کرو:

صحیح مسلم میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھ چیزوں کی آمد سے پہلے ہی پہلے نیک اعمال کر لو۔ سورج کا مغرب سے نکلنا۔ اور دھوئیں کا آنا اور دجال کا آنا اور دَآبَّةُ الْاَرْضِ کا آنا اور تم میں سے ہر ایک کا خاص امر اور عام امر۔ یہ حدیث اور سندوں سے دوسری کتابوں میں بھی ہے۔

دابۃ کی انگوٹھی اور لاٹھی:

ابوداؤد طیالسی میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دَآبَّةُ الْاَرْضِ کے ساتھ حضرت موسیٰؑ کی لکڑی ہوگی اور حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی ہوگی۔ کافروں کی ناک پر لکڑی سے مہر لگائے گا اور مومنوں کے منہ انگوٹھی سے منور کر دے گا یہاں تک کہ ایک دستر خوان پر بیٹھے ہوئے مومن کافر سب ظاہر ہوں گے۔ ایک اور حدیث میں جو مسند احمد میں ہے مروی ہے کہ کافروں کی ناک پر انگوٹھی سے مہر کرے گا اور مومنوں کے چہرے لکڑی سے چمکا دے گا۔

دابۃ الارض کے نکلنے کی جگہ:

ابن ماجہ میں بریدہؓ سے روایت ہے کہ مجھے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے پاس کے ایک جنگل میں گئے۔ میں نے دیکھا کہ ایک خشک زمین ہے جس کے اردگرد ریت ہے فرمانے لگے یہیں سے دابۃ الارض نکلے گا۔ بریدہؓ کہتے ہیں اس کے کئی سال بعد میں حج کے لئے نکلا تو مجھے لکڑی دکھائی دی جو میری اس لکڑی کے برابر تھی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس کے چار پیر ہوں گے صفا کی کھڈ میں سے نکلے گا۔ اس قدر تیزی سے خروج کرے گا کہ جیسے کوئی بہت ہی تیز رفتار گھوڑا ہو، تاہم تین دن میں اس کے جسم کا تیسرا حصہ بھی نہ نکلا ہوگا۔ عبداللہ بن عمروؓ سے جب اس کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا جیاد میں ایک چٹان ہے اس کے نیچے سے نکلے گا۔ میں اگر وہاں ہوتا تو میں تمہیں وہ چٹان دکھا

دیتا یہ سیدھا مشرق کی طرف جائے گا اور اس زور سے چلائے گا کہ ہر طرف اس کی آواز پہنچ جائے گی پھر شام کی طرف جائے گا، وہاں بھی چیخ لگا کر پھر یمن کی طرف متوجہ ہوگا یہاں بھی آواز لگا کر شام کے وقت مکہ سے چل کر صبح کو عسفان پہنچ جائے گا۔ لوگوں نے پوچھا پھر کیا ہوگا؟ فرمایا پھر مجھے معلوم نہیں۔

دابۃ الارض کی چیخ:

عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے کہ مُزدلفہ کی رات کو نکلے گا۔ حضرت عزیرؑ ایک کلام کی حکایت ہے کہ سدوم کے نیچے سے یہ نکلے گا اس کے کلام کو سب سنیں گے حاملہ کے حمل وقت سے پہلے گر جائیں گے، میٹھا پانی کڑوا ہو جائے گا دوست دشمن بن جائیں گے، حکمت جل جائے گی، علم اُٹھ جائے گا نیچے کی زمین باتیں کرے گی، انسان کی وہ تمنائیں ہوں گی جو کبھی پوری نہ ہوں، ان چیزوں کی کوشش ہوگی جو کبھی حاصل نہ ہوں، اُس بارے میں کام کریں گے جسے کھائیں گے نہیں۔

دابۃ الارض کا رنگ وروپ:

ابو ہریرہؓ کا قول ہے کہ اس کے جسم پر سب رنگ ہوں گے۔ اس کے دو سینگوں کے درمیان سوار کے لئے ایک فرسخ کی راہ ہوگی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ موٹے نیزے اور بھالے کی طرح ہوگا حضرت علیؓ فرماتے ہیں اس کے بال ہوں گے کھر ہوں گے، ڈاڑھی ہوگی، دُم نہ ہوگی۔ تین دن میں بہ مشکل ایک تہائی باہر آئے گا حالانکہ تیز گھوڑے کی چال چلتا ہوگا۔ ابن الزبیرؓ کا قول ہے کہ اس کا سر بیل کے سر کے مشابہ ہوگا آنکھیں خنزیر کی آنکھوں کے مشابہ ہوں گی، کان ہاتھی جیسے ہوں گے سینگ کی جگہ اُونٹ کی طرح ہوگی، شتر مرغ جیسی گردن ہوگی شیر جیسا سینہ ہوگا، چیتے جیسا رنگ ہوگا، بلی جیسی کمر ہوگی، مینڈھے جیسی دُم ہوگی، اُونٹ جیسے پاؤں ہوں گے، ہر دو جوڑ کے درمیان بارہ گز کا فاصلہ ہوگا۔ حضرت موسیٰؑ کی لکڑی اور حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی ساتھ ہو گی۔ ہر مومن کی پیشانی پر اپنے عصائے موسوی سے نشان کر دے گا جو پھیل جائے گا اور اس کا چہرہ منور ہو جائے گا اور ہر کافر کے چہرے پر خاتم سلیمانی سے نشان لگا دے گا جو پھیل جائے گا اور اس کا سارا چہرہ سیاہ ہو جائے گا۔ اب تو اس طرح مومن کافر ظاہر ہو جائیں گے کہ خرید و فروخت کے وقت کھانے پینے کے وقت لوگ ایک دوسرے کو اے مومن! اور اے کافر کہہ کر بلائیں گے۔ دابۃ الارض ایک ایک کا نام لے کر ان کو جنت کی خوشخبری یا جہنم کی بدخبری سنا دے گا یہی معنی ومطلب اس آیت کا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا وہ دابہ ایسا دابہ نہ ہوگا جس کی دم ہو بلکہ داڑھی والا دابہ ہوگا۔

بغوی نے حضرت ابن عمر کا قول نقل کیا ہے کہ دابۃ الارض کوہ صفا کے ایک شگاف سے برآمد ہوگا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے احرام کی حالت میں صفا کو لاٹھی سے ٹھوکا اور فرمایا دابہ میری لاٹھی کے ٹھوکے کو سن رہا ہے۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا دابہ ایک گھاٹی سے برآمد ہوگا اس کا سر بادل کو چھوئے گا اور اس کی ٹانگیں زمین کے اندر ہوں گی باہر نکلی بھی نہ ہوں گی وہ نماز پڑھتے آدمی کی طرف سے گزرے گا اور کہے گا نماز کی تجھے کیا ضرورت پھر اس (کے ماتھے یا ناک پر) نشان بنا دے گا۔

تین بار دابہ نکلے گا:

بغوی نے حضرت ابوشریحہ انصاری کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پوری مدت میں تین بار دابہ کا خروج ہوگا۔ ایک بار یمن سے برآمد ہوگا جس کی شہرت بادیہ (صحرا) میں پھیل جائے گی۔ اور قریہ یعنی مکہ میں بھی اس کا تذکرہ پہنچ جائے گا پھر ایک روز سب سے بڑی عزت و عظمت والی مسجد یعنی مسجد حرام میں لوگ جمع ہوں گے کہ دابہ دکھائی دے گا عمرو (راوی) نے کہا رکن اسود سے باب بنی مخزوم تک درمیان میں دکھائی دے گا اور مسجد کے ہر گوشہ میں موجود لوگوں کو دیکھے گا لوگ اس کو دیکھ کر بکھر جائیں گے لیکن ایک جماعت اس کے سامنے جمی رہے گی وہ سمجھ لیں گے کہ اللہ سے چھوٹ کر وہ کہیں جا نہیں سکتے دابہ اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہوا ان کی طرف گزرے گا اور ان کے چہروں کو (نشان زد کر کے) ایسا روشن کر دے گا جیسے چمکدار ستارے۔ پھر زمین کو پھاڑتا ہوا چلا جائے گا (اتنی تیزی کے ساتھ) کہ اس کو پکڑنے والا پا نہ سکے گا اور اس سے بھاگنے والا چھوٹ نہ سکے گا پھر کچھ لوگ اُٹھ کر نماز پڑھنے لگیں گے تو (تیسری بار) وہ پیچھے سے آ پڑے گا اور کہے گا اے فلاں تو اب نماز پڑھ رہا ہے پھر نمازی کے سامنے آ کر اس کے چہرہ پر نشان بنا دے گا پھر لوگ وہاں سے ہٹ کر اپنے گھروں کو چلے جائیں گے اور ساتھ ساتھ مل کر سفر کریں گے اور باہم باتوں میں شرکت کریں گے اور کافر کا مؤمن سے امتیاز ہو جائے گا مؤمن کو مؤمن کہہ کر پکارا جائے گا اور کافر کو کافر کہہ کر۔

حضرت حذیفہ بن یمان کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دابہ کا تذکرہ آیا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کہاں سے برآمد ہوگا۔ فرمایا سب سے بڑھ کر حرمت والی مسجد سے اس وقت عیسیٰ علیہ السلام طواف کر رہے ہوں گے مسلمان آپ کے ساتھ ہوں گے کہ قندیل کی حرکت کی طرح ان کے قدموں کے نیچے زمین میں لرزہ پیدا ہوگا اور مشرقی جانب کوہ صفا پھٹ کر اس سے دابہ برآمد ہو جائے گا سب سے پہلے اس کا سر نکلے گا۔ اس پر اون اور پر ہوں گے کوئی پکڑنے والا اس تک پہنچ نہ سکے گا اور نہ بھاگنے والا اس سے چھوٹ سکے گا۔ وہ لوگوں پر مومن و کافر کا نشان بنا دے گا۔ مومن کا چہرہ چمکدار ستارہ کی طرح روشن ہو جائے گا اس کی دونوں آنکھوں کے بیچ میں وہ نشان ہوگا۔ اور کافر کی دونوں آنکھوں کے بیچ میں جو نشان ہوگا وہ کالا ہوگا اور

دونوں آنکھوں کے بیچ میں کافر لکھا ہوگا۔ رواہ البغوی و کذا اخرج ابن جریر بغوی نے سہل بن صالح کے والد کی روایت سے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یا تین بار فرمایا جناد کی گھاٹی بری گھاٹی ہے عرض کیا گیا یا رسول اللہ ایسا کیوں ہے فرمایا اس سے دابۃ برآمد ہوگا اور تین چیخیں مارے گا جن کو مشرق و مغرب کے درمیان سب سنیں گے اس کا چہرہ مرد کا چہرہ ہوگا اور (باقی) جسمانی بناوٹ پرندے کی ہوگی اور جو اس کو دیکھے گا اس سے وہ کہے گا کہ اہل مکہ محمد اور قرآن پر یقین نہیں رکھتے تھے۔

حضرت ابوامامہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دابۃ برآمد ہوگا اور لوگوں کی ناکوں پر نشان لگا دے گا اس کے بعد بھی لوگ (مدت تک) زندہ رہیں گے یہاں تک کہ بعض لوگ جانور خرید کر لائیں گے تو ان سے دریافت کیا جائے گا تم نے یہ جانور کس سے خریدا وہ جواب دیں گے مہر زدہ آدمی سے۔ رواہ احمد، حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جمعہ کی رات کو دابہ برآمد ہوگا لوگ منا کی طرف جا رہے ہوں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دابۃ الارض کو دیکھا:

ابن ابی شیبہ عبد بن حمید ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے حسن کا بیان نقل کیا ہے کہ موسیٰ نے اپنے رب سے خواہش کی کہ مجھے دابۃ الارض دکھا دیا جائے (اللہ نے دعا قبول فرمائی اور) چنانچہ دابہ تین دن رات (برابر) نکلتا رہا خلا میں جا تا رہا اور اس کا کوئی کنارہ نظر نہ آتا تھا حضرت موسیٰ نے ہیبت ناک منظر دیکھ کر درخواست کی اے میرے رب اس کو لوٹا دے اللہ نے اس کو لوٹا دیا۔

مؤمن و کافر کا امتیاز:

میں کہتا ہوں کہ احادیث دلالت کر رہی ہیں کہ دابۃ الارض سچے مومنوں کو ان منافقوں سے الگ کر دے گا جو زبان سے مؤمن اور دل سے کافر ہوں گے اور کفر سے مراد ہے اس اسلام کی ضد جو (صرف زبانی ہوتا ہے لیکن زبان سے اسلام کا اقرار کرنے والوں کے) دلوں میں نہیں ہوتا بلکہ ایسے لوگوں کے دل اس دین کی تصدیق نہیں کرتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا ہے اس اسلام کو مجازی اسلام کہا جاتا ہے یا کفر سے مراد ہے اس حقیقی اسلام کی ضد جس کے دعوے دار دلوں میں بھی ایمان رکھتے ہیں اور زبان سے بھی تصدیق کرتے ہیں لیکن اطمینان قلب اور ایمان نفس کے درجہ پر فائز نہیں ہوتے اگر کفر سے مؤخر الذکر معنی مراد ہو تو دابہ جو بعض لوگوں سے کہے گا اے فلاں تو دوزخیوں میں سے ہے اس سے مراد یہ ہوگی کہ تو دوزخ میں ضرور جائے گا یہ مطلب نہ ہوگا کہ تو ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

کفر سے مراد علانیہ کفر کا اقرار نہیں ہوسکتا کیونکہ فتح کے بعد مکہ کے اندر علانیہ کفر کا دعویدار کوئی باقی نہیں رہا (نہ آئندہ ہوگا) پھر مومنوں سے تمیز کر دینے کا کوئی معنی نہیں۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ

اور جس دن گھیر بلائیں گے ہم ہر ایک فرقہ میں سے ایک جماعت جو جھٹلاتے تھے

بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿۸۳﴾

ہماری باتوں کو پھر اُن کی جماعت بندی ہوگی

گناہ گاروں کی تقسیم:

ہر گناہ والوں کے جتھے اور جماعتیں الگ الگ ہوں گی۔ (تنبیہ) عموماً مفسرین نے فَهُمْ يُوزَعُونَ کے معنی روکنے کے لئے ہیں یعنی ہر امت کے مکذبین کو محشر کی طرف لے چلیں گے اور وہ اتنی کثرت سے ہوں گے کہ پیچھے چلنے والوں کو آگے بڑھنے سے روکا جائے گا۔ جیسے انبوہ کثیر میں انتظام قائم رکھنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حَتّٰى إِذَا جَاءُوْ قَالَ أَكَذَّبْتُمْ بِآيَاتِيْ وَلَمْ

یہاں تک کہ جب حاضر ہو جائیں فرمائے گا کیوں جھٹلایا تم نے میری باتوں کو اور نہ

تُحِيطُوْا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

آ چکی تھیں تمہاری سمجھ میں یا بولو کہ کیا کرتے تھے

غور وفکر کے بغیر جھٹلا دیا:

یعنی پوری طرح سمجھنے اور تمام اطراف و جوانب پر نظر ڈالنے کی کوشش بھی نہ کی، پہلے ہی جھٹلانا شروع کر دیا۔ یا بولو! یہ نہیں تو اور کیا کرتے تھے یعنی اس کے سوا تمہارا کام ہی کیا تھا اور ممکن ہے یہ مطلب ہو کہ بے سوچے سمجھے تکذیب ہی کی تھی؟ یا بول اس کے سوا اور بھی کچھ گناہ سمیٹے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

جو لوگ غور وفکر کرنے کے باوجود حق کو نہ پا سکیں کہ اُن کی نظر وفکر ہی گمراہی کی طرف لے جائے تو ان کا جرم کسی قدر ہلکا ہو جاتا ہے اگرچہ اللہ کے وجود اور توحید وغیرہ کی تکذیب پھر بھی کفر وضلال اور دائمی عذاب سے نہیں بچائے گی کیونکہ یہ ایسے بدیہی اُمور ہیں جن میں نظر وفکر کی غلطی معاف نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾

اور پڑ چکی اُن پر بات اس واسطے کہ انہوں نے شرارت کی تھی اب وہ کچھ نہیں بول سکتے

منکروں کے تمام عذر ختم ہو گئے:

یعنی اُن کی شرارتوں کا یقینی ثبوت ہو چکا اور خدا کی حجت تمام ہو چکی۔ اب آگے وہ کیا بول سکتے ہیں۔ باقی بعض آیات میں جو ان کا عذر پیش کرنا مذکور ہے وہ شاید اس سے پہلے ہو چکے گا بہر حال نفی و اثبات کو اختلاف مواطن

پر حمل کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

کیونکہ ان کے پاس تکذیب کرنے کا کوئی عذر ہی نہ ہوگا یا اس وجہ سے کہ ان کو بولنے کی اجازت نہیں ملے گی کہ کچھ عذر پیش کر سکیں۔ بعض نے کہا نہ بولنے کی وجہ یہ ہوگی کہ ان کے مونہوں پر مہریں لگی ہوں گی بعض نے کہا وہ عذاب میں ایسے گرفتار ہوں گے کہ ان کو بولنے کا ہوش ہی نہ ہوگا اول توجیہ زیادہ صحیح ہے۔ اسی پر اگلی آیت دلالت کر رہی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ
کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے بنائی رات کہ اس میں چین حاصل کریں
وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ
اور دن بنایا دیکھنے کا البتہ اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کیلئے جو یقین کرتے ہیں

رات ودن کے نظام پر غور کی دعوت:

یعنی کیسے کھلے کھلے نشان اللہ تعالیٰ نے دنیا میں دکھلائے پر ذرا بھی غور نہ کیا۔ ایک رات دن کے روزانہ ادل بدل ہی کے حال میں غور کر لیتے تو اللہ کی توحید پیغمبروں کی ضرورت اور بعثت بعد الموت سب کچھ سمجھ سکتے تھے۔ آخر وہ کون ہستی ہے جو ایسے مضبوط ومحکم انتظام کے ساتھ برابر دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن کو نمودار کرتا ہے جس نے ہماری ظاہری بصارت کے لئے شب کی تاریکی کے بعد دن کا اُجالا کیا۔ کیا وہ ہماری باطنی بصیرت کے لئے اوہام واہوا کی تاریکیوں میں معرفت وہدایت کی روشنی نہ بھیجتا۔ پھر رات کیا ہے؟ نیند کا وقت ہے جسے ہم موت کا ایک نمونہ قرار دے سکتے ہیں۔ اُس کے بعد دن آیا پھر آنکھیں کھول کر اِدھر اُدھر پھرنے لگے۔ اسی طرح اگر حق تعالیٰ ہم پر موت طاری کرے اور موت کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اُٹھا لے تو اس میں کیا استحالہ ہے۔ غرض یقین کرنے والوں کے لئے اسی ایک نشان میں تمام ضروری چیزوں کا حل موجود ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَمْ يَرَوْا میں رؤیت (دیکھنا) بمعنی علم ہے یعنی کیا یہ نہیں جانتے کہ خاص طریقہ سے مفید طور پر معاش ومعاد کے مصالح کے مطابق روشنی اور تاریکی کا توارد و تعاقب اللہ نے کر دیا ہے ان کا اس طور پر تعاقب دلالت کر رہا ہے کہ ان کا فاعل خالق حکیم اور قادر قاہر ہے اور ظاہر ہے کہ جو شب وروز کے تعاقب پر قدرت رکھتا ہے وہ پیغمبروں کو اللہ کی عبادت کی دعوت دینے کے لئے بھیج سکتا ہے اور فرمانبرداری ونافرمانی کی جزا سزا دینے کی بھی اس کو قدرت ہے اور موت کے بعد زندگی بھی لا سکتا ہے جیسا کہ وہ نور وظلمت اور بیداری وخواب کا تبادل کرتا رہتا ہے۔ اور پیغمبروں کے معجزات سے پیغمبروں کی اور ان کی لائی ہوئی تعلیم کی صداقت ثابت ہو رہی ہے ان تمام امور مذکورہ میں اللہ کی توحید اور رسول کے صادق ہونے کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں تکذیب کرنے والے کو ان دلائل کے بعد کون سا عذر ہو سکتا ہے لیکن ان دلائل وآیات کا فائدہ انہی لوگوں کو پہنچتا ہے جو ایمان رکھتے ہیں۔

حشر کی دلیل: اَلَمْ يَرَوْا سے آخر تک حشر کی دلیل ہے ظلمت کو نور سے اور خواب کو بیداری سے بدلنا دلالت کر رہا ہے کہ جو قادر یہ تبادلہ کرتا ہے وہ موت کے بعد دوبارہ زندگی بھی لا سکتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ
اور جس دن پھونکی جائے گی صور

صُور کا پھونکا جانا:

صور پھونکنے والا فرشتہ اسرافیل ہے جو حکم الٰہی کے انتظار میں صور لئے تیار کھڑا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ	
تو گھبرا جائے جو کوئی ہے آسمان میں	اور جو کوئی ہے زمین میں
اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ	
مگر جس کو اللہ چاہے	

بعض روایات میں ہے اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ کہ جبرئیل، میکائیل اسرافیل اور ملک الموت ہیں۔ اور بعض نے شہداء کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

قتادہ وغیرہ ائمہ تفسیر نے اس آیت کو نفخہ ثانیہ کے متعلق قرار دیا ہے جس سے سب مردے دوبارہ زندہ ہو جائیں گے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ سب زندہ ہونے کے وقت گھبرائے ہوئے اُٹھیں گے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ صور تین مرتبہ پھونکا جائے گا، پہلا نفخہ فزع ہوگا جس سے سب پریشانی گھبراہٹ اور اضطراب میں مبتلا ہو جائیں گے۔ دوسرا نفخہ صعق ہوگا جس سے سب مر جائیں گے تیسرا نفخہ نفخہ حشر ونشر ہوگا جس سے سب مردے زندہ ہو جائیں گے مگر آیات قرآن اور احادیث صحیحہ سے ثبوت دو ہی نفخوں کا ملتا ہے (قرطبی وابن کثیر) ابن مبارک نے حضرت حسن بصری سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا۔ (قرطبی)

وہ لوگ جن پر گھبراہٹ نہ ہوگی:

اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ یہ استثناء مفرغ سے ہے جس کے معنے گھبراہٹ کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جن پر کوئی گھبراہٹ حشر کے وقت نہیں ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ یہ لوگ

شہداء ہوں گے حشر کی دوبارہ زندگی کے وقت ان پر کوئی گھبراہٹ نہیں ہوگی (صحیح الحدیث ابن العربی (قرطبی) سعید ابن جبیرؒ نے بھی یہ فرمایا کہ مراد اس سے شہداء ہیں جو حشر کے وقت اپنی تلواریں باندھے ہوئے عرش کے گرد جمع ہوں گے اور قشیری نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام ان میں بدرجہ اولی داخل ہیں کیونکہ ان کو مقام شہادت بھی حاصل ہے اور مقام نبوت مزید براں ہے (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ اور یاد کرو اس دن کو جب کہ صور کے اندر پھونک ماری جائے گی۔

سور ایک سینگ ہے:

حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صور کے متعلق دریافت کیا فرمایا وہ ایک سینگ ہے جس سے پھونکا جائے گا۔ رواہ ابوداؤد والترمذی وحسنہ والنسائی وابن حبان والحاکم۔ حضرت ابن مسعود سے بھی اسی طرح کی حدیث مروی ہے۔ **رواہ مسدد بسند صحیح۔**

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فکر آخرت:

حضرت زید بن ارقم راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کیسے چین پا سکتا ہوں سینگ (صور) والا تو سینگ منہ میں لئے پیشانی آگے کو جھکائے اور کان لگائے ہوئے ہے کہ کب اس کو (پھونکنے کا) حکم دیا جاتا ہے صحابہ کو یہ فرمان سن کر بڑی دشواری ہوگئی (کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے کہ دل کو کسی وقت سکون میسر نہیں تو ہمارا کیا ٹھکانہ ہے) فرمایا کہو **حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ** اللہ ہمارے لئے کافی ہے وہی اچھا مددگار ہے۔

احمد حاکم بیہقی اور طبرانی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے یہ حدیث اسی طرح بیان کی ہے اور ترمذی حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوسعید کی روایت سے بھی یونہی نقل کیا ہے اور ابونعیم نے حضرت جابر کی روایت سے بھی ایسا ہی بیان کیا ہے۔

صُور والا فرشتہ:

سعید بن منصور اور بیہقی نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جبرئیل اس کے یعنی اسرافیل کے دائیں جانب اور میکائیل بائیں جانب ہیں اور وہی صور والا ہے۔ قرطبی نے لکھا ہے تمام (پیغمبروں کی) امتوں کے علماء کا اتفاق ہے کہ اسرافیل ہی صور پھونکیں گے۔

کل نفخات:

بعض علماء کا قول ہے کہ صرف دو نفخات ہوں گے نفخہ فزع ہی نفخہ صعق ہوگا ان لوگوں کا خیال ہے کہ نفخہ ایک ہی ہوگا جس میں دونوں حالتیں پیدا ہو جائیں گی اور یہ دونوں باہم لازم ملزوم ہوں گی صور کی آواز سن کر پہلے گھبراہٹ پھر بے ہوشی اور موت ہو جائے گی۔ قرطبی نے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے اور استدلال میں کہا ہے کہ نفخہ فزع سے اس جگہ **مَنْ شَآءَ اللّٰهُ** کو مستثنیٰ کر لیا گیا ہے جس طرح کہ نفخہ صعق سے من شاء اللہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے دونوں کے متعلق **اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ** آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ نفخات نہیں ہوں گے بلکہ ایک ہی نفخہ ہوگا (جس کو نفخہ فزع بھی کہا گیا ہے اور نفخہ صعق بھی)

میں کہتا ہوں یہ دلیل صحیح نہیں ہے اس سے دونوں نفخوں کا ایک ہونا ثابت نہیں ہوتا بے شک مستثنیٰ منہ دونوں کلاموں میں ایک ہی ہے لیکن **مَنْ شَآءَ اللّٰهُ** کو دونوں جگہ مستثنیٰ کر لینے کا یہ معنی نہیں کہ دونوں مستثنیٰ ایک ہی ہیں۔

شہداء کی فضیلت:

بغوی نے لکھا ہے مستثنیٰ کون لوگ ہوں گے اس کی تعیین میں علماء کے اقوال میں اختلاف ہے حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت **اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ** کی بابت دریافت کیا گیا تو حضور نے فرمایا وہ شہداء ہوں گے کیونکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ موجود ہیں ان کو فزع لاحق نہ ہوگا۔

ابویعلی بیہقی اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے ذکر کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے جبرئیل سے آیت **وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ** کے سلسلہ میں دریافت کیا کہ وہ کون ہیں جن کو اللہ بے ہوش کرنا (یا صور کی آواز سے مردہ کرنا) نہ چاہے گا وہ شہداء ہوں گے جو تلواریں لٹکائے عرش کے گرداگرد ہیں علماء نے استثناء شہداء کی بابت یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں بغوی نے لکھا ہے بعض آثار میں آیا ہے کہ شہداء اللہ کے استثناء کردہ ہیں یعنی اللہ نے خود نفخہ صور کے اثر سے ان کو مستثنیٰ کر دیا ہے۔ **کذا روی هناد بن السری والبیهقی والنحاس فی معانی القرآن عن سعید بن جبیر۔**

جبریل، میکائیل، عزرائیل اور حاملین عرش:

فریابی نے اپنی تفسیر میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت **وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ** تک تلاوت کی تو صحابہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کون لوگ ہیں جن کا اللہ نے استثناء کیا ہے فرمایا جبرئیل میکائیل فرشتۂ موت اسرافیل اور حاملین عرش جب اللہ مخلوق (یعنی انسانوں) کی روحیں قبض کر لے گا تو ملک الموت سے فرمائے گا اب کون باقی ہے ملک الموت جواب دے گا اے مالک عظمت وعزت تو پاک ہے بڑی خیر والا ہے بزرگ و برتر ہے جبرئیل اور میکائیل اور ملک الموت باقی ہیں اللہ فرمائے گا میکائیل کی جان لے لے ملک الموت میکائیل کی جان لے لے گا

اور میکائیل بڑے پہاڑ کی طرح گر جائے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا (اب) کون باقی رہا ملک الموت عرض کرے گا جبرئیل اور ملک الموت اللہ فرمائے گا اے موت کے فرشتے تو مر جا موت کا فرشتہ فوراً مر جائے گا اللہ فرمائے گا جبرئیل اب کون باقی رہے گا جبرئیل تیری ذات کریم لافانی اور جبرئیل میت فانی اللہ فرمائے گا (موت تو تجھے بھی آنی ہے) مرے بغیر چارہ نہیں جبرئیل فوراً سجدہ میں گر جائے گا اپنے دونوں بازو پھڑ پھڑانے لگے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرئیل کی جسمانی ساخت کی میکائیل کی جسمانیت پر بیشی ایسی ہے جیسے بڑے بڑے پہاڑ کی بڑائی چھوٹے ٹیلہ پر بیہقی نے آیت نُفِخَ فِي الصُّوْرِ کے ذیل میں حضرت انسؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ جن کو اللہ نے مستثنیٰ کیا ہے ان میں سے تین اشخاص ہوں گے جبرئیل اور میکائیل اور ملک الموت اللہ باوجودیکہ خوب جانتا ہوگا فرمائے گا اے ملک الموت کون باقی رہا ملک الموت عرض کرے گا تیری لافانی ذات کریم اور تیرا بندہ جبرئیل اور میکائیل اور ملک الموت اللہ فرمائے گا میکائیل کی جان لے لے پھر فرمائے گا باوجود بلکہ خوب واقف ہوگا (اب) کون باقی رہا ملک الموت عرض کرے گا تیری ذات کریم لافانی اور تیرا بندہ جبرئیل اور ملک الموت اللہ فرمائے گا جبرئیل کی جان لے لے اس کے بعد فرمائے گا باوجود خوب جانتا ہوگا (اب) کون باقی رہا ملک الموت عرض کرے گا تیری ذات کریم لافانی اور تیرا بندہ ملک الموت اور وہ بھی مرنے والا ہے اللہ فرمائے گا تو بھی مر جا (ملک الموت بھی مر جائے گا) پھر فرمائے گا میں نے ہی مخلوق کو شروع میں پیدا کیا تھا پھر میں ہی دوبارہ تخلیق کروں گا اب کہاں ہیں مغرور متکبر کوئی جواب نہیں دے گا پھر اللہ پکار کر فرمائے گا آج حکومت کس کی ہے۔ کوئی بھی جواب دینے والا نہ ہوگا اللہ خود ہی فرمائے گا ایک غالب کل اللہ کی اس کے بعد (ملک الموت کو سب سے پہلے اٹھایا جائے گا اور) دوبارہ صور میں پھونک ماری جاری جائے گی اور یکدم سب کھڑے ہو جائیں گے اور ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے۔

بیہقی نے زید بن اسلم کا قول نقل کیا ہے کہ جن کو اللہ نے مستثنیٰ کیا ہے وہ بارہ ہیں جبرئیل میکائیل اسرافیل ملک الموت اور آٹھ حاملین عرش۔ بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ جبرئیل و میکائیل کی روح قبض کی جائے گی پھر حاملین عرش کی پھر اسرافیل کی روح پھر ملک الموت کی روح۔

بیہقی نے مقاتل کا قول نقل کیا ہے (اول) میکائیل کی روح قبض کی جائے گی پھر جبرئیل کی روح پھر اسرافیل کی روح پھر ملک الموت کو بھی (مر جائے گا) حکم ہوگا وہ بھی مر جائے گا۔

سب سے پہلے پیدا ہونے اور سب سے آخر میں مرنے والے

ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں وہب کا قول نقل کیا ہے کہ ان چاروں یعنی جبرئیل میکائیل اسرافیل علیہم السلام اور ملک الموت علیہم السلام کو اللہ نے سب سے پہلے پیدا کیا اور سب کے آخر میں ان کو وفات دے گا اور پھر سب سے پہلے ان کو زندہ کرے گا یہی ہیں اَلْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا کاموں کا انتظام کرنے والے ملائکہ اور اَلْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا (کاموں کو تقسیم کرنے والے ملائکہ) یعنی قرآن کی اس آیت میں یہی مراد ہیں سیوطی نے لکھا استثناء کی ان تمام روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے ان تمام روایات کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ یہ سب مستثنیٰ ہیں (چاروں ملائکہ بھی اور آٹھوں حاملین عرش بھی)

حضرت قاضی ثناء اللہؒ کی تحقیق:

میں کہتا ہوں جتنی احادیث اور آثار آئی ہیں وہ نفخہ صعق (نفخہ موت) سے استثناء کے متعلق ہیں نفخہ فزع سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ میرے نزدیک آیت سے جن لوگوں کا استثناء کیا گیا ہے ان سے مراد وہ نیکوکار مؤمن ہیں جن کا ذکر آیت مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ـ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ میں کیا گیا ہے ان آیات میں صراحت ہے کہ جو لوگ دوزخ میں جائے بغیر جنت میں چلے جائیں گے ان پر نفخہ فزع کے وقت گھبراہٹ طاری نہ ہوگی اور نفخہ فزع کے وقت سوا کافروں کے اور کوئی موجود ہی نہ ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت صرف شریروں پر برپا ہوگی۔ رواہ احمد و مسلم عن ابن مسعود۔ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے قیامت اسی وقت قائم ہوگی جب زمین پر اللہ اللہ (کہنے والا ہی نہ ہوگا اور اللہ اللہ) نہیں کہا جائے گا رواہ احمد و مسلم والترمذی عن انسؓ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا قیامت برپا نہ ہوگی یہاں تک کہ کعبہ کا حج نہیں کیا جائے گا (کوئی حج کرنے والا ہی نہ ہوگا اس وقت قیامت آئے گی) رواہ عبدالرزاق فی الجامع۔ یہ بھی حضور کا ارشاد ہے کہ قیامت نہیں آئے گی یہاں تک کہ کعبہ اور قرآن اٹھا لیا جائے گا (اس وقت آئے گی) رواہ السجزی عن ابن عمر۔ اس مضمون کی اور احادیث بھی آئی ہیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارواح شہداء کو مستثنیٰ قرار دیا کیونکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں باقی ملائکہ اور ارواح انبیاء بھی استثناء میں داخل ہیں وہ بھی بالکل گھبراہٹ سے مستثنیٰ ہوں گی۔ ابن جریر نے تفسیر میں طبرانی نے المطولات ابویعلی نے مسند میں بیہقی نے البعث میں ابوموسیٰ مدینی نے المطولات میں علی بن معبد نے کتاب الطاعۃ والعصیان میں ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں نیز عبد بن حمید نے حضرت ابوہریرہ کی روایت کردہ ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس میں ذکر کیا گیا ہے پھر تین بار صور پھونکا جائے گا پہلا نفخہ نفخہ فزع ہوگا دوسرا نفخہ صعق اور تیسرا نفخہ وہ نفخہ جس کے بعد سب رب العالمین کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے اللہ اسرافیل کو پہلی بار

صور پھونکنے کا حکم دے گا اسرافیل پھونکے گا جس سے (سارے) اہل سموات وارض، گھبرا جائیں گے (تحت خوف زدہ ہو جائیں گے) سوا ان کے جن کو اللہ (محفوظ رکھنا) چاہے گا (وہ محفوظ رہیں گے) یہاں تک کہ حضور نے فرمایا پھر دودھ پلانے والیاں اپنے شیر خوار بچوں کو بھول جائیں گی حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے بچوں کے بال سفید ہو جائیں گے اور شیطان اڑے اڑے بھاگ کر زمین کے کناروں پر پہنچ جائیں گے سامنے سے ملائکہ آکر ان کے منہ پر مار مار کر واپس لوٹا دیں گے لوگ پیٹھ پھیرے بھاگ رہے ہوں گے ایک دوسرے کو پکارے گا اللہ نے اس دن کو یوم التناد (پکار کا دن) فرمایا ہے اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ (قبروں کے اندر) اس بیرونی کیفیت سے بالکل بے خبر ہوں گے ان کو کچھ معلوم نہ ہوگا کہ اوپر کیا ہو رہا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں جن کو اللہ نے مستثنیٰ کیا ہے اور فرمایا ہے اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ فرمایا وہ شہداء ہوں گے (تمام) زندوں تک وہ خوف پہنچے گا (مگر شہیدوں تک نہیں پہنچے گا) اور وہ اپنے رب کے پاس زندگی کی حالت میں ہوں گے ان کو اللہ کی طرف سے روزی ملتی ہے اللہ ان کو اس روز کے خوف سے محفوظ رکھے گا اور اس گھبراہٹ سے وہ امن میں رہیں گے یہ عذاب انہی لوگوں پر قائم ہوگا جو اللہ کی مخلوق میں سب سے برے (یعنی کافر) ہوں گے اللہ نے فرمایا ہے يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ اللہ جتنی مدت چاہے گا لوگ اسی حالت میں رہیں گے پھر نفخ الصعق کا حکم دے گا تو سارے آسمان وزمین والے مرجائیں گے سواء ان کے جن کو اللہ (موت سے محفوظ رکھنا) چاہے ملک الموت عرض کرے گا آسمان وزمین والے (سارے) مرگئے سواء ان کے جن کو تو نے (محفوظ رکھنا) چاہا اللہ فرمائے گا حالانکہ وہ خوب جانتا ہوگا، اب کون باقی رہا۔ پھر (بروایت ابو ہریرہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل میکائیل ملک الموت اور حاملین عرش کے مرنے کا تذکرہ حضرت انس کی روایت کردہ حدیث کے مطابق کیا یا یوں کہا جائے کہ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ سے مراد ہیں بعض مومنوں کی روحیں اور سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى سے مراد ہیں انبیاء اور مقربین بارگاہ الٰہی۔

نفخ الصعق سے مستثنیٰ کون ہوں گے اس مبحث میں صحیح قول وہ ہے جو صاحب مفہم نے کہا ہے کہ لفظ صعق سے بطور عموم مجاز ایسا مفہوم مراد ہے جو موت کو بھی شامل ہے اور صرف بے ہوشی کو بھی زندوں کے لئے موت اور مردوں کے لئے بے ہوشی ہو جائے گی یہ بے ہوشی تمام انبیاء کو (جو عالم برزخ میں موجود ہیں) ہوگی البتہ حضرت موسیٰ کے بے ہوش ہونے میں تردد ہے کوئی قطعی بات نہیں کہی جاسکتی شیخین نے صحیحین میں اور ترمذی وابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ ایک یہودی نے مدینہ کے بازار میں کہا قسم ہے اس کی جس نے موسیٰ کو تمام انسانوں پر فضیلت عطا کی یہ بات سن کر ایک انصاری نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور یہودی کے طمانچہ مار اور کہا تو ایسی بات کہتا ہے حالانکہ ہم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں۔ اس بات کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا گیا تو ارشاد فرمایا اللہ نے فرمایا ہے وَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ پس میں ہی سب سے پہلے اپنا سر اٹھاؤں گا تو اچانک دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا ایک پایہ پکڑے ہوئے ہیں مجھے نہیں معلوم کہ مجھ سے پہلے انہوں نے اپنا سر اٹھا لیا (اور اُٹھ کھڑے ہوئے) یا ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ نے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ جب لفظ صعق موت اور بے ہوشی دونوں کو شامل ہے اور انبیاء پر (عالم برزخ میں) غشی طاری ہو جائے گی تو شہداء کا بیہوش ہونا بدرجہ اولی ہوگا اور ملائکہ بھی بے ہوش ہوں گے البتہ جبرئیل میکائیل اسرافیل ملک الموت اور حاملین عرش کی موت صور پھونکنے کی آواز سے نہیں ہوگی بلکہ یہ ملائکہ بعد کو مریں گے جیسا کہ احادیث میں آچکا ہے۔ (تفسیر مظہری)

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ سے جبرئیل اور میکائیل اور اسرافیل اور عزرائیل اور ارواح انبیاء اور ارواح شہداء مراد ہیں۔

ایک بار صور پھنکے گا۔ جس سے خلق مرجائے گی۔ دوسرا پھنکے گا تو جی اٹھیں گے اس کے بعد پھنکے گا تو گھبرا جائیں گے۔ پھر پھنکے گا تو بیہوش ہو جائیں گے اور پھر پھنکے گا تو ہشیار ہوں گے۔ صور پھنکنا کئی بار ہے۔ (موضح القرآن) (معارف کاندھلوی)

وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾

اور سب چلے آئیں اس کے آگے عاجزی سے

متعدد بار صور پھنکنا:

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ایک بار صور پھنکے گا جس سے خلق مرجائے گی۔ دوسرا پھنکے گا تو جی اُٹھیں گی۔ اس کے بعد پھنکے گا تو گھبرا جائیں گے، پھر پھنکے گا تو بیہوش ہو جائیں گے اور پھنکے گا تو ہشیار ہوں گے صور پھنکنا کئی بار ہے (موضح) اور بہت سے علماء صرف دو نفخے مانتے ہیں یعنی کل دو مرتبہ پھنکے گا۔ اور سب احوال کو انہی دو میں درج کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثانی)

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً

اور تو دیکھے پہاڑوں کو سمجھے کہ وہ جم رہے ہیں

وَّهِىَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ

اور وہ چلیں گے جیسے چلے بادل

پہاڑ روئی کی طرح ہوں گے:

یعنی جن بڑے بڑے پہاڑوں کو تم اس وقت دیکھ کر خیال کرتے ہو کہ ہمیشہ کے لئے زمین میں جمے ہوئے ہیں کبھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کھا سکیں گے۔ قیامت کے دن یہ روئی کے گالوں کی طرح فضا میں اُڑتے پھریں گے اور بادل کی طرح تیز رفتار ہوں گے وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا (واقعہ رکوع ۱) وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ (القارعہ رکوع ۱) (طہٰ۔ رکوع ۶) (تنبیہ) آیت ہذا کو زمین کی حرکت وسکون کے مسئلہ سے کچھ علاقہ نہیں جیسا کہ بعض متنورین نے سمجھا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تمام بڑے اجسام کی حرکت:

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ مراد یہ ہے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ کر اس طرح چلیں گے جیسے بادل کہ دیکھنے والا اس کو اپنی جگہ جما ہوا سمجھتا ہے حالانکہ وہ تیزی سے چل رہے ہیں تمام بڑے اجسام جن کی ابتداء وانتہاء انسان کی نظر کے سامنے نہیں ہوتی جب وہ کسی ایک سمت کی طرف حرکت کریں تو خواہ حرکت کتنی بھی تیز ہو دیکھنے والوں کو ایسا دکھائی دیتا ہے کہ وہ اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں جس کا مشاہدہ سب کو گہرے بادل اور دور تک چھائی ہوئی گھٹا سے ہوتا ہے کہ یہ بادل اپنی جگہ جمے ہوئے دکھائی دیتے ہیں حالانکہ وہ چل رہے ہیں مگر ان کی حرکت دیکھنے والوں کو اس وقت محسوس ہوتی جب وہ اتنی دور چلے جائیں کہ افق کا کنارہ اس سے کھل جائے۔ (معارف مفتی اعظم)

اے دیکھنے والے تو (قزع کے وقت) پہاڑوں کو دیکھے گا خیال کرے گا کہ یہ اپنی جگہ کھڑے ہیں (متحرک نہیں ہیں) حالانکہ وہ بادلوں کی طرح (تیز رفتاری کے ساتھ) چلیں گے۔

پھر تیزی کے ساتھ چل کر زمین پر گر پڑیں گے اور زمین کے برابر ہو جائیں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ بڑے بڑے جسم بھی اگر تیزی کے ساتھ ایک طرف کو حرکت کر رہے ہوں تو ان کی حرکت محسوس نہیں ہوتی۔ (تفسیر مظہری)

بڑی بڑی اہم باتیں: عبداللہ بن عمروؓ سے ایک دن کسی شخص نے دریافت کیا کہ یہ آپ کیا فرمایا کرتے ہیں کہ اتنے اتنے وقت تک قیامت آجائے گی۔ آپ نے سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ یا اور کوئی ایسا ہی کلمہ بطور تعجب کہا اور فرمانے لگے سنو! اب تو جی چاہتا ہے کہ کسی سے کوئی حدیث بیان ہی نہ کروں۔ میں نے یہ کہا تھا کہ عنقریب تم بڑی بڑی اہم باتیں دیکھو گے بیت اللہ خراب ہوگا اور یہ ہوگا اور وہ ہوگا وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ دجال میری اُمت میں چالیس ٹھہرے گا۔ میں نہیں جانتا کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال، پھر اللہ (حضرت) عیسیٰؑ کو نازل فرمائے گا وہ صورت شکل میں بالکل عروہ بن مسعود جیسے ہوں گے آپؑ اسے ڈھونڈ نکالیں گے اور اسے ہلاک کر دیں گے۔ پھر سات سال ایسے گزریں گے کہ دنیا بھر میں دو شخص ایسے نہ ہوں گے جن میں آپس میں بغض وعداوت ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک بھینی بھینی ٹھنڈی ہوا چلائے گا جس سے ہر مؤمن فوت ہو جائے گا ایک ذرے کے برابر بھی جس کے دل میں خیر یا ایمان ہوگا اس کی روح بھی قبض ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کسی پہاڑ کی کھوہ میں گھس گیا ہوگا تو یہ ہوا وہیں جا کر اسے فنا کر دے گی۔ اب زمین پر صرف بد لوگ رہ جائیں گے جو پروں جیسے ہلکے اور چوپایوں جیسے بے عقل ہوں گے ان میں سے بھلائی برائی کی تمیز اُٹھ جائے گی ان کے پاس شیطان پہنچے گا اور کہے گا تم شرماتے نہیں کہ ان بتوں کی پرستش چھوڑے بیٹھے ہو؟ یہ بت پرستی شروع کر دیں گے۔ خدا انہیں روزیاں پہنچاتا رہے گا اور خوش وخرم رکھے گا۔ یہ اسی مستی میں ہوں گے جو صور پھونکنے کا حکم مل جائے گا جس کے کان میں آواز پڑی وہیں دائیں بائیں لوٹنے لگے گا۔ سب سے پہلے اسے وہ شخص سنے گا جو اپنے اونٹوں کے لئے حوض ٹھیک ٹھاک کر رہا ہوگا سنتے ہی بے ہوش ہو جائے گا۔ اور سب لوگ بیہوش ہونا شروع ہو جائیں گے۔

روحوں کا جسم میں سرایت کرنا:

صور کی حدیث میں ہے کہ تمام روحیں صور کے سوراخ میں رکھی جائیں گی اور جب جسم قبروں سے اُگ رہے ہوں گے صور پھونک دیا جائے گا روحیں اُڑنے لگیں گی۔ مؤمنوں کی روحیں نورانی ہوں گی کافروں کی روحیں اندھیرے اور ظلمت والی ہوں گی۔ رب العالمین خالقِ کل فرمادے گا کہ میرے جلال کی میری عزت کی قسم ہے ہر روح اپنے بدن میں چلی جائے۔ جس طرح زہر رگ وپے میں سرایت کرتا ہے اس طرح روحیں اپنے جسموں میں پھیل جائیں گی اور لوگ اپنی اپنی جگہ سے سر جھاڑتے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ ؕ
کاری گری اللہ کی جس نے سادھا ہے ہر چیز کو

صانع حقیقی کی کاریگری: یعنی جس نے ہر چیز کو نہایت حکمت سے درست کیا اُسی نے آج پہاڑوں کو ایسا بھاری اور مضبوط بنایا ہے اور وہ ہی اُن کو ایک دن ریزہ ریزہ کرکے اُڑا دے گا۔ وہ اُڑانا محض تباہ کرنے کی غرض سے نہ ہوگا بلکہ عالم کو توڑ پھوڑ کر اس درجہ پر پہنچانا ہوگا جہاں پہنچانے کے لئے ہی اسے پیدا کیا ہے۔ تو یہ سب اسی صانع حقیقی کی کاریگری ہوئی جس کا کوئی تصرف حکمت سے خالی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّهٗ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾
اس کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو

یعنی اس توڑ پھوڑ اور انقلاب عظیم کے بعد بندوں کا حساب کتاب ہوگا اور چونکہ حق تعالیٰ بندوں کے ذرہ ذرہ عمل سے خبردار ہے تو ہر ایک کو ٹھیک اُس کے عمل کے موافق جزا وسزا دی جائے گی۔ نہ ظلم ہوگا نہ حق تلفی ہوگی۔ آگے اسی کی قدرے تفصیل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ

جو کوئی لے کر آیا بھلائی تو اس کو ملے اُس سے بہتر

نیک عمل اور اس کا بدلہ: یعنی ایک نیکی کا بدلہ کم از کم دس نیکیوں کے حساب سے دیا جائے گا جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

معنے یہ ہیں کہ جو شخص نیک عمل کرے گا اور نیک عمل اسی وقت نیک کہلانے کے قابل ہوتا ہے جبکہ اس کی پہلی شرط ایمان موجود ہو تو اس کو اپنے عمل سے بہتر چیز ملے گی مراد اس سے جنت کی لازوال نعمتیں اور عذاب اور ہر تکلیف سے دائمی نجات ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ خیر سے مراد یہ ہے کہ ایک نیکی کی جزاء دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک ملے گی۔ (مظہری)

وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾

اور اُن کو گھبراہٹ سے اُس دن امن ہے

بڑی گھبراہٹ: یعنی بڑی گھبراہٹ سے کما قال تعالیٰ (انبیاء۔ رکوع ۷) اگر کم درجہ کی گھبراہٹ ہو تو اس آیت کے منافی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ فزع سے مراد ہر بڑی مصیبت اور پریشانی اور گھبراہٹ ہے مطلب یہ ہے کہ دنیا میں تو ہر متقی پرہیزگار بھی انجام سے ڈرتا ہی رہتا ہے اور ڈرنا ہی چاہئے جیسے قرآن کریم کا ارشاد ہے: یعنی رب کا عذاب ایسا نہیں کہ اُس سے کوئی بے فکر اور مطمئن ہو کر بیٹھ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور صحابہ و اولیاء اُمت ہمیشہ خائف و لرزاں رہتے تھے مگر اس روز جبکہ حساب کتاب سے فراغت ہو چکے گی تو حسنہ لانے والے نیک لوگ ہر خوف وغم سے بے فکر اور مطمئن ہوں گے، واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ

اور جو کوئی لے کر آیا بُرائی سو اوندھے ڈالیں اُن کے منہ آگ میں

هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

وہی بدلہ پاؤ گے جو کچھ تم کیا کرتے تھے

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ زیادتی نہیں۔ جو کرنا سو بھرنا، خود کردہ را چہ علاج۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ

مجھ کو یہی حکم ہے کہ بندگی کروں اس شہر کے مالک کی جس نے اس کو

حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ۡ

حرمت دی اور اسی کی ہے ہر ایک چیز

معظم و محترم گھر: شہر سے مراد ہے مکہ معظمہ جسے خدا تعالیٰ نے معظم و محترم بنایا۔ اسی تخصیص و تشریف کی بناء پر رب کی اضافت اُس کی طرف کی گئی ورنہ یوں ہر چیز کا رب اور مالک ایک وہ ہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ بلدہ سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک مکہ مکرمہ ہے اللہ تعالیٰ تو رب العالمین اور رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ ہے مکہ مکرمہ کی تخصیص اس جگہ اس کی عظمت شان اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم و محترم ہونے کا اظہار ہے لفظ حرم تحریم سے مشتق ہے اس کے معنے مطلق احترام واکرام کے بھی ہیں اور اس احترام واکرام کی وجہ سے جو خاص احکام شرعیہ مکہ مکرمہ اور ارض حرم سے متعلق ہیں وہ بھی اس میں داخل ہیں مثلاً جو شخص حرم میں پناہ لے وہ مامون ہو جاتا ہے۔ حرم میں کسی دشمن سے انتقام لینا اور قتل کرنا جائز نہیں اور ارض حرم میں شکار کو قتل کرنا بھی جائز نہیں۔ درختوں کا کاٹنا جائز نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس (اللہ) کی عبادت کروں جو (خاص طور پر) اس شہر کا مالک حقیقی ہے جس نے اس کو محترم بنایا ہے (ویسے تو عام طور پر) ہر چیز اسی کی ہے اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں (اسی کا) فرمانبردار رہوں۔

هٰذِهِ الْبَلْدَةِ یعنی مکہ۔ رب کی هٰذِهِ الْبَلْدَةِ کی طرف اضافت شہر کی عزت ظاہر کرنے اور اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے کہ اس کے اندر کعبہ ہے جو تجلیات الٰہیہ کی پرتو افگنی کا خصوصی مقام ہے۔

الَّذِيْ حَرَّمَهَا یعنی وہ رب ایسا ہے کہ اس نے اس شہر کو حرم بنا دیا یہ مکمل مقام امن ہے یہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا نہ کسی کا خون بہایا جاتا ہے نہ کسی کو لوٹا جاتا ہے نہ یہاں کے شکار کو بھڑکا کر نکالا جاتا ہے نہ یہاں کے درخت اور گھاس کاٹنے کی اجازت ہے۔ حقیقت میں اللہ کی اس صفت کا ذکر کر کے قریش کو اللہ کے احسان کی یاد دلائی گئی ہے کہ اس نے ان تمام فتنوں فسادوں اور بدامنیوں سے تمہارے مسکن کو محفوظ رکھا ہے جو سارے عرب میں پھیلے ہوئے ہیں۔

لَهٗ كُلُّ شَيْءٍ یعنی ہر چیز اسی کے مخلوق و مملوک ہے اس شہر کا بھی مالک حقیقی وہی ہے۔ المسلمین یعنی فرمانبردار مطیع حکم ہو جاؤں یا ملت اسلام پر قائم رہوں (پہلا معنی لغوی ہے دوسرا معنی اصطلاحی) (تفسیر مظہری)

وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾

اور مجھ کو حکم ہے کہ رہوں حکم برداروں میں

کامل فرمانبرداری: یعنی اُن لوگوں میں رہوں جو حق تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری کرنے والے اور اپنے کو ہمہ تن اس کے سپرد کر دینے والے ہیں۔

وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ

اور یہ کہ سنادوں قرآن

قرآن کے ذریعہ نصیحت اور قرآن کی پیروی:

یعنی بذاتِ خود اللہ کی بندگی اور فرمانبرداری کرتا رہوں اور دوسروں کو قرآن سنا کر اللہ کا رستہ بتلاتا رہوں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ اور (مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ) میں قرآن پڑھ کر سناؤں۔ اتلو یا تلاوت سے ہے یعنی تبلیغ ودعوت کی غرض سے پڑھ کر سناؤں یا تلو سے مشتق ہے اور تلو کا معنی (پیچھے پیچھے چلنا) اتباع کرنا یعنی اس قرآن کی پیروی کروں (اس کے راستہ پر چلوں) بیضاوی نے لکھا ہے کہ اللہ نے اول مبداً و معاد و قیامت کے احوال لوگوں کے لئے بیان فرما دیئے ہیں اس کے بعد اپنے رسول کو حکم دیا کہ آپ ان کو یہی بات سنا دیجئے اب رسول اللہ کے ذمہ تبلیغ ودعوت کا فریضہ تو باقی نہیں صرف یہی کام رہ گیا کہ اپنے رب کی عبادت میں مستغرق ہو جائیں اور ہر وقت اسی کی یاد میں لگے رہیں اِنَّمَآ اُمِرْتُ سے پہلے قُلْ محذوف یعنی آپ کہہ دیجئے کہ مجھے عبادت کرنے اور اطاعت پر قائم رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ

پھر جو کوئی راہ پر آیا | سو راہ پر آئے گا | اپنے ہی بھلے کو

وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾

اور جو کوئی بہکا رہا | تو کہہ دے میں تو یہی ہوں ڈر سنا دینے والا

ہر کسی کو اپنے لئے راہِ راست کی ضرورت ہے:

یعنی میں نصیحت کر کے فارغ الذمہ ہو چکا، نہ سمجھو تو تمہارا ہی نقصان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سو جو سیدھے راستہ پر چلے گا وہ اپنے لئے چلے گا اور جو راہ راست سے بھٹکے گا تو آپ کہہ دیجئے (میرا کچھ ضرر نہ ہوگا) میں صرف ڈرانے والا ہوں (یعنی کسی کو ہدایت یاب بنانے کا ذمہ دار میں نہیں کسی کی گمراہی کا وبال مجھ پر نہیں پڑے گا میرا کام صرف پہنچا دینا ہے کسی کے ہدایت یاب نہ ہونے اور راہ راست پر نہ چلنے کی باز پرس مجھ سے نہیں ہوگی اور آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ سب خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں وہ عنقریب تم کو اپنی نشانیاں دکھا دے گا اس وقت تم ان کو پہچان لو گے اور آپ کا رب تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔

فَمَنِ اهْتَدٰى یعنی آپ کی دعوت وتبلیغ سے جو شخص راہ یاب ہو جائے گا تو اس کا فائدہ خود اسی کو ہوگا آپ پر احسان جتلانے کا اس کو حق نہیں اور جو راہ راست سے بھٹکے گا سیدھا راستہ کھو دے گا اور تبلیغ ودعوت کے بعد بھی راہ حق پر نہ چلے گا اس کا وبال اسی پر پڑے گا آپ کہہ دیجئے میرا کام صرف ڈرانا ہے تمہارا ذمہ دار نہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ

اور کہہ تعریف ہے سب اللہ کو

راہنمائی کے منصب کا شکر:

یعنی اللہ کا ہزاراں ہزار شکر جس نے مجھ کو ہادی ومہتدی بنایا۔ فی الحقیقت تعریف کے لائق اسی کی ذات ہے جس کو خوبی یا کمال ملا وہیں سے ملا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ اور اللہ نے جو نعمت نبوت سے مجھے سرفراز کیا اور جو تبلیغ و دعوت مجھ پر واجب تھی اس کو پورا کرنے کی مجھے توفیق عنایت کی اس پر اس کا شکر ہے وہ مستحق ستائش وثنا ہے۔ (تفسیر مظہری)

سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا

آگے دکھائے گا تم کو اپنے نمونے تو ان کو پہچان لو گے

آیاتِ الٰہیہ: یعنی آگے چل کر حق تعالیٰ تمہارے اندر یا تم سے باہر اپنی قدرت کے وہ نمونے اور میری صداقت کے ایسے نشان دکھلائے گا جنہیں دیکھ کر سمجھ لو گے کہ بے شک یہ اللہ کی وہ ہی آیات ہیں جن کی خبر پیغمبر نے دی تھی باقی اس وقت کا سمجھنا تم کو نافع ہو یا نہ ہو، یہ جداگانہ چیز ہے۔ علامات قیامت وغیرہ سب اس کے تحت میں آ گئیں۔ (تفسیر عثمانی)

سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ عنقریب تم کو اللہ اپنی نشانیاں دکھا دے گا۔ نشانیوں سے مراد ہیں دنیا میں نمودار ہونے والی آیاتِ قدرت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی آیاتِ صداقت ہیں جیسے بدر کی لڑائی میں کافروں کا مارا جانا قید ہونا فرشتوں کا نازل ہو کر مسلمانوں کی مدد کرنا اور کافروں کے چہروں کو زخمی کرنا اور پشت پر ضربیں لگانا چاند کا پھٹنا کنکریوں کا تسبیح پڑھنا اور آخر زمانہ میں دابۃ الارض کا برآمد ہونا۔ انہیں آیات کی طرف اشارہ ایک اور آیت میں آیا ہے فرمایا ہے سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِىْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ یا آیات سے مراد ہیں آخرت میں نمودار ہونے والی نشانیاں (یعنی واقعات قیامت) ایک اور جگہ فرمایا ہے۔ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِىْٓ اَنْفُسِهِمْ۔

فَتَعْرِفُوْنَهَا اس وقت تم ان آیات کو پہچان لو گے لیکن اس وقت پہچاننے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

اور تیرا رب بے خبر نہیں | اُن کاموں سے جو تم کرتے ہو

سزا میں تاخیر کو غفلت نہ سمجھو:

یعنی جو عمل اور معاملہ تم کرتے ہو، سب اس کی نظر میں ہے۔ اُسی کے

موافق آخرکار بدلہ ملے گا۔ اگر سزا وغیرہ میں تاخیر ہو تو نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ ہمارے کرتوت سے بے خبر ہے۔ تم سورۃ النمل وللہ الحمد والمنہ۔ (تفسیر عثمانی)

امام احمد بن حنبلؒ اکثر ان دو شعروں کو پڑھتے رہا کرتے تھے جو یا تو آپؒ کے ہیں یا کسی اور کے ۔

اذا ماخلوتَ الدهر يوماً فلاتقُلْ　　خلوتُ ولكن قلْ عليَّ رقيب

ولا تحسبنَّ الله يغفل ساعةً　　ولا أنْ مايخفى عليه يغيبُ

یعنی جب تو کسی وقت بھی خلوت اور تنہائی میں ہو تو اپنے تئیں تنہا اور اکیلا نہ سمجھنا بلکہ اپنے خدا کو وہاں بھی حاضر ناظر جاننا وہ ایک ساعت بھی کسی سے غافل نہیں نہ کوئی مخفی اور پوشیدہ چیز اُس کے علم سے باہر ہے۔

خدا کے فضل وکرم سے سورۂ نمل کی تفسیر ختم ہوئی۔

سورۂ کے مضامین کا ربط:

(ربط) جب اللہ تعالیٰ مبداء اور معاد اور قیامت اور علامات قیامت اور قانون جزا اور سزا کو بیان کر چکے تو اب اس سورت کو تین احکام کے بیان پر ختم کرتے ہیں جن پر آخرت کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ (۱) ایک تو خدا کی عبادت ۔ یعنی توحید خالص (۲) دوم دین اسلام پر استقامت (۳) سوم قرآن مجید کی تلاوت جو تبلیغ احکام اور دعوتِ اسلام کا اولین ذریعہ ہے۔

اور بتلا دیا کہ راہ راست پر چلنے سے بندہ ہی کا فائدہ ہے اور نہ چلنے سے بندہ ہی کا نقصان ہے اور اللہ بندوں کے اعمال سے غافل نہیں۔ لہٰذا اعمال صالحہ عبادت اور تلاوت میں لگے رہو تاکہ آخرت میں کام آویں۔ (معارف کاندھلوی)

اعمال کے مطابق بدلہ ملے گا:

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۞ اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا رب ان کے کسی عمل سے بے خبر نہیں ہے جو یہ کرتے رہتے ہیں یعنی اعمال کے مطابق ہر ایک کو بدلہ دے گا اور وقت مقرر پر دے گا۔ (تفسیر مظہری)

الحمدللہ سورۃ النمل ختم ہوئی

بحمداللہ

سورۃ القصص

سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ قصص مکہ میں اتری اور اس کی اٹھاسی آیتیں اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

طٰسٓمّٓ ۞ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ نَتْلُوْا

یہ آیتیں ہیں کھلی کتاب کی ہم سناتے

عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ

ہیں تجھ کو کچھ احوال موسیٰ اور فرعون کا تحقیق

لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۞

اُن لوگوں کے واسطے جو یقین کرتے ہیں

مومنوں کو ظالموں پر کامیابی ملے گی:

یعنی مسلمان لوگ اپنا حال قیاس کرلیں ظالموں کے مقابلہ میں (موضح) جس طرح حضرت موسیٰ علیہ اسلام کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو باوجود کمزوری کے فرعونیوں کی طاقت کے مقابلہ میں منصور و کامیاب کیا۔ ایسے ہی مسلمان جو فی الحال مکہ میں قلیل اور ضعیف و ناتواں نظر آتے ہیں اپنے بیشمار طاقتور حریفوں کے مقابلہ پر کامیاب ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

سورۃ القصص مکی ہے صرف آیات اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ سے لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ تک مدنی ہیں اس سورۃ کی آیات اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ الخ مکہ و مدینہ کے درمیان راستہ میں نازل ہوئیں۔ نَتْلُوْا ہم پڑھتے ہیں یعنی جبرئیل کی زبانی مراد ہے نازل کرنا۔ مِنْ نَّبَاِ کچھ خبر کچھ قصہ (مِن تبعیضیہ ہے) بِالْحَقِّ یعنی سچائی کا حامل۔ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ. ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں کیونکہ انہیں کو اس سے فائدہ ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

سورۂ قصص کا تعارف:

سورۂ قصص مکی سورتوں میں سب سے آخری سورت ہے جو ہجرت کے

وقت مکہ مکرمہ اور جحفہ (رابغ) کے درمیان نازل ہوئی۔ بعض روایات میں ہے کہ سفر ہجرت میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جحفہ یعنی رابغ کے قریب پہنچے تو جبرئیل امین تشریف لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کو آپ کا وطن جس میں آپ پیدا ہوئے یاد آتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہاں ضرور یاد آتا ہے۔ اس پر جبرئیل امین نے یہ سورت قرآن سُنائی جس کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بشارت ہے کہ انجام کار مکہ مکرمہ فتح ہو کر آپ کے قبضہ میں آئے وہ آیت یہ ہے اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ سورۂ قصص میں سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ پہلے اجمال کے ساتھ پھر تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ نصف سورت تک موسیٰ علیہ السلام کا قصہ فرعون کے ساتھ اور آخر سورت میں قارون کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ (مفتی اعظم)

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ

فرعون چڑھ رہا تھا ملک میں اور کر رکھا تھا

اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ

وہاں کے لوگوں کو کئی فرقے کمزور کر رکھا تھا ایک فرقہ کو اُن میں

قبطیوں کا بنی اسرائیل پر تسلط:

یعنی مصر میں قبطی بھی آباد تھے جو فرعون کی قوم تھی اور سبطی بھی جو بنی اسرائیل کہلاتے تھے لیکن فرعون ظلم وتکبر کی راہ سے بنی اسرائیل کو پنپنے اور اُبھرنے نہیں دیتا تھا۔ گویا سب قبطی آقا بنے ہوئے تھے اور پیغمبروں کی اولاد بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ اُن سے ذلیل کام اور بیگاریں لیتے اور کسی طرح اس قابل نہ ہونے دیتے کہ ملک میں وہ کوئی قوت ووقعت حاصل کر سکیں۔ (تفسیر عثمانی)

شیعاً فرقے فرقے۔ کہ سب فرعون کے تابع تھے فرعون جو کام لینا چاہتا تھا وہ کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ

ذبح کرتا تھا اُن کے بیٹوں کو اور زندہ رکھتا تھا اُن کی عورتوں کو

بنی اسرائیل کے بچوں کا قتل:

کہتے ہیں فرعون نے کوئی خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر کاہنوں نے یہ دی کہ کسی اسرائیلی کے ہاتھ سے تیری سلطنت برباد ہوگی۔ اس لئے پیش بندی کے طور پر یہ احمقانہ اور ظالمانہ تدبیر سوچی کہ بنی اسرائیل کو ہمیشہ کمزور کرتے رہنا چاہئے کہ انہیں حکومت کے مقابلہ کا حوصلہ ہی نہ ہو۔ اور آئندہ جو لڑکے ان کے پیدا ہوں اُن کو ایک طرف سے ذبح کر ڈالنا چاہئے۔ اس طرح آنے والی مصیبت رُک جائے گی۔ البتہ لڑکیوں سے چونکہ کوئی خطرہ نہیں انہیں زندہ رہنے دیا جائے۔ وہ بڑی ہو کر باندیوں کی طرح ہماری خدمت کیا کریں گی۔ اور ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل آپس میں حضرت ابراہیم خلیل کی ایک پیشین گوئی کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔ جس میں خبر دی گئی تھی کہ ایک اسرائیلی جوان کے ہاتھ پر اس سلطنت مصر کی تباہی مقدر ہے۔ شدہ شدہ یہ تذکرے فرعون کے کانوں تک پہنچ گئے اس احمق نے قضاء وقدر کی روک تھام کے ظلم وستم کی یہ اسکیم جاری کی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابراہیمؑ کی پیشینگوئی:

بات یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر کی حکومت میں سے مع اپنی اہلیہ حضرت سارہؓ کے جا رہے تھے ور یہاں کے سرکش بادشاہ نے حضرت سارہ کو لونڈی بنانے کے لئے آپ سے چھین لیا تھا، جنہیں خدا نے اس کافر سے محفوظ رکھا اور اسے ان پر دست درازی کرنے کی قدرت ہی حاصل نہ ہوئی۔ اس وقت حضرت ابراہیمؑ نے بطور پیشینگوئی فرمایا تھا کہ میری اولاد میں سے ایک کی اولاد کے ایک لڑکے کے ہاتھوں ملک مصر اس قوم سے جاتا رہے گا اور ان کا بادشاہ اس کے سامنے ذلت کے ساتھ ہلاک ہوگا۔ چونکہ بنی اسرائیل میں یہ روایت چلی آرہی تھی اور ان کے درس میں بھی یہ تھی جسے قبطی بھی سنتے تھے جو فرعون کی قوم کے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝

بیشک وہ تھا خرابی ڈالنے والا

فرعون کا فساد: یعنی زمین میں خرابی پھیلانے والا تو تھا ہی لہذا اُسے ایسا ظلم وستم کرنے میں کیا جھجک ہوتی۔ بس جو دل میں آیا، اپنے کبر وغرور کے نشہ میں بے سوچے سمجھے کر گزرا۔ (تفسیر عثمانی)

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا

اور ہم چاہتے ہیں کہ احسان کریں اُن لوگوں پر جو کمزور ہوئے پڑے تھے

فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝

ملک میں اور کر دیں اُن کو سردار اور کر دیں اُن کو قائم مقام

وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ

اور جما دیں اُن کو ملک میں

اللہ کمزوروں کو غالب کرنے والے تھے:

یعنی اس ملعون کے انتظامات تو وہ تھے اور ہمارا ارادہ یہ تھا کہ کمزوروں کو

قوی اور پستوں کو بالا کیا جائے۔ جس قوم کو فرعونیوں نے ذلیل غلام بنا رکھا تھا اُن ہی کے سر پر دین کی امامت اور دنیا کی سرداری کا تاج رکھ دیں۔ ظالموں اور متکبروں سے جگہ خالی کرا کر اُس مظلوم و ستم رسیدہ قوم سے زمین کو آباد کریں اور دینی سیادت کے ساتھ دنیوی حکومت بھی اس مظلوم و مقہور قوم کے حوالے کی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

ائمۃ مجاہد کے نزدیک دینی پیشوا اور داعیان خیر مراد ہیں۔ قتادہ کے نزدیک والیان ملک اور بادشاہ مراد ہیں کیونکہ اللہ نے بنی اسرائیل کے متعلق ایک اور آیت میں فرمایا ہے وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتٰىكُمْ الْوٰرِثِیْنَ یعنی فرعون اور اس کی قوم کے ملک و مال کے مالک۔

مصر و شام کی حکومت:

وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ یعنی سرزمین مصر و شام میں ان کو حکومت عطا کریں۔ تمکین کا لغوی معنی ہے کسی چیز کی جگہ بنا دینا کہ اس میں وہ چیز ٹھہر جائے (لغت کے لحاظ سے تمکن کا لہم کر ترجمہ ہوا ہم ان کو جماؤ عطا کر دیں) مجازاً تمکین کا معنی ہے حاکم بنا دینا مسلط اور غالب کر دینا۔ (تفسیر مظہری)

وَنُرِیَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ

اور دکھا دیں فرعون اور ہامان کو

فرعون و ہامان اور اس کے لشکروں کی شکست:

ہامان وزیر تھا فرعون کا جو ظلم و ستم میں اُس کا شریک اور آلہ کار بنا ہوا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَحْذَرُوْنَ ۝

اور اُن کے لشکروں کو اُن کے ہاتھ سے جس چیز کا اُن کو خطرہ تھا

یعنی جس خطرہ کی وجہ سے انہوں نے بنی اسرائیل کے ہزار ہا بچوں کو ذبح کر ڈالا تھا۔ ہم نے چاہا کہ وہ ہی خطرہ اُن کے سامنے آئے۔ فرعون نے امکانی کوشش کر دیکھی اور پورے زور خرچ کر لئے کہ کسی طرح اُس اسرائیلی بچہ سے مامون ہو جائے۔ جس کے ہاتھ پر اُس کی تباہی مقدر تھی لیکن تقدیر الٰہی کہاں سے ٹلنے والی تھی۔ خداوند قدیر نے اُس بچہ کو اسی کی گود میں اُسی کے بستر پر اُسی کے محلات کے اندر شاہانہ ناز و نعم سے پرورش کرایا۔ اور دکھلا دیا کہ خدا جو انتظام کرنا چاہے، کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰۤى اَنْ اَرْضِعِیْهِ ۚ

اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کی ماں کو کہ اُس کو دودھ پلاتی رہ

فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ

پھر جب تجھ کو ڈر ہو اُس کا تو ڈال دے اُس کو دریا میں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام:

اُنکی ماں کو الہام ہوا یا خواب دیکھایا اور کسی ذریعہ سے معلوم کرا دیا گیا کہ جب تک بچہ کے قتل کا اندیشہ نہ ہو برابر دودھ پلاتی رہیں، جب اندیشہ ہو تو صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں چھوڑ دیں۔ سورۂ طٰہٰ میں یہ قصہ گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ کی والدہ کا نام یوخابذ بنت لاوی تھا اور لاوی حضرت یعقوب کا بیٹا تھا۔ علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ وحی نبوت والی وحی نہیں تھی نہ کوئی عورت نبی ہوئی۔ قتادہ نے اس جگہ اَوْحَیْنَاۤ کا ترجمہ کیا ہم نے اس کے دل میں ڈال دیا صوفیہ کی اصطلاح میں اسی کو الہام کہتے ہیں الہام ہی کی ایک قسم وہ سچا خواب بھی ہے جس سے دل کو یقین اور اطمینان ہو جائے۔ یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ الہام بھی علم کا ایک ذریعہ ہے اگرچہ اس سے علم ظنی (غیر یقینی) حاصل ہوتا ہے لیکن الہام قلبی اور القاء انہی دلوں کا قابل اعتبار ہوتا ہے جو پاک صاف اور حامل اطمینان ہوں۔ وسوسے اور الہام کا فرق ہی یہ ہے کہ وسوسہ (دل کا کھٹکا) موجب اطمینان نہیں ہوتا اور الہام سے اطمینان قلبی حاصل ہو جاتا ہے اور (صاحب الہام کو اپنی جگہ) قلبی یقین ہو جاتا ہے۔

اَنْ اَرْضِعِیْهِ یعنی موسیٰؑ کی ماں کے دل میں یہ بات ڈال دی اور کہہ دیا کہ جب تک پوشیدہ رکھنا ممکن ہو موسیٰؑ کو دودھ پلاتی رہ۔

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ موسیٰ علیہ السلام کو گود میں لئے دودھ پلاتی رہتی تھیں اور وہ نہ روتے تھے نہ حرکت کرتے تھے۔ کذا ذکر البغوی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ

اور نہ خطرہ کر اور نہ غمگین ہو ہم پھر پہنچا دیں گے اُس کو تیری طرف

وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝

اور کریں گے اُس کو رسولوں سے

اُمّ موسیٰ کو تسلی: ماں کی تسلی کر دی کہ ڈرے مت، بے کھٹکے دریا میں چھوڑ دے، بچہ ضائع نہیں ہو سکتا۔ اور بچے کی جدائی سے غمگین بھی مت ہو۔ ہم بہت جلد اس کو تیری ہی آغوش شفقت میں پہنچا دیں گے خدا کو اس سے بڑے کام لینے ہیں۔ وہ منصب رسالت پر سرفراز کیا جائے گا۔ کوئی طاقت اللہ کے ارادہ میں حائل و مانع نہیں ہو سکتی۔ تمام رکاوٹیں دور کر کے وہ مقصد پورا کرنا ہے جو اس محترم بچے کی پیدائش سے متعلق ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مصر میں قبطیوں کے زوال کے اسباب:

عطاء اور ضحاک راوی ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا مصر میں جب بنی اسرائیل کی تعداد بہت ہوگئی اور لوگوں پر انہوں نے دراز دستی شروع کر دی اللہ کی نافرمانیاں کرنے لگے، نہ بھلائی کا کسی کو حکم دیتے تھے، نہ گناہ سے منع کرتے تھے آخر اللہ نے ان پر قبطیوں کو مسلط کر دیا قبطیوں نے ان کا زور توڑ دیا اور بہت زیادہ کمزور بنا دیا بالآخر اللہ نے اپنے نبی موسیٰؑ کے ذریعے قبطیوں کے تسلط سے ان کو رہا کرا دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور دایہ:

حضرت ابن عباس کا یہ بھی بیان ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا زمانہ قریب آ گیا تو موسیٰؑ کی والدہ نے ایک دایہ کو بلوایا یہ دایہ انہی دائیوں میں سے تھی جو فرعون کی طرف سے بنی اسرائیل کی حاملہ عورتوں کے لئے مقرر تھیں لیکن موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی دوست تھی دردزہ ہوا تو اسی دائی کو بلوایا وہ آ گئی تو اس سے کہا میری جو حالت ہے تجھے معلوم ہے آج تیری دوستی سے مجھے فائدہ حاصل کرنا ہے دائی اپنے کام میں لگ گئی جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوگئے اور دائی کے ہاتھوں میں آ گئے تو موسیٰؑ کی دونوں آنکھوں کے بیچ سے ایک نور نکلتا دیکھ کر دائی حیرت زدہ ہوگئی اس کا ہر جوڑ لرز اٹھا پورے بدن میں سنسنی پیدا ہوگئی اور موسیٰ علیہ السلام کی محبت اس کے دل میں جم گئی موسیٰ علیہ السلام کی ماں سے کہنے لگی تو نے جب بلوایا تھا اور میں تیرے پاس آئی تھی اس وقت میرے پیچھے تیرے بیٹے کو قتل کرنے والے تھے (یعنی میرا ارادہ تھا کہ تیرے بچہ کو قاتلوں کے حوالے کر دوں گی) لیکن اب میرے دل میں تیرے بیٹے کی محبت ایسی محسوس ہوتی ہے کہ ایسی محبت میں نے کسی کی نہ پائی اس لئے میں کہتی ہوں کہ اپنے بیٹے کی حفاظت رکھنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام تنور کی آگ میں:

پھر دائی کو موسیٰؑ کی ماں کے گھر سے نکلتے کسی جاسوس نے دیکھ لیا فوراً سب دروازہ پر آ گئے اور اندر گھسنا چاہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن (دوڑی آئی اور) کہنے لگی اماں دروازہ پر سپاہی آ گئے فوراً موسیٰ علیہ السلام کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر بہن نے تنور میں ڈال دیا تنور میں آگ روشن تھی لیکن اس کے اوسان خطا ہو گئے تھے اس کو پتہ بھی نہ چلا کہ میں کیا کر رہی ہوں سرکاری آدمی اندر گھس آئے تنور بھڑک رہا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے چہرے پر کوئی تغیر نہ تھا نہ چہرے کے رنگ میں کوئی فرق آیا تھا نہ دودھ اترا تھا کہنے لگے دائی یہاں کیوں آئی تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا وہ میری دوست ہے ملاقات کے لئے آئی تھی غرض وہ لوگ واپس چلے گئے اب موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی عقل بھی ٹھکانے پر آئی اور موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے پوچھا بچہ کہاں ہے موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ اتنے میں تنور کے اندر سے بچے کے رونے کی آواز آئی ماں نے جا کر دیکھا تو تنور کی آگ موسیٰ علیہ السلام کے لئے ٹھنڈی پڑ چکی تھی اور خنکی بھی اتنی جو باعث سلامتی تھی ماں نے موسیٰؑ کو اٹھا لیا۔

صندوق کی تیاری اور بڑھئی کی زبان بندی:

پھر مدت کے بعد والدہ موسیٰ نے دیکھا کہ فرعون کو لڑکوں کی تلاش بے حد ہے اور اس کو اپنے بچہ کا خطرہ ہوا تو اللہ نے اس کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ ایک صندوق لے کر موسیٰؑ کو اس میں رکھ کر دریا میں ڈال دے اس خیال کے پیدا ہوتے ہی وہ ایک بڑھئی کے پاس آ گئی جو فرعون کی قوم میں سے تھا اور اس سے ایک صندوقچہ خریدا بڑھئی نے پوچھا تجھے کس کام کے لئے ضرورت ہے موسیٰؑ کی والدہ نے جھوٹ بولنا پسند نہیں کیا سچ بتا دیا کہ میرا ایک بچہ ہے میں صندوقچہ کے اندر اس کو چھپاؤں گی۔ بڑھئی نے پوچھا کیوں والدہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا فرعون کے خوف سے غرض صندوقچہ خرید کر اٹھا لائی وہ بڑھئی کے پاس سے چلی ہی تھی کہ بڑھئی قاتلوں کو اس واقعہ کی اطلاع دینے پہنچ گیا اور کچھ بولنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ اللہ نے زبان روک دی اور بولنے کی طاقت سلب ہوگئی کچھ بول نہ سکا اور ہاتھ سے اشارے کرنے لگا لیکن سپاہی کچھ نہ سمجھ سکے، جب اشاروں کو سمجھنے سے عاجز آ گئے تو ان کے سردار نے حکم دیا کہ اس کو مار کر نکال دو بڑھئی پٹ پٹا کر اپنی جگہ پہنچا تو اللہ نے پھر زبان میں گویائی کی طاقت لوٹا دی وہ پھر مخبری کرنے کے ارادہ سے سپاہیوں کے پاس پہنچا اس مرتبہ زبان بھی بند ہوگئی اور نظر بھی جاتی رہی نہ بول سکا نہ آنکھوں سے کچھ دیکھ سکا آخر مار کر لوگوں نے نکال دیا بڑھئی۔

بالآخر بڑھئی مسلمان ہوگیا:

حیران پریشان لڑکتا پڑکتا ایک وادی میں جا پہنچا اور اس نے پختہ نیت کر لی کہ اگر اللہ نے میری نگاہ اور قوت گویائی واپس کر دی تو وہ موسیٰؑ کی نشان دہی نہیں کرے گا بلکہ موسیٰؑ جہاں ہوں گے ان کے ساتھ رہے گا اور ان کی حفاظت کرے گا۔ اللہ نے اس کو سچا جانا اور بینائی اور گویائی واپس دے دی فوراً وہ سجدہ میں گر گیا اور دعا کی اے میرے رب مجھے اس نیک بندہ کا پتہ بتا دے اللہ نے اس کو موسیٰؑ تک پہنچنے کا راستہ بتا دیا وہ وادی سے نکل آیا اور موسیٰؑ پر ایمان لے آیا وہ سمجھ گیا کہ یہ بات اللہ کی طرف سے ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ

پھر اٹھا لیا اسکو فرعون کے گھر والوں نے کہ ہو انکا دشمن اور غم میں ڈالنے والا

اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ

بیشک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر تھے چوکنے والے

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں:

آخر ماں نے بچے کو لکڑی کے صندوق میں ڈال کر پانی میں چھوڑ دیا۔ صندوق بہتا ہوا ایسی جگہ جا لگا جہاں سے فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کے ہاتھ لگ گیا۔ ان کو اس پیارے بچے کی پیاری صورت بھلی معلوم ہوئی۔ آثار نجابت وشرافت نظر آئے۔ پالنے کی غرض سے اٹھالیا۔ مگر اس اٹھانے کا آخری نتیجہ یہ ہونا تھا کہ وہ بچہ بڑا ہو کر فرعون اور فرعونیوں کا دشمن ثابت ہوا اور ان کے حق میں سوہان روح بنے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھانے کا موقع دیا۔ فرعون لعین کو کیا خبر تھی کہ جس دشمن کے ڈر سے ہزارہا معصوم بچے تہ تیغ کرا چکا ہوں وہ یہی ہے جسے بڑے چاؤ پیار سے آج ہمارے ہاتھوں میں پرورش کرایا جا رہا ہے۔ فی الحقیقت فرعون اور اس کے وزیر و مشیر اپنے ناپاک مقصد کے اعتبار سے بہت چوکے کہ بیشمار اسرائیلی بچوں کو ایک شبہ پر قتل کرنے کے باوجود موسیٰ کو زندہ رہنے دیا لیکن نہ چوکتے تو کیا کرتے، کیا خدا کی تقدیر کو بدل سکتے تھے یا مشیت ایزدی کو روک سکتے تھے، ان کی بڑی چوک تو یہ تھی کہ قضاء وقدر کے فیصلوں کو سمجھے کہ انسانی تدبیروں سے روکا جا سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ؕ
اور بولی فرعون کی عورت یہ تو آنکھوں کی ٹھنڈک ہے میرے لئے اور تیرے لئے

فرعون کی بیوی نے موسیٰ کو بیٹا بنالیا:

یعنی کیسا پیارا بچہ ہے ہمارے کوئی لڑکا نہیں، لاؤ اسی سے دل بہلائیں اور آنکھیں ٹھنڈی کیا کریں بعض روایات میں ہے کہ فرعون نے کہا "لک لا لی (تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگی میری نہیں) تقدیر ازلی یہ الفاظ اس ملعون کی زبان سے کہلا رہی تھی۔ آخر وہی ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

فرعون کی اکلوتی بیٹی کا علاج:

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ فرعون کی صرف ایک لڑکی تھی اور کوئی اولاد نہ تھی لڑکی سے فرعون کو بڑی محبت تھی ہر روز فرعون سے وہ اپنے تین کام پورے کراتی تھی اس لڑکی کو سخت برص تھا فرعون نے اس کے علاج کے لئے مصر کے تمام اطباء اور ساحروں کو جمع کیا (طبیب کوئی کامیاب علاج نہ کر سکے) ساحروں نے کہا کہ اس کو صحت دریا کی طرف سے ہوگی کوئی چیز انسان کی شکل کی دریا میں پائی جائے گی اس کے منہ کا لعاب لے لیا جائے اور برص کے داغوں پر لگا دیا جائے تو یہ اچھی ہو جائے گی ایسا فلاں دن فلاں ساعت میں سورج نکلنے کے وقت ہوگا۔ چنانچہ دوسرا دن دوشنبہ کا تھا فرعون نے نیل کے کنارے اپنی بیٹھنے کی جگہ تیار کرائی اور جا کر بیٹھا ساتھ میں اس کی بیوی آسیہ بنت مزاحم بھی تھی فرعون کی لڑکی بھی اپنی خادماؤں کے ساتھ آ کر نیل کے کنارے بیٹھ گئی اور لڑکیوں کے منہ پر پانی کے چھپاکے مار مار کر کھیلنے لگی اچانک نیل میں بہتا ہوا سامنے سے ایک صندوق نظر آیا لہریں طمانچے مار مار کر اس کو لا رہی تھیں۔ (تفسیر مظہری)

فرعون نے کہا نیل میں یہ چیز درخت سے آویختہ ہے اس کو لاؤ ہر طرف سے کشتیوں نے جا کر اس کو گھیر لیا اور لا کر فرعون کے سامنے رکھ دیا لوگوں نے ہر چند کھولنے کی تدبیریں کیں لیکن کھول نہ سکے پھر توڑنا چاہا توڑ بھی نہ سکے آخر آسیہ قریب آئی اس کو صندوق کے اندر ایک نور دکھائی دیا جو کسی اور کو نہیں دکھائی دیا کوشش کر کے اس نے صندوق کو کھول دیا اندر ایک چھوٹا سا بچہ بچھونے پر لیٹا تھا اس کی دونوں آنکھوں کے بیچ میں ایک نور چمک رہا تھا اور اللہ نے اس کا رزق دونوں، انگوٹھوں میں پیدا کر دیا تھا جن کے اندر سے وہ دودھ چوس رہا تھا اللہ نے بچہ کی محبت آسیہ کے دل میں ڈال دی فرعون بھی اس سے محبت کرنے لگا اور دل سے مہربان ہو گیا صندوقچہ سے بچہ کو نکالا گیا فرعون کی لڑکی بھی آ گئی اور اس نے بچہ کے منہ کا لعاب لے کر اپنے داغوں پر ملا فوراً اچھی ہو گئی لڑکی نے بچہ کو چوم لیا اور سینے سے چمٹا لیا۔

جادوگروں کی ناکامی:

جادوگروں نے کہا اے بادشاہ ہمارا خیال ہے کہ یہ بچہ وہی ہے جس سے تجھے خطرہ تھا یہ بنی اسرائیل کا بچہ ہے تیرے خوف سے اس کو دریا میں پھینک دیا گیا ہے فرعون نے بچہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو آسیہ نے قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا یہ میری اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کو قتل نہ کرو امید ہے کہ یہ ہمارے کام آئے گا یا ہم اس کو بیٹا بنا لیں گے آسیہ کے اولاد نہ ہوتی تھی (بانجھ تھی یا کوئی اور وجہ تھی) فرعون سے آسیہ نے کہا موسیٰ کو مجھے دے دو فرعون نے آسیہ کو موسیٰ ہبہ کر دیا اور کہنے لگا مجھے اپنے لئے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

بچے کا نام: آسیہ سے کہا گیا اس کا کچھ نام رکھو آسیہ نے کہا میں نے اس کا نام موسیٰ علیہ السلام رکھ دیا ہے کیونکہ ہم نے اس کو پانی اور درختوں کے درمیان پایا تھا۔ مو، پانی۔ اور سا درخت۔

حضرت آسیہ: وہب بن منبہ نے بیان کیا جب فرعون کے سامنے صندوقچہ رکھا گیا اور لوگوں نے اس کو کھولا اور اس کے اندر سے موسیٰ برآمد ہوئے تو فرعون نے ان کو دیکھ کر کہا یہ تو عبرانی ہے دشمنوں میں سے ہے موسیٰ کو دیکھ کر اس کو غصہ آیا اور کہنے لگا یہ لڑکا کیسے بچ گیا فرعون نے ایک اسرائیلی عورت سے نکاح کر لیا تھا جس کو آسیہ بنت مزاحم کہا جاتا تھا یہ عورت بہت نیک تھی اور انبیاء کی نسل سے تھی مسکینوں کے لئے تو ماں تھی ان پر بڑا ترس کھاتی تھی بہت خیرات دیتی تھی، جب آسیہ فرعون کے پاس بیٹھی ہوئی تھی تو

اس نے فرعون سے کہا یہ لڑکا تو ایک سال سے زائد کا ہے اور آپ کا حکم اس سال کے لڑکوں کو قتل کرنے کا ہے اس لئے اس کو چھوڑ دیجئے۔ (تفسیر مظہری)

لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا

اسکو مت مارو کچھ بعید نہیں جو ہمارے کام آئے یا ہم اس کو کرلیں بیٹا

یعنی کم از کم بڑا ہو کر ہمارے کام آئے گا یا مناسب سمجھا تو متبنٰے بنا لیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ امید ہے کہ یہ ہمارے کام آئے گا۔ یہ قتل نہ کرنے کی درخواست کی علت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر برکت کے نشانات ہیں ہم کو اس سے فائدہ پہنچنے کی علامتیں موجود ہیں۔ آسیہ نے یہ بات اس سے کہی کہ ان کو موسیٰ کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نور چمکتا نظر آ گیا تھا انگوٹھوں سے دودھ چوستے بھی انہوں نے دیکھ لیا تھا اور فرعون کی لڑکی بھی ان کے منہ کا لعاب لگانے سے اچھی ہوگئی تھی۔

اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا یا ہم اس کو بیٹا بنالیں گے۔ کیونکہ یہ بیٹا ہونے کے قابل ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹

اور اُن کو کچھ خبر نہ تھی

یعنی یہ تو خبر نہ تھی کہ بڑا ہو کر کیا کرے گا۔ سمجھے کہ بنی اسرائیل میں سے کسی نے خوف سے ڈالا ہے ایک لڑکا نہ مارا تو کیا ہوا۔ کیا ضرور ہے کہ یہی وہ بچہ ہو جس سے ہمیں خوف ہے پھر جب ہم پرورش کریں گے وہ خود ہی ہم سے شرمائے گا۔ کس طرح ممکن ہے کہ ہم سے ہی دشمنی کرنے لگے۔ انہیں کیا خبر تھی کہ یہ اُس کا دوست ہوگا جو سارے جہان کا پرورش کرنے والا ہے اور تم چونکہ اس کے دشمن ہو اس لئے مجبور ہوگا کہ پروردگار حقیقی کے حکم سے تمہاری مخالفت کرے۔ تم اپنی ظاہری تربیت پر تو ایسی اچھی اُمیدیں باندھتے ہو۔ مگر شرم نہیں آتی کہ اُس رب حقیقی کے مقابلہ میں اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کی آواز بلند کررہے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

کاش کہ فرعون:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اس روز فرعون کہہ دیتا یہ جیسے تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے ویسے ہی میرے لئے بھی خنکی چشم ہے تو اللہ نے جس طرح آسیہ کو ہدایت یاب کر دیا اسی طرح فرعون کو بھی ہدایت یاب کر دیتا۔

ابن جریر نے بروایت محمد بن قیس مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ فرعون نے کہا تھا کہ تیری آنکھ کی ٹھنڈک ہوگا میری آنکھ کی ٹھنڈک نہیں ہے اگر وہ یوں کہہ دیتا کہ جیسے یہ تیری آنکھ کی ٹھنڈک ہوگا ویسے ہی میری آنکھ کی بھی خنکی ہوگا تو جس طرح اللہ نے آسیہ کو ہدایت یافتہ کر دیا اسی طرح فرعون کو بھی ہدایت یاب بنا دیتا۔

محمد بن وہب نے کہا حضرت ابن عباس نے فرمایا اگر اللہ کا دشمن آسیہ کی طرح موسیٰ کی بابت عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَا کہہ دیتا تو اللہ اس کو بھی فائدہ پہنچا دیتا لیکن اللہ نے اس کے لئے بدبختی لکھ دی تھی وہی بدنصیبی غالب آئی اور اس نے انکار کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ۭ اِنْ كَادَتْ

اور صبح کو موسیٰ کی ماں کے دل میں قرار نہ رہا قریب تھی

لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰي قَلْبِهَا

کہ ظاہر کردے بیقراری کو اگر نہ ہم نے گرہ دی ہوتی اُس کے دل پر

لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰

اس واسطے کہ رہے یقین کرنے والوں میں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل کی کیفیت:

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بچے کو دریا میں ڈال تو آئیں مگر ماں کی مامتا کہاں چین سے رہنے دیتی۔ رہ رہ کر موسیٰ کا خیال آتا تھا۔ دل سے قرار جاتا رہا۔ موسیٰ کی یاد کے سوا کوئی چیز دل میں باقی نہ رہی قریب تھا کہ صبر و ضبط کا رشتہ ہاتھ سے چھوٹ جائے اور عام طور پر ظاہر کر دیں کہ میں نے اپنا بچہ دریا میں ڈالا ہے کسی کو خبر ہو تو لاؤ لیکن خدائی الہام اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ کو یاد کرکے تسلی پاتی تھی۔ یہ خدا ہی کا کام تھا کہ اس کے دل کو مضبوط باندھ دیا کہ خدائی راز قبل از وقت کھلنے نہ پائے۔ اور تھوڑی دیر بعد خود موسیٰ کی والدہ کو عین الیقین حاصل ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ ضرور پورا ہو کر رہتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اکثر اہل تفسیر نے خالی ہونے کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ موسیٰ کی یاد کے علاوہ اس کا دل ہر بات سے خالی ہو گیا۔

حسن نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اس کا دل خالی ہو گیا وہ اس الہام کو بھول گئی جو اللہ نے اس کے دل میں پیدا کر دیا تھا کہ اس کو دریا میں ڈال دینا اور کچھ خوف و غم نہ کرنا۔ ہم ضرور اس کو لوٹا کر تیرے پاس پہنچا دیں گے۔ اور اس کو پیغمبر بنائیں گے۔ مگر شیطان نے اس سے آ کر کہا کیا تجھے یہ بات تو پسند نہیں کہ فرعون تیرے بچہ کو قتل کر دے اور تجھے اس کا اجر و ثواب ملے اور تو خود بچہ کو قتل کرنے کے درپے ہو رہی ہے اور اس کو دریا میں ڈال کر غرق کر رہی ہے (اس کا گناہ تو تجھ پر ہوگا اور اگر فرعون اس معصوم کو قتل کر دے گا تو تجھے اجر ملے گا) غرض جب اس کو اطلاع ملی کہ فرعون نے نیل میں موسیٰ کو پا لیا تو اس مصیبت نے اس کو اللہ کا وعدہ فراموش کرا دیا میں کہتا ہوں شاید اس کو اس

سے یہ خیال پیدا ہو گیا کہ ممکن ہے اس کے دل میں جو القاء ہوا تھا وہ غلط ہو کیونکہ اولیاء کا الہام ظنی ہوتا ہے قطعی نہیں ہوتا الہام میں غلطی ہو سکتی ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا قریب تھا کہ وہ کہہ دیتی ہائے بیٹا۔

مقاتل نے کہا جب اس نے صندوق کو دیکھا کہ دریا کی لہریں اس کو اوپر اٹھا کر پھر نیچے پٹک رہی ہیں اور وہ لہروں میں پھنسا ہوا ہے تو اس کو ڈوب جانے کا خطرہ اتنا ہوا کہ قریب تھا وہ چیخ پڑے (اور بات کھل جائے)

کلبی نے کہا جوان ہونے کے بعد جب حضرت موسیٰ کو فرعون کا بیٹا کہا جانے لگا اور آپ کی والدہ نے بھی یہ بات سنی تو اس کو یہ بات اتنی شاق گزری کہ قریب تھا وہ ظاہر کر دیتی کہ موسیٰ میرا بیٹا ہے۔

بعض اہل تفسیر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ والدہ موسیٰ کا دل غم و فکر سے خالی ہو گیا (اس کو کوئی غم نہ رہا) جب کہ اس نے سن لیا کہ موسیٰ کو فرعون نے بیٹا بنالیا ہے یہ بات سن کر اس کو اتنی خوشی ہوئی کہ خوشی سے مغلوب ہو کر وہ قریب تھا کہ ظاہر کر دیتی کہ موسیٰ میرا بیٹا ہے (میرے بیٹے کو فرعون نے بیٹا بنایا ہے)

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے سدی کا بیان نقل کیا ہے کہ جب موسیٰ کی بہن نے کہا کہ میں تم کو ایک ایسی عورت بتاتی ہوں کہ موسیٰ اس کا دودھ پی لے گا اور پھر ماں کو لے کر آ گئی اور موسیٰ نے ماں کے پستان کو منہ میں لے لیا تو قریب تھا کہ ماں بول اٹھتی یہ تو میرا ہی بیٹا ہے لیکن اللہ نے اس کو اظہار سے بچالیا۔

یوسف بن حسین نے کہا موسیٰ کی ماں کو دو حکم دیئے گئے تھے اور دو چیزوں کی ممانعت کی گئی اور دو بشارتیں دی گئی تھیں لیکن اس کو کسی سے کوئی فائدہ اس وقت تک نہیں پہنچا جب تک اللہ نے اس کی حفاظت نہیں کی اور اس کے دل کو مضبوط نہ کیا اور بے چینی کو سکون سے نہ بدلا تا کہ وہ ان مومنوں میں سے ہو جائے جو اللہ کے وعدہ پر پختہ بھروسہ رکھتے ہیں فرعون کے بیٹا بنانے پر بھروسہ نہ رکھے۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ فَبَصُرَتْ بِهِ

اور کہہ دیا اُس کی بہن کو پیچھے چلی جا پھر دیکھتی رہی اُس کو

عَنْ جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ

اجنبی ہو کر اور اُن کو خبر نہ ہوئی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن اپنے بھائی کے حالات کی جاسوسی:

یعنی جب فرعون کے محل سرا میں صندوق کھلا اور بچہ برآمد ہوا تو شہر میں شہرت ہو گئی۔ موسیٰ کی والدہ نے اپنی بیٹی کو (جو موسیٰ کی بہن تھی) حکم دیا کہ بچہ کا پتہ لگانے کے لئے چلی جا اور علیحدہ رہ کر دیکھ کیا ماجرا ہوتا ہے۔ لڑکی ہشیار تھی جہاں بچہ کے گرد بھیڑ لگی تھی وہاں بے تعلق اجنبی بن کر دور سے دیکھتی رہی۔ کسی کو پتہ نہ لگا کہ اس بچہ کی بہن ہے۔ (تفسیر عثمانی)

موسیٰ کی بہن موسیٰ کی ٹوہ لے رہی ہے اس قصہ میں یہ بھی آیا ہے کہ مریم الگ الگ جا رہی تھی اور نظر چرا کر دیکھتی جاتی تھی تا کہ لوگوں کو پتہ نہ چلے کہ وہ موسیٰ کو دیکھ رہی ہے۔ (تفسیر مظہری)

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے جب آپ کو صندوقچے میں ڈال کر فرعونیوں کے خوف کی وجہ سے دریا میں بہا دیا اور بہت پریشان ہوئیں اور سوائے خدا کے سچے رسول اپنے لخت جگر حضرت موسیٰ کے آپ کو کسی اور چیز کا خیال ہی نہ رہا صبر و سکون جاتا رہا دل میں بجز حضرت موسیٰ کی یاد کے اور کوئی خیال ہی نہیں آتا تھا، اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کی دل جمعی نہ کر دی جاتی تو وہ بے صبری میں راز فاش کر دیتیں لوگوں سے کہہ دیتیں کہ اس طرح میرا بچہ ضائع ہو گیا۔ لیکن خدا نے ان کا دل ٹھہرا دیا ڈھارس اور تسکین دے دی اور انہیں یقین کامل کرا دیا کہ تیرا بچہ تجھے ضرور مل جائے گا والدہ موسیٰ نے اپنی بڑی بچی سے جو ذرا سمجھدار تھیں فرمایا کہ بیٹی تم اس صندوق پر نظریں جما کر کنارے کنارے چلی جاؤ دیکھو کیا (انجام ہوتا ہے؟ مجھے خبر کرنا۔ تو یہ اُسے دور سے دیکھتی ہوئی چلیں لیکن اس انجان پن سے کہ کوئی اور نہ سمجھ سکے کہ یہ اُن کا خیال رکھتی ہوئی ساتھ ساتھ جا رہی ہیں۔ فرعون کے محل تک پہنچتے ہوئے اور وہاں سے ان کی لونڈیوں کو اُٹھاتے ہوئے تو آپ کی ہمشیرہ نے دیکھا پھر وہیں باہر کھڑی رہ گئیں کہ شاید کچھ معلوم ہو سکے کہ اندر کیا ہو رہا ہے وہاں یہ ہوا کہ جب حضرت آسیہؓ نے فرعون کو اُس کے خونی ارادے سے باز رکھا اور بچے کو اپنی پرورش میں لے لیا تو شاہی محل میں جتنی دایہ تھیں سب کو بچہ دیا گیا ہر ایک نے بڑی محبت و پیار سے انہیں دودھ پلانا چاہا لیکن بحکم خدا تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی کے دودھ کا ایک گھونٹ بھی نہ پیا آخر اپنی لونڈیوں کے ہاتھ باہر بھیجا کہ باہر کسی دایہ کو تلاش کرو اور جس کا دودھ یہ پیئے اُسے لے آؤ۔ چونکہ رب العالمین کو یہ منظور نہ تھا اُس کا نبی علیہ السلام اپنی والدہ کے سوا اور کسی کا دودھ پیئے اور اس میں سب سے بڑی مصلحت یہ تھی کہ اس بہانے حضرت موسیٰ اپنی ماں تک پہنچ جائیں۔ لونڈیاں جب آپ کو لے کر باہر نکلیں تو آپ کی بہن صاحبہ نے پہچان لیا لیکن ان پر ظاہر نہ کیا اور نہ انہیں خود کوئی پتہ چل سکا آپ کی والدہ گو پہلے تو بہت پریشان تھیں لیکن اس کے بعد خدا نے انہیں صبر و سکون دے دیا تھا اور وہ خاموش اور مطمئن تھیں بہن نے انہیں کہا کہ تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟ انہوں نے کہا کہ یہ بچہ کسی دائی کا دودھ نہیں پیتا ہم اس کے لئے کسی اور دایہ کی تلاش میں ہیں یہ سن کر ہمشیرہ کلیم اللہ نے فرمایا کہ اگر کہو تو میں ایک دائی کا پتہ دوں؟ ممکن ہے یہ بچہ ان کا دودھ پی لے وہ اسے پرورش کریں اور اس کی خیر خواہی کریں۔ یہ سن کر انہیں یہ شک گزرا کہ یہ لڑکی اس لڑکے کی اصلیت سے اور اس کے ماں باپ سے واقف ہے اسے گرفتار کر لیا اور اس سے پوچھا کہ تجھے کیا معلوم کہ وہ عورت

اس کی کفالت اور خیر خواہی کرے گی؟ اس نے فوراً جواب دیا سبحان اللہ کون نہ چاہے گا کہ شاہی دربار میں اس کی عزت ہو، انعام اکرام کی خاطر کون اس بچہ سے ہمدردی نہ کرے گا؟ ان کی سمجھ میں بھی آ گیا کہ ہمارا پہلا گمان غلط تھا یہ تو ٹھیک کہہ رہی ہے اسے چھوڑ دیا اور کہا اچھا چل اس کا مکان دکھا۔ یہ انہیں لے کر اپنے گھر آئیں اپنی والدہ کی طرف اشارہ کر کے کہا انہیں دیجئے۔ سرکاری آدمیوں نے انہیں دیا تو بچہ ان کا دودھ پینے لگا۔ فوراً یہ خبر حضرت آسیہؓ کو دی گئی اسے سن کر آپ بہت خوش ہوئیں انہیں اپنے محل میں بلوایا اور بہت کچھ انعام اکرام دیا لیکن یہ علم نہ تھا کہ فی الواقع یہی اس بچہ کی والدہ ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ

اور روک رکھا تھا ہم نے موسیٰ سے دائیوں کو پہلے سے پھر بولی

هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ

میں بتلاؤں تم کو ایک گھر والے کہ اس کو پال دیں

لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ ﴿١٢﴾

تمہارے لئے اور وہ اس کا بھلا چاہنے والے ہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام دوبارہ اپنی والدہ کی گود میں:

یعنی فرعون کی بیوی نے اس ملعون کو بھی بچہ کی پرورش پر راضی کر لیا تو دودھ پلانے کی فکر ہوئی اور دائیاں طلب کی گئیں۔ مگر قدرت نے پہلے ہی سے بند لگا دیا تھا موسیٰ اپنی ماں کے سوا کسی کا دودھ نہ پکڑے۔ سخت تشویش تھی کہ کہاں سے مرضعہ لائی جائے جس کا دودھ بچہ منہ کو لگا سکے۔ موسیٰ کسی عورت کا دودھ نہ پیتے تھے۔ فرعون کے آدمی اسی فکر و تجسس میں تھے کہ موسیٰ کی بہن نے کہا میں تم کو ایک گھرانے کا پتہ بتا سکتی ہوں جو امید ہے بچہ کو پال دیں گے اور جہاں تک ان کی طبائع کا اندازہ ہے بہت خیر خواہی اور غور و پرداخت سے پالیں گے کیونکہ شریف گھرانا ہے اور بادشاہ کے گھر سے انعام و اکرام کی بڑی توقعات ہوں گی۔ پھر تربیت میں کمی کیوں کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکی کے مشورہ کے موافق حضرت موسیٰ کی والدہ طلب کی گئیں بس بچہ کو چھاتی سے لگانا تھا کہ اس نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون کے گھر والوں کو بہت غنیمت معلوم ہوا کہ بچہ نے ایک عورت کا دودھ قبول کر لیا ہے بڑی خوشیاں منائی گئیں اور انعام و اکرام کئے گئے۔ مرضعہ نے عذر کیا کہ میں یہاں نہیں رہ سکتی، اپنے گھر لے جا کر اس کی پرورش کروں گی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام امن و اطمینان کے ساتھ پھر آغوش مادری میں پہنچ گئے۔ اور فرعون کے یہاں سے جو روزینہ ان کی ماں کا مقرر ہوا وہ مفت میں رہا۔ (تفسیر عثمانی)

ہر عورت کی پستان کو روک دیا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا فرعون کی بیوی چاہتی تھی کہ کسی طرح کسی دودھ پلانے والی کا دودھ موسیٰ علیہ السلام پی لیں چنانچہ ایک کے بعد ایک دودھ پلانے والیاں آئیں مگر موسیٰ نے کسی کے پستان کو منہ نہیں لگایا موسیٰ علیہ السلام کی بہن یہ کیفیت دیکھتی رہی آٹھ راتیں یونہی گزر گئیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے کسی مرضعہ کا دودھ نہیں پیا اور چلاتے رہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کی تفتیش:

ابن جریج اور سدی نے هُمْ لَهُ نَاصِحُونَ کا مطلب یہ بیان کیا کہ وہ لوگ بادشاہ کے خیر خواہ ہیں موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ کہا تو لوگوں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا معلوم ہوتا ہے کہ تو اس کے گھر والوں کو جانتی ہے بتا وہ کون ہیں موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا مجھے تو اس کے گھر والے معلوم نہیں میں نے یہ کہا تھا کہ وہ لوگ بادشاہ کے خیر خواہ ہیں۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بھی سدی کا یہ قول نقل کیا ہے بعض روایات میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے جب باز پرس ہوئی تو اس نے کہا میں یہ بات بادشاہ کی خوشی کے لئے کہہ رہی تھی اور اس بات کو ظاہر کرنا تھا کہ ہمارا تعلق بادشاہ سے ہے بعض اہل روایات نے لکھا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے هَلْ أَدُلُّكُمْ کہا تو لوگوں نے کہا ایسا کون ہے اس نے کہا میری ماں ہے لوگوں نے پوچھا کیا تیری ماں کا کوئی لڑکا ہے ہمشیرہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہاں ہارون ہے (حضرت ہارون اس سال پیدا ہوئے تھے جس سال لڑکوں کو قتل نہیں کیا جاتا تھا) لوگوں نے کہا تو نے ٹھیک کہا تو ہمارے پاس لے آ لڑکی نے اپنی ماں سے جا کر پوری بات کہہ دی اور اس کو اپنے ساتھ لے آئی موسیٰ علیہ السلام نے جو اپنی ماں کی خوشبو سونگھی تو پستان کو منہ لگا دیا اور پینے لگے اور اتنا پیا کہ دونوں کوکھیں بھر گئی سدی نے کہا روز کی اجرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو ایک دینار ملتی تھی اور وہ اس لئے لے لیتی تھیں کہ وہ حربی کافر کا مال تھا۔ (تفسیر مظہری)

فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ

پھر ہم نے پہنچا دیا اسکو اسکی ماں کی طرف کہ ٹھنڈی رہے اسکی آنکھ اور غمگین

وَلِتَعْلَمَ أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ

نہ ہو اور جانے کہ اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے

یعنی "إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ" میں جو دو وعدے کئے تھے ایک تو آنکھوں سے دیکھ لیا کہ کس حیرت انگیز طریقہ سے پورا ہو کر رہا۔ اور دوسرے کو اسی پر قیاس کرنے کا موقع ملا کہ بلاشبہ وہ بھی اپنے وقت پر پورا ہو کر رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

پورا کلام اس طرح تھا لوگوں نے حضرت موسیٰ کی بہن سے کہا بتا وہ کون

عورت ہے موسیٰ کی بہن نے اپنی ماں کا پتہ بتایا لوگوں نے کہا اپنی ماں کو بلالا وہ جا کر ماں کو لے آئی لوگوں نے موسیٰ کی ماں کی گود میں بچہ کو رکھ دیا ماں نے دودھ پلایا بچہ نے پی لیا لوگوں نے بچہ کو موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے سپرد کر دیا اس طرح ہم موسیٰ کو ماں کے پاس واپس لے آئے۔ (تفسیر مظہری)

وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

پر بہت لوگ نہیں جانتے

یعنی وعدہ اللہ کا پہنچ کر رہتا ہے ہاں بیچ میں بڑے بڑے پھیر پڑ جاتے ہیں۔اس میں بہت لوگ بے یقین ہونے لگتے ہیں (موضح) (تفسیر عثانی)

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا

اور جب پہنچ گیا اپنے زور پر اور سنبھل گیا دی ہم نے اس کو حکمت

وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾

اور سمجھ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکی والوں کو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم وحکمت کی عطاء:

یعنی موسیٰ علیہ السلام جب اپنی بھرپور جوانی کو پہنچے تو ہم نے اُن کو بہت حکمت کی باتیں سمجھائیں اور خصوصی علم وفہم عطا فرمایا کیونکہ بچپن ہی سے وہ نیک کردار تھے۔ایسے ہونہار کو ہم اسی طرح نوازا کرتے ہیں۔ (تفسیر عثانی)

حکما یعنی نبوت علما یعنی اللہ اور اس کے احکام کی معرفت بعض کے نزدیک اس سے نبی بنانا مراد نہیں ہے کیونکہ نبوت تو مصر سے ہجرت کرنے کے بعد مدین سے واپسی میں ملی تھی بلکہ اس سے مراد ہے دانش اور احکام شرعی کا علم۔ میں کہتا ہوں واو مطلق عطف کے لئے آتا ہے ترتیب ضروری نہیں۔ نبوت اگرچہ ہجرت کے بعد ملی تھی لیکن اس جگہ پہلے ذکر کرنا اس وعدہ کی تکمیل کو ظاہر کر رہا ہے جو آپ کی والدہ سے اللہ نے فرمایا تھا اور ارشاد فرمایا ہے اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۔ (تفسیر مظہری)

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اشد کے لفظی معنی قوت وشدت کی انتہا پر پہنچنا ہے یعنی انسان بچپن کے ضعف سے تدریجاً قوت وشدت کی طرف بڑھتا ہے ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس کے وجود میں جتنی قوت وشدت آسکتی تھی وہ پوری ہو جائے اس وقت کو اشد کہا جاتا ہے اور یہ زمین کے مختلف خطوں اور قوموں کے مزاج کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے کسی کا اشد کا زمانہ جلد آجاتا ہے کسی کا دیر میں، لیکن حضرت ابن عباسؓ اور مجاہد سے بروایت عبدابن حمید یہ منقول ہے کہ اشد عمر کے تینتیس سال میں ہوتا ہے اسی کو سن کمال یا سن وقوف کہا جاتا ہے جس میں بدن کا نشوونما ایک حد پر پہنچ کر رک جاتا ہے اس کے بعد چالیس کی عمر تک وقوف کا زمانہ ہے اسی کو استویٰ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے چالیس سال کے بعد انحطاط اور کمزوری شروع ہو جاتی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ عمر کا اشد تینتیس سال کی عمر سے شروع ہو کر چالیس سال تک رہتا ہے۔ (روح وقرطبی)

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ

اور آیا شہر کے اندر جس وقت

غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا

بے خبر ہوئے تھے وہاں کے لوگ

یعنی حضرت موسیٰ جوان ہو کر ایک روز شہر میں پہنچے جس وقت لوگ غافل پڑے سو رہے تھے شاید رات کا وقت ہوگا یا دوپہر ہوگی۔ (تفسیر عثانی)

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا المدینہ سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک شہر مصر ہے۔اس میں داخل ہونے کے لفظ سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام مصر سے باہر کہیں گئے ہوئے تھے پھر ایک روز اس شہر میں ایسے وقت داخل ہوئے جو عام لوگوں کی غفلت کا وقت تھا آگے قتل قبطی کے قصہ میں اس کا بھی تذکرہ ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت و رسالت کا اور دین حق کا اظہار شروع کر دیا تھا اسی کے نتیجہ میں کچھ لوگ اُن کے مطیع وفرمانبردار ہو گئے تھے جو اُن کے متبعین کہلاتے تھے مِنْ شِيْعَتِهٖ کا لفظ اس پر شاہد ہے۔ان تمام قرائن سے اس روایت کی تائید ہوتی ہے جو ابن اسحٰق اور ابن زید سے منقول ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے ہوش سنبھالا اور دین حق کی کچھ باتیں لوگوں سے کہنے لگے تو فرعون ان کا مخالف ہو گیا اور قتل کا ارادہ کیا مگر فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کی درخواست پر ان کے قتل سے باز آیا مگر اُن کو شہر سے نکالنے کا حکم دے دیا۔اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر میں کسی جگہ رہنے لگے اور کبھی کبھی چھپ کر مصر شہر میں آتے تھے، اور عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک دوپہر کا وقت ہے جبکہ لوگ قیلولہ میں تھے (قرطبی) (مفتی اعظم)

فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۡ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ

پھر پائے اُس میں دو مرد لڑتے ہوئے یہ ایک اُس کے رفیقوں

وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِىْ مِنْ شِيْعَتِهٖ

میں اور یہ دوسرا اُس کے دشمنوں میں پھر فریاد کی اُس سے اُس نے جو تھا اس کے رفیقوں میں

عَلَى الَّذِىْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى

اُسکی جو تھا اُس کے دشمنوں میں پھر مکا مارا اُس کو موسیٰ نے پھر اس کو

عَلَيْهِ ۖ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۖ اِنَّهٗ عَدُوٌّ

تمام کردیا بولا یہ ہوا شیطان کے کام سے بیشک وہ دشمن

مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۞ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ

ہے بہکانے والا صریح بولا اے میرے رب میں نے بُرا کیا اپنی جان کا

فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۞

سو بخش مجھ کو پھر اس کو بخش دیا بیشک وہی ہے بخشنے والا مہربان

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قبطی کی موت:

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جوان ہوئے، فرعون کی قوم سے بسبب اُن کے ظلم وکفر کے بیزار رہتے اور بنی اسرائیل اُن کے ساتھ لگے رہتے تھے، اُن کی والدہ کا گھر شہر سے باہر تھا۔ حضرت موسیٰ کبھی وہاں جاتے کبھی فرعون کے گھر آتے۔ فرعون کی قوم (قبط) اُن کی دشمن تھی کہ غیر قوم کا شخص ہے ایسا نہ ہو کہ زور پکڑ جائے۔ ایک روز دیکھا کہ دو شخص آپس میں لڑ رہے ہیں۔ ایک اسرائیلی دوسرا قبطی۔ اسرائیلی نے موسیٰ کو دیکھ کر فریاد کی کہ مجھے اس قبطی کے ظلم سے چھڑاؤ کہتے ہیں قبطی فرعون کے مطبخ کا آدمی تھا۔ موسیٰ پہلے ہی قبطیوں کے ظلم وستم کو جانتے تھے۔ اس وقت آنکھ سے اُس کی زیادتی دیکھ کر رگ حمیت پھڑک اُٹھی۔ ممکن ہے سمجھانے بجھانے میں قبطی نے موسیٰ علیہ السلام کو بھی کوئی سخت لفظ کہا ہو جیسا کہ بعض تفاسیر میں ہے۔ غرض موسیٰ علیہ السلام نے اس کی تادیب و گوشمالی کے لئے ایک گھونسہ رسید کیا، ماشاء اللہ بڑے طاقتور جوان تھے ایک ہی گھونسہ میں قبطی نے پانی نہ مانگا۔ خود موسیٰ علیہ السلام کو بھی یہ اندازہ نہ تھا کہ ایک گھونسہ میں اس کمبخت کا کام تمام ہو جائے گا۔ پچھتائے کہ بے قصد خون ہو گیا۔ مانا کہ قبطی کافر حربی تھا، ظالم تھا، اور موسیٰ علیہ السلام کی نیت بھی محض ادب دینے کی تھی، جان سے مار ڈالنے کی نہ تھی۔ مگر ظاہر ہے اس وقت کوئی معرکہ جہاد نہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے قبطی قوم کو کوئی الٹی میٹم نہیں دیا تھا۔ بلکہ مصر میں اُن کو بود و ماند کا شروع سے جو طرز عمل رہا تھا اس سے لوگ مطمئن تھے کہ وہ یونہی کسی کی جان و مال لینے والے نہیں پھر ممکن ہے غیظ وغضب کے جوش میں معاملہ کی تحقیق بھی سرسری ہوئی ہو اور مکا مارتے وقت پوری طرح اندازہ نہ رہا ہو کہ کتنی ضرب تادیب کے لئے کافی ہے اُدھر اس بلا ارادہ قتل سے اندیشہ تھا کہ فرقہ وارانہ اشتعال پیدا ہو کر دوسرے مصائب وفتن کا دروازہ نہ کھل جائے۔ اس لئے اپنے فعل پر نادم ہوئے۔ اور سمجھے کہ اس میں کسی درجہ تک شیطان کا دخل ہے انبیاء علیہم السلام کی فطرت ایسی پاک وصاف اور اُن کی استعداد اس قدر اعلیٰ ہوتی ہے کہ نبوت ملنے سے پیشتر ہی وہ اپنے ذرہ ذرہ عمل کا محاسبہ کرتے ہیں اور ادنیٰ سی لغزش یا خطائے اجتہادی پر بھی حق تعالیٰ سے رو رو کر معافی مانگتے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے اپنی تقصیرات کا اعتراف کر کے معافی چاہی جو دے دی گئی اور غالباً اس معافی کا علم اُن کو بذریعہ الہام وغیرہ ہوا ہوگا۔ آخر پیغمبر لوگ نبوت سے پہلے ولی تو ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سوال: یہ قبطی حربی کافر تھا موسیٰ علیہ السلام نے اس کے قتل کو عمل شیطان اور گناہ کیوں قرار دیا؟

جواب: یہ ہے کہ معاہدہ جیسے قولی اور تحریری ہوتا ہے اسی طرح معاہدہ عملی بھی ہوتا ہے اس کی پابندی لازمی اور خلاف ورزی عہد شکنی کے مرادف ہے۔

معاہدہ عملی کی صورت یہ ہے کہ جس جگہ مسلمان اور کچھ غیر مسلم کسی دوسری حکومت میں باہمی امن واطمینان کے ساتھ رہتے بستے ہوں۔ ایک دوسرے پر حملہ کرنا یا لوٹ مار کرنا طرفین سے غداری سمجھا جاتا ہو تو اس طرح کی معاشرت اور معاملات بھی ایک قسم کا عملی معاہدہ ہوتے ہیں ان کی خلاف ورزی جائز نہیں اس کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی وہ طویل حدیث ہے جس کو امام بخاری کی کتاب الشروط میں مفصل روایت کیا ہے اور واقعہ اس کا یہ تھا کہ حضرت مغیرہ ابن شعبہ قبل از اسلام اپنے زمانہ جاہلیت میں ایک جماعت کفار کے ساتھ مصاحبت اور معاشرت رکھتے تھے پھر ان کو قتل کر کے ان کے اموال پر قبضہ کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے اور جو مال ان لوگوں کا لیا تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا اس پر آپ نے ارشاد فرمایا، اما الاسلام فاقبل واما المال فلست منه فی شیء اور ابوداؤد کی روایت میں اس کے الفاظ یہ ہیں، اما المال فمال غدر لا حاجة لنا فیه، یعنی آپ کا اسلام تو ہم نے قبول کر لیا اور اب آپ مسلمان ہیں مگر یہ مال ایسا مال ہے جو غدر اور عہد شکنی سے حاصل ہوا ہے اس لئے ہمیں اس مال کی کوئی حاجت نہیں شارح بخاری حافظ ابن حجر نے شرح میں فرمایا کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ کفار کا مال حالت امن میں لوٹ لینا حلال نہیں کیونکہ ایک بستی کے رہنے والے یا ایک ساتھ کام کرنے والے ایک دوسرے سے اپنے کو مامون سمجھتے ہیں اُن کا یہ عملی معاہدہ بھی ایک امانت ہے جس کا صاحب امانت کو ادا کرنا فرض ہے چاہے وہ کافر ہو یا مسلم۔ اور کفار کے اموال جو مسلمانوں کے لئے حلال ہوتے ہیں تو وہ صرف محاربہ اور مغالبہ کی صورت میں حلال ہوتے ہیں، حالت امن وامان میں جبکہ ایک دوسرے سے اپنے کو مامون سمجھ رہا ہو کسی کافر کا مال لوٹ لینا جائز نہیں اور قسطلانی نے شرح بخاری میں فرمایا:

ان اموال المشرکین ان کانت مغنومة عند القهر فلا یحل اخذها عند الامن فاذا کان الانسان مصاحباً لهم فقد امن کل واحد منهم صاحبه فسفک الدماء و اخذ المال مع ذلک غدر حرام الا ان ینبذ الیهم عهدهم علیٰ سواء

بیشک مشرکین کے اموال جنگ اور جہاد کے وقت مغنوم ومباح ہیں لیکن امن کی حالت میں حلال نہیں اس لئے جو مسلمان کفار کے ساتھ رہتا سہتا ہو کہ عملی طور پر ایک دوسرے سے مامون ہو تو ایسی حالت میں کسی کافر کا خون بہانا یا مال زبردستی لینا غدر حرام ہے جب تک کہ اُن کے اس عملی معاہدہ سے دست برداری کا اعلان نہ کر دے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قبطی کا قتل اس عملی معاہدہ کی بنا پر اگر بالقصد ہوتا تو جائز نہیں تھا مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے قتل کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ اسرائیلی شخص کو اس کے ظلم سے بچانے کے لئے ہاتھ کی ضرب لگائی جو عادۃً سبب قتل نہیں ہوتی مگر قبطی اس ضرب سے مر گیا تو موسیٰ علیہ السلام کو یہ احساس ہوا کہ اس کو دفع کرنے کے لئے اس ضرب سے کم درجہ بھی کافی تھا یہ زیادتی میرے لئے درست نہ تھی۔

مسئلہ: اول یہ ہے کہ مظلوم اگرچہ کافر یا فاسق ہی ہو اُس کی امداد کرنا چاہیے، دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ کسی مجرم ظالم کی مدد کرنا جائز نہیں۔ علماء نے اس آیت سے استدلال فرما کر ظالم حکام کی ملازمت کو بھی ناجائز قرار دیا ہے کہ وہ بھی اُن کے ظلم کے شریک سمجھے جائیں گے اور اس پر سلف صالحین سے متعدد روایات نقل کی ہیں (کما فی روح المعانی) کفار یا ظالموں کی امداد و اعانت کی مختلف صورتیں ہیں اور ان کے احکام کتب فقہ میں مفصل مذکور ہیں۔ احقر نے احکام القرآن میں بزبان عربی اسی آیت کے ذیل میں اس مسئلہ کی پوری تحقیق و تنقیح لکھ دی ہے اہل علم اس کو دیکھ سکتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

قبطی اور اسرائیلی کا جھگڑا:

استغاثہ مدد طلب کرنا۔ اسرائیلی نے قبطی کے مقابلہ میں موسیٰ علیہ السلام سے مدد مانگی موسیٰ کو سخت غصہ آیا قبطی اسرائیلی کو پکڑے ہوئے تھا اور اتنی بات جانتا تھا کہ موسیٰ بنی اسرائیل کی نظر میں محترم ہیں اور موسیٰ بھی ان کی پاسداری کرتے ہیں اور عام لوگ اتنا ہی جانتے تھے کہ موسیٰ کو ایک اسرائیلی عورت نے دودھ پلایا ہے اس لئے موسیٰ بنی اسرائیل کا پاس لحاظ رکھتے ہیں۔

آپ نے فرعون کے آدمی سے کہا اس کو چھوڑ دے (وہ شاہی سپاہی تھا) اس نے کہا ہم تو اس کو اس لئے پکڑ رہے ہیں کہ یہ لکڑیاں اٹھا کر آپ کے والد کے باورچی خانہ میں پہنچا دے (یعنی بیگار میں پکڑ رہے ہیں) موسیٰ اس سے جھگڑنے لگے فرعونی بولا اب تو میں نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ لکڑیاں ان تیرے اوپر لاد کر پہنچاؤں گا۔ حضرت موسیٰ قد آور بھی تھے اور بہت زیادہ طاقتور بھی آپ نے اس کے ایک گھونسہ رسید کر دیا وہ فوراً مر گیا۔ (تفسیر مظہری)

قبطی کے قتل کی قانونی حیثیت:

قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ کہا یہ شیطانی حرکت ہوگئی بے شک شیطان (آدمی کا) کھلا ہوا دشمن ہے غلطی میں ڈال دیتا ہے۔

حضرت موسیٰ نے اس فعل کو شیطانی حرکت اس لئے قرار دیا کہ اس وقت آپ کو کافروں کے قتل کرنے کا حکم نہیں تھا اور ان لوگوں کے اندر آپ محفوظ بھی تھے ان میں سے کسی کو اچانک قتل کر دینا آپ کے لئے جائز نہ تھا۔ لیکن یہ قتل خطا تھا قصداً نہ تھا اس لئے اس کو عصمت انبیاء کے خلاف نہیں قرار دیا جا سکتا موسیٰ نے اس فعل کو شیطانی حرکت شمار کیا اور ظلم سمجھا اور پھر استغفار کی اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپ مقرب بندوں میں سے تھے حقیر فروگزاشت کو بھی عظیم گناہ جانتے تھے اہل قرب کی یہی حالت ہوتی ہے (اگر ان سے ادنیٰ غلطی ہو جائے تو وہ اس کو گناہ کبیرہ سمجھتے ہیں اور پھر استغفار کرتے ہیں)۔

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَاغْفِرْ لِىْ فَغَفَرَ لَهٗ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ موسیٰ نے کہا اے میرے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا (کہ تیرے حکم کے بغیر ایک شخص میرے ہاتھ سے مارا گیا) سو میرے اس قصور کو تو معاف فرما دے اللہ نے موسیٰ کو معاف کر دیا بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے۔ یعنی اللہ نے اپنا حق معاف کر دیا اور قبطی چونکہ معصوم الدم نہ تھا کہ جس کو قتل کرنا موجب قصاص و دیت ہوتا اس لئے وارثوں سے معاف کرانے کی ضرورت ہی نہ تھی نہ (قیامت کے دن) مقتول کے عفو کرنے کی ضرورت ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ

بولا اے رب جیسا تو نے فضل کر دیا مجھ پر پھر میں

اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ

کبھی نہ ہوں گا مددگار گنہگاروں کا

یعنی آپ نے جیسے اپنے فضل سے مجھ کو عزت، راحت، قوت عطا فرمائی اور میری تقصیرات کو معاف کیا اس کا شکر یہ ہے کہ میں آئندہ کبھی مجرموں کا مددگار نہ ہوں گا۔ شاید اس فریادی (اسرائیلی) کی بھی کچھ تقصیر معلوم ہوئی ہو گی، مجرم اُسے کہا ہو۔ یا مجرمین سے کفار اور ظالم لوگ مراد ہوں یعنی تیری دی ہوئی قوتوں کو آئندہ بھی کبھی اُن کی حمایت واعانت میں خرچ نہ کروں گا یا مجرمین سے شیاطین مراد ہوں یعنی شیاطین کے مشن میں اُن کا مددگار کبھی نہ ہوں گا کہ وہ وسوسہ اندازی کر کے مجھ سے ایسا کام کرا دیں جس پر بعد کو پچھتانا پڑے۔ وہ وقوع جرم کا سبب بنا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَاۗىِٕفًا يَّتَرَقَّبُ

پھر صبح کو اُٹھا اُس شہر میں ڈرتا ہوا انتظار کرتا ہوا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اندیشہ:

یعنی انتظار کرتے اور راہ دیکھتے تھے کہ مقتول کے وارث فرعون کے پاس فریاد

لے گئے ہوں گے دیکھئے کس پر جرم ثابت ہو اور مجھ سے کیا سلوک کریں۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِذَا الَّذِی اسْتَنْصَرَہٗ بِالْاَمْسِ یَسْتَصْرِخُہٗ

پھر ناگہاں جس نے کل مدد مانگی تھی اُس سے آج پھر فریاد کرتا ہے اُس سے

اسرائیلی کی دوسری لڑائی:

یعنی اُسی اسرائیلی کی لڑائی آج کسی اور سے ہو رہی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

یستصرخہٗ، ان سے فریاد کر رہا ہے (مدد مانگ رہا ہے) یہ صراخ سے مشتق ہے (صراخ کا معنی ہے چیخنا فریاد کرنا) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا لوگ فرعون کے پاس آئے اور کہا بنی اسرائیل نے ہمارا ایک آدمی مار ڈالا ہمارا حق (قصاص) دلوایئے فرعون نے کہا قاتل کو تلاش کرو اور گواہوں کو پیش کرو بغیر شہادت کے تو فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ لوگ تلاش میں گھومنے لگے لیکن کوئی یقینی شہادت نہ مل سکی اتفاقاً دوسرے روز موسیٰ جا رہے تھے کہ کل (والے) اسرائیلی کو کسی فرعونی سے لڑتے دیکھا اسرائیلی نے فریاد کی اور فرعونی کے خلاف موسیٰ سے مدد مانگی موسیٰ کل کے ہی قصور پر نادم تھے کہ ان کے ہاتھ سے ایک قبطی مارا گیا تھا اسرائیلی سے کہا تو ہی کج راہ ہے تیری کج راہی کھلی ہوئی ہے کل ایک شخص کے مارے جانے کا تو ہی سبب بنا اور آج ایک اور آدمی سے لڑ رہا ہے اور مجھ سے مدد مانگ رہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ لَہٗ مُوْسٰٓی اِنَّکَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ

کہا موسیٰ نے بیشک تو بے راہ ہے صریح

یعنی روز ظالموں سے الجھتا ہے اور مجھ کو لڑواتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ یَّبْطِشَ بِالَّذِیْ

پھر جب چاہا کہ ہاتھ ڈالے اس پر جو

ہُوَ عَدُوٌّ لَّہُمَا قَالَ یٰمُوْسٰٓی اَتُرِیْدُ

دشمن تھا اُن دونوں کا بول اٹھا اے موسیٰ کیا تو چاہتا ہے

اَنْ تَقْتُلَنِیْ کَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ

کہ خون کرے میرا جیسے خون کر چکا ہے کل ایک جان کا

راز کا فاش ہونا:

ہاتھ ڈالنا چاہا اس ظالم پر۔ بول اُٹھا مظلوم جانا کہ زبان سے مجھ پر غصہ کیا ہے، ہاتھ بھی مجھ پر چلائیں گے۔ وہ کل کا خون چھپا رہا تھا کہ کس نے کیا، آج اُس کی زبان سے مشہور ہوا۔ (موضح) (تفسیر عثمانی)

قبطی نے جب اسرائیلی کا یہ قول سنا کہ اس نے موسیٰ کو مخاطب کر کے کہا اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ کَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ تو سمجھ لیا گیا کہ کل جو قبطی مارا گیا تھا اس کے قاتل موسیٰ ہیں اور فوراً فرعون کو جا کر اطلاع دے دی فرعون نے موسیٰ کو قتل کرنے کا حکم دے دیا حضرت موسیٰ نے لوگوں کے اقوال سن لئے تھے کہ عام لوگ کہہ رہے تھے کہ موسیٰ قاتل ہے اور یہ اطلاع فرعون کے پاس بھی پہنچ گئی تھی اور لوگ حضرت موسیٰ کو قتل کرنے کے درپے ہو گئے تھے (بہر حال فرعون کو خبر پہنچ گئی اور فرعون کے درباری آپ کے قتل کا مشورہ کرنے لگے) (تفسیر مظہری)

اِنْ تُرِیْدُ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ

تیرا یہی جی چاہتا ہے کہ زبردستی کرتا پھرے ملک میں

وَمَا تُرِیْدُ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ ۝

اور نہیں چاہتا کہ ہو صلح کرا دینے والا

یعنی زور زبردستی سے قتل کرنا ہی آتا ہے یہ نہیں کہ سمجھا بجھا کر فریقین میں صلح کرا دے۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَۃِ یَسْعٰی

اور آیا شہر کے پرلے سرے سے ایک مرد دوڑتا ہوا

قَالَ یٰمُوْسٰٓی اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِکَ لِیَقْتُلُوْکَ

کہا اے موسیٰ دربار والے مشورہ کرتے ہیں تجھ پر کہ تجھ کو مار ڈالیں

فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَکَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ ۝

سو نکل جا میں تیرا بھلا چاہنے والا ہوں

فرعون کے مشورے:

یعنی خون کی خبر فرعون کو پہنچ گئی۔ وہاں مشورے ہوئے کہ غیر قوم کے آدمی کا یہ حوصلہ ہو گیا ہے کہ شاہی قوم کے افراد اور سرکاری ملازموں کو قتل کر ڈالے۔ سپاہی دوڑائے گئے کہ موسیٰ کو گرفتار کر کے لائیں شاید مل جاتے تو قتل کرتے، اُسی مجمع میں سے ایک نیک طینت کے دل میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی خیر خواہی ڈال دی۔ وہ جلدی کر کے مختصر راستہ سے بھاگتا ہوا آیا۔ اور حضرت موسیٰ کو واقعہ کی اطلاع کر کے مشورہ دیا کہ تم فوراً شہر سے نکل جاؤ۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ یہ سُنایا ہمارے پیغمبر کو کہ لوگ اُن کی جان لینے کی فکر کریں گے اور وہ بھی وطن سے نکلیں گے۔ چنانچہ کافر سب اکٹھے ہوئے تھے کہ ان پر مل کر چوٹ کریں، اُسی رات میں آپ وطن سے ہجرت کر گئے۔ (تفسیر عثمانی)

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِىْ
پھر نکلا وہاں سے ڈرتا ہوا راہ دیکھتا بولا اے رب بچا لے
مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ
مجھ کو اس قوم بے انصاف سے اور جب منہ کیا
مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّىْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِىْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ
مدین کی سیدھ پر بولا اُمید ہے کہ میرا رب لے جائے مجھ کو سیدھی راہ پر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین کی طرف سفر:

حضرت موسیٰ مصر سے نکل کھڑے ہوئے، راہ سے واقف نہ تھے اللہ سے درخواست کی کہ سیدھی راہ پر چلائے۔ اُس نے مدین کی سیدھی سڑک پر ڈال دیا۔ جہاں پہنچ کر انہیں امن و اطمینان کے ساتھ متاہل بنانا تھا۔ صرف یہ ہی نہیں بلکہ بہت دور تک کی سیدھی راہ پر لے چلنا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

زجاج نے کہا یعنی اس راستہ پر چل پڑے جو مدین پر پہنچتا تھا۔ مدین ایک بستی کا نام تھا جو حضرت ابراہیم کے صاحبزادے مدین کے نام پر آباد کی گئی تھی۔ موسیٰ پیدل نکلے تھے نہ سواری تھی نہ کھانے پینے کا سامان ساتھ تھا مدین مصر سے آٹھ منزل کے فاصلہ پر تھا اور فرعون کی حکومت سے خارج تھا۔

قال یعنی موسیٰ نے اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے کہا۔ موسیٰ کو اپنے رب پر پورا یقین تھا۔

مشکلات سفر:

اَنْ يَّهْدِيَنِىْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ یعنی امید ہے کہ اللہ مجھے سیدھے راستہ پر ڈال دے گا جس میں کوئی زحمت نہ ہوگی۔ موسیٰ کو مصر سے نکلتے وقت مدین کو جانے والا راستہ معلوم نہ تھا جب موسیٰ نے یہ الفاظ کہے کہ ایک فرشتہ (بصورت (انسانی) ہاتھ میں چھوٹا برچھا لئے نمودار ہوا اور موسیٰ کو لے چلا۔

اہل تفسیر نے لکھا ہے موسیٰ جب مصر سے نکلے تو کھانے کے لئے آپ کو صرف درختوں کے پتے اور سبزیاں ہی ملیں انہی کو کھاتے کھاتے آپ کو اجابت بھی سبز ہونے لگی اور مدین پہنچے ہیں تو ناخن گر چکے تھے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ کی طرف سے موسیٰ کی یہ پہلی آزمائش تھی۔ (تفسیر مظہری)

معارف ومسائل:

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ مدین، ملک شام کے ایک شہر کا نام ہے جو مدین بن ابراہیمؑ کے نام سے موسوم ہے۔ یہ علاقہ فرعونی حکومت سے خارج تھا، مصر سے مدین کی مسافت آٹھ منزل کی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعونی سپاہیوں کے تعاقب کا طبعی خوف پیش آیا، جو نہ نبوت و معرفت کے منافی ہے نہ توکل کے، تو مصر سے ہجرت کا ارادہ کیا اور مدین کی سمت شاید اس لئے متعین کی کہ مدین بھی اولاد ابراہیم علیہ السلام کی بستی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اُن کی اولاد میں تھے، اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام بالکل بے سروسامانی کے ساتھ اس طرح مصر سے نکلے کہ نہ کوئی توشہ ساتھ تھا نہ کوئی سامان اور نہ راستہ معلوم، اسی اضطرار کی حالت میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا عَسٰى رَبِّىْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِىْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ، یعنی امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھا راستہ دکھائے گا، اللہ تعالیٰ نے یہ دُعا قبول فرمائی۔ مفسرین کا بیان ہے کہ اس سفر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غذا صرف درختوں کے پتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ سب سے پہلا ابتلا، اور امتحان تھا۔

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً
اور جب پہنچا مدین کے پانی پر پایا وہاں ایک جماعت
مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۥ
لوگوں کی پانی پلاتے ہوئے

مدین پہنچنا: ''مدین'' ''مصر'' سے آٹھ دس دن کی راہ ہے۔ وہاں پہنچے بھوکے پیاسے دیکھا کنوئیں پر لوگ اپنے مویشی کو پانی پلا رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا
اور پایا اُن سے ورے دو عورتوں کو کہ روکے ہوئے کھڑی تھیں اپنی بکریاں، بولا تمہارا کیا حال ہے
قَالَتَا لَا نَسْقِىْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ
بولیں ہم نہیں پلاتیں پانی چرواہوں کے پھیر لے جانے تک

دو حیاء والی بیبیاں: وہ دونوں بکریاں لے کر حیا سے کنارے کھڑی تھیں۔ اتنی قوت نہ تھی کہ مجمع کو ہٹا دیں یا بذات خود بھاری ڈول نکال لیں۔ شاید اوروں سے بچا ہوا پانی پلاتی ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾
اور ہمارا باپ بوڑھا ہے بڑی عمر کا

بیبیوں کی مشکل:

یعنی ہمارا باپ جوان اور توانا ہوتا تو ہم کو آنا نہ پڑتا۔ وہ خود ان مردوں سے نبٹ لیا کرتا۔ (تفسیر عثمانی)

وَ اَبُوْنَا شَیْخٌ کَبِیْرٌ: یہ جواب بظاہر سوال کے مطابق نہیں معلوم ہوتا لیکن حقیقت میں سوال ہی کا جواب ہے کیونکہ حضرت موسیٰ کا مقصد تھا بکریوں کو روکے رکھنے کا سبب دریافت کرنا، باوجود یہ کہ پانی موجود تھا اور پلانے کی ضرورت بھی تھی عورتوں نے سبب بیان کردیا کہ ہم کمزور عورتیں ہیں مردوں میں قوت کے ساتھ گھس کر آگے بڑھنا ہماری طاقت سے باہر ہے پھر ہم کو مردوں سے اختلاط کرنے میں شرم بھی آتی ہے۔ باپ بہت زیادہ بوڑھے ہوگئے ہیں وہ خود یہ کام کرنہیں سکتے۔ شیخ کبیر کا کیا نام تھا بغوی نے لکھا ہے کہ مجاہد ضحاک سدی اور حسن کے نزدیک یہ بزرگ حضرت شعیب پیغمبر تھے وہب اور سعید بن جبیر نے یثرون کا نام تھا جو حضرت شعیب کے بھائی کا بیٹا تھا۔ حضرت شعیب کی وفات تو اس واقعہ سے پہلے نابینا ہونے کی حالت میں ہوچکی تھی اور آپ کو مقام ابراہیم اور زمزم کے درمیان دفن کردیا گیا تھا بعض اہل علم کا قول ہے کہ ایک اور مرد مؤمن تھا جو حضرت شعیب پر ایمان لے آیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

فَسَقٰى لَهُمَا
پھر اس نے پانی پلادیا اُن کے جانوروں کو

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بکریوں کو پانی پلوادیا:

پیغمبروں کے فطری جذبات و ملکات ایسے ہوتے ہیں، تھکے ماندے، بھوکے پیاسے تھے مگر غیرت آئی کہ میری موجودگی میں یہ صنف ضعیف ہمدردی سے محروم رہے۔ اُٹھے اور مجمع کو ہٹا کر یا اُن کے بعد کنویں سے تازہ پانی نکال کرلڑکیوں کے جانوروں کو سیراب کیا۔ (تفسیر عثمانی)

فَسَقٰى لَهُمَا پھر موسیٰ نے ان دونوں عورتوں (کی بکریوں کو پانی پلادیا)۔

حضرت ابن عباس کا بیان ہے حضرت موسیٰ لوگوں کو ہٹاتے ہوئے کنویں پر پہنچے اور عورتوں کی بکریوں کو پانی پلادیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ موسیٰ نے برابر والے کنویں کے منہ پر ڈھانکا ہوا پتھر اکھاڑ کر الگ کردیا یہ کنواں پہلے کنویں کے قریب تھا اور پتھر اتنا بڑا بھاری تھا کہ ایک جماعت ہی اس کو اٹھا سکتی تھی بعض لوگوں نے کہا دس آدمی اس کو اٹھاتے تھے بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے ایک ڈول پانی کھینچا اور برکت کی دعا کی ایک ہی ڈول سے سب بکریاں سیراب ہوگئیں۔ (تفسیر مظہری)

مذکورہ واقعہ سے حاصل شدہ چند اہم فوائد:

اس واقعہ سے چند اہم فوائد حاصل ہوئے اول یہ کہ ضعیفوں کی امداد انبیاء کی سنت ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو عورتوں کو دیکھا کہ بکریوں کو پانی پلانے کے لئے لائی ہیں مگر اُن کو لوگوں کے ہجوم کے سبب موقع نہیں مل رہا تو ان سے حال دریافت کیا۔ دوسرا یہ کہ اجنبی عورت سے بوقت ضرورت بات کرنے میں مضائقہ نہیں جب تک کہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ تیسرا یہ کہ اگرچہ یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جبکہ عورتوں پر پردہ لازم نہیں تھا جس کا سلسلہ اسلام کے بھی ابتدائی زمانہ تک جاری رہا۔ ہجرت مدینہ کے بعد عورتوں کے لئے پردہ کے احکام نازل ہوئے، لیکن اس وقت بھی پردہ کا جو اصل مقصد ہے وہ طبعی شرافت اور حیاء کے سبب عورتوں میں موجود تھا کہ ضرورت کے باوجود مردوں کے ساتھ اختلاط گوارا نہ کیا اور تکلیف اُٹھانا قبول کیا۔ چوتھا یہ کہ عورتوں کا اس طرح کے کاموں کے لئے باہر نکلنا اسوقت بھی پسندیدہ نہیں تھا اسی لئے انہوں نے اپنے والد کے معذور ہونے کا عذر بیان کیا۔ (مفتی اعظم)

ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ
پھر ہٹ کر آیا چھاؤں کی طرف بولا اے رب تو جو چیز
اَنْزَلْتَ اِلَىَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ
اُتارے میری طرف اچھی میں اس کا محتاج ہوں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اللہ سے دُعاء:

یعنی اے اللہ کسی عمل کی اجرت مخلوق سے نہیں چاہتا۔ البتہ تیری طرف سے کوئی بھلائی پہنچے اُس کا ہمہ وقت محتاج ہوں حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''عورتوں نے پہچانا کہ چھاؤں پکڑتا ہے مسافر ہے۔ دور سے آیا ہوا، تھکا، بھوکا۔ جا کر اپنے باپ سے کہا (وہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے علی القول المشہور) اُن کو دور کار تھا کہ کوئی مرد ملے نیک بخت جو بکریاں تھامے اور بیٹی بھی بیاہ دیں۔'' (موضح) (تفسیر عثمانی)

حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا موسیٰ جب مدین کے کنویں پر پہنچے تو وہاں کچھ لوگوں کو اپنے جانوروں کو پانی پلاتے پایا جب لوگ فارغ ہوکر وہاں سے ہٹ گئے اور پھر کنویں کے منہ پر رکھ دیا پھر اتنا بھاری تھا کہ دس آدمیوں سے کم اس کو اٹھا نہیں سکتے تھے حضرت موسیٰ نے دو عورتوں کو الگ کھڑے دیکھا پوچھا تمہاری اس کنارہ کشی کا کیا مقصد ہے عورتوں نے وجہ بیان کی حضرت موسیٰ نے جا کر پتھر اٹھادیا پھر پانی کھینچا اور صرف ایک ہی ڈول کھینچا تھا کہ سب بکریاں سیراب ہوگئیں عورتوں نے جا کر اپنے باپ سے واقعہ بیان کردیا اس کے بعد حضرت موسیٰ سایہ میں چلے گئے رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَىَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ، الخ۔ (تفسیر مظہری)

مِنْ خَيْرٍ یعنی کھانا تھوڑا ہو یا بہت۔ فَقِيْرٌ یعنی محتاج ہوں سائل ہوں چونکہ لفظ فقیر اپنے اندر سوال کا معنی رکھتا ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا موسیٰ نے اللہ سے ایک لقمہ طلب کیا جس سے اپنی کمر سیدھی کرسکیں۔ امام باقر نے فرمایا موسیٰ اس وقت چھوارے کے ایک ٹکڑے کے محتاج تھے اس لئے من خیر فقیر فرمایا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا حضرت موسیٰ نے رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ کہا حالانکہ آپ اللہ کے نزدیک بڑی عزت والے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت آپ چھوارے کے ایک ٹکڑے کے محتاج تھے۔

مجاہد نے کہا حضرت موسیٰ نے سواء خیر کے اور کچھ نہیں مانگا۔ بعض علماء نے کہا لما میں لام سببیہ ہے یعنی اے میرے رب چونکہ تو نے مجھے خیر عطا فرمائی ہے (خیر سے مراد ہے دین اور حکمت) اس لئے میں فقیر ہوں فرعون کی مذہبی مخالفت میں نے کی اس لئے میری یہ حالت ہوگی جب تک حضرت موسیٰ فرعون کے پاس رہے بڑے عیش سے رہے (پھر مخالفت مذہبی نے اختلاف پیدا کر دیا اور آخر یہ نوبت آ گئی کہ دانہ دانہ کو محتاج ہو گئے اس کلام سے حضرت موسیٰ کا مقصد تھا اظہار مسرت و ادائے شکر۔

میں کہتا ہوں اس تفسیر پر یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ موسیٰ نے کہا اے میرے رب تو نے مجھے دین اور علم عطا فرمایا میں محتاج ہوں اور تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ اس سے زیادہ مجھے عطا فرما یہی مضمون رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا کا ہے۔

میں کہتا ہوں انزلت کو نزل سے بھی مشتق قرار دیا جا سکتا ہے اور نزل کا معنی ہے طعام مہمانی یعنی اے میرے رب میرے لئے جو کچھ کھانا تو فراہم کر دے میں اس کا محتاج اور سائل ہوں۔ (تفسیر مظہری)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حالت:

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس کنویں کے منہ کو ان چرواہوں نے ایک بڑے پتھر سے بند کر دیا تھا جس چٹان کو دس آدمی مل کر سرکا سکتے تھے آپؑ نے تن تنہا اس پتھر کو ہٹا دیا اور ایک ہی ڈول نکالا تھا جس میں خدا نے برکت دی اور ان دونوں لڑکیوں کی بکریاں آسودہ ہو گئیں۔ اب آپؑ تھکے ہارے بھوکے پیاسے ایک درخت کے سائے تلے بیٹھ گئے۔ مصر سے مدین تک پیدل بھاگے دوڑے آئے تھے پیروں میں چھالے پڑ گئے تھے، کھانے کو کچھ پاس نہیں تھا درختوں کے پتے اور گھاس پھوس کھاتے رہے تھے پیٹ پیٹھ سے لگ رہا تھا اور گھاس کا سبز رنگ باہر سے نظر آ رہا تھا۔ آدھی کھجور سے بھی اس وقت آپؑ ترسے ہوئے تھے۔ حالانکہ اس وقت کی ساری مخلوق سے زیادہ برگزیدہ خدا تعالیٰ کے نزدیک آپ تھے، صلوات اللہ وسلامہٗ علیہ۔

وہ درخت جس کے سایہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بیٹھے تھے:

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دو رات کا سفر کر کے میں مدین گیا اور وہاں کے لوگوں سے اس درخت کا پتہ پوچھا جس کے نیچے خدا کے کلیم نے سہارا لیا تھا۔ لوگوں نے ایک درخت کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک سرسبز درخت ہے۔ میرا جانور بھوکا تھا اس نے اس میں منہ ڈالا پتے منہ میں لے کر بڑی دیر تک بدقت چباتا رہا لیکن آخر اس نے نکال ڈالے۔ میں نے کلیم خدا کے لئے دعا کی اور وہاں سے واپس لوٹ آیا۔ اور روایت میں ہے کہ آپ اس درخت کو دیکھنے کو گئے تھے جس سے خدا تعالیٰ نے آپ سے باتیں کی تھیں جیسے کہ آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ سدیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ببول کا درخت تھا۔ الغرض اس درخت تلے بیٹھ کر آپؑ نے خدا تعالیٰ سے دُعا کی کہ اے رب! میں تیرے احسانوں کا محتاج ہوں عطاؒ کا قول ہے کہ اس عورت نے بھی آپ کی دعا سنی۔ (تفسیر ابن کثیر)

قوم شعیب علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں:

طبرانی کی ایک حدیث میں ہے کہ جب حضرت سلمہ بن سعد غزی رضی اللہ عنہ اپنی قوم کی طرف سے ایلچی بن کر رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شعیبؑ کے قومی آدمی کو اور موسیٰؑ کی سسرال والے کو مرحبا ہو کہ تمہیں ہدایت کی گئی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حضرت شعیبؑ کے بھتیجے تھے کوئی کہتا ہے قوم شعیبؑ کے ایک مومن مرد تھے بعض کا قول ہے شعیب علیہ السلام کا زمانہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے بہت پہلے کا ہے ان کا قول قرآن میں اپنی قوم سے یہ مروی ہے کہ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ لوطؑ کی قوم تم میں سے کچھ دور نہیں۔ اور یہ بھی قرآن سے ثابت ہے کہ لوطیوں کی ہلاکت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی تھی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان کا زمانہ بہت لمبا زمانہ ہے، تقریباً چار سو سال کا جیسے اکثر مؤرخین کا قول ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْیَآءٍ
پھر آئی اس کے پاس اُن دونوں میں سے ایک چلتی تھی شرم سے

ایک بی بی کی واپسی:

جیسا کہ شریف اور پاکباز عورتوں کا قاعدہ ہے۔ کہتے ہیں کہ شرم کے مارے چہرہ چھپا کر بات کی۔ (تفسیر عثمانی)

بغویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا وہ عورت بے باک نہ تھی کہ بے جھجک مردوں میں گھستی پھرتی بلکہ موسیٰ کے پاس دبتی چھپتی، کُرتے کی آستین منہ پر ڈالے شرمائی آئی۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ
بولی میرا باپ تجھ کو بلاتا ہے کہ بدلے میں دے حق
اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا ؕ
اُس کا کہ تو نے پانی پلا دیا ہمارے جانوروں کو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے حضرت شعیبؑ کا پیغام:

حضرت موسیٰ اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کر رہے تھے۔ اس نے اپنے فضل سے غیر متوقع طور پر خیر بھیجی، تو قبول کیوں نہ کرتے۔ اُٹھ کر عورت کے ساتھ ہو لئے۔ لکھتے ہیں کہ چلتے وقت اُس کو ہدایت فرمائی کہ میں آگے چلوں گا تم پیچھے آؤ۔ مبادا اجنبیہ پر عمداً نظر کرنے کی نوبت آئے۔ چنانچہ وہ پیچھے پیچھے راستہ بتاتی اُن کو لے کر گھر پہنچی۔ (تفسیر عثمانی)

میں کہتا ہوں آیت إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا دلالت کر رہی ہے کہ عورت موسیٰ کو پانی پلانے کی اجرت دینے کے لئے بلانے آئی تھی اور اسی غرض سے موسیٰ کو طلب کیا تھا اور موسیٰ اس کے ساتھ گئے تھے۔

ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے جس نبی کو مبعوث فرمایا اس نے بکریاں ضرور چرائیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے بھی فرمایا میں اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط (دانگ یا چند جو چاندی) پر چراتا تھا۔ رواہ البخاری۔ ہم آگے ایک حدیث بھی ذکر کریں گے کہ حضرت موسیٰ نے اپنی شرمگاہ کی عفت اور بری شکم کے لئے آٹھ یا دس سال تک اپنے آپ کو کرایہ پر دے دیا تھا۔

نیکی پر اُجرت کا مسئلہ:

صحیح فیصلہ یہ ہے کہ تعلیم قرآن یا امامت یا اذان غرض اس عمل پر جو خود عبادت مقصودہ ہے یا عبادت مقصودہ کی شرط ہے اجرت لینا اور ٹھہرانا جائز نہیں ہاں جو امر بجائے خود مباح ہے (عبادت اور نیکی نہیں ہے) اور نیت صالحہ کے بعد وہ طاعت بن جاتا ہے اس کی اجرت لینی اور ٹھہرانی جائز ہے امام شافعی نے تو اذان کی اجرت کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ متاخرین حنفیہ نے بھی تعلیم قرآن کی اجرت کو درست مانا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ
پھر جب پہنچا اُس کے پاس اور بیان کیا اُس نے احوال کہا
لَا تَخَفْ ۫ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝
مت ڈر بچ آیا تو اُس قوم بے انصاف سے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت شعیب علیہ السلام کی تسلی وامان:

موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب کو اپنی ساری سرگزشت کہہ سنائی۔ انہوں نے تسلی دی اور فرمایا کہ اب تو اس ظالم قوم کے پنجہ سے بچ نکلا۔ انشاء اللہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے (مدین فرعون کی حدود سلطنت سے باہر تھا)۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۡ اِنَّ خَيْرَ
بولی اُن دونوں میں سے ایک اے باپ اس کو نوکر رکھ لے البتہ بہتر نوکر
مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ۝
جس کو تو رکھنا چاہے وہ ہے جو زور آور ہو امانتدار

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت وامانت:

یعنی موسیٰ میں دونوں باتیں موجود ہیں۔ زور دیکھا، ڈول نکالنے یا مجمع کو ہٹا دینے سے اور امانتدار سمجھا بے طمع اور عفیف ہونے سے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جس کو آپ کام پر رکھیں اس کا کام پورا کرنے کی طاقت رکھنا اور امانتدار ہونا ضروری ہے بہترین کارگزار وہی ہے جو طاقتور اور امانت دار ہو (اور ان میں یہ دونوں اوصاف موجود ہیں اس لئے یہ بہترین اجیر ہوں گے) استاجرت ماضی کا صیغہ بجائے مضارع کے بولنا اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ ان کے ان دونوں اوصاف کا تجربہ کیا جا چکا ہے۔

حضرت شعیبؑ کی صاحبزادی کی دانائی:

خطیب نے اپنی تاریخ میں حضرت ابوذر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس لڑکی سے اس کے باپ نے پوچھا تجھے اس کی قوت وامانت کا حال کیسے معلوم ہوا لڑکی نے کہا کنویں کے منہ سے اتنا بھاری پتھر اٹھا دیا جس کو دس آدمیوں سے کم (یا چالیس سے کم) نہیں اٹھاتے یہ تو اس کی طاقت ہے اور امین ہونے کا یہ ثبوت ہے کہ اس نے مجھ سے پیچھے پیچھے رہنے کو کہا تھا تاکہ ہوا کی وجہ سے میری کھلی پنڈلی پر اس کی نظر نہ پڑے۔

تین زیرک آدمی:

حضرت ابن مسعود نے فرمایا تین آدمی بڑے زیرک اور ہوشیار تھے شعیب کی لڑکی۔ یوسف کا ساتھی جس نے کہا تھا عسیٰ ان ینفعنا اور ابوبکر جنہوں نے اپنی زندگی میں عمر کو خلیفہ بنا دیا۔

اکثر اہل علم نے کہا چھوٹی سے نکاح کرایا تھا جس کا نام صفورہ تھا یہی لڑکی موسیٰ کو بلانے گئی تھی۔ بزار اور طبرانی نے حضرت انس کی روایت سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابوذر کی مرفوع روایت ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم سے دریافت کیا جائے کہ موسیٰ کا نکاح کس لڑکی سے کرایا تھا تو تم کہہ دینا چھوٹی سے کرایا تھا وہی موسیٰ کے پاس آئی تھی اور اس نے کہا تھا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ حضرت موسیٰ نے چھوٹی سے ہی نکاح کیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

ملازم میں دو صفتیں ہونا چاہئیں ایک کام کی قوت وصلاحیت دوسرے

امانداری۔ ان کے پتھر اٹھا کر پانی پلانے سے ان کی قوت وقدرت کا اور راستہ میں لڑکی کو اپنے پیچھے کر دینے سے امانداری کا تجربہ ہو چکا ہے۔

ملازمت یا عہدہ سپرد کرنے کے لئے دو اہم شرطیں:

حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی کی زبان پر اللہ تعالیٰ نے بڑی حکمت کی بات جاری فرمائی۔ آج کل سرکاری عہدوں اور ملازمتوں کے لئے کام کی صلاحیت اور ڈگریوں کو تو دیکھا جاتا ہے مگر دیانت وامانت کی طرف توجہ نہیں دی جاتی، اسی کا نتیجہ ہے کہ عام دفتروں اور عہدوں کی کارروائی میں پوری کامیابی کے بجائے رشوت خوری، اقرباء پروری وغیرہ کی وجہ سے قانون معطل ہو کر رہ گیا ہے۔ کاش لوگ اس قرآنی ہدایت کی قدر کریں تو سارا نظام درست ہو جائے۔ (مفتی اعظم)

قَالَ اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ

کہا میں چاہتا ہوں کہ بیاہ دوں تجھ کو ایک بیٹی اپنی دونوں میں سے

هٰتَیْنِ عَلٰٓی اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ

اس شرط پر کہ تو میری نوکری کرے آٹھ برس

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شادی:

شاید یہی خدمت لڑکی کا مہر تھا۔ ہمارے حنفیہ کے ہاں اب بھی اگر بالغہ راضی ہو تو اس طرح کی خدمت اقارب مہر ٹھہرا سکتا ہے (کذا نقله الشیخ الانور اطال الله بقاء) یہاں صرف نکاح کی ابتدائی گفتگو مذکور ہے۔ ظاہر ہے حضرت شعیب نے نکاح کرتے وقت ایک لڑکی کی تعیین اور اس کی رضامندی حاصل کر لی ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

بیٹی کے نکاح میں ایک نبوی طریقہ:

قَالَ اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ یعنی لڑکیوں کے والد حضرت شعیب علیہ السلام نے خود ہی اپنی طرف سے اپنی لڑکی کو ان کے نکاح میں دینے کا ارادہ ظاہر فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ لڑکیوں کے ولی کو چاہئے کہ کوئی مرد صالح ملے تو اسکا انتظار نہ کرے کہ اسی کی طرف سے نکاح کے معاملہ کی تحریک ہو، بلکہ خود بھی پیش کر دینا سنت انبیاء ہے جیسا کہ عمر بن خطابؓ نے اپنی صاحبزادی حضرت حفصہ کے بیوہ ہو جانے کے بعد از خود ہی صدیق اکبر اور عثمان غنیؓ سے اُن کے نکاح کی پیش کش کی تھی۔ (قرطبی)

اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ حضرت شعیب علیہ السلام نے دونوں لڑکیوں میں سے کسی کو معین کر کے گفتگو نہیں فرمائی بلکہ اس کو مبہم رکھا کہ ان میں سے کسی ایک کو آپ کے نکاح میں دینے کا ارادہ ہے مگر چونکہ یہ گفتگو باقاعدہ عقد نکاح کی گفتگو نہ تھی جس میں ایجاب وقبول گواہوں کے سامنے ہونا شرط ہے بلکہ معاملہ کی گفتگو تھی کہ آپ کو آٹھ سال کی نوکری اس نکاح کے عوض میں منظور ہو تو ہم نکاح کر دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر معاہدہ کر لیا۔ آگے یہ خود بخود ظاہر ہے کہ باقاعدہ نکاح کیا گیا ہوگا۔

خدمت کو حق مہر بنانا: امام اعظم ابوحنیفہؒ سے ظاہر الروایت میں یہی صورت منقول ہے کہ خدمت زوجہ کو مہر نہیں بنایا جا سکتا مگر ایک روایت جس پر علماء متاخرین نے فتویٰ دیا ہے یہ ہے کہ خود بیوی کی خدمت کو مہر بنانا تو شوہر کی تکریم و احترام کے خلاف ہے مگر بیوی کا کوئی ایسا کام جو گھر سے باہر کیا جاتا ہے جیسے مواشی چرانا یا کوئی تجارت کرنا اگر اس میں شرائط اجارہ کے مطابق مدت معین کر دی گئی ہو جیسا کہ اس واقعہ میں آٹھ سال کی مدت معین ہے تو اس کی صورت یہ ہوگی کہ اس مدت کی ملازمت کی تنخواہ بیوی کے ذمہ لازم ہو تو اس تنخواہ کو مہر قرار دینا جائز ہے (ذکره فی البدائع عن نوادر ابن سماعه) (مفتی اعظم)

مسئلہ: خدمت کو لڑکی کا مہر مقرر کرنا پہلی شریعتوں میں جائز تھا اور ہماری شریعت میں حکم یہ ہے کہ مہر کے لئے مال ہونا ضروری ہے کما قال تعالیٰ اور حدیث میں ہے۔ تفصیل کے لئے شروح ہدایہ دیکھیں۔

شعیب علیہ السلام نے بظاہر معاملہ اجارہ کا کیا لیکن درحقیقت ان کی قوت اور امانت کو دیکھ کر اپنی صاحبزادی دینے کا ارادہ فرمایا اور نور نبوت سے ان کی صلاحیت اور باطنی استعداد کا اندازہ لگا لیا اور آٹھ دس سال قیام کی شرط لگا کر اپنی تربیت میں رکھنا مقصود تھا کہ مقام ارادت سے ترقی کر کے کمال استقامت کو پہنچ جائیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (کاندھلوی)

بیع کے متعلق ایک مسئلہ:

اصحاب ابی حنیفہؒ نے اسی سے استدلال کیا ہے کہ جب کوئی شخص اس طرح کی بیع کرے کہ ان دو غلاموں میں سے ایک کو ایک سو کے بدلے فروخت کرتا ہوں اور خریدار منظور کر لے تو یہ بیع ثابت اور صحیح ہے واللہ اعلم۔

روٹی کپڑے پر مزدور رکھنا:

صحاب امام احمدؒ نے اس آیت سے استدلال کر کے کہا ہے کہ کھانے پینے اور کپڑے پر کسی کو مزدوری اور کام کاج پر لگا لینا درست ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ

پھر اگر تو پورے کر دے دس برس تو وہ تیری طرف سے ہے

موسیٰ علیہ السلام کے نکاح کا حق مہر:

یعنی کم از کم آٹھ برس میری خدمت میں رہنا ضروری ہوگا۔ اگر دو سال اور زائد رہے تو تمہارا تبرع ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت شعیب کا یہ کلام ایک طرح کی درخواست نکاح تھی عقد نکاح نہ تھا کیونکہ دونوں لڑکیوں میں سے کسی کی انہوں نے تعیین نہیں کی اور عقد نکاح کے لئے تعیین زوجہ لازم ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مشورہ کے بعد حضرت شعیب نے کسی ایک لڑکی کا نکاح حضرت موسیٰ سے کر دیا ہوگا۔ لیکن یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ اپنی بکریاں آٹھ سال تک حضرت موسیٰ سے چروانے کو پورا مہر یا جزء مہر قرار دیا تھا جیسا کہ حضرت عتبہ بن منذر کی روایت سے ثابت ہوتا ہے حضرت عتبہ نے فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے آپ نے سورت طسم پڑھی جب موسیٰ کے قصہ پر پہنچے تو فرمایا موسیٰ نے شرمگاہ کی عفت اور پری شکم کے لئے اپنے آپ کو آٹھ سال تک ملازمت پر دے دیا۔ (رواہ احمد وابن ماجہ)

مسئلہ: اس آیت و حدیث سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ کسی عورت سے اس مہر پر نکاح کرنا کہ شوہر اس عورت کی بکریاں چرائے گا صحیح ہے اور ہماری شریعت میں بھی ایسا نکاح جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصہ بیان فرمایا اور ہماری شریعت میں ایسا کرنے کی نفی نہیں کی اس سے معلوم ہوا کہ یہ عمل ہماری شریعت میں بھی جائز ہے۔

ہماری شریعت میں اس بات پر اجماع ہے کہ مہر عورت کا حق ہے عورت کے ولی کا حق نہیں ہے اور یہ واقعہ ہے کہ بکریاں حضرت شعیب کی تھیں۔ اس لئے اجماع دلالت کرتا ہے کہ یہ حکم شریعت شعیبی کا تھا ہماری شریعت کا نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے دس برس کی مدت پوری کی۔

وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ سَتَجِدُنِيْٓ	
اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر تکلیف ڈالوں	تو پائے گا مجھ کو
اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ	
اگر اللہ نے چاہا	نیک بختوں سے

یعنی کوئی سخت خدمت تم سے نہ لوں گا۔ تم کو میرے پاس رہ کر انشاء اللہ خود تجربہ ہو جائے گا کہ میں بری طبیعت کا آدمی نہیں۔ بلکہ خدا کے فضل سے نیک بخت ہوں، میری صحبت میں تم گھبراؤ گے نہیں، بلکہ مناسبت طبع کی وجہ سے اُنس حاصل کرو گے۔ (تفسیر عثانی)

قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ	
بولا یہ وعدہ ہو چکا میرے اور تیرے بیچ جونسی مدت ان دونوں میں پوری کر دوں	
فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ	
سو زیادتی نہ ہو مجھ پر	اور اللہ پر بھروسہ اُس چیز کا جو ہم کہتے ہیں

معاہدۂ نکاح کی تکمیل:

یعنی مجھے اختیار ہوگا کہ آٹھ برس رہوں یا دس برس۔ بہر حال جو معاہدہ ہو چکا خدا کے بھروسہ پر مجھے منظور ہے۔ اللہ کو گواہ بنا کر معاملہ ختم کرتا ہوں۔ احادیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے بڑی مدت (یعنی دس برس) پورے کئے۔ (تفسیر عثانی)

مقصد یہ ہے کہ دس سال گزرنے پر جیسے مجھ سے مزید مطالبہ نہیں جا سکتا ایسا ہی آٹھ سال گزرنے پر مجھ کو مزید کام پر آپ مجبور نہیں کر سکتے یا یہ مطلب کہ اگر آٹھ سال گزرنے کے بعد میں کام چھوڑ دوں گا تو معتدی نہ قرار پاؤں۔ مجھے قصوروار نہ سمجھا جائے۔

وَاللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ اور ہم (باہم) جو کچھ کہہ رہے ہیں اللہ اس کا گواہ ہے۔ وکیل وہ شخص ہوتا ہے جس کے سپرد کوئی معاملہ کر دیا جائے اس جگہ وکیل سے مراد گواہ اور نگراں۔ اسی لئے اس کا صلہ علیٰ آیا ہے۔

حضرت شعیبؑ کا گریۂ شوق:

حضرت شداد بن اوس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شعیب نبی اتنا روئے کہ بینائی جاتی رہی اللہ نے دوبارہ بینائی عطا فرما دی پھر بھی اتنا روئے کہ آنکھیں جاتی رہیں اللہ نے پھر بینائی عنایت کر دی اور فرمایا اس رونے کی کیا وجہ ہے کیا جنت کے شوق میں روتے ہو یا دوزخ کے ڈر سے شعیب نے عرض کیا نہیں اے میرے رب (نہ میں جنت کے شوق میں گریہ کرتا ہوں نہ دوزخ کے خوف سے) بلکہ تیرے دیدار کے شوق میں روتا ہوں۔ اللہ نے وحی بھیجی اگر یہ بات ہے تو میرا دیدار تم کو مبارک ہو (یعنی نابینائی کی حالت مبارک ہو یہی حالت تم کو میرے دیدار تک پہنچا دے گی) اے شعیب میں نے تمہارے کام کے لئے موسیٰ کو تمہارا خادم بنا دیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت شعیبؑ کی لاٹھی:

تکمیل معاہدہ کے بعد حضرت شعیب نے اپنی لڑکی کو حکم دیا کہ موسیٰ کو لاٹھی لا دو تا کہ درندوں سے وہ بکریوں کی حفاظت کر سکیں یہ لاٹھی کیسی اور کون سی تھی اہل روایت کے اس کے متعلق مختلف خیالات ہیں حضرت آدم اس کو جنت سے لائے تھے وفات آدم کے بعد جبرئیل نے وہ لے لی اور اپنے پاس رکھ لی یہاں تک کہ ایک رات آ کر موسیٰ کو دے دی یہ عکرمہ کا خیال ہے۔ دوسرے علماء نے کہا وہ لاٹھی جنت کے درخت آس کی تھی حضرت آدمؑ اس کو جنت سے ساتھ لائے تھے پھر سلسلہ وار ہر نبی اس کا وارث ہوتا رہا نبی کے علاوہ کسی کو نہیں ملی آخر حضرت نوح تک پہنچی پھر حضرت ابراہیم تک آئی پھر حضرت شعیب کو ملی پھر شعیب نے موسیٰ کو دے دی۔

لاٹھی پر اختلاف کا فیصلہ:

سدی کا بیان ہے ایک فرشتہ نے آدمی کی شکل میں آ کر وہ لاٹھی حضرت

شعیب کے پاس امانت رکھی تھی۔ جب حضرت شعیب نے اپنی لڑکی کو لاٹھی لانے کا حکم دیا تو لڑکی وہی لاٹھی اٹھا لائی حضرت شعیب نے فرمایا یہ لاٹھی واپس لے جاؤ دوسری لا کر دو لڑکی نے وہ لاٹھی لے جا کر ہاتھ سے ڈال دی اور دوسری اٹھانی چاہی مگر سواء اس کے اور کوئی لاٹھی ہاتھ میں نہ آئی آخر اسی کو اٹھا لائی حضرت شعیب نے پھر واپس کر دی یہ لوٹا پھیری تین مرتبہ ہوئی بالآخر حضرت شعیب نے حضرت موسیٰ کو وہی لاٹھی دے دی اور آپ اس کو لے کر چلے آئے۔ حضرت شعیب کو اس کے بعد پشیمانی ہوئی اور آپ نے کہا وہ تو ایک شخص کی امانت تھی میں نے یہ کیا حرکت کی یہ خیال آتے ہی حضرت موسیٰ کے پیچھے گئے اور ان سے لاٹھی واپس مانگی حضرت موسیٰ نے دینے سے انکار کر دیا یہ لاٹھی تو میری ہو چکی دونوں میں اختلاف ہوا آخر دونوں اس بات پر راضی ہو گئے کہ جو شخص بھی سامنے سے آئے گا اس کے فیصلہ کی ہم دونوں پابندی کریں گے ایک فرشتہ بصورت انسانی سامنے سے آیا اس شخص نے فیصلہ کیا اس لاٹھی کو زمین پر پھینک دو پھر جو اٹھا لے لاٹھی اسی کی ہے موسیٰ نے لاٹھی زمین پر ڈال دی حضرت شعیب نے ہر چند اس کو (اٹھا) لینے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے اور حضرت موسیٰ نے اس کو اٹھا لیا حضرت شعیب نے وہ لاٹھی حضرت موسیٰ کے پاس چھوڑ دی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بکریاں:

اس کے بعد جب موسیٰ نے مدت مقررہ پوری کر دی اور حضرت شعیب نے اپنی لڑکی ان کو دے دی تو حضرت موسیٰ نے بی بی سے کہا تم اپنے والد سے کہو کہ کچھ بکریاں ہم کو دے دیں بیوی نے جا کر اپنے باپ سے بکریوں کی طلب کی حضرت شعیب نے فرمایا اس سال جو دورنگا بچہ ہوگا وہ تم دونوں کا ہوگا حضرت شعیب موسیٰ کو حسن خدمات کا بدلہ دینا چاہتے تھے اور اپنی لڑکی پر تبقا ضاء خون مرحمت کرنے کے خواہشمند تھے اسی لئے اپنی لڑکی سے فرمایا اس سال جو نر مادہ چت کبرے (ابلق۔ دورنگے) بچے پیدا ہوں وہ میں نے تم کو دیئے۔ اللہ نے موسیٰ کو خواب میں بتا دیا کہ بکریوں کے پیاؤ پر پانی میں لاٹھی ماریں موسیٰ نے بیدار ہو کر پانی میں لاٹھی ماری پھر بکریوں کو وہی پانی پلایا جس بکری نے وہ پانی پیا اس کا بچہ ابلق ہی پیدا ہوا۔ حضرت شعیب سمجھ گئے یہ خدا داد نصیب ہے اللہ نے موسیٰ کے لئے یہ رزق بھیجا ہے چنانچہ آپ نے اپنا قول پورا کیا اور سب ابلق بچے حضرت موسیٰ کو دے دیئے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ

پھر جب پوری کر چکا موسیٰ وہ مدت اور لے کر چلا اپنے گھر والوں کو دیکھی

مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا

کوہ طور کی طرف سے ایک آگ کہا اپنے گھر والوں کو ٹھہرو

اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ

میں نے دیکھی ہے ایک آگ شاید لے آؤں تمہارے پاس وہاں کی کچھ خبر

اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّاۤ

یا انگارا آگ کا تاکہ تم تاپو پھر جب

اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ

پہنچا اس کے پاس آواز ہوئی میدان کے داہنے کنارے سے

فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ

برکت والے تختہ میں ایک درخت سے

یہ وہی درخت تھا جس پر آگ بھڑکتی ہوئی نظر آئی۔ (تفسیر عثمانی)

تکمیل مدت اور مصر واپسی:

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ پھر جب موسیٰ نے مدت مقررہ پوری کر دی یعنی مدت ختم کر کے فارغ ہو گئے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ سعید بن جبیر نے کہا مجھ سے حیرہ کے رہنے والے ایک یہودی نے دریافت کیا موسیٰ نے کون سی مدت پوری کی تھی میں نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں حبر العرب (علامہ عرب یعنی حضرت ابن عباس کے) پاس جا کر پوچھ کر بتاؤں گا چنانچہ میں حضرت ابن عباس کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا فرمایا سب سے زیادہ اور خوشگوار ترین (جس سے فریقین کو پورا اطمینان حاصل ہو گیا) مدت۔ پوری کی اللہ کا رسول جب کوئی بات کہہ دیتا ہے تو کرتا بھی ہے۔ بغوی کا بیان ہے کہ حضرت ابوذر نے فرمایا (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) جب تم سے پوچھا جائے کہ موسیٰ نے کون سی مدت پوری کی تو کہہ دینا دونوں مدتوں میں جو بہتر اور (حسن سلوک میں اعلیٰ تھی یا) زیادہ وفاء عہد والی رواہ البزار مجاہد نے کہا جب حضرت موسیٰ مدت مقررہ پوری کر چکے تو اس کے بعد بھی اپنے خسر کے پاس دس سال اور قیام پذیر رہے کل بیس سال رہے اس کے بعد مصر کو واپس جانے کی اجازت طلب کی حضرت شعیب نے اجازت دے دی اور آپ روانہ ہو گئے۔

صحرائے سینا میں نور نظر آنا:

یعنی جب طور سیناء کے قریب صحراء میں پہنچے اور رات تاریک تھی موسم سرما کی سردی بھی سخت تھی اور راستہ بھٹک گئے تھے۔ جب موسیٰ آگ پر پہنچے

تو (پاک یا) برکت والے مقام میں دائیں طرف کی وادی کے کنارے ایک درخت سے آواز دی گئی کہ موسیٰ بلاشبہ میں ہی اللہ رب العالمین ہوں۔

الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ یعنی موسیٰ کے لئے بڑی برکت والا مقام یعنی اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا اور اسی جگہ پیغمبری سے سرفراز کیا۔ عطاء نے کہا مبارکہ سے مراد ہے مقدس۔ (تفسیر مظہری)

کلام الٰہی: علماء اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ کلام قدیم جو اللہ کی صفت ہے اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے وہ بے چون اور بے چگون ہے اس میں حرف اور آواز نہیں مگر بندہ چونکہ چونی اور چگونی کا گرفتار ہے اس لئے وہ بے چون اور بے چگون کو چون اور چگون کے پردہ ہی سے سن سکتا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک خاص صورت میں نمودار اور جلوہ افروز ہوگا ایک مرتبہ اہل ایمان اللہ کو نہیں پہچان سکیں گے۔ دوسری مرتبہ جب دوسری صورت میں نمودار ہوگا تب اہل ایمان پہچانیں گے کہ یہ ہمارا پروردگار ہے۔ سو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ تو صورت اور شکل سے پاک اور منزہ ہے اور یہ صورت جس کو اہل ایمان دیکھ کر اپنے خدا کو پہچانیں گے یہ خداوند بے چون و چگون کا ایک جلوہ اور پردہ ہوگا اور ظاہر ہونے والی صورت بمنزلہ آئینہ کے ہوگی جس کے ذریعہ اہل ایمان خدا تعالیٰ کا جلوہ دیکھ سکیں گے۔ اور یہ مطلب نہیں کہ وہ صورت بعینہ خدا تعالیٰ کی صورت ہوگی پس جس طرح ذات خداوندی نہ جسم ہے اور نہ عرض ہے اور اس کے لئے نہ کوئی صورت ہے اور نہ کوئی شکل ہے مگر قیامت کے دن اور جنت میں اس کو دیکھا جائے گا لیکن اس کا دیدار کسی صورت کے پردے سے ہوگا تاکہ بندہ اس کا تحمل کر سکے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کلام کو سمجھو کہ وہ بے چون و بے چگون ہے اور بغیر حرف اور بغیر آواز کے ہے۔ البتہ موسیٰ علیہ السلام نے جو درخت سے سنا وہ بے شک حرف اور آواز کو سنا لیکن وہ حرف اور آواز کلام قدیم کا لباس تھے اور اس پر دلالت کرنے والے تھے۔ جیسا کہ امام ابوالحسن اشعریؒ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ دیکھو اتحاف شرح احیاء العلوم ص ج ۲۔ (معارف کاندھلوی)

اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ
کہ اے موسیٰ　میں ہوں　میں اللہ　جہان کا رب
وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ
اور یہ کہ ڈال دے اپنی لاٹھی پھر جب دیکھا اس کو پھنپھناتے جیسے سانپ کی سٹک
وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ
الٹا پھرا منہ موڑ کر　اور نہ دیکھا پیچھے پھر کر　اے موسیٰ آگے آ اور مت ڈر
اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ؀ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ
تجھ کو کچھ خطرہ نہیں　ڈال اپنا ہاتھ　اپنے گریبان میں

تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ مِنْ غَيْرِ سُوْۗءٍ ۡ
نکل آئے　سفید ہو کر　نہ کہ کسی برائی سے

شروع رکوع سے یہاں تک کے مفصل واقعات سورۂ طٰہٰ وغیرہ میں گزر چکے۔ ملاحظہ کر لئے جائیں۔

وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ
اور ملا لے اپنی طرف　اپنا بازو　ڈر سے

یعنی بازو کو پہلو سے ملا لو۔ سانپ وغیرہ کا ڈر جاتا رہے گا۔ شاید آگے کے لئے بھی خوف زائل کرنے کی یہ ترکیب بتلائی ہو۔ (تفسیر عثمانی)

خوف کا علاج: عطاء نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنا ہاتھ اپنے سے ملا لو تاکہ خوف دور ہو جائے حضرت ابن عباس نے فرمایا موسیٰ کے بعد جو خوف زدہ آدمی بھی اپنا ہاتھ اپنے سینہ پر رکھ لیتا ہے اس کا ڈر جاتا رہتا ہے۔ مجاہد نے کہا جو شخص بھی اپنے دونوں جناح اپنے بدن سے ملا لے گا اس کا خوف دور ہو جائے گا اور جناح پورا ہاتھ ہے۔ [illegible] نے لکھا ہے یعنی اپنے خوف دور کرو اور اپنے پہلو اپنے لئے ڈرا ہوا خوف زدہ آدمی کا [illegible] بدن [illegible] میں اللہ نے فرمایا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ ۭ
[illegible]

سند نبوت: یعنی [illegible] عصا و ید بیضا بطور سند نبوت کے دیے گئے ہیں۔ تا فرعون اور اس کی قوم پر اتمام حجت کر سکے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ؀ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ قَتَلْتُ
بیشک وہ تھے لوگ [illegible] میں نے خون کیا ہے
مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ؀
ان میں ایک جان کا [illegible] مجھ کو مار ڈالیں گے

یعنی پہنچتے ہی قتل کر دیا تو آپ کی دعوت کیسے پہنچاؤں گا۔

وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّىْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ
اور میرا بھائی [illegible] زبان سے [illegible] اس کو بھیج
مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۡ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ؀
میرے ساتھ مدد کو کہ میری تصدیق کرے میں ڈرتا ہوں کہ مجھ کو جھٹلا دیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت:

یعنی کوئی تصدیق و تائید کرنے والا ساتھ ہو تو فطرۃً دل مضبوط و قوی رہتا ہے۔ اور اُن کے جھٹلانے پر اگر بحث و مناظرہ کی نوبت آ جائے تو میری زبان کی لکنت ممکن ہے بولنے میں رکاوٹ ڈالے اس وقت ہارون کی رفاقت مفید ہوگی کیونکہ اُن کی زبان زیادہ صاف اور تیز ہے۔ (تفسیر عثمانی)

موسیٰ نے کہا اے میرے رب میں نے ان کا آدمی قتل کر دیا ہے اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ تیز زبان ہے اس کو میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج دیجئے حضرت موسیٰ نے اپنے منہ میں انگارا رکھ لیا تھا اس لئے زبان میں گرہ پڑ گئی تھی (اور بولنے میں ہکلانے لگے تھے)۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا
فرمایا ہم مضبوط کر دیں گے تیرے بازو کو تیرے بھائی سے اور دیں گے تم کو غلبہ
يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾
پھر وہ نہ پہنچ سکیں گے تم تک ہماری نشانیوں سے تم اور جو تمہارے ساتھ ہو غالب رہو گے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواستوں کی منظوری:

یعنی دونوں درخواستیں منظور ہیں، ہارون تمہارے قوت بازو رہیں گے اور فرعونیوں کو تم پر کچھ دسترس نہ ہوگی۔ ہماری نشانیوں کی برکت سے تم اور تمہارے ساتھی ہی غالب و منصور رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعاء اور فرعون کی مرعوبیت:

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابتداء میں حضرت موسیٰ کے دل پر فرعون کا بہت خوف تھا پھر آپ جب اسے دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے اللھم انی ادرا بک فی نحرہ واعوذ بک من شرہ اے اللہ میں تجھے اس کے مقابلہ میں کرتا ہوں اور اس کی برائی سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل سے رُعب و خوف ہٹا لیا اور فرعون کے دل میں ڈال دیا۔ پھر تو اس کا یہ حال ہو گیا تھا کہ حضرت موسیٰ کو دیکھتے ہی اس کا پیشاب خطا ہو جاتا تھا۔ یہ دونوں معجزے یعنی عصائے موسیٰ اور ید بیضاء دے کر خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اب فرعون اور فرعونیوں کے پاس رسالت لے کر جاؤ اور بطور دلیل یہ معجزے پیش کرو اور ان فاسقوں کو راہ خدا تعالیٰ دکھاؤ۔ (ابن کثیر)

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا
پھر جب پہنچا ان کے پاس موسیٰ لے کر ہماری نشانیاں کھلی ہوئی بولے

مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى
اور یہ کچھ نہیں یہ جادو ہے باندھا ہوا

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جادو کا الزام:

یعنی معجزات دیکھ کر کہنے لگے جادو ہے اور جو باتیں خدا کی طرف منسوب کر کے کہتا ہے وہ بھی جادو کی باتیں ہیں جو خود تصنیف کر کے لے آیا، اور دعوٰی کرنے لگا کہ خدا نے مجھ پر وحی کی ہے حقیقت میں وحی وغیرہ کچھ نہیں۔ محض ساحرانہ تخییل و افتراء ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾
اور ہم نے سُنا نہیں یہ اُپنے اگلے باپ دادوں میں

فرعون کی دلیل:

یعنی جو باتیں یہ کرتا ہے (مثلاً ایک خدا نے ساری دنیا کو پیدا کیا، اور ایک وقت سب کو فنا کر کے دوبارہ زندہ کرے گا پھر حساب کتاب ہوگا اور مجھ کو اُس نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، وغیرہ وغیرہ) اپنے اگلے بزرگوں سے ہمارے کانوں میں یہ چیزیں کبھی نہیں پڑیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى
اور کہا موسیٰ نے میرا رب تو خوب جانتا ہے جو کوئی لایا ہے ہدایت
مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ
کی بات اُس کے پاس سے اور جس کو ملے گا آخرت کا گھر
اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾
بیشک بھلا نہ ہوگا بے انصافوں کا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تقریر:

یعنی خدا خوب جانتا ہے کہ میں اپنے دعوے میں سچا ہوں اور اُسی کے پاس سے ہدایت لایا ہوں اس لئے انجام میرا ہی بہتر ہوگا۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی کھلی نشانیاں دیکھ کر اور دلائل صداقت سن کر ناانصافی سے حق کو جھٹلاتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ انجام کار ان کو ذلت و ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ (تفسیر عثمانی)

عاقبۃ الدار یعنی دار آخرت میں اچھا انجام بیضاوی نے لکھا ہے الدار سے دنیا مراد ہے اور اس کا اصلی انجام جنت ہے کیونکہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اصل مقصد ثواب ہی ہے اور عاقبت میں عذاب ہونا تو بالعرض ہے (اصل مقصد نہیں ہے)

اہل تحقیق کا قول ہے کہ عقبیٰ اور عاقبت کا اطلاق نیکیوں کے انجام یعنی

ثواب پر ہوتا ہے اور عقاب۔ عقوبت اور معاقبت کا اطلاق برائیوں کے انجام بد یعنی عذاب پر ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ
اور بولا فرعون اے دربار والو مجھ کو تو معلوم نہیں تمہارا
مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ
کوئی حاکم ہو میرے سوا سو آگ دے اے ہامان میرے واسطے گارے کو
فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى
پھر بنا میرے واسطے ایک محل تاکہ میں جھانک کر دیکھ لوں موسیٰ کے رب کو
وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾
اور میری انکل میں تو وہ جھوٹا ہے

فرعون کی حماقت:

یعنی اپنے وزیر ہامان کو کہا کہ اچھا اینٹوں کا ایک بڑا آوہ لگواؤ تا کہ پکی اینٹوں کی خوب اونچی عمارت بنوا کر اور آسمان کے قریب ہو کر میں موسیٰ کے خدا کو جھانک آؤں کہ کہاں ہے اور کیسا ہے۔ کیونکہ زمین میں تو مجھے کوئی خدا اپنے سوا نظر نہیں پڑتا۔ آسمان میں بھی خیال تو یہ ہی ہے کہ کوئی نہ ہوگا، تاہم موسیٰ کی بات کا جواب ہو جائے گا۔ یہ بات ملعون نے استہزاء و تمسخر سے کہی اور ممکن ہے اس قدر بدحواس و پاگل ہو گیا ہو کہ اس طرح کی لچر پوچ اور مضحکہ خیز تجویزیں سوچنے لگا۔ (تفسیر عثانی)

اور فرعون نے کہا اے سردارو میں تو اپنے سوا تمہارا کوئی اور خدا نہیں جانتا۔

فرعون نے اپنے سوا کسی دوسرے خدا کو جاننے کی نفی کی خدا کے وجود کی نفی نہیں کی کیونکہ اس کو اپنے سوا دوسرے خدا کے نہ ہونے کا جزم نہ تھا۔

ہامان فرعون کا وزیر تھا فرعون نے اس کو پختہ اینٹیں بنوانے کا حکم دیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فرعون نے ہی سب سے پہلے پختہ اینٹیں بنوا کر عمارت بنوائی۔

بغوی نے لکھا ہے اہل تفسیر کہتے ہیں کہ ہامان نے بکثرت راجوں اور مزدوروں کو جمع کیا یہاں تک کہ مزدوروں کے علاوہ پچاس ہزار معمار اکٹھے ہو گئے اینٹیں پکانے والے چونہ تیار کرنے والے لکڑی کا کام کرنے والے کیلیں بنانے اور دوسرے کارگزاران کے علاوہ تھے چنانچہ سب نے مل کر اتنی مضبوط اور اونچی عمارت بنادی کہ کسی شخص کی عمارت (اس زمانہ تک) اتنی اونچی نہیں بنی تھی۔ اللہ ان لوگوں کی آزمائش کرنی چاہتا تھا عمارت سے فارغ ہو کر فرعون اور اس کے ساتھی اوپر چڑھ گئے فرعون نے اوپر پہنچ کر تیراندازوں کو حکم دیا کہ اوپر کی طرف تیر چھوڑیں تیراندازوں نے اوپر کو تیر پھینکے تیر خون آلود ہو کر واپس لوٹے فرعون بولا میں نے موسیٰ کے خدا کو قتل کر دیا فرعون کو خچر پر سوار کر کے اوپر چڑھایا گیا تھا اللہ نے غروب آفتاب کے وقت جبرئیل کو بھیجا جبرئیل نے اپنا ایک پر خچر کے مار کر اس کے تین ٹکڑے کر دیئے ایک ٹکڑا فرعون کے لشکر پر گرا جس سے لاکھوں آدمی مارے گئے ایک ٹکڑا سمندر میں جا کر گرا اور ایک ٹکڑا مغرب میں جن جن لوگوں نے عمارت بنانے میں کچھ بھی کام کیا تھا سب ہی ہلاک ہو گئے (تفسیر مظہری)

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ
اور بڑائی کرنے لگے وہ اور اس کے لشکر ملک میں ناحق
وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ
اور سمجھے کہ وہ ہماری طرف پھر کر نہ آئیں گے پھر پکڑا ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں
فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾
کو پھر پھینک دیا ہم نے ان کو دریا میں سو دیکھ لے کیسا ہوا انجام گنہگاروں کا

فرعون کا تکبر اور ہلاکت:

یعنی انجام سے بالکل غافل ہو کر لگے ملک میں تکبر کرنے یہ نہ سمجھا کہ کوئی اُن کی گردن نیچی کرنے والا اور سر توڑنے والا بھی موجود ہے۔ آخر خداوند قہار نے اُس کو لاؤ لشکر سمیت بحر قلزم میں غرق کر دیا تا یادگار رہے کہ بدبخت ظالموں کا جو انجام سے غافل ہوں ایسا انجام ہوا کرتا ہے۔ غرق وغیرہ کے واقعات کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ (تفسیر عثانی)

بڑائی فقط اللہ کی ہے:

حق بمعنی استحقاق برحق بڑا ہونا اسی کو زیبا ہوتا ہے جس سے بڑا اور اس کے برابر بلکہ اس کی نسبت سے کچھ کم بھی کوئی دوسرا بڑا نہ ہو اور ایسا صرف خدا تعالیٰ ہے (اس کی بڑائی سے کسی کی کوئی نسبت ہی نہیں نہ زیادتی کی نہ برابری کی نہ کمی کی۔ درحقیقت وہی بڑا ہے کبریائی کے آخری درجہ پر پہنچا ہوا اسی لئے اللہ نے فرمایا بڑائی میری چادر ہے اور بزرگی میری ازار (یعنی عظمت و کبریائی میرا ہی لباس ہے) جو شخص بھی اس لباس کو مجھ سے کھینچے گا (اور اتار کر خود پہننا چاہے گا) میں اس کو دوزخ میں پھینک دوں گا۔ رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ بسند صحیح عن ابی ہریرۃ وابن ماجہ عن ابن عباس۔ حاکم نے صحیح سند سے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے بڑائی میری چادر ہے جو بھی میری چادر کو مجھ سے کھینچے گا میں اس کو توڑ دوں گا۔ (ہلاک کر دوں گا) سمویہ نے حضرت ابوسعید اور حضرت ابوہریرہ کی روایت کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں جو شخص مجھ سے دونوں میں سے کسی کو بھی کھینچے گا میں اس کو عذاب دوں گا۔ (تفسیر مظہری)

وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ج

اور کیا ہم نے اُن کو پیشوا کہ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف

گمراہی کے امام:

یعنی یہاں ضلالت وطغیان میں پیش پیش تھے اورلوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے تھے وہاں بھی اُن کو دوزخیوں کے آگے امام بنا کر رکھا جائے گا يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ (سورہ ہود رکوع۹) (تفسیر عثمانی)

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝

اور قیامت کے دن اُن کو مدد نہ ملے گی

یعنی یہاں کے لشکر وہاں کام نہ دیں گے نہ کسی طرف سے کوئی مدد پہنچ سکے گی۔ اپنے لاؤ لشکر سمیت جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔ کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ج

اور پیچھے رکھ دی ہم نے اُن پر اس دنیا میں پھٹکار

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ۝

اور قیامت کے دن اُن پر بُرائی ہے

یعنی آخرت کی بُرائی اور بدانجامی تو الگ رہی، دنیا ہی میں لوگ رہتی دنیا تک ایسوں پر لعنت بھیجتے رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

لَعْنَةً یعنی رحمت سے دور کر دیا یا لعنت کرنے والوں کی لعنت ان کے پیچھے لگا دی کہ اللہ اور ملائکہ اور مؤمن بندے ان پر لعنت کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ اَلْمَقْبُوْحِيْنَ یعنی رحمت سے دور ملعون لوگوں میں سے ابوعبیدہ نے ترجمہ کیا ہلاک کردہ لوگوں میں سے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا بگڑی ہوئی صورتوں والوں میں سے چہرے کالے آنکھیں نیلی۔ عرب کہتے ہیں قَبَحَهُ اللّٰهُ اللہ نے اس کی صورت بگاڑ دی اور ہر بھلائی سے اگر کسی کو دور کر دیا ہو تو عرب کہتے ہیں قَبَحَهٗ قُبْحًا وَّقُبُوْحًا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ

اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب بعد اس کے کہ ہم غارت

اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى

کر چکے پہلی جماعتوں کو

حکمت عملی کی تبدیلی:

نزول توراۃ کے بعد دنیا میں ایسے غارت کے عذاب کم آئے۔ بجائے اہلاک سماوی کے جہاد کا طریقہ مشروع کر دیا گیا کیونکہ کچھ لوگ احکام شریعت پر قائم رہا کیے۔ (تفسیر عثمانی)

بَصَآىِٕرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً

سجھانے والی لوگوں کو اور راہ بتانے والی اور رحمت

لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

تا کہ وہ یاد رکھیں

تورات کے مضامین:

یعنی تورات جو موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی۔ بڑی فہم و بصیرت عطا کرنے والی، لوگوں کو راہِ ہدایت پر چلانے والی اور مستحق رحمت بنانے والی کتاب تھی۔ تا لوگ اُسے پڑھ کر اللہ کو یاد رکھیں۔ احکام الٰہی سیکھیں اور پند و نصیحت حاصل کریں، سچ تو یہ ہے کہ قرآن کریم کے بعد ہدایت میں تورات شریف ہی کا درجہ ہے اور آج جبکہ اُس کے پیروؤں نے اُسے ضائع کر دیا، قرآن ہی اُس کے ضروری علوم وہدایت کی حفاظت کر رہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سابقہ کتابوں کا مطالعہ:

حدیث میں یہ واقعہ معروف ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت طلب کی کہ وہ تورات میں جو نصائح وغیرہ ہیں ان کو پڑھیں تا کہ ان کے علم میں ترقی ہو، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غضبناک ہو کر فرمایا کہ اگر اس وقت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو اُن کو بھی میرا ہی اتباع لازم ہوتا (جس کا حاصل یہ ہوتا ہے، کہ آپ کو صرف میری تعلیمات کو دیکھنا چاہیے، تورات وانجیل کا دیکھنا آپ کے لئے درست نہیں۔ مگر اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ تورات کا جو اس وقت اہل کتاب کے پاس نسخہ تھا وہ تحریف شدہ تھا اور زمانہ ابتداء اسلام کا تھا جس میں نزول قرآن کا سلسلہ جاری تھا، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی مکمل حفاظت کے پیش نظر اپنی احادیث لکھنے سے بھی بعض حضرات کو روک دیا تھا کہ ایسا نہ ہو لوگ قرآن کے ساتھ احادیث کو جوڑ دیں، ان حالات میں کسی دوسری منسوخ شدہ آسمانی کتاب کا پڑھنا پڑھانا ظاہر ہے کہ احتیاط کے خلاف تھا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلقاً تورات وانجیل کے مطالعے اور پڑھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ ان کتابوں کے وہ حصے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق پیشین گوئیوں پر مشتمل ہیں ان کا مطالعہ کرنا اور نقل کرنا

صحابہ کرام سے ثابت اور معروف و مشہور ہے حضرت عبداللہ بن سلام اور کعب احبار اس معاملہ میں سب سے زیادہ معروف ہیں۔ دوسرے صحابہ کرام نے بھی ان پر نکیر نہیں کیا، اس لئے حاصل آیت کا یہ ہو جائے گا کہ تورات وانجیل میں جو غیر محرف مضامین اب بھی موجود ہیں اور بلاشبہ بصائر ہیں، ان سے استفادہ درست ہے مگر ظاہر ہے کہ ان سے استفادہ صرف ایسے ہی لوگ کر سکتے ہیں جو محرف اور غیر محرف میں فرق کر سکیں اور صحیح و غلط کو پہچان سکیں وہ علماء ماہرین ہی ہو سکتے ہیں، عوام کو بیشک اس سے اجتناب اس لئے ضروری ہے کہ وہ کسی مغالطے میں نہ پڑ جائیں، یہی حکم ان تمام کتابوں کا ہے جس میں حق کے ساتھ باطل کی آمیزش ہے کہ عوام کو ان کے مطالعہ سے پرہیز کرنا چاہئے علماء ماہرین دیکھیں تو مضائقہ نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ

اور تو نہ تھا غرب کی طرف جب ہم نے بھیجا

اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ

موسیٰ کو حکم

یعنی کوہ طور کے غرب کی جانب جہاں موسیٰ کو نبوت اور تورات ملی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس نے کہا اس سے مراد وہ مقام ہے جہاں حضرت موسیٰ نے اللہ سے کلام کیا تھا۔ اور ما کنت سے خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یعنی اے محمد تم وہاں موجود نہ تھے۔

اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ یعنی جب ہم نے فرعون اور اس کی قوم کے پاس پیام لے جانے کی موسیٰ کے پاس وحی بھیجی تھی۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۙ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا

اور نہ تھا تو دیکھنے والا لیکن ہم نے پیدا کیں

قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ

کئی جماعتیں پھر دراز ہوئی اُن پر مدت

ماضی کے واقعات کے تذکرہ کی حکمت:

یعنی تو اُس وقت کے واقعات تو ایسی صحت وصفائی اور بسط وتفصیل سے بیان کر رہا ہے جیسے وہیں طور کے پاس کھڑا دیکھ رہا ہو۔ حالانکہ تمہارا موقع پر موجود نہ ہونا ظاہر ہے اور ویسے بھی سب جانتے ہیں تم اُمی ہو۔ کسی عالم کی صحبت میں بھی نہیں رہے۔ نہ ٹھیک ٹھیک صحیح واقعات کو کوئی جید عالم مکہ میں موجود تھا۔ پھر غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ علم کہاں سے آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اقوام دنیا پر مدتیں اور قرن گزر گئے، مرور دہور سے وہ علوم محرف ومندرس ہوتے جا رہے تھے اور وہ ہدایات مٹتی جا رہی تھیں لہذا اس علیم وخبیر کا ارادہ ہوا کہ ایک اُمی کی زبان سے بھولے ہوئے سبق یاد دلائے جائیں اور اُن عبرتناک وموعظت آمیز واقعات کا ایسا صحیح فوٹو دنیا کے سامنے پیش کر دیا جائے جس پر نظر کر کے بے اختیار ماننا پڑے کہ اس کا پیش کرنے والا موقع پر موجود تھا اور اپنی آنکھوں سے من وعن کیفیات کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ پس ظاہر ہے کہ تم تو وہاں موجود نہ تھے۔ بجز اس کے کیا کہا جائے کہ جو خدا آپ کی زبان سے بول رہا ہے اور جس کے سامنے ہر غائب بھی حاضر ہے۔ یہ بیان اسی کا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ یعنی آپ ان لوگوں میں نہ تھے جو موسیٰ کے پاس وحی آنے کے شاہد تھے یا اس وقت موجود تھے جب موسیٰ پر نزول وحی ہو رہا تھا۔ الشاہدین سے مراد وہ ستر آدمی ہیں جن کو حضرت موسیٰ اپنے ساتھ طور پر لے گئے تھے۔ مطلب یہ کہ موسیٰ کے واقعات لوگوں کے سامنے بیان کرنا تمہارے لئے بغیر وحی اور اطلاع غیبی کے ممکن نہیں یہ تمہارا ایک (خداداد) معجزہ ہے جو تمہارے دعویٰ نبوت کو ثابت کر رہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا

اور تو نہ رہتا تھا مدین والوں میں کہ اُن کو سناتا

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝

ہماری آیتیں پر ہم رہے ہیں رسول بھیجتے

خوابِ غفلت سے بیداری کا انتظام:

یعنی موسیٰ علیہ السلام کو مدین جا کر جو واقعات پیش آئے اُن کا اس خوبی وصحت سے بیان تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ گویا اُس وقت تم شان پیغمبری کے ساتھ وہیں سکونت پذیر تھے اور جس طرح آج اپنے وطن مکہ میں اللہ کی آیات پڑھ کر سنا رہے ہو، اُس وقت "مدین والوں کو سناتے ہوں گے حالانکہ یہ چیز صریحاً منفی ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ ہم ہمیشہ سے پیغمبر بھیجتے رہے ہیں جو دنیا کو غفلت سے چونکاتے اور گزشتہ عبرتناک واقعات یاد دلاتے رہیں۔ اسی عام عادت کے موافق ہم نے اس زمانہ میں تم کو رسول بنا کر بھیجا کہ پچھلے قصے یاد دلاؤ۔ اور خواب غفلت سے مخلوق کو بیدار کرو۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ٹھیک واقعات کا صحیح علم تم کو دیا جائے اور تمہاری زبان سے ادا کرایا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ

اور تو نہ تھا طور کے کنارے جب ہم نے آواز دی لیکن

رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ

یہ انعام ہے تیرے رب کا

طور و مدین کی تاریخ حراء وثور میں دہرائی گئی:

یعنی جب موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ تم وہاں کھڑے سُن نہیں رہے تھے۔ یہ حق تعالیٰ کا انعام ہے کہ آپ کو ان واقعات وحقائق پر مطلع کیا اور تمہارے ساتھ بھی اسی نوعیت کا برتاؤ کیا جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا۔ گویا جبل النور (جہاں غار حراء ہے) اور مکہ مدینہ میں جبل طور اور مدین کی تاریخ دُہرادی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

امت محمدیہ کو نداء:

وہب کا بیان ہے موسیٰ ﷺ نے کہا اے میرے رب مجھے محمد کا دیدار کرا دے اللہ نے فرمایا تم ہرگز وہاں تک نہیں پہنچ سکتے اور اگر تم چاہو تو میں ان کی امت کو پکاروں اور ان کی آواز تم کو سنوادوں موسیٰ نے کہا بہت خوب، اللہ نے فرمایا اے امت محمد امت والوں نے اپنے باپوں کی پشت سے لبیک کہا۔

ابوزرعہ بن عمرو بن جریر کا قول ہے کہ اللہ نے ندا دی اے امت محمد قبل اس کے کہ تم مجھ سے دعا کرو میں نے تمہاری دعا قبول کر لی اور مانگنے سے پہلے تم کو دے دیا۔

حضرت ابن عباس نے کہا اللہ نے فرمایا اے امت محمد لوگوں نے باپوں کی پشتوں اور ماؤں کے رحموں سے جواب دیا لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ اللہ نے فرمایا اے امت محمد میری رحمت میرے غضب سے اور میری معافی میرے عذاب سے آگے ہے (یعنی غالب ہے) میں نے مانگنے سے پہلے تم کو دے دیا اور دعا کرنے سے پہلے تمہاری دعا قبول کر لی۔ اور گناہ کرنے سے پہلے تمہاری مغفرت کر دی جو شخص قیامت کے دن یہ گواہی لے کر آئے گا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد میرے بندے اور رسول ہیں۔ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا خواہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگوں سے بھی زیادہ ہوں۔ (تفسیر مظہری)

نسائی شریف میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آواز دی گئی کہ اے اُمت محمد! تم مجھ سے مانگو اس سے پہلے میں نے تمہیں دے دیا، اور تم مجھ سے دُعا کرو اس سے پہلے میں قبول کر چکا مقاتل کہتے ہیں کہ ہم نے تیری اُمت کو جو ابھی باپ دادوں کی پیٹھ میں تھی آواز دی کہ جب تو نبی بنا کر بھیجا جائے تو وہ تیری اتباع کریں۔ (تفسیر ابن کثیر)

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ

تا کہ تو ڈر سنا دے اُن لوگوں کو جن کے پاس نہیں آیا کوئی ڈر

مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

سنانے والا تجھ سے پہلے تا کہ وہ یاد رکھیں

یعنی عرب کے لوگوں کو یہ چیزیں بتلا کر خطرناک عواقب سے آگاہ کر دیں۔ ممکن ہے وہ سُن کر یاد رکھیں اور نصیحت پکڑیں۔ (تنبیہ) "مَآ اَتٰىهُمْ" سے شاید آبائے اقربین مراد ہوں گے واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

تبلیغ و دعوت کے بعض آداب:

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کا اہم پہلو یہ تھا کہ وہ حق بات کو مسلسل کہتے اور پہنچاتے ہی رہتے تھے۔ لوگوں کا انکار وتکذیب اُن کے اپنے عمل اور اپنی لگن میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرتا تھا بلکہ وہ حق بات اگر ایک مرتبہ نہ مانا گیا تو دوسری مرتبہ، وہ بھی نہ مانا گیا تو تیسری چوتھی مرتبہ برابر پیش کرتے ہی رہتے تھے۔ کسی کے دل میں دل ڈال دینا تو کسی ناصح ہمدرد کے بس میں نہیں مگر اپنی کوشش کو بغیر کسی تکان اور اکتاہٹ کے جاری رکھنا جو ان کے قبضہ میں تھا اس کو مسلسل انجام دیتے۔ آج بھی تبلیغ و دعوت کے کام کرنے والوں کو اس سے سبق لینا چاہیے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ

اور اتنی بات کیلئے کہ کبھی آن پڑے اُن پر آفت اُن کاموں کی وجہ سے

اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا

جن کو بھیج چکے ہیں اُن کے ہاتھ تو کہنے لگیں اے رب ہمارے کیوں نہ بھیج دیا ہمارے پاس

رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

کسی کو پیغام دے کر تو ہم چلتے تیری باتوں پر اور ہوتے ایمان والوں میں

پیغمبروں کا وجود اللہ کا احسان ہے:

یعنی پیغمبر کا اُن میں بھیجنا خوش قسمتی ہے۔ اگر بدون پیغمبر بھیجے اللہ تعالیٰ اُن کی کھلی ہوئی بے عقلیوں اور بے ایمانیوں پر سزا دینے لگتا تب بھی ظلم نہ ہوتا، لیکن اُس نے احسان فرمایا اور کسی قسم کی معقول عذرداری کا موقع نہیں چھوڑا۔ ممکن تھا سزا دہی کے وقت کہنے لگتے کہ صاحب ہمارے پاس پیغمبر تو بھیجا نہیں جو ہم کو ہماری غلطیوں پر کم از کم متنبہ کر دیتا، ایک دم پکڑ کر عذاب میں دھر گھسیٹا۔ اگر کوئی پیغمبر آتا تو دیکھ لیتے ہم کیسے نیک اور ایماندار ثابت ہوتے۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ

پھر جب پہنچی اُن کو ٹھیک بات ہمارے پاس سے کہنے لگے کیوں نہ ملا

أُوْتِيَ مِثْلَ مَآ أُوْتِيَ مُوْسٰى

اس رسول کو جیسا ملا تھا موسیٰ کو

قوم کی کٹ حجتیاں:

یعنی رسول نہ بھیجتے تو کہتے رسول کیوں نہ بھیجا۔ اب رسول تشریف لائے جو تمام پیغمبروں سے شان و رتبہ میں بڑھ کر ہیں تو کہتے ہیں کہ صاحب ہم تو اس وقت مانتے جب دیکھتے کہ ان سے موسیٰ علیہ السلام کی طرح عصا اور ید بیضاء وغیرہ کے معجزات ظاہر ہوتے اور ان کے پاس بھی تورات کی طرح ایک دم ایک کتاب اُترتی یہ کیا کہ دو دو چار چار آیتیں پیش کرتے ہیں۔

أَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ أُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ

کیا بھی منکر نہیں ہو چکے اُس سے جو موسیٰ کو ملا تھا اس سے پہلے

یعنی موسیٰ کے معجزات اور کتاب ہی کو کہاں سب نے مان لیا تھا؟ شبہے نکالنے والے اُن کو بھی ساحر مفتری کہتے رہے جیسا کہ ابھی ایک دو رکوع پہلے گزرا۔ جن کو ماننا منظور نہیں ہوتا وہ ہر بات میں کچھ نہ کچھ احتمالات نکال لیتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۟ وَقَالُوْٓا إِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ

کہنے لگے دونوں جادوگر ہیں آپس میں موافق اور کہنے لگے ہم دونوں کو نہیں مانتے

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں مکہ کے کافر حضرت موسیٰ کے معجزے سن کر کہنے لگے کہ ویسا معجزہ اس نبی کے پاس ہوتا تو ہم مانتے جب یہود سے پوچھا اور تورات کی باتیں اس نبی کے موافق اور اپنی مرضی کے خلاف سنیں مثلاً یہ کہ بت پرستی کفر ہے، آخرت کا جینا برحق ہے اور جو جانور اللہ کے نام پر ذبح نہ ہو مردار ہے (اور عرب میں ایک نبی آخر الزماں آئیں گے جن کی یہ نشانیاں ہوں گی وغیرہ وغیرہ) تب لگے دونوں کو جواب دینے کہ تورات اور قرآن دونوں جادو اور موسیٰ و محمد (علیہما الصلوۃ والسلام) دونوں جادوگر ہیں (العیاذ باللہ) جو ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ فَأْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ أَهْدٰى

تو کہہ اب تم لاؤ کوئی کتاب اللہ کے پاس کی جو ان دونوں سے بہتر ہو

مِنْهُمَآ أَتَّبِعْهُ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٩﴾

کہ میں اس پر چلوں اگر تم سچے ہو

مشرکین ہدایت سے خالی:

یعنی آسمانی کتابوں میں سب سے بڑی اور مشہور یہی دو کتابیں تھیں جن کی ہمسری کوئی کتاب نہیں کرسکتی اگر یہ دونوں جادو ہیں تو تم کوئی کتاب الٰہی پیش کرو جو ان سے بہتر اور ان سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہو۔ بفرض محال اگر ایسی کتاب لے آئے تو میں اُسی کی پیروی کرنے لگوں گا، لیکن تم قیامت تک نہیں لاسکتے۔ اس سے زیادہ بدبختی کیا ہوگی کہ خود ہدایت ربانی سے قطعی تہی دست ہو اور جو کتاب ہدایت آتی ہے اُسے جادو کہہ کر رد کر دیتے ہو۔ جب یہ ایک انسان کا بنایا ہوا جادو ہے تو تم سارے جہان کے جادوگروں کو جمع کر کے اس سے بڑا جادو لے آتے۔ آخر جادو ایسی چیز تو نہیں کہ اس کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے۔ (تفسیر عثمانی)

فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ

پھر اگر نہ کر لائیں تیرا کہا تو جان لے کہ وہ چلتے ہیں

أَهْوَآءَهُمْ ۭ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ

نری اپنی خواہشوں پر اور اس سے گمراہ زیادہ کون جو چلے اپنی خواہش پر بدون

هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۭ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٠﴾

راہ بتلائے اللہ کے بیشک اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو

خواہش کے بندے:

یعنی جب یہ لوگ نہ ہدایت کو قبول کرتے ہیں اور نہ اس کے مقابلہ میں کوئی چیز پیش کر سکتے ہیں تو یہی اس کی دلیل ہے کہ اُن کو راہ ہدایت پر چلنا مقصود ہی نہیں محض اپنی خواہشات کی پیروی ہے جس چیز کو دل چاہا مان لیا۔ جس کو اپنی مرضی اور خواہش کے خلاف پایا رد کر دیا۔ بتلایئے ایسے ہوا پرست ظالموں کو کیا ہدایت ہو سکتی ہے۔ اللہ کی عادت اُسی قوم کو ہدایت کرنے کی ہے جو ہدایت پانے کا ارادہ کرے اور محض ہوا و ہوس کو حق کا معیار نہ بنا لے۔ (تفسیر عثمانی)

بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ یہ محض تاکید ہے یا قید (احترازی) ہے کیونکہ خواہش نفس کبھی حق کے موافق ہو جاتی ہے بشرطیکہ ایمان کامل ہو جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص (کامل) مومن نہیں ہوگا جب تک کہ اس کا میلان نفس اس (حق) کا تابع (نہ) ہو جائے جو میں لے کر آیا ہوں۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ عن عبداللہ بن عمرو۔ وقال النووی حدیث صحیح۔ الظّٰلمین یعنی جن لوگوں نے خواہشات نفسانیہ میں انہماک کیا ہو اور خود اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٥١﴾

اور ہم پے در پے بھیجتے رہے ہیں اُن کو اپنے کلام تا کہ وہ دھیان میں لائیں

نزول ہدایت کا تسلسل:

یعنی ہماری وحی کا سلسلہ پہلے سے چلا آتا ہے۔ ایک وحی کی تصدیق و تائید میں دوسری وحی برابر بھیجتے رہے ہیں۔ اور قرآن کو بھی ہم نے بتدریج نازل کیا ایک آیت کے پیچھے دوسری آیت آتی رہی، مقصد یہ ہے کہ کافی غور کرنے اور سمجھنے کا موقع ملے اور یاد رکھنے میں سہولت ہو۔ (تفسیر عثمانی)

ابن جریر اور طبرانی نے رفاعہ قرظی کا قول نقل کیا ہے کہ آیت وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ دس آدمیوں کے حق میں نازل ہوئی جن میں سے ایک میں ہوں۔

ابن جریر نے علی بن رفاعہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اہل کتاب میں سے دس آدمی جن میں ایک رفاعہ یعنی علی کے باپ بھی تھے۔ نکل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور ایمان لے آئے پھر ان کو دکھ درد دیئے گئے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

جن کو ہم نے دی ہے کتاب اس سے پہلے وہ اس پر یقین کرتے ہیں

وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ

اور جب اُنکو سنائے تو کہیں ہم یقین لائے اُس پر یہی ہے ٹھیک ہمارے رب کا بھیجا ہوا

اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾

ہم ہیں اس سے پہلے کے حکم بردار

انصاف پسند اہل کتاب:

یعنی ان جاہل مشرکین کا حال تو یہ ہے کہ نہ اگلی کتابوں کو مانیں نہ پچھلی کو، اور ان کے بالمقابل انصاف پسند اہل کتاب کو دیکھو کہ وہ دونوں کو تسلیم کرتے جاتے ہیں پہلے سے تورات وانجیل پر یقین رکھتے تھے۔ جب قرآن پاک آیا تو بول اُٹھے کہ بلاشبہ یہ کتاب برحق ہے، ہمارے رب کی اتاری ہوئی، ہم اس پر اپنے یقین واعتقاد کا اعلان کرتے ہیں ہم تو پہلے بھی اللہ کی باتوں کو مانتے تھے آج بھی قبول کرتے ہیں۔ فی الحقیقت ہم آج سے مسلمان نہیں بہت پہلے سے مسلمان ہیں۔ کیونکہ کتب سابقہ پر ہمارا ایمان تھا جن میں پیغمبر آخر الزماں اور قرآن کریم کے متعلق صاف بشارات موجود تھیں۔ لہٰذا اُن پیشینگوئیوں پر بھی ہمارا پہلے سے اجمالی ایمان ہوا۔ آج اس کی تفصیل اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت نجاشی رحمہ اللہ کی رعایا کے چندلوگ:

ابن ابی حاتم نے بروایت سعید بن جبیر بیان کیا ہے کہ جب حضرت جعفرؓ اور آپ کے رفقاء نجاشی کے پاس پہنچے تو نجاشی نے ان کی میزبانی کی اور اچھا سلوک کیا جب یہ لوگ لوٹنے لگے تو نجاشی کی حدود مملکت میں رہنے والوں نے نجاشی سے کہا ہم کو اجازت دیجئے کہ (ہم ان کے ساتھ جائیں اور) سمندر میں ان کی خدمت کریں اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر تجدید عہد کریں (نجاشی نے اجازت دے دی) وہ لوگ اپنے ملک سے روانہ ہو کر خدمت گرامی میں حاضر ہو گئے احد، حنین اور خیبر کی لڑائیوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے لیکن ان میں سے کوئی شہید نہیں ہوا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارش کی کہ ہم کو اپنے دیس کو جانے کی اجازت مرحمت فرمادیجئے اپنے ملک میں ہمارے پاس مال ہے ہم وہاں سے مال لا کر مہاجرین کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ مہاجرین سخت محنت (ناداری) میں مبتلا ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی وہ لوگ چلے گئے پھر مال لے کر آئے اور مہاجرین کو تقسیم کیا، اللہ نے انہیں کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔

بغوی نے سعید بن جبیر وغیرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ انہیں کے بارے میں اللہ نے آیات اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ سے وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ تک نازل فرمائیں۔

اہل کتاب کا سابقہ ایمان:

اور جب (قرآن) ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے بلاشبہ یہ ہی سچا ہے ہمارے رب کی طرف سے (اُترا ہے) ہم تو اس سے پہلے ہی مسلم (اطاعت گزار) تھے۔

ہم اس پر ایمان لائے یعنی اس بات پر ایمان لائے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ مُسْلِمِيْنَ یعنی اقرار توحید میں مخلص تھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر ایمان رکھتے تھے۔ پہلے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان رکھنے کی یہ وجہ تھی کہ حضرت عیسیٰؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دے دی تھی اور فرمادیا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر توریت میں بھی تھا اور انجیل میں بھی مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارا ایمان نیا نہیں بلکہ پہلے سے ہے۔ (تفسیر مظہری)

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا

وہ لوگ پائیں گے اپنا ثواب دوہرا اس بات پر کہ قائم رہے

دوہرا ایمان اور دوہرا اجر:

یعنی مغرور و مستغنی ہو کر قبول حق سے گریز نہیں کیا بلکہ جس وقت جو حق پہنچا بے تکلف گردن تسلیم جھکادی۔ (تنبیہ) شیخ اکبرؒ نے فتوحات میں لکھا ہے کہ ان

اہل کتاب کا ایمان اپنے پیغمبر پر دو مرتبہ ہوا۔ اول بالاستقلال دوبارہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے ضمن میں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سابقین کے مصدق ہیں اور اُن پر ایمان رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ان کا ایمان دو مرتبہ ہوا ایک اب بالذات اور بالاستقلال دوسرا پہلے اپنے پیغمبر پر ایمان لانے کے ضمن میں کیونکہ ہر پیغمبر حضور کی بشارت دیتے، اور پیشگی تصدیق کرتے چلے آئے ہیں اسی لئے اُن لوگوں کو اجر بھی دو مرتبہ ملے گا باقی حدیث میں جو آیا ہے اس کی شرح کا یہاں موقع نہیں۔ ہم نے خدا کے فضل سے شرح صحیح مسلم میں اس کو تفصیل لکھا ہے اور اشکالات کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے فللہ الحمد والمنہ وبہ التوفیق والعصمہ۔ (تفسیر عثمانی)

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ یعنی مومنین اہل کتاب کو دو مرتبہ اجر دیا جائیگا۔

دوہرے اجر والے لوگ:

قرآن کریم میں اسی طرح کا وعدہ ازواج مطہرات کے متعلق بھی آیا ہے وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ اور صحیح بخاری کی ایک حدیث میں تین شخصوں کے لئے دوہرے اجر کا ذکر فرمایا ہے ایک وہ اہل کتاب جو پہلے اپنے سابق نبی پر ایمان لایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، دوسرا وہ شخص جو کسی کا مملوک غلام ہو اور وہ اپنے آقا کی بھی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہو اور اللہ اور اس کے رسول کی بھی، تیسرا وہ شخص جس کی ملک میں کوئی کنیز تھی جس سے بلا نکاح صحبت اس کے لئے حلال تھی اس نے اس کو اپنی غلامی سے آزاد کر دیا پھر اس کو منکوحہ زوجہ بنالیا۔ (تفسیر معارف مفتی)

بِمَا صَبَرُوْا بوجہ اس کے کہ وہ (نزول قرآن کے بعد اپنے ایمان پر) جمے رہے۔ (جس طرح پہلے ایمان رکھتے تھے اسی طرح نزول کے بعد بھی ایمان پر قائم رہے۔ برخلاف دوسرے اہل کتاب کے کہ نزول قرآن سے پہلے تو قرآن پر ان کا ایمان تھا اور کافروں کے مقابلہ میں رسول اللہ کے طفیل سے دعاء فتح کیا کرتے تھے۔ لیکن جب وہ جانا پہچانا قرآن (یا رسول) ان کے پاس آ گیا تو محض حسد کی وجہ سے ماننے سے انکار کر دیا۔ اور سابق ایمان پر قائم نہ رہے۔ (تفسیر مظہری)

وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ
اور بھلائی کرتے ہیں بُرائی کے جواب میں

اہل علم کے اوصاف:

یعنی کوئی دوسرا اُن کے ساتھ بُرائی سے پیش آئے تو یہ اُس کے جواب میں مروت و شرافت سے کام لے کر بھلائی اور احسان کرتے ہیں۔ یا یہ مطلب کہ کبھی اُن سے کوئی بُرا کام ہو جائے تو اُس کا تدارک بھلائی سے کر دیتے ہیں تا کہ حسنات کا پلہ سیئات سے بھاری رہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن عباس نے فرمایا لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دے کر شرک کو دفع کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ دشمنوں کی دشمنی کو انکے ساتھ بھلائی کر کے دفع کرتے ہیں اللہ نے فرمایا فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ جس شخص کی تم سے دشمنی ہے (اگر اس کے ساتھ احسان کرو گے) تو وہ ایسا ہو جائے گا کہ گویا وہ گہرا دوست ہے۔ یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ طاعت سے معصیت کو دفع کرتے ہیں اللہ نے فرمایا ہے اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ بلاشبہ نیکیاں گناہوں کو زائل کر دیتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے بدی کے پیچھے نیکی کر لیا کرو وہ بدی کو مٹا دے گی۔ (تفسیر مظہری)

بعض نے فرمایا کہ بھلائی سے طاعت اور بُرائی سے معصیت مراد ہے کیونکہ نیکی بدی کو مٹا دیتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ نے حضرت معاذ بن جبل سے فرمایا اَتْبِعِ الْحَسَنَةَ السَّيِّئَةَ تَمْحُهَا یعنی بدی اور گناہ کے بعد نیکی کرو تو وہ گناہ کو مٹا دے گی۔ اور بعض حضرات نے فرمایا حسنہ سے مراد علم و حلم اور سیئہ سے مراد جہل و غفلت ہے یعنی یہ لوگ دوسروں کی جہالت کا جواب جہالت کے بجائے حلم و بُردباری سے دیتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ
اور ہمارا دیا ہوا کچھ خرچ کرتے رہتے ہیں

یعنی اللہ نے جو مال حلال دیا ہے اُس میں سے زکوٰۃ دیتے ہیں، صدقہ کرتے ہیں خویش و اقارب کی خبر لیتے ہیں۔ غرض حقوق العباد ضائع نہیں کرتے (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا
اور جب سنیں نکمی باتیں اُس سے کنارہ کریں اور کہیں ہم کو ہمارے کام
وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ
اور تم کو تمہارے کام سلامت رہو ہم کو نہیں چاہئیں بے سمجھ لوگ

جاہلوں سے برتاؤ:

یعنی کوئی جاہل لغو بیہودہ بات کہے تو اُس سے اُلجھتے نہیں۔ کہہ دیتے ہیں کہ بس صاحب! تمہاری باتوں کو ہمارا دور سے سلام۔ یہ جہالت کی لوٹ تم ہی رکھو ہم کو ہمارے مشغلہ میں رہنے دو۔ تمہارا کیا تمہارے اور ہمارا کیا ہمارے سامنے آ جائے گا۔ ہم کو تم جیسے بے سمجھ لوگوں سے اُلجھنے کی ضرورت نہیں۔ محمد بن اسحاق نے سیرت میں لکھا ہے کہ قیام مکہ کے زمانہ میں تقریباً بیس اشخاص حبشہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سن کر آئے کہ تحقیق کریں کیسے شخص ہیں۔

آپ سے بات چیت کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھ کر سنایا، اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور بڑے زور سے آپ کی تصدیق کی، جب مشرف بایمان ہو کر واپس ہونے لگے تو ابو جہل وغیرہ مشرکین نے اُن پر آوازے کسے کہ ایسے احمقوں کا قافلہ آج تک نہیں نہ دیکھا ہوگا۔ جو ایک شخص کی تحقیق حال کرنے آئے تھے اور اُس کے غلام بن کر اور اپنا دین چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نُجَاهِلُكُمْ لَنَا مَا نَحْنُ عَلَيْهِ وَلَكُمْ مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ لَمْ نَالُ اَنْفُسَنَا خَيْراً. (بس ہم تم کو سلام کریں، معاف رکھو ہم تمہاری جہالت کا جواب جہالت سے دینا نہیں چاہتے، ہم اور تم میں سے جو جس حال پر ہے اُس کا وہ ہی حصہ ہے ہم نے اپنے نفس کا بھلا چاہنے میں کچھ کوتاہی نہیں کی) اسی کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔ واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جس جاہل سے توقع نہ ہو کہ سمجھائے پر لگے گا اُس سے کنارہ ہی بہتر ہے۔ (موضح) (تفسیر عثانی)

سلام علیکم اس سے مراد سلام تحیت و دعا نہیں بلکہ سلام ترک مراد ہے مطلب ہم گالیاں نہیں دیں گے برا نہیں کہیں گے۔ تم کو جواب نہیں دیں گے۔ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ یعنی ہم جاہلوں کا دین نہیں چاہتے تمہارے مذہب کو پسند نہیں کرتے بعض کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ ہم جاہلوں کے ساتھ رہنا نہیں چاہتے۔ بعض نے یہ مطلب بیان کیا ہے ہم جاہلوں میں سے ہونا نہیں چاہتے یعنی تم ہم کو گالیاں دیتے ہو برا کہتے ہو اگر جواب میں ہم بھی تم کو گالیاں دیں گے تو تمہاری طرح جاہل ہو جائیں گے اور ہم ایسا ہونا نہیں چاہتے ہم جاہلوں میں سے ہو جانے سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے یہ حکم اس وقت تھا جب جہاد کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ میں کہتا ہوں بغوی کا یہ قول واقعہ نزول کے مطابق نہیں ہے کیونکہ اس آیت کا نزول یا حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے حق میں ہوا یہ حضرات تو ہجرت کے بعد اسلام لائے تھے یا ان حبشیوں کی بابت ہوا جو حضرت جعفر بن ابی طالب کے ساتھ نجاشی کے پاس سے آئے تھے ان کی آمد بھی ۶ھ میں غزوۂ خیبر کے وقت ہوئی تھی یا چالیس نجرانیوں اور آٹھ شامیوں کے متعلق نزول ہوا۔ یہ واقعہ بھی ہجرت کے بعد کا ہے اور اس وقت کا جب جہاد کا حکم آ چکا تھا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ

تو راہ پر نہیں لاتا جس کو چاہے پر

اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۚ

اللہ راہ پر لائے جس کو چاہے

جناب ابوطالب:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا (ابوطالب) کے واسطے بہت سعی کی کہ مرتے وقت کلمہ پڑھ لے، اُس نے قبول نہ کیا۔ اس پر یہ آیت اُتری (موضح) یعنی جس سے تم کو طبعی محبت ہو، یا دل چاہتا ہو کہ فلاں کو ہدایت ہو جائے لازم نہیں کہ ایسا ضرور ہو کر رہے۔ آپ کا کام صرف رستہ بتانا ہے آگے یہ کہ کون رستہ پر چل کر منزل مقصود تک پہنچتا ہے کون نہیں پہنچتا، یہ آپ کے قبضۂ اختیار سے خارج ہے۔ اللہ کو اختیار ہے جسے چاہے قبول حق اور وصول الی المطلوب کی توفیق بخشے (تنبیہ) جو کچھ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔ اس سے زائد اس مسئلہ میں کلام کرنا اور ابوطالب کے ایمان وکفر کو خاص موضوع بحث بنا لینا غیر ضروری ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اس قسم کی غیر ضروری اور پرخطر مباحث میں کف لسان کیا جائے۔ (تفسیر عثانی)

مسلم وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب سے فرمایا آپ لا اله الا اللّٰہ کہہ دیجئے تاکہ قیامت کے دن میں آپ کے لئے شہادت دے سکوں تو ابوطالب نے کہا اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ قریش کی عورتیں عار دلائیں گی اور کہیں گی (موت کے) خوف سے ابوطالب نے کلمہ پڑھ لیا تو میں یہ کلمہ پڑھ کر تمہاری آنکھ ٹھنڈی کر دیتا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں اور نسائی نے ابوسعید بن رافع کی روایت سے بیان کیا ہے ابوسعید نے کہا میں نے حضرت ابن عمر سے دریافت کیا۔ کیا آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ ابوجہل وابوطالب کے متعلق نازل ہوئی؟ فرمایا ہاں۔ شیخین اور نسائی اور ابن جریر اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ اور ابن مردویہ اور بیہقی نے سعید بن مسیّب کے حوالہ سے ان کے باپ کی روایت نقل کی ہے سعید کے باپ نے کہا ابوطالب کے انتقال کا وقت آ پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ وہاں موجود تھے حضور نے فرمایا میرے چچا لا الہ الا اللہ ایک بار کہہ دیجئے تاکہ اللہ کے سامنے اس کلمہ کو آپ کے لئے حجت میں پیش کر سکوں ابوجہل اور عبداللہ نے کہا کیا آپ عبدالمطلب کے دین سے روگرداں ہو جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر کلمہ پیش کرتے رہے اور بار بار دہراتے رہے بالآخر ابوطالب نے جو آخری لفظ زبان سے نکالا وہ یہ تھا علی ملۃ عبدالمطلب۔ عبدالمطلب کے مذہب پر۔ اور لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک مجھے ممانعت نہ ہو گی میں

آپ کے لئے دعاء مغفرت کرتا رہوں گا اس کے بعد یہ آیت نازل فرمائی۔ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ الآية نبی کے لئے اور مسلمانوں کے لئے مشرکوں کے لئے دعاء مغفرت کرنی جائز نہیں الآیۃ۔ اور ابو طالب کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ آیۃ۔ (تفسیر مظہری)

وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾

اور وہی خوب جانتا ہے جو راہ پر آئیں گے

یعنی کسی کو کسی شخص کے راہ پر لانے کا اختیار کیا ہوتا علم بھی نہیں کہ کون راہ پر آنے والا ہے یا آنے کی استعداد ولیاقت رکھتا ہے بہر حال اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرما دی کہ آپ جاہلوں کی لغو گوئی اور معاندانہ شور وشغب یا اپنے خاص اعزا واقارب کے اسلام نہ لانے سے غمگین نہ ہوں جس قدر آپ کا فرض ہے وہ ادا کئے جائیں، لوگوں کی استعدادیں مختلف ہیں، اللہ ہی کے علم واختیار میں ہے کہ ان میں سے کسے راہ پر لایا جائے (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوا إِن نَّتَّبِعِ الْهُدَىٰ مَعَكَ

اور کہنے لگے اگر ہم راہ پر آئیں تیرے ساتھ

نُتَخَطَّفْ مِنْ أَرْضِنَا ۚ

اُچک لئے جائیں اپنے ملک سے

مشرکین کا عذر:

انسان کو ہدایت سے روکنے والی کئی چیزیں ہیں مثلاً نقصان جان ومال کا خوف، چنانچہ بعض مشرکین مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ بیشک ہم جانتے ہیں کہ آپ حق پر ہیں، لیکن اگر ہم دین اسلام قبول کر کے آپ کے ساتھ ہو جائیں تو سارا عرب ہمارا دشمن ہو جائے گا۔ اردگرد کے تمام قبائل ہم پر چڑھ دوڑیں گے اور مل کر ہمارا لقمہ کر لیں گے، نہ جان سلامت رہے گی نہ مال۔ اس کا آگے جواب دیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن جریر نے بروایت عوفی حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ کچھ قریشی لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا اگر ہم آپ کی پیروی کریں گے تو لوگ ہم کو اچک لیں گے۔ (تفسیر مظہری)

أَوَلَمْ نُمَكِّن لَّهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ

کیا ہم نے جگہ نہیں دی اُن کو حرمت والے پناہ کے مکان میں کھنچے چلے آتے ہیں

ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّن لَّدُنَّا وَلَٰكِنَّ

اس کی طرف میوے ہر چیز کے روزی ہماری طرف سے پر

أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٧﴾

بہت اُن میں سمجھ نہیں رکھتے

عذر کا جواب:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں مکہ کے لوگ کہنے لگے کہ ہم مسلمان ہوں تو سارے عرب ہم سے دشمنی کریں اللہ نے فرمایا اب ان کی دشمنی سے کس کی پناہ میں بیٹھے ہو۔ یہی حرم کا ادب (مانع ہے کہ باوجود آپس کی سخت عداوتوں کے باہر والے چڑھائی کر کے تم کو مکہ سے نکال نہیں دیتے) وہی اللہ (جس نے اس جگہ کو حرم بنایا) تب بھی پناہ دینے والا ہے (موضح) کیا شرک وکفر کے باوجود تو پناہ دی ایمان وتقویٰ اختیار کرنے پر پناہ نہ دے گا۔ ہاں ایمان وتقویٰ کو پرکھنے کے لئے اگر چند روزہ امتحان کے طور پر کوئی بات پیش آئے تو گھبرانا نہ چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

حرم دور جاہلیت میں بھی امن کی جگہ تھی:

دور جاہلیت میں عرب باہم قتل وغارت کیا کرتے تھے لوٹ مار کا عام دستور تھا کسی جگہ امن نہ تھا لیکن مکہ والے حرم کی حرمت کی وجہ سے امن چین سے رہتے تھے۔ مشہور بات ہے کہ ہرن بھیڑیوں سے اور کبوتر شکاری چیلوں سے محفوظ رہتے حرم کے اندر کوئی جانور بھی کسی جانور کا شکار نہیں کرتا تھا۔

جب بت پرستی کے دور میں بت پرست حرمت حرم کی وجہ سے مامون و محفوظ تھے تو حرمت کعبہ کے ساتھ جب حرمت توحید بھی شامل ہو گئی تو پھر جھپٹ لے جانے پر اللہ کیسے قدرت دے سکتا ہے۔

وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لیکن ان میں سے اکثر لوگ جاہل ہیں نہ اس بات کو سمجھتے ہیں نہ غور کرتے ہیں۔ ڈرنا تو کفر ومعصیت کی وجہ سے اللہ کے عذاب سے چاہیے نہ کہ ایمان وتوحید سے کیونکہ۔ (تفسیر مظہری)

ارض مکہ کو حرم بنا دیا اور پورے عرب کے قبائل کفر وشرک اور باہمی عداوتوں کے باوجود اس پر متفق تھے کہ زمین حرم مکہ میں قتل وقتال سخت حرام ہے۔ حرم میں باپ کا قاتل بیٹے کو ملتا تو انتہائی جوش انتقام کے باوجود کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ حرم کے اندر اپنے دشمن کو قتل کر دے یا اس سے کوئی انتقام لے لے، اس لئے ایمان لانے میں اُن کو یہ خطرہ محسوس کرنا کس قدر جہالت ہے کہ جس مالک نے اپنے رحم وکرم سے اُن کے کفر وشرک کے باوجود اس زمین میں امن دے رکھا ہے تو ایمان لانے کی صورت میں وہ اُن کو کیسے ہلاک

ہونے دے گا یحییٰ بن سلام نے فرمایا کہ معنے آیت کے یہ ہیں کہ تم حرم کی وجہ سے مامون و محفوظ تھے، میرا دیا ہوا رزق فراخی کے ساتھ کھا رہے تھے اور عبادت میرے سوا دوسروں کی کرتے تھے اپنی اس حالت سے تو تمہیں خوف نہ ہوا اُلٹا خوف اللہ پر ایمان لانے سے ہوا (قرطبی) آیت مذکورہ میں حرم مکہ کے دو وصف بیان فرمائے ہیں ایک یہ کہ وہ جائے امن ہے، دوسرے یہ کہ وہاں اطراف دُنیا سے ہر چیز کے ثمرات لائے جاتے ہیں تاکہ مکہ کے باشندے اپنی تمام ضروریات آسانی سے پوری کر سکیں۔ (معارف مفتی)

حرم میں ہر قسم کے پھل:

رات دن کے تمام اوقات میں تیار شدہ غذا ہر وقت ملتے رہنے کا مشاہدہ ہر شخص کرتا ہے اور قرآن کریم کے لفظ (ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ) میں غور کریں تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عرفِ عام کے اعتبار سے ثمرات کا تعلق درختوں کے ساتھ ہے مقام اس کا تھا کہ ثمراتِ کُلِ شجر فرمایا جاتا، اس کے بجائے ثمرات کُل شیٔ فرماتے ہیں بعید نہیں کہ اشارہ اس طرف ہو کہ لفظ ثمرات یہاں صرف پھلوں کے معنے میں نہیں بلکہ مطلقاً حاصل اور پیداوار کے معنی میں ہے ملوں اور کارخانوں کی مصنوعات بھی اُن کے ثمرات ہیں، اس طرح حاصل اس آیت کا یہ ہوگا کہ حرم مکہ میں صرف کھانے پینے ہی کی چیزیں جمع نہیں ہوں گی بلکہ تمام ضروریاتِ زندگی جمع کر دی جائیں گی جس کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہو رہا ہے۔ (معارف مفتی)

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ

اور کتنی غارت کر دیں ہم نے بستیاں جو اترا چلی تھیں اپنی گذران میں اب یہ ہیں

مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ

اُن کے گھر آباد نہیں ہوئے اُن کے پیچھے مگر تھوڑے

اللہ کے عذاب سے ڈرو:

یعنی عرب کی دشمنی سے کیا ڈرتے ہو، اللہ کے عذاب سے ڈرو، دیکھتے نہیں کتنی قومیں گزر چکی ہیں جنہیں اپنی خوش عیشی پر غرہ ہو گیا تھا۔ جب انہوں نے تکبر اور سرکشی اختیار کی اللہ تعالیٰ نے کس طرح تباہ و برباد کر ڈالا کہ آج صفحہ ہستی پر اُن کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ یہ کھنڈر اُن کی بستیوں کے پڑے ہیں جن میں کوئی بسنے والا نہیں بجز اس کے کہ کوئی مسافر تھوڑی دیر ستانے یا قدرتِ الٰہی کا عبرتناک تماشہ دیکھنے کے لئے وہاں جا اترے۔ (تفسیر عثمانی)

دوسری کافر قوموں کے حالات پر نظر ڈالو کہ اُن کے کفر و شرک کے وبال سے کس طرح اُن کی بستیاں تباہ ہوئیں اور مضبوط و مستحکم قلعے اور حفاظتی سامان سب خاک میں مل گئے تو اصل خوف کی چیز کفر و شرک ہے جو تباہی و بربادی کا سبب ہوتا ہے، تم کیسے بیخبر بیوقوف ہو کہ کفر و شرک سے خطرہ محسوس نہیں کرتے ایمان سے خطرہ محسوس کرتے ہو۔ (معارف مفتی)

وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ۝

اور ہم ہیں آخر کو سب کچھ لینے والے

یعنی سب مر مرا گئے کوئی وارث بھی نہ رہا۔ ہمیشہ رہے نام اللہ کا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ

اور تیرا رب نہیں غارت کرنے والا بستیوں کو جب تک نہ بھیج لے

فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ

اُن کی بڑی بستی میں کسی کو پیغام دے کر جو سُنائے اُن کو ہماری باتیں

قانونِ قدرت:

یعنی اللہ تعالیٰ اُس وقت تک بستیوں کو غارت نہیں کرتا جب تک اُن کے صدر مقام میں کوئی ہشیار کرنے والا پیغمبر نہ بھیج دے (صدر مقام کی تخصیص شاید اس لئے کی کہ وہاں کا اثر دُور تک پہنچتا ہے اور شہروں کے باشندے نسبۃً سلیم و عقیل ہوتے ہیں) تمام روئے زمین کی آبادیوں کا صدر مقام مکہ معظمہ تھا۔ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (شوریٰ۔ رکوع ۱) اس لئے وہاں سب سے بڑے اور آخری پیغمبر مبعوث ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک اُس قوم کے بڑے شہروں میں اپنے کسی رسول کے ذریعہ پیغامِ حق نہ پہنچا دے، جب دعوتِ حق پہنچ جائے اور لوگ اُس کو قبول نہ کریں اس وقت ان بستیوں پر عذاب آتا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے انبیاء اور رُسُل عموماً بڑے شہروں میں مبعوث ہوتے ہیں وہ چھوٹے قصبات و دیہات میں نہیں آتے کیونکہ ایسے قصبات و دیہات عادۃً شہر کے تابع ہوتے ہیں اپنی معاشی ضروریات میں بھی اور تعلیمی ضروریات میں بھی، اور شہر میں جو بات پھیل جائے اس کا تذکرہ ملحقہ قصبات و دیہات میں خود بخود پھیل جاتا ہے۔ (معارف مفتی)

صحیحین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ میں تمام سیاہ و سفید کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اسی لئے نبوت و رسالت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے قیامت تک نہ کوئی نبی آئے گا نہ رسول۔ کہا گیا ہے کہ مُرادِ اُمّ القُریٰ سے اصل اور بڑا قریہ ہے۔ (ابن کثیر)

وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝

اور ہم ہرگز نہیں غارت کرنے والے بستیوں کو مگر جب کہ وہاں کے لوگ گنہگار ہوں

یعنی ہشیار کرنے پر بھی جب لوگ باز نہیں آتے، برابر ظلم وطغیان میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں تب اللہ تعالیٰ پکڑ کر ہلاک کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

اور جو تم کو ملی ہے کوئی چیز سو فائدہ اُٹھا لینا ہے دنیا کی زندگی میں

وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾

اور یہاں کی رونق ہے اور جو اللہ کے پاس ہے سو بہتر ہے اور باقی رہنے والا کیا تم کو سمجھ نہیں

دنیا کا سامان فانی ہے:

یعنی آدمی کو عقل سے کام لے کر اتنا سمجھنا چاہیے کہ دنیا میں کتنے دن جینا ہے اور یہاں کی بہار اور چہل پہل کا مزہ کب تک اُٹھا سکتے ہو۔ فرض کرو دنیا میں عذاب بھی نہ آئے۔ تاہم موت کا ہاتھ تم سے یہ سب سامان جدا کر کے رہے گا۔ پھر خدا کے سامنے حاضر ہونا اور ذرہ ذرہ عمل کا حساب دینا ہے اگر وہاں کا عیش وآرام میسر ہو گیا تو یہاں کا عیش اس کے سامنے محض ہیچ اور لاشئے ہے کون عقلمند ہوگا جو ایک مکدر ومنغص زندگی کو بے غل وغش زندگی پر اور ناقص وفانی لذتوں کو کامل وباقی نعمتوں پر ترجیح دے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا جس میں یہ بتلایا کہ اگر بالفرض ایمان لانے کے نتیجہ میں تمہیں کوئی تکلیف پہنچ ہی جائے تو وہ چند روزہ ہے اور جس طرح دنیا کی عیش وعشرت مال ودولت سب چند روزہ متاع ہے کسی کے پاس ہمیشہ نہیں رہتی، اسی طرح یہاں کی تکلیف بھی چند روزہ ہے جلد ختم ہوجانے والی ہے اس لئے عقلمند کا کام یہ ہے کہ فکر اُس تکلیف وراحت کی کرے جو پائیدار اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔

عقلمند کون؟: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنے مال وجائیداد کے متعلق یہ وصیت کر کے مر جائے کہ میرا مال اُس شخص کو دے دیا جائے جو سب سے زیادہ عقلمند ہو تو اس مال کے مصرف شرعی وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت وطاعت میں مشغول ہوں، کیونکہ عقل کا تقاضا یہی ہے اور دنیاداروں میں سے سب سے زیادہ عقل والا وہی ہے۔ یہی مسئلہ فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب دُرِمختار باب الوصیت میں بھی مذکور ہے۔ (معارف مفتی)

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ

بھلا ایک شخص جس سے ہم نے وعدہ کیا ہے اچھا وعدہ سو وہ اس کو پانے والا ہے

كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ

برابر ہے اُس کی جس کو ہم نے فائدہ دیا دنیا کی زندگانی کا پھر

هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۶۱﴾

وہ قیامت کے دن پکڑا ہوا آیا

مؤمن وکافر برابر نہیں:

یعنی مومن وکافر دونوں انجام کے اعتبار سے کس طرح برابر ہو سکتے ہیں۔ ایک کے لئے دائمی عیش کا وعدہ جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا اور دوسرے کے لئے چند روزہ عیش کے بعد گرفتاری کا وارنٹ اور دائمی جیلخانہ، العیاذ باللہ! ایک شخص خواب میں دیکھے کہ میرے سر پر تاج شاہی رکھا ہے، خدم وحشم پرے باندھے کھڑے ہیں اور الوانِ نعمت دسترخوان پر چنے ہوئے ہیں جن سے لذت اندوز ہو رہا ہوں، آنکھ کھلی تو دیکھا انسپکٹر پولیس گرفتاری کا وارنٹ اور بیڑی ہتکڑی لئے کھڑا ہے، بس وہ پکڑ کر لے گیا اور فوراً ہی پیش ہو کر حبس دوام کی سزا مل گئی۔ بتاؤ اُسے وہ خواب کی بادشاہت اور پلاؤ قورمے کی لذت کیا یاد آئے گی۔ (تفسیر عثمانی)

فرعون دسویں محرم کو عاشورہ کے دن ہلاک ہوا اور توریت دسویں ذی الحجہ کو عطا ہوئی۔ (معارف کاندھلوی)

وَعْدًا حَسَنًا یعنی جنت کا وعدہ جس چیز کا وعدہ کیا جائے اگر وہ اچھی ہو تو اس کا وعدہ بھی اچھا ہوتا ہے جنت بجائے خود اچھی ہے اس لئے اس کا وعدہ بھی اچھا ہے۔

فَهُوَ لَاقِيْهِ لامحالہ وہ اس کو وعدۂ الٰہی کے مطابق ضرور پائے گا کیونکہ اللہ کے وعدہ کے خلاف ہونا ناممکن ہے۔

مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یعنی وہ حیات ودنیاوی کا سامان جو آلام سے پر ہے تکالیف اور مصائب نے اس کو مکدر کر دیا ہے پھر فانی ہے زوال کے بعد سوائے حسرت کے اس کا اور کوئی نتیجہ نہیں۔ (تفسیر مظہری)

بغوی نے مقاتل اور محمد بن کعب قرظی کی روایت سے بیان کیا کہ اس آیت کا نزول حضرت حمزہ اور ابوجہل یا حضرت علی اور ابوجہل کے حق میں ہوا۔ بعض نے کہا کہ حضرت عمار اور ولید بن مغیرہ کے متعلق اس کا نزول ہوا۔ (تفسیر مظہری)

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِیَ

اور جس دن اُن کو پکارے گا تو کہے گا کہاں ہیں میرے شریک

الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۶۲﴾

جن کا تم دعویٰ کرتے تھے

خدائی کے جھوٹے حصہ دار:

یعنی وہ خدائی کے حصہ دار کہاں ہیں ذرا اپنی تائید وحمایت کے لئے لاؤ تو سہی۔ (تفسیر عثمانی)

میں کہتا ہوں شاید شرکاء سے مراد وہ سرداران کفر ہوں کہ جن کی وجہ سے

ان کے تابعین نے اللہ کی عبادت چھوڑ کر انہیں کی عبادت اختیار کر لی تھی اور انہیں کا اتباع کرتے تھے۔ ان کو شرکاء بطور استہزاء کہا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ

بولے جن پر ثابت ہو چکی بات اے رب یہ لوگ ہیں

الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ

جن کو ہم نے بہکایا اُنکو بہکایا جیسے ہم آپ بہکے ہم منکر ہوئے

اِلَيْكَ ۫ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿٦٣﴾

تیرے آگے وہ ہم کو نہ پوجتے تھے

جھوٹے معبودوں کا عذر لنگ:

یعنی سوال تو مشرکین سے تھا، مگر بہکانے والے شرکاء سمجھ جائیں گے کہ فی الحقیقت ہمیں بھی ڈانٹ بتلائی گئی ہے۔ اس لئے سبقت کر کے جواب دیں گے کہ خداوندا! بیشک ہم نے ان کو بہکایا اور یہ بہکانا ایسا ہی تھا جیسے ہم خود بہکے یعنی جو ٹھوکر بہکنے کے وقت کھائی تھی اُسی کی تکمیل بہکانے سے کی۔ کیونکہ بہکانا بھی بہکنے کی انتہائی منزل ہے۔ پس اس جرم اغواء کا تو ہمیں اعتراف ہے لیکن ان مشرکین پر کوئی جبر و اکراہ ہمارا نہ تھا کہ زبردستی اپنی بات منوالیتے فی الحقیقت ان کی ہوا پرستی تھی جو ہمارے بہکانے میں آ گئے۔ اس اعتبار سے یہ ہم کو نہیں پوجتے تھے بلکہ اپنے اہواء وظنون کی پرستش کرتے تھے ہم ان کی عبادت سے آج آپ کے سامنے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ کذا قال بعض المفسرین۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ یہ شیطان بولیں گے۔ بہکایا تو ہے انہوں نے پر نام لے کر نیکوں کا۔ اسی سے کہا کہ ہم کو نہ پوجتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تنبیہ) حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ سے مراد ہے۔ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ. (تفسیر عثمانی)

یعنی جس طرح ہم بہک گئے تھے خود اپنے اختیار سے گمراہی میں پڑ گئے تھے کسی نے ہم پر جبر نہیں کیا تھا اسی طرح یہ لوگ خود اپنے اختیار سے بہکے تھے ہم نے ان پر زبردستی نہیں کی تھی ہم کو جبراً گمراہ کر دینے کا اختیار نہیں تھا ہم نے تو ان کو ورغلایا تھا وسوسے پیدا کئے تھے لالچ دیئے تھے۔ یہ لالچ میں پڑ گئے ہمارا پرفریب وسوسہ اگرچہ ان کو کفر کی طرف دعوت دے رہا تھا لیکن اللہ نے پیغمبر بھیج دیئے تھے کتابیں نازل کر دی تھیں ہر طرح کی دلیلیں قائم کر دی تھیں جن کی موجودگی میں ان کو ہمارے بہکاوے میں نہ آنا چاہئے۔ یہ آیت مضمون کے لحاظ سے ایسی ہی ہے جیسی دوسری آیت میں فرمایا ہے وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ ، الخ۔

تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ یعنی آج ہم تیری بارگاہ میں تیرے سامنے ان سے اور جس کفر کو انہوں نے اپنے نفسانی میلان و جھکاؤ سے اختیار کیا تھا سب سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔

مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ یعنی یہ ہماری پوجا نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کے پجاری تھے۔ (تفسیر مظہری)

اللہ تعالیٰ خود ان شیاطین کی زبانوں سے کہلوا دیں گے کہ ہم نے بہکایا ضرور تھا مگر مجبور تو ہم نے نہیں کیا، اس لئے مجرم ہم بھی ہیں مگر جرم سے بَری یہ بھی نہیں کیونکہ جس طرح ہم نے اُن کو بہکایا تھا اس کے بالمقابل انبیاء علیہم السلام اور اُن کے نائبوں نے ان کو ہدایت بھی تو کی تھی اور دلائل کے ساتھ ان پر حق واضح کر دیا تھا، انہوں نے اپنے اختیار سے انبیاء کی بات نہ مانی ہماری مان لی تو یہ کیسے بَری ہو سکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے سامنے حق کے دلائل واضحہ موجود ہوں اور وہ حق کی طرف دعوت دینے والوں کے بجائے گمراہ کرنے والوں کی بات مان کر گمراہی میں پڑ جائے تو یہ کوئی عذر معتبر نہیں۔ (معارف مفتی)

وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ

اور کہیں گے پکارو اپنے شریکوں کو پھر پکاریں گے اُن کو

فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ

تو وہ جواب نہ دیں گے اُن کو

مصنوعی معبود مدد سے عاجز ہوں گے:

یعنی کہا جائے گا کہ اب مدد کو بلاؤ، مگر وہ کیا مدد کر سکتے خود اپنی مصیبت میں گرفتار ہوں گے۔ کذا قال المفسرون۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ کی تحریر کا حاصل یہ ہے کہ شیاطین جب نیکوں کا نام لیں گے تو مشرکین سے کہا جائے گا کہ اُن نیکوں کو پکارو! وہ کچھ جواب نہ دیں گے۔ کیونکہ وہ ان مشرکانہ حرکات سے راضی نہ تھے یا خبر نہ رکھتے تھے۔

وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿٦٤﴾

اور دیکھیں گے عذاب کسی طرح وہ راہ پائے ہوئے ہوتے

گمراہوں کی حسرت:

یعنی اُس وقت عذاب کو دیکھ کر یہ آرزو کریں گے کہ کاش دنیا میں سیدھی راہ چلتے تو یہ مصیبت کیوں دیکھنی پڑتی۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٦٥﴾

اور جس دن اُنکو پکارے گا تو فرمائے گا کیا جواب دیا تھا تم نے پیغام پہنچانے والوں کو

فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ

پھر بند ہو جائیں گی اُن پر باتیں اس دن سو وہ آپس میں بھی نہ پوچھیں گے

رسالت کا سوال:

پہلے سوالات توحید کے متعلق تھے، یہ سوال رسالت کی نسبت ہوا۔ یعنی اپنی عقل سے تم نے اگر حق کو نہ سمجھا تھا تو پیغمبروں کے سمجھانے سے سمجھا ہوتا، بتلاؤ اُن کے ساتھ تم نے کیا برتاؤ کیا۔ اُس وقت کسی کو جواب نہ آئے گا۔ اور بات کرنے کی راہیں بند ہو جائیں گی۔ (تفسیر عثمانی)

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اس روز ڈر کے مارے جب پیغمبر جواب میں لڑکھڑائیں گے اور جواب کو اللہ کے علم کے سپرد کر دیں گے (اور کہیں گے کہ تو جانتا ہے تیرے علم میں ہے کہ ہم نے ان کو شرک کا حکم نہیں دیا وغیرہ) تو کافر لوگ کس گنتی میں ہوں گے۔ وہ کیا کہہ سکیں گے۔ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ وہ آپس میں سوال نہیں کریں گے دہشت اور خوف کی وجہ سے پوچھنے کی بھی ہمت نہ ہو گی یا اس خیال سے نہیں پوچھیں گے کہ جس سے سوال کیا جائے گا وہ بھی سائل کی طرح (لاجواب) ہوگا پھر پوچھنے کا کیا حاصل۔ (تفسیر مظہری)

بقول حافظ شیرازی

مرا در منزل جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم
جرس فریاد می دارد کہ بر بندید محمل ہا

(معارف کاندھلوی)

فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى

سو جس نے کہ توبہ کی اور یقین لایا اور عمل کئے اچھے سو امید ہے

اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ

کہ ہو چھوٹنے والوں میں

آخرت کی کامیابی ایمان و عمل صالح ہے:

یعنی وہاں کی کامیابی صرف ایمان و عمل صالح سے ہے۔ اب بھی جو کوئی کفر و شرک سے توبہ کر کے ایمان لایا اور نیکی اختیار کی، حق تعالیٰ اُس کی پہلی خطا میں معاف کر کے فائز المرام کرے گا۔ (تنبیہ) فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ وعدہ ہے شہنشاہانہ انداز میں یعنی اُس کو فلاح کی اُمید رکھنا چاہیے۔ گو ہم پر کسی کا دباؤ نہیں کہ ناچار ایسا کرنے پر مجبور ہوں۔ محض فضل و کرم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ

اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہے اور پسند کرے

مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ

جس کو چاہے اُن کے ہاتھ میں نہیں پسند کرنا

تخلیق و انتخاب کا اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے:

یعنی ہر چیز کا پیدا کرنا بھی اسی کی مشیت و اختیار سے ہے اور کسی چیز کو پسند کرنے یا چھانٹ کر منتخب کر لینے کا حق بھی اُسی کو حاصل ہے۔ جو اُس کی مرضی ہو احکام بھیجے، جس شخص کو مناسب جانے کسی خاص منصب و مرتبہ پر فائز کرے۔ جس کسی میں استعداد دیکھے راہ ہدایت پر چلا کر کامیاب فرما دے اور مخلوقات کی ہر جنس میں سے جس نوع کو یا نوع میں سے جس فرد کو چاہے اپنی حکمت کے موافق دوسرے انواع و افراد سے ممتاز بنا دے۔ اُس کے سوا کسی دوسرے کو اس طرح کے اختیار و انتخاب کا حق حاصل نہیں۔ حافظ ابن القیم نے زاد المعاد کے اوائل میں اس مضمون کو بہت بسط سے لکھا ہے۔ فلیراجع۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے مشرکوں نے کہا تھا یہ قرآن دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا یعنی ولید بن مغیرہ پر یا عروہ بن مسعود ثقفی پر اس قول کے جواب میں آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ اس آیت کا ایک مفہوم تو وہ ہے جو خلاصہ تفسیر میں لیا گیا ہے کہ یختار سے مراد اختیار احکام ہے کہ حق تعالیٰ جبکہ تخلیق کائنات میں منفرد ہے کوئی اس کا شریک نہیں تو اجرائے احکام میں بھی منفرد ہے جو چاہے اپنی مخلوق میں حکم نافذ فرمائے۔

فضیلت کا معیار صحیح اختیار خداوندی ہے:

حافظ ابن قیم نے اس آیت سے ایک عظیم الشان ضابطہ اخذ کیا ہے کہ دنیا میں جو ایک جگہ کو دوسری جگہ پر یا ایک چیز کو دوسری چیز پر فضیلت دی جاتی ہے یہ اُس چیز کے کسب و عمل کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ وہ بلاواسطہ خالق کائنات کے انتخاب و اختیار کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اُس نے سات آسمان پیدا کئے ان میں سے سماء علیا کو دوسروں پر فضیلت دے دی حالانکہ مادہ ساتوں آسمانوں کا ایک ہی تھا۔ پھر اُس نے جنت الفردوس کو دوسری سب جنتوں پر اور جبرئیل و میکائیل و اسرافیل وغیرہ خاص فرشتوں کو دوسرے فرشتوں پر، اور انبیاء علیہم السلام کو دوسرے سارے بنی آدم پر اور ان میں سے اولوالعزم رسولوں کو دوسرے انبیاء پر اور اپنے خلیل ابراہیم اور حبیب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے سب اولوالعزم رسولوں پر، پھر اولاد اسماعیل علیہ السلام کو دوسری ساری دنیا کے لوگوں پر پھر قریش کو ان سب پر اور بنی ہاشم کو سب قریش پر اور سید ولد آدم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب بنی ہاشم پر پھر اسی طرح صحابہ کرام اور دوسرے اسلاف اُمت کو دوسروں پر فضیلت دینا یہ سب حق

تعالیٰ جل شانہٗ کے انتخاب واختیار کا نتیجہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں مدارِ فضیلت دو چیزیں ہیں ایک غیر اختیاری ہے جو صرف حق تعالیٰ کا انتخاب ہے دوسرا اختیاری جو اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ فاضلہ سے حاصل ہوتا ہے علامہ ابن قیم نے اس موضوع پر بڑا تفصیلی کلام کیا ہے اور آخر میں صحابہ کرام میں سے خلفاء راشدین کو تمام دوسرے صحابہ پر اور خلفاء راشدین میں صدیق اکبر ان کے بعد عمر بن خطاب ان کے بعد عثمان غنی ان کے بعد علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کی ترتیب کو ان دونوں معیاروں سے ثابت کیا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک مستقل رسالہ فارسی زبان میں اس موضوع پر ہے جس کا اردو ترجمہ احقر نے بنام بعض التفصیل لمسئلۃ التفضیل شائع کر دیا ہے اور احکام القرآن سورۂ قصص میں بھی اس کو بزبان عربی مفصل لکھ دیا ہے۔ اہل علم کے ذوق کی چیز ہے وہاں مطالعہ فرمائیں۔ (معارف مفتی)

سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٨﴾
اللہ نرالا ہے اور بہت اوپر ہے اس چیز سے کہ شریک بتلاتے ہیں

یعنی تخلیق وتشریع اور اختیار مذکور میں حق تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں لوگوں نے اپنی تجویز وانتخاب سے جو شرکاء ٹھہرا لئے ہیں سب باطل اور بے سند ہیں۔

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٦٩﴾
اور تیرا رب جانتا ہے جو چھپ رہا ہے اُن کے سینوں میں اور جو کچھ کہ ظاہر میں کرتے ہیں

اللہ آگاہ ہے:

یعنی دل میں جو فاسد عقیدے یا بُری نیتیں رکھتے ہیں اور زبان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ سے جو کام کرتے ہیں سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اور وہ ہی ہر ایک شخص کی پوشیدہ استعداد وقابلیت سے آگاہ ہے اُسی کے موافق معاملہ کرے گا۔

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى
اور وہی اللہ ہے کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا اُسی کی تعریف ہے دنیا
وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٧٠﴾
اور آخرت میں اور اُسی کے ہاتھ حکم ہے اور اُسی کے پاس پھیرے جاؤ گے

معبود صرف اللہ ہے:

یعنی جس طرح تخلیق واختیار اور علم محیط میں وہ منفرد ہے الوہیت میں بھی یگانہ ہے بجز اس کے کسی کی بندگی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اُسی کی ذات منبع الکمالات میں تمام خوبیاں جمع ہیں۔ دنیا اور آخرت میں جو تعریف بھی ہو خواہ وہ کسی کے نام رکھ کر کی جائے حقیقت میں اُسی کی تعریف ہے۔ اُسی کا حکم چلتا ہے اُسی کا فیصلہ ناطق ہے۔ اُسی کو اقتدار کلی حاصل ہے اور انجام کا سب کو اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ آگے بتلاتے ہیں کہ رات دن میں جس قدر نعمتیں اور بھلائیاں تم کو پہنچتی ہیں اُسی کے فضل وانعام سے ہیں بلکہ خود رات اور دن کا ادل بدل کرنا بھی اُس کا مستقل احسان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَهُ الْحُكْمُ اسی کا فیصلہ (حکم) ہر چیز میں نافذ ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا اہل طاعت کے لئے اس کا حکم مغفرت اور گناہگاروں کے لئے فیصلہ بدبختی نافذ ہے۔

وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ اور اسی (کے حکم) کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ
تو کہہ دیکھو تو اگر اللہ رکھ دے تم پر رات
الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ
ہمیشہ کو قیامت کے دن تک

دن کی روشنی کی نعمت:

مثلاً سورج کو طلوع نہ ہونے دے یا اُس سے روشنی سلب کر لے تو اپنے کاروبار کے لئے ایسی روشنی کہاں سے لا سکتے ہیں۔

مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ
کون حاکم ہے اللہ کے سوائے کہ لائے تم کو کہیں سے روشنی
اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿٧١﴾
پھر کیا تم سنتے نہیں

یہ بات ایسی روشن اور صاف ہے کہ سنتے ہی سمجھ میں آ جائے۔ تو کیا تم سنتے بھی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ
تو کہہ دیکھو تو اگر رکھ دے اللہ تم پر دن
سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ
ہمیشہ کو قیامت کے دن تک کون حاکم ہے اللہ کے سوائے
يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٧٢﴾
کہ لائے تم کو رات جس میں آرام کرو پھر کیا تم نہیں دیکھتے

رات کی نعمت:

یعنی اگر آفتاب کو غروب نہ ہونے دے ہمیشہ تمہارے سروں پر کھڑا رکھے تو جو راحت وسکون اور دوسرے فوائد رات کے آنے سے حاصل ہوتے ہیں ان کا سامان کون سی طاقت کرسکتی ہے۔ کیا ایسی روشن حقیقت بھی تم کو نظر نہیں آتی۔ (تنبیہ) اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ اِنْ جَعَلَ اللّٰہُ عَلَیْکُمُ النَّھَارَ سَرْمَدًا کے مناسب ہے کیونکہ آنکھ سے دیکھنا عادۃً روشنی پر موقوف ہے جو دن میں پوری طرح ہوتی ہے۔ رات کی تاریکی میں چونکہ دیکھنے کی صورت نہیں، ہاں سننا ممکن ہے، اس لئے اِنْ جَعَلَ اللّٰہُ عَلَیْکُمُ الَّیْلَ سَرْمَدًا اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ کیساتھ فرمانا ہی موزوں تھا۔ واللہ اعلم۔

وَمِنْ رَّحْمَتِہٖ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ

اور اپنی مہربانی سے بنا دیئے تمہارے واسطے رات اور دن

لِتَسْکُنُوْا فِیْہِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِہٖ

کہ اُس میں چین بھی کرو اور تلاش بھی کرو کچھ اُس کا فضل

وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

اور تاکہ تم شکر کرو

یعنی رات دن کا اُلٹ پھیر کرتا رہتا ہے تا رات کی تاریکی اور خنکی میں سکون وراحت بھی حاصل کرو اور دن کے اُجالے میں کاروبار بھی جاری رکھ سکو۔ اور روز وشب کے مختلف النوع انعامات پر حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو۔

وَیَوْمَ یُنَادِیْھِمْ فَیَقُوْلُ اَیْنَ شُرَکَآءِیَ الَّذِیْنَ

اور جس دن اُن کو پکارے گا تو فرمائے گا کہاں ہیں میرے شریک جن کا

کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَنَزَعْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ شَھِیْدًا

تم دعویٰ کرتے تھے اور جدا کریں گے ہم ہر فرقہ میں سے ایک احوال بتلانے والا

اعمال کے گواہ:

احوال بتلانے والا پیغمبر یا اُن کے نائب یا جو نیک بخت تھے۔ (موضح) وہ بتلائیں گے کہ لوگوں نے شرائع سماویہ اور احکام الٰہیہ کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا۔ (تفسیر عثمانی)

اور یاد کرو اس دن کو جب کہ اللہ ان (کافروں) کو ندا دے گا اور فرمائے گا (آج) کہاں ہیں وہ میرے (فرض کئے ہوئے) شریک جن کو تم (اپنا سفارشی اور عذاب خدا سے بچانے والا) خیال کرتے تھے۔

یہ زجر کے بعد دوسری زجر ہے یہ تنبیہ ہے اس امر پر کہ اللہ کے غضب کا موجب سب سے بڑھ کر شرک ہے پہلی زجر تھی اس بات پر کہ وہ اپنے سرداروں کے نقش قدم پر چلتے تھے اور سرداروں کا اتباع کر کے انہوں نے اللہ کی عبادت کو ترک کر دیا تھا اور یہ دوسری زجر ہے اس بات پر کہ ان کا عقیدہ ہی بگڑا ہوا ہے وہ پتھروں کو اپنا سفارشی سمجھتے ہیں۔

نزعنا ہم نکال کر لائیں گے شھیدا یعنی پیغمبر کو جو ان کے خلاف شہادت دیں گے۔ بُرْھَانَکُمْ اپنی دلیل یعنی اس بات کی دلیل کہ جس مذہب پر وہ چلتے تھے وہ صحیح تھا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰہِ کہ الوہیت اللہ ہی کی حق ہے الوہیت میں اس کا کوئی شریک نہیں ضَلَّ غائب ہو جائیں گی جیسے کوئی کھوئی ہوئی چیز غائب ہو جاتی ہے مَا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ یعنی دنیا میں جو بے اصل باتیں گھڑتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

فَقُلْنَا ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ

پھر کہیں گے لاؤ اپنی سند

یعنی خدا تعالیٰ کے شریک کس سند اور دلیل سے ٹھہرائے اور حلال وحرام وغیرہ کے احکام کس ماخذ صحیح سے لئے تھے پیغمبروں کو تو تم نے مانا نہیں، پھر کس نے بتلایا کہ خدا کا یہ حکم ہے یہ نہیں۔

فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰہِ وَضَلَّ عَنْھُمْ

تب جان لیں گے کہ سچ بات ہے اللہ کی اور کھوئی جائیں گی اُن سے

مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾

جو باتیں وہ جوڑتے تھے

تب ان پر حق واضح ہوگا:

یعنی اُس وقت نظر آجائے گا کہ سچی بات اللہ کی ہے اور معبودیت صرف اُسی کا حق ہے۔ کوئی اُس کا شریک نہیں۔ دنیا میں پیغمبر جو بتلاتے تھے وہ ہی ٹھیک ہے۔ مشرکین نے جو عقیدے گھڑ رکھے تھے اور جو باتیں اپنے دل سے جوڑی تھیں اُس روز سب کافور ہو جائیں گی۔

اِنَّ قَارُوْنَ کَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰی فَبَغٰی عَلَیْھِمْ

قارون جو تھا سو موسیٰ کی قوم سے پھر شرارت کرنے لگا اُن پر

ربط مضامین:

رکوع سابق کے آغاز میں دنیا کی بے ثباتی اور حقارت آخرت کے مقابلہ میں بیان کی گئی تھی۔ بعدہٗ ذکر آخرت کی مناسبت سے کچھ احوال عالم

آخرت کے بیان ہوئے ۔ رکوع حاضر میں پھر اصل مضمون کی طرف عود کیا گیا ہے اور اسی دعوے کے استشہاد میں قارون کا قصہ سنایا جاتا ہے۔

قارون ملعون:

کہتے ہیں کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا اور فرعون کی پیشی میں رہتا تھا جیسا کہ ظالم حکمتوں کا دستور ہے کہ کسی قوم کا خون چوسنے کے لئے انہی میں سے بعض افراد کو اپنا آلہ کار بنا لیتے ہیں۔ فرعون نے بنی اسرائیل میں سے اُس ملعون کو چُن لیا تھا۔ قارون نے اُس وقت موقع پا کر دونوں ہاتھوں سے خوب دولت سمیٹی اور دنیوی اقتدار حاصل کیا۔ جب بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کے زیر حکم آئے اور فرعون غرق ہوا تو اُس کی مالی ترقی کے ذرائع مسدود ہو گئے اور سرداری جاتی رہی۔ اس حسد و غیظ میں حضرت موسیٰ سے دل میں خلش رکھنے لگا۔ تاہم ظاہر میں مومن بنا ہوا تھا، تورات بہت پڑھتا اور علم حاصل کرنے میں مشغول رہتا تھا۔ مگر دل صاف نہ تھا۔ حضرت موسیٰ اور ہارون کی خداداد عزت و وجاہت دیکھ کر جلتا اور کہتا کہ آخر میں بھی اُن ہی کے چچا کا بیٹا ہوں۔ یہ کیا معنی کہ وہ دونوں تو نبی اور مذہبی سردار بن جائیں۔ مجھے کچھ بھی نہ ملے کبھی مایوس ہو کر شیخی مارتا کہ انہیں نبوت مل گئی تو کیا ہوا۔ میرے پاس مال و دولت کے اتنے خزانے ہیں جو کسی کو میسر نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا تو لوگوں سے کہنے لگا کہ اب تک تو موسیٰ جو احکام لائے ہم تم نے برداشت کئے۔ مگر کیا تم یہ بھی برداشت کرلو گے کہ وہ ہمارا مال بھی ہم سے وصول کرنے لگے۔ کچھ لوگوں نے اُس کی تائید میں کہا، نہیں، ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ آخر ملعون نے حضرت موسیٰ کو بدنام کرنے کی ایک گندی تجویز سوچی۔ کسی عورت کو بہکا سکھلا کر آمادہ کیا کہ بھرے مجمع میں جب موسیٰ علیہ السلام زناء کی حد بیان فرمائیں تو اپنے ساتھ اُن کو متہم کرنا۔ چنانچہ عورت مجمع میں کہہ گزری جب حضرت موسیٰ نے اُس کو شدید قسمیں دیں، اور اللہ کے غضب سے ڈرایا تو اس کا دل ڈرا۔ تب اُس نے صاف کہہ دیا کہ قارون نے مجھ کو سکھلایا تھا۔ اُس وقت حضرت موسیٰ کی بددعا سے وہ مع اپنے گھر اور خزانوں کے زمین میں دھنسا دیا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

مروی ہے کہ قارون حضرت موسیٰ کے چچا کا لڑکا تھا۔ اس کا نسب یہ ہے قارون بن یصہر بن قاہث۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا نسب یہ ہے موسیٰ بن عمران بن قاہث۔ ابن اسحاق کی تحقیق یہ ہے کہ یہ حضرت موسیٰ کا چچا تھا۔ لیکن اکثر علماء چچا کا لڑکا بتلاتے ہیں۔ یہ بہت خوش آواز تھا تورات بڑی خوش الحانی سے پڑھتا تھا۔ اس لئے اسے لوگ منور کہتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

معارف و مسائل

سورۂ قصص کے شروع سے یہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ قصہ مذکور تھا جو اُن کو فرعون اور آلِ فرعون کے ساتھ پیش آیا، یہاں ان کا دوسرا قصہ بیان ہوتا ہے جو اپنی برادری کے آدمی قارون کے ساتھ پیش آیا اور مناسبت اس کی سابقہ آیتوں سے یہ ہے کہ پچھلی آیت میں یہ ارشاد ہوا تھا کہ دنیا کی دولت و مال جو تمہیں دیا جاتا ہے وہ چند روزہ متاع ہے اس کی محبت میں لگ جانا دانشمندی نہیں۔

قارون ایک عجمی لفظ غالباً عبرانی زبان کا ہے۔

روح المعانی میں محمد ابن اسحٰق کی روایت سے نقل کیا ہے کہ قارون تورات کا حافظ تھا اور دوسرے بنی اسرائیل سے زیادہ اس کو تورات یاد تھی مگر سامری کی طرح منافق ثابت ہوا اور اس کی منافقت کا سبب دنیا کے جاہ و عزت کی بیجا حرص تھی۔ پورے بنی اسرائیل کی سیادت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھی اور ان کے بھائی ہارون اُن کے وزیر اور شریک نبوت تھے اس کو یہ حسد ہوا کہ میں بھی تو ان کی برادری کا بھائی اور قریبی رشتہ دار ہوں میرا اس سیادت و قیادت میں کوئی حصہ کیوں نہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام سے اس کی شکایت کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے مجھے اس میں کچھ دخل نہیں، مگر وہ اس پر مطمئن نہ ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حسد رکھنے لگا۔

فَبَغٰی عَلَیْهِمْ لفظ بغی چند معانی کے لئے آتا ہے۔ مشہور معنے ظلم کے ہیں، یہاں یہ معنی بھی مُراد ہو سکتے ہیں کہ اس نے اپنے مال و دولت کے نشہ میں دوسروں پر ظلم کرنا شروع کیا، یحیٰی بن سلام اور سعید بن مسیبؒ نے فرمایا کہ قارون سرمایہ دار آدمی تھا، فرعون کی طرف سے بنی اسرائیل کی نگرانی پر مامور تھا، اس امارت کے عہدے میں اُس نے بنی اسرائیل کو ستایا (قرطبی) (معارف مفتی)

چادر لٹکانا:

شہر بن حوشب نے کہا (غرور و تکبر کا مظاہرہ کرنے کے لئے) قارون نے اپنے کپڑوں کی لمبائی (دوسروں کے مقابلہ میں) ایک بالشت بڑھائی تھی (یعنی اس کے کپڑے نیچے لٹکتے تھے)

حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنا کپڑا (ازار یعنی تہبند لنگی یا کرتا عبا جبہ وغیرہ) تکبر سے کھینچ کر چلتا ہے اللہ اس کی طرف (رحمت کی) نظر نہیں کرے گا۔ رواہ البغوی۔ مسلم نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنی چادر غرور کی وجہ سے کھینچتا چلتا ہے اللہ (قیامت کے دن رحمت کی) نظر سے اس کی طرف نہیں دیکھے گا۔ امام احمد اور نسائی نے صحیح سند سے حضرت

ابن عباس کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ اللہ (رحمت کی نظر سے) اس شخص کو نہیں دیکھے گا جو اپنی ازار (لنگی یا تہبند) کو گھسیٹتا چلتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاٰتَیْنٰهُ مِنَ الْکُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ
اور ہم نے دیئے تھے اُس کو خزانے اتنے کہ اُس کی کنجیاں اُٹھانے سے
بِالْعُصْبَةِ اُولِی الْقُوَّةِ
تھک جاتے کئی مرد زورآور

قارون کے خزانے:

بعض سلف نے مفاتح کی تفسیر خزائن سے کی ہے یعنی اس قدر روپیہ تھا کہ طاقتور مردوں کی ایک جماعت بھی اُسے مشکل سے اُٹھا سکتی۔ لیکن اکثر مفسرین نے مفاتح کی تفسیر کنجیوں سے کی ہے۔ یعنی مال کے صندوق اتنے تھے جن کی کنجیاں اُٹھاتے ہوئے کئی زورآور آدمی تھک جائیں۔ اور یہ چنداں مستبعد نہیں جیسا کہ بعض تفاسیر میں اس کی صورت بتلائی گئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت حیوہ مصری کی کرامت:

چنانچہ مروی ہے کہ حضرت حیوہ بن شریح مصریؒ سے ایک مرتبہ کسی سائل نے سوال کیا اور آپ کے پاس کچھ نہ تھا اور اس کی حاجتمندی اور ضرورت کو دیکھ کر آپ دل میں بہت آزردہ ہو رہے تھے آخر آپ نے ایک کنکر زمین سے اُٹھا لیا اور کچھ دیر اپنے ہاتھوں میں اُلٹ پلٹ کر کے فقیر کی جھولی میں ڈال دیا تو وہ سونے کا ڈلا بن گیا۔ معجزے اور کرامات حدیثوں اور آثار میں اور بھی بہت سی مروی ہیں، جنہیں یہاں بیان کرنا باعث طول ہوگا۔ بعض کا قول ہے کہ قارون اسم اعظم جانتا تھا جسے پڑھ کر اس نے اپنی مالداری کی دعا کی تو اس قدر دولتمند ہوگیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ
جب کہا اُس کو اُس کی قوم نے اترا مت اللہ کو
لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ ۝
نہیں بھاتے اترانے والے

دولت پر اترانا: یعنی اس فانی و زائل دولت پر کیا اتراتا ہے جس کی وقعت اللہ کے ہاں ہر پشہ کی برابر بھی نہیں۔ خوب سمجھ لے کہ خدا تعالیٰ کو اکڑنے اور اترانے والے بندے اچھے نہیں معلوم ہوتے اور جو چیز اُس مالک کو نہ بھائے اُس کا نتیجہ بجز تباہی و ہلاکت کے کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فرح کا لغوی ترجمہ ہے خوشی اور مرغوب چیز پا کر سینہ کی کشائش جس فرح کی ممانعت کی گئی ہے وہ فرح بمعنی غرور ہے۔ جب انسان اپنے کو غنی پاتا ہے تو اترانے لگتا ہے مغرور ہو جاتا ہے تکبر کرنے لگتا ہے۔ ایسی فرح کی ممانعت ہے۔ اللہ نے اسی کو طغیان (پھولا نہ سمانا حد سے تجاوز کرنا) فرمایا ہے ارشاد فرمایا ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰٓی اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی انسان نے اپنے کو غنی پایا تو طغیان (غرور تکبر) کرنے لگا۔ قاموس میں ہے فرح کا معنی ہے خوشی اور (اپنے کو) دیکھنا۔ بغوی نے لا تفرح کا ترجمہ کیا ہے نہ اترا غرور نہ کر نہ اکڑ۔

حصولِ مقصد پر خوشی:

فرح یعنی حصول مقصد سے خوشی تو فطری امر ہے بندہ کے اختیار کو اس میں کوئی دخل نہیں اس لئے اس کی ممانعت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ دنیا ملنے پر خوش ہونا مطلقاً مذموم ہے (خواہ غرور و تکبر پیدا ہو یا نہ ہو) کیونکہ دنیا کی محبت اور دنیا کی پسندیدگی موجب ہے زوال دنیا کی طرف سے غافل ہو جانے کی اور فنا و زوال کی طرف سے غافل ہونا بہر حال مذموم ہے یہ سمجھ لینا کہ دنیا فانی ہے اس کی ہر لذت زوال پذیر ہے یا آنی جانی ہے۔ انسان سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ دنیا سے دل نہ لگائے اسی لئے اللہ نے فرمایا ہے لِکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىکُمْ جو چیز تم کو نہ ملی اس کا غم نہ کرو اور جو کچھ اللہ نے تم کو عطا فرما دیا ہے اس پر خوش نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

فرح کی اجازت صرف آیت فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا میں اور آیت وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ میں دی گئی ہے میرے نزدیک قول فیصل یہ ہے کہ دنیا میں اس نعمت کے ملنے پر جو آخرت میں کام آنے والی ہے فرح کرنا بہر حال قابل تعریف ہے اور اسی کا حکم آیت فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا میں دیا گیا ہے۔ اور جس دنیاوی نعمت کے ملنے پر اللہ کا شکر بھی ادا کیا جائے اس پر بھی خوش ہونا اچھا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھانے والا شکر گزار۔ روزہ دار صابر کی طرح ہے۔ ہاں اگر دنیوی لذتوں کے حصول کے بعد طغیان، سرکشی اور ناشکری پیدا ہو جائے تو قطعاً ایسی نعمت پر خوش ہونا مذموم ہے خوش ہونے کا مذموم یا محمود ہونا شکر اور ناشکری کی بناء پر ہے فی نفسہ بذات خود حصول مطلوب پر خوش ہونا تو فطری امر ہے انسان کے اختیار کو اس میں دخل نہیں۔ (تفسیر مظہری)

اترانے کی سزا:

ایک حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص اپنا تہبند لٹکائے فخر سے جا رہا تھا کہ اسے زمین میں دھنسا دیا گیا جو قیامت تک دھنستا ہوا چلا جائے گا (بخاری) احمد کی روایت میں ہے کہ دو چادروں میں اکڑتا ہوا نکلا تھا کہ خدا تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اسے نگل جا۔ کتاب العجائب میں ہے نوفل بن ماحق کہتے ہیں کہ نجران کی مسجد میں میں نے ایک نوجوان کو دیکھا

بڑا لمبا چوڑا بھر پور جوانی کے نشہ میں چُور گٹھے ہوئے بدن والا بانکا ترچھا اچھے رنگ روغن والا خوبصورت شکیل ۔ میں نگاہیں جما کر اس کے جمال و کمال کو دیکھنے لگا، تو اُس نے کہا کیا دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا آپ کے حُسن و جمال کا مشاہدہ کر رہا ہوں، اور تعجب معلوم ہو رہا ہے ۔ اس نے جواب دیا تو کیا خود اللہ تعالیٰ کو بھی تعجب ہے ۔ نوفل کہتے ہیں کہ اس کلمہ کے کہتے ہی وہ گھٹنے لگا اور اس کا رنگ روپ اُڑنے لگا اور قد پست ہونے لگا، یہاں تک کہ بقدر ایک بالشت کے رہ گیا جسے اس کا کوئی قریبی رشتہ دار آستین میں ڈال کر لے گیا ۔ یہ بھی مذکور ہے کہ قارون کی ہلاکت حضرت موسیٰؑ کی بددعا سے ہوئی تھی ۔

تکبر اور اترانے کی حدود:

حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ جسے یہ بات اچھی لگے کہ اُس کی جوتی کا تسمہ اپنے ساتھی کی جوتی کے تسمے سے اچھا ہو تو وہ بھی اس آیت میں داخل ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ جب وہ فخر و غرور کرے ۔ اور اگر صرف بطور زیبائش کے چاہتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، جیسے صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میری تو یہ خوشی رہتی ہے کہ میری چادر بھی اچھی ہو میری جوتی بھی اچھی ہو تو کیا یہ بھی تکبر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں نہیں یہ تو خوبصورتی ہے، اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور وہ جمال کو پسند فرماتا ہے ۔ (ابن کثیر)

لَا تَفْرَحْ فرح کے لفظی معنے اُس خوشی کے ہیں جو انسان کو کسی لذت عاجلہ کے سبب حاصل ہو۔ قرآن کریم نے بہت سی آیات میں فرح کو مذموم قرار دیا جیسا کہ ایک اسی آیت میں ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ اور ایک آیت میں لَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ اور ایک آیت میں ہے فَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اور بعض آیات میں فرح کی اجازت بلکہ ایک طرح کا امر بھی وارد ہوا ہے جیسے يَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ میں اور آیت میں فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ارشاد ہوا ہے ۔ ان سب آیات کے مجموعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذموم اور ممنوع وہ فرح ہے جو اترانے اور تکبر کرنے کی حد تک پہنچ جائے اور وہ جبھی ہو سکتا ہے کہ اس لذت و خوشی کو وہ اپنا ذاتی کمال اور ذاتی حق سمجھے اللہ تعالیٰ کا انعام و احسان نہ سمجھے ۔ اور جو خوشی اس حد تک نہ پہنچے وہ ممنوع نہیں بلکہ ایک حیثیت سے مطلوب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی شکر گزاری ہے ۔ (معارف مفتی)

وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ
اور جو تجھ کو اللہ نے دیا ہے اُس سے کما لے پچھلا گھر

مال و وسائل کا صحیح استعمال:

یعنی خدا کا دیا ہوا مال اس لئے ہے کہ انسان اسے آخرت کا توشہ بنائے ۔ نہ یہ کہ غفلت کے نشہ میں چور ہو کر غرور و تکبر کی چال چلنے لگے ۔ (تفسیر عثمانی)

اور تجھ کو خدا نے جتنا دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی بھی جستجو کیا کر اور دنیا سے اپنا حصہ (آخرت میں لے جانا) فراموش نہ کر اور جس طرح خدا نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی (اس کے بندوں کے ساتھ) احسان کیا کر اور دنیا میں بگاڑ کا خواہاں نہ ہو بے شک اللہ اہلِ فساد کو پسند نہیں کرتا ۔

فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ یعنی اللہ نے جو دنیوی نعمتیں تجھے عطا فرمائی ہیں ۔

الدَّارَ الْاٰخِرَةَ یعنی جنت کی طلب کر مطلب یہ ہے کہ خداداد نعمتوں کا شکر کر اور ان کو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے راستہ میں خرچ کر ۔

وَلَا تَنْسَ نہ بھول یعنی بھولی بسری چیز کی طرح دنیا سے اپنا حصہ ترک نہ کر یعنی دنیا سے اتنا حصہ ضرور حاصل کر جس سے آخرت میں جنت تجھے مل جائے ۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے انسان کا دنیا میں اصلی نصیب وہ ہے جس سے آخرت کو حاصل کرلے ۔ کذا قال مجاہد و ابن زید ۔

وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ
اور نہ بھول اپنا حصہ دنیا سے اور بھلائی کر
كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ
جیسے اللہ نے بھلائی کی تجھ سے

دنیا کے مال میں آدمی کا حصہ:

یعنی حصہ موافق کھا، پہن اور زیادہ مال سے آخرت کما ۔ اور مخلوق کے ساتھ سلوک کر ۔

سدی نے کہا نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا سے مراد ہے خیرات دینی اور کنبہ پروری کرنی ۔ حضرت علی نے فرمایا اپنی صحت قوت جوانی اور مالداری کو آخرت کے حصول کے لئے صرف کرنے کو ترک نہ کر ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ۔ پانچ چیزوں کو غنیمت سمجھ اپنی زندگی کو مرنے سے پہلے اپنی صحت کو بیماری سے پہلے اپنی فرصت کو مشغولیت سے پہلے اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے اور اپنی مالداری کو افلاس سے پہلے ۔ رواہ الحاکم والبیہقی بسند صحیح ۔ واحمد فی الزہد ۔ (تفسیر مظہری)

بدنیا توانی کہ عقبیٰ خری — اگر گنج قاروں بچنگ آوری
بخر جاں من ورنہ حسرت بری — سعدیؒ نماند مگر آنکہ بخشی بری

اور بعض علماء نے نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا کی یہ تفسیر کی ہے کہ انسان کا حصہ دنیا سے کفن ہے جب اس جہان سے جانے لگے گا تو اتنا ہی نصیب ہو گا لہٰذا انسان کو چاہیئے کہ اس پر نظر رکھے کہ میرا حصہ دنیا سے صرف کفن کی دو چادریں ہیں ۔ اسی خیال کو پیش نظر رکھے اور دنیا کے مال و منال پر گھمنڈ نہ

کرے اسی بنا پر کسی شاعر کا قول ہے۔

نصیبک مما تجمع الدھر کلہ　　رداء ان تلوی فیھما و حنوط

یعنی جو کچھ تو ساری عمر جمع کرے گا۔ اس میں سے تیرا حصہ صرف کفن کی دو چادریں ہیں جن میں تو لپیٹا جائے گا۔

اور حنوط یعنی خوشبو ہے جو کفن پر لگائی جاتی ہے۔ نظم

گر ملک تو شام تا یمن خواہد بود　　وز سرحد روم تا ختن خواہد بود
آ تروز کزین جہاں کنی عزم سفر　　ہمراہ تو چند گز کفن خواہد بود
اگر پہلوانی اگر تیغ زن　　نخواہی بدر بردن الا کفن
(سعدیؒ)

(معارف کاندھلوی)

وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ
اور مت چاہ خرابی ڈالنی ملک میں اللہ کو بھاتے
لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٧٧﴾
نہیں خرابی ڈالنے والے

زمین میں فساد نہ کر:

یعنی حضرت موسیٰ کی ضد نہ کر، خدا کی زمین پر سیدھی طرح رہ خواہ مخواہ ملک میں اودھم مچانا اور خرابیاں ڈالنا اچھا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے جس نے اللہ کی نافرمانی کی وہ زمین پر فساد کا طلب گار ہوا۔ (یعنی گناہ اور اللہ کی نافرمانی ہی فساد اور تباہی ہے)

لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ یعنی بداعمالوں کی بداعمالی کی وجہ سے اللہ ان کو پسند نہیں کرتا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِي ۚ
بولا یہ مال تو مجھ کو ملا ہے ایک ہنر سے جو میرے پاس ہے

قارون کا تکبر و خودغرضی:

یعنی میں ہنرمند تھا۔ کمانے کا سلیقہ رکھتا تھا۔ اپنی لیاقت و قابلیت یا کسی خاص علمی مہارت سے مجھے یہ دولت حاصل ہوئی۔ اللہ نے بھی میری لیاقت دیکھ کر اور قابل جان کر یہ کچھ دیا ہے۔ کیا یونہی بیٹھے بٹھائے بے محنت مل گیا ہے کہ موسیٰ کے حکم اور تمہارے مشورہ کے موافق خدا کے نام پر خرچ کر ڈالوں۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِي قارون نے کہا مجھے جو کچھ ملا ہے (مجھے دیا گیا ہے) وہ مجھے میرے علم کی وجہ سے ملا ہے۔ قوم والوں نے قارون سے کہا تھا، أَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ قارون نے اس کا تردیدی جواب یہ دیا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے میرے ساتھ کوئی احسان نہیں کیا مجھے اس کا استحقاق تھا اس کی کوئی مہربانی نہیں جس کا شکریہ ادا کرنا مجھ پر لازم ہو اور اس کے بندوں سے بھلائی کرنا مجھ پر فرض ہو جائے مجھے جو کچھ عزت مال اور سیادت ملی وہ میرے علم کی وجہ سے ملی۔ (تفسیر مظہری)

کیمیا گری کا علم:

بعض علماء نے کہا علم سے مراد ہے کیمیا گری، سعید بن مسیب کا بیان ہے۔ حضرت موسیٰؑ کیمیا بنانی جانتے تھے آپ نے علم کیمیا کا ایک حصہ تو یوشع بن نون کو سکھا دیا اور ایک تہائی حصہ کالب بن یوقنا کو اور ایک تہائی قارون کو۔ قارون نے یوشع اور کالب کو فریب دے کر وہ حصہ بھی معلوم کر لیا جو انہوں نے سیکھا تھا اس طرح پورا علم کیمیا اس کو حاصل ہو گیا اس کی مالداری کا یہی گر تھا بعض اہل علم نے کہا۔ قارون نے جو لفظ علم بولا تھا اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ میں تجارت کے گر جانتا ہوں کاشتکاری کے فن سے خوب واقف ہوں اور کمائی کے دوسرے راستے مجھے معلوم ہیں انہی ذرائع سے میرے پاس مال آیا ہے۔

بُری خصلتیں:

سہل نے کہا جس نے اپنے کو دیکھا (یعنی اترایا) اس نے فلاح نہیں پائی خوش نصیب وہ ہے جس نے اپنے اوپر (غرور کی) نظر نہ ڈالی اور (نظر غرور سے) اپنے افعال و اعمال کو نہیں دیکھا اور بدبخت وہ ہے جس کی نظر میں اس کے اپنے اقوال اعمال اور احوال پسندیدہ بنا کر دکھا دیئے ہوں اور ان پر فخر کرنے لگا ہو عنقریب کسی دن ایسا بدنصیب ہلاک کر دیا جائے گا جس طرح کہ قارون کو زمین میں دھنسا دیا گیا جب کہ اس نے اپنے لئے برتری کا دعویٰ کیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِن قَبْلِهِ مِنَ
کیا اُس نے یہ نہ جانا کہ اللہ غارت کر چکا ہے اُس سے پہلے کتنی
الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا
جماعتیں جو اُس سے زیادہ رکھتی تھیں زور اور زیادہ رکھتی تھیں مال کی جمع

دولت کس نے دی؟

یعنی دولت کمانے کی لیاقت کس نے دی۔ افسوس ہے مُنعم حقیقی کو بھول کر اُس کی دی ہوئی دولت و لیاقت پر غرہ کرنے لگا۔ کیا اسی دولت کو اُس نے اپنی نجات کا ضامن تصور کر رکھا ہے۔ اُسے معلوم نہیں کتنی جماعتیں اپنی شرارت و سرکشی کی بدولت پہلے تباہ کی جا چکی ہیں۔ جن کے پاس بادشاہتیں تھیں۔ اور اس ملعون سے زیادہ خزانوں اور لشکروں کے مالک تھے۔ اُن کا

انجام سن کر اسے عبرت نہ ہوئی۔

وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾

اور پوچھے نہ جائیں گنہگاروں سے اُن کے گناہ

سزا کیلئے اللہ کو گناہوں کے پوچھنے کی ضرورت نہیں:

یعنی پوچھنے کی ضرورت کیا ہوگی۔ اللہ کو اُن کے گناہ ایک ایک کر کے معلوم ہیں فرشتوں کے ہاں سب لکھے ہوئے ہیں، ہاں بطور توبیخ وتقریع اگر کسی وقت سوال ہو وہ دوسری بات ہے۔ یا یہ کنایہ ہے گناہوں کی کثرت سے یعنی اتنی تعداد میں ہوں گے کہ ایک ایک جزئی کی پوچھ پاچھ کی ضرورت نہ رہے گی۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "پوچھے نہ جائیں گے گناہ، یعنی گناہگار کی سمجھ درست ہو تو گناہ کیوں کرے۔ جب سمجھ الٹی پڑے تو الزام دینے سے کیا فائدہ کہ یہ بُرا کام کیوں کرتا ہے اس کی بُرائی نہیں سمجھتا" (موضح) (تفسیر عثمانی)

وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ اور مجرموں سے ان کے قصوروں کے متعلق (تحقیق کی غرض سے) نہیں پوچھا جائے گا۔ کیونکہ اللہ کو پہلے ہی سے ان کے جرائم معلوم ہوں گے اس کو پوچھنے اور دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسی لئے دنیا میں وہ بغیر دریافت کئے جرائم کی سزا میں ہلاک کرتا ہے اور آخرت میں دوزخ میں داخل کرے گا۔ پہلے اللہ نے ایسے لوگوں کو ہلاک کرنے کا ذکر کیا جو مالدار بھی بہت تھے اور تعداد میں بھی بہت تھے تا کہ قارون کے دل میں اپنی ہلاکت کا خوف پیدا ہو اس آیت میں فرمایا کہ یہ عذاب انہیں کے ساتھ خاص نہ تھا بلکہ اللہ تمام اگلے پچھلے مجرموں کے جرائم پر مطلع ہے سب کو سزا دے گا۔ قتادہ نے لَا يُسْـَٔلُ کا یہ مطلب بیان کیا کہ بغیر پوچھے اور بغیر حساب لئے ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا مجاہد نے کہا فرشتے ان سے ان کے جرائم کا سوال نہیں کریں گے بلکہ چہروں سے ہی پہچان لیں گے حسن نے کہا دریافت حال اور تحقیق کے لئے ان سے نہیں پوچھا جائے گا بلکہ توبیخ وزجر کی غرض سے بازپرس کی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ۗ قَالَ الَّذِيْنَ

پھر نکلا اپنی قوم کے سامنے اپنے ٹھاٹھ سے کہنے لگے جو لوگ

يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ

طالب تھے دنیا کی زندگانی کے اے کاش ہم کو ملے جیسا کچھ ملا ہے

اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۷۹﴾

قارون کو بیشک اس کی بڑی قسمت ہے

قارون کی ٹیپ ٹاپ:

یعنی لباس فاخرہ پہن کر بہت سے خدم وحشم کے ساتھ بڑی شان وشکوہ اور ٹیپ ٹاپ سے نکلا، جسے دیکھ کر طالبین دنیا کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ کہنے لگے کاش ہم بھی دنیا میں ایسی ترقی اور عروج حاصل کرتے جو اس کو حاصل ہوا۔ بیشک یہ بڑا ہی صاحب اقبال اور بڑی قسمت والا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مقاتل نے کہا قارون سفید خچر پر نکلا خچر پر سنہری ارغوانی زین تھی چار ہزار سوار تھے ان سواروں کے گھوڑے ارغوانی تھے تین سو باندیاں بھی سفید خچروں پر سوار ساتھ تھیں باندیاں گوری گوری۔ زیور اور سرخ لباس سے آراستہ تھیں۔

بنی اسرائیل (اگرچہ دنیا کے طلب گار تھے لیکن) مومن تھے اس لئے یہ نہیں کہا کہ قارون کی دولت ہم کو مل جاتی یہ تو حسد ہو جاتا بلکہ یوں کہا کہ قارون کی دولت کی طرح کاش ہم کو بھی دولت مل جاتی۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ

اور بولے جن کو ملی تھی سمجھ اے خرابی تمہاری اللہ کا

اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ

دیا ثواب بہتر ہے اُن کے واسطے جو یقین لائے اور کام کیا بھلا

دانا اہل علم کی نصیحت:

یعنی سمجھدار اور ذی علم لوگوں نے کہا کہ کم بختو اس فانی چمک دمک میں کیا رکھا ہے جو ریجھے جاتے ہو۔ مومنین صالحین کو اللہ کے ہاں جو دولت ملنے والی ہے اس کے سامنے یہ ٹیپ ٹاپ محض ہیچ اور لاشے ہے اتنی بھی نسبت نہیں جو ذرہ کو آفتاب سے ہوتی ہے۔

اور جن لوگوں کو (دین کا) علم عطا کیا گیا تھا انہوں نے کہا ارے تمہارا بُرا ہو اللہ کے گھر کا ثواب (ہزار درجہ) بہتر ہے جو ان لوگوں کو ملے گا جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اور (کامل طور پر) انہی لوگوں کو دیا جائے گا جو (حرص وطمع سے) اپنے آپ کو روکنے والے ہیں۔

اُوْتُوا الْعِلْمَ یعنی جو لوگ اس ثواب سے واقف تھے جس کا وعدہ اللہ نے مومنوں سے کیا ہے انہوں نے ان تمنا کرنے والوں سے کہا۔

وَيْلَكُمْ لفظ ویل مصدر ہے اس کا معنی ہے ہلاکت۔ یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے یعنی تم مرو۔ ہلاک ہو جاؤ۔ حقیقت میں اس لفظ کا مفہوم ہے بددعا لیکن اس کا استعمال ناپسندیدہ کام سے روکنے اور زجر کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور یہ بات اُنہی کے دل میں پڑتی ہے جو سہنے والے ہیں

صبر کا پھل:

یعنی دنیا سے آخرت کو بہتر وہ ہی جانتے ہیں جن سے محنت کی جاتی ہے۔ اور بے صبر لوگ حرص کے مارے دنیا کی آرزو کیا کرتے ہیں۔ نادان آدمی دنیا کی آسودگی دیکھ کر سمجھتا ہے کہ اس کی بڑی قسمت ہے اس کی شب و روز کی فکر و تشویش، دردسری اور آخرت کی ذلت و اور سوجگہ خوشامد کرنے کو نہیں دیکھتا اور یہ نہیں دیکھتا کہ دنیا میں جو آرام ہے تو دس بیس برس اور مرنے کے بعد کا ٹھے ہیں ہزاروں برس۔ (موضح بتغییر یسیر) (تفسیر عثمانی)

اہل صبر از جملہ عالم برترند — صابراں از اوج گردوں برترند

ہر کہ کارد تخم صبر اندر جہاں — بدرود محصول عیش صابراں

وَلَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ یعنی یہ بات (کہ اللہ کا ثواب بہتر ہے) نہیں سکھائی جاتی مگر اہل صبر کو یا اللہ کی طرف سے ثواب نہیں دیا جاتا مگر صابروں کو۔ الصابرون یعنی وہ لوگ جو اللہ کی طاعت پر ثابت رہتے ہیں اور گناہوں سے اور دنیا کی حرص سے اپنے آپ کو روکے رکھتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ

پھر دھنسا دیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں پھر نہ ہوئی اس کی

مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

کوئی جماعت — جو مدد کرتی اس کی — اللہ کے — سوائے

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ

اور نہ — وہ — خود بدلا لے سکا

یعنی نہ کوئی دوسرا اپنی طرف سے مدد کو پہنچا نہ یہ کسی کو بلا سکا نہ اپنی ہی قوت کام آئی نہ دوسروں کی۔ (تفسیر عثمانی)

قارون کی سرکشی کا آغاز:

اہل روایت نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ و حضرت ہارون کے بعد قارون سب سے بڑا عالم تھا اور توریت کا سب سے بڑا قاری تھا سب سے زیادہ حسین خوش آواز اور مالدار بھی تھا لیکن اس نے سرکشی کی اور حدود خداوندی سے آگے بڑھ گیا سرکشی اور نافرمانی کی ابتداء اس واقعہ سے ہوئی کہ اللہ نے حضرت موسیٰ کے پاس وحی بھیجی اپنی قوم کو حکم دے دو کہ ہر شخص اپنی چادر کے چاروں کونوں پر ایک ایک نیلا آسمانی رنگ کا دھاگہ باندھ لیں تاکہ دھاگہ کو دیکھ کر آسمانی رنگ ان کی نظر کے سامنے آجائے اور آسمانی رنگ کو دیکھ کر آسمان کی طرف نگاہ اٹھائیں اور ان کو یاد ہو جائے کہ اس آسمان سے اللہ نے اپنا کلام اتارا ہے حضرت موسیٰ نے عرض کیا اے میرے رب کیا تیرا حکم اس طرح نہیں پورا ہو سکتا کہ وہ اپنی پوری چادریں نیلے رنگ میں رنگ لیں کیونکہ بنی اسرائیل ان دھاگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھیں گے فرمایا موسیٰ میرا چھوٹا حکم بھی چھوٹا نہیں ہوتا اگر وہ میرا چھوٹا حکم بھی نہیں مانیں گے تو بڑا حکم بدرجہ اولیٰ نہیں مانیں گے حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو جمع کیا اور فرمایا اللہ کا حکم ہے کہ تم اپنی چادروں پر آسمانی رنگ کے دھاگے باندھ لیا کرو تاکہ ان کو دیکھ کر تم کو اپنے رب (کے کلام) کی یاد ہو جائے بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کے حکم کی تعمیل کی لیکن قارون نے حکم نہیں مانا اور غرور سے کہنے لگا (موسیٰ سب کو غلام بنالینا چاہتے ہیں) ایسا عمل تو آقا اپنے غلاموں کے ساتھ کرتے ہیں تاکہ ان کے غلام دوسرے غلاموں سے الگ معلوم ہو جائیں قارون کی نافرمانی اور سرکشی کا یہی آغاز تھا۔

قارون نے عہدہ طلب کر لیا:

پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر دریا کے پار پہنچ گئے تو بنی اسرائیل کی ساری قربانیوں کی نگرانی حضرت ہارون کے سپرد کر دی اور ان کو افسر قربانی بنا دیا۔ بنی اسرائیل اپنی اپنی قربانیاں حضرت ہارون کے پاس لاتے تھے اور ہارون ان قربانیوں کو قربانی کی جگہ میں رکھ دیتے پھر آسمان سے ایک آگ آکر قربانی کو کھا جاتی تھی۔ قارون کو حضرت ہارون کی اس سرداری کا بھی رنج ہوا اور حضرت موسیٰ کے پاس آکر کہنے لگا موسیٰ تمہارے لئے تو رسالت ہوئی اور ہارون کے لئے قربانی کی افسری اور میں جو توریت کا سب سے بڑا قاری ہوں مجھے کچھ نہیں ملا میں اس بات پر صبر نہیں کر سکتا حضرت موسیٰ نے فرمایا میں نے ہارون کو خود یہ عہدہ نہیں دیا ہے بلکہ اللہ نے یہ عہدہ ان کو دیا ہے۔ قارون نے کہا میں تو تمہاری بات اس وقت تک سچ نہیں مانوں گا جب تک تم اس کا ثبوت مجھے دکھا نہ دو حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ ہر شخص اپنی اپنی لاٹھی لے کر آئے اور اس خیمہ کے اندر لا کر درخت کی طرح گاڑ دے۔ حسب الحکم سب لوگوں نے اپنی اپنی لاٹھیاں مقررہ خیمہ کے اندر لا کر کھڑی کر دیں رات یوں ہی گزر گئی صبح ہوئی تو لوگوں نے دیکھا کہ حضرت ہارون کی لاٹھی (ایک درخت کی طرح) سرسبز ہوگئی اور اس میں ہرے ہرے پتے نکل آئے قارون کہنے لگا موسیٰ جو جادو تم بناتے رہے ہو اس سے زیادہ تعجب آفریں جادو یہ نہیں ہے۔

قارون کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جدائی:

اس کے بعد قارون حضرت موسیٰ سے الگ ہو گیا حضرت موسیٰ قرابت کی وجہ سے اس سے نرمی کا سلوک کرتے رہے مگر وہ ہر وقت آپ کو دکھ ہی دیتا رہا اس کی سرکشی نافرمانی اور دشمنی بڑھتی ہی گئی اس نے (حضرت موسیٰ سے

کٹ کر) اپنا ایک مکان تعمیر کیا جس کا دروازہ سونے کا بنوایا اور دیواروں پر سونے کی پتریں لگوائیں بنی اسرائیل کے بڑے بڑے آدمی روزانہ صبح شام اس کے پاس آتے باتیں کرتے ہنسی مذاق کرتے اور قارون سب کو کھانا کھلاتا تھا (یہ محفل عیش روزانہ گرم ہوتی تھی)۔

قارون نے زکوٰۃ کا انکار کر دیا:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا (اور حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو وہ حکم سنایا) تو قارون نے ماننے سے انکار کر دیا آخر حضرت موسیٰ نے ایک فی ہزار کی شرط پر قارون سے مصالحت کر لی قارون نے وعدہ کر لیا کہ ہزار دینار میں ایک دینار ہزار درہم میں ایک درہم اور ہزار بکریوں میں ایک بکری مد زکوٰۃ میں ادا کرے گا جب قارون اس اقرار کے بعد اپنے گھر پہنچا اور حساب لگایا تو بڑی رقم ہوگئی اور اس کے دل نے اتنا کثیر مال دینے کی اجازت نہیں دی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف فرعون کی تدبیریں ناکام:

آخر (سوچ کر ایک تدبیر کی) بنی اسرائیل کو جمع کیا اور سب سے خطاب کر کے کہا لوگو موسیٰ نے جو حکم بھی تم کو دیا تم نے اس کی تعمیل کی اب (یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ) وہ تمہارے مال بھی لے لینا چاہتا ہے۔ بنی اسرائیل نے کہا آپ ہمارے بڑے ہیں جو آپ کی منشاء ہو حکم دیجئے قارون نے کہا میں حکم دیتا ہوں کہ تم فلاں زانیہ عورت کو لے آؤ ہم کچھ معاوضہ دینا اس سے طے کرلیں گے وہ موسیٰ کو اپنے ساتھ زنا کرنے کی تہمت لگائے اگر اس نے ایسا کر لیا تو بنی اسرائیل موسیٰ کو چھوڑ دیں گے اور اس کے حلقہ سے نکل جائیں گے چنانچہ لوگوں نے اس عورت کو بلوایا قارون نے ایک ہزار درہم معاوضہ دینا منظور کر لیا۔ بعض روایات میں ہزار دینار بعض میں سونے کا ایک طشت دینا طے کیا بعض اہل روایت نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ قارون نے اس سے کہا تجھے مالدار بنا دوں گا اور تجھے اپنی بیویوں میں شامل کر لوں گا بشرطیکہ کل صبح بنی اسرائیل موسیٰ کے پاس جمع ہوں تو موسیٰ کو اپنے ساتھ زنا کرنے پر تو متہم کر دے جب دوسرا دن ہوا تو قارون نے بنی اسرائیل کو جمع کیا پھر موسیٰ کے پاس گیا اور کہا بنی اسرائیل آپ کے برآمد ہونے کا انتظار کر رہے ہیں آپ باہر آ کر ان کو وعظ نصیحت کریں حضرت موسیٰ باہر آئے بنی اسرائیل اس وقت کھلے میدان میں جمع تھے آپ تقریر کرنے کھڑے ہوئے اور فرمایا اے بنی اسرائیل (سنو) جو چوری کرے گا ہم اس کا ہاتھ کاٹ دیں گے جو کسی پر زنا کی تہمت لگائے گا ہم اس کو کوڑے ماریں گے اور جو زنا کرے گا ہم اس کے کوڑے ماریں گے بشرطیکہ اس کی بیوی نہ ہو اور بیوی ہوتے ہوئے اگر زنا کرے گا تو ہم پتھر مار مار کر اس کو ہلاک کر دیں گے قارون بولا خواہ تم ہی ایسے ہو (تب بھی اپنے کو یہی سزا دو گے) حضرت موسیٰ نے فرمایا خواہ میں ہی ہوں قارون کہنے لگا بنی اسرائیل کا خیال ہے کہ تم نے فلاں عورت سے زنا کیا ہے حضرت موسیٰ نے فرمایا اس عورت کو بلواؤ اگر وہ یہ بات کہہ دے تو وہی بات (صحیح) ہوگی جو وہ کہہ دے گی عورت آئی حضرت موسیٰ نے اس سے کہا اے عورت کیا میں نے تیرے ساتھ ایسا کیا ہے یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں حضرت موسیٰ نے اس الزام کا بڑا اثر لیا اور اس خدا کا حوالہ دیا جس نے بنی اسرائیل کے لئے دریا کو پھاڑ دیا اور توریت نازل فرمائی اور فرمایا کیا تو سچ سچ نہیں کہے گی اللہ نے اس عورت کا خیال پلٹ دیا اور اس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ آج توبہ کر لینا اللہ کے رسول کو دکھ دینے سے بہتر ہے کہنے لگی نہیں۔ یہ لوگ جھوٹ کہتے ہیں بلکہ قارون نے مجھے معاوضہ دینا طے کیا تھا اگر میں آپ پر زنا کی تہمت لگا دوں۔ حضرت موسیٰ یہ سنتے ہی سجدہ میں گر پڑے اور رو رو کر کہنے لگے اے اللہ اگر میں تیرا رسول ہوں تو میری وجہ سے اس پر غضب نازل فرما اللہ نے وحی بھیجی کہ زمین کو تمہارے زیر حکم کر دیا گیا تم جو حکم چاہو اس کو وہ یہ حکم کی تعمیل کرے گی حضرت موسیٰ نے فرمایا۔

قارون کی ہلاکت:

اے بنی اسرائیل اللہ نے جس طرح مجھے فرعون کے پاس بھیجا تھا۔ اسی طرح قارون کے پاس بھی بھیجا تھا۔ اب جو اس کے ساتھ رہنا چاہے وہ اس کے پاس ٹھہرا رہے اور جو میرا ساتھ دینا چاہے وہ اس کے پاس سے الگ ہو جائے۔ یہ سنتے ہی سب لوگوں نے قارون کا ساتھ چھوڑ دیا سب اس کے پاس سے ہٹ آئے صرف دو آدمی اس کے پاس رہ گئے پھر حضرت موسیٰ نے (زمین کو حکم دیا اور) فرمایا اے زمین ان کو لے لے زمین نے ان کے قدم کھینچ لئے ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ اپنے تخت اور فرش پر اس وقت موجود تھا زمین نے اس کے تخت کو نگل لیا پھر آپ نے زمین کو حکم دیا لے لے زمین نے گھٹنوں تک ان کو نگل لیا پھر آپ نے فرمایا ان کو لے زمین نے کمر تک ان کو نگل لیا پھر آپ نے فرمایا زمین ان کو لے۔ زمین ان کو گلے تک نگل گئی قارون اور اس کے ساتھی برابر موسیٰ علیہ السلام سے منت زاری کرتے رہے اور قارون برابر حضرت موسیٰ کو اللہ کا اور قرابت کا واسطہ دیتا رہا یہاں تک کہ ستر بار اس نے واسطہ دیا لیکن شدت غضب کی وجہ سے حضرت موسیٰ نے اس کی طرف کوئی التفات نہیں کی اور زمین کو حکم دیا ان کو لے غرض زمین نے سب کو نگل لیا۔

اللہ نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی اور فرمایا تمہارا دل بھی کیسا سخت ہے قارون نے ستر بار تم سے فریاد کی مگر تم نے ایک بار بھی اس کی فریاد رسی نہیں کی قسم ہے اپنی عزت و عظمت کی اگر وہ ایک بار بھی مجھ سے فریاد کرتا تو میں اس کی فریاد رسی ضرور کرتا بعض اقوال میں آیا ہے کہ اللہ نے فرمایا آئندہ میں زمین کو کسی کا تابع حکم نہیں بناؤں گا۔

قتادہ نے کہا زمین نے قارون کو اپنے اندر دھنسا لیا اور وہ روز بقدر قد آدم زمین کے اندر دھنس رہا ہے اور یونہی دھنستا رہے گا مگر قیامت تک انتہائی گہرائی کو نہ پہنچ سکے گا قارون کے زمین میں گھس جانے کے بعد بنی اسرائیل آپس میں کہنے لگے کہ موسیٰ نے قارون کے لئے بددعا صرف اس لئے کی کہ خود اس کی جگہ اس کا مکان خزانے اور سارا مال متاع لینا چاہتے ہیں حضرت

موسیٰ نے دعا کی آپ کی دعا سے اللہ نے اس کے ساتھ اس کے گھر اور خزانوں اور مال متاع کو بھی زمین میں دھنسا دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ

اور فجر کو لگے کہنے جو کل شام آرزو کرتے تھے اُس کا سا

يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ

درجہ ارے خرابی یہ تو اللہ کھول دیتا ہے روزی

لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ

جس کو چاہے اپنے بندوں میں اور تنگ کر دیتا ہے

قارون کی ہلاکت سے عبرت:

یعنی جو لوگ قارون کی ترقی و ترفع کو دیکھ کر کل یہ آرزو کر رہے تھے کہ کاش ہم کو بھی ایسا عروج حاصل ہوتا، آج اس کا یہ برا انجام دیکھ کر کانوں پر ہاتھ دھرنے لگے۔ اب ان کو ہوش آیا کہ ایسی دولت حقیقت میں ایک خوبصورت سانپ ہے جس کے اندر مہلک زہر بھرا ہوا ہے کسی شخص کی دنیوی ترقی وعروج کو دیکھ کر ہم کو ہرگز یہ فیصلہ نہیں کر لینا چاہئے کہ اللہ کے ہاں وہ کچھ عزت ووجاہت رکھتا ہے۔ یہ چیز کسی بندے کے مقبول ومردود ہونے کا معیار نہیں بن سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے، جس پر مناسب جانے روزی کے دروازے کھول دے، جس پر چاہے تنگ کر دے۔ مال و دولت کی فراخی مقبولیت اور خوش انجامی کی دلیل نہیں۔ بلکہ بسا اوقات اس کا نتیجہ تباہی اور ابدی ہلاکت کی صورت میں نمودار ہوتا ہے ؎

كَمْ عاقلٍ عاقلٍ اَعْيَتْ مذاهبهٗ   كَمْ جاهلٍ جاهلٍ تلقاهُ مرزوقا

هذاالذي ترك الاوهام حائرةً   وصيّر العالم النحرير زنديقا

لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا

اگر نہ احسان کرتا ہم پر اللہ تو ہم کو بھی دھنسا دیتا

وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ

ارے خرابی یہ تو چھٹکارا نہیں پاتے منکر

حقیقت سے آگاہی: یعنی خدا تعالیٰ کا احسان ہے اُس نے ہم کو قارون کی طرح نہ بنایا۔ ورنہ یہی گت ہماری بنتی، اپنی طرف سے تو ہم حرص کے مارے يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ کی آرزو کر ہی چکے تھے۔ خدا نے خیر کی کہ ہماری آرزو کو پورا نہ کیا۔ اور نہ ہماری حرص پر سزا دی۔ بلکہ قارون کا حشر آنکھوں سے دکھلا کر بیدار فرما دیا، اب ہمیں خوب کھل گیا کہ محض مال وزر کی ترقی سے حقیقی فلاح وکامیابی حاصل نہیں ہو سکتی، اور یہ کرنا

شکر گزار منکروں کے لئے عذاب الٰہی سے چھٹکارا نہیں۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ

وہ گھر پچھلا ہے ہم دیں گے وہ ان لوگوں کو جو نہیں چاہتے

عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ

اپنی بڑائی ملک میں اور نہ بگاڑ ڈالنا اور عاقبت بھلی ہے ڈرنے والوں کی

اصل خوش بختی: یعنی قارون کی دولت کو نادانوں نے کہا کہ اس کی بڑی قسمت ہے بڑی قسمت یہ نہیں، آخرت کا ملنا بڑی قسمت ہے۔ سو وہ ان کے لئے ہے جو اللہ کے ملک میں شرارت کرنا اور بگاڑ ڈالنا نہیں چاہتے اور اس فکر میں نہیں رہتے کہ اپنی ذات کو سب سے اونچا رکھیں۔ بلکہ تواضع وانکسار اور پرہیزگاری کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ ان کی کوشش بجائے اپنی ذات کو اونچا رکھنے کے یہ ہوتی ہے کہ اپنے دین کو اونچا رکھیں حق کا بول بالا کریں اور اپنی قوم مسلم کو ابھارنے اور سربلند کرنے میں پوری ہمت صرف کر ڈالیں۔ وہ دنیا کے حریص نہیں ہوتے۔ آخرت کے عاشق ہوتے ہیں۔ دنیا خود ان کے قدم لیتی ہے۔ اب سوچ لو کہ دنیا کا مطلوب کیا دنیا کے طالب سے اچھا نہیں ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھ لو! وہ سب سے زیادہ تارک الدنیا تھے مگر متروک الدنیا نہ تھے۔ بہر حال مومن کا مقصد اصلی آخرت ہے۔ دنیا کا جو حصہ اس مقصد کا ذریعہ بنے وہ ہی مبارک ہے ورنہ ہیچ۔ (تفسیر عثمانی)

تواضع کرنے والا حاکم:

عطاء نے کہا لوگوں پر جبر اور زبردستی نہیں کرتے اور ان کو حقیر نہیں جانتے حسن نے کہا حاکموں اور سرداروں کے پاس عزت ومرتبہ کے طلب گار نہیں ہوتے۔ حضرت علی نے فرمایا اس آیت کا نزول ان حاکموں کے متعلق ہوا جو باوجود قدرت کے تواضع کرتے ہیں۔ آپ کا مقصد یہ ہے کہ جو حاکم اور صاحب قدرت متواضع ہوتا ہے وہ ملک میں خود اونچا اٹھنے (اور سب پر فوقیت حاصل کرنے) کا خواستگار نہیں ہوتا۔ (تفسیر مظہری)

عُلُوّ سے مراد تکبر ہے یعنی اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا بنانے اور دوسروں کو حقیر کرنے کی فکر اور فساد سے مراد لوگوں پر ظلم کرنا ہے (سفیان ثوری) اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ہر معصیت فساد فی الارض ہے کیونکہ گناہ کے وبال سے دنیا کی برکت میں کمی آتی ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو لوگ تکبر اور ظلم کا یا مطلق معصیت کا ارادہ کریں ان کا آخرت میں حصہ نہیں۔

فائدہ: تکبر جس کی حرمت اور وبال اس آیت میں ذکر کیا گیا وہ وہی ہے کہ لوگوں پر تفاخر اور ان کی تحقیر مقصود ہو، ورنہ اپنے لئے اچھے لباس اچھی غذا اچھے مکان کا انتظام جب وہ دوسروں کے تفاخر کے لئے نہ ہو مذموم نہیں۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس کی تصریح ہے۔

معصیت کا پختہ عزم بھی معصیت ہے

اس آیت میں علوّ اور فساد کے ارادہ پر دارِ آخرت سے محروم ہونے کی وعید ہے اس سے معلوم ہوا کہ کسی معصیت کا پختہ ارادہ جو عزم مصمم کے درجہ میں آجائے وہ بھی معصیت ہی ہے۔ (کمافی الروح) (معارف مفتی)

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ
جو لے کر آیا بھلائی اُس کو ملنا ہے اُس سے بہتر

یعنی جو بھلائی یہاں کرے گا اس سے کہیں بہتر بھلائی وہاں کی جائے گی ایک نیکی کا جو مقتضی ہوگا کم از کم اُس سے دس گنا ثواب پائے گا۔

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ
اور جو کوئی لے کر آیا بُرائی سو بُرائیاں کرنے والے ان کو
عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾
وہی سزا ملے گی جو کچھ کرتے تھے

مشفقانہ قانون: حضرت شاہ صاحب ؒ لکھتے ہیں نیکی پر وعدہ دیا نیکی کا، وہ یقیناً ملنا ہے، اور بُرائی پر بُرائی کا وعدہ نہیں فرمایا کہ ضرور مل کر رہے گی کیونکہ ممکن ہے معاف ہو جائے۔ ہاں یہ فرما دیا کہ اپنے کئے سے زیادہ سزا نہیں ملتی۔

اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ
جس نے حکم بھیجا تجھ پر قرآن کا
لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ؕ
وہ پھیر لانے والا ہے تجھ کو پہلی جگہ۔

دنیا و آخرت کی کامیابی متقین کے لئے ہے:

پہلے فرمایا تھا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ یہ کہ انجام بھلا پرہیزگاروں کا ہے یعنی آخرت میں جیسا کہ اُوپر معلوم ہوا۔ اب بتلاتے ہیں کہ دنیا میں بھی آخری فتح ان ہی کی ہوتی ہے۔ دیکھو آج کفار کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر تم کو مکہ چھوڑنا پڑا ہے۔ مگر جس خدا نے آپ کو پیغمبر بنایا اور قرآن جیسی کتاب عطا فرمائی وہ یقیناً آپ کو نہایت کامیابی کے ساتھ اسی جگہ واپس لائے گا۔ حضرت شاہ صاحب ؒ لکھتے ہیں یہ آیت اُتری ہجرت کے وقت یہ تسلی فرما دی کہ پھر مکہ میں آؤ گے۔ سو خوب طرح آئے پورے غالب ہو کر بعض مفسرین نے معاد سے مراد موت لی ہے بعض نے آخرت بعض نے جنت بعض نے سرزمین شام جہاں پہلے ایک مرتبہ آپ شب معراج میں تشریف لے گئے تھے۔ حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے ان اقوال میں بہت عمیق ولطیف تطبیق دی۔ یعنی معاد سے مراد اس جگہ مکہ معظمہ ہے (کمافی البخاری) مگر فتح مکہ علامت تھی قربِ اجل کی جیسا کہ ابن عباس اور عمر رضی اللہ عنہما نے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا۔ آگے اجل کے بعد حشر، حشر کے بعد آخرۃ اور آخرت کی انتہائی منزل جنت ہے مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اول آپ کو نہایت شاندار طریقہ سے لوٹا کر لائے گا مکہ میں، اُس کے چند روز بعد اجل واقع ہوگی، پھر ارض شام کی طرف حشر ہوگا (جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے) پھر آخرت میں بڑی شان و شکوہ سے تشریف لائیں گے اور اخیر میں جنت کے سب سے اعلیٰ مقام پر ہمیشہ کے لئے پہنچ جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباس ؓ سے معاد کی یہ تفسیر منقول ہے مطلب یہ ہے کہ اگرچہ چند روز کے لئے آپ کو اپنا وطنِ عزیز خصوصاً حرم اور بیت اللہ چھوڑنا پڑا مگر قرآن کا نازل کرنے والا اور اُس پر عمل کو فرض کرنے والا خدا تعالیٰ آخرکار آپ کو پھر مکہ میں لوٹا کر لائے گا۔ ائمہ تفسیر میں سے مقاتل کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت غارِ ثور سے رات کے وقت نکلے اور مکہ سے مدینہ جانے والے معروف راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستوں سے سفر کیا کیونکہ دشمن تعاقب میں تھے۔ جب مقام جحفہ پر پہنچے جو مدینہ طیبہ کے راستہ کی مشہور منزل رابغ کے قریب ہے اور وہاں سے وہ مکہ سے مدینہ کا معروف راستہ مل جاتا ہے اس وقت مکہ مکرمہ کے راستہ پر نظر پڑی تو بیت اللہ اور وطن یاد آیا، اُسی وقت جبرئیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے جس میں آپ کو بشارت دی گئی ہے کہ مکہ مکرمہ سے یہ جدائی چند روزہ ہے اور بالآخر آپ کو پھر مکہ مکرمہ پہنچا دیا جائے گا جو فتح مکہ کی بشارت تھی، اسی لئے حضرت ابن عباس ؓ کی ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت جحفہ میں نازل ہوئی ہے نہ مکی ہے نہ مدنی (قرطبی)۔ (معارف مفتی)

اِلٰى مَعَادٍ عاد سے مراد ہے کہ چنانچہ اس وعدہ کے مطابق اللہ نے فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں لوٹا بھی دیا۔ عوفی نے حضرت ابن عباس کا یہی قول بیان کیا ہے مجاہد کا بھی یہی قول ہے قتیبی نے کہا کسی شخص کا معاد اس کا شہر ہوتا ہے جہاں وہ لوٹ کر آتا ہے۔ معادٍ میں تنوین تنکیر اظہار عظمت و شان کے لئے ہے یہی وہ جگہ ہے جہاں اللہ کا رسول، اللہ کے دشمنوں پر غالب آیا کفر کو شکست ہوئی اور اسلام کا بول بالا ہوا۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس کا قول بیان کیا ہے کہ معاد سے مراد موت ہے۔ میں کہتا ہوں۔ موت اصلی حالت کی طرف واپس ہونے کا نام ہے اسی لئے معاد موت ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ. تم بے جان تھے اللہ نے تم کو جاندار بنایا پھر وہ تم کو بے جان کر دے گا۔

آئندہ آیت کا شانِ نزول:

کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا تم کھلی ہوئی گمراہی میں ہو اس کے جواب میں اللہ نے آیت ذیل نازل فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى

تو کہہ میرا رب خوب جانتا ہے کون لایا ہے راہ کی سوجھ

وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

اور کون پڑا ہے صریح گمراہی میں

یعنی حق تعالیٰ میری ہدایت اور مکذبین ومعاندین کی گمراہی کو خوب جانتا ہے یقیناً وہ ہر ایک کے ساتھ اُن کے احوال کے موافق معاملہ کرے گا۔ نہیں ہوسکتا کہ میری کوششوں کو ضائع کردے، یا گمراہوں کو رسوا نہ کرے۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ

اور تو توقع نہ رکھتا تھا کہ اُتاری جائے تجھ پر کتاب

اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ

مگر مہربانی سے تیرے رب کی

منصب نبوت محض رحمتِ خداوندی ہے:

یعنی آپ پہلے سے کچھ پیغمبری کے انتظار میں نہ تھے، محض وموہبت الٰہیہ ہے جو حق تعالیٰ نے پیغمبری اور وحی سے سرفراز فرمایا۔ وہ ہی اپنی مہربانی اور رحمت سے دنیا وآخرت میں کامیاب فرمائے گا لہٰذا اسی کی امداد پر ہمیشہ بھروسہ رکھئے۔

فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ

سو تو مت ہو مددگار کافروں کا

جو ایمان میں ساتھ دے وہی اپنا ہے:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی اپنی قوم کو اپنا نہ سمجھ جنہوں نے تجھ سے یہ بدی کی (کہ وطن چھوڑنے پر مجبور کیا) اب جو تیرا ساتھ دے وہ ہی اپنا ہے۔

وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ

اور نہ ہو کہ وہ تجھ کو روک دیں اللہ کے حکموں سے بعد

اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ

اس کے کہ اتر چکے تیری طرف اور بُلا اپنے رب کی طرف

وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

اور مت ہو شریک والوں میں

دین کے کام میں قوم کی رعایت نہ کیجئے:

یعنی دین کے کام میں اپنی قوم کی خاطر اور رعایت نہ کیجئے اور نہ آپ کو اُن میں دیکھیں کہ اپنے قرابتدار ہوں۔ ہاں اُن کو اپنے رب کی طرف بلاتے رہئے اور خدا کے احکام پر جمے رہیے۔

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ

اور مت پکار اللہ کے سوائے دوسرا حاکم

یہ آپ کو خطاب کرکے دوسروں کو سنایا۔ اوپر کی آیتوں میں بھی بعض مفسرین ایسا ہی لکھتے ہیں۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ

کسی کی بندگی نہیں اُس کے سوائے ہر چیز فنا ہے مگر اُس کا منہ

فانی اور باقی:

یعنی ہر چیز اپنی ذات سے معدوم ہے اور تقریباً تمام چیزوں کو فنا ہونا ہے، خواہ کبھی ہو، مگر اُس کا منہ یعنی وہ آپ نہ کبھی معدوم تھا، نہ کبھی فنا ہوسکتا ہے۔ سچ ہے۔

ع الا کُلُّ شیءٍ ماخلا اللّٰہ باطلٗ۔ قال تعالیٰ اور بعض سلف نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ سارے کام مٹ جانے والے اور فنا ہوجانے والے ہیں بجز اس کام کے جو خالصاً لوجہ اللہ کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

وقال اللہ تعالیٰ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ

(ع) الا کل شیٔ ماخلا اللہ باطل

علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن نفخ صور کے وقت ہر چیز پر فنا طاری ہوجائے گی مگر آٹھ چیزیں فنا اور ہلاکت سے مستثنیٰ ہوں گی۔

ثمانیة حکم البقاء یعمها من الخلق والباقون فی حیز العدم
ھی العرش والکرسی ونار وجنة وعجبٌ وارواح کذا اللوح والقلم

(معارف کاندھلوی)

لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ

اُسی کا حکم ہے اور اُسی کی طرف پھر جاؤ گے

اللہ کی عدالت میں سب کو حاضر ہونا ہے:

یعنی سب کو اُس کی عدالت میں حاضر ہونا ہے جہاں تنہا اسی کا حکم چلے گا۔ صورۃً وظاہراً بھی کسی کا حکم واقتدار باقی نہ رہے گا۔ اے اللہ اُس وقت اس گنہگار بندہ پر رحم فرمایئے اور اپنے غضب سے پناہ دیجئے۔

(تم سورۃ القصص وللہ الحمد والمنۃ) (تفسیر عثمانی)

پناہ بلندی و پستی تو ئی ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی

سورة العنكبوت

جس نے اس کو خواب میں پڑھا اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالی بشارت دے رہا ہے کہ اس کو تنہائی مصیبت میں مبتلا نہ کرے گا۔ (علامہ ابن سیرین)

سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّسِتُّوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ عنکبوت مکہ میں نازل ہوئی اس کی انہتر آیتیں ہیں اور سات رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓ ۚ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا

کیا یہ سمجھتے ہیں لوگ کہ چھوٹ جائیں گے

اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ

اتنا کہہ کر کہ ہم یقین لائے اور ان کو جانچ نہ لیں گے

ایمان کا امتحان ضروری ہے:

یعنی زبان سے ایمان کا دعوی کرنا کچھ سہل نہیں جو دعوی کرے امتحان و ابتلاء کے لئے تیار ہو جائے یہی کسوٹی ہے جس پر کھرا کھوٹا کسا جاتا ہے حدیث میں ہے کہ سب سے سخت امتحان انبیاء کا ہے ان کے بعد صالحین کا پھر درجہ بدرجہ ان لوگوں کا جو ان کے ساتھ مشابہت رکھتے ہوں۔ نیز امتحان آدمی کا اس کی دینی حیثیت کے موافق ہوتا ہے جس قدر کوئی شخص دین میں مضبوط اور سخت ہوگا اسی قدر امتحان میں سختی کی جائے گی۔ (تفسیر عثمانی)

آزمائش کی صورتیں:

وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ فتنہ سے مشتق ہے جس کے معنی آزمائش کے ہیں، اہل ایمان خصوصاً انبیاء و صلحاء کو دنیا میں مختلف قسم کی آزمائشوں سے گزرنا ہوتا ہے پھر انجام کار فتح اور کامیابی ان کی ہوتی ہے، یہ آزمائش مخالفین کبھی کفار و فجار کی دشمنی اور ان کی طرف سے ایذاؤں کے ذریعہ ہوتی ہیں، جیسا کہ اکثر انبیاء اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو اکثر پیش آیا ہے، جس کے بے شمار واقعات سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں، اور کبھی یہ آزمائش امراض اور دوسری قسم کی تکلیفوں کے ذریعہ ہوتی ہے جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو پیش آیا، اور بعض کے لئے یہ سب قسمیں جمع بھی کر دی جاتی ہیں۔

اور امتحان تین طرح سے ہوگا (اول) احکام خداوندی کی پابندی سے۔ (دوم) مصائب و امراض سے (سوم) کافروں کی ایذا رسانیوں اور تکلیفوں سے۔ (روح البیان و مدارک)

شان نزول: شان نزول اس آیت کا اگرچہ از روئے روایات وہ صحابہ ہیں جو ہجرت مدینہ کے وقت کفار کے ہاتھوں ستائے گئے مگر مراد عام ہے ہر زمانے کے علماء و صلحاء اور اولیاء امت کو مختلف قسم کی آزمائشیں پیش آتی ہیں اور آتی رہیں گی۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

صحیح حدیث میں ہے کہ سب سے زیادہ سخت امتحان نبیوں کا ہوتا ہے پھر صالح و نیک لوگوں کا پھر ان سے کم درجے والے پھر ان سے کم درجے والے، انسان کا امتحان اس کے دین کے اندازے پر ہوتا ہے اگر وہ اپنے دین میں سخت ہے تو مصیبتیں بھی سخت نازل ہوتی ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

عاشقاں را در دل بسیاری باید کشید! جور یار و قصۂ اعیار می باید کشید!

ابن ابی حاتم نے قتادہ کی روایت سے بیان کیا ہے یہ آیت کچھ مکی لوگوں (یعنی مکی مسلمانوں) کے حق میں نازل ہوئی تھی یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے مکہ سے چل پڑے تھے مشرکوں نے ان کو روکا تو وہ لوٹ گئے (مدنی) بھائیوں نے ان کو وہ آیت لکھ کر بھیجی جو ان کے بارے میں نازل ہوئی تھی جدید آیت پڑھ کر وہ نکل کھڑے ہوئے۔ شہید ہونے والے شہید ہو گئے اور بچنے والے بچ گئے۔ انہی کے متعلق اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔

بغوی نے حضرت ابن عباس کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آیت میں الناس سے مراد ہیں مکہ میں رہ جانے والے مسلمان سلمہ بن ہشام عیاش بن ربیعہ ولید بن ولید عمار بن یاسر وغیرہ۔

ابن سعد ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت عبید اللہ بن عمیر کے حوالہ سے بیان کیا کہ آیت ذیل کا نزول حضرت عمار بن یاسر کے متعلق ہوا آپ کو اللہ کی راہ میں سخت دکھ دیئے جاتے تھے اللہ نے فرمایا اَحَسِبَ النَّاسُ الخ بغوی نے ابن جریج کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

حضرت عمرؓ کا آزاد کردہ غلام حضرت مہجعؓ:

مقاتل نے کہا حضرت عمر کے آزاد کردہ غلام حضرت مہجع بن عبداللہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی اس امت میں آپ پہلے شخص ہوں گے جن کو جنت کے دروازہ کی طرف بلایا جائے گا۔

میں کہتا ہوں حضرت مہجع ہی جنگ بدر کے دن مسلمانوں کی طرف سے سب سے پہلے کافروں کے مقابلہ کے لئے قطار سے باہر نکل کر آئے تھے عامر بن حضرمی نے آپ کو تیر مار کر شہید کر دیا راہ خدا میں سب سے پہلے شہید آپ

ہی ہوئے۔ کذافی سبیل الرشاد جب آپ کے والدین اور بی بی بے تابی کے ساتھ گریہ وزاری کرنے لگے تو ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

ایمان کے ساتھ اعمال بھی ضروری ہیں:

بغوی نے ذکر کیا ہے کہ شروع میں اللہ نے صرف ایمان کا حکم دیا تھا پھر نماز زکوٰۃ اور دوسرے قوانین فرض کئے بعض لوگوں کو (اس کی تعمیل میں دشواری ہوگئی اور ان پر) یہ حکم شاق ہوا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اس شان نزول پر آیت کا یہ مطلب ہوگا کیا لوگوں کو یہ خیال ہے کہ صرف ایمان لانے (بغیر شرائع کے) ان کو چھوڑ دیا جائے گا اور دوسرے اوامر ونواہی بھیج کر ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی۔ صرف ایمان لانا اگرچہ دوامی جہنمی ہونے سے روکتا ہے اور جنت میں (کبھی نہ کبھی) داخل ہونے کا مستحق بنا دیتا ہے۔ لیکن حصول درجات تو اداء طاعات اور ترک خواہشات سے وابستہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
اور ہم نے جانچا ہے اُن کو جو اُن سے پہلے تھے

سابقہ انبیاء اوران کے متبعین کی آزمائشیں:

یعنی پہلے نبیوں کے متبعین بڑے بڑے سخت امتحانوں میں ڈالے جا چکے ہیں۔ بخاری میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فریاد کی کہ حضرت! ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کیجئے اور دعا فرمایئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مشرکین مکہ نے مسلمانوں پر سختی اور ظلم وستم کی انتہاء کر رکھی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے ایک (زندہ) آدمی کو زمین کھود کر (کھڑا) گاڑ دیا جاتا تھا۔ پھر اس کے سر پر آرہ چلا کر بیچ سے دو ٹکڑے کر دیتے تھے، بعضوں کے بدن میں لوہے کی کنگھیاں پھرا کر چمڑا اور گوشت اُدھیڑ دیا جاتا تھا۔ تاہم یہ سختیاں اُن کو دین سے نہ ہٹا سکیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا
سو البتہ معلوم کرے گا اللہ جو لوگ سچے ہیں
وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ
اور البتہ معلوم کرے گا جھوٹوں کو

یعنی اللہ تعالیٰ علانیہ ظاہر کر دے گا اور دیکھ لے گا کہ دعوے ایمان میں کون سچا نکلتا ہے اور کون جھوٹا، اُسی کے موافق ہر ایک کو جزا دی جائے گی۔ (تنبیہ) فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الخ سے جو حدوث علم باری کا وہم ہوتا ہے اُسکا نہایت محققانہ جواب مترجم علام قدس سرہ نے دیا ہے۔ ملاحظہ کیا جائے پارہ دوم رکوع اول "اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ" کے تحت میں ہم نے یہاں اُن توجیہات کی طرف اشارہ کر دیا ہے جو مفسرین نے لکھی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کے جان لینے کا مطلب:

اللہ تعالیٰ کو تو ہر انسان کا صادق یا کاذب ہونا اس کے پیدا ہونے سے پہلے بھی معلوم ہے، امتحانات اور آزمائشوں کے جان لینے کے معنی یہ ہیں کہ اس امتیاز کو دوسروں پر بھی ظاہر فرما دیں گے، اور حضرت سیدی حکیم الامت تھانویؒ نے اپنے شیخ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے اس کی توجیہ یہ بھی نقل فرمائی ہے کہ بعض اوقات عوام کے درجہ علم پر تنزل کر کے بھی کلام کیا جاتا ہے، عام انسان مخلص اور منافق میں فرق آزمائش ہی کے ذریعہ معلوم کرتے ہیں، ان کے مذاق کے مطابق حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ان مختلف قسم کے امتحانات کے ذریعہ ہم یہ جان کر رہیں گے کہ کون مخلص ہے کون نہیں، حالانکہ اس کے علم میں یہ سب کچھ ازل سے ہے، واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

اللہ تو ہمیشہ سے جانتا ہے سچوں کو بھی اور جھوٹوں کو بھی اس لئے حصول علم مقصود نہیں ہے بلکہ اس کے علم ازلی کا سچوں کی سچائی اور کاذبوں کے جھوٹ سے بالفعل (بعد العمل) تعلق پیدا کرنا مقصود ہے تاکہ سچے ایمان والے جھوٹے منافقوں سے ممتاز ہو کر الگ ہو جائیں اور ان سے ثواب یا عذاب کا تعلق ہو جائے۔ (تفسیر مظہری)

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ
کیا یہ سمجھتے ہیں جو لوگ کہ کرتے ہیں بُرائیاں
اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝
کہ ہم سے بچ جائیں بُری بات طے کرتے ہیں

ایذاء دینے والے کافر عذاب میں مبتلا ہونگے:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ پہلی دو آیتیں مسلمانوں کے متعلق تھیں جو کافروں کی ایذاؤں میں گرفتار تھے، اور یہ آیت اُن کافروں سے متعلق ہے جو مسلمانوں کو ستا رہے تھے۔ (موضح) یعنی مومنین کے امتحانات کو دیکھ کر یہ نہ سمجھیں کہ ہم مزے سے ظلم کرتے رہیں گے اور سختیوں سے بچے رہیں گے۔ وہ ہم سے بچ کر کہاں جا سکتے ہیں۔ جو سخت ترین سزا ان کو ملنے والی ہے اس کے سامنے مسلمانوں کے امتحان کی سختی کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی۔ اگر اس وقت کی عارضی مہلت سے انہوں نے یہ رائے قائم کر لی ہے کہ ہم ہمیشہ مامون رہیں گے اور سزا دہی کے وقت خدا کے ہاتھ نہ آئیں گے تو حقیقت میں بہت ہی بُری بات طے کی ایسا احمقانہ فیصلہ آنے والی مصیبت کو روک نہیں سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچوں نمازیں (باہم ایک وقت سے دوسرے وقت تک) اور جمعہ کی نماز (آئندہ) جمعہ تک اور رمضان (کے روزے آئندہ) رمضان تک درمیانی گناہوں کو اتار دینے والے ہیں بشرطیکہ بندہ کبیرہ گناہوں سے بچا رہے رواہ مسلم۔ یہ بحث آیت اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ کی تفصیل کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ (تفسیر مظہری)

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ

جو کوئی توقع رکھتا ہے اللہ کی ملاقات کی سو اللہ کا وعدہ

لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۵

آرہا ہے اور وہ ہے سننے والا جاننے والا

اللہ اپنے امیدواروں سے وعدہ پورا کرے گا:

یعنی جو شخص اس توقع پر سختیاں اٹھا رہا ہے کہ ایک دن مجھے اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے جہاں بات بات پر پکڑ ہوگی۔ ناکامیاب ہوا تو یہاں کی سختیوں سے کہیں بڑھ کر سختیاں جھیلنی پڑیں گی اور کامیاب رہا تو ساری کلفتیں ڈھل جائیں گی اللہ کی خوشنودی اور اس کا دیدار نصیب ہوگا۔ ایسا شخص یاد رکھے کہ اللہ کا وعدہ آ رہا ہے، کوئی طاقت اُسے پھیر نہیں سکتی۔ اس کی اعلیٰ توقعات پوری ہو کر رہیں گی اور اس کی آنکھیں ضرور ٹھنڈی کی جائیں گی۔ اللہ سب کی باتیں سنتا اور جانتا ہے کسی کی محنت رائیگاں نہ کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ

اور جو کوئی محنت اٹھائے سو اُٹھاتا ہے اپنے ہی واسطے

اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶

اللہ کو پروا نہیں جہان والوں کی

اللہ بے نیاز ہے، عبادت و محنت کا نفع خود بندے کو ہے:

یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی کی طاعت سے کیا نفع اور معصیت سے کیا نقصان۔ وہ تو کلی طور پر بے نیاز ہے۔ ہاں بندہ اپنے پروردگار کی طاعت میں جس قدر محنت اُٹھائے گا اس کا پھل دنیا و آخرت میں اسی کو ملے گا، پس مجاہدے کرنے والے یہ خیال کبھی نہ آنے دیں کہ ہم خدا کے رستہ میں اتنی محنت کر کے کچھ اس پر احسان کر رہے ہیں؟ (العیاذ باللہ) اُس کا احسان ہے کہ خود تمہارے فائدہ کے لئے طاعت و ریاضت کی توفیق بخشے۔

من نہ کردم خلق تا سودے کنم ۔۔۔ بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں جہاد تلوار چلانے کا ہی نام نہیں، انسان نیکیوں کی کوشش میں لگا رہے یہ بھی ایک طرح کا جہاد ہے۔ (ابن کثیر)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ

اور جو لوگ یقین لائے اور کئے بھلے کام ہم اتار دیں گے اُن پر سے

سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۷

بُرائیاں اُن کی اور بدلہ دیں گے ان کو بہتر سے بہتر کاموں کا

اللہ نیکیوں کا صلہ دیتا ہے:

یعنی جہان سے بے پروا اور بے نیاز ہونے کے باوجود اپنی رحمت و شفقت سے تمہاری محنت کو ٹھکانے لگاتا ہے حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ یعنی ایمان کی برکت سے نیکیاں ملیں گی اور بُرائیاں معاف ہوں گی۔ (موضح القرآن) (تفسیر عثمانی)

اس میں شک نہیں کہ تمہاری نیکیاں خدا کو کوئی کام نہیں آتیں لیکن پھر بھی اس کی یہ مہربانی ہے کہ وہ تمہیں نیکیوں پر بدلے دیتا ہے۔ ان کی وجہ سے تمہاری بُرائیاں معاف فرما دیتا ہے، چھوٹی سے چھوٹی نیکی کی قدر کرتا ہے اور اس پر بڑے سے بڑا اجر دیتا ہے، ایک ایک نیکی کا سات سات سو گنا بدلہ عنایت فرماتا ہے اور بدی کو یا تو بالکل ہی معاف فرما دیتا ہے یا اسی کے برابر سزا دیتا ہے۔ وہ ظلم سے پاک ہے نیکیوں کو بڑھاتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم دیتا ہے۔ ایمانداروں کی مطابق سنت نیکیاں قبول فرماتا ہے، ان کے گناہوں سے درگزر کر لیتا ہے اور ان کے اچھے اعمال کا بدلہ عنایت فرماتا ہے۔ (ابن کثیرؒ)

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ

اور ہم نے تاکید کر دی انسان کو اپنے ماں باپ سے بھلائی سے رہنے کی

وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ

اور اگر وہ تجھ سے زور کریں کہ تو شریک کرے میرا جس کی تجھ کو خبر نہیں

اللہ کا شریک کوئی نہیں ہوسکتا:

یعنی تمام کائنات میں ایسی کوئی چیز ہے ہی نہیں جو خدا کی شریک ہو سکے۔ پھر اُس کی خبر کسی کو کہاں سے ہوتی۔ جو لوگ شرکاء ٹھہراتے ہیں محض جاہلانہ اوہام اور بے سند خیالات کی پیروی کر رہے ہیں۔ واقع کی خبر انہیں کچھ بھی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت سعد بن ابی وقاص کی والدہ کی بھوک ہڑتال:

مسلم۔ ترمذی۔ بغوی۔ ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت سے بیان کیا ہے (حضرت سعد بن ابی وقاص عشرہ مبشرہ میں

سے تھے سابقین اولین میں سے تھے اپنی ماں کے بڑے فرمانبردار اور اطاعت گزار تھے آپ کے باپ کا نام مالک تھا اور قبیلہ بنی زہرہ کے ایک ممتاز (شخص تھے) حضرت سعد سے ان کی ماں حمنہ بنت ابوسفیان بن عبدالشمس نے کہا تو نے یہ کیا نئی بات نکال رکھی ہے جب تک تو اس کا انکار نہیں کرے گا اس وقت تک بخدا میں نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی یہاں تک کہ یونہی مر جاؤں گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی فرمانبرداری (جائز) نہیں۔ رواہ احمد والحاکم وصححہ عن عمران۔ صحیحین اور سنن ابوداؤد اور نسائی میں حضرت علی کی روایت سے آیا ہے کہ اللہ کی نافرمانی میں کسی کی فرمانبرداری (جائز) نہیں (والدین کی) اطاعت تو اچھے کاموں میں (لازم) ہے۔

بغوی نے لکھا ہے اس آیت کے نزول کے بعد حضرت سعد کی ماں نے ایک دن رات یا تین دن بغیر کھائے پیے گزار دیئے سعد ماں کے پاس گئے اور کہا اماں اگر تیری سو جانیں ہوں اور ایک ایک جان نکل جائے تب بھی میں اپنا مذہب نہیں چھوڑوں گا تیرا دل چاہے کھا نہ چاہے نہ کھا جب ماں ناامید ہو گئی تو اس نے کھانا پینا شروع کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ
تو اُن کا کہنا مت مان

والدین کی اطاعت کی حد:

دنیا میں ماں باپ سے زیادہ حق کسی کا نہیں۔ پر اللہ کا حق اُن سے زیادہ ہے۔ اُن کی خاطر دین نہ چھوڑے۔ (موضح) حدیث میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی والدہ نے جو مشرکہ تھی بیٹے کے اسلام کی خبر سن کر عہد کیا کہ دانہ پانی کچھ نہ چکھوں گی نہ چھت کے نیچے آرام کروں گی۔ تاوقتیکہ سعد (معاذ اللہ) اسلام سے نہ پھر جائے چنانچہ کھانا پینا ترک کر دیا اور بالکل نڈھال ہو گئی۔ لوگ زبردستی منہ چیر کر کھانا پانی دیتے تھے۔ اُس پر یہ ایات نازل ہوئیں۔ گویا بتلا دیا کہ والدین کا اس طرح خلاف حق پر مجبور کرنا یہ بھی ایک ابتلاء وامتحان ہے چاہیے کہ مومن کے پائے ثبات کو لغزش نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝
مجھی تک پھر آنا ہے تم کو سو میں بتلا دوں گا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے

یعنی سب کو عدالت میں حاضر ہونا ہے اس وقت بتلا دیا جائے گا کہ اولاد اور والدین میں سے کس کی زیادتی تھی اور کون حق پر تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
اور جو لوگ یقین لائے اور بھلے کام کیے

لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِی الصّٰلِحِیْنَ ۝
ہم اُن کو داخل کریں گے نیک لوگوں میں

حق پر ثابت قدم رہنے والوں کا اجر:

یعنی جو اس قسم کی زبردست رکاوٹوں کے باوجود بھی ایمان اور نیکی کی راہ پر قائم رہے حق تعالیٰ اُن کا حشر اپنے خاص نیک بندوں میں کرے گا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں یعنی اولاد نے اگر ناحق بات میں والدین کا کہنا نہ مانا اور والدین ناحق پر قائم رہے تو اولاد کا حشر صالحین کے زمرہ میں ہوگا۔ ان والدین کے زمرہ میں نہ ہوگا گو طبعی ونسبی تعلقات کی بناء پر وہ اس سے سب سے زیادہ قریب تھے معلوم ہوا "المرء مع من احب" میں حب ایمانی مراد ہے حُب طبعی مراد نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

الصالحین سے مراد ہیں انبیاء، اولیاء، شہداء، یعنی ہم نیکوکار مومنوں کو انبیاء، اولیاء وغیرہ کے ساتھ شامل کر دیں گے یا ان کا حشر ان لوگوں کے ساتھ کریں گے یا جنت میں ان کے ساتھ ان کو داخل کریں گے جنت میں سب ساتھ ہو جائیں گے۔

مومن کے درجات کا کمال:

صلاح اور نیکی میں مومنوں کے درجات کی انتہا ہے اور انبیاء مرسلین کی تمنا کا بھی یہی آخری نقطہ ہے کیونکہ کمال صلاح کا معنی یہ ہے کہ کسی طرح کا بگاڑ اور خرابی نہ ہو نہ عقیدہ نہ عمل میں نہ اخلاق ومشاغل زندگی میں۔ (تفسیر مظہری)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَاۤ
اور ایک وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں یقین لائے ہم اللہ پر پھر جب

اُوْذِیَ فِی اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ
اس کو ایذا پہنچے اللہ کی راہ میں کرنے لگے لوگوں کے ستانے کو برابر اللہ کے عذاب کی

کمزور دل مومن:

یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو زبان سے اپنے کو مومن کہتے تھے مگر دلوں میں ایمان راسخ نہیں تھا۔ ان کو جہاں اللہ کے راستہ میں کوئی تکلیف پہنچی یا دین کی وجہ سے لوگوں نے ستایا تو اس آزمائش کو خدائی عذاب سمجھنے لگے جس طرح آدمی عذاب الٰہی سے گھبرا کر جان بچانا چاہتا اور اپنے پہلے دعوٰں سے دستبردار ہونے لگتا ہے اور ناچار اعتراف کرتا ہے کہ میں غلطی پر تھا۔ یہی حال اُن ضعفاء القلوب کا ہے۔ جہاں دین کے معاملہ میں کوئی سختی پہنچی بس گھبرا کر دعوے ایمان سے دستبردار ہونا شروع کر دیا اور زبان سے یا عمل سے گویا اقرار کرنے لگے کہ ہم اس دعوے میں غلطی پر تھے یا ایسا دعویٰ کیا ہی نہ تھا۔ (تفسیر عثمانی)

یہ منافقوں کی حالت بیان کی گئی ہے۔ فِی اللّٰہِ اللہ کی راہ میں یعنی مسلمان ہونے کی بنیاد پر جو دکھ ان کو کافروں کی طرف سے پہنچتا ہے کَعَذَابِ اللّٰہِ یعنی آخرت کے عذاب کی طرح مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ کافروں کی طرف سے پہنچنے والے دکھ پر صبر نہیں رکھتے اور بے تاب ہو کر کافروں کا کہا مان لیتے ہیں اور اسلام کو چھوڑ دیتے ہیں جس طرح کہ مسلمان اللہ کے عذاب آخرت کے خوف سے کفر و معصیت کو ترک کر دیتے ہیں۔

شانِ نزول:

ابن جریر اور ابن المنذر نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ مکہ کے کچھ لوگ تو مسلمان ہو گئے تھے مگر وہ اپنے ایمان پوشیدہ رکھتے تھے بدر کی لڑائی میں مشرک ان کو اپنے ساتھ (مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے) لے گئے ان میں سے کوئی مارا گیا تو مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یہ لوگ تو مسلمان تھے مجبوراً نا گواری خاطر مشرکوں کے ساتھ آئے جو لوگ مارے گئے ان کے لئے آپ دعاء مغفرت فرما دیجئے اس پر سورت نساء کی آیت اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیْۤ اَنْفُسِھِمْ الخ نازل ہوئی مدینہ کے مسلمانوں نے یہ آیت لکھ کر مکہ میں رہ جانے والے مسلمانوں کو بھیج دی اور یہ بھی لکھ دیا کہ اب تمہارے لئے عذر کا کوئی موقع باقی نہیں رہا۔ یہ خط پڑھ کر مکہ کے مسلمان نکل کھڑے ہوئے مشرکوں نے ان کا تعاقب کیا اور زبردستی واپس لے گئے اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ

اور اگر پہنچے مدد تیرے رب کی طرف سے تو کہنے لگیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں

منافقوں کی حالت:

یعنی اگر مسلمانوں کی کوئی کامیابی اور عروج دیکھیں تو باتیں بنانے لگیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ تھے اور اب بھی تمہارے اسلامی بھائی ہیں۔ خصوصاً اگر مسلمانوں کو فتح ہو اور فرض کیجئے یہ لوگ کفار کا ساتھ دیتے ہوئے اُن کے ہاتھ میں قید ہو جائیں، پھر تو نفاق و تملق کی کوئی حد نہ رہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝

کیا یہ نہیں کہ اللہ خوب خبردار ہے جو کچھ سینوں میں ہے جہان والوں کے

یعنی جیسے کچھ یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ ہیں اللہ کو سب معلوم ہے۔ کیا زبانی دعوے کر کے اللہ سے اپنے دلوں کا حال چھپا سکتے ہیں؟ (تفسیر عثمانی)

وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝

اور البتہ معلوم کر لے گا اللہ اُن لوگوں کو جو یقین لائے ہیں اور البتہ معلوم کر کے گا جو لوگ دغاباز ہیں

مؤمن منافق ایک ہو کر رہے گا:

یعنی معلوم تو اُسے پہلے ہی سے سب کچھ ہے لیکن اب تمہارے اعمال و افعال کو دیکھ لے گا کہ کون اپنے کو سچا مؤمن ثابت کرتا ہے اور کون جھوٹا دغا باز منافق ہے (تنبیہ) اس قسم کے مواضع میں لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ کے معنی "لَيُرِيَنَّ اللّٰهُ" کے لینا ابن عباسؓ سے منقول ہے کما فی۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا

اور کہنے لگے منکر ایمان والوں کو تم چلو

سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ

ہماری راہ اور ہم اٹھا لیں تمہارے گناہ

مسلمان کافروں کی اتباع نہ کریں:

یعنی مسلمان کو چاہیے ایمان پر مضبوط رہے، نہ کوئی تکلیف و ایذاء دہی اُس کو طریق استقامت سے ہٹا سکے اور نہ کفار کی احمقانہ استمالت سے متاثر ہو، مثلاً کفار مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم اسلام چھوڑ کر پھر اپنی برادری میں آ ملو اور ہماری راہ پر چلو، تمام تکلیفوں اور ایذاؤں سے بچ جاؤ گے مفت میں کیوں مصیبتیں جھیل رہے ہو۔ اور اگر ایسا کرنے میں گناہ سمجھتے اور مواخذہ کا اندیشہ رکھتے ہو تو خدا کے ہاں بھی ہمارا نام لے دینا کہ انہوں نے ہم کو یہ مشورہ دیا تھا۔ اگر ایسی صورت پیش آئی تو ساری ذمہ داری ہم اُٹھا لیں گے، اور تمہارے گناہ کا بوجھ اپنے سر رکھ لیں گے کما قال الشاعر۔

ع تو مشق ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر (تفسیر عثمانی)

وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ

اور وہ کچھ نہ اٹھائیں گے اُن کے گناہ بیشک وہ

لَكٰذِبُوْنَ ۝ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ؗ

جھوٹے ہیں اور البتہ اٹھائیں گے اپنے بوجھ اور کتنے بوجھ ساتھ اپنے بوجھ کے

کافروں کے جھوٹے دعوے:

یعنی جھوٹے ہیں تمہارا بوجھ رتی برابر بھی ہلکا نہیں کر سکتے۔ ہاں اپنا بوجھ بھاری کر رہے ہیں۔ ایک تو اُن کے ذاتی گناہوں کا بار تھا، اب دوسروں کے اغواء و اضلال کے بارے اُس میں مزید اضافہ کر دیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ کوئی چاہے کہ رفاقت کر کے کسی کے گناہ اپنے اُوپر لے لے یہ نہیں ہوگا۔ مگر جس کو گمراہ کیا اور اُس کے بہکائے سے اُس نے گناہ کیا، وہ

گناہ اس پر بھی اور اُس پر بھی۔ (موضح) جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ دنیا میں جو کوئی کسی کو (ناحق) قتل کرے اس کے گناہ کا حصہ آدم کے پہلے بیٹے (قابیل) کو پہنچتا ہے جس نے اول یہ بُری راہ نکالی۔ (تفسیر عثمانی)

نیکی اور بدی کا داعی:

ایک حدیث جو حضرت ابو ہریرہؓ اور انس بن مالکؓ سے روایت کی گئی ہے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہدایت کی طرف لوگوں کو دعوت دے تو جتنے لوگ اس کی دعوت کی وجہ سے ہدایت پر عمل کریں گے ان سب کے عمل کا ثواب اس داعی کے نامہ اعمال میں بھی لکھا جائے گا، بغیر اس کے کہ عمل کرنے والوں کے اجر وثواب میں کوئی کمی کی جائے۔ اور جو شخص کسی گمراہی اور گناہ کی طرف دعوت دے تو جتنے لوگ اس کے کہنے سے اس گمراہی میں مبتلا ہوں گے ان سب کا گناہ اور وبال اس شخص پر بھی پڑے گا بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے وبال اور عذاب میں کوئی کمی ہو (مسلم عن ابی ہریرۃ وابن ماجہ عن انس، قرطبی)۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾
اور البتہ اُن سے پوچھ ہوگی قیامت کے دن جو باتیں کہ جھوٹ بناتے تھے

اہل حق ہمیشہ آزمائے جاتے رہے ہیں:

یعنی جو جھوٹی باتیں بناتے ہیں کہ ہم تمہارا بوجھ اُٹھالیں گے یہ خود مستقل گناہ ہے جس پر ماخوذ ہوں گے۔ آگے چند قصص کے ضمن میں متنبہ کیا گیا ہے کہ سچوں کے مقابلہ میں ہمیشہ سے جھوٹے اغواء اور شرارت کرتے رہے ہیں اور سچوں کو مدتوں تک امتحان وابتلاء کے دور میں سے گزرنا پڑا ہے۔ مگر آخری نتیجہ انہی کے حق میں بہتر ہوا، منکر اور شریر لوگ خائب وخاسر رہے سچے کامیاب وسربلند ہوئے۔ اشقیاء کے تمام مکائد تار عنکبوت سے زیادہ ثابت نہ ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ
اور ہم نے بھیجا نوح کو اُن کی قوم کے پاس پھر رہا اُن میں
اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا
ہزار برس پچاس برس کم

حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت:

ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے۔ ساڑھے نو سو برس دعوت وتبلیغ اور سعی واصلاح میں مصروف رہے۔ پھر طوفان آیا، طوفان کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے اس طرح کل عمر ایک ہزار پچاس سال ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

وہب کا بیان ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ایک ہزار چار سو برس ہوئی۔ آخر موت کے فرشتے نے آپ سے پوچھا اے درازترین عمر والے پیغمبر آپ نے دنیا کو کیسا پایا فرمایا ایسا جیسے کسی نے ایک مکان بنایا ہو جس کے دو دروازے رکھے ہوں میں ایک دروازہ سے داخل ہوا دوسرے دروازہ سے باہر نکل گیا۔

آیت میں نو سو پچاس برس کا لفظ نہیں فرمایا کیونکہ ہزار کے لفظ میں ایک طرح کی شان اور عظمت ہے دکھانا یہ ہے کہ ایک عظیم الشان طویل مدت تک حضرت نوحؑ قوم کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف پر صبر کرتے رہے اور اتنی طویل مدت تک قوم کی پُرفریب تدبیروں کا مقابلہ کرتے رہے۔ پھر لفظ الف میں اختصار بھی ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾
پھر پکڑا اُن کو طوفان نے اور وہ گنہگار تھے

طوفان نوح:

یعنی جب گناہوں اور شرارتوں سے باز نہ آئے تو طوفان نے سب کو گھیر لیا۔ بجز چند نفوس کے سب ہلاک ہوگئے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ
پھر بچادیا ہم نے اُس کو اور جہاز والوں کو

نجات یافتہ لوگ:

یعنی جو آدمی یا جو جانور جہاز پر سوار تھے اُن کو نوح علیہ السلام کی معیت میں ہم نے محفوظ رکھا۔ سورۂ ہود میں یہ قصہ مفصل گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾
اور رکھا ہم نے جہاز کو نشانی جہان والوں کے واسطے

کشتی نوح علیہ السلام عبرت کا نشان:

کہتے ہیں حضرت نوحؑ کا جہاز مدت دراز تک جودی پر لگا رہا تاکہ دیکھنے والوں کے لئے عبرت ہو اور اب جو جہاز اور کشتیاں موجود ہیں یہ بھی ایک نشانی ہے جسے دیکھ کر سفینہ نوح علیہ السلام کی یاد تازہ ہوتی اور قدرت الٰہی کا نمونہ نظر آتا ہے۔ یا شاید یہ مراد ہو کہ کشتی کے اس قصہ کو ہم نے ہمیشہ کے لئے نشان عبرت بنادیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں جس وقت یہ سورۃ اتری ہے حضرت کے بہت سے اصحاب کافروں کی ایذاؤں سے تنگ آکر جہاز پر سوار ہوکر ملک حبشہ کی طرف گئے تھے جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ ہجرت کر

آ ئے تب وہ جہاز والے صحابہ بھی سلامتی سے آ ملے۔ (موضح بتغییر یسیر) گویا نوح علیہ السلام وسفینہ نوح علیہ السلام کی تاریخ اس رنگ میں دہرائی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِبْرٰهِیْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ
اور ابراہیم کو جب کہا اُس نے اپنی قوم کو بندگی کرو اللہ کی اور ڈرتے رہو اُس سے
ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ
یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم سمجھ رکھتے ہو تم تو پوجتے ہو
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا
اللہ کے سوائے یعنی بتوں کے تھان اور بناتے ہو جھوٹی باتیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت:

یعنی جھوٹے عقیدے تراشتے ہو اور جھوٹے خیالات واوہام کی پیروی کرتے ہو، چنانچہ اپنے ہاتھوں سے یہ بُت بنا کر کھڑے کر لئے ہیں جنہیں جھوٹ موٹ خدا کہنے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اگر تم اہل علم میں سے ہو تو ایسا کرو یعنی اگر تم خیر وشر کو جانتے ہو اور حق کا باطل سے امتیاز کرتے ہو یا یہ مطلب ہے کہ اگر تم علمی نظر رکھتے ہو اور تعصب وضد سے تمہاری نظر پاک ہے یا یہ مطلب ہے کہ اگر تم ان لوگوں میں سے ہو جو اہل علم وتمیز ہیں تو تم سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہوگی کہ اللہ کی عبادت اور اس کے عذاب کا خوف اس مذہب سے بہتر ہے جس پر تم چل رہے ہو۔ (مظہری)

اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِكُوْنَ
بیشک جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے وہ مالک نہیں
لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ
تمہاری روزی کے سو تم ڈھونڈو اللہ کے یہاں روزی اور اس کی بندگی کرو
وَاشْكُرُوْا لَهٗ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾
اور اُس کا حق مانو اُسی کی طرف پھر جاؤ گے

معیشت کی اہمیت:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "اکثر خلق روزی کے پیچھے ایمان دیتی ہے۔ سو جان رکھو کہ اللہ کے سوا روزی کوئی نہیں دیتا وہ ہی دیتا ہے اپنی خوشی کے موافق لہذا اُس کے شکر گزار بنو اور اسی کی بندگی کرو۔ وہیں تم کو لوٹ کر جانا ہے، آخر اُس وقت کیا منہ دکھاؤ گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ
اور اگر تم جھٹلاؤ گے تو جھٹلا چکے ہیں بہت فرقے تم سے پہلے
وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۸﴾
اور رسول کا ذمہ تو بس یہی ہے پیغام پہنچا دینا کھول کر

قوم کے جھٹلانے سے پیغمبر کا کوئی نقصان نہیں:

یعنی جھٹلانے سے میرا کچھ نہیں بگڑتا میں صاف صاف تبلیغ ونصیحت کر کے اپنا فرض ادا کر چکا، بھلا بُرا سمجھا چکا، نہ مانو گے نقصان اُٹھاؤ گے جیسے عاد وثمود وغیرہ تم سے پہلے اُٹھا چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ یَرَوْا كَیْفَ یُبْدِئُ اللّٰهُ
کیا دیکھتے نہیں کیونکر شروع کرتا ہے اللہ
الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ
پیدائش کو پھر اُس کو دہرائے گا

اپنی پیدائش پر دوبارہ زندگی کو قیاس کرلو:

یعنی خود اپنی ذات میں غور کرو، پہلے تم کچھ نہ تھے، اللہ نے تم کو پیدا کیا اسی طرح مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کر دیگا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ شروع تو دیکھتے ہو، دوہرانا اسی سے سمجھ لو۔ (تفسیر عثمانی)

كَیْفَ یُبْدِئُ یعنی کیا انہوں نے اپنی ابتدائی تخلیق کی کیفیت کو نہیں دیکھا۔ (ضرور دیکھا ہے لیکن) عبرت حاصل نہیں کی۔ اللہ نے ان کو نطفہ سے پھر بستہ خون سے پھر گوشت کی بوٹی سے بنایا پھر بچہ بنا کر باہر لے آتا ہے پھر وقت موت تک اس کے حالات نو بنو بدلتے رہتے ہیں یہاں تک موت آجاتی ہے۔

ثُمَّ یُعِیْدُهٗ اعادہ سے مراد ہے مرنے کے بعد دوبارہ زندگی عطا کرنا۔ یہ بھی اعادہ کا مطلب ہوسکتا ہے کہ سبزہ اور پھل وغیرہ اللہ دوبارہ ویسے ہی پیدا کر دیتا ہے جیسے گذشتہ سال پیدا کئے تھے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ﴿۱۹﴾
یہ اللہ پر آسان ہے

اللہ کیلئے کچھ مشکل نہیں:

یعنی اللہ کے نزدیک تو کوئی چیز بھی مشکل نہیں۔ البتہ تمہارے سمجھنے کی بات ہے کہ جس نے بدوں نمونہ کے اول ایک چیز کو بنایا، نمونہ قائم ہونے کے

بعد بنانا تو اور زیادہ آسان ہونا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ

تو کہہ ملک میں پھرو پھر دیکھو کیونکر

بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ یُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ

شروع کیا ہے پیدائش کو پھر اللہ اُٹھائے گا پچھلا اُٹھان

دوسری مخلوقات میں غور کرو:

یعنی اپنی ذات کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کی پیدائش میں بھی غور کرو اور چل پھر کر دیکھو کہ کیسی کیسی مخلوق خدا نے پیدا کی ہے۔ اسی پر دوسری زندگی کو قیاس کر لو۔ اُس کی قدرت اب کچھ محدود تو نہیں ہوگئی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۰﴾

بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے

یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَرْحَمُ مَنْ یَّشَآءُ

دُکھ دے گا جس کو چاہے اور رحم کرے گا جس پر چاہے

یعنی دوبارہ پیدا کر کے جسے اپنی حکمت کے موافق چاہے گا سزا دے گا اور جس پر چاہے گا اپنے فضل و کرم سے مہربانی فرمائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

عذاب و رحم کی صورتیں:

یعنی آخرت میں دوزخ کا عذاب دے کر اور دنیا میں بے مدد چھوڑ کر یا دنیا کا حریص بنا کر یا بداخلاق بنا کر۔ یا اللہ کی طرف سے روگرداں بنا کر یا بدعات کا مرتکب بنا کر۔ یہ سب صورتیں عذاب کی ہیں۔ اس کے مقابل اللہ جس پر رحم کرنا چاہے رحم کرے آخرت میں جنت میں داخل فرما کر اور دنیا میں مدد دے کر اور قناعت عطا فرما کر اور خوش اخلاق بنا کر اور اللہ کی طرف متوجہ بنا کر اور اتباع سنت کی توفیق دے کر۔ (تفسیر مظہری)

وَاِلَیْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ

اور اُسی کی طرف پھر جاؤ گے اور تم عاجز کرنے والے نہیں

فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَمَا لَكُمْ

زمین میں اور نہ آسمان میں اور کوئی نہیں تمہارا

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۲۲﴾

اللہ سے ورے حمایتی اور نہ مددگار

اللہ سے کوئی بھاگ نہیں سکتا:

یعنی جس کو اللہ تعالیٰ سزا دینا چاہے وہ نہ زمین کے سوراخوں میں گھس کر سزا سے بچ سکتا ہے نہ آسمان میں اُڑ کر، کوئی بلندی یا پستی خدا کے مجرم کو پناہ نہیں دے سکتی نہ کوئی طاقت اُس کی حمایت اور مدد کو پہنچ سکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ زمین میں اور نہ آسمان میں یعنی تم بھاگ کر زمین میں چھپ جاؤ یا زمین کے غاروں میں گھس جاؤ تب بھی اللہ کے حکم سے نکل نہیں سکتے اسی طرح اگر (بالفرض) آسمان میں اور فلک بوس قلعوں میں پناہ گیر ہو جاؤ تب بھی قضاء خداوندی سے باہر نہیں ہو سکتے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وَلَا فِی السَّمَآءِ کا مطلب ہو وَلَا مَنْ فِی السَّمَآءِ یعنی اللہ کے ان ملائکہ کو بھی عاجز نہیں بنا سکتے جو آسمان میں ہیں جیسے حضرت حسان کا شعر ہے۔

فَمَنْ یَّهْجُوْ رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْكُمْ وَیَمْدَحُهٗ وَیَنْصُرُهٗ سَوَآءٌ

تم میں سے جو لوگ رسول اللہ کی ہجو کریں اور وہ لوگ جو رسول اللہ کی مدح اور مدد کریں دونوں فریق رسول اللہ کے لئے برابر ہیں (یعنی آپ کو نہ کوئی ضرر پہنچ سکتا ہے نہ نفع کسی کی ہجا رسے آپ کا کوئی نقصان نہیں اور کسی کی تعریف سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں)۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖۤ اُولٰٓئِكَ

اور جو لوگ منکر ہوئے اللہ کی باتوں سے اور اس کے ملنے سے وہ

یَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِیْ

نا اُمید ہوئے میری رحمت سے

مایوس رحمت:

یعنی جنہوں نے اللہ کی باتوں کا انکار کر دیا اور اُس سے ملنے کی اُمید نہیں رکھی (کیونکہ وہ بعث بعد الموت کے قائل ہی نہ ہوئے) انہیں رحمت الٰہی کی اُمید کیونکر ہو سکتی ہے۔ لہٰذا وہ آخرت میں بھی محروم و مایوس ہی رہیں گے۔ یہ گویا مَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ کا عکس ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ

اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے پھر کچھ جواب نہ تھا

قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ

اُسکی قوم کا مگر یہی کہ بولے اُس کو مار ڈالو یا جلا دو

قوم ابراہیم علیہ السلام کی دہشت گردی:

یعنی ابراہیم علیہ السلام کی تمام معقول باتیں اور دلائل و براہین سن کر جب اُن کی ہم قوم جواب سے عاجز ہوئے تو قوت کے استعمال پر اُتر آئے اور آپس میں مشورہ کیا کہ یا تو قتل کر کے ایک دم ان کا قصہ ہی تمام کر دو اور یا آگ میں جلاؤ، شاید تکلیف محسوس کر کے اپنی باتوں سے باز آ جائے تو نکال لیں گے ورنہ راکھ کا ڈھیر ہو کر رہ جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ

پھر اس کو بچا دیا　اللہ نے　آگ سے

اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ:

یعنی انہوں نے مشورہ کر کے آگ میں ڈال دیا، مگر حق تعالیٰ نے آگ کو گلزار بنا دیا۔ جیسا کہ سورۂ انبیاء میں مفصلاً گزر چکا ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾

اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو یقین لاتے ہیں

اہل حق کی کامیابی کی مثال:

یعنی اس واقعہ سے سمجھا دیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے سچے بندوں کو کس طرح بچا لیتا ہے اور مخالفین حق کو کس طرح خائب و خاسر کرتا ہے۔ نیز یہ معلوم ہوا کہ ہر چیز کی تاثیر اسی کے حکم سے ہے۔ جب حکم نہ ہو تو آگ جیسی چیز جلا نہیں سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ

اور ابراہیم بولا

یعنی آگ سے نکل کر پھر نصیحت شروع کر دی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ

جو ٹھہرائے ہیں تم نے　اللہ کے سوائے　بتوں کے تھان

مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ

سو دوستی کر کر آپس میں　دنیا کی زندگانی　میں

آگ سے نکلنے کے بعد حضرت ابراہیمؑ کی تقریر:

یعنی بت پرستی کو کون عقلمند جائز رکھ سکتا ہے، بت پرست بھی دل میں جانتے ہیں کہ یہ نہایت مہمل حرکت ہے۔ مگر شیرازۂ قومی کو جمع رکھنے کے لئے ایک مذہب ٹھہرا لیا ہے کہ اس کے نام پر تمام قوم متحد و متفق رہے اور ایک دوسرے کے دوست بنے رہیں، جیسا کہ آج کل ہم یورپ کی عیسائی قوموں کا حال دیکھتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ بت پرستی کا شیوع و رواج اس بناء پر نہیں ہوا کہ وہ کوئی معقول چیز ہے بلکہ اندھی تقلید، قومی مروت و لحاظ اور تعلقات باہمی کا دباؤ اس کا بڑا سبب ہے یا یہ غرض ہو کہ بت پرستی کی اصل جڑ آپس کی محبت اور دوستی تھی۔ ایک قوم میں کچھ نیک آدمی جنہیں لوگ محبوب رکھتے تھے انتقال کر گئے۔ لوگوں نے جوش محبت میں اُن کی تصویریں بنا کر بطور یادگار رکھ لیں پھر تصویروں کی تعظیم کرنے لگے۔ وہی تعظیم بڑھتے بڑھتے عبادت بن گئی۔ یہ سب احتمالات آیت میں مفسرین نے بیان کئے ہیں۔ اور ممکن ہے "مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ" سے بت پرستوں کی اپنے بتوں سے جو محبت ہے وہ مراد ہو جیسا کہ دوسری جگہ "اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ" فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ

پھر دن　قیامت کے　منکر ہو جاؤ گے ایک سے

بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ

ایک　اور لعنت کرو گے　ایک کو　ایک

مشرکانہ دوستیاں کوئی کام نہ دیں گی:

یعنی یہ سب دوستیاں اور محبتیں چند روزہ ہیں۔ قیامت کے دن ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور بعض بعض کو لعنت کرو گے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی وہ شیطان جن کے نام کے تھان ہیں اللہ کے روبرو منکر ہوں گے کہ ہم نے نہیں کہا کہ ہم کو پوجو۔ تب یہ پوجنے والے اُن کو لعنت کریں گے کہ ہماری نذر و نیاز لے کر وقت پر پھر گئے۔ (موضح) (تفسیر عثمانی)

وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور ٹھکانا　تمہارا　آگ ہے　اور کوئی نہیں تمہارا　مددگار

جو دوزخ کی آگ سے تم کو بچا لے جیسے میرے پروردگار نے تمہاری آگ سے مجھ کو بچا لیا۔ (تفسیر عثمانی)

امت محمدیہ میں انقلابات:

حدیث میں ہے کہ ہجرت کے بعد کی ہجرت حضرت ابراہیم کی ہجرت گاہ کی طرف ہوگی۔ اُس وقت زمین پر بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جنہیں زمین تھوک دے گی اور خدا تعالیٰ ان سے نفرت کرے گا انہیں آگ سوروں اور بندروں کے ساتھ ہنکاتی پھرے گی۔ راتوں کو دنوں کو انہیں کے ساتھ رہے گی اور ان کی جھڑن کھاتی رہے گی۔ اور روایت میں ہے جو ان میں سے پیچھے رہے گا اُسے یہ آگ کھا جائے گی۔ اور مشرق کی طرف سے کچھ لوگ میری امت میں

ایسے نکلیں گے جو قرآن پڑھیں گے لیکن اُن کے گلے سے نیچے نہیں اُترے گا ان کے ایک جتھے کے خاتمے کے بعد دوسرا گروہ کھڑا ہوگا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس سے بھی زیادہ بار اسے دہرایا۔ یہاں تک کہ انہی کے آخری گروہ میں دجال نکلے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا بیان ہے کہ ایک زمانہ تو ہم پر وہ تھا کہ ہم ایک مسلمان بھائی کے لئے درہم و دینار کو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے اپنی دولت اپنے بھائی کی ہی سمجھتے تھے، پھر وہ زمانہ آیا کہ دولت ہمیں اپنے مسلم بھائی سے زیادہ عزیز معلوم ہونے لگی۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اگر تم بیلوں کی دُموں کے پیچھے لگ جاؤ گے اور تجارت میں مشغول ہو جاؤ گے اور خدا تعالیٰ کی راہ کا جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری گردنوں میں ذلت کے پٹے ڈال دے گا جو اُس وقت تک تم سے الگ نہ ہوں گے جب تک کہ تم پھر سے وہیں نہ آ جاؤ جہاں تھے اور تم توبہ نہ کرلو، پھر وہی حدیث بیان کی جو اُوپر گزری اور فرمایا کہ میری اُمت میں ایسے لوگ ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے اور بدعملیاں کریں گے قرآن ان کے حلقوم سے نیچے نہیں اُترے گا۔ ان کے علم کو دیکھ کر تم اپنے علموں کو حقیر سمجھنے لگو گے۔ وہ اہل اسلام کو قتل کریں گے پس جب یہ لوگ ظاہر ہوں تم انہیں قتل کر دینا، پھر نکلیں پھر مار ڈالنا پھر ظاہر ہوں پھر قتل کر دینا۔ وہ بھی خوش نصیب ہے جو انہیں قتل کرے اور وہ بھی خوش نصیب ہے جو ان کے ہاتھوں قتل کیا جائے جب ان کے گروہ نکلیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں برباد کر دے گا پھر نکلیں گے پھر برباد ہو جائیں گے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بیس مرتبہ بلکہ اس سے بھی زیادہ بار یہی فرمایا۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ

پھر مان لیا اُس کو لُوط نے اور وہ بولا میں تو وطن چھوڑتا ہوں

اِلٰی رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۲۶

اپنے رب کی طرف بیشک وہ ہی ہے زبردست حکمت والا

حضرت لوطؑ کا ایمان لانا اور ہجرت:

حضرت لُوط حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ ابراہیمؑ کو اُن کی قوم کے کسی مرد نے نہ مانا۔ البتہ لُوطؑ نے فوراً بلا توقف تصدیق کی۔ دونوں کا وطن "عراق" میں شہر بابل تھا۔ خدا کے توکل پر وطن سے نکل کھڑے ہوئے اللہ نے ملک شام میں پہنچا کر بسایا۔ (تنبیہ) وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ الخ میں دونوں احتمال ہیں۔ قائل ابراہیم ہوں یا لوط علیہما السلام۔ (تفسیر عثمانی)

اِلٰی رَبِّیْ یعنی اللہ نے مجھے جہاں چلے جانے کا حکم دیا ہے وہاں چلا جاؤں گا یا جہاں میرے لئے اپنے رب کی عبادت کی سہولت ہوگی وہاں چلا جاؤں گا۔ یا یہ مطلب ہے کہ میں اپنی قوم سے منہ پھیر لوں گا ان سے کوئی (دینی) تعلق نہیں رکھوں گا اور اپنا رخ اپنے رب کی طرف کرلوں گا (سب سے کٹ کر اللہ سے جڑ جاؤں گا باہمہ بے ہمہ) صوفیہ کی اصطلاح میں اسی کو وطن میں سفر کہتے ہیں۔ اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے کوثی علاقہ کوفہ سے حران کی طرف ہجرت کی پھر حران سے شام کو چلے گئے حضرت لوط اور آپ کی بیوی حضرت سارہ دونوں آپ کے ساتھ تھے حضرت ابراہیم ہی سب سے پہلے شخص تھے جنہوں نے راہ خدا میں ترک وطن کیا پھر حضرت ابراہیمؑ نے فلسطین میں اور حضرت لوط نے سدوم میں قیام اختیار کیا۔ مفسرین نے کہا ہے کہ ہجرت کے وقت حضرت ابراہیم کی عمر پچھتر سال تھی۔

حضرت عثمانؓ کی ہجرت:

حضرت اسماء بنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے حبشہ کی جانب ہجرت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابراہیمؑ و لوطؑ کے بعد عثمانؓ سب سے پہلے مہاجر ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حضرت عثمانؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سب سے پہلے ہجرت کی جیسے حضرت لوطؑ نے حضرت ابراہیمؑ کی طرف سے سب سے اول ہجرت کی۔ حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عثمانؓ اور رقیہؓ سے پہلے لوط کے بعد اور کوئی مہاجر نہیں ہوا۔ (تفسیر مظہری)

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ

اور دیا ہم نے اُس کو اسحٰق اور یعقوب

اولادِ ابراہیم:

یعنی اسحاق بیٹا اور یعقوب پوتا دیا جن کی نسل بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔

وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ

اور رکھ دی اُس کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب

یعنی حضرت ابراہیمؑ کے بعد بجز اُن کی اولاد کے کسی کو کتاب آسمانی اور پیغمبری نہ دی جائے گی۔ چنانچہ جس قدر انبیاء اُن کے بعد تشریف لائے اُن ہی کی ذریت سے تھے۔ اسی لئے ان کو ابوالانبیاء کہا جاتا ہے۔

وَاٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ

اور دیا ہم نے اُس کو اُس کا ثواب دنیا میں اور وہ آخرت میں

لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝۲۷

البتہ نیکوں سے ہے

یعنی دنیا میں حق تعالیٰ نے مال، اولاد، عزت اور ہمیشہ کا نام نیک دیا، اور ملک شام ہمیشہ کے لئے اُن کی اولاد کو بخشا۔ (کذافی الموضح) اور آخرت میں اعلیٰ درجہ کے صالحین کی جماعت میں (جو انبیائے اولوالعزم کی جماعت ہے) شامل رکھا۔ (تفسیر عثمانی)

دنیا میں سب سے پہلی ہجرت:

حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے پیغمبر ہیں جن کو دین کے لئے ترکِ وطن اور ہجرت اختیار کرنا پڑی، ان کی یہ ہجرت پچھتر سال کی عمر میں ہوئی (یہ سب بیان قرطبی سے لیا گیا ہے)۔

بعض اعمال کی جزاء دنیا میں بھی مل جاتی ہے:

وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِى الدُّنْيَا یعنی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی اللہ کی راہ میں قربانیوں اور دوسرے اعمالِ صالحہ کی جزاء دنیا میں بھی دے دی کہ ان کو تمام مخلوق میں مقبول وامام بنا دیا، یہودی، نصرانی، بت پرست سبھی ان کی عزت کرتے ہیں، اور اپنا مقتداء مانتے ہیں اور آخرت میں وہ صالحین اہل جنت میں سے ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعمال کی اصل جزاء تو آخرت میں ملے گی مگر اس کا کچھ حصہ دنیا میں بھی نقد دیا جاتا ہے، جیسا کہ احادیث معتبرہ میں بہت سے اچھے اعمال کے دنیوی فوائد اور بُرے اعمال کے دنیوی مفاسد کا بیان آیا ہے، ایسے اعمال کو سیدی حضرت حکیم الامتؒ نے ایک مستقل رسالہ جزاء الاعمال میں جمع فرما دیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہجرت حبشہ:

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تمام شہر خدا تعالیٰ کے شہر ہیں اور کُل بندے اللہ تعالیٰ کے غلام ہیں جہاں تو بھلائی پاسکتا ہو وہیں قیام کر۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ پر جب کہ مکہ شریف کی رہائش مشکل ہو پڑی تو وہ ہجرت کر کے حبشے چلے گئے تا کہ امن وامان کے ساتھ خدا کے دین پر قیام کر سکیں۔ وہاں کے سمجھدار دیندار بادشاہ اصحمہ نجاشی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی پوری تائید ونصرت کی اور وہاں وہ بہت عزت اور خوشی سے رہے سہے۔ پھر اس کے بعد باجازتِ خداوندی صحابہؓ نے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ
اور بھیجا لوط کو　جب کہا　اپنی قوم کو تم　آتے ہو بے حیائی کے کام پر
مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾
تم سے پہلے نہیں کیا　وہ　کسی نے　جہان میں

حضرت لوطؑ کی تبلیغ:

یعنی یہ فعل شنیع تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا۔ یہ ہی اس کی دلیل ہے کہ فطرت انسانی اس سے نفور ہے۔ ایسے خلاف فطرت وشریعت کام کی بنیاد تم نے ڈالی۔ (تفسیر عثمانی)

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ
کیا تم　دوڑتے ہو مردوں پر　اور　راہ　مارتے ہو

قوم لوط کی بدکاریاں:

راہ مارنے سے مراد ممکن ہے ڈاکہ زنی ہو، یہ بھی اُن میں رائج ہو گی، یا اُسی بدکاری سے مسافروں کی راہ مارتے تھے کہ ڈر کے مارے اُس طرف ہو کر نہ نکلیں یا تَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ کا مطلب یہ ہو کہ فطری اور معتاد راستہ کو چھوڑ کر توالد وتناسل کا سلسلہ منقطع کر رہے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَاْتُوْنَ فِىْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ
اور　کرتے ہو　اپنی مجلس　میں　بُرا　کام

شاید یہ ہی بدکاری علانیہ لوگوں کے سامنے کرتے ہوں گے، اس بات کی شرم بھی نہ رہی تھی یا کچھ اور ٹھٹھے اور چھیڑ اور بے شرمی کی باتیں کرتے ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے بروایت ابوصالح حضرت ام ہانیؓ کا قول نقل کیا ہے حضرت ام ہانیؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت وَتَاْتُوْنَ فِىْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ کے متعلق دریافت کیا اور عرض کیا وہ بری بات کون سی تھی جو قوم لوط والے اپنی مجلسوں میں کرتے تھے فرمایا وہ لوگ (اپنی مجلسوں میں سرِ راہ بیٹھ کر) آنے جانے والوں کے غلے مارتے اور ان کا مذاق بناتے تھے۔ (رواہ احمد والترمذی)

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ قوم لوط والے اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوتے ہر شخص کے پاس ایک پیالہ میں کچھ پتھریاں ہوتی تھیں کوئی مسافر ادھر سے گزرتا تو وہ آپس میں کہتے تھے (اپنے شکار کو) لو چنانچہ ہر شخص مسافر کو نشانہ بنا کر کنکری مارتا تھا جس کی کنکری مسافر کو لگ جاتی وہی مسافر کا مستحق قرار پاتا تھا اول اس کا سب سامان چھین لیتا پھر اس کے ساتھ بدفعلی کرتا تھا۔ اور تین درہم اس کو دے کر چلتا کر دیتا تھا ان کا سرپنچ تین درہم دینے کا فیصلہ کرتا تھا۔

قاسم بن محمد نے کہا وہ جلسوں میں بیٹھ کر آواز کے ساتھ ریاح خارج کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا ایک دوسرے پر تھوکتا تھا۔ مکحول نے کہا قوم لوط کی بری حرکتوں میں سے یہ باتیں تھیں کہ وہ علک چباتے مہندی سے

انگلیاں رنگتے لنگیاں کھول دیتے سیٹیاں بجاتے کنکریاں مارتے اور بدفعلیاں کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا

پھر کچھ جواب نہ تھا اُس کی قوم کا مگر یہی کہ بولے لے آ

بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ

ہم پر عذاب اللہ کا اگر تو ہے سچا

قوم والوں کا حضرت لوطؑ کو جواب:

یعنی اگر تم سچے نبی ہو اور واقعی سچ کہتے ہو کہ ہمارے یہ کام خراب اور مستوجب عذاب ہیں تو دیر کیا ہے وہ عذاب لے آئیے۔ دوسری جگہ فرمایا "وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ" (اعراف۔ رکوع)

یعنی ان کی قوم کا جواب یہی تھا کہ لوط کے گھرانے کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو۔ یہ بڑے پاک بننا چاہتے ہیں۔ شاید قوم میں سے بعض نے یہ بعض نے وہ جواب دیا ہوگا، یا ایک وقت میں ایک بات اور دوسرے میں دوسری کہی ہوگی۔ مثلاً اول عذاب کی دھمکیوں کا مذاق اڑایا، پھر آخری فیصلہ یہ کیا ہوگا، کہ انہیں بستی سے نکال دیا جائے بہر حال ثابت ہو گیا کہ وہ قوم نہ صرف اس فعل شنیع کی مرتکب اور بانی تھی، بلکہ اس کے جاری رکھنے پر اس قدر اصرار تھا کہ نصیحت کرنے والے پیغمبر کو اپنی بستی سے نکالنے پر تیار ہو گئے اُن کی فطرت اور طبائع اس قدر مسخ ہو چکی تھیں کہ خوف خدا کا کوئی شائبہ دلوں میں باقی نہ رہا تھا، عذاب کی دھمکیوں کا مذاق اڑاتے تھے اور پیغمبر کے مقابلہ پر آمادہ تھے۔ جرم کی یہی نوعیت ان کے ہلاک کرنے کے لئے کافی تھی۔ اور اگر اس کے ساتھ توحید کے بھی قائل نہ تھے تو کڑوا کریلا نیم چڑھا سمجھئے معلوم ہوتا ہے کہ توحید کی دعوت حضرت ابراہیم کی طرف سے مشتہر ہو کر پہنچ چکی ہوگی۔ اس لئے لوط علیہ السلام خاص اسی فعل شنیع سے روکنے پر مامور ہوئے۔ اور ممکن ہے انہوں نے توحید وغیرہ کی دعوت بھی دی ہو۔ مگر ان کو یہاں نقل نہیں فرمایا۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِىْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ

بولا اے رب میری مدد کر ان شریر لوگوں پر

حضرت لوطؑ کی دُعاء:

یہ ان کی طرف سے مایوس ہو کر فرمایا، شاید سمجھ گئے ہوں کہ ان کی آئندہ نسلیں بھی درست ہونے والی نہیں۔ وہ بھی انہی کے نقش قدم پر چلیں گی جیسے نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا" اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا" (نوح۔ رکوع۲) کذا قال النیسابوری فی تفسیرہ۔ (تفسیر عثمانی)

الْمُفْسِدِيْنَ یعنی یہ مفسد لوگ ہیں انہوں نے لواطت کی ایجاد کی اور آئندہ لوگوں کے لئے اس کی بنیاد ڈال دی۔ المفسدین کا لفظ ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ عذاب کے مستحق ہیں ان پر فوری عذاب نازل ہونا ضروری ہے۔ المفسدین کہنے سے نزول عذاب کی درخواست میں قوت پیدا ہو گئی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا

اور جب پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر بولے

اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ

ہم کو غارت کرنا ہے اس بستی والوں کو

اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۚ

بیشک اُس کے لوگ ہو رہے ہیں گنہگار

ہلاکت کے فرشتے:

لوط علیہ السلام کی دعا پر فرشتوں کو اس بستی کے تباہ کرنے کا حکم ہوا۔ فرشتے اول حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے ان کو بڑھاپے میں بیٹے کی بشارت سنائی اور اطلاع دی کہ ہم اس بستی (سدوم) کو تباہ و برباد کرنے کے لئے جا رہے ہیں۔ کیونکہ وہاں کے لوگ کسی طرح اپنی حرکات شنیعہ سے باز نہیں آتے۔ ان واقعات کی تفصیل سورۂ اعراف ہود اور حجر وغیرہ میں گزر چکی ہے۔ (تنبیہ) شاید ہلاکت کی خبر کے ساتھ بیٹے کی بشارت دینے کا مطلب یہ ہو کہ ایک قوم سے اگر خدا کی زمین خالی کی جانے والی ہے تو دوسری طرف حق تعالیٰ ایک عظیم الشان قوم "بنی اسرائیل" کی بنیاد ڈالنے والا ہے۔ نبہ علیہ العلامۃ النیسابوری رحمہ اللہ فی تفسیرہ۔

قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۭ

بولا اس میں تو لوط بھی ہے

حضرت ابراہیم کا تعجب:

یعنی کیا لوط کی موجودگی میں بستی کو تباہ کیا جائے گا؟ یا انہیں وہاں سے علیحدہ کر کے تعذیب کی کارروائی عمل میں لائی جائے گی؟ غالباً حضرت ابراہیم کو از راہ شفقت خیال آیا کہ اگر لوط کی آنکھوں کے سامنے یہ آفت نازل ہوئی تو عجب نہیں کہ عذاب کا ہولناک منظر دیکھنے سے وحشت اور گھبراہٹ ہو، فرشتوں

نے اپنے کلام میں کوئی استثناء کیا نہ تھا، اُس سے اُن کے ذہن میں یہ ہی شق آئی ہوگی کہ لوط کی موجودگی میں کارروائی کریں گے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا لَنُنَجِّيَنَّهٗ

وہ بولے ہم کو خوب معلوم ہے جو کوئی اس میں ہے ہم بچالیں گے اُس کو

وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

اور اس کے گھر والوں کو مگر اُس کی عورت کہ رہے گی رہ جانے والوں میں

فرشتوں کا جواب:

یعنی فرشتوں نے اطمینان دلایا کہ ہم سب کو جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں اور جو اُن میں خدا کے مجرم ہیں۔ تنہا لوط نہیں، بلکہ اُس کے گھر والوں کو بھی کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ سب کو عذاب کے موقع سے علیحدہ کرلیں گے صرف اس کی ایک عورت وہاں رہ جائے گی۔ کیونکہ اُس پر بھی عذاب آنا ہے۔

وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ

اور جب پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے لوط کے پاس ناخوش ہوا

بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا

اُن کو دیکھ کر اور تنگ ہوا دل میں

فرشتے حضرت لوطؑ کے پاس:

فرشتے نہایت حسین وجمیل امردوں کی شکل میں وہاں پہنچے۔ حضرت لوط نے اول پہچانا نہیں۔ بہت تنگدل اور ناخوش ہوئے کہ اب ان مہمانوں کی عزت قوم کے ہاتھ سے کس طرح بچاؤں گا۔ اگر اپنے یہاں نہ ٹھہراؤں تو اخلاق و مروت اور مہمان نوازی کے خلاف ہے۔ ٹھہراتا ہوں تو اس بدکار قوم سے آبرو کس طرح محفوظ رہے گی۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ اِنَّا مُنَجُّوْكَ

اور وہ بولے مت ڈر اور غم نہ کھا ہم بچالیں گے تجھ کو

وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۳﴾

اور تیرے گھر کو مگر عورت تیری رہ گئی رہ جانے والوں میں

اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا

ہم کو اُتارنی ہے اس بستی والوں پر ایک آفت

مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾

آسمان سے اس بات پر کہ وہ نافرمان ہو رہے تھے

یعنی اپنی قوم کی شرارت سے ڈرے مت۔ یہ کچھ نہیں کرسکتی اور ہمارے بچاؤ کے لئے غمگین نہ ہو ہم آدمی نہیں فرشتے ہیں، جو تجھ کو اور تیرے ہم مشرب گھر والوں کو بچا کر اس قوم کو غارت کرنے کے لئے آئے ہیں۔ یہ قصہ پہلے کئی جگہ گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور چھوڑ رکھا ہم نے اُس کا نشان نظر آتا ہوا سمجھدار لوگوں کے واسطے

قوم لوط کی بستیوں کے کھنڈرات:

یعنی ان کی اُلٹی ہوئی بستیوں کے نشان مکہ والوں کو ملک شام کے سفر میں دکھائی دیتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک آیت بینہ سے مراد ہیں قوم لوط کی بستیوں کے ویران کھنڈر۔ قتادہ نے کہا اس سے مراد وہ پتھر ہیں جو ان پر برسائے گئے تھے اللہ نے وہ پتھر باقی رکھے اس امت کے ابتدائی دور تک وہ پتھر موجود تھے اور اگلے لوگوں نے ان کو دیکھا تھا۔

مجاہد نے کہا زمین کے اندر سے سیاہ پانی برآمد کرنا آیت مبینہ سے مراد ہے۔ بعض نے کہا ان کے قصہ کی شہرت مراد ہے یعنی ہم نے قوم لوط کی تباہی کے قصہ کو ایک نشانی کرکے چھوڑ دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يٰقَوْمِ

اور بھیجا مدین کے پاس اُن کے بھائی شعیب کو پھر بولا اے قوم

اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ

بندگی کرو اللہ کی اور توقع رکھو پچھلے دن کی

حضرت شعیبؑ کی تبلیغ:

یعنی آخرت کی طرف سے غافل نہ ہو۔ اکیلے خدائے واحد کی پرستش کرو۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۳۶﴾

اور مت پھرو زمین میں خرابی مچاتے

فساد فی الارض:

خرابی مچانے سے شاید مراد ہے لین دین میں دغابازی کرنا، سود بٹہ لگانا، جیسا کہ اُن کی عادت تھی۔ اور ممکن ہے رہزنی بھی کرتے ہوں۔ وقیل غیر ذلک۔ (تفسیر عثمانی)

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا

پھر اُس کو جھٹلایا تو پکڑ لیا اُن کو زلزلے نے پھر صبح کو رہ گئے

فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۠

اپنے گھروں میں اوندھے پڑے اور ہلاک کیا عاد کو اور ثمود کو

وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۟

اور تم پر حال کھل چکا ہے اُن کے گھروں سے

یعنی اُن کی بستیوں کے کھنڈر تم دیکھ چکے ہو۔ اُن سے عبرت حاصل کرو۔ (تفسیر عثمانی)

عقل پرستوں کی غلط فہمی:

اور جن کی عقل فلسفہ اور سائنس سے خراب ہو چکی ہے اور ان کا دائرہ ادراک محسوسات سے متجاوز نہیں ان کا گمان یہ ہے کہ اس تختۂ زمین کے نیچے کوئلہ اور گندھک کی کان تھی باہمی رگڑ سے آتشی مادہ میں اشتعال پیدا ہوا اس لئے وہ بستی ہلاک اور تباہ ہوگئی۔

سبحان اللہ وہ خطۂ زمین تو نہایت سرسبز اور شاداب تھا ہر طرف پانی کے چشمے جاری تھے وہاں آتشی مادہ کہاں سے آیا۔ اور کیا آگ اور پانی کا مادہ ایک جگہ جمع ہو سکتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ

اور فریفتہ کیا اُن کو شیطان نے اُن کے کاموں پر پھر روک دیا

عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ۝

اُن کو راہ سے اور تھے ہوشیار

عقل کے باوجود ہلاکت کے خریدار بنے:

یعنی دنیا کے کام میں ہشیار تھے اور اپنے نزدیک عقلمند تھے پر شیطان کے بہکائے سے نہ بچ سکے۔ (تفسیر عثمانی)

فراء نے مستبصرہ ہونے کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ وہ لوگ اہل دانش و ہوش تھے بصیرت مند تھے غور و نظر کر سکتے تھے لیکن انہوں نے غور و فکر سے کام نہیں لیا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان پر واضح کر دیا گیا تھا کہ ان پر عذاب ضرور آئے گا۔ پیغمبروں کے اقوال سے ان پر ظاہر ہو چکا تھا کہ (اگر وہ تائب نہ ہوئے تو) عذاب میں مبتلا ہوں گے لیکن وہ اپنے افکار و اطوار پر جمے رہے اور نتیجہ میں تباہ کر دیئے گئے۔ (تفسیر مظہری)

وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۟ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى

اور ہلاک کیا قارون اور فرعون اور ہامان کو اور اُنکے پاس پہنچا موسیٰ

بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ۝

کھلی نشانیاں لے کر پھر بڑائی کرنے لگے ملک میں اور نہیں تھے ہم سے جیت جانے والے

قارون، فرعون اور ہامان:

یعنی کھلی نشانیاں دیکھ کر بھی حق کے سامنے نہ جھکے اور کبر و غرور نے اُن کی گردن نیچے نہ ہونے دی۔ پھر نتیجہ کیا ہوا؟ کیا بڑے بن کر سزا سے بچ گئے؟ یا العیاذ باللہ خدا کو تھکا دیا۔ (تفسیر عثمانی)

قارون نسبی لحاظ سے فرعون و ہامان سے شریف تھا اس لئے قارون کا لفظ فرعون و ہامان سے پہلے ذکر کیا گیا اس سے اشارہ نکلتا ہے اس امر کی طرف کہ اعلیٰ نسب والے سے کفر و معصیت کا صدور بہت ہی بُرا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ

پھر سب کو پکڑا ہم نے اپنے اپنے گناہ پر

مختلف مجرموں کی مختلف سزائیں:

یعنی ان میں سے ہر ایک کو اُس کے جرم کے موافق سزا دی گئی۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ

پھر کوئی تھا کہ اُس پر ہم نے بھیجا پتھراؤ ہوا سے

یہ قوم لُوط ہے اور بعض نے "عاد" کو بھی اس میں داخل کیا ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ

اور کوئی تھا کہ اُس کو پکڑا چنگھاڑ نے

یہ ثمود تھے اور اہلِ مدین بھی۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ

اور کوئی تھا کہ اُس کو دھنسا دیا ہم نے زمین میں

یعنی قارون کو جیسا کہ سورۂ قصص میں گزرا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ

اور کوئی تھا کہ اُس کو ڈبا دیا ہم نے

یہ فرعون و ہامان ہوئے اور بعض نے قوم نوح کو بھی اس میں داخل کیا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا

اور اللہ ایسا نہ تھا کہ اُن پر ظلم کرے پر تھے وہ

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ

اپنا آپ ہی بُرا کرتے

اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا:

یعنی اللہ تعالیٰ کی شان یہ نہیں کہ کوئی ناانصافی یا بے موقع کام کرے، اس کی بارگاہ عیوب ونقائص سے بکلی مُبرا ومنزہ ہے۔ ظلم تو وہاں متصور ہی نہیں، ہاں بندے خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، یعنی ایسے کام کرتے ہیں جن کا نتیجہ لامحالہ اُن کے حق میں بُرا ہو۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ

مثال اُن لوگوں کی جنہوں نے پکڑے اللہ کو چھوڑ کر اور حمایتی

كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۖ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ

جیسے مکڑی کی مثال بنالیا اُس نے ایک گھر اور سب گھروں میں بودا

لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

سو مکڑی کا گھر اگر اُن کو سمجھ ہوتی

مشرکوں کی حیثیت:

یعنی گھر اس واسطے ہے کہ جان ومال کا بچاؤ ہو نہ مکڑی کا جالا کہ دامن کے جھٹکے سے ٹوٹ پڑے۔ یہی مثال اس کی ہے جو اللہ کے سوا کسی کو اپنا بچانے والا اور محافظ سمجھے، بدون مشیت الٰہی کچھ بچاؤ نہیں کر سکتے۔ (تفسیر عثانی)

مسئلہ: مکڑی کو مارنے اور اس کے جالے صاف کر دینے کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں، بعض حضرات اس کو پسند نہیں کرتے، کیونکہ یہ جانور بوقت ہجرت غارِ ثور کے دہانے پر جالا تان دینے کی وجہ سے قابل احترام ہو گیا۔ جیسا کہ خطیب نے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے اس کے قتل کی ممانعت نقل کی ہے، مگر ثعلبی نے اور ابن عطیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ ہی سے یہ روایت نقل کی ہے "طَهِّرُوْا بُيُوْتَكُمْ مِّنْ نَسْجِ الْعَنْكَبُوْتِ فَاِنَّ تَرْكَهٗ يُوْرِثُ الْفَقْرَ" یعنی مکڑی کے جالوں سے اپنے مکانات کو صاف رکھا کرو، کیونکہ اس کے چھوڑ دینے سے فقر وفاقہ پیدا ہوتا ہے، سنداً دونوں روایتوں کی قابل اعتماد نہیں، اور دوسری روایت کی دوسری احادیث سے تائید ہوتی ہے جن میں مکانات اور فناء دار کو صاف رکھنے کا حکم ہے۔ (روح المعانی) (معارف مفتی اعظم)

مکڑی اور مشرک:

حکماء کا قول ہے کہ مکڑی کے آٹھ پاؤں اور چھ آنکھیں ہوتی ہیں اور اس کے اندر ایک زہریلا مادہ بھی ہوتا ہے اور زہر عنکبوت آدمی کو ہلاک کر ڈالتا ہے اسی طرح مشرکین ہر طرف دوڑتے ہیں اور ان کی نظریں چکا چوند رہتی ہیں اور اندر شرک کا زہریلا مادہ ہوتا ہے جو ان کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

یعنی جو کافر بتوں پر بھروسہ رکھتے ہیں اور انہوں نے بتوں کو اپنا محل اعتماد قرار دے رکھا ہے ان کی مثال کمزوری اور ضعف کے لحاظ سے ایسی ہے جیسے مکڑی نے اپنا جالا بنا لیا ہو، بلکہ مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ ان کا محل اعتماد کمزور ہے مکڑی کا جالا پھر بھی کوئی حقیقت رکھتا ہے اور اس کا کچھ فائدہ مکڑی کو پہنچتا ہے بت پرستوں کی حالت اس سے بھی گئی گزری ہے مطلب یہ ہے کہ بت پرستوں کے مذہب کی مثال مکڑی کے جالے کی طرح ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جن کافروں نے اللہ کے سوا دوسروں کو کارساز سمجھ رکھا ہے اہل توحید کے مقابلہ میں ان کی حالت ایسی ہے جیسے اس مکڑی کی جس نے اپنا گھر کسی آدمی کے گھر کے مقابلہ میں بنایا ہو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اور ابوبکر غار میں داخل ہوئے تو مکڑیوں نے جمع ہو کر فوراً دروازہ پر جالا بنا دیا اس لئے تم ان کو قتل نہ کیا کرو۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ

اللہ جانتا ہے جس جس کو وہ پکارتے ہیں اُس کے

دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ

سوائے کوئی چیز ہو

یعنی ممکن تھا سننے والا تعجب کرے کہ سب کو ایک ہی ذیل میں کھینچ دیا کسی کو مستثنیٰ نہ کیا بعض لوگ بُت کو پوجتے ہیں بعض آگ پانی کو بعض اولیاء انبیاء یا فرشتوں کو، سو اللہ نے فرما دیا کہ اللہ کو سب معلوم ہیں۔ اگر کوئی ایک بھی ان میں سے مستقل قدرت واختیار رکھتا تو اللہ سب کی یک قلم نفی نہ کرتا۔

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

اور وہ زبردست ہے حکمتوں والا

یعنی اللہ کو کسی کی رفاقت نہیں چاہیے وہ زبردست ہے اور مشورہ نہیں چاہیے کیونکہ حکیم مطلق ہے۔ (تفسیر عثانی)

حکمت وطاقت کا مالک اللہ ہے:

وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ اور وہی غالب اور حکمت والا ہے یہ سابق کلام کی علت ہے۔ ایک غالب حکیم ہستی کے ساتھ ایسی چیز کو عبادت میں شریک کرنا جو بالکل ہیچ اور بے مقدار ہیں انتہائی حماقت ہے اللہ قادر مطلق ہے ہر چیز پر اس کو قدرت تامہ حاصل ہے عالم کل بھی ہے اس کے مقابلہ میں بے جان جماد کوئی ہستی نہیں رکھتا بالکل معدوم کی طرح ہے ایسا محیط کل علم رکھنے والا قادر مطلق یقیناً منکروں کو سزا دینے پر قدرت رکھتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ

اور یہ مثالیں بٹھلاتے ہیں ہم لوگوں کے واسطے

وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ

اور ان کو سمجھتے وہی ہیں جن کو سمجھ ہے

قرآنی مثالوں پر مشرکین کے اعتراض کا جواب:

مشرکین مکہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مکڑی اور مکھی وغیرہ حقیر چیزوں کی مثالیں بیان کرتا ہے جو اس کی عظمت کے منافی ہیں اس کا جواب دیا، کہ مثالیں اپنے موقع کے لحاظ سے نہایت موزوں اور ممثل لہ پر پوری منطبق ہیں۔ مگر سمجھدار ہی اس کا مطلب ٹھیک سمجھتے ہیں۔ جاہل بے وقوف کیا جانیں۔ مثال کا انطباق مثال دینے والے کی حیثیت پر نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ جس کی مثال ہے اس کی حیثیت کو دیکھو، اگر وہ حقیر وکمزور ہے تو تمثیل بھی ایسی ہی حقیر وکمزور چیزوں سے ہوگی۔ مثال دینے والے کی عظمت کا اس سے کیا تعلق۔ (تفسیر عثانی)

اللہ کے نزدیک عالم کون ہے؟

امام بغویؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرما کر فرمایا کہ عالم وہی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام میں غور وفکر کرے، اور اس کی طاعت پر عمل کرے، اور اس کو ناراض کرنے والے کاموں سے بچے۔

مسند احمد میں حضرت عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہزار امثال سیکھی ہیں، ابن کثیرؒ اس کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ یہ حضرت عمرو بن عاصؓ کی بہت بڑی فضیلت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مذکورہ میں عالم انہی کو فرمایا ہے جو اللہ ورسول کی بیان کردہ امثال کو سمجھیں، اور حضرت عمرو بن مرہ نے فرمایا کہ جب میں قرآن کی کسی آیت پر پہنچتا ہوں جو میری سمجھ میں نہ آئے تو مجھے بڑا غم ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ" (ابن کثیر) (معارف مفتی اعظم)

بغوی نے عطا اور ابو الزبیر کی روایت بیان کی کہ حضرت جابرؓ نے وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ" تلاوت کی اور فرمایا عالم وہ ہے جس کو اللہ کی طرف سے سمجھ ملی ہو اور سمجھنے کے بعد وہ اللہ کی اطاعت کرے اور اس کی نافرمانی سے پرہیز رکھے۔ ثعلبی اور واحدی کی روایت بھی اسی طرح ہے ابوداؤد بن [illegible] نے کتاب العقل میں حارث بن اسامہ کے طریق سے بھی اس روایت کو بیان کیا۔ ابن جوزی نے اس کا ذکر موضوعات میں کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عمرو بن مرہؒ فرماتے ہیں کہ کلام اللہ شریف کی جو آیت میری تلاوت میں آئے اور اس کی تفصیلی معنی مطلب میری سمجھ میں نہ آئے تو میرا دل دکھتا ہے مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے اور میں ڈرنے لگتا ہوں کہ کہیں خدا تعالیٰ کے نزدیک میری گنتی جاہلوں میں تو نہیں ہوگئی کیونکہ فرمان خدا تعالیٰ یہی ہے کہ ہم ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں لیکن سوائے عالموں کے انہیں دوسرے سمجھ نہیں سکتے۔ (تفسیر ابن کثیر)

خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ

اللہ نے بنائے آسمان اور زمین جیسے چاہئیں

یعنی نہایت حکمت سے بنایا، بیکار پیدا نہیں کیا۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ

اس میں نشانی ہے یقین لانے والوں کے لئے

یعنی جب آسمان وزمین اس اکیلے نے بنا دیئے تو چھوٹے چھوٹے کاموں میں اسے کسی شریک یا مددگار کی کیا احتیاج ہوگی۔ ہوتی تو ان بڑے کاموں میں ہوتی۔

اتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ

تو پڑھ جو اتری تیری طرف کتاب

تلاوت قرآن کے نتائج:

یعنی قرآن کی تلاوت کرتے رہیے تا دل مضبوط اور قوی رہے۔ تلاوت کا اجر وثواب الگ حاصل ہو۔ اس کے معارف وحقائق کا انکشاف بیش از بیش ترقی کرے۔ دوسرے لوگ بھی سن کر اس کے مواعظ اور علوم وبرکات سے متمتع ہوں، جو نہ مانیں ان پر خدا کی حجت تمام ہو، اور دعوت واصلاح کا فرض بحسن وخوبی انجام پاتا رہے۔ (تفسیر عثانی)

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ

اور قائم رکھ نماز بیشک نماز روکتی ہے

عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ
بے حیائی اور بُری بات سے

نماز برائیوں سے روکتی ہے:

نماز کا برائیوں سے روکنا دو معنیٰ میں ہوسکتا ہے ایک بطریق تسبب یعنی نماز میں اللہ تعالیٰ نے خاصیت و تاثیر یہ رکھی ہو کہ نمازی کو گناہوں اور برائیوں سے روک دے جیسے کسی دوا کا استعمال کرنا بخار وغیرہ امراض کو روک دیتا ہے۔ اس صورت میں یاد رکھنا چاہیے کہ دوا کے لئے ضروری نہیں کہ اس کی ایک ہی خوراک بیماری کو روکنے کے لئے کافی ہو جائے۔ بعض دوائیں خاص مقدار میں مدت تک التزام کے ساتھ کھائی جاتی ہیں۔ اُس وقت اُن کا نمایاں اثر ظاہر ہوتا ہے بشرطیکہ مریض کسی ایسی چیز کا استعمال نہ کرے جو اس دوا کی خاصیت کے منافی ہو۔ پس نماز بھی بلاشبہ بڑی قوی التاثیر دوا ہے جو روحانی بیماریوں کو روکنے میں اکسیر کا حکم رکھتی ہے ہاں ضرورت اس کی ہے کہ ٹھیک مقدار میں اُس احتیاط اور بدرقہ کے ساتھ جو اطبائے روحانی نے تجویز کیا ہو خاصی مدت تک اس پر مواظبت کی جائے۔ اس کے بعد مریض خود محسوس کرے گا کہ نماز کس طرح اس کی پُرانی بیماریوں اور برسوں کے روگ کو دور کرتی ہے۔ دوسرے معنیٰ یہ ہوسکتے ہیں کہ نماز کا بُرائیوں سے روکنا بطور اقتضاء ہو یعنی نماز کی ہر ایک ہیئت اور اس کا ہر ایک ذکر مقتضی ہے کہ جو انسان ابھی ابھی بارگاہ الٰہی میں اپنی بندگی، فرمانبرداری، خضوع و تذلل اور حق تعالیٰ کی ربوبیت الوہیت اور حکومت و شہنشاہی کا اظہار و اقرار کر کے آیا ہے، مسجد سے باہر آ کر بھی بدعہدی اور شرارت نہ کرے اور اُس شہنشاہ مطلق کے احکام سے منحرف نہ ہو۔ گویا نماز کی ہر ایک ادا مصلی کو پانچ وقت حکم دیتی ہے کہ او بندگی اور غلامی کا دعویٰ کرنے والے واقعی بندوں اور غلاموں کی طرح رہ۔ اور بزبان حال مطالبہ کرتی ہے کہ بےحیائی اور شرارت و سرکشی سے باز آ۔ اب کوئی باز آئے یا نہ آئے مگر نماز بلاشبہ اُسے روکتی اور منع کرتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ خود روکتا اور منع فرماتا ہے۔ کما قال تعالیٰ ”اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ“ (نحل رکوع ۱۳) پس جو بدبخت اللہ تعالیٰ کے روکنے اور منع کرنے پر بُرائی سے نہیں رُکتے نماز کے روکنے پر بھی اُن کا نہ رُکنا محل تعجب نہیں ہاں یہ واضح رہے کہ ہر نماز کا روکنا اور منع کرنا اُسی درجہ تک ہوگا۔ جہاں تک اس کے ادا کرنے میں خدا کی یاد سے غفلت نہ ہو۔ کیونکہ نماز محض چند مرتبہ اُٹھنے بیٹھنے کا نام نہیں۔ سب سے بڑی چیز اُس میں خدا کی یاد ہے نمازی ارکان صلوٰۃ ادا کرتے وقت اور قرأت قرآن یا دعاء و تسبیح کی حالت میں جتنا حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کو مستحضر اور زبان و دل کو موافق رکھے گا اتنا ہی اُس کا دل نماز کے منع کرنے کی آواز کو سنے گا۔ اور اُسی قدر اُس کی نماز برائیوں کو چھڑانے میں مؤثر ثابت ہوگی۔ ورنہ جو نماز قلب لاہی وغافل سے ادا ہو وہ صلوٰۃ منافق کے مشابہ ٹھہرے گی۔ جس کی نسبت حدیث میں فرمایا ”لایذکر اللّٰه فیھا الا قلیلا“ اسی نماز کی نسبت ”لم یزدد بھا من اللّٰه الا بعدا“ کی وعید آئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

امام رازیؒ کی تحقیق:

امام رازی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ میں صلاۃ سے مطلق نماز مراد نہیں بلکہ وہ نماز مراد ہے کہ جو شرعاً صحیح ہو اور عند اللہ قابل قبول ہو اور نماز کے لئے شرط ہے کہ کپڑے پاک صاف ہوں۔ کما قال تعالیٰ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ اسی طرح ضروری ہے کہ نمازی کا باطنی لباس یعنی لباس تقویٰ بھی طاہر و مطہر اور نظیف ہو اور اس پر فحشاء و منکر کی نجاست اور گندگی لگی ہوئی نہ ہو اور جب اللہ اکبر نماز کے لئے کھڑا ہو تو دل سے یہ سمجھتا ہو کہ میں دربار خداوندی میں احکم الحاکمین کے سامنے کھڑا ہوں۔ معاذ اللہ میں بھنگی نہیں ہوں کہ جو بیت الخلاء کی نجاستوں کو اپنی بالٹی میں جمع کرتا ہے پس جو شخص نماز کی حقیقت کو اور اپنے مقام کو سمجھ لے گا تو وہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد فحشاء اور منکر کی جانب جانے سے ایسی ہی نفرت کرے گا جیسا کہ ایک عاقل شہنشاہ کے دربار سے نکلنے کے بعد بیت الخلاء اور کوڑی کے دیکھنے سے بھی نفرت کرتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

ناقص نمازیں:

اقامت صلوٰۃ کرنے والے کو منجانب اللہ خود بخود توفیق اعمال صالحہ کی بھی ہوتی ہے، اور ہر طرح کے گناہوں سے بچنے کی بھی، اور جو شخص نماز پڑھنے کے باوجود گناہوں سے نہ بچا تو سمجھ لے کہ اس کی نماز ہی میں قصور ہے جیسا کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ کیا مطلب ہے، آپ نے فرمایا مَنْ لَّمْ تنهه صلوته عن الفحشآء والمنكر فلا صلوة له (رواه ابن ابي حاتم بسنده عن عمران بن حصين والطبراني من حديث ابي معاويه) یعنی جس شخص کو اس کی نماز نے فحشاء اور منکر سے نہ روکا اس کی نماز کچھ نہیں، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا صلوة لمن لم يطع الصلوة (رواه ابن جرير بسنده) یعنی اس شخص کی نماز ہی نہیں جس نے اپنی نماز کی اطاعت نہ کی اور نماز کی اطاعت یہی ہے کہ فحشاء اور منکر سے باز آ جائے، اور حضرت ابن عباسؓ نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں فرمایا کہ جس شخص کی نماز نے اس کو اعمال صالحہ پر عمل اور منکرات سے پرہیز پر آمادہ نہیں کیا تو ایسی نماز اس کو اللہ سے اور زیادہ دور کر دیتی ہے۔

ابن کثیرؒ نے ان تینوں روایتوں کو نقل کر کے ترجیح اس کو دی ہے کہ یہ احادیث مرفوعہ نہیں، بلکہ عمران بن حصین اور عبداللہ بن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے اقوال ہیں جو ان حضرات نے اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمائے ہیں،

عنقریب نماز برائی سے روک دے گی:

اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ فلاں آدمی رات کو تہجد پڑھتا ہے اور جب صبح ہو جاتی ہے تو چوری کرتا ہے، آپ نے فرمایا کہ عنقریب نماز اس کو چوری سے روک دے گی، (ابن کثیر)

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد وہ اپنے گناہ سے تائب ہو گیا۔ (معارف مفتی اعظم)

اَلْفَحْشَآءِ وہ بری بات جس کی برائی شرعاً اور عقلاً کھلی ہوئی ہو۔ نماز اللہ کی یاد دلاتی ہے اور نفس کے اندر خشیہ (خوف عذاب) پیدا کرتی ہے اس لئے گناہوں سے روکتی ہے۔

انصاری نوجوان کی توبہ:

بغوی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک انصاری جو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پانچوں نمازیں پڑھتا تھا لیکن اس کے باوجود کوئی کھلا ہوا گناہ ایسا نہ تھا جس کا وہ ارتکاب نہ کرتا ہو اس کی یہ حالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی حضور نے فرمایا کسی دن اس کی نماز اس کو (ان گناہوں سے) روک دے گی چنانچہ کچھ ہی مدت کے بعد اس نے توبہ کر لی اور اس کی حالت ٹھیک ہو گئی۔

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ
اور اللہ کی یاد ہے سب سے بڑی

اللہ کی یاد: یعنی نماز بُرائی سے کیوں نہ روکے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے یاد کرنے کی بہترین صورت ہے۔ کما قال تعالیٰ ''وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ'' (طٰہٰ رکوع ۱) اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔ یہ وہ چیز ہے جسے نماز اور جہاد وغیرہ تمام عبادات کی روح کہہ سکتے ہیں۔ یہ نہ ہو تو عبادت کیا، ایک جسد بے روح اور لفظ بے معنی ہے۔ حضرت ابو درداء وغیرہ کی احادیث کو دیکھ کر علماء نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ ذکر اللہ (خدا کی یاد) سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں۔ اصلی فضیلت اسی کو ہے۔ یوں عارضی اور وقتی طور پر کوئی عمل ذکر اللہ پر سبقت لے جائے وہ دوسری بات ہے لیکن غور کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ اس عمل میں بھی فضیلت اسی ذکر اللہ کی بدولت آئی ہے۔ بہرحال ذکر اللہ تمام اعمال سے افضل ہے اور جب وہ نماز کے ضمن میں ہو تو افضل تر ہو گا۔ پس بندے کو چاہیے کہ کسی وقت خدا کے ذکر سے غافل نہ ہو خصوصاً جس وقت کسی بُرائی کی طرف میلان ہو فوراً خدا تعالیٰ کی عظمت وجلال کو یاد کرے اُس سے باز آ جائے قرآن وحدیث میں ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکو یاد فرماتا ہے۔ بعض سلف نے آیت کا یہی مطلب لیا ہے کہ نماز میں ادھر سے بندہ خدا کو یاد کرتا ہے اسلئے نماز بڑی چیز ہوئی۔ لیکن اس کے جواب میں جو اُدھر سے اللہ تعالیٰ اس کو یاد فرماتا ہے بعض سلف نے آیت کا یہی مطلب لیا ہے کہ نماز میں ادھر سے بندہ خدا کو یاد کرتا ہے اس لئے نماز بڑی چیز ہوئی لیکن اس کے جواب میں جو اُدھر سے اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو یاد فرماتا ہے یہ سب سے بڑی چیز ہے جس کی انتہائی قدر کرنی چاہیے اور یہ شرف وکرامت محسوس کر کے اور زیادہ ذکر اللہ کی طرف راغب ہونا چاہیے۔ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اسلام کے احکام بہت ہیں، مجھے کوئی ایک جامع ومانع چیز بتلا دیجئے فرمایا ''لایزال لسانک رطبا من ذکر اللّٰہ'' (تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہیے) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں جتنی دیر نماز میں لگے اُتنے تو ہر گناہ سے بچے اُمید ہے آگے بھی بچتا رہے۔ اور اللہ کی یاد کو اس سے زیادہ اثر ہے یعنی گناہ سے بچے اور اعلیٰ درجوں پر چڑھے۔ (موضح) یہ ''لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ'' کی ایک اور لطیف تفسیر ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

فضائل ذکر کی احادیث:

ذکر کی فضیلت میں بہت احادیث آئی ہیں جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

۱- سب سے بہتر عمل:

حضرت ابو درداء راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسا عمل نہ بتاؤں جو تمہارے مالک کے نزدیک سارے اعمال سے بہتر اور پاکیزہ اور ہر عمل سے زیادہ اونچے درجہ پر پہنچنے والا سونے چاندی کو راہ خدا میں خرچ کرنے سے تمہارے لئے بہتر اور (اس جہاد سے بھی) تمہارے لئے افضل ہے جس میں دشمن کے مقابلہ میں تم دشمنوں کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں۔ صحابہ نے عرض کیا۔ کیوں نہیں (ضرور فرمایئے) فرمایا، اللہ کا ذکر رواہ احمد و مالک والترمذی وابن ماجۃ امام مالک کے نزدیک یہ حدیث موقوف ہے (یعنی حضرت ابو درداء نے اس کو مرفوعاً ذکر نہیں کیا)

۲- سب سے اعلیٰ مرتبہ والا بندہ:

حضرت ابو سعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کون سا بندہ سب سے افضل اور اللہ کے نزدیک اعلیٰ مرتبہ والا ہے فرمایا اللہ کی بکثرت یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیا مجاہد فی سبیل اللہ سے بھی (افضل ہیں) فرمایا اگر مجاہد اپنی تلوار سے کافروں کو اتنا مارے کہ تلوار ٹوٹ جائے اور خون سے رنگین ہو جائے تب بھی اللہ کی بکثرت یاد کرنے والے اس سے افضل درجہ والے ہیں رواہ احمد والترمذی۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

۳-افضل آدمی اور افضل عمل

حضرت عبداللہ بن بسری راوی ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا (یا رسول اللہ) کون سا آدمی سب سے بہتر ہے فرمایا خوشی ہو اس کے لئے جس کی عمر طویل اور اعمال اچھے ہوں اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کون سا عمل سب سے افضل ہے فرمایا (سب سے افضل یہ ہے) کہ تم دنیا سے ایسی حالت میں جاؤ کہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر و تازہ ہو رہی ہو رواہ احمد الترمذی۔

۴-آگے بڑھ جانے والے:

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے ایک راستہ پر جا رہے تھے ایک پہاڑ کی طرف سے گزرے اس پہاڑ کا نام حمدان تھا فرمایا چلے چلو یہ حمدان ہے۔ اہل تفرید آگے بڑھ گئے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اہل تفرید سے کیا مراد ہے فرمایا۔ اللہ کا بکثرت ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں۔ رواہ مسلم۔

۵-زندہ و مردہ آدمی:

حضرت ابو موسیٰ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور جو ذکر رب نہیں کرتا اسکی مثال زندہ اور مردہ کی ہے۔ متفق علیہ

۶-اہل ذکر کو فرشتے تلاش کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے کچھ فرشتے اہل ذکر کی تلاش میں راستوں میں گھومتے رہتے ہیں جب وہ کسی جماعت کو اللہ کا ذکر کرتے پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکار کر کہتا ہے آؤ تمہارا مقصد یہ ہے حضور نے فرمایا۔ پھر آسمان تک ملائکہ ان لوگوں پر چھا جاتے ہیں اللہ ان ملائکہ سے دریافت فرماتا ہے (باوجودیکہ وہ خود ہی خوب واقف ہے) میرے بندے کیا کہہ رہے تھے فرشتے عرض کرتے ہیں تیری پاکی بیان کر رہے تھے تیری بڑائی بیان کر رہے تھے تیری ثناء کر رہے تھے اور تیری بزرگی کا اظہار کر رہے تھے (یعنی الحمد لِلّٰہِ، اللّٰہ اکبر ، سبحان اللّٰہ اور المجد لِلّٰہ کہہ رہے تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے ملائکہ کہتے ہیں نہیں خدا کی قسم انہوں نے تجھے نہیں دیکھا، اللہ فرماتا ہے کہ وہ مجھے دیکھ لیتے تو ان کی کیا کیفیت ہوتی ملائکہ عرض کرتے ہیں اگر وہ تجھے دیکھ لیتے تو تیری عبادت کرتے اور تیری بزرگی بیان کرتے ہیں اور زیادہ سرگرم ہو جاتے۔ اور تیری پاکی اور زیادہ بیان کرتے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ کیا مانگتے ہیں فرشتے عرض کرتے ہیں وہ تجھ سے جنت مانگتے ہیں اللہ فرماتا ہے کیا انہوں نے جنت دیکھ لی ہے فرشتے عرض کرتے ہیں خدا کی قسم انہوں نے جنت نہیں دیکھی اللہ فرماتا ہے اگر وہ دیکھ لیتے تو ان کی کیا حالت ہوتی فرشتے عرض کرتے ہیں اگر وہ جنت دیکھ لیتے تو ان کو جنت کی خواہش اور طلب اور زیادہ شدت کے ساتھ ہو جاتی اور جنت کی رغبت بہت بڑھ جاتی۔ اللہ فرماتا ہے وہ پناہ کس چیز سے مانگتے ہیں فرشتے عرض کرتے ہیں وہ دوزخ سے پناہ چاہتے ہیں اللہ فرماتا ہے کیا انہوں نے دوزخ دیکھی ہے فرشتے عرض کرتے ہیں نہیں بخدا انہوں نے دوزخ نہیں دیکھی اللہ فرماتا ہے اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیتے تو ان کی کیا کیفیت ہوتی ملائکہ عرض کرتے ہیں اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیتے تو اس سے اور زیادہ بھاگتے اور بہت زیادہ اس سے ڈرتے۔ اللہ فرماتا ہے تو میں تم گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان کو بخش دیا۔ ان ملائکہ میں سے ایک فرشتہ عرض کرتا ہے ان ذکر کرنے والوں میں فلاں شخص بھی موجود تھا جو ان میں سے نہیں تھا (یعنی ذکر میں شامل نہ تھا) کسی کام سے وہاں آیا تھا اللہ فرماتا ہے وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں ہوتا۔ رواہ البخاری

مسلم نے بھی یہ حدیث اسی طرح نقل کی ہے اس روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ اے رب ان میں ایک بندہ غلطی سے شامل ہو گیا (ادھر سے) گزرا تھا کہ ان کے ساتھ بیٹھ گیا اللہ فرماتا ہے میں نے اس کو بھی بخش دیا وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا (بھی) بدنصیب نہیں ہوتا۔

۷-جنت کے باغ:

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم جنت کے باغوں کی طرف سے گزرو تو وہاں چرلیا کرو (یعنی ان میں حصہ لیا کرو) صحابہ نے عرض کیا جنت کے باغ کون سے ہیں فرمایا ذکر کے حلقے رواہ الترمذی۔

۸-فرشتوں کا سرمایہ فخر:

معاویہ کی روایت سے مسلم نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے حلقہ کی طرف سے گزرے فرمایا یہاں کیسے بیٹھے ہو۔ صحابہ نے عرض کیا، اللہ کا ذکر کرنے بیٹھے ہیں اور اس کی ثناء کر رہے ہیں کہ اس نے ہم کو مسلمان ہونے کی توفیق دی اور مسلمان بنا کر ہم پر احسان فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ملائکہ پر تم کو بطور فخر پیش فرماتا ہے۔

۹-غافلوں میں ذاکر کی مثال:

امام مالک کا بیان ہے مجھے اطلاع ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کرتے تھے غافلوں میں (یعنی اللہ کی یاد سے غفلت کرنے والوں میں) اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے (کافروں کے مقابلہ سے) بھاگنے والوں میں (کافروں سے) لڑنے والا۔ اور غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے خشک درخت میں سبز شاخ اور غافلوں (کی جماعت) میں اللہ کو یاد کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے اندھیرے گھر میں (روشن) چراغ۔ اور غافلوں

کے اندر (رہ کر) اللہ کی یاد کرنے والے کو زندگی ہی میں اللہ جنت کے اندر اس کی جگہ دکھا دیتا ہے اس کے گناہ اتنے بخش دیئے جاتے ہیں جتنی تعداد تمام بولنے والوں اور نہ بولنے والوں یعنی آدمیوں اور چوپایوں کی ہے۔ رواہ رزین۔

۱۰- عذاب سے نجات:

حضرت معاذ بن جبل کی روایت ہے اللہ کے ذکر سے زیادہ کوئی عمل آدمی کو اللہ کے عذاب سے نجات دینے والا نہیں ہے۔ رواہ مالک والترمذی وابن ماجۃ۔

۱۱- فرشتوں اور رحمتوں کا نزول:

حضرت ابو سعید خدری نے شہادت دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو لوگ بیٹھے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے ہیں (یعنی ان کے بیٹھنے کی غرض سوا یادِ الٰہی کے اور کچھ نہیں ہوتی) ان پر فرشتے چھا جاتے ہیں (فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں) اور رحمت ان کو ڈھانک لیتی ہے اور ان پر سکینہ (دل اور روح کا چین) نازل ہوتا ہے اور اللہ ان (ملائکہ) میں جو اس کے مقرب ہوتے ہیں ان لوگوں کا ذکر فرماتا ہے۔ رواہ مسلم۔

۱۲- اللہ تعالیٰ کی ہمراہی:

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (اللہ نے ارشاد فرمایا) کہ بندہ میرے متعلق جیسا گمان رکھتا ہے میں اسی کے گمان کے پاس ہوتا ہوں جب وہ میری یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں اگر وہ میری یاد اپنے دل میں کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میری یاد جماعت کے ساتھ کرتا ہے (جماعت میں کرتا ہے) تو میں اس کا ذکر ایسی جماعت میں کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے بہتر ہوتی ہے۔ متفق علیہ (یعنی فرشتوں کی جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں)

بعض اہل تفسیر کے نزدیک وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ کا یہ مطلب ہے کہ اللہ جو تمہارا ذکر کرتا ہے وہ اس ذکر سے زیادہ عظمت والا ہے جو تم اس کا کرتے ہو (یعنی تم جو خدا کی یاد کرتے ہو اس سے بڑھ کر اللہ تمہارا ذکر کرتا ہے) مجاہد عکرمہ اور سعید بن جُبیر سے یہی تفسیر منقول ہے ایک روایت میں حضرت ابن عباس کی طرف سے اس قول کی نسبت کی گئی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ موسیٰ بن عقبہ کی روایت میں بحوالہ نافع آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مرفوعاً یہ تفسیر نقل کی ہے۔ خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ تم خدا کی یاد میں کمی نہ کرو، کیونکہ جب تم خدا کی یاد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارا ذکر کرے گا اور اللہ جب تمہارا ذکر کرے تو اس کا درجہ تمہارے ذکر خدا کرنے سے بہت بڑا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝
اور اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو

جو آدمی جس قدر اللہ کو یاد کرتا ہے اللہ جانتا ہے:

یعنی جو آدمی جس قدر خدا کو یاد رکھتا ہے یا نہیں رکھتا خدا تعالیٰ سب کو جانتا ہے۔ لہٰذا ذاکر اور غافل میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کا معاملہ بھی جدا گانہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ
اور جھگڑا نہ کرو اہل کتاب سے مگر اس طرح پر جو
اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ
بہتر ہو مگر جو ان میں بے انصاف ہیں

اہل کتاب کو دعوت دینے کا طریقہ

یعنی مشرکوں کا دین جڑ سے غلط ہے اور اہل کتاب کا دین اصل میں سچا تھا تو ان سے ان کی طرح مت جھگڑو۔ جڑ سے ان کی بات کاٹنے لگو۔ بلکہ نرمی، متانت، خیر خواہی اور صبر و تحمل سے واجبی بات سمجھاؤ البتہ جو ان میں صریح بے انصافی، عناد اور ہٹ دھرمی پر تل جائے اس کے ساتھ مناسب حق کا برتاؤ کر سکتے ہو اور آگے چل کر ایسوں کو سزا دیتی ہے۔ (تنبیہ) پہلے قرآن کی تلاوت کا حکم تھا، اغلب ہے کہ منکرین اسے سن کر الجھنے لگیں، تو بتا دیا کہ بحث کے وقت فریق مقابل کی علمی و دینی حیثیت کا خیال رکھو۔ جو بات مناظرہ میں صداقت و اخلاق کی حد سے نہ نکلو۔ جہاں کہیں جتنی سچائی ہو اس کا اعتراف کرو۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت میں اہل کتاب سے مجادلہ میں جو ہدایت طریقِ احسن کے ساتھ کرنے کی دی گئی ہے یہی سورۂ نحل میں مشرکین سے متعلق بھی ہے۔ اس جگہ اہل کتاب کی تخصیص اس کلام کی وجہ سے ہے جو بعد میں آ رہا ہے، کہ ہمارے اور تمہارے دین میں بہت سی چیزیں مشترک ہیں تم غور کرو تو ایمان اور اسلام کے قبول کرنے میں تمہیں کوئی مانع نہ ہونا چاہیے جیسا کہ ارشاد فرمایا قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ یعنی تم اہل کتاب سے مجادلے کے وقت ان کو اپنے قریب کرنے کے لئے یہ کہو کہ ہم مسلمان تو اس وحی پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہماری طرف بواسطہ ہمارے رسول کے بھیجی گئی ہے، اور اس وحی پر بھی جو تمہاری طرف تمہارے پیغمبر کے ذریعہ بھیجی گئی ہے، اس لئے ہم سے مخالفت کی کوئی وجہ نہیں۔

کیا اس آیت میں موجودہ تورات وانجیل کے مضامین کی تصدیق کا حکم ہے

اس آیت میں اہل کتاب کی طرف آنے والی کتابوں تورات اور انجیل

پر مسلمانوں کے ایمان کا تذکرہ جس عنوان سے کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ہم ان کتابوں پر اجمالی ایمان رکھتے ہیں بایں معنی کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں میں نازل فرمایا تھا اس پر ہمارا ایمان ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ موجودہ تورات و انجیل کے سب مضامین پر ہمارا ایمان ہے، جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی بہت تحریفات ہو چکی تھیں اور اس وقت سے اب تک ان میں تحریف کا سلسلہ چل ہی رہا ہے، ایمان صرف ان مضامین تورات و انجیل پر ہے جو اللہ کی طرف سے حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئے تھے تحریف شدہ مضامین اس سے خارج ہیں۔

موجودہ تورات وانجیل کی نہ مطلقاً تصدیق کی جائے نہ مطلقاً تکذیب

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ اہل کتاب تورات وانجیل کو ان کی اصلی زبان عبرانی میں پڑھتے تھے، اور مسلمانوں کو ان کا ترجمہ عربی زبان میں سناتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق مسلمانوں کو یہ ہدایت دی کہ تم اہل کتاب کی تصدیق نہ کرو نہ تکذیب کرو، بلکہ یوں کہو امنا بالذی انزل الینا وانزل الیکم، یعنی ہم اجمالاً اس وحی پر ایمان لاتے ہیں جو تمہارے انبیاء پر نازل ہوئی ہے اور جو تفصیلات تم بتاتے ہو وہ ہمارے نزدیک قابل اعتماد نہیں، اس لئے ہم اس کی تصدیق وتکذیب سے اجتناب کرتے ہیں۔

تفسیروں میں جو عام مفسرین نے اہل کتاب کی روایات نقل کی ہیں ان کا بھی یہی درجہ ہے اور نقل کرنے کا منشاء بھی صرف اس کی تاریخی حیثیت کو واضح کرنا ہے، احکام حلال وحرام کا ان سے مستنبط نہیں کیا جا سکتا۔ (معارف مفتی اعظم)

بداخلاقی کا جواب نرمی سے:

اور مطلب یہ ہے کہ کافروں کی بداخلاقی کے مقابلہ میں تم نرمی سے کام لو مباحثہ کے وقت وہ غضب ناک ہو جائیں تو تم تحمل کرو۔ وہ شور وغل کریں تو تم ان کی خیر خواہی ظاہر کرو، چونکہ خیر خواہی اور نصیحت مجادلہ میں داخل نہیں ہے اس لئے مستثنیٰ منقطع ہوگا۔

ظلم اور معاہدہ شکن کافر:

الا الذین ظلموا منھم مگر ان میں سے جنہوں نے ظلم کیا ہو یعنی معاہدہ کو توڑ دیا ہو یا جزیہ ادا کرنا قبول نہ کیا ہو تو ان سے (مباحثہ نہ کرو بلکہ) لڑو یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں یا ذلیل ہو کر جزیہ ادا کریں سعید بن جبیر نے یہی تشریح کی ہے اور کہا ہے کہ حربی کافر مستثنیٰ ہیں اور استثناء کے بعد جو لوگ باقی رہ گئے وہ ذمی کافر ہیں۔

اہل کتاب کی تصدیق وتردید کی حد:

یہ حسن مجادلہ کا بیان ہے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اگر اہل کتاب وہ باتیں کہیں جو ان کی کتابوں میں مذکور ہیں تو تم ان سے جھگڑا نہ کرو یعنی تکذیب نہ کرو ہاں ان میں سے جو لوگ بیجا باتیں کہیں اور ایسی باتوں کا اظہار کریں جو یقیناً (ان کی اصل) کتابوں میں نہیں ہیں اور جھوٹی ہیں جیسے ان کا دعویٰ کہ شریعت موسیٰ ہمیشہ رہے گی یا عیسیٰ کو قتل کر دیا گیا یا مسیح خدا کے بیٹے تھے تو اس صورت میں ان کو جھوٹا قرار دینا واجب ہے اور مباہلہ ضروری ہے ان سے کہہ دو کہ ہم اپنی اور تمہارے پاس بھیجی گئی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں (تمہاری ان غلط باتوں کو نہیں مانتے) (تفسیر مظہری)

حضرت ابو نملہ انصاری کا بیان ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک یہودی آیا اور (اسی وقت) ایک جنازہ بھی ادھر سے گزرا۔ یہودی نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ میت کیا کلام کرتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے نہیں معلوم یہودی بولا یہ کلام کرتی ہے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ سے) فرمایا اہل کتاب اگر تم سے کچھ بیان کریں (اور وہ تمہارے دین کے خلاف نہ ہو) تو تم نہ ان کی تصدیق کرو نہ تکذیب اور کہو امنا باللہ وکتبہ ورسلہ (ہمارا ایمان اللہ پر اور اللہ کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں پر ہے) اب اگر وہ بات صحیح ہے تو تم نے اس کی تکذیب نہیں کی (اس لئے مجرم نہ ہو گے) اور اگر وہ بات غلط ہے تو تم نے اس کی تصدیق نہیں کی۔ (اس لئے مجرم نہ ہو گے)۔

وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ

اور یوں کہو کہ ہم مانتے ہیں جو اُترا ہم کو اور اُترا تم کو

سابقہ کتب پر ایمان:

یعنی ہمارا جیسا کہ قرآن پر ایمان ہے اُس پر بھی ایمان ہے کہ اللہ نے تمہاری ہدایت کے لئے حضرت موسیٰ ومسیح علیہما الصلوٰۃ والسلام اور دوسرے انبیاء پر جو کتابیں اتاریں بیشک وہ سچی تھیں۔ ایک حرف اُن کا غلط نہ تھا۔ (گو تمہارے ہاتھ میں وہ آسمانی کتابیں اپنی اصلی صورت وحقیقت میں باقی نہ رہیں) (تفسیر عثمانی)

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ اہل کتاب (یعنی یہودی) عبرانی میں توریت پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے سامنے اس کی تشریح عربی میں کرتے تھے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب اور کہو ہم ایمان لائے اس (کتاب) پر جو ہماری طرف اتاری گئی اور اس پر جو تمہاری طرف اتاری گئی الخ رواہ البخاری۔ (تفسیر مظہری)

وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿٤٦﴾

اور بندگی ہماری اور تمہاری ایک ہی کو ہے اور ہم اُسی کے حکم پر چلتے ہیں

اہل کتاب اور مسلمانوں کا فرق:

یعنی اصلی معبود ہمارا تمہارا ایک ہے۔ فرق اتنا ہے کہ ہم تنہا اسی کے حکم پر چلتے ہیں تم نے اُس سے ہٹ کر اوروں کو بھی خدائی کے حقوق و اختیارات دے دیئے۔ مثلاً حضرت مسیح یا حضرت عزیز علیہما السلام کو یا احبار و رہبان کو۔ نیز ہم نے اُس کے تمام احکام کو مانا سب پیغمبروں کی تصدیق کی، سب کتابوں کو برحق سمجھا اُس کے آخری حکم کے سامنے سر تسلیم جھکا دیا۔ تم نے کچھ مانا کچھ نہ مانا۔ اور آخری صداقت سے منکر ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ؕ
اور ویسی ہی ہم نے اتاری تجھ پر کتاب

اہل کتاب قرآن پاک کو کیوں قبول نہیں کرتے:

کتاب میں آخر تمہاری کتابوں سے کون سی بات کم ہے جو قبول کرنے میں تردد ہے جس طرح انبیائے سابقین پر کتابیں اور صحیفے ایک دوسرے کے بعد اُترتے رہے، پیغمبر آخر الزماں پر یہ کتاب لاجواب اُتری اس کے ماننے سے اتنا انکار کیوں ہے۔ (تفسیر عثانی)

قرآن کریم...... محفوظ کتاب:

صحیح مسلم کی حدیث میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ اے نبی! میں تمہیں آزماؤں گا اور تمہاری وجہ سے لوگوں کی بھی آزمائش کر لوں گا میں تم پر ایسی کتاب نازل فرماؤں گا جسے پانی دھو نہ سکے۔ تو اس سوتے جاگتے پڑھتا رہے گا۔ مطلب یہ ہے کہ گو اس کے حروف پانی سے دھودئے جائیں لیکن وہ ضائع ہونے سے محفوظ ہے جیسے کہ اور حدیث میں ہے کہ اگر قرآن کسی چمڑے میں ہو تو اسے آگ نہیں جلائے گی اس لئے کہ وہ سینوں میں محفوظ ہے زبانوں پر آسان ہے، دلوں میں موجود ہے اور اپنے لفظ اور معنی کے اعتبار سے ایک جیتا جاگتا معجزہ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ
سو جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اُس کو مانتے ہیں اور ان مکہ والوں میں
مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾
بھی بعضے ہیں کہ اس کو مانتے ہیں اور منکر وہی ہیں ہماری باتوں سے جو نافرمان ہیں

سچے اور منصف اہل کتاب قرآن کو مانیں گے:

یعنی جن اہل کتاب نے اپنی کتاب ٹھیک سمجھی وہ اس کتاب کو بھی مانیں گے اور انصافاً ماننا چاہیے چنانچہ اُن میں کے جو منصف ہیں وہ اس کی صداقت دل سے تسلیم کرتے ہیں۔ اور نہ صرف اہل کتاب بلکہ بعض عرب کے لوگ بھی جو کتب سابقہ کا کچھ علم نہیں رکھتے۔ اس قرآن کو مانتے جا رہے ہیں۔ حقیقت میں قرآن کریم کی صداقت کے دلائل اس قدر روشن ہیں کہ بجز سخت حق پوش نافرمان کے کوئی اُن کی تسلیم سے انکار نہیں کر سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

جو قرآن کا منکر ہے وہ توراۃ کا بھی منکر ہے:

وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ یعنی صرف وہ لوگ انکار کرتے ہیں جو اللہ کے اور اللہ کی ساری کتابوں کے منکر ہیں کیونکہ قرآن کی جو شخص تکذیب کرتا ہے وہ حقیقت میں توریت وانجیل کی بھی تکذیب کرتا ہے۔ اس لئے کہ توریت وانجیل نے قرآن کی تصدیق کی ہے پس جو شخص قرآن کا منکر ہے اور توریت پر ایمان رکھنے کا مدعی ہے اس کا دعویٰ غلط ہے۔ قتادہ نے کہا جحود پہچاننے کے بعد ہوتا ہے اہل کتاب جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں اور قرآن حق ہے اس کے بعد انہوں نے انکار کیا یہ جحود ہو گیا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ
اور تو پڑھتا نہ تھا اس سے پہلے کوئی کتاب
وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾
اور نہ لکھتا تھا اپنے داہنے ہاتھ سے تب تو البتہ شبہ میں پڑتے یہ جھوٹے

صداقت قرآن کی دلیل:

نزول قرآن سے پہلے چالیس سال آپ کی عمر کے ان ہی مکہ والوں میں گزرے۔ سب جانتے ہیں کہ اس مدت میں نہ آپ کسی اُستاد کے پاس بیٹھے نہ کوئی کتاب پڑھی نہ کبھی ہاتھ میں قلم پکڑا، ایسا ہوتا تو ان باطل پرستوں کو شبہ نکالنے کی جگہ رہتی کہ شاید اگلی کتابیں پڑھ کر یہ باتیں نوٹ کر لی ہوں گی، اُن ہی کو اب آہستہ آہستہ اپنی عبارت میں ڈھال کر سنا دیتے ہیں۔ گو اس وقت بھی یہ کہنا غلط ہوتا، کیونکہ کوئی پڑھا لکھا انسان بلکہ دنیا کے تمام پڑھے لکھے آدمی مل کر اور کل مخلوق کی طاقت کو اپنے ساتھ ملا کر بھی ایسی بے نظیر کتاب تیار نہیں کر سکتے، تاہم جھوٹوں و بات بنانے کا ایک موقع ہاتھ لگ جاتا لیکن جبکہ آپ کا اُمی ہونا مسلمات میں سے ہے تو اس سرسری شبہ کی بھی جڑ کٹ گئی اور یوں ضدی لوگ کہنے کو تو اس پر بھی کہتے تھے۔ "اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا" (فرقان۔ رکوع) (تفسیر عثمانی)

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ
بلکہ یہ قرآن تو آیتیں ہیں صاف اُن لوگوں کے سینوں میں
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ
جن کو ملی ہے سمجھ

قرآن پاک کی سینہ بہ سینہ حفاظت:

یعنی پیغمبر نے کسی سے لکھا پڑھا نہیں۔ بلکہ یہ وحی جو اُن پر آئی ہمیشہ کو بن لکھے سینہ بسینہ جاری رہے گی۔ اللہ کے فضل سے علماء اور حفاظ وقراء کے سینے اس کے الفاظ ومعانی کی حفاظت کریں گے اور آسمانی کتابیں حفظ نہ ہوتی تھیں۔ یہ کتاب حفظ ہی سے باقی ہے۔ لکھنا اُس پر افزود ہے۔ (موضح باضافہ یسیر) (تفسیر عثمانی)

قرآن کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی آیات کھلے ہوئے معجزات ہیں او رہر تحریف وتبدیل سے محفوظ ہیں اللہ نے خود فرما دیا ہے وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ پھر یہ قرآن اہلِ ایمان کے سینوں میں محفوظ ہے اہل ایمان اس کے حافظ ہیں۔ اس کے برخلاف دوسری آسمانی کتابیں چونکہ معجزہ نہ تھیں اس لئے لوگوں نے ان کی آیات والفاظ کو تبدیل کر دیا تھا اور ان کو یاد سے نہیں پڑھا جاتا تھا بلکہ کتاب میں دیکھ کر پڑھا جاتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت:

حضرت ابن عباس نے فرمایا ھُوَ سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ سے مراد ہیں اہل کتاب۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت انہی واضح علامات کی حامل ہے جو اہل کتاب کے سینوں میں محفوظ ہیں یعنی رسول اللہ کے جو اوصاف ان کی کتابوں میں مذکور ہیں اور اہل کتاب ان سے واقف ہیں وہ اوصاف رسول اللہ کی شخصیت میں موجود ہیں۔ (تفسیر مظہری)

امت محمدیہ کا ایک وصف:

اس امت کے اوصاف میں یہ آیا ہے۔ صدورھم اناجیلھم یعنی ان کے سینے ہی ان کی انجیل ہوں گے یعنی نبی آخر الزماں پر جو کتاب نازل ہوگی وہ اس امت کے سینوں میں محفوظ ہوگی اور ہر حافظ کا سینہ ہی انجیل ہوگا چنانچہ زمین کے ہر خطہ میں بے شمار اس کے حافظ موجود ہیں اور پورا قرآن لفظ بلفظ ان کے سینوں میں محفوظ ہے اور توریت وانجیل کے تو کسی ایک باب کا بھی آج تک روئے زمین پر کوئی کچا پکا حافظ بھی نہیں ہوا۔ چودہ سو سال سے اب تک قرآن کے الفاظ اور معانی حفاظ اور قراء اور علماء کے سینوں میں محفوظ چلے آ رہے ہیں جو چیز کاغذوں میں لکھی ہوئی ہو تو اس میں یہ احتمال ہے کہ پانی سے اس کے حروف ڈھل جائیں یا مٹ جائیں یا آگ سے جل جائیں لیکن جو چیز ہزاروں اور لاکھوں سینوں میں محفوظ ہو اس کے ضائع ہونے کا کوئی امکان نہیں، علماء اہل کتاب میں کچھ ہمت ہے تو روئے زمین پر توریت و انجیل کا ایک ہی کچا پکا حافظ دنیا کے سامنے پیش کر دیں۔ (معارف کاندھلوی)

وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور منکر نہیں ہماری باتوں سے مگر وہی جو بے انصاف ہیں

یعنی نا انصافی کا کیا علاج۔ ایک شخص یہی ٹھان لے کہ میں کبھی سچی بات نہ مانوں گا۔ وہ روشن سے روشن چیز کا بھی انکار کر دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا

اور کہتے ہیں کیوں نہ اُتریں اس پر کچھ نشانیاں اُس کے رب سے تو کہہ

الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾

نشانیاں تو ہیں اختیار میں اللہ کے اور میں تو بس سنا دینے والا ہوں کھول کر

منہ مانگا نشان دکھلانا پیغمبر کا کام نہیں ہے:

یعنی میرے قبضہ میں نہیں کہ جو نشانی تم طلب کیا کرو وہ ہی دکھلا دیا کروں نہ کسی نبی کی تصدیق اس بات پر موقوف ہو سکتی ہے۔ میرا کام تو یہ ہے کہ بدی کے نتائج سے تم کو صاف لفظوں میں آگاہ کرتا رہوں باقی حق تعالیٰ میری تصدیق کے لئے جو نشانی چاہے دکھلا دے، یہ اس کے اختیار میں ہے۔

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ

کیا ان کو یہ کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر اُتاری کتاب کہ اُن پر پڑھی جاتی ہے

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾

بیشک اُس میں رحمت ہے اور سمجھانا اُن لوگوں کو جو مانتے ہیں

قرآن کافی نشانی ہے:

یعنی کیا یہ نشان کافی نہیں جو کتاب اُن کو رات دن پڑھ کر سنائی جاتی ہے اس سے بڑا نشان کون سا ہوگا۔ دیکھتے نہیں کہ اس کتاب کے ماننے والے کس طرح سمجھ حاصل کرتے جاتے ہیں اور اللہ کی رحمت سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: اپنے پیغمبر کو چھوڑ کر دوسروں کی باتوں پر توجہ کرنا

مسند میں دارمی نے اور ابوداؤد نے مراسیل میں اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بطریق عمرو بن دینار یحییٰ بن جعدہ کی روایت سے مرسلاً بیان کیا ہے کہ کچھ مسلمان شانہ کی ایک ہڈی لے کر آئے جس میں یہودیوں سے سنی ہوئی کچھ باتیں لکھی ہوئی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کے گمراہ ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ جو کچھ ان کا نبی لے کر آیا ہو اس سے تو گریز کریں اور دوسروں کے لئے جو دوسرے (انبیاء) لے کر آئے ہوں اس کی طرف راغب ہو جائیں اس پر آیت اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ

تو کہہ کافی ہے اللہ میرے اور تمہارے بیچ گواہ جانتا ہے

مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ

جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اللہ کی مصدقہ ہے:

یعنی خدا کی زمین پر اس کے آسمان کے نیچے میں علانیہ دعوئے رسالت کر رہا ہوں جسے وہ سنتا اور دیکھتا ہے پھر روز بروز مجھے اور میرے ساتھیوں کو غیر معمولی طریقہ سے بڑھا رہا ہے۔ برابر میرے دعوے کی فعلی تصدیق کرتا ہے میری زبان پر اور ہاتھوں پر قدرت کے وہ خارق عادت نشان ظاہر کئے جاتے ہیں جن کی نظیر پیش کرنے سے تمام جن وانس عاجز ہیں۔ کیا میری صداقت پر اللہ کی یہ گواہی کافی نہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ

اور جو لوگ یقین لاتے ہیں جھوٹ پر اور منکر ہوئے ہیں اللہ سے

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ

وہی ہیں نقصان پانے والے

سب سے بڑی بدبختی:

آدمی کی بڑی شقاوت اور خسران یہ ہے کہ جھوٹی بات کو خواہ کتنی ہی بدیہی البطلان ہو فوراً قبول کرلے اور سچی بات سے گو کتنی ہی صاف روشن ہو انکار کرتا رہے۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ

اور جلدی مانگتے ہیں تجھ سے آفت

یعنی اگر باطل پر ہیں تو ہم پر دنیا میں کوئی آفت کیوں نہیں آتی۔

وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ۭ

اور اگر نہ ہوتا ایک وعدہ مقررہ تو آپہنچتی اُن پر آفت

وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ

اور البتہ آئے گی اُن پر اچانک اور اُن کی خبر نہ ہوگی

اس امت کے کافروں کا عذاب:

یعنی ہر چیز اپنے وقت معین پر آتی ہے گھبراؤ نہیں، وہ آفت بھی آکر رہے گی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اس امت کا عذاب یہی تھا مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہونا اور پکڑے جانا۔ سو فتح مکہ میں مکہ کے لوگ بےخبر رہے کہ حضرت کا لشکر سر پر آکھڑا ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

عذاب کا وقت:

اَجَلٌ مُّسَمًّى کی تشریح میں حضرت ابن عباس نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ سے میرا وعدہ نہ ہوتا کہ آپ کی قوم کو عذاب نہیں دوں گا اور ان کی جڑ نہیں اکھاڑوں گا بلکہ قیامت تک کے لئے ان کے عذاب کو ملتوی رکھوں گا تو عذاب آچکتا۔ اللہ نے فرمایا ہے بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ بلکہ قیامت کی گھڑی ان کے عذاب کے لئے مقرر ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ

جلدی مانگتے ہیں تجھ سے عذاب

یہاں عذاب سے شاید آخرت کا عذاب مراد ہو۔ جیسا کہ جواب سے ظاہر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ

اور دوزخ گھیر رہی ہے منکروں کو

کافر عذاب میں گھرے ہوئے ہیں:

یعنی آخرت کا عذاب تو فضول مانگتے ہیں، اس عذاب میں تو پڑے ہی ہیں۔ یہ کفر اور بُرے کام دوزخ نہیں تو اور کیا ہے جس نے ہر طرف سے انہیں گھیر رکھا ہے، موت کے بعد حقیقت کھل جائے گی کہ دوزخ کس طرح جلاتی ہے جب یہی اعمال جہنم کی آگ اور سانپ بچھو بن کر لپٹیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جس روز عذاب آئے گا اس روز جہنم کافروں کو گھیر لے گی۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس وقت بھی کافروں کو جہنم گویا گھیرے ہوئے ہے کیونکہ کفر اور معاصی ان کو گھیرے ہوئے ہیں اور یہ داخلہ جہنم کے موجبات ہیں تو گویا اس وقت بھی دوزخ ان کو گھیرے ہوئے ہے۔ (تفسیر مظہری)

جہنم کہاں ہے:

ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ وہ جہنم یہی بحر اخضر ہے۔ ستارے اسی میں جھڑیں گے اور سورج چاند اسی میں بےنور کرکے ڈال دیا جائے گا اور یہ بھڑک اٹھے گا اور جہنم بن جائے گا۔ مسند احمد میں مرفوع حدیث ہے کہ سمندر ہی جہنم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ

جس دن گھیر لے گا اُن کو عذاب اُن کے اوپر سے اور پاؤں کے

تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾

نیچے سے | اور کہے گا | چکھو | جیسا کچھ تم | کرتے تھے

مال عذاب بنے گا:

اللہ تعالیٰ کہے گا یا وہ عذاب ہی بولے گا جیسے زکوٰۃ نہ دینے والے کا مال حدیث میں آیا ہے کہ سانپ ہو کر گلے میں پڑے گا۔ گلے پڑے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں تیرا خزانہ ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ

اے بندو میرے | جو | یقین لائے ہو | میری زمین

وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾

کشادہ ہے | سو مجھی کو | بندگی کرو

ہجرت کا حکم:

یعنی یہ مکہ کے کافر اگر تم کو تنگ کرتے ہیں تو خدا کی زمین تنگ نہیں دوسری جگہ جا کر خدا کی عبادت کرو۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے اس آیت کا نزول ان لوگوں کے حق میں ہوا جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی۔ مکہ میں ہی رہ گئے تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ اگر ہم ہجرت کر جائیں تو بھوکے مر جانے کا خوف ہے (پردیس میں بھوکے مر جائیں گے) اللہ نے ان کا یہ عذر قبول نہیں فرمایا۔

مطرف بن عبداللہ نے کہا زمین فراخ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ میرا رزق وسیع ہے تم وطن چھوڑ دو (تم کو رزق میں دوں گا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو کسی زمین سے اپنے دین کو لے کر دوسری زمین کی طرف بھاگا۔ خواہ وہ ایک ہی بالشت بھاگ سکا ہو تب بھی جنت کا مستحق ہو گیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم و ابراہیم (صلے اللہ علیہما) کا رفیق (ساتھی) ہو گیا۔ رواہ الثعلبی من حدیث الحسن مرسلاً (تفسیر مظہری)

مسئلہ: جس شہر یا ملک میں انسان کو اپنے دین پر قائم رہنے کی آزادی نہ ہو، وہ کفر و شرک یا احکام شرعیہ کی خلاف ورزی پر مجبور ہو وہاں سے ہجرت کر کے کسی دوسرے شہر یا ملک میں جہاں دین پر عمل کی آزادی ہو چلا جانا بشرط قدرت ہو واجب ہے البتہ جس کو سفر پر قدرت نہ ہو یا کوئی ایسی جگہ میسر نہ ہو جہاں آزادی سے دین پر عمل کر سکے وہ شرعاً معذور ہے۔

مسئلہ: جس دارالکفر میں عام احکام دینیہ پر عمل کرنے کی آزادی ہو وہاں سے ہجرت فرض و واجب تو نہیں مگر مستحب بہر حال ہے اور اس میں دارالکفر ہونا بھی ضروری نہیں۔ دارالفسق جہاں احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی اعلاناً ہوتی ہو اس کا بھی یہی حکم ہے اگرچہ وہاں کے حکمران کے مسلمان ہونے کی بناء پر اس کو دارالاسلام کہا جاتا ہو، یہ تفصیل حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں تحریر فرمائی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اور ابن جریرؒ نے اپنی سند کیساتھ حضرت سعید بن جبیرؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جس شہر میں معاصی اور فواحش عام ہوں اس کو چھوڑ دو، اور امام تفسیر حضرت عطاءؒ نے فرمایا کہ جب تمہیں کسی شہر میں معاصی کے لئے مجبور کیا جائے تو وہاں سے بھاگ کھڑے ہو (ابن جریر طبری فی التفسیر) (معارف مفتی اعظم)

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾

جو جی ہے | سو | چکھے گا موت | پھر ہماری طرف پھر آؤ گے

آخر سب کچھ چھوڑنا ہے:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں جب کافروں نے مکہ میں بہت زور باندھا تو مسلمانوں کو ہجرت کا حکم ہوا۔ چنانچہ اسی تراسی گھر حبشہ چلے گئے۔ اُس کو فرمایا کہ کوئی دنیا کی زندگی ہے جہاں بن پڑے وہاں کاٹ دو۔ پھر ہمارے پاس اکٹھے آؤ گے۔ اس میں مہاجرین کی تسلی کر دی تاکہ وطن چھوڑنا اور حضرت سے جدا ہونا دل پر بھاری نہ گزرے گویا جتلا دیا کہ وطن، خویش و اقارب رفقاء اور چھوٹے بڑے آج نہیں کل چھوٹیں گے فرض کرو اس وقت مکہ سے ہجرت نہ کی تو ایک روز دنیا سے ہجرت کرنا ضروری ہے مگر وہ بے اختیار ہوگا۔ بندگی اس کا نام ہے کہ اپنی خوشی اور اختیار سے اُن چیزوں کو چھوڑ دے جو پروردگار حقیقی کی بندگی میں مزاحم اور خلل انداز ہوتی ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ

اور جو لوگ | یقین لائے | اور کئے | بھلے کام | اُنکو ہم جگہ دیں گے

مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

بہشت میں | بالاخانے | نیچے بہتی ہیں | اُن کے | نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾ الَّذِيْنَ

سدا رہیں | اُن میں | خوب | ثواب ملا کام والوں کو | جنہوں

صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾

نے صبر کیا | اور اپنے رب پر | بھروسہ رکھا

ایمان و اعمال پر ثابت قدم رہنے والوں کا اجر:

یعنی جو صبر و استقلال سے اسلام و ایمان کی راہ پر جمے رہے اور خدا پر بھروسہ کر کے گھر بار چھوڑ کر وطن سے نکل کھڑے ہوئے اُن کو اس وطن کے بدلے وہ

وطن ملے گا اور یہاں کے گھروں سے بہتر گھر دیئے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے کہ کچھ مؤمن مکہ میں رہ گئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ جاؤ ان لوگوں نے جواب دیا وہاں نہ ہمارا گھر ہے نہ مال ہے ہمارے کھانے پینے کا انتظام وہاں کون کرے گا اس پر آیت نازل ہوئی۔ (مظہری)

وَكَأَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اللّٰهُ يَرْزُقُهَا

اور کتنے جانور ہیں جو اٹھا نہیں رکھتے اپنی روزی اللہ روزی دیتا ہے ان کو

وَإِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦٠﴾

اور تم کو بھی اور وہی ہے سننے والا جاننے والا

اللہ رازق ہے...... جانوروں کو بھی رزق ملتا ہے:

یہ روزی کی طرف سے خاطر جمع کر دی کہ اکثر جانوروں کے گھر میں اگلے دن کا قوت نہیں ہوتا نیا دن اور نئی روزی (موضح) پھر جو خدا جانوروں کو روزی پہنچاتا ہے کیا اپنے وفادار عاشقوں کو نہ پہنچائے گا۔ خوب سمجھ لو رزاق حقیقی وہی ہے جو سب کی باتیں سنتا اور دلوں کے اخلاص کو جانتا ہے۔ ہر ایک کا ظاہر و باطن اُس کے سامنے ہے کسی کی محنت وہاں رائیگاں نہیں ہوسکتی۔ جو لوگ اس کے راستہ میں وطن چھوڑ کر نکلے ہیں انہیں ضائع نہیں کرے گا۔ سامان معیشت ساتھ لے جانے کی فکر نہ کریں۔ کتنے جانور ہیں جو اپنی روزی اپنی کمر پر لادے نہیں پھرتے، پھر بھی رازق حقیقی اُن کو ہر روز رزق پہنچاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

کوے کے بچوں کی پرورش:

یہ مشہور ہے کہ کوے کے بچے جب نکلتے ہیں تو ان کے پر و بال سفید ہوتے ہیں یہ دیکھ کر کوا اُن سے نفرت کر کے بھاگ جاتا ہے کچھ دنوں کے بعد ان پروں کی رنگت سیاہ پڑ جاتی ہے۔ تب ان کے ماں باپ آتے ہیں اور انہیں دانہ وغیرہ بھراتے ہیں۔ ابتدائی ایام میں جب کہ ماں باپ ان چھوٹے بچوں سے متنفر ہو کر بھاگ جاتے ہیں اور ان کے پاس بھی نہیں آتے اس وقت اللہ تعالیٰ چھوٹے چھوٹے مچھر ان کے پاس بھیج دیتا ہے وہی ان کی غذا بن جاتے ہیں۔ عرب کے شعراء نے اسے نظم بھی کیا ہے۔

سفر وسیلۂ ظفر:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے سفر کرو تاکہ صحت اور روزی پاؤ۔ اور روایت میں ہے کہ سفر کرو تاکہ صحت وغنیمت ملے۔ اور حدیث میں ہے سفر کرو نفع اُٹھاؤ گے روزے رکھو تندرست رہو گے، جہاد کرو غنیمت ملے گی اور روایت میں ہے جد والوں اور آسانی والوں کے ساتھ سفر کرو۔ پھر فرمایا

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی باتیں سننے والا اور ان کی حرکات و سکنات کو جاننے والا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سوائے انسان، چوہے اور چیونٹی کے کوئی مخلوق روزی جمع نہیں کرتی

یعنی بہت سے چوپائے اور پرندے جو غذا کے محتاج ہیں اپنے ساتھ اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے اور نہ کل کے لئے جمع کرتے ہیں۔ سفیان بن علی بن ارقم نے کہا سواء انسان اور چوہے اور چیونٹی کے اور کوئی مخلوق روزی جمع کر کے نہیں رکھتی۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ چوپائے اور پرندے جو کمزور ہیں اور اپنی روزی جمع کر کے نہیں رکھتے ان کو بھی اللہ ہی روزی دیتا ہے اور تم طاقتور ہو رزق جمع کر کے رکھتے ہو اللہ ہی تم کو بھی روزی دیتا ہے روزی ملنے کے معاملہ میں تم اور جانور سب برابر ہو تم بھی (رزق کھا کر) جیتے ہو وہ بھی جیتے ہیں تم بھی (آخر) مر جاتے ہو وہ بھی مر جاتے ہیں۔ پھر تمہاری کوشش بیکار ہے اس لئے ہجرت کرنے کی صورت میں معاش کی طرف سے تم کوئی اندیشہ نہ کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر اوقات:

عبد بن حمید۔ ابن ابی حاتم بیہقی اور ابن عسا کرنے ضعیف سند سے نیز بغوی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انصار کے باغات میں سے ایک باغ میں گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے کھجوریں (تازہ خرمے) چن چن کر کھانے لگے اور فرمایا ابن عمر تم بھی کھاؤ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے خواہش نہیں ہے۔ فرمایا مجھے تو کھانے کی خواہش ہے یہ چوتھی رات کی صبح ہے چار دن ہوگئے کہ میں نے کھانا نہیں کھایا نہ مجھے ملا میں نے کہا اَنَّا لِلّٰهِ الْمُسْتَعَانُ فرمایا ابن عمر اگر میں اپنے رب سے مانگتا تو وہ مجھے کسریٰ اور قیصر کے ملک سے بھی کتنے ہی گناہ زیادہ عنایت فرما دیتا لیکن میں ایک دن بھوکا رہتا ہوں اور ایک دن پیٹ بھرتا ہوں۔ (یعنی ایک روز کھانا کھاتا ہوں) ابن عمرؓ اگر تمہاری عمر ہوئی تو اس وقت تمہاری کیا حالت ہو گی جب تم ایسے لوگوں میں رہو گے جو سال بھر کا رزق چھپا کر رکھیں گے اور ان (کو اللہ کے رزاق ہونے کا) یقین کمزور ہوگا۔

حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے واللہ ہم وہاں سے ہٹے بھی نہ تھے اور نہ ہٹنے کا ارادہ کیا تھا کہ آیت وَكَأَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ الخ نازل ہوئی۔

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے دن کے لئے کچھ جمع کر کے نہیں رکھتے تھے۔ رواہ الترمذی وصححہ۔

کامل توکل کا انعام:

حضرت عمرؓ بن خطاب کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم فرما رہے تھے اگر تم اللہ پر پورا پورا بھروسہ رکھتے تو وہ تم کو اسی طرح رزق عطا فرماتا جس طرح پرندوں کو عطا فرماتا ہے کہ صبح کو وہ بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ۔

ہرایک کو اپنا رزق ضرور ملے گا:

حضرت ابن مسعود راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی چیز تم کو جنت سے قریب کرنے والی اور دوزخ سے دور رکھنے والی ایسی نہیں رہی کہ میں نے اس (کو کرنے) کا تم کو حکم نہ دے دیا ہو اور کوئی چیز دوزخ سے قریب کرنے والی اور جنت سے دور رکھنے والی ایسی نہیں رہی کہ اس (کو کرنے) کی تم کو ممانعت نہ کردی ہو روح القدس (جبرئیل) نے میرے دل میں یہ بات پھونک دی ہے کہ کوئی شخص بھی جب تک اپنا رزق پورا نہ کرلے گا ہرگز نہیں مرے گا پس تم لوگ متنبہ ہو جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور رزق کی طلب میں اچھائی اختیار کرو (یعنی پاک ذرائع سے کماؤ) رزق ملنے میں دیر ہو جانے سے تم کو گناہوں کے راستہ سے تحصیل رزق پر آمادہ نہ ہو جانا چاہیے کیونکہ اللہ کے پاس جو چیز ہے اس کو بغیر اللہ کی طاعت کے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ وذکرہ فی المعالم۔ (مظہری)

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
اور اگر تو لوگوں سے پوچھے کہ کس نے بنایا ہے آسمان اور زمین کو
وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ
اور کام میں لگایا سورج اور چاند کو تو کہیں اللہ نے پھر کہاں سے اُلٹ جاتے ہیں

رزق کے اسباب پر اللہ کا تصرف ہے:

یعنی رزق کے تمام اسباب (سماویہ وارضیہ) اُسی نے پیدا کئے سب جانتے ہیں، پھر اُس پر بھروسہ نہیں کرتے کہ وہ ہی پہنچا بھی دے گا۔ مگر جتنا وہ چاہے نہ جتنا تم چاہو۔ یہ اگلی آیت میں سمجھا دیا ہے۔ (موضح)

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ
اللہ پھیلاتا ہے روزی جس کے واسطے چاہے اپنے
عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ
بندوں میں اور ماپ کر دیتا ہے جس کو چاہے

ناپ کر دیتا ہے یہ نہیں کہ بالکل نہ دے۔ (تفسیر عثانی)

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۲﴾
بیشک اللہ ہر چیز سے خبردار ہے

یعنی یہ خبر اُسی کو ہے کہ کس کو کتنا دینا چاہیے۔ (تفسیر عثانی)

بندوں کے ایمان کی حفاظت:

اللہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے یعنی ہر چیز کی خوبیاں اور خرابیاں خوب جانتا ہے۔

حضرت انسؓ کی روایت سے ایک طویل حدیث بغوی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے جس کو ہم سورۂ شوریٰ میں بیان کریں گے اس حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میرے کچھ مؤمن بندے مجھ سے باب عبادت میں داخلہ کی دعا کرتے ہیں مگر باب عبادت میں داخل ہونے سے ان کو روک دیتا ہوں تاکہ ان میں اس سے غرور نہ آجائے جو ان کو تباہ کردے۔ میرے کچھ بندے ایسے ہیں کہ دولت ہی ان کے ایمان کو درست رکھتی ہے اگر میں ان کو مفلس کردوں تو افلاس ان کے ایمان کو بگاڑ دے۔ اور میرے کچھ بندے ایسے ہیں کہ ان کے ایمان کو سنبھالے رکھنے والا صرف افلاس ہوتا ہے اگر میں ان کو دولت مند بنادوں تو دولت ان کے ایمان کو بگاڑ دے۔ اور میرے کچھ بندے ایسے ہیں کہ تندرستی ہی ان کے ایمان کو صحیح رکھنے والی ہے اگر میں ان کو بیمار کردوں تو بیماری ان کے ایمان کو بگاڑ دے اور میرے کچھ بندے ایسے ہیں کہ ان کے ایمان کی درستی صرف بیماری سے ہوتی ہے۔ اگر میں ان کو تندرست کردوں تو صحت ان کے ایمان کو بگاڑ دے میں بندوں کے دلوں کی حالت جانتا ہوں اور اسی علم کے مطابق اپنے بندوں کا انتظام کرتا ہوں۔ بلاشبہ میں جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہوں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ
اور جو تو پوچھے اُن سے کس نے اتارا آسمان سے
مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ
پانی پھر زندہ کردیا اُس سے زمین کو اُسکے مرجانے کے بعد تو کہیں اللہ نے
قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾
تو کہہ سب خوبی اللہ کو ہے پر بہت لوگ نہیں سمجھتے

یعنی مینہ بھی ہر کسی پر برابر نہیں برستا۔ اور اسی طرح حال بدلتے دیر نہیں لگتی۔ ذرا دیر میں مفلس سے دولتمند کردے۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ
اور یہ دنیا کا جینا تو بس جی بہلانا اور کھیلنا ہے
وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ
اور پچھلا گھر جو ہے سو وہی ہے زندہ رہنا

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٤﴾

اگر ان کو سمجھ ہوتی

آخرت کی فکر ضروری ہے:

یعنی آدمی کو چاہیے یہاں کی چند روزہ زندگی سے زیادہ آخرت کی فکر کرے کہ اصلی ودائمی زندگی وہ ہی ہے۔ دنیا کے کھیل تماشے میں غرق ہو کر عاقبت کو بھول نہ بیٹھے۔ بلکہ یہاں رہ کر وہاں کی تیاری اور سفر آخرت کے لئے توشہ درست کرے۔ (تفسیر عثانی)

فَإِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ

پھر جب سوار ہوئے کشتی میں پکارنے لگے اللہ کو خالص اسی پر رکھ کر

الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٥﴾

اعتقاد پھر جب بچا لایا اُن کو زمین کی طرف اسی وقت لگے شریک بنانے

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٦﴾

تا کہ مُکرتے رہیں ہمارے دیئے ہوئے سے اور مزے اُڑاتے رہیں سو عنقریب جان لیں گے

انسان کی احسان فراموش طبیعت:

یعنی چاہیے تو یہ تھا کہ آدمی دنیا کے مزوں میں پڑ کر خدا کو اور آخرت کو فراموش نہ کرے لیکن لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب کشتی طوفان میں گھر جائے تو بڑی عقیدتمندی سے اللہ کو پکارتے ہیں۔ پھر جہاں آفت سر سے ٹلی اور خشکی پر قدم رکھا، اللہ کے احسانوں سے مکر کر جھوٹے دیوتاؤں کو پکارنا شروع کر دیا۔ گویا غرض یہ ہوئی کہ اللہ کی نعمتوں کا کفران کرتے رہیں اور دنیا کے مزے اُڑاتے رہیں۔ خیر بہتر ہے چند روز دل کے ارمان نکال لیں۔ عنقریب پتہ لگ جائے گا کہ اس بغاوت وشرارت احسان فراموشی اور ناسپاسی کا نتیجہ کیا ہے۔ (تفسیر عثانی)

فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر بھی جس وقت اپنے آپ کو بے سہارا جان کر صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اس وقت یہ یقین کرتا ہے کہ خدا کے سوا مجھے اس مصیبت سے کوئی نہیں چھڑا سکتا، تو اللہ تعالیٰ کافر کی بھی دعا قبول فرما لیتے ہیں، کیونکہ وہ مضطر ہے اور اللہ تعالیٰ نے مضطر کی دعا قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے (قرطبی وغیرہ) (معارف مفتی اعظم)

حقیقت ماننی پڑتی ہے:

عکرمہ کا بیان ہے کہ دور جاہلیت والے جب سمندر میں سفر کرتے تھے تو اپنے بتوں کو ساتھ رکھتے تھے لیکن جب ہوا میں طوفان آتا تھا تو بتوں کو سمندر میں پھینک دیتے تھے اور پکارتے تھے۔ اے رب۔ اے رب۔ مطلب یہ کہ سخت مصائب کے وقت تو خالص طور پر دل سے اللہ کے اطاعت گزار ہو جاتے تھے اور شرک چھوڑ دیتے تھے اور نجات پا جاتے تو شرک کی طرف لوٹ آتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ

کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے رکھ دی ہے پناہ کی جگہ امن کی اور لوگ اُچکے

النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۚ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ

جاتے ہیں اُن کے آس پاس سے کیا جھوٹ پر یقین رکھتے ہیں

وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿٦٧﴾

اور اللہ کا احسان نہیں مانتے

اہل مکہ کے لئے امن کی نعمت:

مکہ کے لوگ اللہ کے گھر کے طفیل دشمنوں سے پناہ میں تھے حالانکہ سارے ملک عرب میں فساد اور کشت وخون کا بازار گرم تھا۔ بتوں کے جھوٹے احسان مانتے ہیں اللہ کا یہ سچا احسان نہیں مانتے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا أَوْ

اور اس سے زیادہ بے انصاف کون جو باندھے اللہ پر جھوٹ یا

كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُ ۚ أَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ

جھٹلائے سچی بات کو جب اُس تک پہنچے کیا دوزخ میں بسنے کی جگہ نہیں

مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾

منکروں کے لئے

سب سے بڑی ناانصافی:

یعنی سب سے بڑی ناانصافی یہ ہے کہ اللہ کا شریک کسی کو ٹھہرائے۔ یا اس کی طرف وہ باتیں منسوب کرے جو اس کی شان کے لائق نہیں۔ یا پیغمبر جو سچائی لے کر آئے ہیں اُسے سنتے ہی جھٹلانا شروع کر دے۔ کیا ان ظالموں کو معلوم نہیں کہ منکروں کا ٹھکانا دوزخ ہے جو ایسی بیباکی اور بے حیائی سے عقل وانصاف کے گلے پر چھری پھیرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ

اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم سجھا دیں گے اُن کو اپنی راہیں

اللہ کیلئے جہاد کا ثمرہ:

یعنی جو لوگ اللہ کے واسطے محنت اُٹھاتے اور سختیاں جھیلتے ہیں اور طرح

طرح کے مجاہدات میں سرگرم رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ایک خاص نور بصیرت عطا فرماتا اور اپنے قرب و رضاء یا جنت کی راہیں سمجھاتا ہے۔ جوں جوں وہ ریاضات و مجاہدات میں ترقی کرتے ہیں اُسی قدر ان کی معرفت و انکشاف کا درجہ بلند ہوتا جاتا ہے اور وہ باتیں سوجھنے لگتی ہیں کہ دوسروں کو اُن کا احساس تک نہیں ہوتا۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے مجاہدہ یعنی ظاہری اور باطنی جہاد اور جدو جہد ضروری ہے اور لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا میں سے سبل سے خدا تعالیٰ کے قرب اور رضا کی راہیں مراد ہیں جس کا مال بہشت ہے۔

اگر در جستجوئے من شتابی مرادِ خود بزودی بازیابی

(معارف کاندھلوی)

اَلَّذِيْنَ جَاهَدُوْا جہاد کا معنی ہے مقدور بھر کوشش کرنا۔ مراد یہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنی انتہائی طاقت بھر کافروں سے لڑنے اور نفسانی خواہشات کی مخالفت کرنے کی کوشش کی۔

فِيْنَا ہمارے اندر یعنی ہماری مرضی کی طلب ہمارے دین کی مدد اور ہمارے اوامر ونواہی کی تعمیل کرنے میں۔

بارگاہِ الٰہی کا قرب:

سُبُلَنَا اپنے راستوں کی یعنی اپنی بارگاہ تک پہنچنے کے راستوں کی۔ اللہ کی بارگاہ تک رسائی بے کیف ہے (اس کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی) یا یہ معنی ہے کہ ہم نیکی کے راستے کو دکھا دیتے ہیں۔ اور ان راستوں پر چلنے کی توفیق عنایت کر دیتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا وَزَادَهُمْ هُدًى اور جو لوگ ہدایت پالیتے ہیں اللہ ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیتا ہے۔

حضرت ابو درداء راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فرمان کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ اپنے جانے ہوئے راستوں پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں ہم ان کو (آگے) وہ راستے بتا دیتے ہیں جن کو وہ نہیں جانتے۔

جنید نے کہا جن لوگوں نے توبہ کی کوشش کی ہم ان کو اخلاص کے راستے بتا دیتے ہیں۔ حسن نے کہا سب سے اعلیٰ جہاد نفسانی خواہشات کی مخالفت ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے جو شخص عمل کرتا ہے اس پر جس کو وہ جانتا ہے تو اللہ نامعلوم چیز کا علم اس کو عطا فرما دیتا ہے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٦٩﴾
اور بیشک اللہ ساتھ ہے نیکی والوں کے

یعنی اللہ کی حمایت و نصرت نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

(تم سورۃ العنکبوت فللّٰہ الحمد والمنہ) (تفسیر عثمانی)

سورة الروم

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے دل میں نفاق ہے اور یہ خواب دیکھنے والا اگر بادشاہ ہے تو عالم ہو جائے گا اور اگر قاضی یا تاجر ہے تو بہت سے فوائد حاصل کرے گا۔ (علامہ ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ
سورۂ روم مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی ساٹھ آیتیں ہیں اور چھ رکوع
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے
الٓمّٓ ﴿١﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿٢﴾ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ
مغلوب ہو گئے ہیں رومی ملتے ہوئے ملک میں

عرب سے قریب کی زمین:

اَدْنَى الْاَرْضِ'' (ملتے ہوئے ملک یا پاس والے ملک) سے مراد ''اذرعات'' و''بصریٰ'' کے درمیان کا خطہ ہے جو''شام'' کی سرحد پر''حجاز'' سے ملتا ہوا مکہ کے قریب واقع ہوا ہے یا''فلسطین'' مراد ہو جو رومیوں کے ملک سے نزدیک تھا، یا''جزیرہ ابن عمر'' جو فارس سے اقرب ہے ابن حجر نے پہلے قول کی تصحیح کی ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

ایرانیوں کی فتح پر مشرکین کی خوشی:

ابن ابی حاتم نے ابن شہاب زہری کی روایت سے اور ابن جریر نے عکرمہ اور یحییٰ بن یعمر اور قتادہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ مسلمان جب مکہ میں تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت نہیں کی تھی تو مشرک مسلمانوں سے جھگڑتے تھے اور کہتے تھے کہ تم شہادت دیتے ہو کہ رومی اہل کتاب ہیں لیکن (ایران کے) مجوسی ان پر غالب آگئے۔ اسی طرح تمہارا خیال ہے کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب اتاری گئی ہے اور تم اس کتاب کی برکت سے ہم پر غالب آ جاؤ گے اگر تمہارا یہ خیال ہے تو بتاؤ رومی تو اہل کتاب ہیں ان پر مجوسی کیسے غالب آگئے۔ پس جس طرح فارس والے رومیوں پر غالب آگئے اسی طرح ہم تم پر غالب آئیں گے۔ (تفسیر مظہری)

ایک بہت عجیب و غریب قصہ امام سنید بن داؤد نے اپنی تفسیر میں یہ وارد کیا ہے کہ عکرمہؒ فرماتے ہیں فارس میں ایک عورت تھی جس کے بچے زبردست پہلوان یا بادشاہ ہی ہوتے تھے۔ کسریٰ نے ایک مرتبہ اسے بلوایا

اوراس سے کہا کہ میں رومیوں پر ایک لشکر بھیجنا چاہتا ہوں اور تیری اولاد میں سے کسی کو اس لشکر کا سردار بنانا چاہتا ہوں۔ اب تم مشورہ دو کہ کسے سردار بناؤں؟ اس نے کہا سنو میرا فلاں لڑکا تو لومڑی سے زیادہ مکار اور شکرے سے زیادہ ہوشیار ہے۔ دوسرا لڑکا فرخان تیر جیسا ہے تیسرا لڑکا شہر براز سب سے زیادہ حلیم الطبع ہے۔ اب تم جسے چاہو سرداری دو۔ بادشاہ نے سوچ سمجھ کر شہر براز کو سردار بنایا۔ یہ لشکروں کو لے کر چلا۔ رومیوں سے لڑا بھڑا اور ان پر غالب آیا۔ ان کے لشکر کاٹ ڈالے اُن کے شہر اُجاڑ دیئے، اُن کے باغات برباد کردیئے۔ اس سرسبز شاداب ملک کو ویران وغارت کردیا۔ اذرعات اور بصریٰ میں جو عرب کی حدود سے ملتے ہیں ایک زبردست معرکہ ہوا اور وہاں فارسی رومیوں پر غالب آ گئے جس سے قریش خوشیاں منانے لگے اور مسلمان ناخوش ہوئے۔ کفار قریش مسلمانوں کو طعنے دینے لگے کہ دیکھو تم اور نصرانی اہل کتاب ہو اور ہم اور فارسی اَن پڑھ ہیں۔ ہمارے والے تمہارے والوں پر غالب آ گئے۔ اسی طرح ہم بھی تم پر غالب آئیں گے اور اگر لڑائی ہوئی تو ہم بتلا دیں گے کہ تم ان اہل کتاب کی طرح ہمارے ہاتھوں شکست اٹھاؤ گے۔ اس پر قرآن کی یہ آیتیں اُتریں۔

اہل روم کا تعارف:

سورۂ بقرہ کی تفسیر کا شروع دیکھ لیجئے۔ رومی سب کے سب عیص ابن اسحٰق بن ابراہیم کی نسل سے ہیں۔ بنو اسرائیل کے یہ چچازاد بھائی ہیں۔ رومیوں کو بنو اصفر بھی کہتے ہیں۔ یہ یونانیوں کے مذہب پر تھے، یونانی یافث بن نوح کی اولاد میں سے ہیں۔ ترکوں کے چچازاد بھائی ہوتے ہیں یہ ستارہ پرست تھے۔ ساتوں ستاروں کو مانتے اور پوجتے تھے۔ انہیں متحیرہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ قطب شمالی کو قبلہ مانتے تھے۔ دمشق کی بنا انہی کے ہاتھوں پڑی ہے وہیں انہوں نے اپنی عبادت گاہ بنائی جس کے محراب شمال کی طرف ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے بعد تین سو (۳۰۰) سال تک رومی اپنے پُرانے خیالات پر ہی رہے۔ ان میں سے کوئی شام کا اور جزیرے کا بادشاہ ہو جاتا اُسے قیصر کہا جاتا تھا۔ سب سے پہلے رومیوں کے بادشاہ قسطنطین ابن قسطس نے نصرانی مذہب قبول کیا۔ اس کی ماں کا نام مریم تھا، ہیلانیہ غندقانیہ تھی، حران کی رہنے والی۔ پہلے اسی نے نصرانیت قبول کی تھی پھر اس کے کہنے سننے سے اس کے بیٹے نے بھی یہی مذہب اختیار کرلیا۔ یہ بڑا فلسفی، عقلمند اور مکار آدمی تھا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ اس نے دراصل دل سے اس مذہب کو نہیں مانا تھا۔ اس کے زمانے میں نصرانی یہاں جمع ہو گئے۔ ان میں آپس میں مذہبی چھیڑ چھاڑ اور اختلافات اور مناظرے چھڑ گئے۔ عبداللہ بن اریوس سے بڑے بڑے مناظرے ہوئے اور اس قدر انتشار اور تفریق ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ تین سو اٹھارہ پادریوں نے مل کر ایک کتاب لکھی جو بادشاہ کو دی گئی اور وہ شاہی عقیدہ تسلیم کی گئی۔ اسی کو امانت کبریٰ کہا جاتا ہے جو درحقیقت خیانت حقیرہ ہے۔ یہیں فقہی کتابیں اسی زمانے میں لکھی گئیں۔ ان میں حلال وحرام کے مسائل بیان کئے گئے اور ان کے علماء نے دل کھول کر جو چاہا ان میں لکھا۔ جس قدر جی میں آئی کمی زیادتی اصل دین مسیح میں کی اور اصل مذہب محرف ومبدل ہو گیا۔ مشرق کی جانب نمازیں پڑھنے لگے۔ بجائے ہفتے کے اتوار کے دن کو بڑا دن بنایا۔ صلیب کی پرستش شروع ہوئی۔ خنزیر کو حلال کرلیا گیا اور بہت سے تہوار ایجاد کر لئے جیسے عید صلیب، عید قداس، عید غطاس وغیرہ وغیرہ۔ پھر ان علماء کے تسلسلے قائم کئے گئے ایک تو بڑا پادری ہوتا تھا پھر اس کے نیچے درجہ بدرجہ اور محکمے ہوتے تھے۔ رہبانیت اور ترک دنیا کی بدعت بھی ایجاد کرلی۔ کنیسے اور گرجے بہت سارے بنا لئے گئے اور شہر قسطنطنیہ کی بنا رکھی گئی اور اس بڑے شہر کو اسی بادشاہ کے نام پر نامزد کیا گیا۔ اس بادشاہ نے بارہ ہزار گرجے بنائے۔ تین محرابوں سے بیت لحم بنا۔ اس کی ماں نے بھی قمامہ بنایا۔ ان لوگوں کو ملکیہ کہتے ہیں اس لئے کہ یہ لوگ اپنے بادشاہ کے دین پر تھے۔ ان کے بعد یعقوبیہ، پھر نسطوریہ یہ نسطور کے مقلد تھے۔ پھر ان کے بہت سے گروہ تھے۔

رومیوں کا فارسیوں پر غلبہ:

جیسے حدیث میں ہے کہ ان کے بہتر (۷۲) فرقے ہو گئے۔ ان کی سلطنت برابر چلی آتی تھی، ایک کے بعد ایک قیصر ہوتا آتا تھا یہاں تک کہ آخر میں قیصر ہرقل ہوا۔ یہ تمام بادشاہوں سے زیادہ عقلمند تھا بہت بڑا عالم تھا، دانائی، زیرکی، دوراندیشی اور دوربینی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اس نے سلطنت بہت وسیع کرلی اور مملکت دور دراز تک پھیلادی۔ اس کے مقابلے میں فارس کا بادشاہ کسریٰ کھڑا ہوا، اور چھوٹی چھوٹی سلطنتوں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ اس کی سلطنت قیصر سے بھی زیادہ بڑی تھی۔ یہ مجوسی لوگ تھے، آگ کو پوجتے تھے۔

مندرجہ بالا روایت میں تو ہے کہ اس کا سپہ سالار مقابلہ پر گیا۔ لیکن مشہور بات یہ ہے کہ خود کسریٰ آپ اس کے مقابلے پر گیا۔ قیصر کو شکست ہوئی، یہاں تک کہ وہ قسطنطنیہ میں گھر گیا۔ نصرانی اس کی بڑی عزت وتعظیم کرتے تھے، گو کسریٰ لمبی مدت تک محاصرہ کئے پڑا رہا لیکن دارالسلطنت کو فتح نہ کرسکا۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس شہر کا نصف حصہ سمندر کی طرف تھا اور نصف حصہ خشکی سے ملا ہوا تھا۔ تو شاہ قیصر کو کمک اور رسد تری کے راستے سے برابر پہنچتی رہی، آخر میں قیصر ایک چال چلا اس نے کسریٰ کو کہلوا بھیجا کہ آپ جو چاہیں مجھ سے لے لیجئے اور جن شرائط پر چاہیں مجھ سے صلح کر لیجئے۔ کسریٰ اس پر خوش ہو گیا اور اتنا مال طلب کیا کہ وہ اور یہ مل کر بھی جمع کرنا چاہیں تو جمع ہونا ناممکن تھا۔ قیصر نے

اسے بھی قبول کرلیا کیونکہ اس نے اس سے کسریٰ کی بے وقوفی کا پتہ چلالیا کہ یہ وہ چیز مانگتا ہے جس کو جمع کرنا دنیا کے اختیار سے باہر ہے، بلکہ ساری دنیا مل کر اس کا دسواں حصہ بھی جمع نہیں کرسکتی۔ قیصر نے کسریٰ سے کہلوا بھیجا کہ مجھے اجازت ملنی چاہئے کہ میں اپنے ملک شام میں چل پھر کر یہ دولت جمع کرلوں اور آپ کو سونپ دوں۔ اس نے یہ درخواست منظور کرلی۔ اب شاہ روم نے اپنے لشکر کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ میں ایک ضروری اور اہم کام کے لئے اپنے مخصوص احباب کے ساتھ جارہا ہوں اگر ایک سال کے اندر اندر آ جاؤں تو یہ ملک میرا ہے ورنہ تمہیں اختیار ہے جسے چاہو اپنا بادشاہ تسلیم کرلینا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے بادشاہ تو آپ ہی ہیں خواہ دس (۱۰) سال تک بھی آپ واپس نہ لوٹیں تو کیا ہوا۔ یہ یہاں سے مختصر سی جانباز جماعت لے کر چپ چاپ چل کھڑا ہوا۔ پوشیدہ راستوں سے نہایت ہوشیاری، احتیاط اور چالاکی سے بہت جلد فارس کے شہروں تک پہنچ گیا اور یکا یک دھاوا بول دیا۔ چونکہ یہاں کی فوجیں تو روم پہنچ چکی تھیں، عوام کہاں تک مقابلہ کرتے، اس نے قتل عام شروع کردیا جو سامنے پڑے تلوار کے کام آئے، یونہی بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ مدائن پہنچ گیا جو کسریٰ کی سلطنت کی کرسی تھی وہاں کی محافظ فوج پر بھی غالب آ گیا انہیں بھی قتل کردیا اور چوطرف سے مال جمع کیا ان کی تمام عورتوں کو قید کرلیا اور تمام لڑنے والوں کو قتل کرڈالا۔ کسریٰ کے لڑکے کو زندہ گرفتار کیا۔ اس کے محل سرائے کی عورتوں کو زندہ گرفتار کیا اس کی درباردار عورتیں وغیرہ بھی پکڑلی گئیں اس کے لڑکے کا سر منڈا کر گدھے پر بٹھا کر عورتوں سمیت کسریٰ کی طرف بھیجا کہ لیجئے جو مال اور عورتیں اور غلام آپ نے مانگے تھے وہ حاضر ہیں۔ جب یہ قافلہ کسریٰ کے پاس پہنچا کسریٰ کو سخت صدمہ ہوا۔ یہ ابھی تک قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے پڑا تھا اور قیصر کی واپسی کا انتظار کررہا تھا کہ اس کے پاس اس کا کل خاندان اور ساری حرم سرا اس ذلت کی حالت میں پہنچی۔ یہ سخت غضبناک ہوا اور بڑا سخت حملہ شہر پر کردیا لیکن اس میں کوئی کامیابی نہ ہوئی، اب یہ نہر جیحون کی طرف چلا کہ قیصر کو وہاں روک لے کیونکہ فارس سے قسطنطنیہ آنے کا راستہ یہی تھا۔ قیصر نے اسے سن کر پہلے سے بھی زبردست حیلہ کیا یعنی اس نے اپنے لشکر کو تو دریا کے اس دہانے کے پاس چھوڑا اور آپ تھوڑے سے آدمی لے کر سوار ہوکر پانی کے بہاؤ کی طرف چل دیا۔ کوئی ایک دن رات کا راستہ چلنے کے بعد اپنے ساتھ جو کٹی، چارہ، لید، گوبر وغیرہ لے گیا تھا اسے پانی میں بہادیا۔ یہ چیزیں پانی میں بہتی ہوئی کسریٰ کے لشکر کے پاس سے گزریں تو وہ سمجھ گئے کہ قیصر یہاں سے گزر گیا۔ یہ اس لشکر کے جانوروں کے آثار ہیں۔ اب قیصر واپس اپنے لشکر میں پہنچ گیا ادھر کسریٰ اس کی تلاش میں آگے کو چل دیا۔ قیصر اپنے لشکروں سمیت جیحون کا دہانہ عبور کر کے راستہ بدل کر قسطنطنیہ پہنچ گیا۔ جس دن یہ اپنے دارالسلطنت میں پہنچا نصرانیوں میں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ کسریٰ کو جب یہ اطلاع ہوئی تو اس کا عجب حال ہوا کہ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن، نہ تو روم ہی فتح ہوا اور نہ فارس ہی رہا۔ حیرت میں رہ گیا اور رومی غالب آ گئے۔ فارس کی عورتیں اور وہاں کے مال ان کے قبضے میں آ گئے۔ یہ کل امور نو (۹) سال میں ہوئے اور رومیوں نے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت فارسیوں سے دوبارہ لے لی اور مغلوب ہوکر غالب آ گئے۔ اذرعات اور بصریٰ کے معرکے میں اہل فارس غالب آ گئے تھے اور یہ ملک شام کا وہ حصہ تھا جو حجاز سے ملتا تھا۔

وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۙ

اور وہ | اس مغلوب ہونے کے بعد | عنقریب غالب ہوں گے

فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۬ۛ

چند برسوں میں

رومیوں کے غلبہ کی پیشگوئی:

یعنی نو سال کے اندر اندر رومی غالب ہوجائیں گے کیونکہ لغت میں اور حدیث میں "بضع" کا اطلاق تین سے نو تک ہوا ہے۔ ان آیات میں قرآن نے ایک عجیب وغریب پیشگوئی کی جو اس کی صداقت کی عظیم الشان دلیل ہے۔

ابتدائے اسلام کے وقت کی بین الاقوامی طاقتیں:

واقعہ یہ ہے کہ اس زمانہ کی بڑی بھاری دو سلطنتیں "فارس" (جسے "ایران" کہتے ہیں) اور "روم" مدت دراز سے آپس میں ٹکراتی چلی آتی تھیں ۶۰۲ء سے لے کر ۶۱۴ء کے بعد تک ان کی حریفانہ نبرد آزمائیوں کا سلسلہ جاری رہا جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی تصریحات سے ظاہر ہے ۵۷۰ء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف اور چالیس سال بعد ۶۱۰ء میں آپ کی بعثت ہوئی۔ مکہ والوں میں جنگ روم وفارس کے متعلق خبریں پہنچتی رہتی تھیں۔ اسی دوران میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوئے نبوت اور اسلامی تحریک نے ان لوگوں کے لئے ان جنگی خبروں میں ایک خاص دلچسپی پیدا کردی۔ فارس کے آتش پرست مجوس کو مشرکین مکہ مذہباً اپنے سے نزدیک سمجھتے تھے۔ اور روم کے نصاریٰ اہل کتاب ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے بھائی یا کم از کم ان کے قریبی دوست قرار دیے جاتے تھے۔ جب فارس کے غلبہ کی خبر آتی مشرکین مکہ مسرور ہوتے اور اس سے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے غلبہ کی فال لیتے اور خوش آئند توقعات باندھتے تھے۔ مسلمانوں کو بھی طبعاً صدمہ ہوتا کہ عیسائی اہل کتاب آتش پرست مجوسیوں سے مغلوب ہوں، اور ادھر ان کو مشرکین مکہ کی شماتت کا ہدف بننا پڑے۔

فارسیوں کی فتح اور مشرکین کی چھیڑ بازی:

آخر ۶۱۴ء کے بعد (جبکہ ولادت نبوی کو قمری حساب سے تقریباً پینتالیس سال اور بعثت کے پانچ سال گذر چکے) خسرو پرویز (کیخسرو

ثانی) کے عہد میں فارس نے روم کو ایک مہلک اور فیصلہ کن شکست دی۔ شام، مصر، ایشیائے کوچک وغیرہ سب ممالک رومیوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ ہرقل قیصر روم کو ایرانی لشکر نے قسطنطنیہ میں پناہ گزیں ہونے پر مجبور کر دیا اور رومیوں کا دار السلطنت بھی خطرہ میں پڑ گیا، بڑے بڑے پادری قتل یا قید ہو گئے۔ بیت المقدس سے عیسائیوں کی سب سے زیادہ مقدس صلیب بھی ایرانی فاتحین لے اڑے۔ قیصر روم کا اقتدار بالکل فنا ہو گیا۔ بظاہر اسباب کوئی صورت روم کے اُبھرنے اور فارس کے تسلط سے نکلنے کی باقی نہ رہی۔ یہ حالات دیکھ کر مشرکین مکہ نے خوب بغلیں بجائیں۔ مسلمانوں کو چھیڑنا شروع کیا، بڑے بڑے حوصلے اور توقعات قائم کرنے لگے حتی کہ بعض مشرکین نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آج ہمارے بھائی ایرانیوں نے تمہارے بھائی رومیوں کو مٹادیا ہے کل ہم بھی تمہیں اسی طرح مٹا ڈالیں گے۔

حضرت ابوبکرؓ کی مشرکین سے شرط:

اُس وقت قرآن نے سلسلہ اسباب ظاہری کے بالکل خلاف عام اعلان کر دیا کہ بیشک اس وقت رومی فارس سے مغلوب ہو گئے ہیں لیکن نو سال کے اندر اندر وہ پھر غالب و منصور ہونگے اسی پیشینگوئی کی بناء پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بعض مشرکین سے شرط باندھ لی (اُس وقت تک ایسی شرط لگانا حرام نہ ہوا تھا) کہ اگر اتنے سال تک رومی غالب نہ ہوئے تو میں سو (۱۰۰) اونٹ تم کو دونگا، ورنہ اسی قدر اونٹ تم مجھ کو دو گے۔ شروع میں حضرت ابوبکرؓ نے اپنی رائے سے ''بضع سنین'' کی میعاد کچھ کم رکھی تھی۔ بعدہٗ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ''بضع'' کے لغوی مدلول یعنی نو سال پر معاہدہ ٹھہرا۔ اُدھر ہرقل قیصر روم نے اپنے زائل شدہ اقتدار کو واپس لینے کا تہیہ کر لیا اور منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو فارس پر فتح دی تو ''حمص'' سے پیدل چل کر ''ایلیا'' (بیت المقدس) تک پہنچونگا۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ قرآنی پیشینگوئی کے مطابق ٹھیک نو سال کے اندر (یعنی ہجرت کا ایک سال گذرنے پر) عین بدر کے دن جبکہ مسلمان اللہ کے فضل سے مشرکین پر نمایاں فتح و نصرت حاصل ہونے کی خوشیاں منا رہے تھے، یہ خبر سن کر اور زیادہ مسرور ہوئے کہ رومی اہل کتاب کو خدا تعالیٰ نے ایران کے مجوسیوں پر غالب فرمایا۔ اور اس ضمن میں مشرکین مکہ کو مزید خذلان و خسران نصیب ہوا۔ قرآن کی اس عظیم الشان اور محیر العقول پیشینگوئی کی صداقت کا مشاہدہ کر کے بہت لوگوں نے اسلام قبول کیا اور حضرت ابوبکرؓ نے سو (۱۰۰) اونٹ مشرکین مکہ سے وصول کئے جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ صدقہ کر دیے جائیں۔ فللّٰہ الحمد علی نعمائہ الظاهرة والائه الباهرة. (تفسیر عثمانی)

مسئلہ قمار: قمار یعنی جوا از روئے نصوص قرآن حرام قطعی ہے، ہجرت مدینہ کے بعد جس وقت شراب حرام کی گئی اسی کے ساتھ قمار بھی حرام کر دیا گیا، اور اس کو شیطانی عمل قرار دیا، آیت اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ میں میسر اور ازلام جوئے (قمار) ہی کی صورتیں ہیں جن کو حرام قرار دیا گیا ہے، اور یہ دوطرفہ لین دین اور ہار جیت کی شرط جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اُبی بن خلف کے ساتھ ٹھہرائی یہ بھی ایک قسم کا جوا اور قمار ہی تھا، مگر یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے جب قمار حرام نہیں تھا، اس لئے اس واقعہ میں جب یہ قمار کا مال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا تو کوئی مال حرام نہیں تھا، اس لئے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے صدقہ کر دینے کا حکم کیوں فرمایا، خصوصاً دوسری روایت میں جو اس کے متعلق لفظ سُحت آیا ہے جس کے مشہور معنی حرام کے ہیں یہ کیسے درست ہوگا، اس کا جواب حضرات فقہاء نے یہ دیا ہے کہ یہ مال اگرچہ اس وقت حلال تھا مگر قمار کے ذریعہ اکتساب مال اس وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ تھا، اس لئے صدیق اکبرؓ کی شان کے مناسب نہ سمجھ کر ان کو صدقہ کرنے کا حکم دیا، اور یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے شراب حلال ہونے کے زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ نے کبھی استعمال نہیں فرمائی۔

فارسیوں کا مقابلہ اور اُبی بن خلف کی حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بحث

بغوی نے لکھا ہے فارس اور روم میں جنگ تھی مشرک دل سے چاہتے تھے کہ اہل فارس رومیوں پر غالب آ جائیں کیونکہ فارس والے مجوسی تھے، ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں تھی اور مسلمان چاہتے تھے کہ رومی فتحیاب ہو جائیں کیونکہ رومی اہل کتاب تھے۔ کسریٰ پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں نے ایک لشکر روم کی طرف بھیجا جس کی قیادت شہریزاد کے سپرد کی اور قیصر نے ایک لشکر یحلیس کی زیر سرکردگی روانہ کیا دونوں فوجوں کا مقابلہ اذرعات علاقہ شام و بصریٰ کے مقام پر ہوا (یہ شامی علاقہ ارض عرب کے بہت قریب تھا اور عجم سے بھی قریب تھا) آخر میں فارس والے رومیوں پر غالب آ گئے۔ مسلمانوں کو مکہ میں اس کی اطلاع پہنچی تو ان کو بڑا رنج ہوا، اور کفار مکہ اس خبر کو سن کر بہت خوش ہوئے، اور مسلمانوں سے کہنے لگے تم بھی اہل کتاب ہو اور عیسائی بھی اہل کتاب ہیں اور ہم امی (یعنی بے کتاب) ہیں، ہمارے فارسی بھائی تمہارے رومی بھائیوں پر غالب آ گئے اگر تم ہم سے لڑو گے تو ہم بھی تم پر غالب آئیں گے، اُس وقت اس آیت کا نزول ہوا۔ نزول آیت کے بعد حضرت ابوبکرؓ کفار کے پاس گئے اور فرمایا اب تو تم اپنے بھائیوں کے غالب آ جانے سے بہت خوش ہو لیکن واللہ عنقریب رومی فارسیوں پر غالب آ جائیں گے، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس کی اطلاع دیدی ہے۔ اُبی بن خلف جمحی بولا تم جھوٹے ہو، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، دشمن خدا تو بڑا جھوٹا ہے، اُبی نے کہا، ہمارے درمیان ایک معین مدت کی شرط کرلو میں دس اونٹنیوں کی

شرط باندھتا ہوں۔ اگر رومی فارس والوں پر غالب آ گئے تو میں تاوان (یعنی دس اونٹنیاں) تم کو دوں گا اور اگر فارس والے رومیوں پر غالب رہے تو تم کو تاوان ادا کرنا ہوگا۔ شرط طے ہوگئی اور تین سال کی میعاد مقرر کر دی گئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے خدمت گرامی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کر دیا (یہ واقعہ قمار کی حرمت سے پہلے کا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نے تو یہ نہیں بیان کیا تھا، بضع تو تین سے نو تک ہوتا ہے اب تم مال کی مقدار میں اضافہ کر دو اور میعاد بڑھا دو حضرت ابوبکر خدمت گرامی سے واپس آئے ابی سامنے دکھائی دیا۔ ابی نے کہا اب تو شاید تم کو پشیمانی ہوئی ہو گی۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، پشیمانی نہیں بلکہ میں تو مال کی مقدار بڑھانا اور میعاد مقرر میں توسیع کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ سو سو اونٹنیوں کی شرط ہوگئی اور نو سال کی مدت مقرر ہوئی۔ بعض روایات میں سات سال کی میعاد آئی ہے۔ اُبی نے کہا، میں نے مان لیا۔ کچھ مدت کے بعد ابی بن خلف کو جب یہ اندیشہ ہوا کہ ابوبکر مکہ سے چلے جائیں گے تو آ کر آپ سے چمٹ گیا اور بولا، مجھے اندیشہ ہے کہ تم مکہ سے چلے جاؤ گے اس لئے اپنا کوئی ضامن دو۔ (کہ جب میں شرط جیت جاؤں تو اس سے مال شرط وصول کراوں) حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو ضامن بنا دیا۔ حضرت عبداللہ ضامن ہوگئے۔

ابی بن خلف کی موت:

اس کے بعد ابی بن خلف (مسلمانوں کے مقابل) احد کی جنگ میں گیا اور مقابلہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے زخمی ہو کر مکہ میں آ کر مر گیا۔ اُدھر حدیبیہ کے دن رومی فارس پر غالب آ گئے بعض روایات میں آیا ہے کہ بدر کے دن رومیوں کا فارسیوں پر غلبہ ہوا۔ یہ واقعہ یوم شرط سے ساتویں سال کے سرے پر پیش آیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جیت:

شعبی نے لکھا ہے، یہ مقررہ مدت گذرنے نہیں پائی تھی کہ رومی فارس والوں پر غالب آ گئے، اور اپنے گھوڑے مدائن (ایرانیوں کی عراقی راجدھانی) میں لے جا کر باندھ دیئے (حرمت قمار سے پہلے کا یہ قصہ ہے) حضرت ابوبکرؓ بھی ابی بن خلف سے جیت گئے اور ابی بن خلف کے وارثوں سے آپ نے شرط کا مال وصول کر لیا اور خدمت گرامی میں لے کر حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کو خیرات کر دو، ترمذی نے بھی حضرت ابوبکرؓ کی روایت سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔

مسئلہ: حضرت ابوبکرؓ کے اس قصہ سے استدلال کرتے ہوئے امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ دار الحرب میں مسلمانوں اور کافروں کے درمیان تمام عقود فاسدہ جیسے سود کا لین دین وغیرہ جائز ہیں، اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ (حربی) کافروں کا مال ہر طرح سے لینا جائز ہے بشرطیکہ ذمہ داری کی شکست نہ ہو کافروں کو امان دے کر ان کا مال لینا جائز نہیں۔

رومیوں کے غلبہ کے اسباب:

بغوی نے لکھا ہے کہ حسب بیان عکرمہ رومیوں کی فارس والوں پر غالب آنے کی صورت یہ ہوئی کہ شہر یزاد رومیوں پر غالب آیا اور ان کے شہروں کو روندھتا اجاڑتا ہوا خلیج تک پہنچ گیا۔ ایک روز شہر یزاد کا بھائی فرخان شہر یزاد کے تخت پر بیٹھا شراب پی رہا تھا کہ (مستی کی حالت میں) اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں کسریٰ کے تخت پر بیٹھنے والا ہوں یہ بات کسریٰ تک پہنچ گئی۔ کسریٰ نے شہر یزاد کو لکھا جس وقت میری یہ تحریر تم کو پہنچے فوراً فرخان کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیجدو۔ شہر یزاد نے جواب میں لکھا، بادشاہ سلامت فرخان کے بڑے کارنامے ہیں اور دشمنوں پر اس کی دھاک ہے آپ کو ایسا شخص نہیں ملے گا۔ کسریٰ نے دوبارہ لکھا، فارس میں اور بہت سے لوگ ہیں جو اس سے بہتر ہیں فوراً میرے پاس اس کا سر بھیج دو۔ شہر یزاد نے اس کا بھی ایسا ہی جواب لکھدیا جس سے کسریٰ غضبناک ہو گیا اور شہر یزاد کو پھر کچھ نہیں لکھا بلکہ فوج کے پاس ڈاک کے ذریعے سے یہ حکم بھیج دیا کہ میں نے شہر یزاد کو ہٹا کر اس کی جگہ تمہارا آفیسر فرخان کو بنا دیا ہے، پھر ایک چھوٹا سا پرچہ ڈاک لے جانیوالے کو الگ سے دیدیا جس میں شہر یزاد کو قتل کر دینے کا حکم لکھا ہوا تھا اور ڈاک والے سے کہا جب فرخان حکومت کا چارج لے لے اور اس کا بھائی اس کی اطاعت کر لے تو اس وقت یہ پرچہ فرخان کو دیدینا غرض شاہی حکم ملنے کے بعد شہر یزاد نے بسر و چشم اس کو قبول کیا اور تخت سے اتر آیا اس کی جگہ فرخان بیٹھ گیا۔ اس وقت ڈاک والے نے وہ پرچہ فرخان کو دیا، فرخان نے فوراً شہر یزاد کو بلوانے کا حکم دیا اور گردن مار دینے کے لئے پیشی میں طلب کیا۔ شہر یزاد نے کہا جلدی سے کام نہ لیجئے مجھے اتنی مہلت دیجئے کہ میں وصیت نامہ لکھدوں۔ فرخان نے کہا اچھا، شہر یزاد نے بستہ منگوایا اور اس میں سے تین تحریریں نکال کر دکھائیں اور فرخان سے کہا میں نے آپ کے سلسلے میں کسریٰ سے یہ ساری مراسلت کی تھی اور آپ صرف ایک تحریر ملنے پر مجھے قتل کرانا چاہتے ہیں۔ فرخان نے فوراً اقتدار حکومت شہر یزاد کو واپس کر دیا۔

اس کے بعد شہر یزاد نے قیصر روم کو لکھا مجھے آپ سے کام ہے لیکن وہ نہ پیام رساں کی معرفت زبانی کہلوایا جا سکتا ہے نہ تحریراً اس کو پہنچایا جا سکتا ہے ملاقات ہی ضروری ہے۔ اس لئے میری خواہش ہے کہ آپ پچاس رومیوں کو ساتھ لے کر مجھ سے ملیں میرے ساتھ بھی اس وقت صرف پچاس ایرانی ہوں گے، قیصر نے یہ بات مان لی اور پچاس رومیوں کو ساتھ لے کر روانہ ہو گیا لیکن اس کو اندیشہ لگا ہوا تھا کہ شاید شہر یزاد نے کوئی فریب کیا ہو اس لئے

اپنے آگے آگے اس نے کچھ جاسوس بھیج دیئے تا کہ صحیح اطلاع بہم پہنچائیں۔ جاسوسوں نے آ کر کہا کہ شہر یزاد کے ساتھ بھی صرف پچاس آدمی ہیں قیصر روم شہر یزاد کی جانب چل دیا۔ پھر دونوں کیلئے ایک ریشمی خیمہ لگوایا گیا اور دونوں کی ملاقات اس طرح ہوئی کہ ہر ایک کے پاس خنجر تھا اور دونوں کے درمیان ترجمان تھا، شہر یزاد نے کہا آپ کے شہر جن لوگوں نے ویران کئے وہ میں اور میرا بھائی ہیں ہم نے ہی اپنی تدبیر اور بہادری سے آپ کا ملک اجاڑا۔ اس سے کسریٰ کو ہم پر حسد ہو گیا اور اس نے میرے بھائی کو میرے ہاتھ سے قتل کرا دینا چاہا، میں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تو کسریٰ نے میرے بھائی کو حکم دیا کہ وہ مجھے قتل کر دے ہم دونوں ساتھ پیدا ہوئے ہیں، (اس لئے ایک کے قتل ہو جانے سے دوسرا مر ہی جائے گا) اب ہم آپ کے ساتھ مل کر کسریٰ سے لڑنا چاہتے ہیں۔ قیصر نے کہا تم نے ٹھیک کیا، پھر ایک نے دوسرے سے (اشارۃً) کہا کہ راز دو آدمیوں کے درمیان رہتا ہے جب دو سے آگے بڑھتا ہے تو پھیل جاتا ہے۔ چنانچہ دونوں نے اپنے اپنے خنجروں سے ترجمانوں کو قتل کر دیا۔ اس وقت سے رومیوں کا فارسیوں پر غلبہ ہو گیا اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر رومیوں نے ایرانیوں کو قتل کر دیا۔ کسریٰ بھی مر گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کی اطلاع صلح حدیبیہ کے روز پہنچی جس کو سن کر مسلمان اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے۔ اسی قصہ کی طرف غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ اشارہ کیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

یہ بھی قول ہے کہ یہ ہزیمت جزیرہ میں ہوئی تھی جو رومیوں کی سرحد کا مقام ہے اور فارس سے ملتا ہے، واللہ اعلم۔ پھر نو (۹) سال کے اندر اندر رومی فارسیوں پر غالب آ گئے۔

قرآن کریم میں لفظ بِضع کا ہے اور اس کا اطلاق بھی نو (۹) تک ہوتا ہے۔ اور یہی تفسیر اس لفظ کی ترمذی اور ابن جریر والی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ تمہیں احتیاطاً دس (۱۰) سال تک رکھنے چاہئے تھے کیونکہ بضع کے لفظ کا اطلاق تین سے لے کر نو (۹) تک ہوتا ہے۔ اس کے بعد قبلُ اور بعدُ پر پیش اضافت کے ہٹا دینے کی وجہ سے ہے یعنی اس سے پہلے اور اس کے بعد حکم اللہ ہی کا ہے اس دن جبکہ رُوم فارس پر غالب آ جائے گا مسلمان خوشیاں منائیں گے اکثر علماء کا قول ہے کہ بدر کی لڑائی کے دن رُومی فارسیوں پر غالب آ گئے۔

ابن عباسؓ، سدیؒ، ثوریؒ اور ابوسعیدؓ یہی فرماتے ہیں، ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ غلبہ حدیبیہ کے سال ہوا تھا۔ عکرمہؒ زہریؒ اور قتادہؒ وغیرہ کا یہی قول ہے بعضوں نے اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ قیصر رُوم نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے فارس پر غالب کرے گا تو وہ اس کے شکریہ میں پا پیادہ بیت المقدس تک جائیگا۔ چنانچہ اس نے نذر پوری کی اور بیت المقدس پہنچا۔

یہ یہیں تھا جو اس کے پاس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک پہنچا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دِحیہ کلبیؓ کی معرفت بصریٰ کے گورنر کو بھیجا تھا اور اس نے ہرقل کو پہنچایا تھا۔ ہرقل نے نامۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پاتے ہی شام میں جو تجارتی عرب تھے انہیں اپنے پاس بلوایا۔ ان میں ابوسفیان صخر بن حرب اُموی بھی تھا اور دوسرے بھی قریش کے ذی عزت بڑے بڑے لوگ تھے اس نے ان سب کو اپنے سامنے بٹھا کر پوچھا کہ تم میں سے اس کا قریبی رشتہ دار کون ہے؟ جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ ابوسفیان نے کہا میں ہوں۔ بادشاہ نے انہیں آگے بٹھالیا اور ان کے ساتھیوں کو ان کے پیچھے بٹھا دیا اور ان سے کہا کہ دیکھو میں اس شخص سے چند سوالات کروں گا اگر یہ کسی بات کا غلط جواب دے تو تم اسے جھٹلا دینا۔

ابوسفیان کا قول ہے کہ اگر مجھے اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ اگر میں جھوٹ بولوں گا تو یہ لوگ اسے ظاہر کر دیں گے اور پھر اس جھوٹ کو میری طرف نسبت کریں گے تو میں یقیناً جھوٹ بولتا۔ اب ہرقل نے بہت سے سوالات کئے۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب نسب کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و عادات کے متعلق وغیرہ وغیرہ۔ انہی میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ کیا وہ غداری کرتا ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ آج تک تو کبھی بدعہدی، وعدہ شکنی اور غداری کی نہیں۔ اس وقت ہم میں اور اُس میں ایک معاہدہ ہے نہ جانے اس میں وہ کیا کرے۔

ابوسفیان کے اس قول سے مراد صلح حدیبیہ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اور قریش میں یہ بات بھی ٹھہری تھی کہ دس (۱۰) سال تک کوئی لڑائی آپس میں نہ ہوگی۔ (تفسیر ابن کثیر)

لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ ؕ

اللہ کے ہاتھ ہیں سب کام	پہلے	اور پیچھے

یعنی پہلے فارس کو غالب کرنا، روم کو مغلوب کرنا، اور پیچھے حالات کو اُلٹ دینا، سب اللہ کے قبضہ میں ہے۔ صرف اتنی بات سے کسی قوم کے مقبول و مردود ہونے کا فیصلہ نہیں ہو سکتا تلک الایام ندا ولھا بین الناس۔

وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ

اور اس دن	خوش ہونگے	مسلمان	اللہ کی مدد سے

مسلمانوں کی خوشی کا دن:

یعنی ایک تو اس دن اپنی فتح کی خوشی اُس پر مزید خوشی یہ ہوئی کہ رومی اہل کتاب (جو نسبۃً مسلمانوں سے اقرب تھے) فارس کے مجوسیوں پر غالب آئے۔ قرآن کی پیشینگوئی کے صدق کا لوگوں نے مشاہدہ کر لیا کفار مکہ کو ہر طرح ذلت نصیب ہوئی۔

يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۵

مدد کرتا ہے　جس کی چاہتا ہے　اور وہی ہے زبردست　رحم والا

یعنی جسے مغلوب کرنا چاہے تو کوئی زبردستی کر کے روک نہ سکے اور جس پر مہربانی فرمانا چاہے اُسے بے روک ٹوک غالب کر کے رہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ

اللہ کا وعدہ ہو چکا　خلاف نہ کریگا　اللہ　اپنا وعدہ　لیکن

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۶

بہت　لوگ　نہیں　جانتے۔

اللہ کی حکمتیں اللہ ہی جانتا ہے:

یعنی اکثر لوگ نہیں سمجھتے کہ غالب یا مغلوب کرنے میں اللہ تعالیٰ کی کیا کیا حکمتیں ہیں اور یہ کہ قدرت جب کوئی کام کرنا چاہے تو سب ظاہری رکاوٹیں دُور ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اسی لئے اکثر ظاہر بیں بغیر اسباب ظاہری خدا پر بھروسہ نہیں رکھتے اور کسی کا عارضی غلبہ دیکھ کر سمجھنے لگتے ہیں کہ یہی اللہ کے ہاں مقبول ہوگا۔

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ښ

جانتے ہیں　اُوپر اُوپر　دنیا کے　جینے کو

وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝۷

اور وہ لوگ　آخرت کی خبر　نہیں　رکھتے۔

لوگوں کی ظاہر پرستی:

یعنی یہ لوگ دنیوی زندگی کی ظاہری سطح کو جانتے ہیں۔ یہاں کہ آسائش و آرائش، کھانا پینا، پہننا اوڑھنا، بونا جوتنا، پیسہ کمانا، مزے اڑانا بس یہی اُن کے علم و تحقیق کی انتہائی جولانگاہ ہے۔ اس کی خبر ہی نہیں کہ اس زندگی کی تہہ میں ایک دوسری زندگی کا راز چھپا ہوا ہے جہاں پہنچ کر اس دنیوی زندگی کے بھلے بُرے نتائج سامنے آئیں گے۔ ضروری نہیں کہ جو شخص یہاں خوشحال نظر آتا ہے وہاں بھی خوشحال رہے۔ بھلا آخرت کا معاملہ تو دُور ہے یہیں دیکھ لو کہ ایک شخص یا ایک قوم کبھی دنیا میں عروج حاصل کر لیتی ہے لیکن اُس کا آخری انجام ذلت و ناکامی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ (تفسیر عثمانی)

معیشت میں پڑ کر آخرت سے غفلت دانائی نہیں:

قرآن کریم اقوامِ دنیا کے عبرتناک قصوں سے بھرا ہوا ہے، جو مکاسب دنیا اور عیش و عشرت کے سامان جمع کرنے میں بڑے نام آور تھے، پھر ان کا انجامِ بد بھی دنیا ہی میں لوگوں کے سامنے آیا، اور آخرت کا دائمی عذاب ان کا حصہ بنا، اس لئے ان کو کوئی سمجھدار آدمی عقلاء یا حکماء نہیں کہہ سکتا، افسوس ہے کہ آجکل عقل و حکمت کا سارا انحصار اسی میں سمجھ لیا گیا ہے کہ جو شخص زیادہ سے زیادہ مال جمع کرے اور اپنی عیش و عشرت کا سامان سب سے بہتر بنا لے وہ سب سے بڑا عقلمند کہلاتا ہے، اگرچہ اخلاقِ انسانیت سے بھی کورا ہو، عقل و شرع کی رُو سے اس کو عقلمند کہنا عقل کی توہین ہے، قرآن کریم کی زبان میں عقل والے صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ کو اور آخرت کو پہچانیں، اس کے لئے عمل کریں، دنیا کی ضروریات کو بقدر ضرورت رکھیں، اپنی زندگی کا مقصد نہ بنائیں۔

دنیا کا چند روزہ قیام در حقیقت ایک مسافرانہ قیام ہے، انسان یہاں کا مقامی آدمی (نیشنل) نہیں، بلکہ دوسرے ملک آخرت کا باشندہ ہے، یہاں کچھ مدت کے لئے ویزا پر آیا ہوا ہے، اس کا اصلی کام یہ ہے کہ اپنے اصلی وطن کے لئے یہاں سے سامانِ راحت فراہم کر کے وہاں بھیجے، اور وہ سامانِ راحت ایمان اور عمل صالح ہے، اس دوسرے رُخ سے بڑے بڑے عاقل کہلانے والے بالکل غافل اور جاہل ہیں۔ (مفتی اعظم رحمہ اللہ)

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۣ مَا خَلَقَ اللّٰهُ

کیا دھیان نہیں کرتے　اپنے جی میں　کہ اللہ نے جو بنائے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا

آسمان　اور　زمین　اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے

بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ

سو ٹھیک ساد ھ کر اور وعدہ　مقرر پر

تخلیق کائنات کا ایک مقصد ہے:

یعنی عالم کا اتنا زبردست نظام اللہ تعالیٰ نے بیکار نہیں پیدا کیا، کچھ اس سے مقصود ضرور ہے وہ آخرۃ میں نظر آئیگا۔ ہاں یہ سلسلہ ہمیشہ چلتا رہتا تو ایک بات تھی، لیکن اس کے تغیرات و احوال میں غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ اس کی کوئی حد اور انتہا ضرور ہے۔ لہٰذا ایک وعدہ مقررہ پر یہ عالم فنا ہوگا اور دوسرا عالم اس کے نتیجہ کے طور پر قائم کیا جائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

اپنے آپ میں غور کرو:

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۣ کیا انہوں نے اپنے نفسوں میں غور نہیں کیا۔ یعنی کیا انہوں نے اپنے علم کو صرف ظاہری دنیا پر منحصر رکھا اور دلوں کے اندر باطن پر غور نہیں کیا کہ ان پر دنیا کے اندرونی گوشوں کا انکشاف ہوتا، یا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے کیا اپنے نفسوں کے متعلق غور نہیں کیا باوجودیکہ ان کے نفوس اس سے

اتنے قریب ہیں کہ دوسری کوئی چیز اتنی قریب نہیں اپنے نفس کے اندر غور کرنے والے کو وہ انکشافات ہوتے ہیں جو سارے عالمِ امکان پر غور کرنے والے کو ہوتے ہیں۔ انسان عالمِ صغیر ہے (اور عالمِ کبیر کا نمونہ ہے) اگر وہ اپنے دلوں میں غور کرتے تو ان کو معلوم ہو جاتا اور وہ کہہ اٹھتے کہ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اللہ نے آسمان و زمین اور ان کی درمیانی کائنات کو برحق ہی پیدا کیا ہے (یعنی حکمت و مصلحت کے ساتھ پیدا کیا ہے) اور یہ مقرر مدت (بقاء) کو اپنے ساتھ لئے ہوئے پیدا کئے گئے ہیں یعنی بے کار لاحاصل بغیر کسی کامل حکمت کے نہیں پیدا کئے اور ان کی تخلیق دوامی نہیں ہے بلکہ انکا بقاء ایک خاص مدت کے لئے ہے اس کے بعد قیامت آجائے گی اور حساب فہمی کا وقت آپہنچے گا اور سزا و جزا مل جائے گی۔ اللہ نے فرمایا ہے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۞ کیا تم یہ خیال کئے ہوئے ہو کہ ہم نے تم کو فضول پیدا کیا اور ہماری طرف تم کو نہیں لوٹایا جائیگا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اللہ کی طرف بازگشت نہ ہو اور اللہ سب کو یوں ہی چھوڑ دے تو تخلیق بیکار بے لاحاصل ہے۔

غور و فکر کا حاصل:

نظامِ عالم پر غور کرنے والے جانتے ہیں کہ اس کا خالق حکیم ہے اور حکیم بیکار کام نہیں کرتا تخلیقِ عالم کی حکمت خالق کی ذات و صفات کی معرفت ہے اب اگر قیامت نہ آئے اور جزا سزا نہ ملے تو عارف و کافر دونوں برابر ہیں۔ اس کائنات پر غور کرنے والا ہی آخرت کو جانتا ہے اور علمِ آخرت حاصل ہونے کے بعد اس کے دل سے غفلت دور ہو جاتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ

اور بہت لوگ

بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۞

اپنے رب کا ملنا نہیں مانتے

وہ سمجھتے ہیں کہ کبھی خدا کے سامنے جانا ہی نہیں جو حساب و کتاب دینا پڑے۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ

کیا انہوں نے سیر نہیں کی ملک کی جو دیکھیں انجام

كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْ

کیسا ہوا ان سے پہلوں کا اُن سے

اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ

زیادہ تھے زور میں اور جوتا انہوں نے زمین کو اور بسایا اس کو

اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

اُن کے بسانے سے زیادہ اور پہنچے اُن کے پاس رسول اُن کے

بِالْبَيِّنٰتِ ۭ

لے کر کھلے حکم

ماضی کی طاقتور اقوام سے عبرت پکڑو:

یعنی بڑی بڑی طاقتور قومیں (مثلاً عاد و ثمود) جنہوں نے زمین کو بوجوت کر لالہ و گلزار بنایا، اُسے کھود کر چشمے اور کانیں نکالیں، ان منکرین سے بڑھ کر تمدن کو ترقی دی، لمبی عمریں پائیں اور زمین کو ان سے زیادہ آباد کیا۔ وہ آج کہاں ہیں؟ جب اللہ کے پیغمبر کھلے نشان اور احکام لے کر آئے اور انہوں نے تکذیب کی تو کیا نہیں سنا کہ انجام کیا ہوا۔ کس طرح تباہ و برباد کئے گئے۔ اُن کے ویران کھنڈر آج بھی ملک میں چل پھر کر دیکھ سکتے ہیں۔ کیا اُن میں ان بیفکروں کے لئے کوئی عبرت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وہ لوگ ان سے زیادہ قوت والے تھے انہوں نے زمین کو الٹ کر رکھ دیا اور ان سے زیادہ زمین کو آباد کیا تھا (بڑی بڑی اونچی عمارتیں بکثرت بنائی تھیں)۔ زمین کو الٹنے کا یہ مطلب ہے کہ پانی نکالنے معاون برآمد کرنے اور کھیتی کرنے کے لئے انہوں نے زمین کو کھودا تھا۔

اہلِ مکہ کیلئے دعوتِ فکر:

اہلِ مکہ ایسی زمین پر آباد تھے جہاں کوئی کھیتی باڑی نہیں ہو سکتی تھی بالکل وادی غیر ذی زرع تھی۔ ادھر اُدھر ان کا پھیلاؤ نہ تھا۔ آیت میں ایک طرح کا طعن ہے مکہ والوں پر، کہ وہ دنیا پر ریجھے ہوئے ہیں فریفتہ ہیں، غرور سے سرمست ہیں باوجودیکہ ان کا حال کمزور ہے۔ دنیا کی فراخی ان کو حاصل نہیں۔ دنیا نام ہے وسعتِ ملک کا، تسلط عام کا، تعمیرات کی کثرت کا اور ان کو کچھ بھی میسر نہیں ان کی بستی میں کسی چیز کی پیداوار نہیں اگر موسم سرما و گرما میں یمن و شام کا سفر نہ کریں اور وہاں سے غلہ کپڑا نہ لائیں تو بھوکے ننگے مر جائیں۔ ان تمام باتوں کے باوجود اپنی حقیر دنیا پر پھولے نہیں سماتے۔ (تفسیر مظہری)

فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا

سو اللہ نہ تھا ان پر ظلم کرنے والا لیکن وہ اپنا

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۹
آپ بُرا کرتے تھے

قومیں خود اپنے اوپر ظلم کرتی ہیں:

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تو ظلم کا امکان نہیں۔ ہاں یہ لوگ خود اپنے ہاتھوں اپنی جڑ پر کلہاڑی مارتے ہیں اور وہ کام کرتے ہیں جن کا نتیجہ بربادی ہو تو یہ اپنی جان پر خود ہی ظلم کرنا ہوا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے عدل و رحم کی کیفیت تو یہ ہے کہ بے رسول بھیجے اور بدون پوری طرح ہوشیار کئے کسی کو پکڑتا بھی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ
پھر ہوا انجام بُرا کرنے والوں کا بُرا اس
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰
واسطے کہ جھٹلاتے تھے اللہ کی باتیں اور ان پر ٹھٹھے کرتے تھے

دنیا میں دیکھتا تھا پھر آخرت میں تکذیب و استہزاء کی جو سزا ہے وہ الگ رہی۔ موجودہ اقوام کو چاہئے کہ گذشتہ قوموں کے احوال سے عبرت پکڑیں کیونکہ ایک قوم کو جن باتوں پر سزا ملی سب کو وہی سزا مل سکتی ہے۔ سب کی فنا بھی ایک کی فنا سے سمجھو اور سب کی سزا بھی ایک کی سزا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

گناہ کا اثر:

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مؤمن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہی کا ایک نکتہ پیدا ہو جاتا ہے پھر اگر وہ توبہ کر لیتا ہے اور گناہ سے نکل آتا ہے اور مغفرت کا طلبگار ہو جاتا ہے تو (دل سے وہ سیاہ نکتہ دور ہو جاتا ہے) دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر مزید گناہ کرتا رہا تو سیاہی کا نکتہ بھی بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ (پورے) دل پر سیاہی چڑھ جاتی ہے یہی وہ زنگ ہے جس کا ذکر اللہ نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ اور فرمایا ہے بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ بلکہ جو اعمال وہ کرتے تھے ان کا زنگ ان کے دلوں پر چڑھ گیا۔ رواہ احمد والترمذی والنسائی (تفسیر مظہری)

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ
اللہ بناتا ہے پہلی بار پھر اس کو دہرائے گا پھر اسی کی طرف
تُرْجَعُوْنَ ۝۱۱ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۱۲
پھر جاؤ گے اور جس دن برپا ہوگی قیامت آس توڑ کر رہ جائیں گے گنہگار

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا
اور نہ ہوں گے ان کے شریکوں میں کوئی ان کے سفارش کرنے والے
وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝۱۳
اور وہ ہو جائیں گے اپنے شریکوں سے منکر

جھوٹے معبودوں کا انجام:

یعنی جن کو اللہ کا شریک بناتے تھے جب وقت پر کام نہ آئیں گے تو منکر ہو کر کہنے لگیں گے کہ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (خدا کی قسم ہم مشرک نہ تھے)

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ۝۱۴
اور جس دن قائم ہوگی قیامت اس دن لوگ ہونگے قسم قسم

نیک و بد کے فیصلہ کا دن:

یعنی نیک و بد ہر قسم کے لوگ الگ الگ کر دیئے جائیں گے اور علیحدہ علیحدہ اپنے ٹھکانہ پر پہنچا دیئے جائیں گے جس کی تفصیل اگلی آیت میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یکے خنداں بصد عشرت یکے نالاں بصد عسرت
یکے در راحت و صلت یکے در شدت ہجراں

اہل جنت اہل جہنم سے جدا کر دیئے جائیں گے۔ (معارف کاندھلوی)

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ
سو جو لوگ یقین لائے اور کئے بھلے کام سو
فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ۝۱۵
باغ میں ہونگے ان کی آؤ بھگت ہوگی

نیکیوں کا انعام:

یعنی انعام و اکرام سے نوازے جائیں گے اور ہر قسم کی لذت و سرور سے بہرہ اندوز ہونگے۔ یہ نیکوں کا ٹھکانہ ہوا۔ آگے بدوں کی جگہ بتلائی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دونوں میں ایسی تفریق اور جدائی کر دی جائے گی جس سے بڑھ کر کوئی جدائی نہیں ہو سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

تحبیر کا معنی و مطلب:

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حضور میری قراءت کو سن رہے ہیں تو میں تحبیر سے کام لیتا، یعنی مزید خوش آوازی سے پڑھتا۔

بغوی نے بروایت اوزاعی یحییٰ بن کثیر کا قول نقل کیا ہے کہ حبرون جنت کے آسمان کا نام ہے ہناد اور بیہقی کی روایت میں بھی یحییٰ بن کثیر کا یہ قول آیا ہے۔

اوزاعی کا بیان ہے جب وہ گانا شروع کرتا ہے تو جنت کا کوئی درخت بغیر سرسبز ہوئے نہیں رہتا۔ یہ بھی امام اوزاعی کا بیان ہے کہ اللہ کی کوئی مخلوق اسرافیل سے زیادہ خوش آواز نہیں، جب وہ گانا شروع کرتا ہے تو ساتوں آسمانوں کے رہنے والوں کی نماز اور تسبیح ختم ہو جاتی ہے۔

جنت میں خوش کلامی:

میں کہتا ہوں گانے سے اور شعر سے اس دنیا میں لذت اندوزی کے لئے تین باتوں کی ضرورت ہے اشعار میں محبوب کا ذکر ہو، کلام موزوں ہو، آواز میں حسن ہو، لیکن جنت والوں کے لئے اللہ سے بڑی مرغوب تو کوئی چیز نہ ہوگی اس کے جمال سے زیادہ کسی کا حسن بھی نہیں ہے اس لئے جب اس کے دیدار سے بہرہ ور ہوں گے تو اسی کی یاد خوش الحانی کے ساتھ سن کر لذت اندوز ہوں گے۔

بعض احادیث میں آیا ہے کہ غزالہ چشم حوریں اپنے شوہروں کے سامنے ایسی حسین آوازوں سے گائیں گی جن کی مثل کسی نے کوئی گانا کبھی نہ سنا ہوگا۔ روایت میں آیا ہے کہ منجملہ دوسرے کلام کے یہ اشعار بھی گائیں گی، ترجمہ: ''ہم سب سے اعلیٰ ہیں ہم عزت والے لوگوں کی بیبیاں ہیں ہم ہمیشہ رہیں گی کبھی نہیں مریں گی ہم امن میں رہیں گی ہم کو کسی بات کا ڈر نہ ہوگا، ہم یہاں مقیم رہیں گی، کبھی یہاں سے کوچ نہیں کریں گی''۔ رواہ الطبرانی عن ابن عمر۔ مرفوعاً کذا اخرج الطبرانی والبیہقی وابن ابی الدنیا عن انسؓ۔

امام احمد نے الزہد میں مالک بن دینار کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمائے گا اسی خوش آوازی کے ساتھ میری مجد بیان کرو، داؤد علیہ السلام ایسی آواز سے گانا شروع کر دیں گے جو جنت کی ساری نعمتوں پر غالب آ جائے گی۔

اصبہانی نے حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ اللہ جنت کے درخت کو حکم دے گا کہ میرے ان بندوں کو گانا سنا جنہوں نے میری یاد میں تمام گانوں اور باجوں کو چھوڑ رکھا تھا درخت اللہ کی تسبیح و تقدیس ایسی آوازوں سے گائے گا جس کی مثل کسی مخلوق نے کبھی نہیں سنی ہوں گی۔

گانا سننے کی سزا:

اس موضوع کی احادیث بکثرت ہیں۔ حکیم نے نوادر الاصول میں حضرت ابوموسیٰ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے (دنیا میں) گانے کی آواز سنی اس کو روحانیات کی آواز سننے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، روحانی کون؟ فرمایا اہل جنت کے سامنے پڑھنے والے۔

دینوری نے مجاہد کا بیان نقل کیا ہے کہ جو لوگ اپنی آوازوں اور کانوں کو بیہودہ گانوں اور شیطانی مزامیر سے پاک رکھتے ہیں قیامت کے دن اللہ ان کو مشکی باغوں میں قیام پذیر کرے گا اور فرشتوں کو حکم دے گا میرے بندوں کو میری ثناء و مجد سناؤ اور ان کو اطلاع دیدو کہ آئندہ ان کو نہ کسی طرح کا خوف ہوگا نہ غمگین ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ سماع: کسی خوش الحان سے اللہ کی تسبیح و تحمید کا سماع یا کسی ایسے اشعار کا سماع جو یاد آخرت میں ممد ہوں وہ جائز ہے بشرطیکہ وہ خوش الحان اور غزل خواں اجنبی عورت یا کم سن لڑکا نہ ہو اور بشرطیکہ طبلہ اور سارنگی نہ ہو۔ اس لئے کہ اجنبی عورت کا تو قرآن سننا بھی حرام ہے غزل کا تو ذکر ہی کیا ہے اور طبلہ اور سارنگی اور اس قسم کے گانے بجانے کے آلات تمام انبیاء کی شریعتوں میں حرام رہے ہیں البتہ اگر کسی کی بیوی خوش الحان ہو تو فقط اس کو اپنی بیوی کا سماع جائز ہے بشرطیکہ وہ خلوت اور تنہائی میں ہو اور کوئی نامحرم مرد اور نامحرم عورت وہاں موجود نہ ہو۔ اور جو سماع قواعد شریعت کے تحت جائز ہو اس کے متعلق حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی کا یہ فتویٰ ہے

زندہ دلاں مردہ تناں را رواست | مردہ دلاں زندہ تناں را خطاست

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

بگویم سماع اے برادر کہ چیست | مگر مستمع را بدانم کہ کیست

گر از برج معنی بود طیر او | فرشتہ فرو ماند از سیر او

وگر مرد لہو ست و بازی و لاغ | قوی تر شود دیوش اندر دماغ

شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ میں سماع کی حقیقت جب بیان کروں کہ جب یہ معلوم ہو جائے کہ مستمع (سننے والا) کون ہے۔ آیا وہ سماع کی اہلیت رکھتا ہے یا نہیں اگر بوقت سماع مستمع کا مرغ روح عالم بالا کی طرف ایسی پرواز کرے کہ جہاں تک پہنچنے سے فرشتہ بھی عاجز ہو جائے تو اس کا حکم دوسرا ہے یہ شخص سماع کا اہل ہے اور نا اہل وہ ہے کہ سماع سے اس کے لہو و لعب اور نفسانیت میں اور اضافہ اور ترقی ہو جائے تو ایسا سماع بلاشبہ حرام ہے خاصکر جب کہ گانے والی کوئی خوبصورت عورت ہو یا کوئی حسین لڑکا ہو اور طبلہ اور سارنگی بھی ہو اور شیرینی اور مٹھائی کی ٹوکریاں بھی ہوں اور طبلہ بجانے والی چھوکریاں بھی ہوں تو اس کے حرام ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ			
اور	جو منکر ہوئے	اور جھٹلائیں	ہماری باتیں اور ملنا
الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِى الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾			
پچھلے گھر کا	سو وہ	عذاب میں	پکڑے آئیں گے

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ
سو پاک ہے — اللہ کی یاد کرو جب — شام کرو — اور جب — صبح کرو

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا
اور اُسی کی خوبی ہے — آسمان میں — اور زمین میں — اور پچھلے وقت

وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ
اور جب دوپہر ہو

یادالٰہی اور پانچ نمازیں:

یعنی جنت چاہتے ہوتو اللہ پاک کی یاد کرو جو دل، زبان اور اعضاء و جوارح سب سے ہوتی ہے۔ نماز میں تینوں قسم کی یاد جمع کر دی گئی۔ اور اوقات فرض نماز کے یہ ہی ہیں جو آیت میں بیان ہوئے۔ یعنی صبح، شام (جس میں مغرب وعشاء شامل ہیں) دن کے پچھلے وقت (عصر) اور دوپہر ڈھلنے کے بعد (ظہر) کی نمازیں ہیں۔ ان اوقات میں حق تعالیٰ کی رحمت یا قدرت وعظمت کے آثار بہت زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔ آفتاب عالم اجسام میں سب سے بڑا روشن کرہ ہے جس کے بلا واسطہ یا بالواسطہ فیض وتاثیر سے عالم اسباب میں شاید ہی کوئی مادی مخلوق مستثنیٰ ہو (جیسا کہ ارج النجوم کے مصنف نے بہت شرح وبسط سے اس کو ثابت کیا ہے) اسی بناء پر سیارہ پرستوں نے اُسے معبود اکبر قرار دیا تھا جسکی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ میں اشارہ ہے۔ اُس کے عجز و بیچارگی اور آفتاب پرستوں کی اُس کے فیض سے محرومی کا کھلا ہوا مظاہرہ بھی ان ہی پانچ اوقات میں ہوتا ہے۔ صبح کو جب تک طلوع نہیں ہوا اور دوپہر ڈھلنے پر جبکہ اُس کے عروج میں کمی آنی شروع ہوئی اور عصر کے وقت جبکہ اُس کی حرارت اور روشنی میں نمایاں طور پر ضعف آ گیا اور غروب کے بعد جب اُس کی نورانی شعاعوں کے اتصال سے اُس کے پجاری محروم ہو گئے۔ پھر عشاء کے وقت جب شفق بھی غائب ہوگئی اور روشنی کے ادنیٰ ترین آثار بھی اُفق پر باقی نہ رہے۔ ان اوقات میں موحدین کوحکم ہوا کہ خدائے اکبر کی عبادت کریں۔ اورشروع صلوٰۃ ہی میں اللہ اکبر کہہ کر اُس موحد اعظم (ابراہیم خلیل اللہ) کی اقتداء کرتے رہیں۔ جس نے هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ کے بعد فرمایا تھا اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (انعام۔ رکوع۹) شاید آیت ہذا میں فرما کر یہ ہی یاد دلایا ہے کہ تسبیح وتنزیہ اور یاد کرنے کے لائق وہ ہی ذات ہوسکتی ہے جس کی خوبی آسمان وزمین کی کل کائنات زبان حال وقال سے بیان کر رہی ہے کوئی مجبور و عاجز مخلوق اس کا استحقاق نہیں رکھتی خواہ وہ دیکھنے میں کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔ آگے اُسی خدائے اکبر کی بعض شئون عظیمہ اور صفات کاملہ کا بیان ہے تا معبودیت کا استحقاق اور زیادہ واضح ہوجائے اسی ضمن میں بعث بعد الموت کے مسئلہ پر بھی کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

پانچ نمازوں کا ذکر قرآن میں:

حضرت ابن عباسؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا قرآن میں پانچ نمازوں کا ذکر صریح ہے، تو فرمایا ہاں! اور استدلال میں یہی آیت پیش کر کے فرمایا کہ حِیْنَ تُمْسُوْنَ میں نماز مغرب اور حِیْنَ تُصْبِحُوْنَ میں نماز فجر اور عَشِیًّا میں نماز عصر اور حِیْنَ تُظْهِرُوْنَ میں نماز ظہر کا ذکر صریح موجود ہے، اب صرف ایک نماز عَشِیًّا رہی، اس کے ثبوت میں دسری آیت کا جملہ ارشاد فرمایا مِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ (معارف مفتی اعظم)

بغوی نے لکھا ہے کہ نافع بن ازرق نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کیا پانچوں نمازوں کا ذکر قرآن مجید میں کہیں ہے۔ فرمایا، ہاں پھر یہی دونوں آیتیں پڑھ دیں اور فرمایا یہ آیت پانچوں نمازوں اوران کے اوقات کو حاوی ہے۔

تمام گناہ معاف:

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رات دن میں سومرتبہ سُبحان اللّٰہِ وبحمدہٖ پڑھے گا اس کے (سارے) گناہ ساقط کردیئے جائیں گے خواہ سمندر کے جھاگوں کے برابر ہوں۔ متفق علیہ۔

سب سے بڑا عمل:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص صبح شام سُبحانَ اللّٰہِ وبحمدہٖ سومرتبہ پڑھے گا قیامت کے دن اس سے بڑھ کر کوئی عمل اور کوئی نہیں لائے گا سوائے اس شخص کے جس نے اسی کی طرح پڑھا ہو یا اس سے زائد پڑھا ہو۔ متفق علیہ۔ رواہ ابوہریرہ۔

زبان پر ہلکے اور ترازو میں بھاری کلمے:

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو کلمے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں (آسانی کے ساتھ ادا ہوجاتے ہیں) میزان میں (یعنی قیامت میں باوزن ہیں) بھاری ہوں گے رحمٰن کو پیارے ہیں سُبحان اللّٰہ وبحمدہٖ سبحان اللّٰہِ العَظیم۔ متفق علیہ۔

سبحان اللہ کیا ہے؟

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک روز فرمایا الحمد للہ کو تو ہم جانتے ہیں لوگ ایک دوسرے کی تعریف کرتے ہیں اور لاالٰہ الا اللّٰہ کو بھی ہم جانتے ہیں اللہ کے سوا بتوں کی پوجا ہوتی ہی تھی اور اللّٰہ اکبر کو بھی جانتے ہیں نمازی تکبیر کہتا ہی ہے لیکن سبحان اللّٰہ کا کیا

مطلب ہے حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا اللہ اعلم۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، اگر عمرؓ اتنا بھی نہ جانے کہ اللہ اعلم ہے تو بڑا بدنصیب ہے (یعنی اللہ کا عالم کل ہونا تو میں بھی جانتا ہوں) حضرت علیؓ نے فرمایا، امیر المومنین یہ ایسا نام ہے کہ اس کو کوئی مخلوق اپنے لئے استعمال نہیں کرسکتی۔ ساری مخلوق کا اسی کی طرف رجوع ہے اسی کے واسطے یہ کلمہ کہنا واجب ہے۔) (از مفسر رحمۃ اللہ علیہ)

چار وزنی اور بڑھیا کلمے:

حضرت جویریہ بنت الحارث جن کا نام برہ تھا مسجد میں تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے ایک صبح کو اٹھ کر مسجد سے باہر چلے گئے پھر دن چڑھے واپس تشریف لائے اور فرمایا جب سے میں یہاں سے گیا ہوں اس وقت سے اب تک تم یہیں بیٹھی (وظیفہ پڑھ رہی) ہو۔ حضرت جویریہ نے کہا جی ہاں۔ فرمایا، میں نے تو تمہارے پاس سے جانے کے بعد چار کلمے تین بار پڑھے تھے اگر تمہارے (وظیفہ کے) الفاظ سے ان کا موازنہ کیا جائے تو وہ بھاری پڑیں گے (چار کلمے یہ ہیں) سُبْحَانَ اللّٰہِ وبِحَمْدِہٖ، عَدَدَ خَلْقِہٖ وَرِضَاءَ نَفْسِہٖ وَزِنَۃَ عَرْشِہٖ وَمِدَادَ کَلِمَاتِہٖ (رواہ مسلم)

حضرت سمرہ بن جندب راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سب سے بڑھیا چار جملے ہیں: سُبْحَانَ اللّٰہِ اور الحَمْدُ للّٰہِ اور لاالٰہ الا اللّٰہُ اور اللّٰہ اکبر۔

دوسری روایت میں آیا ہے اللہ کو سب سے پیارے جملے چار ہیں: سُبْحَانَ اللّٰہِ اور الحَمْدُ للّٰہِ اور لاالٰہ الا اللّٰہُ اور اللّٰہ اکبر۔ جس سے شروع کرو کوئی حرج نہیں (یعنی ترتیب ضروری نہیں) رواہ مسلم۔

سب سے اعلیٰ کلام:

حضرت ابوذر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا سب سے اعلیٰ کونسا کلام ہے فرمایا (افضل کلام) وہ ہی ہے جو اللہ نے اپنے فرشتوں کے لئے پسند فرمایا ہے (یعنی ملائکہ پڑھتے ہیں) سُبحان اللّٰہ وبحمدہٖ۔ رواہ مسلم۔ حضرت جابر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے سُبحان اللّٰہ العظیم وبحمدہٖ کہا اس کے لئے جنت کے اندر ایک درخت خرما بو دیا گیا (یعنی جنت کے درختوں میں سے ایک درخت ان الفاظ کا بھی ہوگا۔) رواہ الترمذی۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل کا نام کیسے ملا؟

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں بتاؤں کہ خدا تعالیٰ نے (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کا نام خلیل وفادار کیوں رکھا؟ اس لئے کہ وہ صبح شام ان کلمات کو پڑھا کرتے تھے۔ پھر آپ نے فَسُبْحٰنَ اللّٰہِ سے تُظْهِرُوْنَ تک کی دونوں آیتیں تلاوت فرمائیں۔

رات کے نقصان کا ازالہ:

طبرانی کی حدیث میں ان دونوں آیتوں کی نسبت ہے کہ جس نے صبح شام یہ پڑھ لیں اس نے دن رات میں جو اس سے فوت ہوا ہو اُسے پالیا۔

نیند نہ آنے کا علاج:

طبرانی میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ راتوں کو میری نیند اُچاٹ ہو جایا کرتی تھی تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امر کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دعا پڑھا کرو اللّٰھُمَّ غارَتِ النجوم وھَدَتِ العُیُون واَنتَ حیٌّ قیومٌ یاحیُّ یاقَیُّومُ انِم عینی وَاھدِئْ لَیْلِیْ میں نے جب اس دعا کو پڑھا تو نیند نہ آنے کی بیماری بفضل خدا دُور ہوگئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ
نکالتا ہے زندہ کو — مردہ سے — اور نکالتا ہے مردہ کو
مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ
زندہ سے — اور زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مرنے کے پیچھے
وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾
اور اسی طرح تم نکالے جاؤ گے

قدرتِ الٰہی کی کارسازیاں:

یعنی انسان کو نطفہ سے، نطفہ کو انسان سے، جانور کو بیضہ سے اور بیضہ کو جانور سے، مؤمن کو کافر سے، کافر کو مؤمن سے پیدا کرتا ہے اور زمین جب خشک ہو کر مر جاتی ہے تو رحمت کے پانی سے پھر زندہ کر کے سبز و شاداب کر دیتا ہے۔ غرض موت وحیات حقیقی ہو یا مجازی، حسی ہو یا معنوی، سب کی باگ اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ پھر تم کو زندہ کر کے قبروں سے نکال کھڑا کرنا اُس کے نزدیک کیا مشکل ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ
اور اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ تم کو بنایا — مٹی سے
اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾
پھر اب — تم انسان ہو زمین میں پھیلے پڑے

مٹی سے تخلیق انسان:

یعنی آدم کو مٹی سے بنایا، پھر دیکھو قدرت نے اُسے کتنا پھیلایا کہ ساری زمین پر اس کی ذرّیت چھا گئی اور زمین میں پھیل کر کیسی کیسی عجیب وغریب ہشیاریاں اس مٹی کے پتلے نے دکھلائیں۔ (تفسیر عثمانی)

پہلی آیت قدرت:

انسان جیسے اشرف المخلوقات اور حاکم کائنات کو مٹی سے پیدا کرنا ہے جو اس دنیا کے عناصر ترکیبیہ میں سب سے زیادہ ادنی درجہ کا عنصر ہے جس میں حس وحرکت اور شعور وادراک کا کوئی شمہ نظر نہیں آتا، کیونکہ مشہور چار عناصر آگ، پانی، ہوا، اور مٹی کے سوا اور سب عناصر میں کچھ نہ کچھ حرکت تو ہے، مٹی اس سے بھی محروم ہے، قدرت نے تخلیق انسانی کے لئے اس کو منتخب فرمایا، ابلیس کی گمراہی کا سبب یہی بنا کہ اس نے آگ کے عنصر کو مٹی سے اشرف و اعلیٰ سمجھ کر تکبر اختیار کیا، اور یہ نہ سمجھا کہ شرافت اور بزرگی خالق و مالک کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے بڑا بنا سکتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا
اور اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ بنادیے تمہارے واسطے تمہاری قسم سے جوڑے
لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ
کہ چین سے رہو ان کے پاس اور رکھا تمہارے بیچ میں پیار اور مہربانی
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾
البتہ اس میں بہت پتے کی باتیں ہیں ان کے لئے جو دھیان کرتے ہیں

توالد وتناسل کا نظام:

یعنی اول مٹی سے ایک آدم کو پیدا کیا پھر اُسی کے اندر سے اُس کا جوڑا نکالا تا کہ اُس سے اُنس اور چین پکڑے اور پیدائشی طور پر دونوں صنفوں (مرد و عورت) کے درمیان خاص قسم کی محبت اور پیار رکھ دیا تا مقصود ازدواج حاصل ہو۔ چنانچہ دونوں کے میل جول سے نسل انسانی دنیا میں پھیل گئی۔ کما قال تعالیٰ: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاۗءً (تفسیر عثمانی)

دوسری آیت قدرت:

یہ ہے کہ انسان ہی کی جنس میں اللہ تعالیٰ نے عورتیں پیدا کر دیں جو مردوں کی بیبیاں بنیں ایک ہی مادہ سے ایک ہی جگہ میں ایک ہی غذا سے پیدا ہونے والے بچوں میں یہ دو مختلف صورتیں پیدا فرمادیں۔ (معارف مفتی اعظم)

سامانِ راحت:

لِّتَسْكُنُوْٓا یعنی تم عورتوں کی طرف مائل ہو اور ان سے انسیت کرو۔ اتحادِ جنسیت موجب انسیت ہے اور اختلافِ جنسیت باعثِ نفرت۔

بَيْنَكُمْ تمہارے درمیان یعنی مردوں اور عورتوں کے درمیان یا افرادِ جنس کے درمیان۔ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً یعنی صنفی خواہش کے غلبہ کے وقت ازدواجی تعلق قائم کرنے کے ذریعہ سے۔ تمہارے اندر اللہ نے باہم محبت اور شفقت پیدا کر دی تا کہ معاشی نظم درست ہو جائے۔ یا باہمی رحمت ومحبت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس پر تعاون موقوف ہے اور باہمی تعاون پر انسانی معیشت کا مدار ہے۔ (تفسیر مظہری)

اس سے معلوم ہوا کہ ازدواجی زندگی کے تمام کاروبار کا خلاصہ سکون و راحتِ قلب ہے، جس گھر میں یہ موجود ہے وہ اپنی تخلیق کے مقصد میں کامیاب ہے، جہاں قلبی سکون نہ ہو اور چاہے سب کچھ ہو وہ ازدواجی زندگی کے لحاظ سے ناکام ونامراد ہے۔

مرد وعورت کے باہمی معاملات کچھ اس نوعیت کے ہیں کہ ان کے حقوق باہمی پورے ادا کرانے پر نہ کوئی قانون حاوی ہوسکتا ہے نہ کوئی عدالت ان کا پورا انصاف کر سکتی ہے اسی لئے خطبۂ نکاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی وہ آیات انتخاب فرمائی ہیں جن میں تقویٰ اور خوفِ خدا وآخرت کی تلقین ہے کہ وہی درحقیقت زوجین کے باہمی حقوق کا ضامن ہوسکتا ہے۔

ارشاد فرمایا؟ وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً یعنی اللہ تعالیٰ نے زوجین کے درمیان صرف شرعی اور قانونی تعلق نہیں رکھا بلکہ ان کے دلوں میں مودت اور رحمت پیوست کر دی۔ وُدّ اور مودّت کے لفظی معنی چاہنے کے ہیں، جس کا ثمرہ محبت والفت ہے، یہاں حق تعالیٰ نے دو لفظ اختیار فرمائے، ایک مودت، دوسرے رحمت۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ اور منجملہ اس کی آیات قدرت کے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری ذاتوں سے یعنی تمہاری جنس سے جوڑے پیدا کئے یعنی عورتیں تا کہ ہم جنس ہونے کی وجہ سے ان کی طرف میل کرو اور ان سے مل کر سکون حاصل کرو اور چین پکڑو اس لئے کہ ہم جنس ہونا میلان طبیعت اور رغبت کا سبب ہے اور خلاف جنس ہونا نفرت کا باعث ہے۔ نظم ۔

بجنس خود کند ہر جنس آہنگ ۔۔۔ ندارد ہیچ کس از جنس خود ننگ
بجنس خویش دارد میل ہر جنس ۔۔۔ فرشتہ با فرشتہ انس با انس!

(معارف کاندھلوی)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
اور اس کی نشانیوں سے ہے آسمان اور زمین کا بنانا

وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اور طرح طرح کی بولیاں تمہاری　اور رنگ　اس میں بہت نشانیاں

لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾

ہیں　سمجھنے والوں کو

شکل وصورت اور بولیوں کا اختلاف:

سب انسان ایک ماں باپ سے بنائے، ملا کر بسائے، پھر تمام روئے زمین پر اُن کو پھیلا دیا۔ سب کی جُدا جُدا بولیاں کر دیں۔ ایک ملک کا آدمی دوسرے ملک میں جا کر زبان کے اعتبار سے محض اجنبی ہو گیا۔ پھر دیکھو کہ شروع دنیا سے آج تک کتنے بیشمار آدمی پیدا ہوئے مگر کوئی دو آدمی ایسے نہ ملیں گے جن کا لب ولہجہ، تلفظ، طرز تکلم بالکل یکساں ہو۔ جس طرح ہر آدمی کی شکل و صورت اور رنگت وغیرہ دوسرے سے ممتاز ہے، آواز اور لب ولہجہ بھی بالکل الگ ہے کوئی دو شخص ایسے نہ ملیں گے جن کی آواز اور رنگ، روپ میں کوئی مابہ الامتیاز نہ ہو۔ ابتدائے عالم سے آج تک برابر نئی نئی صورتیں اور بولنے کے نئے طور نکلتے چلے آتے ہیں۔ اس خزانہ میں کبھی ٹوٹا نہیں آیا۔ حقیقت میں یہ کتنا بڑا نشان حق تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تیسری آیت قدرت:

آسمان وزمین کی تخلیق اور انسانوں کے مختلف طبقات کی زبانیں اور لب ولہجہ کا مختلف ہونا اور مختلف طبقات کے رنگوں میں امتیاز ہونا ہے، کہ بعض سفید ہیں بعض سیاہ بعض سرخ بعض زرد، اس میں آسمان وزمین کی تخلیق تو قدرت کا عظیم شاہکار ہے ہی، انسانوں کی زبانیں مختلف ہونا بھی ایک عجیب کرشمۂ قدرت ہے، زبانوں کے اختلاف میں لغات کا اختلاف بھی داخل ہے، عربی، فارسی، ہندی، ترکی، انگریزی وغیرہ کتنی مختلف زبانیں ہیں جو مختلف خطوں میں رائج ہیں۔

اس آیت قدرت میں متعدد چیزیں آسمان، زمین، اختلاف السنہ، اختلافِ الوان، اور ان کے ضمن میں اور بہت سی قدرت وحکمت کی نشانیاں ہیں، اور وہ ایسی کھلی ہوئی ہیں کہ کسی مزید غور وفکر کی بھی ضرورت نہیں، ہر آنکھوں والا دیکھ سکتا ہے، اس لئے اس کے ختم پر ارشاد فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ یعنی اس میں بہت سی نشانیاں ہیں سمجھ رکھنے والوں کے لئے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ

اور اس کی نشانیوں سے ہے تمہارا سونا رات　اور دن میں

وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ

اور تلاش کرنا　اس کے فضل سے

انسان کی دو حالتیں:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ انسان کی دو حالتیں بدلتی ہیں، سویا تو بے خبر پتھر کی طرح اور روزی کی تلاش میں لگا تو ایسا ہشیار کوئی نہیں۔ اصل تو رات ہے سونے کو اور دن تلاش کو پھر دونوں وقت دونوں کام ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یا یہ مطلب ہے کہ رات میں تمہارا سونا اور دن میں روزی کو طلب اور تلاش کرنا قدرت ومصلحت کی نشانی ہے دو حروف عطف کے ساتھ دو فعلوں کو دو اوقات کے ساتھ ملا دیا تا کہ اس بات پر تنبیہ ہو جائے کہ اگر ایک فعل دن کے ساتھ اور ایک فعل رات کے ساتھ (عادتاً) مخصوص ہے لیکن ہر کام ہر وقت ہو سکتا ہے (رات کو کمائی اور دن کو نیند بھی ہو سکتی ہے) اس کی تائید دوسری آیات سے بھی ہوتی ہے جو اسی مضمون کی حامل ہیں۔ (تفسیر مظہری)

چوتھی آیت قدرت:

انسانوں کا سونا رات میں اور دن میں، اسی طرح ان کی تلاش معاش ہے رات میں اور دن میں، اس آیت میں تو نیند کو بھی دونوں میں بیان فرمایا ہے اور تلاش معاش کو بھی، اور بعض دوسری آیات میں نیند کو صرف رات میں اور تلاش معاش کو دن میں بتلایا ہے، وجہ یہ ہے کہ رات میں اصل کام نیند کا ہے، اور کچھ تلاش معاش کا بھی چلتا ہے، اور دن میں اس کے برعکس اصل کام تلاش معاش کا ہے، اور کچھ سونے آرام کرنے کا بھی وقت ملتا ہے، اس لئے دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں، بعض مفسرین تاویل کر کے اس آیت میں بھی نیند کو رات کے ساتھ اور تلاش معاش کو دن کے ساتھ مخصوص کیا ہے مگر اس کی ضرورت نہیں۔

سونا اور تلاش معاش زہد وتوکل کے منافی نہیں:

اس آیت سے ثابت ہوا کہ سونے کے وقت سونا اور جاگنے کے وقت تلاش معاش انسان کی فطرت بنائی گئی ہے، اور ان دونوں چیزوں کا حاصل کرنا انسانی اسباب وکمالات کے تابع نہیں، بلکہ درحقیقت یہ دونوں چیزیں خالص عطاءِ حق ہیں، جیسا کہ رات کا مشاہدہ ہے کہ بعض اوقات نیند اور آرام کے سارے بہتر سے بہتر سامان جمع ہونے کے باوجود نیند نہیں آتی، بعض اوقات ڈاکٹری گولیاں بھی نیند لانے میں فیل ہو جاتی ہیں، اور جس کو مالک چاہتا ہے کھلی زمین پر دھوپ اور گرمی میں نیند عطا فرما دیتا ہے۔

یہی حال تحصیل معاش کا رات دن مشاہدہ میں آتا ہے کہ دو شخص یکساں علم و عقل والے برابر کے مال والے، برابر کی محنت والے تحصیل معاش کا یکساں ہی کام لیکر بیٹھتے ہیں ایک ترقی کر جاتا ہے دوسرا رہ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے دنیا کو عالم اسباب بڑی حکمت ومصلحت سے بنایا ہے، اس لئے تلاش معاش اسباب ہی کے ذریعہ کرنا لازم ہے مگر عقل کا کام یہ ہے کہ حقیقت شناسی سے دور نہ ہو ان اسباب کو

اسباب ہی سمجھے اور اصل رازق اسباب کے بنانے والے کو سمجھے۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾
اس میں بہت پتے ہیں ان کو جو سنتے ہیں

یعنی جو سن کر محفوظ رکھتے ہیں کمافی تفسیر ابن کثیر حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "اپنے سونے کے احوال نظر نہیں آتا۔ سو لوگوں کی زبانی سنتے ہیں۔" (موضح) یہ لفظ **یسمعون** اختیار کرنے کا نکتہ ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا
اور اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ دکھلاتا ہے تم کو بجلی ڈر اور اُمید کے لئے

بارش کا انتظام:

بجلی کی چمک دیکھ کر لوگ ڈرتے ہیں کہیں کسی پر گر نہ پڑے۔ یا بارش زیادہ نہ ہو جائے جس سے جان و مال تلف ہوں۔ اور اُمید بھی رکھتے ہیں کہ بارش ہو تو دنیا کا کام چلے۔ مسافر کبھی اندھیرے میں اسکی چمک کو غنیمت سمجھتا ہے کہ کچھ دور تک راستہ نظر آ جائے اور کبھی خوف کھا کر گھبراتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَّیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ
اور اتارتا ہے آسمان سے پانی پھر زندہ کرتا ہے اس سے زمین کو
بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾
مر گئے پیچھے اس میں بہت پتے ہیں ان کے لئے جو سوچتے ہیں

یعنی اسی سے سمجھ لو کہ مرے پیچھے تمہارا پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ
اور اس کی نشانیوں سے یہ ہے کہ کھڑا ہے آسمان اور زمین اُس کے حکم سے

آسمان وزمین کا بقاء:

پہلے آسمان وزمین کا پیدا کرنا مذکور ہوا تھا یہاں اُن کے بقاء وقیام کو بتلایا کہ وہ بھی اُسی کے حکم سے ہے۔ مجال نہیں کہ کوئی اپنے مرکز ثقل سے ہٹ جائے۔ یا ایک دوسرے پر گر کر نظام کائنات کو درہم برہم کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ
پھر جب پکارے گا تم کو ایک بار زمین میں سے
اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾
اسی وقت تم نکل پڑو گے

یعنی زمین و آسمان جب تک اُس کا حکم ہے قائم رہیں گے۔ پھر جس وقت دنیا کی میعاد پوری ہو جائے گی اللہ تعالیٰ کی ایک پکار پر تم سب قبروں سے نکلے چلے آؤ گے میدان حشر کی طرف۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کوئی تاکیدی قسم کھانا چاہتے تو فرماتے اُس خدا تعالیٰ کی قسم جس کے حکم سے زمین و آسمان ٹھہرے ہوئے ہیں۔ (ابن کثیر)

وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
اور اسی کا ہے جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں
كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾
سب اس کے حکم کے تابع ہیں

آسمان وزمین میں حکم صرف اللہ ہی کا ہے:

یعنی آسمان وزمین کے رہنے والے سب اُسی کے مملوک بندے اور اُسی کی رعیت ہیں، کس کی طاقت ہے کہ اُس کے حکم تکوینی سے سرتابی کر سکے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس نے فرمایا، ہر ایک (بغیر کسی اختیار کے) پیدا ہونے، جینے، مرنے اور قیامت کے دن اٹھنے میں حکم کا بندہ ہے۔ خواہ حکم عبادت سے سرکشی کرتا ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ
اور وہ ہی ہے جو پہلی بار بناتا ہے پھر اس کو دہرائے گا
وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ ؕ
اور وہ آسان ہے اس پر

اوّل وآخر پیدا کرنا برابر ہے:

یعنی قدرت الٰہی کے سامنے تو سب برابر ہیں لیکن تمہارے محسوسات کے اعتبار سے اوّل بار پیدا کرنے سے دوسری بار دوہرا دینا آسان ہونا چاہئے پھر یہ عجیب بات ہے کہ اوّل پیدائش پر اسے قادر مانو اور دوسری مرتبہ پیدا کرنے کو مستبعد سمجھو۔ (تفسیر عثمانی)

بعض نے یہ مطلب بیان کیا کہ مخلوق کے لئے دوبارہ پیدا ہو جانا پہلی مرتبہ پیدا ہو جانے سے سہل ہوگا کیونکہ وہ صرف ایک آواز سے اٹھ کر نکل آئیں گے۔ پہلی پیدائش دشوار تھی، نطفہ بنا پھر بستہ خون ہوا پھر بوٹی بنا پھر مرد یا عورت بنا پھر پیدا ہوا، حبان نے بحوالہ کلبی اور صالح کی روایت سے

حضرت ابن عباس کا جو قول نقل کیا ہے اس کا یہی معنی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ

اور اس کی شان سب سے اوپر ہے   آسمان اور زمین میں

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾

اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا

اونچی شان اللہ کی ہے:

یعنی اعلیٰ سے اعلیٰ صفات اور اونچی سے اونچی شان اُس کی ہے۔ آسمان وزمین کی کوئی چیز اپنے حُسن وخوبی میں اُس کی شان وصفت سے لگا نہیں کھا سکتی۔ مساوی ہونا تو کجا، وہ تو اُس سے بھی بالا وبرتر ہے جہاں تک مخلوق اُس کے جلال وجمال کا تصور کرسکتی ہے بلکہ جو خوبی کسی جگہ موجود ہے وہ اُسی کے کمالات کا ادنیٰ پرتو ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "آسمان کے فرشتے نہ کھائیں نہ پئیں نہ حاجت بشری رکھیں، سوائے بندگی کے کچھ کام نہیں اور زمین کے لوگ سب چیز میں آلودہ۔ پر اللہ کی صفت نہ اُن سے ملے نہ ان سے، وہ پاک ذات ہے" (موضح)

اے برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم   وز ہر چہ گفتہ اند شنیدیم وخواندہ ایم
منزل تمام گشت وبپایاں رسید عمر   ماہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

وللہ در من قال:

اے بروں از وہم وقال وقیل من   خاک بر فرق من وتمثیل من

(تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس نے فرمایا، اس کی مثل اعلیٰ یہی ہے کہ اس کی مثل اور کوئی نہیں۔ عبدالرزاق نے بروایت ابن ابی حاتم اس آیت کی تشریح میں قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ مثل اعلیٰ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت ہے میں کہتا ہوں اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت مثل اعلیٰ ہے۔

شانِ نزول:

طبرانی نے نقل کیا ہے کہ اہل شرک حج کی لبیک کہنے کے موقع پر لبیک کے ساتھ کہا کرتے تھے لاشریک لک الا شریکا هولک تملکه وما ملک، اے اللہ تیرا کوئی شریک نہیں سواء اس شریک کے جس کو تو نے شریک کرلیا ہے تو اس کا مالک ہے وہ تیرا مالک نہیں۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۚ هَلْ لَّكُمْ

بتلائی تم کو   ایک مثل   تمہارے اندر سے   دیکھو جو تمہارے

مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ

ہاتھ کے   مال ہیں   ان میں ہیں کوئی ساجھی

فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ

تمہارے ہماری دی ہوئی روزی میں کہ تم سب اس میں برابر رہو خطرہ رکھو ان کا

كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ

جیسے خطرہ رکھو   اپنوں کا   یوں   کھول کر بیان کرتے ہیں ہم

لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾

نشانیاں ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں

شرک کی برائی کیلئے عام فہم مثال:

یعنی شرک کا قبح وبطلان سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ خود تمہارے ہی احوال میں سے ایک مثال نکال کر بیان فرماتا ہے۔ وہ یہ کہ تمہارے ہاتھ کا مال (یعنی لونڈی غلام) جن کے تم محض ظاہری اور مجازی مالک ہو کیا اپنی روزی اور مال ومتاع میں جو حق تعالیٰ نے دے رکھی ہے، تم ان کو برابر کا شریک تسلیم کرسکتے ہو جس طرح مشترک اموال وجائداد میں اپنے بھائی بند حصہ دار ہوتے ہیں اور ہر وقت کھٹکا رہتا ہے کہ مشترک چیز میں تصرف کرنے پر برہم ہو جائیں یا تقسیم کرانے لگیں یا کم از کم سوال کر بیٹھیں کہ ہماری اجازت اور مرضی کے بدون فلاں کام کیوں کیا۔ کیا ایسا ہی کھٹکا ایک آقا کو اپنے غلام یا نوکر کی طرف سے ہوتا ہے۔ اگر نہیں تو سمجھنا چاہئے کہ جب ایک جھوٹے مالک کا یہ حال ہے اس سچے مالک کو اپنے غلام کی کیا پرواہ ہوسکتی ہے جس کو تم حماقت سے اُس کا ساجھی گنتے ہو۔ ایک غلام تو آقا کی ملک میں شریک نہ ہوسکے۔ حالانکہ دونوں خدا کی مخلوق ہیں اور اُسی کی دی ہوئی روزی کھاتے ہیں۔ مگر ایک مخلوق در مخلوق، خالق کی خدائی میں شریک ہوجائے؟ ایسی مہمل بات کوئی عقلمند قبول نہیں کرسکتا۔ (تفسیر عثمانی)

كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ جیسے تم کو اپنے لوگوں کا اندیشہ رہتا ہے جو تمہاری طرح آزاد ہیں۔ استفہام انکاری ہے یعنی ایسا نہیں ہوتا اس کو تم اپنے لئے عار سمجھتے ہو، باوجودیکہ تم سب آدمی ہو پھر بھی غلاموں کے ساتھ مالی شرکت اور مساویانہ تصرف گوارا نہیں پھر تعجب ہے کہ ان پتھروں کو جو عاجز ترین مخلوق ہیں اس اللہ کا شریک قرار دیتے ہو جو زمین آسمان کا خالق ہے۔ (تفسیر مظہری)

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ

بلکہ چلتے ہیں یہ   بے انصاف اپنی خواہشوں پر بن سمجھے

خواہش پرستی کا نقصان:

یعنی یہ بے انصاف لوگ ایسی صاف و واضح باتوں کو کیونکر سمجھیں۔ وہ سمجھنا چاہتے ہی نہیں بلکہ جہالت اور ہوا پرستی سے محض اوہام و خواہشات کی پیروی پر تلے ہوئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَا لَهُمْ

سو کون سمجھائے — جس کو اللہ نے بھٹکایا — اور کوئی نہیں

مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝۲۹

اُن کا مددگار

یعنی جس کو اللہ تعالیٰ نے اُس کی بے انصافی جہل اور ہوا پرستی کی بدولت راہ حق پر چلنے اور سمجھنے کی توفیق نہ دی۔ اب کون طاقت ہے جو اُسے سمجھا کر راہِ حق پر لے آئے یا مدد کر کے گمراہی اور تباہی سے بچالے لہٰذا ایسوں کی طرف سے زیادہ متحسر اور غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ ان سے قطع نظر کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ تن اپنے پروردگار کی طرف توجہ کیجئے۔ اور دین فطرت پر جمے رہیے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ

سو تو سیدھا رکھ اپنا منہ دین پر ایک طرف کا ہو کر

آپ اللہ ہی کی طرف متوجہ رہیں:

یعنی جو گمراہی سے کسی طرح نکلنا نہیں چاہتا اُسے شرک کی دلدل میں پڑا رہنے دو اور تم ہر طرف سے منہ موڑ کر ایک خدا کے ہو رہو اور اس کے سچے دین کو پوری توجہ اور یک جہتی سے تھامے رکھو۔ (تفسیر عثمانی)

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ

وہی تراش اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو

فطرتِ انسانی:

اللہ تعالیٰ نے آدمی کی ساخت اور تراش شروع سے ایسی رکھی ہے کہ اگر وہ حق کو سمجھنا اور قبول کرنا چاہے تو کر سکے اور بذا فطرت سے اپنی اجمالی معرفت کی ایک چمک اُس کے دل میں بطور تخم ہدایت کے ڈال دی ہے کہ اگر گردوپیش کے احوال اور ماحول کے خراب اثرات سے متأثر نہ ہو اور اصلی طبیعت پر چھوڑ دیا جائے تو یقیناً دین حق کو اختیار کرے کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہو۔ ''عہد الست'' کے قصہ میں اسی کی طرف اشارہ ہے اور احادیث صحیحہ میں تصریح ہے کہ ہر بچہ فطرۃ (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے بعدہٗ ماں باپ اُسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو ''حنفاء'' پیدا کیا۔ پھر شیاطین نے اغوا کر کے انہیں سیدھے راستہ سے بھٹکا دیا۔ بہرحال دین حق دین حنیف اور دین قیم وہ ہے کہ اگر انسان کو اُس کی فطرت پر مخلی بالطبع چھوڑ دیا جائے تو اپنی طبیعت سے اُسی کی طرف جھکے تمام انسانوں کی فطرۃ اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی بنائی ہے جس میں کوئی تفاوت اور تبدیلی نہیں۔ فرض کرو اگر فرعون یا ابوجہل کی اصلی فطرت میں یہ استعداد اور صلاحیت نہ ہوتی تو اُن کو قبول حق کا مکلف بنانا صحیح نہ ہوتا۔ جیسے اینٹ پتھر، یا جانوروں کو شرائع کا مکلف نہیں بنایا۔ فطرت انسانی کی اسی یکسانیت کا یہ اثر ہے کہ دین کے بہت سے اصول مہمہ کو کسی نہ کسی رنگ میں تقریباً سب انسان تسلیم کرتے ہیں گو اُن پر ٹھیک ٹھیک قائم نہیں رہتے حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''یعنی اللہ سب کا مالک حاکم، سب سے نرالا، کوئی اُس کے برابر نہیں، کسی کا زور اس پر نہیں، یہ باتیں سب جانتے ہیں۔ اُس پر چلنا چاہیے۔ ایسے ہی کسی کے جان و مال کو ستانا، ناموس میں عیب لگانا، ہر کوئی بُرا جانتا ہے۔ ایسے ہی اللہ کو یاد کرنا، غریب پر ترس کھانا، حق پورا دینا، دغا نہ کرنا ہر کوئی اچھا جانتا ہے۔ اس (راستہ) پر چلنا وہ ہی دین سچا ہے (یہ امور فطری تھے مگر) ان کا بندوبست پیغمبروں کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے سکھلا دیا۔'' (تفسیر عثمانی)

فطرت (بہ معنی پیدائش) سے مراد حضرت ابن عباس اور جماعت مفسرین کے نزدیک اسلام ہے۔ آیت میں براہِ راست خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے ذیل میں ساری امت کو ہے۔ فطرت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ساری مخلوق کے لئے اطاعت الٰہی لازم ہے۔

الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا یعنی تمام لوگوں کے اندر صلاحیت اور استعداد پیدا کردی ہے کہ فطرت کو جان سکتے ہیں اور اس پر چل سکتے ہیں (گویا فطرت سے مراد ہے فطری استعداد جو ہر شخص میں پیدائشی ہے) بعض علماء کے نزدیک فطرت سے وہ وعدہ مراد ہے جو اللہ نے حضرت آدم اور آپ کی ساری نسل سے کیا تھا اور فرمایا تھا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، قَالُوْا بَلٰى تو سب نے جواب دیا کیوں نہیں (تو ہی ہمارا رب ہے) ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے اسی ازلی اقرار پر پیدا ہوتا ہے یہ ہی حنیفیت ہے جس پر سارے انسانوں کی تخلیق ہوتی ہے۔ سورۃ آل عمران میں آیت مذکورہ کی تفسیر کے ذیل میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے آئی ہوئی یہ حدیث گذر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ فطرت ہی پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا لیتے ہیں جیسے چوپائے سے چوپایہ سالم پیدا ہوتا ہے کیا تم کسی کو پیدائشی نکٹا، بوچا پاتے ہو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ تلاوت فرمائی۔ متفق علیہ۔

اسلام دین فطرت ہے

ارشاد ربانی فاتم وجھک للذین حنیفا فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ (سورہ روم ع ۴) نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادگرامی کل مولود یولد علی الفطرۃ (او قال "علی الاسلام") فابواہ یھودانہ وینصرانہ (او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم) کا مفاد یہ ہے کہ ایمان وجودی چیز ہے جو فطرت انسان میں ودیعت ہوتی ہے' کفر اس کی نفی کا نام ہے۔ ایمان اور کفر میں تقابل عدم اور ملکہ کا ہے' کفر عارض ہے اور ایمان اصل' جیسے چراغ کی لو پر دھواں یا آگ کے گردا گرد راکھ پس (آیت ختم اللہ علی قلوبھم میں) "ختم" سے معلوم ہوا کہ اگرچہ فطری صلاحیت ودیعت ہوئی تھی مگر اس پر کفر وتمرد کا اتنا پردہ پڑ گیا کہ ایمان کی روشنی اندر نہیں پہنچ سکتی۔ (از افادات مدنی رحمہ اللہ)

ہر بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے:

بخاری شریف میں بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں جیسے بکری کا صحیح سالم بچہ ہوتا ہے کس کے کان لوگ کتر دیتے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۔

مشرکوں کے بچے:

مسند احمد میں ہے حضرت اسود بن سریع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر کفار سے جہاد کیا وہاں ہم بفضل خدا تعالیٰ غالب آ گئے اس دن لوگوں نے بہت سے کفار کو قتل کیا۔ یہاں تک کہ چھوٹے بچوں پر بھی ہاتھ صاف کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا پتہ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے یہ کیا بات ہے کہ لوگ حد سے آگے نکل جاتے ہیں، آج بچوں کو بھی قتل کر دیا ہے۔ کسی نے کہا یا رسول اللہ! آخر وہ بھی تو مشرکین کی ہی اولاد تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ یاد رکھو تم میں سے بہترین لوگ مشرکین کے بچے ہیں، خبردار بچوں کو کبھی قتل نہ کرنا، نابالغوں کے قتل سے رک جانا، ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ اپنی زبان سے کچھ کہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہود ونصرانی بنا لیتے ہیں۔

جابر بن عبداللہ کی روایت سے مسند شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ اسے زبان آ جائے، اب یا تو شاکر بنتا ہے یا کافر۔ (تفسیر ابن کثیر)

لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ
بدلنا نہیں اللہ کے بنائے ہوئے کو

فطرت کو مسخ نہ کرو:

یعنی اصل پیدائش کے اعتبار سے کوئی فرق اور تغیر وتبدل نہیں۔ ہر فرد انسان کی فطرت قبول حق کے لئے مستعد بنائی ہے یا یہ مطلب کہ اللہ نے جس فطرت پر پیدا کیا اس کو تم اپنے اختیار سے بدل کر خراب نہ کرو۔ بیج تم نے ڈال دیا ہے اسے بے توجہی یا بے تمیزی سے ضائع مت ہونے دو۔ (تفسیر عثمانی)

آخر کار فطری سعادت وبدبختی غالب آتی ہے:

ایک روایت میں آیا ہے کہ عبداللہ بن مبارک نے حدیث کل مولود یولد علی الفطرۃ کی تشریح میں کہا ہر بچہ کو اس سرشت پر پیدا کیا جاتا ہے جو اللہ کے علم میں ہے یعنی (بموجب علم الٰہی) ہر بچہ کو خوش نصیب یا بدنصیب پیدا کیا گیا ہے۔ آخر میں ہر آدمی اسی سعادت یا شقاوت کی طرف لوٹ جاتا ہے جو اللہ نے اس کی سرشت میں پیدا کر دی ہے اور اس کا عمل فطرت کے مطابق (آخر میں) ہو جاتا ہے اس مطلب پر آیت لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ کا معنی یہ ہوگا کہ جس سعادت یا شقاوت پر انسان کی فطری تخلیق ہوئی ہے وہ بدل نہیں سکتی سعید شقی نہیں ہو سکتا اور شقی سعید نہیں بن سکتا۔ حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صادق مصدوق تھے فرمایا کہ تم میں سے (ہر) ایک کا (مادہ) تخلیق بصورت نطفہ ماں کے پیٹ میں جمع رہتا ہے پھر اتنی ہی مدت خون بستہ کی شکل میں رہتا ہے پھر اتنی ہی مدت بوٹی (یعنی گوشت کا لوتھڑا) رہتا ہے پھر اللہ چار باتوں کا حکم دے کر ایک فرشتہ کو اس کی طرف بھیجتا ہے۔ فرشتہ اس کے عمل، میعاد زندگی مقدار رزق اور اس کا بدبخت یا سعادت مند ہونا لکھ دیتا ہے۔ پھر اس کے اندر روح پھونک دی جاتی ہے قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ آدمی (تمام عمر) جنت والوں کے کام کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ سے زیادہ فاصلہ نہیں رہتا کہ اس کا (شکم مادر کے اندر کا) لکھا غالب آتا ہے اور وہ دوزخیوں کا عمل کرنے لگتا ہے آخر دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے اور کوئی (ساری عمر) دوزخیوں کے کام کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ سے زیادہ فاصلہ نہیں رہتا آخر وہی لکھا غالب آتا ہے اور وہ جنتیوں کا عمل کرنے لگتا ہے اور جنت میں چلا جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

طبیعت نہیں بدل سکتی:

حضرت ابو درداء کا بیان ہے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں بیٹھے تذکرہ کر رہے تھے کہ کیا ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر تم سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا ہے تو سچ مان لینا اور اگر یہ سنو کہ کوئی آدمی اپنی جبلت (سرشت) سے بدل گیا ہے تو سچ نہ ماننا کیونکہ (آخر کار ہر) آدمی اسی کی طرف لوٹے گا جو اس کی سرشت ہے۔ رواہ احمد۔ اس تفسیر پر آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ نے ہر شخص کو ایک فطرت پر پیدا کیا ہے جس سے وہ بدل نہیں سکتا اور آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو خوش نصیب بنایا ہے لہٰذا اپنا رُخ دین کی طرف سیدھا کر لیجئے۔ (تفسیر مظہری)

قبول حق کی استعداد:

یہودی اور نصرانی ہو جانے کے بعد بھی قبول حق کی استعداد اور صلاحیت باقی رہتی ہے ورنہ اگر فرض کرو کہ فرعون اور ہامان اور ابوجہل اور ابولہب میں قبول حق اور قبول اسلام کی صلاحیت اور استعداد ہی نہ ہوتی تو وہ ایمان اور اسلام کے مکلف ہی نہ ہوتے اینٹ اور پتھر یا جانور کی طرح ہوتے اور اتباع شریعت کے مکلف نہ ہوتے۔ (معارف کاندھلوی)

ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ
یہی ہے دین سیدھا اور لیکن
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۰
اکثر لوگ نہیں سمجھتے

یعنی سیدھا دین یہی فطرت کی آواز ہے۔ پر بہت لوگ اس نکتہ کو سمجھتے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ
سب رجوع ہو کر اس کی طرف

یعنی اصل دین پکڑے رہو، اس کی طرف رجوع ہو کر۔ اگر محض دنیوی مصلحت کے واسطے یہ کام کئے تو دین درست نہ ہوگا۔ آگے دین فطرت کے چند اہم اصول کی طرف توجہ دلائی ہے۔ مثلاً اتقاء (خدا سے ڈرتے رہنا) نماز قائم رکھنا، شرک جلی وخفی سے بیزار اور مشرکین سے علیحدہ رہنا، اپنے دین میں پھوٹ نہ ڈالنا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۳۱
اور اس سے ڈرتے رہو اور قائم رکھو نماز اور مت ہو شرک کرنے والوں میں
مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ
جنہوں نے کہ پھوٹ ڈالی اپنے دین میں اور ہو گئے ان میں بہت فرقے

كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝۳۲
ہر فرقہ جو اس کے پاس ہے اس پر نازاں ہے

فرقہ پرستی دینِ فطرت کے خلاف ہے:

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا الخ یعنی دینِ فطرت کے اصول سے علیحدہ ہو کر ان لوگوں نے اپنے مذہب میں پھوٹ ڈالی، بہت سے فرقے بن گئے۔ ہر ایک کا عقیدہ الگ، مذہب ومشرب جدا، جس کسی نے غلط کاری یا ہوا پرستی سے کوئی عقیدہ قائم کر دیا یا کوئی طریقہ ایجاد کر لیا، ایک جماعت اُسی کے پیچھے ہو گئی، تھوڑے دن بعد وہ ایک فرقہ بن گیا۔ پھر ہر فرقہ اپنے ٹھہرائے ہوئے اصول وعقائد پر خواہ وہ کتنے ہی مہمل کیوں نہ ہوں ایسا فریفتہ اور مفتوں ہے کہ اپنی غلطی کا امکان بھی اُس کے تصور میں نہیں آتا۔ (تفسیر عثمانی)

اہلِ بدعت: بعض لوگوں کا قول ہے کہ دین کو ٹکڑے کرنے والوں سے مراد ہیں اس امت کے اہل بدعت جنہوں نے دینِ حق کو چھوڑ کر اپنی اپنی خواہشات کا اتباع اختیار کر لیا ہے۔ ان کو مشرک اس وجہ سے فرمایا کہ ان کے ہر گروہ نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔

اہلسنت والجماعت: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، سوا ایک فرقہ کے باقی سب لوگ دوزخ میں ہوں گے۔ عرض کیا گیا، وہ کونسا فرقہ ہوگا، فرمایا جس (طریقہ) پر میں اور میرے صحابہ ہیں (اس پر چلنے والا فرقہ نجات یافتہ ہوگا) رواہ الترمذی۔

شیطان کا حربہ: دارمی بحوالہ ابراہیم بن اسحاق بروایت ابن مبارک اوزاعی کا قول نقل کیا ہے کہ ابلیس نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم اولاد آدم کے پاس (بہکانے کے لئے) کس طریقے سے جاتے ہو، ساتھیوں نے کہا ہر طریقے سے۔ ابلیس نے کہا استغفار کے راستے سے بھی جاتے ہو۔ ساتھیوں نے کہا یہ بات نہیں ہو سکتی، استغفار تو توحید سے وابستہ ہے۔ (یعنی ہر مؤمن استغفار کرتا ہے) ابلیس نے کہا میں ان کے اندر ایسی چیز پھیلا دوں گا جس سے وہ بھی استغفار نہیں کریں گے (کیونکہ اس چیز کو وہ گناہ نہیں خیال کریں گے بلکہ حق سمجھیں گے) چنانچہ ابلیس نے اولاد آدم کے اندر خواہشات (کا اختلاف) پھیلا دیا۔ (تفسیر مظہری)

مشرکین کی گروہ بندی:

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا یعنی یہ مشرکین وہ لوگ ہیں جنہوں نے دینِ فطرت اور دینِ حق میں تفریق پیدا کر دی، یا یہ کہ دینِ فطرت سے مفارق اور الگ ہو گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مختلف پارٹیوں میں بٹ گئے، شِيَعًا، شیعہ کی جمع ہے، ایسی جماعت جو کسی مقتداء کی پیرو ہو، اس کو شیعہ کہتے

ہیں، مطلب یہ ہے کہ دینِ فطرت توحید تھا جس کا اثر یہ ہونا چاہئے تھا کہ سب انسان اس کو اختیار کر کے ایک ہی قوم ایک ہی جماعت بنتے مگر انہوں نے اس توحید کو چھوڑا، اور مختلف لوگوں کے خیالات کے تابع ہو گئے اور انسانی خیالات اور رایوں میں اختلاف ایک طبعی امر ہے، اس لئے ہر ایک نے اپنا اپنا ایک مذہب بنالیا، عوام ان کے سبب مختلف پارٹیوں میں بٹ گئے، اور شیطان نے ان کو اپنے اپنے خیالات و معتقدات کو حق قرار دینے میں ایسا لگا دیا کہ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ یعنی ان کی ہر پارٹی اپنے اپنے اعتقادات و خیالات پر مگن اور خوش ہے، اور دوسروں کو غلطی پر بتاتی ہے، حالانکہ یہ سب کے سب گمراہی کے غلط راستوں پر پڑے ہوئے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ
اور جب پہنچے لوگوں کو کچھ سختی تو پکاریں اپنے رب
مُنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا أَذَاقَهُمْ مِنْهُ رَحْمَةً
کو اس کی طرف رجوع ہو کر پھر جہاں چکھائی ان کو اپنی طرف سے کچھ مہربانی
إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾ لِيَكْفُرُوا
اسی وقت ایک جماعت ان میں اپنے رب کا شریک لگی بتانے کہ منکر ہو جائیں
بِمَا آتَيْنَاهُمْ ۚ فَتَمَتَّعُوا ۟ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿٣٤﴾
ہمارے دیے ہوئے سے سو مزے اڑا لو اب آگے جان لوگے

مصیبت کے وقت اللہ یاد آتا ہے:

یعنی جیسے بھلے کام ہر انسان کی فطرت پہچانتی ہے، اللہ کی طرف رجوع ہونا بھی ہر ایک کی فطرت جانتی ہے۔ چنانچہ خوف اور سختی کے وقت اُس کا اظہار ہو جاتا ہے۔ بڑے سے بڑا سرکش مصیبت میں گھر کر خدائے واحد کو پکارنے لگتا ہے۔ اُس وقت جھوٹے سہارے سب ذہن سے نکل جاتے ہیں۔ وہ ہی سچا مالک یاد رہ جاتا ہے جس کی طرف فطرت انسانی رہنمائی کرتی تھی۔ مگر افسوس کہ انسان اس حالت پر دیر تک قائم نہیں رہتا۔ جہاں خدا کی مہربانی سے مصیبت دُور ہوئی، پھر اس کو چھوڑ کر جھوٹے دیوتاؤں کے بھجن گانے لگا۔ گویا اُس کے پاس سب کچھ اُن ہی کا دیا ہوا ہے! خدا نے کچھ نہیں دیا! (العیاذ باللہ) اچھا چند روز مزے اُڑا لے، آگے چل کر معلوم ہو جائیگا کہ اس کفر اور ناشکری کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ اگر آدمیت ہوتی تو سمجھتا کہ اُس کا ضمیر جس خدا کو سختی اور مصیبت کے وقت پکار رہا تھا وہ ہی اس لائق ہے کہ ہمہ وقت یاد رکھا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

بندوں کی حالت:

حضرت زید بن خالد جہنی کی روایت ہے کہ حدیبیہ میں رات کو بارش ہوئی صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی۔ نماز ختم کرنے کے بعد لوگوں کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا، صحابہ نے جواب دیا اللہ جانے اور اللہ کا رسول۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے فرمایا ہے کہ صبح کو میرے بندوں میں سے کوئی مؤمن رہا کوئی کافر (یعنی میری نعمت کا منکر) جس نے کہا اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہم پر بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان رکھتا ہے اور ستاروں کا منکر ہے اور جس نے کہا ہم پر فلاں ستارے کے نکلنے سے بارش ہوئی وہ میرا منکر ہے اور ستاروں پر یقین رکھنے والا ہے۔ رواہ البخاری و مسلم فی الصحیحین۔ (تفسیر مظہری)

مؤمن کی حالت:

صحیح حدیث میں ہے کہ مؤمن پر تعجب ہے اس کے لئے خدا تعالیٰ کی ہر قضا بہتر ہی ہوتی ہے، راحت پر شکر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوتا ہے اور مصیبت پر صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

أَمْ أَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ
کیا ہم نے ان پر اتاری ہے کوئی سند سو وہ بول رہی ہے
بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ ﴿٣٥﴾
جو یہ شریک بتاتے ہیں

شرک کی کوئی دلیل نہیں ہے:

یعنی عقل سلیم اور فطرت انسانی کی شہادت شرک کو صاف طور پر رد کرتی ہے تو کیا اس کے خلاف وہ کوئی حجت اور سند رکھتے ہیں، جو بتلاتی ہو کہ خدا کی خدائی میں دوسرے بھی اسکے شریک ہیں (معاذ اللہ) اگر نہیں تو انہیں معبود بننے کا استحقاق کہاں سے ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا ۖ
اور جب چکھائیں ہم لوگوں کو کچھ مہربانی اُس پر پھولے نہیں سماتے
وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ
اور اگر آپڑے اُن پر کچھ بُرائی اپنے ہاتھوں کے بھیجے ہوئے پر
إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ﴿٣٦﴾
تو آس توڑ بیٹھیں

مشرک اور مؤمن کا فرق:

یعنی اُن لوگوں کی حالت عجیب ہے۔ جب اللہ کی مہربانی اور احسان سے عیش میں ہوں تو پھولے نہ سمائیں ایسے اترانے لگیں اور آپے سے باہر ہو جائیں کہ محسن حقیقی کو بھی یاد نہ رکھیں۔ اور کسی وقت شامت اعمال کی بدولت مصیبت کا کوڑا پڑا تو بالکل آس توڑ کر اور نا امید ہو کر بیٹھ رہیں۔ گویا اب کوئی نہیں جو مصیبت کے دُور کرنے پر قادر ہو۔ مؤمن کا حال اُس کے برعکس ہوتا ہے۔ وہ عیش و راحت میں منعم حقیقی کو یاد رکھتا ہے اُس کے فضل و رحمت پر خوش ہو کر زبان و دل سے شکر ادا کرتا ہے اور مصیبت میں پھنس جائے تو صبر و تحمل کے ساتھ اللہ سے مدد مانگتا ہے اور اُمید رکھتا ہے کہ کتنی ہی سخت مصیبت ہو اور ظاہری اسباب کتنے ہی مخالف ہوں اُس کے فضل سے سب فضا بدل جائے گی۔ (تنبیہ) ایک آیت پہلے فرمایا تھا کہ ''لوگ سختی کے وقت خالص خدا کو پکارنے لگتے ہیں''۔ یہاں فرمایا کہ ''بُرائی پہنچتی ہے تو آس توڑ کر بیٹھ رہتے ہیں''۔ دونوں میں کچھ اختلاف نہیں۔ پہلی حالت یعنی خدا کو پکارنا، ابتدائی منزل ہے۔ پھر جب مصیبت اور سختی میں امتداد ہوتا ہے تو آخر گھبرا کر نا امید ہو جاتا ہے۔ یا بعض لوگوں کا وہ حال ہو بعض کا یہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ

کیا نہیں دیکھ چکے کہ — اللہ پھیلا دیتا ہے — روزی کو جس پر چاہے

وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور ماپ کر دیتا ہے جس کو چاہے اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں

ہر حال میں راضی رہنا چاہئے:

یعنی ایمان و یقین والے سمجھتے ہیں کہ دنیا کی سختی نرمی اور روزی کا بڑھانا گھٹانا سب اُسی رب قدیر کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا جو حال آئے بندہ کو صبر و شکر سے رضا بقضاء رہنا چاہئے۔ نعمت کے وقت شکر گذار رہے، اور ڈرتا رہے کہیں چھن نہ جائے اور سختی کے وقت صبر کرے اور اُمید رکھے کہ حق تعالیٰ اپنے فضل عنایت سے سختیوں کو دُور فرما دیگا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی کوئی وجہ نہیں کہ فراخی حال میں تو اترانے لگیں اور ناشکری کریں اور تنگ حالی میں نا امید ہو جائیں اللہ کی طرف نہ لوٹیں اور گناہوں پر پشیمان ہو کر توبہ نہ کریں اور گناہوں کو نہ چھوڑیں اور مؤمنوں کی طرح صبر نہ کریں اور مصیبت پڑنے پر ثواب کی امید نہ رکھیں۔ (تفسیر مظہری)

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۭ

سو تو دے قرابت والے کو اُس کا حق — اور محتاج کو — اور — مسافر کو

ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ

یہ بہتر ہے ان کے لئے جو چاہتے ہیں — اللہ کا منہ — اور وہی ہیں

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾

جن کا بھلا ہے

ضرورت مندوں کی خبر گیری:

یعنی جب فطرت کی شہادت سے ثابت ہو گیا کہ حقیقی مالک و رب وہ ہی اللہ ہے۔ دنیا کی نعمتیں سب اُسی کی عطا کی ہوئی ہیں۔ تو جو لوگ اُس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اُس کی لقاء و دیدار کے آرزومند ہیں چاہیے کہ اُسکے دیے ہوئے میں سے خرچ کریں۔ مسافر محتاج اور غریب رشتہ داروں کی خبر لیں، اہل قرابت کے حقوق درجہ بدرجہ ادا کرتے رہیں ایسے ہی بندوں کو دنیا و آخرت کی بھلائی نصیب ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جس مسافر کے پاس پردیس میں کچھ نہ ہو اور وطن میں مال ہو اس کو اور دوسرے مسکینوں کو زکوۃ کے مال میں سے دو۔ (تفسیر مظہری)

مال کے مستحقین: آیت مذکورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور بقول حسن بصری ہر مخاطب انسان کو جس کو اللہ نے مال میں وسعت دی ہو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جو مال اللہ نے آپ کو دیا ہے اس میں بخل نہ کرو بلکہ اس کو ان کے مصارف میں خوش دلی کے ساتھ خرچ کرو اس سے تمہارے مال اور رزق میں کمی نہیں آئے گی، اور اس حکم کے ساتھ اس آیت میں مال کے چند مصارف بھی بیان کر دیئے، اوّل ذوی القربیٰ دوسرے مساکین تیسرے مسافر، کہ خدا تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے مال میں سے ان لوگوں کو دو اور ان پر خرچ کرو، اور ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ یہ ان لوگوں کا حق ہے جو اللہ نے تمہارے مال میں شامل کر دیا ہے اس لئے ان کو دینے کے وقت ان پر کوئی احسان نہ جتلاؤ، کیونکہ حق والے کا حق ادا کرنا مقتضائے عدل و انصاف ہے کوئی احسان و انعام نہیں ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ

اور جو دیتے ہو — بیاج پر — کہ بڑھتا رہے — لوگوں کے مال میں

فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ

سو وہ نہیں بڑھتا اللہ کے یہاں — اور جو دیتے ہو — پاک دل سے

تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾

چاہ کر — رضامندی اللہ کی — سو یہ وہی ہیں — جن کے دونے ہوئے

زکوٰۃ اور سود کا فرق:

یعنی سُود بیاج سے گو بظاہر مال بڑھتا دکھائی دیتا ہے، لیکن حقیقت میں گھٹ رہا ہے جیسے کسی آدمی کا بدن ورم سے پھول جائے وہ بیماری یا پیامِ موت ہے اور زکوٰۃ نکالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مال کم ہو گا فی الحقیقت وہ بڑھتا ہے جیسے کسی مریض کا بدن مُسہل و تنقیہ سے گھٹتا دکھائی دے مگر انجام اُس کا صحت ہو۔ سُود اور زکوٰۃ کا حال بھی انجام کے اعتبار سے ایسا ہی سمجھ لو۔ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ (بقرہ۔ رکوع ۳۸) حدیث میں ہے کہ ایک کھجور جو مؤمن صدقہ کرے قیامت کے دن بڑھ کر پہاڑ کے برابر نظر آئیگی۔ (تنبیہ) بعض مفسرین نے "ربا" سے یہاں سُود بیاج مراد نہیں لیا۔ بلکہ آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جو آدمی کسی کو کچھ دے اس غرض سے کہ دوسرا اس سے بڑھ کر احسان کا بدلہ کریگا تو یہ دینا اللہ کے ہاں موجب برکت و ثواب نہیں۔ گو مُباح ہو۔ اور پیغمبر علیہ السلام کے حق میں تو مُباح بھی نہیں۔ لقولہ تعالیٰ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (مدثر۔ رکوع) واللہ اعلم۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ سُود یعنی نفع کی دو صورتیں ہیں ایک تو بیوپار تجارت میں بیاج یہ تو حرام محض ہے۔ دوسرا سُود یعنی زیادتی جس میں کوئی حرج نہیں وہ کسی کو اس ارادہ سے ہدیہ تحفہ دینا ہے کہ یہ مجھے اس سے زیادہ دے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے پاس تو ثواب زکوٰۃ کے ادا کرنے کا ہے۔ زکوٰۃ دینے والوں کو بہت برکتیں ہوتی ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جو شخص ایک کھجور بھی صدقہ میں دے لیکن ہو حلال طور سے حاصل کی ہوئی تو اسے اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم اپنے داہنے ہاتھ میں لیتا ہے اور اس طرح پالتا اور بڑھاتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے یا اُونٹ کے بچے کی پرورش کرتا ہے، یہاں تک کہ وہی ایک کھجور اُحد پہاڑ سے بھی بڑی ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی خالق و رازق ہے۔ انسان اپنی ماں کے پیٹ سے ننگا، بے علم، بے کان، بے آنکھ، بے طاقت نکلتا ہے پھر خدا تعالیٰ اسے سب چیزیں عطا فرماتا ہے۔ مال بھی، ملکیت بھی، کمائی بھی، تجارت بھی، غرض بے شمار نعمتیں عطا فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بندہ نوازی:

دو صحابیوں کا بیان ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام میں مشغول تھے ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ بٹایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو سر ہلنے لگے تب تک بھی روزی سے کوئی محروم نہیں رہتا۔ انسان ننگا بھوکا دنیا میں آتا ہے، ایک چھلکا بھی اس کے بدن پر نہیں ہوتا، پھر رب تعالیٰ ہی اُسے روزیاں دیتا ہے۔ وہ اس حیات کے بعد تمہیں مار ڈالے گا پھر قیامت کے دن زندہ کر دے گا۔ خدا تعالیٰ کے سوا تم جن جن کی عبادت کر رہے ہو اُن میں سے ایک بھی ان باتوں میں سے کسی ایک پر قابو نہیں رکھتا۔

عدل وانصاف کی برکت:

مسند امام احمد بن حنبلؒ میں ہے کہ زیاد کے زمانہ میں ایک تھیلی پائی گئی جس میں کھجور کی بڑی گٹھلی جیسے گیہوں کے دانے تھے اور اُس میں لکھا ہوا تھا کہ یہ اس زمانے میں اُگتے تھے جس میں عدل وانصاف کو کام میں لایا جاتا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اعمال کا مدار نیت پر ہے۔ جس شخص کی جو نیت ہوگی وہی اس کو ملے گا جس شخص نے ہجرت اللہ اور رسول کے لئے کی ہوگی اس کی ہجرت اللہ اور رسول کے لئے ہوگی (یعنی وہ ثواب کا مستحق ہوگا) اور جس شخص نے دنیا پانے یا عورت سے نکاح کرنے کے لئے کی ہوگی اس کی ہجرت (اللہ اور رسول کے لئے نہیں بلکہ) اسی چیز کے لئے قرار پائے گی جس کے لئے اس نے کی ہوگی۔ (متفق علیہ) (تفسیر مظہری)

خاندانوں کی ایک باہمی رسم کی اصلاح:

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ اس آیت میں ایک بُری رسم کی اصلاح کی گئی ہے جو عام خاندانوں اور اہلِ قرابت میں چلتی ہے، وہ یہ کہ عام طور پر کنبہ رشتہ کے لوگ جو کچھ دوسرے کو دیتے ہیں اس پر نظر رکھتے ہیں کہ وہ بھی ہمارے وقت میں کچھ دے گا بلکہ رسمی طور پر کچھ زیادہ دے گا، خصوصاً نکاح، شادی وغیرہ کی تقریبات میں جو کچھ دیا لیا جاتا ہے اس کی یہی حیثیت ہوتی ہے جس کو عرف میں نوتہ کہتے ہیں، اس آیت میں ہدایت کی گئی ہے کہ اہلِ قرابت کا جو حق ادا کرنے کا حکم پہلی آیت میں دیا گیا ہے اس کو یہ حق اس طرح دیا جائے کہ نہ اُن پر احسان جتائے اور نہ کسی بدلے پر نظر رکھے، اور جس نے بدلے کی نیت سے دیا کہ ان کا مال دوسرے عزیز رشتہ دار کے مال میں شامل ہونے کے بعد کچھ زیادتی لے کر واپس آئے گا تو اللہ کے نزدیک اس کا کوئی درجہ اور ثواب نہیں اور قرآن کریم نے اس زیادتی کو لفظ ربو سے تعبیر کر کے اس کی قباحت کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ ایک صورت سود کی سی ہوگئی۔

مسئلہ: ہدیہ اور ہبہ دینے والے کو اس پر نظر رکھنا کہ اس کا بدلہ ملے گا یہ تو ایک بہت مذموم حرکت ہے، جس کو اس آیت میں منع فرمایا گیا ہے، لیکن بطورِ خود جس شخص کو کوئی ہبہ عطیہ کسی دوست عزیز کی طرف سے ملے اس کے لئے اخلاقی تعلیم یہ ہے کہ وہ بھی جب اس کو موقع ملے اس کی مکافات کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہی تھی کہ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ہدیہ پیش کرتا تو اپنے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کو ہدیہ دیتے تھے، (کذا روی عن عائشہؓ قرطبی) ہاں اس مکافات کی صورت ایسی نہ بنائے کہ دوسرا آدمی یہ محسوس کرے کہ یہ میرے ہدیہ کا بدلہ دے رہا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ

اللہ وہی ہے جس نے تم کو بنایا　پھر تم کو روزی دی　پھر تم کو مارتا ہے

ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ

پھر تم کو جلائے گا　کوئی ہے تمہارے شریکوں میں　جو کر سکے ان

ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٤٠﴾

کاموں میں سے ایک کام　وہ نرالا ہے اور بہت اوپر ہے اس سے کہ شریک بتلاتے ہیں

مارنا، جلانا اللہ ہی کا کام ہے:

یعنی مارنا جلانا، روزی دینا، سب کام تو تنہا اس کے قبضہ میں ہوئے۔ پھر دوسرے شریک کدھر سے آ کر الوہیت کے مستحق بن گئے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ

پھیل پڑی ہے خرابی　جنگل میں　اور دریا میں　لوگوں کے ہاتھ　کی

اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ

کمائی سے　چکھانا چاہیے ان کو　کچھ مزہ　ان کے

عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٤١﴾

کام کا　تاکہ وہ　پھر آئیں

بحر و برّ کا فساد:

یعنی لوگ دین فطرت پر قائم نہ رہے کفر و ظلم دنیا میں پھیل پڑا اور اُس کی شامت سے ملکوں اور جزیروں میں خرابی پھیل گئی نہ خشکی میں امن و سکون رہا نہ تری میں، رُوئے زمین کو فتنہ و فساد نے گھیر لیا۔ بحری لڑائیوں اور جہازوں کی لُوٹ مار سے سمندروں میں بھی طوفان بپا ہو گیا۔ یہ سب اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ بندوں کی بداعمالیوں کا تھوڑا سا مزہ دنیا میں بھی چکھا دیا جائے پوری سزا تو آخرت میں ملے گی۔ مگر کچھ نمونہ یہاں بھی دکھلا دیں، ممکن ہے بعض لوگ ڈر کر راہِ راست پر آ جائیں۔ (تنبیہ) بندوں کی بدکاریوں کی وجہ سے خشکی اور تری میں خرابی پھیلنا گو ہمیشہ ہوتا رہا اور ہوتا رہیگا۔ لیکن جس خوفناک عموم و شمول کے ساتھ بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یہ تاریک گھٹا مشرق و مغرب اور برّ و بحر پر چھا گئی تھی، دنیا کی تاریخ میں اُس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ یورپ کے محققین نے اُس زمانہ کی تاریک حالت کا جو نقشہ کھینچا ہے اُس کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ غیر مسلم مؤرخ بھی اِس مشہور و معروف صداقت پر کوئی حرف گیری نہیں کر سکے (دیکھو دائرۃ المعارف فرید وجدی مادہ حمد) شاید اسی عموم فتنہ و فساد کو پیش نظر رکھ کر قتادہ رحمہ اللہ نے آیت کا محمل زمانۂ جاہلیت کو قرار دیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

برو بحر کا مطلب:

بغوی نے لکھا ہے برّ سے مراد ہے صحراء بیابان اور بحر سے مراد ہیں وہ شہر اور بستیاں جو نہروں اور دریاؤں کے کنارے پر آباد ہیں۔ عطیہ نے کہا، روئے زمین پر جو شہر وغیرہ ہیں وہ برہیں اور بحر تو معروف ہی ہے (یعنی سمندر) بارش کی کمی کا اثر جس طرح خشکی پر پڑتا ہے اسی طرح سمندر پر بھی پڑتا ہے۔

ہابیل کے قتل کا اثر:

ضحاک نے کہا زمین پہلے سرسبز اور شاداب تھی، جس درخت کے پاس آدمی جاتا تھا اس کو بارآور پاتا تھا۔ اور سمندر کا پانی پہلے میٹھا تھا اور شیر گائے بکری کو قتل کرنے کا ارادہ بھی نہیں کرتا تھا، لیکن جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو زمین خشک ہو گئی درخت پرخار ہو گئے اور سمندر کا پانی شور ہو گیا اور جانور ایک دوسرے کو پھاڑنے لگے۔ یعنی ان کے گناہوں کی نحوست کی وجہ سے یا ان کے برے عمل کرنے کی وجہ سے۔ مطلب یہ ہے کہ اہلِ مکہ جو قحط میں مبتلا ہوئے ہڈیاں اور مردار تک کھا گئے، یہ انہی کے گناہوں کی نحوست کی وجہ سے ہوا۔ (تفسیر مظہری)

فساد سے مراد قحط اور وبائی امراض ہیں:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ "یعنی خشکی اور دریا میں سارے جہان میں فساد پھیل گیا لوگوں کے اعمالِ بد کی وجہ سے" تفسیر روح المعانی میں ہے کہ فساد سے مراد قحط اور وبائی امراض اور آگ لگنے اور پانی میں ڈوبنے کے واقعات کی کثرت اور ہر چیز کی برکت کا مٹ جانا، نفع بخش چیزوں کا نفع کم نقصان زیادہ ہو جانا وغیرہ آفات ہیں، اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ ان دنیوی آفات کا سبب انسانوں کے گناہ اور اعمالِ بد ہوتے ہیں جن میں شرک و کفر سب سے زیادہ اشد ہیں، اس کے بعد دوسرے گناہ ہیں۔

گناہوں پر تنبیہ:

لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا یعنی تاکہ چکھا دے اللہ تعالیٰ کچھ حصہ ان کے بُرے اعمال کا، اور اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اعمالِ بد اور گناہوں کی وجہ سے جو مصیبت و آفت دنیا میں بھیجدی جاتی ہے وہ بھی غور کرو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت ہی ہے، کیونکہ مقصود اس دنیا کی مصیبت سے یہ ہوتا ہے کہ غافل انسان کو تنبیہ ہو جائے اور وہ اپنے گناہوں اور نافرمانیوں سے باز آ جائے جو انجام کار اس کے لئے مفید اور بڑی نعمت ہے، جیسا کہ آخر آیت میں فرمایا: لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴿٤١﴾

آفتیں اور مصائب گناہوں کے سبب سے آتے ہیں:

اسی لئے بعض علماء نے فرمایا کہ جو انسان کوئی گناہ کرتا ہے وہ ساری دنیا کے انسانوں چوپایوں اور چرندے و پرندے جانوروں پر ظلم کرتا ہے، کیونکہ اس کے گناہوں کے وبال سے جو بارش کا قحط اور دوسرے مصائب دنیا میں آتے ہیں اس سے سب ہی جان دار متاثر ہوتے ہیں، اس لئے قیامت کے روز یہ سب بھی گناہ گار انسان کے خلاف دعویٰ کریں گے۔

مصائب کے وقت ابتلاء وامتحان یا سزاء وعذاب میں فرق:

اس کی پہچان حضرت شاہ ولی اللہ نے یہ لکھی ہے کہ جو نیک لوگ بطور ابتلاء وامتحان کے گرفتار مصائب ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے قلوب کو مطمئن کر دیتے ہیں، اور وہ ان مصائب وآفات پر ایسے ہی راضی رہتے ہیں جیسے بیمار کڑوی دواء، یا آپریشن پر باوجود تکلیف محسوس کرنے کے راضی ہوتا ہے، بلکہ اس کے لئے مال بھی خرچ کرتا ہے، سفارشیں مہیا کرتا ہے، بخلاف اُن گنہگاروں کے جو بطور سزا ابتلا کئے جاتے ہیں ان کی پریشانی اور جزع وفزع کی حد نہیں رہتی، بعض اوقات ناشکری بلکہ کلمات کفر تک پہنچ جاتے ہیں۔

سیدی حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے ایک پہچان یہ بتلائی کہ جس مصیبت کے ساتھ انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اپنے گناہوں پر تنبہ اور توبہ واستغفار رغبت زیادہ ہو جائے وہ علامت اس کی ہے کہ یہ قہر نہیں بلکہ مہر اور عنایت ہے، اور جس کو یہ صورت نہ بنے بلکہ جزع وفزع اور معاصی میں اور زیادہ انہماک بڑھ جائے وہ علامت قہر الٰہی اور عذاب کی ہے، واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
تو کہہ پھرو ملک میں تو دیکھو کیسا ہوا انجام

الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ ۚ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴿٤٢﴾
پہلوں کا بہت اُن میں تھے شرک کرنے والے

شرک کی شامت:

یعنی اکثروں کی شامت شرک کی وجہ سے آئی۔ بعضوں پر دوسرے گناہوں کی وجہ سے آئی ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ
سو تو سیدھا رکھ اپنا منہ سیدھی راہ پر

فساد کا علاج: یعنی دنیا میں فساد پھیل گیا تو تم دین قیم پر جو دین فطرت ہے ٹھیک قائم رہو۔ سب خرابیوں کا ایک یہی علاج ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ
اس سے پہلے کہ آ پہنچے وہ دن جس کو پھرنا نہیں اللہ کی طرف سے

قیامت کا دن: یعنی اللہ کی طرف سے اس دن کا آنا اٹل ہے نہ کوئی طاقت اُسے پھیر سکتی ہے نہ خود خدا ملتوی کریگا۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ ﴿٤٣﴾
اس دن لوگ جدا جدا ہوں گے

نیک وبد کا امتیاز: یعنی نیک جنت میں اور بد دوزخ میں بھیج دیے جائیں گے فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ (شوریٰ۔رکوع ۱) حضرت شاہ صاحب اس کو دنیا کے احوال پر حمل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''یعنی دین کا غلبہ ہو سزا پانیوالے الگ ہوں اور اللہ کے مقبول بندے الگ۔'' (تفسیر عثمانی)

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ
جو منکر ہوا سو اس پر پڑے اس کا منکر ہونا

یعنی انکار کا وبال اسی پر پڑے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِأَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُونَ ﴿٤٤﴾
اور جو کوئی کرے بھلے کام سو وہ اپنی راہ سنوارتے ہیں

یعنی جنت میں آرام کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهِ ۚ
تاکہ وہ بدلہ دے ان کو جو یقین لائے اور کام کئے بھلے اپنے فضل سے

یعنی کتنا ہی بڑا نیک ہو اسے بھی اللہ کے فضل سے جنت ملے گی۔ (تفسیر عثمانی)

نیک عمل کا ثواب

حضرت ابن عباس نے فرمایا تاکہ اعمال صالحہ سے زیادہ ان کو ثواب عنایت کرے (یعنی جتنے ثواب کے وہ اللہ کے مقرر کردہ قانون سے وہ مستحق قرار پاتے ہیں اس سے زیادہ اپنے فضل سے ان کو عطا کرے) صرف ثواب اعمال کا آیت میں ذکر کیا (سزائے کفر نہیں بیان کی)۔

اس میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ اللہ ثواب دینا ہی چاہتا ہے ہاں جو شخص خود انکار وکفر کر کے عذاب آخرت کو پسند کرے تو اللہ بھی ان کو عذاب دے گا۔

اعمال پر مغرور نہ ہو جاؤ:

اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو ابوالحارث کی روایت سے امام احمد نے الزہد میں بیان کی ہے کہ اللہ نے حضرت داؤدؑ کے پاس وحی بھیجی۔

میرے نیک بندوں کو ڈراؤ وہ مغرور نہ ہو جائیں اور اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کر لیں۔ کیونکہ میرے بندوں میں کوئی ایسا بندہ نہ ہوگا کہ میں اس کو حساب فہمی کے لئے کھڑا کروں اور اس کے معاملہ میں عدل سے کام لوں (اور وہ میرے عذاب سے بچ جائے بلکہ جس نیک بندے کو حساب فہمی کے لئے کھڑا کروں گا اور عدل سے کام لوں گا) تو ضرور اس کو عذاب دونگا۔

ابونعیم نے حضرت علی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے بنی اسرائیل کے ایک نبی کے پاس وحی بھیجی کہ اپنی امت کے ان بندوں سے جو اطاعت گذار ہیں کہہ دو کہ اپنے (نیک) اعمال پر بھروسہ نہ کر لیں۔ کیونکہ قیامت کے دن میں جس بندے کو حساب فہمی کے لئے کھڑا کروں گا اور اس کو عذاب دینا چاہوں گا تو عذاب دوں گا (اور یہ ظلم نہ ہوگا عدل ہوگا) اور اپنی امت کے گناہگاروں سے کہہ دو کہ وہ مایوس نہ ہو جائیں میں بڑے بڑے گناہوں کو بخشتا ہوں اور مجھے (کسی کے گناہ کی) پرواہ نہیں ہوتی۔

نعمتوں کے مقابلہ میں اعمال کچھ نہیں:

طبرانی نے حضرت واثلہ بن اسقع کا بیان نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ ایک ایسے بندے کو اٹھائے گا جس کا کوئی گناہ ہی نہیں ہوگا اور اس سے فرمائے گا (بتا) تجھے دو باتوں میں سے کونسی بات پسند ہے کیا تو اپنے عمل کا بدلہ چاہتا ہے یا میرے فضل کا خواستگار ہے، بندہ عرض کرے گا تو خوب واقف ہے کہ میں نے تیری نافرمانی نہیں کی اللہ فرمائے گا میرے بندے (کے اعمال) کا میری ایک نعمت سے مقابلہ کرو۔ چنانچہ (جب نعمت کا مقابلہ عمل سے کیا جائے گا تو) تمام نیکیوں کو اللہ کی ایک نعمت (مقابلہ کے وقت) اپنے اندر سما لے گی اور کوئی نیکی باقی نہیں رہے گی آخر بندہ عرض کرے گا تیرے فضل و رحمت سے (میں مغفرت کا طلبگار رہوں)

بزار نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن آدمی کے تین رجسٹر سامنے لائے جائیں گے۔ ایک رجسٹر میں ساری نیکیوں کا اندراج ہوگا دوسرے رجسٹر میں سارے گناہ لکھے ہوں گے اور تیسرے رجسٹر میں اللہ کی نعمتیں درج ہونگی اللہ نعمتوں کے رجسٹر سے سب سے چھوٹی نعمت کو لے کر فرمائے گا اس بندہ کے تمام نیک اعمال کا مقابلہ کر چنانچہ ایک چھوٹی نعمت تمام اعمال کو گھیر لے گی۔ نعمتوں کا رجسٹر کہے گا تیری عزت کی قسم میں نے ابھی پورا پورا احاطہ کیا بھی نہیں ہے کہ سارے نیک اعمال ختم ہو گئے اور گناہ باقی ہیں۔ لیکن جب اللہ کسی بندے پر رحم کرنا چاہے گا تو فرمائے گا، میرے بندے میں نے تیری نیکیاں چند در چند کر دی ہیں (یعنی ہزاروں گنا کر دیں) اور تیرے گناہوں سے درگذر کر لی اور اپنی نعمتیں تجھے بخش دیں۔

طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ لیا (یعنی یقین کے ساتھ اقرار کر لیا) اللہ کے نزدیک اس کے لئے (جنت میں) داخل (کرنے کا) ایک پختہ وعدہ ہو گیا۔ اور جس نے سبحان اللہ کہا (یعنی اللہ کو ہر عیب اور برائی سے پاک سمجھا اور اس کا اقرار کیا) اس کے لئے اس کلمہ کی وجہ سے ایک لاکھ نیکیاں لکھدی جائیں گی، ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر ہم ہلاک کیسے ہو سکتے ہیں (یعنی پھر ہم کو عذاب نہیں ہو سکتا) فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قیامت کے دن آدمی ایسے وزنی) اعمال لے کر آئے گا جو پہاڑ پر بھی بھاری ہوں گے لیکن اللہ کی نعمتوں میں سے ایک ہی نعمت کے مقابلہ میں سب ختم ہو جائیں گے، یہ سارا کچھ تو اس روز اللہ کی مہربانی سے ہوگا اللہ اس روز اپنی رحمت سے (جس پر چاہے گا) مہربانی فرمائے گا۔

اللہ کی رحمت جنت میں لے جائے گی:

بخاری اور مسلم نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سیدھی چال رکھو اور لگے لگے چلو اور خوش ہو جاؤ کیونکہ جنت کے اندر کسی کو اس کے اعمال نہیں لے جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا کیا آپ بھی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! (اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں نہیں جائیں گے) فرمایا اور نہ میں مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنی مغفرت اور رحمت سے ڈھانک لے۔ مسلم نے یہ حدیث حضرت جابر کی روایت سے بھی بیان کی ہے، اور بزار نے حضرت ابوموسیٰ کے بیٹے اور شریک بن طارق کی روایت سے اور امام احمد نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے اور طبرانی نے شریک بن طریف اور اسامہ بن شریک اور اسد بن کرز کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے۔

حضرت ابن مسعود نے فرمایا، تم پل صراط سے اللہ کے عفو کی وجہ سے پار ہو جاؤ گے اور جنت کے اندر اللہ کی رحمت سے داخل ہو گے اور درجات جنت کی تقسیم تمہارے اعمال کے مطابق ہوگی۔ ابونعیم نے عون بن عبداللہ کی روایت سے بھی یہ قول نقل کیا ہے۔

مسلمان کی آبرو کی حفاظت:

حضرت ابودرداء کا بیان ہے، میں نے خود سنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جو مسلم اپنے بھائی کی آبرو کی طرف سے دفاع کرتا ہے اللہ پر اس کا حق ہو جاتا ہے کہ وہ قیامت کے دن دوزخ کی آگ کو اس کی طرف سے لوٹا دے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ طبرانی اور اسحاق بن راہویہ نے یہ حدیث حضرت اسماء بنت یزید کی روایت سے بیان کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾

بیشک اس کو نہیں بھاتے انکار والے

جواس سچے مالک کو نہ بھائے اس کا کہاں ٹھکانا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ

اوراس کی نشانیوں میں ایک یہ ہے کہ چلاتا ہے ہوائیں خوشخبری لانے والیاں

وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ

اورتا کہ چکھائے تم کو کچھ مزہ اپنی مہربانی کا

یعنی بارانِ رحمت کی خوشخبری لاتی ہیں۔ پھر خدا کی مہربانی سے مینہ برستا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء سے بارش:

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ جمعہ پڑھ رہے تھے کہ ایک اعرابی کھڑا ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ قحط کی وجہ سے اہل وعیال بھوکے ہیں آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم پر باران رحمت نازل فرمائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ حضرت انس کہتے ہیں واللہ اس وقت سوائے آفتاب کی تمازت کے آسمان میں ابر کا نام ونشان نہ تھا۔ ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر بارش کی دعا فرمائی کہ یکا یک کوہ صلع کی طرف سے ابر کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا اور پھیل کر آسمان کو محیط ہوگیا اور بارش شروع ہوگئی اور نماز سے فارغ ہوکر اسی بارش میں ہم اپنے گھروں کو واپس ہوئے اسی طرح وہ پانی آٹھ روز تک مسلسل برستا رہا۔ یہانتک کہ دوسرے جمعہ میں وہی شخص یا کوئی دوسرا شخص اثناء خطبہ کھڑا ہوا جس نے پہلے جمعہ کو بارش کی التجا کی تھی اس نے یا کسی اور شخص نے عرض کیا یارسول اللہ کثرت بارش سے راستے بند ہو گئے اور مکانات منہدم ہو گئے۔ آپ نے پھر ہاتھ اٹھا کر دعا کی اللّٰھم حوالینا ولا علینا اے اللہ ہمارے اردگرد پہاڑوں اور ٹیلوں پر بارش ہو اور ہم پر نہ ہو۔ اسی وقت بادل کھل گیا اور بارش بند ہوگئی۔

معلوم ہوا کہ یہ اسباب ظاہری جن کے فلاسفہ مدعی ہیں اگر ثابت ہو جائیں تو کوئی مستقل اور قطعی چیز نہیں، اصل سبب اللہ کی قدرت اور اس کا ارادہ اور مشیت ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ

اورتا کہ چلیں جہاز اس کے حکم سے

بحری راستے: یعنی بادبانی جہاز اور کشتیاں ہوا سے چلتی ہیں اور دُخانی اسٹیمروں کی رفتار میں بھی بادموافق مدد دیتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور تا کہ تلاش کرو اس کے فضل سے اور تا کہ تم حق مانو

یعنی جہازوں کے ذریعہ سے تجارتی مال سمندر پار منتقل کرسکو۔ اور اللہ کے فضل سے خوب نفع کماؤ۔ پھر ان نعمتوں پر خدا کا شکر ادا کرتے رہو۔ (تنبیہ) پہلے خشکی تری میں فساد پھیلنے کا ذکر تھا اس کے مقابل یہاں بشارت ونعمت الٰہی کا تذکرہ ہوا۔ شاید یہ بھی اشارہ ہو کہ آندھی اور غبار پھیل جانے کے بعد اُمید رکھو کہ باران رحمت آیا چاہتی ہے۔ ٹھنڈی ہوائیں چل پڑی ہیں جو رحمت و فضل کی خوشخبری سنا رہی ہیں کافروں کو چاہیے کہ شرارت اور کفران نعمت سے باز آجائیں اور خدا کی مہربانیوں کو دیکھ کر شکر گذار بندے بنیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ

اور ہم بھیج چکے ہیں تجھ سے پہلے کتنے رسول اپنی اپنی قوم کے پاس

فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ

سو پہنچے ان کے پاس نشانیاں لے کر پھر بدلہ لیا ہم نے ان سے جو

اَجْرَمُوْا ۭ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

گنہگار تھے اور حق ہے ہم پر مدد ایمان والوں کی

دنیا میں بھی حق وباطل کا فرق ظاہر ہوجاتا ہے:

پہلے فرمایا تھا کہ مقبول اور مردود جدا کر دیئے جائیں گے منکروں پر انکے انکار کا وبال پڑیگا۔ وہ اللہ کو اچھے نہیں لگتے۔ اب بتلاتے ہیں کہ اس کا اظہار دنیا ہی میں ہوکر رہیگا۔ کیونکہ اللہ کی عادت اور وعدہ ہے کہ مجرمین ومکذبین سے انتقام لے اور مؤمنین کاملین کو اپنی امداد واعانت سے دشمنوں پر غالب کرے بیچ میں ہوا کا ذکر اس واسطے آیا کہ جیسے باران رحمت کے نزول سے پہلے ہوائیں چلتی ہیں اسی طرح دین کے غلبہ کی نشانیاں روشن ہوتی جاتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مؤمنین کی مدد اور اس کی شرط:

فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ ''ہم نے مجرموں کافروں سے انتقام لے لیا، اور ہمارے ذمہ تھا کہ ہم مؤمنین کی مدد کریں'' اس آیت سے معلوم ہوا کہ مؤمنین کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اپنے ذمہ لے لیا ہے، اس کا تقاضا بظاہر یہ تھا کہ مسلمانوں کو کفار کے مقابلہ میں کبھی شکست نہ ہو، حالانکہ بہت سے واقعات اس کے خلاف بھی ہوئے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں، اس کا جواب خود اسی آیت میں موجود ہے کہ مؤمنین سے مراد وہ مجاہدین فی سبیل اللہ ہیں جو خالص اللہ کے لئے کفار سے جنگ کرتے ہیں، ایسے لوگوں کا ہی انتقام اللہ تعالیٰ مجرمین سے لیتے ہیں اور ان کو غالب

کرتے ہیں، جہاں کہیں اس کے خلاف کوئی صورت پیش آتی ہے وہاں عموماً مجاہدین کی کوئی لغزش ان کی شکست کا سبب بنتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ

اللہ ہے جو چلاتا ہے ہوائیں پھر وہ اٹھاتی ہیں بادل کو پھر پھیلا دیتا ہے

فِی السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ

اس کو آسمان میں جس طرح چاہے

بارش کے نظام سے عبرت: یعنی پہلے کسی طرف پیچھے کسی طرف، اسی طرح دین بھی پھیلایگا۔ چنانچہ پھیلا دیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَیَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَی الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ

اور رکھتا ہے اس کو تہ بہ تہ پھر تو دیکھے مینہ کو کہ نکلتا ہے اسکے بیچ میں سے

فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ

پھر جب اس کو پہنچاتا ہے جس کو کہ چاہتا ہے اپنے بندوں میں

اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

تبھی وہ لگتے ہیں خوشیاں کرنے

اسی طرح جو ایمانی اور روحانی بارش سے متمتع ہونگے وہ خوشیاں منائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْهِمْ

اور پہلے سے ہو رہے تھے اس کے اترنے سے

مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِیْنَ ﴿۴۹﴾

پہلے ہی ناامید

یعنی پہلے سے لوگ ناامید ہو رہے تھے۔ حتیٰ کہ بارش آنے سے ذرا پہلے تک بھی اُمید نہ تھی کہ مینہ برس کر ایسی جگ پر لو ہو جائے گی۔ انسان کا حال بھی عجیب ہے۔ ذرا دیر میں نا اُمید ہو کر بیٹھ جاتا ہے پھر ذرا سی دیر میں خوشی سے کھل پڑتا ہے۔

فَانْظُرْ اِلٰۤى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَیْفَ

سو دیکھ لے اللہ کی مہربانی کی نشانیاں کیونکر

یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مرگئے پیچھے

رحمتِ الٰہی کے کرشمے:

یعنی چند گھنٹے پہلے ہر طرف خاک اڑ رہی تھی اور زمین خشک، بے رونق اور مُردہ پڑی تھی ناگہاں اللہ کی مہربانی سے زندہ ہو کر لہلہانے لگی۔ بارش نے اُس کی پوشیدہ قوتوں کو کتنی جلد اُبھار دیا۔ یہ ہی حال روحانی بارش کا سمجھو، اُس سے مُردہ دلوں میں جان پڑیگی اور خدا کی زمین ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ والی موت کے بعد دوبارہ زندہ ہو جائیگی۔ ہر طرف رحمتِ الٰہی کے نشان اور دین کے آثار نظر آئیں گے جو قابلیتیں مدت سے مٹی میں مل رہی تھیں، بارانِ رحمت کا ایک چھینٹا اُن کو اُبھار کر نمایاں کر دیگا۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے یہ جلوہ دنیا کو دکھلا دیا۔ ہمارے صوبہ کے شاعر حکیم نے کیا خوب کہا ہے۔

ہے یہ وہ نام خاک کو پاک کرے نکھار کر
ہے یہ وہ نام خار کو پھول کرے سنوار کر
ہے یہ وہ نام ارض کو کر دے سما اُبھار کر
اکبر اسی کا وِرد تو صدق سے بے شمار کر
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ

بیشک وہی ہے مُردوں کو زندہ کرنے والا اور وہ

عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۵۰﴾

ہر چیز کر سکتا ہے

مردہ روحوں اور مردہ جسموں کی زندگی:

یعنی یہاں مُردہ دلوں کو روحانی زندگی عطا فرمائے گا اور قیامت کے دن مُردہ لاشوں میں دوبارہ جان ڈالیگا۔ اُس کی قدرتِ کاملہ کے آگے کوئی چیز مشکل نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَىِٕنْ اَرْسَلْنَا رِیْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا

اور اگر ہم بھیجیں ایک ہوا پھر دیکھیں وہ کھیتی کو کہ زرد

لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ یَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾

پڑ گئی تو لگیں اُس کے پیچھے ناشکری کرنے

یعنی پہلے ناامید تھے، بارش آئی، زمین جی اُٹھی، خوشیاں منانے لگے۔ اب اگر اس کے بعد ہم ایک ہوا چلا دیں جس سے کھیتیاں خشک ہو کر زرد پڑ

جائیں تو یہ لوگ فوراً پھر بدل جائیں اور اللہ کے سب احسان فراموش کر کے ناشکری شروع کر دیں۔ غرض ان کا شکر اور ناشکری سب دنیوی اغراض کے تابع ہے اور یہاں اس پر فرمایا کہ اللہ کی مہربانی سے مُراد پا کر بندہ نڈر نہ ہو جائے اُس کی قدرت رنگا رنگ ہے۔ معلوم نہیں دی ہوئی نعمت کب سلب کر لے۔ اور شاید ادھر بھی اشارہ ہو کہ دین کی کھیتی دنیا میں سرسبز و شاداب ہونے کے بعد پھر بادِ مخالف کے جھونکوں سے مُرجھا کر زرد پڑ جائیگی۔ اُس وقت مایوس ہو کر ہمت ہارنی نہیں چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ

سو تو سُنا نہیں سکتا مُردوں کو — اور نہیں سنا سکتا بہروں کو پکارنا

إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ وَمَآ أَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ

جبکہ پھریں پیٹھ دے کر — اور نہ تو راہ سجھائے اندھوں کو — ان کے

ضَلٰلَتِهِمْ ؕ إِنْ تُسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ

بھٹکنے سے — تو تو سُنائے اُسی کو — جو یقین لائے

بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

ہماری باتوں پر، سو وہ مسلمان ہوتے ہیں

کوئی نہ مانے تو پیغمبر پر کوئی عذر نہیں:

یعنی اللہ کو سب قدرت ہے، مُردہ کو زندہ کر دے، تم کو یہ قدرت نہیں کہ مُردوں سے اپنی بات منواسکو یا بہروں کو سنا دو۔ یا اندھوں کو دکھلا دو، خصوصاً جب وہ سننے اور دیکھنے کا ارادہ بھی نہ کریں پس آپ ان کے کفر وناسپاسی سے ملول و غمگین نہ ہوں۔ آپ صرف دعوت و تبلیغ کے ذمہ دار ہیں کوئی بدبخت نہ مانے تو آپ کا کیا نقصان ہے آپ کی بات وہی سنیں گے جو ہماری باتوں پر یقین کر کے تسلیم وانقیاد کی خُو اختیار کرتے ہیں۔

سماعِ موتی کا مسئلہ:

(تنبیہ) اسی قسم کی آیت سورۂ "نمل" کے آخر میں گذر چکی، اُس پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ مفسرین نے اس موقع پر "سماعِ موتی" کی بحث چھیڑ دی ہے۔ اس مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد سے اختلاف چلا آتا ہے اور دونوں جانب سے نصوص قرآن وحدیث پیش کی گئی ہیں۔ یہاں ایک بات سمجھ لو کہ یوں تو دنیا میں کوئی کام اللہ کی مشیت و ارادہ کے بدون نہیں ہوسکتا مگر آدمی جو کام اسباب عادیہ کے دائرہ میں رہ کر بااختیار خود کرے وہ اُس کی طرف منسوب ہوتا ہے اور جو عام عادت کے خلاف غیر معمولی طریقہ سے ہو جائے اُسے براہِ راست حق تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ مثلاً کسی نے گولی مار کر کسی کو ہلاک کر دیا یہ اُس قاتل کا فعل کہلائیگا۔ اور فرض کیجئے ایک مٹھی کنکریاں پھینکیں جس سے لشکر تباہ ہو گیا، اُسے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے تباہ کر دیا باوجودیکہ گولی سے ہلاک کرنا بھی اُسی کی قدرت کا کام ہے۔ ورنہ اُس کی مشیت کے بدون گولی یا گولا کچھ بھی اثر نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۖ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (انفال۔ رکوع ۲) یہاں خارق عادت ہونے کی وجہ سے پیغمبر اور مسلمانوں سے "قتل" "رمی" کی نفی کر کے براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی گئی۔ ٹھیک اسی طرح إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى کا مطلب سمجھو۔ یعنی تم یہ نہیں کر سکتے کہ کچھ بولو اور اپنی آواز مُردے کو سنا دو۔ کیونکہ یہ چیز ظاہری اور عادی اسباب کے خلاف ہے۔ البتہ حق تعالیٰ کی قدرت سے ظاہری اسباب کے خلاف تمہاری کوئی بات مُردہ سن لے اس کا انکار کوئی مؤمن نہیں کر سکتا۔ اب نصوص سے جن باتوں کا اس غیر معمولی طریقہ سے سننا ثابت ہو جائیگا اُسی حد تک ہم کو سماعِ موتی کا قائل ہونا چاہئے۔ محض قیاس کر کے دوسری باتوں کو سماع کے تحت میں نہیں لا سکتے۔ بہرحال آیت میں "اسماع" کی نفی سے مطلقاً سماع کی نفی نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

مسلم نے حضرت انس بن مالک کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے مقتولوں کو یونہی تین روز پڑا رہنے دیا جب ان کی لاشوں میں عفونت آ گئی تو ان کی طرف تشریف لے گئے اور (ان کو خطاب کر کے) پکار کر فرمایا، اے امیہ بن خلف اے ابوجہل بن ہشام اے عتبہ بن ربیعہ کیا تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا وہ تم نے صحیح پالیا۔ حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سن کر فوراً آ گئے اور عرض کیا "اے اللہ کے رسول تین روز کے بعد بھی آپ ان کو پکار رہے ہیں کیا یہ سن رہے ہیں، اللہ نے تو فرمایا ہے إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى حضور نے فرمایا "قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں لیکن یہ جواب نہیں دے سکتے"۔ حضرت ابن عمر سے بھی ایسی ہی روایت آئی ہے۔ میں کہتا ہوں اگر یہ روایت صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں تو اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ اپنے اختیار وقوت سے مُردوں کو نہیں سنا سکتے (کہ جب چاہو مردوں کو اپنا کلام سنا دو) بلکہ اللہ جب چاہتا ہے مردوں کو زندوں کا کلام سنا دیتا ہے، یا یہ مطلب ہے کہ تم مردوں کو ایسی بات نہیں سنا سکتے جو ان کو کوئی فائدہ پہنچا سکے (کیونکہ ہر ہدایت پر عمل کرنے کا وقت گذر گیا)۔ (تفسیر مظہری)

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ

اللہ ہے جس نے — بنایا تم کو — کمزوری سے — پھر دیا

مِنْۢ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ

کمزوری سے پیچھے زور پھر دے گا زور کے پیچھے

ضَعْفًا وَّشَيْبَةً ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﴿۵۴﴾

کمزوری اور سفید بال بناتا ہے جو چاہے اور وہی ہے سب کچھ جانتا کر سکتا

انسانی زندگی کے اُتار چڑھاؤ:

یعنی بچہ شروع میں پیدائش کے وقت بیحد کمزور و ناتوان ہوتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ قوت آنے لگتی ہے حتیٰ کہ جوانی کے وقت اُس کا زور انتہا کو پہنچ جاتا ہے اور تمام قوتیں شباب پر ہوتی ہیں، پھر عمر ڈھلنے لگتی ہے اور زور و قوت کے پیچھے کمزوری کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں جس کی آخری حد بڑھاپا ہے۔ اس وقت تمام اعضاء ڈھیلے پڑ جاتے اور قویٰ معطل ہونے لگتے ہیں۔ قوت و ضعف کا یہ سب اُتار چڑھاؤ اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس طرح چاہے کسی چیز کو بنائے۔ اور قوت و ضعف کے مختلف ادوار میں گذارے۔ اُسی کو قدرت حاصل ہے اور وہی جانتا ہے کہ کس چیز کو کس وقت تک کن حالات میں رکھنا مناسب ہے۔ لہٰذا اُسی خدا کی اور اُس کے پیغمبروں کی باتیں ہمیں سننی چاہئیں۔ شاید اس میں یہ بھی اشارہ کر دیا کہ جس طرح تم کو کمزوری کے بعد زور دیا، مسلمانوں کو بھی ضعف کے بعد قوت عطا کریگا اور جو دینی نظام اس وقت کمزور نظر آتا ہے کچھ دنوں بعد زور پکڑ یگا اور اپنے شباب و عروج کو پہنچے گا۔ اس کے بعد پھر ہو سکتا ہے کہ ایک زمانہ مسلمانوں کے ضعف کا آئے سو یاد رکھنا چاہئے کہ خدائے قادر و توانا ہر وقت ضعف کو قوت سے تبدیل کر سکتا ہے۔ ہاں ایسا کرنے کی خاص صورتیں اور اسباب ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ

اور جس دن قائم ہوگی قیامت قسمیں کھائیں گے گنہگار

مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ

کہ ہم نہیں رہے تھے ایک گھڑی سے زیادہ

قیامت آئے گی تو دنیا کی زندگی کی حقیقت کھلے گی:

یعنی قبر میں یا دنیا میں رہنا تھوڑا معلوم ہوگا جب مصیبت سر پر کھڑی نظر آئے گی کہیں گے کہ افسوس بڑی جلدی دنیا کی اور برزخ کی زندگی ختم ہو گئی۔ کچھ بھی مہلت نہ ملی جو ذرا اور دیر اس عذاب الیم سے بچے رہتے۔ یا دنیا میں کچھ زیادہ مدت ٹھہرنے کا موقع ملتا تو اس دن کے لئے تیاری کرتے یہ تو ایک دم مصیبت کی گھڑی سامنے آ گئی۔ (تفسیر عثمانی)

برزخی زندگی: اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس قیام سے مراد قبر اور برزخ کا قیام ہو، اور مطلب یہ ہو کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ قبر یعنی عالم برزخ میں قیام بہت طویل ہوگا اور قیامت بہت زمانہ کے بعد آئے گی، مگر معاملہ برعکس ہو گیا، کہ ہم برزخ میں تھوڑے ہی دیر ٹھہرنے پائے تھے کہ قیامت آ گئی، اور یہ جلدی آنا ان کو اس بناء پر محسوس ہوگا کہ قیامت میں ان کے لئے کوئی خوشی و راحت کی چیز تو تھی نہیں، مصیبت ہی مصیبت تھی، اور انسانی فطرت یہ ہے کہ مصیبت آنے کے وقت پچھلی راحت کے زمانے کو بہت مختصر سمجھنے لگتا ہے، اور کافروں کو اگرچہ قبر و برزخ میں بھی عذاب ہوگا مگر قیامت کے عذاب کے مقابلہ میں وہ بھی راحت محسوس ہونے لگے گا، اور اس زمانے کو مختصر سمجھ کر قسم کھائیں گے کہ قبر میں ہمارا قیام بہت مختصر ایک گھڑی کا تھا۔ (معارف مفتی اعظم)

كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾

اسی طرح تھے اُلٹے جاتے

مشرکین کی غلط سوچ: یعنی جیسے اُس وقت یہ کہنا جھوٹ اور غلط ہوگا اسی طرح سمجھ لو کہ دنیا میں بھی یہ لوگ غلط خیالات جماتے اور الٹی باتیں کیا کرتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ

اور کہیں گے جن کو ملی ہے سمجھ اور یقین تمہارا

لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۫ فَهٰذَا

ٹھہرانا تھا اللہ کی کتاب میں جی اٹھنے کے دن تک سو یہ ہے

يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

جی اٹھنے کا دن پر تم نہیں تھے جانتے

مشرکین کے خیال کی تردید: یعنی مؤمنین اور ملائکہ اُس وقت اُن کی تردید کریں گے کہ تم جھوٹ بکتے ہو یا دھوکہ میں پڑے ہو جو کہتے ہو کہ قبر میں یا دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ ٹھہرنا نہیں ہوا۔ تم ٹھیک اللہ کے علم اور اُس کی خبر اور لوح محفوظ کے نوشتہ کے موافق قیامت کے دن تک ٹھہرے، ایک منٹ کی بھی کمی نہیں ہوئی۔ آج عین وعدہ کے موافق وہ دن آ پہنچا۔ اب وہ دیکھ لو جسے تم جانتے اور مانتے نہ تھے۔ اگر پہلے سے اس دن کا یقین کرتے تو تیار ہو کر آتے اور یہاں کی مسرتیں دیکھ کر کہتے کہ اس دن کے آنے میں بہت دیر لگی۔ بڑے انتظار و اشتیاق کے بعد آیا۔ جیسا کہ مؤمنین سمجھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قبر میں کوئی جھوٹ نہ بول سکے گا:

قبر کے سوال و جواب میں احادیث صحیحہ میں مذکور ہے کہ جب کافر سے

پوچھا جائے گا کہ تیرا رب کون ہے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ تو وہ کہے گا، ھَاہْ ھَاہْ لَا اَدْرِی، ''ہائے ہائے میں کچھ نہیں جانتا'' اگر وہاں جھوٹ بولنے کا اختیار ہوتا تو کیا مشکل تھا کہہ دیتا کہ میرا رب اللہ ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، تو یہ ایک عجیب بات ہے کہ کافر لوگ اللہ کے سامنے تو جھوٹ بولنے پر قادر ہوں اور فرشتوں کے سامنے جھوٹ نہ بول سکیں، مگر غور کیا جائے تو کچھ تعجب کی بات نہیں، وجہ یہ ہے کہ فرشتے نہ تو عالم الغیب ہیں، نہ ان کو اختیار ہے کہ ہاتھ پاؤں کی گواہی لے کر اس پر حجت تمام کر دیں، اگر ان کے سامنے جھوٹ بولنے کا اختیار ہوتا تو سب کافر فاجر عذاب قبر سے بےفکر ہو جاتے، بخلاف اللہ جل شانہ کے کہ وہ دلوں کے حال سے بھی واقف ہیں، اور اعضاء و جوارح کی شہادت سے اس کا جھوٹ کھول دینے پر قادر بھی ہیں، اس لئے محشر میں یہ آزادی دیدینا عدالتی انصاف میں کوئی خلل پیدا نہیں کرتا۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعْذِرَتُهُمْ

سو اُس دن کام نہ آئے گا ان گنہگاروں کو قصور بخشوانا

وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٥٧﴾

اور نہ ان سے کوئی منانا چاہے

کوئی عذر و معذرت بھی نہ ہو سکے گی:

یعنی نہ کوئی معقول عذر پیش کر سکیں گے جو کام آئے اور نہ اُن سے کہا جائیگا کہ اچھا اب توبہ اور اطاعت سے اپنے پروردگار کو راضی کر لو، کیونکہ اس کا وقت گذر چکا اب تو ہمیشہ کی سزا بھگتنے کے سوا چارہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِن

اور ہم نے بٹھلائی ہے آدمیوں کے واسطے اس قرآن میں ہر ایک

كُلِّ مَثَلٍ ۚ وَلَئِن جِئْتَهُم بِآيَةٍ لَّيَقُولَنَّ

طرح کی مثل اور جو تو لائے ان کے پاس کوئی آیت تو ضرور کہیں

الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ أَنتُمْ إِلَّا مُبْطِلُونَ ﴿٥٨﴾

وہ منکر تم سب جھوٹ بناتے ہو

تفہیم قرآن: یعنی اُس وقت پچھتائیں گے اور آج خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کا موقع ہے قرآن کریم کیسی عجب مثالیں اور دلیلیں بیان کر کے طرح طرح اُن کو سمجھاتا ہے، پر اُن کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی کیسی ہی آیتیں پڑھ کر سنایئے یا صاف سے صاف معجزے دکھلایئے وہ سن کر اور دیکھ کر یہ ہی کہہ دیتے ہیں کہ تم (پیغمبر اور مسلمان) سب مل کر جھوٹ بنا لائے ہو۔ ایک نے چند آیتیں بنا لیں دوسروں نے تصدیق کر دی۔ ایک نے جادو دکھلایا دوسرے اُس پر ایمان لانے کو تیار ہو گئے۔ اس طرح ملی بھگت کر کے اپنا مذہب پھیلانا چاہتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٩﴾

یوں مہر لگا دیتا ہے اللہ ان کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے

ضد و عناد کا انجام: یعنی جو آدمی نہ سمجھے نہ سمجھنے کی کوشش کرے اور ضد و عناد سے ہر بات کا انکار کرتا رہے اسی طرح شدہ شدہ اُس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے اور آخر کار ضد و عناد سے دل اتنا سخت ہو جاتا ہے کہ قبول حق کی استعداد بھی ضائع کر بیٹھتا ہے۔ العیاذ باللہ! (تفسیر عثمانی)

لَا يَعْلَمُونَ سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی توحید سے ناواقف ہیں یا یہ مراد ہے کہ ان کو علم کی طلب ہی نہیں ہے اپنے بیہودہ عقائد پر جمے ہوئے ہیں، جہل مرکب معرفت حق سے روکتا اور تکذیب حق پر آمادہ کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۖ وَلَا

سو تو قائم رہ بیشک اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے اور

يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ﴿٦٠﴾

آھاڑ نہ دیں تجھ کو وہ لوگ جو یقین نہیں لاتے

دعوت کیلئے صبر و تحمل ضروری ہے:

یعنی جب ان بدبختوں کا حال ضد و عناد کے اس درجہ پر پہنچ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انکی شرارتوں سے رنجیدہ نہ ہوں۔ بلکہ پیغمبرانہ صبر و تحمل کے ساتھ اپنے دعوۃ و اصلاح کے کام میں لگے رہیں۔ اللہ نے جو آپ سے فتح و نصرت کا وعدہ کیا ہے یقیناً پورا کر کے رہیگا۔ اُس میں رتی برابر تفاوت و تخلف نہیں ہو سکتا۔ آپ اپنے کام پر جمے رہئے۔ یہ بدعقیدہ اور بےیقین لوگ آپ کو ذرا بھی آپ کے مقام سے جنبش نہ دے سکیں گے۔ تمت سورۃ الروم وللہ الحمد والمنۃ۔ (تفسیر عثمانی)

کامل وضو نہ کرنے کا اثر: ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح کی نماز پڑھاتے ہوئے اسی سُورت کی قراءت کی۔ اثناء قراءت میں آپ کو وہم سا ہو گیا فارغ ہو کر فرمانے لگے تم میں بعض ایسے لوگ ہیں جو ہمارے ساتھ نماز میں شامل ہو جاتے ہیں لیکن باقاعدہ ٹھیک وضوء نہیں کرتے۔ تم میں سے جو بھی ہمارے ساتھ نماز میں شامل ہو اسے اچھی طرح وضوء کرنا چاہیے۔ (مسند احمد) اس کی اسناد حسن ہے، متن بھی حسن ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سورة لقمان

یہ کتاب خاص نیکی اختیار کرنے والوں کے لئے سرمایہ رحمت و ہدایت ہے۔ کیونکہ وہ ہی لوگ اس سے منتفع ہوتے ہیں۔ ورنہ نفس نصیحت وفہمائش کے لحاظ سے تو تمام جن و انس کے حق میں ہدایت ورحمت بن کر آتی ہے۔

سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ لقمان مکہ میں نازل ہوئی اس کی چونتیس آیتیں ہیں اور چار رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓ ﴿١﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿٢﴾

یہ آیتیں ہیں پکی کتاب کی

هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣﴾

ہدایت ہے اور مہربانی نیکی کرنے والوں کے لئے

سرمایہ ہدایت ورحمت:

یہ کتاب خاص نیکی اختیار کرنے والوں کے لئے سرمایہ رحمت و ہدایت ہے۔ کیونکہ وہ ہی لوگ اس سے منتفع ہوتے ہیں۔ ورنہ نفس نصیحت وفہمائش کے لحاظ سے تو تمام جن و انس کے حق میں ہدایت ورحمت بن کر آئی ہے ۔(تفسیر عثمانی)

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ

جو کہ قائم رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوۃ

وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿٤﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰى

اور وہ ہیں جو آخرت پر اُن کو یقین ہے انہوں نے پائی

هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٥﴾

ہے راہ اپنے رب کی طرف سے اور وہی مراد کو پہنچے

سورۂ بقرہ کے شروع میں اسی طرح کی آیات گزر چکی ہیں وہاں کے فوائد دیکھ لئے جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

حکم زکوۃ: يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ اس آیت میں زکوۃ کا حکم ہے، حالانکہ آیت مکی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اصل زکوۃ کا حکم مکہ معظمہ ہی میں ہجرت سے پہلے آ چکا تھا، اور یہ جو مشہور ہے کہ زکوۃ کا حکم ہجرت کے دوسرے سال میں نافذ ہوا اس سے مراد نصابوں کا تقرر اور مقدار واجب کی تفصیلات اور حکومتِ اسلامیہ کی طرف سے اس کی وصول یابی اور مصرف پر خرچ کرنے کا انتظام ہے، یہ ہجرت کے دوسرے سال میں ہوا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ

اور ایک وہ لوگ ہیں کہ خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے

لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا

تاکہ بچلائیں اللہ کی راہ سے بن سمجھے اور ٹھہرائیں

هُزُوًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٦﴾

اُس کو ہنسی وہ جو ہیں اُن کو ذلت کا عذاب ہے

فضولیات کے خریدار:

سعدائے مفلحین کے مقابلہ میں یہ اُن اشقیاء کا ذکر ہے جو اپنی جہالت اور ناعاقبت اندیشی سے قرآن کریم کو چھوڑ کر ناچ رنگ کھیل تماشے یا دوسری واہیات وخرافات میں مستغرق ہیں چاہتے ہیں، کہ دوسروں کو بھی ان ہی مشاغل وتفریحات میں لگا کر اللہ کے دین اور اُس کی یاد سے برگشتہ کردیں اور دین کی باتوں پر خوب ہنسی مذاق اڑائیں حضرت حسن لَهْوَ الْحَدِيْثِ کے متعلق فرماتے ہیں "كل ماشغلك عن عبادة الله وذكره من السمر والاضاحيك والخرافات والغناء ونحوها" (روح المعانی) یعنی لہوالحدیث ہر وہ چیز ہے جو اللہ کی عبادت اور یاد سے ہٹانے والی ہو۔ مثلاً فضول قصہ گوئی ہنسی مذاق کی باتیں واہیات مشغلے اور گانا بجانا وغیرہ)

قریش کا سردار نضر بن حارث:

روایت میں ہے کہ نضر بن حارث جو رؤسائے کفار میں تھا بغرض تجارت فارس جاتا تو وہاں سے شاہانِ عجم کے قصص وتواریخ خرید کر لاتا اور قریش سے کہتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کو عاد وثمود کے قصے سناتے ہیں۔ آؤ میں تم کو رستم واسفندیار اور شاہانِ ایران کے قصے سناؤں بعض لوگ اُن کو دلچسپ سمجھ کر اُدھر متوجہ ہو جاتے۔ نیز اُس نے ایک گانے والی لونڈی خرید کی تھی، جس کو دیکھتا کہ دل نرم ہوا اور اسلام کی طرف جھکا، اُس کے پاس لے جاتا اور کہہ دیتا کہ

اسے کھلاپلا اور گانا سنا پھر اس شخص کو کہتا کہ دیکھو یہ اس سے بہتر ہے جدھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلاتے ہیں کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو، اور جان مارو اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (تنبیہ) شان نزول گو خاص ہو مگر عموم الفاظ کی وجہ سے حکم عام رہے گا۔ جو لہو (شغل) دین اسلام سے پھر جانے یا پھیر دینے کا موجب ہو، حرام بلکہ کفر ہے۔ اور جو احکام شرعیہ ضروریہ سے باز رکھے یا سبب معصیت بنے وہ معصیت ہے، ہاں جو لہو کسی امر واجب کا مفوت (فوت کرنے والا) نہ ہو اور کوئی شرعی غرض و مصلحت بھی اس میں نہ ہو وہ مباح لیکن لایعنی ہونے کی وجہ سے خلاف اولیٰ ہے۔ گھوڑ دوڑ، یا تیراندازی اور نشانہ بازی یا زوجین کی ملاعبت (جو حد شریعت میں ہو) چونکہ معتدبہ اغراض و مصالح شرعیہ پر مشتمل ہیں اس لئے لہو باطل سے مستثنیٰ قرار دی گئی ہیں۔ رہا غناء و سماع کا مسئلہ اس کی تفصیل کتب فقہ وغیرہ میں دیکھنی چاہیے۔ مزامیر و ملاہی کی حرمت پر تو صحیح بخاری میں حدیث موجود ہے۔ البتہ نفس غناء کو ایک درجہ تک مباح لکھتے ہیں اس کی قیود و شروط بھی کتابوں میں دیکھ لی جائیں۔ صاحب روح المعانی نے آیت ہذا کے تحت میں مسئلہ غنا و سماع کی تحقیق نہایت شرح وبسط سے کی ہے۔ فلیراجع۔ (تفسیر عثمانی)

ابن جریر نے بروایت عوفی حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول ایک قریشی شخص کے حق میں ہوا جس نے ایک مغنیہ باندی خریدی تھی۔

گانا سکھانے کا پیشہ:

بغوی نے حضرت ابوسلمہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ع نے فرمایا گانے والی عورتوں کو (گانے کی) تعلیم دینی جائز نہیں اور ان کی قیمت حرام ہے (یعنی ان کو فروخت کرنا ناجائز ہے) اور ایسے ہی شخص کی بابت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيْثِ الخ نازل ہوئی ہے۔

گانا گانے کی سزا:

جو آدمی گانے کے لئے آواز اٹھاتا ہے اللہ دو شیطان اس پر مسلط کر دیتا ہے ایک اس مونڈھے پر اور دوسرا اس مونڈھے پر بیٹھے اپنی لاتیں اس وقت تک اس پر مارتے رہتے ہیں جب تک وہ خود ہی خاموش نہ ہو جائے۔ ترمذی وغیرہ نے حضرت ابوامامہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، گانے والی (باندیوں) کو نہ بیچو نہ خریدو ان کی تجارت میں کوئی بھلائی نہیں، ان کی قیمت حرام ہے اور ایسے ہی شخص کی بابت آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيْثِ نازل ہوئی۔

حضرت مکحولؒ کا تقویٰ:

مکحول کا قول ہے کہ جس نے گانے بجانے کی غرض سے کسی گانے بجانے والی باندی کو خریدا اور اس پر مرتے دم تک قائم رہا اس کے جنازے کی نماز نہیں پڑھوں گا، کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيْثِ الخ۔

حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابن عباسؓ حسن عکرمہؒ اور سعید بن جبیرؒ کے نزدیک لہو الحدیث سے گانا سننا مراد ہے اور غنا ہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ ابوالصہباء بکری کا بیان ہے میں نے حضرت ابن مسعودؓ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا حضرت ابن مسعودؓ نے تین بار فرمایا، قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں یہ (لَهْوَ الْحَدِيْثِ) غناء ہے۔ ابن جریج کے نزدیک لَهْوَ الْحَدِيْثِ سے طبل (ڈھول، طبلہ) مراد ہے۔

میں کہتا ہوں مورد نزول اگرچہ کوئی خاص چیز ہو غنا (گانا سننا) ہو یا عجمی قصے، داستانیں لیکن الفاظ عام ہیں اور عموم الفاظ ہی قابل اعتبار ہیں اسی لئے قتادہ نے کہا کہ آیت میں ہر لہو ولعب مراد ہے اور ضحاک کے نزدیک شرک مراد ہے۔

مسئلہ: باتفاق فقہاء ہر قسم کا باجا طبلہ ڈھول وغیرہ خواہ بغیر تار کے بجایا جائے یا تار کے ساتھ بہرحال حرام ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت اور بانسری و بین کی کمائی سے منع فرمایا ہے، رواہ البغوی حضرت ابومالک اشعری کا بیان ہے، میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمار ہے تھے میری امت کے کچھ لوگ شرابیں پئیں گے اور ان کا نام کچھ اور رکھ دیں گے۔ ان کے سامنے باجے بجائے جائیں گے اور گانے والیاں گائیں گی اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے گا اور بعض کو بندر اور سور بنا دے گا۔ رواہ ابن ماجہ ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، اس کی اصل صحیح بخاری میں موجود ہے، حضرت علی ابن ابی طالب راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب میری امت پندرہ باتیں کرے گی تو اس پر مصائب کا نزول ہوگا۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا باتیں ہیں؟ حضور نے فرمایا،

(۱) جب مال غنیمت کو دولت سمجھ لیا جائے گا۔
(۲) جب امانت کے مال کو غنیمت کا مال سمجھا جائے گا۔
(۳) جب زکوٰۃ کو ڈانڈ سمجھا جائے گا۔
(۴) جب مرد اپنی بیوی کا فرماں بردار بن جائے گا۔
(۵) اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے گا۔
(۶) اور دوست سے اچھا سلوک کرے گا۔
(۷) اور باپ پر ظلم کرے گا۔
(۸) اور جب مسجدوں میں آوازیں اٹھنے لگیں گی۔
(۹) اور سب سے رزیل آدمی قوم کا سردار بن جائے گا۔
(۱۰) اور (شریر) آدمی کی عزت اسلئے کی جائیگی کہ اسکی شر سے حفاظت ہو جائے۔
(۱۱) اور شراب پی جائے گی۔
(۱۲) اور ریشمی کپڑے پہنے جائیں گے (یعنی مرد پہننے لگیں گے، مترجم)

(۱۳)اور گانے والیاں رکھی جائیں گی۔
(۱۴)اور باجے ڈھولک طبلہ استعمال کئے جائیں گے۔
(۱۵)اور پیچھے آنے والے لوگ اسلاف پر لعنت بھیجیں گے۔
ایسے وقت میں لوگوں کو سرخ آندھی اور زمین میں دھنسائے جانے کا انتظار کرنا چاہیے (ایسا ضرور ہوکر رہے گا)۔ (رواہ الترمذی وقال غریب)
مسئلہ: فقہاء نے کہا اس آیت کی رو سے اور دوسری احادیث کی وجہ سے گانا سننا حرام ہے۔ (تفسیر مظہری)
اطلاعی ڈھول: المتفق میں ہے باجا بجانا اور سننا حرام ہے۔ فتاوی کبری میں ہے طبل بجانا اور سننا حرام ہے کیونکہ ڈھول آلہ لہو ہے ہاں لڑائی کے موقع پر یا قافلہ کے لئے اطلاعی ڈھول پیٹنا جائز ہے مجاہدین کو رفقاء قافلہ کو نقارہ سے اطلاع دینا موجب ثواب ہے۔ ملتقط میں ہے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ خوشی کے موقع پر اور شادی کی تقریب میں گانا جائز ہے۔
دیکھو نکاح کے موقع پر دف بجانا جائز ہے، دف بھی ایک قسم کا لہو ہی ہے لیکن اس کا مقصد ہوتا ہے اعلانِ نکاح اس لئے جائز ہے، اعلان نکاح کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے نکاح کا اعلان کرو خواہ دف ہی کے ذریعہ سے ہو۔ اسی پر فتویٰ بھی ہے۔ ذخیرہ میں ہے کچھ لوگ کہتے ہیں عید میں دف بجانے میں کوئی گناہ نہیں۔ روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر تشریف فرما تھے، عید کا دن تھا، دہلیز پر دو نو عمر لڑکیاں دف بجا کر گا رہی تھیں۔ حضرت ابوبکر (باہر سے) آ گئے اور فرمایا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دہلیز پر گا رہی ہو۔ حضور اقدس نے فرمایا (ابوبکرؓ) ان کو رہنے دو آج عید کا دن ہے۔
مسئلہ سماع: شرح کافی میں ہے ہمارے علماء کے نزدیک وہ سماع مکروہ ہے جو گناہ کے ارادے بطور لہو ہو، کچھ فاسق لوگ جمع ہو جائیں جو نماز اور تلاوت قرآن کے تارک ہوں اور سب اکٹھے ہوکر گانا سنیں۔ لیکن جو لوگ نمازی متقی اور عامل بالقرآن ہوں ان کے لئے باتفاق علماء سماع جائز ہے کیونکہ اس سماع سے ان کا مقصد توجہ الی اللہ اور حضورِ قلب ہوتا ہے، وہ آخرت کے خوف سے اللہ کی یاد کرتے ہیں اور یہ تمام امور مستحسن ہیں ان میں کوئی خرابی نہیں اسی غرض سے وجد اور رقص بھی مذموم نہیں۔
الاقناع میں ہے کہ سماع سے دل میں رقت اور خشوع پیدا ہوتا ہے، اللہ کے دیدار کا شوق برانگیختہ ہوتا ہے اللہ کی ناراضگی کا ڈر اور اس کے عذاب کا خوف دل پر چھا جاتا ہے۔ اس طرح کے سماع میں ہوا، نفسانی اور لہو خاطر کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔
بعض علماء قائل ہیں کہ گانا ہر طرح مکروہ ہے امام خواہر زادہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔
جامع المضمرات میں النافع اور ذخیرہ کے حوالہ سے ذکر کیا گیا ہے کہ اگر مغنی دوسروں کو سنانے کے لئے نہ گائے بلکہ اپنی کبیدگی اور وحشت خاطر کو دور کرنے کے لئے گائے تو کوئی حرج نہیں۔ میں نے امام نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی سنا ہے کہ اپنی لونڈی کا گانا بھی اگر (وحشت خاطر دور کرنے کے لئے) سنے تو کوئی گناہ نہیں۔ اس قول کو واقعات حسامیہ سے نقل کیا گیا ہے۔ عوارف میں لونڈی کے ساتھ اپنی بی بی کا لفظ بھی مذکور ہے (یعنی اگر اپنی بی بی سے بھی گانا سن لیا جائے تو مباح ہے۔ فتاوی ابراہیم شاہی میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ محیط میں (سرخسی نے ذکر کیا) ہے کہ امام محمد نے سیر کبیر میں بیان کیا ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ اپنے بھائی براء بن مالک کے پاس گئے اس وقت وہ گا رہے تھے۔

غیر واقعی کلام ممنوع ہے:

حضرت ربیع کا بیان ہے کہ میری شادی کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اس طرح میرے پاس بیٹھ گئے جیسے تم میرے قریب بیٹھے ہو، کچھ لڑکیاں دف بجا کر ان لوگوں کا مرثیہ گانے لگیں جو بدر کے دن مقتول ہوئے تھے ایک لڑکی نے یہ مصرعہ گایا وَفِینَا نَبِیٌّ یَعْلَمُ مَافِیْ غَدٍ ہمارے اندر ایک ایسا نبی ہے جو آنے والے کل کی باتیں جانتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی سے فرمایا، اس کو چھوڑ، جو کہہ رہی تھی وہی کہہ۔ رواہ البخاری، ابن ماجہ کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بات مت کہو آنے والے کل کی بات سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا۔
حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ ایک انصاری شخص سے ایک عورت کی شادی ہوئی اور وہ وداع ہو کے شوہر کے گھر گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہارے پاس کوئی لہو (گانا بجانا) نہیں ہے ان کو لہو پسند ہوتا ہے۔ رواہ البخاری۔

شادی کے موقع کی خوشی:

حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس نکاح کا اعلان کیا کرو اور مسجدوں میں کرو اور اس پر دف بجاؤ (یعنی خوب شہرت دو)۔ رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث غریب۔
حضرت عائشہ کا بیان ہے میرے پاس ایک انصاری لڑکی تھی میں نے اس کا نکاح کرا دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عائشہ! کیا کوئی غنا نہیں ہے، انصاریوں کا یہ قبیلہ تو غنا کو پسند کرتا ہے، رواہ ابن حبان فی صحیح
حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ نے اپنی کسی قرابتدار (لڑکی) کا کسی انصاری سے نکاح کرا دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اندر) تشریف لائے تو فرمایا، کیا تم نے لڑکی کو رخصت کر دیا، حاضرین نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا کیا تم نے اس کے ساتھ کسی گانے والے (یا گانے والی) کو بھیجا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے کہا نہیں۔ فرمایا، انصاری لوگوں کے اندر تغزل ہے (یعنی ان کو غناء پسند ہے) اگر تم لڑکی کے ساتھ کسی کو یہ گانے کے لئے

بھیج دیتے اتیناکم اتیناکم فحیانا وحیاکم (تو بہتر ہوتا) ہم تمہارے پاس آ گئے اللہ ہم کو بھی مبارک کرے اور تم کو بھی۔ رواہ ابن ماجہ۔

عامر بن سعد راوی ہیں کہ ایک شادی میں میں شریک ہوا، وہاں حضرت قرظ بن کعبؓ اور حضرت ابو مسعود انصاریؓ بھی موجود تھے اور لڑکیاں گا رہی تھیں۔ میں نے عرض کیا، اے رسول خدا کے صحابہؓ اور اے اہل بدر تمہارے سامنے یہ کیا کیا جا رہا ہے، دونوں نے جواب دیا، اگر تم چاہو تو بیٹھ جاؤ اور ہمارے ساتھ تم بھی سنو۔ اور اگر جانا چاہتے ہو تو چلے جاؤ، ہم کو شادی میں لہو (گانا سننے) کی اجازت دے دی گئی ہے۔

عید کی خوشی: حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میرے پاس حضرت ابو بکر تشریف لائے، حج (یعنی عید) کا زمانہ تھا، میرے پاس دو لڑکیاں بیٹھی دف بجا رہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چہرے پر کپڑا ڈالے (لیٹے) ہوئے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے لڑکیوں کو جھڑکا، حضور والا نے چہرہ کا کپڑا کھول دیا اور فرمایا ابو بکر ان کو رہنے دو یہ عید کے دن ہیں۔ رواہ البخاری۔ ابن ماجہ کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) ہر قوم کا تہوار ہوتا ہے اور ہمارا یہ تیوہار ہے۔

حضرت عمرو بن شعیب کے دادا کی روایت ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے نذر مانی تھی کہ (جب آپ تشریف لے آئیں گے تو اس خوشی میں) آپ کے سر پر دف بجاؤں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی منت پوری کر لو۔ رواہ ابو داؤد۔

اور یہ بات طے شدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی فرمایا، اللہ کی نافرمانی کی نذر کو پورا نہ کیا جائے (اگر دف بجانا معصیت ہوتا تو آپ اجازت نہ دیتے) رواہ مسلم ـــــ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اور بنی نجار (کے محلّہ) میں فروکش ہوئے تو بنی نجار کی لڑکیاں یہ شعر گانے اور کہنے لگیں۔

نحن جوارٍ مِنْ بنی نجارٍ یاحَبَّذا مُحَمَّداً مِنْ جارٍ

(ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہترین مہمان ہیں) رواہ ابن ماجہ عن انس۔

اسی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (جواب میں) فرمایا، اللہ واقف ہے کہ میں تم سے محبت رکھتا ہوں۔

بیہقی نے حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو عورتیں لونڈیاں اور بچے یہ شعر گانے لگے، طلع البدر علینا من ثنیات الوداع وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع۔

وداع کی گھاٹیوں سے چودھویں کا چاند نکل آیا
ہم پر اس کا شکر ادا کرنا ہمیشہ واجب ہے

اے نبی معبوث آپ واجب التعمیل احکام لے کر آئے۔

امام احمد نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوشی میں حبشیوں نے چھوٹے چھوٹے برچھوں کا کھیل کیا۔

محمد بن حاطب جمحی راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، گانا اور نکاح میں دف بجانا حلال و حرام میں امتیاز (کی علامت) ہے۔ رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ والنسائی۔

تقریر مذکورۂ بالا سے ظاہر ہو گیا کہ گانا (سننا اور گانا) وہ حرام ہے جو گناہ کی دعوت دے رہا ہو اور اللہ کی یاد سے غافل بنا رہا ہو اگر ایسا نہ ہو تو حلال ہے حرام نہیں ہے۔ ہاں یہ بات الگ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہؓ کا گانا سننا اور قربت الٰہی کے حصول کا ذریعہ قرار دینا ثابت نہیں ہے اسی لئے اکابر نقشبندی گانا نہیں سنتے لیکن اس کی تردید بھی نہیں کرتے۔ (تفسیر مظہری)

گانا اور اس سے متعلقہ چیزیں حرام ہیں:

جو غنا تحریک اصوات اور تحسین نغمات کے ساتھ بر عایت قواعد موسیقی ہو وہ بالاتفاق حرام ہے۔ غرض یہ کہ اس آیت میں لہو الحدیث سے قصے کہانیاں اور گانے بجانے کا سامان مراد ہے جیسے باجا اور بانسری اور موسیقی اور ستار اور سارنگی اور خرافات اور مضحکہ خیز باتیں اور ناول اور افسانہ جات اور گانے بجانے والی لڑکیاں یہ سب چیزیں لہو الحدیث کے عموم میں داخل ہیں اور یہ سب چیزیں باجماع صحابہ و تابعین و باتفاق ائمہ مجتہدین حرام ہیں جن کے حرام ہونے میں ذرہ برابر شبہ نہیں اور گانا بجانا تو تمام ملتوں اور دینوں میں حرام رہا ہے یہ نفسانی اور شہوانی چیزیں کسی دین میں کبھی بھی جائز نہیں ہوئیں اور غنا اور مزامیر کی حرمت میں بے شمار احادیث آئی ہیں جن کو علامہ ابن حجر مکی نے کتاب الزواجر میں ذکر کیا ہے۔

جاننا چاہیے کہ اس قسم کے لہویات اور خرافات اور ناولوں اور افسانوں کا پڑھنا بلاشبہ حرام ہے اور جبکہ اس سے مقصود استماع حق اور سماعت قرآن سے روکنا ہو تو وہ بلاشبہ کفر ہے۔ (معارف کاندھلوی)

اور سنن بیہقی میں ہے کہ اشتراء لہو الحدیث سے مراد گانے بجانے والے مرد یا عورت کو خریدنا یا اس کے امثال ایسی بیہودہ چیزوں کو خریدنا ہے جو اللہ کی یاد سے غافل کریں، ابن جریر نے بھی اسی عام معنی کو اختیار فرمایا ہے (روح ملخصاً) اور ترمذی کی ایک روایت سے بھی یہی عموم ثابت ہوتا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ گانے والی لونڈیوں کی تجارت نہ کرو، اور پھر فرمایا وفی مثل هذا انزلت هذه الاية وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِیْ الخ۔

لہو ولعب اور اس کے سامان کے شرعی احکام:

ان احکام کی پوری تفصیل قرآن وسنت کے دلائل کے ساتھ احقر کے مستقل رسالہ السعی الحثیث فی تفسیر لہوالحدیث میں مذکور ہے، جس میں غناء ومزامیر پر بھی مفصل کلام قرآن وحدیث سے پھر فقہاء امت اور صوفیائے کرام کے اقوال سے مذکور ہے، یہ رسالہ بزبان عربی احکام القرآن حزب خامس میں شائع ہو چکا ہے، اہل علم اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں، عوام کے لئے اس کا خلاصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

پہلی بات قابل نظر یہ ہے کہ قرآن کریم نے جتنے مواقع میں لہو یا لعب کا ذکر کیا ہے وہ مذمت اور برائی ہی کے مواقع ہیں، جس کا ادنیٰ درجہ کراہت ہے (روح المعانی وکشاف) اور آیت مذکورہ لہو کی مذمت میں بالکل واضح اور صریح ہے۔

جائز کھیل:

اور مستدرک حاکم کتاب الجہاد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ شَيْءٍ مِنْ لَهْوِ الدُّنْيَا بَاطِلٌ إِلَّا ثَلٰثَةً انْتِضَالُكَ بِقَوْسِكَ وَتَأْدِيْبُكَ لِفَرَسِكَ...... وَمُلَاعَبَتُكَ لِأَهْلِكَ فَإِنَّهُنَّ مِنَ الْحَقِّ،

''یعنی دنیا کا ہر لہو (کھیل) باطل ہے مگر تین چیزیں ایک یہ کہ تم تیر کمان سے کھیلو، دوسرے اپنے گھوڑے کو سدھانے کے لئے کھیلو، تیسرے اپنی بی بی کے ساتھ کھیل کرو۔''

حاکم نے اس حدیث کو صحیح علیٰ شرط مسلم کہا ہے۔

حدیث میں تین کھیلوں کو ممانعت سے مستثنیٰ کرنا اوپر گزر چکا ہے، تیر اندازی گھوڑے کی سواری، اپنے اہل کے ساتھ ملاعبت، اور حضرت ابن عباسؓ سے ایک مرفوع حدیث میں ہے: خیر لهو المؤمن السباحة وخیر لهو المرأة المغزل (جامع صغیر برمز ابن عدی باسناد ضعیف) یعنی مؤمن کا اچھا کھیل تیراکی ہے اور عورت کا اچھا کھیل چرخہ ہے''۔

صحیح مسلم اور مسند احمد میں حضرت سلمہ ابن اکوعؓ کی روایت ہے کہ انصار مدینہ میں ایک صاحب دوڑ میں بڑے ماہر تھے، کوئی ان سے سبقت نہ لے جا سکتا تھا، انہوں نے ایک روز اعلان کیا کہ کوئی ہے جو میرے ساتھ دوڑ میں مقابلہ کرے؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ میں مقابلہ کروں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی تو میں مقابلہ میں آگے بڑھ گیا، اس سے معلوم ہوا کہ پیادہ دوڑ کی مشق کرنا بھی جائز ہے۔

ایک مشہور پہلوان رکانہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کشتی کی ٹھہرائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کشتی میں پچھاڑ دیا (ابوداؤد فی المراسیل)۔

حبشہ کے کچھ نوجوان مدینہ طیبہ میں فن سپہ گری کی مشق کرنے کے لئے نیزوں وغیرہ سے کھیلتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا کھیل حضرت عائشہؓ کو اپنی پشت کے پیچھے کھڑا کر کے دکھلایا اور ان لوگوں کو فرمایا کہ اِلْهُوْا وَالْعَبُوْا ''یعنی کھیل کود کرتے رہو'' (رواہ البیہقی فی الشعب کذا فی الکنز من باب اللہو) اور بعض روایات میں اس کے ساتھ یہ الفاظ بھی آئے ہیں فَإِنِّيْ أَكْرَهُ أَنْ يُرٰى فِيْ دِيْنِكُمْ غِلْظَةٌ ''یعنی میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ تمہارے دین میں خشکی اور شدت دیکھی جائے۔''

اسی طرح بعض صحابہؓ کرام سے منقول ہے کہ جب وہ قرآن وحدیث کے مشاغل میں تھک جاتے تو بعض اوقات عرب کے اشعار یا تاریخی واقعات سے دل بہلاتے تھے (ذکرہ عن ابن عباسؓ فی کف الرعاع)

ایک حدیث میں ارشاد ہے: رَوِّحُوا الْقُلُوْبَ سَاعَةً فَسَاعَةً اخرجه ابو داؤد فی مراسیله عن ابن شهاب مُرسلاً، ''یعنی تم اپنے قلوب کو کبھی کبھی آرام دیا کرو'' جس سے قلب ودماغ کی تفریح اور اس کے لئے کچھ وقت نکالنے کا جواز ثابت ہوا۔

شراب، جوا اور طبلہ سارنگی:

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب اور جُوئے اور طبلہ وسارنگی کو حرام کیا ہے، اور فرمایا کہ ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے، (رواہ الامام احمد وابوداؤد وابن حبان)۔

خوش آوازی کے ساتھ بغیر مزامیر کے مفید اشعار:

بعض صوفیائے کرام سے جو سماع غنا منقول ہے وہ اسی قسم کے جائز غنا پر محمول ہے، کیونکہ ان کا اتباع شریعت اور اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب کی طرح یقینی ہے، ان سے ایسے گناہ کے ارتکاب کا گمان نہیں کیا جا سکتا، محققین صوفیائے کرام نے خود اس کی تصریح فرمائی ہے۔

وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَأَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا

اور جب سنائے اُس کو ہماری آیتیں پیٹھ دی جائے غرور سے گویا اُن کو سنا ہی نہیں

كَأَنَّ فِيْٓ أُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ ۝

گویا اُس کے دونوں کان بہرے ہیں سو خوشخبری دے اُس کو دردناک عذاب کی

قرآن سے اعراض: یعنی غرور وتکبر سے ہماری آیتیں سُننا نہیں چاہتا بالکل بہرا بن جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۝

جو لوگ یقین لائے اور کیے بھلے کام اُن کے واسطے ہیں نعمت کے باغ

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

ہمیشہ رہا کریں اُن میں وعدہ ہو چکا اللہ کا سچا اور زبردست ہے حکمتوں والا

یعنی کوئی قوت اُس کو ایفائے وعدہ سے روک نہیں سکتی نہ کسی سے بے موقع وعدہ کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا

بنائے آسمان بغیر ستونوں کے تم اُس کو دیکھتے ہو

اس لفظ کی تفسیر سورہ رعد کے شروع میں گزر چکی۔ (تفسیر عثانی)

وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ

اور رکھ دیئے زمین پر پہاڑ کہ تم کو لے کر جھک نہ پڑے

زمین کی مضبوطی:

یعنی سمندر کی موجوں اور سخت ہوا کے جھٹکوں سے یا دوسرے اسباب طبیعہ سے مُرتعش ہوکر جھک نہ پڑے، اس کا انتظام بڑے بڑے پہاڑ قائم کر کے کر دیا گیا۔ سورۂ "نحل" کے اوائل میں یہ مضمون گزر چکا ہے، باقی پہاڑوں کے پیدا کرنے کی حکمت کچھ اسی میں منحصر نہیں۔ دوسرے فوائد اور حکمتیں ہوں گی جو اللہ کو معلوم ہیں۔ (تفسیر عثانی)

وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَاۗبَّةٍ ۭ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ

اور بکھیر دیئے اُس میں سب طرح کے جانور اور اُتارا ہم نے آسمان سے

مَاۗءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝

پانی پھر اُگائے زمین میں ہر قسم کے جوڑے خاصے

زمین کا حسن: یعنی ہر قسم کے پُر رونق، خوش منظر اور نفیس وکار آمد درخت زمین سے اُگائے۔ سورۂ شعراء کے شروع میں اسی مضمون کی آیت گزر چکی ہے۔ (تفسیر عثانی)

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ

یہ سب کچھ بنایا ہوا ہے اللہ کا اب دکھلاؤ مجھ کو کیا بنایا ہے اوروں نے جو اُس کے سوا ہیں

مشرکین کے معبود جھوٹے ہیں:

جب نہیں دکھلا سکتے تو کس منہ سے اُن کو خدائی کا شریک اور معبودیت کا مستحق ٹھہراتے ہو۔ معبود تو وہ ہی ہوسکتا ہے جس کے ہاتھ میں پیدا کرنا اور رزق پہنچانا سب کچھ ہو۔ یہاں ایک ذرہ کے پیدا کرنے کا اختیار نہیں۔ (تفسیر عثانی)

بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

کچھ نہیں پر بے انصاف صریح بھٹک رہے ہیں

ان ظالموں کو سوچنے سمجھنے سے کچھ سروکار نہیں۔ اندھیرے میں پڑے بھٹک رہے ہیں۔ آگے شرک وعصیان کی تقبیح کے لئے حضرت لقمان کی نصیحتیں نقل فرماتے ہیں جو انہوں نے اللہ کی طرف سے دانائی پاکر اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ (تفسیر عثانی)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ

اور ہم نے دی لقمان کو عقلمندی

حضرت لقمان کی باتیں:

اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ حضرت لقمان پیغمبر نہیں تھے۔ ہاں ایک پاکباز متقی انسان تھے جن کو حق تعالیٰ نے اعلیٰ درجہ کی عقل وفہم اور متانت و دانائی عطا فرمائی تھی۔ انہوں نے عقل کی راہ سے وہ باتیں کھولیں، جو پیغمبروں کے احکام وہدایات کے موافق تھیں۔ اُن کی عقلانہ نصیحتیں اور حکمت کی باتیں لوگوں میں مشہور چلی آتی ہیں۔ ربُّ العزت نے ایک حصہ قرآن میں نقل فرما کر اُن کا مرتبہ اور زیادہ بڑھا دیا، شاید مقصود یہ جتلانا ہو کہ شرک وغیرہ کا قبیح ہونا جس طرح فطرت انسانی کی شہادت اور انبیاءؑ کی وحی سے ثابت ہے، دنیا کے منتخب عقلمند بھی اپنی عقل سے اُس کی تائید وتصدیق کرتے رہے ہیں۔ پس توحید کو چھوڑ کر شرک اختیار کرنا ضلال مبین نہیں تو اور کیا ہے؟ (تنبیہ) حضرت لقمان کہاں کے رہنے والے تھے؟ اور کس زمانہ میں ہوئے؟ اس کی پوری تعیین نہیں ہوسکی، اکثر کا قول ہے کہ حبشی تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں ہوئے۔ ان کے بہت سے قصے اور اقوال تفاسیر میں نقل کئے ہیں۔ فالله اعلم بصحتها. (تفسیر عثانی)

بغوی نے لکھا ہے لقمان بن باعور بن ناخور بن تارخ۔ تارخ ہی کو آزر کہا جاتا ہے۔ وہب بن منبہ نے کہا لقمان حضرت ایوب کے بھانجے تھے مقاتل نے کہا خالہ کے بیٹے تھے، بیضاوی نے لکھا ہے لقمان حضرت داؤد کے زمانہ تک زندہ تھے اور فتویٰ دیا کرتے تھے لیکن حضرت داؤد کی بعثت کے بعد فتویٰ دینا چھوڑ دیا اور فرمایا اب میری ضرورت نہیں پھر کیوں فتویٰ دینے سے باز نہ رہوں۔ واقدی نے کہا لقمان بنی اسرائیل کے قاضی تھے۔ تفسیر دُر منثور میں ہے کہ ابن ابی شیبہ کی روایت ہے اور امام احمد نے الزہد میں بھی اس کو بیان کیا ہے اور کتاب المملوکین میں ابن ابی الدنیا نے بھی یہ لکھا ہے۔ نیز ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم کا بھی بیان ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، لقمان ایک حبشی غلام تھے جو بڑھئی کا پیشہ کرتے تھے۔

حضرت لقمانؑ کی خوش گفتاری:

بغوی نے لکھا ہے لقمان دوپہر کو سو رہے تھے۔ خواب میں ہاتف نے ندا دی لقمان کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ تم کو زمین میں اپنا خلیفہ بنادے اور لوگوں پر تم صحیح حکومت کرتے رہو؟ خواب ہی میں لقمان نے ہاتف کو جواب دیا، اگر میرے رب نے مجھے اختیار دیا ہے تو مجھے عافیت پسند ہے (میں حکومت کے جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتا) اور اگر یہ اللہ کا قطعی حکم ہے تو بسر وچشم۔ کیونکہ میں خوب جانتا ہوں کہ جب اللہ کا یہ قطعی حکم میرے لئے ہوگا تو وہی فیصلہ کرنے میں میری مدد بھی کرے گا اور (غلطی سے) مجھے محفوظ رکھے گا۔ ہاتف نے پردۂ غیب سے آواز دی لقمان ایسا تم نے کیوں اختیار کیا (یعنی عافیت کو کیوں پسند کیا؟) لقمان نے کہا، سخت ترین اور الجھے ہوئے غیر واضح مقامات میں فیصلہ پر ہر طرف سے تاریکی چھائی ہوتی ہے ایسے مقام پر اگر لقمان کا فیصلہ صحیح پڑ گیا تو وہ نجات کا مستحق ہے اور اگر اس سے فیصلہ میں غلطی ہوگئی تو جنت کا راستہ کھو گیا۔ دنیا میں نیچا رہنا، سردار ہونے سے بہتر ہے جو شخص آخرت پر دنیا کو ترجیح دیتا ہے اسکے ہاتھ سے دنیا بھی جاتی ہے اور آخرت بھی ہاتھ نہیں آتی۔ ملائکہ کو لقمان کی خوش گفتاری پر تعجب ہوا۔ اس کے بعد لقمان کو کسی روز سوتے میں اللہ نے حکمت عطا فرمادی اور بیدار ہونے کے بعد آپ (ہر) بات پُرحکمت کرنے لگے۔

خاموش رہنا حکمت ہے:

حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ لقمان حضرت داؤد کے غلام تھے، حضرت داؤد زر ہیں بناتے تھے لیکن حضرت لقمان حضرت داؤد سے اس کی بابت کوئی سوال نہیں کرتے۔ جب حضرت داؤد نے زرہ بنالی اور اس کو پہن لیا تو فرمایا یہ بہترین جنگی لباس ہے اس پر حضرت لقمان نے فرمایا خاموش رہنا حکمت ہے (بغیر دریافت کئے زرہ بنانے کی حکمت اور غرض حضرت لقمان کو معلوم ہوگئی) لیکن ایسا کرنے والے کم ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت لقمان سے دریافت کیا گیا سب سے بُرا کون آدمی ہے؟ فرمایا ''وہ آدمی سب سے بُرا ہے جو اس بات کی پرواہ بھی نہیں کرتا کہ لوگ مجھے گناہ کرتے دیکھ رہے ہیں'' یعنی علی الاعلان بدکار)۔ (تفسیر مظہری)

لقمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ہوئے ہیں اور تفسیر درمنثور میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت یہ ہے کہ لقمان ایک حبشی غلام تھے، نجاری کا کام کرتے تھے (اخرجہ ابن ابی شیبہ واحمد فی الزہد وابن جریر وابن المنذر وغیرہ) اور حضرت جابر بن عبداللہؓ سے ان کے حالات دریافت کئے گئے تو فرمایا کہ پست قد پست ناک کے حبشی تھے، اور مجاہدؒ نے فرمایا کہ حبشی غلام موٹے ہونٹ والے پھٹے ہوئے قدموں والے تھے (ابن کثیر)

تین کالے بزرگ۔ ایک سیاہ رنگ حبشی حضرت سعید بن مسیبؒ کے پاس کوئی مسئلہ دریافت کرنے کے لئے حاضر ہوا تو حضرت سعید نے اس کی تسلی کے لئے فرمایا کہ تم اپنے کالے ہونے پر غم نہ کرو، کیونکہ کالے لوگوں میں تین بزرگ ایسے ہیں جو لوگوں میں سب سے بہتر تھے حضرت بلال حبشیؓ، اور مہجع حضرت عمر بن خطابؓ کے آزاد کردہ غلام اور حضرت لقمان علیہ السلام۔

حکمت تک پہنچانے والے اعمال:

حضرت لقمان ایک روز ایک بڑی مجلس میں لوگوں کو حکمت کی باتیں سنا رہے تھے، ایک شخص آیا اور اس نے سوال کیا کہ کیا تم وہی نہیں جو میرے ساتھ فلاں جنگل میں بکریاں چرایا کرتے تھے، لقمان علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں میں وہی ہوں، اس شخص نے پوچھا کہ پھر آپ کو یہ مقام کیسے حاصل ہوا کہ خلق خدا آپ کی تعظیم کرتی ہے اور آپ کے کلمات سننے کے لئے دور دور سے جمع ہوتی ہے، لقمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کا سبب میرے دو کام ہیں ایک ہمیشہ سچ بولنا، دوسرے فضول باتوں سے اجتناب کرنا، اور ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت لقمان نے فرمایا کہ چند کام ایسے ہیں جنہوں نے مجھے اس درجہ پر پہنچایا، اگر تم اختیار کرلو تو تمہیں بھی یہی درجہ اور مقام حاصل ہوجائے گا، وہ کام یہ ہیں، اپنی نگاہ کو پست رکھنا اور زبان کو بند رکھنا، حلال روزی پر قناعت کرنا، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنا، بات میں سچائی پر قائم رہنا، عہد کو پورا کرنا، مہمان کا اکرام کرنا، پڑوسی کی حفاظت کرنا، اور فضول کام اور کلام کو چھوڑ دینا (ابن کثیر)۔ (معارف مفتی اعظم)

أَنِ اشْكُرْ لِلَّهِ ۚ وَمَن يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ

کہ حق مان اللہ کا اور جو کوئی حق مانے اللہ کا تو مانے گا اپنے بھلے کو

وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿١٢﴾

اور جو کوئی منکر ہوگا تو اللہ بے پرواہ ہے سب تعریفوں والا

نعمتوں کی شکرگزاری:

یعنی اس احسان عظیم اور دوسرے احسانات پر منعم حقیقی کا شکر ادا کرنا اور حق ماننا ضروری ہے لیکن واضح رہے کہ اس حق شناسی اور شکرگزاری سے خدا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا جو کچھ فائدہ ہے خود شاکر کا ہے کہ دنیا میں مزید انعام اور آخرت میں اجر وثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اگر ناشکری کی تو اپنا نقصان کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے شکریہ کی کیا پروا ہوسکتی ہے۔ اس کی حمد وثنا تو ساری مخلوق زبان حال سے کر رہی ہے اور بفرض محال کوئی تعریف کرنے والا نہ ہوتب بھی جامع الصفات اور منبع الکمالات ہونے کی بنا پر وہ بذات خود محمود ہے کسی کے حمد وشکر کرنے یا نہ کرنے سے اس کے کمالات میں ذرہ بھر کمی بیشی نہیں ہوتی۔ (تفسیر عثمانی)

حکمت اور شکر:

اَنِ اشْکُرْ لِلّٰہِ کہ اللہ کا شکر کر یعنی ہم نے لقمان کو حکمت دی اور کہا کہ اس عطیۂ حکمت کا شکر ادا کر اکثر اہلِ تفسیر نے اَن کو مفسرہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ عطائے حکمت میں قول کا معنی آ جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں، عطائے حکمت کا مطلب ہے حکمت سکھانا اور تعلیمِ حکمت اکثر قول ہی کے ذریعہ سے ہوتی ہے اس صورت میں حکمت دینے کا معنی ہوگا شکر گزاری کا حکم دینا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حکمت ہی شکر ہے اور حکمت ادا کرنے کا معنی ہی شکر ادا کرنے کا حکم دینا ہے۔

ذاتِ الٰہی کا علم بہت ہی خاص خاص لوگوں کو ہوتا ہے۔

شکر کے حکم کی نوعیت:

آیت میں امر سے مراد ہے تکوینی (تخلیقی، فطری) حکم۔ کیونکہ تکلیفی (اور تشریعی) حکم تو سب ہی لوگوں کو دیا گیا ہے، لقمان ہی کی خصوصیت نہیں پھر شکر گذاری کا حکم دینا (یعنی تکلیفی حکم دینا) اس بات کا قطعاً موجب نہیں کہ ہر شخص ادا کرنے پر مجبور ہو اور ضرور ہی شکر کرے۔ البتہ تکوینی امر کے لئے مامور کا وجود ضروری ہے اگر امر تکوینی مراد ہو تو پھر شکر گزاری لازم ہوگی جس طرح عطائے حکمت کے بعد حصول حکمت لازم ہے اسی طرح شکر کے امر تکوینی کے بعد لقمان کا شکر گذار ہو جانا ضروری ہے۔

حکمت سے شکر مراد لینا بطور مجاز ہے کیونکہ شکر حکمت کے لئے لازم ہے اور ملزوم سے لازم یا لازم سے ملزوم مراد ہو سکتا ہے۔

شکر کا معنی اور اقسام:

شکر کا معنی ہے منعم کی نعمت کا (اقرار و) اظہار۔ اور کفران کا معنی ہے منعم کی نعمت پر پردہ ڈال دینا، چھپا دینا، (منعم کو منعم نہ قرار دینا)۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے، شکر کا معنی ہے احسان شناسی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ لفظ شکر اصل میں کَشْرٌ تھا، کَشْرٌ کے حروف کو مقدم مؤخر کر کے شکر کر دیا گیا، کَشْرٌ کا معنی ہے کھول دینا، شکر کا معنی بھی نعمت کو ظاہر کرنا ہے۔

شکر کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) دل سے شکر کرنا یعنی منعم کے انعام کا تصور کرنا۔

(۲) زبان سے شکر کرنا یعنی منعم کی نعمت پر اس کی ثناء کرنا۔

(۳) اعضاءِ جسم سے شکر کرنا یعنی نعمت کے بدلہ میں منعم کی اطاعت کرنا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ لفظ شکر عَیْنٌ شَکِرٌ (بھرا ہوا چشمہ) سے ماخوذ ہے اس قول پر شکر کا معنی ہوگا منعم کی نعمتوں کی یاد سے بھر جانا۔ اسی بنیاد پر اللہ نے فرمایا ہے وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ قرآن مجید میں اللہ نے دو شخصوں کو شکر گزار بندہ فرمایا ہے ایک حضرت ابراہیم جن کے متعلق فرمایا ہے۔ شَاکِرًا لِّاَنْعُمِہٖ دوسرے حضرت نوح جنکے متعلق فرمایا ہے اِنَّہٗ کَانَ عَبْدًا شَکُوْرًا

زبان و عمل سے شکر:

نہایہ میں جزری نے لکھا ہے، نعمت کے مقابلہ میں شکر زبان سے بھی ہوتا ہے اور عمل سے بھی اور نیت سے بھی زبان سے بھی منعم کی تعریف کرنی چاہیے اور اپنے اعضاء کو بھی ہمیشہ اس کی طاعت میں لگا دیا جائے اور یقین بھی رکھا جائے کہ منعم ہی میرا مولی ہے۔ لفظ شکر شَکِرَتِ الْاِبِلُ شَکْرًا (اونٹ خوب چر کر موٹے ہو گئے) سے ماخوذ ہے۔

شکر کا فائدہ:

وَمَنْ یَّشْکُرْ فَاِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِہٖ جو شکر کرے گا وہ صرف اپنے ہی فائدے کے لئے شکر کرے گا۔

شکر کرنے سے موجودہ اور حاصل شدہ نعمت زوال سے محفوظ ہو جاتی ہے۔ اور آئندہ مزید نعمت حاصل ہو جاتی ہے اور اللہ کے قرب اور دوامی جنت کا حصول ہو جاتا ہے، اللہ نے فرمایا ہے۔ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ (تفسیر مظہری)

اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں سے غنی اور بے نیاز ہے اور وہ اپنی صفات و افعال میں بذاتِ خود حمید اور پسندیدہ ہے اس کا کمال و جمال کسی کی حمد اور ستائش کا محتاج نہیں۔

ع عشقِ ناتمام ما جمالِ یار مستغنی است

(معارف کاندھلوی)

جسم کے دو بہترین اور بدترین اعضاء:

حضرت خالد ربعیؒ کا قول ہے کہ حضرت لُقمان جو حبشی غلام بڑھئی تھے ان سے ایک روز ان کے مالک نے کہا کہ بکری ذبح کرو اور اس کے دو بہترین اور نفیس ٹکڑے گوشت کے میرے پاس لاؤ۔ وہ دل اور زبان لے گئے۔ کچھ دنوں بعد پھر ان کے آقا نے یہی حکم دیا اور کہا کہ آج اس کے سارے گوشت میں سے جو بدترین اور خبیث ٹکڑے ہوں وہ لا دو۔ آپ آج بھی یہی دو چیزیں لے گئے۔ مالک نے پوچھا اس کی کیا وجہ کہ بہترین ٹکڑے مجھ سے مانگے تو تو یہی دو لایا اور بدترین ٹکڑے مانگے تو تُو نے یہ لا دیئے یہ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا جب یہ اچھے رہیں تو ان سے بہتر جسم کا کوئی عضو نہیں اور جب یہ بُرے بن جائیں تو پھر سب سے بدتر بھی یہی ہیں۔ حضرت مجاہد کا قول ہے کہ حضرت لقمان نبی نہ تھے، نیک بندے تھے، سیاہ فام غلام تھے، موٹے ہونٹوں والے اور بھرے قدموں والے۔

حضرت لقمانؑ کی بھلی عادتیں:

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت لقمان حکیم کسی بڑے گھرانے کے

امیر اور بہت زیادہ کُنبے والے نہ تھے۔ ہاں اُن میں بہت سی بھلی عادتیں تھیں۔ وہ خوش خُلق، خاموش، غور وفکر کرنے والے گہری نظر والے، دن کو نہ سونے والے تھے۔ لوگوں کے سامنے تھوکتے نہ تھے نہ پاخانہ پیشاب اور غسل کرتے تھے لغو کاموں سے دُور رہتے تھے، ہنستے نہ تھے جو کلام کرتے تھے حکمت سے خالی نہ ہوتا تھا، جس وقت ان کی اولاد فوت ہوئی یہ بالکل نہ روئے۔ وہ بادشاہوں امیروں کے پاس اس لئے جاتے تھے کہ غور وفکر اور عبرت ونصیحت حاصل کریں۔ اسی وجہ سے اُنہیں بزرگی ملی۔ حضرت قتادہؒ سے ایک عجیب اثر وارد ہے کہ حضرت لقمان کو حکمت ونبوت کے قبول کرنے میں اختیار دیا گیا تو آپ نے حکمت قبول فرمائی۔ راتوں رات ان پر حکمت برسادی گئی اور رگ وپے میں حکمت بھردی گئی۔ صبح کو ان کی باتیں اور ان کی عادتیں سب حکیمانہ ہوگئیں۔ آپ سے سوال ہوا کہ آپ نے نبوت کے مقابلہ میں حکمت کیسے اختیار کی؟ تو جواب دیا کہ اگر خدا تعالیٰ مجھے نبی بنادیتا تو تو اور بات تھی ممکن تھا کہ منصب نبوت کو میں نبھاجاتا۔ لیکن جب مجھے اختیار دیا گیا تو مجھے ڈر لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں نبوت کا بوجھ نہ سہار سکوں، اس لئے میں نے حکمت ہی کو پسند کیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ
اور جب کہا لقمان نے اپنے بیٹے کو جب اس کو سمجھانے لگا
يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ
اے بیٹے شریک نہ ٹھہرائیو اللہ کا

حضرت لقمانؑ کا بیٹا:

معلوم نہیں بیٹا مشرک تھا؟ سمجھا کر راہ راست پر لانا چاہتے تھے یا موحد تھا؟ اُسے توحید پر خوب مضبوط کرنے اور جمائے رکھنے کی غرض سے یہ وصیت فرمائی؟ (تفسیر عثانی)

حضرت لقمانؑ کی نصیحتیں:

(۱) عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لقمان حکیم یہ کہا کرتا تھا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی چیز ودیعت رکھی اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرتا ہے (رواہ احمد) لہٰذا مسلمان کو چاہیے کہ اپنا ایمان اور اسلام اللہ کے پاس ودیعت رکھ دے تاکہ وہ شیطان کی دستبرد سے محفوظ ہوجائے۔ (معارف القرآن)

(۲) قاسم بن مغیرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو ایک نصیحت یہ کی کہ اے بیٹے تقنع سے بچنا (تقنع کے معنی سر کے اوپر اس طرح چادر لپیٹنا کہ گھونگٹ کی طرح ہوجائے) اس لئے کہ تقنع سے رات میں ٹھوکر کھا جانے کا ڈر ہے اور دن میں مذمت کا ڈر ہے کہ لوگ اس ہئیت کو بُرا سمجھیں گے اور برا کہیں گے۔ اخرجہ ابن ابی حاتم ورجالہ ثقات ولکنہ مرسل۔

(۳) عون بن عبداللہ سے روایت ہے کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ جب تو کسی مجلس میں جائے تو ان پر اسلام کا تیر چلا یعنی ان پر سلام کر پھر ایک گوشہ میں خاموش بیٹھ جا اور ان کو دیکھتا رہ۔ پس جب وہ بولیں تو اگر ذکر الٰہی کی باتیں شروع کریں تو تو بھی ان میں حصہ لے اور اگر ادھر ادھر کی باتیں کریں تو وہاں سے نکل کر اور اٹھ کر کہیں اور چلا جا (ابن ابی حاتم) یہ تینوں روایتیں تفسیر ابن کثیر ۴۴۷ ج ۳ سے لی گئی ہیں۔

امام خلیل بن احمد کی دعاء

امام نحو یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اللّٰھم اجعلنی عنک مِنْ اَرْفَعِ خَلْقِکَ وَاجْعَلْنِیْ فِیْ نَفْسِیْ مِنْ اَوْضَعِ خَلْقِکَ وعِنْدَ النَّاسِ مِنْ اَوْسَطِ خَلْقِکَ۔ تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۸ ج ۳

اے اللہ مجھ کو اپنے نزدیک بلند ترین مخلوق میں سے بنا اور میرے نفس سے مجھ کو کمتر ین مخلوق میں سے بنا کہ میں اپنے دل میں اپنے آپ کو حقیقۃً سب سے حقیر اور کمتر جانوں (نہ یہ کہ لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو ہیچ اور ناچیز کہوں) اور اے اللہ مجھ کو لوگوں کے نزدیک متوسط درجہ کی مخلوق میں سے بنا۔ آمین

خطیب شربینی نے اپنی تفسیر سراج منیر میں مختصر طریق پر بلا سند کے ان نصائح کو ذکر کیا ہے کہ جو لقمان حکیم کی طرف منسوب ہیں جو بلاشبہ خزینۂ حکمت اور گنجینۂ معرفت ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خطیب شربینی کی طرح ہم بھی ان نصائح کا ترجمہ اپنی تفسیر میں ذکر کریں۔

(۱) اے پسر اللہ کے تقویٰ کو اپنی تجارت بنا بغیر سرمایہ مال کے تجھ کو نفع حاصل ہوگا۔

(۲) اے پسر جنازوں پر حاضر ہوا کر اور شادیوں کی محفل میں مت جایا کر۔ کیونکہ جنازے تجھ کو آخرت یاد دلائیں گے اور شادی کی محفلیں تجھ کو دنیا یاد دلائیں گی کہ دنیا ایسی ہوتی ہے۔

(۳) اے پسر پیٹ بھر کر نہ کھانا۔ کتے کے سامنے ڈال دینا زیادہ کھانے سے بہتر ہے۔

(۴) اے پسر مرغ کو دیکھ کہ صبح کو اُٹھ کر اذان دیتا ہے اور تو بستر پر سویا ہوا ہوتا ہے لہٰذا مرغ سے زیادہ عاجز نہ بن۔

(۵) اے پسر توبہ میں تاخیر نہ کر کیونکہ موت اچانک آتی ہے خبر کر کے نہیں آتی۔

(۶) اے پسر تو مرد جاہل سے دوستی کرنے کی طرف راغب نہ ہو دیکھنے والا یہ سمجھے گا کہ تو بھی اسی کے عمل اور طریقہ سے راضی ہے تو تیری وجہ سے لوگ دھوکہ میں پڑیں گے۔

(۷) اے پسر اللہ سے ڈرتا رہ اور اس کے تقویٰ کو لازم پکڑ۔ مگر اس طرح رہ کہ لوگوں پر تیرا تقویٰ ظاہر نہ ہو اور لوگ یہ سمجھ کر کہ یہ شخص اللہ سے ڈرتا ہے اس لئے تیرا اکرام کریں اور حالانکہ اندر سے تیرا دل بدکار ہو۔

(۸) اے پسر خاموشی کو لازم پکڑ۔ خاموشی پر کبھی تجھ کو ندامت نہ ہوگی۔ کیونکہ اگر تیرا کلام چاندی کا ہے تو تیری خاموشی خالص سونا ہے۔

(۹) اے پسر شر سے علیحدہ اور دور رہ۔ ایک شر دوسرے شر کا خلیفہ ہوتا ہے۔

(۱۰) اے پسر شدت غضب سے پرہیز کرنا۔ شدت غضب دل کو خراب کر دیتا ہے اور شدت غضب سے حکیم کے دل کا نور مٹ جاتا ہے۔

(۱۱) اے پسر علماء کی مجلس کو لازم پکڑ اور حکماء کا کلام سنا کر۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نور حکمت سے مردہ دل کو زندہ کر دیتا ہے جیسا کہ مردہ زمین کو بارش سے زندہ کرتا ہے اور جو جھوٹ بولتا ہے اس کے چہرہ کی رونق جاتی رہتی ہے اور بدخلق آدمی کو غم بہت لاحق ہو جاتا ہے اور پہاڑ سے پتھر لانا آسان ہے بہ نسبت نادان اور بےعقل کے سمجھانے کے۔

(۱۲) اے پسر کسی نادان اور بےعقل کو ایلچی بنا کر نہ بھیج اور اگر تجھ کو کوئی دانا میسر نہ آئے تو خود چلا جا۔

(۱۳) اے پسر کسی کی باندی سے نکاح نہ کرنا کہ اپنی اولاد کو ہمیشہ کی غلامی کے غم میں ڈال دے۔

(۱۴) اے پسر لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا جس میں علم اور حلم والے کی آنکھ ٹھنڈی نہ ہوگی۔

(۱۵) اے پسر وہ مجلس اختیار کر جس میں اللہ کا ذکر ہوتا ہو کیونکہ ان پر جو اللہ کی رحمت آئے گی اس میں سے تو بھی حصہ پائے گا اور اس مجلس میں نہ بیٹھنا جہاں اللہ کا ذکر نہ ہو کیونکہ اگر ان پر کوئی غضب الٰہی آیا تو تو بھی ان کے ساتھ اس میں پس جائے گا۔

(۱۶) اے پسر چاہیے کہ تیرا کھانا صرف متقی اور پرہیزگار لوگ کھائیں برے لوگوں کو اپنا کھانا نہ کھلا۔

(۱۷) اہل علم اور اہل فہم سے مشورہ کر۔

(۱۸) اے پسر دنیا بحر عمیق ہے یعنی بڑا گہرا دریا ہے، جس میں بہت سے لوگ غرق ہو گئے پس اگر تو نجات چاہتا ہے تو اللہ کے تقویٰ کو اپنی کشتی بنا اور اس کو ایمان کے سامان سے بھر لے اور اللہ پر توکل اس کا لنگر بنا دے تو امید ہے کہ تو ڈوبنے سے بچ جائے گا۔

(۱۹) اے پسر میں نے بڑے بڑے پتھر اور بڑے بڑے لوہے اٹھائے ہیں مگر برے پڑوسی سے زیادہ کسی کو ثقیل اور بوجھل نہیں پایا۔

(۲۰) اور میں نے بڑی بڑی تلخیاں چکھی ہیں مگر فقیری اور محتاجی سے بڑھ کر کوئی تلخ چیز نہیں دیکھی۔

(۲۱) اے پسر علم اور حکمت نے فقراء اور مساکین کو ملوک اور سلاطین کی جگہ پر بٹھلا دیا۔

(۲۲) اے پسر تو ان لوگوں میں سے نہ ہونا کہ جو اپنی تعریف کے طلبگار رہتے ہیں۔

(۲۳) اے پسر جب علم حاصل کر، تو اس پر عمل کرنے کی بھی پوری کوشش کر۔ (علم بغیر عمل کے ہیچ ہے)

(۲۴) اے پسر علماء اور صلحاء کی صحبت کو لازم پکڑ اور دو زانو ان کے سامنے بیٹھا کر۔

(۲۵) اے پسر جب کسی سے دوستی کرنا مقصود ہو تو اس کا امتحان کر لو کہ اس کو غضب ناک کرو اور دیکھو کہ وہ اس غصہ کی حالت میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کرتا ہے اگر وہ انصاف کرتا ہے تو وہ دوستی کے لائق ہے ورنہ اس سے پرہیز کرنا۔

(۲۶) اے پسر قرضہ سے بچنا۔ قرضہ دن میں ذلت ہے اور رات میں فکر اور غم ہے۔

(۲۷) اے پسر جب سے تو دنیا میں اترا ہے تو تیری پشت دنیا کی طرف ہے اور منہ تیرا آخرت کی طرف ہے پس جس گھر کی طرف تو جا رہا ہے وہ اس گھر سے کہیں زیادہ قریب ہے جس سے تو دور ہوتا جا رہا ہے۔

(۲۸) اے پسر اپنی زبان کو اللّٰھم اغفرلی کا عادی اور خوگر بنا لے کیونکہ دن رات میں ایک ساعت ایسی آتی ہے جس میں دعا رد نہیں ہوتی۔

(۲۹) اے پسر اللہ تعالیٰ سے امید لگائے رکھ مگر ایسی امید نہ ہو کہ جو تجھے گناہوں پر جری اور دلیر بنا دے اور اللہ سے ڈرتا رہ مگر وہ خوف ایسا نہ ہو کہ جو تجھ کو اللہ کی رحمت سے ناامید بنا دے۔

لقمان حکیم کی حکمتوں اور نصیحتوں کی تو کوئی شمار نہیں یہ چند نصائح میں نے تفسیر السراج المنیر للخطیب الشربینی ص ۱۵۰ ج ۳ اور حاشیہ صادی علی تفسیر الجلالین ص ۲۵۵ ج ۳ سے نقل کر دی ہیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ناچیز کو اور ناظرین کو ان سے نفع دے آمین یارب العالمین۔ (معارف کاندھلویؒ)

إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ

بیشک شریک بنانا بھاری بے انصافی ہے

شرک سب سے بڑی ناانصافی ہے:

اس سے بڑھ کر بے انصافی کیا ہوگی کہ عاجز مخلوق کو خالق مختار کا درجہ دے دیا جائے اور اس سے زیادہ حماقت اور ظلم اپنی جان پر کیا ہوگا کہ اشرف المخلوقات ہو کر خسیس ترین اشیاء کے آگے سر عبودیت خم کر دے۔ **لاحول ولا قوۃ الا باللہ**۔ (تفسیر عثانی)

اور یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے سے اس کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا، میرے پیارے بیٹے! اللہ کا کسی کو ساجھی مت قرار دینا شرک بڑا ظلم ہے۔

لقمان کے بیٹے کا نام انعم یا اشکم یا ماثان تھا بعض اقوال میں آیا ہے کہ لقمان کا بیٹا مشرک تھا پھر باپ کی نصیحت کی وجہ سے مؤمن ہو گیا۔

ظلم کیا ہے:

ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے مخصوص (مناسب) مقام کے علاوہ کسی دوسری جگہ رکھ دینا۔ خواہ اس میں کمی کر دی جائے یا بیشی یا مکان میں تغیر کر دیا جائے یا وقت بدل دیا جائے۔ ظلم کا اطلاق حق سے تجاوز کرنے پر بھی ہوتا ہے۔ تجاوز تھوڑا ہو یا بہت اسی لئے چھوٹے گناہ کو ظلم کہا جاتا ہے اور بڑے گناہ کو بھی اور ظاہر ہے کہ شرک (بڑا گناہ ہے اس لئے) بڑا ظلم ہے جس میں معبود ہونے کی صلاحیت نہ ہو اس کی عبادت کرنا یقیناً حق سے تجاوزِ عظیم ہے حقیقی منعم کو اس شخص کے ساتھ برابر قرار دینا جو منعم ہونے کی اہلیت نہیں رکھتا بڑا ظلم (اور بڑی بے جا حرکت) ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ

اور ہم نے تاکید کر دی انسان کو اس کے ماں باپ کے واسطے پیٹ میں رکھا اُس کو اُس کی ماں

وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي

نے تھک تھک کر اور دودھ چھڑانا ہے اُس کا دو برس میں کہ حق مان میرا

وَلِوَالِدَيْكَ ۚ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿١٤﴾

اور اپنے ماں باپ کا آخر مجھی تک آنا ہے

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک:

یعنی ماں کا حق باپ سے بھی زیادہ ہے۔ وہ مہینوں تک اس کا بوجھ پیٹ میں اُٹھائے پھری، پھر وضع حمل کے بعد دو برس تک دودھ پلایا۔ اس دوران میں نہ معلوم کیسی کیسی تکلیفیں اور سختیاں جھیل کر بچہ کی تربیت کی۔ اپنے آرام کو اس کے آرام پر قربان کیا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ آدمی اولاً خدا تعالیٰ کا اور ثانیاً اپنے ماں باپ کا خصوصاً ماں کا حق پہچانے یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور ماں باپ کی خدمت واطاعت میں بقدر استطاعت مشغول رہے جہاں تک اللہ کی نافرمانی نہ ہو کیونکہ اس کا حق سب سے مقدم ہے اور اُسی کے سامنے سب کو حاضر ہونا ہے۔ انسان دل میں سوچ لے کہ کیا منہ لے کر وہاں جائے گا۔

بچہ کا دودھ چھڑانے کی مدت:

(تنبیہ) دودھ چھڑانے کی مُدت جو یہاں دو سال بیان ہوئی باعتبار غالب اور اکثری عادت کے ہے۔ امام ابوحنیفہؒ جو اکثر مُدت ڈھائی سال بتاتے ہیں اُن کے پاس کوئی اور دلیل ہوگی۔ جمہور کے نزدیک دو ہی سال ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا میرے حسنِ معاشرت (یعنی حسنِ سلوک) کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے فرمایا، تیری ماں۔ پھر تیری ماں۔ پھر تیری ماں پھر تیرا باپ اس کے بعد اقارب حسب درجہ۔ (متفق علیہ)

حضرت مغیرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے تمہارے لئے ماؤں کی نافرمانی حرام کر دی ہے۔ (متفق علیہ) حضرت ابن عباس نے وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ کا ترجمہ، سختی پر سختی کیا ہے۔ ضحاک نے ضعفِ بالائے ضعف اور مجاہد نے مشقت بر مشقت۔ جب عورت حاملہ ہو جاتی ہے تو اس پر کمزوری اور مشقت طاری ہو جاتی ہے۔ حمل کا ضعف خون چھوٹنے (وضع حمل) کا ضعف اور دودھ پلانے کا ضعف (اسی طرح ضعف پر ضعف بڑھتا جاتا ہے)۔

وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ اور اس کی دودھ چھڑائی دو سالوں (کے اختتام) میں ہے۔

اس آیت سے امام شافعی امام ابو یوسف اور امام محمد نے استدلال کیا ہے کہ دودھ پلانے کی (زیادہ سے زیادہ) مدت دو سال ہے۔ ہم نے سورۂ بقرہ کی آیت وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ الخ کی تفسیر کے ذیل میں مسئلہ رضاعت کو مفصل بیان کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور والدین کا شکر:

أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ کہ میرا شکر ادا کر اور اپنے ماں باپ کا۔

اس آیت کی تفسیر میں سفیان بن عیینہ نے کہا جس نے پانچوں نمازیں پڑھ لیں اس نے اللہ کا شکر ادا کر دیا۔ اور جس نے نمازوں کے بعد ماں باپ کے لئے دعائے خیر کی اس نے ماں باپ کا شکر کیا۔

إِلَيَّ الْمَصِيرُ میری ہی طرف لوٹنا ہے۔ اس فقرہ میں وعدہ بھی ہے اور وعید بھی یعنی میں شکر اور ناشکری دونوں کا بدلہ دوں گا۔ (تفسیر مظہری)

یمن میں حضرت معاذؓ کا پہلا خطبہ:

ابن ابی حاتم میں ہے کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر بنا کر بھیجا آپ نے وہاں پہنچ کر سب سے پہلے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا میں تمہاری طرف رسول اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں یہ پیغام لے کر کہ تم ایک اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، میری باتیں مانتے رہو میں تمہاری خیر خواہی میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ سب کو لوٹ کر اللہ کی طرف جانا ہے۔ پھر یا تو جنت مکان بنے گی یا جہنم ٹھکانا ہوگا۔ پھر وہاں سے نہ نکلنا ہو نہ موت آئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي

اور اگر وہ دونوں تجھ سے اڑیں اس بات پر کہ شریک مان میرا

مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا

اُس چیز کو جو تجھ کو معلوم نہیں تو ان کا کہنا مت مان

شرک وگناہ میں والدین کی فرمانبرداری ناجائز ہے:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ شریک نہ مان جو تجھے معلوم نہیں یعنی شبہ میں بھی نہ مان اور یقین سمجھ کر تو کیوں مانے۔ (تفسیر عثمانی)

لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ یعنی جس معبودِ باطل کے شریکِ الوہیت ہونے کا تجھے علم بھی نہ ہو اس کو اللہ کی معبودیت میں شریک بنانے پر اگر ماں باپ حکم دیں تو ان کا کہنا نہ مان۔ چہ جائیکہ ادلۂ قطعیہ سے شرک کا باطل ہونا جب تجھے معلوم ہے تو ایسی حالت میں ماں باپ کا حکم نہ ماننا تو بدرجۂ اولیٰ لازم ہے۔ اللہ کا حق ہر مخلوق کے حق پر غالب ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خالق کی نافرمانی (کی صورت) میں مخلوق کا حکم ناقابلِ اطاعت ہے۔ رواہ احمد والحاکم عن عمران والحکیم ابن عمر والغفاری حاکم نے اس روایت کی تصحیح کی ہے صحیحین، سنن ابو داؤد اور نسائی میں ایسی ہی حدیث حضرت علی کی روایت سے آئی ہے۔

حضرت سعد بن مالک اوران کی والدہ کا قصہ:

طبرانی کی کتاب العشرۃ میں ہے کہ حضرت سعد بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ میں اپنی ماں کی بہت خدمت کیا کرتا تھا اور ان کا پورا اطاعت گزار تھا۔ جب مجھے خدا تعالیٰ نے اسلام کی طرف ہدایت کی تو میری والدہ مجھ پر بہت بگڑیں اور کہنے لگیں بچے! یہ نیا دین تُو کہاں سے نکال لایا۔ سُنو میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ اس دین سے دستبردار ہو جاؤ ورنہ میں نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی اور یونہی بھوکی مر جاؤں گی۔ میں نے اسلام کو چھوڑا نہیں اور میری ماں نے کھانا پینا ترک کر دیا اور چوطرف سے مجھ پر آوازہ کشی ہونے لگی کہ یہ اپنی ماں کا قاتل ہے۔ میں بہت ہی دل تنگ ہوا اپنی والدہ کی خدمت میں بار بار عرض کیا، خوشامدیں کیں سمجھایا کہ خدا تعالیٰ کے لئے اپنی ضد سے باز آ جاؤ یہ تو ناممکن ہے کہ میں اس سچے دین کو چھوڑ دوں۔ اسی ضد بحث میں میری والدہ پر تین دن کا فاقہ گزر گیا اور اس کی حالت بہت ہی خراب ہوگئی تو میں اس کے پاس گیا اور میں نے کہا میری اچھی اماں جان سُنو! تم مجھے میری جان سے زیادہ عزیز ہو لیکن میرے دین سے زیادہ عزیز نہیں ہو۔ واللہ ایک نہیں تمہاری ایک سو جانیں ہوں اور اسی بھوک پیاس میں ایک ایک کر کے سب نکل جائیں تو بھی میں آخری لمحہ تک اپنے سچے دین اسلام کو نہ چھوڑوں گا پر نہ چھوڑوں گا۔ اب میری ماں مایوس ہوگئیں اور کھانا پینا شروع کر دیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا

اور ساتھ دے اُن کا دنیا میں دستور کے موافق

والدین سے حسن سلوک کی حدود:

یعنی دین کے خلاف ماں باپ کا کہنا نہ مان۔ ہاں دنیوی معاملات میں اُن کے ساتھ نیکی اور سلوک کرتا رہ، اسی مضمون کی آیت سورۂ عنکبوت میں گزر چکی وہاں کا فائدہ دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا اور دنیا میں ماں باپ کے ساتھ اچھے طور پر (جو عقلاً اور شرعاً پسندیدہ ہو) رہو۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ: اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ماں باپ خواہ کافر ہوں لیکن اگر صاحبِ احتیاج ہیں تو ان کی مالی مدد کرنی اور قرابتداری کو نہ توڑنا واجب ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ کا بیان ہے میرے پاس میری ماں آئی اس زمانہ میں وہ مشرک تھی قریش کے حلقہ میں داخل تھی، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں آئی ہے اور (مدد کی) خواہشمند ہے کیا میں اس کے ساتھ قرابتداری کا سلوک کر سکتی ہوں، فرمایا، ہاں اس سے قرابت کا تعلق جوڑے رکھو۔ (متفق علیہ) (تفسیر مظہری)

مسئلہ: اگر والدین فریضہ خداوندی کو ترک کرنے یا فعل حرام کا ارتکاب کرنے کا حکم دیں تو ان کا کہا ماننا ناجائز ہے۔ اللہ کے حکم کی تعمیل کے ساتھ ساتھ اس کے مخالف مخلوق کے حکم کو ماننا شرک معنوی ہے۔ ہم حدیث مبارک نقل کر چکے ہیں کہ خالق کی نافرمانی ہوتی ہو تو مخلوق کے حکم کو ماننا ناجائز ہے، ہاں والدین کے حکم کو ماننا اس وقت واجب ہے جب وہ کسی ایسے مباح کام کا حکم دیں جو خلافِ عقل وشرع نہ ہو۔

اگر والدین کثرت ذکر و نوافل کو روکیں یا ضرورت سے زائد مال کمانے کا حکم دیں تو کیا ان کی بات ماننی واجب ہے؟

میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ ایسے حکم کو ماننا واجب نہیں ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اوران کے والد کا واقعہ:

حاکم نے بوساطت عامر بن عبداللہ حضرت عبداللہ بن زبیر کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت زبیر نے فرمایا ابوقحافہ (حضرت ابوبکر کے والد) نے حضرت ابوبکر سے کہا میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کمزور باندی غلاموں کو آزاد کرتے ہو اگر طاقتور غلاموں کو آزاد کرتے تو بہتر ہوتا کہ وہ تمہاری حفاظت کر سکتے، اور تمہاری طرف سے (دشمنوں کے مقابلہ میں) کھڑے ہو سکتے۔

حضرت ابوبکر نے فرمایا، ابا میں اس ثواب کا طلبگار ہوں جو اللہ کے پاس ہے اس پر آیت وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى نازل ہوئی، یہ واقعہ اس

زمانہ کا ہے، جب حضرت ابوبکر نے حضرت بلال، حضرت عامر بن فہیر حضرت ام عُمیس اور حضرت زبیرہ وغیرہ کو (خرید کر) آزاد کیا تھا۔

حضرت ابوبکر نے چار ہزار درہم ساتھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب ہجرت کی تھی گھر والوں کے لئے کچھ بھی چھوڑ کر نہیں گئے تھے اور یہ بات باپ کی مرضی کے خلاف تھی۔ سورۃ توبہ کی آیت اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ الخ کی تفسیر میں ہم نے ہجرت کی تفصیل لکھ دی ہے۔ (تفسیر مظہری)

والدین کی خدمت اورادب ضروری ہے:

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا یعنی دین میں تو تم ان کا کہنا نہ مانو، مگر دنیا کے کاموں میں مثلاً ان کی جسمانی خدمت یا مالی اخراجات وغیرہ اس میں کمی نہ ہونے دو، بلکہ دنیوی معاملات میں اس کے عام دستور کے مطابق معاملہ کرو ان کی بے ادبی نہ کرو، ان کی بات کا جواب ایسا نہ دو جس سے بلا ضرورت دل آزاری ہو، مطلب یہ ہے کہ ان کے شرک وکفر کے معاملہ میں نہ ماننے سے جو اُن کی دل آزاری ہوگی وہ تو مجبوری کے لئے برداشت کرو، مگر ضرورت کو ضرورت کی حد میں رکھو، دوسرے معاملات میں ان کی دل آزاری سے پرہیز کرتے رہو۔ (معارف مفتی اعظم)

وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ
اور راہ چل اُس کی جو رجوع ہوا میری طرف

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا اتباع کرو:

یعنی پیغمبروں اور مخلص بندوں کی راہ پر چل! دین کے خلاف ماں باپ کی تقلید یا اطاعت مت کر۔ (تفسیر عثمانی)

سَبِيْلَ سے مراد دین ہے اور مَنْ اَنَابَ سے مراد ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام۔ عطاء نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ سے اللہ کی مراد حضرت ابوبکرؓ کی ذات ہے، واقعہ یوں ہوا کہ جب حضرت ابوبکرؓ اسلام لے آئے تو حضرت عثمان طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم نے آ کر حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا کیا آپ (مسلمان ہو گئے اور) اس شخص پر ایمان لائے اور اس کو سچا سمجھ لیا۔ حضرت ابوبکر نے جواب دیا، ہاں وہ سچے ہیں تم بھی ان پر ایمان لے آؤ پھر آپ سب کو ساتھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور یہ حضرات بھی مسلمان ہو گئے، یہ ہی لوگ اسلام کے پیش رو جو حضرت ابوبکرؓ کی راہنمائی سے مسلمان ہوئے اللہ نے حضرت ابوبکرؓ ہی کے متعلق فرمایا وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ۔

ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾
پھر میری طرف ہے تم کو پھر آنا پھر میں جتلا دوں گا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے

یعنی خدا کے ہاں پہنچ کر اولاد اور والدین سب کو پتہ لگ جائے گا کہ کس کی زیادتی یا تقصیر تھی (تنبیہ) وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ سے یہاں تک حق تعالیٰ کا کلام ہے پہلے لقمان کی وصیت بیٹے کو تھی۔ اور آگے بھی يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ الخ سے اُسی وصیت کا سلسلہ ہے۔ درمیان میں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے ایک ضروری تنبیہ فرما دی یعنی شرک اتنی سخت قبیح چیز ہے کہ ماں باپ کے مجبور کرنے پر بھی اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں لقمان نے بیٹے کو باپ کا حق نہ بتلایا تھا کہ اپنی غرض معلوم ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے توحید کی نصیحت سے پیچھے اور دوسری نصیحتوں سے پہلے ماں باپ کا حق فرما دیا کہ بعد اللہ کے حق کے ماں باپ کا حق ہے۔ باپ نے اللہ کا حق بتایا۔ اللہ نے باپ کا۔ باقی پیغمبر یا مرشد و ہادی کا حق بھی حق اللہ کے ذیل میں سمجھو کہ وہ اُسی کے نائب ہوتے ہیں۔ (موضح بتغییر یسیر) (تفسیر عثمانی)

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ
اے بیٹے اگر کوئی چیز ہو برابر رائی کے دانہ کی
فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ
پھر وہ ہو کسی پتھر میں یا آسمانوں میں یا زمین میں
يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۶﴾
لا حاضر کرے اس کو اللہ بیشک اللہ جانتا ہے چھپی ہوئی چیزوں کو خبردار ہے

چھوٹے سے چھوٹا اور خفیہ سے خفیہ عمل بھی حاضر کیا جائے گا:

یعنی کوئی چیز یا کوئی خصلت اچھی یا بری اگر رائی کے دانہ کے برابر چھوٹی ہو اور فرض کرو پتھر کی کسی سخت چٹان کے اندر یا آسمانوں کی بلندی پر یا زمین کی تاریک گہرائیوں میں رکھی ہو، وہ بھی اللہ سے مخفی نہیں ہو سکتی۔ جب وقت آئے گا وہیں سے لا حاضر کرے گا۔ اس لئے آدمی کو چاہیے کہ عمل کرتے وقت یہ بات پیش نظر رکھے کہ ہزار پردوں میں بھی جو کام کیا جائے گا، اللہ کے سامنے ہے۔ چنانچہ نیکی یا بدی کیسی ہی چھپ کر کی جائے اُس کا اثر ضرور ظاہر ہو کر رہتا ہے جسے اہل نظر بے تکلف محسوس کر لیتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت لقمان کے بیٹے کا خیال:

حضرت لقمان کے بیٹے نے حضرت لقمان سے کہا تھا اے میرے باپ! اگر میں چھپ کر کوئی گناہ کروں کہ کسی کو اطلاع نہ ہو تو اس کو خدا کیسے جان لے گا اس کے جواب میں اِنَّهَآ اِنْ تَكُ الخ حضرت لقمان نے فرمایا، جس کو اللہ نے اس جگہ نقل فرما دیا۔

دانے اور پتھر سے مراد:

حبۃ خردل سے مراد ہے حقیر ترین مقدار۔ پتھر یا آسمان یا زمین کے اندر ہونے سے مراد ہے پوشیدہ ترین انتہائی محفوظ مقام میں ہونا، جیسے پتھر کا جوف یا سب سے اونچا مقام آسمان یا زمین کی انتہائی پست ترین گہرائی۔

قتادہ نے کہا صخرۃ (پتھر) سے مراد ہے پہاڑ حضرت ابن عباس نے فرمایا صخرہ سے مراد وہ پتھر ہے جو ساتوں زمینوں کے نیچے ہے، جس میں کافروں اور بدکاروں کے اعمال کا اندراج ہوتا ہے۔ آسمان کی نیل گونی اسی کے (عکس کی) وجہ سے ہے۔ سدی نے کہا، اللہ نے زمین کو مچھلی کے اوپر پیدا کیا یہ مچھلی وہی نون (مچھلی) ہے جو آیت نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ میں مذکور ہے۔ یہ مچھلی پانی کے اندر پتھر کی ایک چٹان کے اوپر اور چٹان ایک فرشتے کی پشت پر رکھی ہوئی ہے اور فرشتہ ایک پتھر پر قائم ہے۔ یہ وہی پتھر ہے جس کا ذکر حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرنے کے ذیل میں کیا ہے۔ یہ پتھر نہ آسمان میں ہے نہ زمین میں بلکہ ہوا پر ہے۔

یَاْتِ بِھَا اللّٰہُ اللہ اس کو لا کر حاضر کر دیگا، یعنی اسکی حساب فہمی کرے گا۔

حضرت لقمانؑ پر ہیبتِ خداوندی کا غلبہ:

بغوی نے لکھا ہے بعض کتابوں میں آیا ہے کہ حضرت لقمان کے یہ آخری الفاظ تھے، اس جملہ کے زبان سے نکلتے ہی ان پر ایسی دہشت اور ہیبت طاری ہوئی کہ پتہ پھٹ گیا۔ (تفسیر مظہری)

یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ
اے بیٹے قائم رکھ نماز اور سکھلا بھلی بات
وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ
اور منع کر برائی سے

امر بالمعروف ونہی عن المنکر:

یعنی خود اللہ کی توحید اور بندگی پر قائم ہو کر دوسروں کو بھی نصیحت کر کہ بھلی بات سیکھیں اور برائی سے رکیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ اِنَّ ذٰلِکَ
اور تحمل کر جو تجھ پر پڑے بیشک یہ ہیں
مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾
ہمت کے کام

دعوت حق کی مشکلات کو برداشت کرو:

یعنی دنیا میں جو سختیاں پیش آئیں جن کا پیش آنا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں اغلب ہے اُن کو تحمل اور اولوالعزمی سے برداشت کر۔ شدائد سے گھبرا کر ہمت ہار دینا حوصلہ مند بہادروں کا کام نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

صبر واستقامت کی اہمیت:

اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ بلاشبہ یہ (ثبات وصبر) فرائض میں سے ہے یعنی ان امور میں سے ہے جو اللہ نے فرض کر دیئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خَیْرُ الامور عَوازِ مھا یعنی بہترین امور وہ ہیں جن کا کرنا اللہ نے فرض کر دیا ہے۔

لغت میں عزم کے معنی ہے، کسی کام کو کرنے کا اٹل ارادہ۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّکَ لِلنَّاسِ
اور اپنے گال مت پھلا لوگوں کی طرف

تکبر و بدخلقی نہ کرو:

یعنی غرور سے مت دیکھ اور لوگوں کو حقیر سمجھ کر متکبروں کی طرح بات نہ کر۔ بلکہ خندہ پیشانی سے مل۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدخلقی سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔ اچھے اخلاق سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ بداخلاقیاں نیک اعمال کو غارت کر دیتی ہیں جیسے شہد کو سرکہ خراب کر دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں غلام خریدنے سے غلام نہیں بڑھتے لیکن خوش اخلاقی سے لوگ بہت سے گرویدہ اور فدائی ہو سکتے ہیں۔ امام محمد بن سیرینؒ کا قول ہے کہ اچھا خُلق دین کی مدد ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی شان:

امام مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک دن حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام اپنے تخت پر بیٹھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دربارداری میں اُس وقت دو لاکھ انسان تھے اور دو لاکھ جن تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان تک پہنچایا گیا۔ یہاں تک کہ فرشتوں کی تسبیح کی آواز کان میں آنے لگی اور پھر زمین تک لایا گیا یہاں تک کہ سمندر کے پانی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بھیگ گئے۔ پھر ہاتف غیب نے ندا دی کہ اگر اس کے دل میں ایک دانے کے برابر بھی تکبر ہوتا تو جتنا اُونچا گیا تھا اس سے زیادہ نیچے دھنسا دیا جاتا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خطبہ:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبے میں انسان کی پیدائش کا بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہ دو شخصوں کی پیشاب گاہ سے نکلتا ہے اس

طرح اسے بیان فرمایا کہ سننے والے گھن کرنے لگے۔

حضرت حسنؓ کا مقولہ:

حضرت حسنؓ کا مقولہ ہے وہ انسان جو ہر دن میں دو مرتبہ اپنا پاخانہ اپنے ہاتھ سے دھوتا ہے وہ کس بنا پر تکبر کرتا ہے اور اس کا وصف اپنے میں پیدا کرنا چاہتا ہے جس نے آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور اپنے قبضے میں رکھا ہے۔ ضحاکؒ بن سفیان سے دنیا کی مثال اس چیز سے بھی دینا مروی ہے جو انسان سے نکلتی ہے۔

تکبر عقل کا دشمن:

امام محمد بن حسین بن علیؒ فرماتے ہیں جس دل میں جتنا تکبر اور گھمنڈ ہوتا ہے اتنی ہی عقل اس کی کم ہو جاتی ہے۔

تکبر و نفاق کا علاج:

یونس بن عبیدؒ فرماتے ہیں کہ سجدہ کرنے کے ساتھ تکبر اور توحید کے ساتھ نفاق نہیں ہوا کرتا۔

حضرت طاؤسؒ کا حضرت عمر بن عبدالعزیز کو عار دلانا:

بنی اُمیہ مار مار کر اپنی اولاد کو اکڑ کر چلنا سکھاتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو آپ کی خلافت سے پہلے ایک مرتبہ اٹھلاتی ہوئی چال چلتی ہوئی دیکھ کر حضرت طاؤسؒ نے ان کے پہلو میں ایک چُو کا مارا اور فرمایا یہ چال اس کی جس کے پیٹ میں پاخانہ بھرا ہوا ہے! حضرت عمرؒ بہت شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے معاف فرمائیے ہمیں مار مار کر اس چال کی عادت ڈلوائی گئی ہے۔

متکبر کو اللہ نہیں دیکھے گا:

فخر و گھمنڈ کی مذمت کا بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص فخر و غرور سے اپنا کپڑا نیچے لٹکا کر گھسیٹے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر رحمت سے نہ دیکھے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَا تَمْشِ	فِى الْاَرْضِ	مَرَحًا ۭ	اِنَّ اللّٰهَ
اور مت چل	زمین پر	اتراتا	بیشک اللہ کو
لَا يُحِبُّ	كُلَّ	مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ؁	
نہیں بھاتا	کوئی	اتراتا بڑائیاں کرنے والا	

یعنی اترانے اور شیخیاں مارنے سے آدمی کی کچھ عزت نہیں بڑھتی بلکہ ذلیل و حقیر ہوتا ہے۔ سامنے نہیں تو پیچھے لوگ بُرا کہتے ہیں۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا رونا:

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت معاذؓ کو قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روتے دیکھ کر دریافت فرمایا۔ تو جواب دیا کہ صاحب قبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث میں نے سنی ہے جسے یاد کر کے رو رہا ہوں۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، فرماتے تھے تھوڑی سی ریاکاری بھی شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں دوست رکھتا ہے جو متقی ہیں، جو لوگوں میں چھپے چھپائے ہیں جو کسی گنتی میں نہیں آتے، اگر وہ کسی مجمع میں نہ ہوں تو کوئی ان کا پرسان حال نہیں اگر آ جائیں تو کوئی آؤ بھگت نہیں لیکن ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں وہ ہر ایک غبار آلود اندھیرے سے بچ کر نُور حاصل کر لیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یہ مَیلے کُچیلے کپڑوں والے جو ذلیل گنے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے مقرب ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ پوری کر دے گو انہیں خدا تعالیٰ نے دنیا نہیں دی لیکن اگر ان کی زبان سے پوری جنت کا سوال بھی نکل جائے تو اللہ تعالیٰ پورا کر لیتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری اُمت میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر آ کر وہ لوگ ایک دینار (اشرفی) ایک درہم (روپیہ) بلکہ ایک فلوس (پیسہ) بھی مانگیں تو تم نہ دو لیکن خدا تعالیٰ کے وہ ایسے پیارے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ سے جنت کی جنت مانگیں تو پروردگار دیدے، ہاں دُنیا نہ تو انہیں دیتا ہے نہ روکتا ہے اس لئے کہ یہ کوئی قدر کے قابل چیز نہیں۔ یہ میلی کچیلی دو چادروں میں رہتے ہیں اگر کسی موقعہ پر قسم کھا بیٹھیں تو جو قسم انہوں نے کھائی ہو خدا تعالیٰ پوری اُتارتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

تصنع سے بچو:

آپ کا یہ قول بھی مروی ہے کہ تصنع سے بچ یہ رات کے وقت ڈراونی چیز ہے اور دن کو مذمت و بُرائی والی چیز ہے۔

حضرت لقمان کی کچھ اور نصیحتیں:

آپ نے اپنے بیٹے سے یہ بھی فرمایا تھا کہ حکمت سے مسکین لوگ بادشاہ بن جاتے ہیں۔ آپ کا فرمان ہے کہ جب کسی مجلس میں پہنچو پہلے اسلامی طریق کے مطابق سلام کرو پھر مجلس کے ایک طرف بیٹھ جاؤ۔ دوسرے نہ بولیں تو تم بھی خاموش رہو۔ اگر وہ لوگ ذکر اللہ کریں تو تم اُن میں سب سے زیادہ حصہ لینے کی کوشش کرو اور اگر گپ شپ شروع کر دیں تو تم اُس مجلس کو چھوڑ دو۔ مروی ہے کہ آپ اپنے بچے کو نصیحت کرنے کے لئے جب بیٹھے تو رائی کی بھری ہوئی ایک تھیلی اپنے پاس رکھ لی تھی اور ہر ہر نصیحت کے بعد ایک دانہ اُس میں سے نکال لیتے یہاں تک کہ تھیلی خالی ہو گئی، تو آپ نے فرمایا بچے اگر اتنی نصیحت کسی پہاڑ کو کرتا تو وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ چنانچہ آپ کے صاحبزادے کا بھی یہی حال ہوا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ

اور چل بیچ کی چال اور نیچی کر آواز اپنی

اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ ﴿۱۹﴾

بیشک بُری سے بُری آواز گدھے کی آواز ہے

میانہ روی اختیار کرو:

یعنی تواضع، متانت اور میانہ روی کی چال اختیار کر، بے ضرورت مت بول، کلام کرتے وقت حد سے زیادہ نہ چلا۔ اگر اونچی آواز سے بولنا ہی کوئی کمال ہوتا تو گدھے کی آواز پر خیال کرو، وہ بہت زور سے آواز نکالتا ہے مگر کس قدر کریہ وکرخت ہوتی ہے۔ بہت زور سے بولنے میں بسا اوقات آدمی کی آواز بھی ایسی ہی بے ڈھنگی اور بے سُری ہو جاتی ہے۔ (ربط) لقمان کا کلام یہاں تک تمام ہوا۔ آگے پھر اصل مضمون کی طرف عود کیا گیا ہے یعنی حق تعالیٰ کی عظمت وجلال اور احسان وانعام یاد دلا کر توحید وغیرہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ اور اپنی چال درمیانی رکھو یعنی نہ رینگتے چلو کہ یہ غرور کی علامت ہے اور اہل غرور کی چال ہے۔ نہ بہت لپک کر چلو کہ یہ چھچھوروں کی چال ہے۔ وقار کو زائل کرتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سرعت رفتار مؤمن کے وقار کو زائل کر دیتی ہے۔ اخرجہ ابن عدی وابونعیم فی الحلیۃ عن ابی ہریرۃ واخرجہ ابن عدی من حدیث ابی سعید وابن عمر۔

جس تیز رفتاری کی ممانعت کی گئی ہے اس سے مراد وہ سرعت رفتار ہے جو طبعی چال سے بڑھ کر کوشش کر کے اختیار کی جائے۔ معمولی تیزی رفتار، جس کی عادت ہو وہ تو مستحب ہے۔ ابن سعد نے حضرت یزید بن مرثد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چلتے تھے تو اتنی تیزی سے چلتے تھے کہ آپ کے پیچھے لپکنے والا آپ تک پہنچ نہ سکتا تھا۔ طبرانی اور بیہقی نے حضرت ابوموسیٰ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وقار کو (چال میں) قائم رکھو اور جنازے لے جانے میں میانہ روی کو اختیار کرو۔ صحاح ستہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جنازے کو تیز لے جاؤ کیونکہ اگر وہ نیک ہے تو تم اس کو پہلے پہنچا دو گے اور اگر بد ہے تو اپنے کندھوں سے (جلد) اتار دو گے۔ ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رفتار کی تیزی حسب عادت قبیح نہیں ہے اور قصد سے مراد تیزی رفتار ہی ہے جو دوڑ سے کم درجہ کی ہو۔

اُونچی آواز سے پرہیز:

اغضض کا ترجمہ کیا ہے پست رکھ۔ یعنی گدھوں کی آواز بہت ہی مکروہ ہوتی ہے بالکل پھٹی ہوئی۔ دوزخیوں کی آواز بھی گدھوں کی طرح ہوگی ابتداء میں زفیر اور اختتام میں شہیق۔ (سینہ کے اندر ہی اندر گڑ گڑ کی آواز)

سفیان ثوری نے آیت مذکورہ کی تشریح میں کہا اس سے مراد چھینک کی دہشت ناک قبیح آواز ہے۔ وہب نے کہا لقمان نے اپنے کلام میں حکمت کے بارہ ہزار دروازے کھول دیئے (یعنی بارہ ہزار پُرحکمت مقولے لقمان کے ہیں) جن کو لوگوں نے اپنے کلام اور معاملات میں شامل کر لیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

یعنی چوپاؤں میں سب سے زیادہ مکروہ آواز گدھے کی ہے جو بہت شور کرتا ہے۔

آدابِ معاشرت:

یہاں آداب معاشرت میں چار چیزیں ذکر کی گئی ہیں، اول لوگوں سے گفتگو اور ملاقات میں متکبرانہ انداز سے رُخ پھیر کر بات کرنے کی ممانعت، دوسرے زمین پر اترا کر چلنے کی ممانعت تیسرے درمیانی چال چلنے کی ہدایت، چوتھے بہت زور سے شور مچا کر۔ بولنے کی ممانعت۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق واوصاف مبارک:

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات وشمائل میں یہ سب چیزیں جمع تھیں، شمائل ترمذی میں حضرت حسینؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد علی مرتضیٰؓ سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کے ساتھ بیٹھتے تھے تو آپس میں آپ کا کیا طرز ہوتا تھا؟ انہوں نے فرمایا:

''کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ خوش وخرم معلوم ہوتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق میں نرمی اور برتاؤ میں سہولت مندی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت سخت نہ تھی بات بھی درشت نہ تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ شور مچانے والے تھے نہ فحش گو تھے، نہ کسی کو عیب لگاتے تھے، نہ بخل کرتے تھے، جو چیز دل کو نہ بھاتی اس کی جانب سے غفلت برتتے تھے (مگر) دوسرے کو اس کی طرف سے ناامید بھی نہ کرتے تھے، (اگر حلال ہو اور اس کی رغبت ہو) اور جو چیز اپنی مرغوب نہ ہو دوسرے کے حق میں اس کی کاٹ نہ کرتے تھے، (بلکہ خاموشی اختیار فرماتے تھے) تین چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل چھوڑ رکھی تھیں۔

(۱) جھگڑنا (۲) تکبر کرنا (۳) جو چیز کام کی نہ ہو اس میں مشغول ہونا''

یہود ونصاریٰ کی بے راہ روی:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ صحابہؓ کرام کو یہود کی طرح دوڑنے سے بھی منع کیا جاتا تھا، اور نصاریٰ کی طرح بہت آہستہ چلنے سے بھی، اور حکم یہ تھا کہ ان دونوں چالوں کی درمیانی چال اختیار کرو۔

حضرت عمرؓ کی رفتار:

حضرت عائشہؓ نے کسی شخص کو بہت آہستہ چلتے دیکھا جیسے ابھی مرجائے گا تو لوگوں سے پوچھا کہ یہ ایسے کیوں چلتا ہے؟ لوگوں نے بتلایا کہ یہ قُرّاء میں سے ہے، قرّاء قاری کی جمع ہے، اس زمانے میں قاری اس کو بھی کہا جاتا تھا جو تلاوتِ قرآن کی صحت و آداب کے ساتھ قرآن کا عالم بھی ہو، مطلب یہ تھا کہ یہ کوئی بڑا قاری عالم ہے، اس لئے ایسا چلتا ہے، اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ عمر بن خطابؓ اس سے زیادہ قاری تھے، مگر ان کی عادت یہ تھی کہ جب چلتے تو تیز چلتے تھے (مراد وہ تیزی نہیں جس کی ممانعت کی گئی ہے بلکہ اس کے بالمقابل تیزی ہے) اور جب وہ کلام کرتے تھے تو اس طرح کہ لوگ اچھی طرح سُن لیں (ایسی پست آواز نہ ہوتی تھی کہ سننے والوں کو پوچھنا پڑے کہ کیا فرمایا)۔ (معارف مفتی اعظم)

گدھے کی آواز کی قباحتیں:

سفیان ثوری فرماتے ہیں حیوانات میں گدھے کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ ہر حیوان کی آواز اللہ کی تسبیح ہے۔ مگر گدھے کی آواز شیطان کے دیکھنے کے سبب سے ہوتی ہے اسی وجہ سے حدیث میں آیا ہے کہ جب گدھے کی آواز سنو۔ تو اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم پڑھو۔ اس لئے کہ گدھے نے شیطان کو دیکھا ہے (اس لئے وہ چیخ رہا ہے) اور بعض بزرگوں نے یہ کہا ہے کہ گدھے کا چیخنا اور چلانا گھاس اور پانی کے لئے ہوتا ہے یا شہوت بھارنے کے لئے ہوتا ہے یا دوسرے گدھے سے لڑنے کے لئے ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جو آواز بہیمیت اور سبعیت کے سبب پیدا ہوگی وہ سب آوازوں سے بدتر ہوگی۔ اور اسی وجہ سے حدیث میں گدھے کے نماز کے سامنے سے گزرنے کو قاطع صلاۃ قرار دیا ہے نیز قرآن کریم میں جہنمیوں کے چیخنے اور چلانے کے متعلق یہ آیا ہے لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ آیا ہے اور زفیر اور شہیق لغت میں گدھے کی باریک آواز اور بلند آواز کو کہتے ہیں اسی وجہ سے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

ایشاں را آنجا مانند زیرو بم خر باشد (معارف کاندھلوی)

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ ۲۱
کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کام میں لگائے تمہارے جو کچھ ہے آسمان
وَمَا فِى الْاَرْضِ
اور زمین میں

تسخیر کائنات:

یعنی آسمان و زمین کی کل مخلوق تمہارے کام میں لگا دی ہے پھر تم اُس کے کام میں کیوں نہیں لگتے۔ (تفسیر حقانی)

سورج کا سجدہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو کہ یہ سُورج کہاں جاتا ہے؟ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول۔ خوب جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ جا کر خدا تعالیٰ کے عرش کے نیچے سجدے میں گر پڑتا ہے اور اپنے رب تعالیٰ سے اجازت چاہتا ہے۔ قریب ہے کہ ایک دن اس سے کہہ دیا جائے جہاں سے آیا ہے وہیں کو لوٹ جا۔

ابن عباسؓ کا قول ہے کہ سورج بمنزلہ ساقیہ کے ہے۔ دن کو اپنے دوران میں جاری رہتا ہے غروب ہو کر رات کو پھر زمین کے نیچے گردش میں رہتا ہے یہاں تک کہ اپنی مشرق سے ہی طلوع ہو۔ اسی طرح چاند بھی۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً ؕ		
اور پوری کر دیں تم پر اپنی نعمتیں	کھلی	اور چھپی

ظاہر اور باطنی نعمتیں:

کھلی نعمتیں وہ جو حواس سے مُدرک ہوں یا بے تکلف سمجھ میں آ جائیں چھپی وہ جو عقلی غور و فکر سے دریافت کی جائیں۔ یا ظاہر سے مادی و معاشی اور باطنی سے روحانی و معادی نعمتیں مراد ہوں۔ گویا پیغمبر بھیجنا کتاب اُتارنا، نیکی کی توفیق دینا، سب باطنی نعمتیں ہوں گی۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

ظاہری نعمتوں سے مراد ہیں محسوس نعمتیں خوبصورتی اعضاء کی درستی رزق، عافیت اور دوسری دنیوی نعمتیں۔ ان کے علاوہ دشمنوں پر غلبہ۔ اسلام۔ رسول۔ قرآن۔ ضوابط شریعت کا ثقیل نہ ہونا۔ اتباع رسول کی توفیق۔ اسلام کا غلبہ وغیرہ، یہ سب بھی ظاہری نعمتوں میں شامل ہیں۔

باطنی نعمتوں سے مراد ہے دل، عقل، باطنی حواس، حسن اخلاق، اعتقاد حق، دل میں صحیح اعتقاد ڈال دینا، گناہوں کی فوری پکڑ نہ ہونا، ملائکہ کے ذریعے سے مدد پہنچانا، معرفت الٰہی کا نور اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت، رسول کی شفاعت وغیرہ۔ (تفسیر مظہری)

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً اسباغ کے معنی مکمل کرنے کے ہیں معنی یہ ہیں کہ مکمل کر دیا اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنی ظاہری نعمتوں کو اور باطنی نعمتوں کو، ظاہری نعمتوں سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو انسان اپنے حواسِ خمسہ سے محسوس اور معلوم کر لیتا ہے، مثلاً حُسن صورت اعضائے انسانی کا اعتدال اور ہر عضو کو ایسے تناسب سے بنانا جو انسان کے عمل میں زیادہ سے زیادہ معین بھی ہو اور اس کی شکل و صورت کو بھی نہ بگاڑے، اسی طرح رزق مال و دولت، اسباب معیشت، تندرستی اور عافیت یہ سب ظاہری نعمتیں اور محسوس نعمتیں ہیں، اسی طرح دین اسلام کو سہل

کر دینا اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی توفیق ہونا اور اسلام کا دوسرے ادیان پر غالب آنا اور دشمنوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی مدد ہونا بھی انہی نعمائے ظاہرہ میں داخل ہیں، اور باطنی نعمتیں وہ ہیں جو انسان کے قلب سے متعلق ہوں، جیسے ایمان اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور علم و عقل، حُسن اخلاق، گناہوں کی پردہ پوشی، اور جرائم پر فوری سزا نہ ملنا وغیرہ ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ
اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں نہ سمجھ رکھیں
وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ
نہ سوجھ اور نہ روشن کتاب

بے سند جھگڑے:

یعنی ایسے کھلے ہوئے انعام و احسان کے باوجود بعض لوگ آنکھیں بند کر کے اللہ کی وحدانیت میں یا اُس کی شئون و صفات میں یا اُس کے احکام و شرائع میں جھگڑتے ہیں اور محض بے سند جھگڑتے ہیں۔ نہ کوئی علمی اور عقلی اصول ان کے پاس ہے نہ کسی ہادی برحق کی ہدایت۔ نہ کسی مستند اور روشن کتاب کا حوالہ محض باپ دادوں کی اندھی تقلید ہے جس کا ذکر اگلی آیت میں آتا ہے۔ (تنبیہ) ترجمہ سے یوں مترشح ہوتا ہے کہ غالباً مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے ''علم'' سے عقلی طور پر سمجھنا مراد لیا ہے اور ''ہدیٰ'' سے ایک طرح کی بصیرت مرادلی ہے جو سلامتی ذوق و وجدان اور ممارست عقل و فکر سے ناشی ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ان لوگوں کو نہ معمولی سمجھ ہے نہ وجدانی بصیرت حاصل ہے نہ روشن کتاب یعنی نقلی دلیل رکھتے ہیں۔ یہ معنی بہت لطیف ہیں۔ ہم نے آیت کی جو تقریر اختیار کی محض تسہیل کی غرض سے کی ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ
اور جب اُن کو کہئے چلو اُس حکم پر جو اُتارا اللہ نے کہیں نہیں ہم تو چلیں گے اُس پر
مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ
جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو بھلا اور جو شیطان
يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ
بُلاتا ہو اُن کو دوزخ کے عذاب کی طرف تو بھی

اندھی تقلید: یعنی اگر شیطان تمہارے باپ دادوں کو دوزخ کی طرف لئے جا رہا ہو، تب بھی تم اُن کے پیچھے چلو گے؟ اور جہاں وہ گرینگے وہیں گرو گے؟ (تفسیر عثمانی)

اتباع کی قسمیں:

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کی نازل فرمودہ کتاب کا اتباع بلاشبہ فرض ہے لیکن اس کے اتباع کی دو صورتیں ہیں۔ ایک بالذات اور ایک بالغیر جو شخص خود عالم اور قائم ہو اور قواعد عربیت اور قواعد شریعت سے واقف ہو وہ بذات خود کتاب الٰہی کا اتباع کرے اور جو شخص خود عالم نہ ہو اور نہ وہ عربی زبان جانتا ہو تو وہ اہل علم سے پوچھ کر حکم خداوندی کا اتباع کرے کما قال تعالیٰ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اور یہ اتباع درحقیقت اس عالم کا اتباع نہیں بلکہ درحقیقت اللہ اور اس کے رسول کا اتباع ہے مگر عالم کے واسطے سے ہے تو یہ بھی مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کا اتباع ہے لیکن بالغیر ہے یعنی خود نہیں بلکہ بواسطہ عالم شریعت کے ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے یہی معنی ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی پیروی ان علماء ربانیین کے علم اور فہم کے مطابق کی جائے۔ معاذ اللہ معاذ اللہ کسی حنفی اور شافعی نے ابوحنیفہ اور شافعی کو اپنا رب قرار نہیں دیا جو یہ کہا جائے کہ مقلدین اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے مصداق ہیں۔ منکرین تقلید کا عجب حال ہے کہ تقلید کے معنی تو سمجھتے نہیں اور بے سوچے سمجھے مشرکین کی آیات مقلدین پر چسپاں کرتے ہیں سب کو معلوم ہے کہ ہر شخص عربی زبان نہیں جانتا اور اگر کچھ جانتا بھی ہے تو مرتبہ اجتہاد کی اس میں صلاحیت نہیں تو پھر وہ بذات خود کتاب و سنت کو سمجھ کر کیسے اللہ اور اس کے رسول کا اتباع کر سکتا ہے۔ لامحال کسی عالم دین سے پوچھ کر ہی کرے گا اور ظاہر ہے کہ وہ عالم دین اس جاہل کو یہ نہیں بتلا سکتا کہ یہ آیت قطعی الدلالت ہے یا ظنی الدلالت ہے اور یہ حدیث صحیح ہے یا حسن ہے یا غریب ہے یا شاذ ہے یا منکر ہے۔ لامحالہ وہ جاہل بغیر دلیل معلوم کئے ہی اس عالم کا اتباع کریگا اور اسی کا نام تقلید ہے۔ عجب نہیں کہ منکرین تقلید کی اس قسم کی بے سروپا باتیں وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ میں داخل نہ ہوں۔ (معارف کاندھلوی)

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ
اور جو کوئی تابع کرے اپنا منہ اللہ کی طرف اور وہ ہو نیکی پر
فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۭ
سو اُس نے پکڑ لیا مضبوط کڑا

مضبوط حلقہ: یعنی جس نے اخلاص کے ساتھ نیکی کا رستہ اختیار کیا اور اپنے آپ

کو اللہ کے سپرد کردیا، سمجھ لو کہ اُس نے بڑا مضبوط حلقہ ہاتھ میں تھام لیا ہے جب تک یہ کڑا پکڑے رہے گا، گرنے یا چوٹ کھانے کا کوئی اندیشہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ یعنی جو اپنی توجہ اللہ کی طرف کردے اور کامل طور پر ہمہ تن اللہ کا ہو جائے اپنے تمام کام اللہ کے سپرد کردے ہر کام کو کرنے یا نہ کرنے میں اللہ کی خوشنودی کا حصول اس کے پیش نظر ہو۔

وَهُوَ مُحْسِنٌ اور اپنے تمام اعمال میں مخلص ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: احسان (اعمال کی خوبی) یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا (عبادت کے وقت وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے اور) تم اس کو دیکھ رہے ہو یعنی کامل حضور قلب کے ساتھ۔

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ یعنی اس نے مضبوط ترین قبضہ پکڑ لیا اور ایسا محکم ذریعہ اپنی گرفت میں لے لیا جس کے ٹوٹنے کا احتمال بھی نہ ہو۔ یہ نہایت لطیف تشبیہ ہے متوکل کو اس شخص سے تشبیہ دی ہے جس نے کوئی مضبوط قبضہ پکڑ رکھا ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَإِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿٢٢﴾

اور اللہ کی طرف ہے آخر ہر کام کا

یعنی جس نے یہ کڑا مضبوط تھامے رکھا وہ آخر اس کے سہارے سے اللہ تک پہنچ جائے گا اور خدا اُس کا انجام درست کردے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ۚ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ

اور جو کوئی منکر ہوا تو تو غم نہ کھا اُس کے انکار سے ہماری طرف پھر آنا ہے اُن کو

فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٢٣﴾

پھر ہم جتلا دیں گے اُن کو جو اُنہوں نے کیا ہے البتہ اللہ جانتا ہے جو بات ہے دلوں میں

کسی کی تکذیب کی پرواہ نہ کرو:

یعنی تم اپنا علاقہ خدا تعالیٰ سے جوڑے رکھو، کسی کے انکار و تکذیب کی پرواہ نہ کرو۔ منکرین کو بھی بالآخر ہمارے ہاں آنا ہے۔ اُس وقت سب کیا دھرا سامنے آجائے گا۔ کسی جُرم کو اللہ سے چھپا نہ سکیں گے وہ تو دلوں تک کے راز جانتا ہے۔ سب کھول کر رکھ دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

نُمَتِّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٢٤﴾

کام چلا دیں گے ہم اُن کا تھوڑے دنوں پھر پکڑ بلائیں گے اُن کو گاڑھے عذاب میں

تھوڑے دن کی مہلت ہے:

یعنی تھوڑے دن کا عیش اور بے فکری ہے۔ مہلت ختم ہوتے ہی سخت سزا کے نیچے کھنچے چلے آئیں گے۔ مجال ہے کہ چھوٹ کر بھاگ جائیں؟ (تفسیر عثمانی)

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ

اور اگر تو پوچھے اُن سے کس نے بنائے آسمان اور زمین

لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٥﴾

تو کہیں اللہ نے تو کہہ سب خوبی اللہ کو ہے پر وہ بہت لوگ سمجھ نہیں رکھتے

اللہ تعالیٰ تمام صفات وقدرت کا مالک ہے:

یعنی الحمد للہ اتنا تو زبان سے اعتراف کرتے ہو کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنا بجز اللہ کے کسی کا کام نہیں، پھر اب کون سی خوبی رہ گئی جو اُس کی ذات میں نہ ہو۔ کیا ان چیزوں کا پیدا کرنا اور ایک خاص محکم نظام پر چلانا بدون اعلیٰ درجہ کے علم و حکمت اور زور وقدرت کے ممکن ہے؟ لامحالہ ''خالق السموات والارض'' میں تمام کمالات تسلیم کرنے پڑیں گے۔ اور یہ بھی اُسی کی قدرت کا ایک نمونہ ہے کہ تم جیسے منکرین سے اپنی عظمت وقدرت کا اقرار کرا دیتا ہے۔ جس کے بعد تم ملزم ٹھہرتے ہو کہ جب تمہارے نزدیک خالق تنہا وہ ہے تو معبود دوسرے کیونکر بن گئے۔ بات تو صاف ہے پر بہت لوگ نہیں سمجھتے اور یہاں پہنچ کر اٹک جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ

اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں بیشک اللہ

هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٦﴾

وہی ہے بے پرواہ سب خوبیوں والا

ہر چیز کا خالق و مالک اللہ ہے:

یعنی جس طرح آسمان وزمین کا پیدا کرنے والا اللہ ہے ایسے ہی آسمان وزمین میں جو چیزیں موجود ہیں سب بلاشرکت غیرے اسی کی مخلوق ومملوک اور اُسی کی طرف محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ کیونکہ وجود اور توابع وجود یعنی جملہ صفات کمالیہ کا مخزن ومنبع اُسی کی ذات ہے۔ اُس کا کوئی کمال دوسرے سے مستفاد نہیں۔ وہ بالذات سب عزتوں اور خوبیوں کا مالک ہے۔ پھر اُسے کسی کی کیا پرواہ ہوتی؟ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ أَنَّمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ

اور اگر جتنے درخت ہیں زمین میں قلم ہوں اور سمندر ہو اُس کی سیاہی

مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۚ

اُس کے پیچھے ہوں سات سمندر نہ تمام ہوں باتیں اللہ کی

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

بیشک اللہ زبردست ہے حکموں والا

اللہ کی صفات ختم ہونے والی نہیں ہیں:

یعنی اگر تمام دنیا کے درختوں کو تراش کر قلم بنالیں اور موجودہ سمندر کی سیاہی تیار کی جائے، پھر پیچھے سے سات سمندر اور اس کی کمک پر آجائیں اور فرض کرو تمام مخلوق اپنی اپنی بساط کے موافق لکھنا شروع کرے، تب بھی ان باتوں کو لکھ کر تمام نہ کرسکیں گے جو حق تعالیٰ کے کمالات اور عظمت وجلال کو ظاہر کرنے والی ہیں، لکھنے والوں کی عمریں تمام ہو جائیں گی۔ قلم گھس گھس کر ٹوٹ جائیں گے، سیاہی ختم ہو جائے گی پر اللہ کی تعریفیں اور اس کی خوبیاں ختم نہ ہوں گی، بھلا محدود ومتناہی قوتوں سے لامحدود اور غیر متناہی کا سرانجام کیونکر ہو۔ اللھم احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک۔ (تفسیر عثمانی)

اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں سب قلم ہو جائیں اور (محیط کل) سمندر کو اس کے پیچھے سے مزید سات سمندر مدد پہنچائیں (یعنی سب سیاہی بن جائیں اور اللہ کے معلومات لکھے جائیں تو قلم گھس کر ختم ہو جائیں گے او روشنائی تمام ہو جائے گی مگر) اللہ کے کلمات معلومات ختم نہیں ہوں گے۔

يَمُدُّهٗ یعنی اس محیط کل سمندر میں پیچھے سے مزید سات سمندر روشنائی بڑھائیں اور اس میں آ کر گریں۔ یَمُدُّهٗ مَدَّ الدواۃ سے مشتق ہے۔ دوات میں روشنائی پڑنے کو مد دوات کہتے ہیں۔

كَلِمٰتُ اللّٰهِ یعنی اللہ کی معلومات (غیر متناہی ہیں کتنے ہی قلم ہوں اور کتنی ہی روشنائی ہو اللہ کے قلیل معلومات لکھنے کے لئے کافی نہیں لیے معلومات کا تو ذکر ہی کیا ہے)۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ بلاشبہ اللہ غالب ہے (اس کو کوئی طاقت مغلوب نہیں کر سکتی) حکمت والا ہے (اس کے علم وحکمت کے دائرے سے کوئی چیز باہر نہیں۔

شان نزول:

ابن جریر نے عکرمہ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب اہل کتاب (یعنی یہودیوں) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کی بابت دریافت کیا تو آیت وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا نازل ہوئی۔ اہل کتاب نے کہا آپ کا ہمارے متعلق یہ خیال ہے کہ ہم کو قلیل علم دیا گیا ہے حالانکہ ہم کو توریت عطا کی گئی جو سراسر حکمت علم ہے اور جس کو حکمت عطا کر دی گئی اس کو خیر کثیر عطا کر دی گئی (پھر ہمارا علم ناقص اور قلیل کیسے ہو سکتا ہے) اس پر آیت مذکورہ زیر تفسیر نازل ہوئی۔ مندرجہ بالا روایات کی بناء پر آیت کو مدنی کہا جائے گا۔

لیکن کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آیت مذکورہ مکی ہے یہودیوں نے قریش کو مشورہ دیا تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے متعلق دریافت کریں۔ اس وقت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ نہیں چھوڑا تھا۔

ابن جریر نے نیز ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں بیان کیا ہے کہ مشرکوں نے کہا تھا یہ کلام (قرآن مجید) عن قریب ختم ہو جائے گا اس پر آیت وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ الخ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

اللہ کی نعمتوں اور تصرفات کی ایک مثال:

اس آیت میں حق تعالیٰ نے اپنے معلومات اور اپنی قدرت کے تصرفات اور اپنی نعمتوں کی ایک مثال دی ہے کہ وہ غیر متناہی ہیں، نہ کسی زبان سے وہ سب ادا ہو سکتے ہیں نہ کسی قلم سے سب کو لکھا جا سکتا ہے، مثال یہ فرمائی کہ ساری زمین میں جتنے درخت ہیں اگر ان کی سب شاخوں کے قلم بنائے جائیں اور ان کے لکھنے کے لئے سمندر کو روشنائی بنا دیا جائے اور یہ سب قلم حق تعالیٰ کی معلومات اور تصرفات قدرت کو لکھنا شروع کریں تو سمندر ختم ہو جائے گا اور معلومات وتصرفات ختم نہ ہوں گے۔ اور ایک سمندر نہیں اس جیسے سات سمندر اور بھی شامل کر دیئے جائیں، جب بھی سب سمندر ختم ہو جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہ ہوں گے، کلمات اللہ سے مراد اس کے علم وحکمت کے کلمات ہیں (روح ومظہری) اور شیون قدرت اور نعمائے آلہیہ بھی اس میں داخل ہیں، اور سات سمندر سے مطلب یہ نہیں کہ کہیں سات سمندر موجود ہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ ایک سمندر کے ساتھ فرض کرلو اور سات سمندر مل جائیں جب بھی ان سب سے سب کلمات اللہ کو ضبط تحریر میں نہیں لایا جا سکتا، اور سات کا عدد بھی بطور مثال ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ

تم سب کا بنانا اور مرے پیچھے جلانا ایسا ہی ہے جیسا ایک جی کا

اللہ تعالیٰ کیلئے تخلیق کی آسانی:

یعنی سارے جہان کا پیدا کرنا اور ایک آدمی کا پیدا کرنا خدا تعالیٰ کے لئے دونوں برابر ہیں۔ نہ اس میں کچھ وقت نہ اس میں کچھ تعب۔ ایک "کن" سے جو چاہے کر ڈالے اور لفظ "کن" کہنے پر بھی موقوف نہیں۔ یہ ہم کو سمجھانے کا ایک عنوان ہے بس اُدھر ارادہ ہوا اُدھر وہ چیز موجود۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اللہ کے نزدیک تم سب کو پیدا کرنا اور پھر دوبارہ اٹھانا ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص کو پیدا کرنا اور اٹھانا اس کی ذاتی قدرت سے جب اس کے ارادہ کا تعلق ہو جائے تو سب کو پیدا کرنے اور اٹھانے کے لئے بس یہی کافی ہے ایسا نہیں ہے کہ ایک کام میں مشغول ہونے کے وقت دوسرے کام سے غافل ہو

جائے آن کی آن میں جس طرح ایک کی تخلیق اس کے ارادے سے ہو جاتی ہے۔اسی طرح ایک پل میں سب کی تخلیق بھی اس کے ارادے سے ہو سکتی ہے وہ ہر سنی جانے والی آواز کو سنتا اور ہر چیز کو دیکھتا ہے ایک شے کی شنوائی اور بینائی اس کو دوسری چیزوں کی شنوائی اور بینائی سے مانع نہیں ہو سکتی۔

یا سمیعٌ . بصیرٌ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ مشرک جو قیامت کا انکار کرتے ہیں اللہ ان کے اس انکار قولی کو سننے والا اور ان کے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔(تفسیر مظہری)

إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿٢٨﴾
بیشک اللہ سب کچھ سنتا دیکھتا ہے

بے مثال صفاتِ الٰہی:

یعنی جس طرح ایک آواز کا سننا اور بیک وقت تمام جہان کی آوازوں کا سننا، یا ایک چیز کا دیکھنا اور بیک وقت تمام جہان کی چیزوں کو دیکھنا، اس کے لئے برابر ہے۔ایسے ہی ایک آدمی کا مارنا، جلانا اور سارے جہان کا مارنا جلانا اس کی قدرت کے سامنے یکساں ہے پھر دوبارہ جلانے کے بعد بیک وقت تمام اولین و آخرین کے اگلے پچھلے اعمال کا رتی رتی حساب چکا دینے میں بھی اُسے کوئی دقت نہیں ہو سکتی کیونکہ ہمارے تمام اقوال کو سنتا اور تمام افعال کو دیکھتا ہے۔کوئی چھپی کھلی بات وہاں پوشیدہ نہیں۔(تفسیر عثمانی)

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ
تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا
النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي
ہے دن کو رات میں اور کام میں لگا دیا ہے سورج اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے
إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى
ایک مقرر وقت تک

پابندی وقت: مقرر وقت سے قیامت مراد ہے یا چاند سورج میں سے ہر ایک کا دورہ۔ کیونکہ ایک دورہ پورا ہونے کے بعد گویا ازسرنو چلنا شروع کرتے ہیں۔(تفسیر عثمانی)

وَأَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٩﴾
اور یہ کہ اللہ خبر رکھتا ہے اس کی جو تم کرتے ہو

اللہ تعالیٰ کا علم محیط:

یعنی جو قوت رات کو دن اور دن کو رات کرتی اور چاند سورج جیسے کرات عظیمہ کو ادنیٰ مزدور کی طرح کام میں لگائے رکھتی ہے۔اُسے تمہارا مرے پیچھے زندہ کر دینا کیا مشکل ہو گا۔اور جب ہر ایک چھوٹے بڑے عمل سے پوری طرح باخبر ہے تو حساب کتاب میں کیا دشواری ہو گی۔(تفسیر عثمانی)

ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ
یہ اس لئے کہا کہ اللہ وہی ہے ٹھیک اور جس کسی کو پکارتے ہیں
مِنْ دُونِهِ الْبَاطِلُ
اس کے سوائے سو وہی جھوٹ ہے

اللہ کی صفات کے ذکر کا مقصد:

یعنی حق تعالیٰ کی یہ شئون عظیمہ اور صفات قاہرہ اس لئے ذکر کی گئیں کہ سننے والے سمجھ لیں کہ ایک خدا کو ماننا اور صرف اس کی عبادت کرنا ہی ٹھیک راستہ ہے۔اس کے خلاف جو کچھ کہا جائے یا کیا جائے باطل اور جھوٹ ہے۔یا یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ کا موجود بالذات اور واجب الوجود ہونا جو "بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ" سے سمجھ میں آتا ہے اور دوسروں کا باطل و ہالک الذات ہونا اس کو مستلزم ہے کہ اکیلے اُسی خدا کے واسطے یہ شئون و صفات ثابت ہوں پھر جس کے لئے یہ شئون و صفات ثابت ہوں گی وہ ہی معبود بننے کا مستحق ہو گا۔(تفسیر عثمانی)

وَأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿٣٠﴾
اور اللہ وہی ہے سب سے اوپر بڑا

لہٰذا بندہ کی انتہائی پستی اور تذلل (جس کا نام عبادت ہے) اُسی کے لئے ہونا چاہیے۔(تفسیر عثمانی)

أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ
تو نے نہ دیکھا کہ جہاز چلتے ہیں سمندر میں
بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِنْ آيَاتِهِ
اللہ کی نعمت لے کر تا کہ دکھلائے تم کو کچھ اپنی قدرتیں

بحری جہاز: یعنی جہاز بھاری بھاری سامان اُٹھا کر خدا کی قدرت اور فضل و رحمت سے کس طرح سمندر کی موجوں کو چیرتا پھاڑتا ہوا چلا جاتا ہے۔(تفسیر عثمانی)

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿٣١﴾
البتہ اس میں نشانیاں ہیں ہر ایک تحمل کرنے والے احسان ماننے والے کے واسطے

صبر و شکر کا موقع: یعنی اس بحری سفر کے احوال و حوادث میں غور کرنا

انسان کے لئے صبر وشکر کے مواقع بہم پہنچاتا ہے۔ جب طوفان اُٹھ رہے ہوں اور جہاز پانی کے تھپیڑوں میں گھرا ہو، اُس وقت بڑے صبر وتحمل کا کام ہے اور جب اللہ نے اس کشمکش موت وحیات سے صحیح وسالم نکال دیا تو ضروری ہے کہ اُس کا احسان مانے۔ (تفسیر عثانی)

صبر وشکر والے لوگ:

صبار سے وہ شخص مراد ہے جو آفاق اور انفس (یعنی اندرون وبیرون یا اپنی ذات اور سارے جہان) کا گہرا مطالعہ کرتے ہیں اور اس سوچ وبچار میں تکلیفیں برداشت کرتے ہیں۔ اور شکور وہ شخص جو اللہ کی نعمتوں کو پہچانتا اور نعمتیں عطا فرمانے والے کا شکر ادا کرتا ہے۔ یا صبار وشکور سے مراد ہیں اہل ایمان کیوں کہ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایمان کے دو نصف ہیں، آدھا ایمان صبر میں ہے اور آدھا شکر میں۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان، یعنی مؤمن سکھ میں شکر کرتا ہے اور دکھ میں صبر کرتا ہے (اور انسان کی زندگی دکھ اور سکھ کا ہی نام ہے)۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ

اور جب سر پر آئے اُن کے موج جیسے بادل پکارنے لگیں اللہ کو

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ

خالص کر کر اُسی کے لئے بندگی

سمندر کی موجوں میں مشرک بھی اللہ کو پکارتا ہے:

اوپر دلائل وشواہد سے سمجھایا تھا کہ ایک اللہ ہی کا ماننا ٹھیک ہے اس کے خلاف سب باتیں جھوٹی ہیں۔ یہاں بتلایا کہ طوفانی موجوں میں گھر کر کٹر سے کٹر مشرک بھی بڑی عقیدتمندی اور اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارنے لگتا ہے۔ معلوم ہوا کہ انسانی ضمیر اور فطرت کی اصلی آواز یہی ہے۔ باقی سب بناوٹ اور جھوٹے ڈھکوسلے ہیں۔ (تفسیر عثانی)

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ، یعنی اللہ کے سوا کسی دوسرے کو نہیں پکارتے کیونکہ ان کے دماغوں میں فطری طور پر یہ بات جمی ہوئی ہے کہ مصیبتوں کو دور کرنے والا اللہ کے سوا اور کوئی نہیں سخت خطرے اور خوف کے وقت وہ میلان نفسانی اور تقلید اسلاف جو فطرت پر پردہ ڈالے ہوئے تھی یکدم زائل ہوجاتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۭ

پھر جب بچا دیا اُن کو جنگل کی طرف تو کوئی ہوتا ہے اُن میں بیچ کی چال پر

مشکل کشائی کے بعد کی حالت:

یعنی جب خدا تعالیٰ طوفان سے نکال کر خشکی پر لے آیا تو تھوڑے نفوس ہیں جو اعتدال وتوسط کی راہ پر قائم رہیں ورنہ اکثر تو دریا سے نکلتے ہی شرارتیں شروع کر دیتے ہیں۔ مترجم رحمہ اللہ نے فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ کا ترجمہ کیا ''تو کوئی ہوتا ہے اُن میں بیچ کی چال پر'' حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ یعنی جو حال خوف کے وقت تھا وہ تو کسی کا نہیں، مگر بالکل بھول بھی نہ جائے۔ ایسے بھی کم ہیں نہیں تو اکثر قدرت سے منکر ہوتے ہیں۔ اپنے بچ نکلنے کو تدبیر پر رکھتے ہیں یا کسی ارواح وغیرہ کی مدد پر۔ (تفسیر عثانی)

مقتصدٌ سے مراد ہے درمیانی راہ پر قائم رہنے والا یعنی توحید پر برقرار رہنے والا، قصدالسبیل درمیانی راہ چھوٹا راستہ صراط مستقیم یعنی راہ توحید اس تفسیر کی وجہ یہ ہے کہ آیت کا نزول حضرت عکرمہؓ کے متعلق ہوا۔ فتح مکہ کے وقت حضرت عکرمہ بن ابوجہل مکہ سے بھاگ کر سمندر کے کنارے پہنچ گئے اور ایک کشتی میں سوار ہوگئے۔ راستہ میں طوفان آ گیا حضرت عکرمہؓ نے کہا اگر اللہ مجھے اس طوفان سے محفوظ رکھ کر کنارے پر پہنچا دے گا تو میں اپنا ہاتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں جا کر دے دوں گا۔ حضرت عکرمہؓ کے اس قول سے طوفان رک گیا اور عکرمہ مکہ واپس آ کر مسلمان ہوگئے اس تشریح پر پورا کلام اس طرح ہوگا۔ کچھ ان میں سے اعتدال پر رہتے ہیں اور کچھ کافر ہوجاتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ۝

اور منکر وہی ہوتے ہیں ہماری قدرتوں سے جو قول کے جھوٹے ہیں حق نہ ماننے والے

جھوٹے عہد: یعنی ابھی تھوڑی دیر پہلے طوفان میں گھر کر جو قول وقرار اللہ سے کر رہے تھے سب جھوٹے نکلے۔ چند روز بھی اس کے انعام واحسان کا حق نہ مانا اس قدر جلد قدرت کی نشانیوں سے منکر ہو گئے۔ (تفسیر عثانی)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ

اے لوگو بچتے رہو اپنے رب سے اور ڈرو اس دن سے کہ کام نہ آئے کوئی باپ

عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ۭ

اپنے بیٹے کے بدلے اور نہ کوئی بیٹا ہو جو کام آئے اپنے باپ کی جگہ کچھ بھی

قیامت کی وحشت سے بچاؤ کا سامان کرو:

طوفان کے وقت جہاز کے مسافروں میں سخت افراتفری ہوتی ہے ہر ایک اپنی جان بچانے کی فکر میں رہتا ہے۔ تاہم ماں باپ اولاد سے اور اولاد ماں باپ سے بالکل غافل نہیں ہوجاتی۔ ایک دوسرے کے بچانے کی تدبیر

کرتا ہے بلکہ بسا اوقات والدین کی شفقت چاہتی ہے کہ ہو سکے تو بچہ کی مصیبت اپنے سر لے کر اُس کو بچالیں لیکن ایک ہولناک اور ہوشربا دن آنے والا ہے جب ہر طرف نفسی نفسی ہوگی۔ اولاد اور والدین میں سے کوئی ایثار کر کے دوسرے کی مصیبت اپنے سر لینے کو تیار نہ ہوگا۔ اور تیار بھی ہو تو یہ تجویز چل نہ سکے گی۔ چاہئے کہ آدمی اس دن سے ڈر کر غضب الٰہی سے بچنے کا سامان کرے۔ آج اگر سمندر کے طوفان سے بچ گئے تو کل اُس سے کیونکر بچو گے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی مؤمن باپ کافر بیٹے کی طرف سے اور مؤمن بیٹا کافر باپ کی جانب سے معاوضہ نہیں دے گا البتہ مؤمن مؤمن کی شفاعت کرے گا، اللہ نے فرمایا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ دوسری جگہ ارشاد فرمایا: جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۔

نکتہ: بجائے ولد کے مولود کا لفظ ذکر کرنے سے مقصود نفی معاوضہ کا پر زور اظہار ہے کیونکہ مولود تو صرف بیٹے کو کہتے ہیں اور ولد کا اطلاق پوتے پڑ پوتے پر بھی ہوتا ہے۔ پس جب صلبی حقیقی بیٹا اپنے باپ کے کام نہیں آئے گا تو پوتے کا اپنے دادا کے کام نہ آنا ظاہر ہی ہے ولد کا اطلاق بیٹے پوتے پڑ پوتے بلکہ پوتی پڑ پوتی پر بھی ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

کوئی لب نہ ہلا سکے گا:

ابن ابی حاتم میں ہے عُزیر علیہ السلام نے جب اپنی قوم کی تکلیف ملاحظہ کی اور غم و رنج بہت بڑھ گیا نیند اُچاٹ ہوگئی تو اپنے رب کی طرف جھک پڑے۔ فرماتے ہیں میں نے نہایت تضرع وزاری کی، خوب رویا گڑگڑایا، نمازیں پڑھیں روزے رکھے، دعائیں مانگیں، ایک مرتبہ رو رو کر تضرع کر رہا تھا کہ میرے سامنے ایک فرشتہ آ گیا، میں نے اس سے پوچھا کہ کیا نیک لوگ بُروں کی شفاعت کریں گے؟ یا باپ بیٹوں کے کام آئیں گے؟ اس نے فرمایا قیامت کا دن جھگڑوں کے فیصلوں کا دن ہے اُس دن اللہ تعالیٰ خود سامنے ہوگا، کوئی بغیر اس کی اجازت کے لب نہ ہلا سکے گا، کسی کو دوسرے کے بارے میں نہ پکڑا جائے گا، نہ باپ بیٹے کے بدلے نہ بیٹا باپ کے بدلے نہ بھائی بھائی کے بدلے نہ غلام آقا کے بدلے نہ کوئی کسی کا غم و رنج کرے گا نہ کسی کو کسی سے شفقت و محبت ہوگی۔ نہ ایک دوسرے کی طرف سے پکڑا جائے گا، ہر شخص آپا دھاپی میں ہوگا، ہر ایک اپنا بوجھ اُٹھائے ہوئے ہوگا نہ کسی اور کا۔ (تفسیر ابن کثیر)

فائدہ: یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اس آیت میں باپ، بیٹے کو نفع نہ پہنچا سکے گا یہاں تو جملہ فعلیہ کی صورت میں لَا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ کے الفاظ سے ذکر فرمایا اور دوسری جانب میں دو تغیر کئے گئے، ایک یہ کہ اس کو جملہ اسمیہ کی صورت میں بیان فرمایا، دوسرے اس میں ولد کے بجائے لفظ مَوْلُوْد اختیار فرمایا، حکمت اس میں یہ ہے کہ جملہ اسمیہ بہ نسبت فعلیہ کے زیادہ مؤکد ہوتا ہے، اس تغیر جملہ میں اس فرق کی طرف اشارہ کر دیا جو باپ اور اولاد میں ہے کہ باپ کی محبت اولاد کے ساتھ اشد ہے، اس کے برعکس اولاد کی محبت کا یہ درجہ دنیا میں بھی نہیں ہوتا محشر میں نفع رسانی کی نفی تو دونوں سے کر دی گئی مگر اولاد کی عدم نفع رسانی کو مؤکد کر کے بیان فرمایا، اور لفظ ولد کے بجائے مَوْلُوْد اختیار کرنے میں یہ حکمت ہے کہ مولود صرف اولاد کو کہا جاتا ہے اور لفظ ولد عام ہے اولاد کی اولاد کو بھی شامل ہے، اس میں دوسرے رُخ سے اسی مضمون کی تائید اس طرح ہو گئی کہ خود صلبی بیٹا بھی باپ کے کام نہ آئے گا، تو پوتے پڑپوتے کا حال معلوم ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

بیشک اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے، سو تم کو نہ بہکائے دنیا کی زندگانی

وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ

اور نہ دھوکا دے تم کو اللہ کے نام سے وہ دغاباز

دھوکے میں نہ پڑو قیامت آ کر رہے گی:

یعنی وہ دن یقیناً آ کر رہے گا یہ اللہ کا وعدہ ہے جو ٹل نہیں سکتا۔ لہٰذا دنیا کی چند روزہ بہار اور چہل پہل سے دھوکا نہ کھاؤ کہ ہمیشہ اسی طرح رہے گی۔ اور یہاں آرام سے ہو تو وہاں بھی آرام کرو گے؟ نیز اُس دغاباز شیطان کے اغواء سے ہوشیار رہو جو اللہ کا نام لے کر دھوکا دیتا ہے۔ کہتا ہے میاں اللہ غفور رحیم ہے خوب گناہ سمیٹو، مزے اُڑاؤ، بوڑھے ہو کر اکٹھی توبہ کر لینا۔ اللہ سب بخش دے گا۔ تقدیر میں اگر اس نے جنت لکھ دی ہے تو گناہ کتنے ہی ہوں ضرور پہنچ کر رہو گے اور دوزخ لکھی ہے تو کسی طرح بچ نہیں سکتے پھر کاہے کے لئے دنیا کا مزہ چھوڑا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ

بیشک اللہ کے پاس ہے قیامت کی خبر اور اُتارتا ہے مینہ

وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۗ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ

اور جانتا ہے جو کچھ ہے ماں کے پیٹ میں اور کسی جی کو معلوم نہیں کہ

مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۗ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ

کل کو کیا کرے گا اور کسی جی کو خبر نہیں کہ کس زمین میں

تَمُوْتُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝

مرے گا تحقیق اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے

پانچ چیزیں جن کا یقینی علم اللہ کے پاس ہے:

یعنی قیامت آکر رہے گی کب آئے گی؟ اس کا علم خدا کے پاس ہے نہ معلوم کب یہ کارخانہ توڑ پھوڑ کر برابر کر دیا جائے۔ آدمی دنیا کے باغ و بہار اور وقتی ترو تازگی پر ریجھتا ہے، کیا نہیں جانتا کہ علاوہ فانی ہونے کے فی الحال بھی یہ چیز اور اس کے اسباب سب خدا کے قبضہ میں ہیں۔ زمین کی ساری رونق اور مادی برکت (جس پر تمہاری خوشحالی کا مدار ہے) آسمانی بارش پر موقوف ہے۔ سال دو سال مینہ نہ برسے تو ہر طرف خاک اڑنے لگے۔ نہ سامانِ معیشت رہیں نہ اسباب راحت، پھر تعجب ہے کہ انسان دنیا کی زینت اور ترو تازگی پر فریفتہ ہو کر اس ہستی کو بھول جائے جس نے اپنی باران رحمت سے اس کو ترو تازہ اور پُر رونق بنا رکھا ہے۔ علاوہ بریں کسی شخص کو کیا معلوم ہے کہ دنیا کے عیش و آرام میں اس کا کتنا حصہ ہے۔ بہت سے لوگ کوشش کر کے اور ایڑیاں رگڑ کر مر جاتے ہیں لیکن زندگی بھر چین نصیب نہیں ہوتا۔ بہت ہیں جنہیں بے محنت دولت مل جاتی ہے۔ یہ دیکھ کر بھی کوئی آدمی جو دین کے معاملہ میں تقدیرالٰہی پر بھروسہ کئے بیٹھا ہو دنیوی جدوجہد میں تقدیر پر قانع ہو کر ذرہ برابر کمی نہیں کرتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ تدبیر کرنی چاہیے۔ کیونکہ اچھی تقدیر عموماً کامیاب تدبیر ہی کے ضمن میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ علم خدا کو ہے کہ فی الواقع ہماری تقدیر کیسی ہوگی اور صحیح تدبیر بن پڑے گی یا نہیں۔ یہی بات اگر ہم دین کے معاملہ میں سمجھ لیں تو شیطان کے دھوکہ میں ہرگز نہ آئیں۔ بیشک جنت دوزخ جو کچھ ملے گی تقدیر سے ملے گی جس کا علم خدا کو ہے مگر عموماً اچھی یا بری تقدیر کا چہرہ اچھی یا بری تدبیر کے آئینہ میں نظر آتا ہے اس لیے تقدیر کا حوالہ دے کر ہم تدبیر کو نہیں چھوڑ سکتے۔ کیونکہ یہ پتہ کسی کو نہیں کہ اللہ کے علم میں وہ سعید ہے یا شقی۔ جنتی ہے یا دوزخی، مفلس ہے یا غنی، لہٰذا

ظاہری عمل اور تدبیر ہی وہ چیز ہوئی جس سے عادۃً ہم کو نوعیت تقدیر کا قدرے پتہ چل جاتا ہے۔ ورنہ یہ علم تو حق تعالیٰ ہی کو ہے کہ عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی اور پیدا ہونے کے بعد اس کی عمر کیا ہو۔ روزی کتنی ملے۔ سعید ہو یا شقی، اسی کی طرف **ویعلم ما فی الارحام** میں اشارہ کیا ہے۔ رہا شیطان کا یہ دھوکا کہ فی الحال تو دنیا کے مزے اڑا لو، پھر توبہ کر کے نیک بن جانا، اس کا جواب وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا الخ میں دیا ہے یعنی کسی کو خبر نہیں کہ کل وہ کیا کرے گا؟ اور کچھ کرنے کے لئے زندہ بھی رہے گا؟ کب موت آ جائے گی اور کہاں آئے گی؟ پھر یہ وثوق کیسے ہو کہ آج کی بدی کا تدارک کل نیکی سے ضرور کر لے گا اور توبہ کی توفیق ضرور پائے گا؟ ان چیزوں کی خبر تو اسی علیم و خبیر کو ہے۔ (تنبیہ) یاد رکھنا چاہیے کہ مغیبات جنس احکام سے ہوں گی یا جنس اکوان سے، پھر اکوان غیبیہ زمانی ہیں یا مکانی، اور زمانی کی باعتبار ماضی، مستقبل حال کے تین قسمیں کی گئی ہیں۔ ان میں سے احکام غیبیہ کا کلی علم پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمایا گیا فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ الٰی آخر الآیۃ (جن۔ رکوع ۲) جس کی جزئیات کی تفصیل و تبویب اذکیائے امت نے کی۔ اور اکوان غیبیہ کی کلیات و اصول کا علم حق تعالیٰ نے اپنے ساتھ مختص رکھا ہاں جزئیات منتشرہ پر بہت سے لوگوں کو حسب استعداد اطلاع دی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بھی اتنا وافر اور عظیم الشان حصہ ملا جس کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ تاہم اکوان غیبیہ کا علم کلی رب العزت ہی کے ساتھ مختص رہا۔ آیت ہذا میں جو پانچ چیزیں مذکور ہیں احادیث میں ان کو مفاتیح الغیب فرمایا ہے جن کا علم (یعنی علم کلی) بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔ فی الحقیقت ان پانچ چیزوں میں کل اکوان غیبیہ کی انواع کی طرف اشارہ ہو گیا بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ میں غیوب مکانیہ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا میں زمانیہ مستقبلہ "مافی الارحام" میں زمانیہ حالیہ اور یُنَزِّلُ الْغَیْثَ میں غالباً زمانیہ ماضیہ پر تنبیہ ہے۔

یعنی بارش آتی ہوئی معلوم ہوتی ہے لیکن یہ کسی کو معلوم نہیں کہ پہلے سے کیا ایسے اسباب فراہم ہو رہے تھے کہ ٹھیک اسی وقت اسی جگہ اسی مقدار میں بارش ہوئی۔ ماں بچہ کو پیٹ میں لئے پھرتی ہے پر اُسے پتہ نہیں کہ پیٹ میں کیا ہے۔ لڑکا یا لڑکی؟ انسان واقعات آئندہ پر حاوی ہونا چاہتا ہے۔ مگر یہ نہیں جانتا کہ کل میں خود کیا کام کروں گا؟ میری موت کہاں واقع ہوگی؟ اس جہل و بیچارگی کے باوجود تعجب ہے کہ دنیوی زندگی پر مفتوں ہو کر خالق حقیقی کو اور اس دن کو بھول جائے جب پروردگار کی عدالت میں کشاں کشاں حاضر ہونا پڑے گا۔ بہرحال ان پانچ چیزوں کے ذکر سے تمام اکوان غیبیہ کے علم کلی کی طرف اشارہ کرنا ہے حصر مقصود نہیں اور غالباً ذکر میں ان پانچ کی تخصیص اس لئے ہوئی کہ ایک سائل نے سوال انہی پانچ باتوں کی نسبت کیا تھا جس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ کما فی الحدیث۔ پہلے سورۂ انعام اور سورۂ نمل میں بھی ہم علم غیب کے متعلق کچھ لکھ چکے ہیں۔ ایک نظر ڈال لی جائے تم سورۃ لقمان بمنہ و کرمہ۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے مجاہد کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ صحرا نشین لوگوں میں سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، بغوی نے اس شخص کا نام حارث بن عمرو بن حارث بن محارب بن حفصہ بتایا ہے اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے متعلق دریافت کیا یعنی یہ پوچھا کہ قیامت کب ہوگی۔ اس شخص نے یہ بھی کہا کہ میری بی بی حاملہ ہے بتائیے کیا پیدا ہوگا (لڑکا یا لڑکی) اور ہمارا ملک خشک سالی میں مبتلا ہے بتائیے بارش کب ہوگی؟ اور جس زمین پر میں پیدا ہوا تھا وہ تو مجھے معلوم ہے لیکن کس جگہ مروں گا یہ آپ بتائیے۔ اس پر آیات ذیل نازل ہوئیں۔

غیب کے پانچ خزانے:

حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غیب کے خزانے پانچ ہیں جن سے سوائے خدا کے کوئی واقف نہیں، سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا۔ سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا کہ رحم کے اندر کیا ہے؟ سوائے خدا کے کوئی واقف نہیں کہ قیامت کب برپا ہوگی۔ سوائے خدا کے کوئی شخص نہیں جانتا کہ اُس کی موت کس سرزمین پر آئے گی۔ اور سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب آئے گی۔ رواہ احمد والبخاری۔

بغوی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے اس آیت کی تفسیر میں حدیث مذکور الفاظ ذیل کے ساتھ بیان کی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، غیب کے خزانے (یا کنجیاں) پانچ ہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ـــــ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۔ تک تلاوت فرمائی۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے سوال جبرئیلؑ والی حدیث میں آیا ہے۔ یہ پانچ چیزوں میں سے ہے یعنی قیامت کا علم ان پانچ چیزوں میں سے ہے جو آیت اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ الخ میں مذکور ہیں۔

حضرت سلیمان کے درباری کی موت کا عجیب واقعہ:

ابن ابی شیبہ نے المصنف میں خیثمہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ملک الموت حضرت سلیمانؑ کے پاس آئے اور حضرت سلیمانؑ کے پاس جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے ایک شخص کی طرف گھور کر دیکھنے لگے اس شخص نے پوچھا یہ کون شخص ہے حضرت سلیمانؑ نے فرمایا ملک الموت ہے اس شخص نے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجھے مارنا چاہتا ہے آپ ہوا کو حکم دیجئے کہ وہ مجھے اٹھا کر ہندوستان پہنچا دے۔ حضرت سلیمانؑ نے ہوا کو حکم دے دیا (ہوا نے اس شخص کو ہندوستان پہنچا دیا) ملک الموت نے کہا'' میں تعجب سے اس شخص کو برابر دیکھ رہا تھا کیونکہ یہ آپ کے پاس موجود تھا اور مجھے حکم دیا گیا تھا کہ ہندوستان میں اس کی روح قبض کروں۔ (واللہ اعلم)

خلیفہ منصور کا خواب:

ایک حکایت ہے کہ منصور (عباسی خلیفہ) نے خواب میں ملک الموت کو دیکھا، منصور نے اس سے اپنی عمر کی مدت دریافت کی، ملک الموت نے اپنی پانچ انگلیاں دکھا دیں، اہل تعبیر سے تعبیر دریافت کی تو کسی نے کہا پانچ برس، کسی نے کہا پانچ مہینے، کسی نے کہا پانچ دن۔

امام ابوحنیفہ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا، یہ اشارہ ہے اس آیت کی طرف کہ یہ پانچوں چیزیں سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔

بحمد اللہ سورہ لقمان کی تفسیر ۲۲ رجب ۱۲۰۶ھ اور اس کا
ترجمہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ کو ختم ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم:

اور حدیث میں جو بروایت ابن عمرؓ ابن مسعودؓ یہ ارشاد آیا ہے کہ اُوْتِیْتُ مَفَاتِحَ کُلِّ شَیْءٍ اِلَّا الْخَمْسَ (اخرجہ الامام احمد، ابن کثیر) اس میں لفظ اُوْتِیْتُ نے خود یہ بات واضح کردی کہ ان پانچ چیزوں کے علاوہ جن غائبات کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور وحی دیا گیا تھا، اس لئے وہ علم غیب کی تعریف میں شامل نہیں، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی .... اور اولیاء کو بذریعہ الہام جو غیب کی چیزوں کی خبریں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دے دی جاتی ہیں وہ حقیقت کے اعتبار سے علم غیب نہیں، جس کی بناء پر ان کو عالم الغیب کہا جا سکے بلکہ وہ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ یعنی غیب کی خبریں ہیں، اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اور جتنا چاہتا ہے اپنے فرشتوں اور رسولوں اور مقبول بندوں کو عطا فرما دیتا ہے، قرآن کریم میں ان کو اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ فرمایا گیا ہے مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ اِلَیْكَ۔

اس لئے مطلب حدیث کا یہ ہے کہ ان پانچ چیزوں کو تو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ ایسا مخصوص فرمایا ہے کہ بطور انبیاء غیب کے بھی فرشتے اور رسول کو اس کا علم نہیں دیا گیا۔

غیب کی دو قسمیں ہیں، ایک احکام غیب ہیں جیسے احکام شرائع جن میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم بھی دیا جاتا ہے جس کو علم عقائد کہا جاتا ہے اور وہ تمام احکام شرعیہ بھی جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کون سے کام پسند ہیں کون سے ناپسند، یہ سب چیزیں غیب ہی کی ہیں،

دوسری قسم اکوان غیبیہ یعنی دنیا میں پیش آنے والے واقعات کا علم، پہلی قسم کے غائبات کا علم حق تعالیٰ نے اپنے انبیاء ورسل کو عطا فرمایا ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں اسی طرح آیا ہے فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتے، بجز اس رسول کے جس کو اللہ تعالیٰ اس کام کے لئے پسند فرما لیں۔

اور دوسری قسم یعنی اکوان غیبیہ، ان کا علم کلی تو حق تعالیٰ کسی کو عطا نہیں فرماتے وہ بالکل ذات حق کے ساتھ مخصوص ہے، مگر علم جزئی خاص خاص واقعات کا جب چاہتا ہے جس قدر چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے، اس طرح اصل علم غیب تو سب کا سب حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، پھر وہ اپنے علم غیب میں سے احکام غیب کا علم تو عادۃً انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی بتلاتے ہی ہیں، اور یہی علم ان کی بعثت کا مقصد ہے،

اکوانِ غیب کا علم جزئی بھی انبیاء اولیاء کو بذریعہ وحی یا الہام جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے عطا فرما دیتا ہے، جو منجانب اللہ عطا کیا ہوا علم ہے، اس کو حقیقی معنی کے اعتبار سے علم الغیب نہیں کہا جا سکتا، بلکہ غیب کی خبریں (انباء الغیب) کہا جاتا ہے،

خلاصہ یہ ہے کہ آخری دو چیزیں یعنی آئندہ کل میں انسان کیا کمائے گا، اور یہ کہ وہ کس زمین میں مرے گا خود انسان کی ذات کے متعلق حالات ہیں ان میں احتمال ہو سکتا تھا کہ انسان ان کا علم حاصل کرے اس لئے ان دونوں میں خصوصیت سے غیر اللہ کے علم کو منفی کر کے بیان فرمایا گیا، جس سے پہلی تین چیزوں کا علم غیر اللہ کے لئے نہ ہونا بدرجہ اولی ثابت ہو گیا کہ جب انسان خود اپنے اعمال و مکاسب کو اور ان کی انتہا یعنی موت اور اس کی جگہ نہیں جانتا تو آسمان اور نزولِ مطر اور شکم ما اندھیریوں میں مخفی چیز کو کیا جانے گا، اور آخری چیز میں صرف مکانِ موت کا علم انسان کو نہ ہونا بیان فرمایا ہے حالانکہ مکانِ موت کی طرح زمانِ موت بھی انسان کے علم میں نہیں ہوتا۔ (معارف مفتی اعظم)

منتہائے حیات اور منتہائے معاد کا علم:

وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ سے انسان کے منتہائے حیات کی طرف اشارہ ہے اور عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ سے تمام عالم کے معاد کی طرف اشارہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ کل عالم کے مبداء اور معاد اور معاش کا علم کلی اور تفصیلی اور بہمہ وجوہ محیط اور قطعی اور یقینی سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔ اکوانِ غیبیہ کا علم کلی اور تفصیلی اور محیط اللہ رب العزۃ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اگر کسی نبی کو بذریعہ وحی کے اور کسی نبی کو بذریعہ الہام کے اور کسی مرد صالح کو بذریعہ خواب کے کسی کی موت اور حیات کا کچھ علم ہو جائے تو وہ ایک علم جزئی اور ناتمام ہے جس کو خدا تعالیٰ کے علم محیط کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو دریا کے ساتھ ہو اور بعض اوقات کافروں کو بھی بذریعہ خواب یا کشف کچھ امور دکھلا دیئے جاتے ہیں جو واقع کے مطابق ہوتے ہیں جیسا کہ دجال کی حدیث میں اس قسم کے امور کا ذکر آیا ہے تو وہ بطور استدراج ہے نہ کہ بطریق کرامت۔ (معارف کاندھلوی)

سورة السجده

اگر خواب میں دیکھے کہ سورۂ سجدہ پڑھتا ہے تو یہ دلیل ہے کہ سجدہ کرتا ہوا دنیا سے رحلت کرے گا اور حق تعالیٰ کو بہت سجدے کرے گا۔ (ابن سیرین)

سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ سجدہ مکہ میں نازل ہوئی اس کی تیس آیتیں ہیں اور تین رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بےحد مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲﴾

اتارنا کتاب کا اس میں کچھ دھوکا نہیں پروردگار عالم کی طرف سے ہے

شک وشبہ سے پاک کتاب:

بلاشبہ یہ کتاب مقدس رب العالمین نے اتاری ہے نہ اس میں کچھ دھوکا ہے نہ شک وشبہ کی گنجائش۔ (تفسیر عثمانی)

سورۃ کی فضیلت: حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے الٓمّٓ تنزیل السجدہ اور تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ پڑھ لیا کرتے تھے اخرجہ الامام احمد والترمذی والنسائی وغیرھم عن جابرؓ۔

ربط: گذشتہ سورت کا آغاز حقانیت قرآن سے فرمایا بعد ازاں دلائل توحید اور دلائل حشر ونشر ذکر کئے اس سورت کا آغاز بھی قرآن کی حقانیت سے فرمایا بعد ازاں دلائل توحید و دلائل حشر ونشر ذکر کئے پہلی سورت کی طرح سعداء اور اشقیاء کا حال اور مآل ذکر کیا اور پھر حسب سابق اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ سے اول توحید کا ذکر شروع کیا۔ اسی طرح سلسلہ کلام آخر سورت تک چلا گیا۔ (معارف کاندھلوی)

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ

کیا کہتے ہیں کہ یہ جھوٹ باندھ لایا ہے کوئی نہیں وہ ٹھیک ہے

مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ

تیرے رب کی طرف سے تاکہ تو ڈر سنا دے ان لوگوں کو جن کے پاس نہیں آیا ڈرانے والا

مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳﴾

تجھ سے پہلے تاکہ وہ راہ پر آئیں

کافروں کی بےہودہ باتوں کا تجزیہ:

یعنی جس کتاب کا معجز من اللہ ہونا اس قدر واضح ہے کہ شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہیں، کیا اُس کی نسبت کفار کہتے ہیں کہ پیغمبر اپنی طرف سے گھڑ لایا ہے اور معاذ اللہ جھوٹ طوفان خدا کی طرف نسبت کرتا ہے؟ حد ہوگئی جب ایسی روشن چیز میں بھی شبہات پیدا کئے جانے لگے، ذرا غور وانصاف کرتے تو معلوم ہو جاتا کہ یہ کتاب ٹھیک پروردگار عالم کی طرف سے آئی ہے۔ تا اس کے ذریعہ سے آپ اس قوم کو بیدار کرنے اور راہ راست پر لانے کی کوشش کریں جن کے پاس قرنوں سے کوئی بیدار کرنے والا پیغمبر نہیں آیا۔ سوچنے کی بات ہے کہ آدمی اپنی طرف سے وہ ہی چیز بنا کر لاتا ہے یا بنا سکتا ہے جس کی کوئی نظیر یا زبردست خواہش اُس کے ماحول میں پائی جاتی ہو کسی ملک میں ایسی بات دفعۃً منہ سے نکال دینا جو اُن کی سینکڑوں برس کی مسخ شدہ ذہنیت اور مذاق کے یکسر مخالف ہو اور جس کے قبول کی ادنیٰ ترین استعداد بھی بظاہر نہ پائی جائے کسی عاقل کا کام نہیں ہوسکتا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ کسی کو مامور کرے وہ الگ بات ہے پس نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم جن کا اعقل الناس ہونا اُن کو بھی تسلیم کرنا پڑا ہے جو آپ کو (معاذ اللہ) مفتری کہتے ہیں، اگر کوئی بات بنا کر لاتے تو یقیناً ایسی لاتے جو عرب کی اُس فضا کے مناسب او رعام جذبات کے موافق ہوتی اور جس کا کوئی نمونہ اُن کے گردوپیش پایا جاتا یہ ہی بات ایک انصاف پسند کو یقین دلا سکتی ہے کہ وہ خود اپنی ذاتی خواہش سے کھڑے نہیں ہوئے اور نہ جو پیغام لائے وہ اُن کی تصنیف کیا ہوا تھا۔ (تفسیر عثانی)

ایمان وتوحید کی دعوت ہر دور میں رہی ہے:

اس آیت میں لفظ نذیر اپنے عام لغوی معنی میں ہے یعنی اللہ کی طرف دعوت دینے والا وہ خواہ رسول اور پیغمبر ہو یا ان کا کوئی نائب خلیفہ یا عالم دین، تو اس آیت سے تمام امتوں اور جماعتوں تک توحید کی دعوت پہنچ جانا معلوم ہوتا ہے وہ اپنی جگہ صحیح ودرست اور حق تعالیٰ کی رحمتِ عامہ کا مقتضا ہے جیسا کہ ابوحیان نے فرمایا کہ توحید اور ایمان کی دعوت کسی زمانے اور کسی مکان اور کسی قوم میں کبھی منقطع نہیں ہوتی، اور جب کہیں نبوت پر زمانہ دراز تک گزر جانے کے بعد اس نبوت کا علم رکھنے والے علماء بہت کم رہ گئے تو کوئی دوسرا نبی و رسول مبعوث ہوگیا، اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اقوامِ عرب میں بھی ضرورت توحید کی دعوت پہلے سے ضرور پہنچی ہوگی، مگر اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ یہ دعوت خود کوئی نبی و رسول لے کر آیا ہو، ہوسکتا ہے کہ ان کے نائبین علما ذریعہ پہنچ گئی ہو، اس لئے اس سورۃ اور سورۃ یٰسین وغیرہ کی وہ آیتیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قریش عرب میں آپ سے پہلے کوئی نذیر نہیں آیا تھا، ضروری ہے کہ اس میں نذیر سے مراد اصطلاحی معنی کے اعتبار سے رسول و نبی ہو، اور مراد یہ ہو کہ اس قوم کے اندر آپ سے پہلے کوئی نبی و رسول نہیں آیا تھا، اگر چہ دعوتِ ایمان وتوحید دوسرے ذرائع سے یہاں بھی پہنچ چکی ہو۔

زمانۂ فترت یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بہت سے حضرات کے متعلق یہ ثابت ہوا ہے کہ وہ دینِ ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام پر قائم تھے، توحید پر ان کا ایمان تھا، بت پرستی اور بتوں کیلئے قربانی دینے سے متنفر تھے۔

عمرو بن نفیل:

روح المعانی میں موسیٰ بن عقبہؓ کی مغازی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ عمرو بن نفیل جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نبوت سے پہلے آپ سے ملے بھی تھے، مگر نبوت سے پہلے ان کا انتقال اس سال میں ہوگیا جس میں قریش نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی اور یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پانچ سال پہلے کا ہے، ان کا حال موسیٰ بن عقبہ نے یہ نقل کیا ہے کہ قریش کو بت پرستی سے روکتے تھے، اور بتوں کے نام پر قربانی دینے کو بہت بُرا کہتے تھے، اور مشرکین کے ذبائح کا گوشت نہ کھاتے تھے۔

اور ابوداؤد طیالسی نے عمرو بن نفیل کے صاحبزادے حضرت سعید بن عمروؓ سے، جو صحابہؓ میں عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں یہ روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے والد کا جو کچھ حال تھا وہ آپ کو معلوم ہے کہ توحید پر قائم، بت پرستی کے منکر تھے، تو کیا میں ان کے لئے دعائے مغفرت کر سکتا ہوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ان کے لئے دعاء مغفرت جائز ہے، وہ قیامت کے روز ایک مستقل امت ہوکر اٹھیں گے۔ (روح)

ورقہ بن نوفل:

اس طرح ورقہ بن نوفل جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ نبوت شروع ہونے اور نزولِ قرآن کی ابتداء کے وقت موجود تھے توحید پر قائم تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنے کا اپنا عزم ظاہر کیا تھا، مگر فوراً بعد ہی ان کی وفات ہوگئی، یہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ اقوامِ عرب بھی دعوتِ آلہیہ اور دعوتِ ایمان وتوحید سے محروم تو تھیں، مگر خود ان کے اندر کوئی نبی نہیں آیا تھا، واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
اللہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین
وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ
اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے چھ دن کے اندر پھر قائم ہوا عرش پر

اس کا بیان سورۂ اعراف میں آٹھویں پارہ کے اختتام کے قریب گذر چکا، ملاحظہ کرلیا جائے۔ (تفسیر عثانی)

مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ

کوئی نہیں تمہارا اُس کے سوائے حمایتی اور نہ سفارشی

اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ④

پھر تم کیا دھیان نہیں کرتے

کہاں بھاگ سکتے ہو؟: یعنی دھیان نہیں کرتے کہ اُس کے پیغامبر کو جھٹلا کر کہاں جاؤ گے۔ تمام زمین و آسمان میں عرش سے فرش تک اللہ کی حکومت ہے۔ اگر پکڑے گئے تو اُس کی اجازت و رضاء کے بدوں کوئی حمایت اور سفارش کرنے والا بھی نہ ملے گا۔ (تفسیر عثمانی)

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ

تدبیر سے اُتارتا ہے کام آسمان سے زمین تک پھر چڑھتا ہے

اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ⑤

وہ کام اس کی طرف ایک دن میں جس کا پیمانہ ہزار برس کا ہے تمہاری گنتی میں

احکام الٰہیہ کی تنفیذ اور نظام کائنات کی ترتیب:

بڑے کام اور اہم انتظامات کے متعلق عرش عظیم سے مقرر ہو کر نیچے حکم اترتا ہے۔ سب اسباب حسی و معنوی ظاہری و باطنی، آسمان و زمین سے جمع ہو کر اس کے انصرام میں لگ جاتے ہیں، آخر وہ کام اور انتظام اللہ کی مشیت و حکمت سے مدتوں جاری رہتا ہے، پھر زمانہ دراز کے بعد اُٹھ جاتا ہے۔ اُس وقت اللہ کی طرف سے دوسرا رنگ اُترتا ہے جیسے بڑے بڑے پیغمبر جن کا اثر قرنوں رہا، یا کسی بڑی قوم میں سرداری جو نسلوں تک چلی۔ وہ ہزار برس اللہ کے ہاں ایک دن ہے (موضح بتغییر یسیر) مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہزار سال کے انتظامات و تدابیر فرشتوں کو القاء کرتا ہے۔ اور یہ اس کے ہاں ایک دن ہے۔ پھر فرشتے جب (انہیں انجام دے کر) فارغ ہو جاتے ہیں، آئندہ ہزار سال کے انتظامات القاء فرما دیتا ہے۔ یہی سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ بعض مفسرین آیت کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اللہ کا حکم آسمانوں کے اوپر سے زمین تک آتا ہے، پھر جو کارروائیاں اس کے متعلق یہاں ہوتی ہیں وہ دفتر اعمال میں درج ہونے کے لئے اوپر چڑھتی ہیں جو سماء دنیا کے محدب پر واقع ہے۔ اور زمین سے وہاں تک کا فاصلہ آدمی کی متوسط رفتار سے ایک ہزار سال کا ہے جو خدا کے ہاں ایک دن قرار دیا گیا۔ مسافت تو اتنی ہے یہ جُداگانہ بات ہے کہ فرشتہ ایک گھنٹہ یا اس سے بھی کم میں قطع کر لے۔ بعض مفسرین یوں معنی کرتے ہیں کہ ایک کام اللہ تعالیٰ کو کرنا ہے تو اس کے مبادی و اسباب کا سلسلہ ہزار سال پہلے سے شروع کر دیتے ہیں۔ پھر وہ حکمت بالغہ کے مطابق مختلف ادوار میں گزرتا اور مختلف صورتیں اختیار کرتا ہوا بتدریج اپنے منتہائے کمال کو پہنچتا ہے۔ اُس وقت جو نتائج و آثار اُس کے ظہور پذیر ہوتے ہیں بارگاہ ربوبیت میں پیش ہونے کے لئے چڑھتے ہیں۔ بعض کے نزدیک یوم سے یوم قیامت مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ آسمان سے زمین تک تمام دنیا کا بندوبست کرتا ہے۔ پھر ایک وقت آئے گا جب یہ سارا قصہ ختم ہو کر اللہ کی طرف لوٹ جائے گا اور آخری فیصلہ کے لئے پیش ہو گا۔ اُس کو قیامت کہتے ہیں۔ قیامت کا دن ہزار سال کے برابر ہے۔ بہر حال فی یوم کو بعض نے یُدبر کے اور بعض نے یعرج کے متعلق کیا ہے اور بعض نے تنازع فعلین مانا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

زمین سے سدرۃ المنتہیٰ تک اور آسمانوں کے درمیان کی مسافت:

کَانَ مِقْدَارُہٗ یعنی اس کے عروج ونزول کی مدت تمہاری گنتی کے ہزار برس کے برابر ہوتی ہے مطلب یہ کہ اگر کوئی آدمی اس مسافت کو طے کرے تو ہزار برس سے کم میں طے نہیں کر پائے گا لیکن اللہ کی قدرت کے کمال کے زیر اثر اس کا عروج ونزول پل بھر میں ہو جاتا ہے۔

میرے نزدیک دونوں آیتوں میں زمین سے سدرۃ المنتہیٰ تک کی مسافت مراد ہو سکتی ہے لیکن ایک ہزار اور پچاس ہزار کی گنتی کا اختلاف چلنے والوں کی رفتار کی بناء پر بیان کیا گیا ہے کیونکہ ترمذی نے حضرت عباسؓ بن مطلب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، زمین اور آسمان کے درمیان کی مسافت اکہتر یا بہتر یا تہتر سال کی راہ کے برابر ہے۔ نیز ترمذی اور احمد نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین اور آسمان کے درمیان اور ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو برس کی راہ ہے۔ یہاں بھی اختلاف مدت محض چلنے والوں کی رفتار کے تفاوت کی بناء پر ظاہر کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت جو ترمذی نے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نادار لوگ مالداروں سے پانچ سو برس اور آدھا دن پہلے (یعنی قیامت کے آدھے دن کی بقدر پہلے) جنت میں داخل ہوں گے۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی سزا:

بخاری و مسلم نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو خزانے والا اپنے خزانے کی زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا اس کا خزانہ جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس کی چٹانیں بنائی جائیں گی اور چٹانوں سے اس شخص کے دونوں پہلوؤں اور پیشانی پر داغ لگائے جائیں گے (اور ایسا) اس وقت تک ہوتا رہے گا جب تک اللہ اپنے بندوں کا

فیصلہ اس دن کرے گا جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی مدت کے برابر ہوگی۔

بعض لوگوں کے لئے وہ پچاس ہزار برس کا دن ہوگا اور بعض کے لئے ایک ہزار برس کا اور بعض لوگوں کے لئے دنیا کے اس دن سے بھی کم مدت محسوس ہوگی۔ حاکم اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے مرفوعاً اور موقوفاً بیان کیا ہے کہ مومنوں کے لئے قیامت کے دن کا طول اتنا ہوگا جتنی مدت ظہر وعصر کے درمیان ہوتی ہے۔

مؤمن پر قیامت کی آسانی:

بغوی نے ابراہیم تیمی کا قول بھی یہی نقل کیا ہے اور ابو یعلی و ابن حبان و بیہقی نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابوسعید کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دن کے متعلق دریافت کیا گیا جس کی مدت پچاس ہزار برس کی ہوگی اور عرض کیا گیا [illegible] لمبا دن ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی [illegible] ہاتھ میں میری جان ہے مؤمن کے لئے تو وہ اس فرض نماز سے بھی [illegible] جو دنیا میں وہ پڑھا کرتا تھا۔

جلال الدین محلی [illegible] میں اسی روایت کو پسند کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝
یہ ہے جاننے والا چھپے اور کھلے کا　زبردست رحم والا

اللہ تعالیٰ کا علم وقدرت:

یعنی ایسے اعلیٰ اور عظیم الشان انتظام وتدبیر کا قائم کرنا اسی پاک ہستی کا کام ہے جو ہر ایک ظاہر وپوشیدہ کی خبر رکھے، زبردست اور مہربان ہو۔ (تفسیر عثمانی)

الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ
جس نے خوب بنائی جو چیز بنائی اور شروع کی انسان کی پیدائش
مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلٰلَةٍ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ ۝
ایک گارے سے پھر بنائی اس کی اولاد نچڑے ہوئے بے قدر پانی سے

یعنی نطفہ جو بہت سی غذاؤں کا نچوڑ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز حسین بنائی ہے:

اَلَّذِیْ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ یعنی اللہ وہ ذات ہے جس نے ہر چیز کی خلقت کو حسین اور بہتر بنایا ہے، وجہ یہ ہے کہ اس عالم میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا فرمایا وہ حکمت اور مصالح عالم کے اقتضاء سے بنایا ہے، اس لئے ہر چیز اپنی ذات کے اعتبار سے ایک حُسن رکھتی ہے، اور ان سب سے زیادہ حسین اور بہتر انسان کو بنایا ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ یعنی ہم نے انسان کو سب سے زیادہ حسین تقویم اور بہتر شکل وصورت میں پیدا کیا ہے۔

کسی نے خوب کہا ہے

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں　　کوئی بُرا نہیں قدرت کے کارخانے میں

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی تقریر:

حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ کل شیٔ میں تمام جواہر اور اعراض داخل ہیں یعنی وہ چیزیں بھی جو وجود جوہری رکھتی ہیں جیسے حیوانات، نباتات، جمادات وغیرہ اور اعراض بھی جن میں اخلاق واعمال بھی داخل ہیں، یہاں تک کہ جو اخلاق بُرے بتلائے جاتے ہیں جیسے غصہ، حرص، شہوت وغیرہ یہ بھی اپنی ذات میں بُرے نہیں، ان کی بُرائی غیر مصرف میں صرف کرنے اور بے محل استعمال کرنے سے ہوتی ہے، اپنے محل میں رہیں تو ان میں کوئی چیز بُری نہیں، لیکن مراد اس سے ان اشیاء کی جہت تخلیق وتکوین ہے، کہ وہ خیر ہی خیر اور حسن ہی حُسن ہے اور اعمال کی دوسری جہت انسان کا کسب واکتساب ہے، یعنی اپنے اختیار کو کسی کام کے کرنے میں صرف کرنا، تو اس حیثیت سے سب حُسن نہیں، بلکہ ان میں تفصیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کی اجازت نہیں دی وہ حسن نہیں، قبیح ہیں، واللہ اعلم۔

قدرت کاملہ کا ثبوت:

وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ اس سے پہلے یہ بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کی ہر چیز کو حسن بنایا ہے، اس کے بعد انسان کا ذکر فرمایا جو ان سب میں زیادہ حسین ہے، اس کے ساتھ کمالِ قدرت کے اظہار کے لئے یہ بھی بتلا دیا کہ جس انسان کو ہم نے سب مخلوق سے زیادہ بہتر بنایا ہے وہ یہ نہیں کہ اس کا مادہ تخلیق کچھ سب سے زیادہ اشرف واعلیٰ اور بہتر لیا گیا، اس لئے سب سے بہتر ہوگیا، بلکہ مادۂ تخلیق تو اس کا سب سے کمتر چیز یعنی مٹی کو بنایا گیا، پھر قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ نے اس کمترین چیز کو کہاں سے کہاں پہنچایا۔ (معارف مفتی اعظم)

ثُمَّ سَوّٰىهُ
پھر اسکو برابر کیا

یعنی شکل، صورت اعضاء موزوں ومتناسب رکھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ
اور پھونکی اُس میں اپنی ایک جان

مخلوق کی عزت افزائی:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں جو مخلوق ہے اسی کا مال ہے مگر جس کی عزت بڑھائی اس کو اپنا کہا جیسے فرمایا اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ حالانکہ سب

خدا کے بندے ہیں کما قال اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ؕ سوانسان کی جان عالم غیب سے آئی ہے مٹی پانی سے نہیں بنی۔ اس کو اپنا کہا۔ ورنہ اللہ کی جان کا اگر وہ مطلب لیا جائے جو مثلاً آدمی کی جان کا لیتے ہیں تو چاہے جان کسی بدن میں ہو، بدن ہوا تو ترکیب آئی، ترکیب آئی تو حدوث آیا، ذات پاک کہاں رہی (موضح بتغیر) (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ
اور بنادیئے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل
قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝
تم بہت تھوڑا شکر کرتے ہو

نعمتوں کا شکریہ:

ان نعمتوں کا شکریہ تھا کہ آنکھوں سے اُس کی آیات تکوینیہ کو بنظرِ امعان دیکھتے۔ کانوں سے آیت تنزیلیہ کو توجہ وشوق کے ساتھ سنتے۔ دل سے دونوں کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کی کوشش کرتے پھر سمجھ کر اس پر عامل ہوتے۔ مگر تم لوگ بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ
اور کہتے ہیں کیا جب ہم رل گئے زمین میں کیا ہم کو نیا بننا
جَدِيْدٍ ۬ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۝
ہے کچھ نہیں وہ اپنے رب کی ملاقات سے منکر ہیں

کافروں کے شبہات:

یعنی اس پر غور نہ کیا کہ اللہ نے اُن کو اول مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اُلٹے شبہات نکالنے لگے کہ مٹی میں مل جانے کے بعد ہم دوبارہ کس طرح بنائے جائیں گے۔ اور شبہ یا استبعاد ہی نہیں بلکہ صاف طور پر یہ لوگ بعث بعد الموت سے منکر ہوگئے۔ (تفسیر عثمانی)

ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم زمین میں نیست و نابود ہوگئے تو کیا ہم نئے جنم میں آئیں گے۔ یعنی جب ہم زمین میں غائب ہو جائیں گے اور مٹی بن کر مٹی میں مل جائیں گے زمین کی خاک میں اور ہماری خاک میں کوئی فرق نہیں رہے گا تو کیا ہم کو دوبارہ از سر نو زندہ کیا جائے گا۔ ضَلَّ الْمَآءُ فِي اللَّبَنِ عرب کا محاورہ ہے، یعنی دودھ میں پانی اس طرح مل کر کھو گیا کہ کوئی امتیاز باقی نہ رہا۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ
تو کہہ قبض کر لیتا ہے تم کو فرشتہ موت کا جو
وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝
تم پر مقرر ہے پھر اپنے رب کی طرف پھر جاؤ گے

موت کا فرشتہ:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی تم آپ کو محض بدن اور دھڑ سمجھتے ہو کہ خاک میں رل مل کر برابر ہو گئے۔ ایسا نہیں تم حقیقت میں جان ہو جسے فرشتہ لے جاتا ہے بالکل فنا نہیں ہو جاتے۔ (موضح) (تفسیر عثمانی)

موت کے قاصد:

بغوی نے لکھا ہے کہ عکرمہؒ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام درد، دکھ موت کے قاصد ہیں۔ جب وقت مقررآ جاتا ہے تو موت کا فرشتہ آ پہنچتا ہے اور کہتا ہے اے بندے کتنی ہی خبروں کے بعد خبریں آتی رہیں، قاصدوں کے بعد قاصد اور پیاموں کے بعد پیام بھی آتے رہے۔ اب میں آخری خبر ہوں میرے بعد (تیرے پاس) کوئی خبر نہیں آئے گی میں (آخری) قاصد ہوں میرے بعد کوئی قاصد نہیں آئے گا۔ اب چاروناچار حکم رب پر تجھے لبیک کہنا ہے۔ جب موت کا فرشتہ روح قبض کر لیتا ہے اور (اقرباء اعزہ) اس پر چیختے پیٹتے ہیں تو موت کا فرشتہ کہتا ہے تم کس پر چیختے ہو، کس پر رو رہے ہو۔ خدا کی قسم میں نے اس کی مدتِ حیات میں کوئی کمی نہیں کی، نہ میں نے اس کا رزق کھایا، بلکہ اس کے رب نے اس کو بلا لیا ہے رونے والا اپنے اوپر روئے خدا کی قسم میرے بار بار لوٹ لوٹ کر پھیرے ہوتے رہیں گے یہاں تک کہ میں تم میں سے کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔

مسئلہ: ملک الموت کو کسی کے مرنے کا مقرر وقت معلوم نہیں جب کسی کی روح قبض کرنے کا اس کو حکم ہوتا ہے اس وقت اس کو معلوم ہوتا ہے۔

ابن ابی الدنیا نے ابن جریج کا قول نقل کیا ہے ہم تک یہ بات (یعنی حدیث) پہنچی ہے کہ ملک الموت سے کہا جاتا ہے، فلاں شخص کی روح فلاں وقت فلاں دن قبض کر لے۔

مسئلہ: موت کا فرشتہ مومن کے سامنے (مرنے کے وقت) خوبصورت ترین شکل میں آتا ہے اور کافر کے سامنے بدترین شکل میں۔

حضرت ابراہیمؑ سے ملک الموت کی ملاقات:

ابن ابی الدنیا کا بیان کہ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب اللہ نے ابراہیمؑ کو اپنا خلیل چن لیا تو ملک الموت نے (بارگاہ الٰہی

میں) درخواست کی کہ مجھے اجازت عطا فرمائی جائے میں ابراہیمؑ کو جا کر یہ بشارت دے دوں۔ اللہ تعالیٰ نے اجازت عطا فرما دی۔ ملک الموت نے جا کر ابراہیم علیہ السلام کو یہ بشارت سنائی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، الحمد للہ، پھر فرمایا اے فرشتۂ موت مجھے دکھا دے تو کافروں کی روحیں کیسے قبض کرتا ہے۔ ملک الموت نے کہا آپ اس کی تاب نہیں لا سکتے۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کیوں نہیں فرشتۂ موت نے اپنا منہ ابراہیم کی طرف پھیر لیا۔ اور فوراً پھر ابراہیم کی طرف رخ کیا تو ابراہیم نے دیکھا ایک سیاہ فام شخص سامنے کھڑا ہے جس کا سر آسمان کو چھو رہا ہے اور اس کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں اور اس کے بدن کے ہر رونگٹے سے آدمی کی ایک شکل نمودار ہو رہی ہے جس کے منہ اور ہر رونگٹے سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں یہ منظر دیکھ کر حضرت ابراہیم بیہوش ہو گئے کچھ دیر کے بعد ہوش میں آئے تو دیکھا کہ ملک الموت اپنی پہلی شکل میں آ چکا تھا، حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا، اے ملک الموت اگر (مرنے کے وقت) کوئی کافر سوائے آپ کی اس (بھیانک) صورت کے کسی اور مصیبت وغم سے دوچار نہ بھی ہو تب بھی (اس کی مصیبت وغم کے لئے) یہ صورت ہی کافی ہے۔ اچھا اب بتائیے آپ مومنوں کی روحیں کیسے قبض کرتے ہیں۔ ملک الموت نے اپنا منہ پھیر لیا پھر فوراً (دوبارہ حضرت ابراہیم کی طرف) رخ موڑا تو ابراہیمؑ نے دیکھا کہ وہ نہایت حسین جوان مرد تھے خوشبو پاکیزہ (مہک رہی تھی) اور لباس سفید تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا، اے فرشتۂ موت اگر (مرنے کے وقت) مومن آپ کی اس (حسین پاکیزہ) صورت کے سوا کوئی اور چشم تواز خنکی اور عزت نہ بھی دیکھے، تب بھی اس کے لئے یہ حسین صورت کافی ہو گی۔

حضرت کعبؒ کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو ملک الموت نے اپنی وہ حسین صورت دکھائی جو مومن کی روح قبض کرتے وقت ان کی ہوتی ہے تو ان کی صورت پر ایسی چمک دمک اور رونق دیکھی جس کی کیفیت سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا اور کافروں، فاجروں کی روح قبض کرنے کے وقت جو صورت ان کی ہوتی ہے جب وہ دکھائی تو ابراہیم خوف زدہ ہو گئے یہاں تک کہ آپ کے شانے لرزنے لگے اور پیٹ زمین کو لگا دیا قریب تھا کہ آپ کی جان نکل جائے۔

جانوروں کی موت کس طرح ہوتی ہے:

ابوالشیخ اور دیلمی نے اور عقیلی نے الضعفاء میں حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چوپایوں اور زمین کے کیڑوں مکوڑوں کی مدت زندگی اللہ کی پاکی بیان کرنے سے رہتی ہے۔ جب ان کی تسبیح ختم ہو جاتی ہے تو اللہ (خود) ان کی جانیں قبض کر لیتا ہے موت کے فرشتہ کو اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ ایک اور سند سے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے خطیب نے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ ابن عطیہ اور قرطبی نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ ملک الموت کے دخل کے بغیر اللہ خود ان کی زندگیاں ختم کر دیتا ہے۔

میں کہتا ہوں آدمیوں کی روحیں قبض کرنے کے لئے ملک الموت اور اس کے مددگاروں کی وساطت مومنوں کی عزت افزائی اور کافروں کی توہین وسزا کے لئے قائم کی گئی ہے۔

موت کے چار فرشتے:

خطیب نے اپنی تفسیر میں بوساطت ضحاک حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ملک الموت کو آدمیوں کی روحیں قبض کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور ایک فرشتہ جنات کے لئے مقرر ہے اور ایک فرشتہ شیاطین (کی موت) پر اور ایک فرشتہ چرندوں، پرندوں، درندوں، مچھلیوں اور چیونٹیوں (کی موت) کے لئے مقرر ہے، یہ چار فرشتے ہیں (تمام) فرشتے پہلی بے ہوشی میں (یعنی پہلا صور پھونکتے ہی) مر جائیں گے۔ ملک الموت ان کی روحیں قبض کرنے پر مقرر ہے پھر ملک الموت (خود) مر جائے گا۔

سمندر کے شہیدوں کی روح افزائی:

لیکن (جہاد پر جانے والے) وہ لوگ جو سمندر میں شہید ہوتے ہیں اللہ ان کی روحیں خود قبض کرتا ہے ان کی عزت افزائی کے پیش نظر ملک الموت کو ان کا معاملہ سپرد نہیں کرتا وہ راہ خدا میں نکلنے والے ہوتے ہیں جو سمندر میں شہید ہو جاتے ہیں، اس روایت کی سند میں جویبر انتہائی ضعیف راوی ہے پھر ضحاک کا حضرت ابن عباسؓ سے انقطاع بھی ہے، البتہ اثر مذکور کے آخری حصہ کا ایک شاہد مرفوع ہے۔

ابن ماجہ نے حضرت ابوامامہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے ملک الموت کو سوا شہداء بحر کے سب کی روحیں قبض کرنے پر مقرر فرمایا ہے۔ شہداء بحر کی روحیں قبض کرنے کی ذمہ داری اللہ نے خود (اپنے ہاتھ میں) لی ہے۔ میں کہتا ہوں عشق ومعرفت کے سمندر میں ڈوبنے والے تو اس عزت افزائی کے زیادہ مستحق ہیں۔ واللہ اعلم۔

موت کے بعد روحوں کا مقام:

ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ پھر تم سب اپنے رب ہی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

یعنی مرنے کے بعد مومن کی روح کو رحمت کے فرشتے آسمانوں پر چڑھا لے جائیں گے یہاں تک کہ ساتویں آسمان تک پہنچا دیں گے، اور کافر کی روح کو عذاب کے فرشتے لے کر چڑھیں گے اور جب پہلے ہی آسمان تک پہنچ کر (دروازہ) کھلوانا چاہیں گے تو کافر کی روح کے لئے آسمان کا دروازہ نہیں کھولا جائے گا، بلکہ اوپر سے اس کو پھینک دیا جائے گا (کہ وہ مقام سجین میں پہنچ جائے گی) پوری حدیث سورہ انعام میں نقل کی جا چکی ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک الموت سے ملاقات:

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک انصاری صحابی کے سرہانے ملک الموت کو دیکھا تو فرمایا کہ میرے صحابی کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرو، ملک الموت علیہ السلام نے جواب دیا کہ آپ مطمئن رہیں، میں ہر مؤمن کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتا ہوں اور فرمایا کہ جتنے آدمی شہروں میں یا دیہات اور جنگلوں پہاڑوں میں یا دریا میں آباد ہیں، میں ان میں سے ہر ایک کو دن میں پانچ مرتبہ دیکھتا ہوں، اس لئے میں ان کے ہر چھوٹے بڑے سے بلا واسطہ واقف ہوں، پھر فرمایا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ جو کچھ ہے اللہ کے حکم سے ہے ورنہ میں اگر ایک مچھر کی روح بھی قبض کرنا چاہوں تو مجھے اس پر قدرت نہیں، جب تک اللہ تعالیٰ ہی کا امر اس کے لئے نہ آجائے۔

عزرائیلؑ کی الزام سے براءت:

اور ایک روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عزرائیل علیہ السلام کے سپرد ساری دنیا کی موت کا معاملہ کیا تو انہوں نے عرض کیا اے میرے پروردگار آپ نے مجھے ایسی خدمت سپرد کی کہ ساری دنیا اور سب بنی آدم مجھے بُرا کہیں گے، اور جب میرا ذکر آئے گا بُرائی سے کریں گے، حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اس کا تدارک اس طرح کر دیا ہے کہ دنیا میں موت کے کچھ ظاہری اسباب اور امراض رکھ دیئے ہیں جن کے سبب سب لوگ موت کو ان اسباب و امراض کی طرف منسوب کریں گے آپ ان کی بدگوئی سے محفوظ رہیں گے (قرطبی فی التفسیر والتذکرہ)۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ
اور کبھی تو دیکھے جس وقت کہ منکر سر ڈالے ہوئے ہوں گے اپنے رب کے سامنے

یعنی ذلت و ندامت سے محشر میں۔ (تفسیر عثمانی)

مجرموں کی رسوائی:

نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اور (اے محمد) اگر آپ (وہ منظر) دیکھیں گے (تو بڑا ہیبت ناک منظر آپ کو دکھائی دے گا) جب کہ مجرم (یعنی وہ مشرک جو کہا کرتے تھے کہ جب ہم خاک میں مل جائیں گے تو کیا نئے جنم میں اُٹھ سکیں گے ندامت اور غم کے مارے) اپنے رب کے سامنے سر جھکائے حاضر ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ
اے رب ہم نے دیکھ لیا اور سُن لیا اب ہم کو پھر بھیج دے کہ ہم کریں

صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ⑫
بھلے کام ہم کو یقین آ گیا

بے کار حسرت:

یعنی ہمارے کان اور آنکھیں کھل گئیں۔ پیغمبر جو باتیں فرمایا کرتے تھے اُن کا یقین آ گیا۔ بلکہ آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا کہ ایمان اور عمل صالح ہی خدا کے ہاں کام دیتا ہے۔ اب ایک مرتبہ پھر دنیا میں بھیج دیجئے دیکھئے کیسے نیک کام کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سمعنا یعنی تو نے اپنے پیغمبروں کی تصدیق کر دی جن کو ہم جھوٹا کہتے تھے۔ ہم نے آج تیری طرف سے تصدیق سن لی۔ ابصرنا اور سمعنا کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے اپنے گناہ دیکھ لئے اور ہمارے متعلق جو کہا گیا ہم نے سن لیا۔

یعنی جس چیز میں ہم کو پہلے شک تھا آج اس کا یقین آ گیا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ
اور اگر ہم چاہتے تو سمجھا دیتے ہر جی کو اُس کی راہ لیکن
حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ
ٹھیک پڑ چکی میری کہی بات کہ مجھ کو بھرنی ہے دوزخ جنوں سے
وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ⑬
اور آدمیوں سے اکٹھے

حکمتِ الٰہی کے تقاضے:

دوسری جگہ فرمایا وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (انعام۔ رکوع ۳) یعنی جھوٹے ہیں اگر دنیا کی طرف لوٹائے جائیں پھر وہ ہی شرارتیں کریں۔ اُن کی طبیعت کی افتاد ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ شیطان کے اغوا کو قبول کر لیں اور اللہ کی رحمت سے دُور بھاگیں بیشک ہم کو قدرت تھی چاہتے تو ایک طرف سے تمام آدمیوں کو زبردستی اسی راہِ ہدایت پر قائم رکھتے جس کی طرف انسان کا دل فطرۃً رہنمائی کرتا ہے لیکن اس طرح سب کو ایک ہی طور و طریق اختیار کرنے کے لئے مضطر کر دینا حکمت کے خلاف تھا جس کا بیان کئی جگہ پہلے ہو چکا ہے۔ لہٰذا وہ بات پوری ہونی تھی جو ابلیس کے دعوے "لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ" (ص۔ رکوع ۵) کے جواب میں فرمائی تھی "فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ" (ص۔ رکوع ۵) معلوم

ہوا کہ یہاں جن وانس سے مراد وہ ہی شیاطین اور انکے اتباع ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے کچھ لوگوں کو پیدائشی جنتی بنایا، جب وہ اپنے آباء کی پشت میں تھے اسی وقت ان کو جنت کے لئے بنا دیا تھا اور کچھ لوگوں کو پیدائشی دوزخی بنایا جب وہ پشت پدر میں تھے اسی وقت ان کو دوزخ کے لئے بنا دیا تھا۔ رواہ مسلم۔

ہر ایک کے دو ٹھکانے:

حضرت علیؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے ہر ایک کے لئے دوزخ میں ٹھکانا یا جنت میں ٹھکانا (پہلے سے) لکھ دیا گیا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر ہم اسی تحریر پر بھروسہ کیوں نہ کرلیں اور کیوں نہ عمل ترک کر دیں؟ فرمایا عمل کئے جاؤ۔ ہر ایک کو اسی کام کی توفیق دی جاتی ہے جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے جو خوش نصیب (لکھ دیئے گئے) ہیں ان کے لئے اہل سعادت کے عمل آسان کر دیئے جاتے ہیں۔ اور جو بدبخت (لکھ دیئے گئے) ہیں ان کو بد نصیبوں کے اعمال کی توفیق دی جاتی ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى الخ تلاوت فرمائی۔ رواہ البخاری ومسلم۔

جنتیوں اور دوزخیوں کی فہرست:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کی روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دست مبارک میں دو تحریریں لئے برآمد ہوئے اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ دونوں تحریریں کیسی ہیں؟ ہم نے عرض کیا ہم کو کچھ علم نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ والی تحریر کے متعلق فرمایا۔ یہ رب العالمین کی تحریر ہے اس میں (تمام) جنتیوں کے نام مع ان کے آباء قبائل کے لکھے ہوئے ہیں پھر اس کو بند کر دیا گیا ہے آئندہ کبھی اس میں کمی بیشی نہیں کی جا سکتی اور بائیں ہاتھ والی تحریر کے متعلق فرمایا یہ تحریر بھی رب العالمین کی ہے اس میں دوزخیوں کے نام ان کے آباء وقبائل سمیت لکھے ہوئے ہیں پھر آخر میں اس کو بند کر دیا گیا۔ آئندہ کبھی اس میں کمی بیشی نہیں کی جا سکتی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ جب معاملہ طے ہو چکا ہے تو پھر عمل کس غرض سے کیا جائے فرمایا سیدھی چال چلتے رہو اور لگے لگے چلو جنتی کا خاتمہ اہل جنت کے عمل پر ہوتا ہے خواہ (زندگی میں) اس نے کوئی عمل بھی کیا ہو اور دوزخی کا خاتمہ دوزخیوں کے عمل پر ہوتا ہے خواہ (زندگی میں) اس نے کچھ بھی کیا ہو، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریروں کی طرف اشارہ کر کے پھینک دیا (یعنی ایسا اشارہ کیا جیسا کوئی پھینکنے والا کرتا ہے اور وہ تحریریں غائب ہو گئیں) پھر فرمایا تمہارا رب بندوں (کے فیصلے) سے فارغ ہو چکا ہے۔ ایک فریق جنتی اور دوسرا فریق دوزخی ہے۔ رواہ الترمذی۔ (تفسیر مظہری)

فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ

سو اب چکھو مزہ جیسے تم نے بھلا دیا تھا اس اپنے دن کے ملنے کو

هٰذَا ۚ إِنَّا نَسِيْنٰكُمْ

ہم نے بھی بھلا دیا تم کو

ہم نے بھی تم کو بھلا دیا یعنی کبھی رحمت سے یاد نہیں کئے جاؤ گے۔ آگے مجرمین کے مقابلہ میں مؤمنین کا حال ومال بیان فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور چکھو عذاب سدا کا عوض اپنے کئے کا

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا

ہماری باتوں کو وہی مانتے ہیں کہ جب اُن کو سمجھایئے اُن سے گر پڑیں

سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۵﴾

سجدہ کر کر اور پاک ذات کو یاد کریں اپنے رب کی خوبیوں کیساتھ اور وہ بڑائی نہیں کرتے

اہل ایمان کا خوف:

یعنی خوف وخشیت اور خشوع وخضوع سے سجدہ میں گر پڑتے ہیں، زبان سے اللہ کی تسبیح وتحمید کرتے ہیں، دل میں کبر وغرور اور بڑائی کی بات نہیں رکھتے جو آیات اللہ کے سامنے جھکنے سے مانع ہو۔

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ

جدا رہتی ہیں اُن کی کروٹیں اپنے سونے کی جگہ سے

مؤمنوں کی نمازیں:

یعنی میٹھی نیند اور نرم بستروں کو چھوڑ کر اللہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ مراد تہجد کی نماز ہوئی جیسا کہ حدیث صحیح میں مذکور ہے۔ اور بعض نے صبح کی یا عشاء کی نماز یا مغرب وعشاء کے درمیان کے نوافل مراد لی ہیں۔ گو الفاظ میں اس کی گنجائش ہے لیکن راجح وہ ہی پہلی تفسیر ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

خواب گاہوں سے پہلو دور رکھنے سے مراد یہ ہے کہ وہ بستروں سے جدا ہو جاتے ہیں۔

مخصوص حضرات کیلئے اعلان:

حضرت اسماء بنت یزید راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

قیامت کے دن اللہ ایک ہموار میدان میں لوگوں کو جمع کرے گا، پکارنے والے کی آواز سب کو (ایک جیسی) سنائی دے گی (اور چونکہ درمیان میں کوئی چیز حائل نہیں ہوگی اور نشیب وفراز نہیں ہوگا اس لئے) نظر سب کے پار جائے گی۔ منادی پکارے گا کہاں ہیں وہ لوگ جو دکھ سکھ میں اللہ کی حمد کرتے تھے یہ آواز سن کر کچھ تھوڑے سے کھڑے ہو جائیں گے اور بلا حساب جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ پھر منادی پکارے گا کہاں ہیں وہ لوگ جن کے پہلو خوابگاہوں سے الگ رہتے تھے یہ آواز سن کر کچھ تھوڑے سے لوگ کھڑے ہو جائیں گے اور بلاحساب کے جنت میں چلے جائیں گے اس کے بعد باقی مخلوق اُٹھے گی اور ان سے حساب لیا جائے گا (ہناد) ابن راہویہ اور ابویعلی نے اپنی مسندوں میں بھی حضرت اسماءؓ کی روایت سے حدیث مذکور اسی طرح بیان کی ہے اس روایت میں اتنا تغیر ہے کہ منادی اول ایسی آواز سے جو سب لوگوں کو سنائی دے گی یہ الفاظ پکار کر کہے گا اس سے مجمع والوں کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ کرم کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے۔

حسن بصری، مجاہد، امام مالک اور اوزاعی اور علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ آیت تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ میں تہجد گزار لوگ مراد ہیں جو تہجد کی نماز کے لئے اُٹھتے ہیں۔

جنت میں لے جانے والا عمل:

امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ، ابن راہویہ اور حاکم نے حضرت معاذؓ کی روایت سے بیان کیا ہے۔ حضرت معاذؓ نے فرمایا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت میں لے جائے اور دوزخ سے دور رکھے، فرمایا تو نے بڑی بات دریافت کی اور اللہ جس کو توفیق دے اس کے لئے دشوار بھی نہیں ہے۔ تو اللہ (ہی) کی عبادت کر اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ قرار دے۔ نماز قائم کر، زکوٰۃ ادا کر رمضان کے روزے رکھ، اور کعبہ کا حج کر، پھر فرمایا کیا میں تجھے خیر کے دروازے نہ بتا دوں (سن) روزہ ڈھال ہے (گناہوں سے اور دوزخ سے بچانے والا۔ مترجم) خیرات گناہوں کو اس طرح بجھا دیتی ہے جیسے پانی آگ کو۔ اور وسط رات میں نماز پڑھنی بھی خیر کا دروازہ ہے) اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ ... يَعْمَلُوْنَ تک تلاوت فرمائی۔

امر کا سر، ستون، کوہان اور جڑ:

پھر فرمایا کیا میں تجھے امر کا سر اور ستون اور کوہان کی چوٹی نہ بتا دوں۔ میں نے عرض کیا کیوں نہیں۔ فرمایا امر کا سر اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی چوٹی جہاد ہے۔ اس کے بعد فرمایا، کیا میں تجھے اس سب کی جڑ نہ بتا دوں! میں نے عرض کیا کیوں نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا، اس کو روکے رکھ۔ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا زبان سے بات کرنے پر بھی ہماری پکڑ ہوگی، فرمایا معاذؓ تجھے تیری ماں روئے منہ کے بل یا ناک کے بل لوگوں کو دوزخ میں ڈالنے والے کی زبانوں کے نتائج (یعنی الفاظ) ہی تو ہوں گے۔

افضل نفلی نماز اور روزے:

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، رمضان کے بعد سب سے افضل روزے خدا کے مہینے یعنی محرم کے روزے ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔ رواہ مسلم۔

اللہ کے دو محبوب بندے:

بغوی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ دو آدمیوں کو بہت پسند فرماتا ہے ایک تو وہ جو اپنے بستر ولحاف میں سے نکل کر محبوب بیوی بچوں کو چھوڑ کر نماز کو اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اللہ ملائکہ سے فرماتا ہے میرے بندے کو دیکھو جو اپنے بستر ولحاف کے اندر سے نکل کر محبوب بیوی اور بچوں کو چھوڑ کر میرے ثواب کا امیدوار ہو کر اور میرے عذاب سے ڈر کر اُٹھ کھڑا ہوا ہے دوسرا وہ شخص جو اللہ کی راہ میں لڑتا ہے۔ پھر شکست پا کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ پھر فرار کی حالت میں اس کو خیال آتا ہے کہ جہاد سے بھاگنا کتنا بڑا جرم ہے اور لوٹ کر جہاد میں شریک ہونا کتنی بڑی نیکی ہے یہ خیال کرتے ہی وہ لوٹ پڑتا ہے (جہاد میں جا کر شریک ہوتا ہے) آخر اس کا خون بہا دیا جاتا ہے (یعنی شہید ہو جاتا ہے) اللہ ملائکہ سے فرماتا ہے کہ میرے بندے کو دیکھو کہ کس طرح وہ میرے ثواب کی طلب میں اور میرے عذاب سے ڈر کر (جہاد کی طرف) لوٹ پڑا یہاں تک کہ اس کا خون بہا دیا گیا۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ کے نعتیہ اشعار:

بغوی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے حضرت (عبداللہ) ابن رواحہؓ (خزرجی انصاری صحابی) کے یہ شعر نقل کئے ہیں۔

وفينا رسول الله يتلو كتابهٗ ... اذا انشق معروف من الفجر ساطع

أرانا الهدى بعد العمى فقلوبنا ... به موقنات ان ماقال واقع

يبيت يجافي جنبه عن فراشه ... اذا استثقلت بالكافرين المضاجع

ہم میں اللہ کے رسول ہیں کہ صبح کو پھٹنے کے وقت وہ اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں ہمارے اندھے پن کے بعد انہوں نے ہمیں راستہ دکھایا۔ ہمارے دلوں کو یقین ہے کہ جو کچھ انہوں نے فرمایا وہ سچ ہے وہ رات کو اپنا پہلو بستر سے جدا رکھتے ہیں جب کہ کافروں کے بستر کافروں (کے بار) سے بوجھل پڑے ہوتے ہیں۔

سورۃ مزمل کی تفسیر میں ہم نے نماز تہجد کی فضیلت کو ظاہر کرنے والی حدیثیں ذکر کر دی ہیں۔

صحابہ کی شان:

ترمذی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے کہ آیت تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو (مغرب کی نماز پڑھ کر) عتمہ یعنی عشاء کی نماز کے انتظار میں رہتے تھے۔

بغوی نے حضرت انسؓ کا قول نقل کیا ہے حضرت انسؓ نے فرمایا، یہ آیت ہمارے گروہ انصار کی بابت نازل ہوئی ہم مغرب کی نماز پڑھ کر گھروں کو نہیں لوٹتے تھے (اور مسجد میں انتظار کرتے رہتے تھے) یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز ادا کرتے تھے (پھر گھروں کو لوٹتے تھے)

یہ بھی حضرت انسؓ ہی کی روایت ہے کہ اس آیت کا نزول کچھ صحابہ کے متعلق ہوا تھا جو مغرب کی نماز پڑھ کر عشاء کی نماز تک (مسجد میں ہی رہتے تھے) یہ روایت ابن مردویہ نے نقل کی ہے اس کی اصل سنن ابو داؤد میں موجود ہے۔ ابن ابی حاتم اور محمد بن منکدر کا بھی یہی قول ہے ان دونوں بزرگوں کا قول ہے کہ (آیت میں جس نماز کا ذکر ہے) وہ صلوٰۃ اوابین ہے۔

بزار نے کمزور سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت بلالؓ نے فرمایا ہم مجلس میں بیٹھے ہوتے تھے اور کچھ صحابی مغرب سے عشاء تک نماز پڑھتے رہتے تھے اس پر آیت مذکور نازل ہوئی۔

عشاء وفجر کی جماعت کی فضیلت:

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابو درداءؓ، حضرت ابو ذرؓ اور حضرت عبادہ بن صامتؓ عشاء اور فجر کی نماز (رسول اللہ کے ساتھ جماعت سے پڑھتے تھے۔ مسلم اور امام احمد نے حضرت عثمان کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی اس نے آدھی رات نماز پڑھی اور جس نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھی اس نے گویا پوری رات نماز میں گزاری۔

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر لوگ اذان دینے اور پہلی صف میں شریک ہونے کا ثواب جانتے اور پھر بغیر قرعہ اندازی اذان دینا اور پہلی صف میں شریک ہونا ان کو میسر نہ آتا تو وہ ضرور قرعہ اندازی کرتے۔ اور اگر ظہر کی (باجماعت) نماز کا ثواب ان کو معلوم ہو جائے تو دوڑتے ہوئے پہلے پہنچنے کی کوشش کریں اور اگر (باجماعت) عشاء اور فجر کی نمازوں کے ثواب سے وہ واقف ہو جائیں تو سرینوں کے بل گھسٹ کر بھی پہنچیں۔ (رواہ الشیخان فی الصحیحین واحمد والنسائی) (تفسیر مظہری)

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ دو شخصوں سے بہت ہی خوش ہوتا ہے ایک تو وہ جو رات کو میٹھی نیند سویا ہوا ہے لیکن دفعۃً اپنے رب کی نعمتیں اور اس کی سزائیں یاد کر کے اُٹھ بیٹھتا ہے اپنے نرم و گرم بستر کو چھوڑ کر میرے سامنے کھڑا ہو کر نماز شروع کر دیتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جو ایک غزوے میں ہے کافروں سے لڑتے لڑتے مسلمانوں کا پانسہ کمزور پڑ جاتا ہے لیکن یہ شخص یہ سمجھ کر کہ بھاگنے میں خدا تعالیٰ کی ناراضگی ہے اور آگے بڑھنے میں رب تعالیٰ کی رضا مندی ہے میدان کی طرف لوٹتا ہے اور کافروں سے جہاد کرتا ہے یہاں تک کہ اپنا سر اس کے نام پر تصدق کر دیتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا
پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈر سے اور لالچ سے

اللہ سے لالچ اور اللہ سے ڈر:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں اللہ سے لالچ اور ڈر بُرا نہیں، دنیا کا ہو یا آخرت کا۔ اور اس واسطے بندگی کرے تو قبول ہے ہاں اگر کسی اور کے خوف ور جاء سے بندگی کرے تو ریاء ہے کچھ قبول نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ
اور ہمارا دیا ہوا کچھ خرچ کرتے ہیں سو کسی جی کو معلوم نہیں
مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا
جو چھپا دھری ہے اُن کے واسطے آنکھوں کی ٹھنڈک بدلہ اُس کا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾
جو کرتے تھے

راتوں کی عبادت کا انعام:

جس طرح راتوں کی تاریکی میں لوگوں سے چھپ کر انہوں نے بے ریا عبادت کی۔ اُس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں چھپا رکھی ہیں ان کی پوری کیفیت کسی کو معلوم نہیں جس وقت دیکھیں گے آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ حدیث میں ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے جنت میں وہ چیز چھپا رکھی ہے جو نہ آنکھوں نے دیکھی نہ کانوں نے سنی نہ کسی بشر کے دل میں گزری۔ (تنبیہ) سرسید وغیرہ نے اس حدیث کو لے کر جنت کی نعمائے جسمانی کا انکار کیا ہے۔ میرا ایک مضمون ہدیہ سنیہ کے نام سے چھپا ہے اُس میں جواب دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

جنتیوں کی حوریں:

حضرت عامر بن عبدالواحدؒ فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ایک جنتی اپنی حُور کے ساتھ محبت پیار میں ستر سال تک مشغول رہے گا کسی دوسری چیز کی

طرف اس کا التفات ہی نہ ہوگا، پھر جو دوسری طرف التفات ہوگا تو دیکھے گا کہ پہلی سے بہت زیادہ خوبصورت اور نورانی شکل کی ایک اور حور ہے وہ اسے اپنی طرف متوجہ دیکھ کر خوش ہوکر کہے گی کہ اب میری مراد بھی پوری ہوگی۔ یہ کہے گا کہ تو کون ہے؟ وہ جواب دے گی میں مزید میں سے ہوں۔ اب یہ سراپا اس کی طرف متوجہ ہو جائے گا پھر ستر سال تک دوسری طرف دیکھے گا بھی نہیں۔ اتنی مدت کے بعد پھر جو اس کا التفات اور جانب ہوگا تو دیکھے گا کہ اس سے بھی اچھی ایک اور حور ہے۔ وہ کہے گی اب وقت آ گیا کہ آپ میں میرا حصہ بھی ہو۔ یہ پوچھے گا تم کون ہو؟ وہ جواب دے گی میں اُن میں سے ہوں جن کی نسبت جناب باری تعالیٰ نے فرمایا ہے کوئی نہیں جانتا کہ اُن کے لئے خدا تعالیٰ نے اُن کی آنکھوں کی کیا کیا ٹھنڈک چھپا رکھی ہے۔ حضرت سعید ابن جبیر فرماتے ہیں فرشتے جنتیوں کے پاس دنیا کے دن کے اندازے سے ہر دن میں تین تین بار جنت عدن کے خدائی تحفے لے کر جائیں گے جو ان کی جنت میں نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَن دیکھی واَن سنی نعمتیں،

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے صالح بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں کان نے اُس کا ذکر سنا نہ کسی انسان کے دل میں ان کا تصور آیا اگر تم چاہتے ہو تو پڑھو فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ الخ (متفق علیہ) حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا، یہ وہ (نعمت) ہے جس کی کوئی تشریح نہیں (بیان کی گئی)۔ (تفسیر مظہری)

اَفَمَنۡ كَانَ مُؤۡمِنًا كَمَنۡ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسۡتَوٗنَ ﴿۱۸﴾
بھلا ایک جو ہے ایمان پر برابر ہے اس کے جو نافرمان ہے نہیں برابر ہوتے

اگر ایک ایماندار اور بے ایمان کا انجام برابر ہو جائے تو سمجھو خدا کے ہاں بالکل اندھیر ہے (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

اَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمۡ
سو وہ لوگ جو یقین لائے اور کیے کام بھلے تو ان کے لئے
جَنّٰتُ الۡمَاۡوٰى نُزُلًا بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ
باغ ہیں رہنے کے مہمانی اُن کاموں کی وجہ سے جو کرتے تھے

یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل سے اُن کے عمل جنت کی مہمانی کا سبب بن جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَمَّا الَّذِيۡنَ فَسَقُوۡا فَمَاۡوٰٮهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَاۤ اَرَادُوۡۤا اَنۡ
اور وہ لوگ جو نافرمان ہوئے سو اُن کا گھر ہے آگ جب چاہیں کہ

يَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَاۤ اُعِيۡدُوۡا فِيۡهَا وَقِيۡلَ لَهُمۡ ذُوۡقُوۡا
نکل پڑیں اُس میں سے اُلٹا دیے جائیں پھر اُسی میں اور کہیں اُن کو چکھو
عَذَابَ النَّارِ الَّذِىۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تُكَذِّبُوۡنَ ﴿۲۰﴾
آگ کا عذاب جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے

جہنمیوں کی سزا:

کبھی کبھی آگ کے شعلے جہنمیوں کو دروازہ کی طرف پھینکیں گے۔ اُس وقت شاید نکلنے کا خیال کریں۔ فرشتے پھر اُدھر ہی دھکیل دیں گے کہ جاتے کہاں ہو۔ جس چیز کو جھٹلاتے تھے ذرا اُس کا مزہ چکھو (اَللّٰھُمَّ اَعِذْنِی مِنَ النَّارِ وَاَجِرْنِی مِنْ غَضَبِکَ)۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَـنُذِيۡقَنَّهُمۡ مِّنَ الۡعَذَابِ الۡاَدۡنٰى دُوۡنَ
اور البتہ چکھائیں گے ہم اُن کو تھوڑا عذاب ورے
الۡعَذَابِ الۡاَكۡبَرِ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۲۱﴾
اُس بڑے عذاب سے تاکہ وہ پھر آئیں

دنیا کا عذاب:

یعنی آخرت کے بڑے عذاب سے قبل دنیا میں ذرا کم درجہ کا عذاب بھیجیں گے تا جسے رجوع کی توفیق ہو ڈر کر خدا کی طرف رجوع ہو جائے۔ کم درجہ کا عذاب یہی دنیا کے مصائب بیماری، قحط، قتل، قید، مال اولاد وغیرہ کی تباہی وغیرہ۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ
اور کون بے انصاف زیادہ اُس سے جس کو سمجھایا گیا اس کے رب کی باتوں سے
ثُمَّ اَعۡرَضَ عَنۡهَا ؕ
پھر اُن سے منہ موڑ گیا

یعنی سمجھنے کے بعد پھر گیا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّا مِنَ الۡمُجۡرِمِيۡنَ مُنۡتَقِمُوۡنَ ﴿۲۲﴾
مقرر ہم کو ان گنہگاروں سے بدلہ لینا ہے

جب تمام گنہگاروں اور ظالم مجرموں سے بدلہ لینا ہے تو یہ ظالم کیونکر بچ سکتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی:

آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ظلم و اعراض سے دلگیر نہ ہوں۔ پہلے موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے کتاب دی تھی جس سے بنی اسرائیل کو ہدایت ہوئی۔ اور اُس کی پیروی کرنے والوں میں بڑے بڑے دینی پیشوا اور امام ہو گزرے۔ آپ کو بھی بلاشبہ اللہ کی طرف سے عظیم الشان کتاب ملی ہے جس سے بڑی مخلوق ہدایت پائے گی۔ اور بنی اسرائیل سے بڑھ کر آپ کی اُمت میں امام اور سردار اُٹھیں گے۔ رہے منکر، اُن کا فیصلہ حق تعالیٰ خود کر دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

تین گناہوں کی نقد سزا:

روایاتِ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تین گناہ ایسے ہیں کہ ان کی سزا آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ملتی ہے، ایک حق کے خلاف جھنڈوں اور نعروں کے ساتھ اعلانا کوشش کرنا، دوسرے والدین کی نافرمانی، تیسرے ظالم کی امداد۔ (رواہ ابن جریر عن معاذ بن جبلؓ) (معارف مفتی اعظم)

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض نہ کرو ایسا کرنے والے بے عزت، بے وقعت اور بڑے گنہگار ہیں۔ یہاں بھی فرمان ہوتا ہے کہ ایسے گنہگاروں سے ہم ضرور انتقام لیں گے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تین کام جس نے کئے وہ مجرم ہو گیا، جس نے بے وجہ کوئی جھنڈا باندھا، جس نے ماں باپ کی نافرمانی کی، جس نے ظالم کے ظلم میں اس کا ساتھ دیا۔ یہ مجرم لوگ ہیں اور خدا تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم مجرموں سے باز پُرس کریں گے اور اُن سے پورا بدلہ لیں گے (ابن ابی حاتم)۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ
اور ہم نے دی ہے موسیٰ کو کتاب سو تو مت رہ
فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ
دھوکے میں اُس کے ملنے سے

یہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے یعنی بے شک وشبہ موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی گئی اور آپ کو بھی اسی طرح کی کتاب ملی اس میں کوئی دھوکا اور فریب نہیں۔ یا موسیٰ کے ذکر پر فرما دیا کہ تم جو موسیٰ سے شب معراج میں ملے تھے وہ بچی حقیقت ہے کوئی دھوکا یا نظر بندی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

طبرانی نے اس آیت کی تشریح میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ گرامی نقل کیا ہے تم شک نہ کرو کہ موسیٰ اپنے رب سے ملے تھے۔

شب معراج کے نظارے:

شیخین نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شب معراج میں میں نے موسیٰ کو دیکھا گندمی رنگ دراز قامت گھونگریالے بال ایسا معلوم ہوتا تھا کہ (قبیلۂ ازد) شنوءۃ کے ایک مرد ہیں۔ میں نے عیسیٰؑ کو بھی متوسط القامت سرخی سفیدی مائل رنگ اور سیدھے بالوں والا پایا، میں نے منجملہ دوسری آیات قدرت کے جو اللہ نے مجھے دکھائیں، دوزخ کے داروغہ مالک کو اور دجال کو بھی دیکھا فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ (یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان مذکور کے بعد تلاوت فرمائی)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت یونسؑ سے ملاقات:

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب ایک سفر میں ایک وادی کی طرف سے ہمارا گذر ہوا حضور نے فرمایا یہ کون سی وادی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا وادیٔ ارزق ہے، فرمایا وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے آ گیا کہ جب میں (شب معراج میں) اس وادی سے گزر رہا تھا تو موسیٰ میری نظر کے سامنے دونوں کانوں میں انگلیاں دیئے لبیک کہہ رہے تھے اور اللہ کو پکار رہے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، پھر ہم آگے چلتے چلتے ایک گھاٹی پر پہنچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کون سی گھاٹی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا مرشا۔ فرمایا وہ سین میری نظروں کے سامنے ہے کہ یونسؑ سرخ اونٹنی پر سوار جبہ پہنے اونٹنی کی مہار پکڑے اس وادی میں لبیک کہتے ہوئے گزر رہے تھے۔ رواہ مسلم۔

سورۂ بنی اسرائیل میں حدیث معراج کے بیان میں ذکر کر دیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ کو چھٹے آسمان میں دیکھا اور نماز کی (تخفیف کی) بابت گفتگو کی تھی۔ حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مجھے رات کو آسمان کی طرف لے جایا گیا تو (اثناء راہ میں) میں نے موسیٰ کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔ (تفسیر مظہری)

وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ
اور کیا ہم نے اُس کو ہدایت بنی اسرائیل کے واسطے اور کیے ہم نے اُن میں
اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ
پیشوا جو راہ چلاتے تھے ہمارے حکم سے جب وہ صبر کرتے رہے

دنیا کے شدائد اور منکرین کے جور وستم پر۔ (تفسیر عثمانی)

صبر امامت دلاتا ہے:

لما صبروا جب کہ انہوں نے اپنے (دین پر اور مصر کی سکونت کی حالت

میں دشمن کی طرف سے پہنچنے والی مصیبتوں پر) صبر کیا تھا۔ اس لفظ سے ثابت ہو رہا ہے کہ صبر موجب امامت ہے (شدائد و مصائب پر صبر کرنے والے لوگوں کے پیشوا بن جاتے ہیں) (تفسیر مظہری)

کسی قوم کا مقتداء و امام بننے کے لئے دو شرطیں:

اس آیت میں علماء بنی اسرائیل میں سے بعض کو امامت و پیشوائی کا درجہ عطا فرمانے کے دو سبب ذکر فرمائے ہیں اول صبر کرنا، دوسرے آیاتِ الٰہیہ پر یقین کرنا، صبر کرنے کا مفہوم عربی زبان کے اعتبار سے بہت وسیع اور عام ہے، اس کے لفظی معنی باندھنے اور ثابت رہنے کے ہیں، اس جگہ صبر سے مراد احکام الٰہیہ کی پابندی پر ثابت قدم رہنا اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام یا مکروہ قرار دیا ہے ان سے اپنے نفس کو روکنا ہے جس میں تمام احکام شریعت کی پابندی آ جاتی ہے، اور یہ بہت بڑا عملی کمال ہے، دوسرا سبب ان کا آیاتِ الٰہیہ پر یقین رکھنا ہے، اس میں آیات کے مفہوم کو سمجھنا پھر سمجھ کر اس پر یقین کرنا دونوں داخل ہیں، یہ بہت بڑا کمال علمی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امامت و پیشوائی کے لائق اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہ لوگ ہیں جو عمل میں بھی کامل ہوں اور علم میں بھی، اور یہاں عملی کمال کو علمی کمال سے مقدم بیان فرمایا ہے کہ ترتیب طبعی میں علم عمل سے مقدم ہوتا ہے، اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ علم قابل اعتبار ہی نہیں جس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾
اور رہے ہماری باتوں پر یقین کرتے

مسلمانوں کو تنبیہ: یعنی مسلمان اللہ کے وعدوں پر یقین رکھیں اور سختیوں پر صبر کر کے اپنے کام پر جمے رہیں تو ان کے ساتھ بھی خدا کا یہی معاملہ ہوگا۔ چنانچہ ہوا اور خوب ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
تیرا رب جو ہے وہی فیصلہ کرے گا ان میں دن قیامت کے
فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾
جس بات میں کہ وہ اختلاف کرتے تھے

حق و باطل کا فیصلہ:

یعنی اہل حق اور منکرین کے درمیان دو ٹوک اور عملی فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔ ہاں دنیا میں بھی کوئی مثالیں ایسی دکھلائی جا چکی ہیں کہ آدمی انہیں دیکھ کر سمجھ اور عبرت حاصل کر سکتا ہے کیا عاد و ثمود کی بستیوں کے تباہ شدہ کھنڈر اور نشان ان منکروں نے نہیں دیکھے؟ جن پر شام وغیرہ کے سفر میں ان کا گزر ہوتا رہتا ہے۔ اور کیا ان کی ہلاکت کی داستانیں نہیں سنیں۔ مقام تعجب ہے کہ وہ چیزیں دیکھنے سننے کے بعد بھی ان کو تنبیہ ہوا اور نجات و فلاح کا راستہ نظر نہ آیا۔ (تفسیر عثمانی)

میں کہتا ہوں صحابہ کی مراد یہ تھی کہ اللہ قیامت کے دن بندوں کا فیصلہ کر دے گا۔ کلبی نے کہا صحابہ کی عنقریب فیصلہ کر دینے سے مراد تھی مکہ کی فتح۔ (تفسیر مظہری)

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ
کیا ان کو راہ نہ سوجھی اس بات سے کہ کتنی غارت کر ڈالیں ہم نے ان سے پہلے
مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ
پہلے جماعتیں کہ پھرتے ہیں یہ ان کے گھروں میں اس میں
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ۭ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾
بہت نشانیاں ہیں کیا وہ سنتے نہیں

یعنی نہروں اور دریاؤں کا پانی یا بارش کا۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَاۗءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ
کیا دیکھا نہیں انہوں نے کہ ہم ہانک دیتے ہیں پانی کو ایک زمین چٹیل کی طرف

بنجر زمین کی آبادکاری کا بندوبست:

ارض جرز سے ہر ایک خشک زمین جو نباتات سے خالی ہو مراد ہے بعض نے خاص سرزمین مصر کو اس کا مصداق قرار دیا ہے اور نسوق الماء سے دریائے نیل کا پانی مراد لیا ہے۔ اس تخصیص کی کوئی ضرورت نہیں۔ کما نبہ علیہ ابن کثیر رحمہ اللہ۔ (تفسیر عثمانی)

سرزمین مصر کی آبادی کا انتظام:

صحیح یہ ہے کہ یہ مضمون ایسی تمام زمینوں کو شامل ہے اور مصر کی زمین خصوصیت سے اس میں شامل ہے، جہاں بارش بہت کم ہوتی ہے، مگر بلادِ حبشہ افریقہ کی بارشوں کا پانی دریائے نیل کے ذریعہ مصر میں آتا ہے، اور وہاں کی سُرخ مٹی ساتھ لاتا ہے، جس میں انبات کا مادہ زیادہ ہے، اس لئے مصر کے لوگ اپنے ملک میں بارش نہ ہونے کے باوجود ہر سال نئے پانی اور نئی مٹی سے فائدہ اٹھاتے ہیں، فتبارک اللہ احسن الخالقین (معارف مفتی اعظم)

دریائے نیل کی بھینٹ کی رسم:

روایت ہے کہ جب مصر فتح ہوا تو مصر والے بوونہ مہینے میں حضرت عمرو

بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہماری قدیمی عادت ہے کہ اس مہینے میں دریائے نیل کی بھینٹ چڑھاتے ہیں اور اگر نہ چڑھائیں تو دریا میں پانی نہیں آتا۔ ہم ایسا کرتے ہیں کہ اس مہینے کی بارھویں تاریخ کو ہم ایک باکرہ لڑکی کو لیتے ہیں جو اپنے ماں باپ کی اکلوتی ہو اس کے والدین کو دے دلا کر رضامند کر لیتے ہیں اور اسے بہت عمدہ کپڑے اور بہت قیمتی زیور پہنا کر، بنا سنوار کر اس نیل میں ڈال دیتے ہیں تو اسی کا بہاؤ چڑھتا ہے ورنہ پانی چڑھتا ہی نہیں، سپہ سالار اسلام حضرت عمرو بن عاصؓ فاتح مصر نے جواب دیا کہ ایک جاہلانہ اور احمقانہ رسم ہے، اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا، اسلام تو ایسی عادتوں کو مٹانے کے لئے آیا ہے، تم ایسا نہیں کر سکتے۔ وہ باز رہے۔

دریائے نیل کا پانی نہ چڑھا، مہینہ پورا نکل گیا لیکن دریا خشک پڑا ہوا ہے۔ لوگ تنگ آ کر ارادے کرنے لگے کہ مصر کو چھوڑ دیں یہاں کی بود و باش ترک کر دیں۔

دریاء کے نام حضرت عمر فاروقؓ کا خط:

اب فاتح مصر کو خیال گزرتا ہے اور دربار خلافت کو اس سے مطلع فرماتے ہیں۔ اسی وقت خلیفۃ المسلمین امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ آپ نے جو کیا اچھا کیا اب میں اپنے اس خط میں ایک پرچہ دریائے نیل کے نام بھیج رہا ہوں تم اسے لے کر نیل کے دریا میں ڈال دو۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے اس پرچے کو نکال کر پڑھا تو اس میں تحریر تھا کہ یہ خط ہے خدا تعالیٰ کے بندے امیر المؤمنین عمرؓ کی طرف سے اہل مصر کے دریائے نیل کی طرف، بعد حمد و صلوٰۃ کے مطلب یہ ہے کہ اگر تو اپنی طرف سے اور اپنی مرضی سے چل رہا ہے تو خیر نہ چل اور اگر اللہ تعالیٰ واحد و قہار تجھے جاری رکھتا ہے تو ہم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ تجھے رواں کر دے۔

یہ پرچہ لے کر حضرت امیر عسکر نے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ ابھی ایک رات بھی گزرنے نہیں پائی تھی جو دریائے نیل میں سولہ ہاتھ گہرا پانی چلنے لگا اور اسی وقت مصر کی خشک سالی تر سالی سے، گرانی ارزانی سے بدل گئی۔ خط کے ساتھ ہی خطہ کا خطہ سرسبز ہو گیا اور دریا پوری روانی سے بہتا رہا۔ اس کے بعد سے ہر سال جو جان چڑھائی جاتی تھی وہ بچ گئی وہ مصر سے اس ناپاک رسم کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوا (کتاب السنۃ للحافظ ابوالقاسم اللالکائی)۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ

پھر ہم نکالتے ہیں اس سے کھیتی کہ کھاتے ہیں اس میں سے ان کے چوپائے

وَاَنْفُسُهُمْ ۭ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور خود وہ بھی پھر کیا دیکھتے نہیں

دعوت غور و فکر: یعنی ان نشانات کو دیکھ کر چاہیے تھا کہ حق تعالیٰ کی قدرت اور رحمت و حکمت کے قائل ہوتے اور سمجھتے کہ اسی طرح مردہ لاشوں میں دوبارہ جان ڈال دینا بھی اس کے لئے کچھ دشوار نہیں۔ نیز اللہ کی نعمتوں کے جان و دل سے شکر گزار بنتے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾

اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ فیصلہ اگر تم سچے ہو

منکرین کی جلد بازی: پہلے فرمایا تھا کہ ان کا فیصلہ قیامت کے دن کیا جائے گا۔ اس پر منکرین کہتے ہیں کہ قیامت قیامت کہے جاتے ہو، اگر سچے ہو تو بتاؤ وہ دن کب آ چکے گا۔ مطلب یہ ہے کہ خالی دھمکیاں ہیں قیامت وغیرہ کچھ بھی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

کہہ کہ فیصلہ کے دن کام نہ آئے گا منکروں کو

اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾

ان کا ایمان لانا اور نہ ان کو ڈھیل ملے گی

ابھی موقع ہے فائدہ اٹھالو:

یعنی ابھی موقع ہے کہ اللہ و رسولؐ کے کہنے پر یقین کر لو اور اس دن سے بچنے کی تیاری کر لو ورنہ اس کے پہنچ جانے پر نہ ایمان لانا کام دے گا نہ سزا میں ڈھیل ہوگی اور نہ مہلت ملے گی کہ آئندہ چال چلن درست کر کے حاضر ہو جاؤ اس وقت کی مہلت کو غنیمت سمجھو۔ استہزاء و تکذیب میں رائیگاں مت کرو جو گھڑی آنے والی ہے یقیناً آ کر رہے گی کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی۔ پھر یہ کہنا فضول ہے کہ کب آئے گی اور کب فیصلہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾

سو تو خیال چھوڑ ان کا اور منتظر رہ وہ بھی منتظر ہیں

آپ فرض تبلیغ ادا کرتے رہیں:

یعنی جو ایسے بے فکرے اور بے حس ہیں کہ باوجود انتہائی مجرم اور مستوجب سزا ہونے کے فیصلہ اور سزا کے دن کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کے راہ راست پر آنے کی کیا توقع ہے۔ لہٰذا آپ فرض دعوت و تبلیغ ادا کرنے کے بعد ان کا خیال چھوڑیئے اور ان کی تباہی کے منتظر رہئے جسے وہ اپنے زعم میں معاذ اللہ آپ کی تباہی کے منتظر ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سورۃ کی فضیلت:

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ فجر کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الٓمّٓ تَنْزِيْلُ اور هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ پڑھتے تھے۔

حضرت جابر راویؓ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے نہ تھے جب تک الم تنزیل اور تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ نہ پڑھ لیتے تھے۔ رواہ احمد والترمذی والدارمی ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

گناہگار کی بخشش:

حضرت خالد بن معدان کا بیان ہے کہ الم تنزیل کے متعلق مجھے یہ خبر پہنچی ہے اور یہی اطلاع تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ کے متعلق بھی ملی ہے کہ ایک شخص یہی دونوں سورتیں پڑھتا تھا اور کچھ نہیں پڑھتا تھا اور تھا بڑا گنہگار (مرنے کے بعد) انہی سورتوں نے (اس کو اپنے سایہ میں لے لیا) اس پر اپنے پر پھیلا دیئے اور دعا کی اے رب اس کو بخشدے یہ مجھے بہت پڑھا کرتا تھا اللہ نے ان سورتوں کی شفاعت قبول فرمائی (اور اس کو بخشدیا) اور فرمایا ہر بدی کے عوض) اس شخص کے لئے نیکی لکھدو اور اس کے درجہ کو اونچا کردو۔

سورہ کی وکالت:

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ یہ سورت قبر کے اندر اپنے پڑھنے والے کی طرف سے وکالت کرے گی اور عرض کرے گی (اے رب) اگر میں تیری کتاب کی سورت ہوں تو اس شخص کے متعلق میری شفاعت قبول فرما اور اگر میں تیری کتاب کا حصہ نہیں ہوں تو مجھے کتاب کے اندر سے مٹادے یہ سورۃ اپنے پڑھنے والے پر اپنے پر پھیلادے گی اس کو اپنے سایہ میں لے لے گی اس کے لئے شفاعت کرے گی اور عذاب قبر سے اس کو بچالے گی۔

تمام سورتوں پر فضیلت:

یہ بھی روایت ہے کہ قرآن کی ہر سورت پر ان دونوں سورتوں کی فضیلت ساٹھ نیکیوں کے برابر ہے۔ رواہ الدارمی۔

شب قدر کی عبادت کا ثواب:

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے الٓمّٓ تَنْزِيْلُ اور تَبٰرَكَ الَّذِيْ پڑھی اس کو اتنا ثواب ملا کہ گویا شب قدر میں اس نے رات بھر عبادت کی۔ رواہ الثعلبی وابن مردویہ۔ ابن مردویہ نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بھی حدیث اسی طرح بیان کی ہے۔ سیوطی نے کہا یہ حدیث موضوع ہے۔ (تفسیر مظہری)

الحمدللہ سورت سجدہ ختم ہوئی

سورۃ الاحزاب

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ اپنے خاندان کی تعریف کرنے والا ہوگا اس کی عمر زیادہ ہوگی اور دوستوں کے ساتھ مکر زیادہ کرے گا۔ (علامہ ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ احزاب مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی تہتر آیتیں ہیں اور نو رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ

اے نبی ڈر اللہ سے اور کہا نہ مان منکروں کا

وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَّاتَّبِعْ

اور دغابازوں کا مقرر اللہ ہے سب کچھ جاننے والا حکمتوں والا اور چل

مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

اُسی پر جو حکم آئے تجھ کو تیرے رب کی طرف سے بیشک اللہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ

تمہارے کام کی خبر رکھتا ہے اور بھروسہ رکھ اللہ پر

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝

اور اللہ کافی ہے کام بنانے والا

کافروں کیلئے کبھی لچک دکھانے کی ضرورت نہیں ہے:

یعنی جیسے اب تک معمول رہا ہے آئندہ بھی ہمیشہ ایک اللہ سے ڈرتے رہئے اور کافروں اور منافقوں کا کبھی کہنا مانیے یہ سب مل کر خواہ کتنا ہی بڑا جتھا بنالیں، سازشیں کریں، جھوٹے مطالبات منوانا چاہیں عیارانہ مشورے دیں، اپنی طرف جھکانا چاہیں، آپ اصلا پروانہ کیجئے اور خدا کے سوا کسی کا ڈر پاس نہ آنے دیجئے۔ اُسی اکیلے پروردگار کی بات مانیے اُسی کے آگے جھکیے خواہ ساری مخلوق اکٹھی ہوکر آجائے اُس کے خلاف ہرگز کسی کی بات نہ سنیں۔ اللہ تعالیٰ

سب احوال کا جاننے والا ہے۔ وہ جس وقت جو حکم دے گا نہایت حکمت اور خبرداری سے دے گا۔ اسی میں تمہاری اصلی بہتری ہوگی۔ جب اُس کے حکم پر چلتے رہوگے اور اُسی پر بھروسہ رکھوگے تمہارے سب کام اپنی قدرت سے بنا دے گا۔ تنہا اُسی کی ذات بھروسہ کرنے کے لائق ہے۔ جو سارے دل سے اُس کا ہو رہا دوسری طرف دل نہیں لگا سکتا۔ دوسرا دل ہوتو دوسری طرف جائے لیکن ع سینہ میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ کافر چاہتے تھے اپنی طرف نرم کرنا اور منافق چاہتے تھے اپنی چال سکھانا اور پیغمبر کو صرف اللہ پر بھروسہ ہے۔ اُس سے زیادہ دانا کون۔ (تفسیر عثانی)

سورۂ احزاب کی آیات:

حضرت اُبی بن کعب نے حضرت زر سے فرمایا سورۃ احزاب کی گنتی آپ کے نزدیک کتنی ہے؟ حضرت زر نے جواب دیا تہتر۔ حضرت اُبی نے فرمایا، قسم ہے اس خدا کی جس کی قسم ابی کھایا کرتا ہے کہ یہ سورۃ سورۂ بقرۃ کے برابر یا اس سے بڑی تھی ہم نے اس سورۃ میں یہ آیت بھی پڑھی تھی الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموھا نکالا مّن اللّٰہ واللّٰہ عزیز حکیم۔

تقویٰ کی اہمیت:

یَاَیُّھَاالنَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ اے نبی اللہ سے ڈرتے رہو نبی کے لفظ سے خطاب کر کے تقویٰ کا حکم دیا، محمد نہیں فرمایا اس سے تقویٰ کی اہمیت اور عظمت بتانا مقصود ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ سے ڈرنا اور تقویٰ رکھنا ضروری ہے۔

شانِ نزول: بغوی نے لکھا ہے ان آیات کا نزول ابوسفیان بن حرب، عکرمہ بن ابوجہل اور ابوالاعور عمرو بن سفیان سلمیؓ کے حق میں ہوا۔ جنگ اُحد کے بعد یہ تینوں شخص مدینہ میں آ کر سرگروہ منافقین عبداللہ بن ابی کے پاس ٹھہرے (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کی درخواست کی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی چنانچہ عبداللہ بن ابی سعد اور طعمہ بن ابیرق خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی آپ لات عزیٰ اور مناۃ کا تذکرہ چھوڑ دیجئے ہمارے ان معبودوں کا ذکر (برائی کے ساتھ) نہ کیجئے اور یہ کہہ دیجئے کہ جو شخص ان کو پوجے گا یہ معبود اس کی شفاعت کریں گے اگر آپ ایسا کرلیں گے تو ہم آپ کا اور آپ کے رب کا ذکر (برائی کے ساتھ) نہیں کریں گے (اور آپ کے کام میں مداخلت نہیں کریں گے) اس وقت حضرت عمر بن خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کی یہ بات بہت شاق گزری۔ حضرت عمر نے فرمایا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اجازت دیجئے میں ان کو قتل کردوں، فرمایا میں ان کو امن دے چکا ہوں۔ پھر فرمایا نکل جاؤ تم پر اللہ کی لعنت اور غضب۔ چنانچہ حضور نے ان کو مدینہ سے نکال دینے کا حکم دے دیا اس پر اللہ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی۔

یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو ہے کیونکہ تقویٰ کے حکم کا روئے سخن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت سب کی طرف تھا اگرچہ صیغہ مفرد کا استعمال کیا گیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

سورۃ کے مضامین:

یہ مدنی سورۃ ہے اس کے بیشتر مضامین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت اور خصوصیت عنداللہ پر مشتمل ہیں، جس میں آپ کی تعظیم کا واجب ہونا اور آپ کی ایذاء رسانی کا حرام ہونا مختلف عنوانات سے بیان ہوا ہے، اور باقی مضامین سورۃ بھی انہی کی تکمیل و اتمام سے مناسبت رکھتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز:

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص اعزاز واکرام ہے کہ پورے قرآن میں کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر خطاب نہیں کیا گیا، جیسا کہ دوسرے انبیاء کے خطابات میں یا ادم، یا نوح یا ابراھیم یا موسیٰ وغیرہ ذلک بار بار آیا ہے، بلکہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو پورے قرآن میں جہاں خطاب کیا گیا وہ کسی لقب نبی یا رسول وغیرہ سے خطاب کیا گیا بصرف چار مواقع جن میں یہی بتلانا منظور تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ذکر کیا گیا ہے جو ضروری تھا۔

صرف وحی کی اتباع کریں:

وَّاتَّبِعْ مَا یُوْحٰٓی اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا یہ پہلے ہی حکم کا تکملہ ہے کہ آپ کفار و منافقین کی باتوں میں نہ آئیں، اُن کی بات نہ مانیں بلکہ جو کچھ اللہ کی طرف سے آپ کو بذریعہ وحی بتلایا گیا ہے بس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اسی کا اتباع کریں، چونکہ اس خطاب میں صحابہؓ کرام اور عام مسلمان بھی شامل ہیں، اس لئے آخر میں بصیغہ جمع بِمَا تَعْمَلُوْنَ فرما کر تنبیہ کردی گئی۔

بھروسہ فقط اللہ پر رکھیں:

وَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا یہ بھی اسی حکم کی تکمیل ہے، اس میں ارشاد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کی باتوں پر کان نہ دھریں، اپنے مقصد کی کامیابی میں صرف اللہ پر بھروسہ کریں، کہ وہ ہی کافی کارساز ہے، اس کے ہوتے ہوئے آپ کو کسی کی رواداری کی ضرورت نہیں،

مسئلہ: آیات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ امور دین میں کفار سے مشورہ لینا بھی جائز نہیں، دوسرے امور جن کا تعلق تجربہ وغیرہ سے ہو ان میں مشورہ لینے میں مضائقہ نہیں، واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

پچھلی سورۃ سے ربط:

گزشتہ سورت کے اخیر میں کفار کو قریبی عذاب کی دھمکی دی گئی تھی۔ وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَى دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ اس سورت میں اسی قریبی عذاب کا ذکر ہے یعنی غزوۂ احزاب میں کفار کی شکست کا بیان ہے جو عذاب ادنیٰ کا ایک اولیٰ مصداق ہے۔

سورۃ احزاب کی منسوخ شدہ آیات:

یہ سورت جب ابتداء میں نازل ہوئی تو قریب قریب سورۂ بقرہ کے تھی اوراس میں آیت رجم بھی تھی یعنی الشیخ و الشیخة اذا زنیا فارجموھا نکالا من اللّٰه و اللّٰه عزیز حکیم یعنی بیاہا ہوا مرد اور بیاہی ہوئی عورت یعنی شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت جب زنا کریں تو ضرور بضرور ان کو سنگسار کر دو، اللہ کی طرف سے بطور عقوبت یہ حکم ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ زبردست اور حکمتوں والا ہے پھر اللہ نے اس سورت میں سے جس قدر حصہ چاہا اٹھالیا۔ رواہ احمد والنسائی عن ابی بن کعب واسنادہ حسن۔ (تفسیر ابن کثیر)

یعنی اس سورت کا بیشتر حصہ عہد رسالت میں اُٹھالیا گیا اور سینوں میں سے نکال لیا گیا اوران کی تلاوت منسوخ ہوگئی مگر اس میں سے ایک آیت رجم تو ایسی ہے کہ جس کی تلاوت تو منسوخ ہوگئی مگر اس کا حکم تاہنوز باقی ہے اور اس پر عمل جاری ہے اورتا قیامت اس پر عمل جاری رہے گا۔

چنانچہ عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ممبر پر حمد وصلاۃ کے بعد اپنے خطبہ میں یہ فرمایا۔ اے لوگو اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور آپ پر کتاب مجید نازل کی پس اس میں آیت رجم بھی تھی جسے ہم نے پڑھا اور خوب یاد کیا اور یہ آیت پڑھی۔ الشیخ و الشیخة اذا زنیا فارجموھا نکالا من اللّٰه و اللّٰه عزیز حکیم یعنی شادی شدہ مرد اور شادہ شدہ عورت جب زنا کریں تو قطعاً دونوں کو سنگسار کر ڈالو۔ اللہ کے حکم سے بطور عقوبت وسزاء کے بے شک اللہ عزیز اور حکیم ہے۔ (معارف کاندھلوی)

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهٖ ۚ
اللہ نے رکھے نہیں کسی مرد کے دو دل اُس کے اندر
وَمَا جَعَلَ أَزْوَاجَكُمُ الّٰٓئِي تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ أُمَّهٰتِكُمْ ۚ
اور نہیں کیا تمہاری لی بیوں کو جن کو ماں کہہ بیٹھے ہو سچی مائیں تمہاری
وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَآءَكُمْ أَبْنَآءَكُمْ ۚ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ
اور نہیں کیا تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے یہ تمہاری بات ہے

بِأَفْوَاهِكُمْ ۖ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ④
اپنے منہ کی اور اللہ کہتا ہے ٹھیک بات اور وہی سجھاتا ہے راہ

رسوم جاہلیت کی تردید:

یعنی جس طرح ایک آدمی کے سینہ میں دو دل نہیں۔ ایسے ہی ایک شخص کی حقیقۃً دو مائیں یا ایک بیٹے کے دو باپ نہیں ہوتے۔ جاہلیت کے زمانہ میں کوئی بیوی کو ماں کہہ دیتا تو ساری عمر کے لئے اُس سے جدا ہو جاتی۔ گویا اس لفظ سے وہ حقیقی ماں بن گئی۔ اور کسی کو منہ بولا بیٹا بنالیتا تو سچ مچ بیٹا سمجھا جاتا تھا اور سب احکام اُس پر بیٹے کے جاری ہوتے تھے۔ قرآن کریم نے اس لفظی و مصنوعی تعلق کو حقیقی اور قدرتی تعلق سے جدا کرنے کے لئے ان رسوم و مفروضات کی بڑی شد و مد سے تردید فرمائی اس نے بتلایا کہ بیوی کو ماں کہہ دینے سے اگر واقعی وہ ماں بن جاتی ہے تو کیا یہ دو ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے؟ ایک وہ جس نے اوّل جنا تھا، اور دوسری یہ جس کو ماں کہہ کر پکارتا ہے۔ اسی طرح کسی نے زید کو بیٹا بنالیا تو ایک باپ تو اس کا پہلے سے موجود تھا جس کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے۔ کیا واقعی اب یہ ماننا چاہیے کہ یہ دو باپوں سے الگ الگ پیدا ہوا ہے۔ جب ایسا نہیں تو حقیقی ماں باپ اور اولاد کے احکام ان پر جاری نہیں کئے جا سکتے۔ چنانچہ بیوی کو ماں کہنے کا حکم سورۂ تحریم میں آئے گا۔ اور لے پالک (منہ بولے بیٹے) کا حکم آگے بیان ہوتا ہے۔ ان دو باتوں کے ساتھ تیسری بات (بطور تمہید وتشریح کے) یہ بھی سنادی کہ ایسی باتیں زبان سے کہنے کی چیزیں ہیں جن کی حقیقت واقع میں وہ نہیں ہوتی جو الفاظ میں ادا کی جاتی ہے جیسے کسی غیر مستقل مزاج یا دوغلے آدمی کو یا کسی قوی الحفظ اور قوی القلب یا ایسے شخص کو جو ایک وقت میں دو مختلف چیزوں کی طرف متوجہ ہو کہہ دیتے ہیں کہ اس کے دو دل ہیں۔ حالانکہ سینہ چیر کر دیکھا جائے تو ایک ہی دل نکلے گا۔ اسی طرح ماں کے علاوہ کسی کو ماں یا باپ کے سوا کسی کو باپ یا بیٹے کے سوا کسی کو بیٹا کہہ دینے سے واقع میں وہ نسبت ثابت نہیں ہو جاتی جو بدوں ہمارے زبان سے کہے قدرت نے قائم کر دی ہے۔ لہٰذا مصنوعی اور حقیقی تعلقات میں خلط ملط نہیں کرنا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

ایک آدمی کے دو دل نہیں ہو سکتے:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهٖ اللہ نے کسی کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے۔

دل روح حیوانی اور تمام قوتوں کا سرچشمہ ہے اسی وجہ سے ایک آدمی کے دو دل نہیں ہو سکتے اگر بالفرض دو دل ہوں تو وہ یا ایک دل سے سارے قلبی افعال سرانجام دے گا اس صورت میں دوسرا دل بیکار رہو گا یا دونوں دلوں

سے ایک ہی کام کرے گا تب بھی دو ہونے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی یا ایک دل سے ایک کام اور دوسرے دل سے پہلے کام کے خلاف کام لے گا اس سے افعال قلبی میں کھلا ہوا تناقص پیدا ہو جائے گا۔

ابو معمر فہری: بغوی اور ابن ابی حاتم نے سدی اور ابن نجیح کی روایت سے مجاہد کا قول بیان کیا ہے کہ ایک شخص تھا ابو معمر جمیل بن معمر فہری اس شخص کی سمجھ بھی تیز تھی اور حافظہ بھی اتنا قوی کہ جو کچھ سنتا تھا یاد کر لیتا تھا قریش کہتے تھے ابو معمر کا جو حافظہ اتنا قوی ہے اس کی وجہ سوا اس کے اور کچھ نہیں کہ اس کے دو دل ہیں وہ خود بھی کہتا تھا کہ میرے دو دل ہیں محمد جو کچھ سمجھتے ہیں اس سے زیادہ سمجھ تو میرے ہر ایک دل میں ہے میں ایک دل سے بھی ان سے زیادہ جانتا اور بہتر سمجھتا ہوں اسی کے متعلق اس آیت کا نزول ہوا۔

بدر کے دن جب قریش کو شکست ہوگئی تو ابو معمر بھی بھاگ کھڑا ہوا ایک پاؤں میں جوتی تھی اور دوسری جوتی ہاتھ میں تھی۔ اسی حالت میں ابوسفیان کا سامنا ہو گیا ابوسفیان نے پوچھا ابو معمر لوگوں کا کیا حال ہے۔ ابو معمر نے کہا شکست کھا گئے۔

ابوسفیان نے کہا تیرا یہ کیا حال ہے کہ ایک جوتی پاؤں میں اور ایک ہاتھ میں ہے ابو معمر نے کہا ارے میں تو دونوں جوتیاں پاؤں میں سمجھا تھا، اس وقت لوگوں کو معلوم ہوا کہ اس کے دو دل نہیں ہیں اگر دو دل ہوتے تو ہاتھ میں پکڑی ہوئی جوتی کو نہ بھولتا۔

ابن ابی حاتم نے بسند ضعیف سعید بن جبیر اور مجاہد اور عکرمہ کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک شخص تھا جس کو دو دل والا کہا جاتا تھا اسی کے بارے میں اس آیت کا نزول ہوا۔ ابن جریر نے بوساطت عوفی حضرت ابن عباس اور بوساطت قتادہ حسن بصری کا بھی یہی بیان نقل کیا ہے۔ اس بیان میں اتنا زائد ہے کہ وہ شخص کہتا تھا کہ میرا ایک دل مجھے (کسی کام کو) کرنے کا حکم دیتا ہے اور دوسرا دل منع کرتا ہے۔

منافقوں کی قیاس آرائی کی تردید:

ترمذی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور اس کو حسن کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک بار) کھڑے ہوئے اس وقت آپ کے دل میں کسی بات کا خطرہ پیدا ہوا، منافق جو آپ کے پاس اس وقت موجود تھے کہنے لگے دیکھو اس شخص کے دو دل ہیں، ایک تمہارے ساتھ ہے اور دوسرا اپنے رفیقوں کے ساتھ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ظہار کا حکم: وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓئِيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ دورِ جاہلیت میں ظہار کو طلاق سمجھا جاتا تھا۔ اسلامی شریعت میں (طلاق نہیں قرار دیا گیا بلکہ) ظہار کرنیوالا جب تک کفارہ ادا نہ کرے اس وقت تک بیوی سے قربت صنفی کی ممانعت کردی۔

ظہار کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بی بی کو کہہ دے تو میرے لئے ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت۔ ظہار کے مسائل ہم نے سورۃ مجادلہ میں بیان کر دیئے ہیں۔

لے پالک بیٹے:

وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ کسی کو بیٹا بنانے سے حقیقی بیٹے کے احکام اس پر جاری نہیں ہو جاتے۔ نہ وہ میراث کا مستحق قرار پاتا ہے۔ نہ اس سے نکاح حرام ہو جاتا ہے۔ آیت مذکورہ میں عرب کے ان جاہلی اقوال کی تردید کر دی گئی ہے کہ دانشمند قوی حافظہ والے کے دو دل ہوتے ہیں، اور ظہار کرنے سے طلاق بائنہ پڑ جاتی ہے، اور عورت شوہر کے لئے ہمیشہ کے واسطے ماں کی طرح حرام ہو جاتی ہے اور بنایا ہوا بیٹا حقیقی بیٹے کی طرح ہو جاتا ہے میراث کا بھی مستحق بن جاتا ہے اور اس سے نکاح بھی حرام ہو جاتا ہے اور بناوٹی بیٹے کے وہ تمام رشتہ دار حرام ہو جاتے ہیں جو حقیقی بیٹے کے ہوتے ہیں اور حرام ہوتے ہیں (جیسے حقیقی بیٹے کی بیوی بہن وغیرہ) نبوت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ بن شرجیل کلبی کو آزاد کر کے بیٹا بنا لیا تھا اور حضرت حمزہ بن عبدالمطلب سے ان کا رشتہ اخوت قائم کر دیا تھا۔ حضرت زید نے اپنی بیوی حضرت زینب بنت جحش کو طلاق دے دی اور رسول اللہ نے ان سے نکاح کر لیا، منافق کہنے لگے کہ محمد نے خود تو اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا اور دوسروں کو منع کرتے تھے اس پر آیت اللہ نے نازل فرمائی۔

حضرت عائشہ راوی ہیں کہ ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ کی بیوی سہلہ بنت سہل بن عمرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ ابو حذیفہ کا آزاد کردہ غلام جس کو ابو حذیفہ نے بیٹا بنا لیا ہے ہمارے گھر میں آتا ہے اور میں اس وقت ایک کپڑا پہنے ہوتی ہوں ہم سالم کو بیٹا ہی سمجھتے ہیں اس کا کیا حکم ہے اس پر آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

جس طرح ایک انسان کے پہلو میں دو دل نہیں ہوتے، اور جس طرح بیوی کو ماں کے مثل کہنے سے بیوی ماں نہیں بن جاتی، اسی طرح منہ بولا بیٹا تمہارا بیٹا نہیں بن جاتا، یعنی دوسرے بیٹوں کے ساتھ نہ وہ میراث میں شریک ہوگا اور نہ حرمت نکاح کے مسائل اس پر عائد ہوں گے کہ بیٹے کی مطلقہ بیوی باپ پر ہمیشہ کے لئے حرام ہے تو متبنیٰ کی بیوی بھی حرام ہو۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ اکثر آدمی جو دوسروں کے بچوں کو بیٹا کہہ کر پکارتے ہیں جب کہ محض شفقت کی وجہ سے ہو متبنیٰ قرار دینے کی وجہ سے نہ ہو تو یہ اگرچہ جائز ہے، مگر پھر بھی بہتر نہیں کہ صورۃً ممانعت میں داخل ہے
(کذا فی الروح عن الخفاجی علی البیضاوی) (معارف مفتی اعظم)

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ
پکارو لے پالکوں کو ان کے باپ کی طرف نسبت کر کے یہی پورا انصاف ہے اللہ کے یہاں

یعنی ٹھیک انصاف کی بات یہ ہے کہ ہر شخص کی نسبت اُس کے حقیقی باپ کی طرف کی جائے کسی نے لے پالک بنالیا تو وہ واقعی باپ نہیں بن گیا یوں شفقت و محبت سے کوئی کسی کو مجازاً بیٹا یا باپ کہہ کر پکارلے وہ دوسری بات ہے۔ غرض یہ ہے کہ نسبی تعلقات اور اُن کے احکام میں اشتباہ و التباس واقع نہ ہونے پائے۔ ابتدائے اسلام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کو آزاد کر کے متبنیٰ کر لیا تھا۔ چنانچہ دستور کے موافق لوگ انہیں زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کر پکارنے لگے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی سب زید بن حارثہ کہنے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ ان کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کرو۔ یعنی حقیقی باپوں سے ان کا نسب ملاؤ۔

هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ یہی بات اللہ کے نزدیک بڑے انصاف کی ہے۔

اقسط اسم تفضیل کا صیغہ ہے لیکن نسبتی زیادتی مراد نہیں ہے بلکہ فی نفسہ عدل کی زیادتی مراد ہے یعنی کامل سچی بات۔

حضرت زید بن حارثہؓ:

بخاری نے حضرت ابن عمر کا قول نقل کیا ہے ہم زید کو زید بن حارثہ نہیں کہتے تھے بلکہ زید بن محمد کہتے تھے یہاں تک کہ آیت اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ نازل ہوئی (اس کے بعد ہم زید بن حارثہ کہنے لگے) (تفسیر مظہری)

فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ

پھر اگر نہ جانتے ہو اُن کے باپ کو تو تمہارے بھائی ہیں

فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ

دین میں اور رفیق ہیں

یعنی اگر باپ معلوم نہ ہو تو بہر حال تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں ان ہی القاب سے یاد کرو۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کو فرمایا۔ اَنْتَ اَخُوْنَا وَمَوْلَانَا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ

اور گناہ نہیں تم پر جس چیز میں چوک جاؤ پر وہ

مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

جو دل سے ارادہ کرو اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

بھول چوک معاف ہے:

یعنی بھول کر یا نادانستہ اگر غلط کہہ دیا کہ فلاں کا بیٹا فلاں، وہ معاف ہے۔ بھول چوک کا گناہ کسی چیز میں نہیں، ہاں ارادہ کا ہے۔ اس میں بھی اللہ چاہے تو بخش دے۔ (تفسیر عثمانی)

دوسرے کی طرف غلط نسبت کی سزا:

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت ابوبکرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جانتے ہوئے (اپنے باپ کو چھوڑ کر) کسی دوسرے کو اپنا باپ ظاہر کیا اس پر جنت حرام ہے رواہ الشیخان فی الصحیحین واحمد وابوداؤد وابن ماجہ۔

حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے (اپنے باپ کو چھوڑ کر) کسی دوسرے کو اپنا باپ بتایا یا کسی (آزاد کردہ غلام) نے اپنے مولیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف اپنا مولیٰ ہونے کی نسبت کی اس پر قیامت کے دن تک اللہ کی مسلسل لعنت۔ رواہ ابوداؤد۔ سیوطی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی آقا نے اپنے غلام کو جو عمر میں آقا سے کم ہو یا زیادہ یہ بات کہہ دی کہ یہ میرا بیٹا ہے تو غلام آزاد ہو جائے گا اور آقا کے کلام کو درست قرار دینے کے لئے مجازی معنی پر محمول کیا جائے گویا آقا نے جو غلام کے متعلق کہا یہ میرا بیٹا ہے اس کا مجازی معنی یہ ہے کہ یہ آزاد ہے سبب بول کر مجازاً مسبب مراد لیا جا سکتا ہے بنوت (بیٹا ہونا) آزادی کا سبب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو اپنے محرم قرابتدار کا (وراثۃً یا خرید کر یا بطور ہبہ) مالک ہو گیا تو وہ محرم آزاد ہو جائے گا۔ رواہ احمد واصحاب السنن۔ (تفسیر مظہری)

مجتہد کی خطاء:

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا صحیح بخاری شریف میں ہے جب حاکم اپنی کوشش میں کامیاب ہو جائے اپنے اجتہاد میں صحت کو پہنچ جائے تو اسے دوسرا اجر ملتا ہے اور اگر خطا کر جائے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کو اُن کی خطائیں بھول چوک اور جو کام ان سے زبردستی کرائے جائیں ان سے درگزر فرمالیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ

نبی سے لگاؤ ہے ایمان والوں کو زیادہ اپنی جان سے

مؤمن کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق:

مؤمن کا ایمان اگر غور سے دیکھا جائے تو ایک شعاع ہے اُس نور اعظم کی جو آفتاب نبوت سے پھیلتا ہے۔ آفتاب نبوت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوئے۔ بنابریں مؤمن (من حیث ہو مؤمن) اگر اپنی حقیقت سمجھنے کے لئے حرکت فکری شروع کرے تو اپنی ایمانی ہستی سے پیشتر اُس کو پیغمبر علیہ السلام کی معرفت حاصل کرنی پڑے گی۔ اس اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ نبی کا وجود مسعود خود ہماری ہستی سے بھی زیادہ ہم سے نزدیک ہے اور اگر اس

روحانی تعلق کی بناپر کہہ دیا جائے کہ مؤمنین کے حق میں نبی بمنزلہ باپ کے بلکہ اس سے بھی بمراتب بڑھ کر ہے تو بالکل بجا ہوگا۔ چنانچہ سنن ابی داؤد میں انما انا لکم بمنزلۃ الوالد الخ اور ابی بن کعب وغیرہ کی قراءت میں آیت ہذا اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ الخ کے ساتھ وھو اب لَّھُمْ کا جملہ اسی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔ باپ بیٹے کے تعلق میں غور کرو تو اُس کا حاصل یہی نکلے گا کہ بیٹے کا جسمانی وجود باپ کے جسم سے نکلا ہے اور باپ کی تربیت و شفقت طبعی اوروں سے بڑھ کر ہے لیکن نبی اور اُمتی کا تعلق کیا اس سے کم ہے؟ یقیناً اُمتی کا ایمانی و روحانی وجود نبی کی روحانیت کبریٰ کا ایک پرتو اور ظل ہوتا ہے اور جو شفقت و تربیت نبی کی طرف سے ظہور پذیر ہوتی ہے ماں باپ تو کیا تمام مخلوق میں اُس کا نمونہ نہیں مل سکتا۔ باپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو دنیا کی عارضی حیات عطا فرمائی تھی۔ لیکن نبی کے طفیل ابدی اور دائمی حیات ملتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری وہ ہمدردی اور خیر خواہانہ شفقت و تربیت فرماتے ہیں جو خود ہمارا نفس بھی اپنی نہیں کر سکتا۔ اسی لئے پیغمبر کو ہماری جان و مال میں تصرف کرنے کا وہ حق پہنچتا ہے جو دنیا میں کسی کو حاصل نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ نبی نائب ہے اللہ کا اپنی جان و مال میں اپنا تصرف نہیں چلتا جتنا نبی کا چلتا ہے۔ اپنی جان دہکتی آگ میں ڈالنا روا نہیں اور اگر نبی حکم دے دے تو فرض ہو جائے۔ ان ہی حقائق پر نظر کرتے ہوئے احادیث میں فرمایا کہ تم میں کوئی آدمی مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اُس کے نزدیک باپ، بیٹے اور سب آدمیوں بلکہ اس کی جان سے بھی بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واجب ہے:

یعنی مومنوں کو جو تعلق ایک دوسرے کے ساتھ ہے ان سب سے زیادہ نبی کا مومنوں سے تعلق ہے اس تعلق کی وجہ سے نبی کا حکم مومنوں پر نافذ ہے اور پیغمبر کی اطاعت سب پر واجب ہے ماں باپ کا حکم بھی اگر نبی کے حکم کے خلاف ہو تو اس کی مخالفت بھی لازم ہے پس پیغمبر کو ہی جہاد پر بھیجنے اور راہ خدا میں جان خرچ کرنے کا حکم دینے کا حق حاصل ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اپنی مرضی پر مقدم ہے:

حضرت ابن عباس اور عطاء نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جب نبی کسی کو کسی کام کی دعوت دیں اور اس کا نفس کسی دوسری بات کا خواہش مند ہو تو نفس کی اطاعت سے نبی کی اطاعت اولیٰ ہے کیونکہ نبی تمام مسلمانوں کے مصالح اور مفاسد سے بوحی الٰہی خوب واقف ہیں نبی مومنوں کے لئے اسی بات کو پسند کرتے اور اسی کام کا حکم دیتے ہیں جس میں مومنوں کی بہبودی اور کامیابی ہوتی ہے اللہ نے فرمایا ہے حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔

انسان کا نفس ہمیشہ بدی کا حکم دیتا ہے سواء اس کے جس پر اللہ کا کرم ہو انسان کا نفس بڑا ناحق کوش اور بہت ہی نادان ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مومنوں کو اللہ کے رسول کی محبت اپنے نفسوں سے بھی زیادہ ہو اور اللہ کے رسول کا حکم نفس کی حکومت پر غالب ہو اور رسولِ خدا کی مومنوں پر شفقت اتنی ہو کہ خود ان کی اپنے نفوس پر نہ ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ میں اس کی نظر میں اس کے باپ اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں رواہ البخاری ومسلم فی صحیحیھما عن انسؓ۔

مؤمن دنیا و آخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہے:

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مومن سے دنیا و آخرت میں میرا تعلق سب سے زیادہ ہے اگر اس کا ثبوت چاہتے ہو تو پڑھو آیت پس جو مومن مال چھوڑ کر مرے تو اس کے مال کے وارث اس کے عصبات ہوں گے جو بھی ہوں۔ اور جو مومن نادار بیوی بچوں کو چھوڑ جائے تو وہ میرے پاس آجائیں میں ان کا متولی ہوں۔ (تفسیر مظہری)

وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ
اور اُس کی عورتیں اُن کی مائیں ہیں

ازواجِ مطہرات امہات المؤمنین ہیں:

یعنی دینی مائیں ہیں تعظیم و احترام میں اور بعض احکام میں جو اُن کے لئے شریعت سے ثابت ہوں۔ کل احکام میں نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ اور نبی کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں، یعنی ان کا حق (ماؤں کی طرح) بڑا ہے ان سے ہمیشہ کے لئے (ہر مومن کا) نکاح حرام ہے یہ مطلب نہیں ہے جس طرح ماؤں کو دیکھنا اور ان کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا جائز ہے اسی طرح پیغمبر کی بیبیوں کو دیکھنا اور ان کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا جائز ہے۔ امہات المومنین کو دیکھنا اور خلوت میں ان کے ساتھ بیٹھنا تو ایسا ہی ناجائز ہے جیسے اجنبی عورتوں کے ساتھ اللہ نے فرمایا ہے وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اگر امہات المومنین سے تم کو کوئی سامان مانگنا ہو تو پردہ کی اوٹ سے مانگو۔

امہات المؤمنین کی دیگر رشتہ دار:

امہات المومنین کی بیٹیوں کو امت کی بہنیں نہیں کہا جاتا، نہ اس کے بہن بھائی امت کی خالائیں اور ماموں ہیں (نسبی رشتہ نہیں ہے) امام شافعی نے فرمایا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اسماءؓ سے نکاح کیا اور اسماء حضرت عائشہ کی بہن تھیں لیکن کسی نے نہیں کہا کہ حضرت اسماء مومنوں کی خالہ تھیں۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لڑکیوں کا نکاح حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے کیا تھا (اگر حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی صاحبزادیاں امت کی بہنیں ہوتیں تو ان سے کسی کا نکاح نہیں ہوتا)۔

ازواجِ مطہرات سے امتی کا نکاح حرام ہے:

شعبی نے مسروق کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ کو اماں کہا، آپ نے فرمایا، میں تمہاری ماں نہیں ہوں تمہارے مردوں کی ماں ہوں۔ بیہقی نے سنن میں بھی یہ روایت نقل کی ہے۔

اس سے ظاہر ہو گیا کہ اللہ نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو مومنوں کی مائیں فرمایا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ماؤں کی طرح ازواج مطہرات سے امت کا نکاح حرام ہے۔ حضرت اُبی بن کعب کی قراءت میں آیا ہے وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ. یعنی رسول اللہ مومنوں کے دینی باپ تھے ہر پیغمبر اپنی امت کا دینی باپ ہوتا ہے۔ سب کی ابدی زندگی کی جڑ پیغمبر ہی ہوتا ہے اسی لئے سب مومن آپس میں دینی بھائی قرار دیئے گئے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ
اور قرابت والے ایک دوسرے سے لگاؤ رکھتے ہیں اللہ کے حکم میں زیادہ
مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤى اَوْلِیٰٓىٕكُمْ مَّعْرُوْفًا
سب ایمان والوں اور ہجرت کرنے والوں سے مگر یہ کہ کرنا چاہو اپنے رفیقوں سے احسان

نسبی رشتہ داری:

حضرت کے ساتھ جنہوں نے وطن چھوڑا، بھائی بندوں سے ٹوٹے، آپ نے اُن مہاجرین اور انصار مدینہ میں سے دو دو آدمیوں کو آپس میں بھائی بنا دیا تھا۔ بعدہٗ مہاجرین کے دوسرے قرابتدار مسلمان ہو گئے تب فرمایا کہ قدرتی رشتہ ناطہ اُس بھائی چارہ سے مقدم ہے میراث وغیرہ رشتہ ناطے کے موافق تقسیم ہوگی۔ ہاں سلوک احسان ان رفیقوں سے بھی کئے جاؤ۔ (تفسیر عثمانی)

دینی اخوۃ وموالات کی بنیاد پر وراثت منسوخ:

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ میں مِنْ تفضیلیہ ہے ابتداء اسلام میں مہاجر مہاجر کا وارث ہوتا یا دینی موالات (انصار و مہاجرین کی اخوت دینی) موجب میراث تھی اس آیت سے وہ حکم منسوخ ہو گیا (اور دوسرے مہاجرین و مومنین کے مقابلہ میں قرابتدار اپنے قرابت دار کی میراث کا مستحق قرار دیا گیا) قتادہ نے کہا مسلمان ہجرت کی بنیاد پر ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے (بغوی) کلبی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں باہم رشتہ اخوت قائم کرا دیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو دو مسلمانوں کو بھائی بھائی بنا دیتے تھے آخر یہ آیت نازل ہوئی (تو پچھلا دستور منسوخ ہو گیا)۔ (تفسیر مظہری)

كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝
یہ ہے کتاب میں لکھا ہوا

یعنی قرآن میں یہ حکم ہمیشہ کو جاری رہا۔ یا تورات میں بھی ہو گا یا "کتاب" سے "لوح محفوظ" مراد ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ
اور جب لیا ہم نے نبیوں سے اُن کا قرار اور تجھ سے
وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰى وَعِیْسَى
اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ سے
ابْنِ مَرْیَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ۝
جو بیٹا مریم کا اور لیا ہم نے اُن سے گاڑھا قرار

انبیاء سے میثاق: یعنی یہ قول وقرار کو ایک دوسرے کی تائید و تصدیق کرے گا۔ اور دین کے قائم کرنے اور حق تعالیٰ کا پیغام پہنچانے میں کوئی وقیقہ اُٹھا نہ رکھے گا۔ "آلِ عمران" میں اس میثاق کا ذکر ہو چکا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں اوپر پیغمبر کے حق میں فرمایا تھا کہ مومنین پر اُن کی جان سے زیادہ تصرف رکھتا ہے، یہاں اشارہ کر دیا کہ یہ درجہ نبیوں کو اس لئے ملا کہ ان پر محنت (اور ذمہ داری بھی) سب سے زیادہ ہے۔ اکیلے ساری خلق سے مقابل ہونا اور کسی سے خوف ورجاء نہ رکھنا، پیغمبروں کے سوا کس کا کام ہو سکتا ہے۔ یہ پانچ پیغمبر جن کے نام یہاں خصوصیت سے لئے اولوالعزم پیغمبر کہلاتے ہیں۔ اُن کی ہدایت کا اثر ہزاروں برس رہا اور جب تک دنیا ہے رہے گا۔ ان میں پہلے نام لیا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ حالانکہ عالم شہادت میں آپ کا ظہور سب کے بعد ہوا ہے۔ مگر درجہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے ہیں اور وجود بھی آپ کا عالم غیب میں سب سے مقدم ہے۔ کما ثبت فی الحدیث۔ (تفسیر عثمانی)

عہد کس وقت لیا گیا:

یہ عہد اس وقت لیا گیا تھا جب پشت آدم سے سب کو برآمد کیا گیا تھا۔ اللہ نے سب سے عہد لیا تھا کہ وہ اللہ ہی کی عبادت کریں گے دوسروں کو بھی اللہ ہی کی عبادت کی دعوت دیں گے اپنی اپنی امت کے بہی خواہ رہیں گے اور ہر ایک دوسرے کی مدد کرے گا۔

میثاق تمام انبیاء سے لیا گیا:

النَّبِیّٖنَ کا لفظ تمام انبیاء کو شامل ہے سب ہی پیغمبر اس میں آ گئے لیکن اس کے بعد چند پیغمبروں کا نام بنام خصوصی تذکرہ اس لئے کیا کہ یہ پیغمبر اولوالعزم تھے ان پر

کتابیں اور صحیفے نازل کئے گئے تھے ان کو الگ الگ مستقل شریعتیں دی گئی تھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت:

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان ظاہر کرنے کے لئے دوسرے پیغمبروں کے ذکر سے پہلے آپ کا ذکر (بطور خطاب) کیا گیا اس تقدیم ذکر سے اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی کہ پیدائش کے آغاز کے لحاظ سے سب لوگوں سے مقدم ہوں اور بعثت و نبوت کے لحاظ سے سب سے پیچھے (آیا ہوں) رواہ سعد عن قتادہ مرسلا۔ ولکن رواہ البغوی عن قتادہ عن الحسن عن ابی ہریرۃ متصلا (بروایت بغوی) قتادہ نے (حدیث مذکور بیان کرنے کے بعد) کہا یہ ہی (مضمون) ہے آیت وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ الخ اس میں اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نوح ابراہیم موسیٰ اور عیسیٰ سے پہلے کیا ہے۔

ابن سعد نے اور ابو نعیم نے حلیہ میں میسرہ فجر بن سعد کی وساطت سے بروایت ابوالجد عاء اور طبرانی نے کبیر میں حضرت ابن عباس کی روایت سے حدیث مذکوران الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اس وقت نبی تھا جب آدم روح اور جسم کے درمیان (کشاکش میں) تھے۔

مِيْثَاقًا غَلِيْظًا پکا وعدہ۔ عظیم الشان عہد۔ یا وہ وعدہ جس کو ایمان کے ساتھ پختہ لیا گیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

لِيَسْــَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ

تاکہ پوچھے اللہ سچوں سے ان کا سچ اور تیار رکھا ہے

لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا

منکروں کے لئے دردناک عذاب

میثاق کا مقصد: یعنی قول و قرار کے مطابق ان پیغمبروں کی زبانی اپنے احکام خلق کو پہنچائے اور حجت تمام کردے تب ہر ایک سے پوچھ پاچھ کرے گا، تاکہ سچوں کا سچائی پر قائم رہنا ظاہر ہو اور منکروں کو سچائی سے انکار کرنے پر سزا دی جائے۔ آگے جنگ احزاب کا واقعہ یاد دلاتے ہوئے سچے پیغمبر اور مومنین اور ان کے بالمقابل جھوٹے منافقوں اور منکروں کے کچھ احوال اور ان کے ظاہری ثمرات ونتائج ذکر کئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی ایسا کرنے کی غرض یہ تھی کہ انبیاء صادقین سے دریافت کیا جائے گا کہ تم نے اپنی اپنی امتوں سے کیا کہا تھا یا کافروں کو ذلیل کرنے اور لاجواب بنانے کے لئے کافروں سے دریافت کیا جائے گا کہ کیا تم نے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کی تھی یا انبیاء کی تصدیق کرنے والوں سے ان کی تصدیق کے متعلق پوچھا جائے گا (کہ کیا تم نے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کی تھی) کیونکہ سچے کی تصدیق کرنے والا بھی سچا ہوتا ہے یا ان مومنوں سے جنہوں نے اپنے وعدوں کو سچ کر دکھایا تھا ان کے صدق کی باز پرس ہوگی یہاں تک کہ ان کو خود اپنے اوپر گواہ بنایا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ

اے ایمان والو یاد کرو احسان اللہ کا

عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ

اپنے اوپر جب چڑھ آئیں تم پر فوجیں پھر ہم نے بھیج دی ان پر

رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ

ہوا اور وہ فوجیں جو تم نے نہیں دیکھیں

غزوۂ احزاب میں مسلمانوں کی غیبی مدد:

یعنی فرشتوں کی فوجیں جو کفار کے دلوں میں رعب ڈال رہی تھیں۔ (تفسیر عثمانی)

جُنُوْدٌ سے مراد ہیں کفار قریش۔ بنی غطفان اور قبیلہ بنی قریظہ کے یہودی جن کی مجموعی تعداد تقریباً بارہ ہزار تھی، مدینہ کے مسلمانوں کا ان سب نے آکر محاصرہ کرلیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے گرد ایک خندق کھدوائی تھی۔

رِيْحًا، یہ پروا ہوا تھی، موسم بھی سردی کا تھا، رات بھی بہت سرد تھی پروا ہوا کا ایک طوفان آیا جو انتہائی سرد تھا جس کی وجہ سے ڈیروں اور خیموں کی میخیں اکھڑ گئیں رسیاں ٹوٹ گئیں آگ (جو حملہ کرنیوالوں نے اپنی فرودگاہ میں کھانا پکانے اور تاپنے کیلئے روشن کررکھی تھی) بجھ گئی۔ ہانڈیاں الٹ گئیں گھوڑے رسیاں توڑ کر بھاگ نکلے۔

جُنُوْدًا یعنی ملائکہ کا لشکر (جو غیبی امداد کے لئے بھیجا گیا تھا اور) جو لشکر کے گرداگرد تکبیر کی آوازیں بلند کررہے تھے کافروں پر رعب چھا گیا خوف زدہ ہو گئے ہر قبیلہ کے سردار نے اپنے قبیلہ کو آواز دے کر اپنے پاس بلایا جب سب آ گئے تو کہا جلد بھاگو جلد بھاگو نتیجہ میں بغیر لڑائی کے سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس روز فرشتوں نے لڑائی میں حصہ نہیں لیا تھا صرف مسلمانوں کو اطمینان دلانے اور کافروں کے دلوں میں رعب ڈالنے کے لئے آئے تھے۔ (تفسیر مظہری)

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۚ

اور ہے اللہ جو کچھ کرتے ہو دیکھنے والا

غزوۂ خندق کا مختصر حال:

ہجرت کے چوتھے پانچویں سال یہود بنی نضیر جو مدینہ سے نکالے گئے تھے

(اُس کا ذکر سورۃ حشر میں آئے گا) ہر قوم میں پھرے۔ اور اُبھارا اُکسا کر قریش مکہ بنی فزارہ اور غطفان وغیرہ قبائل عرب کی متحدہ طاقت کو مدینہ پر چڑھا لانے میں کامیاب ہوگئے۔ تقریباً بارہ ہزار کا لشکر جرار پورے ساز و سامان سے آراستہ اور طاقت کے نشہ میں چُور تھا، یہود بنی قریظہ جن کا ایک مضبوط قلعہ مدینہ کی شرقی جانب تھا پہلے سے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کئے ہوئے تھے۔ نضیری یہود کی ترغیب و تربیت سے آخر کار وہ بھی معاہدات کو بالائے طاق رکھ کر حملہ آوروں کی مدد کے لئے کھڑے ہوگئے۔ مسلمانوں کی جمعیت کل تین ہزار تھی۔ جن میں ایک بڑی تعداد اُن دغا باز منافقوں کی تھی جو سختی کا وقت آنے پر جھوٹے حیلے بہانے کر کے میدانِ جنگ سے کھسکنے لگے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ فرمایا۔ آخر حضرت سلمان فارسی کے مشورہ سے شہر کے گرد جدھر سے حملہ کا اندیشہ تھا خندق کھودی گئی۔ سخت جاڑے کا موسم تھا غلہ کی گرانی تھی بھوک کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم اور خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ کو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ مگر عشقِ الٰہی کے نشہ میں سرشار سپاہی اور اُن کے سالار اعظم اُس سنگلاخ زمین کی کھدائی میں حیرت انگیز قوت اور ہمت مردانہ کے ساتھ مشغول تھے مجاہدین پتھریلی زمین پر کدال مارتے، اور کہتے نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِينَا اَبَدًا اُدھر سرکار محمدی سے جواب ملتا اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَة فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَة خندق تیار ہوگئی تو اسلامی لشکر نے دشمن کے مقابل مورچے جما دیئے۔ تقریباً بیس پچیس روز تک دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں درمیان میں خندق حائل تھی۔ باوجود کثرت تعداد کے کفار سے بن نہ پڑا کہ شہر پر عام حملہ کر دیتے۔ البتہ دُور سے تیر اندازی ہوتی رہی اور گاہ بگاہ فریقین کے خاص خاص افراد میدان مبارزۃ میں بھی دو دو ہاتھ دکھانے لگتے تھے۔ مشرکین اور یہود بنی قریظہ کے درمیان مسلمانوں کی جمعیت محصورین کی حیثیت رکھتی تھی تاہم انہوں نے سب عورتوں بچوں کو شہر کی مضبوط و محفوظ حویلیوں میں پہنچا کر خود بڑی پامردی اور استقامت کے ساتھ شہر کی حفاظت و مدافعت کا فرض انجام دیا۔ آخر کار نعیم ابن مسعود الاشجعیؓ کی ایک عاقلانہ اور لطیف تدبیر سے مشرکین اور یہود بنی قریظہ میں پھوٹ پڑ گئی، اُدھر کفار کے دلوں کو خدا تعالیٰ کا غیر مرئی لشکر مرعوب کر رہا تھا۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے ایک رات سخت خوفناک جھکڑ ہوا کا چلا دیا۔ پُروا ہوا سے ریت اور سنگریزے اُڑ کر کفار کے منہ پر لگتے تھے۔ اُن کے چولھے بجھ گئے، دیگچے زمین پر جا پڑے، کھانے پکانے کی کوئی صورت نہ تھی۔ ہوا کے زور سے خیمے اکھڑ گئے گھوڑے چھوٹ کر بھاگ گئے لشکر پریشان ہوگیا، سردی اور اندھیری ناقابل برداشت بن گئی آخر ابوسفیان نے جن کے ہاتھ میں تمام لشکروں کی اعلیٰ کمان تھی طبل رحیل بجا دیا۔ ناچار سب اُٹھ کر بے نیل و مرام واپس چل دیئے۔ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيزًا یہ جنگ احزاب کہلاتی ہے اور "جنگ خندق" بھی کہتے ہیں۔ سخت جاڑے کے موسم اور فاقہ کشی کی حالت میں خندق کھودنا اور اتنے دشمنوں کے بیچ میں گھر کر لڑائی لڑنا یہ وہ حالات تھے جن میں منافق دل کی باتیں بولنے لگے اور مومن ثابت قدم رہے۔ اسی جنگ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب آئندہ ہم کفار پر چڑھائی کریں گے وہ ہم پر چڑھ کر نہ آسکیں گے چنانچہ یہی ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا اور (اے مسلمانوں) تم جو (لڑائی کی تیاری خندق کی کھدائی) کر رہے تھے اللہ اس کو دیکھ رہا تھا۔

امداد کی ہوا اور ہلاکت کی ہوا:

بخاری نے حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پُروا ہوا سے میری مدد کی گئی اور پچھمی ہوا سے قوم عاد کو تباہ کیا گیا۔

غزوۂ خندق کب پیش آیا:

غزوۂ خندق کا واقعہ ماہ شوال ۴ھ میں ہوا مواہب لدنیہ کے مصنف نے یہی لکھا ہے اور موسیٰ بن عقبہ کو اس کا راوی کہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کو مدینہ سے نکال دیا تھا ان کی جلاوطنی سے آٹھ ماہ کے بعد یہ واقعہ ہوا تھا، بنی نضیر مدینہ سے نکل کر اطراف ملک میں گھومتے پھرے، سلام بن ابی الحقیق اور کنانہ بن ربیع اور حیی بن اخطب ربیع الاول ۴ھ میں خیبر میں پہنچے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ربیع الاول یا اس کے کچھ بعد کا ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ شوال ۵ھ میں غزوۂ خندق کا واقعہ ہوا (کذا قال محمد بن اسحاق)۔ (تفسیر مظہری)

مشہور پہلوان کا قتل:

عمرو بن عبدوُد عامری جو عرب کا مشہور شجاع پہلوان اور فن سپہ سالاری میں یکتا تھا ساتھ ہی بہادر جیوٹ اور قوی تھا ایک مرتبہ ہمت کر کے اپنے ساتھ چند جانباز پہلوانوں کو لے کر خندق سے اپنے گھوڑوں کو کدالایا۔ یہ حال دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سواروں کی طرف اشارہ کیا، لیکن کہا جاتا ہے کہ انہیں تیار نہ پا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ تم اس کے مقابلہ پر جاؤ۔ آپؓ گئے تھوڑی دیر تک تو دونوں بہادروں میں تلوار چلتی رہی لیکن بالآخر شیر خدا نے کفر کے اس دیو کو تہ تیغ کیا جس سے مسلمان بہت خوش ہوئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

یہودیوں کو تعصب نے جاہل کر دیا:

بغوی نے لکھا ہے کہ محمد بن اسحاق نے کہا مجھ سے یزید بن رومان نے (جو خاندان زبیر کے آزاد کردہ غلام تھے) عروہ بن زبیر کی روایت سے بیان کیا اور عبداللہ بن کعب بن مالک اور زہری اور عاصم بن عمرو بن قتادہ نیز عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم اور محمد بن کعب قرظی کا بھی بیان ہے

اور یہ تمام روایات باہم ملتی جلتی ہیں (جن کا خلاصہ یہ ہے کہ) یہودیوں کی ایک جماعت جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قبائل عرب کو مدینہ پر چڑھا کر لانے والے سلام بن ابی الحقیق اور حُیی بن اخطب اور کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق اور ھودہ بن قیس اور ابو عامر الوائلی شامل تھے اور بنی نضیر و بنی وائل کے لوگوں کی کچھ تعداد بھی ساتھ تھی مدینہ سے نکل کر مکہ میں قریش کے پاس پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرنے کی ان کو دعوت دی اور یہ بھی کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیخ کنی کرنے میں ہم تمہارے ساتھ رہیں گے۔ قریش نے جواب دیا، اے گروہ یہود تم اہل علم ہو۔ تمہاری کتاب سابق ہے، ہمارا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مذہبی اختلاف ہے تم یہ بتاؤ کہ ہمارا مذہب بہتر ہے یا محمد کا یہودیوں نے جواب دیا تمہارا مذہب بہتر ہے تم حق پر ہو انہی کے متعلق اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ ... وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا

یہودیوں کا یہ فیصلہ سن کر قریش خوش ہو گئے اس کے بعد یہ یہودی قبیلۂ غطفان کے پاس پہنچے قبیلہ غطفان، قیس بن غیلان کی ایک شاخ تھی ان کو بھی وہی دعوت دی جو قریش کو دی تھی اور ان سے بھی کہا ہم تمہارے ساتھ شریک رہیں گے اور یہ بھی بتا دیا کہ قریش سے ہمارا اس پر معاہدہ ہو چکا ہے قریش نے مان لیا ہے یہ سن کر قبیلہ غطفان نے بھی ان کی دعوت قبول کر لی۔

یہودیوں اور مشرکوں کا پختہ معاہدہ:

میں کہتا ہوں بعض روایات میں آیا ہے کہ بنی نضیر اور بنی وائل کے تقریباً بیس آدمیوں کی جماعت قریش کے پاس گئی ابوسفیان نے ان کو خوش آمدید کہا اور یہ بھی کہا تم سب سے زیادہ ہمارے منظورِ نظر ہو تم نے محمد کے خلاف ہم سے معاہدہ کیا ہے۔ یہودیوں نے ابوسفیان سے کہا قبیلہ قریش میں سے تم پچاس آدمی منتخب کر لو اور تم بھی ان کے ساتھ شامل رہو پھر ہم تم سب مل کر کعبہ کے پردوں کے اندر گھس کر کعبہ کی دیواروں سے سینہ چمٹا کر اس بات کی قسمیں کھائیں کہ محمد کی عداوت پر ہم سب متفق اور یک زبان رہیں گے ہم باہم عہد کریں کہ جب تک ہم میں سے ایک آدمی بھی زندہ رہے گا ہم محمد سے لڑتے رہیں گے، حسب مشورہ سب نے یہ معاہدہ کر لیا۔

یہودیوں کا بنی غطفان سے معاہدہ:

قریش سے معاہدہ کرنے کے بعد یہودی قبیلہ غطفان کے پاس پہنچے اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ پر ابھارا اور ان سے وعدہ کیا کہ اگر تم ہمارے ساتھ مل کر مسلمانوں سے جنگ کرو گے تو خیبر کے درختوں پر جتنے پھل ایک سال یا چھ ماہ تک آئیں گے وہ سب ہم تم کو دے دیں گے (یعنی نخلستان خیبر کی پوری فصل یا آدھی فصل تمہاری ہو گی) قبیلۂ غطفان کے سردار عیینہ بن حصین فزاری نے شرط مذکور پر یہودیوں کی بات مان لی اور بنی اسد میں جو عیینہ کے حلیف (معاہد) تھے ان کو بھی بلوالیا۔

لشکروں کی روانگی:

اس کے بعد قریش کو لے کر ان کا کمانڈر ابوسفیان بن حرب اور بنی غطفان کو مع بنی فزارہ کے لے کر ان کا قائد عیینہ بن حصین بن حذیفہ بدر اور بنی مرہ کو لے کر حارث بن عوف بن ابی حارثہ اور بنی اشجع میں سے اپنے ساتھیوں کو لے کر مسعر بن رحیلہ بن نویرہ بن طریف نکل کھڑے ہوئے۔

ابوسفیان نے چار ہزار کا لشکر جمع کیا اور اس لشکر کا جھنڈا عثمان بن ابی طلحہ کو دیا مکہ سے برآمد ہونے کے وقت اس کے لشکر میں تین سو گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ تھے یہ لشکر مکہ سے چل کر مرّ الظہران پہنچ کر اترا پڑا اسی جگہ بنی اسلم بنی اشجع بنی مرہ بنی کنانہ، بنی فزارہ اور بنی غطفان کے لشکر آ پہنچے یہ ساری فوج دس ہزار ہو گئی مرّ الظہران سے روانہ ہو کر سب مدینہ کو چل دیئے۔ (چونکہ مختلف جماعتیں اور گروہ اس لشکر میں شامل تھے) اسی لئے اس جنگ کا نام غزوۂ احزاب ہو گیا۔

مسلمانوں کے انتظامات:

بغوی نے لکھا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے جمع ہونے اور معاہدہ کر کے چلنے کی خبر سنی تو مدینہ کے باہر آپ نے ایک خندق کھدوائی۔ خندق کھدوانے کا مشورہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سلمان فارسیؓ نے دیا تھا۔

حضرت سلمان اس زمانہ میں آزاد تھے (غلام نہیں تھے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہ کر شریک معرکہ ہونے کا آپ کے لئے پہلا موقع تھا۔ حضرت سلمان نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم جب فارس میں تھے اور دشمن ہمارا محاصرہ کر لیتا تھا تو ہم اپنے گرد اگرد خندق کھود لیا کرتے تھے (دشمن کی پیش قدمی روکنے کی یہ تدبیر تھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورہ کو مان لیا اور خندق کو مضبوط کر دیا۔

میں کہتا ہوں روایت میں آیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل عرب کے متفق ہو کر چڑھائی کرنے کی خبر سنی تو فرمایا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ اللہ ہمارے لئے کافی ہے وہی ہمارا اچھا کارساز ہے، پھر آپ نے مہاجرین و انصار کے سرداروں کو جمع کر کے مشورہ طلب کیا، حضرت سلمان نے خندق کھدوانے کا مشورہ دیا، حضور نے یہ مشورہ پسند فرمایا، مدینہ (کے انتظام) پر حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو اپنا جانشین بنایا اور خود جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوئے تین ہزار مہاجر اور انصار آپ کے ساتھ نکلے۔ حضرت زید بن حارثہ کو مہاجرین کا اور حضرت سعد بن عبادہ کو انصار کا جھنڈا عطا فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

میں کہتا ہوں روایت میں آیا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ اس وقت (صرف) ۳۶ گھوڑے تھے۔ کچھ نابالغ لڑکے بھی جہاد میں شریک ہونے کے لئے آپ کے ساتھ نکلے آپ نے پندرہ سال سے کم عمر کے لڑکوں کو واپس کر دیا اور پندرہ سال کی عمر کے لڑکوں کو جہاد میں شریک ہونے کی اجازت دے دی ان بالغوں میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت زید بن ثابت حضرت ابوسعید خدری اور حضرت براء بن عازب بھی تھے پھر حضور نے خندق کھدوانے کے لئے مدینہ کے بعض اطراف میں جگہ تلاش کرائی آخر کوہ سلع کے قریب ایک جگہ مقرر کر دی گئی ____ پہاڑ کو لشکر کے عقب میں رکھا گیا اور خندق کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود خط کھینچ دیئے۔

خندق کے کام کی تقسیم:

بغوی نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن عوف کے والد نے بیان کیا کہ جنگ احزاب کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود لائنیں ڈالی تھیں اور ہر دس آدمیوں کے لئے چالیس گز (شرعی یعنی چالیس ہاتھ) زمین (کھودنے کے لئے) کاٹ دی تھی۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت سلمان قوی آدمی تھے مہاجرین وانصار کے درمیان حضرت سلمان کے متعلق کچھ اختلاف ہوگیا مہاجرین نے کہا سلمان ہم میں سے ہیں اور انصار نے کہا سلمان ہمارے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلمان ہم میں سے یعنی ہمارے اہل بیت میں سے ہیں۔

ایک سخت چٹان:

عمرو بن عوف نے فرمایا: میں اور سلمان اور حذیفہ اور نعمان بن مقرن مزنی اور چھ انصاری چالیس گز زمین کھودنے میں شریک تھے چنانچہ ہم نے کھودنا شروع کر دیا اچانک بحکم خدا خندق کے اندر ایک سخت ترین چٹان آگئی جس کو توڑنا ہمارے لئے سخت دشوار ہو گیا ایسی سخت چٹان تھی کہ اس نے ہمارے لوہے کے اوزاروں کو توڑ دیا میں نے کہا سلمان ذرا اوپر چڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس چٹان کی کیفیت بتاؤ اگر حضور مناسب سمجھیں گے تو ہم اس پتھر کی طرف سے کھدائی کا رخ موڑ دیں گے، موڑنے کا مقام قریب ہی ہے یا جو بھی حکم دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈالے ہوئے خط سے ہٹنا ہم نہیں چاہتے سلمان اوپر چڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے آپ اس وقت ترکی خیمہ کے نیچے فروکش تھے۔ سلمان نے کہا یارسول اللہ خندق کے اندر ایک سخت سفید چٹان نکل آئی جس نے ہمارے آہنی اوزار کو توڑ ڈالا ہمارے لئے سخت دشواری ہوگئی کچھ بھی تو اس پر اثر نہیں ہوا نہ زیادہ نہ کم۔ اب حضور کا کیا حکم ہے ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈالے ہوئے خط سے ہٹنا پسند نہیں کرتے۔

چٹان سے روشنی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور جا کر) خندق کے اندر اتر گئے۔ سلمان بھی ساتھ تھے اور خندق کے اندر نو آدمی اور تھے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان کے ہاتھ سے کدال لے کر چٹان پر ایک سخت ضرب لگائی فوراً پتھر میں شگاف ہوگیا اور پتھر سے ایک ایسی چمک نکلی جس سے مدینہ کے دونوں کنارے روشن ہو گئے ایسا معلوم ہوا جیسے کسی تاریک ترین کوٹھری میں چراغ روشن کر دیا گیا ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر فتح کہی مسلمانوں نے بھی آپ کے ساتھ اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اس کے بعد آپ نے دوسری جانب ضرب لگائی پتھر ٹوٹ گیا اور ایک بجلی چمکی جس سے مدینہ کے دونوں کنارے چمک اٹھے۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کسی تاریک کوٹھری میں چراغ روشن کر دیا گیا ہو، حضور نے تکبیر فتح کہی اور مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا حضور نے پھر پتھر پر ایک ضرب لگائی پھر سلمان کا ہاتھ پکڑ کر اوپر چڑھ آئے۔

فتوحات کی پیشن گوئی:

سلمان نے عرض کیا، یارسول اللہ! میرے ماں باپ قربان میں نے (آج) ایک بات دیکھی جو کبھی نہیں دیکھی تھی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف رُخ کر کے فرمایا تم نے دیکھا سلمان کیا کہہ رہے ہیں صحابہ نے عرض کیا جی ہاں (صحیح کہہ رہے ہیں) فرمایا، میں نے پہلی ضرب جو ماری تھی اور تم نے اس سے بجلی پیدا ہوتی دیکھی تھی اس کی روشنی میں حیرہ (یعنی شاہان عراق کے جن کی تخت گاہ حیرہ تھی) کے محلات اور کسریٰ کی (تخت گاہ) مدائن میرے سامنے آگئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کتوں کے نوکیلے دانت ہیں جبرئیل نے مجھے بتایا کہ میری امت وہاں (یعنی حیرہ اور مدائن) تک غالب آئے گی۔ پھر میں نے دوسری ضرب لگائی جس سے بجلی کوندی تم نے دیکھی اس کی چمک میں میں نے رومی سرخوں کے محلات دیکھ لئے جیسے کتوں کے نوکیلے دانت اور جبرئیل نے مجھے بتایا کہ میری امت ان محلات پر قابض ہو جائے گی تم کو اس کی خوش خبری ہو یہ کلام سن کر مسلمانوں کے چہرے کھل گئے اور سب نے کہا ہر ستائش اسی اللہ کے لئے ہے جس کا وعدہ سچا ہے اس نے محصور ہونے کے بعد ہم سے فتح کا وعدہ کیا۔

منافقوں کے دل کا کھوٹ:

منافق کہنے لگے لوگو کیا تمہارے لئے یہ بات اچنبے کی نہیں ہے کہ محمد تم کو آرزو مند کر رہے ہیں تم سے جھوٹے وعدے کر رہے ہیں اور تم کو خبر دے رہے ہیں کہ یثرب سے حیرہ کے محلات اور کسریٰ کا مدائن ان کو دکھائی دے رہے ہیں اور ان سب پر تمہارا قبضہ ہو گا تمہارے اندر اتنی طاقت تو ہے نہیں کہ میدان میں نکلو۔ ڈر کے مارے خندق کھود رہے ہو۔ راوی کا بیان ہے اس پر آیت وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ

فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اِلَّا غُرُوْرًا نازل ہوئی اور اسی واقعہ کے سلسلہ میں اللہ نے فرمایا، قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ الخ۔

حالات کی سختی:

بخاری نے صحیح میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کی طرف تشریف لے گئے صبح سردی کی تھی مہاجرین اور انصار خود خندق کھود رہے تھے، غلام خادم ان کے پاس یہ کام کرنے کے لئے تھے نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بھوک اور تھکن کو ملاحظہ کیا تو فرمایا:-

اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَۃ　　فَاغْفِرِ الْاَنصار والمھاجرہ

درحقیقت زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، اے اللہ انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔ صحابہ نے اس (شعر) کے جواب میں کہا۔

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّداً　　عَلَی الْجِھَادِ مَابَقِیْنَا اَبداً

ہم وہی تو ہیں جنہوں نے محمد کے ہاتھ پر ہمیشہ کے لئے جب تک زندہ ہیں جہاد کرنے کی بیعت کی ہے۔

صحیح میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت براء بن عازب نے فرمایا، جنگ احزاب کا زمانہ آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھدوائی تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود خندق کی مٹی نکال رہے ہیں اور غبار کی وجہ سے شکم مبارک کی جلد گرد آلود ہوکر چھپ گئی ہے حضور کے پیٹ پر بال بہت تھے آپ مٹی ڈھونے میں ابن رواحہ کے یہ شعر بطور رجز کے پڑھ رہے تھے اور شعر کے قافیہ پر آواز کو کھینچتے تھے (یعنی کھینچ کر ادا کرتے تھے)۔

اَللّٰھُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَااھْتَدَیْنَا　　وَلَاتَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا

اے اللہ اگر تیری توفیق نہ ہوتو ہم ہدایت یاب نہ ہوتے نہ زکوٰۃ دیتے نہ نماز پڑھتے۔

فَاَنْزِلَنْ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا　　وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَیْنَا

ہم پر طمانیت خاطر نازل فرما۔ اور مقابلہ کے وقت ہمارے قدم جمائے رکھ۔

اِنَّ الْاُلٰی قَدْ بَغَوْا عَلَیْنَا　　اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَۃً اَبَیْنَا

انہی لوگوں نے ہم پر زیادتی کی ہے جب انہوں نے فساد برپا کرنے کا ارادہ کیا۔ تو ہم نے انکار کردیا۔ دوسری روایت میں پہلا مصرع اس طرح آیا ہے۔

وَاللّٰہِ لَوْلَا اللّٰہُ مَااھْتَدَیْنَا

حضرت سلمانؓ کو نظر لگنا:

روایت میں آیا ہے کہ حضرت سلمان قوی آدمی تھے خندق میں دس آدمیوں کے برابر کام کرتے تھے۔ یہ بھی روایت ہے کہ تنہا پانچ ہاتھ گہرا اور پانچ ہاتھ لمبا چوڑا خندق روز کھودتے تھے۔ قیس بن ابی صعصعہ کی نظر آپ کو لگ گئی فوراً بیہوش ہوکر گر گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس کو حکم دیا کہ کسی برتن میں وضو کرو اور اس پانی سے سلمان کو غسل دو پھر اس برتن کو اپنی پشت کی طرف اوندھا کرکے پھینک دو حکم کی تعمیل کی گئی اور حضرت سلمان اچھے ہوگئے۔

حضرت عبداللہ کی طرف سے دعوت کا انتظام:

بخاری نے صحیح میں نیز امام احمد نے بیان کیا ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ نے فرمایا ہم خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے خندق کھودتے میں ایک بہت سخت پتھر آ گیا لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا پہاڑ کا یہ سخت پتھر سامنے آ گیا (اب کیا کیا جائے) فرمایا میں خود اندر اتروں گا یہ فرماتے ہی کھڑے ہوگئے اس وقت فاقہ کے سبب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ پر پتھر بندھا تھا، تین روز سے ہم کو بھی کوئی چیز چکھنے تک کو نہیں ملی تھی، حضور نے کدال ہاتھ میں لے کر پتھر پر ضرب لگائی، پتھر ریزہ ریزہ ریگ رواں کی طرح ہوگیا پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے گھر جانے کی اجازت عطا فرما دیجئے، اجازت لے کر میں گھر پہنچا اور اپنی بیوی سے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت بھوک کی حالت میں دیکھا ہے، مجھ سے یہ دیکھ کر صبر نہ ہوسکا کیا تمہارے پاس کچھ ہے بیوی ایک تھیلا نکال کر لائی جس میں چار سیر جو تھے، ہمارا ایک چھوٹا سا بکری کا بچہ بھی تھا، میں نے اس کو ذبح کیا اور بیوی نے آٹا گوندھا جتنی دیر میں میں فارغ ہوا وہ بھی فارغ ہوگئی پھر میں گوشت ٹکڑے کرکے ہانڈی میں ڈالے اتنے میں گوندھا ہوا آٹا لس پاکر ٹھیک ہوگیا، گوشت کی ہانڈی پتھروں کے چولھے پر چڑھا دی جب ہانڈی پک چکنے کے قریب ہوگئی تو میں لوٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ:

بیوی نے مجھ سے کہہ دیا کہ (زیادہ آدمیوں کو لا کر) مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے سامنے رسوا نہ کرنا خدمت گرامی میں پہنچ کر میں نے چپکے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ عرض کردیا اور کہہ دیا یا رسول اللہ بہت تھوڑا کھانا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے چلیں اور ایک یا دو آدمی اور بھی ساتھ لے لیں فرمایا کتنا کھانا ہے، میں نے بتادیا، فرمایا، بہت ہے پاکیزہ ہے تم بیوی سے کہہ دو کہ جب تک میں نہ پہنچ جاؤں ہانڈی چولھے سے نہ اتارے اور روٹی تنور سے نہ نکالے (یعنی نہ پکائے) پھر آواز دے کر فرمایا، خندق والو، جابر نے تمہارے لئے کچھ کھانا تیار کیا ہے اور تمہاری دعوت کی ہے جلدی چلو، میں نے اپنی بیوی سے جا کر کہا، اری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین وانصار اور ان کے دوسرے ساتھیوں کو لے کر آ رہے ہیں (اب کیا ہوگا) بیوی نے کہا اللہ کا حکم تمہارے متعلق یہی ہے کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے (کھانے کی مقدار بھی) دریافت کی تھی، میں نے کہا ہاں بیوی نے

کہا تو اللہ اور رسول (ہماری حالت کو) خوب جانتے ہیں۔ غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے آئے اور صحابہ سے فرمایا تم بھی اندر آ جاؤ لیکن بھیڑ نہ کرنا کسی کو دبانا نہیں، میں نے گوندھا ہوا آٹا لا کر رکھ دیا۔ آپ نے اس میں تھوتھو کر دیا اور برکت کی دعا کی پھر ہانڈی کے پاس گئے اس میں تھوتھو کیا اور برکت کی دعا کی پھر فرمایا جابر پکانے والی کو بلا دو وہ آ کر پکانا شروع کرے اور تم ہانڈی سے سالن نکالو لیکن ہانڈی کو نیچے نہ اتارنا، حضور خود روٹی کے ٹکڑے کرنے لگے اور روٹی پر گوشت رکھنے لگے مگر اس مدت میں ہانڈی کو اور چولھے کو ڈھانکے رکھا نکالتے جاتے تھے اور صحابہ کی طرف بڑھاتے جاتے تھے پھر نکالتے تھے اور صحابہ کو دیتے تھے یہاں تک کہ ایک ہزار آدمی تھے سب سیر ہو گئے۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سب نے اتنا کھایا کہ کھاتے کھاتے چھوڑ دیا اور رُخ موڑ کر چل دیئے لیکن ہانڈی میں ویسا ہی ابال آتا رہا جیسا آ رہا تھا اور روٹی بھی برابر پکتی ہی رہی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت سے فرمایا، اب تو بھی کھالے اور دوسرے لوگوں کو بھی بھیج دے لوگ سخت بھوکے ہیں چنانچہ ہم کھانے لگے اور دن بھر دوسروں کو بھی بھیجتے رہے میں کہتا ہوں صحیح روایت میں آیا ہے کہ خندق کھودنے سے صحابہ چھ روز میں فارغ ہوئے تھے۔

کافروں کی چڑھائی:

بغوی نے (اس کے بعد) لکھا ہے اب ہم پھر ابن اسحاق کے بیان کی طرف لوٹتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق (کی تکمیل) سے فارغ ہو چکے تھے کہ قریش اپنے احابیش اور دوسرے اہل تہامہ کو ساتھ لے کر دس ہزار کی تعداد میں آ کر مجمع الاسیال میں فروکش ہو گئے اور بنی غطفان اپنے نجدی ساتھیوں کے ساتھ کوہ احد کے ایک جانب قمی کے پچھلے حصہ میں اترے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تین ہزار مسلمانوں کے ساتھ برآمد ہوئے اور کوہ سلع کو اپنی پشت پر لے کر حضور نے اپنی لشکر گاہ بنائی خندق آپ کے اور دشمنوں کے درمیان حائل تھی مسلمانوں نے حسب الحکم بچوں اور عورتوں کو پہاڑیوں کے اوپر پہنچا دیا۔

کعب بن اسد کی عہد شکنی:

دشمن خدا حیی بن اخطب نضیری اپنے مقام سے اٹھا اور کعب بن اسد قرظی کی طرف چل دیا کعب نے بنی قریظہ کی طرف سے اپنی قوم کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (امن کا) معاہدہ کر لیا تھا اور مصالحت کر لی تھی اس لئے حیی کے لئے اس نے اپنی گڑھی کا دروازہ نہیں کھولا، کھولنے سے صاف انکار کر دیا حیی نے ہر چند دروازہ کھلوانے کی استدعا کی لیکن کعب ہرگز نہ مانا اور کہنے لگا حیی یہ بڑی بدبختی ہے میں محمد سے معاہدہ کر چکا ہوں اپنا معاہدہ ہرگز نہیں توڑوں گا محمد کی طرف سے میں نے ہمیشہ عہد کی پابندی اور سچائی ہی پائی ہے اس لئے میں بھی نقض عہد کرنے والا نہیں۔ حیی نے کہا دروازہ تو کھولو میں تم سے بات کروں گا، کعب نے کہا میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ حیی نے کہا کعب تم مجھے باہر چھوڑ کر دروازہ بند کئے بیٹھے ہو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم کو اندیشہ ہے کہ اگر میں اندر آ جاؤں گا تو تمہارے ساتھ حصہ بانٹ کر لوں گا کعب کو یہ بات سن کر غصہ آ گیا اور (جوش میں آ کر) دروازہ کھول دیا حیی اندر آ گیا اور کہا کعب میں زمانہ بھر کی عزت لے کر تمہارے پاس آیا ہوں لہریں مارتا ہوا ایک سمندر چڑھا لایا ہوں۔ میں نے قریش کو ان کے کمانڈروں اور سرداروں کے ساتھ لا کر دومۃ الجندل کے مقام مجتمع الاسیال میں اتار دیا ہے اور بنی غطفان کو ان کے سرداروں اور سپہ سالاروں کے ساتھ لا کر کوہ اُحد کے ایک پہلو پر قمی کے پچھلے حصہ میں شام کو پڑاؤ ڈلوا دیا ہے ان سب نے مجھ سے معاہدہ اور پختہ وعدہ کر لیا کہ جب تک محمد اور ان کے ساتھیوں کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر نہ پھینک دیں گے یہاں سے نہیں ہٹیں گے کعب بن اسد نے کہا خدا کی قسم تم ابدی ذلت لے کر آئے یہ ایک ایسا بادل ہے جس کا پانی برس چکا ہے اب اس میں سوا گرج اور چمک کے اور کچھ بھی نہیں ہے تم محمد کے سلسلہ میں مجھے میرے حال پر چھوڑ دو میں نے محمد کی طرف سے سوا سچ اور پابندی عہد کے کبھی غداری نہیں دیکھی حیی بن اخطب کعب کو برابر اتار چڑھاؤ اور فریب دیتا رہا یہاں تک کہ حیی نے کعب کے سامنے اللہ کی پختہ قسم کھائی کہ اگر قریش محمد پر کامیابی حاصل کئے بغیر واپس چلے گئے تو تمہاری اس گڑھی کے اندر میں بھی آ بسوں گا تا کہ جو دکھ تم کو پہنچے اس میں تمہارا شریک رہوں آخر کعب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا اور پابندی عہد جو اس پر لازم تھی اس سے الگ ہو گیا۔

اطلاعی رسالہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مسلمانوں کو جب یہ اطلاع ملی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ اشہلی سردار اوس اور سعد بن عبادہ ساعدی سردار خزرج اور عبداللہ بن رواحہ خزرجی اور خوات بن جبیر عمری کو تحقیق واقعہ کے لئے بھیجا اور فرمایا تم لوگ جا کر دیکھو کہ ان لوگوں کے متعلق جو اطلاع مجھے ملی کیا وہ صحیح ہے اگر خبر صحیح ہو تو آ کر ایسے الفاظ میں مجھے اطلاع دینا کہ میں سمجھ جاؤں (ایسا نہ کرنا کہ عام لوگوں کے سامنے اعلان کر دو جس سے ان کے دلوں میں خوف پیدا ہو جائے اور) لوگوں کے بازو نہ توڑ دینا اور اگر وہ ہم سے کئے ہوئے سابق معاہدہ پر قائم ہوں تو پھر علی الاعلان لوگوں کے سامنے اس کو بیان کر سکتے ہو مذکور بالا حضرات حسب الحکم گئے یہودیوں کے پاس پہنچے اور جو خبر ان کے متعلق ملی تھی اس سے زیادہ بگڑی ہوئی حالت پر ان کو پایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وہ بالکل ہی برگشتہ ہو گئے تھے اور صاف کہہ دیا تھا اب ہمارا اور محمد کا کوئی معاہدہ نہیں حضرت سعد بن عبادہ کے مزاج میں تیزی تھی آپ نے یہودیوں کو

بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا، حضرت سعد بن معاذ نے کہا۔ سعد بن عبادہ ان سے گالی گلوچ چھوڑو۔ ہمارا ان کا معاملہ اب اس سے بہت آگے بڑھ چکا ہے۔

صورت حال کی شدت:

اس کے بعد دونوں سعد اوران کے ساتھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام کے بعد عرض کیا لاعلاج مرض ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے ساتھ غداری بہت سخت ہے اللہ اکبراے گروہ اہل اسلام تم کو بشارت ہو۔ غرض (صحابہ کے لئے) سخت مصیبت آ پڑی اور سخت خوف کا وقت آ گیا دشمنوں نے اوپر (گڑھی کی طرف) سے اور نیچے (خندق کے پار کفار) کی طرف سے گھیر لیا مسلمانوں کے دلوں میں بھی برے برے خیالات آنے لگے،

منافقوں کا خوف:

بعض منافقوں کی طرف سے تو اس کا ظہور بھی ہو گیا۔ یہاں تک کہ معتب بن قشیر عمری نے یہ الفاظ کہہ دیئے کہ محمد ہم سے تو وعدہ کر رہے ہیں کہ تم کسریٰ اور قیصر کے خزانے کھاؤ گے لیکن ہماری یہ حالت ہو گئی ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص رفع ضرورت کے لئے جنگل کو بھی نہیں جا سکتا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا ہے وہ محض فریب ہے۔

اوس بن قیظی (منافق) نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھروں میں کوئی نگراں نہیں اور گھر شہر کے باہر ہیں آپ ہم کو اجازت دے دیجئے کہ واپس گھروں کو چلے جائیں (اس شخص نے یہ بات غلط کہی تھی) ان لوگوں کے گھروں کی نگہبان انہیں کے قبیلہ کے مردوں کی ایک جماعت موجود تھی۔

کعب بن اسد کی بے وقت پشیمانی:

میں کہتا ہوں کعب نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا اور (نقض عہد پر قائم رہنے کا) پختہ ارادہ کر لیا تو اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا جن میں زبیر بن باطا نباش بن قیس اور عقبہ بن زید وغیرہ شامل تھے اور سب کو نقض عہد کی اطلاع دی یہ خبر سنتے ہی لوگوں نے اس کو سخت ملامت کی اور عہد شکنی کو پسند نہیں کیا اس وقت کعب اپنی حرکت پر پشیمان ہوا لیکن اس وقت پشیمانی سے کوئی فائدہ نہ تھا اس کے ہاتھ سے باگ ڈور نکل چکی تھی اللہ نے اسی سبب سے بنی قریظہ کو تباہ کر دینا چاہا۔

حضرت زبیر کا بنو قریظہ کی طرف جانا:

شیخین نے صحیحین میں بیان کیا ہے کہ حضرت زبیر بن العوام نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک روز) ارشاد فرمایا۔ کوئی شخص ہے جو جا کر بنی قریظہ کی خبر مجھے لا کر دے ارشاد گرامی سن کر میں روانہ ہو گیا اور واپس لوٹ کر بنی قریظہ کی خبریں حضور کو پہنچائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تجھ پر میرے ماں باپ قربان۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلام میں اپنے ماں اور باپ دونوں لفظ فرمائے۔

میں کہتا ہوں حضرت زبیر کا بنی قریظہ کی طرف جانا، حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ کے واپس آ جانے کے بعد ہوا تھا (یعنی پہلے خبر کی تحقیقات کے لئے حضرت سعد وغیرہ کو بھیجا گیا جب وہ تحقیق خبر کے بعد واپس آ گئے تو حضرت زبیر کو بنی قریظہ کی تیاری کی کیفیت معلوم کرنے کے لئے روانہ کیا گیا۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت زبیر جب بنی قریظہ کی طرف سے واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اطلاع دی کہ وہ لوگ قلعوں کو درست کر رہے ہیں راستے اور سرحدیں بند کر رہے ہیں چوپایوں کو گڑھیوں کے اندر جمع کر رہے ہیں۔ حضور اقدس نے فرمایا ہر نبی کا حواری ہوتا ہے اور میرا حواری (مخلص دوست ہے) زبیر ہے۔

صلح کی تدبیر اور مسلمانوں کے بلند جذبے:

بغوی نے لکھا ہے کہ کچھ اوپر بیس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی فرودگاہ میں اور مشرک اپنے پڑاؤ پر قائم رہے کوئی لڑائی نہیں ہوئی سواء تیر یا پتھر پھینکنے کے کسی طرف سے کچھ نہیں ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب تکلیف زیادہ ہوئی تو آپ نے بنی غطفان کے دوسرداروں یعنی عیینہ بن حصین اور ابو الحارث بن عمرو کو پیام صلح دے کر بلوایا اور ان سے فرمایا تم اپنے (غطفانی) ساتھیوں کو لے کر اس شرط پر واپس چلے آؤ کہ تم کو مدینہ کے نخلستانوں کی کل پیداوار (یعنی کھجوروں) کا ایک تہائی حصہ دے دیا جائے گا، وہ لوگ اس پر راضی ہو گئے۔ تحریر لکھ دی گئی لیکن ابھی دستخط ہونا باقی تھا کہ حضور نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ سے اس کا تذکرہ کیا اور مشورہ طلب کیا دونوں نے جواب دیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ایسا کرنے کا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے (اگر ایسا ہے) تو اس کی تعمیل ہم پر واجب ہے یا آپ نے خود یہ تدبیر مناسب سمجھی ہے اور آپ اس کو پسند کرتے ہیں (تب بھی ہمارے لئے مجبوری ہے) یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے فائدے کے لئے ایسا کرنا چاہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور کوئی وجہ نہیں صرف تمہارے فائدے کے لئے میں نے ایسا ارادہ کیا ہے میں نے دیکھا کہ سارے عرب تمہارے خلاف ہو گئے اور ایک کمان سے سب تیر پھینکنا چاہتے ہیں اور ہر طرف سے وہ تم پر بھڑک اٹھے ہیں تو میں نے ارادہ کیا کہ تمہارے خلاف ان کی اجتماعی طاقت کو توڑ دوں حضرت سعد بن معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک وقت تھا کہ ہم اور یہ لوگ سب بت پرست اور مشرک تھے نہ ہم اللہ کو جانتے تھے نہ اس کی پرستش کرتے تھے اس زمانہ میں ان لوگوں میں یہ طاقت نہ تھی کہ ہمارا ایک چھوارا بھی بغیر خریدے یا بدوں مہمانی کھا سکیں۔ اب

جبکہ اللہ نے ہم کو اسلام کی وجہ سے عزت عطا فرمادی اور آپ کی ذات مبارک کے سبب ہماری عزت افزائی کردی تو کیا ہم ان کو اپنا مال (مفت) دے دیں۔ ہمیں ایسے معاہدے کی ضرورت نہیں بخدا ہم ان کو تلوار کے سوا اور کچھ نہیں دیں گے یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور ان کے درمیان (آخری) فیصلہ فرمادے حضور والا نے یہ تقریر سن کر فرمایا تم کو اختیار ہے (ایسا ہی کرو) سعد نے کاغذ لے کر تحریر مٹادی اور کہا اب یہ ہمارے خلاف جو کوشش کر سکتے ہیں کریں۔

میں کہتا ہوں بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ بات اول حضرت اسید بن حضیر نے کہی تھی پھر حضرت سعد بن عبادہ نے بھی یہی کہا۔

بنی غطفان کے سرداروں کی ناکام واپسی:

عیینہ بن حصین اس وقت مجلس میں ٹانگ پھیلائے بیٹھا تھا، حضرت سعد نے اس سے فرمایا، او بندر اپنی ٹانگ سمیٹ لے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کا وقار مانع نہ ہوتا تو میں برچھا تیری کوکھ میں پیوست کر دیتا، غرض عیینہ اور حارث دونوں ناکام واپس چلے گئے اور سمجھ گئے کہ ان کا تسلط مدینہ پر نہیں ہو سکتا انصار کی قوت اور جرأت کو دیکھ کر ان کے قدم ڈگمگانے لگے۔

دشمن کا محاصرہ:

بغوی نے لکھا ہے کہ دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محاصرہ کئے پڑے رہے کوئی لڑائی نہیں ہوئی صرف قریش کے چند شہسوار جن میں عمرو بن عبدود عامری عکرمہ بن ابی جہل مخزومی ہبیرہ بن وہب مخزومی نوفل بن عبداللہ ضرار بن خطاب اور مرداس بن لوی محاربی شامل تھے گھوڑوں پر سوار ہو کر بنی کنانہ کی طرف سے گزرے اور ان سے کہا لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ آج تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کون شہسوار ہے پھر خندق کی طرف رُخ موڑا اور خندق کو دیکھ کر بولے خدا کی قسم یہ تدبیر ایسی ہے جس کو عرب (پہلے) نہیں کرتے تھے اس کے بعد خندق میں ایک تنگ جگہ تلاش کر کے اس میں گھوڑوں کو داخل کر دیا، گھوڑے ان کو لے کر خندق اور کوہ سلع کے درمیانی گڑھے میں گردش کرنے لگے حضرت علی نے جو یہ بات دیکھی تو کچھ مسلمانوں کو ساتھ لے کر اس سرحدی مقام پر جا پہنچے جہاں سے دشمن نے اپنے سواروں کو داخل کیا تھا وہ سوار بھی تیزی کے ساتھ ان کے سامنے آ گئے۔ حضرت علی نے اس مقام کو بند کر دیا۔

حضرت علیؓ اور عمرو بن عبدود کا مقابلہ:

عمرو بن عبدود بدر کی لڑائی میں شریک اور زخمی ہو گیا تھا اس لئے جنگ احد میں شریک نہ تھا، جب خندق کا واقعہ ہوا تو اپنی اہمیت جتلانے کے لئے وہ بھی ساتھیوں کو ٹریننگ دینے کی غرض سے ساتھ آ گیا حضرت علی کے مقابلہ پر جب وہ خود دوسرے سواروں کے ساتھ مل کر آ کھڑا ہوا تو حضرت علی نے اس سے فرمایا عمرو تو نے اللہ کو گواہ کر کے کہا تھا کہ جب کوئی قریشی تیرے سامنے کوئی سی دو باتیں (ایک مثبت دوسری منفی) رکھے گا تو دونوں میں سے ایک بات کو تو اختیار کر لے گا، عمرو نے کہا بیشک یہی بات ہے حضرت علی نے فرمایا تو میں تجھے اللہ، اللہ کے رسول اور اسلام کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہوں کہنے لگا اس کی مجھے ضرورت نہیں، حضرت علی نے فرمایا تو پھر میں تجھے میدان میں اترنے کی دعوت دیتا ہوں۔ بولا بھتیجے ایسا کیوں کرتے ہو خدا کی قسم میں تم کو قتل کرنا نہیں چاہتا حضرت علی نے فرمایا بخدا میں تو تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں یہ سنتے ہی عمرو گرما گیا اور گھوڑے سے اتر کر اس کی ٹانگوں کو زخمی کر دیا یا اس کے منہ پر ایک ضرب رسید کی پھر حضرت علی کی طرف پل پڑا دونوں نے ایک دوسری کی پکڑ کی اور کشتی کرنے لگے آخر حضرت علی نے اس کو قتل کر دیا دوسرے سوار شکست کھا کر خندق میں گھس کر بھاگ گئے اس روز عمرو کے دو سپاہی بھی مارے گئے منبہ بن عثمان بن عبدالسباق بن عبدالدار کے ایک تیر لگ گیا تھا جس سے مکہ میں پہنچ کر اس کا انتقال ہو گیا۔

نوفل بن عبداللہ کا انجام:

اور نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ مخزومی خندق کے اندر گھس کر جب درمیان میں پہنچا تو مسلمانوں نے اس پر سنگ باری کی۔ کہنے لگا، اے گروہ عرب (لڑائی کا یہ کیا طریقہ ہے) جنگ کا طریقہ اس سے بہتر ہونا چاہیے (یعنی دو بدو لڑائی ہونی چاہیے) فوراً حضرت علی میدان میں اتر پڑے اور عبداللہ کو قتل کر دیا اور مسلمان غالب آ گئے۔

کافروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مقتول کی لاش ہم کو بقیمت واپس دے دیجئے فرمایا ہم کو نہ اس کی لاش درکار ہے نہ قیمت کی ضرورت لاش کو لے جاؤ۔ چنانچہ آپ نے لاش لے جانے کی اجازت دے دی۔

حضرت سعد بن معاذ کا جذبہ:

ام المؤمنین حضرت عائشہ کا بیان ہے خندق کی لڑائی کے دن ہم بنی حارثہ کی گڑھی میں تھے مدینہ کے قلعوں میں یہ سب سے محفوظ قلعہ تھا سعد بن معاذ بھی ہمارے ساتھ گڑھی کے اندر تھے۔ یہ واقعہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے سعد بن معاذ ایک چھوٹی زرہ پہنے ہوئے قلعہ سے باہر نکلے ہاتھ کی بانہہ کھلی ہوئی تھی۔ ہاتھ میں چھوٹا برچھا تھا اور یہ شعر پڑھ رہے تھے۔ کاش لڑائی کو میرا اونٹ پالیتا جب موت کا مقرر وقت آ جائے تو مرنے میں کوئی باک نہیں۔

سعد کی ماں نے کہا بیٹے بہت جلد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک) جا پہنچ۔ بخدا تو نے دیر کر دی (تو پیچھے رہ گیا) میں نے کہا سعد کی اماں سعد جو زرہ پہنے ہیں میں چاہتی ہوں کہ اس سے بڑی زرہ ان کے بدن پر ہو مجھے اندیشہ ہے کہیں ان کے (برہنہ حصہ پر) کوئی تیر نہ آ لگے سعد کی ماں نے کہا اللہ کا جو حکم ہوگا وہ پورا ہو کر رہے گا (آخر) سعد کے ایک تیر لگ گیا جس سے

اکحل رگ کٹ گئی یہ تیر حیان بن قیس غرفہ عامری نے مارا تھا سعد نے (ابن غرفہ کو بددعا دی کہ) اللہ تجھے دوزخ میں درد رسیدہ کرے پھر کہا، اے اللہ اگر تو نے قریش سے لڑائی آئندہ باقی رکھی ہو تو مجھے اس میں شریک ہونے کے لئے باقی رکھ کیونکہ کسی قوم سے لڑنے کی مجھے اتنی خواہش نہیں جتنی اس قوم سے لڑنے کی ہے جس نے تیرے رسول کو ستایا اور جھٹلایا اور (وطن سے) نکالا اور اگر تو نے ہماری اور قریش کی لڑائی ختم کر دی ہو تو اسی (زخم) کو میرے لئے سبب شہادت بنادے لیکن جب تک میری آنکھیں بنی قریظہ (کی تباہی) کو دیکھ کر ٹھنڈی نہ ہو جائیں مجھے موت سے محفوظ رکھ دور جاہلیت میں حضرت سعد بن معاذ اور بنی قریظہ باہم حلیف اور معاہد تھے۔

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کی بہادری:

مجاہد اور محمد بن اسحاق نے بحوالہ یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر عباد کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب نے فرمایا، ہم حسان بن ثابت کی گڑھی میں تھیں حسان بھی عورتوں اور بچوں کے ساتھ موجود تھے، ہم نے دیکھا کہ ایک یہودی گڑھی کے آس پاس چکر لگا رہا ہے، اس وقت بنی قریظہ کی رسول اللہ سے جنگ تھی (معاہدہ ٹوٹ چکا تھا) بنی قریظہ کے اور ہمارے درمیان کوئی محافظ موجود نہ تھا کہ یہودیوں کی ہماری طرف سے مدافعت کر سکتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کافروں کے مقابلہ میں مشغول جنگ تھے دشمن کی طرف سے منہ موڑ کر ہماری طرف متوجہ نہیں ہو سکتے تھے ایسی حالت میں وہ یہودی (گھومتا اور ٹوہ لیتا نظر) آیا تھا میں نے حسان سے کہا حسان تم دیکھ رہے ہو کہ یہ یہودی گڑھی کے آس پاس چکر لگا رہا ہے مجھے اندیشہ ہے کہ یہ شخص کسی غیر محفوظ جگہ سے یہودیوں کو اندر لے آئے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ مشغول مقابلہ ہیں (یہاں پہنچ کر ہماری مدد نہیں کر سکتے) تم گڑھی سے اتر کر جاؤ اور اس کو قتل کر دو حسان نے کہا اے بنت عبدالمطلب اللہ آپ کی مغفرت کرے آپ تو واقف ہی ہیں کہ بخدا میں ایسا کرنے کا اہل نہیں ہوں جب میں نے حسان کا یہ جواب سن لیا اور سمجھ گئی کہ حسان کے اندر یہودی کو قتل کرنے کی بالکل جرأت نہیں ہے تو میں نے خود تہبند کسی اور خیمہ کی ایک ٹیکی لے کر گڑھی سے نکلی اور اس کی گردن پر ایسی ماری کہ وہ مر گیا قتل کر کے گڑھی میں لوٹی تو میں نے حسان سے کہا اب تم جا کر اس کے کپڑے اور ہتھیار اتار لو، یہ اجنبی مرد ہے اس لئے میں خود ایسا نہیں کر سکتی۔ حسان نے کہا بنت عبدالمطلب مجھے اس کے سامان کی ضرورت نہیں۔

یہودیوں کے شب خون کا انسداد:

میں کہتا ہوں بعض روایات میں آیا ہے کہ بنی قریظہ نے مدینہ پر شب خون مارنا چاہا تھا اور قریش سے اس کام کے لئے مدد کی خواہش کی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے سلمہ بن اسلم کی قیادت میں دو سو آدمیوں کو اور زید بن حارثہ کی قیادت میں تین سو آدمیوں کو مقرر کر دیا کہ مدینہ کے (مختلف) مقامات اور گڑھیوں کی حفاظت رکھیں، یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ عباد بن بشیر اپنے ساتھیوں کو لے کر ہر رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی چوکیداری کرتے تھے۔ مشرک چاہتے تھے کہ خندق کے پار آجائیں اور مسلمان سنگباری کر کے اور تیر مار مار کر ان کو روک رہے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس بھی چوکسائی رکھتے تھے۔

حضرت سعد کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق:

مسلم و بخاری نے صحیحین میں بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو ایک رات کو بیدار رہے اور فرمایا، کاش کوئی نیک مرد ایسا ہوتا جو میری چوکسائی کرتا اچانک ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے؟ جواب ملا سعد ہے فرمایا کیوں آئے ہو سعد نے کہا میرے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک اندیشہ پیدا ہوا اس لئے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکسائی کے لئے فوراً حاضر ہو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد کو دعا دی پھر سو گئے۔ ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا، خندق کے زمانہ میں جس روز سے سعد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکسائی کرنی شروع کی تھی جب ہی سے مجھے سعد سے محبت ہو گئی تھی۔

سخت سردی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خود نگرانی کرنا:

خندق میں ایک مقام ایسا تھا جہاں سے کافروں کے عبور کر آنے کا اندیشہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اس جگہ کی نگرانی کرتے تھے اور جب سخت سردی محسوس ہونے لگتی تو میرے پاس آ جاتے اور مجھ سے (مل کر) گرمی حاصل کرتے پھر چلے جاتے اور چوکسائی کرنے لگتے تھے۔ اور فرماتے تھے مجھے صرف اس جگہ سے لشکر (کے گھس آنے) کا اندیشہ ہے ایک بار جو میرے پاس سردی سے سکون حاصل کرنے کے لئے آئے تو فرمایا، کاش کوئی نیک مرد ایسا ہوتا جو آج رات میری چوکیداری کرتا کہ میں سو جاتا اچانک ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے؟ جواب ملا، سعد۔ سعد نے کہا ہم (لوگ) اس جگہ کی نگرانی کر رہے ہیں یہ جواب سن کر حضور سو گئے۔ یہاں تک کہ میں نے آپ کی سانس کی آواز سن لی (یعنی خراٹے لینے لگے)

ایک تنگ مقام پر مشرکوں کی شکست:

حضرت ام سلمہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس چوکسائی کرتے تھے اور سردی سخت ہوتی تھی ایک رات آپ نے اپنے ڈیرے میں

نماز پڑھی پھر جا کر چوکسائی کرنے لگے اور فرمایا، مشرکوں کے سوار خندق کے گردا گرد گھوم رہے ہیں پھر آواز دی عباد بن بشیر عباد نے جواب دیا حاضر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فرمایا کیا تمہارے ساتھ کوئی ہے، عباد نے کہا جی ہاں میرے قبیلہ کے کچھ لوگ چوکیداری کر رہے ہیں فرمایا اپنے قبیلہ کے آدمیوں کو لے جاؤ خندق کے آس پاس کچھ مشرک موجود ہیں جو شب خون مارنا چاہتے ہیں جا کر ہماری طرف سے ان کی شرارت کو دور رکھو اور ان کو دور رکھنے کے لئے ہماری مدد کرو۔ فوراً عباد اپنے آدمیوں کو لے کر خندق کی طرف چلے گئے جا کر دیکھا کہ ابوسفیان اور کچھ دوسرے مشرک خندق کے تنگ مقام میں گھس آئے ہیں اور مسلمان تیر مار مار کر اور پتھر برسا کر ان کو روک رہے ہیں اتنے میں عباد جا پہنچے عباد کا بیان ہے میں نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر ان لوگوں پر پتھر برسائے آخر شکست کھا کر مشرک بھاگ گئے پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آیا، آپ نماز میں مشغول تھے نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے واقعہ بیان کیا۔

حضرت ام سلمہؓ کا بیان ہے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے کہ میں نے آپ (کی سانس) کی آواز سن لی اور بلال کی اذان فجر دینے تک بیدار نہیں ہوئے۔ اذان کے بعد باہر نکلے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔ حضرت ام سلمہؓ فرمایا کرتیں اے اللہ عباد بن بشیر پر رحمت نازل فرما۔

صحابہ کے نعرے:

حضرت ام سلمہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ کے اندر سو رہے تھے آدھی رات ہوئی تو کچھ آوازیں اٹھیں میں نے سنا لوگ کہہ رہے تھے اے شہسواران خدا سوار ہو جاؤ اس جہاد میں مہاجروں کا یہ امتیازی نعرہ (مقرر) تھا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ جب کافر رات کو تم پر چھاپہ ماریں تو تمہارا امتیازی نعرہ حٰمٓ لَا يُنْصَرُوْنَ ہونا چاہئے۔ دونوں روایتوں کے اختلاف کو اس طرح دور کیا جا سکتا ہے کہ یہ نعرہ انصار کا تھا اور پہلا نعرہ مہاجرین کا۔

مشرکوں کی شرارت کا خاتمہ:

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہو کر خیمہ کے باہر تشریف لے گئے اور ملاحظہ فرمایا کہ کچھ لوگ جن میں عباد بن بشیر بھی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی چوکیداری کر رہے ہیں عباد سے دریافت فرمایا، یہ آوازیں کیسی تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عباد کو حکم دیا کہ جا کر خبر لاؤ عباد چلے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کا انتظار کرتے رہے کچھ دیر کے بعد عباد آ گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ عمرو بن عبدود مشرکوں کی ایک ٹولی لے کر مسلمانوں سے لڑ رہا ہے باہم تیر اندازی اور سنگباری کر رہے ہیں یہ خبر سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیمہ کے اندر تشریف لے گئے اور ہتھیار اٹھا کر برآمد ہوئے پھر گھوڑے پر سوار ہو کر صحابہ کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر میدان جنگ کی طرف روانہ ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد خوش خوش واپس آ گئے اور فرمایا اللہ نے ان کی شرارت کو دفع کر دیا اور وہ بہت زخم کھا کر شکست پا کر بھاگ گئے اس کے بعد حضور لیٹ کر سو گئے کہ مجھے آپ کے سانس کی آواز سنائی دینے لگی کچھ مدت کے بعد پھر دوبارہ آوازیں اٹھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے اور فرمایا عباد دیکھو یہ کیسی آوازیں ہیں عباد گئے اور واپس آ کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرار بن خطاب مشرکوں کا ایک ٹولہ لے کر مسلمانوں سے تیر اندازی اور سنگباری کی جنگ کر رہا ہے حضور والا مسلح ہو کر خیمہ سے برآمد ہوئے اور کافروں سے لڑتے رہے اسی میں صبح ہو گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس آ گئے اور فرمایا وہ لوگ بہت سے زخم کھا کر بھاگ گئے۔

غزوۂ خندق کی شدت:

حضرت ام سلمہؓ کا بیان ہے کہ میں غزوۂ مریسیع، خیبر، حنین اور فتح مکہ کے زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہی لیکن کوئی غزوہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا شاق اور دشوار نہیں گزرا جتنا غزوۂ خندق شدید گزرا، اس غزوہ میں مسلمانوں کو بہت زخم آئے اور زمانہ بھی یہ سخت سردی اور تنگ حالی کا تھا۔

نمازوں میں تاخیر:

روایت میں آیا ہے کہ ایک روز کافر جمع ہوئے اور پورے خندق کو آ گھیرا اور سخت لڑائی کی یہاں تک کہ سورج چھپ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نماز کی فرصت نہیں ملی ظہر کی نماز بھی فوت ہو گئی اور عصر کی بھی اور مغرب کی بھی پھر عشاء کے وقت یہ نمازیں ادا کیں۔

نسائی نے سنن میں لکھا ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ نے بیان کیا خندق کے دن ہم کو ظہر عصر مغرب اور عشاء کی نمازوں کی فرصت نہیں مل سکی آخر اللہ نے ہمارا کام پورا کر دیا اسی کے متعلق اللہ نے آیت وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ نازل فرمائی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نماز کے ارادے سے کھڑے ہوئے (بلال نے) اقامت کہی اور آپ نے اسی طرح ظہر کی نماز پڑھی جس طرح پہلے پڑھتے تھے، پھر اقامت کہی اور حسب سابق عصر کی نماز پڑھی پھر اقامت کہی اور عشاء کی نماز معمول سابق کے مطابق ادا کی۔ یہ واقعہ آیت فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا کے نزول سے پہلے کا ہے (اس آیت کے نزول کے بعد تو صلوٰۃ خوف کا حکم اور اس کی طریقہ بتا دیا گیا) ابن حبان نے اپنی صحیح میں یہ روایت بیان کی ہے لیکن صلوٰۃ عشاء کا اس میں ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ نماز عشاء تو اپنے وقت میں ادا کی تھی لیکن دوسری روایت میں جو عشاء کی نماز بھی ذکر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عشاء کی نماز بھی اپنے معمول سے مؤخر ہو گئی تھی۔

نماز میں تاخیر پر مشرکین کو بددعائیں:

صحیحین میں حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے آیا ہے کہ غروب آفتاب کے بعد حضرت عمر بن خطاب کفار قریش کو بُرا بھلا کہتے ہوئے آئے اور عرض کیا یارسول اللہ میں تو (عصر کی) نماز بھی نہیں پڑھ سکا یہاں تک کہ اب سورج ڈوبنا ہی چاہتا ہے حضور نے فرمایا، میں نے بھی ابھی نماز نہیں پڑھی اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم بطحان میں اترے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لئے وضو کیا اور حضور نے عصر کی نماز غروب آفتاب کے بعد پڑھی پھر نماز عصر کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔

صحیحین میں حضرت علی کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے دن فرمایا اللہ ان کے گھروں کو اور ان کی قبروں کو آگ سے (اسی طرح) بھر دے جس طرح انہوں نے غروب آفتاب تک ہم کو درمیانی نماز (عصر کی نماز) پڑھنے کی فرصت نہیں دی۔ مسلم کی روایت میں آیا ہے پھر عصر کی نماز حضور نے مغرب وعشاء (کی نمازوں) کے درمیان پڑھی۔

مسئلہ: اگر چند نمازیں فوت ہوگئی ہوں تو پہلی نماز لوٹانے کے لئے اذان دی جائے (اور اقامت کہی جائے) پھر باقی نمازوں میں سے ہر نماز کی قضاء کے لئے صرف اقامت کہے بہتر یہ ہے کہ ہر نماز کو لوٹانے کے وقت اذان بھی دی جائے اور اقامت بھی کہی جائے۔ بزار کی روایت کردہ حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

کافروں کی شکست کیلئے دُعاء:

جب مسلمانوں پر تکلیف بہت زیادہ ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کے لئے بددعا کی اور اللہ نے آپ کی دعا قبول بھی فرمائی، چنانچہ بخاری نے صحیح میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب (وہ قبائل جو متفق ہو کر مدینہ پر چڑھ آئے تھے) کے لئے بددعا کی اور فرمایا اے اللہ، اے کتاب نازل کرنے والے اے جلد حساب فہمی کرنے والے احزاب کو شکست دے دے اور ان کو جھنجھوڑ دے (ان کے قدم اکھاڑ دے)

میں کہتا ہوں، حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے لئے تین روز پیہم مسجد فتح میں بددعا کی۔ بعض اقوال میں آیا ہے کہ دوشنبہ سہ شنبہ اور چارشنبہ کے لئے بددعا کی، چارشنبہ کے دن ظہر اور عصر کے درمیان اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور ہم نے خوشی کے آثار چہرۂ مبارک پر دیکھ لئے۔ راوی کا بیان ہے اس کے بعد جو مصیبت ہم پر آئی اور ہم نے اس ساعت میں (یعنی ظہر وعصر کے درمیان) اللہ سے دعا کی تو اللہ نے ہماری دعا ضرور قبول فرمائی۔

ایک خفیہ مسلمان کی خفیہ تدبیر:

بغوی کا بیان ہے نعیم بن مسعود بن عامر بن غطفان نے (پوشیدہ طور پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ میں مسلمان ہو گیا ہوں لیکن میری قوم والوں کو میرا مسلمان ہو جانا معلوم نہیں ہے اب آپ ہم کو جو چاہیں حکم دیں (ہم اس کی تعمیل کریں گے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ہماری جماعت میں تنہا ہو اگر کر سکتے ہو تو (ان جماعتوں میں پھوٹ ڈالدو اور) ایسا کر دو کہ ہماری طرف سے ان کا رُخ مڑ جائے اور ایک جماعت دوسری کی مدد نہ کرے کیونکہ لڑائی خفیہ تدبیر (کا نام) ہے۔

میں کہتا ہوں، دوسری روایت میں آیا ہے کہ نعیم نے عرض کیا تھا یارسول اللہ مجھے یہ اجازت دیجئے کہ میں (ان سے) جو کچھ چاہوں کہوں (خواہ بات جھوٹی ہو) حضور نے اجازت دے دی۔ اجازت پا کر نعیم بنی قریظہ کے پاس پہنچے (اسلام سے پہلے نعیم بنی قریظہ ہم نشین تھے) اور کہا اے بنی قریظہ تم واقف ہو کہ میں تمہارا خالص دوست ہوں، بنی قریظہ نے کہا تم نے سچ کہا، ہماری نظر میں تم مشکوک نہیں ہو۔ نعیم نے کہا تو (سنو) قریش اور غطفان لڑائی کے لئے آئے ہیں اور تم ان کے مددگار ہو لیکن ان کی حالت تمہاری حالت کی طرح نہیں ہے یہ شہر تمہارا شہر ہے اس میں تمہارا مال ہے اہل وعیال ہیں تم اس کو چھوڑ کر دوسرے شہر کو نہیں جا سکتے رہے قریش وغطفان (وہ یہاں کے باشندے نہیں ہیں) ان کے مال اور اہل وعیال یہاں سے دور ہیں اگر کامیابی کا موقع اور مال غنیمت ان کے ہاتھ آ گیا تو بہتر ورنہ اپنے شہروں کو چلے جائیں گے اور تم کو اس شخص کے مقابلہ پر تنہا چھوڑ دیں گے اور یہ شخص تمہارے شہر میں رہتا ہے تنہا اس کا مقابلہ کرنے کی تم میں طاقت نہیں۔ (مناسب یہ ہے کہ) تم اعتماد حاصل کرنے کے لئے ان لوگوں کے کچھ سرداروں کو اپنی تحویل میں بطور رہن رکھ لو تا کہ وہ تم کو چھوڑ کر بھاگ نہ جائیں اگر وہ ایسا کر لیں تو ان کے ساتھ مل کر تم محمد سے لڑو اور کھل کر ان کا مقابلہ کرو (اگر وہ ایسا نہ کریں تو سمجھ لو کہ ان کی نیت بُری ہے) بنی قریظہ نے کہا تم نے صحیح مشورہ دیا۔ پھر نعیم یہاں سے نکل کر قریش کے پاس پہنچے اور ابوسفیان وسردارانِ قریش سے کہا تم لوگ جانتے ہو کہ میں تمہارا دوست ہوں اور محمد کے متعلق جو رائے رکھتا ہوں اس سے بھی تم واقف ہو مجھے ایک اطلاع ملی ہے۔ میں بطور خیر خواہی اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ وہ خبر تم تک پہنچا دوں لیکن اس کو پوشیدہ رکھنا قریش نے کہا ہم ایسا ہی کریں گے نعیم نے کہا تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ گروہ یہود اب اپنے کئے پر پشیمان ہیں اور محمد کے پاس انہوں نے پیام بھیجا ہے کہ ہم نے جو کچھ کیا ہم اس پر نادم ہیں (اس کی تلافی میں) اگر ہم قریش وغطفان کے کچھ سرداروں کو پکڑ کر تمہارے حوالے کر دیں تا کہ تم ان کی گردنیں اڑا دو تو کیا تم ہم سے راضی ہو جاؤ گے پھر ہم اور تم مل کر باقی لوگوں کا مقابلہ کریں گے محمد نے جواب میں کہلا بھیجا بہتر

ہے (ہم اس شرط پر تم سے مصالحت کے لئے تیار ہیں) لہٰذا یہودی اگر تمہارے پاس پیام بھیجیں اور تمہارے سرداروں کو اپنے پاس بطور گروی رکھنا چاہیں تو تم اپنا ایک آدمی بھی ان کے حوالے نہ کرنا۔ اس کے بعد نعیم غطفان کے پاس پہنچے اور کہا اے گروہ غطفان تم میرا کنبہ قبیلہ ہو اور میرے پیارے ہو میرا خیال ہے کہ تم مجھے مشکوک نہیں سمجھتے ہو بنی غطفان نے جواب دیا تم نے سچ کہا واقعی تم ہمارے دوست ہو نعیم نے کہا تو بات چھپی رکھنا (ظاہر نہ ہونے پائے) بنی غطفان نے کہا ایسا ہی کریں گے اس کے بعد نعیم نے جو بات قریش سے کہی تھی وہی غطفان سے بھی کہہ دی اور جس بات کا ان کو اندیشہ دلایا تھا اسی بات کا خوف بنی غطفان کو بھی دلایا۔

کافروں میں پھوٹ:

شنبہ کی رات ماہ شوال ۵ھ کو اللہ نے اپنے رسول کی کارسازی اس طرح کی کہ ابوسفیان نے ورقہ بن غطفان اور عکرمہ بن ابی جہل کے ساتھ قبیلہ غطفان وقریش کے چند آدمیوں کو بنی قریظہ کے پاس بھیجا ان لوگوں نے جا کر بنی قریظہ سے کہا کہ ہم یہاں قیام کرنے تو آئے نہیں۔ ہمارے اونٹ اور گھوڑے ہلاک ہوئے جا رہے ہیں آپ لوگ لڑائی کے لئے تیار ہو جائیں تا کہ ہم کھل کر باہر نکل کر محمد سے جنگ کریں اور اس جھگڑے سے فارغ ہو جائیں جو ہمارا محمد سے ہے یہودیوں نے پیام بھیجا آج سنیچر کا دن ہے سنیچر کے دن ہم کوئی کام نہیں کرتے ہم میں سے بعض لوگوں نے سنیچر کے دن کچھ بدعت کی تھی اس کی جو سزا ان کو ملی وہ تم سے پوشیدہ نہیں ہے پھر ایک بات یہ ہے کہ جب تک ہمارے پاس اپنے کچھ آدمی بطور رہن نہ چھوڑ دو گے ہم تمہارے ساتھ مل کر لڑنے والے نہیں ہیں اگر ایسا کر دو گے تو ہم کھل کر محمد سے لڑیں گے ہم کو اندیشہ ہے کہ اگر لڑائی سے تم کو کچھ نقصان پہنچا اور جنگ کی شدت ہوئی تو تم ہم کو چھوڑ کر اپنے شہروں کو لوٹ جاؤ گے اور یہ لوگ ہمارے اسی شہر کے باشندے ہیں ہم تنہا ان سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ قاصد جب بنی قریظہ کا یہ جواب لے کر لوٹے تو قریش وغطفان نے کہا تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ نعیم بن مسعود نے جو کچھ کہا وہ بالکل صحیح ہے اس کے بعد ان لوگوں نے بنی قریظہ کو کہلا بھیجا کہ اپنا ایک آدمی بھی ہم تمہارے قبضہ میں نہیں دیں گے اگر (بلاشرط) تم (محمد سے) لڑنا چاہتے ہو تو نکلو اور جنگ کرو قاصد یہ پیام لے کر بنی قریظہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا نعیم بن مسعود نے جو بات کہی تھی وہ بالکل سچ تھی یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اگر (فتح کا) ان کو موقع مل جائے تو اس کو غنیمت سمجھیں ورنہ سمٹ کر اپنے شہروں کو چلے جائیں اور تم کو تمہارے گھروں میں اس شخص کے مقابل تنہا چھوڑ جائیں اس کے جواب میں بنی قریظہ نے قریش اور غطفان کو وہی پیام بھیجا کہ یا تو اطمینان کے لئے تم اپنے کچھ سرداروں کو ہمارے پاس بطور گروی چھوڑ دو لیکن قریش نے نہ مانا اس طرح اللہ نے ایک کو دوسرے کی مدد سے محروم کر دیا شدید سردی کی رات تھی اور بہت ہی سخت ٹھنڈک تھی اللہ نے ایک طوفانی ہوا بھیج دی جس سے کافروں کی (چڑھائی ہوئی) ہانڈیاں الٹ گئیں اور ہوا نے برتنوں کو پھینک دیا۔

سردی کی شدت میں حضرت حذیفہ کا جاسوسی کیلئے جانا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کی پھوٹ کی اطلاع ملی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہ بن یمان کو یہ بات معلوم کرنے کے لئے بھیجا کہ رات کو کیا واقعہ ہوا محمد بن اسحاق نے بوساطت زید بن زیاد محمد بن کعب قرظی کا بیان نقل کیا ہے اور بعض اہل روایت نے ابراہیم تیمی کے والد کا قول بھی بیان کیا ہے دونوں کی روایت ہے کہ ایک کوفی جوان نے حضرت حذیفہ بن یمان سے دریافت کیا ابو عبداللہ کیا آپ (حضرات) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے تھے حضرت حذیفہ نے فرمایا، ہاں بھتیجے (ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے تھے) جوان نے کہا پھر تمہارا سلوک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا، حضرت حذیفہ نے فرمایا، ہم تیاری کرتے تھے جوان بولا اگر ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پا لیتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین پر پیدل نہ چلنے دیتے اپنی گردنوں پر اٹھائے رہتے اور آپ کی (ہر وقت) خدمت کرتے حضرت حذیفہ نے فرمایا، بھتیجے (تم کو کیا معلوم کہ وہ زمانہ کتنی مصائب کا تھا) خدا کی قسم وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ احزاب کی ایک رات ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے (اور انتہائی سخت سردی تھی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا کوئی ایسا ہے کہ اٹھ کر جائے اور ہم کو ان لوگوں کی خبر لا کر دے جو کوئی ایسا کرے گا، اللہ اس کو جنت میں داخلہ عطا فرمائے گا، یہ بات سن کر (بھی) ہم میں سے کوئی نہیں اٹھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیر تک نماز پڑھی اور نماز کے بعد ہماری طرف رخ موڑ کر وہی پہلی بات فرمائی لیکن سب لوگ خاموش رہے ہم میں سے کوئی بھی نہیں اٹھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر دیر تک نماز پڑھتے رہے اور نماز کے بعد فرمایا جو شخص اٹھ کر جائے گا اور دیکھ کر ہم کو آ کر بتائے گا کہ ان لوگوں نے کیا کیا تو وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا، یہ سننے کے بعد بھی سخت سردی سخت بھوک اور شدت خوف کی وجہ سے کوئی شخص بھی نہیں اٹھا جب کوئی نہیں اٹھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طلب فرمایا اور پکار کر کہا حذیفہ اب میرے لئے اٹھے بغیر کوئی چارہ نہ رہا، میں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ پھر اٹھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اس وقت (سردی کی وجہ سے) میرے دونوں پہلو کپکپا رہے تھے حضور نے میرے سر اور چہرے پر ہاتھ پھیرا پھر فرمایا ان لوگوں کے پاس پہنچ کر ان کی خبر لاؤ لیکن

میرے پاس پہنچنے تک کچھ (چھیڑ چھاڑ) کر نہ بیٹھنا اس کے بعد فرمایا اے اللہ آگے پیچھے دائیں بائیں اور اوپر نیچے سے اس کو اپنی حفاظت میں رکھ۔

حضرت حذیفہؓ کا مشرکین میں گھس جانا:

میں نے اپنے تیر لئے ہتھیار باندھے اور پیدل اُن کی طرف روانہ ہو گیا۔ نکلا ہی ہوں تو ایسا معلوم ہوا کہ حمام میں چل رہا ہوں (ساری سردی غائب ہو گئی) چلتے چلتے ان لوگوں کے اندر داخل ہو گیا۔ اللہ کے حکم سے ان لوگوں پر ایک ہوا کا طوفان اور (غیبی) لشکر آ گیا اور اللہ کے اس لشکر نے ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ ان کی ایک ہانڈی کو (چولھے پر) اور آگ کو (چولھے میں) اور ڈیرے چھولداری کو (زمین پر) قائم نہ رہنے دیا اس وقت ابوسفیان آگ کے پاس بیٹھا تاپ رہا تھا میں نے تیر نکالا کمان کے چلہ پر چڑھایا اور چھوڑنا چاہتا ہی تھا کیونکہ اگر اس وقت میں تیر چھوڑ دیتا تو ٹھیک ابوسفیان کے لگ جاتا۔ لیکن مجھے اللہ کے رسول کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ کوئی حرکت نہ کر بیٹھنا جب تک میرے پاس واپس نہ پہنچ جائے۔ اس لئے میں نے تیر واپس نکال کر رکھ لیا۔ ابوسفیان نے جو یہ تباہی دیکھی تو کہا اے گروہ قریش تم میں سے ہر ایک اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے آدمی کا ہاتھ پکڑ لے اور دیکھ لے کہ وہ کون ہے (تا کہ کوئی جاسوس ہمارے لشکر میں نہ گھس آئے۔ شناخت ہو جائے) یہ سن کر میں نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے آدمی کا ہاتھ پکڑ لیا اور پوچھا تو کون ہے اس نے جواب دیا سبحان اللہ کیا تو مجھے نہیں جانتا میں فلاں بن فلاں ہوں وہ قبیلہ ہوازن کا آدمی تھا۔

مشرکین کی پسپائی:

ابوسفیان نے کہا اے گروہ قریش تمہارے قیام کی یہ جگہ نہیں ہے (کہ ہمیشہ یہاں رہنا ہو) اونٹ اور گھوڑے ہلاک ہو گئے بنی قریظہ نے بھی ہم سے غداری کی اور ان کی طرف سے ہم کو وہ (پیام) ملا جو ہمارے لئے ناگوار تھا ادھر اس طوفان کی وجہ سے جو بپتا ہم پر پڑی وہ تم لوگ دیکھ ہی رہے ہو لہٰذا کوچ کر چلو میں تو روانہ ہو رہا ہوں اس کے بعد ابوسفیان اُٹھ کھڑا ہوا اور اونٹ کے پاس پہنچا اونٹ کے پاؤں میں اس وقت دہنگنا بندھا ہوا تھا (اور وہ بیٹھا ہوا تھا) ابوسفیان اس پر سوار ہو گیا اور اس کو مارا اونٹ فوراً تین ٹانگوں پر کھڑا ہو گیا چوتھی ٹانگ کا دہنگنا کھڑا ہونے کی حالت میں کھولا گیا۔ میں نے سنا ہے کہ جو عمل قریش نے کیا وہی غطفان نے بھی کیا اور سب اپنے شہروں کو لوٹ پڑے۔

حضرت حذیفہؓ کا خوشخبری لے کر لوٹنا:

میں رسول اللہ کی طرف لوٹ آیا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں حمام میں چل رہا ہوں خدمتِ گرامی میں پہنچا تو آپ اس وقت کھڑے نماز پڑھ رہے تھے جب آپ نے سلام پھیرا تو میں نے ان لوگوں کا واقعہ عرض کیا۔ حضور ہنس پڑے اتنے کہ رات کی تاریکی میں (سفید چمکدار) کچلیاں نمودار ہو گئیں۔ جب میں اطلاع دے چکا تو وہ سینک (جو اس آمد و رفت اور لوٹ کر آنے کے دوران حمام کی گرمی جیسی محسوس ہو رہی تھی وہ) بھی غائب ہو گئی (اور حسب سابق سردی محسوس ہونے لگی) حضور نے مجھے اپنے قریب اپنے قدموں کے پاس کر لیا اور اپنے کپڑے کا ایک پلہ میرے اوپر ڈال دیا اور میرا سینہ اپنے تلووں سے چمٹا لیا اس طرح میں برابر سوتا رہا جب صبح ہو گئی تو حضور نے فرمایا اے سونے والے اب اُٹھ جا۔

فرشتوں کا اثر:

میں کہتا ہوں ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے قتادہ کی روایت سے بیان کیا کہ جب مشرکوں کے لشکر پر اللہ نے ہوائی طوفان مسلط کر دیا اور اطراف لشکر میں فرشتوں نے تکبیر کہی (یعنی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا) تو طلحہ بن خویلد اسدی نے کہا (لوگو) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تم پر جادو کرنا شروع کر دیا اس لئے تیزی کے ساتھ نکل جاؤ جلدی کرو یہ سنتے ہی بغیر لڑے لوگ بھاگ نکلے۔

رحمۃ للعالمین کا اثر:

میں کہتا ہوں شیخ عماد الدین ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین نہ ہوتے تو ہوا ہر کافر کو چورا چورا کئے بغیر نہ چھوڑتی جیسا عاد کی قوم کے ساتھ ریح عقیم نے کیا تھا۔

حضرت حذیفہ سے فرشتوں کی بات چیت:

دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت حذیفہ نے فرمایا جب میں کافروں کے لشکر کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا تو اثناء راہ میں میں نے بیس سوار دیکھے جن کے عمامے سفید تھے انہوں نے مجھ سے کہا اپنے ساتھی سے جا کر کہہ دینا کہ اللہ نے تمہارا کام پورا کر دیا اور تمہارے دشمنوں کے شر کو دفع کر دیا۔

حضرت زبیرؓ کی فضیلت:

شیخین نے صحیحین میں حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے دن فرمایا ان لوگوں (یعنی لشکر کفار) کی خبر کون ہم کو لا کر دے سکتا ہے۔ حضرت زبیر نے کہا میں۔ حضور نے پھر فرمایا ان لوگوں کی خبر کون ہم کو لا کر دے سکتا ہے۔ حضرت زبیر نے کہا میں۔ (تیسری بار) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لوگوں کی خبر ہم کو کون لا کر دے سکتا ہے۔ حضرت زبیر نے کہا میں۔ اس پر حضور نے فرمایا ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرا حواری زبیر ہے۔

کافروں کی دائمی پسپائی:

بخاری نے صحیح میں لکھا ہے کہ حضرت سلیمان بن صرد نے فرمایا جب کافروں کی جماعتیں (احزاب کے دن) نکل کر چلی گئیں تو میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا (آئندہ) ہم ان سے جا کر جہاد کریں گے وہ آ کر ہم سے نہیں لڑیں گے ہم ان کی طرف جائیں گے۔

واپس شہر لوٹنے کی دُعاء:

صحیح بخاری میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے یہ بھی آیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہاد یا حج یا عمرہ سے لوٹ کر شہر میں پہنچتے تو تین بار اللہ اکبر کہہ کر فرماتے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰہُ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ.

تنہا اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اس کی حکومت ہے اسی کے لئے ہر طرح کی حمد مناسب ہے وہ ہی ہر چیز پر قابو رکھتا ہے ہم (اسی کی طرف) لوٹنے والے ہیں اسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں (اسی کی) عبادت اور سجدہ کرنے والے ہیں اپنے رب ہی کی ہم حمد کرنے والے ہیں اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اپنے بندہ کو فتح یاب کیا اور تمام جماعتوں کو تنہا شکست دے دی۔

مقتولین کی تعداد:

محمد بن عمر کا قول ہے کہ جنگ خندق میں چھ مسلمان شہید ہوئے اور چھ مشرک بھی مارے گئے۔ (تفسیر مظہری)

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ

جب چڑھ آئے تم پر — اوپر کی طرف سے — اور نیچے سے

یعنی مدینہ کی شرقی جانب سے جو اونچی ہے اور غربی جانب سے جو نیچی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ

اور جب بدلنے لگیں آنکھیں

یعنی دہشت وحیرت سے آنکھیں پھرنے لگیں اور لوگوں کے تیور بدلنے لگے۔ دوستی جتانے والے لگے آنکھیں چُرانے۔ (تفسیر عثمانی)

انتظامی، معاشرتی امتیاز اسلامی وحدت اور اسلامی قومیت کے منافی نہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہاد کے لئے مہاجرین کا جھنڈا حضرت زید بن حارثہؓ کے سپرد فرمایا اور حضرات انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہؓ کے سپرد فرمایا، اس وقت مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات (بھائی چارے) کے تعلقات بڑی مضبوط ومستحکم بنیادوں پر قائم تھے، اور سب بھائی بھائی تھے مگر انتظامی سہولت کے لئے مہاجرین کی قیادت الگ اور انصار کی الگ کر دی گئی تھی اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی قومیت اور اسلامی وحدت انتظامی اور معاشرتی تقسیم کے منافی نہیں بلکہ ہر جماعت پر ذمہ داری کا بوجھ ڈال دینے سے باہمی اعتماد اور تعاون وتناصر کے جذبہ کی تقویت ہوتی تھی، اور اس جنگ کے سب سے پہلے کام یعنی خندق کھودنے میں اس تعاون وتناصر کا اس طرح مشاہدہ ہوا کہ:

خندق کی کھُدائی کی تقسیم پورے لشکر پر کی گئی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے لشکر کے مہاجرین وانصار کو دس دس آدمیوں کی جماعت میں تقسیم کر کے ہر دس آدمیوں کو چالیس گز خندق کھودنے کا ذمہ دار بنایا۔ (معارف مفتی اعظم)

غزوہ خندق کا موسم اور فرشتوں کا رعب:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں مجھے میرے ماموں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خندق والی رات سخت جاڑے اور تیز ہوا میں مدینہ شریف بھیجا کہ کھانا اور لحاف لے آؤں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ میرے جو صحابی تمہیں ملیں انہیں کہنا کہ میرے پاس چلے آئیں۔ اب میں چلا۔ ہوائیں زناٹے کی شائیں شائیں چل رہی تھیں۔ مجھے جو مسلمان ملا میں نے اُسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا دیا اور جس نے سُنا اُلٹے پاؤں فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چل دیا یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے پیچھے مُڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ ہوا میری ڈھال کو دھکے دے رہی تھی اور وہ مجھے لگ رہی تھی یہاں تک کہ اُس کا لوہا میرے پاؤں پر گر پڑا جسے میں نے نیچے پھینک دیا۔ اس ہوا کے ساتھ ہی ساتھ خدا تعالیٰ نے فرشتے بھی نازل فرمائے تھے جنہوں نے مشرکین کے دل اور سینے خوف اور رُعب سے بھر دیئے۔ یہاں تک کہ جتنے سرداران لشکر تھے اپنے ماتحت سپاہیوں کو اپنے پاس بُلا بُلا کر کہنے لگے نجات کی صورت تلاش کرو، بچاؤ کا انتظام کرو۔ یہ تھا فرشتوں کا ڈالا ہوا ڈر اور رُعب اور یہی وہ لشکر ہے، جس کا بیان اس آیت میں ہے کہ اس لشکر کو تم نے نہیں دیکھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ

اور پہنچے دل گلوں تک

یعنی خوف وہراس سے دل دھڑک رہے تھے گویا اپنی جگہ سے اُٹھ کر گلے میں آ گئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا

اور اٹکلنے لگے تم اللہ پر طرح طرح کی اٹکلیں

غیر یقینی حالات: یعنی کوئی کچھ سمجھتا تھا کوئی کچھ اٹکلیں لڑا رہا تھا۔

مسلمانوں نے سمجھا کہ اس مرتبہ اور سخت آزمائش آئی، دیکھیئے کیا صورت پیش آئے۔ کچے ایمان والوں نے خیال کیا کہ بس جی اب کی بار نہیں بچیں گے۔ منافقین کا تو پوچھنا ہی کیا۔ آگے ان کے مقولے آرہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا

وہاں جانچے گئے ایمان والے اور جھڑ جھڑائے گئے زور کا جھڑ جھڑانا

حضرت حُذیفہ کو آپ نے دشمن کی خبر لانے کے لئے بھیجا تھا۔ اُس کا مفصل قصہ حدیث میں پڑھو تو اس جھڑ جھڑانے کی کیفیت کا کچھ اندازہ ہو۔ یہاں ترجمہ کی گنجائش نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ

اور جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں روگ ہے

مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا

جو وعدہ کیا تھا ہم سے اللہ نے اور اس کے رسول نے سب فریب تھا

منافقوں کی بزدلی:

بعض منافق کہنے لگے کہ پیغمبر صاحب کہتے تھے کہ میرا دین مشرق و مغرب میں پھیلے گا اور فارس، روم، صنعاء کے محلات مجھ کو دیئے گئے۔ یہاں تو مسلمان قضائے حاجت کو بھی نہیں نکل سکتے۔ وہ وعدے کہاں ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ مسلمان کو چاہیے اب بھی ناامیدی کے وقت بے ایمانی کی باتیں نہ بولیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ

اور جب کہنے لگی ایک جماعت اُن میں اے یثرب والو

یثرب: ''یثرب'' مدینہ طیبہ کا پرانا نام تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے ''مدینۃ النبی'' ہو گیا۔ (تفسیر عثمانی)

یثرب سے مراد ہے مدینہ۔ ابوعبیدہ نے کہا یثرب ایک قطعۂ زمین کا نام ہے جس کے ایک حصہ میں مدینہ رسول واقع ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو یثرب کہنے کی ممانعت فرمائی اور ارشاد فرمایا یہ طابہ ہے حضور نے مدینہ کو یثرب کہنا اس لئے پسند نہیں فرمایا کیونکہ یثرب کا لفظ ثرب، یثرب، اور ثربٌ اور ثرب علیہ اور اثرب سے مشتق ہے (یعنی مادہ سب کا ایک ہے لیکن استعمال فَعَلَ یَفْعَلُ اور تفصیل اور افعال سے ہوتا ہے اور ثرب ہو یا اثراب یا تثریب سب کا معنی ہے ملامت کرنا۔ عار دلانا کسی جرم پر دلیل کرنا

اور مُشرَّب اس شخص کو کہتے ہیں جو بخشش میں دراز دست نہ ہو۔ قاموس۔ مقام یا اسم ظرف ہے ٹھیرنے کا موقع۔ یا مصدر ہے (باب افعال کا) (تفسیر مظہری)

لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا ۚ وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِنْهُمُ

تمہارے لئے ٹھکانا نہیں، سو پھر چلو اور رخصت مانگنے لگا ایک فرقہ اُن میں

النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۛ

نبی سے کہنے لگے ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں اور وہ کھلے نہیں پڑے

إِنْ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا

اُن کی کوئی غرض نہیں مگر بھاگ جانا

منافقوں کا مشورہ اور بہانے:

یعنی سارے عرب ہمارے دشمن ہوئے تو ہم کو رہنے کا ٹھکانا کہاں۔ سب لشکر سے جدا ہو کر گھر لوٹ چلو۔ اور حضرت لشکر کے ساتھ باہر کھڑے تھے شہر میں مضبوط حویلیوں کے ناکے بند کر کے زنانے اُن میں رکھ دیئے تھے۔ یہ بہانہ کرنے لگے کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں کہیں چور گھس کر لوٹ نہ لیں۔ اور یہ محض جھوٹ بات بناتی تھی۔ غرض یہ تھی کہ بہانہ کر کے میدان سے بھاگ جائیں۔ چنانچہ جو اجازت لینے آیا آپ اجازت دیتے رہے کچھ پرواہ تکثیر سواد کی نہ کی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف تین سو نفوس قدسیہ آپ کے ساتھ باقی رہ گئے۔ (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جنگی تدبیر:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات آچکی تھی کہ قبیلہ غطفان کے رئیس نے ان یہودیوں کے ساتھ شرکت خیبر کے پھل اور کھجور کی طمع میں کی ہے، آپ نے غطفان کے دو سردار عُیینہ ابن حصن اور ابوالحارث بن عمرو کے پاس قاصد بھیجا کہ ہم تمہیں مدینہ طیبہ کا ایک تہائی پھل دیں گے، اگر تم اپنے ساتھیوں کو لے کر میدان سے واپس چلے جاؤ، یہ گفتگو درمیان میں تھی اور دونوں سردار راضی ہو چکے تھے قریب تھا کہ معاہدہ صلح پر دستخط ہو جائیں، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب عادت ارادہ کیا کہ صحابہ کرام سے اس معاملہ میں مشورہ لیں، قبیلہ اوس وخزرج کے دو بزرگ سعدین یعنی سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ کو بلا کر ان سے مشورہ لیا۔

حضرت سعدؓ کی غیرت ایمانی اور عزم شدید:

دونوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ کو اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا ہے تو ہمارے کچھ کہنے کی مجال نہیں ہم

قبول کریں گے ورنہ بتائیں کہ یہ آپ کی طبعی رائے ہے یا آپ نے ہمیں مشقت وتکلیف سے بچانے کے لئے یہ تدبیر کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ امر الٰہی اس کا ہے اور نہ میری اپنی طبیعت کا تقاضا ہے بلکہ صرف تمہاری مصیبت وتکلیف کو دیکھ کر یہ صورت اختیار کی ہے، کیونکہ تم لوگ ہر طرف سے گھرے ہوئے ہو، میں نے چاہا فریق مقابل کی قوت کو اس طرح فوراً توڑ دیا جائے، حضرت سعد بن معاذؓ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم جس وقت بتوں کو پوجتے تھے اللہ تعالیٰ کو نہ پہچانتے تھے نہ اس کی عبادت کرتے تھے، اُس وقت اُن لوگوں کو ہمارے شہر کے پھل میں سے ایک دانہ کی طمع رکھنے کی ہمت نہیں تھی، بجز اس کے کہ وہ ہمارے مہمان ہوں، اور مہمانی کے طور پر ہم ان کو کھلا دیں یا پھر ہم سے خرید کر لے جائیں، آج جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی معرفت عطا فرمائی اور اسلام کا اعزاز عطا فرمایا، کیا آج ہم ان لوگوں کو اپنا پھل اور اپنے اموال دے دیں گے، ہمیں ان کی مصالحت کی کوئی حاجت نہیں، ہم تو ان کو تلوار کے سوا کچھ نہیں دیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور اُن کے درمیان فیصلہ فرمادیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعدؓ کی اولوالعزمی اور غیرت ایمانی کو دیکھ کر اپنا یہ ارادہ چھوڑ دیا اور فرمایا کہ تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو، سعدؓ نے صلح نامہ کا کاغذ ان کے ہاتھوں سے لے کر تحریر مٹادی، کیونکہ ابھی اس پر دستخط نہیں ہوئے تھے، غطفان کے سردار عُیینہ اور حارث جو خود اس صلح کے لئے تیار ہو کر مجلس میں موجود تھے، صحابہ کرامؓ کی یہ قوت وشدت دیکھ کر خود بھی اپنے دلوں میں متزلزل ہوگئے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا

اور اگر شہر میں کوئی گھس آئے ان پر اس کے کناروں سے پھر اُن سے چاہے

الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا

دین سے بچلنا تو مان لیں اور دیر نہ کریں اُن میں مگر تھوڑی

منافقوں کی اندرونی کیفیت:

یعنی جھوٹے حیلے بنارہے ہیں۔ اگر فرض کرو یہ لوگ شہر میں ہوں اور کوئی غنیم ادھر اُدھر سے گھس آئے پھر ان سے مطالبہ کرے کہ دین اسلام چھوڑ دو۔ جسے بظاہر یہ لوگ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ یا کہے کہ مسلمانوں سے لڑو اور فتنے فساد برپا کرو۔ اُس وقت اُن کا جھوٹ صاف کھل جائے۔ فوراً اُن مطالبات کی تائید میں نکل پڑیں۔ نہ گھروں کے کھلے ہونے کا عذر کریں نہ لٹنے کا، بس بات چیت کرنے اور ہتھیار اٹھا کر لانے میں جو تھوڑی دیر لگے گی اسے مستثنیٰ کر کے ایک منٹ کا توقف نہ کریں، اسلام کے ظاہری دعوے سے دستبردار ہو کر فوراً فتنہ وفساد کی آگ میں کود پڑیں۔

وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ

اور اقرار کر چکے تھے اللہ سے پہلے کہ نہ پھیریں گے

الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا

پیٹھ اور اللہ کے قرار کی پوچھ ہوتی ہے

منافقوں کی عہد شکنی:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جنگ اُحد کے بعد انہوں نے اقرار کیا تھا کہ پھر ہم ایسی حرکت نہ کریں گے۔ اس کی پوچھ اللہ کی طرف سے ہوگی کہ وہ قول وقرار کہاں گیا۔ (تفسیر عثمانی)

یزید بن رومان کا بیان ہے کہ جنگ اُحد کے دن بنی حارثہ نے ارادہ کیا کہ بنی سلمہ کو قتل کردیں گے لیکن جب ان کے حق میں آیت کا نزول ہوا تو انہوں نے عہد کیا کہ آئندہ ایسی بات نہیں کریں گے قتادہ نے کہا کچھ لوگ غزوۂ بدر سے غیر حاضر تھے لیکن جب (لڑائی کے بعد) انہوں نے اہل بدر کی خداداد عزت و برتری دیکھی تو کہنے لگے کہ آئندہ اگر اللہ نے ہم کو کسی لڑائی میں شریک ہونے کی توفیق دی تو ہم ضرور ضرور لڑیں گے انہی لوگوں کی طرف اللہ نے آیت مذکورہ میں اشارہ کیا ہے۔

وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا اور اللہ سے کئے ہوئے عہد کی بازپرس ہوگی یعنی پوچھا جائے گا کہ پورا کیوں نہیں کیا مطلب یہ کہ عہد خدا کی خلاف ورزی کی سزا دی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ

تو کہہ کچھ کام نہ آئے گا تمہارے یہ بھاگنا اگر بھاگو گے مرنے سے

اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا

یا مارے جانے سے اور پھر بھی پھل نہ پاؤ گے مگر تھوڑے دنوں

موت سے کوئی نہیں بھاگ سکتا:

یعنی جس کی قسمت میں موت ہے وہ کہیں بھاگ کر جان نہیں بچا سکتا۔ قضائے الٰہی ہر جگہ پہنچ کر رہے گی اور اگر ابھی موت مقدر نہیں تو میدان سے بھاگنا بے سود ہے۔ کیا میدان جنگ میں سب مارے جاتے ہیں اور فرض کرو بھاگنے سے بچاؤ ہی ہو گیا تو کتنے دن؟ آخر موت آنی ہے اب نہیں چند روز کے بعد آئے گی اور نہ معلوم کس سختی اور ذلت سے آئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا اور ایسی حالت میں بجز تھوڑے سے یا

تھوڑے دنوں کے فائدہ سے زیادہ متمتع نہیں ہو سکتے یعنی دنیا میں زندہ رہ کر تم تھوڑی مدت تک یا تھوڑا سا مزہ حاصل کر سکو گے (زیادہ مدت فائدہ اندوز نہ ہو سکو گے) آیت کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر بالفرض میدان جنگ سے فرار تمہارے لئے مفید بھی ہو تو یہ فائدہ زیادہ مدت تک باقی نہیں رہے گا کیونکہ دنیا بہرحال فنا پذیر ہے۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ

تو کہہ کون ہے کہ تم کو بچائے اللہ سے اگر

اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً

چاہے تم پر برائی یا چاہے تم پر مہربانی

اللہ کے ارادہ کو کوئی نہیں روک سکتا:

یعنی اللہ کے ارادے کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی نہ کوئی تدبیر اور حیلہ اُس کے مقابلہ میں کام دے سکتا ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ اُسی پر توکل کرے اور ہر حالت میں اُسی کی مرضی کا طلبگار رہے۔ ورنہ دنیا کی بُرائی بھلائی یا سختی نرمی تو یقیناً پہنچ کر رہے گی۔ پھر اُس کے راستہ میں بُزدلی کیوں دکھائے اور وقت پر جان کیوں چُرائے جو عاقبت خراب ہو اور دنیا کی تکلیف ہٹ نہ سکے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا

اور نہ پائیں گے اپنے واسطے اللہ کے سوائے کوئی حمایتی اور نہ مددگار

یعنی عرب کی مخالفت سے ڈرتے ہو، اگر اللہ حکم دے تو مسلمان اب تم کو قتل کر ڈالیں۔ (تفسیر عثمانی)

قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِیْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِیْنَ

اللہ کو (ن) معلوم ہیں جو اٹکانے والے ہیں تم میں اور کہتے ہیں

لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَیْنَا ۚ وَلَا یَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِیْلًا ۙ

اپنے بھائیوں کو چلے آؤ ہمارے پاس اور لڑائی میں نہیں آتے مگر کبھی

منافقوں کی بداندیشی اللہ کو معلوم ہے:

یعنی ظاہری وضع داری اور دکھاوے کو شرماشرمی کبھی میدان میں آ کھڑے ہوتے ہیں ورنہ عموماً گھروں میں بیٹھے عیش اُڑاتے اور اپنی برادری کے لوگوں کو بھی جو سچے مسلمان ہیں جہاد میں آنے سے روکتے رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اخوان سے مراد ہیں مدینہ کے باشندے یعنی ہمارے پاس آ جاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دو ان کے ساتھ مل کر جنگ نہ کرو ہم کو تمہارے مارے جانے کا اندیشہ ہے۔ عائق موڑ دینے والا۔ عوق پھیر دینا۔ عائق سے مراد ہوتا ہے خیر سے مانع یہاں معوقین سے مراد وہ منافق ہیں جو لوگوں کو رسول اللہ کا ساتھ دینے اور آپ کے ہمراہ رہنے سے روکتے۔ قتادہ نے کہا یہ لوگ منافق تھے جو انصار کو رسول اللہ کا ساتھ دینے سے روکتے تھے اور اپنے بھائی بندوں سے کہتے تھے محمد اور ان کے ساتھی گوشت (کی طرح) ہیں۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھی ان کو لقمہ بنا لیں گے۔ یہ شخص تو تباہ ہونے والا ہی ہے اس کو چھوڑ دو۔ (تفسیر مظہری)

اَشِحَّةً عَلَیْكُمْ ۖۚ

دریغ رکھتے ہیں تم سے

یعنی مسلمانوں کا ساتھ دینے سے دریغ رکھتے ہیں اور ہر قسم کی ہمدردی و بہی خواہی سے بخل ہے ہاں غنیمت کا موقع آئے تو حرص کے مارے چاہیں کہ کسی کو کچھ نہ ملے سارا مال ہم ہی سمیٹ کر لے جائیں اسی احتمال پر لڑائی میں قدرے شرکت بھی کر لیتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَیْتَهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ تَدُوْرُ

پھر جب آئے ڈر کا وقت تو تو دیکھے اُن کو کہ تکتے ہیں تیری طرف پھرتی ہیں

اَعْیُنُهُمْ كَالَّذِیْ یُغْشٰی عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ

آنکھیں اُن کی جیسے کسی پر آئے بیہوشی موت کی

فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَی الْخَیْرِ ؕ

پھر جب جاتا رہے ڈر کا وقت چڑھ چڑھ بولیں تم پر تیز تیز زبانوں سے ڈھکے پڑتے ہیں مال پر

منافقوں کی موقع پرستی:

یعنی آڑے وقت رفاقت سے جی چُراتے ہیں، ڈر کے مارے جان نکلتی ہے اور فتح کے بعد آ کر باتیں بناتے اور سب سے زیادہ مردانگی جتاتے ہیں اور مال غنیمت پر مارے حرص کے گرے پڑتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے متعلق طعن و تشنیع سے زبان درازی کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

منافقوں کی تشبیہ: كَالَّذِیْ یُغْشٰی عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ میں مشبہ بہ یا مدہوش ہونے والے کی نظر ہے یعنی كنظر الذی یغشی علیه۔ یا مشبہ بہ آنکھوں کا چکرانا ہے یعنی كدوران عینی المغشی علیه یا مشبہ بہ دونوں وصف ہیں بے ہوش ہونے والے کی نظر اور آنکھوں کا چکرانا۔ یا مشبہ بہ بے ہوش ہونے والے کی آنکھیں ہیں جب موت کے اسباب چھا جاتے ہیں اور موت کے پسینے آنے لگتے ہیں تو حواس معطل ہو جاتے ہیں عقل زائل ہو جاتی

ہے آنکھیں متحیر ہو جاتی ہیں اور ٹکٹکی بندھ جاتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ

وہ لوگ یقین نہیں لائے پھر اکارت کر ڈالے اللہ نے اُن کے کیے کام

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا

اور یہ ہے　اللہ پر　آسان

منافقوں کے عمل بے جان ہیں:

یعنی جب اللہ و رسول پر ایمان نہیں تو کوئی عمل مقبول نہیں ہو سکتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''جہاں حبط اعمال کا ذکر ہے تو فرمایا کہ یہ اللہ پر آسان ہے یعنی بظاہر اللہ تعالیٰ کے عدل و حکمت کو دیکھتے ہوئے تعجب ہوتا ہے اور یہ بات بھاری معلوم ہوتی ہے کہ وہ کسی کی محنت کو ضائع کر دے لیکن اس لئے بھاری نہیں رہتی کہ خود عمل ہی کے اندر ایسی خرابی چھپی ہوتی ہے جو کسی طرح اُس کو درست نہیں ہونے دیتی۔ جیسے بے ایمان کا عمل کہ ایمان شرط اور روح ہے ہر عمل کی، بدون اُس کے عمل مُردہ ہے پھر قبول کس طرح ہو۔ کافر کتنی ہی محنت کرے سب اکارت ہے۔ (تفسیر عثانی)

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ

سمجھتے ہیں کہ فوجیں کفار کی نہیں پھر گئیں اور اگر آ جائیں وہ فوجیں

يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِى الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ

تو آرزو کریں کسی طرح ہم باہر نکلے ہوئے ہوں گاؤں میں پوچھ لیا کریں تمہاری خبریں

منافقوں کی بزدلی کا عالم:

یعنی کفار کی فوجیں ناکامیاب واپس جا چکیں لیکن ان ڈرپوک منافقوں کو اُن کے چلے جانے کا یقین نہیں آتا۔ اور فرض کیجئے کفار کی فوجیں پھر لوٹ کر حملہ کر دیں تو اُن کی تمنا یہ ہوگی کہ اب وہ شہر میں بھی نہ ٹھہریں جب تک لڑائی رہے کسی گاؤں میں رہنے لگیں اور وہیں دُور بیٹھے آنے جانے والوں سے پوچھ لیا کریں کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے۔ لڑائی کا نقشہ کیسا ہے۔ (تفسیر عثانی)

وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا

اور اگر ہوں تم میں　لڑائی نہ کریں　مگر بہت تھوڑی

یعنی باتوں میں تمہاری خیر خواہی جتائیں اور لڑائی میں زیادہ کام نہ دیں۔ محض مجبوری کو برائے نام شرکت کریں۔ (تفسیر عثانی)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ

تمہارے لئے بھلی تھی سیکھنی رسول اللہ کی چال اس کے لئے جو کوئی

كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا

اُمید رکھتا ہے اللہ کی اور پچھلے دن کی اور یاد کرتا ہے اللہ کو بہت سا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا واجب تقلید استقلال:

یعنی پیغمبر کو دیکھو ان سختیوں میں کیا استقلال رکھتے ہیں۔ حالانکہ سب سے زیادہ اندیشہ اور فکر اُن ہی پر ہے۔ مگر مجال ہے پائے استقامت ذرا جنبش کھا جائے جو لوگ اللہ سے ملنے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی اُمید رکھتے ہیں اور کثرت سے خدا کو یاد کرتے ہیں اُن کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات منبع البرکات بہترین نمونہ ہے۔ چاہیے کہ ہر معاملہ، ہر ایک حرکت و سکون اور نشست و برخاست میں اُن کے نقش قدم پر چلیں اور ہمت و استقلال وغیرہ میں اُن کی چال سیکھیں۔ (تفسیر عثانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مکمل نمونہ ہے:

اُسوۃ بمعنی قدوہ یعنی وہ طریقہ جس کی اقتداء کی جائے اس جگہ مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں تمہارے لئے خصائل حمیدہ موجود ہیں جو تمہارے لئے واجب العمل ہیں مثلاً لڑائی میں ثابت قدم رہنا اور شدائد کو برداشت کرنا۔

یا یہ مطلب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مقتدا ہیں تمہارے لئے ان کی اقتداء ہی مناسب ہے بعض نے کہا اُسْوَۃٌ بروزن فُعْلَۃٌ اِیْتِسَاء (باب افتعال) سے مشتق ہے جیسے قُدوۃ اقتداء سے بنا ہے یہ اسم ہے جو مصدر کا قائم مقام ہے یعنی تم لوگوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اچھی ہمدردی (لازم) ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی مدد کی تم بھی ویسی ہی دین کی مدد کرتے رہو۔ ان کا دانت جنگ میں ٹوٹا چہرہ زخمی ہوا ان کے چچا شہید ہوئے ان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں مگر انہوں نے ہر دُکھ پر صبر کیا اور تمہاری ہمدردی کی لہٰذا تم بھی ان کی طرح مصائب و شدائد پر صبر رکھو اور ان سے ہمدردی کرو اور ان کے طریقہ پر چلو۔

وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا اور اللہ کی بہت یاد کرتا ہے۔

دکھ میں بھی اور سکھ میں بھی کثرت ذکر دوام طاعت کا سبب ہے اسی لئے رجاء کے ساتھ کثرت ذکر کا ذکر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرنے والا وہی ہو سکتا ہے جو امید بھی رکھتا ہو اور اللہ کا ہمیشہ اطاعت گزار بھی ہو۔ حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ حضرت عمر نے حجر اسود پر سر جھکا کر فرمایا

میں بلاشبہ جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے لیکن اگر میں نے اپنے پیارے صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے اور چومتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے نہ چومتا نہ بوسہ دیتا۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔

حضرت عمرؓ کا اتباعِ سنت:

یعلی بن منیہ کا بیان ہے میں نے حضرت عمر کے ساتھ طواف کیا جب میں حجر کے متصل دروازہ کے پاس رکن کے قریب پہنچا تو میں نے حضرت عمر کا ہاتھ پکڑ لیا تاکہ آپ بھی چوم لیں۔ حضرت عمر نے فرمایا کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طواف نہیں کیا میں نے جواب دیا کیوں نہیں حضرت عمر نے فرمایا تو کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کو چومتے دیکھا ہے میں نے کہا نہیں۔ فرمایا تو پھر اپنے سے اس کو دور رکھو لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔ (تفسیر مظہری)

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا
اور جب دیکھی مسلمانوں نے فوجیں بولے یہ وہی ہے جو
وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ
وعدہ دیا تھا ہم کو اللہ نے اور اس کے رسول نے اور سچ کہا اللہ نے اور اس کے رسول نے
وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا
اور اُن کو اور بڑھ گیا یقین اور اطاعت کرنا

مخلص مسلمانوں کی شان:

یعنی پکے مسلمانوں نے جب دیکھا کہ کفر کی فوجیں اکٹھی ہو کر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑی ہیں تو بجائے مذبذب یا پریشان ہونے کے اُن کی اطاعت شعاری کا جذبہ اور اُن کا یقین اللہ و رسول کے وعدوں پر اور زیادہ بڑھ گیا۔ وہ کہنے لگے کہ یہ تو وہی منظر ہے جس کی خبر اللہ و رسول نے پہلے سے دے رکھی تھی اور جس کے متعلق اُن کا وعدہ ہو چکا تھا جیسا کہ سورۂ بقرہ میں فرمایا اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ (بقرہ رکوع ۲۶) اور سورۂ ص میں جو مکیہ ہے فرمایا جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ (ص۔ رکوع ۱) (تفسیر عثمانی)

وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا اور (کافروں کی اس لشکر کشی نے) مومنوں کے ایمان اور تسلیم کو اور پختہ کر دیا۔

ایمان سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تصدیق اور تسلیم سے مراد ہے اللہ کے حکم اور تقدیر کے سامنے سر جھکا دینا (اپنے آپ کو امر اور قضاءِ الٰہی کے سپرد کر دینا) (تفسیر مظہری)

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ
ایمان والوں میں کتنے مرد ہیں کہ سچ کر دکھلایا جس بات کا عہد کیا تھا اللہ سے
مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا
پھر کوئی تو ان میں پورا کر چکا اپنا ذمہ اور کوئی ہے اُن میں راہ دیکھ رہا اور بدلا نہیں ایک ذرہ

مؤمنوں نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا:

یعنی منافقین نے جو عہد کیا تھا پچھلے رکوع میں گزر چکا۔ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ اُسے توڑ کر بے حیائی کے ساتھ میدانِ جنگ سے ہٹ گئے۔ اُن کے برعکس کتنے پکے مسلمان ہیں جنہوں نے اپنا عہد و پیمان سچا کر دکھلایا۔ بڑی بڑی سختیوں کے وقت دین کی حمایت اور پیغمبرؐ کی رفاقت سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔ اللہ و رسول کو جو زبان دے چکے تھے، پہاڑ کی طرح اُس پر جمے رہے۔ اُن میں سے کچھ تو وہ ہیں جو اپنا ذمہ پورا کر چکے یعنی جہاد ہی میں جان دے دی جیسے شہدائے بدر و اُحد جن میں سے حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ کا قصہ بہت مشہور ہے اور بہت مسلمان وہ ہیں جو نہایت اشتیاق کے ساتھ موت فی سبیل اللہ کا انتظار کر رہے ہیں کہ کب کوئی معرکہ پیش آئے جس میں ہمیں بھی شہادت کا مرتبہ نصیب ہو۔ بہر حال دونوں قسم کے مسلمانوں نے (جو اللہ کی راہ میں جان دے چکے، اور جو مشتاقِ شہادت ہیں اپنے عہد و پیمان کی پوری حفاظت کی اور اپنی بات سے ذرہ بھر نہیں بدلے۔ (فائدہ) حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہؓ کو فرمایا ھٰذا مِمَّنْ قضیٰ نحبَهٗ (یہ اُن میں سے ہے جو اپنا ذمہ پورا کر چکے) گویا اُن کو اسی زندگی میں شہید قرار دے دیا۔ یہ وہ بزرگ ہیں جو جنگ اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے اپنے ہاتھ پر تیر روکتے رہے حتیٰ کہ ہاتھ شل ہو کر رہ گیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کے رسول سے انہوں نے معاہدہ کیا تھا کہ ہم معرکۂ جنگ میں آپ کے ساتھ ثابت قدم رہیں گے اور آپ کی معیت میں کافروں سے لڑیں گے عرب کہتے ہیں صدقنی اس نے مجھ سے سچ کہا۔ صَدَقُوْا بھی اسی محاورہ سے ماخوذ ہے۔ وعدہ پورا کرنے والا اپنے وعدہ کو سچا ثابت کر دیتا ہے (کہ جو کچھ میں نے معاہدہ کیا تھا دیکھو اس کو پورا کر دیا)

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ پس ان میں سے کچھ لوگوں نے تو اپنی نذر پوری کر دی اور عہد کو کامل طور پر پورا کر دیا اب کئے ہوئے وعدہ کا کوئی بار اس پر باقی نہیں رہا مطلب یہ کہ اس نے جہاد و طاعت پر صبر کیا یہاں تک کہ شہید ہو گیا یا مر گیا۔ نحب کا معنی نذر بھی ہے اور موت بھی

وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا اور انہوں نے (کئے ہوئے عہد میں) کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔

حضرت انس بن النضر کا ایفائے عہد:

شیخین، ترمذی، ابن ابی شیبہ، ابوداؤد، ابن سعد اور بغوی نے حضرت انس بن مالک کی روایت سے بیان کیا کہ انس بن مالک کے چچا حضرت انس بن نضر بدر کی لڑائی سے غیر حاضر رہے تھے ان کو یہ بات بڑی تکلیف دہ تھی اس لئے انہوں نے کہا تھا کہ سب سے پہلا معرکہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے اور میں غیر حاضر رہا۔ (بڑے افسوس کی بات ہے) آئندہ اگر اللہ نے مشرکوں سے جنگ کرنے میں مجھے حاضر ہونے کی توفیق دی تو میری کارگزاری اللہ دیکھ لے گا چنانچہ احد کے دن جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو حضرت انس بن نضر نے کہا اے اللہ ان لوگوں نے یعنی ساتھیوں نے جو کچھ کیا میں تیرے سامنے اس کا عذر خواہ ہوں اور انہوں نے (یعنی مشرکوں) نے جو کچھ کیا اس سے تیرے سامنے اظہار بیزاری کرتا ہوں کچھ انصار و مہاجرین نے اپنے ہتھیار اپنے ہاتھوں سے پھینک دیئے تھے (اور فکر و غم میں ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے) حضرت ابن نضر ان کے پاس پہنچے اور کہا یہاں آپ لوگ کیوں بیٹھے ہیں صحابہ نے جواب دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ابن نضر نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جی کر کیا کرو گے اٹھو اور جس دین کی خاطر رسول اللہ شہید ہوئے تم بھی اسی پر مر جاؤ اس کے بعد مشرکوں کی فوج کی طرف رخ کر کے چل دیئے احد سے ورے حضرت سعد بن معاذ سے ملاقات ہوئی سعد نے کہا میں آپ کے ساتھ ہوں۔

حضرت سعد کا بیان ہے کہ انس کافروں کی طرف متوجہ ہوئے اور وہ کام کیا جو میں نہیں کر سکا۔ (دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت انس نے کہا اے ابو عمرو) ہاہا یہ جنت کی ہوا ہے قسم ہے رب نضر کی مجھے احد کے قریب جنت کی ہوا محسوس ہو رہی ہے پھر آگے بڑھے اور اتنا لڑے کہ شہید ہو گئے آپ کے جسم پر تلوار، تیر اور بھالے کی ضربوں کے کچھ او پر اسی زخم لوگوں نے پائے۔ حضرت انس بن مالک کا بیان ہے آپ کی لاش کو کافروں نے مثلہ کر دیا تھا (یعنی ناک کان پیشاب گاہ کو کاٹ ڈالا تھا) لوگوں نے لاش کو شناخت بھی نہیں کیا صرف آپ کی بہن بشامہ نے انگلیوں کے پورے دیکھ کر پہچانا۔ ہمارا خیال تھا کہ آیت رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ حضرت انس بن نضر اور ان جیسے لوگوں کے حق میں ہی نازل ہوئی تھی۔ رضی اللہ عنہم

حضرت مصعب بن عمیرؓ:

بغوی کی روایت ہے کہ حضرت خباب بن ارت نے فرمایا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی ہم میں سے بعض لوگ تو چلے گئے (مر گئے) اور اپنی کوشش کا کوئی پھل (دنیا میں) نہ کھا پائے جن میں سے ایک مصعب بن عمیر بھی تھے احد کے دن شہید ہو گئے تو سوا ایک نمدہ کے اتنا کپڑا نہ تھا کہ ہم ان کو کفن دے سکتے نمدہ بھی اتنا تھا کہ سر چھپاتے تھے تو قدم کھلتے تھے اور پاؤں پر ڈالتے تھے تو سر کھلا رہتا تھا حضور نے فرمایا سر پر ڈال دو اور پاؤں کو اذخر (ایک قسم کی گھاس۔ مرچیا گند) سے چھپا دو اور کچھ لوگوں کی کوشش کا پھل پختہ ہو گیا جس کو (دنیا میں) وہ کھا سکے۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ:

ترمذی نے حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ (ایک بار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھ کر فرمایا جو شخص پسند کرتا ہو کہ روئے زمین پر (زندہ) چلتے پھرتے ایسے آدمی کو دیکھے جس نے اپنی نذر پوری کر دی ہے (اور جنتی ہو گیا ہے) تو وہ اس کو دیکھ لے۔

بخاری کا بیان ہے کہ قیس بن حازم نے فرمایا میں نے حضرت طلحہؓ کا (ایک) ہاتھ شل دیکھا جنگ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کے حملہ سے انہوں نے اس ہاتھ کے ذریعہ محفوظ رکھا تھا (جس کی وجہ سے ہاتھ اتنا زخمی ہو گیا کہ شل ہو گیا)

عیسیٰ بن طلحہ کا بیان ہے میں اور عائشہ بنت طلحہ (یعنی میری بہن) ام المؤمنین حضرت عائشہ کے پاس گئے عائشہ بنت طلحہ حضرت اسماء بنت صدیق اکبر سے کہنے لگی میں آپ سے اور میرے باپ آپ کے باپ سے افضل ہیں حضرت اسماء، عائشہ بنت طلحہ کو برا بھلا کہنے لگیں اور بولیں تم مجھ سے افضل ہو حضرت عائشہ نے فرمایا میں تم دونوں کا جھگڑا طے کر دوں دونوں نے کہا کیوں نہیں حضرت عائشہ نے فرمایا ایک بار ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا تم دوزخ سے آزاد ہو اسی روز سے حضرت ابو بکر کا لقب عتیق (آزاد) ہو گیا پھر حضرت طلحہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلحہ تم ان لوگوں میں سے ہو جو اپنی نذر پوری کر چکے۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ

معاویہؓ راوی ہیں میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے طلحہ ان لوگوں میں سے ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے۔ (تفسیر مظہری)

لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ

تاکہ بدلہ دے اللہ سچوں کو ان کے سچ کا اور عذاب کرے منافقوں پر

اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

اگر چاہے یا توبہ ڈالے ان کے دل پر بیشک اللہ ہے بخشنے والا مہربان

عمل کا بدلہ: یعنی جو عہد کے پکے اور قول وقرار کے سچے رہے اُن کو سچ پر جمے رہنے کا بدلہ ملے اور بدعہد دغاباز منافقوں کو چاہے سزا دے اور چاہے توبہ کی توفیق دے کر معاف فرمادے۔ اُس کی مہربانی سے کچھ بعید نہیں۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا

اور پھیر دیا اللہ نے منکروں کو اپنے غصہ میں بھرے ہوئے ہاتھ نہ لگی کچھ بھلائی

کفار کی ذلت وناکامی: یعنی کفار کا لشکر ذلت وناکامی سے پیچ وتاب کھاتا اور غصہ سے دانت پیستا ہوا میدان چھوڑ کر واپس ہوا۔ نہ فتح ملی نہ کچھ سامان ہاتھ آیا۔ ہاں عمرو بن عبدودٌ جیسا اُن کا نامور سوار جسے لوگ ایک ہزار سواروں کے برابر گنتے تھے اس لڑائی میں حضرت علی کرم اللہ وجہ کے ہاتھ سے کھیت رہا۔ مشرکین نے درخواست کی کہ دس ہزار لے کر اُس کی لاش ہمیں دے دی جائے۔ آپ نے فرمایا وہ تم لے جاؤ، ہم مُردوں کا ثمن کھانے والے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ

اور اپنے اوپر لے لی اللہ نے مسلمانوں کی لڑائی اور ہے اللہ

قَوِيًّا عَزِيْزًا

زورآور زبردست

لڑائی کے بغیر فتح: یعنی مسلمانوں کو عام لڑائی لڑنے کی نوبت نہ آنے دی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ہوا کا طوفان اور فرشتوں کا لشکر بھیج کر وہ اثر پیدا کر دیا کہ کفار از خود سراسیمہ اور پریشان حال ہو کر بھاگ گئے۔ اللہ کی زبردست قوت کے سامنے کون ٹھہر سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا اور اللہ ہے قوی غالب یعنی اللہ کا اقتدار قوی ہے وہ اپنے ملک میں جیسا چاہتا ہے کرتا ہے اور (نافرمانوں سے) انتقام لینے میں غالب ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

اور اُتار دیا اُن کو جو اُن کے پشت پناہ ہوئے تھے اہل کتاب سے

مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ

اُن کے قلعوں سے اور ڈال دی اُن کے دلوں میں دھاک

فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا

کتنوں کو تم جان سے مارنے لگے اور کتنوں کو قید کر لیا

یہود بنی قریظہ کی عہد شکنی کی سزا:

یہ یہود بنی قریظہ تھے مدینہ کے شرقی جانب اُن کا مضبوط قلعہ تھا اور پہلے سے مسلمانوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کئے ہوئے تھے جنگ احزاب کے موقع پر حیی ابن اخطب کے اغواء سے تمام معاہدات بالائے طاق رکھ کر مشرکین کی مدد پر کھڑے ہو گئے اُن میں سے بعض نے مسلمان عورتوں پر بزدلانہ حملہ کرنا چاہا جس کا جواب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بڑی بہادری سے دیا۔ جب کفار قریش وغیرہ عاجز ہو کر چلے گئے تو بنوقریظہ اپنے مضبوط قلعوں میں جا گھسے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ احزاب سے فارغ ہو کر غسل وغیرہ میں مشغول تھے کہ حضرت جبریلؑ تشریف لائے۔ چہرہ پر غبار کا اثر تھا فرمایا۔ یا رسول اللہ! آپ نے ہتھیار اتار دیئے حالانکہ فرشتے ہنوز ہتھیار بند ہیں۔ اللہ کا حکم ہے کہ بنوقریظہ پر حملہ کیا جائے فوراً منادی ہو گئی کہ بنوقریظہ کے بدعہد یہودیوں پر چڑھائی ہے۔ نہایت سُرعت کے ساتھ اسلامی فوج نے اُن کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ چوبیس پچیس دن محاصرہ جاری رہا۔ آخر محصورین تاب نہ لا سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیام بھیجنے شروع کئے۔ اخیر میں اُن کی طرف سے بات اس پر ٹھہری کہ ہم قلعوں سے باہر آتے ہیں اور ''اوس'' کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ کو حکم ٹھہراتے ہیں (کیونکہ وہ اُن کے حلیف تھے) جو فیصلہ ہمارے حق میں حضرت سعد کر دیں گے ہم کو منظور ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قبول فرما لیا۔ قصہ مختصر حضرت سعد تشریف لائے اور بحیثیت ایک مسلم حکم کے فیصلہ کیا کہ بنی قریظہ کے سب جوان قتل کر دیئے جائیں اور عورتیں لڑکے سب قید غلامی میں لائے جائیں اور اُن کے اموال وجائداد کے مالک مہاجرین ہوں خدا اور رسول کی مرضی اور اُن کی بدعہدی کی سزا یہی تھی۔ اور یہ فیصلہ ٹھیک اُن کی مسلمہ آسمانی کتاب ''تورات'' کے موافق تھا۔ چنانچہ تورات کتاب استثناء اصحاح ۲۰ آیت ۱۰ میں ہے جب کسی شہر پر حملہ کرنے کے لئے تو جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے اگر وہ صلح تسلیم کر لیں اور تیرے لئے دروازے کھول دیں تو جتنے لوگ وہاں موجود ہوں سب تیرے غلام ہو جائیں گے لیکن اگر صلح نہ کریں تو تو اُن کا محاصرہ کر اور جب تیرا خدا تجھ کو اُن پر قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں سب کو قتل کر دے۔ باقی بچے، عورتیں جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لئے مال غنیمت ہوں گے۔ اس فیصلہ کے مطابق کئی سو یہودی جوان قتل کئے گئے اور کئی سو عورتیں لڑکے قید ہوئے اور اُن کے املاک واموال پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

بنوقریظہ کے مقتولین:

وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا اور ان کے دلوں میں (مسلمانوں کا) رعب ڈال دیا چنانچہ ان کے ایک فریق کو تم قتل کر رہے تھے

اور ایک فریق کو قید کر رہے تھے۔ یعنی مردوں کو قتل کر رہے تھے اور عورتوں اور بچوں کو قید کر رہے تھے ابن اسحاق کا بیان ہے کہ مردوں کی تعداد چھ سو تھی۔ ترجمۂ سعد بن معاذ میں ابوعمرو نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے ابن عائذ نے قتادہ کا مرسل قول بیان کیا ہے کہ مرد سات سو تھے۔ سہیل نے کہا زیادہ سے زیادہ بیان کرنے والوں کا قول ہے کہ آٹھ سو اور نو سو کے درمیان تھے ابن حبان نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ چار سو جنگ جو تھے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ان کی تعداد نو سو بھی بتائی گئی ہے تمام اقوال کے اختلاف باہمی کو دور کرنے کے لئے یہ توجیہہ کی جاسکتی ہے کہ جنگ جو چار سو تھے باقی ان کے تابع تھے۔

عورتوں اور بچوں کی تعداد سات سو پچاس یا نو سو تھی۔ سبیل الرشاد میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک ہزار تھے۔ (تفسیر مظہری)

وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ
اور تم کو دلائی اُن کی زمین اور اُن کے گھر اور اُن کے مال
وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا
اور ایک زمین کہ جس پر نہیں پھیرے تم نے اپنے قدم، اور ہے اللہ سب کچھ کر سکتا

یہودیوں کی زمینیں:

یہ زمین جو مدینہ کے قریب ہاتھ لگی حضرت نے مہاجرین پر تقسیم کر دی۔ اُن کے گزران کا ٹھکانا ہو گیا اور انصار پر سے اُن کا خرچ ہلکا ہوا۔ اور دوسری زمین سے مراد خیبر کی زمین ہے جو اس کے دو برس بعد ہاتھ لگی اُس سے حضرت کے سب اصحاب آسودہ ہو گئے بعض کہتے ہیں کہ یہ دوسری زمین مکہ کی ہے بعض نے فارس و روم کی زمینیں مُراد لی ہیں جو آپ کے بعد خلفاء کے ہاتھوں سے فتح ہوئیں اور بعض کہتے ہیں کہ قیامت تک جو زمینیں فتح کی جائیں سب اس میں شامل ہیں واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

غزوۂ بنی قریظہ کا واقعہ:

محمد بن عمر نے اپنے شیوخ کی سند سے بیان کیا ہے کہ جب مشرک خندق سے واپس چلے گئے تو بنی قریظہ کو (اپنے تنہا رہ جانے کی وجہ سے) بڑا خوف ہوا۔

امام احمد اور شیخین نے مختصر طور پر اور بیہقی و حاکم نے صحیح سند سے تفصیل کے ساتھ حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا۔ ابونعیم اور بیہقی نے دوسری سند سے بھی یہ واقعہ نقل کیا۔ ابن عابد نے حمید بن ہلال کے واسطے سے بیان کیا۔

خندق سے واپسی:

ابن جریر نے حضرت ابن ابی اوفی کی روایت سے اور بیہقی نے عروہ کے حوالہ سے اور ابن سعد نے ماجشون و یزید بن اصم کی وساطت سے بیان کیا نیز محمد بن عمر نے اپنے شیوخ کے سلسلہ سے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان جب تھکے ہارے خندق سے لوٹے تو ہتھیار کھول دیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے مکان میں تشریف لے گئے اور پانی طلب کر کے سر دھونے لگے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضور حضرت زینب بنت جحش کے مکان میں تشریف لے گئے اور حضرت زینب آپ کا سر دھونے لگیں اور ایک طرف کا سر دھو بھی دیا تھا۔

فرشتے کی آواز:

حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ (باہر) کسی شخص نے ہم کو سلام کیا ہم گھر کے اندر تھے۔

محمد بن عمر نے کہا وہ شخص جنازوں کے رکھنے کے مقام میں کھڑا تھا اس نے پکار کر کہا اے جنگ کرنے والے (ہتھیار کھول دینے کا) تمہارے پاس کیا عذر ہے حضور آواز سنتے ہی گھبرا کر اچھل پڑے اور یک دم تیزی سے کود (کر باہر نکل گئے میں بھی آپ کے پیچھے کھڑی ہو گئی اور کیواڑوں کے سوراخ میں سے دیکھنے لگی مجھے دحیہ کلبی کی صورت نظر آئی جو اپنے سر سے غبار جھاڑ رہے تھے۔

ابن اسحاق نے کہا وہ شخص عمامہ لپیٹے ہوئے تھا۔ اس شخص نے کہا اے اللہ کے رسول آپ نے بہت جلد ہتھیار کھول دیئے اللہ آپ کو معاف فرمائے آپ نے ہتھیار کھول کر رکھ دیئے حالاں کہ جب سے دشمن اترا ہے ملائکہ نے اس وقت سے اب تک اسلحہ نہیں کھولے دوسری روایت میں ہے چالیس دن سے ملائکہ نے اسلحہ نہیں کھولے۔ ہم نے حمراء الاسد تک ان کا تعاقب کیا اس وقت انہیں کے تعاقب سے لوٹ کر آئے ہیں اللہ نے ان کو بھگا دیا اور آپ کو حکم دیا ہے کہ بنی قریظہ سے جا کر جنگ کرو۔ میں اپنے ساتھ والے ملائکہ کو لے کر انہیں کی طرف جا رہا ہوں تاکہ ان کے قلعوں میں زلزلہ پیدا کر دوں۔ آپ بھی لوگوں کو لے کر نکل کر (میرے بعد) آیئے۔

فقط حملہ کی دیر ہے:

حمید بن ہلال کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے ساتھی تھک چکے ہیں اگر آپ چند روز کی انہیں مہلت دے دیں تو بہتر ہے۔ جبرئیل نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ کر ان پر چڑھائی تو کریں میں ان کو اس طرح دے پٹکوں گا جیسے انڈا پتھر کی چٹان پر پٹکا جاتا ہے پھر ان کو ہلا ڈالوں گا (یعنی قلعوں سے باہر نکل پڑنے پر مجبور کردوں گا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا۔)

حضرت عائشہ کا بیان ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے تو میں نے عرض کیا آپ جس شخص سے باتیں کر رہے تھے وہ کون تھا۔ فرمایا کیا تم نے اس کو دیکھا تھا میں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا تمہارے خیال

میں اس کی شکل کس کے مشابہ تھی۔ میں نے عرض کیا دحیہ کلبی کے مشابہ تھی۔ فرمایا وہ جبرئیل تھے انہوں نے مجھے حکم دیا کہ بنی قریظہ کی طرف جاؤں۔

فرشتوں سے اٹھتا ہوا غبار:

حمید کا بیان ہے کہ پھر جبرئیل اور ان کے ساتھ کے ملائکہ پشت پھیر کر چل دیئے یہاں تک کہ بنی غنم کے کوچوں میں (ان کی رفتار سے اٹھا ہوا) غبار اڑنے لگا۔ بخاری کی روایت ہے کہ حضرت انس نے فرمایا گویا اٹھتا ہوا غبار اب بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے۔

حملے کا اعلان:

قتادہ نے ابن عابد کی روایت کے بموجب بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز ایک منادی کو (مسلمانوں کی بستیوں میں) یہ ندا کرنے کے لئے بھیج دیا اے سواران خدا سوار ہو جاؤ اور حضرت بلال کو اعلان کرنے کا حکم دیا کہ جو سننے والے فرمان بردار ہوں ان کو عصر کی نماز بنی قریظہ تک پہنچنے سے پہلے نہ پڑھنی چاہیے (یعنی ہر شخص پر لازم ہے کہ عصر کی نماز بنی قریظہ کی بستی میں پہنچ کر ہی پڑھے) شیخین نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیہقی نے حضرت عائشہ اور ابن عقبہ کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت کعب بن مالک کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا میں تم کو تاکیدی حکم دیتا ہوں کہ عصر کی نماز (بنی قریظہ کی بستی تک پہنچنے سے پہلے کہیں) نہ پڑھنا۔ مسلم نے حضرت ابن عمر کی روایت سے لکھا ہے کہ حضور نے ظہر کی نماز کے متعلق حکم دیا تھا چنانچہ راستہ میں جب عصر کی نماز یا حسب روایت مسلم ظہر کی نماز کا وقت آ گیا تو بعض لوگوں نے کہا ہم تو بنی قریظہ میں پہنچ کر عصر کی نماز پڑھیں گے اس سے پہلے نہیں پڑھیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو تاکیدی حکم دیا ہے (اگر نماز میں تاخیر ہو گئی تو) ہم پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ غروب آفتاب کے بعد جب بنی قریظہ میں پہنچے تو ان لوگوں نے عصر کی نماز پڑھی۔ کچھ لوگوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ نہ تھا کہ ہم نماز نہ پڑھیں (بلکہ جلد پہنچنے کی تاکید مقصود تھی) اس لئے ہم تو راستہ میں ہی نماز پڑھیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع پہنچ گئی مگر آپ نے کسی فریق کو تنبیہ نہیں کی۔

مسئلہ: اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ مجتہد سے اگر اجتہاد میں غلطی ہو جائے تب بھی وہ گناہگار نہ ہوگا دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں فریقوں میں کسی پر درشتی نہیں کرتے۔ جس نے راستہ میں نماز پڑھ لی اس کو بھی برا نہیں کہا اور جس نے پہنچ کر (مغرب ہونے کے بعد) پڑھی اس کو بھی تنبیہ نہیں کی۔

صاحب زاد المعاد نے لکھا ہے کہ ہر فریق نیت کے مطابق ثواب کا حقدار ہو گیا لیکن جس فریق نے راستہ میں نماز پڑھ لی اس کو دوہرا ثواب ہوا ایک بروقت نماز پڑھنے کا اور دوسرا تعمیل حکم میں تیزی کرنے کا۔ کیونکہ بنی قریظہ میں پہنچنے سے پہلے نماز نہ پڑھنے کے حکم کا مقصد ہی یہی تھا کہ تعمیل حکم میں تاخیر نہ کی جائے۔

جھنڈا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو طلب فرمایا اور اپنا جھنڈا ان کے سپرد کر دیا۔ خندق سے واپسی کے بعد سے جھنڈا کھولا نہیں گیا تھا۔

غزوہ بنو قریظہ کب ہوا:

محمد بن عمر و اور ابن ہشام و بلاذری کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو مدینہ کا حاکم (اپنی جگہ) بنایا۔ محمد بن عمر کا قول ہے کہ ۲۳ ذی القعدہ کو مدینہ سے برآمد ہوئے۔ بغوی نے کہا یہ واقعہ ۵ ھ کا ہے۔ حضور والا نے ہتھیار لگائے زرہ پہنی خود اوڑھا بھالا ہاتھ میں لیا ڈھال گلے میں لٹکائی اور نحیف گھوڑے پر سوار ہو گئے جلو میں صحابہ نے گھیرا ڈال لیا جو مسلح تھے گھوڑوں پر سوار تھے اور تعداد میں چھتیس تھے۔ یہ سوار اور پیادے آپ کے گرداگرد تھے اس شان سے صحابہ کے ہجوم میں آپ روانہ ہو گئے۔

ابن سعد کی روایت کے بموجب ہم رکاب صحابی تین ہزار تھے۔

مسئلہ: اس قصہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ماہ حرام میں ابتداء جہاد جائز ہے (کیونکہ خیبر کا واقعہ ذی القعدہ کے آخر کا ہے) لیکن حجۃ الوداع کے خطبہ میں حضور نے ماہ حرام میں قتال کی ممانعت فرما دی تھی مگر یہ ممانعت اباحت کے بعد ہوئی تھی (فتح مکہ واقعہ فتح خیبر سے بعد کا ہے) یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح حرم مکہ میں ایک ساعت کے لئے حضور کے لئے خصوصیت کے ساتھ قتال حلال کر دیا گیا تھا اسی طرح آپ کے لئے خصوصیت کے ساتھ خیبر کی فتح کے موقع پر بھی ماہ حرام میں جہاد کو مباح کر دیا گیا۔ یہ بھی توجیہ ہو سکتی ہے کہ یہ ابتداء جنگ نہ تھی بلکہ لڑائی کی ابتداء بنی قریظہ کی طرف سے ہو چکی تھی انہوں نے لڑائی میں قریش کی مدد اس سے پہلے کی تھی۔ واللہ اعلم۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری:

طبرانی نے حضرت ابو رافع و ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بنی قریظہ پر (یعنی ان کی بستی کے قریب) پہنچے تو ایک برہنہ پشت گدھے پر جس کا نام یعفور تھا سوار ہو گئے۔ لوگ آپ کے گرداگرد تھے۔

جبریل کی سواری اور بنی نجار کو حکم:

حاکم بیہقی اور ابو نعیم نے حضرت عائشہ کی روایت سے نیز محمد بن عمر اور ابن اسحاق نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صورین کی طرف سے گزرے وہاں بنی نجار کے کچھ لوگ جمع تھے جن میں حارثہ بن نعمان بھی تھے سب مسلح اور صف بند تھے۔

حضور نے دریافت کیا کیا تمہاری طرف سے کوئی گزرا تھا۔ انصار نے کہا جی ہاں دحیہ کلبی خچر پر سوار ادھر سے گزرے تھے۔ خچر پر دیبا ریشم کی جھول بھی پڑی تھی

ہم کو حکم دیئے گئے تھے کہ ہم بھی ہتھیار اٹھالیں (مسلح ہو جائیں) چنانچہ ہم مسلح اور صف بند ہوگئے وہ یہ بھی کہہ گئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ابھی برآمد ہونے والے ہیں۔ حارثہ بن نعمان نے بیان کیا ہم نے دو صفیں بنالی تھیں۔ حضور نے فرمایا وہ جبرئیل تھے جن کو بنی قریظہ کی طرف ان کے قلعوں میں زلزلہ برپا کرنے اور ان کے دلوں میں رعب ڈالنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ حضرت علی کچھ مہاجرین و انصار کی جماعت کو لے کر پہلے آگئے تھے انہیں میں حضرت ابوقتادہ بھی تھے۔

بنی قریظہ کی گالیاں:

محمد بن عمر کی روایت ہے کہ حضرت ابوقتادہ نے فرمایا جب ہم بنی قریظہ پر پہنچے تو ہم نے محسوس کیا کہ ان لوگوں کو لڑائی کا یقین ہو چکا ہے۔ حضرت علی نے جا کر قلعہ کی جڑ میں جھنڈا گاڑ دیا ان لوگوں نے اپنی گڑھیوں کے اندر سے ہی گالیوں سے ہمارا استقبال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی بیویوں کو گالیاں دینے لگے مگر ہم خاموش رہے اور ہم نے کہہ دیا ہمارا تمہارا فیصلہ تلوار سے ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پہنچ گئے اور ان کے قلعہ کے قریب بنی قریظہ کے پتھریلے میدان کے نشیبی جانب چاہ آنا پر نزول فرمایا۔ حضرت علی نے حضور کو دیکھا تو مجھے حکم دیا کہ میں جھنڈا پکڑلوں۔ میں نے جھنڈا پکڑ لیا حضرت علی کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں ان لوگوں کی گالیاں اور گندے الفاظ پہنچیں اس لئے عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ ان خبیثوں کے قریب نہ پہنچیں تو کچھ حرج نہیں ہے حضور نے فرمایا کیا تم مجھے واپس جانے کا مشورہ دے رہے ہو میرا خیال ہے کہ تم نے ان کی طرف سے کچھ گندے الفاظ سن لئے ہیں۔ حضرت علی نے کہا جی ہاں۔ فرمایا اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو کچھ بھی اس طرح کی بات نہ کہتے۔

یہود کی کہہ مکرنیاں:

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے آگے آگے اسید بن حضیر تھے اسید نے کہا اے اللہ کے دشمنو جب تک تم بھوکے نہ مر جاؤ گے ہم تمہارے قلعوں سے نہیں ہٹیں گے (یعنی رسد نہ ملنے کی وجہ سے تم بھوکے مر جاؤ گے ہم محاصرہ نہیں اٹھائیں گے) تم (اس وقت) ایسے (گڑھیوں میں محصور اور بند) ہو جیسے بھٹ کے اندر لومڑی بنی قریظہ نے کہا اے بن حضیر خزرج کے مقابلہ میں ہم نے تم سے معاہدہ کیا تھا (ہم تمہارے حلیف تھے) حضرت اسید نے کہا اب میرے تمہارے درمیان نہ کوئی معاہدہ باقی ہے اور نہ رشتہ۔

(اس کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یہودیوں کی گڑھی کے) قریب پہنچ گئے اور اتنی اونچی آواز سے یہودیوں کے کچھ سرداروں کو پکارا کہ انہوں نے آواز سن لی اور فرمایا اے بندروں اور سوروں کے بھائیو اور اے بتوں (یا شیطان) کی پرستش کرنے والو جواب دو کیا اللہ نے تم کو رسوا کر دیا اور تم پر اپنا عذاب نازل فرمادیا۔ کیا تم مجھے گالیاں دیتے ہو (اندرون حصن سے) ان لوگوں نے قسمیں کھا کر کہا ابوالقاسم ہم نے ایسا نہیں کیا آپ تو جاہل نہیں ہیں دوسری روایت میں جاہل کی جگہ فحش گو کا لفظ آیا ہے۔

چھواروں کا کھانا:

شام کو مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوگئے۔ حضرت سعد بن عبادہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چھواروں کی کچھ بوریاں بھیج دیں یہی اس روز سب کا کھانا ہوا حضور اقدس نے فرمایا چھوارے اچھا طعام ہیں۔

محاصرہ کا آغاز: صبح کو رسول اللہ سحر سے اُٹھ گئے اور تیراندازوں کو آگے بھیج دیا۔ تیراندازوں نے جا کر یہودیوں کے قلعوں کا محاصرہ کرلیا اور تیر چلانا اور پتھر پھینکنا شروع کردیا۔ قلعوں کے اندر سے یہودی بھی تیر اور پتھر پھینکتے رہے۔ دن اسی طرح گزر گیا جب شام ہوگئی تو رات بھر مسلمان قلعوں کا محاصرہ کئے رہے اور باری باری سے ڈیوٹی دیتے رہے۔

یہودیوں کو اپنی ہلاکت کا یقین:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مسلمانوں کی طرف سے تیر افگنی برابر جاری رہی یہاں تک کہ یہودیوں کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا اور انہوں نے تیر افگنی چھوڑ دی اور مسلمانوں سے کہا (لڑائی بند کرو) ہم تم سے کچھ گفتگو کرنی چاہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہتر ہے یہودیوں نے گڑھی کے اوپر سے نباش بن قیس کو اتار کر بھیجا۔ نباش نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کی اور یہ شرط پیش کی کہ جن شرائط پر بنی نضیر نے صلح کی تھی ہم بھی انہی شرائط پر صلح کرنا چاہتے ہیں۔ شرائط یہ ہیں کہ اپنا مال (نقد جنس وغیرہ) اور اسلحہ لے جائیں گے اور عورتوں اور بچوں سمیت تمہاری بستیاں چھوڑ جائیں گے اور سواء اسلحہ کے باقی مال جتنا اونٹوں پر لادا جائے گا لاد کر لے جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کردیا یہودیوں نے کہا تو خیر ہم کو مال کی ضرورت نہیں ہم مال نہیں لے جائیں گے البتہ عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ بحفاظت لے جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرط ماننے سے بھی انکار کردیا اور فرمایا بلاشرط تم کو گڑھیوں سے اتر کر آنا ہوگا۔ ہم جو فیصلہ کردیں گے اس کو ماننا پڑے گا۔ نباش یہ جواب لے کر بنی قریظہ کے پاس لوٹ گیا۔ اور قوم سے جا کر جو گفتگو ہوئی ہو نقل کردی۔

کعب بن اسد کی حق پرستانہ تجویز:

کعب بن اسد نے کہا اے گروہ بنی قریظہ جو مصیبت تم پر نازل ہوئی ہے وہ تمہاری نظروں کے سامنے ہے۔ اب میں تین باتیں تمہارے سامنے رکھتا ہوں

تم ان میں سے جو چاہو اختیار کرلو بنی قریظہ نے کہا وہ باتیں کون سی ہیں۔ کعب نے کہا یہ ہے کہ تم اس شخص کی بیعت کرلو اور اس کو سچا مان لو کیوں کہ بخدا یہ وہی نبی مرسل ہے جس کا ذکر تمہاری کتاب میں موجود ہے یہ بات تمہارے سامنے واضح طور پر آ چکی ہے اس صورت میں تمہاری جانیں اور مال اور عورتیں محفوظ رہیں گی۔ بخدا تم خوب جانتے ہو کہ محمد نبی ہیں ہم کو ان کا ساتھی ہونے سے سواء اس حسد کے اور کوئی امر مانع نہیں تھا کہ یہ عرب میں سے ہیں۔ بنی اسرائیل میں سے نہیں ہیں مگر اللہ نے یہ مقام (نبوت) ان کو عطا فرما دیا مجھے عہد شکنی اور وعدہ کی خلاف ورزی پہلے ہی پسند نہ تھی لیکن یہ مصیبت اور نحوست اس شخص (یعنی حی بن اخطب) کی وجہ سے آئی جو بیٹھا ہوا ہے۔ جب قریش اور بنی غطفان واپس چلے گئے تو حُیَیّ کعب بن اسد سے کئے ہوئے وعدہ کے مطابق بنی قریظہ کے پاس قلعہ میں آ گیا تھا۔ (اسی کی طرف کعب نے اشارہ کیا) کیا ابن جواس کی بات تم کو یاد ہے جو اس نے تم سے کہی تھی یہودیوں نے پوچھا کیا کہا تھا۔ کعب نے جواب دیا ابن جواس نے کہا تھا کہ اس بستی میں ایک نبی کا خروج ہوگا اگر میری زندگی میں اس کا خروج ہو گیا تو میں اس کا پیروی اور مدد کروں گا اور اگر میرے بعد وہ پیدا ہوا تو تم اس کا اتباع کرنا۔ خبردار کسی کے بہکاوے میں نہ آ جانا اس کے مددگار اور دوست رہنا اگر تم ایسا کرو گے تو دونوں کتابوں پر تمہارا ایمان ہو جائے گا اول کتاب پر بھی اور آخری کتاب پر بھی۔ ان کو میرا اسلام کہہ دینا اور بتا دینا کہ میں ان کو سچا جانتا ہوں اور ان پر ایمان رکھتا ہوں۔

کعب نے کہا (اے معشر یہود) آؤ ہم اس سے بیعت کر لیں اور اس کے سچے ہونے کا اعتراف کر لیں۔

قوم یہود کا انکار: بنی قریظہ نے کہا ہم توریت کا حکم تو کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ اور شریعت توریت کی بجائے دوسری شریعت کو نہیں اختیار کریں گے۔

کعب کی دوسری تجویز:

کعب نے کہا جب تم یہ بات نہیں مانتے تو آؤ ہم پہلے اپنے بیوی بچوں کو قتل کر دیں پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کے مقابلہ میں تلواریں سونت کر نکل آئیں یہاں تک کہ اللہ ہمارا اور محمد کا فیصلہ کر دیں اگر ایسی حالت میں مر جائیں گے تو اپنے پیچھے کسی کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے کہ ہمیں اس کے متعلق اندیشہ ہو اور اگر غالب آ جائیں گے تو یقیناً ہم کو اور بیویاں اور بچے مل جائیں گے یہودیوں نے کہا ہم ان بے چاروں کو کیسے قتل کر سکتے ہیں ان کے بعد جینے میں کیا لذت رہ جائے گی۔ کعب نے کہا جب یہ بات بھی تم تسلیم نہیں کرتے تو یہ سمجھ لو کہ آج شنبہ کی رات ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی بے فکر ہوں گے اگر یہودی آج حملہ نہیں کر سکتے) تم نیچے اترو ممکن ہے غفلت کی حالت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کرنے میں ہم کو کامیابی مل جائے۔ یہودیوں نے جواب دیا ہم یوم السبت (کے حکم) کو بگاڑ نہیں سکتے تم جانتے ہو کہ ہم سے پہلے (ہمارے اسلاف میں سے) جن لوگوں نے یوم السبت میں بدعت (خلاف شرح حرکت) کی تھی ان پر کیسا مسخ شکل کا عذاب آیا تھا اس لئے ہم ایسی حرکت نہیں کر سکتے کہ ہم پر بھی وہ عذاب آ جائے۔ کعب نے کہا تم میں سے کوئی بھی جب سے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اب تک ایک دن کے لئے بھی کبھی سمجھدار (دانشمند) نہیں ہوا۔ (تفسیر مظہری)

ثعلبہ اور اسید کی تقریر اور اسلام:

ثعلبہ بن سعید اور اسید بن سعید اور اسد بن عبید نے کہا (یہ خاندان نہ تو بنی قریظہ میں سے تھے نہ بنی نضیر میں سے بلکہ ہذیل میں سے تھے اور پر کسی جگہ بنی قریظہ سے ان کا رشتہ ملتا ہے) اے گروہ بنی قریظہ بخدا تم خوب جانتے ہو کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور ان کا حلیہ اور اوصاف ہمارے پاس (ہماری کتابوں میں) موجود ہیں جو ہمارے علماء اور بنی نضیر کے علماء بیان کرتے رہے ہیں۔ ابن ہیبان ہمارے نزدیک بڑا سچا آدمی تھا یہ حی بن اخطب جو بنی نضیر کا اول شخص ہے اس کے حالات سے واقف ہے اس نے مرتے وقت اللہ کے رسولؐ کے صفات (حلیہ اخلاق وغیرہ) بیان کئے تھے۔ بنی قریظہ نے کہا ہم (شریعت) توریت کو نہیں چھوڑیں گے جب ثعلبہ اور اسید وغیرہ نے دیکھا کہ بنی قریظہ نے ان کی بات نہیں مانی تو اسی تاریخ کو صبح ہوتے ہی گڑھی سے اتر گئے اور جا کر مسلمان ہو گئے اور اپنی جانوں مالوں اور اہل وعیال کو محفوظ کر لیا۔

عمرو بن مسعود نے عہد پورا کیا:

عمرو بن مسعود نے کہا اے گروہ یہود تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جن باتوں پر قسم معاہدہ کیا تھا اس سے تم واقف ہو تم نے اس معاہدہ کو توڑ دیا میں تمہارا شریک نہ تھا نہ معاہدہ میں داخل تھا نہ معاہدہ شکنی میں۔ اب اگر (مسلمان ہونے سے) تم انکار کرتے ہو تو جزیہ قبول کرو اور یہودیت پر قائم رہو۔ بنی قریظہ نے کہا ہم عرب کو جزیہ دینے کا بار اپنی گردنوں پر نہیں لیں گے اس سے تو قتل ہو جانا بہتر ہے۔ عمرو نے کہا تو میں تم سے الگ ہوں یہ کہہ کر اسی رات سعیہ کے دونوں بیٹوں کے ساتھ نکل کر چلا گیا۔ اسلامی لشکر کے محافظوں کے کمانڈر محمد بن مسلمہ تھے عمرو بن مسعود جب یہودیوں کے پاس سے نکل کر اسلامی لشکر کے محافظوں تک پہنچا تو محمد بن مسلمہ نے کہا کون ہے عمرو بن مسعود نے کہا عمرو بن مسعود۔ محمد بن مسلمہ نے کہا اے اللہ مجھے عزت والوں کی صحبت سے محروم نہ کرنا پھر (عمرو کو داخلہ کی اجازت دے دی) راستہ چھوڑ دیا عمرو آ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد تک پہنچ گیا اور وہیں رات گزاری صبح ہوئی تو یہ کسی کو معلوم نہ ہوا کہ وہ اس وقت تک کہاں رہا۔

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا۔ حضور نے فرمایا اس آدمی کو اللہ نے وفاءِ عہد کی وجہ سے بچا لیا (محفوظ رکھا)

حضرت ابولبابہؓ کا واقعہ:

اہل مغازی کا بیان ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیام بھیجا کہ ہم ابولبابہ سے اپنے معاملہ میں مشورہ کرنا چاہتے ہیں آپ ان کو ہمارے پاس بھیج دیجئے۔ حضرت ابولبابہ خاندان عمرو بن عوف کے ایک فرد تھے اور یہودی قبیلہ اوس کے حلیف تھے۔ حضور نے ابولبابہ کو ان کے پاس بھیج دیا ابولبابہ پہنچے تو یہودی مردان کے استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے اور عورتوں اور بچوں نے ان کے سامنے رونا شروع کر دیا ابولبابہ کو ان پر رحم آ گیا۔ یہودیوں نے کہا ابولبابہ آپ کی کیا رائے ہے کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے سے ہم گڑھیوں سے اتر آئیں۔ ابولبابہ نے (زبان سے تو) کہا ہاں (لیکن) ہاتھ سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کر دیا مراد یہ تھی کہ قتل کر دیئے جاؤ گے حضرت ابو لبابہ کا بیان ہے کہ میں اس جگہ سے ہٹنے بھی نہ پایا تھا کہ مجھے خیال آ گیا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت (بدعہدی) کی۔ حضرت ابولبابہ وہاں سے چل کر سیدھے مسجد میں آئے اور ایک ستون سے اپنے کو بندھوا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے اور کہنے لگے میں اس جگہ سے نہیں ہٹوں گا یہاں تک کہ مر جاؤں یا جو حرکت مجھ سے ہوئی ہے اللہ اس کو معاف فرما دے۔ میں نے اللہ سے عہد کر لیا ہے کہ بنی قریظہ کی سرزمین پر قدم نہیں رکھوں گا اور جس آبادی میں میں نے اللہ اور اس کے رسول سے بدعہدی کی ہے اس میں کبھی مجھے کوئی نہیں دیکھے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے جانے کی اور اس عمل کی جو مجھ سے سرزد ہو گیا تھا اطلاع پہنچی تو فرمایا اس کو اس وقت تک یونہی رہنے دو جب تک اللہ اس کے بارے میں کوئی جدید حکم نازل نہ فرما دے وہ اگر میرے پاس آ جاتا تو میں اللہ سے اس کے لئے معافی کی دعا کرتا لیکن جب وہ میرے پاس نہیں آیا اور خود چلا گیا تو اس کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دو۔ اسی واقعہ کے سلسلہ میں آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ نازل ہوئی۔ اس کے بعد ابولبابہ کے توبہ قبول ہونے کی وحی رسول اللہ پر نازل ہوئی اس وقت حضور حضرت ام سلمہؓ کے مکان میں تھے حضرت ام سلمہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول کو ہنستے سنا تو عرض کیا یا رسول اللہ اللہ آپ کو ہنستا رکھے آپ کس وجہ سے ہنس رہے ہیں فرمایا ابولبابہ کی توبہ قبول ہو گئی میں نے عرض کیا کیا میں اس کو اس کی بشارت دے دوں فرمایا اگر تم چاہتی ہو (تو ایسا کر لو) میں اُٹھ کر حجرہ کے دروازہ پر پہنچی (یہ واقعہ حکم پردہ نازل ہونے سے پہلے کا ہے) اور کہا ابولبابہ تم کو بشارت ہو اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی یہ سنتے ہی لوگ ابولبابہ کو کھولنے کے لئے دوڑ پڑے لیکن ابولبابہ نے کہا نہیں۔ خدا کی قسم (مجھے کوئی نہ کھولے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی مجھے اپنے ہاتھ سے کھولیں تو خیر فجر کی نماز کے لئے حضور برآمد ہوئے اور ابولبابہ کی طرف سے گزرے اور ان کو آزاد کیا۔

حضرت فاطمہؓ کی فضیلت:

حماد بن سلمہ نے علی بن زید بن جدعان کی وساطت سے بروایت حضرت علی زین العابدین بن امام حسین بیان کیا کہ حضرت سیدہ فاطمہ زہراءؓ کھولنے کے لئے تشریف لے گئی تھیں تو حضرت ابولبابہ نے کہا میں نے اللہ کی قسم کھائی ہے کہ سوا اللہ کے رسول کے اور کوئی مجھے نہ کھولے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ میرا ہی ٹکڑا ہے۔ امام زین العابدین کی یہ روایت مرسل ہے (درمیان کا راوی بیان نہیں کیا گیا اور خود امام زین العابدین صحابی نہیں تھے)

حضرت ابولبابہؓ کا خواب:

ابولبابہ کا بیان ہے جب ہم بنی قریظہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے تو میں نے ایک خواب دیکھا میں نے دیکھا تھا کہ میں بدبودار سیاہ کیچڑ میں اندھ گیا ہوں اور اس کی بدبو سے مرا جاتا ہوں مگر نکل نہیں پاتا۔ پھر میں نے ایک بہتی نہر دیکھی اور اس میں غسل کرنے لگا یہاں تک کہ پاک صاف ہو گیا اور مجھے پاکیزہ خوشبو محسوس ہونے لگی میں نے اس کی تعبیر حضرت ابوبکر صدیق سے دریافت کی۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا تم کسی غم آگیں بات میں پھنس جاؤ گے پھر اللہ کشائش عطا فرما دے گا۔ میں جس وقت ستون سے بندھا ہوا تھا اس وقت مجھے حضرت ابوبکر کی بات یاد تھی اس لئے مجھے امید تھی کہ اللہ میری توبہ کی قبولیت نازل فرمائیگا۔

چنانچہ میں مسلسل اسی حالت میں رہا اور تکلیف کی وجہ سے نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ کانوں سے آواز بھی نہیں سنائی دیتی تھی اور رسول اللہ میری حالت دیکھ رہے تھے۔ ابن ہشام کا بیان ہے کہ ابولبابہ چھ رات بندھے رہے ہر نماز کے وقت بیوی آ کر کھول دیتی تھی۔ آپ وضو کر کے نماز پڑھ لیتے تھے۔ بیوی پھر باندھ دیتی تھی۔

ابن عقبہ کا بیان ہے لوگوں کا قول ہے کہ تقریباً بیس رات بندھے رہے بدایہ میں اس کو زیادہ صحیح قول قرار دیا ہے ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ پچیس دن بندھے رہے۔ نماز کے وقت یا قضاء حاجت کے لئے بیٹی آ کر کھول دیتی تھی۔ فراغت کے بعد بیٹی دوبارہ باندھ دیتی تھی۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ کبھی بیوی کھول دیتی ہو گی کبھی بیٹی۔

ابولبابہ کی توبہ کے قبول ہونے کے سلسلہ میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی تھی

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

یہودیوں کی شکست:

بغوی نے لکھا ہے مسلمانوں نے بنی قریظہ کا محاصرہ پچیس روز جاری رکھا یہاں تک کہ محاصرہ کی تکلیف سے وہ تنگ آ گئے اور اللہ نے ان کے دلوں

میں رعب ڈال دیا تو اللہ کے رسول کے حکم کے مطابق وہ اتر آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مشکیں کسنے کا حکم دے دیا اور محمد بن مسلمہ کو اس خدمت پر مامور فرمایا پھر ان کو ایک طرف کو لے گئے اور عورتوں بچوں کو قلعوں سے باہر لایا گیا اور یہ خدمت عبداللہ بن سلام کے سپرد کی گئی پھر ان کا سامان جمع کیا جس میں پندرہ سو تلواریں تین زرہیں دو ہزار بھالے پندرہ سو چمڑے کی چھوٹی بڑی ڈھالیں بہت سا اثاث البیت بکثرت ظروف اور شراب اور مشکی شربت ملا۔ شراب ساری بہا دی گئی اس میں سے پانچواں حصہ نہیں نکالا گیا۔ آب کش اونٹوں کی کافی تعداد اور مویشی بکثرت دست یاب ہوئے۔ یہ سب مال جمع کیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گوشہ میں جا کر بیٹھ گئے۔

قبیلہ اوس کی سفارش:

پھر قبیلۂ اوس والے قریب آئے اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ ہمارے حلیف ہیں خزرج کے حلیف نہیں ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ابن ابی (سردار خزرج) کے حلیفوں یعنی بنی قینقاع کے معاملہ میں آپ نے کیا سلوک کیا۔ خزرج کی وجہ سے تین سو غیر مسلح اور چار سو زرہ پوش لوگوں کو آپ نے معاف کر دیا۔ اب ہمارے حلیف بھی اپنی گذشتہ عہد شکنی پر پشیمان ہیں ان کو ہماری وجہ سے معاف فرما دیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے کوئی بات نہیں کی۔ (تفسیر مظہری)

حضرت سعد کا بطورِ جج تقرر:

اوس والوں نے جب زیادہ اصرار کیا تو فرمایا کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرو گے کہ یہ فیصلہ تمہارے ہی ایک آدمی کے سپرد کر دیا جائے۔ اوس والوں نے کہا کیوں نہیں۔ حضور نے فرمایا تو فیصلہ سعد بن معاذ کے سپرد ہے۔ ابن عقبہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے صحابہ میں سے جس شخص کا چاہو (اس فیصلہ کے لئے) انتخاب کر لو۔ سفارش کرنے والوں نے حضرت سعد بن معاذ کو منتخب کر لیا۔

ایک مسلمان عورت تھی جس کو رفیدہ کہا جاتا تھا وہ زخمیوں کا علاج کرتی تھی اور جس زخمی کا کوئی دیکھ بھال کرنے والا تیماردار نہیں ہوتا تھا بامید ثواب اس کی خدمت خود کرتی تھی۔ اس کا خیمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مسجد کے اندر لگا دیا گیا تھا اور حضرت سعد جب جنگ خندق میں زخمی ہو گئے تھے تو حضور نے حکم دے دیا تھا کہ سعد کو رفیدہ کے خیمہ میں رکھو تا کہ قریب سے میں ان کے عیادت اور خبرگیری کر سکوں چنانچہ اس محاصرہ کے زمانہ میں حضرت سعد مسجد کے اندر رفیدہ کے ڈیرے میں مقیم تھے جب حضور نے حضرت سعد کو بنی قریظہ کے معاملہ کا جج بنا دیا تو یہیں رفیدہ کے خیمہ میں قبیلۂ اوس والے حضرت سعد کے پاس آئے اور آپ کو ایک عربی گدھے پر سوار کیا گدھے پر ریشوں سے بنا ہوا چارجامہ رکھا گیا تھا اور چارجامہ کے اوپر ایک کمبل ڈال دیا گیا تھا گدھے کی لگام بھی کھجور کے ریشوں کی تھی حضرت سعد جسم دار آدمی تھے قبیلہ اوس والے آپ کو اپنے گھیرے میں لے کر چلے اور راستہ میں حضرت سعد سے کہنے لگے ابو عمرو اللہ کے رسول نے آپ کے بھائیوں (یعنی حلیفوں) کا معاملہ آپ کے سپرد کر دیا ہے تا کہ آپ ان کے معاملہ میں اچھا سلوک کریں اس لئے آپ بھی ان کے ساتھ بھلائی کریں (یعنی سخت فیصلہ نہ کریں) آپ دیکھ چکے ہیں کہ ابن ابی نے اپنے حلیفوں کے ساتھ کیسا اچھا سلوک کیا تھا۔ یہ لوگ حضرت سعد سے بہت زیادہ سفارش کرتے رہے مگر آپ خاموش تھے کوئی بات زبان سے نہیں نکال رہے تھے آخر جب ان لوگوں نے زیادہ زور دیا تو آپ نے فرمایا اب سعد کے لئے وقت آ گیا ہے کہ اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت گر کے برا کہنے کی اس کو پرواہ نہ ہو یہ سن کر ضحاک بن خلیفہ بن ثعلبہ انصاری اور دوسرے لوگ بول اُٹھے۔ افسوس قوم والوں کی تباہی آ گئی سعد کے منہ سے نکلی ہوئی بات ابھی اوس والوں کو پہنچی بھی نہ تھی کہ ضحاک نے ان کو جا کر بنی قریظہ کی موت کی (یعنی فیصلہ موت کی) اطلاع دے دی صحیحین میں آیا ہے کہ جب حضرت سعد مسجد کے قریب پہنچے یعنی اس مسجد کے قریب پہنچے جو محاصرہ کے زمانہ میں بنی قریظہ کے احاطہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لئے تیار کرائی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے سردار کے (استقبال) لئے اٹھو۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ اپنے بہترین (سب سے اچھے) آدمی کے لینے کے لئے اٹھو مہاجرین قریش کے نزدیک یہ خطاب صرف انصار کو تھا اور انصار کہتے تھے رسول اللہ کا یہ خطاب تمام مسلمانوں کو تھا۔ امام احمد کی روایت میں آیا ہے کہ حضور نے فرمایا اپنے سردار کو لینے کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور اس کو اتارو بنی عبدالاشہل کا بیان ہے کہ (اس حکم کی تعمیل میں) ہم نے اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر دو قطاریں بنا لیں۔ (تفسیر مظہری)

حضرت سعد کا فیصلہ:

بوساطت حضرت جابر کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سعد ان کے بارے میں فیصلہ کرو۔ حضرت سعد نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول فیصلہ کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ہی نے تم کو حکم دیا ہے کہ اپنے حلیفوں کے معاملہ کا فیصلہ کرو اور اچھی طرح کرو۔ حضرت سعد نے (انصاریان اوس سے) کہا کیا بنی قریظہ کے معاملہ میں میرے فیصلہ پر تم راضی ہو سب نے کہا۔ ہاں ہم تو اس وقت بھی راضی تھے جب آپ یہاں موجود نہ تھے ہم نے آپ کا انتخاب کیا تھا اور یہ امید تھی کہ آپ ہم پر احسان کریں گے جیسے دوسروں نے (یعنی ابن ابی نے) اپنے حلیفوں کے ساتھ یعنی بنی قینقاع کے ساتھ کیا تھا۔ سعد نے کہا کیا تم اللہ کے عہد و میثاق کے ساتھ کہتے ہو کہ جو کچھ میں فیصلہ کروں گا تم اس کو واجب النفاذ قرار دو گے سب نے کہا

ہاں۔ سعد نے اس گوشہ کی جانب جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اشارہ کرتے ہوئے کہا (یہ فیصلہ) کیا ان پر بھی ہوگا جو یہاں ہیں عظمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام کرتے ہوئے حضرت سعد کا رخ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مڑا ہوا تھا۔ حضور نے فرمایا۔ ہاں۔ سعد نے کہا تو میں فیصلہ کرتا ہوں کہ ان کے بالغ مرد قتل کردیئے جائیں اور عورتوں بچوں کو باندی غلام بنالیا جائے اور ان کے مال کو بانٹ لیا جائے اور ان کے گھر مہاجرین وانصار کو دے دیئے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے یہ فیصلہ اس حکم خداوندی کے مطابق کیا جو سات ٹکڑوں (یعنی سات آسمانوں) کے اوپر سے اللہ نے نازل فرمایا ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سحر کو ہی یہ حکم لے کر فرشتہ میرے پاس آچکا تھا۔

حضرت سعدؓ کی دُعاء:

جس رات کی صبح کو رسول اللہ کے حکم کے مطابق بنی قریظہ اپنے قلعوں سے اترے تھے اسی رات کو حضرت سعد نے یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ! اگر قریش سے جنگ کرنے کے لئے مجھے زندہ رکھنا چاہتا ہے تو باقی رکھ کیوں کہ جن لوگوں نے تیرے رسول کی تکذیب کی ان کو ستایا اور جلاوطن کیا ان سے زیادہ کسی قوم سے لڑنے کی مجھے خواہش نہیں اور اگر قریش کی لڑائی ختم ہو چکی ہے تو اسی (زخم) کو میرے لئے باعث شہادت بنادے لیکن جب تک بنی قریظہ کی طرف سے (یعنی ان کی شکست وتباہی کو دیکھ کر) میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوجائیں میرے لئے موت مقرر نہ فرما۔

اللہ نے بنی قریظہ کی طرف سے سعد کی آنکھیں ٹھنڈی کردیں۔

یہودی مَردوں کا قتل:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے بروز پنجشنبہ نو یا پانچ ذی الحجہ کو واپس ہوئے اور حسب الحکم رملہ بنت حارث بخاریہ کے گھر میں یہودیوں کو بند کردیا گیا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ مدینہ کے بازار کی طرف تشریف لے گئے۔ وہ بازار وہی تھا جو آج بھی ہے۔ وہاں ایک گڑھا کھودنے کا حکم دیا چنانچہ ابوالجہم عدوی کے مکان کے پاس سے احجار الزیت تک بازار میں گڑھا صحابہ کھودنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما رہے پھر آپ نے بنی قریظہ کے مردوں کو بلوایا اور اس گڑھے میں ان کی گردنیں ماری جانے لگیں۔ کعب بن اسد سے جو یہودیوں کی دستہ دستہ (قطار در قطار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جارہے تھے۔ یہودیوں نے کہا کعب تمہارا کیا خیال ہے محمد ہمارے ساتھ کیا سلوک کرنے والے ہیں۔ کعب نے جواب دیا کم بختو تمہارے ساتھ وہ معاملہ کریں گے جو تم کو پسند نہ ہوگا بہرحال تم کو دیت لے کر چھوڑا نہیں جائے گا تم میں سے جو جائے گا وہ لوٹ کر نہیں آئے گا۔ خدا کی قسم (اب تو تمہارے لئے) تلوار ہی ہے میں نے تم کو پہلے جس بات کی دعوت دی تھی (یعنی عہد شکنی نہ کرنے کی) تم نے اس کو نہ مانا۔ کہنے لگے یہ وقت عتاب (برا بھلا کہنے) کا نہیں ہے اگر ہم تمہاری رائے کو برا سمجھ کر نظر انداز نہ کردیتے تو جو معاہدہ ہمارے اور محمد کے درمیان تھا اس کو توڑنے میں شریک نہ ہوتے۔ حیی بن اخطب نے کہا اب ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا چھوڑو اس وقت اس سے کچھ فائدہ نہیں مرنے پر تیار ہوجاؤ۔

حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت زبیر بن عوام نے بنی قریظہ کو قتل کیا تھا (یعنی قتل کرنے کی خدمت ان ہی دونوں بزرگوں نے انجام دی تھی)

یہودیوں کا سردار حیی:

پھر حیی بن اخطب کو لایا گیا اس وقت گردن سے اس کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے اور نقاحی جوڑا اس نے قتل ہونے کے لئے پہن رکھا لیکن پھر اس کو پھاڑ دیا اور انگل انگل برابر ٹکڑے کردیئے تاکہ اس کو اتار کر کوئی پہن نہ سکے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا تو حضور نے فرمایا دشمن خدا کیا اللہ نے تجھے میرے قابو میں نہیں کردیا کہنے لگا کیوں نہیں لیکن آپ سے دشمنی رکھنے پر میں اپنے آپ کو قابل ملامت نہیں قرار دیتا کیوں کہ اپنے خیال میں میں آپ پر غالب آجانے کا خواستگار تھا لیکن اللہ کو یہ منظور نہ تھا اس کو یہی منظور تھا کہ مجھ پر آپ کو قابو عطا کردے میں نے ہر چند دوڑ لگائی لیکن جس کی مدد اللہ نہ کرے اس کی مدد کوئی نہیں کرتا پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا لوگو اللہ کے حکم میں کوئی خرابی نہیں بنی اسرائیل پر یہ خدا کی طرف سے لکھا ہوا اور مقدر کیا ہوا امر ہے۔ یہ کہنے کے بعد بیٹھ گیا پھر اس کی گردن ماردی گئی۔

قیدیوں کو پانی پلانے کا حکم:

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اپنے قیدیوں سے بھلائی کرو اور دوپہر کا وقفہ دو اور پانی پلاؤ تاکہ ان کو کچھ ٹھنڈک مل جائے۔ پھر جو باقی رہ گئے ہیں ان کو قتل کردینا۔ دوہری گرمی کی مار ان پر نہ ڈالو۔ ایک تلوار کی گرمی دوسری سورج کی گرمی۔

گرمی کا موسم تھا اور وہ دن گرم بھی تھا لوگوں نے یہودیوں کو دوپہر کا کچھ وقفہ دیا اور پانی پلایا جب ٹھنڈک ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور جو لوگ باقی رہ گئے تھے ان کو قتل کردیا گیا۔

کعب بن اسد سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو:

کعب بن اسد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا حضور نے اس سے فرمایا ابن جواس نے تم کو نصیحت کی تھی اور میرے متعلق

اس نے سچ کہا تھا مگر تم نے اس کی نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھایا کیا اس نے تم کو میرا اتباع کرنے کا مشورہ نہیں دیا تھا اور یہ نہیں کہا تھا کہ اگر تمہاری ملاقات مجھ سے ہو جائے تو مجھے اس کی طرف سے سلام پہنچا دینا۔کعب نے کہا بے شک ابوالقاسم توریت کی قسم (اس نے یہی کہا تھا) اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ یہودی مجھے عار دلائیں گے اور کہیں گے تلوار سے ڈر گیا تو میں آپ کا اتباع ضرور کرتا لیکن اب تو دین یہودیت پر قائم ہوں۔حضور نے حکم دیا اس کو بھی (قتل گاہ میں) پیش کرو۔چنانچہ اس کی بھی گردن ماردی گئی۔

قتل کا اصول:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس مرد کو قتل کر دینے کا حکم دیا تھا جس کے زیر ناف بال آ گئے ہوں۔امام احمد اور اصحاب السنن نے بیان کیا ہے کہ عطیہ قرظی نے کہا میں (اس زمانہ میں) لڑکا تھا زیر ناف بال نہیں جمے تھے اس لئے مجھے چھوڑ دیا۔

طبرانی نے حضرت اسلم انصاری کا بیان نقل کیا ہے حضرت اسلم انصاری نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بنی قریظہ کے قیدیوں پر مامور فرمایا تھا میں لڑکے کے شرمگاہ دیکھتا تھا اگر زیر ناف بال اُگے ہوئے نظر آئے تو میں اس کی گردن ماردیتا تھا اگر زیر ناف بال نہ ہوئے تو اس کو میں مسلمانوں کے مال غنیمت میں شامل کر دیتا تھا۔

رفاعہ کی جان بخشی:

رفاعہ بن شمول قرظی بالغ ہو چکا تھا لیکن اس نے اسلیط بن قیس کی بہن ام المنذر سلمی بنت قیس کی پناہ حاصل کر لی۔ام المنذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خالاؤں میں سے تھی یعنی آپ کے دادا عبدالمطلب کی خالہ تھی عبدالمطلب کی ماں قبیلہ بنی نجار میں سے تھی سلمی (قدیم الاسلام تھی اس) نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی تھی۔سلمی نے رسول اللہ کی خدمت میں گذارش کی اے اللہ کے نبی آپ پر میرے ماں باپ قربان مجھے رفاعہ کو بخش دیجئے اس نے خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ آئندہ نماز پڑھے گا اور اونٹ کا گوشت بھی کھائے گا (یعنی مسلمان ہو جائے گا اور اونٹ کے گوشت کو شریعت اسلامیہ کے مطابق حلال سمجھے گا) حضور نے رفاعہ کو بطور ہبہ سلمی کو دے دیا۔رفاعہ کو زندہ چھوڑ دینے کا سبب سلمی ہوئی اس کے بعد رفاعہ مسلمان ہو گیا۔یہ سلسلہ قتل (دن بھر) قائم رہا۔یہاں تک کہ شفق چھپ گئی۔اس کے بعد خندق کے اندر مقتولین پر مٹی ڈال دی گئی یہ سب کچھ حضرت سعد بن معاذ کی نظر کے سامنے ہوا اور اللہ نے ان کی دعا قبول فرمالی۔

ایک یہودی عورت کا قتل:

(اس روز) سوا بنی نضیر کی ایک عورت کے اور کسی عورت کو قتل نہیں کیا گیا یہ عورت بنانہ تھی جو بنی قریظہ کے کسی مرد کے نکاح میں تھی اور زوجین میں بڑا پیار تھا جب یہودیوں کا محاصرہ سخت ہو گیا تو بنانہ شوہر کے سامنے روئی اور کہا تم مجھ سے جدا ہو جاؤ گے شوہر نے کہا توریت کی قسم تو اور کسی کام نہیں آ سکتی صرف اس چکی کے پاٹ کو اوپر سے مسلمانوں پر لڑکا دے کیوں کہ اب تک،ہم ان میں سے کسی کو قتل نہیں کر سکے ہیں تو عورت ہے اگر محمد ہم پر غالب آ گئے تو تجھے قتل نہیں کریں گے کیوں کہ وہ عورتوں کو قتل نہیں کرتے ہیں اور یہ مجھے گوارا نہیں کہ تجھے باندی بنالیا جائے میں چاہتا ہوں کہ (میرے بعد) تجھے قتل کر دیا جائے۔بنانہ اس وقت زبیر بن باطا کے قلعہ میں تھی اس نے قلعہ کے اوپر سے چکی کا پاٹ لڑکا دیا مسلمان سایہ لینے کے لئے قلعہ (کی دیوار) کے نیچے بیٹھ جایا کرتے تھے مسلمانوں نے جب یہ حرکت دیکھی تو منتشر ہو گئے خلاد بن سوید کے اوپر چکی گر پڑی اور ان کا سر پھٹ کے ٹکڑے ہو گیا اسی سے ان کی وفات ہو گئی۔عروہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا واللہ بنانہ میرے پاس موجود تھی اور خوب ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی قریظہ کو تلواروں سے قتل کر رہے تھے دوسری روایت میں آیا کہ بنانہ (ہنس ہنس کر) کہہ رہی تھی کہ بنی قریظہ کے سردار مارے جا رہے ہیں یک دم کسی پکارنے والے نے بنانہ کا نام لے کر آواز دی فلاں عورت کہاں ہے بنانہ نے کہا میں ہوں خدا کی قسم۔میں نے کہا کم بخت تجھے اس سے کیا تعلق۔کہنے لگی (اب) میں ماری جاؤں گی میں نے کہا کیوں کہنے لگی میں نے ایک بات کی ہے چنانچہ وہ چلی گئی اور خلاد بن سوید کے عوض اس کی گردن ماردی گئی۔حضرت عائشہ فرماتی تھیں میں بنانہ کی خوش طبعی اور ہنسی کی زیادتی نہیں بھولوں گی جب کہ وہ جان چکی تھی کہ اس کو قتل کیا جائے گا۔(پھر بھی خوب ہنس رہی تھی) (تفسیر مظہری)

مسئلہ: جمہور کا مسلک ہے کہ کسی بھاری چیز سے کوئی کسی کو قتل کر دے تو قصاص لیا جائے گا بنانہ کا واقعہ اس کی شہادت دے رہا ہے۔امام ابوحنیفہ نے فرمایا بھاری چیز سے قتل کا کوئی قصاص نہیں خواہ کوہ ابوقبیس کسی پر پھینک مارا ہو قتل ہو یا زخم اس کا قصاص صرف اس وقت ہوگا جب آلہ دُھار دار سے ہو۔سورۂ توبہ کی آیت كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ کی تفسیر کے ذیل میں ہم اس مسئلہ کی تنقیح کر چکے ہیں۔

زبیر بن باطا کی عجیب داستان:

محمد بن اسحاق نے بروایت زہری بیان کیا ہے کہ دور جاہلیت میں جنگ بعاث کے دن زبیر بن باطا قرظی جس کی کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی ثابت بن قیس بن شماس کو پکڑ کر لے گیا اور (بجائے قتل کرنے یا غلام بنانے کے) اس کی پیشانی کے بال کاٹ کر چھوڑ دیا جب بنی قریظہ کا یہ دن آیا تو زبیر قرظی بہت بوڑھا تھا ثابت نے اس سے کہا ابوعبدالرحمٰن کیا تم مجھے پہچانتے ہو۔زبیر نے

جواب دیا۔ مجھ جیسا آدمی آپ جیسے آدمی سے کسی طرح انجان رہ سکتا ہے ثابت نے کہا آپ نے جو احسان مجھ پر کیا تھا میں آج اس کا بدلہ دینا چاہتا ہوں زبیر نے کہا شریف لوگ بھلائی کا اچھا بدلہ دیتے ہیں اس کے بعد ثابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ زبیر کا مجھ پر ایک احسان تھا میں چاہتا ہوں کہ اس کا بدلہ اتار دوں۔ حضور زبیر کی جان مجھے عطا فرما دیں فرمایا وہ تم کو بخش دیا گیا۔ ثابت یہ اختیار لے کر زبیر کے پاس آئے اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے تمہاری جان بخش کر دی زبیر نے کہا ایک بڑا بوڑھا جس کے نہ بیوی نہ بچے زندہ رہ کر کیا کرے گا یہ بات سن کر ثابت پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ زبیر کے بال بچوں کو معاف کر دیجئے۔ فرمایا وہ بھی تمہیں دے دیئے گئے۔ ثابت زبیر کے پاس پہنچے اور کہا تمہارے اہل وعیال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہبہ کر دیئے اور اب میں وہ تم کو دیتا ہوں زبیر نے کہا وہ گھر والے جو حجاز میں ہوں اور ان کے پاس کچھ مال نہ ہو کس طرح جی سکتے ہیں۔ ثابت پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور عرض کیا یا رسول اللہ اس کا مال بھی عطا فرما دیجئے فرمایا وہ بھی تم کو دے دیا گیا۔ ثابت نے زبیر سے جا کر کہا کہ اللہ کے رسول نے تمہارا مال مجھے بخش دیا اب وہ تمہارا ہے۔ زبیر نے کہا ثابت اس شخص کا کیا ہوا جو خوبصورت چینی آئینہ تھا جس کے اندر (پورے) قبیلہ کا چہرہ دکھائی دیتا تھا یعنی کعب بن اسد ثابت نے کہا اس کو قتل کر دیا گیا۔ زبیر نے کہا اچھا اس کا کیا ہوا جو شہریوں کا بھی سردار تھا اور صحرانشین لوگوں کا بھی دونوں کا سرگروہ تھا۔ لڑائی کے موقع پر لوگوں کو سواریاں عطا کرتا ہے اور قحط کے زمانہ میں کھانا کھلاتا تھا یعنی حی بن اخطب کہاں گیا۔ ثابت نے کہا وہ بھی مارا گیا۔ زبیر نے کہا عزال بن شمول کا کیا ہوا جو حملہ کرنے کے وقت ہمارا ہراول تھا اور حملہ سے مڑنے کے وقت ہمارے لئے حاشیہ ہوتا تھا (یعنی میمنہ اور میسرہ ہو جاتا تھا تاکہ ہماری حفاظت ہو سکے) ثابت نے کہا وہ بھی قتل ہو گیا۔ زبیر نے کہا دونوں نشستگاہوں یعنی بنی کعب بن قریظہ اور بنی عمرو بن قریظہ کی مجلسوں کا کیا ہوا ثابت نے کہا (دونوں مجلسوں کے) لوگ چلے گئے اور مارے گئے زبیر کہنے لگا ثابت میں نے جو بھلائی تیرے ساتھ کی تھی اس کا واسطہ دے کہ تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو مجھے بھی انہیں لوگوں کے پاس پہنچا دے۔ خدا کی قسم ان کے بعد زندگی کا کوئی مزہ نہیں جس گھر میں وہ لوگ فروکش اور مقیم تھے میں اس گھر میں جا کر ان کے بعد ہمیشہ رہوں مجھے اس کی ضرورت نہیں لیکن ثابت میرے بعد میرے اہل وعیال کا لحاظ رکھنا اپنے ساتھی سے درخواست کرتا کہ وہ ان کو آزاد کر دے اور ان کا مال ان کو دے دے چنانچہ ثابت کی درخواست پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زبیر کے بیوی بچوں کو اور باستثناء اسلحہ باقی مال کو واپس کر دیا۔ زبیر نے کہا ثابت میرا جو حق تجھ پر ہے تجھے اس کا واسطہ مجھے (جلد) ان دوستوں سے ملا دے۔ مجھ سے اب اتنی دیر بھی صبر نہیں ہو سکتا جتنی دیر بھرے ہوئے ڈول کو حوض میں الٹ کر دوبارہ ڈول کو کنویں میں ڈالنے میں ہوتی ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے ثابت نے لے جا کر زبیر کی گردن ماردی۔ (تفسیر مظہری)

محمد بن عمر کا بیان ہے کہ ثابت نے کہا زبیر مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تجھے قتل کر دوں۔ زبیر نے کہا مجھے پرواہ نہیں کہ میرا قاتل کون ہو (تیرے ہاتھ سے مارا جاؤں یا کسی اور کے ہاتھ سے میرے لئے دونوں برابر ہیں) آخر حضرت زبیر بن عوام نے اس کو قتل کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق کو جب زبیر قرظی کے اس قول کی اطلاع ملی کہ میں اپنے دوستوں سے موں گا تو آپ نے فرمایا جہنم کی آگ میں وہ اپنے دوستوں سے ہمیشہ ہمیشہ ملاقات کرتا رہے گا۔

مال کی تقسیم:

اس کے بعد بنی قریظہ کا مال متاع اور عورتوں کی تقسیم کی گئی۔ یہ سب سے پہلا مال مفت تھا جس میں (بعض لوگوں کو) دوہرا حصہ ملا۔ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی اور ان میں ۳۶ گھوڑے (سوار) تھے۔ کل مال کے ۳۰۷۲ تین ہزار بہتر حصے کئے گئے ہر آدمی کا ایک حصہ اور گھوڑے کا دوہرا حصہ۔

کچھ قیدیوں کی فروخت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ قیدی سعد بن عبادہ کے ساتھ فروخت کرنے کے لئے بھیج دیئے تاکہ ان کی قیمت سے اسلحہ اور گھوڑے خرید لئے جائیں۔ یہ روایت محمد بن عمر کی ہے لیکن ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ سعید بن زید انصاری کے ساتھ بنی قریظہ کے کچھ قیدی بھیجے تھے جن کی قیمت سے سعد نے گھوڑے اور اسلحہ خریدے تھے۔

حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمن کی تجارت:

حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کچھ قیدی عورتیں شرکت میں خریدی تھیں پھر حضرت عبدالرحمن نے خریدی ہوئی عورتیں دو حصوں میں بانٹ دیں۔ بوڑھی عورتوں کو ایک طرف کیا اور جوان عورتوں کو دوسری طرف پھر حضرت عثمان کو اختیار دے دیا کہ جو حصہ آپ چاہیں لے لیں۔ حضرت عثمان نے بوڑھی عورتوں والا حصہ لے لیا اور اس کی وجہ سے بڑے مالدار ہو گئے کیونکہ بوڑھی عورتوں کے پاس سے کثیر مال برآمد ہوا۔

ابن سیرہ نے کہا بوڑھی عورتوں کے پاس سے ایک یا دو ماہ کے بعد مال برآمد ہوا تھا اس لئے ان سے مال لے کر مال غنیمت میں شامل نہیں کیا گیا تھا۔ حضرت عثمان نے اپنی خریدی ہوئی عورتوں میں سے ہر عورت سے کہہ دیا کہ اتنے وقت میں اتنا مال

جو عورت دے گی وہ آزاد کر دی جائے گی چنانچہ جس عورت نے مقررہ مدت میں مال کی مقدار دے دی وہ آزاد کر دی گئی۔ حضرت عثمان نے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا۔

ماں بچے میں جدائی کی ممانعت:

عورتوں سے ان کے بچوں کو جدا کرنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرما دی تھی۔ تقسیم کے وقت بھی اور فروخت کے وقت بھی اور فرما دیا تھا ماں اور اس کے بچہ میں تفریق نہ کی جائے جب تک بچہ بالغ نہ ہو جائے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ بالغ ہونے سے کیا مراد ہے فرمایا لڑکی کو حیض آنے لگے اور لڑکے کو احتلام ہونے لگے۔ رواہ الحاکم وصححہ عن عبادۃ بن الصامت۔ حضرت عبادہ بن صامت کی روایت ان الفاظ کے ساتھ بھی آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ماں اور اس کے بچہ میں جدائی نہ کرو۔ عرض کیا گیا کب تک فرمایا جب تک لڑکا بالغ ہو جائے اور لڑکی کو حیض آنے لگے۔

دار قطنی نے بوساطت میمون بن ابی شعیب حضرت علی کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے ایک باندی اور اس کے بچہ میں جدائی کر دی (یعنی ایک کو فروخت کر دیا دوسرے کو اپنے پاس رکھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرما دی اور بیع لوٹا دی۔ ابوداؤد نے منقطعاً یہ لفظ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ نے اس کو واپس کر دیا۔ ابن ہمام نے کہا مرسل ہونا ہمارے نزدیک ضعف نہیں پیدا کرتا۔ حاکم نے اس کو صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے اور بیہقی نے اس کو ترجیح دی ہے۔

مسئلہ: اسی حدیث سے امام ابوحنیفہ نے استنباط کیا ہے کہ بیع یا ہبہ وغیرہ کے ذریعہ سے ان دو چھوٹے غلاموں میں تفریق کرنا جو باہم قرابت دار محرم ہوں ناجائز ہے اسی طرح نابالغ اور بالغ میں تفریق کرنا بھی ناجائز ہے جو ایک دوسرے کے قرابت دار محرم ہوں۔ امام احمد کے نزدیک اگر دو بالغ باہم محرم ہوں تو ان کو جدا کرنا بھی جائز نہیں۔ (تفسیر مظہری)

حاکم اور دار قطنی نے ایک اور طریق سے بوساطت عبدالرحمٰن بن ابی لیلی حضرت علی کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ کے پاس کچھ قیدی آئے حضور نے مجھ سے فرمایا کہ ان میں سے دو بھائیوں کو فروخت کر دوں میں نے دونوں کو الگ الگ فروخت کر دیا۔ پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اطلاع دے دی۔ حضور نے فرمایا (جلد) پہنچ اور ان کو واپس لے لو اور یکجا کر کے ان کو فروخت کرو۔ ایک کو دوسرے سے جدا نہ کرو۔ حاکم نے اس روایت کو برشرط شیخین صحیح کہا ہے اور ابن قطان نے بھی کہا ہے اس سند میں کوئی عیب نہیں۔ اگر بچہ کے ساتھ صرف اس کی پھوپھی اور خالہ ہو دادی نہ ہو تو تنہا خالہ اور پھوپھی کو بیچنا جائز نہیں۔

مسئلہ: اگر ماں اور اس کے بچہ میں جدائی کر دی اور ایک کو فروخت کر دیا تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک بیع نافذ ہو جائے گی لیکن ایسا کرنے والا گناہگار ہوگا۔

مسئلہ: حضرت عبادہ بن صامت کی حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ اگر دونوں غلام یا باندیاں بالغ ہوں (خواہ دونوں کے درمیان کیسا ہی قریبی رشتہ ہو تو) دونوں کو الگ الگ کر دینا جائز ہے۔

شاہی تحفہ میں آئی ہوئی باندیاں:

ایک روایت میں آیا ہے کہ مقوقس شاہ اسکندریہ نے دو باندیاں بطور ہدیہ رسول اللہ کی خدمت میں بھیجیں ایک ماریہ قبطیہ دوسری سیرین حضور نے سیرین تو حسان بن ثابت کو عطا فرما دی جس کے بطن سے عبدالرحمٰن بن حسان پیدا ہوئے اور حضرت ماریہ کو اپنے پاس رکھا جن کے بطن سے حضور کے صاحبزادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔

واقعہ بنی قریظہ کے دن خلاد بن سوید اور منذر بن محمد شہید ہو گئے۔

فائدہ: بنی نضیر کے خاندان کی ایک عورت تھی جس کا نام تھا ریحانہ بنت زید بن عمرو بن خدافہ یہ بنی عمرو بن قریظہ میں بیاہی گئی تھی۔ عورت تھی خوبصورت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھا گئی آپ نے اس کے سامنے اسلام پیش کیا لیکن اس نے مسلمان ہونے سے انکار کر دیا۔ حضور اس سے کنارہ کش ہو گئے لیکن دل میں اس کا خیال رہا۔ اس لئے ابن سعیہ کو طلب فرما کر ان سے اس کا تذکرہ کیا ابن سعیہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان وہ مسلمان ہو جائے گی۔ ابن سعیہ یہاں سے نکل کر ریحانہ کے پاس پہنچے اور اس سے کہنے لگے اب اپنی قوم کی طلب چھوڑ دو تم نے دیکھ لیا کہ حیی بن اخطب کیسی مصیبت ان پر لے آیا اب مسلمان ہو جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو اپنے لئے پسند فرمالیں گے۔ ریحانہ نے ابن سعیہ کی بات مان لی۔ اُدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے اچانک حضور کو جوتوں کی آواز سنائی دی فرمایا یہ تو ابن سعیہ کے جوتوں کی آواز ہے مجھے ریحانہ کے مسلمان ہونے کی بشارت دینے آ رہا ہے چنانچہ ابن سعیہ آ گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ریحانہ مسلمان ہو گئی یہ بات سن کر حضور (فداہ امی وابی) خوش ہو گئے۔ ریحانہ حضور کی وفات تک آپ کے پاس رہی اور مملوک ہونے کی حالت میں ہی رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ ریحانہ سے نکاح کر لیں اور اس کو پردہ میں رکھیں لیکن ریحانہ نے کہا یا رسول اللہ مجھے یوں ہی اپنی ملکیت میں ہی رہنے دیجئے (آزاد نہ کیجئے) میرے اور آپ کے لئے یہی بات آسان ہے (نہ اس میں آپ کو کوئی تکلیف نہ مجھے) اس لئے حضور نے ان کو باندی (ہی کی صورت میں) رہنے دیا۔

فائدہ: جب بنی قریظہ کا قصہ ختم ہو گیا تو حضرت سعد بن معاذ کا زخم بھی کھل گیا۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت

ابوبکر اور حضرت عمر سب سعد کے پاس (ان کو دیکھنے) گئے (عمر رونے لگے) اس وقت میں اپنے حجرہ میں تھی اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے میں نے عمر کے رونے کی آواز ابوبکر کے رونے کی آواز سے الگ پہچان لی۔ اور یہ لوگ ایسے ہی تھے جیسا اللہ نے فرمایا ہے۔ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ ۔

مناقب سعد بن معاذ:

حضرت انس راوی ہیں کہ جب حضرت سعد کا جنازہ اٹھایا تو منافقوں نے کہا سعد کا جنازہ کتنا ہلکا ہے اس کی وجہ وہ فیصلہ تھا جو بنی قریظہ کے متعلق حضرت سعد نے کیا تھا۔ حضور کو یہ اطلاع پہنچی تو فرمایا فرشتے اس کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ رواہ الترمذی۔

حضرت جابر کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے سعد بن معاذ کے مرنے سے رحمٰن کے عرش میں لرزہ آ گیا۔ رواہ الشیخان فی صحیحہما۔

حضرت براء بن عازب کی روایت ہے کہ کپڑوں کا ایک جوڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (کہیں سے) بطور ہدیہ آیا صحابہ اس کو ہاتھوں سے چھونے لگے اور اس کی نرمی پر تعجب کرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ اس کی نرمی پر کیا تعجب کرتے ہو۔ جنت میں سعد بن معاذ کے رومال اس سے اچھے اور نرم ہیں متفق علیہ۔ (تفسیر مظہری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اعلان کرنے کے لئے ایک منادی بھیج دیا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم لوگوں کو سنایا اور پہنچایا لَا یُصَلِّیَنَّ اَحَدٌ الْعَصْرَ اِلَّا فِیْ بَنِیْ قُرَیْظَةَ. یعنی کوئی آدمی عصر کی نماز نہ پڑھے جب تک کہ بنو قریظہ میں نہ پہنچ جائے۔

صحابہ کرام سب کے سب اس دوسرے جہاد کے لئے فوراً تیار ہو کر بنو قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے، راستہ میں عصر کا وقت آیا تو بعض حضرات نے حکم نبوی کے ظاہر کے موافق راستہ میں نمازِ عصر ادا نہیں کی، بلکہ منزل مقرر بنو قریظہ میں پہنچ کر ادا کی، اور بعض نے یہ سمجھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد عصر کے وقت میں بنو قریظہ پہنچ جانا ہے، ہم اگر نماز راستہ میں پڑھ کر عصر کے وقت میں وہاں پہنچ جائیں تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے منافی نہیں، انہوں نے نمازِ عصر اپنے وقت پر راستہ میں ادا کر لی۔

مجتہدین کے اختلاف میں کوئی جانب گناہ یا منکر نہیں ہوتی جس پر ملامت کی جائے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام کے اس اختلاف عمل کی خبر دی گئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں فریق میں سے کسی کو ملامت نہیں فرمائی، بلکہ دونوں کی تصویب فرمائی، اس سے علماء امت نے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ علمائے مجتہدین جو حقیقۃً مجتہد ہوں اور اجتہاد کی صلاحیت رکھتے ہوں ان کے اقوال مختلفہ میں سے کسی کو گناہ اور منکر نہیں کہا جا سکتا، دونوں فریقوں کے لئے اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کرنے میں ثواب لکھا جاتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا
اے نبی کہہ دے اپنی عورتوں کو اگر تم چاہتی ہو دنیا کی زندگانی
وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا
اور یہاں کی رونق تو آؤ کچھ فائدہ پہنچا دوں تم کو اور رخصت کر دوں بھلی طرح سے رخصت کرنا
وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ
اور اگر تم چاہتی ہو اللہ کو اور اس کے رسول کو اور پچھلے گھر کو
فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا
تو اللہ نے رکھ چھوڑا ہے اُن کے لئے جو تم میں نیکی پر ہیں بڑا ثواب

ازواجِ مطہرات کا معاملہ:

حضرت کی ازواج نے دیکھا کہ لوگ آسودہ ہو گئے چاہا کہ ہم بھی آسودہ ہوں۔ اُن میں سے بعض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی کہ ہم کو مزید نفقہ اور سامان دیا جائے جس سے عیش و ترفہ کی زندگی بسر کر سکیں حضرت کو یہ باتیں شاق گزریں۔ قسم کھائی کہ ایک مہینہ گھر میں نہ جائیں گے۔ مسجد کے قریب ایک بالاخانہ میں علیحدہ فروکش ہو گئے۔ صحابہ مضطرب تھے۔ ابوبکرؓ و عمرؓ اس فکر میں ہوئے کہ کسی طرح یہ گتھی سلجھ جائے۔ انہیں زیادہ فکر اپنی اپنی صاحبزادیوں (عائشہؓ اور حفصہؓ) کی تھی کہ پیغمبر کو ملول کر کے اپنی عاقبت نہ خراب کر بیٹھیں۔ دونوں نے دونوں کو دھمکایا اور سمجھایا۔ پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ اُنس اور بے تکلفی کی باتیں کیں۔ آپ قدرے مُنشرح ہوئے ایک ماہ بعد یہ آیت تخییر اُتری۔ یعنی اپنی ازواج سے صاف صاف کہہ دو کہ دو راستوں میں سے ایک انتخاب کر لیں۔ اگر دنیا کی عیش و بہار اور امیرانہ ٹھاٹھ چاہتی ہیں تو کہہ دو کہ میرے ساتھ تمہارا نباہ نہیں ہو سکتا۔ آؤ کہ میں کچھ دے دلا کر (یعنی کپڑوں کا جوڑا جو مطلقہ کو دیا جاتا تھا) تم کو خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دوں (یعنی شرعی طریقہ سے طلاق دے دوں) اور اگر اللہ و رسول کی خوشنودی اور آخرت کے اعلیٰ مراتب کی طلب ہے تو پیغمبر کے پاس رہنے میں اس کی کمی نہیں۔ جو آپ کی خدمت میں صلاحیت سے رہے گی اللہ کے یہاں اُس کے لئے بہت بڑا اجر تیار ہے۔ اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ جنت کے سب سے اعلیٰ مقام میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے ساتھ رہیں۔ نزول آیت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے اول سیدہ عائشہ کو خدا کا حکم سنایا۔ انہوں نے اللہ و رسول کی مرضی اختیار کی۔ پھر سب ازواج نے ایسا ہی کیا۔ دنیا کے عیش و عشرت کا تصور دلوں سے نکال ڈالا۔ حضرت کے ہاں ہمیشہ اختیاری فقر و فاقہ رہتا تھا جو آتا شتاب اُٹھا دیتے تھے۔ پھر قرض لینا پڑتا اسی زندگی پر ازواج مطہرات راضی تھیں۔ اور یہ جو فرمایا کہ جو نیکی پر رہیں اُن کو بڑا ثواب ہے۔ حضرت کی ازواج سب نیک ہی رہیں۔ الطیبات للطیبین مگر حق تعالیٰ قرآن میں صاف خوشخبری کسی کو نہیں دیتا تا نڈر نہ ہو جائے۔ خاتمہ کا ڈر لگا رہے یہی بہتر ہے آگے ان عورتوں کو خطاب ہے جو نبی کی معیت اختیار کر لیں کہ ان کا درجہ اس نسبت کی وجہ سے بہت بلند ہی چاہیے کہ ان کی اخلاق اور روحانی زندگی اس معیار پر ہو جو اس مقام رفیع کے مناسب ہے کیونکہ علاوہ ان کی ذاتی بزرگی کے وہ امہات المؤمنین ہیں۔ مائیں اپنی اولاد کی بڑی حد تک ذمہ دار ہوتی ہیں۔ لازم ہے کہ اُن کے اعمال و اخلاق اُمت کے لئے اُسوۂ حسنہ بنیں۔ (تفسیر عثمانی)

ازواجِ مطہرات کو اختیار:

اس آیت نے سب ازواج مطہرات کو اختیار دے دیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودہ حالت یعنی معاشی عسرت و تنگی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں رہنا قبول کریں یا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلاق کے ساتھ آزاد ہو جائیں، پہلی صورت میں ان کو عام عورتوں کی نسبت سے بہت زیادہ اجر عظیم اور آخرت کے خاص درجات عالیہ عطا ہوں گے، اور دوسری صورت یعنی طلاق لینے میں بھی ان کو دنیا کے لوگوں کی طرح کسی تلخی و تکلیف کی نوبت نہیں آئے گی، بلکہ سنت کے مطابق کپڑوں کا جوڑا وغیرہ دے کر عزت کے ساتھ رخصت کیا جائے گا۔

فائدہ: اختیار طلاق کی دو صورتیں ہوتی ہیں، ایک یہ کہ طلاق کا اختیار عورت کے سپرد کر دیا جائے، اگر وہ چاہے تو خود اپنے نفس کو طلاق دے کر آزاد ہو جائے دوسرے یہ کہ طلاق شوہر ہی کے ہاتھ میں رہے کہ اگر عورت چاہے تو وہ طلاق دے دے۔

آیت مذکورہ میں بعض مفسرین نے پہلی صورت کو اور بعض نے دوسری کو اختیار کیا ہے، سیدی حکیم الامتؒ نے بیان القرآن میں فرمایا کہ صحیح بات یہ ہے کہ آیت کے الفاظ میں دونوں احتمال ہیں، جب تک کسی صریح نص سے ایک کی تعیین نہ ہو جائے اپنی طرف سے کسی صورت کو متعین کرنے کی ضرورت نہیں۔

اختیار دینے کا سبب:

شروع آیات میں جو ازواج مطہرات کو طلاق لینے کا اختیار دینا مذکور ہے، اس کا ایک یا چند واقعات ہیں جو ازواج مطہرات کی طرف سے پیش آئے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کے خلاف تھے، جن سے بلاقصد و اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچی۔

ان واقعات میں سے ایک واقعہ وہ ہے جو صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت جابرؓ کی روایت سے مفصل آیا ہے، اس میں مذکور ہے کہ ازواج مطہراتؓ نے جمع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مطالبہ کیا کہ ان کا نان نفقہ بڑھایا جائے۔ تفسیر بحر محیط میں ابو حیان نے اس کی تشریح یہ بیان کی ہے کہ غزوۂ احزاب کے بعد بنو نضیر پھر بنو قریظہ کی فتوحات اور اموال غنیمت کی تقسیم نے عام مسلمانوں میں ایک گونہ خوش حالی پیدا کر دی تھی، ازواج مطہراتؓ کو اس وقت یہ خیال ہوا کہ ان اموال غنیمت میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنا حصہ رکھا ہوگا۔ اس لئے انہوں نے جمع ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ کسریٰ و قیصر کی بیبیاں طرح طرح کے زیورات اور قیمتی لباسوں میں ملبوس ہیں، اور ان کی خدمت کے لئے کنیزیں ہیں، اور ہمارا حال فقر و فاقہ کا آپ دیکھتے ہیں، اس لئے اب کچھ توسع سے کام لیا جائے۔ (معارف مفتی اعظم)

بغوی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ امہات المؤمنین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ دنیوی ساز و سامان مانگا اور مصارف میں کچھ وسعت کی طلبگار ہوئیں۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ اذیت ہوئی اس لئے آپ سب بیویوں سے کنارہ کش ہو گئے اور قسم کھالی کہ ایک ماہ تک کسی کے پاس نہیں جائیں گے اور کاشانۂ نبوت سے برآمد بھی نہیں ہوئے۔ صحابہ کو فکر ہوئی کہ جانے کیا بات ہے کچھ لوگ کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی۔ حضرت عمر نے کہا میں تم کو بتاؤں گا کہ اصل بات کیا ہے۔
حضرت عمر کا بیان ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا حضور نے بیویوں کو طلاق دے دی۔ فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مسجد میں مسلمان کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی کیا میں اب جا کر ان سے کہہ دوں کہ حضور نے طلاق نہیں دی۔ فرمایا ہاں اگر تم چاہو تو...... میں جا کر مسجد کے دروازہ پر کھڑا ہو گیا اور انتہائی اونچی آواز سے پکار کر کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی ہے۔ اور یہ آیت نازل ہوئی وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ

اور اگر ان کے پاس خوف یا امن کی کوئی خبر آتی ہے تو (بلا تحقیق) اس کو پھیلاتے ہیں اور اگر اس خبر کو رسول کی جانب اور اپنے سمجھدار لوگوں کی جانب راجع کر دیتے تو اصل واقعہ کا استنباط کرنے والوں کو اس کا (صحیح) علم ہو جاتا۔ حضرت عمر نے فرمایا میں نے اس خبر کی حقیقت دریافت کی تھی۔

ازواج مطہرات کا اجر:

فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا تو بلاشبہ اللہ نے تم میں سے نیکوکاروں

کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے یعنی ان عورتوں کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے جو اللہ اس کے رسول اور دار آخرت کی طلبگار ہیں۔ ایسی ہی عورتیں مُحسنہ ہیں احسان کا معنی ہی یہ ہے کہ رب کی عبادت اس حضور قلب سے کی جائے کہ گویا رب نظروں کے سامنے رہے۔

ازواج مطہرات کی تعداد:

بغوی نے لکھا ہے اس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیبیاں تھیں پانچ قریشی حضرت عائشہ بنت صدیق اکبر۔ حضرت حفصہ بنت عمر فاروق۔ حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان۔ حضرت ام سلمہ بنت امیہ۔ حضرت سودہ بنت زمعہ۔ باقی چار قریشی نہیں تھیں۔ حضرت زینب بنت جحش اسدی۔ حضرت میمونہ بنت حارث ہلالی۔ حضرت صفیہ بنت حی ابن اخطب خیبری اسرائیلی۔ حضرت جویریہ بنت حارث مصطلقی۔

حضرت عائشہ اور تمام ازواج نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کر لیا

جب آیت تخییر (مندرجہ بالا) نازل ہوئی تو سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے دریافت کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ چہیتی بی بی تھیں۔ حضور نے ان کے سامنے آیت پڑھی اور ان کو (طلاق حاصل کرنے یا ساتھ رہنے کا) اختیار دیا۔ حضرت عائشہ نے اللہ اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کیا۔ اور اس بات سے حضور کے چہرہ پر خوشی محسوس کی۔ دوسری بیبیوں نے بھی حضرت عائشہ کی پیروی کی۔

ازواجِ مطہرات کی قدر افزائی:

قتادہ کا بیان ہے جب امہات المؤمنین نے اللہ اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کیا تو اللہ نے بھی ان کی قدر افزائی کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں بیبیوں پر بس کرنے کا اور آئندہ نکاح نہ کرنے کا حکم دے دیا لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ اور فرمادیا ان کے بعد تمہارے لئے اور عورتوں سے نکاح جائز نہیں۔

اس واقعہ میں صحابہ کرامؓ کا عمل:

مسلم احمد اور نسائی نے بوساطت ابوالزبیر حضرت جابر کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر نے بارگاہ نبوت میں داخلہ کی اجازت طلب کی لیکن آپ کو اجازت نہیں ملی پھر حضرت عمر آئے اور انہوں نے اجازت طلب کی ان کو بھی اجازت نہیں ملی۔ کچھ دیر کے بعد دونوں کو اجازت دے دی۔ دونوں حضرات اندر پہنچ گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غمگین خاموش بیٹھے ہوئے تھے گرداگرد آپ کی بیبیاں موجود تھیں۔ حضرت عمر نے (اپنے دل میں) کہا مجھے ایسی بات کہنی چاہئے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے حضرت عمر کا بیان ہے (یہ خیال کر کے) میں نے عرض کیا دیکھئے اگر خارجہ کی بیٹی (یعنی میری بی بی) مجھ سے (زائد) خرچ مانگتی تو میں اُٹھ کر اس کی گردن توڑ دیتا۔ یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آ گئی اور فرمایا تم دیکھ رہے ہو کہ میرے گردا گرد یہ عورتیں جمع ہیں اور مجھ سے زیادہ خرچ دینے کی خواستگار ہیں۔ یہ بات سنتے ہی حضرت ابوبکر عائشہ کی گردن پر ضرب رسید کرنے اُٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت عمر بھی حفصہ کی طرف گردن پر ضرب لگانے کے لئے بڑھے اور دونوں نے کہا رسول اللہ کے پاس جو چیز نہیں ہے اس کا سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز کبھی نہ کرنا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب عورتوں سے ایک مہینہ یعنی انتیس روز کنارہ کش رہے پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عائشہؓ کی دانائی:

راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء حضرت عائشہ سے کی اور فرمایا عائشہ میں ایک بات تمہارے سامنے رکھنا چاہتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ اپنے والدین سے مشورہ کئے بغیر تم جواب دینے میں جلدی نہ کرنا۔ حضرت عائشہ نے کہا اے اللہ کے رسول وہ کیا بات ہے حضور نے آیات مذکورہ پڑھ کر سنا دیں حضرت عائشہ نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ کے بارے میں میں اپنے ماں باپ سے مشورہ کروں (ایسا نہیں ہوسکتا) میں تو اللہ اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کرتی ہوں لیکن آپ سے میری درخواست ہے کہ اپنی بیبیوں میں سے کسی کو میرے اس فیصلہ کی اطلاع آپ نہ دیں۔ حضور نے فرمایا مجھ سے تو جو عورت بھی پوچھے گی میں اس کو بتا دوں گا اللہ نے مجھے فتنہ انگیز بنا کر نہیں بلکہ بشارت دہندہ اور معلم بنا کر مبعوث کیا ہے۔

صحیح میں زہری کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک اپنی بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی تھی۔ مجھ سے عروہ نے حضرت عائشہ کا قول نقل کیا ہے کہ (۲۹ روز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے پہلے میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے تو قسم کھائی تھی کہ ہمارے پاس ایک ماہ تک نہیں آئیں گے اور آج تو ۲۹ دن ہوئے ہیں گن رہی ہوں فرمایا مہینہ ۲۹ دن کا ہے۔

عورت کو اختیار طلاق کا مسئلہ

اگر شوہر نے بیوی سے کہا تجھے اپنا اختیار ہے اور اس جملہ سے اس کا مطلب تفویض طلاق ہو یعنی یہ مقصد ہو کہ عورت چاہے تو خود اپنے کو طلاق دے لے تو اس مجلس میں عورت جب تک رہے گی اس کو اختیار رہے گا کہ اگر چاہے تو اپنے آپ کو خود طلاق دے لے لیکن اگر اس جگہ سے اُٹھ جائے گی یا کسی اور کام میں مشغول ہو جائے گی تو طلاق کا اختیار ہاتھ سے نکل جائے گا کیوں کہ یہ تملیک فعل ہے اور تملیک فعل کا تقاضا ہے کہ اسی مجلس میں جواب

دیا جائے جیسے بیع میں (قبول کا اختیار اسی مجلس عقد میں رہتا ہے) صاحب ہدایہ نے لکھا ہے عورت کو خیار مجلس باجماع صحابہ ثابت ہے۔ حضرت عمر حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور حضرت جابر نے فرمایا جو شخص اپنی بیوی کو اس کے نفس کا اختیار دے دے تو عورت کو اختیار اس وقت تک رہتا ہے جب تک وہ اس مجلس میں رہے جب مجلس سے اُٹھ جائے گی تو اس کو اختیار نفس نہیں رہے گا۔ کسی دوسرے صحابی کا قول بھی اس کے خلاف منقول نہیں لہٰذا اس پر اجماع سکوتی ہو گیا۔ رہی یہ بات کہ روایات کی اسنادوں میں کلام کیا گیا ہے تو اس سے اصل مسئلہ پر اثر نہیں پڑتا کیوں کہ امت اسلامیہ نے اس قول کو بالاتفاق قبول کر لیا ہے اس کے علاوہ عبدالرزاق نے جو حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابن مسعود کا قول جس سند سے نقل کیا ہے وہ کھری ہے (اس سند میں کوئی کلام نہیں رہا ابن منذر کا حدیث کے لفظ لَا تَعْجَلِی سے استدلال تو یہ بھی غلط ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق کی تفویض نہیں کی تھی (طلب طلاق کا اختیار دیا تھا اور ہماری بحث اس مسئلہ میں ہے جب کہ شوہر نے تفویض طلاق کر دی اور خود اپنے آپ کو طلاق دے لینے کا اختیار دے دیا ہو) آیت فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا اس پر دلالت کر رہی ہے۔

مسئلہ: اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ تجھے اپنا اختیار ہے تو تفویض طلاق کی نیت ضرور اس وقت ہونی چاہیئے کیونکہ ممکن ہے کہ شوہر بیوی کو کسی اور چیز کا اختیار دے رہا ہو (اور یہ مقصد ہو کہ تجھے خود اس کام کو کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے)

مسئلہ: اگر شوہر نے بیوی سے کہا تجھے اپنا اختیار ہے اور اس نے جواب میں کہا میں نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا تو حضرت عمر حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس کے نزدیک ایک رجعی طلاق ہو جائے گی کیونکہ شوہر کی طرف سے تفویض اختیار کا معنی ہے تفویض طلاق اور جب عورت نے اختیار نفس کا اظہار کر دیا تو ایسا ہو گیا جیسے اس نے یہ لفظ کہہ دیئے کہ میں نے اپنے آپ کو طلاق دے لی اور اس طرح لفظ طلاق سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اس کے علاوہ آیت قرآنی سے بھی ثابت ہے کہ تیسری طلاق کے بعد تو خیر رجوع نہیں کیا جا سکتا البتہ پہلی اور دوسری طلاق کے بعد رجوع کا حق باقی رہتا ہے۔

حضرت علی کا قول روایۃً ثابت ہے کہ ایک بائنہ طلاق واقع ہو گی یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے کیونکہ تفویض اختیار کے بعد طلاق کا اختیار صرف عورت ہی کو مل جاتا ہے (مرد کو رجوع کا حق نہیں رہتا)۔

مسئلہ: اگر شوہر کے جواب میں عورت نے کہا میں نے اپنے شوہر کو اختیار کر لیا تو جمہور کے نزدیک کوئی طلاق واقع نہیں ہو گی کیونکہ شوہر نے طلاق نہیں دی تھی بلکہ عورت کو تفویض طلاق کی تھی اور عورت نے طلاق کو اختیار نہیں کیا بلکہ بقاء نکاح کو اختیار کیا۔

میں کہتا ہوں پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امہات المومنین کو طلاق کا اختیار نہیں دیا تھا بلکہ طلب طلاق کا اختیار دیا تھا۔

مسئلہ: (تفویض طلاق کے لئے) نفس کا لفظ ذکر کیا جانا ضروری ہے۔

امام ابوحنیفہ کہتے ہیں اگر لفظ میں کسی مفہوم کے مراد ہونے کا احتمال ہی نہ ہو تو نیت بیکار ہے۔ (تفسیر مظہری)

ازواجِ مطہرات کے مطالبہ کے محرکات:

قصہ یہ پیش آیا کہ غزوۂ بنی قریظہ و بنی النضیر کے بعد جب ازواج مطہرات نے دیکھا کہ لوگ آسودہ ہو گئے تو چاہا کہ ہم بھی آسودہ ہوں اور عیش و آرام کی زندگی بسر کریں اس لئے ازواج مطہرات نے اس بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور بمقتضائے محبت و ناز مزید نان و نفقہ اور زینت دنیا کا کچھ مطالبہ کیا اور فی الجملہ متاع دنیا کی خواہش کی اور اپنے نفقات میں کچھ زیادتی چاہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناگوار گزری۔ ازواج مطہرات نے جو سامانِ دنیا کا تقاضہ کیا اگرچہ وہ ضرورت اور جواز کی حد میں تھا لیکن وہ بمقتضائے بشریت تھا اور ان کا دل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے لبریز تھا اور ذرہ برابر اس میں آپ کی ایذاء کا تصور بھی نہ تھا اور جس دنیاوی زینت کا مطالبہ کیا تھا وہ قدرِ ضرور و راحت تھی معاذ اللہ امیرانہ عیش و عشرت نہ تھی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی ناگوار گزرا اور قسم کھائی کہ ایک مہینہ گھر میں نہیں جاؤں گا اور مسجد کے قریب ایک بالاخانہ میں فروکش ہو گئے۔ صحابہ سخت مضطرب تھے۔ خاص کر ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ ان دونوں کو اپنی اپنی صاحبزادیوں عائشہ اور حفصہ کی فکر دامنگیر تھی کہ پیغمبر خدا کو رنجیدہ اور آزردہ کر کے اپنی عاقبت نہ خراب کر بیٹھیں اس لئے ان دونوں نے اپنی اپنی بیٹیوں کو دھمکایا اور سمجھایا اور ان کو نصیحت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مطالبہ نہ کریں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض معروض کی اور اُنس اور بے تکلفی کی باتیں کیں جس سے آپ کا انقباض رفع ہوا اور آپ قدرے منشرح اور منبسط ہوئے دیکھو تفسیر قرطبی ص ۲۱۲ ج ۱۴، ص ۱۶۳ ج ۱۴، و تفسیر ابن کثیر ص ۴۸۱ ج ۳ و تفسیر روح المعانی ص ۱۶۲ ج ۲۱۔

اسی حال میں ایک ماہ گذرا ایک ماہ کے بعد یہ آیت یعنی يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ سے لے کر فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا نازل ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی:

جب یہ آیت تخییر نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے حضرت عائشہ سے دریافت کیا اور یہ آیتیں پڑھ کر ان کو سنائیں انہوں نے بلا کسی تردد اور تامل کے اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کیا جس

سے آپ کا ملال جاتا رہا اور چہرہ پر بشاشت آ گئی اس کے بعد باقی ازواج نے بھی ایسا ہی کیا اور ایسا ہی کہا اور سب نے دنیا کی رغبت کا تصور ہی دل سے نکال ڈالا۔ (معارف کاندھلوی)

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ

اے نبی کی عورتو جو کوئی کر لائے تم میں کام بے حیائی کا صریح دونا ہو

لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا

اُس کو عذاب دوہرا اور ہے یہ اللہ پر آسان

امہات المومنین کا عظیم درجہ:

بڑے کی غلطی بھی بڑی ہوتی ہے اگر بالفرض تم میں کسی سے کوئی بداخلاقی کا کام ہو جائے تو جو سزا اوروں کو اس کام پر ملتی اس سے دگنی سزا ملے گی۔ اور اللہ پر یہ آسان ہے یعنی تمہاری وجاہت اور نسبت زوجیت سزا دینے سے اللہ کو روک نہیں سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس کے نزدیک فاحشہ سے مراد ہے نافرمانی بدخلقی (چڑھ کر بولنا)

امہات المومنین کو ارتکاب فاحشہ پر دوہری سزا کی تجویز اس لئے کی گئی کہ اللہ کے انعامات ان پر زائد تھے اور انعامات کی زیادتی کی صورت گناہ کا ارتکاب زیادہ برا ہوتا ہے۔ اس لئے (زنا، وغیرہ کی) آزاد آدمی کے لئے سزا غلام کی سزا سے دوگنی مقرر کی گئی ہے اس کے علاوہ دوہرے عذاب کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کی آبرو پر بٹا لگتا ہے جو بہت ہی بری حرکت ہے۔

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا اور یہ (دوہرا عذاب دینا) اللہ کے لئے آسان ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا

اور جو کوئی تم میں اطاعت کرے اللہ کی اور اُس کے رسول کی اور عمل کرے اچھے

نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا

دیویں ہم اُس کو اُس کا ثواب دوہرا اور رکھی ہے ہم نے اُس کے واسطے روزی عزت کی

عظیم مرتبہ کے لوازمات:

یعنی نیکی اور اطاعت پر جتنا اجر دوسروں کو ملے اُس سے دوگنا ملے گا۔ اور مزید برآں ایک خاص روزی عزت کی عطا ہوگی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یہ بڑے درجہ کا لازمہ ہے کہ نیکی کا ثواب دونا اور برائی کا عذاب دونا" خود پیغمبر علیہ السلام کو فرمایا اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ (بنی اسرائیل۔ رکوع ۸) (تفسیر عثمانی)

عمدہ روزی اور حسن معاشرت:

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی اور نیک کام کرے گی۔ ہم (دوسری عورتوں کے مقابلہ میں) اس کو دوبارہ (یعنی دوگنا) اجر دیں گے اور اس کے لئے ہم نے بہت عمدہ روزی تیار کر رکھی ہے۔ دوہرا ثواب دیا جائے گا ایک تو اللہ اور رسول کی اطاعت کا دوسرا اس بات کا کہ قناعت اور حسن معاشرت کے ساتھ وہ اللہ کے رسول کی مرضی کی طلبگار ہوئیں۔ مقاتل نے کہا ہر نیکی کا ثواب دس نیکیوں کے برابر ہوگا۔

رزق کریم عالی قدر روزی یعنی جنت جو اصل ثواب کے بعد مزید عطا کی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ کی متابعت میں ان کو وہ ملے گا جو رسول اللہ کو عطا کیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

امہات المومنین کا عمل دوگنا ہے:

اگر وہ کوئی گناہ کا کام کریں گی تو ان کو دوسری عورتوں کی نسبت سے دوگنا عذاب دیا جائے گا یعنی ان کا ایک گناہ دو کے قائم مقام قرار دیا جائے گا، اسی طرح اگر وہ نیک عمل کریں گی تو دوسری عورتوں کی نسبت ان کو ثواب بھی دوہرا دیا جائے گا، ان کا ایک نیک عمل دو کے قائم مقام ہوگا۔

یہ آیت ایک حیثیت سے ازواج مطہرات کے لئے ان کے اس عمل کی جزاء ہے جو انہوں نے آیت تخییر نازل ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت پر دنیا کی فراخی کو قربان کر دیا، اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے ایک عمل کو دو کا درجہ دے دیا، اور گناہ کی صورت میں دوہرا عذاب بھی ان کی خصوصی فضیلت اور امتیازی شرافت کی وجہ سے ہوا، کیونکہ یہ بات عقلی بھی ہے اور نقلی بھی، کہ جتنا کسی کا اعزاز و احترام ہوتا ہے اُتنا ہی اس کی طرف سے غفلت و سرکشی کی سزا بھی بڑھ جاتی ہے۔

امہات المومنین پر انعامات:

ازواج مطہرات پر حق تعالیٰ کے انعامات بڑے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے لئے انتخاب فرمالیا، اُن کے گھروں میں وحی الٰہی نازل ہوتی رہی تو ان کی ادنیٰ غلطی کو تاہی بھی بڑی ہوگی، اگر دوسروں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچے تو اس سے کہیں زیادہ اشد ہوگا کہ ان سے کوئی بات ایذاء و تکلیف کی سرزد ہو، قرآن کریم کے ان الفاظ میں خود اس سبب کی طرف اشارہ ہے وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ۔

فائدہ: ازواج مطہرات کی یہ خصوصیت کہ ان کے عمل کا دوہرا ثواب ملے عام اُمت کے اعتبار سے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امت میں کسی فرد یا جماعت کو کسی خصوصیت سے ایسا انعام نہ بخشا جائے کہ اس کو دوہرا ثواب ملے۔ (معارف مفتی اعظم)

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ

اے نبی کی عورتو تم نہیں ہو جیسے ہر کوئی عورتیں

مقام عظمت کا تقاضا:

یعنی تمہاری حیثیت اور مرتبہ عام عورتوں کی طرح نہیں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے تم کو سید المرسلین کی زوجیت کے لئے انتخاب فرمایا اور اُمہات المومنین بنایا، لہذا اگر تقویٰ و طہارت کا بہترین نمونہ پیش کرو گی جیسا کہ تم سے متوقع ہے۔ اس کا وزن اللہ کے ہاں بہت زیادہ ہوگا۔ اور بالفرض کوئی بُری حرکت سرزد ہو تو اس نسبت سے وہ بھی بہت زیادہ بھاری اور قبیح سمجھی جائے گی۔ غرض بھلائی کی جانب ہو یا بُرائی کی عام مؤمنات سے تمہاری پوزیشن ممتاز رہے گی۔ (تفسیر عثمانی)

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اے نبی کی عورتوں تم کسی دوسری عورت کی طرح نہیں ہو۔

یعنی نہ تم میں سے کوئی ایک کسی غیر عورت کی طرح ہے اور نہ تمہاری جماعت دوسری عورتوں کی جماعت کی طرح ہے۔ یعنی فضیلت میں کوئی دوسری عورت تمہاری طرح نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس نے یہ مطلب بیان کیا کہ دوسری نیک مومن عورتوں کے برابر میرے نزدیک تمہارا مرتبہ نہیں ہے بلکہ میرے نزدیک تمہاری عزت اور تمہارا ثواب بہت زیادہ ہے۔

فضیلت والی خواتین:

آیت مذکورہ دلالت کر رہی ہے کہ امہات المومنین کو تمام دوسری عورتوں پر فضیلت حاصل ہے لیکن ایک اور آیت میں حضرت مریمؑ کو سارے جہان کی عورتوں پر فضیلت عطا فرمانے کا ذکر کیا گیا۔ فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ اے مریم اللہ نے تجھے چن لیا اور پاک کر دیا اور دنیا کی عورتوں پر تجھے برتری عطا کی۔

چار فضیلت والی خواتین:

حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سارے جہان کی عورتوں سے تمہارے لئے کافی ہیں (یعنی سب پر برتری رکھتی ہیں) مریم بنت عمران خدیجہ بنت خویلد فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آسیہ فرعون کی بی بی۔ آیت کا مناسب مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کا شرف تم کو حاصل ہے اس شرف میں اور کوئی عورت تمہاری شریک اور مساوی نہیں ہے۔

تمام خواتین سے افضل:

جمہور کا بالاتفاق طے شدہ مسئلہ ہے کہ تمام عورتوں سے افضل حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواج مطہرات میں سب سے بہتر حضرت خدیجہ بنت خویلد نیز حضرت مریم بنت عمران اور حضرت آسیہ زوجہ فرعون اور حضرت عائشہ بنت صدیق اکبر تھیں۔ رضی اللہ عنہ

شیخین نے صحیحین میں اور احمد و ترمذی و ابن ماجہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مردوں میں تو بہت لوگ کامل ہوئے مگر عورتوں میں سواء آسیہ زوجہ فرعون اور مریم بنت عمران کے اور کوئی عورت کامل نہیں ہوئی۔ اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے دوسرے کھانوں پر ثرید کی فضیلت۔ صحیحین میں آیا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اس کی برترین عورت مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد تھیں۔ کریب کی روایت میں ہے کہ وکیع نے یہ حدیث بیان کرتے وقت آسمان اور زمین کی طرف اشارہ کیا یعنی آسمان و زمین کی برترین عورتیں صحیحین میں حضرت عائشہ کی روایت سے آیا ہے کہ حضرت فاطمہ نے بیان کیا (مجھ سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ اہل جنت (یا فرمایا مومنوں) کی عورتوں کی تم سردار ہو۔

حضرت حذیفہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ فرشتہ (آیا ہے جو) اس رات سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا اس نے اپنے رب سے اجازت مانگی کہ مجھے (آکر) سلام کرے اور مجھے اس بات کی بشارت دی کہ فاطمہ اہل جنت کی سردار ہے اور حسن و حسین جوانان اہل جنت کے سردار ہیں (اجازت طلب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اجازت مل گئی اور اس نے آکر یہ پیام سنا دیا) رواہ الترمذی ترمذی نے اس کو حدیث غریب کہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ان تمام آیات سے ازواج مطہرات کی فضیلت اور بزرگی کو بیان کرنا مقصود ہے اور یہ بتلانا ہے کہ ان سے کبھی کوئی معصیت قبیحہ سرزد نہیں ہوگی اور یہ عورتیں محسنات اور مخلصات ہیں اور امہات المومنین ہیں اور نبی کی وفات کے بعد ان سے کوئی نکاح نہیں کر سکتا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی فضیلت:

ازواج مطہرات باجماع صحابہ و تابعین دنیا اور آخرت میں آپ کی زوجہ مطہرہ ہیں۔ خصوصاً حضرت علی اور حضرت عمار اور ابو موسیٰ اشعری وغیرھم نے صحابہ و تابعین کے ہزاروں اور لاکھوں کے مجمع میں با آواز بلند یہ اعلان کیا کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ دنیا اور آخرت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں لہذا کسی اور گمراہ فرقہ کا یہ کہنا کہ ازواج مطہرات کا زوجہ رسول ہونا فقط دنیا تک محدود ہے صریح گمراہی ہے اور کسی رافضی کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی نے حضرت عائشہ صدیقہ کو طلاق دے دی تھی یہ کفر بھی ہے اور صریح جھوٹ بھی ہے۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

تمام ازواج مطہرات متقیہ تھیں:

واقعات اور حالات سے اور کتاب وسنت کی شہادات سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ الحمدللہ ازواج مطہرات از اول تا آخر تمام زندگی تقوی اور پرہیز گاری پر قائم رہیں حضور پرنور کی حیات میں بھی اور آپ کی وفات کے بعد بھی اور اسی وجہ سے یہ حکم نازل ہوا وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا ازواج مطہرات دنیا اور آخرت دونوں ہی میں آپ کی زوجہ ہیں۔ مخالفین اسلام نے بڑی کوشش کی مگر کوئی خفیف سے خفیف واقعہ بھی ایسا نہ بتا سکے جس سے ان باتوں کی مخالفت ثابت ہوتی جو ان آیات میں مذکور ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ
اگر تم ڈر رکھو سو تم رب کو بات نہ کرو پھر لالچ کرے
الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا
کوئی جس کے دل میں روگ ہے اور کہو بات معقول

غیر مرد سے بات کرنے کا طریقہ:

یعنی اگر تقوی اور خدا کا ڈر دل میں رکھتی ہو تو غیر مردوں کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے (جس کی ضرورت خصوصاً امہات المومنین کو پیش آتی رہتی ہے) نرم اور دلکش لہجہ میں کلام نہ کرو۔ بلاشبہ عورت کی آواز میں قدرت نے طبعی طور پر ایک نرمی اور نزاکت رکھی ہے لیکن پاکباز عورتوں کی شان یہ ہونی چاہیے کہ حتی المقدور غیر مردوں سے بات کرنے میں بہ تکلف ایسا لب و لہجہ اختیار کریں جس میں قدرے خشونت اور روکھا پن ہو اور کسی بد باطن کے قلبی میلان کو اپنی طرف جذب نہ کرے امہات المومنین کو اس بارہ میں اپنے مقام بلند کے لحاظ سے اور بھی زیادہ احتیاط لازم ہے۔ تاکہ کوئی بیمار اور روگی دل کا آدمی بالکل اپنی عاقبت تباہ نہ کر بیٹھے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ یہ ایک ادب سکھایا کہ کسی مرد سے بات کہو تو اس طرح کہو جیسے ماں کہے بیٹے کو۔ اور بات بھی بھلی اور معقول ہو۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ سو تم چبا کر بات نہ کیا کرو۔ مطلب یہ کہ جب بشرط تقوی تمہاری فضیلت دوسری عورتوں پر ثابت ہے تو تقوی کے خلاف تم سے کوئی حرکت سرزد نہ ہونی چاہیے۔ (دوسرے) مردوں سے چبا چبا کر بات نہ کیا کرو (یہ تقوی کے خلاف ہے) یعنی اگر عورت کسی غیر مرد سے چبا چبا کر باتیں کرے گی تو اس کے دل میں لالچ پیدا ہوگا لہذا تم ایسا نہ کرو۔

جزری نے نہایہ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو غیر عورت سے اس طرح نرم نرم باتیں کرنے کی ممانعت فرمائی ہے کہ عورت اس کی طرف کچھ رجھنے لگے۔ خضوع کا معنی ہے اطاعت۔

اجنبی خاتون سے نرم گفتگو کرنے والے کی سزا:

جزری نے یہ بھی نہایہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر کے دور خلافت میں ایک شخص کسی مرد و عورت کی طرف سے گزرا جو باہم نرم نرم باتیں کر رہے تھے اس شخص نے اس مرد کے سر پر ایسی ضرب لگائی کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ حضرت عمر نے اس کو کچھ بدلہ نہ دلوایا (ضرب کو بلا قصاص قرار دیا)

بغیر شوہر اجنبی سے بات منع ہے:

طبرانی نے اچھی سند سے حضرت عمرو بن عاص کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو بغیر شوہروں کی اجازت کے (غیر مردوں سے) کلام کرنے کی ممانعت فرمادی ہے۔

غیر عورت کے سامنے انگڑائی ممنوع:

دار قطنی نے افراد میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمادی ہے کہ کوئی مرد نماز میں یا اپنی بیوی اور باندیوں کے علاوہ دوسری عورتوں کے سامنے انگڑائی لے۔

منافقت کی بیماری: فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ (کہیں) اس شخص کو جس کے دل میں بیماری ہے کچھ لالچ ہونے لگے۔

مرض سے مراد ہے نفاق کا شائبہ۔ مومن کامل کا دل تو ایمان پر مطمئن ہوتا ہے اس کو تو اپنے رب کی شان ہر وقت نظر آتی ہے وہ تو کبھی بھی حرام بات کی طرف مائل ہی نہیں ہوسکتا۔ ہاں جس کے ایمان میں ضعف ہوتا ہے اس کے دل میں نفاق کا شائبہ ہوتا ہے وہ ممنوعات خداوندی کی طرف مائل ہوجاتا ہے۔

مسئلہ: اجنبی مردوں سے کلام کرنے کے وقت عورت کو حکم ہے کہ لہجہ میں درشتی اختیار کرے تاکہ میلان و لالچ کا احتمال ہی نہ پیدا ہونے پائے۔

وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا اور قاعدہ (عفت) کے مطابق بات کرو۔ یعنی اس طرح بات کرو کہ شک نہ پیدا ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ
اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور دکھاتی نہ پھرو جیسا کہ دکھانا
الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى
دستور تھا پہلے جہالت کے وقت میں

عورتوں کیلئے گھروں سے باہر زینت کی نمائش ممنوع ہے:

یعنی اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عورتیں بے پردہ پھرتی اور اپنے

بدن اور لباس کی زیبائش کا علانیہ مظاہرہ کرتی تھیں۔ اس بداخلاقی اور بے حیائی کی روش کو مقدس اسلام کب برداشت کر سکتا ہے اُس نے عورتوں کو حکم دیا کہ گھروں میں ٹھہریں اور زمانۂ جاہلیت کی طرح باہر نکل کر حسن و جمال کی نمائش کرتی نہ پھریں۔ اُمہات المومنین کا فرض اس معاملہ میں بھی اوروں سے زیادہ مؤکد ہوگا جیسا کہ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ کے تحت میں گزر چکا۔

ضرورت کے تحت نکلنا:

باقی کسی شرعی یا طبعی ضرورت کی بنا پر بدون زیب و زینت کے مبتذل اور ناقابل اعتناء لباس میں مستتر ہو کر احیاناً باہر نکلنا بشرطیکہ ماحول کے اعتبار سے فتنہ کا مظنہ نہ ہو، بلاشبہ اس کی اجازت نصوص سے نکلتی ہے اور خاص ازواج مطہرات کے حق میں بھی اس کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ متعدد واقعات سے اس طرح نکلنے کا ثبوت ملتا ہے لیکن شارع کے ارشادات سے یہ بداہۃً ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پسند اسی کو کرتے ہیں کہ ایک مسلمان عورت بہرحال اپنے گھر کی زینت بنے اور باہر نکل کر شیطان کو تاک جھانک کا موقع نہ دے۔ اس کی تفصیل ہمارے رسالہ حجاب شرعی میں ہے۔ رہا ستر کا مضمون یعنی عورت کے لئے کن اعضاء کو کن مردوں کے سامنے کھلا رکھنا جائز ہے۔ اس کا بیان سورۂ نور میں گزر چکا۔ (تنبیہ) جو احکام ان آیات میں بیان کئے گئے تمام عورتوں کے لئے ہیں۔ ازواج مطہرات کے حق میں چونکہ اُن کا تاکد و اہتمام زائد تھا اس لئے لفظوں میں خصوصیت کے ساتھ مخاطب اُن کو بنایا گیا۔ میرے نزدیک يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ سے لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ تک ان احکام کی تمہید تھی۔ تمہید میں دو شقیں ذکر کی تھیں۔ ایک بے حیائی کی بات کا ارتکاب۔ اُس کی روک تھام فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ سے تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى تک کی گئی۔ دوسری اللہ و رسول کی اطاعت اور عمل صالح، آگے وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ سے اَجْرًا عَظِيْمًا تک بھلائی بُرائی وزن میں دوگنی قرار دی گئی۔ اس تقریر کے موافق ''فاحشہ مبینہ'' کی تفسیر بھی بے تکلف سمجھ میں آگئی ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى اور قدیم زمانۂ جاہلیت کے موافق مت پھرو۔

امہات المومنین کے گھروں سے باہر نکلنے کی ممانعت عمومی نہیں کہ نماز یا حج یا ضرورت انسانی کے لئے بھی باہر نہ نکلیں۔

شیعوں کی غلط فہمی:

وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے یعنی شیعہ آیت میں عمومی ممانعت سمجھ بیٹھے ہیں اس لئے حضرت صدیقۃ الکبریٰ بنت صدیق اکبر حبیبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کرتے ہیں کہ وہ اپنے گھر سے نکل کر مکہ کو پہنچیں پھر مکہ سے بصرہ پہنچیں جہاں جنگ جمل کا واقعہ ہوا یہ سارا سفر ممانعت آیت کے خلاف ہوا کیا ان لوگوں کو نہیں معلوم کہ اس زمانہ میں مدینہ کی فضا پر امن نہیں رہی تھی۔ اُم المومنین کے مدینہ سے نکلتے ہی حضرت عثمان کو شہید کر دیا گیا اور مصر والوں نے مدینہ میں ایسا فساد مچایا کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بھی خروج پر مجبور ہو گئے اور مدینہ کو چھوڑ کر مکہ کو پہنچے اور انہیں دونوں بزرگوں نے حضرت عائشہ کو مشورہ دیا کہ مسلمانوں کی خانہ جنگی دور کرنے کے لئے بصرہ کو تشریف لے جائیں جب حضرت عائشہ نے انکار کیا تو آیت لا خير في كثير من نجوا اهم الامن امر بصدقة اومعروف اواصلاح بين الناس سے استدلال کرتے ہوئے خروج کو ضروری قرار دیا۔ اس مشورہ کے بعد حضرت عائشہ بصرہ کو تشریف لے گئیں اور اس خروج ہی کے سبب حضرت عائشہ کے ساتھیوں میں اور حضرت علی کے رفقاء میں صلح ہو گئی لیکن عبداللہ بن سبا یہودی منافق نے جو اپنے کو شیعان علی میں سے کہتا تھا صلح قائم نہ رہنے دی اور دونوں جماعتوں میں فتنہ کی آگ ایسی بھڑکائی کہ جنگ جمل کا واقعہ ظہور پذیر ہو گیا اور مسلمانوں میں باہم بڑا کشت وخون ہوا۔ ہم نے اس واقعہ کا تذکرہ اپنی کتاب سیف مسلول میں مفصل طور پر کر دیا ہے۔

''تبرج'' کا معنیٰ:

تبرج کا لفظ بروج سے نکلا ہے۔ بروج کا معنی ہے ظہور۔ اس جگہ تبرج سے مراد ہے اظہار زینت اور مردوں کے سامنے بناؤ سنگھار کر کے نکلنا۔ ابن نجیح نے کہا تبرج کا معنی ہے۔ اٹھلا کر چلنا۔ اس لئے لا تبرجن کا تفسیری ترجمہ کیا ہے اٹھلا کر نہ چلو۔

دورِ جاہلیت: جاہلیت اولیٰ سے مراد ہے دور اسلامی سے پہلے کا زمانہ جاہلیت اور جاہلیت دوئم ہے۔ اسلام کے بعد گناہ کبیرہ کا ارتکاب۔ شعبی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اوپر حضرت عیسیٰ کے زمانہ تک جاہلیت اولیٰ کا دور تھا۔ ابوالعالیہ نے کہا حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا زمانہ جاہلیت اولیٰ کا زمانہ تھا۔ عورتیں ایسی قمیصیں پہن کر نکلتی تھیں جو دونوں طرف سے بغیر سلے ہوئے ہوتے تھے اور ان کا بدن دونوں طرف سے برہنہ دکھتا تھا۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جاہلیت اُولیٰ کا وہ زمانہ تھا جو حضرت نوح اور حضرت ادریس علیہ السلام کے درمیان تھا۔

جاہلیت کی بدفعلی کی ابتداء:

حضرت آدم کی نسل سے دو قبیلے ہوئے ایک پہاڑ پر رہتا تھا دوسرا میدانی علاقہ میں پہاڑی مردوں کے چہرے شگفتہ اور گورے تھے مگر عورتیں بدصورت تھیں اور میدانی باشندوں کی عورتیں حسین تھیں اور مرد بدصورت۔

ایک بار ابلیس انسانی شکل میں ایک میدانی باشندے کے پاس آیا اور اس کے پاس نوکر ہوگیا اور خدمت کرنے لگا پھر اس نے چرواہوں کی بانسری جیسی ایک چیز بنائی اور ایسی آواز سے بجانے لگا جو لوگوں نے کبھی نہیں سنی تھی۔ آس پاس کے لوگوں کو آواز پہنچی تو وہ سننے کے لئے جمع ہوگئے اور اس کو ایک تیوہار بنالیا جہاں مقرر وقت پر جمع ہونے لگے اس طرح بن سنور کر عورتیں مردوں کے سامنے آنے لگیں اور مرد عورتوں کے سامنے۔ ایک روز کوئی پہاڑی اس تیوہار میں پہنچ گیا اور اس نے مردوں عورتوں کو یک جا دیکھا اور عورتوں کا حسن اس کی نظر کے سامنے آیا اس نے جا کر پہاڑی باشندوں سے اس کا تذکرہ کیا اس کے بعد پہاڑی باشندے بھی اپنے مسکن چھوڑ کر میدانی لوگوں کے ساتھ ہی آ بسے اور آپس میں بدکاریاں ہونے لگیں۔ آیت میں تبرج جاہلیت اولی سے یہی مراد ہے۔ لیکن اولیٰ کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ جاہلیت دوئم بھی کوئی گزری ہے کبھی اولی کا لفظ بغیر اُخریٰ کے بھی استعمال کیا جاتا ہے جیسے آیت اَهْلَكَ عَادَ ۨالْاُوْلٰى میں اولی کا لفظ ہے (عاد اُخریٰ کوئی قوم نہیں ہوئی پھر بھی قوم عاد کو عادن الْاُولٰی فرمایا)

یا جاہلیت سے مراد قبل از اسلام کا دور ہے۔ (جس کی کوئی حد بندی نہیں) (تفسیر مظہری)

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت اور حالات کا انتشار:

صدیقہ عائشہؓ اور ان کے ساتھ حضرت ام سلمہ اور صفیہ رضی اللہ عنہما یہ سب حج کے لئے تشریف لے گئیں تھیں، وہاں حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت او ربغاوت کے واقعات سنے تو سخت غمگین ہوئیں، اور مسلمانوں کے باہمی افتراق سے نظام مسلمین میں خلل اور فتنہ کا اندیشہ پریشان کئے ہوئے تھا، اسی حالت میں حضرت طلحہ اور زبیر اور نعمان بن بشیر اور کعب بن عجرہ اور چند دوسرے صحابہ کرام مدینہ سے بھاگ کر مکہ معظمہ پہنچے، کیونکہ قاتلان عثمانؓ ان کے بھی قتل کے درپے تھے اس لئے یہ لوگ جان بچا کر مکہ معظمہ پہنچ گئے، اور ام المومنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور مشورہ طلب کیا، حضرت صدیقہؓ نے ان کو یہ مشورہ دیا کہ آپ لوگ اس وقت تک مدینہ طیبہ نہ جائیں جب تک کہ باغی لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے گرد جمع ہیں، اور وہ ان سے قصاص لینے سے مزید فتنہ کے اندیشہ کی وجہ سے رکے ہوئے ہیں تو آپ لوگ کچھ روز ایسی جگہ جا کر رہیں جہاں اپنے آپ کو مامون سمجھیں، جب تک یہ امیر المومنین انتظام پر قابو نہ پالیں، اور تم لوگ جو کچھ کوشش کر سکتے ہو، اس کی کرو کہ یہ لوگ امیر المومنینؓ کے گرد سے متفرق ہو جائیں، اور امیر المومنین ان سے قصاص یا انتقام لینے پر قابو پالیں۔

یہ حضرات اس پر راضی ہوگئے، اور ارادہ بصرہ چلے جانے کا کیا، کیونکہ اس وقت وہاں مسلمانوں کے لشکر جمع تھے، ان حضرات نے وہاں جانے کا قصد کرلیا تو ام المومنینؓ سے بھی درخواست کی کہ انتظام حکومت برقرار ہونے تک آپ بھی ہمارے ساتھ بصرہ میں قیام فرمائیں۔

اور اس وقت قاتلان عثمانؓ اور مفسدین کی قوت وشوکت اور حضرت علیؓ کا ان پر حد شرعی جاری کرنے سے بے قابو ہونا خود نہج البلاغہ کی روایت سے واضح ہے، یاد رہے کہ نہج البلاغہ کو شیعہ حضرات مستند مانتے ہیں، نہج البلاغہ میں ہے کہ حضرت امیر سے ان کے بعض اصحاب ورفقاء نے خود کہا کہ اگر آپ ان لوگوں کو سزا دے دیں جنہوں نے عثمان غنی پر حملہ کیا تو بہتر ہوگا، اس پر حضرت امیرؓ نے فرمایا کہ میرے بھائی! میں اس بات سے بے خبر نہیں جو تم کہتے ہو، مگر یہ کام کیسے ہو جبکہ مدینہ پر یہی لوگ چھائے ہوئے ہیں او رتمہارے غلام اور آس پاس کے اعراب بھی ان کے ساتھ لگ گئے ہیں ایسی حالت میں ان کی سزا کے احکام جاری کردوں تو نافذ کس طرح ہوں گے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا سفر بصرہ اور اس کے مقاصد:

حضرت صدیقہؓ کو ایک طرف حضرت علیؓ کی مجبوری کا اندازہ تھا دوسری طرف یہ بھی معلوم تھا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے مسلمانوں کے قلوب زخمی ہیں، اور ان کے قاتلوں سے انتقام لینے میں تاخیر جو امیر المومنین علیؓ کی طرف سے مجبوری دیکھی جارہی تھی اور مزید یہ کہ قاتلان عثمانؓ امیر المومنینؓ کی مجالس میں بھی شریک ہوئے تھے جو لوگ حضرت امیر المومنینؓ کی مجبوری سے واقف نہ تھے ان کو اس معاملہ میں ان سے بھی شکایت پیدا ہورہی تھی، ممکن تھا کہ یہ شکوہ و شکایت کسی دوسرے فتنے کا آغاز نہ بن جائے اس لئے لوگوں کو فہمائش کر کے صبر کرنے اور امیر المومنین کو قوت پہنچا کر نظم مملکت کو مستحکم کرنے اور باہمی شکوہ و شکایت کو رفع کر کے اصلاح بین الناس کے قصد سے بصرہ کا سفر اختیار کرلیا، جس میں ان کے محرم بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ ان کے ساتھ تھے، اپنے اس سفر کا مقصد خود ام المومنینؓ نے حضرت قعقاعؓ کے سامنے بیان فرمایا تھا، جیسا کہ آگے آئے گا، اور ایسے شدید فتنہ کے وقت اصلاح بین المومنین کا کام جس قدر اہم دینی خدمت تھی وہ بھی ظاہر ہے۔

شیعوں کا طوفان:

اس کے لئے اگر ام المومنین نے بصرہ کا سفر محارم کے ساتھ اور پردہ کے آہنی ہودج میں اختیار فرمالیا تو اس کو جو شیعہ اور روافض نے ایک طوفان بنا کر پیش کیا ہے کہ ام المومنینؓ نے احکام قرآن کی خلاف ورزی کی اس کا کیا جواز ہوسکتا ہے،

فتنہ بازوں کی کارروائی:

آگے منافقین اور مفسدین کی شرارت نے جو صورت جنگ باہمی کی پیدا کردی اس کا خیال کبھی صدیقہؓ کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا، اس آیت کی

تفسیر کے لئے اتنا ہی کافی ہے آگے واقعہ جنگ جمل کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، مگر اختصار کے ساتھ حقیقت واضح کرنے کے لئے چند سطور لکھی جاتی ہیں۔

باہمی فتنوں اور جھگڑوں کے وقت جو صورتیں دنیا میں پیش آیا کرتی ہیں ان سے کوئی اہل بصیرت و تجربہ غافل نہیں ہوسکتا، یہاں بھی صورت یہ پیش آئی کہ مدینہ سے آئے ہوئے صحابہ کرام کی معیت میں حضرت صدیقہؓ کے سفر بصرہ کو منافقین اور مفسدین نے حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰؓ کے سامنے صورت بگاڑ کر اس طرح پیش کیا کہ یہ سب اس لئے بصرہ جارہے ہیں کہ وہاں سے لشکر ساتھ لے کر آپ کا مقابلہ کریں، اگر آپ امیر وقت ہیں تو آپ کا فرض ہے کہ اس فتنہ کو آگے بڑھنے سے پہلے وہیں جاکر روکیں، حضرت حسن و حسین وعبداللہ بن جعفر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ کرام نے اس رائے سے اختلاف بھی کیا اور مشورہ یہ دیا کہ آپ ان کے مقابلہ پر لشکر کشی اس وقت تک نہ کریں جب تک صحیح حال معلوم نہ ہوجائے مگر کثرت دوسری طرف رائے دینے والوں کی تھی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اسی طرف مائل ہوکر لشکر کے ساتھ نکل آئے، اور یہ شریر اہل فتنہ وبغاوت بھی آپ کے ساتھ نکلے جب یہ حضرات بصرہ کے قریب پہنچے تو حضرت قعقاعؓ کو ام المومنین کے پاس دریافت حال کے لئے بھیجا، انہوں نے عرض کیا کہ اے ام المومنین آپ کے یہاں تشریف لانے کا کیا سبب ہوا، تو صدیقہؓ نے فرمایا اَیْ بُنَیَّ الْاِصْلَاحُ بَیْنَ النَّاسِ، یعنی میرے پیارے بیٹے میں اصلاح بین الناس کے ارادہ سے یہاں آئی ہوں پھر حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کو بھی قعقاعؓ کی مجلس میں بلالیا، قعقاعؓ نے ان سے پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں انہوں نے عرض کیا کہ قاتلانِ عثمانؓ پر حد شرعی جاری کرنے کے سوا ہم کچھ نہیں چاہتے، حضرت قعقاعؓ نے سمجھایا کہ یہ کام تو اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک مسلمانوں کی جماعت منظم اور مستحکم نہ ہوجائے، اس لئے آپ حضرات پر لازم ہے کہ اس وقت آپ مصالحت کی صورت اختیار کرلیں۔

ان بزرگوں نے اس کو تسلیم کیا، حضرت قعقاعؓ نے جاکر امیر المومنینؓ کو اس کی اطلاع دے دی وہ بھی بہت مسرور ہوئے اور مطمئن ہوگئے اور سب لوگوں نے واپسی کا قصد کرلیا، اور تین روز اس میدان میں قیام اس حال پر رہا کہ کسی کو اس میں شک نہیں تھا کہ اب دونوں فریقوں میں مصالحت کا اعلان ہو جائے گا، اور چوتھے دن صبح کو یہ اعلان ہونے والا تھا اور حضرت امیر المومنین کی ملاقات حضرت طلحہؓ وزبیرؓ کے ساتھ ہونے والی تھی جس میں یہ قاتلان عثمان غنی شریک نہیں تھے، یہ چیز ان لوگوں پر سخت گراں گزری، اور انہوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ تم اول حضرت عائشہ کی جماعت میں پہنچ کر قتل وغارتگری شروع کردو، تاکہ وہ اور ان کے ساتھی یہ سمجھیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے عہد شکنی ہوئی، اور یہ لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہوکر حضرت علیؓ کے لشکر پر ٹوٹ پڑیں، ان کی یہ شیطانی چال چل گئی، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں شامل ہونے والے مفسدین کی طرف سے جب حضرت صدیقہؓ کی جماعت پر حملہ ہوگیا تو وہ یہ سمجھنے میں معذور تھے کہ یہ حملہ امیر المومنین کے لشکر کی طرف سے ہوا ہے، اس کی جوابی کارروائی شروع ہوگئی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ ماجرا دیکھا تو قتال کے سوا چارہ نہ رہا، اور جو حادثہ باہمی قتل وقتال کا پیش آنا تھا آگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون، یہ واقعہ ٹھیک اسی طرح طبری اور دوسرے ثقات مؤرخین نے حضرت حسن اور حضرت عبداللہ بن جعفر اور عبداللہ بن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم کی روایت سے نقل کیا ہے (روح المعانی)

واقعہ جمل پر حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کا افسوس:

غرض مفسدین ومجرمین کی شرارت اور فتنہ انگیزی کے نتیجہ میں ان دونوں مقدس گروہوں میں غیر شعوری طور پر قتال کا واقعہ پیش آگیا، اور جب فتنہ فرد ہوا تو دونوں ہی حضرات اس پر سخت غمگین ہوئے، حضرت صدیقہ عائشہؓ کو یہ واقعہ یاد آجاتا تو اتنا روتی تھیں کہ ان کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہوجاتا تھا، اسی طرح حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ کو بھی اس واقعہ پر سخت صدمہ پیش آیا، فتنہ فرد ہونے کے بعد مقتولین کی لاشوں کو دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے تو اپنی رانوں پر ہاتھ مار کر یہ فرماتے تھے کہ کاش میں اس واقعہ سے پہلے مرکر نسیا منسیا ہوگیا ہوتا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت ام المومنین جب قرآن میں یہ آیت پڑھتیں وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ تو رونے لگتیں، یہاں تک کہ ان کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہوجاتا، (رواہ عبداللہ بن احمد فی زوائد الزہد وابن المنذر وابن شیبۃ عن مسروق، روح)

آیت مذکورہ پڑھنے پر رونا اس لئے نہ تھا کہ قرار فی البیوت کی خلاف ورزی ان کے نزدیک گناہ تھی یا سفر ممنوع تھا بلکہ گھر سے نکلنے پر جو واقعہ ناگوار اور حادثہ شدیدہ پیش آگیا اس پر طبعی رنج وغم اس کا سبب تھا۔ (یہ سب روایات اور پورا مضمون تفسیر روح المعانی سے لیا گیا ہے) (معارف مفتی اعظم)

تحفظ عصمت کیلئے شرعی قوانین:

ایک حکم تو یہ دیا ہے کہ عورتیں بلاشدید ضرورت اپنے گھروں سے باہر نہ نکلیں۔

دوسرا حکم یہ دیا کہ مرد عورت کو نہ دیکھے اور عورت مرد کو نہ دیکھے۔

آیت وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ میں عورتوں کو حکم دیا گیا کہ نگاہیں نیچی رکھیں غرض یہ کہ ان دونوں آیتوں میں مردوں اور عورتوں کو علیحدہ علیحدہ حکم دیا گیا کہ ایک اجنبی مرد یا عورت دوسرے اجنبی مرد یا عورت کو نہ دیکھے اس لئے کہ یہ دیکھنا ہی فتنہ کا سبب ہے بلا تفریق تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو یہ حکم دیا گیا کہ نگاہیں نیچی رکھیں اور ایک دوسرے کو نہ دیکھیں اصل محل فتنہ یہ چہرہ ہی ہے جس کے دیکھنے سے دل میں شیطانی وسوسے پیدا

ہونے لگتے ہیں اور مرد اور عورت کی عفت اور عصمت خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ عورت کو اپنی یہ زینت ظاہرہ (چہرہ اور دونوں ہاتھ) صرف اپنے محارم کے سامنے کھلا رکھنے کی اجازت ہے نامحرموں کے سامنے کھولنے کی اجازت نہیں عورت کو اس بات کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں کہ وہ سربازار چہرہ کھول کر اپنا حسن و جمال دکھلاتی پھرے حسن و جمال کا تمام دارومدار چہرہ پر ہے او راصل فریفتگی چہرہ ہی پر ختم ہے اس لئے شریعت مطہرہ نے زناء کا دروازہ بند کرنے کے لئے نامحرم کے سامنے چہرہ کو کھولنا حرام قرار دیا البتہ اپنے گھر میں اپنے باپ اور بھائی اور محارم کے سامنے اپنا چہرہ کھولنے کی اجازت دی ہے اور یہ اجازت بھی ضرورت اور مجبوری کی بنا پر ہے۔

شریعت نے اگر عورت کو کسی ضرورت اور کسی خاص حالت میں منہ کھولنے کی اجازت دی ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ شہوت پرستوں کو بھی عورت کی طرف دیکھنا جائز ہو جائے بلکہ شوہر کے علاوہ شریعت نے جن محارم کے سامنے آنے کی عورت کو اجازت دی ہے اس میں یہ شرط ہے کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو خدانخواستہ اگر کسی عورت کا کوئی محرم رشتہ دار بھتیجا یا بھانجا بدچلن ہو تو اس کے سامنے آنا بھی جائز نہیں فتنہ کے خوف سے محرم سے بھی پردہ واجب ہو جاتا ہے اس لئے کہ زناء سے حفاظت کا بہترین ذریعہ یہی پردہ ہے۔

چوتھا حکم شریعت نے یہ دیا کہ اگر کسی غیر مرد سے بات کرنے کی ضرورت پیش آ جائے تو پردہ کے پیچھے سے اس سے بات کر سکتی ہے۔

پانچواں حکم شریعت نے یہ دیا کہ عورت اگر ضرورت کی بنا پر گھر سے باہر نکلے تو موٹے کپڑے کا برقعہ اوڑھ کر یا موٹی چادر میں لپٹ کر نکلے۔ عمدہ کپڑوں میں نہ نکلے اور عطر اور خوشبو لگا کر نہ نکلے اور تیسری شرط یہ لگائی کہ شوہر کی بغیر اجازت کے نہ نکلے اور چوتھی شرط یہ لگائی کہ عورت سڑک کے کنارے کنارے چلے عورت کو درمیان سڑک چلنے کا نہ حق ہے اور نہ اجازت۔ یہ طبرانی کی ایک حدیث کا مضمون ہے جو عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ خدا کی لعنت ہو اجنبی عورتوں کے یا اجنبی مردوں کے دیکھنے والے اور دیکھنے والی پر اور جس کی طرف دیکھا گیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو۔

پردہ عورت کے حسب نسب کا محافظ ہے بے پردہ عورت اور اس کی اولاد مشکوک ہے پردہ والی عورت کے خاوند کو اپنے بچہ کے نسب میں شک کرنے کا کوئی موقع نہیں ملتا۔

انگلستانی خاتون کا بے پردگی کا ماتم:

انگلستان کی ایک شریف عورت نے بصد حسرت و ندامت اپنے ملک کی عورتوں کے متعلق ایک مقالہ لکھا جس کا ترجمہ مصر کے ماہنامہ المنار میں شائع ہوا جس میں یہ تھا کہ انگلستان کی عورتیں اپنی تمام عفت اور عصمت کھو چکی ہیں اور ان میں بہت کم ایسی ملیں گی جنہوں نے اپنے دامن عصمت کو حرام کاری کے دھبہ سے آلودہ نہ کیا ہو۔ ان میں شرم اور حیاء نام کو بھی نہیں اور ایسی آزادانہ زندگی بسر کرتی ہیں کہ اس ناجائز آزادی نے ان کو اس قابل نہیں رہنے دیا کہ ان کو انسانوں کے زمرہ میں شامل کیا جائے ہمیں سرزمین مشرق کی مسلمان خواتین پر رشک آتا ہے جو نہایت دیانت اور تقوی کے ساتھ اپنے شوہروں کے زیر فرمان رہتی ہیں اور ان کی عصمت کا لباس گناہ کے داغ سے ناپاک نہیں ہوتا وہ جس قدر فخر کریں بجا ہے اور اب وہ وقت آ رہا ہے کہ اسلامی احکام شریعت کی ترویج سے انگلستان کی عورتوں کی عفت کو محفوظ رکھا جائے (انگلستانی عورت کے کلام کا ترجمہ ختم ہوا)

بے پردگی کے نقصانات:

۱- یہ کہ بے پردگی سے بے غیرتی اور بے حمیتی پیدا ہوتی ہے۔

۲- زناء کا دروازہ کھلتا ہے۔

۳- اولاد حرام ہوتی ہے۔

۴- حسب اور نسب ضائع ہو جاتا ہے۔

۵- شوہر کو اپنی بیوی پر اطمینان نہیں رہتا تو دل سے کیسے محبت رہے۔

۶- بے پردہ بیوی سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے شوہر کو اس پر یقین نہیں ہوتا کہ یہ میرا ہی بچہ ہے اور ظاہر ہے کہ جو عورت بے پردہ پھرتی

۷- اور جب اس بچہ کا اس کی اولاد ہونا یقینی نہ رہا تو پھر اس کے مرنے کے بعد اس بچہ کا وارث ہونا بھی یقینی نہ رہا۔ حلال اولاد میراث کی مستحق ہوتی ہے حرام کا بچہ میراث کا مستحق نہیں ہوتا۔

۸- بے پردہ عورت شوہر کی راحت اور سکون اور اطمینان کا باعث نہیں بنتی۔ شوہر جب گھر آتا ہے تو بیوی کو غائب پاتا ہے اور پریشان ہوتا ہے کہ نہ معلوم کہاں ہوگی۔

۹- بے پردہ عورت نہ شوہر کی خدمت کر سکتی ہے اور نہ اس کی اطاعت کر سکتی ہے۔

۱۰- بے پردہ عورت اولاد کی تربیت اور نگرانی بھی نہیں کر سکتی۔

۱۱- بے پردگی باہمی خصومت اور نزاع کا سبب ہے جو بدچلنی کا لازمی نتیجہ ہے۔

۱۲- بے پردگی اپنی آوارگی کی پردہ پوشی کے لئے عورت کو جھوٹ اور مکر اور فریب پر آمادہ کرتی ہے گھر سے باہر جانے کے عجیب عجیب بہانے بناتی ہے۔

۱۳- جس کا اثر اولاد پر پڑتا ہے۔ اولاد بھی وہی کرے گی جو ماں کو کرتے دیکھے گی۔

۱۴- جس قدر بے پردگی بڑھتی جائے گی اسی قدر بے حیائی اور بے

غیرتی بڑھتی جائے گی جس کا لازمی نتیجہ نحوست ہے اور خاندان اور محلہ میں بدنامی اور بے عزتی ہے۔

۱۵- حتیٰ کہ اس گھرانہ سے حیاء اور شرم اور عصمت اور غیرت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔

فوجی بھرتی کے لئے مرد لئے جاتے ہیں عورت نہیں لی جاتی آج تک دنیا میں کسی بادشاہ نے عورتوں کی فوج بنا کر دشمن کے مقابلہ کے لئے کبھی بھی عورتوں کی فوج نہیں بھیجی۔

پردہ عورتوں کے لئے قید نہیں بلکہ ان کی عصمت اور عفت کی حفاظت کا ایک قلعہ ہے۔

بے پردگی سے کوئی دنیاوی اور مادی ترقی حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ اخلاقی تنزل اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ اس میں اور حیوان میں کوئی فرق نہیں رہتا آج کل متمدن اقوام کا حال یہ ہے کہ چپہ چپہ پر ناچ گھر قائم ہو گئے ہیں جن میں نوجوان مرد اور عورتیں جمع ہو کر اپنی نفسانی خواہشیں پوری کرتے ہیں اور ایک شخص کسی اجنبی عورت سے چمٹ جاتا ہے اور اس کا شوہر دیوث بھی وہاں موجود ہوتا ہے اور سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور اس کو غیرت نہیں آتی مغربی ممالک میں دن بدن حرامزادوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور اب یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ بعض مغربی ممالک میں لب سڑک لوگوں کو زنا کرتے دیکھا جاتا ہے گویا کہ مرد اور عورت بہائم کی طرح ہو گئے ہیں جس طرح ایک جانور کو کسی مادہ سے جفتی کرنے کے لئے کسی بند کمرہ کی ضرورت نہیں۔ (معارف کاندھلوی)

وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ			
اور قائم رکھو	نماز	اور دیتی رہو	زکوۃ

وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
اور اطاعت میں رہو اللہ کی اور اس کے رسول کی

ارکانِ اسلام کی پابندی:

یعنی اوروں سے بڑھ کر ان چیزوں کا اہتمام رکھو۔ کیونکہ تم نبی سے اقرب اور اُمت کے لئے نمونہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو۔ یعنی تمام اوامر و نواہی کی پابندی کرو یہی تقویٰ ہے جو تمہاری فضیلت یاب ہونے کی ضروری شرط ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ
اللہ یہی چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے گندی باتیں اے نبی کے گھر والو

وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا
اور ستھرا کر دے تم کو ایک ستھرائی سے

ازواجِ مطہرات کیلئے اعلیٰ اخلاقی مرتبہ:

یعنی اللہ کا ارادہ ہے کہ نبی کے گھر والوں کو ان احکام پر عمل کرا کر خوب پاک وصاف کر دے اور اُن کے رُتبہ کے موافق ایسی قلبی صفائی اور اخلاقی ستھرائی عطا فرمائے جو دوسروں سے ممتاز وفائق ہو جس کی طرف يُطَهِّرَكُمْ کے بعد تَطْهِيْرًا بڑھا کر اشارہ فرمایا ہے یہ تطہیر و اذہاب جس اُس قسم کی نہیں جو آیت وضوء میں وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ (فائدہ۔ رکوع ۲) سے یا بدر کے قصہ میں لِيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ (انفال۔ رکوع۲) سے مراد ہے بلکہ یہاں تطہیر سے مراد تہذیب نفس، تصفیہ قلب اور تزکیہ باطن کا وہ اعلیٰ مرتبہ ہے جو کمل اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے اور جس کے حصول کے بعد وہ انبیاء کی طرح معصوم تو نہیں بن جاتے ہاں محفوظ کہلاتے ہیں چنانچہ لفظ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ الخ فرمانا اور اَرَادَ اللّٰهُ نہ فرمانا خود اس کی دلیل ہے کہ اہل بیت کے لئے عصمت ثابت نہیں۔

اہلِ بیت میں ازواج یقیناً داخل ہیں:

(تنبیہ) نظم قرآن میں تدبر کرنے والے کو ایک لمحہ کے لئے اس میں شک وشبہ نہیں ہو سکتا کہ یہاں اہل بیت کے مدلول میں ازواج مطہرات یقیناً داخل ہیں۔ کیونکہ آیت ہذا سے پہلے اور پیچھے پورے رکوع میں تمام تر خطابات اُن ہی سے ہوئے ہیں اور بیوت کی نسبت بھی پہلے میں اور آگے وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ میں اور آگے وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ میں ان کی طرف کی گئی ہے اس کے علاوہ قرآن میں یہ لفظ عموماً اسی سیاق میں مستعمل ہوا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ کو خطاب کرتے ہوئے ملائکہ علیہ السلام نے فرمایا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ (ھود۔ رکوع ۷) مطلقہ عورت باوجود یہ کہ نکاح سے نکل چکی مگر عدت منقضی ہونے سے پہلے بیوت کی نسبت اُسی کی طرف کی گئی چنانچہ فرمایا'' لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ '' (طلاق۔ رکوع ۱) حضرت یوسف کے قصہ میں بیت کو زلیخا کی طرف منسوب کیا۔ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا '' (یوسف۔ رکوع ۳) بہرحال اہل بیت میں اس جگہ ازواج مطہرات کا داخل ہونا یقینی ہے بلکہ آیت کا خطاب اُولاً اُن ہی سے ہے لیکن چونکہ اولاد و داماد بھی بجائے خود اہلِ بیت گھر والوں میں شامل ہیں بلکہ بعض حیثیات سے وہ اس لفظ کے زیادہ مستحق ہیں۔ جیسا کہ مُسند احمد کی ایک روایت میں احق کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس لئے آپ کا حضرت

فاطمہ علی، حسن حسین رضی اللہ عنہم کو ایک چادر میں لے کر اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِیْ وغیرہ فرمانا یا حضرت فاطمہ کے مکان کے قریب گزرتے ہوئے یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ سے خطاب کرنا اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے تھا کہ گو آیت کا نزول بظاہر ازواج کے حق میں ہوا اور اُن ہی سے تخاطب ہو رہا ہے مگر یہ حضرات بھی بطریق اولیٰ اس لقب کے مستحق اور فضیلت تطہیر کے اہل ہیں باقی ازواج مطہرات چونکہ خطاب قرآنی کی اولین مخاطب تھیں اس لئے اُن کی نسبت اس قسم کے اظہار اور تصریح کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا اے اہل بیت (نبی) اللہ تم سے گندگی کو دور کرنا اور کامل طور پر تم کو پاک کرنا چاہتا ہے۔

یہ کلام استینافی ہے (پہلے کلام سے وابستہ نہیں ہے) اس کلام کا حکم امہات المومنین کو بھی شامل ہے اور اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی۔ اسی لئے مذکر کا خطابی صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔

سابقہ احکام کا مقصد:

یہ کلام سابق کلام کی علت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے گویا یوں فرمایا کہ تم کو جو اوامر نواہی کی پابندی کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا وہ تم سے اور تمہارے علاوہ دوسرے اہل بیت سے رجس یعنی عمل شیطانی کو دور کرنے کے لئے دیا گیا ہے۔

رجس سے مراد ہے عمل شیطانی یعنی گناہ اور ہر وہ حرکت جس میں کوئی شرعی یا ایسی طبعی برائی ہو جو اللہ کو ناپسندیدہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

اہل سنت و جماعت یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت باجماع صحابہ کرام ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی اور اس آیت میں اہل بیت نبی سے آپ کی بیبیاں مراد ہیں اور تطہیر سے تزکیہ نفس اور تہذیب باطن اور تصفیہ قلب مراد ہے جو تزکیۂ باطن کا وہ اعلیٰ ترین مقام مراد ہے جو کامل اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگا کرتے تھے۔ اللّٰھم اجعل رزق ال محمد قوتا، اے اللہ آل محمد کا رزق بقدر قوت لایموت کر دے اور قدر قوت وہ رزق ہے جس سے بقدر کفایت گزر ہو جائے اور فاضل کچھ نہ بچ سکے اور اس میں شک نہیں کہ آل محمد میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں اور یہ دعا ذریت کی طرح ازواج مطہرات کو بھی شامل ہے۔

حدیث نساء ایک شبہ اور اس کا ازالہ

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں یہاں بعض لوگوں کو ایک حدیث سے شبہ ہو گیا ہے وہ یہ کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسین کو اپنی عباء میں داخل کر کے فرمایا۔

اللّھم ھولاء اھل بیتی　　اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں

اس سے بعض عقلمندوں نے یہ سمجھا کہ ازواج مطہرات اہل بیت میں داخل نہیں حالانکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ یہ بھی میرے اہل بیت ہیں ان کو بھی اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا کی فضیلت میں داخل اور شامل فرمانا اور ان کو بھی اس کرامت میں شریک فرما۔ آپ کا مقصود حصر نہ تھا کہ بس یہی اہل بیت ہیں اور ازواج مطہرات اہل بیت نہیں اور اس حدیث کے بعض طرق میں آیا ہے کہ حضور پرنور نے جب ان حضرات مذکورین کو عباء میں داخل کر کے دعا فرمائی تو ام المومنین ام سلمہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے بھی ان کے ساتھ شامل فرما لیجئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم اپنی جگہ ہو۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ تم کو عباء میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں تم تو پہلے ہی سے اہل بیت میں داخل ہو کذا فی النسوان فی رمضان ص ۲۸ وعظ چہارم از سلسلہ البلاغ۔

حضور پُرنور نے حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو ایک چادر میں لے کر یہ دعا کی اللّٰھم ھولا اھل بیتی الخ تاکہ اس دعا کے ذریعہ یہ حضرات بھی ازواج مطہرات کے ساتھ اس وعدہ نعمت و کرامت میں شریک ہو جائیں جو اللہ نے نبی کے گھرانہ کے لئے ارادہ فرمایا ہے۔

جس طرح احادیث میں حضرت علی اور ان کی اولاد کو عباء میں داخل کر کے دعا کرنے کا ذکر آیا ہے اسی طرح بعض روایات میں حضرت عباس اور ان کی اولاد کے متعلق بھی آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباس کو اور ان کی اولاد کو اپنی کساء (کمبل) میں داخل کر کے دعا فرمائی۔

ان مختلف دعاؤں سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ ازواج مطہراتؓ کے ساتھ دوسرے اعزاء و اقارب بھی اس نعمت اور کرامت میں داخل ہو جائیں۔

خلاصۂ کلام:

خلاصہ کلام یہ کہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک اہل بیت کے مفہوم عام میں حضور پُرنور کی ازواج مطہرات اور ذریت اور اولاد اور بنی الاعمام سب داخل ہیں اور سب اسی بشارت اور کرامت میں شریک اور داخل ہیں کیونکہ قاعدہ مسلمہ ہے۔ العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب یعنی اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا آیت کا نزول اصالۃً اگرچہ ازواج مطہرات کے بارہ میں ہوا ہے مگر عموم لفظ کی وجہ سے اور حضور پُرنور کی دعا کی وجہ سے تمام اہل بیت کو شامل کیا گیا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

اھل البیت، رسول اللہ کے گھر کے لوگ۔ عکرمہ اور مقاتل کے نزدیک امہات المومنین مراد ہیں۔ حضرت ابن عباس کا قول سعید بن جبیر کی روایت سے بھی یہی آیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے (اہل البیت کے مفہوم کے تعیین کے لئے) آیت وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ وَالْحِکْمَۃِ تلاوت فرمائی رواہ

ابن ابی حاتم ورواہ ابن جریر عن عکرمۃ نحوہ۔ ان حضرات نے آیت کے سیاق و سباق سے بھی اسی پر استدلال کیا ہے۔ لیکن عورتوں کے ساتھ حکم کی تخصیص کیسے ہو سکتی ہے جب کہ کم ضمیر مذکر مخاطب کی استعمال کی گئی ہے (اس سے معلوم ہوا کہ آیت کا حکم مردوں کو بھی شامل ہے اور بطور تغلیب مذکر کی ضمیر ذکر کی گئی ہے۔ مترجم)

حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسنین رضی اللہ عنہم بھی اہل بیت میں داخل ہیں

حضرت ابوسعید خدری اور تابعین کی ایک جماعت کا قول ہے جن میں مجاہد اور قتادہ بھی شامل ہیں کہ اہل بیت ہیں۔ حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین۔ کیوں کہ حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ بالوں کی اونی چادر اوڑھے باہر تشریف لے گئے۔ چادر پر کجاوے کے نقوش تھے اتنے میں حسن بن علی آئے حضور نے ان کو چادر میں لے لیا پھر حسین بن علی آئے حضور نے ان کو بھی چادر میں لے لیا۔ پھر (سیدہ) فاطمہ آئیں حضور نے ان کو بھی چادر میں داخل کر لیا۔ پھر علی آئے آپ نے ان کو بھی داخل کر لیا پھر فرمایا اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا رواہ مسلم۔

حضرت سعد بن ابی وقاص راوی ہیں کہ جب آیت نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین کو طلب فرمایا، اور فرمایا، اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔ رواہ مسلم

حضرت واثلہ بن اسقع راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ تلاوت فرمائی اور حضرت علی، حضرت فاطمہ اور دونوں صاحبزادوں کے متعلق فرمایا اے اللہ یہ میرے گھر والے اور میرے خاص لوگ ہیں ان سے گندگی کو دور فرما دے اور ان کو کامل طور پر پاک کر دے۔

حضرت ام سلمہ کی روایت ہے کہ جب آیت اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ الخ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی اور فاطمہ اور حسن اور حسین کو طلب کیا اور کملی میں داخل کر لیا۔ پھر فرمایا اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے گندگی کو دور کر دے اور ان کو کامل طور پر پاک کر دے۔

ازواج واولاد سب اہل بیت ہیں:

مذکورہ احادیث اور ان جیسی دوسری اخبار سے آیت تطہیر کی حضرات اربعہ (حضرت علی، حضرت سیدہ، حضرت حسن، حضرت حسین کے ساتھ تخصیص ثابت نہیں ہوتی۔ ماقبل اور مابعد کا کلام بھی اس تخصیص سے انکار کر رہا ہے اور عرف ولغت کی شہادت بھی اس کے خلاف ہے۔ اصل میں اہل بیت کے لفظ کا اطلاق صرف بیویوں پر ہوتا ہے۔ اولاد اور دوسرے گھر والے ذیلی طور پر اس میں آ جاتے ہیں۔ بیویوں کے ہی رہنے کے مکان (یا کمرے) عام طور پر الگ الگ ہوتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ کو خطاب کر کے ملائکہ نے کہا تھا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ کیا تجھے اللہ کے حکم پر تعجب ہو رہا ہے۔ اے گھر والو تم پر اللہ کی رحمت ہے۔

حق بات یہ ہے کہ رفتار کلام اگرچہ امہات المومنین پر دلالت کر رہی ہے لیکن آیت تطہیر سب کو شامل ہے حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا تھا میرے گھر میں آیت اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ نازل ہوئی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ اور علی اور حسن اور حسین کو بلوایا پھر فرمایا یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بھی اہل بیت میں سے ہوں فرمایا کیوں نہیں۔ انشاء اللہ۔

رواہ البغوی وغیرہ۔ یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ اہل بیت میں سب داخل ہیں اور انشاء اللہ کا لفظ (امید مستقبل کے لئے نہیں بلکہ تحقیق اور) تبرک کے لئے استعمال ہوا ہے۔

حضرت زید بن ارقم نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت وہ سب لوگ تھے جن پر صدقہ کا مال (لینا) حرام کر دیا گیا تھا یعنی اولاد علی اولاد جعفر، اولاد عقیل، اولاد عباس اور اولاد حارث بن عبدالمطلب۔

گناہ گندگی ہے:

تطہیر سے مراد ہے دنیا میں گناہوں کی نجاست سے پاک کرنا اور آخرت میں مغفرت فرمانا۔

اللہ نے آیات مذکورہ میں امہات المومنین کو بعض چیزوں سے منع فرمایا بعض باتوں کے کرنے کا حکم دیا تا کہ رسول اللہ کا گھر والا کسی گناہ کا ارتکاب نہ کرے اور سب کے سب متقی ہو جائیں۔ بطور استعارہ گناہوں کو گندگی اور تقویٰ کو طہارت فرمایا کیونکہ گناہ کرنے والے کی گناہوں سے اسی طرح آلودگی ہو جاتی ہے جس طرح جسم نجاست سے آلودہ ہوتا ہے اور متقی ایسا ہی پاک صاف ہوتا ہے جس طرح کپڑا پاک صاف ہوتا ہے۔

مستعمل پانی:

چونکہ گناہ اور گندگی میں بہت گہری مناسبت ہے اسی لئے امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ پانی کا استعمال خواہ رفع حدث کے لئے کیا گیا ہو یا بطور ثواب (وقربت) بہر حال مستعمل پانی نجس ہو جاتا ہے۔

حضرت عثمان کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اچھی طرح خوب وضو کرتا ہے اس کے گناہ اس کے بدن سے نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ ناخنوں کے نیچے سے بھی خارج ہو جاتے ہیں (اور پانی کے ساتھ بہہ جاتے ہیں) متفق علیہ۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلم بندہ (یا فرمایا مؤمن بندہ) وضو کرتا ہے اور منہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے پانی کے ساتھ آنکھ کے گناہ نکل جاتے ہیں۔الحدیث۔رواہ مسلم۔

شیعوں کا غلط استدلال:

شیعہ کہتے ہیں کہ یہ آیت ثابت کر رہی ہے کہ علیؓ اور فاطمہؓ اور حسنؓ اور حسینؓ معصوم تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفا، یہی تھے دوسرا کوئی خلیفہ نہیں ہوسکتا۔اور انہیں حضرات اربعہ کا اور ان کے بعد (ان کی نسل کے) دوسرے اماموں کا ہی اجماع معتبر ہے۔شیعہ کہتے ہیں اللہ کا ارادہ مراد سے منفک نہیں ہوتا (یعنی اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اس کا پورا ہونا لازم ہے) اور حسب صراحت آیت اللہ اہل بیت کو طاہر بنانا چاہتا تھا اس لئے اہل بیت کا معصوم ہونا ضروری ہے۔گناہگار پاک نہیں ہوتا اور عصمت امامت (یعنی خلافت) کی شرط ہے اور چونکہ ابوبکر اور عمر اور عثمان بالاجماع معصوم نہ تھے اس لئے خلافت کا استحقاق صرف اہل بیت کو تھا۔شیعہ فرقہ کا استدلال غلط ہے۔

آیت کا نزول امہات المومنین کے لئے ہوا۔ ہاں یہ چاروں بزرگ ہستیاں حکم آیت میں داخل ہیں۔

آیت عصمت پر دلالت نہیں کرتی (ارادہ تطہیر کا معنی عطاء عصمت نہیں) دیکھو آیت وضو میں تمام امت کو خطاب کر کے فرمایا ہے مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ الخ اللہ تم پر کوئی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ تم کو پاک کرنا چاہتا ہے (تو کیا ساری امت اسلامیہ کو اس آیت کی روشنی میں معصوم قرار دیا جاسکتا ہے۔

اگر شبہہ کیا جائے کہ آیت تطہیر کا تقاضا تو گناہوں سے پاک کرنے کا ارادۂ الٰہیہ ہے (یعنی اللہ گناہوں سے تم کو پاک کرنا چاہتا ہے) اور آیت وضو، کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تم کو نجاست اور غلاظت بدنیہ سے پاک صاف کرنا چاہتا ہے اگر تم وضو کرو گے (تو بدنی نجاست دور ہو جائے گی) دونوں آیتوں میں ایک قسم کی تطہیر نہیں ہے مگر یہ شبہہ بے اصل ہے دونوں آیتوں میں اللہ کا ارادہ تطہیر مشروط ہے آیت وضو میں مشروط باوضوء ہے اور آیت تطہیر میں مشروط بالتقویٰ۔ یعنی اگر وضو کرو گے تو نجاست بدنی سے پاک ہو جاؤ گے اسی طرح اے اہل بیت تم تقویٰ اختیار کرو گے تو گناہوں سے پاک ہو جاؤ گے یہی وجہ ہے کہ جس طرح طہارت بدنی حاصل کرنے کے لئے اللہ نے پانی کے استعمال کا طریقہ بتادیا اسی طرح گناہوں سے طہارت حاصل کرنے اور باطن کو پاک رکھنے کے لئے اس نے تقویٰ کا طریقہ بتادیا اور فرمادیا فَلَا تَخْضَعْنَ پس جس طرح طہارت بدن پانی کے استعمال سے وابستہ ہے اسی طرح طہارتِ باطن تقویٰ پر موقوف ہے۔

امامت (یعنی خلافتِ ارضی) کے لئے عصمت شرط نہیں ہے۔معصوم کی موجودگی میں غیر معصوم خلیفہ ہوسکتا ہے۔دیکھو حضرت اشموئیل اور حضرت داؤد کے موجود ہونے کے باوجود طالوت کو خلیفہ (بادشاہ) بنادیا گیا تھا۔آیت میں آیا ہے وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ۔(تفسیر مظہری)

عورتوں کیلئے جہاد کا ثواب:

ایک روایت میں ہے کہ ان کے لئے ان کے گھر بہتر ہیں۔ بزار میں ہے کہ عورتوں نے حاضر ہو کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جہاد وغیرہ کی کل فضیلتیں مرد ہی لے گئے، اب آپ ہمیں کوئی ایسا عمل بتائیں جس سے ہم مجاہدین کی فضیلت کو پاسکیں۔ آپ نے فرمایا تم میں سے جو اپنے گھر میں پردے اور عصمت کے ساتھ بیٹھی رہے وہ جہاد کی فضیلت پالے گی۔

عورت کیلئے قربِ الٰہی:

ترمذی وغیرہ میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، عورت سرتاپا پردے کی چیز ہے، یہ جب گھر سے باہر قدم نکالتی ہے تو شیطان جھانکنے لگتا ہے۔ یہ سب سے زیادہ خدا سے قریب اُس وقت ہوتی ہے جب کہ یہ اپنے گھر کے اندرونی حُجرے میں ہو۔

عورت کی افضل نماز:

ابوداؤد وغیرہ میں ہے عورت کی اپنے گھر کی اندرونی کوٹھری کی نماز، گھر کی نماز سے افضل ہے اور گھر کی نماز صحن کی نماز سے بہتر ہے۔

دَورِ جاہلیت کے کرتوت:

جاہلیت میں عورتیں بے پردہ پھرا کرتی تھیں۔ اب اسلام بے پردگی کو حرام قرار دیتا ہے۔ ناز سے اٹھلا کر چلنا ممنوع ہے۔ دوپٹیا گلے میں ڈال لی لیکن اُسے لپیٹا نہیں، جس سے گردن اور کانوں کے زیورات دوسروں کی نظر میں آئیں، یہ جاہلیت کا بناؤ تھا جس سے اس آیت میں روکا گیا ہے۔

حضرات حسنین کی فضیلت:

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا۔ آپ ایک مرتبہ نماز پڑھا رہے تھے کہ بنواسد کا ایک شخص کود کر آیا اور سجدے کی حالت میں آپ کے جسم میں خنجر گھونپ دیا۔ جو آپ کے نرم گوشت میں لگا جس سے آپ کئی مہینے بیمار رہے

جب اچھے ہو گئے تو مسجد میں آئے۔ منبر پر بیٹھ کر خطبہ پڑھا جس میں فرمایا اے عراقیو! ہمارے بارے میں خوفِ خدا کرو۔ ہم تمہارے حاکم ہیں، تمہارے مہمان ہیں، ہم اہلِ بیت ہیں جن کے بارے میں آیت

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا

اتری ہے اس پر آپ نے خوب زور دیا اور اس مضمون کو بار بار ادا کیا جس سے مسجد والے رونے لگے ایک مرتبہ علیؓ بن حسین نے ایک شامی سے فرمایا تھا کیا تو نے سورۂ احزاب کی آیت تطہیر نہیں پڑھی؟ اس نے کہا ہاں۔ کیا اس سے مراد تم ہو؟ فرمایا ہاں۔

ازواج کو خصوصی خطاب کی حکمت:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا

آیت سابقہ میں جو ہدایات ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے دی گئی ہیں، وہ اگر چہ ان کی ذات کے ساتھ مخصوص نہ تھیں بلکہ پوری اُمت ان احکام کی مکلف ہے، مگر ازواج مطہرات کو خصوصی خطاب اس لئے کیا گیا کہ وہ اپنی شان اور بیت نبوت کے مناسب ان اعمال کا زیادہ اہتمام کریں، اس آیت میں اس خصوصی خطاب کی حکمت مذکور ہے کہ اصلاحِ اعمال کی خاص ہدایت سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مطلوب یہ ہے کہ اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رجس (گندگی) سے پاک کر دے۔

رِجس کا معنی:

لفظ رجس قرآن میں متعدد معانی کے لئے استعمال ہوا ہے، ایک جگہ رجس بتوں کے معنی میں آیا ہے اور کبھی رجس مطلق گناہ کے معنی میں، کبھی عذاب کے معنی میں کبھی نجاست اور گندگی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو شرعاً یا طبعاً قابلِ نفرت سمجھی جاتی ہو وہ رجس ہے، اس آیت میں یہی عام معنی مراد ہیں۔ (بحرمحیط)

حضرت عکرمہؓ کا چیلنج:

حضرت عکرمہ تو بازار میں منادی کرتے تھے، کہ آیت میں اہلِ بیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں، کیونکہ یہ آیت انہی کی شان میں نازل ہوئی ہے، اور فرماتے تھے کہ میں اس پر مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔

مختلف اقوال میں تطبیق:

ابن کثیر نے اس مضمون کی متعدد احادیث معتبرہ نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ درحقیقت ان دونوں اقوال میں جو ائمہ تفسیر سے منقول ہیں کوئی تضاد نہیں جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت ازواج مطہرات کی شان میں نازل ہوئی اور اہل بیت سے وہ مراد ہیں یہ اس کے منافی نہیں کہ دوسرے حضرات بھی اہل بیت میں شامل ہوں، اس لئے صحیح یہی ہے کہ لفظ اہل بیت میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں، کیونکہ شانِ نزول اس آیت کا وہی ہیں اور شانِ نزول کا مصداق آیت میں داخل ہونا کسی شبہ کا متحمل نہیں، اور حضرت فاطمہ وعلی وحسن وحسین رضی اللہ عنہم بھی، ارشادِ نبوی علیہ السلام کے مطابق اہل بیت میں شامل ہیں۔

اسلوبِ قرآن کی دلالت:

اور اس آیت سے پہلے اور بعد میں دونوں جگہ نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم عنوان سے خطاب اور ان کے لئے صیغے مؤنث کے استعمال فرمائے گئے ہیں، سابقہ آیات میں فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ کے آخر تک سب صیغے مؤنث کے استعمال ہوئے ہیں، اور آگے پھر وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى میں بصیغۂ تانیث خطاب ہوا ہے، اس درمیانی آیت کو سیاق وسباق سے کاٹ کر بصیغۂ مذکر عَنْكُمْ اور يُطَهِّرَكُمْ فرمانا بھی اس پر شاہد قوی ہے کہ اس میں صرف ازواج ہی داخل نہیں کچھ رجال بھی ہیں۔

تطہیر کا مطلب:

آیت مذکورہ میں جو یہ فرمایا ہے کہ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا

تطہیر کا مطلب:

ظاہر ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان ہدایات کے ذریعہ اغواء شیطانی اور معاصی اور قبائح سے حق تعالیٰ اہل بیت کو محفوظ رکھے گا، اور پاک کر دے گا، خلاصہ یہ ہے کہ تطہیر تشریعی مراد ہے، تکوینی تطہیر جو خاصہ انبیاء ہے وہ مراد نہیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ سب معصوم ہوں اور ان سے انبیاء علیہم السلام کی طرح کوئی گناہ سرزد ہونا ممکن نہ ہو، تکوینی تطہیر کا جو خاصہ ہے، اہلِ تشیع نے اس آیت میں جمہور امت سے اختلاف کر کے اول تو لفظ اہلِ بیت کا صرف اولاد وعصبات رسول کے ساتھ مخصوص ہونے اور ازواج مطہرات کے ان سے خارج ہونے کا دعویٰ کیا، دوسرے آیت مذکورہ میں تطہیر سے مراد ان کی عصمت قرار دے کر اہل بیت کو انبیاء کی طرح معصوم کیا، اس کا جواب اور مسئلہ کی مفصل بحث احقر نے احکام القرآن سورۂ احزاب میں لکھی ہے اس میں عصمت کی تعریف اور اس کا انبیاء اور ملائکہ کے ساتھ مخصوص ہونا اور ان کے علاوہ کسی کا معصوم نہ ہونا دلائل شرعیہ سے واضح کر دیا ہے، اہلِ علم اس کو دیکھ سکتے ہیں، عوام کو اس کی ضرورت نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

صحابہ کرامؓ کی فضیلت شیعوں کی کتاب میں:

شیعوں کی ایک حدیث میں یہ فضیلت صحابہ کے لئے بصیغۂ ماضی وارد ہوئی ہے وہ حدیث طویل ہے جو فروع کافی کلینی جلد اول مطبوعہ نول کشور کتاب الجہاد میں ص ۲۰۹ تک منقول ہے۔ یہ حدیث امام جعفر صادق سے

مروی ہے جو مہاجرین صحابہ کے فضائل اور محامد پر مشتمل ہے جس میں صحابہ کے متعلق ایک جگہ یہ کہا گیا ہے۔ الذین اخبر عنهم فی کتابه انه اذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهیرا یعنی ان لوگوں کے متعلق اللہ نے اپنی کتاب میں یہ بیان کیا ہے کہ اللہ نے ان سے ناپاکی کو دور کر دیا اور ان کو خوب پاک کر دیا بعد ازاں امام جعفر صادق نے مہاجرین کو آیۃ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ الخ اور آیت قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ اور آیت اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ اور آیت يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مصداق قرار دیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ مہاجرین اور خلفاء ثلاثہ معاذ اللہ ظالم و فاسق نہ تھے۔

شیعوں کی تاویل:

حضرات شیعہ کو اس صریح اور واضح حدیث میں جب تاویل کی کوئی گنجائش نہ ملی تو اس کو تقیہ پر محمول کیا لیکن سوال یہ ہے کہ تقیہ کے لئے بھی کوئی موقع اور محل چاہئے کہ جو خوف اور ڈر کی بنا پر کیا جاتا ہے یہاں امام جعفر صادق کو کیا خوف لاحق تھا۔ (معارف کاندھلوی)

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ

اور یاد کرو جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں

اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ

اللہ کی باتیں اور عقلمندی کی

تعلیم قرآن وسنت کا حکم:

یعنی قرآن وسنت میں جو اللہ کے احکام اور دانائی کی باتیں ہیں انہیں سیکھو، یاد کرو دوسروں کو سکھاؤ اور اللہ کے احسان عظیم کا شکر ادا کرو کہ تم کو ایسے گھر میں رکھا جو حکمت کا خزانہ اور ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فائدہ: ابن عربی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی آیت قرآن یا حدیث سنے اس پر لازم ہے کہ وہ اُمت کو پہنچائے، یہاں تک کہ ازواج مطہرات پر بھی لازم کیا گیا کہ جو آیاتِ قرآن ان کے گھروں میں نازل ہوں یا جو تعلیمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو حاصل ہوں اس کا ذکر امت کے دوسرے افراد سے کریں، اور یہ اللہ کی امانت ان کو پہنچائیں۔

قرآن کی طرح حدیث کی حفاظت:

اس آیت میں جس طرح آیات قرآن کی تبلیغ و تعلیم اُمت پر لازم کی گئی ہے اسی طرح لفظ حکمت فرما کر احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ و تعلیم کو بھی لازم کیا گیا ہے، اسی لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس حکم کی تعمیل ہر حال میں کی ہے، صحیح بخاری میں حضرت معاذؓ کا یہ واقعہ کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی، لیکن اس کو عام لوگوں کے سامنے اس لئے بیان نہیں کیا کہ خطرہ تھا کہ لوگ اس کو اس کے درجہ میں نہ رکھیں، اور کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں، لیکن جب اُن کی وفات کا وقت آیا تو لوگوں کو جمع کر کے وہ حدیث سنادی اور فرمایا کہ میں نے اس وقت تک دینی مصلحت سے اس کا ذکر کسی سے نہیں کیا تھا، مگر اب موت کا وقت قریب ہے اس لئے امت کی یہ امانت ان کو پہنچانا ضروری سمجھتا ہوں، صحیح بخاری میں اُن کے الفاظ یہ ہیں فاخبر بہا معاذ عند موته تأثما یعنی حضرت معاذؓ نے یہ حدیث لوگوں کو وفات کے وقت اس لئے سُنادی کہ وہ گناہگار نہ ہوں کہ حدیث رسول امت کو نہیں پہنچائی۔

یہ واقعہ بھی اسی پر شاہد ہے کہ اس حکم قرآنی کی تعمیل سب صحابۂ کرام واجب و ضروری سمجھتے تھے، اور صحابہ کرام نے حدیث کو احتیاط کے ساتھ لوگوں تک پہنچانے کا اہتمام فرمایا تھا تو حدیث کی حفاظت بھی ایک درجہ میں قرآن کی حفاظت کے قریب قریب ہوگئی، اس معاملہ میں شبہات نکالنا درحقیقت قرآن میں شبہات نکالنا ہے، واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا

مقرر اللہ ہے بھید جاننے والا خبردار

اسرار الٰہی:

اُس کی آیتوں میں بڑے باریک بھید اور پتے کی باتیں ہیں اور وہ ہی جانتا ہے کہ کون اس امانت کے اُٹھانے کا اہل ہے اُس نے اپنے لطف و مہربانی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے لئے اور تم کو اُن کی زوجیت کے لئے چن لیا۔ کیونکہ وہ ہر ایک کے احوال و استعداد کی خبر رکھتا ہے کوئی کام یوں ہی بے جوڑ نہیں کرسکتا۔ (تفسیر عثمانی)

آئندہ آیت کا شانِ نزول:

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حضرت اسماء بنت عمیس جب اپنے شوہر حضرت جعفر بن ابوطالب کے ہمراہ حبشہ سے واپس آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں کے پاس گئیں تو ان سے دریافت کیا کیا ہمارے معاملہ میں قرآن کی کوئی آیت اتری ہے۔ امہات المؤمنین نے جواب دیا نہیں۔ اسماء فوراً رسول اللہ کی خدمت میں پہنچیں اور عرض کیا یا رسول اللہ عورتیں بڑے گھاٹے میں ہیں، بڑی نامراد ہیں۔ فرمایا کس وجہ سے یہ بات (کہہ رہی ہو) عرض کیا حضور مردوں کا جس طرح ذکر کیا جاتا ہے۔ عورتوں کا اچھائی کے ساتھ (قرآن

میں) کہیں ذکر ہی نہیں ہوتا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ

تحقیق مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایماندار مرد

وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ

اور ایماندار عورتیں اور بندگی کرنے والے مرد اور بندگی کرنے والی عورتیں اور سچے مرد

وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ

اور سچی عورتیں اور محنت جھیلنے والے مرد اور محنت جھیلنے والی عورتیں

یعنی تکلیفیں اٹھا کر اور سختیاں جھیل کر احکام شریعت پر قائم رہنے والے۔ (تفسیر عثمانی)

ایمان دار خواتین کا ذکر:

طبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بھی اسی طرح بیان کی ہے۔ اسی طرح ابن سعد نے قتادہ کی روایت سے بیان کیا ہے۔ طبرانی نے قابل قبول سند سے بروایت ابن عباس یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا وجہ ہے کہ اللہ ایماندار مردوں کا تو ذکر کرتا ہے اور ایمان دار عورتوں کا ذکر (قرآن میں) نہیں کرتا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ سبب نزول ابن جریر نے قتادہ کی روایت سے مرسلاً ذکر کیا ہے۔

ترمذی نے بسند حسن حضرت ام عمارہ انصاریہ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر انہوں نے کہا تھا کیا وجہ کہ میں (قرآن میں) ہر چیز مردوں ہی کے لئے دیکھتی ہوں اور عورتوں کا تذکرہ کسی (اچھی) چیز کے ساتھ (قرآن میں) مجھے نظر نہیں آتا۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ

اور دبے رہنے والے مرد اور دبی رہنے والی عورتیں

یعنی تواضع وخاکساری اختیار کرنے والے یا نماز خشوع وخضوع سے ادا کرنے والے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ

اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں

وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ

اور حفاظت کرنے والے مرد اپنی شہوت کی جگہ کو اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور یاد کرنے والے مرد

كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا

اللہ کو بہت سا اور یاد کرنے والی عورتیں رکھی ہے اللہ نے ان کے واسطے معافی اور ثواب بڑا

خواتین کی دلجمعی:

بعض ازواج مطہرات نے کہا تھا کہ قرآن میں اکثر جگہ مردوں کا ذکر ہے عورتوں کا کہیں نہیں اور بعض نیک بخت عورتوں کو خیال ہوا کہ آیات سابقہ میں ازواج نبی کا ذکر تو آیا عام عورتوں کا کچھ حال بیان نہ ہوا اس پر یہ آیت اتری۔ تاتسلی ہو جائے کہ عورت ہو یا مرد کسی کی محنت اور کمائی اللہ کے یہاں ضائع نہیں جاتی۔ اور جس طرح مردوں کو روحانی اور اخلاقی ترقی کرنے کے ذرائع حاصل ہیں عورتوں کے لئے بھی یہ میدان کشادہ ہے۔ یہ طبقہ اناث کی دلجمعی کے لئے تصریح فرما دی۔ ورنہ جو احکام مردوں کے قرآن میں آئے وہ ہی عموماً عورتوں پر عائد ہوتے ہیں۔ جُدا گانہ نام لینے کی ضرورت نہیں۔ ہاں خصوصی احکام الگ بتلا دیئے گئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سب سے بڑا مجاہد:

الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ یعنی بکثرت دلوں اور زبانوں سے اللہ کی یاد کرنے والے مرد اور عورتیں۔

حضرت معاذ راوی ہیں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کون سا مجاہد سب سے بڑے ثواب کا مستحق ہے فرمایا جو اللہ کی یاد سب سے زیادہ کرنے والا ہو۔ عرض کیا کس روزہ دار کو سب سے بڑا ثواب ملے گا فرمایا جو اللہ کو سب سے زیادہ یاد کرتا ہو پھر اس شخص نے نماز زکوٰۃ حج اور خیرات کا ذکر کیا اور حضور نے سب کے جواب میں یہی فرمایا کہ جو اللہ کی یاد سب سے زیادہ کرتا ہو۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر نے حضرت عمر سے فرمایا ابو حفص اللہ کا ذکر کرنے والے ہر بھلائی کو لے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک۔

بغوی نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ بندہ اسی وقت اللہ کی بکثرت یاد کرنے والوں میں شمار کیا جاتا ہے جب کھڑے بیٹھے لیٹے ہر وقت اللہ کی یاد کرتا ہو کسی وقت اللہ کی یاد میں سستی نہ کرتا ہو اس کے بغیر کثیر الذکر بندوں میں سے نہیں ہوتا۔

میں کہتا ہوں یہ بات اسی وقت ہوتی ہے جب فنائے قلب حاصل ہو جائے ذکر میں دل ڈوبا رہے اور ہر وقت حضور دوامی حاصل رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افراد والے (سب سے) آگے بڑھ گئے عرض کیا گیا افراد والے کون فرمایا اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور عورتیں۔ رواہ مسلم من حدیث ابی ہریرہؓ۔

عذاب الٰہی سے نجات:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذکرِ خدا سے زیادہ عذاب الٰہی سے

نجات دینے والی اور کوئی چیز نہیں۔ صحابہ نے عرض کیا نہ جہاد فی سبیل اللہ۔ فرمایا نہ جہاد فی سبیل اللہ ہاں اگر جہاد میں اتنی شمشیر زنی کرے کہ تلوار ٹوٹ جائے۔ (ایسی حالت میں مجاہد کا درجہ زیادہ ہو جائے گا) رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر من حدیث عبداللہ بن عمر۔

افضل واعلیٰ آدمی:

حضرت سعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا قیامت کے دن اللہ کے نزدیک کون سا بندہ سب سے افضل اور عالی مرتبہ ہوگا فرمایا اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور عورتیں۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیا اللہ کی راہ میں لڑنے والے سے بھی فرمایا اگر (مجاہد) کافروں اور مشرکوں میں اتنی شمشیر زنی کرے کہ تلوار ٹوٹ جائے اور خون سے رنگ جائے تب بھی اللہ کو یاد کرنے والا اس سے مرتبہ میں افضل ہوگا۔ رواہ احمد والترمذی وقال ہذا حدیث غریب۔

غافل وذاکر کی مثال:

امام مالک نے فرمایا مجھے یہ خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے یادِ خدا سے غفلت کرنے والوں میں اللہ کی یاد کرنے والا ایسا ہوتا ہے جیسے (جہاد سے منہ موڑ کر) بھاگنے والوں کے پیچھے (کافروں سے) لڑتا رہنے والا اور غافلوں میں اللہ کی یاد کرنے والا ایسا ہے جیسے سوکھے درخت میں سبز ٹہنی اور غافلوں میں اللہ کی یاد کرنے والا ایسا ہے جیسے تاریک گھر میں (روشن) چراغ۔ غافلوں میں اللہ کی یاد کرنے والے کو (دنیا میں ہی) جنت کے اندر اس کا مقام اللہ دکھا دیتا ہے اور غافلوں میں اللہ کی یاد کرنے والے کے گناہ سارے بولنے والوں اور گونگوں کی گنتی کے برابر بخش دیئے جاتے ہیں۔ بولنے والوں سے مراد ہیں تمام بنی آدم اور گونگے سے مراد ہیں چوپائے۔ رواہ رزین۔

مؤمن ومسلم، قانت، صادق، صابر،
خاشع، متصدق، صائم اور حافظ

بغوی نے لکھا ہے کہ عطاء بن ابی رباح نے کہا جس نے اپنے کام اللہ کے سپرد کر دیئے وہ المسلمین والمسلمات کے تحت آ گیا اور جس نے اقرار کیا کہ اللہ میرا رب ہے اور محمد اس کے رسول ہیں اور دل زبان کے مخالف نہ ہو تو وہ المومنین والمومنات کی فہرست میں آ گیا اور جس نے فرائض میں اللہ کی اور سنت میں رسول کی اطاعت کی (یعنی فرائض خداوندی کو ادا کیا اور سنت رسول پر چلا) وہ القانتین والقانتات میں شامل ہو گیا اور جس نے اپنے کلام کو جھوٹ سے محفوظ رکھا وہ الصادقین والصادقات میں آ گیا اور جو طاعت پر جما رہا اور گناہ سے ڈرتا رہا اور دکھ پر صبر کیا وہ الصابرین والصابرات میں شامل ہو گیا اور جس نے (اتنے استغراق سے) نماز پڑھی کہ دائیں بائیں کی بھی اس کو شناخت (یعنی خبر) نہ ہوئی وہ الخاشعین والخاشعات میں داخل ہو گیا اور جس نے ہر ہفتہ ایک درہم خیرات کیا وہ المتصدقین والمتصدقات میں شامل ہو گیا اور جس نے ہر ماہ چاندنی راتوں کے (یعنی ۱۳۔۱۴ تاریخوں کے) روزے رکھے وہ الصائمین والصائمات میں داخل ہو گیا اور جس نے حرام سے اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھا وہ الحافظین فروجھم والحافظات کے ذیل میں آ گیا اور جس نے پانچوں نمازیں ادا کیں وہ الذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات کے تحت آ گیا۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً یعنی جو گناہ ان سے سرزد ہو گئے ہوں گے ان کی مغفرت اللہ نے تیار کر رکھی ہے۔

وَّاَجْرًا عَظِيْمًا یعنی طاعت کا بڑا ثواب۔ (تفسیر مظہری)

نکتہ: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں دونوں کو صراحۃً خطاب فرمایا باقی اکثر آیات میں صرف مردوں ہی کو خطاب کیا گیا ہے کیونکہ مرد حاکم ہیں اور اصل ہیں اور عورتیں ان کے تابع ہیں۔ اس لئے عورتوں کو جداگانہ خطاب نہیں کیا گیا حاکم کو خطاب کافی ہے محکوم اور تابع کو علیحدہ خطاب کی ضرورت نہیں جو لوگ مرد اور عورت کی مساوات کے قائل ہیں وہ قرآن اور حدیث سے بے خبر ہیں نیز سارا عالم اس بات پر متفق ہے کہ عورتیں مردوں سے جسمانی قوت میں اور عقل اور فہم میں اور اعضاء ظاہری کی ساخت میں مردوں سے بہت کم ہیں حتیٰ کہ آواز میں بھی مرد سے کم ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں عورت کے متعلق فرمایا اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ یعنی عورتوں کو ابتداء ہی سے زیب و زینت کا شوق ہوتا ہے اور اسی میں ان کی پرورش ہوتی ہے اور زیب و زینت سے اور غیر ضروری چیزوں سے رغبت قلت عقل کی دلیل ہے اور اخیر سورت میں حق جل شانہٗ کا یہ ارشاد وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ عورتوں کے دوسرے نقص کا بیان ہے کہ وہ قوت بیانیہ میں ضعیف اور کمزور ہے پس جس کو قدرت نے محکوم اور کمزور اور ناقص بنایا ہو وہ حاکم اور قوی کے ساتھ کیسے مساوی ہو سکتا ہے بلکہ یہ محکومیت ہی عورتوں کے لئے اللہ کی رحمت اور نعمت ہے کہ ان کو مردوں کے تابع کر دیا۔ اگر چھوٹے بچے ماں باپ کے تابع نہ ہوں تو یقیناً وہ ہلاک ہوں گے اسی وجہ سے حدیث میں ہے۔ لا نکاح الا بولی عورت کو بغیر ولی کے ہرگز نکاح نہ کرنا چاہیے۔ (معارف کاندھلوی)

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ
اور کام نہیں کسی ایماندار مرد کا اور نہ ایماندار عورت کا جبکہ مقرر کر دے اللہ
وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ
اور اُس کا رسول کوئی کام کہ ان کو رہے اختیار

مِنْ اَمْرِهِمْ ۚ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

اپنے کام کا اور جس نے نافرمانی کی اللہ کی اور اُس کے رسول کی

فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا

سو وہ راہ بھولا صریح چوک کر

حضرت زید بن حارثہ اور حضرت زینبؓ کا واقعہ:

حضرت زینت رضی اللہ عنہا امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی زاد بہن اور قریش کے اعلیٰ خاندان سے تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان کا نکاح زید بن حارثہ سے کر دیں۔ یہ زید اصل سے شریف عرب تھے لیکن لڑکپن میں کوئی ظالم ان کو پکڑ لایا اور غلام بنا کر مکہ کے بازار میں بیچ گیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خرید لیا اور کچھ دنوں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا۔ جب یہ ہشیار ہوئے تو ایک تجارتی سفر کی تقریب سے اپنے وطن کے قریب گزرے، وہاں ان کے اعزہ کو پتہ لگ گیا۔ آخر ان کے والد، چچا اور بھائی حضرت کی خدمت میں پہنچے کہ آپ معاوضہ لے کر ہمارے حوالہ کر دیں، فرمایا کہ معاوضہ کی ضرورت نہیں۔ اگر تمہارے ساتھ جانا چاہے خوشی سے لے جاؤ۔ انہوں نے حضرت زید سے دریافت کیا۔ حضرت زید نے کہا کہ میں حضرت کے پاس سے جانا نہیں چاہتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اولاد سے بڑھ کر عزیز رکھتے ہیں اور ماں باپ سے زیادہ چاہتے ہیں۔ حضرت نے اُن کو آزاد کر دیا اور متبنیٰ بنا لیا۔ چنانچہ لوگ اُس زمانہ کے مطابق زید بن محمد کہہ کر پکارنے لگے تا آنکہ آیت اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ نازل ہوئی۔ اُس وقت زید بن محمد کی جگہ پھر زید بن حارثہ رہ گئے چونکہ قرآن کے حکم کے موافق اُن کے نام سے اس نسبت عظیمہ کا شرف جُدا کر لیا گیا تھا شاید اس کی تلافی کے لئے تمام صحابہ کے مجمع میں سے صرف اُن کو یہ خاص شرف بخشا گیا کہ اُن کا نام قرآن میں تصریحاً وارد ہوا جیسا کہ آگے آتا ہے فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا بہر حال حضرت زینبؓ کی خاندانی حیثیت چونکہ بہت بلند تھی اور زید بن حارثہ بظاہر داغ غلامی اُٹھا کر آزاد ہوئے تھے اس لئے ان کی نیز اُن کے بھائی کی مرضی زید سے نکاح کرنے کی نہ تھی لیکن اللہ و رسول کو منظور تھا کہ اس طرح کی موہوم تفریقات و امتیازات نکاح کے راستہ میں حائل نہ ہوا کریں۔ اس لئے آپ نے زینب اور اُن کے بھائی پر زور دیا کہ وہ اس نکاح کو قبول کرلیں۔ اسی وقت یہ آیت اُتری اور اُن لوگوں نے اپنی مرضی کو اللہ و رسول کی مرضی پر قربان کر دیا اور زینب کا نکاح زید بن حارثہ سے ہو گیا۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: طبرانی نے صحیح سند سے بروایت قتادہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش کو پیامِ نکاح بھیجا یہ پیام حضرت زید بن حارثہ کے لئے تھا لیکن حضرت زینب نے خیال کیا کہ رسول اللہ نے اپنے ساتھ نکاح کا پیام بھیجا ہے جب معلوم ہوا کہ زید کا پیام بھیجا ہے تو انکار کر دیا اس پر آیت مذکور نازل ہوئی۔

رسول نے کسی بات کا قطعی حکم دے دیا ہو تو پھر کسی مومن مرد اور مومن عورت کو اپنے امر کا خود اختیار نہیں رہتا۔

نزول آیت کے بعد حضرت زینب راضی ہو گئیں اور انہوں نے مان لیا۔

حضرت زیدؓ کی شادی:

بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو بازار عکاظ سے خریدنے کے بعد آزاد کر کے بیٹا بنا لیا تھا پھر حضرت زینب کو پیام نکاح بھیجا۔ حضرت زینب نے خیال کیا کہ اپنے ساتھ نکاح کا پیام بھیجا ہے اس لئے راضی ہو گئیں لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ زید کی طرف سے پیام بھیجا ہے تو آپ کو ناگوار ہوا اور انکار کر دیا اور زینب کے بھائی عبداللہ بن جحش نے بھی یہ رشتہ پسند نہیں کیا حضرت زینب اور ان کے بھائی عبداللہ کی ماں امیمہ بنت عبدالمطلب تھی امیمہ رسول اللہ کی پھوپھی تھی۔

ابن جریر نے بطریق عکرمہ وعوفی حضرت ابن عباس کی یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش کو زید بن حارثہ کے لئے نکاح کا پیام بھیجا تھا۔ زینب نے یہ رشتہ پسند نہیں کیا اور کہا میں زید سے نسب میں بہتر اور اعلیٰ ہوں اس پر آیت وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ نازل ہوئی۔ مومن سے مراد ہیں عبداللہ بن جحش اور مومنہ سے مراد ہیں زینب بنت جحش یعنی کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔

اپنی مرضی کو اللہ و رسول کے تابع بناؤ:

اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ کہ ان کو اپنے معاملہ کا اختیار خود اپنے ہاتھ میں رہے کہ جب چاہیں اپنی مرضی کے مطابق کریں بلکہ حکم خدا کی تعمیل ان کے لئے ضروری ہے اور اپنے اختیار کو اللہ اور رسول کی پسندیدگی کے تابع بنانا لازم ہے۔

خیرۃ اور خیار دونوں ہم معنی ہیں۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مطلق امر (اگر کسی دوسرے معنی کے قرینہ سے خالی ہو تو) وجوب کے لئے آتا ہے۔ ایک بات یہ بھی معلوم ہو رہی ہے کہ عالم اور وہ لوگ جن کو دینی شرف حاصل ہے وہ ہر علوی اور شریف النسب شخص کا کفو ہے (خواہ اس کی ذات اور قوم عرفِ عام کے لحاظ سے کچھ بھی ہو)

پیغمبر کی نافرمانی یا کفر ہے یا فسق:

ضَلٰلًا مُّبِيْنًا راہ صواب سے کھلا ہوا انحراف۔ امر سے انحراف دو طرح کا

ہوتا ہے۔ امر کو ماننے سے انکار اور تردید ایسا انحراف کفر ہے انحراف عمل مع اعتقادِ وجوب یعنی امر کے واجب ہونے کا عقیدہ تو ہو لیکن عمل اس کے مطابق نہ ہو، ایسی نافرمانی کو فسق کہتے ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے اس آیت کے نزول کے بعد حضرت زینب اور ان کا بھائی دونوں راضی ہو گئے اور دونوں نے مان لیا اور زینب کے نکاح کا اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے دیا۔ حضور نے زید سے ان کا نکاح کر دیا۔ حضور نے زید کی طرف سے زینب کو دس دینار ساٹھ درہم ایک اوڑھنی ایک کرتہ ایک تہبند ایک چادر پچاس سیر غلہ اور تقریباً چار من چھوارے دیئے۔ حضرت زید کے پاس ایک مدت تک رہیں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام سے (حضرت زینب کی طرف) گئے زینب گوری اور قریش کی حسین ترین عورت تھیں اس وقت صرف کرتہ اور دوپٹہ پہنے کھڑی تھیں حضور کی جو نظر ان پر پڑی تو اچھی معلوم ہوئیں اور دل کو بھا گئیں فوراً زبان سے نکلا سبحان اللہ۔ اللہ دل کو پلٹنے والا ہے۔ اس کے بعد لوٹ آئے جب حضرت زید آئے تو ان سے حضور نے اس بات کا تذکرہ کر دیا۔ زید سمجھ گئے اور اسی وقت سے ان کے دل میں زینب کی طرف سے کراہت پیدا ہو گئی۔ کچھ مدت بعد حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنی بیوی کو الگ کرنا چاہتا ہوں۔ حضور نے فرمایا ایسا کیوں؟ کیا زینب کی تم نے کوئی ناشائستہ حرکت دیکھی۔ زید نے کہا نہیں خدا کی قسم۔ میں نے تو ان کی طرف سے نیکی کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا مگر وہ اپنی شرافت نسب کی وجہ سے مجھ پر اپنی بڑائی جتلاتی ہیں اور زبان سے مجھے دکھ دیتی ہیں۔ حضور نے فرمایا اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو اور اس کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ ابن جریر نے ابو زید کی روایت سے یہ واقعہ یوں ہی بیان کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

نکاح اولیاء کے ذریعہ کفو میں ہونا چاہئے:

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لڑکیوں کا نکاح ان کے اولیاء ہی کے ذریعہ ہونا چاہئے یعنی بالغ لڑکی کو بھی یہ مناسب نہیں کہ اپنے نکاح کا معاملہ خود طے کرے، حیاء کا تقاضا یہ ہے کہ یہ کام اس کے والدین اور اولیاء کریں، اور فرمایا کہ لڑکیوں کا نکاح ان کے کفو ہی میں کرنا چاہئے۔ اس حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے، مگر صحابہ کرام کے آثار واقوال سے اس کی تائید ہو کر حدیث قابل استدلال ہو جاتی ہے امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں حضرت فاروق اعظمؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں یہ حکم جاری کروں گا کہ کسی بڑے اونچے معروف خاندان کی لڑکی کا نکاح دوسرے کم درجہ والے سے نہ کیا جائے اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت انسؓ نے بھی اس کی تائید فرمائی کہ نکاح میں کفاءت کی رعایت کی جائے جو متعدد اسانید سے منقول ہے، امام ابن ہمام نے بھی فتح القدیر میں اس کی تفصیل لکھی ہے۔

دینی مصلحت کفو سے افضل ہے:

حاصل یہ ہے کہ نکاح میں کفایت ومماثلت کی رعایت کرنا دین میں مطلوب ہے تاکہ زوجین میں موافقت رہے، لیکن کوئی دوسری اہم مصلحت اس کفائت سے بڑھ کر سامنے آجائے تو عورت اور اس کے اولیاء کو اپنا یہ حق چھوڑ کر غیر کفو میں نکاح کر لینا بھی جائز ہے خصوصاً جب کہ کوئی دینی مصلحت پیش نظر ہو تو ایسا کرنا افضل و بہتر ہے جیسا کہ صحابہ کرام کے متعدد واقعات سے ثابت ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان واقعات سے اصل مسئلہ کفات کی نفی نہیں ہوئی، واللہ اعلم۔

حضرت زیدؓ اور حضرت زینب میں ناموافقت:

حضرت زینب بنت جحش کا نکاح بامر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید بن حارثہؓ کے ساتھ ہو گیا، مگر دونوں کی طبیعتوں میں موافقت نہ ہوئی، حضرت زیدؓ ان کی تیز زبانی اور نسبی شرافت کی بناء پر اپنے کو اونچا سمجھنے اور اطاعت میں کوتاہی کرنے کی شکایت کیا کرتے تھے، دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ بتلا دیا گیا تھا کہ زیدؓ ان کو طلاق دیں گے، اس کے بعد زینبؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں گی، ایک روز حضرت زیدؓ نے انہی شکایات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر کے اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا کہ ان کو طلاق دے دیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو طلاق سے منع فرمایا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ منجانب اللہ یہ علم ہو گیا تھا کہ واقعہ یوں ہی پیش آنے والا ہے، کہ زیدؓ ان کو طلاق دے دیں گے، پھر یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں گی۔ لیکن دو وجہ سے آپ نے حضرت زید کو طلاق دینے سے روکا، اول یہ کہ طلاق دینا اگرچہ شریعت اسلام میں جائز ہے مگر پسندیدہ نہیں بلکہ ابغض المباحات یعنی جائز چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض ومکروہ ہے۔ اور تکوینی طور پر کسی کام کا وقوع تشریعی حکم کو متاثر نہیں کرتا دوسرے قلب مبارک میں یہ بھی خیال پیدا ہوا کہ اگر انہوں نے طلاق دے دی اور پھر زینب کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تو عرب اپنے دستور جاہلیت کے مطابق یہ طعنے دیں گے کہ اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا، اگرچہ قرآن نے اس دستور جاہلیت کو سورۂ احزاب کی ہی سابقہ آیات میں ختم کر دیا ہے، اس کے بعد کسی مؤمن کے لئے تو اس کے وسوسہ کا بھی خطرہ نہ تھا مگر کفار جو قرآن ہی کو نہیں مانتے وہ اپنی جاہلانہ رسم یعنی منہ بولے بیٹے کو تمام احکام میں حقیقی بیٹے کی طرح سمجھنے کی بناء پر زبان طعن دراز کریں گے، یہ اندیشہ بھی حضرت زیدؓ کو طلاق دینے سے منع کرنے کا سبب بنا، حکیم ترمذی اور ابن

ابی حاتم وغیرہ محدثین نے حضرت علی بن حسین زین العابدین کی روایت سے نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

اَوْحی اللّٰهُ تَعَالیٰ اِلَیْهِ صَلیّ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ زَیْنَب سَیُطَلِّقُهَا زَیْدٌ وَیَتَزَوَّجُهَا بَعْدَهٗ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ

(روح از حکیم ترمذی)

"یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ اطلاع دے دی تھی کہ حضرت زینبؓ کو زیدؓ طلاق دینے والے ہیں اور اس کے بعد وہ آپ کے نکاح میں آئیں گے"

اور ابن کثیر نے ابن ابی حاتم کے حوالہ سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ اَعْلَمَ نَبِیَّهٗ اَنَّهَا سَتَکُوْنُ مِنْ اَزْوَاجِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّتَزَوَّجَهَا فَلَمَّا اَتَاهُ زَیْدٌ لِیَشْکُوَهَا اِلَیْهِ قَالَ اتَّقِ اللّٰهَ وَاَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ فَقَالَ اَخْبَرْتُکَ اِنِّیْ مُزَوِّجُکَهَا وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ،

"یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بتلا دیا تھا کہ حضرت زینبؓ بھی ازواج مطہرات میں داخل ہو جائیں گی، پھر جب حضرت زیدؓ ان کی شکایت لے کر آپ کی خدمت میں آئے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو طلاق نہ دو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تو آپ سے بتلا دیا تھا کہ میں ان سے آپ کا نکاح کرا دوں گا اور آپ اپنے دل میں اس چیز کو چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے۔" (معارف مفتی اعظم)

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ

اور جب تو کہنے لگا اُس شخص کو جس پر اللہ نے احسان کیا اور تو نے احسان کیا

عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ

رہنے دے اپنے پاس اپنی بی بی کو　اور　ڈر اللہ سے

وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ

اور تو چھپاتا تھا اپنے دل میں ایک چیز جس کو اللہ کھولنا چاہتا ہے اور ڈرتا تھا لوگوں سے

وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ فَلَمَّا قَضٰى زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا

اور اللہ سے زیادہ چاہیے ڈر تجھ کو پھر جب زید تمام کر چکا اُس عورت سے اپنی غرض

حضرت زیدؓ نے طلاق دے دی:

یعنی زید نے طلاق دے دی۔ اور عدت بھی گزر گئی۔ زینب سے کچھ غرض مطلب نہ رہا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ

اور جب آپ اس شخص سے جس پر اللہ نے بھی انعام کیا اور آپ نے بھی اس پر انعام کیا تھا کہہ رہے تھے کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رہنے دے اور اللہ سے ڈر۔

یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ حاکم نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ زید بن حارثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زینب بنت جحش کی شکایت کرنے آئے تو آپ نے فرمایا اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رکھو۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

انعم اللّٰه اللہ نے اس پر فضل کیا کہ اسلام کی اور آپ کے ساتھ رہنے کی اس کو توفیق دی اور آپ کے دل میں اس کی محبت پیدا کر دی (جس کی وجہ سے آپ نے اس کو آزاد کر کے اپنا بیٹا بنا لیا)

زَوْجَکَ یعنی زینب بنت جحش۔

واتق اللّٰه اور اللہ سے اس کے معاملہ میں ڈر۔ اس کو طلاق نہ دے۔ طلاق اگرچہ جائز ہے لیکن تمام جائز احکام میں سب سے زیادہ بری اور قابل نفرت چیز ہے۔

وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ اور آپ اپنے دل میں وہ بات (بھی) چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ (آخر میں) ظاہر کرنے والا تھا۔

بخاری نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اس آیت کا نزول زینب بنت جحش اور زید بن حارثہ کے معاملہ میں ہوا۔ حسن نے کہا زید کی بات رسول اللہ کو دل سے تو پسند آئی مگر شرم اور شرف ذاتی کی وجہ سے اس بات کو دل میں چھپائے رکھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میلانِ طبع:

بغوی نے بروایت سفیان بن عیینہ بیان کیا کہ علی بن زید جدعان نے کہا مجھ سے امام زین العابدین علی بن امام حسین نے پوچھا آیت وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ کے متعلق حسن کیا کہتے ہیں۔ میں نے کہا حسن کہہ رہے تھے کہ جب زید نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اے اللہ کے نبی میں زینب کو چھوڑنا چاہتا ہوں حضور کو زید کی یہ بات (دل سے تو) پسند آئی لیکن (ظاہر میں) زبان سے فرمایا اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ امام زین العابدین نے فرمایا ایسا نہیں ہے۔ اللہ نے آپ کو پہلے سے اطلاع دے دی تھی کہ زید زینب کو طلاق دے دیں گے اور زینب آپ کی بیوی ہو جائیں گی۔ چنانچہ جب زید نے آ کر کہا میں زینب کو طلاق دینا چاہتا ہوں تو اللہ کے رسول نے فرمایا۔ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ یہ بات اللہ کو پسند نہ آئی اور بطور عتاب اللہ نے فرمایا جب ہم نے آپ کو بتا دیا تھا کہ زینب آپ کی بیوی ہوگی تو پھر آپ نے زید سے کیوں کہا کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دو طلاق نہ دو۔ آیت کا یہ

مطلب شان انبیاء کے موافق ہے (اس سے نبی پر کوئی دھبہ نہیں آتا) اور عبارت بھی اسی کے مطابق ہے کیوں کہ اللہ نے فرمادیا کہ جو بات تم نے چھپائی تھی ہم اس کو ظاہر کرنے والے ہیں لیکن سواء اس کے کہ زَوَّجْنٰكَهَا ہم نے تمہارا نکاح زینب سے کر دیا) فرمادیا اور کوئی بات ظاہر نہیں کی۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دل میں زینب کی محبت چھپائے رکھی ہوتی یا دل کے اندر یہ بات مخفی کر لی ہوتی کہ زینب کو زید طلاق دے دے تو اللہ (حسب وعدہ) اس کو ضرور ظاہر کر دیتا حقیقت میں (جب بوحی الٰہی آپ کو معلوم ہو گیا کہ زید زینب کو طلاق دے دیں گے اور زینب سے آپ کا نکاح ہو جائے گا تو) آپ کو زید سے یہ بات کہتے ہوئے شرم محسوس ہوئی کہ جو بیوی تیرے نکاح میں اور تیرے پاس ہے وہ میری بیوی ہو جائے گی۔

بغوی نے لکھا ہے امام زین العابدین کا بیان کیا ہوا یہ مطلب نہایت خوبصورت اور پسندیدہ ہے لیکن یہ مطلب بھی غلط نہیں ہے اور نہ شان انبیاء کے خلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں زینب کی محبت پیدا ہوگئی اور آپ نے اس کو چھپائے رکھا یا یہ بات پوشیدہ رکھی کہ زید طلاق دے دیں گے تو میں نکاح کر لوں گا کیوں کہ دل میں جو بات بغیر اختیار کے پیدا ہو جائے اس کو قابل ملامت اور برا نہیں قرار دیا جا سکتا اس طرح کی واردات قلبی میں کوئی گناہ نہیں دل کا جھکاؤ اور وجدان محبت تو طبعی اور فطری چیز ہے۔ باقی اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ الخ فرمایا تو یہ ایک اچھے کام کا مشورہ ہے امر بالمعروف ہے اس میں کوئی گناہ نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زید کو مشورہ موجب اجر ہے

میں کہتا ہوں بلکہ یہ مشورہ اور حکم اجر عظیم کا موجب ہے کیوں کہ اپنی طبیعت کے خلاف امر بالمعروف تو (جہاد نفس کی) نہایت اعلیٰ (صورت) ہے اللہ نے فرمایا، وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان کو بھی سخت حاجت ہو اور جو شخص حرص نفس سے محفوظ رہتے ہیں وہ ہی کامیاب ہونے والے ہیں۔

حسن کے قول کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا سبحان اللہ مقلب القلوب۔ یہ قول دلالت کر رہا ہے کہ پہلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ خیال تھا کہ زینب سے زید کا نکاح کرا دیں (چنانچہ ایسا کرا دیا اور باوجود زینب کے میلان طبع اور اقرار کے حضور کے دل میں خود نکاح کر لینے کا خیال ہی نہیں ہوا) پھر اللہ نے دل پلٹ دیا اور زینب سے نکاح کرنے کی طرف دل موڑ دیا۔ (تفسیر مظہری)

انبیاء اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے:

وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ اور آپ لوگوں (کے طعن) سے ڈرتے تھے اور ڈرنا تو آپ کو صرف اللہ ہی سے سزاوار ہے، یعنی آپ کو یہ اندیشہ تھا کہ لوگ کہیں گے اللہ کے رسول نے زید سے اس کی بیوی کو طلاق دلوا دی حالانکہ اللہ ہی سے ڈرنا مناسب ہے۔

حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود نے فرمایا اس آیت سے زیادہ اور کوئی آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دشوار نہیں ہوئی مسروق کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی فرستادہ وحی میں سے کوئی حصہ چھپاتے تو اس آیت وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ کو پوشیدہ رکھتے۔

بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اللہ کا خوف وخشیہ نہیں تھا۔ حضور نے خود فرمایا تھا اِنِّیْ اَخْشَاكُمْ وَاَتْقَاكُمْ میں تم سب سے زیادہ اللہ کا خوف وخشیہ رکھتا ہوں۔

میں کہتا ہوں اللہ نے تمام انبیاء کی شان میں فرمایا ہے

يَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ وہ اللہ سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ لیکن اس جگہ جب لوگوں سے ڈرنے کا ذکر کیا تو بطور عموم ضابطہ یہ بھی فرما دیا کہ تمام امور واحوال میں خدا سے ڈرنا ہی سزاوار ہے۔ میں کہتا ہوں اس تشریح پر آیت کا مطلب اس طرح ہو۔ آپ لوگوں کے طعن سے ڈرتے ہیں اور جتنا لوگوں سے ڈرتے ہیں اس سے زیادہ خدا کا خوف رکھتے ہیں کیوں کہ اللہ ہی سے ڈرنا سزاوار ہے پس لوگوں کے ڈر اور خوف سے آپ نے دل میں ایک بات چھپالی اور اللہ کے خوف سے (زید کو) نیکی اور بھلائی کا حکم بھی دیا اور حکم خدا کی تعمیل میں کوئی کمی نہیں کی۔ یہی مطلب ہے آیت لَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ انبیاء لوگوں کا خوف ولحاظ ایسا نہیں رکھتے کہ اس کی وجہ سے اللہ کے حکم کی تعمیل چھوڑ دیں یا اس میں کمی کر دیں۔ رہا عام طور پر لوگوں سے ڈرنا اور ان کے طعن کا لحاظ رکھنا تو یہ بات بری نہیں بلکہ اچھی ہے حیا تو ایمان کا جزء ہے۔ (متفق علیہ)

حیاء کی اہمیت: صحیحین میں حضرت عمران بن حصین کی روایت سے آیا ہے کہ حیاء اور ایمان دونوں کو جوڑ دیا گیا ہے (ہر ایک دوسرے کا ساتھی ہے) جب ایک کو اٹھا لیا جاتا ہے تو دوسرے کو بھی اٹھا لیا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے جب ایک کو سلب کر لیا جاتا ہے تو دوسرا اول کے پیچھے آ جاتا ہے۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

امام مالک نے مرسلاً بروایت زید بن طلحہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں نیز ابن ماجہ نے حضرت انس اور حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان

کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر چیز کی ایک سرشت ہوتی ہے اور اسلام کی سرشت حیاء ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زینبؓ کو پیغام:

مسلم۔احمد۔نسائی۔ابویعلی۔ابن ابی حاتم۔طبرانی اور بغوی نے حضرت انس کا بیان نقل کیا ہے اور روایت مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ بغوی نے ذکر کی ہے کہ جب حضرت زینب کی عدت پوری ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید سے فرمایا جا کر زینب سے میرا تذکرہ کرو (یعنی پیام پہنچاؤ) زید گئے اور جس وقت پہنچے ہیں اس وقت زینب آٹا خمیر کر رہی تھیں۔ زید کا بیان ہے میں نے زینب کو دیکھا تو اس کی اتنی عظمت میرے دل میں پیدا ہوئی کہ میں سامنے سے ان کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکا کیوں کہ مجھے معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے ارادہ سے ان کا ذکر کیا تھا چنانچہ میں نے فوراً ان کی طرف اپنی پشت کر لی اور ایڑیوں کے بل مڑ کر کہا زینب مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے حضور نے تم کو یاد کیا ہے۔ حضرت زینب نے کہا میں اپنے رب سے مشورہ کے بغیر کچھ کرنے والی نہیں۔ یہ جواب دینے کے بعد حضرت زینب اُٹھ کر مسجد (یعنی اندرون خانہ جو نماز کی جگہ مقرر کر رکھی تھی اس) کی طرف گئیں اور آیت نازل ہوئی۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا پھر جب زید کا اس سے دل بھر گیا (اور اس نے طلاق دے دی) تو ہم نے اس کو آپ کی بیوی بنا دیا۔

منہا کی ضمیر زینب بنت جحش کی طرف راجع ہے وطر کا معنی ہے حاجت۔ حاجت پوری کرنے سے مراد ہے دل بھر جانا یعنی جب زینب سے زید کا دل بھر گیا اور زید کو زینب کی حاجت نہ رہی اور انہوں نے طلاق دے دی اور زینب کی عدت گزر گئی۔ بعض علماء تفسیر نے کہا کہ قضاء وطر (حاجت پوری کرنے) سے بطور کنایہ طلاق مراد ہے۔

دعوت ولیمہ: حضرت انسؓ کا بیان ہے رسول اللہ (باہر سے) آئے اور بغیر اذن طلب کئے زینب کے پاس اندر تشریف لے گئے۔ ہم کو یاد ہے کہ (حضرت زینب کے ولیمہ میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو گوشت روٹی کھلایا تھا۔ آدھا دن گزر گیا لوگ کھانے کے بعد نکل کر چلے گئے لیکن دو آدمی باتوں میں مشغول حجرہ میں بیٹھے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مجبوراً خود) باہر نکل گئے میں بھی حضور کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ حضور والا کے بعد دیگر امہات المومنین کے حجروں میں تشریف لے گئے ان کو سلام کیا انہوں نے بھی سلام کیا اور دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اپنی بیوی کو کیسا پایا۔

حضرت انس نے کہا مجھے یاد نہیں کچھ دیر کے بعد میں نے جا کر اطلاع دی یا دوسرے لوگوں نے کہ وہ لوگ چلے گئے۔ یہ سن کر حضور تشریف لے آئے حجرہ میں چلے میں بھی آپ کے ساتھ اندر گھسنے لگا تو میرے اور حضور کے درمیان پردہ کھینچ دیا گیا اور حجاب کا حکم نازل ہو گیا۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا ولیمہ حضرت زینب کا کیا ایسا کسی اور بی بی کا نہیں کیا زینب کے ولیمہ میں ایک بکری ذبح کی۔ یہ بھی حضرت انس ہی کا بیان ہے کہ زینب بنت جحش کے زفاف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پیٹ بھر گوشت روٹی کھلایا۔ (تفسیر مظہری)

حضرت زینب کا امتیاز:

بخاری۔احمد۔ترمذی۔حاکم۔ابن مردویہ عبد بن حمید اور بیہقی نے سنن میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت زینب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیویوں پر فخر کرتی اور فرماتی تھیں تمہارا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہارے گھر والوں نے کرایا اور میرا نکاح سات آسمانوں کے اوپر سے اللہ نے کر دیا دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت زینب کہتی تھیں میرے نکاح کا تو اللہ ولی ہوا اور تمہارا نکاح تمہارے اولیا نے کرایا۔

بغوی نے بحوالہ شعبی بیان کیا ہے کہ زینب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتی تھیں مجھے آپ کے سلسلہ میں (دوسری بیبیوں پر) تین چیزوں سے امتیاز کسی بی بی کو حاصل نہیں۔ میرا اور آپ کا دادا ایک تھا۔ میرا نکاح آپکے ساتھ اللہ نے آسمان پر کیا میرے نکاح کے سفیر جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ (تفسیر مظہری)

حضرت زینبؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں حکمت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں جب بیت اللہ کی تعمیر کی گئی تو اس میں کئی چیزیں بناء ابراہیمی کے خلاف کر دی گئی ہیں اول تو یہ کہ بیت اللہ کا کچھ حصہ تعمیر سے باہر چھوڑ دیا، دوسرے بناء ابراہیمی میں لوگوں کے بیت اللہ میں داخل ہونے کے لئے دو دروازے تھے، ایک مشرقی جانب میں دوسرا مغربی جانب میں، جس کی وجہ سے بیت اللہ میں داخل ہونے اور نکلنے میں زحمت نہ ہوتی تھی، اہل جاہلیت نے اس میں دو تصرف کئے کہ مغربی دروازہ تو بالکل بند کر دیا اور مشرقی دروازہ جو سطح زمین سے متصل تھا اس کو اتنا اونچا کر دیا کہ بغیر سیڑھی کے اس میں داخلہ نہ ہو سکے جس سے مقصد یہ تھا کہ وہ جس کو اجازت دیں صرف وہ اندر جا سکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر نو مسلم لوگوں کے غلط فہمی میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں بیت اللہ کو پھر بناء ابراہیمی کے مطابق بنا دیتا، یہ حدیث سب کتب معتبرہ میں موجود ہے اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو غلط فہمی سے بچانے کے لئے اپنا یہ ارادہ جو شرعاً محمود تھا اس کو ترک کر دیا، اور

منجانب اللہ اس پر کوئی عتاب نہیں ہوا، جس سے اس عمل کا عنداللہ مقبول ہونا بھی معلوم ہو گیا مگر یہ معاملہ بیت اللہ کو بناء ابراہیمی کے مطابق دوبارہ تعمیر کرنے کا ایسا نہیں جس پر کوئی مقصد موقوف ہو یا جس سے احکام حلال وحرام متعلق ہوں۔

بخلاف واقعہ نکاح زینبؓ کے کہ اس سے ایک مقصد شرعی متعلق تھا اس واقعہ میں حضرت زیدؓ اور زینبؓ کے درمیان اختلاف طبائع اور زیدؓ کی ناراضی پھر طلاق دینے کا عزم یہ سب اسی تکوینی اور تقدیری امر کی کڑیاں تھیں۔ (معارف مفتی اعظم)

آسمان پر نکاح: چونکہ حضرت زینب نے اپنے اس نکاح کے بارہ میں کسی مخلوق سے مشورہ نہیں کیا بلکہ خدائے عزوجل سے مشورہ چاہا جو اہل ایمان کا اصل ولی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی ولایت خاصہ سے آسمان پر فرشتوں کی موجودگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح زینب سے کر دیا آسمانوں میں تو اس نکاح کا اعلان ہو ہی گیا اب ضرورت ہوئی کہ زمین میں بھی اس نکاح کا اعلان ہو چنانچہ جبریل یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔

اعلانِ نکاح: فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا پس جب زید زینب سے اپنی حاجت پوری کر چکے اور ان کو طلاق دے دی اور عدت بھی گزر گئی تو اے نبی کریم ہم نے زینب کا نکاح تم سے کر دیا۔

آیت کے نازل ہونے سے تمام مکہ میں اس کا اعلان ہو گیا اور پیغام کے ذریعہ ایجاب وقبول پہلے ہی ہو چکا تھا اس لئے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد (اور اس اعلان عام کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب کے مکان پر تشریف لے گئے اور بلا اذن مکان میں داخل ہوئے۔ رواہ مسلم واحمد والنسائی۔ دیکھو فتح الباری ص ۴۰۰ ج ۸ کتاب التفسیر وزرقانی ص ۲۴۵ ج ۳ اور نکاح آسمانی اور حکم قرآنی خود بلا واسطہ ان کو پڑھ کر سنایا۔ (معارف کاندھلوی)

زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ

ہم نے اس کو تیرے نکاح میں دے دیا تا نہ رہے مسلمانوں پر گناہ

فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا

نکاح کر لینا بیوی اپنے لے پالکوں کی جب وہ تمام کرلیں اُن سے اپنی غرض

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا

اور ہے اللہ کا حکم بجالانا

حضرت زید کی طلاق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے اسباب واغراض

حضرت زینبؓ زیدؓ کے نکاح میں آئیں تو وہ اُن کی آنکھوں میں حقیر لگتا۔ مزاج کی موافقت نہ ہوئی۔ جب آپس میں لڑائی ہوتی تو زید آ کر حضرت سے اُن کی شکایت کرتے اور کہتے میں اسے چھوڑتا ہوں حضرت منع فرماتے کہ میری خاطر اور اللہ و رسول کے حکم سے اُس نے تجھ کو اپنی منشاء کے خلاف قبول کیا۔ اب چھوڑ دینے کو وہ اور اُس کے عزیز دوسری ذلت سمجھیں گے۔ اس لئے خدا سے ڈر اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بگاڑ مت کر۔ اور جہاں تک ہو سکے نباہ کی کوشش کرتا رہ۔ جب معاملہ کسی طرح نہ سلجھا، اور بار بار جھگڑے قضیے پیش آتے رہے تو ممکن ہے آپ کے دل میں آیا ہو کہ اگر ناچار زید چھوڑ دے گا تو زینب کی دلجوئی بغیر اس کے ممکن نہیں کہ میں خود اُس سے نکاح کروں۔ لیکن جاہلوں اور منافقوں کی بدگوئی سے اندیشہ کیا کہ کہیں گے اپنے بیٹے کی جورو گھر میں رکھ لی۔ حالانکہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ کے نزدیک لے پالک کو کسی بات میں حکم بیٹے کا نہیں۔ اُدھر اللہ کو یہ منظور تھا کہ اس جاہلانہ خیال کو اپنے پیغمبر کے ذریعہ سے عملی طور پر ہدم کر دے۔ تا مسلمانوں کو آئندہ اس مسئلہ میں کسی قسم کا توحش اور استنکاف باقی نہ رہے اُس نے پیغمبر علیہ السلام کو مطلع فرمایا کہ میں زینب کو تیرے نکاح میں دینے والا ہوں۔ کیوں دینے والا ہوں؟ اس کو خود قرآن کے الفاظ لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ صاف صاف ظاہر کر رہے ہیں یعنی آپ کے نکاح میں دینے کی غرض یہ ہی تھی کہ دلوں سے جاہلیت کے اس خیال باطل کا بالکل قلع قمع کر دیا جائے اور کوئی تنگی اور رُکاوٹ آئندہ اس معاملہ میں باقی نہ رہنے پائے۔ اور شاید یہ ہی حکمت ہوگی جو اول زینب کا نکاح زید سے زور ڈال کر کرایا گیا۔ کیونکہ اللہ کو معلوم تھا کہ یہ نکاح زیادہ مُدت تک باقی نہ رہے گا۔ چند مصالح مہمہ تھیں جن کا حصول اس عقد پر معلق تھا۔ الحاصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے ذاتی خیال اور اس آسمانی پیشین گوئی کے اظہار سے عوام کے طعن وتشنیع کا خیال فرما کر شرماتے تھے اور زید کو طلاق کا مشورہ دینے میں بھی حیا کرتے تھے لیکن خدا کی خبر بچی ہونی تھی اور اس کا حکم تکوینی اور تشریعی ضرور تھا کہ نافذ ہو کر رہے۔ آخر کار زید نے طلاق دے دی۔ اور عدت گزر جانے پر اللہ نے زینب کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باندھ دیا۔ اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ آپ دل میں جو چیز چھپائے ہوئے تھے وہ یہ ہی نکاح کی پیشین گوئی اور اس کا خیال تھا۔ اسی کو بعد میں اللہ نے ظاہر فرما دیا۔ جیسا کہ لفظ زَوَّجْنٰكَهَا سے ظاہر ہے اور ڈر اس بات کا تھا کہ بعض لوگ اس بات پر بدگمانی یا بدگوئی کر کے اپنی عاقبت خراب نہ کر بیٹھیں یا گمراہی میں ترقی نہ کریں چونکہ مصالح مہمہ شرعیہ کے مقابلہ میں اس قسم کی جھجک بھی پیغمبر کی شان رفیع سے نازل تھی۔ اس لئے بقاعدہ، حسنات الابرار سیئات المقربین اُس کو عتاب آمیز رنگ میں بھاری کر کے ظاہر فرمایا گیا۔ جیسا کہ عموماً انبیاء علیہم السلام کی زلات کے ذکر میں واقع ہوا ہے۔ (تنبیہ) ہم نے جو لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے آپ کو نکاح کی خبر پہلے سے دے دی تھی۔ اس کی روایات فتح الباری سورۂ احزاب کی تفسیر میں موجود ہیں۔ باقی جو لغو اور دور از کار قصے اس مقام پر حاطب اللیل مفسرین ومؤرخین نے درج کر دیئے ہیں اُن کی نسبت حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں۔ لَایَنبَغِی التَّشَاغُلُ بِهَا اور ابن کثیرؒ لکھتے ہیں " اَحبَبنَا اَن نَضرِبَ عَنهَا صَفحًا لِعَدمِ صِحَّتِهَا فَلَا نُورِدُهَا "۔ (تفسیر عثمانی)

منہ بولے بیٹے کی بیوی:

ادعیاء کا مفرد دَعِیّ ہے دعی بنایا ہوا بیٹا یعنی زینب زوجہ زید سے ہم نے آپ کا نکاح اس لئے کرایا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ منہ بولے بیٹوں کی (مطلقہ) بیویوں سے نکاح حلال ہے خواہ وہ بیٹے اپنی بیویوں سے قربت کر چکے ہیں حقیقی بیٹے کی بیوی کا حکم اس کے خلاف ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت جُلیبیبؓ کا نکاح:

مسند احمد میں ہے کہ ایک انصاری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنی لڑکی کا نکاح جلیبیب سے کر دو۔ انہوں نے جواب دیا کہ اچھی بات ہے میں اس کی ماں سے بھی مشورہ کر لوں جا کر ان سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا یہ نہیں ہو سکتا ہم نے فلاں فلاں ان سے بڑے بڑے آدمیوں کے مانگے تو واپس کر دیئے اور اب جلیبیبؓ سے نکاح کر دیں۔ انصاریؓ اپنی بیوی کا یہ جواب سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانا چاہتے ہی تھے کہ لڑکی جو پردے کے پیچھے سے یہ تمام گفتگو سن رہی تھی، بول پڑی کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات رَد کرتے ہو؟ جب آپ اس سے خوش ہیں تو تمہیں انکار نہ کرنا چاہئے۔ اب دونوں نے کہا کہ بچی ٹھیک کہہ رہی ہے بیچ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس نکاح سے انکار کرنا گویا حضور کے مانگے کو اور آپ کی خواہش کو رَد کرنا ہے یہ ٹھیک نہیں چنانچہ انصاری سیدھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کیا آپ اس بات سے خوش ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں میں تو اس سے رضا مند ہوں کہا پھر آپ کو اختیار ہے آپ نکاح کر دیجئے۔ چنانچہ نکاح ہو گیا ایک مرتبہ اہل اسلام مدینے والے دشمنوں کے مقابلے کے لئے نکلے لڑائی ہوئی جس میں حضرت جلیبیب شہید ہو گئے۔ انہوں نے بہت سے کافروں کو قتل کیا تھا جن کی لاشیں ان کے آس پاس پڑی ہوئی تھیں۔ جو روایت میں حضرت ابو ہریرہ اسلمیؓ کا بیان ہے کہ حضرت جلیبیبؓ کی طبیعت میں مذاق تھا اس لئے میں نے اپنے گھر میں کہہ دیا تھا کہ یہ تمہارے پاس نہ آئیں انصاریوں کی عادت تھی کہ وہ کسی عورت کا نکاح نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ یہ معلوم کر لیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی بابت کچھ نہیں فرماتے، پھر وہ واقعہ بیان فرمایا جو اوپر مذکور ہوا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت جلیبیبؓ نے سات کافروں کو اس غزوے میں قتل کیا تھا۔ پھر کافروں نے بھیڑ کر کے آپ کو شہید کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تلاش کرتے ہوئے جب ان کی نعش کے پاس آئے تو فرمایا سات کو مار کر پھر شہید ہوئے ہیں یہ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں۔ دو یا تین مرتبہ یہی فرمایا۔ پھر قبر کھدوا کر اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر قبر میں اُتارا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک ہی ان کا جنازہ تھا اور کوئی چارپائی نہ تھی۔ (تفسیر ابن کثیر)

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ

نبی پر کچھ مضائقہ نہیں اس بات میں جو مقرر کر دی اللہ نے اُس کے واسطے

سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَكَانَ

جیسے دستور رہا ہے اللہ کا اُن لوگوں میں جو گزر چکے پہلے اور ہے

أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا ۝ الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ

حکم اللہ کا مقرر ٹھہر چکا وہ لوگ جو پہنچاتے ہیں پیغام

رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا

اللہ کے اور ڈرتے ہیں اُس سے اور نہیں ڈرتے کسی سے سوائے

اللَّهَ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا

اللہ کے اور بس ہے اللہ کفایت کرنے والا

منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں اس کی مطلقہ سے نکاح جائز ہے:

یعنی اللہ کا حکم اٹل ہے جو بات اُس کے یہاں طے ہو چکی ضرور ہو کر رہے گی۔ پھر پیغمبر کو ایسا کرنے میں کیا مضائقہ ہے جو شریعت میں روا ہو گیا۔ انبیاء و رُسل کو اللہ کے پیغامات پہنچانے میں اُس کے سوا کبھی کسی کا ڈر نہیں رہا۔ (چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پیغام رسانی میں آج تک کسی چیز کی پروا نہیں کی نہ کسی کے کہنے سننے کے خیال سے کبھی متاثر ہوئے) پھر اس نکاح کے معاملہ میں رُکاوٹ کیوں ہو۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں۔ اسی طرح سلیمان علیہ السلام کی کثرت ازواج مشہور ہے۔ جو الزام سفہاء آپ کو دے سکتے ہیں انبیائے سابقین کی لائف میں اُس سے بڑھ کر نظیریں موجود ہیں۔ لہذا اس طرح کی سفیہانہ اور جاہلانہ نکتہ چینیوں پر نظر نہیں کرنا چاہئے۔ آگے بتلایا ہے کہ زید بن حارثہ جن کو آپ نے متبنیٰ کر لیا تھا آپ کے واقعی بیٹے نہیں بن گئے تھے کہ اُن کی مطلقہ سے آپ نکاح نہ کر سکیں۔ اور ایک زید کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو مردوں میں سے کسی کے بھی باپ نہیں۔ کیونکہ آپ کی اولاد میں یا لڑکے ہوئے جو بچپن میں گزر گئے۔ اور بعض اس آیت کے نزول کے وقت پیدا ہی نہیں ہوئے۔ یا بیٹیاں تھیں جن میں سے حضرت

فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی ذریت دنیا میں پھیلی۔ (تفسیر عثمانی)

پیغمبروں کیلئے کثرت نکاح:

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ اور پیغمبر کے لئے جو بات اللہ نے مقرر کردی تھی اس میں ان پر کوئی الزام نہیں۔

حرج تنگی فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ یعنی عورتوں کی جو تعداد اللہ نے پیغمبر کے لئے مقرر اور مقدر کردی تھی۔ عرب کہتے ہیں فرض لهٗ فی الدّیوان رجسٹر میں اس لئے حصہ مقرر کردیا گیا۔ فروض العسکر فوج کی مقرر تنخواہیں۔ بعض علماء نے آیت میں فرض کا معنی احلّ (پیغمبر کے لئے اللہ نے جو کچھ حلال کردیا تھا) بیان کئے ہیں۔

بعض کے نزدیک سنۃ اللہ سے مراد ہے نکاح کیوں کہ نکاح سنت انبیاء ہے بعض کے نزدیک کثرت ازواج کی طرف اشارہ ہے جیسے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کی بیبیاں کثرت سے تھیں۔ (تفسیر مظہری)

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ
محمد صلی اللہ علیہ وسلم باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں سے
وَلَكِنْ رَّسُولَ اللَّهِ
لیکن رسول ہے اللہ کا

یعنی کسی کو اُس کا بیٹا نہ جانو۔ ہاں اللہ کا رسول ہے اس حساب سے سب اسکے روحانی بیٹے ہیں جیسا کہ ہم اَلنَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ کے حاشیہ میں لکھ چکے ہیں۔

وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ط
اور مہر سب نبیوں پر

ختم نبوت: یعنی آپ کی تشریف آوری سے نبیوں کے سلسلہ پر مہر لگ گئی۔ اب کسی کو نبوت نہیں دی جائے گی، بس جن کو ملنی تھی مل چکی۔ اسی لئے آپ کی نبوت کا دورہ سب نبیوں کے بعد رکھا۔ جو قیامت تک چلتا رہے گا۔ حضرت مسیح علیہ السلام بھی اخیر زمانہ میں بحیثیت آپ کے ایک اُمتی کے آئیں گے خود اُن کی نبوت و رسالت کا عمل اُس وقت جاری نہ ہوگا جیسے آج تمام انبیاء اپنے اپنے مقام پر موجود ہیں مگر شش جہت میں عمل صرف نبوت محمدیہ کا جاری وساری ہے۔ حدیث میں ہے کہ اگر آج موسیٰ علیہ السلام (زمین پر) زندہ ہوتے تو اُن کو بھی بجز میرے اتباع کے چارہ نہ تھا۔ بلکہ بعض محققین کے نزدیک تو انبیائے سابقین اپنے اپنے عہد میں بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت عظمیٰ ہی سے مستفید ہوتے تھے۔ جیسے رات کو چاند اور ستارے سُورج کے نُور سے مستفید ہوتے ہیں حالانکہ سورج اُس وقت دکھائی نہیں دیتا۔ اور جس طرح روشنی کے تمام مراتب عالم اسباب میں آفتاب پر ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح نبوت ورسالت کے تمام مراتب وکمالات کا سلسلہ بھی روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوتا ہے۔ بدیں لحاظ کہہ سکتے ہیں کہ آپ رُتبی اور زمانی ہر حیثیت سے خاتم النبیین ہیں اور جن کو نبوت ملی ہے، آپ ہی کی مہر لگ کر ملی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (تنبیہ) ختم نبوت کے متعلق قرآن، حدیث، اجماع وغیرہ سے سینکڑوں دلائل جمع کر کے بعض علمائے عصر نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ مطالعہ کے بعد ذرا تردّد نہیں رہتا کہ اس عقیدہ کا منکر قطعاً کافر اور ملت اسلام سے خارج ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَكِنْ رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ اور لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب انبیاء کے لئے خاتم ہیں (سب کے ختم ہونے کے بعد آئے ہیں) اور ہر رسول شفقت و خیر خواہی کے لحاظ سے اپنی امت کا باپ ہوتا ہے۔ سب امت کا نسبی باپ نہیں ہوتا کہ امت کی کسی عورت سے اس کا نکاح نہ ہو سکے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد نہ رہنے کی حکمت:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مراد یہ ہے کہ اگر میں سلسلۂ انبیاء کو محمد پر ختم نہ کردیتا تو ان کے بعد ان کے بیٹے کو نبی بنا دیتا۔ عطاء نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب اللہ نے یہ فیصلہ کردیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی بنانا نہیں ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی لڑکا یعنی مرد (اولاد) عنایت نہیں کیا۔ ابن ماجہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحبزادہ ابراہیم کے متعلق فرمایا اگر وہ زندہ رہتا تو نبی ہوتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام شریعت محمدیہ پر ہوں گے:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام قریب قیامت نازل نہیں ہوں گے، ضرور نازل ہوں گے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر ہوں گے اس لئے نزول عیسیٰؑ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر کوئی جرح نہیں کی جاسکتی اس کے علاوہ حضرت عیسیٰؑ کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جدید نبوت کو ختم کردیا اگر گزشتہ نبی باقی رہے تو اس سے جدید نبوت کی نفی پر کیا اثر پڑتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

سلسلہ نبوت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال:

مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری مثال نبیوں میں ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک بہت اچھا اور پورا مکان بنایا لیکن اُس میں ایک

اینٹ کی جگہ چھوڑ دی جہاں کچھ نہ رکھا لوگ اُسے چاروں طرف سے دیکھتے بھالتے اور اس کی بناوٹ سے خوش ہوتے لیکن کہتے کیا اچھا ہوتا کہ اس اینٹ کی جگہ بھی پُر کر لی جاتی پس میں نبیوں میں اسی اینٹ کی جگہ ہوں۔

تخلیق آدم سے بھی قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم تھے:

مسند میں ہے میں خدا کے نزدیک نبیوں کا ختم کرنے والا تھا اس وقت جب کہ آدمؑ پورے طور پر پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور حدیث میں ہے میرے کئی نام ہیں، میں محمد ہوں، میں احمد ہوں اور میں ماحی ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری وجہ سے کفر کو مٹا دے گا اور میں حاشر ہوں تمام لوگوں کا حشر میرے قدموں تلے ہوگا۔ اور میں عاقب ہوں جس کے بعد کوئی نبی نہیں (صحیحین) (تفسیر ابن کثیر)

اعلیٰ صفت:

صفت خاتم الانبیاء ایک ایسی صفت ہے جو تمام کمالاتِ نبوت و رسالت میں آپ کی اعلیٰ فضیلت اور خصوصیت کو ظاہر کرتی ہے، کیونکہ عموماً ہر چیز میں تدریجی ترقی ہوتی ہے، اور انتہاء پر پہنچ کر اس کی تکمیل ہوتی ہے، اور جو آخری نتیجہ ہوتا ہے وہی اصل مقصد ہوتا ہے، قرآن کریم نے خود اس کو واضح کر دیا ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ یعنی آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے، اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ہے۔

انبیائے سابقین کے دین بھی اپنے اپنے وقت کے لحاظ سے مکمل تھے، کوئی ناقص نہ تھا، لیکن کمالِ مطلق اسی دین مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا جو اولین و آخرین کے لئے حجت اور قیامت تک چلنے والا دین ہے۔

اس جگہ صفت خاتم النبیین کے اضافہ سے اس مضمون کو بھی اور زیادہ وضاحت اور تکمیل ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقطوع النسل کہنا جہالت ہے، جبکہ ساری امت کے باپ ہونے کی حیثیت سے آپ متصف ہیں .... کیونکہ لفظ خاتم النبیین نے یہ بھی بتلا دیا کہ آپ کے بعد قیامت تک آنے والی سب نسلیں اور قومیں آپ ہی کی امت میں شامل ہوں گی۔ اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی تعداد بھی دوسری امتوں سے زیادہ ہو گی اور آپ کی روحانی اولاد دوسرے انبیاء کی نسبت سے بھی زیادہ ہوگی۔

صفت خاتم النبیین نے یہ بھی بتلا دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اپنی اولادِ روحانی یعنی پوری اُمت پر دوسرے تمام انبیاء سے زائد ہوگی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک پیش آنے والی ضرورتوں کو واضح کرنے کا پورا اہتمام فرمائیں گے، کیونکہ آپ کے بعد کوئی نبی اور کوئی وحی دنیا میں آنے والی نہیں، بخلاف انبیاء سابقین کے کہ ان کو اس کی فکر نہ تھی وہ جانتے تھے کہ جب قوم میں گمراہی پھیلے گی تو ہمارے بعد دوسرے انبیاء آ کر اس کی اصلاح کر دیں گے، مگر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فکر لاحق تھی کہ قیامت تک اُمت کو جن حالات سے سابقہ پڑے گا ان سب حالات کے متعلق ہدایات امت کو دے کر جائیں، جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث شاہد ہیں کہ آپ کے بعد جتنے لوگ قابل اقتداء آنے والے تھے اکثر ان کے نام لے کر بتلا دیا ہے، اسی طرح جتنے گمراہی کے علمبردار ہیں ان کے حالات اور پتے ایسے کھول کر بتلا دیئے ہیں کہ ذرا غور کرنے والے کو کوئی اشتباہ باقی نہ رہ جائے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنِّيْ تَرَكْتُكُمْ عَلٰى شَرِيْعَةٍ بَيْضَاءَ لَيْلُهَا وَنَهَارُهَا سَوَاءٌ ''یعنی میں نے تم کو ایسے روشن راستے پر چھوڑا ہے جس میں رات دن برابر ہیں کسی وقت بھی گمراہی کا خطرہ نہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین بھی ہیں خاتم الرسل بھی

اس آیت میں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ اوپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بصفت رسول آیا ہے، اس کے لئے بظاہر مناسب یہ تھا کہ آگے خاتم الرسل یا خاتم النبیین کا لفظ استعمال ہوتا، مگر قرآن حکیم نے اس کے بجائے خاتم النبیین کا لفظ اختیار فرمایا۔

وجہ یہ ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک نبی اور رسول میں ایک فرق ہے، وہ یہ کہ نبی تو ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کو حق تعالیٰ اصلاح خلق کے لئے مخاطب فرمائیں۔ اور اپنی وحی سے مشرف فرمائیں، خواہ اس کے لئے کوئی مستقل کتاب اور مستقل شریعت تجویز کریں، یا پہلے ہی کسی نبی کی کتاب وشریعت کے تابع لوگوں کو ہدایت کرنے پر مامور ہو، جیسے حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب وشریعت کے تابع ہدایت کرنے پر مامور تھا۔

اور لفظ رسول خاص اس نبی کے لئے بولا جاتا ہے جس کو مستقل کتاب و شریعت دی گئی ہو، اسی طرح لفظ نبی کے مفہوم میں بہ نسبت لفظ رسول کے عموم زیادہ ہے، تو آیت کا مفہوم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کے ختم کرنے والے اور سب سے آخر میں ہیں خواہ وہ صاحب شریعت نبی ہوں یا صرف پہلے نبی کے تابع۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کی جتنی قسمیں اللہ کے نزدیک ہو سکتی ہیں وہ سب آپ پر ختم ہوگئیں، آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔

امام ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں فرمایا:

''یعنی یہ آیت نص صریح ہے اس عقیدہ کے لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں، اور جب نبی نہیں تو بدرجۂ اولیٰ رسول بھی نہیں، کیونکہ لفظ نبی عام اور لفظ رسول خاص ہے، اور یہ وہ عقیدہ ہے جس پر احادیث متواترہ شاہد ہیں جو صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت کی روایت سے ہم تک پہنچی ہیں''

قادیانیوں کی تحریفات اوران کارد:

اس آیت کی لفظی تشریح میں کسی قدر تفصیل سے اس لئے کام لیا گیا کہ ہمارے ملک میں مرزا قادیانی مدعی نبوت نے اس آیت کو اپنے راستہ کی

رکاوٹ سمجھ کر اس کی تفسیر میں طرح طرح کی تحریفات اور احتمالات پیدا کئے ہیں، مذکور الصدر تقریر سے الحمدللہ ان سب کا جواب ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا اور آپ کا آخری پیغمبر ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا دنیا میں مبعوث نہ ہونا اور ہر مدعی نبوت کا کاذب و کافر ہونا ایسا مسئلہ ہے، جس پر صحابہ کرام سے لے کر آج تک ہر دور کے مسلمانوں کا اجماع و اتفاق رہا ہے، اس لئے ضرورت نہ تھی کہ اس پر کوئی تفصیلی بحث کی جائے، لیکن قادیانی فرقہ نے اس مسئلہ میں مسلمانوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لئے پُرا زور لگایا ہے، سینکڑوں چھوٹی بڑی کتابیں شائع کر کے کم علم لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے، اس لئے احقر نے اس مسئلہ کی پوری تفصیل ایک مستقل کتاب ''ختم نبوت'' لکھ دی ہے، جس میں ایک سو آیات اور دو سو سے زائد احادیث اور سینکڑوں اقوال و آثار، سلف وخلف سے اس مسئلہ کو پورا واضح کر دیا ہے، اور قادیانی دجّال کے شبہ کا مفصل جواب دیا ہے، یہاں اس میں سے چند ضروری باتیں لکھی جاتی ہیں۔

مرزائی قادیانی نے عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان میں اُٹھایا جانا اور پھر آخر زمانے میں تشریف لانا جو قرآن وسنت کی بے شمار نصوص سے ثابت ہیں ان کا انکار کر کے خود مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا، اور استدلال میں یہ پیش کیا کہ اگر حضرت عیسیٰ بن مریم نبی بنی اسرائیل کا پھر دنیا میں آنا تسلیم کیا جائے تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے منافی ہوگا۔

جواب بالکل واضح ہے کہ خاتم النبیین اور آخر النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص عہدہ نبوت پر فائز نہ ہوگا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ سے پہلے جن کو نبوت عطا ہو چکی ہے اُن کی نبوت سلب ہو جائے گی، یا ان میں سے کوئی اس عالم میں پھر نہیں آسکتا، البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو بھی آپ کی اُمت میں اصلاح وتبلیغ کے لئے آئے گا وہ اپنے منصب نبوت پر قائم ہوتے ہوئے اس امت میں اصلاح کی خدمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہی کے تابع انجام دے گا، جیسا کہ احادیث صحیحہ میں تصریح ہے۔

امام ابن کثیرؒ نے اسی آیت کی تفسیر میں فرمایا:

''یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے سے یہ مراد ہے کہ وصف نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہو گیا، اب کسی کو یہ وصف اور منصب نہیں ملے گا، اس سے اس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا جس پر امت کا اجماع ہے اور قرآن اس پر ناطق ہے اور احادیث رسول جو تقریباً درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اس پر شاہد ہیں وہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانے میں نازل ہوں گے، کیونکہ ان کو نبوت اس دنیا میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مل چکی تھی۔''

ایک بلیغ تمثیل:

صحیح بخاری ومسلم وغیرہ میں تمام کتب حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت اسناد صحیح کے ساتھ آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتاً

''میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے ایک مکان بنایا ہوا اور اس کو خوب مضبوط اور مزین کیا ہو مگر اس کے ایک گوشہ میں دیوار کی ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی ہو تو لوگ اس کو دیکھنے کے لئے اس میں چلیں پھریں اور تعمیر کو پسند کریں مگر سب یہ کہیں کہ اس مکان بنانے والے نے یہ اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی جس سے تعمیر بالکل مکمل ہو جاتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (قصر نبوت کی) وہ آخری اینٹ میں ہوں، اور بعض الفاظ حدیث میں ہیں کہ میں نے اس خالی جگہ کو پُر کر کے قصر نبوت کو مکمل کر دیا۔''

اس تمثیل بلیغ کا حاصل یہ ہے کہ نبوت ایک عالی شان محل کی طرح ہے جس کے ارکان انبیاء علیہم السلام ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یہ محل بالکل تیار ہو چکا تھا اور اس میں صرف ایک اینٹ کے سوا کسی اور قسم کی گنجائش تعمیر میں باقی نہیں تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کو پُر کر کے قصر نبوت کی تکمیل فرما دی، اب اس میں نہ کسی نبوت کی گنجائش ہے نہ رسالت کی، اگر نبوت یا رسالت کی کچھ اقسام مان لی جائیں تو اب ان میں سے کسی قسم کی گنجائش قصر نبوت میں نہیں ہے۔

آنے والی امت کی ہدایت کا انتظام:

صحیح بخاری ومسلم اور مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک دوسری حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کانت بنو اسرائیل تسوسهم الانبیاء کلما هلک نبی خلفه نبی وانه لانبی بعدی و سیکون خلفاء فیکثرون'' الحدیث،

''بنی اسرائیل کی سیاست اور انتظام خود انبیاء کے ہاتھ میں تھا، جب ایک نبی کی وفات ہو جاتی تو دوسرا نبی اس کے قائم مقام ہو جاتا تھا، اور میرے بعد کوئی نبی نہیں، البتہ میرے خلیفہ ہوں گے جو بہت ہوں گے۔''

اس حدیث نے یہ بھی واضح کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خاتم النبیین ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا، تو امت کی ہدایت کا انتظام کیسے ہوگا؟

اس کے متعلق فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کی تعلیم وہدایت کا انتظام آپ کے خلفاء کے ذریعہ سے ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے مقاصد نبوت کو پورا کریں گے، اگر ظلی بروزی کوئی نبوت کی قسم ہوتی یا غیر تشریعی نبوت باقی ہوتی، تو ضرور تھا کہ یہاں اس کا ذکر کیا جاتا کہ اگرچہ عام نبوت ختم ہو چکی مگر فلاں قسم کی نبوت باقی ہے جس سے اس عالم کا انتظام ہوگا۔

نبوت کی تمام قسمیں ختم ہوگئیں:

اس حدیث میں صاف واضح الفاظ میں بتلا دیا کہ نبوت کی کوئی قسم آپ کے بعد باقی نہیں، اور ہدایت خلق کا کام جو پچھلی امتوں میں انبیاء بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا، وہ اس امت میں آپ کے خلفاء سے لیا جائے گا۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث مرفوع ہے۔

لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّۃِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتِ

''یعنی نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا بجز مبشرات کے۔''

مسند احمد وغیرہ میں حضرت صدیقہ عائشہؓ اور ام کرز کعبیہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لایبقی بعدی من النبوۃ شئ الّا المبشرات قالوا یارسول اللّٰہ وماالمبشرات قال الرؤیا الصّالحۃ یراھا المسلم اوتری لہ

(طبرانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے کذافی الکنز)

''میرے بعد نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا بجز مبشرات کے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبشرات کیا چیز ہے؟ فرمایا سچے خواب جو مسلمان خود دیکھے یا اس کے متعلق کوئی دوسرا دیکھے''

اس حدیث نے کس قدر وضاحت سے بتلا دیا کہ نبوت کی کوئی قسم تشریعی یا غیر تشریعی اور بقول مرزا قادیانی ظلی یا بروزی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باقی نہیں، صرف مبشرات یعنی سچے خواب لوگوں کو آئیں گے جن سے کچھ معلومات ہو جائیں گی۔

اور مسند احمد اور ترمذی میں حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلارسول بعدی ولانبی رواہ الترمذی ووقال ھذا حدیث صحیح.

''بیشک رسالت اور نبوت میرے بعد منقطع ہو چکی ہے، میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ نبی۔''

اس حدیث نے واضح کر دیا کہ غیر تشریعی نبوت بھی آپ کے بعد باقی نہیں، اور ظلی بروزی تو نبوت کی کوئی قسم ہی نہیں نہ اسلام میں اس طرح کی کوئی چیز معروف ہے۔

قادیانی کے من گھڑت عنوانات:

اس جگہ مسئلہ ختم نبوت کی احادیث جمع کرنا مقصود نہیں، وہ تو دوسو سے زیادہ رسالہ ختم نبوت میں جمع کر دی گئی ہیں، صرف چند احادیث سے یہ بتلانا مقصود تھا کہ مرزائی قادیانی نے جو بقاء نبوت کے لئے ظلی اور بروزی کا عنوان ایجاد کیا ہے، اول تو اسلام میں اس کی کوئی اصل و بنیاد نہیں، اور بالفرض ہوتی بھی تو ان احادیث مذکورہ نے واضح طور پر یہ بتلا دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کی کوئی قسم کسی طرح کی باقی نہیں ہے۔

اجماعِ امت: اسی لئے صحابۂ کرام سے لے کر آج تک امت مسلمہ کے سب طبقات کا اجماع اس عقیدہ پر رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی کسی قسم کا نبی یا رسول نہیں ہو سکتا، جو دعویٰ کرے وہ کاذب، منکرِ قرآن اور کافر ہے، اور صحابہ کرام کا سب سے پہلا اجماع اسی مسئلہ پر ہوا جس کی رو سے مسیلمہ کذاب مدعی نبوت سے خلیفہ اول صدیق اکبر کے عہد میں جہاد کر کے اس کو اور اس کے ماننے والوں کو قتل کیا گیا۔

منکرِ ختم نبوت کافر ہے:

ائمہ سلف اور علماء امت کے اقوال و تصریحات بھی اسی معاملہ میں رسالہ ختم نبوت کے تیسرے حصہ میں بڑی تفصیل سے لکھ دیئے گئے ہیں، اس جگہ چند کلمات نقل کئے جاتے ہیں۔

اور قاضی عیاضؒ نے اپنی کتاب شفا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دعویٰ نبوت کرنے والے کو کافر اور کذاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والا اور آیت مذکورہ کا منکر کہہ کر یہ الفاظ لکھے ہیں:

واجمعت الامۃ علیٰ حمل ھذا الکلام علیٰ ظاھرہ وانّ مفھومہ المرادبہ دون تاویل ولا تخصیص فلاشک فی کفر ھؤلاء الطوائف کلھا قطعاً اجماعاً وّسمعاً.

''امت نے اجماع کیا ہے کہ اس کلام کو اپنے ظاہر پر محمول کیا جائے اور اس پر کہ اس آیت کا نفس مفہوم ہی مراد ہے بغیر کسی تاویل یا تخصیص کے اس لئے ان تمام فرقوں کے کفر میں کوئی شک نہیں، (جو کسی مدعی نبوت کی پیروی کریں)

بلکہ ان کا کفر قطعی طور سے اجماع امت اور نقل یعنی کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

ختم نبوت کی احادیث کے راوی صحابہؓ

برادران اسلام کی تسلی اور تشفی کے لئے اجمالاً ان صحابہ کرام اور تابعین کے نام شمار کر دیئے جائیں جن سے ختم نبوت کی احادیث مروی اور منقول ہیں۔

ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ۔

حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ۔

ابوحازم رضی اللہ عنہ۔ جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔ ثوبان رضی اللہ عنہ۔
عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ۔ عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ۔
عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ۔
ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ۔ اُم کرز رضی اللہ عنہا۔
ابوامامۃ الباہلی رضی اللہ عنہ۔ سفینۃ رضی اللہ عنہ۔
ابن زمل الجہنی رضی اللہ عنہ۔ ضحاک بن نوفل رضی اللہ عنہ۔
ابوذر الغفاری رضی اللہ عنہ۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ۔
سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ۔ حبشی بن جنادہ رضی اللہ عنہ۔
اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا۔ زید بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ۔
ابوقبیلہ رضی اللہ عنہ۔ عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔
ابوالفضل رضی اللہ عنہ۔ نافع رضی اللہ عنہ۔
عوف بن مالک رضی اللہ عنہ۔ ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ۔
ابومالک الاشعری رضی اللہ عنہ۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ۔
عصمۃ بن مالک رضی اللہ عنہ۔ عمر بن قیس رضی اللہ عنہ۔
سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ۔ تمیم الداری رضی اللہ عنہ۔
نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ عبیداللہ بن عمرو اللیثی رضی اللہ عنہ۔
نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ۔ محمد بن حزم الانصاری رضی اللہ عنہ۔
بہتر بن حکیم رضی اللہ عنہ۔ عبدالرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ۔
ابوقتادہ رضی اللہ عنہ۔ قتادہ رضی اللہ عنہ۔
عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ سیدنا الحسن رضی اللہ عنہ۔
انس رضی اللہ عنہ۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا۔
عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔ مغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ عنہ۔
عفان بن مسلم رضی اللہ عنہ۔ ابومعاویہ رضی اللہ عنہ۔
سلمۃ بن اکوع رضی اللہ عنہ۔ عکرمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ۔
ابوالدرداء رضی اللہ عنہ۔ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ۔
ام ہانی رضی اللہ عنہا۔ زبیر رضی اللہ عنہ۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وعنا معہم برحمتک یاارحم الراحمین کذا فی ہدیۃ المہدیین ص ۱۰۲

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر لحاظ سے خاتم الانبیاء ہیں:

اور اہل سنت و جماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ آپ دونوں طرح اور دونوں معنی میں خاتم النبیین ہیں زمانہ کے اعتبار سے بھی خاتم ہیں اور مرتبہ اور کمال کے اعتبار سے بھی خاتم ہیں اور جو حضور پرُنور کے خاتم النبیین اور آخری نبی ہونے کا انکار کرے وہ بلاشبہ کافر اور مرتد ہے۔ اور صدیق اکبر کا مدعیان نبوت سے جہاد و قتال کرنا اور ان کو اپنی تیغ بے دریغ کا لقمہ بنانا مسلمات میں سے ہے بلکہ حضور کی وفات کے بعد امت محمدیہ میں جو پہلا اجماع منعقد ہوا وہ مدعیان نبوت کے قتل پر ہوا اور کسی سے یہ سوال نہیں کیا گیا کہ تو تشریعی یا غیر تشریعی یا ظلی یا بروزی نبوت کا مدعی ہے۔

منصب نبوت و رسالت میں کوئی آپ کا مثل اور ثانی نہیں۔

عارف رومی مثنوی میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس طرح آپ کمالات نبوت کے خاتم ہیں اسی طرح آپ کمالات نبوت کے فاتح اور مبداء بھی ہیں۔

قفلہائے ناکشادہ ماندہ بود ۔۔۔ از کف انا فتحنا برکشود
حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری ۔۔۔ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور سرور عالم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خاتم النبیین تھے اس لئے آپ نے یہ فرمایا کہ میں خاتم النبیین ہوں اور آخری نبی ہوں میرے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں اور کبھی یہ نہیں فرمایا کہ میرے بعد ایران یا قادیان میں یا ہندوستان میں کسی جگہ کوئی نبی ظاہر ہو تو تم اس کی پیروی کرنا جیسا کہ انبیاء سابقین اپنے بعد آنے والے نبیوں کی خبر دیتے رہے آپ نے اس قسم کی کوئی خبر نہیں دی بلکہ بار بار یہ فرمایا کہ میرے بعد مطلقاً جو نبوت کا دعویٰ کرے وہ دجال اور کذاب ہے۔

مسیلمہ قادیان کا ہذیان:

بہرحال ختم نبوت مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے اور مسیلمہ قادیان یعنی مرزا غلام قادیانی ختم نبوت کا منکر اور بقاء نبوت کا مدعی ہے کبھی کہتا ہے کہ میں مستقل نبی اور رسول ہوں اور کمالات نبوت میں تمام انبیاء ومرسلین سے برتر اور بڑھ کر ہوں۔ چنانچہ نزول المسیح کے ص ۹۹ پر لکھا ہے۔

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے ۔۔۔ من بعرفان نہ کمترم زکسے
آنچہ دادہ ست ہر نبی راجام ۔۔۔ دادآں جام مرا بتمام

اس قسم کے اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ مرزائے قادیان اپنے کو انبیاء کا ہمسر بھی نہیں بلکہ ان سے برتر اور بہتر سمجھتا ہے۔

بروزی اور ظلی نبوت کی حقیقت:

مرزائے قادیان حقیقۃ النبوۃ ص ۲۶۵، ص ۲۶۶ پر بحوالہ ایک غلطی کا ازالہ لکھتا ہے، مگر میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو درحقیقت خاتم النبیین تھے مجھے رسول اور نبی کے لفظ سے پکارا جانا کوئی اعتراض کی بات نہیں اور نہ اس سے مہر ختمیت ٹوٹتی ہے کیونکہ میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ آیت بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا وجود قرار دیا جائے پس اس طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری

نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا کیونکہ ظل اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔

اور تریاق القلوب حاشیہ ص ۱۵۷ میں خود مرزا لکھتا ہے۔ غرض جیسا کہ صوفیوں کے نزدیک مانا گیا ہے کہ مراتب وجود دوریہ ہیں اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خُو اور طبیعت اور دلی مشابہت کے لحاظ سے تقریباً اڑھائی ہزار برس اپنی وفات کے بعد عبداللہ بن عبدالمطلب کے گھر میں جنم لیا اور محمد کے نام سے پکارا گیا۔

اور کتاب قولی فیض ص ۶ میں بحوالہ اخبار الحکم ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء مرزا کا قول اس طرح نقل کیا گیا ہے۔ کمالات متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے ہیں وہ سب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ان سے بڑھ کر موجود تھے اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ظلی طور پر ہم کو عطا کئے گئے۔ پہلے تمام انبیا ظلی تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص خاص صفات میں اب ہم ان تمام صفات میں نبی کریم کے ظل ہیں۔

ان عبارات میں مرزائے قادیان نے اپنے آپ کو ظلی اور بروزی نبی کہہ کر دنیا کو دھوکہ دیا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا
اور ہے اللہ سب چیزوں کو جاننے والا

اللہ کا علم کافی ہے:

یعنی وہ ہی جانتا ہے کہ رسالت یا ختم نبوت کو کس محل میں رکھا جائے۔ (تفسیر عثانی)

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا اور اللہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے۔

اس لئے وہ جانتا ہے کہ کس پر نبوت کا خاتمہ کیا جائے اور اس کی کیا حالت ہونی چاہیے۔ حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اور دوسرے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک خوبصورت قصر ہو اس کی عمارت حسین ہو لیکن ایک اینٹ (لگانے) کی جگہ اس میں چھوڑ دی گئی ہو دیکھنے والے آ کر اس کے گرداگرد گھومتے ہوں اور اس کے حسن تعمیر پر تعجب کرتے ہوں لیکن (ساتھ ہی) یہ بھی کہیں کہ ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) پس اس ایک اینٹ کے مقام کو میں نے درست کر دیا اور مجھ پر پیغمبروں کا خاتمہ ہو گیا۔ دوسری روایت میں آیا ہے میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔ متفق علیہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی:

حضرت جبیر بن مطعم کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے میرے (بہت) نام ہیں میں محمد ہوں احمد ہوں میں ماحی ہوں کہ اللہ میرے ذریعہ سے کفر کو مٹائے گا میں حاشر ہوں لوگوں کا حشر میرے قدموں پر ہوگا میں عاقب ہوں (سب سے پیچھے آنے والا) میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مختلف نام (صفات) بیان کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا تھا میں محمد ہوں احمد ہوں مقفی ہوں، حاشر ہوں، نبی التوبہ ہوں، نبی الرحمۃ ہوں۔ رواہ مسلم۔ (تفسیر مظہری)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيرًا		
اے ایمان والو	یاد کرو اللہ کو	بہت سی یاد
وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا		
اور پاکی بولتے رہو اس کی صبح اور شام		

عظیم الشان نعمت کا شکر:

یعنی حق تعالیٰ نے اتنا بڑا احسان فرمایا کہ ایسے عظیم الشان پیغمبر اور پیغمبروں کے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہاری ہدایت کے لئے بھیجا۔ اس پر اُس کا شکر ادا کرو۔ اور منعم حقیقی کو کبھی نہ بھولو، اُٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے، رات دن، صبح، شام ہمہ اوقات اس کو یاد رکھو۔ (تفسیر عثانی)

ہمہ وقتی عبادت:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ذکر کے علاوہ اللہ نے ہر فرض کی ایک حد مقرر کر دی ہے اور عذر کے وقت معذور لوگوں کو چھوڑ دیا ہے مگر ذکر کی کوئی آخری حد مقرر نہیں کی اور سوائے دیوانہ کے کسی کو معذور نہیں قرار دیا بلکہ تمام حالتوں میں ذکر کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ اللہ کی یاد کرو کھڑے بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے۔ اور فرمایا ہے اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيرًا اللہ کی بکثرت یاد کیا کرو رات میں، دن میں، خشکی میں، سمندر میں، صحت میں، بیماری میں، پوشیدہ اور ظاہر مجاہد نے کہا ذکر کثیر یہ ہے کہ کبھی اللہ کو نہ بھولے، میں کہتا ہوں یہ حالت فنائے قلب اور دوامی حضور کے بعد ہوتی ہے۔

وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا اور صبح شام (یعنی ہمیشہ) اس کی پاکی بیان کرتے رہو یعنی فجر کی نماز پڑھو۔

وَأَصِيلًا کلبی نے کہا یعنی ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھو۔ مجاہد نے کہا تسبیح سے مراد ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ پڑھنا۔ لفظ تسبیح سے تمام ساتھی جملے مراد ہیں۔ (یعنی تسبیح تحمید تہلیل تکبیر وغیرہ) ان الفاظ کو باوضو بے وضو اور جنب سب پڑھیں۔

میں کہتا ہوں اول اللہ نے عمومی ذکر کا حکم دیا کہ کسی وقت خدا کی یاد نہ

بھولے پھر مخصوص اوقات میں ذکر کا حکم دیا اول سے مراد ہے ذکر خفی قلبی دوامی اور دوسرے سے مراد ہے ذکر جلی اور مقررہ فرض وسنت عبادات۔

صبح شام کی خصوصیت:

بعض اہل علم نے کہا تسبیح کے لئے صبح شام کے اوقات کی تخصیص اس لئے کی کہ ان اوقات میں رات اور دن کے ملائکہ جمع ہوتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کے ملائکہ اور دن کے ملائکہ باری باری سے تمہارے اندر آتے ہیں اور فجر وعصر کی نمازوں میں سب جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ ملائکہ جو رات کو تمہارے پاس رہے اوپر چڑھ جاتے ہیں تمہارا رب ان سے پوچھتا ہے (حالانکہ وہ خود بخوبی واقف ہے) تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا۔ ملائکہ عرض کرتے ہیں ہم نے ان کو نماز پڑھتے چھوڑا اور جب ہم ان کے پاس پہنچے تھے تب بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ متفق علیہ۔

نماز میں توجہ کی اہمیت:

حضرت ابوذر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ نماز میں ہوتا ہے تو اللہ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے جب تک بندہ ادھر ادھر توجہ نہ کرے۔ لیکن بندہ جب ادھر ادھر توجہ کرنے لگتا ہے تو اللہ بھی اس کی طرف سے رُخ پھیر لیتا ہے۔ رواہ احمد وابوداؤد والنسائی والدارمی۔ (تفسیر مظہری)

ذکر کی کثرت:

اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہر وقت مشغول رہو۔ یہاں تک کہ لوگ تمہیں مجنون کہنے لگیں (مسند احمد) فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرو، یہاں تک کہ منافق تمہیں ریاکار کہنے لگیں (طبرانی) فرماتے ہیں جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور وہاں اللہ کا ذکر نہ کریں وہ مجلس قیامت کے دن ان پر حسرت وافسوس کا باعث بنے گی۔ (تفسیر ابن کثیر)

اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اُذْكُرُوا اللّٰهَ تَعَالٰى حَتّٰى يَقُوْلُوْا مَجْنُوْنٌ (ابن کثیر از مسند احمد)

"یعنی تم اللہ کا ذکر اتنا کرو کہ دیکھنے والے تمہیں دیوانہ کہنے لگیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء:

امام احمدؒ اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دعا سنی ہے جس کو میں کبھی نہیں چھوڑتا، وہ یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِىْ اُعْظِمُ شُكْرَكَ وَاَتَّبِعُ نَصِيْحَتَكَ وَاُكْثِرُ ذِكْرَكَ وَاَحْفَظُ وَصِيَّتَكَ (ابن کثیر)

"یا اللہ مجھے ایسا بنا دے کہ میں تیرا شکر بہت کروں اور تیری نصیحت کا تابع رہوں اور تیرا ذکر کثرت سے کیا کروں اور تیری وصیت کو محفوظ رکھوں۔"

اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے اس کی دعاء کی کہ ذکر اللہ کی کثرت کی توفیق عطا ہو۔

جامع عبادت:

ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اسلام کے اعمال و فرائض وواجبات تو بہت ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی ایسی مختصر جامع بات بتلادیں کہ میں اس کو مضبوطی سے اختیار کرلوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى. (مسند احمد، ابن کثیر)

"یعنی تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تروتازہ رہنی چاہئے۔"

قابلِ حسرت مجلس:

اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں جس میں اللہ کا ذکر نہ آئے تو قیامت کے روز یہ مجلس ان کیلئے حسرت ثابت ہوگی۔ (رواہ احمد، ابن کثیر) (معارف مفتی اعظم)

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ

وہی ہے جو رحمت بھیجتا ہے تم پر اور اُس کے فرشتے تاکہ نکالے تم کو

مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا

اندھیروں سے اُجالے میں اور ہے ایمان والوں پر مہربان

ذکر اللہ کی کثرت کا نتیجہ:

یعنی اللہ کو بکثرت یاد کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ اپنی رحمت تم پر نازل کرتا ہے جو فرشتوں کے توسط سے آتی ہے یہی رحمت وبرکت ہے جو تمہارا ہاتھ پکڑ کر جہالت وضلالت کی اندھیریوں سے علم وتقویٰ کے اُجالے میں لاتی ہے۔ اگر اللہ کی خاص مہربانی ایمان والوں پر نہ ہو تو دولت ایمان کہاں سے ملے اور کیونکر محفوظ رہے۔ اُسی کی مہربانی سے مؤمنین رُشد وہدایت اور ایمان واحسان کی راہوں میں ترقی کرتے ہیں۔ یہ تو دنیا میں اُن کا حال ہوا۔ آخرت کا اعزاز واکرام آگے مذکور ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: بغوی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب آیت اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ نے جو شرف خصوصیت کے ساتھ آپ کو عطا فرمایا ہم کو اس میں ضرور شریک فرما دیں۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔ عبد بن حمید نے اس روایت کی نسبت مجاہد کی طرف بھی کی ہے۔

"صلوٰۃ" کا معنیٰ: هُوَالَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ وہ (خود بھی) اور اس کے فرشتے (بھی) تم پر رحمت بکثرت اہل لغت کا بیان ہے کہ صلوٰۃ کا معنی ہے دعا۔ صَلَّيْتُ عَلَيْهِ میں نے اس کے لئے دعا کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے اگر کسی کو کھانا کھلانے بلایا جائے تو دعوت قبول کرلے اور اگر روزہ دار ہو تو دعوت کرنے والوں کے لئے صلوٰۃ (دعا) کرے۔ اللہ نے فرمایا ہے صَلِّ عَلَيْهِمْ اے نبی آپ ان کے لئے دعا کریں اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ آپ کی دعا ان کے لئے باعث تسکین ہے۔

نماز کو صلوٰۃ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے اندر دعا پڑھی جاتی ہے یعنی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ پڑھا جاتا ہے جزء پر کل کا اطلاق کردیا گیا۔

اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ اس نے بندوں پر رحمت کرنی اپنی ذات پر لازم کرلی ہے یہی معنی ہے كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ کا ایجاب (لازم کر لینا) اور طلب دونوں کا معنی ایک ہی ہے قطعی طلب ایجاب ہی ہوتی ہے لیکن ایجاب (کا معنی یہ نہیں ہے کہ اللہ پر کوئی چیز واجب ہے اور کسی کا خدا پر کوئی لازمی حق ہے جس کو ادا کرنا اس پر لازم ہے بلکہ اس) کا یہ معنی ہے کہ اللہ نے اپنی مہربانی سے ذمہ لے لیا ہے۔ اگر صلوٰۃ کو بمعنی دعا قرار دیا جائے تو عموم مشترک کا قول لازم نہیں آئے گا۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا کیا ہمارا رب صلوٰۃ کرتا ہے حضرت موسیٰ پر یہ سوال نہایت شاق گزرا۔ اللہ نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی۔ ان سے کہہ دو کہ میں صلوٰۃ کرتا ہوں مگر میری صلوٰۃ (بمعنی) رحمت ہے جو ہر چیز کو اپنے اندر سمائے ہوئے ہے

مؤمنوں پر مہربانی:

لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا تاکہ تم کو تاریکیوں سے (نکال کر) نور کی طرف لے آئے اور اللہ مومنوں پر بہت مہربان ہے۔

یعنی اپنی رحمت اور ملائکہ کی دعا سے کفر و معاصی سے نکال کر ایمان و طاعت کے نور کی طرف ہمیشہ تم کو لاتا رہے یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے تاکہ تم کو وقتاً فوقتاً ہمیشہ ظلمات (فراق و) بعد سے نکال کر نور قرب کی طرف لاتا رہے۔

اللہ مومنوں پر بڑا مہربان ہے کیوں کہ اس نے مومنوں کے سارے امور کو درست کیا ان کے مرتبہ کو اونچا کیا اور ملائکہ مقربین کی دعا ان کے شامل حال کی۔ (تفسیر مظہری)

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚ
دعا اُن کی جس دن اُس سے ملیں گے سلام ہے
وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا
اور تیار رکھا ہے اُن کے واسطے ثواب عزت کا

مؤمنوں کیلئے سلام کے تحفے:

یعنی اللہ اُن پر سلام بھیجے گا اور فرشتے سلام کرتے ہوئے اُن کے پاس آئیں گے۔ اور مؤمنین کے آپس میں بھی یہ ہی دعا ہوگی جیسا کہ دنیا میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جس روز وہ اللہ سے ملیں گے تو ان کا دعائیہ کلمہ السلام علیکم ہوگا اور اللہ نے ان کے لئے (جنت میں) عمدہ صلہ تیار کر رکھا ہے۔

تَحِيَّتُهُمْ یعنی اللہ کی طرف سے جو تحیت ان کو کی جائے گی۔

يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ جس روز وہ اللہ سے ملیں گے یعنی مرنے کے وقت یا قبر سے نکلنے کے وقت یا جنت میں داخلہ کے وقت یا دیدار خداوندی ہونے کے وقت۔

سَلٰمٌ یعنی اللہ کی طرف سے بطور تحیت ان کو سلام کیا جائے گا اور اللہ ان کو تمام ناگوار باتوں سے امن و سلامتی میں رکھے گا۔ (تفسیر مظہری)

جب ملک الموت مومن کی روح قبض کرنے کے لئے آتا ہے تو پہلے اسے سلام کرتا ہے اور خدا کی طرف سے اس کو سلام پہنچاتا ہے۔

زجاج کہتے ہیں کہ یہ سلام درحقیقت سلامتی کی خوشخبری ہوتی ہے کہ اللہ تم کو تمام آفات سے سلامت رکھے گا اور جب قیامت کے دن قبروں سے اٹھیں گے اس وقت فرشتے ان کو سلام کریں گے اور جنت کی بشارت سنائیں گے اور جنت میں داخل ہونے کے بعد فرشتے ان کی ملاقات کے لئے آئیں گے اور ان کو سلام کریں گے۔ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ

(معارف کاندھلوی)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا			
اے	نبی	ہم نے تجھ کو بھیجا	بتانے والا

اُمت کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی:

یعنی اللہ کی توحید سکھاتے اور اُس کا رستہ بتاتے ہیں جو کچھ کہتے ہیں دل سے اور عمل سے اس پر گواہ ہیں اور محشر میں بھی اُمت کی نسبت گواہی دیں گے کہ خدا کے پیغام کو کس نے کس قدر قبول کیا۔ (تفسیر عثمانی)

ابن مبارک نے سعید بن مسیب کا قول بیان کیا ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ صبح شام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو آپ کے سامنے نہ لایا جاتا ہو۔ آپ اپنی امت کو ان کے چہروں سے (یا خصوصی علامات سے) پہچانتے ہیں اسی لئے آپ ان پر شہادت دیں گے (یعنی گواہی دیں گے کہ یہ میری امت والے ہیں) یا شاہد ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جب امت اسلامیہ شہادت دے گی کہ تمام پیغمبروں نے اپنی اپنی امتوں کو اللہ کا پیغام پہنچادیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی تصدیق کریں گے۔

انبیاء کیلئے گواہی: بخاری۔ ترمذی۔ نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید

خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن نوحؑ کو بلوا کر پوچھا جائے گا کیا تم نے (میرا پیام) پہنچا دیا تھا۔ نوح کہیں گے، جی ہاں۔ پھر ان کی امت کو طلب فرما کر دریافت کیا جائے گا کیا تم کو میرا پیام نوح نے پہنچا دیا تھا۔ وہ کہیں گے ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا نہیں پہنچا۔ ہمارے پاس کوئی نہیں آیا۔ اس پر نوحؑ سے کہا جائے گا تمہارا شاہد کون ہے۔ کون تمہاری گواہی دے سکتا ہے۔ حضرت نوحؑ کہیں گے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت۔ الحدیث۔ اس موضوع کی احادیث بکثرت آئی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

امت کیلئے گواہی کا مقصد اور گواہی کی بنیاد:

خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شہادت کے ذریعہ اپنی امت کی تصدیق وتوثیق فرمائیں گے کہ بیشک میں نے اُن کو یہ اطلاع دی تھی۔

اور امت پر شاہد ہونے کا ایک مفہوم عام یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے سب افراد کے اچھے بُرے اعمال کی شہادت دیں گے، اور یہ شہادت اس بناء پر ہوگی کہ امت کے اعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہر روز صبح وشام اور بعض روایات میں ہفتہ میں ایک روز پیش ہوتے ہیں، اور آپ اُمت کے ایک ایک فرد کو اس کے اعمال کے ذریعہ پہچانتے ہیں، اس لئے قیامت کے روز آپ اُمت کے شاہد بنائے جائیں گے (رواہ ابن المبارک عن سعید بن المسیبؒ مظہری) (معارف مفتی اعظم)

وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا
اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا

یعنی نافرمانوں کو ڈراتے اور فرمانبرداروں کو خوشخبری سناتے ہیں۔

وَّدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا
اور بلانے والا اللہ کی طرف اُس کے حکم سے اور چمکتا ہوا چراغ

نورِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم:

پہلے جو فرمایا تھا کہ اللہ کی رحمت مؤمنین کو اندھیرے سے نکال کر اُجالے میں لاتی ہے۔ یہاں بتلا دیا کہ وہ اُجالا اس روشن چراغ سے پھیلا ہے۔ شاید چراغ کا لفظ اس جگہ اس معنی میں ہو جو سورۂ نوح میں فرمایا" وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا " اللہ نے چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا) یعنی آپ آفتاب نبوت و ہدایت ہیں جس کے طلوع ہونے کے بعد کسی دوسری روشنی کی ضرورت نہیں رہی سب روشنیاں اسی نُورِ اعظم میں محو ومدغم ہوگئیں۔ (تفسیر عثمانی)

دعوت حق کی دُشواریاں: باذنہ کی قید کا اضافہ کرنے سے اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اللہ کی توحید واطاعت کی دعوت دینا بڑا سخت کام ہے۔ اللہ کی مدد اور توفیق کے بغیر اس کی تکمیل ناممکن ہے خصوصاً اللہ کے دیدار کی دعوت تو اتنی دشوار ہے کہ بغیر خاص فضلِ خداوندی کے بندہ کی رسائی بارگاہِ الٰہی تک محال ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ آپ اگر کسی کو ہدایت یاب کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے بلکہ اللہ جس کو سیدھے راستہ پر چلانا چاہتا ہے اس کو راہ راست پر چلنے کی توفیق دیتا ہے۔

داعی اور قوم کی مثال:

حضرت ربیعہ جرشی کا بیان ہے کہ (خواب میں) کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا تمہاری آنکھیں سوئیں (مگر) کان سنیں اور دل سمجھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چنانچہ میری آنکھ سو رہی تھی دونوں کان سُن رہے تھے اور دل سمجھ رہا تھا کہ کسی نے کہا۔ ایک سردار نے ایک مکان بنوایا اس میں دستر خوان لگوایا اور (دعوت عام دینے کے لئے) ایک بلانے والے کو بھیجا۔ پکارنے والے کی آواز پر جو آ گیا اس نے مکان کے اندر داخل ہوکر دستر خوان پر (کھانا) کھالیا اور گھر والا سردار بھی اس سے خوش ہو گیا اور جس نے داعی کی دعوت قبول نہیں کی وہ نہ گھر میں آیا نہ دستر خوان سے کچھ کھا سکا اور سردار اس سے ناراض ہو گیا (اس کی تعبیر یہ ہے کہ) سردار اللہ ہے گھر (جو سردار نے بنایا ہے) اسلام ہے۔ محمدؐ داعی ہیں اور دستر خوان جنت ہے۔ رواہ الدارمی۔

روشن چراغ: وَسِرَاجًا مُّنِيرًا اور روشن چراغ (بنا کر بھیجا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روشن چراغ کہنے کی یہ وجہ ہے کہ جس طرح رات کی تاریکی میں چراغ جلایا جاتا ہے اور اس کی روشنی سے راستہ دکھ جاتا ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی (اسلام کی) روشنی اور ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔

نورِ نبوت اور اس کے خوشہ چین:

مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان سے تو اللہ کی طرف آنے کی دعوت دیتے تھے اور دل کے اعتبار سے روشن چراغ کی طرح تھے کہ تمام مؤمن آپ ہی کے نور سے استفادہ کرتے اور آپ ہی کے رنگ میں رنگ جاتے تھے (ایسا ہی بنا کر اللہ نے آپ کو بھیجا تھا) جیسے یہ عالم سورج کی روشنی سے اور ایک گھر چراغ کی روشنی سے منور ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام کو ساری امت پر فضیلت حاصل تھی۔ علوم نبوت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ سے امت نے حاصل کئے اس میں تو صحابہ کے ساتھ ساری امت شریک ہے۔ کچھ صحابہ ہی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اصل سننے والا بھول جاتا ہے اور جس کو حکم پہنچایا جاتا ہے وہ زیادہ یاد رکھتا ہے۔ امتیاز صحابہ یہ ہے کہ وہ براہِ راست انوار نبوت کے خوشہ چیں تھے۔ دوسروں کو جو روشنی ملی وہ صحابہ کے توسط سے

پھر تابعین سے تبع تابعین کو اسی طرح قیامت تک نورِ نبوت امت کے دلوں کو روشن کرتا رہے گا لیکن اس خوشہ چینی میں سننے والا مشاہدہ کرنے والے کی طرح نہیں ہوسکتا جیسے صحن مکان میں سورج کی شعائیں براہِ راست پڑتی ہیں اور صحن روشن ہو جاتا ہے پھر کمروں کے اندر یہ روشنی صحن کی روشنی کے ذریعہ سے پہنچتی ہے، دونوں کی روشنی اور کیفیت انجلائی میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

تورات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف:

عطا بن یسار کا بیان ہے میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے ملاقات کی اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اوصاف جو توریت میں (آپ نے پڑھے) ہوں بیان فرمائیں۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا ہاں بخدا توریت میں آپ کے جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں ان میں سے کچھ قرآن میں بھی موجود ہیں۔ توریت میں کہا گیا ہے اے نبی ہم نے تجھ کو شاہد اور بشارت دہندہ اور عذاب کی وعید سنانے والا اور امیوں کی پناہ بنا کر بھیجا ہے تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے۔

وہ بدخو اور درشت مزاج نہ ہوگا۔ بازاروں میں چیختا نہ پھرے گا۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دے گا۔ بلکہ عفو و درگزر سے کام لے گا جب تک کج روملت کی کجی دور نہ ہو جائے گی اللہ اس کی روح قبض نہیں کرے گا۔ اس کی وفات اس وقت ہو گی جب لوگ لا الہ الا اللہ کے قائل ہو جائیں گے اللہ اس کے ذریعہ سے اندھی آنکھوں کو بہرے کانوں کو اور غلاف پوش دلوں کو کھول دے گا۔ رواہ البخاری۔ دارمی نے عطا بن سلام کی روایت سے ایسا ہی بیان کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت شعیاء علیہ السلام کی تقریر:

ابن ابی حاتم میں ہے، حضرت وہب ابن منبہ فرماتے ہیں بنی اسرائیل کے ایک نبی حضرت شعیا علیہ السلام پر خدائے تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ اپنی قوم بنی اسرائیل میں کھڑے ہو جاؤ میں تمہاری زبان سے اپنی باتیں کہواؤں گا میں امیوں میں سے ایک نبی امی کو بھیجنے والا ہوں نہ بدخلق ہے نہ بدگو نہ بازاروں میں شور و غل کرنے والا، اس قدر سکینہ والا ہے کہ اگر چراغ کے پاس سے گزر جائے تو وہ نہ بجھے اور اگر بانسوں پر بھی چلے تو پیر کی چاپ نہ معلوم ہو۔ میں اُسے خوش خبریاں سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجوں گا جو حق گو ہوگا۔ میں اس کی وجہ سے اندھی آنکھوں کو کھول دوں گا اور بہرے کانوں کو شنوا کر دوں گا اور زنگ آلود دلوں کو صاف کر دوں گا۔ ہر بھلائی کی طرف اس کی رہبری کروں گا۔ ہر نیک خصلت اُس میں موجود رکھوں گا۔ دلجمعی اس کا لباس ہوگی۔ نیکی اس کا وطیرہ ہوگا۔ تقویٰ اس کی ضمیر ہوگی حکمت اس کی گویائی ہوگی، صدق و وفا اس کی عادت ہوگی عفو و درگزر اس کا خلق ہوگا۔ حق اس کی شریعت ہوگی، عدل اس کی سیرت ہوگی ہدایت اس کی امام ہوگی اسلام اس کا دین ہو گا، احمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نام ہوگا، گمراہوں کو میں اس کی وجہ سے ہدایت دوں گا۔ جاہلوں کو اس کی بدولت علما، بنا دوں گا، تنزل والوں کو ترقی پر پہنچا دوں گا، انجانوں کو مشہور و معروف کر دوں گا، قلت کو اس کی وجہ سے کثرت سے، فقیری کو امیری سے، فرقت کو اُلفت سے اختلاف کو اتفاق سے بدل دوں گا۔ مختلف اور متضاد دلوں کو متفق اور متحد کر دوں گا، جداگانہ خواہشوں کو یکسو کر دوں گا، دنیا کو اس کی وجہ سے ہلاکت سے بچا لوں گا، تمام امتوں سے اُس کی امت کو اعلیٰ و افضل بنا دوں گا۔ وہ لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے دنیا میں پیدا کئے جائیں گے۔ ہر ایک کو نیکی کا حکم دیں گے اور بُرائی سے روکیں گے، وہ موحد ہوں گے، مؤمن ہوں گے اخلاص والے ہوں گے۔ رسولوں پر جو کچھ نازل ہوا ہے سب کو سچ ماننے والے ہوں گے۔ وہ اپنی مسجدوں مجلسوں اور بستروں پر چلتے پھرتے بیٹھتے اُٹھتے میری تسبیح حمد و ثنا بزرگی اور بڑائی بیان کرتے رہیں گے، کھڑے اور بیٹھے نمازیں ادا کرتے رہیں گے۔ دشمنانِ خدا سے صفیں باندھ کر حملے کر کر کے جہاد کریں گے۔ ان میں سے ہزارہا لوگ میری رضا مندی کی جستجو میں اپنا گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوں گے۔ منہ ہاتھ وضو میں دھویا کریں گے۔ تہبند آدھی پنڈلی تک کا باندھیں گے میری راہ میں قربانیاں دیں گے، میری کتاب ان کے سینوں میں ہوگی، راتوں کو عابد اور دنوں کو مجاہد ہوں گے۔ میں اُس نبی کی اہلبیت اور اولاد میں سبقت کرنے والے صدیق، شہید اور صالح لوگ پیدا کروں گا۔ اُس کی اُمت اس کے بعد دنیا کو حق کی ہدایت کرے گی اور حق کے ساتھ عدل و انصاف کرے گی، ان کی امداد کرنے والوں کو میں عزت والا کروں گا اور ان کو ملانے والوں کی میں مدد کروں گا۔ اُن کے مخالفین اور اُن کے باغی اور اُن کے بدخواہوں پر میں بڑے دن لاؤں گا۔ میں انہیں اُن کے نبی کا وارث کر دوں گا جو اپنے رب کی طرف لوگوں کو دعوت دیں گے، نیکیوں کی باتیں بتلائیں گے بُرائیوں سے روکیں گے، نماز ادا کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، وعدے پورے کریں گے، اس خیر کو میں ان کے ہاتھوں پورا کروں گا جو ان سے شروع ہوا تھا۔ یہ ہے میرا فضل ہے چاہوں دوں اور میں بہت بڑے فضل و کرم کا مالک ہوں۔

خوشخبریاں سناؤ، آسانی کرو:

ابن ابی حاتم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ اور حضرت معاذؓ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیج رہے تھے جو یہ آیت اُتری۔ تو آپ نے اُن سے فرمایا جاؤ خوشخبریاں سنانا نفرت نہ دلانا، آسانی کرنا سختی نہ کرنا، دیکھو مجھ پر یہ آیت اُتری ہے الخ طبرانی میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا، مجھ پر یہ اُترا ہے کہ اے نبی! ہم نے تجھے تیری اُمت پر گواہ بنا کر جنت کی خوشخبری دینے والا بنا کر اور جہنم سے ڈرانے والا بنا کر اور اللہ کے حکم سے اس کی توحید کی شہادت

کی طرف لوگوں کو بُلانے والا بنا کر اور روشن چراغ قرآن کے ساتھ بنا کر بھیجا ہے پس آپ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر کہ اس کے ساتھ اور کوئی معبود نہیں ،گواہ ہیں، اور قیامت کے دن آپ لوگوں کے اعمال پر گواہ ہوں گے۔ جیسے ارشاد ہے وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا یعنی ہم تجھے ان پر گواہ بنا کر لائیں گے۔ اور آیت میں ہے کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور تم پر یہ رسول گواہ ہیں۔ آپ مومنوں کو بہترین اجر کی بشارت سنانے والے اور کافروں کو بدترین عذاب کا ڈر سنانے والے ہیں اور چونکہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے اس کی بجا آوری کے ماتحت آپ مخلوق کو خالق کی عبادت کی طرف بلانے والے ہیں۔ آپ کی سچائی اس طرح ظاہر ہے جیسے سورج کی روشنی۔ ہاں کوئی ضدی آڑ جائے تو اور بات ہے۔ اے نبی کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانو نہ ان کی طرف کان لگاؤ اور ان سے درگزر کرو یہ جو ایذائیں پہنچاتے ہیں انہیں خیال میں بھی نہ لاؤ اور خدا پر پورا بھروسہ کرو۔ وہ کافی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک اور دِل مبارک:

بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ صاحبؒ نے تفسیر مظہری میں فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت داعی الی اللہ تو ظاہر اور زبان کے اعتبار سے ہے، اور سراج منیر آپ کی صفت آپ کے قلب مبارک کے اعتبار سے ہے، کہ جس طرح سارا عالم آفتاب سے روشنی حاصل کرتا ہے اسی طرح تمام مؤمنین کے قلوب آپ کے نور قلب سے منور ہوتے ہیں اسی لئے صحابہ کرام جنہوں نے اس عالم میں آپ کی صحبت پائی وہ ساری امت سے افضل واعلیٰ قرار پائے، کیونکہ ان کے قلوب نے قلب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ عیاناً فیض اور نور حاصل کیا، باقی امت کو یہ نور صحابہ کرام کے واسطے سے واسطہ در واسطہ ہو کر پہنچا (انتہیٰ کلامہ) اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ تمام انبیاء، خصوصاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے گزرنے کے .... بعد بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں، ان کی یہ حیات برزخی عام لوگوں کی حیاتِ برزخی سے بدر جہا زیادہ فائق وممتاز ہوتی ہے جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

بہرحال اس حیات کی وجہ سے قیامت تک مؤمنین کے قلوب آپ کے قلب مبارک سے استفاضہ نور کرتے رہیں گے، اور جو جتنی محبت وتعظیم اور درود شریف کا زیادہ اہتمام کرے گا اس نور کا حصہ زیادہ پائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اور چراغ کی روشنی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو چراغ سے تشبیہ دی گئی، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور باطن آفتاب کے نور سے کہیں زیادہ ہے، آفتاب سے صرف دنیا کا ظاہر روشن ہوتا ہے لیکن آپ کے قلب مبارک سے سارے جہان کا باطن اور مؤمنین کے قلوب روشن ہوتے ہیں، مگر اس تشبیہ کی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ چراغ کی روشنی سے استفادہ اختیاری ہے، ہر وقت کر سکتے ہیں، اس تک رسائی بھی آسان ہے، اس کا حاصل کرنا بھی آسان ہے بخلاف آفتاب کے کہ وہاں تک رسائی بھی متعذر ہے اور اس سے استفادہ ہر وقت نہیں کیا جاسکتا۔

تورات کی عبارت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفات جیسے قرآن میں آتی ہیں قرآن سے پہلے تورات میں بھی مذکور ہیں جیسا کہ امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ حضرت عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے ملا، تو ان سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات تورات میں آتی ہیں وہ مجھے بتلایئے، انہوں نے فرمایا بیشک میں بتلاتا ہوں، خدا کی قسم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض صفات جو قرآن میں مذکور ہیں وہ تورات میں بھی موجود ہیں، اور فرمایا:

اَنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّحِرْزًا لِّلْاُمِّيِّيْنَ اَنْتَ عَبْدِيْ وَرَسُوْلِيْ سَمَّيْتُكَ الْمُتَوَكِّلَ لَيْسَ بِفَظٍّ وَّلَا غَلِيْظٍ وَّلَا سَخَّابٍ فِي الْاَسْوَاقِ وَلَا يَدْفَعُ السَّيِّئَةَ بِالسَّيِّئَةِ وَلٰكِنْ يَّعْفُوْ وَيَغْفِرُ لَنْ يَّقْبِضَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى حَتّٰى يُقِيْمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَآءَ بِاَنْ يَّقُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَيَفْتَحُ بِهٖ اَعْيُنًا عُمْيًا وَّاٰذَانًا صُمًّا وَّقُلُوْبًا غُلْفًا

"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو بھیجا ہے شاہد بنا کر اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور پناہ وحفاظت امیین یعنی عرب کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے بندے اور رسول ہیں، میں نے آپ کا نام متوکل (یعنی اللہ پر بھروسہ کرنے والا) رکھا ہے نہ آپ تندخو ہیں نہ سخت مزاج اور نہ بازاروں میں شور مچانے والے، اور آپ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہیں دیتے، بلکہ معاف کر دیتے ہیں، اور آپ کو اللہ تعالیٰ دنیا سے اُس وقت تک نہیں واپس لائیں گے جب تک کہ آپ کے ذریعہ ٹیڑھی اُمت کو سیدھا نہ کر دیں کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہنے لگیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور بند دلوں کو کھول دے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا
اور خوشخبری سنادے ایمان والوں کو کہ ان کے لئے ہے خدا کی طرف سے بڑی بزرگی

یعنی دنیا وآخرت میں اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو حضرت کے طفیل سب اُمتوں پر بزرگی اور برتری دی۔

وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ
اور مت مان منکروں کا اور دغابازوں کا

کافروں منافقوں کی پرواہ نہ کریں:

یعنی جب اللہ نے آپ کو ایسے کمالات اور ایسی برگزیدہ جماعت عنایت فرمائی تو آپ حسب معمول فریضہ دعوت و اصلاح کو پوری مستعدی سے ادا کرتے رہئے اور اللہ جو حکم دے اُس کے کہنے یا کرنے میں کسی کافر و منافق کی یاوہ گوئی کی پرواہ نہ کیجئے۔

وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ
اور چھوڑ دے اُن کا ستانا اور بھروسہ کر اللہ پر
وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا
اور اللہ بس ہے کام بنانے والا

کافروں کی ایذاء کو اہمیت نہ دیں:

یعنی اگر یہ بدبخت زبان اور عمل سے آپ کو ستائیں تو ان کا خیال چھوڑ کر اللہ پر بھروسہ رکھیئے۔ وہ اپنی قدرت و رحمت سے سب کام بنا دے گا۔ منکروں کو راہ پر لے آنا یا سزا دینا سب اُسی کے ہاتھ میں ہے، آپ کو اس فکر اور اُلجھن میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ ان کا تو مطلب یہی ہے کہ آپ طعن و تشنیع وغیرہ سے گھبرا کر اپنا کام چھوڑ بیٹھیں۔ اگر بفرض محال آپ ایسا کریں تو گویا اُن کا مطلب پورا کر دیں گے اور اُن کا کہا مان لیں گے۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا اور اللہ کی کارسازی کافی ہے۔ یعنی جب تم اللہ کو اپنے تمام امور سپرد کر دو گے تو وہ تمہارے سارے امور کے لئے کافی ہوگا۔ تم کو دوسروں کا محتاج نہ چھوڑے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اور ذمہ داریاں:

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اللہ نے اپنے نبی کے پانچ اوصاف بیان فرمائے۔ شاہد، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ، سراج منیر، پھر ہر صفت کے مناسب ترتیب وار حکم دیا صرف شاہد کے مقابل کوئی حکم نہیں دیا کیوں کہ مابعد کا کلام تمام احکام نگہداشت کی تفصیل کر رہا ہے (گویا شاہد کا لفظ چاہتا تھا کہ نگہداشت کی جائے لیکن نگہداشت کس بات کی کی جائے اس کی تفصیل بعد والے کلام میں کر دی گئی) مبشر کے مقابل (یعنی مناسب) مومنوں کو بشارت دینے کا حکم دیا گیا اور نذیر کے مقابل کافروں کی طرف سے پہنچنے والی اذیت کی پرواہ نہ کرنے کا حکم دیا گیا اور ان کا لحاظ کرنے کی ممانعت کر دی گئی اور داعی الی اللہ کے مقابل اللہ پر بھروسہ رکھنے کا حکم دیا گیا اور سراج منیر کے مناسب فرمایا کہ اللہ کی کارسازی کافی ہے اسی کی کارسازی پر اکتفاء کی جائے۔ کیوں کہ وہ ذات جس نے تمام مخلوق سے زیادہ روشن دلائل آپ کو عنایت کئے ہیں اسی ذات پر اکتفا کرنا مناسب ہے۔ (تفسیر مظہری)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ
اے ایمان والو جب تم نکاح سے لاؤ مسلمان عورتوں کو
ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ
پھر اُن کو چھوڑ دو پہلے اس سے کہ اُن کو ہاتھ لگاؤ سو اُن پر
عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ
تم کو حق عدت میں بٹھلانا کہ گنتی پوری کراؤ سو اُن کو دو کچھ فائدہ
وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا
اور رخصت کرو بھلی طرح سے

ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق کا مسئلہ:

یعنی جو مرد اپنی عورت کو بغیر صحبت کئے طلاق دے اگر اُس کا مہر بندھا تھا تو نصف مہر دینا ہوگا ورنہ کچھ فائدہ پہنچا کر (یعنی عرف اور حیثیت کے موافق ایک جوڑا پوشاک دے کر) خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دے۔ اور عورت اُسی وقت چاہے تو نکاح کر لے۔ اس صورت میں عدت نہیں۔ (حنفیہ کے نزدیک خلوت صحیحہ بھی صحبت کے حکم میں ہے تفصیل فقہ میں دیکھ لی جائے یہ مسئلہ یہاں بیان فرمایا۔ حضرت کی ازواج کے ذکر میں جس کا سلسلہ دور سے چلا آتا تھا۔ درمیان میں چند آیات ضمنی مناسبت سے آ گئی تھیں۔ یہاں سے پھر مضمون سابق کی طرف عود کیا گیا ہے۔ روایات میں ہے کہ حضرت نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ جب اُس کے نزدیک گئے کہنے لگی اللہ تجھ سے پناہ دے، حضرت نے اُس کو جواب دیا کہ تو نے بڑے کی پناہ پکڑی۔ اس پر یہ حکم فرمایا اور خطاب فرمایا، ایمان والوں کو تا معلوم ہو کہ پیغمبر کا خاص حکم نہیں، سب مسلمانوں پر یہی حکم ہے۔ اسی کے موافق حضرت نے اُس کو جوڑا دے کر رخصت کر دیا۔ پھر وہ ساری عمر اپنی محرومی پر پچھتاتی رہی۔ (تفسیر عثمانی)

یہ حکم مسلمان عورتوں کا بھی ہے اور کتابی عورتیں جن سے مسلمانوں نے نکاح کر لیا ہو ان کا بھی یہی حکم ہے۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ صرف مومنات کا ذکر کرنے سے اس امر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ مسلمان عورتوں سے ہی نکاح کرنا مسلمانوں کے لئے مناسب ہے۔

نکاح سے پہلے طلاق معتبر نہیں ہے:

ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ میں ثُمَّ پھر (یعنی نکاح کے بعد) تم نے ان کو طلاق دے دی ہو۔ بغوی نے کہا اس فقرہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق قابل

اعتبار نہیں ہے کیونکہ نکاح پر طلاق کو متفرع کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی غیر عورت سے اس طرح کہا کہ جب میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے پھر اس سے نکاح کر لیا تو (نکاح سے) پہلے دی ہوئی طلاق کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر اس طرح کہا جس عورت سے میں نکاح کروں اسے طلاق ہے پھر کسی عورت سے نکاح کر لیا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت معاذ، حضرت جابر اور حضرت عائشہؓ کا یہی قول ہے۔ سعید بن مسیب سعید بن جبیر، عروہ قاسم، طاؤس، حسن، عکرمہ، عطا، سلیمان بن یسار، مجاہد، شعبی، قتادہ اور اکثر علماء اسی کے قائل ہیں۔ امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے۔

اگر آزادی کو ملک کے ساتھ معلق کر دیا ہو (مثلاً یوں کہا ہو جب میں کسی باندی غلام کا مالک ہوں تو وہ آزاد ہے، یا کسی معین باندی غلام سے کہا ہو جب میں تیرا مالک ہوں تو تو آزاد ہے) تو اس کا بھی یہی حکم ہے، حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا (مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں) طلاق واقع ہو جائے گی۔ ابراہیم نخعی اور اصحاب الرائی یعنی امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا یہی قول ہے۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی میں کہتا ہوں حاکم نے مستدرک میں یہ حدیث بیان کی ہے اور اس کو صحیح کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ شیخین پر مجھے تعجب ہے کہ کیوں انہوں نے یہ حدیث صحیحین میں ذکر نہیں کی باوجود یہ کہ ان کی شرائط کے مطابق (اس کے راوی ثقہ عادل حافظ وضابطہ ہیں)

امام احمد نے کہا اگر طلاق کو معلق بالنکاح کیا ہے تو نکاح کے بعد طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر باندی غلام کی آزادی کو معلق بالملک کیا ہے تو مالک ہونے کے بعد غلام باندی کے آزاد ہونے یا نہ ہونے کے متعلق امام احمد کے دو قول مروی ہیں۔ امام مالک نے کہا کسی خاص شہر کا یا قبیلہ یا کسی خاص صنف کا یا کسی خاص عورت کا نام لیا ہے اور اس کی طلاق کو معلق بالنکاح کیا ہے تو نکاح کے بعد طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر بالکل تعمیم کی ہے نہ عورت کو نامزد کیا ہے نہ کسی شہر قبیلہ یا صنف کو (اور یوں کہا کہ میں کسی عورت سے نکاح کروں تو اسے طلاق ہے) تو طلاق نہیں ہوگی۔

ابن جوزی نے امام احمد کے قول کو ثابت کرنے کے لئے چھ احادیث پیش کی ہیں (۱) عمرو بن شعیب نے بوساطت شعیب اپنے دادا کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا کہ غیر مملوک (یعنی غیر منکوحہ) کو طلاق (نافذ) نہیں نہ غیر مملوک کو آزاد کرنا (جائز) ہیں نہ غیر مملوک کو فروخت کرنا (درست) ہے۔ ابن جوزی نے یہ حدیث امام احمد کے طریق سے نقل کی ہے اصحاب السنن نے بھی اس کو بیان کیا ہے۔ ترمذی نے کہا اس باب میں جو روایات آئی ہیں سب سے بہتر یہ روایت ہے۔ بزار کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ نکاح سے پہلے طلاق نہیں اور نہ ملکیت سے پہلے آزادی ہے بیہقی نے خلافیات میں لکھا ہے کہ بخاری نے اس موضوع کی روایات میں مذکورہ روایت کو سب سے زیادہ صحیح کہا ہے۔

عمرو بن شعیب نے بوساطت طاؤس حضرت معاذ بن جبل کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیر مملوک کو نہ طلاق جائز ہے نہ آزاد کرنا نہ فروخت کرنا نہ اس نذر کو پورا کرنا جائز ہے جو غیر مملوک چیز کی ہو۔

ابن عدی نے بروایت نافع بیان کیا کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا طلاق (جائز) نہیں مگر نکاح کے بعد، ابن حجر نے کہا اس سند کے راوی ثقہ ہیں۔

حضرت عائشہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان بن حرب کو نجران (علاقہ) یمن کا حاکم بنا کر بھیجا اور من جملہ دیگر ہدایات کے یہ ہدایت بھی کی کہ جو نکاح میں نہ ہو اس کو آدمی طلاق نہ دے اور نہ اس کو آزاد کرے جس کا مالک نہ ہو۔

اس سلسلہ کی ایک حدیث حضرت مسعود بن مخرمہ کی بیان کردہ آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نکاح سے پہلے طلاق نہیں اور نہ مالک ہونے سے پہلے آزاد کرنا ہے۔

عدت مردوں کا حق ہے:

لَکُمْ کا لفظ بتا رہا ہے کہ عورتوں (بیوہ ہوں یا مطلقہ) پر عدت کرنے کا حق مردوں کا ہے اپنے پانی کی حفاظت اور نسب میں شک نہ ہونا عدت کا فائدہ ہے اور نسب مردوں سے ہوتا ہے۔

حربی عورت: حربی عورت اگر مسلمان ہو کر ہمارے ملک میں آ جائے گی تو اس کے لئے کوئی مدت نہیں اگر وہ فوراً نکاح کرنا چاہے تو کر سکتی ہے کیوں کہ حربی کافر کا از روئے شرع کوئی حق نہیں وہ بے جان جمادات کی طرح ہے کہ مسلمان (دوسرے سامان کی طرح) اس کا مالک ہو سکتا ہے ہاں اگر وہ حاملہ ہوگی تو عدت پوری کرنی ہوگی کیوں کہ اس کے پیٹ میں بچہ ہے۔ وہ ثابت النسب ہے۔ (تفسیر مظہری)

خلوت سے قبل طلاق کے دو حکم:

پہلا حکم یہ کہ کسی عورت سے نکاح کر لینے کے بعد خلوت صحیحہ سے پہلے ہی کسی وجہ سے طلاق کی نوبت آ جائے۔ تو مطلقہ عورت پر کوئی عدت واجب نہیں، وہ فوراً ہی دوسرا نکاح کر سکتی ہے، آیت مذکورہ میں ہاتھ لگانے سے مراد صحبت اور صحبت کا حقیقی یا حکمی ہونا اور دونوں کا ایک حکم ہونا خلاصہ تفسیر میں معلوم ہو چکا ہے، اور صحبت حکمی خلوت صحیحہ ہو جانا ہے۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ مطلقہ عورت کو شرافت اور حسن خلق کے ساتھ کچھ سامان دے کر رخصت کیا جائے کچھ سامان دے کر رخصت دینا ہر مطلقہ کے لئے مستحب و مسنون ہے۔

طلاق کے وقت مُتعہ یعنی لباس کی تفصیل:

بدائع میں ہے کہ مُتعہ طلاق سے مراد وہ لباس ہے جو عورت گھر سے نکلنے کے وقت ضروری استعمال کرتی ہے۔ اس میں پاجامہ، کرتہ، اوڑھنی اور ایک بڑی چادر جو سر سے پاؤں تک بدن کو چھپا سکے شامل ہے، اور چونکہ لباس قیمت کے اعتبار سے اعلیٰ، ادنیٰ، اوسط ہر طرح کا ہوسکتا ہے، اس لئے فقہاء نے اس کی یہ تفصیل فرمائی کہ اگر شوہر بیوی دونوں مالدار گھرانوں کے ہیں تو کپڑے اعلیٰ قسم کے دیئے جائیں، اور دونوں غریب ہیں تو کپڑے ادنیٰ درجہ کے دیئے جائیں، اور ایک غریب اور دوسرا مالدار ہے تو اوسط درجہ کا لباس دیا جائے۔ (کذا قال الخصاف فی النفقات)

عین طلاق کے موقع پر جو مسلمان کو ہدایات دی ہیں وہ بھی ایسی ہیں کہ ان میں حُسنِ خلق اور حُسنِ معاشرت کا پورا امتحان ہوتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ

اے نبی ہم نے حلال رکھیں تجھ کو تیری عورتیں جن کے مہر تو

اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ

دے چکا ہے اور جو مال ہو تیرے ہاتھ کا جو ہاتھ لگا دے تیرے اللہ

یعنی لونڈیاں، باندیاں جو غنیمت وغیرہ سے ہاتھ لگی ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ازواج کا مہر نقد ادا کیا:

جتنی عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کا مہر نقد ادا کر دیا اُدھار نہیں رکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جس چیز کا دینا آپ کے ذمہ عائد ہوا اس کو فوراً دے کر سبکدوش ہو جاتے تھے، بلا شبہ ضرورت تاخیر نہ فرماتے تھے، اس واقعہ کے اظہار میں عام مسلمانوں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب ہے۔

غیر مسلم بادشاہ کے ہدیہ میں
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت

دار الحرب سے کسی غیر مسلم کی طرف سے اگر کوئی ہدیہ مسلمانوں کے امیر المؤمنین کے نام پر آئے تو حکم شرعی یہ ہے کہ اس کا مالک امیر المؤمنین نہیں ہوتا بلکہ وہ بیت المال شرعی کی ملک قرار دیا جاتا ہے، بخلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ ایسا ہدیہ آپ کے لئے خصوصیت سے حلال کر دیا گیا، جیسا ماریہ قبطیہؓ کا معاملہ ہے کہ مقوقس نے ان کو بطور ہدیہ وتحفہ آپ کی خدمت میں پیش کیا، تو یہ آپ ہی کی ملک قرار پائیں، واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

باندیوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت

باندیوں کے بارہ میں آپ کی خصوصیت یہ تھی کہ غنیمت کی تقسیم سے پہلے آپ کو اختیار تھا کہ جو چیز آپ کو پسند آئے وہ لے لیں چنانچہ غزوہ خیبر میں آپ نے حضرت صفیہ کو اسی طرح لیا تھا اور یہ حق آپ کے سوا دوسرے کو نہیں نیز اس بارہ میں ایک خصوصیت آپ کی یہ تھی کہ اہل حرب کی جانب سے جو ہدایا آپ کے پاس آتے تھے وہ سب آپ کی ملک ہوتے تھے اور آپ کے بعد اگر کسی خلیفہ یا بادشاہ کو اہل حرب کوئی ہدیہ دیں تو وہ عام مسلمانوں اور بیت المال کا حق ہے اور ایک خصوصیت آپ کی یہ تھی کہ جو باندی وفات تک آپ کے پاس رہی ہو جیسے ماریہ قبطیہ۔ وہ دوسروں کے لئے حرام تھی ممکن ہے کہ اس کے علاوہ اور بھی کچھ خصوصیتیں ہوں جو اس زمانہ کے لوگوں کو معلوم ہوں اور انہی کو اس کی ضرورت بھی تھی۔ (معارف کاندھلوی)

وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ

اور تیرے چچا کی بیٹیاں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تیرے ماموں کی بیٹیاں

وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَاَةً

اور تیری خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے وطن چھوڑا تیرے ساتھ اور جو عورت

مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ

ہو مسلمان اگر بخشدے اپنی جان نبی کو اگر نبی چاہے

اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ

کہ اُس کو نکاح میں لائے یہ خاص ہے تیرے لئے سوائے سب مسلمان کے

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ

ہم کو معلوم ہے جو مقرر کر دیا ہے ہم نے اُن پر اُن کی عورتوں کے حق میں

وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۭ

اور اُن کے ہاتھ کے مال میں تا نہ رہے تجھ پر تنگی

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

ازواج کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات:

تیری عورتیں جن کو مہر دے چکا یعنی جو اب تیرے نکاح میں ہیں خواہ

قریش سے ہوں اور مہاجر ہوں یا نہ ہوں سب حلال رہیں، ان میں سے کسی کو چھوڑنے کی ضرورت نہیں۔ اور چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ کی بیٹیاں یعنی قریش میں کی جو باپ یا ماں کی طرف سے قرابت دار ہوں بشرط ہجرت کے حلال ہیں اُن سے نکاح کر سکتے ہو۔ اور جو عورت بخشے نبی کو اپنی جان یعنی بلا مہر کے نکاح میں آنا چاہے وہ بھی حلال ہے اگر آپ اس طرح نکاح میں لانا پسند کریں۔ یہ اجازت خاص پیغمبر کے لئے ہے گو آپ نے کبھی اس پر عمل نہیں کیا (کمافی الفتح) شاید اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ کی شرط سے اباحت مرجوحہ سمجھی ہو۔ بہرحال دوسرے مسلمانوں کے لئے وہ ہی حکم ہے جو معلوم ہو چکا اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ (نساء۔ رکوع ۴) یعنی بلا مہر نکاح نہیں، خواہ عقد کے وقت ذکر آیا خواہ پیچھے ٹھہرالیا یا نہ ٹھہرایا تو مہر مثل (جو اُس کی قوم کا مہر ہو واجب ہوگا پیغمبر پر سے اللہ تعالیٰ نے یہ مہر کی قید اُٹھا دی تھی۔ برخلاف مؤمنین کے کہ اُن کو نہ چار سے زائد کی اجازت نہ بدوں مہر کے نکاح درست۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باعفت حیاتِ مبارکہ اور تعددِ ازواج کی حکمت

(تنبیہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس سال کی عمر تک جو شباب کی اُمنگوں کے اصلی دن ہوتے ہیں محض تجرد میں گزارے۔ پھر اقرباء کے اصرار اور دوسری جانب کی درخواست پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے (جن کی عمر ڈھل چکی تھی اور دو مرتبہ بیوہ ہو چکی تھیں) آپ نے عقد کیا۔ ترپن سال کی عمر تک پورے سکون وطمانیت سے اسی پاکباز بیوی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ یہ ہی زمانہ تھا کہ آپ ساری دنیا سے الگ غاروں اور پہاڑوں میں جا کر خدائے واحد کی عبادت کیا کرتے تھے اور یہ اللہ کی نیک بندی آپ کے لئے توشہ تیار کرتی اور عبادت الٰہی اور سکون قلبیکے حصول میں آپ کی اعانت وامداد کیا کرتی تھی۔ زندگی کے اس طویل عرصہ میں جو دوسرے لوگوں کے لئے عموماً نفسانی جذبات کی انتہائی ہنگامہ خیزیوں کے اُٹھ اُٹھ کر ختم ہو جانے کا زمانہ ہوتا ہے، کوئی معاند سے اور معاند اور کٹر سے کٹر متعصب دشمن بھی ایک حرف ایک نقطہ، ایک شوشہ آپ کی پیغمبرانہ عصمت اور خارق عادت عفاف و پاکبازی کے خلاف نقل نہیں کر سکتا اور واضح رہے کہ یہ اُس اکمل البشر کی سیرت کا ذکر ہے جس نے خود اپنی نسبت فرمایا کہ مجھ کو جو جسمانی قوت عطا ہوئی ہے وہ اہل جنت میں سے چالیس مردوں کے برابر ہے جن میں سے ایک مرد کی قوت سو کی برابر ہوگی گویا اس حساب سے دنیا کے چار ہزار مردوں کی برابر قوت حضور کو عطا فرمائی گئی تھی۔ اور بیشک دنیا کے اکمل ترین بشر کی تمام روحانی وجسمانی قوتیں ایسے ہی اعلیٰ اور اکمل پیمانہ پر ہونی چاہئیں۔ اس حساب سے اگر فرض کیجئے چار ہزار بیویاں آپ کے نکاح میں ہوتیں تو آپ کی قوت کے اعتبار سے اس درجہ میں شمار کیا جا سکتا تھا جیسے ایک مرد ایک عورت سے نکاح کر لے۔ لیکن اللہ اکبر! اس شدید ریاضت اور ضبطِ نفس کا کیا ٹھکانہ ہے کہ ترپن سال کی عمر اس تجرد یا زہد کی حالت میں گزار دی۔ پھر حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد اپنے سب سے بڑے جاں نثار و وفادار رفیق کی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہؓ سے عقد کیا۔ ان کے سوا آٹھ بیوائیں آپ کے نکاح میں آئیں۔ وفات کے بعد نو موجود تھیں۔ جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت سودہ، حضرت اُم سلمہ، حضرت زینب، حضرت اُم حبیبہ، حضرت جویریہ، حضرت صفیہ، حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن وارضاہن (ان میں پچھلی تین قریشی نہیں) دنیا کا سب سے بڑا بے مثال انسان جو اپنے فطری قویٰ کے لحاظ سے کم از کم چار ہزار بیویوں کا مستحق ہو، کیا نو کا عدد دیکھ کر کوئی انصاف پسند اُس پر کثرت ازدواج کا الزام لگا سکتا ہے۔ پھر جب ہم ایک طرف دیکھتے ہیں کہ آپ کی عمر ترپن سال سے متجاوز ہو چکی تھی، باوجود عظیم الشان فتوحات کے ایک دن پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاتے تھے، جو آتا اللہ کے راستہ میں دے ڈالتے۔ اختیاری فقر و فاقہ سے پیٹ کو پتھر باندھتے، مہینوں ازواج مطہرات کے مکانوں سے دھواں نہ نکلتا، پانی اور کھجور پر گزارہ چلتا۔ روزہ پر روزہ رکھتے، کئی کئی دن افطار نہ کرتے، راتوں کو اللہ کی عبادت میں کھڑے رہنے سے پاؤں پر ورم ہو جاتا، لوگ دیکھ کر رحم کھانے لگتے، عیش وطرب کا سامان تو کجا، تمام بیویوں سے صاف کہہ دیا تھا کہ جسے آخرت کی زندگی پسند ہو۔ ہمارے ساتھ رہے جو دنیا کا عیش چاہے رخصت ہو جائے۔ ان حالات کے باوجود دوسری طرف دیکھا جاتا ہے کہ سب ازواج کے حقوق ایسے اکمل واحسن طریقہ سے ادا فرماتے جس کا تحمل بڑے سے بڑا طاقتور مرد نہیں کر سکتا۔ اور میدان جنگ میں لشکروں کے مقابلہ پر جب بڑے بڑے جوان مرد بہادر دل چھوڑ بیٹھتے تھے آپ پہاڑ کی طرح ڈٹے رہتے اور زبان سے فرماتے اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ اور اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ۔ بیویوں کا تعلق فرائض عبودیت ورسالت کی بجا آوری میں ذرہ برابر فرق نہ ڈالتا۔ نہ کسی سخت سے سخت کٹھن کام میں ایک منٹ کے لئے ضعف وتعب لاحق ہوتا۔ کیا یہ خارق عادت احوال اہل بصیرت کے نزدیک معجزہ سے کچھ کم ہیں؟ حقیقت میں جس طرح آپ کا بچپن اور آپ کی جوانی ایک معجزہ تھی، بڑھاپا بھی ایک معجزہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کی پاک زندگی کے ہر ایک دور میں پاکباز متقیوں کے لئے کچھ نمونے رکھ دیئے ہیں جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں اُن کی عملی رہبری کر سکیں۔ ازواج مطہرات کی جس نام نہاد کثرت پر مخالفین کو اعتراض ہے وہی اُمت مرحومہ کے لئے اس کا ذریعہ بنی کہ پیغمبر کا اتباع کرنے والے مرد اور عورتیں اُن

حکموں اور نمونوں سے بے تکلف واقف ہوں جو بالخصوص باطنی احوال اور خانگی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ گویا کثرت ازواج میں ایک بڑی مصلحت یہ ہوئی کہ خانگی معاشرت اور نسوانی مسائل کے متعلق نبی کے احکام اور اسوۂ حسنہ کی اشاعت کافی حد تک بے تکلف ہو سکے۔ نیز مختلف قبائل وطبقات کی عورتوں کے آپ کی خدمت میں رہنے سے اُن قبائل اور جماعتوں کو آپ کی دامادی کا شرف حاصل ہوا اور اس طرح اُن کی وحشت ونفرت بھی کم ہوئی۔ اور اپنے کنبہ کی عورتوں سے آپ کی پاکدامنی، خوبی اخلاق، حُسن معاملہ اور بے لوث کیرکٹر کو سُن کو اسلام کی طرف رغبت بڑھی۔ شیطانی شکوک واوہام کا ازالہ ہوا، اور اس طرح خدا کے عاشقوں، آپ کے فداکاروں اور دنیا کے ہادیوں کی وہ عظیم الشان جماعت تیار ہوئی جس سے زیادہ پرہیزگار و پاکباز کوئی جماعت (بجز انبیاء کے) آسمان کے نیچے کبھی نہیں پائی گئی اور جو کسی بُرے کیرکٹر رکھنے والے کی تربیت میں محال تھا کہ تیار ہو سکے۔ (تفسیر عثمانی)

بغیر ولی اور بغیر مہر کے نکاح:

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کسی عورت کو یہ جائز نہیں کہ اپنے تئیں بغیر ولی اور بغیر مہر کے کسی کے نکاح میں دے دے ہاں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ تھا اور مومنوں پر جو ہم نے مقرر کر دیا ہے اُسے ہم خوب جانتے ہیں یعنی دو چار سے زیادہ بیویاں ایک ساتھ نہیں رکھ سکتے۔ ہاں ان کے علاوہ لونڈیاں رکھ سکتے ہیں اور ان کی کوئی تعداد مقرر نہیں۔ اسی طرح ولی کی مہر کی گواہوں کی بھی شرط ہے۔ پس اُمت کے لئے تو یہ حکم ہے اور آپ پر اس کی پابندیاں نہیں تاکہ آپ پر کوئی حرج نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ بڑا غفور ورحیم ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات:

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ عورتوں سے نکاح کیا جن میں سے چھ تو قریشیہ تھیں، خدیجہؓ، عائشہؓ، حفصہؓ، اُم حبیبہؓ، سودہؓ، اور اُم سلمہؓ اور تین بنو عامر بن صعصعہ کے قبیلے میں سے تھیں اور دو عورتیں قبیلہ بنو ہلال بن عامر میں سے تھیں۔ حضرت میمونہ بنت حارثؓ، یہی وہ ہیں جنہوں نے اپنا نفس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کیا تھا اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کی کنیت اُم المساکین تھی اور ایک عورت بنو ابی بکر بن کلاب سے یہ وہی ہے جس نے دنیا کو اختیار کیا تھا اور بنو جون میں سے ایک عورت جس نے پناہ طلب کی تھی۔ اور ایک عورت اسدیہ جن کا نام زینب بنت جحش ہے رضی اللہ عنہا۔ دو کنیزیں تھیں صفیہ بنت حی بن اخطبؓ اور جویریہ بنت حارث بن عمرو بن مطلق خزاعیہؓ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اپنے نفس کو ہبہ کرنے والی عورت حضرت میمونہ بنت حارث تھیں۔ لیکن اس میں انقطاع ہے اور یہ روایت مُرسل ہے۔ یہ مشہور بات ہے کہ حضرت زینبؓ جن کی کنیت اُم المساکین تھی، یہ زینب بنت خزیمہ تھیں۔ قبیلہ انصار میں سے تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہی انتقال کر گئیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا، واللہ اعلم مقصد یہ ہے کہ وہ عورتیں جنہوں نے اپنے نفس کا اختیار آپ کو دیا تھا وہ بہت سی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کی قدردانی کا اعلیٰ ترین نمونہ قائم فرما دیا:

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کوئی ایسی عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ تھی جس نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا ہو۔ حضرت یونس بن بکیرؒ فرماتے ہیں گو آپ کے لئے یہ مباح تھا کہ جو عورت اپنے تئیں آپ کو سونپ دے آپ اُسے اپنے گھر میں رکھ لیں، لیکن آپ نے ایسا کیا نہیں کیونکہ یہ امر آپ کی مرضی پر رکھا گیا تھا۔ یہ بات کسی اور کے لئے جائز نہیں۔ ہاں مہر ادا کر دے تو بے شک جائز ہے۔ چنانچہ حضرت بروع بنت واشقؓ کے بارے میں جنہوں نے اپنا نفس سونپ دیا تھا، جب اس کے شوہر انتقال کر گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ ان کے خاندان کی اور عورتوں کے مثل انہیں مہر دیا جائے جس طرح موت مہر کو مقرر کر دیتی ہے اسی طرح صرف دخول سے بھی مہر واجب ہو جاتا ہے۔ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم سے مستثنیٰ تھے، ایسی عورتوں کو کچھ دینا آپ پر واجب نہ تھا۔ گو اسے شرف بھی حاصل ہو چکا ہو اس لئے کہ آپ کے بغیر مہر کے اور بغیر ولی کے اور بغیر گواہوں کے نکاح کر لینے کا اختیار تھا جیسے کہ حضرت زینب بنت جحشؓ کے قصے میں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

تُرْجِىْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِىْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ
پیچھے رکھ دے تو جس کو چاہے اُن میں اور جگہ دے اپنے پاس جس کو چاہے
وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ
اور جس کو جی چاہے تیرا اُن میں سے جن کو کنارے کر دیا تھا تو کچھ گناہ نہیں تجھ پر

ازواج میں باری کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار

تُرْجِىْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِىْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ۔ ان میں سے آپ جس کو چاہیں (اور جب تک چاہیں) اپنے سے دور رکھیں اور جس کو چاہیں (اور جب تک چاہیں) اپنے پاس رکھیں یہ آیت سن کر حضرت عائشہ نے کہا میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش جلد پوری کر دیتا ہے دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا مجھے ان عورتوں پر غیرت آتی تھی جو اپنی ذات کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہبہ کرتی تھیں اور میں کہتی تھی کیا عورت اپنے آپ کو ہبہ کر سکتی ہے لیکن جب آیت تُرْجِىْ مَنْ تَشَآءُ الخ نازل ہوئی تو میں نے کہا

مجھے دکھائی دے رہا ہے کہ آپ کا رب آپ کی خواہش جلد پوری کر دیتا ہے۔

تُرْجِیْ کا معنی ہے آپ جس کو چاہیں پیچھے کر دیں۔

بغوی نے لکھا ہے اس آیت کی تفسیر کا اختلاف ہے سب سے زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ اس آیت کا نزول باری تقسیم کرنے کے سلسلہ میں ہوا۔ پہلے عورتوں میں برابری کرنا رسول اللہ پر واجب تھا اس آیت کے نزول کے بعد برابری رکھنے کا حکم ساقط کر دیا گیا اور عورتوں کے معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا اختیار دے دیا گیا۔

ابو زید اور ابن زید نے کہا اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب بعض امہات المومنین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں رشک کیا اور بعض نے زیادہ مصارف طلب کئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک سب سے ترک تعلق کر لیا تھا یہاں تک کہ آیت تخییر نازل ہوئی اور اللہ نے حکم دے دیا کہ عورتوں کو اختیار دے دو وہ دنیا کو پسند کر لیں یا آخرت کو جو دنیا کو پسند کریں ان کے راستہ میں رکاوٹ نہ پیدا کرو (ان کو آزاد کر دو) اور جو اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کریں ان کو اپنے پاس رکھو لیکن شرط یہ ہے کہ وہ مومنوں کی مائیں ہوں گی کبھی کسی اور سے (آپ کے بعد) نکاح نہیں کر سکیں گی اور ایک شرط یہ بھی ہے کہ اللہ کے رسول کو اختیار ہو گا کہ ان میں سے جس کو چاہیں گے رسول خدا اپنے پاس رکھیں گے اور جس کو چاہیں گے دور رکھیں گے رسول اللہ کو یہ بھی اختیار ہو گا کہ جس کی باری چاہیں مقرر کریں چاہیں نہ کریں اور مصارف و باری کی تقسیم میں جس کو چاہیں ترجیح دیں یہ سارے اختیارات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہوں گے یہ خصوصیت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی تھی۔ امہات المومنین نے یہ تمام شرائط مان لیں اور ان شرائط پر آپ کے ساتھ رہنے پر راضی ہو گئیں رضی اللہ عنھن۔

مذکورہ احکام کا عمومی پہلو:

میں کہتا ہوں یہ امتیازی حکم صرف رسول اللہ ہی کے لئے نہیں بلکہ ساری امت کے لئے اس کا جواز ہے اگر کسی کے پاس چند عورتیں ہوں اور وہ اپنے حقوق نکاح مثلاً مصارف اور باری کی تقسیم میں مساوات کی طلب گار ہوں اور شوہر ان سے کہہ دے کہ اگر تم چاہو تو آؤ میں تم کو سامان دے کر خوبصورتی کے ساتھ تم کو رخصت کر دوں اور تم میں سے جو عورت میرے نکاح میں بغیر طلب مصارف کے ان شرائط پر رہنا چاہے کہ میں جس کو چاہوں گا اپنے پاس رکھوں گا اور جس کو چاہوں گا دور رکھوں گا مجھے اختیار ہو گا کہ میں باری مقرر کروں یا نہ کروں یا کسی کی کروں اور کسی کی نہ کروں اور یہ بھی اختیار ہو گا کہ مصارف طعام ولباس ایک کو کم دوں دوسری کو زیادہ دوں اور ان تمام شرائط پر عورتیں کہہ دیں کہ ہم کو یہ سب شرطیں منظور ہیں ہم تو تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہیں ہم اپنے حقوق سے دست بردار ہوتی ہیں آپ جیسا چاہیں کریں تو اس صورت میں شوہر کو پورا اختیار ہو جاتا ہے اور کسی کے حقوق نکاح اس پر باقی نہیں رہتے۔

حضرت سودہ خود اپنے حقوق سے دستبردار ہو گئیں اور انہوں نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی عظمت:

بخاری نے حضرت معاذہؓ کی روایت سے حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ کسی عورت کی باری کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے (کسی بیوی کے پاس رہنے کی) اجازت طلب کرتے تھے اور یہ واقعہ آیت تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ الخ کے نزول کے بعد کا ہے۔ حضرت معاذہ نے کہا میں نے پوچھا آپ کیا کہتی تھی حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں کہتی تھی اگر اس کا اختیار میرے ہاتھ میں ہے تو میں کسی کو آپ کے معاملہ میں اپنے اوپر ترجیح نہیں دوں گی۔

اختیار کے مختلف پہلو:

مجاہد نے کہا تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ کا مطلب یہ ہے آپ جس بیوی سے بغیر طلاق دینے کنارہ کش رہنا چاہیں کنارہ کش رہیں اور کنارہ کش ہونے کے بعد اگر پھر اس کو بغیر تجدید نکاح کے اپنے پاس واپس لانا چاہیں تو لا سکتے ہیں۔

حسن نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اپنی امت کی جس عورت سے آپ نکاح کرنا چاہیں کر سکتے ہیں اور نکاح نہ کرنا چاہیں تو نہ کریں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی عورت کو اپنا پیام بھیجتے تھے تو جب تک خود ہی اپنے پیام سے دست بردار نہ ہو جائیں کسی دوسرے شخص کے لئے اس عورت کو پیام بھیجنا جائز نہ تھا۔

بعض نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ جو مومن عورتیں اپنے آپ کو آپ کے لئے ہبہ کر دیں آپ ان میں سے جس کو چاہیں قبول کر لیں اور اپنے پاس جگہ دیں اور جس کو قبول نہ کرنا چاہیں رد کر دیں۔ (تفسیر مظہری)

دورِ جاہلیت کا ایک غلط رواج:

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جاہلیت میں ایک خبیث رواج یہ بھی تھا کہ لوگ آپس میں بیویوں کا تبادلہ کر لیا کرتے تھے۔ یہ اپنی اُسے دے دیتا تھا اور وہ اپنی اسے دے دیتا تھا۔ اسلام نے اس گندے طریقے سے مسلمانوں کو روک دیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ ہی کی روایت ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بی بی کی نوبت میں ان کے یہاں جانے سے کوئی عذر ہوتا تو آپ اس سے اجازت لیتے تھے، جب کہ یہ آیت بھی نازل ہو چکی تھی، تُؤْوِیْۤ اِلَیْكَ الآیۃ (جس میں ...... بیویوں میں برابری کرنے کا فرض آپ سے معاف کر دیا گیا)

تعدد ازواج کا مسئلہ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا نکاح پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ سے کیا، جو بیوہ سن رسیدہ صاحب اولاد اور دوشوہروں کے نکاح میں رہنے کے بعد آئی تھیں، اور پچاس سال کی عمر تک صرف اسی ایک سن رسیدہ بیوی کے ساتھ شباب کا پورا زمانہ گزارا، یہ پچاس سالہ دور عمر مکہ کے لوگوں کے سامنے گزرا، چالیس سال کی عمر میں اعلان نبوت کے بعد شہر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت شروع ہوئی، اور مخالفین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ستانے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عیب لگانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، ساحر کہا شاعر کہا، مجنون کہا، مگر کبھی کسی دشمن کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی ایسی چیز منسوب کرنے کا موقع نہیں مل سکا، جو تقویٰ وطہارت کو مشکوک کر سکے۔

پچاس سال عمر شریف کے گزرنے اور حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد حضرت سودہؓ نکاح میں آئیں یہ بھی بیوہ تھیں۔

ہجرت مدینہ اور عمر شریف چون سال ہو جانے کے بعد ۲ ہجری میں حضرت صدیقہ عائشہؓ کی رخصتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہوئی، اس کے ایک سال بعد حضرت حفصہؓ سے اور کچھ دنوں کے بعد حضرت زینبؓ بنت خزیمہ سے نکاح ہوا، یہ فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو اختیار دیا کہ دنیا طلبی کے لئے آپ سے جدائی اختیار کریں یا پھر تنگی وفراخی جو کچھ پیش آئے اس پر قناعت کر کے آپ کی زوجیت میں رہیں، تو سب ازواج مطہرات نے اپنے نفقہ کی زیادتی کے مطالبہ کو چھوڑ کر اسی حال میں زوجیت کے اندر رہنا اختیار کیا تو اس پر بطور انعام کے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو بھی انہی نو ازواج کے لئے مخصوص کر دیا، ان کے سوا کسی سے نکاح جائز نہ رہا (رواہ البیہقی فی سننہ کذا فی الروح)

اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص فرمادیا کہ آپ کے بعد بھی وہ کسی سے نکاح نہیں کر سکتیں، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اُن کے لئے مخصوص فرمادیا کہ آپ ان کے علاوہ اور کوئی نکاح نہیں کر سکتے حضرت عکرمہؓ سے بھی ایک روایت میں یہی تفسیر منقول ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ

اس میں قریب ہے کہ ٹھنڈی رہیں آنکھیں اُن کی اور غم نہ کھائیں

وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

اور راضی رہیں اُس پر جو تو نے دیا اُن سب کو اور اللہ جانتا ہے

مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا

جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اور ہے اللہ، سب کچھ جاننے والا تحمل والا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اختیارات سے کام نہیں لیا

یعنی واہبۃ النفس کے متعلق اختیار ہے قبول کر دیا نہ کرو۔ اور موجودہ بیویوں میں سے جس کو چاہو رکھو یا طلاق دے دو۔ نیز جو بیویاں رہیں آپ پر قسم (باری باری سے رہنا) واجب نہیں، جسے چاہیں باری میں آگے پیچھے کر سکتے ہیں۔ اور جسے کنارے کر دیا ہوا سے دوبارہ واپس لینے کا بھی اختیار ہے۔ یہ حقوق (اختیارات آپ کو دیئے گئے تھے، مگر آپ نے مدت العمر ان سے کام نہیں لیا۔ معاملات میں اس قدر عدل ومساوات کی رعایت فرماتے تھے جو بڑے سے بڑا محتاط آدمی نہیں کر سکتا۔ اس پر بھی اگر قلبی میلان کسی کی طرف بے اختیار ہوتا تو فرماتے۔ اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِيْ فِيْمَا اَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِيْ فِيْمَا تَمْلِكُ وَلَا اَمْلِكُ (اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے اُن چیزوں میں جو میرے اختیار میں ہیں، جو چیز صرف تیرے قبضہ میں ہے میرے اختیار میں نہیں اس پر ملامت نہ کیجئے) شاید وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا میں کسی طرف اشارہ ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دینے کی حکمت:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ کسی مرد کے کئی عورتیں ہوں تو اُس پر باری سے سب کے پاس برابر رہنا واجب ہے، حضرت پر یہ واجب نہ تھا۔ اس واسطے کہ عورتیں اپنا حق نہ سمجھیں، تو جو دیں راضی ہو کر قبول کریں (ورنہ روز یہی کشمکش اور جھنجھٹ رہا کرتی، مُہمات دین میں خلل پڑتا، اور ازواج کی نظر بھی دنیا سے بالکل یکسو ہو کر مقصد اصلی کی طرف نہ رہتی۔ اسی غم وفکر میں مُبتلا رہا کرتیں) پر حضرت نے اپنی طرف سے فرق نہیں کیا سب کی باری برابر رکھی۔ ایک حضرت سودہؓ نے (جب عمر زیادہ ہوگئی اپنی باری حضرت عائشہؓ کو بخش دی تھی۔'' (تفسیر عثمانی)

ازواجِ مطہرات کیلئے آسانی:

ذٰلِكَ یعنی یہ اختیار جو آپ کو دیا گیا ان کی آنکھوں کی ٹھنڈی رکھنے اور آرزدہ خاطر نہ ہونے اور سب کے راضی رہنے سے بہت زیادہ قریب (تعلق رکھنے والا) کیونکہ اس میں سب برابر ہیں (سب کا اختیار آپ کو ہے کوئی خود مختار نہیں رہی) پھر اگر آپ ان میں سے کسی کو اپنے پاس بلائیں گے تو وہ آپ کے اس فعل کو آپ کی مہربانی سمجھے گی اور جس سے کنارہ کش ہو جائیں گے وہ اس کو حکم خدا سمجھے گی بلکہ اس میں بھی آپ کی مہربانی سمجھے گی کہ آپ نے اس کو صرف اپنے قرب سے ہٹا دیا نکاح سے تو خارج نہیں کیا حالانکہ آپ کو اس کی ضرورت نہیں تھی (طلاق دے سکتے تھے)

وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِکُمْ اور اللہ کو تم لوگوں کے دلوں کی باتیں معلوم ہیں۔ اس میں اس بی بی کے لئے وعید ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشیت پر راضی نہ ہو۔

بعض اہل علم نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تمہارے دلوں کے اندر جو بعض عورتوں کی طرف جھکاؤ اور میلان ہوتا ہے اللہ اس سے واقف ہے اور ہم نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آسانی کے لئے یہ اختیار ان کو دیا ہے۔

وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا اور حلم والا ہے یعنی جاننے کے باوجود فوری سزا نہیں دیتا اس سے ڈرتا رہنا ضروری ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ
حلال نہیں تجھ کو عورتیں اس کے بعد اور نہ یہ کہ ان کے بدلے
بِھِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَکَ حُسْنُھُنَّ
کر لے اور عورتیں اگرچہ خوش لگے تجھ کو ان کی صورت

یعنی جتنی قسمیں اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ الّٰتِیْ الخ میں فرما دیں، اس سے زیادہ حلال نہیں۔ اور جواب موجود ہیں ان کو بدلنا حلال نہیں، یعنی یہ کہ ان میں سے کسی کو اس لئے چھوڑ دو کہ دوسری اس کی جگہ کر لاؤ۔ حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ یہ ممانعت آخر کو موقوف ہو گئی۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ آپ نے نہ اس کے بعد کوئی نکاح کیا نہ ان میں سے کسی کو بدلا۔ آپ کی وفات کے وقت سب ازواج برابر موجود رہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ان کے علاوہ اور عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں ہیں اور نہ یہ درست ہے کہ آپ ان (موجودہ) بیبیوں (کو چھوڑ کر ان) کی جگہ دوسری بیبیاں کر لیں خواہ آپ کو ان کا حسن دل پسند ہو مگر جو آپ کی باندیاں ہوں (ان کو گھٹا بڑھا سکتے ہیں)

عطاء نے حضرت عائشہ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے اللہ نے آپ کے لئے حلال کر دیا تھا کہ جن عورتوں سے سوا محرم کے آپ نکاح کرنا چاہیں کر سکتے ہیں آیت تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْھُنَّ وَتُؤْوِیْٓ اِلَیْکَ مَنْ تَشَآءُ میں اس کی اجازت دے دی گئی تھی کیونکہ یہ آیت اگرچہ ترتیب قرأت میں پہلے ہے لیکن نزول میں مؤخر ہے لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ کے بعد آیت تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ نازل ہوئی تھی۔

وَلَوْ اَعْجَبَکَ حُسْنُھُنَّ یعنی ان عورتوں کا حسن جن سے تم نکاح کرنے کے خواہشمند ہو۔ بغوی نے کہا مطلب یہ ہے کہ آپ کے لئے حلال نہیں کہ اپنی بیویوں میں سے کسی کو طلاق دے دو اور اس کی جگہ دوسری سے نکاح کر لو۔ خواہ اس کی خوبصورتی آپ کو کیسی ہی بھلی معلوم ہو۔

حضرت جعفر کی بیوہ:

حضرت ابن عباس نے فرمایا ایسی (حسین) عورت جعفر بن ابی طالب کی بیوی بنت عمیس خثعمیہ تھی جب جعفر شہید ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاس اپنا پیام بھجوانا چاہا لیکن آپ کو اس کی ممانعت کر دی گئی۔ (تفسیر مظہری)

احمق سردار: حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ عیینہ بن حصن بغیر اجازت لئے رسول اللہ کے پاس اندر آ گیا حضور کے پاس اس وقت حضرت عائشہ موجود تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اجازت داخلہ کیوں نہیں لی عیینہ نے کہا یا رسول اللہ جب سے میں جوان ہوا ہوں میں نے مضر (مجازی عرب) کے کسی شخص سے داخلہ کی اجازت نہیں لی پھر کہنے لگا یہ آپ کے پہلو میں گوری عورت کون ہے فرمایا ام المومنین عائشہ ہیں بولا کیا ایک حسین ترین عورت دے کر آپ سے اس کا تبادلہ نہ کر لوں۔ حضور نے فرمایا اللہ نے یہ حرام کر دیا ہے۔ عیینہ جب نکل کر چلا گیا تو حضرت عائشہ نے کہا یا رسول اللہ یہ کون تھا فرمایا یہ ایک احمق ہے جس کا حکم مانا جاتا ہے جو حالت تم نے اس کی دیکھی اس کی باوجود یہ اپنی قوم کا سردار ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِلَّا مَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ
مگر جو مال ہو تیرے ہاتھ کا

حضرت ماریہ اور حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہما:

یعنی لونڈی باندی۔ حضرت کی دو حرم مشہور ہیں۔ ایک ماریہ قبطیہ جن کے شکم سے صاحبزادہ حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تھے بچپن میں انتقال کر گئے۔ دوسری ریحانہ، رضی اللہ عنہما۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَّا مَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس آیت کے نزول کے بعد صاحبزادہ ابراہیم کی والدہ حضرت ماریہ حضور کی ملک میں داخل ہوئیں (مقوقس شاہ مصر نے دو لونڈیاں خدمت گرامی میں بطور ہدیہ بھیجی تھی ایک سیرین دوسری ماریہ۔ انہیں ماریہ کے شکم سے حضور گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔)

وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا
اور ہے اللہ ہر چیز پر نگہبان

یعنی اللہ کی نگاہ میں ہے جو اس کے احکام و حدود کی پابندی کرتے ہیں یا نہیں کرتے، اس کا خیال رکھ کر کام کرنا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا اور اللہ ہر چیز کا پورا نگراں ہے۔ اس

لئے تم اللہ کے احکام کی پابندی کرو اور اس کی قائم کی ہوئی حد سے تجاوز نہ کرو۔

نکاح سے پہلے عورت کو دیکھنا:

بغوی نے لکھا ہے آیت میں دلیل ہے اس امر کی کہ جس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہو اس کو دیکھنا جائز ہے۔ حضرت جابر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی کسی عورت کو نکاح کا پیام دینا چاہتا ہو اور اس کے ایسے اعضاء کو دیکھنا جو نکاح کی دعوت دیں ممکن ہو تو ایسا کرے۔ رواہ ابوداؤد۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ کا بیان ہے میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیام بھیجا حضور نے فرمایا کیا تم نے اس کو دیکھ لیا ہے میں نے کہا نہیں۔ فرمایا اس کی طرف دیکھ لو تم دونوں میں اتفاق قائم رکھنے کے لئے یہ بات زیادہ مناسب ہے۔ رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی۔

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ ایک شخص نے کسی انصاری عورت سے نکاح کرنا چاہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی طرف دیکھ لو انصار کی عورتوں کی آنکھوں میں کچھ ہوتا ہے (یعنی پیلا پن) رواہ مسلم۔ (تفسیر مظہری)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ
اے ایمان والو مت جاؤ نبی کے گھروں
النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ
میں مگر جو تم کو حکم ہو کھانے کے واسطے نہ راہ دیکھنے
اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا
والے اُس کے پکنے کی لیکن جب تم کو بلائے تب جاؤ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کیلئے آداب:

یعنی بدون حکم و اجازت کے دعوت میں مت جاؤ اور جب تک بلائیں نہیں پہلے سے جا کر نہ بیٹھو کہ وہاں بیٹھ کر انتظار کرنا پڑے۔ اور گھر والوں کے کام کاج میں ہرج واقع ہو۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: بغوی نے ابن شہاب (زہری) کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت انس نے بیان کیا جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے ہیں اس وقت دس سال کا تھا۔ میری مائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پر میری موافقت کرتی تھیں میں نے دس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت میری عمر بیس سال تھی۔ حجاب کے واقعہ کا علم مجھے سب لوگوں سے زیادہ ہے آیت حجاب کا نزول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور زینب بنت جحش کی خلوت گاہ میں ہوا صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب کے شوہر ہونے کی حیثیت میں تھے آپ نے لوگوں کو کھانا کھانے بلایا لوگوں نے آ کر کھانا کھایا الی آخر الحدیث۔ زہری کی یہ روایت بھی بخاری کی روایت کی طرح ہے۔ بخاری کی دوسری روایت ہے کہ حضرت انس نے فرمایا اس آیت کو یعنی آیت حجاب کو میں سب لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں جب حضرت زینب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیوی کی حیثیت میں بھیجا گیا تو آپ کے گھر کے اندر وہ موجود تھیں اور آپ نے کچھ کھانا تیار کرایا تھا اور لوگوں کو کھانے کے لئے بلوایا تھا۔ (کھانے کے بعد بھی) لوگ بیٹھے باتیں کرتے رہے اس پر اللہ نے آیت حجاب نازل فرمائی تو لوگ اُٹھ گئے اور پردہ چھوڑ دیا گیا۔

پردے کا حکم:

حضرت انس کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت زینب کے ولیمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت روٹی تیار کرائی اور مجھے لوگوں کو کھانے کی دعوت دینے کے لئے بھیج دیا گیا لوگ آنے لگے اور کھانے لگے اور نکل کر جانے لگے پھر دوسرے لوگ آنے کھانے اور جانے لگے میں لوگوں کو بلاتا رہا جب کوئی آدمی ایسا نہ رہا کہ میں اس کو بلاتا تو میں نے عرض کر دیا یا نبی اللہ اب تو کوئی آدمی مجھے نہیں ملتا کہ میں اس کو بلاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھانا اٹھا لو تو تین آدمی وہاں گھر کے اندر بیٹھے باتیں کرتے رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ سے نکل کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ کی طرف تشریف لے گئے اور (حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں جا کر) فرمایا السلام علیکم اہل البیت ورحمۃ اللہ (اے اہل خانہ تم پر سلام اور اللہ کی رحمت ہو) حضرت عائشہؓ نے جواب دیا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ آپ نے اپنی بیوی کو کیسا پایا اللہ آپ کو مبارک کرے (اس طرح) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب بیویوں کے حجروں کی طرف تشریف لے گئے اور وہی بات فرماتے رہے جو حضرت عائشہؓ سے فرمائی تھی اور بیویوں نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت عائشہ نے دیا تھا کچھ دیر کے بعد واپس آ گئے تو دیکھا تینوں آدمی باتیں کر رہے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے شرمیلے تھے (آدمیوں کو کچھ نہیں فرمایا اور) مڑ کر گھر سے نکل کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ کی طرف چل دیئے مجھے یاد نہیں کہ میں نے اطلاع دی یا حضور کو (کسی اور سے) اطلاع ملی کہ لوگ چلے گئے آپ فوراً لوٹ پڑے اور گھر کے اندر داخل ہونے کے لئے ایک قدم چوکھٹ کے اندر رکھا تھا دوسرا قدم باہر ہی تھا کہ میرے اور اپنے درمیان پردہ چھوڑ دیا اور آیت حجاب نازل ہوئی۔

حضرت عمر فاروقؓ کی رائے:

طبرانی نے صحیح سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک قاب میں کھا رہی تھی اتنے میں ادھر سے عمر گزرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا لیا وہ بھی آ کر کھانے

لگے (اتفاقاً) ان کی انگلی میری انگلی سے لگ گئی فوراً ان کے منہ سے نکلا اوہ اگر تم عورتوں کے بارے میں میرا کہا مان لیا جاتا تو کوئی آنکھ تم کو نہیں دیکھ پاتی۔ اس کے بعد آیت حجاب نازل ہوگئی۔ نسائی نے اور ادب المفرد میں بخاری نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ کے پاس اندر گیا اور بہت دیر تک بیٹھا رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین بار اٹھ کر باہر چلے گئے تاکہ وہ شخص بھی چلا جائے لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اتنے میں حضرت عمر اندر آ گئے اور چہرہ مبارک پر ناگواری دیکھ کر اس شخص سے کہا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ دیا۔ حضور نے فرمایا میں تین مرتبہ اٹھا تاکہ یہ بھی میرے پیچھے اٹھ کھڑا ہو لیکن اس نے ایسا نہیں کیا حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ (عورتوں کے لئے) پردہ اختیار کر لیتے تو مناسب تھا۔ کیونکہ آپ کی بیبیاں دوسری عورتوں کی طرح تو ہیں نہیں۔ یہ عمل ان لوگوں کے دلوں کو بھی پاک رکھنے والا ہے اس پر آیتِ حجاب نازل ہوگئی۔ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں بخاری کی یہ روایت ذکر کر دی گئی ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا تین باتوں میں میری (رائے کی) مطابقت اپنے رب کے (حکم کے) ساتھ ہوگئی میں نے عرض کیا کاش آپ مقامِ ابراہیم کو مقامِ نماز بنا سکتے اس پر آیت وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى نازل ہوئی میں نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ آپ کی عورتوں کے پاس نیک بد ہر طرح کے آدمی آتے ہیں کاش آپ اپنی عورتوں کو پردہ میں رہنے کا حکم دے دیتے اس پر آیت جواب نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رقابت کی وجہ سے آپ کی عورتیں جمع تھیں۔ میں نے کہا عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فضیلت:

حضرت ابن مسعود نے فرمایا چار باتوں کی وجہ سے عمر بن خطاب کو لوگوں پر فضیلت حاصل تھی۔

(۱) آپ نے بدر کے قیدیوں کو قتل کر دینے کا مشورہ دیا تھا۔ اس پر آیت لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ الخ نازل ہوئی۔

(۲) آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو پردے میں رہنے کا مشورہ دیا تھا جس پر حضرت زینب نے فرمایا خطاب کے بیٹے اب تم کو ہم پر بھی غیرت آنے لگی حالانکہ وحی ہمارے گھروں میں اترتی ہے اس پر آیت وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ الخ نازل ہوئی۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے متعلق دعا کی تھی اے اللہ تعالیٰ عمر کے ذریعہ سے اسلام کو مضبوط کر دے۔

(۴) حضرت ابوبکر کی خلافت کے بارے میں آپ نے رائے دی تھی آپ نے ہی سب سے پہلے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (تفسیر مظہری)

مسلمان بھائی کی دعوت قبول کرو:

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ تم میں سے کسی کو جب اس کا بھائی بلائے تو اُسے دعوت قبول کرنی چاہیئے خواہ نکاح کی ہو یا کوئی اور۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ
پھر جب کھا چکو تو آپ آپ کو چلے جاؤ اور نہ آپس میں جی لگا بیٹھو باتوں میں

کسی کے ہاں دعوت پر جانے کے آداب:

یعنی کھانے سے فارغ ہو کر اپنے اپنے گھر کا رستہ لینا چاہیئے۔ وہاں مجلس جمانے سے میزبان اور دوسرے مکان والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ یہ باتیں گو نبی کے مکانوں کے متعلق فرمائی ہیں۔ کیونکہ شانِ نزول کا تعلق ان ہی سے تھا۔ مگر مقصود ایک عام ادب سکھلانا ہے بے دعوت کسی کے یہاں کھانا کھانے کی غرض سے جا بیٹھنا یا طفیلی بن کر جانا، یا کھانے سے قبل یوں ہی مجلس جمانا، یا فارغ ہونے کے بعد گپ شپ لڑانا درست نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ
اس بات سے تمہاری تکلیف تھی نبی کو پھر تم سے شرم کرتا ہے
مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ
اور اللہ شرم نہیں کرتا ٹھیک بات بتلانے میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مروّت:

یعنی آپ حیا کی وجہ سے اپنے نفس پر تکلیف برداشت کرتے ہیں۔ لحاظ کی وجہ سے صاف نہیں فرماتے کہ اُٹھ جاؤ مجھے کلفت ہوتی ہے یہ تو آپ کے اخلاق اور مروت کی بات ہوئی۔ مگر اللہ تعالیٰ کو تمہاری تادیب واصلاح میں کیا چیز مانع ہو سکتی ہے۔ اس نے بہرحال پیغمبر ہی کی زبان سے اپنے احکام سنا دیئے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ بندوں کو حق بتلاتا ہے:

یعنی تم کو ادب سکھانا حق ہے اور حق بات سے اللہ نہیں جھجکتا اس لئے تم کو ادب سکھانا ترک نہیں کرتا۔ بیضاوی نے یہ مطلب لکھا ہے کہ نبی کے گھر سے تمہارا نکلنا حق ہے اور حق بات کو اللہ ترک نہیں کرتا اس لئے تم کو نکلنے کا حکم دے رہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ
اور جب مانگنے جاؤ بیبیوں سے کچھ چیز کام کی تو مانگ لو پردہ کے باہر سے

ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ

اس میں خوب ستھرائی ہے تمہارے دل کو اور اُن کے دل کو

اعلیٰ معاشرت کیلئے احکام:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ادب سکھلائے۔ کبھی کھانے کو حضرت کے گھر میں جمع ہوتے تو پیچھے باتیں کرنے لگ جاتے۔ حضرت کا مکان آرام کا وہ ہی تھا۔ شرم سے نہ فرماتے کہ اُٹھ جاؤ۔ اُن کے واسطے اللہ نے فرما دیا۔ اور اس آیت میں حکم ہوا پردہ کا کہ مرد حضرت کی ازواج کے سامنے نہ جائیں کوئی چیزیں مانگنی ہوں تو وہ بھی پردہ کے پیچھے سے مانگیں اس میں جانبین کے دل ستھرے اور صاف رہتے ہیں اور شیطانی وساوس کا استیصال ہو جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

متاعاً یعنی کوئی کام کی چیز بطور رعایت یا بطور بخشش مانگو یا مانگی ہوئی چیز دینے جاؤ۔

بغوی نے لکھا ہے کہ آیت حجاب کے نزول کے بعد کسی کو اجازت نہیں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بی بی کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھے۔ خواہ وہ نقاب پوش ہوں یا بغیر نقاب کے۔

ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ تمہارا یہ عمل (پردے کے پیچھے سے مانگنا شیطانی وسوسوں سے) تمہارے دلوں کو بھی پاک رکھنے والا ہے اور ان کے دلوں کو بھی۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا

اور تم کو نہیں پہنچتا کہ تکلیف دو اللہ کے رسول کو اور نہ یہ کہ نکاح کرو

اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ

اُس کی عورتوں سے اُس کے پیچھے کبھی البتہ یہ تمہاری بات

كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا

اللہ کے یہاں بڑا گناہ ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں یا وفات کے بعد ازواج مطہرات میں سے کسی کا غیر سے نکاح جائز نہیں ہے

یعنی کافر منافق جو چاہیں بکتے پھریں اور ایذا رسانی کریں۔ مؤمنین جو دلائل و براہین کی روشنی میں پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی انتہائی راستبازی اور پاکبازی کو معلوم کر چکے ہیں، انہیں لائق نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں یا وفات کے بعد کوئی بات ایسی کہیں یا کریں جو خفیف سے خفیف درجہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء کا سبب بن جائے۔ لازم ہے کہ مؤمنین اپنے محبوب و مقدس پیغمبر کی عظمت شان کو ہمیشہ مرعی رکھیں۔ مبادا غفلت یا تساہل سے کوئی تکلیف دہ حرکت صادر ہو جائے اور دنیا و آخرت کا خسارہ اُٹھانا پڑے۔ ان تکلیف دہ حرکات میں سے ایک بہت سخت اور بڑا بھاری گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص ازواج مطہرات سے آپ کے بعد نکاح کرنا چاہے یا ایسے نالائق ارادہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اظہار کرے ظاہر ہے کہ ازواج مطہرات کی مخصوص عظمت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعلق کی وجہ سے قائم ہوئی ہے کہ روحانی حیثیت سے وہ تمام مؤمنین کی محترم مائیں قرار دی گئیں۔ کیا کسی اُمتی کے عقد نکاح میں آنے کے بعد اُن کا یہ احترام کما حقہ ملحوظ رہ سکتا ہے یا آپ کے بعد وہ خانگی بکھیڑوں میں پڑ کر تعلیم و تلقین دین کی اُس اعلیٰ غرض کو آزادی کے ساتھ پورا کر سکتی ہیں جس کے لئے ہی فی الحقیقت قدرت نے نبی کی زوجیت کے لئے اُن کو چنا تھا۔ اور کیا کوئی پرلے درجہ کا بےحس و بےشعور انسان بھی باور کر سکتا ہے کہ سید البشر امام المتقین اور پیکر خلق عظیم کی خدمت میں عمر گزارنے والی خاتون ایک لمحہ کے لئے بھی کسی دوسری جگہ رہ کر قلبی مسرت و سکون حاصل کرنے کی اُمید رکھ سکے گی۔ خصوصاً جبکہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ وہ منتخب خواتین تھیں جن کے سامنے دنیا و آخرت کے دو راستوں میں سے ایک راستہ انتخاب کے لئے پیش کیا گیا تو انہوں نے بڑی خوشی اور آزادی سے دنیا کے عیش و بہار پر لات مار کر اللہ و رسول کی خوشنودی اور آخرت کا راستہ اختیار کر لینے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ تاریخ بتلاتی ہے کہ حضور کی وفات کے بعد کیسے عدیم النظیر زہد و ورع اور صبر و توکل کے ساتھ ان مقدس خواتین جنت نے عبادت الٰہی میں اپنی زندگیاں گزاریں اور احکام دین کی اشاعت اور اسلام کی خدمات مہمہ کے لئے اپنے کو وقف کئے رکھا اُن میں سے کسی ایک کو بھی بھول کر بھی دنیا کی لذتوں کا خیال نہیں آیا۔ اور کیسے آ سکتا تھا جبکہ پہلے ہی حق تعالیٰ نے يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا فرما کر اُن کے تزکیہ و تطہیر کی کفالت فرمائی تھی۔ رضی اللّٰه عنهن وارضاهن و جعلنا ممن يعظمهن حق تعظيمهن فوق مالعظم امها تنا التي ولدننا امين

اس مسئلہ کی نہایت محققانہ بحث حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کی کتاب آب حیات میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے ابن زید کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ کسی شخص نے کہا ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو (آپ کے بعد) فلاں (بی بی) سے میں نکاح کر لوں گا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ

أَنْ تَنْكِحُوٓا أَزْوَاجَهُۥ مِنۢ بَعْدِهِۦٓ أَبَدًا ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِندَ ٱللَّهِ عَظِيمًا اور تمہارے لئے اللہ کے رسول کو دُکھ پہنچانا جائز نہیں اور نہ ان کی بیبیوں سے کبھی نکاح کرنا تمہارے لئے جائز ہے (نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نہ طلاق دینے کے بعد) تمہارا یہ فعل اللہ کے نزدیک بڑا جرم ہے۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اس آیت کا نزول اس شخص کے متعلق ہوا جس نے کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں آپ کی کسی بیوی سے نکاح کرلوں گا۔ سفیان نے کہا ایسی بات حضرت عائشہؓ کے متعلق کہی گئی تھی۔ سدی کا بیان ہے ہم کو اطلاع ملی ہے کہ طلحہ بن عبیداللہ نے کہا تھا کیا محمد ہماری چچا کی بیٹیوں سے تو ہمارا پردہ کراتے ہیں اور ہمارے بعد ہماری بیویوں سے خود نکاح کرلیتے ہیں اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوگئی تو ہم ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح کریں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن سعد نے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کی روایت سے لکھا ہے کہ یہ آیت طلحہ بن عبیداللہ کے بارے میں اتری طلحہ نے کہا تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوجائے گی تو عائشہؓ سے میں نکاح کرلوں گا۔

جویبر نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیوی کے پاس گیا اور ان سے باتیں کرنے لگا یہ شخص ان بی بی کے چچا کا بیٹا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج کے بعد اس جگہ نہ کھڑا ہونا اس شخص نے کہا وہ میرے چچا کی بیٹی ہے خدا کی قسم نہ میں نے اس سے کوئی بری بات کہی تھی نہ اس نے مجھ سے کوئی بری بات کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں اور مجھ سے بھی زیادہ کوئی غیرت والا نہیں وہ شخص چلا گیا اور جانے کے بعد کہا مجھے میری چچا کی بیٹی سے بات کرنے سے روکتے ہیں ان کے بعد میں اس سے ضرور نکاح کروں گا اس پر یہ آیت اتری۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا پھر اس شخص نے اپنی زبان سے نکلے ہوئے ان الفاظ کی توبہ میں ایک بردہ آزاد کیا دس اونٹ راہ خدا میں سوار ہونے کے لئے دیے اور پیدل حج کیا۔

ایک مستثنیٰ صورت:

بیضاوی نے لکھا حرمت نکاح ازواج سے وہ عورت مستثنیٰ ہے جس کو بغیر قربت کئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی۔

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر کے زمانہ (خلافت) میں اشعث بن قیس نے مستعیذہ (جوینہ کلبیہ) سے نکاح کرلیا حضرت عمر نے اس کو سنگسار کرانے کا ارادہ کیا لیکن آپ کو بتایا گیا کہ مستعیذہ کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر صحبت کئے چھوڑ دیا تھا۔ حضرت عمر نے یہ بات سن کر اشعث کو چھوڑ دیا اور حضرت عمر کے اس فیصلہ کے خلاف کسی نے کچھ نہیں کہا (مستعیذہ پناہ طلب کرنے والی۔ اس کا نام جوینہ کلبیہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس نے کہا میں آپ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنتے ہی اس کو چھوڑ دیا)

تحریم ازواج کی وجہ:

میں کہتا ہوں تحریم ازواج کی یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اسی لئے آپ کے مال کا کوئی وارث نہیں قرار پایا اور نہ آپ کی بیبیاں بیوہ ہوئیں۔ حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھے گا تو میں اس کو سن لوں گا اور جو شخص دور سے مجھ پر درود پڑھے گا تو مجھے وہ درود پہنچا دی جائے گی۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ (تفسیر مظہری)

ازواج مطہراتؓ کے لئے یہ خصوصی حکم ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی سے نکاح نہیں کرسکتیں۔

اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ وہ بنص قرآن امہات المومنین ہیں، اور اگرچہ اُن کے امہات ہونے کا اثر ان کی اولاد روحانی پر نہیں پڑتا کہ وہ سب بہن بھائی ہوکر باہم نکاح نہ کرسکیں، مگر ان کی اپنی ذات کی حد تک امتناع نکاح کا حکم دیا گیا۔

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا درجہ ایسا ہے جیسا کوئی زندہ شوہر گھر غائب ہو، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم نہیں ہوئی، اسی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا وہ حال نہیں جو عام شوہروں کی وفات پر ان کی ازواج کا ہوتا ہے۔

یہ حکمت بھی ہے کہ شرعی قاعدے سے جنت میں ہر عورت اپنے آخری شوہر کے ساتھ رہے گی۔ حضرت حذیفہؓ نے اپنی زوجہ کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر تم جنت میں میری بیوی رہو تو میرے بعد کوئی دوسرا نکاح نہ کرنا، کیونکہ جنت میں عورت اپنے آخری شوہر کو ملے گی۔ (قرطبی)

اس لئے ازواج مطہرات کو جو شرف حق تعالیٰ نے دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کا عطا فرمایا ہے اس کو آخرت اور جنت میں بھی باقی رکھنے کے لئے ان کا نکاح کسی دوسرے سے حرام کردیا گیا۔

مسئلہ: اس پر تو امت کا اتفاق ہے کہ جو ازواج مطہراتؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں رہیں اُن سب کا یہی حکم ہے، لیکن جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی، یا کسی دوسری وجہ سے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت سے علیحدہ ہوگئیں اُن کے بارے

میں فقہاء امت کے مختلف اقوال ہیں جن کو قرطبی نے تفصیل سے لکھا ہے۔

انسدادِ فواحش کا اسلامی نظام:

فواحش، بدکاری، زنا اور اس کے مقدمات دنیا کی اُن مہلک برائیوں میں ہے جن کے مہلک اثرات صرف اشخاص و افراد کو نہیں بلکہ قبائل اور خاندانوں کو اور بعض اوقات بڑے بڑے ملکوں کو تباہ کردیتے ہیں۔ اس وقت دنیا میں جتنے قتل و غارت گری کے واقعات پائے جاتے ہیں اگر صحیح تحقیق کی جائے تو اکثر واقعات کے پاس منظر میں کوئی عورت اور شہوانی جذبات کا جال نظر آئے گا، یہی وجہ ہے کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے اس میں کوئی قوم، کوئی مذہب، کوئی خطہ ایسا نہیں جو اس کی بُرائی اور مہلک عیب ہونے پر متفق نہ ہو۔

دنیا کے اس آخری دور میں یورو پین اقوام نے اپنی مذہبی حدود اور قدیم وقومی روایات سب کو توڑ کر اگرچہ زنا کو اپنی ذات میں کوئی جرم ہی نہیں رکھا، اور تمدن و معاشرت کو ایسے سانچوں میں ڈھال دیا ہے جن میں ہر قدم پر جنسی انارکی اور فواحش کو دعوت عام ہے، مگر ان کے ثمرات ونتائج کو وہ بھی جرائم سے خارج نہ کر سکے، عصمت فروشی، زنا بالجبر، منظر عام پر فحش حرکات کو تعزیری جرم قرار دینا پڑا، جس کی مثال اس کے سوا کچھ نہیں کہ کوئی شخص آگ لگانے کے لئے سوختہ کا ذخیرہ جمع کرے پھر اس پر تیل چھڑکے، پھر اس میں آگ لگائے، اور جب اس کے شعلے بھڑکنے لگیں تو ان شعلوں پر پابندی لگانے اور روکنے کی فکر کرے، ہنڈیا پکاتے کے لئے اس کے نیچے آگ جلائے پھر اس کے اُبال اور جوش کو روکنا چاہے۔

اس کے خلاف اسلام نے جن چیزوں کو جرائم اور انسانیت کے لئے مضر قرار دے کر قابل سزا جرم کہا ہے، ان کے مقدمات پر بھی پابندی عائد کیں، اور ان کو ممنوع قرار دیا ہے اس معاملے میں مقصود اصلی زنا، اور بدکاری سے بچانا تھا تو اس کو نظر نیچی رکھنے کے قانون سے شروع کیا، عورتوں مردوں کے بے محابا اختلاط کو روکا، عورتوں کو گھروں کی چار دیواری میں محدود رکھنے کی ہدایت کی اور ضرورت کے وقت باہر نکلنے کے لئے بھی برقع یا لمبی چادر سے پورا بدن چھپا کر نکلنے اور سڑک کے کنارے چلنے کی ہدایت کی، خوشبو لگا کر یا بجنے والا زیور پہن کر نکلنے کی ممانعت کی، پھر جو شخص ان سب حدود و قیود اور پابندیوں کے حصار کو پھاند کر باہر نکل جائے اس پر ایسی سخت عبرت آموز سزا جاری کی کہ ایک مرتبہ کسی بدکردار پر جاری کردی جائے تو پوری قوم کو مکمل سبق مل جائے۔

پہلے مسئلہ کی مثال شراب فروشی ہے کہ یہ شراب نوشی کا سبب قریب ہے، اس کو بھی شریعت نے اسی طرح حرام کردیا جس طرح شراب نوشی حرام ہے، کسی غیر عورت کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانا اگرچہ عین زنا نہیں، مگر اس کی سبب قریب ہے شریعت نے اس کو اسی کی طرح حرام قرار دے دیا۔

اور دوسرے مسئلے کی مثال یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کے ہاتھ انگور فروخت کرنا جس کے تعلق معلوم ہے کہ وہ اس سے شراب ہی بناتا ہے اس کا پیشہ یہی ہے یا اس نے صراحۃً کہہ دیا ہے کہ میں اس کام کے لئے خرید رہا ہوں، یہ اگرچہ شراب فروشی کے درجہ میں حرام تو نہیں مگر مکروہ وناجائز یہ بھی ہے، یہی حکم سینما گھر بنانے یا سودی بینک چلانے کے لئے زمین مکان کرایہ پر دینے کا ہے کہ معاملہ کے وقت جب معلوم ہو کہ یہ اس مکان کو ناجائز کام کے لئے لے رہا ہے تو کرایہ پر دینا مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے۔

ضروری تنبیہ: یہاں یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ شریعت اسلام نے جن کاموں کو گناہ کا سبب قریب درجہ اول کا قرار دے کر حرام کردیا، اس حکم حرمت کے بعد وہ سب کے لئے مطلقاً حرام ہے، خواہ ابتلاء گناہ کا سبب بنے یا نہ بنے اب وہ خود ایک حکم شرعی ہے، جس کی مخالفت حرام ہے۔

اس تمہید کے بعد یہ سمجھئے کہ عورتوں کا پردہ بھی شرعاً اسی سد ذرائع کے اصول پر مبنی ہے کہ ترک پردہ سبب ہے معصیت میں مبتلا ہونے کا، اس میں بھی اسباب کی مذکورہ قسموں کے احکام جاری ہوں گے، مثلاً کسی جوان مرد کے سامنے جوان عورت کو اپنا بدن کھولنا ابتلاء گناہ کا ایسا سبب قریب ہے کہ عادت اکثریہ کے اعتبار سے اس پر گناہ کا مرتب ہونا لازمی جیسا ہے، اس لئے یہ تو شرعاً زنا کی طرح حرام ہو گیا، کیونکہ شرعاً اس عمل کو حکم فاحشہ کا دے دیا گیا ہے، اب وہ مطلقاً حرام ہے، اگرچہ معاملہ کسی معصوم کے ساتھ ہو یا کوئی شخص اپنے نفس پر مکمل قابو رکھنے کی وجہ مطمئن ہو کر گناہ سے بچ جائے گا، مواقع ضرورت علاج وغیرہ کا مستثنیٰ ہونا الگ چیز ہے۔

پردہ کا حکم اسباب، اہمیت اور احکام:

عورتوں اور مردوں میں بے محابا اختلاط تو دنیا کی پوری تاریخ میں آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی زمانے میں درست نہیں سمجھا گیا، اور صرف اہل شرائع ہی نہیں دنیا کے عام شریف خاندانوں میں ایسے اختلاط کو روا نہیں رکھا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سفر مدین کے وقت جن عورتوں کا اپنی بکریوں کو پانی پلانے کے لئے الگ روکے ہوئے کھڑے ہونے کا ذکر ہے، اس کی وجہ یہی بتلائی گئی ہے کہ ان عورتوں نے مردوں کے ہجوم میں گھسنا پسند نہ کیا، سب کے بعد بچے ہوئے پانی پر قناعت کی، حضرت زینب بنت جحش جن کے نکاح کے وقت پہلی آیت حجاب نازل ہوئی ہے اس کے نازل ہونے سے پہلے بھی جامع ترمذی کی روایت میں ان کی گھر میں نشست کی یہ صورت بیان کی ہے وَھِیَ مُوَلِّیَۃٌ وَجْھَھَا اِلَی الْحَائِطِ ''یعنی اپنا رُخ دیوار کی طرف پھیرے ہوئے بیٹھی تھیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ نزول حجاب سے پہلے بھی عورتوں مردوں میں بے

محابا اختلاط اور بے تکلف ملاقات و گفتگو کا رواج شریف اور نیک لوگوں میں کہیں نہ تھا قرآن کریم میں جس جاہلیت اُولیٰ اور اس میں عورتوں کے تبرّج و ظہور کا ذکر ہے وہ بھی عرب کے شریف خاندانوں میں نہیں بلکہ لونڈیوں اور آوارہ عورتوں میں تھا، عرب کے شریف خاندان اس کو معیوب سمجھتے تھے، عرب کی پوری تاریخ اس کی شاہد ہے، ہندوستان میں ہندو بُدھ مت اور دوسرے مشرکانہ مذاہب والوں میں عورتوں مردوں کے درمیان بے محابا اختلاط گوارا نہ تھا، یہ مردوں کے دوش بدوش کام کرنے کے دعوے اور بازاروں اور سڑکوں پر پریڈ کرنے اور تعلیم سے لے کر ہر شعبہ زندگی میں مرد وزن کے بے تکلف اختلاط ضیافتوں اور کلبوں میں بے تکلف ملاقاتوں کا سلسلہ صرف یوروپین اقوام کی بے حیائی اور فحاشی کی پیداوار ہے، جس میں یہ اقوام بھی اپنے ماضی سے ہٹ جانے کے بعد مبتلا ہوئی ہیں، قدیم زمانے میں ان کی بھی یہ صورت نہ تھی، حق تعالیٰ نے جس طرح عورت کی جسمانی تخلیق کو مردوں سے ممتاز رکھا ہے اسی طرح ان کی طبیعتوں میں ایک فطری حیاء کا جوہر بھی رکھا ہے، جو ان کو فطری طور پر عام مردوں سے الگ تھلگ رہنے اور تستر پر آمادہ کرتی ہے۔

خارج نماز لوگوں کے سامنے ستر پوشی کے فرض ہونے میں تو کسی کا اختلاف ہی نہیں، لیکن خلوت میں جہاں کوئی دوسرا دیکھنے والا موجود نہ ہو وہاں بھی صحیح قول یہی ہے کہ خارج نماز بھی بلاضرورت شرعیہ یا طبعیہ کے ستر کھول کر ننگا بیٹھنا جائز نہیں، (کمافی البحرعن شرح المنیہ)

صرف عورتوں پر، ستر عورت لوگوں کے سامنے اور خلوت دونوں میں فرض ہے حجاب صرف اجنبی کی موجودگی میں، یہ تفصیل اس لئے لکھی گئی کہ ان دونوں مسئلوں کو غلط ملط کر دینے سے بہت سے شبہات مسائل اور احکام قرآن کے سمجھنے میں پیدا ہو جاتے ہیں ستر روایات کا حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل مطلوب شرعی حجابِ اشخاص ہے، یعنی عورتوں کا وجود اور ان کی نقل وحرکت مردوں کی نظروں سے مستور ہو، جو گھروں کی چار دیواری یا خیموں اور معلق پردوں کے ذریعہ ہو سکتا ہے، اس کے سوا جتنی صورتیں حجاب کی منقول ہیں وہ سب ضرورت کی بناء پر اور وقت ضرورت اور قدر ضرورت کے ساتھ مقید اور مشروط ہیں۔

اسی طرح پردہ کا پہلا درجہ جو اصل مطلوب شرعی ہے وہ حجاب اشخاص ہے کہ عورتیں اپنے گھروں میں رہیں، لیکن شریعت اسلامیہ ایک جامع اور مکمل نظام ہے جس میں انسان کی تمام ضروریات کی رعایت پوری کی گئی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ عورتوں کو ایسی ضرورتیں پیش آنا ناگزیر ہے کہ وہ کسی وقت گھروں سے نکلیں اس کے لئے پردہ کا دوسرا درجہ قرآن وسنت کی رو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سر سے پاؤں تک برقع یا لمبی چادر میں پورے بدن کو چھپا کر نکلیں، اور راستہ دیکھنے کے لئے چادر یا برقع میں صرف ایک آنکھ کھولیں، یا برقع میں جو جالی آنکھوں کے سامنے استعمال کی جاتی ہے، وہ لگائیں ضرورت کے مواقع میں

پردہ کا دوسرا درجہ بھی پہلے کی طرح سب علماء، وفقہاء کے درمیان متفق علیہ ہے۔

اسی طرح صحیح بخاری غزوہ ابطائف میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پانی کے برتن میں کلی کر کے حضرت ابوموسیٰ و ربلال کو عطا فرمایا کہ اس کو پی لیں، اور اپنے چہرے پر مل لیں، ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ پردہ کے پیچھے یہ واقعہ دیکھ رہی تھیں انہوں نے اندر سے آواز دے کر ان دونوں بزرگوں سے کہا کہ اس تبرک میں سے کچھ اپنی ماں یعنی اُم سلمہؓ کے لئے چھوڑ دینا۔

یہ حدیث بھی شاہد ہے کہ نزول حجاب کے بعد ازواج مطہراتؓ گھروں اور پردوں کے اندر رہتی تھیں۔

فائدہ: اس روایت میں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ ازواج مطہراتؓ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات کی ایسی ہی شائق تھیں جیسے دوسرے مسلمان، یہ بھی آپ کی ذات اقدس ہی کی خصوصیت تھی ورنہ بیوی سے جو بے تکلف تعلق شوہر کا ہوتا ہے، اس کے ساتھ اس کے تقدس وتعظیم کا یہ درجہ قائم رہنا عادۃً ناممکن ہے۔

اور صحیح بخاری کتاب الادب میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ وہ اور ابو طلحہؓ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہیں جارہے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سوار تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ام المؤمنین حضرت صفیہ بھی سوار تھیں، راستہ میں اچانک اونٹ کے ٹھوکر لگی، اور ابوطلحہ کے بیان کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صفیہ اُونٹ سے گر گئے تو ابوطلحہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، اور عرض کیا اللہ تعالیٰ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دے آپ کو کوئی چوٹ تو نہیں آئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں تم عورت کی خبر لو، ابوطلحہ نے پہلے تو اپنا چہرہ کپڑے میں چھپایا، پھر حضرت صفیہؓ کے پاس پہنچے اور ان کے اوپر کپڑا ڈال دیا تو وہ کھڑی ہو گئیں، پھر اسی طرح پردہ میں مستور ان کو ان کی سواری پر سوار کیا۔

اس واقعے میں بھی جو ایک حادثہ کی صورت میں اچانک پیش آیا، صحابہ کرام اور ازواج مطہرات کا پردہ کے معاملہ میں اتنا اہتمام اس کی بڑی اہمیت کا شاہد ہے۔

اور جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا اخرجت الْمَرْأَةُ اسْتَشْرَ فَها الشَّيْطٰنُ (قال الترمذی هذا حديث حسن صحيح غريب) معنی یہ ہیں کہ ''عورت جب گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاک لیتا ہے'' (یعنی اس کو مسلمانوں میں برائی پھیلانے کا ذریعہ بناتا ہے)۔

اور ابن خزیمہ وابن حبان نے اس حدیث میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں، وَاَقْرَبُ مَاتَكُوْنُ مِنْ وَجْهِ رَبِّهَا وَهِيَ فِيْ قَعْرِ بَيْتِهَا ''یعنی عورت اپنے رب سے سب سے

زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کے بیچ میں مستور ہو۔"

اس حدیث میں بھی اس کی شہادت موجود ہے کہ اصل عورتوں کے لئے یہی ہے کہ وہ اپنے گھروں میں بیٹھیں باہر نہ نکلیں (ضرورت کے مواقع مستثنیٰ ہیں)

اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لَیْسَ لِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ فِی الْخُرُوْجِ اِلَّا مُضْطَرَّۃً (رواہ الطبرانی کذا فی الکنز ص ۲۶۳ ج ۸) یعنی عورتوں کا باہر نکلنے کے لئے کوئی حصہ نہیں، بجز اس کے کہ باہر نکلنے کے لئے کوئی اضطراری صورت پیش آ جائے۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ میں ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے سوال فرمایا اَیُّ شَیْءٍ خَیْرٌ لِّلْمَرْاَۃِ (عورت کے لئے کیا چیز بہتر ہے) صحابہؓ کرام خاموش رہے، کوئی جواب نہیں دیا، پھر جب میں گھر میں گیا اور فاطمہؓ سے میں نے یہی سوال کیا تو انہوں نے فرمایا لَا یَرَیْنَ الرِّجَالَ وَ لَا یَرَوْنَهُنَّ یعنی عورتوں کے لئے بہتر یہ ہے کہ نہ وہ مردوں کو دیکھیں اور نہ مرد اُن کو دیکھیں۔ میں نے ان کا یہ جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نقل کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صَدَقَتْ اِنَّهَا بَضْعَۃٌ مِّنِّیْ. انہوں نے درست کہا بیشک وہ میرا ایک جزء ہیں۔

واقعہ افک میں جو سبب حضرت صدیقہؓ کے جنگل میں رہ جانے کا پیش آیا وہ یہی تھا کہ ازواج مطہراتؓ کا پردہ صرف برقع چادر ہی کا نہیں تھا بلکہ وہ سفر میں بھی اپنے ہودج (شغدف) میں رہتی تھیں، یہ شغدف ہی اونٹ کے اوپر سوار کر دیا جاتا تھا اور اسی طرح اتارا جاتا تھا، شغدف مسافر کا مثل مکان کے ہوتا ہے، اس واقعہ میں جب قافلہ چلنے لگا تو حسب عادت خادموں نے شغدف کو یہ سمجھ کر اونٹ پر سوار کر دیا کہ اُم المؤمنین اس کے اندر موجود ہیں اور واقعہ یہ تھا کہ وہ اس میں نہیں تھیں، بلکہ طبعی ضرورت کے لئے باہر گئی ہوئی تھیں، اس مغالطہ میں قافلہ روانہ ہو گیا اور اُم المؤمنین جنگل میں تنہا رہ گئیں۔

یہ واقعہ بھی اس بات کا قوی شاہد ہے کہ حجاب شرعی کا مفہوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواج مطہراتؓ نے یہی سمجھا تھا کہ عورتیں اپنے مکانوں میں، سفر میں ہوں تو اپنے شغدف میں رہیں، ان کا وجود مردوں کے سامنے نہ آئے، اور جب سفر کی حالت میں حجاب اشخاص کا یہ اہتمام تھا تو حضر میں کتنا اہتمام ہوگا۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنْ تُبْدُوْا شَیْئًا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ
اگر کھول کر کہو تم کسی چیز کو یا اُس کو چھپاؤ سو اللہ ہے
بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا
ہر چیز کو جاننے والا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دینے کا خیال بھی اللہ دیکھ رہا ہے

یعنی زبان سے کہنا تو کجا دل میں بھی ایسا وسوسہ کبھی نہ لاتا۔ اللہ کے سامنے ظاہر و باطن سب یکساں ہے دل کا کوئی بھید اُس سے پوشیدہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ تُبْدُوْا شَیْئًا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو گے یا پوشیدہ رکھو گے اللہ (تو بہرحال) ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

یعنی رسول اللہ کو ایذاء یا ان کی بیبیوں سے نکاح (کا ارادہ) ظاہر کرو گے یا دلوں میں چھپائے رکھو گے۔ بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول اس شخص کے حق میں ہوا جس نے رسول اللہ کے بعد حضرت عائشہ سے نکاح کرنے کا ارادہ دل میں پوشیدہ رکھا تھا۔ اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے یعنی تم کو اس (ظاہر اور پوشیدہ) گناہ کی سزا دے گا۔

امہات المؤمنین سے نکاح پر وعید:

اس تعلیم میں اور امہات المؤمنین سے صراحۃً نکاح کی ممانعت کے بعد برہان بیان کرنے میں مزید زور وعید عذاب اور تخویف سزا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی سے نکاح کرنے کا لفظ زبان سے نکالا تھا اس نے اس بات سے توبہ کی اور گناہ کے کفارے میں ایک بردہ آزاد کیا اور جہاد میں سواری کے کام آنے کے لئے دس اونٹ دیئے اور پیدل حج کیا جیسا کہ حضرت ابن عباس کے مذکورہ بالا بیان میں آیا ہے۔

آئندہ آیت کا شان نزول:

بغوی نے لکھا جب آیت حجاب نازل ہو گئی تو امہات المؤمنین کے باپوں بھائیوں اور دوسرے قریب ترین رشتہ داروں نے کہا آئندہ ہم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں سے کلام کریں گے تو پردے کی آڑ سے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

لَا جُنَاحَ عَلَیْهِنَّ فِیْۤ اٰبَآئِهِنَّ وَلَاۤ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَاۤ اِخْوَانِهِنَّ
گناہ نہیں ان عورتوں پر سامنے ہونے کا اپنے باپوں سے اور نہ اپنے بیٹوں سے اور نہ اپنے بھائیوں سے
وَلَاۤ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَاۤ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ
اور نہ اپنے بھائی کے بیٹوں سے اور نہ اپنی بہن کے بیٹوں سے
وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ
اور نہ اپنی عورتوں سے اور نہ اپنے ہاتھ کے مال سے

محرم مردوں سے پردہ نہیں ہے:

اُوپر ازواج مطہرات کے سامنے مردوں کے جانے کی ممانعت ہوئی تھی۔ اب بتلا دیا کہ محارم کا سامنے جانا منع نہیں۔ اس بارہ میں جو حکم عام مستورات کا سورۂ نور میں گزر چکا وہی ازواج مطہرات کا ہے وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ کی تشریح ہم سورۂ نور میں کر چکے ہیں وہاں مطالعہ کر لیا جائے۔

نبی کی بیبیوں پر کوئی گناہ نہیں باپوں سے (بے پردہ باتیں کرنے) میں نہ اپنے بیٹوں سے نہ اپنے بھائیوں سے نہ اپنے بھتیجوں سے نہ اپنے بھانجوں سے نہ اپنی عورتوں سے نہ اپنے مملوک لوگوں سے اور خدا سے ڈرتی رہو اللہ ہر چیز پر حاضر (ناظر) ہے۔

چچا اور ماموں کا ذکر آیت میں نہیں کیا کیونکہ بھتیجوں اور بھانجوں کا ذکر کرنے کے بعد دلالت النص سے چچا اور ماموں کا حکم معلوم ہو جاتا ہے کیونکہ بھتیجوں کے رشتہ سے امہات المومنین پھوپھیاں ہوں گی اور بھانجوں کے رشتہ سے خالائیں اور چچا پھوپھی کا ایک ہی رشتہ ہے اسی طرح ماموں اور خالہ بھی ہم رشتہ ہیں (باپ کا بھائی چچا اور بہن پھوپھی ہوتی ہے اور ماں کا بھائی ماموں اور بہن خالہ ہوتی ہے)

رضاعی رشتوں کے محرم:

بخاری نے حضرت عروہ بن زبیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا آیت حجاب نازل ہونے کے بعد ابوالقعلیس کے بھائی افلح نے میرے پاس آنے کی اجازت طلب کی میں نے کہا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت نہیں لے لوں گی خود اجازت نہیں دے سکتی۔ ابوالقعیس کے بھائی نے دودھ نہیں پلایا ابوالقعیس کی بیوی نے پلایا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے تو میں نے کہا ابوالقعیس کے بھائی نے میرے پاس اندر آنے کی اجازت طلب کی تھی مگر آپ کی اجازت کے بغیر میں نے اجازت دینے سے انکار کر دیا فرمایا تم اپنے چچا کو اجازت دے دو میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اس مرد نے دودھ نہیں پلایا بلکہ ابوالقعیس کی بیوی نے پلایا تھا فرمایا تیرا ہاتھ خاک آلود ہو وہ تیرا چچا ہے اس کو اجازت دے دے۔ حضرت عروہ نے کہا اسی لئے حضرت عائشہ فرماتی تھیں جن نسبی رشتوں کو تم محرم قرار دیتے ہو انہیں رضاعی رشتوں کو بھی محرم قرار دو۔ (تفسیر مظہری)

وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا

اور ڈرتی رہو اے عورتو اللہ سے بیشک اللہ کے سامنے ہے ہر چیز

یعنی پردہ کے جو احکام بیان ہوئے اور جو استثناء کیا گیا پوری طرح ملحوظ رکھو ذرا بھی گڑبڑ نہ ہونے پائے۔ ظاہر و باطن میں حدود اللہ محفوظ رہنی چاہئیں۔ اللہ سے تمہارا کوئی حال چھپا ہوا نہیں يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَي النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اللہ اور اُس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول پر اے ایمان

اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

والو رحمت بھیجو اُس پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام اور اس کا مفہوم:

صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب ہے نبی کی ثناء تعظیم رحمت و عطوفت کے ساتھ پھر جس کی طرف صلوٰۃ منسوب ہوگی اُسی کی شان و مرتبہ کے لائق ثناء تعظیم اور رحمت و عطوفت مُراد لیں گے، جیسے کہتے ہیں کہ باپ بیٹے پر، بیٹا باپ پر اور بھائی بھائی پر مہربان ہے یا ہر ایک دوسرے سے محبت کرتا ہے تو ظاہر ہے جس طرح کی محبت اور مہربانی باپ کی بیٹے پر ہے اُس نوعیت کی بیٹے کی باپ پر نہیں اور بھائی کی بھائی پر ان دونوں سے جُداگانہ ہوتی ہے۔ ایسے ہی یہاں سمجھ لو۔ اللہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے یعنی رحمت و شفقت کے ساتھ آپ کی ثناء اور اعزاز و اکرام کرتا ہے۔ اور فرشتے بھی بھیجتے ہیں، مگر ہر ایک کی صلوٰۃ اور رحمت و تکریم اپنی شان و مرتبہ کے موافق ہوگی۔ آگے مومنین کو حکم ہے کہ تم بھی صلوٰۃ رحمت بھیجو۔ اس کی حیثیت ان دونوں سے علیحدہ ہونی چاہئے۔ علماء نے کہا کہ اللہ کی صلوٰۃ رحمت بھیجنا اور فرشتوں کی صلوٰۃ استغفار کرنا اور مومنین کی صلوٰۃ دعا کرنا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب آیت نازل ہوئی صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا (یعنی نماز کے تشہد میں جو پڑھا جاتا ہے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ صلوٰۃ کا طریقہ بھی ارشاد فرما دیجئے جو نماز میں پڑھا کریں۔ آپ نے یہ درود شریف تلقین کیا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. غرض یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا کہ تم بھی نبی پر صلوٰۃ (رحمت) بھیجو۔ نبی نے بتلا دیا کہ تمہارا بھیجنا یہ ہے کہ اللہ سے درخواست کرو کہ وہ اپنی بیش از بیش رحمتیں ابدالآباد تک نبی پر نازل فرماتا رہے کیونکہ اس کی رحمتوں کی کوئی حد و نہایت نہیں یہ بھی اللہ کی رحمت ہے کہ اس درخواست پر جو مزید رحمتیں نازل فرمائے وہ ہم عاجز و ناچیز بندوں کی طرف منسوب کر دی جائیں۔ گویا ہم نے بھیجی ہیں۔ حالانکہ ہر حال میں رحمت بھیجنے والا وہ ہی اکیلا ہے کسی بندہ کی کیا طاقت تھی کہ سید الانبیاء کی بارگاہ میں اُن کے رتبہ کے لائق

تحفہ پیش کرسکتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''اللہ سے رحمت مانگنی اپنے پیغمبر پراوراُن کے ساتھ ان کے گھرانے پر بڑی قبولیت رکھتی ہے۔ اُن پر اُن کے لائق رحمت اُترتی ہے۔ اور ایک دفعہ مانگنے سے دس رحمتیں اُترتی ہیں مانگنے والے پر۔ اب جس کا جتنا جی چاہے اُتنا حاصل کرلے۔ (تنبیہ) صلوٰۃ علی النبی کے متعلق مزید تفصیلات ان مختصر فوائد میں نہیں سما سکتیں۔ شروع حدیث میں مطالعہ کی جائیں۔ اوراس باب میں شیخ شمس الدین سخاویؒ کا رسالہ القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع قابل دید ہے۔ ہم نے شرح صحیح مسلم میں بقدر کفایت لکھ دیا ہے فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ (تفسیر عثمانی)

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوالعالیہ سے مروی ہے کہ خدا کا اپنے نبی پر درود بھیجنا اپنے فرشتوں کے سامنے آپ کی ثناء وصفت کا بیان کرنا ہے اور فرشتوں کا درود آپ کے لئے دعا کرنا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی برکت کی دعا۔ اکثر اہل علم کا قول ہے کہ خدا کا درود رحمت ہے فرشتوں کا درود استغفار ہے۔ حضرت عطار حمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی صلوٰۃ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ ہے۔

حضرت علیؓ کی بتلائی ہوئی دُعاء:

حضرت علیؓ سے لوگوں کو اس دعا کا سکھانا بھی مروی ہے۔

اَللّٰهُمَّ دَاحِیَ الْمَدْحُوَّاتِ وَبَارِئَ الْمَسْمُوْكَاتِ وَ جَبَّارَ الْقُلُوْبِ عَلٰی فِطْرَتِهَا شَقِيِّهَا وَسَعِيْدِهَا اِجْعَلْ شَرَآئِفَ صَلَوٰتِكَ وَنَوَامِیْ بَرَكَاتِكَ وَفَضَائِلَ اٰلَآئِكَ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ الْفَاتِحِ لِمَا اُغْلِقَ وَالْخَاتِمِ لِمَاسَبَقَ وَ الْمُعْلِنِ الْحَقَّ بِالْحَقِّ وَالدَّامِغِ لِجَيْشَاتِ الْاَبَاطِيْلِ كَمَا حُمِلَ فَاضْطَلَعَ بِاَمْرِكَ بِطَاعَتِكَ مُسْتَوْفِزًا فِیْ مَرْضَاتِكَ غَيْرَ نَكِلٍ فِیْ قَدَمٍ وَّلَاوَهْنٍ فِیْ عَزْمٍ وَاعِيًا لِوَحْيِكَ حَافِظًالِعَهْدِكَ مَاضِيًا عَلٰی نَفَاذِ اَمْرِكَ حَتّٰی اَوْرٰی قَبَسًا لِقَابِسٍ اٰلَآءُ اللّٰهِ تَصِلُ بِاَهْلِهٖ اَسْبَابَهٗ بِهٖ هُدِيَتِ الْقُلُوْبُ بَعْدَ خَوْضَاتِ الْفِتَنِ وَالْاِثْمِ وَاَبْهَجَ مُوْضِحَاتِ الْاَعْلَامِ وَنَآئِرَاتِ الْاَحْكَامِ وَمُنِيْرَاتِ الْاِسْلَامِ فَهُوَاَمِيْنُكَ الْمَاْمُوْنُ وَ خَازِنُ عِلْمِكَ الْمَخْزُوْنِ وَشَهِيْدُكَ يَوْمَ الدِّيْنِ وَبَعِيْثُكَ نِعْمَةً وَّرَسُوْلُكَ بِالْحَقِّ رَحْمَةً اَللّٰهُمَّ افْسَحْ لَهٗ فِیْ عَدْنِكَ وَ اجْزِهٖ مُضَاعَفَاتِ الْخَيْرِ مِنْ فَضْلِكَ لَهٗ مُهَنَّاتٍ بِخَيْرِ مُكَدَّرَاتٍ مِّنْ فَوْزِ ثَوَابِكَ الْمَعْلُوْلِ وَ جَزِيْلِ عَطَآئِكَ الْمَحْلُوْلِ اَللّٰهُمَّ اَعْلِ عَلٰی بِنَآءِ النَّاسِ بِنَآءَهٗ وَ اَكْرِمْ مَثْوَاهُ لَدَيْكَ وَنُزُلَهٗ وَاَتْمِمْ لَهٗ نُوْرَهٗ وَاجْزِهٖ مِنِ ابْتِعَاثِكَ لَهٗ مَقْبُوْلَ الشَّهَادَةِ مَرْضِیَّ الْمَقَالَةِ ذَامَنْطِقٍ عَدْلٍ وَّخُطَّةٍفَصْلٍ وَّحُجَّةٍ وَّبُرْهَانٍ عَظِيْمٍ۔

مگر اس کی سند ٹھیک نہیں۔ اس کا راوی سلامہ کندی نہ تو معروف ہے نہ اس کی ملاقات حضرت علیؓ سے ثابت ہے۔

ابن جریر کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت یونس بن حباب نے اپنے فارس کے ایک خطبے میں اس کی تلاوت کی پھر لوگوں کے درود کے طریقے کے سوال کو بیان فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں وَارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّاٰلَ مُحَمَّدٍ كَمَا رَحِمْتَ اٰلَ اِبْرَاهِيْمَ کو بھی بیان فرمایا ہے اس سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ آپ کے لئے رحم کی دعا بھی ہے۔ جمہور کا یہی مذہب ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

درود بھیجنا واجب ہے یا مستحب:

بعض کا قول ہے کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ آپ پر درود واجب ہے۔ پھر مستحب ہے تاکہ آیت کی تعمیل ہو جائے۔ قاضی عیاضؒ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے وجوب کو بیان فرما کر اسی قول کی تائید کی ہے۔ لیکن طبریؒ فرماتے ہیں کہ آیت سے تو استحباب ہی ثابت ہوتا ہے اور اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے، بہت ممکن ہے کہ ان کا مطلب بھی یہی ہو کہ ایک مرتبہ واجب پھر مستحب جیسے آپ کی نبوت کی گواہی۔ لیکن میں کہتا ہوں بہت سے ایسے اوقات ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا ہمیں حکم ملا ہے لیکن بعض وقت واجب ہے اور بعض جگہ واجب نہیں۔ چنانچہ (۱) اذان سن کر دیکھئے مسند کی حدیث میں ہے جب تم اذان سنو تو جو مؤذن کہہ رہا ہے تم بھی کہو پھر مجھ پر درود بھیجو ایک کے بدلے دس درود اللہ تم پر بھیجے گا پھر میرے لئے وسیلہ مانگو جو جنت کی ایک منزل ہے اور ایک ہی بندہ اس کا مستحق ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں۔ سنو جو میرے لئے وسیلہ کی دُعا کرتا ہے اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جاتی ہے۔ پہلے درود کی زکوٰۃ ہونے کی حدیث میں بھی اس کا بیان آچکا ہے۔ فرمان ہے کہ جو شخص درود بھیجے اور کہے اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اس کے لئے میری شفاعت قیامت کے دن واجب ہو جائے گی (مسند) ابن عباسؓ سے دُعا منقول ہے اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ شَفَاعَةَ مُحَمَّدٍ الْكُبْرٰی وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ الْعُلْيَا وَاَعْطِهٖ سُؤْلَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰی كَمَا اٰتَيْتَ اِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰی عَلَيْهِمُ السَّلَامُ۔ (۲) مسجد میں جانے اور مسجد نکلنے کے وقت۔ چنانچہ مسند میں ہے حضرت فاطمہؓ فرماتی ہیں جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) مسجد میں جاتے تو درود وسلام پڑھ کر اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ پڑھتے۔ (تفسیر ابن کثیر)

آیت دلالت کررہی ہے کہ صلوٰۃ وسلام بھیجنا مسلمانوں پر واجب ہے خواہ عمر میں ایک ہی بار ہو۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا یہی قول ہے طحاوی

نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ ابن ہمام نے کہا امر کا مقتضیٰ قطعی عمر بھر میں ایک بار (تعمیل) ہے کیونکہ امر تکرار کو نہیں چاہتا اور ہم اسی کے قائل ہیں۔

آخری قعدہ میں درود پڑھنا:

بعض کا قول ہے کہ ہر نماز کے آخری قعدہ میں تشہد کے بعد درود پڑھنی واجب ہے امام شافعی اور امام احمد کا یہی قول ہے۔

رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ میں ہے کہ آخری تشہد میں درود پڑھنی امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک سنت ہے اور امام شافعی کے نزدیک فرض ہے اور مشہور ترین روایت میں امام احمد کا قول آیا ہے کہ درود کو ترک کرنے سے نماز نہیں ہوتی۔

ابن ہمام نے اس کو حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ ابن جوزی نے کہا اس کی روایت میں جابر ضعیف ہے اور روایت میں اختلاف ہے کبھی موقوفاً بیان کیا ہے کبھی مرفوعاً۔

حاکم اور بیہقی نے بروایت یحییٰ بن سباق قبیلہ بنی حارث کی وساطت سے حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی تشہد پڑھ چکے تو کہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ وَبَارَکْتَ وَتَرَحَّمْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. حافظ ابن حجر نے کہا اس حدیث کے راوی سواء حارثی شخص کے ثقہ ہیں حارثی قابل نظر ہے۔

ابن ہمام نے لکھا ہے حدیث لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یُصَلِّ عَلَیَّ کو تمام اہل حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور اگر اس کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے مراد کامل نماز کی نفی ہے (یعنی جس نے مجھ پر نماز کے اندر درود نہیں پڑھی اس کی نماز کامل نہیں ہوئی، یا یہ مطلب ہے کہ جس نے عمر میں ایک بار بھی درود نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں۔

حافظ ابن حجر نے کہا اس حدیث سے زیادہ قوی حضرت فضالہ بن عبید کی حدیث ہے فضالہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں دعا کرتے سنا مگر اس نے رسول اللہ پر درود نہیں پڑھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے (دعا مانگنے میں) عجلت کی پھر اس کو بلایا اور اس کو نیز دوسرے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا تم میں سے جو شخص نماز پڑھے تو پہلے اللہ کی حمد وثناء کرے پھر مجھ پر درود بھیجے پھر جو کچھ چاہے دعا کرے۔

رواہ ابوداؤد والنسائی والترمذی وابن خزیمہ وابن حبان والحاکم ترمذی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ فضالہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے ایک آدمی آیا اور اس نے نماز پڑھی پھر کہا اے اللہ تو مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما حضور نے فرمایا اے نماز پڑھنے والے تو نے عجلت کی جب تو نماز پڑھے اور بیٹھ جائے تو (اول) ان صفات کے ساتھ اللہ کی حمد کر جن کا وہ مستحق ہے پھر مجھ پر درود پڑھ پھر اللہ سے دعا کر۔

راوی کا بیان ہے پھر ایک اور آدمی آیا اور اس نے نماز پڑھی اور اللہ کی حمد کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجی حضور نے فرمایا اے نماز پڑھنے والے اب تو دعا کر تیری دعا قبول ہوگی رواہ الترمذی۔ ابوداؤد اور نسائی نے بھی ایسی ہی حدیث بیان کی ہے۔ میں کہتا ہوں نماز میں تشہد کے بعد رسول اللہ پر درود پڑھنے کے وجوب پر اس طرح بھی دلیل قائم کی جاسکتی ہے کہ آیت مذکورہ میں جس درود کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد نماز کے اندر درود پڑھنا ہے جیسے آیت وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ میں تکبیر سے مراد تکبیر تحریمہ اور آیت وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ میں قیام سے مراد نماز میں کھڑا ہونا اور آیت وَاسْجُدُوْا وَارْکَعُوْا میں سجدہ اور رکوع سے مراد نماز میں سجود و رکوع اور آیت فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ میں قرأت قرآن سے مراد نماز کے اندر قرآن پڑھنا ہے کعب بن عُجرہ کی حدیث جس کو بخاری نے نقل کیا ہے اسی پر دلالت کرتی ہے۔ حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر سلام (کا طریقہ) تو ہم کو معلوم ہے مگر درود بھیجنے کا کیا طریقہ ہے فرمایا کہو اَللّٰھُمَّ صَلِّ علی محمد الخ یعنی تشہد میں سلام کا طریقہ تو ہم کو معلوم ہو چکا ہے تشہد میں السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پڑھا ہی جاتا ہے مگر درود اس وقت کس طرح پڑھیں اس سوال کے جواب میں (نماز کے اندر) درود پڑھنے کا طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ اللھم صل علی محمد الخ پڑھا کرو۔ امت اسلامیہ نے بالاتفاق اس حدیث کو تسلیم کیا ہے اور بلا اختلاف تشہد کے بعد درود پڑھنے کی صراحت کی ہے البتہ واجب اور سنت ہونے میں اختلاف ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس درود کا حکم آیت مذکورہ میں دیا گیا ہے اس سے مراد تشہد کے بعد نماز کے اندر درود پڑھنا ہے۔

ہر دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر درود کے واجب ہونے کے دلائل

جو لوگ کہتے ہیں کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آئے درود پڑھنا واجب ہے انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں آیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا تذکرہ آیا ہو اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھی ہو اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو کہ اس پر رمضان آکر گزر بھی جائے اور اس کی مغفرت نہ ہو۔ اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو کہ اس کے

ماں باپ یا دونوں میں سے ایک اس کی زندگی میں بوڑھے ہو جائیں۔ اور اس شخص کے جنت میں داخلہ کا ذریعہ نہ بنیں (یعنی بیٹا بوڑھے ماں باپ کی خدمت نہ کرے اس لئے وہ ناراض رہیں اور یہ شخص جنت سے محروم ہو جائے) رواہ الترمذی و ابن حبان فی صحیحہ۔

حضرت جابر بن سمرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے اور دوزخ میں چلا جائے اللہ اس کو دور رکھے۔

حضرت ابن عباس کی مرفوع حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے (اور انہوں نے کہا) جس شخص کے سامنے آپ کا تذکرہ ہو اور وہ آپ پر درود نہ پڑھے اور (اس وجہ سے) دوزخ میں داخل ہو جائے پس اللہ اس کو دور رکھے۔ یہ دونوں حدیثیں طبرانی نے نقل کی ہیں۔

ابن سنی نے حضرت جابر کی مرفوع حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور اس نے مجھ پر درود نہیں پڑھی وہ بدنصیب ہو گیا۔

حضرت علیؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے وہ بخیل ہے۔ رواہ الترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح غریب کہا ہے امام احمد نے یہ حدیث حضرت امام حسینؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔

طبرانی نے اچھی سند کے ساتھ حضرت امام حسین کی مرفوع روایت اس طرح بیان کی ہے جس کے سامنے میرا تذکرہ آیا اور اس سے مجھ پر درود پڑھنی چھوٹ گئی اس سے جنت کا راستہ چھوٹ گیا۔ نسائی نے صحیح سند سے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اس کو چاہئے کہ مجھ پر درود پڑھے کیونکہ جو شخص مجھ پر (ایک بار) درود پڑھے گا اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا (یا دس بار رحمت نازل فرمائے گا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کی فضیلت و کیفیت

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کا بیان ہے میری ملاقات حضرت کعب بن عجرۃؓ سے ہوئی تو انہوں نے مجھ سے کہا کیا (حدیث کا) ایک تحفہ میں تم کو پیش نہ کر دوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے خود سنی ہے میں نے کہا کیوں نہیں ضرور وہ تحفہ مجھے عنایت فرمائیے کعب نے کہا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو سلام کرنا تو اللہ نے ہمیں بتا دیا ہے لیکن آپ (اور آپ کے) اہل بیت پر ہم درود کس طرح پڑھیں فرمایا کہو۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّاٰلَ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ وَبَارَکْتَ وَتَرَحَّمْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. (متفق علیہ)

مسلم کی روایت میں دونوں جگہ علیٰ ابراہیم کا لفظ نہیں ہے (صرف علیٰ آل ابراہیم ہے) حضرت ابوحمید ساعدی راوی ہیں کہ صحابہ نے کہا رسول اللہ ہم آپ پر درود کیسے پڑھیں فرمایا کہو۔

اللھم صل علیٰ محمد وازْواجہ وذُرّیّتہ کما صلیت علی آل ابراھیم وبارک علیٰ محمد وازواجہ و ذُرّیتہ کمابارکت علی آل ابراھیم انک حمید مجید. (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ایک بار مجھ پر درود پڑھے گا اللہ دس بار رحمت اس پر نازل فرمائے گا۔ رواہ مسلم۔

ایک دفعہ درود پر دس رحمتیں:

حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مجھ پر ایک درود پڑھے گا اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا اور دس خطائیں ساقط کرے گا اور دس درجے بلند کرے گا۔ رواہ احمد والبخاری فی الادب والنسائی والحاکم۔ حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب کا حصول:

حضرت ابن مسعود کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھتا ہوگا۔ رواہ الترمذی۔

سلام پہنچانے والے فرشتے:

حضرت ابن مسعود راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کے کچھ فرشتے زمین پر گھومتے پھرتے ہیں وہ مجھے میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں۔ رواہ النسائی والدارمی۔

سلام کا جواب: حضرت ابوہریرہ راوی ہیں جو کوئی (جب بھی) مجھ پر سلام پڑھے گا اللہ میری روح مجھے لوٹا دے گا کہ میں سلام کا جواب دوں گا۔ رواہ ابوداؤد والبیہقی فی الدعوات الکبیر۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ (کہ وہاں نماز نہ پڑھو۔ مترجم) اور نہ میری قبر کو میلہ بنانا۔ اور مجھ پر درود پڑھنا تمہارا درود مجھے پہنچے گا تم جہاں بھی ہو۔

دس رحمتوں اور دس سلامتیوں کا حصول:

حضرت ابوطلحہؓ راوی ہیں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس وقت حضور کے چہرہ پر شگفتگی تھی فرمایا مجھ سے جبرئیل نے آکر کہا کہ آپ کا رب

فرماتا ہے محمد کیا تم اس بات پر خوش نہ ہو گے کہ تمہاری امت میں سے جو کوئی تم پر درود پڑھے گا میں اس پر دس رحمتیں نازل کروں گا اور تمہاری امت میں سے جو کوئی آپ پر سلام پڑھے گا میں دس بار اس پر سلامتی نازل کروں گا رواہ النسائی والدارمی۔

تمام فکر دُور ہو جائیں گے:

حضرت اُبی بن کعب کا بیان ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ پر درود بہت پڑھتا ہوں کتنی بار پڑھا کروں فرمایا جتنی (بھی) چاہو میں نے عرض کیا (ذکر خداوندی اور دعا کا) ایک چوتھائی (درود کے لئے مقرر کرلوں) فرمایا جتنا تم چاہو اگر زیادہ کرلو تو تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ میں نے عرض کیا (کل ذکر کا) آدھا حصہ (درود کو بنالوں فرمایا تم جتنا چاہو (کرلو لیکن) اگر زیادہ کرلو تو تمہارے لئے بہتر ہوگا میں نے عرض کیا، کیا دو تہائی فرمایا جتنا چاہو مگر زیادہ کرلو تو تمہارے لئے بہتر ہوگا میں نے عرض کیا، کیا میں اپنی ساری دعا آپ کے لئے کردوں فرمایا تو ایسی حالت میں تمہارے سارے فکر دور ہو جائیں گے) کام پورے کردیئے جائیں گے اور تمہارے گناہ ساقط کردیئے جائیں گے۔ رواہ الترمذی

بھرپور بدلہ: حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی کو یہ بات (پسند اور) مسرور کرنے والی ہو کہ جب وہ ہم گھر والوں کے لئے دعا کرے تو اس کو بھرپور پیمانہ سے (بدلہ) دیا جائے تو اس کو اس طرح کہنا چاہیئے۔ اللھم صل علیٰ محمد النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاَزْوَاجِہ امھات المؤمنین وذُرِّیَّتِہ وَاھلِ بیتہ کَمَا صلیت علیٰ ابراھیم انک حمیدٌ مجیدٌ (رواہ ابوداؤد)

ستر رحمتیں: حضرت عبداللہ بن عمرو کا قول ہے کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بار درود پڑھے گا اللہ اور اس کے فرشتے ستر رحمتیں اس پر نازل کریں گے۔ رواہ احمد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت:

حضرت رویفع کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھ پر درود پڑھی اور کہا۔ اَللّٰھُمَّ انزلہ المقعد المقرب عندک یوم القیامۃ وجبت لہٗ شفاعتی اے اللہ قیامت کے دن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مقام قرب عنایت کر اس کے لئے میری شفاعت لازم ہوگئی۔ رواہ احمد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی:

حضرت عبدالرحمن میں عوف کا بیان ہے ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (گھر سے) برآمد ہوئے اور ایک نخلستان کے اندر پہنچے وہاں پہنچ کر آپ نے سجدہ کیا اور اتنا طویل سجدہ کیا کہ مجھے اندیشہ ہوگیا کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہ ہوگئی ہو میں دیکھنے کے لئے (قریب گیا) آپ نے سر اٹھا کر فرمایا کیا بات ہے میں نے اپنا اندیشہ بیان کردیا۔ فرمایا جبرئیل نے (آخر) مجھ سے کہا تھا کیا میں آپ کو یہ خوشخبری نہ سنادوں کہ اللہ نے آپ کے (اعزاز اور خوش کرنے کے) لئے فرمایا ہے کہ جو شخص آپ پر درود پڑھے گا میں اس پر رحمت نازل کروں گا اور جو آپ پر سلام پڑھے گا میں اس کو سلامتی عطا کروں گا رواہ احمد۔

دُعاء کی قبولیت:

حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا دعا آسمان وزمین کے درمیان روک لی جاتی ہے جب تک تم اپنے نبیؐ پر درود نہ پڑھو دعا کا کوئی حصہ اوپر نہیں چڑھنے پاتا۔ رواہ الترمذی

جتنا درود اتنی رحمتیں:

عبداللہ بن عامر بن ربیعہ نے اپنے باپ کا بیان نقل کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جو شخص مجھ پر جتنی درود پڑھتا ہے فرشتے اتنی ہی اس پر رحمتیں نازل کرتے ہیں۔ اب بندہ کو اختیار رہے کم درود پڑھے یا زیادہ۔ رواہ البغوی

احد پہاڑ جتنا ثواب:

حضرت علی راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اس کے لئے ایک قیراط (ثواب) لکھ دیا جاتا ہے اور ایک قیراط کوہ احد کے برابر ہوتا ہے۔ رواہ عبدالرزاق فی الجامع بسند حسن۔

صبح شام دس مرتبہ درود:

حضرت ابو درداء کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح اور شام دس دس مرتبہ درود پڑھے گا اس کو میری شفاعت مل جائے گی۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر بسند حسن۔

روئے زمین کے تمام باشندوں کے برابر عمل:

حضرت ابوبکر صدیق کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا ایک آدمی نے آکر سلام کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سلام کا جواب دیا اور کشادہ روئی کے ساتھ اس کو اپنے پہلو میں بیٹھا لیا جب وہ شخص اپنا کام پورا کر کے اُٹھ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر روزانہ اس شخص کا عمل باشندگان زمین کے (سارے) اعمال کے برابر اٹھایا جاتا ہے میں نے عرض کیا ایسا کیوں ہے فرمایا جب صبح ہوتی ہے تو یہ شخص دس بار مجھ پر درود پڑھتا ہے اور اس کا یہ درود ایسا ہوتا ہے جیسے ساری مخلوق کا درود میں نے عرض کیا وہ کیا درود ہے فرمایا وہ کہتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدِ النَّبِیِّ عَدَدَ مَنْ صَلیّٰ مِنْ خَلْقِکَ وَصَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ کَمَا یَنْبَغِیْ لَنَا اَنْ نُصَلِّیَ عَلَیْہِ وَصَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدِ النَّبِیِّ کَمَا اَمَرْتَنَا اَنْ نُصَلِّیَ عَلَیْہِ

گناہوں کی صفائی:

حضرت ابوبکر صدیق راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا گناہوں کو اس سے زیادہ مٹا دیتا ہے۔ جتنا پانی آگ کو (بجھاتا ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھنا گردنیں (یعنی بردے) آزاد کرنے سے بھی افضل ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت (راہ خدا میں اپنا) خونِ دل دینے سے بھی افضل ہے یا فرمایا۔ راہِ خدا میں شمشیر زنی سے بھی افضل ہے۔

وتروں کی دُعاء:

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں مجھے حضور نے یہ کلمات سکھائے جنہیں وتروں میں پڑھا کرتا ہوں اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّمَا قَضَیْتَ فَاِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ اِنَّهٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ (اھل السنن)

جمعہ کو درود کی کثرت:

نسائی کی روایت میں آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں وَصَلَّی اللّٰهُ عَلَی النَّبِیِّ۔ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں مسند احمد میں ہے سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے۔ اسی میں حضرت آدمؑ پیدا کئے گئے اسی میں قبض کئے گئے۔ اسی میں نفخہ ہے اسی میں بے ہوشی ہے پس تم اس دن مجھ پر بہ کثرت درود پڑھا کرو۔ تمہارے درود مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ صحابہؓ نے پوچھا، آپ تو زمین میں دفنا دیئے گئے ہوں گے۔ پھر ہمارے درود آپ پر کیسے پیش کئے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے نبیوں کے جسموں کا کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے۔ ابوداؤد، نسائی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ ابن ماجہ میں ہے جمعہ کے دن بہ کثرت درود پڑھو۔ اُس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ جب کوئی مجھ پر درود پڑھتا ہے اُس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے جب تک وہ فارغ ہو۔ پوچھا گیا۔ موت کے بعد بھی؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر نبیوں کے جسموں کو گلانا سڑانا حرام کر دیا ہے نبی اللہ زندہ ہیں روزی دیئے جاتے ہیں۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس میں انقطاع ہے۔ عبادہ بن نسی نے حضرت ابوالدرداءؓ کو پایا نہیں، واللہ اعلم بیہقی میں بھی حدیث ہے کہ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات مجھ پر بہ کثرت درود بھیجو۔ لیکن وہ بھی ضعیف ہے۔ ایک روایت میں ہے اس کا جسم زمین نہیں کھاتی، جس سے روح القدس نے کلام کیا ہو۔

ابوداؤد میں ہے جو مسلمان مجھ پر سلام پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ میری روح کو لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔

کتاب میں درود لکھنے کا ثواب:

کاتب اس بات کو مستحب جانتے ہیں کہ کاتب جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لکھے صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ لکھے۔ ایک حدیث میں ہے جو شخص کسی کتاب میں مجھ پر درود لکھے اس کے درود کا ثواب اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک وہ کتاب رہے لیکن کئی وجہ سے یہ حدیث صحیح نہیں۔ بلکہ امام ذہبیؒ کے استاد تو اسے موضوع کہتے ہیں یہ حدیث بہت سے طریق سے مروی ہے۔ (ابن کثیر)

انبیاء کے علاوہ کیلئے صلوٰۃ وسلام کا مسئلہ

کیا انبیاء کے علاوہ دوسروں کیلئے بھی صلوٰۃ وسلام کا استعمال درست ہے؟

صحیح یہ ہے کہ تنہا غیر انبیاء کے لئے صحیح نہیں ہے اور تبعاً یعنی انبیاء کے ساتھ ملا کر صحیح ہے۔ جس طرح کہ محمد عزوجل کہنا مکروہ ہے باوجود یہ کہ آپ معزز اور جلیل القدر تھے اس کی وجہ یہ ہے عرف میں صلوٰۃ وسلام کا استعمال انبیاء کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ جیسے جلّ وعزّ کے لفظ باری تعالیٰ کے لئے خاص کر دیئے گئے ہیں۔ سورۃ توبہ کی آیت وَصَلِّ عَلَیْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّهُمْ کی تفسیر کے ذیل میں اس کی مکمل تنقیح ہو چکی ہے۔ (تفسیر مظہری)

نبیوں کے سوا غیر نبیوں پر صلوٰۃ بھیجنا اگر تبعاً ہو تو بے شک جائز ہے جیسے حدیث میں ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیَّتِهٖ ہاں صرف غیر نبیوں پر صلوٰۃ بھیجنے میں اختلاف ہے۔ بعض تو اسے جائز بتلاتے ہیں اور دلیل میں آیت هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ الخ اور اُولٰٓئِکَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ اور وَصَلِّ عَلَیْهِمْ پیش کرتے ہیں اور حدیث بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی قوم کا صدقہ آتا تو آپ فرماتے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْهِمْ چنانچہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ فرماتے ہیں جب میرے والد آپ کے پاس اپنا صدقے کا مال لائے تو آپ نے فرمایا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی اٰلِ اَبِیْ اَوْفٰی (صحیحین)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور پر صلوٰۃ نہ بھیجنی چاہیے۔ ہاں مسلمان مردوں عورتوں کے لئے دعائے مغفرت کرنی چاہیے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک خط میں لکھا کہ بعض لوگ آخرت کے اعمال سے دنیا کے جمع کرنے کی فکر میں ہیں اور بعض مولوی وعظ میں اپنے خلیفوں اور امیروں کے لئے صلوٰۃ کے وہی الفاظ بولتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھے۔ جب تیرے پاس میرا یہ خط پہنچے تو ان سے کہہ دینا کہ صلوٰۃ صرف نبیوں کے لئے ہے اور عام مسلمانوں کے لئے اس کے سوا جو چاہیں دعا کریں۔ حضرت کعبؓ کہتے ہیں ہر صبح ستر ہزار فرشتے اُتر کر قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیتے ہیں اور اپنے پر سمیٹ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دُعائے رحمت کرتے رہتے ہیں اور

ستر ہزار رات کو آتے ہیں۔ یہاں تک کہ قیامت کے دن جب آپ کی قبر مبارک شق ہوگی تو آپ کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے۔ (فرع) امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام ایک ساتھ بھیجنے چاہئیں صرف صلی اللہ علیہ وسلم یا صرف علیہ السلام نہ کہے۔ اس آیت میں بھی دونوں ہی کا حکم ہے۔ پس اولیٰ یہ ہے کہ یوں کہا جائے صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما۔

صحابہ کرامؓ کی عظمت:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، میں تمہیں اللہ کو یاد دلاتا ہوں۔ دیکھو خدا کو بیچ میں رکھ کر میں تم سے کہتا ہوں کہ میرے اصحابؓ کو میرے بعد نشانہ نہ بنالینا۔ میری محبت کی وجہ سے ان سے بھی محبت رکھنا ان سے بُغض و بیر رکھنے والا مجھ سے دشمنی کرنے والا ہے انہیں جس نے ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے خدا کو ایذا دی، اور جس نے خدا کو ایذا دی یقین مانو خدا اُس کی بھوسی اُڑا دے گا یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے، جو لوگ ایمان داروں کی طرف ان برائیوں کو منسوب کرتے ہیں، جن سے وہ بری ہیں وہ بڑے بہتان باز ہیں اور زبردست گناہگار ہیں۔ اس وعید میں سب سے پہلے تو کفار داخل ہیں۔ پھر رافضی شیعہ جو صحابہؓ پر عیب گیری کرتے ہیں اور خدا نے جن کی تعریفیں کی ہیں یہ انہیں بُرا کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے کہ وہ انصار و مہاجرین سے خوش ہے۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ ان کی مدح وستائش موجود ہے لیکن یہ بے خبر گند ذہن انہیں بُرا کہتے ہیں، ان کی مذمت کرتے ہیں اور ان میں وہ باتیں بتاتے ہیں جن سے وہ بالکل الگ ہیں۔ حق یہ ہے کہ خدا کی طرف سے اُن کے دل اندھے ہوگئے ہیں اس لئے ان کی زبانیں بھی اُلٹی چلتی ہیں۔ قابل مدح لوگوں کی مذمت کرتے ہیں اور مذمت والوں کی تعریفیں کرتے ہیں۔

نماز کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمودہ دُعاء:

صحیحین میں ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی ایسی دعا کی درخواست کی جسے وہ نماز میں پڑھیں تو آپ نے یہ دُعا تعلیم فرمائی اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْماً کَثِیْراً وَّ اِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَۃً مِنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ یعنی خدایا میں نے بہت سے گناہ کئے ہیں۔ میں مانتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی انہیں معاف نہیں کرسکتا، پس تو اپنے پاس کی بخشش سے مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر، تو بڑا ہی بخشش کرنے والا مہربان ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

صَلوٰۃ وسَلام کا طریقہ:

حضرت کعب بن عجرہؓ نے فرمایا کہ (جب یہ آیت نازل ہوئی تو) ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ (آیت میں ہمیں دو چیزوں کا حکم ہے صلوٰۃ اور سلام کی سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا ہے (کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ کہتے ہیں) صلوٰۃ کا طریقہ بھی بتلا دیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ الفاظ کہا کرو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّارْحَمْ مُحَمَّدًا وَاٰلَ مُحَمَّدٍ کَمَاصَلَّیْتَ وَبَارَکْتَ وَتَرَحَّمْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

مسئلہ: اس پر بھی جمہور فقہاء کا اتفاق ہے جب کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرے یا سُنے تو اس پر درود شریف واجب ہو جاتا ہے، کیونکہ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کے وقت درود شریف نہ پڑھنے پر وعید آئی ہے، جامع ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ یعنی ذلیل ہو وہ آدمی جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے (قال الترمذی حدیث حسن (رواہ ابن السنی باسناد جید)

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے اَلْبَخِیْلُ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ یعنی بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

مسئلہ: اگر ایک مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک بار بار آئے تو صرف ایک مرتبہ درود پڑھنے سے واجب ادا ہوتا ہے، لیکن مستحب یہ ہے کہ جتنی بار ذکر مبارک خود کرے یا کسی سے سُنے ہر مرتبہ درود شریف پڑھے، حضرات محدثین سے زیادہ کون آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرسکتا ہے کہ اُن کا ہر وقت کا مشغلہ ہی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس میں ہر وقت بار بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا ہے، تمام ائمہ حدیث کا دستور یہی رہا ہے کہ ہر مرتبہ درود وسلام پڑھتے اور لکھتے ہیں، تمام کتب حدیث اس پر شاہد ہیں۔ انہوں نے اس کی بھی پروا نہیں کی کہ اس تکرار صلوٰۃ وسلام سے کتاب کی ضخامت کافی بڑھ جاتی ہے کیونکہ اکثر تو چھوٹی چھوٹی حدیثیں آتی ہیں جن میں ایک دو سطر کے بعد نام مبارک آتا ہے، اور بعض جگہ تو ایک سطر میں ایک سے زیادہ مرتبہ نام مبارک مذکور ہوتا ہے، حضرات محدثین کہیں صلوٰۃ وسلام ترک نہیں کرتے۔

مسئلہ: ذکر مبارک کے وقت افضل واعلیٰ اور مستحب تو یہی ہے کہ صلوٰۃ اور سلام دونوں پڑھے اور لکھے جائیں، لیکن اگر کوئی شخص ان میں سے ایک یعنی صرف صلوٰۃ یا صرف سلام پر اکتفاء کرے تو جمہور فقہاء کے نزدیک کوئی گناہ نہیں، شیخ الاسلام نوویؒ وغیرہ نے دونوں میں سے صرف ایک پر اکتفاء کرنا مکروہ فرمایا ہے، ابن حجر ہیثمیؒ نے فرمایا کہ ان کی مراد کراہت سے خلاف اولیٰ ہوتا ہے جس کو اصطلاح میں مکروہ تنزیہی کہا جاتا ہے، اور علماء امت کا مسلسل عمل اس پر شاہد ہے کہ وہ دونوں ہی کو جمع کرتے ہیں۔ اور بعض

اوقات ایک پر بھی اکتفاء کر لیتے ہیں۔

مسئلہ: لفظ صلوٰۃ انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی کے لئے استعمال کرنا جمہور علماء کے نزدیک جائز نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

جس مجلس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہو تو وہاں ایک بار واجب ہے اور اس سے زیادہ مستحب ہے۔

فائدہ: امت کی طرف سے جو صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے وہ حضور پر نورؐ کے احسان کی مکافات نہیں بلکہ ایک فقیرانہ ہدیہ ہے جو شاہ رسالت کی بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے۔ دیکھو شرح کتاب الاذکار لابن علان ص ۳۱۵ ج ۳۔ (معارف کاندھلوی)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ

جو لوگ ستاتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو اُن کو پھٹکارا اللہ نے

فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا

دنیا میں اور آخرت میں اور تیار رکھا ہے اُن کے واسطے ذلت کا عذاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے کی سزا:

اوپر مسلمانوں کو حکم تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء کا سبب نہ بنیں بلکہ اُن کی انتہائی تعظیم وتکریم کریں جس کی ایک صورت صلوٰۃ وسلام بھیجنا ہے۔ اب بتلایا کہ اللہ ورسول کو ایذاء دینے والے دنیا وآخرت میں ملعون و مطرود اور سخت رسوا کن عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اللہ کو ستانا یہی ہے کہ اس کے پیغمبروں کو ستائیں یا اُس کی جناب میں نالائق باتیں کہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یہودی اور عیسائیوں کی ایذاء رسانی:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ بے شک جو لوگ اللہ کو اذیت دیتے ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے ان لوگوں سے مراد ہیں یہودی، عیسائی اور مشرک یہودی تو کہتے تھے عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ اور يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ اور اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ اور عیسائی کہتے تھے مسیح ابن اللہ اور کہتے تھے اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ اور مشرک کہتے تھے ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں اور بت (معبود ہونے میں) اللہ کے ساجھی ہیں۔

ابن آدم کی نالائقی:

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے ارشاد فرمایا ہے آدم کے بیٹے نے میری تکذیب کی اور اس کو ایسا کرنا جائز نہ تھا اور آدم کے بیٹے نے مجھے گالی دی اور اس کے لئے یہ جائز نہ تھا میری تکذیب تو یہ ہوئی کہ وہ کہتا ہے جس طرح خدا نے مجھے پہلی بار پیدا کیا ایسا دوبارہ نہیں کرے گا حالانکہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا دوسری مرتبہ پیدا کرنے سے آسان نہیں ہے۔ اور میرے لئے گالی یہ ہوئی کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ نے اپنی اولاد بنائی ہے حالانکہ میں احد ہوں بے نیاز ہوں نہ کسی کا والد ہوں نہ کسی کا مولود میرا کفو کوئی نہیں۔

حضرت ابن عباس کی روایت اس طرح ہے اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ وہ (میرے متعلق) کہتا ہے کہ میری اولاد ہے حالانکہ میں اس سے پاک ہوں کہ کسی کو اپنی بیوی بناؤں یا اولاد۔ رواہ البخاری

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ فرماتا ہے۔ آدم کا بیٹا دہر (زمانہ) کو گالی دے کر مجھے دکھ دیتا ہے حالانکہ میں ہی دہر (کا حکمران) ہوں میرے ہی ہاتھوں میں حکم دینا ہے۔ میں ہی رات دن کو الٹ پلٹ کرتا ہوں۔ متفق علیہ

بعض نے کہا اللہ کو اذیت پہنچانے سے مراد ہے اللہ کے اسماء وصفات میں کج روی اختیار کرنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء کی صورتیں:

وَرَسُوْلَهٗ اور اس کے رسول کو۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا لوگوں نے اللہ کے رسول کے چہرہ کو زخمی کر دیا حضور کا دانت توڑ دیا کسی نے ساحر کہا کسی نے شاعر کسی نے دیوانہ پاگل (یہ سب اللہ کے رسول کو ایذا دینے کی صورتیں تھیں) یہ تشریح ان لوگوں کی نظر میں صحیح ہوگی جو (ایک وقت میں) ایک لفظ کا دو معنی پر اطلاق جائز قرار دیتے ہیں۔ (اللہ کو ایذا پہنچانے کا مفہوم کچھ اور ہے اور اللہ کے رسول کو دکھ دینے کا مطلب اور۔ یہ اور لفظ یؤذون ایک ہی ہے) جمہور کے نزدیک (یؤذون کا ایک ہی معنی مراد ہے)

اللہ کو ایذاء دینے کا مطلب:

مطلب یہ ہے کہ ایسے کام کرتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کو ناپسند ہیں۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ایذاء خدا کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے اظہار کے لئے کیا گیا ہو یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ کا معنی یؤذون رسول اللہ ہی ہو گویا جس نے اللہ کے رسول کو دکھ پہنچایا اس نے اللہ کو ایذاء پہنچائی۔

حضرت صفیہؓ بنت حیی کی فضیلت:

ابن ابی حاتم نے بطریق عوفی حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت صفیہ بنت حیی کو (بی بی) بنالیا تو کچھ لوگوں نے آپ کو مطعون کیا انہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عائشہؓ کی فضیلت:

جویبر نے بوساطت ضحاک حضرت ابن عباس کا یہ بیان نقل کیا کہ عبد اللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ان لوگوں نے

حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت لگائی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا اور فرمایا وہ شخص جو مجھے اذیت پہنچاتا ہے اور مجھے اذیت پہنچانے والوں کو اپنے گھر میں جمع کرتا ہے اس کی طرف سے میرے سامنے کون عذر خواہی کرسکتا ہے اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کی اپنے ولیوں سے محبت:

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ فرماتا ہے کہ جو (میرے) کسی ولی کی اہانت کرتا ہے دوسری روایت کا لفظ ہے جو (میرے) ولی سے دشمنی کرتا ہے وہ جنگ کے لئے میرے مقابلہ پر آتا ہے۔ اور جو کام میں کرنے والا ہوتا ہوں اس میں مجھے (کبھی) اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا تردد اپنے مومن بندہ کی روح قبض کرنے میں ہوتا ہے کہ وہ مرنا پسند نہیں کرتا اور میں اس کو ناراض کرنا نہیں چاہتا اور مرنا اس کے لئے لازم ہوتا ہے۔ میرے مومن بندہ کو میرا قرب (کسی عمل سے) اتنا حاصل نہیں ہوتا جتنا دنیا سے بے رغبت رہنے سے ہوتا ہے۔ اور بندۂ مومن میری کوئی عبادت ایسی نہیں کرتا جیسی میرے عائد کئے ہوئے فرض کو ادا کر کے کرتا ہے۔ (یعنی فرض کی ادائیگی سب سے بڑی عبادت ہے اس کی برابر کوئی عبادت نہیں۔ مترجم رواہ البخاری۔

حضرت ابو ہریرہ اس بیان نبوی کے راوی ہیں کہ اللہ فرمائے گا اے ابن آدم میں بیمار ہوا مگر تو نے میری عیادت نہیں کی۔ بندہ عرض کرے گا اے میرے رب میں تیری عیادت کیسے کرتا تو تو رب العالمین ہے (ہر بیماری سے پاک ہے) اللہ فرمائے گا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی کیا تجھے علم نہیں کہ اگر تو اس کی عیادت کو جاتا تو مجھے اس کے پاس موجود پاتا۔ اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا مگر تو نے مجھے کھانا نہیں دیا، الی الآ خرالحدیث۔ رواہ مسلم

میں کہتا ہوں کہ جب اولیاء سے دشمنی اللہ سے دشمنی اور جنگ ہے اور اپنے اولیاء کی بیماری کو اللہ نے اپنا مرض قرار دیا ہے، حالانکہ وہ ان تمام حوادث سے پاک اور بالا ہے تو اس کی وجہ اللہ کے ساتھ اولیاء کا وہ وصل ہے جو ہر کیفیت سے پاک ہے جب (عام) اولیاء کی یہ حالت ہے تو ایذاء رسول کو ایذاء خدا کہنا تو بدرجہ اولیٰ مناسب اور صحیح ہے۔

توہین رسالت کے مجرم کی سزا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت، دین، نسب یا حضور کی کسی عفت پر طعن کرنا اور صراحۃً یا کنایۃً یا اشارۃً یا بطور تعریض آپ پر نکتہ چینی کرنا اور عیب نکالنا کفر ہے ایسے شخص پر دونوں جہاں میں اللہ کی لعنت۔ دنیوی سزا سے اس کو توبہ بھی نہیں بچاسکتی، ابن ہمام نے لکھا ہے جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دل میں نفرت کرے وہ مرتد ہو جائے گا۔ بُرا کہنا تو بدرجہ اولیٰ مرتد بنا دیتا ہے اگر اس کے بعد توبہ بھی کرے تو قتل کی سزا ساقط نہیں ہو سکتی۔ اہل فقہ نے لکھا ہے یہ قول علماء کوفہ (امام ابو حنیفہ صاحبین وغیرہ) اور امام مالک کا ہے ایک روایت میں حضرت ابو بکرؓ کا بھی یہ فتویٰ منقول ہے۔

یہ سزا بہرحال دی جائے گی، خواہ وہ اپنے قصور کا اقرار کرلے اور تائب ہو کر آئے یا منکر جرم ہو اور شہادت سے ثبوت ہو جائے دوسرے موجبات کفر کا اگر انکار کردے خواہ شہادت ثبوت موجود ہو تو انکار معتبر ہوگا۔ علماء نے یہاں تک کہا ہے کہ نشہ کی حالت میں بھی اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا کہنے کے جرم کا ارتکاب کیا ہو تب بھی اس کو معاف نہیں کیا جائے گا ضرور قتل کیا جائے گا۔ ہاں نشہ کی حالت کے لئے یہ شرط ضروری ہے کہ اس نے خود اپنے اختیار سے بغیر جبر و اکراہ کے ممنوع طریقہ سے نشہ آور چیز کھائی پی ہو اگر ارتکاب منشی اپنے اختیار سے نہ کیا ہو تو ایسا مدہوش آدمی پاگل کے حکم میں ہے (اس کو سزا نہیں دی جائے گی)۔

خطابی نے لکھا ہے، میں نہیں جانتا کہ ایسے شخص کے واجب القتل ہونے میں کسی نے اختلاف کیا ہو، ہاں اگر اللہ کے معاملہ میں کسی کا قتل واجب ہو جائے تو توبہ کرنے سے سزائے قتل ساقط ہو جاتی ہے اسی طرح کوئی مست نشہ میں مدہوش آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے کے علاوہ کوئی اور کلمۂ کفر زبان سے نکال دے تو خواہ اس نے باختیار خود بغیر جبر و اکراہ کے ممنوع طریقہ سے نشہ کیا ہو، پھر بھی اس کو مرتد نہیں قرار دیا جائے گا۔

کامل مسلمان: حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کے ظلم و ایذاء) سے مسلمان محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے کہ لوگوں کو اپنے جان و مال کا اس کی طرف سے اندیشہ نہ ہو۔ (رواہ الترمذی والنسائی)

عبداللہ بن اُبی منافق:

حضرت عائشہؓ کو گالی دینی (یعنی زنا کی تہمت لگائی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی گالی دینی ہے (کیونکہ ام المومنین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بی تھیں) عرفاً بھی اور عقلاً بھی اور روایت کے لحاظ سے بھی جویبر نے بوساطت ضحاک حضرت ابن عباسؓ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے اس شخص کی طرف سے کون عذر خواہی کرے گا جو مجھے ایذا پہنچاتا ہے اور مجھے ایذاء دینے والوں کو اپنے گھر میں جمع کرتا ہے۔ یعنی عبداللہ بن اُبی جس نے حضرت عائشہؓ پر زنا کی تہمت لگائی تھی۔ بعض لوگوں کا جو قول ہے کہ یہ آیت حضرت عائشہؓ کے متعلق نازل ہوئی اس کا مطلب یہ ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ سے اِثْمًا مُّبِیْنًا تک پوری آیت آپ کے متعلق نازل ہوئی صرف آخری آیت کا نزول مراد نہیں ہے۔

حضرت علیؓ کی فضیلت:

اسی طرح جس نے حضرت علی کو گالی دی اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دُکھ پہنچایا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے (اے علیؓ) تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین عن البراء بن عازب۔

آوارہ گرد منافق:

ضحاک اور کلبی کا بیان ہے کہ آیت کا نزول ان زنا کاروں کے حق میں ہوا جو منافق تھے راتوں کو مدینہ کے راستوں میں گھوما کرتے تھے جب رات کو عورتیں قضائے حاجت کے لئے گھروں سے باہر نکل کر (جنگل کی طرف) جاتی تھیں تو راستہ میں یہ ان کو دباتے تھے اگر عورتیں خاموش رہتی تھیں تو یہ ان کے پیچھے لگ جاتے تھے اور اگر وہ جھڑک دیتی تھیں تو یہ رُک جاتے تھے حقیقت میں ان کا مقصد ہوتا تھا باندیوں کو چھیڑنا لیکن لباس چونکہ باندی اور آزاد عورت کا ایک ہی جیسا ہوتا تھا کرتہ اور اوڑھنی پہن کر سب ہی نکلتی تھیں اس لئے ان کو شناخت نہیں ہوتی تھی کہ کون باندی ہے اور کون آزاد عورت اس لئے آزاد عورتیں اس زد میں آجاتی تھیں۔ عورتوں نے اس کی شکایت اپنے شوہروں سے کی اور شوہروں نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دے دی اس پر یہ آیت نازل ہوئی، پھر اگلی آیت میں آزاد عورتوں کو باندیوں جیسا لباس پہن کر نکلنے کی ممانعت کر دی گئی۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا
اور جو لوگ تہمت لگاتے ہیں مسلمان مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو بدون گناہ کئے
فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا
تو اٹھایا انہوں نے بوجھ جھوٹ کا اور صریح گناہ کا

بہتان تراش منافق:

یہ منافق تھے جو پیٹھ پیچھے بدگوئی کرتے رسول کی، یا آپ کی ازواج طاہرات پر جھوٹ طوفان اُٹھاتے جیسا کہ سورۂ نور میں گزر چکا۔ آگے بعض ایذاؤں کے انسداد کا بندوبست کیا گیا ہے جو مسلمان عورتوں کو اُن کی طرف سے پہنچتی تھیں۔ روایات میں ہے کہ مسلمان مستورات جب ضروریات کے لئے باہر نکلتیں، بدمعاش منافق تاک میں رہتے۔ اور چھیڑ چھاڑ کرتے پھر پکڑے جاتے تو کہتے ہم نے سمجھا نہیں تھا کہ کوئی شریف عورت ہے۔ لونڈی باندی سمجھ کر چھیڑ دیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ
اے نبی کہہ دے اپنی عورتوں کو اور اپنی بیٹیوں کو
وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ
اور مسلمانوں کی عورتوں کو نیچے لٹکا لیں اپنے اوپر
مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ
تھوڑی سی اپنی چادریں

پردہ کا حکم: یعنی بدن ڈھانپنے کے ساتھ چادر کا کچھ حصہ سر سے نیچے چہرہ پر بھی لٹکا لیویں۔ روایت میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر مسلمان عورتیں بدن اور چہرہ چھپا کر اس طرح نکلتی تھیں کہ صرف ایک آنکھ دیکھنے کے لئے کھلی رہتی تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ فتنہ کے وقت آزاد عورت کو چہرہ بھی چھپا لینا چاہیے۔ لونڈی باندیوں کو ضرورت شدیدہ کی وجہ سے اس کا مکلّف نہیں کیا۔ کیونکہ کاروبار میں حرج عظیم واقع ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ اے نبی آپ اپنی بیبیوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ نیچے کر لیا کریں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں۔

جلابیب جلباب کی جمع ہے جلباب اس چادر کو کہتے ہیں جس کو عورت دوپٹے اور کرتے کے اوپر سے لپیٹ لیتی ہے۔

عورت پردہ کر کے ضروری کام کیلئے گھر سے باہر جا سکتی ہے:

بخاری نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حکم حجاب کے بعد سودہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے نکلیں عورت ڈیل ڈول کی تھیں جو ان کو پہچانتا تھا اس کے لئے (باوجود چہرہ پوشیدہ ہونے کے) مخفی نہیں ہو سکتی تھیں چنانچہ عمر بن خطاب نے (ظاہری قد اور جسامت) دیکھتے ہی پہچان لیا اور آواز دے کر کہا سودہ تم کس طرح نکل رہی ہو اس کو دیکھ لو ہم سے خدا کی قسم تم چھپ نہیں سکتیں (ہم نے تمہیں پہچان لیا) سودہ فوراً لوٹ پڑیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت میرے گھر میں شام کا کھانا تناول فرما رہے تھے ہڈی ہاتھ میں تھی سودہ اندر آگئیں اور کہا یا رسول اللہ میں اپنے کسی کام سے باہر نکلی تھی عمر نے مجھے ایسا ایسا کہا۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہڈی موجود ہی تھی آپ نے اس کو ہاتھ سے رکھا بھی نہ تھا کہ وحی آنے لگی۔ وحی کے ختم ہونے کے بعد آپ نے فرمایا تم عورتوں کو اجازت دے دی گئی کہ تم باہر اپنے کام سے نکل سکتی ہو۔

میں کہتا ہوں، مراد یہ ہے کہ چادر اوڑھ کر نکل سکتی ہو۔

پردہ کا طریقہ:

حضرت ابن عباس اور حضرت ابو عبیدہ نے فرمایا، مسلمانوں کی عورتوں کو

حکم دیا گیا تھا کہ اپنے سروں اور چہروں کو چادروں سے ڈھانک کر نکلیں صرف ایک آنکھ کھلی رہے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ یہ آزاد بیبیاں ہیں باندیاں نہیں ہیں) مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ میں مِنْ تبعیضیہ ہے یعنی چادروں کا کچھ حصہ اپنے اوپر لٹکا لیں۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں:

اس آیت میں جو لفظ بناتک آیا ہے وہ صراحۃ اس پر دلالت کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد صاحبزادیاں تھیں مگر روافض خوافض۔ حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم کو اولاد رسول سے خارج سمجھتے ہیں اس لئے کہ ان کا نکاح حضرت عثمان سے ہوا تھا۔ ان کا یہ خیال سراپا اختلال صریح نص قرآنی کے خلاف ہے۔ (معارف کاندھلوی)

ضرورت کے مواقع میں جب عورت کو گھر سے باہر جانا پڑے تو اس وقت کسی برقع یا لمبی چادر کو سر سے پیر تک اوڑھ کر نکلنے کا حکم ہے، جس میں بدن کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو، یہ سورۂ احزاب کی اس آیت سے ثابت ہے جو آگے آرہی ہے يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنی ازواج مطہراتؓ اور بنات طاہرات کو اور عام مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیں کہ اپنی جلباب استعمال کریں جلباب اس لمبی چادر کو کہتے ہیں جس میں عورت سر سے پیر تک مستور ہوجائے۔ (روی ذلک عن ابن عباسؓ)

چادر اوڑھنے کی صورت:

ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے استعمال جلباب کی صورت یہ نقل کی ہے کہ عورت سر سے پاؤں تک اس میں لپٹی ہوئی ہو اور چہرہ اور ناک بھی اس سے مستور ہو، صرف ایک آنکھ راستہ دیکھنے کے لئے کھلی ہو، اس آیت کی پوری تفسیر آگے آتی ہے، یہاں صرف یہ بتلانا منظور ہے کہ ضرورت کے وقت جب عورت گھر سے نکلنے پر مجبور ہو تو اس کو پردہ کا یہ درجہ اختیار کرنا ضروری ہے کہ جلباب وغیرہ میں سر سے پاؤں تک مستور ہو اور چہرہ بھی بجز ایک آنکھ کے چھپا ہوا ہو۔

باہر نکلنے کیلئے پردہ کے علاوہ شرطیں:

یہ صورت بھی باتفاق فقہاء اُمت ضرورت کے وقت جائز ہے، مگر احادیث صحیحہ میں اس صورت کے اختیار کرنے پر بھی چند پابندیاں عائد کی ہیں، کہ خوشبو نہ لگائے ہوئے ہو بجنے والا کوئی زیور نہ پہنا ہو، راستہ کے کنارے پر چلے، مردوں کے ہجوم میں داخل نہ ہو وغیرہ۔

جوان عورت کا چہرہ اور ہتھیلی کی طرف دیکھنا ممنوع ہے:

حدیث میں حضرت فضل کو ایک عورت کی طرف دیکھتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے چہرے کو اپنے ہاتھ سے دوسری طرف پھیر دینا اس کی واضح دلیل ہے تو اس زمانہ فساد میں کون کہہ سکتا ہے کہ اس خطرے سے خالی ہے متاخرین فقہاء حنفیہ نے بھی بالآخر وہی حکم دے دیا جو ائمہ ثلاثہ نے دیا تھا کہ جوان عورت کے چہرے یا ہتھیلیوں کی طرف بھی نظر ممنوع ہے۔

پردہ کے دو درجے:

اس کا حاصل یہ ہوا کہ اب باتفاق ائمہ اربعہ یہ تیسرا درجہ پردہ کا ممنوع ہو گیا کہ عورت برقع چادر وغیرہ میں پورے بدن کو چھپا کر مگر صرف چہرہ اور ہتھیلیوں کو کھول کر مردوں کے سامنے آئے، اس لئے اب پردے کے صرف پہلے ہی دو درجے رہ گئے، ایک اصل مقصود یعنی عورتوں کا گھروں کے اندر رہنا بلا ضرورت باہر نہ نکلنا، اور دوسرا یعنی برقع وغیرہ کے ساتھ نکلنا ضرورت کی بناء پر بوقت ضرورت و بقدر ضرورت۔

مسئلہ: پردہ کے احکام مذکورہ میں بعض صورتیں مستثنیٰ بھی ہیں، مثلاً بعض مرد یعنی محارم پردہ سے مستثنیٰ ہیں اور بعض عورتیں مثلاً بہت بوڑھی وہ بھی پردے کے عام حکم سے کسی قدر مستثنیٰ ہیں، ان کی تفصیل کچھ تو سورۂ نور میں گزر چکی ہے کچھ آگے سورۂ احزاب کی ان آیات میں آئے گی جن میں یہ استثناء مذکور ہے۔

پردہ کے مسئلے کی اہمیت کے پیش نظر اپنے رسالہ تفصیل الخطاب فی احکام الحجاب کا کچھ خلاصہ یہاں لکھ دیا ہے جو عوام کے لئے کافی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ

اس میں بہت قریب ہے کہ پہچانی پڑیں تو کوئی اُن کو نہ ستائے

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

آزاد عورتوں کا امتیاز:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی پہچانی پڑیں کہ لونڈی نہیں بی بی ہے صاحب ناموس، بدذات نہیں نیک بخت ہے، تو بدنیت لوگ اُس سے نہ اُلجھیں۔ گھونگھٹ اُس کا نشان رکھ دیا۔ یہ حکم بہتری کا ہے۔ آگے فرمادیا اللہ ہے بخشنے والا مہربان یعنی باوجود اہتمام کے کچھ تقصیر رہ جائے تو اللہ کی مہربانی سے بخشش کی توقع ہے۔ (تکمیل) یہ تو آزاد عورتوں کے متعلق انتظام تھا کہ انہیں پہچان کر ہر ایک کا حوصلہ چھیڑنے کا نہ ہو۔ اور جھوٹے عذر کرنے کا موقع نہ رہے۔ آگے عام چھیڑ چھاڑ کی نسبت دھمکی دی ہے خواہ بی بی سے ہو یا لونڈی سے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا یعنی جو کچھ پہلے ہو چکا اللہ اس کو معاف کرنے والا ہے اور اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ بندوں کے مصالح کا لحاظ رکھتا ہے

یہاں تک کہ جزئی جزئی مسائل میں بھی بندوں کی مصلحتوں کی پاسداری کرتا ہے۔

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ ایک نقاب پوش باندی حضرت عمرؓ کی طرف سے گزری آپ نے اس کا پردہ اُٹھایا اور فرمایا کیا کمینی تو آزاد عورتوں جیسی بنتی ہے۔ پھر اس کا نقاب پھینک دیا۔ (تفسیر مظہری)

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
البتہ اگر باز نہ آئے منافق اور جن کے دل میں روگ ہے

یعنی جن کو بدنظری اور شہوت پرستی کا روگ لگا ہوا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ
اور جھوٹی خبریں اُڑانے والے مدینہ میں

منافقوں فتنہ پردازوں کو تنبیہ:

یہ غالباً یہود ہیں جو اکثر جھوٹی خبریں اُڑا کر اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کیا کرتے تھے اور ممکن ہے منافق ہی مُراد ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اگر منافق اپنے نفاق سے اور عورتوں کو چھیڑنے سے باز نہ آئے اور جن کے دلوں میں ضعف ایمان کی بیماری ہے وہ اپنے مذہبی عدم استقلال یا بدکاریوں سے باز نہ آئے اور مدینہ میں سنسنی پیدا کردینے والے اپنی سنسنی خیز جھوٹی خبروں کو پھیلانے سے باز نہ آئے۔ رجفۃ کا معنی زلزلہ اور حرکت کا شدید اضطراب جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوجی دستوں کو (اِدھر اُدھر قبائل میں) بھیجتے تھے تو کچھ منافق مدینہ میں جھوٹی خبریں پھیلاتے تھے کبھی کہتے جن لوگوں کو بھیجا گیا تھا وہ مارے گئے یا شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے، کبھی کہتے عنقریب دشمن مسلمانوں پر مدینہ میں حملہ کرنے والا ہے کلبی نے کہا وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں کوئی بری بات پھیل جائے وہ جھوٹی خبریں اڑاتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

منافقوں کی ایذائیں اور ان کا سدِّ باب:

منافقین کی طرف سے مسلمانوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو طرح کی ایذائیں پہنچتی تھیں ان دونوں ایذاؤں میں ایک یہ تھی کہ منافقین کے عوام اور آوارہ قسم کے لوگ مسلمانوں کی باندیوں کنیزوں کو جب وہ کام کاج کے لئے باہر نکلتیں چھیڑا کرتے تھے، اور کبھی کنیزوں کے شبہ میں حرائر کو ستاتے تھے، جس کی وجہ سے عام مسلمانوں کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچتی تھی۔

دوسری ایذاء یہ تھی کہ یہ لوگ ہمیشہ جھوٹی خبریں اڑاتے تھے کہ اب فلاں غنیم مدینہ پر چڑھائی کرنے والا ہے وہ سب کو ختم کردے گا، آیت مذکورہ میں پہلی ایذاء سے حرائر (آزاد، بیبیوں) کو بچانے کا فوری اور سہل انتظام یہ ہوسکتا تھا کہ ان کو یہ لوگ ان کے خاندان کی وجاہت اور حمایت کی وجہ سے بالقصد چھیڑنے کی جرأت نہ کرتے تھے، شریعت اسلام نے حرائر اور کنیزوں کے پردۂ شرعی میں بضرورت ایک فرق بھی رکھا ہے کہ کنیزوں کا شرعی پردہ وہ ہے جو حرائر کا اپنے محرموں کے سامنے ہوتا ہے کہ مثلاً چہرہ وغیرہ کھولنا جو حرائر کے لئے اپنے محرموں کے سامنے جائز ہے، کنیزوں کے لئے باہر بھی اس کی اجازت اس لئے دی گئی کہ ان کا کام ہی اپنے آقا اور اس کے گھر کی خدمت ہے جس میں اس کو باہر بھی بار بار نکلنا پڑتا ہے، اور چہرہ اور ہاتھ مستور رکھنا مشکل ہوتا ہے، بخلاف حرائر کے کہ ان کو کسی ضرورت سے باہر نکلنا بھی پڑے تو کبھی کبھی ہوگا جس میں پورے پردے کی رعایت مشکل نہیں، اس لئے حرائر کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ لمبی چادر جس میں مستور ہوکر نکلتی ہیں اس کو اپنے سر پر سے چہرے کے سامنے لٹکا لیا کریں تاکہ چہرہ اجنبی مردوں کے سامنے نہ آئے اس سے ان کا پردہ بھی مکمل ہوگیا، اور باندیوں کنیزوں سے امتیاز خاص بھی ہوگیا، کا انتظام ان منافقین کو سزا کی وعید سنا کر کیا گیا کہ اس سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں بھی اپنے نبی اور مسلمانوں کے ہاتھوں سزا دلوائیں گے، اور امام محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبیدہ سلمانیؒ سے اس آیت کا مطلب اور جلباب کی کیفیت دریافت کی تو انہوں نے سر کے اوپر سے چادر...... چہرہ پر لٹکا کر چہرہ چھپالیا، اور صرف بائیں آنکھ کھلی رکھ کر اَدْنَاء و جَلَابِیْب کی تفسیر عملاً بیان فرمائی۔ (معارف مفتی اعظم)

چنانچہ جس وقت سورۂ توبہ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کو مسجد میں جمع کرکے خطبہ دیا اور خطبہ کے بعد نام بنام فرمایا اے فلانے تو کھڑا ہو اور نکل جا۔ تو منافق ہے پھر ان منافقوں کے قرابت دار جو مؤمنین صالحین تھے اٹھے اور اُٹھ کر ان منافقین کو ذلت و خواری کے ساتھ مسجد سے نکال دیا۔ تفسیر قرطبی ص ۲۴۷ ج ۱۴ (معارف کاندھلوی)

لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا
تو ہم لگا دیں گے تجھ کو ان کے پیچھے پھر نہ رہنے پائیں گے تیرے ساتھ اس شہر میں مگر تھوڑے دن
مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا
پھٹکارے ہوئے جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور مارے گئے جان سے

فسادیوں کا قلع قمع:

یعنی اگر اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان پر مسلط کردیں گے تاچند روز میں ان کو مدینہ سے نکال باہر کریں، اور جتنے دن رہیں، ذلیل و مرعوب ہوکر رہیں چنانچہ یہود نکالے گئے اور منافقوں نے دھمکی سن کر شاید اپنا رویہ بدل دیا ہوگا اس لئے سزا سے بچے رہتے حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ جو لوگ بدنیت تھے مدینہ میں عورتوں کو چھیڑتے، ٹوکتے اور جھوٹی خبریں اُڑاتے،

مخالفوں کے زور اور مسلمانوں کے ضعف وشکست کی۔ اُن کو یہ فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ تو ہم ضرور آپ کو ان کے خلاف برانگیختہ کر دیں گے یعنی حکم دے دیں گے کہ آپ ان سے قتال کریں اور ان کو جلاوطن کر دیں یا ایسی بات کا حکم دے دیں گے جس کی وجہ سے وہ دیش بدر ہونے کی خواہش پر مجبور ہو جائیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے۔ (تفسیر مظہری)

کفار کے لئے قانون:

اول ان کو دعوتِ اسلام دی جائے ان کے شبہات دور کرنے کی کوشش کی جائے اس پر بھی وہ اسلام نہ لائیں تو مسلمانوں کے تابع ذمی بن کر رہنے کا حکم دیا جائے، اگر وہ اس کو قبول کر لیں تو ان کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت مسلمانوں ہی کی طرح فرض ہو جاتی ہے، ہاں جو اس کو بھی قبول نہ کریں اور جنگ ہی پر آمادہ ہو جائیں تو ان کے مقابلہ میں جنگ کرنے کا حکم ہے۔

منافق و مرتد کی سزا:

اس آیت میں ان لوگوں کو مطلقاً قید وقتل کی سزا سنائی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ معاملہ منافقین کا تھا جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے، اور جب کوئی مسلمان احکام اسلام کی کھلی مخالفت اور انکار کرنے لگے تو وہ اصطلاح شرع میں مرتد کہلاتا ہے، اس کے ساتھ شریعت اسلام میں کوئی مصالحت نہیں، بجز اس کے کہ وہ تائب ہو کر پھر مسلمان ہو جائے، اور احکام اسلام کو قولاً وعملاً تسلیم کر لے ورنہ پھر اس کو قتل کیا جائے گا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ارشادات اور صحابہؓ کرام کے اجماعی تعامل سے ثابت ہے، مسیلمہ کذاب اور اس کی جماعت کے خلاف باجماع صحابہ جنگ وجہاد اور مسیلمہ کا قتل اس کی کافی شہادت ہے، اور آخر آیت میں اس کو اللہ تعالیٰ کی قدیم سنت ودستور قرار دیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء سابقین کی شرائع میں بھی مرتد کی سزا قتل ہی تھی۔

ایذاء رساں افواہیں پھیلانا حرام ہے:

مسلمانوں میں ایسی افواہیں پھیلانا حرام ہے جن سے ان کو تشویش اور پریشانی ہو اور نقصان پہنچے۔ (معارف مفتی اعظم)

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ
دستور پڑا ہوا ہے اللہ کا اُن لوگوں میں پہلے ہو چکے ہیں
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا
اور تو نہ دیکھے گا اللہ کی چال بدلتی

اللہ تعالیٰ کا قانون:

یعنی عادت اللہ یہی رہی ہے کہ پیغمبروں کے مقابلہ میں جنہوں نے شرارتیں کیں اور فتنے فساد پھیلائے اسی طرح ذلیل وخوار، یا ہلاک کیے گئے۔ یا یہ مطلب ہے کہ پہلی کتابوں میں بھی یہ حکم ہوا ہے کہ مفسدوں کو اپنے درمیان سے نکال باہر کرو۔ جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ "تورات" سے نقل فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اقوام گذشتہ کا حال دیکھ لو:

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ اقوام گزشتہ میں اللہ نے (یہی) ضابطہ جاری کر دیا تھا۔ یعنی جو لوگ انبیاء سے منافقانہ سلوک کرتے تھے اور سنسنی خیز خبریں پھیلا کر انبیاء کے مشن کو کمزور کرنا چاہتے تھے ان کو قتل کرنے کا ضابطہ اللہ نے مقرر کر دیا تھا۔

دستورِ الٰہی اٹل ہے:

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا اور اللہ کے ضابطہ میں آپ ہرگز تبدیلی نہیں پائیں گے یعنی نہ وہ خود اپنا دستور بدلتا ہے اور نہ کسی میں طاقت ہے کہ اس کے ضابطے کو بدل دے۔ (تفسیر مظہری)

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا
لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں قیامت کو تو کہہ اُس کی خبر ہے
عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا
اللہ ہی کے پاس اور تو کیا جانے شاید وہ گھڑی پاس ہی ہو

قیام قیامت کا علم:

گو قیامت کے وقت کی ٹھیک تعیین کر کے اللہ نے کسی کو نہیں بتلایا۔ مگر یہاں اس کے قرب کی طرف اشارہ کر دیا۔ حدیث میں ہے کہ آپ نے شہادت کی اور بیچ کی انگلی اُٹھا کر فرمایا انا و الساعۃ کھاتین۔ (میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں) یعنی بیچ کی انگلی جس قدر آگے نکلی ہوئی ہے میں قیامت سے بس اتنا پہلے آگیا ہوں قیامت بہت قریب لگی چلی آ رہی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ شاید یہ بھی منافقوں نے ہٹ کھنڈا پکڑا ہوگا کہ جس چیز کا (دنیا میں کسی کے پاس) جواب نہیں وہ ہی بار بار سوال کریں۔ اس پر یہاں ذکر کر دیا۔ اور ممکن ہے پہلے جو فرمایا تھا لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا اس پر بطور تکذیب و استہزاء کے کہتے ہوں گے کہ وہ قیامت اور آخرت کب آئے گی جس کی دھمکیاں دی جاتی ہیں؟ آخر اس کا کچھ وقت تو بتاؤ۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ آپ کہہ دیجئے کہ قیامت (کی تعیین) کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ یعنی قیامت کا علم اللہ نے نہ کسی نبی کو عطا کیا نہ فرشتے

کو۔ (اُس کے سوا کسی کو معلوم نہیں) (تفسیر مظہری)

إِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا

بیشک اللہ نے پھٹکار دیا ہے منکروں کو اور رکھی ہے اُن کے واسطے دہکتی ہوئی آگ

ملعون گروہ کا عذاب:

اسی پھٹکار کا اثر ہے کہ لاطائل سوالات کرتے ہیں، انجام کی فکر نہیں کرتے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا

رہا کریں اس میں ہمیشہ نہ پائیں کوئی حمایتی اور نہ مددگار

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ

جس دن اوندھے ڈالے جائیں گے اُن کے منہ آگ میں

یعنی اوندھے منہ ڈال کر اُن کے چہروں کو آگ میں اُلٹ پلٹ کیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ جس روز کہ آگ کے اندر ان کے چہروں کو الٹ پلٹ کیا جائے گا۔ جیسا کہ گوشت کے بھونتے کے وقت کیا جاتا ہے۔ وجوہ (چہرے) سے مراد یا تو پورا جسم ہے (جزء بول کر کل مراد لیا گیا ہے) یا چہرہ کا خصوصیت سے ذکر اس لئے کیا ہے کہ جسم کے سارے اعضاء (ظاہری) میں چہرے کو اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا

کہیں گے کیا اچھا ہوتا جو ہم نے کہا مانا ہوتا اللہ کا اور کہا مانا ہوتا رسول کا

آخرت کی حسرت:

اُس وقت حسرت کریں گے کہ کاش ہم دنیا میں اللہ و رسول کے کہنے پر چلتے تو یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا

اور کہیں گے اے رب ہم نے کہا مانا اپنے سرداروں کا اور اپنے بڑوں کا

فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿۶۷﴾ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ

پھر انہوں نے چوکا دیا ہم کو راہ سے اے رب اُن کو دے دونا

مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا

عذاب اور پھٹکار اُن پر بڑی پھٹکار

یہ شدت غیظ سے کہیں گے کہ ہمارے ان دنیوی سرداروں اور مذہبی پیشواؤں نے دھوکے دے کر جھوٹ فریب کہہ کر اس مصیبت میں پھنسوایا۔ ان ہی کے اغواء پر ہم راہِ حق سے بھٹکے رہے۔ اگر ہمیں سزا دی جاتی ہے تو ان کو دوگنی سزا دیجئے۔ اور جو پھٹکار ہم پر ہے اس سے بڑی پھٹکار ان بڑوں پر پڑنی چاہئے۔ گویا اُن کو دوگنی سزا دلوا کر اپنا دل ٹھنڈا کرنا چاہیں گے۔ اسی مضمون کی ایک آیت سورۃ اعراف کے چوتھے رکوع میں گزر چکی ہے۔ وہیں اُن کی اس فریاد کو جواب بھی دیا گیا ہے۔ ملاحظہ کر لیا جائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى

اے ایمان والو تم مت ہو اُن جیسے جنہوں نے ستایا موسیٰ کو

فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۭ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا

پھر بے عیب دکھلا دیا اُس کو اللہ نے اُن کے کہنے سے اور تھا اللہ کے یہاں آبرو والا

بنی اسرائیل کی طرح نہ بنو:

یعنی تم ایسا کوئی کام یا کوئی بات نہ کرنا جس سے تمہارے نبی کو ایذاء پہنچے۔ نبی کا تو کچھ نہیں بگڑے گا، کیونکہ اللہ کے ہاں اُن کی بڑی آبرو ہے وہ سب اذیت دہ باتوں کو رد کر دے گا ہاں تمہاری عاقبت خراب ہوگی۔ دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت لوگوں نے کیسی اذیت دہ باتیں کیں مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کی وجاہت و مقبولیت کی وجہ سے سب کا ابطال فرما دیا اور موسیٰ کا بے خطا اور بے داغ ہونا ثابت کر دیا۔ روایات میں ہے کہ بعض مفسد حضرت موسیٰ کو تہمت لگانے لگے کہ حضرت ہارون کو جنگل میں لے جا کر قتل کر آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک خارق عادت طریقہ سے اُس کی تردید کر دی۔ اور صحیحین میں ہے کہ حضرت موسیٰ حیا کی وجہ سے (ابنائے زمانہ کے دستور کے خلاف) چھپ کر غسل کرتے تھے، لوگوں نے کہا کہ ان کے بدن میں کچھ عیب ہے، برص کا داغ یا خصیہ پھولا ہوا۔ ایک روز حضرت موسیٰ اکیلے نہانے لگے۔ کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے وہ پتھر کپڑے لے کر بھاگا۔ حضرت موسیٰ عصا لے کر اُس کے پیچھے دوڑے، جہاں سب لوگ دیکھتے تھے پتھر کھڑا ہو گیا سب نے برہنہ دیکھ کر معلوم کر لیا کہ بے عیب ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے "پوشاند لباس ہر کرا عیبے دید بے عیباں را لباس عُریانی داد" بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ قارون نے ایک عورت کو کچھ دے دلا کر مجمع میں کہلا دیا کہ موسیٰ علیہ السلام (العیاذ باللہ) اس کے ساتھ مبتلا ہیں حق تعالیٰ نے آخر کار قارون کو زمین میں دھنسا دیا اور اسی عورت کی زبان سے اس تہمت کی تردید کرائی۔ جیسا کہ سورۃ قصص میں گزرا۔

(تنبیہ) موسیٰ علیہ السلام کا پتھر کے تعاقب میں برہنہ چلے جانا مجبوری

کی وجہ سے تھا اور شاید یہ خیال بھی نہ ہوا کہ پتھر مجمع میں لے جا کر کھڑا کر دے گا۔ رہی پتھر کی یہ حرکت وہ بطور خرق عادت تھی۔ خوارق عادات پر ہم نے ایک مستقل مضمون لکھا ہے اُسے پڑھ لینے کے بعد اس قسم کی جزئیات میں اُلجھنے کی ضرورت نہیں رہتی بہرحال اس واقع سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں انبیاء علیہم السلام کو جسمانی و روحانی عیوب سے پاک ثابت کرنے کا کس قدر اہتمام تا کہ لوگوں کے دلوں میں اُن کی طرف سے تنفر اور استخفاف کے جذبات پیدا ہو کر قبول حق میں رُکاوٹ نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ: جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی طرح کی ایذاء پہنچائے آپ کی ذات یا صفات میں کوئی عیب نکالے خواہ صراحۃً ہو یا کنایۃً وہ کافر ہو گیا، اور اس آیت کی رُو سے اُس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت دنیا میں بھی ہو گی اور آخرت میں بھی۔ (کذا قال القاضی ثناء اللہ فی التفسیر المظہری)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کی شرارتیں:

حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، موسیٰ بڑے حیادار شریف النفس اور اپنے (اندرونی) جسم کو چھپانے والے تھے انتہائی شرم کی وجہ سے وہ اپنی (اندرونی) جلد بھی ظاہر نہیں کرتے تھے بنی اسرائیل میں سے بعض لوگوں نے کہا موسیٰ جو اتنا اپنے بدن کو چھپائے چھپائے رکھتے ہیں ضرور ان کو کوئی جلدی اندرونی بیماری ہو یا برص ہے یا خصوں میں پانی آ گیا ہے یا کوئی اور مرض ہے اللہ نے موسیٰ کو اس غلط بات سے پاک ظاہر کرنا چاہا جس کی صورت یہ ہوئی کہ ایک روز غسل کرنے کے لئے موسیٰ نے تنہائی میں کپڑے اُتار کر ایک پتھر پر رکھے پھر غسل کیا، غسل کے بعد جب کپڑے لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگا آپ اپنی لاٹھی لے کر پتھر کے تعاقب میں دوڑے اور کہنے لگے پتھر میرے کپڑے۔ پتھر میرے کپڑے۔ آخر پتھر بنی اسرائیل کی ایک جماعت تک پہنچ کر ٹھہر گیا لوگوں نے آپ کو برہنہ دیکھ لیا آپ کا اندرونی بدن بہت خوبصورت اور بے عیب پایا اس طرح اللہ نے ان لوگوں کی (بدگمانی سے) موسیٰ کی برأت ظاہر کر دی۔ موسیٰ نے کپڑے لے کر پہن لئے اور لاٹھی سے پتھر کو مارنے لگے۔ خدا کی قسم موسیٰ کی لاٹھی کی ضرب سے پتھر پر تین چار یا پانچ نشان پڑ گئے، آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا سے یہی مراد ہے۔ رواہ البخاری والترمذی واحمد وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابن مردویہ وعبدالرزاق وعبد بن حمید۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر زناء کی تہمت:

ابوالعالیہ نے کہا آیت مذکورہ میں قارون کے قصہ کی طرف اشارہ ہے، قارون نے ایک عورت کو اجرت دے کر اس بات کے لئے مقرر کیا کہ وہ برسر عام مجمع کے سامنے موسیٰ علیہ السلام پر اپنے ساتھ زنا کرنے کی تہمت لگائے لیکن اللہ نے اس تہمت سے موسیٰ کو محفوظ رکھا اور ان کی تہمت تراشی سے آپ کو بچا لیا، اور قارون کو ہلاک کر دیا۔ سورۂ قصص میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر قتل کی تہمت:

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ موسیٰ کو اذیت دینے سے یہ مراد ہے کہ حضرت ہارون نے تیہ میں جب وفات پائی تو لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام پر تہمت لگائی کہ آپ نے ہارون کو قتل کیا ہے اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا فرشتے حضرت ہارون کا جنازہ لے کر بنی اسرائیل کے سامنے لائے اس وقت لوگوں کو یقین آیا کہ موسیٰ نے ہارون کو قتل نہیں کیا ہے۔

اخرجہ ابن منیع وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابن مردویۃ والحاکم عن ابن عباس عن علی بن ابی طالب۔ کرم اللہ وجہہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک گرانی:

بخاری نے حضرت عبداللہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مال لوگوں کو تقسیم کیا ایک شخص کہنے لگا یہ تقسیم لوجہ اللہ نہیں ہوئی۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس بات کی اطلاع پہنچا دی۔ سنتے ہی حضور گرامی صلی اللہ علیہ وسلم اتنے ناراض ہوئے کہ غصہ کی علامت چہرہ مبارک پر نمودار ہو گئی، پھر فرمایا، اللہ موسیٰ علیہ السلام پر اپنی رحمت فرمائے ان کو اس سے زیادہ ایذاء پہنچائی گئی اور انہوں نے صبر کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجاہت:

وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا اور موسیٰ اللہ کے نزدیک آبرو والے تھے۔

وجاہت آبرو۔ وجیہ آبرودار (منہ والا) حضرت ابن عباس نے فرمایا، حضرت موسیٰ اللہ کے نزدیک اس مقام پر تھے کہ جو مانگتے تھے اللہ عطا فرما دیتا تھا، کذا قال الحسن۔ بعض نے کہا وجیہہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ اللہ کے محبوب اور مقبول بارگاہ تھے۔ (تفسیر مظہری)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ﴿۷۰﴾
اے ایمان والو　ڈرتے رہو اللہ سے　اور کہو بات سیدھی
یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ
کہ سنوار دے تمہارے واسطے تمہارے کام اور بخش دے تم کو تمہارے گناہ
وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ﴿۷۱﴾
اور جو کوئی کہنے پر چلا اللہ کے اور اس کے رسول کے اس نے پائی بڑی مراد

سیدھی بات کہو:

یعنی اللہ سے ڈر کر درست اور سیدھی بات کہنے والے کو بہترین اور مقبول اعمال کی توفیق ملتی ہے اور تقصیرات معاف کی جاتی ہیں حقیقت میں اللہ ورسول کی اطاعت ہی میں حقیقی کامیابی کا راز چھپا ہوا ہے جس نے یہ راستہ اختیار کیا مراد کو پہنچ گیا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

ہم نے دکھلائی امانت آسمانوں کو اور زمین کو

وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا

اور پہاڑوں کو پھر کسی نے قبول نہ کیا کہ اس کو اٹھائیں اور اس سے ڈر گئے

وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝۷۲

اور اٹھا لیا اس کو انسان نے یہ ہے بڑا بے ترس نادان

انسان کی عظیم ذمہ داری:

یعنی ستم کر دیئے، جو بوجھ آسمان، زمین اور پہاڑوں سے نہ اُٹھ سکتا تھا اس نادان نے اپنے نازک کندھوں پر اُٹھا لیا آسماں بار امانت نتوانست کشید قرعہ فال بنام من دیوانہ زوند۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ ''یعنی اپنی جان پر ترس نہ کھایا۔ امانت کیا ہے؟ پرائی چیز رکھنی اپنی خواہش کو روک کر۔ آسمان و زمین وغیرہ میں اپنی خواہش کچھ نہیں، یا ہے تو وہی ہے جس پر قائم ہیں۔ انسان میں خواہش اور ہے اور حکم خلاف اُس کے۔ اُس پرائی چیز (یعنی حکم) کو برخلاف اپنے جی کے تھامنا بڑا زور چاہتا ہے۔ اُس کا انجام یہ ہے کہ منکروں کو قصور پر پکڑا جائے اور ماننے والوں کا قصور معاف کیا جائے۔ اب بھی یہی حکم ہے کسی کی امانت کوئی جان کر ضائع کر دے تو بدلہ (ضمان) دینا پڑے گا اور بے اختیار ضائع ہو جائے تو بدلہ نہیں۔ (موضح) اصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی ایک خاص امانت مخلوق کی کسی نوع میں رکھنے کا ارادہ کیا جو اس امانت کو اگر چاہے تو اپنی سعی وکسب اور قوت بازو سے محفوظ رکھ سکے اور ترقی دے سکے۔ تا اس سلسلہ میں اللہ کی ہر قسم کی شئون وصفات کا ظہور ہو مثلاً اس نوع کے جو افراد امانت کو پوری طرح محفوظ رکھیں اور ترقی دیں اُن پر انعام و اکرام کیا جائے۔ جو غفلت یا شرارت سے ضائع کر دیں اُن کو سزا دی جائے او رجو لوگ اس بارہ میں قدرے کوتاہی کریں اُن سے عفو ودرگزر کا معاملہ ہو۔ میرے خیال میں یہ امانت ایمان وہدایت کا ایک تخم ہے جو قلوب بنی آدم میں بکھیرا گیا۔ جس کو مابہ التکلیف بھی کہہ سکتے ہیں۔ لا ایمان لمن لا امانۃ لہٗ اسی کی نگہداشت اور تردد کرنے سے ایمان کا درخت اُگتا ہے گویا بنی آدم کے قلوب اللہ کی زمینیں ہیں، بیج بھی اُسی نے ڈال دیا ہے۔ بارش برسانے کے لئے رحمت کے بادل بھی اُس نے بھیجے جن کے سینوں سے وحی الٰہی کی بارش ہوئی۔ آدمی کا فرض یہ ہے کہ ایمان کے اس بیج کو جو امانت الٰہیہ ہے ضائع نہ ہونے دے بلکہ پوری سعی و جہد اور تردد وتفقد سے اُس کی پرورش کرے مبادا غلطی یا غفلت سے، بجائے درخت اُگنے کے بیج بھی سوخت ہو جائے اسی کی طرف اشارہ ہے۔ حذیفہؓ کی اس حدیث میں اِنَّ الْاَمَانَةَ نَزَلَتْ مِنَ السَّمَاءِ فِیْ جِذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ ثُمَّ عَلِمُوْا مِنَ الْقُرْاٰنِ (الحدیث) یہ امانت وہی تخم ہدایت ہے جو اللہ کی طرف سے قلوب رجال میں تہ نشین کیا گیا۔ پھر علوم قرآن وسنت کی بارش ہوئی جس سے اگر ٹھیک طور پر انتفاع کیا جائے تو ایمان کا پودا اُگے، بڑھے، پھولے، پھلے اور آدمی کو اُس کے ثمرہ شیریں سے لذت اندوز ہونے کا موقع ملے۔ اگر انتفاع میں کوتاہی کی جائے تو اُسی قدر درخت کے اُبھرنے اور پھولنے پھلنے میں نقصان رہے یا بالکل غفلت برتی جائے تو سرے سے تخم بھی برباد ہو جائے۔ یہ امانت تھی جو اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان و پہاڑوں کو دکھلائی۔ مگر کس میں استعداد تھی جو اس امانت عظیمہ کو اُٹھانے کا حوصلہ کرتا ہر ایک نے بلسانِ حال یا بزبانِ قال ناقابل برداشت ذمہ داریوں سے ڈر کر انکار کر دیا کہ ہم سے یہ بار نہ اُٹھ سکے گا۔ خود سوچ لو کہ بجز انسان کے کون سی مخلوق ہے جو اپنے کسب ومحنت سے اس تخم ایمان کی حفاظت و پرورش کر کے ایمان کا شجر بار آور حاصل کر سکے۔ فی الحقیقت عظیم الشان امانت کا حق ادا کر سکنا اور ایک افتادہ زمین کو جس میں مالک نے تخم ریزی کر دی تھی خون پسینہ ایک کر کے باغ وبہار بنا لینا اسی ظلوم و جہول انسان کا حصہ ہو سکتا ہے جس کے پاس زمین قابل موجود ہے اور محنت و تردد کر کے کسی چیز کو بڑھانے کی قدرت اللہ تعالیٰ نے اُس کو عطا فرمائی ہے۔ ظلوم وجہول۔ ظالم وجاہل کا مبالغہ ہے۔ ظالم و جاہل وہ کہلاتا ہے جو بالفعل عدل اور علم سے خالی ہو مگر استعداد وصلاحیت ان صفات کے حصول کی رکھتا ہو۔ پس جو مخلوق بدر فطرت سے علم وعدل کے ساتھ متصف ہے اور ایک لمحہ کے لئے بھی یہ اوصاف اُس سے جدا نہیں ہوئے مثلاً ملائکۃ اللہ یا جو مخلوق ان چیزوں کے حاصل کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی (مثلاً) زمین وآسمان پہاڑ وغیرہ) ظاہر ہے کہ دونوں اس امانت الٰہیہ کے حامل نہیں بن سکتے۔ بیشک انسان کے سوا جن ایک نوع ہے جس میں فی الجملہ استعداد اس کے تحمل کی پائی جاتی ہے اور اسی لئے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ میں دونوں کو جمع کیا گیا۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ ادائے حق امانت کی استعداد اُن میں اتنی ضعیف تھی کہ حمل امانت کے مقام میں چنداں قابل ذکر اور درخور اعتناء نہیں سمجھے گئے۔ گویا وہ اس معاملہ میں انسان کے تابع قرار دیئے گئے جن کا نام مستقل طور پر لینے کی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت آدمؑ پر اطاعت کی پیشکش:

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ "امانت" سے مراد یہاں اطاعت ہے اسے حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کرنے سے پہلے زمین و آسمان اور پہاڑوں پر پیش کی۔ لیکن وہ بار امانت نہ اُٹھا سکے اور اپنی مجبوری اور معذوری کا اظہار کیا۔ جناب باری عز اسمہ نے اسے اب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پیش کی کہ یہ سب تو انکاری ہیں تم کہو۔ آپ نے پوچھا خدایا اس میں بات کیا ہے؟ فرمایا اگر بجالاؤ گے تو ثواب پاؤ گے اور بُرائی کی سزا پاؤ گے۔ آپ نے فرمایا میں تیار ہوں۔

زمین و آسمان کی حالت:

آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ امانت سے مراد فرائض ہیں دوسروں پر جو پیش کیا تھا یہ بطور حکم کے نہ تھا بلکہ جواب طلب کیا تھا تو ان کا انکار اور اظہار مجبوری گناہ نہ تھی بلکہ اُس میں ایک قسم کی تعظیم تھی کہ باوجود پوری طاقت کے خدا کے خوف سے تھرا اُٹھے کہ کہیں پوری اَدائیگی نہ ہو سکے اور مارے نہ جائیں لیکن انسان جو کہ بھولا تھا اس نے اس بار امانت کو خوشی خوشی اُٹھالیا۔

انسان کی خطاء:

آپ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ عصر کے قریب یہ امانت اُٹھائی تھی اور مغرب سے پہلے ہی خطا سرزد ہوگئی۔

امانت کی متنوع ذمہ داریاں:

حضرت اُبی کا بیان ہے کہ عورت کی پاکدامنی بھی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے قتادہؒ کا قول ہے دین فرائض حدود سب اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں۔ جنابت کا غسل بھی بقول بعض امانت ہے۔

ذمہ داری کی اہمیت:

امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں خیال کرو آسمان باوجود اس پختگی اور زینت اور نیک فرشتوں کا مسکن ہونے کے خدا کی امانت برداشت نہ کر سکا جب اس لئے یہ معلوم کرلیا کہ بجا آوری اگر نہ ہوئی تو عذاب ہوگا۔ زمین باوجود صلابت اور سختی کے لمبائی اور چوڑائی کے ڈر گئی اور اپنی عاجزی ظاہر کرنے لگی۔ پہاڑ باوجود اپنی بلندی اور طاقت اور سختی کے اس سے کانپ گئے اور اپنی لاچاری ظاہر کرنے لگے۔

امانت کے اٹھ جانے کا اندیشہ:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے دو حدیثیں سُنیں ہیں، ایک کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور دوسری کے ظہور کا انتظار ہے، ایک تو یہ کہ آپ نے فرمایا، امانت لوگوں کی جبلت میں اتاری گئی، پھر قرآن اترا حدیثیں بیان ہوئیں پھر آپ نے امانت کے اُٹھ جانے کی بابت فرمایا۔ انسان سوئے گا جو اس کے دل سے امانت اُٹھ جائے گی اور ایسا نشان رہ جائے گا جیسے کسی کے پیر پر کوئی انگارہ لُڑھک کر آ گیا ہو اور پھپولا پڑ گیا ہو کہ اُبھرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اندر کچھ بھی نہیں۔ پھر آپ نے ایک کنکر لے کر اسے اپنے پیر پر لُڑھکا کر دکھا دیا کہ اس طرح لوگ لین دین خرید و فروخت کیا کریں گے۔ لیکن تقریباً ایک بھی ایماندار نہ ہوگا یہاں تک کہ مشہور ہو جائے گا کہ فلاں قبیلے میں کوئی امانت دار ہے اور یہاں تک کہ کہا جائے گا یہ شخص کیسا عقلمند کس قدر زیرک دانا اور فراست والا ہے حالانکہ اس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی ایمان نہ ہوگا۔

چار بنیادی اوصاف:

مسند احمد میں فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ چار باتیں جب تجھ میں ہوں پھر اگر ساری دنیا بھی فوت ہو جائے تو تجھے نقصان نہیں، امانت کی حفاظت، بات چیت کی صداقت، حسن اخلاق اور وجہ حلال کی روزی۔ (تفسیر ابن کثیر)

صحیحین بخاری و مسلم اور مسند احمد میں حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو حدیثیں سنائی تھیں، ان میں سے ایک کو تو ہم نے خود آنکھوں سے دیکھ لیا، دوسری کا انتظار ہے۔

پہلی حدیث یہ ہے کہ اول رجال دین کے قلوب میں امانت نازل کی گئی، پھر قرآن اتارا گیا، تو اہل ایمان نے قرآن سے علم حاصل اور سنت سے عمل حاصل کیا۔

اس کے بعد دوسری حدیث یہ سنائی کہ (ایک وقت ایسا آنے والا ہے جس میں) آدمی سو کر اُٹھے گا تو اس کے قلب سے امانت سب کر لی جائے گی اور اس کا کچھ اثر و نشان ایسا رہ جائے گا جیسے تم کوئی آگ کا انگارہ اپنے پاؤں پر لڑھکا دو (وہ انگارہ تو چلا گیا مگر) اس کا اثر پاؤں پر ورم یا چھالے کی صورت میں رہ گیا حالانکہ اس میں آگ کا کوئی جز نہیں (الی قولہ) یہاں تک کہ لوگ باہم معاملات اور معاہدات کریں گے، مگر کوئی امانت کا حق ادا نہ کرے گا اور (امانتدار آدمی کا ایسا قحط ہو جائے گا کہ) لوگ یہ کہا کریں گے کہ فلاں قبیلہ میں ایک آدمی امانتدار ہے۔

امانت داری دل کی صفت ہے:

اس حدیث میں امانت ایک ایسی چیز کو قرار دیا ہے جس کا تعلق انسان کے قلب سے ہے، اور وہی تکالیف شرعیہ اور وظائف دینیہ کے مکلف ہونے کی صلاحیت و استعداد رکھتا ہے

قرب و رضائے الٰہی کا شوق:

اور تفسیر قرطبی میں حکیم ترمذی کے حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ کی یہ

روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (آسمان زمین وغیرہ پر عرض امانت اور ان کے جواب کے بعد) حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خطاب فرمایا اور فرمایا کہ ہم نے اپنی امانت آسمان زمین کے سامنے پیش کی تو وہ اس کا بار اٹھانے سے عاجز ہوگئے۔ تو آپ اس بار امانت کو اٹھائیں گے مع اس چیز کے جو اس کے ساتھ ہے، آدم علیہ السلام نے سوال کیا کہ اے پروردگار وہ چیز جو اس کے ساتھ ہے کیا ہے؟ جواب ملا کہ اگر حمل امانت میں پورے اُترے (یعنی اطاعت مکمل کی) تو آپ کو جزاء ملے گی، (جو اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا اور جنت کی دائمی نعمتوں کی صورت میں ہوگی) اور اگر اس امانت کو ضائع کیا تو سزا ملے گی، آدم علیہ السلام نے (اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا میں ترقی ہونے کے شوق میں) اس کو اٹھالیا، یہاں تک کہ بار امانت اُٹھانے پر اتنا وقت بھی نہ گزرا تھا جتنا ظہر سے عصر تک ہوتا ہے کہ اس میں شیطان نے ان کو مشہور لغزش میں مبتلا کر دیا، اور جنت سے نکالے گئے۔

عرض امانت کا وقت:

اور ظاہر یہ ہے کہ یہ عرضِ امانت کا واقعہ میثاق ازل یعنی عہد اَلَسْتُ سے پہلے کا ہے کیونکہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ اسی بار امانت کی پہلی کڑی اور اپنے منصب کا حلف اُٹھانے کے قائم مقام ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

کردہ بار امانت راقبول از کشیدن پس نباید شد ملول

ادائے امانت فرض ہے:

امانت کا صاحب امانت کو ادا کرنا اور صحیح سالم اس تک پہنچا دینا فرض اور واجب ہے۔

آیت امانت کی شیعی تفسیر:

تفسیر قمی میں جو تفسیر اہل بیت کے نام سے مشہور ہے اس میں اس آیت کی عجیب و غریب تفسیر کی ہے وہ یہ کہ امانت سے مراد امانت اور خلافت ہے اور انسان سے ابوبکر مراد ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا مگر سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا لیکن ابوبکر بڑا ظلوم و جہول تھا اس نے اُٹھالیا اہل عقل سمجھ سکتے ہیں کہ یہ تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے بالفرض والتقدیر اگر یہ تفسیر ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آفرینش عالم سے پہلے سب کون و مکان حتیٰ کہ حضرت علی بھی خلافت سے دستبردار ہو چکے تھے ان سب کی دستبرداری کے بعد اللہ نے خلافت ابوبکر پر پیش کی جس کو ابوبکر نے اُٹھالیا اور اُٹھا کر اپنی ہی جان پر ظلم کیا نہ کہ حضرت علی پر اور ابوبکر کو جو خلافت ملی وہ مغصوبہ نہ تھی۔ بلکہ خدا کی پیش کردہ تھی۔ خدا کی طرف سے ان کو یہ خلافت ملی تھی جس سے حضرت علی اپنی پیدائش سے پہلے ہی بصد رضا و رغبت دستبردار ہو چکے تھے۔ شیعوں کی یہ تحریف تو اہل سنت کو مفید ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا ارشاد:

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں کہ علماء محققین کا قول یہ ہے کہ اس آیت میں امانت سے تکلیف شرعی مراد ہے اور تکلیف کے معنی تحصیل الاعمال بالاختیار ہیں یعنی اپنے ارادہ اور اختیار سے احکام شریعت کو بجا لانا کیونکہ مطلق عبادت اور اطاعت سے کوئی شے خالی نہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد:

سید الطائفہ جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ آدم کی نظر خدا تعالیٰ کے پیش کرنے پر تھی کہ خدا تعالیٰ پیش کر رہا ہے امانت کے ثقل پر اس کی نظر نہ تھی حق تعالیٰ کے پیش کرنے کی لذت نے امانت کا بوجھ بھلا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لطف ربانی بزبان عنایت بول اُٹھا کہ اے آدم امانت کا اٹھانا تیری طرف سے ہے اور نگہبانی میری طرف سے ہے چونکہ تو نے خوشی سے میری امانت کو اٹھالیا تو میں نے بھی تجھے اٹھالیا۔

راہ اورابدو توان پیبود بار اور ابد و توان برداشت

(معارف کاندھلوی)

امانت کے متعلق علماء کے اقوال:

حضرت ابن مسعود نے فرمایا امانت سے مراد ہے نماز ادا کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے، بیت اللہ کا حج، صدق مقال، ناپ تول میں انصاف اور ان سب سے زیادہ سخت امانتوں کی حفاظت۔

زید بن اسلم نے کہا امانت سے مراد ہے روزہ، غسل، جنابت اور اندرونی شرائع (جیسے حسد نہ کرنا، دل میں مسلمان سے عداوت نہ کرنا، حب جاہ و مال نہ رکھنا وغیرہ تمام اخلاق باطنہ) یعنی جن میں ریاکاری کا کوئی دخل نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نے فرمایا انسانی جسم میں سب سے پہلے شرمگاہ بنائی اور فرمایا یہ امانت ہے بطور ودیعت میں تیرے سپرد کرتا ہوں۔ کان بھی امانت ہے، آنکھ بھی امانت ہے اور جس میں امانت (کی پاسداری) نہیں اس کے پاس ایمان نہیں۔

بعض اہل علم نے کہا امانت سے مراد ہیں لوگوں کی باہمی امانتیں اور ایفاء وعدہ۔ ہر مومن پر حق ہے کہ دوسرے مومن یا معاہد کے ساتھ دھوکہ نہ کرے نہ چھوٹے معاملہ میں نہ بڑے معاملہ میں بغوی نے لکھا ہے اللہ نے زمین و آسمان سے فرمایا تھا کیا تم بار امانت کو مع ان کے لوازم کے اٹھاتے ہو۔ آسمان و زمین نے کہا لوازم امانت کیا ہے۔ اللہ نے فرمایا اگر تعمیل کرو گے تو تم کو اچھا بدلہ دیا جائے گا اگر نافرمانی کرو گے تو سزا پاؤ گے۔ آسمان و زمین نے

عرض کیا • ان لوازم کے ساتھ ہم برداشت (نہیں کر سکتے) اے رب ہم تیرے حکم کے پابند ہیں نہ ثواب چاہتے ہیں نہ عذاب۔ آسمان و زمین نے یہ بات (نافرمانی کے) خوف اور دین خداوندی کی تعظیم کی وجہ سے کہی ان کو ڈر ہوا کہ دین خداوندی کا حق ہم سے ادا نہ ہو سکے گا (تو عذاب میں مبتلا ہوں گے) یہ مطلب نہیں کہ اللہ نے بارِ امانت اٹھانے کا حکم ان کو دیا تھا اور انہوں نے سرتابی کی اللہ کی طرف عرض امانت کی برداشت اختیاری تھی لازمی نہیں تھی اگر لازمی ہوتی تو آسمان و زمین ضرور اس بار کو اٹھاتے۔

بیضاوی نے لکھا ہے شاید امانت سے عقل یا تکلیف شرعی مراد ہے۔ عقل قوتِ غضبیہ و شہوانیہ کی نگراں ہے۔ دونوں کو حدود شرعیہ سے آگے بڑھنے اور تجاوز کرنے سے روکتی ہے۔ شرعی احکام کا اصل مقصد ہی غضبیہ اور شہوانیہ قوتوں کو اعتدال پر لانا ہے۔ اسی تشریح کی بناء پر بیضاوی نے لکھا ہے کہ سابق آیت میں جو اطاعت کی عظمتِ شان کو ظاہر کیا تھا اس کی اس آیت سے تائید ہو رہی ہے۔ طاعت کو امانت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ امانت واجب الرد ہوتی ہے۔ طاعت کا ادا کرنا بھی امانت کی طرح واجب ہے آیت کا مطلب اس صورت میں یہ ہوگا کہ طاعت الٰہیہ اتنا بارِ ثقیل ہے کہ اگر آسمان و زمین اور پہاڑوں سے اس کو برداشت کرنے کی پیش کش کی جاتی تو وہ بھی اس بار کو اٹھانے سے انکار کر دیتے اور ڈر جاتے لیکن انسان نے اپنی جسمانی ساخت کی کمزوری اور طاقت کی کمی کے سبب اس کو اٹھا لیا لامحالہ جو شخص حقوق امانت پورے پورے ادا کرے گا اور برداشت امانت کو ہر وقت پیش نظر رکھے گا وہ ضرور کامیاب ہوگا اور اس کو فلاح دارین حاصل ہوگی۔

بعض لوگوں نے کہا کہ اجرام علویہ و سفلیہ پیدا کر کے اللہ نے ان کے اندر سمجھ بھی پیدا کر دی تھی اور فرمایا تھا میں نے ایک فریضہ لازم کیا ہے جو میری اطاعت کرے گا اس کے لئے میں نے جنت پیدا کر دی ہے اور جو نافرمانی کرے گا اس کے لئے دوزخ بنا دی ہے۔ اجرام مذکورہ نے جواب دیا تو نے جیسا ہم کو پیدا کیا ہے ہم (بالاضطرار) اس کے پابند ہیں کسی (اختیاری) فریضہ کو برداشت نہیں کر سکتے اور ثواب نہیں چاہتے لیکن آدم کو پیدا کر کے بارِ فریضہ کی پیش کش کی تو انہوں نے اٹھا لیا کیوں کہ وہ یہ بارِ گراں اپنے نفس پر ڈال کر خود اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے اور انجام کی خرابی سے ناواقف تھے۔

ابن ابی حاتم نے مجاہد کا یہی تفسیری قول نقل کیا ہے اس روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ بارِ امانت کو اٹھانے اور جنت سے نکالے جانے کے درمیان بس اتنی ہی مدت ہوئی جتنی ظہر و عصر کے درمیان ہوتی ہے۔

جمادات کا اللہ تعالیٰ سے معاملہ:

بعض اہل علم نے کہا جمادات ہمارے لحاظ سے بے عقل ہیں۔ ہماری بات نہیں سمجھتے لیکن اللہ کے فرمان کو سمجھتے ہیں اور سمجھ کر اطاعت کرتے ہیں اور سربسجود ہو جاتے ہیں اللہ نے آسمان و زمین سے فرمایا ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا دونوں نے جواب دیا أَتَيْنَا طَائِعِينَ دوسری آیات ہیں وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ کچھ پتھروں سے دریا پھوٹ کر نکلتے ہیں اور کچھ پتھر اللہ کے خوف سے نیچے کو گرتے ہیں۔ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ۔

حضرت آدم علیہ السلام:

بعض علماء نے لکھا ہے حَمَلَهَا الْإِنْسَانُ میں الْإِنْسَانُ سے مراد حضرت آدم ہیں۔ اللہ نے آدمؑ سے فرمایا تھا کہ میں نے یہ امانت آسمان زمین اور پہاڑوں کے سامنے رکھی لیکن سب نے اٹھانے سے انکار کر دیا کیا تو اس کو مع اس کے لوازم لے لے گا۔ آدم نے عرض کیا اے میرے رب اس کے لوازم کیا ہیں۔ اللہ نے فرمایا اگر تو نیکی کرے گا تو اس کا ثواب پائے گا اور بدی کرے گا تو عذاب میں پکڑا جائے گا۔ آدم نے امانت کو اٹھا لیا اور عرض کیا میں اس بوجھ کو اپنے کاندھے پر لیتا ہوں اللہ نے فرمایا جب تو نے اس امانت کو قبول کر لیا ہے تو میں بھی تیری مدد کروں گا۔ تیری آنکھوں کے اوپر ایک نقاب ڈال دوں گا تاکہ ناجائز چیز پر نظر پڑنے کا جب تجھے ڈر ہو تو آنکھ پر نقاب لٹکا لے۔ (یعنی پلکیں جھکا لے اور آنکھیں بند کر لے) اور تیری زبان کے لئے دو جبڑے اور ایک قفل بنا دوں گا تجھے جب (ناجائز بات زبان سے نکلنے کا) اندیشہ ہو تو قفل بند کر لینا اور میں تیری شرمگاہ کے لئے لباس مقرر کر دوں گا تو شرم گاہ کو اس کے سامنے نہ کھولنا جس کے سامنے کھولنا میں نے حرام کر دیا ہے۔

مجاہد نے کہا برداشت امانت کے وقت اور جنت سے نکالے جانے کے وقت کی درمیانی مدت صرف اتنی ہوئی جتنی ظہر و عصر کے درمیان ہوتی ہے۔

میں کہتا ہوں برداشت امانت کے بعد جنت سے نکالے جانے کی وجہ شاید یہ ہو کہ جنت اداء امانت (یعنی عمل) کا مقام نہیں ہے بلکہ اداء امانت کے ثواب کا مقام ہے (دار العمل نہیں دار الجزاء ہے) اس لئے حضرت آدم کو جنت سے نکال کر دنیا میں بھیج دیا گیا۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے (بونا دنیا میں ہے کاٹنا آخرت میں ہے)

امانت کی تشبیہ: بغوی نے لکھا ہے نقاش نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ امانت کو اس بھاری پتھر سے تشبیہ دی گئی جو کسی جگہ پڑا ہو۔ آسمانوں کو زمین کو اور پہاڑوں کو اس کے اٹھانے کی دعوت دی گئی لیکن کوئی اس کے قریب بھی نہیں آیا اور سب نے کہہ دیا ہم میں اس کو اٹھانے کی طاقت نہیں پھر بغیر دعوت کے آدم آ گئے اور انہوں نے پتھر کو ہلا کر کہا اگر مجھے اس

کو اٹھانے کا حکم دیا گیا تو میں اس کو اٹھالوں گا اللہ نے فرمایا اٹھاؤ آدم اس کو اٹھا کر زانو تک لے آئے پھر رکھ دیا اور کہا خدا کی قسم اگر میں زیادہ اٹھانا چاہوں تو اٹھا سکتا ہوں۔ آسمان وزمین نے کہا اٹھاؤ۔ آدم نے اس کو اٹھا کر اپنے کاندھے پر رکھ لیا اور پھر اتار کر نیچے رکھ دینے کا ارادہ کیا۔ اللہ نے فرمایا ہرگز اس کو نیچے نہ رکھو، یہ تمہاری اور تمہاری اولاد کی گردن میں قیامت تک بندھا رہے گا۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی تحقیق:

میں کہتا ہوں آیت کی رفتار بتا رہی ہے کہ امانت کا حامل صرف انسان ہے۔ اب اگر امانت سے مراد طاعت اور شرعی تکالیف ہوں گی تو انسان کی کوئی خصوصیت نہیں ہوگی جن اور ملائکہ بھی مکلف شرعی ہیں بلکہ انسانوں پر ملائکہ کی فضیلت لازم آئے گی کیونکہ ملائکہ تو معصوم ہیں امانت کو کامل طور پر ادا کر رہے ہیں؟؟ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ رات دن اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ سست نہیں پڑتے اور انسانوں میں سے کچھ ظالم لنفسہ اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں اور کچھ مقتصد میانہ چال سے چلنے والے اور کچھ سابق بالخیرات بھلائیوں کی طرف پیش قدمی کرنے والے۔ اس لئے صوفیہ نے کہا کہ امانت سے مراد ہے نورِ عقل اور نارِ عشق۔ عقل کی روشنی میں منطقی استدلال کے ساتھ معرفت الٰہیہ کا حصول ہوتا ہے اور آتش عشق سے سارے درمیانی حجابات سوختہ ہو جاتے ہیں۔ ملائکہ مقربین بارگاہ ضرور ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک کا مقام قرب و معرفت معین ہے وہ اپنے مقام سے ترقی نہیں کر سکتے اللہ نے فرمایا ہے وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعْلُومٌ ہماری طرف سے ہر ایک کا مرتبہ مقرر ہے۔ ہاں نورِ عشق تمام حجابات بُعد کو جلا ڈالتی ہے اور صرف انسان معرفت الٰہیہ کے غیر متناہی مراتب میں ترقی کر سکتا ہے۔

میں نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے کلام سے یہ استفادہ کیا ہے کہ امانت تجلیات ذاتیہ کو قبول کرنے کی وہ استعداد ہے جو اللہ نے ماہیت انسانیہ میں ودیعت رکھی ہے۔ ایمان اور نیک اعمال کے بعد جن کا الحاق اور شمار ملائکہ میں ہو سکتا ہے اور تجلیات صفاتیہ کو قبول کرنے کی اس میں استعداد ہو سکتی ہے لیکن ذاتی تجلی کی برداشت تو صرف اسی میں ہو سکتی ہے جس کا مزاج خاکی ہو اسی استعداد نے آدم کو مستحق خلافت بنایا اور یہی استعداد مراد ہے اس علم سے جس کا اظہار آیت إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ میں کیا ہے یعنی اللہ نے ملائکہ سے فرمایا کہ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے کہ تجلی ذاتی کو وہی برداشت کر سکتا ہے جس کا مزاج خاکی ہو اسی کی طرف اشارہ ہے لفظ ظلوم وجہول سے یعنی انسان کو سبعی قوت بھی دی گئی ہے اور بہیمی قوت بھی۔ سبعی قوت کا تقاضا ہے بلند چوٹیوں پر چڑھنا۔ بلند سے بلند مراتب معرفت کی طرف ترقی کرتا چلا جانا اور بہیمی قوت انسان کو اس قابل بنا دیتی ہے کہ وصل محبوب کے لئے سخت ریاضتیں اور مشقتیں وہ برداشت کر سکے ظلوم وجہول ہونا انسان کی صفت محمودہ ہے اور مستحق خلافت بنا دینے کی علت ہے۔ سبعی اور بہیمی قوتیں ارضی مزاج رکھتی ہیں۔

موجودات ارضی اپنی مزاجی کثافت کی وجہ سے نورِ آفتاب کو جذب کر کے اپنے اندر روک لیتے ہیں اور لطیف اجرام میں جذب نور کر کے روک رکھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ مادۂ ارضی اپنی کثافت کی وجہ سے تجلی ذاتی کو برداشت کرنے کی قابلیت رکھتا ہے۔ مادۂ نوری اس قابلیت سے محروم ہے۔ ملائکہ مقربین کے مقامات قرب محدود ہیں اگرچہ ملائکہ کے قرب وولایت (اتصال) کا مرتبہ انبیاء کے مقام قرب وولایت سے بالا ہے کیونکہ ملائکہ کا مرتبۂ ولایت اور انبیاء کا مرتبۂ ولایت دونوں صفات سے مستفاد ہیں مگر انبیاء کے مرتبہ میں ظہور کی حیثیت معتبر ہے یعنی ذات کے ساتھ صفات کا قیام ملحوظ نہیں اور ملائکہ کے مرتبہ ولایت میں بطون کی حیثیت معتبر ہے یعنی ذات کے ساتھ صفات کا قیام ملحوظ ہوتا ہے۔

لیکن تجلی ذاتی جو نبوت کا کمال ہے ملائکہ کو میسر نہیں اس لئے نبوت انسان کے ساتھ مخصوص ہے اور انبیاء کے خواص ملائکہ کے خواص سے افضل ہیں اور جنت صرف انسانوں کے لئے پیدا کی گئی ملائکہ کا جنت میں ہر دروازہ سے داخلہ انسانوں کے احترام کے لئے ہوگا۔

علامہ بیضاویؒ کی تحقیق:

بیضاوی نے اس آیت کو سابق الذکر وعدہ کی تائید قرار دیا اور مطلب اس طرح بیان کیا کہ امانت اتنا عظیم بار ہے کہ اگر بزرگ ترین اجسام بالفرض باشعور ہوتے تو وہ بھی اٹھانے سے انکار کر دیتے اور اٹھا نہ سکتے لیکن انسان نے باوجود اپنی جسمانی کمزوری کے اس کو اٹھا لیا اس لئے جو شخص اس امانت کے حقوق کی نگہداشت کرے گا وہ دونوں جہاں میں کامیاب ہوگا اس مطلب پر بیضاوی کے نزدیک اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا سے یہ مراد ہوگی کہ انسان نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا اور حق امانت کا لحاظ نہیں رکھا اور حقیقت امانت کے نتیجہ سے ناواقف رہا۔ یہ دونوں برے اوصاف جنس انسان کے قرار دیئے (لیکن کل افراد کے نہیں بلکہ) عام طور پر زیادہ افراد کے (کیوں کہ بعض افراد یعنی انبیاء اولیاء اور مومنین صالحین نے تو امانت کے پورے حقوق ادا کئے اور وعدہ پورا کیا)۔

الانسان سے مراد حضرت آدم ہیں اور آدم ہی نے بار امانت اٹھایا تھا اور آدم نبی معصوم تھے انہوں نے جو بوجھ اٹھایا تھا اس کو پورا پورا ادا کر دیا اور انہٗ کی ضمیر کا رجوع اسی شخص کی طرف ہے جس نے بار امانت اٹھایا تھا (یعنی حضرت آدم علیہ السلام)

انسان کے ظلوم وجہول ہونے کا مطلب:

صوفیہ نے انسان کے ظلوم وجہول ہونے کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ

انسان کے اکثر افراد نے اپنے نفوس پر ظلم کیا معرفت اور تجلیات الٰہیہ کی اس استعداد کو کھو دیا جو فطرت اللہ ہے۔ اللہ نے سب لوگوں کو اس فطرت پر پیدا کیا ہے۔ اکثر انسان انتہائی نادان بھی ہیں جو چیز فوت ہوگئی اس کی خوبی سے ناواقف ہیں اور جو کمایا اس کی خرابی سے لاعلم ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ الحدیث۔ متفق علیہ من حدیث ابی ہریرۃؓ۔

میں کہتا ہوں یہ بات معلوم ہوگئی کہ بطور کنایہ ظلم سے مراد قوت سبعیہ (غضبیہ) ہے اور جہالت سے مراد قوت بہیمیہ (شہوانیہ) ہے اور ان دونوں قوتوں کی اچھائی برائی مصرف کے تنوع کے لحاظ سے ہے۔ قوت سبعیہ کا استعمال اگر اللہ کے دشمنوں کو دفع کرنے اور مدارج قرب تک پہنچنے اور مراتب معرفت میں ترقی کرنے کے لئے کیا جائے تو یہ قوت مستحق قرار پاتی ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کے راستہ میں اس طرح صف بند ہو کر لڑتے ہیں جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی مضبوط دیوار ہیں۔ بلاشبہ اللہ بلندی عزم اور رفعت ہمت کو پسند فرماتا ہے۔ لیکن اگر اسی قوت کا استعمال بے قصور لوگوں پر جبر و ظلم کرنے اور اللہ کے مقابلہ میں تکبر و غرور کرنے کے لئے کیا جائے تو یہ قوت قبیح قرار پاتی ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ خوب سن لو کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ اور اللہ ہر اترانے والے شیخی جتانے والے کو پسند نہیں کرتا۔

اسی طرح قوت بہیمیہ کا استعمال اگر حصول سعادت کے لئے کیا جائے تو یہ قوت اچھی ہے اور اگر فانی لذتوں کے حصول کے لئے کیا جائے تو بری ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے۔ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ

اور یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ان دونوں قوتوں کے استعمال و صرف کی اچھائی کا مدار نفس و قلب کے تزکیہ اور عناصر کی تطہیر پر ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے بنی آدم کے جسم کے اندر ایک بوٹی ایسی ہے کہ جب وہ ٹھیک ہوتی ہے تو سارا جسم ٹھیک ہوتا ہے اور جب وہ بگڑتی ہے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے۔ خوب سن لو وہ بوٹی دل ہے۔ رواہ البخاری۔ اللہ نے فرمایا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا جس نے نفس کو پاک کر لیا وہ فلاح یاب ہوگیا اور جس نے نفس کو میل آلود اور گندہ کر دیا وہ نامراد رہا اور یہ بھی صحیح ہے کہ شریعت کے اوامر و نواہی کی پابندی تطہیر نفس کا ذریعہ ہے اب اگر امانت سے مراد شرعی اوامر و نواہی ہوں تو ظلوم و جہول ہونے سے اشارہ ہوگا اس علت کی طرف جس کی وجہ سے انسان پر بار امانت ڈالا گیا اور اس نے اس بوجھ کو اٹھایا ہے۔ اس صورت میں مطلب اس طرح ہوگا کہ انسان چوں کہ ظلوم وجہول تھا اس لئے ہم نے اس پر بار امانت ڈالا اور اس نے اٹھا لیا تاکہ بری خصلتوں سے اس کی تطہیر ہو جائے اور اعلیٰ فضائل حاصل کرنے کی اس میں صلاحیت ہو جائے اور دونوں جہاں میں وہ بامراد رہے۔ اور اگر امانت سے مراد تجلیات ذاتیہ ہوں تو مطلب اس طرح ہوگا کہ چوں کہ انسان ظلوم وجہول تھا اس لئے وہی اس امانت کو اٹھانے کے قابل تھا اس امانت کو برداشت کرنے کا وہی اہل ہوگا جو ان دونوں اوصاف کا حامل ہو۔

تزکیہ ضروری ہے:

امانت سے مراد طاعت و فرائض ہوں یا معرفت اور مراتب قرب کا حصول بہرحال سبعیہ اور بہیمیہ قوتیں اچھی بھی ہیں اور بری بھی اگر نفس کا تزکیہ نہ کیا اور اللہ کی طرف سے انسان کو بے مدد چھوڑ دیا گیا اور باطل میں ان قوتوں کو مشغول رکھا گیا تو یہ قوتیں بری ہیں اور اگر اس کے خلاف ان قوتوں سے کام لیا تو یہ قوتیں اچھی ہیں۔ دونوں صورتوں میں ان قوتوں کی عطاء کو بار امانت، انسان پر لادنے اور اس بوجھ کو اٹھانے کی علت قرار دینا بالکل صحیح ہے۔ (تفسیر مظہری)

لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ
تاکہ عذاب کرے اللہ منافق مردوں کو اور عورتوں کو اور شرک والے مردوں کو
وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ
اور عورتوں کو اور معاف کرے اللہ ایمان دار مردوں کو اور عورتوں کو
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا
اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

منافق، کافر اور مؤمن کا انجام:

میرے نزدیک اس جگہ الخ کے معنی معاف کرنے کے نہ لئے جائیں بلکہ اُن کے حال پر متوجہ ہونے اور مہربانی فرمانے کے لیں تو بہتر ہے جیسے "لقد تاب اللّٰه علی النبی والمهاجرین" میں لئے گئے ہیں۔ یہ تو مؤمنین کاملین کا بیان ہوا۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا اور میں قاصرین و مقصرین کے حال کی طرف اشارہ فرما دیا۔ واللّٰه تعالٰی اعلم نسأل اللّٰه تعالٰی أن یتوب علینا ویغفرلنا ویثیبنا بالفوز العظیم. انه جل جلاله وعم نواله غفور رحیم. تم سورة الاحزاب ولله الحمد والمنة. (تفسیر عثمانی)

لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ یعنی تا آنکہ عذاب دے گا اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو، اور مشرکین مردوں اور عورتوں کو اور رحمت ومغفرت سے نوازے گا مؤمنین ومؤمنات کو لِیُعَذِّبَ میں حرف لام بیان علت وغرض کے لئے نہیں بلکہ اصطلاح عربیت کے لحاظ سے لام عاقبت ہے، یعنی جو کسی چیز کا انجام بیان کرے جیسے ایک عربی شعر میں ہے

لِدُوْا لِلْمَوْتِ وَابْنُوْا لِلْخَرَابِ

یعنی پیدا ہو موت کے لئے اور تعمیر کر و ویران ہونے کے لئے مراد یہ ہے کہ ہر پیدا ہونے والے کا انجام موت اور ہر تعمیر کا انجام ویرانی ہے۔

بارِامانت کا نتیجہ:

اس جملے کا تعلق حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ سے ہے، یعنی انسان کے بارِامانت اٹھانے کا انجام یہ ہوگا کہ نوع انسانی میں دو فریق ہو جائیں گے، ایک کفار و منافق وغیرہ جو اطاعتِ الٰہیہ سے سرکش ہو کر امانت کے ضائع کرنے والے ہو گئے، ان کو عذاب دیا جائے گا، دوسرے مؤمنین ومؤمنات جو اطاعتِ احکامِ شرعیہ کے ذریعہ حقِ امانت ادا کر چکے، ان کے ساتھ رحمت ومغفرت کا معاملہ ہوگا۔ (معارف مفتی اعظم)

لِيُعَذِّبَ میں لام عاقبت کا ہے یعنی اس برداشتِ امانت کا انجام یہ ہوگا کہ اللہ عذاب دے گا جیسے ایک مصرع ہے لِدُوْا للموت وابنوا للخراب مرنے کے لئے جنم دو اور ویران ہونے کے لئے تعمیر کرو یعنی پیدائش کا نتیجہ موت اور تعمیر کا انجام ویرانی ہے۔

منافق اور مشرک ہی ظلم اور عیش میں ڈوبے ہوئے ہیں اور یہی امانت مفوضہ کو کھو دینے والے ہیں اس لئے انہیں کو عذاب دیا جائے گا۔

وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ اور اللہ (اپنی رحمت، مغفرت اور عطاء قرب کے ساتھ) مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کی طرف متوجہ ہو۔ مؤمن ہی امانت کا حق ادا کرنے اور تجلیاتِ الٰہیہ میں ڈوب جانے والے ہیں اس لئے انہیں کی مغفرت اور انہیں پر رحمتِ الٰہیہ کی بارش ہوگی۔

شرعی ذمہ داری کی غرض:

ابن قتیبہ نے آیات کا مطلب اس طرح بیان کیا ہم نے امانت یعنی شرعی تکلیفات یا فطری استعداد کو پیش کیا تاکہ منافق کا نفاق اور مشرک کا شرک ظاہر ہو جائے اور اللہ ان کو عذاب دے اور مومن کے ایمان (نیز عارف کی معرفت) کا اظہار ہو جائے اور اللہ ان پر رحم فرمائے۔ اور اگر کسی طاعت میں ان سے قصور ہو جائے تو اس کو بخش دے۔ (میں کہتا ہوں) اور دوامی تجلیاتِ ذاتیہ کی بارش اور بلا کیف وصلِ بے حجاب کی نعمت ان کو نصیب ہو جائے۔

نکتہ: وعدہ کے موقع پر يَتُوْبَ کہنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ چونکہ شرشت کے لحاظ سے انسان ظلوم وجہول ہے اس لئے کچھ قصور ان سے ضرور ہوگا۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا اور اللہ (مومنوں کو) بخشنے والا ہے۔ ان کی لغزشوں کو وہ معاف کرتا ہے۔

رَّحِيْمًا بڑا مہربان ہے کہ اپنی مہربانی سے مومنوں کی طاعتوں کا ثواب عطا فرمائے گا۔

الحمد للہ سورۂ احزاب کی تفسیر ختم ہوئی

تمت بحمد اللہ

گلدستۂ تفاسیر

جلد-٦

سورة سبا
تا
سورة القمر

سورۃ سبا

سورہ سبا مکہ میں نازل ہوئی اس میں چون آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

اگر خواب میں یہ سورۃ پڑھے.... دلیل ہے کہ زاہد اور عابد ہوگا (حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ
سب خوبی اللہ کی ہے، جس کا ہے جو کچھ کہ ہے آسمان اور زمین میں
وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ①
اور اسی کی تعریف ہے آخرت میں اور وہی ہے حکمتوں والا سب کچھ جاننے والا ☆

دنیا و آخرت میں تعریف فقط اللہ ہی کی ہے:

یعنی سب خوبیاں اور تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جو اکیلا بلا شرکت غیرے تمام آسمانی و زمینی چیزوں کا مالک و خالق اور نہایت حکمت و خبرداری سے ان کی تدبیر کرتا ہے اس نے یہ سلسلہ بے کار پیدا نہیں کیا ایسے حکیم و دانا کی نسبت یہ گمان نہیں ہوسکتا۔ ضرور ہے کہ یہ نظام آخر میں کسی اعلیٰ نتیجہ پر منتہی ہو، اسی کو آخرت کہتے ہیں اور جس طرح دنیا میں وہ اکیلا تمام تعریفوں کا مستحق ہے، آخرت میں بھی صرف اسی کی تعریف ہوگی، بلکہ یہاں تو بظاہر اور کسی کی بھی تعریف ہو جاتی تھی کیونکہ مخلوق کا فعل خالق کے فعل کا پردہ اور اس کا کمال اس کے کمال حقیقی کا پرتو ہے لیکن وہاں سب وسائط اور پردے اٹھ جائیں گے جو کچھ ہوگا سب دیکھیں گے کہ اسی کی طرف سے ہو رہا ہے اس لئے صورۃً وحقیقۃً ہر حیثیت سے تنہا اسی محمود مطلق کی تعریف رہ جائے گی۔ (تفسیر عثمانی)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ تمام حمد ہے اس اللہ کیلئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔

یعنی وہی سب کا مالک اور خالق اور حاکم ہے اس لیے وہی ہر ظاہری، باطنی، جہری اور سرّی حمد کا مستحق ہے دوسرا کوئی حمد کا مستحق نہیں ہے اللہ کے سوا دوسرے کی ستائش مجازاً کی جاتی ہے کیوں کہ اس کے ہاتھوں سے بظاہر کچھ نعمتیں دوسروں کو پہنچتی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

ربط: گذشتہ سورت کے آخیر میں امانت کا ذکر تھا اب اس سورت میں یہ بتلایا کہ نفسانی شہوتیں اور دنیاوی لذتیں ہی امانت میں خیانت کا سبب بنتی ہیں جیسا کہ قوم سبا جن کو اللہ تعالیٰ نے قسم قسم کی نعمتوں سے نوازا مگر وہ دنیاوی عیش و عشرت میں ایسے مست ہوئے کہ اللہ کی امانت میں خیانت کر بیٹھے جس کا انجام تباہی اور بربادی ہوا، حق تعالیٰ نے قوم سبا کو جو نعمتیں دی تھیں وہ جنت کا نمونہ تھیں۔ کفرانِ نعمت کی وجہ سے وہ جنت مبدل بہ جہنم ہوگئی اور رحمت و راحت مبدل بہ لعنت و زحمت ہوگئی، اور عزت مبدل بہ ذلت ہوگئی۔ (معارف کاندھلوی)

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا
جانتا ہے جو کچھ کہ اندر گھستا ہے زمین کے اور جو کچھ کہ نکلتا ہے اس سے
وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا
اور جو اترتا ہے آسمان سے اور جو چڑھتا ہے اس میں ☆

اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے:

یعنی آسمان و زمین کی کوئی چھوٹی بڑی چیز اس کے علم سے باہر نہیں جو چیز زمین کے اندر چلی جاتی ہے مثلاً جانور کیڑے مکوڑے نباتات کا بیج، بارش کا پانی، مردہ کی لاش اور جو اس کے اندر سے نکلتی ہے مثلاً کھیتی، سبزہ، معدنیات وغیرہ اور جو آسمان کی طرف سے اترتی ہے مثلاً بارش وحی، تقدیر، فرشتے وغیرہ اور جو اوپر چڑھتی ہے مثلاً روح، دعاء، عمل اور ملائکہ وغیرہ ان سب انواع و جزئیات پر اللہ کا علم محیط ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ②
اور وہی ہے رحم والا بخشنے والا ☆

یہ سب چہل پہل اللہ کی رحمت سے ہے:

یعنی یہ سب بستی اور چہل پہل اس کی رحمت اور بخشش سے ہے ورنہ بندوں کی ناشکری اور حق ناشناسی پر اگر ہاتھوں ہاتھ گرفت ہونے لگے تو ساری رونق ایک لمحہ میں ختم کر دی جائے۔ ''وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ'' (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ
اور کہنے لگے منکر نہ آئے گی ہم پر قیامت ☆

انکارِ قیامت: کیوں نہیں آئے گی، اس کا منشا آگے آتا ہے۔

''اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ''

قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ
تو کہہ کیوں نہیں قسم ہے میرے رب کی البتہ آئیگی تم پر ☆

قیامت ضرور آئے گی:

یعنی وہ معصوم و مقدس انسان جس کے صدق و امانت کا اقرار سب کو پہلے سے تھا اور اب براہین ساطعہ سے اُس کی صداقت پوری طرح روشن ہوچکی،

مؤکد قسم کھا کر اللہ کی طرف سے خبر دیتا ہے کہ قیامت ضرور آئے گی، پھر تسلیم نہ کرنے کی کیا وجہ ہاں اگر کوئی محال یا خلاف حکمت بات کہتا تو انکار کی گنجائش ہو سکتی تھی لیکن نہ یہ محال ہے نہ خلاف حکمت، پھر انکار کرنا ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عٰلِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ
اُس عالم الغیب کی غائب نہیں ہو سکتا اُس سے کچھ ذرہ بھر
فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ
آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور کوئی چیز نہیں اس سے چھوٹی
ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرُ اِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳﴾
اور نہ اس سے بڑی جو نہیں ہے کھلی کتاب میں ﴿۳﴾

یعنی اُس عالم الغیب کی قسم جس کے علم محیط سے آسمان و زمین کا کوئی ذرہ یا ذرہ سے چھوٹی بڑی کوئی چیز بھی غائب نہیں، شاید اس لئے فرمایا کہ قیامت کے وقت کی تعیین ہم نہیں کر سکتے اس کا علم اُسی کو ہے جس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں، ہم کو جتنی خبر دی گئی بلا کم و کاست پہنچا دی، اور اس کا جواب بھی ہو گیا جو کہتے تھے "ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ" یعنی جب ہمارے ذرات منتشر ہو کر مٹی میں مل گئے پھر کیسے دوبارہ اکٹھے کئے جائیں گے تو بتلا دیا کہ کوئی ذرہ اُس کے علم سے غائب نہیں۔ اور پہلے بتلایا جا چکا کہ آسمان و زمین کی ہر چیز پر قبضہ اُسی کا ہے، لہٰذا اس کو کیا مشکل ہے کہ تمہارے منتشر ذرات کو ایک دم میں اکٹھا کر دے۔

(تنبیہ) کھلی کتاب سے "لوح محفوظ" مراد ہے، جس میں ہر چیز اللہ کے علم کے مطابق ثبت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عٰلِمِ الْغَيْبِ وہ رب جو غیب کو جاننے والا ہے۔

نکتہ: عٰلِمِ الْغَيْبِ کے لفظ سے اس طرف اشارہ ہے کہ قیامت کا وقت امور غیبیہ میں سے ہے جس کو جاننے والا اسواء اللہ کے اور کوئی نہیں لہٰذا اس کی شہادت قیامت کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے، اور غیب کی چیزوں کا اقرار یا انکار کسی کے لیے بغیر اللہ کے بتائے ہوئے جائز نہیں۔

بیک وقت ہزاروں اموات:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ دو لشکر لڑتے ہیں اور ایک ہی وقت میں مارے جاتے ہیں پھر مشرق مغرب اور اس کے درمیان کتنے لوگ مرتے ہیں کچھ بچے پیٹ سے گرتے ہیں، ملک الموت تو ایک ہے سب کی روحیں کیسے قبض کرتا ہے، فرمایا ملک الموت ساری دنیا کو گھیرے ہوئے ہے جیسے میرے سامنے طشت ہے اسی طرح ساری دنیا اللہ نے ملک الموت

کے سامنے کر دی ہے کیا اس سے کوئی چیز چھپ سکتی ہے۔ (مفہوم حدیث)

پس اس آیت سے ظاہر ہے کہ تمام زمانے حال، ماضی، مستقبل اور ہر زمانہ کی چیزیں اللہ کے سامنے حاضر ہیں اور وہ خود زمانہ سے ماوراء ہے اسی طرح ہر مقام اور ہر مقام کی چیزیں اس کے سامنے حاضر ہیں اور وہ خود ہر مکان سے خارج ہے ہر زمان و مکان اسی کی مخلوق ہے۔

فائدہ: بعض اکابر پر کبھی ایسی حالت طاری ہو جاتی ہے کہ وہ زمانہ کی حدود سے خارج ہو جاتے ہیں ماضی یا مستقبل ان کے سامنے آ جاتا ہے اس کا ثبوت اس حدیث سے ہوتا ہے جو شیخین نے صحیح میں حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے بیان کی ہے کہ ایک بار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو ساتھ لے کر نماز کو کھڑے ہو گئے اور ایک طویل قیام کیا (الحدیث) اس حدیث میں آیا ہے کہ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے دیکھا کہ (نماز میں) اپنی جگہ کھڑے کھڑے آپ نے کسی چیز کو لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا پھر ہم نے دیکھا کہ آپ کچھ ٹھٹکے فرمایا میں نے جنت دیکھی تھی اور اس سے ایک خوشہ لینے کو ہاتھ بڑھایا تھا، اگر میں اس کو لے پاتا تو جب تک دنیا باقی رہتی تم (یعنی سارے مسلمان) اس کو کھاتے رہتے (اور وہ ختم نہ ہوتا) پھر میں نے دوزخ کو دیکھا آج کی طرح کبھی میں نے کوئی خوفناک منظر نہیں دیکھا، دوزخیوں کی زیادہ تعداد میں نے عورتوں کی دیکھی۔ (الحدیث)

ظاہر ہے کہ دوزخ میں عورتوں کا داخلہ تو قیامت کے دن ہوگا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دوزخ کے اندر پا لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ اگر میں اس کو لے پاتا تو رہتی دنیا تک تم اس میں سے کھاتے رہتے، بتا رہا ہے کہ آپ نے حقیقۃً جنت اور دوزخ کو دیکھا تھا تصویر نہیں دیکھی تھی۔

مسلم نے حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے جنت کو دیکھا اس کے اندر ابوطلحہ کی بیوی نظر آئی اور قدموں کی ایک آہٹ میں نے اپنے سامنے سنی میں نے دیکھا تو وہ بلال تھا۔

غیبت کرنے والے:

امام احمد، ابوداؤد اور ضیاء نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میرا رب مجھے اوپر چڑھا کر لے گیا تو میرا گذر ایسے لوگوں کی طرف سے ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے چہروں اور سینوں کو ناخنوں سے کھروچ رہے تھے۔ میں نے کہا جبرئیل یہ کون لوگ ہیں جبرئیل نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں (غیبت کرتے ہیں) اور ان کی آبرو ریزی کرتے ہیں۔

بلی کی وجہ سے عذاب: حضرت جابر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا میرے سامنے دوزخ لائی گئی اس میں بنی اسرائیل کی ایک عورت مجھے دکھائی دی جس کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب دیا جارہا تھا، بلی کو اس نے باندھ رکھا تھا نہ تو وہ اس کو کچھ کھانے کو دیتی تھی نہ چھوڑتی تھی کہ وہ کیڑے مکوڑے کھا سکے آخر وہ بھوک سے مرگئی اور میں نے عمر بن عامر خزاعی کو دیکھا جو دوزخ میں اپنی انتڑیاں گھسیٹتا پھر رہا تھا یہی شخص تھا جس نے سب سے پہلے سانڈھ چھوڑنے کی رسم نکالی۔ (رواہ مسلم۔ تفسیر مظہری)

صفتِ علم غیب کی تخصیص:

عٰلِمِ الْغَيْبِ یہ صفت رب کی ہے جس کی اوپر قسم کھائی گئی ہے، اللہ جل شانہٗ کی تمام صفات میں سے ایک جگہ صفت علم غیب وعلم محیط کو شاید اس لئے خاص کیا گیا کہ کلام منکرین قیامت کے معاملہ میں ہے، اور قیامت کے انکار کا بڑا سبب کفار کے لئے یہ تھا کہ جب انسان مرکر مٹی ہو جائیں گے اور اس مٹی کے ذرات بھی دنیا میں منتشر ہو جائیں گے تو سارے جہان میں پھیلے ہوئے ذرات کو جمع کرنا پھر ہر ایک انسان کے ذرات کو دوسرے انسانوں کے ذرات سے الگ کر کے ہر ایک کے ذرات اسی کے وجود میں پیوست کرنا کیسے ممکن ہے اور اس کو ناممکن سمجھنا اسی بناء پر تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت کو اپنے علم وقدرت پر قیاس کر رکھا تھا، حق تعالیٰ نے بتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ کا علم سارے عالم پر ایسا محیط ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو چیز بھی ہے اس کو سب معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہے، کوئی ذرہ مخلوقات کا اس کے علم سے باہر نہیں، اور یہ علم محیط حق تعالیٰ کی خصوصیت ہے، کسی مخلوق کو خواہ فرشتہ ہو یا پیغمبر ایسا علم محیط کہ کوئی ذرہ جہاں کا اس سے خارج نہ ہو حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور جس ذات کو ایسا علم محیط حاصل ہو اس کے لئے ایک ایک انسان کے ذرات کو الگ الگ سارے جہان میں سے جمع کر لینا اور اس سے ان کے اجسام کو دوبارہ مرکب کر دینا کیا مشکل ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ
تا کہ بدلہ دے اُن کو جو یقین لائے اور کئے بھلے کام وہ لوگ
لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ
جو ہیں ان کے لئے ہے معافی اور عزت کی روزی اور جو لوگ دوڑے
فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ
ہماری آیتوں کے ہرانے کو اُن کو بلا کا عذاب ہے
مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝
دردناک ☆

قیامت کیوں ضروری ہے:

یعنی قیامت کا آنا اس لئے ضرور ہے کہ لوگوں کو ان کی نیکی اور بدی کا پھل دیا جائے اور حق تعالیٰ کی جملہ صفات کا کامل ظہور ہو (تنبیہ) "جو لوگ دوڑے ہماری آیتوں کے ہرانے کو" یعنی ہماری آیتوں کے ابطال اور لوگوں کو قولاً وفعلاً اُن سے روکنے کیلئے کھڑے ہوئے۔ گویا وہ (العیاذ باللہ) اللہ کو عاجز کرنا اور ہرانا چاہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اُس کے ہاتھ نہیں آئیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ تا کہ اللہ ان لوگوں کو جزا دے جو ایمان لائے اور نیک کام کیے انہیں لوگوں کے لئے مغفرت ہے اور عزت کا رزق ہے یعنی حقوق عبدیت کی ادائیگی میں جو کوتاہی ان سے ہوگئی ہوگی (پوری ادائیگی تو ممکن ہی نہیں) اللہ اس کوتاہی کو معاف کر دے گا اور جو نیک کام انہوں نے کیے ہیں ان کے بدلے میں اپنی مہربانی سے جنت کے اندر اچھا رزق عطا فرمائے گا جس کے حاصل کرنے میں نہ تھکنا پڑے گا نہ کسی کا (سواء خدا کے) احسان ہوگا۔

وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کے متعلق (ان کو باطل کرنے کے لئے) کوشش کی (ہم کو) ہرانے کے لیے ایسے لوگوں کے لیے سختی کا دردناک عذاب ہوگا۔ یعنی آیات خداوندی کو باطل کرنے اور ان کی طرف سے لوگوں کو بے رغبت اور متنفر بنانے کیلئے کوشش کرتے ہیں (مقصد یہ کہ انہوں نے اپنی دوڑ کا میدان اسی بات کو بنا رکھا کہ اللہ کی آیات کی طرف سے لوگوں کو نفرت دلائیں) ہم پر غالب آنے کے لیے (یعنی یہ بات لوگوں کو بتانے کے لیے نہ کوئی قیامت ہوگی نہ حشر ہوگا اور نہ انہوں نے فرض کرلیا ہے کہ خدا مردوں کو زندہ کرنے کی قدرت نہیں رکھتا وہ ہم کو عاجز بنا دینا چاہتے ہیں) ایسے لوگوں کو بڑا دکھ دینے والا عذاب ہے۔

قتادہ نے رجز کا ترجمہ سوء العذاب کیا ہے۔ الیم کا ترجمہ ہے دکھ والا مگر مراد ہے دکھ دینے والا۔ (تفسیر مظہری)

وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ
اور دیکھ لیں جن کو ملی ہے سمجھ کہ جو تجھ پر اترا
اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى
تیرے رب سے وہی ٹھیک ہے اور سجھاتا ہے راہ
صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝
اُس زبردست خوبیوں والے کی ☆

ایمان والوں کو عین الیقین حاصل ہوگا:

یعنی اس واسطے قیامت آتی ہے کہ جن کو یقین تھا انہیں عین الیقین حاصل ہو

جائے اور آنکھوں سے دیکھ لیں کہ قرآن کی خبریں سو بسو صحیح و درست ہیں۔ اور بے شک قرآن ہی وہ کتاب ہے جو اس زبردست خوبیوں والے خدا تک پہنچنے کا ٹھیک راستہ بتاتی ہے بعض مفسرین نے "وَيَرَى الَّذِينَ الخ" کا مطلب یہ لیا ہے کہ "وَالَّذِينَ سَعَوْ فِي آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ" کے برخلاف جو اہل علم ہیں (خواہ مسلمان یا اہل کتاب) وہ جانتے ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ قیامت وغیرہ کے متعلق قرآن کریم کا بیان بالکل صحیح ہے اور وہ آدمی کو وصول الی اللہ کے ٹھیک راستہ پر لے جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ

اور کہنے لگے منکر ہم بتلائیں تم کو ایک مرد

يُنَبِّئُكُمْ إِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ

کہ تم کو خبر دیتا ہے جب تم پھٹ کر ہو جاؤ ٹکڑے ٹکڑے تم کو پھر نئے سرے سے

جَدِيدٍ ۞ أَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَم بِهِ جِنَّةٌ

بنا ہے کیا بنا لایا ہے اللہ پر جھوٹ یا اُس کو سودا ہے☆

کافروں نے عقیدۂ آخرت کا استہزاء کیا:

کفار قریش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہ گستاخی کرتے تھے یعنی آؤ تمہیں ایک شخص دکھلائیں جو کہتا ہے کہ تم گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو کر جب خاک میں مل جاؤ گے پھر تم کو از سر نو بھلا چنگا بنا کر کھڑا کر دیا جائے گا۔ بھلا ایسی مہمل بات کون قبول کر سکتا ہے۔ دو حال سے خالی نہیں، یا تو یہ شخص جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ لگاتا ہے کہ اُس نے ایسی خبر دی۔ نہیں تو سودائی ہے۔ دماغ ٹھکانے نہیں دیوانوں کی سی بے تکی باتیں کرتا ہے۔ (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي

کچھ بھی نہیں پر جو یقین نہیں رکھتے آخرت کا

الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ ۞

آفت میں ہیں اور دور جا پڑے غلطی میں☆

یہی کافر گمراہ ہیں:

یعنی نہ جھوٹ ہے نہ جنون، البتہ یہ لوگ عقل و دانش اور صدق و صواب کے راستہ سے بھٹک کر بہت دور جا پڑے ہیں۔ اور بیہودہ بکواس کر کے اپنے کو آفت میں پھنسا رہے ہیں۔ فی الحقیقت یہ بڑا عذاب ہے کہ آدمی کا دماغ اس قدر مختل ہو جائے کہ وہ خدا کے پیغمبروں کو مفتری یا مجنون کہنے لگے۔ (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُم

کیا دیکھتے نہیں جو کچھ ان کے آگے ہے اور پیچھے ہے

مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ إِن نَّشَأْ نَخْسِفْ بِهِمُ

آسمان اور زمین سے اگر ہم چاہیں دھنسا دیں اُن کو

الْأَرْضَ أَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ

زمین میں یا گرا دیں اُن پر ٹکڑا آسمان سے☆

جس نے کائنات بنائی وہ توڑ بھی سکتا ہے:

یعنی کیا یہ لوگ اندھے ہو گئے ہیں کہ آسمان و زمین بھی نظر نہیں آتے جو آگے پیچھے ہر طرف نظر ڈالنے سے نظر آ سکتے ہیں ان کو تو وہ بھی مانتے ہیں کہ اللہ نے بنایا ہے پھر جس نے بنایا اسے توڑنا کیا مشکل ہے اور جو ایسے عظیم الشان اجسام کو بنا سکتا ہے اور توڑ پھوڑ سکتا ہے اسے انسانی جسم کا بگاڑ دینا اور بنانا کیا مشکل ہوگا یہ لوگ ڈرتے نہیں کہ اسی آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر رہ کر ایسے گستاخانہ کلمات زبان سے نکالیں۔ حالانکہ خدا چاہے تو ابھی ان کو زمین میں دھنسا دے یا آسمان سے ایک ٹکڑا گرا کر نیست و نابود کر دے اور قیامت کا چھوٹا سا نمونہ دکھلا دے۔ (تفسیر عثمانی)

مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُم سے مراد ہیں وہ چیزیں جو ہر طرف محیط ہیں مطلب یہ ہے کہ مشاہدۂ کائنات صانع مختار کی قدرت کاملہ کو ثابت کر رہا ہے پھر ایسے قادر مختار کے لئے دوبارہ زندہ کرنے کے امکان کس طرح ناممکن ہو سکتا ہے جو شخص بعث (حشر کی خبر دے رہا ہے اس کے عقل مند اور صادق ہونے کا انکار کس طرح کیا جا سکتا ہے جب کہ وہ پہلے سے عقل مند اور صادق القول معروف اور مسلم ہے۔ ایسے عقل مند کو مجنون اور ایسے صادق کو مفتری کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔

کافروں کو ڈرانا: بعض اہل علم کا قول ہے کہ افلم یروا الخ ڈرانے اور خوف دلانے کی تمہید ہے مطلب یہ ہے کہ کیا یہ نابینا ہیں۔ کیا ان کو نہیں دکھتا کہ آسمان و زمین کے اندر یہ گھرے ہوئے ہیں۔ جہاں رہیں اور جہاں جائیں آسمان و زمین سے باہر نہیں نکل سکتے اور اقتدار خداوندی سے خارج نہیں ہو سکتے ان کو ڈرنا چاہئے کہ کہیں زمین میں دھنسا دیے جائیں، جیسے قارون کو دھنسا دیا گیا، یا آسمان سے کوئی ٹکڑا ان پر گرا دیا جائے، جیسے قوم لوط پر پتھر برسائے گئے اور یہ سب کچھ پیغمبر کو جھوٹا قرار دینے اور آیات خداوندی کا انکار کرنے کی وجہ سے ہوا۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ۞

تحقیق اس میں نشانی ہے ہر بندے رجوع کرنیوالے کیواسطے☆

نظام کائنات میں نشانیاں ہیں:

یعنی جو بندے عقل و انصاف سے کام لے کر اللہ کی طرف رجوع ہوتے ہیں ان کے لئے اسی آسمان و زمین میں بڑی بھاری نشانی موجود ہے وہ اس منتظم

اور پرحکمت نظام کو دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ ضرور یہ ایک دن کسی اعلیٰ واکمل نتیجہ پر پہنچنے والا ہے جس کا نام "دارالآخرۃ" ہے یہ تصور کر کے وہ ہمیش ازبیش اپنے مالک وخالق کی طرف جھکتے ہیں اور جو آسمانی وزمینی نعمتیں ان کو پہنچتی ہیں، تہ دل سے اس کے شکرگزار رہتے ہیں، ان میں سے بعض بندوں کا ذکر آگے آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی آسمان وزمین جو ان کی نظروں کے سامنے ہیں اللہ کی قدرت کاملہ ثبوت قیامت اور کافروں کو قیامت کے دن عذاب دیئے جانے کی کھلی دلیل ہے لیکن یہ واضح دلیل اسی شخص کے لئے ہے جو دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہو کیوں کہ وہی غور وفکر سے کام لینے والا (اور نتیجہ تک پہونچنے والا) ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا
اور ہم نے دی ہے داؤد کو اپنی طرف سے بڑائی ☆

داؤد کو نبوت اور حکومت عطاء کرنا:

یعنی نبوت کے ساتھ غیر معمولی سلطنت عنایت فرمائی۔ (تفسیر عثمانی)

نبوت، کتاب اللہ (زبور) حکومت، خوش آوازی، آپ کے ہاتھ میں (بغیر تپائے) لوہے کا نرم ہو جانا وغیرہ یہ سب چیزیں فضائل داؤد کی مختلف صورتیں تھیں۔ (تفسیر مظہری)

داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی:

صحیح حدیث میں ہے کہ رات کو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے جسے سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر گئے دیر تک سنتے رہے پھر فرمانے لگے، انہیں نغمہ داؤدی کا کچھ حصہ مل گیا ہے ابوعثمان نہدیؒ کا بیان ہے کہ واللہ ہم نے حضرت ابوموسیٰؓ سے زیادہ پیاری آواز کسی باجے کی بھی نہیں سنی۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کے تذکرہ کی حکمتیں

دو خاص عبد منیب کا قصہ ذکر کرتے ہیں جو خدا کی طرف خاص طور پر متوجہ اور ملتفت ہوئے یہ دو عبد منیب اللہ کے وہ خاص بندے تھے جن پر اللہ نے ظاہری اور باطنی نعمتیں مکمل فرمائیں اور نبوت کے ساتھ ان کو بے مثال سلطنت بھی عطا کی مگر باوجود دین ودنیا کی نعمتوں کے جمع ہونے کے منعم حقیقی کے شکر سے غافل نہیں ہوئے اور اگر کسی وقت ذرا غفلت ہوئی تو سجدے میں گر گئے اور استغفار کرنے لگے چنانچہ داؤد علیہ السلام کے قصہ میں ہے فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ اور سلیمان علیہ السلام کے حق میں ہے۔ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ۔

نیز اس قصہ میں منکرین قیامت کا بھی جواب ہے کہ جب خدائے برتر اپنے کسی بندہ کے لئے پہاڑوں کو مسخر کر سکتا ہے اور لوہے کو موم کی طرح نرم بنا سکتا ہے تو کیا وہ خدائے قادر استخوانہائے انسانی اور عظام جسمانی یعنی انسانی ہڈیوں کو مع ان کے قوائے طبیعی اور انسانی کے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنی طرف سے ایک خاص بزرگی عطا کی کہ نبوت کیساتھ ان کو سلطنت اور اس کا ساز وسامان بھی عطا کیا ہم نے ان کو جو نعمتیں عطا کیں ان میں کی ہر نعمت ان کی فضیلت اور کرامت اور ان کی نبوت کی دلیل تھی اور ہماری کمال قدرت کی بھی دلیل تھی چنانچہ ہم نے پہاڑوں کو حکم دیا کہ اے پہاڑو تم بھی داؤد کے ساتھ اللہ کی تسبیح کرو اور اللہ کی طرف رجوع کرو کہ جب داؤد علیہ السلام اللہ کا ذکر کریں اور اس کی تسبیح میں مشغول ہوں تو تم بھی ان کے ساتھ اللہ کی تسبیح اور اس کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ اور اسی طرح پرندوں کو بھی یہی حکم دیا کہ تم بھی ان کے ساتھ تسبیح کیا کرو، کما قال تعالیٰ

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً

جب داؤد علیہ السلام اللہ کی تسبیح پڑھتے تو پہاڑ بھی حقیقۃً با آواز بلند ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے اور پرندے بھی ان کے ساتھ حقیقۃً تسبیح پڑھتے اور یہ تسبیح حقیقی تھی بزبان حال یا صدائے بازگشت نہ تھی یہ سب داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ اور خدا کی قدرت کا کرشمہ تھا کہ جو خدا بے جان اور بے زبان چیزوں کو گویائی عطا کر سکتا ہے وہ مردوں کے بے جان اور بے زبان ریزوں کو کیوں دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو حسن صورت یعنی خوش آوازی کا معجزہ عطا فرمایا تھا کہ دنیا کی کوئی آواز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی داؤد علیہ السلام جب زبور پڑھتے یا اللہ کی تسبیح کرتے تو در ودیوار اور درخت اور پہاڑ ان کے ساتھ حقیقۃً تسبیح کرتے اور پرندے ان کے گرد جمع ہو جاتے اور ان کی طرح آواز کرتے۔ (معارف کاندھلوی)

داؤد علیہ السلام کی آواز کے ساتھ پہاڑوں کا آواز ملانا اور تسبیح کو دُہرانا یہ آواز بازگشت کے طور پر نہ تھا جو عام طور پر گنبد یا کنویں وغیرہ میں آواز دینے کے وقت آواز کے لوٹنے سے سنی جاتی ہے، کیونکہ قرآن کریم نے اس کو حضرت داؤد علیہ السلام پر خصوصی فضل وانعام کی حیثیت میں ذکر فرمایا ہے، آواز بازگشت میں کسی کی فضیلت وخصوصیت سے کیا تعلق ہے وہ تو ہر انسان چاہے کافر ہی ہو بازگشت کی جگہ میں اس کی آواز بھی لوٹتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ
اے پہاڑو خوش آوازی سے پڑھو اُس کے ساتھ اور اڑتے جانوروں کو ☆

تسبیح کرنے میں پہاڑوں اور پرندوں کی رفاقت:

حضرت داؤد علیہ السلام کبھی کبھی جنگل میں نکلتے خدا کو یاد کرتے، خوف الٰہی سے روتے، تسبیح وتہلیل میں مشغول رہتے اور اپنی ضرب المثل خوش

آوازی سے زبور پڑھتے اُس کی عجیب وغریب تاثیر سے پہاڑ بھی اُن کے ساتھ تسبیح پڑھنے لگتے تھے اور پرندے ان کے گرد جمع ہو کر اسی طرح آواز کرتے حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو یہ خاص بزرگی عطا فرمائی تھی ورنہ پہاڑوں کی تسبیح سے مراد محض ان کی آواز بازگشت ہو یا وہ عام تسبیح جو ہر چیز زبان حال یا قال سے کرتی رہتی ہے تو حضرت داؤد کے مخصوص فضل وشرف کے ذیل میں اس چیز کا ذکر کرنا محض بے معنی ہوگا۔ (العیاذ باللہ) "یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ" کا حکم تکوینی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے حضرت داؤد جب نوحہ کی آواز بلند کرتے تھے تو پہاڑوں سے آواز کی بازگشت ہوتی تھی یہ پہاڑوں کی طرف سے نوحہ کا جواب ہوتا تھا اور اوپر سے پرندے اڑتے ٹھہر جاتے اور رُک جاتے تھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت داؤد پہاڑوں میں گھس کر اللہ کی تسبیح کے ترانے گاتے تھے تو جس طرح آپ تسبیح کرتے تھے ویسے ہی پہاڑ بھی تسبیح کرتے تھے ایک قول یہ بھی آیا ہے کہ حضرت داؤد کے بدن میں کچھ سستی پیدا ہوجاتی تھی تو ان کو چست بنانے کے لئے اللہ پہاڑوں کی تسبیح کی آواز سنوادیتا تھا۔ (تفسیر مظہری)

وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۙ اَنِ اعْمَلْ
اور نرم کر دیا ہم نے اُس کے آگے لوہا کہ بنا
سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِي السَّرْدِ
زرہیں کشادہ اور انداز سے جوڑ کڑیاں ☆

لوہے کو موم کرنا:

یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں ہم نے لوہے کو موم کی طرح نرم کر دیا بدون آگ اور آلات صناعیہ کے لوہے کو جس طرح چاہتے ہاتھ سے توڑ موڑ لیتے تھے اور اُس کی زرہیں تیار کر کے فروخت کرتے تاقوت بازو سے کما کر کھائیں۔ بیت المال پر اپنا بار نہ ڈالیں کہتے ہیں کہ کڑیوں کی زرہ پہلے ان ہی سے نکلی کہ کشادہ رہے حق تعالیٰ نے اُن کو ہدایت فرمائی کہ فراخ وکشادہ زرہیں تیار کرو اور اُس کے حلقے اور کڑیاں ٹھیک انداز سے جوڑو جو بڑی چھوٹی اور پتلی موٹی ہونے کے اعتبار سے متناسب ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ اور ہم نے ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا لوہا آپ کے ہاتھ میں موم یا گوندھے ہوئے آٹے کی طرح ہوجاتا تھا جس طرح چاہتے ہاتھ سے پکڑ کر اس کو موڑ دیتے تھے، تپانے اور کوٹنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔

داؤدؑ نے زرہوں کا کام کیسے شروع کیا:

بغوی نے لکھا ہے اخبار میں آیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جب بنی اسرائیل کے بادشاہ ہوئے تو آپ نے اپنا یہ دستور بنالیا تھا کہ لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیس بدل کر (رات کو) نکلا کرتے تھے۔ اور ایسے لوگوں سے جو آپ کو پہچانتے نہ تھے مل کر دریافت کرتے تھے کہ داؤد کیسا آدمی ہے تمہاری اس کے متعلق کیا رائے ہے یہ تمہارا حاکم کیسا شخص ہے سب لوگ آپ کی تعریف کرتے تھے اور آپ کے متعلق کلمہ خیر ہی کہتے تھے ایک روز اللہ نے ایک فرشتہ بہ شکل انسانی بھیجا حضرت داؤد کی اس سے ملاقات ہوئی اور حسب عادت اس سے اپنے متعلق دریافت کیا فرشتے نے کہا اگر ایک بات نہ ہو تو بادشاہ اچھا آدمی ہے۔ حضرت داؤد یہ سنتے ہی خوف زدہ ہو گئے اور دریافت فرمایا بندہ خدا وہ کون سی بات ہے فرشتے نے کہا وہ خود بھی بیت المال سے کھاتا ہے اور اپنے اہل وعیال کو بھی بیت المال سے لے کر کھلاتا ہے قتیبہ نے کہا اسی سبب سے حضرت داؤد نے اللہ سے دُعاء کی کہ میرے لئے رزق کا کوئی ذریعہ مقرر فرمادے تاکہ اس سے میں اپنی بھی روزی کماؤں اور اہل وعیال کو بھی کھلاؤں اور بیت المال کا محتاج نہ رہوں۔ اللہ نے (دُعاء قبول فرمائی اور) لوہے کو ان کے لئے نرم کر دیا اور زرہ بنانا سکھا دی سب سے پہلے آپ نے ہی زرہ بنائی (آپ سے پہلے زرہ کی ایجاد ہی نہیں ہوئی تھی) کہا جاتا ہے کہ آپ ایک زرہ چار ہزار درہم کو فروخت کرتے تھے جس سے خود بھی کھاتے تھے گھر والوں کو بھی کھلاتے اور غریبوں مسکینوں کو خیرات بھی دیتے تھے بعض اقوال میں آیا ہے کہ روزانہ ایک زرہ بنالیا کرتے تھے جو چھ ہزار کی فروخت ہوتی تھی جس میں سے دو ہزار اپنے اہل وعیال کے صرف میں لاتے تھے اور چار ہزار غریبوں مسکینوں کو خیرات کر دیتے تھے۔

ہاتھ کی کمائی:

حضرت مقدام بن معدی کرب راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ہاتھوں کی کمائی سے بہتر کسی نے کوئی کمائی کبھی نہیں کھائی، اللہ کے نبی داؤد اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔ رواہ البخاری واحمد بغوی کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے داؤد نہیں کھاتے تھے مگر اپنے ہاتھ کی کمائی۔ (تفسیر مظہری)

اور ایک فضیلت وکرامت ہم نے داؤد علیہ السلام کو یہ عطا کی کہ داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو بلا سبب ظاہری موم کی طرح نرم کر دیا اور یہ حکم دیا کہ تم اس لوہے سے کشادہ زرہیں بناؤ اور کڑیوں کو جوڑنے میں اندازہ کا لحاظ رکھو کہ نہ بہت بھاری ہو اور نہ بہت ہلکی ہو اور ایسی مضبوط ہو کہ اس کا پہننے والا تیر اور تلوار سے بچ سکے یہ بھی داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ لوہا بغیر آگ میں ڈالے اور بغیر ہتھوڑے کے کوٹے ان کے ہاتھ میں موم کی طرح نرم ہوجاتا اور تاگے کی طرح اس کو بٹ کر زرہ بنالیتے تاکہ جہاد میں کام آویں اور اے آل داؤد کافروں کے مقابلہ اور ان کے وار کو روکنے کے لئے تو تم نے کشادہ زرہیں تیار کرلیں مگر نفس اور شیطان کا وار روکنے کے لئے بھی زرہیں تیار رکھو یعنی تم سب نیک عمل کرتے رہو کہ جس میں نفسانیت کا شائبہ نہ ہو تحقیق میں تمہارے عمل کو خوب دیکھتا ہوں کہ اس میں کوئی کمزوری تو نہیں کہ نفس وشیطان کے مقابلہ میں کہیں کمزور زرہ ثابت نہ ہو۔

حکایت: داؤد علیہ السلام زمانہ بادشاہت میں ہیئت بدل کر ملک میں پھرتے اور لوگوں سے بادشاہ کا حال دریافت کرتے تاکہ اگر کسی کو کوئی شکایت ہو تو اس کی اصلاح کر سکیں جس شخص سے بھی پوچھتے تو وہ داؤد ان کی عبادت اور ان کی نیک خلقی اور عدل وانصاف کی تعریف کرتا ایک دن ایک فرشتہ انسان کی صورت میں ملا تو داؤد علیہ السلام نے اس کو اپنے سے انجان سمجھ کر اس سے اپنا حال پوچھا اس نے کہا کہ داؤد سب آدمیوں سے بہتر ہے اور بہت اچھا ہے لیکن اس میں ایک خصلت ہے اگر وہ نہ ہوتی تو زیادہ بہتر ہوتا داؤد علیہ السلام نے پوچھا وہ کیا بات ہے اس نے کہا کہ وہ خود بھی مسلمانوں کے بیت المال سے کھاتا ہے اور اپنے اہل وعیال کو بھی اس میں سے کھلاتا ہے اگر وہ خود اپنی محنت اور ہاتھ کی کمائی سے کھاتا تو بہتر ہوتا۔ داؤد علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں دعا شروع کی کہ مجھے کوئی ایسی حرفت سکھا دیں جس سے میں اور میرے اہل وعیال مستغنی ہو جائیں پس اللہ تعالیٰ نے ان کو زرہ بنانے کی صنعت سکھا دی جیسا کہ سورۂ انبیاء میں گذرا وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ کہ اللہ عزوجل نے لوہا ان کے لئے نرم کر دیا اور زرہ بنانے کی صنعت ان کو سکھلا دی چنانچہ داؤد زرہ بناتے اور اس کو فروخت کرتے اس میں سے ایک تہائی صدقہ کر دیتے اور ایک تہائی اہل وعیال پر خرچ کر دیتے اور ایک تہائی آئندہ زرہ بنانے کے لئے ذخیرہ رکھ چھوڑتے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک زرہ چار ہزار درہم میں فروخت ہوتی تفسیر قرطبی ص ۲۶۶ وروح المعانی ص ۱۰۷ ج ۲۲

بطور معجزہ لوہا نرم ہو جاتا تھا:

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِى السَّرْدِ لوہے کو ان کے لئے نرم کر دیا تھا حسن بصری، قتادہ، اعمش وغیرہ ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ کے لوہے کو ان کیلئے موم کی طرح نرم بنا دیا تھا کہ اس سے کوئی چیز بنانے میں نہ ان کو آگ کی ضرورت پڑتی تھی اور نہ کسی ہتھوڑے یا دوسرے آلات کی آگے آیت میں اس کا بیان ہے کہ لوہے کو ان کے لئے نرم اس لئے بنایا گیا تھا کہ وہ لوہے کی زرہ آسانی سے بنا سکیں۔

سارا وقت اسی میں صرف نہ ہو:

بعض حضرات نے قَدِّرْ فِى السَّرْدِ کی تفسیر میں تقدیر سے یہ مراد لیا ہے کہ اس صنعت کے لئے ایک مقدار وقت کی معین کر لینا چاہئے سارے اوقات اس میں صرف نہ ہو جائیں تاکہ عبادت اور امور سلطنت میں اس کی وجہ سے خلل نہ آئے۔

مسئلہ: خلیفہ وقت یا سلطان کو جو اپنا پورا وقت امور سلطنت کی انجام دہی میں صرف کرتا ہے شرعاً یہ جائز ہے کہ اپنا متوسط گذارہ بیت المال سے لے لے، لیکن کوئی دوسری صورت گذارہ کی ہو سکے تو وہ زیادہ پسند ہے، حضرت داؤد ان پر اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کے خزانے کھول دیئے تھے، اور زر وجواہرات اور تمام اشیاء ضرورت کی بڑی فراوانی تھی، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو بیت المال کے مال میں حسب منشاء ہر تصرف کی اجازت بھی دیدی گئی تھی آیت فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ میں یہ بھی اطمینان دلایا تھا کہ آپ جس طرح چاہیں خرچ کریں آپ کے ذمہ حساب دینا نہیں ہے مگر انبیاء علیہم السلام کو حق تعالیٰ جس مقام بلند پر رکھنا چاہتے ہیں اس کے تقاضہ سے یہ واقعہ پیش آیا اور اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام اتنی بڑی سلطنت کے ہوتے ہوئے اپنی مزدوری سے اپنا گزارہ پیدا کرتے اور اسی پر قناعت کرتے تھے۔

علماء، قاضی اور مفتی بیت المال سے لے سکتے ہیں:

علماء جو تعلیم وتبلیغ کی خدمت مفت انجام دیتے ہوں اور قاضی ومفتی جو لوگوں کے کام میں اپنا وقت صرف کرتے ہوں ان کا بھی یہی حکم ہے کہ بیت المال سے اپنا خرچ لے سکتے ہیں مگر کوئی دوسری صورت گذارہ کی ہو جو دینی خدمت میں خلل انداز بھی نہ ہو تو وہ بہتر ہے۔

فائدہ: حضرت داؤد علیہ السلام کے اس طرز عمل سے کہ اپنے اعمال وعادات کے متعلق لوگوں کی رائیں بے تکلف آزادانہ معلوم کرنے کا اہتمام فرماتے تھے یہ ثابت ہوا کہ اپنے عیوب چونکہ آدمی کو خود معلوم نہیں ہوتے، اس لئے دوسروں سے تحقیق کرنا چاہئے حضرت امام مالکؒ بھی اس کا اہتمام فرماتے تھے کہ یہ معلوم کریں کہ عام لوگ اُن کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ (معارف القرآن)

وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱﴾
اور کرو تم سب کام بھلا میں جو کچھ تم کرتے ہو دیکھتا ہوں ☆

حقیقی رزاق سے غفلت نہ ہونے پائے:

یعنی ان صنائع میں پڑ کر منعم حقیقی کی طرف سے غفلت نہ ہونے پائے ہمیشہ عمل صالح کرتے رہو اور یاد رکھو کہ اللہ سب کام دیکھتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو:

اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ جو کچھ تم کرتے ہو اس کو میں دیکھتا ہوں یعنی تم کو ان اعمال کی جزا دوں گا حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ بلاشبہ پاک ہے پاکیزہ ہی کو پسند کرتا ہے اس نے جو حکم پیغمبروں کو دیا وہی حکم مؤمنوں کو دیا اور فرمایا، اے پیغمبرو، پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو۔ (الحدیث، رواہ مسلم) (تفسیر مظہری)

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ
اور سلیمان کے آگے ہوا کو صبح کی منزل اس کی ایک مہینہ کی اور

وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ؕ

شام کی منزل ایک مہینے کی اور بہادیا ہم نے اس کے واسطے چشمہ پگھلے ہوئے تانبے کا ☆

ہوا کی تسخیر:

حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت تھا جو فضا میں اڑتا ہوا اس کو شام سے یمن اور یمن سے شام لے چلتی۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو ان کے لئے مسخر کر دیا تھا، ایک مہینہ کی مسافت ہوا کے ذریعہ سے آدھے دن میں طے ہوتی تھی سورۂ ''انبیاء'' اور سورۂ ''نمل'' میں اس کا کچھ بیان گذر چکا ہے اور آگے سورۂ ص میں آئے گا اور پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یمن کی طرف نکال دیا تھا اس کو سانچوں میں ڈال کر جنات بڑے بڑے برتن دیگیں اور لگن وغیرہ تیار کرتے تھے جن میں ایک لشکر کا کھانا پکتا اور کھلایا جاتا۔ (تفسیر عثمانی)

تخت کے اڑنے کی رفتار:

غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ صبح سے زوال تک اس کی رفتار ایک ماہ کی مسافت کے برابر تھی اور زوال سے مغرب تک کی اس کی رفتار ایک ماہ (کی مسافت راہ کے برابر) تھی حسن نے کہا حضرت سلیمانؑ صبح کو دمشق سے چلتے اور اصطخر میں قیلولہ کرتے تھے ان دونوں مقاموں کے درمیان مسافت تیز سواری کی ایک ماہ کی مسافت کے برابر ہے پھر پچھلے دن میں اصطخر سے چل کر بابل میں رات کو قیام کرتے ان دونوں کی درمیانی مسافت بھی تیز شہسواری کی ایک ماہ کی مسافت کے برابر ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ صبح کا کھانا آپ رے میں کھاتے اور شام کا کھانا سمرقند میں۔

یہ معجزہ کیسے ملا:

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ تسخیر ہوا کا معجزہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس عمل کے صلہ میں عطا ہوا تھا کہ ایک روز وہ اپنے گھوڑوں کے معائنہ میں مشغول تھے اس میں ایسی مشغولیت ہوئی کہ عصر کی نماز قضا ہو گئی چونکہ گھوڑے اس غفلت کا سبب ہوئے تھے اس سبب غفلت کو ختم کرنے کے لئے حضرت سلیمان ں نے ان گھوڑوں کو ذبح کر کے قربان کر دیا (کیونکہ سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں گائے بیل کی طرح گھوڑے کی قربانی بھی جائز تھی) اور یہ گھوڑے خود حضرت سلیمان ں کی ملک میں تھے اس لئے بیت المال کے نقصان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور قربانی کی وجہ سے اپنا مال ضائع کرنے کا اشکال بھی نہیں ہوتا، اس کی پوری تفصیل سورۂ ص میں آئے گی، چونکہ سلیمان علیہ السلام نے اپنی سواری کے جانور قربان کر دیئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے بہتر سواری عطا فرما دی۔

تانبے کا چشمہ:

بغویؒ نے لکھا ہے کہ اہل تفسیر کا قول ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے لئے اللہ نے تانبے کا چشمہ تین روز تک جاری رکھا اور یہ چشمہ یمن میں تھا جس سے لوگ اس زمانے میں فائدہ اندوز ہوتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ یعنی بہا دیا ہم نے سلیمانؑ کے لئے چشمہ تانبے کا یعنی تانبے جیسی سخت دھات کو اللہ تعالیٰ نے سلیمانؑ کے لئے پانی کی طرح بہنے والا سیال بنا دیا، جو پانی کے چشمہ کی طرح جاری تھا اور گرم بھی نہ تھا، تا کہ آسانی کے ساتھ اس کے برتن اور دوسری ضروریات بنا سکیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ چشمہ اتنی دور تک جاری ہوا جس کی مسافت تین دن تین رات میں طے ہو سکے، اور یہ ارض یمن میں تھا، اور مجاہد کی روایت میں ہے کہ یہ چشمہ صنعاء یمن میں شروع ہوا اور تین دن تین رات کی مسافت تک پانی کے چشمہ کی طرح جاری رہا خلیل نحوی نے فرمایا کہ لفظ قطر جو اس آیت میں آیا ہے اس سے مراد پگھلا ہوا تانبا ہے۔ (قرطبی) (معارف القرآن مفتی اعظم)

وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ

اور جنوں میں کتنے لوگ تھے جو محنت کرتے اس کے سامنے اس کے رب کے حکم سے

وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ

اور جو کوئی پھرے ان میں سے ہمارے حکم سے چکھائیں ہم اس کو

مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ

آگ کا عذاب ☆

جنات کا مسخر ہونا:

یعنی بہت سے جن جنہیں دوسری جگہ شیاطین سے تعبیر فرمایا ہے معمولی قلیوں اور خدمتگاروں کی طرح ان کے کام میں لگے رہتے تھے اللہ کا حکم تھا کہ سلیمان کی اطاعت کریں ذرا سرکشی کی تو آگ میں پھونک دیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

من الجن میں من تبعیضیہ ہے اور بعض سے مراد ہیں اکثر مطلب یہ کہ سلیمان کیلئے اکثر جن کام کرتے تھے اس لئے ایک فرشتے کو مسلط کر دیا گیا تھا کہ سلیمان کے حکم سے جو جن سرتابی کرے فرشتہ اس کو سزا دے اس کا حاصل یہ ہوا کہ اکثر جن حضرت سلیمان کے کام کی انجام دہی میں منہمک تھے (اور یہی مراد خداوندی تھی)

یا یوں کہا جائے کہ من یزغ کا یہ معنی ہے کہ جو جن حکم سے عدول کرنے کا ارادہ کرتا تھا فرشتہ اس کو مار کر سیدھا کر دیتا تھا (گویا نافرمانی سے مراد ہے نافرمانی کا ارادہ) (تفسیر مظہری)

وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ مسخر کر دیا ہم نے سلیمانؑ کے لئے جنات میں سے ایسے لوگوں کو جو ان کے سامنے ان کے کام انجام دیں اپنے رب کے حکم کے موافق، بین یدیہ ''یعنی ان کے سامنے'' کے الفاظ بڑھانے سے شاید یہ بتلانا ہو کہ سلیمانؑ کے لئے جنات کی تسخیر اس طرح کی نہیں جس طرح چاند سورج وغیرہ کو انسان کے لئے مسخر کرنے کا ارشاد قرآن

میں آیا ہے بلکہ یہ تسخیر ایسی تھی کہ جنات نوکروں چاکروں کی طرح ان کے سامنے مفوضہ خدمات میں لگے رہتے تھے۔

تسخیر جنات کا مسئلہ:

جنات کی تسخیر جو اس جگہ مذکور ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے، اس میں تو کوئی سوال ہی نہیں ہوسکتا، اور بعض صحابہ کرام کے متعلق جو روایات میں آیا ہے کہ جنات ان کے مسخر اور تابع تھے تو یہ تسخیر بھی اسی قسم کی تسخیر باذن اللہ تھی جو بطور کرامت ان حضرات کو عطا کی گئی تھی اس میں کسی عمل و وظیفہ کا کوئی دخل نہیں تھا جیسا کہ علامہ شربینیؒ نے تفسیر سراج المنیر میں اس آیت کے تحت میں حضرت ابوہریرہ، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، عمر بن خطاب، ابوایوب انصاری، زید بن ثابت وغیرہ رضی اللہ عنہم کے متعدد واقعات ایسے لکھے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جنات ان کی اطاعت و خدمت کرتے تھے، مگر یہ سب محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا کہ سلیمان علیہ السلام کی طرح کچھ جنات کو ان حضرات کا مسخر بنا دیا، لیکن جو تسخیر عملیات کے ذریعہ عاملوں میں مشہور ہے وہ قابل غور ہے، کہ شرعاً اس کا کیا حکم ہے، قاضی بدرالدین شبلی حنفی جو آٹھویں صدی کے علماء میں سے ہیں انہوں نے جنات کے احکام پر ایک مستقل کتاب "آکام المرجان فی احکام الجان" لکھی ہے، اس میں بیان کیا ہے کہ جنات سے خدمت لینے کا کام سب سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام نے باذن اللہ بطور معجزہ کے کیا ہے، اور اہل فارس جمشید بن اونجہان کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے جنات سے خدمت لی ہے اسی طرح آصف بن برخیا وغیرہ جن کا تعلق حضرت سلیمان علیہ السلام سے رہا ہے، ان کے متعلق بھی استخدام جن کے واقعات مشہور ہیں، اور مسلمانوں میں سب سے زیادہ شہرت ابونصر احمد بن ہلال البکیل اور ہلال بن وصیف کی ہے جن سے استخدام جنات کے عجیب عجیب واقعات مذکور ہیں، ہلال بن وصیف نے ایک مستقل کتاب میں جنات کے کلمات جو انہوں نے حضرت سلیمان ل کے سامنے پیش کئے اور جو عہد و میثاق سلیمانؑ نے ان سے لئے ان کو جمع کر دیا ہے۔

قاضی بدرالدین نے اسی کتاب میں لکھا ہے کہ عام طور سے تسخیر جنات کا عمل کرنیوالے عاملین کلمات کفریہ شیطانیہ سے اور سحر سے کام لیتے ہیں، جن کو کافر جنات و شیاطین پسند کرتے ہیں، اور ان کے مسخر و تابع ہونے کا راز صرف یہ ہے کہ وہ ان کے اعمال کفریہ شرکیہ سے خوش ہو کر بطور رشوت کے ان کے کچھ کام بھی کر دیتے ہیں اور اسی لئے بکثرت ان عملیات میں قرآن کریم کو نجاست یا خون وغیرہ سے لکھتے ہیں، جس سے کفار جن اور شیاطین راضی ہو کر اُن کے کام کر دیتے ہیں، البتہ ایک شخص ابن الامام کے متعلق لکھا ہے کہ یہ خلیفہ معتضد باللہ کے زمانہ میں تھا، جنات کو اس نے اسماء آلہیہ کے ذریعہ سے مسخر کیا تھا، اس میں کوئی بات خلاف شرع نہیں تھی۔ (آکام المرجان، ص۱۰۰)

خلاصہ یہ ہے کہ جنات کی تسخیر اگر کسی کے لئے بغیر قصد و عمل کے محض منجانب اللہ ہو جائے جیسا کہ سلیمانؑ اور بعض صحابہ کرام کے متعلق ثابت ہے وہ تو معجزہ یا کرامت میں داخل ہے، اور جو تسخیر عملیات کے ذریعہ کی جاتی ہے اس میں اگر کلمات کفریہ یا اعمال کفریہ ہوں تو کفر، اور صرف معصیت پر مشتمل ہوں تو گناہ کبیرہ ہے، اور جن عملیات میں ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جن کے معنی معلوم نہیں ان کو بھی فقہاء نے اس بنا پر ناجائز کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ان کلمات میں کفر و شرک یا معصیت پر مشتمل کلمات ہوں، قاضی بدرالدین نے "آکام المرجان" میں ایسے نامعلوم المعنی کلمات کے استعمال کو بھی ناجائز لکھا ہے۔

اور اگر یہ عمل تسخیر اسماء آلہیہ یا آیات قرآنیہ کے ذریعہ ہو اور اس میں نجاست وغیرہ کے استعمال جیسی کوئی معصیت بھی نہ ہو تو وہ اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ مقصود اس سے جنات کی ایذاء سے خود بچنا یا دوسرے مسلمانوں کو بچانا ہو، یعنی دفع مضرت مقصود ہو، جلب منفعت مقصود نہ ہو، کیونکہ اگر اس کو کسب مال کا پیشہ بنایا گیا تو اس لئے جائز نہیں کہ اس میں استرقاق حُر یعنی آزاد کو اپنا غلام بنانا اور بلاحق شرعی اس سے بیگار لینا ہے، جو حرام ہے، واللہ اعلم۔

نافرمان جنّات کی سزا:

وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ "یعنی ہم نے جنات کو سلیمانؑ کی خدمت و اطاعت کا جو حکم دیا ہے اگر ان میں کوئی فرد اس اطاعت سے انحراف کرے گا تو اس کو آگ کا عذاب دیا جائے گا اکثر مفسرین نے اس سے آخرت کا عذاب جہنم مراد لیا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک فرشتہ کو مسلط کر دیا تھا کہ جو جن سلیمانؑ کی اطاعت میں کوتاہی کرے اس کو آتشین کوڑے مار کر کام کرنے پر مجبور کرتا تھا (قرطبی) اور اس پر یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ جنات تو خود آگ سے بنے ہوئے ہیں، آگ اُن پر کیا اثر کرے گی، کیونکہ جنات کے آگ سے بننے کا مطلب وہی ہے جو انسان کے مٹی سے بننے کا مطلب ہے یعنی عنصر غالب انسان کے وجود کا مٹی ہے، مگر اس کو مٹی پتھر سے مارا جائے تو تکلیف پہنچتی ہے اسی طرح جنات کا عنصر غالب آگ ہے مگر خالص اور تیز آگ سے وہ بھی جل جاتے ہیں۔

يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ

بناتے اُس کے واسطے جو کچھ چاہتا قلعے اور تصویریں

وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ط

اور لگن جیسے تالاب اور دیگیں چولہوں پر جمی ہوئی ☆

جنات کا کام:

یعنی بڑے بڑے محل، مسجدیں اور قلعے جنات تعمیر کرتے اور مجسم تصویریں بناتے جوان کی شریعت میں ممنوع نہیں ہونگی شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کر دیا اور تانبے کے بڑے بڑے لگن بناتے جیسے حوض یا تالاب اور دیگیں تیار کرتے جو اپنی جگہ سے ہل نہ سکتی تھیں۔ ایک ہی جگہ رکھی رہتیں۔ (تفسیر عثمانی)

يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِن مَّحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَّاسِيَاتٍ

سلیمان کو جو بنوانا منظور ہوتا جنات ان کے لیے وہ بنا دیتے بڑی بڑی عمارتیں اور مورتیں اور لگن (اتنے بڑے بڑے) جیسے حوض اور دیگیں جو (بڑے ہونے کی وجہ سے) ایک ہی جگہ جمی رہیں۔

محاریب مضبوط محل اونچی مسجدیں اور اعلیٰ مکانات، محراب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حرب کا معنی ہے دفع کرنا اور اعلیٰ عمارتوں کی بھی حفاظت کی جاتی ہے اور ہر نقصان رساں چیز کو ان سے دفع کیا جاتا ہے۔

بیت المقدس کی تعمیر:

بغوی نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے بیت المقدس کی تعمیر حضرت داؤدؑ نے شروع کی تھی قدآدم تعمیر اٹھائی تھی کہ اللہ کی طرف سے وحی آئی، تمہارے ہاتھ سے اس عمارت کی تکمیل کا فیصلہ میں نے نہیں کیا ہے بلکہ تمہارے بیٹے کو جس کا نام سلیمانؑ ہوگا میں بادشاہ بناؤں گا اس کے ہاتھ سے اس عمارت کو پورا کراؤں گا حضرت داؤدؑ کی وفات کے بعد جب حضرت سلیمانؑ ان کے جانشین ہوئے تو آپ نے بیت المقدس کی تعمیر مکمل کرنی چاہی چنانچہ جنات اور شیاطین کو جمع کر کے ان کی ٹولیاں بنا کر الگ الگ کاموں کی درستی پر مقرر کیا جنات اور شیاطین کو کانوں سے اکھاڑ کر سنگ مرمر سفید کے لانے کا حکم دیا۔

پتھر آ گئے تو سنگ مرمر سفید اور دوسری سنگین چٹانوں سے شہر بنانے کا امر دیا، شہر کی بارہ فصیلیں بنائیں کیوں کہ بنی اسرائیل کے بارہ قبائل تھے ہر قبیلہ کو ایک فصیل میں رکھا، شہر بن چکا تو تعمیر مسجد کا آغاز کیا جس کی ابتداء اس طرح کی کہ جنات اور شیاطین کے گروہ الگ الگ کر دیئے، ایک گروہ کو کانوں سے سونا چاندی اور یاقوت لانے کا اور سمندر سے چمکدار موتی نکال کر لانے پر مامور کیا دوسرے گروہ کو جواہر اور دوسرے (قیمتی) پتھر معدنوں سے اکھاڑ کر لانے کا حکم دیا تیسرے گروہ کو مشک عنبر اور دوسری خوشبودار چیزیں لانے پر مقرر کیا آخر یہ سب چیزیں اتنی فراہم ہو گئیں کہ جن کی مقدار اور تعداد اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں، پھر کاریگروں اور صنعت کاروں کو بلوا کر اونچے اونچے پتھر تراشنے اور ان کی تختیاں اور جواہر کو درست کرنے اور موتیوں میں اور یاقوت وغیرہ میں سوراخ کرنے پر مامور کیا مسجد کی تعمیر سفید زرد اور سبز سنگ مرمر سے کرائی اور ستون بھی اسی کے قائم کئے چھت میں قیمتی جواہر کی تختیاں لگائیں اور چھتوں اور دیواروں کا گارا اور پلاسٹر مروارید یاقوت اور دوسرے جواہر کا لگوایا زمین پر فیروزے کی تختیوں کا فرش لیا، اس زمانے میں روئے زمین پر اس سے زیادہ پر رونق اور چمکیلی عمارت کوئی نہیں تھی، تاریکی میں بھی وہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتی تھی تعمیر سے فراغت کے بعد حضرت سلیمانؑ نے علماء بنی اسرائیل کو طلب فرما کر بتایا کہ میں نے یہ عمارت خالص اللہ کے لئے بنائی ہے اس میں جو کچھ ہے وہ اللہ کے لئے ہے (کوئی اس کا مالک نہیں) جس روز تعمیر سے فراغت ہوئی آپ نے اس روز جشن منایا، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

سلیمانؑ نے تعمیر بیت المقدس سے فارغ ہونے کے بعد اپنے رب سے تین چیزوں کی دعاء کی اللہ نے دو چیزیں تو عطا فرمادیں اور تیسری کے متعلق بھی مجھے امید ہے کہ عطا فرمادی ہوگی سلیمانؑ نے درخواست کی تھی کہ اللہ ان کو فیصلہ کرنے کی قوت عطا فرمادے کہ ان کا فیصلہ اللہ کے فیصلہ کے موافق ہو (یعنی فیصلہ کرنے میں ان سے غلطی نہ ہو) اللہ نے ان کو یہ چیز عطا فرمادی انہوں نے اپنے رب سے ایسی حکومت مانگی تھی جو ان کے بعد کسی کے لئے سزاوار نہ ہو، اللہ نے یہ چیز بھی ان کو عطا فرمادی۔

سلیمانؑ نے دعاء کی تھی کہ اس گھر (بیت المقدس) میں جو شخص آ کر دو رکعت نماز ادا کرے اس کو گناہوں سے ایسا پاک کر دیا جائے جیسا اس دن تھا جب ماں نے اس کو جنم دیا تھا میں امید کرتا ہوں کہ اللہ نے یہ چیز بھی ان کو مرحمت فرمادی ہوگی رواہ البغوی۔

نمازوں کا مختلف ثواب:

حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے گھر کے اندر آدمی کی ایک نماز (کا ثواب) ایک نماز (کا ثواب) ہے اور مسجد قباء کے اندر ایک نماز کا ثواب پچیس نمازوں کا ہے اور مسجد جامع میں ایک نماز کا ثواب پانچ سو نمازوں کا ہے اور مسجد اقصیٰ میں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نمازوں کا ہے اور میری مسجد میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کا ہے اور کعبہ کے اندر ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کا ہے۔ (رواہ ابن ماجہ)

تین مسجدوں کا سفر:

حضرت ابوسعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سواریاں کس کر نہ جاؤ (یعنی سفر نہ کرو) مگر تین مسجدوں کی طرف مسجد حرام مسجد اقصیٰ اور میری یہ مسجد۔ (متفق علیہ)

مسئلہ: کیا مسجدوں کو سونے چاندی وغیرہ سے آراستہ کرنا جائز ہے، یہ مسئلہ اختلافی ہے بعض علماء کے نزدیک مکروہ ہے اس میں فضول مال کی بربادی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مساجد کو مزین بنانے کی اجازت نہیں

دی، حضرت ابن عباس نے فرمایا تم مسجدوں کو ضرور اس طرح آراستہ کرو گے جیسے یہودی اور عیسائی کرتے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ مسجدوں کی آرائش علاماتِ قیامت میں سے ہے۔

بعض اہل علم نے کہا مسجد کو آراستہ کرنا ثواب ہے اس میں مسجد کی عظمت کا اظہار ہے حضرت سلیمانؑ نے مسجد بیت المقدس کو آراستہ کیا تھا اس سے تائید ہوتی ہے تزئین مساجد کے قول کی۔

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ تزئین مساجد کا جواز اس وقت ہوگا جب کوئی شخص اپنے مال سے یہ کرے متولی کے لئے جائز نہیں کہ سواء ضروریات تعمیر کے وقف کا روپیہ نقاشی وغیرہ میں صرف کرے اگر ایسا کرے گا تو خود اس کو اپنے پاس سے تاوان ادا کرنا ہوگا، ابن ہمام نے لکھا ہے کہ تزئین مساجد کے مقابلہ میں غریبوں کی امداد کرنا بہرحال بلاشبہ بہتر ہے۔

اکثر علماء کے نزدیک منبت کاری اور نقاشی مصالحہ کی ہو یا لکڑی کی اور سنہرے پانی کا استعمال مساجد کے لئے جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں کوئی ہرج نہیں کا جملہ اس بات کی طرف اشارہ کررہا ہے کہ نہ اس کا ثواب ملے گا نہ گناہ ہوگا۔ کذافی الہدایہ۔

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ محل کراہت (یعنی مکروہ تحریمی) تو یہ ہے کہ بہت ہی پرتکلف دقیق نقاشی وغیرہ کی جائے خصوصاً محراب میں باریک فن کاری سے کام لیا جائے یا مسجد کی آرائش تو کردی جائے اور (اس میں) نماز پڑھی جائے یا مسجد کو اس کا حق نہ دیا جائے یعنی مسجد کے اندر شور مچایا جائے یا دنیا کی باتیں کرنے کے لئے وہاں بیٹھک کی جائے حدیث کا آخری جملہ ہے کہ وقلوبہم خاویۃ علی الایمان اور ان کے دل ایمان سے خالی ہوں گے یہ جملہ مذکورہ بالا بیان کو ثابت کررہا ہے۔

میں کہتا ہوں سلیمانؑ کے قصہ کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا اتباع زیادہ ضروری ہے کیوں کہ گزشتہ انبیاء کی شریعتیں اسی وقت اتباع کے لائق ہیں جب ہماری شریعت میں ان کے خلاف کوئی حکم نہ آیا ہو اس کے علاوہ حضرت سلیمانؑ کا فعل (یعنی تزئین مسجد) تو ایک حکمت کا حامل تھا آپ شیاطین اور جنات کو سخت کاموں میں اس لئے مشغول رکھنا چاہتے تھے کہ شیاطین کو لوگوں کو گمراہ کرنے کا موقع نہ ملے (تزئین مسجد اصل مقصود نہ تھا)

سلیمانؑ کی تعمیر کی بربادی:

بغوی نے لکھا ہے اہل اخبار کا بیان ہے بخت نصر کے حملہ تک حضرت سلیمان کی بنائی ہوئی مسجد اپنی اصل حالت پر باقی رہی جب بخت نصر نے بیت المقدس پر حملہ کیا تو شہر کو تباہ کردیا اور ساری عمارتیں ڈھادیں مسجد گرادی مسجد کی چھت اور دیواروں میں جو سونا چاندی موتی یاقوت اور جواہر لگے ہوئے سب اکھاڑ کر اپنے ملک (عراق) کو لے گیا۔

جنات نے حضرت سلیمانؑ کے لئے یمن میں پتھر کے بڑے عجیب قلعے بھی تعمیر کئے تھے۔

جن کیسی تصویریں بناتے تھے:

تصویر دو طرح کی ہوتی ہے ایک ذی روح جاندار چیزوں کی تصویر، دوسرے غیر ذی روح بے جان چیزوں کی، پھر بے جان چیزوں میں دو قسمیں ہیں، ایک جماد جس میں زیادتی اور نمو نہیں ہوتا، جیسے پتھر مٹی وغیرہ، دوسرے نامی جس میں نمو اور زیادتی ہوتی رہتی ہے، جیسے درخت اور کھیتی وغیرہ، جنات حضرت سلیمانؑ کیلئے ان سب قسم کی چیزوں کی تصویریں بناتے تھے۔ اول تو لفظ تماثیل کے عموم ہی سے یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ یہ تصاویر کسی خاص قسم کی نہیں، بلکہ ہر قسم کے لئے عام تھیں۔

شریعتِ اسلامیہ کی خصوصیت:

خلاصہ یہ ہے کہ پچھلی امتوں میں جانداروں کی تصاویر بت پرستی کا ذریعہ بن گئیں۔ شریعت اسلام کے لئے چونکہ قیامت تک قائم اور باقی رکھنا تقدیر الٰہی ہے، اس لئے اس میں اس کا خاص اہتمام کیا گیا ہے کہ جس طرح اصل حرام چیزوں اور معاصی کو حرام وممنوع کیا گیا ہے، اسی طرح ان کے ذرائع اور اسباب قریبہ کو بھی اصل معاصی کے ساتھ ملحق کرکے حرام کردیا گیا ہے، اصل جرم عظیم شرک وبت پرستی ہے، اس کی ممانعت ہوئی ہے تو جن راستوں سے بت پرستی آسکتی تھی ان راستوں پر بھی شرعی پہرہ بٹھا دیا گیا اور بت پرستی کے ذرائع اور اسباب قریبہ کو بھی حرام کردیا گیا، ذی روح کی تصاویر کا بنانا اور استعمال کرنا اسی اصول کی بنا پر حرام کیا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ ومتواترہ سے اس کی حرمت ثابت ہے۔

اسی طرح شراب حرام کی گئی تو اس کی خرید، فروخت اس کو لانے لے جانے کی مزدوری اس کی صنعت سب حرام کردی گئی جو شراب نوشی کے ذرائع ہیں۔

تصویر کی ممانعت کے اسباب:

ایک سبب تصویر کی ممانعت کا احادیث صحیحہ میں یہ بھی آیا ہے کہ اللہ کے فرشتوں کو تصویر اور کتے سے نفرت ہے جس گھر میں یہ چیزیں ہوتی ہیں اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے، جس کے سبب اس گھر کی برکت اور نورانیت مٹ جاتی ہے، گھر میں بسنے والوں کو عبادت وطاعت کی توفیق گھٹ جاتی ہے اور ساتھ ہی یہ مشہور مقولہ بھی غلط نہیں کہ ''خانہ خالی را دیو می گیرد'' یعنی خالی گھر پر جن بھوت قبضہ کرلیتے ہیں جب کوئی گھر رحمت کے فرشتوں سے خالی ہوگا تو شیاطین اس کو گھیر لیں گے اور ان کے بسنے والوں کے دلوں میں گناہوں کے وسوسے اور پھر ارادے پیدا کرتے رہیں گے۔

ایک سبب بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ تصویریں دنیا کی زائد از

ضرورت زینت ہیں اور اس زمانے میں جس طرح تصاویر سے بہت سے فوائد حاصل کئے جاتے ہیں ہزاروں جرائم اور فحاشی بھی انہی تصاویر سے جنم لیتے ہیں، غرض شریعت اسلام نے صرف ایک وجہ سے نہیں بہت سے اسباب پر نظر کر کے جاندار کی تصاویر بنانے اور اس کے استعمال کرنے کو حرام قرار دے دیا ہے، اب اگر کسی خاص فرد میں فرض کر لیں کہ وہ اسباب اتفاق سے موجود نہ ہوں تو اس اتفاقی واقعہ سے قانون شرعی نہیں بدل سکتا۔

تصویر بنانے والے:

صحیح بخاری و مسلم میں بروایت عبداللہ بن مسعودؓ یہ حدیث آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **اشد الناس عذابا یوم القیمة المصورون**، یعنی سب سے زیادہ سخت عذاب میں قیامت کے روز تصویر بنانے والے ہوں گے۔

اور بعض روایات حدیث میں تصویر بنانے والوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اور صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **کل مصور فی النار**، الحدیث یعنی ہر مصور جہنم میں جائے گا۔

اس مسئلہ کے متعلق روایات حدیث اور تعامل سلف کے شواہد تفصیل کے ساتھ احقر نے اپنے رسالہ ''التصویر'' میں جمع کر دیئے ہیں، اور لوگوں کے شبہات کے جوابات بھی اس میں مفصل ہیں، ضرورت ہو تو اس کو دیکھا جا سکتا ہے۔

فوٹو کی تصویر بھی تصویر ہی ہے:

بعض لوگوں کا یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ فوٹو تصویر سے خارج ہے، کیونکہ وہ تو ظل اور عکس ہے جیسے آئینہ اور پانی وغیرہ میں آ جاتا ہے تو جس طرح آئینہ میں اپنی صورت دیکھنا جائز ہے ایسے ہی فوٹو کی تصویر بھی جائز ہے جواب واضح ہے کہ عکس اور ظل اُس وقت تک عکس ہے جب تک وہ کسی ذریعہ سے قائم اور پائیدار نہ بنا لیا جائے جیسے آئینہ یا پانی میں اپنا عکس جس وقت پانی کے مقابلہ سے آپ ہٹ جائیں گے ختم ہو جائے گا اگر آئینہ کے اوپر کسی مسالہ یا آلہ کے ذریعہ اس صورت کے عکس کو پائیدار بنا دیا جائے تو یہی تصویر ہو جائے گی جس کی حرمت وممانعت احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

تماثیل یعنی پیتل تانبے شیشے اور سنگ مرمر کی مورتیں کہا گیا ہے کہ وہ درندوں اور پرندوں کی تصویریں بناتے تھے یہ بھی کہا گیا ہے کہ ملائکہ انبیاء اور نیک لوگوں کی تصویریں مساجد میں بناتے تھے تاکہ ان کو دیکھ کر لوگوں میں عبادت کا جذبہ ترقی کرے ان کی شریعت میں تصویر کشی جائز تھی۔

میں کہتا ہوں شاید تماثیل سے مراد بے جان چیزوں کی تصویریں ہوں کیوں کہ انسانی مورتیوں کی تو حضرت سلیمان سے پہلے بھی پوجا کی جاتی تھی حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور قوم سے فرمایا تھا۔ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ۔

صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہر مصور دوزخ میں جائے گا جو صورت اس نے بنائی ہو گی اس میں (قیامت کے دن) جان ڈالی جائے گی اور وہی تصویر اس کو دوزخ میں عذاب دے گی حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اگر تم کو ایسا کرنا ہی ہے (یعنی تصویر بنانی ہی ہے) تو درختوں کی اور بے جان چیزوں کی تصویریں بنا لو (متفق علیہ) اس حدیث میں صرف اس امت کے مصوروں کی حالت نہیں بیان کی گئی ہے بلکہ ہر مصور کی حالت کا اظہار کیا گیا ہے اور چوں کہ جملہ خبر یہ ہے اس لئے منسوخ ہونے کا بھی احتمال نہیں ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ جو مصور کوئی صورت بنائے گا اس کو عذاب دیا جائے گا اور اس کو حکم دیا جائے گا کہ اپنی بنائی ہوئی تصویر کے اندر جان بھی ڈال لیکن (وہ کبھی اس کے اندر) روح نہیں پھونک سکے گا۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک گردن (سب لوگوں سے اونچی) برآمد ہوگی جس کی دو آنکھیں ہوں گی جو دیکھ رہی ہوں گی اور دو کان ہوں گے جو سن رہے ہوں گے اور زبان ہوگی جو بول رہی ہوگی وہ کہے گی مجھے تین آدمیوں کے لئے مقرر کیا گیا ہے ہر ظالم کے لئے جو عناد رکھتا ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو معبود قرار دیتا ہے اور تمام مصوروں کے لئے۔ (رواہ الترمذی)

یہ بھی حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا اللہ فرماتا ہے اس سے بڑھ کر ظالم (ناحق کوش) کون ہے جو میری تخلیق کی طرح بنانے چلا ہے (اگر ان میں تخلیق کی طاقت ہے) تو ان کو چاہئے کہ ایک چھوٹی چیونٹی ہی بنا لیں۔ ایک دانہ یا ایک جو ہی پیدا کر لیں۔ متفق علیہ، ان تمام احادیث کی رفتار بتا رہی ہے کہ تصویر کشی کی حرمت امت محمدیہ کے لئے ہی مخصوص نہیں ہے۔

جفان جفنه کی جمع ہے جفنہ بڑے پیالے کو کہتے ہیں۔

راسیات اپنی جگہ جمی ہوئی ان دیگوں کے پائے لگے ہوئے تھے اور وہ اتنی بڑی تھیں کہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتی تھیں نہ ان کو (چولہے سے) اتارا جا سکتا تھا نہ خالی کیا جا سکتا تھا۔ زینہ لگا کر ان پر چڑھا جاتا تھا۔ یہ دیگیں یمن میں تھیں۔ (تفسیر مظہری)

جن اور انسان:

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ جن ابلیس کی اولاد میں سے ہیں اور انسان حضرت آدمؑ کی اولاد میں سے ہیں، دونوں میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی، عذاب ثواب میں دونوں شریک ہیں دونوں کے ایمان دار ولی اللہ ہیں، اور

دونوں کے بے ایمان شیطان ہیں۔

ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنات کی تین قسمیں ہیں ایک تو پردار ہے دوسری قسم سانپ اور کتے ہیں تیسری وہ ہے جو سواریوں پر سوار ہوتے ہیں، اُترتے ہیں وغیرہ، یہ حدیث بہت غریب ہے۔

مساجد میں محراب کیلئے مستقل مکان بنانے کا حکم:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عہد تک امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو ایک علیحدہ مکان کی حیثیت سے بنانے کا رواج نہیں تھا، قرونِ اُولی کے بعد سلاطین نے اس کا رواج اپنے تحفظ کے لئے دیا، اور عام مسلمانوں میں اس کا رواج اس مصلحت سے بھی ہوا کہ امام جس جگہ کھڑا ہوتا ہے وہ پوری صف خالی رہتی ہے، نمازیوں کی کثرت اور مساجد کی تنگی کے پیش نظر صرف امام کے کھڑے ہونے کی جگہ دیوار قبلہ میں گہری کر کے بنا دی جاتی ہے، تاکہ اس کے پیچھے پوری صفوف کھڑی ہوسکیں، چونکہ یہ طریقہ قرونِ اُولی میں نہ تھا۔ اس لئے بعض علماء نے اس کو بدعت کہہ دیا ہے، شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اس مسئلہ پر مستقل رسالہ بنام اعلام الاراحیب فی بدعۃ المحاریب لکھا ہے، اور تحقیق اور صحیح بات یہ ہے کہ اگر اس طرح کی محرابیں نمازیوں کی سہولت اور مسجد کے مصالح کے پیش نظر بنائی جائیں اور ان کو سنت مقصودہ نہ سمجھا جائے تو ان کو بدعت کہنے کی کوئی وجہ نہیں، ہاں اس کو سنتِ مقصودہ بنالیا جائے اس کے خلاف کرنے والے پر نکیر ہونے لگے تو اس غلو سے یہ عمل بدعت میں داخل ہوسکتا ہے۔

مسئلہ: جن مساجد میں محراب امام ایک مستقل مکان کی صورت میں بنائی جاتی ہے وہاں امام پر لازم ہے کہ اس محراب سے کسی قدر باہر اس طرح کھڑا ہو کہ اس کے قدم محراب سے باہر نمازیوں کی طرف رہیں، تاکہ امام اور مقتدیوں کا مکان ایک شمار ہوسکے، ورنہ یہ صورت مکروہ و ناجائز ہے کہ امام الگ مکان میں تنہا کھڑا ہو اور سب مقتدی دوسرے مکان میں، بعض مساجد میں محراب اتنی وسیع و عریض بنائی جاتی ہے کہ ایک مختصر سی صف مقتدیوں کی بھی اس میں آجائے، ایسی محراب میں اگر ایک صف مقتدیوں کی بھی محراب میں کھڑی ہو اور امام ان کے آگے پورا محراب میں کھڑا ہو تو امام و مقتدیوں کے مکان کا اشتراک ہوجانے کی وجہ سے کراہت نہیں رہے گی۔

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ

کام کرو اے داؤد کے گھر والو احسان مان کر اور تھوڑے ہیں

مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ؀

میرے بندوں میں احسان ماننے والے ☆

عمل سے شکر ادا کرو:

یعنی ان عظیم الشان انعامات و احسانات کا شکر ادا کرتے رہو، محض زبان سے نہیں بلکہ عمل سے وہ کام کرو جن سے حق تعالیٰ کی شکر گذاری ٹپکتی ہو، بات یہ ہے کہ احسان تو خدا کم و بیش سب پر کرتا ہے لیکن پورے شکر گزار بندے بہت تھوڑے ہیں جب تھوڑے ہیں تو قدر زیادہ ہوگی، لہٰذا کامل شکر گزار بن کر اپنی قدر و منزلت بڑھاؤ، یہ خطاب داؤد کے کنبے اور گھرانے کو ہے کیونکہ علاوہ مستقل احسانات کے داؤد پر احسان من وجہ سب پر احسان ہے کہتے ہیں کہ داؤدؑ نے تمام گھر والوں پر اوقات تقسیم کر دیئے تھے دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں کوئی وقت ایسا نہ تھا جب ان کے گھر میں کوئی نہ کوئی شخص عبادت الٰہی میں مشغول نہ رہتا ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا (ہم نے داؤد اور ان کے گھر والوں سے کہا) اے داؤد کے خاندان والو تم سب شکر یہ میں (نیک کام) کیا کرو جعفر بن سلیمان نے کہا میں نے ثابت سے سنا ہے کہ حضرت داؤدؑ اپنے اور اپنے گھر والوں کی عبادت کے لئے رات اور دن کے حصے مقرر کر دیئے پس دن رات میں کوئی ساعت ایسی نہ ہوتی تھی کہ حضرت داؤد کے گھر کوئی نہ کوئی عبادت میں مشغول نہ ہو۔

دوامی شکر والے بہت کم ہیں:

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ اور میرے بندوں میں بڑے شکر گزار کم ہیں یعنی ایسے لوگ کم ہیں جو زبان اور اعضاء جسم سے اکثر اوقات ادا شکر کرتے ہوں اور ہمیشہ بلاستی کے شکر میں مشغول رہتے ہوں یہ مرتبہ حضور دوامی اور فنا قلب کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

شکور کون ہے؟

اور اس دوامی شکر کے بعد بھی اللہ کی نعمتوں کا حق ادا نہیں ہوتا کیوں کہ توفیق شکر بھی عطاء الٰہی ہے اور ایک نعمت ہے پس ہر شکر کا شکر پھر شکر کے شکر کا شکر ادا کرتا چلا جانا انسانی طاقت سے خارج ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ شکور وہ شخص ہے جو اداء شکر سے اپنے آپ کو عاجز سمجھتا ہو۔ (ابراہیم تیمی راوی ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عمر کے سامنے کہا اے اللہ مجھے کم لوگوں میں سے کر دے حضرت عمر نے فرمایا یہ کیسی دُعاء ہے اس شخص نے کہا میں نے سن لیا ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ اس شخص نے ایک آیت اور بھی پڑھی تھی حضرت عمر نے فرمایا یہ شخص عمر سے زیادہ اسلامی سمجھ رکھتا ہے۔ (از مفسرؒ) (تفسیر مظہری)

نماز داؤدی:

بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نمازوں میں اللہ کے نزدیک محبوب تر نماز داؤدؑ کی ہے، وہ نصف رات

سوتے تھے پھر ایک تہائی رات عبادت میں کھڑے رہتے تھے، پھر آخری چھٹے حصہ میں سوتے تھے اور سب روزوں میں محبوب تر اللہ کے نزدیک صیام داؤدؑ ہیں کہ وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ (ابن کثیر)

حضرت فضیلؒ سے منقول ہے کہ جب حضرت داؤدؑ پر یہ حکم شکر نازل ہوا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اے میرے پروردگار میں آپ کا شکر کس طرح پورا کرسکتا ہوں جب کہ میرا شکر قولی ہو یا عملی وہ بھی آپ ہی کی عطا کردہ نعمت ہے، اس پر بھی مستقل شکر واجب ہے، حق شکر ادا کرنے سے اپنے عجز وقصور کو سمجھ لیا اور اعتراف کرلیا۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى
پھر جب مقرر کیا ہم نے اُس پر موت کو نہ جتلایا اُن کو اُس کا
مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ
مرنا مگر کیڑے نے گھن کے کھاتا رہا اُس کا عصا
فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ
پھر جب وہ گر پڑا معلوم کیا جنوں نے کہ اگر خبر رکھتے ہوتے
الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝۱۴
غیب کی نہ رہتے ذلت کی تکلیف میں

حضرت سلیمانؑ کی موت:

حضرت سلیمانؑ جنوں کے ہاتھوں سے مسجد بیت المقدس کی تجدید کرا رہے تھے جب معلوم کیا کہ میری موت آ پہنچی جنوں کو نقشہ بتا کر آپ ایک شیشہ کے مکان میں در بند کر کے عبادت الٰہی میں مشغول ہو گئے جیسا کہ آپ کی عادت تھی کہ مہینوں خلوت میں رہ کر عبادت کیا کرتے تھے اسی حالت میں فرشتہ نے روح قبض کرلیا اور آپ کی نعش مبارک لکڑی کے سہارے کھڑی رہی کسی کو آپ کی وفات کا احساس نہ ہوسکا وفات کے بعد مدت تک جن بدستور تعمیر کرتے رہے جب تعمیر پوری ہوگئی جس عصا پر ٹیک لگا رہے تھے گھن کے کھانے سے گرا تب سب کو وفات کا حال معلوم ہوا اس سے جنات کو خود اپنی غیب دانی کی حقیقت کھل گئی اور ان کے معتقد انسانوں کو بھی پتہ لگ گیا کہ اگر انہیں غیب کی خبر رہتی تو کیا اس ذلت آمیز تکلیف میں پڑے رہتے حضرت سلیمان کی وفات کو محسوس کرتے ہی کام چھوڑ دیتے، اسی سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ شیاطین وغیرہ کی تسخیر کچھ حضرت سلیمان کا کسبی کمال نہ تھا محض فضل ایزدی تھا جو اللہ چاہے تو موت کے بعد ایک لاش کے حق میں بھی قائم رکھ سکتا ہے۔ نیز سلیمانؑ پر زندگی میں جو انعامات ہوئے تھے یہ اس کی تکمیل ہوئی کہ موت کے بعد بھی ایک ضروری حد تک انہیں جاری رکھا گیا، اور بتلا دیا کہ پیغمبروں کے اٹھائے ہوئے کاموں کو اللہ تعالیٰ کس کس تدبیر سے پورا کرتا ہے۔

ربط: یہاں تک بعض منیب اور شکر گذار بندوں کا ذکر تھا، آگے ایک معرض و ناسپاس قوم (سبا) کا ذکر کیا جاتا ہے جو بڑے عیش و رفاہیت اور خوشحالی وفارغ البالی کے بعد کفران و ناسپاسی کی سزا میں تباہ کی گئی، یہ قوم یمن کی بڑی دولتمند اور ذی اقتدار قوم تھی جو صدیوں تک بڑے جاہ وجلال سے ملک پر حکومت کرتی رہی ان ہی میں ایک وہ ملکہ تھی (بلقیس) جس کا حضرت سلیمانؑ کی بارگاہ میں حاضر ہونا سورۂ "نمل" میں گذر چکا ہے شاید یہاں سلیمان کے بعد "سبا" کا ذکر اس مناسبت سے بھی ہوا ہو۔ (تفسیر عثمانی)

سلیمانؑ کی عبادت:

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ پھر جب ہم نے ان کے لئے موت کا حکم جاری کر دیا۔ بغوی نے لکھا ہے اہل علم کا بیان ہے کہ حضرت سلیمانؑ مسجد بیت المقدس کے اندر مہینہ دو مہینہ سال دو سال یا اس سے کم وبیش مدت تک گوشہ نشین ہو جاتے تھے، وہیں آپ کا کھانا پہنچا دیا جاتا تھا، ایک بار حسب معمول بیت المقدس کے اندر تھے کہ آپ کی وفات ہوگئی جس کے قصہ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ روزانہ صبح کے وقت بیت المقدس کی محراب میں ایک بوٹی نمودار ہوتی تھی آپ اس سے اس کا نام دریافت کرتے تھے وہ اپنا نام بتا دیتی تھی آپ اس سے اس کے خواص دریافت کرتے تھے تو وہ اپنے فائدے بیان کر دیتی تھی آپ اس کو کٹوا لیتے تھے پھر اگر وہ کسی پودے کی شاخ ہوتی تو اس کو (کسی باغ میں) لگوا دیتے تھے اور اگر دوا کی بوٹی ہوتی تو لکھ دیتے تھے ایک روز درخت خروبہ (محراب میں) اگا حضرت نے اس سے دریافت کیا تو کون ہے اس نے جواب دیا خروبہ آپ نے فرمایا تو کس لئے اگا ہے اس نے کہا آپ کی مسجد کو برباد کرنے کے لئے حضرت سلیمانؑ نے فرمایا یہ تو ہوگی نہیں کہ میری زندگی میں اللہ اس مسجد کو برباد کر دے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ (پہلے) میری موت اور (پھر) بیت المقدس کی بربادی تیری وجہ سے ہوگی پھر آپ نے اس کو ایک اچھے باغ میں لگوا دیا اور دعا کی اے اللہ میری موت کو جنات سے پوشیدہ رکھنا تاکہ انسانوں کو معلوم ہو جائے کہ غیب داں جنات نہیں ہوتے، جنات آدمیوں سے کہا کرتے تھے کہ ہم غیب کی باتیں جان لیتے ہیں اور آنے والے دن میں جو کچھ ہوگا اس سے بھی واقف ہیں۔

اس کے بعد حضرت سلیمان محراب (عبادت خانہ) میں چلے گئے اور لاٹھی پر سہارا لگائے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے اسی حالت میں کھڑے کھڑے آپ کی وفات ہوگئی، محراب کے اندر آگے پیچھے کچھ روشن دان تھے جن میں جنات آپ کو کھڑا دیکھ کر خیال کرتے تھے کہ آپ نماز میں مشغول ہیں اس لئے جو سخت محنت کا کام آپ کی زندگی میں وہ کرتے تھے ان میں آپ کی وفات کے بعد بھی سرگرم رہے اور چونکہ آپ کی عادت ہی تھی کہ نماز میں مشغول ہونے کے بعد (ایک مدت تک) باہر نہیں نکلتے تھے اس لئے آپ کے برآمد نہ ہونے سے

جنات کو آپ کی وفات کا کوئی شبہ بھی نہیں ہوا، اس طرح وفات کے بعد ایک سال گزر گیا اور جنات برابر کام میں مشغول رہے آخر دیمک نے لاٹھی کو کھالیا اور آپ کی میت نیچے گر پڑی اور جنات کو آپ کی وفات کا علم ہوا۔

دیمک کا شکریہ:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جنات نے دیمک کا شکریہ ادا کیا کہ اس کی وجہ سے ان کو سخت مشقتوں سے آزادی ملی، اب بھی پانی اور مٹی جنات لکڑی کے کھوکھلے حصہ میں (دیمک کے لئے) ڈالتے ہیں ابن ابی حاتم نے ابن یزید کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے ملک الموت سے کہہ دیا تھا جب آپ کو میرے متعلق حکم دیا جائے تو مجھے اطلاع دیدینا ایک روز ملک الموت نے آکر اطلاع دی کہ اب مجھے آپ کی بابت حکم دیا گیا ہے کہ آپ کی زندگی کا ذرا سا وقت رہ گیا ہے آپ نے جنات کو طلب فرما کر اپنے گرداگرد اور اوپر ایک شیشہ گھر تعمیر کرالیا، جس کا کوئی دروازہ نہیں رکھا پر پھر اس کے اندر نماز پڑھتے کھڑے ہوگئے اور لاٹھی سے سہارا لگالیا اور اسی حالت میں ملک الموت نے آپ کی روح قبض کرلی وفات کے بعد بھی آپ یونہی کھڑے رہے آخر گھن نے لاٹھی کو کھالیا اور آپ گر پڑے اس کے بعد لوگوں نے اس شیشہ گھر میں ایک دروازہ بنالیا اور اندر داخل ہوگئے اور یہ جاننے کے لئے کہ آپ کی وفات کو کتنا عرصہ ہوگیا گھن کو لاٹھی پر اٹھالیا گھن ایک رات دن لاٹھی کو کھاتا رہا اس طرح لوگوں نے اندازہ لگایا تو معلوم ہوا کہ آپ کی وفات کو ایک سال ہوگیا۔

مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تو کسی چیز نے ان کے مر جانے کا پتہ نہ بتایا مگر گھن کے کیڑے نے۔

مادلھم یعنی جنات کو یا حضرت سلیمان کے گھر والوں کو آپ کی موت کی اطلاع صرف گھن لگنے کی وجہ سے ہوئی۔

دَآبَّةُ الْاَرْضِ جس کو عربی میں الارضۃ اور فارسی میں دیوک کہتے ہیں ننھا کیڑا ہوتا ہے جو لکڑی کو کھا جاتا ہے۔ الارض سے مراد نمناک مٹی ہے۔

جنات کی غیب دانی کا دعویٰ ختم ہوگیا:

فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ جب سلیمان گر پڑے تب جنات کی یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اگر وہ غیب داں ہوتے تو (اتنی مدت) اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے، الغیب یعنی وہ بات جو ان سے غائب ہو جیسے حضرت سلیمانؑ کی وفات العذاب المھین یعنی سخت محنت ومشقت میں اتنی مدت تک نہ پڑے رہتے حضرت سلیمانؑ کی موت کا جنات کو علم نہ ہوسکا اس لئے حضرت کے حکم کے مطابق کام کرتے رہے مطلب یہ ہے کہ پہلے جنات اپنی غیب دانی کا دعویٰ کر کے لوگوں کو دھوکا دیا کرتے تھے لیکن جب حضرت سلیمانؑ کی وفات کا جنات کو علم نہ ہوسکا تو لوگوں کے لئے یہ بات واضح ہوگئی کہ جنات غیب داں نہیں ہوتے۔ آیت کا یہ مطلب حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت کے مطابق ہے ابن مسعود کی قرأت میں آیا ہے تبینت الانس لو کانوا یعلمون (ای الجن) مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ۔ بعض اہل تفسیر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان کی وفات سے بے علم رہنے کی وجہ سے جنوں کو معلوم ہوگیا کہ وہ اگر غیب داں ہوتے تو مشقت میں پڑے نہ رہتے یہ مطلب بعید از فہم ہے کیوں کہ جنات کو تو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ وہ غیب داں نہیں ہیں آدمیوں کو دھوکا دینے کے لئے غیب دانی کا دعویٰ کرتے تھے۔

سلیمانؑ کی عمر:

بغوی نے لکھا ہے کہ اہل تاریخ نے بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی کل عمر ۵۳ سال ہوئی تیرہ سال کی عمر میں باپ کے جانشین ہوئے اور چالیس سال حکومت کی، چار سال حکومت کو گزرے تھے کہ بیت المقدس کی تعمیر کا آغاز کیا۔ (تفسیر مظہری)

موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں:

اس عجیب واقعہ سے یہ عبرت بھی حاصل ہوئی کہ موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں، اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ کو جو کام لینا ہوتا ہے اس کا جس طرح چاہیں انتظام کر سکتے ہیں، جیسا اس واقعہ میں ہوا کہ موت کے باوجود سلیمانؑ کو سال بھر تک اپنی جگہ قائم رکھ کر جنات سے کام پورا کرالیا، اور یہ بھی کہ دنیا کے سارے اسباب وآلات اسی وقت تک اپنا کام کرتے ہیں جب تک منظور حق ہوتا ہے، جب منظور نہیں ہوتا تو آلات واسباب جواب دے دیتے ہیں، جیسے یہاں عصاء کا سہارا دیمک کے ذریعہ ختم کردیا گیا، اور یہ بھی کہ سلیمانؑ کی وفات کے بعد خطرہ تھا کہ لوگ جنات کے حیرت انگیز عمل اور کارناموں اور بظاہر غیب کی چیزوں سے ان کے باخبر ہوئے وغیرہ کے اعمالِ عجیبہ کو دیکھ کر کہیں انہی کو اپنا معبود نہ بنا بیٹھیں، اس خطرہ کو بھی اس واقعہ موت نے ختم کردیا، سب کو جنات کی بے خبری اور بے بسی معلوم ہوگئی۔

سلیمانؑ کی دعائیں:

امام نسائی نے باسنادِ صحیح حضرت عبداللہ بن عمرو سے یہ روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت سلیمانؑ بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ سے چند دعائیں کیں، جو مقبول ہوئیں، ان میں سے ایک دُعا یہ ہے کہ جو شخص اس مسجد میں صرف نماز کی نیت سے داخل ہو (اور کوئی دنیاوی غرض نہ ہو) اس مسجد سے نکلنے سے پہلے اس کو تمام گناہوں سے ایسا پاک کردے جیسا کہ اس وقت پاک تھا جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔

اور سدی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ

ہونے پر حضرت سلیمانؑ نے بطور شکرانہ کے بارہ ہزار گائے بیل اور بیس ہزار بکریوں کی قربانی کر کے لوگوں کو دعوتِ عام دی، اور اس دن کی خوشی منائی، اور صخرۂ بیت المقدس پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعائیں مانگیں کہ "یا اللہ آپ نے ہی مجھے یہ قوت اور وسائل عطا فرمائے جن سے تعمیر بیت المقدس مکمل ہوئی تو یا اللہ مجھے اس کی بھی توفیق دیجئے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں اور مجھے اپنے دین پر وفات دیجئے اور ہدایت کے بعد میرے قلب میں کوئی زیغ اور کجی نہ ڈالئے، اور عرض کیا کہ اے میرے پروردگار جو شخص اس مسجد میں داخل ہو میں اس کے لئے آپ سے پانچ چیزیں مانگتا ہوں، ایک یہ کہ جو گناہگار توبہ کرنے کے لئے اس مسجد میں داخل ہو تو آپ اس کی توبہ قبول فرمالیں اور اس کے گناہوں کو معاف فرمادیں دوسرے یہ کہ جو آدمی کسی خوف وخطرہ سے بچنے کے لئے اس مسجد میں داخل ہو تو آپ اس کو امن دے دیں اور خطرات سے نجات عطا فرمادیں، تیسرے یہ کہ جو بیمار آدمی اس میں داخل ہو اس کو شفا عطا فرمادیں چوتھے یہ کہ جو فقیر آدمی اس میں داخل ہو اس کو غنی کردیں، پانچویں یہ کہ جو شخص اس میں داخل ہو جب تک وہ اس میں رہے آپ اپنی نظرِ عنایت ورحمت اس پر رکھیں بجز اس شخص کے جو کسی ظلم یا بے دینی کے...... کام میں مشغول ہو۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

تعمیر کی تکمیل سلیمانؑ کی کوشش:

بیت المقدس کی تعمیر جو حضرت داؤدؑ نے شروع کی، پھر حضرت سلیمانؑ نے اس کی تکمیل فرمائی اس میں کچھ کام تعمیر کا باقی تھا اور یہ تعمیر کا کام جنات کے سپرد تھا، جن کی طبیعت میں سرکشی غالب تھی، حضرت سلیمانؑ کے خوف سے کام کرتے تھے ان کی وفات کا جنات کو علم ہو جائے تو فوراً کام چھوڑ بیٹھیں اور تعمیر رہ جائے اس کا انتظام حضرت سلیمانؑ نے باذنِ ربانی یہ کیا کہ جب موت کا وقت آیا تو موت کی تیاری کر کے اپنی محراب میں داخل ہو گئے جو شفاف شیشے سے بنی ہوئی تھی، باہر سے اندر کی سب چیزیں نظر آتی تھیں اور اپنے معمول کے مطابق عبادت کے لئے ایک سہارا لے کر کھڑے ہو گئے کہ روح پرواز کرنے کے بعد بھی جسم اس عصا کے سہارے اپنی جگہ جما رہے، سلیمانؑ کی روح وقت مقرر پر قبض کر لی گئی مگر وہ اپنے عصا کے سہارے اپنی جگہ جمے ہوئے باہر سے نظر آتے تھے کہ عبادت میں مشغول ہیں، جنات کی یہ مجال نہ تھی کہ پاس آ کر دیکھ سکتے، حضرت سلیمانؑ کو زندہ سمجھ کر کام میں مشغول رہے یہاں تک کہ سال بھر گزر گیا اور تعمیر بیت المقدس کا بقیہ کام پورا ہو گیا، تو اللہ تعالیٰ نے گھن کے کیڑے کو جس کو فارسی میں دیوک اور اردو میں دیمک کہا جاتا ہے اور قرآن کریم نے اس کو دابة الارض کے نام سے موسوم کیا ہے، عصائے سلیمانی پر مسلط کر دیا، دیمک نے عصاء کی لکڑی کو اندر سے کھا کر کمزور کر دیا، عصاء کا سہارا ختم ہوا تو سلیمانؑ گر گئے، اس وقت جنات کو ان کی موت کی خبر ہوئی۔

جنات کے علم کی حقیقت:

جنات کو اللہ نے دور دراز کی مسافت چند لمحات میں قطع کر لینے کی قوت عطا فرمائی ہے وہ بہت سے ایسے حالات وواقعات سے واقف ہوتے تھے جن کو انسان نہیں جانتے جب وہ انسانوں کو ان واقعات کی خبر دیتے تو انسان یہ سمجھتے تھے کہ یہ غیب کی خبر ہے اور جنات کو بھی علم غیب حاصل ہے خود جنات کو بھی علم غیب کا دعویٰ ہو تو بعید نہیں، موت کے اس عجیب واقعہ نے اس کی بھی حقیقت کھول دی خود جنات کو بھی پتہ چل گیا اور سب انسانوں کو بھی کہ جنات عالم الغیب نہیں ہیں، کیونکہ ان کو غیب کا علم ہوتا تو حضرت سلیمانؑ کی موت سے ایک سال پہلے ہی باخبر ہو جاتے اور یہ سال بھر کی محنت ومشقت جو ان کو زندہ سمجھ کر برداشت کرتے رہے اس سے بچ جاتے۔ (معارف مفتی اعظم)

ایک عجیب درخت:

بعض صحابہؓ سے مروی ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی عادت تھی آپ سال سال دو دو سال یا کم وبیش مدت کے لئے مسجد قدس میں اعتکاف میں بیٹھ جاتے، آخری مرتبہ انتقال کے وقت بھی آپ مسجد بیت المقدس میں تھے ہر صبح ایک درخت آپ کے سامنے نمودار ہوتا، آپ اس سے نام پوچھتے فائدہ پوچھتے، وہ بتاتا، آپ اس کام میں لیتے، بالآخر ایک درخت ظاہر ہوا جس نے اپنا نام خروبہ بتایا، کہا تو کس مطلب کا ہے؟ کہا اس مسجد کے اجاڑنے کے لئے حضرت سلیمانؑ سمجھ گئے فرمانے لگے میری زندگی میں تو یہ مسجد ویران ہو گی نہیں البتہ تو میری موت اور ویرانی کے لئے ہے چنانچہ آپ نے اسے اپنے باغ میں لگا دیا مسجد کی بیچ کی جگہ میں کھڑے ہو کر ایک لکڑی کے سہارے نماز شروع کر دی وہیں انتقال ہو گیا۔

سلیمانؑ کو موت کا علم پہلے ہو گیا:

حضرت زید بن اسلم سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان نے ملک الموت سے کہہ رکھا تھا کہ میری موت کا مجھے کچھ پہلے بتا دینا حضرت ملک الموت نے یہی کیا تو آپ نے جنات کو بغیر دروازے کے ایک شیشے کا مکان بنانے کا حکم دیا اور اس میں ایک لکڑی پر ٹیک لگا کر نماز شروع کی یہ موت کے ڈر کی وجہ سے نہ تھا حضرت ملک الموت اپنے وقت پر آئے اور روح قبض کر گئے پھر لکڑی کے سہارے آپ سال بھر تک اسی طرح کھڑے رہے جنات ادھر ادھر سے دیکھ کر آپ کو زندہ سمجھ کر اپنے کاموں میں آپ کی ہیبت کی وجہ سے مشغول رہے لیکن جو کیڑا آپ کی لکڑی کو کھا رہا تھا جب وہ آدھی کھا چکا تو اب لکڑی بوجھ نہ سہار سکی اور آپ گر پڑے، جنات کو آپ کی موت کا یقین ہو گیا اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور بھی بہت سے سلف سے یہ مروی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ
تحقیق قوم سبا کو تھی ان کی بستی میں نشانی

جَنَّتٰنِ عَنْ یَّمِیْنٍ وَّشِمَالٍ ۛ
دو باغ داہنے اور بائیں

یعنی باغوں کے دو طویل راستے داہنے اور بائیں میلوں تک چلے گئے تھے، اگر سمجھتے تو خدا کی رحمت وقدرت کی یہ ہی نشانی ایمان لانے اور شکر گزار بننے کے لئے کافی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِیْ مَسْكَنِهِمْ اٰیَةٌ (قوم) سبا کے لئے ان کے مقام سکونت میں (ہماری قدرت کاملہ کی) نشانی موجود تھی (جس کا شکر کرنا ان پر واجب تھا۔)

سبا کا تعارف: بغوی نے یہ روایت ابوسبرہ نخعی بحوالہ فروہ بن مسیک غطفی بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے سبا کے متعلق بتائیے کہ کیا وہ کوئی مرد تھا یا عورت یا کسی مقام کا نام تھا حضور نے فرمایا وہ ایک عربی مرد تھا جس کے دس بیٹے ہوئے چھ دائیں طرف (یعنی یمن) کو چلے گئے اور چار بائیں طرف (یعنی شام) کو جو چھ یمن کو گئے ان کے نام یہ تھے، کندہ، اشعر، ازد، مدحج، انمار، حمیر۔ ایک شخص نے کہا انمار کون ہے، فرمایا جن میں سے خثعم اور بجیلہ ہیں۔ (وہی انمار) جو چار شام کو گئے وہ یہ تھے۔ عاملہ، جذام، لخم، غسان، امام احمد وغیرہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے مرفوعاً اسی طرح بیان کیا ہے سبا، یشجب کا بیٹا اور یشجب یعرب کا اور یعرب قحطان کا۔

قوم سبا کے باغات:

جَنَّتٰنِ عَنْ یَّمِیْنٍ وَّشِمَالٍ

جنتن سے مراد ہیں باغوں کی دو قطاریں، ایک دائیں طرف اور دوسری بائیں طرف یعنی شہر کے دائیں بائیں یا یہ مطلب کہ ہر شخص کے دو باغ تھے ایک مقام سکونت سے دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب (قوم سبا کی تاریخ کے مطابق دائیں بائیں پھل والے درختوں کی قطاریں تھیں اور کسی مسافر کو سر راہ مفت پھل کھانے کی ممانعت نہیں تھی۔ (تفسیر مظہری)

علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ جنتن کا یہ مطلب نہیں کہ اس بستی کے یمین وشمال میں صرف دو باغ تھے عراق میں بھی بہت سی ایسی بستیاں ہیں کہ جہاں صرف دو باغ نہیں بلکہ متعدد باغ ہیں صرف دو باغ کا ہونا قوم سبا کے لئے مخصوص نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس بستی کے یمین وشمال میں باغوں کی دو قطاریں متصل اور مسلسل میلوں تک اس طرح چلی گئی تھیں کہ ایک باغ دوسرے باغ سے متصل تھا اور ہر جانب کی ایک قطار بمنزلہ ایک باغ کے معلوم ہوتی تھی غرض یہ کہ یہ خطہ خدا کی رحمت سے نہایت سرسبز اور شاداب تھا آب وہوا نہایت عمدہ تھی کیڑوں اور مکوڑوں اور مکھیوں اور مچھروں کا نام ونشان نہ تھا راستے پرامن تھے غرض یہ کہ راحت اور آرام کا اور ترقی اور تمدن کا کوئی دقیقہ باقی نہ رہا تھا اور یہ تنعم اور خوشحالی سوائے قوم سبا کے اور کسی کو حاصل نہ تھی۔

سدّ مآرب: عرم دو پہاڑوں کے درمیان ایک بڑا بند تھا جہاں تمام وادیوں کا پانی روکا گیا تھا تاکہ دور دور تک زمین اس سے سیراب ہوتی رہے اور اس بند کے تین دروازے تھے۔ اول اوپر کے دروازے سے پانی دیتے پھر دوسرے سے پھر تیسرے سے جیسی اور جتنی ضرورت ہوتی قہر خداوندی سے جب وہ بند ٹوٹا تو سیلاب سے وہ تمام باغات غارت ہوگئے جو پہلے اس پانی سے سیراب ہوتے تھے اور یہ بند ملکہ بلقیس نے بنایا تھا جس کو سدّ مآرب کہتے تھے۔

سبا سے شام تک کی آبادی:

ملک سبا سے شام تک چار ہزار سات سو دیہات آباد تھے۔

اور ہم نے ان درمیانی بستیوں میں چلنے والوں کے لئے رفتار کی ایک حد اور اس کا ایک اندازہ رکھ دیا تھا کہ صبح کے وقت ایک بستی سے چلے اور قیلولہ کے وقت دوسری بستی میں پہنچ جائے اور وہاں پہنچ کر آرام سے کھا پی سکے۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

سبا کی آل اولاد:

امام احمد حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ سبا جس کا قرآن میں ذکر ہے یہ کسی مرد یا عورت کا نام ہے یا زمین کے کسی حصہ کا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایک مرد کا نام ہے، جس کی اولاد میں دس لڑکے ہوئے جن میں سے چھ یمن میں آباد ہیں اور چار شام میں چلے گئے یمن میں رہنے والوں کے نام یہ ہیں: مدحج، کندہ، ازد، اشعری، انمار، حمیر (ان چھ لڑکوں سے چھ قبیلے پیدا ہوئے، جو انہی مذکورہ ناموں سے معروف ہیں)۔

اور شام میں بسنے والوں کے نام یہ ہیں لخم، جذام، عاملہ، غسان (ان کی نسل کے قبائل انہی ناموں سے مشہور ہوئے) یہ روایت حافظ امام ابن عبدالبر نے بھی اپنی کتاب (القصد والامم بمعرفۃ انساب العرب والعجم) میں نقل کی ہے۔

ابن کثیر کی تحقیق: بحوالہ علماء نسب یہ ہے کہ یہ دس لڑکے سبا کے صلبی اور بلا واسطہ بیٹے نہیں تھے۔ بلکہ سبا کی دوسری تیسری یا چوتھی نسل میں یہ لوگ ہوئے ہیں پھر ان کے قبیلے شام ویمن میں پھیلے، اور انہی کے ناموں سے موسوم ہوئے، اور سبا کا اصل نام عبدشمس تھا، سبا عبدشمس بن یشجب بن یعرب بن قحطان سے ان کا نسب نامہ واضح ہوجاتا ہے، اور اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ سبا عبدشمس نے اپنے زمانے میں نبی آخر الزماں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت سنائی تھی ممکن ہے کہ ان کو اس کا علم کتب قدیمہ تورات وانجیل سے ہوا ہو، یا نجومیوں کاہنوں کے ذریعہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اس نے چند عربی اشعار بھی کہے ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر کرکے یہ تمنا کی ہے کہ کاش میں ان کے زمانے میں ہوتا تو میں ان کی مدد

کرتا، اور اپنی قوم کو ان پر ایمان لانے اور مدد کرنے کی تلقین کی ہے۔

قرطبی نے بحوالہ قشیری قوم سبا کا زمانہ حضرت عیسیٰ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے زمانہ فترت نقل کیا ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

صحیح بخاری میں ہے قبیلہ اسلم جب تیروں سے نشانہ بازی کر رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے نکلے تو آپ نے فرمایا، اے اولادِ اسمٰعیل تیراندازی کئے جاؤ تمہارے والد بھی پورے تیرانداز تھے، اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ سبا کا سلسلہ نسب خلیل الرحمٰن تک پہنچتا ہے، اسلم انصار کا ایک قبیلہ تھا اور انصار سارے کے سارے غسان میں سے ہیں اور یہ سب یمنی تھے سبا کی اولاد ہیں یہ لوگ مدینے میں اس وقت آئے تھے جب سیلاب سے ان کا وطن تباہ ہوگیا ایک جماعت یہاں آ کر بسی تھی دوسری شام چلی گئی، انہیں غسانی اس لئے کہتے ہیں کہ اسی نام کی پانی والی ایک جگہ پر یہ ٹھہرے تھے یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مشلل کے قریب ہے۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کے شعر سے بھی اس کا ثبوت ہوتا ہے کہ ایک پانی والی جگہ یا اس کنویں کا نام غسان تھا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ سبا کسی عورت کا نام ہے یا مرد کا یا جگہ کا؟ تو آپ نے فرمایا یہ ایک مرد تھا جس کے دس لڑکے تھے جن میں سے چھ تو یمن میں جا بسے اور چار شام میں مذحج، کندہ، ازد، اشعری، انمار، حمیر یہ چھ قبیلے یمن میں لخم، جذام، عاملہ اور غسان یہ چار قبیلے شامی ہیں۔ (مسند احمد) فروہ بن مسیکؓ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا میں اپنی قوم میں سے ماننے والوں اور آگے بڑھنے والوں کو لے کر نہ ماننے اور پیچھے ہٹنے والوں سے لڑوں؟ آپ نے فرمایا ہاں، جب میں جانے لگا تو آپ نے مجھے بلا کر فرمایا دیکھو پہلے انہیں اسلام کی دعوت دینا نہ مانیں تب جہاد کی تیاری کرنا میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سبا کس کا نام ہے؟ آپ کا جواب تقریباً وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا اس میں یہ بھی ہے کہ قبیلہ انمار میں سے بجیلہ اور خثعم بھی ہیں۔

سبا میں بارہ یا تیرہ پیغمبر آئے:

مروی ہے کہ بارہ یا تیرہ پیغمبر ان کے پاس آئے تھے، بالآخر شامت اعمال رنگ لائی، جو دیوار انہوں نے بنا رکھی تھی اسے چوہوں نے اندر سے کھوکھلی کر دی اور بارش کے زمانہ میں وہ ٹوٹ گئی پانی کی ریل پیل ہوگئی، ان دریاؤں کے چشموں کے بارش کے نالوں کے سب پانی آ گئے، اُن کی بستیاں ان کے محلات ان کے باغات اور ان کی کھیتیاں سب تباہ و برباد ہو گئیں ہاتھ ملتے رہ گئے کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی پھر تو وہ تباہی آئی کہ اس زمین پر کوئی پھلدار درخت جمتا ہی نہ تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ
کھاؤ روزی اپنے رب کی اور اُس کا شکر کرو ☆

انعاماتِ الٰہیہ کا تقاضا:

گویا وہ نشانی زبان حال سے کہہ رہی تھی کہ اپنے رب کی دی ہوئی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو اور اس منعم حقیقی کا شکر ادا کرو کفر و عصیان اختیار کر کے ناشکر مت ہو، یا جیسا کہ بعض سلف کا قول ہے انبیاء کی زبانی اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت فرمائی ہوگی کہتے ہیں تیرہ نبی اس قوم کی طرف بھیجے گئے اگر یہ صحیح ہے تو حضرت مسیحؑ سے پہلے آئے ہونگے اور اُن کے وارث بعد کو بھی اس قوم کی بربادی کے وقت تک سمجھاتے رہے ہونگے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ مقولہ نبی تھا یعنی ان کے نبی نے کہا یا زبان حال ان سے کہہ رہی تھی کہ یہ رزق خداداد کھاؤ اور اللہ کے فرمانبردار رہو۔ (تفسیر مظہری)

كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ حق تعالیٰ نے اپنے انبیاء کے ذریعہ ان کو یہ حکم دیا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اس رزق وسیع کو استعمال کرو اور اس کی شکر گذاری اعمال صالحہ اور اطاعت احکام الٰہیہ کے ساتھ کرتے رہو، کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس شہر کو بلدۂ طیبہ بنایا ہے جس میں سردی گرمی کا بھی اعتدال تھا اور آب و ہوا ایسی صحت بخش نظیف و لطیف تھی کہ ان کے پورے شہر میں مچھر، مکھی، پسو اور سانپ بچھو جیسے موذی جانوروں کا نام و نشان نہ تھا، بلکہ باہر سے آنے والے مسافر جب اس شہر میں پہنچتے تو اگر ان کے کپڑوں میں جوئیں یا دوسرے موذی حشرات ہوتے تھے وہ یہاں پہونچ کر خود بخود مر جاتے تھے۔ (ابن کثیر) (معارف مفتی اعظم)

بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾
شہر ہے پاکیزہ اور رب ہے گناہ بخشنے والا ☆

پانی کا نظام اور باغات:

مصنف ''ارض القرآن'' ''سبا'' کی عمارتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے ''اسی سلسلہ عمارات میں ایک چیز بند آب ہے جس کو عرب حجاز ''سد'' اور عرب یمن ''عرم'' کہتے ہیں عرب کے ملک میں کوئی دائمی دریا نہیں، پانی پہاڑوں سے کر ریگستانوں میں خشک اور ضائع ہو جاتا ہے، ذرات کے مصرف میں نہیں آتا ''سبا'' مختلف مناسب موقعوں پر پہاڑوں اور وادیوں کے بیچ میں بڑے بڑے بند باندھ دیتے تھے کہ پانی رُک جائے اور بقدر ضرورت زراعت کے کام میں آئے مملکت ''سبا'' میں اس طرح کے سینکڑوں بند تھے ان میں سب سے زیادہ مشہور ''سد مارب'' ہے جو ان کے دارالحکومت ''مارب'' میں واقع تھا شہر مارب کے جنوب میں داہنے بائیں دو پہاڑ ہیں جن کا نام کوہ ابلق ہے، سبا نے ان دو پہاڑوں کے بیچ میں تقریباً

۸۰۰ ق م میں "سد مارب" کی تعمیر کی تھی یہ بند تقریباً ایک سو پچاس فٹ لمبی اور پچاس فٹ چوڑی ایک دیوار ہے، اس کا اکثر حصہ تو اب افتادہ ہے تاہم ایک ثلث دیوار اب بھی باقی ہے۔ "ارناڈ" ایک یورپین سیاح نے اس کے موجودہ حالات پر ایک مضمون فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں لکھا ہے اور اس کا موجودہ نقشہ نہایت عمدگی سے تیار کیا ہے اس دیوار پر جابجا کتبات ہیں وہ بھی پڑھے گئے اس سد میں اوپر نیچے بہت سی کھڑکیاں تھیں جو حسب ضرورت کھولی اور بند کی جا سکتی تھیں۔ "سد" کے دائیں بائیں مشرق ومغرب میں دو بڑے بڑے دروازے تھے جن سے پانی تقسیم ہو کر چپ و راست کی زمینوں کو سیراب کرتا تھا اس نظام آب رسانی سے چپ وراست دونوں جانب اس ریگستانی اور شور ملک کے اندر تین سو میل مربع میں سینکڑوں کوس تک بہشت زار تیار ہو گئی تھی جس میں انواع واقسام کے میوے اور خوشبودار درخت تھے۔ قرآن کریم جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ " کہہ کر ان ہی باغوں کی طرف اشارہ کرتا ہے یونانی مورخ "اگاتھر شیڈس" جو ۱۲۵ ق م میں "سبا" کا معاصر تھا بیان کرتا ہے۔ "سبا عرب کے سرسبز و آباد حصہ میں رہتے ہیں جہاں بہت اچھے اچھے بے شمار میوے ہوتے ہیں دریا کے کنارے جو زمین ہے اس میں نہایت خوبصورت درخت ہوتے ہیں اندرون ملک میں بخورات، دارچینی اور چھوارے کے نہایت بلند درختوں کے گنجان جنگل ہیں اور ان درختوں سے نہایت شیریں خوشبو پھیلا کرتی ہے درختوں کے اقسام کی کثرت وتنوع کے سبب سے ہر قسم کا نام و وصف مشکل ہے جو خوشبو اس میں سے اڑتی ہے وہ جنت کی خوشبو سے کم نہیں اور جس کی تعریف لفظوں میں ادا نہیں ہو سکتی جو اشخاص زمین سے دور ساحل سے گزرتے ہیں وہ بھی جب ساحل کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو اس خوشبو سے محظوظ ہوتے ہیں وہ گویا آب حیات کا لطف اٹھاتے ہیں اور یہ تشبیہ بھی اس کی قوت ولطافت کے مقابل میں ناقص ہے۔" "آرٹی میڈروس جو "سبا" کے عہد آخر میں تھا لکھتا ہے۔ "سبا کا بادشاہ اور اس کا ایوان "مارب" میں ہے جو ایک پر اشجار پہاڑ پر عیش ومسرت (زمانہ خوشحالی) میں واقع ہے۔" غرض باعتبار سرسبزی، خوشحالی، سامان عیش اور اعتدال آب وہوا کے "مارب" اسی کا مصداق تھا، "بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ" "رب غفور" سے ادھر اشارہ کر دیا کہ اپنی طرف سے شکر گزار رہو اگر بمقتضائے بشریت کچھ تقصیر رہ جائے گی تو اللہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایسا سخت نہیں پکڑتا اپنی مہربانی سے معاف فرما دے گا اس کی نعمتوں کا شکر کما حقہٗ کس سے ادا ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ پاکیزہ شہر جہاں پھلوں کی کثرت تھی اور زمین زرخیز تھی شور یلی نہ تھی، سدی اور مقاتل نے کہا کہ اگر کوئی عورت سر پر ٹوکرا رکھے باغ کی قطاروں کی طرف سے گزرتی تھی تو خود بخود درختوں سے ٹوٹ کر اتنے پھل گرتے تھے کہ اس کا ٹوکرا بھر جاتا تھا ہاتھ سے توڑنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی ابن زید نے کہا ان کے شہر میں نہ مچھر تھے نہ مکھیاں اور نہ پسو، نہ بچھو سانپ اگر کسی شخص کے کپڑوں میں جوئیں ہوتیں اور اس شہر کی طرف گزر جاتا ہے تو ہوا کی پاکیزگی کی وجہ سے ساری جوئیں مر جاتی تھیں بلد طیبہ سے یہی مراد ہے یعنی وہاں کی ہوا پاکیزہ تھی۔

رَبٌّ غَفُوْرٌ مقاتل نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اگر خدا کے عطا کردہ رزق کا تم شکر ادا کرو گے تو اللہ تمہارے گناہ معاف فرما دے گا۔ (تفسیر مظہری)

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ
سو دھیان میں نہ لائے پھر چھوڑ دیا ہم نے اُن پر ایک نالا زور کا
وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ
اور دیے ہم نے اُن کو بدلے میں اُن دو باغوں کے دو اور باغ جن میں کچھ میوہ
خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ
کسیلا تھا اور جھاؤ اور کچھ بیر تھوڑے سے ☆

ناشکری اور بے پرواہی کا نتیجہ:

یعنی نصیحتوں کو خاطر میں نہ لائے اور منعم حقیقی کی شکر گذاری سے منہ موڑے رہے تب ہم نے پانی کا عذاب بھیج دیا وہ بند ٹوٹا تمام باغات اور زمینیں غرقاب ہو گئیں اور ان اعلیٰ درجہ کے نفیس میووں اور پھولوں کی جگہ نکمے درخت اور جھاڑ جھنکاڑ رہ گئے جہاں انگور چھوارے اور قسم قسم کی نعمتیں پیدا ہوتی تھیں اب وہاں پیلو، جھاؤ، کسیلے اور بدمزہ پھل والے درختوں کے ساتھ کچھ نہ تھا جن میں بہترین چیز تھوڑی سی جھڑ بیریوں کو سمجھ لو یہ واقعہ حضرت مسیح علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیانی عہد کا ہے محققین آثار قدیمہ کو ابرہۃ الاشرم کے زمانہ کا ایک بہت بڑا کتبہ سد عرم کی بقیہ دیوار پر ملا ہے اس میں بھی اس بند کے ٹوٹنے کا ذکر ہے مگر یہ غالباً اس واقعہ کے بعد ہوا جس کا ذکر قرآن میں ہے واللہ اعلم، حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ "جب اللہ نے چاہا عذاب بھیجے، گھونس پیدا ہوئی اس پانی کے بند میں اس کی جڑ کرید ڈالی ایک بار پانی نے زور کیا بند کو توڑ ڈالا اور وہ پانی عذاب کا تھا جس زمین پر پھر گیا کام سے جاتی رہی کہتے ہیں کہ بند ٹوٹنے کی پیشین گوئی ایک کاہن نے کی تھی اس پر بہت لوگ وطن چھوڑ کر ادھر ادھر چلے گئے جو باقی رہے انہیں ان باغوں کے بدلہ یہ نکمی اور کڑوی کسیلی چیزیں ملیں۔ واللہ اعلم۔
(تفسیر عثمانی)

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ پھر انہوں نے روگردانی کی تو ہم نے ان پر عرم کا سیلاب چھوڑ دیا یعنی انہوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی اور کہنے لگے ہم تو اس کو خدا کی عطا کردہ نعمت نہیں جانتے (یہ تو ہماری زمین کی پیداوار اور

ہمارے لگائے ہوئے باغوں کے پھل ہیں مترجم) تم اپنے رب سے کہہ دو کہ اگر وہ اس نعمت کو روک سکتا ہے تو روک لے اس ناشکری کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے (بند توڑ کر) ایک عظیم الشان سیلاب جس کو سیل عرم کہا جاتا ہے ان پر چھوڑ دیا۔

سیل عرم: الْعَرِم. امر صعب سخت مصیبت عَرِم الرّجل وہ شخص سخت بدخلق ہوگیا یا سیل العرم سے مراد ہے سخت بارش کا سیلاب، یہ بھی کہا گیا ہے کہ عرم جنگلی چوہے کو کہتے ہیں بلقیس نے پانی کو روک کر جمع رکھنے کے لئے ایک بندھ باندھا تھا جنگلی چوہے نے اس میں سوراخ کردیا تھا صاحب قاموس نے لکھا ہے عرمۃ بروزن فرحۃ وہ بندھ جو وادی کا پانی روکنے کے لئے باندھا جائے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور وہب وغیرہ نے بیان کیا کہ عرم ایک بندھ تھا جو بلقیس نے بنوایا تھا بات یہ تھی کہ وادی کے پانی پر قوم سبا والے آپس میں لڑتے تھے بلقیس نے رفع شر کے لئے ایک عرم یعنی بندھ بنوانے کا حکم دیا تھا حمیری لغت میں عرم کا معنی بندھ ہے چنانچہ پتھروں سے اور تارکول سے دو پہاڑوں کے درمیان ایک بندھ بنا دیا گیا اور اوپر نیچے ترتیب کے ساتھ تین دریچے رکھے گئے اور بندھ سے ورے ایک بڑا حوض بنا دیا گیا اور پانی نکلنے کی اس حوض میں بارہ موریاں بنائی گئیں ہر موری ایک دریا کے دہانے پر کھلتی تھی ضرورت کے وقت جس موری کو چاہتے تھے کھول لیتے تھے اور جب سینچائی کی ضرورت پوری ہوجاتی تو اس کو بند کردیتے تھے بارش کا پانی یمن کی ساری وادیوں کا یہاں جمع ہوجاتا اور بند کے اندر ہی رک جاتا تھا اس وقت بلقیس باہر کی کھڑکی کھلواتی تھی کھڑکی سے پانی نکل کر حوض میں آجاتا تھا پھر ضرورت ہوتی تو درمیانی کھڑکی بھی کھول دی جاتی پھر اگر ضرورت ہوئی تو نچلا دریچہ بھی کھول دیا جاتا اس طرح بندھ کے اندر کا پانی ختم نہ ہونے پاتا کہ دوسرے سال کی برسات کا پانی آکر جمع ہونے لگتا۔

یہ بند طویل مدت تک قائم رہا لیکن جب اس قوم نے اللہ سے سرکشی اور ناشکری کی تو اللہ نے ایک جنگلی چوہے کو جس کو گھونس کہا جاتا ہے ان کی تباہی پر مسلط کردیا گھونس نے بندھ کے نچلے حصہ میں سوراخ کردیا پانی پھٹ پڑا اور سارے کے سارے باغ ڈوب گئے اور زمین تباہ ہوگئی۔

تدبیر کی شکست:

وہب نے کہا ان لوگوں کو کسی کاہن نجومی نے بتا دیا تھا کہ اس بندھ کو ایک چوہا برباد کردے گا اس لئے ہر دو پتھروں کی دراڑ (شگاف) کے پاس ایک بلی باندھ دی تھی لیکن جب بربادی کا وقت آیا اور اللہ نے ان کو تباہ کرنا چاہا تو ایک بڑا سرخ چوہا آیا اور بلی پر چھپٹا بلی پیچھے دبکی اور اس شگاف میں داخل ہوگئی جو قریب ہی موجود تھا اور بندھ میں گھس گئی چوہا (بلی کے تعاقب میں) بندھ کو کھودنے لگا اوپر پانی کے ریلے کی وجہ سے بندھ کمزور ہوتا گیا اور کسی کو اس کا علم نہ ہونے پایا، آخر سیلاب آگیا اور شگاف میں گھس کر بندھ کو پھاڑ دیا پانی بہہ نکلا اور ان کے سارے مال ومتاع کو غرق کردیا۔ گھر ریت میں دفن ہوگئے غرض سب ڈوب گئے اور کچھ ادھر ادھر منتشر ہوگئے قوم سبا کی بربادی ایک مثال بن گئی۔

پیلو اور جھاؤ:

خمط اراک (پیلو) اور پیلو کا پھل جس کو بریر کہا جاتا ہے۔

اَثْلٍ، جھاؤ یا جھاؤ نما ایک درخت جھاؤ سے بڑا ہوتا ہے قَلِيْلٍ، سدْرٍ کی صفت ہے چوں کہ بیر ایک عمدہ پھل ہوتا ہے جس کا مزہ عمدہ ہوتا ہے اس لئے اس کو باغوں میں لگایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی قلت کی صراحت کی بغوی نے کہا یہ (باغوں میں لگائی جانے والی بیری) مراد نہیں بلکہ جنگلی بیری مراد ہے جو کسی کام نہیں آتی نہ اس کے پتے کسی کام کے ہوتے ہیں مذکورہ بالا پھل دار باغوں کے عوض بیکار درختوں کے جھنڈ کو بھی صرف ہم شکل ہونے کی بناء پر فرمایا اور اس سے استہزاء بھی مقصود ہے۔

اور ہم نے ان دیہات کے درمیان ان کے چلنے کا ایک خاص انداز رکھا تھا اور کہہ دیا تھا کہ بے خوف وخطر امن کے ساتھ چلو۔ (تفسیر مظہری)

چوہوں کے ذریعے تباہی:

سد مآرب یعنی عرم کو توڑ کر سیلاب سے تباہ کرنے کا ارادہ کیا تو اس پانی کے عظیم الشان بند پر اندھے چوہے مسلط کردیئے جنہوں نے اس کی بنیاد کو کھوکھلا اور کمزور کردیا، جب بارش اور سیلاب کا وقت آیا تو پانی کے دباؤ نے اس کمزور بنیاد کو توڑ کر رخنے پیدا کردیئے اور بالآخر اس بند کے پیچھے جمع شدہ پانی اس پوری وادی میں پھیل گیا جس میں یہ شہر مآرب واقع تھا، تمام مکانات منہدم اور درخت تباہ ہوگئے اور دو طرفہ پہاڑوں پر جو باغات تھے ان کا پانی خشک ہوگیا۔

وہب بن منبہ کی روایت میں ہے کہ ان لوگوں کی کتابوں میں یہ بات لکھی چلی آتی تھی کہ اس بند کی خرابی وتباہی چوہوں کے ذریعہ ہوگی جب لوگوں نے اس بند کے قریب چوہوں کو دیکھا تو خطرہ پیدا ہوگیا اس کی تدبیر یہ کی گئی کہ بند کے نیچے بہت سی بلیاں پالی گئیں جو چوہوں کو بند کے قریب نہ آنے دیں مگر جب تقدیر الٰہی نافذ ہوئی تو یہ چوہے بلیوں پر غالب آگئے اور بند کی بنیاد میں داخل ہوگئے۔ (ابن کثیر) (معارف القرآن مفتی اعظم)

ایک کاہن کی چالاکی:

عکرمہؒ ان کا قصہ بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان میں ایک کاہنہ اور ایک کاہن تھا جن کے پاس جنات ادھر ادھر کی خبریں لایا کرتے تھے۔ اس کاہن کو کہیں پتہ چل گیا کہ اس بستی کی ویرانی کا زمانہ قریب آگیا ہے اور یہاں کے لوگ ہلاک ہونے والے ہیں، تھا یہ بڑا مالدار خصوصاً جائیداد بہت ساری تھی اس نے سوچا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے اور ان حویلیوں مکانات اور باغات کی نسبت کیا انتظام کرنا چاہئے آخر ایک بات اسکی سمجھ میں آگئی اس کی سسرال

کے لوگ بہت سارے تھے اور وہ قبیلہ بھی علاوہ جری ہونے کے مال دار تھا اس نے اپنے لڑکے کو بلایا اور اس سے کہا سنو کل لوگ میرے پاس جمع ہو جائیں گے میں تجھے کسی کام کو کہوں گا تو انکار کر دینا میں تجھے برا بھلا کہوں گا تو بھی مجھے میری گالیوں کا جواب دینا میں اٹھ کر تجھے تھپڑ ماروں گا تو بھی اس کے جواب میں مجھے تھپڑ مارنا اس نے کہا ابا جی مجھ سے یہ کیسے ہو سکے گا؟ کاہن نے کہا تم نہیں سمجھتے ایک ایسا ہی اہم معاملہ درپیش ہے اور تمہیں میرا حکم مان لینا چاہئے اس نے اقرار کیا دوسرے دن جب کہ اس کے پاس اس کے ملنے جلنے والے سب جمع ہو گئے اس نے اپنے اس لڑکے سے کسی کام کو کہا اس نے صاف انکار کر دیا اس نے اسے گالیاں دیں تو اس نے بھی سامنے گالیاں دیں یہ غصے میں اٹھا اور اسے مارا لڑکے نے بھی پلٹ کر اسے پیٹا اور یہ غضبناک ہوا اور کہنے لگا چھری لاؤ میں تو اسے ذبح کروں گا تمام لوگ گھبرا گئے ہر چند سمجھایا لیکن یہ یہی کہتا رہا کہ میں تو اسے ذبح کروں گا لوگ دوڑے بھاگے گئے اور لڑکے کی ننھال والوں کو خبر کی، وہ سب آ گئے اول تو منت سماجت کی منوانا چاہا لیکن یہ کب مانتا تھا انہوں نے کہا آپ اسے کوئی اور سزا دیجئے اس کے بدلے ہمیں جو جی چاہئے سزا دیجئے لیکن اس نے کہا میں تو اسے لٹا کر باقاعدہ ذبح کروں گا انہوں نے کہا آپ ایسا نہیں کر سکتے اس سے پہلے ہم آپ کو مار ڈالیں گے اس نے کہا اچھا جب یہاں تک بات پہنچ گئی ہے تو میں اس شہر میں نہیں رہنا چاہتا جہاں میرے اور میری اولاد کے درمیان اور لوگ پڑیں، مجھ سے میرے مکانات جائیدادیں اور زمینیں خرید لو میں یہاں سے کہیں اور چلا جاتا ہوں چنانچہ اس نے سب کچھ بیچ ڈالا اور قیمت نقد وصول کر لی جب اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو اس نے اپنی قوم کو خبر دی کہ سنو عذاب خدا آ رہا ہے زوال کا وقت قریب پہنچ چکا ہے اب تم سے جو محنت کر لے لمبا سفر کر کے نئے گھروں کا آرزومند ہو وہ تو عمان چلا جائے اور جو کھانے پینے کا شوقین ہو وہ بصرہ چلا جائے اور جو مزیدار کھجوریں باغات میں بیٹھ کر آزادی سے کھانا چاہتا ہو وہ مدینے چلا جائے قوم کو اس کی باتوں کا یقین تھا۔ جیسے جو جگہ اور جو چیز پسند آئی وہ اسی طرف منہ اٹھائے بھاگا بعض عمان کی طرف بعض بصرے کی طرف بعض مدینے کی طرف۔ اس طرف تین قبیلے چلے تھے اوس، خزرج اور بنوعثمان، جب یہ لوگ بطن مر میں پہنچے تو بنوعثمان نے کہا ہمیں تو یہ جگہ بہت پسند ہے اب ہم آگے نہیں جائیں گے چنانچہ یہ یہیں بس گئے اور اسی وجہ سے انہیں خزاعہ کہا گیا کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ گئے اوس و خزرج برابر مدینے پہنچے اور یہاں آ کر قیام کیا یہ اثر بھی عجیب و غریب ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ
یہ بدلہ دیا ہم نے اُن کو اس پر کہ ناشکری کی اور ہم

نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۝
یہ بدلہ اسی کو دیتے ہیں جو ناشکر ہو ☆

کفر کی سزا: ایسی سخت سزا بڑے ناشکروں کو دی جاتی ہے کفر سے بڑھ کر کیا ناشکری ہو گی سورۂ "نمل" میں گذر چکا "وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" (نمل، رکوع ۲) بظاہر اس قسم کا شرک اس قوم میں بلقیس کے بعد بھی باقی رہا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا: صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ لَا يُعَاقَبُ بِمِثْلِ فِعْلِهٖ اِلَّا الْكَفُوْرُ، یعنی اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا کہ بڑے عمل کی سزا اس کے برابر بجز کفور کے کسی کو نہیں دی جاتی، (ابن کثیر) کیونکہ غیر کفور یعنی مؤمن کو اس کے گناہوں میں بھی کچھ چھوٹ دی جاتی ہے۔

اور روح المعانی میں بحوالہ کشف اس آیت کے مفہوم کی توجیہ یہ کی ہے کہ کلام اپنی حقیقت پر ہے کہ سزا بطور سزا کے تو صرف کافر کو دی جاتی ہے اور مؤمن گناہگار کو جو تکلیف آگ وغیرہ کی دی جاتی ہے وہ صرف صورت سزا کی ہوتی ہے، درحقیقت اس کو گناہ سے پاک کرنا مقصود ہوتا ہے جیسے سونے کو بھٹی میں ڈال کر تپانے سے اس کا میل دور کرنا مقصود ہوتا ہے اسی طرح مؤمن کو بھی اگر کسی گناہ کی پاداش میں جہنم میں ڈالا گیا تو اس لئے کہ اس کے بدن کے وہ اجزاء جل جائیں جو حرام سے پیدا ہوئے ہیں اور جب یہ ہو چکتا ہے تو وہ جنت میں جانے کے قابل ہو جاتا ہے، اس وقت جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ (معارف القرآن، مفتی اعظم)

مؤمن کی بھلائی:

صحیحین میں ہے آپ فرماتے ہیں تعجب ہے کہ مؤمن کے لئے خدائے تعالیٰ کی ہر قضا بھلائی کے لئے ہی ہوتی ہے اگر اسے راحت اور خوشی پہنچتی ہے تو شکر کر کے بھلائی حاصل کرتا ہے اور اگر برائی اور غم پہنچتا ہے تو یہ صبر کرتا ہے اور بدلہ حاصل کرتا ہے یہ نعمت تو صرف مؤمن کو ہی حاصل ہے کہ جس کی ہر حالت بہتری اور بھلائی ہے حضرت مطرفؒ فرماتے ہیں، صبر و شکر کرنے والا بندہ کتنا اچھا ہے کہ جب اسے نعمت ملے تو شکر کرے اور جب زحمت پہنچے تو صبر کرے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ
اور رکھی تھیں ہم نے اُن میں اور اُن بستیوں میں جہاں
بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا
ہم نے برکت رکھی ہے ایسی بستیاں جو راہ پر نظر آتی تھیں اور منزلیں مقرر کر دیں ہم نے اُن میں
السَّيْرَ ۭ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ۝
آنے جانے کی پھرو ان میں راتوں کو اور دنوں کو امن سے ☆

تجارتی سفر کی آسانیاں:

برکت والی بستیاں ملک شام کی ہیں یعنی ان کے ملک سے شام تک راستے مامون تھے، سڑک کے کنارے کنارے دیہات کا سلسلہ ایسے اندازے اور تناسب سے چلا گیا تھا کہ مسافر کو ہر منزل پر کھانا، پانی اور آرام کرنے کا موقع ملتا تھا، آبادیوں کے قریب ہونے اور جلد جلد نظر آنے سے مسافر کا جی نہیں گھبراتا تھا نہ چوروں ڈاکوؤں کا خوف تھا، سفر کیا تھا ایک طرح کی سیر تھی مصنف ارض القرآن لکھتا ہے: ''سبا کی دولت وثروت کی اساس صرف تجارت تھی، یمن ایک طرف سواحل ہندوستان کے مقابل واقع ہے اور دوسری طرف سواحل افریقہ کے، سونا بیش قیمت پتھر، مسالے، خوشبوئیں، ہاتھی دانت، یہ چیزیں حبش اور ہندوستان سے ٹھیک یمن آکر اترتی تھیں وہاں سے سبا اونٹوں پر لاد کر بحر احمر کے کنارے خشکی خشکی حجاز سے گذر کر شام ومصر لاتے تھے قرآن مجید نے اُس راستہ کو ''امام مُبین'' (کھلا راستہ) اور اس سفر کا نام ''رِحلة الشتاء و الصَّيف'' رکھا ہے جس کو قریش نے جاری کیا تھا، ان تجارتی کاروانوں کی آمد ورفت کے سبب یمن سے شام تک آبادیوں کی ایک قطار قائم تھی جہاں بے خوف وخطر سفر ہوسکتا تھا'' یونانی مؤرخ اراؤستہلس ۱۹۴ ق م بیان کرتا ہے کہ ''حضر موت'' سے سبا کے مُلک تک چالیس روز کا راستہ ہے اور مُعین سے سوداگر ستر دن میں ایلہ (عقبہ) پہنچتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بینهم اہل سبا کے درمیان بَيْنَ الْقُرَى الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا یعنی ملک شام کی بستیاں جہاں بکثرت دریا اور درخت تھے، اور وہاں ان کے باشندوں کو وسعتِ رزق حاصل تھی، قُرًى ظَاهِرَةً یعنی وہ بستیاں قریب قریب تھیں ایک دوسری کے سامنے نہیں پہلی کے بعد دوسری فوراً آ جاتی تھی قَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ یعنی ان بستیوں میں چلنے کا ایک خاص انداز ہم نے مقرر کر دیا تھا رات ایک بستی میں گزاری اور دوپہر کو دوسری بستی میں پہنچ گئے، کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لینے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ یہ بستیاں سبا سے شام تک تھیں بعض اقوال میں آیا ہے کہ یہ دیہات چار ہزار سات سو مسلسل متصل تھے (کہیں لق ودق بیابان اور ویرانہ تھا) قتادہ نے کہا کہ عورت تکلا ہاتھ میں لے کر (خالی) ٹوکرا سر پر رکھے راستہ سے گزرتی تھی اور آدھے راستے تک نہیں پہنچتی تھی کہ (راستہ کے دونوں کناروں کے درختوں سے اتنے پھل ٹوٹ کر ٹوکرے میں جمع ہو جاتے تھے کہ) ٹوکرا پھلوں سے بھر جاتا تھا یمن اور شام کے درمیان سارے راستے کی یہی کیفیت تھی۔ سِيْرُوْا فِيْهَا یعنی ہم نے ان کو اجازت دے دی تھی اور کہہ دیا تھا یا قول سے مراد قول حالی یعنی اس راستہ کا حال ہی یہ تھا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا رات دن یعنی جب چاہو۔

اٰمِنِيْنَ امن کے ساتھ نہ دشمن کا کوئی خوف نہ کسی درندے کا ڈر نہ بھوکے پیاسے رہنے کا اندیشہ اہل سبا اپنی خوش عیشی پر مغرور ہو گئے بجائے شکر کے سرکش ہو گئے اور کہنے لگے (ایسے پھلوں کا کیا مزہ جن کی اتنی کثرت ہے) اگر ہمارے باغوں کی درمیانی مسافت لمبی ہو جائے (اور سفر میں دشواری ہو) تو ہمارے لئے زیادہ مناسب ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا
پھر کہنے لگے اے رب دراز کر دے ہمارے سفروں کو

قوم سبا کی مستی:

زبان حال سے کہا ہوگا اور ممکن ہے زبان قال سے کہنے لگے ہوں کہ اے اللہ! اس طرح سفر کا لطف نہیں آتا، منزلیں دور ہوں، آس پاس آبادیاں نہ ملیں، بھوک پیاس ستائے، تب سفر کا مزہ ہے حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں، ''آرام میں مستی آئی لگے تکلیف مانگنے کہ جیسے اور ملکوں کی خبر سنتے ہیں سفروں میں پانی نہیں ملتا، آبادی نہیں ملتی، ویسا ہم کو بھی ہو، یہ بڑی ناشکری ہوئی جیسے بنی اسرائیل نے من وسلویٰ سے اُکتا کر لہسن وپیاز طلب کی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ
اور آپ اپنا بُرا کیا پھر کر ڈالا ہم نے اُن کو کہانیاں
وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ
اور کر ڈالا چیر کر ٹکڑے ٹکڑے

پوری قوم بکھر گئی:

یعنی ہم نے شیرازہ بکھیر دیا اور ان کو پارہ پارہ کر ڈالا، اکثر خاندان ادھر ادھر منتشر ہو گئے کوئی ایک طرف کوئی دوسری طرف نکل گیا آبادیوں کے نام ونشان حرف غلط کی طرح مٹ گئے اب ان کی صرف کہانیاں باقی رہ گئیں کہ لوگ سنیں اور عبرت پکڑیں، اُن کا وہ عظیم الشان تمدن اور شان وشکوہ سب خاک میں مل گیا صاحب ''ارض القرآن'' اُن کے زوال وسقوط کی توجیہ اس طرح کرتا ہے کہ یونانیوں اور رومیوں نے مصر وشام پر قبضہ پاکر ہندوستان وافریقہ کی تجارت کو بری راستہ سے بحری راستہ کی طرف منتقل کر دیا اور تمام مال کشتیوں کے ذریعہ سے بحر احمر کی راہ مصر وشام کے سواحل پر اترنے لگا اس طریق سفر نے یمن سے شام تک خاک اڑا دی اور سبا کی نوآبادیاں تباہ ہو کر رہ گئیں۔'' مصنف موصوف نے یہ توجیہ مولر کی تحریر سے اخذ کی ہے ممکن ہے تباہی اور انتشار کا ایک ظاہری سبب یہ بھی ہو مگر اس پر حصر کر دینا صحیح نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اور ان کو بالکل تتر بتر کر دیا یعنی مختلف ملکوں میں پراگندہ کر دیا، شعبی کا بیان ہے جب ان کی بستیاں ڈوب گئیں تو لوگ مختلف ملکوں میں منتشر ہو گئے غسان شام میں آکر آباد ہو گئے ازد عمان کی طرف خزاعہ تہامہ کی جانب جذیمہ عراق کی سمت اور اوس وخزرج یعنی بنی انمار

یثرب کی طرف چلے گئے مدینہ میں سب سے پہلے عمرو بن عامر انماری آیا، یہی اوس وخزرج کا جدِ اعلیٰ تھا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾
اس میں پتے کی باتیں ہیں ہر صبر کرنیوالے شکر گذار کو ☆

صبر وشکر والوں کیلئے عبرت:

یعنی ان حالات کو سن کر چاہیے عقلمند عبرت حاصل کریں جب اللہ فراخی اور عیش دے خوب شکر ادا کرتے رہیں اور تکلیف ومصیبت آئے تو صبر وتحمل اختیار کر کے اللہ سے مدد مانگیں۔ (تفسیر عثمانی)

مؤمن کی شان:

مقاتل نے کہا صبار وشکور سے اس امت کے مؤمن مراد ہیں جو مصیبتوں پر صبر کرنے والے اور اللہ کی نعمتوں کے بڑے شکر گزار ہیں مطرف کا بھی یہی قول ہے میں کہتا ہوں مؤمن ہمیشہ بڑا صابر وشاکر ہوتا ہے، دنیا امتحان گاہ ہے یہاں کی راحت ونعمت بھی ایک امتحان ہے جس میں بندہ مؤمن مبتلا کیا جاتا ہے اور آزمائش کی جاتی ہے کہ وہ شکر کرتا ہے یا نہیں کرتا مؤمن کے لئے موت بھی امتحان ہے اور زندگی بھی اللہ نے فرمایا خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا اللہ نے موت اور زندگی کو تمہاری آزمائش کرنے کے لیے پیدا کیا کہ تم میں سے کس کے عمل سب سے اچھے ہیں یہی وجہ ہے کہ مؤمن ہمیشہ گناہوں سے اپنے آپ کو روکتا ہے مصائب پر صابر اور طاعات پر ثابت قدم رہتا ہے اس کے لئے ہر مصیبت گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے اس لیے مصیبت کا لازمی تقاضا جس طرح صبر ہے پھر صبر کی توفیق بھی تو اللہ کی ایک نعمت ہے جس کا شکر واجب ہے حضرت مجددؒ نے فرمایا محبوب کی طرف سے دی ہوئی مصیبت انعام سے زیادہ لذیذ ہوتی ہے مصیبت کا شکر تو اور بھی ضروری ہے، ایک شاعر کا قول ہے:

وصال کی حالت میں میں اپنے نفس کا ادنی غلام ہوں، اور فراق کی حالت میں تمام آقاؤں کا آقا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان کے دو حصے ہیں آدھا ایمان صبر میں ہے اور آدھا شکر میں رواہ البیہقی فی شعب الایمان میں کہتا ہوں مؤمن ہمیشہ کامل الایمان ہوتا ہے ایمان کے دونوں حصوں کا مجموعہ ہوتا ہے صرف آدھے ایمان پر بس نہیں کرتا بلکہ دوسرا آدھا بھی اس کے پاس ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن کا حال عجیب ہے، کہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی تقدیری حکم نافذ فرماتے ہیں سب خیر ہی خیر اور نفع ہی نفع ہوتا ہے کہ اگر اس کو کوئی نعمت راحت اور اس کی خوشی کی چیز حاصل ہوتی ہے تو یہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے وہ اس کی آخرت کیلئے خیر اور نفع بن جاتا ہے اور اگر کوئی تکلیف ومصیبت پیش آ جائے تو وہ اس پر صبر کرتا ہے جس کا اس کو بہت بڑا اجر وثواب ملتا ہے اس طرح یہ مصیبت بھی اس کے لئے خیر اور نفع بن جاتی ہے۔ (ابن کثیر)

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَیْهِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّهٗ
اور سچ کر دکھلائی اُن پر ابلیس نے اپنی اٹکل،
فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۰﴾
پھر اُسی کی راہ چلے، مگر تھوڑے سے ایمان دار ☆

قوم نے ابلیس کا مقصد پورا کر دیا:

پہلے دن ابلیس نے تخمینہ کر کے کہا تھا لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّیَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلًا (اسراء۔ رکوع ۷) اور "ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ" (اعراف رکوع ۲) ویسے ہی نکلے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اہل سبا میں سے جو کافر تھے ان کے متعلق شیطان کا گمان صحیح نکلا، مجاہد نے کہا عام انسانوں کی طرف ضمیر راجع ہے، ابلیس نے اللہ کے سامنے اپنا یہ گمان ظاہر کیا تھا فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کروں گا یہ بھی ابلیس نے کہا تھا لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا چنانچہ اس نے اپنا یہ گمان سچ کر دکھایا یا صحیح پایا اور سوائے گروہ مؤمنین کے سب اس کی راہ پر لگ گئے۔

ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ جب ابلیس نے مہلت مانگی اور اللہ نے اس کو مہلت دے دی تو اس نے کہا کہ لا ضلنهم میں ان کو ضرور گمراہ کر دوں گا، لا غوینهم میں ان کو ضرور کج راہ بنا دوں گا لیکن ابلیس کو اس بات کو کہنے کے وقت یہ یقین نہ تھا کہ اس کی بات پوری بھی ہو سکے گی صرف گمان تھا لیکن اہل سبا جب اس کی راہ پر لگ گئے اور اس کے کہنے پر چلنے لگے تو اس کا گمان صحیح ثابت ہو گیا۔

مؤمن شیطان کی اتباع نہیں کرتا:

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ میں الْمُؤْمِنِیْنَ سے مراد یا تو قوم سبا کا ایماندار گروہ ہے یا عام انسانوں میں سے جو مؤمن ہیں وہ مراد ہیں۔

سدی نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اصل دین میں کسی مؤمن نے شیطان کا اتباع نہیں کیا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَیْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ
اور اُس کا اُن پر کچھ زور نہ تھا مگر اتنے واسطے کہ معلوم کر لیں
مَنْ یُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا
ہم اس کو جو یقین لاتا ہے آخرت پر جدا کر کے اس سے جو رہتا ہے آخرت کی طرف

فِيْ شَكٍّ ۭ وَرَبُّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۲۱﴾
سے دھوکے میں، اور تیرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے

انسان کیلئے امتحان:

یعنی شیطان کو یہ قدرت نہ تھی کہ لاٹھی لے کر ان کو زبردستی راہ حق سے روک دیتا ہاں بہکاتا پھسلاتا ہے اور اتنی قدرت بھی اس لئے دی گئی کہ بندوں کا امتحان وابتلاء منظور تھا دیکھیں کون آخرت پر یقین کر کے خدا کو یاد رکھتا ہے اور کون دنیا میں پھنس کر انجام سے غافل ہو جاتا اور بیوقوف بن کر شک یا دھوکہ میں پڑ جاتا ہے اللہ کی حکمت کا مقتضاء ہی یہ تھا کہ دنیا میں انسان کے لئے دونوں طرف جانے کے راستے کشادہ رکھیں جیسا کہ پہلے کئی جگہ اس کی تقریر ہو چکی ہے ایسا نہیں کہ (معاذ اللہ) خدا کو خبر نہ ہو بے خبری میں شیطان کسی بندے کو اُچک لے جائے خوب سمجھ لو کہ ہر چیز اللہ کی نگاہ میں ہے اور تمام احوال وشئون کی دیکھ بھال وہ ہی ہمہ وقت کرتا ہے۔ جس کو جتنی آزادی دے رکھی ہے وہ عجز وضعف سے نہیں حکمت ومصلحت کی بناء پر ہے۔ (تفسیر عثانی)

شیطان کا ہتھیار:

یعنی ابلیس کو کوئی قدرت نہیں تھی کہ وہ ان کو بہکا سکتا اور دلوں میں جھوٹی آرزوئیں اور امیدیں پیدا کرتا مگر جب ہم نے اس کو مسلط کر دیا اور اس سے کہہ دیا، وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ تو اس میں قدرت پیدا ہو گئی۔

حسن نے کہا ابلیس نے ان پر تلوار نہیں سونتی نہ تلوار سے کسی کو مارا نہ کسی کو کوڑے مارے (یعنی تسلط سے مراد جبر اور مار دھاڑ نہیں) بلکہ ان سے جھوٹے وعدے اور امیدیں بندھوائیں جس کی وجہ سے وہ فریب کھا گئے اور دھوکہ میں آ گئے۔

وَرَبُّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ اور آپ کا رب ہر چیز کا نگراں ہے یعنی زمانہ ہو یا زمانہ کے اندر کی چیزیں، مومن یا کافر سب کا نگراں ہے کسی چیز کی طرف سے غافل نہیں ہے اس لیے ہر ایک کو اس کے عمل کے موافق بدلہ دے گا۔ (تفسیر مظہری)

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
تو کہہ پکارو اُن کو جن کو گمان کرتے ہو سوائے اللہ کے ☆

اہل مکہ سے خطاب:

یہاں سے مشرکین مکہ کو خطاب ہے جن کی تنبیہ کے لئے ''سبا'' کا قصہ سنایا تھا یعنی اللہ کے سوا جن چیزوں پر تم کو خدائی کا گمان ہے ذرا کسی آڑے وقت میں اُن کو پکارو تو سہی دیکھیں وہ کیا کام آتے ہیں۔ (تفسیر عثانی)

کہ جن کو تم سوائے خدا کے اپنے (معبود اور کارساز) سمجھ رہے ہو ان کو پکار دیکھو وہ ذرہ برابر اختیار نہیں رکھتے آسمانوں میں نہ زمین میں اور نہ ان دونوں کے پیدا کرنے اور انتظام قائم رکھنے میں) ان کی مصیبت کے لئے تم ان کو پکار دیکھو اگر (ان کی الوہیت وحکمرانی کے متعلق) تمہارا قول صحیح ہے تو وہ تمہاری مدد کریں گے (یہ قیاس استثنائی شرطیہ ہے) لیکن وہ تو چھوٹی چیونٹی کے برابر آسمان وزمین میں ہونے والی خیر وشر کا اختیار نہیں رکھتے اس لئے تمہاری دعا قبول نہیں کر سکتے اور نہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں حاصل یہ کہ تمہارا یہ (مخلوق کے معبود اور شریک ہونے کا) خیال ہی غلط ہے آسمان وزمین کا ذکر عموم عرفی کی وجہ سے کیا یہ وجہ ہے کہ کافروں کے معبود کچھ سماوی تھے جیسے ملائکہ اور ستارے اور کچھ ارضی تھے جیسے بت یا ان دونوں کے ذکر کرنے کی یہ وجہ ہے کہ خیر وشر کے ظاہری اسباب کچھ آسمانی ہوتے ہیں اور کچھ زمینی۔ (تفسیر مظہری)

لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي
وہ مالک نہیں ایک ذرہ بھر کے آسمانوں میں اور نہ
الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ
زمین میں اور نہ اُن کا ان دونوں میں کچھ ساجھا اور نہ اُن میں کوئی اُس کا
مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۭ
مددگار اور کام نہیں آتی سفارش اس کے پاس مگر اُس کو کہ جس کے واسطے حکم کر دے ☆

بت ایک ذرے کے مالک نہیں ہے:

یعنی یہ مسکین کیا کام آتے جنہیں آسمان وزمین میں نہ ایک ذرہ کا مستقل اختیار ہے (بلکہ بتوں کو تو غیر مستقل بھی نہیں) نہ آسمان وزمین میں ان کی کچھ شرکت نہ خدا کو کسی کام میں مدد کی ضرورت، جو یہ اس کے معین ومددگار بن کر ہی کچھ حقوق جتلاتے، اس کی بارگاہ تو وہ ہے جہاں بڑے بڑے مقربین کی یہ بھی طاقت نہیں کہ بدون اذن ورضا کے کسی کی نسبت ایک حرف سفارش ہی زبان سے نکال سکیں، انبیاء واولیاء اور ملائکۃ اللہ کی شفاعت بھی صرف انہی کے حقوق میں نافع ہو گی جن کے لئے ادھر سے سفارش کا حکم مل جائے۔ (تفسیر عثانی)

مِنْ ظَهِيْرٍ، یعنی تمہارے معبودوں میں سے کوئی آسمان وزمین کے پیدا کرنے اور ان کا انتظام کرنے میں اللہ کا مددگار نہیں ہے۔

کافروں کیلئے کوئی سفارش نہ چلے گی:

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ اور خدا کے سامنے (کسی کی) سفارش کسی کے لیے کام نہیں آئے گی، ہاں اس کے لیے (کام آئے گی) جس کے لئے (سفارش کرنے کی سفارش کرنے والے کو) اللہ اجازت دے دے گا یعنی شفیع کو اجازت دے دے گا یا جس کے لئے شفاعت کیے

جانے کی اجازت دے دے گا۔

آیت مذکورہ نازل ہوئی اور اللہ نے فرمایا کہ بغیر اذن الٰہی کے کوئی کسی کی سفارش نہیں کرے گا، بت تو ظاہر ہے بے جان ہیں اس امر کے قابل ہی نہیں ہیں کہ ان کو شفاعت کرنے کی اجازت ملے اب رہے وہ لوگ جن کی سفارش کا امکان ہے ان میں کافر اپنی حد سے بڑھی ہوئی سرکشی اور طغیانی کی وجہ سے شفاعت پانے کے مستحق نہیں ہیں اس لئے انبیاء (اولیاء) اور ملائکہ کو صرف مومنوں کی شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ
یہاں تک کہ جب گھبراہٹ دُور ہو جائے ان کے دل سے کہیں کیا فرمایا
قَالَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾
تمہارے رب نے وہ کہیں فرمایا جو واجبی ہے اور وہی ہے سب سے اُوپر بڑا ☆

فرشتوں کی تابعداری:

یہ فرشتوں کا حال فرمایا جو ہمہ وقت اس بارگاہ کے حاضر باش ہیں جب اوپر سے اللہ کا حکم اترتا ہے ایسی آواز آتی ہے جیسے صاف چکنے پتھر پر زنجیر کھینچی جائے، (شاید اتصال وبساطت کے قریب الی الفہم کرنے کے لئے یہ تشبیہ دے گئی) فرشتے دہشت اور خوف ورعب سے تھرا جاتے ہیں اور تسبیح کرتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے ہیں جب یہ حالت رفع ہو کر دل کو تسکین ہوئی اور کلام اتر چکا ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کیا حکم ہوا اوپر والے فرشتے نیچے والوں کو درجہ بدرجہ بتلاتے ہیں کہ جو اللہ کی حکمت کے موافق ہے اور آگے سے باقاعدہ معلوم ہے وہ ہی حکم ہوا ظاہر ہے وہاں معقول اور واجبی بات کے سوا کیا چیز ہو سکتی ہے پس جس کی علو وعظمت کی یہ کیفیت ہو کہ حکم دے تو مقربین کا مارے ہیبت وجلال کے یہ حال ہو جائے وہاں کس کی ہمت ہے کہ از خود سعی و سفارش کے لئے کھڑا ہو جائے (تنبیہ) آیت کی اور تفسیریں بھی کی گئی ہیں جن کی نسبت حافظ ابن حجر لکھتے ہیں ''وجمیع ذلک مخالف لہذا الحدیث الصحیح (الذی فی البخاری) ولاحادیث کثیرۃ تویدہ (فتح الباری ص۳۸۱۔ ج ۱۳) (تفسیر عثمانی)

فرشتوں کی گھبراہٹ:

میں کہتا ہوں اسی طرح جب اللہ کوئی حکم جاری فرماتا تو فرشتوں پر گھبراہٹ کی وجہ سے غشی طاری ہو جاتی ہے بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جب آسمان میں کوئی حکم جاری فرماتا ہے تو عاجزی سے ملائکہ اپنے بازو پھٹ پھٹاتے ہیں (اس کی آواز ایسی ہوتی ہے) جیسے پتھر کی چٹان پر کوئی زنجیر ماری جائے پھر جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے تو باہم پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا، دوسرے ملائکہ کہتے ہیں حق فرمایا اور عالی شان سب سے بڑا ہے یہ بات چوری سے سننے والے (جنات) اور پھر (ان کے نیچے) چوری سے سننے والے سن پاتے ہیں اس طرح نیچے والے اوپر والوں سے سنتے چلے جاتے ہیں، سفیان نے اپنے ہاتھ کو ذرا ترچھا کر کے ترتیب وار انگلیوں کو الگ الگ کر کے بتایا کہ اس طرح اوپر نیچے جنات لگے ہوتے ہیں اوپر والا وہ بات سن پاتا ہے تو نیچے والے کو القاء کر دیتا ہے۔ پھر وہ اپنے نیچے والے کو القاء کرتا ہے اس طرح وہ بات (ساحر یا کاہن تک پہنچا دی جاتی ہے) پھر ساحر کاہن کی زبان پر آ جاتی ہے کبھی نیچے والے کو القاء کرنے سے پہلے ہی اوپر والے پر ایک انگارہ آ پڑتا ہے (اور اس کو جلا ڈالتا ہے) اور کبھی القاء کے بعد انگارا آ لگتا ہے ساحر یا کاہن (کو جب اس بات کا علم ہو جاتا ہے تو وہ اپنی طرف سے اس میں) سو جھوٹ ملا کر بیان کرتا ہے (جب وہ ایک بات صحیح ہو جاتی ہے) تو کہا جاتا ہے کہ کیا فلاں دن کاہن یا ساحر نے ہم سے ایسا ایسا نہیں کہا تھا، چنانچہ آسمان سے سنی جانے والی اس ایک بات کی تصدیق کی جاتی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے فرشتے قیامت برپا ہو جانے کے خوف سے گھبرا جائیں گے مقاتل سدی اور کلبی نے کہا، حضرت عیسیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درمیانی مدت ۵۵۰ برس اور بقول بعض ۶۰۰ سو برس کی تھی یہ انقطاع وحی کا زمانہ (فترہ) تھا اس مدت میں ملائکہ نے کوئی وحی کی آواز نہیں سنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور فرشتوں نے وحی کی آواز سنی تو انہوں نے خیال کیا کہ قیامت آ گئی کیونکہ آسمان والوں کو اس کا علم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قیامت کی علامت ہے پس جب وحی کی آواز سنی تو قیامت برپا ہونے کے خوف سے بے ہوش ہو گئے جب ابتداء وحی کے موقع پر حضرت جبرئیل (بارگاہ خداوندی سے) نیچے اترے تو جس آسمان کی طرف سے گزرے تو وہاں کے باشندوں نے سر اوپر اٹھائے اور ایک نے دوسرے سے پوچھا تمہارے رب نے کیا فرمایا دوسروں نے جواب دیا حق فرمایا حق سے مراد وحی ہے۔

اہل تفسیر کی ایک جماعت کا قول ہے کہ آیت مذکورہ میں مشرکوں کی حالت بیان کی ہے حسن اور ابن زید نے کہا کہ نزول موت کے وقت مشرکوں کو جو گھبراہٹ ہوتی ہے حجت پوری کرنے کے لئے جب وہ گھبراہٹ ان کے دلوں سے دور کر دی جاتی ہے تو مشرک کہتے ہیں پیغمبروں کی زبانی تمہارے رب نے دنیا میں کیا فرمایا تھا دوسرے مشرک کہتے ہیں (جو کچھ فرمایا) حق فرمایا، گویا مشرک ایسے وقت قرآن کی صداقت کا اقرار کرتے ہیں جو ان کے لئے مفید نہیں ہوتا میں کہتا ہوں اس تفسیر کی بنا پر آیت زیر بحث کا ربط آیت هُوَ مِنْهَا فِىْ شَكٍّ سے ہو جائے گا یعنی موت تک مشرک شک میں پڑے رہتے ہیں، آخر مرنے کے بعد ان کا شک دور (شہودی) یقین

پیدا ہو جاتا ہے تو اقرار کرتے ہیں، مگر بے سود۔ (تفسیر مظہری)

مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ صحابہؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جو ایک ستارہ جھڑا اور زبردست روشنی ہوگئی آپ نے دریافت فرمایا کہ جاہلیت میں تمہارا خیال ان ستاروں کے جھڑنے کی نسبت کیا تھا؟ انہوں نے کہا ہم اس موقع پر سمجھتے تھے کہ یا تو کوئی بہت بڑا آدمی پیدا ہوا یا مرا۔ (تفسیر ابن کثیر)

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ
تو کہہ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے
وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ
اور زمین سے بتلا دے کہ اللہ ☆

روزی رساں: یعنی آسمان و زمین سے روزی کے سامان بہم پہنچانا صرف اللہ کے قبضہ میں ہے اس کا اقرار مشرکین بھی کرتے تھے لہذا آپ بتلا دیں کہ یہ تم کو بھی مسلم ہے پھر الوہیت میں دوسرے شریک کہاں سے ہوگئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ
اور یا ہم یا تم بیشک ہدایت پر ہیں یا پڑے ہیں
ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾
گمراہی میں صریح ☆

اب بتلاؤ کون سچا ہے:

یعنی دونوں فرقے تو سچ نہیں کہتے (ورنہ اجتماع نقیضین لازم آجائے) یقیناً دونوں میں ایک سچا اور دوسرا جھوٹا ہے تو لازم ہے کہ سوچو اور غور کر کے سچی بات قبول کرو اس میں ان کا جواب ہے جو بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ میاں! دونوں فرقے ہمیشہ سے چلے آئے ہیں کیا ضرورت ہے جھگڑنا، تو بتلا دیا کہ ایک یقیناً خطا کار اور گمراہ ہے باقی تعیین نہ کرنے میں حکیمانہ حسن خطاب ہے یعنی لو ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے، بہرحال ایک تو یقیناً غلطی پر ہوگا اب اوپر کے دلائل سن کر تم ہی خود فیصلہ کرلو کہ کون غلطی پر ہے گویا مخالف کو نرمی سے بات کر کے اپنے نفس میں غور کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

دونوں سچے نہیں ہو سکتے:

توحید کا معنی ہے نفی شرک توحید شرک کی نقیض ہے جس طرح ضلال اور ہدایت کے درمیان تناقض ہے کیوں کہ ضلال نفی ہدایت کا نام ہے ایسا نہیں ہو سکتا کہ دونوں باتیں (توحید و شرک اور گمراہی و ہدایت) صحیح ہوں، یا دونوں میں کوئی صحیح نہ ہو آیت سابقہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ روزی دینے والا صرف اللہ ہے کوئی اور رازق نہیں، اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اہل توحید ہدایت پر ہیں اور مشرک کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ
تو کہہ تم سے پوچھ نہ ہوگی اس کی جو ہم نے گناہ کیا اور ہم سے پوچھ نہ ہوگی
عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ
اس کی جو تم کرتے ہو تو کہہ جمع کریگا ہم سب کو رب ہمارا پھر
يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾
فیصلہ کریگا ہم میں انصاف کا اور وہی ہے قصے چکانیوالا سب کچھ جاننے والا ☆

اپنی عاقبت کی فکر کرو:

یعنی ہر ایک کو اپنی عاقبت کی فکر کرنی چاہئے کوئی شخص دوسرے کے قصور اور غلطی کا جوابدہ نہ ہوگا اگر اتنی صاف باتیں سننے کے بعد بھی تم اپنی حالت میں غور کرنے کے لئے تیار نہیں تو یاد رکھو ہم حجت تمام کر چکے اور کلمۂ حق پہنچا چکے اب تم اپنے اعمال کے خود جوابدہ ہوگے ہم پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی نہ ایسی حالت میں ہمارا تمہارا کوئی واسطہ، خدا کے یہاں حاضر ہونے کے لئے ہر ایک اپنی اپنی فکر کر رکھے وہ سب کو اکٹھا کر کے ٹھیک ٹھیک انصاف کا فیصلہ کردے گا۔ (تفسیر عثمانی)

آپ کہہ دیجئے کہ (اگر ہم نے کوئی جرم کیا ہوگا تو) ہمارے جرائم کی تم سے باز پرس نہیں ہوگی اور نہ تمہارے اعمال کی ہم سے باز پرس ہوگی یعنی میں جو تم کو توحید کے ماننے اور شرک چھوڑ دینے کا حکم دے رہا ہوں یہ محض تمہاری خیر خواہی کے پیش نظر ہے، ورنہ کسی کو دوسرے کے عمل سے ضرر نہیں پہنچے گا، نہ مجھے نہ تمہیں۔

اس کلام میں توحید کو ماننے کی ترغیب ہے اجرمنا کے لفظ میں ارتکاب جرم کی اپنی طرف نسبت کی اور تعملون کے لفظ میں (جرم کی نسبت مخاطب کی طرف نہیں کی بلکہ) عمل کی نسبت مخاطبوں کی طرف کی یہ تقاضا تہذیب کا مظاہرہ اور خیر خواہی کا اظہار ہے جو ہر قسم کے تعصب سے آزاد طرز بیان ہے۔

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ

آپ کہہ دیجئے کہ ہمارا رب ہم کو (یعنی مجھے اور تمہیں قیامت کے دن) جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان فیصلہ حق کردے گا وہی بڑا فیصلہ کرنے والا (اور) جاننے والا ہے یفتح فیصلہ کردے گا بالحق یعنی ہم میں سے جو کوئی جس بدلہ کا مستحق ہے اللہ وہی بدلہ اس کو دے دے گا حق پرستوں کو جنت میں اور باطل پرستوں کو دوزخ میں داخل کردے گا۔ الفتاح حاکم اور لاینحل معاملات کا فیصلہ کرنے والا، العلیم یعنی فیصلہ کیا ہونا چاہئے اس کو خوب جاننے والا۔

قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ
تو کہہ مجھ کو دکھلاؤ تو سہی جن کو اس سے ملاتے ہو ساجھی قرار دیکر ☆

ذرا دکھلاؤ تو اپنے معبود!:

یعنی ذرا سامنے تو کرو کون سی ہستی ہے جو اس کی خدائی میں ساجھا رکھتی

ہے؟ ہم بھی تو دیکھیں کہ اس کے کیا کچھ اختیارات ہیں کیا ان پتھر کی بیجان اور خود تراشیدہ مورتوں کو پیش کرو گے۔ (تفسیر عثمانی)

اَرُوْنِی (مجھے دکھاؤ) سے مراد ہے مجھے بتاؤ، الحاق سے مراد ہے استحقاق الوہیت میں خدا کے ساتھ ملا دینا مطلب یہ ہے کہ کس صفت کی وجہ سے تم نے اپنے معبودوں کو اللہ کا شریک بنا رکھا ہے کیا وہ کوئی چیز پیدا کرتے ہیں یا کسی کو نفع ضرور پہنچا سکتے ہیں یا روزی دیتے ہیں جب ان اوصاف میں سے کوئی وصف ان کے اندر نہیں تو ان کو شریک خدا قرار دینے کی وجہ جواز نہیں، اتمام حجت اور مدلل ثبوت کے بعد پھر وجہ شرک کا استفسار حقیقت میں لاجواب بنانے کی تکمیل ہے۔ (تفسیر مظہری)

كَلَّا ۭ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۲۷

کوئی نہیں وہی اللہ ہے زبردست حکمتوں والا ☆

نہیں نہیں! اللہ کے برابر کوئی نہیں:

یعنی ہرگز تم ایسی کوئی ہستی پیش نہیں کر سکتے، وہ تو اکیلا ایک ہی خدا ہے جو زبردست، غالب و قاہر اور اعلیٰ درجہ کی حکمت و دانائی رکھنے والا ہے، سب اس کے سامنے مغلوب و مقہور ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا

اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو سارے لوگوں کے واسطے خوشی

وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۲۸

اور ڈر سنانے کو لیکن بہت لوگ نہیں سمجھتے ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عام رسالت:

یہ توحید کے ساتھ رسالت کا ذکر کر دیا یعنی آپ کا فرض اور آپ کی بعثت کی غرض یہی ہے کہ نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیا کے لوگوں کو ان کے نیک و بد سے آگاہ کر دیں سو کر دیا جو نہیں سمجھتے وہ جانیں سمجھدار آدمی تو اپنے نفع نقصان کو سوچ کر آپ کی بات کو ضرور مانیں گے ہاں دنیا میں کثرت جاہلوں اور ناسمجھوں کی ہے ان کے دماغوں میں کہاں گنجائش ہے کہ کارآمد باتوں کی قدر کریں۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب اس طرح ہوگا کہ سب لوگوں کے لیے آپ کو رسالت عامہ دے کر ہم نے بھیجا ہے کوئی شخص آپ کے دائرہ رسالت سے باہر نہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کافۃ میں ت مبالغہ کی ہو یعنی ہم نے آپ کو ایسی حالت میں بھیجا کہ آپ سب لوگوں کو اپنے دائرہ رسالت میں جمع کرنے والے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات:

حضرت جابر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں (خصوصیت کے ساتھ) عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں (۱) مجھے یہ بات دی گئی کہ ایک ماہ کی مسافت پر میرا رعب (دشمنوں کے دلوں میں) ڈالا گیا۔ (۲) تمام زمین کو میرے لیے مسجد اور حصول طہارت کا ذریعہ بنا دیا گیا، لہٰذا میری امت میں سے جس کسی کے لئے نماز کا وقت آ پہنچے وہ (جس پاک جگہ پر) نماز پڑھنا چاہے (وضو کر کے اور پانی کے فقدان کی صورت میں مٹی سے تیمم کر کے) نماز پڑھ لے۔ (۳) میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کیا گیا۔ (۴) مجھے شفاعت (کبریٰ) عطا کی گئی۔ (۵) ہر نبی کو صرف اس کی قوم کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا لیکن مجھے سب لوگوں (کی ہدایت) کے لیے بھیجا گیا ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلا رکھی ہو جب چاروں طرف آگ کی روشنی پھیل گئی ہو تو پتنگے اور یہ کیڑے مکوڑے اس میں گرنے لگے ہوں وہ شخص کتنا ہی ان کو آگ میں گرنے سے روکتا ہو مگر پتنگے اس میں زبردستی گر رہے ہوں میں بھی اسی طرح پیچھے سے تمہاری کمر پکڑ کر آگ میں گھسنے سے روک رہا ہوں مگر تم آگ میں گھسے پڑتے ہو، حدیث متفق علیہ ہے، الفاظ بخاری کے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

صحیح بخاری و مسلم وغیرہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملیں (۱) ایک یہ کہ میری مدد اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا رعب دے کر فرمائی کہ ایک مہینہ کی مسافت تک لوگوں پر میرا رعب چھا جاتا ہے، (۲) دوسرے یہ کہ میرے لئے پوری زمین کو مسجد اور طہور قرار دے دیا گیا، (پچھلے انبیاء کی شریعتوں میں ان کی عبادت خاص عبادت گاہوں ہی میں ہوتی تھی ان کی مساجد سے باہر میدان یا گھر میں عبادت نہ ہوتی تھی، اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے لئے پوری زمین کو اس معنی میں مسجد بنا دیا کہ ہر جگہ نماز ادا ہو سکتی ہے، اور زمین کی مٹی کو پانی نہ ملنے یا پانی کا استعمال مضر ہونے کی صورت میں طہور یعنی پاک کرنے والا بنا دیا کہ اس سے تیمم کر لیا جائے تو وضو کے قائم مقام ہو جاتا ہے) (۳) یہ کہ میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا مجھ سے پہلے کسی امت کے لئے یہ مال حلال نہیں تھا (بلکہ حکم یہ تھا کہ جنگ میں جو مال کفار کا ہاتھ آتا اس کو جمع کر کے ایک جگہ رکھ دیں، وہاں ایک آسمانی آگ وغیرہ آ کر اس کو جلا دے گی، اور یہ جلا دینا ہی اس جہاد کی مقبولیت کی علامت ہوگی، امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مال غنیمت کو قرآن کے بتلائے ہوئے اصول کے مطابق کر لینا اور اپنی ضروریات میں صرف کرنا جائز کر دیا گیا۔ (۴) چوتھے یہ کہ مجھے شفاعت کبریٰ کا مقام دیا گیا (یعنی حشر کے میدان میں جس وقت کوئی پیغمبر شفاعت کی ہمت نہ کرے گا، مجھے اس وقت شفاعت کا موقع دیا جائے) (۵) پانچویں یہ کہ مجھ سے

پہلے ہر نبی اپنی مخصوص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا، مجھے تمام اقوام عالم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (ابن کثیر) (معارف القرآن مفتی اعظم)

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝٢٩
اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو ☆

کہتے ہیں قیامت کب آئے گی:

یعنی جس گھڑی سے ڈراتے ہو وہ کب آئے گی، اگر سچے ہو تو جلدی لاکر دکھلا دو۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ
تو کہہ تمہارے لئے وعدہ ہے ایک دن کا نہ دیر کرو گے
عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ۝٣٠
اُس سے ایک گھڑی نہ جلدی ☆

ضرور آئے گی:

یعنی گھبراؤ نہیں جس دن کا وعدہ ہے ضرور آکر رہے گا جب آئے گا تو ایک منٹ کی مہلت نہ ملے گی، جلدی مچانے کی بجائے اس کی ضرورت ہے کہ اس وقت کے آنے سے پہلے کچھ تیاری کر رکھو۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ
اور کہنے لگے منکر ہم ہرگز نہ مانیں گے اس قرآن کو
وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ
اور نہ اس سے اگلے کو ☆

کہتے ہیں ہم کتابوں کو نہیں مانتے:

یعنی ہم نہ قرآن کو مانیں نہ اگلی کتابوں کو جنہیں تم آسمانی کتابیں بتلاتے ہو، مثلاً تورات وانجیل وغیرہ یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں جہاں دیکھو وہی حساب کتاب اور قیامت کا مضمون، سو ان چیزوں کو ہم ہرگز تسلیم کرنیوالے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚۖ
اور کبھی تو دیکھے جبکہ گنہگار کھڑے کئے جائیں اپنے رب کے پاس
يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ۨالْقَوْلَ
ایک دوسرے پر ڈالتا ہے بات کو ☆

محشر میں پتہ چلے گا:

یعنی جیسے ناکامی کے وقت ہوتا ہے کہ ہر ایک دوسرے کو ناکامیابی کا سبب گردانتا ہے محشر میں بھی کفار ایک دوسرے کو مورد الزام بنائینگے جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا
کہتے ہیں وہ لوگ جو کمزور سمجھے جاتے تھے بڑائی کرنے والوں کو
لَوْلَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝٣١
اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایمان دار ہوتے ☆

چھوٹوں کا بڑوں پر الزام:

دنیا میں جو لوگ نیچے کے طبقہ میں شمار ہوتے تھے اور دوسروں کے پیچھے چلتے تھے وہ اپنے بڑے سرداروں کو الزام دینگے کہ تم نے ہمیں اس مصیبت میں پھنسوایا تمہاری روک نہ ہوتی تو ہم ضرور پیغمبروں کی بات مان لیتے اور یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا
کہنے لگے بڑائی کرنے والے اُن سے جو کہ کمزور گنے گئے تھے
اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ
کیا ہم نے روکا تم کو حق بات سے
اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝٣٢
تمہارے پاس پہنچ چکنے کے بعد کوئی نہیں تم ہی تھے گنہگار ☆

سرداروں کا جواب: یعنی جب تمہارے پاس حق بات پہنچ گئی اور سمجھ میں آگئی تھی کیوں قبول نہ کی کیا ہم نے زبردستی تمہارے دلوں کو ایمان ویقین سے روک دیا تھا چاہئے تھا کہ کسی کی پروانہ کر کے حق کو قبول کر لیتے اب اپنا جرم دوسروں کے سر کیوں رکھتے ہو؟ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا
اور کہنے لگے وہ لوگ جو کمزور گنے گئے تھے بڑائی کرنے والوں کو
بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ
کوئی نہیں پر فریب سے رات دن کے جب تم ہم کو حکم کیا کرتے کہ
نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ
ہم نہ مانیں اللہ کو اور ٹھہرائیں اس کے ساتھ برابر کے ساجھی ☆

یعنی بے شک تم نے زبردستی مجبور تو نہ کیا تھا مگر رات دن مکر وفریب اور مغویانہ تدبیر سے ہم کو بہکاتے پھسلاتے رہتے تھے جب ملے یہی تلقین کی کہ ہم پیغمبروں کے ارشاد کے موافق خدا کو ایک نہ مانیں، بلکہ بعض مخلوقات کو بھی اس کا مماثل اور برابر کا شریک سمجھیں، آخر تمہاری شب وروز کی ترغیب وترہیب کا کہاں تک اثر نہ ہوتا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ

اور چھپے چھپے پچتانے لگے جب دیکھ لیا عذاب ☆

پھر سب شرمائیں گے:

یعنی جس وقت ہولناک عذاب سامنے آئے گا تابعین اور متبوعین دونوں اپنے اپنے دل میں پچتائیں گے ہر ایک محسوس کرے گا کہ واقعی میں مجرم اور قصوروار ہوں لیکن شرم کے مارے ایک دوسرے پر ظاہر نہ کرینگے اور شدید اضطراب وخوف سے شاید بولنے کی قدرت بھی نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِیْۤ اَعْنَاقِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا

اور ہم نے ڈالے ہیں طوق گردنوں میں منکروں کے ☆

طوق اور بیڑیاں:

گردنوں میں طوق اور ہاتھ پاؤں میں زنجیریں پڑی ہونگی۔ (تفسیر عثمانی)

هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾

وہی بدلہ پاتے ہیں جو عمل کرتے تھے ☆

اعمال کی سزا: یعنی جو عمل کیے تھے آج وہ اس سزا کی صورت میں ظاہر ہو رہے ہیں جیسا کرنا ویسا بھرنا۔ (تفسیر عثمانی)

آگ سارا گوشت جلادے گی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، جہنمی جب ہنکا کر جہنم کے پاس پہنچائے جائیں گے تو جہنم کے ایک ہی شعلے کی لپیٹ سے سارے جسم کا گوشت جھلس کر پیروں پر آ پڑے گا (ابن ابی حاتم) حسن بن یحیٰ خشنیؒ فرماتے ہیں کہ جہنم کے ہر قید خانے ہر غار ہر زنجیر ہر قید پر جہنمی کا نام لکھا ہوا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ان کو سزا نہیں دی جائے گی مگر ان ہی اعمال کی جو وہ کرتے تھے۔ ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے بوساطت سفیان عاصم کی روایت سے ابورزین کا بیان نقل کیا ہے کہ دو آدمی شریک تھے جن میں سے ایک ملک شام کو چلا گیا دوسرا (مکہ میں ہی) رہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو مقیم شخص نے مسافر کو یہ خبر لکھ کر بھیجی مسافر نے مقیم کو لکھا کہ اس شخص کا (جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے) کیا بنا مقیم نے جواب میں لکھا قریش میں سے صرف نچلہ طبقہ اور غریب لوگ اس کے پیرو ہوئے ہیں، جونہی یہ تحریر مسافر کو ملی وہ اپنی تجارت چھوڑ کر اپنے ساتھی (مقیم شخص) سے آ کر ملا اور کہا مجھے اس شخص کا پتہ بتادو، یہ مسافر شخص بعض (سابقہ آسمانی) کتابیں پڑھا کرتا تھا، غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گیا اور سوال کیا آپ کس بات کی دعوت دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فلاں فلاں (اوامر ونواہی) کی یہ سنتے ہی وہ بول اٹھا میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے کیسے جانا کہنے لگا، جو نبی بھی مبعوث ہو (پہلے پہلے) نچلا طبقہ اور غریب لوگ ہی اس کے پیرو ہوئے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا

اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا مگر

قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾

کہنے لگے ہیں وہاں کے آسودہ لوگ جو تمہارے ہاتھ بھیجا گیا ہم اس کو نہیں مانتے ☆

سردار لوگ ہر پیغمبر کے مخالف رہے ہیں:

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ آپ رؤسائے مکہ کے انحراف و سرکشی سے مغموم نہ ہوں، ہر زمانہ میں پیغمبروں کا مقابلہ ایسے ہی بدبخت رئیسوں نے کیا ہے دولت وثروت کا نشہ اور اقتدار طلبی کا جذبہ آدمی کو اندھا کر دیتا ہے وہ کسی کے سامنے گردن جھکانا اور چھوٹے آدمیوں کے برابر بیٹھنا گوارا نہیں کرتا، اسی لئے انبیاء کے اول متبعین عموماً ضعیف و مسکین لوگ ہوتے ہیں کما ورد فی حدیث ہرقل۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو کہلا بھیجا کہ تمہارے قول کی تصدیق اللہ نے نازل فرما دی مترفین خوش حال لوگ، خوش حال لوگوں کا خصوصی تذکرہ انکار رسالت کے لیے کیا کہ عموماً غرور اور دنیوی دولت مندی پر فخر اور لذت اندوزی میں انہماک اور غریبوں کو ذلیل جاننا انکار رسالت کا موجب ہوتا ہے اسی لئے منکروں نے تکذیب کے ساتھ استہزاء اور فخر کو بھی ملا دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا

اور کہنے لگے ہم زیادہ ہیں مال اور اولاد میں

وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۳۵﴾

اور ہم پر آفت نہیں آنے والی ☆

مال واولاد پر فخر:

یعنی معلوم ہوا خدا ہم سے خوش اور راضی ہے ورنہ اتنا مال واولاد کیوں دیتا جب وہ خوش ہے تو ہم کو کسی آفت کا اندیشہ نہیں، تم فضول عذاب کی دھمکیاں دیتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ

تو کہہ میرا رب ہے جو کشادہ کر دیتا ہے روزی جس کو چاہے

وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور ماپ کر دیتا ہے لیکن بہت لوگ سمجھ نہیں رکھتے ☆

روزی کا مالک اللہ تعالیٰ ہے:

یعنی روزی کی فراخی یا تنگی اللہ کے خوش یا ناخوش ہونے کی دلیل نہیں، دیکھتے نہیں دنیا میں کتنے بدمعاش، شریر، دہریے ملحد (ناستک) مزے اڑاتے ہیں حالانکہ ان کو کوئی مذہب بھی اچھا نہیں کہتا۔ اور بہت سے خدا پرست پرہیزگار اور نیک بندے بظاہر فاقے کھینچتے ہیں تو معلوم ہوا کہ دولت وافلاس یا تنگی وفراخی کسی کے محبوب ومقبول عنداللہ ہونے کی دلیل نہیں، یہ معاملات تو دوسری مصالح اور حکمتوں پر مبنی ہیں جن کو اللہ ہی جانتا ہے مگر بہت لوگ اس نکتہ کو نہیں سمجھتے۔

ومن الدَّليل على القضاءِ وحُكمِهٖ

بؤس اللبيب وطيبِ عيش الاحمق

(تفسیر عثمانی)

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ

اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد وہ نہیں کہ نزدیک کر دیں

عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا

ہمارے پاس تمہارا درجہ پر جو کوئی یقین لایا اور بھلا کام کیا ☆

قرب الٰہی کا ذریعہ تو ایمان اور عمل صالح ہے:

یعنی مال واولاد کی کثرت نہ قرب الٰہی کی علامت ہے جیسا کہ اوپر کی آیت میں گذرا، اور نہ قرب حاصل کرنے کا سبب ہے بلکہ اس کے برعکس کافر کے حق میں زیادتِ بعد کا سبب بن جاتا ہے ہاں مومن اگر مال ودولت کو وجوہ خیر میں صرف کرے اور اولاد کو بہترین تعلیم وتربیت دلا کر نیک اور شائستہ بنائے، ایسا مال واولاد ایک درجہ میں قرب الٰہی کا سبب بنتا ہے، بہرحال وہاں مال واولاد کی پوچھ نہیں محض ایمان وعمل صالح کی پرسش ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہوگا لیکن جو نیکوکار مومن ہو اس کا ایمان اور عمل قرب الٰہی میں پہونچا سکتا ہے حضرت ابن عباسؓ سے یہی تفسیر منقول ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالے تمہاری صورتوں کو اور تمہارے اموال کو نہیں دیکھتا، وہ تو تمہارے دلوں کو اور اعمال کو دیکھتا ہے۔ (رواہ احمد، ابن کثیر)

مال کے مصارف:

حضرت جابرؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیک کام صدقہ ہے، اور کوئی آدمی جو اپنے نفس یا اپنے عیال پر خرچ کرتا ہے وہ بھی صدقہ کے حکم میں ہے موجب ثواب ہے اور جو شخص کچھ خرچ کر کے اپنی آبرو بچائے وہ بھی صدقہ ہے اور جو شخص اللہ کے حکم کے مطابق کچھ خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے کہ اس کا بدل اس کو دے گا مگر وہ خرچ جو (فضول زائد از ضرورت) تعمیر میں یا کسی گناہ کے کام میں کیا ہو اس کے بدل کا وعدہ نہیں۔

حضرت جابرؓ کے شاگرد ابن المنکدر نے یہ حدیث سن کر ان سے پوچھا کہ آبرو بچانے کے لئے خرچ کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جس شخص کے متعلق یہ خیال ہو کہ نہیں دیں گے تو عیب جوئی کرے گا برا کہتا پھرے گا یا بدگوئی کرے گا اس کو اپنی آبرو بچانے کے لیے دینا مراد ہے۔ (رواہ الدارقطنی، قرطبی) (معارف القرآن مفتی اعظم)

فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا

سو ان کیلئے ہے بدلہ دونا ان کے گیے کام کا

عمل کا بدلہ:

یعنی کام پر جتنے اجر کا استحقاق ہے اس سے زائد بدلہ ملے گا کم از کم دس گنا اور زیادہ ہو تو سات سو گنا بلکہ اللہ چاہے تو اس سے بھی زیادہ جس کی کوئی حد نہیں وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ (البقرۃ۔ رکوع ۳۶) یہاں ضعف سے مطلقاً زیادت مراد ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ

اور وہ بالاخانوں میں بیٹھے ہیں دل جمعی سے اور جو لوگ دوڑتے ہیں

فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

ہماری آیتوں کے ہرانے کو وہ عذاب میں پکڑے ہوئے آتے ہیں ☆

منکر ومخالف عذاب میں:

یعنی جو بدبخت اللہ کی آیات کو رد کرتے اور ان پر طعن کر کے لوگوں کو ادھر سے روکتے ہیں گویا سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ ورسول کو ہرادینگے وہ سب عذاب میں گرفتار ہو کر حاضر کئے جائیں گے ایک بھی چھوٹ کر نہ بھاگ سکے گا۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ

تو کہہ میرا رب ہے جو کشادہ کر دیتا ہے روزی جس کو چاہے

مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ

اپنے بندوں میں اور ماپ کر دیتا ہے (ز) اور جو خرچ کرتے ہو کچھ چیز

فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۳۹﴾

وہ اس کا عوض دیتا ہے اور وہ بہتر ہے روزی دینے والا ☆

خرچ کرنے سے نہ گھبراؤ:

یہ مسلمانوں کو سنایا کہ تم وجوہ خیر میں خرچ کرتے وقت تنگی اور افلاس سے نہ ڈرنا خرچ کرنے سے رزق کم نہیں ہو جاتا جو مقدر ہے پہنچ کر رہے گا اللہ اپنی حکمت سے جس کو جتنا دینا چاہئے اس میں تمہارے خرچ کرنے نہ کرنے سے فرق نہیں پڑتا بلکہ وجوہ خیر میں خرچ کرنے سے برکت ہوتی ہے اور حق تعالیٰ اس کا عوض دیتا ہے خواہ مال کی صورت میں یا قناعت وغنائے قلبی کی شکل میں اور آخرت میں بدلہ ملنا تو یقینی ہے غرض اس کے ہاں کچھ کمی نہیں مسلمان کو چاہئے کہ اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھے اور اس کی مرضی کے سامنے فقر وفاقہ کا اندیشہ دل میں نہ لائے۔ "ولا تخش من ذی العرش اقلالاً"

(تنبیہ) آیت میں گویا اس طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ جس طرح دنیا میں تنگی اور فراخی کے اعتبار سے لوگوں کا حال متفاوت ہے آخرت میں بھی باعتبار مراتب ثواب وعذاب کے ایسا ہی تفاوت ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ کا مطلب یہ ہے کہ دوسرا کوئی اگرچہ بظاہر روزی رساں نظر آتا ہے تو حقیقت میں وہ (خداداد) روزی رسانی کا ایک مجازی ذریعہ ہے حقیقی رازق نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

خرچ کرنے سے نعمت بڑھتی ہے:

جس چیز کا خرچ گھٹ جاتا ہے اس کی پیداوار بھی گھٹ جاتی ہے اس آیت کے اشارہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو اشیائے صرف انسان اور حیوانات کے لئے پیدا فرمائی ہیں جب تک وہ خرچ ہوتی رہتی ہیں ان کا بدل منجانب اللہ پیدا ہوتا رہتا ہے جس چیز کا خرچ زیادہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی پیداوار بڑھا دیتے ہیں جانوروں میں بکرے اور گائے کا سب سے زیادہ خرچ ہے کہ ان کو ذبح کر کے گوشت کھایا جاتا ہے۔ (معارف القرآن)

حضرت بلالؓ سے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بلال! خرچ کر اور عرش والے کی طرف سے تنگی کا خیال بھی نہ کر۔

کاٹ کھانے والا زمانہ:

ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تمہارے اس زمانے کے بعد ایسا زمانہ آ رہا ہے جو کاٹ کھانے والا ہوگا مال ہوگا لیکن مالدار گویا اپنے مال پر دانت گڑوئے ہوئے ہوں گے کہ کہیں خرچ نہ ہو جائے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت وما انفقتم الخ کی تلاوت فرمائی۔

بدتر لوگ: اور حدیث میں ہے بدترین لوگ وہ ہیں جو بے بس اور مضطر لوگوں کی چیزیں کم داموں خریدتے پھریں یاد رکھو ایسی بیع حرام ہے مضطر کی بیع حرام ہے مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے نہ اسے رسوا کرے اگر تجھ سے ہو سکے تو دوسروں کے ساتھ سلوک اور بھلائی کر ورنہ اس کی ہلاکت کو تو نہ بڑھا (ابویعلی موصلی) یہ حدیث اس سند سے غریب ہے اور ضعیف بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ

اور جس دن جمع کرے گا اُن سب کو پھر کہے گا فرشتوں کو

اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ

کیا یہ لوگ تم کو پوجا کرتے تھے ☆

ملائکہ سے خطاب:

بہت مشرکین فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے بہت ان کے ہیکل بنا کر پرستش کرتے تھے بلکہ بعض نے لکھا ہے کہ اصنام پرستی کی ابتداء ملائکہ پرستی سے ہی ہوئی اور عمرو بن لحی یہ رسم قبیح شام سے حجاز میں لایا۔ بہرحال قیامت کے دن کفار کو سنا کر فرشتوں سے سوال کریں گے کہ کیا یہ لوگ تم کو پوجتے تھے؟ شاید مطلب یہ ہو کہ تم نے تو ان سے ایسا نہیں کہا یا تم ان کے فعل سے خوش تو نہیں ہوئے جیسے حضرت مسیح علیہ السلام سے سوال ہوگا ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ "(مائدہ۔ رکوع ۱۶) اور سورۂ فرقان میں ہے ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ (فرقان۔ رکوع ۲) (تفسیر عثمانی)

ملائکہ سے یہ خطاب مشرکوں کو ذلیل کرنے اور شفاعت ملائکہ سے مایوس بنانے کے لئے کیا جائے گا (کافروں کے معبود تو اور بھی ہیں اصنام وکواکب وغیرہ کی بھی وہ پوجا کرتے ہیں لیکن) خصوصیت کے ساتھ ملائکہ کو خطاب اس لیے کیا جائے گا کہ خطاب کی صلاحیت انہیں میں ہے پھر وہ دوسرے فرضی شرکاء سے افضل بھی ہیں نیز مبدا شرک بھی انہیں کی عبادت ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ

وہ کہیں گے پاک ذات ہے تیری ہم تیری طرف میں ہیں نہ ان کی طرف میں

كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ

نہیں پر پوجتے تھے جنوں کو یہ اکثر انہی پر اعتقاد رکھتے تھے ☆

فرشتوں کا جواب: یعنی آپ کی ذات اس سے پاک ہے کہ کوئی کسی درجہ میں اس کا شریک ہو (العیاذ باللہ) ہم کیوں ان کو ایسی بات کہنے لگے تھے یا ایسی واہیات حرکت سے خوش ہوتے ہماری رضا تو آپ کی رضا کے تابع ہے ہم کو ان مجرموں سے کیا واسطہ ہم تو آپ کے فرمانبردار غلام ہیں پھر یہ بدبخت تو حقیقت میں ہماری پرستش بھی نہیں کرتے تھے نام ہمارا لے کر شیطانوں کی پرستش تھی فی الحقیقت ان کی عقیدتمندی ان ہی کے ساتھ ہے شیاطین ان کو جس طرف ہانکتے ہیں ادھر ہی مڑ جاتے ہیں خواہ فرشتوں کا نام لے کر یا کسی نبی اور ولی کا بلکہ بعض تو اعلانیہ شیطان ہی کو پوجتے ہیں جیسا کہ پہلے کسی جگہ غالباً سورۂ "انعام" میں ہم مفصل لکھ چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا

سو آج تم مالک نہیں ایک دوسرے کے بھلے کے نہ بُرے کے ☆

عابد و معبود دونوں عاجز ہیں:

یعنی آج عابد اور معبود دونوں کا عجز واضح ہوگیا کہ کوئی کسی کو ذرہ بھر نفع نقصان نہیں پہنچا سکتا جن معبودین کا بڑا سہارا سمجھتے تھے انہوں نے اس طرح وقت پر بیزاری ظاہر کردی۔ (تفسیر عثمانی)

وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ

اور کہیں گے ہم اُن گنہگاروں کو چکھو تکلیف اس آگ کی جس کو

كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ

تم جھوٹ بتلاتے تھے اور جب پڑھی جائیں ان کے پاس ہماری آیتیں کھلی کھلی

قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ

کہیں اور کچھ نہیں مگر یہ ایک مرد ہے چاہتا ہے کہ روک دے تم کو

عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ

اُن سے جن کو پوجتے رہے تمہارے باپ دادے ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کافروں کی بدگمانی:

یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت آپس میں کہتے تھے کہ یہ شخص نبی کچھ نہیں پس اتنی غرض ہے کہ ہمارے باپ دادوں کا طریقہ چھڑا کر جس کو ہم قدیم سے حق جانتے چلے آئے ہیں اپنے ڈھب پر لے آئے اور خود حاکم و متبوع بن کر بیٹھ جائے گویا صرف حکومت و ریاست مطلوب ہے۔ (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى

اور کہیں اور کچھ نہیں یہ جھوٹ ہے باندھا ہوا ☆

قرآن کریم کے بارے میں ان کا خیال:

یعنی قرآن کیا ہے (العیاذ باللہ) چند جھوٹی باتیں جو خدا کی طرف منسوب کردی گئی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ

اور کہتے ہیں منکر حق بات کو جب پہنچے اُن تک

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ

اور کچھ نہیں یہ ایک جادو ہے صریح ☆

یعنی یہ نبوت کا دعویٰ جس کے ساتھ چند معجزات و خوارق کی نمائش کی گئی ہے یا مذہب اسلام جس نے آکر میاں کو بیوی سے اور باپ کو بیٹے سے جدا کر دیا ہے یا قرآن جس کی تاثیر لوگوں کے دلوں پر غیر معمولی ہوتی ہے صریح جادو کے سوا اور کچھ نہیں (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

حق سے مراد ہے نبوت یا اسلام یا قرآن، یعنی قرآن یا امر نبوت یا اسلام جب ان کے پاس پہنچا تو بغیر سوچے اور غور کرنے کے اس کو کھلا ہوا جادو کہنے لگے باعتبار معنی کے کافروں نے قرآن کو خود تراشیدہ جھوٹ کہا اور الفاظ و انجاز ترکیب کی وجہ سے جادو قرار دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ

اور ہم نے دی نہیں ان کو کچھ کتابیں کہ جن کو وہ پڑھتے ہوں اور

اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ

بھیجا نہیں ان کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانیوالا ☆

کفار مکہ کی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے:

یعنی بعض امی تھے نہ کوئی کتاب سماوی ان کے ہاتھ میں تھی نہ اتنی مدت دراز سے کوئی نبی ان میں آیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ایسا عظیم الشان پیغمبر اور ایسی جلیل القدر کتاب مرحمت فرمائی چاہئے کہ اسے غنیمت جانیں اور انعام الٰہی کی قدر کریں خصوصاً جبکہ پہلے سے خود کہا بھی کرتے تھے کہ اگر ہم میں کوئی پیغمبر اتارا یا کوئی کتاب ہم پر اتاری جاتی تو اوروں سے بڑھ کر ہم فرمانبردار ہوتے اب وہ چیز آئی تو لگے انکار و استکبار کرنے یا یہ مطلب ہے کہ ہم نے ان کے پاس کوئی کتاب یا ہادی ایسا نہیں بھیجا جو آپ کی تعلیم دیتا ہو پھر کس دلیل نقلی یا عقلی کی بناء پر یہ لوگ آپ کی مخالفت کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

من کتب، یعنی ایسی کتابیں نہیں دی تھیں جن میں شرک کو صحیح قرار دیا گیا ہو۔

من نذیر اور نہ کوئی ایسا پیغمبر بھیجا تھا جس نے ان کو شرک کی دعوت دی ہو اور ترکِ شرک پر عذاب سے ڈرایا ہو پھر شرک کے مدعی یہ کہاں سے بن بیٹھے اور قرآن کو جھوٹ کہنے اور جادو قرار دینے اور نبی پر خود ساختہ اور افترا بندی کا الزام رکھنے کی اجازت ان کو کس نے دی اس آیت میں مشرکوں کی جہالت و سبک سری کا اظہار ہے اس سے آگے تہدید عذاب دینے کے لئے فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ

اور جھٹلایا ہے اُن سے اگلوں نے اور یہ نہیں پہنچے دسویں حصہ کو اس کے

اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۪ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ

جو ہم نے اُن کو دیا تھا پھر جھٹلایا انہوں نے میرے بھیجے ہوؤں کو تو کیسا ہوا انکار میرا ☆

ان سے زیادہ طاقتور قومیں ہلاک ہوگئیں:

یعنی جیسی لمبی عمریں جسمانی قوتیں، مال و دولت اور عیش و ترفہ ان کو دیا گیا تمہیں اس کا عشر عشیر بھی نہیں ملا لیکن جب انہوں نے پیغمبروں کی تکذیب و مخالفت کی دیکھ لو کیا انجام ہوا سب ساز و سامان دھرا رہ گیا ایک منٹ بھی عذاب الٰہی کو روک نہ سکے پھر تم اتنا کاہے پر اتراتے ہو؟ "اس برتے پر یہ تتا پانی۔" (تفسیر عثمانی)

تحقیق یہ سب لوگ جب دنیا میں تھے تو ایسے دریائے شک میں غرق تھے کہ جو ان کو چین نہیں لینے دیتا تھا اللہ اور رسول کی ہر بات میں ان کو شک رہتا تھا اب جبکہ خدا اور رسول کی باتوں اور خبروں کو آنکھوں سے دیکھ لیا اور پردہ اٹھ گیا تو ایمان کی باتیں کرنے لگے جب ایمان کا وقت تھا تو سخت شک اور

اضطراب میں پڑے رہے لہٰذا اب ایمان قبول نہ ہوگا۔ (معارف کاندھوی)

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى
تو کہہ میں تو ایک ہی نصیحت کرتا ہوں تم کو کہ اٹھ کھڑے ہو اللہ کے نام پر دو دو
وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۗ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۗ
ایک ایک پھر دھیان کرو کہ اس تمہارے رفیق کو کچھ سودا نہیں
اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿٤٦﴾
یہ تو ایک ڈرانے والا ہے تم کو ایک بڑی آفت کے آنے سے ☆

اللہ کیلئے کچھ غور وفکر کرو:

یعنی تعصب وعناد چھوڑ کر انصاف واخلاص کے ساتھ اللہ کے نام پر اٹھ کھڑے ہو اور کئی کئی مل کر بحث ومشورہ کرلو اور الگ الگ تنہائی میں غور کر کے سوچو کہ یہ تمہارا رفیق (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جو چالیس برس سے زیادہ تمہاری آنکھوں کے سامنے رہا جس کے بچپن سے لے کر کہولت تک کے ذرہ ذرہ حالات تم نے دیکھے جس کی امانت ودیانت صدق وعفاف اور فہم ودانش کے تم برابر قائل رہے کبھی کسی معاملہ میں نفسانیت یا غرض پرستی کا الزام تم نے اس پر نہیں رکھا کیا تم واقعی گمان کر سکتے ہو کہ العیاذ باللہ اسے بیٹھے بٹھائے جنون ہو گیا ہے جو خواہ مخواہ اس نے ایک طرف سے سب کو دشمن بنا لیا کیا کہیں دیوانے ایسی حکمت کی باتیں کیا کرتے ہیں یا کوئی مجنون اپنی قوم کی اس قدر خیر خواہی اور ان کی اُخروی فلاح اور دینوی ترقی کا اتنا زبردست لائحہ عمل پیش کر سکتا ہے وہ تم کو سخت مہلک خطرات اور تباہی انگیز مستقبل سے آگاہ کر رہا ہے، قوموں کی تاریخیں سناتا ہے دلائل وشواہد سے تمہارا بھلا برا سمجھاتا ہے یہ کام دیوانوں کے نہیں، ان اولوالعزم پیغمبروں کے ہوتے ہیں جنہیں احمقوں اور شریروں نے ہمیشہ دیوانہ کہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

غور کرو گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی واضح ہو جائیگی:

مَثْنٰى وَفُرَادٰى ، یعنی زیادہ ہجوم نہ ہو جس سے فکر کی یکسوئی ختم ہو جائے بلکہ دو دو مل کر یا ایک ایک الگ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں سوچو پھر ہر شخص اپنے خیال کا دوسرے سے اظہار کرے اور وہ انصاف وعدل کے ساتھ غور کرے یا تنہائی میں ہر ایک انصاف کے ساتھ سوچے تاکہ تصویر حق سامنے آجائے اور سمجھ لے کہ تمہارے اس ساتھی کو کسی طرح کا جنون نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ ان کو کسی قسم کا جنون نہیں ہے ان کی عقل صحیح ہے، فہم سلیم ہے فکر درست ہے۔ ان کے صحیح الدماغ ہونے کا انکار وہی کر سکتا ہے جو خود پاگل ہو یا محض عناد کا مظاہرہ کر رہا ہو اور یہ بھی بدیہی حقیقت ہے کہ کوئی عقلمند صحیح الدماغ شخص کوئی اتنا عظیم الشان کام جس سے سارے لوگ دشمن ہو جائیں وہ خود اکیلا تہید ست بے یار و مددگار رہ جائے اس وقت تک نہیں کرتا جب تک ان کو اپنی حقانیت کا یقین مضبوط عقلی دلائل کی روشنی میں نہ ہو جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر قسم کے دنیاوی مفاد سے بالاتر ہیں:

اور یہ بھی ضروری ہے کہ دانشمند آدمی جب اتنے بڑے کام کا بیڑہ اٹھاتا ہے تو بے مقصد اور فضول نہیں اٹھاتا اس کے پیش نظر یا حصول منفعت ہوتا ہے یا دفع مضرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر ان دونوں دنیوی مقاصد میں سے کوئی بھی نہیں ہے حصول منفعت دنیوی کی تو ان کو ممانعت کر دی گئی ہے وہ خود کہتے ہیں مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ میں تم سے جو کچھ مانگوں وہ تم ہی لے لو مجھے ضرورت نہیں رہا دفع مضرت کا مقصد تو یہ بھی ان کے پیش نظر نہیں ہے ان کے دعوی سے تو سارے لوگ دشمن اور درپے آزار ہو گئے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر آخرت کی مضرت کا دفع اور آخرت کے نفع کا حصول ہے۔

قریشی سرداروں کو دعوت اور اس کا ردِّ عمل:

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جب آیت وانذر عشیرتک الاقربین نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر قبائل قریش کو (نام بنام) پکارنا شروع کیا اور فرمایا اے بنی فہر، اے بنی عدی ندا سن کر سب لوگ جمع ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں تم کو اطلاع دوں کہ (پہاڑ کے پار) کچھ سوار موجود ہیں اور تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو بتاؤ کیا تم مجھے سچا سمجھو گے حاضرین نے کہا ہمارے تجربہ میں آپ کا کوئی جھوٹ نہیں آیا (اس لئے سچا سمجھیں گے) اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو میں تم کو آگے آنے والے سخت عذاب سے پہلے ہی ڈرا رہا ہوں یہ سن کر ابولہب بولا تجھے ہمیشہ کے لئے موت آجائے کیا اس لئے تو نے ہم کو جمع کیا تھا اس پر سورۃ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ نازل ہوئی متفق علیہ۔ (تفسیر مظہری)

غور وفکر کی لائن: آگے اس غور وفکر کی ایک واضح راہ بتلائی گئی وہ یہ کہ ایک اکیلا آدمی جس کے ساتھ نہ کوئی طاقتور جتھا اور جماعت ہے نہ مال ودولت کی بہتات وہ اپنی پوری قوم بلکہ پوری دنیا کے خلاف کسی ایسے عقیدہ کا اعلان کرے جو صدیوں سے ان میں راسخ ہو چکا ہے اور وہ سب اس پر متفق ہیں ایسا اعلان صرف دو صورتوں میں ہو سکتا ہے ایک تو یہ کہ کہنے والا بالکل مجنون و دیوانہ ہو جو اپنے نفع نقصان کو نہ سوچے اور پوری قوم کو اپنا دشمن بنا کر مصائب کو دعوت دے، دوسرے یہ کہ اس کی وہ بات سچی ہو کہ وہ اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہے، اس کے حکم کی تعمیل میں کسی کی پروا نہیں کرتا۔ (معارف مفتی اعظم)

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۗ
تو کہہ جو میں نے تم سے مانگا ہو کچھ بدلہ سو وہ تم ہی رکھو
اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ
میرا بدلہ ہے اُسی اللہ پر ☆

میں کوئی معاوضہ نہیں مانگتا: یعنی میں تم سے اپنی محنت کا کچھ صلہ نہیں چاہتا اگر تمہارے خیال میں کچھ معاوضہ طلب کیا ہو وہ سب تم اپنے پاس رکھو، مجھے ضرورت نہیں میرا اصلی تو خدا کے یہاں ہے تم سے جو چیز طلب کرتا ہوں یعنی ایمان واسلام وہ صرف تمہارے نفع کی خاطر اس سے زاید میری کوئی غرض نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کا حق اور بندوں کا حق: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معاذؓ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے حضرت معاذؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کو ہی پورا علم ہے فرمایا بندوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ اسی کی عبادت کریں کسی اور کو اللہ کا شریک نہ قرار دیں اور بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ جو شرک نہ کرتا ہو اللہ اس کو عذاب نہ دے، متفق علیہ۔ (تفسیر مظہری)

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور عرب کے دستور کے مطابق یاصباحاہ کہہ کر آواز بلند کی جو علامت تھی کہ کوئی شخص کسی اہم بات کے لئے بلا رہا ہے عادت کے مطابق اسے سنتے ہی لوگ جمع ہو گئے آپ نے فرمایا، سنو اگر میں تمہیں خبر دوں کہ دشمن تمہاری طرف چڑھائی کرنے چلا آرہا ہے اور عجب نہیں کہ صبح وشام ہی تم پر حملہ کردے تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟ سب نے بہ یک زبان جواب دیا کہ ہاں بے شک ہم آپ کو سچا جانیں گے آپ نے فرمایا، سنو میں تمہیں اس عذاب سے ڈرا رہا ہوں جو تمہارے آگے ہے یہ سن کر ابولہب ملعون نے کہا، تیرے ہاتھ ٹوٹیں کیا اس لئے تو نے ہم سب کو جمع کیا تھا اس پر سورہ تبت یدا الخ اتری۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۴۷﴾
اور اُس کے سامنے ہے ہر چیز ☆

یعنی میری سچائی اور نیت اللہ کے سامنے ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۴۸﴾
تو کہہ میرا رب پھینک رہا ہے سچا دین اور وہ جانتا ہے چھپی چیزیں ☆

حق آگیا اس سے فائدہ اُٹھاؤ:

یعنی اوپر سے وحی اتر رہی اور دین کی بارش ہو رہی ہے موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دو اس سے فائدہ اٹھاؤ جس روز سے اللہ تعالیٰ نے حق کو باطل کے سر پر پھینک کر مار رہا ہے اس سے اندازہ کرو کہ باطل کہاں ٹھہر سکے گا ضرور ہے ملیامیٹ ہو کر رہے اور آفاق میں دین حق کا ڈنکا بجے اس علام الغیوب نے خوب دیکھ بھال کر عین موقع پر حق کو باطل کا سر کچلنے کے لئے بھیجا ہے، بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ (تفسیر عثمانی)

ہر گھر تک اسلام پہنچ کر رہے گا:

امام احمد کی روایت ہے کہ حضرت مقدادؓ نے بیان کیا میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے روئے زمین پر کوئی گھر مٹی کا ہو یا اون (کا خیمہ) ایسا نہ بچے گا جس کے اندر اللہ کلمہ اسلام داخل نہ کردے خواہ

عزت والے کو عزت کے ساتھ یا ذلیل کو ذلت کے ساتھ یعنی جو لوگ قبول کرلیں گے اللہ ان کو عزت والا کردے گا جو نہیں مانیں گے ان کو ذلیل کردے گا اور (ذلیل ہو کر) وہ کلمۂ اسلام کی اطاعت کریں گے۔

عَلَّامُ الْغُيُوْبِ وہی چھپی باتوں کو خوب جاننے والا ہے یعنی وہی جانتا ہے کہ کون وحی ورسالت کے لئے منتخب ہونے کا اہل ہے اور وہی واقف ہے کہ اسلام کا مآل کیا ہوگا اطراف عالم میں کفر کو مغلوب اور اسلام کو غالب کردے گا۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ﴿۴۹﴾
تو کہہ آیا دین سچا اور جھوٹ تو کسی چیز کو نہ پیدا کرے اور نہ پھیر کر لائے ☆

باطل حق کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا:

یعنی دین حق آپہنچا اب اس کا زور رکنے والا نہیں سب پر غالب ہو کر اور باطل کو زیر کر کے رہے گا جھوٹ کے پاؤں کہاں جو حق کے سامنے چل سکے وہ تو اب کرنے کا نہ دھرنے کا سمجھ لو آیا گیا ہوا فتح مکہ کے دن یہ آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر تھی۔ (تفسیر عثمانی)

دوسری آیت میں آیا ہے بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ قتادہ نے کہا باطل سے مراد ابلیس ہے جو نہ کسی کی ابتدائی تخلیق کرتا ہے نہ دوبارہ قبروں سے اٹھا سکے گا کلبی کا بھی یہی قول ہے بعض کے نزدیک باطل سے بت مراد ہیں۔

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ
تو کہہ اگر میں بہکا ہوا ہوں تو بہکوں گا اپنے ہی نقصان کو
وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۚ
اور اگر ہوں سیدھے رستہ پر تو اُس سبب سے کہ وحی بھیجتا ہے مجھ کو میرا رب
اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ﴿۵۰﴾
بے شک وہ سب کچھ سنتا ہے نزدیک ☆

اگر میں جھوٹا ہوں تو جھوٹ زیادہ دیر نہیں چل سکتا:

یعنی اگر میں نے یہ ڈھونگ خود کھڑا کیا ہے تو کے دن چلے گا اس میں آخر میرا ہی نقصان ہے دنیا کی عداوت مول لینا، ذلت اٹھانا اور آخرت کی رسوائی قبول کرنا (العیاذ باللہ) لیکن اگر میں سیدھے راستہ پر ہوں جیسا کہ واقعی ہوں تو سمجھ لو کہ یہ سب اللہ کی تائید وامداد اور وحی الٰہی کی برکت وہدایت سے ہے جو کسی وقت میرا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی، میرا خدا سب کچھ سنتا ہے اور بالکل نزدیک ہے وہ ہمیشہ میری مدد فرمائے گا اور اپنے پیغام کو دنیا میں روشن کرے گا تم مانو یا نہ مانو۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جو دین میں نے اختیار کیا ہے اگر وہ گمراہی ہے تو گمراہی کا وبال مجھی پر پڑے گا اور ظاہر ہے کہ میں دیوانہ نہیں نہ اس سے مجھے کوئی دنیوی فائدہ حاصل ہوگا پھر گمراہی کے وبال کو میں اپنے لئے کیسے اختیار کرسکتا ہوں اور اگر یہ دین (مبنی بر)

ہدایت ہے تو میری طرف سے نہیں کہ (یعنی میرا ساختہ پرداختہ نہیں ہے) نہ اس شہر میں میں نے کسی سے سیکھا ہے کیوں کہ میرا اُمّی ہونا ظاہر ہے نہ مجھے لکھنا آتا ہے نہ پڑھنا (میں لکھا پڑھا نہیں ہوں) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دین خدا کا بھیجا ہوا ہے اور اللہ نے میرے پاس وحی بھیجی ہے اس لئے تم کو بھی میرے طریقہ پر چلنا چاہئے تاکہ جس طرح میں نے ہدایت پائی تم بھی ہدایت یافتہ ہو جاؤ۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا
اور کبھی تو دیکھے جب یہ گھبرا ئیں پھر نہ بچیں بھاگ کر اور پکڑے ہوئے آئیں
مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿٥١﴾
نزدیک جگہ سے ☆

ان کی پکڑ کا وقت قریب ہے:

یعنی یہ کفار یہاں ڈینگیں مارتے ہیں مگر وہ وقت عجیب قابل دید ہوگا جب یہ لوگ محشر کا ہولناک منظر دیکھ کر گھبرا ئیں گے اور کہیں بھاگ نہ سکیں گے اس وقت گرفتاری کے لئے کہیں دور سے ان کو تلاش کرنا نہ پڑے گا بلکہ نہایت آسانی سے فوراً جہاں کے تہاں گرفتار کر لئے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ حال روز حشر کا ہے کہ کفار و فجار گھبرا کر بھاگنا چاہیں گے تو چھوٹ نہ سکیں گے اور یہ بھی نہ ہوگا جیسے دنیا میں کوئی مجرم بھاگ جائے تو اس کو تلاش کرنا پڑتا ہے بلکہ سب کے سب اپنی ہی جگہ میں گرفتار کر لئے جائیں گے کسی کو بھاگ نکلنے کا موقع نہ ملے گا بعض حضرات نے اس کو وقت نزع اور موت کا حال قرار دیا ہے کہ جب موت کا وقت آ جائے گا اور ان پر گھبراہٹ طاری ہوگی تو فرشتوں کے ہاتھ سے چھوٹ نہ سکیں گے اور وہیں اپنی جگہ سے رُوح قبض کر کے پکڑ لئے جائیں گے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَّقَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ
اور کہنے لگیں ہم نے اُس کو یقین مان لیا، اور اب کہاں اُن کا ہاتھ پہنچ سکتا ہے
مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿٥٢﴾
بعید جگہ سے ☆

اُس وقت کا ایمان بھی کام نہ آئے گا:

یعنی اس وقت کہیں گے کہ ہمیں پیغمبر کی باتوں پر یقین آ گیا اب ہم ایمان لاتے ہیں حالانکہ اب ایمان کیسا؟ وہ موقع دور گیا جب ایمان لا کر اپنے کو بچا سکتے تھے اب ان کا ہاتھ اتنی دور کہاں پہنچ سکتا ہے جو وہاں سے ایمان کو اٹھا لائیں۔ مطلب یہ کہ ایمان مقبول و منجی وہ ہے جو موت سے پہلے اس دنیا میں حاصل ہو آخرت میں تو آنکھوں سے دیکھ کر سب ہی کو یقین آ جائے گا اس میں کیا کمال ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَّقَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖ اور وہ کہیں گے ہم اس پر (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر) ایمان لے آئے اور بدر کے دن کافروں نے امنا بہ نہیں کہا تھا بلکہ ابوجہل جب زخمی ہو کر گرا کچھ آخری سانس باقی تھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کی داڑھی پکڑ کر کہا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے دشمن خدا کو رسوا کیا ابوجہل نے کہا میری رسوائی کس طرح ہوئی کیا جس شخص کو اس کی قوم والے ہی قتل کر دیں اس کی رسوائی ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کفار دنیا کی طرف واپسی کی درخواست کریں گے لیکن دور کے مقام یعنی آخرت سے دنیا میں ان کا لوٹنا کہاں ہو سکے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ
اور اس سے منکر رہے پہلے سے اور پھینکتے رہے
بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿٥٣﴾
بن دیکھے نشانہ پر دُور کی جگہ سے ☆

اب پچھتانے سے کچھ نہیں ہوتا:

یعنی پہلے جب ایمان لانے کا وقت تھا انکار پر تلے رہے اور یوں ہی اٹکل کے تیر چلاتے رہے دنیا میں رہ کر ہمیشہ بے تحقیق باتوں کو قبول نہ کیا، اب پچھتانے سے کیا حاصل؟ (تفسیر عثمانی)

مجاہد نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کو انہوں نے بلا تحقیق نشانہ بنا رکھا تھا شاعر کہتے تھے جادوگر کہتے تھے، بہت بڑا دروغ گو کہتے تھے، تکلم بالغیب سے یہی مراد ہے قتادہ نے کہا وہ اپنے گمان کے تیر چلاتے تھے ان کا قول تھا کہ نہ قیامت ہوگی نہ جنت نہ دوزخ۔ (تفسیر مظہری)

وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ
اور رُکاوٹ پڑ گئی اُن میں اور اُن کی آرزو میں ☆

اب دنیا میں واپسی نہیں ہوگی:

یعنی جس چیز کی آرزو رکھتے ہیں مثلاً ایمان مقبول یا نجات یا دنیا کی طرف واپس جانا یا دنیوی لذتیں اور عیش و آرام، ان چیزوں کے اور ان کفار کے درمیان سخت روک قائم کر دے گی کبھی ان تک نہیں پہنچ سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

ایک بنی اسرائیلی نوجوان کا عجیب واقعہ:

ابن ابی حاتم نے یہاں پر عجیب و غریب اثر نقل کیا ہے جسے ہم پورا ہی نقل کرتے ہیں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ بنو اسرائیل میں ایک فاتح شخص تھا جس کے پاس مال بہت تھا جب وہ مر گیا اور اس کا لڑکا اس کا وارث ہوا تو بری طرح نافرمانیوں میں مال لٹانے لگا اس کے چچاؤں نے اسے ملامت کی اور سمجھایا اس نے غصے میں آ کر سب چیزیں بیچ کر روپے لے کر عین شجاجہ کے پاس آ کر ایک محل تعمیر کرا کر یہاں رہنے لگا ایک روز زور کی آندھی اٹھی جس میں ایک بہت خوبصورت خوش رُو عورت اس کے پاس آ پڑی، اس نے اس سے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا بنی اسرائیلی شخص ہوں کہا یہ محل اور مال آپ ہی کا ہے؟ اس نے کہا ہاں پوچھا، آپ کی بیوی بھی ہے؟ کہا نہیں، کہا پھر تم اپنی زندگی کا لطف کیا اٹھاتے ہو؟ اب اس نے

پوچھا کہ کیا تمہارا خاوند ہے اس نے کہا نہیں کہا پھر مجھے قبول کر واس نے جواب دیا میں یہاں سے میل بھر دور رہتی ہوں کل تم یہاں سے اپنے ساتھ دن بھر کا کھانا پینا لے کر چلو اور میرے ہاں آؤ راستے میں کچھ عجائبات دیکھو تو گھبرانا نہیں اس نے قبول کیا اور دوسرے دن توشہ لے کر چلا میل بھر دور جا کر ایک نہایت عالی شان محل دیکھا دستک دینے سے ایک خوبصورت نوجوان شخص آیا پوچھا آپ کون ہیں؟ جواب دیا بنی اسرائیلی ہوں، کہا کیسے آئے؟ کہا اس مکان کی مالکہ نے بلوایا ہے پوچھا راستے میں کچھ ہولناک چیزیں بھی دیکھیں؟ جواب دیا ہاں اور اگر مجھے یہ کہا ہوا نہ ہوتا کہ گھبرانا مت تو میں ہول ودہشت سے ہلاک ہو گیا ہوتا، میں چلا، ایک چوڑے راستے پر پہنچا تو دیکھا ایک کتیا منہ پھاڑے بیٹھی ہوئی ہے میں گھبرا کر دوڑا تو دیکھا کہ مجھ سے آگے آگے وہ ہے اور اس کے پلے (بچے) اس کے پیٹ میں ہیں اور بھونک رہے ہیں اس نوجوان نے کہا، تو اسے نہیں پائے گا یہ تو آخر زمانے میں ہونے والی ایک بات کی مثال تجھے دکھائی گئی ہے کہ ایک نوجوان بوڑھے بڑوں کی مجلس میں بیٹھے گا اور ان سے اپنے راز کی پوشیدہ باتیں کرے گا میں اور آگے بڑھا تو دیکھا ایک سو بکریاں ہیں جن کے تھن دودھ سے پر ہیں ایک ہے جو دودھ پی رہا ہے جب دودھ ختم ہو جاتا ہے اور وہ جان لیتا ہے کہ اور کچھ باقی نہیں رہا تو وہ منہ کھول دیتا ہے گویا اور مانگ رہا ہے اس نوجوان دربان نے کہا اسے بھی نہیں پائے گا یہ مثال تجھے بتلائی گئی ہے ان بادشاہوں کی جو آخر زمانے میں آئیں گے لوگوں سے سونا چاندی گھسیٹیں گے یہاں تک کہ سمجھ لیں گے کہ اب کسی کے پاس کچھ نہیں بچا تو بھی وہ ظلم وزیادتی کر کے منہ پھیلائے رہیں گے اس نے کہا میں اور آگے بڑھا تو میں نے دیکھا کہ ایک درخت ہے نہایت تر وتازہ، خوش رنگ اور خوش وضع میں نے اس کی ایک ٹہنی توڑنی چاہی تو دوسرے درخت سے آواز آئی کہ اے بندۂ خدا میری ڈالی توڑ جا پھر تو ہر ایک درخت سے یہی آواز آنے لگی دربان نے کہا تو اسے بھی نہ پائے گا اس میں اشارہ ہے کہ آخر زمانے میں مردوں کی قلت اور عورتوں کی کثرت ہو جائے گی یہاں تک کہ جب ایک مرد کی طرف سے عورت کو پیغام جائے گا تو دس بیس عورتیں اسے اپنی طرف بلانے لگیں گی اس نے کہا میں اور آگے بڑھا تو میں نے دیکھا کہ ایک دریا کے کنارے ایک شخص کھڑا ہوا ہے اور لوگوں کو پانی بھر بھر کر دے رہا ہے پھر اپنی مشک میں ڈالتا ہے لیکن اس میں ایک قطرہ بھی نہیں ٹھہرتا دربان نے کہا تو اسے بھی نہیں پائے گا اس میں اشارہ ہے کہ آخر زمانے میں ایسے علماء اور واعظین ہوں گے جو لوگوں کو علم سکھائیں گے بھلی باتیں بتلائیں گے لیکن خود عامل نہیں ہوں گے بلکہ خود گناہوں میں مبتلا رہیں گے پھر جو میں آگے بڑھا تو میں نے دیکھا کہ ایک بکری ہے بعض لوگوں نے تو اس کے پاؤں پکڑ رکھے ہیں بعضوں نے دم تھام رکھی ہے بعضوں نے سینگ پکڑ رکھے ہیں بعض اس پر سوار ہیں اور بعض اس کا دودھ دوہ رہے ہیں اس نے کہا یہ مثال ہے دنیا کی جو اس کے پیر تھامے ہوئے ہیں یہ تو وہ ہیں جو دنیا سے گر گئے جنہیں یہ نہ ملی جس نے سینگ تھام رکھے ہیں یہ وہ ہے جو اپنا گزارہ کر لیتا ہے لیکن تنگی ترشی سے دم پکڑنے والے وہ ہیں جن سے دنیا بھاگ چھوٹی ہے سوار وہ ہیں جو از خود تارک دنیا ہو گئے ہاں دنیا سے صحیح فائدہ اٹھانے والے وہ ہیں جنہیں تم نے اس بکری کا دودھ نکالتے ہوئے دیکھا انہیں خوشی ہو یہ مستحق مبارک باد ہیں اس نے کہا میں اور آگے چلا تو دیکھا کہ ایک شخص ایک کنویں میں سے پانی کھینچ رہا ہے اور ایک حوض میں ڈال رہا ہے جس حوض میں سے پانی پھر کنویں میں چلا جاتا ہے اس نے کہا یہ وہ شخص ہے جو نیک عمل کرتا ہے لیکن قبول نہیں ہوتے اس نے کہا پھر میں آگے بڑھا تو دیکھا کہ ایک شخص نے دانے زمین میں بوئے اسی وقت کھیتی تیار ہو گئی اور بہت اچھے نفیس گیہوں نکل آئے کہا یہ وہ شخص ہے جس کی نیکیاں اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اس نے کہا میں اور آگے بڑھا تو دیکھا کہ ایک شخص چت لیٹا پڑا ہے مجھ سے کہنے لگا بھائی میرا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دو واللہ جب سے میں پیدا ہوا ہوں بیٹھا ہی نہیں میرے ہاتھ پکڑتے ہی وہ کھڑا ہو کر تیز دوڑا یہاں تک کہ میری نظروں سے پوشیدہ ہو گیا اس دربان نے کہا یہ تیری عمر تھی جو جا چکی اور ختم ہو گئی میں ملک الموت ہوں اور جس عورت سے تو ملنے آیا ہے اس کی صورت میں بھی میں ہی تھا خدا کے حکم سے تیرے پاس آیا تھا کہ تیری روح اس جگہ قبض کروں پھر تجھے جہنم رسید کروں اس کے بارے میں یہ آیت وحیل بینھم الخ نازل ہوئی یہ اثر غریب ہے اور اس کی صحت میں بھی نظر ہے۔

کافروں کی روح دنیاوی لذتوں میں اٹکی رہتی ہے:

آیت کا مطلب ظاہر ہے کہ کافروں کی جب موت آتی ہے ان کی روح حیات دنیا کی لذتوں میں اٹکی رہتی ہے لیکن موت مہلت نہیں دیتی اور ان کی خواہش کے اور ان کے درمیان وہ حائل ہو جاتی ہے جیسے اس شخص مغرور ومفتون کا حال ہوا کہ گیا تو عورت ڈھونڈنے کو اور ملاقات ہوئی ملک الموت سے امید پوری ہو اس سے پہلے روح پرواز کر گئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ۚ إِنَّهُمْ
جیسا کہ کیا گیا ہے ان کے طریقہ والوں کے ساتھ ان سے پہلے وہ لوگ تھے
كَانُوا فِي شَكٍّ مُّرِيبٍ ﴿٥٤﴾
ایسے تردد میں جو چین نہ لینے دے ﴿۵۴﴾

بُروں کا انجام بُرا ہی ہے:

یعنی پہلے جو اسی قماش کے لوگ گزرے ہیں جیسا معاملہ ان سے کیا گیا تھا ان سے بھی ہوا کیونکہ وہ لوگ بھی ایسے ہی مہمل شبہات اور بے جا شک وتردد میں گھرے ہوئے تھے جو کسی طرح ان کو چین نہ لینے دیتا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

تحقیق یہ سب لوگ جب دنیا میں تھے تو ایسے دریائے شک میں غرق تھے کہ جو ان کو چین نہیں لینے دیتا تھا، اللہ اور رسول کی ہر بات میں ان کو شک رہتا تھا اب جبکہ خدا اور رسول کی باتوں اور خبروں کو آنکھوں سے دیکھ لیا اور پردہ اٹھ گیا تو ایمان کی باتیں کرنے لگے جب ایمان کا وقت تھا تو سخت شک اور اضطراب میں پڑے رہے لہٰذا اب ایمان قبول نہ ہوگا۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

سورة فاطر

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ اللہ عزوجل کو دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ کے اولیاء میں سے ایک ولی ہوگا۔

(علامہ ابن سیرین رحمہ اللہ)

سورہ فاطر مکہ میں نازل ہوئی اس میں پینتالیس آیتیں اور پانچ رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ
سب خوبی اللہ کو ہے جس نے بنا نکالے آسمان اور زمین ☆

بغیر نمونہ کے بنانے والا

یعنی آسمان و زمین کو ابتداء عدم سے نکال کر وجود میں لایا پہلے سے کوئی نمونہ اور تخلیق کا قانون موجود نہ تھا۔ (تفسیر عثمانی)

تمام حمد (ستائش) اسی اللہ کو زیبا ہے جو آسمانوں کو زمین کو عدم کا پردہ پھاڑ کر وجود میں لانے والا ہے۔ یعنی سب کا خالق ہے بغیر سابق مثال کے ایجاد کرنے والا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فاطر کا معنی:

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں فاطر کے بالکل ٹھیک معنی میں نے سب سے پہلے ایک اعرابی کی زبانی سن کر معلوم کئے وہ اپنے ایک ساتھی اعرابی سے جھگڑتا ہوا آیا ایک کنویں کے بارے میں ان کا اختلاف تھا تو اعرابی نے کہا اَنَا فَطَرْتُهَا یعنی پہلے پہل میں نے ہی اُسے بنایا ہے پس معنی یہ ہوئے کہ ابتداء بے نمونہ صرف اپنی قدرتِ کاملہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

جَاعِلِ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا
جس نے ٹھہرایا فرشتوں کو پیغام لانیوالے ☆

فرشتوں کی مصروفیات:

یعنی فرشتے انبیاء کے پاس اللہ کا پیغام لاتے ہیں اور بعض دوسرے جسمانی وروحانی نظام کی تدبیر وتشکیل پر مامور ہیں۔ فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ رسول سے مراد اس جگہ واسطہ ہو اللہ تعالیٰ اور اس کی عام مخلوقات کے درمیان جن میں انبیا علیہم السلام سب سے افضل واعلیٰ ہیں، ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان بھی وحی کا واسطہ بنتے ہیں اور عام مخلوقات تک اللہ تعالیٰ کی رحمت یا عذاب پہنچانے کا بھی واسطہ فرشتے ہی ہوتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

اُولِیۡۤ اَجۡنِحَۃٍ مَّثۡنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ
جن کے پر ہیں دودو اور تین تین اور چار چار ☆

فرشتوں کی ساخت:

یعنی بعض فرشتوں کے دو بازو (یا دوپر) بعض کے تین بعض کے چار ہیں، ان بازوؤں اور پروں کی کیفیت کو اللہ ہی جانتا ہے جس نے دیکھے ہوں وہ کچھ بتلا سکیں۔ (تفسیر عثمانی)

فرشتوں کے یہ بازو ان کی خلقت کے مناسب ہیں جیسے ان کی خلقت نورانی ہے اسی طرح ان کے بازو بھی نورانی ہیں اور اصل حقیقت اور کیفیت تو اللہ ہی کو معلوم ہے اور پھر خدا کے پیغمبر جنہوں نے فرشتوں کو دیکھا ہے وہی کچھ ان کا حال بتا سکتے ہیں فلسفی اور سائنس دان دائرۂ محسوسات میں صرف اتنا بتلا سکتے ہیں کہ کبوتر کے دو بازو ہیں اور دوپر ہیں جن سے وہ ہوا میں اڑتا ہے مگر کس طرح اڑتا ہے اور اس کے طیران (اڑنے کی) حقیقت اور کیفیت کیا ہے یہ بیان نہیں کرسکتا۔ (معارف کاندھلوی)

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پر والے بازو عطا فرمائے ہیں، جن سے وہ اڑ سکتے ہیں حکمت اس کی ظاہر ہے کہ وہ آسمان سے زمین تک کی مسافت بار بار طے کرتے ہیں، یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ ان کو سُرعتِ سیر کی قوت عطا کی جائے اور وہ اڑنے ہی کی صورت میں ہوتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

جبرئیل علیہ السلام کے پر:

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ المعراج میں حضرت جبرئیلؑ کو دیکھا ان کے چھ سو پر تھے اور ہر دو پر کے درمیان مشرق ومغرب جتنا فاصلہ تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

یَزِیۡدُ فِی الۡخَلۡقِ مَا یَشَآءُ
بڑھا دیتا ہے پیدائش میں جو چاہے
اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ①
بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے ☆

اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے:

یعنی اللہ تعالیٰ جس مخلوق میں جو عضو اور جو صفت چاہے اپنی حکمت کے موافق بڑھادے فرشتوں کے دو، تین، چار بازو (یا پر) اُسی نے بنائے چاہے

تو بعض فرشتوں کے چار سے زیادہ بنادے چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے چھ سو بازو (یا پر) ہیں اور جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلاً سے یہ مت سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کچھ ان وسائط کا محتاج ہے ہرگز نہیں، وہ بذاتِ خود ہر چیز پر قادر ہے محض حکمت کی بناء پر یہ اسباب ووسائط کا سلسلہ قائم کیا ہے۔

سرسید احمد خان کی غلط فہمی:

(اطلاع) جاننا چاہئے کہ ملائکہ کا وجود قرآن اور حدیث سے صراحۃً ثابت ہے مگر خان بہادر سرسید علی گڑھی اپنی تفسیر میں شد ومد سے وجود ملائکہ اور وجود شیاطین کا منکر ہے اور آیات قرآنیہ میں عجیب عجیب تاویلیں کرتا ہے سرسید نے ملائکہ اور شیاطین کے بارہ میں جو تحریفات کی ہیں ان کو مولانا عبدالحق صاحب دہلوی نے اپنی تفسیر حقانی کے مقدمہ میں نقل کر کے ان کا ہذیان اور بکواس ہونا ثابت کیا ہے ناظرین کرام مقدمہ تفسیر حقانی جو تفسیر کے ساتھ چھپا ہوا ہے از ص ٢٠ تا ص ٦٠ ملاحظہ کریں، واللہ الہدیٰ الی سواء الطریق۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ
جو کچھ کہ کھول دے اللہ لوگوں پر
رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا
رحمت میں سے تو کوئی نہیں اُس کو روکنے والا ☆

اللہ کی رحمت کو کوئی نہیں روک سکتا:

رحمت جسمانی ہو مثلاً بارش، روزی وغیرہ یا روحانی جیسے انزال کتب وارسال رُسل، غرض اللہ جب لوگوں پر اپنی رحمت کا دروازہ کھولے، کون ہے جو بند کر سکے۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں:

نماز فرض کے سلام کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ یہ کلمات پڑھتے. لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَاالْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ اور صحیح مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہہ کر فرماتے اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ اَللّٰهُمَّ اَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَاالْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ

اسی آیت جیسی آیت: وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ الخ اور بھی اس کی نظیر کی آیتیں بہت سی ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

بارش کے وقت حضرت ابو ہریرہؓ کا عمل:

اور حضرت ابو ہریرہؓ جب بارش ہوتے دیکھتے تو فرمایا کرتے تھے مُطِرْنَا بِنَوْءِ الْفَتْحِ اور پھر آیت مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ پڑھتے تھے، یہ عرب کے باطل خیالات کی تردید ہے، جو بارش کو خاص خاص ستاروں کی طرف منسوب کر کے کہا کرتے تھے کہ ہمیں یہ بارش فلاں ستارے کی وجہ سے ملی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بارش آیت فتح سے ملی ہے، مراد آیت فتح سے یہی مذکورہ آیت ہے جس کو وہ ایسے وقت تلاوت فرمایا کرتے (رواہ مالک فی المؤطا) (معارف القرآن مفتی اعظم)

وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ
اور جو کچھ روک رکھے تو کوئی نہیں اُس کو بھیجنے والا اس کے
بَعْدِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٢﴾
سوائے اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا ☆

یعنی اپنی حکمت بالغہ کے موافق جو کچھ کرنا چاہے فوراً کر گذرے ایسا زبردست ہے جسے کوئی نہیں روک سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ هَلْ
اے لوگو یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر کیا
مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ
کوئی ہے بنانے والا اللہ کے سوائے روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے
وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٣﴾
اور زمین سے کوئی حاکم نہیں مگر وہ پھر کہاں الٹے جاتے ہو ☆

معبودِ حقیقی صرف اللہ ہی ہے:

یعنی مانتے ہو کہ پیدا کرنا اور روزی کے سامان بہم پہنچا کر زندہ رکھنا سب اللہ کے قبضہ اور اختیار میں ہے پھر معبودیت کا استحقاق کسی دوسرے کو کدھر سے ہو گیا جو خالق و رازق حقیقی ہے وہ ہی معبود ہونا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

آسمان وزمین:

آسمان اور زمین کے اختلاط اور امتزاج سے رزق پیدا ہوتا ہے جیسے مرد اور عورت کے اختلاط اور امتزاج سے بچے پیدا ہوتا ہے آسمان بمنزلہ مرد کے ہے اور

زمین بمنزلہ عورت کے ہے آسمان سے بارش ہوتی ہے اور زمین اس کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے اسی طرح سمجھو کہ علوی اور سفلی کے امتزاج سے رزق پیدا ہوتا ہے یہ اس کی قدرت کا کرشمہ ہے آسمان بمنزلہ فاعل کے ہے اور زمین بمنزلہ قابل کے ہے اور زمین کے ثمرات بمنزلہ اولاد کے ہیں جس کا اصل سرچشمہ آسمان ہے۔ کما قال تعالیٰ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ۔(معارف کاندھلوی)

وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ
اور اگر تجھ کو جھٹلائیں تو جھٹلائے گئے کتنے رسول
مِّنْ قَبْلِكَ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ④
تجھ سے پہلے اور اللہ تک پہنچتے ہیں سب کام ☆

متعصب ہمیشہ رہے ہیں:

یعنی اس قدر سمجھانے اور حجت تمام کرنے کے بعد بھی یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلائیں تو غم نہ کیجئے، انبیائے سابقین کے ساتھ بھی یہی برتاؤ ہوا ہے کوئی انوکھی بات نہیں متعصب اور ضدی لوگ کبھی اپنی ہٹ سے باز نہیں آئے ایسوں کا معاملہ خدا کے حوالہ کیجئے، وہیں پہنچ کر سب باتوں کا فیصلہ ہو جائے گا۔(تفسیر عثمانی)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا
اے لوگو بیشک اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے سو نہ
تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللَّهِ
بہکائے تم کو دنیا کی زندگانی اور نہ دغا دے تم کو اللہ کے نام سے
الْغَرُورُ ⑤ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا
وہ دغا باز تحقیق شیطان تمہارا دشمن ہے سو تم بھی سمجھ رکھو اُس کو دشمن
إِنَّمَا يَدْعُو حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ ⑥
وہ تو بلاتا ہے اپنے گروہ کو اسی واسطے کہ ہوں دوزخ والوں میں ☆

شیطان سے بچنا ضروری ہے:

یعنی قیامت آنی ہے اور یقیناً سب کو اللہ تعالیٰ کی بڑی عدالت میں حاضر ہونا ہے۔ اس دنیا کی ٹیپ ٹاپ اور فانی عیش و بہار پر نہ پھولو اور اس مشہور دغا باز شیطان کے دھوکہ میں مت آؤ۔ وہ تمہارا ازلی دشمن ہے کبھی اچھا مشورہ نہ دیگا۔ یہی کوشش کرے گا کہ اپنے ساتھ تم کو بھی دوزخ میں پہنچا کر چھوڑے طرح طرح کی باتیں بنا کر خدا اور آخرت کی طرف سے غافل کرتا رہے گا۔ چاہیے کہ تم دشمن کو دشمن سمجھو اس کی بات نہ مانو۔ اس پر ثابت کر دو کہ ہم تیری مکاری کے جال میں پھنسنے والے نہیں۔ خوب سمجھتے ہیں کہ تو دوستی کے لباس میں بھی دشمنی کرتا ہے۔(تفسیر عثمانی)

محبت کا تقاضا:

اپنے تمام احوال میں اس کے وسوسہ سے بچتے رہو اس کا کہنا مانو اس کی مرضی کے خلاف محض اللہ کی اطاعت کرو، محبت کا تقاضا ہے کہ محبوب جس کام کو پسند کرے وہی کیا جائے تاکہ اس کی رضامندی حاصل ہو اور دشمنی کا تقاضا ہے کہ جو کام دشمن کو پسند ہو وہ نہ کیا جائے اور اس کو غصہ کی آگ میں جلایا جائے۔(تفسیر مظہری)

الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَالَّذِينَ
جو منکر ہوئے اُن کو سخت عذاب ہے اور جو
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ
یقین لائے اور کئے بھلے کام اُن کیلئے ہے معافی اور بڑا ثواب
كَبِيرٌ ⑦ أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا ۖ
بھلا ایک شخص کہ بھلی سمجھائی گئی اُس کو اُس کے کام کی برائی پھر دیکھا اُس نے اُس کو بھلا،
فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۖ
کیونکہ اللہ بھٹکاتا ہے جس کو چاہے اور سجھاتا ہے جس کو چاہے
فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ ۚ
سو تیرا جی نہ جاتا رہے ان پر پچتا پچتا کر
إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ⑧
اللہ کو معلوم ہے جو کچھ کرتے ہیں ☆

نیک و بد برابر نہیں ہیں اللہ سب سے نمٹ لے گا:

یعنی شیطان نے جس کی نگاہ میں برے کام کو بھلا کر دکھایا، کیا وہ شخص اس کے برابر ہو سکتا ہے جو خدا کے فضل سے بھلے برے کی تمیز رکھتا ہے، نیکی کو نیکی اور بدی کو بدی سمجھتا ہے؟ جب دونوں برابر نہیں ہو سکتے تو انجام دونوں کا یکساں کیونکر ہو سکتا ہے اور یہ خیال نہ کرو کہ کوئی آدمی دیکھتی آنکھوں برائی کو بھلائی کیونکر سمجھ لے گا۔ اللہ جس کو سوءِ استعداد اور سوءِ اختیار کی بناء پر بھٹکانا چاہے اس کی عقل اسی طرح اوندھی ہو جاتی ہے اور جس کو حسن استعداد اور حسن اختیار کی وجہ سے ہدایت پر لانا چاہے تب کسی شیطان کی طاقت نہیں کہ جو اسے غلط راستے پر ڈال سکے یا الٹی بات سجھا دے۔ بہر حال جو شخص شیطانی اغواء سے برائی کو بھلائی، بدی کو نیکی

اور زہر کو تریاق سمجھ لے کیا اس کے سیدھے راستہ پر آنے کی کچھ توقع ہوسکتی ہے؟ جب نہیں ہوسکتی اور سلسلہ ہدایت وضلالت کا سب اللہ کی مشیت وحکمت کے تابع ہے تو آپ ان معاندین کے غم میں اپنے کو کیوں گھلاتے ہیں۔ اس حسرت میں کہ یہ بدبخت اپنے فائدہ کی بات کو کیوں قبول نہیں کرتے کیا آپ اپنی جان دے بیٹھیں گے۔ آپ ان کا قصہ ایک طرف کیجئے۔ اللہ ان کے سب کرتوت جانتا ہے وہ خود ان کا بھگتان کردے گا۔ آپ دلگیر وغمگین نہ ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول: جبیر نے بوساطت ضحاک حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء کی تھی اے اللہ اپنے دین کو عمر بن خطاب یا ابوجہل بن ہشام (کے ایمان) سے غلبہ عطا فرما چنانچہ اللہ نے حضرت عمر کو ایمان کی توفیق عنایت کردی اور ابو جہل کو گمراہ چھوڑ دیا ان ہی دونوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا

اور اللہ ہے جس نے چلائی ہیں ہوائیں پھر وہ اٹھاتی ہیں بادل کو

فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ

پھر ہانک لے گئے ہم اس کو ایک مردہ دیس کی طرف پھر زندہ کردیا

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ⑨

ہم نے اس سے زمین کو اس کے مرجانے کے بعد اسی طرح ہوگا جی اٹھنا ☆

اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ کریں گے:

اللہ کے حکم سے ہوائیں بادلوں کو اٹھا کر لاتی ہیں اور جس ملک کا رقبہ مردہ پڑا تھا یعنی کھیتی وسبزہ کچھ نہ تھا۔ چاروں طرف خاک اُڑ رہی تھی، بارش کے پانی سے اس میں جان پڑ جاتی ہے اسی طرح سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ تم کو بھی مرے پیچھے جلا کر کھڑا کردے گا۔ روایات میں ہے کہ جب اللہ مردوں کو زندہ کرنا چاہے گا عرش کے نیچے سے ایک (خاص قسم کی) بارش ہوگی جس کا پانی پڑتے ہی مردے اس طرح جی اٹھیں گے جیسے ظاہری بارش ہونے پر دانہ زمین سے اُگ آتا ہے۔ مزید تفصیل روایات میں دیکھنی چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

مُردوں کے زندہ ہونے کی کیفیت:

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت سے مسلم نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں بعث کی کیفیت ان الفاظ کے ساتھ بیان کی گئی ہے پھر اللہ ایک بارش شبنم کی طرح بھیجے گا جس کی وجہ سے اجسام اگیں گے۔ الحدیث

ابوالشیخ نے العظمت میں وہب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ بحر مسجور (آتشیں سمندر) کی ابتداء اللہ کے علم میں ہوگی اور اس کا آخر (کنارہ) اللہ کے ارادہ میں ہوگا اس کے اندر مادۂ منویہ کی طرح گاڑھا پانی ہوگا جس کو رادفہ اور رادفہ (زمین کے دو زلزلے) کے درمیان اللہ برسائے گا جس سے لوگ اس طرح اگیں گے جس طرح سیلابی مٹی سے سبزہ اگتا ہے پھر اللہ مومنوں کی روحوں کو جنت سے (لاکر) اور کافروں کی روحوں کو دوزخ سے (لاکر) یکجا کریگا تاکہ ان کو صورتیں عطا فرمائے اسرافیل بحکم خدا (صور) پھونکیں گے جس سے ہر روح اپنے بدن میں داخل ہوجائے گی۔ الحدیث (تفسیر مظہری)

صحیح حدیث میں ہے ابن آدم تمام کا تمام گل سڑ جاتا ہے لیکن ریڑھ کی ہڈی نہیں سڑتی، اسی سے پیدا کیا گیا ہے اور اسی سے ترکیب دیا جائے گا، یہاں بھی نشان بتا کر فرمایا، اسی طرح موت کے بعد کی زیست ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِیْعًا ؕ

جس کو چاہئے عزت تو اللہ کیلئے ہے ساری عزت ☆

عزت ذلت کا مالک اللہ ہے:

کفار نے دوسرے معبود اس لئے ٹھہرائے تھے کہ اللہ کے ہاں ان کی عزت ہوگی۔ ''وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّیَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا'' (مریم۔ رکوع ۵) اور بہت لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار سے دوستانہ کرتے تھے کہ اس سے انکی عزت بنی رہے گی۔ ''الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا'' (نساء۔ رکوع ۲۰) اس قسم کے لوگوں کو بتلایا کہ جو شخص دنیا وآخرت کی عزت چاہے، چاہیے کہ اللہ سے طلب کرے کہ عزیز مطلق تو وہ ہے، اسی کی فرمانبرداری اور یادگاری سے اصلی عزت میسر آتی ہے۔ تمام عزتوں کا مالک وہی اکیلا ہے۔ جس کسی کو عزت ملی یا ملے گی اسی کے خزانہ سے ملی ہے یا ملے گی۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ

اس کی طرف چڑھتا ہے کلام ستھرا ☆

عمدہ کلام:

ستھرا کلام ہے ذکر اللہ، دعاء، تلاوۃ القرآن، علم ونصیحت کی باتیں، یہ سب چیزیں بارگاہ رب العزت کی طرف چڑھتی ہیں اور قبول واعتناء کی عزت حاصل کرتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

پاک کلمات اللہ تعالیٰ کی طرف کیسے چڑھتے ہیں:

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا جو شخص پانچ کلمات سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ

لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ واللّٰه اَكْبَرُ وتَبَارَكَ اللّٰه کہتا ہے۔کوئی ایک فرشتہ ان کوفوراً لے کراپنے پروں کے نیچے چھپا کراور چڑھ جاتا ہےاور ملائکہ جس کی جماعت کی طرف سے گذرتا ہے وہ ملائکہ ان کلمات کے قائل کے لیے دعاء مغفرت کرتے ہیں آخررب العالمین کی بارگاہ میں ان کلمات کووہ فرشتہ پیش کردیتا ہے اس کی تصدیق اللہ کی کتاب (کی اس آیت) سے ہوتی ہے اللہ نے فرمایا ہے اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ۔

رواہ البغوی والحاکم وغیرہ، ثعلبی اور ابن مردویہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اس حدیث کومرفوعاً بیان کیا ہے۔(تفسیر مظہری)

حضرت کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ اور لَا اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ اور اللّٰهُ اَكْبَرُ عرش کے اردگرد آہستہ آہستہ آواز نکالتے ہیں جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے اپنے کہنے والے کا ذکر خدا کے سامنے کرتے رہتے ہیں اور نیک اعمال خزانوں میں محفوظ رہتے ہیں۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو لوگ اللہ کا جلال اس کی تسبیح اس کی حمد اس کی بڑائی اس کی وحدانیت کا ذکر کرتے رہتے ہیں، ان کے لئے ان کے یہ کلمات عرش کے آس پاس خدا کے سامنے ان کا ذکر کرتے رہتے ہیں کیا تم نہیں چاہتے کہ کوئی نہ کوئی تمہارا ذکر تمہارے رب کے سامنے کرتا رہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ
اور کام نیک اُس کو اٹھالیتا ہے☆

پاک کلمات اور عمل صالح دونوں ضروری ہیں:

ستھرے کلام (ذکر اللہ وغیرہ) کا ذاتی اقتضاء ہے اُوپر چڑھنا۔اس کے ساتھ دوسرے اعمال صالحہ ہوں تو وہ اس کو سہارا دے کر اور زیادہ اُبھارتے اور بلند کرتے رہتے ہیں۔اچھے کلام کو بدون اچھے کاموں کے پوری رفعت شان حاصل نہیں ہوتی۔بعض مفسرین نے وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ کی ضمیروں کا مرجع بدل کر یہ معنی لئے ہیں کہ ستھرا کلام اچھے کام کو اُونچا اور بلند کرتا ہے۔یہ بھی درست ہے اور بعض نے یرفع کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹائی ہے۔یعنی اللہ عمل صالح کو بلند کرتا اور معراج قبول پر پہنچاتا ہے بہر حال غرض یہ ہے کہ بھلے کام اور اچھے کلام دونوں عُلو ورفعت کو چاہتے ہیں۔لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ سے عزت کا طالب ہو وہ ان چیزوں کے ذریعہ سے حاصل کرے۔حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''یعنی عزت اللہ کے ہاتھ ہے۔تمھارے ذکر اور بھلے کام چڑھتے جاتے ہیں۔جب اپنی حد کو پہنچیں گے تب بدی پر (پورا) غلبہ (حاصل) کریں گے۔کفر دفع ہوگا، اسلام کو عزت ہوگی۔'' مکاروں کے سب داؤ گھات باطل اور بیکار ہو کر رہ جائیں گے۔(تفسیر عثمانی)

بغیر عمل کے ایمان بیکار نہیں:

میں کہتا ہوں آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بغیر عمل کے ایمان نا قابل اعتبار اور بیکار ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ جس نے اس بات کی شہادت دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہی تنہا معبود ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں اور عیسیٰ اللہ کے بندے اور رسول اور اللہ کی بندی کے بیٹے اور کلمۃ اللہ تھے جو اللہ نے مریم کی طرف القاء کیا تھا اور اللہ کی طرف سے روح تھے اور اس بات کی بھی شہادت دی کہ جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے تو اللہ اس کو جنت میں داخل فرمادے گا اس کے عمل کچھ بھی ہوں رواہ الشیخان فی الصحیحین عن عبادۃ بن الصامت۔

قول بغیر ایمان اور خلوص کے خالی باتیں بے کار ہیں:

منافق کا زبانی قول جو عمل قلبی کے ساتھ نہ ہو اور اعمال اعضاء بھی قول کے خلاف ہوں وہ نا قابل اعتبار اور بیکار ہے اسی طرح جو عمل بغیر خلوص نیت کے کیا جائے نہ قلبی عقیدہ عمل کے مطابق ہو نہ اخلاص قلبی اس عمل کے ساتھ ہو وہ بھی قابل قبول نہیں ہوتا۔(تفسیر مظہری)

قبولیت کی شرط:

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قول کو بغیر عمل کے اور کسی قول وعمل کو بغیر نیت کے اور کسی قول وعمل اور نیت کو بغیر مطابقت سنت کے قبول نہیں کرتا۔(قرطبی)

اس سے معلوم ہوا کہ مکمل قبولیت کی شرط سنت کے مطابق ہونا ہے، اگر قول بھی عمل بھی اور نیت بھی، یہ سب درست بھی ہوں مگر طریقہ عمل سنت کے مطابق نہ ہو تو قبولیت تامہ حاصل نہیں ہوگی۔

حقیقت یہی ہے کہ جس طرح صرف کلمہ توحید اور تسبیحات بغیر عمل صالح کے کافی نہیں اسی طرح عمل صالح اور امرونواہی کی پابندی بھی بغیر کثرت ذکر اللہ کے بے رونق رہتی ہے، ذکر اللہ کی کثرت ہی اعمالِ صالحہ کو مزین کر کے قابل قبول بناتی ہے۔(معارف مفتی اعظم)

''صعود'' اور ''رفع'' کا فرق:

کلمات اور اذکار کا تعلق چونکہ ذات باری تعالیٰ سے ہے ان کا اوپر کو چڑھنا ان کا ذاتی اور طبعی اقتضاء ہے اس لئے ان کے لئے صعود کا لفظ استعمال کیا گیا اور اعمال صالحہ کا تعلق بندہ سے ہے جو سفلی ہے اعمال صالحہ کا اوپر کو چڑھنا ذاتی اور طبعی نہیں بلکہ کسی کے سہارے ہے اس لئے اعمال صالحہ کے لئے لفظ رفع کا استعمال کیا گیا جس کے معنی اوپر اٹھانے کے ہیں جس کیلئے کوئی اٹھانیوالا چاہئے۔ (معارف کاندھلوی)

وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ

اور جو لوگ داؤ میں ہیں برائیوں کے اُن کے لئے سخت عذاب ہے

شَدِيْدٌ ۭ وَمَكْرُ اُولٰۗىِٕكَ هُوَ يَبُوْرُ ۝

اور اُن کا داؤ ہے ٹوٹنے کا ☆

حق کے مخالف ناکام ہوں گے:

یعنی جو لوگ بری تدبیریں سوچتے اور حق کے خلاف داؤ گھات میں رہتے ہیں آخر ناکام ہوکر خسارہ اٹھائیں گے۔ دیکھو قریش نے ''دارالندوہ'' میں بیٹھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قید کرنے یا قتل کرنے یا وطن سے نکالنے کے مشورے کئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ بدر کے موقع پر وہ ہی لوگ وطن سے نکلے، مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل ہوئے اور قلیب بدر میں ہمیشہ کے لئے قید کردیئے گئے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ

اور اللہ نے تم کو بنایا مٹی سے پھر بوند پانی سے

ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ۭ وَمَا تَحْمِلُ

پھر بنایا تم کو جوڑے جوڑے اور نہ پیٹ رہتا ہے

مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ

کسی مادہ کو اور نہ وہ جنتی ہے بن خبر اُسکے ☆

انسان کا توالد و تناسل:

یعنی آدم کو مٹی سے پھر اس کی اولاد کو پانی کی بوند سے پیدا کیا۔ پھر مرد عورت کے جوڑے بنادیئے جس سے نسل پھیلی۔ اس درمیان میں استقرار حمل سے لے کر بچہ کی پیدائش تک جو ادوار و اطوار گزرے سب کی خبر خدا ہی کو ہے۔ ماں باپ بھی نہیں جانتے کہ اندر کیا کیا صورتیں پیش آئیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ

اور نہ عمر پاتا ہے کوئی بڑی عمر والا اور نہ گھٹتی ہے

عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝

کسی کی عمر مگر لکھا ہے کتاب میں بیشک یہ اللہ پر آسان ہے ☆

ہر ایک کی عمر مقرر ہے، کفر آخر کار مغلوب ہوگا:

یعنی جس کی جتنی عمر ہے لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے اور جو اسباب عمر کے گھٹنے بڑھنے کے ہیں یا یہ کہ کون عمر طبعی کو پہنچے گا کون نہیں، سب اللہ کے علم میں ہے اور اللہ کو ان جزئیات پر احاطہ رکھنا بندوں کی طرح کچھ مشکل نہیں۔ اس کو تو تمام ما کان و ما یکون، جزئی، کلی اور غیب و شہادت کا علم ازل سے حاصل ہے۔ اس کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ''ہر کام سہج سہج ہوتا ہے جیسے آدمی کا بننا'' اور اپنی عمر مقدر کو پہنچنا۔ اسی طرح سمجھ لو اسلام بتدریج بڑھے گا اور آخر کار کفر کو مغلوب و مقہور کرکے چھوڑے گا۔ (تفسیر عثمانی)

لوح محفوظ ہر ایک کی عمر کا مفصل اندراج ہوتا ہے:

سعید بن جبیر نے کہا ام الکتاب (یعنی لوح محفوظ) میں لکھا ہوتا ہے کہ فلاں شخص کی عمر اتنے سال کی ہوگی پھر اس کے نیچے لکھا ہوتا ہے ایک دن گذر گیا دو دن گذر گئے تین دن گذر گئے اسی طرح پوری عمر کے دن لکھے ہوئے ہوتے ہیں اور اس طرح عمر ختم ہوجاتی ہے۔

بعض علماء کے نزدیک آیت کا یہ مطلب ہے کہ کسی کی عمر میں بیشی یا کمی نہیں کی جاتی مگر اس کا اندراج (پہلے سے) لوح محفوظ میں ہوتا ہے مثلاً لوح محفوظ میں لکھا ہوتا ہے کہ فلاں شخص کی عمر کتنے سال کی ہوگی پھر بعض نیکیوں کی وجہ سے اس کی عمر بڑھادی جائے گی یا بعض گناہوں کی وجہ سے اس کی عمر کم کردی جائے گی یہ سب کچھ لوح محفوظ میں پہلے سے لکھا ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

زیادتی عمر کے اسباب:

بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو چاہے کہ اس کی روزی اور عمر بڑھے وہ صلہ رحمی کیا کرے، ابن ابی حاتم میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، کسی کی اجل آجانے کے بعد اسے مہلت نہیں ملتی، زیادتی عمر سے مراد نیک اولاد کا ہونا ہے، جس کی دعائیں اسے مرنے کے بعد اس کی قبر میں پہنچتی رہتی ہیں یہی زیادتی عمر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ

اور برابر نہیں دو دریا یہ میٹھا ہے پیاس بجھاتا ہے خوشگوار

شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۖ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ

اور یہ کھارا کڑوا اور دونوں میں سے کھاتے ہو

لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ

گوشت تازہ اور نکالتے ہو گہنا جس کو پہنتے ہو ☆

غلبہ اسلام کے لطیف اشارے:

اُوپر سے دلائل توحید اور شواہد قدرت بیان ہوتے آ رہے ہیں اسی کے ضمن میں لطیف اشارے اسلام کے غلبہ کی طرف بھی ہوتے جاتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''یعنی کفر اور اسلام برابر نہیں خدا کفر کو مغلوب ہی کرے گا اگرچہ تم کو دونوں سے فائدہ ملے گا۔ مسلمانوں سے قوت دین اور کافروں سے جزیہ خراج اور گوشت میٹھے کھاری دونوں دریاؤں سے نکلتا ہے یعنی مچھلی۔ اور گہنا (زیور) یعنی موتی، مونگا اور جواہر اکثر کھاری سے نکلتے ہیں'' (تفسیر عثمانی)

مچھلی کا حکم: اس آیت میں مچھلی کو گوشت کے لفظ سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ مچھلی خود بخود حلال گوشت ہے اس کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں، بخلاف دوسرے بری جانوروں کے کہ جب تک ان کو اللہ کے نام پر ذبح نہ کر دو وہ حلال نہیں، مچھلی میں یہ شرط نہیں اس لئے وہ بنا بنایا گوشت ہے۔

موتی کھاری اور میٹھے دونوں طرح کے پانی میں ہوتے ہیں:

حلیہ کے معنی زیور کے ہیں، مراد اس سے موتی ہیں، آیت سے معلوم ہوا کہ موتی جس طرح دریائے شور میں پیدا ہوتے ہیں شیریں دریاؤں میں بھی ہوتے ہیں جو عام شہرت کے خلاف ہے، کیونکہ معروف و مشہور یہی بات ہے کہ موتی دریائے شور (سمندر) میں پیدا ہوتے ہیں۔

مردوں کیلئے موتیوں کا استعمال:

تَلْبَسُوْنَهَا میں صیغہ مذکر استعمال کرنے سے اس طرف اشارہ ہو گیا کہ موتیوں کا استعمال مردوں کے لئے بھی جائز ہے، بخلاف سونے چاندی کے کہ ان کا بطور زیور استعمال کرنا مردوں کے لئے جائز نہیں۔ (روح) (معارف مفتی اعظم)

وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا

اور تو دیکھے جہازوں کو اُس میں کہ چلتے ہیں پانی کو پھاڑتے

مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

تاکہ تلاش کرو اُسکے فضل سے اور تاکہ تم حق مانو ☆

اللہ کا شکر ادا کرو:

اکثر بڑی بڑی تجارتیں جہازوں کے ذریعہ سے ہوتی ہیں، اُن سے جو منافع حاصل ہوں یہ ہی اللہ کا فضل ہے ان تمام انعامات پر انسان کو چاہئے مالک کا شکر ادا کرے۔ (تفسیر عثمانی)

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ

رات گھساتا ہے دن میں اور دن گھساتا ہے

فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ

رات میں اور کام میں لگا دیا سورج اور چاند کو

كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ

ہر ایک چلتا ہے ایک مقرر وعدہ تک ☆

اپنے وقت پر غلبہ ہوگا:

یہ مضمون پہلے کئی جگہ گذر چکا ہے، حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں، ''یعنی رات دن کی طرح کبھی کفر غالب ہے کبھی اسلام، اور سورج چاند کی طرح ہر چیز کی مدت بندھی ہے دیر سویر نہیں ہوتی۔'' حق کا نمایاں غلبہ اپنے وقت پر ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

مغرب کے فلاسفروں کا شوشہ:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آفتاب و ماہتاب حسب حکم خداوندی گردش کرتے رہتے ہیں، فلاسفہ مغرب نے ایک شوشہ یہ چھوڑا ہے کہ آفتاب زمین کے گرد نہیں گھومتا بلکہ زمین آفتاب کے گرد گھومتی ہے۔

اگر فلاسفہ مغرب کا یہ خیال صحیح ہوتا کہ زمین آفتاب کے گرد گھومتی ہے تو لا محالہ زمین کے گھومنے سے قطب ستارہ ضرور متبدل ہوتا رہتا حالانکہ وہ ہمیشہ اپنے حال پر رہتا ہے اور ٹھیک اسی جگہ رہتا ہے جہاں پہلے تھا بلکہ جو لوگ زمین کے شمال اور جنوب میں رہتے ہیں ہر ایک کی جہت متبدل ہو جانی چاہئے حالانکہ تمام سال میں ہم کسی وقت کسی کی جہت کو متبدل نہیں پاتے پس ثابت ہوا کہ زمین کی گردش کا خیال بالکل غلط ہے۔

نیز اگر زمین گردش کرتی تو لازم تھا کہ دریاؤں اور کنوؤں کے پانی منقلب ہو جاتے بلکہ گھڑوں اور کٹوروں کے پانی بھی پلٹ جاتے لہٰذا یہ کہنا

کہ کرۂ زمین آفتاب کے گرد بہت زور سے چکر لگاتا ہے بالکل غلط اور باطل ہے۔ (معارف کاندھلوی)

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ
یہ اللہ ہے تمہارا رب اُسی کیلئے بادشاہی ہے اور جن کو تم پکارتے ہو
مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝
اُس کے سوائے وہ مالک نہیں کھجور کی گٹھلی کے ایک چھلکے کے ☆

خودساختہ خداؤں کی بے بسی:

یعنی جس کی صفات وشئون اُوپر بیان ہوئیں حقیقت میں یہ ہے تمہارا سچا پروردگار اور کل زمین وآسمان کا بادشاہ، باقی جنہیں تم خدا قرار دے کر پکارتے، وہ مسکین بادشاہ تو کیا ہوتے کھجور کی گٹھلی پر جو باریک جھلی سی ہوتی ہے اُس کے بھی مالک نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ
اگر تم اُن کو پکارو سنیں نہیں تمہاری پکار اور اگر
سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۗ
سنیں پہنچیں نہیں تمہارے کام پر
وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۗ
اور قیامت کے دن منکر ہوں گے تمہارے شریک ٹھہرانے سے ☆

خودساختہ خدا بے کار ہیں:

یعنی جن معبودوں کا سہارا ڈھونڈتے ہو وہ تمہاری پکار نہیں سنتے اور توجہ کرتے بھی تو کچھ کام نہ آسکتے بلکہ قیامت کے دن تمہاری مشرکانہ حرکات سے علانیہ بیزاری کا اظہار کرینگے اور بجائے مددگار بننے کے دشمن ثابت ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

انبیاء اور فرشتے مشرکین سے بیزار ہیں:

بتوں میں تو سننے کی صلاحیت ہے ہی نہیں، انبیاء اور فرشتوں میں اگرچہ صلاحیت ہے مگر نہ وہ ہر جگہ موجود ہیں نہ ہر ایک کے کلام کو سنتے ہیں، آگے فرمایا کہ اگر بالفرض وہ سن بھی لیں جیسے فرشتے اور انبیاء تو پھر بھی وہ تمہاری درخواست پوری نہ کریں گے، کیونکہ ان کی خود قدرت نہیں، اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اس سے کسی کی سفارش نہیں کر سکتے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۝
اور کوئی نہ بتلائیگا تجھ کو جیسا بتلائے خبر رکھنے والا ☆

پکی سچی خبر: یعنی اللہ سے زیادہ احوال کون جانے وہ ہی فرماتا ہے کہ یہ شریک غلط ہیں جو کچھ کام نہیں آسکتے ایسی ٹھیک اور پکی باتیں اور کون بتلائیگا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى
اے لوگو تم ہو محتاج اللہ کی طرف
اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝
اور اللہ وہی ہے بے پروا سب تعریفوں والا ☆

سب اللہ کے محتاج ہیں:

یعنی سب لوگ اُسی اللہ کے محتاج ہیں جسے کسی کی احتیاج نہیں کیونکہ تمام خوبیاں اور کمالات اُس کی ذات میں جمع ہیں پس وہ ہی مستحق عبادت و استعانت کا ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

انسان سب سے زیادہ محتاج ہے:

یعنی وجود، توابع وجود، بقاء وجود، دوزخ سے نجات اور جنت کے ثواب میں تم ہمیشہ اللہ کے محتاج ہو، یوں تو ساری خلائق اللہ کی محتاج ہے لیکن انسان نے باوجود کمزور اور ظالم و جاہل ہونے کے بارِ امانت اپنے کندھوں پر اٹھایا اس لیے دوسری مخلوق کے مقابلہ میں یہ زیادہ محتاج ہے اس کی احتیاج کی بنسبت باقی مخلوق کی احتیاج درخور اعتنا نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝
اگر چاہے تم کو لے جائے اور لے آئے ایک نئی خلقت
وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝
اور یہ بات اللہ پر مشکل نہیں ☆

اللہ تمہاری جگہ دوسری مخلوق لاسکتا ہے:

یعنی تم نہ مانو تو وہ قادر ہے کہ تم کو ہٹا کر دوسری خلقت آباد کر دے جو بہمہ وجوہ اُس کی فرمانبردار اور اطاعت گذار ہو، جیسے آسمانوں پر فرشتے اور ایسا کرنا اللہ کو کچھ مشکل نہیں لیکن اُس کی حکمت کا اقتضاء یہ ہے کہ زمین پر یہ سب سلسلے چلتے ہیں اور آخر میں ہر ایک اپنے نیک و بد عمل کا بدلہ پائے تا اس طرح اُس کی تمامی صفات کا ظہور ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ وَاِنْ تَدْعُ
اور نہ اٹھائیگا کوئی اٹھانیوالا بوجھ دوسرے کا اور اگر پکارے
مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ
کوئی بوجھل اپنا بوجھ بٹانے کو کوئی نہ اٹھائے اس میں سے

شَیۡءٌ وَّلَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰى ؕ

ذرا بھی اگرچہ ہو قرابتی ☆

کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا:

یعنی نہ کوئی از خود دوسرے کا بوجھ اپنے سر رکھے گا کہ اُس کے گناہ اپنے اُوپر لے لے اور نہ دوسرے کے پکارنے پر اُس کا کچھ ہاتھ بٹا سکے گا خواہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو سب کو نفسی نفسی پڑی ہوگی محض اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت ہی سے بیڑا پار ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

کچھ مسلمانوں کے گناہ یہود ونصاریٰ پر ڈالنے کا مطلب

مسلم نے حضرت ابو موسیٰ کی روایت سے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن کچھ مسلمان پہاڑوں کے برابر گناہ لے کر آئیں گے اللہ ان کے گناہوں کو بخش دے گا اور ان کے گناہ یہود ونصاریٰ پر ڈال دے گا۔

ابن ماجہ اور بیہقی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے قیامت کا دن ہوگا تو ہر مسلم کے سامنے ایک مشرک کو لایا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا یہ دوزخ سے (بچاؤ کیلئے) تیرا معاوضہ ہے۔

میرے نزدیک ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ امت اسلامیہ سے کافروں نے بعض گناہوں کی بنیاد ڈالی خود بھی ان گناہوں کا ارتکاب کیا اور گناہ کرنے کا ایک طریقہ بھی ایجاد کر دیا آئندہ اقوام وافراد نے ان کی پیروی کی اور ان کے نقش قدم پر چل نکلے، مسلمان بھی ان میں سے بعض گناہوں میں آلودہ ہو گئے لیکن اللہ ان کی مغفرت فرمادے گا مسلمانوں پر یہ اللہ کی مہربانی ہو گی لیکن گناہ کی بنیاد ڈالنے اور طریقہ ایجاد کرنے والوں کو دوہرا عذاب ہوگا خود گناہ کرنے کا اور گناہ کا طریقہ جاری کرنے کا، اس تشریح پر آیت کے لفظ فضع کا مرادی مطلب بطور کنایہ یہ ہوگا کہ ہم کافر کو پوری پوری سزا دیں گے۔

قرابت ورشتہ کا واسطہ نہیں چلے گا:

حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں، پڑوسی پڑوسی کے پیچھے پڑ جائے گا، اللہ تعالیٰ سے عرض کرے گا کہ اس سے پوچھ تو سہی کہ اس نے مجھ سے اپنا دروازہ کیوں بند کر لیا تھا۔ کافر مؤمن کے پیچھے لگ جائے گا اور جو احسان اس نے دنیا میں کئے تھے وہ یاد دلا کر کہے گا کہ آج میں تیرا محتاج ہوں۔ مومن بھی اس کی سفارش کرے گا اور ہوسکتا ہے کہ اس کا عذاب قدرے کم ہو جائے گو جہنم سے چھٹکارا محال ہے، باپ بیٹے کو اپنے احسان جتائے گا اور کہے گا کہ رائی کے دانے برابر مجھے آج اپنی نیکیوں میں سے دے دے وہ کہے گا، ابا! آپ چیز تو تھوڑی سی طلب فرما رہے ہیں لیکن آج تو جو کھٹکا آپ کو ہے وہی مجھے بھی ہے میں تو کچھ بھی نہیں دے سکتا، پھر بیوی کے پاس جائے گا اس سے کہے گا میں نے تیرے ساتھ دنیا میں کیسے سلوک کئے ہیں؟ وہ کہے گی بہت ہی اچھے، یہ کہے گا آج میں تیرا محتاج ہوں، مجھے ایک نیکی دے دے تاکہ عذابوں سے چھوٹ جاؤں، جواب ملے گا کہ سوال تو بہت ہلکا ہے لیکن جس خوف میں تم ہو وہی ڈر مجھے بھی لگا ہوا ہے میں تو کچھ بھی سلوک آج نہیں کر سکتی۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِنَّمَا تُنۡذِرُ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ

تو تو ڈر سنا دیتا ہے اُن کو جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے

بِالۡغَيۡبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ

بن دیکھے اور قائم رکھتے ہیں نماز ☆

ڈرنے والے: یعنی آپ کے ڈرانے سے وہ ہی اپنا رویہ درست کر کے نفع اٹھائے گا جو خدا سے بن دیکھے ڈرتا ہے اور ڈر کر اس کی بندگی میں لگا رہتا ہے۔ جس کے دل میں خدا کا خوف ہی نہ ہو، وہ ان دھمکیوں سے کیا متاثر ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنۡ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفۡسِهٖ ؕ

اور جو کوئی سنوریگا تو یہی ہے کہ سنوریگا اپنے فائدہ کو

وَاِلَى اللّٰهِ الۡمَصِيۡرُ ۝۱۸

اور اللہ کی طرف ہے سب کو پھر جانا ☆

ہر کسی کا اپنا فائدہ ہے:

یعنی آپ کی نصیحت سن کر جو شخص مان لے اور اپنا حال درست کر لے تو کچھ آپ پر یا خدا پر احسان نہیں بلکہ اسی کا فائدہ ہے اور یہ فائدہ پوری طرح اس وقت ظاہر ہوگا جب سب اللہ کے ہاں لوٹ کر جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا يَسۡتَوِى الۡاَعۡمٰى وَالۡبَصِيۡرُ ۝۱۹

اور برابر نہیں اندھا اور دیکھتا

وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوۡرُ ۝۲۰

اور نہ اندھیرا اور نہ اُجالا

وَلَا الظِّلُّ وَلَا الۡحَرُوۡرُ ۝۲۱

اور نہ سایہ اور نہ لو

وَمَا يَسۡتَوِى الۡاَحۡيَآءُ وَلَا الۡاَمۡوَاتُ ؕ

اور برابر نہیں جیتے اور نہ مُردے ☆

مؤمن اور کافر برابر نہیں:

یعنی مؤمن جس کو اللہ نے دل کی آنکھیں دی ہیں، حق کے اُجالے اور وحی الٰہی کی روشنی میں بے کھٹکے راستہ قطع کرتا ہوا جنت کے باغوں اور رحمتِ الٰہی کے سایہ میں جا پہنچتا ہے۔ کیا اس کی برابری وہ کافر کر سکے گا جو دل کا اندھا اوہام واہواء کی اندھیریوں میں بھٹکتا ہوا جہنم کی آگ اور اس کی جھلس دینے والی لوؤں کی طرف بے تحاشا چلا جا رہا ہے۔ ہرگز نہیں۔ ایسا ہو تو یوں سمجھو کہ مردہ اور زندہ برابر ہو گیا۔ فی الحقیقت مؤمن و کافر میں اس سے بھی زیادہ تفاوت ہے جو ایک زندہ تندرست آدمی اور مردہ لاش میں ہوتا ہے، اصلی اور دائمی زندگی صرف روح ایمان سے ملتی ہے۔ بدون اس کے انسان کو ہزار مردوں سے بدتر مردہ سمجھنا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ ۖ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ

اللہ سناتا ہے جس کو چاہے اور تو نہیں سنانے والا

مَّن فِي الْقُبُورِ ﴿٢٢﴾ إِنْ أَنتَ إِلَّا نَذِيرٌ ﴿٢٣﴾

قبر میں پڑے ہوؤں کو تو تو بس ڈر کی خبر پہنچانے والا ہے ☆

پیغمبر کی ذمہ داری:

یعنی اللہ تعالیٰ چاہے تو مُردوں کو بھی سنا دے یہ قدرت اوروں کو نہیں۔ اسی طرح سمجھ لو کہ پیغمبر کا کام خبر پہنچانا اور بھلے برے سے آگاہ کر دینا ہے کوئی مُردہ دل کافر ان کی بات نہ سنے تو یہ انکے بس کی بات نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی سب خلق برابر نہیں جنہیں ایمان دینا ہے ان ہی کو ملے گا۔ تو بہتیری آرزو کرے تو کیا ہوتا ہے اور یہ جو فرمایا "نہ اندھیرا نہ اُجالا" یعنی نہ اندھیرا برابر اُجالے کے اور نہ اُجالا برابر اندھیرے کے (یہ "لا" کی تکریر کا فائدہ بتلا دیا) اور فرمایا تو نہیں سنانے والا قبر میں پڑے ہوؤں کو"۔ حدیث میں آیا کہ مُردوں سے سلام علیک کرو۔ اور بہت جگہ مُردوں کو خطاب کیا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ مُردے کی روح سنتی ہے اور قبر میں پڑا ہے دھڑ، وہ نہیں سنتا"۔ یہ بحث پہلے سورۂ "نمل" کے آخر میں گزر چکی وہاں دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

إِنْ أَنتَ إِلَّا نَذِيرٌ کا یہ مطلب ہے کہ آپ کا کام صرف دوزخ کا خوف دلانا ہے ہدایت یاب کرنے پر آپ کو قدرت نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ

ہم نے بھیجا ہے تجھ کو سچا دین دے کر خوشی اور ڈر سنانے والا

وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ﴿٢٤﴾

اور کوئی فرقہ نہیں جس میں نہیں ہو چکا کوئی ڈر سنانیوالا ☆

ڈر سنانے والا خواہ نبی ہو یا نبی کا قائم مقام جو اس کی راہ کی طرف بلائے۔ اس کے متعلق سورۂ نمل کے چوتھے رکوع میں کچھ لکھا جا چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ

اور اگر وہ تجھ کو جھٹلائیں تو آگے جھٹلا چکے ہیں جو لوگ کہ

مِن قَبْلِهِمْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ

اُن سے پہلے تھے پہنچے ان کے پاس رسول اُن کے لے کر کھلی باتیں

وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ﴿٢٥﴾

اور صحیفے اور روشن کتاب ☆

یعنی روشن تعلیمات یا کھلے کھلے معجزات لے کر آئے۔ نیز ان میں سے بعض کو مختصر چھوٹے صحیفے دیئے گئے بعض کو بڑی مفصل کتابیں۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٢٦﴾

پھر پکڑا میں نے منکروں کو سو کیسا ہوا انکار میرا ☆

یعنی جب تکذیب سے باز نہ آئے تو دیکھ لو انجام کیا ہوا وہ ہی تمہارا بھی ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً

کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے اُتارا آسمان سے پانی

فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا ۚ

پھر ہم نے نکالے اُس سے میوے طرح طرح کے اُنکے رنگ ☆

عجیب قدرت کا مظاہرہ:

یعنی قسم قسم کے میوے۔ پھر ایک قسم میں رنگ برنگ کے پھل پیدا کیے۔ ایک زمین ایک پانی اور ایک ہوا سے اتنی مختلف چیزیں پیدا کرنا عجیب و غریب قدرت کو ظاہر کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ

اور پہاڑوں میں گھاٹیاں ہیں سفید اور سرخ

مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ﴿٢٧﴾

طرح طرح کے ان کے رنگ اور بھجنگے کالے ☆

قدرت کی نیرنگیاں: یعنی سفید بھی کئی درجے (کوئی بہت زیادہ سفید، کوئی کم، کوئی اس سے کم) اور سرخ بھی کئی درجے، اور کالے بھجنگے یعنی بہت گہرے سیاہ کوے کے پر کی طرح۔ (تفسیر عثمانی)

مسند بزار میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا خدائے تعالےٰ رنگ آمیزی بھی کرتا ہے؟ آپ نے فرمایاں ہاں، ایسا رنگ رنگتا ہے جو کبھی ہلکا نہ پڑے سرخ زرد اور سفید یہ حدیث مرسل اور موقوف بھی مروی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ
اور آدمیوں میں اور کیڑوں میں اور چوپاؤں میں
مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ
کتنے رنگ ہیں اسی طرح ☆

یہ سب بیان ہے قدرت کی نیرنگیوں کا، پس جس طرح نباتات، جمادات اور حیوانات میں رنگ برنگ کی مخلوق ہے، انسانوں میں بھی ہر ایک کی طرح جدا ہے۔ مؤمن اور کافر ایک دوسرا سا ہو جائے اور سب انسان ایک ہی رنگ اختیار کرلیں یہ کب ہوسکتا ہے۔ اس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دے دی کہ لوگوں کے اختلاف سے غمگین نہ ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا
اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اُس کے بندوں میں جن کو سمجھ ہے،
اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾
تحقیق اللہ زبردست ہے بخشنے والا ☆

اہل علم کی شان:

یعنی بندوں میں نڈر بھی ہیں اور اللہ سے ڈرنے والے بھی، مگر ڈرتے وہ ہیں جو اللہ کی عظمت وجلال، آخرت کے بقاء ودوام اور دنیا کی بے ثباتی کو سمجھتے ہیں اور اپنے پروردگار کے احکام و ہدایات کا علم حاصل کر کے مستقبل کی فکر رکھتے ہیں۔ جس میں یہ سمجھ اور علم جس درجہ کا ہوگا اسی درجہ میں وہ خدا سے ڈریگا۔ جس میں خوف خدا نہیں وہ فی الحقیقت عالم کہلانے کا مستحق نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی سب آدمی ڈرنے والے نہیں۔ اللہ سے ڈرنا سمجھ والوں کی صفت ہے اور اللہ کا معاملہ بھی دو طرح ہے وہ زبردست بھی ہے کہ ہر خطا پر پکڑے، اور غفور بھی کہ گنہگار کو بخشے"۔ پس دونوں حیثیت سے بندہ کو ڈرنا چاہیے۔ کیونکہ نفع وضرر دونوں اسی کے قبضہ میں ہوئے۔ تو جب چاہے نفع کو روک لے اور ضرر لاحق کردے۔ (تفسیر عثمانی)

شیخ اجل شہاب الدین سہروردی نے لکھا ہے اس آیت میں در پردہ بیان کیا گیا ہے کہ جس کے دل میں خشیہ نہیں وہ عالم نہیں میں کہتا ہوں اللہ کی عظمت و جلالت اور صفاتِ کمالیہ کو جاننا مستلزم خشیہ ہے خشیہ علم کے لیے لازم ہے اور لازم کی نفی ملزوم کی نفی پر دلالت کرتی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مراد یہ ہے کہ مجھ سے وہی ڈرتا ہے جس کو میرے قہر غلبہ اور سطوت کا علم ہو جو شخص جتنا زیادہ اللہ اور اس کی صفات کو جانتا ہے وہ اتنا ہی اللہ سے ڈرتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ اللہ کا ڈر تھا:

شیخین نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کام کیے اور لوگوں کو اس کی اجازت دے دی لیکن بعض لوگوں نے ان کاموں سے پاک رہنا چاہا (یعنی جائز یا مناسب نہ سمجھا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو ایک خطبہ دیا جس میں اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا کیا وجہ ہے کہ کچھ لوگ اس کام سے پرہیز رکھتے ہیں جو میں کرتا ہوں، خدا کی قسم میں ان سے زیادہ اللہ کو جانتا ہوں اور ان سے بڑھ کر اللہ سے ڈرتا ہوں۔

عالم کی فضیلت:

دارمی نے بروایت مکحول مرسل حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ آدمی پر، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی، اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔

بخاری نے صحیح میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو روتے بہت، ہنستے کم۔

اس بیان سے ثابت ہوا کہ کامل خشیہ انبیاء کو ہوتا ہے اس کے بعد اولیاء کا درجہ ہے حقیقت شناس یہی ہوتے ہیں اس کے بعد درجہ بدرجہ علماء کا نمبر ہے۔ (تفسیر مظہری)

علماء کی تین قسمیں:

مروی ہے کہ علماء کی تین قسمیں ہیں عالم باللہ، عالم بامراللہ، اور عالم باللہ و بامراللہ، عالم باللہ عالم بامراللہ نہیں اور عالم بامراللہ عالم باللہ نہیں، ہاں عالم باللہ و بامراللہ وہ ہے جو اللہ تعالےٰ سے ڈرتا ہو اور حدود و فرائض کو جانتا ہو، عالم باللہ وہ ہے جو اللہ تعالےٰ سے ڈرتا ہو لیکن حدود و فرائض کو نہ جانتا ہو، عالم بامراللہ وہ ہے جو حدود و فرائض کو تو جانتا ہو لیکن دل اس کا خشیت خدا سے خالی ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

عالم کون ہے اور علم کیا ہے:

حسن بصریؒ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ عالم وہ شخص ہے جو خلوت و جلوت میں اللہ سے ڈرے، اور جس چیز کی اللہ تعالیٰ نے ترغیب دی ہے وہ اس کو مرغوب ہو اور جو چیز اللہ کے نزدیک مبغوض ہے اس کو اس سے نفرت ہو، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: لَيْسَ الْعِلْمُ بِكَثْرَةِ الْحَدِيْثِ

وَلٰكِنَّ الْعِلْمَ عَنْ كَثْرَةِ الْخَشْيَةِ، ''یعنی بہت سی احادیث یاد کر لینا یا بہت باتیں کرنا کوئی علم نہیں بلکہ علم وہ ہے جس کے ساتھ اللہ کا خوف ہو۔''

حاصل یہ ہے کہ جس قدر کسی میں خدائے تعالیٰ کا خوف ہے وہ اسی درجہ کا عالم ہے، اور احمد بن صالح مصری نے فرمایا کہ خشیۃ اللہ کو کثرتِ روایت اور کثرتِ معلومات سے نہیں پہچانا جا سکتا بلکہ اس کو کتاب وسنت کے اتباع سے پہچانا جاتا ہے۔ (ابن کثیر)

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے فرمایا کہ اس آیت میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ جس شخص میں خشیۃ نہ ہو وہ عالم نہیں (مظہری) اس کی تصدیق اکابر سلف کے اقوال سے بھی ہوتی ہے،

حضرت ربیع بن انسؓ نے فرمایا:

من لم یخش لیس بعالمٍ ''یعنی جو اللہ سے نہیں ڈرتا وہ عالم نہیں۔''

اور مجاہدؒ نے فرمایا:

اِنَّمَا الْعَالِمُ مَنْ خَشِيَ اللّٰهَ، ''یعنی عالم تو صرف وہی ہے جو اللہ سے ڈرے۔''

سعد بن ابراہیم سے کسی نے پوچھا کہ مدینہ میں سب سے زیادہ افقہ کون ہے؟ تو فرمایا: اَتْقَاهُمْ لِرَبِّهٖ۔ ''یعنی جو اپنے رب سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہو۔''

ایک شبہ کا ازالہ:

مذکورہ تصریحات سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ بہت سے علماء کو دیکھا جاتا ہے کہ ان میں خدا کا خوف وخشیت نہیں، کیونکہ تصریحات بالا سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نزدیک صرف عربی جاننے کا نام علم اور جاننے والے کا نام عالم نہیں، جس میں خشیت نہ ہو وہ قرآن کی اصطلاح میں عالم ہی نہیں، البتہ خشیت کبھی صرف اعتقادی اور عقلی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے آدمی بے تکلف احکامِ شرعیہ کا پابند ہوتا ہے، اور کبھی یہ خشیۃ حالی اور ملکہ راسخہ کے درجہ میں فانی ہے جس میں اتباع شریعت ایک تقاضائے طبیعت بن جاتا ہے، خشیت کا پہلا درجہ مامور بہ اور عالم کیلئے ضروری ہے، دوسرا درجہ افضل واعلیٰ ہے ضروری نہیں۔ (از بیان القرآن) (معارف مفتی اعظمؒ)

علم کا مقصود:

ع علمے کہ راہ حق ننماید جہالتست

علم را بر دل زنی یارے بود علم را برتن زنی مارے بود

جان جملہ علمہا ایں است ایں کہ بدانی من کیتم در یوم دیں

علم دین سے مقصود تزکیہ نفس اور اصلاح عمل ہے ورنہ ہیچ ہے، جیسے علم طب سے مقصود جسمانی صحت کی حفاظت ہے محض دواؤں کے نام اور ان کے خواص یاد کر لینا مقصود نہیں یہ ناممکن ہے کہ واقع میں کوئی شراب پیے اور اس کو نشہ نہ ہو، اس طرح یہ ناممکن ہے کہ کوئی حقیقۃً علم دین کا ایک جام پیے اور اس پر دین کا نشہ اور سکر نہ آئے، عالم دین خدا کے نزدیک وہ ہے کہ علم دین اس کے دل میں گھر کر گیا ہو محض باتیں بنانے اور لمبی تقریر کرنے سے اللہ کے نزدیک عالم نہیں ہو جاتا اگر واقع میں دل میں خشیت اور خوف خداوندی ہوتا تو معاصی پر جرأت نہ کرتا، حدیث میں ہے، اللهم انی اسألک من خشیتک ماتحول به بینی و بین معاصیک

معلوم ہوا کہ خشیت اس خوف کو کہتے ہیں جس سے بندہ اور معصیت کے درمیان حیلولت واقع ہو جائے۔ (معارف کاندھلوی)

طلبِ علم کی فضیلت:

جیسے کہ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص مدینے سے دمشق میں حضرت ابودرداءؓ کے پاس جاتا ہے اور آپ سے ملاقات کرتا ہے تو آپ دریافت فرماتے ہیں کہ پیارے بھائی یہاں کیسے آنا ہوا؟ وہ کہتے ہیں، اس حدیث کو سننے کے لئے آیا ہوں، جو آپ بیان کیا کرتے ہیں پوچھا، کیا کسی تجارت کی غرض سے نہیں آئے؟ جواب دیا نہیں پوچھا، پھر کوئی اور مطلب بھی ہوگا؟ فرمایا کوئی مقصد نہیں، پوچھا پھر کیا حدیث کی طلب کیلئے یہ سفر کیا ہے؟ جواب دیا کہ ہاں، فرمایا سنو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستے کو طے کرے اللہ تعالیٰ اسے جنت کے باغوں میں چلائے گا، خدا کی رحمت کے فرشتے طالب علموں کیلئے پر بچھا دیتے ہیں کیونکہ وہ ان سے بہت ہی خوش ہیں اور ان کی خوشی کے خواہاں ہیں عالم کیلئے آسمان وزمین کی ہر چیز استغفار کرتی ہے یہاں تک کہ پانی کے اندر کی مچھلیاں بھی، عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسی چاند کی فضیلت تاروں پر، علماء نبیوں کے وارث ہیں، انبیاء علیہم السلام نے اپنے ورثے میں درہم و دینار نہیں چھوڑے ان کا ورثہ علم دین ہے جس نے اسے لیا اُس نے بڑی دولت حاصل کر لی۔ (ابوداؤد، ترمذی وغیرہ تفسیر ابن کثیر)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا

جو لوگ پڑھتے ہیں کتاب اللہ اور سیدھی کرتے ہیں

الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً

نماز اور خرچ کرتے ہیں کچھ ہمارا دیا ہوا چھپے اور کھلے

يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ۙ

اُمیدوار ہیں ایک بیوپار کے جس میں ٹوٹا نہ ہو ☆

ایسی تجارت جس میں نفع ہی نفع ہے:

یعنی جو اللہ سے ڈر کر اُس کی باتوں کو مانتے اور اُس کی کتاب کو عقیدت کے

ساتھ پڑھتے ہیں نیز بدنی عبادات میں کوتاہی نہیں کرتے وہ حقیقت میں ایسے زبردست بیوپار کے اُمیدوار ہیں جس میں خسارے اور ٹوٹے کو کوئی احتمال نہیں، بلاشبہ جب خدا خود ان کے اعمال کا خریدار ہو تو اس امید میں یقیناً حق بجانب ہیں، نقصان کا اندیشہ کسی طرف سے نہیں ہوسکتا، ازسرتاپا نفع ہی نفع ہے۔ (تفسیر عثانی)

قُربِ خداوندی کا ذریعہ:

امام احمد بن حنبل نے حق جل شانہٗ کو خواب میں دیکھا، عرض کیا کہ آپ تک پہنچنے کا سب سے زیادہ قریبی راستہ کون سا ہے فرمایا، تلاوت قرآن یعنی قرآن کا اور میرے کلام کا پڑھنا، عرض کیا، بفهم او بلا فهم، سمجھ کر یا بلا سمجھ کر، ارشاد ہوا بفہم او بلا فہم۔ یعنی سمجھ کر ہو یا بلا سمجھ کر ہو، دونوں طرح موجب قرب ہے۔ (معارف کاندھلوی)

لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُمْ مِنْ
تاکہ پورا دے ان کو ثواب اُن کا اور زیادہ دے
فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ
اپنے فضل سے تحقیق وہ ہے بخشنے والا قدردان ☆

اللہ تعالیٰ قدردان ہے:

یعنی بہت سے گناہ معاف فرماتا ہے اور تھوڑی سی طاعت کی قدر کرتا ہے اور ضابطہ سے جو ثواب ملنا چاہئے بطور بخشش اُس سے زیادہ دیتا ہے۔ (تفسیر عثانی)

عبدالغنی نے تخریج کی ہے کہ اس آیت کا نزول حصین بن حارث بن عبد المطلب بن عبد مناف کے متعلق ہوا تھا۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ
اور جو ہم نے تجھ پر اُتاری کتاب وہی ٹھیک ہے
مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
تصدیق کرنیوالی اپنے سے اگلی کتابوں کی
إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ
بے شک اللہ اپنے بندوں سے خبردار ہے دیکھنے والا ☆

یعنی بندوں کے احوال کو خوب جانتا ہے ٹھیک موقع پر کتاب اُتاری۔ (تفسیر عثانی)

یعنی اشیاء کی ظاہری حالت سے بھی واقف ہے اور اندرونی حقیقت سے بھی، اسی کو حق ہے کہ یہ کتاب آپ کے پاس بذریعہ وحی بھیجے اور اس کو معجزہ بنادے۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا
پھر ہم نے وارث کیے کتاب کے وہ لوگ جن کو چن لیا ہم نے اپنے
مِنْ عِبَادِنَا ۖ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ
بندوں سے، پھر کوئی اُن میں برا کرتا ہے اپنی جان کا اور کوئی اُن میں ہے
مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ
بیچ کی چال پر اور کوئی اُن میں آگے بڑھ گیا ہے لیکر خوبیاں اللہ کے حکم سے
ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ
یہی ہے بڑی بزرگی ☆

منتخب بندے: یعنی پیغمبر کے بعد اس کتاب کا وارث اس اُمت کو بنایا جو بحیثیت مجموعی تمام اُمتوں سے بہتر و برتر ہے۔ ہاں اُمت کے سب افراد یکساں نہیں۔ ان میں وہ بھی ہیں جو باوجود ایمان صحیح کے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں (''یہ ظالم لنفسہ'' ہوئے) اور وہ بھی ہیں جو میانہ روی سے رہتے ہیں۔ نہ گناہوں میں منہمک، نہ بڑے بزرگ اور ولی۔ (ان کو ''مقتصد'' فرمایا) اور ایک وہ کامل بندے جو اللہ کے فضل و توفیق سے آگے بڑھ بڑھ کر نیکیاں سمیٹتے اور تحصیل کمال میں مقتصدین سے آگے نکل جاتے ہیں۔ وہ مستحب چیزوں کو بھی نہیں چھوڑتے۔ اور گناہ کے خوف سے مکروہ تنزیہی بلکہ بعض مباحات تک سے پرہیز کرتے ہیں۔ اعلیٰ درجہ کی بزرگی اور فضیلت تو ان کو ہے۔ ویسے چنے ہوئے بندوں میں ایک حیثیت سے سب کو شمار کیا۔ کیونکہ درجہ بدرجہ بہشتی سب ہیں۔ گنہگار بھی اگر مؤمن ہے تو بہرحال کسی نہ کسی وقت ضرور جنت میں جائیگا۔ حدیث میں فرمایا کہ ہمارا گنہگار معاف ہے یعنی آخر کار معافی ملے گی۔ اور میانہ سلامت ہے اور آگے بڑھے ہو سب سے آگے بڑھے اللہ کریم ہے اس کے یہاں بخل نہیں۔ (تفسیر عثانی)

عبادات سے مراد ہیں صحابہ کرام اور ان کے بعد قیامت تک آنیوالے علماء امت، حضرت ابن عباس کے نزدیک پوری امت اسلامیہ مراد ہے، اللہ نے اس امت کو امت وسط بنایا اور تمام امتوں پر برتری عطا فرمائی ہے یہی سب لوگوں پر شہادت دینے والی ہے اور سید الانبیاء کو مبعوث فرما کر اس امت کو یہ شرف عنایت کیا۔

طُوبىٰ لَنَا مَعْشَرَ الْاِسْلَامِ اِنَّ لَنَا مِنَ الْعِنَايَةِ رُكْنًا غَيْرَ مُنْهَدِمٍ

اے گروہ اہل اسلام ہمارے لئے خوشی ہو کہ ہمارا ایک مضبوط سہارا ہے خدا کی عنایت سے جو منہدم ہونے والا نہیں ہے۔

لَمَّا دَعَى اللّٰهُ دَاعِيَنَا لِطَاعَتِهٖ بِاَكْرَمِ الرُّسُلِ كُنَّا اَكْرَمَ الْاُمَمِ

جب اشرف المرسلین کے ذریعہ اللہ نے ہم کو اپنی طاعت کے لیے دعوت

دی تو ہم اشرف الامم ہو گئے۔

بعض علماء کا قول ہے کہ مقتصد وہ لوگ ہیں جو اکثر قرآن کے موافق عمل کرتے ہیں اور سابق بالخیرات وہ ہیں جو عمل بھی کرتے ہیں اور دوسروں کو تعلیم بھی دیتے اور ہدایت بھی کرتے ہیں۔

بغوی نے اپنی سند سے ابوعثمان نہدی کی روایت سے بیان کیا کہ میں نے خود حضرت عمرؓ سے سنا آپ نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ہم میں کے جو سابق ہیں وہ تو آگے بڑھنے والے ہیں اور جو مقتصد ہیں وہ نجات پانے والے ہیں اور جو ہم میں ظالم ہیں ان کی مغفرت کر دی جائے گی۔

امام احمد، ترمذی اور بیہقی نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے کہ اس آیت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سب لوگ بمنزلہ ایک جماعت کے ہوں گے اور سب جنت میں جائیں گے فریابی نے حضرت براء بن عازب کا قول بیان کیا ہے حضرت براء نے آیت فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ الخ کی تشریح میں فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ ان سب کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

ابن ابی عاصم اور اصبہانی نے حضرت ابوموسیٰ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ بندوں کو اٹھائے گا پھر علماء کو الگ کر کے فرمائے گا اے گروہ علماء میں نے تمہارے اندر علم اس لئے رکھا تھا کہ میں تم کو جانتا تھا (تم کو جانے بغیر میں نے تم کو عالم نہیں بنایا تھا) اور نہ اپنا علم تمہارے اندر اس لیے رکھا کہ (علم دینے کے بعد) پھر تم کو عذاب دوں، جاؤ میں نے تم کو بخش دیا۔

طبرانی نے ثقہ راویوں کے سلسلہ سے حضرت ثعلبہ بن حکم کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ جب اپنی کرسی پر اپنے بندوں کے فیصلہ کیلئے بیٹھے گا تو علماء سے فرمائے گا میں نے تم کو اپنا علم اور حکم صرف اس لیے دیا تھا کہ تمہاری مغفرت کرنی چاہتا تھا جو عمل بھی تم سے صادر ہوا (سب کو میں نے بخش دیا) اور مجھے پرواہ نہیں۔

عقبہ بن صہبان کا بیان ہے میں نے حضرت عائشہؓ سے آیت اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا کے متعلق دریافت کیا ام المومنین نے فرمایا میرے بیٹے یہ سب جنت میں جائیں گے سابق بالخیرات تو وہ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں گذر گئے حضور نے ان کیلئے جنت کی شہادت دے دی تھی اور مقتصد وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ کے نشان قدم پر چل کر آپ سے جا ملے اور ظالم لنفسہ مجھ جیسے اور تم جیسے لوگ ہیں ام المومنین نے اپنے آپ کو بھی ہمارے ساتھ شامل کر دیا۔

میں کہتا ہوں تینوں قسمیں اگر اکابر امت اسلامیہ کی قرار دی جائیں تب بھی ممکن ہے یعنی تینوں اقسام اولیاء امت ہی کے مانے جائیں پہلی قسم ظالم لنفسہ کی ہے یہ وہ گروہ ہے جو اپنے نفوس کو لذتوں سے تو محروم کر ہی دیتا ہے جائز حقوق سے بھی محروم کر دیتا ہے یہ اہل رہبانیت ہیں جو سخت ریاضتیں اور مجاہدے کرتے ہیں اور یہ رہبانیت انہوں نے خود ایجاد کر رکھی ہے دوسرا گروہ اہل اقتصاد کا ہے جو لذتوں (میں ڈوبنے) سے تو اپنے نفوس کو روکتا ہے لیکن حقوق نفوس ضرور دیتا ہے روزہ بھی رکھتا ہے ناغہ بھی کرتا ہے نماز بھی پڑھتا ہے سوتا بھی ہے نکاح بھی کرتا ہے اور جائز چیزیں کھاتا پیتا بھی ہے غرض پورے طور پر اتباع سنت کرتا ہے یہ وہی گروہ ہے جس کے متعلق حضرت عائشہ نے فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نشان قدم پر چلتا ہے یہاں تک کہ آپ سے جاملتا ہے تیسرا گروہ سابق بالخیرات کا ہے جو کمالات نبوت میں ڈوبا ہوتا ہے یہ گروہ صحابہ کا اور صدیقوں کا ہے حضرت عائشہ نے ظالم لنفسہ گروہ میں اپنے آپ کو محض انکسار کے طور پر شامل کیا اور مخاطب جیسے لوگوں کو اس گروہ میں اس لیے شامل کیا کہ وہ لوگ سخت ریاضتیں کرنے والے تھے۔

خلاصہ یہ کہ احادیث مبارکہ سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ تینوں قسمیں (جن کا ذکر آیت میں کیا گیا ہے) اسی امت کی ہیں یہ علماء کی ہیں اس تفصیل کے بعد بھی جو شخص کہتا ہے کہ **منهم ظالم لنفسه** سے مراد کافر یا منافق ہیں اس کا قول واجب الرد اور ناقابل قبول ہے۔

امام ابو یوسف سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا یہ سب مؤمن ہیں رہے کفار تو انکی حالت اگلی آیت وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ میں بیان فرمائی ہے تینوں طبقات مؤمنوں کے ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں کی نسبت فرمایا کہ یہ سب اسی امت سے ہیں چوتھی حدیث میں ہے میری امت کے تین حصے ہیں، ایک بے حساب و بے عذاب جنت میں جانے والا دوسرا آسانی سے حساب لیا جانے والا اور پھر بہشت نشین ہونے والا تیسری وہ جماعت ہوگی جن سے باز پرس تو ضرور ہوگی، لیکن پھر فرشتے حاضر ہو کر کہیں گے ہم نے انہیں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ کہتے ہوئے پایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا سچ ہے میرے سوا کوئی معبود نہیں، اچھا انہیں میں نے ان کے اس قول کی وجہ سے چھوڑا، جاؤ انہیں جنت میں لے جاؤ اور ان کی خطائیں جہنمیوں پر لاد دو، اسی کا ذکر آیت وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ میں ہے یعنی وہ ان کے بوجھ اپنے بوجھ کے ساتھ اٹھائیں گے اس کی تصدیق اس میں ہے جس میں فرشتوں کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے جنہیں وارثین کتاب بنایا ہے ان کا ذکر کرتے ہوئے ان کی تین قسمیں بتائی ہیں پس ان میں سے جو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں ان کی باز پرس کی جائے گی۔ (ابن ابی حاتم) (تفسیر ابن کثیر)

نکتہ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی تین قسموں کو بیان کیا اور سب سے پہلے ظالم کو ذکر کیا اسکی یا تو یہ وجہ ہے کہ دنیا میں ظالموں کی

کثرت ہے یا یہ اشارہ ہے کہ ظالم ظلم اور معصیت کی وجہ سے اہل اصطفاء سے خارج نہیں ہوا بلکہ ایمان کی وجہ سے وہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہے جس درجہ کا ایمان ہے اسی درجہ کا وارث ہے جب تک ایمان ہے جنت کی وراثت سے محروم نہیں۔ (معارف کاندھلوی)

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنص صریح امت مرحومہ کو تین گروہوں میں تقسیم فرمایا ہے جن میں اعلیٰ گروہ سابقین اولین کا تھا اور وہ صدیقین اور شہداء اور صالحین کے ساتھ مخصوص تھا اور اس گروہ کو مقربین بھی کہا گیا ہے اور دوسرا گروہ اوسط اور میانہ رو ہے وہ اصحاب الیمین اور ابرار کے نام سے پکارا گیا ہے اور سب سے کم تیسرا گروہ ہے جو اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے اور یہ وہ گروہ ہے جو ایمان اور اعتقاد صحیح رکھتا ہے مگر اعمال میں اس سے کوتاہی واقع ہوتی ہے اور بالآخر بذریعہ توبہ و استغفار اور بذریعہ ندامت اس کا تدارک کرتا ہے اور خلیفہ راشد کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ سابقین اور مقربین میں سے ہو۔ (ازالۃ الخفاء)

حدیث ابی الدرداءؓ:

ابن جریر نے ابوثابت سے نقل کی ہے کہ وہ ایک روز مسجد میں گئے تو وہاں ابوالدرداء پہلے سے بیٹھے تھے، ابوثابت ان کی برابر جا کر بیٹھ گئے اور یہ دُعاء کرنے لگے، اَللّٰهُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتِیْ وَارْحَمْ غُرْبَتِیْ وَیَسِّرْلِیْ جَلِیْسًا صَالِحًا ''یعنی یا اللہ میری قلبی وحشت و پریشانی کو دور فرما، اور میری حالت مسافرت پر رحم فرما، اور مجھے کوئی جلیس (ہمنشین) صالح نصیب فرمادے۔'' (یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ سلف صالحین میں جلیس صالح کی طلب و تلاش کا کیا درجہ تھا کہ اس کو اہم مقصد اور سب پریشانیوں کا علاج سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے اس کی دعائیں مانگتے تھے) ابوالدرداء نے یہ دعاء سنی تو فرمایا کہ اگر آپ اپنی اس دعاء و طلب میں سچے ہیں تو میں اس معاملہ میں آپ سے زیادہ خوش نصیب ہوں، (مطلب یہ ہے کہ مجھے اللہ نے آپ جیسا جلیس صالح بے مانگے دیدیا) اور فرمایا کہ میں آپ کو ایک حدیث سناتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے، مگر جب سے میں نے اس کو سنا ہے اب تک کسی سے بیان کرنے کی نوبت نہیں آئی وہ یہ ہے کہ آپ نے اس آیت کا ذکر فرمایا ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا الایۃ پھر فرمایا کہ ان تین قسموں میں سے جو سابق بالخیرات ہیں وہ تو بے حساب جنت میں جائیں گے اور جو مقتصد یعنی درمیانے ہیں ان سے ہلکا حساب لیا جائے گا اور ظالم یعنی اعمال میں کوتاہی کرنے والے اور گناہوں کی لغزش میں مبتلا ہونے والے ہیں اُن کو اس مقام میں سخت رنج و غم طاری ہوگا، پھر ان کو بھی جنت میں داخلہ کا حکم ہو جائے گا اور سب رنج و غم دور ہو جائیں گے اسی کا ذکر اگلی آیت میں آیا ہے: وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ''یعنی وہ کہیں گے شکر ہے اللہ کا جس نے ہمارا غم دور کردیا۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا یُحَلَّوْنَ

باغ ہیں بسنے کے جن میں وہ جائینگے وہاں اُن کو

فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ

گہنا پہنایا جائے گا کنگن سونے کے

وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ۝

اور موتی کے اور اُن کی پوشاک وہاں ریشمی ہے ☆

اہل جنت کے زیور:

سونا اور ریشم مسلمان مردوں کیلئے وہاں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی (مرد) ریشمین (کپڑا) پہنے دنیا میں نہ پہنے آخرت میں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابوسعد خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا تلاوت کی پھر فرمایا ان کو تاج پہنائے جائیں گے جن کا ایک ادنیٰ موتی مشرق سے مغرب تک (پوری دنیا کو) روشن کر دینے کے لیے کافی ہو گا رواہ الترمذی والحاکم والبیہقی۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

قرطبی نے لکھا ہے اہل تفسیر نے کہا ہے کہ کوئی جنتی ایسا نہ ہوگا جس کے ہاتھ میں تین کنگن نہ ہوں ایک سونے کا، ایک چاندی کا اور ایک موتی کا۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن کے (ہاتھ میں) زیور وہاں تک پہنچے گا جہاں تک وضوء کا پانی پہنچا ہوگا۔ متفق علیہ۔

حضرت حذیفہؓ کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے ریشم اور دریائی نہ پہنو سونے اور چاندی کے برتنوں میں نہ پیو نہ ان کی رکابیوں میں کھاؤ، یہ ان (کافروں) کیلئے دنیا میں ہیں اور تمہارے لیے آخرت میں۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین۔

ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا نے حضرت کعب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اگر جنت کا کوئی کپڑا آج دنیا میں پہن لیا جائے تو جس کی نظر اس پر پڑے گی وہ بیہوش ہو جائے گا کسی کی نظر اس کو برداشت نہ کر سکے گی۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ

اور کہیں گے شکر اللہ کا جس نے دُور کیا ہم سے

عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۝

غم بیشک ہمارا رب بخشنے والا قدردان ہے ☆

یعنی دنیا کا اور محشر کا غم دور کیا گناہ بخشے اور از راہ قدردانی طاعت قبول فرمائی۔

مہاجرین کی فضیلت:

حضرت صہیب راوی ہیں میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمار ہے تھے مہاجرین آگے بڑھ جانے والے شفاعت کرنیوالے اور اپنے رب پر ناز کرنے والے ہوں گے قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے قیامت کے دن وہ اپنے اسلحہ کندھوں پر رکھے ہوئے آئیں گے اور جنت کا دروازہ کھٹ کھٹائیں گے جنت کے دربان ان سے کہیں گے تم کون ہو وہ جواب دیں گے ہم مہاجر ہیں دربان کہیں گے کیا تمہارا حساب ہو چکا یہ سنتے ہی مہاجر دوزانو بیٹھ کر آسمان کی طرف (دعاء کیلئے) ہاتھ اٹھا کر کہیں گے اے ہمارے رب کیا اس کا ہم سے حساب ہوگا ہم تو گھر بار مال اور اولاد چھوڑ کر (تیری مرضی حاصل کرنے) نکلے تھے اللہ ان کے بازو سونے کے لگا دے گا جن میں زبرجد اور یاقوت جڑے ہوں گے پھر وہ ان بازوؤں سے اڑ کر جنت میں داخل ہو جائیں گے یہی مطلب ہے اللہ کے اس قول کا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۙ الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ جنت کے اندر اپنے گھروں کو زیادہ جانتے ہوں گے بنسبت دنیوی گھروں کی شناخت کے۔

کلمہ طیبہ کی فضیلت:

حضرت ابن عمر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا الہ الا اللہ کہنے والوں کو نہ مرنے کے وقت وحشت ہوگی نہ قبروں کے اندر نہ قبروں سے اٹھنے کے وقت گویا وہ منظر میرے سامنے ہے کہ صور پھونکے جانے پر لوگ سروں سے مٹی جھاڑ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۔ رواہ الطبرانی

حضرت ابن عباس نے فرمایا (حزن سے مراد ہے) دوزخ کا غم۔ (تفسیر مظہری)

دنیا غموں کا گھر ہے:

دریں دنیا کسے بے غم نباشد   وگر باشد بنی آدم نباشد

اس دنیا میں غموں اور فکروں سے کسی نیک یا بد کو نجات نہیں، اسی لئے اہل دانش دنیا کو دار الاحزان کہتے ہیں اس آیت میں جس غم کے دور کرنے کا ذکر ہے اس میں یہ دنیا کے غم بھی سب کے سب داخل ہیں، دوسرا غم و فکر قیامت اور حشر و نشر کا، تیسرا حساب و کتاب کا، چوتھا جہنم کے عذاب کا، اہل جنت سے اللہ تعالیٰ یہ سب غم دور فرما دیں گے۔ (معارف مفتی اعظم)

الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ
جس نے اُتارا ہم کو آباد رہنے کے گھر میں اپنے فضل سے
لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾
نہ پہنچے ہم کو اس میں مشقت اور نہ پہنچے ہم کو اس میں تھکنا ☆

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں رہنے کا گھر اس سے کوئی پہلے نہ تھا ہر جگہ چل چلاؤ اور روزی کا غم، دشمنوں کا ڈر، اور رنج و مشقت، وہاں پہنچ کر سب کافور ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

جنت راحت کا گھر ہے:

بیہقی نے البعث میں اور ابن ابی حاتم نے بوساطت نفیع بن حارث حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کی روایت سے بیان کیا کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (میٹھی) نیند سے اللہ ہماری آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے تو کیا جنت میں بھی نیند آئے گی فرمایا نہیں نیند تو موت کی شریک ہے (یعنی موت کا ایک حصہ ہے) اور جنت کے اندر موت نہیں ہوگی سائل نے عرض کیا پھر وہاں راحت کیسے ملے گی یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے ادبی کی معلوم ہوئی اور فرمایا وہاں کسی طرح کی تھکان ہی نہیں ہوگی، اہل جنت کا ہر کام تو سکھ ہی سکھ ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا یُقْضٰى
اور جو لوگ منکر ہیں ان کے لئے ہے آگ دوزخ کی نہ ان پر حکم پہنچے
عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا وَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ
کہ مر جائیں اور نہ ان پر ہلکی ہو وہاں
عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِیْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿۳۶﴾
کی کچھ کلفت یہ سزا دیتے ہیں ہم ہر نا شکر کو ☆

کفار کو دائمی عذاب ہوگا:

نہ کفار کو جہنم میں موت آئے گی کہ اسی سے تکالیف کا خاتمہ ہو جائے اور نہ عذاب کی تکلیف کسی وقت ہلکی ہوگی ایسے ناشکروں کی ہمارے یہاں یہی سزا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

موت کی موت:

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جنتی جنت کو چلے جائیں گے اور دوزخی دوزخ کو تو پھر موت کو لا کر جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا اور منادی ندا دے گا اے اہل جنت (آئندہ) موت نہیں اے دوزخ والو (آئندہ) موت نہیں یہ سن کر جنتیوں کو مسرت بالائے مسرت ہوگی اور دوزخیوں کو غم بالائے غم۔

وَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ یعنی پل بھر کیلئے بھی عذاب جہنم میں کمی نہیں کی جائے گی بلکہ جب دوزخیوں کی کھالیں پک جائیں گی تو دوسری کھالیں پہنا دی جائیں گی اور جب آگ بجھنے لگے گی تو اور بھڑکا دی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

نہ چین نہ موت:

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو ابدی جہنمی ہیں انہیں وہاں موت نہیں آئے گی اور نہ اچھائی کی زندگی ملے گی وہ تو کہیں گے اے دارونہ جہنم تم ہی اللہ تعالی سے دعا کرو کہ اللہ ہمیں موت دے دے لیکن جواب ملے گا کہ تم تو یہیں پڑے رہو گے پس وہ تو موت کو اپنے لئے راحت سمجھیں گے لیکن وہ آئے گی نہیں، نہ مریں نہ عذابوں میں کمی دیکھیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا
اور وہ چلائیں اُس میں اے رب ہم کو نکال
نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۗ
کہ ہم کچھ بھلا کام کر لیں وہ نہیں جو کرتے رہے ☆

ناکام حسرت: یعنی اُس وقت تو اُسی کو بھلا سمجھتے تھے پر اب وہ کام نہ کریں گے ذرا دوزخ سے نکال دیجئے تو ہم خوب نیکیاں سمیٹ کر لائیں اور فرمانبردار بن کر حاضر ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ
کیا ہم نے عمر نہ دی تھی تم کو اتنی کہ جس میں سوچ لے جس کو سوچنا ہو اور پہنچا تمہارے پاس
النَّذِيْرُ ۖ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۳۷﴾
ڈرانے والا اب چکھو کہ کوئی نہیں گنہگاروں کا مددگار ☆

کوئی عذر کام نہ دے گا:

یہ جواب دوزخیوں کو دیا جائے گا یعنی ہم نے تم کو عقل دی تھی جس سے سمجھتے اور کافی عمر دی جس میں سوچنا چاہتے تو سب نیک و بد سوچ کر سیدھا راستہ اختیار کر سکتے تھے حتی کہ تم میں کے بہت سے تو ساٹھ ستر برس دنیا میں زندہ رہ کر مرے پھر اوپر سے ایسے اشخاص اور حالات بھیجے جو برے انجام سے ڈراتے اور خواب غفلت سے بیدار کرتے رہیں کیا اس کے بعد بھی کوئی عذر باقی رہا اب پڑے عذاب کا مزہ چکھتے رہو اور کسی طرف سے مدد کی توقع نہ رکھو۔ (تفسیر عثمانی)

ساٹھ سال کی عمر اور سفید بال سامانِ عبرت و نصیحت ہیں:

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ کسی شخص کی عمر ساٹھ سال تک پہنچا دے تو پھر اس کی طرف سے کسی عذر کو قبول نہیں کرتا۔ (رواہ البخاری)

ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے اور ابو یعلی نے مسند میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (عام طور پر) میری امت کی عمریں ساٹھ سے ستر برس تک ہوں گی اور ستر سے آگے بڑھنے والے بہت کم ہوں گے یہ مطلب نہیں کہ ساٹھ سال سے پہلے گناہ کرنے کا عذر قابل قبول ہوگا کیونکہ بالغ ہونے کے بعد ہی آدمی مکلف ہو جاتا ہے اور غور و تامل کر کے نصیحت پکڑنے کا اس کو موقع ہوتا ہے۔

اور حضرت ابن عباسؓ، عکرمہ، اور امام جعفر باقر سے منقول ہے کہ نذیر سے مراد بڑھاپے کے سفید بال ہیں، کہ جب وہ ظاہر ہو جائیں تو وہ انسان کو اس کی ہدایت کرتے ہیں کہ اب رخصت کا وقت قریب آ گیا ہے، یہ قول بھی پہلے قول سے متعارض نہیں کہ سفید بال بھی اللہ تعالی کی طرف سے نذیر ہوں اور انبیاء وعلماء بھی۔ (معارف مفتی اعظم)

گناہ چھوڑنے کی ترکیب:

معاصی دو قسم کے ہیں ایک وہ ہیں کہ جن کے چھوڑنے میں تکلیف ہے دوم وہ کہ جن کے چھوڑنے میں کوئی تکلیف نہیں جیسے داڑھی منڈانا، جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، شیخی مارنا، ٹخنوں سے نیچا پاجامہ پہننا، اس قسم کے گناہوں کو یکلخت ترک کر دینا چاہئے اور پہلی قسم کے گناہوں کو بتدریج۔ کذا فی شام خورشید ص ۳۴ وعظ نمبر ۱۱۴۸ از مواعظ تبلیغ۔ (معارف کاندھلوی)

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ
اللہ بھید جاننے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا
اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۳۸﴾
اُس کو خوب معلوم ہے جو بات ہے دلوں میں ☆

اللہ تعالی غیب دان ہیں:

یعنی اسے بندوں کے سب کھلے چھپے احوال و افعال اور دلوں کے بھید معلوم ہیں کسی کی نیت اور استعداد اس سے پوشیدہ نہیں اُسی کے موافق معاملہ کرتا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ جو لوگ اب چلا رہے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دو، پھر ایسی خطا نہ کرینگے، وہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں، اگر ستر دفعہ لوٹائے جائیں تب بھی شرارت سے باز نہیں آ سکتے ان کے مزاجوں کی افتاد ہی ایسی ہے۔ ''وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ۔'' (انعام۔ رکوع ۳) (تفسیر عثمانی)

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ۚ
وہی ہے جس نے کیا تم کو قائم مقام زمین میں ☆

خلافت کا حق ادا کرو: یعنی اگلی امتوں کی جگہ تم کو زمین پر آباد کیا اور ان کے بعد ریاست دی چاہئے اب اس کا حق ادا کرو۔ (تفسیر عثمانی)

فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۭ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ
پھر جو کوئی ناشکری کرے تو اُس پر پڑے اس کی ناشکری اور منکروں کو نہ بڑھے گی

كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا

اُن کے انکار سے اُن کے رب کے سامنے مگر بیزاری اور

يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾

منکروں کو نہ بڑھے گا اُن کے انکار سے مگر نقصان ☆

تمہاری ناشکری سے اللہ کو کوئی نقصان نہیں ہوتا:

یعنی کفرو ناشکری اور اللہ کی آیات کے انکار سے اُس کا کچھ نقصان نہیں وہ ہمارے حمدوشکر سے مستغنی ہیں البتہ ناشکری کرنے والے پر اُس کے فعل کا وبال پڑتا ہے کفر کا انجام بجز اسکے کچھ نہیں کہ اللہ کی طرف سے برابر ناراضی اور بیزاری بڑھتی جائے اور کافر کے نقصان وخسران میں روز بروز اضافہ ہوتا رہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ

تو کہہ بھلا دیکھو تو اپنے شریکوں کو جن کو پکارتے ہو

دُوْنِ اللّٰهِ ۗ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ

اللہ کے سوائے دکھلاؤ تو مجھ کو کیا بنایا انہوں نے

الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ

زمین میں یا کچھ اُن کا ساجھا ہے آسمانوں میں ☆

عقل سے کام لو:

یعنی اپنے معبودوں کے احوال میں غور کر کے مجھے بتلاؤ کہ زمین کا کونسا حصہ انہوں نے بنایا، یا آسمانوں کو بنانے اور تھامنے میں ان کی کس قدر شرکت ہے، اگر کچھ نہیں تو آخر خدا کس طرح بن بیٹھے، کچھ تو عقل سے کام لو۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ

یا ہم نے دی ہے ان کو کوئی کتاب سو وہ سند رکھتے ہیں اُس کی ☆

کوئی دلیل لاؤ: یعنی عقلی نہیں تو کوئی معتبر نقلی دلیل پیش کرو، جس کی سند پر یہ مشرکانہ دعوی کرتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ

کوئی نہیں پر جو وعدہ بتاتے ہیں گنہگار ایک دوسرے کو

بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۴۰﴾

سب فریب ہے ☆

شیطان کے دھوکہ میں مبتلاء ہو

یعنی عقلی یا نقلی دلیل کوئی نہیں بات صرف اتنی ہے کہ ان میں سے بڑے چھوٹوں کو اور اگلے پچھلوں کو شیطان کے اغواء سے یہ وعدہ بتلاتے چلے آئے کہ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یہ بت وغیرہ اللہ کے ہاں ہمارے شفیع بنیں گے) اور اسکا قرب عطا کرینگے حالانکہ یہ خالص دھوکہ اور فریب ہے یہ تو کیا شفیع بنتے، بڑے سے بڑا مقرب بھی وہاں کفار کی سفارش میں زبان نہیں ہلاسکتا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

تحقیق اللہ تھام رہا ہے آسمانوں کو اور زمین کو

اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا

کہ ٹل جائیں اور اگر ٹل جائیں تو کوئی نہ تھام سکے اُن کو

مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ

اُس کے سوائے ☆

کائنات کا بانی جب چاہے اسے توڑ بھی سکتا ہے:

یعنی اُسی کی قدرت کا ہاتھ ہے جو اتنے بڑے بڑے کرات عظام کو اپنے مرکز سے ہٹنے اور اپنے مقام و نظام سے ادھر اُدھر سرکنے نہیں دیتا اور اگر بالفرض یہ چیزیں اپنی جگہ سے ٹل جائیں تو پھر بجز خدا کے کس کی طاقت ہے کہ ان کو قابو میں رکھ سکے چنانچہ قیامت میں جب یہ سارا انظام اللہ تعالی درہم برہم کرے گا کوئی قوت اسے روک نہ سکے گی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ ، آسمانوں کو روکنے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی حرکت بند کردی بلکہ مراد اپنی جگہ سے ہٹ جانا اور ٹل جانا ہے، جیسا کہ لفظ ان تزولا اس پر شاہد ہے اس لئے اس آیت میں آسمان کے متحرک یا ساکن ہونے میں سے کسی جانب پر کوئی دلیل نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

روایت: میں ہے کہ منجانب اللہ موسیٰ علیہ السلام کو دوشیشے دیئے گئے کہ ان کو ہاتھ میں تھامے رکھیں اور جبرائیل کو حکم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو سونے نہ دو تین راتیں تو اس طرح گذاردیں بالآخر نیند کا غلبہ ہوا اور شیشے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گئے اللہ تعالی نے فرمایا اے موسیٰ بالفرض اگر مجھ پر نیند اور اونگھ آتی تو شیشہ کی طرح یہ آسمان وزمین ٹوٹ پھوٹ جاتے۔ تفسیر عزیزی ص ۲۴۳ (معارف کاندھلوی)

حرکتِ آسمان و زمین: جمہور علماء اسلام کا یہ مذہب ہے کہ نہ آسمان حرکت کرتا ہے اور نہ زمین، روح المعانی ص ۱۸۸ قدیم فلاسفہ آسمان کو متحرک اور زمین کو ساکن کہتے ہیں اور جدید فلاسفہ آسمان کے وجود کے قائل نہیں اور زمین کو آفتاب کے گرد متحرک مانتے ہیں جس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

حکماء اسلام یہ کہتے ہیں کہ عالم کو اپنے وجود اور بقاء میں باری تعالی کے ساتھ وہی نسبت ہے جو زمین کو اپنے روشن ہونے اور روشن رہنے میں آفتاب کی شعاعوں سے نسبت ہے زمین اپنی روشنی کے باوجود اور حدوث میں بھی

آفتاب کی تجلی اور اس کے طلوع کی محتاج اور اپنی روشنی کی بقاء میں بھی آفتاب کی محتاج ہے۔ آفتاب اپنی حرکت طلوعی میں زمین کو روشنی عطا کرتا ہے اور حرکت غروبی میں اپنے عطیہ کو زمین سے واپس لے لیتا ہے معلوم ہوا کہ جس طرح زمین ابتداءً اپنے روشن ہونے میں آفتاب کی محتاج ہے اسی طرح زمین اپنی روشنی کی بقاء میں بھی آفتاب کی محتاج ہے۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿٤١﴾
وہ ہے تحمل والا بخشنے والا ☆

اللہ تعالیٰ کی بُردباری اور بخشش:

یعنی لوگوں کے کفر وعصیان کا اقتضاء تو یہ ہے کہ یہ سارا نظام ایک دم میں تہ وبالا کر دیا جائے لیکن اُس کے تحمل و بردباری سے تھما ہوا ہے۔ اس کی بخشش نہ ہو تو سب دنیا ویران ہو جائے۔ (تفسیر عثمانی)

حلم ہی کی وجہ سے اس نے کفار کو ڈھیل دے رکھی ہے اور فوری عذاب میں گرفتار نہیں کیا اور مغفرت ہی کے سبب مسلمانوں کے قصوروں کو وہ معاف کرتا رہتا ہے اگر اس کی طرف سے کافروں کو مہلت نہ ملتی اور مسلمانوں کو مغفرت حاصل نہ ہوتی تو وہ آسمانوں کو اور زمین کو تھامے نہ رہتا نتیجہ میں آسمان ان پر اوپر سے ٹوٹ پڑتے اور زمین ان کو لے کر دھنس جاتی۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ
اور قسمیں کھاتے تھے اللہ کی تاکید کی قسمیں اپنی کہ اگر
جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ
آئیگا اُن کے پاس کوئی ڈر سنانے والا البتہ بہتر راہ چلیں گے
اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ
ہر ایک امت سے پھر جب آیا ان کے پاس ڈر سنانیوالا اور زیادہ ہو گیا
اِلَّا نُفُوْرًا ﴿٤٢﴾ اِۨسْتِكْبَارًا فِى الْاَرْضِ وَمَكْرَ
اُن کا بدکنا غرور کرنا ملک میں اور داؤ کرنا
السَّيِّئِ ۚ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ۚ
بُرے کام کا اور بُرائی کا داؤ اُلٹے گا انہی داؤں والوں پر ☆

مشرکین کی فریب کاریاں: عرب کے لوگ جب سنتے کہ یہود وغیرہ دوسری قوموں نے اپنے نبیوں کی یوں نافرمانی کی تو کہتے کہ کبھی ہم میں ایک نبی آئے تو ہم ان قوموں سے بہتر نبی کی اطاعت و رفاقت کر کے دکھلائیں۔ جب اللہ نے نبی بھیجا جو سب نبیوں سے عظمت شان میں بڑھ کر ہے تو حق سے اور زیادہ بدکنے لگے۔ ان کا غرور وتکبر کہاں اجازت دیتا کہ نبی کے سامنے گردن جھکائیں۔ رفاقت و اطاعت اختیار کرنے کے بجائے عداوت پر کمربستہ ہو گئے اور طرح طرح کی مکروہ تدبیریں اور داؤ گھات شروع کر دیئے مگر یاد رہے کہ برا داؤ خود داؤ کرنے والوں پر اُلٹے گا۔ گو چند روز عارضی طور پر اپنے دل میں خوش ہولیں کہ ہم نے تدبیریں کر کے یوں نقصان پہنچا دیا، لیکن انجام کار دیکھ لیں گے کہ واقع میں نقصان عظیم کس کو اُٹھانا پڑا۔ فرض کرو دنیا میں ٹل بھی گیا آخرۃ میں تو یقیناً یہ مشاہدہ ہو کر رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ
پھر اب وہی راہ دیکھتے ہیں پہلوں کے دستور کی سو تو نہ پائیگا اللہ کا دستور
اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿٤٣﴾
بدلتا اور نہ پائیگا اللہ کا دستور ٹلتا ☆

تعزیز وسزا کا الٰہی قانون ٹلنے والا نہیں ہے:

یعنی یہ اسی کے منتظر ہیں کہ جو گزشتہ مجرموں کے ساتھ معاملہ ہوا ان کے ساتھ بھی ہو۔ سو باز نہ آئے تو وہ ہی ہو کر رہے گا۔ اللہ کا جو دستور مجرموں کی نسبت سزا دینے کا رہا ہے، نہ وہ بدلنے والا ہے کہ بجائے سزا کے ایسے مجرموں پر انعام و اکرام ہونے لگے اور نہ ٹلنے والا کہ مجرم سے سزا ٹل کر غیر مجرم کو دے دی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ
کیا پھرے نہیں ملک میں کہ دیکھ لیں کیسا ہوا
عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ
انجام اُن لوگوں کا جو اُن سے پہلے تھے اور تھے اُن سے بہت سخت زور میں
وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِى السَّمٰوٰتِ
اور اللہ وہ نہیں جس کو تھکائے کوئی چیز آسمانوں میں
وَلَا فِى الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿٤٤﴾
اور نہ زمین میں اور نہ وہی ہے سب کچھ جانتا کر سکتا ☆

اللہ کی گرفت سے کوئی باہر نہیں:

یعنی بڑے بڑے زور آور مدعی اللہ کی گرفت سے نہ بچ سکے مثلاً عاد ثمود وغیرہ۔ یہ بیچارے تو چیز کیا ہیں۔ خوب سمجھ لو کہ آسمان وزمین کی کوئی طاقت اللہ کو عاجز نہیں کر سکتی علم اس کا محیط اور قدرت اس کی کامل۔ پھر معاذ اللہ عاجز ہو تو کدھر سے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

آیاتِ مذکورہ سے واضح ہو گیا کہ کافروں کی جڑ اکھاڑ دینے کا اللہ کا مقررہ ضابطہ ہے اور یہ ضابطہ ناقابل تغیر ہے اسی ضابطہ کے مطابق گذشتہ کافروں کو تباہ کر دیا گیا باوجود یہ کہ وہ بڑے طاقتور تھے مگر ان کی طاقت ان کو فائدہ نہ پہنچا سکی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا
اور اگر پکڑ کرے اللہ لوگوں کی اُن کی کمائی پر

مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ
نہ چھوڑے زمین کی پیٹھ پر ایک بھی ہلنے چلنے والا ☆

حکمت الٰہی: یعنی لوگ جو گناہ کماتے ہیں اگر ان میں سے ہر ہر جزئی پر گرفت شروع کر دے تو کوئی جاندار زمین میں باقی نہ رہے، نافرمان تو اپنی نافرمانی کی وجہ سے تباہ کر دیئے جائیں۔ اور کامل فرمانبردار جو عادۃً بہت تھوڑے ہوتے ہیں قلت کی وجہ سے اُٹھا لئے جائیں۔ کیونکہ نظامِ عالم کچھ ایسے انداز پر قائم کیا گیا ہے کہ محض معدودے چند انسانوں کا یہاں بستے رہنا خلاف حکمت ہے۔ پھر جب انسان آباد نہ رہے تو حیوانات کا ہے کے لئے رکھے جائیں گے۔ ان کا وجود بلکہ تمام عالم کی ہستی تو اسی حضرت انسان کے لئے ہے۔ (تفسیر عثمانی)

(یعنی قیامت) تک ان کو مہلت دے رہا ہے دابۃ جاندار جو زمین پر چلتے ہیں یعنی کسی گناہ گار متنفس کو نہ چھوڑتا یا یہ مطلب کہ ان کافروں کی بداعمالی کی نحوست سب زندہ جانوروں پر پڑتی اور اللہ سب کو تباہ کر دیتا، اجل مسمّی سے مراد ہے موت یا قیامت۔ (تفسیر مظہری)

وَلٰكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ
پر اُن کو ڈھیل دیتا ہے ایک مقرر وعدہ تک　پھر جب آئے

اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾
اُن کا وعدہ تو اللہ کی نگاہ میں ہیں اُس کے سب بندے ☆

وقت آنے دو سب کو پتہ لگ جائے گا:

یعنی ایک مقرر میعاد اور حدِّ معین تک اللہ نے ڈھیل دے رکھی ہے کہ ہر ایک جرم پر فوراً گرفت نہیں کرتا۔ جب وقت موعود آ جائیگا تو یاد رکھو سب بندے اسکی نگاہ میں ہیں۔ کسی کا ایک ذرہ بھر برا یا بھلا عمل اسکے علم سے باہر نہیں۔ پس ہر ایک کا اپنے علم محیط کے موافق ٹھیک ٹھیک فیصلہ فرما دے گا۔ نہ مجرم کہیں چھپ سکے نہ مطیع کا حق مارا جائے "اللهم اجعلنا ممن يطيعک واغفرلنا ذنوبنا انک انت الغفور الرحيم" تم سورہ" فاطر" بفضل الله ورحمته. (تفسیر عثمانی)

سورۃ یٰسٓ

جس میں اس کو خواب میں پڑھا۔ دلیل ہے کہ اُس کی عاقبت بالخیر ہوگی۔ (علامہ ابن سیرین رحمہ اللہ)

سبب نزول:

یٰسٓ ابونعیم نے دلائل میں بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد (کعبہ) میں اونچی آواز سے قرأت کرتے تھے قریش کے کچھ لوگوں کو اس سے دکھ ہوتا تھا (ایک روز) حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہاتھ ڈالنے کیلئے وہ لوگ اٹھے لیکن فوراً گردنوں سے ان کے ہاتھ بندھ گئے اور آنکھیں اندھی ہو گئیں کچھ سوجھائی نہیں دیتا تھا مجبور ہو کر خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور اللہ کا اور قرابت کا واسطہ دے کر دعاء کرنے کی درخواست کی، قریش کی کوئی شاخ ایسی نہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابتداری اس سے نہ ہو چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء کی اور وہ مصیبت اللہ نے ان کی دور کر دی، اس پر یٰسٓ سے لایؤمنون تک آیات نازل ہوئیں۔

سورۂ یٰسین کے فضائل:

حضرت ابوبکرؓ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورۂ یٰسین کو توریت میں معمہ کہا گیا ہے کیونکہ یہ اپنے پڑھنے والے کو دونوں جہاں کی بھلائی عموماً عطا کرتی اور دنیا و آخرت کے دکھ کو دور کرتی ہے اس کا نام دافعہ اور قاضیہ بھی ہے یہ اپنے پڑھنے والے سے ہر برائی کو دفع کرتی اور اس کی ہر ضرورت پوری کرتی ہے جو اس کو پڑھے گا اس کو بیس حج کے برابر ثواب ملے گا اور جو اس کو سنے گا اس کو راہِ خدا میں ہزار دینار صرف کرنے کے برابر ثواب ملے گا اور جو اس کو لکھے گا اس کے سینہ کے اندر ہزار دوائیں اور ہزار نور اور ہزار یقین اور ہزار نیکیاں اور ہزار رحمتیں داخل کر دی جائیں گی اور ہزار کینے اور مرض اس کے اندر سے نکال دیے جائیں گے یہ بھی حضرت ابوبکرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن اپنے ماں باپ کی قبروں پر یا دونوں میں سے ایک کی قبر پر جا کر سورۂ یٰسین پڑھے گا اللہ اس سورت کے ہر حرف کی تعداد کے برابر اس کے گناہ معاف کر دے گا۔

حدیث میں ہے کہ جو شخص رات کو سورۂ یٰسین پڑھے اُسے بخش دیا جاتا ہے اور جو سورۂ دخان پڑھے اُسے بھی بخش دیا جاتا ہے اس کی اسناد بہت عمدہ ہیں۔

بعض علمائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کا قول ہے کہ جس سخت کام کے وقت سورۂ یٰسین پڑھی جاتی ہے اللہ تعالیٰ اُسے آسان کر دیتا ہے مرنے والے

کے سامنے جب اس کی تلاوت ہوتی ہے تو رحمت و برکت نازل ہوتی ہے اور رُوح آسانی سے نکلتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، مشائخ نے بھی فرمایا ہے کہ ایسے وقت سورۂ یٰسین پڑھنے سے اللہ تعالیٰ تخفیف کر دیتا ہے اور آسانی ہو جاتی ہے ۔ بزار میں فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ میری چاہت ہے کہ میری امت کے ہر ہر فرد کو یہ سورت یاد ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت معقل بن یسارؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یٰسین قلب القرآن، یعنی سورہ یٰسین قرآن کا دل ہے، اور اس حدیث کے بعض الفاظ میں ہے کہ جو شخص سورۂ یٰسین کو خالص اللہ اور آخرت کیلئے پڑھتا ہے اس کی مغفرت ہو جاتی ہے اس کو اپنے مُردوں پر پڑھا کرو۔

(رواہ احمد و ابوداؤد والنسائی وابن حبان والحاکم وغیرہم، کذا فی الروح والمظہری)

امام غزالیؒ نے فرمایا کہ سورۂ یٰسین کو قلب قرآن فرمانے کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ اس سورۂ میں قیامت اور حشر و نشر کے مضامین خاص تفصیل اور بلاغت کے ساتھ آئے ہیں اور اصول ایمان میں سے عقیدۂ آخرت وہ چیز ہے جس پر انسان کے اعمال کی صحت موقوف ہے، خوفِ آخرت ہی انسان کو عمل صالح کیلئے مستعد کرتا ہے اور وہی اس کو ناجائز خواہشات اور حرام سے روکتا ہے تو جس طرح بدن کی صحت قلب کی صحت پر موقوف ہے اسی طرح ایمان کی صحت فکر آخرت پر موقوف ہے (روح) اور اس سورۃ کا نام جیسا سورۂ یٰسین معروف ہے اسی طرح ایک حدیث میں اسکا نام عظیمہ بھی آیا ہے (اخرجہ ابونصر السجزی عن عائشہؓ) اور ایک حدیث میں ہے کہ اس سورۃ کا نام تورات میں معمہ آیا ہے، یعنی اپنے پڑھنے والے کیلئے دنیا و آخرت کی خیرات و برکات عام کرنے والی، اور اس کے پڑھنے والے کا نام شریف آیا ہے اور فرمایا کہ قیامت کے روز اس کی شفاعت قبیلہ ربیعہ کے لوگوں سے زیادہ کیلئے قبول ہوگی، (رواہ سعید بن منصور والبیہقی عن حسان بن عطیہ) اور بعض روایات میں اس کا نام مدافعہ بھی آیا ہے، یعنی اپنے پڑھنے والے سے بلاؤں کو دفع کرنے والی اور بعض میں اس کا نام قاضیہ بھی مذکور ہے، یعنی حاجات کو پورا کرنے والی۔ (روح المعانی)

اور حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ جس مرنے والے کے پاس سورۂ یٰسینؔ پڑھی جائے تو اس کی موت کے وقت آسانی ہو جاتی ہے (رواہ الدیلمی وابن حبان مظہری)

اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا کہ جو شخص سورۂ یٰسینؑ کو اپنی حاجت کے لئے پڑھے تو اسکی حاجت پوری ہو جاتی ہے۔ (اخرجہ المحاملی فی امالیہ مظہری)

اور یحییٰ بن کثیر نے فرمایا کہ جو شخص صبح کو سورۂ یٰسٓ پڑھ لے وہ شام تک خوشی اور آرام سے رہے گا اور جو شام کو پڑھ لے تو صبح تک خوشی میں رہے گا، اور فرمایا کہ مجھے یہ بات ایسے شخص نے بتلائی ہے جس نے اس کا تجربہ کیا ہے۔ (اخرجہ ابن الفریس مظہری) (معارف مفتی اعظم)

حضرت ابن مسعود راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رات کو سورۂ یٰسین پڑھے گا صبح ہو گی تو اس کی مغفرت ہو چکی ہو گی۔ رواہ ابونعیم فی الحلیۃ بسند ضعیف

حضرت ابوسعید خذری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے سورۂ یٰسین ایک بار پڑھی اس نے گویا دس بار قرآن پڑھا، رواہ البیہقی بسند ضعیف۔

حضرت معقل بن یسار راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے یٰسین پڑھے گا اس کے گذشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے اس لیے اپنے مرنے والوں کے پاس اس کو پڑھا کرو، رواہ البیہقی بسند ضعیف۔

طبرانی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے جو شخص ہر رات یٰسین پڑھنے کی پابندی کرے گا پھر مر جائے گا تو شہید مرے گا۔

دارمی اور طبرانی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے جو شخص خوشنودی خدا حاصل کرنے کیلئے یٰسین پڑھے گا اس کو بخش دیا جائیگا۔

دیلمی اور ابوالشیخ بن حبان نے فضائل میں حضرت ابوذر کی روایت سے بیان کیا ہے جس مرنے والے کے پاس یٰسین پڑھی جاتی ہے اللہ اس کیلئے (موت کی) آسانی کر دیتا ہے۔

محاملی نے امالی میں حضرت عبداللہ بن زبیر کی روایت سے بیان کیا ہے جو شخص یٰسین کو اپنی حاجت کا پیش رو بنائے گا اس کی حاجت پوری کر دی جائے گی، دارمی کے نزدیک اس حدیث کا ایک شاہد بھی ہے جو مرسلا مروی ہے۔

مستدرک میں حضرت امام ابوجعفر محمد بن امام زین العابدین کا قول مذکور ہے کہ جو شخص اپنے دل میں کچھ سختی محسوس کرے اس کو چاہئے کہ ایک پیالہ میں زعفران سے یٰسین لکھ کر پی لے ابن الفریس نے سعید بن جبیر کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص دیوانہ پر سورۂ یٰسین پڑھے گا دیوانہ اچھا ہو جائے گا۔ یحیٰ بن ابی کثیر کا قول ہے کہ جو شخص صبح شام کو یٰسین پڑھے گا (دن بھر) شام تک خوشی میں رہے گا اور جو شخص شام کو یٰسین پڑھے گا صبح تک خوشی میں رہے گا۔ تجربہ کرنے والوں کا یہی بیان ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابن جبیرؓ کے کلام سے یہ مستفاد ہے کہ لفظ یٰسٓین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے، روح المعانی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ان دو عظیم الشان حرفوں سے رکھنا، یعنی یا اور سین اس میں بڑے راز ہیں۔

یٰسین کسی کا نام رکھنا کیسا ہے:

امام مالکؒ نے اس کو اس لئے پسند نہیں کیا کہ ان کے نزدیک یہ اسماء الٰہیہ میں سے ہے، اور اس کے صحیح معنی معلوم نہیں، اس لئے ممکن ہے کہ کوئی ایسے معنی ہوں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، جیسے خالق، رزاق، وغیرہ البتہ اس لفظ کو یاسین کے رسم الخط میں لکھا جائے تو یہ کسی انسان کا نام رکھنا جائز ہے، کیونکہ

قرآن کریم میں آیا ہے سَلٰمٌ عَلٰٓی اِلْ یَاسِیْنَ (معارف مفتی اعظم)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
یٰسٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۙ اِنَّكَ لَمِنَ
قسم ہے اس پکے قرآن کی تو تحقیق ہے بھیجے
الْمُرْسَلِيْنَ ۙ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؕ
ہوؤں میں سے اوپر سیدھی راہ کے ٭

اعجازِ قرآن کی گواہی:

یعنی قرآن کریم اپنی اعجازی شان، پر حکمت تعلیمات اور پختہ مضامین کے لحاظ سے بڑا زبردست شاہد اس بات کا ہے کہ جو نبی اُمی اس کو لے کر آیا یقیناً وہ اللہ کا بھیجا ہوا اور بے شک و شبہ سیدھی راہ پر ہے اُس کی پیروی کرنیوالوں کو کوئی اندیشہ منزل مقصود سے بھٹکنے کا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت:

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی نبوت ورسالت کو قسم کے ساتھ بیان کیا آپ کے سوا کسی اور نبی اور رسول کی رسالت کو قسم کھا کر نہیں بیان فرمایا۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۙ
اتارا زبردست رحم والے نے ٭

اللہ تعالیٰ زبردست بھی ہے مہربان بھی:

یعنی یہ دین کا سیدھا راستہ یا قرآن حکیم اُس خدا کا اتارا ہوا ہے جو زبردست بھی ہے کہ منکر کو سزا دیئے بغیر نہ چھوڑے اور رحم فرمانے والا بھی کہ ماننے والوں کو نوازش و بخشش سے مالا مال کر دے اسی لئے آیاتِ قرآنیہ میں بعض آیات شان لطف ومہر کا اور بعض شان غضب وقہر کا پہلو لئے ہوئے ہیں۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۙ
تا کہ تو ڈرائے ایک قوم کو کہ ڈر نہیں سنا اُن کے باپ دادوں نے سو اُن کو خبر نہیں
لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۙ
ثابت ہو چکی ہے بات اُن میں بہتوں پر سو وہ نہ مانیں گے ٭

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ بہت مشکل کام لگایا گیا ہے:

یعنی بہت کٹھن کام آپ کے سپرد ہوا ہے کہ اُس قوم (عرب) کو آپ قرآن کے ذریعہ سے ہشیار و بیدار کریں جس کے پاس صدیوں سے کوئی جگانے والا نہیں بھیجا تھا، وہ جاہل و غافل قوم جسے نہ خدا کی خبر نہ آخرت کی نہ ماضی سے عبرت نہ مستقبل کی فکر، نہ مبداء پر نظر نہ منتہا پر، نہ نیک و بد کی تمیز نہ بھلے بُرے کا شعور اُس کو اتنی ممتد جہالت وغفلت کی اندھیریوں سے نکال کر رُشد و ہدایت کی صاف سڑک پر لا کھڑا کرنا کوئی معمولی اور سہل کام نہیں ہے، بلا شبہ آپ پوری قوت اور زور وشور کے ساتھ ان کو اس غفلت و جہالت کے خوفناک نتائج اور بھیانک مستقبل سے ڈرا کر فلاح و بہبود کے اعلیٰ مدارج پر پہنچانے کی کوشش کرینگے۔ تاکہ یہ قوم اپنی اعلیٰ کامیابی سے تمام عالم کیلئے کامیابی کا دروازہ کھول دے لیکن بہت افراد وہ ملیں گے جو کسی قسم کی نصیحت پر کان دھرنے والے نہیں اسی لئے اُن پر شیطان پوری طرح مسلط ہو جاتا ہے جو اُن کی حماقتوں اور شرارتوں کو اُن کی نگاہ میں خوشنما کر کے دکھلاتا اور اگلے پچھلے سب احوال کو خواہ کتنے ہی گندے ہوں، خوبصورت بنا کر ظاہر کرتا ہے، آخر یہ لوگ دوسری زندگی سے بالکل منکر ہو کر اپنی فانی خواہشات ہی کو قبلہ مقصود ٹھہرا لیتے ہیں اُس وقت ایک طرف سے شیطان کی بات "لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ" (مخلصین کے سوا میں سب کو بہکا کر رہوں گا) سچی ہوتی ہے اور دوسری طرف حق تعالیٰ کا قول "لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ" (تجھ سے اور تیرے پیرووں سے دوزخ کو بھر دونگا) ثابت اور چسپاں ہو جاتا ہے باقی علم الٰہی میں تو ازل سے ثابت ہے کہ فلاں قوم کے فلاں فلاں افراد اپنی بدتمیزی اور لاپرواہی سے شیطان کے اغواء میں پھنس کر عذاب الٰہی کے مستحق ہونگے ایسے لوگوں کے راہ پر آنے اور ماننے کی کیا توقع ہو سکتی ہے پس آپ کو سلسلہ انذار و صلاح میں اگر ایسے ہمت شکن واقعات کا مقابلہ کرنا پڑے تو ملول و غمگین نہ ہوں اپنا فرض ادا کئے جائیں اور نتیجہ کو خدا کے سپرد کر دیں تقریر بالا کو سمجھنے کیلئے یہ آیات پیش نظر رکھیے۔ "وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ" (زخرف۔ رکوع ۴) معلوم ہوا کہ شیطان ابتداء کسی پر مسلط نہیں کیا جاتا بلکہ اندھا بن کر نصیحت سے اعراض کرتے رہنے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ آخر کار شیطان مسلط ہو جائے جیسے ہاتھ پاؤں سے مدت تک کام نہ لے تو وہ عضو بیکار کر دیا جاتا ہے قال تعالیٰ "فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ" (الصف رکوع ۱) "وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ" (انعام۔ رکوع ۱۳) (پ) "وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ" (حم السجدۃ رکوع ۳) تسلط کے بعد شیطان یہ کام کرتا ہے جس کا نتیجہ "حق علیہم القول" ہے (ج) "وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ"

فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ (الاحقاف۔ رکوع ٢) ان آیات سے معلوم ہوا کہ لفظ "حَقَّ الْقَوْلُ" اُن لوگوں پر صادق آتا ہے جو موت کے بعد کسی دوسری زندگی کا یقین ہی نہیں رکھتے، نہ برائی کو برائی سمجھتے ہیں، بلکہ اغوائے شیطانی سے اپنی بدیوں کو نیکی اور گمراہی کو ہدایت تصور کر لیتے ہیں کیسے ہی معقول دلائل سنایئے اور کھلے کھلے نشان دکھلایئے سب کو جھٹلاتے رہیں اور فضول حجتیں نکالتے رہیں بظاہر ہادیوں اور پیغمبروں کی بات کی طرف کان جھکائیں مگر ایک حرف سمجھنے کی کوشش نہ کریں محض ہوا وہوس کو اپنا معبود ٹھہرالیں نہ عقل سے کام لیں نہ آنکھوں سے، یہ ہی لوگ ہیں جن کے اعراض وعناد کے نتیجہ میں آخر کار اللہ تعالیٰ دلوں پر مہر کر دیتا ہے کہ ان میں خیر کے گھسنے کی پھر ذرا گنجائش نہیں رہتی جیسے کوئی شخص اپنے اوپر روشنی کے سب دروازے بند کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کو اندھیرے میں چھوڑ دیتا ہے یا ایک بیمار دوا پینے کی قسم کھالے، طبیب سے دشمنی کرے اور ہر قسم کی بد پرہیزی پر تیار ہو جائے تو اللہ اس کے مرض کو مہلک بنا دیتا اور مایوسی کے درجہ میں پہنچا دیتا ہے فرماتے ہیں۔" تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ (اعراف۔ رکوع ١٣)

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ (یونس۔ رکوع ٨) وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ (روم۔ رکوع ٦)

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ (مومن۔ رکوع ٤) وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (محمد۔ رکوع ٢) بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا (نساء۔ رکوع ٢٢) كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (مطففین رکوع ١)

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ (الجاثیہ۔ رکوع ٣) وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (اعراف۔ رکوع ٢٢)

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ

(المائدہ۔ رکوع ٦) (تفسیر عثمانی)

مَّآ اُنْذِرَ میں ما نافیہ ہے حضرت اسماعیلؑ کے بعد مکہ میں کوئی پیغمبر مبعوث نہیں ہوا مکہ والوں کو پیغمبر کی ضرورت بہت زیادہ تھی اس لیے فرمایا کہ ان لوگوں کے آباء واجداد کے پاس کوئی پیغمبر نہیں بھیجا گیا (اوران کو پیغمبر کی ضرورت سخت تھی اس لیے) آپ کو ان کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ
ہم نے ڈالے ہیں اُن کی گردنوں میں طوق سو وہ ہیں
اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ﴿٨﴾
ٹھوڑیوں تک پھر اُن کے سر اُلل رہے ہیں ☆

سرمایہ پرستی وجہالت کے طوق:

یہ اُن ہی لوگوں کے حق میں ہے جن کا ذکر گذشتہ فائدہ میں ہوا یہ طوق عادات و رسوم حُبِ جاہ ومال اور تقلید آباء واجداد کے تھے جنہوں نے ان کے گلے سختی سے دبا رکھے تھے اور نخوت وتکبر کی وجہ سے ان کے سر نیچے نہیں جھکتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

سببِ نزول: ابن جریر نے عکرمہ کا بیان نقل کیا ہے کہ ابوجہل نے کہا تھا اگر میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ پایا تو ایسا ایسا کروں گا اس پر مذکورہ آیت ابوجہل کے حق میں لَا يُبْصِرُوْنَ تک نازل ہوئی۔ چنانچہ لوگ ابوجہل سے کہتے تھے یہ محمد موجود ہیں (اب تم جو کہتے تھے وہ کر دکھاؤ) تو ابوجہل کہتا تھا کہاں ہیں مجھے تو دکھائی نہیں دیتے۔

بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول ابوجہل اور اس کے ایک مخزومی ساتھی کے حق میں ہوا ابوجہل نے قسم کھا کر کہا تھا کہ میں نے جہاں بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ پایا پتھر سے ان کا سر کچل دوں گا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی حالت میں اس نے دیکھ لیا اس کے پاس ہی پتھر بھی پڑا ہوا تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر مارنے کیلئے پتھر اٹھانا چاہا فوراً ہاتھ گردن سے چمٹ گیا اور پتھر چھوٹ کر ہاتھ پر گر پڑا ابوجہل فوراً اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹ کر آیا اور جو کچھ دیکھا تھا وہ بیان کیا اور بیان کرتے ہی گر پڑا، مخزومی شخص بولا اب میں جا کر اسی پتھر سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کروں گا چنانچہ پتھر مارنے کیلئے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلا آپ

صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی نماز پڑھ رہے تھے اللہ نے اس کو اندھا کر دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز تو اس کو سنائی دیتی تھی مگر آنکھوں سے کچھ نہیں دکھتا تھا وہ بھی اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹ آیا لیکن ساتھیوں میں سے بھی وہ کسی کو دیکھ نہ سکا لوگوں نے اس کو آواز دی اور کہا تو نے کیا کیا مخزومی نے کہا مجھے تو وہ نظر ہی نہیں آئے ہاں ان کی آواز میں نے ضرور سنی مگر میرے اور ان کے درمیان کوئی ایسی چیز حائل تھی جیسے کوئی نر اونٹ ہو جو (حملہ کرنے کیلئے) دم ہلا رہا ہو اگر میں ان کے قریب جاتا تو وہ اونٹ مجھے کھا جاتا اس پر آیت إِنَّا جَعَلْنَا فِي أَعْنَاقِهِمْ أَغْلَالًا نازل ہوئی۔

فَهِيَ إِلَى الْأَذْقَانِ یعنی گلے میں پڑے ہوئے طوق ٹھوڑیوں تک ہیں جن کی وجہ سے وہ گردن جھکا نہیں سکتے بغوی نے لکھا ہے اغلال سے بطور کنایہ ہاتھ مراد ہیں اگرچہ ہاتھوں کا ذکر پہلے نہیں آیا ہے کیونکہ غل کا معنی ہے ہاتھوں کو گردن سے باندھ دینا اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہیں اور ہاتھوں کو گردن سے ملا کر ہم نے ٹھوریوں تک طوق کو کس دیا ہے۔

فَهُمْ مُقْمَحُونَ یعنی ٹھوریوں تک طوق ہونے کی وجہ سے ان کی گردنیں اوپر کو اٹھی ہوئی ہیں آنکھیں بند ہوگئی ہیں کسی چیز کو دیکھ نہیں سکتیں۔

بیہقی نے دلائل میں بطریق سدی صغیر از کلبی از ابو صالح۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ قبیلہ بنی مخزوم کے کچھ لوگوں نے باہم مشورہ کر کے یہ بات طے کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیں ان مشورہ کرنے والوں میں ابو جہل اور ولید بن مغیرہ بھی شامل تھے ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور یہ لوگ آپ کی قرآن کی آواز سن رہے تھے ساتھیوں کے مشورہ کے مطابق ولید بن مغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دینے کے ارادہ سے چل دیا جس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے وہاں تک پہنچ گیا لیکن آواز سننے کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو نظر نہیں آئے، واپس آکر اپنے ساتھیوں کو یہ بات بتادی یہ سنتے ہی دوسرے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے وہاں تک پہنچ بھی گئے اور قرأت کی آواز بھی سنتے رہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نظر نہ آئے آواز کی طرف بڑھتے تھے تو آواز پیچھے سے آنے لگتی تھی، پیچھے کی طرف آواز کی جانب آتے تھے تو آواز پیچھے سے آنے لگتی تھی آخر ناکام لوٹ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے کا راستہ نہیں ملا یہی مطلب ہے آئندہ آیت کا۔ (تفسیر مظہری)

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ
اور بنائی ہم نے اُن کے آگے دیوار اور پیچھے دیوار
خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿٩﴾
پھر اُوپر سے ڈھانک دیا، سو اُن کو کچھ نہیں سوجھتا ☆

عداوت وجہالت کی دیوار:

نبی کی عداوت نے انکے اور قبول ہدایت کے درمیان دیواریں کھڑی کر دی تھیں۔ جاہلانہ رسوم واطوار اور ہواء وآرائے فاسدہ کی اندھیریوں میں اس طرح بند تھے کہ آگا پیچھا اور نشیب وفراز کچھ نظر نہ آتا تھا۔ نہ ماضی پر نظر تھی نہ مستقبل پر۔ باقی ان افعال کی نسبت حق تعالیٰ کیطرف اس لئے کی گئی کہ خالق خیر وشر کا وہی ہے اور اسباب پر مسببات کا ترتب اس کی مشیت سے ہوتا ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ اس آیت سے دلائل آفاقیہ میں غور کرنے کی نفی ہوئی جیسا کہ "فَهُمْ مُقْمَحُونَ" میں دلائل انفسیہ کی طرف ملتفت نہ ہونے کا اشارہ تھا کیونکہ سر اوپر کو اٹھ رہا ہو جھک نہ سکے تو اپنے بدن پر نظر نہیں پڑ سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ
اور برابر ہے اُن کو تو ڈرائے
أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠﴾
یا نہ ڈرائے یقین نہیں کریں گے ☆

یہ نصیحت کے لائق نہیں مگر آپ نصیحت کرتے رہیں:

انکو برابر ہے لیکن آپ کے حق میں برابر نہیں، بلکہ ایسی سخت معاند اور سرکش قوم کو نصیحت کرنا اور اصلاح کے درپے ہونا عظیم درجات کے حصول کا سبب ہے اور کبھی یہ اخلاق دوسروں کی ہدایت کا باعث بن جاتا ہے۔ اسی طرح کی آیات سورۂ "بقرہ" کے اوائل میں گزر چکی ہیں۔

إِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَٰنَ
تو تو ڈر سنائے اُس کو جو چلے سمجھانے پر اور ڈرے رحمٰن سے
بِالْغَيْبِ ۖ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ ﴿١١﴾
بن دیکھے، سو اُس کو خوشخبری دے معافی کی اور عزت کے ثواب کی ☆

یہ نفع مندی کی صفات سے خالی ہیں:

یعنی ڈرانے کا فائدہ اسی کے حق میں ظاہر ہوتا ہے جو نصیحت کو مان کر اس پر چلے اور اللہ کا ڈر دل میں رکھتا ہو۔ جس کو خدا کا ڈر ہی نہیں نہ نصیحت کی کچھ پرواہ وہ نبی کی تنبیہ وتذکیر سے کیا فائدہ اٹھائے گا۔ ایسے لوگ بجائے مغفرت وعزت کے سزا اور ذلت کے مستحق ہونگے۔ آگے اشارہ کرتے ہیں کہ فریقین کی اس عزت وذلت کا پورا اظہار زندگی کے دوسرے دور میں ہوگا جس کے مبادی موت کے بعد سے شروع ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

الذِّكر (نصیحت) سے مراد قرآن ہے قرآن کا اتباع کرنے سے مراد ہے اس کے مطالب پر غور کرنا اور اس کی تعلیم کے بموجب عمل کرنا۔

''رحمٰن'' کہنے کا نکتہ:

القهار المنتقم کی بجائے الرحمٰن فرمایا حالانکہ رحمٰن سے ڈرنے کا کوئی تعلق نہیں۔خوف تو قہار کے قہر اور منتقم کے انتقام کا ہونا چاہئے کیوں کہ رحمٰن کی صفت رحمت جانتے ہوئے پھر اس سے ڈرنا یا خشیہ کا انتہائی درجہ ہے اور عین ایمان ہے (رحمٰن کی رحمت کو جاننا اور پھر اس سے خوف کرنا) کمال ایمان ہے خوف وامید کے درمیان ہی ایمان ہوتا ہے۔

بِالْغَيْبِ ۔یعنی بن دیکھے عذاب سے ڈرتا ہے یا تنہائی میں اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہے۔

بِمَغْفِرَةٍ ۔یعنی گناہوں کی معافی کی بشارت دے دیجئے۔

أَجْرٍ كَرِيمٍ ۔اعلیٰ عمدہ اجر یعنی جنت۔(تفسیر مظہری)

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتَىٰ
ہم ہیں جو زندہ کرتے ہیں مُردوں کو ☆

ہم مردوں کو زندہ کرتے ہیں:

یعنی موت کے بعد دوسری زندگی یقینی ہے جہاں سب اپنے کیے کا بدلہ پائینگے اور شاید ادھر بھی اشارہ ہو کہ یہ قوم (عرب) جس کی روحانی قوتیں بالکل مردہ ہو چکی ہیں، حق تعالیٰ کو قدرت ہے کہ پھر ان میں زندگی کی روح پھونک دے کہ وہ دنیا میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں کرے اور آنیوالی نسلوں کیلئے اپنے آثار عظیمہ چھوڑ جائے۔(تفسیر عثمانی)

یعنی قبروں سے اٹھانے کے وقت ہم ہی مردوں کو زندہ کریں گے یا یہ مطلب ہے کہ جہالت اور گمراہی (جو حقیقت میں موت ہیں) کے بعد ہم علم اور ہدایت (جو حقیقت میں زندگی ہیں) دیتے ہیں۔(تفسیر مظہری)

وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ
اور لکھتے ہیں جو آگے بھیج چکے اور جو نشان ان کے پیچھے رہے ☆

سب عمل محفوظ ہیں:

یعنی نیک و بد اعمال جو آگے بھیج چکے اور بعض اعمال کے اچھے برے اثرات یا نشان جو پیچھے چھوڑے مثلاً کوئی کتاب تصنیف کی یا علم سکھلایا، یا عمارت بنائی یا کوئی رسم ڈالی نیک یا بد، سب اس میں داخل ہیں بلکہ الفاظ کے عموم میں وہ نشان قدم بھی شامل ہو سکتے ہیں جو کسی عبادت کے لئے چلتے وقت زمین پر پڑ جاتے ہیں چنانچہ بعض احادیث صحیحہ میں تصریح ہے۔''دِيَارَكُمْ تُكْتَبْ آثَارُكُمْ۔''(تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا جس پر بعد والوں نے عمل کیا تو اس شخص کو اپنے کیے کا بھی ثواب ملے گا اور ان لوگوں کے عمل کے برابر بھی جو اس کے جاری کردہ طریقے پر چلے مگر بعد کو اس طریقہ پر چلنے والوں کا ثواب کم نہیں کیا جائے گا، اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کیا جس پر بعد کو آنے والے لوگ چلے تو ایجاد کرنے والے پر اپنے عمل کا بھی گناہ ہوگا اور بعد کو عمل کرنے والوں کا بھی لیکن بعد کو عمل کرنیوالوں کے بوجھ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔رواہ مسلم من حدیث جریر۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز میں سب سے بڑا اجر اس شخص کیلئے ہوتا ہے جو سب سے زیادہ دور سے چل کر آئے پھر اس کے بعد اس شخص کا اجر ہوتا ہے جو (اوروں سے) زیادہ دور سے آئے اور جو شخص امام کے ساتھ نماز پڑھنے کے انتظار میں رہتا ہے اس کو ثواب اس شخص سے بڑھ کر ملتا ہے جو نماز پڑھ کر سو رہتا ہے۔(متفق علیہ)

قدموں کے نشان بھی لکھے جاتے ہیں:

حضرت جابر کا بیان ہے مسجد کے گرد کچھ زمین کے قطعے خالی پڑے تھے بنی سلمہ کا ارادہ ہوا کہ (اپنے محلّہ سے) منتقل ہو کر مسجد کے قریب آ بسیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ منتقل ہو کر مسجد کے قریب آ جاؤ، بنی سلمہ نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا یہی ارادہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی سلمہ اپنے گھروں میں ہی رہو تمہارے قدموں کے نشان لکھے جاتے ہیں۔رواہ مسلم۔(تفسیر مظہری)

ابن جریرؒ میں حضرت ثابتؓ سے روایت ہے کہ میں حضرت انسؓ کے ساتھ نماز کیلئے مسجد کی طرف چلا میں جلدی جلدی بڑے قدموں سے چلنے لگا تو آپ نے میرا ہاتھ تھام لیا اور اپنے ساتھ آہستہ آہستہ ہلکے ہلکے قدموں سے لے جانے لگے جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا میں (حضرت) زید بن ثابتؓ کے ساتھ مسجد کو جا رہا تھا اور تیز قدم چل رہا تھا تو آپ نے مجھ سے فرمایا اے انس! کیا تمہیں معلوم نہیں؟ کہ یہ نشانات قدم لکھے جاتے ہیں۔(تفسیر ابن کثیر)

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ ﴿١٢﴾
اور ہر چیز گن لی ہے ہم نے ایک کھلی اصل میں ☆

لوحِ محفوظ: یعنی جس طرح تمام اعمال و آثار وقوع کے بعد ضابطہ کے موافق لکھے جاتے ہیں قبل از وقوع بھی ایک ایک چیز لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے اور وہ لکھنا بھی محض انتظامی ضوابط ومصالح کی بناء پر ہے ورنہ اللہ کے علم قدیم میں ہر چھوٹی بڑی چیز پہلے سے موجود وحاضر ہے اسی کے موافق لوح محفوظ میں نقل کی جاتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جزاء اور سزا وقوع کے بعد ملتی ہے ہر چیز وقوع سے پہلے لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے اور وقوع کے بعد نامۂ اعمال میں لکھی ہوئی ہے امام مبین

سے لوح محفوظ مراد ہے جو کتاب اعمال کے علاوہ ہے جس میں بندوں کے اعمال لکھے جاتے ہیں اور جو قیامت کے دن بندوں کے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے۔ (معارف کاندھلوی)

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ

اور بیان کر ان کے واسطے ایک مثل اُس گاؤں کے لوگوں کی ☆

انطا کیہ والوں کا قصہ:

یہ گاؤں اکثر کے نزدیک شہر ''انطا کیہ'' ہے اور بائیبل کتاب اعمال کے آٹھویں اور گیارہویں باب میں ایک قصہ اسی قصہ کے مشابہ کچھ تفاوت کے ساتھ شہر انطا کیہ کا بیان ہوا ہے لیکن ابن کثیرؒ نے تاریخی حیثیت سے اور سیاق قرآن کے لحاظ سے اس پر کچھ اعتراضات کئے ہیں اگر وہ صحیح ہوں تو کوئی اور بستی ماننی پڑیگی واللہ اعلم۔ اس قصہ کا ذکر مومنین کے لئے بشارت اور مکذبین کیلئے عبرت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عیسیٰؑ کا دو قاصدوں کو روانہ کرنا:

بغوی نے لکھا ہے علماء تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے دو حواری قاصد بنا کر انطا کیہ شہر کو بھیجے یہ دونوں جب شہر کے قریب پہنچے تو ایک بوڑھا آدمی بکریاں چراتا ملا (یہ شخص حبیب تھا جو حضرت عیسیٰؑ کا صحابی ہوا) دونوں نے اس کو سلام کیا بوڑھے نے کہا تم کون ہو قاصدوں نے کہا اللہ کا رسول تم کو بت پرستی چھوڑ کر اللہ کی عبادت کی طرف آنے کی دعوت دے رہا ہے بوڑھے نے کہا کیا تمہارے پاس کوئی نشانی ہے قاصدوں نے کہا ہاں ہم اللہ کے حکم سے بیمار کو تندرست اور مادر زاد نابینا اور کوڑھی کو بھلا چنگا کر دیتے ہیں بوڑھے نے کہا میرا ایک بیٹا ہے جو دو سال سے بیمار ہے، قاصدوں نے کہا تو چلو ہم کو وہاں لے چلو ہم بھی اس کی حالت دیکھیں، بوڑھا دونوں کو لے کر اپنے گھر پہنچا قاصدوں نے اس کے بیٹے پر جونہی ہاتھ پھیرا وہ اللہ کے حکم سے (تندرست ہو کر) اٹھ کھڑا ہوا یہ خبر شہر میں پھیل گئی اور ان کے ہاتھ سے اللہ نے بہت مریضوں کو شفاء عطا فرمادی۔

انطا کیہ کا بادشاہ: انطا کیہ والوں کا ایک بادشاہ تھا وہب نے اس کا نام انطفس کہا ہے یہ بادشاہ رومی تھا اور بتوں کی پوجا کرتا تھا جب اس کو یہ اطلاع ملی تو اس نے دونوں قاصدوں کو طلب کیا دونوں حضرات اس کے پاس پہنچ گئے بادشاہ نے پوچھا تم کون ہو قاصدوں نے کہا ہم عیسیٰؑ کے قاصد ہیں، بادشاہ نے کہا کس غرض سے آئے ہو قاصدوں نے کہا ہم آپ کو دعوت دیتے ہیں کہ ایسے (بتوں کی) جو نہ کچھ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں پوجا چھوڑ کر ایسی ذات کی عبادت کی طرف آجاؤ جو سنتا اور دیکھتا ہے بادشاہ نے کہا کیا تمہارا کوئی خدا ہمارے معبودوں سے علاوہ ہے قاصدوں نے کہا جی ہاں جس نے آپ کو اور آپ کے معبودوں کو پیدا کیا ہے (وہی ہمارا معبود ہے) بادشاہ نے کہا اچھا اب تو اٹھ جاؤ میں تمہارے معاملہ پر غور کروں گا قاصد اٹھ آئے پھر لوگوں نے ان کا پیچھا کیا اور بازار میں پکڑ کر دونوں کو مارا۔

قاصدوں کا قید ہونا اور کوڑوں کی سزا پانا:

وہب کا بیان ہے کہ بادشاہ نے غضبناک ہو کر دونوں کو قید کر دیئے اور سو سو کوڑے مارنے کا حکم دے دیا۔

شمعون کا مدد کیلئے جانا:

اہل تاریخ نے لکھا ہے جب ان دونوں قاصدوں کی تکذیب کی گئی اور مارا گیا تو حضرت عیسیٰؑ نے حواریوں کے سردار شمعون صفار کو ان کے پیچھے ان کی مدد کرنے کیلئے بھیجا شمعون بستی میں حلیہ بدل کر پہنچے اور بادشاہ کے مصاحبوں سے رابطہ ضبط پیدا کیا جب بادشاہ کے مصاحب ان سے مانوس ہو گئے تو انہوں نے ان کی اطلاع بادشاہ تک پہنچا دی بادشاہ نے طلب کر لیا شمعون دربار میں حاضر ہو گئے بادشاہ نے ان کی صحبت کو پسند کر لیا اور مانوس ہو گیا اور ان کی عزت کی۔

شمعون کی قیدیوں کے بارے میں بادشاہ سے گفتگو:

کچھ مدت کے بعد ایک روز شمعون نے بادشاہ

آپ نے دو آدمیوں کو قید خانہ میں بند کر رکھا ہے اور [illegible] آپ کے مذہب کے خلاف دعوت دی تو آپ نے ان کو [illegible] آپ نے ان سے کچھ گفتگو بھی کی تھی اور ان کی بات بھی سنی [illegible] بادشاہ نے کہا مجھے اتنا غصہ آیا کہ میں ان سے کوئی بات نہ کر سکا شمعون نے کہا اگر بادشاہ مناسب سمجھے تو ان کو طلب فرما کر دریافت کرے کہ وہ کیا کہتے ہیں۔

بادشاہ کے سامنے قیدیوں کے بیانات:

شمعون کے مشورہ کے موافق بادشاہ نے دونوں حواریوں کو طلب کیا شمعون نے ان دونوں سے دریافت کیا تم کو یہاں کس نے بھیجا ہے قاصدوں نے جواب دیا ''اللہ نے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں'' شمعون نے کہا اللہ کے مختصر اوصاف بیان کرو، قاصدوں نے کہا ''وہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے اور جیسی اس کی مشیت ہوتی ہے حکم دیتا ہے۔'' شمعون نے کہا تم دونوں کے پاس نشانی کیا ہے قاصدوں نے کہا جو آپ طلب کریں۔

اندھے کا بینا ہونا:

یہ سنتے ہی بادشاہ نے ایک لڑکے کو بلوایا جس کی دونوں آنکھوں کے نشان بھی مٹے ہوئے تھے دونوں آنکھوں کی جگہ ایسی سپاٹ تھی جیسے پیشانی دونوں حواریوں نے اپنے رب سے دعاء کرنی شروع کی اور برابر کرتے رہے آخر دونوں آنکھوں کی جگہ پھٹ گئی دونوں نے مٹی کے دو غلے فوراً لے کر آنکھوں کے شگافوں میں رکھ دیئے فوراً دونوں غلے آنکھوں کی ڈیلوں کی طرح ہو گئے

اور دونوں سے دکھائی دینے لگا بادشاہ کو (بڑا) تعجب ہوا۔

حقیقت کا اعتراف:

شمعون نے بادشاہ سے کہا اگر آپ اپنے معبود سے درخواست کریں اور وہ بھی ایسا ہی کردے تو آپ کو برتری حاصل ہوجائے گی بادشاہ نے کہا تم سے کچھ چھپی بات نہیں حقیقت یہ ہے کہ ہمارا معبود جس کی ہم پوجا کرتے ہیں نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے نہ ضرر پہنچا سکتا ہے نہ نفع دے سکتا ہے (وہ کچھ نہیں کرسکتا) شمعون کا قاعدہ یہ تھا کہ بادشاہ جب بتوں کی پوجا کرنے جاتا تو شمعون بکثرت نماز پڑھتا اور (اللہ کے سامنے) گڑگڑاتا تھا لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے مذہب پر ہے۔

مُردہ کا زندہ ہونا:

اس کے بعد بادشاہ نے دونوں حواریوں سے کہا اگر تمہارا خدا جس کی تم پوجا کرتے ہو مردہ کو زندہ کرسکے تو ہم اس کو مان لیں گے حواریوں نے کہا ہمارا معبود ہر چیز کی قدرت رکھتا ہے بادشاہ نے کہا ایک زمیندار کا بچہ سات روز ہوئے مرگیا تھا اس کا باپ موجود نہ تھا ہم نے اس کے باپ کے آنے تک اسکو دفن کرنے سے روک دیا تھا (اس کو تمہارا خدا زندہ کردے تو مانیں) حسب الحکم لوگ میت کو لے آئے میت بگڑ چکی اور شکل ڈراونی ہوگئی تھی دونوں حواری اللہ سے علانیہ دعاء کرنے لگے اور شمعون چپکے چپکے خدا سے دعاء مانگتا رہا غرض کچھ دیر کے بعد مردہ اٹھ بیٹھا۔

مردہ کے بیانات:

مردہ نے کہا سات روز ہوئے شرک کی حالت میں مرا تھا مجھے آگ کی سات وادیوں میں لے جایا گیا میں تم کو اس شرک سے ڈراتا ہوں جس میں تم مبتلا ہو اللہ پر ایمان لے آؤ پھر اس نے کہا آسمان کے دروازے کھلتے مجھے دکھائی دیے اور میں نے ایک خوبصورت جوان کو دیکھا جو ان تینوں کی سفارش کررہا تھا بادشاہ نے کہا تین کون، اس نے کہا شمعون اور یہ دونوں بادشاہ کو یہ سن کر اور دیکھ کر بڑا تعجب ہوا شمعون نے جب دیکھ لیا کہ اس کی بات بادشاہ پر اثر کرچکی ہے تو بادشاہ سے کہا آپ ان دونوں شخصوں سے سوال کریں کہ وہ آپ کی لڑکی کو زندہ کردیں۔

شہزادی کا زندہ ہونا:

بادشاہ نے دونوں حواریوں سے اپنی لڑکی کو زندہ کردینے کی درخواست کی، فوراً دونوں نماز پڑھنے کھڑے ہوگئے اور اللہ سے دعاء کی، شمعون بھی دعاء میں ان کے ساتھ شریک تھے مگر چپکے چپکے دعاء کررہے تھے تھوڑی دیر کے بعد اللہ نے اس عورت کو زندہ کردیا قبر پھٹی اور عورت اس سے نکل آئی اور کہا خوب جان لو کہ یہ دونوں سچے ہیں اور میرا خیال ہے کہ تم نہیں مانوگے پھر اس نے دونوں حواریوں سے درخواست کی کہ وہ اس کو اس کی جگہ واپس کردیں پھر اس نے اپنے سر پر کچھ مٹی ڈالی اور قبر میں لوٹ گئی۔

بادشاہ کی بدبختی:

ابن اسحاق نے بحوالہ کعب و وہب بیان کیا ہے کہ بادشاہ ایمان نہیں لایا اور قوم کے اتفاق رائے سے اس نے قاصدوں کو قتل کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا یہ خبر حبیب کو مل گئی حبیب اس وقت شہر کے آخری دروازہ پر تھا فوراً وہ دوڑ کر شہر والوں کے پاس پہنچا ان کو نصیحت کی اور قاصدوں کا کہا ماننے کی دعوت دی، یہ ہی مطلب ہے اللہ کے آئندہ قول کا۔ (تفسیر مظہری)

بستی کی تعیین کوئی ضروری نہیں:

سیدی حضرت حکیم الامت ؒ نے بیان القرآن میں اختیار فرمایا ہے، کہ آیات قرآن کا مضمون سمجھنے کیلئے اس بستی کی تعیین ضروری نہیں، اور قرآن کریم نے اس کو مبہم رکھا ہے، تو ضرورت ہی کیا ہے کہ اس کی تعیین پر اتنا زور خرچ کیا جائے، سلف صالحین کا یہ ارشاد کہ اَبْھِمُوْا مَا اَبْھَمَہُ اللّٰہُ یعنی جس چیز کو اللہ نے مبہم رکھا ہے تم بھی اسے مبہم ہی رہنے دو، اس کا مقتضیٰ بھی یہی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اِذْ جَآءَھَا الْمُرْسَلُوْنَ
جب کہ آئے اس میں بھیجے ہوئے ☆

ان کے ناموں کی صحیح تعیین نہیں ہوسکتی اور نہ یقینی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبر تھے یا کسی پیغمبر کے واسطہ سے حکم ہوا تھا کہ اس کے نائب ہوکر فلاں بستی کی طرف جاؤ دونوں احتمال ہیں گو متبادر یہ ہی ہے کہ پیغمبر ہوں شاید حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے مبعوث ہوئے ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

یہ تینوں قاصد تھے پیغمبر نہیں تھے:

حضرت قتادہؒ سے یہ منقول ہے کہ یہاں لفظ مُرْسَلُوْن اپنی اصطلاحی معنی میں نہیں بلکہ قاصد کے معنی میں ہے اور یہ تین بزرگ جو اس قریہ کی طرف بھیجے گئے خود پیغمبر نہیں تھے، بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین میں سے تھے، انہی کے حکم سے یہ اس قریہ کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے۔ (ابن کثیر) اور چونکہ ان کے بھیجنے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول تھے، ان کا بھیجنا بھی بالواسطہ اللہ تعالیٰ ہی کا بھیجنا تھا۔ (معارف مفتی اعظم)

اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَیْھِمُ اثْنَیْنِ فَکَذَّبُوْھُمَا
جب بھیجے ہم نے اُن کی طرف دو تو اُن کو جھٹلایا
فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَیْکُمْ مُّرْسَلُوْنَ
پھر ہم نے قوت دی تیسرے سے، تب کہا انہوں نے ہم تمہاری طرف آئے ہیں بھیجے ہوئے ☆

قاصدوں کی دعوت:

یعنی اوّل دو گئے پھر ان کی تائید کیلئے تیسرا بھیجا گیا تینوں نے مل کر کہا کہ

ہم خود نہیں آئے اللہ کے بھیجے ہوئے آئے ہیں، لہٰذا جو کچھ ہم کہیں اُسی کا پیغام سمجھو۔ (تفسیر عثمانی)

تینوں قاصدوں کے نام:

عبدالرزاق عبد بن حمید، ابن جریر ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے قتادہ کا بیان نقل کیا ہے قتادہ نے کہا مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اہل قریہ کے پاس دو حواریوں کو بھیجا تھا کعب نے کہا پہلے دونوں قاصد صادق و مصدوق تھے اور تیسرا قاصد سلوم تھا۔ (تفسیر مظہری)

قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ

وہ بولے تم تو یہی انسان ہو جیسے ہم اور رحمٰن نے

الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾

کچھ نہیں اُتارا تم سارے جھوٹ کہتے ہو ☆

بستی والوں کا جواب:

یعنی تم میں سے کوئی سرخاب کا پر نہیں جو اللہ تمہیں بھیجتا ہم سے کس بات میں تم بڑھ کر تھے بس رہنے دو خواہ مخواہ خدا کا نام نہ لو، اُس نے کچھ نہیں اُتارا تینوں سازش کر کے ایک جھوٹ بنالائے اُسے خدا کی طرف نسبت کر دیا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

کہا ہمارا رب جانتا ہے ہم بیشک تمہاری طرف بھیجے ہوئے آئے ہیں ☆

قاصدوں کے سچا ہونے کی دلیل:

یعنی اگر ہم خدا پر جھوٹ لگاتے ہیں تو وہ دیکھ رہا ہے کیا وہ اپنے فعل سے برابر جھوٹوں کی تصدیق کرتا رہے گا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ اب تم سمجھو یا نہ سمجھو، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ہم اپنے دعوے میں سچے ہیں اور کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے۔ اسی لئے فعلاً ہماری تصدیق کر رہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ: رسولوں نے اللہ کے علم سے استشہاد کیا جو قسم کے قائم مقام ہے (یعنی انہوں نے اللہ کی قسم کھا کر کہا) اس لیے (احناف کا مسلک ہے کہ) جس نے دانستہ جھوٹ بولا اور جانتے ہوئے کہا اللہ جانتا ہے کہ میں نے یہ کام کرلیا اور واقع میں وہ کاذب ہو تو اس پر یمین غموس پڑ جائے گی (دانستہ گذشتہ واقعہ پر جھوٹی قسم) (تفسیر مظہری)

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾

اور ہمارا ذمہ یہی ہے پیغام پہنچا دینا کھول کر ☆

یعنی ہم اپنا فرض ادا کر چکے، خدا کا پیام خوب کھول کر واضح، معقول اور دلنشیں طریقہ سے تم کو پہنچا دیا۔ اب اتمام حجت کے بعد خود سوچ لو کہ تکذیب وعداوت کا انجام کیا ہونا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ

بولے ہم نے نامبارک دیکھا تم کو اگر تم باز نہ رہو گے تو ہم تم کو سنگسار کریں گے

وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾

اور تم کو پہنچے گا ہمارے ہاتھ سے عذاب درد ناک ☆

بستی والوں کی بے عقلی:

شاید تکذیب مرسلین اور کفر و عناد کی شامت سے قحط وغیرہ پڑا ہوگا۔ یا مرسلین کے سمجھانے پر آپس میں اختلاف ہوا کسی نے مانا کسی نے نہ مانا، اسکو نامبارک کہا۔ یعنی تمہارے قدم کیا آئے قحط اور نا اتفاقی کی بلا ہم پر ٹوٹ پڑی یہ سب تمہاری نحوست ہے (العیاذ باللہ) ورنہ پہلے ہم اچھے خاصے آرام چین کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ بس تم اپنے وعظ و نصیحت سے ہم کو معاف رکھو۔ اگر یہ روش نہ چھوڑو گے اور وعظ و نصیحت سے باز نہ آؤ گے تو ہم سخت تکلیف و عذاب پہنچا کر تم کو سنگسار کر ڈالیں گے۔

قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ

کہنے لگے تمہاری نامبارکی تمہارے ساتھ ہے کیا اتنی بات پر کہ تم کو سمجھایا

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

کوئی نہیں پر تم لوگ ہو کہ حد پر نہیں رہتے ☆

قاصدوں کی تعلیم:

یعنی تمہارے کفر و تکذیب کی شامت سے عذاب آیا۔ اگر حق و صداقت کو سب مل کر قبول کر لیتے نہ یہ اختلاف مذموم پیدا ہوتا نہ اس طرح مبتلائے آفات ہوتے، پس نامبارکی اور نحوست کے اسباب خود تمہارے اندر موجود ہیں۔ پھر کیا اتنی بات پر کہ تمہیں اچھی نصیحت و فہمائش کی اور بھلا برا سمجھایا، اپنی نحوست ہمارے سر ڈالنے لگے اور قتل کی دھمکیاں دینے لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم عقل و آدمیت کی حدود سے خارج ہو جاتے ہو، نہ عقل سے سمجھتے ہو نہ آدمیت کی بات کرتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

پیغمبرانہ دعوت و اصلاح کا طریقہ:

اس بستی کی طرف جو تین رسول بھیجے گئے انہوں نے مشرکین و کفار سے جس طرح خطاب کیا اور ان کی سخت و تلخ باتوں اور دھمکیوں کا جس طرح جواب دیا اسی طرح ان کی دعوت سے مسلمان ہونے والے حبیب نجار نے اپنی قوم سے جس طرح خطاب کیا ان سب چیزوں کو ذرا غور کر دیکھئے، تو اس میں تبلیغ دین اور اصلاح خلق کی خدمت انجام دینے والوں کے لئے بڑے سبق ہیں، ان رسولوں کی ناصحانہ تبلیغ و تلقین کے جواب میں مشرکین نے تین باتیں کہیں:

۱-تم تو ہمیں جیسے انسان ہو ہم تمہاری بات کیوں مانیں؟
۲-اللہ رحمٰن نے کسی پر کوئی پیغام اور کتاب نہیں اُتاری۔
۳-تم خالص جھوٹ بولتے ہو۔

آپ غور کیجئے کہ بے غرض ناصحانہ کلام کے جواب میں یہ اشتعال انگیز گفتگو کیا جواب چاہتی تھی، مگر ان رسولوں نے کیا جواب دیا، صرف یہ کہ رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّا إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ۔

آج کل کے مبلغین اور خدمتِ دعوت واصلاح کے انجام دینے والے نے عموماً اس پیغمبرانہ اسوہ کو چھوڑ دیا اسی لئے ان کی دعوت وتبلیغ بے اثر ہو کر رہ گئی ہے، تقریر وخطاب میں غصہ کا اظہار، مخالف پر فقرے چست کرنا بڑا کمال سمجھا جاتا ہے، جو مخالف کو اور زیادہ ضد وعناد کی طرف دھکیل دیتا ہے، اللھم اجعلنا متبعین سنن انبیاءک ووفقنا لما تحب وترضاہ۔ (معارف مفتی اعظم)

وَجَآءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى
اور آیا شہر کے پرلے سرے سے ایک مرد دوڑتا ہوا ☆

ایک سچا آدمی: کہتے ہیں کہ اس مرد صالح کا نام حبیب تھا۔ شہر کے پرلے کنارے عبادت میں مشغول رہتا اور کسب حلال سے کھاتا تھا، فطری صلاحیت نے چپ نہ بیٹھنے دیا، قصہ سنتے ہی مرسلین کی تائید وحمایت اور مکذبین کی نصیحت وفہمائش کے لئے دوڑتا ہوا آیا۔ مبادا اشقیاء اپنی دھمکیوں کو پورا کرنے لگیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرسلین کی آواز کا اثر شہر کے دور دراز حصوں تک پہنچ گیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وہب نے کہا حبیب ریشمی کپڑے بناتا تھا اور بیمار تھا اس کو جذام ہو گیا تھا اس لیے شہر کے آخری دروازہ پر پڑا رہتا تھا اور مرد مومن تھا خیرات بہت کرتا تھا دن میں جو کچھ کماتا تھا شام کو دو حصے کر کے ایک حصہ خیرات کر دیتا تھا اور ایک حصہ اپنے متعلقین کے صرف میں لاتا تھا جب اس کو اطلاع ملی کہ اس کی قوم والوں نے رسولوں کو قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا ہے تو دوڑا ہوا آیا اور کہا، (تفسیر مظہری)

قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۰﴾ اتَّبِعُوْا مَنْ
بولا اے قوم چلو راہ پر بھیجے ہوؤں کی چلو راہ پر ایسے شخص کی
لَّا يَسْئَلُكُمْ أَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾
جو تم سے بدلہ نہیں چاہتے اور وہ ٹھیک راستہ پر ہیں ☆
وَمَالِيَ لَآ أَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ
اور مجھ کو کیا ہوا کہ میں بندگی نہ کروں اُس کی جس نے مجھکو بنایا
وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾
اور اُسی کی طرف سب پھر جاؤ گے ☆

ءَأَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً إِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ
بھلا میں پکڑوں اُس کے سوا اوروں کو پوجنا کہ اگر مجھ پر چاہے رحمٰن
بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾
تکلیف تو کچھ کام نہ آئے مجھ کو اُن کی سفارش اور نہ وہ مجھ کو چھڑائیں
إِنِّيْٓ إِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾
تو تو میں بھٹکتا رہوں صریح ☆
إِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾
میں یقین لایا تمہارے رب پر مجھ سے سن لو ☆

حبیب کی تقریر:

یعنی اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اس کا پیغام لے کر آئے ہیں جو نصیحت کرتے ہیں اس پر خود کاربند ہیں اخلاق، اعمال اور عادات واطوار سب ٹھیک ہیں بے غرض خیر خواہی کرتے ہیں۔ کوئی معاوضہ تم سے نہیں چاہتے۔ پھر ایسے بے لوث بزرگوں کا اتباع کیوں نہ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے جو پیغام بھیجے کیوں قبول نہ کیا جائے۔

یہ اپنے اوپر رکھ کر دوسروں کو سنایا۔ یعنی تم کو آخر کیا ہوا کہ جس نے پیدا کیا اس کی بندگی نہ کرو۔

یعنی یہ مت سمجھنا کہ پیدا کر کے آزاد چھوڑ دیا ہے۔ اب کچھ مطلب اس سے نہیں رہا نہیں سب کو مرے پیچھے اسی کے پاس واپس جانا ہے۔ اس وقت کی فکر کر رکھو۔

یعنی کس قدر صریح گمراہی ہے کہ اس مہربان اور قادر مطلق پروردگار کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش کی جائے جو خدا کی بھیجی ہوئی کسی تکلیف سے نہ بذات خود چھڑا سکیں نہ سفارش کر کے نجات دلا سکیں۔

یعنی مجمع میں بے کھٹکے اعلان کرتا ہوں کہ میں خدائے واحد پر ایمان لا چکا۔ اسے سب سن رکھیں شاید مرسلین کو اس لئے سُنایا ہو کہ وہ اللہ کے ہاں گواہ رہیں اور قوم کو اس لئے کہ سن کر کچھ متاثر ہوں، یا کم از کم دنیا ایک مومن کی قوت ایمان کا مشاہدہ کرنے کی طرف متوجہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

حبیب کے ساتھ بستی والوں کا سلوک اور اللہ تعالیٰ کا انعام:

بغوی نے لکھا ہے جب اس شخص نے یہ بات کہی تو قوم والوں نے اس پر یک دم حملہ کر کے قتل کر دیا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا قدموں سے ایسا روندھ دیا کہ اس کی آنتیں نیچے سے نکل گئیں سدی نے کہا لوگ اس کو پتھروں سے مار رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا اے اللہ میری قوم کو ہدایت کر آخر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور مارڈالا حسن نے کہا اس کے گلے کو پھاڑ کر شہر کی فصیل

سے لٹکا دیا، اس کی قبر انطاکیہ میں موجود ہے۔

اللہ نے اس کو جنت میں داخل فرما دیا وہ زندہ ہے اللہ کی طرف سے اس کو روزی ملتی ہے یعنی وہ شہید ہو گیا اور شہیدوں کی زندگی اس کو عطا کر دی۔

بعض علماء نے کہا بِرَبِّكُمْ میں خطاب رسولوں کو ہے کیوں کہ جب اس کو یقین ہو گیا کہ مجھے قتل کر دیا جائے گا تو اس نے اپنے مومن ہونے کا گواہ پیغمبروں کو بنا لیا (گویا) پورا کلام اس طرح تھا پھر اس نے رسولوں سے کہا میں تمہارے رب پر ایمان لایا۔ (تفسیر مظہری)

اور بعض علماء سلف جیسے حسن بصری سے یہ منقول ہے کہ اہل قریہ اس مرد صالح کو ابھی قتل کرنے نہ پائے تھے اس کے مار ڈالنے کا ارادہ ہی کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ صحیح سالم آسمان پر اٹھا لیا اور اس کو یہ حکم ہوا کہ جنت میں داخل ہو جا دنیا کے جیل خانہ سے تو نکل آیا اب تو ہمارے مہمان خانہ میں قیام کر کما قال تعالیٰ يٰاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ جنت میں داخل ہونے کے بعد اس مرد صالح کو پھر اپنی قوم کی فکر ہوئی اور کہنے لگا کاش میری قوم جانتی۔ (معارف کاندھلوی)

خلافت خاصہ:

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے بعد ایک جماعت ایسی بھی ہے جو کلمہ حق کو بشارت قلبی سے پہچان لیتی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی پیروی کر کے خلق اللہ کو کلمہ حق کی دعوت دیتی ہے آخرت میں انبیاء علیہم السلام کے بعد جو مراتب و منازل ہیں وہ ان کو عطا کئے جائیں گے اور یہ صفت خلافت خاصہ کے لوازم میں سے ہے۔ (ازالۃ الخفاء) (معارف کاندھلوی)

حضرت حبیبؒ کی مثل ایک صحابیؓ:

روایت میں آیا ہے کہ حضرت عروہ بن مسعود ثقفی خدمت گرامی میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے پھر انہوں نے اپنے قبیلہ کے پاس واپس جانے کی اجازت طلب کی حضور نے فرمایا وہ تجھ سے لڑیں گے عروہ نے کہا حضور اگر وہ مجھے سوتا پالیں گے تو بیدار بھی نہیں کریں گے (وہ میرا بڑا ادب کرتے ہیں) چنانچہ واپس جا کر عروہ نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی لیکن انہوں نے عروہ کا کہنا نہ مانا اور تکلیف دہ باتیں سنائیں جب فجر کا وقت ہوا تو انہوں نے اپنے بالاخانہ پر نماز ادا کی اور توحید و رسالت کی شہادت دی باہر سے کسی ثقفی شخص نے ان کے تیر مارا اور شہید کر دیا حضور کو جب ان کے شہید ہونے کی خبر پہنچی تو فرمایا عروہ کی مثال ایسی ہے جیسے یسین والے شخص کی جس نے اپنی قوم کو توحید کی طرف بلایا تھا اور انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ

حکم ہوا چلا جا بہشت میں ☆

یعنی فوراً بہشت کا پروانہ مل گیا آگے نقل کرتے ہیں کہ قوم نے اس کو نہایت بیدردی کے ساتھ شہید کر ڈالا ادھر شہادت واقع ہوئی اُدھر سے حکم ملا کہ فوراً بہشت میں داخل ہو جا جیسا کہ ارواح شہداء کی نسبت احادیث سے ثابت ہے کہ وہ قبل از محشر جنت میں داخل ہوتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ۙ بِمَا غَفَرَ لِيْ

بولا کسی طرح میری قوم معلوم کر لیں کہ بخشا مجھ کو

رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝

میرے رب نے اور کیا مجھ کو عزت والوں میں ☆

قوم سے ہمدردی:

قوم نے اُس کی دشمنی کی کہ مار ڈالا، اُس کو بہشت میں پہنچ کر بھی قوم کی خیر خواہی کا خیال رہا کہ اگر میرا حال اور جو انعام و اکرام حق تعالیٰ نے مجھ پر کیا ہے معلوم کر لیں تو سب ایمان لے آئیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ

اور اُتاری نہیں ہم نے اس کی قوم پر اُس کے پیچھے کوئی فوج

مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ۝ اِنْ كَانَتْ اِلَّا

آسمان سے اور ہم فوج نہیں اتارا کرتے بس یہی تھی ایک

صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ۝

چنگھاڑ پھر اُسی دم سب بجھ گئے ☆

کفر و ظلم کی سزا:

یعنی اس کے بعد اس کی قوم کفر و ظلم اور تکذیب مرسلین کی پاداش میں ہلاک کی گئی اور اس اہلاک کے لئے کوئی مزید اہتمام کرنا نہیں پڑا کہ آسمان سے فرشتوں کی فوج بھیجی جاتی، نہ حق تعالیٰ کی یہ عادت ہے کہ قوموں کی ہلاکت کے لئے بڑی بڑی فوجیں بھیجا کریں (یوں کسی خاص موقع پر کسی خاص مصلحت کی وجہ سے فرشتوں کا لشکر بھیج دیں وہ دوسری بات ہے) وہاں تو بڑے بڑے مدعیوں کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ایک ڈانٹ کافی ہے۔ چنانچہ اس قوم کا حال بھی یہ ہی ہوا کہ فرشتوں نے ایک چیخ ماری اور سب کے سب اسی دم بجھ کر رہ گئے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا انطاکیہ والوں نے حبیب کو شہید کر دیا تو اللہ کا غضب جوش

میں آ گیا اور فوری عذاب نازل کر دیا جبرئیل نے بحکم الٰہی ایک چیخ ماری جس سے سب مر گئے۔ (تفسیر مظہری)

روایات میں ہے کہ جبرئیل امین نے شہر کے دروازے کے دونوں بازو پکڑ کر ایک سخت ہیبت ناک آواز لگائی جس کے صدمہ کو کسی کی رُوح برداشت نہ کر سکی سب کے سب مرے رہ گئے، اُن کے مر جانے کو قرآن نے خامدُون کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، خمود آگ بجھ جانے کے معنی میں آتا ہے، جاندار کی حیات حرارت غریزی پر موقوف ہے، جب یہ حرارت ختم ہو جائے تو اسی کا نام موت ہے، خامِدُون یعنی بجھنے والے ٹھنڈے ہو جانے والے۔ (معارف مفتی اعظم)

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ
کیا افسوس ہے بندوں پر کوئی رسول نہیں آیا ان کے پاس
إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٣٠﴾ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا
جس سے ٹھٹھا نہیں کرتے کیا نہیں دیکھتے کتنی غارت کر چکے
قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿٣١﴾
ہم اُن سے پہلے جماعتیں کہ وہ ان کے پاس پھر کر نہیں آئینگی ☆

تاریخ کی پکار:

یعنی دیکھتے اور سنتے ہیں کہ دنیا میں کتنی قومیں پہلے پیغمبروں سے ٹھٹھا کر کے غارت ہو چکی ہیں جن کا نام و نشان مٹ چکا۔ کوئی ان میں سے لوٹ کر ادھر واپس نہیں آتی۔ عذاب کی چکی میں سب پس کر برابر ہو گئیں، اس پر بھی عبرت نہیں ہوتی جب کوئی نبی یا رسول آتا ہے وہ ہی تمسخر اور استہزاء شروع کر دیتے ہیں۔ جو پہلے کفار کی عادت تھی۔ چنانچہ آج خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار مکہ کا یہی معاملہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یٰحَسْرَۃً میں تنوین تعظیم ہے یعنی حسرت کی عظمت پر دلالت کر رہی ہے۔ یہ حسرت کی عظمت کا اظہار ہے جو لوگ اپنے ان مخلص خیر خواہوں کا مذاق اڑائیں جن کی نصیحت سے دونوں جہاں کی بہبودی وابستہ ہے تو ایسے لوگ اسی قابل ہیں کہ ان کی حالت پر اظہار حسرت کیا جائے اور جن وانس وملائکہ ان پر افسوس کریں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حسرت سے مراد ایمان والے بندوں کی طرف سے اظہار حسرت نہ ہو بلکہ بطور استعارہ اللہ کی طرف سے حسرت کا اظہار ہو اس صورت میں استہزاء کرنے والوں کے جرم کی عظمت کی طرف اشارہ ہوگا بعض نے کہا منادی محذوف ہے یعنی اے لوگو! ان بندوں پر افسوس کرو جو انبیاء کا مذاق اڑاتے ہیں، حسرت کا معنی ہے شدت حزن اور پشیمانی۔

مکہ والوں کیلئے عبرت:

اَلَمْ یَرَوْا کیا مکہ والے نہیں جانتے کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی کثرت سے امتوں کو ہلاک کر دیا گیا یہ واقف نہیں کہ ہلاک شدہ امتیں ان کے پاس لوٹ کر نہیں آئیں گی، اس کلام سے ایک شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ شاید مرے کبھی نہیں لوٹیں گے (اور کبھی دوبارہ زندگی ان کو نہیں ملے گی) اس شبہ کو دور کرنے کیلئے آگے فرمایا، (تفسیر مظہری)

وَإِنْ كُلٌّ لَمَّا جَمِيعٌ لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿٣٢﴾
اور اُن سب میں کوئی نہیں جو اکٹھے ہو کر آئیں ہمارے پاس پکڑے ہوئے ☆

مجرمین کا اجتماع:

یعنی وہ تو دنیا کا عذاب تھا، اور آخرت کی سزا الگ رہی یہ نہ سمجھو کہ ہلاک ہو کر ادھر واپس نہیں آتے تو بس قصہ ختم ہوا نہیں سب کو پھر ایک دن خدا کے ہاں حاضر ہونا ہے، جہاں بلا استثناء سب مجرم پکڑے ہوئے آئیں گے۔

وَآيَةٌ لَهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ ۖ أَحْيَيْنَاهَا
اور ایک نشانی ہے ان کے واسطے زمین مردہ اُس کو ہم نے زندہ کر دیا
وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُونَ ﴿٣٣﴾ وَجَعَلْنَا
اور نکالا اُس میں سے اناج سو اُسی میں سے کھاتے ہیں اور بنائے ہم نے
فِيهَا جَنَّاتٍ مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا
اُس میں باغ کھجور کے اور انگور کے اور بہا دیے اُس میں بعضے
فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ﴿٣٤﴾ لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ
چشمے کہ کھائیں اُس کے میووں سے ☆

بعث بعد الموت کی دلیل:

یعنی شاید شبہ گذرتا کہ مرے پیچھے پھر کس طرح زندہ ہو کر حاضر کیے جائینگے؟ اس کو یوں سمجھا دیا کہ زمین خشک اور مُردہ پڑی ہوتی ہے پھر خدا اُس کو زندہ کرتا ہے کہ ایک دم لہلہانے لگتی ہے کیسے کیسے باغ و بہار، غلے اور میوے اُس سے پیدا ہوتے ہیں جن کو تم استعمال میں لاتے ہو، اسی طرح خیال کر لو کہ مُردہ ابدان میں روح حیات پھونک دی جائیگی، بہرحال مُردہ زمین ان کے لئے ایک نشانی ہے جس میں غور کرنے سے بعث بعد الموت اور حق تعالیٰ کی وحدانیت وعظمت اور اُس کے انعام و احسان کے مسائل کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

تنبیہ: اُوپر کی آیات میں ترہیب کا پہلو نمایاں تھا عذاب الٰہی سے ڈر کر راہ ہدایت اختیار کریں، آیت حاضرہ میں ترغیب کی صورت اختیار فرمائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچان کر شکر گذاری کی طرف متوجہ ہوں اور یہ بھی سمجھیں کہ خدا مردہ زمین کو زندہ کرتا رہتا ہے وہ ایمانی حیثیت سے ایک مُردہ قوم کو زندہ کر

دے یہ کیا مشکل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

کھجور: نخیل کھجور کے درخت کو کہتے ہیں اور تمر چھوارے کو کہتے ہیں مناسب تو یہ تھا کہ انگوروں اور اناج کے ساتھ چھواروں کا ذکر کیا جاتا لیکن بجائے چھواروں کے ان کے درختوں کا اس لیے ذکر کیا کہ کھجور کے درختوں کے فوائد پھلوں کے علاوہ اور بھی بہت ہیں اور صنعت الٰہیہ کا ظہور درخت کھجور سے بھی بہت ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ

اور اس کو بنایا نہیں ان کے ہاتھوں نے پھر کیوں شکر نہیں کرتے ☆

ہر حیثیت سے اللہ کا شکر واجب ہے:

یعنی یہ پھل اور میوے قدرت الٰہی سے پیدا ہوتے ہیں ان کے ہاتھوں میں یہ طاقت نہیں کہ ایک انگور یا کھجور کا دانہ پیدا کر لیں۔ جو محنت اور تردد باغ لگانے اور اس کی پرورش کرنے میں کیا جاتا ہے، اس کو بار آور کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے اور غور سے دیکھا جائے تو جو کام بظاہر ان کے ہاتھوں سے ہوتا ہے وہ بھی فی الحقیقت حق تعالیٰ کی عطا کی ہوئی قدرت وطاقت اور اسی کی مشیت و ارادہ سے ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر حیثیت سے اس کی شکر گزاری اور احسان شناسی واجب ہوئی۔ (تنبیہ) مترجم محقق رحمہ اللہ نے ''وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ'' میں ''ما'' کو نافیہ لیا ہے۔ کما ہو داب اکثر المتاخرین لیکن سلف سے عموماً ''ما'' کا موصولہ ہونا منقول ہے اور اسی کی تائید ابن مسعودؓ کی قرأت ''وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ'' سے ہوتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

غافلوں کیلئے تنبیہ:

غافل انسان کو اس پر متنبہ کیا ہے کہ ذرا اپنے کام اور محنت میں غور کر کہ تیرا کام اس باغ و بہار میں اس کے سوا کیا ہے کہ تو نے زمین میں بیج ڈال دیا، اس پر پانی ڈال دیا، زمین کو نرم کر دیا کہ نازک کونپل نکلنے میں رکاوٹ پیدا نہ ہو، مگر اس بیج میں سے درخت اُگانا، درخت پر پتے اور شاخیں نکلنا پھر اس پر طرح طرح کے پھل پیدا کرنا ان سب چیزوں میں تیرا کیا دخل ہے، مثلاً پھلوں سے طرح طرح کے حلوے، اچار چٹنی، تیار کرنا اور بعض پھلوں سے تیل وغیرہ نکالنا جو انسانی کسب و عمل کا نتیجہ ہے، اس کا حاصل یہ ہوگا کہ یہ پھل جو قدرت نے بنائے ہیں بغیر کسی کسب و عمل اور انسانی تصرف کے بھی کھانے کے قابل بنائے گئے ہیں اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ سلیقہ بھی دیا ہے کہ ایک ایک پھل سے طرح طرح کی خوش ذائقہ اور مفید چیزیں تیار کر لے۔ (معارف مفتی اعظم)

سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ

پاک ذات ہے جس نے بنائے جوڑے سب چیز کے اُس قسم سے جو اُگتا ہے

الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ

زمین میں اور خود اُن میں سے اور اُن چیزوں میں سے کہ جس کی اُن کو خبر نہیں ☆

قدرتِ الٰہی کا عجیب کرشمہ:

یعنی نباتات میں، انسانوں میں اور دوسری مخلوقات میں جن کی انہیں پوری خبر بھی نہیں، اللہ تعالیٰ نے جوڑے بنائے ہیں خواہ تقابل کی حیثیت سے جیسے عورت، مرد، نر مادہ، کھٹا، میٹھا، سیاہ، سفید، دن، رات، اندھیرا، اجالا، یا تماثل کی حیثیت سے جیسے یکساں رنگ اور مزے کے پھل اور ایک شکل و صورت کے دو جانور، بہر حال مخلوقات میں کوئی مخلوق نہیں جس کا مماثل یا مقابل نہ ہو یہ صرف خدا ہی کی ذات پاک ہے جس کا نہ کوئی مقابل ہے، نہ مماثل، کیونکہ مقابلہ یا مماثلت ان چیزوں میں ہو سکتی ہے، جو کسی درجہ میں فی الجملہ اشتراک رکھتی ہوں، خالق و مخلوق کا کسی حقیقت میں اشتراک ہی نہیں۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ

اور ایک نشانی ہے اُنکے واسطے رات کھینچ لیتے ہیں ہم اُس پر سے دن کو پھر تب ہی یہ رہ جاتے ہیں

مُّظْلِمُوْنَ ۙ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ

اندھیرے میں اور سورج چلا جاتا ہے اپنے ٹھہرے ہوئے رستہ پر ☆

انقلاباتِ جہاں:

''سلخ'' کہتے ہیں جانور کی کھال اتارنے کو جس سے نیچے کا گوشت ظاہر ہو جائے۔ اسی طرح سمجھو کہ رات کی تاریکی پر دن کی چادر پڑی ہوئی ہے۔ جس وقت یہ نور کی چادر اوپر سے اتار لی جاتی ہے لوگ اندھیرے میں پڑے رہ جاتے ہیں اس کے بعد پھر سورج اپنی مقررہ رفتار سے معین وقت پر آ کر سب جگہ اجالا کرتا ہے۔ لیل ونہار کے ان تقلبات پر قیاس کر کے سمجھ لو کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ عالم کو فنا کر کے دوبارہ زندہ کر سکتا ہے اور بے شک وہ ہی ایک خدا لائق پرستش ہے جس کے ہاتھ میں ان عظیم الشان انقلابات کی باگ ہے جس سے ہم کو مختلف قسم کے فوائد پہنچتے ہیں نیز جو قادر مطلق رات کو دن سے تبدیل کرتا ہے، کیا کچھ بعید ہے کہ بذریعہ آفتاب رسالت کے دنیا سے جہالت کی تاریکیوں کو دور کر دے لیکن رات دن اور چاند سورج کے طلوع و غروب کی طرح ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سورج کا طلوع وغروب:

مشارق و مغارب کا منتہا سورج کے پورے دورے میں ۳۶۵ طلوع ہونے کے مقامات اور اتنے ہی غروب ہونے کے مقامات ہوتے ہیں روزانہ نئے مطلع سے نکلتا اور نئے مغرب میں چھپتا ہے اور آئندہ سال تک نہ پھر اس مطلع سے طلوع ہوتا ہے اور نہ اس مغرب میں غروب ہوتا ہے۔

ایک وقت آئے گا جب سورج کو طلوع کی اجازت نہ ہوگی:

بغوی نے حضرت ابوذرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ جس وقت سورج غروب ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کہاں چلا جاتا ہے ابوذرؓ نے کہا میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو خوب علم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جا کر عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور (آگے چلنے کی) اجازت طلب کرتا ہے اس کو اجازت دے دی جاتی ہے لیکن عنقریب ایسا وقت آئے گا کہ یہ سجدہ کرے گا اور سجدہ قبول نہ ہوگا اور (آگے جانے کی) اجازت طلب کرے گا مگر اس کو اجازت نہیں ملے گی اور حکم دیا جائے گا کہ جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا چنانچہ وہ (لوٹ کر) مغرب سے طلوع ہوگا یہی (مطلب) ہے آیت وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا مستقر عرش کے نیچے ہے۔ متفق علیہ۔ (تفسیر مظہری)

حضرت قتادہؒ کی تفسیر:

آفتاب اپنے مدار پر ایسے محکم اور مضبوط نظام کے ساتھ حرکت کر رہا ہے جس میں کبھی ایک منٹ ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آتا ہزارہا سال اس روش پر گذر چکے ہیں مگر یہ سب دائمی نہیں اس کا ایک خاص مستقر ہے، جہاں پہنچ کر یہ نظام شمسی اور اس کی حرکت بند اور ختم ہو جائے گی اور وہ قیامت کا دن ہے، یہ تفسیر قتادہؒ سے منقول ہے۔ (ابن کثیر)

اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی اسی مضمون کی حدیث منقول ہے، اس میں کچھ زیادتی ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ روزانہ آفتاب تحت العرش پہنچ کر سجدہ کرتا ہے اور نئے دورے کی اجازت طلب کرتا ہے اجازت پا کر نیا دور شروع کرتا ہے، یہاں تک کہ ایک دن ایسا آئے گا جب اس کو نیا دورہ کرنے کی اجازت نہیں ملے گی بلکہ یہ حکم ہوگا کہ جس طرف سے آیا ہے اسی طرف لوٹ جا یعنی مغرب کی طرف سے زمین کے نیچے گیا پھر مغرب ہی کی طرف سے لوٹ کر مغرب سے طلوع ہو جا، جس روز ایسا ہوگا تو یہ قیامت کے بالکل قریب ہونے کی علامت ہوگی، اور اس وقت توبہ کرنے اور ایمان لانے کا دروازہ بند کر دیا جائے گا، اس وقت کسی مبتلاء گناہ کی گناہ سے اور مبتلائے شرک وکفر کی کفر سے توبہ قبول نہ ہوگی۔ (ابن کثیر بحوالہ عبدالرزاق)

حدیث کی تشریح:

جبکہ قرآن وسنت کی تصریحات کے مطابق عرش خداوندی تمام آسمانوں سیاروں، زمینوں پر محیط ہے، تو یہ ظاہر ہے کہ آفتاب ہر جگہ زیر عرش ہی ہے اور جبکہ تجربہ شاہد ہے کہ آفتاب جس وقت ایک جگہ غروب ہو رہا ہوتا ہے تو دوسری جگہ طلوع بھی ہو رہا ہوتا ہے اس لیے اس کا ہر لمحہ طلوع وغروب سے خالی نہیں، تو آفتاب کا زیر عرش رہنا بھی دائمی ہر حال میں ہے اور غروب وطلوع ہونا بھی ہر حال میں ہے اس لئے حاصل مضمون حدیث کا یہ ہوا کہ آفتاب پورے دورے میں زیر عرش اللہ کے سامنے سجدہ ریز رہتا ہے یعنی اس کی اجازت اور فرمان کے تابع حرکت کرتا ہے اور یہ سلسلہ اسی طرح قریب قیامت تک چلتا رہے گا، یہاں تک کہ قیامت کی بالکل قریبی علامت ظاہر کرنے کا وقت آ جائے گا تو آفتاب کو اپنے مدار پر اگلا دورہ شروع کرنے کے بجائے پیچھے لوٹ جانے کا حکم ہو جائے گا اور وہ پھر مغرب کی طرف سے طلوع ہو جائے گا اس وقت دروازہ توبہ کا بند ہو جائے گا کسی کا ایمان وتوبہ اس وقت مقبول نہیں ہوگا۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾
یہ سادھا ہے اُس زبردست باخبر نے ☆

طلوع وغروب کا نظام:

سورج کی چال اور رستہ مقرر ہے اسی پر چلا جاتا ہے۔ ایک انچ یا ایک منٹ اس سے ادھر ادھر نہیں ہو سکتا۔ جس کام پر لگا دیا ہے ہر وقت اس میں مشغول ہے۔ کسی دم قرار نہیں۔ رات دن کی گردش اور سال بھر کے چکر میں جس جس ٹھکانہ پر اسے پہنچنا ہے پہنچتا ہے پھر وہاں سے باذن خداوندی نیا دورہ شروع کرتا ہے قرب قیامت تک اسی طرح کرتا رہے گا۔ تا آنکہ ایک وقت آئے گا جب اس کو حکم ہوگا کہ جدھر سے غروب ہوا ہے ادھر سے الٹا واپس آ جائے یہ ہی وقت ہے جب باب توبہ بند کر دیا جائے گا۔ کما ورد فی الحدیث الصحیح بات یہ ہے کہ اس کے طلوع وغروب کا یہ سب نظام اس زبردست اور باخبر ہستی کا قائم کیا ہوا ہے جس کے انتظام کو کوئی دوسرا شکست نہیں کر سکتا۔ اور نہ اس کی حکمت ودانائی پر کوئی حرف گیری کر سکتا ہے وہ خود جب چاہے اور جس طرح چاہے الٹ پلٹ کرے کسی کو مجال انکار نہیں ہو سکتی۔ (تنبیہ۔) اس آیت کی تفسیر میں ایک حدیث آئی ہے کہ جس میں شمس کے تحت العرش سجدہ کرنے کا ذکر ہے، یہاں اسکی تشریح کا موقع نہیں اس پر ہمارا مستقل مضمون ''سجود الشمس'' کے نام سے چھپا ہوا ہے ملاحظہ کیا جائے۔ (تفسیر عثانی)

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ
اور چاند کو ہم نے بانٹ دی ہیں منزلیں یہاں تک کہ پھر آ رہا
كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾
جیسے ٹہنی پرانی ☆

چاند کی منزلیں:

سورج کی طرح چاند ہمیشہ ایک طرح نہیں رہتا بلکہ روزانہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے؟ اسکی اٹھائیس منزلیں اللہ نے مقرر کر دی ہیں، ان کو ایک معین نظام

کے ساتھ درجہ بدرجہ طے کرتا ہے۔ پہلی آیت میں رات دن کا بیان تھا پھر سورج کا ذکر کیا جس سے سالوں اور فصلوں کی تشکیل ہوتی ہے۔ اب چاند کا تذکرہ کرتے ہیں جس کی رفتار سے قمری مہینوں کا وجود وابستہ ہے۔ چاند سورج مہینہ کے آخر میں ملتے ہیں تو چاند چھپ جاتا ہے جب آگے بڑھتا ہے تو نظر آتا ہے پھر منزل بہ منزل بڑھتا چلا جاتا اور چودھویں شب کو پورا ہو کر بعد میں گھٹنا شروع ہوتا ہے آخر رفتہ رفتہ اسی پہلی حالت پر آ پہنچتا اور کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح پتلا، خمدار اور بے رونق سا ہو کر رہ جاتا ہے۔

لَا الشَّمْسُ يَنۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا
نہ سورج سے ہو کہ پکڑلے چاند کو اور
الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝
نہ رات آگے بڑھے دن سے اور ہر کوئی ایک چکر میں تیرتے ہیں ☆

چاند اور سورج حکم الٰہی سے بغاوت نہیں کر سکتے:

سورج کی سلطنت دن میں ہے اور چاند کی رات میں، یہ نہیں ہوسکتا کہ چاند کی نور افشانی کے وقت سورج اسکو آ دبائے۔ یعنی دن آگے بڑھ کر رات کا کچھ اڑا لے یا رات سبقت کر کے دن کے ختم ہونے سے پہلے آ جائے۔ جس زمانہ اور جس ملک میں جو اندازہ رات دن کا رکھ دیا ہے ان کو رات کی مجال نہیں کہ ایک منٹ آگے پیچھے ہوسکیں۔ ہر ایک سیارہ اپنے اپنے مدار میں پڑا چکر کھا رہا ہے اس سے ایک قدم ادھر ادھر نہیں ہٹ سکتا اور باوجود اسقدر سریع حرکت اور کھلی ہوئی فضا کے نہ ایک دوسرے سے ٹکراتا ہے نہ مقررہ انداز سے زیادہ تیز یا سست ہوتا ہے کیا یہ اس کا واضح نشان نہیں کہ یہ سب عظیم الشان مشینیں اور ان کے تمام پرزے کسی ایک زبردست مدبر ودانا ہستی کے قبضہ اقتدار میں اپنا اپنا کام کر رہے ہیں پھر جو ہستی، رات دن اور چاند سورج کا ادل بدل کرتی ہے وہ تمہارے فنا کرنے اور فنا کے بعد دوبارہ پیدا کرنے سے عاجز ہوگی؟ (العیاذ باللہ) (تنبیہ) حضرت شاہ صاحبؒ ''لَا الشَّمْسُ يَنۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ'' کی تعبیر کا نکتہ بیان فرماتے ہیں کہ ''سورج چاند اخیر مہینہ میں ملتے ہیں تو چاند پکڑتا ہے سورج کو، سورج چاند کو نہیں پکڑتا'' اسی لئے لَا الْقَمَرُ يَنۢبَغِيْ لَهٗ اَنْ يُّدْرِكَ الشَّمْسَ نہیں فرمایا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

آیت صراحۃً بتا رہی ہے کہ چاند سورج اور ستارے آسمان میں قسری (یعنی ملائکہ کے زور سے) یا بالارادہ چل رہے ہیں کیلوں کی طرح جڑے ہوئے نہیں ہیں ایسا نہیں ہے کہ آسمان کی حرکت سے ان کی حرکت ہو رہی ہے اور حرکت وضعی ہو، فلاسفہ سیاروں کی حرکت وضعی کے قائل ہیں۔

آسمانوں کی تعداد اور فاصلہ:

قرآن کی نصوص قطعیہ بتا رہی ہیں کہ آسمان سات ہیں اس سے زائد نہیں ہیں، اس کا منکر کافر ہو جاتا ہے ہر آسمان کا پھٹنا اور جڑنا جائز ہے بلکہ آسمان ضرور پھٹے گا اس کا منکر کافر ہے، اللہ نے فرمایا ہے اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ، اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ، اِنْشَقَّ الْقَمَرُ وغیرہ۔

صحیح احادیث میں آیا ہے کہ آسمان باہم چسپاں نہیں ہے بلکہ ہر آسمان دوسرے آسمان سے بہت دور ہے جو شخص آسمانوں کو باہم چسپاں کہتا ہے وہ فاسق ہے (اخبار آحاد کا منکر فاسق ہوتا ہے اور نصوص قطعیہ کا منکر کافر)

امام احمد اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع روایت بیان کی ہے حدیث طویل ہے، جس میں یہ بھی فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانوں کی درمیانی مسافت کا ذکر کیا اور فرمایا ہر آسمان کی دوسرے آسمان سے دوری پانچ سو برس کی (راہ) ہے، ترمذی اور ابوداؤد نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین سے آسمان تک کا فاصلہ اور ہر آسمان سے دوری اکہتر یا بہتر یا تہتر برس کی (راہ کے برابر) ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ
اور ایک نشانی ہے ان کے واسطے کہ ہم نے اٹھا لیا ان کی نسل کو
الْمَشْحُوْنِ ۝ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ۝
اس بھری ہوئی کشتی میں اور بنا دیا ہم نے انکے واسطے کشتی جیسی چیزوں کو جس پر سوار ہوتے ہیں ☆

وسائل نقل وحمل

یعنی حضرت نوحؑ کے زمانہ میں جب طوفان آیا تو آدم کی نسل کو اس بھری ہوئی کشتی پر سوار کر لیا جو حضرت نوحؑ نے بنائی تھی ورنہ انسان کا تخم باقی نہ رہتا پھر اسی کشتی کے نمونہ کی دوسری کشتیاں اور جہاز تمہارے لئے بنا دیے جن پر تم آج تک لدے پھرتے ہو، یا کشتیوں جیسی دوسری سواریاں پیدا کر دیں جن پر سوار ہوتے ہو مثلاً اونٹ، جن کو عرب ''سفائن البر'' (خشکی کی کشتیاں) کہا کرتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

ذُرِّيَّت کا معنی:

بظاہر ذریت سے مراد لڑکے ہیں جو تجارتی سفر میں ساتھ جاتے ہیں یا بچے اور عورتیں مراد ہیں جن کو لوگ اپنے ساتھ سفر میں لے جاتے ہیں، ذریت کا اطلاق عورتوں پر بھی ہوتا ہے، حدیث میں آیا ہے کہ ایک عورت کو مقتول پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو لڑنے کی اہل نہ تھی خالد سے جا کر کہہ دو کہ ذریت کو اور مزدوروں کو قتل نہ کرے چونکہ عورت کو مقتول پا کر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا اس لیے ذریت سے مراد عورتیں ہی ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا ذریت کے ساتھ حج کرو ان کی روزی نہ کھاؤ اور نہ ان کی گردنوں میں پڑی ہوئی رسیاں چھوڑو (گلے میں پڑی ہوئی رسیوں سے مراد فریضۂ حج ہے) یعنی عورتوں کو ساتھ لے کر حج کرو، کذا فی النہایہ۔

الفلک سے مراد ہیں کشتیاں جہاز، ذریت کا خصوصی ذکر اس لیے کیا کہ کشتیوں میں جم کر اور استقرار کے ساتھ بیٹھنا ان کے لیے نہایت دشوار ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

مِنْ مِّثْلِهٖ کا مصداق:

مِنْ مِّثْلِهٖ کا سب سے بڑا مصداق ہوائی جہاز ہیں، اور کشتی کے ساتھ اس کی تمثیل بھی اس کی زیادہ مؤید ہے، کہ جس طرح پانی کا جہاز پانی پر تیرتا ہے پانی اس کو غرق نہیں کرتا، ہوائی جہاز ہوا پر تیرتا ہے ہوا اس کو نیچے نہیں گراتی، اور عجب نہیں کہ قرآن حکیم نے اسی لئے مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ کو مبہم رکھا ہو تا کہ قیامت تک ایجاد ہونے والی سب سواریاں اس میں شامل ہو جائیں۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿٤٣﴾

اور اگر ہم چاہیں تو ان کو ڈبا دیں، پھر کوئی نہ پہنچے اُن کی فریاد کو اور نہ چھڑائے جائیں

اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿٤٤﴾

مگر ہم اپنی مہربانی سے اُن کا کام چلانے کو ایک وقت تک ☆

سب کچھ رحمتِ الٰہی سے ہے:

یعنی یہ مشت استخواں انسان دیکھو! کیسے خوفناک سمندروں کو کشتی کے ذریعہ عبور کرتا ہے جہاں بڑے بڑے جہازوں کی حقیقت ایک تنکے کے برابر نہیں۔ اگر اللہ اس وقت غرق کرنا چاہے تو کون بچا سکتا ہے اور کون ہے جو فریاد کو پہنچے۔ مگر یہ اس کی مہربانی اور مصلحت ہے کہ اس طرح سب بحری سواریوں کو غرق نہیں کر دیتا کیونکہ اس کی رحمت و حکمت مقتضی ہے کہ ایک معین وقت تک دنیا کا کام چلتا رہے۔ افسوس ہے کہ بہت لوگ ان نشانیوں کو نہیں سمجھتے نہ اس کی نعمتوں کی قدر کرتے ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ

اور جب کہیے اُن کو بچو اُس سے جو تمہارے سامنے آتا ہے

وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٤٥﴾

اور جو پیچھے چھوڑتے ہو شاید تم پر رحم ہو

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ

اور کوئی حکم نہیں پہنچتا ان کو اپنے رب کے حکموں سے

اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿٤٦﴾

جس کو وہ ٹلاتے نہ ہوں ☆

منکرین کی بے پرواہی:

سامنے آتا ہے جزاء کا دن اور پیچھے چھوڑے اپنے اعمال یعنی جب کہا جاتا ہے کہ قیامت کی سزا اور بد اعمالیوں کی شامت سے بچنے کی فکر کرو تا خدا کی رحمت تمہاری طرف متوجہ ہو۔ تو نصیحت پر ذرا کان نہیں دھرتے۔ ہمیشہ خدائی احکام سے روگردانی کرتے رہتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ سے مراد آخرت اور مَا خَلْفَكُمْ سے مراد ہے دنیا یعنی آخرت کیلئے عمل کرو اور دنیا سے محتاط رہو اس پر فریفتہ نہ ہو قتادہ نے کہا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ سے مراد ہیں وہ بربادی و تباہی کے واقعات جو گذشتہ امتوں کو پیش آئے اور مَا خَلْفَكُمْ سے مراد ہے عذاب آخرت۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالَ الَّذِيْنَ

اور جب کہیے اُن کو خرچ کرو کچھ اللہ کا دیا کہتے ہیں

كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ

منکر ایمان والوں کو ہم کیوں کھلائیں ایسے کو کہ اللہ چاہتا تو اُس کو کھلا دیتا ☆

مشرکین کی حماقت:

یعنی اور احکام الٰہی تو کیا مانتے، فقیروں مسکینوں پر خرچ کرنا تو ان کے نزدیک بھی کار ثواب ہے لیکن یہ ہی مسلم بات جب پیغمبر اور مومنین کی طرف سے کہی جاتی ہے تو نہایت بھونڈے طریقہ سے تمسخر کے ساتھ یہ کہہ کر اس کا انکار کر دیتے ہیں کہ جنہیں خود اللہ میاں نے کھانے کو نہیں دیا ہم انہیں کیوں کھلائیں۔ ہم تو اللہ کی مشیت کے خلاف کرنا نہیں چاہتے اگر اسکی مشیت ہوتی تو ان کو فقیر محتاج اور ہمیں غنی و تونگر نہ بناتا۔ خیال کرو اس حماقت اور بے حیائی کا کیا ٹھکانا ہے۔ کیا خدا کسی کو دینا چاہے تو اس کی یہ ہی ایک صورت ہے کہ خود بلا واسطہ رزق اس کے ہاتھ پر رکھ دے۔ اگر وسائط سے دلانا بھی اسکی مشیت سے ہے تو تم نے یہ فیصلہ کیسے کر لیا کہ اللہ ان کو روٹی دینا نہیں چاہتا۔ یہ تو اسکا امتحان ہے کہ اغنیاء کو فقراء کی اعانت پر مامور فرمایا اور ان کے توسط سے رزق پہنچانے کا سامان کیا جو اس امتحان میں ناکامیاب رہا اسے اپنی بدبختی اور شقاوت پر رونا چاہئے۔ (تنبیہ) بعض سلف کے اقوال سے

معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات بعض زنادقہ کے حق میں ہیں اس صورت میں ان کے اس قول کو تمسخر پر حمل نہ کیا جائے گا بلکہ حقیقت پر رکھیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

مال خرچ کرنے کا حکم:

خدانے جو امیروں کو فقیروں پر خرچ کرنیکا حکم دیا ہے سواس کا مطلب یہ ہے کہ اے میرے بندو میں نے تم کو جو مال و دولت دیا ہے اس کا اصل مالک میں ہوں میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ تم میری اس دی ہوئی دولت کا کچھ حصہ میرے غریب بندوں کی مدد میں خرچ کرو۔

درویش را خدا بتوانگر حوالہ کرد ۔۔۔ تا کار او بسازد و فارغ کند دلش

از روئے بخل گر نشود ملتفت بدو ۔۔۔ فردا بود ندامت و اندوہ حاصلش

سبب نزول: روایت کیا گیا کہ صدیق اکبرؓ مسلمان مسکینوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے، اتفاق سے ابوجہل آپ کو مل گیا اور کہنے لگا کہ اے ابوبکر کیا تمہارا یہ زعم ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے کھانا کھلانے پر قادر ہے۔

حضرت ابوبکر نے کہا ہاں بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے کھلانے پر قادر ہے ابو جہل نے کہا پھر کیا وجہ ہے کہ اللہ نے ان کو بھوکا رکھا اور کھانے کو نہیں دیا، ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ یہ اللہ کی طرف سے امتحان اور آزمائش ہے کسی قوم کو اللہ نے فقر سے آزمایا اور کسی قوم کو اللہ نے مالداری سے آزمایا اور فقراء کو صبر کا حکم دیا اور دولتمندوں کو شکر اور جود و کرم کا حکم دیا ابوجہل نے کہا اے ابوبکر خدا کی قسم تو خالص گمراہی میں سے ہے کیا تیرا یہ گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ان فقیروں کو کھانا کھلانے پر قادر ہے اور باوجود قدرت کے پھر ان کو کھانا نہیں دیتا اور پھر تو ان کو کھانا کھلاتا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا الی قولہ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ اور یہ آیت نازل ہوئی فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى الی آخر الآیات تفسیر قرطبی۔ (معارف کاندھلوی)

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۷﴾
تم لوگ تو بالکل بہک رہے ہو صریح ☆

مطلب پرستی کھلی گمراہی ہے:

اگر یہ جملہ کفار کے قول کا تتمہ ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ اے گروہ مومنین! تم صریح گمراہی میں پڑے ہو۔ ایسے لوگوں کا پیٹ بھرنا چاہتے ہو جن کا خدا پیٹ بھرنا نہیں چاہتا۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کفار کو خطاب ہے کہ کس قدر بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یہ گمراہی ہے نیک کام میں تقدیر کے حوالے کرنا اور اپنے مزے میں لالچ پر دوڑنا" (تفسیر عثمانی)

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾
اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو ☆

منکرین کی ڈھٹائی:

یعنی یہ قیامت اور عذاب کی دھمکیاں کب پوری ہونگی اگر سچے ہو تو جلد پوری کر کے دکھلا دو۔ (تفسیر عثمانی)

مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ
یہ تو راہ دیکھتے ہیں ایک چنگھاڑ کی جو اُن کو آ پکڑ لیگی
وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
جب آپس میں جھگڑ رہے ہونگے پھر نہ کر سکیں گے
تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾
کہ کچھ کہہ ہی مریں اور نہ اپنے گھر کو پھر کر جا سکیں گے ☆

قیامت آنے کو ہے:

یعنی قیامت ناگہانی آ پکڑے گی اور وہ اپنے معاملات میں غرق ہونگے جس وقت پہلا صور پھونکا جائے گا سب ہوش و حواس جاتے رہینگے اور آخر مر کر ڈھیر ہو جائینگے اتنی فرصت بھی نہ ملے گی کہ فرض کرو مرنے سے پہلے کسی کو کچھ کہنا چاہیں تو کہہ گذریں یا جو گھر سے باہر تھے وہ گھر واپس جا سکیں۔ (تفسیر عثمانی)

ناگہاں قیامت آنے کا منظر:

شیخین نے صحیحین میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت ایسی حالت میں آجائے گی کہ دو آدمی (بائع اور مشتری) کپڑا پھیلائے ہوئے خرید و فروخت میں مشغول ہوں گے نہ عقد کو ختم کر چکے ہوں گے نہ کپڑے کو لپیٹ چکے ہوں گے (کہ اچانک صور کی آواز سنائی دے گی) اور قیامت ایسی حالت میں آجائے گی کہ آدمی اپنی اونٹنی کا دودھ لے کر واپس آرہا ہوگا اور کھانے نہ پائے گا اور قیامت ایسی حالت میں آجائے گی کہ آدمی نے لقمہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا ہوگا اور کھانہ سکا ہوگا (کہ قیامت برپا ہو جائے گی) رواہ ابوہریرہؓ۔

بعض لوگ اپنے کسی معاملہ میں وصیت بھی نہ کر سکیں گے اور گھر بھی لوٹ نہ پائیں گے کہ گھر والوں کی حالت دیکھ سکیں بلکہ صور کی آواز سنتے ہی مر جائیں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ
اور پھونکی جائے صور پھر تب ہی وہ قبروں سے
اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾
اپنے رب کی طرف پھیل پڑینگے ☆

یعنی دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سب زندہ ہو کر اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہونگے اور فرشتے اُن کو جلد جلد دھکیل کر میدان حشر میں لے جائینگے۔ (تفسیر عثمانی)

دو نفخوں کا وقفہ:

چونکہ صور کا پھونکا جانا یقینی ہے اس لیے نفخ ماضی کا صیغہ استعمال کیا یعنی لوگ مر جائیں گے پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا پہلی اور دوسری مرتبہ نفخہ صور کے درمیان چالیس سال کا فصل ہوگا ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے۔ لیکن ابن ابی داؤد نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے جو مرفوع حدیث نقل کی ہے اس میں چالیس سال کا لفظ ہے۔ (تفسیر مظہری)

کافروں کی جبری حاضری:

معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی حاضری محشر اپنی خوشی سے نہیں بلکہ جبری طور پر ہوگی اور فرشتوں کے پکارنے کی وجہ سے دوڑتے ہوئے محشر میں آ جائیں گے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا
کہیں گے اے خرابی ہماری کس نے اُٹھا دیا ہم کو ہماری نیند کی جگہ سے ☆

جہنم اور قبر کے عذاب کا موازنہ:

شاید نفخۂ اولیٰ اور نفخۂ ثانیہ کے درمیان اُن پر نیند کی حالت طاری کر دی جائے یا قیامت کا ہولناک منظر دیکھ کر عذاب قبر کو اہون سمجھیں گے اور نیند سے تشبیہ دینگے یا "مرقد" بمعنی "مضجع" کے ہو۔ نیند کی کیفیت سے تجرید کر لی جائے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے فرمایا کافروں کے اس قول کی وجہ یہ ہوگی کہ دونوں نفخوں کی درمیانی مدت ان پر سے عذاب اٹھا لیا جائے گا اور وہ سو جائیں گے دوسری مرتبہ نفخ صور کے بعد جب اٹھیں گے تو یہ بات کہیں گے۔ معتزلہ عذاب قبر کے منکر ہیں

اہل حقیقت کہتے ہیں کہ کافر جب جہنم کے گوناگوں عذاب کو دیکھیں گے تو عذاب جہنم کے مقابلہ میں ان کو قبر کا عذاب خواب کی طرح محسوس ہوگا اس وقت کہیں گے کہ ہم کو خواب سے کس نے اٹھایا۔

جہنم کی ایک وادی:

امام احمد، ترمذی، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن حبان، حاکم، بیہقی، ابن ابی الدنیا اور ہناد نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح بھی کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ویل جہنم کے اندر ایک وادی ہے جس میں کافر چالیس برس تک (نیچے کو) تہ تک پہنچنے سے پہلے لڑھکتا چلا جائے گا (یعنی چالیس برس تک لڑھکتا ہوا تہ میں پہنچے گا) سعید بن منصور ابن المنذر اور بیہقی نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے ویل جہنم کے اندر ایک وادی ہے جس میں دوزخیوں کا کچ لہو بہہ کر آتا ہے یہ وادی (اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی) تکذیب کرنے والوں کیلئے بنائی گئی ہے ابن جریر نے حضرت عثمان بن عفان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ویل دوزخ کے اندر ایک پہاڑ ہے۔ (تفسیر مظہری)

هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ
یہ وہ ہے جو وعدہ کیا تھا رحمٰن نے اور سچ کہا تھا پیغمبروں نے ☆

سچا وعدہ: یہ جواب اللہ کی طرف سے اس وقت ملے گا یا مستقبل کو حاضر قرار دیکر اب جواب دے رہے ہیں۔ یعنی کیا پوچھتے ہو کس نے اٹھا دیا۔ ذرا آنکھیں کھولو۔ یہ وہ ہی اٹھانا ہے جس کا وعدہ خدائے رحمٰن کی طرف سے کیا گیا تھا اور پیغمبر جسکی خبر برابر دیتے رہے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ
بس ایک چنگھاڑ ہو گی پھر اسی دم وہ سارے
جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ
ہمارے پاس پکڑے چلے آئیں ☆

یعنی کوئی متنفس نہ بھاگ سکے گا نہ روپوش ہو سکے گا۔ (تفسیر عثمانی)

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ
پھر آج کے دن ظلم نہ ہو گا کسی جی پر ذرا اور وہی بدلہ پاؤ گے
اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ
جو کرتے تھے ☆

انصاف کا دن: یعنی نہ کسی کی نیکی ضائع ہوگی نہ جرم کی حیثیت سے زیادہ سزا ملے گی ٹھیک ٹھیک انصاف ہوگا اور جو نیک و بد کرتے تھے فی الحقیقت عذاب وثواب کی صورت میں وہ ہی سامنے آ جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ
تحقیق بہشت کے لوگ آج ایک مشغلہ میں ہیں باتیں کرتے
هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ
وہ اور اُن کی عورتیں سایوں میں تختوں پر بیٹھے ہیں تکیہ لگائے
لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ
اُن کے لئے وہاں ہے میوہ اور ان کے لئے ہے جو کچھ مانگیں ☆

عیش ونشاط کا ماحول:

بہشت میں ہر قسم کے عیش ونشاط کا سامان ہوگا۔ دنیا کی مکروہات سے چھوٹ کر آج یہ ہی ان کا مشغلہ ہوگا۔ وہ اور ان کی عورتیں آپس میں گھل مل کر اعلیٰ درجہ کے خوشگوار سایوں میں مسہریوں پر آرام کررہے ہوں گے۔ ہر قسم کے میوے اور پھل وغیرہ ان کے لئے حاضر ہوں گے بس خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز کی جنتیوں کے دل میں طلب اور تمنا ہوگی وہ ہی دی جائے گی، اور منہ مانگی مرادیں ملیں گی۔ یہ تو جسمانی لذائذ کا حال ہوا، آگے روحانی نعمتوں کی طرف " سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ " ایک ذرا سا اشارہ فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

صوفیاء کا مقام:

صوفیہ کا مقصود سواء ذات خداوندی کے اور کچھ نہیں اس لیے اپنے اپنے درجات کے مطابق یہ گروہ اللہ کی ذاتی نور پاشیوں میں غرق ہوں گے (جنت کی اور کوئی نعمت سواء تجلیات ذاتیہ کے اپنی طرف ان کو مائل نہ کر سکے گی) دوسرے اہل جنت کے مشاغل مختلف ہوں گے کھانا پینا گانا سننا عورتوں سے قربت اور خواہشات کے مطابق دوسرے مشاغل میں انہماک ان کا پسندیدہ عمل ہوگا، ابو نعیم نے ہمارے شیخ طریقت بایزید بسطامی کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ کے کچھ خاص بندے ایسے بھی ہیں جن سے اللہ اگر اوٹ کرے گا تو جس طرح دوزخی دوزخ سے نکلنے کیلئے فریاد کریں گے اسی طرح وہ جنت کے اندر حجاب دیدار سے نکلنے کیلئے فریاد کریں گے۔

نکتہ: شُغُل میں تنوین تنکیر اظہار عظمت کیلئے ہے یعنی جنت کے اندر اہل جنت کیلئے عظیم الشان خوشی اور لذت ہوگی اتنی کہ نہ وہ احاطہ فہم کے اندر آسکتی ہے نہ اس کی حقیقت کو الفاظ میں ظاہر کیا جاسکتا ہے۔

فٰكِهُوْنَ، فکاہت سے مشتق ہے یعنی وہ مزے اور عیش میں ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾

سلام بولنا ہے رب مہربان سے ☆

اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام:

یعنی اس مہربان پروردگار کی طرف سے جنتیوں کو سلام بولا جائے گا خواہ فرشتوں کے ذریعہ سے یا جیسا کہ ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے بلاواسطہ خود رب کریم سلام ارشاد فرمائیں گے اس وقت کی عزت ولذت کا کیا کہنا۔ "اللھم ارزقنا ھذہ النعمۃ العظمی بحرمۃ نبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم"۔ (تفسیر عثمانی)

دیدار الٰہی:

ابن ماجہ ابن ابی الدنیا اجری اور دار قطنی نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل جنت اپنے عیش میں ہوں گے اسی اثناء میں ایک نور ان پر جلوہ انداز ہوگا اہل جنت سر اٹھا کر دیکھیں گے تو اوپر سے باری تعالیٰ جلوہ ڈالتا نظر آئے گا اور فرمائے گا اہل جنت تم پر سلام ہو یہ ہی (بیان ہے آیت) سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ (میں) حضور نے فرمایا اہل جنت اس کی طرف دیکھیں گے اور وہ اہل جنت کا نظارہ کرے گا ایسی حالت میں جنت والے کسی اور چیز کی طرف گوشۂ چشم سے بھی نہیں دیکھیں گے، اسی کی طرف دیکھتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ خود اوٹ کرلے گا لیکن اس کا نور اور برکت ان کے گھروں میں باقی رہے گی۔

سیوطی نے کہا اللہ کا جھانکنا حلول اور مکان سے پاک ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾

اور تم الگ ہو جاؤ آج اے گنہگارو ☆

مجرموں کا مقام:

یعنی جنتیوں کے عیش وآرام میں تمہارا کوئی حصہ نہیں، تمہارا مقام دوسرا ہے جہاں رہنا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب دوزخ کے اندر ان لوگوں کو جو ہمیشہ وہاں رہنے والے ہیں ڈال دیا جائے گا تو (اس کی صورت یہ ہوگی کہ) ان کو لوہے کے صندوقوں میں بند کر کے صندوقوں میں لوہے کی کیلیں ٹھونک دی جائیں گی پھر ان صندوقوں کو دوسرے آہنی صندوقوں میں بند کر دیا جائے گا پھر ان کو جحیم کے تہ میں پھینک دیا جائے گا کوئی کافر بھی اندر سے سواء اپنے کسی اور کو عذاب پاتے نہیں دیکھ پائے گا۔ (اس کا گمان ہوگا کہ بس مجھے ہی عذاب دیا جارہا ہے اس طرح دوسرے کو عذاب میں مبتلا دیکھ کر کسی قسم کی تسلی حاصل کرنے کا موقع نہیں ملے گا) (تفسیر مظہری)

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا

میں نے نہ کہہ رکھا تھا تم کو اے آدم کی اولاد کہ نہ پوجیو

الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۰﴾

شیطان کو وہ کھلا دشمن ہے تمہارا

وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾

اور یہ کہ پوجو مجھ کو یہ راہ ہے سیدھی ☆

انبیاء کی دعوت:

یعنی اس دن کے لئے تم کو انبیاء علیہم السلام کی زبانی بار بار سمجھایا گیا تھا کہ شیطان لعین کی پیروی مت کرنا جو تمہارا صریح دشمن ہے وہ جہنم میں

پہنچائے بغیر نہ چھوڑے گا اگر ابدی نجات چاہتے ہو تو یہ سیدھی راہ پڑی ہوئی ہے اُس پر چلے آؤ اور اکیلے ایک خدا کی پرستش کرو۔ (تفسیر عثمانی)

جہنم کی سرزنش:

ابن جریر میں ہے کہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے حکم سے جہنم اپنی گردن نکالے گی جس میں سخت اندھیرا ہوگا اور بالکل ظاہر ہوگی وہ بھی کہے گی اے انسانو! کیا اللہ تعالیٰ نے تم سے یہ وعدہ نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا؟ وہ تمہارا ظاہر دشمن ہے اور میری عبادت کرنا یہ سیدھی راہ ہے اس نے تم میں سے اکثر کو گمراہ کر دیا کیا تم سمجھتے نہ تھے؟ اے گنہگارو! آج تم جدا ہو جاؤ اس وقت نیک و بد الگ الگ ہو جائیں گے ہر ایک گھٹنوں کے بل گر پڑے گا ہر ایک کو اس کے نامۂ اعمال کی طرف بلایا جائے گا آج وہی بدلہ پاؤ گے جو کر کے آئے ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِیْرًا اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا

اور وہ بہکا لے گیا تم میں سے بہت خلقت کو پھر کیا تم کو سمجھ

تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾

نہ تھی یہ دوزخ ہے جس کا تم کو وعدہ تھا

اِصْلَوْهَا الْیَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾

جا پڑو اس میں آج کے دن بدلہ اپنے کفر کا ☆

انسانوں کی نالائقی:

یعنی افسوس اتنی نصیحت و فہمائش پر بھی تم کو عقل نہ آئی اور اس ملعون نے ایک خلقت کو گمراہ کر چھوڑا۔ کیا تمہیں اتنی سمجھ نہ تھی کہ دوست دشمن میں تمیز کر سکتے۔ اور اپنے نفع نقصان کو پہنچانتے۔ دنیا کے کاموں میں تو اس قدر ہوشیاری اور ذہانت دکھلاتے تھے مگر آخرت کے معاملہ میں اتنے غبی بن گئے کہ موٹی موٹی باتوں کو سمجھنے کی لیاقت نہ رہی۔ اب اپنی حماقتوں کا خمیازہ بھگتو یہ دوزخ تیار ہے جس کا بصورت کفر اختیار کرنے کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا کفر کا ٹھکانا یہی ہے۔ چاہئے کہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاؤ۔ (تفسیر عثمانی)

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ

آج ہم مہر لگا دینگے اُن کے منہ پر اور بولیں گے ہم سے ان کے ہاتھ

وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾

اور بتلائینگے اُن کے پاؤں جو کچھ وہ کماتے تھے ☆

الٰہی عدالت کے گواہ:

یعنی آج اگر یہ لوگ اپنے جرموں کا زبان سے اعتراف نہ بھی کریں تو کیا ہوتا ہے، ہم منہ پر مہر لگا دیں گے اور ہاتھ پاؤں، کان، آنکھ حتیٰ کہ بدن کی کھال کو حکم دیا جائے گا کہ ان کے ذریعہ سے جن جرائم کا ارتکاب کیا تھا بیان کریں چنانچہ ہر ایک عضو اللہ کی قدرت سے گویا ہوگا اور ان کے جرموں کی شہادت دے گا۔ کما قال تعالیٰ " حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَیْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ " (حٰم السجدہ، رکوع ۳) وقال اللہ تعالیٰ فی موضع آخر " قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ " (حٰم السجدہ رکوع ۳) (تفسیر عثمانی)

حضرت انس کا بیان ہے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ میں کس وجہ سے مسکرا رہا ہوں؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی جانے فرمایا مجھے اس بات پر مسکراہٹ آئی کہ ایک بندہ اپنے رب سے کہے گا، اے میرے رب کیا تو نے مجھے ظلم کرنے سے پناہ نہیں دے رکھی ہے (یعنی کیا تو نے یہ نہیں فرما دیا ہے کہ کسی پر قیامت کے دن ظلم نہیں کیا جائے گا) اللہ فرمائے گا کیوں نہیں بندہ عرض کرے گا تو میں اپنے خلاف کسی کی شہادت نہیں مانوں گا سوا اس گواہ کے جو میرے ہی بدن کا حصہ ہو، اللہ فرمائے گا آج تیرا نفس اور کراماً کاتبین (اعمالنامے لکھنے والے فرشتے) تیرے خلاف شہادت دینے کیلئے کافی ہیں پھر اللہ اس کے منہ پر مہر لگا دے گا اور اعضاء کو حکم دیا جائے گا تم بولو، حسب الحکم اعضاء بندہ کے اعمال کے متعلق بولیں گے اس کے بعد بندے کو (زبان سے) گویائی کی اجازت دے دی جائے گی اور وہ اپنے اعضاء سے کہے گا تم مر جاؤ، مٹ جاؤ تمہاری طرف سے ہی تو میں دفاع کر رہا تھا۔ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا قیامت کے دن ہم اپنے رب کو دیکھیں گے فرمایا، دوپہر کے وقت جب کہ کوئی بدلی نہ ہو تم کو سورج کے دیکھنے میں کوئی رکاوٹ ہوتی ہے صحابہ نے جواب دیا نہیں، فرمایا چودھویں کی رات کو جب کہ کوئی ابر نہ ہو تم کو چاند کے دیکھنے میں کوئی رکاوٹ ہوتی ہے، صحابہ نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم کو اپنے رب کے دیکھنے میں بھی کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی مگر اتنی جتنی سورج اور چاند کو دیکھنے میں ہوتی ہے، پھر اللہ بندے سے فرمائے گا، اے فلاں شخص کیا میں نے تجھے عزت نہیں دی تھی، کیا تجھے سردار نہیں بنایا تھا، کیا تجھے تیرا جوڑا نہیں دیا تھا، کیا گھوڑوں اور اونٹوں کو تیرے حکم کا تابع نہیں بنا دیا تھا کہ تجھے سیادت (سرداری) نہیں دی تھی کیا تجھے مال غنیمت کی چوتھائی کا مستحق نہیں بنایا تھا بندہ عرض کرے گا کیوں نہیں اے میرے رب (تو نے یہ سب کچھ مجھے دیا تھا) اللہ فرمائے گا کیا تیرا گمان یہ تھا کہ مجھ سے آ کر ملے گا، بندہ عرض کرے گا نہیں، اللہ فرمائے گا جس طرح تو مجھے بھولا رہا، اسی طرح میں بھی (تجھے دوزخ میں ڈال کر) بھولا بسرا کر دوں گا۔

پھر اللہ دوسرے بندے سے ملاقات کرے گا اور اس سے بھی یہی فرمائے گا اور یہی جواب دے گا پھر تیسرے سے ملاقات کرے گا اور اس سے بھی یہی فرمائے گا وہ عرض کرے گا، میں تجھ پر تیری کتاب پر اور تیرے رسول پر ایمان لایا تھا اور نمازیں پڑھی تھیں روزے رکھے تھے زکوٰۃ دی تھی غرض جس قدر کر سکے گا اپنی تعریف کرے گا اس سے کہا جائے گا کیا ہم تیرے خلاف گواہ کھڑا کر دیں وہ شخص اپنے دل میں سوچے گا، میرے خلاف کس کو گواہ بنایا جائے گا، پھر اللہ اس کے منہ پر مہر لگا دے گا اور اس کی ران سے فرمائے گا تو بات کر حسب الحکم اس کی ران گوشت اور ہڈی اس کے اعمال جو کچھ کئے ہوئے ہوں گے بتائے گی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شخص منافق ہوگا جو اپنی طرف سے (جھوٹے) عذر پیش کرے گا اور اسی پر اللہ کا غضب ہوگا۔ (مسلم)

وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ

اور اگر ہم چاہیں مٹا دیں اُن کی آنکھیں پھر دوڑیں رستے پانے کو

فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿۶۶﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ

پھر کہاں سے سوجھے اور اگر ہم چاہیں صورت مسخ کر دیں اُن کی جہاں کی تہاں

فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾

پھر نہ آگے چل سکیں اور نہ وہ الٹے پھر سکیں ☆

اللہ کی طرف سے مہلت:

یعنی جیسے انہوں نے ہماری آیتوں سے آنکھیں بند کر لی ہیں اگر ہم چاہیں تو دنیا ہی میں بطور سزا کے ان کی ظاہری بینائی چھین کر چٹ اندھا کر دیں کہ ادھر ادھر جانے کا راستہ بھی نہ سوجھے اور جس طرح یہ لوگ شیطانی راستوں سے ہٹ کر اللہ کی راہ چلنا نہیں چاہتے ہم کو قدرت ہے کہ ان کی صورتیں بگاڑ کر بالکل اپاہج بنا دیں کہ پھر یہ کسی ضرورت کے لئے اپنی جگہ سے ہل نہ سکیں۔ پر ہم نے ایسا نہ چاہا اور ان جوارح وقویٰ سے ان کو محروم نہیں کیا، یہ ہماری طرف سے مہلت اور ڈھیل تھی آج وہ ہی آنکھیں اور ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے کہ ان بیہودوں نے ہم کو کن نالائق کاموں میں لگایا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِى الْخَلْقِ ۭ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾

اور جس کو ہم بوڑھا کریں اوندھا کریں اُس کی پیدائش میں پھر کیا ان کو سمجھ نہیں ☆

طاقت کی دلیل: یعنی آنکھیں چھین لینا اور صورت بگاڑ کر اپاہج بنا دینا کچھ مستبعد مت سمجھو دیکھتے نہیں؟ ایک تندرست اور مضبوط آدمی زیادہ بوڑھا ہو کر کس طرح دیکھنے، سننے اور چلنے پھرنے سے معذور کر دیا جاتا ہے گویا بچپن میں جیسا کمزور و ناتواں اور دوسروں کے سہارے کا محتاج تھا، بڑھاپے میں پھر اسی حالت کی طرف پلٹا دیا جاتا ہے تو کیا جو خدا پیرانہ سالی کی حالت میں ان کی قوتیں سلب کر لیتا ہے جوانی میں نہیں کر سکتا؟ (تفسیر عثمانی)

یعنی جس کی عمر ہم دراز کرتے ہیں اس کو سرنگوں کر دیتے ہیں، سرنگوں کر دینے سے یہ مراد ہے کہ شروع میں وہ برابر رو بہ ترقی تھا، قوت مسلسل بڑھ رہی تھی پھر کمزوری آتی رہی اور مرنے کے وقت تک ضعف میں اضافہ ہوتا رہا۔ (تفسیر مظہری)

دنیا فانی ہے: ونعم قال۔

من عاش اخلقت الایام جدتہ وخانہ ثقتاہ السمع والبصر

"یعنی جو شخص زندہ رہے گا تو زمانہ اس کی جدت و شدت کو بوسیدہ اور پرانا کر دے گا، اور اس کے سب سے بڑے دو ثقہ دوست یعنی شنوائی اور بینائی کی طاقتیں بھی اس سے خیانت کر کے الگ ہو جائیں گی۔"

یعنی انسان کو دنیا میں سب سے زیادہ اعتماد اپنی آنکھ سے دیکھی یا کان سے سنی ہوئی چیز پر ہوتا ہے، بڑھاپے کی آخر عمر میں یہ بھی قابل اعتماد نہیں، گراں گوشی کے سبب بات پوری سمجھنا مشکل، ضعف بینائی کے سبب صحیح صحیح دیکھنا مشکل، متنبی نے اس مضمون کو کہا ہے

ومن صحب الدنیا طویلا تقلبت علی عینہ حتی یری صدقھا کذبا

"یعنی جو شخص دنیا میں زیادہ زندہ رہے گا دنیا اس کی آنکھوں کے سامنے ہی پلٹ جائیگی۔ یہاں تک کہ جس چیز کو پہلے سچ جانتا تھا وہ جھوٹ معلوم ہونے لگے گی۔"

زندگی کے مختلف مراحل کا پیغام:

انسان کے وجود میں یہ انقلابات قدرت حق تعالیٰ شانہٗ کا عجیب وغریب مظہر تو ہے ہی اس میں انسان پر ایک عظیم احسان بھی ہے کہ خالق کائنات نے جتنی طاقتیں انسان کے وجود میں ودیعت فرمائی ہیں وہ درحقیقت سرکاری مشینیں ہیں، جو اس کو دیدی گئی ہیں، اور یہ بھی بتلا دیا گیا ہے کہ یہ تیری ملک نہیں اور دائمی بھی نہیں، بالآخر تجھ سے واپس لی جائیں گی اس کا تقاضا ظاہری یہ تھا کہ جب وقت مقدر آجاتا سب طاقتیں بیک وقت واپس لے لی جاتیں مگر مولائے کریم نے ان کی واپسی کی بھی بڑی طویل قسطیں کر دی ہیں اور تدریجی طور پر واپس لیا ہے تا کہ انسان متنبہ ہو کر سفر آخرت کا سامان کر لے، واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِىْ لَهٗ ۭ

اور ہم نے نہیں سکھایا اس کو شعر کہنا اور یہ اس کے لائق نہیں

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾

یہ تو خالص نصیحت ہے اور قرآن ہے صاف ☆

قرآنی تعلیمات حق ہیں:

یعنی اوپر جو کچھ بیان ہوا وہ حقائق واقعیہ ہیں۔ کوئی شاعرانہ تخیلات نہیں۔ اس پیغمبر نے ہم کو قرآن دیا جو نصیحتوں اور روشن تعلیمات سے معمور ہے کوئی شعر و شاعری کا دیوان نہیں دیا جس میں نری طبع آزمائی اور خیالی تک بندیاں ہوں، بلکہ آپ کی طبع مبارک کو فطری طور پر فن شاعری سے اتنا بعید

رکھا گیا کہ باوجود قریش کے اس اعلیٰ خاندان میں سے ہوتے کے جس کی معمولی لونڈیاں بھی اسوقت شعر کہنے کا طبعی سلیقہ رکھتی تھیں۔ آپ نے مدت العمر کوئی شعر نہیں بنایا۔ یوں رجز وغیرہ کے موقع پر کبھی ایک آدھ مرتبہ زبان مبارک سے مقفی عبارت نکل کر بے ساختہ شعر کے سانچہ میں ڈھل گئی ہو وہ الگ بات ہے اسے شاعری یا شعر کہنا نہیں کہتے آپ خود تو شعر کیا کہتے کسی دوسرے شاعر کا شعر یا مصرع بھی زندگی بھر میں دو چار مرتبہ سے زائد نہیں پڑھا۔ اور پڑھتے وقت اکثر اس میں ایسا تغیر کر دیا کہ شعر شعر نہ رہے۔ محض مطلب شاعر ادا ہو جائے۔ غرض آپ کی طبع شریف کو شاعری سے مناسبت نہیں دی گئی تھی کیونکہ یہ چیز آپ کے منصب جلیل کے لائق نہ تھی۔ آپ حقیقت کے ترجمان تھے اور آپ کی بعثت کا مقصد دنیا کو اعلیٰ حقائق سے بدون ادنیٰ ترین کذب وغلو کے روشناس کرانا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ کام ایک شاعر کا نہیں ہوسکتا کیونکہ شاعریت کا حسن وکمال، کذب ومبالغہ، خیالی بلند پروازی اور فرضی نکتہ آفرینی کے سوا کچھ نہیں، شعر میں اگر کوئی جز محمود ہے تو اس کی تاثیر اور دل نشینی ہوسکتی ہے سو یہ چیز قرآن کی نثر میں اس درجہ میں پائی جاتی ہے کہ ساری دنیا کے شاعر مل کر اپنے کلاموں کے مجموعہ میں پیدا نہیں کر سکتے۔ قرآن کریم کے اسلوب بدیع کو دیکھتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ گویا نظم کی اصلی روح نکال کر نثر میں ڈال دی گئی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے فصیح وعاقل دنگ ہو کر قرآن کو شعر یا سحر کہنے لگتے تھے۔ حالانکہ شعر وسحر کو قرآن سے کیا نسبت؟ کیا شاعری اور جادوگری کی بنیاد پر دنیا میں کبھی قومیت وروحانیت کی ایسی عظیم الشان اور لازوال عمارتیں کھڑی ہوئی ہیں جو قرآنی تعلیم کی اساس پر آج تک قائم شدہ دیکھتے ہو۔ یہ کام شاعروں کا نہیں پیغمبروں کا ہے کہ خدا کے حکم سے مردہ قلوب کو ابدی زندگی عطا کرتے ہیں حق تعالیٰ نے عرب کو یہ کہنے کا موقع نہیں دیا کہ آپ پہلے سے شاعر تھے شاعری سے ترقی کر کے نبی بن بیٹھے۔ (تفسیر عثمانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام شاعری سے بہت ارفع ہے:

حسن کی روایت سے بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شعر بطور مثل پڑھا۔

كَفٰى بِالْاِسْلَامِ وَالشَّيْبِ لِلْمَرْءِ نَاهِيًا

(اسلام اور بالوں کی سفیدی آدمی کو گناہوں سے روکنے کیلئے کافی ہے)

حضرت ابوبکر نے عرض کیا اے اللہ کے نبی شاعر نے تو اس طرح کہا ہے:

كفى الشيبُ والاسلامُ بالمرءِ ناهيًا

آپ نے دوبارہ پڑھا، اس پر حضرت ابوبکر نے کہا، میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ نے فرمایا وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ۔

مقدام بن شریح کے والد کا بیان ہے میں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطور مثل کبھی کوئی شعر پڑھتے تھے، ام المومنین نے جواب دیا، ہاں عبداللہ بن رواحہ کا شعر اس طرح بطور مثل پڑھتے تھے:

وياتيک الاخبار مَنْ لَمْ تُزَوِّدى

معمر کا بیان ہے مجھ سے قتادہ نے کہا کہ حضرت عائشہؓ سے کسی شخص نے پوچھا، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی شعر بطور مثل کبھی پڑھتے تھے، ام المومنین نے فرمایا، شعر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر کلام سے زیادہ نفرت تھی، آپ کوئی شعر بطور مثل نہیں پڑھتے تھے مگر (قبیلہ) قیس بن طرف کے شاعر کا یہ شعر بطور مثل پڑھتے تھے۔

سَتُبْدِى لَکَ الْاَيَّامُ مَا كُنْتَ جَاهِلاً   وَيَاتِيْكَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَّمْ تُزَوِّدِى

لیکن اس شعر کو آپ نے اس طرح پڑھا تھا

وياتيک مَنْ لَّمْ تُزَوِّد بالاخبار

حضرت ابوبکر نے عرض کیا یہ شعر اس طرح نہیں ہے فرمایا، میں شاعر نہیں ہوں اور نہ (شاعری) میرے لیے سزاوار ہے۔

اتفاقاً مقفّی کلام کا زبان پر جاری ہونا:

صحیح حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودتے ہوئے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے اشعار پڑھے، سو یاد رہے کہ آپ کا یہ پڑھنا صحابہؓ کے ساتھ تھا وہ اشعار یہ ہیں۔

لَا هُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا   وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَاَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا   وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَّا قَيْنَا
اِنَّ الْاُولٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا   اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم لفظ اَبَيْنَا کو کھینچ کر پڑھتے اور ساتھ ہی بلند آواز سے پڑھتے، ترجمہ ان اشعار کا یہ ہے کوئی غم نہیں اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت یافتہ نہ ہوتے نہ صدقہ دیتے اور نہ نمازیں پڑھتے، اب تو ہم پر تسکین نازل فرما، اور جب دشمنوں سے لڑائی چھڑ جائے تو ہمیں ثابت قدمی عطا فرما، یہی لوگ ہم پر سرکشی کرتے ہیں، ہاں یہ جب کبھی فتنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم انکار کرتے ہیں اسی طرح ثابت ہے کہ حنین کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خچر کو دشمنوں کی طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا۔

اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ   اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

اس کے بارے میں یہ یاد رہے کہ اتفاقیہ ایک کلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکل گیا جو وزن شعر پر پورا اُترا، نہ کہ قصداً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعر کہا ہو، حضرت جندب بن عبداللہؓ فرماتے ہیں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غار میں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی زخمی ہو گئی تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِيْتِ   وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا لَقِيْتِ

یعنی تو ایک انگلی ہی تو ہے اور تو راہِ خدا میں خون آلود ہوئی ہے یہ بھی

اتفاقیہ ہے قصداً نہیں۔

آپ نے فرمایا

اِنْ تَغْفِرِ اللّٰھُمَّ تَغْفِرْ جَمًّا وَاَیُّ عَبْدٍ لَکَ مَا اَلَمَّا

یعنی خدایا تو جب بخشے تو ہمارے تمام گناہ بخش دے، ورنہ یوں تو تیرا کوئی بندہ نہیں جو چھوٹی چھوٹی لغزشوں سے بھی پاک ہو۔

اشعار کی قسمیں: حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ شعر گوئی سے آپ کو طبعاً نفرت تھی، دُعاء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جامع کلمات پسند آتے تھے اور اُس کے سوا چھوڑ دیتے تھے (احمد) ابوداؤد میں ہے کہ کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جانا اُس کے لئے شعروں سے بھر لینے سے بہتر ہے (ابوداؤد) مسند احمد کی ایک حدیث غریب میں ہے "جس نے عشاء کی نماز کے بعد کسی شعر کا ایک مصرعہ بھی باندھا تو اس کی اس رات کی نماز نامقبول ہے۔" یاد رہے کہ شعر گوئی کی قسمیں ہیں، مُشرکوں کی ہجو میں شعر کہنے مشروع ہیں۔ حسان بن ثابت، حضرت کعب بن مالک، حضرت عبداللہ بن رواحہ وغیرہ جیسے اکابرین صحابہ نے کفار کی ہجو میں اشعار کہے ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (تفسیر ابن کثیر)

لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ

تاکہ ڈر سنائے اُس کو جس میں جان ہو

الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٠﴾

اور ثابت ہو الزام منکروں پر ☆

قرآن زندہ دلوں کی کتاب ہے:

یعنی زندہ دل آدمی قرآن سن کر اللہ سے ڈرے اور منکروں پر حُجت تمام ہو، حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ "جس میں جان ہو یعنی نیک اثر پکڑتا ہو اُس کے فائدہ کو اور منکروں پر الزام اُتارنے کو۔" (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ

کیا اور نہیں دیکھتے وہ کہ ہم نے بنا دیے ان کے واسطے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزوں سے

اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿٧١﴾ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا

چوپائے پھر وہ ان کے مالک ہیں ☆ اور عاجز کر دیا ان کو ان کے آگے پھر ان میں کوئی

رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا

ہے ان کی سواری اور کسی کو کھاتے ہیں اور ان کے واسطے

مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾

چارپایوں میں فائدے ہیں اور پینے کے گھاٹ پھر کیوں شکر نہیں کرتے ☆

آیاتِ تکوینیہ: آیات تنزیلیہ کے بعد پھر آیات تکوینیہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ یعنی ایک طرف قرآن کی پند و نصیحت کو سنو، اور دوسری طرف غور سے دیکھو کہ اللہ کے کیسے کیسے انعام و احسان تم پر ہوئے ہیں۔ اونٹ، گائے، بکری، گھوڑے، خچر وغیرہ جانوروں کو تم نے نہیں بنایا اللہ نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا ہے۔ پھر تم کو محض اپنے فضل و کرم سے ان کا مالک بنا دیا کہ جہاں چاہو بیچو اور جو چاہو کام لو۔ (تفسیر عثمانی)

ملکیتِ اشیاء کی اصل علت عطاءِ حق ہے، نہ سرمایہ نہ محنت:

آج کل نئے نئے معاشی ازموں اور نظریات میں یہ بحث چھڑی ہوئی ہے کہ تخلیق اشیاء اور ان کی ملکیت میں سرمایہ اور دولت اصل ہے، یا محنت، سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت کے قائل دولت و سرمایہ کو اصل قرار دیتے ہیں اور سوشلزم اور کمیونزم والے محنت کو اصل علت تخلیق وملکیت کی قرار دیتے ہیں، قرآن مجید کے اس فیصلے نے بتلا دیا کہ تخلیق اشیاء اور ان کی ملکیت میں دونوں کا کوئی دخل نہیں تخلیق کسی چیز کی انسان کے قبضہ میں نہیں، وہ براہ راست حق تعالیٰ کا فعل ہے اور عقل کا تقاضا ہے کہ جو کسی چیز کو پیدا کرے وہی اس کا مالک بھی ہو، اس طرح اصل اور حقیقی ملکیت اشیائے عالم میں حق تعالیٰ کی ہے، انسان کی ملکیت کسی بھی چیز میں صرف اللہ تعالیٰ کے عطا کرنے سے ہوسکتی ہے اللہ نے اشیاء کی اثباتِ ملکیت اور انتقالِ ملکیت کا قانون اپنے پیغمبروں کے ذریعہ نازل فرما دیا ہے، اس قانون کے خلاف کوئی کسی چیز کا مالک نہیں ہوسکتا۔ (معارف مفتی اعظم)

دیکھو کتنے بڑے بڑے عظیم الجثہ، قوی ہیکل جانور انسان ضعیف البنیان کے سامنے عاجز و مسخر کر دیئے، ہزاروں اونٹوں کی قطار کو ایک خوردسال بچہ نکیل پکڑ کر جدھر چاہے لے جائے ذرا کان نہیں ہلاتے۔ کیسے کیسے شہ زور جانوروں پر آدمی سواری کرتا ہے اور بعض کو کاٹ کر اپنی غذا بناتا ہے۔ علاوہ گوشت کھانے کے انکی کھال، ہڈی اون وغیرہ سے کس قدر فوائد حاصل کیے جاتے ہیں ان کے تھن کیا ہیں گویا دودھ کے چشمے ہیں ان ہی چشموں کے گھاٹ سے کتنے آدمی سیراب ہوتے ہیں لیکن شکر گزار بندے بہت تھوڑے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ

اور پکڑتے ہیں اللہ کے سوائے اور حاکم کہ شاید اُن کی

يُنْصَرُوْنَ ﴿٧٤﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ

مدد کریں نہ کر سکیں گے اُن کی مدد

وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿٧٥﴾

اور یہ اُن کی فوج ہو کر پکڑے آئیں گے ☆

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری:

یعنی جس خدا نے یہ نعمتیں مرحمت فرمائیں اس کا یہ شکر ادا کیا کہ اس کے مقابل دوسرے حاکم اور معبود ٹھہرا لئے جنہیں سمجھتے ہیں کہ آڑے وقت میں

کام آئیں گے اور مدد کریں گے۔ سو یاد رکھو! وہ تمہاری تو کیا اپنی مدد بھی نہیں کرسکتے۔ ہاں جب تم کو مدد کی ضرورت ہوگی اس وقت گرفتار ضرور کرادیں گے۔ تب پتہ لگے گا کہ جن کی حمایت میں عمر بھر لڑتے رہے تھے وہ آج کس طرح آنکھیں دکھانے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

بیہقی اور حکیم نے حضرت ابودرداء کی روایت سے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے فرمایا میرا اور جن وانس کا ایک عجیب معاملہ ہے میں پیدا کرتا ہوں اور دوسروں کی عبادت کی جاتی ہے میں رزق دیتا ہوں اور شکر دوسروں کا کیا جاتا ہے۔ لَعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ۔ یعنی اس امید پر کہ وہ معبود ان کی مدد کریں گے، حالانکہ نتیجہ اس کے برعکس ہوگا۔

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ۔ وہ عذاب سے بچانے کی طاقت ہی نہ رکھتے ہوں گے۔

وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ۔ یعنی کفار اپنے معبودوں کیلئے فریق بنے ہوئے دنیا میں ان کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کی نگرانی کیلئے تیار رہتے ہیں باوجود یہ کہ وہ معبود ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتے، نہ کسی شر سے ان کو بچاتے ہیں، بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن کافروں کے معبودوں کو طلب کیا جائے گا ان کے ساتھ ان کے پرستاروں کو بھی بلایا جائے گا گویا وہ سب ایک فوج ہوں گے جن کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّا نَعْلَمُ مَا

اب تو غمگین مت ہو اُن کی بات سے ہم جانتے ہیں

يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٦﴾

جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں ☆

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی:

یعنی جب خود ہمارے ساتھ ان کا یہ معاملہ ہے تو آپ ان کی بات سے غمگین و دلگیر نہ ہوں، اپنا فرض ادا کرکے ہمارے حوالہ کریں ہم ان کے ظاہری و باطنی احوال سے خوب واقف ہیں ٹھیک ٹھیک بھگتان کردیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ

کیا دیکھتا نہیں انسان کہ ہم نے اُس کو بنایا ایک قطرہ سے

فَإِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٧﴾

پھر تبھی وہ ہو گیا جھگڑنے بولنے والا ☆

یعنی انسان اپنی اصل کو یاد نہیں رکھتا کہ وہ ایک ناچیز قطرہ تھا، خدا نے کیا سے کیا بنادیا اس پانی کی بوند کو وہ زور اور قوت گویائی عطا کی کہ بات بات پر جھگڑنے اور باتیں بنانے لگا حتی کہ آج اپنی حد سے بڑھ کر خالق کے مقابلہ میں خم ٹھونک کر کھڑا ہوگیا۔ (تفسیر عثمانی)

حاکم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ عاص بن وائل ایک بوسیدہ ہڈی ہاتھ میں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کی حالت جو میں دیکھ رہا ہوں کیا اس کے بعد بھی خدا اس کو زندہ کر کے اٹھائے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ اس کو بھی زندہ کر کے اٹھائے گا تم کو بھی مردہ کرے گا پھر جہنم میں داخل کرے گا اس پر آیات ذیل آخر سورۃ تک نازل ہوئیں۔

الانسان یعنی عاص بن وائل، ابن ابی حاتم نے متعدد اسناد سے مجاہد، عکرمہ، عروہ بن زبیر اور سدی کی روایت سے اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابو مالک کی روایت سے نیز بغوی نے بیان کیا ہے کہ ان آیات کا نزول اُبی بن خلف جمحی کے حق میں ہوا یہی ایک بوسیدہ کہنہ ہڈی لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور انکار بعث وحشر کر کے حضور سے جھگڑا کر رہا تھا اسی نے کہا تھا اس قدر بوسیدہ ہوجانے کے بعد اس کو کون زندہ کرسکتا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تجھے (بھی) زندہ کر کے اٹھائے گا اور جہنم میں داخل کردے گا، اس پر ان آیات کا نزول ہوا۔

بعض علماء نے فَإِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ کا یہ مطلب بیان کیا کہ ایک ذلیل پانی ہونے کے بعد اللہ نے اس کو حامل تمیز وشعور اور ایسا سلیس البیان بنایا کہ اس کو جھگڑنے (اور مقابلہ کرنے کی قدرت حاصل ہوگئی اور اپنے دل کی بات کو بیان کرنے لگا، لہٰذا وہ اپنی اصلی کمینگی اور ابتدائی حقارت پر آگیا اور اللہ کی زندگی بخشنے والی قدرت کا منکر بن گیا اور اپنے رب سے جھگڑا کرنے کے درپے ہوگیا۔ (تفسیر مظہری)

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ

اور بٹھلاتا ہے ہم پر ایک مثل اور بھول گیا اپنی پیدائش، کہنے لگا کون

يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ﴿٧٨﴾

زندہ کریگا ہڈیوں کو جب کھوکھری ہو گئیں ☆

ناچیز قطرہ کی جرأت:

یعنی دیکھتے ہو! خدا پر کیسے فقرے چسپاں کرتا ہے گویا اس قادر مطلق کو عاجز مخلوق کی طرح فرض کرلیا ہے جو کہتا ہے کہ آخر جب بدن گل سڑ کر صرف ہڈیاں رہ گئیں وہ بھی بوسیدہ، پرانی اور کھوکھری تو انہیں دوبارہ کون زندہ کرے گا ایسا سوال کرتے وقت اسے اپنی پیدائش یاد نہیں رہی ورنہ اس قطرہ ناچیز کو ایسے الفاظ کہنے کی جرأت نہ ہوتی۔ اپنی اصل پر نظر کر کے کچھ شرماتا اور کچھ عقل سے کام لے کر اپنے سوال کا جواب بھی حاصل کرلیتا جو اگلی آیت میں مذکور ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ أَنْشَأَهَآ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ

تو کہہ اُن کو زندہ کریگا جس نے بنایا اُن کو پہلی بار

وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿۷۹﴾

اور وہ سب بنانا جانتا ہے ☆

خالق کیلئے دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں:

یعنی جس نے پہلی مرتبہ ان ہڈیوں میں جان ڈالی اسے دوسری بار جان ڈالنا کیا مشکل ہے۔ بلکہ پہلے سے زیادہ آسان ہونا چاہئے (وھواھون علیہ) اور اس قادر مطلق کے لئے تو سب ہی چیز آسان ہے پہلی مرتبہ ہو یا دوسری مرتبہ۔ وہ ہر طرح بنانا جانتا ہے اور بدن کے اجزاء اور ہڈیوں کے ریزے جہاں کہیں منتشر ہوگئے ہوں ان کا ایک ایک ذرہ اس کے علم میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

نطفہ درحقیقت جسم انسانی کے مختلف اور متفرق اجزاء کا مجموعہ ہے اور انسان کے اعضاء متفرقہ کا خلاصہ اور لب لباب ہے اس ایک قطرۂ آب (نطفہ) میں سر اور آنکھ اور کان اور ہاتھ اور کمر اور ٹانگوں اور پیروں کے تمام اجزاء لطیفہ جمع ہیں اور یہ تمام اجزاء لطیفہ اجزاء رضیہ سے مستحیل شدہ ہیں اس لئے کہ منی کے تمام اجزاء دراصل غذا سے پیدا شدہ ہیں پس جو خدائے علیم و قدیر پہلی بار جسم کے ان اجزاء متفرقہ سے انسان کو پیدا کرسکتا ہے وہ مرنے کے بعد بھی گلی اور سڑی ہڈیوں کے متفرق ریزوں کو جمع کر کے آدمی کو دوبارہ بھی زندہ کرسکتا ہے پہلی بار پیدا کرنا اور دوسری بار پیدا کرنا خدا کی قدرت کے اعتبار سے سب برابر ہے۔ (معارف کاندھلوی)

الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ

جس نے بنا دی تم کو سبز درخت سے

نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ ﴿۸۰﴾

آگ پھر اب تم اُس سے سُلگاتے ہو ☆

دوبارہ پیدائش کی دلیل:

یعنی اول پانی سے سبز و شاداب درخت تیار کیا پھر اسی ترو تازہ درخت کو سکھا کر ایندھن بنادیا جس سے اب تم آگ نکال رہے ہو پس جو خدا ایسی متضاد صفات کو ادل بدل کرسکتا ہے کیا وہ ایک چیز کی موت و حیات کے الٹ پھیر پر قادر نہیں۔ (تنبیہ) بعض سلف نے شجراخضر (سبز درخت) سے خاص وہ درخت مراد لئے ہیں جن کی شاخوں کو آپس میں رگڑنے سے آگ نکلتی ہو جیسے بانس کا درخت ہے یا عرب میں مرخ اور عفار تھے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

آگ کا درخت:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا دو قسم کے درخت ہیں ایک کو مرخ کہا جاتا ہے اور دوسرے کو عفار دونوں درختوں کی مسواک کی دوہری شاخیں اتنی ہری کہ ان سے پانی ٹپکتا ہو کاٹ لی جائیں پھر مرخ کو عفار سے رگڑا جائے تو ان سے آگ نکلتی ہے عرب کہتے ہیں ہر درخت میں آگ ہے اور مرخ عفار میں گھس جاتی علماء کہتے ہیں سواء عناب کے ہر درخت میں آگ ہے۔

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ

کیا جس نے بنائے آسمان اور زمین

بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُم ۚ بَلَىٰ

نہیں بنا سکتا ان جیسے کیوں نہیں

وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ﴿۸۱﴾

اور وہی ہے اصل بنانیوالا سب کچھ جاننے والا ☆

یعنی جس نے آسمان و زمین جیسی بڑی بڑی چیزیں پیدا کیں اسے کافروں جیسی چھوٹی چیزوں کا پیدا کر دینا کیا مشکل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بحر وبرّ میں پھیلی ہوئی راکھ سے دوبارہ پیدا کرنا:

حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ گذشتہ امتوں میں سے ایک شخص پر موت آئی جو بدعمل تھا اس نے اپنے اہل وعیال کو جمع کر کے وصیت کی کہ جب میں مرجاؤں تو لکڑیوں کا ایک بڑا انبار جمع کرنا اور پھر اس میں آگ لگانا جب آگ خوب تیز ہوجائے تو مجھ کو اس میں ڈال کر جلا دینا یہاں تک کہ جب میرا گوشت پوست سب کوئلہ ہوجائے تو اس کو باریک پیس کر آدھا خشکی میں اور آدھا سمندر میں اڑا دینا اس کے اہل وعیال نے حسب وصیت اس کی راکھ کو ہوا میں اڑا دیا اللہ تعالیٰ نے بحر و بر کو حکم دیا کہ اس کی راکھ کے ذرات کو جہاں جہاں ہوں جمع کر کے حاضر کریں جب وہ ذرات جمع ہو گئے تو اللہ نے ان کو زندہ ہوجانے کا حکم دیا اس طرح سے وہ شخص دوبارہ زندہ ہو کر موجود ہوگیا اللہ عزوجل نے اس سے پوچھا کہ یہ حرکت تو نے کیوں کی، اس نے عرض کیا کہ اے پروردگار میں نے یہ حرکت تیرے خوف کی وجہ سے کی اور تو اندرون حال کو خوب جانتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔ رواہ احمد والبخاری ومسلم وغیرہما۔

قطرہ کو در ہوا شد یا کہ ریخت
از خزینہ قدرت تو کے گریخت
گر درآید در عدم یا صد عدم
چوں بخواہش او کند از سرقدم

غرض یہ کہ خدا تعالیٰ نے جس کو عقل سلیم دی ہے وہ خوب جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ ہزار بار پیدا کرنے اور ہزار بار موت دینے اور ہزار بار زندہ کرنے پر قادر ہے اور یہ امر خدا کی قدرت کاملہ کے اعتبار سے نہ محال ہے اور نہ بعید ہے۔ (معارف کاندھلوی)

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ
اُس کا حکم یہی ہے کہ جب کرنا چاہے کسی چیز کو تو کہے
لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۲﴾
اُس کو ہو وہ اُسی وقت ہو جائے ☆

ہر چیز کا وجود فقط ارادۂ الٰہی کا محتاج ہے:

یعنی کسی چھوٹی بڑی چیز کے پہلی مرتبہ یا دوبارہ بنانے میں اسے دقت ہی کیا ہوسکتی ہے اسکے ہاں تو بس ارادہ کی دیر ہے جہاں کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا اور کہا ہو جا! فوراً ہوئی رکھی ہے۔ ایک سیکنڈ کی تاخیر نہیں ہوسکتی۔ (تنبیہ) میرے خیال میں اس آیت کو پہلی آیت کے ساتھ ملا کر یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ پہلے خلق بدن کا ذکر تھا یہاں نفخ روح کا مطلب سمجھا دیا۔ واللہ اعلم راجع فوائد سورۃ الاسراء تحت بحث الروح۔ (تفسیر عثانی)

مخلوق کی قدرت پر خالق کی قدرت کو قیاس نہ کرو:

بیضاوی نے لکھا ہے یہ ایک تشبیہ ہے، جس طرح کوئی حاکم محکوم کو حکم دے اور وہ فوراً بلا توقف حکم بجالائے اسی طرح اللہ کی قدرت کا اثر مراد الٰہی پر ہوتا ہے کسی چیز کو کرنے کیلئے اللہ کو نہ عملی مشق کی ضرورت ہے نہ آلات کو استعمال کرنے کی (اگر مزاولت یا آلات کی ضرورت ہوئی تو احتیاج کا شبہ ہو جاتا) شبہ کے مادہ کو جڑ سے کاٹ دینے کیلئے یہ تمثیل ذکر فرمائی، قدرتِ مخلوق پر قدرتِ خدا کا قیاس غلط ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ
سو پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ ہے حکومت ہر چیز کی
وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾
اور اسی کی طرف پھر کر چلے جاؤ گے ☆

حکومت بس اللہ ہی کی ہے:

یعنی وہ اعلیٰ ترین ہستی جس کے ہاتھ میں فی الحال بھی اوپر سے نیچے تک تمام مخلوقات کی زمام حکومت ہے اور آئندہ بھی اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ پاک ہے عجز و سفہ اور ہر قسم کے عیب و نقص سے۔ (تفسیر عثانی)

تم سورۃ یٰسین وللہ الحمد والمنۃ

سورۃ الصافات

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کو حلال طریقہ سے رزق ملے گا اور اس کے دولڑکے پیدا ہوں گے۔ (علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ)

سورت کے مضامین:

یہ سورت مکی ہے، اور دوسری مکی سورتوں کی طرح اس کا بنیادی موضوع بھی ایمانیات ہیں اور اس میں توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد کو مختلف طریقوں سے مدلّل کیا گیا ہے، اسی ضمن میں مشرکین کے عقائد کی تردید بھی ہے، اور آخرت میں جنت و دوزخ کے حالات کی منظر کشی بھی، جو عقائد تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں شامل رہے۔

سورۃ صافات مکہ میں نازل ہوئی اور اسکی ایک سو بیاسی آیتیں ہیں اور پانچ رکوع ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ﴿۱﴾
قسم ہے صف باندھنے والوں کی قطار ہو کر ☆

صف باندھنے والے:

یعنی جو صف باندھ کر قطار در قطار کھڑے ہوتے ہیں خواہ فرشتے ہوں جو حکم الٰہی سننے کو اپنے اپنے مقام پر درجہ بدرجہ کھڑے ہوتے ہیں یا عبادت گزار انسان جو نماز اور جہاد وغیرہ میں صف بندی کرتے ہیں۔ (تنبیہ) قسم محاورات میں تاکید کے لئے ہے جو اکثر منکر کے مقابلہ میں استعمال کی جاتی ہے لیکن بسا اوقات محض ایک مضمون کو مہتم بالشان ظاہر کرنے کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں اور قرآن کریم کی قسموں کا تتبع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ عموماً مقسم بہ مقسم علیہ کے لئے بطور ایک شاہد یا دلیل کے ہوتا ہے۔ واللہ اعلم (تفسیر عثانی)

بعض علماء نے کہا ملائکہ فضا میں اپنے پَر پھیلائے رُکے رہتے ہیں اور اُس وقت تک رُکے رہتے ہیں کہ اللہ اپنی مشیت کے مطابق ان کو (کسی کام پر) مامور کرتا ہے بعض اہل علم کے نزدیک اَلصّٰٓفّٰت سے پرندے مراد ہیں، کیونکہ دوسری آیت میں آیا ہے، وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ۔ (تفسیر مظہری)

نماز میں صفوف کی درستی اور اس کی اہمیت:

چنانچہ انسانوں کو بھی عبادت کے دوران اس صف بندی کی ترغیب و تاکید کی گئی ہے، حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا: "تم (نماز میں) اس طرح صف بندی کیوں نہیں کرتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے حضور کرتے ہیں؟" صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: "فرشتے اپنے رب کے حضور کس طرح صف بندی کرتے ہیں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: "وہ صفوں کو پورا کرتے ہیں، اور صف میں پیوست ہو کر کھڑے ہوتے ہیں (یعنی بیچ میں خالی جگہ نہیں چھوڑتے)۔" (تفسیر مظہری)

نماز میں صفوں کو پورا کرنے اور سیدھا رکھنے کی تاکید میں اتنی احادیث وارد ہوئی ہیں کہ ان سے ایک پورا رسالہ بن سکتا ہے، حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہمارے کندھوں کو ہاتھ لگا کر فرمایا کرتے تھے: "سیدھے رہو، آگے پیچھے مت ہو، ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔" (جمع الفوائد بحوالہ مسلم ونسائی ص٩٢ ج١) (معارف مفتی اعظم)

فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ﴿٢﴾
پھر ڈانٹنے والوں کی جھڑک کر☆

برائی سے روکنے والی قوتیں:

یعنی جو فرشتے شیطانوں کو ڈانٹ کر بھگاتے ہیں تا استراق سمع کے ارادہ میں کامیاب نہ ہوں یا بندوں کو نیکی کی بات سمجھا کر معاصی سے روکتے ہیں یا وہ نیک آدمی جو خود اپنے نفس کو بدی سے روکتے اور دوسروں کو بھی شرارت پر ڈانٹتے جھڑکتے رہتے ہیں خصوصاً میدان جہاد میں کفار کے مقابلہ پر ان کی ڈانٹ ڈپٹ بہت سخت ہوتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یا شیطانوں کو انسانوں کی راہ (خیر) میں رکاوٹ ڈالنے سے روکتے ہیں، قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا الزّٰجِرٰتِ سے مراد ہیں قرآن کی وہ آیات جو بری باتوں کی مخالفت کرتی اور روکتی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ﴿٣﴾
پھر پڑھنے والوں کی یاد کر کر☆

یعنی وہ فرشتے یا آدمی جو اللہ کے احکام سننے کے بعد پڑھتے اور یاد کرتے ہیں، ایک دوسرے کے بتانے کو۔ (تفسیر عثمانی)

یا ان آیات کو پڑھتے ہیں جو آسمانی کتابوں میں انبیاء پر نازل کی گئی ہیں، یا صافات، زاجرات اور تالیات سے نفوس علیہ مراد ہیں جو نمازوں میں صف بستہ ہوتے ہیں، دلائل کی روشنی میں کفر اور معاصی سے روکتے ہیں اور آیاتِ رب کی تلاوت کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان تین قسموں سے مراد فرشتے ہیں اور بھی اکثر حضرات کا یہی قول ہے۔ مسلم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہمیں سب لوگوں پر تین باتوں میں فضیلت دی گئی ہے ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں جیسی کی گئی ہیں، ہمارے لئے ساری زمین مسجد بنا دی گئی ہے اور پانی کے نہ ملنے کے وقت زمین کی مٹی ہمارے لئے وضو کے قائم مقام کی گئی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

نکتہ: تعقیب وجود کیلئے ہے یعنی پہلے صف بستہ ہوتے ہیں پھر زجر کرتے ہیں، پھر تلاوت کرتے ہیں صف بندی بجائے خود صفت کمالیہ ہے، پھر شر سے باز داشت کرنی اور خیر کی طرف چلانا صفتِ اوّل کی تکمیل ہے اور تلاوت ذکر فیض رسانی کا درجہ رکھتی ہے۔ یا عطف صرف ترتیب و ترقی کیلئے ہے جیسے آیت ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ، میں عطف ترقی مرتبہ کیلئے ہے۔ (تفسیر مظہری)

مخلوق کی قسم:

مخلوقات میں جن چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے، کہیں تو اس سے اس چیز کو عظمت وفضیلت کا بیان کرنا مقصود ہوتا جیسا کہ قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کی قسم آئی ہے لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی مخلوق اور کوئی چیز دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے زیادہ معزز اور مکرم نہیں پیدا کی، یہی وجہ ہے کہ پورے قرآن مجید میں کسی نبی و رسول کی ذات کی قسم نہیں آئی، صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کی قسم آیت مذکورہ میں آئی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

"اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے وہ اپنی مخلوقات میں سے جس چیز کی چاہے قسم کھا لے، مگر کسی دوسرے کیلئے اللہ کے سوا کسی کی قسم کھانا جائز نہیں۔" (معارف مفتی اعظم)

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ﴿٤﴾
بے شک حاکم تم سب کا ایک ہے ☆

فرشتوں اور نیک لوگوں کی گواہی:

بیشک آسمان پر فرشتے اور زمین پر خدا کے نیک بندے ہر زمانہ میں قولاً و فعلاً شہادت دیتے رہے ہیں کہ سب کا مالک و معبود ایک ہے اور ہم اسی کی رعیت ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں کی تردید: مکہ کے کافروں نے کہا تھا اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام معبودوں کو ایک معبود بنا دیا یہ عجیب بات ہے آیتِ مذکورہ میں کافروں کے اس قول کی تردید فرما دی۔ (تفسیر مظہری)

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا

رب آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے

وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝۵

اور رب مشرقوں کا ☆

مشارق اور مغارب کا رب:

شمال سے جنوب تک ایک طرف مشرقین ہیں۔ سورج کی ہر روز جدا اور ہر ستارے کی جدا یعنی وہ نقطے جن سے ان کا طلوع ہوتا ہے اور دوسری طرف اتنی ہی مغربین ہیں شاید مغارب کا ذکر یہاں اس لئے نہیں کیا کہ مشارق سے بطور مقابلہ کے خود ہی سمجھ میں آ جائینگی۔ اور ایک حیثیت سے طلوع شمس و کواکب کو حق تعالیٰ کی شان حکومت وعظمت کے ثابت کرنے میں بہ نسبت غروب کے زیادہ دخل ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

مشارق سے مراد ہیں تمام ستاروں کے طلوع کے مقامات یا سورج کے روزانہ طلوع ہونے کے مقامات سال کے تین سو پینسٹھ دن ہوتے ہیں اور ہر دن طلوع کا مقام بدلتا رہتا ہے اور مقامات طلوع کے اختلاف کے مطابق غروب کے مقامات بھی مختلف ہوتے ہیں اس لئے صرف مشارق کا ذکر کیا، مغارب کے ذکر کی صراحت نہیں کی اس کے علاوہ آفتاب کے طلوع سے اللہ کی نعمت اور قدرت کی عظمت کا زیادہ ظہور ہوتا ہے اس لئے مشارق کا ذکر کیا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ۨالْكَوَاكِبِ ۝۶

ہم نے رونق دی ورلے آسمان کو ایک رونق جو تارے ہیں ☆

آسمان کی زینت:

یعنی اندھیری رات میں یہ آسمان بیشمار ستاروں کی جگمگاہٹ سے دیکھنے والوں کو کیسا خوبصورت، مزین اور پُر رونق معلوم ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

زینت سے مراد ہے ستاروں کی روشنی اور ان کے اوضاع حضرت ابن عباسؓ نے زینت الکواکب کا ترجمہ کیا صوءِ کواکب۔

مَارِد یعنی اللہ کی طاعت سے خارج، مطلب یہ ہے کہ ہم نے ستاروں کو کواکب کی زینت کیلئے اور شیطان سرکش سے حفاظت کیلئے پیدا کیا کواکب سے شہاب کے انگارے شیطان پر مارے جاتے ہیں۔

آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ تمام کواکب آسمانِ دنیا میں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فلاسفہ کا قول:

فلاسفہ متاخرین کہتے ہیں کہ کواکب فضاء میں قوت جاذبہ کے تناؤ پر قائم ہیں نہ کہ آسمان میں جڑے ہوئے ہیں، سو یہ امر اہل اسلام کے نزدیک عقلا جائز ہے اور قدرت خداوندی کے تصرف میں داخل ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝۷

اور بچاؤ بنایا ہر شیطان سرکش سے ☆

ستاروں کا مقصد:

یعنی تاروں سے آسمان کی زینت و آرائش ہے اور بعض تاروں کے ذریعہ سے جو ٹوٹتے ہیں شیطانوں کو روکنے اور دفع کرنے کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ یہ ٹوٹنے والے ستارے کیا ہیں آیا کہ کواکب نوریہ کے علاوہ کوئی مستقل نوع کواکب نوریہ کی شعاعوں ہی سے ہوا متکیف ہو کر ایک طرح کی آتش سوزاں پیدا ہو جاتی ہے یا خود کواکب کے اجزاء ٹوٹ کر گرتے ہیں؟ اس میں علماء و حکماء کے مختلف اقوال ہیں بہر حال ان کی حقیقت کچھ ہی کیوں نہ ہو رجم شیاطین کا کام بھی ان سے لیا جاتا ہے۔ اس کی کچھ تفصیل سورہ "حجر" کے فوائد میں گزر چکی ملاحظہ کر لی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ کواکب سے شعلے جدا ہو کر شیاطین کو سنگسار کرتے ہیں اور انہی شعلوں کو ہم شہاب ثاقب یا ٹوٹے ہوئے ستارے کہتے ہیں جیسا کہ امام رازی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر)

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو آسمان دنیا کی زینت کیلئے بنایا ہے اور شیاطین کی سنگساری کیلئے بنایا ہے بڑے بڑے ستارے آسمان کی زینت ہیں اور چھوٹے چھوٹے ستارے شیاطین کی سنگساری کیلئے ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

بخاریؒ نے قتادہؒ کی روایت سے بیان کیا ہے اللہ نے ستاروں کو تین امور کیلئے پیدا کیا آسمان کی زینت بنایا، شیاطین پر مارنے کیلئے (بنایا) راستہ پہچاننے کی علامات (بنایا) اس لیے اگر تخلیق نجوم کی کوئی دوسری غرض کوئی شخص بیان کرتا ہے تو غلطی کرتا ہے۔

شیاطین کی روک تھام:

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ شیاطین پہلے جا کر آسمانوں میں بیٹھتے تھے اور وحی سن لیتے تھے اُس وقت اُن پر تارے نہیں ٹوٹتے تھے یہ وہاں کی وحی سن کر زمین پر آ کر ایک ایک کی دس دس کر کے کاہنوں کے کانوں میں پھونکتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ

سُن نہیں سکتے اُوپر کی مجلس تک اور پھینکے جاتے ہیں اُن پر

مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝۸ دُحُوْرًا

ہر طرف سے بھگانے کو ☆

اوپر کی مجلس سے مراد فرشتوں کی مجلس ہے۔ یعنی شیاطین کو یہ قدرت نہیں دی گئی کہ فرشتوں کی مجلس میں پہنچ کر کوئی بات وحی الٰہی کی سن آئیں جب ایسا ارادہ کر

کے اوپر آسمانوں کے قریب پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں تو جس طرف سے جاتے ہیں ادھر ہی سے فرشتے دھکے دے کر اور مار مار کر بھگا دیتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

کاہنوں کے کاروبار کا پس منظر:

بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب اللہ آسمان میں کسی امر کا حکم دیتا ہے تو فرشتے عاجزی سے اپنے بازو پھڑ پھڑاتے ہیں ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پتھر کی کسی چٹان پر کسی زنجیر کے لگنے کی آواز ہے جب ملائکہ کے دلوں سے خوف دُور ہو جاتا ہے تو پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا، دوسرے ملائکہ کہتے ہیں (اس کا فرمان) حق ہے وہ ہی بڑی عظمت و شان والا ہے، فرشتوں کی اس بات کو چوری سے سننے والے (کچھ شیطان) سن پاتے ہیں اور (ان سے دوسرے) چوری سے سننے والے سنتے ہیں ایک کے اوپر ایک (قطار در قطار) اسی طرح ہوتے ہیں۔ سفیان راوی نے اپنے ہاتھ کو ترچھا کر کے انگلیوں کو کشادہ کر کے بتایا (کہ جس طرح انگلیاں ترتیب وار ایک کے اوپر ایک ہیں اسی طرح شیطان ترتیب وار اوپر نیچے ہوتے ہیں) اوپر والا شیطان وہ بات نیچے والے شیطان کو پہنچا دیتا ہے پھر نیچے والا اپنے سے نیچے والے کو پہنچا دیتا ہے آخری نچلا شیطان وہ بات ساحر یا کاہن تک پہنچا دیتا ہے اور نتیجہ میں وہ بات ساحر یا کاہن کی زبان پر آجاتی ہے شہاب (آگ کا شعلہ) شیطان کے پیچھے لگ جاتا ہے کبھی دوسرے شیطان تک پہنچانے سے پہلے اول شیطان کے آلگتا ہے اور کبھی وہ بات پہنچا چکتا ہے کہ شہاب اس پر پڑتا ہے، ساحر یا کاہن اس ایک بات میں (جو چوری چوری اس تک پہنچتی ہے) سو جھوٹ ملا دیتا ہے (اور لوگوں سے بیان کرتا ہے کہ ایسا ہونے والا ہے) جب کاہن کے کہنے کے مطابق کوئی بات ہو جاتی ہے تو اس ایک بات کی وجہ سے اس کی تصدیق کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ فلاں دن کاہن نے ایسا ایسا نہیں کہا تھا؟

بیضاوی نے لکھا ہے جس شیطان پر انگارا مارا جاتا ہے کیا وہ زخمی ہو کر لوٹ جاتا ہے یا جل جاتا ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ چڑھنے والے کے کبھی وہ شعلہ لگ جاتا ہے اور کبھی نہیں لگتا ہے جیسے موجیں کشتی میں بیٹھنے والوں کے کبھی لگ جاتی ہیں کبھی کشتی سے ٹکرا کر لوٹ جاتی ہیں (کشتی کے مسافروں تک نہیں پہنچتیں) اسی لیے شیاطین باز نہیں آتے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ

اور اُن پر مار ہے ہمیشہ کو ☆

شیاطین کیلئے دائمی عذاب:

یعنی دنیا میں ہمیشہ یوں ہی مار پڑتی رہے گی اور آخرت کا دائمی عذاب الگ رہا۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ

مگر جو کوئی اُچک لایا جھپ سے پھر پیچھے لگا اُس کے انگارا چمکتا ☆

یعنی اسی بھاگ دوڑ میں جلدی سے کوئی ایک آدھ بات اُچک لایا، اس پر بھی فرشتے شہاب ثاقب سے اس کا تعاقب کرتے ہیں اس کی تفصیل سورۂ ''حجر'' کے شروع میں گذر چکی۔ (تفسیر عثمانی)

الخطفة جھپٹ لینا، اس جگہ مراد ہے ملائکہ کے کلام کا کوئی حصہ سن کر چوری سے لے بھاگنا، شہاب، ستارے سے نکلنے والا وہ شعلہ جو چوری سے سُن کر بھاگنے والے شیطانوں کے مارا جاتا ہے اور ایسا دکھائی دیتا ہے کہ کوئی ستارہ ٹوٹ کر گرا۔ (تفسیر مظہری)

موجودہ سائنسدانوں کا خیال:

موجودہ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ ''شہاب ثاقب'' ان گنت ستاروں ہی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوتے ہیں، اور عموماً بڑی بڑی اینٹوں کے برابر، اور یہ ان گنت ٹکڑے فضا میں رہتے ہیں، انہی کا ایک مجموعہ ''اسدیہ'' کہلاتا ہے، جو سورج کے گرد ھلیلہ کی شکل میں گردش کرتا رہتا ہے، اور اس کا ایک دورہ ۳۳ سال میں پورا ہوتا ہے، ان ٹکڑوں میں روشنی ان کی تیز رفتاری اور خلائی اجرام کی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے، یہ ٹکڑے ۱۰ اگست اور ۲۷ نومبر کی راتوں میں زیادہ گرتے ہیں، اور ۲۰ اپریل، ۲۸ نومبر، ۱۸ اکتوبر اور ۶، ۹، ۱۳ دسمبر کی راتوں میں کم ہو جاتے ہیں۔ (از تفسیر الجواہر للطنطاوی ص ۱۵ ج ۸)

جدید سائنس کی یہ تحقیق قرآنی اسلوب بیان کے زیادہ مطابق ہے، البتہ جو لوگ ''شہاب ثاقب'' کے ذریعہ شیطانوں کے مارے جانے کو بعید از قیاس سمجھتے ہیں ان کے بارے میں طنطاوی مرحوم نے الجواہر میں بڑی اچھی بات لکھی ہے: ''ہمارے آباؤ اجداد اور حکماء کو بھی یہ بات گراں محسوس ہوتی تھی کہ قرآن کریم ان کے زمانہ کے علم فلکیات کے خلاف کوئی بات کہے، لیکن مفسرین اس بات پر راضی نہیں ہوئے کہ ان کے فلسفیانہ نظریات کو قبول کر کے قرآن کو چھوڑ دیں، اس کے بجائے انہوں نے ان فلسفیانہ نظریات کو چھوڑا اور قرآن کے ساتھ رہے کچھ عرصہ کے بعد خود بخود ثابت ہو گیا کہ قدیم یونانی فلاسفہ کا خیال بالکل باطل اور غلط تھا، اب بتائیے کہ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ یہ ستارے شیطانوں کو جلاتے، مارتے اور تکلیف پہنچاتے ہیں تو اس میں کونسی رکاوٹ ہے، ہم قرآن کریم کے اس بیان کو تسلیم کرتے ہوئے مستقبل کے انتظار میں ہیں، (جب سائنس بھی اس حقیقت کو تسلیم کرلے گی) (جواہر ص ۱۴ ج ۸)

مقصدِ اصلی: یہاں آسمانوں، ستاروں اور شہاب ثاقب کا تذکرہ کرنے سے ایک مقصد تو توحید کا اثبات ہے کہ جس ذات نے یکہ وتنہا اتنے زبردست آفاقی

انتظامات کئے ہوئے ہیں، وہی لائق عبادت بھی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا

اب پوچھ ان سے کیا یہ بنانے مشکل ہیں یا جتنی خلقت کہ ہم نے بنائی ☆

انسان کا دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں:

یعنی منکرین بعث سے دریافت کیجئے کہ آسمان، زمین، ستارے، فرشتے، شیاطین وغیرہ مخلوقات کا پیدا کرنا ان کے خیال میں زیادہ مشکل کام ہے یا خود ان کا پیدا کرنا اور وہ بھی ایک مرتبہ پیدا کر چکنے کے بعد ظاہر ہے جو خدا ایسی عظیم الشان مخلوقات کا بنانے والا ہے اسے ان کا دوبارہ بنا دینا کیا مشکل ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

نکتہ: مَنْ (ذی عقل مخلوق کیلئے استعمال ہوتا ہے لیکن) اس جگہ اہل عقل کو بے عقل مخلوق پر تغلیب دے کر سب باعقل اور بے عقل مخلوق کیلئے استعمال کیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾

ہم نے ہی ان کو بنایا ہے ایک چپکتے گارے سے ☆

مادہ تخلیق:

یعنی ان کی اصل حقیقت ہمیں سب معلوم ہے ایک طرح کے چپکتے گارے سے جس کا پتلا ہم نے تیار کیا۔ آج اس کے یہ دعوے ہیں کہ آسمان و زمین کا بنانے والا اس کے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ جس طرح پہلے تجھ کو مٹی سے بنایا دوبارہ بھی مٹی سے نکال کر کھڑا کر دیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

لازب چپکنے والی جو ہاتھ سے چپک جائے، مجاہد اور ضحاک نے لازب کا ترجمہ کیا۔ ''سڑی ہوئی'' انسانوں کی (جسمانی) تخلیق اور آسمان و زمین کی تخلیق میں یہی بڑا فرق ہے کہ انسانوں کا تخلیقی مادہ تو چپک دار کیچڑ ہے۔

کافروں کے اشکال کا شافی جواب:

کافروں نے کہا تھا ءَاِذَا كُنَّا تُرَابًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ان کے قول کے خلاف اللہ نے بطور استدلال فرمایا کہ ان کی تخلیق اول سڑی ہوئی لیس دار کیچڑ سے ہو چکی ہے پھر تراب (خاک) سے دوبارہ تخلیق کا یہ کیسے انکار کر سکتے ہیں، طین لازب میں اجزاء آبی اور اجزاء خاکی مخلوط ہوتے ہیں، مرنے کے بعد بھی یہ اجزاء (تحلیل ہو کر اپنی اپنی جگہ) باقی رہتے ہیں پھر دوبارہ اجتماع اور خلط سے کون روک سکتا ہے، مادہ کی قابلیت میں فرق نہیں اور فاعل کی قدرت میں کمزوری نہیں۔ (تفسیر مظہری)

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ﴿۱۲﴾

بلکہ تو کرتا ہے تعجب اور وہ کرتے ہیں ٹھٹھے ☆

کافروں کی بے وقوفی:

یعنی تجھ کو ان پر تعجب آتا ہے کہ ایسی صاف باتیں کیوں نہیں سمجھتے اور وہ ٹھٹھا کرتے ہیں کہ یہ (نبی) کس قسم کی بے سروپا باتیں کر رہا ہے۔ (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعجب:

قتادہؒ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعجب تھا کہ نزول قرآن کے بعد بھی بنی آدم گمراہ کس طرح رہ سکتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین تھا کہ جو شخص بھی اس قرآن کو سنے گا وہ ضرور اس کو مان لے گا اور ایمان لے آئے گا لیکن مشرکین اس کو سن کر بھی ایمان نہیں لائے بلکہ مذاق اڑانے لگے اس لیے عجبت کے بعد ویسخرون فرمایا یعنی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعجب کا مذاق بناتے ہیں اور آپ جو دوسری زندگی ہونے کی تقریر کرتے ہیں وہ اس کی ہنسی اڑاتے ہیں۔

تعجب کا معنیٰ: عجب اس حالت کو کہتے ہیں جو کسی غیر معمولی بات کو دیکھنے سے انسان کے اندر پیدا ہو جاتی ہے عجبت میں یہی حالت مراد ہے، ایک حدیث میں عجب ربک من قوم یساقون الی الجنۃ فی السلاسل اسی طرح سبحانہ ما اعظم شانہ میں صیغہ تعجب اسی معنی کیلئے استعمال کیا گیا۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً

اور جب ان کو سمجھایئے نہیں سوچتے اور جب دیکھیں کچھ نشانی

يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَقَالُوْا اِنْ

ہنسی میں ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں اور کچھ نہیں

هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

یہ تو کھلا جادو ہے ☆

یعنی نصیحت سن کر غور و فکر نہیں کرتے اور جو معجزات و نشانات دیکھتے ہیں انہیں جادو کہہ کر ہنسی میں اڑا دیتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾

کیا جب ہم مر گئے اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں تو کیا ہم کو پھر اٹھائیں گے

اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾

کیا اور ہمارے اگلے باپ دادوں کو بھی ☆

کافروں کی ہٹ دھرمی:

وہ ہی مرغے کی ایک ٹانگ گائے جاتے ہیں کہ صاحب جب ہمارا بدن خاک میں مل کر مٹی ہو گیا صرف ہڈیاں باقی رہ گئیں اور اس سے بھی بڑھ کر ہمارے باپ دادا جن کو مرے ہوئے قرن گذر گئے، شاید ہڈیاں بھی باقی نہ رہی ہوں، ہم

کس طرح مان لیں کہ یہ سب پھر از سر نو زندہ کر کے کھڑے کر دیے جائینگے۔

قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ

تو کہہ کہ ہاں اور تم ذلیل ہو گے سو وہ اٹھانا تو یہی ہے

وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾

ایک جھڑکی پھر اُسی وقت یہ لگیں گے دیکھنے ☆

اِتمامِ حجت: یعنی ہاں ضرور اٹھائے جاؤ گے اور اُس وقت ذلیل ورسوا ہو کر اس انکار کی سزا بھگتو گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۲۰﴾

اور کہیں گے اے خرابی ہماری یہ آ گیا دن جزا کا ☆

وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ یعنی ایک ڈانٹ میں سب اُٹھ کھڑے ہونگے اور حیرت و دہشت سے ادھر اُدھر دیکھنے لگیں گے (یہ ڈانٹ یا جھڑکی نفخ صور کی ہوگی) (تفسیر عثمانی)

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾

یہ ہے دن فیصلہ کا جس کو تم جھٹلاتے تھے ☆

یعنی یہ تو سچ مچ جزاء کا دن آپہنچا جس کی انبیاء خبر دیتے اور ہم ہنسی اڑایا کرتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا

جمع کرو گنہگاروں کو اور ان کے جوڑوں کو اور

كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

جو کچھ پوجتے تھے اللہ کے سوائے

فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿۲۳﴾

پھر چلاؤ اُن کو دوزخ کی راہ پر ☆

یہ حق تعالیٰ کی طرف سے خطاب ہوگا۔

یہ حکم ہوگا فرشتوں کو کہ ان سب کو اکٹھا کر کے دوزخ کا راستہ بتاؤ۔ (تنبیہ) ''ازواج'' (جوڑوں) سے مُراد ہیں ایک قسم کے گنہگار یا اُن کی کافر بیویاں اور ''وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ'' سے اصنام و شیاطین وغیرہ مراد ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ہم مشربوں کا اجتماع:

بیہقیؒ نے بطریق نعمان بن شریک بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ یعنی ان کے ہم مشرب لوگوں کو جو انہیں کی طرح ہیں، سُود خوار، سُود خواروں کے ساتھ، زنا کار، زنا کاروں کے ساتھ اور شرابی، شرابیوں کے ساتھ آئیں گے، سب ہم مشرب جنت میں ساتھ ہوں گے اور ہم مشرب دوزخ میں بھی ساتھی ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

اللہ نے فرمایا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ (یعنی وہ نیک مومن مخلوق جس کی پرستش مشرک کیا کرتے تھے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام، ملائکہ وغیرہ، وہ سب آیت اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ کی روشنی میں دوزخ سے دور رکھے جائیں گے، البتہ بُت، شیاطین وغیرہ اپنے پرستاروں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے)

فَاهْدُوْهُمْ: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ان کو دوزخ کا راستہ بتادو، ابن کیسان نے کہا ان کو دوزخ کی طرف بڑھادو، پیچھے سے ہنکانے والے کو بھی عرب ہادی کہتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور کھڑا رکھو اُن کو اُن سے پوچھنا ہے ☆

باز پرس: حکم کے بعد کچھ دیر ٹھہرائینگے تا کہ اُن سے ایک سوال کیا جائے جو آگے ''مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ'' میں مذکور ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مسلمؒ نے حضرت ابو برزہ اسلمیؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بندے کے قدم پُل صراط کو نہیں چھوڑیں گے جب تک اس سے چار باتوں کی پرسش نہیں کر لی جائے گی۔

(۱) عمر کس کام میں گذاری (۲) جسم کو کس کام میں لگا کر کمزور کیا

(۳) علم کے بعد کیا عمل کیا (۴) مال کہاں سے کمایا اور کس راستے میں صرف کیا، ترمذی اور ابن مردویہ نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

حضرت ابوالدرداءؓ کا خوف:

حضرت ابوالدرداءؓ نے فرمایا، مجھے سب سے زیادہ خوف اس بات کا ہے کہ جب حساب ہوگا تو مجھ سے کہا جائے گا تو جانتا تھا (پھر) تو نے عمل کیا کیا؟

جہنم کے سات پُل:

ابن ابی حاتم نے اشقع بن عبداللہ کلاعی کا بیان نقل کیا ہے کہ جہنم کے سات پل ہیں، راستہ سب پلوں پر سے گذرتا ہے، پہلے پُل کے پاس لوگوں کو روک لیا جائے گا اور (ملائکہ) کہیں گے ان کو روک لو ان سے پوچھ گچھ کی جائے گی، چنانچہ نماز کے متعلق باز پرس کی جائے گی، نتیجہ میں جو ہلاک ہونیوالے ہیں ہلاک ہو جائیں گے (دوزخ میں گرا دیے جائیں گے) اور جو نجات پانے والے ہیں وہ نجات پا جائیں گے، دوسرے پل پر پہنچ کر امانت کے متعلق دریافت کیا جائے گا کہ امانت میں خیانت کی تھی یا پوری پوری ادا کی تھی، اس

کے نتیجے میں جولوگ ہلاک ہونیوالے ہیں ہلاک ہو جائیں گے اور جو نجات پانیوالے ہیں نجات پا جائیں گے، پھر تیسرے پل پر پہنچیں گے تو قرابت داری کے متعلق سوال کیا جائے گا کہ رشتہ قرابت توڑ دیا تھا یا جوڑے رکھا تھا اس کے نتیجہ میں ہلاک ہونے والے ہلاک ہو جائیں گے اور نجات پانے والے نجات پا جائیں گے، راوی نے کہا اس روز رحم (رشتہ قرابت) ہوا میں معلق ہوگا اور کہے گا اے اللہ جس نے مجھے جوڑے رکھا اس کو تو بھی جوڑے رکھ، اور جس نے مجھے کاٹا اس سے تو بھی تعلق منقطع کرلے۔ (تفسیر مظہری)

مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ ﴿۲۵﴾
کیا ہوا تم کو ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے
بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ ﴿۲۶﴾
کوئی نہیں وہ آج اپنے آپ کو پکڑواتے ہیں ☆

کافروں کی ذلت:

یعنی دنیا میں تو "نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنْتَصِرٌ" کہا کرتے تھے (کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، آج کیا ہوا کہ کوئی اپنے ساتھی کی مدد نہیں کرتا، بلکہ ہر ایک بدون کان ہلائے ذلیل ہو کر پکڑا ہوا چلا آ رہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۲۷﴾
اور منہ کیا بعضوں نے بعضوں کی طرف لگے پوچھنے
قَالُوا إِنَّكُمْ كُنتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ﴿۲۸﴾
بولے تم ہی تھے کہ آتے تھے ہم پر داہنی طرف سے ☆

"یمین" (داہنے ہاتھ) میں عموماً زور وقوت زائد ہوتی ہے یعنی تم ہی تھے جو ہم پر چڑھے آتے تھے بہکانے کو زور دکھلا کر اور مرعوب کر کے یا یمین سے مراد خیر و برکت کی جانب لی جائے یعنی تم ہی تھے کہ ہم پر چڑھائی کرتے تھے۔ بھلائی اور نیکی سے روکنے کے لئے۔ یہ گفتگو اتباع اور متبوعین (زبردستوں اور زیردستوں) کے درمیان ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوا بَل لَّمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿۲۹﴾ وَمَا كَانَ لَنَا
وہ بولے کوئی نہیں پر تم ہی نہ تھے یقین لانے والے اور ہمارا تم پر
عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ ۖ بَلْ كُنتُمْ قَوْمًا طَاغِينَ ﴿۳۰﴾
کچھ زور نہ تھا پر تم ہی تھے لوگ حد سے نکل چلنے والے۔
فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا ۖ إِنَّا لَذَائِقُونَ ﴿۳۱﴾
سو ثابت ہو گئی ہم پر بات ہمارے رب کی بے شک ہم کو مزہ چکھنا ہے

فَأَغْوَيْنَاكُمْ إِنَّا كُنَّا غَاوِينَ ﴿۳۲﴾
ہم نے تم کو گمراہ کیا جیسے ہم خود تھے گمراہ ☆

جھوٹے معبودوں کی بیزاری:

یعنی خود تو ایمان لائے ہم پر الزام رکھتے ہو۔ ہمارا تم پر کیا زور تھا جو دل میں ایمان نہ گھسنے دیتے تم لوگ خود ہی عقل و انصاف کی حد سے نکل گئے کہ بے لوث ناصحین کا کہنا نہ مانا اور ہمارے بہکائے میں آ گئے اگر عقل و فہم اور عاقبت اندیشی سے کام لیتے تو ہماری باتوں پر کبھی کان نہ دھرتے۔ رہے ہم سو ظاہر ہے خود گمراہ تھے، ایک گمراہ سے بجز گمراہی کی طرف بلانے کے اور کیا توقع ہو سکتی ہے ہم نے وہ ہی کیا جو ہمارے حال کے مناسب تھا لیکن تم کو کیا مصیبت نے گھیرا تھا کہ ہمارے چکموں میں آ گئے۔ بہر حال جو ہونا تھا ہو چکا۔ خدا کی حجت ہم پر قائم ہوئی اور اس کی وہ ہی بات لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكَ وَمِمَّن تَبِعَكَ ثابت ہو کر رہی آج ہم سب کو اپنی اپنی غلط کاریوں اور بدمعاشیوں کا مزہ چکھنا ہے۔

فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿۳۳﴾
سو وہ سب اُس دن تکلیف میں شریک ہیں ☆
إِنَّا كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ﴿۳۴﴾
ہم ایسا ہی کرتے ہیں گنہگاروں کے حق میں ☆

یعنی سب مجرم درجہ بدرجہ عذاب میں شریک ہوں گے جیسے جرم میں شریک تھے۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَٰهَ
وہ تھے کہ اُن سے جب کوئی کہتا کسی کی بندگی نہیں سوائے
إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۳۵﴾
اللہ کے تو غرور کرتے ☆

تکبر کا نقصان: یعنی اُن کا کبر و غرور مانع ہے کہ نبی کے ارشاد سے یہ کلمہ (لا الٰہ الا اللہ) زبان پر لائیں جس سے اُن کے جھوٹے معبودوں کی نفی ہوتی ہے خواہ دل میں اُسے سچ ہی سمجھتے ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُو آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ﴿۳۶﴾
اور کہتے کیا ہم چھوڑ دیں گے اپنے معبودوں کو کہنے سے ایک شاعر دیوانہ کے
بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۳۷﴾
کوئی نہیں وہ لے کر آیا ہے سچا دین اور سچا مانتا ہے سب رسولوں کو ☆

بے وقوفی کی انتہاء:

یعنی شاعروں کا جھوٹ تو مشہور ہے پھر اُس راست باز ہستی کو شاعر کیسے کہتے ہو جو دنیا میں خالص سچائی لے کر آیا ہے اور سارے جہان کے سچوں کی تصدیق کرتا ہے کیا مجنون اور دیوانے ایسے سچے صحیح اور پختہ اصول پیش کیا کرتے ہیں؟ (تفسیر عثمانی)

صَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دعوی انوکھا نہیں بلکہ سابق پیغمبروں کا بھی یہی دعوی تھا اور یہ گذشتہ پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہیں، الہٰذا ان کا دعویٰ دوسرے پیغمبروں کے موافق ہوا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾

بے شک تم کو چکھنا ہے عذاب درد ناک

وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور وہی بدلہ پاؤ گے جو کچھ تم کرتے تھے ☆

اپنا کیا سامنے آئے گا:

یعنی انکار توحید اور ان گستاخیوں کا مزہ چکھو گے جو بارگاہ رسالت میں کر رہے ہو، جو کچھ کرتے تھے ایک دن سب سامنے آجائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾

مگر جو بندے اللہ کے ہیں چنے ہوئے ☆

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾

وہ لوگ جو ہیں اُن کے واسطے روزی ہے مقرر ☆

فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾

میوے اور اُن کی عزت ہے ☆

مخلص بندے:

یعنی اُن کا کیا ذکر، وہ تو ایک قسم ہی دوسری ہے جس پر حق تعالےٰ نوازش و کرم فرمائے گا۔

یعنی عجیب وغریب میوے کھانے کو ملیں گے جن کی پوری صفت تو اللہ ہی کو معلوم ہے ہاں کچھ مختصر سی بندوں کو بھی بتلا دی ہے جیسے فرمایا ''لَا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ'' (واقعہ۔ رکوع ۱) (تفسیر عثمانی)

اہل جنت کا رزق:

رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ، یعنی ایسا رزق جس کی خصوصیات معلوم ہیں مثلا لازوال ہونا، خالص لذت بخش ہونا، فواکہ، فاکھة کی جمع ہے، فاکہۃ وہ پھل ہے جس کا مقصد محض لذت اندوزی ہو، غذایابی نہ ہو، اور قوت اس (ماکول ومشروب) چیز کو کہتے ہیں جس سے مقصد لذات اندوزی نہ ہو، بلکہ غذائیت مقصود ہو، رزق کا لفظ دونوں کو شامل ہے، چونکہ اہل جنت کے اجسام ہر طرح کے انحلال سے محفوظ ہوں گے اس لیے (ان کو غذائیت کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ) ان کے ماکولات فواکہ ہونگے جن کا مقصد صرف لذت اندوزی ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

نکتہ: امام رازیؒ نے اسی ''فواکہ'' کے لفظ سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ جنت میں جتنی غذائیں دی جائیں گی وہ سب لذّت بخشنے کے لئے دی جائیں گی، بھوک کی حاجت رفع کرنے کیلئے نہیں، اس لئے کہ جنت میں انسان کو حاجت کسی چیز کی نہیں ہوگی، وہاں اسے اپنی زندگی برقرار رکھنے یا حفظان صحت کے لئے بھی کسی غذاء کی ضرورت نہیں ہوگی، ہاں خواہش ہوگی، اس خواہش کے پورے ہونے سے لذت حاصل ہوگی، اور جنت کی تمام نعمتوں کا مقصد لذت عطا کرنا ہوگا (تفسیر کبیر) (معارف مفتی اعظم)

خدا ہی جانے کیا کیا اعزاز و اکرام ہونگے۔

فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۴۳﴾ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾

نعمت کے باغوں میں تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۴۵﴾

لوگ لئے پھرتے ہیں اُن کے پاس پیالہ شراب صاف کا

بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَا فِيْهَا غَوْلٌ

سفید رنگ مزہ دینے والی پینے والوں کو نہ اُس میں سر پھرتا ہے

وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَعِنْدَهُمْ

اور نہ وہ اُس کو پی کر بہکیں اور اُن کے پاس

قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿۴۸﴾

ہیں عورتیں نیچی نگاہ رکھنے والیاں بڑی آنکھوں والیاں ☆

کامل لطف اندوزی:

یعنی مزہ اور نشاط پورا ہوگا، اور دنیا کی شراب میں جو خرابیاں ہوتی ہیں اُن کا نام ونشان نہ ہوگا نہ سرگرانی ہوگی نہ نشہ چڑھے گا، نہ قے آئے گی، نہ پھیپھڑے وغیرہ خراب ہوں گے نہ اس کی نہریں خشک ہوکر ختم ہوسکیں گی۔ (تفسیر عثمانی)

شرم و ناز سے نگاہ نیچی رکھنے والی حوریں اپنے ازواج کے سوا کسی دوسرے کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیں۔ (تفسیر عثمانی)

نگاہیں نیچی رکھنے والی:

علامہ ابن جوزیؒ نے نقل کیا ہے کہ یہ عورتیں اپنے شوہروں سے کہیں

گی: ”میرے پروردگار کی عزت کی قسم! جنت میں مجھے تم سے بہتر کوئی نظر نہیں آتا جس اللہ نے مجھے تمہاری بیوی اور تمہیں میرا شوہر بنایا تمام تعریفیں اسی کی ہیں۔“

”نگاہیں نیچی رکھنے والی“ کا ایک اور مطلب علامہ ابن جوزیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اپنے شوہروں کی نگاہیں نیچی رکھیں گی، یعنی وہ خود اتنی خوب صورت اور وفا شعار ہوں گی کہ ان کے شوہروں کو کسی اور کی طرف نظر اٹھانے کی خواہش ہی نہ ہوگی (تفسیر زاد المسیر لابن جوزی ص ٧٥، ٥٨ ج ٨) (معارف القرآن مفتی اعظم)

كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿٤٩﴾
گویا وہ انڈے ہیں چھپے دھرے ☆

حُوروں کا حسن: یعنی صاف وشفاف رنگ ہوگا جیسے انڈا جس کو پرند اپنے پروں کے نیچے چھپائے رکھے کہ نہ داغ لگے نہ گرد وغبار پہنچے یا انڈے کے اندر کی سفید تہہ جو سخت چھلکے کے نیچے پوشیدہ رہتی ہے اور بعض نے کہا کہ شتر مرغ کے انڈے مراد ہیں جو بہت خوش رنگ ہوتے ہیں بہر حال تشبیہ صفائی یا خوش رنگ ہونے میں ہے، سفیدی میں نہیں، چنانچہ دوسری جگہ فرمایا كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ (الرحمٰن۔ رکوع ٢) (تفسیر عثمانی)

عرب کے نزدیک عورتوں کا یہ رنگ حسین ترین رنگ ہے اس لئے عورتوں کو شتر مرغ کے انڈوں سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

ابن جریر نے حضرت ام سلمہ ؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عین موٹی آنکھوں والیاں جن کی پلکیں (آنکھوں کو چھپالیں گی اس طرح) جیسے گدھ کے پر (یعنی حوروں کی آنکھیں غلافی ہونگی) (تفسیر مظہری)

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٥٠﴾
پھر منہ کیا ایک نے دوسرے کی طرف لگے پوچھنے
قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّىْ كَانَ لِىْ قَرِيْنٌ ﴿٥١﴾
بولا ایک بولنے والا اُن میں میرا تھا ایک ساتھی
يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿٥٢﴾ ءَاِذَا مِتْنَا
کہا کرتا کیا تو یقین کرتا ہے کیا جب ہم مر گئے
وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿٥٣﴾
اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم کو جزا ملے گی ☆

اہل جنت کی باہمی گفتگو:

یعنی یاران جلسہ جمع ہوں گے اور شراب طہور کا جام چل رہا ہوگا اس عیش و تنعم کے وقت اپنے بعض گذشتہ حالات کا تذکرہ کریں گے۔ ایک جنتی کہے گا۔ میاں دنیا میں میرا ایک ملنے والا تھا جو مجھے آخرت پر یقین رکھنے کی وجہ سے ملامت کیا کرتا اور احمق بنایا کرتا تھا۔ اس کے نزدیک یہ بالکل مہمل بات تھی کہ ایک شخص مٹی میں مل جائے اور گوشت پوست کچھ باقی نہ رہے محض بوسیدہ ہڈیاں رہ جائیں، پھر اسے اعمال کا بدلہ دینے کے لئے از سر نو زندہ کر دیں؟ بھلا ایسی بے تکی بات پر کون یقین کر سکتا ہے؟ (تفسیر عثمانی)

دو شراکت دار:

بعض علماء کا قول ہے وہ دونوں دنیا میں شریک تھے ایک کافر تھا جس کا نام مطروس تھا دوسرا مومن تھا جس کا نام یہودا تھا انہی دونوں کا واقعہ اللہ نے سورۂ کہف کی آیت وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ الخ میں بیان فرمایا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿٥٤﴾
کہنے لگا بھلا تم جھانک کر دیکھو گے ☆
فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِىْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿٥٥﴾
پھر جھانکا تو اُس کو دیکھا بیچوں بیچ دوزخ کے
قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿٥٦﴾
بولا قسم اللہ کی تو تو مجھ کو ڈالنے لگا تھا گڑھے میں
وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّىْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٥٧﴾
اور اگر نہ ہوتا میرے رب کا فضل تو میں بھی ہوتا انہی میں جو پکڑے ہوئے آئے ☆

کافر ساتھی کا انجام اور عبرت:

یعنی وہ ساتھی یقیناً دوزخ میں پڑا ہوگا۔ آؤ ذرا جھانک کر دیکھیں کس حال میں ہے (یہ اس جنتی کا مقولہ ہوا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ مقولہ اللہ کا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ کیا تم جھانک کر اس کو دیکھنا چاہتے ہو۔) یعنی اس جنتی کو اپنے ساتھی کا حال دکھلا دیا جائے گا کہ ٹھیک دوزخ کی آگ میں پڑا ہوا ہے۔ یہ حال دیکھ کر اسے عبرت ہوگی اور اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان یاد آئے گا۔ کہے گا، کمبخت! تو نے مجھے بھی اپنے ساتھ برباد کرنا چاہا تھا۔ محض اللہ کے احسان نے دستگیری فرمائی جو اس مصیبت سے بچالیا اور میرا قدم راہ ایمان وعرفان سے ڈگنے نہ دیا ورنہ آج میں بھی تیری طرح پکڑا ہوا آتا۔ اور اس دردناک عذاب میں گرفتار ہوتا۔

اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿٥٨﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا
کیا اب ہم کو مرنا نہیں مگر جو پہلی بار مر چکے اور
نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿٥٩﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ
ہم کو تکلیف نہیں پہنچنے کی بے شک یہی ہے بڑی مراد ملنی

الْعَظِيْمُ ﴿٦٠﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿٦١﴾

ایسی چیزوں کے واسطے چاہیے محنت کریں محنت کرنے والے ☆

اعلیٰ مقصد کا حصول:

اس وقت فرط مسرت سے کہے گا کہ کیا یہ واقعہ نہیں کہ اس پہلی موت کے سوا جو دنیا میں آ چکی اب ہم کو کبھی مرنا نہیں اور نہ کبھی اس عیش و بہار سے نکل کر تکلیف وعذاب کی طرف جانا ہے۔خدا تعالیٰ کے فضل ورحمت سے اسی تنعم و رفاہیت میں ہمیشہ رہیں گے۔بے شک بڑی بھاری کامیابی اسی کو کہتے ہیں اور یہی وہ اعلیٰ مقصد ہے جس کی تحصیل کے لئے چاہیے کہ ہر طرح کی محنتیں اور قربانیاں گوارا کی جائیں۔(تفسیر عثمانی)

بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ جب موت کو ذبح کر دیا جائے گا تو اہل جنت بطور بشارت ومسرت ملائکہ سے کہیں گے کیا ہم کو پھر کبھی مرنا ہوگا فرشتے کہیں گے نہیں اس پر جنتی کہیں گے۔

ایسے ہی (مقام یا راحت ونعمت) کیلئے عمل کرنیوالوں کو عمل کرنا چاہئے یعنی دنیوی منافع کے حصول کیلئے کوشش بیکار ہے اول تو دنیوی کامیابی دُکھوں سے بھری ہوئی ہے پھر فنا پذیر بھی ہے۔(تفسیر مظہری)

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿٦٢﴾

بھلا یہ بہتر ہے مہمانی یا درخت سینڈھ کا

اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٣﴾

ہم نے اُس کو رکھا ہے ایک بلا ظالموں کے واسطے

اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿٦٤﴾

وہ ایک درخت ہے کہ نکلتا ہے دوزخ کی جڑ میں ☆

دوزخیوں کی مہمانی:

اوپر بہشتیوں کی مہمانی کا ذکر تھا۔یہاں سے دوزخیوں کی مہمانی کا حال سناتے ہیں "زقوم" کسی درخت کا نام ہے جو سخت کڑوا اور بدذائقہ ہوتا ہے ،جیسے ہمارے یہاں تھوہر یا سینڈھ دوزخ کے اندر حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ایک درخت اگایا ہے اس کو یہاں شجرۃ الزقوم سے موسوم کیا۔وہ ایک بلا ہے ظالموں کے واسطے آخرت میں۔کیونکہ جب دوزخی بھوک سے بے قرار ہوں گے تو یہی کھانے کو دیا جائے گا اور اس کا حلق سے اتارنا یا اترنے کے بعد ایک خاص اثر پیدا کرنا سخت تکلیف دہ اور مستقل عذاب ہوگا۔

دُنیا میں آزمائش:

دنیا میں بھی ایک طرح کی بلا اور آزمائش ہے کہ قرآن میں اس کا ذکر سنکر گمراہ ہوتے ہیں۔کوئی کہتا ہے کہ سبز درخت دوزخ کی آگ میں کیونکر اُگے گا۔(حالانکہ ممکن ہے کہ اس کا مزاج ہی ناری ہو جیسے آگ کا کیڑا "سمندر" آگ میں زندہ رہتا ہے اور سہارنپور کے کمپنی باغ میں بعض درختوں کی تربیت آگ کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔) کسی نے کہا "زقوم" فلاں لغت میں کھجور اور مکھن کو کہتے ہیں۔انہیں سامنے رکھ کر ایک دوسرے کو بلاتے ہیں کہ آؤ زقوم کھائیں گے۔(تفسیر عثمانی)

جنت اور جہنم میں پہلی پیشکش:

نُزُل وہ چیز جو مہمان کے آتے ہی اس کے سامنے لائی جاتی ہے (ابتدائی پیش کش) اس لفظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ مذکورہ بالا نعمتیں تو اہل جنت کو ابتدائی پیش کش کے طور پر دی جائیں گی اس کے بعد کیا کیا عطا کیا جائے گا اس کو سمجھنے سے عقل قاصر ہے،اسی طرح دوزخیوں کو ابتدائی پیش کش کے طور پر زقوم دیا جائے گا (اور اس کے بعد کیسا عذاب ہوگا اس کو سمجھنا عقل کی رسائی سے خارج ہے)

زقوم کی بدمزگی:

ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،ابن ابی حاتم ابن حبان،حاکم اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر زقوم کا ایک قطرہ دنیا کے سمندروں میں ٹپکا دیا جائے تو باشندگان زمین کی (ساری) معاش بگڑ جائیں (اس سے اندازہ کرو کہ) کہ جس کا کھانا زقوم ہو اس کی (بدمزگی کراہت طبع اور ناگواری کی) کیا حالت ہوگی۔

ابوعمران خولانی کی روایت سے ابونعیم نے اور زوائد الزہد میں عبداللہ بن احمد نے بیان کیا ہے کہ زقوم میں سے آدمی جتنا نوچے گا زقوم اس آدمی کا بھی اتنا ہی (گوشت) نوچ لے گا۔

ابن زبعری نے سرداران قریش سے کہا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو زقوم سے ڈراتے ہیں حالانکہ بربری زبان میں زقوم کا معنی ہے مکھن اور کھجور ابوجہل ابن زبعری کو اپنے گھر میں لایا اور باندی سے کہا،جاریہ ہمارے لئے زقوم لا،باندی مکھن اور کھجوریں لے آئی،ابوجہل نے کہا زقوم کھاؤ یہی وہ زقوم ہے جس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کو ڈراتے ہیں۔(تفسیر مظہری)

زقوم کی حقیقت:

زقوم نام کا ایک درخت جزیرہ عرب کے علاقہ تہامہ میں پایا جاتا ہے، اور علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ یہ دوسرے بنجر صحراؤں میں بھی ہوتا ہے،بعض حضرات نے فرمایا ہے یہ وہی درخت ہے جسے اُردو میں "تھوہڑ" کہتے ہیں، اسی کے قریب قریب ایک اور درخت ہندوستان میں "ناگ پھن" کے نام سے معروف ہے،بعض حضرات نے اس کو زقوم قرار دیا ہے اور یہ زیادہ

قرین قیاس ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ زقوم ایک خاص درخت ہے جس کی شاخیں تمام جہنم میں پھیلی ہوئی ہیں جیسے طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے جس کی شاخیں تمام جنت میں پھیلی ہوئی ہیں اور اس درخت کے خوشے خبیث اور بدشکل ہونے میں شیطانوں کے سر کے مشابہ ہیں شیطانوں کے سر سے اس لئے تشبیہ دی گئی کہ اگرچہ لوگوں نے شیطانوں کو نہیں دیکھا مگر عام طبیعتوں میں شیطانوں کے سروں کا بدشکل اور بدرنگ اور قبیح المنظر ہونا راسخ اور جاگزین ہے اور تشبیہ کیلئے دیکھنا ضروری نہیں۔

زقوم کا درخت دنیا کے درختوں میں ایک نہایت مسموم اور بدبودار اور بدشکل درخت ہے اگرچہ غیر معروف ہے اور وہ ایسا مسموم ہے کہ اگر بدن سے مَس کر جائے تو بدن میں ورم ہو جائے اور وہ مرجائے۔ (معارف کاندھویؒ)

طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۶۵﴾
اُس کا خوشہ جیسے سر شیطان کے ☆

زقوم کی بدصورتی: یعنی سخت بدنما شیطان کی صورت، یا شیاطین کہا سانپوں کو یعنی اُس کا خوشہ سانپ کے سر کی طرح ہوگا جیسے ہمارے ہاں ایک درخت کو اسی تشبیہ سے "ناگ پھن" کہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا شیاطین سے مراد شیاطین (جن) ہی ہیں بدصورتی زقوم کے پھلوں کو شیاطین کے سروں سے تشبیہ دی ہے کسی چیز کی انتہائی برائی ظاہر کرنے کیلئے اس کو شیطان کہا جاتا ہے۔ شیاطین (اصلی شکل میں) اگرچہ نظر نہیں آتے لیکن دماغ میں ان کی (مفروضہ) صورتوں کا تصور بری ہی شکلوں کے ساتھ کیا جاتا ہے بعض کے نزدیک شیاطین سے مراد ہیں وہ بدصورت کریہہ المنظر سانپ جن کے سروں پر بال ہوتے ہیں، شاید اسی کراہت شکل اور ہیبت ناک صورت کی وجہ سے ان کو شیاطین کہا جاتا ہے، بعض کا خیال ہے کہ صحراء میں ایک نہایت بدنما تلخ بدبودار درخت ہوتا ہے جس کو عرب رؤس الشیاطین کہتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾
سو وہ کھائینگے اُس میں سے پھر بھریں گے اُس سے پیٹ
ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۶۷﴾
پھر اُن کے واسطے اُس کے اوپر ملونی ہے جلتے پانی کی ☆

کھولتا پانی:

"زقوم" کھا کر پیاس لگے گی تو سخت جلتا پانی پلایا جائے گا جس سے آنتیں کٹ کر باہر آپڑینگی، فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (محمد۔ رکوع ۲) اعاذنا اللہ منہا۔ (تفسیر عثمانی)

علیھا۔ یعنی پیٹ بھر کر کھانے کے بعد جب سخت پیاس لگے گی اور پانی طلب کرینگے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ثُمَّ (ترتیب زمانی کیلئے نہ ہو بلکہ) کراہت کی زیادتی اور ترقی کیلئے ہو (یعنی کھانا تو مکروہ ہوگا ہی پینا اس سے زیادہ مکروہ اور ناگوار ہوگا)

تشوبًا۔ شوب آمزش، ملاوٹ، حمیم انتہائی گرم پانی مطلب یہ ہے کہ وہ کھولتا ہوا پانی پئیں گے اور پیٹ میں پہنچ کر وہ زقومی غذا سے خلط ملط ہو جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ﴿۶۸﴾
پھر اُن کو لے جانا آگ کے ڈھیر میں ☆

یعنی بہت بھوکے ہونگے تو آگ سے ہٹا کر یہ کھانا پانی کھلا پلا کر پھر آگ میں ڈال دینگے۔ (تفسیر عثمانی)

دوزخیوں کا مطعم:

امام رازی فرماتے ہیں کہ جس جگہ کافروں کو زقوم اور حمیم کھلایا پلایا جائے گا وہ جگہ جحیم سے باہر ہوگی یا جہنم کے کنارہ پر ہوگی کھلانے اور پلانے کے بعد پھر ان کو جحیم کی طرف لوٹا دیا جائے گا جو ان کے عذاب کی اصل جگہ ہے۔

(تفسیر کبیر ص ۱۴۴ ج ۷ وحاشیہ صاوی علی تفسیر الجلالین ص ۳۳۹ ج ۳)

حضرت شاہ عبد القادرؒ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ بھوکے (اور پیاسے) ہوں گے تو آگ سے ہٹا کر ان کو یہ کھانا پانی کھلا پلا کر پھر آگ میں ڈال دیں گے۔ (موضح القرآن)، پس یہ لوگ کبھی جحیم میں ہوں گے اور کبھی حمیم میں

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ

اور حضرت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں یعنی دوزخیاں را بعد خوردن ونوشیدن ایشاں را باز بدوزخ برند۔ (فتح الرحمٰن) (معارف کاندھلوی)

اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿۶۹﴾
انہوں نے پایا اپنے باپ دادوں کو بہکے ہوئے
فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿۷۰﴾
سو وہ انہی کے قدموں پر دوڑتے ہیں ☆

اندھی تقلید: یعنی پچھلے کافر اگلوں کی اندھی تقلید میں گمراہ ہوئے جس راہ پر انہیں چلتے دیکھا اُسی پر دوڑ پڑے، کنواں کھائی کچھ نہ دیکھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۷۱﴾
اور بہک چکے ہیں اُن سے پہلے بہت لوگ اگلے
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۷۲﴾
اور ہم نے بھیجے ہیں اُن میں ڈر سنانے والے

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾

اب دیکھ کیسا ہوا انجام ڈرائے ہوؤں کا

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۷۴﴾

مگر جو بندے اللہ کے ہیں چنے ہوئے ☆

ہر دور میں ڈرانے والے آتے ہیں:

یعنی ہر زمانے میں انجام سے آگاہ کرنے والے اور آخرت کا ڈر سنانے والے آتے رہے۔ آخر جنہوں نے نہ سنا اور نہ مانا دیکھ لو! ان کا انجام کیسا ہوا۔ بس اللہ کے وہ ہی چنے ہوئے بندے محفوظ رہے جن کو خدا کا ڈر اور عاقبت کی فکر تھی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "ڈر سب ہی کو سناتے ہیں ان میں نیک بچتے ہیں اور بد کھپتے ہیں، آگے بعض منذِرین (بالکسر) اور منذَرین (بالفتح) کے قصے سنائے جاتے ہیں۔ مکذبین کی عبرت اور مومنین کی تسلی کے لئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾

اور ہم کو پکارا تھا نوح نے سو کیا خوب پہنچنے والے ہیں ہم پکار پر

وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾

اور بچا دیا اس کو اور اس کے گھر کو اس بڑی گھبراہٹ سے

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ

اور رکھا اس کی اولاد کو وہی باقی رہنے والے، اور باقی رکھا اس پر

فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۷۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۹﴾

پچھلے لوگوں میں کہ سلام ہے نوح پر سارے جہان والوں میں

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا

ہم یوں بدلہ دیتے ہیں نیکی والوں کو وہ ہے ہمارے ایمان دار

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۸۲﴾

بندوں میں پھر ڈبا دیا ہم نے دوسروں کو ☆

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم:

تقریباً ہزار سال تک حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو سمجھاتے اور نصیحت کرتے رہے مگر ان کی شرارت اور ایذا رسانی برابر بڑھتی رہی، آخر حضرت نوح نے مجبور ہو کر اپنے بھیجنے والے کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا "فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ" (القمر۔ رکوع ۱) اے پروردگار! میں مغلوب ہوں آپ میری مدد کو پہنچئے دیکھ لو کہ اللہ نے ان کی پکار کیسے سنی اور مدد کو کس طرح پہنچا۔ نوح علیہ السلام کو مع ان کے گھرانے کے رات دن کی ایذا سے بچایا۔ پھر ہولناک طوفان کے وقت ان کی حفاظت کی۔ اور تنہا اس کی اولاد سے زمین کو آباد کر دیا۔ اور رہتی دنیا تک اس کا ذکر خیر لوگوں میں باقی چھوڑا۔ چنانچہ آج تک خلقت اُن پر سلام بھیجتی ہے اور سارے جہان میں "نوح علیہ السلام" کہہ کر یاد کئے جاتے ہیں۔ یہ تو نیک بندوں کا انجام ہوا۔ دوسری طرف ان کے دشمنوں کا حال دیکھو کہ سب کے سب زبردست طوفان کی نذر کر دیئے گئے۔ آج ان کا نام ونشان تک باقی نہیں۔ اپنی حماقتوں اور شرارتوں کی بدولت دنیا کا بیڑا اغرق کرا کر رہے (تنبیہ) اکثر علماء کا قول یہی ہے کہ آج تمام دنیا کے آدمی حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں ("سام"، "حام" "یافث") کی اولاد سے ہیں۔ جامع ترمذی کی بعض احادیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے والتفصیل یطلب من مظانہ۔ (تفسیر عثمانی)

کربِ عظیم سے مراد ہے قوم کے ہاتھوں سے پہنچنے والا دکھ اور تکلیفیں۔

ترمذی وغیرہ نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ آیت وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (وہ) حام، سام اور یافث (تین لڑکے باقی) رہ گئے تھے۔

دوسرے سلسلہ روایت میں آیا ہے کہ سام عرب کے جدِ اعلیٰ اور حام حبش کے جدِ اعلیٰ اور یافث روم کے جدِ اعلیٰ تھے ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان نقل کیا ہے کہ کشتی سے اترنے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکوں اور ان کی بیبیوں کے علاوہ سب لوگ مر گئے۔

بظاہر قرآنی بیان سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں (۱) طوفان نوح علیہ السلام سے سارے روئے زمین کے باشندے ڈوب گئے صرف وہی لوگ محفوظ رہے جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لائے اور کشتی میں سوار ہو گئے (۲) پھر سوائے اولاد نوح علیہ السلام کے اور کسی مومن کی نسل باقی نہیں رہی، قیامت تک جتنے آدمی ہونگے وہ سب نوح علیہ السلام کی نسل سے ہونگے۔

سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ نوح علیہ السلام کے تین بیٹے (محفوظ رہے) تھے سام، حام، یافث، سام عرب فارس اور روم کے جد اعلیٰ ہوئے حام کی نسل میں سارے افریقن ہیں اور یافث کی اولاد میں ترک، خزر، یاجوج ماجوج اور وہاں کے یعنی ہند کے بلاد شرقیہ کے رہنے والے ہیں۔

نوح علیہ السلام ایک مخصوص قوم کے نبی تھے:

میری (یعنی مفسر کی) تحقیق یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت سارے انسانوں کیلئے نہیں تھی، یہ خصوصیت تو صرف رسول اللہ ﷺ کی ہے حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت صرف ان کی قوم کے لئے مخصوص تھی جب قوم

والے ایمان نہ لائے تو آپ نے ان کیلئے بددعا کی اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا اس جگہ الارض سے مراد ہے محدود خطہ ارض یعنی ان کافروں کی سرزمین جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے (یعنی عراق) (تفسیر مظہری)

وَإِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَإِبْرٰهِيْمَ ﴿٨٣﴾

اور اُسی کی راہ والوں میں ہے ابراہیم ☆

سب انبیاء ایک جماعت ہیں:

انبیاء علیہم السلام اصول دین میں سب ایک راہ پر ہیں، اور ہر پچھلا پہلے کی تصدیق و تائید کرتا ہے اسی لئے ابراہیم کو نوح (علیہم السلام) کے گروہ سے فرمایا'' وَإِنَّ هٰذِهٖٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ '' (مومنون۔ رکوع ۴) (تفسیر عثمانی)

حضرت نوح علیہ السلام سے دو ہزار چھ سو چالیس سال کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوئے حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام پیغمبر ہوئے۔ (تفسیر مظہری)

إِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٤﴾

جب آیا اپنے رب کے پاس لیکر دل نروگا ☆

حضرت ابراہیم کی خدا پرستی:

یعنی ہر قسم کے اعتقادی و اخلاقی روگ سے دل کو پاک کر کے اور دنیوی خرخشوں سے آزاد ہو کر انکسار و تواضع کے ساتھ اپنے رب کی طرف جھک پڑا، اور اپنی قوم کو بھی بت پرستی سے باز رہنے کی نصیحت کی۔

إِذْ قَالَ لِأَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٨٥﴾

جب کہا اپنے باپ کو اور اُس کی قوم کو تم کیا پوجتے ہو

أَئِفْكًا آلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿٨٦﴾

کیا جھوٹ بنائے ہوئے حاکموں کو اللہ کے سوائے چاہتے ہو

فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٧﴾

پھر کیا خیال کیا ہے تم نے پروردگار عالم کو ☆

اپنے والد اور قوم کو نصیحت:

یعنی یہ آخر پتھر کی مورتیاں چیز کیا ہیں جنہیں تم اس قدر چاہتے ہو کہ اللہ کو چھوڑ کر ان کے پیچھے ہو لئے کیا سچ مچ ان کے ہاتھ میں جہان کی حکومت ہے؟ یا کسی چھوٹے بڑے نقصان کے مالک ہیں؟ آخر سچے مالک کو چھوڑ کر ان جھوٹے حاکموں کی اتنی خوشامد اور حمایت کیوں ہے؟ (تفسیر عثمانی)

اءفکًا مفعول لہ کو سب سے پہلے ذکر کرنا اس امر کو ظاہر کر رہا ہے کہ ان کی ساری پوجا پاٹ غلطی اور جھوٹ پر مبنی تھی (اس کے اندر کوئی حقیقت اور سچائی نہیں تھی) (تفسیر مظہری)

کیا اُس کے وجود میں شبہ ہے؟ یا اُس کی شان و رتبہ کو نہیں سمجھتے ہو (معاذ اللہ) پتھروں کو اُس کا شریک ٹھہرا رہے ہو، یا اس کے غضب و انتقام کی خبر نہیں؟ جو ایسی گستاخی پر جری ہو گئے ہو، آخر بتلاؤ تو سہی تم نے پروردگار عالم کو کیا خیال کر رکھا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی وہ ذات جو کہ ساری کائنات کے رب ہونے کا حق رکھتی ہے اور واقعی وہ ربّ العٰلمین ہے اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے کہ تم نے اس کی عبادت کو چھوڑ دیا ہے یا دوسروں کو اس کا ساجھی قرار دے رکھا ہے کیا تم کو اس کے عذاب کا خوف نہیں ہے۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ یقین تو درکنار رب العٰلمین کی عبادت ترک کرنے، اس کا کسی کو شریک قرار دینے اور اس کے عذاب سے بے خوف ہو جانے کا تمہارا خیال بھی کس بنیاد پر ہو سکتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿٨٨﴾ فَقَالَ إِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿٨٩﴾

پھر نگاہ کی ایک بار تاروں میں پھر کہا میں بیمار ہونیوالا ہوں

فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿٩٠﴾ فَرَاغَ إِلٰى

پھر پھر گئے وہ اُس سے پیٹھ دے کر پھر جا گھسا ان کے

آلِهَتِهِمْ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُوْنَ ﴿٩١﴾

بتوں میں پھر بولا تم کیوں نہیں کھاتے ☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لائحہ عمل:

ان کی قوم میں نجوم کا زور تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے دکھانے کو تاروں کی طرف نظر ڈال کر کہا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں (اور ایسا دنیا میں کون ہے جس کی طبیعت ہر طرح ٹھیک رہے کچھ نہ کچھ عوارض اندرونی یا بیرونی لگے ہی رہتے ہیں یہ ہی تکلیف اور بدمزگی کیا کم تھی کہ ہر وقت قوم کی ردی حالت دیکھ کر کڑھتے تھے) یا یہ مطلب تھا کہ میں بیمار ہونے والا ہوں (بیماری نام ہے مزاج کے اعتدال سے ہٹ جانے کا تو موت سے پہلے ہر شخص کو یہ صورت پیش آنے والی ہے) بہرحال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد صحیح تھی۔ لیکن ستاروں کی طرف دیکھ کر ''انی سقیم'' کہنے سے لوگ یہ مطلب سمجھے کہ بذریعہ نجوم کے انہوں نے معلوم کرلیا ہے کہ عنقریب بیمار پڑنے والے ہیں۔ وہ لوگ اپنے ایک تہوار میں شرکت کرنے کے لئے شہر سے باہر جا رہے تھے۔ یہ کلام سن کر حضرت ابراہیم کو ساتھ جانے سے معذور سمجھا اور

تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔ ابراہیم علیہ السلام کی غرض یہ ہی تھی کہ کوئی موقع فرصت اور تنہائی کا ملے تو ان جھوٹے خداؤں کی خبر لوں۔

حضرت ابراہیمؑ بتوں سے مخاطب ہوتے ہیں:

چنانچہ بت خانہ میں جا گھسے اور بتوں کو خطاب کرکے کہا" یہ کھانے اور چڑھاوے جو تمہارے سامنے رکھے ہوئے ہیں کیوں نہیں کھاتے" باوجودیکہ تمہاری صورت کھانے والوں کی سی ہے۔

(تنبیہ) تقریر بالا سے ظاہر ہوگیا کہ حضرت ابراہیم کا "اِنِّیْ سَقِیْمٌ" کہنا مطلب واقعی کے اعتبار سے جھوٹ نہ تھا ہاں مخاطبین نے جو مطلب سمجھا اس کے اعتبار سے خلاف واقع تھا اسی لئے بعض احادیث صحیحہ میں اس پر لفظ کذب کا اطلاق کیا گیا ہے حالانکہ فی الحقیقت یہ کذب نہیں بلکہ "توریہ" ہے اور اس طرح کا "توریہ" مصلحت شرعی کے وقت مباح ہے۔ جیسے حدیث ہجرت میں "من الرجل" کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا" من الماء" اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ "رجل یھدینی السبیل" ہاں چونکہ یہ توریہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے رتبہ بلند کے لحاظ سے خلاف اولیٰ تھا اس لئے بقاعدہ "حسنات الابرار سیئات المقربین" حدیث میں اس کو "ذنب" قرار دیا گیا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

ہرقل کو نجوم کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کا اندازہ ہونا:

بخاری نے صحیح میں اپنی سند سے بروایت زہری بیان کیا ہے کہ ابن ناطور نے جو ایلیا کا گورنر تھا اور شامی عیسائیوں کا پادری بھی، بیان کیا کہ جب ہرقل ایلیا میں آیا تو صبح کو کچھ پریشان سا تھا کسی مصاحب نے دریافت کیا کہ آج آپ کی حالت ہم کو غیر نظر آتی ہے (مزاج کیسا ہے؟) ہرقل بڑا نجومی تھا ستاروں کی چال دیکھا کرتا تھا اس نے جواب دیا آج رات ستاروں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوا کہ ختنہ کرنیوالوں کا بادشاہ پیدا ہوگیا ہے، بتاؤ وہ کون قوم ہے جو ختنہ کراتی ہے مصاحبین نے کہا یہودیوں کے سوا اور کوئی قوم ختنہ نہیں کراتی اور یہودیوں سے آپ کو کوئی اندیشہ نہ کرنا چاہئے قلمرو کے تمام شہروں میں حکم بھیج دیجئے کہ جہاں جو یہودی ہو اس کو قتل کردیا جائے، ہرقل اسی گفتگو میں مشغول تھا کہ شاہ غسان (گورنر شام) کا بھیجا ہوا آدمی آ گیا جو رسول اللہ ﷺ کی (بعثت اور دعوی نبوت کی) خبر لایا تھا ہرقل نے اس سے پوری خبر دریافت کی اور حکم دیا اس کو لے جا کر دیکھو کہ کیا یہ مختون ہے لوگوں نے اس کو لے جا کر دیکھا تو اس کو مختون پایا ہرقل نے اسی سے دریافت کیا کہ عرب کیا ختنہ کراتے ہیں اس نے جواب دیا جی ہاں عرب ختنہ کراتے ہیں ہرقل نے کہا اسی قوم کا بادشاہ پیدا ہوگیا ہے پھر اپنے کسی ساتھی کو جو اس کی طرح علم نجوم کا ماہر تھا مطالعہ نجوم کا حکم دے کر خود حمص کو چلا گیا ابھی حمص میں ہی تھا کہ اس کو مقرر کردہ ساتھی کا خط ملا جس میں ہرقل کی رائے کی موافقت کی گئی تھی اور لکھا تھا کہ وہ پیدا ہوگئے ہیں اور وہ نبی ﷺ ہیں۔

اس روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ علم نجوم سے بھی کچھ نہ کچھ (واقعات وحوادث) کا علم ہو جاتا ہے اور ممانعت کی وجہ وہی (عقائد کا) بگاڑ ہے جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں کہ اس سے لوگ حوادث کی علت موجبہ نجوم (کی رفتار) کو سمجھنے لگتے ہیں، مزید یہ کہ اس کی تحصیل میں خواہ مخواہ وقت ضائع ہوتا ہے علم دین میں اس کا کوئی فائدہ نہیں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم نجوم کا مشغلہ مذہب عیسائیت میں جائز تھا ورنہ عیسائی علماء اس میں نہ پھنستے۔

علم نجوم کی شرعی حیثیت:

اس آیت کے تحت دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ علم نجوم کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یہاں اختصار کے ساتھ اس سوال کا جواب عرض کیا جاتا ہے۔

یہ تو ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاند، سورج اور ستاروں میں کچھ ایسی خاصیتیں رکھی ہیں جو انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہیں، ان میں سے بعض خاصیات ایسی ہیں جن کا ہر شخص مشاہدہ کرسکتا ہے، مثلاً سورج کے قریب و بعد سے گرمی اور سردی کا پیدا ہونا، چاند کے اتار چڑھاؤ سے سمندر میں مد و جزر وغیرہ، اب بعض حضرات کا کہنا تو یہ ہے کہ ان ستاروں کی خصوصیات صرف اتنی ہی ہیں جتنی عام مشاہدہ سے معلوم ہوتی ہیں، اور ان بعض لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ ان کے علاوہ بھی ستاروں کی گردش کے کچھ ایسے خواص ہوتے ہیں جو انسان کی زندگی کے اکثر معاملات پر اثر ڈالتے ہیں، ایک انسان کے لئے کسی ستارے کا کسی خاص برج میں چلے جانا مسرتوں اور کامیابیوں کا سبب بنتا ہے، اور کسی کیلئے غموں اور ناکامیوں کا، پھر بعض لوگ تو ان ستاروں ہی کو کامیابیوں اور ناکامیوں کے معاملہ میں مؤثر حقیقی مانتے ہیں اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ مؤثر حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، مگر اس نے ستاروں کو ایسے خواص عطا کردیئے ہیں اس لئے دنیا کے دوسرے اسباب کی طرح وہ بھی انسان کی کامیابیوں اور ناکامیوں کا ایک سبب ہوتے ہیں۔

جہاں تک اُن لوگوں کا تعلق ہے جو ستاروں کو مؤثر حقیقی مانتے ہیں، یعنی یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کے انقلابات اور واقعات ستاروں ہی کے رہین منت ہیں، ستارے ہی دنیا کے تمام واقعات کے فیصلے کرتے ہیں، تو بلاشبہ ان کا خیال غلط اور باطل ہے، اور یہ عقیدہ انسان کو شرک کی حد تک پہنچا دیتا ہے، اہل عرب بارش کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ ایک خاص ستارہ (جسے "نوء" کہا جاتا تھا) بارش لے کر آتا ہے، اور وہ بارش کے لئے مؤثر حقیقی کی حیثیت رکھتا ہے، آنحضرت ﷺ نے اس عقیدے کی سخت تردید فرمائی ہے، جس کی تصریح احادیث میں موجود ہے،

رہے وہ لوگ جو دنیوی واقعات میں مؤثر حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے ہیں لیکن ساتھ ہی اس بات کے بھی قائل ہیں کہ اللہ نے ستاروں کو ایسے خواص عطا فرمائے ہیں جو سبب کے درجہ میں انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں، جس طرح بارش برسانے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، لیکن اس کا ظاہری سبب بادل ہیں، اسی طرح تمام کامیابیوں اور ناکامیوں کا اصل سرچشمہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی ہے، لیکن ستارے ان کامیابیوں اور ناکامیوں کا سبب بن جاتے ہیں، سو یہ خیال شرک نہیں ہے، اور قرآن وحدیث سے اس خیال کی نہ تصدیق ہوتی ہے نہ تردید، لہٰذا یہ کچھ بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کی گردش اور ان کے طلوع وغروب میں کچھ ایسے اثرات رکھے ہوں، لیکن ان اثرات کی جستجو کرنے کیلئے علم نجوم کی تحصیل، اس علم پر اعتماد اور اس کی بناء پر مستقبل کے بارے میں فیصلے کرنا بہر حال ممنوع اور ناجائز ہے، اور احادیث میں اس کی ممانعت آتی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِذَا ذُکِرَ الْقَدَرُ فَاَمْسِکُوْا وَاِذَا ذُکِرَتِ النُّجُوْمُ فَاَمْسِکُوْا وَاِذَا ذُکِرَ اَصْحَابِیْ فَاَمْسِکُوْا (تخریج احیاء العلوم للعراقی بحوالۃ طبرانی وھو حدیث حسنہ العراقی)

''جب تقدیر کا ذکر چھڑے تو رُک جاؤ، (یعنی اس میں زیادہ غور و خوض اور بحث ومباحثہ نہ کرو) اور جب ستاروں کا ذکر چھڑے تو رُک جاؤ اور جب میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا (یعنی اُن کے باہمی اختلافات وغیرہ کا) ذکر چھڑے تو رُک جاؤ''

اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے

تَعَلَّمُوْا مِنَ النُّجُوْمِ مَا تَهْتَدُوْنَ بِهٖ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ثُمَّ اَمْسِکُوْا (احیاء علوم الدین للغزالیؒ)

''ستاروں کے علم سے اتنا علم حاصل کرو جس کے ذریعہ تم خشکی اور سمندر میں راستے جان سکو اس کے بعد رُک جاؤ''

اس ممانعت سے ستاروں کے خواص وآثار کا انکار لازم نہیں آتا، لیکن ان خواص وآثار کے پیچھے پڑنے...... اور ان کی جستجو میں قیمتی اوقات برباد کرنے کو منع کیا گیا ہے، امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اس پر مفصل بحث کرتے ہوئے اس ممانعت کی متعدد حکمتیں بتائی ہیں۔

علم نجوم کے ممنوع ومذموم ہونے کی پہلی حکمت تو یہ ہے کہ جب اس علم میں انسان کا انہماک بڑھتا ہے تو تجربہ یہ ہے کہ وہ رفتہ رفتہ ستاروں ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھتا ہے، اور یہ چیز اسے کشاں کشاں ستاروں کے مؤثر حقیقی ہونے کے مشرکانہ عقیدے کی طرف لے جاتی ہے،

دوسری حکمت یہ ہے کہ اگر ستاروں میں اللہ تعالیٰ نے کچھ خواص وآثار رکھے بھی ہوں تو ان کے یقینی علم کا ہمارے پاس سوائے وحی کے کوئی راستہ نہیں ہے، حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں احادیث میں آیا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اس قسم کا کوئی علم عطا فرمایا تھا لیکن اب وہ علم جس کی بنیاد وحی الٰہی پر تھی، دنیا سے مٹ چکا ہے، اب علم نجوم کے ماہرین کے پاس جو کچھ ہے وہ محض قیاسات، اندازے اور تخمینے ہیں، جن سے کوئی یقینی علم حاصل نہیں کیا جا سکتا، یہی وجہ ہے کہ نجومیوں کی بے شمار پیشینگوئیاں آئے دن غلط ثابت ہوتی رہتی ہیں، کسی نے اس علم کے بارے میں بہترین تبصرہ کیا ہے:

مفیدہ غیر معلوم و معلومہ غیر مفید،

''یعنی اس علم کا جتنا حصہ مفید ہو سکتا ہے وہ کسی کو معلوم نہیں اور جتنا لوگوں کو معلوم ہے وہ فائدہ مند نہیں۔''

علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں تاریخی واقعات کی ایسی متعدد مثالیں پیش کی ہیں جن میں علم نجوم کے مسلمہ قواعد کے تحت ایک واقعہ جس طرح پیش آنا چاہئے تھا حقیقت میں اس کے بالکل برعکس پیش آیا، چنانچہ جن بڑے بڑے لوگوں نے اس علم کی تحصیل میں اپنی عمریں کھپائی ہیں وہ آخر میں یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ اس علم کا انجام قیاس وتخمین سے آگے کچھ نہیں، ایک مشہور منجم کوشیار دیلمی نے علم نجوم پر اپنی کتاب المجمل فی الاحکام میں لکھا ہے:

''علم نجوم ایک غیر مدلل علم ہے اور اس میں انسان کے وسوسوں اور گمانوں کیلئے بڑی گنجائش ہے۔'' (روح المعانی ص۱۱۶ ج ۲۳)

علامہ آلوسیؒ نے اور بھی متعدد علماء نجوم کے اسی قسم کے اقوال نقل فرمائے ہیں، بہر حال یہ بات طے شدہ ہے کہ علم نجوم کوئی یقینی نہیں ہے، اور اس میں غلطیوں کے بے حساب احتمالات ہوتے ہیں، لیکن ہوتا یہ ہے کہ جو لوگ اس علم کی تحصیل میں لگتے ہیں وہ اسے بالکل قطعی اور یقینی علم کا درجہ دے بیٹھتے ہیں، اسی کی بناء پر مستقبل کے فیصلے کرتے ہیں، اسی کی وجہ سے دوسروں کے بارے میں اچھی بُری رائیں قائم کر لیتے ہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس علم کا جھوٹا پندار بعض اوقات انسان کو علم غیب کے دعوؤں تک پہنچا دیتا ہے اور ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر چیز بے شمار مفاسد پیدا کرنے والی ہے۔

علم نجوم کی ممانعت کی تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ عمر عزیز کو ایک بے فائدہ کام میں صرف کرنے کے مرادف ہے، جب اس سے کوئی نتیجہ یقینی طور پر حاصل نہیں کیا جا سکتا تو ظاہر ہے کہ دنیا کے کاموں میں یہ علم چنداں مددگار نہیں ہو سکتا، اب خواہ مخواہ ایک بے فائدہ چیز کے پیچھے پڑنا اسلامی شریعت کی روح اور مزاج کے بالکل خلاف ہے اس لئے اس کو ممنوع کر دیا گیا ہے۔

تَوْرِیَۃ کا شرعی حکم:

انہی آیات سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ ضرورت کے مواقع پر تَوْرِیَۃ

کرنا جائز ہے۔ تورِیۃ ایک تو قولی ہوتا ہے، یعنی ایسی بات کہنا جس کا ظاہری مفہوم خلاف واقعہ ہو، اور باطنی مراد مطابق واقعہ، اور ایک توریہ عملی ہوتا ہے، یعنی ایسا عمل کرنا جس کا مقصد دیکھنے والا کچھ سمجھے اور درحقیقت اس کا مقصد کچھ اور ہو، اسے ایہام بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ستاروں کو دیکھنا (اکثر مفسرین کے قول کے مطابق) ایہام تھا، اور اپنے آپ کو بیمار کہنا توریۃ۔

ضرورت کے مواقع پر توریۃ کی یہ دونوں قسمیں خود سرکار دوعالم ﷺ سے ثابت ہیں، جس وقت آپ ﷺ ہجرت کیلئے تشریف لے جارہے تھے اور مشرکین آپ ﷺ کی تلاش میں لگے ہوئے تھے، تو راستے میں ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آنحضرت ﷺ کے بارے میں پوچھا، کہ "یہ کون ہیں؟" حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "هُوَ هَادٍ يَهْدِيْنِيْ" (وہ میرے رہنما ہیں، مجھے راستہ دکھاتے ہیں) سننے والا یہ سمجھا کہ عام راستہ بتانے والے رہنما مراد ہیں، اس لئے چھوڑ کر چل دیا، حالانکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ دینی اور روحانی رہنما ہیں۔ (روح المعانی)

اسی طرح حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو جہاد کے لئے جس سمت میں جانا ہوتا مدینہ طیبہ سے نکلتے وقت اس سمت میں روانہ ہونے کے بجائے کسی دوسری سمت میں چلنا شروع فرماتے تھے، تاکہ دیکھنے والوں کو صحیح منزل معلوم نہ ہو سکے (صحیح مسلم وغیرہ) یہ عملی توریۃ اور ایہام تھا۔

مزاح اور خوش طبعی کے مواقع پر بھی آنحضرت ﷺ سے توریۃ ثابت ہے، شمائل ترمذی میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک بوڑھی عورت سے مزاحاً فرمایا "کوئی بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی۔" وہ عورت یہ سن کر پریشان ہوئی تو آپ ﷺ نے تشریح فرمائی کہ بوڑھیوں کے جنت میں نہ جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بڑھاپے کی حالت میں جنت میں نہ جائیں گی ہاں جوان ہو کر جائیں گی۔ (معارف مفتی اعظم)

مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾
تم کو کیا ہے کہ نہیں بولتے ☆

جب بتوں کی طرف سے کھانے کے متعلق کچھ جواب نہ ملا تو کہنے لگا کہ تم بولتے کیوں نہیں۔ یعنی اعضاء اور صورت تو تمہاری انسانوں کی سی بنا دی لیکن انسانوں کی روح تم میں نہ ڈال سکے۔ پھر تعجب ہے کہ کھانے پینے اور بولنے والے انسان، بے حس و حرکت انسان کے سامنے سربسجود ہوں اور اپنی مہمات میں ان سے مدد طلب کریں؟۔

فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾
پھر گھسا اُن پر مارتا ہوا داہنے ہاتھ سے ☆

یعنی زور سے مار مار کر توڑ ڈالا پہلے غالباً سورۃ انبیاء میں یہ قصہ مفصل گذر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی پوشیدہ طور پر بتوں کے پاس گئے، راغ کے بعد علی کا استعمال ظاہر کر رہا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے ان پر تسلط پا لیا یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کے پاس جانا بتوں کیلئے ضرر رساں تھا۔

ضرباً یعنی ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دائیں ہاتھ سے زور کے ساتھ بتوں پر ضرب لگائی، یہ بھی کہا گیا ہے کہ الیمین سے مراد قسم ہے یعنی اپنی قسم کی وجہ سے بتوں پر ضرب لگائی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے قسم کھائی تھی اور کہا تھا تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ جب تم مڑ کر چل دو گے تو میں خدا کی قسم تمہارے بتوں کے ساتھ ایک برا معاملہ کروں گا۔ (تفسیر مظہری)

فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾
پھر لوگ آئے اُس پر دوڑ کر گھبراتے ہوئے ☆

لوگوں کی میلہ سے واپسی:

لوگ جب اپنے میلے ٹھیلے سے واپس آئے، دیکھا بت ٹوٹے پڑے ہیں۔ قرائن سے سمجھا کہ ابراہیم کے سوا کسی کا کام نہیں چنانچہ سب ان کی طرف جھپٹ پڑے۔

قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾
بولا کیوں پوجتے ہو جو آپ تراشتے ہو
وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾
اور اللہ نے بنایا تم کو اور جو تم بناتے ہو ☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جواب:

یعنی جس کسی نے بھی توڑا۔ مگر تم یہ احمقانہ حرکت کرتے کیوں ہو؟ کیا پتھر کی بے جان مورت جو خود تم نے اپنے ہاتھوں سے تراش کر تیار کی پرستش کے لائق ہو گئی؟ اور جو اللہ تمہارا اور تمہارے ہر ایک عمل و معمول کا نیز ان پتھروں کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس سے کوئی سروکار نہ رہا؟ پیدا تو ہر چیز کو وہ کرے اور بندگی دوسروں کی ہونے لگے، پھر دوسرے بھی کیسے جو مخلوق در مخلوق ہیں۔ آخر یہ کیا اندھیر ہے؟ (تفسیر عثمانی)

یعنی اللہ نے تم کو اور تمہارے عمل کو پیدا کیا پھر کس طرح اپنے خالق کی عبادت چھوڑ کر ان بتوں کی پوجا کرتے ہو جو خود تمہارے محتاج ہیں۔

علم کلام کا ایک مسئلہ:

اشاعرہ کہتے ہیں کہ سارے آدمیوں کے اعمال کا خالق اللہ ہی ہے اس آیت سے

اسی کی تائید ہورہی ہے، فرقہ معتزلہ کہتا ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے۔
اصل کلام اس طرح تھا اللہ ہی نے تم کو پیدا کیا اور ان چیزوں کو بھی جن کی تم پوجا کرتے ہو بت جس چیز کے بنائے جاتے ہیں اس چیز کا خالق یقیناً اللہ ہے، البتہ بتوں کی شکلیں انسان کی ساختہ پرداختہ ہیں (اسی لئے کافروں کے فعل کا نتیجہ ان کو قرار دیا گیا ہے) لیکن اس صنعت پر قدرت دینے والا اللہ ہی ہے اور وہ تمام سروسامان اور اسباب جن پر بتوں کی تخلیق موقوف ہے ان کا خالق بھی اللہ ہی ہے۔ یا ما مصدریہ ہی ہے لیکن عمل مصدر بمعنی معمول ہے اس وقت تعملون تحتون کے موافق ہو جائے گا (تراشنے والے بھی کافر تھے اور اسی تراش وصنعت کا نتیجہ یعنی معمول بھی انہی کے ساختہ تھے۔)
اشاعرہ کا تفسیری قول صحیح ہے معتزلہ کی دونوں تشریحیں غلط ہیں کیونکہ ان دونوں تاویلوں پر (ضمیر کا) حذف اور معنی مجازی (کی طرف بلاضرورت رجوع) لازم آتا ہے اور یہ بات ناقابل شک ہے کہ اصنام کا جو ہر تخلیقی کافروں کا خلق کردہ نہ تھا صرف اصنام کی شکلیں ان کی ساختہ تھیں پھر معتزلہ کی تفسیر سے اشکال کی تخلیق بھی فعل انسانی ثابت نہیں ہوتی بلکہ انسان کی معمولی یعنی نتیجہ کسب قرار باتی ہے خالق اشکال ہونا بہرحال اللہ کا ہی ثابت ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری) امام بخاری کی کتاب افعال اعباد میں ایک مرفوع حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صانع اور اس کی صنعت کو پیدا کرتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

قَالُوا ابْنُوا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِى الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾

بولے بناؤ اُس کے واسطے ایک عمارت پھر ڈالو اس کو آگ کے ڈھیر میں

فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾

پھر چاہنے لگے اُس پر بُرا داؤ کرنا، پھر ہم نے ڈالا انہی کو نیچے ☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کا منصوبہ:

جب ابراہیم علیہ السلام کی معقول باتوں کا کچھ جواب نہ بن پڑا تو یہ تجویز کی کہ ایک بڑا آتش خانہ بنا کر ابراہیم کو اس میں ڈال دو۔ اس تدبیر سے لوگوں کے دلوں میں بتوں کی عقیدت راسخ ہو جائے گی اور ہیبت بیٹھ جائے گی کہ ان کے مخالف کا انجام ایسا ہوتا ہے آئندہ کوئی ایسی جرأت نہ کرے گا مگر اللہ نے ان ہی کو نیچا دکھلایا۔ ابراہیم پر آگ گلزار کر دی گئی۔ جس سے علی رؤس الاشہاد ثابت ہو گیا کہ تم اور تمہارے جھوٹے معبود سب مل کر خدائے واحد کے ایک مخلص بندے کا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ آگ کی مجال نہیں کہ رب ابراہیم کی اجازت کے بدون ایک ناخن بھی جلا سکے۔ (تفسیر عثمانی)
اور یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کی عظمت شان کی کھلی دلیل اس واقعہ کو بنا دیا آگ کو ان کے لئے سرد اور سبب سلامتی کر دیا آگ سے صرف بندھن جل

گئے، ابراہیم (علیہ السلام) پر آنچ نہیں آئی۔ (تفسیر مظہری)
یہ واقعہ نمرود کے زمانہ میں علاقہ بابل (عراق) میں ہوا تھا۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ اِنِّىْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۹۹﴾

اور بولا میں جاتا ہوں اپنے رب کی طرف وہ مجھ کو راہ دیگا ☆

ہجرت: جب قوم کی طرف سے مایوسی ہوئی اور باپ نے بھی سختی شروع کی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کا ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو "شام" کا راستہ دکھلایا۔ (تفسیر عثمانی)
روانگی: حضرت ابراہیم علیہ السلام (اپنی بی بی) سارہ کو لے کر نمرود کے ڈر سے سرزمین بابل کو چھوڑ کر بھاگ نکلے حضرت سارہ علیہا السلام اپنے زمانہ کی حسین ترین عورتوں میں سے تھیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل سے نکل کر حدود مصر میں پہنچے۔

بادشاہ مصر سے حضرت سارہؓ کی حفاظت:

اس زمانہ میں مصر کا بادشاہ صادف بن صارق تھا، شرح البخاری لابن الملقن میں اس فرعون کا نام سنان بن علوان بتایا گیا ہے جو ضحاک کا بھائی تھا، بعض کا قول ہے کہ اس کا نام عمر بن امراء القیس تھا یہ فرعون حضرت سارہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چھین کر سوار کرا کے اپنے محل میں لے گیا اللہ نے تمام دیواروں اور پردوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے انڈے کے چھلکے کی طرح کر دیا تاکہ سارہ کو آپ دیکھتے رہیں اور آپ کا دل مطمئن رہے کیونکہ آپ علیہ السلام بڑے غیرت مند آدمی تھے، غرض فرعون نے جونہی سارہ کا ارادہ کیا فوراً قصر میں زلزلہ آ گیا فرعون اس قصر سے نکل کر دوسرے قصر میں پہنچا، دوسرا قصر بھی ہلنے لگا تو تیسرے قصر میں منتقل ہو گیا یہاں بھی زلزلہ آیا تو سارہ نے کہا یہ زلزلہ ابراہیم علیہ السلام کی وجہ سے ہے فرعون نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی بی بی واپس کر دی ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جونہی فرعون نے سارہ کی طرف ہاتھ بڑھایا اس کا ہاتھ شل ہو گیا، فرعون نے سارہ سے فریاد کی اور آپ سے دعاء کا خواستگار ہوا حضرت سارہ نے دعاء کی ہاتھ دوبارہ ٹھیک ہو گیا، فرعون نے دوبارہ ہاتھ بڑھایا تو پھر اس کا ہاتھ شل ہو گیا، اس نے پھر دعاء کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کرے گا حضرت سارہ نے دعاء کی اور ہاتھ ٹھیک ہو گیا لیکن اس نے تیسری بار پھر ہاتھ بڑھایا اور پھر ہاتھ سُن ہو گیا آخر اس نے تعرض نہ کرنے کی قسم کھائی اور عہد کیا کہ اگر اب کی مرتبہ ہاتھ ٹھیک ہو گیا تو کبھی ایسی حرکت نہیں کرے گا حضرت سارہ کی دعاء سے پھر اس کا ہاتھ صحیح ہو گیا۔

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا:

مواہب لدنیہ میں ایک روایت آئی ہے کہ صادف کا ہاتھ بندھ گیا تو اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فریاد کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء سے

اللہ نے اس کا ہاتھ کھول دیا اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہاجرہ رضی اللہ عنہا بطور ہدیہ دے دی جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ماں ہوئیں، حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بڑی امانت دار خازن (اسرار) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہم نشین تھیں۔

حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہاجرہ قابل رغبت عورت ہے میں آپ کو یہ عورت ہبہ کرتی ہوں تاکہ اس سے آپ کی کوئی اولاد ہو جائے چنانچہ ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہو گئے۔ (تفسیر مظہری)

رَبِّ هَبْ لِىْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٠٠﴾

اے رب بخش مجھ کو کوئی نیک بیٹا ☆

اولاد کی دُعاء:

یعنی کنبہ اور وطن چھوٹا تو اچھی اولاد عطا فرما، جو دینی کام میں میری مدد کرے اور اس سلسلہ کو باقی رکھے۔

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿١٠١﴾

پھر خوشخبری دی ہم نے اس کو ایک لڑکے کی جو ہو گا تحمل والا ☆

دُعاء سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہوئے اور انہیں کی قربانی کا حکم ہوا:

یہاں سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اولاد کی دعاء مانگی اور خدا نے قبول کی اور وہی لڑکا قربانی کے لئے پیش کیا گیا۔ موجودہ تورات سے ثابت ہے کہ جو لڑکا حضرت ابراہیم کی دعاء سے پیدا ہوا وہ حضرت اسماعیل ہیں اور اسی لئے ان کا نام اسماعیل رکھا گیا کیونکہ اسماعیل دو لفظوں سے مرکب ہے۔ ''سمع'' اور ''ایل''۔ سمع کے معنی سننے کے اور ایل کے معنی خدا کے ہیں یعنی خدا نے حضرت ابراہیم کی دعا سن لی۔ تورات میں ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیم سے کہا اسماعیل کے بارے میں میں نے تیری سن لی اس بناء پر آیت حاضرہ میں جس کا ذکر ہے وہ حضرت اسماعیل ہیں حضرت اسحاق نہیں۔ اور ویسے بھی ذبح وغیرہ کا قصہ ختم کرنے کے بعد حضرت اسحٰق کی بشارت کا جداگانہ ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ آگے آتا ہے ''وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا'' الخ معلوم ہوا کہ ''فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ'' میں ان کے علاوہ کسی دوسرے لڑکے کی بشارت مذکور ہے۔ نیز اسحٰق کی بشارت دیتے ہوئے ان کے نبی بنائے جانے کی بھی خوشخبری دی گئی اور سورہ ''ہود'' میں ان کے ساتھ ساتھ حضرت یعقوب کا مژدہ بھی سنایا گیا جو حضرت اسحٰق کے بیٹے ہوں گے ''وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ'' (ہود۔ رکوع ۷) پھر کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ حضرت اسحٰق ذبیح ہوں گویا نبی بنائے جانے اور اولاد عطا کئے جانے سے پیشتر ہی ذبح کر دیئے جائیں لامحالہ ماننا پڑے گا کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل ہیں جن کے متعلق بشارت وولادت کے وقت نہ نبوت عطا فرمانے کا وعدہ ہوا نہ اولاد دیے جانے کا۔ یہی وجہ ہے کہ قربانی کی یادگار اور اسکی متعلقہ رسوم بنی اسمٰعیل میں برابر بطور وراثت منتقل ہوتی چلی آئی اور آج بھی اسماعیل علیہ السلام کی روحانی اولاد بھی جنہیں مسلمان کہتے ہیں ان مقدس یادگاروں کی حامل ہے۔ موجودہ تورات میں تصریح ہے کہ قربانی کا مقام ''موریا''، ''مریا'' تھا۔ یہود و نصاریٰ نے اس مقام کا پتہ بتلانے میں بہت ہی دور از کار احتمالات سے کام لیا ہے۔ حالانکہ نہایت ہی اقرب اور بے تکلف بات یہ ہے کہ یہ مقام مروہ ہو جو کعبہ کے سامنے بالکل نزدیک واقع ہے اور جہاں سعی بین الصفاء و المروۃ ختم کر کے معتمرین حلال ہوتے ہیں اور ممکن ہے کہ ''بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ'' میں اسی سعی کی طرف ایماء ہو موطا امام مالک کی ایک روایت میں نبی کریم ﷺ نے مروہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ قربان گاہ یہ ہے۔ غالباً وہ اسی ابراہیم واسمٰعیل کی قربان گاہ کی طرف اشارہ ہو گا۔ ورنہ آپ کے زمانہ میں لوگ عموماً مکہ سے تین میل ''منیٰ'' میں قربانی کرتے تھے جیسے آج تک کی جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم کا اصل قربان گاہ ''مروہ'' تھا۔ پھر حجاج اور ذبائح کی کثرت دیکھ کر ''منیٰ'' تک وسعت دے دی گئی۔ قرآن کریم میں بھی ''هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ'' اور ''ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ'' فرمایا ہے جس سے کعبہ کا قرب ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ بہر حال قرآن و آثار یہی بتلاتے ہیں کہ ''ذبیح اللہ'' وہی اسمٰعیل تھے جو مکہ میں آ کر رہے اور وہیں ان کی نسل پھیلی۔ تورات میں یہ بھی تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے اکلوتے اور محبوب بیٹے کے ذبح کا حکم دیا گیا تھا اور یہ مسلم ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام سے عمر میں بڑے تھے پھر حضرت اسحٰق علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کی موجودگی میں اکلوتے کیسے ہو سکتے ہیں عجیب بات یہ ہے کہ یہاں حضرت ابراہیم کی دعا کے جواب میں جس لڑکے کی بشارت ملی اسے ''غلام حلیم'' کہا گیا ہے لیکن حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت جب فرشتوں نے ابتداء خدا کی طرف سے دی تو ''غلام علیم'' سے تعبیر کیا۔ حق تعالیٰ کی طرف سے ''حلیم'' کا لفظ ان پر یا کسی اور نبی پر قرآن میں کہیں اطلاق نہیں کیا گیا۔ (۵) صرف اس لڑکے کو جس کی بشارت یہاں دی گئی اور اس کے باپ ابراہیم کو یہ لقب عطا ہوا ہے۔ ''اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ'' (ھود۔ رکوع ۷) اور ''اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ'' (توبہ۔ رکوع ۱۴) جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہی دونوں باپ بیٹے اس لقب خاص سے ملقب کرنے کے مستحق ہوئے۔ ''حلیم'' اور ''صابر'' کا مفہوم قریب قریب ہے اسی ''غلام حلیم'' کی زبان سے یہاں نقل کیا ''سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ'' دوسری جگہ صاف فرمایا ''وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ'' (انبیاء۔ رکوع ۶) شاید اسی لئے سورہ مریم میں حضرت اسمٰعیل کو ''صادق الوعد'' فرمایا کہ ''سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ'' کے وعدہ کو کس طرح سچا کر

دکھایا بہر حال "حلیم" "صابر" "صادق الوعد" کے القاب کا مصداق ایک ہی معلوم ہوتا ہے یعنی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام۔ "وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا"۔ سورہ بقرہ میں تعمیر کعبہ کے وقت حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کی زبان سے جو دعا نقل فرمائی ہے اس میں یہ الفاظ بھی ہیں "وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ" یعینہٖ اسی مسلم کے تثنیہ کو یہاں قربانی کے ذکر میں "فَلَمَّا أَسْلَمَا" کے لفظ سے ادا کر دیا۔ اوران ہی دونوں کی ذریت کو خصوصی طور پر مسلم کے لقب سے نامزد کیا بے شک اس سے بڑھ کر اسلام وتفویض اور صبر وتحمل کیا ہوگا جو دونوں باپ بیٹے نے ذبح کرنے اور ذبح ہونے کے متعلق دکھلایا۔ یہ اسی "أَسْلَمَا" کا صلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی ذریت کو امتِ مسلمہ بنادیا فللّٰہ الحمد علی ذٰلک۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے محمد بن کعب قرظی کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ایک یہودی عالم سے (جو بعد میں مسلمان اور اچھے مسلمان ہو گئے تھے) دریافت کیا ابراہیم علیہ السلام کے کس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا یہودی عالم نے کہا اسمٰعیل علیہ السلام کو پھر کہا امیر المومنین! یہودی اس بات کو جانتے ہیں لیکن اے قوم عرب یہودیوں کو اس بات میں حسد ہوتا ہے کہ وہ تمہارے باپ کو ذبیح اللہ مانیں اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ اسحٰق علیہ السلام تھے اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح اللہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ مینڈھا جس کی قربانی کی گئی تھی اس کے دونوں سینگ کعبہ کے اندر آویختہ تھے جو اولاد اسماعیل علیہ السلام کے قبضہ میں تھے جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حجاج کی لڑائی میں کعبہ کو آگ لگی گئی تو وہ سینگ بھی جل گئے، سعید بن منصور اور بیہقی نے سنن میں بنی سلیم کی ایک عورت کے حوالے سے طلحہ رضی اللہ عنہ بن عثمان کا بیان نقل کیا ہے کہ اس مینڈھے کے دونوں سینگ کعبہ میں لٹکے ہوئے تھے۔

اصمعی کا بیان ہے میں نے ابوعمرو بن علاء سے پوچھا ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے یا اسحٰق علیہ السلام ابوعمرو نے کہا اصمعی تمہاری عقل کہاں چلی گئی اسحاق علیہ السلام مکہ میں کب تھے، اسماعیل علیہ السلام نے ہی تو اپنے باپ کے ساتھ مل کر کعبہ بنایا تھا۔ (تفسیر مظہری)

حافظ ابن قیم زاد المعاد میں فرماتے ہیں کہ صحیح قول یہی ہے کہ ذبیح اللہ اسمٰعیل علیہ السلام ہیں جمہور صحابہ وتابعین کا یہی قول ہے اور یہ کہنا کہ ذبیح اسحاق علیہ السلام یہ قول بیس وجہ سے باطل ہے۔ واللہ اعلم۔ (معارف کاندھلوی)

حافظ ابن کثیرؒ نے حضرت عامر شعبیؒ کا یہ قول بھی ذکر کیا ہے کہ "میں نے اس مینڈھی کے سینگ کعبہ میں خود دیکھے ہیں۔" (ابن کثیر ص ۱۸ ج ۴) اور حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں کہ "اس مینڈھے کے سینگ مسلسل کعبہ میں لٹکے رہے، یہاں تک کہ جب (حجاج بن یوسف کے زمانہ میں) کعبۃ اللہ میں آتش زدگی ہوئی تو یہ سینگ بھی جل گئے" (ایضاً ص ۱۷ ج ۴) اب ظاہر ہے کہ مکہ مکرمہ میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تشریف فرما رہے ہیں نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام اس لئے صاف ظاہر ہے کہ ذبح کا حکم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی سے متعلق تھا، نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام سے۔

ملاحظہ فرمائیے: "اور ابرہام کی بیوی ساری سے کوئی اولاد نہ ہوئی، اس کی ایک مصری لونڈی تھی جس کا نام ہاجرہ تھا اور ... وہ ہاجرہ کے پاس گیا اور وہ حاملہ ہوئی، اور خداوند کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور تیرے بیٹا ہوگا، اس کا نام اسمٰعیل رکھنا ... اور جب ابرہام سے ہاجرہ کے اسمٰعیل پیدا ہوا تب ابرہام چھیاسی برس کا تھا۔" (پیدائش باب ۱۶ آیات ۱، ۲، ۱۰، ۱۶)

نیز اگلے باب میں لکھا ہے:

"اور خدا نے ابراہام سے کہا کہ ساری جو تیری بیوی ہے ... اس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشوں گا ... تب ابراہام سرنگوں ہوا اور ہنس کر دل میں کہنے لگا کہ کیا سو برس کے بڈھے سے کوئی بچہ ہوگا اور کیا ساری کے جو نوے برس کی ہے اولاد ہوگی؟ اور ابراہام نے خدا سے کہا کہ کاش! اسمٰعیل ہی تیرے حضور ﷺ سے جیتا رہے، تب خدا نے فرمایا کہ بیشک تیری بیوی ساری کے تجھ سے بیٹا ہوگا، تو اس کا نام اضحاق رکھنا۔" (پیدائش ۱۷: ۱۵ تا ۲۰) اس کے بعد حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے:

"اور جب اس کا بیٹا اضحاق اس سے پیدا ہوا تو ابراہام سو برس کا تھا۔" (پیدائش ۲۱: ۵)

ان عبارتوں سے صاف واضح ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے چودہ سال چھوٹے تھے، اور اس چودہ سال کے عرصہ میں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اکلوتے بیٹے تھے، اس کے برعکس حضرت اسحٰق علیہ السلام پر ایسا کوئی وقت نہیں گذرا، جس میں وہ اپنے والد کے اکلوتے ہوں، اب اس کے بعد جب کتاب پیدائش کے بائیسویں باب میں بیٹے کی قربانی کا ذکر آتا ہے تو اس میں "اکلوتا" کا لفظ صاف شہادت دے رہا ہے کہ اس سے مراد اسمٰعیل علیہ السلام ہیں، اور کسی یہودی نے اس کے ساتھ "اضحاق" کا لفظ محض اس لئے بڑھا دیا ہے تاکہ یہ فضیلت بنو اسمٰعیل کے بجائے بنو اسحٰق کو حاصل ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

غلام حلیم سے مراد ہیں اسماعیل یہی قول صحیح ہے حضرت ابن رضی اللہ عنہ عمر کا یہی قول ہے سعید بن مسیب، شعبی، حسن بصری، مجاہد ربیع بن انس، محمد بن کعب، قرظی اور کلبی کے نزدیک یہی قول مختار ہے عطاء اور یوسف بن مالک کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول آیا ہے کہ جس کی جگہ (غیبی مینڈھے) کی قربانی کی گئی تھی وہ اسماعیل علیہ السلام ہی تھے واقدی ابن عسا کر نے بطریق عامر بن سعید از سعید بیان کیا ہے کہ حضرت سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بی بی تھیں مدت تک آپ کے بطن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوئی اولاد نہیں ہوئی، حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے دیکھ کر ایک قبطی باندی ہاجرہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہبہ کر دی جن کے بطن سے اسمٰعیل علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے جس سے حضرت سارہ کو رشک پیدا ہوا، ہم نے یہ قصہ سورۂ ابراہیم علیہ السلام میں ذکر کر دیا ہے، ابراہیم علیہ السلام اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کو لے کر مکہ پہنچے اس وقت اسمٰعیل علیہ السلام دودھ پیتے تھے کعبہ کے پاس پہنچ کر ماں بیٹے کو ٹھہرایا (کذافی البخاری) (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی

پھر جب پہنچا اس کے ساتھ دوڑنے کو کہا اے بیٹے میں دیکھتا ہوں خواب میں

الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ

کہ تجھ کو ذبح کرتا ہوں پھر دیکھ تو کیا دیکھتا ہے بولا

یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ؗ سَتَجِدُنِیْٓ

اے باپ کر ڈالا جو تجھ کو حکم ہوتا ہے تو مجھ کو پائے گا

اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ۝

اگر اللہ نے چاہا سہارنے والا ☆

خواب اور قربانی:

یعنی جب اسمٰعیل علیہ السلام بڑا ہو کر اس قابل ہو گیا کہ اپنے باپ کے ساتھ دوڑ سکے اور اس کے کام آسکے۔ اس وقت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا خواب بیٹے کو سنایا۔ تا اس کا خیال معلوم کریں کہ خوشی سے آمادہ ہوتا ہے یا زبردستی کرنی پڑے گی۔ کہتے ہیں کہ تین رات مسلسل یہ ہی خواب دیکھتے رہے۔ تیسرے روز بیٹے کو اطلاع کی، بیٹے نے بلا توقف قبول کیا۔ کہنے لگا۔ ابا جان! (دیر کیا ہے) مالک کا جو حکم ہو کر ڈالئے (ایسے کام میں مشورہ کی ضرورت نہیں امر الٰہی کے امتثال میں شفقت پدری مانع نہ ہونی چاہئے) رہا میں! سو آپ انشاء اللہ دیکھ لیں گے کہ کس صبر و تحمل سے اللہ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔ ہزاراں ہزار رحمتیں ہوں ایسے بیٹے اور باپ پر۔ (تفسیر عثمانی)

شام اور مکہ میں آمد و رفت:

محمد بن اسحٰق نے بیان کیا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کے پاس جانا چاہتے تھے تو براق پر سوار ہو کر صبح کو شام سے روانہ ہوتے اور دوپہر کو مکہ میں پہنچ کر قیلولہ کرتے پھر جب مکہ سے واپس آتے تو دوپہر کے بعد چل کر شام کو شام میں پہنچ جاتے اور یہیں رات گذارتے تھے۔

جب اسماعیل علیہ السلام بڑے ہو گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو آرزو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے وابستہ تھی کہ اپنے رب کی عبادت اور حرمات الٰہیہ کی تعظیم کریں گے اس کے پورا ہونے کی امید ہو گئی تو خواب میں آپ کو حکم دیا گیا کہ اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر دو اس حکم کی صورت یہ ہوئی کہ ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کی شب میں آپ نے خواب میں دیکھا کہ اللہ نے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے صبح کو اٹھے تو سوچ میں پڑ گئے (کہ کیا یہ حکم خداوندی تھا) صبح سے شام تک اسی سوچ میں رہے کہ یہ خواب رحمانی ہے یا شیطانی اسی لئے ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو یوم الترویہ (سوچ کا دن کہا جاتا ہے جب شام ہو گئی اور آپ سو گئے تو دوسری بار بھی آپ نے وہی پہلا خواب دیکھا جب صبح کو اٹھے تو پہچان گئے کہ یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے اسی لئے اس (نویں) تاریخ کو عرفہ (پہچاننے کا دن) کہا جاتا ہے۔ کذا اخرج البیہقی فی شعب الایمان من طریق الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس، محمد بن اسحاق وغیرہ کا بیان ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تو آپ نے اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا رسی اور چھری لے لو ہم اس گھاٹی میں لکڑیاں جمع کرنے جا رہے ہیں جب کوہ ثبیر کی گھاٹی میں پہنچے اور تنہائی ہوئی تو آپ نے اسماعیل علیہ السلام کو حکم کی اطلاع دی جو آپ کو ملا تھا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام سے کہا چلو اللہ کیلئے قربانی کرینگے، اسماعیل علیہ السلام رسی اور چھری لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ چل دیے ابراہیم علیہ السلام ان کو پہاڑوں میں لے گئے، پہاڑوں میں پہنچ کر بیٹے نے پوچھا ابا جان آپ کی قربانی کا جانور کہاں ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میرے پیارے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے (اللہ کی راہ) میں قربان کر رہا ہوں۔

بیٹے کی رائے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے سے اس کی رائے اس لئے دریافت کی کہ آپ کو بیٹے کی صبر اور اطاعت امر اللہ پر عزیمت کا امتحان لینا تھا۔

یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ انبیاء کا خواب بھی وحی من اللہ ہوتا ہے جس کی تعمیل واجب ہے۔

اس کم سنی ہی میں اللہ نے انہیں کیسی ذہانت اور کیسا علم عطا فرمایا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن کے سامنے اللہ کے کسی حکم کا حوالہ نہیں دیا تھا، بلکہ محض ایک خواب کا تذکرہ فرمایا تھا، لیکن حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سمجھ گئے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے، اور یہ خواب بھی درحقیقت حکم الٰہی کی ہی ایک شکل ہے، چنانچہ انہوں نے جواب میں خواب کے بجائے حکم الٰہی کا تذکرہ فرمایا۔

وحی غیر متلوّ کا ثبوت:

یہیں سے ان منکرین حدیث کی واضح تردید ہو جاتی ہے جو وحی غیر متلو کے وجود کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ وحی صرف وہ ہے جو آسمانی کتاب میں نازل ہو گئی، اس کے علاوہ وحی کی کوئی دوسری قسم موجود نہیں ہے، آپ نے ملاحظہ فرمایا

کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی قربانی کا حکم خواب کے ذریعے دیا گیا، اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے صریح الفاظ میں اسے اللہ کا حکم قرار دیا، اگر وحی غیر متلو کوئی چیز نہیں ہے تو یہ حکم کونسی آسمانی کتاب میں اترا تھا؟ (معارف مفتی اعظم)

عبد بن حمید نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے، بخاری نے صحیح میں حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے اور مسلم نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور امام احمد و ابن ماجہ نے ابو رزین کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت سے بیان کیا ہے کہ نیک خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿۱۰۳﴾
پھر جب دونوں نے حکم مانا اور پچھاڑا اس کو ماتھے کے بل (۱۰۳)

قربانی کا منظر:

بیٹے کا چہرہ سامنے نہ ہو مبادا محبت پدری جوش مارنے لگے۔ کہتے ہیں کہ یہ بات بیٹے نے سکھلائی آگے اللہ نے نہیں فرمایا کہ کیا ماجرا گزرا۔ یعنی کہنے میں نہیں آتا جو حال گذرا اس کے دل پر اور فرشتوں پر۔ (تفسیر عثمانی)

یہ واقعہ منیٰ میں صخرہ کے پاس ہوا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف اس قول کی نسبت عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور حاکم نے کی ہے، بغوی نے عطاء بن سائب کی روایت سے کسی قریشی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ واقعہ اسی قربان گاہ میں ہوا جو آج بھی قربان گاہ ہے۔

قربانی سے پہلے بیٹے کی باتیں:

بغوی نے لکھا ہے کہ اہل روایت کا بیان ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام نے باپ سے کہا ابا میرے بندھن کس کر باندھنا تا کہ میں تڑپ نہ سکوں اور اپنے کپڑے میرے طرف سے سمیٹے رکھنا تا کہ میرا خون اچھل کر آپ کے کپڑوں پر نہ پڑ جائے اور میرے اجر میں کمی آ جائے اور اس خون کو دیکھ کر میری ماں رنجیدہ ہو جائے اور چھری کو تیز کر لینا اور میرے حلق پر تیزی سے چلا دینا تا کہ میرے لئے دشواری نہ ہو کیونکہ موت سخت چیز ہے اور آپ جب میری ماں کے پاس جائیں تو اس کو میرا اسلام کہنا اور اگر آپ میرا کرتہ میری ماں کے پاس واپس لے جانا چاہتے ہوں تو لے جائیں اس سے ان کو بڑی تسلی ہوگی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جواب:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا میرے پیارے بیٹے اللہ کے حکم کی تعمیل کیلئے تو میرا بہت اچھا مددگار ہے پھر بیٹے نے جو کچھ کہا تھا باپ نے ویسا ہی کیا اول بیٹے کو پیار کیا پھر باندھ دیا اور روتے لگے، پھر اسماعیل علیہ السلام کے حلق پر چھری رکھ دی لیکن چھری سے حلق پر نشان بھی نہ پڑا ایک روایت میں آیا ہے کہ حلق پر چھری تیزی سے چلانے لگے لیکن چھری کچھ نہ کر سکی، آپ نے چھری کو دو تین بار پتھر سے تیز کیا لیکن چھری (کچھ بھی) نہ کاٹ سکی۔

شیطان کی کارروائی اور مایوسی:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کعب احبار کا قول اور محمد بن اسحاق نے اپنے رواۃ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا ارادہ کر لیا تو شیطان نے کہا اگر میں اس وقت ابراہیم علیہ السلام کے گھر والوں کو نہ بہکا سکا تو پھر کبھی ان کی اولاد میں سے کسی کو نہ بہکا سکوں گا، یہ ارادہ کر کے وہ مرد کی شکل میں لڑکے کی ماں (حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا) کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کیا تم کو معلوم ہے ابراہیم علیہ السلام تمہارے بیٹے کو کہاں لے گئے ہیں ماں نے کہا دونوں اس گھاٹی سے لکڑیاں لینے گئے ہیں شیطان نے کہا نہیں خدا کی قسم ایسا نہیں ہے بلکہ ابراہیم علیہ السلام اسمعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے لے گئے ہیں ماں نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا وہ تو بیٹے سے بہت پیار کرتے ہیں اور ان کے دل میں بیٹے کی بڑی محبت ہے شیطان نے کہا وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ان کو اسمعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے ماں نے کہا کہ اگر ان کے رب نے یہ حکم دیا ہے تو حکم رب کی اطاعت کرنی ہی بہتر ہے شیطان یہاں سے مایوس ہو کر بیٹے کے پاس پہنچا بیٹا اس وقت باپ کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا شیطان نے اس سے کہا لڑکے کیا تم جانتے ہو کہ تمہارا باپ تم کو کہاں لے کر جا رہا ہے لڑکے نے کہا ہم گھر کیلئے ایندھن کی لکڑیاں اس گھاٹی سے لینے جا رہے ہیں شیطان نے کہا نہیں خدا کی قسم اس کا مقصد یہ نہیں بلکہ وہ تم کو ذبح کرنا چاہتا ہے لڑکے نے کہا کیوں؟ شیطان نے کہا اس کا خیال ہے کہ اس کے رب نے اس کو اس بات کا حکم دیا ہے لڑکے نے کہا ایسا ہے تو اس کو اپنے رب کے حکم کی اطاعت بسر وچشم کرنی ضروری ہے (میں بھی اس پر راضی ہوں)

جب لڑکے نے شیطان کا مشورہ نہ مانا تو شیطان نے ابراہیم علیہ السلام کی طرف رخ کیا اور کہنے لگا شیخ کہاں کا ارادہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا میں ایک کام سے اس گھاٹی میں جانا چاہتا ہوں شیطان بولا خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ شیطان نے خواب میں آ کر تم کو اپنے لڑکے کے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وقت پہچانے کہ یہ شیطان ہے بولے دشمن خدا میرے پاس سے ہٹ جا میں ضرور ضرور اپنے رب کے حکم پر عمل کروں گا، شیطان غضبناک ہو کر لوٹ گیا اور ابراہیم علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کے معاملہ میں کچھ بھی کامیاب نہ ہو سکا اللہ نے ان سب کو شیطان سے محفوظ رکھا۔

کنکریوں کا مارنا:

ابوالطفیل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کے ذبح کر دینے کا حکم دیا گیا (تو) اس مشعر پر شیطان (روکنے کیلئے) آپکے سامنے آ گیا لیکن آپ آگے نکل چکے تھے، پھر آپ جمرۂ عقبہ پر پہنچے

وہاں بھی شیطان سامنے آگیا آپ نے اس کے سات پتھریاں ماریں شیطان چلا گیا، پھر آپ جمرۂ وسطے پر پہنچے وہاں بھی شیطان آگے آگیا آپ نے اس کے سات کنکریاں ماریں شیطان چلا گیا اور پھر جمرۂ کبریٰ کے پاس ابراہیم علیہ السلام نے شیطان کو پایا یہاں بھی آپ نے اس کے سات سنگ ریزے مارے اور شیطان چلا گیا اس کے بعد آپ اللہ کے حکم کی تعمیل کیلئے چل دیئے۔ (تفسیر مظہری)

آنحضرت ﷺ ابن الذبیحین ہیں:

اور حضرت معاویہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، یا ابن الذبیحین۔ اے دو ذبیح کے فرزند، آپ کو اللہ نے جو عطا کیا ہے اس میں سے مجھ کو بھی عطا کیجئے آنحضرت ﷺ یہ سن کر مسکرائے اور ہنسے حضرت معاویہ نے جب یہ روایت اپنی مجلس میں بیان کی تو حاضرین میں سے کسی نے کہا اے امیر المؤمنین وہ دو ذبیح کون ہیں تو فرمایا، ایک ذبیح تو حضرت اسماعیل حضور کے جدِ امجد ہیں اور دوسرے ذبیح آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ ہیں جس کا قصہ یہ ہے کہ عبدالمطلب نے جب چاہ زمزم کے کھودنے کا حکم دیا تو اللہ سے یہ نذر کی کہ اگر اللہ نے یہ کام آسان کر دیا تو ایک بیٹے کو خدا کے نام پر ذبح کروں گا۔

عبدالمطلب کے دس بیٹے تھے قرعہ اندازی میں ذبح کا قرعہ عبداللہ کے نام پر نکلا خاندان اور دیگر احباب نے بیٹے کے ذبح سے ان کو روکا اور یہ مشورہ دیا کہ فدیہ میں سو اونٹ قربان کر ڈالو عبدالمطلب نے اس کو منظور کیا اور عبداللہ کی طرف سے فدیہ میں سو اونٹ دیئے اس طرح سے حضرت عبداللہ حکما ذبیح اللہ ہوگئے اس لئے حاضر ہونے والے شخص نے حضور کو یا ابن الذبیحین سے خطاب کیا، اے دو ذبیح کے بیٹے، پہلے ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل ہیں جو حضور پُرنور کے جدامجد ہیں اور دوسرے ذبیح اللہ آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ تھے۔ رواہ الحاکم فی المستدرک وابن جریر فی تفسیرہ وغیرھما، روح المعانی ص ۱۲۲ ج ۲۳ و تفسیر قرطبی ص ۱۱۳ ج ۱۵۔

نیز اسی طرح ایک مرفوع حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا، انا ابن الذبیحین میں دو ذبیح کا بیٹا ہوں دیکھو البحر المحیط ص ۳۶۹ ج ۷۔ اور روح المعانی ص ۱۲۴ ج ۲۳۔ حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث کی سند پر مطلع نہیں ہوا۔ واللہ اعلم۔

گر بندۂ خویش خوانی مرا		بہ از مملکت جاودانی مرا
شہانے کہ با تخت فرخندہ اند		ہمہ بندگان ترا بندہ اند

(معارف کاندھلوی)

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۴﴾

اور ہم نے اُس کو پکارا یوں کہ اے ابراہیم

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ

تو نے سچ کر دکھایا خواب ☆

صداقتِ ابراہیمی:

یعنی بس بس! رہنے دے، تو نے خواب سچا کر دکھایا، مقصود بیٹے کا ذبح کرانا نہیں محض تیرا امتحان منظور تھا سو اس میں پوری طرح کامیاب ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ اس وقت ہم نے ان کو آواز دی اے ابراہیم علیہ السلام بغوی نے لکھا ہے اس جملہ میں واؤ زائد ہے اور یہ کلام فَلَمَّآ اَسْلَمَا کا جواب (جزاء) ہے بیضاوی نے لکھا ہے لما اسلما کی جزاء محذوف ہے کلام محذوف اس طرح تھا کہ جو کچھ واقعہ ہونا تھا وہ ہوگیا تو دونوں کی خوشی ناقابل بیان ہوئی کوئی حالت یا مقامی وضاحت اس کا اظہار نہیں کر سکتی، آئی ہوئی مصیبت کو اللہ نے دور کر دیا اور باپ بیٹے کو وہ توفیق عنایت کی جو کسی اور کو عنایت نہیں کی سارے جہان پر ان کو برتری عطا فرمائی اور ثواب آخرت جوان کے لئے مقرر فرمایا اس کا اظہار ہی نہیں ہو سکتا ان تمام نعمتوں پر دونوں نے اپنے رب کا شکر ادا کیا۔

میں کہتا ہوں یہ بھی ممکن ہے کہ واؤ عطف کے لئے ہو اور لما اسلما کے محذوف جواب پر اس کا عطف ہو یعنی جب بیٹے اور باپ نے حکم الٰہی کے سامنے سر جھکا دیا اور ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام کو زمین پر لٹا دیا اور حلق پر چھری پھیر دی تو ہم نے ذبح سے (چھری کو) روک دیا اور اسماعیل علیہ السلام کو بچا لیا اور ابراہیم علیہ السلام کو ندا دی کہ

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا تم نے خواب کو سچ کر دکھایا

یعنی تمہارے اختیار میں جو کچھ تھا وہ تم نے پورا کر دیا کسی کام پر مامور کرنے کا مقصد صرف آزمائش اور اس امر کا امتحان کہ بقدر اختیار بندہ حکم کی تعمیل کرتا ہے یا نہیں امر کی اس کے سوا کوئی غرض نہیں ہوتی۔ ابراہیم نے امر ذبح کی پوری تعمیل کی اور اپنی دانست میں ذبح کر ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ (تفسیر مظہری)

علامہ انور شاہؒ کی عجیب توجیہ:

حضرت استاذ مولانا سید انور شاہ فرماتے تھے کہ حضرت ابراہیم نے خواب میں یہ نہیں دیکھا تھا کہ انی ذبحتک کہ میں نے اسمٰعیل کو ذبح کر دیا بلکہ یہ دیکھا تھا کہ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ کہ میں ذبح کر رہا ہوں یعنی ذبح کا جو فعل ہے گردن پر چھری چلانا وہ کر رہا ہوں، سو اتنا کرنے سے وہ خواب میں سچے ہوگئے جتنا خواب دیکھا تھا اتنا پورا ہوگیا۔ (معارف کاندھلوی)

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ

ہم یوں دیتے ہیں بدلہ نیکی کرنیوالوں کو بے شک یہی ہے

الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۷﴾

صریح جانچنا اور اس کا بدلہ دیا ہم نے ایک جانور ذبح کرنیکے واسطے بڑا ☆

نیکی کا بدلہ:

یعنی ایسے مشکل حکم کر کے آزماتے ہیں، پھر ان کو ثابت قدم رکھتے ہیں۔ تب درجے بلند دیتے ہیں۔ توارات میں ہے کہ جب ابراہیم ؑ نے بیٹے کو قربان کرنا چاہا اور فرشتہ نے ندا دی کہ ہاتھ روک لو، تو فرشتے نے یہ الفاظ کہے "خدا کہتا ہے کہ چونکہ تو نے ایسا کام کیا اور اپنے اکلوتے بیٹے کو بچا نہیں رکھا۔ میں تجھ کو برکت دوں گا اور تیری نسل کو آسمان کے ستاروں اور ساحل بحر کی ریتی کی طرح پھیلا دوں گا" (تورات تکوین اصحاح ۲۲ آیت ۱۵)۔

یعنی بڑے درجہ کا جو بہشت سے آیا، یا بڑا قیمتی فربہ تیار۔ پھر یہ ہی رسم قربانی کی اسماعیل ؑ کی عظیم الشان یادگار کے طور پر ہمیشہ کے لئے قائم کر دی۔ (تفسیر عثانی)

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ، اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض دے دیا، روایت میں آیا ہے کہ جب ابراہیم ؑ نے ایک آواز سنی تو نظر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اوپر جبرئیل ؑ نظر آئے جن کے ساتھ ایک سینگوں والا مینڈھا تھا جبرئیل ؑ نے کہا یہ آپ کے بیٹے کا فدیہ ہے اس کی قربانی کر دیجئے اس کے بعد جبرئیل ؑ نے تکبیر کہی اور مینڈھے نے بھی تکبیر کہی اور ابراہیم ؑ اور ان کے بیٹے نے بھی تکبیر کہی پھر منٰی کی قربان گاہ میں جا کر مینڈھے کو ذبح کر دیا۔ بجائے بیٹے کو فدیہ پیش کرنے والے تو حقیقت میں ابراہیم ؑ تھے لیکن قربانی کا جانور اللہ کا عطا کردہ تھا اور اللہ نے جانور کو بجائے اسمٰعیل ؑ کے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا اس لئے فدینٰہ میں فعل فدیہ کی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی۔

سعید بن جبیر ؒ نے حضرت ابن عباس ؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جس مینڈھے کی اسماعیل ؑ کی جگہ ابراہیم ؑ نے قربانی پیش کی تھی وہ وہی مینڈھا تھا جس کی آدم ؑ کے بیٹے ہابیل ؑ نے قربانی پیش کی تھی۔

مسئلہ: اس آیت سے حنفیہ نے استدلال کیا ہے کہ جس شخص نے اپنے بیٹے کے قربان کرنے کی نذر مانی ہو اس پر ایک بکری کی قربانی لازم ہے۔

(حضرت مفسر نے کہا) میں کہتا ہوں کہ سورہ حج کی آیت **وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ** کی تفسیر میں اس مسئلہ کی وضاحت کر دی ہے۔ قیاس کا تقاضا ہے کہ مسئلہ زیر بحث میں کچھ بھی واجب نہ ہو (نہ بیٹے کو قربان کرنا نہ بکری کو) کیونکہ یہ گناہ کی منت ہے امام ابو یوسف کا یہی قول ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ نے (خلاف قیاس) استحسان کی روشنی میں بیان کیا ہے کہ بکری کی قربانی لازم ہے کیونکہ جب حقیقت شرعاً واجب الترک ہو تو مجازی معنی متعین ہو جاتا ہے۔ پس جب کسی نے بیٹے کو قربان کرنے کی نذر مانی تو ظاہر ہے بیٹے کی قربانی واجب الترک ہے اس لئے ہم کہیں گے کہ بیٹے کے قائم مقام بکری کی قربانی کرنے کا خود اپنے اوپر التزام کر لیا، بکری کی قربانی کی تعیین اس لئے ہوگئی کہ اللہ نے اسمٰعیل ؑ کی جگہ مینڈھے کی قربانی کا حکم دے دیا، حضرت ابن عباس ؓ نے اسی پر فتویٰ دیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

مینڈھا: حسن بصری حضرت علیؓ سے راوی ہیں کہ وہ مینڈھا ثبیر پہاڑ سے اترا تھا اور ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ وہ مینڈھا تھا جس کو ہابیل نے قربان کیا تھا اور اللہ نے اس کو قبول کر لیا تھا اور اس وقت سے لے کر اس وقت تک وہ جنت میں چرتا رہا یہاں تک کہ وہ جنت میں حضرت اسماعیلؑ کے فدیہ کیلئے اتارا گیا دیکھو تفسیر قرطبی ص ۱۰۷ ج ۱۵ اس طرح سے فدیہ نے اسمٰعیل کی جان بچائی اور آئندہ کیلئے قربانی کا قانون مقرر کر دیا کہ لوگوں کو چاہئے کہ سنت ابراہیمی کے متعلق قربانی کیا کریں اور جو شخص حیوان کی قربانی کرے گا اس کو ذبح ولد کا ثواب ملے گا۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عثمان ؓ کو بلا کر حضور ﷺ نے فرمایا، میں نے بھیڑے کے سینگ بیت اللہ شریف کی داخلی کے وقت اندر دیکھے تھے اور مجھے یاد نہ رہا کہ میں تجھے ان کے ڈھانک دینے کا حکم دوں، جاؤ اُسے ڈھک دو، بیت اللہ میں کوئی ایسی چیز نہ ہونی چاہئے جو نمازی کو اپنی طرف متوجہ کرے، حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں، اس بھیڑے کے سینگ بیت اللہ میں ہی رہے، یہاں تک کہ ایک مرتبہ بیت اللہ میں آگ لگ گئی، اس میں وہ جل گئے، یہ واقعہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل ؑ تھے اسی وجہ سے اُن کی اولاد قریش تک یہ سینگ برابر وراثتاً چلے آئے یہاں تک کہ حضور ﷺ کو خدا تعالیٰ نے مبعوث فرمایا، واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝۱۰۸

اور باقی رکھا ہم نے اُس پر پچھلے لوگوں میں کہ

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝۱۰۹

سلام ہے ابراہیم پر ☆

آج تک دنیا ابراہیم ؑ کو بھلائی اور بڑائی سے یاد کرتی ہے، علی نبینا و علیہ الف الف سلام و تحیۃ

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۱۰

ہم یوں دیتے ہیں بدلہ نیکی کرنے والوں کو

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۱۱

وہ ہے ہمارے ایماندار بندوں میں ☆

یعنی ہمارے اعلیٰ درجہ کے ایماندار بندوں میں۔

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۱۲

اور خوشخبری دی ہم نے اُس کو اسحٰق کی جو نبی ہوگا نیک بختوں میں ☆

دوسری خوشخبری:

معلوم ہوا وہ پہلی خوشخبری اسمٰعیلؑ کی تھی اور سارا قصہ ذبح کا اُن ہی پر تھا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی ہم نے ابراہیمؑ کو بشارت دی کہ ہم تم کو ایک لڑکا عنایت کریں گے جس کا نام اسحاقؑ ہوگا اور جس کی نبوت کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے، اور جو صالحین میں سے ہوگا، نبوت کے بعد صالح ہونے کا ذکر کرنا اسحاقؑ کی عظمت شان اور تعریف کو ظاہر کر رہا ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ اصلاح ہی نبوت کا ہدف اصلی ہے نبوت سے تمام (افکار و اعمال) کی درستگی ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ۭ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا

اور برکت دی ہم نے اُس پر اور اسحٰق پر اور دونوں کی اولاد میں

مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ۝

نیکی والے ہیں اور بدکار بھی ہیں اپنے حق میں صریح ☆

اولادِ ابراہیم میں برکت:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یہ دونوں کہا دونوں بیٹوں کو دونوں سے بہت اولاد پھیلی اسحٰق کی اولاد میں انبیاء بنی اسرائیل ہوئے" اور اسمٰعیل کی اولاد میں عرب ہیں جن میں ہمارے پیغمبر مبعوث ہوئے۔ یعنی اولاد میں سب یکساں نہیں۔ اچھے بھی جو بڑوں کا نام روشن رکھیں اور برے بھی جو اپنی بدکاریوں کی وجہ سے ننگ خاندان کہلانے کے مستحق ہیں (تنبیہ) عموماً مفسرین نے "وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا" کی ضمیر "ابراہیم" و "اسحٰق" کی طرف راجع کی ہے مگر حضرت شاہ صاحبؒ نے "اسمٰعیل و اسحٰق" کی طرف راجع کر کے مضمون میں زیادہ وسعت پیدا کر دی۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰي مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝ وَنَجَّيْنٰهُمَا

اور ہم نے احسان کیا موسیٰ اور ہارون پر اور بچا دیا

وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا

ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو اُس بڑی گھبراہٹ سے اور اُن کی ہم نے مدد کی

هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ۝

تو رہے وہی غالب اور ہم نے دی ان کو کتاب واضح ☆

وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا

اور سجھائی اُن کو سیدھی راہ اور باقی رکھا اُن پر

فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰي مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ

پچھلے لوگوں میں کہ سلام ہے موسیٰ اور ہارون پر ہم یوں دیتے ہیں

نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

بدلہ نیکی کرنے والوں کو تحقیق وہ دونوں ہیں ہمارے ایماندار بندوں میں ☆

یعنی فرعون اور اسکی قوم کے ظلم و ستم سے نجات دی۔ اور بحر قلزم سے نہایت آسانی کے ساتھ پار کر دیا۔

یعنی فرعونیوں کا بیڑا غرق کر کے بنی اسرائیل کو غالب و منصور کیا اور ہالکین کے اموال و املاک کا وارث بنایا۔

یعنی تورات شریف جس میں احکام الٰہی بہت تفصیل و ایضاح سے بیان ہوئے ہیں۔

یعنی افعال و اقوال میں استقامت بخشی اور ہر معاملہ میں سیدھی راہ پر چلایا جو عصمت انبیاء کے لوازم میں سے ہے۔

یعنی ہمارے کامل ایماندار بندوں میں سے ہیں۔

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝

اور تحقیق الیاس ہے رسولوں میں جب اُس نے کہا اپنی قوم کو کیا تم کو ڈر نہیں

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخٰلِقِيْنَ ۝

کیا تم پکارتے ہو بعل کو اور چھوڑتے ہو بہتر بنانے والے کو ☆

حضرت الیاسؑ:

حضرت الیاسؑ بعض کے نزدیک حضرت ہارونؑ کی نسل سے ہیں اللہ نے ان کو ملک شام کے ایک شہر "بعلبک" کی طرف بھیجا۔ وہ لوگ "بعل" نامی بت کو پوجتے تھے۔ حضرت الیاسؑ نے ان کو خدا کے عذاب اور بت پرستی کے انجام بد سے ڈرایا۔ (تفسیر عثمانی)

نسب: محمد بن اسحاق نے حضرت الیاسؑ کا نسب اس طرح بیان کیا ہے الیاس بن بشیر بن فنحاص بن عیزار بن ہارون بن عمران

بنی اسرائیل کی گمراہی:

محمد بن اسحاق کا بیان ہے اصحاب روایت کہتے ہیں کہ جب الیاسؑ سے پہلے جو پیغمبر تھے ان کی وفات ہوگئی تو بنی اسرائیل میں نئی نئی بدعتیں بڑھ گئیں، شرک پھیل گیا، بُت نصب کر دیے گئے، بتوں کی پوجا ہونے لگی، اللہ نے ان کی ہدایت کیلئے الیاسؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا، حضرت موسیٰؑ کے بعد انبیاء کی بعثت اس غرض سے ہوتی تھی کہ توریت کے بھولے ہوئے احکام کو از سر نو تازہ کر دیا جائے بنی اسرائیل ملک شام میں پھیلے ہوئے تھے اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت یوشعؑ بن نون نے جو ملک شام فتح کیا تھا تو

وہاں بنی اسرائیل کو بسا دیا تھا اور ان میں سے ایک سبط (خاندان) کو بعلبک اور اس کے اطراف میں آباد کر دیا تھا، انہیں میں سے الیاس علیہ السلام پیغمبر ہوئے، اللہ نے ان کی ہدایت کیلئے الیاس علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔

بادشاہ: اس زمانہ میں بعلبک کا بادشاہ اُجب تھا، اُجب نے بنی اسرائیل کو بت پرستی پر مجبور کیا کیونکہ وہ خود بت پرست تھا بعل نامی بت کی پوجا کرتا تھا، یہ بت دس ہاتھ لمبا تھا اور اس کے چار منہ تھے، حضرت الیاس علیہ السلام تنہا اللہ کی عبادت کی ان کو دعوت دیتے تھے لیکن آپ کی بات کوئی نہیں سنتا تھا صرف بادشاہ کے حکم کو مانتے تھے اور بادشاہ بت کو مانتا اور اس کی پوجا کو صحیح قرار دیتا تھا، الیاس علیہ السلام بادشاہ کو بھی راہِ راست دکھاتے اور اس کے احکام کی درستی کرتے رہتے تھے۔

قاتلہ ملکہ: بادشاہ کی ایک بیوی تھی جس کا نام ازبیل تھا، بادشاہ کا قاعدہ تھا کہ جب کسی لڑائی پر یا اور کسی غرض سے ملک سے باہر جاتا تھا تو ازبیل کو اپنا جانشین بنا جاتا تھا عورت باہر نکل کر حکومت کرتی تھی اور انبیاء کی (بڑی دشمن اور) زبردست قتالہ تھی۔

کہا جاتا ہے کہ یحییٰ علیہ السلام بن زکریا علیہ السلام پیغمبر کو بھی اسی نے قتل کرایا تھا، اس کا ایک پیشکار تھا جو دانشمند مردِ مؤمن تھا، اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا اس نے تین سو انبیاء کو جن کو قتل کرنے کا ازبیل نے ارادہ کرلیا تھا اس قتالہ کے پنجے سے رہائی دلائی تھی اور جن انبیاء کو یہ قتالہ قتل کرچکی ان کو تو قتل کرچکی تھی (ان کا تو ذکر ہی نہیں) یہ عورت بجائے خود باعصمت بھی نہیں تھی سات اسرائیلی پیغمبروں سے نکاح کرچکی تھی اور ہر ایک کو دھوکے سے اس نے قتل کر دیا تھا، اس کی عمر بہت تھی، روایت میں آیا ہے کہ اس کی ستر اولادیں ہوئیں۔

نیک ہمسایہ ملکہ کے ظلم کا شکار ہوا:

بادشاہ اُجب کا ایک ہمسایہ بڑا مردِ صالح تھا، جس کا نام مزدکی تھا اس کا ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا جس پر اس کا گذر بسر تھا اسی کی درستی اور اصلاح میں وہ مشغول رہتا تھا یہ باغیچہ شاہی قصر کے برابر تھا بادشاہ اور اس کی بیگم دونوں اس باغیچہ میں سیر تفریح کرتے وہاں کھاتے پیتے اور غسل کرتے تھے اُجب اپنے ہمسایہ سے اچھا سلوک کرتا تھا لیکن اس کی بیوی ازبیل ہمسایہ سے جلتی تھی اور کسی حیلے بہانے سے اس کو قتل کر دینا چاہتی تھی تا کہ باغیچہ چھین لے کیونکہ لوگوں میں باغیچہ کی بڑی شہرت تھی اور لوگ اس کی خوبصورتی کی بہت تعریف کرتے تھے اُجب اپنی بیوی کو روکتا رہتا تھا اس لئے بی بی کو مقصد برآری کا کوئی راستہ نہیں ملتا تھا ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ بادشاہ دور کے سفر پر چلا گیا اور طویل مدت تک اپنے ملک سے غیر حاضر رہا ازبیل نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور کچھ لوگوں کو حکماً اس امر پر آمادہ کرلیا کہ وہ مزدکی کے خلاف شہادت دیں اور یہ کہیں کہ مزدکی نے بادشاہ کو ہمارے سامنے گالی دی ہے اس زمانہ کا یہ قانون تھا کہ بادشاہ کو گالی دینے والے کی سزا قتل تھی ملکہ نے شہادت مرتب کرلی تو مزدکی کو طلب کیا اور اس سے کہا تو نے بادشاہ کو گالی دی ہے مجھے یہ اطلاع ملی ہے مزدکی نے انکار کیا ملکہ نے گواہوں کو بلوایا گواہوں نے مزدکی کے خلاف جھوٹی شہادت دی ملکہ نے مزدکی کو قتل کرنے کا حکم دے دیا اور اس کے باغیچے پر خود قبضہ کرلیا اس بندۂ صالح کے (ناحق ظلماً) قتل کئے جانے پر وہ لوگ غضب خداوندی میں مبتلا ہوگئے۔

بادشاہ کا افسوس:

بادشاہ سفر سے واپس آیا تو ملکہ نے اس کو یہ خبر سنائی بادشاہ نے کہا تو نے اچھا نہیں کیا میرا خیال ہے کہ ہم آئندہ فلاح نہیں پائیں گے ایک مدت سے وہ ہمارے پڑوس میں رہتا تھا اور ہم نے بھی اس کا پڑوس اچھی طرح نباہا تھا اور ہر طرح کی ایذا رسانی کو اس سے دور رکھا تھا کیونکہ اس کا حق ہم پر واجب تھا لیکن تو نے بدترین سلوک کے ساتھ اس کا کام تمام کر دیا۔ عورت بولی مجھے تو آپ کی وجہ سے غصہ آیا اور آپ ہی کے فیصلہ کے موافق میں نے فیصلہ کیا بادشاہ نے کہا کیا تیرے لئے برداشت کی گنجائش نہ تھی کہ اس کے حق ہمسائیگی کا لحاظ کرتی عورت نے کہا اب تو جو کچھ ہوگیا سو ہوگیا۔

حضرت الیاس علیہ السلام کی بعثت:

اللہ نے حضرت الیاس علیہ السلام کو شاہ اُجب اور اس کی قوم کے پاس یہ اطلاع دینے کیلئے بھیجا کہ اللہ کے ولی کو جب لوگوں نے ظلم سے قتل کر دیا تو اس حرکت سے اللہ سخت ناراض ہوگیا اور اس نے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ اگر بادشاہ اور اس کی ملکہ اپنی حرکت سے توبہ نہیں کرینگے اور باغیچہ مزدکی کے وارثوں کو لوٹا کر نہیں دینگے تو اللہ ان کو تباہ کر دے گا اور باغیچہ کے اندر ہی دونوں کی مردار لاشیں پھینک دے گا کہ ان کی ہڈیاں گوشت سے ننگی ہوجائینگی۔

بادشاہ کا انکار و عداوت:

الیاس علیہ السلام نے بحسب الحکم یہ پیغام پہنچا دیا، بادشاہ یہ بات سن کر سخت غضب ناک ہوگیا اور کہنے لگا الیاس علیہ السلام تو جس بات کی مجھے دعوت دے رہا ہے وہ غلط ہے فلاں فلاں بادشاہوں نے ہماری طرح بتوں کی پوجا کی اس کے باوجود وہ کھاتے رہے مزے اڑاتے رہے، حکومت کرتے رہے اور جس بات کو تو باطل (غلط اور بے حقیقت) قرار دے رہا ہے ان کو اس باطل پرستی سے کوئی دنیوی نقصان نہیں پہنچا اور ہم اپنے خیال میں ان سے برتر نہیں ہیں غرض بادشاہ نے حضرت الیاس علیہ السلام کو قتل کرنے اور دکھ پہنچانے کا ارادہ کرلیا۔

حضرت الیاس علیہ السلام کی ہجرت:

حضرت الیاس علیہ السلام کو جب بادشاہ کی شرارت کا احساس ہوگیا تو آپ اس کو چھوڑ کر چل دیے اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر کہیں سکونت پذیر ہوگئے بادشاہ دوبارہ بعل کی پوجا کرنے لگا، الیاس علیہ السلام کسی بڑے اونچے دشوار گذار پہاڑ پر

چڑھ گئے اور وہاں ایک غار میں داخل ہوگئے بعض روایات میں آیا ہے کہ سات برس آپ نے آوارگی خوف (اور خانہ بدوشی) کی حالت میں چھپتے چھپاتے زمین کی گھاس اور درختوں کے پھل کھا کھا کر گزارے بادشاہ کے آدمی آپ کی تلاش میں رہے آپ کے پیچھے جاسوس بھی لگادیے، لیکن اللہ نے آپ کو پوشیدہ رکھا۔

شہزادے کا بیمار ہونا:

سات سال پورے ہوگئے تو اللہ نے آپ کو برآمد ہونے اور قوم سے انتقام لینے کی اجازت عطا فرمائی چنانچہ اُجب کا سب سے پیارا بیٹا جو باپ کا بہت زیادہ ہم شکل تھا بحکم خدا اتنا سخت بیمار ہوگیا کہ باپ کو اس کی طرف سے ناامیدی ہو گئی، اُجب نے اپنے معبود بعل سے دعاء کی (لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا) اُجب اور اس کی رعایا سب بعل کی پرستش میں مبتلا تھے اس کی تعظیم اس حد تک کرتے تھے کہ اس کی نگرانی اور خدمت کیلئے چار سو مجاور مقرر کررکھے تھے جن کو وہ انبیاء کہتے تھے شیطان بعل کے پیٹ میں گھس کر بولتا تھا اور یہ خدام کان لگا کر اس کا کلام سنتے تھے، شیطان کوئی گمراہ کن قانون مجاوروں کے دلوں میں ڈال دیتا تھا اور مجاور وہ حکم لوگوں کو بتادیتے تھے اسی لئے ان مجاوروں کو انبیاء کہا جاتا تھا۔

شہزادے کی صحت کے بارے میں بتوں کی ناکامی:

شہزادے کی بیماری جب شدت پکڑ گئی تو اس نے مجاوروں سے درخواست کی کہ بعل سے اس کے بیٹے کی صحت کیلئے سفارش کریں مجاوروں نے بعل سے دعاء کی لیکن بعل نے کوئی جواب نہ دیا، اللہ نے شیطان کو بت کے اندر گھسنے سے روک دیا اس لئے بت بول نہ سکا اور مجاور اس کے سامنے گڑ گڑاتے رہے جب مجاوروں کو زاری کرتے اور گڑگڑاتے زیادہ وقت ہوگیا (اور کوئی نتیجہ نہ نکلا یہاں تک کہ بت نے کوئی بات بھی نہ کی)۔

لوگوں کا مشورہ:

لوگوں نے اُجب سے کہا اطراف شام میں کچھ معبود اور ہیں آپ ان انبیاء کو ان کے پاس بھیجئے تاکہ وہ بعل سے سفارش کردیں بعل آپ سے سخت ناراض معلوم ہوتا ہے اگر ناراض نہ ہوتا تو جواب ضرور دیتا اور آپ کی دُعاء قبول کرلیتا اجب نے کہا بعل مجھ سے ناراض کیوں ہے میں تو اس کی پوجا کرتا اور اس کے حکم کو مانتا ہوں، لوگوں نے کہا بعل کی ناراضگی کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے اب تک الیاس کو قتل نہیں کیا اُس کے قتل کرنے میں آپ کی کوتاہی ہوئی کہ وہ صحیح سالم بچ کر چلا گیا اور وہ آپ کے معبود کا منکر ہے اُجب نے کہا میں الیاس علیہ السلام کو کیسے قتل کرسکتا ہوں میں تو اپنے بیٹے کی بیماری میں لگا ہوا ہوں، میری یہی مشغولیت الیاس علیہ السلام کی تلاش سے روک رہی ہے اور الیاس علیہ السلام کا مقام بھی مجھے معلوم نہیں کہ وہاں سے اس کو گرفتار کرلیا جائے میرا بیٹا اچھا ہو جائے تو الیاس علیہ السلام کو ڈھونڈھنے کی مجھے فراغت مل جائے گی، پھر میں اس کو کہیں پا کر قتل کردوں گا اور اپنے معبود کو راضی کرلوں گا اس کے بعد اُجب نے چار سو انبیاء مجاوروں کو ملک شام کے بتوں کے پاس یہ درخواست کرنے کیلئے بھیجا کہ وہ اُجب کے معبود سے بیٹے کو تندرست کردینے کی سفارش کردیں حسب الحکم انبیاء روانہ ہوگئے جب یہ لوگ پہاڑ کے سامنے پہنچے جس میں الیاس علیہ السلام سکونت پذیر تھے تو اللہ نے الیاس علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اب تم نیچے اتر کر ان کے سامنے جاؤ اور ان سے گفتگو کرو، ان سے کوئی خوف نہ کرو میں ان کی شرارت کو تمہاری طرف سے پھیر دوں گا یہ تمہارا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دوں گا۔

حضرت الیاس علیہ السلام کی دعوتِ حق:

حسب الحکم الیاس علیہ السلام پہاڑ سے اتر آئے جب ان کے سامنے پہنچے تو ان کو ٹھہر جانے کا حکم دیا سب رک گئے حضرت الیاس علیہ السلام نے فرمایا اللہ نے مجھے تمہارے پاس اور ان لوگوں کے پاس جن کو تم اپنے پیچھے چھوڑ کر آئے ہو ایک پیام دے کر بھیجا ہے لوگو! اپنے رب کا پیام خوب سن لو اور واپس جا کر اپنے آقا کو بھی پہنچادو اور اس سے کہہ دو کہ اللہ فرماتا ہے۔

اے اُجب کیا تو نہیں جانتا کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں میں ہی بنی اسرائیل کا خدا ہوں جس نے ان کو پیدا کیا اور رزق دیا ہے اور وہی ان کو زندگی عطا کرتا ہے اور موت دیتا ہے کیا وجہ ہے کہ تو دوسروں کو میرا شریک قرار دیتا اور میرے سوا ان سے اپنے بیٹے کی شفاء مانگتا ہے جن کے قبضے میں اگر میں نہ چاہوں تو کچھ بھی نہیں، میں اپنے نام کی قسم کھاتا ہوں کہ بیٹے کے سلسلے میں تجھے ضرور غضب میں مبتلا کروں گا اور ضرور ضرور اس پر موت کو مسلط کردوں گا تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ میرے سوا کوئی بھی اُس کیلئے کچھ نہیں کرسکتا۔

مجاوروں کی واپسی:

حضرت الیاس علیہ السلام کا یہ کلام سن کر مجاور خوف زدہ ہوگئے اور لوٹ پڑے اور بادشاہ کے پاس پہنچ کر اس کو بتایا کہ الیاس علیہ السلام ہمارے پاس اتر کر آیا تھا اور اس نے ہم کو ٹھہر جانے کا حکم دیا ہم ٹھہر گئے ہمارے دلوں میں اس کا رعب بیٹھ گیا اور ہیبت چھا گئی ہماری زبانیں بند ہوگئیں ہم اتنی بڑی تعداد میں تھے لیکن اس سے بات بھی نہ کرسکے نہ اس کی بات کا جواب دے سکے وہ ایک دراز قامت دبلا پتلا آدمی تھا سر کے بال بکھر گئے تھے بدن کی کھال کھردری ہوگئی تھی بالوں کا بنا ہوا ایک کرتہ اور چغہ پہنے ہوئے تھا کانٹوں سے اس نے کرتے کا گریبان سی لیا تھا، آخر ہم آپ کے پاس لوٹ آئے غرض حضرت الیاس علیہ السلام کی بات انہوں نے بادشاہ کو پہنچادی۔

بادشاہ کا فریب:

اس کے بعد الیاس علیہ السلام کے زندہ رہتے ہوئے اُجب کو اپنی زندگی بے

سود معلوم ہونے لگی، لیکن بغیر دھوکے اور فریب کے الیاس علیہ السلام تک اس کی دسترس بھی ممکن نہ تھی اس لئے (اس نے ایک چال چلی) اپنی قوم کے پچاس طاقتور قوی آدمی مقرر کئے اور ان کو ذمہ دار بنادیا اور حکم دے دیا کہ فریب سے کام لیں اور دھوکے میں ڈال کر الیاس علیہ السلام کو قتل کردیں اور الیاس علیہ السلام کو جا کر لالچ دیں کہ ہم اور وہ لوگ جن کو ہم اپنے پیچھے چھوڑ کر آئے ہیں سب کے سب آپ پر ایمان لے آئیں ہیں ایسی باتیں سن کر الیاس علیہ السلام کو اطمینان ہو جائے گا اور وہ دھوکا کھاجائیں گیا ورا پنے آپ پر تم لوگوں کو قابو دیں گے تم ان کو لے کر بادشاہ کے پاس آجانا، حسب الحکم یہ لوگ روانہ ہوگئے اور جس پہاڑ میں الیاس علیہ السلام سکونت گزین تھے جب اس پر چڑھے تو منتشر ہوگئے اور انتہائی اونچی آواز سے الیاس علیہ السلام کو پکارنے لگے اور کہنے لگے اے اللہ کے نبی آپ ہم پر کرم کیجئے اور ہمارے سامنے آجایئے ہم آپ پر ایمان لے آئے ہیں اور آپ کو سچا جانتے ہیں اور ہمارا بادشاہ اجب اور سارے لوگ بھی آپ پر ایمان لاچکے ہیں، تمام نبی اسرائیل آپ کو سلام کہتے ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ آپ کا پیام ہم کو پہنچ گیا اور جو کچھ آپ نے فرمایا ہم نے اس کو جان لیا اور آپ پر ایمان لے آئے اور آپ کی دعوت کو قبول کرلیا اب آپ ہمارے پاس آجایئے اور ہمارے ساتھ قیام فرمایئے جو کچھ ہم کو آپ حکم دینگے ہم اس کی اطاعت کرینگے اور جس بات سے روکیں گے اس سے باز رہیں گے اب جب کہ ہم آپ پر ایمان لاچکے ہیں اور آپ کے فرمانبردار ہوگئے ہیں تو آپ کے لئے ہم سے الگ رہنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے ہمارے پاس واپس آجایئے۔

دھوکے بازوں پر آگ کا برسنا:

ان لوگوں کی یہ باتیں ایک دھوکہ تھیں، ایک فریب تھا، حضرت الیاس علیہ السلام کے دل میں ان کا کلام بیٹھ گیا آپ کو ان کے مؤمن ہونے کا خیال بھی ہوا اور (ایسی حالت میں) برآمد نہ ہونے سے اللہ (کی ناراضگی) کا اندیشہ بھی ہوا لیکن اللہ کی طرف سے اُن کے دل میں یہ خیال پیدا ہوگیا کہ ابھی توقف کرنا چاہئے اور اللہ سے دُعاء کرنی چاہئے چنانچہ آپ نے (دعا کی اور) کہا اے اللہ اگر یہ لوگ اپنے قول میں سچے ہیں تو مجھے برآمد ہونے کی اجازت عطا فرمادے اور اگر یہ جھوٹے ہیں تو ان کو مجھ سے باز رکھ اور ان پر ایسی آگ برسا جو ان کو سوختہ کردے، ابھی یہ لفظ پورے نہ ہونے پائے تھے کہ اوپر سے آگ برسنے لگی اور سب جل کر رہ گئے۔

دوسرا دھوکہ اور ہلاکت:

اُجب اور اس کی قوم کو جب یہ اطلاع ملی تب بھی اجب اپنے ارادۂ شر سے باز نہیں آیا اور دوبارہ فریب سے کام لیا اور پہلی جماعت کی برابر ایک اور جماعت مقرر کی، جو پہلی جماعت سے زیادہ طاقتور بڑی حیلہ ساز اور چالاک تھی، حسب ہدایت یہ لوگ چل دیے اور پہاڑیوں کی چوٹیوں پر پھیل گئے اور پکارنے لگے، اے اللہ کے نبی ہم اللہ کے غضب اور گرفت سے آپ کی پناہ چاہتے ہیں وہ لوگ جو آپ کے پاس پہلے آئے تھے ہم ان کی طرح نہیں ہیں وہ تو منافق تھے ہمارے مشورے کے بغیر وہ آپ کو فریب دینے کیلئے آئے تھے اگر ہم کو ان کی حرکت کا علم ہوجاتا تو ہم ان کو قتل کردیتے اور آپ کو تکلیف نہ اٹھانی پڑتی، اب اللہ نے ان کا کام تمام کردیا، ان کو ہلاک کردیا اور ہمارا اور آپ کا ان سے انتقام لے لیا حضرت الیاس علیہ السلام نے ان کی باتیں سن کر سابق کی طرح اللہ سے دعاء کی اللہ نے فوراً ان پر آگ کی بارش کردی جس سے سب سوختہ ہوگئے۔

تیسری کارروائی:

اس تمام کارروائی کے دوران شہزادہ کی بیماری کی مصیبت شدید ہوتی رہی بادشاہ نے جب دوسرے گروہ کے ہلاک ہوجانے کی خبر سنی تو اس کا غضب بالائے غضب ہوگیا اور خود الیاس علیہ السلام کی تلاش میں جانا چاہا لیکن بیٹے کی بیماری آڑے آئی اور خود نہ جاسکا۔

ایک شخص اجب کی بیوی کا میر منشی یا سیکرٹری تھا اور (در پردہ) مؤمن تھا (لیکن بادشاہ کو اس کا مؤمن ہونا معلوم تھا) بادشاہ نے اس کو بھیجنے کی تجویز اس خیال سے کی کہ الیاس علیہ السلام اس سے مانوس ہے۔ اس کے ساتھ پہاڑ سے اتر کر آجائے گا اور چونکہ سیکرٹری کا مؤمن ہونا بادشاہ کو معلوم تھا اور یہ جاننے کے باوجود اس نے سیکرٹری کی طرف سے چشم پوشی محض اس کی کارگزاری، امانت داری اور درستی رائے کی وجہ سے کررکھی تھی اس لئے اس نے سیکرٹری پر یہی ظاہر کیا کہ میں الیاس علیہ السلام سے کوئی بدسلوکی کرنا نہیں چاہتا۔ سیکرٹری کے ساتھ اس نے کچھ آدمیوں کی ایک جماعت اور بھی کردی اور اس بات پر آمادہ کردیا تھا کہ اگر الیاس علیہ السلام ساتھ آنا نہ چاہے تو گرفتار کر کے باندھ کر لے آئے اور اگر سیکرٹری اعتماد کر کے ساتھ آجائے تو پھر خوف زدہ کرنے اور ڈرانے کی ضرورت نہیں، سیکرٹری پر اس نے اپنی توبہ کا اظہار بھی کردیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ اب جب کہ میرے آدمی جل چکے اور میرا بیٹا سخت بیمار ہے اور یہ سب مصیبتیں مجھ پر آپڑی ہیں تو میں سمجھ گیا کہ یہ سب کچھ الیاس علیہ السلام کی بددعاء کا نتیجہ ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ الیاس علیہ السلام ہم سب لوگوں کے لئے جو باقی رہ گئے ہیں بددعا کردے گا تو ہم سب ہلاک ہو جائیں گے اس لئے تم الیاس علیہ السلام کو پاس چلے جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ ہم نے توبہ کرلی ہے اور (اللہ کی طرف) رجوع کرچکے ہیں اور ہماری یہ توبہ اور رضاء رب کی طلب اور ترک اصنام کا عمل اسی وقت صحیح ہوگا جب الیاس علیہ السلام ہمارے پاس موجود ہوں اور امر ونواہی صادر کریں اور رب کی خوشنودی حاصل کرنے کا راستہ بتائیں، بادشاہ نے اپنے ساتھیوں کو بھی ہدایت کردی تھی اور اس کے حکم کے مطابق علیحدگی میں انہوں نے بھی سیکرٹری کے سامنے

اعتراف کر لیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ جن بتوں کی ہم پہلے پوجا کرتے تھے ان کی پوجا ہم نے چھوڑ دی ہے اور الیاس علیہ السلام کے آنے تک ہم نے اس معاملہ کو ملتوی کر رکھا ہے تاکہ وہ ہی آ کر ان کو جلا دیں اور برباد کر دیں ان باتوں میں سے کسی بات میں خلوص نہ تھا بلکہ یہ سب کچھ بادشاہ کا فریب تھا۔

غرض سکریٹری اور اس کے ساتھ ایک جماعت سب روانہ ہو گئے اور حضرت الیاس علیہ السلام والے پہاڑ پر سکرٹری چڑھ گیا اور حضرت الیاس علیہ السلام کو پکارا آپ نے اس کی آواز پہچان لی دل میں اس سے ملنے کا شوق پہلے ہی تھا، آواز سن کر ملاقات کی ایک ہوک اٹھی فوراً اللہ کی طرف سے وحی بھی آ گئی کہ باہر نکل آؤ اور اپنے صالح بھائی سے ملو اور اس سے (دوستی کے) عہد کی تجدید کرو وحی آتے ہی حضرت الیاس علیہ السلام سکرٹری کے سامنے آ گئے سلام علیک اور مصافحہ کیا اور خبر دریافت کی مرد مؤمن نے کہا مجھے اس ظالم اور سرکش قوم نے آپ کے پاس بھیجا ہے اس کے بعد پوری سرگذشت بیان کر دی اور یہ بھی کہا کہ اگر آپ میرے ساتھ نہ ہونگے اور میں تنہا واپس جاؤں گا تو مجھے خوف ہے کہ بادشاہ مجھے قتل کر دے گا اب جیسا چاہیں آپ مجھے حکم دیں میں اس کی تعمیل کروں گا اگر آپ چاہیں تو میں بادشاہ سے کٹ کر آپ کے پاس ہی رہنے لگوں اور اس کو بالکل چھوڑ دوں اور اگر آپ چاہیں تو آپ کے ہم رکاب رہ کر میں اس سے مقابلہ کروں اور اگر آپ کا ارادہ کچھ پیام دے کر مجھے اس کے پاس بھیجنے کا ہو تو میں آپ کا پیام بھی پہنچا دوں گا اور اگر آپ چاہیں تو اپنے رب سے دعاء کریں کہ وہ ہمارے اس (اُلجھے ہوئے) معاملہ میں کشائش کا کوئی راستہ نکال دے۔

حضرت الیاس علیہ السلام کی واپسی:

اللہ نے الیاس علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ جتنی حرکتیں کی ہیں سب فریب اور دھوکہ ہیں وہ تمہارے اوپر قابو پانا چاہتے ہیں، بادشاہ اجب کو اگر اس کے بھیجے ہوئے نمائندے واپس جا کر خبر دیں گے کہ اس مرد (مؤمن) کی تم سے ملاقات ہو گئی ہے اور وہ تم کو اپنے ساتھ نہ لے جا سکا ہے تو وہ اس شخص پر (تم سے مل جانے کی) تہمت لگائے گا اور سمجھ لے گا کہ مرد مؤمن نے تمہارے معاملہ میں سستی سے کام لیا اس لئے اس کے قتل ہو جانے کا اندیشہ ہے تم اس کے ساتھ چلے جاؤ، میں تم دونوں کی طرف سے اُجب کو روک دوں گا، اس کے بیٹے کی مصیبت دوگنی کر دوں گا تاکہ بیٹے کے سوا کسی اور چیز کی اہمیت ہی اس کی نظر میں نہ رہے پھر اسی بری حالت میں میں اس کے بیٹے پر موت کو مسلط کر دوں گا جب وہ مر جائے تو اس وقت تو اس کے پاس سے لوٹ آنا۔

شہزادے کی موت:

حضرت الیاس علیہ السلام یہ حکم ملنے کے بعد ان لوگوں کے ساتھ روانہ ہو گئے اور سب لوگ اجب کے پاس پہنچ گئے جونہی یہ لوگ پہنچے اللہ نے اُجب کے بیٹے کی بیماری شدید کر دی یہاں تک کہ موت اس کے گلوگیر ہو گئی اس طرح اللہ نے اجب اور اس کے ساتھیوں کو الیاس علیہ السلام کی طرف توجہ کرنے کا موقع ہی نہیں دیا اور الیاس علیہ السلام بخیریت واپس آ گئے۔

سیکرٹری کی نجات:

جب اجب کا بیٹا مر گیا اور لوگ اس کے مسئلہ سے فارغ ہو گئے اور غم میں بھی کچھ کمی آ گئی تو اس وقت الیاس علیہ السلام کے سلسلے میں ان کی آنکھیں کھلیں اور سیکرٹری جو حضرت الیاس علیہ السلام کو لایا تھا اس سے الیاس علیہ السلام کے متعلق دریافت کیا، سیکرٹری نے کہا مجھے الیاس علیہ السلام کا کوئی علم نہیں۔ مجھے شہزادے کی موت اور اس کے غم نے فرصت ہی نہیں دی اور میرا خیال تھا کہ آپ نے الیاس علیہ السلام کے متعلق کچھ اعتماد کرایا ہوگا اس جواب پر سیکرٹری کی طرف سے اُجب نے پہلو تہی کر لی کیونکہ (گفتگو سے معلوم ہو گیا کہ سیکرٹری کو شہزادے کے مرنے کا) سخت غم تھا۔

حضرت الیاس کا حضرت یونس علیہ السلام کی ماں کے پاس جانا اور واپس ہونا

جب حضرت الیاس علیہ السلام کو پہاڑوں میں رہتے ہوئے ایک طویل مدت گذر گئی اور ان کو دوسرے آدمیوں کے ساتھ رہنے کا شوق پیدا ہو گیا تو پہاڑ سے اتر کر چل دیئے اور ایک اسرائیلی عورت کے گھر جا کر ٹھہرے، یہ عورت مچھلی والے حضرت یونس علیہ السلام بن متی کی ماں تھی اس عورت کے گھر آپ چھ ماہ چھپے رہے یونس علیہ السلام اس وقت شیر خواہ بچہ تھے یونس علیہ السلام کی ماں حضرت الیاس علیہ السلام کی خدمت خوب کیا کرتی تھی اور اپنے مال سے ان کی مدد کرتی تھی حضرت الیاس علیہ السلام تو پہاڑوں کی سکونت کے عادی ہو چکے تھے، یہاں گھروں کی تنگی میں رہنے سے اکتا گئے اور پہاڑ پر ہی چلا جانا آپ نے پسند کیا، آخر گھر سے نکل کر اپنی (کوہستانی) جگہ پر لوٹ آئے۔

یونس علیہ السلام کی موت اور حضرت الیاس علیہ السلام کی تلاش:

حضرت الیاس علیہ السلام کی جدائی سے یونس علیہ السلام کی ماں بے تاب ہو گئی اور آپ کے نہ ہونے سے وحشت زدہ ہو گئی پھر کچھ ہی مدت کے بعد جب اس نے اپنے یونس علیہ السلام کا دودھ چھڑایا تو یونس علیہ السلام کا انتقال ہو گیا اب تو یونس علیہ السلام کی ماں پر مصیبت عظیم آ پڑی اور الیاس علیہ السلام کو تلاش کرنے کیلئے گھر سے نکل کھڑی ہوئی اور برابر پہاڑوں پر چڑھتی اور گھومتی پھری آخر آپ کو اس نے پا لیا اور عرض کیا آپ کے آ جانے کے بعد میرے بچے کے مرنے کی مجھ پر بپتا پڑ گئی جس کی وجہ سے میری مصیبت میں بڑا اضافہ ہو گیا اور اس کے نہ ہونے سے میں بڑی دکھی ہو گئی میرا اس کے سوا کوئی اور بچہ بھی نہیں ہے آپ مجھ پر رحم کیجئے اور اللہ سے دعا کر دیجئے کہ میرا بیٹا زندہ ہو جائے میں نے اس کو دفن نہیں کیا ہے اور یونہی (کپڑے

سے) ڈھانک دیا ہے اور اس کی موجودگی کو چھپا رکھا ہے، حضرت الیاس علیہ السلام نے فرمایا مجھے تو اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے (یعنی مردے کو زندہ کرنے کی دعاء کا حکم نہیں دیا گیا ہے) اور میں تو بندہ ہوں وہی کرتا ہوں جس کا مجھے حکم دیا جاتا ہے، عورت یہ یہ جواب سن کر بے قرار ہوگئی اور گڑگڑانے لگی۔

یونس علیہ السلام کا زندہ ہونا:

اللہ نے حضرت الیاس علیہ السلام کے دل کو عورت کی درخواست کی جانب مائل کردیا پوچھا تیرا بیٹا کب مرا ہے، عورت نے کہا سات روز ہوئے حضرت الیاس علیہ السلام اس کے ساتھ چل کھڑے ہوئے اور سات روز چلنے کے بعد اس کے گھر پہنچے اور اسکے بیٹے کو ۱۴ روز کا مردہ پایا آپ نے وضو کیا نماز پڑھی اور دعاء کی اللہ نے یونس علیہ السلام بن متی کو زندہ کردیا یونس علیہ السلام زندہ ہو کر اٹھ بیٹھے جونہی اٹھ کر بیٹھے فوراً حضرت الیاس علیہ السلام اچھل کر اٹھے اور یونس علیہ السلام کو چھوڑ کر چل دیے اور اپنے مقام پر لوٹ گئے۔

تین سال کیلئے قحط:

جب قوم کی نافرمانی بہت طویل ہوگئی تو حضرت الیاس علیہ السلام ان کی نافرمانی سے بڑے تنگدل ہوگئے اللہ نے سات سال کے بعد ان کے پاس وحی بھیجی آپ نزول وحی سے پہلے بڑے خوف زدہ تھے اللہ نے الیاس کو ندا دی اور فرمایا الیاس علیہ السلام یہ غم اور بے تابی جس میں تو مبتلا ہے کیا ہے کیا تو میری وحی کا امین اور زمین پر میری برہان اور (ساری) مخلوق میں میرا انتخاب کردہ نہیں ہے (جو کچھ چاہے) مجھ سے مانگ لے میں تجھے عطا کردوں گا، میں وسیع رحمت اور بڑے فضل والا ہوں حضرت الیاس علیہ السلام نے عرض کیا تو مجھے موت دے دے اور میرے اسلاف کے ساتھ مجھے ملا دے میں بنی اسرائیل سے تنگ آگیا ہوں اور بنی اسرائیل مجھ سے تنگ دل ہوگئے ہیں اللہ نے الیاس علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی اور فرمایا یہ وہ دن نہیں کہ میں زمین اور اہل زمین کو تجھ سے خالی کردوں زمین کا قیام اور بہبودی تو تیری اور تجھ جیسے دوسروں لوگوں کی (برکت کی) وجہ سے ہے اگرچہ تم لوگ تھوڑے ہو مجھ سے کچھ اور سوال کر، تیرا سوال پورا کردوں گا حضرت الیاس علیہ السلام نے عرض کیا اگر تو موت نہیں دیتا تو بنی اسرائیل سے مجھے انتقام لینے کی قدرت عطا فرما دے اللہ نے فرمایا تو کیا چاہتا ہے، الیاس علیہ السلام نے عرض کیا سات سال تک بارش کے خزانے میرے قبضہ میں دے دے کہ میری دعاء کے بغیر کوئی بدلی ان پر نہ پھیلے اور میری سفارش کے بغیر ایک بوند بارش کی ان پر نہ ہو، اس کے بغیر یہ فرماں بردار نہ ہونگے اللہ نے فرمایا الیاس علیہ السلام میں اپنی مخلوق پر بڑا رحیم ہوں اگرچہ وہ ظلم کرتے ہیں (مگر میں ان پر مہربانی کرتا ہوں) الیاس علیہ السلام نے عرض کیا تو چھ سال (بارش روک دے) اللہ نے فرمایا میں اپنی مخلوق پر اس سے زیادہ مہربان ہوں اللہ نے عرض کیا اچھا تو پانچ سال اللہ نے فرمایا یہ (مدت) بھی میرے تقاضا رحم سے زائد ہے البتہ تین سال میں (بارش روک کر ان کی نافرمانی کا) بدلہ میں تجھے دے دوں گا بارش کے خزانے تیرے قبضہ میں دے دوں گا۔

قحط کے دوران حضرت الیاس علیہ السلام کی غذا کا انتظام:

حضرت الیاس علیہ السلام نے کہا پھر میں کس طرح زندہ رہوں گا اللہ نے فرمایا میں پرندوں کی ایک جماعت تیری خدمت پر لگادوں گا سبزہ زار اور شاداب زمین سے وہ تیرا کھانا پینا لاکر تجھے پہنچادیں گے اس کے بعد اللہ نے بارش روک دی نتیجہ میں جانور چوپائے اور زمین کے کیڑے مکوڑے مرگئے، درخت سوکھ گئے اور انسان سخت ترین مصیبت میں مبتلا ہوگئے، الیاس علیہ السلام اس مدت میں حسب سابق اپنی قوم سے چھپے رہے جہاں بھی ہوتے ان کا رزق وہاں رکھ دیا جاتا تھا قوم والوں کو بھی اس کا احساس ہوگیا اگر کسی گھر کے اندر سے روٹی کی خوشبو محسوس ہوتی تو سمجھ جاتے یہاں الیاس علیہ السلام آیا تھا چنانچہ وہاں الیاس علیہ السلام کو تلاش کرتے (اور الیاس علیہ السلام نہ ملتے تو) گھر والوں کو ان کے ہاتھوں سے بڑا دکھ پہنچتا۔

حضرت الیاس علیہ السلام کی دُعاء سے بڑھیا کے گھر میں برکت:

حضرت الیاس علیہ السلام نے فرمایا تین سال تک بنی اسرائیل قحط کی مصیبت میں مبتلا رہیں گے ایک روز کسی بوڑھیا کی طرف سے آپ کا گذر ہوا آپ نے اس سے فرمایا کیا تیرے پاس کچھ کھانا ہے بڑھیا نے کہا ہاں! کچھ آٹا اور تھوڑا سا روغن زیتون ہے راوی کا بیان ہے حضرت الیاس علیہ السلام نے دونوں چیزیں منگوالیں اور موجود چیزوں میں برکت کی دُعاء کی اور ان پر ہاتھ پھیر دیا، فوراً بوڑھیا کا بورا آٹے سے اور مٹکے روغن زیتون سے بھر گئے (اور خود چل دیے) لوگوں نے جب بڑھیا کے پاس یہ چیزیں دیکھیں تو پوچھا یہ چیزیں تیرے پاس کہاں سے آئیں بڑھیا نے حضرت الیاس علیہ السلام کا پورا حلیہ بیان کیا اور کہا اس حلیہ کا ایک آدمی یہاں آیا تھا (اس کی دعاء سے ایسا ہوا) لوگ پہچان گئے کہ وہ الیاس علیہ السلام ہی تھے آخر آپ کو تلاش کرکے ایک جگہ پالیا لیکن آپ بھاگ گئے اور کسی اسرائیلی عورت کے گھر میں جا کر مقیم ہوگئے۔

ایک بیمار لڑکے کا صحیح ہونا اور ایمان لانا:

اس عورت کا ایک لڑکا سخت بیمار تھا جس کا نام الیسع بن اخطوب تھا عورت نے حضرت الیاس علیہ السلام کو مکان میں جگہ دی اور چھپالیا، آپ نے اس لڑکے کے لئے دعاء کی لڑکا تندرست ہوگیا اور حضرت الیاس علیہ السلام پر ایمان لے آیا اور آپ کے ساتھ ہولیا پیچھے لگ گیا جہاں الیاس علیہ السلام جاتے وہ لڑکا بھی ساتھ جاتا، حضرت الیاس علیہ السلام اس وقت عمر رسیدہ اور کبیر السن ہوچکے تھے الیسع نوجوان تھا۔

وحی: اللہ نے الیاس علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ تو نے بہت مخلوق

کو بارش کو روک دینے کی وجہ سے ہلاک کر دیا وہ مواشی اور چوپائے اور پرندے اور کیڑے مکوڑے جو بے قصور تھے بارش بند ہو جانے کی وجہ سے مر گئے (بقول اہل روایت) الیاس علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! اب مجھے ہی تو اجازت دے دے کہ میں ہی ان کے لئے دعاء کروں اور جس دکھ میں یہ پھنسے ہوئے ہیں اس سے رہائی میری ہی دعاء سے ان کو مل جائے اس طرح شاید یہ باز آجائیں اور جس شرک میں مبتلا ہیں اس سے نکل آئیں جواب ملا اچھا۔

حضرت الیاس علیہ السلام کی دُعاء سے بارش برسنا اور قوم کی عہد شکنی

یہ جواب پانے کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام بنی اسرائیل کے پاس گئے اور فرمایا کوئی شک نہیں کہ تم لوگ بھوک اور دکھ سے ہلاک ہو گئے اور تمہارے گناہوں کی وجہ سے مویشی اور چوپائے اور پرندے اور کیڑے مکوڑے بھی مر گئے اور درخت بھی مردہ ہو گئے تم سب بلاشبہ باطل پرست ہو اگر تم کو اس کا ثبوت درکار ہے تو اپنے بتوں کو میرے سامنے نکال لاؤ اگر وہ تمہاری دُعائیں قبول کرلیں (اور بارش ہو جائے) تو بے شک تمہاری بات سچی ہوگی اور اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو خود تم کو معلوم ہو جائے گا کہ تم باطل پرست ہو اس وقت تم اپنے خود ساختہ شرک سے نکل آنا پھر میں اللہ سے دُعاء کروں اور وہ تمہاری یہ مصیبت جس میں تم پھنسے ہوئے ہو دُور کر دیگا قوم والوں نے کہا آپ نے انصاف کی بات کی چنانچہ وہ اپنے بتوں کو باہر نکال کر لے آئے اور ان سے دُعائیں کیں جس مصیبت میں گرفتار تھے وہ دُور نہ ہوئیں۔ پھر حضرت الیاس علیہ السلام نے دُعاء کی الیسع بھی آپ کے ساتھ شریک تھے فوراً سطح سمندر پر ایک ڈھال کے برابر بدلی اٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی طرف بڑھی اور آفاق پر چھا گئی پھر بحکم خدا اس سے اتنی بارش ہوئی کہ مردہ بستیوں میں جان پڑ گئی اور اللہ نے ان کی فریادرسی کی جب اللہ نے ان کا دکھ دور کر دیا تب بھی انہوں نے وعدہ پورا نہیں کیا اور کفر کو نہ چھوڑا اور اپنی بدترین حالت پر قائم رہے۔

حضرت الیاس کی قوم سے جدائی:

الیاس علیہ السلام نے جب یہ حالت دیکھی تو (مایوس ہو کر) اللہ سے دعاء کی کہ اب مجھے ان لوگوں سے نجات دے (بقول اہل روایت) جواب ملا فلاں تاریخ کا انتظار کرو مقررہ دن آ جائے تو فلاں مقام پر چلے جانا اور جو سواری تمہارے پاس آ جائے بے دھڑک اس پر سوار ہو جانا۔

حسب الحکم الیاس علیہ السلام اور ان کے ساتھ الیسع نکل کر اس مقام پر پہنچے جہاں پہنچنے کا حکم دیا گیا تھا ایک آتشیں گھوڑا (اور بقول بعض) آگ کے رنگ کا گھوڑا پاس آ کر کھڑا ہو گیا الیاس علیہ السلام کود کر اس پر سوار ہو گئے اور گھوڑا آپ کو لے کر روانہ ہو گیا، الیسع علیہ السلام نے پکار کر کہا حضرت میرے متعلق آپ کا کیا حکم ہے، حضرت الیاس علیہ السلام نے فضاء اعلیٰ کی بلندی سے اپنی ایک تحریر پھینک دی، یہ علامت تھی کہ الیسع کو بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے حضرت کا خلیفہ بنا دیا گیا، حضرت الیسع علیہ السلام کی حضرت الیاس علیہ السلام سے یہ آخری ملاقات تھی، اللہ نے الیاس علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے اندر سے نکال کر اوپر اٹھا لیا، الیاس علیہ السلام کو کھانے پینے سے بے نیاز کر دیا اور (فرشتوں جیسے) پر دار بازو عنایت کر دیئے اور ان کو ملکی انسان بنا دیا جوارضی (انسان) بھی تھے اور سماوی (فرشتہ) بھی۔

بادشاہ اور ملکہ کی ہلاکت:

شاہ اُجب اور اس کی قوم پر اللہ کے ایک غیبی دشمن کو مسلط کر دیا کہ لوگوں کی بے خبری میں اس نے ان پر حملہ کر دیا اور اُجب اور اُس کی بیوی کو مزدکی کے باغ میں قتل کر دیا اور اسی باغیچہ میں ان کی لاشیں پڑی رہیں کہ گوشت پارہ پارہ ہو گیا اور ہڈیاں بوسیدہ ہو گئیں۔

حضرت الیسع پر وحی اور قوم کا ایمان لانا:

اللہ نے وحی کے ذریعے سے اُس واقعہ کی اطلاع الیسع علیہ السلام کو دے دی اور رسول بنا کر بنی اسرائیل کے پاس بھیجا بنی اسرائیل الیسع علیہ السلام پر ایمان لائے، آپ کی عزت کی اور وفات تک آپ کی حکومت بنی اسرائیل پر قائم رہی۔

حضرت خضر و حضرت الیاس کی رفاقت:

سری بن یحییٰ نے عبدالعزیز بن ابی الدرداء کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام دونوں بیت المقدس میں ماہ رمضان المبارک کے روزے رکھتے ہیں اور حج کے موقع پر ہر سال دونوں ملتے ہیں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ الیاس علیہ السلام بیابانوں اور خضر سمندروں (کی ڈیوٹی) پر مقرر ہیں (الیاس علیہ السلام جنگلوں میں بھولے بھٹکے کی راہنمائی کرتے ہیں اور خضر بحری مسافروں کی مدد کرتے ہیں) كذا ذكر البغوی فی تفسير قوله تعالىٰ و ان الیاس لمن المرسلين. (تفسیر مظہری)

بعثت کا زمانہ اور مقام:

قرآن و حدیث سے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ حضرت الیاس علیہ السلام کب اور کہاں مبعوث ہوئے تھے؟ لیکن تاریخی اور اسرائیلی روایات اس بات پر تقریباً متفق ہیں کہ آپ حضرت حزقیل علیہ السلام کے بعد اور حضرت الیسع علیہ السلام سے پہلے بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے، یہ وہ زمانہ تھا جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے جانشینوں کی بدکاری کی وجہ سے بنی اسرائیل کی سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی تھی، ایک حصہ یہوداہ یا یہود یہ کہلاتا تھا، اور اس کا مرکز بیت المقدس تھا، اور دوسرا حصہ اسرائیل کہلاتا تھا، اور اس کا مرکز بیت المقدس تھا، اور دوسرا حصہ اسرائیل کہلاتا تھا اور اس کا پایہ تخت سامرہ (موجودہ

نابلس) تھا، حضرت الیاس علیہ السلام اردن کے علاقہ جلعاد میں پیدا ہوئے تھے، اُس وقت اسرائیل کے ملک میں جو بادشاہ حکمران تھا اسکا نام بائبل میں اخی اب اور عربی تواریخ وتفاسیر میں اجب یا اخب مذکور ہے، اس کی بیوی ایزبل، بعل نامی ایک بُت کی پرستار تھی، اور اسی نے اسرائیل میں بعل کے نام پر ایک بڑی قربان گاہ تعمیر کر کے تمام بنو اسرائیل کو بُت پرستی کے راستہ پر لگا دیا تھا، حضرت الیاس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ وہ اس خطے میں جا کر توحید کی تعلیم دیں، اور اسرائیلیوں کو بت پرستی سے روکیں (ملاحظہ ہو تفسیر ابن جریر ص ۵۳، ج ۲۳ و ابن کثیر ص ۱۹ ج ۴ و تفسیر مظہری ص ۱۳۴ ج ۸ اور بائبل کی کتاب سلاطین اول ۱۶: ۲۹ تا ۳۳ و ۱: ۱۷)

حضرت الیاس علیہ السلام کے بارے میں تمام روایات کا خلاصہ:

تمام روایات سے خلاصہ کے طور پر جو قدر مشترک نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام نے اسرائیل کے بادشاہ اخیاب اور اس کی رعایا کو بعل نامی بت کی پرستش سے روک کر توحید کی دعوت دی، مگر دو ایک حق پسند افراد کے سوا کسی نے آپ کی بات نہیں مانی، بلکہ آپ کو طرح طرح سے پریشان کرنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ اخی اب اور اس کی بیوی ایزبل نے آپ کو شہید کرنے کے منصوبے بنائے، آپ نے ایک دور افتادہ غار میں پناہ لی، اور عرصہ دراز تک وہیں مقیم رہے، اس کے بعد آپ نے دعاء فرمائی، کہ اسرائیل کے لوگ قحط سالی کا شکار ہو جائیں، تاکہ اس قحط سالی کو دور کرنے کیلئے آپ اُن کو معجزات دکھائیں تو شاید وہ ایمان لے آئیں، چنانچہ انہیں شدید قحط میں مبتلا کر دیا گیا۔

اس کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے اخیاب سے ملے، اور اس سے کہا کہ یہ عذاب اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے ہے، اور اگر تم اب بھی باز آ جاؤ تو یہ عذاب دور ہو سکتا ہے، میری سچائی کے امتحان کا بھی یہ بہترین موقع ہے، تم کہتے ہو کہ اسرائیل میں تمہارے معبود بعل کے ساڑھے چار سو نبی ہیں، تم ایک دن اُن سب کو میرے سامنے جمع کر لو، وہ بعل کے نام پر قربانی پیش کریں اور میں اللہ کے نام پر قربانی کروں گا، جس کی قربانی کو آسمانی آگ آ کر بھسم کر دے گی، اس کا دین سچا ہوگا، سب نے اس تجویز کو خوشی سے مان لیا۔

چنانچہ کوہ کرمل کے مقام پر یہ اجتماع ہوا، بعل کے جھوٹے نبیوں نے اپنی قربانی پیش کی، اور صبح سے دوپہر تک بعل سے التجائیں کرتے رہے، مگر کوئی جواب نہ آیا اس کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام نے اپنی قربانی پیش کی، اس پر آسمان سے آگ نازل ہوئی، اور اس نے حضرت الیاس علیہ السلام کی قربانی کو بھسم کر دیا یہ دیکھ کر بہت سے لوگ سجدے میں گر گئے، اور اُن پر حق واضح ہو گیا لیکن بعل کے جھوٹے نبی اب بھی نہ مانے، اس نے حضرت الیاس علیہ السلام کو وادی قیشون میں قتل کرا دیا۔

اس واقعہ کے بعد موسلا دھار بارش بھی ہوئی، اور پورا خطہ پانی سے نہال ہو گیا لیکن سند ضعیف ہے یا اس لئے کہ جن اشخاص کی طرف سے یہ واقعات منسوب کئے گئے ہیں وہ مجہول ہیں''۔ (البدایۃ والنہایۃ)

بعل بت: بعل کے لغوی معنی شوہر اور مالک وغیرہ ہیں، لیکن یہ اس بت کا نام تھا جسے حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم نے اپنا معبود بنایا ہوا تھا، بعل کی پرستش کی تاریخ بہت قدیم ہے، شام کے علاقہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اس کی پرستش ہوتی تھی اور یہ اُن کا سب سے زیادہ مقبول دیوتا تھا، شام کا مشہور شہر بعلبک بھی اسی کے نام سے موسوم ہوا، اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اہل حجاز کا مشہور بت ہبل بھی یہی بعل ہے۔ (قصص القرآن ص ۴۸ ج ۲) (معارف مفتی اعظم)

اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ

جو اللہ ہے رب تمہارا اور رب تمہارے اگلے باپ دادوں کا ☆

حقیقی خالق کو کیوں چھوڑتے ہو:

یعنی یوں تو دنیا میں آدمی بھی تحلیل و ترکیب کر کے بظاہر بہت سی چیزیں بنا لیتے ہیں مگر بہتر بنانے والا وہ ہے کہ جو تمام اصول وفروع، جواہر واعراض اور صفات وموصوفات کا حقیقی خالق ہے۔ جس نے تم کو اور تمہارے باپ دادوں کو پیدا کیا۔ پھر یہ کیسے جائز ہوگا کہ اس احسن الخالقین کو چھوڑ کر ''بعل'' بت کی پرستش کی جائے اور اس سے مدد مانگی جائے جو ایک ذرہ کو ظاہری طور پر بھی پیدا نہیں کر سکتا۔ بلکہ اسکا وجود خود اپنے پرستاروں کا رہین منت ہے۔ انہوں نے جیسا چاہا بنا کر کھڑا کر دیا۔ (تفسیر عثمانی)

فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ

پھر اُس کو جھٹلایا سو وہ آنیوالے ہیں پکڑے ہوئے ☆

یعنی جھٹلانے کی سزا مل کر رہے گی۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ

مگر جو بندے ہیں اللہ کے چنے ہوئے ☆

یعنی سب نے جھٹلایا مگر اللہ کے چنے ہوئے بندوں نے تکذیب نہیں کی، لہٰذا وہ ہی سزا سے بچے رہینگے۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ

اور باقی رکھا ہم نے اُس پر پچھلے لوگوں میں کہ

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ

سلام ہے الیاس پر ☆

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ

ہم یوں دیتے ہیں بدلہ نیکی کرنیوالوں کو

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٢﴾
وہ ہے ہمارے ایمان دار بندوں میں

حضرت الیاس علیہ السلام پر سلامتی:

''الیاس'' کو ''الیاسین'' بھی کہتے ہیں کہ جیسے ''طور سینا'' کو ''طور سینین'' کہہ دیا جاتا ہے یا الیاسین سے حضرت الیاس کے متبعین مراد ہوں اور بعض نے ''آل سین'' بھی پڑھا ہے تو ''یاسین'' ان کے باپ کا نام ہوگا یا ان ہی کا نام ''یاسین'' اور لفظ آل مقحم ہو جیسے ''کماصلیت علی ال ابراھیم میں یااللھم صل علی آل ابی اوفی میں ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

الیاس علیہ السلام کو الیاسین بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ سینا کو سینین، اسماعیل کو سمعین اور میکائیل کو میکائین، فراء نے کہا الیاسین الیاس کی جمع ہے اس سے مراد ہی حضرت الیاس علیہ السلام اور حضرت کے مؤمن ساتھی (یعنی الیاس والے)۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٣٣﴾
اور تحقیق لُوط ہے رسولوں میں سے
اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٣٤﴾
جب بچادیا ہم نے اس کو اور اس کے سارے گھر والوں کو
اِلَّا عَجُوْزًا فِى الْغٰبِرِيْنَ ﴿١٣٥﴾
مگر ایک بڑھیا کہ رہ گئی رہ جانیوالوں میں ☆

یعنی اُن کی زوجہ جو معذبین کے ساتھ ساز باز رکھتی تھیں۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿١٣٦﴾
پھر جڑ سے اُکھاڑ پھینکا ہم نے دوسروں کو ☆

یعنی لوط اور اسکے گھر والوں کے سوا دوسرے سب باشندوں پر بستی الٹ دی گئی۔ یہ قصہ پہلے کئی جگہ مفصل گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿١٣٧﴾
اور تم گذرتے ہو اُن پر صبح کے وقت
وَبِالَّيْلِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٣٨﴾
اور رات کو بھی پھر کیا نہیں سمجھتے ☆

مکہ والوں کیلئے عبرت:

یہ مکہ والوں کو فرمایا۔ کیونکہ ''مکہ'' سے ''شام'' کو جو قافلے آتے جاتے تھے قوم لوط کی الٹی ہوئی بستیاں ان کے راستہ سے نظر آتی تھیں۔ یعنی دن رات ادھر گزرتے ہوئے یہ نشان دیکھتے ہیں پھر بھی عبرت نہیں ہوتی کیا نہیں سمجھتے کہ جو حال ایک نافرمان قوم کا ہوا وہ دوسری نافرمان اقوام کا بھی ہوسکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

علیھم یعنی ان کے گھروں پر سے گذرتے ہو جب ملک شام کا سفر کرتے ہو تو سدوم سرراہ واقع ہوتا ہے مُّصْبِحِيْنَ وَبِالَّيْلِ یعنی صبح شام مراد ہے دن رات یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قوم لوط علیہ السلام کی بستیوں کے کھنڈر مسافروں کی فرودگاہ کے قریب ہوں، فرودگاہ سے صبح کو کوچ کرنیوالا صبح کو ان بستیوں کی طرف سے گذرتا ہوا اور جو فرودگاہ پر شام کو پہنچنے والا ہو وہ ان پر شام کو گزرتا ہو، اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ یعنی کیا اہل عقل نہیں ہو کہ ان کو دیکھ کر عبرت حاصل کرو، یہ جملہ معترضہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

اور قاضی ابوالسعودؒ فرماتے ہیں کہ غالباً سدوم کا یہ علاقہ راستے کی ایسی منزل پر واقع تھا کہ یہاں سے کوچ کرنے والے صبح کے وقت روانہ ہوتے تھے اور آنے والے شام کے وقت آتے تھے۔ (تفسیر ابی السعود) (معارف مفتی اعظم)

وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٣٩﴾
اور تحقیق یونس ہے رسولوں میں سے
اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿١٤٠﴾
جب بھاگ کر پہنچا اُس بھری کشتی پر
فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿١٤١﴾
پھر قرعہ ڈلوایا تو نکلا خطاوار ☆

کشتی دریا میں چکر کھانے لگی، لوگوں نے کہا کہ اس میں کوئی غلام ہے اپنے مالک سے بھاگا ہوا، سب کے ناموں پر کئی مرتبہ قرعہ ڈالا، ہر مرتبہ اُن کا نام نکلا یہ قصہ سورۂ ''یونس'' اور سورۂ ''انبیاء'' میں مفصل گذر چکا ہے وہاں اس کی تحقیق ملاحظہ کی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت یونس علیہ السلام کی آزمائش:

امام احمد نے زہد میں اور عبدالرزاق، عبد بن حمید اور ابن المنذر نے طاؤس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کو عذاب آنے کی دھمکی دی (اور نزول کا دن مقرر کر دیا اور اس مقرر وقت پر عذاب نہیں آیا عذاب آنے میں تاخیر ہوگئی) تو آپ اللہ کا حکم ملنے سے پہلے نکل کھڑے ہوئے اور بھاگ کر ایک کشتی پر جا کر سوار ہو گئے لیکن وہ کوشش کے بعد بھی) اڑ کر کھڑی ہوگئی ملاحوں نے کہا کشتی میں کوئی بھاگا ہوا غلام موجود ہے چنانچہ قرعہ اندازی کی گئی اور یونس علیہ السلام کا نام پر قرعہ نکل آیا (اور آپ مفرور غلام قرار پاگئے)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور وہب بن منبہ کا قول آیا

ہے کہ تین بار لوگوں نے قرعہ ڈالا اور ہر مرتبہ یونس علیہ السلام کا نام نکلا، بغوی نے لکھا ہے یہ بھی مروی ہے کہ جب آپ سمندر پر پہنچے تو آپ کے ساتھ بیوی اور آپ کے دولڑ کے تھے کشتی آئی آپ نے پہلے سوار ہونے کے لئے بیوی کو آگے بڑھایا لیکن سوار کرتے کرتے ایک لہر بیچ میں آگئی (جو بیوی کو بہا کر لے گئی) پھر دوسری ایک لہر آئی جو بڑے بیٹے کو پکڑ کر لے گئی چھوٹا بیٹا (کنارہ پر) اکیلا رہ گیا تھا اس کو بھیڑیا لے گیا اتنے میں ایک اور کشتی آگئی آپ اس میں تنہا سوار ہو گئے اور لوگوں سے الگ ایک گوشہ میں بیٹھ گئے کشتی روانہ ہوگئی لیکن بیچ سمندر میں پہنچ کر اڑ کر رک گئی اور کشتی والوں نے قرعہ ڈالا۔ ہم نے سورۂ یونس میں پورا قصہ بیان کر دیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قرعہ اندازی کا حکم:

یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قرعہ اندازی کے ذریعہ نہ کسی کا حق ثابت کیا جا سکتا ہے نہ کسی کو مجرم قرار دیا جا سکتا ہے، مثلاً قرعہ کے ذریعے کسی کو چور ثابت نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح اگر دو آدمیوں میں یہ اختلاف ہو کہ فلاں جائیداد کس کی ملکیت ہے تو قرعہ کے ذریعہ اس کا فیصلہ نہیں ہو سکتا، ہاں قرعہ اندازی اس موقع پر جائز بلکہ بہتر ہے جہاں ایک شخص کو شرعاً مکمل اختیار حاصل ہو کہ وہ چند جائز راستوں میں سے کسی بھی راستے کو اختیار کر لے، اب وہ اپنی مرضی سے کوئی راستہ متعین کرنے کے بجائے قرعہ ڈال کر فیصلہ کرے، مثلاً جس شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں اُسے سفر میں جاتے وقت یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جس بیوی کو چاہے ساتھ لے جائے اب وہ اپنی مرضی سے ایسا کرنے کے بجائے قرعہ اندازی کر لے تو بہتر ہے، تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو، آنحضرت ﷺ کا یہی معمول تھا۔

حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ میں بھی قرعہ اندازی سے کسی کو مجرم ثابت کرنا مقصود نہیں تھا، بلکہ پوری کشتی کو بچانے کیلئے کسی کو بھی دریا میں ڈالا جا سکتا تھا، قرعہ کے ذریعہ اس کی تعیین کی گئی۔ (معارف مفتی اعظم)

فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿۱۴۲﴾
پھر لقمہ کیا اُس کو مچھلی نے اور وہ الزام کھایا ہوا تھا ☆

الزام: الزام یہ ہی تھا کہ خطائے اجتہادی سے حکم الٰہی کا انتظار کئے بغیر بستی سے نکل پڑے اور عذاب کے دن کی تعیین کر دی۔ (تفسیر عثمانی)

انبیاء علیہم السلام کا مقام: حضرات انبیاء کا درجہ سب سے اعلیٰ اور ارفع ہے اس لئے ان کی خطاء اجتہادی اور سہو و نسیان پر بھی مواخذہ اور ملامت ہوتی ہے حسنات الابرار سیئات المقربین یعنی ابرار کے مرتبہ میں جو امور حسنات ہیں وہ مقربین کے درجہ میں سیئات ہیں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ عالم غیب سے مچھلی کو آواز آئی اے مچھلی ہم نے یونس کو تیرے لئے رزق نہیں بنایا بلکہ تجھ کو اسکے لئے مکان حفاظت اور مسجد بنایا۔ تفسیر قرطبی (معارف کاندھلوی)

فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ﴿۱۴۳﴾
پھر اگر نہ ہوتی یہ بات کہ وہ یاد کرتا تھا پاک ذات کو
لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿۱۴۴﴾
تو رہتا اُسی کے پیٹ میں جس دن تک کہ مردے زندہ ہوں ☆

تسبیح کی برکت:

یعنی چونکہ مچھلی کے پیٹ میں بھی اور پیٹ میں جانے سے پہلے بھی اللہ پاک کو بہت یاد کرتا تھا اس لئے ہم نے اس کو جلدی نجات دے دی۔ ورنہ قیامت تک اس کے پیٹ سے نکلنا نصیب نہ ہوتا مچھلی کی غذا بن جاتا (تنبیہ) "لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ" "الی آخره" کنایہ ہے کبھی نہ نکلنے سے اور یہ واقعہ دریائے "فرات" کا ہے۔ علامہ محمود آلوسی بغدادی نے لکھا ہے کہ ہم نے خود اس دریا میں بہت بڑی بڑی مچھلیاں مشاہدہ کی ہیں تعجب نہ کیا جائے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ شکم ماہی میں ان کی تسبیح یہ تھی "لَّا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ"

فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ ﴿۱۴۵﴾
پھر ڈال دیا ہم نے اس کو چٹیل میدان میں اور وہ بیمار تھا
وَأَنبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّن يَقْطِينٍ ﴿۱۴۶﴾
اور اُگایا ہم نے اُس پر ایک درخت بیل والا ☆

مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا:

مچھلی کو حکم ہوا اس نے حضرت یونس کو اپنے پیٹ سے نکال کر ایک کھلے میدان میں ڈال دیا غالباً کافی غذا وہوا وغیرہ نہ پہنچنے کی وجہ سے بیمار اور نحیف ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ دھوپ کی شعاع اور مکھی وغیرہ کا بدن پر بیٹھنا بھی ناگوار ہوتا تھا اللہ کی قدرت سے وہاں کدو کی بیل اگ آئی۔ اس کے پتوں نے ان کے جسم پر سایہ کر لیا اور اسی طرح قدرت خداوندی سے غذا وغیرہ کا سامان بھی ہو گیا۔ (تفسیر عثمانی)

مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی مدت:

ابن جریج کا قول اور عبد بن حمید و ابن المنذر کی روایت میں عکرمہ کا قول آیا کہ دن کے کچھ حصہ میں یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں رہے، ابن ابی حاتم، حاکم اور بغوی نے شعبی کا قول نقل کیا ہے کہ چاشت کے وقت (دن چڑھے) مچھلی نے نگلا تھا اور شام کو اگل دیا۔

کیا انبیاء کی کسی لغزش کا بیان کرنا جائز ہے:

کسی نبی کی کسی لغزش کا ذکر جائز نہیں کیونکہ انبیاء کی

لغزشیں تو اللہ کی طرف مزید رجوع کرنے اور مراتب میں ترقی پانے کی موجب ہوتی ہیں جس نے کسی نبی پر اعتراض کیا وہ کافر ہو گیا اللہ نے (مومنوں کو یہ کہنے کا حکم دیا اور) فرمایا ہے لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی بندہ کیلئے یہ کہنا جائز نہیں کہ میں یونس علیہ السلام بن متی سے افضل ہوں (متفق علیہ) بخاری کی روایت میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے یہ کہا کہ میں یونس علیہ السلام بن متی سے افضل ہوں اس نے غلط کہا۔

افضلیت انبیاء کا مسئلہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی میں باہم گالی گلوچ ہوئی مسلمان نے کہا قسم ہے اس کی جس نے محمد ﷺ کو سارے عالم والوں پر برتری عطا فرمائی یہودی بولا قسم ہے اس کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو سارے جہان والوں پر فضیلت عنایت کی، یہ سنتے ہی مسلمان نے ہاتھ اٹھا کر یہودی کے منہ پر ایک طمانچہ مار دیا یہودی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کیفیت واقعہ عرض کی اس کے اور مسلمان کے درمیان جو ماجرا ہوا تھا بیان کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے اس مسلمان کو طلب فرمایا اور واقعہ دریافت کیا مسلمان نے بتا دیا حضور ﷺ نے فرمایا مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت مت دو کیونکہ قیامت کے دن جب (سب) لوگ بے ہوش جائیں گے تو میں بھی ان کے ساتھ بے ہوش ہو جاؤں گا پھر سب سے پہلے میں ہی ہوش میں آؤں گا اور دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا ایک کنارہ پکڑے (کھڑے) ہیں مجھے نہیں معلوم کہ وہ بیہوش ہونے والوں میں شامل تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا اس مخلوق میں شامل تھے جن کو اللہ نے بیہوش ہونے سے مستثنیٰ کر دیا ہوگا۔

ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے نہیں معلوم کہ موسیٰ علیہ السلام کو طور کے اوپر والی بے ہوشی کی مجرائی دے دی گئی (اور قیامت کے دن صور کی آواز سے وہ بے ہوش نہیں ہوئے) یا مجھ سے پہلے اٹھ کھڑے ہوئے اور میں نہیں کہتا کہ کوئی بھی یونس علیہ السلام بن متی سے افضل ہے۔

حضرت ابو سعیدؓ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انبیاء کو باہم ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دو۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ کے نبیوں کو باہم فضیلت نہ دو۔

حضرت جابر بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قائد المرسلین (پیغمبروں کا لیڈر) ہوں اور کوئی فخر نہیں میں ہی خاتم النبیین ہوں اور کوئی فخر نہیں، میں ہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں گا اور سب سے پہلے مقبول الشفاعت ہوں گا اور کوئی فخر نہیں۔ (رواہ الدارمی)

میں کہتا ہوں تفضیل بین الانبیاء کی ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ جب تک من جانب اللہ (وحی کے ذریعے سے) یقینی علم حاصل نہ ہو جائے اس وقت تک اپنی رائے اور گمان سے ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دو لیکن جب وحی کے ذریعے سے ایک کی دوسرے پر فضیلت ثابت ہو جائے تو بعض کو بعض سے افضل قرار دینے میں کوئی حرج نہیں۔ (تفسیر مظہری)

> وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾
>
> اور بھیجا اس کو لاکھ آدمیوں پر یا اس سے زیادہ ☆

قوم یونس کی تعداد:

یعنی اگر صرف عاقل بالغ کو گنتے تو لاکھ تھے اور اگر سب چھوٹوں بڑوں کو شامل گنتے تو زیادہ تھے یا یوں کہو کہ ایک لاکھ سے گزر کر دو لاکھ تک نہیں پہنچے تھے۔ ہزار کی کسر نہ لگاؤ تو ایک لاکھ کہہ لو اور کسر لگائی جائے تو لاکھ کے اوپر چند ہزار زائد ہوں گے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اور حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ یہاں شک کا اظہار مقصود نہیں ہے، انہیں ایک لاکھ بھی کہا جا سکتا ہے اور اس سے زیادہ بھی، اور وہ اس طرح کہ اگر کسر کا لحاظ نہ کیا جائے تو ان کی تعداد ایک لاکھ تھی، اور اگر کسر کو بھی شمار کیا جائے تو ایک لاکھ سے زیادہ۔ (بیان القرآن) (معارف مفتی اعظم)

> فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾
>
> پھر وہ یقین لائے، پھر ہم نے فائدہ اٹھانے دیا ان کو ایک وقت تک ☆

ایمان کی وجہ سے نجات:

یعنی ایمان و یقین کی بدولت عذاب الٰہی سے بچ گئے اور اپنی عمر مقدر تک دنیا کا فائدہ اٹھاتے رہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "وہی قوم جس سے بھاگے تھے ان پر ایمان لا رہی تھی۔ ڈھونڈتی تھی کہ یہ جا پہنچے ان کو بڑی خوشی ہوئی" یہ قصہ پہلے گزر چکا ہے۔ سورہ "یونس" اور سورہ "انبیاء" میں دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

قادیانی کی تلبیس کا جواب:

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم پر سے جو عذاب ٹلایا گیا وہ اس لئے کہ آپ کی قوم بروقت ایمان لے آئی تھی، اس سے پنجاب کے جھوٹے نبی مرزا غلام احمد قادیانی کی اس تلبیس کا خاتمہ ہو جاتا ہے کہ جب اس نے اپنے مخالفوں کو یہ چیلنج کیا کہ اگر وہ اسی طرح مخالفت کرتے رہے تو خدا کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ فلاں وقت تک عذاب الٰہی آ جائے گا، لیکن مخالفین کی جدوجہد اور تیز ہو گئی پھر

بھی عذاب نہ آیا تب ناکامی کی ذلت سے بچنے کیلئے قادیانی نے کہنا شروع کر دیا چونکہ مخالفین دل میں ڈر گئے ہیں اس لئے ان پر سے عذاب ٹل گیا جس طرح یونس علیہ السلام کی قوم پر سے ٹل گیا تھا، لیکن قرآن کریم کی یہ آیت اس تاویل باطل کو مردود قرار دیتی ہے اس لئے کہ قوم یونس علیہ السلام تو ایمان کی وجہ سے عذاب سے بچی تھی، اس کے برعکس مرزا قادیانی کے مخالفین نہ صرف یہ کہ ایمان نہیں لائے بلکہ ان کی مخالفانہ جدوجہد اور تیز ہوگئی۔ (معارف مفتی اعظم)

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾

اب ان سے پوچھ کیا تیرے رب کے یہاں بیٹیاں ہیں اور ان کے یہاں بیٹے

اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

یا ہم نے بنایا فرشتوں کو عورت اور وہ دیکھتے تھے

اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

سنتا ہے وہ اپنا جھوٹ بنایا کہتے ہیں کہ

وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

اللہ کے اولاد ہوئی اور وہ بیشک جھوٹے ہیں ☆

سب اللہ کی مخلوق اور محتاج ہیں:

یعنی انبیاء کا حال تو سن لیا کہ "حضرت نوح، ابراہیم، اسمٰعیل، موسیٰ، ہارون، الیاس، لوط، یونس علیہم السلام" سب کی مشکلات اللہ کی امداد و اعانت سے حل ہوئیں۔ کوئی بڑے سے بڑا مقرب اس کی دستگیری سے بے نیاز نہیں۔ اب آگے تھوڑا سا فرشتوں اور جنوں کا حال سن لو جن کی نسبت خدا جانے کیا کیا واہی تباہی عقیدے تراش کر رکھے ہیں۔ چنانچہ عرب کے بعض قبائل کہتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ جب پوچھا جاتا کہ ان کی مائیں کون ہیں تو بڑے بڑے جنوں کی لڑکیوں کو بتلاتے۔ اسطرح (العیاذ باللہ) خدا کا ناطہ جنوں اور فرشتوں دونوں سے جوڑ رکھا تھا۔ آگے دونوں کا حال ذکر کیا جاتا ہے مگر اس سے پہلے بطور طوطیہ وتمہید کفار عرب کے اس لچر پوچ عقیدہ کا رد کیا گیا ہے۔ چنانچہ ابتدائے سورۃ سے اپنی عظمت و وحدانیت کے دلائل اور قصص کے ضمن میں اپنی قدرت قاہرہ کے آثار بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اب ذرا ان احمقوں سے پوچھیئے کیا اتنی بڑی عظمت و قدرت والا خدا (معاذ اللہ) اپنے لئے اولاد بھی تجویز کرتا ہے تو بیٹیاں لیتا اور تم کو بیٹے دیتا۔ ایک تو یہ گستاخی کہ خداوند قدوس کے لئے اولاد تجویز کی، اور پھر اولاد بھی کمزور اور گھٹیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ فرشتوں کو مونث (عورت) تجویز کیا۔ کیا جس وقت ہم نے فرشتوں کو پیدا کیا تھا یہ کھڑے دیکھ رہے تھے کہ انہیں عورت بنایا گیا ہے (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) اس جہالت کیا ٹھکانا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فاسد خیالات:

مشرکین نے جب یہ بکنا شروع کیا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں تو حضرت ابوبکر نے کہا کہ ارے کم بختو بتلاؤ کہ ان کی مائیں کون ہیں تو بولے کہ سرداران جن کی بیٹیاں ان کی مائیں ہیں، بعض قبائل عرب کا یہ خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سرداران جن کی عورتوں کو اپنی جورو بنایا اور ان سے یہ فرشتے پیدا ہوئے جیسا کہ ہنود کے بھی دیوی اور دیوتاؤں کے متعلق ایسے ہی خیالات فاسدہ ہیں۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ دشمنان خدا (یعنی مجوس) یہ کہتے ہیں کہ یزدان اور اہرمن یعنی اللہ تعالیٰ اور ابلیس دونوں بھائی بھائی ہیں۔ تعالی اللہ عن ذلک علوا تفسیر ابن کثیر (معارف کاندھلوی)

کفار عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، اور جنات کی سردار زادیاں فرشتوں کی مائیں ہیں، بقول علامہ واحدیؒ یہ عقیدہ قریش کے علاوہ جہینہ، بنوسلمہ، بنوخزاعہ اور بنوملیح کے یہاں بھی رائج تھا۔ (تفسیر کبیر ص۱۶۱ج۷) (معارف مفتی اعظم)

اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

کیا اس نے پسند کیں بیٹیاں بیٹوں سے

مَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾

کیا ہوگیا ہے تم کو کیسا انصاف کرتے ہو کیا تم دھیان نہیں کرتے ہو ☆

بے تکا عقیدہ: یعنی کچھ تو سوچو عیب کرنے کو بھی ہنر چاہئے۔ ایک غلط عقیدہ بنانا تھا تو ایسا بالکل ہی بے تکا نہ ہونا چاہئے تھا۔ یہ کونسا انصاف ہے کہ اپنے لئے تو بیٹے پسند کرو اور خدا سے بیٹیاں پسند کراؤ۔

اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾

یا تمہارے پاس کوئی سند ہے کھلی

فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾

تو لاؤ اپنی کتاب اگر ہو تم سچے ☆

مشرکین کے پاس دلیل بھی کوئی نہیں:

یعنی آخر یہ مہمل اور بے تکی بات نکالی کہاں سے۔ عقل وفہم اور علمی اصول سے تو اس کو لگاؤ نہیں۔ پھر کیا کوئی نقلی سند اس عقیدہ کی رکھتے ہو۔ ایسا ہے تو بسم اللہ وہ ہی دکھلاؤ۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ

اور ٹھہرایا ہے انہوں نے خدا میں اور جنوں میں ناتا

وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

اور جنوں کو تو معلوم ہے کہ تحقیق وہ پکڑے ہوئے آئینگے

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

اللہ پاک ہے اُن باتوں سے جو یہ بتاتے ہیں ☆

جن اللہ سے ڈرتے ہیں:

یعنی احمقوں نے جنوں کے ساتھ (معاذ اللہ) دامادی کا رشتہ قائم کر دیا۔ سبحان اللہ کیا باتیں کرتے ہیں موقع۔ ملے تو ذرا ان جنوں سے پوچھ آؤ کہ وہ خود اپنی نسبت کیا سمجھتے ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ دوسرے مجرموں کی طرح وہ بھی اللہ کے روبرو پکڑے ہوئے آئیں گے۔ کیا داماد کا سسرال کے ساتھ یہ ہی معاملہ ہوتا ہے۔ بعض سلف نے نسب سے مراد یہ لی ہے کہ وہ لوگ شیاطین الجن کو اللہ تعالیٰ کا حریف و مقابل سمجھتے تھے (۲) جیسے مجوس ''یزدان'' اور ''اہرمن'' کے قائل ہیں یعنی ایک نیکی کا خدا دوسرا بدی کا۔ (تفسیر عثمانی)

سببِ نزول:

جُویبر کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس ﷺ نے فرمایا یہ آیت قریش کے تین قبائل کے متعلق نازل ہوئی، سلیم، خزاعہ اور جہینہ۔

جن کا معنی:

مجاہد اور قتادہ نے کہا الجنۃ سے مراد ملائکہ ہیں فرشتے (انسان کی) نظروں سے پوشیدہ رہتے ہیں اس لئے ان کو الجنۃ فرمایا (جن کا معنی ہے پوشیدہ ہونا) میں کہتا ہوں ملائکہ کو الجنۃ کے لفظ سے ذکر کرنا یہ بات بتا رہا ہے کہ وہ ابنیت خدا کے سزاوار نہیں۔

مشرکین کے غلط خیالات:

حضرت ابن عباس ﷺ نے فرمایا ملائکہ کا ہی ایک خاص گروہ ہے جن میں سے ابلیس بھی ہے ان کو جن کہا جاتا ہے انہیں کو وہ لوگ اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔

کلبی نے کہا ان کا قول تھا کہ خدا نے کسی جنی عورت سے اپنا جوڑا لگا لیا اور اس سے ملائکہ پیدا ہوگئے۔ (نعوذ باللہ منہا)

بعض قریشیوں نے جب ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں کہا تو حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے پوچھا ان کی مائیں کون ہیں بولے جنات کی شریف ترین اعلیٰ عورتیں (یعنی پریاں) ان کی مائیں ہیں۔ کذا اخرج البیہقی فی شعب الایمان مجاہد۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابن عباس ﷺ، حسن بصریؒ اور ضحاکؒ سے منقول ہے، اور وہ یہ کہ بعض اہل عرب کا عقیدہ یہ تھا کہ معاذ اللہ ابلیس اللہ تعالیٰ کا بھائی ہے، اللہ تعالیٰ خالق خیر ہے اور وہ خالق شر، یہاں اسی باطل عقیدے کی تردید کی گئی ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیرؒ و قرطبیؒ و تفسیر کبیر)

وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ (اور جنات کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ گرفتار ہوں گے) ''وہ'' سے مراد ایسے مشرکین بھی ہو سکتے ہیں جو جنات اور شیاطین کو خدا کا ہمسر قرار دیتے تھے اور خود جنات بھی، دوسری صورت میں مطلب یہ ہے کہ جن شیاطین اور جنات کو تم نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرا رکھا ہے وہ خود اچھی طرح جانتے ہیں کہ آخرت میں ان کا برا حشر ہونے والا ہے، مثلاً ابلیس، کہ وہ اپنے انجام بد سے خوب واقف ہے، اب جو خود یقین رکھتا ہو کہ مجھے مبتلائے عذاب ہونا ہے اُسے خدا کا ہمسر قرار دینا کتنی بڑی حماقت ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

إِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾

مگر جو بندے ہیں اللہ کے چنے ہوئے ☆

اخلاص و بندگی کام آئے گی:

یعنی جن میں سے ہوں یا آدمیوں میں سے اللہ کے چنے ہوئے بندے ہی اس پکڑ دھکڑ سے آزاد ہیں۔ معلوم ہوا وہاں کسی کا رشتہ ناتا نہیں۔ صرف بندگی اور اخلاص کی پوچھ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَإِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾

سو تم اور جن کو تم پوجتے ہو

مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفَاتِنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾

کسی کو اُس کے ہاتھ سے بہکا کر نہیں لے سکتے

إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾

مگر اُسی کو جو پہنچنے والا ہے دوزخ میں ☆

سب اللہ کے اختیار میں ہے:

بہت لوگ سمجھتے ہیں کہ جنوں کے ہاتھ میں بدی کی اور فرشتوں کے ہاتھ میں نیکی کی باگ ہے۔ یہ جس کو چاہیں بھلائی پہنچائیں اور خدا کا مقرب بنا دیں اور وہ جسے چاہیں برائی اور تکلیف میں ڈال دیں یا گمراہ کر دیں۔ شاید ان ہی مفروضہ اختیارات کی بنا پر انہیں اولاد یا سسرال بنایا ہوگا۔ اس کا جواب دیا کہ تمہارے اور ان کے ہاتھ میں کوئی مستقل اختیار نہیں۔ تم اور جن شیاطین کو تم پوجتے ہو سب مل کر یہ قدرت نہیں رکھتے کہ بدون مشیت ایزدی ایک متنفس کو بھی زبردستی گمراہ کر سکو۔ گمراہ وہ ہی ہوگا جسے اللہ نے اسکے سوئے استعداد کی بناء پر دوزخی لکھ دیا اور اپنی بدکاری کی وجہ سے از خود دوزخ میں پہنچ گیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾

اور ہم میں سے جو ہے اُس کا ایک ٹھکانا ہے مقرر ☆

فرشتوں کا کلام:

یہ کلام اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف سے گویا ان کی زبان سے فر

جیسے بہت جگہ آدمیوں کی زبان سے دعائیں فرمائی ہیں۔ یعنی ہر فرشتہ کی ایک حد مقرر ہے۔ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ یہ اس پر فرمایا کہ کافر کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں جنوں کی عورتوں سے پیدا ہوئیں۔ سو جنوں کو اپنا حال خوب معلوم ہے اور فرشتے یوں کہتے ہیں کہ ان کو بھی حکم الٰہی سے ذرا تجاوز کرنے کی گنجائش نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

انسان اور ملائکہ کا فرق:

ابوبکر وراق نے کہا مقام عبودیت مراد ہے جیسے خوف، امید، محبت، رضا میں کہتا ہوں (یہ بات تو صرف ملائکہ کیلئے ہے) انسان مراتب قرب میں برابر ترقی کرتا رہتا ہے رسول اللہ ﷺ نے اللہ کا ارشاد نقل کیا میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے میرے قریب ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ مجھے اس سے محبت ہو جاتی ہے، الخ۔ رواہ البخاری عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

ملائکہ اپنے معیّن درجہ سے آگے نہیں بڑھ سکتے، حضرت زرارہ رضی اللہ عنہ بن ابی اوفی راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے جبرئیل علیہ السلام نے یہ سنتے ہی بازو پھڑ پھڑائے (یعنی خوف کی وجہ سے ان پر لرزہ طاری ہو گیا) اور کہا محمد ﷺ میرے اور اس کے درمیان تو ستر ہزار نوری حجاب حائل ہیں ان پردوں میں سے اگر میں کسی کے قریب بھی پہنچ جاؤں تو جل جاؤں، ہکذا فی المصابیح، ابونعیم نے حلیہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے، لیکن اس روایت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بازو پھڑ پھڑانے کا ذکر نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے جب سے اسرافیل علیہ السلام کو پیدا کیا ہے اسی وقت سے وہ برابر اپنے قدموں پر کھڑا ہے نظر اوپر نہیں اٹھاتا اس کے اور رب کے درمیان ستر نور (یعنی نوری پردے) حائل ہیں اگر ایک کے بھی قریب چلا جائے تو جل جائے۔ رواہ الترمذی وصححہ۔ (تفسیر مظہری)

وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾
اور ہم ہی ہیں صف باندھنے والے ☆

نماز میں صف بندی:

یعنی اپنی اپنی حد پر ہر کوئی اللہ کی بندگی اور اُس کا حکم سننے کے لئے کھڑا رہتا ہے، مجال نہیں آگے پیچھے سرک جائے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن ابی حاتم نے یزید بن مالک کی روایت سے بیان کیا کہ لوگ منتشر طور پر نماز پڑھا کرتے تھے (یعنی قطار نہیں بناتے تھے) جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو صف بندی کا حکم دے دیا۔

مسلم نے حضرت جابر بن سمرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم ملائکہ کی صفوں کی طرح صف بندی کیوں نہیں کرتے، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ملائکہ کیسے صف بندی کرتے ہیں فرمایا ملائکہ اپنے رب کے سامنے اس طرح صف بندی کرتے ہیں کہ اگلی صفوں کو پورا (پورا) بھر دیتے ہیں اور باہم مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ ادائے طاعت کے وقت ہم اپنے قدموں کو صف بستہ رکھتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾
اور ہم ہی ہیں پاکی بیان کرنیوالے ☆

یہاں تک فرشتوں کا کلام ختم ہوا، آگے اہل مکہ کا حال بیان فرماتے ہیں۔

وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾
اور یہ تو کہا کرتے تھے
لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾
اگر ہمارے پاس کچھ احوال ہوتا پہلے لوگوں کا
لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۹﴾
تو ہم ہوتے بندے اللہ کے چنے ہوئے
فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾
سو اُس سے منکر ہو گئے، اب آگے جان لینگے ☆

بے حقیقت تمنائیں: عرب لوگ انبیاء کے نام سنتے تھے ان کے علم سے خبردار نہ تھے تو یہ کہتے یعنی اگر ہم کو پہلے لوگوں کے علوم حاصل ہوتے یا ہمارے ہاں کوئی کتاب اور نصیحت کی بات اترتی تو ہم خوب عمل کر کے دکھلاتے اور معرفت وعبادت میں ترقی کر کے اللہ کے مخصوص ومنتخب بندوں میں شامل ہو جاتے۔ اب جو ان کے اندر نبی آیا تو پھر گئے وہ قول وقرار کچھ یاد نہ رکھا۔ سو اس انکار وانحراف کا جو انجام ہونے والا ہے عنقریب دیکھ لیں گے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾
اور پہلے ہو چکا ہمارا حکم اپنے بندوں کے حق میں جو کہ رسول ہیں
اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾
بے شک انہی کو مدد دی جاتی ہے
وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾
اور ہمارا لشکر جو ہے بیشک وہی غالب ہے ☆

آخر کار فتح حق والوں کی ہوتی ہے:

یعنی یہ بات علم الٰہی میں ٹھہر چکی ہے کہ منکرین کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو مدد پہنچاتا ہے اور آخر کار خدائی لشکر ہی غالب ہو کر رہتا ہے خواہ درمیان میں حالات کتنے ہی پلٹے کھائیں۔ مگر آخری فتح اور کامیابی مخلص بندوں ہی کے لئے ہے۔ باعتبار حجت و برہان کے بھی اور باعتبار ظاہری تسلط وغلبہ کے بھی۔ ہاں شرط یہ ہے کہ جندنا الواقع جند اللہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ ازالۃ الخفاء میں آیت ہذا یعنی وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں یعنی روز اول میں ہمارا وعدہ اپنے برگزیدہ بندوں انبیاء و مرسلین سے متحقق ہو چکا ہے کہ تحقیق دشمن کے مقابلہ میں وہ ضرور مظفر و منصور ہوں گے اور بلاشبہ ہمارا ہی لشکر غالب آنے والا ہے اس آیت میں مرسلین سے وہ رُسل مراد ہیں جو کفار سے جہاد و قتال کے لئے مبعوث اور مامور ہوئے اور لشکر سے ان کے اصحاب اور تابعین مراد ہیں جن کے دل میں داعیہ، نصرت رُسل اور اعلاء کلمۃ اللہ ڈالا گیا خواہ مرسلین کی موجودگی میں ہوا اور خواہ ان کے وصال کے بعد جیسے صحابہ کرام کہ وہ اللہ کا لشکر تھے اور حق تعالیٰ نے جو وعدہ نبی کریم ﷺ سے اور آپ کے متبعین سے مظفر و منصور ہو جانے کا فرمایا تھا وہ دنیا نے بچشم خود دیکھ لیا کہ آنحضرت ﷺ کے اصحاب میں سے ایک خاص گروہ کے دل میں داعیہ اعلاء کلمۃ اللہ ڈالا گیا اور وہ مظفر و منصور بھی ہوئے تو بالبداہت معلوم ہو گیا کہ صحابہ کرام جند اللہ کا مصداق تھے اور اس وعدے سے مشرف اور ممتاز ہوئے اور آپ کے وصال کے بعد خلفاء راشدین کے ہاتھ پر جو فتوحات ظاہر ہوئے وہ اسی سابقہ وعدہ نصرت وغلبہ کی تکمیل تھی۔ (ازالۃ الخفاء) (معارف کاندھلوی)

نفس اور شیطان سے جہاد:

جب انسان اپنے آپ کو ''اللہ کے لشکر'' کا ایک فرد بنالے، جس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ وہ ہر شعبہ زندگی میں اللہ کی اطاعت کو اپنا مقصد حیات بنائے ہوئے ہو، یہاں ''جُندَنا'' (ہمارا لشکر) کا لفظ بتا رہا ہے کہ جو شخص اسلام قبول کرے اُسے اپنی زندگی نفس اور شیطان کی طاقتوں سے جنگ کرنے میں خرچ کرنے کا معاہدہ ہوگا، اور اس کا غلبہ خواہ مادی ہو یا اخلاقی، دنیا میں ہو یا آخرت میں، اسی شرط پر موقوف ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۴﴾

سو تو اُن سے پھر آ ایک وقت تک

وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۵﴾

اور اُن کو دیکھتا رہ کہ وہ آگے دیکھ لیں گے ☆

اہل باطل کی شکست قریب ہے:

یعنی ابھی چند روز انہیں کچھ نہ کہیے صبر کے ساتھ آپ ان کا حال دیکھتے رہیے اور یہ اپنا انجام دیکھ لیں گے چنانچہ دیکھ لیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَبْصِرْهُمْ یعنی اپنے سامنے ان کو مقتول مغلوب اور عذاب میں ماخوذ دیکھ لیجئے مطلب یہ کہ یہ باتیں عنقریب ہونے والی ہیں گویا آپ کے سامنے موجود ہی ہیں، فسوف یبصرون یعنی ہم نے جو آپ ﷺ کی مدد کرنے اور دنیا میں فتح عطا کرنے اور آخرت میں آپ کو ثواب عنایت کرنے اور ان کو عذاب میں ماخوذ کرنے کا وعدہ کیا ہے وہ عنقریب دیکھ لیں گے۔ (تفسیر مظہری)

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ فَاِذَا نَزَلَ

کیا ہماری آفت کو جلد مانگتے ہیں پھر جب اُتر گی

بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۷﴾

ان کے میدان میں تو بُری صبح ہوگی ڈرائے ہوؤں کی ☆

جب عذاب آئے گا تو آنکھیں کھلیں گی:

شاید ''فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ'' سن کر کہا ہوگا کہ پھر دیر کیا ہے ہم کو ہمارا انجام جلدی دکھلا دو، اس کا جواب دیا کہ اپنے اوپر جو آفت لائے جانے کی جلدی مچا رہے ہو جب وہ آئے گی تو بہت برا وقت ہوگا۔ عذاب الٰہی اس طرح آئے گا جیسے کوئی دشمن گھات میں لگا ہوا صبح کے وقت یکا یک میدان میں اتر کر چھاپہ مار جائے۔ عذاب آنے کا وقت یہی حشر ان لوگوں کا ہوگا جنہیں پہلے سے ڈرا سنا کر ہوشیار کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ فتح مکہ وغیرہ میں ایسا ہی ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

صباح کا معنی: صباح سے مراد ہے شبخون مارنے والے لشکر کے حملہ کرنے کی صبح عرب کا حملہ کرنے کا زیادہ قاعدہ یہی تھا کہ آخر شب میں صبح کے قریب چھاپہ مارتے تھے اس لئے چھاپہ مارنے اور لوٹنے کو صباح کہنے لگے خواہ غارت گری کسی وقت ہو۔

خیبر پر حملہ: حضرت انس ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ خیبر کی طرف نکل چلے اور رات کو وہاں پہنچے اور آپ کا قاعدہ تھا کہ رات کو اگر (دشمن) قوم پر پہنچ جاتے تھے تو صبح تک حملہ نہیں کرتے تھے جب صبح ہوئی تو خیبر کے یہودی اپنے پھاوڑے اور ٹوکرے لے کر (شہر کے باہر) نکلے اور جونہی رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو کہنے لگے خدا کی قسم محمد ہیں اور (ان کے ساتھ) پورا لشکر بھی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ اکبر خیبر ویران ہو گیا، ہم جب ان کے صحن میں اتر گئے تو ان لوگوں کا دن بہت برا ہو گیا جن کو (پہلے سے) ڈرا دیا گیا تھا۔ (رواہ البغوی)

صحیحین میں حضرت انس ؓ کا بیان آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ہم کو لے کر کسی قوم پر حملہ (کرنا) چاہتے تھے تو صبح سے پہلے حملہ نہیں کرتے تھے، انتظار کرتے رہتے تھے صبح کو اگر (ان کی آبادی کی طرف سے) اذان کی آواز سن لیتے تھے تو حملہ سے باز رہتے تھے اگر اذان نہیں سنتے تھے تو ان پر حملہ کر دیتے

تھے چنانچہ جب ہم خیبر کی طرف چلے تو رات کو وہاں پہنچے (اور حملہ نہیں کیا) صبح ہوئی اور آپ نے (بستی کے اندر سے) اذان کی آواز نہیں سنی تو سوار ہو گئے میں بھی ابوطلحہ کے پیچھے سوار ہو گیا میرا قدم رسول اللہ ﷺ کے قدم سے لگ لگ جاتا تھا جب وہ اپنے ٹوکرے اور پھاوڑے لے کر نکلے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو کہنے لگے خدا کی قسم محمد ﷺ ہیں اور پورا لشکر بھی ہے پھر جا کر قلعہ بند ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا اللہ اکبر اللہ اکبر خیبر کی ویرانی ہو گئی جب ہم کسی قوم کے صحن میں اترتے ہیں تو اُن لوگوں کیلئے وہ دن بہت برا ہوتا ہے جن کو ڈرا دیا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿١٧٨﴾
اور پھر آ اُن سے ایک وقت تک
وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧٩﴾
اور دیکھتا رہ اب آگے دیکھ لیں گے ☆

شاید پہلا وعدہ دنیا کے عذاب کا تھا اور یہ آخرت کے عذاب کا ہو، یعنی آپ دیکھتے جائیے اب آگے چل کر آخرت میں یہ کافر کیا کچھ دیکھتے ہیں۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٨٠﴾
پاک ذات ہے تیرے رب کی وہ پروردگار عزت والا پاک ہے اُن باتوں سے جو بیان کرتے ہیں
وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٨١﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٨٢﴾
اور سلام ہے رسولوں پر اور سب خوبی ہے اللہ کو جو رب ہے سارے جہان کا ☆

تمام مضامین کا خلاصہ:

خاتمہ سورت پر تمام اصولی مضامین کا خلاصہ کر دیا یعنی اللہ کی ذات تمام عیوب ونقائص سے پاک اور تمام محاسن وکمالات کی جامع ہے۔ سب خوبیاں اسی کی ذات میں مجتمع ہیں اور انبیاء ورسل پر اس کی طرف سے سلام آتا ہے جو ان کی عظمت وعصمت اور سالم ومنصور ہونے کی دلیل ہے (تنبیہ) احادیث سے بعد نماز اور ختم مجلس پر ان آیات کے پڑھنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اس لئے سورہ ہذا کے فوائد کو ان ہی آیات متبرکہ پر ختم کرتا ہوں "اے اللہ میرا خاتمہ بھی اسی عقیدہ محکم پر کیجیو" سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ "تمت فوائد الصافات۔ (تفسیر عثمانی)

امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند سے امام شعبی تابعی کبیر سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ جس شخص کو یہ بات پسند ہو اور اچھی معلوم ہوتی ہو کہ قیامت کے دن بھرپور پیمانہ سے ناپ کر اس کو ثواب دیا جائے گا تو اس کو چاہئے کہ اپنی ہر مجلس کے اخیر میں یہ کہہ لیا کرے۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اور یہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مجلس سے اٹھنے سے پہلے یہ پڑھ لیا کرے سبحان اللّٰھم وبحمدک اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک تا کہ مجلس میں جو اس کی زبان سے نکلا ہے اس کا کفارہ ہو جائے، اس حدیث کا نام حدیث کفارہ مجلس ہے۔ تفسیر ابن کثیر ص۲۶ ج۴ (معارف القرآن کاندھلوی)

نیز ان آیتوں میں اسلام کے بنیادی عقائد توحید اور رسالت کا صراحۃً اور آخرت کا ضمناً ذکر بھی آ گیا ہے جن کا اثبات سورت کا اصل مقصد تھا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ تعلیم بھی دیدی گئی ہے کہ ایک مؤمن کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے ہر مضمون ہر خطبے اور ہر مجلس کا اختتام باری تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنے اور اس کی حمد وثناء پر کرے، چنانچہ علامہ قرطبیؒ نے یہاں اپنی سند سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "میں نے آنحضرت ﷺ سے کئی بار سنا ہے کہ آپ ﷺ نماز ختم ہونے کے بعد یہ آیات تلاوت فرماتے تھے، سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ الخ" (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

العزت غلبہ (عظمت) قوت، رب کی اضافت عزت کی طرف بتا رہی ہے کہ عزت اسی کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے یا ان پیغمبروں اور مؤمنوں کو عزت (واقعی) حاصل ہے جو اللہ سے خصوصی تعلق رکھتے ہیں آیت میں دلالت ہے اس امر پر بھی کہ اللہ کی صفات بذات خود واجب نہیں ذاتِ خداوندی ان صفات کی مقتضی ہے۔

عَمَّا يَصِفُوْنَ یعنی مشرکوں کے اس بیان سے اللہ پاک ہے جو اس سورت میں آیا ہے اور اسی کے ذیل میں اللہ نے اپنی سلبی اور صفات کا ذکر کر دیا ہے اور توحید پر بھی تنبیہ کر دی ہے۔

وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ اور تمام پیغمبروں پر سلام ہو۔

یعنی ان تمام پیغمبروں پر سلام ہے جنہوں نے اللہ کی واقعی صفات بیان کی ہیں اس جملہ میں اللہ کے تمام پیغمبر داخل ہیں سب کیلئے سلامتی ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور ساری خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو رب العلمین ہے یعنی اللہ رب العالمین کیلئے حمد وشکر ہے جس نے پیغمبر بھیج کر اور کتابیں نازل کر کے اور انبیاء کی مدد کر کے اور کافروں کو تباہ کر کے اپنی ذات وصفات کی سچی معرفت مؤمنوں کو عطا فرمائی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے آپ نے فرمایا جو شخص چاہتا ہو کہ قیامت کے دن پورے ناپ سے اس کو اجر ناپ کر دیا جائے اس کا مجلس سے اٹھنے کے وقت آخری کلام سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہونا چاہئے۔ رواہ البغوی فی تفسیرہ وعبد بن رنجویہ فی الترغیب۔ (تفسیر مظہری)

الحمد للہ سورۃ الصافات ختم ہوئی

سُوْرَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ صٓ مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں اٹھاسی آیتیں ہیں اور پانچ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ ۝١ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

صٓ قسم ہے اُس قرآن سمجھانے والے کی بلکہ جو لوگ منکر ہیں

فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝٢

غرور میں ہیں اور مقابلہ میں ☆

قرآن کی شہادت ☆ یعنی یہ عظیم الشان عالی مرتبہ قرآن جو عمدہ نصیحتوں سے پر اور نہایت موثر طرز میں لوگوں کو ہدایت و معرفت کی باتیں سمجھانے والا ہے، باآواز بلند شہادت دے رہا ہے جو لوگ قرآنی صداقت اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے منکر ہیں، اس کا سبب یہ نہیں کہ قرآن کی تعلیم و تفہیم میں کچھ قصور ہے یا حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تبلیغ و تبیین میں معاذ اللہ مقصر ہیں۔ بلکہ انکار وانحراف کا اصلی سبب یہ ہے کہ یہ لوگ جھوٹی شیخی، جاہلانہ غرور ونخوت، اور معاندانہ مخالفت کے جذبات میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ذرا اس دلدل سے نکلیں تو حق وصداقت کی صاف سڑک نظر آئے۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول: امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اور بعض دیگر محدثین نے یہ مضمون نقل کیا ہے کہ ابوطالب جب بیمار ہوئے تو کفار قریش کی ایک جماعت جس میں ابوجہل بھی تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت کرنے آئے کہ محمد ہمارے معبودوں کی ہجو اور توہین کرتے ہیں اور ان کو بہت ہی بُرا بھلا کہتے ہیں۔ ابوطالب نے ان لوگوں کی موجودگی میں آپ سے دریافت کیا۔ تو آپ نے جواباً یہ ارشاد فرمایا میں ان لوگوں سے صرف ایک ہی بات کہتا ہوں کہ اگر مان لیں تو عرب ان کا مطیع ہو جائے۔ اور عجم جزیہ دینے لگیں۔ یہ لوگ پوچھنے لگے۔ ایسی کونسی وہ بات ہے۔ ایک تو کیا ہم دس باتیں ماننے کو تیار ہیں۔ بتایئے تو وہ ایک بات کیا ہے آپ نے فرمایا۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ یہ سُننا تھا کہ وہ سب نہایت برافروختہ اور مشتعل ہو کر کپڑے جھاڑتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہتے جاتے تھے عجیب بات ہے کیا سب معبودوں کو ایک معبود بنا دیا اس پر یہ سورت آیۃ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ تک نازل ہوئی۔ (معارف کاندھلوی)

كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ

بہت غارت کر دیں ہم نے اُن سے پہلے جماعتیں پھر لگے پکارنے

وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ۝٣

اور وقت نہ رہا تھا خلاصی کا ☆

ماضی کے متکبرین کا انجام ☆ یعنی ان کو معلوم رہنا چاہئے کہ اسی غرور وتکبر کی بدولت انبیاء اللہ سے مقابلہ ٹھان کر بہت سی جماعتیں پہلے تباہ و برباد ہو چکی ہیں۔ وہ لوگ بھی مدتوں خدا کے پیغمبروں سے لڑتے رہے، پھر جب بُرا وقت آ کر پڑا اور عذاب الٰہی نے چاروں طرف سے گھیر لیا تو گھبرا کر شور مچانے اور خدا کو پکارنے لگے مگر اس وقت فریاد کرنے سے کیا بنتا۔ رہائی اور خلاصی کا موقع گزر چکا تھا اور وقت نہیں رہا تھا کہ ان کے شور و بکاء کی طرف توجہ کی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

ایک شاعر کہتا ہے۔

وَالْعَاطِفُوْنَ تَحِيْنَ مَا مِنْ عَاطِفٍ
وَالْمُطْعِمُوْنَ زَمَانَ مَا مِنْ مُّطْعِمٍ

وہ ایسے وقت مہربانی کرتے ہیں جب کوئی مہربان موجود نہیں ہوتا اور ایسے وقت کھانا کھلاتے ہیں جب کوئی شخص کھانا کھلانے والا نہیں ہوتا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کفار مکہ جب جنگ کرتے تھے تو لڑائی میں سرمست ہو جاتے تھے اور ایک دوسرے سے کہتا تھا مناص۔ اس پر اللہ نے فرمایا ولات حين مناص یعنی مناص کہنے کا وہ وقت نہ تھا یعنی نہ کوئی جائے پناہ تھی نہ بھاگ جانے کا مقام۔ (تفسیر مظہری)

وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ۡ

اور تعجب کرنے لگے اس بات پر کہ آیا ان کے پاس ایک ڈرسنانے والا انہی میں سے

وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝٤

اور کہنے لگے منکر یہ جادوگر ہے جھوٹا ☆

کافروں کا جھوٹا فلسفہ: ☆ یعنی آسمان سے کوئی فرشتہ آتا تو خیر ایک بات تھی۔ ہم ہی میں سے ایک آدمی کھڑا ہو کر ہم کو ڈرانے دھمکانے لگے اور کہے میں آسمان والے خدا کی طرف سے بھیجا ہوا آیا ہوں، یہ عجیب بات ہے۔ اب بجز اس کے کیا کہا جائے کہ ایک جادوگر نے جھوٹا ڈھونگ بنا کر کھڑا کر دیا ہے۔ جادو کے زور سے کچھ کرشمے دکھا کر انہیں معجزہ کہنے لگے اور چند قصے کہانیاں جمع کر کے جھوٹا دعویٰ کر دیا کہ یہ اللہ کے اتارے ہوئے علوم ہیں اور میں اسکا پیغمبر ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

مُنْذِرٌ مِّنْهُمْ یعنی ایک انسان اور وہ بھی انہیں میں سے پیغمبر ہو کر ان کو ڈرانے آیا ہے۔

وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ اظہار غضب اور مذمت کے لئے اور اس بات پر تنبیہ

کرنے کے لئے کہ کفر نے ہی ان کو ایسا کہنے کی جرأت دلائی بجائے ضمیر کے الکافرون صراحت کے ساتھ فرمایا۔

هٰذَا سٰحِرٌ یعنی اس کے معجزے اسکے جادو کے کرشمے ہیں۔ کَذَّابٌ یعنی نبوت کے دعویٰ میں پکا جھوٹا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ

کیا اُس نے کر دی اتنوں کی بندگی کے بدلے ایک ہی کی بندگی یہ بھی ہے

عُجَابٌ ۝ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا

بڑے تعجب کی بات اور چل کھڑے ہوئے کئی پنچ اُن میں سے کہ چلو اور جمے رہو

عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۚ

اپنے معبودوں پر ☆

☆ یعنی اور لیجیے! اتنے بے شمار دیوتاؤں کا دربار ختم کر کے صرف ایک خدا رہنے دیا۔ اس سے بڑھ کر تعجب کی بات کیا ہوگی کہ اتنے بڑے جہان کا انتظام اکیلے ایک خدا کے سپرد کر دیا جائے۔ اور مختلف شعبوں اور محکموں کے جن خداؤں کی بندگی قرنوں سے ہوتی چلی آتی تھی وہ سب یک قلم موقوف کر دی جائے۔ گویا ہمارے باپ دادے نرے جاہل اور بے وقوف ہی تھے جو اتنے دیوتاؤں کے سامنے سرعبودیت خم کرتے رہے۔ روایات میں ہے کہ ابو طالب کی بیماری میں ابوجہل وغیرہ چند سرداران قریش نے ابو طالب سے آ کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت کی کہ یہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہیں اور ہمیں طرح طرح سے احمق بناتے ہیں۔ آپ ان کو سمجھائیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے چچا میں ان سے صرف ایک کلمہ چاہتا ہوں جس کے بعد تمام عرب ان کا مطیع ہو جائے اور عجم ان کی خدمت میں جزیہ پیش کرنے لگے۔ وہ خوش ہو کر بولے کہ بتلائیے وہ کلمہ کیا ہے؟ آپ ایک کلمہ کہتے ہیں، ہم آپ کے دس کلمے ماننے کے لئے تیار ہیں۔ فرمایا ''زیادہ نہیں بس ایک اور صرف ایک ہی کلمہ ہے'' لا الٰہ الا اللہ''۔ یہ سنتے ہی طیش میں آ کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کیا اتنے خداؤں کو ہٹا کر اکیلا ایک خدا چلو جی! یہ اپنے منصوبے سے کبھی باز نہ آئیں گے۔ یہ تو انہی ہمارے معبودوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہوئے ہیں تم بھی مضبوطی سے اپنے معبودوں کی عبادت وحمایت پر جمے رہو۔ مبادا ان کا پروپیگنڈہ کسی ضعیف الاعتقاد کا قدم پرانے آبائی طریقہ سے ہٹانے میں کامیاب ہو جائے۔ ان کی ان تھک کوشش کے مقابلہ میں ہم کو بہت زیادہ صبر واستقلال دکھانے کی ضرورت ہے۔

انوکھی بات: اَجَعَلَ یہ سوال بطور تعجب ہے یعنی متعدد اور کثیر معبودوں کی جگہ اس نے ایک خدا کی معبودیت کو دیدی یہ کیسی عجیب بات ہے۔ اِنَّ هٰذَا یہ تو بڑی ہی انوکھی بات ہے ہمارے اسلاف کے اجماعی طریقہ کے خلاف ہے ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ ایک کا علم اور قدرت اس قدر ہمہ گیر ہو جو کثیر تعداد کی جگہ پوری پوری لے لے۔

عجیب اور عُجاب کا فرق: بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ انوکھی بات جس کی نظیر ہو عجیب کہلاتی ہے اور بے نظیر ہو تو اس کو عُجاب کہتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۝

بیشک اس بات میں کوئی غرض ہے ☆

☆ یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو اس قدر زور وشور اور عزم واستقلال سے ہمارے معبودوں کے خلاف جہاد کرنے پر تلے ہوئے ہیں ضرور اس میں ان کو کوئی غرض ہے وہ یہ ہی کہ ایک خدا کا نام لے کر ہم کو اپنا محکوم اور مطیع بنا لیں اور دنیا کی حکومت وریاست حاصل کریں۔ سو لازم ہے کہ اس مقصد میں ہم ان کو کامیاب نہ ہونے دیں۔ بعض مفسرین نے ''اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ'' کا مطلب یہ لیا ہے کہ بے شک یہ وہ چیز ہے جس کا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ارادہ ہی کر چکے ہیں۔ کسی طرح اس سے ٹلنے والے نہیں۔ یا یوں کہا جائے کہ یہ بات (معلوم ہوتا ہے) ہونے والی ہے۔ اللہ کو یہ ہی منظور ہے کہ دنیا میں انقلاب ہو لہٰذا جہاں تک ہو سکے صبر وتحمل سے اپنے قدیم دین اور آئین کی حفاظت کرتے رہو یا ممکن ہے کہ از راہ تحقیر کہا ہو کہ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے سب کچھ ہیں لیکن ضروری نہیں کہ آدمی جو ارادہ اور تمنا کرے وہ پوری ہو جائے۔ چاہیے کہ ہم ان کے مقابلہ میں قدم پیچھے نہ ہٹائیں۔ (تفسیر عثمانی)

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ

یہ نہیں سنا ہم نے اس پچھلے دین میں

اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝

اور کچھ نہیں یہ بنائی ہوئی بات ہے ☆

☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ''پچھلا دین کہتے تھے اپنے باپ دادوں کو یعنی آگے تو سنتے ہیں کہ اگلے لوگ ایسی باتیں کہتے تھے پر ہمارے بزرگ تو یوں نہیں کہہ گئے اور ممکن ہے پچھلے دین سے عیسائی مذہب مراد ہو۔ جیسا کہ اکثر سلف کا قول ہے کہ یعنی نصاریٰ جو اہل کتاب ہیں ان کو بھی ہم نے نہیں سنا کہ سب خداؤں کو ہٹا کر ایک ہی خدا رہنے دیا ہو۔ آخر وہ بھی تین خدا تو

مانتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول نہیں مانتے۔ اگر پہلی کتابوں میں کچھ اصل ہوتی تو ضرور قبول کرتے۔ معلوم ہوا ہے کہ محض گھڑی ہوئی بات ہے۔ (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

بھذا یعنی یہ حقیر دعوت توحید جس کے محمد قائل ہیں۔ الملة الاخرہ۔ حضرت ابن عباس کلبی اور مقاتل نے کہا الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ سے مراد عیسائیت ہے آخری (سماوی) مذہب یہی تھا۔ عیسائی بھی توحید کے قائل نہیں (رہے) تھے بلکہ خدا کو تین (اقانیم) میں کا تیسرا کہتے تھے۔ مجاہد نے کہا الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ سے قریش کا مذہب جس پر وہ چلتے تھے مراد ہے یعنی جس مذہب پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا اس میں بھی یہ بات نہیں سنی۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جس مذہب کا انتظار کیا جا رہا تھا اس میں توحید کی تعلیم کا ہونا تو ہم نے نہ اہل کتاب سے سنا نہ کاہنوں سے۔ اختلاق جھوٹی من گھڑت۔ (تفسیر مظہری)

ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا ؕ
کیا اُسی پر اُتری نصیحت ہم سب میں سے ☆

☆ یعنی اچھا قرآن کو اللہ کا کلام ہی مان لو اور یہ بھی نہ سہی کہ آسمان سے کوئی فرشتہ نبی بنا کر بھیجا جاتا مگر یہ کیا غضب ہے کہ ہم سب میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کا انتخاب ہوا۔ کیا سارے ملک میں ایک یہ ہی اس منصب کے لئے رہ گئے تھے اور کوئی بڑا رئیس مالدار خدا کو نہ ملتا تھا جس پر اپنا کلام نازل کرتا۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا
کوئی نہیں اُن کو دھوکا ہے میری نصیحت میں کوئی نہیں ابھی اُنہوں نے چکھی
عَذَابِ ؕ
نہیں میری مار ☆

کافروں کی تردید ☆ یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کی نامعقول یاوہ گوئی کا جواب ہوا۔ یعنی ان کی یہ خرافات کچھ نہیں، بات صرف اتنی ہے کہ ابھی ہماری نصیحت کے متعلق ان کو دھوکا لگا ہوا ہے۔ وہ یقین نہیں رکھتے کہ جس خوفناک مستقبل سے آگاہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور پیش آ کر رہے گا۔ کیونکہ ابھی تک انہوں نے خدائی مار کا مزا نہیں چکھا جس وقت خدائی مار پڑے گی، تمام شکوک وشبہات دور ہو جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ ۚ
کیا اُن کے پاس ہیں خزانے تیرے رب کی مہربانی کے جو کہ زبردست ہے بخشنے والا

اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ فَلْيَرْتَقُوْا
یا اُنکی حکومت ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور جو کچھ اُنکے بیچ میں ہے تو اُنکو چاہئے کہ
فِي الْاَسْبَابِ ۚ
چڑھ جائیں رسیاں تان کر ☆

☆ یعنی رحمت کے خزانے اور آسمان وزمین کی حکومت سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ زبردست ہے اور بڑی بخشش والا ہے۔ جس پر جو انعام چاہے کرے کون روک سکتا ہے یا نکتہ چینی کر سکتا ہے اگر وہ اپنی حکمت ودانائی سے کسی بشر کو منصب نبوت ورسالت پر سرفراز فرماتا ہے تو تم دخل دینے والے کون ہو کہ صاحب اس پر مہربانی فرمائی ہم پر نہ فرمائی۔ کیا رحمت کے خزانوں اور زمین وآسمان کی حکومت کے تم مالک ومختار ہو جو اس قسم کے لغو اعتراضات کرتے ہو۔ اگر ہو تو اپنے تمام اسباب ووسائل کو کام میں لے آؤ اور رسیاں تان کر آسمان پر چڑھ جاؤ تاکہ وہاں سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی کا آنا بند کر سکو اور علویات پر قابض ہو کر اپنی مرضی ومنشاء کے موافق آسمان وزمین کے انتظام وتدبیر کا کام انجام دے سکو۔ اگر اتنا نہیں کر سکتے تو آسمان وزمین کی حکومت اور خزائن رحمت کی مالکیت کا دعویٰ عبث ہے۔ پھر خدائی انتظامات میں دخل دینا بجز بے حیائی یا جنون کے اور کیا ہوگا۔

ع ایاز قدر خود بشناس (تفسیر عثمانی)

جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ۝۱۱
ایک لشکر یہ بھی وہاں تباہ ہوا اُن سب لشکروں میں ☆

یہ مشرکین بے طاقت گروہ ہے ☆ یعنی کچھ بھی نہیں زمین وآسمان کی حکومت اور خزانوں کے مالک تو یہ بیچارے کیا ہوتے، چند ہزیمت خوردہ آدمیوں کی ایک بھیڑ ہے جو اگلی تباہ شدہ قوموں کی طرح تباہ وبرباد ہوتی نظر آتی ہے۔ چنانچہ یہ منظر بدر سے لے کر فتح مکہ تک لوگوں نے دیکھ لیا، حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''یعنی اگلی قومیں برباد ہوئیں اگر چڑھ جائیں تو ان میں یہ بھی برباد ہوں'' گویا اس آیت کا ربط ماقبل سے بتلا دیا۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ کے سامنے مشرک کچھ نہیں: ما ھنالک میں ما اظہار قلت کے لئے ہے (ھنالک سے مراد ہے مکہ) مہزوم شکست خوردہ یعنی عنقریب ان کو شکست ہو جائیگی۔ الاحزاب سے مراد ہیں کافروں کی وہ جماعتیں جو اپنے پیغمبروں کے زمانہ میں ان کے خلاف فرقہ بند ہوگئی تھیں۔ مطلب یہ کہ گذشتہ کافر امتوں کے مقابلہ میں تو مکہ کے کافر ایک کم تعداد شکست پانے والی جماعت ہے پس گذشتہ اقوام کو مغلوب کرکے ہلاک

کر دیا گیا تو ان کے پاس ایسی طاقت کہاں سے آ سکتی ہے کہ اللہ کے انتظام عالم میں یہ دخل دے سکیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس حقیر جماعت کی آپ پرواہ نہ کیجئے۔ قتادہ نے کہا اللہ نے پہلے ہی فرما دیا تھا۔ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ عنقریب کافروں کی جماعت کو شکست ہو جائیگی اور یہ پشت موڑ کر بھاگ جائیں گے چنانچہ اس کا ظہور بدر کے دن ہو گیا۔ هُنَالِكَ سے اشارہ بدر کی لڑائی میں کافروں کی قتل گاہوں کی طرف ہے۔ (تفسیر مظہری)

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ

جھٹلا چکے ہیں اُن سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور فرعون

ذُو الْأَوْتَادِ ﴿۱۲﴾

میخوں والا ☆

ذو الاوتاد کا مطلب ☆ یعنی بہت زور و قوت اور لاؤ لشکر والا جس نے دنیا میں اپنی سلطنت کے کھونٹے گاڑ دیئے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ آدمی کو چومیخا کر کے مارتا تھا اس سے اس کا نام "ذو الاوتاد" (میخوں والا) پڑ گیا واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

فرعون جب کسی پر عتاب کرتا تھا تو اس کو چت کر کے زمین سے کچھ اوپر ہر ہاتھ اور ٹانگ ایک ایک ستون میں ٹھونک دیتا تھا اس طرح وہ چت معلق رہتا تھا نہ اوپر جا سکتا نہ نیچے زمین پر گر سکتا تھا اسی طرح مر جاتا تھا۔ مجاہد اور مقاتل کا (یہ بھی) بیان ہے کہ جس شخص کو سزا دینی ہوتی فرعون اس کو زمین پر چت لٹاتا پھر اس کے ہاتھ پاؤں علیحدہ علیحدہ پھیلا کر چومیخا کر دیتا تھا۔ سدی نے کہا چومیخا مضبوط کر کے بچھو اور سانپ اُس پر چھوڑ دیتا تھا۔ (تفسیر مظہری)

وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَّأَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ

اور ثمود اور لوط کی قوم اور ایکہ کے لوگ ☆

☆ یعنی حضرت شعیب علیہ السلام جس کی طرف مبعوث ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

أُولٰٓئِكَ الْأَحْزَابُ ﴿۱۳﴾ إِنْ كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ

وہ بڑی بڑی فوجیں یہ جتنے تھے سب نے یہی کیا کہ جھٹلایا رسولوں کو

فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۴﴾

پھر ثابت ہوئی میری طرف سے سزا ☆

☆ یعنی یہ بڑی بڑی طاقتور فوجیں بھی رسولوں کو جھٹلا کر سزا سے نہ بچ سکیں، تمہاری تو حقیقت کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ إِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً

اور راہ نہیں دیکھتے یہ لوگ مگر ایک چنگھاڑ کی

مَا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾

جو بیچ میں دم نہ لے گی ☆

☆ یعنی صور کی آواز کے منتظر ہیں، پوری سزا اس وقت ملے گی اور ممکن ہے "صیحہ" سے یہیں کی ایک ڈانٹ مراد ہو۔ (تفسیر عثمانی)

کفار مکہ شقاوت و بدبختی سے یہ کہا کرتے تھے۔ اے اللہ اگر یہ بات حق ہے تیری طرف سے تو پھر ہمارے اوپر آسمان سے پتھروں کی بارش کر دے یا اور کوئی دردناک عذاب ہم پر لے آیئے۔ (معارف کاندھلوی)

وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾

اور کہتے ہیں اے رب جلد دے ہم کو چٹھی ہماری پہلے حساب کے دن سے ☆

☆ یعنی جب وعدہ قیامت سنتے مسخراپن سے کہتے کہ ہم کو تو اس وقت کا حصہ ابھی دیدیجئے ابھی ہم اپنا اعمالنامہ دیکھ لیں اور ہاتھ کے ہاتھ سزا جزاء سے فارغ ہو جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں کا حصہ: سعید بن جبیر نے کہا کافروں کی مراد یہ تھی کہ محمد جس جنت کا ذکر کرتے ہیں اس کے اندر ہمارا جو نصیب اور حصہ ہو وہ ہم کو یہیں دیدے حسن قتادہ مجاہد اور سدی نے کہا ان کا مطلب یہ تھا کہ جس عذاب آخرت کی محمدؐ ہم کو دھمکی دیتے ہیں اس کا ہمارا مقررہ حصہ یہیں دنیا میں ہم کو دیدے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ مجاہد نے قط کا ترجمہ حساب کیا۔ (تفسیر مظہری)

اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُولُونَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ

تو تحمل کرتا رہ اُس پر جو وہ کہتے ہیں اور یاد کر ہمارے بندے داؤد

ذَا الْأَيْدِ ۚ إِنَّهٗٓ أَوَّابٌ ﴿۱۷﴾

قوت والے کو وہ تھا رجوع رہنے والا ☆

حضرت داؤد علیہ السلام کا واقعہ یاد کرو

☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں اس جگہ ان کو داؤد کا قصہ یاد دلوایا کہ انہوں نے بھی طالوت کے عہد حکومت میں بہت صبر کیا، آخر حکومت ان کو ملی اور جالوت وغیرہ مخالفوں کو جہاد سے زیر کیا۔ یہ ہی نقشہ ہوا ہمارے پیغمبر کا (تنبیہ) "ذا الاید" کا ترجمہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ہاتھ کے بل والا کیا ہے یعنی قوت سلطنت، یا ادھر اشارہ ہو کہ ان کے ہاتھ میں لوہا نرم ہو جاتا تھا۔ یا "ہاتھ کا بل" یہ کہ سلطنت کا مال نہ کھاتے اپنے دست و بازو سے کسب کر کے کھاتے اور "اواب" یعنی ہر معاملہ میں اللہ کی طرف رجوع رہتے تھے۔

عبادت کا پسندیدہ طریقہ: چنانچہ صحیحین کی ایک حدیث میں آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نماز داؤد علیہ السلام کی ہے۔ اور سب سے زیادہ پسندیدہ روزے داؤد (علیہ السلام) کے ہیں وہ آدھی رات سوتے' ایک تہائی رات عبادت کرتے اور پھر رات کے چھٹے حصہ میں سو جاتے تھے' اور ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار فرماتے تھے' اور جب دشمن سے ان کا مقابلہ ہو جاتا تو فرار اختیار نہ فرماتے تھے۔ اور بلاشبہ وہ اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے۔'' (تفسیر ابن کثیر)

عبادت کے اس طریقہ کو سب سے زیادہ پسندیدہ اس لئے قرار دیا گیا کہ ایک تو اس میں مشقت زیادہ ہے' ساری عمر روزہ رکھنے سے آدمی روزے کا عادی ہو جاتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد اس میں زیادہ مشقت نہیں رہتی' لیکن ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھنے میں تکلیف مسلسل رہتی ہے' دوسرے اس طریقہ سے انسان عبادت کے ساتھ ساتھ اپنے نفس' اہل وعیال اور متعلقین کے حقوق بھی پوری طرح ادا کر سکتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

علامہ آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی ج ٢٣ میں امام احمد بن حنبل کا نہایت ہی لطیف مضمون بیان کیا ہے کہ مالک بن دینارؒ اس آیت وحسن ومآب کی تفسیر میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے روز حضرت داؤد علیہ السلام کو عرش الٰہی کے سامنے لاکر کھڑا کیا جائے گا پھر حق تعالیٰ کا ارشاد ہوگا۔ اے داؤد آج اس وقت تم میری تسبیح اور کبریائی اسی لحن اور آواز سے بیان کرو جس آواز سے دنیا میں بیان کرتے تھے۔ داؤد علیہ السلام کہیں گے اے پروردگار وہ بات تو دنیا کی زندگی میں تھی جواب نہیں رہی۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے میں وہی صورت تم کو واپس کرتا ہوں اور وہی لحن داؤدی جس سے دُنیا میں پہاڑ اور پرند تمہارے ہمنوا ہو جایا کرتے تھے تم کو عطا کرتا ہوں تو حضرت داؤد علیہ السلام ذکر تسبیح شروع کریں گے جس سے تمام جنتی بیخود ہو جائیں گے۔ پھر ان تمام وجوہ فضیلت کے علاوہ ایک عظمت وبرتری کی وجہ یہ بھی قرآن کریم کی تعبیر سے ظاہر ہے کہ اس قصہ کو حق تعالیٰ نے اس عنوان سے ذکر فرمایا وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ تو یہ عنوان بالکل ایسا ہی ہے جیسا هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۘ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى کہ اے ہمارے پیغمبر کیا آپ کو موسیٰ کی بات پہنچی ہے کہ موسیٰ کو ان کے پروردگار نے وادی مقدس طویٰ میں پکارا تو معلوم ہوا کہ یہ واقعہ "نبؤ الخصم" جو داؤد علیہ السلام کا بیان کیا گیا وہ عظمت وفضیلت میں اسی طرح کا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ کا واقعہ کوہ طور۔ تو ظاہر ہے کہ جو قصہ اس عظمت وتقدس کے عنوان سے بیان کیا جا رہا ہے ہرگز وہ ایسا فحش اور بیہودہ واقعہ نہیں ہو سکتا۔ جس سے ہر حیا رکھنے والا انسان نفرت کرتا ہو اور کیا قرآنی عظمت اس بات کو گوارا کرتی ہے کہ ایسا قصہ اس اہمیت وخصوصیت سے بیان کیا جائے۔ غرض کسی نوعیت سے بھی اس مشہور کردہ واقعہ کی صحت کی کوئی گنجائش نہیں۔ (معارف کاندھلوی)

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ

ہم نے تابع کئے پہاڑ اُسکے ساتھ پاکی بولتے تھے شام کو

وَالْاِشْرَاقِ ۙ (١٨)

اور صبح کو ☆☆

☆☆ یعنی صبح وشام جب حضرت داؤد تسبیح پڑھتے، پہاڑ بھی ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔ اس کے متعلق کچھ مضمون سورۂ "سبا" میں گزر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

نماز چاشت کا حکم: بغوی نے اپنی سند سے اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کے سلسلہ میں فرمایا اس آیت پر میرا (ایمان تو تھا لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ اس کا (مرادی) معنی کیا ہے یہاں تک کہ حضرت ام ہانی بنت ابوطالب نے فرمایا کہ (ایک روز) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور وضوء کا پانی طلب کیا پھر وضو کیا اور چاشت کی نماز (یعنی دن چڑھے) پڑھی اور نماز کے بعد فرمایا ام ہانی یہ اشراق کی نماز ہے۔ الاوسط میں طبرانی نے اور ابن مردویہ اور ابن جریر و حاکم نے عبداللہ بن حارث کے سلسلے سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے مجھے چاشت کی نماز کا علم اسی آیت سے ہوا اس سے پہلے میں نہیں جانتا تھا کہ چاشت کی نماز کونسی ہوتی ہے۔ سعید بن منصور نے بھی اس اثر کی تخریج کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

ایک لطیف توجیہ: حضرت تھانویؒ نے ایک لطیف توجیہ فرمائی ہے کہ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح سے ذکر وشغل کا ایک خاص کیف پیدا ہو گیا تھا جس سے عبادت میں نشاط اور تازگی وہمت پیدا ہوتی ہے' اجتماعی ذکر کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ذکر کی برکتوں کا ایک دوسرے پر انعکاس ہوتا رہتا ہے۔ صوفیائے کرام کے یہاں ذکر وشغل کا ایک خاص طریقہ معروف ہے جس میں ذکر کرتے ہوئے یہ تصور کیا جاتا ہے کہ پوری کائنات ذکر کر رہی ہے' اصلاح باطن اور شوق عبادت میں اس طریقہ کی عجیب تاثیر ہے۔ اس آیت سے اس طریقۂ ذکر کی بنیاد بھی مستنبط ہوتی ہے۔ (مسائل السلوک)

نماز چاشت کی فضیلت: جامع ترمذی میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ جو شخص صلوٰۃ الضحیٰ کی دو رکعتوں کی پابندی کرلے اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں' خواہ وہ سمندری جھاگ جتنے ہوں'' اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔ ''جو شخص صلوٰۃ الضحیٰ کی بارہ رکعتیں پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں سونے کا محل بنادے گا۔ (قرطبی)

علماء نے فرمایا ہے کہ یوں تو دو سے لیکر بارہ تک جتنی رکعتیں پڑھی جا سکیں وہ ٹھیک ہیں' لیکن تعداد کے لئے کوئی خاص معمول بنالیا جائے تو بہتر

ہے۔ اور یہ معمول کم از کم چار رکعت ہو تو زیادہ اچھا ہے کیونکہ آپ کا عام معمول چار رکعتیں ہی پڑھنے کا تھا۔

وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ (اور ہم نے ان کو حکمت اور فیصلہ کر دینے والی تقریر عطا فرمائی) حکمت سے مراد تو دانائی ہے یعنی ہم نے انہیں عقل و فہم کی دولت بخشی تھی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ نبوت مراد ہے۔ اور ''وَفَصْلَ الْخِطَابِ'' کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد زور بیان اور قوت خطابت ہے۔ چنانچہ حضرات داؤد علیہ السلام اونچے درجے کے خطیب تھے اور خطبوں میں حمد و صلوٰۃ کے بعد لفظ ''اما بعد'' سب سے پہلے انہوں نے ہی کہنا شروع کیا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے بہترین قوت فیصلہ مراد ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۭ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾

اور اُڑتے جانور جمع ہو کر، سب تھے اُسکے آگے رجوع رہتے ☆

☆ یا سب اس کے ساتھ مل کر اللہ کی طرف رجوع رہتے کما قال بعض المفسرین۔ (تفسیر عثمانی)

والطیر محشورہ کا ترجمہ جمع ہو کر عام اہل لغت اور مفسرین کی رائے کے مطابق ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں محشورہ کا ترجمہ محبوست کیا ہے یعنی پرند ہوا میں اڑتے ہوئے حضرت داؤد کی تسبیح سن کر رک جاتے تھے اور ان کے ساتھ تسبیح میں ہمنوا ہو جاتے۔ اسی طرح اونچے اونچے پہاڑ بھی نغمۂ داؤدی کے ساتھ آواز بلند کرتے۔ یہ تمام فضائل داؤد علیہ السلام کے معجزات نبوت تھے۔

ملائکہ کے علاوہ کی قید اس وجہ سے واضح کی گئی کہ اللہ کے فرشتے تو ہر حلقہ ذکر میں موجود ہی ہوتے ہیں تو داؤد علیہ السلام کی خصوصیت اور شرف یہ تھا کہ اس حلقہ ذکر میں فرشتوں کے علاوہ پہاڑ اور پرند بھی شامل ہوتے تھے۔
(معارف کاندھلوی)

وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ

اور قوت دی ہمنے اُسکی سلطنت کو ☆

☆ یعنی دنیا میں اس کی سلطنت کی دھاک بٹھلا دی تھی اور اپنی اعانت و نصرت سے مختلف قسم کی کثیر التعداد فوجیں دے کر خوب اقتدار جما دیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت: بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے تمام بادشاہوں سے بڑھ کر داؤد کو اقتدار عطا فرمایا تھا ان کے قلعہ (اور شاہی محل) کی نگرانی ہر رات ۳۶ ہزار سپاہی کرتے تھے۔

بغوی نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباسؓ کا یہ بیان بھی نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے کسی آدمی نے کسی بڑے آدمی پر حضرت داؤد کے سامنے دعویٰ کیا کہ اس نے میری گائیں چھین لی ہیں۔ حضرت داؤدؑ نے مدعی علیہ سے پوچھا اس نے انکار کر دیا آپ نے مدعی سے گواہ طلب کئے اس کے پاس گواہ نہ تھے آپ نے فرمایا اب چلے جاؤ میں تمہارے معاملہ پر غور کر کے فیصلہ کروں گا اللہ نے خواب میں حضرت داؤدؑ نے مدعی علیہ سے پوچھا اس نے انکار کر دیا آپ نے مدعی سے گواہ طلب کئے اس کے پاس گواہ نہ تھے آپ نے فرمایا اب چلے جاؤ میں تمہارے معاملہ پر غور کر کے فیصلہ کروں گا اللہ نے خواب میں حضرت داؤدؑ کے پاس وحی بھیجی کہ مدعی علیہ کو قتل کر دیا جائے بیدار ہونے کے بعد آپ نے خیال کیا یہ ایک خواب ہے میں فیصلہ میں جلدی نہیں کروں گا۔ دوسرے روز پھر یہی خواب دیکھا لیکن آپ نے خواب کی تعمیل نہیں کی تیسری بار خواب میں وحی آئی کہ مدعی علیہ کو قتل کر دو یا سخت سزا دو بیدار ہونے کے بعد حضرت داؤد نے مدعی علیہ کو طلب کیا اور فرمایا اللہ نے میرے پاس وحی بھیجی ہے کہ میں تجھے قتل کرا دوں اس نے کہا کیا بغیر ثبوت کے آپ مجھے قتل کرا دیں گے۔ حضرت داؤدؑ نے فرمایا ہاں خدا کی قسم میں تیرے معاملہ میں اللہ کا حکم نافذ کر کے رہوں گا جب اس شخص نے دیکھا کہ داؤدؑ مجھے قتل ہی کرا دیں گے تو بولا آپ عجلت سے کام نہ لیں میں آپ کو اصل واقعہ بتائے دیتا ہوں میرے لئے اس جرم کی یہ سزا تجویز نہیں کی گئی ہے بلکہ میری یہ پکڑ ایک اور جرم میں ہوئی ہے میں نے اس مدعی کے باپ کو دھوکہ دے کر اچانک قتل کر دیا تھا اس کی مجھے یہ سزا دی گئی ہے حضرت داؤد نے اس اقرار کے بعد اس کو قتل کرنے کا حکم دے دیا اور قتل کرا دیا۔ اس واقعہ سے بنی اسرائیل کے دلوں پر حضرت داؤدؑ کی ہیبت چھا گئی اور آپ کی حکومت بڑی مستحکم ہو گئی۔ عبد بن حمید، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بھی اس بیان کی حضرت ابن عباسؓ کی طرف نسبت کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿۲۰﴾

اور دی اُسکو تدبیر اور فیصلہ کرنا بات کا ☆

حضرت داؤد علیہ السلام کے اوصاف

☆ یعنی بڑے مدبر و دانا تھے۔ ہر بات کا فیصلہ بڑی خوبی سے کرتے اور بولتے تو نہایت فیصلہ کن تقریر ہوتی تھی۔ بہر حال حق تعالیٰ نے ان کو نبوت ''حسن تدبیر'' قوت فیصلہ اور طرح طرح کے علمی و عملی کمالات عطا فرمائے تھے۔ لیکن امتحان و ابتلاء سے وہ بھی نہیں بچے۔ جس کا قصہ آگے بیان کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

دعائے داؤدی: ترمذی میں ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا گویا میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں اور نماز میں میں نے سجدے کی آیت تلاوت کی اور سجدہ کیا تو میرے ساتھ اس درخت نے بھی سجدہ کیا اور میں نے سنا کہ وہ یہ دعا مانگ رہا تھا۔ اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِيْ بِهَا

عِنۡدَکَ اَجۡرًا وَّاجۡعَلۡهَا لِیۡ عِنۡدَکَ ذُخۡرًا وَّضَعۡ بِهَا عَنِّیۡ وِزۡرًا وَّاقۡبَلۡهَا مِنِّیۡ کَمَا قَبِلۡتَهَا مِنۡ عَبۡدِکَ دَاوٗدَ یعنی اے اللہ! میرے اس سجدے کو تو میرے لئے اپنے پاس اجر اور خزانے کا سبب بنا اور اس سے تو میرا بوجھ ہلکا کر دے اور اسے مجھ سے قبول فرما۔ جیسے کہ تو نے اپنے بندے داؤدؑ کے سجدے کو قبول فرمایا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی اور سجدے کی آیت کو پڑھ کر سجدہ کیا اور اس سجدہ میں وہی دُعا پڑھی جو اس شخص نے درخت کی دُعا نقل کی تھی۔

مکحولؒ کہتے ہیں کہ جناب داؤد نبیؑ نے ایک مرتبہ آپ سے چند سوالات کئے اور اُن کے معقول جوابات پا کر فرمایا کہ آپ نبی اللہ ہیں۔ پوچھا کہ سب سے اچھی چیز کیا ہے؟ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکینت اور ایمان۔ پھر پوچھا کہ سب سے بُری چیز کیا ہے؟ سلیمان نے عرض کیا کہ ایمان کے بعد کفر۔ پھر پوچھا کہ سب سے زیادہ میٹھی چیز کیا ہے؟ عرض کیا کہ خدا تعالیٰ کی رحمت۔ پھر پوچھا کہ سب سے زیادہ ٹھنڈک والی چیز کیا ہے؟ جواب دیا کہ خدا تعالیٰ کا لوگوں سے درگذر کرنا اور لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے کو معاف کر دینا۔ (ابن ابی حاتم)

الحکمۃ حکمت سے مراد ہے نبوت کامل علم اور عمل کا استحکام

فصل الخطاب: بغوی نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ فصل الخطاب اَلۡبَیِّنَةُ عَلَی الۡمُدَّعِیۡ وَالۡیَمِیۡنُ عَلٰی مَنۡ اَنۡکَرَ ہے (مدعی پر لازم ہے کہ گواہ پیش کرے اور گواہ نہ ہوں تو مدعیٰ علیہ سے حلف لیا جائے) یہ ضابطہ تمام جھگڑوں کو طے کر دیتا ہے فریقین کی بات ہی ختم ہو جاتی ہے۔ حضرت ابیؓ ابن کعب کا قول بھی یہی روایت میں آیا ہے۔ حضرت اُبیؓ نے فرمایا۔ فصل الخطاب گواہ اور قسم ہے۔ مجاہد۔ اور عطاء بن رباح کا یہی قول ہے۔

شعبی نے کہا حمد و ثناء کے بعد جب آدمی مقصد بیان کرنا چاہتا ہے اور بیان مقصد سے پہلے اما بعد کہتا ہے تو یہ فصل الخطاب ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جامع کلام: توبہ میں ہم نے ہجرت کے واقعہ میں ام معبد کی ایک حدیث نقل کی ہے جس میں ام معبد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے متعلق بیان کیا تھا کہ ان کا کلام نہ اتنا کم تھا کہ مطلب فہمی میں خلل انداز ہو نہ اتنا زیادہ تھا کہ طبیعت کو اکتا دے لا نَزرٌ ولا ھَذرٌ نہ ناقص نہ بیکار بکواس۔ (تفسیر مظہری)

وَهَلۡ اَتٰىكَ نَبَؤُا الۡخَصۡمِ ۘ اِذۡ تَسَوَّرُوا الۡمِحۡرَابَ ۙ﴿۲۱﴾

اور پہنچی ہے تجھ کو خبر دعوے والوں کی جب دیوار کود کر آئے عبادت خانہ میں

اِذۡ دَخَلُوۡا عَلٰی دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنۡهُمۡ

جب گھس آئے داؤد کے پاس تو اُن سے گھبرایا☆

حضرت داؤد کی آزمائش

حضرت داؤد نے تین دن کی باری رکھی تھی، ایک دن دربار اور فصل خصومات کا، ایک دن اپنے اہل و عیال کے پاس رہنے کا، ایک دن خالص اللہ کی عبادت کا اس دن خلوت میں رہتے تھے۔ دربان کسی کو آنے نہ دیتے۔ ایک دن عبادت میں مشغول تھے کہ ناگاہ کئی شخص دیوار پھاند کر ان کے پاس آ کھڑے ہوئے۔ داؤد علیہ السلام باوجود اپنی قوت و شوکت کے یہ ناگہانی ماجرا دیکھ کر گھبرا اٹھے کہ یہ آدمی ہیں یا کوئی اور مخلوق ہے آدمی ہیں تو ناوقت آنے کی ہمت کیسے ہوئی؟ دربانوں نے کیوں نہیں روکا؟ اگر دروازے سے نہیں آئے تو اتنی اونچی دیواروں کو پھاندنے کی کیا سبیل کی ہوگی خدا جانے ایسے غیر معمولی طور پر کس نیت اور کس غرض سے آئے ہیں۔ غرض اچانک یہ عجیب و مہیب واقعہ دیکھ کر خیال دوسری طرف ہٹ گیا اور عبادت میں جیسی یکسوئی کے ساتھ مشغول تھے قائم نہ رہ سکی۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے حسن کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت داؤدؑ نے اپنے وقت کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ یہی قول عبد بن حمید کا بھی تھا حسن کے بیان میں اتنا زیادہ ہے ایک روز بنی اسرائیل کو وعظ کہنے کا آپ نے مقرر کر دیا تھا۔ بنی اسرائیل کے ساتھ مل کر آپ ذکر خدا کرتے خود بھی روتے اور اُن کو بھی رلاتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

آزمائش کی تشریح: حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے اس آزمائش اور لغزش کی تشریح اس طرح فرمائی ہے کہ مقدمہ کے یہ دو فریق دیوار پھاند کر داخل ہوئے اور طرز مخاطبت میں انتہائی گستاخانہ اختیار کیا کہ شروع ہی میں حضرت داؤد علیہ السلام کو انصاف کرنے اور ظلم نہ کرنے کی نصیحتیں شروع کر دیں' اس انداز کی گستاخی کی بنا پر کوئی عام آدمی ہوتا تو انہیں جواب دینے کے بجائے اُلٹی سزا دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ امتحان فرمایا کہ وہ بھی غصہ میں آ کر انہیں سزا دیتے ہیں یا پیغمبرانہ عفو و تحمل سے کام لے کر اُن کی بات سنتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام اس امتحان میں پورے اترے' لیکن اتنی سی فروگذاشت ہوگئی کہ فیصلہ سناتے وقت ظالم کو خطاب کرنے کے بجائے مظلوم کو مخاطب فرمایا۔ جس سے ایک گونہ جانبداری مترشح ہوتی تھی مگر اس پر فوراً تنبہ ہوا اور سجدے میں گر گئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا۔ (بیان القرآن)

ان تمام تشریحات میں یہ بات مشترک طور پر تسلیم کی گئی ہے کہ مقدمہ فرضی نہیں' بلکہ حقیقی تھا' اور صورت مقدمہ کا حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش یا لغزش سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

محراب: محرابؐ دراصل بالا خانے یا کسی مکان کے سامنے کے حصہ کو کہتے ہیں۔ پھر خاص طور سے مسجد یا عبادت خانے کے سامنے کے حصہ

کو کہا جانے لگا' قرآن کریم میں یہ لفظ عبادت گاہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ مسجد کے دائرہ نما محرابیں جیسی آجکل معروف ہیں۔ یہ عہد نبویؐ میں موجود نہیں تھیں۔ (روح المعانی)

طبعی خوف: فَفَزِعَ مِنْهُمْ (بس حضرت داؤدؑ ان سے گھبرا گئے) گھبرانے کی وجہ صاف ظاہر تھی کہ دو آدمیوں کا بے وقت پہرہ توڑ کر اس طرح گھس آنا عموماً کسی بری نیت ہی سے ہوتا ہے۔ طبعی خوف نبوت یا ولایت کے منافی نہیں ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں بلا تحقیق قصے

باسناد سعید بن المسیب اور حارث اعور حضرت علی رضی اللہ سے یہ روایت کیا ہے۔

انه قال من حدثكم بحديث داوٗد على مايرية القصاص جلدته مأة وستين جلده وهو حد الفرية على الانبيآء

انہوں نے فرمایا فرمایا جو شخص تم میں سے داؤد علیہ السلام کے بارے میں وہ قصہ بیان کرے گا جس کو عام طور پر واعظین بیان کرتے ہیں میں اس کو ایک سو ساٹھ کوڑے ماروں گا جو انبیاء علیہم السلام پر بہتان لگانے کی سزا ہے۔

مولانا ابو محمد عبدالحق دہلوی تفسیر حقانی میں فرماتے ہیں کہ اس قصہ کا اصل ماخذ کتاب صمویل ہے۔ اور آج تک خود اہل کتاب کو بھی اس کتاب کا پورا پتہ نہیں چل سکا کہ اس کا مصنف کون ہے وہ ایک بحیثیت تاریخ کی کتاب یہود میں مروج تھی جس کو یہود و نصاریٰ نے بلاوجہ الہامی کتاب فرض کرلیا۔ (معارف کاندھلوی)

عصمت انبیاء: عصمت انبیاء دین کی بنیاد ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کا دین اس کے احکام انبیاء ہی کے ذریعے تو بندوں تک پہنچتے ہیں۔ حضرات انبیاء خدا کے سفیر اور نمائندے ہوتے ہیں۔ اگر وہ معصوم نہ ہوں تو پھر ان کی سفارت ہی کہاں سے قابل اعتماد ہوسکتی ہے اور ان کے لائے ہوئے احکام اور ان کا اسوۂ ہدایت اور فلاح وسعادت کیونکر ہوسکتا ہے۔ عصمت انبیاء کا مسئلہ تو ایسے اصول مسلمہ میں سے ہے کہ کسی آیت کی تفسیر یا روایت کی تشریح اور واقعہ کی توضیح وتفصیل میں اس کو ایک لمحہ کے لئے بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ (معارف کاندھلوی)

قَالُوْا لَا تَخَفْ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى

وہ بولے مت گھبرا ہم دو جھگڑتے ہیں۔ زیادتی کی ہے ایک نے

بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ

دوسرے پر سو فیصلہ کردے ہم میں انصاف کا اور دور نہ ڈال بات کو

وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾

اور بتلا دے ہم کو سیدھی راہ ☆

آنے والوں نے کہا آپ گھبرائیے نہیں اور ہم سے خوف نہ کھائیے۔ ہم دو فریق اپنے ایک جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں آپ ہم میں منصفانہ فیصلہ کردیجئے۔ کوئی بے راہی اور ٹالنے کی بات نہ ہو ہم عدل وانصاف کی سیدھی راہ معلوم کرنے کے لئے آئے ہیں۔ (شاید گفتگو کا یہ عنوان دیکھ کر حضرت داؤد اور زیادہ متعجب ہوئے ہوں) (تفسیر عثمانی)

حاکم کے آداب: قالوا لا تخف (انہوں نے کہا ڈریئے نہیں) آنے والوں نے یہ کہہ کر اپنی بات بیان کرنی شروع کردی اور حضرت داؤد علیہ السلام خاموشی سے ان کی بات سنتے رہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اچانک کسی بے قاعدگی کا مرتکب ہو تو اُسے فوراً ملامت اور زجر وتوبیخ شروع نہیں کردینی چاہئے۔ بلکہ پہلے اس کی بات سن لینی چاہئے۔ تاکہ اس کو یہ معلوم ہوجائے کہ اس کے پاس اس بے قاعدگی کا جواز تھا یا نہیں' کوئی اور ہوتا تو آنے والوں پر فوراً برس پڑتا' لیکن حضرت داؤد علیہ السلام نے انکشاف حقیقت کا انتظار فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ معذور ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو اللہ نے کوئی بڑا مرتبہ دیا ہو اور لوگوں کی ضروریات اس سے متعلق ہوں اُسے چاہئے کہ وہ اہل حاجت کی بے قاعدگیوں اور گفتگو کی غلطیوں پر حتی الوسع صبر کرے کہ یہی اسکے مرتبہ کا تقاضا ہے۔ خاص طور سے حاکم' قاضی اور مفتی کو اس کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ (روح المعانی) (معارف مفتی اعظم)

اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ

یہ جو ہے بھائی ہے میرا اُسکے یہاں ہیں ننانوے دُنبیاں اور میرے یہاں

نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي

ایک دُنبی پھر کہتا ہے حوالہ کردے میرے وہ بھی اور زبردستی کرتا ہے

الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾

مجھ سے بات میں ☆

جھگڑا ☆ یعنی جھگڑا یہ ہے کہ میرے اس بھائی کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے ہاں صرف ایک دنبی ہے یہ چاہتا ہے کہ وہ ایک بھی کسی طرح مجھ سے چھین کر اپنی سو پوری کرلے۔ اور مشکل یہ آن پڑی ہے کہ جیسے مال میں یہ مجھ سے زیادہ ہے، بات کرنے میں بھی مجھ سے تیز ہے، جب بولتا ہے تو مجھ کو دبا لیتا ہے اور لوگ بھی اسی کی ہاں میں ہاں ملا دیتے ہیں۔ غرض میرا حق چھیننے کے لئے زبردستی کی باتیں کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ

بولا وہ بے انصافی کرتا ہے تجھ پر کہ مانگتا ہے تیری دُنبی ملانے کو اپنی دنبیوں میں ☆

☆ حضرت داؤدؑ نے بقاعدہ شریعت ثبوت وغیرہ طلب کیا ہوگا۔ آخر میں یہ فرمایا کہ بے شک (اگر یہ تیرا بھائی ایسا کرتا ہے تو) اس کی زیادتی اور نا انصافی ہے۔ چاہتا ہے کہ اس طرح اپنے غریب بھائی کا مال ہڑپ کر جائے (مطلب یہ کہ ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے)

دباؤ کے ساتھ چندہ یا ہدیہ طلب کرنا

قابل غور ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک شخص کے محض دُنبی مانگنے کو ظلم قرار دیا، حالانکہ بظاہر کسی سے محض کوئی چیز مانگ لینا کوئی جرم نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ صورت سوال کی تھی، لیکن جس قولی اور عملی دباؤ کے ساتھ یہ سوال کیا جارہا تھا اس کی موجودگی میں اس کی حیثیت غصب کی سی ہوگئی تھی۔

اس سے معلوم یہ ہوا کہ اگر کوئی آدمی کسی سے اس طرح کوئی چیز مانگے کہ مخاطب راضی ہو یا ناراض لیکن اس کے پاس دینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے تو اس طرح ہدیہ طلب کرنا بھی غصب میں داخل ہے لہذا اگر مانگنے والا کوئی صاحب اقتدار یا ذی وجاہت شخص ہو اور مخاطب اس کی شخصیت کے دباؤ کی وجہ سے انکار نہ کرسکتا ہو تو وہاں صورت چاہے ہدیہ طلب کرنے کی ہو لیکن حقیقت میں وہ غصب ہی ہوتا ہے اور مانگنے والے کے لئے اس طرح حاصل کی ہوئی چیز کا استعمال جائز نہیں ہوتا۔ یہ مسئلہ خاص طور پر ان لوگوں کے لئے بہت توجہ کرنے کا ہے۔ جو مدارس و مکاتب، مسجد یا انجمنوں اور جماعتوں کے لئے چندے وصول کرتے ہیں۔ صرف وہ چندہ حلال طیب ہے جو دینے والے نے اپنے مکمل اختیار اور خوش دلی کے ساتھ دیا ہو۔ اور اگر چندہ کرنے والوں نے اپنی شخصیت کا دباؤ ڈال کر یا بیک وقت آٹھ دس آدمیوں نے کسی ایک شخص کو زچ کر کے چندہ وصول کرلیا تو یہ صریح ناجائز فعل ہے۔ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد ہے کہ:-

لا یحل مال امرئٍ مسلم الا بطیب نفس منه

کسی مسلمان کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں (مفتی اعظم)

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى

اور اکثر شریک زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر

بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

مگر جو یقین لائے ہیں اور کام کئے نیک

وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ۭ

اور تھوڑے لوگ ہیں ایسے ☆

شراکت ☆ یعنی شرکاء کی عادت ہے ایک دوسرے پر ظلم کرنے کی۔ قوی حصہ دار چاہتا ہے کہ ضعیف کو کھا جائے۔ صرف اللہ کے ایماندار اور نیک بندے اس سے مستثنیٰ ہیں مگر وہ دنیا میں بہت ہی تھوڑے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ

اور خیال میں آیا داؤد کے کہ ہم نے اس کو جانچا پھر گناہ بخشوانے لگا اپنے رب سے

وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۩ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ۭ

اور گر پڑا جھک کر اور رجوع ہوا، پھر ہم نے معاف کردیا اس کو وہ کام ☆

آزمائش کا سبب ☆ یعنی اس قصہ کے بعد داؤد کو تنبہ ہوا کہ میرے حق میں یہ ایک فتنہ اور امتحان تھا اس خیال کے آتے ہی اپنی خطا معاف کرانے کے لئے نہایت عاجزی کے ساتھ خدا کے سامنے جھک پڑے۔ آخر خدا نے ان کی وہ خطا معاف کردی۔ داؤد علیہ السلام کی وہ خطا کیا تھی جس کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے اس کے متعلق مفسرین نے بہت سے لمبے چوڑے قصے بیان کئے ہیں مگر حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ ان کی نسبت لکھتے ہیں "قد ذکر المفسرون ههنا قصة اکثرها ما خوذ من الاسرائیلیات ولم یثبت فیها عن المعصوم حدیث یجب اتباعه" اور حافظ ابو محمد ابن حزم نے کتاب الفصل میں بہت شدت سے ان قصوں کی تردید کی ہے باقی ابوحیان وغیرہ نے ان قصوں سے علیحدہ ہو کر آیات کا جو محمل بیان کیا ہے وہ بھی تکلف سے خالی نہیں۔ ہمارے نزدیک اصل بات وہ ہے کہ جو ابن عباس ؓ سے منقول ہے۔ یعنی داؤد علیہ السلام کو یہ ابتلاء ایک طرح کے اعجاب کی بنا پر پیش آیا صورت یہ ہوئی کہ داؤد علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا کہ اے پروردگار! رات اور دن میں کوئی ساعت ایسی نہیں جس میں داؤد کے گھرانے کا کوئی نہ کوئی فرد تیری عبادت (یعنی نماز یا تسبیح وتکبیر) میں مشغول نہ رہتا ہو (یہ اسلئے کہا کہ انہوں نے روز وشب کے چوبیس گھنٹے اپنے گھر والوں پر نوبت بہ نوبت تقسیم کر رکھے تھے تاکہ ان کا عبادت خانہ کسی وقت عبادت سے خالی نہ رہنے پائے) اور بھی کچھ اس قسم کی چیزیں عرض کیں (شاید اپنے حسن انتظام وغیرہ کے متعلق ہوں گی) اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناپسند ہوئی ارشاد ہوا کہ داؤد یہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے۔ اگر میری مدد نہ ہو تو تو اس چیز پر قدرت نہیں پاسکتا۔ (ہزار کوشش کرے نہیں نبھا سکے گا) قسم ہے اپنے جلال کی میں تجھ کو ایک روز تیرے نفس کے سپرد کردوں گا (یعنی اپنی مدد ہٹالوں گا) دیکھیں اس وقت تو کہاں تک اپنی عبادت میں مشغول رہ سکتا اور اپنا انتظام قائم رکھ سکتا ہے) داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار! مجھے اس دن کی خبر کردیجئے۔ بس اسی دن فتنہ میں مبتلا ہوگئے (اخرج ہذا الاثر الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد واقرہ الذہبی فی التلخیص) یہ روایت بتلاتی ہے کہ فتنہ کی

نوعیت صرف اسی قدر ہونی چاہئے کہ جس وقت داؤدؑ عبادت میں مشغول ہوں، باوجود پوری کوشش کے مشتغل نہ رہ سکیں اور اپنا انتظام قائم نہ رکھ سکیں۔ چنانچہ آپ پڑھ چکے کہ کس بے قاعدہ اور غیر معمولی طریقہ سے چند اشخاص نے اچانک عبادت خانہ میں داخل ہو کر حضرت داؤدؑ کو گھبرا دیا اور ان کے شغل خاص سے ہٹا کر اپنے جھگڑے کی طرف متوجہ کر لیا، بڑے بڑے پہرے اور انتظامات ان کو داؤدؑ کے پاس پہنچنے سے نہ روک سکے تب داؤدؑ کو خیال ہوا کہ اللہ نے میرے اس دعوے کی وجہ سے اس فتنہ میں مبتلا کیا۔ لفظ ''فتنہ'' کا اطلاق اس جگہ تقریباً ایسا سمجھو جیسے ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما بچپن میں قمیض پہن کر لڑکھڑاتے ہوئے آ رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر سے دیکھا اور خطبہ قطع کر کے ان کو اوپر اٹھالیا اور فرمایا صدق اللہ ''اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَةٌ''۔ بعض آثار میں ہے کہ بندہ اگر کوئی نیکی کر کے کہتا ہے کہ اے پروردگار! میں نے یہ کام کیا، میں نے صدقہ کیا میں نے نماز پڑھی، میں نے کھانا کھلایا، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اور میں نے تیری مدد کی اور میں نے تجھ کو توفیق دی'' اور جب بندہ کہتا ہے کہ اے پروردگار تو نے مدد کی تو نے مجھ کو توفیق بخشی اور تو نے مجھ پر احسان فرمایا تو اللہ کہتا ہے اور تو نے عمل کیا، تو نے ارادہ کیا، تو نے یہ نیکی کمائی (مدارج السالکین ص ۹۹ جلد ۱) اسی سے سمجھ لو کہ حضرت داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کا اپنے حسن انتظام کو جتلاتے ہوئے یہ فرمانا کہ اے پروردگار! رات دن میں کوئی گھڑی ایسی نہیں جس میں میں یا میرے متعلقین تیری عبادت میں مشغول نہ رہتے ہوں، کیسے پسند آ سکتا تھا، بڑوں کی چھوٹی چھوٹی بات پر گرفت ہوتی ہے اسی لئے ایک آزمائش میں مبتلا کر دیئے گئے تا متنبہ ہو کر اپنی غلطی کا تدارک کریں۔ چنانچہ تدارک کیا اور خوب کیا۔ میرے نزدیک آیت کی بے تکلف تقریر یہی ہے باقی حضرت شاہ صاحبؒ نے اسی مشہور قصہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے وہ موضح القرآن میں دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ: مجاہد کا بیان ہے داؤد چالیس روز تک یونہی سجدہ میں پڑے رہے سر اوپر نہ اٹھایا اور روتے رہے یہاں تک کہ آپ کے آنسوؤں سے گھاس اُگ آئی جس نے آپ کے سر کو چھپالیا۔ چالیس روز کے بعد ندا آئی داؤد کیا تو بھوکا ہے کہ تجھے کھانا دے دیا جائے یا پیاسا ہے کہ تجھے پانی پلا دیا جائے یا ننگا ہے کہ تجھے لباس دے دیا جائے۔ میں تو بلا مانگے یہ چیزیں تجھے دیتا ہوں۔ داؤد اتنا روئے کہ آپ کا سینہ کی گرمی سے لکڑی بھڑ کنے لگی اور جل گئی اس کے بعد اللہ نے قبول توبہ اور مغفرت کا حکم نازل فرمایا۔

بعض اہل علم نے بیان کیا کہ داؤد راکع ہونے کی حالت میں سجدہ میں گر گئے گویا انہوں نے نماز استغفار کی دو رکعتوں کے لئے احرام کیا تھا (نیت کی تھی اور تکبیر تحریمہ کہی تھی) پھر نماز میں ہی سجدہ میں گر گئے اور اللہ کی طرف رجوع کیا توبہ کی۔

احناف کا استدلال: علماء حنفیہ نے یہیں سے استدلال کیا ہے کہ جس نے آیت سجدہ پڑھی پھر فوراً سجدہ تلاوت کی نیت سے رکوع کر لیا تو اس کے لئے کافی ہے (سجدہ تلاوت ہو گیا) کیونکہ آیت خَرَّ رَاكِعًا میں رکوع کا سجدہ پر اطلاق کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت سجدہ میں سجدہ مقصود نہیں ہے بلکہ تعظیم خداوندی مقصود ہے اور تعظیم کا مفہوم سجدے اور رکوع دونوں میں ایک جیسا ہے۔

اللہ کی تعظیم کی ضرورت یا تو اس وجہ سے ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کی تعظیم کی ہے ان کی پیروی ہو جائے یا جن لوگوں نے اللہ کے سامنے غرور کیا ہے ان کی مخالفت ہو جائے تقاضائے قیاس یہی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے اس جگہ قیاس جلی کو استحسان پر ترجیح دی ہے کیونکہ اس جگہ قیاس کی تاثیر قوی ہے کیونکہ قیاس کی تائید اور تقویت ایک صحیح حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عمرؓ نے نماز کے اندر (آیت سجدہ پڑھنے کے بعد) رکوع کو سجدہ کی جگہ کافی قرار دیا ہے اور کسی دوسرے صحابی کا اس سے اختلاف کسی روایت میں نہیں آیا (اس سے معلوم ہوا کہ یہ اجماعی فیصلہ ہے) (تفسیر مظہری اردو جلد ۱۰)

مسئلہ: سورۃ صٓ کی یہ آیت پڑھنے سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے امام ہر سجدہ تلاوت کو سنت کہتے ہیں (واجب نہیں مانتے) اس لئے ان کے نزدیک اس جگہ بھی سجدہ تلاوت مسنون ہے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے مشہور قول میں یہ سجدہ شکر ہے جو نماز کے اندر ناجائز ہے اور نماز سے باہر مستحب ہے۔

میں کہتا ہوں بخاری نے صحیح میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا صٓ کا سجدہ واجب سجدوں میں سے نہیں ہے (مگر) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں سجدہ کرتے دیکھا ہے۔

بیہقی نے بیان کیا ہے کہ متعدد صحابہؓ نے صٓ میں سجدہ کیا۔ حضرت سائب بن یزید کا بیان ہے میں نے حضرت عمرؓ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی آپ نے سورۃ صٓ پڑھی اور اس میں (تلاوت کا) سجدہ کیا نماز ختم ہونے کے بعد ایک شخص نے دریافت کیا امیر المؤمنین کیا یہ واجب سجدوں میں سے ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سجدہ کرتے تھے۔ ابومریم راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ جب شام میں آئے تو حضرت داؤدؑ کے عبادت خانہ میں بھی گئے وہاں آپ نے نماز پڑھی (اور سورت صٓ پڑھی جب آیت سجدہ پر پہنچے تو سجدہ کیا۔) (تفسیر مظہری)

وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝۲۵

اور اُس کے لئے ہمارے پاس مرتبہ ہے اور اچھا ٹھکانا ☆

حضرت داؤد کی شان

یعنی بدستور مقرب بارگاہ ہیں۔ اس غلطی سے تقرب اور مرتبہ میں فرق

نہیں آیا۔ صرف تھوڑی سی تنبیہ کر دی گئی۔ کیونکہ مقربین کی چھوٹی غلطی بھی بڑی سمجھی جاتی ہے۔ ''حسنات الابرار سیئات المقربین۔''

گرچہ یک مو بد گنہ کو جستہ بود　　لیک آں مو در دو دیدہ رستہ بود
بود آدم دیدۂ نور قدیم　　موئے در دیدہ بود کوہ عظیم

(تفسیر عثمانی)

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ
اے داؤد ہم نے کیا تجھ کو نائب ملک
فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى
میں سو تو حکومت کر لوگوں میں انصاف سے اور نہ چل جی
فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ
کی خواہش پر پھر وہ تجھ کو بچلا دے اللہ کی راہ سے مقرر جو لوگ
يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ
بچلتے ہیں اللہ کی راہ سے اُن کے لئے سخت عذاب ہے ☆

خلافت کے تقاضے

☆ یعنی خدا نے تم کو زمین میں اپنا نائب بنایا۔ لہٰذا اسی کے حکم پر چلو اور معاملات کے فیصلے عدل و انصاف کے ساتھ شریعت الٰہی کے موافق کرتے رہو۔ کبھی کسی معاملہ میں خواہش نفس کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ آنے پائے کیونکہ یہ چیز آدمی کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دینے والی ہے۔ اور جب انسان اللہ کی راہ سے بہکا تو پھر ٹھکانا کہاں۔ (تفسیر عثمانی)

خلیفہ اور بادشاہ کا فرق: حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرات طلحہؓ، زبیرؓ، کعبؓ اور سلیمان فارسیؓ سے پوچھا خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے حضرت طلحہؓ، اور حضرت زبیرؓ نے فرمایا ہم کو نہیں معلوم۔ حضرت سلیمانؓ نے کہا خلیفہ وہ ہوتا ہے جو رعایا میں انصاف کرے سب کو معاشی تقسیم ایک جیسی کرے۔ اور رعایا پر ایسی شفقت کرے جیسے آدمی اپنے گھر والوں پر کرتا ہے اور اللہ کی کتاب کے موافق فیصلہ کرے۔ حضرت کعبؓ نے کہا میں یہ سمجھتا تھا کہ میرے سوا اس مجلس میں کوئی بھی خلیفہ کا معنی نہیں جانتا۔ حضرت سلیمانؓ راوی ہیں کہ ایک بار حضرت عمرؓ نے فرمایا میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ حضرت سلیمانؓ نے کہا اگر آپ مسلمانوں کی سرزمین سے ایک درہم یا اس سے کم بیش کچھ بھی وصول کریں اور غیر مستحق (بیجا) مقام پر اس کو دیدیں تو آپ بادشاہ ہیں خلیفہ نہیں ہیں یہ سن کر حضرت عمرؓ کی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں۔

سلیمانؒ ابوالعوجاء کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے نہیں معلوم کہ میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ۔ ایک شخص نے کہا امیر المومنین ان دونوں میں فرق ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کیا فرق ہے اس شخص نے کہا خلیفہ حق پر لیتا اور حق پر دیتا ہے اور الحمد للہ آپ ایسے ہیں اور بادشاہ ظلم کرتا ہے (ظلما) اس سے لیتا اور اس کو دیتا ہے حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔

حضرت معاویہؓ جب ممبر پر بیٹھتے تو کہتے لوگو! خلافت مال کو اکٹھا کرنے اور تقسیم کرنے سے نہیں ہوتی بلکہ خلافت نام عمل بالحق کا انصاف سے حکومت کرنے کا اور لوگوں سے بحکم خدا مواخذہ کرنے کا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اسلامی ریاست کا بنیادی کام اقامت حق ہے

اسلام چونکہ ایک ابدی دین ہے اس لئے اُس نے سیاست وحکمرانی کے لئے ایسے انتظامی جزئیات کی تعیین نہیں فرمائی۔ جو حالات اور زمانے کے بدلنے سے قابل تبدیل ہو جائیں۔ بلکہ کچھ ایسی بنیادی ہدایات عطا فرما دی ہیں جن کی روشنی میں ہر زمانے کے مطابق انتظامی جزئیات خود طے کی جا سکتی ہیں۔ اسی لئے یہاں یہ بات تو بتا دی گئی ہے کہ حکومت کا اصل کام اقامت حق ہے لیکن اس کی انتظامی تفصیلات ہر دور کے اہل رائے مسلمانوں پر چھوڑ دی گئی ہیں۔

عدلیہ اور انتظامیہ کا رشتہ: چنانچہ یہ بات کہ عدلیہ انتظامیہ سے بالکل الگ رہے یا اس کے ساتھ وابستہ؟ اس مسئلہ میں کوئی ایسا متعین حکم نہیں دیا گیا۔ جو ہر دور میں ناقابل تبدیل ہو۔ اگر کسی زمانہ میں حکمرانوں کی امانت ودیانت پر پورا اعتماد کیا جا سکتا ہو تو عدلیہ اور انتظامیہ کی دوئی کو مٹایا جا سکتا ہے۔ اور اگر کسی دور میں حکمرانوں کی امانت ودیانت پر پورا بھروسہ نہ ہو تو عدلیہ کو انتظامیہ سے بالکل آزاد بھی رکھا جا سکتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ پیغمبر تھے۔ ان سے زیادہ امانت ودیانت کا کون دعویٰ کر سکتا تھا؟ اس لئے انہیں بیک وقت انتظامیہ اور عدلیہ دونوں کا سربراہ بنا کر تنازعات کے فیصلے کی ذمہ داری بھی سونپی گئی۔ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ خلفاء راشدین میں بھی یہی طرز رہا کہ امیر المومنین خود ہی قاضی بھی ہوتا تھا۔ بعد کی اسلامی حکومتوں میں اس طریقے کو بدلا گیا اور امیر المومنین کو انتظامیہ کا اور قاضی القضاۃ کو عدلیہ کا سربراہ بنایا گیا۔

ذمہ داری کے عہدے: یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کسی شخص کو حاکم، قاضی یا کسی محکمے کا افسر بنانے کے لئے سب سے پہلے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس میں خدا کا خوف اور آخرت کی فکر ہے یا نہیں اور اس کے اخلاق وکردار کی کیا حالت ہے؟ اگر یہ محسوس ہو کہ اس کے دل پر خوف خدا کے بجائے خواہشات نفسانی کی حکمرانی ہے تو خواہ وہ کیسی اعلیٰ ڈگریاں رکھتا ہو اور اپنے فن میں کتنا ہی ماہر اور پختہ کار ہو۔ اسلام کی نظر میں وہ کسی اونچے منصب کا مستحق نہیں ہے۔

جس حاکم یا قاضی کے دل میں خدا کا خوف اور آخرت کی فکر ہے وہی صحیح معنی میں حق و انصاف قائم کرسکتا ہے۔ اور اگر یہ نہیں ہے تو آپ اچھے سے اچھا قانون بنا لیجئے۔ نفس انسانی کی دسیسہ کاریاں ہر جگہ اپنا راستہ خود بنا لیتی ہیں' اور ان کی موجودگی میں کوئی بہتر سے بہتر نظام قانون بھی حق و انصاف قائم نہیں کرسکتا۔ دنیا کی تاریخ اور موجودہ زمانے کے حالات اس پر گواہ ہیں۔

خدا کی یاد میں غفلت ہو تو اپنے اُوپر سزا مقرر کرنا دینی غیرت کا تقاضا ہے

کسی نیکی کی عادت ڈالنے کے لئے اپنے نفس پر ایسی سزائیں مقرر کرنا اصلاحِ نفس کا ایک نسخہ ہے اور اس واقعہ سے اس کا جواز بلکہ استحباب معلوم ہوتا ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو جہمؓ نے ایک شامی چادر ہدیۃً پیش کی جس پر کچھ نقش و نگار بنے ہوئے تھے آپؐ نے اس چادر میں نماز پڑھی اور واپس آ کر حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ یہ چادر ابوجہمؓ کو واپس کردو' کیونکہ نماز میں میری نگاہ اس کے نقش و نگار پر پڑ گئی' تو قریب تھا کہ یہ نقش و نگار مجھے فتنہ میں ڈال دیں۔ (احکام القرآن بحوالہ موطا، مالکؒ)

اسی طرح حضرت ابوطلحہؓ ایک مرتبہ اپنے باغ میں نماز پڑھتے ہوئے ایک پرندے کو دیکھنے میں مشغول ہو گئے۔ جس سے نماز کی طرف دھیان نہ رہا' تو بعد میں آپ نے پورا باغ صدقہ کردیا۔

ایسا کوئی کام درست نہیں جس سے اضاعت مال لازم آتی ہو صوفیاء میں سے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اسی سزا کے طور پر اپنے کپڑے جلا دیئے تھے' لیکن محقق صوفیاء مثلاً شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کے اس عمل کو صحیح قرار نہیں دیا۔ (روح المعانی)

امیر کو بذات خود ریاست کے کاموں کی نگرانی کرنی چاہئے

مملکت کے ذمہ دار یا اونچے درجہ کے افسر کو چاہئے کہ وہ اپنے ماتحت شعبوں پر بذاتِ خود نگرانی رکھے' اور انہیں اپنے ماتحتوں پر چھوڑ کر فارغ نہ ہو بیٹھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ماتحتوں کی کثرت کے باوجود بہ نفس نفیس گھوڑوں کا معائنہ فرمایا۔ خلفائے راشدین اور خاص طور سے حضرت فاروق اعظمؓ کے عمل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

ایک عبادت کے وقت دوسری عبادت میں مشغول ہونا غلطی ہے

ایک موقت عبادت کے وقت کو کسی دوسری عبادت میں بھی صرف نہ کرنا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ جہاد کے گھوڑوں کا معائنہ ایک عظیم عبادت تھی۔ لیکن چونکہ وہ وقت اس عبادت کے بجائے نماز کا تھا' اس لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو بھی غلطی میں شمار کر کے اس کا تدارک فرمایا۔ اسی لئے ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ جمعہ کی اذان کے بعد جس طرح خرید و فروخت میں مشغولیت جائز نہیں' اسی طرح نماز جمعہ کی تیاری کے علاوہ کسی اور کام میں مشغول ہونا بھی درست نہیں' خواہ وہ تلاوت قرآن یا نفل پڑھنے کی عبادت ہی کیوں نہ ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿٢٦﴾

اس بات پر کہ بھلا دیا انہوں نے دن حساب کا ☆

خواہشات کی پیروی کا سبب ☆ یعنی عموماً خواہشات نفسانی کی پیروی اسی لئے ہوتی ہے کہ آدمی کو حساب کا دن یاد نہیں رہتا۔ اگر یہ بات متحضر رہے کہ ایک روز اللہ کے سامنے جانا اور ذرہ ذرہ عمل کا حساب دینا ہے تو آدمی کبھی اللہ کی مرضی پر اپنی خواہش کو مقدم نہ رکھے (تنبیہ) ممکن ہے "یوم الحساب" کا تعلق "لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ" کے ساتھ ہو "نسوا" کے ساتھ نہ ہو یعنی اللہ کے احکام بھلا دینے کے سبب سے ان پر سخت عذاب ہوگا حساب کے دن۔ (تفسیر عثمانی)

عادل حکمران: حدیث میں ہے کہ عادل لوگ نور کے منبروں پر رحمٰن کی داہنی جانب ہوں گے۔ خدا تعالیٰ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں یہ عادل وہ ہیں جو اپنی اہل و عیال میں اور جن کے وہ مالک ہوں عدل و انصاف کرتے ہیں اور حدیث میں یہ ہے کہ سب سے زیادہ خدا تعالیٰ کے دوست اور سب سے زیادہ اُس کے مقرب وہ بادشاہ ہوں گے جو عادل ہوں۔ اور سب سے زیادہ دشمن اور سب سے سخت عذاب میں وہ ہوں گے جو حکمران ظالم ہوں۔ (ترمذی)

خلیفۂ وقت سے حساب: حضرت ابوزرعہؒ سے بادشاہ وقت ولید بن عبدالملک نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ خلیفۂ وقت سے بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں حساب لیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا کہ سچ بتادوں! خلیفہ نے کہا ضرور سچ ہی بتلاؤ اور آپ کو ہر طرح اَمن ہے۔ فرمایا اے امیرالمؤمنین! خدا تعالیٰ کے نزدیک آپ سے بہت بڑا درجہ حضرت داؤدؑ کا تھا' انہیں خلافت کے ساتھ ہی ساتھ خدا تعالیٰ نے نبوت بھی دے رکھی تھی۔ لیکن باوجود اس کے کتاب خدا تعالیٰ اُن سے کہتی ہے۔ یَادَاوُدُ اِنَّا الخ۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ان کے لئے یوم الحساب کو سخت عذاب ہیں ان کے بھول جانے کے باعث سدیؒ کہتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہیں اس وجہ سے کہ انہوں نے یوم الحساب کے لئے اعمال جمع نہیں کئے۔ آیت کے لفظوں سے اُسی قول کو زیادہ مناسبت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ

اور ہم نے نہیں بنایا آسمان اور زمین کو اور جو اُنکے بیچ میں ہے نکما

ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

یہ خیال ہے اُن کا جو منکر ہیں سو خرابی ہے منکروں کے لئے

مِنَ النَّارِ ﴿٢٧﴾

آگ سے ☆

آخرت کو سامنے رکھو☆ یعنی جس کا آگے کچھ نتیجہ نہ نکلے۔ بلکہ اس دنیا کا نتیجہ ہے آخرت، لہٰذا یہاں رہ کر وہاں کے لئے کچھ کام کرنا چاہئے اور وہ کام یہ ہی ہے کہ انسان اپنی خواہشات کی پیروی چھوڑ کر حق وعدل کے اصول پر کاربند ہو۔ اور خالق ومخلوق دونوں سے اپنا معاملہ ٹھیک رکھے۔ یہ نہ سمجھے کہ بس دنیا کی زندگی ہے۔ کھا پی کر ختم کر دیں گے، آگے حساب کتاب کچھ نہیں۔ یہ خیالات تو ان کے ہیں جنہیں موت کے بعد دوسری زندگی سے انکار ہے سو ایسے منکروں کے لئے آگ تیار ہے۔ (تفسیر عثمانی)

باطل کا معنیٰ: باطلا خالی از مصلحت وحکمت۔ یا بے کار محض کھیل کے طور پر۔ یا باطل سے مراد ہے اتباع خواہشات جو حق کے مقابل ہے اس ساری کائنات سے خالق کے وجود پر استدلال اور اس کے احکام کی تعمیل کی صورت میں اس کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا کرنا حق ہے اور خواہشات نفس کا اتباع باطل ہے (پس اس کائنات کو اللہ نے اس لئے نہیں پیدا کیا کہ انسان اپنے نفس کے میلان وخواہش کا بندہ بن جائے نہ خالق کے وجود کو مانے نہ اس کے اوامر ونواہی کی پابندی کرے بلکہ خواہش پرست بنا رہے) (تفسیر مظہری)

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

کیا ہم کر دینگے ایمان والوں کو جو کرتے ہیں نیکیاں برابر

كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ

اُنکے جو خرابی ڈالیں ملک میں کیا ہم دینگے ڈرنیوالوں کو

الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿٢٨﴾

برابر ڈھیٹھ لوگوں کے ☆

قیام قیامت کی حکمت☆ یعنی ہمارے عدل وحکمت کا اقتضاء یہ نہیں کہ نیک ایماندار بندوں کو شریروں اور مفسدوں کے برابر کر دیں یا ڈرنے والوں کے ساتھ بھی وہ ہی معاملہ کرنے لگیں جو ڈھیٹ اور نڈر لوگوں کے ساتھ ہونا چاہئے اس لئے ضرور ہوا کہ کوئی وقت حساب وکتاب اور جزاء سزا کا رکھا جائے۔ لیکن دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے نیک اور ایماندار آدمی قسم قسم کی مصائب وآفات میں مبتلا رہتے ہیں اور کتنے ہی بدمعاش بے حیا مزے چین اڑاتے ہیں۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ موت کے بعد دوسری زندگی کی جو خبر مخبر صادق نے دی ہے عین مقتضائے حکمت ہے۔ وہاں ہی ہر نیک و بد کو اس کے برے بھلے کام کا بدلہ ملے گا پھر "یوم الحساب" کی خبر کا انکار کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قیامت کی ایک عقلی دلیل: اس آیت میں وجوب حشر کی ایک عقلی برہان ہے جو دلالت کر رہی ہے کہ اقرار حشر لازم ہے کیونکہ اس زندگی میں دونوں فریقوں کے درمیان برابری نہیں بلکہ تقاضا حکمت کے خلاف اس دنیا میں کافروں کو مومنوں پر (مال دولت اولاد وغیرہ کے لحاظ سے) عموماً برتری حاصل ہے اس لئے ضروری ہے کہ کوئی دوسری زندگی میں ہر فریق کو اس کی (فکری وعملی) حالت کے موافق بدلہ ملے۔ (تفسیر مظہری)

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْا اٰيٰتِهٖ

یہ ایک کتاب ہے جو اتاری ہم نے تیری طرف برکت کی تاکہ دھیان کریں

وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٩﴾

لوگ اُسکی باتیں اور تاکہ سمجھیں عقل والے ☆

کتاب کے نزول کی حکمت

☆ یعنی جب نیک اور بد کا انجام ایک نہیں ہو سکتا تو ضروری تھا کہ کوئی کتاب ہدایت مآب حق تعالیٰ کی طرف سے آئے جو لوگوں کو خوب معقول طریقہ سے ان کے انجام پر آگاہ کر دے۔ چنانچہ اس وقت یہ کتاب آئی جس کو قرآن مبین کہتے ہیں جس کے الفاظ، حروف، نقوش اور معانی ومضامین ہر چیز میں برکت ہے اور جو اسی غرض سے اتاری گئی ہے کہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل رکھنے والے اس کی نصیحتوں سے منتفع ہوں۔ چنانچہ اس آیت سے پہلے ہی آیت میں دیکھ لو، کس قدر صاف، فطری اور معقول طریقہ سے مسئلہ معاد کو حل کیا ہے کہ تھوڑی عقل والا بھی غور کرے تو صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ (تنبیہ) شاید "تدبر" سے قوت علمیہ کی اور "تذکر" سے قوت عملیہ کی تکمیل کی طرف اشارہ ہو، یہ سب باتیں حضرت داؤد علیہ السلام کے تذکرہ کے ذیل میں آ گئی تھیں۔ آگے پھر ان کے قصہ کی تکمیل فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تدبر آیات: کتاب۔ یعنی یہ قرآن اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی کتاب ہے۔ مبارک یعنی اس کے اندر خیر اور منفعت کثیر ہے۔ لیدبروا تاکہ لوگ غور کریں یعنی آپ اور آپ کی امت کے علماء غور کریں اس کے ظاہر کو پڑھیں اور صحیح تاویلات کو سمجھیں اور صحیح طور پر معانی کا استنباط کریں۔ یا یہ مطلب ہے کہ تمام اہل دانش غور کریں اور سمجھیں کہ اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے۔ انسان کی ساختہ پرداختہ ہونے کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا حسن نے کہا

تدبر آیات سے مراد ہے آیات کا اتباع کرنا (اور ان کے احکام پر چلنا) وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ یعنی صحیح دانش اور سلیم عقل والے نصیحت اندوز ہوں۔ خارجی دلائل کی روشنی میں معرفت خداوندی کے حصول پر سلیم عقل والوں کو فطری طور پر قدرت حاصل ہے۔ صحیح دانش والوں کی عقلوں میں داخل سے معرفت کا حصول مرکوز ہے اللہ کی بھیجی ہوئی کتابوں سے ان افکار و احکام کا علم حاصل ہو جاتا ہے جو تنہا عقل کی رسائی اور دائرہ دانش سے خارج ہیں اور بغیر شرع کے صرف عقل اپنی فکری جولانی سے وہاں تک نہیں پہنچ سکتی۔ (تفسیر مظہری)

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ

اور دیا ہم نے داؤد کو سلیمان ☆۱

☆ یعنی سلیمان بیٹا دیا جو انہی کی طرح نبی اور بادشاہ ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ

بہت خوب بندہ وہ ہے رجوع رہنے والا جب دکھانے کو لائے

الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۝ فَقَالَ اِنِّيْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ

اُسکے سامنے شام کو گھوڑے بہت خاصے تو بولا میں نے دوست رکھا مال کی

عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝ رُدُّوْهَا

محبت کو اپنے رب کی یاد سے یہاں تک کہ سورج چھپ گیا اوٹ میں پھیر

عَلَيَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ۝

لاؤ اُن کو میرے پاس پھر لگا جھاڑنے اُن کی پنڈلیاں اور گردنیں ☆

حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کی آزمائش

☆ یعنی نہایت اصیل، شائستہ اور تیز و سبک رفتار گھوڑے جو جہاد کے لئے پرورش کئے گئے تھے اُن کے سامنے پیش ہوئے۔ ان کا معائنہ کرتے ہوئے دیر لگ گئی۔ حتیٰ کہ آفتاب غروب ہو گیا شاید اس شغل میں عصر کا وقت کا وظیفہ بھی نہ پڑھ سکے ہوں اس پر کہنے لگے کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر ایک طرف ذکر اللہ (یاد خدا) سے بظاہر علیحدگی رہی تو دوسری جانب جہاد کے گھوڑوں کی محبت اور دیکھ بھال بھی اسی کی یاد سے وابستہ ہے۔ جب جہاد کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہے تو اس کے معدات و مبادی کا تفقد کیسے ذکر اللہ کے تحت میں داخل نہ ہوگا۔ آخر اللہ تعالیٰ جہاد اور آلات جہاد کے مہیا کرنے کی ترغیب نہ دیتا تو اس مال نیک سے ہم اس قدر محبت کیوں کرتے۔ اسی جذبہ جہاد کے جوش و افراط میں حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو پھر واپس لاؤ۔ چنانچہ واپس لائے گئے اور حضرت سلیمان غایت محبت و اکرام سے انکی گردنیں اور پنڈلیاں پونچھنے اور صاف کرنے لگے۔ آیت کی یہ تقریر بعض مفسرین نے کی ہے اور لفظ "حُبَّ الْخَيْرِ" سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ گویا خیر کا لفظ اس مضمون کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں فرمایا۔ "الخیل معقود فی نواصیھا الخیر الی یوم القیامة" لیکن دوسرے علماء نے اسکا مطلب یہ لیا ہے کہ حضرت سلیمان کو گھوڑوں کے معائنہ میں مشغول ہو کر اس وقت کی نماز یا وظیفہ سے ذہول ہو گیا اور ذہول و نسیان انبیاء کے حق میں محال نہیں۔ فرمایا کہ دیکھو ا مال کی محبت نے مجھ کو اللہ کی یاد سے غافل کر دیا حتیٰ کہ غروب آفتاب تک میں اپنا وظیفہ ادا نہ کر سکا۔ یہ مانا کہ اس مال کی محبت میں بھی ایک پہلو عبادت کا اور خدا کی یاد کا تھا۔ مگر خواص مقربین کو یہ فکر بھی رہتی ہے کہ جس عبادت کا جو وقت مقرر ہے اس میں تخلف نہ ہو اور ہوتا ہے تو صدمہ اور قلق سے بے چین ہو جاتے ہیں (گو عذر سے ہو)

ہرگز باغ دل خلالے کم بود — بردل سالک ہزاراں غم بود

"غزوہ خندق" میں دیکھ لو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی نمازیں قضا ہو گئیں باوجودیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عین جہاد میں مشغول تھے اور کسی قسم کا ذنب آپ پر نہ تھا لیکن جن کفار کے سبب سے ایسا پیش آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حق میں "ملأ اللہ بیوتھم وقبورھم نارا" وغیرہ الفاظ سے بددعا فرما رہے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی ایک موقت عبادت کے فوت ہو جانے سے بے تاب ہو گئے۔ حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو واپس لاؤ (جو یاد الٰہی کے فوت ہونے کا سبب بنے ہیں) جب لائے گئے تو شدت غیرت اور غلبہ حب الٰہی میں تلوار لے کر ان کی گردنیں اور پنڈلیاں کاٹنا شروع کر دیں تاکہ سبب غفلت کو اپنے سے اسطرح علیحدہ کریں کہ وہ فی الجملہ کفارہ اس غفلت کا ہو جائے۔ شاید ان کی شریعت میں قربانی گھوڑے کی جائز ہوگی۔ اور ان کے پاس گھوڑے وغیرہ اس کثرت سے ہوں گے کہ ان چند گھوڑوں کے قربان کرنے سے مقصد جہاد میں کوئی خلل نہ پڑتا ہوگا اور لفظ **فَطَفِقَ مَسْحًا** سے یہ بھی لازم نہیں آیا کہ سب گھوڑوں کو قتل ہی کر گذرے ہوں محض اتنا ہے کہ یہ کام شروع کر دیا واللہ اعلم۔ اس تقریر کی تائید ایک حدیث مرفوع سے ہوتی ہے جو طبرانی نے باسناد حسن ابی بن کعب سے روایت کی ہے۔ (راجع روح المعانی وغیرہ) (تفسیر عثمانی)

الصَّافِنَاتُ الْجِيَادُ: الصافنات صافن اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو تین ٹانگوں پر کھڑا ہوتا ہے اور چوتھی ٹانگ کے سم کی فقط ایک نوک (اس پر زور دیئے بغیر) زمین سے لگی ہوئی ہے یہ (گھوڑے کے اصیل ہونے کی علامت ہے اور) اچھی صفت مانی جاتی ہے۔

الجیاد۔ جواد کی یا جود کی جمع ہے تیز رفتار گھوڑے کو کہتے ہیں۔ بعض کے نزدیک جیاد جید کی جمع ہے تیز رفتار گھوڑے کو کہتے ہیں۔ بعض کے نزدیک جیاد

جید کی جمع ہے (کھرا گھوڑا) حضرت ابن عباسؓ نے کہا آیت میں گھوڑوں کی دونوں اچھی صفتیں بیان کی گئی ہیں۔ صافن ہونا اور جودت۔ جب گھوڑا کھڑا ہو تو اس کی صفت صافن ہونا ہے کہ سکون واطمینان کے ساتھ تین ٹانگوں پر کھڑا ہو اور جب چل رہا ہو تو سبک رفتار اور تیز رو ہو یہ جودت کی نشانی ہے۔

سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے: عبد بن حمید فریابی بن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابراہیم تیمی کے حوالہ سے بیان کیا کہ وہ بیس ہزار گھوڑے تھے اور (پرندوں کی طرح) بازوؤں والے تھے ان کو حضرت سلیمانؑ نے ذبح کرادیا تھا۔

عبد بن حمید اور ابن المنذر نے بروایت عوف بیان کیا کہ حسن نے کہا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جن گھوڑوں کو سلیمانؑ نے ذبح کیا تھا وہ (پرندوں کی طرح) پروں والے تھے اور حضرت سلیمان کے لئے سمندر سے برآمد کئے گئے تھے آپ سے پہلے اور نہ آپ کے بعد کسی کو دریائی گھوڑے نہیں ملے بغوی نے بروایت عکرمہ بیان کیا کہ وہ بیس ہزار پردار گھوڑے تھے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عائشہؓ: ابوداؤد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبوک یا خیبر کے سفر سے واپس آئے تھے گھر میں تشریف فرما تھے۔ جو تیز ہوا کے جھونکے سے گھر میں ایک کونے کا پردہ ہٹ گیا۔ وہاں حضرت عائشہؓ کے کھیلنے کی گڑیاں رکھی ہوئی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر بھی پڑگئی۔ دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا میری گڑیاں ہیں۔ آپؐ نے دیکھا کہ بیچ میں ایک گھوڑا سا بنا ہوا ہے جسکے دو پر ہیں کپڑے کے لگے ہوئے ہیں۔ پوچھا یہ کیا ہے۔ کہا گھوڑا ہے۔ فرمایا اور یہ اس کے اوپر دونوں طرف چھیڑے کے کیا بنے ہوئے ہیں؟ کہا یہ دونوں اس کے پر ہیں۔ فرمایا گھوڑا بھی اچھا ہے اور اس کے پر بھی۔ صدیقہؓ نے عرض کیا کہ کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمانؑ کے پردار گھوڑے تھے؟ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنس دیئے یہاں تک کہ آپ کے آخری دانت دکھائی دینے لگے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا استغفار: ابن المنذر نے بطریق ابن جریج بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا سلیمانؑ نے تلوار سے ان کی پنڈلیاں کاٹ دیں طبرانی نے الاوسط میں اور اسماعیل نے معجم میں اور ابن مردویہ نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت ابی بن کعب کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تلوار سے ان کی پنڈلیاں اور گردنیں باذن خدا کاٹ دیں۔ اس عمل کا باعث تھا ذکر خدا سے غافل رہ جانے کے گناہ سے توبہ کرنا۔ قرب خدا کے حصول کی طلب اور مرضی رب پالینے کا جذبہ۔

حسن نے کہا جب سلیمانؑ نے گھوڑوں کو قتل کر دیا تو ان کے عوض اللہ نے آپ کو ایسی سواری عنایت کی جو گھوڑوں سے بہتر اور ان سے زیادہ تیز رفتار تھی یعنی ہوا کو آپ کا تابع حکم بنادیا۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے گھوڑوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت خیرات کر دیا۔ گھوڑے کا گوشت ان کی شریعت میں حلال تھا۔ ہماری شریعت میں بھی بقول جمہور حلال ہے صرف امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے ان گھوڑوں کو جہاد کے لئے وقف کر دیا تھا اور ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر وقف کی علامت کے طور پر داغ لگا دیا تھا۔

زہری نے حضرت علی کا ایک قول نقل کیا ہے کہ سلیمانؑ نے جو رُدُّوْهَا عَلَيَّ کہا تھا وہ فرشتوں سے کہا تھا یعنی آفتاب پہ جو موکل ملائکہ تھے بحکم خدا ان سے کہا تھا کہ سورج کو واپس لوٹا لاؤ کہ میں عصر کی نماز پڑھ لوں چنانچہ فرشتے سورج کو واپس لوٹا لائے اور آپ نے عصر کی نماز بروقت پڑھ لی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا

اور ہم نے جانچا سلیمان کو اور ڈال دیا اس کے تخت پر ایک دھڑ

ثُمَّ اَنَابَ ﴿٣٤﴾

پھر وہ رجوع ہوا☆

آزمائش کی ایک اور صورت

☆ حدیث صحیح میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک روز قسم کھائی کہ آج رات میں اپنی تمام عورتوں کے پاس جاؤں گا (جو تعداد میں ستر یا نوے یا سو کے قریب تھیں) اور ہر ایک عورت ایک بچہ جنے گی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ فرشتہ نے القاء کیا کہ ''انشاء اللہ'' کہہ لیجئے مگر (باوجود دل میں موجود ہونے کے) زبان سے نہ کہا۔ خدا کا کرنا کہ اس مباشرت کے نتیجے میں ایک عورت نے بھی بچہ نہ جنا۔ صرف ایک عورت سے ادھورا بچہ ہوا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ دایہ نے وہ ہی ادھورا بچہ ان کے تخت پر لاکر ڈال دیا۔ کہ لو یہ تمہاری قسم کا نتیجہ ہے۔ (اسی کو یہاں ''جسد'' (دھڑ) سے تعبیر کیا ہے) یہ دیکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام ندامت کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع ہوئے اور ''انشاء اللہ'' نہ کہنے پر استغفار کیا۔ نزدیکاں را بیش بود حیرانی۔ حدیث میں ہے کہ اگر انشاء اللہ کہہ لیتے تو بے شک اللہ ویسا ہی کر دیتا جوان کی تمنا تھی (تنبیہ) اکثر مفسرین نے آیت کی تفسیر دوسری طرح کی ہے اور اس موقع پر بہت سے بے سروپا قصے سلیمانؑ کی انگشتری اور جنوں کے نقل کئے ہیں جسے دلچسپی ہو کتب تفاسیر میں دیکھ لے۔ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں ''وقد رويت هذه القصة مطولة عن جماعة من السلف رضى الله عنهم وكلها متلقاة من قصص اهل الكتاب'' والله سبحانه تعالىٰ اعلم بالصواب۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ

بولا اے رب میرے معاف کر مجھ کو اور بخش مجھ کو وہ بادشاہی کہ مناسب

لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ

نہ ہو کسی کو میرے پیچھے بیشک تو ہے سب کچھ بخشنے والا ☆

بے مثال حکومت ☆ یعنی ایسی عظیم الشان سلطنت عنایت فرما جو میرے سوا کسی کو نہ ملے، نہ کوئی دوسرا اس کا اہل ثابت ہو یا یہ مطلب ہے کہ کسی کو حوصلہ نہ ہو کہ مجھ سے چھین سکے (تنبیہ) احادیث میں ہے کہ ہر نبی کی ایک دعا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اجابت کا وعدہ فرما لیا ہے یعنی وہ دعا ضرور ہی قبول کریں گے۔ شاید حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ وہ ہی دعا ہو آخر نبی زادے اور بادشاہ زادے تھے۔ دعا میں بھی یہ رنگ رہا کہ بادشاہت ملے۔ اور اعجازی رنگ کی ملے وہ زمانہ ملوک اور جبارین کا تھا، اس حیثیت سے بھی یہ دعا مذاق زمانہ کے موافق تھی اور ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا مقصد ملک حاصل کرنے سے اپنی شوکت وحشمت کا مظاہرہ کرنا نہیں۔ بلکہ اس دین کا ظاہر و غالب کرنا اور قانون سماوی کا پھیلانا ہوتا ہے، جس کے وہ حامل بنا کر بھیجے جاتے ہیں لہٰذا اس کو دنیا داروں کی دعا پر قیاس نہ کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

انبیاء علیہم السلام کی درخواست کا طریقہ

انبیاء اور صالحین کا طریقہ ہے کہ پہلے استغفار کرتے ہیں پھر اللہ سے کچھ مانگتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ نے بھی ایسا ہی کیا پہلے درخواست مغفرت کی پھر حکومت کا سوال کیا۔ آیت کی رفتار بتا رہی ہے کہ حضرت سلیمانؑ پر جو یہ مصیبت پڑی وہ محض اللہ کی طرف سے ایک امتحان تھا تا کہ دنیا اور آخرت میں آپ کا مرتبہ اونچا کیا جائے جس طرح کہ حضرت ایوبؑ پر وقوع بلاء ترقی درجات کے لئے ہوا۔ حضرت سلیمانؑ نے نہ کسی گناہ کا ارتکاب کیا تھا نہ آپ سے کوئی لغزش ہوئی تھی ورنہ ندامت و استغفار بہت ہی زاری کے ساتھ گڑگڑا کر کرتے اور درخواست مغفرت تو بہ کے علاوہ کوئی لفظ زبان پر بھی نہ لاتے (حکومت مانگنے کا تو ذکر ہی کیا ہے) اور جس طرح اللہ نے حضرت داؤدؑ کے متعلق فرمایا تھا ویسے ہی آپ کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ۔

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دیو (شریر جن) آج رات تھوک اڑاتا (بد بو پھیلاتا) ہوا میری نماز تڑوانے کے لئے آیا لیکن اللہ نے اس پر مجھے قابو دیدیا اور میں نے اس کو پکڑ کر چاہا کہ مسجد کے کسی ستون سے باندھ دوں تا کہ (صبح کو) تم سب اسکو دیکھ سکو، پھر مجھے اپنے بھائی سلیمانؑ کی دعا یاد آئی کہ انہوں نے درخواست کی تھی رَبِّ هَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ۔ تو میں نے اس کو لوٹا دیا۔ (متفق علیہ)

میں کہتا ہوں اس جملہ کی یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ جو شخص مرتبہ میں میرے بعد ہے اس کو وہ حکومت میسر نہ ہو ایسی حکومت مجھے عطا فرما حضرت سلیمانؑ نے یہ درخواست لوگوں کی بھلائی اور انکی ہمدردی کے لئے کی تھی۔ مطلب یہ کہ میری طرح جس کی مشغولیت دنیا سے نہ ہو اور ہر وقت اللہ سے ہی لو لگی ہوئی ہو اسکو تو کوئی چیز ضرر نہیں پہنچا سکتی نہ اللہ سے کوئی شئے غافل بنا سکتی ہے اس کے لئے دنیا کا حصول نیکیاں حاصل کرنے کا مزید ذریعہ ہوتا ہے لیکن جو ایسا نہ ہو اسکو دنیا خدا سے غافل بنا دیتی ہے اور ایسے آدمی کے لئے دنیا سم قاتل کا حکم رکھتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان: بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ حضرت سلیمانؑ کے مرتبہ سے اعلیٰ تھا لیکن یہ بات قابل تسلیم نہیں کہ حضرت سلیمانؑ کی دعا کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکومت عطا نہیں کی گئی اللہ نے تو آپ کو اختیار دے دیا تھا کہ نبوت کے ساتھ چاہیں تو بادشاہ بھی بن جائیں یا غریب بندہ رہنا چاہیں (تو یونہی چھوڑ دیا جائے) آپؐ نے نبوت کے ساتھ (غریب) بندہ رہنا پسند کیا کیونکہ آپ کے نزدیک بادشاہت سے فقیری افضل تھی۔ رہی دیو کو ستون سے باندھنے والی حدیث تو خود اس میں صراحت ہے کہ دیو کو اللہ نے آپ کے قابو میں کر دیا تھا اور آپ اس کو ستون سے باندھ سکتے تھے لیکن حضرت سلیمانؑ کی دعا کا لحاظ کرتے ہوئے خود ہی نہیں باندھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تو جن وانس سب پر چلتا تھا۔

تاتی بدعوته الاشجار ساجدة — تمشی الیه علی ساق بلا قدم

آپ کو بلانے سے تو درخت سجدہ کرتے ہوئے بغیر قدموں کے صرف تنا کے سہارے سے چلتے ہوئے آپؐ کے پاس آ جاتے تھے۔

فقراء کی زندگی اور ان کا لباس آپ کو محبوب تھا خلفاء راشدین کی بھی یہی حالت تھی کہ خلافت کے ساتھ فقر ان کو پسند تھا اور دونوں گروہوں کے فضائل انہوں نے جمع کر لئے تھے۔

حکومت اور اقتدار کی دعا: یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام کی کوئی دعا اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ دعا بھی باری تعالیٰ کی اجازت ہی سے مانگی تھی۔ اور چونکہ اس کا منشاء محض طلب اقتدار نہیں تھا بلکہ اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کرنے اور کلمہ حق کو سر بلند کرنے کا جذبہ کارفرما تھا اور باری تعالیٰ کو معلوم تھا کہ حکومت ملنے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام انہی مقاصد عالیہ کے لئے کام کریں گے۔ اور حُبِّ جاہ کے جذبات ان کے دل میں جگہ نہیں پائیں گے۔ اس لئے انہیں اس دعا کی اجازت بھی دیدی گئی اور اسے قبول بھی کر لیا گیا۔ لیکن عام لوگوں کے لئے از خود اقتدار کے طلب کرنے کو حدیث میں اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اس میں حُبِّ جاہ و مال کے

جذبات شامل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جہاں انسان کو اس قسم کے جذبات نفسانی سے خالی ہونے کا یقین ہو اور وہ واقعۃً اعلاء کلمۃ الحق کے سوا کسی اور مقصد سے اقتدار حاصل نہ کرنا چاہتا ہو تو اس کے لئے حکومت کی دعا مانگنا جائز ہے۔ (روح المعانی وغیرہ) (معارف مفتی اعظم)

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ
پھر ہم نے تابع کر دیا اُسکے ہوا کو چلتی تھی اُس کے حکم سے نرم نرم جہاں پہنچنا
اَصَابَ ۝ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ۝
چاہتا اور تابع کر دیئے شیطان سارے عمارت کرنیوالے اور غوطے لگانیوالے ☆

☆ یعنی جن ان کے حکم سے بڑی بڑی عمارتیں بنانے اور موتی وغیرہ نکالنے کے لئے دریاؤں میں غوطے لگاتے تھے۔ ہوا اور جنات کے تابع کرنے کے متعلق پہلے سورہ "سبا" وغیرہ میں کچھ تفصیل گزر چکی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت سلیمانؑ کی جنوں پر حکومت

حضرت سلیمانؑ ہی پہلے شخص تھے جنھوں نے سمندروں کے موتی نکلوائے مقرنین زنجیروں میں جکڑے ہوئے۔ حضرت سلیمانؑ نے جنات کے دو گروہ کر دیئے تھے (۱) کچھ جنات کو بھاری دشوار کاموں پر لگا دیا تھا جیسے معمار اور غوطہ زن (۲) کچھ شریر تھے تو ان کو زنجیروں میں جکڑ دیا تھا۔ تا کہ لوگ ان کی شرارت سے محفوظ رہیں۔

میں کہتا ہوں شاید حضرت سلیمانؑ کو ابلیس پر تسلط اس لئے عطا نہیں کیا کہ اس سے آزاد رہنے کا وعدہ کر لیا گیا تھا اور اللہ نے اس سے فرما دیا تھا اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ (تفسیر مظہری)

وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِى الْاَصْفَادِ ۝
بہت سے اور جو باہم جکڑے ہوئے ہیں بیڑیوں میں ☆

☆ یعنی بہت سے جنات اور تھے جن کو سرکشی اور شرارت و تمرد کی وجہ سے قید کر کے ڈال دیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

جنات کی زنجیریں: یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ سرکش جنات کو حضرت سلیمانؑ نے زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا' اب ان زنجیروں کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ یہی نظر آنے والی لوہے کی زنجیریں ہوں' ہو سکتا ہے کہ جنات کو جکڑنے کے لئے کوئی اور طریقہ اختیار کیا گیا ہو۔ جسے آسانی سے سمجھانے کے لئے یہاں زنجیروں سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝
یہ ہے بخشش ہماری اب تو احسان کر یا رکھ چھوڑ کچھ حساب نہ ہوگا ☆

عطائے الٰہی ☆ یعنی کسی کو بخشش دو یا نہ دو تم مختار ہو۔ اس قدر بے حساب دیا، اور حساب و کتاب کا مواخذہ بھی نہیں رکھا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یہ اور مہربانی کی کہ اتنی دنیا دی اور مختار کر دیا۔ حساب معاف کر کے لیکن وہ کھاتے تھے اپنے ہاتھ کی محنت سے ٹوکرے بنا کر"۔ (تفسیر عثمانی)

بے مثال حکومت: ہم نے سلیمانؑ سے کہا کہ یہ حکومت اور ایسا تسلط جو کسی اور کو نہیں دیا گیا صرف تم کو دیا گیا ہے ہمارا خاص عطیہ ہے فَامْنُنْ سو جسکو چاہو دو اَوْ اَمْسِكْ اور جس سے چاہو روک رکھو نہ دو۔

بغیر حساب تم سے اس کی حساب فہمی نہ ہوگی کہ کیوں دیا اور کیوں نہ دیا کیونکہ تصرف کا پورا اختیار تم کو دیدیا گیا ہے حسن نے کہا اللہ نے جس کسی کو نعمت سے سرفراز کیا آخر کار وہ نعمت اسکے لئے انجام بد بن گئی سواء حضرت سلیمانؑ کے کیونکہ ان کو اختیار دیدیا گیا کہ وہ کسی کو دیں تو انکو ثواب ملیگا نہ دیں تو انجام میں مواخذہ نہ ہوگا۔

بغیر حساب کا تعلق عطاء سے بھی ہو سکتا ہے اس صورت میں عطاء سے مراد عطاء کثیر ہوگی یعنی بے حساب ان گنت نعمت ہم نے تم کو دی ہے۔

مقاتل نے کہا هٰذَا عَطَآؤُنَا کا یہ مطلب ہے کہ یعنی جنات کی تسخیر ہمارا خاص عطیہ ہے جو ہم نے تم کو دیا ہے فَامْنُنْ سو تم جسکو ان میں سے چاہو چھوڑ دو اور جس کو اپنی بندش میں رکھنا چاہو رکھو چھوڑنے اور بند رکھنے کا تم سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝
اس کا ہمارے یہاں مرتبہ ہے اور اچھا ٹھکانہ ☆

☆ یعنی بادشاہت کے باوجود جو روحانی تقرب اور مرتبہ ہمارے ہاں حاصل ہے اور فردوس بریں میں جو اعلیٰ سے اعلیٰ ٹھکانا تیار ہے وہ بجائے خود رہا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ
اور یاد کر ہمارے بندے ایوب کو جب اُس نے پکارا اپنے رب کو کہ مجھ کو لگا دی
الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ۝
شیطان نے ایذا اور تکلیف ☆

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری

قرآن کریم کے تتبع سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن امور میں کوئی پہلو شر یا ایذاء کا یا کسی مقصد صحیح کے فوت ہونے کا ہو ان کو شیطان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں آیا "وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ" (کہف۔ رکوع ۹) کیونکہ اکثر اس قسم کی چیزوں کا سبب قریب یا بعید کسی درجہ

میں شیطان ہوتا ہے۔ اسی قاعدے سے حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیماری یا تکلیف وآزار کی نسبت شیطان کی طرف کی تو گویا تواضعاً وتادباً یہ ظاہر کیا کہ ضرور مجھ سے کچھ تساہل یا کوئی غلطی اپنے درجہ کے موافق صادر ہوئی ہے جس کے نتیجہ میں یہ آزار پیچھے لگا۔ یا حالت مرض وشدت میں شیطان القاء وساوس کی کوشش کرتا ہوگا اور یہ اس کی مدافعت میں تعب وتکلیف اٹھاتے ہوں گے اس کو نصب وعذاب سے تعبیر فرمایا۔ واللہ اعلم

(تنبیہ) حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ سورہ ''انبیاء'' میں گزر چکا۔ وہاں ملاحظہ کر لیا جائے مگر واضح رہے کہ قصہ گویوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کے متعلق جو افسانے بیان کئے ہیں اس میں مبالغہ بہت ہے۔ ایسا مرض جو عام طور پر لوگوں کے حق میں تنفر اور استقذار کا موجب ہو انبیاء علیہم السلام کی وجاہت کے منافی ہے۔ کما قال تعالیٰ '' لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا ۚ وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا '' (احزاب رکوع ۹) لہٰذا اسی قدر بیان قبول کرنا چاہئے جو منصب نبوۃ کے منافی نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

قتادہ نے کہا نصب سے مراد ہے جسمانی دکھ اور عذاب سے مراد ہے مالی تباہی حضرت ایوب کے دکھ اور تکلیف کا مفصل ذکر اور ان کا پورا قصہ ہے ہم نے سورۃ انبیاء میں بیان کر دیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اس طرح کی بیماری کہ بدن سے کیڑے گرنے لگے اور لوگ ان کو گھر سے باہر کسی جگہ لے جا کر ڈال دیں۔ انبیاء علیہم السلام کی اس عظمت و وجاہت کے منافی ہے جو اللہ کی طرف سے خاصۂ نبوت ہے۔ عوارض جسمانیہ اور امراض کا انبیاء پر ورود بے شک درست ہے۔ لیکن ایسے امراض جو گندے اور قابل نفرت ہوں مثلاً جذام و برص عمی (نابینا پن) اور جنون واپاہج پن سے محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

وہ آثار جن میں حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف پھوڑے پھنسیوں کی نسبت کی گئی ہے یا جن میں کہا گیا ہے کہ آپ کو کوڑے پر ڈال دیا گیا تھا' روایۃً ودرایۃً قابل اعتماد نہیں ہیں۔ (ملخص از روح المعانی واحکام القرآن)

ارْكُضْ بِرِجْلِكَ ۖ هَٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ﴿٤٢﴾

لات مار اپنے پاؤں سے یہ چشمہ نکلا نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو اور بخشے ہم

وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا

نے اُس کو اُسکے گھر والے اور اُنکے برابر اُنکے ساتھ اپنی طرف کی مہربانی

وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿٤٣﴾

سے اور یاد رکھنے کو عقل والوں کے ☆

صبر کا پھل ☆ جب اللہ نے چاہا کہ ان کو چنگا کرے حکم دیا کہ زمین پر پاؤں ماریں۔ پاؤں مارنا تھا کہ قدرت نے وہاں سے ٹھنڈے پانی کا چشمہ نکال دیا۔ اسی سے نہایا کرتے اور پانی پیتے وہ ہی ان کی شفاء کا سبب ہوا۔ اور ان کے گھرانے کے لوگ جو چھت کے نیچے دب کر مر گئے تھے۔ اللہ نے اپنی مہربانی سے ان سے دگنے عطا کئے تاکہ عقلمند لوگ ان واقعات کو دیکھ کر سمجھیں کہ جو بندہ مصائب میں مبتلا ہو کر صبر کرتا اور خدائے واحد کی طرف رجوع ہوتا ہے حق تعالیٰ اس کی کس کس طرح کفالت واعانت فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

صبر کے بدلہ میں رحمت: صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ایوب ننگے ہو کر نہا رہے تھے کہ آسمان سے سونے کی ٹڈیاں برسنے لگیں' آپؑ نے جلدی جلدی ان کو اپنے کپڑے میں سمیٹنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے آواز دی کہ اے ایوب! کیا میں نے تمہیں غنی اور بے پرواہ نہیں کر رکھا۔ آپؑ نے جواب دیا ہاں خدایا بیشک تو نے مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے۔ میں سب سے غنی اور بے نیاز ہوں لیکن تیری رحمت سے بے نیاز نہیں ہوں۔ بلکہ اس کا تو پورا محتاج ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے اس صابر پیغمبرؑ کو نیک بدلے اور بہتر جزائیں عطا فرمائیں۔ اولاد بھی دی اور اسی کے مثل اور بھی دی۔ بلکہ حضرت حسنؒ اور قتادہؒ سے تو منقول ہے کہ مردہ اولاد خدا تعالیٰ نے زندہ کر دی اور اتنی ہی مزید اولاد عطا کی۔ یہ تھا اللہ تعالیٰ کا رحم جو ان کے صبر واستقلال' رجوع الی اللہ اور تواضع وانکساری کے بدلہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا اور عقلمندوں کے لئے نصیحت وعبرت ہے وہ جان لیتے ہیں کہ صبر کا انجام کشادگی ہے اور رحمت وراحت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِب بِّهِ وَلَا تَحْنَثْ

اور پکڑ اپنے ہاتھ میں سینکوں کا مٹھا پھر اس سے مار لے اور قسم میں جھوٹا نہ ہو ☆

قسم پوری کرنے کی مخصوص ترکیب

☆ حضرت ایوب علیہ السلام نے حالت مرض میں کسی بات پر خفا ہو کر قسم کھائی کہ تندرست ہو گئے تو اپنی عورت کو سو لکڑیاں ماریں گے۔ وہ بی بی اس حالت کی رفیق تھی اور چنداں قصور وار بھی نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے قسم سچا کرنے کا ایک حیلہ ان کو بتلا دیا جو ان ہی کے لئے مخصوص تھا۔ آج اگر کوئی اسطرح کی قسم کھا بیٹھے تو اس کے پورا کرنے کے لئے اتنی بات کافی نہ ہوگی (تنبیہ) جس حیلہ سے کسی حکم شرعی یا مقصد دینی کا ابطال ہوتا ہو وہ جائز نہیں جیسے اسقاط زکوۃ وغیرہ کے حیلے لوگوں نے نکالے ہیں۔ ہاں جو حیلہ حکم شرعی کو باطل نہ کرے بلکہ کسی معروف کا ذریعہ بنتا ہو اسکی اجازت ہے۔ والتفصیل یطلب من مظانہ۔

اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾ وَاذْكُرْ

ہم نے اُسکو پایا جھیلنے والا بہت خوب بندہ تحقیق وہ ہے رجوع رہنے والا

عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ

اور یاد کر ہمارے بندوں کو ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب ہاتھوں والے اور

وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾

آنکھوں والے ☆

☆ یعنی عمل اور معرفت والے جو ہاتھ پاؤں سے بندگی کرتے اور آنکھوں سے خدا کی قدرتیں دیکھ کر یقین و بصیرت زیادہ کرتے ہیں۔

مقام صبر سے ترقی

(حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کا عجیب کلام)

اس مقام پر ہمارے شیخ شہید کا بہت اونچا کلام ہے آپ نے فرمایا جب حضرت ایوب علیہ السلام دُکھ اور مصیبت پر برسوں صبر کر چکے اور اللہ نے چاہا کہ ان کے دُکھ اور تکلیف کو دور کر دے تو ان کے دل میں یہ بات خود ہی پیدا کر دی کہ اللہ تجھ سے دعا اور زاری کا خواستگار ہے تو بارگاہِ الٰہی میں اپنی عاجزی اور احتیاج کا اظہار کرتا کہ اللہ اس مصیبت کو دور کر دے۔ چنانچہ آپ نے اپنے طبعی تقاضا کے خلاف جو صبر کا خواستگار تھا مرضی رب کو حاصل کرنے کے لئے دعا اور زاری کو ترجیح دی اور طرح مقام صبر سے ترقی کر کے مقام رضا میں پہنچ گئے اور اللہ نے بھی آپ کے صبر کی قدردانی کی اور فرمایا۔ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا۔

اُولِى الْاَيْدِىْ یعنی اطاعت خداوندی میں اور دین و معرفت الٰہیہ میں بصیرت مند تھے۔ حضرت ابن عباسؓ قتادہ اور مجاہد نے یہی تشریح کی اطاعت اور بدنی اعمال کی تعبیر لفظ ایدی (ہاتھ) سے کی کیونکہ ہاتھوں سے اکثر اعمال کئے جاتے ہیں۔ اور ابصار سے معرفت خداوندی کی تعبیر کی کیونکہ آنکھیں ہی خدا شناسی میں قوی ترین ذریعہ ہیں خلاصہ یہ کہ تینوں حضرات عملی اور علمی قوتوں کے مالک تھے عملی قوت کو اللہ کی اطاعت میں صرف کرتے تھے اور علمی قوت سے معرفت خداوندی اور دینی دانش حاصل کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾

ہم نے امتیاز دیا اُن کو ایک چُنی ہوئی بات کا وہ یاد اُس گھر کی ☆

☆ انبیاء کا امتیاز یہ ہے کہ ان کے برابر خدا کو اور آخرت کو یاد رکھنے والا کوئی نہیں اسی خصوصیت کی وجہ سے اللہ کے ہاں ان کو سب سے ممتاز مرتبہ حاصل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾

اور وہ سب ہمارے نزدیک ہیں چنے ہوئے نیک لوگوں

وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ وَكُلٌّ

میں اور یاد کر اسمٰعیل کو اور الیسع کو اور ذوالکفل کو اور ہر ایک تھا

مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾

خوبی والا ☆

☆ حضرت اسمٰعیل اور ذوالکفل کا ذکر پہلے گزر چکا اور ”الیسع“ کہتے ہیں کہ حضرت الیاسؑ کے خلیفہ تھے۔ ان کو بھی اللہ نے نبوت عطا فرمائی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت الیسع علیہ السلام: تاریخ کی کتابوں میں منقول ہے کہ آپ حضرت الیاس علیہ السلام کے چچازاد بھائی ہیں اور حضرت الیاس علیہ السلام کے نائب اور خلیفہ تھے انہی کی رفاقت میں رہتے تھے ان کے بعد آپ کو نبوت عطا کی گئی بائبل کی کتاب سلاطین اول باب نمبر ۱۹ اور سلاطین دوم باب نمبر ۲ وغیرہ میں آپ کے تفصیلی حالات بیان کئے گئے ہیں۔ وہاں آپ کے اسم گرامی الیشع بن سافط مذکور ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

هٰذَا ذِكْرٌ ؕ

یہ ایک مذکور ہو چکا ہے

یعنی یہ مذکور تو انبیاء کا تھا۔ آگے عام متقین کا انجام سن لو۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ

تحقیق ڈر والوں کیلئے ہے اچھا ٹھکانا باغ ہیں سدا بسنے کے کھول

مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾

رکھے ہیں اُن کے واسطے دروازے ☆

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”جب بہشت میں داخل ہوں گے، ہر کوئی بدون بتائے اپنے گھر میں چلا جائے گا“ آواز دے کر دروازہ کھلوانے کی ضرورت نہ پڑے گی۔ (تفسیر عثمانی)

محل عدن: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جنت میں ایک محل عدن ہے جس کے آس پاس برج ہیں۔ جس کے پانچ ہزار دروازے ہیں اور ہر دروازے پر پانچ ہزار چادریں ہیں۔ اس میں صرف نبی یا صدیق یا شہید یا عادل بادشاہ ہی رہیں گے (ابن ابی حاتم) (تفسیر ابن کثیر)

مُتَّكِـِٔيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ

تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے اُن میں منگوائیں گے اُن میں میوے بہت

وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾

اور شراب ☆

☆ یعنی قسم قسم کے میوے پھل اور پینے کی چیزیں حسب خواہش غلمان حاضر کریں گے۔ (تفسیر عثمانی)

جنت میں کھانے کا مقصد: اہل جنت کا کچھ کھانا محض لذت اندوزی کیلئے ہوگا۔ حصول غزائیت کے لئے نہیں ہوگا غذا کی ضرورت تو اس لئے ہوتی ہے کہ اجزاء جسم کو تحلیل شدہ قوت کا بدل مل جائے (اور جنت کے اندر قوت کے تحلیل ہونے اور کمزور پڑ جانے کا کوئی احتمال ہی نہیں ہے) (تفسیر مظہری)

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾

اور اُن کے پاس عورتیں ہیں نیچی نگاہ والیاں ایک عمر کی ☆

یعنی سب عورتیں نوجوان ایک عمر ہوں گی یا شکل وشمائل خوبو میں اپنے ازواج کی ہم عمر معلوم ہوں گی۔ (تفسیر عثمانی)

قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ یعنی ایسی عورتیں جن کی نگاہیں شوہروں کے سوا دوسروں پر نہ پڑیں گی (یعنی ان کی نگاہ آوارہ نہ ہوگی)

اتراب۔ یہ ترب کی جمع ہے ہم عمر۔ سب کی عمر ۳۳ سال کی ہوگی۔ مجاہد نے کہا سب آپس میں بہنوں بہنوں کی طرح ہونگی۔ یہاں کی سوکنوں کی طرح ان میں جلن نہ ہوگی نہ حسد ہوگی۔

زوجین کے درمیان عمر کا تناسب

اور دوسری صورت میں جبکہ "ہم عمر" کا مطلب یہ لیا جائے کہ وہ اپنے شوہروں کی ہم عمر ہوں گی' اس کا فائدہ یہ ہے کہ ہم عمری کی وجہ سے طبیعتوں میں زیادہ مناسبت اور توافق ہوگا۔ اور ایک دوسرے کی راحت و دلچسپی کا خیال زیادہ رکھا جا سکے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زوجین کے درمیان عمر میں تناسب کی رعایت رکھنی چاہئے' کیونکہ اس سے باہمی اُنس پیدا ہوتا ہے۔ اور رشتہ نکاح زیادہ خوشگوار اور پائیدار ہو جاتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰذَا

یہ وہ ہے جو تم سے وعدہ کیا گیا حساب کے دن پر یہ ہے

لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾

روزی ہماری دی ہوئی اسکو نہیں نبڑنا ☆

لازوال نعمتیں ☆ یعنی غیر منقطع اور لازوال نعمتیں ہیں جن کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ رزقنا الله منها بفضله وكرمه فانه اكرم الاكرمين وارحم الراحمين (تفسیر عثمانی)

هٰذَا ؕ

یہ سن چکے ☆

☆ یعنی پرہیزگاروں کا انجام سن چکے۔ آگے شریروں کا انجام سن لو۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا

اور تحقیق شریروں کے واسطے ہے بُرا ٹھکانا دوزخ ہے جس میں اُنکو ڈالیں گے

فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾ هٰذَا فَلْيَذُوْقُوْهُ

سو کیا بُری آرام کرنے کی جگہ ہے یہ ہے اب اُس کو چکھیں

یعنی لو! یہ حاضر ہے۔ اب اس کا مزہ چکھیں۔ (تفسیر عثمانی)

حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾

گرم پانی اور پیپ

غَسَّاق کے معنی ☆ "غساق" سے بعض نے کہا کہ دوزخیوں کے زخموں کی پیپ اور ان کی آلائشیں مراد ہیں جن میں سانپوں بچھوؤں کا زہر ملا ہوگا۔ اور بعض کے نزدیک "غساق" حد سے زیادہ ٹھنڈے پانی کو کہتے ہیں جسکے پینے سے تحت اذیت ہو گویا "حمیم" کی پوری ضد۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ایسی برفیلی سخت ٹھنڈک جو اس طرح دوزخیوں کو جلادیگی جس طرح آگ اپنی گرمی سے جلائیگی۔ مجاہد اور مقاتل نے کہا جس چیز کی برودت انتہائی درجہ کی ہو وہ غساق ہے۔

العیاذ، العیاذ: مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر ایک ڈول غساق کا دنیا میں بہایا جائے تو تمام اہل دنیا بدبودار ہو جائے حضرت کعب احبارؓ فرماتے ہیں کہ غساق نامی جہنم میں ایک نہر ہے' جس میں سانپ' بچھو' وغیرہ کا زہر جمع ہوتا ہے پھر وہ گرم ہو کر پکنے لگتا ہے' اس میں جہنمیوں کو غوطے دیئے جائیں گے جس سے اُن کا سارا گوشت پوست جھڑ جائے گا اور پنڈلیوں میں لٹک جائے گا۔ جسے وہ اس طرح گھسیٹتے پھریں گے جیسے کوئی شخص اپنا کپڑا گھسیٹ رہا ہو (ابن ابی حاتم) (تفسیر ابن کثیر)

وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ﴿۵۸﴾ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ

اور کچھ اسی شکل کی طرح طرح کی چیزیں یہ ایک فوج ہے دھنستی آرہی ہے

مَعَكُمْ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ۚ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ۝ قَالُوْا

تمہارے ساتھ جگہ نہ ملیو اُن کو یہ ہیں گھسنے والے آگ میں وہ بولے

بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ ۚ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ

بلکہ تم ہی ہو کہ جگہ نہ ملیو تم کو تم ہی پیش لائے ہمارے یہ بلا سو کیا بُری

فَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝

ٹھہرنے کی جگہ ہے ☆

دوزخیوں کی گفتگو ☆ یہ گفتگو دوزخیوں کی آپس میں ہوگی، جس وقت فرشتے کو یکے بعد دیگرے لالا کر دوزخ کے کنارے پر جمع کریں گے پہلا گروہ سرداروں کا ہوگا بعدہٗ انکے مقلدین واتباع کی جماعت آئے گی۔ اس کو دور سے آتے ہوئے دیکھ کر پہلے لوگ کہیں گے کہ لو! یہ ایک اور فوج دھنستی اور کھپتی ہوئی تمہارے ساتھ دوزخ میں گرنے کے لئے چلی آ رہی ہے۔ خدا کی مار ان پر۔ یہ بھی یہیں آ کر مرنے کو تھے۔ خدا کرے ان کو کہیں کشادہ جگہ نہ ملے۔ اس پر وہ جواب دیں گے کہ کم بختو! تمہی پر خدا کی مار ہو، خدا تم کو ہی کہیں آرام کی جگہ نہ دے، تم ہی تھے جن کے اغواء واضلال کی بدولت آج ہم کو یہ مصیبت پیش آئی اب بتاؤ کہاں جائیں۔ جو کچھ ہے یہی جگہ ٹھہرنے کی ہے، جس طرح ہو یہاں ہی سب مرو کھپو۔ (تفسیر عثمانی)

آیات کی لطیف تفسیر: میں کہتا ہوں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء لوگوں کو پیچھے سے کمر پکڑ کر دوزخ میں گرنے سے روکتے ہیں اور ایسے کاموں سے روکتے ہیں جن کا ارتکاب موجب جہنم ہے مگر لوگ نہیں مانتے خود ہی دوزخ میں گھسے پڑتے ہیں اور ایسے کام کرتے ہیں جو جہنم میں لیجانیوالے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی ہو جب آگ روشن ہوگئی تو پروانے اور یہ کیڑے مکوڑے آ آ کر اس میں گرنے لگے۔ وہ ہر چند گرنے سے روکتا تھا مگر آگ میں گرنے والے (پروانے اور کیڑے) اس پر غالب آ کر گھسے ہی چلے جاتے تھے (آخر سوختہ ہو جاتے تھے) میں بھی تم کو دوزخ میں گرنے سے ہر چند روکتا ہوں اور کہتا ہوں دوزخ سے ہٹ آؤ آگ سے بچ آؤ مگر تم مجھ پر غالب آتے اور دوزخ میں گھسے پڑتے ہو (متفق علیہ)

قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ یعنی اتباع کرنے والے اپنے پیشواؤں سے کہیں گے کہ تم نے جو کچھ کہا یا ہمارے متعلق جو کچھ کہا گیا اس کے تم زیادہ مستحق ہو تم خود بھی گمراہ ہوئے اور ہم کو بھی گمراہ کیا۔

اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا اس عذاب کو یا داخلہ جہنم کو تم ہی ہمارے آگے لائے۔ (تفسیر مظہری)

قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا

وہ بولے اے رب ہمارے جو کوئی لایا ہمارے پیش یہ سو بڑھا دے اُس

ضِعْفًا فِي النَّارِ ۝

کو دونا عذاب آگ میں ☆

ایک حسرت ☆ یعنی آپس میں لعن طعن کر کے پھر حق تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ اے پروردگار جو اپنی شقاوت سے یہ بلا اور مصیبت ہمارے سر پر لایا اس کو دوزخ میں دوگنا عذاب دیجئے۔ شاید سمجھیں گے کہ اس کا دوگنا عذاب دیکھ کر ذرا دل ٹھنڈا ہو جائے گا حالانکہ وہاں تسلی کا سامان کہاں؟ ایک دوسرے کو کوسنا اور پھٹکارنا یہ بھی ایک مستقل عذاب ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ

اور کہیں گے کیا ہوا کہ ہم نہیں دیکھتے اُن مردوں کو کہ ہم اُنکو شمار کرتے تھے

مِّنَ الْاَشْرَارِ ۝ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ

بُرے لوگوں میں کیا ہم نے اُنکو ٹھٹھے میں پکڑا تھا یا چوک گئیں اُن سے

الْاَبْصَارُ ۝

ہماری آنکھیں ☆

☆ وہاں دیکھیں گے کہ سب جان پہچان والے لوگ ادنیٰ واعلیٰ دوزخ میں جانے کے واسطے جمع ہوئے ہیں۔ مگر جن مسلمانوں کو پہچانتے تھے اور سب سے زیادہ بُرا جان کر مذاق اڑایا کرتے تھے وہ اس جگہ نظر نہیں آتے تو حیران ہو کر کہیں گے کہ کیا ہم نے غلطی سے ان کے ساتھ ٹھٹھا کیا تھا وہ اس قابل نہ تھے کہ آج دوزخ کے نزدیک رہیں یا اسی جگہ کہیں ہیں پر ہماری آنکھیں چوک گئیں۔ ہمارے دیکھنے میں نہیں آتے۔ (تفسیر عثمانی)

فقراء مومنین کی آخرت قابل رشک

اشرار شریر کی جمع ہے شر خیر کی ضد ہے۔ خیر وہ چیز ہے جس کی طرف سب کو رغبت ہوتی ہے اور شر وہ چیز ہوتی ہے جس سے ہر شخص نفرت کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم دنیا میں ان کو برا سمجھتے تھے اور ان کی تحقیر کرتے تھے آج وہ یہاں کیوں نظر نہیں آتے ان کی مراد یہ ہوگی کہ فقراء مومنین جیسے حضرت عمارؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت بلالؓ، حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ یہاں کیوں نہیں دکھائی دیتے۔ دنیا میں وہ کافران مخلص غریب مومنوں کو ذلیل جانتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿٦٤﴾

یہ بات ٹھیک ہونی ہے جھگڑا کرنا آپس میں دوزخیوں کا ☆

دوزخیوں کا جھگڑا حق ہے

یعنی بظاہر یہ بات خلاف قیاس ہے کہ اس افراتفری میں ایک دوسرے سے جھگڑیں۔ عذاب کا ہولناک منظر کیسے دوسری طرف متوجہ ہونے دے گا۔ لیکن یاد رکھو! ایسا ہو کر رہے گا۔ یہ بالکل یقینی چیز ہے جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ اور حقیقت میں یہ ان کے عذاب کی تکمیل ہے۔ (تفسیر عثانی)

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ

تو کہہ میں تو یہی ہوں ڈر سنا دینے والا اور حاکم کوئی نہیں مگر اللہ اکیلا

الْقَهَّارُ ﴿٦٥﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا

دباؤ والا رب آسمانوں کا اور زمین کا اور جو اُن کے بیچ میں ہے

الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿٦٦﴾

زبردست گناہ بخشنے والا ☆

پیغمبر کا کام ☆ میرا کام تو اتنا ہی ہے کہ تم کو اس آنے والی خوفناک گھڑی سے ہوشیار کردوں اور جو بھیانک مستقبل آنے والا ہے اس سے بے خبر نہ رہنے دوں۔ باقی سابقہ جس حاکم سے پڑنے والا ہے وہ تو وہی اکیلا خدا ہے جس کے سامنے کوئی چھوٹا بڑا دم مار نہیں سکتا۔ ہر چیز اس کے آگے دبی ہوئی ہے۔ آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی کوئی چیز نہیں جو اس کے زیر تصرف نہ ہو جب تک چاہے ان کو قائم رکھے جب چاہے توڑ پھوڑ کر برابر کردے۔ اس عزیز وغالب کا ہاتھ کون پکڑ سکتا ہے اسکے زبردست قبضہ سے کون نکل کر بھاگ سکتا ہے اور ساتھ ہی اس کی لامحدود رحمت وبخشش کو کس کی مجال ہے، محدود کردے۔ (تفسیر عثانی)

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿٦٧﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿٦٨﴾

تو کہہ یہ ایک بڑی خبر ہے کہ تم اُس کو دھیان میں نہیں لاتے ☆

بہت بڑا حادثہ ☆ یعنی قیامت اور اسکے احوال کوئی معمولی چیز نہیں۔ بڑی بھاری اور یقینی خبر ہے جو میں تم کو دے رہا ہوں۔ عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ (نبا۔ رکوع ۱) مگر افسوس ہے کہ اس کی طرف سے بالکل بے فکر ہو۔ جو کچھ تمہاری خیر خواہی کو کہا جاتا ہے دھیان میں نہیں لاتے۔ بلکہ الٹا مذاق اڑاتے ہو کہ کب آئے گی۔ کیونکر آئے گی اور اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے، اسے جلد کیوں نہیں بلا لیتے وغیرہ ذلک۔ (تفسیر عثانی)

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٦٩﴾

مجھ کو کچھ خبر نہ تھی اُوپر کی مجلس کی جب وہ آپس میں تکرار کرتے ہیں مجھ کو تو

اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٠﴾

یہی حکم آتا ہے کہ اور کچھ نہیں میں تو ڈر سنا دینے والا ہوں کھول کر ☆

ملأ اعلی: ☆ ''ملأ اعلی'' (اوپر کی مجلس) ملائکہ مقربین وغیرہم کی مجلس ہے جنکے توسط سے تدابیر الہیہ اور تصریفات کونیہ ظہور پذیر ہوتی ہیں۔

قیامت کا حتمی علم کسی کو نہیں

یعنی ملأ اعلی میں نظام عالم کے فناء وبقاء کے متعلق جو تدبیریں یا بحثیں اور قیل وقال ہوتی ہے۔ مجھے اس کی کیا خبر تھی جو تم سے بیان کرتا۔ اللہ تعالی نے جن اجزاء پر مطلع فرما دیا وہ بیان کر دیئے۔ جو کچھ کہتا ہوں اسی کی وحی و اعلام سے کہتا ہوں مجھ کو یہی حکم ملا ہے کہ سب کو اس آنے والے خوفناک مستقبل سے خوب کھول کھول کر آگاہ کردوں۔ رہا یہ کہ وہ وقت کب آئے گا اور قیامت کب قائم ہوگی؟ نہ انذار کے لئے اسکی ضرورت ہے، نہ اسکی اطلاع کسی کو دی گئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ چند انبیاء علیہم السلام کے ایک اجتماع میں قیامت کا ذکر چلا کہ کب آئے گی سب نے حضرت ابراہیم پر حوالہ کیا انہوں نے فرمایا کہ مجھے علم نہیں پھر سب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حوالہ کیا ان کی طرف سے بھی وہی جواب ملا آخر سب نے حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف رجوع کیا فرمایا ''وجبۃ الساعۃ'' (عین قیامت کے وقوع کی گھڑی) تو مجھے بھی معلوم نہیں البتہ حق تعالی نے مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے الخ اور ایک حدیث میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے قیامت کے آنے کا وقت دریافت کیا۔ فرمایا ''ما المسئول عنھا باعلم من السائل'' یعنی میں تم سے زیادہ نہیں جانتا۔ معلوم ہوا کہ ملأ اعلی میں قیامت کے متعلق اس قسم کی کچھ بحث وتکرار اور قیل وقال ہوتی ہے جیسا کہ ایک حدیث میں اللہ تعالی کا آپ سے کئی مرتبہ سوال کرنا ''فیم یختصم الملأ الاعلی'' اور آپ کا جواب دینا مذکور ہے۔ مگر وہاں کے مباحثات کا علم بجز وحی الہی کے اور کس طرح ہو سکتا ہے۔ یہی ذریعہ ہے جس سے اہل نار کے تخاصم پر آپ کو اطلاع ہوئی اسی سے ملأ اعلی کے اختصام کی خبر لگی اور جو تخاصم ابلیس کا آدم کے معاملہ میں ہوا جس کا ذکر آگے آتا ہے وہ بھی اسی ذریعہ سے معلوم ہوا۔ (تفسیر عثانی)

عالم بالا کی بحث: حضرت عبدالرحمن بن عائش حضرمی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے میں نے اپنے رب کو نہایت ہی حسین شکل میں دیکھا رب نے مجھ سے فرمایا۔ محمد عالم صلی اللہ علیہ وسلم بالا والے کس

بات میں بحث کر رہے ہیں میں نے عرض کیا اے میرے رب تو ہی خوب جانتا ہے یہ بات دو مرتبہ فرمائی میرے رب نے میرے دونوں شانوں کے درمیان اپنی ہتھیلی رکھ دی جس کی خنکی مجھے سینہ کے اگلے حصہ میں بھی محسوس ہوگئی اور آسمان و زمین میں جو کچھ (ہو رہا) تھا مجھے معلوم ہوگیا پھر حضور نے آیت وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ تلاوت کی اور فرمایا اس کے بعد میرے رب نے پوچھا محمد عالم بالا والے کس بات میں بحث کر رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کفارات کے متعلق بحث کر رہے ہیں (یعنی کن کن چیزوں سے گناہوں کا اتارا اور کفارہ ہو جاتا ہے) فرمایا کفارات کیا (کیا) ہیں میں نے عرض کیا پاؤں سے چل کر (نماز کی) جماعتوں کی طرف جانا۔ نماز کے بعد (دوسری نماز کے انتظار میں) مسجدوں میں بیٹھا رہنا اور ناگوار امور (مثلاً برفیلا ٹھنڈا پانی اور سخت سردی) کے باوجود پورا پورا وضو کرنا۔ فرمایا جو ایسا کریگا وہ بخیریت زندہ رہیگا بخیریت مریگا اور اس کے گناہ (معاف کر دیئے جائیں گے اور) ایسے (دور) ہو جائیں گے جیسے اس روز تھے جب کہ وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا اور (کفارات کے بعد) درجات (کے حصول کے ذرائع) میں سے ہے (بھوکوں کو) کھانا کھلانا اور (مسلمانوں کو) سلام کرنا اور رات کو جب سب لوگ سوتے ہوں (نماز کے لئے) کھڑا ہونا۔ رب نے فرمایا (محمد) کہو اے اللہ! میں تجھ سے پاک چیزیں مانگتا ہوں اور بری چیزیں (ممنوع) کو چھوڑ دینے (کی توفیق چاہتا ہوں اور مسکینوں کی محبت کا خواستگار ہوں اور اس بات کا طلبگار ہوں کہ تو مجھے بخشدے اور مجھ پر رحم فرما اور جب تو کسی قوم کو آزمائش میں ڈالنا چاہے تو مجھے آزمائش میں ڈالنے سے پہلے ہی وفات دیدے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے بلاشبہ یہ سب باتیں سچی ہیں۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ وتفسیرہ۔

ملاء اعلیٰ سے کفارات کا مطلب: کفارات کے معاملہ میں ملاءِ اعلیٰ کی بحث سے شاید یہ مراد ہو کہ فرشتوں کی ایک جماعت ان نیکیوں کو لکھنے میں ایک دوسرے سے پیش دستی کرتے ہیں تا کہ اللہ کے سامنے سب سے پہلے وہی پیش کریں۔ جیسا کہ حضرت رفاعہؓ بن رافع کی روایت میں آیا ہے۔ حضرت رفاعہؓ نے بیان کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے جو نہی آپ نے رکوع سے سر اٹھا کر سمع اللہ لمن حمدہ کہا فوراً پیچھے (مقتدیوں میں سے) ایک شخص نے رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ کہا حضور نے نماز پوری کر لی تو فرمایا ابھی کس نے یہ بات کہی تھی۔ اس شخص نے کہا میں نے کہی تھی فرمایا کچھ اوپر تیس فرشتوں کو دیکھا کہ وہ پیش دستی کر رہے تھے کہ کون ان کلمات کو پہلے لکھے۔ (رواہ البخاری) (تفسیر مظہری)

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا

جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو میں بناتا ہوں ایک انسان

مِّنْ طِيْنٍ ﴿۷۱﴾

مٹی کا ☆

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ایک یہ بھی تکرار تھی فرشتوں کی جو بیان فرمایا۔" (تفسیر عثمانی)

اِذْ قال۔ اذ یختصمون کا بدل ہے اور تشریح ہے سورۂ بقرہ میں ملائکہ اور ابلیس کی تخلیق آدم اور ان کے استحقاق خلافت کے متعلق گفتگو اور ان کا مسجود ملائکہ ہونا تفصیل سے بیان کر دیا گیا۔

اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کا انجام: حضرت آدم کے مقابلہ میں ابلیس نے غرور کیا اور راندۂ درگاہ ہو گیا مشرک بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اپنے کو بڑا سمجھتے تھے ان کا بھی ابلیس کی طرح خوار و ذلیل ہونا ضروری ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ

پھر جب ٹھیک بنا چکوں اور پھونکوں اُس میں ایک اپنی جان ☆

روح ☆ یعنی ڈھانچہ ٹھیک تیار کر کے اپنی طرف سے ایک روح پھونکوں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "روحی" (اپنی جان) اسلئے فرمایا کہ آب و خاک سے نہیں بنی، عالم غیب سے آئی۔ کچھ مضمون روح کے متعلق سورہ "بنی اسرائیل" میں گزرا ہے۔ وہاں روح کی اس اضافت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ملاحظہ کر لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ

تو تم گر پڑو اُس کے آگے سجدہ میں پھر سجدہ کیا فرشتوں نے سب نے

اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ

اکٹھے ہو کر مگر ابلیس نے ☆

☆ یہ قصہ سورہ "بقرہ" "اعراف" وغیرہ کئی سورتوں میں گزر چکا۔ اعراف کے فوائد میں ہم نے مفصل بحث کی ہے۔ اسے ایک مرتبہ دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾

غرور کیا اور تھا وہ منکروں میں ☆

ابلیس ☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "یہ (ابلیس اصل سے) جن تھا

جو اکثر خدا کے حکم سے منکر ہیں لیکن اب (اپنی کثرت عبادت وغیرہ کے سبب سے) رہنے لگا تھا فرشتوں میں۔" (تفسیر عثمانی)

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ

فرمایا اے ابلیس کس چیز نے روک دیا تجھ کو کہ سجدہ کرے اسکو جسکو میں نے

لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ

بنایا اپنے دونوں ہاتھ سے ☆

قدرت ☆ حضرت شاہ صاحب" لکھتے ہیں "یعنی بدن کو ظاہر کے ہاتھ سے اور روح کو غیب (باطن) کے ہاتھ سے اللہ غیب کی چیزیں ایک طرح کی قدرت سے اور ظاہر کی چیزیں دوسری طرح کی قدرت سے بناتا ہے۔ اس انسان میں دونوں طرح کی قدرت خرچ کی۔ (سورہ مائدہ میں پارہ ششم کے ختم کے قریب "بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ" کا فائدہ ملاحظہ کر لیا جائے) ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کی نعوت وصفات میں سلف کا مسلک ہی اقویٰ واحوط ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ یہاں حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے انہیں پیدا کیا' جمہور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ "ہاتھوں" سے مراد یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ایسی ہی ہاتھ ہیں جیسے انسانوں کے ہوتے ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ اعضاء وجوارح کے احتیاج سے منزہ ہے' لہٰذا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے' اور عربی زبان میں لفظ "ید" بکثرت قدرت کے معنی میں مستعمل ہے' مثلاً ارشاد ہے۔ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ۔ لہٰذا آیت کا مطلب یہ ہے کہ' میں نے آدم کو اپنی قدرت سے پیدا کیا۔ اور یوں تو کائنات کی ساری چیزیں قدرت خداوندی ہی سے پیدا ہوئی ہیں۔ لیکن جب باری تعالیٰ کسی چیز کا خصوصی شرف ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو اُسے خاص طور سے اپنی طرف منسوب فرما دیتے ہیں۔ جیسے کعبہ کو بیت اللہ۔ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ناقۃ اللہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ یا روح اللہ کہا گیا ہے۔ یہاں بھی یہ نسبت حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے کی گئی ہے (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ﴿۷۵﴾

یہ تو نے غرور کیا یا تو بڑا تھا درجہ میں ☆

☆ یا جان بوجھ کر اپنے کو بڑا بنانا چاہا یا واقع میں تو اپنا مرتبہ ہی اونچا سمجھتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ

بولا میں بہتر ہوں اُس سے مجھ کو بنایا تو نے آگ سے اور اُس کو

مِنْ طِيْنٍ ﴿۷۶﴾

بنایا مٹی سے ☆

☆ سورہ "اعراف" میں اس کا بیان گزر چکا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "آگ ہے گرم پرجوش اور مٹی ہے، سرد خاموش ابلیس نے آگ کو اچھا سمجھا، اللہ نے اس مٹی کو پسند رکھا۔" (تفسیر عثمانی)

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۷۷﴾

فرمایا تو تو نکل یہاں سے کہ تو مردود ہوا ☆

☆ یعنی بہشت میں فرشتوں کی صحبت میں جاتا تھا اب نکالا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

منها یعنی جنت سے یا آسمانوں سے نکل جا۔ حسن اور ابو العالیہ نے کہا اس بناوٹ (اور خوبصورت تخلیق) سے نکل جا جس میں تو بنایا گیا ہے۔ حسن بن فضل نے کہا' یہ تشریح اچھی ہے چنانچہ اس حکم کے بعد ابلیس کا رنگ سیاہ ہو گیا اور خوبصورتی بدصورتی سے بدل گئی۔

فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ رجیم۔ مردود۔ راندۂ درگاہ۔ یعنی تو آدم سے افضل نہیں ہے۔ یہ جملہ حکم خروج کی علت ہے (یعنی تجھے نکل جانے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ اب تو راندۂ درگاہ ہو گیا) (تفسیر مظہری)

وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۷۸﴾

اور تجھ پر میری پھٹکار ہے اُس جزا کے دن تک ☆

☆ یعنی اس وقت تک تیرے اعمال کی بدولت پھٹکار بڑھتی جائے گی بعدہ کیا ہوگا؟ اس کا تو پوچھنا ہی کیا ہے آگے آتا ہے "لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ" وہاں جو لعنت ہوگی یہاں کی لعنتیں اسکے سامنے گرد ہو جائیں گی۔ (تفسیر عثمانی)

اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ کہنے سے یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ قیامت آنے پر لعنت ختم ہو جائیگی بلکہ مراد یہی کہ قیامت تک تو پھٹکار میں مبتلا رہیگا اور اس کے بعد لعنت کے ساتھ عذاب میں بھی گرفتار ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾

بولا اے رب مجھ کو ڈھیل دے جس دن تک کہ مردے جی اُٹھیں ☆

☆ یعنی صور کے دوسرے نفخہ تک۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ

فرمایا تو تجھ کو ڈھیل ہے اُسی وقت کے دن تک جو

الْمَعْلُوْمِ ﴿۸۱﴾

معلوم ہے ☆

☆ یعنی پہلے نفخہ کے قریب تک اس کے بعد نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَكَ

بولا تو قسم ہے تیری عزت کی میں گمراہ کروں گا اُن سب کو مگر جو بندے ہیں تیرے

مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۸۳﴾ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿۸۴﴾

اُن میں چنے ہوئے فرمایا تو ٹھیک بات یہ ہے اور میں ٹھیک ہی کہتا ہوں ☆

☆ یعنی میری سب باتیں سچی اور ٹھیک ہی ہوتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَبِعِزَّتِكَ میں فاء سببی ہے۔ ابلیس کو مہلت مل جانا ہی عزم اغواء کا سبب ہے اگر اللہ کی طرف سے اس کو مہلت نہ ملتی تو وہ اغواء پر قادر نہ ہوتا۔ ابلیس ملعون نے اللہ کی عزت یعنی غلبۂ کامل اور ہمہ گیر قدرت کی قسم کھائی تا کہ اس ذریعہ سے اسکو بنی آدم کے اغواء پر تسلط حاصل ہو جائے۔

المخلصین یعنی وہ لوگ جنکو اللہ نے اپنے طاعت کے لئے منتخب کر لیا ہے اور گمراہی سے محفوظ بنا دیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۵﴾

مجھ کو بھرنا ہے دوزخ تجھ سے اور جو اُن میں تیری راہ چلے اُن سب سے

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ

تو کہہ میں مانگتا نہیں تم سے اُس پر کچھ بدلہ اور میں نہیں اپنے آپ کو

الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿۸۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾

بنانے والا یہ تو ایک فہمائش ہے سارے جہان والوں کو

وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿۸۸﴾

اور معلوم کر لو گے اُس کا احوال تھوڑی دیر کے پیچھے ☆

پیغمبر کی خیر خواہی

☆ یعنی نصیحت سے غرض یہ ہے کہ اپنے دشمن اور دوست میں تمیز کرو۔ شیطان لعین جو ازلی دشمن ہے اس کی راہ مت چلو، نبیوں کا کہنا مانو جو تمہاری بھی خواہی کے لئے آئے ہیں۔ میں تم سے اس نصیحت کا کوئی صلہ یا معاوضہ نہیں مانگتا نہ خواہ مخواہ اپنی طرف سے بنا کر کوئی بات کہتا ہوں۔ اللہ نے ایک فہمائش کی وہ تمہارے تک پہنچا دی۔ تھوڑی مدت کے بعد تم خود معلوم کر لو گے کہ جو خبریں دی گئیں کہاں تک درست ہیں اور جو نصیحت کی گئی کیسی سچی اور مفید تھی۔

تمّ سورہ صٓ بعون اللہ وحسن توفیقہ وللہ الحمد والمنۃ۔

(تفسیر عثمانی)

تکلف اور تصنع کی مذمت

وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ (اور میں بناوٹ کرنے والوں میں سے نہیں ہوں) مطلب یہ ہے کہ میں تکلف اور تصنع کر کے اپنی نبوت و رسالت اور علم و حکمت کا اظہار نہیں کر رہا۔ بلکہ اللہ کے احکام کو ٹھیک ٹھیک پہنچا رہا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ تکلف اور تصنع شرعاً مذموم ہے چنانچہ اس کی مذمت میں بعض احادیث وارد ہوئی ہیں۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود کا ارشاد منقول ہے کہ ''اے لوگو تم میں سے جس شخص کو کسی بات کا علم ہو وہ تو لوگوں سے کہہ دے، لیکن جس کا علم نہ ہو تو وہ ''اللہ اعلم'' کہنے پر اکتفا کرلے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا ہے۔ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ (روح المعانی)

(معارف مفتی اعظم)

الحمد للہ سورۃ ص ختم ہوئی

سورۃ زمر کی فضیلت: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نفل روزے اس طرح پے در پے رکھے چلے جاتے کہ ہم خیال کرتے کہ شاید اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑیں گے نہیں۔ اور ایسا بھی ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزے نہ رکھتے یہاں تک کہ ہم کو خیال ہوتا کہ اب رکھیں گے ہی نہیں اور ہر رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ بقرہ اور سورۃ زمر کی تلاوت کرلیا کرتے۔ (تفسیر ابن کثیر)

شانِ نزول: بیہقی نے دلائل میں بروایت نحاس عبداللہ بن عباس رضی اللہ سے روایت کیا ہے کہ سورۂ زمر مکہ میں نازل ہوئی۔ بجز ان تین آیات کے جو وحشی قاتل حمزہؓ کے بارے میں نازل ہوئیں وہ تین آیات قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔ کہ یہ مدینہ منورہ میں وحشی کے اسلام کے وقت نازل ہوئی اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ سات آیات۔ (فتح البیان۔ فتح القدیر۔ تفسیر ابن کثیر)۔ (معارف کاندھلوی)

سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّثَمَانِيْ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ زمر مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں پچھتر آیتیں ہیں اور آٹھ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ①

اتارنا ہے کتاب کا اللہ نے جو زبردست ہے حکمتوں والا ☆

قرآن کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا

چونکہ زبردست ہے اس لئے اس کتاب کے احکام پھیل کر اور نافذ ہو کر رہیں گے۔ کوئی مقابل و مزاحم اس کے شیوع و نفاذ کو روک نہیں سکتا۔ اور حکیم ہے اس لئے دنیا کی کوئی کتاب اس کی خوبیوں اور حکمتوں کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ

میں نے اُتاری ہے تیری طرف کتاب ٹھیک سو بندگی کر اللہ کی

مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ② اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ

خالص کر کر اُسکے واسطے بندگی سنتا ہے اللہ ہی کیلئے ہے بندگی خالص ☆

اللہ کی بندگی اور دعوت میں لگے رہو

☆ یعنی حسب معمول اللہ کی بندگی کرتے رہیے جو شوائب شرک و ریا وغیرہ سے پاک ہو اسی کی طرف قولاً و فعلاً لوگوں کو دعوت دیجئے اور اعلان کر دیجئے کہ اللہ اسی بندگی کو قبول کرتا ہے جو خالص اسی کے لئے ہو۔ عمل خالی از اخلاص کی اللہ کے ہاں کچھ پوچھ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

عمل کی مقبولیت اخلاص کے مطابق ہوتی ہے

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں بعض اوقات کوئی صدقہ و خیرات کرتا ہوں یا کسی پر احسان کرتا ہوں جس میں میری نیت اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی بھی ہوتی ہے اور یہ بھی کہ لوگ میری تعریف و ثناء کریں گی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی چیز کو قبول نہیں فرماتے جس میں کسی غیر کو شریک کیا گیا ہو۔ پھر آپ نے آیت مذکورہ بطور استدلال کے تلاوت فرمائی۔ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ۔ (قرطبی)

متعدد آیات قرآنی اس پر شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اعمال کا حساب گنتی سے نہیں بلکہ وزن سے ہوتا ہے۔ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ اور آیات مذکورہ نے بتلا دیا کہ اللہ کے نزدیک اعمال کی قدر اور وزن بقدر اخلاص ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کمال اخلاص بدون کمال ایمان حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اخلاص کامل یہ ہے کہ اللہ کے سوا نہ کسی کو نفع و ضرر کا مالک سمجھے نہ اپنے کاموں میں کسی غیر اللہ کو متصرف خیال کرے نہ کسی طاعت و عبادت میں غیر اللہ کا اپنے تصور سے دھیان آنے دے۔ غیر اختیاری وساوس کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا

جنہوں نے پکڑ رکھے ہیں اُس سے ورے حمایتی کہ ہم تو اُنکو پوجتے ہیں

نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اس واسطے کہ ہم کو پہنچادیں اللہ کی طرف قریب کے درجہ میں بیشک اللہ

يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ؕ

فیصلہ کر دیگا اُن میں جس چیز میں وہ جھگڑ رہے ہیں ☆

مشرکین کا فیصلہ ہو جائے گا

☆ عموماً مشرک لوگ یہی کہا کرتے ہیں کہ ان چھوٹے خداؤں اور دیوتاؤں کی پرستش کر کے ہم بڑے خدا سے نزدیک ہو جائیں گے اور وہ ہم پر مہربانی کریگا جس سے ہمارے کام بن جائیں گے۔ اس کا جواب دیا کہ ان لچر پوچ حیلوں سے

توحید خالص میں جو جھگڑے ڈال رہے ہو اور اہل حق سے اختلاف کر رہے ہو اس کا عملی فیصلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگے چل کر ہو جائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا شانِ نزول: جو یبر کی روایت ہے کہ اس آیت کی تشریح میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس آیت کا نزول تین قبائل کے متعلق ہوا بنی عامر۔ بنی کنانہ اور بنی سلمہ۔ یہ قبائل بتوں کی پوجا کرتے تھے اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے اور کہتے تھے کہ ہم ان کی پوجا صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں (یعنی ان کی پوجا کر کے ہم خدا کے مقرب بن جائیں)

بغوی نے لکھا ہے جب ان لوگوں سے پوچھا جاتا تھا کہ تمہارا رب کون ہے تم کو اور آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ جواب دیتے تھے سب کو اللہ نے پیدا کیا اس پر کہا جاتا پھر بتوں کو کیوں پوجتے ہو تو جواب دیتے ہم تو ان کی پوجا محض اس لئے کرتے ہیں کہ ان کے ذریعے سے ہم خدا کے مقرب ہو جائیں۔

مشرکین عرب کا حال

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ

یہ مشرکین عرب کا حال ہے اور اس زمانے کے عام مشرکین بھی تقریباً یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ خالق و مالک اور تمام کاموں میں متصرف تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ شیطان نے ان کو بہکایا تو اپنے خیال کے مطابق فرشتوں کی شکلوں پر بت تراشے اور یہ جانتے ہوئے کہ یہ بت ہمارے بنائے ہوئے ہیں انہیں کوئی عقل و شعور اور قدرت و قوت نہیں۔ انہیں عقیدہ یہ تھا کہ ان بتوں کی تعظیم و تکریم سے وہ فرشتے ہم سے خوش ہوں گے جنکی شکلوں پر بت بنائے گئے ہیں اور فرشتے اللہ کے نزدیک مقرب ہیں۔ انہوں نے بارگاہ خداوندی کو دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کیا کہ جیسے شاہی مقرب کسی سے خوش ہوں تو وہ بادشاہ کے پاس ان کی سفارش کر کے ان کو بھی بادشاہ کا مقرب بنا دیتے ہیں۔ یہ سمجھتے تھے کہ فرشتے بھی بادشاہی درباریوں کی طرح جس کی چاہیں سفارش کر سکتے ہیں مگر ان کے یہ سارے خیالات شیطانی تلبیس اور باطل ہی باطل تھے۔ اول تو یہ بت فرشتوں کی شکل پر واقع میں ہیں نہیں اور ہوں بھی تو اللہ کے مقرب فرشتے اپنی پرستش سے کب خوش ہونے والے ہیں۔ ان کو تو ہر اس چیز سے طبعی نفرت ہے جو اللہ کے نزدیک ناپسند ہو۔ اس کے علاوہ بارگاہِ خداوندی میں وہ از خود کسی کی سفارش نہیں کر سکتے جب تک اُن کو کسی خاص شخص کے بارے میں سفارش کی اجازت نہ مل جائے۔

آج کے مادہ پرست کفار تو خود اللہ تعالیٰ کے وجود ہی کے منکر ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شان میں براہ راست گستاخیاں کرتے ہیں۔ یورپ سے درآمد کیا گیا کفر خواہ اُس کے رنگ مختلف ہوں۔ کوئی سرمایہ پرست ہو کوئی کمیونزم کا قائل۔ یہ بات سب میں قدر مشترک ہے کہ معاذ اللہ خدا کوئی چیز نہیں ہم اپنی مرضی کے مالک ہیں۔ ہم سے ہمارے اعمال کی باز پرس کرنے والا کوئی نہیں اسی بدترین کفر اور ناشکری کا نتیجہ ہے کہ پوری دنیا سے امن و اطمینان سکون و راحت مفقود ہو چکا ہے راحت کے نئے نئے سامان بہت مگر راحت مفقود علاج معالجے کے جدید آلات اور تحقیقات کی بہتات مگر امراض کی اتنی کثرت جو پہلے کسی زمانے میں نہیں سُنی گئی۔ پہرے چوکیاں پولیس۔ خفیہ پولیس قدم قدم پر مگر جرائم کی رفتار ہر روز بڑھ رہی ہے۔ یہ نئے آلات اور راحت و آرام کے نئے نئے طریقے جب غور کریں تو یہی خلق خدا کے لئے وبال جان بنے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کفر کی سزا تو آخرت میں سب ہی کفار کے لئے دائمی جہنم ہے۔ مگر اس اندھی ناشکری کی سزا کچھ دنیا میں بھگتنی پڑتی ہے۔ کہ جس کی دی ہوئی نعمتوں میں تصرفات کر کے آسمان پر چڑھنے کے حوصلے پیدا ہوئے۔ اسی کا انکار ہے۔

؎ درمیان خانہ گم کردیم صاحب خانہ راہ (معارف مفتی اعظم)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝
البتہ اللہ راہ نہیں دیتا اُس کو جو ہو جھوٹا حق نہ ماننے والا ☆

سرکش و بدباطن تباہ ہوں گے

یعنی جس نے دل میں یہی ٹھان لی کہ کبھی سچی بات کو نہ مانوں گا جھوٹ اور ناحق ہی پر ہمیشہ اڑا رہوں گا منعم حقیقی کو چھوڑ کر جھوٹے محسنوں ہی کی بندگی کروں گا۔ اللہ کی عادت ہے کہ ایسے بدباطن کو فوز و کامیابی کی راہ نہیں دیتا۔ (تفسیر عثمانی)

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا
اگر اللہ چاہتا کہ اولاد کرلے تو چُن لیتا اپنی خلق میں سے
يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ
جو کچھ چاہتا وہ پاک ہے ☆

اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے

☆ یہاں سے ان کا رد ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں جیسا کہ نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور ساتھ ہی تین خداؤں میں کا ایک خدا مانتے ہیں یا عرب کے بعض قبائل فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر بفرض محال اللہ یہ ارادہ کرتا کہ اس کی کوئی اولاد ہو تو ظاہر ہے وہ اپنی مخلوق ہی میں سے کسی کو اس کام کے لئے چنتا کیونکہ دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ ایک خدا کے سوا جو کوئی چیز ہے سب اسی کی مخلوق ہے۔ اب ظاہر ہے کہ مخلوق اور خالق میں کسی درجہ میں بھی نوعی یا جنسی اشتراک نہیں پھر ایک دوسرے کا باپ یا بیٹا کیسے بن سکتا ہے اور جب مخلوق و خالق میں یہ رشتہ محال ہے تو اللہ کی طرف سے ایسا ارادہ کرنا بھی محال ہوگا۔ علاوہ بریں فرض

کیجئے یہ چیز محال نہ ہوتی تب بھی فرشتوں کو بیٹیاں بناتا تو کسی طرح سمجھ میں نہیں آ سکتا تھا۔ جب مخلوق میں سے انتخاب کی ٹھہرتی تو اس کا کیا مطلب کہ خدا اپنے لئے گھٹیا چیز انتخاب کرتا اور بڑھیا اولاد چن چن کر تمہیں دے دیتا۔ (تفسیر عثمانی)

فرشتوں کو اللہ کی اولاد

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا یہ ان لوگوں پر رد ہے جو فرشتوں کو اللہ کی اولاد کہتے تھے ان کے اس خیال باطل اور محال کی بطور فرض محال کے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے معاذ اللہ کوئی اولاد ہوتی تو وہ بغیر اس کے ارادہ اور مشیت کے ہونا محال ہے کہ زبردستی اولاد اُس پر مسلط نہیں ہو سکتی پھر اگر بالفرض اُس کا ارادہ ہوتا تو اُسکی ذات کے سوا سب اُسکی مخلوقات ہی ہیں انہیں میں سے کسی کو اولاد بناتے۔ اور اولاد کا اپنے والد کی ہم جنس ہونا لازم ہے اور مخلوق خالق کی ہم جنس ہو نہیں سکتی۔ اس لئے مخلوق کو اولاد بنانے کا ارادہ کرنا محال ہو گیا۔ (معارف مفتی اعظم)

هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٤﴾

وہی ہے اللہ اکیلا دباؤ والا ☆

یعنی ہر چیز اس کے سامنے دبی ہوئی ہے۔ اس پر کسی کا دباؤ نہیں نہ کسی چیز کی اسے حاجت، پھر اولاد بنانا آخر کس غرض سے ہو گا۔ (تفسیر عثمانی)

هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ یعنی الوہیت تو وجوب پر مبنی ہے (جب کوئی دوسرا واجب نہیں ہر موجود مخلوق ہے اور ہر مخلوق ممکن ہے) تو الٰہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ الٰہ اپنے ذات وصفات میں واحد ہو۔ اس کا کوئی مثیل ہو نہ شریک اور جب اس کی مثل کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا تو اس کی اولاد ہونا کس طرح ممکن ہے اولاد تو باپ کے بعض اجزاء سے بنتی ہے اس لئے اپنے والد کی ہم جنس ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ

بنائے آسمان ور زمین ٹھیک لپیٹتا ہے

الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ

رات کو دن پر اور لپیٹتا ہے دن کو رات پر ☆

نظام کائنات

مغرب کے وقت مشرق کی طرف دیکھو، معلوم ہو گا کہ افق سے ایک چادر تاریکی کی اٹھتی ہوئی چلی آ رہی ہے اور اپنے آگے سے دن کی روشنی کو مغرب کی طرف صف کی طرح لپیٹی جاتی ہے۔ اسی طرح صبح صادق کے وقت نظر آتا ہے کہ دن کا اجالا رات کی ظلمت کو مشرق سے دھکیلتا ہوا آ رہا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "ایک پر دوسرا چلا آتا ہے توڑ نہیں پڑتا"۔ (تفسیر عثمانی)

يُكَوِّرُ کا معنی: یعنی لباس کی طرح ہر ایک کو دوسرے پر لپیٹ دیتا ہے یا ایک کو دوسرے کی وجہ سے چھپا دیتا ہے جیسے لفافہ اپنے اندر رکھی ہوئی چیز کو چھپا لیتا ہے۔ یا عمامہ کے پیچوں کی طرح مسلسل ایک کو دوسرے کے بعد اور اس کے اوپر لاتا رہتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ

اور کام میں لگا دیا سورج اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے ایک ٹھہری ہوئی

مُّسَمًّى اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿٥﴾

مدت پر سنتا ہے وہی ہے زبردست گناہ بخشنے والا ☆

اللہ تعالیٰ درگذر کرنے والا ہے

یعنی اسی زبردست قدرت سے یہ انتظام قائم کیا اور تھام رکھا ہے۔ لوگوں کی گستاخیاں اور شرارتیں تو ایسی ہیں کہ سب نظام درہم برہم کر دیا جائے لیکن وہ بڑا بخشنے والا۔ اور درگذر نے والا ہے اپنی شان عفو ومغفرت سے ایک دم ایسا نہیں کرتا۔ (تفسیر عثمانی)

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ

بنایا تم کو ایک جی سے پھر بنایا اُسی سے

مِنْهَا زَوْجَهَا

اُس کا جوڑا ☆

تخلیق انسانیت

یعنی آدم علیہ السلام اور اُن کا جوڑا حضرت حواؑ۔ (تفسیر عثمانی)

نفسِ واحدۃ یعنی حضرت آدمؑ جن کو اللہ نے بغیر ماں باپ کے پیدا کیا۔ (تفسیر مظہری)

وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ

اور اُتارے تمہارے واسطے چوپاؤں سے آٹھ نر مادہ ☆

دوسری مخلوقات

یعنی تمہارے نفع اٹھانے کے لئے چوپایوں میں آٹھ نر و مادہ پیدا کئے، اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری، جن کا ذکر سورہ "انعام" میں گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

انزل۔ یعنی تمہارے نفع کے لئے چوپائے پیدا کرنے کا حکم دیدیا۔ اللہ کا فیصلہ اور حکم جو لوحِ محفوظ سے منتقل ہو کر جاری ہوتا ہے اس کو آسمان سے اتارنا کہہ دیا جاتا ہے (کیونکہ لوح محفوظ سے وہ حکم اترتا ہے) یا یہ مطلب ہے کہ

ان اسباب کے ذریعہ سے تمہارے لئے چوپائے پیدا کئے جو آسمان اور عالم بالا سے نیچے آتے ہیں جیسے ستاروں کی شعاعیں بارش۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت آدمؑ کے ساتھ اللہ نے جنت کے اندر چوپائے بھی پیدا کر دیئے تھے پھر آپ ہی کے ساتھ انکو نیچے اتارا۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۔ آٹھ نر و مادہ (ملا کر) اونٹ اونٹنی۔ گائے بیل؛ بھیڑ بھیڑی؛ بکرا بکری۔ (تفسیر مظہری)

يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ
بناتا ہے تم کو ماں کے پیٹ میں ایک طرح پر
بَعْدِ خَلْقٍ
دوسری طرح کے پیچھے ☆

انسانی پیدائش میں قدرت کے کرشمے

☆ یعنی بتدریج پیدا کیا مثلاً نطفہ سے علقہ بنایا، علقہ سے مضغہ بنایا، پھر ہڈیاں بنائیں اور ان پر گوشت منڈھا، پھر روح پھونکی۔ (تفسیر عثمانی)

اس میں قدرت خداوندی کے اُن رموز و اسرار کی کچھ نشاندہی کی گئی ہے جو انسان کی تخلیق میں کارفرما ہیں اول تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو یہ بھی تھا کہ بچے کو شکم میں بیک وقت مکمل پیدا کر دیتے۔ مگر بہ تقاضائے حکمت و مصلحت ایسا نہیں بلکہ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ تدریج اختیار کی کہ عورت جس کے پیٹ میں عالم اصغر بن رہا ہے وہ آہستہ آہستہ اس کا بوجھ برداشت کرنے کی عادی ہوتی چلی جائے۔ دوسرے اس بے نظیر حسین ترین مخلوق کو جس میں سینکڑوں نازک مشینیں اور بال کی برابر رگیں خون اور رُوح پہنچانے کے لئے لگائی گئی ہیں۔ یہ عام صنعت کاروں کی طرح کسی کھلی جگہ روشنیوں کی مدد سے نہیں بلکہ تین اندھیروں میں ایسی جگہ پیدا کی گئی ہے جہاں کسی کی نظر تو کیا فکر کی بھی رسائی نہیں۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۔ (معارف مفتی اعظم)

فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ
تین اندھیروں کے بیچ ☆

ایک پیٹ؛ دوسرا رحم؛ تیسری جھلی جس کے اندر بچہ ہوتا ہے وہ جھلی بچہ کے ساتھ نکلتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
وہ اللہ ہے رب تمہارا اُسی کا راج ہے کسی کی بندگی نہیں اُس کے سوائے

هُوَ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۞
پھر کہاں سے پھرے جاتے ہو ☆

جامع دلیل

یعنی جب خالق، رب، مالک اور ملک وہ ہی ہے تو معبود اس کے سوا کون ہو سکتا ہے۔ خدائے واحد کے لئے ان صفات کا اقرار کرنے کے بعد دوسرے کی بندگی کیسی؟ مطلب کہ اتنا قریب پہنچ کر کدھر پھرے جاتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلكم یعنی یہ تمام کام کرنے والا اللہ ہے۔ تمہارا رب ہے۔ ذٰلكمْ مبتداء ہے اللہ پہلی خبر ہے۔ ربّكمْ دوسری خبر۔ له الْملک تیسری خبر لا الٰہ الّا ھو چوتھی خبر لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ یعنی کوئی مخلوق چونکہ ان افعال میں اس کی شریک اور حصہ دار نہیں ہے اس لئے عبادت کے لائق بھی اس کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔ فاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ ۵ اس میں ف سببی ہے اور استفہام تعجبی ہے یعنی تعجب ہے کہ اس واضح و مکمل بیان کے بعد تم راہ حق سے پھرے جا رہے ہو اور اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف اپنا رخ کر رہے ہو۔ (تفسیر مظہری)

وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کرتا ہے۔ جہاں تمہاری پیدائش ہوتی رہتی ہیں۔ پہلے نطفہ؛ پھر خون بستہ؛ پھر لوتھڑا؛ پھر گوشت پوست؛ ہڈی؛ رگ؛ پٹھے؛ پھر رُوح؛ غور کرو کہ وہ کتنا اچھا خالق ہے۔ تین اندھیریوں میں تمہاری یہ طرح طرح کی تبدیلیوں کی پیدائش کا ہیر پھیر ہوتا رہتا ہے۔ رحم کی اندھیری؛ اُس کے اُوپر کی جھلی کی اندھیری؛ اور پیٹ کی اندھیری۔ یہ جس نے آسمان و زمین کو اور خود تم کو اور تمہارے اگلے پچھلوں کو پیدا کیا ہے؛ وہی رب تعالیٰ ہے۔ اس کا ملک ہے؛ وہی سب میں متصرف ہے؛ وہی لائق عبادت ہے؛ اُس کے سوا کوئی اور نہیں۔ افسوس؛ نہ جانے تمہاری سمجھ اور عقلیں کہاں گئیں کہ تم اس کے سوا دوسروں کی عبادت و بندگی کرنے لگے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا
اگر تم منکر ہو گے تو اللہ پروا نہیں رکھتا تمہاری اور پسند نہیں کرتا
يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ
اپنے بندوں کا منکر ہونا ☆

اللہ تعالیٰ کی بے نیازی

☆ یعنی کافر بن کر اس کے انعامات و حقوق کا انکار کرو گے تو تمہارا ہی نقصان ہے اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ کفر سے راضی نہیں۔ اپنے بندوں کے کافر و منکر بننے سے ناخوش ہوتا ہے اور اُس چیز کو ان کے لئے

ناپسند کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

غَنِیٌّ عَنکُمْ یعنی اللہ تم سے اور تمہارے ایمان سے بے نیاز ہے وہ تمہارا اور تمہارے ایمان کا حاجت مند نہیں۔ ان تکفروا کی جزا محذوف ہے اِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنْکُمْ محذوف جزاء کے قائم مقام ہے اصل کلام اس طرح تھا اگر تم کفر کرو گے تو کفر کا وبال تم پر ہی پڑیگا اللہ پر نہیں پڑیگا کیونکہ اللہ تو تمہارا حاجتمند نہیں نہ تمہارے ایمان کا تم اس کے محتاج ہو کفر سے تمہارا ہی ضرر ہوگا اور ایمان سے تمہارا ہی نفع ہوگا۔

یعنی اس کو کفر پسند نہیں اگرچہ کفر ایمان سب اسی کے ارادے (اور مشیت) سے ہوتا ہے اللہ نے خود فرمایا ہے۔ مَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّهٗ یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجًا اللہ جس کو ہدایت یاب کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے (کشادہ دلی سے وہ اسلام کو قبول کر لیتا ہے) اور جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ تنگ کر دیتا ہے (کہ اسلام اس کے دل میں داخل ہی نہیں ہوتا) علماء اسلاف کا یہی قول تمام اہل سنت و جماعت کا اسی پر اجماع ہے۔

آیت کا ایک دوسرا مطلب

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور سدی نے اس آیت کا یہ معنی بیان کیا کہ اللہ اپنے مومن بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا۔ یہ بندے وہی ہیں جن کے متعلق اللہ نے (ابلیس سے) فرما دیا تھا اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ۔ اس تفسیر پر رضاء کو بمعنی ارادہ مجازاً اس جگہ قرار دیا جائیگا ورنہ حق بات یہ ہے کہ نہ رضا اور ارادہ ہم معنی لفظ ہیں نہ ارادہ کے لئے رضا ضروری ہے ارادہ کا تعلق تو خیر و شر دونوں سے ہوتا ہے اللہ نے جو چاہا وہ ہوا جو نہ چاہا نہیں ہوا اللہ کا ارادہ جس چیز سے متعلق ہو گیا اس کا ہونا ضروری ہے نہ ہونا محال ہے اللہ نے خود فرمایا ہے اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ: اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی اچھا یا برا کام ایمان یا کفر اللہ تعالیٰ کی مشیت یا ارادہ کے بغیر وجود میں نہیں آ سکتا۔ اس لئے ہر چیز کے وجود میں آنے کے لئے اللہ جل شانہٗ کا ارادہ شرط ہے۔ البتہ رضاء اور پسندیدگی حق تعالیٰ کی صرف ایمان اور اچھے کاموں سے متعلق ہوتی ہے۔ کفر و شرک اور معاصی اس کو پسند نہیں۔ شیخ الاسلام نوی نے اپنی کتاب الاصول والضوابط میں لکھا ہے۔ مذهب اهل الحق الایمان بالقدر و اثباته وان جمیع الکائنات خیرها وشرها بقضاء الله وقدره وهو مرید لها کلها ویکره المعاصی مع انه تعالیٰ مرید لها لحکمة یعلمها جل و علا۔ (روح المعانی)

مذہب اہل حق کا تقدیر پر ایمان لانا ہے اور یہ کہ تمام کائنات اچھی ہوں یا بری سب اللہ تعالیٰ کے حکم و تقدیر سے وجود میں آتی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی تخلیق کا ارادہ بھی کرتا ہے مگر وہ معاصی و مکروہ ناپسند سمجھتا ہے۔ اگرچہ ان کی تخلیق کا ارادہ کسی حکمت و مصلحت سے ہوتا ہے جس کو وہ خود ہی جانتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاِنْ تَشْکُرُوْا یَرْضَهُ لَکُمْ ؕ
اور اگر اس کا حق مانو گے تو اسکو تمہارے لئے پسند کریگا ☆

اللہ کی پسندیدہ بات

یعنی بندے اس کا حق مان کر مطیع و شکر گزار بنیں۔ یہ بات اس کو پسند ہے جس کا نفع ان ہی کو پہنچتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ؕ
اور نہ اٹھائے گا کوئی اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا ☆

اللہ عادل ہے

یعنی ناشکری کوئی کرے اور پکڑا کوئی جائے ایسا اندھیر اس کے یہاں نہیں جو کرے گا سو بھرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی براءت

اس میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ وبال کفر تم پر ہی پڑے گا کسی اور پر نہیں پڑے گا تمہارے کافر رہنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نقصان نہیں وہ تو تمہارے ہی فائدے کے لئے تم کو اسلام کی دعوت دے رہے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ مَّرْجِعُکُمْ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ
پھر اپنے رب کی طرف تم کو پھر جانا ہے تو وہ جتلائیگا کہ تم کو
تَعْمَلُوْنَ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝
جو تم کرتے تھے مقرر اس کو خبر ہے دلوں کی بات کی ☆

سب کے عمل سامنے آئیں گے

یعنی وہاں جا کر سب کے اچھے برے اعمال سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔ کوئی چھوٹا بڑا کام گم نہ ہوگا۔ کیونکہ خدا کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں۔ دلوں کی تہہ میں جو بات چھپی ہوئی ہو، اسے بھی جانتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِیْبًا
اور جب آ لگے انسان کو سختی پکارے اپنے رب کو رجوع ہو کر اسکی

اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِیَ مَا كَانَ

طرف پھر جب بخشے اُسکو نعمت اپنی طرف سے بھول جائے اُس کو

يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا

کہ جس کے لئے پکار رہا تھا پہلے سے اور ٹھہرائے اللہ کی برابر

لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۗ

اوروں کو تا کہ بہکائے اُس کی راہ سے ☆

انسان کی عجیب طبیعت

یعنی انسان کی حالت عجیب ہے۔ مصیبت پڑنے پر تو ہمیں یاد کرتا ہے کیونکہ دیکھتا ہے کہ کوئی مصیبت کو ہٹانے والا نہیں۔ پھر جہاں اللہ کی مہربانی سے ذرا آرام و اطمینان نصیب ہوا معاً وہ پہلی حالت بھول جاتا ہے جس کے لئے ابھی ابھی ہم کو پکار رہا تھا۔ عیش و تنعم کے نشہ میں ایسا مست و غافل ہو جاتا ہے گویا کبھی ہم سے واسطہ ہی نہ تھا۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو دوسرے جھوٹے اور من گھڑت خداؤں کی طرف منسوب کرنے لگتا ہے اور ان کے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جو خدائے واحد کے ساتھ کرنا چاہئے تھا۔ اس طرح خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور اپنے قول و فعل سے دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ

تو کہہ برت لے ساتھ اپنے کفر کے تھوڑے دنوں تو ہے

النَّارِ ﴿۸﴾

دوزخ والوں میں ☆

مہلت کو نجات نہ سمجھو

یعنی اچھا کافر رہ کر چند روز یہاں اور عیش اڑا لے اور خدا نے جب تک مہلت دے رکھی ہے دنیا کی نعمتوں سے تمتع کرتا رہ اس کے بعد تجھے دوزخ میں رہنا ہے جہاں سے کبھی چھٹکارا نصیب نہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا

بھلا ایک جو بندگی میں لگا ہوا ہے رات کی گھڑیوں میں سجدے کرتا ہوا اور کھڑا ہوا

يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ۗ قُلْ هَلْ

خطرہ رکھتا ہے آخرت کا اور امید رکھتا ہے اپنے رب کی مہربانی کی تو کہہ

يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۗ

کوئی برابر ہوتے ہیں سمجھ والے اور بے سمجھ سوچتے

اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۹﴾

وہی ہیں جن کو عقل ہے ☆

مومن کی شان ☆ یعنی جو بندہ رات کی نیند اور آرام چھوڑ کر اللہ کی عبادت میں لگا۔ کبھی اس کے سامنے دست بستہ کھڑا رہا کبھی سجدہ میں گرا۔ ایک طرف آخرت کا خوف اس کے دل میں بے قرار کیے ہوئے ہے اور دوسری طرف اللہ کی رحمت نے ڈھارس بندھا رکھی ہے۔ کیا یہ سعید بندہ اور وہ بدبخت انسان جس کا ذکر اوپر ہوا کہ مصیبت کے وقت خدا کو پکارتا ہے اور جہاں مصیبت کی گھڑی ٹلی خدا کو چھوڑ بیٹھا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! ایسا ہو تو یوں کہو کہ ایک عالم اور جاہل یا سمجھدار اور بے وقوف میں کچھ فرق نہ رہا۔ مگر اس بات کو بھی وہ ہی سوچتے سمجھتے ہیں جن کو اللہ نے عقل دی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یحذر الاٰخرۃ۔ یعنی اپنے اعمال کی کوتاہی پر نظر کرتا ہے تو عذاب آخرت سے ڈرتا ہے اور (اگر اس کے اعمال اچھے بھی ہیں تب بھی) اعمال ہی پر اعتماد نہیں کر لیتا۔ بلکہ اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ وہ ڈرتا بھی ہے اور امید بھی رکھتا ہے نہ تنہا خوف اس پر اتنا غالب ہوتا ہے کہ اپنے رب سے ناامید ہو جائے کیونکہ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ اللہ کی رحمت سے ناامید تو صرف کافر لوگ ہوتے ہیں۔ نہ صرف امید پر ہی جیتا ہے کہ اللہ کے عذاب سے بے خوف اور مطمئن ہو جائے کیونکہ لَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ۔

آیت کا شانِ نزول: (۵) بغوی نے لکھا ہے کہ ضحاک نے کہا یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اس کا نزول حضرت عثمانؓ کے بارے میں ہوا۔ ابن ابی حاتم نے بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ابن ابی حاتم بیان کرتے ہیں کہ یحییٰ البکاء نے ایک دفعہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو سنا کر وہ یہ آیت اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ پڑھتے ہوئے سنا تو سن کر فرمایا یہ شخص جس کا ذکر قرآن کریم نے ان کلمات میں کیا وہ تو عثمان بن عفانؓ ہیں کیونکہ ان کی یہی شان تھی کہ پوری رات تہجد اور تلاوت میں گزر جاتی تھی اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ایک ہی رکعت میں پورا قرآن کریم پڑھ لیتے۔ (کاندھلوی)

علم تقویٰ کی بنیاد ہے: اَلَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی جو لوگ خدا شناس ہیں اللہ کی صفات جلالی و جمالی کو مانتے ہیں اس لئے عذاب سے ڈرتے ہیں اور رحمت سے آس باندھے رکھتے ہیں۔ حکم کی اطاعت کرتے اور گناہوں

سے بچتے رہتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

رات کی عبادت: آناء اللّیل رات کے ٹکڑوں کو کہا جاتا ہے۔ رات کی تاریکی میں عبادت باعث سکون وفرحت بھی اور موجب قرب خداوندی بھی ہے۔ قیام لیل اور تہجد خدا کی بارگاہ میں اس قدر محبوب عمل ہے کہ فرشتے اس عمل کو بارگاہ خداوندی میں پیش کرنے کے لئے باہم خصومت کرتے ہیں۔ ہر ایک فرشتہ کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ اس عمل کو لے کر وہی سب سے پہلے بارگاہ رب العزت میں پہنچے جیسے کہ حدیث اختصام ملأ اعلیٰ میں ذکر فرمایا گیا۔ (کاندھلوی)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ محشر کے موقف حساب میں اللہ تعالیٰ اس پر آسانی فرما دیں اس کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو رات کی اندھیری میں سجدہ اور قیام کی حالت میں پائے۔ اس طرح کی اس کو آخرت کی فکر بھی ہو اور رحمت کی اُمید بھی۔ بعض حضرات نے مغرب وعشاء کے درمیان کے وقت کو بھی آناء اللیل کہا ہے (قرطبی)۔ (معارف مفتی اعظم)

کامیاب کرنے والی دو صفتیں

عبد بن حمید نے باسناد انس بن مالک رضی اللہ عنہ یہ حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس تشریف لے گئے جبکہ وہ مرض الموت کی حالت میں تھے۔ آپ نے اس شخص سے دریافت فرمایا بتاؤ تم اس وقت اپنے آپ کو کیسی حالت میں پا رہے ہو۔ جواب دیا۔ اِنِّی اَرْجُوْا اللہ وَاَخَافُ ذُنُوبِی کہ میں اللہ کی رحمت کا امیدوار ہوں اور اپنے گناہوں سے ڈر بھی رہا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کبھی ایسا نہیں ہو سکتا۔ کہ یہ دو صفتیں کسی مومن بندہ کے قلب میں جمع ہوں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز عطا نہ فرمائے جس کی اسے امید ہے اور اس چیز سے اس کو مامون ومحفوظ نہ فرما دے جس سے وہ ڈر رہا ہے۔ (جامع ترمذی۔ سنن نسائی) (معارف کاندھلویؒ)

قانت کا معنیٰ: لفظ قانت کے کئی ترجمے کئے گئے ہیں۔ سب کو جامع قول حضرت ابن مسعودؓ کا ہے۔ اس کے معنی ہیں اطاعت گزار اور یہ لفظ جب خاص نماز کے لئے بولا جائے۔ جیسے قُوْمُوا للہ قَانِتِیْنَ۔ تو وہاں مراد وہ شخص ہوتا ہے جو نماز میں اپنی نگاہ کو پست رکھے اِدھر اُدھر نہ دیکھے نہ اپنے بدن یا کپڑوں سے کھیل کرے نہ دنیا کی کسی چیز کو اپنے اختیار سے نماز میں یاد کرے۔ بھول اور غیر اختیاری وسوسہ اس کے منافی نہیں۔ (قرطبی)

نسائی وغیرہ میں حدیث ہے کہ جس نے ایک رات سو آیتیں پڑھ لیں اس کے نامۂ اعمال میں ساری رات کی قنوت لکھی جاتی ہے (مسند وغیرہ) (تفسیر ابن کثیر)

قُلْ یٰعِبَادِ
تو کہہ اے بندہ میرے ☆

☆ یعنی اللہ کی طرف سے یہ پیام پہنچا دو۔ (تفسیر عثمانی)

الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّکُمْ ؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا
جو یقین لائے ہو ڈرو اپنے رب سے جنہوں نے نیکی کی
فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ ؕ
اس دنیا میں اُن کے لئے ہے بھلائی ☆

نیکی کا بدلہ ضرور ملے گا

یعنی جس نے دنیا میں نیکی کی آخرت میں اسکے لئے بھلائی ہے یا یہ مطلب ہے کہ جس نے نیکی کی اس کو آخرت سے پہلے اسی دنیا میں بھلائی ملے گی ظاہری یا باطنی۔ (تفسیر عثمانی)

احسان کیا ہے: اَحْسَنُوْا یعنی ایمان لائے اور خشوع خضوع کے ساتھ نیک اعمال کئے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا احسان (عمل اور عبادت کی خوبی) یہ ہے کہ تم اپنے رب کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اس کو (اپنے سامنے) دیکھ رہے ہو اگر یہ مشاہدہ تم کو حاصل نہ ہو تو (اتنا ہی سمجھ لو کہ پردہ غیب سے) وہ تو تم کو دیکھ رہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ
اور زمین اللہ کی کشادہ ہے صبر کرنے والوں ہی کو ملتا ہے
اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ⑩
اُن کا ثواب بے شمار ☆

ہجرت کی فضیلت

یعنی اگر ایک ملک میں لوگ نیک راہ چلنے سے مانع ہوں تو خدا کی زمین کشادہ ہے دوسرے ملک میں چلے جاؤ جہاں آزادی سے اس کے احکام بجا لا سکو۔ بلاشبہ اس طرح ترک وطن کرنے میں بہت مصائب برداشت کرنا پڑیں گے اور طرح طرح کے خلاف عادت وطبیعت امور پر صبر کرنا پڑے گا لیکن یاد رہے کہ بے شمار ثواب بھی ملے گا۔ تو صرف کرنے والوں ہی کو ملے گا اس کے مقابلہ میں دنیا کی سب سختیاں اور تکلیفیں ہیچ ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ہجرت اور جہاد: اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ کے ترجمہ میں اضافہ کردہ کلمات سے یہ ظاہر کیا گیا کہ انسان اگر اپنے وطن میں عبادت نہیں کر سکتا تو پھر اس کو چاہئے کہ اس سرزمین سے ہجرت کر کے ایسی جگہ جائے جہاں اپنے رب کی اطاعت کر سکے۔ اس تفسیر پر ماقبل سے ربط بخوبی واضح ہو رہا ہے۔ کہ

اس دنیا میں نیکی کرنے والوں کی نیکی کا بدلہ ضرور ان کو ملے گا رہا یہ کہ اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ میں تو ایسی جگہ محصور ہوں اور کفار کا غلبہ و تسلط ہے کہ نیکی اور عبادت کر ہی نہیں سکتا تو اس کو فرمایا جا رہا ہے اگر یہ زمین تیرے واسطے تنگ ہے تو کیا ہوا کہیں اور چلا جا۔ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ اللہ کی زمین تو بہت وسیع ہے۔ چنانچہ مجاہد اس کی تفسیر میں فرمایا کرتے تھے۔ منها جروا فيها وجاهدوا واعتزلوا الا وثان مجاہد کے اس کلمہ نے ایک لطیف اشارہ بھی کر دیا۔ مسلمانوں پر اگر کافروں کا غلبہ اور تسلط سے کوئی جگہ نیکی اور عبادت کے لئے تنگ ہے تو ہجرت کے ساتھ جہاد بھی کرو۔ تا کہ جہاد کے ذریعہ اللہ کی وسیع زمین فتح کرو اور وہاں اللہ کا دین قائم کرو۔

گناہوں اور فتنوں سے فرار: عطا کا قول ہے مراد یہ ہے جب تم کو کسی معصیت کی طرف بلایا جائے تو تم اس جگہ سے راہ فرار اختیار کرو۔ اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا اسی معنی اور حکم کو ثابت کرنے کے لئے امام بخاریؒ نے کتاب الایمان میں ایک باب من الدین الفرار من الفتن قائم کیا ہے کہ دین کے شعبوں میں سے ایک شعبہ یہ ہے کہ فتنوں اور فتنوں کی سرزمین سے انسان راہ فرار اختیار کرے۔ (معارف۔ کاندھلوی)

الصابرون۔ یعنی وہ لوگ جو اپنے دین پر قائم رہے اور کافروں کی ایذاء رسانی سے تنگ آ کر دین کو نہ چھوڑ بیٹھے۔ یا وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے احباب اقارب اور وطن کی جدائی پر صبر کیا۔

آیت کا شان نزول: بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کے ساتھیوں کے حق میں اس آیت کا نزول ہوا جو مکہ سے ہجرت کر کے حبش کو چلے گئے تھے۔ دین کو نہ چھوڑا سخت دکھ اٹھائے مگر دین پر قائم رہے اور ہجرت کر کے چلے گئے۔

الفاظ میں عموم ہے مہاجرین حبشہ کو بھی شامل ہے اور تمام وہ لوگ اس میں داخل ہیں جو دکھوں پر صبر کریں۔ دینی مشقتیں برداشت کریں اور گناہوں سے اپنے آپ کو روکتے رہیں۔

صابرین کی فضیلت: بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہر اطاعت گذار کو ناپ تول کر (اس کے اعمال کا) ثواب دیا جائے گا سوائے صابرون کے ان پر تو لپ بھر بھر بھی کر ثواب پھینکا جائے گا۔

اصبہانی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ترازوئیں نصب کی جائیں گی اور نمازیوں کو لایا جائے گا اور وزن کے مطابق ان کو پورا پورا ثواب دیا جائے گا۔ اور صدقہ (خیرات فرض ونفل) دینے والوں کو لایا جائے گا اُن کو بھی وزن کے موافق پورا پورا ثواب دیا جائے گا۔ حاجیوں کو لایا جائے گا اُن کو بھی وزن کر کے پورا ثواب دیا جائے گا اور جو لوگ اہل بلاء (دکھی اور دین کی خاطر مصائب و شدائد اٹھانے والے) ہوں گے ان کو بلایا جائے گا لیکن ان کے اعمال کے وزن کی کے لئے نہ کوئی ترازو کھڑی کی جائے گی نہ ان کے اعمال کی رجسٹر کھولا جائے گا اُن پر تو بے گنتی ثواب کی بارش کی جائے گی یہاں تک کہ وہ لوگ بھی جو دنیا میں عافیت سے رہے تھے تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں ان کے اجسام قینچیوں سے کاٹے جاتے یہ تمنا اس ثواب کو دیکھ کر کریں گے جو اہل بلاء کو ملا ہو گا اور یہی (مطلب) ہے اللہ کے قول کا اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴿۱۰﴾ بغوی کی روایت بھی اسی طرح ہے۔

طبرانی اور ابو یعلی نے ناقابل اعتراض سند سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن شہید کو لایا جائے گا اور حساب کے لئے اس کو کھڑا کیا جائے گا پھر زکوۃ دینے والے کو حساب کے لئے کھڑا کیا جائے گا پھر اہل بلاء کو لایا جائے گا اور ان کے حساب کے لئے نہ کوئی ترازو نصب کی جائے گی نہ ان کے اعمال کا رجسٹر کھولا جائے گا بلکہ ان پر ثواب کی خوب بارش کی جائے گی یہاں تک کہ ان کے ثواب کو دیکھ کر لوگ مقام حساب میں تمنا کریں گے کہ کاش (دنیا میں) ان کے اجسام کی قینچیوں سے کاٹا جاتا۔

ترمذی اور ابن ابی الدنیا نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل بلاء کو جس وقت ثواب دیا جائے گا تو اس کو دیکھ کر (دنیا میں) عافیت سے رہنے والے خواستگار ہوں گے (یعنی آرزو کریں گے) کہ دنیا میں ان کی کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں (تو ان کو بھی اہل بلاء کا ایسا ثواب مل جاتا)

عاشقان الٰہی: میں کہتا ہوں کہ شاید اہل بلاء سے مراد ہیں عاشقان الٰہی کیونکہ حدیث میں شہداء کو اہل بلاء میں سے نہیں شمار کیا گیا باوجودیکہ سب سے بڑا دکھ قتل ہونا ہے اور شہید راہ خدا میں جان پر صبر کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ
تو کہہ مجھ کو حکم ہے کہ بندگی کروں اللہ کی خالص کر کر
الدِّيْنَ﴿۱۱﴾ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ
اُسکے لئے بندگی اور حکم ہے کہ میں ہوں سب سے پہلے
الْمُسْلِمِيْنَ﴿۱۲﴾
حکم بردار☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولیت ☆ چنانچہ آپ عالم شہادت میں اس امت کے لحاظ سے اور عالم غیب میں تمام اولین وآخرین کے اعتبار سے

اللہ کے سب سے پہلے حکم بردار بندے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم (تفسیر عثمانی)

مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ یعنی تنہا اسی کی عبادت کروں۔ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ یعنی مجھے اخلاص کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ میں دنیا اور آخرت میں سب سے آگے بڑھ جاؤں کیونکہ سبقت کا مدار اخلاص پر ہے۔

اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ کا مطلب:

قریش اور اس کے ہم نوا لوگوں میں سے جو مسلمان ہوں ان سب سے پہلے میں مسلم ہوں۔

مطلب یہ ہوگا کہ پہلے خود مسلم ہو جانے اور خدا اپنے نفس کو تبلیغ کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ رسول اللہ کو حکم دیا گیا تھا کہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں اور یہ اسی وقت ہو سکتا تھا کہ پہلے خود مسلم ہوں' دوسروں کو دعوت دینے کی بنیاد تو خود پہلے اس کو قبول کرنا ہے۔

اس اسلوب عبادت سے دوسروں کو اسلام کی طرف مائل کرنا مقصود ہے' مطلب یہ ہے کہ میں تم کو اس چیز کی دعوت دے رہا ہوں جو تمہارے لئے بہتر ہے اگر یہ بہتر نہ ہوتی تو میں اپنے لئے اس کو اختیار نہ کرتا۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ اِنِّيْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ
تو کہہ میں ڈرتا ہوں اگر حکم نہ مانوں اپنے رب کا ایک
يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳﴾
بڑے دن کے عذاب سے ☆

نافرمانی موجب عذاب ہے

☆ یعنی مجھ جیسا معصوم و مقرب بھی اگر بفرض محال نافرمانی کرے تو اس دن کے عذاب سے مامون نہیں۔ ؎ تا بدیگراں چہ رسد۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا مطلب: اِنْ عَصَيْتُ یعنی اگر میں اخلاص ترک کر دوں اور تمہاری طرح شرک اور اعمال بد کی طرف مائل ہو جاؤں تو مجھے عذاب کا ڈر ہے۔ سابق آیت کی طرح اس آیت میں مخاطبین کو اسلام کی طرف مائل کرنا اور نافرمانی (کے نتیجہ) سے ڈرانا مقصود ہے۔

شانِ نزول: بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باپ دادا کا دین اختیار کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ (تفسیر مظہری)

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ﴿۱۴﴾ فَاعْبُدُوْا
تو کہہ میں تو اللہ کو پوجتا ہوں خالص کر کر اپنی بندگی اُسکے واسطے اب تم

مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ
پوجو جس کو چاہو اُس کے سوائے ☆

توحید پر استقامت

☆ یعنی میں تو خدا کے حکم کے موافق نہایت اخلاص سے اسی اکیلے کی بندگی کرتا ہوں، تم کو اختیار ہے جس کی چاہو پوجا کرتے پھرو۔ وہاں اتنا سوچ لینا کہ انجام کیا ہوگا۔ آگے اسے کھولتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں کو دھمکی: پہلے حکم دیا تھا کہ عبادت کرنے اور عبادت کو اللہ ہی کے لئے خالص بنانے پر مامور ہونے کی اطلاع دیدو اب اس آیت میں حکم دیا کہ اپنی عبادت کے خاص اللہ کے لئے ہونے کی (کافروں کو) خبر کر دو۔ یہ ترتیب اس لئے رکھی کہ کافروں کو جو اپنے باپ دادا کے دین پر واپس آ جانے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ امید تھی وہ بالکل منقطع ہو جائے' اس لئے دھمکی کے لئے اور آس توڑ دینے کی غرض سے آخر میں فرمایا تم جس کی چاہو پوجا کرو۔

فَاعْبُدُوْا: محذوف شرط کی جزاء ہے مفصل کلام اس طرح تھا کہ تم اگر میری موافقت نہیں کرتے اور اللہ کی خالص عبادت نہیں کرتے تو پھر اللہ کے علاوہ جس کو چاہو پوجتے پھرو اس کے نتیجہ میں تم پر جو عذاب آئے گا اور نامراد ہو گے اس کو خود دیکھ لو گے۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ
تو کہہ بڑے ہارنے والے وہ جو ہار بیٹھے اپنی جان کو
وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ
اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن سنتا ہے یہی ہے
الْمُبِيْنُ ﴿۱۵﴾
صریح ٹوٹا ☆

مشرکین خسارے میں ہیں

☆ یعنی مشرکین نہ اپنی جان کو عذاب الٰہی سے بچا سکے نہ اپنے گھر والوں کو۔ سب کو جہنم کے شعلوں کی نذر کر دیا۔ اس سے زیادہ خسارہ کیا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یعنی گمراہ ہو کر خود اپنی جانوں کو خسارہ میں ڈالا۔ وَاَهْلِيْهِمْ اور متعلقین کو گمراہ کر کے خود خسارہ پایا۔ اہل سے مراد ہیں متعلقین' بیویاں اولاد اور خدمت گار وغیرہ۔

خسران کی دو صورتیں: بعض لوگوں کا قول ہے کہ خسران اہل کی دو صورتیں ہیں اگر اہل وعیال دوزخی ہیں تو اس شخص کے گمراہ کرنے کی وجہ سے دوزخی ہوئے اور اگر جنتی ہیں اور یہ (کافر دوزخی ہے) ان سے جاتا رہا ہمیشہ کے لئے الگ ہوگیا۔

اَلْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ یعنی روز قیامت کا خسران ہی حقیقت میں خسران ہے (جو کبھی دور نہ ہوگا) (تفسیر مظہری)

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ
اُن کے واسطے اُوپر سے بادل ہیں آگ کے اور
تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ
نیچے سے بادل ☆

☆ یعنی ہر طرف سے آگ محیط ہوگی جیسے گھٹا چھا جاتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ظُلَلٌ آگ اور دھوئیں کے محیط پردے ہوں گے اور نیچے سے بھی انتہائی گہرائی تک آگ کا فرش اور بستر ہوگا۔ فرش کو سائبان (ظلل) اس لئے فرمایا کہ وہ فرش بھی دوسرے نیچے والوں کے لئے سائبان ہوگا۔

ذٰلِکَ یعنی یہ عذاب وہی ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے کہ وہ ایسے کاموں سے بچتے رہیں جو عذاب میں مبتلا کرنے والے ہیں۔

فَاتَّقُوْنِ یعنی فاتقونی مجھ سے ڈرو کوئی ایسا کام نہ کرو جو میری ناراضگی اور عذاب کا موجب ہو۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾
اس چیز سے ڈراتا ہے اللہ اپنے بندوں کو اے بندو میرے تم مجھ سے ڈرو ☆

انجام بد سے ڈرو: یعنی سمجھ لو یہ چیز ڈرنے کے قابل ہے یا نہیں اگر ہے تو اللہ کے غضب سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا
اور جو لوگ بچے شیطانوں سے کہ اُن کو پوجیں
وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ
اور رجوع ہوئے اللہ کی طرف اُنکے لئے ہے خوشخبری ☆

مومن کے لئے خوشخبری

☆ یعنی جنہوں نے شیطانوں کا کہنا نہ مانا اور سب شرکاء سے منہ موڑ کر اللہ کی طرف رجوع ہوئے ان کے لئے ہے بڑی بھاری خوشخبری۔ (تفسیر عثمانی)

الطاغوت: طغیان (سرکشی) میں حد سے بڑھا ہوا طغیان میں حد سے بڑھا ہوا چونکہ شیطان ہے اس لئے طاغوت کا لفظ شیطان کے لئے مخصوص ہو گیا۔ بغوی نے طاغوت سے مراد لئے ہیں بت کیونکہ ان یعبدوھا میں مؤنث کی ضمیر اس کی طرف راجع کی گئی ہے۔

انابوا الی اللہ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوئے اور اللہ کے سوا دوسروں سے کٹ گئے۔

آیت کا شان نزول: حضرت جابر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ جب آیت لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ اتری تو ایک انصاری نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے سات غلام ہیں میں نے ایک ایک دروازہ (میں داخلہ) کے لئے ایک ایک غلام کو (علیحدہ علیحدہ) آزاد کر دیا اس پر آیت فَبَشِّرْ عِبَادِ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ
سو تو خوشی سنا دے میرے بندوں کو جو سنتے ہیں بات
فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ
پھر چلتے ہیں اس پر جو اُس میں نیک ہے ☆

اعلیٰ کردار والوں کے لئے بشارت

☆ یعنی سب طرح کی باتیں سنتے ہیں پھر ان میں جو بات اچھی ہو اس پر چلتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ خدا کی بات سنتے ہیں اور اس میں جو ہدایات اعلیٰ سے اعلیٰ ہوں ان پر عمل کرتے ہیں۔ مثلاً ایک چیز رخصت واباحت کی ہی دوسری عزیمت کی تو عزیمت طرف جھپٹتے ہیں رخصتوں کا تتبع نہیں کرتے۔ یا یوں ترجمہ کرو کہ اللہ کا کلام سن کر اس کی بہترین باتوں کا اتباع کرتے ہیں کیونکہ اس کی ساری باتیں بہتر ہی ہیں۔ کذا قال المفسرون۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک اور طرح اس کا مطلب بیان کیا ہے "چلتے ہیں اسکے نیک پر یعنی حکم پر چلنا کہ اس کو کرتے ہیں اور منع پر چلنا کہ اس کو نہیں کرتے۔ اس کا کرنا نیک ہے اسکا نہ کرنا نیک ہے"۔ (تفسیر عثمانی)

اَلْقَوْلَ اور اَحْسَنَ کی مراد: یعنی قران کو بھی سنتے ہیں اور دوسرے کلام کو بھی پھر قرآن کی ہدایتوں پر چلتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام بھی سنتے ہیں اور کافروں کا کلام بھی پھر رسول اللہ کے فرمان پر چلتے ہیں (اس مطلب پر القول سے عام کلام مراد ہوگا۔ کسی کا ہو خدا کا رسول کا یا کسی اور کا اور احسن سے مراد ہوگا قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام) اس تفسیر پر اَحْسَنُ (اسم تفضیل) حَسَنٌ (صفت مشبہ) کے معنی

میں ہوگا (یعنی احسن کا ترجمہ بہت اچھا نہ ہوگا بلکہ اچھا ہوگا) کیونکہ کافروں کے کلام میں تو کوئی اچھائی نہیں ہوتی (کہ اس کے مقابلہ میں اللہ اور اس کے رسول کے کلام کو بہت اچھا کہا جائے)

سدی نے کہا احسن سے مراد یہ ہے کہ جو احکام ان کو دئے جاتے ہیں ان میں سے سب سے اچھے حکم پر وہ چلتے ہیں اور عمل کرتے ہیں۔ بعض علماء نے کہا کہ قرآن میں ظالم سے انتقام لینے کی اور معاف کر دینے کی ہر ایک کی اجازت ہے لیکن دونوں میں سے معاف کر دینا احسن ہے۔ قرآن میں عزائم کا بھی ذکر ہے اور رخصتوں کا بھی لیکن عزائم احسن ہے۔

آیت کا شان نزول: عطاء نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر جب ایمان لے آئے تو حضرت عثمان حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت زبیر بن عوام، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہم آپ کے پاس آئے اور مسلمان ہونے کی خبر معلوم کی۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ہاں میں ایمان لے آیا اس پر یہ حضرات بھی مسلمان ہو گئے اور انہیں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن زید کا قول ہے کہ ان دونوں آیات کا نزول تین آدمیوں کے متعلق ہوا جو عہد جاہلیت میں بھی لا الہ الا اللہ کے قائل تھے۔ (۱) زید بن عمرو بن نفیل یا سعید بن زید (۲) ابوذر غفاری (۳) سلمان فارسی۔ اور احسن القول سے مراد لا الہ الا اللہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

لفظ "اَحسَن" کا اشارہ:

یہ لفظ احسن کا اضافہ کر کے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ ان لوگوں نے قرآن اور تعلیمات رسول کا اتباع بے بصیرتی کے ساتھ نہیں کیا جیسا بے وقوف لوگوں کا طریقہ ہے کہ جس کی بات سنی بغیر کسی تحقیق وبصیرت کے اس کا اتباع کرنے لگے بلکہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے کلام کو حق اور احسن دیکھنے کے بعد اس کا اتباع کیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں آخر آیت میں ان کو اولوالالباب یعنی عقل والے ہونے کا خطاب دیا گیا ہے۔ اس کی نظیر قرآن ہی میں وہ ارشاد ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات کے متعلق ہوا ہے۔ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا۔ یہاں بھی احسن سے مراد پوری تورات اور اس کے احکام ہیں۔

اور جن دو چیزوں میں ایک حسن ہو دوسری احسن، یہ اُن میں سے احسن ہی کو عمل کے لئے اختیار کرتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ
وہی ہیں جن کو رستہ دیا اللہ نے اور وہی ہیں

اُولُوا الْاَلْبَابِ ⁽¹⁸⁾
عقل والے ☆

کامیابی کا راستہ

☆ یعنی کامیابی کا راستہ ان ہی کو ملا ہے کیونکہ انہوں نے عقل سے کام لے کر توحید خالص اور انابت الی اللہ کا راستہ اختیار کیا۔ (تفسیر عثمانی)

یہ لوگ باتیں تو سب کی سنتے ہیں کفار کی بھی مومنین کی بھی۔ حق بھی باطل بھی، اچھی بھی اور بری بھی لیکن اتباع صرف اسی بات کا کرتے ہیں جو احسن ہے۔ توحید وشرک میں سے توحید کا حق و باطل میں سے حق کا اور حق کے مختلف درجات ہوں تو اُن میں جو احسن اور راجح ہو اس کا اتباع کرتے ہیں۔ اسی لئے ان کو دو صفتوں کے ساتھ موصوف کیا گیا۔ پہلی هَدٰىهُمُ اللّٰهُ یعنی یہ لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں۔ اس لئے مختلف قسم کی باتیں سن کر بھٹکتے نہیں۔ دوسرے اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ یعنی یہ لوگ عقل والے ہیں، عقل کا کام ہی یہ ہے کہ اچھے بُرے اور حق و باطل میں تمیز کرے۔ اور حسن واحسن کو پہچان کر احسن کو اختیار کرے۔ (معارف القرآن۔ مفتی اعظم)

اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ اَفَاَنْتَ
بھلا جس پر ٹھیک ہو چکا عذاب کا حکم بھلا تو خلاص کر سکے گا
تُنْقِذُ مَنْ فِى النَّارِ ⁽¹⁹⁾
اسکو جو آگ میں پڑ چکا ☆

بدبخت آدمی: یعنی جن پر ان کی ضد وعناد اور بداعمالیوں کی بدولت عذاب کا حکم ثابت ہو چکا کیا وہ کامیابی کا راستہ پا سکتے ہیں۔ بھلا ایسے بدبختوں کو جو شقاوت ازلی کے سبب آگ میں گر چکے ہیں کون آدمی راہ پر لا سکتا ہے اور کون آگ سے نکال سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عذاب کے حقدار: حَقَّ عَلَيْهِ یعنی اللہ کے علم قدیم میں عذاب اس لئے مقرر ہو چکا۔ کذا قال ابن عباسؓ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس سے مراد ابولہب اور اس کا بیٹا ہے۔ (تفسیر مظہری)

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ
لیکن جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے اُنکے واسطے ہیں بالا خانے
فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا
اُنکے اُوپر اور بالا خانے چُنے ہوئے اُن کے نیچے بہتی ہیں

الْاَنْهٰرُ ۬ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ﴿۲۰﴾
ندیاں وعدہ ہو چکا اللہ کا اللہ نہیں خلاف کرتا اپنا وعدہ ☆

جنت تیار ہے

☆ یہ جنت کے درجات کی طرف اشارہ ہوا اور یہ کہ وہ سب تیار ہیں۔ نہ یہ کہ قیامت کے روز تیار کئے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

جنت کے محل اور ان کے حقدار:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ جنت میں ایسے محل ہیں جن کا اندرونی حصہ باہر سے اور بیرونی حصہ اندر سے صاف دکھائی دیتا ہے۔ ایک اعرابی نے پوچھا یارسول اللہ! یہ کن لوگوں کے لئے ہیں؟ فرمایا ان کے لئے جو نرم کلامی کریں' کھانا کھلائیں اور راتوں کو جب لوگ میٹھی نیند میں ہوں تو یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر گڑگڑائیں' نمازیں پڑھیں (ترمذی وغیرہ) مسند احمد میں فرمان رسولؐ ہے کہ جنت میں ایسے بالاخانے ہیں جن کا ظاہر باطن سے اور باطن ظاہر سے نظر آتا ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لئے بنایا ہے جو کھانا کھلائیں' کلام کو نرم رکھیں' پے در پے نفل روزے بکثرت رکھیں اور پچھلی راتوں کو تہجد پڑھیں۔ مسندکی اور حدیث میں ہے جنتی جنت کے بالا خانوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم آسمان کے ستاروں کو دیکھتے ہو۔ اور روایت میں ہے کہ مشرقی اور مغربی کناروں کے ستارے جس طرح تمہیں دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح جنت کے وہ محلات تمہیں نظر آئیں گے۔ اور حدیث میں ہے کہ ان محلات کی یہ تعریفیں سن کر لوگوں نے کہا۔ حضور! یہ تو نبیوں کے لئے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں' اور ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور رسولوں کو سچا جانا۔ (ترمذی وغیرہ) مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! جب تک ہم آپ کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں اور آپ کے چہرہ انور کو دیکھتے رہتے ہیں' اُس وقت تک تو ہمارے دل نرم رہتے ہیں اور ہم آخرت کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاتے ہیں' لیکن جب آپ کی مجلس سے اُٹھ کر دنیوی کاروبار میں مصروف ہو جاتے ہیں اور بال بچوں میں مشغول ہو جاتے ہیں تو اُس وقت ہماری حالت وہ نہیں رہتی۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم ہر وقت اُسی حالت میں رہتے ہو جو حالت تمہاری میرے سامنے ہوتی ہے تو فرشتے اپنے ہاتھوں سے تم سے مصافحہ کرتے اور تمہارے گھروں میں آ کر تم سے ملاقاتیں کرتے۔ سنو! اگر تم گناہ ہی نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو لاتا جو گناہ کریں تاکہ خدا تعالیٰ اُن کو بخشے۔ ہم نے کہا حضور! جنت کی بناء کس چیز کی ہے؟ فرمایا کہ ایک اینٹ سونے کی ایک چاندی کی۔ اُس کا چونا خالص مُشک ہے اُس کی کنکریاں لولو یاقوت ہیں۔ اس کی مٹی زعفران ہے۔ اس میں جو داخل ہو گیا وہ مالا مال ہو گیا۔ جس کے بعد بے مال ہونے کا خطرہ ہی نہیں' وہ ہمیشہ اُس میں ہی رہے گا وہاں سے نکالے جانے کا امکان ہی نہیں' نہ موت کا کھٹکا ہے۔ ان کے کپڑے گلتے سڑتے نہیں اُن کی جوانی ہمیشگی والی ہے۔ سنو! تین شخصوں کی دعا مردود نہیں ہوتی' عادل بادشاہ' روزے دار اور مظلوم۔ ان کی دعا ابر پر اٹھائی جاتی ہے اور اُس کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ رب العزۃ فرماتا ہے' مجھے اپنی عزت کی قسم میں تیری ضرور مدد کروں گا اگرچہ کچھ مدت کے بعد ہو ترمذی' ابن ماجہ وغیرہ۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ﴿۲۰﴾ یہ اللہ نے وعدہ کیا ہے اور اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا کیونکہ وعدہ کی خلاف ورزی عیب ہے اور اللہ ہر عیب سے پاک ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت والے اوپر کے بالاخانے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم لوگ مشرقی اور مغربی افق پر باقی رہ جانے والے چمکدار جگمگاتے ستارے کو (دور سے) دیکھتے ہو' یہ صورت اہل جنت کے باہمی فرق مراتب کی ہوگی۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ وہ مکان تو انبیاء کے ہوں گے جہاں تک دوسروں کی رسائی نہ ہوگی فرمایا کیوں نہیں قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور (تمام) پیغمبروں کو سچا مانا (وہ مکان ان کے بھی ہوں گے) اس موضوع کی جو احادیث آئی ہیں ہم سورۂ فرقان کی آیت اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا کی تفسیر کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اُتارا آسمان سے پانی
فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ
پھر چلایا وہ پانی چشموں میں زمین کے ☆

نظام آب پاشی

☆ یعنی بارش کا پانی پہاڑوں اور زمینوں کے مسام میں جذب ہو کر چشموں کی صورت میں پھوٹ نکلتا ہے۔ باقی اگر چشموں کے حدوث کا کوئی اور سبب بھی ہو اسکی نفی آیت سے نہیں ہوتی۔ (تفسیر عثمانی)

پانی کا محفوظ کر دینا' پانی سے بڑی نعمت ہے

ینابیع ینبوع کی جمع ہے جس کے معنی زمین سے پھوٹنے والے چشمے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان سے پانی نازل کر دینا ہی ایک عظیم الشان نعمت ہے مگر اس نعمت کو اگر زمین کے اندر محفوظ کر دینے کا انتظام نہ کیا جاتا تو

انسان اُس سے صرف بارش کے وقت یا اس کے متصل چند دن تک فائدہ اٹھا سکتا۔ حالانکہ پانی اس کی زندگی کا مدار اور ایسی ضرورت ہے جس سے وہ ایک دن بھی مستغنی نہیں ہوسکتا۔ اس لئے حق تعالیٰ نے صرف اس نعمت کے نازل کرنے پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ اُس کے محفوظ کرنے کے عجیب عجیب سامان فرمادیئے۔ کچھ تو زمین کے گڑھوں، حوضوں اور تالابوں میں محفوظ ہو جاتا ہے اور بہت بڑا ذخیرہ برف بنا کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر لاد دیا جاتا ہے۔ جس سے اس کے سڑنے اور خراب ہونے کا امکان نہیں رہتا۔ پھر وہ برف آہستہ آہستہ پگھل کر پہاڑی رگوں کے ساتھ زمین میں اُتر جاتا ہے اور جا بجا اُبلنے والے چشموں کی صورت میں خود بخود بغیر کسی انسانی عمل کے پھوٹ نکلتا ہے اور ندیوں کی شکل میں زمین میں بہنے لگتا ہے اور باقی پانی پوری زمین کی گہرائی میں چلتا رہتا ہے جس کو کنواں کھود کر ہر جگہ نکالا جا سکتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ

پھر نکالتا ہے اُس سے کھیتی کئی کئی رنگ بدلتے اُس پر ☆

☆ یا مختلف قسم کی کھیتیاں مثلاً گیہوں، چاول وغیرہ۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ

پھر آئے تیاری پر تو تو دیکھے اُسکا رنگ زرد پھر کر ڈالتا ہے اُسکو چورا چورا

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿٢١﴾

بیشک اس میں نصیحت ہے عقلمندوں کے واسطے ☆

کھیتیوں میں نصیحت

☆ یعنی عقل مند آدمی کھیتی کا حال دیکھ کر نصیحت حاصل کرتا ہے کہ جس طرح اسکی رونق اور سرسبزی چند روزہ تھی پھر چورا چورا کیا گیا یہ ہی حال دنیا کی چہل پہل کا ہوگا۔ چاہئے کہ آدمی اس کی عارضی بہار پر مفتوں ہو کر انجام سے غافل نہ ہو جائے۔ جیسے کھیتی مختلف اجزاء سے مرکب ہے مثلاً اس میں دانہ ہے جو آدمیوں کی غذا بنتا ہے اور بھوسہ بھی ہے جو جانوروں کا چارہ بنتا ہے اور ہر ایک جز سے متنفع ہونا بدون اس کے ممکن نہیں کہ دوسرے اجزاء سے اس کو الگ کریں اور اپنے اپنے ٹھکانا پر پہنچائیں۔ اسی طرح دنیا کو سمجھ لو کہ اس میں نیکی بدی، راحت تکلیف وغیرہ سب ملی جلی ہیں ایک وقت آئے گا کہ یہ کھیتی کٹے اور خوب چورا چورا کی جائے پھر اس میں سے ہر ایک جز کو اسکے مناسب ٹھکانے پر پہنچا دیا جائے، نیکی اور راحت اپنے مرکز و مستقر پر پہنچ جائے اور بدی یا تکلیف اپنے خزانہ میں جا ملے۔ غرض کھیتی کے مختلف احوال دیکھ کر عقلمند لوگ بہت مفید سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ نیز مضمون آیت میں ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ جس خدا نے آسمانی بارش سے زمین میں چشمے جاری کر دیئے وہ ہی جنت کے محلات میں نہایت قرینہ کے ساتھ نہروں کا سلسلہ جاری کر دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

عقل والوں کے لئے نصیحت:

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ یعنی پانی اُتارنے اور اس کو محفوظ کر کے انسان کے کام میں لگانے پھر اس سے قسم قسم کی نباتات اور درخت اُگانے اور ان درختوں پر مختلف رنگ آنے کے بعد آخر میں زرد خشک ہو کر غلہ الگ اور بھوسہ الگ ہو جانے میں بڑی نصیحت ہے عقل والوں کے لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان قدرت وحکمت کے دلائل ہیں۔ جن کو دیکھ کر انسان اپنی تخلیق کے معاملہ کی حقیقت بھی پہچان سکتا ہے جو ذریعہ ہو سکتی ہے۔ اپنے خالق و مالک کے پہچاننے کا۔ (معارف مفتی اعظم)

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ

بھلا جس کا سینہ کھولدیا اللہ نے دین اسلام کے واسطے سو وہ

عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ

روشنی میں ہے اپنے رب کی طرف سے، سو خرابی ہے اُنکو جن کے دل

مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٢﴾

سخت ہیں اللہ کی یاد سے وہ پڑے پھرتے ہیں بھٹکتے صریح

خوش بخت و بد بخت

☆ یعنی دونوں برابر کہاں ہو سکتے ہیں ایک وہ جس کا سینہ اللہ نے قبول اسلام کے لئے کھول دیا نہ اسے اسلام کے حق ہونے میں کچھ شک وشبہ ہے نہ احکام اسلام کی تسلیم سے انقباض۔ حق تعالیٰ نے اس کو توفیق وبصیرت کی ایک عجیب روشنی عطا فرمائی۔ جس کے اجالے میں نہایت سکون واطمینان کے ساتھ اللہ کے راستہ پر اڑا چلا جا رہا ہے۔ دوسرا وہ بدبخت جس کا دل پتھر کی طرح سخت ہو نہ کوئی نصیحت اس پر اثر کرے نہ خیر کا کوئی قطرہ اس کے اندر گھسے، کبھی خدا کی یاد کی توفیق نہ ہو، یوں ہی اوہام واہوا اور رسوم وتقلید آباء کی اندھیریوں میں بھٹکتا پھرے۔ (تفسیر عثمانی)

شرح صدر: شرح صدر سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے بندہ کے دل میں ایک نور پیدا کیا جس کی چمک میں اس نے حق کو حق اور باطل کو باطل دیکھ لیا اور بغیر کسی تردد اور شک کے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر ایمان لے آیا اور سب کی تصدیق کی اس حالت کو شرح صدر سے اس

لئے تعبیر کیا کہ سینہ دل اور روح کا مقام ہے اور دل ہی اسلام کو قبول کرتا ہے جب دل اسلام کے تمام احکام کو قبول کر لیتا ہے تو ایسا ہو جاتا ہے جیسے کوئی ظرف ہے جو مظروف کو اپنے اندر سمانے کے لئے فراخ ہو گیا ہو۔

حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ تلاوت فرمائی۔ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول سینہ کشادہ کیسے ہو جاتا ہے فرمایا جب نور دل میں داخل ہو جاتا ہے تو سینہ کشادہ اور فراخ ہو جاتا ہے ہم نے عرض کیا اس کی علامت کیا ہے فرمایا دار الخلد (یعنی آخرت) کی طرف ہمہ تن رجوع اور دار الغرور (مقام فریب یعنی دنیا) سے دوری اختیار کرنی اور موت آنے سے پہلے موت کی تیاری کرنی۔ رواہ البغوی والحاکم والبیہقی فی شعب الایمان۔ (تفسیر مظہری)

قساوتِ قلبی سب سے بڑی سزا ہے:

یعنی جب اللہ کا ذکر ان کے سامنے کیا جاتا ہے یا اللہ کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کی قساوت اور بڑھ جاتی ہے اور دلوں کی سختی شدید ہو جاتی ہے (گویا اللہ کا ذکر قساوتِ قلبی بڑھ جانے کی وجہ ہو جاتی ہے)

شرح کے لفظی معنی کھولنے، پھیلانے اور وسیع کرنے کے ہیں۔ شرح صدر کے معنی وسعت قلب کے ہیں۔ جس کا مطب یہ ہے کہ قلب میں اسکی استعداد موجود ہو کہ وہ تکوینی آیاتِ الٰہیہ آسمان و زمین اور خود اپنی پیدائش وغیرہ میں غور کر کے عبرت اور فوائد حاصل کرے اسی طرح جو آیات الٰہیہ بصورت کتاب واحکام نازل کی جاتی ہیں اُن میں غور کر کے استفادہ کر سکے۔ اس کا بالمقابل دل تنگی اور قساوت قلب ہے۔ قرآن کریم کی ایک آیت يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا اور اس جگہ اگلی آیت میں لِلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ اسی شرح صدر کے بالمقابل آیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

مالک بن دینار نے کہا قساوت قلب سے بڑھ کر کوئی سزا (عقوبت) بندہ کے لئے مقرر نہیں کی گئی اور اللہ کا غضب کسی قوم پر اسی وقت نازل ہوتا ہے جب ان کے دلوں سے نرمی ختم ہو جاتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

آیت کا مصداق: حضرت عبداللہ بن عباس فرمایا کرتے تھے۔ من شرح اللہ صدرہ للاسلام صدیق اکبرؓ ہیں۔ مراد یہ کہ جس طرح پیغمبر کی تصدیق اور قبول حق میں صدیق اکبرؓ سب سے مقدم ہیں۔ اسی طرح اسلام کے واسطے سینہ کھل جانے میں بھی وہ سب سے مقدم اور سب سے افضل ہیں۔ (معارف۔ کاندھلوی)

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا
اللہ نے اُتاری بہتر بات کتاب ☆

☆ یعنی دنیا میں کوئی بات اس کتاب کی باتوں سے بہتر نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لفظ "اللہ" کو مقدم کرنے کا فائدہ:

نَزَّلَ سے پہلے "اللہ" کہنے کے تین فائدے ہیں (۱) اللہ کی طرف قرآن نازل کرنے کی نسبت پختہ ہو گئی۔ (۲) نازل شدہ قرآن کی عظمت شان کا اظہار ہو گیا۔ (کہ یہ اللہ ہی کا بھیجا ہوا کلام ہے) (۳) قرآن کے حسن کی شہادت دے دی گئی (کہ اللہ ہی نے اس کلام کو اتارا اور اس کے احسن الحدیث ہونے کی شہادت دی ہے) (تفسیر مظہری)

مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ
آپس میں ملتی دوہرائی ہوئی ☆

قرآن میں صاف مضامین

☆ یعنی صحیح، صادق، مضبوط، نافع معقول اور فصیح و بلیغ ہونے میں کوئی آیت کم نہیں۔ ایک دوسری سے ملتی جلتی ہے۔ مضامین میں کوئی اختلاف وتعارض نہیں بلکہ بہت سی آیات کے مضامین ایسے متشابہ واقع ہوئے ہیں کہ ایک آیت کو دوسری کی طرف لوٹانے سے صحیح تفسیر معلوم ہو جاتی ہے۔ القرآن یفسر بعضہ بعضاً اور مثانی یعنی دہرائی ہوئی کا مطلب یہ ہے کہ بہت سے احکام اور مواعظ وقصص کو مختلف پیرایوں میں دہرایا گیا ہے تاکہ اچھی طرح دلنشین ہو جائیں۔ نیز تلاوت میں بار بار آیتیں دہرائی جاتی ہیں اور بعض علماء نے متشابہ ومثانی کا مطلب یہ لیا ہے کہ بعض آیات میں ایک ہی طرح کے مضمون کا سلسلہ دور تک چلا جاتا ہے وہ متشابہ ہوئیں اور بعض جگہ ایک نوعیت کے مضمون کے ساتھ دوسرے جملہ میں اس کے مقابل کی نوعیت کا مضمون بیان کیا جاتا ہے۔ مثلاً اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ "یا "نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ "یا "وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ "۔ ایسی آیات کو مثانی کہیں گے کہ ان میں دو مختلف قسم کے مضمون بیان ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ
بال کھڑے ہوتے ہیں اُس سے کھال پر اُن لوگوں کے جو ڈرتے
رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ
ہیں اپنے رب سے پھر نرم ہوتی ہیں اُن کی کھالیں اور اُنکے دل
اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ
اللہ کی یاد پر ☆

اولیاءاللہ کاملین کی حالت

☆ یعنی کتاب اللہ کو سن کر اللہ کے خوف اور اسکے کلام کی عظمت سے ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کھالیں نرم پڑ جاتی ہیں۔ مطلب یہ کہ خوف ورعب کی کیفیت طاری ہو کر ان کا قلب و قالب اور ظاہر و باطن اللہ کی یاد کے سامنے جھک جاتا ہے اور اللہ کی یاد ان کے بدن اور روح دونوں پر ایک خاص اثر پیدا کرتی ہے۔ یہ حال اقویائے کاملین کا ہوا اگر کبھی ضعفاء ناقصین پر دوسری قسم کی کیفیات واحوال طاری ہو جائیں مثلاً غشی یا صعقہ وغیرہ تو اس کی نفی آیت سے نہیں ہوتی اور نہ ان کی تفضیل ان پر لازم آتی ہے۔ بلکہ اس طرح از خود رفتہ اور بے قابو ہو جانا عموماً وارد کی قوت اور مورد کے ضعف کی دلیل ہے۔ جامع ترمذی میں ایک حدیث بیان کرتے وقت ابو ہریرہؓ پر اس قسم کے بعض احوال کا طاری ہونا مصرح ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اللہ کی رحمت اور عموم مغفرت کا جب وہ ذکر کرتے ہیں تو اس ذکر کی وجہ سے ان کے دلوں میں سکون واطمینان پیدا ہو جاتا ہے۔ ذکر اللہ کے ساتھ رحمت کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اصل تو رحمت ہی ہے۔ اللہ کی رحمت غضب پر غالب ہے۔ الی ذکر اللہ میں الی بمعنی لام ہے یعنی اللہ کے ذکر کی وجہ سے لیکن ذکر کے اندر چونکہ سکون واطمینان کا مفہوم داخل ہے۔ (تفسیر مظہری)

مومنوں کا خوف اور فضیلت: آیات وعید کا ذکر آتا ہے تو مومنوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جلد بدن سکڑ جاتی ہے اس میں انقباض پیدا ہو جاتا ہے اور جب آیات وعدہ کا ذکر آتا ہے تو کھالوں کا انقباض جاتا رہتا ہے کھالیں نرم ہو جاتی ہیں اور دلوں میں سکون پیدا ہو جاتا ہے۔

حضرت عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ کے خوف سے بندہ کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت سے سوکھے پتے۔ رواہ الطبرانیؒ بسند ضعیفؒ رواہ البغوی۔ بغوی کی دوسری روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے جب اللہ کے خوف سے بندہ کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو اللہ اس کو دوزخ کے لئے حرام کر دیتا ہے۔

صحابہؓ اور غیر صحابہ کا فرق: صحابہؓ کے ظرف وسیع تھے اور صحبت رسولؐ کی برکت سے استعداد قوی تھی اس لئے باوجود برکات کی کثیر بارش کے ان پر بیہوشی طاری نہیں ہوتی صحابیوں کے علاوہ دوسروں کو یہ چیز میسر نہیں اس لئے دو وجہوں سے ان پر بیہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ (۱) یا نزول برکات ہی کم ہوتا ہے (۲) یا ان کا ظرف تنگ ہوتا ہے اور حوصلہ میں سمائی نہیں ہوتی۔

جو صوفی افق اعلیٰ پر پہنچ گئے ہوں اور دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى تک ان کی رسائی ہوگئی ہو ان کی حالت میں تغیر (بیہوشی کی حد تک نہیں بلکہ) صحابہ کی طرح ہو جاتا ہے آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ذکر رب سے دلوں میں سکون و اطمینان پیدا ہو جاتا ہے۔

فرشتوں کا خوف: بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے حدیث نقل کی ہے کہ جب اللہ آسمان پر کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کے کلام کو سن کر عاجزی کے ساتھ ملائکہ اپنے بازو پھڑ پھڑاتے ہیں (اور ایسی آواز ہوتی ہے) جیسے پتھر کی چٹان پر زنجیر لگنے سے پیدا ہوتی ہے پھر جب ان کے دلوں کی وہ ہیبت دور ہو جاتی ہے تو (بعض ملائکہ بعض) سے کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا وہ جواب دیتے ہیں (جو کچھ فرمایا) حق ہے۔ الحدیث۔ ایک اور آیت میں حضرت موسیٰ کے بیہوش ہو جانے کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے۔ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا۔

انسان کی ہمت فرشتوں سے زیادہ ہے

تنبیہ: ملائکہ سے انسان کی استعداد زیادہ قوی اور حوصلہ زیادہ وسیع ہے اسکے ثبوت کیلئے آیت اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ سے اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ تک کافی ہے اسی وسعت حوصلہ اور قوت استعداد کو ظاہر کرنے کے لئے فرمایا: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا مِنْهَا وَاَشْفَقْنَ وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ یہی وجہ ہے کہ فرشتوں نے جب بھی وحی (کا کلام) سنا تو ان پر غشی طاری ہوگئی لیکن آدمی کی حالت ایسی نہیں ہے اگر (عروج کے بعد) انسان کا نزول بھی مکمل ہو جائے تو سواء کسی نادر مثال کے عام طور پر ایسے عارفوں کی حالت میں کوئی تغیر نہیں آتا اور اگر نزول حالت کامل نہ ہو ناقص ہو تو اکثر حالات میں تغیر آ جاتا ہے (اور ناقص النزول عارف کلام اللہ سن کر بیہوش ہو جاتا ہے)

اولیاء اللہ کی صفات: عبدالرزاق سے مروی ہے کہ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اولیاء اللہ کی صفت یہ ہے کہ قرآن سن کر اُن کے دل موم ہو جائیں اور ذکر اللہ کی طرف وہ جھک جائیں اُن کے دل ڈر جائیں اُن کی آنکھیں آنسو بہائیں اور طبیعت میں سکون پیدا ہو جائے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ فرماتی ہیں کہ صحابہ کرام کا عام حال یہی تھا کہ جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے اور بدن پر بال کھڑے ہو جاتے۔ (قرطبی)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس بندے کے بدن پر اللہ کے خوف سے بال کھڑے ہو جاویں تو اللہ تعالیٰ اس کے بدن کو آگ پر حرام کر دیتے ہیں۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ

یہ ہے راہ دینا اللہ کا اس طرح راہ دیتا ہے جس کو چاہے

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ (۲۳)

اور جس کو راہ بھلائے اللہ اُس کو کوئی نہیں سجھانے والا ☆

ہدایت اللہ ہی سے مانگو

☆ یعنی جس کے لئے حکمت الٰہی مقتضی ہو اس طرح کامیابی کے راستے کھول دیئے جاتے ہیں اور اس شان سے منزل مقصود کی طرف لے چلتے ہیں اور جس کو سوء استعداد کی وجہ سے خدا تعالیٰ ہدایت کی توفیق نہ دے آگے کون ہے جو اس کی دستگیری کر سکے۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ

بھلا ایک وہ جو روکتا ہے اپنے منہ پر بُرا عذاب دن

الْقِيٰمَةِ ۭ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ

قیامت کے اور کہے گا بے انصافوں کو چکھو جو تم

تَكْسِبُوْنَ (۲۴)

کماتے تھے ☆

محشر میں کافر کی حالت

☆ آدمی کا قاعدہ ہے کہ جب سامنے سے کوئی حملہ ہو تو ہاتھوں پر روکتا ہے لیکن محشر میں ظالموں کے ہاتھ بندھے ہوں گے اس لئے عذاب کی تھپیڑیں سیدھی منہ پر پڑیں گی تو ایسا شخص جو بدترین عذاب کو اپنے منہ پر روکے اور اس سے کہا جائے کہ اب اس کام کا مزہ چکھ جو دنیا میں کئے تھے کیا اس مومن کی طرح ہوسکتا ہے جسے آخرت میں کوئی تکلیف اور گزند پہنچنے کا اندیشہ نہیں، اللہ کے فضل سے مطمئن اور بے فکر ہے۔ ہرگز نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اپنے آپ کو بچانے کے لئے اپنے منہ کو سپر کی طرح آگے بڑھاوے گا۔ قاعدہ ہے کہ ہر حملہ کو آدمی اپنے ہاتھوں پر روکتا ہے سامنے سے ہونے والے حملہ کو روکنے کے لئے اپنے ہاتھ آگے بڑھا دیتا ہے تاکہ چہرہ محفوظ رہے لیکن کافر کو جب دوزخ میں ڈالا جائے گا تو اس کے ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہوں گے وہ اپنے چہرے کو بچا نہ سکے گا اور چہرہ پر ہی عذاب لیگا۔ مجاہد نے کہا منہ کے بل سرنگوں کر کے کافر کو آگ میں کھینچا جائے گا اس لئے سب سے پہلے آگ اس کے چہرے ہی کو لگے گی۔ مقاتل نے کہا، کافر کے ہاتھ گردن میں باندھ کر دوزخ میں پھینکا جائے گا اور کوہ عظیم کے برابر گندھک کی ایک چٹان اس کے گلے میں لگی ہوئی ہوگی فوراً اس پتھر میں آگ لگ جائے گی اور وہ بھڑک جائے گا۔

مطلب یہ ہے کہ کیا ایسا کافر جو اپنے منہ کو ہی عذاب سے بچنے کے لئے سپر بنائے گا اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو ہر عذاب سے محفوظ رہے گا۔ (تفسیر مظہری)

كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ

جھٹلا چکے ہیں اُن سے اگلے پھر پہنچا اُن پر عذاب

مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ (۲۵) فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ

ایسی جگہ سے کہ اُنکو خیال بھی نہ تھا پھر چکھائی اُن کو اللہ

الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ

نے رسوائی دنیا کی زندگی میں اور عذاب

الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (۲۶)

آخرت کا تو بہت ہی بڑا ہے اگر ان کو سمجھ ہوتی ☆

ماضی سے سبق حاصل کرو

☆ یعنی بہت قومیں تکذیب انبیاء کی بدولت دنیا میں ہلاک اور رسوا کی جا چکی ہیں اور آخرت کا اشد عذاب جوں کا توں رہا تو کیا موجودہ مکذبین مطمئن ہیں کہ ان کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا جائے گا ہاں سمجھ ہوتی تو کچھ فکر کرتے۔ (تفسیر عثمانی)

دنیا کی ذلت: جیسے صورتیں بگڑ جانا، زمین میں دھنسایا جانا، مارا جانا، طوفان میں مبتلا ہو جانا، غیبی چیخ سے جگر پھٹ جانا، اس پر اوپر سے پتھر برسنا، غرق کیا جانا وغیرہ۔

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ یعنی کاش وہ تکذیب انبیاء کے برے نتیجہ کو سمجھ لیتے تو تکذیب نہ کرتے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اہل مکہ اگر اہل بصیرت اور ارباب نظر ہوتے تو پہلے لوگوں کے حالات سے عبرت حاصل کرتے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ

اور ہم نے بیان کی لوگوں کے واسطے اس قرآن

مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (۲۷) قُرْاٰنًا

میں سب چیز کی مثل تاکہ وہ دھیان کریں قرآن ہے

عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٢٨﴾

عربی زبان کا جس میں کجی نہیں تا کہ وہ بچ کر چلیں ☆

قرآن کے سمجھانے میں کوئی کمی نہیں

یعنی ان کا نہ سمجھنا اپنی غفلت اور حماقت سے ہے۔ قرآن کے سمجھانے میں کوئی کمی نہیں۔ قرآن تو بات بات کو مثال اور دلیلوں سے سمجھاتا ہے تا کہ لوگ ان میں دھیان کر کے اپنی عاقبت درست کریں، قرآن ایک صاف عربی زبان کی کتاب ہے جو اس کے مخاطبین اولین کی مادری زبان تھی۔ اس میں کوئی ٹیڑھی ترچھی بات نہیں سیدھی اور صاف باتیں ہیں جن کو عقل سلیم قبول کرتی ہے۔ کسی طرح کا اختلال اور کجی اسکے مضامین یا عبارت میں نہیں جن باتوں کو منوانا چاہتا ہے نہ ان کا ماننا مشکل اور جن چیزوں پر عمل کرانا چاہتا ہے نہ ان پر عمل کرنا محال۔ غرض یہ ہے کہ لوگ بسہولت اس سے مستفید ہوں اعتقادی و عملی غلطیوں سے بچ کر چلیں اور صاف صاف نصیحتیں سن کر اللہ سے ڈرتے رہیں۔ (تفسیر عثمانی)

خلق قرآن کا مسئلہ: بغویؒ نے لکھا ہے کہ سفیان بن عیینہ نے ستر تابعین کا (بالاتفاق) قول نقل کیا کہ قرآن نہ خالق ہے نہ مخلوق۔ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ قرآن اللہ کی صفت (کلامیہ) ہے عین ذات خداوندی نہیں کہ خالق ہو جائے اور غیر ذات بھی نہیں کہ ذات سے جدا ہو اور حادث و مخلوق ہو جائے۔ یہ قول دلالت کر رہا ہے کہ تابعین کے نزدیک اللہ کا کلام لفظی بھی قدیم ہے اور اللہ کی ایک صفت ہے کیونکہ کلام نفسی (جس پر کلام لفظی دلالت کر رہا ہے) عربی نہیں ہو سکتا عربی اور عجمی ہونا تو الفاظ کی صفت ہے الفاظ کے معانی تو نہ عربی ہوتے ہیں نہ عجمی۔ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ کلام لفظی میں ایک حرف کے بعد دوسرا حرف بولا جاتا ہے (اور اس طرح پورا جملہ اور کلام بن جاتا ہے) اور ترتیب حروف حادث ہونیکی علامت ہے کیونکہ یہ ترتیب حروف تو مخلوق کے کلام کے لئے ضروری ہے مخل کلام تنگ ہے اس لئے ایک حرف کے بعد دوسرا حرف آتا ہے اور پورا کلام حادث ہو جاتا ہے اللہ کا کلام تو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اس کے کلام میں تعاقب حروف کا تصور بھی غلط ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے حاضر پر غائب کو قیاس کر لیا جائے رویت خداوندی کا انکار کرنے والے اسی توہم میں مبتلا ہو گئے کہ انہوں نے دیدار مخلوق پر دیدار خالق کو قیاس کر لیا۔ (تفسیر مظہری)

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيهِ شُرَكَآءُ

اللہ نے بتلائی ایک مثل ایک مرد ہے کہ اس میں شریک

مُتَشٰكِسُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ۭ هَلْ

ہیں کئی ضدی اور ایک مرد ہے پورا ایک شخص کا کیا

يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ

برابر ہوتی ہیں دونوں مثل ☆

مشرک و موحد کی مثال

☆ یعنی کئی حصہ دار ایک غلام یا نوکر میں شریک ہیں اور ہر حصہ دار اتفاق سے کج خلق، بے مروت اور سخت ضدی واقع ہوا ہے چاہتا ہے کہ غلام تنہا اس کے کام میں لگا رہے دوسرے شرکاء سے سروکار نہ رکھے اس کھینچ تان میں ظاہر ہے غلام سخت پریشان اور پراگندہ دل ہوگا برخلاف اس کے جو غلام پورا ایک کا ہو اسے ایک طرح کی یکسوئی اور طمانیت حاصل ہوگی اور بہت سے آقاؤں کو خوش رکھنے کی کشمکش میں گرفتار نہ ہوگا۔ اب ظاہر ہے کہ یہ دونوں غلام برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح مشرک اور موحد کو سمجھ لو۔ مشرک کا دل کئی طرف بٹا ہوا ہے اور کتنے ہی جھوٹے معبودوں کو خوش رکھنے کی فکر میں رہتا ہے اس کے برخلاف موحد کی کل توجہات و خیالات اور دواودوش کا ایک مرکز ہے وہ پوری دل جمعی کے ساتھ اس کے خوش رکھنے کی فکر میں ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کی خوشنودی کے بعد کسی کی خوشنودی کی ضرورت نہیں۔ اکثر مفسرین نے اس مثال کی تقریر اسی طرح کی ہے مگر حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ایک غلام جو کئی کا ہو کوئی اسکو اپنا نہ سمجھے تو اس کی پوری خبر نہ لے اور ایک غلام جو سارا ایک کا ہو وہ اس کو اپنا سمجھے اور پوری خبر لے۔ یہ مثال ہے ان کی جو ایک رب کے بندے ہیں اور جو کئی رب کے بندے ہیں۔" (تفسیر عثمانی)

مشرک، مشترک غلام کی طرح ہے

مشرک بھی متعدد معبودوں کا دعویٰ کرتا اور ان کی پوجا کرتا ہے اور مشترک غلام بھی کشاکش میں مبتلا رہتا ہے کبھی کوئی مالک اس کو کھینچتا ہے کبھی دوسرا مالک، اپنے اپنے مختلف کاموں میں باری باری اس غلام کو تمام مالک لگائے رکھتے ہیں اور بیچارہ غلام حیران پریشان ہوتا ہے۔ اس کو سکون قلب حاصل نہیں ہوتا (وہ تمام آقاؤں کے مختلف کام کس طرح پورے کرے اور کس طرح سب کو راضی رکھے ہر وقت یہی پریشانی اس کو رہتی ہے)

مومن موحد کی مثال

وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ۭ یہ مثال مومن موحد کی ہے ایک مالک کا غلام پریشان نہیں ہوتا یہی حالت موحد کی ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٩﴾

سب خوبی اللہ کے لئے ہے پر وہ بہت لوگ سمجھ نہیں رکھتے ☆

اکثر لوگ نہیں سمجھتے

☆ یعنی سب خوبی اللہ کے لئے ہے کہ کیسے اعلیٰ مطالب وحقائق کو کیسی صاف اور دلنشین امثال وشواہد سے سمجھا دیتے ہیں مگر اس پر بھی بہت بدنصیب ایسے ہیں جو ان واضح مثالوں کے سمجھنے کی توفیق نہیں پاتے۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ الحمد سے پہلے لفظ قُل محذوف ہے یعنی آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے نعمت توحید عطا فرمائی اور یہ نعمت دینے والا خاص وہی ایک مستحق ستائش مالک کل ہے اس پر اس کے لئے ساری حمد زیبا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ
بیشک تو بھی مرتا ہے اور وہ بھی مرتے ہیں پھر مقرر تم
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾
قیامت کے دن اپنے رب کے آگے جھگڑو گے ☆

قیامت میں سب کا آمنا سامنا ہوگا

☆ یعنی جیسے مشرک اور موحد میں جو اختلاف ہے اسکا اثر قیامت کے دن علی رؤس الاشہاد ظاہر ہوگا، جس وقت پیغمبر اور امتی سب اکٹھے کئے جائیں گے اور کفار انبیاء اور مومنین کے مقابلہ میں جھگڑے اور حجتیں نکالیں گے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''کافر منکر ہوں گے کہ ہم کو کسی نے حکم نہیں پہنچایا پھر فرشتوں کی گواہی اور زمین وآسمان کی اور ہاتھ پاؤں کی گواہی سے ثابت ہوگا'' کہ اس ادعاء میں جھوٹے ہیں۔ اسی طرح دوسرے تمام جھگڑوں کا فیصلہ بھی اس دن پروردگار کے سامنے ہوگا۔ بہتر یہ ہی ہے کہ لفظ ''اختصام'' کو عام رکھا جائے تا احادیث وآثار کے خلاف نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

صفت مشبہ کا صیغہ لانے کی وجہ

اِنَّكَ مَيِّتٌ ہر شخص کی موت یقینی ہے اسی لئے بجائے فعل مضارع (تموت اور یموتون) کے صفت مشبہ کا صیغہ جو دوام وثبوت پر دلالت کرتا ہے استعمال کیا (یعنی میت اور میتون فرمایا) فراء اور کسائی کی تحقیق ہے کہ میت اس شخص کو کہتے ہیں جو آئندہ مرنے والا ہو ابھی مرا نہ ہو اور میت اس کو کہتے ہیں جس کی جان نکل چکی ہو اس لئے میت اور میتون مبتشدید فرمایا۔

آیت کا شان نزول: محلی نے لکھا ہے کہ کفار مکہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلد وفات پا جائیں، اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی مطلب یہ ہے کہ آپ بھی یقیناً مریں گے اور وہ یعنی کفار مکہ یا سب لوگ بھی مریں گے پھر رسول اللہ کی وفات سے ان کو خوشی نہ ہونا چاہئے۔

عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ کی وضاحت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرض کریں گے اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو بکواس بنا قرار دے رکھا تھا انہوں نے میری تکذیب کی باوجودیکہ میں حق پر تھا، توحید کو پیش کر رہا تھا اور یہ باطل پر تھے، مشرک تھے میں نے ان کو راستہ دکھانے اور تیرے احکام پہنچانے کی بہت کوشش کی اور یہ اپنی سرکشی اور تکذیب پر اڑے رہے، کفار اپنے عذر میں غلط باتیں بیان کریں گے کہیں گے کہ ہم اللہ کی جو ہمارا رب ہے قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم مشرک نہیں تھے۔ یہ بھی کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی بشیر ونذیر (پیغمبر) ہی نہیں آیا۔ یہ بھی کہیں گے کہ ہم اپنے سرداروں کے اور بڑوں کے کہنے پر چلے اور اس چیز کی تقلید کی جس پر اپنے باپ دادا کو پایا۔

لوگ آپس میں بھی اپنے حقوق کی بابت جھگڑیں گے، سب سے پہلے آپس کی خون ریزیوں کا فیصلہ کیا جائے گا۔ شیخین نے صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کے باہمی مقدمات میں سب سے پہلے خونوں کا فیصلہ کیا جائے گا۔

ترمذی اور ابن ماجہ اور طبرانی اور مردویہ نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا میں نے خود حضور سے سنا کہ مقتول اپنے ایک ہاتھ میں اپنا سر لٹکائے اور دوسرے ہاتھ سے قاتل کو پکڑے ہوئے آئے گا اس وقت اس کی گردن کی رگوں سے خون ابل رہا ہوگا اور عرش الٰہی کے پاس پہنچ کر رب العالمین کی بارگاہ میں عرض کرے گا، اس نے مجھے قتل کیا تھا اللہ قاتل سے فرمائے گا تو ہلاک ہو پھر اس کو دوزخ کو بھیج دیا جائے گا۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مقتول قاتل کو پکڑ کر لے آئے گا، اس کی گردن کی رگوں سے اس وقت خون اچھل رہا ہوگا۔ عرض کرے گا اے میرے رب اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا۔ قاتل کہے گا میں نے اس کو اس لئے قتل کیا کہ فلاں شخص کو عزت (غلبہ) حاصل ہو۔ اللہ فرمائے گا عزت تو (ساری) اللہ ہی کے لئے ہے۔ ابن حاتم نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) قاتل اور مقتول دونوں کو لا کر رحمٰن کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور قاتل سے پوچھا جائے گا تو نے اس کو کیوں قتل کیا اگر اس نے اللہ کے لئے قتل کیا ہوگا تو کہہ دے گا میں نے اس کو اس لئے قتل کیا تھا کہ غلبہ اللہ (کے دین) کا ہو جواب دیا جائے گا بیشک عزت (غلبہ) اللہ ہی کے لئے ہے اور اگر قاتل نے کسی مخلوق کے لئے قتل کیا ہوگا تو وہ کہے گا میں نے اس کو اس لئے قتل کیا تھا کہ فلاں شخص کو غلبہ حاصل ہو، ارشاد ہوگا اس کے لئے تو عزت نہیں۔ غرض جس ظالم نے کسی کو قتل

کیا ہوگا اس سے انتقام لیا جائے گا اور اتنے دنوں اس کو موت کا مزہ چکھایا جاتا رہے گا جتنے دنوں اس نے دنیا میں مقتول کو زندگی سے محروم کیا تھا۔

امام احمد ترمذی اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت زبیرؓ نے فرمایا جب آیت إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ۞ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِندَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ ۞ نازل ہوئی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہمارے آپس کے خاص خاص جرائم کو دوبارہ ہمارے سامنے لایا جائے گا فرمایا ہاں ضرور دوبارہ ان کو سامنے لایا جائے گا۔ یہاں تک کہ ہر حقدار کو اس کا حق پہنچ جائے گا۔ حضرت زبیرؓ نے کہا واللہ معاملہ بڑا سخت ہوگا۔

مرد وعورت کا جھگڑا: طبرانی نے ناقابل اعتراض سند سے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن مرد وعورت کا جھگڑا پیش ہوگا' خدا کی قسم مرد زبان سے کچھ نہ کہے گا بلکہ عورت کے ہاتھ پاؤں خود اس کے خلاف شہادت دیں گے کہ یہ اپنے شوہر کی فلاں فلاں عیب چینی کرتی تھی پھر مرد کے ہاتھ پاؤں ان باتوں کی شہادت دیں گے یہ عورت پر وہ زیادتی کرتا تھا۔

ہمسایوں کا مقدمہ: امام احمد نے بسند حسن نے حضرت عقبہ بن عامر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب سے اول دو ہمسائے (اپنا مقدمہ پیش کرنے) آئیں گے۔

دنیا ہی میں حقوق ادا کردو: بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی طرف اس کے بھائی کا کوئی حق ہو اس کو دنیا ہی میں اس سے خلاصی حاصل کر لینی چاہئے کیونکہ وہاں نہ دینار ہوگا نہ درہم اگر اس کا کوئی نیک عمل ہوگا تو اس سے وہ عمل لے کر حقدار کو اس کے حق کے موافق دے دیا جائے گا اور اگر اس (ظالم) کی نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کے گناہ لے کر ظالم پر لاد دئے جائیں گے۔

مفلس کون ہے: مسلم اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے صحابہؓ نے عرض کیا ہم میں مفلس وہی ہوتا ہے جس کے پاس نہ روپیہ ہو نہ سامان فرمایا میری امت کا مفلس وہ ہوگا جو نماز' روزہ زکوۃ (سب کچھ) لے کر آئے گا (لیکن) کسی کو گالی دی ہوگی کسی پر تہمت لگائی ہوگی کسی کا مال کھایا ہوگا کسی کا خون بہایا ہوگا کسی کو مارا ہوگا چنانچہ اس کو پکڑا جائے گا اور اس کی کچھ نیکیاں ایک (حقدار) کو بطور بدلہ دے دی جائیں گی اور کچھ دوسرے کو اگر بدلہ پورا ادا ہوئے بغیر اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو حقداروں کے کچھ گناہ لے کر اس پر ڈال دئے جائیں گے پھر اس کو آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

اعمال کے لین دین میں اہلسنت کا مسلک

میں کہتا ہوں مظلوم ظالم کی نیکیاں لے لے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ علاوہ ایمان کے دوسری نیکیوں کا ثواب لے لے گا کیونکہ کفر کے علاوہ ہر قسم کے حقوق اور گناہوں کی سزا غیر متناہی نہیں ہے (کبھی ختم ہو جائے گی) یہی قول اہل سنت کے مسلک کے مطابق ہے۔ اہل سنت کے نزدیک مرتکب کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا اور ایمان کی جزا دوامی جنت ہے اور جنت کی کوئی حد نہیں لہذا جو چیز متناہی بدلہ والی ہے (یعنی اللہ کا گناہ یا بندوں کی حق تلفی) اس کا عوض وہ چیز نہیں ہو سکتی جو غیر متناہی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اگر گناہوں کا بدلہ پورا ادا ہوئے بغیر ظالم کی نیکیاں ختم ہو جائے گی اور صرف ایمان باقی رہ جائے گا تو کفر کے علاوہ مظلوموں کے گناہ ظالم پر لاد دیئے جائیں گے (مظلوم کا کفر ظالم پر نہیں ڈالا جائے گا کیونکہ کفر کی سزا غیر متناہی ہے' اور گناہوں کی سزا متناہی ہے اور متناہی گناہوں کی سزا غیر متناہی سے نہیں بدل سکتی) پھر اگر مظلوم نہ کرے گا تو ظالم کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا اور اتنی مدت تک وہاں رکھا جائے گا جتنی مدت ان گناہوں کی سزا کے لئے مقرر ہوگی جب گناہوں کی سزا پوری ہو جائے گی تو اس ظالم کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔ میں نے جو تشریح کی ہے وہی بیہقی نے بھی کی ہے۔

قیامت کے دن حقوق دلائے جائیں گے

مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن حقداروں کو ان کے حقوق واپس دلائے جائیں گے یہاں تک کہ منڈی بکری کو بھی سینگوں والی بکری سے (اگر اس نے منڈی بکری کو مارا ہوگا تو) بدلہ دلوایا جائے گا۔ ایک روایت میں آیا ہے منڈی کو سینگوں والی سے اور (مظلوم) چھوٹی سرخ چیونٹی کو (ظالم) سرخ چیونٹی سے بدلہ دلوایا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

ایک اور حدیث میں ہے کہ دو بکریوں کو آپس میں لڑتے ہوئے دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو یہ کیوں لڑ رہی ہیں؟ حضرت ابوذرؓ نے جواب دیا کہ حضور مجھے کیا خبر؟ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے' اور وہ قیامت کے دن ان دونوں میں انصاف کریگا۔ (ابن کثیر)

صحابۂ کرامؓ کا تعجب: بیہقی نے حضرت زبیرؓ بن عوام کی روایت سے بیان کیا کہ جب آیت ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِندَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ نازل ہوئی تھی تو ہم نے کہا تھا ہم آپس میں (قیامت کے دن) کیسے جھگڑیں گے ہمارا رب ایک ہے ہمارا دین ایک ہے اور ہماری کتاب ایک ہے یہاں تک کہ میں نے (اب) دیکھ لیا کہ ہم میں بعض بعض کے چہروں پر تلواریں مار رہے ہیں اب میں نے پہچانا کہ یہ آیت ہمارے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت

ابن عمرؓ کی روایت بھی اسی طرح آئی ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ نے اس آیت کے ذیل میں فرمایا ہم کہتے تھے ہمارا رب ایک ہے ہمارا نبی ایک ہے ہماری کتاب ایک ہے پھر (قیامت کے دن) یہ باہمی حق طلبی کیا ہوگی آخر جب جنگ صفین کا دن آیا اور ہم میں سے بعض نے بعض پر تلواروں سے حملے کئے تو ہم نے کہا ہاں یہ وہی ہے۔

ابراہیم کا بیان ہے کہ جب آیت ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ نازل ہوئی تو لوگوں نے کہا کہ ہم تو بھائی بھائی ہیں ہمارا باہم جھگڑا کس طرح ہوگا لیکن جب حضرت عثمان شہیدؓ کر دئے گئے تو لوگوں نے کہا یہ ہے ہمارا باہمی جھگڑا۔

ان تمام مندرجۂ بالا اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ یہ سمجھتے تھے کہ قتل وخون کے جھگڑے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ہوں گے (مسلمانوں کے آپس میں نہیں ہوں گے) لیکن جب بغاوتیں ہوئیں اور مسلمانوں کے آپس میں فساد ہونے لگے اس وقت ظاہر ہوا کہ خصومت اور جھگڑا مسلمانوں کے آپس میں بھی ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

مظلوم کا حق ظالم سے وصول کرنے کی صورت

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہاں لفظ اِنَّكُمْ میں مومن وکافر اور مسلمان ظالم ومظلوم سب داخل ہیں یہ سب اپنے اپنے مقدمات اپنے رب کی عدالت میں پیش کریں گے اور اللہ تعالیٰ ظالم سے مظلوم کا حق دلوائیں گے وہ کافر ہو یا مومن۔ اور صورت اس ادائیگی حقوق کی وہ ہوگی جو صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے ذمہ کسی کا حق ہے اس کو چاہئے کہ دنیا ہی میں اس کو ادا یا معاف کرا کر حلال ہو جائے۔ کیونکہ آخرت میں درہم و دنیا تو ہوں گے نہیں۔ اگر ظالم کے پاس کچھ اعمال صالحہ ہیں تو بمقدار ظلم یہ اعمال اُس سے لیکر مظلوم کو دیدیئے جاویں گے۔ اور اگر اس کے پاس حسنات نہیں ہیں تو مظلوم کی سیئات اور گناہوں کو اس سے لیکر ظالم پر ڈال دیا جائے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

مسند احمد کی اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آیت ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ یعنی پھر اُس دن تم سے خدائی نعمتوں کا سوال کیا جائے گا' کے نازل ہونے پر آپ ہی نے سوال کیا کہ وہ کونسی نعمتیں ہیں جن کی بابت ہم سے حساب لیا جائے گا۔ ہم تو کھجوریں کھا کر اور پانی پی کر گزارہ کر رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب نہیں ہیں تو کیا؟ عنقریب بہت سی نعمتیں حاصل ہو جائیں گی۔ یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے اور امام ترمذیؒ اسے حسن بتلاتے ہیں۔ مسند کی اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت زبیر بن عوامؓ نے آیت اِنَّكَ مَيِّتٌ (الآیۃ) کے نازل ہونے پر پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا جو جھگڑے ہمارے دنیا میں تھے وہ دوبارہ وہاں قیامت میں دُہرائے جائیں گے؟ ساتھ ہی گناہوں کی بھی پرسش ہوگی؟ آپ نے فرمایا ہاں وہ ضرور دُہرائے جائیں گے اور ہر شخص کو اس کا حق پورا پورا دلوایا جائے گا۔ یہ سن کر آپ نے عرض کیا پھر تو سخت مشکل کام ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے پڑوسیوں کے آپس کے جھگڑے پیش ہوں گے۔ اور حدیث میں ہے کہ ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ سب جھگڑوں کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔

جسم اور روح کا جھگڑا: حافظ ابن مندہ نے کتاب الروح میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ جھگڑا صرف انسانوں کے درمیان ہی نہیں ہوگا بلکہ روح اور جسم بھی ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑتے ہوں گے۔ روح جسم سے کہے گی کہ یہ سب کچھ تو نے کیا۔ جسم روح سے کہے گا نہیں میں تو بے قصور ہوں اصل حکم اور عمل کرانے والی طاقت تو تو ہی تھی ہر ایک دوسرے کو ملزم ٹھہراتا ہوگا تو اس خصومت کی حالت میں اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیجے گا تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔ یہ فرشتہ ان سے آ کر یہ کہے گا تمہارے واسطے ایک مثال ہے۔ اور تم دونوں کا حال اس کے مانند ہے۔ ایک اپاہج ومعذور شخص آنکھوں والا ہے۔ جس کو نظر تو سب کچھ آتا ہے لیکن چل پھر نہیں سکتا۔ دوسرا شخص نابینا مگر چل پھر سکتا ہے۔ دونوں ایک باغ میں داخل ہوئے اپاہج نے اندھے سے کہا اے میرے ساتھی میں یہاں باغ میں بہت سے پھل اور میوے دیکھ رہا ہوں لیکن معذور ہوں پھلوں تک پہنچ نہیں سکتا اندھے نے اپاہج سے کہا کہ تو مجھ پر سوار ہو جا اور مجھے وہاں تک لے چل جہاں تو پھل دیکھ رہا ہے چنانچہ اپاہج اندھے پر سوار ہو کر پھل تک پہنچا اور پھل کھانے لگا۔ تو بتاؤ ان میں سے کون ظالم ہے۔ جسم اور روح دونوں نے جواب دیا۔ ان دو میں سے کوئی ایک تنہا ظالم نہیں ہے۔ ظالم تو دونوں ہی ہیں۔ فرشتہ یہ فیصلہ سن کر بولا اے جسم و روح بس تم نے خود ہی فیصلہ کر دیا کہ مجرم اور ظالم تو دونوں ہو مراد یہ کہ جسم سواری ہے اور روح اس پر بمنزلہ سوار کے ہے اور جو اس سواری پر سوار ہو کر اعمال وافعال کا ارتکاب کرتی پھرتی ہے۔ لہٰذا جسم و روح دونوں ہی عذاب اور سزا کے مستحق ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى
پھر اُس سے ظالم زیادہ کون جس نے جھوٹ بولا
اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ
اللہ پر اور جھٹلایا سچی بات کو جب پہنچی اُسکے پاس'
اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾
کیا نہیں دوزخ میں ٹھکانا منکروں کا ☆☆

سب سے بڑا ظالم

☆ اللہ پر جھوٹ بولا یعنی اس کے شریک ٹھہرائے یا اولاد تجویز کی، یا وہ صفات اسکی طرف منسوب کیں جو واقع میں اس کے لائق نہ تھیں اور جھٹلایا سچی بات کو جب پہنچی اس کے پاس یعنی انبیاء علیہم السلام جو سچی باتیں خدا کی طرف سے لائے ان کو سنتے ہی جھٹلانے لگا سوچنے سمجھنے کی تکلیف بھی گوارا نہ کی بلا شبہ جو شخص سچائی کا اتنا دشمن ہو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے۔ اور ایسے ظالموں کا ٹھکانا دوزخ کے سوا اور کہاں ہوگا۔ عموماً مفسرین نے آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے مگر حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ یعنی اگر نبی نے (معاذ اللہ) جھوٹ خدا کا نام لیا تو اس سے برا کون اور اگر وہ سچا تھا اور تم نے جھٹلایا تو تم سے برا کون گویا مَنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ اور كَذَّبَ بِالصِّدْقِ کا مصداق الگ الگ قرار دیا اور ایسا ہی آگے وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ (الخ) میں آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سب سے بڑا بے انصاف:

اس شخص سے زیادہ بے انصاف کون ہوہے جس نے اللہ پر دروغ بندی کی اور اللہ کی طرف سے رسول خدا کے ذریعہ سے جب سچائی (اللہ کی کتاب) اس کے پاس آ گئی تو اس نے سچائی کو جھوٹا بتایا کیا (ایسے) کافروں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ۔ اس میں ف سببی ہے کافروں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑا کرنا ان کے بے انصاف ہونے کا سبب ہے سوال انکاری ہے یعنی ایسے شخص سے زیادہ بے انصاف اور کوئی نہیں۔

كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ۔ اللہ پر دروغ بندی کی اس کے لئے اولاد قرار دی اور دوسروں کو اس کا ساجھی بنایا۔

وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ۔ اور جب سچ یعنی قرآن اور پیام خدا اس کو پہنچ گیا تو بغیر سوچے سمجھے فوراً اس کی تکذیب کی یہ بھی نہیں دیکھا کہ اس کی سچائی کے دلائل اور اس کے صادق ہونے کے بکثرت شواہد موجود ہیں۔

حضورؐ کیلئے تسلی: اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ۔ مثویٰ اترنے کی جگہ ٹھیرنے کا مقام یہ استفہام تقریری ہے۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ سے اس آیت تک پورا کلام اپنے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک خاص تسلی و اطمینان کا حامل ہے کہ یہ لوگ جو آپ کی تکذیب کر رہے ہیں آپ کچھ غم نہ کریں نہ ان سے انتقام کی کوئی فکر کریں ان کو ان کے اعمال کی سزا دینے کے لئے جہنم کافی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ

اور جو لے کر آیا سچی بات اور سچ مانا جس نے اس کو

بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ لَهُمْ

وہی لوگ ہیں ڈر والے ان کے

مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ

لئے ہے جو وہ چاہیں اپنے رب کے پاس یہ ہے

ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ۝۳۴

بدلہ نیکی والوں کا ☆

ڈرنے والوں کی شان

☆ یعنی خدا سے ڈرنے والوں کی شان یہ ہوتی ہے کہ سچی بات لائیں، ہمیشہ سچ کہیں اور سچ کی تصدیق کریں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جو سچی بات لے کر آیا وہ نبی اور جس نے سچ مانا وہ مومن ہے گویا دونوں جملوں کا مصداق علیحدہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا مصداق: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ (صدق یعنی) لا الٰہ الا اللہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے اور آپ نے خود اس کی تصدیق کی یعنی لوگوں تک اس کو پہنچایا اس تفسیر پر اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی پیروی کرنے والے اہل ایمان کی طرف یعنی سب کی طرف اشارہ ہوگا۔

کلبی اور ابوالعالیہ نے کہا قرآن لانے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور اس کی تصدیق کرنے والے حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ زجاج نے حضرت علیؓ کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی ہے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں بھی اسی طرح آیا ہے۔

حضرت حسانؓ کا شعر ہے۔

اَمَنْ يَّهْجُوْ رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْهُمْ ۔۔۔ وَيَمْدَحُهٗ وَيَنْصُرُهٗ سَوَآءٌ

کیا ان میں سے وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجو اور (وہ شخص جو) آپ کی تعریف کرتا ہے اور آپ کی مدد کرتا ہے برابر ہو سکتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ

تاکہ اتار دے اللہ ان پر سے برے کام

عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ

جو انہوں نے کئے تھے اور بدلہ میں دے ان کو ثواب بہتر کاموں کا

الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۞
جو وہ کرتے تھے ☆

غلطیوں کی معافی

☆یعنی اللہ تعالیٰ متقین ومحسنین کو ان کے بہتر کاموں کا بدلہ دے گا اور غلطی سے جو برا کام ہو گیا معاف کرے گا (تنبیہ) شاید اَسْوَاَ اور اَحْسَن صیغہ تفضیل اس لئے اختیار فرمایا کہ بڑے درجہ والوں کی ادنیٰ بھلائی اوروں کی بھلائیوں اور ادنیٰ برائی اوروں کی برائیوں سے بھاری سمجھی جاتی ہے۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

بڑے گناہ بھی معافی کے قابل ہیں

اَسْوَاَ (بہت برے) بطور مبالغہ (کلام کو پرزور بنانے کے لئے) فرمایا کیونکہ جب سب سے برے اعمال کو اللہ معاف فرما دے گا اور کم درجہ کے برے اعمال کی معافی تو بہرحال ہو ہی جائے گی۔ یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ کبیرہ گناہ معاف ہو جائیں گے پس معتزلہ کا قول غلط ہے جو عفو کبائر کے قائل نہیں اَسْوَاَ الَّذِیْ عَمِلُوْا کہنے سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ ہر گناہ کو جوان سے صادر ہو جائے (خواہ وہ چھوٹا ہو) سب سے برا سمجھتے ہیں گویا تمام (چھوٹے بڑے) گناہ ان کی نظر میں بڑے ہی ہیں۔

مقاتل نے کہا کہ اللہ ان کے اچھے اعمال کا بدلہ دے گا اور برے اعمال کا بدلہ نہیں دیگا۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں سچائی کو لانے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اسے سچ ماننے والے مسلمان ہیں یہی متقی پارسا اور پرہیزگار ہیں جو خدا سے ڈرتے رہے اور شرک کفر سے بچتے رہے اُن کے لئے جنت میں جو وہ چاہیں سب کچھ ہے۔ جب طلب کریں گے پائیں گے۔ یہی بدلہ ہے ان پاکباز لوگوں کا۔ رب ان کی بُرائیاں تو معاف فرما دیتا ہے اور نیکیاں قبول کر لیتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اُس نے نجات پالی جو اسلام کی ہدایت دیا گیا اور بقدر ضرورت روزی دیا گیا اور قناعت بھی نصیب ہوئی (ترمذی وغیرہ)

حدیث شریف میں ہے اللہ کو یاد رکھ وہ تیری حفاظت کرے گا۔ اللہ کو یاد رکھ تو اُسے ہر وقت اپنے پاس پائے گا۔ آسانی کے وقت رب کی نعمتوں کا شکر گزار رہ سختی کے وقت وہ تجھے کام آئے گا۔ جب کچھ مانگے تو اللہ ہی سے مانگ اور جب مدد طلب کرے تو اسی سے مدد طلب کر۔ یقین رکھ کہ اگر تمام دنیا مل کر تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے اور خدا کا ارادہ نہ ہو تو وہ سب تجھے ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اور سب جمع ہو کر تجھے کوئی نفع پہنچانا چاہیں جو خدا نے مقدر میں نہ لکھا ہو تو ہرگز نہیں پہنچا سکتے۔ صحیفے خشک ہو چکے قلمیں اٹھالی گئیں۔ یقین اور شکر کے ساتھ نیکیوں میں مشغول رہا کر۔ تکلیفوں میں صبر کرنے پر بڑی نیکیاں ملتی ہیں مدد صبر کے ساتھ ہے۔ غم و رنج کے ساتھ ہی خوشی اور فراخی ہے۔ ہر سختی اپنے اندر آسانی کو لئے ہوئے ہے (ابن ابی حاتم) (تفسیر ابن کثیر)

اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَ یُخَوِّفُوْنَكَ
کیا اللہ بس نہیں اپنے بندہ کو اور تجھ کو ڈراتے ہیں
بِالَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَ مَنْ یُّضْلِلِ
اُن سے جو اُس کے سوائے ہیں اور جس کو راہ بھلائے
اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۞ وَ مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ
اللہ تو کوئی نہیں اُس کو راہ دینے والا اور جس کو راہ سمجھائے اللہ
فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِعَزِیْزٍ
تو کوئی نہیں اُس کو بھلانے والا کیا نہیں ہے اللہ زبردست
ذِی انْتِقَامٍ ۞
بدلہ لینے والا ☆

اللہ کا بندہ غیر اللہ سے نہیں ڈرتا

☆ چند آیات پہلے ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِیْهِ شُرَكَآءُ الخ میں شرک کا رد اور مشرکین کا جہل بیان کیا گیا تھا۔ اس پر مشرکین پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے بتوں سے ڈراتے تھے کہ دیکھو تم ہمارے دیوتاؤں کی توہین کر کے ان کو غصہ نہ دلاؤ کہیں تم کو معاذ اللہ بالکل خبطی اور پاگل نہ بنا دیں۔ اس کا جواب دیا کہ جو شخص ایک زبردست خدا کا بندہ بن چکا، اسے ان عاجز اور بے بس خداؤں سے کیا ڈر ہو سکتا ہے؟ کیا اس عزیز منتقم کی امداد وحمایت اس کو کافی نہیں جو کسی دوسرے سے ڈرے یا لو لگائے۔ یہ بھی ان مشرکین کا خبط و ضلال اور مستقل گمراہی ہے کہ خدائے واحد کے پرستار کو اس طرح کی گیدڑ بھبکیوں سے خوف زدہ کرنا چاہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ٹھیک راستہ پر لگا دینا یا نہ لگانا سب اللہ کے قبضہ میں ہے جب کسی شخص کو اسکی بدتمیزی اور کجروی کی بنا پر اللہ تعالیٰ کامیابی کا راستہ نہ دے وہ اسی طرح خبطی اور پاگل ہو جاتا ہے اور موٹی موٹی باتوں کو سمجھنے کی قوت بھی اس میں نہیں رہتی کیا ان احمقوں کو اتنا نہیں سوجھتا کہ جو بندہ خداوند قدوس کی پناہ میں آ گیا کونسی طاقت ہے جو اس کا بال بیکا کر سکے جو طاقت مقابل ہوگی پاش پاش کر دی جائے گی غیرت خداوندی مخلص وفاداروں کا بدلہ لئے بدون نہ چھوڑے گی۔ (تفسیر عثمانی)

وَيُخَوِّفُوْنَكَ بغوی نے لکھا ہے کہ بت پرست لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتوں کی ناراضگی سے ڈراتے تھے اور کہتے تھے ان کو برا کہنے سے زبان روکو ورنہ یہ تمہیں بدحواس اور پاگل بنادیں گے۔ عبدالرزاق نے بھی یہ روایت بیان کی ہے وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ یعنی اللہ جس کو بے مدد چھوڑ دے کہ وہ اللہ کو اپنے بندہ کی حفاظت کے لئے کافی ہونے سے غافل ہو جائے اور ایسی چیزوں سے ڈرانے لگے جو نہ نقصان پہنچا سکتی ہیں نہ فائدہ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ اس کے لئے کوئی ہدایت دینے والا نہیں کہ سیدھے راستہ پر اس کو چلا سکے۔ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں کیونکہ اللہ کی عطا کی ہوئی نعمت کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ استفہام انکاری یعنی اللہ غالب ہے (اپنے فرماں برداروں کو) نفع بخشتا ہے اور انتقام لینے والا ہے اپنے دشمنوں سے انتقام لیتا ہے (ان کو سزا دیتا ہے) (تفسیر مظہری)

آیت کا شان نزول: اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ۔ اس آیت کا شانِ نزول ایک واقعہ ہے کہ کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو اس سے ڈرایا تھا کہ اگر آپ نے ہمارے بتوں کی بے ادبی کی تو ان بتوں کا اثر بہت سخت ہے اس سے آپ بچ نہ سکیں گے۔ ان کے جواب میں کہا گیا کہ کیا اللہ اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں۔

اس لئے بعض مفسرین نے یہاں بندے سے مخصوص بندہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مراد لیا ہے۔

جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کا محافظ ہے

جو شخص بھی کسی مسلمان کو اس لئے ڈرائے کہ تم نے فلاں حرام کام یا گناہ نہ کیا تو تمہارے حاکم اور افسر یا جنکے تم محتاج سمجھے جاتے ہو تم سے خفا ہو جائیں گے اور تکلیف پہنچائیں گے۔ یہ بھی اسی میں داخل ہے اگرچہ ڈرانے والا مسلمان ہی ہو اور جس سے ڈرایا جائے وہ بھی مسلمان ہی ہو۔ اور یہ ایسا عام ابتلاء ہے کہ دنیا کے اکثر ملازمتوں میں لوگوں کو پیش آتا ہے کہ احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی پر آمادہ ہو جائیں یا پھر اپنے افسروں کے عتاب وعقاب کے مورد بنیں۔

اس آیت نے ان سب کو یہ ہدایت دی کہ کیا اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کے لئے کافی نہیں، تم نے خالص اللہ کے لئے گناہوں کے ارتکاب سے بچنے کا عزم کرلیا اور احکام خداوندی کے خلاف کسی حاکم و افسر کی پرواہ نہ کی تو خدا تعالیٰ کی امداد تمہارے ساتھ ہوگی۔ زائد سے زائد یہ ملازمت چھوٹ بھی جائے گی تو اللہ تعالیٰ تمہارے رزق کا دوسرا انتظام کر دیں گے۔ اور مومن کا کام تو یہ ہے کہ ایسی ملازمت کو چھوڑنے کی خود ہی کوشش کرتا رہے کہ کوئی دوسری مناسب جگہ مل جائے تو اس کو فوراً چھوڑ دے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
اور جو تو اُن سے پوچھے کس نے بنائے آسمان
وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ
اور زمین تو کہیں اللہ نے تو کہہ بھلا دیکھو تو
مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ
جن کو پوجتے ہو اللہ کے سوائے اگر چاہے اللہ مجھ پر
اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ
کچھ تکلیف تو وہ ایسے ہیں کہ کھول دیں تکلیف اسکی ڈالی ہوئی
اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ
یا وہ چاہے مجھ پر مہربانی تو وہ ایسے ہیں کہ روک دیں
رَحْمَتِهٖ ۭ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۭ عَلَيْهِ
اُسکی مہربانی کو تو کہہ مجھ کو بس ہے اللہ اُسی پر
يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝۳۸
بھروسہ رکھتے ہیں بھروسہ رکھنے والے☆

جو خالق ہے وہی معبود ہے

☆ یعنی ایک طرف تو خداوند قدوس جو خود تمہارے اقرار کے موافق تمام زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے اور دوسری طرف پتھر کی بے جان مورتیں یا عاجز مخلوق جو سب مل کر بھی خدا کی بھیجی ہوئی ادنیٰ سے ادنیٰ تکلیف و راحت کو اسکی جگہ سے نہ ہٹا سکے۔ تم ہی بتاؤ دونوں میں سے کس پر بھروسہ کیا جائے اور کس کو اپنی مدد کے لئے کافی سمجھا جائے۔ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے بھی کہا تھا اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ جسکا جواب حضرت ہود علیہ السلام نے یہ دیا اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (ھود رکوع ۵) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ رَبِّيْ شَيْــــًٔا وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (انعام۔ رکوع ۹) (تفسیر عثمانی)

مشرکین سے سوال: اَفَرَءَيْتُمْ یعنی تم اس بات کا اعتراف کرتے ہو کہ اللہ ہی خالق کائنات ہے اس کے سوا کوئی پیدا کرنے والا نہیں تو مجھے بتاؤ

تنہا اللہ کی خلاقیت کا اقرار کرنے کے بعد ان پر اس بات کا اقرار کرنا لازم ہو جاتا ہے کہ بت نہ دکھ کو دور کر سکتے ہیں نہ سکھ دے سکتے ہیں نہ خدا کی بھیجی ہوئی مصیبت کو دفع کر سکتے ہیں نہ اس کی عطا کردہ نعمت کو لوٹا سکتے ہیں۔

شانِ نزول: مقاتل کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس آیت کے نزول کے بعد) مشرکوں سے یہ سوال کیا تھا لیکن انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ آپ کہہ دیجئے میرے لئے اللہ کافی ہے بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

قوی اور غنی ہونے کا طریقہ: ابن ابی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سند سے مرفوعاً حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ من احب ان يكون اقوى النّاس فليتوكل على الله ومن احب ان يكون اغنى النّاس فَلْيَكُنْ بما في يد الله عزّ و جلّ اوثق منه بما في يديه و من احبّ ان يكون اكرم النّاس فليتق الله عزّ و جل.

جس شخص کو یہ بات محبوب ہے کہ وہ دنیا میں سب سے زیادہ قوی ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اللہ پر توکل کرے اور جو شخص چاہتا ہے کہ سب سے زیادہ غنی ہو اس کو چاہئے کہ جو چیز خدا کے ہاتھ ہے اس پر اس چیز سے زائد بھروسہ کرے جو خود اس کے ہاتھوں میں ہے۔ اور جو شخص چاہتا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ عزت والا ہو تو اسے چاہئے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرے۔ (معارف کاندھلوی)

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ

تو کہہ اے قوم کام کئے جاؤ اپنی جگہ پر

اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٩﴾ مَنْ

میں بھی کام کرتا ہوں اب آگے جان لو گے

يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ

کس پر آتی ہے آفت کہ اس کو رسوا کرے اور اترتا ہے اس پر

عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٤٠﴾

عذاب سدا رہنے والا ☆

خدا پرست ہی غالب ہوگا

یعنی عنقریب پتہ لگ جائے گا کہ خدائے واحد کا بندہ غالب آتا ہے یا صد ہا دروازوں کے بھکاری کامیاب ہوتے ہیں۔ واقعات جلد بتادیں گے کہ جو بندہ اللہ کی حمایت اور پناہ میں آیا اس کا مقابلہ کرنے والے آخر کار سب ذلیل وخوار ہوئے (تنبیہ) عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ سے دنیا کا اور عَذَابٌ مُّقِيْمٌ سے آخرت کا عذاب مراد ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

ہر حال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ ہوگا

اِنِّيْ عَامِلٌ یعنی میں اپنی حالت پر عمل کر رہا ہوں یہاں مکانتی کا لفظ اختصاراً حذف کر دیا گیا اس سے وعید میں زور بھی پیدا ہو گیا (کہ میں کامیاب ہوں گا اور تم دنیا و آخرت میں تباہ ہو گے) مکانتی کے لفظ کو حذف کر دینے سے اس طرف بھی اشارہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجودہ حالت پر ہی نہیں ٹھہر جائیں گے بلکہ جتنا زمانہ گذرتا جائے گا آپ کو قوت اور نصرت زیادہ حاصل ہوتی جائے گی اسی لئے کافروں کو دھمکایا کہ میں دونوں جہان میں کامیاب رہوں گا۔

عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ دشمنوں کی رسوائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غالب آجانے کی دلیل ہے۔ بدر کی لڑائی میں اللہ نے کفار مکہ کو رسوا کر بھی دیا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ

ہم نے اتاری ہے تجھ پر کتاب لوگوں کے

بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ

واسطے سچے دین کے ساتھ پھر جو کوئی راہ پر آیا۔ سو اپنے بھلے کو

وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ

اور جو کوئی بہکا سو یہی بات ہے کہ بہکا اپنے برے کو

وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٤١﴾

اور تو ان کا ذمہ دار نہیں ☆

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا فرض ادا کر چکے

☆ یعنی تیری زبان پر اس کتاب کے ذریعہ سے سچی بات نصیحت کی کہہ دی گئی اور دین کا راستہ ٹھیک ٹھیک بتلا دیا گیا آگے ہر ایک آدمی اپنا نفع ونقصان سوچ لے نصیحت پر چلے گا تو اسی کا بھلا ہے ورنہ اپنا ہی انجام خراب کرے گا۔ تجھ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں کہ زبردستی ان کو راہ پر لے آئے صرف پیام حق پہنچا دینا آپ کا فرض تھا وہ آپ نے ادا کر دیا۔ آگے معاملہ خدا کے سپرد کیجئے جس کے ہاتھ میں مارنا جلانا اور سلانا جگانا سب کچھ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَمَنِ اهْتَدٰی یعنی اس کتاب سے جو ہدایت یاب ہوا۔
مَنْ ضَلَّ جس نے اپنے منافع کے راستہ کو کھو دیا۔

پیغمبر کی ذمہ داری: مَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ یعنی آپ کو اس امر کا ذمہ دار نہیں بنایا گیا کہ ہدایت یاب ہونے پر ان کو مجبور کریں آپ کو حکم صرف پیام الٰہی کو پہنچانے کا دیا گیا ہے اور آپ ایسا کر چکے پس ان کے گمراہ رہنے سے آپ کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا
اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو ان کے مرنے
وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ
کا، اور جو نہیں مریں اُن کو کھینچ لیتا ہے اُن کی نیند میں پھر رکھ
الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ
چھوڑتا ہے جن پر مرنا ٹھہرا دیا ہے اور بھیج دیتا ہے
الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ فِيْ
اوروں کو ایک وعدہ مقرر تک اس بات میں
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٤٢﴾
پتے ہیں اُن لوگوں کو جو دھیان کریں ☆

نیند اور موت ☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی نیند میں ہر روز جان کھینچتا ہے پھر (واپس) بھیجتا ہے یہ ہی نشان ہے آخرت کا معلوم ہوا نیند میں بھی جان کھنچتی ہے جیسے موت میں اگر نیند میں کھینچ کر رہ گئی۔ وہ ہی موت ہے مگر یہ جان وہ ہے جس کو (ظاہری) ہوش کہتے ہیں۔ اور ایک جان جس سے سانس چلتی ہے اور نبضیں اچھلتی ہیں اور کھانا ہضم ہوتا ہے وہ دوسری ہے وہ موت سے پہلے نہیں کھینچتی (موضح القرآن) حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بغوی نے نقل کیا ہے کہ نیند میں روح نکل جاتی ہے مگر اس کا مخصوص تعلق بدن سے بذریعہ شعاع کے رہتا ہے جس سے حیات باطل ہونے نہیں پاتی۔ جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیند میں بھی وہ ہی چیز نکلتی ہے جو موت کے وقت نکلتی ہے لیکن تعلق کا انقطاع ویسا نہیں ہوتا جو موت میں ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

توفّی کا معنی: يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ یعنی بدنوں سے لے کر قبضہ میں کر لیتا ہے جس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ (۱) بدنوں سے جانوں کا تعلق بالکل منقطع کر دیتا ہے بدن پر جان کا نہ بیرونی تصرف باقی رہتا ہے نہ اندرونی۔ ایسا مرنے اور بدن سے بالکل جان کھنچ جانے کے بعد ہوتا ہے۔ (۲) جانوں پر مکمل نہیں بلکہ کسی قدر قبضہ کر لیتا ہے۔ بدن پر جان کا بیرونی تصرف ختم ہو جاتا ہے نہ بدن میں بیرونی حس باقی رہتی ہے نہ حرکت ارادیہ۔ اس عالم ظاہر سے روح کا علاقہ باقی نہیں رہتا اللہ اس کو عالم مثال (عالم اشباہ) کے مطالعہ کی طرف متوجہ کر دیتا ہے باہر کے تعلق سے روح خالی ہو جاتی ہے اس کا رخ مثال کی طرف ہو جاتا ہے (عالم مثال میں گذشتہ اور آئندہ واقعات واحوال کی صورتیں بالفعل حاضر ہیں روح ان کا مطالعہ کرتی ہے کبھی اس کو پچھلے واقعات دکھائی دیتے ہیں کبھی آگے آنے والے احوال کی تصویریں سامنے آجاتی ہیں) ایسا سونے کی حالت میں ہوتا ہے۔ توفی کے دونوں معنی ہیں اول معنی (وفات دینا پورا پورا قبضہ کر لینا اور بدن سے بالکل نکال لینا) حقیقی ہے اور دوسرا معنی مجازی ہے۔ یہاں عموم مجاز کے طور پر مطلق قبض مراد ہے خواہ صرف بیرونی قبضہ ہو (یعنی روح کو بیرونی تصرفات سے روک دیا جائے بدن کی ظاہری حس معطل اور اعضا کی ارادی حرکت ختم ہو جائے) یا بیرونی اور اندرونی دونوں قسم کے تصرف سے روک دیا (روح کا بدن سے تعلق بالکل ہی منقطع کر دیا نہ اندرونی نظام زندگی باقی رہے نہ بیرونی احساس وحرکت یعنی موت آجائے اور بدن سے روح نکل جائے)۔

یا التی لم تمت سے پہلے دوسرا فعل محذوف قرار دیا جائے اور پورا کلام اس طرح مانا جائے کہ اللہ مرنے کے وقت جانوں پر پورا پورا قبضہ کر لیتا ہے (بدن کو بالکل بے جان بنا دیتا ہے) اور جو جانیں مرتی نہیں ان پر صرف خواب میں قبضہ کر لیتا ہے (بیرونی احساس وحرکت سے ان کو محروم کر دیتا ہے)۔

بعض اہل علم کا قول: ہر انسان کا ایک نفس ہے اور ایک روح سونے کی حالت میں نفس بدن سے نکل جاتا ہے اور روح (یعنی جان) باقی رہتی ہے (اور مرنے کے وقت روح بھی نکل جاتی ہے) اس قول میں نفس سے مراد ہے سمجھنے اور تمیز کرنے کی قوت (یعنی بیرونی حواس وقوت شعور) مطلب یہ کہ سونے کے وقت حواس وشعور کی قوت سلب کر لی جاتی ہے اور روح جس سے زندگی اور احساس وشعور کی قوت وابستہ ہے باقی رہتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

علامہ آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس کی تفسیر میں یہ ذکر فرمایا۔ ابن آدم میں نفس اور روح ہے جن دونوں کے درمیان سورج کی شعاع کی طرح ایک چمک حائل ہے۔ نفس کے ذریعہ فہم تمیز اور احساس کا سلسلہ رہتا ہے اور روح سے حیات وحرکت کا تعلق قائم رہتا ہے تو موت کے وقت روح اور نفس دونوں قبض کر لئے جاتے ہیں جس کے بعد حیات وحرکت کا بھی سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن نیند کے وقت صرف نفس قبض کیا جاتا ہے جس سے عقل وادراک اور تمیز کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے (روح المعانی ج ۲۴ ص ۸)

یہی وہ چیز ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ التعریس میں فرمائی یعنی جس رات سفر غزوہ میں راستہ میں آرام فرمانے کے لئے لیٹے تو آنکھ نہ کھلی تا آنکہ سورج نکل آیا تو آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔ ان اللہ تعالی قبض ارواحکم حین شاء وردھا الیکم حین شاء (صحیح بخاری۔ سنن نسائی) اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ ویرسلھا أیھا الناس ان ھذہ ارواح عاریۃ فی الا العباد فیقبضھا اللہ اذا شآء ویرسلھا اذا شآء (معارف کاندھلوی)

خواب کے سچا اور جھوٹا ہونے کی وجہ

سلیم بن عامر کی روایت ہے کہ ایک روز حضرت عمرؓ نے فرمایا عجیب بات ہے کہ کچھ لوگ سوتے میں کچھ ایسی چیز دیکھتے ہیں جو ان کے تصور میں بھی نہ ہوتی (پھر بیدار ہوتے ہیں تو وہی بات سامنے آ جاتی ہے) ان کا خواب ایسا (صحیح اور واقعی) ہوتا ہے جیسے ہاتھ سے کسی چیز کو پکڑ لیا اور بعض آدمیوں کا خواب کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا حضرت علیؓ نے یہ کلام سن کر فرمایا امیر المومنین میں آپ کو اس کی وجہ بتاتا ہوں اللہ نے فرمایا۔ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى۔ اللہ روحوں کو قبض کر لیتا ہے جب یہ روحیں اللہ کے قرب میں آسمان پر ہوتی ہیں تو جو کچھ دیکھتی ہیں وہ سچا خواب ہوتا ہے اور جب ان کو جسموں کی طرف چھوڑ دیا جاتا اور واپسی میں شیطانوں سے ان کا سامنا ہو جاتا ہے تو شیطان ان سے کچھ جھوٹی باتیں کہہ دیتے ہیں اور بے حقیقت باتیں بتاتے ہیں پس یہ جھوٹا خواب ہوتا ہے حضرت عمرؓ کو حضرت علیؓ کی یہ بات سن کر تعجب ہوا۔

اگر یہ اثر صحیح ہو تو میرے نزدیک اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سونے کے وقت بدن سے روح کے نکلنے سے مراد یہ ہے کہ عالم ملکوت میں روح عالم مثال کے مطالعہ کی جانب متوجہ ہو جاتی ہے اور عالم مثال بدن سے بہر حال باہر ہی ہے اور بدن کے اندر روح کی شعاع باقی رہنے سے یہ مراد ہے کہ حسب سابق بدن سے روح کا تعلق باقی رہتا ہے خلاصہ یہ کہ خروج روح (یعنی عالم مثال کی طرف متوجہ ہونے سے) سے آدمی خواب دیکھتا ہے پھر آدمی بیدار ہو جاتا تو روح لوٹ آتی ہے یعنی پل بھر سے بھی پہلے روح کا تعلق بدن سے حسب سابق ہو جاتا ہے۔

یعنی سونے والوں کی جانوں کو ہوش اور احساس (بیرونی) کی طرف لوٹا دیتا ہے اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى یعنی اس وقت تک کے لئے رہا کر دیتا ہے جو مرنے کا مقرر ہے۔

سونے اور جاگنے کا مسنون طریقہ

صحیحین میں حضرت براءؓ بن عازب کی روایت سے بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو خواب گاہ (بستر) پر چلے جاتے تو (دائیں کروٹ پر لیٹ کر دائیں) ہاتھ کو رخسار کے نیچے رکھ کر فرماتے اللھم بک اموت واحیی اے اللہ میری زندگی اور موت تیرے ہی ہاتھ میں ہے (بک میں ب اعانت اور قبضہ پر دلالت کر رہی ہے) اور جب بیدار ہوتے تو فرماتے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَآ اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو موت دینے کے بعد زندگی عطا فرمادی اور اسی کی طرف (قیامت کے دن) اٹھ کر جانا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جب کوئی اپنے بستر کی طرف (لیٹنے کے ارادہ سے) جائے تو (پہلے) اپنی لنگی کے ایک پلو سے بستر کو جھاڑ دے کیونکہ اس کو نہیں معلوم کہ اس کی جگہ (بستر پر) کون آ موجود ہوا (یعنی سانپ بچھو کیڑے مکوڑے) پھر کہے اے میرے اللہ میں تیرے ہی نام کی برکت اور مدد سے اپنا پہلو (بستر پر) رکھتا ہوں اور تیرے ہی نام سے اس کو اٹھاتا ہوں اگر تو میری جان کو روک لے تو اس پر رحم فرمانا اور اگر رہا کر دے تو جس چیز کے ساتھ تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے اسی چیز کے ساتھ میری جان کی بھی حفاظت رکھنا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ دائیں پہلو پر لیٹ کر یہ الفاظ کہے۔ اور بستر کو جھاڑنے کے سلسلہ میں فرمایا تین بار اپنے کپڑے کے پلو سے جھاڑے۔

اہل فکر: يَتَفَكَّرُوْنَ جو غور کرتے اور سوچتے ہیں کہ روحوں کا اجسام سے تعلق کیسے ہوا اور کیسا ہے پھر کس طرح مرنے کے وقت بدنوں سے ان کا تعلق بالکل کٹ جاتا ہے اور کس طرح ان کو روک لیا جاتا ہے (یا واپس کر دیا جاتا ہے) اور بدن کے فنا ہو جانے کے بعد ان کا بقاء کیسے رہتا ہے پھر ان کی سعادت وشقاوت کے احوال کیسے مختلف ہیں اور کیوں ہیں اور کیا حکمت ہے کہ ان کو کچھ دیر کے لئے ظاہری طور پر قبض کر لیا جاتا ہے کہ کچھ وقت کیلئے حس وشعور سے یہ معطل ہو جاتی ہیں اور پھر ان کو وقتاً فوقتاً قبض کرنے اور رہا کرنے کا سلسلہ وقت موت تک جاری رہتا ہے جو ان امور پر غور کرتے ہیں وہ جان لیتے ہیں کہ جو ذات ان تمام امور پر قادر ہے وہی قیامت کے دن زندہ کر کے ان کو اٹھانے پر بھی قدرت رکھتی ہے۔ یہ آیت علت ہے آیت وَعَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ کی۔ (تفسیر مظہری (اردو) جلد دہم)

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ

کیا انہوں نے پکڑے ہیں اللہ کے سوائے کوئی سفارش والے ☆

بتوں کی سفارش کی حقیقت

☆ یعنی بتوں کی نسبت مشرکین دعویٰ رکھتے ہیں کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں ان کے سفارشی ہیں۔ ان ہی کی سفارش سے کام بنتے ہیں اسی لئے ان کی عبادت کی

جاتی ہے سواول تو شفیع ہونے سے معبود ہونا لازم نہیں آتا دوسرے شفیع بھی وہ بن سکتا ہے جسے اللہ کی طرف سے شفاعت کی اجازت ہو اور صرف اسکے حق میں شفاعت کرسکتا ہے جس کو خدا پسند کرے۔ خلاصہ یہ کہ شفیع کا ماذون ہونا اور مشفوع کا مرتضیٰ ہونا ضروری ہے۔ یہاں دونوں باتیں نہیں نہ اصنام بتوں کا ماذون ہونا ثابت ہے نہ کفار کا مرتضیٰ ہونا لہٰذا ان کا دعویٰ غلط ہوا۔ (تفسیر عثانی)

قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا
تو کہہ اگرچہ اُن کو اختیار نہ ہو کسی چیز کا اور نہ
يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾
سمجھ ☆

یعنی بتوں کو نہ اختیار ہے نہ سمجھ پھر انکو شفیع ماننا عجیب ہے۔ (تفسیر عثانی)

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۭ لَهٗ مُلْكُ
تو کہہ اللہ کے اختیار میں ہے ساری سفارش اُسی کا راج ہے
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ثُمَّ اِلَيْهِ
آسمان اور زمین میں پھر اُسی کی طرف
تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾
پھیرے جاؤ گے ☆

سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے

☆ یعنی فی الحال بھی زمین وآسمان میں اسی کی سلطنت ہے اور آئندہ بھی اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے تو اسکی اجازت وخوشنودی کے بغیر کس کی مجال ہے جو زبان ہلا سکے حضرت شاہ صاحب" لکھتے ہیں کہ یعنی اللہ کے روبرو سفارش ہے اللہ کے حکم سے نہ تمہارے کہے سے جب موت آئے کسی کے کہے سے عزرائیل نہیں چھوڑتا۔ (تفسیر عثانی)

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ
اور جب نام لیجئے خالص اللہ کا رک جاتے ہیں دل
الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ
اُن کے جو یقین نہیں رکھتے پچھلے گھر کا
وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ
اور جب نام لیجئے اُس کے سوا اوروں کا تب وہ لگیں

يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾
خوشیاں کرنے ☆

غیر اللہ کی محبت والے

☆ مشرک کا خاصہ ہے کہ گو بعض وقت زبان سے اللہ کی عظمت ومحبت کا اعتراف کرتا ہے لیکن اس کا دل اکیلے خدا کے ذکر اور حمد وثناء سے خوش نہیں ہوتا۔ ہاں دوسرے دیوتاؤں یا جھوٹے معبودوں کی تعریف کی جائے تو مارے خوشی کے اچھلنے لگتا ہے جس کے آثار اس کے چہرے پر نمایاں ہوتے ہیں۔ افسوس یہی حال آج بہت سے نام نہاد مسلمانوں کا دیکھا جاتا ہے کہ خدائے واحد کی قدرت وعظمت اور اس کے علم کی لامحدود وسعت کا بیان ہو تو چہروں پر انقباض کے آثار ظاہر ہوتے ہیں مگر کسی پیر فقیر کا ذکر آجائے اور جھوٹی سچی کرامات اناپ شناپ بیان کردی جائے تو چہرے کھل پڑتے ہیں اور دلوں میں جذبات مسرت وانبساط جوش مارنے لگتے ہیں بلکہ بسا اوقات توحید خالص کا بیان کرنے والا ان کے نزدیک منکر اولیا سمجھا جاتا ہے۔ فالی اللہ المشتکی وھوالمستعان۔ (تفسیر عثانی)

اِشْمِئزَازْ اور اِسْتِبْشَار کا معنی

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اشْمَاَزَّتْ اور یَسْتَبْشِرُوْن دونوں لفظ انتہائی کیفیت پر دلالت کرتے ہیں استبشار (چہرہ کھل جانا) اس وقت ہوتا ہے جب دل خوشی اور مسرت سے اتنا پر ہوجائے کہ اس کے آثار چہرہ پر نمودار ہو جائیں (اور چہرہ شگفتہ ہو جائے) اور اشمئزاز (بھچ جانا منقبض ہوجانا) اس وقت ہوتا ہے جب دل غم وغصہ سے اتنا بھر جائے کہ چہرہ کی کھال سکڑ جائے بل پڑ جائیں۔ (تفسیر مظہری)

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
تو کہہ اے اللہ پیدا کرنے والے آسمانوں کے اور زمین
عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ
کے جاننے والے چھپے اور کھلے کے تو ہی فیصلہ کرے
بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ
اپنے بندوں میں جس چیز میں وہ
يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾
جھگڑ رہے تھے ☆

☆ یعنی جب ایسی موٹی باتوں میں بھی جھگڑے ہونے لگے اور اللہ کا اتنا وقار بھی دلوں میں باقی نہ رکھا تو اب تیرے ہی سے فریاد ہے تو ہی ان جھگڑوں کا عملی فیصلہ فرمائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ ہی سے دعا کیجئے: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں اور کافروں کے معاملہ میں سخت حیران ہو گئے اور ان کی دشمنی اور بد خلقی سے عاجز آ گئے تو اللہ نے آپ کو حکم دیا کہ اسی سے دعا اور التجا کریں کیونکہ وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے تمام احوال سے وہی واقف ہے جو چیز ہم سے غائب ہے یا ہمارے مشاہدہ میں ہے وہ سب کا عالم ہے۔

اَنْتَ تَحْکُمُ یعنی اہل حق کو فتح یاب کرے گا اور باطل پرستوں کو بے مدد چھوڑ دے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

ابو سلمہؓ کا بیان ہے میں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس کلام سے نماز شب کا آغاز کرتے تھے۔ ام المومنین نے فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّ جِبْرَئِیْلَ وَ مِیْکَآئِیْلَ وَاِسْرَافِیْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اَنْتَ تَحْکُمُ بَیْنَ عِبَادِکَ فِیْ مَا کَانُوْا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ اِھْدِنِیْ لِمَا اخْتُلِفَ فِیْہِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِکَ تَھْدِیْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ. (اے اللہ اے جبرئیلؑ و میکائیلؑ و اسرافیلؑ کے رب اے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کرنے والے اے باطن و ظاہر کو جاننے والے (قیامت کے دن) تو اپنے بندوں کے درمیان ان مسائل کا فیصلہ کر دیگا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے مجھے اپنے حق سے مختلف فیہ مسائل میں حق کے راستہ پر چلا تو جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے) (تفسیر مظہری)

حضرت ربیع بن خثیمؒ کی دربار الٰہی میں فریاد

ربیع بن خثیمؒ کی مجلس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ذکر کیا گیا اور بعض حاضرین مجلس نے اس بارہ میں ان سے کچھ دریافت کرنا چاہا تو بڑے ہی رنج و کرب کی کیفیت کے ساتھ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اَنْتَ تَحْکُمُ بَیْنَ عِبَادِکَ فِیْ مَا کَانُوْا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ ۔ (معارف کاندھلویؒ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھلائی ہوئی دعاء

حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے ایک کاغذ نکالا اور فرمایا کہ یہ دعا کہ آمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہے۔ اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اَنْتَ رَبُّ کُلِّ شَیْءٍ وَّاِلٰہُ کُلِّ شَیْءٍ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ یَشْھَدُوْنَ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ وَشِرْکِہٖ وَاَعُوْذُبِکَ اَنْ اَقْتَرِفَ عَلٰی نَفْسِیْ اِثْمًا اَوْ اَجُرَّہٗ اِلٰی مُسْلِمٍ (یعنی اے اللہ اے آسمان و زمین کو بے نمونہ پیدا کرنے والے چھپی کھلی کے جاننے والے تو ہر چیز کا رب ہے اور ہر چیز کا معبود ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو اکیلا ہے تیرا کوئی شریک نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں اور فرشتے بھی یہی گواہی دیتے ہیں۔ میں شیطان سے اور اس کے شرک سے تیری پناہ میں آتا ہوں میں تجھ سے پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں اپنی جان پر کوئی گناہ کروں یا کسی اور مسلمان کی طرف کسی گناہ کو لے جاؤں)۔ حضرت ابوعبدالرحمٰنؒ فرماتے ہیں یہ دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو سکھلائی تھی وہ اسے سونے کے وقت پڑھا کرتے تھے (مسند امام احمد) اور روایت میں ہے کہ ابوراشد حبرانیؒ نے کوئی حدیث سننے کی خواہش حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے کی تو حضرت عبداللہؓ نے ایک کتاب نکال کر ان کے سامنے رکھ دی اور فرمایا یہ ہے جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوائی ہے میں نے دیکھا تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا یا رسول اللہ! میں صبح و شام کیا پڑھوں؟ آپ نے فرمایا یہ پڑھو۔ اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ رَبَّ کُلِّ شَیْءٍ وَّمَلِیْکَہٗ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَشَرِّ الشَّیْطٰنِ وَشِرْکِہٖ اَوْ اَقْتَرِفَ عَلٰی نَفْسِیْ سُوْٓءً اَوْ اَجُرَّہٗ اِلٰی مُسْلِمٍ (ترمذی وغیرہ) مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں مجھے اس دعا کے پڑھنے کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح شام اور سوتے وقت حکم دیا ہے۔

جنت میں پہنچانے والی دعا: حضورؐ فرماتے ہیں جو بندہ اس دعا کو پڑھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے فرشتوں سے فرمائے گا کہ میرے اس بندے نے مجھ سے عہد لیا ہے۔ اس عہد کو پورا کرو چنانچہ اسے جنت میں پہنچا دیا جائے گا وہ دعا یہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اِنِّیْٓ اَعْھَدُ اِلَیْکَ فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا اَنِّیْ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ فَاِنَّکَ اِنْ تَکِلْنِیْٓ اِلٰی نَفْسِیْ تُقَرِّبْنِیْ مِنَ الشَّرِّ وَتُبَاعِدْنِیْ مِنَ الْخَیْرِ وَاِنِّیْ لَآ اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِکَ فَاجْعَلْ لِّیْ عِنْدَکَ عَھْدًا تُوَفِّیْنِیْہِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ یعنی اے اللہ اے آسمان و زمین کو بے نمونے کے پیدا کرنے والے اے غائب و حاضر کے جاننے والے میں اس دنیا میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ میری گواہی

ہے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو اکیلا ہے تیرا کوئی شریک نہیں اور میری یہ بھی شہادت ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں تو اگر مجھے میری ہی طرف سونپ دیگا تو میں بُرائی سے قریب اور بھلائی سے دور جا پڑوں گا۔ خدایا مجھے صرف تیری رحمت ہی کا سہارا اور بھروسہ ہے۔ پس تو بھی مجھ سے عہد کر جسے تو قیامت کے دن پورا کرے یقیناً تو عہد شکن نہیں۔ اس حدیث کے راوی سہیلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے قاسم بن عبدالرحمٰنؒ سے جب کہا کہ عونؒ اس طرح یہ حدیث بیان کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ ہماری تو پردہ نشین بچیوں کو بھی یہ حدیث یاد ہے۔ (مسند احمد) (تفسیر ابن کثیر)

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا

اور اگر گنہگاروں کے پاس ہو جتنا کچھ کہ زمین میں ہے سارا

وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ

اور اتنا ہی اور اسکے ساتھ تو سب دے ڈالیں اپنے چھڑوانے

الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ

میں بُری طرح کے عذاب سے دن قیامت کے اور نظر آئے اُن کو

اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَبَدَا

اللہ کی طرف سے جو خیال بھی نہ رکھتے تھے اور نظر

لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ

آئیں اُن کو بُرے کام اپنے جو کماتے تھے اور اُلٹ پڑے

مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾

اُن پر وہ چیز جس پر ٹھٹھا کرتے تھے☆

کافر کی نجات نہیں ہوگی

☆ یعنی جب قیامت کے دن ان اختلافات کا فیصلہ سنایا جائے گا اس وقت جو ظالم شرک کر کے خدا تعالیٰ کی شان گھٹاتے تھے ان کا سخت برا حال ہو گا۔ اگر اس روز فرض کیجئے کل روئے زمین کے خزانے بلکہ اس سے بھی زائد ان کے پاس موجود ہوں تو چاہیں گے کہ سب دے دلا کر کسی طرح اپنا پیچھا چھڑا لیں جو بدمعاشیاں دنیا میں کی تھیں سب ایک ایک کر کے ان کے سامنے ہوں گی اور ایسے قسم قسم کے ہولناک عذابوں کا مزہ چکھیں گے جو کبھی ان کے خیال و گمان میں بھی نہ گزرے تھے۔ غرض توحید خالص اور دین حق سے جو ٹھٹھا کرتے تھے اس کا وبال پڑ کر رہے گا اور جس عذاب کا مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان پر الٹ پڑے گا۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں کے لئے ناگہانی عذاب:

اہل جنت کے لئے فرمایا تھا فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ اس کے مقابل دوزخیوں کے لئے فرمایا۔ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ۔ یعنی انتہائی چوٹی کا ایسا سخت عذاب ان کے سامنے جس کا ان کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ مقاتل نے کہا یعنی دنیا میں ان کو گمان بھی نہ تھا کہ ایسے عذاب سے آخرت میں دوچار ہوں گے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا میں ان کا خیال تھا کہ بت ہماری سفارش کریں گے۔ یا یہ خیال تھا کہ حشر نشر کچھ بھی نہ ہوگا یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ آخرت میں ہم مومنوں کے مقابلہ میں بہتر حالت میں ہوں گے قیامت کے دن ان تمام خیالات کے برعکس عذاب سامنے آئے گا۔ (تفسیر مظہری)

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۫

سو جب آلگتی ہے آدمی کو کچھ تکلیف ہم کو پکارنے لگتا ہے☆

انسان کی جفا

☆ یعنی جس کے ذکر سے چڑتا تھا مصیبت کے وقت اسی کو پکارتا ہے اور جن کے ذکر سے خوش ہوتا تھا انہیں بھول جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ

پھر جب ہم بخشیں اُسکو اپنی طرف سے کوئی نعمت، کہتا ہے یہ تو مجھ کو ملی

اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ

کہ پہلے سے معلوم تھی ☆

☆ یعنی قیاس یہی چاہتا تھا کہ یہ نعمت مجھ کو ملے کیونکہ مجھ میں اسکی لیاقت تھی اور اسکی کمائی کے ذرائع کا علم رکھتا تھا اور خدا کو میری استعداد و اہلیت معلوم تھی پھر مجھے کیوں نہ ملتی۔ غرض اپنی لیاقت اور عقل پر نظر کی اللہ کے فضل و قدرت پر خیال نہ کیا۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ هِىَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

کوئی نہیں یہ جانچ ہے پر وہ بہت سے لوگ نہیں

يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾

سمجھتے ☆

نعمت امتحان ہے

☆ یعنی ایسا نہیں بلکہ یہ نعمت خدا کی طرف سے ایک امتحان ہے کہ بندہ اسے لے کر کہاں تک منعم حقیقی کو پہچانتا اور اس کا شکر ادا کرتا ہے اگر ناشکری کی گئی تو یہ ہی نعمت قسمت بن کر وبال جان ہو جائے گی حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یہ جانچ ہے کہ عقل اسکی دوڑنے لگتی ہے تا اپنی عقل پر بہکے وہ ہی عقل رہتی ہے اور آفت آ پہنچتی ہے پھر کسی کے ٹالے نہیں ٹلتی۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں کی لاعلمی اور ضد: یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ بعض کافروں کو خود یقین تھا کہ ہم باطل پر ہیں لیکن محض ضد اور عناد کی وجہ سے وہ ایمان نہیں لاتے تھے۔ پس اکثر کافر بے علمی کی وجہ سے کافر ہے اور بعض کافر باوجود جاننے اور سمجھنے کے محض بغض وضد کی وجہ سے ایمان نہیں لائے۔ (تفسیر مظہری)

قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

کہہ چکے ہیں یہ بات اُن سے اگلے

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾

پھر کچھ کام نہ آیا اُن کو جو کماتے تھے

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ

پھر پڑ گئیں اُن پر بُرائیاں جو کمائی تھیں ☆

چنانچہ قارون نے یہ ہی کہا تھا اس کا جو حشر ہوا وہ پہلے گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ

اور جو گنہگار ہیں ان میں سے اُن پر بھی اب پڑتی ہیں

سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۱﴾

بُرائیاں جو کمائی ہیں اور وہ نہیں تھکانے والے ☆

مشرک بھاگ نہیں سکتے

☆ یعنی جیسے پہلے مجرموں پر ان کی شرارتوں کا وبال پڑا، موجود الوقت مشرکین پر بھی پڑنے والا ہے۔ جس وقت اللہ تعالیٰ ان کو سزا دینا چاہے گا یہ روپوش ہو کر یا اور کسی تدبیر سے اس کا تھکا نہیں سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ

اور کیا نہیں جان چکے کہ اللہ پھیلاتا ہے روزی

لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

جس کے واسطے چاہے اور ماپ کر دیتا ہے، البتہ اس میں پتے ہیں

لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

اُن لوگوں کے واسطے جو مانتے ہیں ☆

روزی اللہ کی مرضی سے ملتی ہے

☆ یعنی دنیا میں محض روزی کا کشادہ یا تنگ ہونا کسی شخص کے مقبول یا مردود ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ نہ روزی کا ملنا کچھ عقل و ذہانت اور علم و لیاقت پر منحصر ہے۔ دیکھو لو کتنے بیوقوف یا بدمعاش چین اڑا رہے ہیں اور کتنے عقل مند اور نیک آدمی فاقے کھینچتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں " یعنی عقل دوڑانے اور تدبیر کرنے میں کوئی کمی نہیں کرتا پھر ایک کو روزی کشادہ ہے ایک کو تنگ جان لو کہ صرف عقل کا کام نہیں کہ اپنے اوپر روزی کشادہ کر لے بلکہ یہ تقسیم رزاق حقیقی کی حکمت و مصلحت کے تابع اور اسی کے ہاتھ میں ہے۔" (تفسیر عثمانی)

تمام حوادث اللہ کی طرف سے ہیں

لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔ یعنی ان لوگوں کے لئے اس میں نشانیاں ہیں جو اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ تمام حوادث اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں اور بظاہر اسباب کا سلسلہ اپنے معمول پر چلتا ہے (یعنی بظاہر نتائج اسباب سے وابستہ ہیں اور اسباب نتائج کو پیدا کرتے ہیں)۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

کہہ دے اے بندو میرے جنہوں نے کہ زیادتی کی ہے اپنی جان پر

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

آس مت توڑو اللہ کی مہربانی سے بیشک اللہ

يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ

بخشتا ہے سب گناہ وہ جو ہے وہی ہے گناہ معاف

الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾

کرنیوالا مہربان ☆

اللہ تعالیٰ کی شان کریمی

یہ آیت ارحم الرحمٰن کی رحمت بے پایاں اور عفو و درگزر کی شان عظیم کا

اعلان کرتی ہے اور سخت سے سخت مایوس العلاج مریضوں کے حق میں اکسیر شفا کا حکم رکھتی ہے۔ مشرک، ملحد، زندیق، مرتد، یہودی، نصرانی، مجوسی، بدعتی، بدمعاش، فاسق، فاجر، کوئی ہو آیت ہٰذا کو سننے کے بعد خدا کی رحمت سے بالکلیہ مایوس ہوجانے اور آس توڑ کر بیٹھ جانے کی اس کے لئے کوئی وجہ نہیں کیونکہ اللہ جس کے چاہے سب گناہ معاف کرسکتا ہے۔ کوئی اسکا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ پھر بندہ ناامید کیوں ہو ہاں یہ ضرور ہے کہ اسکے دوسرے اعلانات میں تصریح کردی گئی کہ کفروشرک کا جرم بدون توبہ کے معاف نہیں کرے گا۔ لہٰذا اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا کو لِمَنْ یَّشَآءُ کے ساتھ مقید سمجھنا ضروری ہے کما قال تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ (نساء رکوع ۱۸) اس تقیید سے یہ لازم نہیں آتا کہ بدون توبہ کے اللہ تعالیٰ کوئی چھوٹا بڑا قصور معاف ہی نہ کرسکے۔ اور نہ یہ مطلب ہوا کہ کسی جرم کے لئے توبہ کی ضرورت ہی نہیں بدون توبہ کے سب گناہ معاف کردیئے جائیں گے قید صرف مشیت کی ہے اور مشیت کے متعلق دوسری آیات میں بتلادیا گیا کہ وہ کفروشرک سے بدون توبہ کے مغفرت نہ ہوگی۔ چنانچہ آیت ہٰذا کی شان نزول بھی اس پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ اگلی آیت کے فائدہ سے معلوم ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا شانِ نزول: طبرانی نے ضعیف سند سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحشی کو جو حضرت حمزہؓ کا قاتل تھا اسلام کی دعوت دینے کے لئے ایک شخص کو بھیجا وحشی نے جواب دیا آپ مجھے اپنے مذہب میں داخل ہونے کی دعوت کس طرح دے رہے ہیں۔ آپ کا قول یہ ہے کہ جو شخص قتل کرے گا یا شرک کرے گا یا زنا کرے گا اس کو قیامت کے دن دوہرا عذاب ہوگا اور میں نے یہ سب کچھ کیا ہے اس پر آیت اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا۔ نازل ہوئی۔ وحشی نے کہا یہ شرط تو سخت ہے شاید میں ایسا نہ کرسکوں کیا اس کے علاوہ بھی کوئی صورت ہے اس پر آیت اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ نازل ہوئی وحشی نے کہا اس آیت میں مغفرت کو مشیت پر موقوف رکھا گیا ہے۔ میں اشتباہ میں پڑا ہوا ہوں معلوم نہیں کہ (اگر میں شرک سے توبہ کرلوں تو) میری مغفرت ہوگی یا نہیں ہوگی اس پر آیت قل یا عبادی الخ نازل ہوئی۔

بغوی کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ مسلمانوں نے عرض کیا یارسول اللہؐ یہ بات صرف وحشی کے لئے خاص ہے یا تمام مسلمانوں کے لئے عمومی (حکم) ہے حضور نے فرمایا (نہیں) بلکہ سارے مسلمانوں کیلئے یہ عام ہے۔

حاکم نے حضرت ابن مسعودؓ کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہم کہتے تھے کہ مسلمان ہونے اور ایمان لانے کے بعد جو لوگ مصائب میں مبتلا ہوکر اپنا دین چھوڑ بیٹھے ان کی توبہ قبول نہ ہوگی لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لے آئے تو ان ہی لوگوں کے متعلق اللہ نے آیت قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ نازل فرمائی۔ بغوی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اس آیت کا نزول عیاش بن ربیعہؓ ولید بن ولیدؓ اور مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت کے حق میں ہوا کہ (شروع میں) وہ ایمان لے آئے تھے پھر جب ان کو دکھ اور تکلیفیں دی گئیں تو وہ فتنہ میں پڑ گئے یعنی اسلام چھوڑ بیٹھے ہم کہا کرتے تھے کہ اللہ ان کا کوئی عمل کبھی قبول نہیں کرے گا نہ نفل نہ فرض یعنی کسی طرح ان کی توبہ قبول نہ ہوگی لوگ اول تو مسلمان ہوگئے پھر دکھ پڑنے پر اپنا دین چھوڑ بیٹھے اس پر اللہ نے یہ آیات نازل فرمائیں حضرت عمرؓ نے اپنے ہاتھ سے یہ آیات لکھ کر عیاش بن ربیعہؓ ولید بن ولید اور دوسرے لوگوں کو بھیج دیں تحریر ملنے کے بعد وہ لوگ مسلمان ہوگئے اور مکہ چھوڑ کر مدینہ میں آگئے۔

شیخین نے صحیحین میں بیان کیا ہے کہ کچھ مشرک ایسے تھے جنہوں نے بہت آدمیوں کو قتل کیا تھا اور ارتکاب زنا بھی بہت کیا تھا۔ یہ لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا آپ جو کچھ فرماتے ہیں اور جس امر کی دعوت دیتے ہیں وہ ہے تو اچھا۔ کیا آپ بتائیں گے کہ اس سے ہماری بداعمالیوں کا بھی کفارہ ہوجائے گا اس پر سورۃ فرقان کی آیت وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ، غَفُوْرًا رَّحِیْمًا تک اور آیت قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ الخ نازل ہوئی۔ ابن ابی حاتم نے بسند صحیح بیان کیا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ آیت مشرکین مکہ کے متعلق نازل ہوئی۔ بغوی نے بروایت عطاء بھی اس قول کی نسبت حضرت ابن عباسؓ کی طرف کی ہے۔

مقاتل بن حبان نے بتوسط نافع حضرت ابن عمرؓ کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہم گروہ صحابہ خیال کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہماری ہر نیکی ضرور قبول ہوگی اس کے بعد جب آیت یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ (اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کے فرمان پر چلو اور اپنے اعمال کو بیکار نہ کردو) نازل ہوئی تو ہم اپنے اعمال کو سواء اس کے کہ کبیرہ گناہ کریں اور فواحش کا ارتکاب کریں اور کس طرح باطل کرسکتے ہیں۔ یہ خیال کرنے کے بعد جب ہم کسی کو کوئی کبیرہ گناہ کرتے دیکھتے تو کہتے یہ شخص تباہ ہوگیا اس کے بعد یہ آیت (قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا) نازل ہوئی تو ہم اپنے دونوں قولوں سے رک گئے اس کے بعد ہم کسی کو کوئی گناہ کرتے دیکھتے تو ہم کو اس کے متعلق (بربادئ اعمال کا) خوف ہوجاتا اور اگر کسی نے ارتکاب گناہ نہ کیا ہوتا تو ہم کو اس کے متعلق (قبول اعمال کی) امید ہوتی۔

لوگوں کو مایوس نہ کرو: روایت ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ مسجد میں تشریف

لے گئے وہاں ایک واعظ وعظ کہہ رہا تھا اور دوزخ کا اور دوزخ کے طوق و زنجیر کا ذکر کر رہا تھا آپ جا کر اس کے سر کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور کہا اے وعظ کرنے والے لوگوں کو نا امید کیوں کر رہا ہے پھر آپ نے آیت قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا الخ پڑھی۔

حضرت اسماءؓ بنت زید کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا تھا۔ قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا۔ وَّلَا یُبَالِیْ۔ (یعنی اللہ کی رحمت سے نا امید مت ہو اللہ سب گناہ معاف کر دے گا اور (کسی کے) گناہ کی پروا نہیں کرے گا۔) ولا یبالی کا لفظ حضورؐ نے آیت کے بعد خود بڑھا دیا یہ لفظ آیت کا جز نہیں ہے۔

حضرت جندب راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ایک آدمی نے کہا خدا کی قسم اللہ فلاں شخص کی مغفرت نہیں فرمائے گا اللہ نے فرمایا یہ کون ہے جو میری قسم کھا کر کہہ رہا ہے کہ فلاں شخص کی میں مغفرت نہیں کروں گا میں نے اس شخص کو بخش دیا اور (اے کہنے والے) تیرے اعمال کو اکارت کر دیا۔ او کما قال علیہ السلام۔ رواہ مسلم۔ حضرت ابن عباسؓ نے آیت اِلَّا اللَّمَمَ کے متعلق بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا اللہ لمم (صغیرہ گناہ یا کبیرہ گناہ جن کو کرنے کے بعد ندامت ہوئی ہو) کو معاف کر دے گا سب (گناہوں) کو بخش دے گا (اے اللہ) تیرا کونسا بندہ ہے جس نے ارتکاب گناہ نہیں کیا ہے۔ رواہ الترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح غریب کہا ہے۔

بنی اسرائیل کے گنہگار کی مغفرت

حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو ننانوے آدمیوں کا قتل کر چکا تھا پھر (توبہ کی غرض سے) ایک تارک الدنیا درویش کے پاس گیا اور اس سے (اپنی توبہ کے متعلق) مسئلہ دریافت کیا درویش نے کہا تیرے لئے کوئی توبہ (کی گنجائش) نہیں ہے۔ سائل نے یہ جواب سن کر اس درویش کو بھی قتل کر دیا اس کے بعد لوگوں سے دریافت کرتا پھرا کہ اب میں کس سے مسئلہ پوچھوں ایک شخص نے کہا فلاں بستی میں جاؤ (وہاں ایک بڑا عالم ہے اس سے دریافت کرو حسب ہدایت یہ قاتل اس بستی کی طرف چل دیا لیکن راستہ میں) اس کو موت آ پہنچی لیکن (مرتے مرتے) اس نے اپنا سینہ اس بستی کی طرف اٹھا دیا یعنی بڑھا دیا (اور مر گیا) رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں اس شخص کے متعلق اختلاف ہو گیا اللہ نے ایک طرف (یعنی بستی کی طرف) والی زمین کو حکم دیا تو قریب ہو جا اور دوسری طرف والی زمین کو حکم دیا (یعنی جہاں سے وہ شخص چلا تھا اس زمین کا حکم دیا) تو دور (یعنی لمبی) ہو جا فرشتوں نے (حسب الحکم) دونوں طرف کی زمین کو ناپا اور موازنہ کیا تو بستی کی طرف والی زمین کو ایک بالشت کم پایا پس اس شخص کی مغفرت ہو گئی (متفق علیہ)۔

مسلم بن حجاج نے بھی یہ حدیث بیان کی ہے۔ اس روایت کے مطابق حدیث کے یہ الفاظ ہیں۔ اس قاتل کو ایک راہب کا پتہ بتایا گیا قاتل نے اس راہب سے جا کر کہا میں نے ننانوے آدمیوں کا قتل کیا ہے کیا میری توبہ (قبول) ہو سکتی ہے۔ راہب نے کہا نہیں۔ اس شخص نے راہب کو بھی قتل کر دیا اس طرح سو کی تعداد پوری ہو گئی پھر لوگوں سے دریافت کیا (اب) اس زمین پر رہنے والوں میں سب سے بڑا کون ہے کسی نے ایک اور عالم کا پتہ بتا دیا اس قاتل نے اس عالم سے جا کر کہا میں نے سو قتل کئے ہیں کیا میری توبہ (قبول) ہو سکتی ہے۔ عالم نے جواب دیا ہاں توبہ قبول ہونے میں کون رکاوٹ ڈال سکتا ہے تم فلاں مقام پر جاؤ وہاں کچھ لوگ اللہ کی عبادت میں مشغول ملیں گے تم بھی اس کے ساتھ مل کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جانا اور اب لوٹ کر اپنی بستی کو نہ جانا وہ بری (یعنی گناہوں کی) سرزمین ہے۔ یہ بات سن کر یہ قاتل عالم کی بتائی ہوئی بستی کی طرف چل دیا آدھا راستہ طے کیا تھا کہ موت آ پہنچی اس کے متعلق رحمت اور زحمت کے فرشتوں میں اختلاف ہو گیا ایک فرشتہ اپنی صورت بدل کر (ان کا اختلاف دور کرنے کے لئے) آ گیا فرشتوں نے اس کو پنچ بنا لیا پنچ نے فیصلہ کیا کہ دونوں طرف کی زمین ناپ لو جس طرف کی زمین کم ہو اسی کے حکم میں اس شخص کو داخل کر لو۔ فرشتوں نے زمین کی پیمائش کی تو اس طرف کی زمین کم پائی جہاں (عبادت کے لئے) جانے کا اس نے ارادہ کیا تھا چنانچہ رحمت کے فرشتوں نے اس روح پر قبضہ کر لیا۔

ڈرنے والے گنہگار کی مغفرت: بخاری اور مسلم نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی تھا جس نے کبھی کوئی نیکی نہیں کی تھی جب مرنے لگا تو اس نے گھر والوں کو وصیت کی کہ مجھے مرنے کے بعد جلا ڈالنا پھر جلی ہوئی خاک کو آدھی سمندر میں اور آدھی خشکی میں اڑا دینا کیونکہ اگر خدا کا مجھ پر قابو چل گیا تو خدا کی قسم وہ مجھے ایسا عذاب دے گا جو سارے جہان میں کسی کو نہیں دے گا جب وہ شخص مر گیا اور گھر والے وصیت کے موافق عمل کر چکے تو اللہ نے سمندر کو حکم دیا سمندر نے وہ خاک یکجا کر دی جو اس میں اڑائی گئی تھی اور خشکی کو حکم دیا تو اس نے اپنے اندر کی ساری خاک جمع کر دی پھر اللہ نے اس شخص سے پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا اس نے جواب دیا اے میرے رب تیرے ڈر سے۔ تو خوب واقف ہے۔ اللہ نے اس کو بخش دیا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی نصیحت: بغوی نے لکھا ہے ضمضم بن جوش نے کہا میں مدینہ کی مسجد میں داخل ہوا ایک بوڑھے آدمی نے (جس کو میں پہچانتا

نہ تھا) مجھے پکار کر کہا اے شخص کسی آدمی سے تو ہرگز یہ نہ کہنا کہ اللہ تیری مغفرت نہ کرے گا اور تجھے جنت میں داخل نہ کرے گا۔ میں نے کہا آپ پر اللہ کی رحمت ہو آپ کون ہیں ان بزرگ نے کہا میں ابو ہریرہؓ ہوں میں نے کہا یہ لفظ تو ایسا ہے جو نفرت کے وقت ہر شخص کہتا ہے غصہ ہوتا ہے تو اپنے گھر والوں کو بھی کہتا ہے اور بیوی کو بھی خدمتی آدمیوں کو بھی۔ بزرگ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے جو باہم دوست تھے ایک عبادت میں بڑی محنت کرتا تھا اور دوسرا گناہ کرتا رہتا تھا عابد اپنے گناہگار دوست سے کہتا تھا اب اپنی حرکتوں سے باز آ جا۔ گناہگار جواب دیتا تھا میں جانوں اور میرا رب تو مجھے یوں ہی رہنے دے ایک روز عابد نے اپنے دوست کو کسی بڑی گناہ میں مبتلا پایا تو (حسب معمول) کہا اب باز آ جا اس نے جواب دیا مجھے یوں ہی رہنے دے کیا تجھے میرا نگران محتسب بنا کر بھیجا گیا ہے عابد نے کہا خدا کی قسم اللہ تجھے کبھی معاف نہیں کرے گا اور نہ جنت میں کبھی تجھے داخل کرے گا غرض اللہ کی طرف سے جب ملک الموت نے آ کر دونوں کی روحیں قبض کر لیں اور دونوں اللہ کے پاس جمع ہوئے تو اللہ نے اس گناہگار کو حکم دیا تو میری رحمت سے جنت میں چلا جا اور دوسرے سے فرمایا کیا تو میرے بندوں سے میری رحمت کو روک سکتا ہے بندہ نے کہا نہیں پروردگار (ایسا تو ممکن نہیں) اللہ نے فرمایا اس کو دوزخ میں لے جاؤ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس نے جو بات کہی تھی اس نے دنیا اور آخرت میں اس کو تباہ کیا۔ امام احمد نے بھی حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے یہ حدیث یوں ہی بیان کی ہے۔

آیت کی فضیلت: حضرت ثوبان راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے نزدیک دنیا اور دنیا کی ساری چیزیں اس آیت کے مقابلہ میں پسند نہیں (سب ہیچ ہیں) يٰعِبَادِیَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ الخ رواہ احمد بسند حسن وابن جریر والطبرانی فی الاوسط والبیہقی فی شعب الایمان۔

مشرک کی بخشش نہیں ہے: بیہقی کی روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جس نے شرک کیا ہو (کیا اللہ اس کو بھی معاف فرما دے گا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دیر کے لئے سر جھکا لیا پھر تین بار فرمایا مگر جس نے شرک کیا (اور شرک پر آخر وقت تک قائم رہا اس کی مغفرت نہیں ہوگی)۔

حضرت ابو ذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اپنے بندے کو ضرور بخشش دے گا بشرطیکہ پردہ نہ پڑ جائے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پردہ کیا فرمایا کسی شخص کا مشرک ہونے کی حالت پر مر جانا۔ رواہ احمد والبیہقی فی کتاب البعث والنشور۔

یہ بھی حضرت ابو ذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ سے ایسی حالت میں ملے (یعنی ایسی حالت میں مر جائے) کہ دنیا میں کسی چیز کو اس کے برابر نہ قرار دیتا ہو تو خواہ پہاڑوں کے برابر بھی اس کے گناہ ہوں اللہ معاف فرما دے گا۔ رواہ البیہقی فی کتاب البعث والنشور۔

اپنے فوت شدہ آباء واجداد کے لئے دعا مغفرت کے ہدیے بھیجو

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے اندر اللہ بعض نیک لوگوں کے درجات (ان کے اعمال سے زیادہ) اونچے کر دے گا۔ وہ عرض کریں گے اے رب یہ درجات ہمارے لئے کہاں سے (کیسے) مل گئے اللہ فرمائے گا تیرے لئے تیری اولاد کے دعاء مغفرت کرنے سے۔ رواہ احمد

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبر کے اندر مردہ ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی ڈوبنے والا فریادی ہو (جو غرق ہونے سے بچنے کے لئے چلا رہا ہو) وہ انتظار کرتا ہے کہ باپ یا ماں یا بھائی یا کسی دوست کی طرف سے دعاء مغفرت اس کو پہنچ جائے۔ یہ دعا اس کو دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے زیادہ پیاری ہوتی ہے اور زمین کے رہنے والوں کی دعا سے اہل قبور کو اللہ پہاڑوں جیسا ثواب عنایت کرتا ہے۔ زندوں کی جانب سے مردوں کو ہدیہ یہ ہے کہ ان کے لئے دعا مغفرت کی جائے۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں: حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی سو رحمتیں ہیں جن میں سے ایک رحمت اللہ نے جن انس چوپاؤں اور کیڑوں مکوڑوں کو تقسیم کی ہے اس نازل کردہ رحمت کی وجہ سے یہ آپس میں مہربانیاں اور رحم کرتے ہیں۔ وحشی جانور بھی اسی کی وجہ سے اپنے بچوں کو پیار کرتے ہیں۔ ننانوے رحمتیں اللہ نے اپنے لئے چھوڑ رکھی ہیں وہ رحمتیں قیامت کے دن اپنے بندوں پر مبذول فرمائے گا۔ (متفق علیہ)

اللہ تعالیٰ ماں سے بھی زیادہ مہربان ہے

حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا کچھ قیدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کئے گئے قیدیوں میں ایک عورت تھی جس کے پستان سے دودھ ٹپک رہا تھا اور وہ (ادھر ادھر) دوڑتی پھر رہی تھی قیدیوں میں جو شیر خوار بچہ اس کو ملتا وہ اس کو لے کر اپنے پیٹ سے چمٹا لیتی اور دودھ پلاتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ عورت اپنے بچہ کو کبھی آگ میں پھینک سکتی ہے (جب کہ وہ دوسروں کے بچوں سے اتنا پیار کر رہی ہے) ہم نے عرض کیا جب تک اس میں طاقت ہوگی وہ اپنے بچہ کو آگ میں نہیں پھینکے گی حضورؐ نے ارشاد فرمایا تو اللہ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ

مہربان ہے جتنی یہ عورت اپنے بچہ پر مہربان ہے۔ متفق علیہ۔

حضرت عامرؓ کا بیان ہے ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے ایک شخص چادر (یا کمبل) اوڑھے آیا کوئی چیز اس کے ہاتھ میں تھی جو چادر (کے کونے) میں لپٹی ہوئی تھی اس نے عرض کیا میں درختوں کی ایک جھاڑی کی طرف سے گذرا اس کے اندر کسی پرندے کے چوزوں کی آوازیں آ رہی تھیں میں نے ان کو پکڑ کر اپنی چادر میں رکھ لیا اتنے میں ان کی ماں آ گئی اور میرے سر کے آس پاس گھومنے لگی۔ میں نے چادر ہٹا کر بچوں کو اس کے سامنے کر دیا فوراً وہ بچوں پر ٹوٹ پڑی میں نے سب کو اپنی چادر میں لپیٹ لیا اب وہ سب میرے پاس یہ موجود ہیں حضور نے حکم دیا ان کو رکھ دو اس نے (چادر کھول کر) سب کو رکھ دیا مگر بچوں کی ماں بچوں سے چمٹی رہی حضور نے فرمایا کیا تم لوگوں کو تعجب ہو رہا ہے کہ ماں ان بچوں پر کیسی مہربان ہے (کہ بچوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچا کر اڑ نہیں جاتی) قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جتنی ان بچوں کی ماں اپنے بچوں پر مہربان ہے اس سے زیادہ اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ جا ان کو لے جا اور جہاں سے تو نے ان کو پکڑا ہے وہیں لے جا کر رکھ دے حسب الحکم وہ شخص ان سب کو لے گیا۔ رواہ ابوداؤد۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے ہم کسی جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے کچھ لوگوں کی طرف سے آپ کا گذر ہوا اور دریافت فرمایا کون لوگ ہو انہوں نے عرض کیا ہم مسلمان ہیں ان میں ایک عورت بھی تھی جو ہانڈی میں سالن پکا رہی تھی اس کے ساتھ اس کا بچہ بھی تھا جب کوئی شعلہ اٹھتا تھا وہ بچہ کو الگ کر لیتی تھی وہ حضور کی خدمت میں آئی اور عرض کیا کیا آپ اللہ کے رسول ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں کہنے لگی آپ پر میرے ماں باپ قربان کیا اللہ ارحم الرحمین نہیں ہے حضور نے فرمایا کیوں نہیں۔ کہنے لگی کیا ماں جتنی اپنے بچہ پر مہربانی کرتی اس سے زیادہ اللہ اپنے بندوں پر مہربان نہیں ہے۔ فرمایا کیوں نہیں کہنے لگی ماں اپنے بچہ کو آگ میں نہیں ڈالتی یہ سن کر حضور اقدس سرنگوں ہو گئے اور رونے لگے کچھ دیر کے بعد سر اٹھایا اور فرمایا اللہ اپنے بندوں میں سے صرف اسی کو عذاب دے گا جو اس سے سرکشی اور سخت سرکشی کرنے والا ہو اور لا الٰہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دے۔ رواہ ابن ماجہ۔

آخرکار مومن جنت میں جائے گا

حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس بندہ نے لآ الٰہ الا اللہ (یعنی اقرار توحید کیا) پھر اسی حالت میں مر گیا وہ جنت میں ضرور داخل ہو گا میں نے عرض کیا خواہ اس نے زنا کیا ہو چوری کی ہو فرمایا خواہ اس نے زنا کیا ہو چوری کی ہو میں نے کہا خواہ اس نے زنا کیا ہو چوری کی ہو فرمایا خواہ اس نے زنا کیا ہو چوری کی ہو میں نے پھر کہا خواہ اس نے زنا کیا ہو چوری کی ہو فرمایا خواہ اس نے زنا کیا ہو چوری کی ہو۔ (وہ ضرور جنت میں جائے گا) اگرچہ ابوذر کتنی ہی ناک زمین پر رگڑے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابودرداءؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر فرما رہے تھے۔ ولمن خاف مقام ربه جنتان یہ میں نے خود سنا تھا۔ میں نے عرض کیا (یارسول اللہ) خواہ اس نے زنا کی ہو یا چوری کی ہو حضورؐ نے دوبارہ یہی آیت پڑھ دی میں نے دوبارہ کہا خواہ اس نے زنا اور چوری کی ہو حضور نے تیسری بار یہی آیت پڑھ دی جب میں نے تیسری بار کہا یارسول صلی اللہ علیہ وسلم اس نے زنا کیا ہو چوری کی ہو خواہ اس نے زنا اور چوری کی ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خواہ ابودرداءؓ کی ناک مٹی میں رگڑ جائے۔ (تب بھی زانی اور سارق کا داخلہ جنت میں ہو گا۔ ناک کا مٹی میں رگڑنا ایک محاورہ ہے یعنی چاہے ابودرداءؓ کیسی ہی ناک زمین پر رگڑے اور کیسا ہی اس کی مرضی کے خلاف ہو تب بھی اللہ کا فیصلہ نہیں بدلے گا)۔ رواہ احمد۔

اس موضوع کی بکثرت احادیث آئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مآل کار مومن جنت میں جائے گا۔

ثواب کے لئے ایمان شرط ہے

اہل سنت و جماعت ہی کا مسلک حق ہے کہ کفر کی موجودگی میں کوئی طاعت سودمند نہیں کیونکہ ایسی طاعت طاعت ہی نہیں ہے۔ طاعت تو وہی ہے جو خالص اللہ کے لئے ہو اگر خلوص نہیں تو طاعت معصیت ہے۔ ایمان اسی طرح طاعت کی شرط ہے جس طرح وضو نماز کے لئے۔ البتہ معصیت کا ذاتی تقاضا عذاب ضرور ہے لیکن یہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے وہ چاہے تو معاصی کو معاف کر دے اور معاف کرنا نہ چاہے تو عذاب دے۔

معافی کے ذرائع: معافی توبہ سے ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے یا کسی ولی کی سفارش سے یا محض اللہ کی مہربانی اور رحمت سے۔ اگر گناہگار مومن کو اللہ عذاب بھی دے گا تو وہ عذاب دوامی نہ ہو گا کیونکہ اللہ نے ہر نیکی کے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ اور ایمان سب سے بڑی نیکی ہے (ہر نیکی کا مدار ایمان پر ہے) اور اللہ کے وعدہ کے خلاف ہونا ناممکن ہے اور مقام ثواب صرف جنت ہے (لامحالہ ہر مومن جنت میں جائے گا عذاب پانے کے بعد یا بغیر عذاب کے)۔

گناہ! مومن اور کافر کے نزدیک: مومن اپنا ایک گناہ بھی ایسا سمجھتا ہے جیسے وہ پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہو اور پہاڑ اوپر سے گرنے والا ہو اور کافر اپنے گناہوں کو ایسا سمجھتا ہے جیسے ناک پر مکھی بیٹھی ہو اور ہاتھ کے اشارے سے اس کو اڑا دے۔ (رواہ البخاری) (تفسیر مظہری)

سب سے زیادہ عظمت والی آیت

طبرانی میں حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ کتاب اللہ قرآن کریم میں

سب سے زیادہ عظمت والی آیت آیت الکرسی ہے اور خیر وشر کی سب سے زیادہ جامع آیت ہے اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الخ سے اور سارے قرآن میں سب سے زیادہ ڈھارس دینے والی آیت مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ہے یعنی اللہ سے ڈرتے رہنے والوں کی مخلصی خود خدا کر دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جہاں کا اسے گمان وخیال بھی نہ ہو۔ حضرت مسروقؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ بے شک آپ سچے ہیں۔

حضرت ابوایوبؓ نے انتقال کے وقت

حضرت ابوایوب انصاریؓ اپنے انتقال کے وقت فرماتے ہیں ایک حدیث میں نے تم سے آج تک بیان نہیں کی تھی اب بیان کر دیتا ہوں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا ہے اگر تم گناہ ہی نہ کرتے تو اللہ عز وجل ایسی قوم کو پیدا کرتا جو گناہ کرتی پھر خدا انہیں بخشتا (صحیح مسلم وغیرہ)۔

حضرت آدم علیہ السلام کی درخواست

حضرت عبداللہ بن عبید بن عمیرؒ فرماتے ہیں کہ ابلیس ملعون نے کہا اے میری رب تو نے مجھے آدم کی وجہ سے جنت سے نکالا ہے اور میں اس پر بغیر اس کے کہ تو مجھے اس پر غلبہ دے غالب نہیں آ سکتا۔ جناب باری نے فرمایا جا تو ان پر مسلط ہے۔ اس نے کہا خدایا کچھ اور بھی مجھے زیادتی عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جا بنی آدم میں جتنی اولاد پیدا ہوگی اتنی ہی تیرے ہاں بھی ہوگی۔ اس نے پھر التجا کی کہ باری تعالیٰ کچھ اور بھی مجھے زیادتی دے۔ پروردگار عالم نے فرمایا بنی آدم کے سینے میں تیرے لئے مسکن بنا دوں گا اور تم ان کے جسم میں خون کی جگہ پھرو گے اس نے پھر فرمایا کہ کچھ اور بھی مجھے زیادتی عنایت فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جا تو ان پر اپنے سوار اور پیادے دوڑا۔ اور ان کے مال واولاد میں اپنا ساجھا کر اور انہیں امنگیں دلا گو حقیقتہً تیرا امنگیں دلانا اور وعدے کرنا سراسر دھوکے کی ٹٹی ہیں۔ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار تو نے اسے مجھ پر مسلط کر دیا اب میں اس سے بغیر تیرے بچائے بچ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سنو تمہارے ہاں جو اولاد ہوگی اس کے ساتھ میں ایک محافظ مقرر کر دوں گا جو شیطانی پنجے سے محفوظ رکھے۔ حضرت آدمؑ نے اور زیادتی طلب کی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایک نیکی کو دس گنی کر کے دوں گا بلکہ دس سے بھی زیادہ اور برائی اس کے برابر رہے گی یا معاف کر دوں گا۔ آپ نے پھر بھی اپنی یہی دعا جاری رکھی۔ رب العزت نے فرمایا توبہ کا دروازہ تمہارے لئے اس وقت تک کھلا ہے جب تک روح جسم میں ہے۔ حضرت آدمؑ نے دعا کی خدایا مجھے اور زیادتی بھی عطا فرما۔ اب اللہ تعالیٰ نے یہی آیت پڑھ سنائی کہ میرے گنہگار بندوں سے کہہ دو وہ میری رحمت سے مایوس نہ ہوں الخ (ابن ابی حاتم) (تفسیر ابن کثیر)

کرم کی انتہاء: اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ کی تفسیر میں فرمایا کرتے دیکھو اس جود وکرم کی کیا انتہا ہے کہ جن لوگوں نے مومنین کو ستایا۔ اولیاء کو قتل کیا۔ انہیں کو رحمت اور مغفرت کی طرف دعوت دی جا رہی ہے۔ گناہ کی زندگی سے تائب ہو کر تڑپ اور بے قراری کے ساتھ در رحمت کی طرف دوڑنے والے کو رحمت خداوندی کس طرح اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔

وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ
اور رجوع ہو جاؤ اپنے رب کی طرف اور اس کی حکمبر داری کرو
قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا
پہلے اس سے کہ آئے تم پر عذاب پھر کوئی تمہاری مدد کو نہ
تُنْصَرُوْنَ ۝
آئیگا ☆

توبہ کی ترغیب ☆ مغفرت کی امید دلا کر یہاں سے توبہ کی طرف متوجہ فرمایا یعنی گذشتہ غلطیوں پر نادم ہو کر اور اللہ کے بے پایاں جود وکرم سے شرما کر کفر وعصیان کی راہ چھوڑ دو اور اس رب کریم کی طرف رجوع ہو کر اپنے کو بالکلیہ اسی کے سپرد کر دو، اس کے احکام کے سامنے نہایت عجز واخلاص کے ساتھ گردن ڈال دو اور خوب سمجھ لو کہ حقیقت میں نجات محض اس کے فضل سے ممکن ہے ہمارا رجوع وانابت بھی بدون اسکے فضل وکرم کے میسر نہیں ہو سکتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کیا جو کفار دشمنی میں لگے رہے تھے سمجھے کہ لاریب اس طرف اللہ ہے۔ یہ سمجھ کر اپنی غلطیوں پر پچھتائے لیکن شرمندگی سے مسلمان نہ ہوئے کہ اب ہماری مسلمانی کیا قبول ہو گی، دشمنی کی لڑائیاں لڑے اور کتنے خدا پرستوں کے خون کئے۔ تب اللہ نے یہ فرمایا کہ ایسا گناہ کوئی نہیں جس کی توبہ اللہ قبول نہ کرے۔ ناامید مت ہو، توبہ کرو اور رجوع ہو بخشے جاؤ گے مگر جب سر پر عذاب آیا یا موت نظر آنے لگی، اس وقت کی توبہ قبول نہیں، نہ اس وقت کوئی مدد کو پہنچ سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

توبہ کی توفیق: وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ کے بعد وَاَسْلِمُوْا کا حکم حق تعالیٰ سبحانہٗ کے لئے اخلاص پر متوجہ وآمادہ کر رہا ہے اور انابت کے بعد اخلاص کا حکم اس مقصد کیلئے ہے کہ بندہ یہ بات سمجھ لے کہ اس کی نجات وکامیابی اس کی انابت کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اس کے فضل وکرم سے ہے اور اسی کا فضل تھا کہ انابت کی توفیق حاصل ہوئی۔ (تفسیر روح المعانی ج ۲۴) (معارف کاندھلوی)

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ
اور چلو بہتر بات پر جو اتری تمہاری طرف تمہارے

رَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ
رب سے پہلے اس سے کہ پہنچے تم پر عذاب
بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿٥٥﴾
اچانک اور تم کو خبر نہ ہو ☆

قرآن پر عمل کرو ☆ بہتر بات سے مراد قرآن کریم ہے یعنی قرآنی ہدایات پر چل کر عذاب آنے سے پہلے اپنے مستقبل کی روک تھام کرلو ورنہ معائنہ عذاب کے بعد کچھ تدارک نہ ہوسکے گا نہ کوئی تدبیر بن پڑے گی، عذاب الٰہی اس طرح ایک دم آدبائے گا کہ خبر بھی نہ ہوگی کہاں سے آگیا۔ (تفسیر عثمانی)

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا
کہیں کہنے لگے کوئی جی اے افسوس اس بات پر
فَرَّطْتُّ فِىْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ
کہ میں کوتاہی کرتا رہا اللہ کی طرف سے اور میں تو
لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿٥٦﴾
ہنستا ہی رہا ☆

کافر کی حسرت ☆ یعنی ہوا و ہوس رسم و تقلید اور دنیا کے مزوں میں پڑ کر خدا کو کچھ سمجھا ہی نہیں۔ اس کے دین کی اور پیغمبروں کی اور جس ہولناک انجام سے پیغمبر ڈرایا کرتے تھے سب کی ہنسی اڑاتا رہا۔ ان چیزوں کی کوئی حقیقت ہی نہ سمجھی۔ افسوس خدا کے پہچاننے اور اس کا حق ماننے میں میں نے کس قدر کوتاہی کی جس کے نتیجہ میں آج یہ برا وقت دیکھنا پڑا۔ یہ بات کافر محشر میں کہے گا اور اگر آیت کا مضمون کفار و عصاۃ کو عام رکھا جائے تو وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ کے معنی عملت عمل ساخر مستھزئ کے ہونگے کما فسر بہ ابن کثیرؒ۔ (تفسیر عثمانی)

بے وقت توبہ: اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ سے تین آیتوں میں یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ ہر گناہ یہاں تک کفر و شرک کو بھی توبہ سے معاف فرما دیتا ہے۔ مگر یہ یاد رکھو کہ توبہ کا وقت مرنے سے پہلے پہلے ہے۔ مرنے کے بعد قیامت کے روز کوئی توبہ کرے یا اپنے کئے پر حسرت کرے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ (معارف مفتی اعظم)

اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِىْ
یا کہنے لگے اگر اللہ مجھ کو راہ دکھاتا

لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٥٧﴾
تو میں ہوتا ڈرنے والوں میں ☆

عذر لنگ ☆ جب حسرت و افسوس سے کام نہ چلے گا تو اپنا دل بہلانے کے لئے یہ عذر لنگ پیش کرے گا کہ کیوں خدا نے مجھ کو ہدایت نہ کی وہ ہدایت کرنا چاہتا تو میں بھی آج متقین کے درجہ میں پہنچ جاتا۔ اس کا جواب آگے آتا ہے بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِىْ الخ اور ممکن ہے یہ کلام بطریق اعتذار و احتجاج نہ ہو بلکہ محض اظہار یاس کے طور پر ہو یعنی میں اپنی سوء استعداد اور بدتمیزی کی وجہ سے اس لائق نہ تھا کہ اللہ مجھ کو راہ دکھا کر منزل مقصود تک پہنچا دیتا اگر مجھ میں اہلیت و استعداد ہوتی اور اللہ میری دستگیری فرماتا تو میں بھی آج متقین کے زمرہ میں شامل ہوتا۔ (تفسیر عثمانی)

اور اگر ہدایت سے تخلیق ہدایت اور منزل مقصود تک پہنچانا مراد ہو تو اس صورت میں لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِىْ کا یہ مطلب ہوگا کہ میں مجبور تھا اللہ ہی نے مجھے ہدایت نصیب نہیں کی ایمان و طاعت کو اختیار کرنے کی میرے اندر طاقت ہی نہ تھی کیونکہ اللہ نے مجھے اس کی قدرت دی ہی نہ تھی۔ اللہ نے اس آیت بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِىْ الخ میں اس قول کی تردید کردی اور فرمایا کیوں نہیں ہم نے تو تجھے قدرت دی تھی کہ جس راستہ کو اختیار کرنا چاہے اختیار کرلے اسی پر عذاب ثواب کی عمارت کی بناء ہے لیکن جب میری آیات تیرے پاس پہنچیں تو تو نے اپنے اختیار سے ان کی تکذیب کی۔ اہل السنت والجماعت کا مسلک ہے کہ بندوں کے افعال میں قدرت خداوندی دخیل اور اثر انداز ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ
یا کہنے لگے جب دیکھے عذاب کو کسی طرح مجھ کو
لِىْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٥٨﴾
پھر جانا ملے تو میں ہو جاؤں نیکی والوں میں ☆

ناکام کوشش ☆ جب حسرت اور اعتذار دونوں بیکار ثابت ہوں گے اور دوزخ کا عذاب آنکھوں کے سامنے آجائے گا، اس وقت شدت اضطراب سے کہے گا کہ کسی طرح مجھ کو ایک مرتبہ پھر دنیا میں جانے کا موقع دیا جائے تو دیکھو میں کیسا نیک بن کر آتا ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِىْ فَكَذَّبْتَ بِهَا
کیوں نہیں پہنچ چکے تھے تیرے پاس میرے حکم، پھر تو نے ان کو جھٹلایا

وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٩﴾
اور غرور کیا اور تو تھا منکروں میں ☆

ہدایت کے مکمل اسباب موجود ہیں

☆ یعنی غلط کہتا ہے کہ کیا اللہ نے راہ نہیں دکھلائی تھی اور اپنے پیغمبروں کو نشانات اور احکام دے کر نہیں بھیجا تھا مگر تو نے تو ان کی کوئی بات ہی نہیں سنی۔ جو کچھ کہا گیا غرور اور تکبر سے اسے جھٹلاتا رہا۔ تیری شیخی قبول حق سے مانع رہی۔ اور بات یہ ہے کہ اللہ کو ازل سے معلوم تھا کہ تو اس کی آیات کا انکار کرے گا اور تکبر و سرکشی سے پیش آئے گا۔ تیرے مزاج اور طبیعت کی افتاد ہی ایسی ہے اگر ہزار مرتبہ دنیا کی طرف لوٹایا جائے تب بھی اپنی حرکات سے باز نہیں آ سکتا وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (انعام۔ رکوع ٣) ایسے لوگوں کی نسبت خدا کی عادت نہیں کہ ان کو عروس کامیابی سے ہمکنار کرے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى
اور قیامت کے دن تو دیکھے اُن کو جو جھوٹ بولتے ہیں
اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ
اللہ پر کہ اُن کے منہ ہوں سیاہ ☆

حق کو جھٹلانے کا انجام ☆ اللہ کی طرف سے جو سچی بات آئے اس کو جھٹلانا یہ ہی اللہ پر جھوٹ بولنا ہے کیونکہ جھٹلانے والا دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ نے فلاں بات نہیں کہی حالانکہ واقع میں کہی ہے۔ اس جھوٹ کی سیاہی قیامت کے دن ان کے چہروں پر ظاہر ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٦٠﴾
کیا نہیں دوزخ میں ٹھکانا غرور والوں کا ☆

غرور کا انجام ☆ پہلے فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ میں دو صفتیں کافر کی بیان ہوئی تھیں تکذیب جو مشتمل ہے کذب پر اور استکبار و غرور یہاں بتلا دیا کذب و دروغ سے انکے منہ کالے ہوں گے اور غرور و تکبر کا ٹھکانا دوزخ کے سوا کہیں نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تکبر کرنے والوں کا حشر: ابن ابی حاتم کی مرفوع حدیث میں ہے کہ تکبر کرنے والوں کا حشر قیامت کے دن چیونٹیوں کی صورت میں ہوگا ہر چھوٹی سے چھوٹی مخلوق بھی انہیں روندتی جائے گی یہاں تک کہ جہنم کے جیل خانے میں بند کردیئے جائیں گے جس کا نام بولس ہے جس کی آگ بہت تیز اور نہایت ہی مصیبت والی ہے جہنمیوں کے لہو پیپ اور گندگی انہیں پلائی جائے گی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ
اور بچائیگا اللہ اُن کو جو ڈرتے رہے اُنکے بچاؤ کی جگہ
لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦١﴾
نہ لگے اُن کو برائی اور نہ وہ غمگین ہوں ☆

متقین کا انعام ☆ یعنی اللہ تعالیٰ متقین کو ان کے ازلی فوز و سعادت کی بدولت کامیابی کے اس بلند مقام پر پہنچائے گا جہاں ہر قسم کی برائیوں سے محفوظ اور ہر طرح کے فکر و غم سے آزاد ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ
اللہ بنانے والا ہے ہر چیز کا اور وہ ہر
شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿٦٢﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ
چیز کا ذمہ لیتا ہے اُسی کے پاس ہیں کنجیاں آسمانوں کی
وَالْاَرْضِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
اور زمین کی اور جو منکر ہوئے ہیں اللہ کی باتوں سے
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٣﴾
وہ لوگ جو ہیں وہی ہیں ٹوٹے میں پڑے ☆

تمام اختیارات اللہ کے پاس ہیں

☆ یعنی ہر چیز کو اس نے پیدا کیا اور پیدا کرنے کے بعد اسکی بقاء و حفاظت کا ذمہ دار بھی وہ ہی ہوا اور زمین و آسمان کی تمام چیزوں میں تصرف و اقتدار بھی اسی کو حاصل ہے کیونکہ سب خزانوں کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں۔ پھر ایسے خدا کو چھوڑ کر آدمی کہاں جائے چاہئے کہ اسی کے غضب سے ڈرے اور اسی کی رحمت کا امیدوار رہے کفر و ایمان اور جنت و دوزخ سب اسی کے زیر تصرف ہیں۔ اس کی باتوں سے منکر ہو کر آدمی کا کہیں ٹھکانا نہیں۔ کیا اس سے منحرف ہو کر آدمی کسی فلاح کی امید رکھ سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَللّٰهُ خَالِقُ یعنی خیر شر ایمان کفر سب کا وہی خالق ہے۔

وَكِيْلٌ یعنی تمام چیزیں اسی کی سپردگی میں ہیں اور وہی سب کا نگراں اور محافظ ہے۔

مقالید کی تفسیر: کلبی نے کہا (مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ سے) مراد ہیں بارش کے خزانے اور (مقالید الارض سے مراد ہیں) سبزے کے خزانے حضرت عثمانؓ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقالید کی تفسیر پوچھی۔ حضورؐ نے فرمایا اس کی تفسیر ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ يُحْيِىْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی حضرت عثمانؓ کا سوال اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی جواب منقول ہے یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بھی آئی ہے۔ اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ جو شخص صبح شام یہ دعاء دس مرتبہ پڑھے گا اللہ اس کو چھ باتیں عطا فرمائے گا۔

(۱) ابلیس اور اس کے لشکر سے اس کی حفاظت فرمائے گا۔
(۲) جنت کے اندر اس کو قنطار (ڈھیر ثواب) عنایت فرمائے گا۔
(۳) فراخ چشم حوروں کو اس کی زوجیت میں دے دیگا۔
(۴) اس کے گناہ بخش دے گا۔
(۵) وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہوگا۔
(۶) مرنے کے وقت بارہ فرشتے اس کے پاس آئیں گے اور اس کو حق کی بشارت دیں گے اور قبر سے موقف حساب تک اس کو عزت کے ساتھ لے جائیں گے قیامت کے دن اگر اس کو کچھ خوف ہوگا تو فرشتے کہیں گے تو کسی چیز کا اندیشہ نہ کر تو بلا شبہ باامن رہے گا پھر اللہ اس سے حساب آسانی کے ساتھ لے لیگا پھر اس کو جنت میں لے جانے کا حکم دے دیا جائے گا فرشتے موقف حساب سے جنت تک اس کو اس طرح عزت سے لے جائیں گے جس طرح دلہن کو لے جایا جاتا ہے آخر اس کو بحکم خدا جنت میں داخل کر دیں گے باقی سارے لوگ شدت میں مبتلا ہوں گے۔

میں کہتا ہوں شاید حدیث کا یہ مطلب ہے کہ جن صفات خداوندی کا مذکورہ الفاظ میں بیان کیا گیا ہے وہ صفات مقالید (کنجیاں) ہیں یعنی جو ذات ان صفات سے موصوف ہے وہی آسمان و زمین کے سارے خزانوں کی مالک ہے۔ اس کے قبضہ میں سب کی حکومت ہے اور وہی ان خزانوں میں تصرف کرسکتا ہے۔ اور جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے اور اللہ کی ان صفات کا ذکر کرتا ہے وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے لئے دنیا میں یا آخرت میں ان خزانوں کے دروازے کھول دیئے جائیں۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ اور جو لوگ اللہ کی آیتوں کو نہیں مانتے وہ بڑے خسارے میں رہیں گے۔ آیات اللہ سے مراد ہیں کلماتِ تمجید و توحید یا قرآن مجید یا اللہ کی قدرت مستقلہ کے نشانات وعلامات۔

کافروں کے لئے خسارہ ہی ہے: خسارہ کو کافروں میں ہی محصور کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کافروں کے علاوہ دوسروں کو رحمت وثواب کا کچھ حصہ ضرور ملے گا اگر دنیوی آسائش ونعمت سے وہ محروم بھی ہوں تب بھی آخرت میں دنیوی نعمتوں کا عوض ان کو ضرور حاصل ہوگا اور ایسی نعمتیں ملیں گی جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہونگی نہ کسی کان نے ان کا ذکر سنا ہوگا (اور نہ کسی کے دل میں ان کا خیال آیا ہوگا) رہے کافر تو دنیا میں ان کو رزق اور رحمت کے خزانوں میں سے جب حصہ مل جاتا ہے تو شکر کا کوئی حصہ ان کو نہیں ملتا اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رحمت کا کوئی حصہ آخرت میں ان کو نصیب نہ ہوگا اور دنیا میں یہ خوش نصیبیاں آخرت میں ان کے لئے وبال بن جائیں گی۔

اہل ایمان کی فلاح

اسلوب ادا کا تغیر اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ اہل ایمان کی فلاح اللہ کے فضل پر موقوف ہے اور کافروں کی ناکامی ان کے کفر سے وابستہ ہے اس میں وعدہ ثواب کی صراحت کردی گئی ہے اور وعید عذاب کو در پردہ بیان کردیا گیا۔ (تفسیر مظہری)

آیت کا مطلب: فارسی میں کنجی کو کلید کہتے ہیں۔ معرب کر کے اس کو اقلید بنایا گیا پھر اس کی جمع مقالید لائی گئی (روح) کنجیوں کا کسی کے ہاتھ ہونا اس کے مالک ومتصرف ہونے کی علامت ہے اس لئے مراد آیت کی یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو خزانے نعمتوں کے مستور ہیں ان سب کی کنجیاں اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں میں ہیں وہی ان کا محافظ ہے اور وہی متصرف ہے کہ جب چاہے جس کو چاہے جس قدر چاہے دے اور جس کو چاہے نہ دے۔

تیسرے کلمے کی فضیلت: اور بعض روایات حدیث میں کلمہ سوم یعنی سُبحان اللہ والحمدللہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔ کو مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فرمایا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص صبح وشام یہ کلمہ پڑھتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کے خزانوں کی نعمتیں عطا فرماتا ہے ان روایات کو ابن جوزی نے موضوع کہہ دیا ہے، مگر دوسرے محدثین نے احادیث ضعیفہ قرار دیا ہے جن کا فضائل اعمال میں اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ (روح المعانی) (معارف مفتی اعظم)

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا

تو کہہ اب اللہ کے سوائے کسی کو بتلاتے ہو کہ پوجوں اے

الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾

نادانو ☆

انتہائی حماقت ☆ یعنی انتہائی نادانی وحماقت وجہالت یہ ہے کہ آدمی خدا کو چھوڑ کر دوسروں کی پرستش کرے اور پیغمبر خدا سے معاذ اللہ یہ طمع رکھے کہ وہ اس کے راستہ پر آ جائیں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ مشرکین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دیوتاؤں کی پرستش کی طرف بلایا تھا اس کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں مشرکین نے آپ سے کہا کہ آؤ تم ہمارے معبودوں کی پوجا کرو اور ہم تمہارے رب کی پرستش کریں گے اس پر آیت قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ سے مِنَ الْخٰسِرِيْنَ تک نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ

اور حکم ہو چکا ہے تجھ کو اور تجھ سے

مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ

اگلوں کو کہ اگر تو نے شریک مان لیا تو اکارت

عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٦٥﴾

جائیں گے تیرے عمل اور تو ہو گا ٹوٹے میں پڑا

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٦﴾

نہیں بلکہ اللہ ہی کو پوج اور رہ حق ماننے والوں میں ☆

فقط اللہ کی عبادت کرو

☆ یعنی عقلی حیثیت سے دیکھا جائے کہ تمام چیزوں کا پیدا کرنا باقی رکھنا اوران میں ہر قسم کے تصرفات کرتے رہنا صرف اللہ کا کام ہے تو عبادت کا مستحق بجز اسکے کوئی نہیں ہوسکتا اور نقلی حیثیت سے لحاظ کرو تو تمام انبیاء اللہ اور ادیان سماویہ توحید کی صحت اور شرک کے بطلان پر متفق ہیں بلکہ ہر نبی کو بذریعہ وحی بتلا دیا گیا ہے کہ (آخرت میں) مشرک کے تمام اعمال اکارت ہیں اور شرک کا انجام خالص حرمان وخسران کے سوا کچھ نہیں۔ لہٰذا انسان کا فرض ہے کہ وہ ہر طرف سے ہٹ کر ایک خدائے قدوس کو پوجے اور اسکا شکر گزار وفادار بندہ بنے۔ اس کے عظمت وجلال کو سمجھے، عاجز وحقیر مخلوق کو اسکا شریک نہ ٹھہرائے، اس کو اسی طرح بزرگ وبرتر مانے جیسا وہ واقع میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شرک سے اعمال غارت ہوجاتے ہیں

اور آپ کی طرف بھی اور جو پیغمبر آپ سے پہلے گذرے ہیں ان کی طرف بھی یہ وحی بھیج دی گئی ہے کہ (اے عام مخاطب) اگر تو شرک کرے گا تو تیرا کیا کرایا سب غارت ہوجائے گا' یہ کلام مبنی برفرض ہے اس سے مراد ہے کافروں کو ناامید کرنا اور امت کو در پردہ متنبہ کرنا۔

مرتد ہونا نیکیوں کو اکارت کردیتا ہے

اسی آیت کی روشنی میں ہم کہتے ہیں کہ مرتد ہوجانے سے تمام گذشتہ نیکیوں کا ثواب ساقط کردیا جاتا ہے۔ جس طرح اسلام تمام سابق گناہوں کو ڈھا دیتا ہے اسی طرح ارتداد ساری گذشتہ نیکیوں کو اکارت کردیتا ہے۔

اگر کوئی شخص مرتد ہونے کے بعد مسلمان ہوگیا اور ایسے وقت مسلمان ہوا کہ نماز کا وقت باقی ہے تو ارتداد سے پہلے اگرچہ بحالت اسلام وہ اس وقت کی نماز پڑھ چکا ہو پھر بھی دوبارہ اس کو اس وقت کی نماز پڑھنی لازم ہے (سابق نماز کالعدم ہو گئی) اسی طرح اگر پہلے حج فرض کر چکا ہے پھر مرتد ہوگیا اور دوبارہ پھر مسلمان ہوگیا تو اس کو دوبارہ حج فرض کرنا ہوگا۔ کذا قال الامام ابن الہمام۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ

اور نہیں سمجھے اللہ کو جتنا کچھ وہ ہے ☆

مشرکین نے اللہ کی قدر نہیں کی

☆ یعنی مشرکین نے اس کی عظمت وجلال اور بزرگی وبرتری کو وہاں تک نہ سمجھا اور ملحوظ نہ رکھا جہاں تک ایک بندہ کو سمجھنا اور ملحوظ رکھنا چاہئے تھا، اسکی شان رفیع اور مرتبہ بلند کا اجمالی تصور رکھنے والا کیا عاجز ومحتاج مخلوق حتی کہ پتھر کی بے جان مورتیوں کو اسکا شریک تجویز کرسکتا ہے۔ حاشا وکلا۔ آگے اسکی بعض شئون عظمت وجلال کا بیان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی ان لوگوں نے عظمت الٰہی کو ویسا نہیں جانا جیسا عظمت کا حق تھا (جیسی عظمت ہونی چاہئے تھی) کہ دوسروں کو اس کا شریک قرار دیا اور ان صفات کا حامل اس کو جو اس کی شان کے لئے نازیبا ہیں نہ اس کی اس طرح عبادت کی جس طرح کرنی چاہئے تھی اور نہ اس کی نعمتوں کا ویسا شکر کیا جیسا کرنا لازم تھا اور مرنے کے بعد دوبارہ جی کر اٹھنے کا انکار کردیا۔ (تفسیر مظہری)

وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اور زمین ساری ایک مٹھی ہے اسکی دن قیامت کے

وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ

اور آسمان لپٹے ہوئے ہوں اسکے داہنے ہاتھ میں، وہ پاک ہے

وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٧﴾

اور بہت اوپر ہے اس سے کہ شریک بتلاتے ہیں ☆

عظمت شانِ الٰہی ☆ یعنی جس کی عظمت شان کا یہ حال ہے کہ قیامت کے دن کل زمین اس کی ایک مٹھی میں اور سارے آسمان کاغذ کی طرح لپٹے ہوئے ایک ہاتھ میں ہوں گے۔ اسکی عبادت میں بے جان یا عاجز و محتاج مخلوق کو شریک کرنا کہاں تک روا ہوگا۔ وہ شرکاء تو خود اسکی مٹھی میں پڑے ہیں۔ جس طرح چاہے ان پر تصرف کرے۔ ذرا کان یا زبان نہیں ہلا سکتے (تنبیہ) مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ کے متعلق سورہ انبیاء کی آیت یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ الخ کا حاشیہ دیکھنا چاہئے اور یمین وغیرہ الفاظ متشابہات میں سے ہیں جن پر بلا کیف ایمان رکھنا واجب ہے بعض احادیث میں ہے وکلتا یدیه یمین اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں اس سے تجسم، تحیز، جہت وغیرہ کی نفی ہوتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کی مراد: یہ آیت متشابہات میں سے ہے جس کی حقیقی مراد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اس سے مقصود ہے اللہ کی عظمت عالیہ اور قدرت کاملہ پر تنبیہ کرنا اور یہ بتانا کہ وہ عظیم الشان کام جہاں انسانی فہم حیرت میں پڑ جاتی ہے اللہ کے لئے آسان ہیں، اس کی قدرت سے باہر نہیں اور اس سارے جہان کی توڑ پھوڑ اس کے لئے دشوار نہیں۔

آیت کا شانِ نزول: آیت کے نزول کی وجہ یہ ہے کہ یہودی نے جب آسمانوں کے اور زمینوں اور پہاڑوں وغیرہ کے سلسلہ میں ایک بات کہی تھی تو یقیناً وہ توریت ہی سے نقل کی تھی اس آیت میں اس کی تصدیق کر دی گئی اللہ کی کتابیں باہم تصدیق ہی کرتی ہیں ایک دوسری کی تکذیب نہیں کرتیں۔ صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت حدیث مذکور میں ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے کہ ایک یہودی عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا محمدؐ قیامت کے دن اللہ آسمانوں کو ایک انگلی پر روک لے گا اور زمینوں کو ایک انگلی پر اور پہاڑوں اور درختوں کو ایک انگلی پر اور پانی اور ثری (نمناک مٹی جو زمین کی تہ میں ہے) کو ایک انگلی پر اور باقی مخلوق کو ایک انگلی پر پھر ان کو حرکت دے گا اور فرمائے گا میں ہوں بادشاہ میں ہوں اللہ، اس عالم کے قول پر تعجب کرتے ہوئے اس کی تصدیق کے لئے حضورؐ مسکرا دیئے پھر آپ نے پڑھا وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ الخ۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ زمین کو مٹھی میں لے لے گا اور آسمان کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر فرمائے گا (آج) میں بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں۔

مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑ کر فرمائے گا کہاں ہیں زبردست طاقتور والے کہاں ہیں غرور کرنے والے پھر زمینوں کو لپیٹ کر اپنے بائیں ہاتھ (دوسری روایت میں بائیں کی جگہ دوسرے کا لفظ آیا ہے) میں لے کر فرمائے گا میں ہوں (آج) بادشاہ کہاں ہیں زبردست طاقت والے کہاں ہیں غرور کرنے والے۔ ابوالشیخ نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ آسمانوں کو اور ساتوں زمینوں کو اپنی مٹھی میں سمیٹ کر فرمائے گا میں ہوں اللہ میں ہوں رحمان میں ہوں بادشاہ میں (تمام عیوب سے) پاک ہوں میں امن دینے والا ہوں میں نگران ہوں میں غالب ہوں میں بہت بڑی طاقت والا ہوں میں بڑائی والا ہوں میں نے ہی دنیا کو ابتدا میں پیدا کیا جب کہ وہ کچھ بھی نہ تھی اور میں ہی اس کا اعادہ کر رہا ہوں (آج) بادشاہ کہاں ہیں (اور) بڑی طاقتوں والے کہاں ہیں۔

قاضی عیاض نے کہا قبض طی اور اخذ تینوں کا معنی اکٹھا کرنا (اس وقت) آسمان پھیلے ہوئے ہیں زمین بھی بچھی ہوئی ہے۔ پھر ان الفاظ کا معنی ہو گیا۔ اٹھانا ہٹانا بدل ڈالنا۔ قرطبی نے کہا طے سے مراد ہے فنا کر دینا ابن ابی حاتم نے حسن بصری کا قول نقل کیا کہ یہودیوں نے (پہلے مخلوق کی) گنتی کی اور آسمان و زمین و ملائکہ کی تخلیق پر غور کیا جب اس سے فراغت ہو گئی تو اللہ کا اندازہ کرنے لگے اس پر آیت وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ۔ نازل ہوئی۔ سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ یہودیوں نے رب کی صفات میں کلام کیا اور صفات کے متعلق ایسی باتیں کہیں جن کا نہ ان کو علم تھا نہ انہوں نے اللہ کی ان صفات کو دیکھا تھا اس پر آیت وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ الخ نازل ہوئی۔

ابن المنذر نے بروایت ربیع بن انس بیان کیا ہے کہ جب آیت وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ نازل ہوئی تو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ کرسی ایسی (وسیع) ہے تو عرش کی کیا کیفیت ہوگی اس پر آیت وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ الخ نازل ہوئی۔

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى یعنی جس ذات کی ایسی (ہمہ گیر) قدرت ہے وہ ان مشرکوں کی شرک آفرینیوں سے بہت دور اور بالا ہے یا یہ مطلب ہے کہ شرک کی جو نسبت اسکی طرف کی جاتی ہے اس سے وہ پاک اور برتر ہے۔ (تفسیر مظہری (اردو) جلد دہم)

زمین وآسمان کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کیفیت کا بیان

مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ نے ایک دن منبر پر اس آیت کی تلاوت کی اور آپؐ اپنا ہاتھ ہلاتے جاتے تھے آگے پیچھے لا رہے تھے اور فرماتے تھے اللہ تعالیٰ اپنی بزرگی آپ بیان فرمائے گا کہ میں جبار ہوں میں متکبر ہوں میں مالک ہوں میں باعزت ہوں میں کریم ہوں۔ آپؐ اس کے بیان کے وقت اتنا ہل رہے تھے کہ ہمیں ڈر لگنے لگا کہ کہیں منبر آپؐ سمیت گر نہ پڑیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے اس کی پوری کیفیت دکھادی کہ کس طرح حضورؐ نے اسے حکایت کیا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو اپنے ہاتھ میں لے گا اور فرمائے گا میں بادشاہ ہوں۔ اپنی انگلیوں کو کبھی کھولے گا کبھی بند کرے گا اور آپ اس وقت ہل رہے تھے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہلنے سے سارا منبر ہلنے لگا اور مجھے یہ ڈر لگا کہ کہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گرا نہ دے۔ بزار کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اور منبر ہلنے لگا پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین مرتبہ آئے گئے' واللہ اعلم۔

سورۃ کی آخری آیات کی فضیلت: معجم کبیر طبرانی کی ایک غریب حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کی ایک جماعت سے فرمایا میں آج تمہیں سورۂ زمر کی آخری آیتیں سناؤں گا جسے ان سے رونا آ گیا وہ جنتی ہوگیا۔ اب آپ نے اس آیت سے لے کر ختم سورۃ تک کی آیتیں تلاوت فرمائیں بعض روئے اور بعض کو رونا نہ آیا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے ہر چند رونا چاہا لیکن رونا نہ آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا میں پھر پڑھوں گا جسے رونا نہ آئے وہ رونی شکل بنا کر بہ تکلف روئے۔

تین چیزیں: ایک اس سے بڑھ کر غریب حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے تین چیزیں اپنے بندوں سے چھپالی ہیں اگر وہ انہیں دیکھ لیتے تو کوئی شخص کبھی کوئی بدی نہ کرتا۔ (۱) اگر میں پردہ ہٹا دیتا اور وہ مجھے دیکھ کر خوب یقین کر لیتے اور معلوم کر لیتے کہ میں اپنی مخلوق سے کیا کچھ کرتا ہوں جب کہ ان کے پاس آؤں اور آسمانوں کو اپنی مٹھی میں لے لوں پھر زمین کو اپنی مٹھی میں لے لوں پھر کہوں میں بادشاہ ہوں میرے سوا ملک کا مالک کون ہے؟ (۲) پھر میں انہیں جنت دکھاؤں اور اس میں جو بھلائیاں ہیں سب ان کے سامنے کر دوں اور وہ یقین کے ساتھ خوب اچھی طرح دیکھ لیں۔ (۳) اور میں انہیں جہنم دکھا دوں اور اس کے عذابوں کا معائنہ کرا دوں یہاں تک کہ انہیں یقین آ جائے' لیکن میں نے یہ چیزیں قصداً ان سے پوشیدہ کر رکھی ہیں تاکہ میں جان لوں کہ وہ مجھے کس طرح جانتے ہیں کیونکہ میں نے یہ سب باتیں بیان کر دی ہیں۔ اس کی سند متقارب ہے اور اس نسخے سے بہت سی حدیثیں روایت کی جاتی ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي
اور پھونکا جائے صور میں پھر بیہوش ہو جائے گا جو کوئی ہے
السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ
آسمانوں میں اور زمین میں مگر

شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا
جس کو اللہ چاہے پھر پھونکی جائے دوسری بار، تو فوراً
هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝
وہ کھڑے ہو جائیں ہر طرف دیکھتے ☆

صور اسرافیل ☆ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "ایک بار نفخ صور ہے عالم کے فنا کا دوسرا ہے زندہ ہونے کا یہ تیسرا بعد حشر کے ہوگا بے ہوشی کا، چوتھا خبردار ہونے کا اس کے بعد اللہ کے سامنے سب کی پیشی ہوگی۔" بتغییر یسیر۔ لیکن علمائے محققین کے نزدیک کل دو مرتبہ نفخ صور ہوگا پہلی مرتبہ میں سب کے ہوش اڑ جائیں گے پھر زندے تو مردہ ہو جائیں گے اور جو مر چکے تھے ان کی ارواح پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو جائے گی۔ بعدہٗ دوسرا نفخہ ہوگا جس سے مردوں کی ارواح ابدان کی طرف واپس آ جائیں گی اور بے ہوشوں کو افاقہ ہوگا اس وقت محشر کے عجیب وغریب منظر کو حیرت زدہ ہو کر تکتے رہیں گے پھر خداوند قدوس کی پیشی میں تیزی کے ساتھ حاضر کئے جائیں گے (تنبیہ) اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ سے بعض نے جبریل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت مراد لئے ہیں بعض نے انکے ساتھ حملۃ العرش کو بھی شامل کیا ہے بعض کے نزدیک انبیاء وشہداء مراد ہیں واللہ اعلم۔ بہر حال یہ استثناء اس نفخہ کے وقت ہوگا اس کے بعد ممکن ہے ان پر بھی فنا طاری کر دی جائے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المومن۔ رکوع ۲) (تفسیر عثمانی)

اور قیامت کے دن صور میں پھونک ماری جائے گی تو فوراً تمام آسمان والوں اور زمین والوں کے ہوش اڑ جائیں گے مگر جس کو خدا چاہے گا (وہ بے ہوشی سے محفوظ رہے گا) پھر اس (صور) میں دوبارہ پھونک ماری جائے گی تو دفعۃً سب کے سب (قبروں سے نکل کر) کھڑے ہو جائیں گے اور (چاروں طرف) دیکھنے لگیں گے۔

وَنُفِخَ۔ یعنی پہلی بار صور میں پھونک ماری جائے گی۔

فَصَعِقَ۔ تو آسمان وزمین والے سب بے ہوش ہو جائیں گے یعنی مر جائیں گے۔

اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ۔ بیہوشی کی حالت سے کون مستثنیٰ ہوگا اس کی تفصیل ہم نے سورۂ نحل کی آیت وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ۔ کی تفسیر میں کر دی ہے۔ حسن نے کہا من شاء اللہ سے تنہا ذات الٰہی مراد ہے۔

فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ تو یکدم لوگ قبروں سے نکل کر کھڑے ہو جائیں گے اور حیرانی کے ساتھ ہر طرف نظریں گھما کر دیکھیں گے یا۔ ینظرون کا یہ

مطلب ہے کہ وہ انتظار کریں گے کہ آئندہ ہمارے متعلق کیا حکم صادر ہوگا اور ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

علاماتِ قیامت: مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے کہا کہ آپ فرماتے ہیں اتنے اتنے وقت تک قیامت آجائے گی۔ آپ نے ناراض ہوکر فرمایا جی تو چاہتا ہے کہ تم سے کوئی بات بیان نہ کروں۔ میں نے تو کہا تھا کہ بہت تھوڑی مدت میں تم اہم امر مردو یکھو گے۔ پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے میری امت میں دجّال آئے گا اور وہ چالیس تک رہے گا۔ میں نہیں جانتا کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال یا چالیس راتیں پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو بھیجے گا۔ وہ بالکل صورت شکل میں حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ جیسے ہوں گے اللہ آپ کو غالب کرے گا اور دجال آپ کے ہاتھوں ہلاک ہوگا۔ پھر سات سال تک لوگ اس طرح ملے جلے رہیں گے کہ ساری دنیا میں دو شخصوں کے درمیان بھی آپس میں رنجش وعداوت نہ ہوگی۔ پھر پروردگار عالم شام کی طرف سے ایک ہلکی ٹھنڈی ہوا چلائے گا جس سے تمام ایمان والوں کی روح قبض کرلی جائے گی یہاں تک کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوگا وہ بھی فوت ہوجائے گا۔ یہ خواہ کہیں بھی ہوں یہاں تک کہ اگر کسی پہاڑ کی کھوہ میں بھی کوئی مسلمان ہوگا تو یہ ہوا وہاں بھی پہنچے گی۔ میں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے پھر تو بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو اپنے کمینہ پن میں مثل پرندوں کے ہلکے اور اپنی بے وقوفی میں مثل درندوں کے بے وقوف ہوں گے نہ اچھائی کو اچھائی سمجھیں گے نہ برائی کو برائی جانیں گے۔ ان پر شیطان ظاہر ہوگا اور کہے گا شرماتے نہیں کہ تم نے بت پرستی چھوڑ رکھی ہے چنانچہ وہ اس کے بہکانے میں آکر بت پرستی شروع کردیں گے اس حالت میں بھی اللہ تعالیٰ ان کی روزی میں اور ان کی معاش میں کشادگی عطا فرمائے ہوئے ہوگا۔

قیامِ قیامت: پھر صور پھونک دیا جائے گا جس کے کان میں اس کی آواز جائے گی وہ ادھر گرے گا ادھر کھڑا ہوگا پھر گرے گا۔ سب سے پہلے کی آواز جس کے کان میں پڑے گی یہ وہ شخص ہوگا جو اپنا حوض ٹھیک کررہا ہوگا فوراً بے ہوش ہوکر زمین پر گر پڑے گا۔ پھر تو ہر شخص بے ہوش اور خود فراموش ہو جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا جو شبنم کی طرح ہوگی اس سے لوگوں کے جسم اُگ نکلیں گے۔ پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا تو سب زندہ کھڑے ہوجائیں گے اور دیکھنے لگیں گے۔ پھر کہا جائے گا کہ اے لوگو! اپنے رب کی طرف چلو انہیں ٹھہرالو ان سے سوالات کئے جائیں گے۔ پھر فرمایا جائیگا کہ جہنم کا حصہ نکال لو۔ پوچھا جائے گا کس قدر؟ جواب ملے گا ہر ہزار سے نوسو ننانوے۔ یہ دن ہوگا کہ بچے بوڑھے ہوجائیں گے اور یہی دن ہوگا جس میں پنڈلی کھولی جائے گی (صحیح مسلم) صحیح بخاری میں ہے دونوں نفخوں کے درمیان چالیس ہونگے راوی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ کیا چالیس دن؟ فرمایا میں جواب دینے سے انکاری ہوں۔ پوچھا گیا کیا چالیس سال؟ فرمایا نہ میں اس کا جواب دوں گا۔ کہا گیا چالیس ماہ؟ فرمایا میں اس کا بھی انکار کرتا ہوں انسان کی سب چیز سڑگل جائے گی مگر ریڑھ کی ہڈی اس سے مخلوق کو ترتیب دی جائے گی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ
اور چمکے زمین اپنے رب کے نور سے اور لا دھریں
الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ
دفتر اور حاضر آئیں پیغمبر اور گواہ
وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٦٩﴾
اور فیصلہ ہو اُن میں انصاف سے اور اُن پر ظلم نہ ہو گا ☆

جلوہ افروزی

☆ یعنی اسکے بعد حق تعالیٰ حساب کے لئے اپنی شان کے مناسب نزول اجلال فرمائیں گے کما ورد فی بعض روایات الدرالمنثور اس وقت حق تعالیٰ کی تجلی اور نور بے کیف سے محشر کی زمین چمک اٹھے گی، حساب کا دفتر کھلے گا، سب کے اعمال نامے سامنے رکھ دیئے جائیں گے انبیاء علیہم السلام اور دوسرے گواہ دربار میں حاضر ہوں گے اور ہر شخص کے اعمال کا نہایت انصاف سے ٹھیک ٹھیک فیصلہ سنایا جائے گا، کسی پر کسی طرح کی زیادتی نہ ہوگی (تنبیہ) شہداء سے مراد علاوہ انبیاء علیہم السلام کے فرشتے امت محمدیہ کے لوگ اور انسان کے ہاتھ پاؤں وغیرہ سب ہوسکتے ہیں اور حضرت شاہ صاحبؒ نے ہر امت کے نیک آدمی مراد لئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ کا نور: اپنے خالق کے نور سے۔ بغوی نے لکھا ہے جب اللہ بندوں کا فیصلہ کرنے کے لئے جلوہ فرما ہوگا تو جس طرح کھلے ہوئے آسمان پر چمکتے سورج کو دیکھنے میں کوئی شبہ نہیں ہوتا اسی طرح نور رب کو دیکھنے میں لوگوں کو کوئی شبہ نہیں ہوگا۔

حسن بصری اور سدی نے کہا نور رب سے مراد ہے عدل وانصاف، عدل سے آبادیوں کی زینت اور اظہار حقوق ہوتا ہے (اور نور سے بھی مقامات کا حسن اور انکشاف اشیاء ہوتا ہے) جیسے ظلم کو تاریکی کہا جاتا ہے اسی طرح عدل کو نور قرار دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ظلم (تہ برتہ بہت سی تاریکیاں ہوجائے گا۔ متفق علیہ من حدیث ابن عمرؓ)

اعمال نامے: بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام اعمال نامے عرش کے نیچے ہیں جب موقف ہوگا یعنی قیامت کے دن حساب فہمی کے لئے لوگوں کو ایک میدان میں کھڑا کیا جائے گا تو اللہ ایک ہوا بھیجے گا جو اعمال ناموں کو اڑا کر لائے گی اور دائیں بائیں ہاتھوں میں ان کو پہنچا دے گی۔ اعمالناموں میں سب سے پہلی تحریر یہ ہوگی اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا اپنا اعمالنامہ پڑھ لے تو ہی آج اپنا محاسبہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ ابونعیم نے حضرت ابن مسعودؓ کی موقوف روایت سے اور دیلمی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت سے بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن مومن کے اعمال نامہ کا عنوان ہوگا حسن ثناء الناس۔

پیغمبروں کی شہادت: وَجِایْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ سیوطی کا قول ہے کہ علماء نے کہا کہ حساب انبیاء کی موجودگی میں ہوگا (یعنی انبیاء کے سامنے حساب فہمی ہو گی) ابن مبارک نے سعید بن میسّب کا قول نقل کیا ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ صبح شام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی امت کو نہ لایا جاتا ہو آپ ان کی صورتوں کو اور ان کے اعمال کو پہچان لیتے ہیں اسی لئے قیامت کے دن ان کے متعلق شہادت دیں گے۔

امت محمدیہ کی گواہی: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت والے پیغمبروں کی طرف سے شہادت دیں گے کہ انہوں نے (اپنی امتوں کو) احکام خداوندی پہنچا دیئے تھے۔ عطاء نے کہا الشہداء سے مراد ہیں اعمال نامے لکھنے والے فرشتے اسی پر دلالت کرتی ہے وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ۔ (تفسیر مظہری)

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ

اور پورا ملے ہر جی کو جو اُس نے کیا ☆

عمل کے مطابق بدلہ ملے گا

☆ یعنی نیکی کے بدلہ میں کمی اور بدی کے بدلہ میں زیادتی نہ ہوگی جسکا جتنا اچھا یا برا عمل ہے، سب خدا کے علم میں ہے، اسی کے موافق بدلہ ملے گا جس کی کچھ تفصیل آگے آتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝۷۰

اور اُس کو خوب خبر ہے جو کچھ کرتے ہیں ☆

☆ یعنی گواہ آتے ہیں ان کے الزام کو ورنہ اللہ سے کیا چیز پوشیدہ ہے (کذا فی الموضح) (تفسیر عثمانی)

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ

اور ہانکے جائیں جو منکر تھے دوزخ کی طرف گروہ گروہ ☆

کافروں کی ذلت

☆ یعنی تمام کافروں کو دھکے دے کر نہایت ذلت وخواری کے ساتھ دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا اور چونکہ کفر کے اقسام ومراتب بہت ہیں، ہر قسم اور ہر درجہ کے کافروں کا گروہ الگ الگ کر دیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

زُمَرًا۔ یعنی متعدد متفرق ٹولیاں۔ ایک کے پیچھے دوسری۔ گمراہ ہونے کے درجات کے لحاظ سے جماعت بندی اور ترتیب ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

حَتّٰىٓ اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا

یہاں تک کہ جب پہنچ جائیں اُس پر کھولے جائیں اسکے دروازے ☆

☆ جس طرح دنیا میں جیل خانہ کا پھاٹک کھلا نہیں رہتا جب کسی قیدی کو داخل کرنا ہوتا ہے کھول کر داخل کرتے اور پھر بند کر دیتے ہیں ایسے ہی وہاں جس وقت دوزخی دوزخ کے قریب پہنچیں گے دروازے کھول کر اس میں دھکیل دیا جائے گا اس کے بعد دروازے بند کر دیئے جائیں گے لما قال تعالیٰ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ (ہمزہ) (تفسیر عثمانی)

جنت کے دروازے: حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص راہ خدا میں اپنے مال کا جوڑا دیگا (یعنی ایک قسم کی دو چیزیں) اس کو جنت کے دروازوں سے (اندر آنے کے لئے) پکارا جائے گا اور جنت کے (متعدد) دروازے ہیں جو اہل صلوٰۃ میں سے ہوگا اس کو باب الصلوٰۃ سے پکارا جائے گا اور جو اہل صوم میں سے ہوگا اس کو باب الریان سے پکارا جائے گا اور جو اہل صدقہ میں سے ہوگا اس کو باب الصدقہ سے بلایا جائے گا اور جو اہل جہاد میں سے ہوگا اس کو باب الجہاد میں سے بلایا جائے گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کوئی ایسا بھی ہوگا جس کو تمام دروازں سے پکارا جائے فرمایا ہاں مجھے امید ہے کہ تم ان لوگوں میں سے ہوگے۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ

اور کہنے لگیں اُنکو اُسکے داروغہ ☆

☆ یعنی جو فرشتے دوزخ کے محافظ ہیں وہ کفار سے بطور ملامت یہ کہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ

کیا نہ پہنچے تھے تمہارے پاس رسول تم میں کے ☆

☆ یعنی جن سے تم کو بسبب ہم جنس ہونے کے فیض لینا آسان تھا۔ (تفسیر عثمانی)

يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ

پڑھتے تھے تم پر باتیں تمہارے رب کی اور ڈراتے تم کو

لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۗ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ

اس تمہارے دن کی ملاقات سے بولیں کیوں نہیں پر ثابت ہوا

كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧١﴾

حکم عذاب کا منکروں پر ☆

اقرارِ بدبختی ☆ یعنی پیغمبر کیوں نہیں آئے، ضرور آئے، ہم کو اللہ کی باتیں سنائیں اور آج کے دن سے بہت کچھ ڈرایا لیکن ہماری بدبختی اور نالائقی کہ ہم نے ان کا کہنا نہ مانا آخر خدا کی اٹل تقدیر سامنے آئی اور عذاب کا حکم ہم کافروں پر ثابت ہو کر رہا۔ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ۔ (تفسیر عثمانی)

قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ

حکم ہووے کہ داخل ہو جاؤ دروازوں میں دوزخ کے سدا رہنے کو اس میں

فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٧٢﴾

سو کیا بُری جگہ ہے رہنے کی غرور والوں کو ☆

تکبر کا نتیجہ ☆ یعنی تم نے شیخی اور غرور میں آ کر اللہ کی بات نہ مانی اب ہمیشہ دوزخ میں پڑے اس کا مزہ چکھتے رہو۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں کو ڈانٹ۔ دوزخ کے کارندے ڈانٹ کر کہیں گے کہ جب تمہارے پاس پیغمبر بھی پہنچ گئے اور اللہ کا کلام انہوں نے تم کو پڑھ کر سنا بھی دیا تھا اور تمام حجتیں پوری ہو گئی تھیں تو پھر تم کیوں ایمان نہیں لائے اور کیوں شرک سے باز نہ آئے بات یہ ہے کہ احکام خداوندی کو جاننے کے لئے اگرچہ تنہا عقل کافی نہیں ہے لیکن اللہ کے ایک ہونے پر دلالت کرنے والے براہین فطرت تو موجود ہیں اور ان دلائل فطرت کی روشنی میں عقل توحید خداوندی کو جاننے کے لئے کافی ہے پھر اس کے ساتھ جب اللہ نے پیغمبروں کو بھی بھیج دیا اور کتابیں بھی نازل کر دیں اور طریق حق بالکل واضح کر دیا تو اب کسی طرح شرک و کفر کی معذرت کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی۔

جنتی اور جہنمی آدمی: حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل حدیث بیان کرتے ہوئے اس میں فرمایا کہ اللہ جس بندہ کو جنت کے لئے پیدا کرتا ہے اس سے اہل جنت کے کام کراتا ہے یہاں تک کہ وہ اسی حالت میں مر جاتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور جس بندہ کو دوزخ کے لئے پیدا کرتا ہے اس سے دوزخیوں کے عمل کراتا ہے یہاں تک کہ وہ دوزخیوں کے عمل پر ہی مر جاتا ہے اور دوزخ میں چلا جاتا ہے۔ رواہ مالک وابوداؤد والترمذی۔ (تفسیر مظہری)

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۗ

اور ہانکے جائیں وہ لوگ جو ڈرتے رہے تھے اپنے رب سے جنت کو گروہ گروہ ☆

☆ یعنی ایمان و تقویٰ کے مدارج چونکہ متفاوت ہیں، ہر درجہ کے مومنین متقین کی جماعت الگ ہو گی اور ان سب جماعتوں کو نہایت شوق دلا کر جلدی جلدی جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا یعنی جنت کی طرف متقیوں کو تیزی کے ساتھ چلایا جائے گا تا کہ مقام عزت تک ان کو جلد پہنچا دیا جائے بعض علماء نے کہا اہل جنت کی سواریوں کو جنت کی طرف جلد ہنکایا جائے گا کیونکہ جنت میں ان کا داخلہ سوار ہونے کی حالت میں ہی ہو گا۔ (تفسیر مظہری)

روزہ داروں کا دروازہ: بخاری و مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے جنت میں آٹھ دروازے ہیں جن میں سے ایک کا نام باب الریان ہے اس میں سے صرف روزے دار ہی داخل ہوں گے۔

اچھی طرح وضو کرنے والے: صحیح مسلم میں ہے تم میں سے جو شخص کامل مکمل بہت اچھی طرح مل دل کر وضو کرے پھر اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ پڑھے اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس سے چاہے چلا جائے۔ اور حدیث میں ہے جنت کی کنجی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان: صحیح مسلم کی حدیث میں ہے میں پہلا سفارشی ہوں جنت میں۔ اور روایت میں ہے میں وہ پہلا شخص ہوں جو جنت کا دروازہ کھٹ کھٹائے گا۔ مسند احمد میں ہے میں قیامت کے دن جنت کا دروازہ کھلوانا چاہوں گا تو وہاں کا داروغہ مجھ سے پوچھے گا آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کہے گا مجھے یہی حکم تھا کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے جنت کا دروازہ کسی کے لئے نہ کھولوں۔

جنت میں داخل ہونے والی پہلی جماعت

مسند احمد میں ہے کہ پہلی جماعت جو جنت میں جائے گی ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند جیسے ہوں گے۔ تھوک، رینٹ، پیشاب پاخانہ وہاں کچھ نہ ہو گا اس کے برتن اور سامان آرائش سونے چاندی کا ہو گا۔ ان کی انگیٹھیوں میں بہترین اگر خوشبو دے رہا ہو گا ان کا پسینہ مشک ہو گا۔ ان میں سے ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی جن کی پنڈلی کا گودا بوجہ حسن و نزاکت صفائی اور نفاست کے گوشت

کے پیچھے سے نظر آ رہا ہوگا۔ کسی دو میں کوئی اختلاف اور حسد و بغض نہ ہوگا سب کے دل مل کر ایسے ہوں گے جیسے ایک شخص کا دل صبح شام اللہ کی تسبیح میں گزرے گی۔

واقعہ میں صحیحین میں ہے کہ جنت کے ڈیرے خیمے لولو کے ہیں اور اس کی مٹی مشک خالص ہے۔ ابن صائد سے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی مٹی کا سوال کیا تو اس نے کہا سفید میدے جیسی مشک خالص۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سچا ہے۔ (مسلم)

جنتیوں کا استقبال: حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جب یہ اپنی قبروں سے نکلیں گے ان کا استقبال کیا جائے گا۔ ان کے لئے پروں والی اونٹنیاں لائی جائیں گی جن پر سونے کے کجاوے ہوں گے۔ ان کی جوتیوں کے تسمے تک نور سے چمک رہے ہوں گے یہ اونٹنیاں ایک ایک قدم اس قدر دور رکھتی ہیں جہاں تک انسان کی نگاہ جا سکتی ہے۔ یہ ایک درخت کے پاس پہنچیں گے جس کے نیچے سے دو نہریں نکلتی ہیں۔ ایک کا پانی یہ پئیں گے جس سے ان کے پیٹ کی تمام فضولیات اور میل کچیل دھل جائے گا۔ دوسری نہر سے یہ غسل کریں گے پھر ہمیشہ تک ان کے بدن میلے نہ ہوں گے ان کے بال پراگندہ نہ ہوں گے اور ان کے جسم اور چہرے بارونق رہیں گے۔

جنت کی حوریں: اب یہ جنت کے دروازوں پر آئیں گے دیکھیں گے کہ ایک کنڈا سرخ یاقوت کا ہے جو سونے کی تختی پر آویزاں ہے یہ اسے ہلائیں گے تو ایک عجیب سریلی اور موسیقی صدا پیدا ہوگی اسے سنتے ہی ہر حور جان لے گی کہ اس کے خاوند آ گئے یہ داروغہ کو حکم کرے گی کہ جاؤ دروازہ کھولو وہ دروازہ کھول دے گا۔ یہ اندر قدم رکھتے ہی اس داروغہ کی نورانی شکل دیکھ کر سجدے میں گر پڑے گا لیکن وہ اسے روک لے گا اور کہے گا اپنا سر اٹھا میں تو تیرا ماتحت ہوں اور اسے اپنے ساتھ لے چلے گا جب یہ اُس درّ و یاقوت کے خیمے کے پاس پہنچے گا جہاں اس کی حور ہے وہ بے تابانہ دوڑ کر خیمے سے باہر آ جائے گی اور بغل گیر ہو کر کہے گی تم میرے محبوب ہو اور میں تمہاری چاہنے والی ہوں میں یہاں ہمیشہ رہنے والی ہوں مروں گی نہیں۔ میں نعمتوں والی ہوں فقر و محتاجی سے دور ہوں۔ میں آپ سے ہمیشہ راضی خوشی رہوں گی کبھی ناراض نہیں ہونے کی۔ میں ہمیشہ آپ کی خدمت میں حاضر رہنے والی ہوں کبھی ادھر ادھر ہونگی نہیں پھر یہ گھر میں جائے گا جس کی چھت فرش سے ایک لاکھ ہاتھ بلند ہوگی۔ اس کی کل دیواریں قسم قسم کے اور رنگ برنگ کے موتیوں کی ہوں گی اس گھر میں ستر تخت ہونگے اور ہر تخت پر ستر ستر چھولداریاں ہوں گی اور ان میں سے ہر بستر پر ستر حوریں ہوں گی اور ہر حور پر ستر جوڑے ہوں گے اور ان سب حلّوں کے نیچے سے ان کی پنڈلی کا گودا نظر آتا ہوگا۔ ان کے ایک جماع کا انداز ایک پوری رات کا ہوگا۔

باغ و بہار: ان کے باغوں اور مکانوں کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی جن کا پانی کبھی بدبودار نہیں ہوتا صاف شفاف موتی جیسا پانی ہے۔ اور دودھ کی نہریں ہوں گی جس کا مزہ کبھی نہیں بدلتا۔ جو دودھ کسی جانور کے تھن سے نہیں نکلا۔ اور شراب کی نہریں ہوں گی جو نہایت لذیذ ہوگا۔ اور خالص شہد کی نہریں ہوں گی جو مکھیوں کے پیٹ سے حاصل شدہ نہیں۔ قسم قسم کے میووں سے لدے ہوئے درخت اس کے چوطرف ہوں گے جن کا پھل ان کی طرف جھکا ہوا ہوگا۔ یہ کھڑے کھڑے پھل لینا چاہیں تو لے سکتے ہیں اگر یہ بیٹھے بیٹھے پھل توڑنا چاہیں تو شاخیں اتنی جھک جائیں گی کہ یہ توڑ لیں۔ اگر یہ لیٹے لیٹے پھل لینا چاہیں تو شاخیں اور جھک آئیں گی۔ پھر آپ نے آیت وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا الخ پڑھی یعنی ان جنتی درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے اور اس کے میوے بہت قریب کر دیئے جائیں گے یہ کھانا کھانے کی خواہش کریں گے تو سفید رنگ یا سبز رنگ پرندان کے پاس آ کر اپنا پر اونچا کر دیں گے۔ یہ جس قسم کا اس کے پہلو کا گوشت چاہیں کھا لینگے پھر وہ زندہ کا زندہ جیسا تھا ویسا ہی ہو کر اڑ جائے گا۔ فرشتے ان کے پاس آئیں گے سلام کریں گے اور کہیں گے کہ یہ جنتیں ہیں جن کے تم اپنے اعمال کے باعث وارث بنائے گئے ہو۔ اگر کسی حور کا ایک بال زمین پر آ جائے تو وہ اپنے چمک سے اور اپنی سیاہی سے نور کو روشن کرے اور سیاہی نمایاں رہے۔ اللہ ہمیں بھی جنت نصیب کرے۔ آمین۔ (تفسیر ابن کثیر)

حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا
یہاں تک کہ جب پہنچ جائیں اس پر اور کھولے جائیں اُسکے دروازے
وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ
اور کہنے لگیں اُن کو داروغہ اُسکے سلام پہنچے تم پر تم لوگ پاکیزہ ہو،
فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿۷۳﴾
سو داخل ہو جاؤ اُسمیں سدا رہنے کو☆

جنتیوں کا اعزاز ☆ یعنی جس طرح مہمانوں کے لئے ان کی آمد سے پہلے مہمان خانہ کا دروازہ کھلا رکھا جاتا ہے، جنتی وہاں پہنچ کر جنت کے دروازے کھلے پائیں گے۔ کما قال فی موضع آخر مُفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ (ص۔ رکوع ۴) اور خدا کے فرشتے نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ کلمات سلام و ثناء وغیرہ سے ان کا استقبال کریں گے اور جنت میں رہنے کی بشارت سنائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

اہل جنت کی پاکیزگی: طِبْتُمْ یعنی گناہوں کے میل کچیل سے پاک

صاف ہو۔ یہ پاکیزگی یا تو اس وجہ سے ہوگی کہ انہوں نے کبھی کوئی (قابل مواخذہ) گناہ کیا ہی نہ ہوگا یا اس وجہ سے ہوگی کہ اللہ نے بغیر عذاب دیئے ان کے گناہ معاف کر دیئے ہوں گے یا سزا دے کر ان کو پاک کر دیا ہوگا۔

قتادہ نے کہا جب اہل جنت دوزخ کے مسافت طے کر کے گذر جائیں گے تو جنت سے پہلے ان کو ایک پل پر روک لیا جائے گا تا کہ وہ آپس کے حقوق کا بدلہ باہم چکا سکیں جب ایک دوسرے سے اپنے حق کا بدلہ لے چکے گا اور سب صاف ستھرے اور پاک ہو جائیں گے تو رضوان اور اس کے ساتھی (بطور استقبال) کہیں گے سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ۔

حضرت علیؓ نے فرمایا جب ان (اہل جنت) کو جنت کی طرف لے جایا جائے گا اور وہ جنت کے دروازے پر پہنچ جائیں گے تو دروازے کے پاس ان کو ایک درخت ملے گا جس کے نیچے سے دو چشمے رواں ہوں گے ایک چشمہ میں مومن نہائے گا تو بیرونی جسم کی طہارت ہو جائے گی اور دوسرے چشمہ کا پانی پیئے گا تو اندرونی طہارت بھی حاصل ہو جائے گی۔ فرشتے جنت کے دروازے پر اس کا استقبال کریں گے اور کہیں گے۔ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ زجاج نے کہا طبتم کا یہ مطلب ہے کہ تم دنیا میں شرک اور معاصی کی گندیوں سے پاک تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تمہارا (یہ) مقام پاک ہے۔

فَادْخُلُوْهَا اس جملہ میں ف سببی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا پاک ہونا ہی جنت میں داخل ہونے اور وہاں ہمیشہ رہنے کا سبب ہوگا اس کی توجیہات وہی ہوں گی جو کفر کے سبب کافروں کی دوزخ میں داخل ہونے کی کی گئی تھیں۔ حضرت ابن عباسؓ کے قول پر ہی توجیہ ہوگی کہ جنت چونکہ پاک مقام ہے اس لئے اہل جنت کی قیام گاہ ہونے کی اس میں صلاحیت ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ

اور وہ بولیں شکر اللہ کا جس نے سچا کیا ہم سے اپنا وعدہ☆

☆یعنی خدا کا شکر جو وعدے انبیاء کی زبانی دنیا میں کئے گئے تھے آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے۔ (تفسیر عثمانی)

وقالوا الحمد للہ یعنی کارگذاران جنت جب مومنوں سے کہیں گے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ تو وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے اور جنت کے اندر وہ نعمتیں پائیں گے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہوں گی نہ کسی کان نے سنی ہوں گی نہ کسی کے دل میں ان کا تصور آیا ہوگا اور کہیں گے اللہ کا شکر ہے الخ۔ (تفسیر مظہری)

وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ

اور وارث کیا ہم کو اس زمین کا☆

☆یعنی جنت کی زمین کا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ یعنی زمین جنت کا ہم کو مالک بنا دیا وارث بنانے سے مراد ہے مالک بنا دینا۔ (تفسیر مظہری)

نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ

گھر لے لیویں بہشت میں سے جہاں چاہیں☆

☆حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "ان کو حکم ہے کہ جہاں چاہیں رہیں لیکن ہر کوئی وہی جگہ چاہے گا جو اسکے واسطے پہلے سے رکھی ہے۔" اور بعض کے نزدیک مراد یہ ہے کہ جنت میں سیر و ملاقات کے لئے کہیں آنے جانے کی روک ٹوک نہ ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

جنت میں اہل جنت کی آپس میں ملاقات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ مطلب یہ ہے کہ اہل جنت کے لئے اپنے اپنے مکانات محلات اور باغات تو ہونگے ہی ان کو یہ اختیار دیا جائے گا کہ دوسرے اہل جنت کے پاس ملاقات وتفریح کے لئے جایا کریں طبرانی۔

ابونعیم اور ضیاء نے سند حسن کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ مجھے آپ سے اتنی محبت ہے کہ اپنے گھر بھی جاتا ہوں تو آپ ہی کو یاد کرتا رہتا ہوں اور جب تک پھر حاضر خدمت نہ ہو جاؤں مجھے صبر نہیں آتا۔ مگر جب میں اپنی موت کو یاد کرتا ہوں اور آپ کی وفات کو یاد کرتا ہوں تو یہ سمجھتا ہوں کہ آپ تو جنت میں انبیاء کے مقامات عالیہ میں ہوں گے اور میں اگرچہ جنت میں پہنچ بھی گیا تو کسی نیچے کے درجے میں ہونگا مجھے فکر یہ ہے کہ میں آپکو کیسے دیکھوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات سن کر کچھ جواب نہیں دیا' یہاں تک کہ جبرئیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ اس آیت میں بتلا دیا کہ اللہ و رسول کی اطاعت کرتے رہنے کہ مسلمان انبیاء وصدیقین وغیرہ کے ساتھ ہی ہوں گے۔ اور آیت مذکورہ میں اسکی تشریح ہوگئی کہ ان کو مقامات عالیہ میں بھی جانے کی اجازت ہوگی۔ الحقنا اللہ تعالیٰ بہم بمنہ وکرمہ۔ (معارف مفتی اعظم)

فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ

سو کیا خوب بدلہ ہے محنت کرنے والوں کا اور تو دیکھے فرشتوں کو

حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ

گھر رہے ہیں عرش کے گرد پاکی بولتے ہیں اپنے رب کی خوبیاں

رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ

اور فیصلہ ہوتا ہے اُن میں انصاف کا اور یہی بات کہتے ہیں کہ سب خوبی ہے

لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اللہ کو جو رب ہے سارے جہان کا

عدالتِ الٰہی کا منظر

☆ یعنی حق تعالیٰ جب حساب کتاب کے لئے نزول اجلال فرمائیں گے۔ اس وقت فرشتے عرش کے گرداگرد حلقہ باندھے اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے ہوں گے اور تمام بندوں میں ٹھیک ٹھیک انصاف کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ جس پر ہر طرف سے جوش وخروش کے ساتھ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا نعرہ بلند ہوگا یعنی ساری خوبیاں اس خدا کو زیبا ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے (جس نے سارے جہان کا ایسا عمدہ فیصلہ کیا) اسی نعرہ تحسین پر دربار برخاست ہو جائے گا۔ عموماً مفسرین نے آیت کا یہی مطلب بیان کیا ہے لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے آیت کو حالت راہنہ پر حمل کیا اور قُضِيَ بَيْنَهُمْ کی ضمیر ملائکہ کی طرف راجع کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ فرشتوں میں فیصلہ یہ کہ ہر ایک فرشتہ (ملأ اعلیٰ میں) اپنے قاعدہ سے ایک تدبیر بولتا ہے (کما يشير اليه اختصام الملأ الاعلى وتفصيله فی حجۃ اللہ البالغہ) پھر اللہ تعالیٰ ایک بات جاری کرتا ہے وہ ہی ہوتی ہے۔ حکمت کے موافق یہ ماجرا اب بھی ہے اور قیامت میں بھی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ تم سورۃ الزمر بعون اللہ وتوفیقہ۔ وللہ الحمد (تفسیر عثمانی)

تخلیق کائنات اور انتہائے امور میں ربط

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق اپنی حمد سے فرمائی۔ جیسے کہ فرمان ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ تو مناسب ہوا کہ تمام مخلوقات کا انجام اور فیصلہ اور ان کے امور کی انتہا بھی حمد خداوندی ہوگئی۔ (معارف کاندھلوی)

الحمد للہ سورۃ الزمر ختم ہوئی

المومن— جس نے خواب میں اس سورہ کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے پڑھنے والا ایمان دار اور مخلص ہوگا (علامہ ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ مومن مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں پچاسی آیتیں اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ

اُتارنا کتاب کا اللہ سے ہے

الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ

جو زبردست ہے خبردار گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول

التَّوْبِ

کرنیوالا ☆

توبہ☆ یعنی توبہ قبول کر کے گناہوں سے ایسا پاک وصاف کر دیتا ہے گویا کبھی گناہ کیا ہی نہ تھا اور مزید برآں توبہ کو مستقل طاعت قرار دے کر اس پر اجر عنایت فرماتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سورۂ مومن یہی مکی سورت ہے۔ اس سورت کو سورۂ غافر بھی کہتے ہیں۔ قرطبی کہتے ہیں کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ یہی قول عطاء جابر اور عکرمہ کا ہے۔ قتادہ کا قول ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ دو آیتیں مدینہ میں نازل ہوئی ہیں اس سورت میں پچاسی آیات اور نو رکوع ہیں۔

سورۂ غافر کی فضیلت

بیہقی نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آل حٰم یعنی جو سورتیں حٰم سے شروع ہوتی ہیں وہ سات ہیں اور جہنم کے بھی سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے پر سوۂ حٰم اپنے تلاوت کرنے کو عذاب جہنم سے بچانے والی ہوگی۔

ربط: اس سے قبل سورہ زمر کی ابتداء وحی الٰہی اور قرآن کریم کی حقانیت کے بیان سے تھی اور انتہا اس مضمون کی تھی کہ حق تعالیٰ اپنی مخلوقات کے درمیان صحیح صحیح فیصلہ اور عدل وانصاف قائم کرنا حق تعالیٰ کی شان عزت وکبریائی اور علم وحکمت پر مبنی ہے تو یہ سورت حق تعالیٰ کے ایسے ہی اوصاف عظیم کے ذکر سے شروع ہو رہی ہے۔ (معارف کاندھلوی)

بغوی نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا قرآن کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص (اپنے اہل وعیال کی غرض سے (ریگستان بیابان میں) آب وگیاہ کی تلاش میں نکلا ہو تلاش کرتے کرتے اس کو کسی جگہ بارش کے نشانات مل گئے وہ برابر چلتا رہا اور تعجب کرتا رہا (کہ یہاں بارش کی علامات کیسی ہیں) اچانک ایک نرم زمین میں اسکو کچھ باغات دکھائی دیئے اور وہ نشیب میں اتر کر باغات میں پہنچ گیا اور کہنے لگا مجھے تو بارش کے نشانات دیکھ کر ہی تعجب ہوا تھا ان باغوں کا وجود تو بہت تعجب آفریں ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا بارش کی مثال تو قرآن مجید ہے اور قرآن میں جو حٰمٓ ہیں وہ شاداب زمین کے باغوں کی طرح ہیں حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا جب میں حٰمٓ (پڑھنے) میں مشغول ہوتا ہوں تو (گویا) باغوں میں تفریح کرتا ہوں۔

بغوی نے اپنی سند سے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہر چیز کا ایک مغز ہوتا ہے اور قرآن کا مغز حٰمٓ والی سورتیں ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ ابراہیم نے کہا ہر حٰمٓ دلہنوں کی چنبلی (کی طرح) ہے۔ حاکم نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول (موقوفاً) نقل کیا ہے کہ حٰمٓ والی سورتیں قرآن کی زینت ہیں۔

حٰمٓ کیا ہے: حٰمٓ بغوی نے سدی کا قول نقل کیا ہے کہ حٰمٓ اللہ کا اسم اعظم ہے عکرمہؒ سے منقول ہے کہ الرحمٰن (مرکب ہے اس) کے حروف مقطعہ الر حم ن ہیں۔ سعید بن جبیر اور عطاء خراسانی نے کہا حٰمٓ (سے اللہ کے اسماء کی طرف اشارہ ہے اس) کی ح آغاز ہے اللہ کے اسماء حکیم حمید حی اور حیان کا اور م آغاز ہے ملک مجید منان کا۔ (تفسیر مظہری)

آیت کی تفسیر: حضرت ابن عباسؓ نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں فرمایا جو لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہے اس کے گناہ بخشنے والا ہے اور جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل ہے اس کی توبہ قبول کرنے والا ہے یا یوں کہو کہ اللہ کی ان دو صفتوں کا ظہور الگ مواقع پر ہوتا ہے۔ مومن جس نے توبہ نہ کی وہ (اور بغیر توبہ کے مرجائے) اللہ اس کے لئے غافر الذنب ہے یعنی اس کے گناہ پر (قیامت کے دن) پردہ ڈال دینے والا اس کے گناہ کا (مخلوق کی نظروں سے) پوشیدہ رکھنے والا ہے۔ غفر کا لغوی معنی ہے پردہ ڈالنا چھپا دینا۔ اور جس نے توبہ کر لی ہو اس کی توبہ قبول کرنے والا ہے گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث مرفوع ہے ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے اور حکیم نے حضرت ابیؓ کی روایت سے اور ابن ابیؓ کی روایت سے اور ابن النجاری نے حضرت علیؓ کی روایت سے اور ابن عساکر و بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے حدیث بیان کی اس تفسیر پر توبہ نہ کرنے والے (مومن) کی مغفرت کا جواز آیت سے ثابت ہو جائے گا۔ شَدِيدِ الْعِقَابِ یعنی جو لا الٰہ الا اللہ کا قائل نہ ہو اس کو سخت عذاب دینے والا ہے۔

ان آیات کے ذریعہ لوگوں کی اصلاح

یزید بن عاصم کی روایت ہے کہ ایک شامی شخص بڑا بہادر تھا حضرت عمرؓ اس کو اس کی بہادری کی وجہ سے کچھ گنتے تھے (یعنی پاس لحاظ کرتے تھے) کچھ مدت کے بعد وہ غائب ہو گیا حضرت عمرؓ نے لوگوں سے اس کے متعلق استفسار کیا آپ کو بتایا گیا کہ وہ اس مدت میں مسلسل شراب خوری میں منہمک رہا۔ حضرت عمرؓ نے کاتب کو طلب فرمایا اور حکم دیا لکھو۔ عمر بن خطاب کی طرف سے فلاں شخص کے نام۔ میں تمہارے سامنے حمد کرتا ہوں اللہ کی جس کے سوا کوئی اور قابل عبادت نہیں۔ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ (گناہوں کو بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا سخت عذاب دینے والا بڑی قدرت ونعمت والا۔ اس کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے) پھر آپ نے دعا کی اور حاضرین کو بھی دعا کرنے کا حکم دیا کہ اللہ اس کو توفیق دے کہ وہ دل سے توبہ کرے اور اللہ اسکی توبہ قبول فرمائے۔ جب یہ خط اس کو پہنچا تو وہ خط پڑھنے لگا۔ غافر الذنب۔ اللہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا کہ وہ میرا قصور معاف فرما دے گا وَقَابِلِ التَّوْبِ (اللہ نے مجھ سے میری توبہ قبول کرنے کا وعدہ فرمالیا) شَدِيدِ الْعِقَابِ اللہ نے مجھ کو اپنے عذاب سے ڈرایا ہے ذِي الطَّوْلِ اور طول خیر کثیر کو کہتے ہیں إِلَيْهِ الْمَصِيرُ وہ شخص بار بار یہ آیت پڑھتا تھا اور مذکورہ الفاظ کہتا تھا اور روتا تھا آخر اس نے گناہ سے توبہ کر لی اور اچھی توبہ کی (پھر وہ گناہ نہیں کیا) حضرت عمرؓ کو جب اس کی اطلاع ملی تو فرمایا تم لوگ بھی ایسا ہی کیا کرو جب دیکھو کہ تمہارے بھائی کے قدم راہ راست سے پھسلنے لگے ہیں تو اس کو سیدھا کر دو اور اس کو نرمی سے سمجھاؤ اور اللہ سے دعا کرو کہ اس شخص کو توبہ کی توفیق عطا فرما دے اور اس کے خلاف شیطان کے مددگار نہ بن جاؤ۔ قتادہ کا بیان ہے کہ مدینہ میں ایک جوان بڑا عبادت گذار تھا حضرت عمرؓ کو بھی اس سے محبت تھی اتفاقاً وہ مصر چلا گیا وہاں جا کر بگڑ گیا (اور ہر طرح کی بدی میں پڑ گیا) کسی بدی سے اس کو گریز نہیں رہا۔ حضرت عمرؓ کے پاس اس کا کوئی گھر والا آیا تو آپ نے اس سے جوان کے متعلق دریافت کیا اس شخص نے جواب دیا مجھ سے اس کا حال نہ پوچھئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کیوں اس شخص نے کہا وہ نوجوان تو بگڑ گیا اور اوباش ہو گیا حضرت عمرؓ نے اس کو ایک تحریر بھیجی عمرؓ کی طرف سے فلاں شخص کے نام حٰمٓ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ آخر تک۔ اس جوان نے تحریر پڑھی اور بار بار پڑھتا

رہا۔ آخر کار اللہ سے توبہ کی اور بخیر آ گیا۔ اسحاق سبیعی راوی ہیں کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا امیر المومنین میں قتل کر چکا ہوں کیا میرے لئے توبہ کی گنجائش ہے آپ نے اس کے سامنے آیت حٰمٓ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ۔ تلاوت فرمائی اور فرمایا عمل کر ناامید نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ جب میں تلاوت قرآن کرتے ہوئے آل حٰمٓ پر آ جاتا ہوں تو گویا ان میں میری بڑی تفریح ہوتی ہے۔

دشمن سے حفاظت: ابوداؤد و ترمذی میں باسناد صحیح حضرت مہلب بن ابی صفرہؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے ایسے شخص نے روایت کی کہ جس نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ (کسی جہاد کے موقع پر رات میں حفاظت کے لئے) فرما رہے تھے کہ اگر رات میں تم پر چھاپہ مارا جائے تو حٰمٓ لَا يُنْصَرُوْنَ پڑھ لینا جس کا حاصل لفظ حٰمٓ کے ساتھ یہ دعا کرنا ہے کہ ہمارا دشمن کامیاب نہ ہو۔ اور بعض روایات میں حٰمٓ لَا يُنْصَرُوْا بغیر نون کے آیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب تم حٰمٓ کہو گے تو دشمن کامیاب نہ ہو گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حٰمٓ دشمن سے حفاظت کا قلعہ ہے۔ (ابن کثیر)

ایک عجیب واقعہ: حضرت ثابت بنانیؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت مصعب بن زبیرؓ کے ساتھ کوفے کے علاقہ میں تھا۔ میں ایک باغ کے اندر چلا گیا کہ دو رکعت پڑھ لوں۔ میں نے نماز سے پہلے حٰمٓ المؤمن کی آیتیں اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ تک پڑھیں اچانک دیکھا کہ ایک شخص میرے پیچھے ایک سفید خچر پر سوار کھڑا ہے۔ جس کے بدن پر یمنی کپڑے ہیں۔ اس شخص نے مجھ سے کہا کہ جب تم غَافِرِ الذَّنْبِ کہو تو اس کے ساتھ یہ دعا کرو یا غَافِرَ الذَّنْبِ اغْفِرْلِیْ یعنی اے گناہوں کے معافی کرنے والے مجھے معاف کر دے اور جب تم پڑھو قَابِلِ التَّوْبِ تو یہ دعا کرو یا قَابِلَ التَّوْبِ اقْبَلْ تَوْبَتِیْ یعنی اے توبہ کے قبول کرنے والے میری توبہ قبول فرما۔ پھر جب پڑھیں شَدِيْدِ الْعِقَابِ تو یہ دعا کرو یا شَدِيْدَ الْعِقَابِ لَا تُعَاقِبْنِی یعنی اے سخت عقاب والے مجھے عذاب نہ دیجئے! اور جب ذِی الطَّوْلِ پڑھو تو یہ دعا کرو یا ذَا الطَّوْلِ طُلْ عَلَیَّ بِخَیْرٍ۔ یعنی انعام و احسان کرنے والے مجھ پر انعام فرما۔

ثابت بنانیؒ کہتے ہیں یہ نصیحت اس سے سننے کے بعد جو ادھر دیکھا تو وہاں کوئی نہ تھا میں اسکی تلاش میں باغ کے دروازے پر آیا۔ لوگوں سے پوچھا کہ ایک ایسا شخص یمنی لباس میں یہاں سے گذرا ہے سب نے کہا کہ ہم نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا۔ ثابت بنانیؒ کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ الیاس علیہ السلام تھے دوسری روایت میں اس کا ذکر نہیں۔ (ابن کثیر)

شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِی الطَّوْلِ
سخت عذاب دینے والا مقدور والا ☆

☆ یعنی بے حد قدرت و وسعت اور غنا والا جو بندوں پر انعام و احسان کی بارشیں کرتا رہتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ
کسی کی بندگی نہیں سوائے اُسکے اُسی کی طرف پھر جانا ہے ☆

☆ جہاں پہنچ کر ہر ایک کو اپنے کئے کا بدلہ ملے گا۔ (تفسیر عثمانی)

مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ
وہی جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں جو
كَفَرُوْا
منکر ہیں ☆

ناحق جھگڑا ☆ یعنی اللہ کی باتیں اور اسکی عظمت و قدرت کے نشان ایسے نہیں جن میں کوئی جھگڑا کیا جائے مگر جن لوگوں نے یہ ہی ٹھان لی ہے کہ روشن سے روشن دلائل و براہین اور کھلی کھلی باتوں کا بھی انکار کیا جائے، وہ ہی سچی باتوں میں ناحق جھگڑے ڈالتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

خطرناک بحثیں: عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے سنن میں ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو سنا کہ وہ کسی آیت میں نزاع اور خصومت کر رہے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ انما هلك من كان قبلكم بهذا ضربوا كتاب الله بعضه ببعض انما نزل كتاب الله يصدق بعضه بعضاً فلا تكذبوا بعضه ببعض فما علمتم فقولوه وما جهلتم فكلوه الى عالم رواه البغوى۔ (یعنی تم سے پہلے صرف اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ پر مارا اور مخالفت و تردید کے جذبہ میں تعارض و تناقض ثابت کرنے کی فکر میں لگ گئے) حالانکہ کتاب اللہ کا تو ایک حصہ دوسرے حصہ کی تصدیق کرتا ہے۔ (نہ کہ تردید و تکذیب) اس لئے تم ایک حصہ کی دوسرے کی حصہ سے تکذیب اور تردید نہ کرو۔ جو جانتے ہو وہ بیان کرو۔ اور جو چیز تم نہیں جانتے وہ اس کے عالم کے حوالہ کر دو۔

صحیح مسلم میں یہ ہے کہ آپ نے دو شخصوں کی آواز سنی کہ وہ کسی آیت میں جھگڑ رہے ہیں تو آپ کو اس قدر ناگوار ہوئی کہ چہرۂ انور سے غصہ کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم سے پہلی قومیں اپنی کتاب میں اختلاف کرنے ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔

بہرکیف یہ جدال و خصومت جو کافروں کی صفت بیان کی گئی ہے وہ جدال و خصومت ہے جس کا مقصد قرآن کریم پر طعن اور اعتراض ہو یا حق کا

مقابلہ مقصود ہو اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ کتاب اللہ کی تفسیر اور بیان معانی میں صرف اس شخص کو بولنے کا حق ہے جو علم رکھتا ہو۔ علوم قرآن اور علوم شریعت کی اس کو معرفت ہو اور جو ان علوم سے نابلد ہو اس کو کوئی حق نہیں کہ وہ اپنے جہل کے باوجود کتاب اللہ میں اپنی رائے ٹھونسنے لگے۔ (معارف کاندھلوی)

صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ یہ جدال آیات جس کی مذمت کی گئی ہے ان آیات سے تعلق رکھتا ہے جس میں تقدیر وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے اہل کلام اہل بدعت اور رائے پرستوں کے درمیان ان آیات میں جدال کیا جاتا ہے۔ آیات احکام اور ابواب حلال وحرام میں اختلاف کی ممانعت نہیں ہے یہ اختلاف تو صحابہؓ میں بھی تھا اور بہت سے آنے والے علماء کے درمیان بھی ہوتا رہا ہے اس کا مقصد صرف حقیقت مسئلہ کا انکشاف اور حق تک رسائی ہوتا ہے اپنے حریف پر غالب آجانے کا جذبہ کارفرما نہیں ہوتا۔ (از مفسر رحمہ اللہ)

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔ رواہ البغوی بیہقی نے شعب الایمان میں اور طیالسی نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ ابو داؤد اور حاکم نے حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ④
سو تجھ کو دھوکا نہ دے یہ بات کہ وہ چلتے پھرتے ہیں شہروں میں ☆

منکرین کا انجام ☆ یعنی ایسے منکرین کا انجام تباہی اور ہلاکت ہے گو فی الحال وہ شہروں میں چلتے پھرتے اور کھاتے پیتے نظر آتے ہیں اس سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امہال واستدراج ہے کہ چندروز چل پھر کر دنیا کے مزے اڑائیں یا تجارتیں اور سازشیں کرلیں۔ پھر ایک روز غفلت کے نشہ میں پوری طرح مخمور ہو کر پکڑے جائیں گے۔ اگلی قوموں کا حال بھی یہ ہی ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّالْأَحْزَابُ
جھٹلا چکے ہیں اُن سے پہلے قوم نوح کی اور کتنے فرقے
مِنْ بَعْدِهِمْ ۖ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ
اُن سے پیچھے اور ارادہ کیا ہر اُمت نے
بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ ۖ وَجَادَلُوا بِالْبَاطِلِ
اپنے رسُول پر کہ اُس کو پکڑ لیں اور لانے لگے جھوٹے جھگڑے

لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ فَأَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ
کہ اُس سے ڈگادیں سچے دین کو پھر میں نے اُن کو پکڑ لیا، پھر کیسا
كَانَ عِقَابِ ⑤
ہوا میرا سزا دینا ☆

حق کے منکر کبھی کامیاب نہیں ہوئے

☆ یعنی ہر ایک امت کے شریروں نے اپنے پیغمبروں کو پکڑ کر قتل کرنے یا ستانے کا ارادہ کیا اور چاہا کہ جھوٹے ڈھکوسلے کھڑے کر کے سچے دین کو شکست دیں اور حق کی آواز کو ابھرنے نہ دیں لیکن ہم نے ان کا داؤ چلنے نہ دیا اور اسکے بجائے کہ وہ پیغمبروں کو پکڑتے ہم نے ان کو پکڑ کر سخت سزائیں دیں پھر دیکھ لو ہماری سزا کیسی ہوئی کہ ان کی بیخ و بنیاد باقی نہ چھوڑی۔ آج بھی ان تباہ شدہ قوموں کے کچھ آثار کہیں کہیں موجود ہیں۔ ان ہی کو دیکھ کر انسان ان کی تباہی کا تصور کر سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

طبرانی میں فرمان رسول ہے کہ جس نے باطل کی مدد کی تاکہ حق کو کمزور کرے اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بری الذمہ ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَكَذَٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ
اور اسی طرح ٹھیک ہو چکی بات تیرے رب کی منکروں پر
كَفَرُوا أَنَّهُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ⑥
کہ یہ ہیں دوزخ والے ☆

ان منکروں پر بھی عذاب آئے گا

یعنی جس طرح اگلی قوموں پر عذاب آنے کی بات پوری اتر چکی موجود الوقت منکروں پر بھی اتری ہوئی سمجھو اور جس طرح پیغمبروں کے اعلان کے موافق کافروں پر دنیوی عذاب آکر رہا تیرے رب کی یہ بات بھی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ آخرت میں ان لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہوگا (تنبیہ) بعض نے "اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ" کو "لِاَنَّهُمْ" کے معنی میں لے کر یہ مطلب بیان کیا ہے کہ گذشتہ منکروں کی طرح موجودہ منکروں پر بھی اللہ کی بات چکی ہے کیونکہ یہ بھی اصحاب النار میں سے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ
جو لوگ اُٹھا رہے ہیں عرش کو اور جو اُسکے گرد ہیں

يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ
پاکی بولتے ہیں اپنے رب کی خوبیاں اور اُس پر یقین رکھتے ہیں
وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
اور گناہ بخشواتے ہیں ایمان والوں کے ☆

مومنین کا شرف

☆ پہلی آیات میں مجرمین ومنکرین کا حال زبوں بیان ہوا تھا یہاں ان کے مقابل مومنین تائبین کا فضل وشرف بیان کرتے ہیں۔ یعنی عرش عظیم کو اٹھانے والے اور اسکے گرد طواف کرنے والے بے شمار فرشتے جن کی غذا صرف حق تعالیٰ کی تسبیح وتحمید اور مقربین بارگاہ ہونے کی وجہ سے اعلیٰ درجہ کا ایمان ویقین رکھتے ہیں وہ اپنے پروردگار کے آگے مومنین کے لئے استغفار کرتے ہیں سبحان اللہ اس عزت افزائی اور شرف واحترام کا کیا ٹھکانا ہے کہ فرش خاک پر رہنے والے مومنین سے جو خطائیں اور لغزشیں ہو گئیں ملائکہ کروبیین بارگاہ احدیت میں ان کے لئے غائبانہ معافی چاہیں اور جن کی شان میں وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ آیا ہے تو حق تعالیٰ کی طرف سے اس کام پر مامور ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

عرش کے حامل فرشتے: علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ حاملین عرش فرشتوں اور ان کے گرد ملائکہ کو کروبین کہا جاتا ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش کے حاملین چار فرشتے ہیں۔ ایسے فرشتے جن کی عظمت کا ہم تصور بھی نہیں کرسکتے اگر ایک ستارہ زمین کی سطح سے لاکھوں گنا زائد ہوسکتا ہے تو کیا تعجب ہے کہ فرشتوں کی عظمت ایسی ہو کہ وہ عرش خداوندی کے حامل بن جائیں۔ اس روایت سے حاملین عرش کا عدد چار معلوم ہوا لیکن قرآن کریم کی آیتہ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ بتاتی ہے کہ قیامت کے روز عرش کے اٹھانے والے فرشتے آٹھ ہوں گے تو بظاہر یومئذ کی قید اس پر دلالت کرتی ہے کہ قیامت کے روز ان کی تعداد چار سے بڑھ کر آٹھ ہوجائے گی۔

شہر بن حوشبؒ بیان کرتے ہیں ان آٹھ حاملین عرش میں سے چار کی تسبیح تو یہ ہوتی ہے۔ سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وبحمدکَ لک الحمد عَلیٰ حلمک بعد علمک اے اللہ تیری پاکی ہے حمد وثنا کے ساتھ اور تیرے ہی واسطے حمد ہے تیرے اس حلم پر جو تیرے علم کے بعد ہے۔ اور چار کی تسبیح اس طرح ہوتی ہے۔ سُبْحٰنَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ لک الحمد علیٰ عفوک بعد قدرتک یعنی تیری حمد وثنا ہے تیرے درگزر پر باوجود تیری قدرت کے۔ (معارف کاندھلوی)

من حولہٗ یعنی عرش کا طواف کرنے والے۔ حاملین عرش اور طوافین عرش تمام ملائکہ کے سردار ہیں انہیں کو کروبی کہا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حاملین عرش کے ٹخنوں سے زیر قدم (یعنی تلوے) تک پانچ سو سال کی مسافت (کے بقدر فاصلہ) ہے۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ ان کے قدم زمینوں کی انتہائی حد تک قائم ہیں اور آسمان ان کی کمر تک آتے ہیں۔ (یعنی ان کا نصف اعلیٰ آسمانوں سے پار ہے) اور وہ (ہر وقت) کہتے ہیں۔ سُبْحَانَ ذِی العِزَّةِ وَالْجَبَرُوْتِ سُبْحَانَ ذِی الْمُلْکِ وَالْمَلَکُوْتِ سُبْحَانَ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰئِکَةِ وَالرُّوْحِ۔ میسرہ بن عبدویہ نے کہا ان کے قدم سب سے نچلی زمین میں ہیں اور ان کے سر عرش کو پھاڑ رہے ہیں (یعنی عرش کے اوپر ہیں) اور سب خشوع کی حالت میں ہیں نگاہ اوپر نہیں اٹھاتے اور ساتویں آسمان والوں سے زیادہ (اللہ کی ہیبت و جلال سے) خوف زدہ ہیں اور ساتویں آسمان والے چھٹے آسمان والوں سے زیادہ ترساں ہیں اور چھٹے آسمان والے اپنے (نیچے) متصل آسمان والوں کے مقابلہ میں زیادہ خائف ہیں۔ مجاہد نے کہا ملائکہ اور عرش کے درمیان نور کے ستر پردے ہیں۔ محمد بن منکدر نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا مجھا اجازت دی گئی ہے کہ حاملین عرش میں سے (کسی) ایک فرشتہ کی (کچھ) حالت بیان کروں اس کے کان کی لو سے کاندھے تک سات سو برس کی راہ کے برابر فاصلہ ہے۔ رواہ ابوداؤد والضیاء بسند صحیح۔

حضرت جعفر بن محمد نے اپنے والد کے حوالہ سے دادا کا قول نقل کیا ہے کہ عرش کے پایوں میں سے ایک پائے کی دوسرے پائے سے مسافت اتنی ہے جتنی تیز اڑان والے پرندے کی تین ہزار برس کی راہ طیران عرش کے روزانہ ستر ہزار رنگ کے نور کے لباس پہنائے جاتے ہیں وہ نور ایسا ہے کہ کوئی مخلوق اس کی طرف نہیں دیکھ سکتی۔ اللہ نے تمام مخلوق کو عرش کے اندر ایسا پیدا کیا ہے جیسے بیابان میدان کے اندر کوئی چھلا پڑا ہو۔ مجاہد نے کہا ساتویں آسمان اور عرش کے درمیان ستر ہزار حجاب (ترتیب وار) ہیں ایک نور کا حجاب پھر تاریکی کا حجاب پھر نور کا حجاب پھر تاریکی کا حجاب۔ وہب بن منبہ نے کہا عرش کے گرد فرشتوں کی ستر ہزار قطاریں ہیں قطار در قطار۔ قطار کے پیچھے قطار۔ سب عرش کا طواف کر رہے ہیں۔ کبھی یہ سامنے آتے ہیں کبھی وہ آتے ہیں جب ایک دوسرے کے سامنے آتا ہے تو ایک لا الٰہ الّا اللہ کہتا ہے اور دوسرا ''اللہ اکبر'' کہتا ہے۔ ان سے پچھلی صف والوں کو جب اگلی صف والوں کی تہلیل وتکبیر کی آواز سنائی دیتی ہے تو وہ بلند آواز سے کہتے ہیں۔ سُبْحَانَکَ وَبِحَمْدِکَ مَا اَعْظَمَکَ وَاَجَلَّکَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ غَیْرُکَ اَنْتَ الْاَکْبَرُ الْخَلْقُ کُلُّهُمْ رَاجِعُوْنَ اِلَیْکَ ملٰئکہ صف بستہ کھڑے ہیں ان کے ہاتھ گردنوں کی طرف ہیں اور کاندھوں پر رکھے

ہوئے ہیں۔ان کی بھی ستر ہزار قطاریں ہیں ان سے پیچھے ملائکہ کی ایک لاکھ قطاریں ہیں جو دست بستہ ہیں بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھے ہوئے ہیں اور ہر ایک تسبیح وتحمید میں مشغول ہے ان میں سے ہر فرشتے کے دونوں بازوؤں کے درمیان تین سو برس کی راہ کے بقدر دوری ہے اور کان کی لو سے کاندھے تک چار سو برس کی مسافت کے برابر فاصلہ ہے جو ملائکہ عرش کے گرداگرد ہیں ان کے اور اللہ کے درمیان ستر حجاب آگ کے ستر حجاب تاریکی کے ستر حجاب نور کے ستر حجاب سفید موتی کے ستر حجاب یاقوتِ سرخ کے ستر حجاب زمرد سبز کے ستر حجاب برف ہی کے ستر حجاب پانی کے اور ستر حجاب اولوں کے حائل ہیں اور کچھ ایسی چیزیں حائل ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا حاملین عرش اور حوالی عرش والوں کی صورتیں مختلف ہیں۔کسی کا چہرہ بیل کا کسی کا شیر کا کسی کا گدھ کا اور کسی کا آدمی کے جیسا ہے ہر ایک کے چار بازو ہیں دو پنکھ تو چہرے پر اس ڈر سے رکھے ہوئے ہیں کہ عرش کی طرف نگاہ نہ اٹھ جائے اور وہ بیہوش ہو جائے دو بازو نیچے کی طرف (عاجزی کی وجہ سے) گرائے ہوئے ہیں اور سواء تسبیح وتحمید تکبیر اور تمجید کے ان کا کوئی کلام نہیں۔(تفسیر مظہری)

عرش کی بناوٹ: بہت سے علماء کے نزدیک عرش رحمٰن ایک یاقوت سرخ سے بنا ہے جس کا قطر اتنا بڑا ہے کہ وہ پچاس ہزار سال کی مسافت ہے۔اسی طرح اُس کا ارتفاع ساتویں زمین سے پچاس ہزار سال کی مسافت تک ہے۔(معارف مفتی اعظم)

وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ یعنی وہ دل سے مانتے ہیں کہ اللہ ہمیشہ سے موجود ہے اور ہمیشہ رہے گا تمام چیزوں کا خالق ہے ایک ہے بے نیاز ہے نہ کسی کا باپ ہے نہ بیٹا اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

فرشتوں کی فضیلت: اللہ نے ملائکہ کی فضیلت اور عظمت کے اظہار کے لئے ان کے مومن ہونے کی صراحت کی اور اس طرف اشارہ کیا کہ بندگی عاجزی اور ایمان بالغیب کے لحاظ سے فرشتے بھی دوسری مخلوق کی طرح ہیں وہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ کی کوئی اولاد نہیں اس لئے کافروں کا یہ عقیدہ صحیح نہیں کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اس سے فرقہ مجسمہ کے قول کی بھی تردید ہوگئی جو اللہ کا جسم قرار دیتے ہیں۔(تفسیر مظہری)

غائبانہ دعاء: صحیح مسلم شریف میں ہے کہ جب مسلمان اپنے بھائی مسلمان کے لئے اس کی غیر حاضری میں دعا کرتا ہے تو فرشتہ اس کی دعا پر آمین کہتا ہے اور اس کے لئے دعا کرتا ہے کہ خدا تجھے بھی یہی دے جو تو اس مسلمان کے لئے خدا سے مانگ رہا ہے۔

امیہ بن ابی الصلت کے اشعار: مسند احمد میں ہے کہ امیہ بن ابی الصلت کے بعض اشعار کی رسول اللہ نے تصدیق کی جیسے یہ شعر ہے ؎

زُحَلٌ وَثَوْرٌ تَحْتَ رِجْلِ يَمِيْنِهٖ　　وَالنَّسْرُ لِلْاُخْرٰى وَلَيْثٌ مُرْصَدُ

یعنی حاملانِ عرش چار فرشتے ہیں دو ایک طرف دو دوسری طرف۔آپ نے فرمایا سچ ہے۔پھر اس نے کہا

وَالشَّمْسُ تَطْلُعُ كُلَّ اٰخِرِ لَيْلَةٍ　　حَمْرَآءَ يُصْبِحُ لَوْنُهَا يَتَوَرَّدُ

تَاْبٰى فَمَا تَطْلُعُ لَنَا فِيْ رِسْلِهَا　　اِلَّا مُعَذَّبَةً وَّاِلَّا تُجْلَدُ

یعنی سورج سرخ رنگ طلوع ہوتا ہے پھر گلابی ہو جاتا ہے اپنی ہیئت میں کبھی صاف ظاہر نہیں ہوتا بلکہ روکھا پھیکا ہی رہتا ہے۔آپ نے فرمایا سچ ہے۔اس کی سند بہت پختہ ہے۔اور اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت حاملانِ عرش چار فرشتے ہیں ہاں قیامت کے دن عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائیں گے جیسے قرآن مجید میں ہے وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ۔

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا
اے پروردگار ہمارے ہر چیز سمائی ہوئی ہے تیری بخشش اور خبر میں
فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ
سو معاف کر اُن کو جو توبہ کریں اور چلیں تیری راہ پر
وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۷﴾
اور بچا اُنکو آگ کے عذاب سے☆

رحمت وبخشش☆ یہ فرشتوں کے استغفار کی صورت بتلائی یعنی بارگاہ احدیت میں یوں عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار آپ کا علم اور رحمت ہر چیز کو محیط ہے۔پس جو کوئی تیرے علم محیط میں برائیوں کو چھوڑ کر سچے دل سے تیری طرف رجوع ہو اور تیرے راستہ پر چلنے کی کوشش کرتا ہو اگر اس سے بمقتضائے بشریت کچھ کمزوریاں اور خطائیں سرزد ہو جائیں۔آپ اپنے فضل ورحمت سے اس کو معاف فرمادیں، نہ دنیا میں ان پر داروگیر ہو اور نہ دوزخ کا منہ دیکھنا پڑے، باقی جو مسلمان توبہ وانابت کی راہ اختیار نہ کرے اس کا یہاں ذکر نہیں آیت ہذا اس کی طرف سے ساکت ہے۔بظاہر حاملین عرش ان کے حق میں دعا نہیں کرتے اللہ کا ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ یہ دوسری نصوص سے طے کرنا چاہئے۔(تفسیر عثمانی)

رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ
اے رب ہمارے اور داخل کر اُنکو سدا بسنے کے باغوں میں جن کا
وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ
وعدہ کیا تو نے ان سے اور جو کوئی نیک ہو اُنکے باپوں میں

وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ

اور عورتوں میں اور اولاد میں بیشک تو ہی ہے

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۙ﴿۸﴾

زبردست حکمت والا☆

عزیز واقارب کی وجہ سے نجات

☆یعنی اگرچہ بہشت ہر کسی کو اپنے عمل سے ملتی ہے (جیسا کہ یہاں بھی ومن صلح کی قید سے ظاہر ہے) بدون اپنے ایمان وصلاح کے بیوی، بیٹا اور ماں باپ کام نہیں آتے لیکن تیری حکمتیں ایسی بھی ہیں کہ ایک کے سبب سے کتنوں کو ان کے عمل سے زیادہ اعلیٰ درجہ پر پہنچا دے۔ کما قال تعالیٰ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ (طور۔ رکوع ۱) اور گہری نظر سے دیکھا جائے تو حقیقت میں وہ بھی ان ہی کے کسی عمل قلبی کا بدلہ ہو مثلاً وہ آرزو رکھتے ہوں کہ ہم بھی اسی مرد صالح کی چال چلیں۔ یہ نیت اور نیکی کی حرص اللہ کے ہاں مقبول ہو جائے یا اس مرد صالح کے اکرام ومدارات ہی کی ایک صورت یہ ہو کہ اسکے ماں باپ اور بیوی بچے بھی اسکے درجہ میں رکھے جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

عزیز واقارب کی وجہ سے نجات

امام بغویؒ نے سعید بن جبیرؓ سے ایک روایت تخریج کی ہے بیان کرتے ہیں جس وقت ان مومنین کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا جو اعزاز واکرام سے اپنے باغات ومحلات میں پہنچا دیئے جائیں گے تو ان مومنین میں سے بعض کہیں گے کہاں ہے میرا باپ' کہاں ہے میری ماں' کہاں ہے میرا بیٹا' کہاں ہے میری بیوی یا میرا خاوند تو جواب دیا جائے گا۔ ان کا عمل تو تیرے عمل جیسا نہیں ہے یعنی وہ اپنے اعمال کے لحاظ سے اس رتبہ کے نہیں ہیں تو یہ مومن کہے گا اے پروردگار میں جو عمل کرتا تھا وہ اپنے واسطے اور ان کے واسطے بھی کیا کرتا تھا۔ اس پر اعلان ہوگا کہ اچھا ان لوگوں کو بھی اسی مومن کے ساتھ لاحق کر دو۔ اس مضمون کو بیان کر کے سعید بن جبیرؓ یہ آیت تلاوت فرمایا کرتے۔ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ الخ یہی وہ مضمون ہے جو آیت مبارکہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ میں ذکر فرمایا گیا۔ (معارف کاندھلوی)

وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ؕ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ

اور بچا اُن کو بُرائیوں سے اور جس کو تو بچائے برائیوں سے

يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ

اُس دن اُس پر مہربانی کی تو نے اور یہ جو ہے یہی ہے بڑی

الْعَظِيْمُ ﴿۹﴾

مُراد پانی☆

برائی سے حفاظت اللہ کا فضل ہے

یعنی محشر میں ان کو کوئی برائی (مثلاً گھبراہٹ اور پریشانی وغیرہ) لاحق نہ ہو اور یہ عظیم الشان کامیابی صرف تیری خاص مہربانی ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ بعض مفسرین نے سیئات سے اعمال سیئہ مراد لئے ہیں یعنی آگے کو انہیں برے کاموں سے محفوظ فرما دے اور ان کی خوایسی کر دے کہ برائی کی طرف نہ جائیں۔ ظاہر ہے کہ جو آج یہاں برائی سے بچ گیا اس پر تیرا فضل ہو گیا۔ وہ ہی آخرت میں اعلیٰ کامیابی حاصل کرے گا۔ اس تفسیر پر يَوْمَئِذٍ کا ترجمہ بجائے ''اُس دن'' کے ''اس دن'' ہونا چاہئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''یعنی تیری مہر ہی ہو کہ برائیوں سے بچے۔ اپنے عمل سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ تھوڑی بہت برائی سے کون خالی ہے۔'' یہ الفاظ دونوں تفسیروں پر چسپاں ہو سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ

جو لوگ منکر ہیں انکو پکار کر کہیں گے اللہ بیزار

اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ

ہوتا تھا زیادہ اس سے جو تم بیزار ہوئے ہو اپنے جی سے جس وقت

تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰﴾

تم کو بلاتے تھے یقین لانے کو پھر تم منکر ہوتے تھے☆

کفر کی سزا☆ یہ قیامت کے دن کہیں گے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''یعنی آج تم اپنے (نفس سے بیزار ہو اور) اپنے جی کو پھٹکارتے ہو دنیا میں جب کفر کرتے تھے (اسوقت) اللہ اس سے زیادہ تم کو پھٹکارتا تھا (اور تمہاری حرکات سے بیزار تھا) اسی کا بدلہ آج پاؤ گے اور بعض مفسرین نے ''مقتین'' کا زمانہ ایک مراد لے کر یوں معنیٰ کئے ہیں کہ تم کو دنیا میں بار بار ایمان کی

طرف بلایا جاتا تھا اور تم بار بار کفر کرتے تھے۔ آج اس کی سزا بھگتنے کے وقت جس قدر تم اپنی جانوں سے بیزار ہو رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ تم سے بیزار ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا
بولیں گے اے رب ہمارے تو موت دے چکا ہم کو دوبارہ اور زندگی دے چکا
اثْنَتَيْنِ
دوبار☆

دو موتیں دو حیاتیں:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ پہلے مٹی تھے یا نطفہ تو مردے ہی تھے پھر جان پڑی تو زندہ ہوئے پھر مرے پھر زندہ کر کے اٹھائے گئے۔ یہ ہیں دو موتیں اور دو حیاتیں۔ کما قال تعالیٰ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (بقرہ۔ رکوع ۳) وقیل غیر ذلک والاظہر ہو ہذا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا
اب ہم قائل ہوئے اپنے گناہوں کے☆

اعتراف جرم ☆ یعنی انکار کیا کرتے تھے کہ مرنے کے بعد پھر جینا نہیں نہ حساب کتاب ہے نہ کوئی اور قصہ اسی لئے گناہوں اور شرارتوں پر جری ہوتے تھے۔ اب دیکھ لیا کہ جس طرح پہلی موت کے بعد آپ نے ہم کو زندہ کیا اور عدم سے نکال کر وجود عطا فرمایا دوسری موت کے بعد بھی پیغمبروں کے ارشاد کے موافق دوبارہ زندگی بخشی۔ آج بعث بعد الموت کے وہ سب مناظر جن کا ہم انکار کیا کرتے تھے سامنے ہیں اور بجز اس کے چارہ نہیں کہ ہم اپنی غلطیوں اور خطاؤں کا اعتراف کریں۔ (تفسیر عثمانی)

منکرین کا اقرار: فَاعْتَرَفْنَا۔ اس میں ف سببی ہے۔ جب وہ دوسری موت کے بعد دوسری زندگی کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو اپنے گناہ اور خطا کا اقرار کر لیں گے اس طرح دونوں موتوں اور دونوں زندگیوں کا مجموعہ اعتراف کا سبب ہو جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ
پھر اب بھی ہے نکلنے کو کوئی راہ ☆

حسرت ☆ یعنی افسوس اب تو بظاہر یہاں سے چھوٹ کر نکل بھاگنے کی کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ ہاں آپ قادر ہیں کہ جہاں دو مرتبہ موت و حیات دے چکے ہیں، تیسری مرتبہ ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس بھیج دیں تاکہ اس مرتبہ وہاں سے ہم خوب نیکیاں سمیٹ کر لائیں۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں کی حسرت: خُرُوْجٍ۔ یعنی ایک بار نکلنے یا کسی طرح نکلنے کی کوئی راہ ہے کہ ہم اس پر چلیں اور تیز یا آہستہ رفتار سے چل کر دنیا میں لوٹ جائیں۔ یہ سوال بمعنی تمنا ہو گا یعنی کاش ایسا ہو جاتا۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ
یہ تم پر اس واسطے ہے کہ جب کسی نے پکارا اللہ کو اکیلا تو تم منکر ہوتے
وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ
اور جب اُسکے ساتھ پکارتے شریک کو تو تم یقین لے آتے اب حکم وہی جو کرے اللہ
الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ
سب سے اُوپر بڑا☆

یعنی بے شک اب دنیا کی طرف واپس کئے جانے کی کوئی صورت نہیں اب تو تم کو اپنے اعمال سابقہ کا خمیازہ بھگتنا ہے۔ تمہارے متعلق ہلاکت ابدی کا یہ فیصلہ اس لئے ہوا ہے کہ تم نے اکیلے سچے خدا کی پکار پر کبھی کان نہ دھرا ہمیشہ اس کا یا اس کی وحدانیت کا انکار ہی کرتے رہے۔ ہاں کسی جھوٹے خدا کی طرف بلائے گئے تو فوراً امنا و صدقنا کہہ کر اسکے پیچھے ہو لئے۔ اس سے تمہاری خوا ورطبیعت کی افتاد کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ اگر ہزار مرتبہ بھی واپس کیا جائے پھر وہ ہی کفر و شرک کما کر لاؤ گے۔ بس آج تمہارے جرم کی ٹھیک سزا یہی جس دوام ہے جو اس بڑے زبردست خدا کی عدالت عالیہ سے جاری کی گئی جس کا کہیں آگے مرافعہ (اپیل) نہیں۔ اس سے چھوٹنے کی تمنا عبث ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ یعنی جب لا الہ الا اللہ کہا جاتا تھا تو تم نہیں مانتے تھے اور کہتے تھے اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا کیا اس نے سب معبودوں کو ایک معبود بنا دیا۔

تُؤْمِنُوْا یعنی شرک کو مانتے تھے۔

فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ یعنی آج یہ حکم صرف اللہ کا ہے جو تنہا مستحق عبادت ہے اور شرک سے پاک ہے اسی نے تمہارے کفر کی وجہ سے تم کو دوامی شدید عذاب میں ماخوذ کیا ہے اگر تمہارا اور کوئی معبود اللہ کا شریک ہوتا تو آج تم کو اس عذاب سے بچا لیتا اور تم کو آگ سے نکلنے کا موقع مل جاتا ہے۔

الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ۔ یعنی اللہ عالی شان ہے اور ہر شرک سے بالا ہے کسی کو اس کے برابر نہیں قرار دیا جا سکتا۔ (تفسیر مظہری)

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُنَزِّلُ لَكُمْ
وہی ہے تم کو دکھلاتا اپنی نشانیاں اور اُتارتا ہے تمہارے
مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَ مَا یَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ
واسطے آسمان سے روزی اور سوچ وہی کرے
یُّنِیْبُ ﴿۱۳﴾
جو رجوع رہتا ہو ☆

عظمت ووحدانیت کی نشانی

☆ یعنی اس کی عظمت ووحدانیت کی نشانیاں ہر چیز میں ظاہر ہیں۔ایک اپنی روزی ہی کے مسئلہ کو آدمی سمجھ لے جس کا سامان آسمان سے ہوتا رہتا ہے تو سب کچھ سمجھ میں آ جائے لیکن جب ادھر رجوع ہی نہ ہو اور غور وفکر سے کام ہی نہ لے تو کیا خاک سمجھ حاصل ہو سکتی ہے۔(تفسیر عثانی)

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَ لَوْ
سو پکارو اللہ کو خالص کر کر اُسے واسطے بندگی اور پڑے
كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾
بُرا مانیں منکر ☆

کافروں کی پرواہ نہ کرو

یعنی بندوں کو چاہئے کہ سمجھ سے کام لیں اور ایک خدا کی طرف رجوع ہو کر اسی کو پکاریں اس کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کریں بے شک مخلص بندوں کے اس مؤحدانہ طرز عمل سے کافر و مشرک ناک بھوں چڑھائیں گے کہ سارے دیوتا اڑا کر صرف ایک ہی خدا رہنے دیا گیا مگر پکا مؤحد وہی ہے جو مشرکین کے مجمع میں توحید کا نعرہ بلند کرے اور ان کے برا ماننے کی اصلاً پرواہ نہ کرے۔(تفسیر عثانی)

فرض نماز کے بعد کی دعاء

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہر فرض نماز کے سلام کے بعد یہ پڑھتے تھے۔لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِیَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَآءُ الْحَسَنُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر نماز کے بعد انہیں پڑھا کرتے تھے۔

(مسند احمد) یہ حدیث مسلم ابوداؤد وغیرہ میں بھی ہے۔(تفسیر ابن کثیر)

رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ یُلْقِی
وہی ہے اُونچے درجوں والا مالک عرش کا اتارتا ہے
الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ
بھید کی بات اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے
عِبَادِهٖ
بندوں میں ☆

☆ ''بھید کی بات'' سے وحی مراد ہے جو اول انبیاء علیہم السلام پر اترتی ہے اور ان کے ذریعہ سے دوسرے بندوں کو پہنچ جاتی ہے چنانچہ قیامت تک اسی طرح پہنچتی رہے گی۔ (تفسیر عثانی)

ہر ضرورت کا کفیل اللہ تعالیٰ ہی ہے

مخلوق کی احتیاج مادی اور احتیاج روحانی ہر قسم کی احتیاج اسی کی بارگاہ عنایت سے پوری ہوتی ہے۔رزق کے ذریعہ مادی احتیاج پوری فرماتا ہے اور وحی نازل فرما کر روحانی احتیاج کو پورا فرماتا ہے تو اس پہلو کے لحاظ سے یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ فرما کر نظام تشریع اور وحی الٰہی کو بیان فرما دیا گیا کہ جس طرح اللہ رب العزت رزق پیدا فرما کر مخلوق کو عام مادی حاجتیں پوری فرماتا ہے اسی طرح وحی نازل فرما کر بندوں کی روحانی حاجتیں بھی پوری کی جاتی ہیں۔تو اس ذاتِ خداوندی کا ایسی بلند و بالا صفات سے متصف ہونا اور شانِ صمدیت (بے نیازی) اور اس امر کا کہ کل کائنات اس کی محتاج ہے۔مادی احتیاج کے لحاظ سے بھی اور روحانی احتیاج کے لحاظ سے بھی غرض یہ سلسلہ اموراس کے مقتضی ہیں وہ یکتا ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

روح سے مراد: روح سے مراد وحی الٰہی ہے جیسے آیت مبارکہ وَكَذٰلِكَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا میں وحی کو روح کے عنوان سے تعبیر کیا گیا روح سے مراد بعض نے جبریل امین لیا ہے کیونکہ وہ روح القدس ہیں چنانچہ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِكَ باذن الله میں حضرت جبرائیل امین کا بھی اترنا بیان کیا گیا۔(معارف کاندھلوی)

رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ کا معنی: درجات سے مراد بعض حضرات نے صفات قرار دیا ہے جس سے رفیع الدرجات کے معنی ہوئے۔رفیع الصفات یعنی اس کے صفات کمال سب سے زیادہ رفیع الشان ہیں۔ابن کثیر نے اسکو

اپنے ظاہر پر رکھ کر یہ معنی بیان کئے کہ اس سے مراد رفعت عرش عظیم کا بیان ہے کہ وہ تمام زمینوں اور آسمان پر حاوی اور سب بمنزلہ چھت کے بلند ہے۔

اور بعض حضرات مفسرین نے کہا رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ بمعنی رافع الدرجات ہے یعنی اللہ تعالیٰ مومنین متقین کے درجات کو بلند فرمانے والا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ یعنی اس کے درجات کمال بہت بلند ہیں کسی کا کمال اس کے کمال کے سامنے نمودار نہیں ہو سکتا۔ بعض اہل تفسیر نے اس فقرہ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ وہ اپنے انبیاء اور اولیاء کے درجات قرب جنت کے اندر اونچا کرنے والا ہے سب کے درجات ترتیب کے ساتھ ہوں گے کوئی بہت اونچا کوئی اس کے قریب ذُو الْعَرْشِ یعنی عرش کا خالق اور مالک ہے۔ (تفسیر مظہری)

لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾
تا کہ وہ ڈرائے ملاقات کے دن سے ☆

یعنی جس دن تمام اولین و آخرین ملکر اللہ تعالیٰ کی پیشی میں حاضر ہوں گے اور ہر ایک شخص اپنے اچھے یا برے عمل سے ملاقات کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

ملاقات کا دن: حاکم ابن جریر ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا نے کتاب الاہوال میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا حضرت ابن عباسؓ نے آیت يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ پڑھی پھر فرمایا قیامت کے دن ایک میدان میں اللہ (ساری) مخلوق کو جمع کرے گا۔ جن انسان چوپائے پرندے سب جمع ہوں گے پھر نچلا آسمان شق ہو جائے گا اور اس کے باشندے نیچے اتریں گے اور ان کی تعداد جن و انس سے زائد ہوگی اس طویل حدیث میں ساتوں آسمانوں کا شگافتہ ہونا اور ترتیب وار ہر آسمان کی مخلوق کا یکے بعد دیگرے نازل ہونا اور (پھر) اللہ کا جلوہ افروز ہونا بیان کیا اللہ کا جلوہ فرما ہونا متشابہات میں سے ہے (جس کی کیفیت نا قابل فہم اور خارج از بیان ہے) ہم نے اس کی تشریح سورۂ فرقان کی آیت يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ اور سورۂ بقرہ کی آیت اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ۔ کی تفسیر میں کر دی گئی ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ
جس دن وہ لوگ نکل کھڑے ہونگے ☆

☆ یعنی قبروں سے نکل کر ایک کھلے کف دست میدان میں حاضر ہوں گے جہاں کوئی آڑ پہاڑ حائل نہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ
چھپی نہ رہے گی اللہ پر اُن کی کوئی چیز ☆

یعنی خوب سمجھ لو کہ اس حاکم اعلیٰ کے دربار میں حاضر ہونا ہے جس پر تمہاری کوئی حالت پوشیدہ نہیں۔ سب ظاہر و باطن احوال کھول کر رکھ دیئے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾
کس کا راج ہے اُس دن اللہ کا ہے جو اکیلا ہے دباؤ والا ☆
اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۭ
آج بدلہ ملے گا ہر جی کو جیسا اس نے کمایا
لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾
بالکل ظلم نہیں آج بیشک اللہ جلد لینے والا ہے حساب

یعنی اس دن تمام وسائط و حجب اٹھ جائیں گے ظاہری اور مجازی رنگ میں بھی کسی کی بادشاہت نہ رہے گی۔ اسی اکیلے شہنشاہ مطلق کا راج ہوگا جس کے آگے ہر ایک طاقت دبی ہوئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

منادی کی پکار: ابن ابوداؤد نے البعث میں حضرت ابوسعید کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک منادی کھلی ہوئی بلند آواز سے پکار کر کہے گا لوگو تم پر وہ گھڑی آ گئی اس ندا میں وہ آواز کو اتنا کھینچے گا کہ زندے مردے سب سن سکیں گے اور اللہ آسمان دنیا کی طرف نزول اجلال فرمائے گا پھر ایک منادی پکارے گا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔

بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے ایک مرفوع حدیث آیت وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ کے ذیل میں نقل کی ہے جس میں آیا ہے کہ تین ملائکہ (بیہوش ہونے اور مرنے سے) مستثنیٰ رہیں گے جبرئیل میکائیل اور ملک الموت پھر اللہ فرمائے گا (باوجودیکہ وہ خوب جانتا ہے پھر بھی پوچھے گا) موت کے فرشتے سے کون باقی رہا ملک الموت عرض کرے گا تیری ذات کریم اور تیرے بندے جبرائیلؑ اور میکائیلؑ اور ملک الموت۔ اللہ فرمائے گا میکائیلؑ کی جان قبض کر لے (ملک الموت میکائیل کی جان قبض کرے گا) پھر باوجود جاننے کے فرمائے گا ملک الموت اب کون باقی رہا۔ ملک الموت عرض کرے گا تیری ذات مبارک اور تیرا بندہ جبرئیل اور ملک الموت فرمان ہوگا جبرئیل کی جان بھی قبض کر لے (ملک الموت فوراً حکم کی تعمیل کرے گا) پھر اللہ باوجود جاننے کے پوچھے گا اب کون باقی رہا ملک الموت عرض کرے گا صرف تیری ذات مبارک اور موت کا فرشتہ اور وہ بھی مرنے والا ہے۔ حکم ہوگا مرجا (ملک الموت مر جائے گا) اس کے بعد اللہ ندا دے گا میں نے ہی شروع میں مخلوق کو پیدا کیا اور میں ہی دوبارہ پیدا کروں گا (آج) ظالم مغرور کہاں

ہیں پھر ندا دے گا لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ آج کس کی حکومت ہے جب کوئی جواب دینے والا نہ ہوگا تو خود ہی فرمائے گا لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ بس اللہ ہی کی حکومت ہے جو یکتا اور قہار ہے۔ اس کے بعد دوبارہ صور میں پھونک ماری جائے گی تو یکدم سب کھڑے ہو جائیں گے۔ (تفسیر مظہری)

سوال اور جواب: قرطبی نے بحوالہ نحاس ایک حدیث کے پیش کی ہے جو ابووائل نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے وہ یہ کہ تمام آدمی ایک صاف زمین پر جمع کئے جائیں گے جس پر کسی نے کوئی گناہ نہیں کیا ہوگا۔ اس وقت ایک منادی کو حکم ہوگا جو یہ نداء کرے گا لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ یعنی آج کے دن ملک کس کا ہے۔ اس پر تمام مخلوقات مؤمنین و کافرین یہ جواب دیں گے کہ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ مومن تو اپنے اعتقاد کے مطابق خوشی و تلذذ کی صورت میں کہیں گے اور کافر مجبور و عاجز ہونے کی بنا پر رنج و غم کے ساتھ اس کا اقرار کریں گے۔ (معارف مفتی اعظم)

جبار و متکبر کہاں ہیں: عبداللہ بن عمر کی حدیث میں یہ مضمون اس طرح ذکر فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو اپنے دست قدرت میں لپیٹ لے گا اور پھر فرمائے گا۔ این الجبارون این المتکبرون این الملوک کہ کہاں ہیں بادشاہ کہاں ہیں بڑے زور وطاقت والے۔ کہاں ہیں بڑے غرور ونخوت والے۔ ہر طرف سے سکون ہوگا۔ خود ہی ارشاد فرمائیں گے۔ انا الملک انا الجبار بس میں ہی ہوں بادشاہ میں ہی زور وطاقت والا میں ہی ہوں لڑائی والا۔ (معارف کاندھلوی)

اَلْیَوْمَ یعنی اس روز جب کہ مجازی حکومت بھی کسی کی نہ ہوگی اور ظاہری حکومت بھی اللہ ہی کی ہوگی۔ لاظلم الیوم اس روز کسی کی حق تلفی نہ ہوگی یعنی نہ کسی کے ثواب میں کمی کی جائے گی نہ عذاب میں زیادتی جیسا اللہ نے عدہ کیا ہے اس کے مطابق بدلہ دیا جائے گا کیونکہ اس وقت حکومت صرف اللہ کی ہوگی اور اللہ کی حکومت میں ظلم کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ظلم کا تصور تو وہاں کیا جا سکتا ہے جو مالک کی اذن کے بغیر اس کی مملوک میں کیا جائے اللہ تو سب کا مالک ہے جو تصرف کرتا ہے اپنی ملک میں کرتا ہے۔

آدھے دن میں سب کا حساب:

اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ۔ بیشک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

یعنی اس کی مشیت یہ ہے کہ سب لوگوں کا حساب اس دنیا کے نصف یوم کی برابر مدت میں کر دیگا اگرچہ وہ ایک آن میں بھی سب کا حساب کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کو کسی عمل میں ایسی مشغولیت ہی نہیں ہوتی جو دوسرا کام کرنے میں رکاوٹ پیدا کرے۔

وَاَنْذِرْھُمْ یَوْمَ الْاٰزِفَۃِ اِذِ الْقُلُوْبُ
اور خبر سنادے اُنکو اُس نزدیک آنے والے دن کی جس وقت دل

لَدَی الْحَنَاجِرِ کٰظِمِیْنَ ۵ؕ
پہنچیں گے گلوں کو تو وہ دبا رہے ہونگے ☆

قیامت کی دہشت

☆ یعنی خوف اور گھبراہٹ سے دل دھڑک کر گلوں تک پہنچ رہے ہوں گے اور لوگ دونوں ہاتھوں سے ان کو پکڑ کر دبائیں گے کہ کہیں سانس کے ساتھ باہر نہ نکل پڑیں۔ (تفسیر عثمانی)

لدی الحناجر یعنی دل اپنی جگہ چھوڑ دینگے اور اچھل کر گلے میں آ پھنسیں گے نہ نیچے اتریں گے کہ چین آ جائے نہ باہر ہی نکل پائیں گے کہ موت ہی آ جائے۔

کظمین بے چین خوف و غم سے بھرے ہوئے کظم کا معنی ہے غصہ خوف اور غم کی دل میں آمد ورفت جو قابل برداشت نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ
کوئی نہیں گنہگاروں کا دوست اور نہ سفارشی کہ
یُّطَاعُ ؕ ۱۸
جسکی بات مانی جائے ☆

سفارش ☆ یعنی ایسا کوئی سفارشی نہیں ہوگا جس کی بات ضرور ہی مانی جائے سفارش وہ ہی کر سکے گا جس کو اجازت ہو اور اسی کے حق میں کرے گا جس کے لئے پسند ہو۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی کوئی سفارشی ہی نہیں ہوگا۔ اس صورت میں صفت (یعنی یطاع) کا کوئی مفہوم نہیں ہے یا یہ کہا جائے کہ یطاع کا لفظ کافروں کے مسلمہ کی بنا پر ذکر کیا گیا ہے۔ بت پرستوں کا خیال تھا کہ ہمارے معبود ہماری سفارش کریں گے اس صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ بالفرض اگر کافروں کا کوئی سفارشی ہوگا بھی تو اس کی سفارش قبول نہیں کی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

یَعْلَمُ خَآئِنَۃَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی
وہ جانتا ہے چوری کی نگاہ اور جو کچھ چھپا ہوا ہے
الصُّدُوْرُ ۱۹ وَاللّٰہُ یَقْضِیْ بِالْحَقِّ ؕ
سینوں میں اور اللہ فیصلہ کرتا ہے انصاف سے ☆

آنکھ کی خیانت ☆ یعنی مخلوق سے نظر بچا کر چوری چھپے سے کسی پر نگاہ ڈالی یا کن انکھیوں سے دیکھا یا دل میں کچھ نیت کی یا کسی بات کا ارادہ یا خیال آیا۔

ان میں سے ہر چیز کو اللہ جانتا ہے اور فیصلہ انصاف سے کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا
اور جن کو پکارتے ہیں اُس کے سوائے نہیں
يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ
فیصلہ کرتے کچھ بھی بیشک اللہ جو ہے
السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۲۰﴾
وہی ہے سُننے والا دیکھنے والا ☆

فیصلہ کا اختیار ☆ یعنی فیصلہ کرنا اسی کا کام ہوسکتا ہے جو سننے اور جاننے والا ہو۔ بھلا یہ پتھر کی بے جان مورتیں جنہیں تم خدا کہہ کر پکارتے ہو کیا خاک فیصلہ کریں گی پھر جو فیصلہ بھی نہ کر سکے وہ خدا کس طرح ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ کیونکہ اللہ ہی بلا شبہ سب کچھ سننے والا (اور) سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ اس جملہ سے خیانت نگاہ کے علم اور قضا بالحق کی تائید ہو رہی ہے اور کافروں کے لئے ان کے قول و فعل پر عذاب کی (در پردہ) وعید بھی ہے اور جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں ان پر تعریض بھی ہے کہ وہ ایسی چیزوں کو پکارتے ہیں جو نہ دیکھتی ہیں نہ سنتی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا
کیا وہ پھرے نہیں ملک میں کہ دیکھتے
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ
انجام کیسا ہوا اُن کا جو تھے اُن سے
قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً
پہلے وہ تھے اُن سے سخت زور میں
وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ
اور نشانیوں میں جو چھوڑ گئے زمین میں ☆

☆ یعنی بڑے مضبوط قلعے عالی شان عمارتیں اور مختلف قسم کی یادگاریں۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا كَانَ لَهُمْ
پھر اُن کو پکڑا اللہ نے اُنکے گناہوں پر اور نہ ہوا اُن کو

مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾
اللہ سے کوئی بچانے والا ☆

یعنی جب دنیا کے عذاب سے کوئی نہ بچا سکا آخرت میں کون بچائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ
یہ اس لئے کہ ان کے پاس آتے تھے اُن کے رسول
بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ
کھلی نشانیاں لے کر پھر منکر ہو گئے تو اُن کو پکڑا اللہ نے
اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾
بیشک وہ زور آور ہے سخت عذاب دینے والا ☆

اللہ کا پیغمبر غالب ہوگا

یعنی تم بھی ان کی طرح رسول کی تکذیب کر کے فلاح نہیں پاسکتے آخر رسوا اور ہلاک ہوگے اور خداوند قدوس اپنے زور و قوت سے پیغمبر کو غالب و منصور فرمائے گا۔ اسی مناسبت سے آگے موسیٰ اور فرعون کا قصہ بیان کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ
اور ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانیاں دیکر اور کھلی
مُّبِيْنٍ ﴿۲۳﴾
سند ☆

معجزات موسوی ☆ ''نشانیوں'' سے معجزات اور ''کھلی سند'' سے شاید ان میں کے مخصوص و ممتاز معجزات مراد ہوں یا ''کھلی سند'' معجزات کے سوا دوسری قسم کے دلائل و براہین کو فرمایا یا ''آیات'' سے تعلیمات و احکام اور ''سلطان مبین'' سے معجزات مراد لئے جائیں یا ''سلطان مبین'' اس قوت قدسیہ اور مخصوص تائید ربانی کا نام ہو جس کے آثار پیغمبروں میں ہر دیکھنے والے کو نمایاں طور پر نظر آیا کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ
فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس ☆

فرعون و قارون ☆ ہامان وزیر تھا فرعون کا اور قارون بنی اسرائیل میں سب سے بڑا مالدار اور تاجر تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے خلاف فرعون کی مرضی پر چلتا تھا۔ پہلے اسکا قصہ گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾

پھر کہنے لگے یہ جادوگر ہے جھوٹا ☆

☆ یعنی جادوگر ہے معجزات دکھانے میں اور جھوٹا ہے دعوئے رسالت میں۔ یہ بعض نے کہا ہوگا اور دوسروں نے اسکی تصدیق کی ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا

پھر جب پہنچا اُنکے پاس لیکر سچی بات ہمارے پاس سے

قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

بولے مار ڈالو بیٹے اُن کے جو یقین لائے ہیں اُسکے ساتھ

وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ

اور جیتی رکھو اُن کی عورتیں ☆

فرعون کی دہشت گردی

☆ یہ حکم اب دوسری مرتبہ موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد دیا تاکہ بنی اسرائیل کی تذلیل و توہین کریں، ان کی تعداد گھٹائیں اور ان کے دلوں میں یہ خیال جما دیں کہ یہ سب مصیبت ان پر موسیٰ علیہ السلام کی بدولت آئی ہے۔ یہ خیال کرکے لوگ ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے اور دہشت انگیزی کی پالیسی کامیاب ہوجائے گی۔ آگے پتہ نہیں اس حکم پر عمل ہوا یا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾

اور جو داؤ ہے منکروں کا سو غلطی میں ☆

منکرین کے منصوبے: یعنی ایسے داؤ پیچ اور تدبیروں سے کیا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کی مدد فرما کر منکرین کے سب منصوبے غلط کردیتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ

اور بولا فرعون مجھ کو چھوڑو کہ مار ڈالوں

مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ

موسیٰ کو اور پڑا پکارے اپنے رب کو ☆

فرعون کی چالبازی

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں فرعون نے کہا کہ مجھ کو چھوڑو شاید اس کے ارکان سلطنت مار ڈالنے کا مشورہ نہ دیتے ہوں گے کیونکہ معجزہ دیکھ کر ڈر گئے تھے کہیں اس کا رب بدلہ نہ لے۔ فرعون خود بھی دل میں ڈرا ہوا اور سہما ہوا تھا لیکن لوگوں پر اپنی قوت و شجاعت کا اظہار کرنے کے لیے انتہا درجہ کی شقاوت اور بے حیائی سے ایسا کہہ رہا تھا تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کو قتل سے کوئی چیز مانع نہیں اور اسکے ارادہ کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

بیضاوی نے لکھا ہے اس کلام سے مترشح ہو رہا ہے کہ فرعون کو موسیٰ کی نبوت کا یقین تھا اس لئے موسیٰ کو قتل کرنے سے ڈرتا تھا۔ یا اسکو یہ خیال تھا کہ موسیٰ کو قتل کرنا اس کے لئے آسان نہیں اگر اس نے ایسا ارادہ کیا تو کامیابی نہ ہوگی اس بات کی تائید وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ کے الفاظ سے ہو رہی ہے فرعون نے اس فقرہ میں اپنی جرأت کا اظہار کیا اور یہ بات بتائی کہ مجھے پرواہ نہیں موسیٰ اپنے رب کو پکارے اور وہ اس کی مدد کو آجائے۔ فرعون نے جو اہل دربار سے کہا ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى یہ محض اس کا فریب اور ملمع کاری تھی وہ دکھانا چاہتا تھا کہ اس کے ساتھی اور اس کی قوم والے اس کو موسیٰ کے قتل سے روک رہے ہیں حالانکہ موسیٰ کو قتل کر دینے کے حکم سے جو امر مانع تھا وہ موسیٰ کی لاٹھی کا ڈر تھا جو فرعون کے دل میں بیٹھ گیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ

میں ڈرتا ہوں کہ بگاڑ دے تمہارا دین یا

يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾

پھیلائے ملک میں خرابی ☆

خوف اقتدار ☆ یعنی اسے زندہ چھوڑ دیا گیا تو دینی اور دنیوی دونوں طرح کے نقصان کا اندیشہ ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اپنے وعظ و تلقین سے تمہارے مذہبی طور و طریق کو جو پہلے سے چلا آتا ہے بگاڑ ڈالے یا سازش وغیرہ کا جال پھیلا کر ملک میں بدامنی پھیلا دے۔ جس کا انجام یہ ہو کہ تمہاری (یعنی قبطیوں) کی حکومت کا خاتمہ ہوکر ملک بنی اسرائیل کے ہاتھ میں چلا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ

اور کہا موسیٰ نے میں پناہ لے چکا ہوں اپنے

وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ

اور تمہارے رب کی ہر غرور والے سے ☆

حضرت موسیٰ کا عزم

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب ان کے مشوروں کی خبر پہنچی تو اپنی قوم سے فرمایا کہ مجھے ان دھمکیوں کی مطلق پرواہ نہیں فرعون اکیلا تو کیا ساری دنیا کے متکبرین و جبارین جمع ہو جائیں تب بھی میرا اور تمہارا پروردگار ان کے شر سے بچانے کیلئے کافی ہے۔ میں اپنے کو تنہا اسی کی پناہ میں دے چکا ہوں وہ ہی میرا حامی و مددگار ہے کما قال تعالیٰ لَا تَخَافَا إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَىٰ (طٰہٰ۔ رکوع ۲) بھلا اس کی حمایت وامداد کے بعد کسی مغرور انسان کا کیا ڈر۔ (تفسیر عثمانی)

یہ بھی جائز ہے کہ ربکم میں خطاب (مومنوں کو نہ ہو بلکہ) فرعون اور اس کی قوم کو ہو اور اس میں تنبیہ ہو اس بات پر کہ میرا اور تم سب کا رب ایک ہی ہے کوئی دوسرا رب نہیں ہے۔

فرعون کا نام نہ لینے کی حکمت: حضرت موسیٰ نے فرعون کا خصوصی نام نہیں لیا بلکہ بطور عموم ہر مغرور منکر آخرت کے شر سے اللہ کی پناہ مانگی اس میں فرعون بھی آ گیا اور تمام مغرور منکروں کے شر سے بھی استعاذہ ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ فرعون کو شر پر آمادہ کرنے والا اس کا غرور اور انکار آخرت ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾
جو یقین نہ کرے حساب کے دن کا ☆

☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''جس کو حساب کا یقین ہو وہ ظلم کا ہے کو کرے گا''۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ
اور بولا ایک مرد ایماندار فرعون کے لوگوں میں
يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَن يَقُولَ
جو چھپاتا تھا اپنا ایمان کیا مارے ڈالتے ہو ایک مرد کو اس بات پر کہ کہتا
رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُم بِالْبَيِّنَاتِ مِن
ہے میرا رب اللہ ہے اور لایا تمہارے پاس کھلی نشانیاں تمہارے
رَّبِّكُمْ ۖ وَإِن يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ ۖ
رب کی اور اگر وہ جھوٹا ہو گا تو اُس پر پڑیگا اُس کا جھوٹ
وَإِن يَكُ صَادِقًا يُصِبْكُم بَعْضُ الَّذِي
اور اگر وہ سچا ہو گا تو تم پر پڑیگا کوئی نہ کوئی وعدہ جو تم سے

يَعِدُكُمْ
کرتا ہے ☆

مرد مومن ☆ یعنی ایک مرد مومن جس نے فرعون اور اسکی قوم سے اپنا ایمان ابھی تک مخفی رکھا تھا ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَىٰ کے جواب میں بول اٹھا کیا تم ایک شخص کا ناحق خون کرنا چاہتے ہو اس بات پر کہ وہ صرف ایک اللہ کو اپنا رب کیوں کہتا ہے حالانکہ وہ اپنے دعویٰ کی صداقت کے کھلے کھلے نشان تم کو دکھلا چکا۔ اور اس کے قتل کی تم کو کچھ ضرورت بھی نہیں، بلکہ ممکن ہے کہ تمہارے لئے مضر ہو۔ فرض کرو وہ اپنے دعوئی میں جھوٹا ثابت ہوا تو اتنے بڑے جھوٹ پر ضرور اللہ اس کو ہلاک یا رسوا کر کے چھوڑے گا خدا کی عادت نہیں کہ وہ ایسے کاذب کو برابر پھولنے پھلنے دے۔ دنیا کو التباس سے بچانے کے لئے یقیناً ایک روز اسکی قلعی کھول دی جائے گی۔ ایسے حالات بروئے کار آئیں گے کہ دنیا اعلانیہ اسکی رسوائی و ناکامی اور کذب و دروغ کا تماشہ دیکھ لے گی اور تم کو خواہی نخواہی اسکے خون میں ہاتھ رنگنے کی ضرورت نہ رہے گی اور اگر واقع میں وہ سچائی پر ہے تو دنیا اور آخرت کے جس عذاب سے وہ اپنے مکذبین کو ڈراتا ہے یقیناً اسکا کچھ نہ کچھ حصہ تم کو ضرور پہنچ کر رہے گا۔ لہٰذا پہلی شق پر اس کے قتل میں جلدی کرنے کی ضرورت نہیں اور دوسری شق پر اسکا قتل کرنا سراسر موجب نقصان و خسران ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''یعنی اگر جھوٹا ہے تو جس پر جھوٹ بولتا ہے وہ ہی سزا دے رہے گا اور شاید سچا ہو تو اپنی فکر کرو'' (تنبیہ) یہ تقریر اس صورت میں ہے جب کسی مفتری کا کذب صریحاً ظاہر نہ ہوا ہو اور اگر مدعی نبوت کا کذب وافتراء دلائل وبراہین سے روشن ہو جائے تو بلاشبہ واجب القتل ہے اس زمانہ میں جبکہ پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہو چکا اگر کوئی شخص مدعی نبوت بن کر کھڑا ہو گا تو چونکہ اس کا یہ دعویٰ ایک قطعی الثبوت عقیدہ کی تکذیب کرتا ہے لہٰذا اسکے متعلق کسی قسم کے تأمل وتردد اور امہال وانتظار کی گنجائش نہ ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جذبہ ایمان

امم سابقہ میں جو فضائل وکمالات حق تعالیٰ نے عطا فرمائے وہ اس امت کے افراد بھی بدرجہ اتم واکمل پائے گئے ہیں۔ یہ کلمات اس مرد مومن کے أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَن يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ جو قرآن کریم نے ذکر فرمائے وہی الفاظ ہیں جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے اس وقت نکلے جبکہ کفار مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم وستم ڈھانے پر تلے ہوئے تھے۔ عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ عبداللہ بن عمرو بن العاص سے کہا کہ مشرکین مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زائد جو سخت تکلیف پہنچائی وہ مجھے بتاؤ تو فرمایا ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم حطیم کعبہ میں نماز ادا کر رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے آ کر آپ کی گردن میں کپڑا ڈالا اور اس زور سے کھینچا کہ گلا گھٹنے لگا اور تکلیف انتہائی شدت کو پہنچ چکی تھی۔ سامنے سے ابوبکر رضی اللہ عنہ آ گئے اور عقبہ کو زور سے ایک دھکا دیا اور ڈانٹتے ہوئے فرمایا۔ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ (افسوس تم ایک شخص کو قتل کرنے کے درپے ہو محض اس بات پر کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور حال یہ ہے کہ وہ تو تمہارے پاس نبوت و رسالت کے واضح اور روشن دلائل تمہارے رب کی طرف سے لے کر تمہارے پاس آیا ہے) تو آل فرعون کا مرد مومن تو اپنے ایمان کو چھپانے والا تھا۔ مگر امت محمدیہ کا یہ مرد مومن وہ تھا کہ جس نے روز اول سے اپنے ایمان کا اعلان کیا۔ مسند بزار اور دلائل ابونعیم میں محمد بن علی سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اثناء خطبہ یہ فرمایا۔ بتاؤ سب سے زیادہ بہادر اور طاقتور کون ہے۔ لوگوں نے جواب دیا ہم میں سب سے زیادہ شجاع اور بہادر تو آپ ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ میرا حال تو یہ ہے کہ جس کسی نے میرا مقابلہ کیا۔ میں نے اس سے انتقام لیا۔ سب سے زیادہ شجاع تو ابوبکرؓ تھے۔ میں نے دیکھا کہ قریش کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مارتے جاتے ہیں اور یہ کہتے جا رہے ہیں۔ انت جعلت الآلهة الهًا واحدة کیا تو ہی ہے وہ شخص جس نے بہت سے معبودوں کو ایک معبود بنا دیا۔ تو اس وقت ہم میں سے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ آپ کے قریب جا سکے۔ اتفاق یہ کہ سامنے سے ابوبکرؓ آ گئے اور مشرکین کے ہجوم میں گھس پڑے اور بڑی قوت کے ساتھ کسی کے لات ماری کسی کے گھونسہ مارا اور بآواز بلند مشرکین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ ویلکم (ہلاکت ہو تمہاری) اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ یہ کہہ کر رو پڑے اور فرمایا میں تم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ آل فرعون کا رجل مومن افضل تھا یا ابوبکر رضی اللہ عنہ؟ لوگ خاموش ہو گئے۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک گھڑی آل فرعون کے مرد مومن کی تمام زندگی سے بدرجہا بہتر ہے۔ اس نے تو اپنے ایمان کو چھپایا تھا مگر ابوبکرؓ نے اپنے ایمان کا اظہار و اعلان کیا۔ پھر یہ کہ اس مرد مومن کی حمایت ناصحانہ خطاب اور باتوں تک محدود رہی گویا کہ یہ بھی بہت بڑا جہاد تھا لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تو زبانی نصیحت و حمایت کے علاوہ اپنے ہاتھ پاؤں اور عمل سے اللہ کے پیغمبر کی حمایت اور مدد کی۔ تو بے شک یہ بہت ہی اونچا اور اعلیٰ مقام تھا جو اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ (معارف کاندھلوی)

رَجُل مؤمن: مقاتل اور سدی کا بیان ہے کہ وہ مومن قبطی تھا اور فرعون کے چچا کا بیٹا تھا یہ وہی شخص تھا جس کے متعلق سورۃ القصص میں اللہ نے فرمایا ہے وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى روایت میں آیا ہے کہ اس کا نام حبیب تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ترین ایذاء

عروہ بن زبیر کا بیان ہے میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے کہا مجھے بتائیے کہ مشرکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ سخت تکلیف دہ برتاؤ کونسا کیا۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا یک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے صحن میں نماز پڑھ رہے تھے عقبہ بن ابی معیط آ گیا اور حضورؐ کے دونوں مونڈھے پکڑ کر آپ کی گردن میں اپنا کپڑا ڈال کر مروڑنے اور گلا گھونٹنے لگا اتنے میں حضرت ابوبکرؓ آ گئے آپ نے عقبہ کے دونوں مونڈھے پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو الگ کیا اور فرمایا تَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ۔ رواہ البخاری۔ (تفسیر مظہری)

چند صدیقین: ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدیقین چند ہیں ایک حبیب نجار جس کا قصہ سورۂ یٰس میں ہے۔ دوسرا مومن آل فرعون تیسرے ابوبکر اور وہ ان سب میں افضل ہیں۔ (قرطبی)

مسئلہ: يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗ۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص اگر لوگوں کے سامنے اپنے ایمان کا اظہار نہ کرے دل سے اعتقاد پختہ رکھے تو وہ مومن ہے مگر نصوص صریحہ سے یہ ثابت ہے کہ ایمان کے مقبول ہونے کے لئے صرف دل کا یقین کافی نہیں بلکہ زبان سے اقرار کرنا شرط ہے جب تک زبان سے اقرار نہ کریگا مومن نہ ہوگا۔ البتہ زبان کا اقرار لوگوں کے سامنے اعلان کے ساتھ کرنا ضروری نہیں۔ اس کی ضرورت صرف اسوجہ سے ہے کہ جب تک لوگوں کو اس کے ایمان کا علم نہیں ہوگا وہ اس کے ساتھ معاملہ مسلمانوں جیسا نہ کر سکیں گے۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ
بیشک اللہ راہ نہیں دیتا اُس کو جو ہو بے لحاظ
كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾
جھوٹا☆

موسیٰ کی سچائی کی دلیل ☆ یعنی موسیٰ (علیہ السلام) اگر بالفرض جھوٹا ہوتو ہرگز اسکا اللہ راہ نہ دیتا کہ وہ برابر ایسے معجزات دکھاتا رہے اور کامیابی میں ترقی کرتا چلا جائے اور اگر تم جھوٹے ہو کہ ایک سچے کو جھوٹا بتلا رہے ہو تو انجام کار اللہ تعالیٰ تم کو ذلیل و ناکام کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ
اے میری قوم آج تمہارا راج ہے چڑھ رہے

فِي الْأَرْضِ فَمَنْ يَنْصُرُنَا مِنْ

ہو ملک میں پھر کون مدد کریگا ہماری اللہ کی

بَأْسِ اللّٰهِ إِنْ جَاءَنَا

آفت سے اگر آگئی ہم پر ☆

طاقت سے دھوکہ نہ کھاؤ

یعنی اپنے سامانوں اور لشکروں پر مغرور مت ہو۔ آج تمہاری یہ شان و شکوہ ہے لیکن کل اگر خدا کے عذاب نے آ گھیرا تو کوئی بچانے والا نہ ملے گا۔ یہ سب ساز و سامان یوں ہی رکھے رہ جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ فِرْعَوْنُ مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا

بولا فرعون میں تو وہی بات سجھاتا ہوں تم کو

أَرَى وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ

جو سوجھی مجھ کو اور وہی راہ بتلاتا ہوں جس میں

الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾

بھلائی ہے ☆

فرعون کی رائے ☆ یعنی تمہاری تقریر سے میرے خیالات تبدیل نہیں ہوئے، جو کچھ میرے نزدیک مصلحت ہے وہ ہی تم کو سمجھا رہا ہوں۔ میرے خیال میں بہتری کا راستہ یہی ہے کہ اس شخص کا قصہ پہلے ہی قدم پر ختم کر دیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يٰقَوْمِ إِنِّي

اور کہا اُسی ایماندار نے اے قوم

أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِثْلَ يَوْمِ الْأَحْزَابِ ﴿۳۰﴾

میری میں ڈرتا ہوں کہ آئے تم پر دن اگلے فرقوں کا سا

مِثْلَ دَأْبِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ

جیسے حال ہوا قوم نوح کا اور عاد اور ثمود کا

وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۚ وَمَا اللّٰهُ يُرِيدُ

اور جو لوگ اُن کے پیچھے ہوئے اور اللہ بے انصافی نہیں

ظُلْمًا لِلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾

چاہتا بندوں پر ☆

تکذیب انبیاء کی سزا

☆ یعنی اگر تم اسی طرح تکذیب و عداوت پر جمے رہے تو سخت اندیشہ ہے کہ تم کو بھی کہیں وہ ہی دن دیکھنا نہ پڑے جو پہلی قومیں اپنے انبیاء کا مقابلہ کر کے دیکھ چکی ہیں۔ یاد رکھو اللہ کے ہاں بے انصافی نہیں اگر ایسے سخت جرائم پر تم کو یا دوسری قوموں کو اس نے تباہ کیا تو وہ عین عدل و انصاف کے تقاضہ سے ہوگا۔ کونسی حکومت ہے جو اپنے سفراء کو قتل اور رسوا ہوتے دیکھتی رہے اور قاتلین و معاندین سے انتقام نہ لے۔ (تفسیر عثمانی)

اخاف علیکم یعنی موسیٰ کی جو تم تکذیب کر رہے ہو اور اس کو قتل کرنا چاہتے ہو اس سے مجھے تمہارے متعلق اندیشہ ہے کہ تم پر بھی ویسا ہی عذاب نہ آ جائے جیسا ان گذشتہ امتوں پر آیا تھا جنہوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی تھی۔ جیسے قوم نوح پر اور عاد پر اور ثمود پر اور ان کے بعد والوں پر (مثلاً قوم لوط اور ثمود وغیرہ پر) عذاب آیا تھا ویسا ہی تم پر عذاب آنے کا مجھے ڈر ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَيٰقَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾

اور اے قوم میری میں ڈرتا ہوں کہ تم پر آئے دن ہانک پکار کا ☆

پکار کا دن ☆ عموماً مفسرین یوم التناد (ہانک پکار کے دن) سے قیامت کا دن مراد لیتے ہیں جبکہ محشر میں جمع ہونے اور حساب دینے کے لئے سب کی پکار ہوگی۔ اور اہل جنت اہل نار اور اہل اعراف ایک دوسرے کو پکاریں گے اور آخر میں ندا آئے گی یااهل الجنة خلود لا موت ويا اهل النار خلود لاموت كما ورد في الحديث۔ لیکن حضرت شاہ صاحب نے "یوم التناد" سے وہ دن مراد لیا ہے جس میں فرعونیوں پر عذاب آیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں "ہانک پکار کا دن ان پر آیا جس دن بحر قلزم میں غرق ہوئے اس وقت ڈوبتے ہوئے ایک دوسرے کو پکارنے لگا (شاید) یا اس مرد مومن کو کشف سے معلوم ہوا ہوگا یا قیاس سے کہ ہر قوم پر عذاب اسی طرح آتا ہے۔" (تفسیر عثمانی)

خوف دور کرنے کی دعاء: حدیث شریف میں ہے کہ جب جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قوم سے خوف ہوتا تو آپ یہ دعا پڑھتے اللّٰهُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِكَ مِنْ شُرُورِهِمْ وَنَدْرَأُ بِكَ فِي نُحُورِهِمْ یعنی اے اللہ ان کی برائی سے ہم تیری پناہ میں آتے ہیں اور ہم تجھے ان کے مقابلے میں کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

بعض اہل تفسیر کے نزدیک اس دن سے مراد ہے نفخہ بیہوشی سے پہلے

نفخہ فزع کا دن (یعنی پہلی بار صور پھونکے جانے کا دن جب صور کی آواز سن کر لوگ گھبرا جائیں گے اس کے بعد نفخہ صعق ہوگا کہ صور کی آواز سے لوگ بیہوش ہوجائیں گے اور مرجائیں گے) ابن جریر نے المطولات میں اور ابویعلی نے مسند میں اور بیہقی نے البعث میں اور ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں اور عبد بن حمید نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک طویل حدیث بیان کی ہے، جس میں تین بار صور پھونکے جانے کا ذکر آیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گرامی نے فرمایا اللہ اسرافیلؑ کو پہلی بار صور پھونکنے کا حکم دے گا اور فرمائے گا گھبراہٹ (پیدا کرنے) والی پھونک مار حسب الحکم اسرافیلؑ صور پھونکے گا جس کی آواز سے آسمانوں والے اور زمین والے گھبرا جائیں گے ہاں جس کو اللہ چاہے گا (گھبراہٹ سے محفوظ رکھے گا) اسرافیلؑ صور کی پھونک کو برابر کھینچتا اور لمبا کرتا جائے گا بیچ میں سلسلہ منقطع نہیں کرے گا یعنی دم نہ لے گا یہاں تک کہ دودھ پلانے والیاں دودھ پیتے بچوں سے غافل ہوجائیں گی اور حاملہ کا حمل ساقط ہوجائے گا اور بچوں کے بال (شدت خوف سے) سفید ہوجائیں گے اور شیطان گھبراہٹ کی وجہ سے اڑے اڑے بھاگتے پھریں گے جب زمین کے کناروں پر پہنچیں گے تو ملائکہ ان کے چہروں پر ضرب رسید کریں گے اور لوٹا دیں گے لوگ پشت پھیر کر بھاگیں گے اور آپس میں پکار مچی ہوگی یہی وہ دن ہوگا جس کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔ "یوم التناد" بزار اور بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ابن آدم کو لاکر میزان کے دونوں پلڑوں کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور ایک فرشتہ کو اس پر مامور کردیا جائے گا (اور اعمال کا وزن کیا جائے گا) سو اگر اس کی نیکیوں کا وزن بھاری نکلا تو وہ فرشتہ اتنی بلند آواز سے ندا دے گا جو تمام مخلوق سنے گی فلاں شخص خوش نصیب ہوگیا اس کے بعد کبھی بدنصیب نہ ہوگا اور اگر (نیکیوں کا) وزن ہلکا نکلا تو ایک فرشتہ ایسی آواز سے جس کو سب مخلوق سن لے گی ندا دے گا فلاں شخص بد بخت نکلا اس کے بعد کبھی خوش بخت نہ ہوگا اور اس وقت ایک پکارنے والا پکارے گا میں نے (تمہارا) ایک رشتہ مقرر کیا تھا اور تم نے (اپنے لئے) دوسرا رشتہ مقرر کیا تھا۔ (یعنی میں نے تقویٰ کو تمہارے لئے پسند کیا تھا اور اس کو تمہارا نسب قرار دیا تھا اور تم نے رشتہ تولید وقرابت کو اختیار کیا)

موت کے مرجانے کا اعلان: طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کا دن ہوگا تو اللہ ایک منادی کو یہ حکم دیگا سن لو میں نے ایک رشتہ مقرر کیا تھا اور تم نے دوسرا رشتہ مقرر کیا تھا میں نے سب سے زیادہ معزز اس کو قرار دیا تھا جو تم میں سے سب سے بڑا پرہیزگار ہو مگر تم نے (اس کو ماننے سے انکار کردیا سو تم نے کہا تھا کہ فلاں بن فلاں فلاں بن فلاں سے بہتر ہے آج میں اپنے (قائم کردہ) نسب کو اونچا کردوں گا اور تمہارے (قائم کردہ) نسب کو نیچے گرا دوں گا۔ کہاں ہیں تقویٰ والے۔ اور اس وقت جب کہ موت کو ذبح کردیا ہوگا ندا دی جائے گی اے اہل جنت (یہاں) ہمیشہ رہنا ہے اور (کبھی) موت نہ ہوگی اور اے دوزخ والو (یہاں) ہمیشہ رہنا ہے اور کبھی موت نہیں ہوگی۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جنت والے جنت کو اور دوزخ والے دوزخ کو چلے جائیں گے تو جنت ودوزخ کے درمیان موت کو لاکر ذبح کردیا جائے گا پھر ایک منادی ندا دے گا۔ اے اہل جنت آئندہ موت نہیں اور اے دوزخ والو آئندہ موت نہیں۔ یہ ندا سن کر اہل جنت کو فرحت بالائے فرحت حاصل ہوگی اور دوزخ والوں پر غم بالائے غم سوار ہوجائے گا۔ حضرت ابوسعید کی روایت سے بھی یہ حدیث اسی طرح آئی ہے اور حاکم وابن حبان نے بھی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے۔

منتشر ہونے کا دن: حضرت ابن عباسؓ اور ضحاک کی قرأت میں یوم التناد کی جگہ یوم التنادّ بتشدید دال (بھاگنے اور منتشر ہونے کا دن) آیا ہے جس طرح اونٹ اپنے مالکوں سے بھاگتے اور بدکتے ہیں اسی طرح قیامت کے دن لوگ بھاگے بھاگے زمین پر پھریں گے۔ ابن جریر اور ابن مبارک نے ضحاک کا بیان نقل کیا ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ اس نچلے آسمان کو حکم دے گا وہ پھٹ جائے گا اور اس کے فرشتے اس کے کناروں پر رہیں گے پھر بحکم الٰہی اتر کر زمین کو اور زمین والوں کو گھیر لیں گے پھر دوسرے پھر تیسرے پھر چوتھے پھر پانچویں پھر چھٹے پھر ساتویں آسمان کی بھی یہی کیفیت ہوگی کہ آسمان پھٹتے جائیں گے اور ہر آسمان کے فرشتے قطار در قطار صف بستہ ہوجائیں گے پھر ملک اعلیٰ (شاہ اعلیٰ جاہ) نزول اجلال فرمائے گا جہنم اس کے بائیں جانب ہوگا (اور جنت دائیں جانب) دوزخ کو دیکھ کر زمین والے منتشر ہوکر بھاگیں گے لیکن زمین کے جس کنارے پر پہنچیں گے وہاں ملائکہ کی سات قطاریں (ایک کے پیچھے ایک) موجود پائیں گے۔ مجبوراً جہاں تھے وہیں لوٹ آئیں گے اسی کا بیان ہے آیات ذیل میں۔ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ يَوْمَ تُوَلُّونَ مُدْبِرِينَ مَا لَكُم مِّنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ اور وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا وَجِيءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ اور يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَن تَنفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانفُذُوا اور وَانشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ وَالْمَلَكُ عَلَىٰ أَرْجَائِهَا (تفسیر مظہری)

خوش بختی اور بدبختی کا اعلان: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ کا ایک منادی ندا دے گا کہ اللہ کے مخالف لوگ کھڑے ہوجائیں۔ اس سے

مراد وہ لوگ ہوں گے جو تقدیر کا انکار کرتے تھے۔ اور پھر اصحاب جنت دوزخ والوں کو اور دوزخ والے اصحاب جنت کو اور اصحاب اعراف دونوں کو ندا دیکر اپنی اپنی باتیں کریں گے۔ اور اس وقت ہر خوش نصیب اور بد نصیب کا نام مع ولدیت لیکر ان کے نتیجہ کا اعلان کیا جائے گا کہ فلاں ابن فلاں سعید و کامیاب ہو گیا اس کے بعد شقاوت کا کوئی احتمال نہیں رہا اور فلاں بن فلاں شقی و بد بخت ہو گیا۔ اب اس کی نیک بختی کا کوئی احتمال نہیں رہا (رواہ ابن ابی عاصم فی السنۃ مظہری) مسند بزار و بیہقی میں حضرت انسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سعادت و شقاوت کا اعلان وزن اعمال کے بعد ہوگا۔

حضرت ابو حازمؒ کی حالت: اور حضرت ابو حازم اعرج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرمایا کرتے تھے کہ اے اعرج قیامت کے روز ندا دیجائے گی کہ فلاں قسم کے گناہ کرنے والے کھڑے ہو جاویں تو ان کے ساتھ کھڑا ہوگا کہ پھر ندا دی جاویگی کہ فلاں قسم کے گناہ کرنے والے کھڑے ہوں تو اُن کے ساتھ بھی کھڑا ہوگا' پھر ندا دی جاوے گی کہ فلاں قسم کے گناہ کرنے والے کھڑے ہوں تو ان کے ساتھ بھی کھڑا ہوگا۔ اور میں سمجھتا ہوں ہر گناہ کے اعلان کے وقت تجھے ان کے ساتھ کھڑا ہونا پڑے گا (کیونکہ تو نے ہر قسم کے گناہ جمع کر رکھے ہیں) (اخرجہ ابو نعیم۔ مظہری) (معارف مفتی اعظم)

يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ

جس دن بھاگو گے پیٹھ پھیر کر ☆

فضول بھاگ دوڑ ☆ یعنی محشر سے پیٹھ پھیر کر دوزخ کی طرف بھگائے جاؤ گے یا نزول عذاب کے وقت اس سے بھاگنے کی ناکام کوشش کرو گے۔ (تفسیر عثمانی)

مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ

کوئی نہیں تم کو اللہ سے بچانے والا اور جس کو

يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿٣٣﴾

غلطی میں ڈالے اللہ تو کوئی نہیں اُس کو سجھانے والا ☆

عناد کی سزا ☆ یعنی میں تم کو سب نشیب و فراز پوری طرح سمجھا چکا، اس پر بھی تم نہ مانو تو سمجھ لو کہ تمہاری عناد و کجروی کی شامت سے اللہ تعالیٰ نے ارادہ ہی کر لیا ہے کہ تم کو تمہاری پسند کردہ غلطی اور گمراہی میں پڑا رہنے دے پھر ایسے شخص کے سمجھنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ

اور تمہارے پاس آ چکا ہے یوسف اس سے پہلے کھلی باتیں لے کر

فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۖ

پھر تم رہے دھوکے ہی میں اُن چیزوں سے جو وہ تمہارے پاس لیکر آیا

حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ

یہاں تک کہ جب مر گیا لگے کہنے ہرگز نہ بھیجے گا اللہ

مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۚ

اُس کے بعد کوئی رسول ☆

حضرت یوسف علیہ السلام سے استدلال

☆ یعنی چلو قصہ ختم ہوا نہ یہ رسول تھا نہ اب اس کے بعد کوئی رسول آنے والا ہے گویا سرے سے سلسلہ رسالت ہی کا انکار رہا لیکن حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی میں (مصر والے ان کی نبوت کے) قائل نہ ہوئے انکی موت کے بعد جب مصر کی سلطنت کا بندوبست بگڑا تو کہنے لگے یوسف کا قدم اس شہر پر کیا مبارک تھا ایسا نبی (آئندہ) کوئی نہ آئے گا یا وہ انکار یا اقرار۔ یہ ہی اسراف اور زیادہ گوئی ہے"۔ مرد مومن کی غرض یہ تھی کہ نعمت کی قدر زوال کے بعد ہوتی ہے فی الحال تم کو موسیٰ علیہ السلام کی قدر نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ

اسی طرح بھٹکاتا ہے اللہ اُس کو جو ہو بیباک

مُّرْتَابُ ﴿٣٤﴾ ۨالَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ

شک کرنیوالا وہ جو کہ جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں

اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ مَقْتًا

میں بغیر کسی سند کے جو پہنچی ہو اُن کو بڑی بیزاری

عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ

ہے اللہ کے یہاں اور ایمانداروں کے یہاں ☆

سب سے بڑی زیادتی

☆ یعنی بدون حجت عقلیہ و نقلیہ کے اللہ کی باتوں میں جھگڑے ڈالتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر زیادتی اور بیباکی کیا ہوگی۔ اسی لئے اللہ اور اسکے ایماندار بندے ان لوگوں سے سخت بیزار ہیں جو سبب ہے ان کے انتہائی

ملعون ہونے کا۔ (تفسیر عثانی)

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ

اسی طرح مہر کر دیتا ہے اللہ ہر دل

مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾

پرغرور والے سرکش کے☆

غرور کی سزا☆ جو لوگ حق کے سامنے غرور سے گردن نہ جھکائیں اور پیغمبروں کے ارشادات سنکر سر نیچا نہ کریں آخر کار ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ اسی طرح مہر کر دیتا ہے کہ پھر قبول حق اور نفوذ خیر کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ (تفسیر عثانی)

ابن جریر نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ فرعون کے خاندان سے سوائے اس مرد مومن اور اس کی بیوی آسیہ کے اور کوئی ایمان نہیں لایا۔ (ابن کثیر ج ۴) (معارف کاندھلوی)

سرکش: حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں جبار وہ شخص ہے جو دو انسانوں کو قتل کر ڈالے۔ ابوعمران جونی اور قتادہ کا فرمان ہے کہ جو بغیر حق کے کسی کو قتل کر دے وہ جبار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

خیانت کرنے والا حکمران: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو امام اپنی رعایا سے خیانت کھیل رہا ہو وہ مر کر جنت کی خوشبو بھی نہیں پاتا۔ حالانکہ وہ خوشبو پانچ سو سال کی راہ پر آتی ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى الْمُوَفِّقُ لِلصَّوَابِ۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا

اور بولا فرعون کہ اے ہامان بنا میرے واسطے

لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ

ایک اونچا محل شاید میں جا پہنچوں رستوں میں رستوں میں آسمانوں کے

فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى

پھر جھانک کر دیکھوں موسیٰ کے معبود کو☆

فرعون کی بے شرمی ☆ یہ اس ملعون کی انتہائی بے شرمی اور بے باکی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شاید اللہ تعالیٰ کی صفت علو وغیرہ کو سن کر یہ قرار دیا ہوگا کہ موسیٰ کا خدا آسمان پر رہتا ہے اسی پر یہ استہزاء و تمسخر شروع کر دیا۔ سچ ہے چیونٹی کی موت آتی ہے تو پر لگ جاتے ہیں۔ سورہ ''قصص'' میں اس مقام کی تقریر گزر چکی۔ (تفسیر عثانی)

وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ۭ

اور میری اٹکل میں تو وہ جھوٹا ہے☆

☆ یعنی دعوئے رسالت میں بھی اور اس دعوے میں بھی کہ سارے جہان کا کوئی اور معبود ہے مجھے تو اپنے سوا دوسرا نظر نہیں آتا۔ کما قال مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ (قصص۔ رکوع ۴) (تفسیر عثانی)

وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ

اور اسی طرح بھلے دکھلا دیئے فرعون کو اس کے برے کام

وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ۭ

اور روک دیا گیا سیدھی راہ سے☆

مسلسل برائی کا نتیجہ

برے کام کرتے کرتے آدمی کی یوں ہی عقل ماری جاتی ہے اور ایسی ہی مضحکہ خیز حرکتیں کرنے لگتا ہے جس کے بعد راہ پر آنے کی کوئی صورت نہیں رہتی۔ یہی حال فرعون کا ہوا۔ (تفسیر عثانی)

وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾

اور جو داؤ تھا فرعون کا سو تباہ ہونے کے واسطے☆

بیکار منصوبے ☆ یعنی فرعون کے جس قدر داؤ پیچ اور منصوبے یا مشورے تھے، سب بے حقیقت تھے۔ خود اپنی ہی تباہی کے لئے موسیٰ علیہ السلام کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکا۔ (تفسیر عثانی)

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ

اور کہا اسی ایماندار نے اے قوم راہ چلو

اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾

میری پہنچا دوں تم کو نیکی کی راہ پر☆

☆ چونکہ فرعون نے کہا تھا وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ اس کے جواب میں مرد مومن نے کہا کہ سَبِيْلَ الرَّشَادِ (بھلائی اور بہتری کا راستہ) وہ نہیں جو فرعون تجویز کرتا ہے۔ بلکہ تم میرے پیچھے چلے آؤ، تا بہتری کے راستہ پر چلنا نصیب ہو۔ (تفسیر عثانی)

سبیل الرّشاد ایسا راستہ جس پر چلنے والا منزل مقصود پر پہنچ جائے سبیل الرشاد کہلاتا ہے۔ اس میں فرعون اور اس کے ساتھیوں کے طریقہ پر تعریض ہے کہ وہ طریقہ رشاد کا طریقہ نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ
اے میری قوم یہ جو زندگی ہے دنیا کی سو کچھ برت لینا ہے
وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿٣٩﴾
اور وہ گھر جو پچھلا ہے وہی ہے جم کر رہنے کا گھر ☆

آخرت کو نہ بھولو☆ یعنی فانی وزائل زندگی اور چندروزہ عیش و بہار میں پڑکر آخرت کو نہ بھولو دنیا کی زندگی بہرحال بھلی بری طرح ختم ہونے والی ہے، اسکے بعد وہ زندگی شروع ہوگی جس کا کبھی خاتمہ نہیں عاقل کا کام یہ ہے کہ یہاں رہتے ہوئے اس کی درستی کی فکر کرے ورنہ ہمیشہ کی تکلیف میں مبتلا رہنا پڑے گا۔ ع

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

(تفسیر عثمانی)

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا
جس نے کی ہے برائی تو وہی بدلہ پائیگا
مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ
اُس کے برابر اور جس نے کی ہے
ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ
بھلائی مرد ہو یا عورت اور وہ یقین رکھتا ہو سو وہ لوگ
يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا
جائیں گے بہشت میں روزی پائینگے وہاں
بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٤٠﴾
بے شمار☆

آخرت کی ایک جھلک

☆ یہ اخروی زندگی کی تھوڑی سی تفصیل بتلادی کہ وہ کس طرح درست ہوسکتی ہے۔ معلوم ہوا کہ وہاں ایمان اور عمل صالح درکار ہیں۔ مال ومتاع کو کوئی نہیں پوچھتا اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ اللہ کی رحمت غضب پر غالب ہے۔ عقلمند کو چاہئے کہ موقع ہاتھ سے نہ دے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ
اور اے قوم مجھ کو کیا ہوا ہے بُلاتا ہوں تم کو نجات کی طرف
وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ﴿٤١﴾
اور تم بُلاتے ہو مجھ کو آگ کی طرف ☆

عجیب معاملہ

☆ یعنی میرا اور تمہارا معاملہ بھی عجیب ہے میں چاہتا ہوں کہ تم کو ایمان کے راستہ پر لگا کر خدا کے عذاب سے نجات دلاؤں اور تمہاری کوشش یہ ہے کہ اپنے ساتھ مجھے بھی دوزخ کی آگ میں دھکیل دو۔ ایک طرف سے ایسی دشمنی اور دوسری جانب سے یہ خیرخواہی۔ (تفسیر عثمانی)

مالی - یعنی مجھے بتاؤ عقل ودانش کے خلاف تمہاری یہ عادت کیوں ہے۔ (مظہری)

تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ
تم بُلاتے ہو مجھ کو کہ منکر ہو جاؤں اللہ سے اور شریک ٹھہراؤں اُس کا
مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ
اُس کو جس کی مجھ کو خبر نہیں ☆

قوم کی دعوت

☆ یعنی تمہاری کوشش کا حاصل تو یہ ہے کہ میں (معاذ اللہ) خدائے واحد کا انکار کردوں اس کے پیغمبروں کو اور ان کی باتوں کو نہ مانوں اور نادان جاہلوں کی طرح ان چیزوں کو خدا ماننے لگوں جن کی الوہیت کسی دلیل اور علمی اصول سے ثابت نہیں، نہ مجھے خبر ہے کہ کیونکر ان چیزوں کو خدا بنالیا گیا بلکہ میں جانتا ہوں کہ اسکے خلاف پر دلائل قطعیہ قائم ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ﴿٤٢﴾
اور میں بُلاتا ہوں تم کو اُس زبردست گناہ بخشنے والے کی طرف ☆

مردمومن کی دعوت

☆ یعنی میرا منشاء یہ ہے کہ کسی طرح تمہارا سر اس خدائے واحد کی چوکھٹ پر جھکا دوں جو نہایت زبردست بھی ہے اور بہت زیادہ خطاؤں کو

معاف کرنیوالا بھی۔ مجرم کو پکڑے تو کوئی چھڑا نہ سکے اور معاف کرے تو کوئی روک نہ سکے۔ وہ ہی اسکا مستحق ہے کہ آدمی اس کے آگے ڈرکر اور امید باندھ کر سر عبودیت جھکائے۔ یاد رکھو میں اسی خدا کی پناہ میں آ چکا ہوں جس کی طرف تمہیں بلا رہا ہوں۔ (تفسیر عثانی)

لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ

آپ ہی ظاہر ہے کہ جس کی طرف تم مجھ کو بلاتے ہو اُس کا بلاوا

دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْاٰخِرَةِ

کہیں نہیں دنیا میں اور نہ آخرت میں ☆

قوم کی بے عقلی

☆ یعنی ماسوا خدا کے کوئی چیز ایسی نہیں جو دنیا یا آخرت میں ادنیٰ ترین نفع وضرر کی مالک ہو پھر اسکی بندگی اور غلامی کا بلاوا دینا جہل وحماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗۤ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِیْنَ (احقاف۔رکوع ۱) آخر ایسی عاجز اور بے بس چیزوں کی طرف آدمی کیا سمجھ کر دعوت دے اور تماشہ یہ ہے کہ ان میں بہت چیزیں وہ ہیں جو خود بھی اپنی طرف دعوت نہیں دیتیں بلکہ دعوت دینے کی قدرت بھی نہیں رکھتیں۔ (تفسیر عثانی)

وَاَنَّ مَرَدَّنَاۤ اِلَی اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ

اور یہ کہ ہم کو پھر جانا ہے اللہ کے پاس اور یہ کہ زیادتی والے

هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾

وہی ہیں دوزخ کے لوگ ☆

☆ یعنی انجام کار ہر پھر کر اسی خدائے واحد کی طرف جانا ہے وہاں پہنچ کر سب کو اپنی زیادتیوں کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔ بتلا! اس سے بڑھ کر زیادتی کیا ہوگی کہ عاجز مخلوق کو خالق کا درجہ دیدیا جائے۔ (تفسیر عثانی)

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ

سو آگے یاد کرو گے جو میں کہتا ہوں تم کو ☆

بے وقت پشیمانی

☆ یعنی آگے چل کر جب اپنی زیادتیوں کا مزہ چکھو گے اس وقت میری نصیحت کو یاد کرو گے۔ کہ ہاں ایک مرد خدا جو ہم کو سمجھایا کرتا تھا وہ ٹھیک تھا۔ لیکن اس وقت یاد کر کے پشیمان ہونے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ (تفسیر عثانی)

وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور میں سونپتا ہوں اپنا کام اللہ کو بیشک اللہ کی

بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾

نگاہ میں ہیں سب بندے ☆

ادائے فرض کے بعد خدا کے سپرد

☆ یعنی میں خدا کی حجت تمام کر چکا اور نصیحت کی بات سمجھا چکا، تم نہیں مانتے تو میرا تم سے کچھ مطلب نہیں، اب میں اپنے کو بالکلیہ خدا کے سپرد کرتا ہوں، اسی پر میرا بھروسہ ہے، تم اگر مجھے ستانا چاہو گے تو وہ ہی خدا میرا حامی وناصر ہے سب بندے اس کی نگاہ میں ہیں وہ میرا اور تمہارا دونوں کا معاملہ دیکھ رہا ہے، کسی کی کوئی حرکت اس پر پوشیدہ نہیں۔ ایک مومن قانت کا کام یہ ہے کہ اپنی امکانی سعی کر چکنے کے بعد نتیجہ کو خدا کے سپرد کرے۔ (تفسیر عثانی)

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ

پھر بچا لیا موسیٰ کو اللہ نے بُرے داؤ سے جو کرتے تھے اور اُلٹ پڑا

بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾

فرعون والوں پر بُری طرح کا عذاب ☆

آخری نتیجہ

☆ یعنی حق وباطل کی اس کشمکش کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام (وران کے ہمراہیوں کو جن میں یہ مومن آل فرعون بھی تھا) فرعونیوں کے منصوبوں سے محفوظ رکھا۔ کوئی داؤ ان کا چلنے نہ دیا۔ بلکہ ان کے داؤ پیچ خود ان ہی پر الٹ پڑے۔ جس نے حق پرستوں کا تعاقب کیا مارا گیا اور قوم کی قوم کا بیڑا بحر قلزم میں غرق ہوا۔ (تفسیر عثانی)

وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ یعنی فرعون اور فرعونیوں پر بڑا تکلیف دہ عذاب نازل ہوا فرعون کا ذکر کرنا بیکار تھا کیونکہ وہ تو عذاب کا مستحق سب سے زیادہ تھا اس لئے اس کے ذکر کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

سُوْٓءُ الْعَذَابِ یعنی دنیا میں پانی میں غرق کر دیا اور مرنے کے بعد دوزخ میں ڈال دیا۔

آل فرعون: بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ آل فرعون سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو فرعون نے عبد مومن کو گرفتاری کے لئے بھیجا تھا اس صورت میں سوء

العذاب سے مراد ہوگا عذاب قتل۔ عبد مومن بھاگ کر ایک پہاڑ پر چلا گیا لوگوں نے اس کا پیچھا کیا اور پہاڑ پر چڑھ گئے جا کر دیکھا تو اس کو نماز میں مشغول پایا اور چاروں طرف گھیرا ڈالے صف بستہ جنگلی درندے اس کی حفاظت کر رہے تھے مجبور ہو کر لوٹ پڑے اس جرم میں فرعون نے ان کو قتل کرا دیا۔ (تفسیر مظہری)

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ج

وہ آگ ہے کہ دکھلا دیتے ہیں اُن کو صبح اور شام☆

عذاب قبر☆ یعنی دوزخ کا ٹھکانا جس میں وہ قیامت کے دن داخل کئے جائیں گے ہر صبح و شام ان کو دکھلا دیا جاتا ہے تا نمونہ کے طور پر اس آنے والے عذاب کا کچھ مزہ چکھتے رہیں۔ یہ عالم برزخ کا حال ہوا۔ احادیث سے ثابت ہے کہ اسی طرح ہر کافر کے سامنے دوزخ کا اور ہر مومن کے سامنے جنت کا ٹھکانا روزانہ صبح و شام پیش کیا جاتا ہے (تنبیہ) آیت ہذا سے صرف فرعونیوں کا عالم برزخ میں معذب ہونا ثابت ہوا تھا اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم کرایا گیا کہ جملہ کفار بلکہ عصاۃ مومنین بھی برزخ میں معذب ہیں (اعاذنا اللہ منہ) کما ورد فی الاحادیث الصحیحۃ اور بعض آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح جنتیوں میں سے شہداء کی روحیں "طیور خضر" کے "حواصل" میں داخل ہو کر جنت کی سیر کرتی ہیں، اسی طرح دوزخیوں میں سے فرعونیوں کی ارواح کو "طیور سود" کے "حواصل" میں داخل کر کے ہر صبح و شام دوزخ کی طرف بھیجا جاتا ہے (البتہ ارواح کا مع ان کے اجساد کے جنت یا دوزخ میں اقامت پذیر ہونا یہ آخرت میں ہوگا) اگر یہ صحیح ہو تو فرعونیوں کے متعلق اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا اور عام دوزخیوں کے متعلق حدیث عُرِض علیه مقعده بالغداة والعشی کے الفاظ کا تفاوت شاید اسی بناء پر ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

عالمِ برزخ پر ایمان لانا ضروری ہے: عالم برزخ اور وہاں کا ثواب و عذاب اور راحت و تکلیف امر قطعی ہے اور جس طرح آخرت پر اور آخرت کے ثواب و عقاب پر ایمان ضروری ہے۔ اسی طرح برزخ کے ثواب و عقاب پر بھی ایمان و یقین ضروری ہے اور ایمان بالآخرۃ جو دین کی اصل بنیاد ہے وہ احوال برزخ پر ایمان لائے بغیر ممکن نہیں۔

برزخ وقبر کیا ہے: برزخ دنیا اور آخرت کے درمیان ایک درمیان عالم کا نام ہے۔ جس جگہ بھی اور جس حال میں بھی مردہ مرنے کے بعد سے لے کر یوم البعث تک رہے گا وہی برزخ ہے خواہ مردہ قبر میں دفنا دیا جائے یا سمندر میں ڈبو دیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے یا کوئی جانور یا درندہ اس کو کھا لے۔ غرض اس جملہ احوال کا عنوان برزخ ہے اور اسی کو اصطلاحی طور پر قبر کہا جاتا ہے۔ اگرچہ قبر لفظی طور سے زمین کے گڑھے کو کہتے ہیں مگر شریعت کی نظر میں یہ جملہ احوال عالم قبر ہی شمار کئے جاتے ہیں۔ اس عالم برزخ کا ثبوت کتاب اللہ کی نص صریح ہے وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ میں موجود ہے۔ اسی لئے حضرات متکلمین عقائد کے سلسلے میں عذاب قبر کا ایک مستقل باب رکھتے ہیں۔

اس عالم کی وسعت کا ہم کوئی اندازہ نہیں کر سکتے۔ بعض عارفین کا قول ہے کہ عالم دُنیا اس جہاں برزخ کے سامنے ایسا ہے جیسے ایک ماں کا پیٹ تمام دُنیائے عالم کے سامنے۔ جس طرح حالت نوم موت و حیات کے درمیان ایک حالت ہے۔ ایسے ہی اس عالم برزخ دنیا اور آخرت کے مابین عالم سمجھ لیا جائے۔ انسان کے مر جانے کے بعد دنیوی حیات کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور رُوح عالم برزخ میں پہنچ جاتی ہے۔ مگر اپنے بدن کے ساتھ پھر بھی ایک گونہ کو تعلق باقی رہتا ہے۔ اور محل دفن سے بھی علاقہ رہتا ہے۔

قبر کی حیات: قبر میں میت کو جو حیات حاصل ہوتی ہے وہ دنیا کی حیات معہودہ کی طرح نہیں بلکہ وہ دوسری نوع کی ہوتی ہے، جس کا ان حواس سے ادراک نہیں ہوتا کیونکہ یہ بدنی حواس تو بدن کی موت سے ختم ہو چکے ہیں۔ ان اور ادراکات کو اسی طرح سمجھ لیا جائے جیسے حالت نوم میں انسان جو کچھ دیکھتا سنتا ہے وہ ان آنکھوں اور کانوں سے نہیں دیکھتا سنتا وہ تو حالت نوم میں معطل ہیں بلکہ ان کے علاوہ دوسرے باطنی مدرکات ہیں جن کے ذریعہ یہ ادراک حاصل ہوتا ہے۔ بہر کیف مرنے کے بعد انسان جب اس جہان میں پہنچ جاتا ہے۔

قبر میں مومن و کافر کی حالت: حدیث میں آتا ہے کہ مومن شخص قبر میں جب نکیرین کے سوال و جواب سے فارغ ہو جاتا ہے تو اس کے سامنے ایک نہایت بہترین صورت ظاہر ہوتی ہے تو مومن دریافت کرتا ہے۔ مَنْ اَنْتَ الخ کہ تو کون ہے تیرے چہرے سے خیر نظر آ رہی ہے۔ تو جواب یہ ہوگا۔ انا عملک الصالح کہ میں تیرا نیک عمل ہوں۔ اس کے برعکس کافر اور فاسق و فاجر کے سامنے ڈراؤنی ہیبت ناک شکل آئے گی۔ اور یہ شخص جب پوچھے گا کہ تو کون ہے تیرے چہرے سے تو شر ٹپک رہا ہے اس پر یہ شکل جواب دے گی انا عملک الخبیث میں تیرا خبیث عمل ہوں۔ الغرض یہ عالم برزخ عالم آخرت کا دیباچہ ہے۔ جیسا انجام نجات یا ہلاکت کا ہونا ہے اسی کے مطابق قبر ہی میں معاملہ شروع ہو جائے گا۔

نکیرین کا سوال کس سے ہوگا: شیخ عبد الکریم شہرستانی نہایۃ الاقوام میں فرماتے ہیں کہ نکیرین کا سوال و جواب کے لئے روح کا تمام اجزاء بدن سے تعلق ضروری نہیں ہے۔ بعض اجزاء کا بدن سے تعلق کافی ہے۔ کیونکہ زندگی میں بھی ادراک و شعور اور فہم و منطق جسم کے بعض اجزاء ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی طرح مرنے کے بعد قبر میں اللہ تعالیٰ ان اجزاء مخصوصہ کے ساتھ روح کا تعلق قائم فرما کر زندہ کر دیں گے اور نکیرین سے

سوال وجواب دراصل انہی اجزائے مخصوصہ سے ہوگا اور پھر قیامت کے روز یہی اجزاء اصلیہ حشر ونشر کے وقت اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہوں گے۔

ثواب وعذاب قبر کے دلائل

نہایۃ الاقوام للامام شہرستانی بحوالہ عقائد الاسلام حضرت مولانا محمد ادریس رحمہ اللہ بہرکیف یہ آیات اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْھَا۔ برزخ میں عذاب قبر ثابت کررہی ہے اور یہ کہ یہ عذاب قبل از قیامت ہوگا جیسے کہ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ کی تصریح اس پر دلالت کررہی ہے اور حبیب نجار کے قصہ میں جن کو کفار نے شہید کردیا تھا تو انکے متعلق ہے۔ قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّۃَ قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ کہ شہادت کے بعد ہی حکم ہوگیا کہ جنت میں داخل ہوجا۔ اور جنت میں داخل ہوگیا تو اس کو تمنا ہوئی کاش میری قوم کو بھی اس کی نعمت وکرامت کا علم ہوجائے تاکہ وہ بھی ایمان لائے تو ظاہر ہے کہ یہ ثواب مرنے کے بعد قبل از قیامت ہوا اس طرح سے ثابت ہوا کہ قبل از قیامت عذاب قبر کی طرح ثواب قبر بھی ہے جو مؤمنین ومطیعین کے لئے ہو گا۔ اسی طرح آیت واقعہ فَرَوْحٌ وَّرَیْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِیْمٍ اور یہ سلسلہ انعام مرنے کے بعد فوراً ہی ہے اور کفار کے حق میں مرنے کے بعد متصل احوال یہ ہیں فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّتَصْلِیَۃُ جَحِیْمٍ مہمانی کھولتے پانی کی اور جہنم کی آگ میں گھسنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عذاب قبر سے پناہ مانگنا احادیث متواترہ اور صریحہ سے ثابت ہے۔ (معارف کاندھلوی)

امام احمد بن حنبل کی تخریج کردہ وہ حدیث جس کا یہ مضمون ہے کہ ایک یہودی عورت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آیا کرتی۔ اور حضرت عائشہؓ اس کی مدد فرمایا کرتیں۔ تو جب بھی اس کے ساتھ کوئی احسان وغیرہ کرتیں تو وہ یہود یہ یہ دعا دیتی کہ وقاک اللہ عذاب القبر (اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب قبر سے بچائے) حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا۔ یہ یہود یہ جھوٹ بولتی ہے۔ اور یہ لوگ تو اللہ پر بہت ہی جھوٹے ہیں قیامت سے پہلے کوئی عذاب نہیں۔ پھر آپ کچھ دن گذرنے کے بعد ایک روز نصف النہار کے وقت اپنی چادر اوڑھے باہر نکلے۔ اور گھبراہٹ کی وجہ سے آپ کی آنکھیں سرخ تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم باآواز بلند فرمارہے تھے القبر کقطع اللیل المظلم کہ قبر تورات کے تاریک ٹکڑوں کی طرح ہے اے لوگو! اگر تم کو وہ باتیں معلوم ہوجائیں جو میں جانتا ہوں تو تم لوگ کثرت سے رویا کرو اور بہت کم ہنسا کرو۔ اے لوگو! پناہ مانگو اللہ کی عذاب قبر سے۔ کیونکہ عذاب قبر حق ہے۔ اس حدیث کو اگرچہ بخاری اور مسلم نے روایت نہیں کیا مگر یہ ان کی شرط پر ہے۔ آپ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ انکم تفتنون فی القبور قریباً من فتنۃ الدجال۔ امام بخاری ومسلم نے عبداللہ بن عمرؓ کی سند سے یہ حدیث تخریج فرمائی ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان احدکم اذا مات عرض علیہ مقعدہ بالغداۃ والعشی. ان کان من اھل الجنۃ فمن اھل الجنۃ وان کان من اھل النار فمن اھل النار. فیقال ھذا مقعدک حتی یبعثک اللہ عزوجل الی یوم القیمۃ۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

(کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص مر جاتا ہے تو اس پر اس کا ٹھکانہ صبح وشام پیش (اور ظاہر) کیا جاتا ہے اگر اہل جنت سے ہوتا ہے تو جنت والوں کا ٹھکانہ اور اگر اہل جہنم میں سے ہوتا ہے تو جہنم والوں کا ٹھکانہ۔ اور ان میں سے ہر ایک کو یہی کہلایا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا ٹھکانہ یہاں تک کہ تجھ کو اللہ عزوجل قیامت کے روز اٹھانہ لے)

صبح وشام آگ

حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے فرمایا کہ آل فرعون کی روحیں سیاہ پرندوں کے جوف کے اندر داخل ہوکر روزانہ دو مرتبہ صبح شام دوزخ پر پیش ہوتی ہیں اور ان سے کہا جاتا ہے کہ اے آل فرعون قیامت برپا ہونے تک تمہارا یہی ٹھکانہ ہے اس کی تائید حضرت عبداللہؓ بن عمر کی اس روایت سے ہوتی ہے جو صحیحین میں مذکورہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مر جاتا ہے تو اس کی قیام گاہ صبح شام اس کے سامنے لائی جاتی ہے اگر وہ جنتی ہوتا ہے تو جنت والوں کی قیام گاہ اور اگر دوزخی ہوتا ہے تو دوزخ والوں کی قیام گاہ (اس کے سامنے لائی جاتی ہے) اور اس سے کہا جاتا ہے یہ ہی تیری رہنے کی جگہ اس وقت تک ہے جب تک کہ اللہ قیامت کے دن تجھے اٹھائے گا۔

آیت سے ثابت ہورہا ہے کہ روح باقی رہتی ہے اور قبر (یعنی برزخ) میں عذاب ہوتا ہے (متعدد) احادیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں اور اسی پر اجماع علماء ہے۔

اَدْخِلُوْا۔ یعنی (عذاب کے) فرشتوں کو حکم دیا جائے گا کہ آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کردو۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اشد العذاب سے مراد ہے طرح طرح کا عذاب جو عالم برزخ کے عذاب سے بالکل الگ قسم کا ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ فرماتے ہیں تم میں سے جب کبھی کوئی مرتا ہے ہر صبح شام اس کی جگہ اس کے سامنے پیش کی جاتی ہے اگر وہ جنتی ہے تو جنت اور اگر وہ جہنمی ہے تو جہنم۔ اور کہا جاتا ہے کہ تیری اصلی جگہ یہ ہے جہاں تجھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بھیجے گا۔ یہ حدیث صحیح بخاری صحیح مسلم میں بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ایک طالب علمانہ اشکال اور اس کا حل

بعض حدیثوں میں کچھ ایسے مضامین وارد ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب برزخ کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینے شریف کی

ہجرت کے بعد ہوا اور یہ آیت مکہ شریف میں نازل ہوئی ہے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ آیت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ مشرکوں کی روحیں صبح شام جہنم کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ یہ عذاب ہر وقت جاری اور باقی رہتا ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی کہ آیا یہ عذاب صرف روح کو ہی ہوتا ہے یا جسم کو بھی؟ اس کا علم خدا کی طرف سے آپؐ کو مدینے شریف میں کرایا گیا اور آپؐ نے اسے بیان فرمادیا۔ پس حدیث وقرآن ملا کر مسئلہ یہ ہوا کہ عذاب و ثواب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے اور یہی حق ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۛ أَدْخِلُوْٓا اٰلَ

اور جس دن قائم ہو گی قیامت حکم ہو گا داخل کرو

فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿٤٦﴾ وَإِذْ

فرعون والوں کو سخت سے سخت عذاب میں اور جب

يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا

آپس میں جھگڑیں گے آگ کے اندر پھر کہیں گے کمزور

لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ

غرور کرنے والوں کو ہم تھے تمہارے تابع

تَبَعًا فَهَلْ أَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا

پھر کچھ تم ہم پر سے اُٹھا لو گے

نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿٤٧﴾

حصہ آگ کا ☆

جھوٹے لیڈروں کا انجام

☆ یعنی دنیا میں ہم سے اپنی اطاعت اور اتباع کراتے رہے، جس کی بدولت آج ہم پکڑے گئے۔ اب یہاں ہمارے کچھ تو کام آؤ۔ آخر بڑوں کو چھوٹوں کی تھوڑی بہت خبر لینی چاہئے۔ دیکھتے نہیں آج ہم کس قدر مصیبت میں ہیں۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اس مصیبت کا کوئی جزو وہم سے ہلکا کردو۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا إِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ

کہیں گے جو غرور کرتے تھے ہم سبھی پڑے ہوئے ہیں اسمیں

إِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿٤٨﴾

بیشک اللہ فیصلہ کر چکا بندوں میں ☆

☆ یعنی جو دنیا میں بڑے بنتے تھے جواب دیں گے کہ آج ہم اور تم سب اسی مصیبت میں مبتلا ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ہر ایک کے جرم کے موافق سزا کا فیصلہ سنا دیا ہے جو بالکل قطعی اور اٹل ہے۔ اب موقع نہیں رہا کہ کوئی کسی کے کام آئے ہم اپنی ہی مصیبت کو ہلکا نہیں کر سکتے پھر تمہارے کیا کام آسکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ

اور کہیں گے جو لوگ پڑے ہیں آگ میں دوزخ کے

جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا

داروغوں کو مانگو اپنے رب سے کہ ہم پر ہلکا کر دے

يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿٤٩﴾

ایک دن تھوڑا عذاب ☆

داروغوں سے درخواست

☆ یعنی اپنے سرداروں کی طرف سے مایوس ہو کر ان فرشتوں سے درخواست کریں گے جو دوزخ کے انتظام پر مسلط ہیں کہ تم ہی اپنے رب سے کہہ کر کوئی دن تعطیل کا کرادو، جس میں ہم پر سے عذاب کچھ ہلکا ہو جایا کرے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْٓا أَوَلَمْ تَكُ تَأْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ

وہ بولے کیا نہ آتے تھے تمہارے پاس تمہارے رسول

بِالْبَيِّنٰتِ ۖ قَالُوْا بَلٰى ۚ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ

کھلی نشانیاں لے کر کہیں گے کیوں نہیں بولے پھر پکارو

وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ إِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿٥٠﴾

اور کچھ نہیں کافروں کا پکارنا مگر بھٹکنا ☆

اب وقت نکل چکا ہے

یعنی اس وقت ان کی بات نہ مانی اور انجام کی فکر نہ کی جو کچھ کام چلتا، اب موقع ہاتھ سے نکل چکا کوئی سعی سفارش یا خوشامد درآمد کام نہیں دے

سکتی۔ پڑے چیختے چلاتے رہو۔ نہ ہم ایسے معاملات میں سفارش کر سکتے ہیں نہ تمہاری چیخ پکار سے کوئی فائدہ ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں" دوزخ کے فرشتے کہیں گے سفارش کرنا ہمارا کام نہیں ہم تو عذاب دینے پر مقرر ہیں سفارش کام ہے رسولوں کا سو رسولوں سے تم برخلاف ہی تھے" (تنبیہ) آیت ہذا سے معلوم ہوا کہ آخرت میں کافروں کی دعا کا کوئی اثر نہ ہوگا باقی دنیا میں کافر کے مانگنے پر اللہ تعالیٰ کوئی چیز دیدیں وہ دوسری بات ہے جیسے ابلیس کو قیامت تک مہلت دیدی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
کی دنیا کی زندگانی میں ☆

دنیا میں مدد ☆یعنی دنیا میں ان کا بول بالا کرتا ہے جس مقصد کے لئے وہ کھڑے ہوتے ہیں اللہ کی مدد سے اس میں کامیابی ہوتی ہے۔ حق پرستوں کی قربانیاں کبھی ضائع نہیں جاتیں درمیان میں کتنا ہی اتار چڑھاؤ ہو اور کیسے ہی امتحانات پیش آئیں مگر آخر ان کا مشن کامیاب ہو کر رہتا ہے۔ علمی حیثیت سے حجت و برہان میں تو وہ ہمیشہ ہی منصور رہتے ہیں لیکن مادی فتح اور ظاہری عزت ورفعت بھی آخر کار ان ہی کو حاصل ہوتی ہے سچائی کے دشمن کبھی معزز نہیں رہ سکتے۔ ان کا علو اور عروج محض ہنڈیا کا جھاگ اور سوڈے کا ابال ہوتا ہے۔ انجام کار مومنین قانتین کے مقابلہ میں ان کو پست اور ذلیل ہونا پڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے اپنے اولیاء کا انتقام لئے بدون نہیں چھوڑتا لیکن واضح رہے کہ آیت میں جن مومنین کے لئے وعدہ کیا گیا شرط یہ ہے کہ وہ حقیقی مومن اور رسولوں کے متبع ہوں کما قال تعالیٰ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آل عمران۔ رکوع ۱۴) مومنین کی خصلتیں قرآن میں جابجا مذکور ہیں چاہئے کہ مسلمان اس کسوٹی پر اپنے کو کس کر دیکھ لیں۔ (تفسیر عثمانی)

ضحاک نے کہا دنیا میں مدد کرنے سے مراد ہے دلیل و برہان سے مدد کرنا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا غلبہ عطا کرنا مراد ہے۔ بیضاوی نے کہا اگرچہ کبھی کافروں کو بھی غلبہ عطا کیا گیا لیکن اعتبار انجام ومآل اور اکثریت کا ہے (اور اکثر صورتوں میں پیغمبروں کو کافروں پر غلبہ ہی عطا کیا گیا ہے) بعض لوگوں نے کہا نصرت رسل سے مراد ہے دشمنوں سے انتقام (یعنی دنیا میں اللہ نے پیغمبروں کے دشمنوں سے پیغمبروں کا انتقام ضرور لیا) (تفسیر مظہری)

اللہ تعالیٰ کی سنت: الغرض حق تعالیٰ کی یہ سنت قدیم ہمیشہ سے جاری رہی کہ وہ اپنے مومن بندوں کی مدد فرماتا ہے۔ اور ان کے ظالموں سے بدلہ لے کر مومنین کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے حق تعالیٰ کی اس سنت قدیم کو ابو ہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک سے نقل فرماتے ہیں۔ فرمایا حق تعالیٰ کا ارشاد ہے جو بھی میرے کسی دوست سے دشمنی کا معاملہ کرے۔ بس اس نے میرے مقابلہ میں اعلان جنگ کر دیا۔ اور میدان میں میرے سامنے نکل آیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ خداوند عالم نے قوم نوحؑ عاد وثمود، قوم لوط اور اصحاب مدین اور ایسے اللہ کے رسولوں سے عداوت و مقابلہ کرنے والوں کا کیسا عبرت ناک انجام دنیا کو دکھایا اور سب سے آخیر میں خاتم الانبیاء والمرسلین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کی اللہ نے کیسی مدد اور کامیابی فرمائی اور دشمنوں کو ذلیل ورسوا کر کے کلمۃ اللہ ہی العلیا اور لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کا منظر دکھایا۔ گو ایک وقت مغلوبیت کا گذارا مکہ سے ہجرت بھی کرنی پڑی۔ مگر مظلومیت اور بے بسی کے اس دور کے ساتھ ہی ساتھ انصار کا گروہ مہیا فرمادیا جن کی زندگیاں اللہ کے رسولؐ اور ان پر ایمان لانے والوں کے لئے سراپا نصرت ہی نصرت تھیں۔ پھر اللہ نے کفار پر جنگ بدر میں غلبہ دیا۔ ان کے رؤسا اور سردار قتل کئے گئے۔ قید و بند کی ذلت سامنے آ گئی فدیہ دیکر رہائی حاصل کرنا ہی اپنے ہاتھوں اپنی ذلت و پستی کو اختیار کر لینا تھا۔ تا آنکہ مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ وہی سردار وہی رؤسا قریش دست بستہ سرنگوں شرمسار آپ کے سامنے معافی مانگتے ہوئے حاضر ہو رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر احسان فرماتے ہوئے یہ فرماتے جا رہے ہیں۔ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ جزیرہ عرب اور یمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع ہوا اور اہل کتاب جزیہ گذار ہو گئے۔ اور لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد خلفاء راشدین کے دور فارس وروم۔ افریقہ، اندلس اور کابل تک فتوحات کا سلسلہ پھیل گیا۔ اور اسلام کا کلمہ اور دین کا غلبہ مشرق و مغرب میں دنیا نے دیکھ لیا (تفسیر ابن کثیر ج ۴) (معارف کاندھلوی)

وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝۵۱
اور جب کھڑے ہونگے گواہ ☆

اہل حق کا اعزاز ☆یعنی میدان حشر میں جبکہ اولین وآخرین جمع ہوں گے حق تعالیٰ اپنے فضل سے علی رؤس الاشہاد ان کی سربلندی اور عزت ورفعت کو ظاہر فرمائے گا۔ دنیا میں تو کچھ شبہ بھی رہ سکتا ہے اور التباس ہو جاتا ہے، وہاں ذرا بھی ابہام والتباس باقی نہ رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ باجماع مفسرین یہ دن قیامت کا دن ہے۔ اور الاشہاد کی تفسیر ملائکہ سے کی گئی۔ جو بندوں کے نامہ ہائے اعمال لئے

میدان حشر میں موجود ہوں گے۔ (معارف کاندھلوی)

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ
جس دن کام نہ آئیں منکروں کو اُن کے بہانے
وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾
اور اُن کو پھٹکار ہے اور اُنکے واسطے برا گھر ☆

☆ یعنی ان کی کوئی مدد اور دستگیری نہ ہوگی۔ یہ مقبولین کے بالمقابل مطرودین کا انجام بیان فرمادیا۔ (تفسیر عثمانی)

سوٓء الدار کی تفسیر: بعض مفسرین مثلاً سدی یہ بیان کرتے ہیں۔ بئس المنزل والمقیل۔ یعنی بہت ہی بری اترنے کی جگہ اور بہت ہی بُری آرام گاہ اور جہنم کو آرام گاہ کہنا ایسا ہی ہوگا جیسے فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ میں لفظ بشارت استعمال کیا گیا۔ اس کی تفسیر انجام کی تباہی اور بربادی سے فرمایا کرتے تھے۔ (معارف کاندھلوی)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا
اور ہم نے دی موسیٰ کو راہ کی سوجھ اور وارث کیا
بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًى وَّذِكْرٰى
بنی اسرائیل کو کتاب کا بجھانے اور سمجھانے والی
لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾
عقلمندوں کو ☆

قابل عبرت ☆ یعنی دنیا ہی میں دیکھ لو کہ فرعون اور اسکی قوم کو باوجود اس قدر طاقت وجبروت کے حق کی دشمنی نے کس طرح ہلاک و برباد کر کے چھوڑا اور موسیٰ علیہ السلام کی برکت ورہنمائی سے بنی اسرائیل کی مظلوم اور کمزور قوم کو کس طرح ابھارا اور اس عظیم الشان کتاب (تورات) کا وارث بنایا جو دنیا میں عقل مندوں کے لئے شمع ہدایت کا کام دیتی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ
سو تو ٹھہرا رہ بیشک وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے اور بخشوا
لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ
اپنا گناہ اور پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں شام کو
وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾
اور صبح کو ☆

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور فتح ہوگی

☆ یعنی آپ بھی تسلی رکھئے جو وعدہ آپ کے ساتھ ہے ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ خداوند قدوس دارین میں آپ کو اور آپ کے طفیل میں آپ کے متبعین کو سربلند رکھے گا۔ ضرورت اس کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کے شدائد و نوائب پر صبر کریں اور جن سے جس درجہ کی تقصیر کا امکان ہو اس کی معافی خدا سے چاہتے رہیں اور ہمیشہ رات دن صبح و شام اپنے پروردگار کی تسبیح وتحمید کا قولاً وفعلاً ورد رکھیں ظاہر و باطن میں اس کی یاد سے غافل نہ ہوں پھر اللہ کی مدد یقینی ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنا کر ساری امت کو سنایا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دن میں سوسو بار استغفار کرتے ہر بندے کی تقصیر اس کے درجے کے موافق ہے اس لئے ہر کسی کو استغفار ضروری ہے۔" (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ
جو لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں بغیر
سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ
کسی سند کے جو پہنچی ہو اُن کو اور کوئی بات نہیں انکے دلوں میں
اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ
غرور ہے کہ کبھی نہ پہنچیں گے اُس تک ☆

تکبر ☆ یعنی جو لوگ اللہ کی دلائل توحید اور کتب سماویہ اور اس کے پیغمبروں کے معجزات وہدایات میں خواہ مخواہ جھگڑتے اور بے سند باتیں نکال کر حق کی آواز کو دبانا چاہتے ہیں، ان کے ہاتھ میں کچھ حجت ودلیل نہیں۔ نہ فی الواقع ان کھلی ہوئی چیزوں میں شک وشبہ کا موقع ہے۔ صرف شیخی اور غرور مانع ہے کہ حق کے سامنے گردن جھکائیں اور پیغمبر کا اتباع کریں۔ وہ اپنے کو بہت اونچا کھینچتے ہیں۔ چاہتے یہ ہیں کہ پیغمبر سے اوپر ہو کر رہیں یا کم از کم اسکے سامنے جھکنا نہ پڑے لیکن یاد رکھیں کہ وہ اس مقصد کو کبھی نہیں پہنچ سکتے۔ پیغمبر کے سامنے سر اطاعت جھکانا پڑے گا ورنہ سخت ذلیل ورسوا ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ
سو تو پناہ مانگ اللہ کی بیشک وہ سُنتا

الْبَصِيْرُ ﴿۵۶﴾

دیکھتا ہے☆

☆یعنی اللہ کی پناہ مانگ کہ وہ ان مجادلین کے خیالات سے بچائے اور ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ آگے بعض مسائل کی تحقیق ہے جن میں وہ لوگ جھگڑتے تھے مثلاً بعث بعد الموت (موت کے بعد دوبارہ اٹھایا جانا) کہ اس کو وہ محال سمجھتے تھے یا توحید باری جس کا انکار کرتے تھے۔ (تفسیر عثانی)

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ

البتہ پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا بڑا ہے

خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا

لوگوں کے بنانے سے لیکن بہت لوگ نہیں

يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾

سمجھتے ☆

موت کے بعد زندگی ☆یعنی بظاہر مادی حیثیت سے آسمان وزمین کی عظمت وجسامت کے سامنے انسان کی کیا حقیقت ہے۔ لیکن مشرکین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا وہ ہی خداوند قدوس ہے۔ پھر جس نے اتنی بڑی مخلوقات کو پیدا کیا اسے آدمیوں کا پہلی بار یا دوسری بار پیدا کر دینا کیا مشکل ہوگا۔ تعجب ہے کہ ایسی موٹی بات کو بہت لوگ نہیں سمجھتے۔ (تفسیر عثانی)

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ

اور برابر نہیں اندھا اور آنکھوں والا اور نہ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ؕ

ایمان دار جو بھلے کام کرتے ہیں اور نہ بدکار

قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ السَّاعَةَ

تم بہت کم سوچ کرتے ہو تحقیق قیامت

لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۡ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

آنی ہے اس میں دھوکا نہیں ولیکن بہت

النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾

لوگ نہیں مانتے ☆

مومن اور بدکار

☆یعنی ایک اندھا جسے حق کا سیدھا راستہ نہیں سوجھتا اور ایک آنکھوں والا جو نہایت بصیرت کے ساتھ صراط مستقیم کو دیکھتا اور سمجھتا ہے۔ کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ یا ایک نیکوکار مومن اور کافر بدکار کا انجام یکساں ہو سکتا ہے؟ اگر ایسا نہیں تو ضرور ایک دن چاہیے جب ان کا باہمی فرق کھلے اور دونوں کے علم وعمل کے ثمرات اپنی اکمل ترین صورت میں ظاہر ہوں مگر افسوس کہ تم اتنا بھی نہیں سوچتے۔ (تفسیر عثانی)

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ

اور کہتا ہے تمہارا رب مجھ کو پکارو کہ پہنچوں تمہاری پکار کو☆

☆یعنی میری ہی بندگی کرو کہ اسکی جزاء دوں گا اور مجھ ہی سے مانگو کہ تمہارا مانگنا خالی نہ جائے گا۔ (تفسیر عثانی)

اس امت کے لئے مخصوص تین چیزیں

حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں اس امت کو تین چیزیں ایسی دی گئی ہیں کہ ان سے پہلے کسی امت کو نہیں دی گئیں بجز نبی کے۔ دیکھو ہر نبی کو خدا کا فرمان یہ ہوا ہے کہ تو اپنی امت پر گواہ ہے۔ لیکن تمام لوگوں پر گواہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کیا ہے۔ اگلے نبیوں سے کہا جاتا تھا کہ تجھ پر دین میں حرج نہیں۔ لیکن اس امت سے فرمایا گیا کہ تمہارے دین میں تم پر کوئی حرج نہیں۔ ہر نبی سے کہا جاتا تھا کہ مجھے پکار میں تیری پکار قبول کروں گا لیکن اس امت کو فرمایا گیا کہ تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار قبول فرماؤں گا (ابن ابی حاتم) امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ اور حاکمؒ بھی اسے اپنی صحیح میں لائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی شان: اَللّٰهُ يَغْضَبُ اِنْ تَرَكْتَ سُؤَالَهُ ، وَبَنِيَّ اٰدَمَ حِيْنَ يُسْاَلُ يَغْضَبُ یعنی اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جب تو اس سے نہ مانگے تو وہ ناخوش ہوتا ہے اور انسان کی یہ حالت ہے کہ اس سے مانگو تو وہ روٹھ جاتا ہے۔ مسند میں ہے جو شخص خدا سے دعا نہیں کرتا اللہ اس پر غضبناک ہوتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

چار باتیں: انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث قدسی کا مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے۔ فرمایا حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے۔ چار باتیں ہیں جن میں سے ایک میرے واسطے اور ایک اے میرے بندے تیرے واسطے ہے۔ اور ایک میرے اور تیرے درمیان ہے اور ایک وہ ہے جو تیرے اور میرے دوسرے تمام بندوں کے درمیان ہے۔

جو چیز میرے واسطے ہے وہ یہ ہے کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرنا۔ اور جو چیز تیری مجھ پر ہے وہ یہ ہے کہ جو بھی تو عمل خیر کرے گا اس کی

جزاء میرے ذمہ ہے اور جو چیز میرے اور تیرے درمیان ہے وہ یہ کہ تو دعا کرے اور میں اس کو قبول کروں اور جو تیرے اور مخلوق کے درمیان ہے وہ یہ کہ تو ان کے واسطے وہی چیز پسند کر جو اپنے واسطے پسند کرتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ
بیشک جو لوگ تکبر کرتے ہیں میری بندگی سے
سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝٦٠
اب داخل ہونگے دوزخ میں ذلیل ہو کر ☆

☆ بندگی کی شرط ہے اپنے رب سے مانگنا نہ مانگنا غرور ہے اور اس آیت سے معلوم ہوا ہے کہ اللہ بندوں کی پکار کو پہنچتا ہے یہ بات تو بے شک برحق ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر بندے کی ہر دعا قبول کیا کرے یعنی جو مانگے وہ ہی چیز دیدے نہیں اس کی اجابت کے بہت سے رنگ ہیں جو احادیث میں بیان کردیئے گئے ہیں۔ کوئی چیز دینا اسکی مشیت پر موقوف اور حکومت کے تابع ہے۔ کما قال فی موضع آخر فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ (انعام۔ رکوع ۴) بہر حال بندہ کا کام ہے مانگنا اور یہ مانگنا خود ایک عبادت بلکہ مغز عبادت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تکبر کرنے والوں کا حشر

مسند احمد میں ہے کہ قیامت کے دن متکبر لوگ چیونٹیوں کی شکل میں جمع کئے جائیں گے۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی ان کے اوپر ہوگی۔ انہیں بولس نامی جہنم کے جیل خانے میں ڈالا جائے گا اور بھڑکتی ہوئی سخت آگ ان کے سروں پر شعلے مارے گی۔ انہیں جہنمیوں کا لہو پیپ اور پاخانہ پیشاب پلایا جائے گا۔

قابل تعجب آدمی: ابن ابی حاتم میں ہے ایک بزرگ فرماتے ہیں میں ملک روم میں کافروں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گیا تھا ایک دن میں نے سنا کہ ہاتف غیب ایک پہاڑ کی چوٹی سے یہ آواز بلند کہہ رہا ہے خدایا! اُس پر تعجب ہے جو تجھے پہنچانتے ہوئے تیرے سوا دوسرے کی ذات سے امیدیں وابستہ رکھتا ہے۔ خدایا! اُس پر بھی تعجب ہے جو تجھے پہچانتے ہوئے اپنی حاجتیں دوسروں کے پاس لے جاتا ہے۔ پھر ذرا ٹھہر کر ایک پُر زور آواز لگائی اور کہا پورا تعجب اس پر ہے جو تجھے پہچانتے ہوئے دوسرے کی رضا مندی حاصل کرنے کے لئے وہ کام کرتا ہے جن سے تو ناراض ہو جائے۔ یہ سن کر میں نے بلند آواز سے پوچھا کہ تو کوئی جن ہے یا انسان؟ جواب آیا کہ انسان ہوں تو اُن کاموں سے اپنا دھیان ہٹا لے جو تجھے فائدہ نہ دیں اور ان کاموں میں مشغول ہو جا جو تیرے فائدے کے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

دعاء کی حقیقت: دُعاء کے لفظی معنے پکارنے کے ہیں اور اکثر استعمال کسی حاجت وضرورت کیلئے پکارنے میں ہوتا ہے۔ کبھی مطلق ذکر اللہ کو بھی دعا کہا جاتا ہے۔ یہ آیت امت محمدیہ کا خاص اعزاز ہے کہ ان کو دعا مانگنے کا حکم دیا گیا۔ اور اسکی قبولیت کا وعدہ کیا گیا۔ اور جو دعا نہ مانگے اس کے لئے عذاب کی وعید آئی ہے۔

حضرت قتادہؒ نے کعب احبارؒ سے نقل کیا ہے کہ پہلے زمانے میں یہ خصوصیت انبیاءؑ کی تھی کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا تھا کہ آپ دعا کریں میں قبول کروں گا۔ امت محمدیہ کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ حکم تمام اُمت کے لئے عام کر دیا گیا۔ (ابن کثیر)

حضرت نعمان بن بشیرؓ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث بیان فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ الدُّعَآءَ هُوَ الْعِبَادَةُ۔ یعنی دعاء عبادت ہی ہے اور پھر آپ نے استدلال میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ۔
(رواہ الامام احمد والترمذی والنسائی وابوداؤد وغیرہ۔ ابن کثیر)

ہر دعاء عبادت ہے اور ہر عبادت دُعاء ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عبادت نام ہے کسی کے سامنے انتہائی تذلل اختیار کرنے کا اور ظاہر ہے کہ اپنے آپ کو کسی کا محتاج سمجھ کر اس کے سامنے سوال کے لئے ہاتھ پھیلانا بڑا تذلل ہے جو مفہوم عبادت کا ہے۔ اس طرح ہر عبادت کا حاصل بھی اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور جنت اور دنیا اور آخرت کی عافیت مانگنا ہے۔ اسی لئے ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص میری حمد وثنا میں اتنا مشغول ہو کہ اپنی حاجت مانگنے کی بھی اسے فرصت نہ ملے میں اُس کو مانگنے والوں سے زیادہ دوں گا۔ (یعنی اُس کی حاجت پوری کردوں گا)۔ (رواہ الجزری فی النہایہ) اور ترمذی و مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ من شغله القرآن عن ذكرى و مسئلتى اعطيته افضل ما اعطى السائلين۔ یعنی جو شخص تلاوت قرآن میں اتنا مشغول ہو کہ مجھ سے اپنی حاجات مانگنے کی بھی اسے فرصت نہ ملے تو میں اس کو اتنا دوں گا کہ مانگنے والوں کو بھی اتنا نہیں ملتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر عبادت بھی وہی فائدہ دیتی ہے جو دعا کا فائدہ ہے۔

اور عرفات کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عرفات میں میری دعا اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی دعا (یہ کلمہ ہے) لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ۔ (رواہ ابن ابی شیبہ۔ مظہری)

اس میں عبادت اور ذکر اللہ کو دعا فرمایا ہے اور اس آیت میں عبادت بمعنے دعاء کے ترک کرنے والوں کو جو جہنم کی وعید سنائی گئی ہے وہ بصورت استکبار ہے یعنی جو شخص بطور استکبار کے اپنے آپ کو دعاء سے مستغنی سمجھ کر دُعاء چھوڑے یہ علامت کفر کی ہے اس لئے وعید جہنم کا استحقاق ہوا۔ ورنہ فی نفسہ عام دُعائیں فرض وواجب نہیں اُن کے ترک سے کوئی گناہ نہیں۔ البتہ باجماع علماء مستحب

اور افضل ہے۔ (مظہری) اور حسب تصریح احادیث موجب برکات ہے۔

فضائل دعا

حَدِیْث: - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعاء سے زیادہ کوئی چیز مکرم نہیں۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ حاکم عن ابی ہریرۃ)

حَدِیْث: - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے **الدعاء مخ العبادۃ** یعنی دعاء عبادت کا مغز ہے۔ (ترمذی عن انسؓ)

حَدِیْث: - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ سوال اور حاجت طلبی کو پسند فرماتا ہے اور سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ سختی کے وقت آدمی فراخی کا انتظار کرے۔ (ترمذی عن ابن مسعودؓ)

حَدِیْث: - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ سے اپنی حاجت کا سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کا اس پر غضب ہوتا ہے۔ (ترمذی۔ ابن حبان۔ حاکم)

ان سب روایات کو تفسیر مظہری میں نقل کر کے فرمایا کہ دعاء نہ مانگنے والے پر غضب الٰہی کی وعید اس صورت میں ہے کہ نہ مانگنا تکبر اور اپنے آپ کو مستغنی سمجھنے کی بناء پر ہو جیسا کہ آیت مذکورہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے۔

حَدِیْث: - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعا سے عاجز نہ ہو کیونکہ دُعا کے ساتھ کوئی ہلاک نہیں ہوتا۔ (ابن حبان۔ حاکم عن انسؓ)

حَدِیْث: - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعاء مومن کا ہتھیار ہے اور دین کا ستون اور آسمان و زمین کا نور ہے۔ (حاکم فی المستدرک عن ابی ہریرۃؓ)

حَدِیْث: - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کیلئے دعا کے دروازے کھول دیئے گئے اُس کے واسطے رحمت کے دروازے کھل گئے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی دعاء اس سے زیادہ محبوب نہیں مانگی گئی کہ انسان اُس سے عافیت کا سوال کرے۔ (ترمذی۔ حاکم عن ابن عمرؓ)۔ لفظ عافیت بڑا جامع لفظ ہے جس میں بلاء سے حفاظت اور ہر ضرورت و حاجت کا پورا ہونا داخل ہے۔

مَسْئَلہ: - کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا مانگنا حرام ہے وہ دعا اللہ کے نزدیک قبول نہیں ہوتی۔ (کمافی الحدیث عن ابی سعید الخدریؓ)

قبولیت دُعا کا وعدہ: آیت مذکورہ میں اس کا وعدہ ہے کہ جو بندہ اللہ سے دعا مانگتا ہے وہ قبول ہوتی مگر بعض اوقات انسان یہ بھی دیکھتا ہے کہ دعا مانگی وہ قبول نہیں ہوئی۔ اس کا جواب ایک حدیث میں ہے جو حضرت ابو سعید خدریؓ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان جو بھی دعا اللہ سے کرتا ہے اللہ اس کو عطا فرماتا ہے۔ بشرطیکہ اُس میں کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعاء نہ ہو، اور قبول فرمانے کی تین صورتوں میں سے کوئی صورت ہوتی ہے ایک یہ کہ جو مانگا وہی مل گیا، دوسرے یہ کہ اس کی مطلوب چیز کے بدلے اس کو آخرت کا کوئی اجر و ثواب دیدیا گیا۔ تیسرے یہ کہ مانگی ہوئی چیز تو نہ ملی مگر کوئی آفت و مصیبت اس پر آنے والی تھی وہ ٹل گئی۔ (مسند احمد۔ مظہری)

قبولیت دُعاء کی شرائط: آیت مذکورہ میں تو بظاہر کوئی شرط نہیں۔ یہاں تک مسلمان ہونا بھی قبولیت دعا کی شرط نہیں ہے۔ کافر کی دعا بھی اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ یہاں تک کہ ابلیس کی دُعاء تا قیامت زندہ رہنے کی قبول ہوگئی۔ نہ دعا کے لئے کوئی وقت شرط نہ طہارت اور نہ باوضو ہونا شرط ہے۔ مگر احادیث معتبرہ میں بعض چیزوں کو موانع قبولیت فرمایا ہے۔ ان چیزوں سے اجتناب لازم ہے جیسا کہ حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض آدمی بہت سفر کرتے اور آسمان کی طرف دُعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں اور یارب یارب کہہ کر اپنی حاجت مانگتے ہیں مگر ان کا کھانا حرام۔ پینا حرام۔ لباس حرام۔ ان کو حرام ہی سے غذا دی گئی تو ان کی دعا کہاں قبول ہوگی۔ (رواہ مسلم)۔

اسی طرح غفلت و بے پرواہی کے ساتھ بغیر دھیان دئے دعاء کے کلمات پڑھیں تو حدیث میں اس کے متعلق بھی آیا ہے کہ ایسی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔ (ترمذی عن ابی ہریرہؓ) (معارف مفتی اعظم)

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا
اللہ ہے جس نے بنایا تمہارے واسطے رات کو کہ اُس میں
فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا
چین پکڑو اور دن بنایا دیکھنے کا ☆

رات اور دن: رات کی ٹھنڈ اور تاریکی میں عموماً لوگ سوتے اور آرام کرتے ہیں جب دن ہوتا ہے تو تازہ دم ہو کر اسکے اجالے میں اپنے کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اس وقت دیکھنے بھالنے اور چلنے پھرنے کے لئے مصنوعی روشنیوں کی چنداں ضرورت نہیں پڑتی۔ (تفسیر عثمانی)

رات اور دن کا نظام الاوقات بہت بڑی نعمت ہے

غور کیجئے کہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ قدرت نے تمام طبقات انسان بلکہ جانوروں تک کے لئے فطری طور پر نیند کا ایک وقت معین کر دیا۔ اور اس وقت کو اندھیرا کر کے نیند کے لئے مناسب بنا دیا۔ اور سب کی طبیعت و فطرت میں رکھدیا کہ اس وقت یعنی رات کو نیند آتی ہے ورنہ جس طرح انسان اپنے کاروبار کے لئے اپنی اپنی طبیعت و سہولت کے لحاظ سے اوقات مقرر کرتا ہے۔ اگر نیند بھی اسی طرح اس کے اختیار میں ہوتی۔ اور ہر انسان اپنی نیند کا پروگرام مختلف اوقات میں بنایا کرتا تو نہ سونے والوں کو نیند کی لذت و راحت ملتی نہ

جاگنے والوں کے کام کا نظم درست ہوتا۔ کیونکہ انسانوں کی حاجتیں باہم ایک دوسرے سے متعلق ہوتی ہیں۔ اگر اوقات نیند کے مختلف ہوتے تو جاگنے والوں کے وہ کام مختل ہو جاتے جو سونے والوں سے متعلق ہیں اور سونے والوں کے وہ کام خراب ہو جاتے جن کا تعلق جاگنے والوں سے ہے اور صرف انسانوں کی نیند کا وقت متعین ہوتا۔ بہائم اور حیوانات کی نیند کے اوقات دوسرے ہوتے تو بھی انسانی کاموں کا نظام مختل ہو جاتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ

الله تو فضل والا ہے لوگوں پر

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾

اور لیکن بہت لوگ حق نہیں مانتے ☆

ناشکری: یعنی منعم حقیقی کی حق شناسی یہ تھی کہ قول وفعل اور جان ودل سے اسکا شکر ادا کرتے بہت سے لوگ شکر کے بجائے شرک کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ

وہ اللہ ہے رب تمہارا ہر چیز بنانے والا

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾

کسی کی بندگی نہیں اُسکے سوائے، پھر کہاں سے پھرے جاتے ہو☆

معبودیت کی دلیل

☆یعنی رات دن کی سب نعمتیں اس کی طرف سے مانتے ہو، تو بندگی بھی صرف اسکی ہونی چاہئے۔ اس مقام پر پہنچ کر تم کہاں بھٹک جاتے ہو کہ مالک حقیقی تو کوئی ہو اور بندگی کسی کی کی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ

اسی طرح پھرے جاتے ہیں جو لوگ کہ اللہ کی باتوں

اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ

سے منکر ہوتے رہتے ہیں اللہ ہے جس نے بنایا

لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً

تمہارے لئے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو عمارت ☆

☆یعنی قبہ کی طرح بنایا۔ (تفسیر عثمانی)

وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ

اور صورت بنائی تمہاری، تو اچھی بنائیں صورتیں تمہاری اور روزی

مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ

دی تم کو ستھری چیزوں سے وہ اللہ ہے رب تمہارا

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۴﴾

سو بڑی برکت ہے اللہ کی جو رب ہے، سارے جہان کا☆

☆سب جانوروں سے انسان کی صورت بہتر اور سب کی روزی سے اسکی روزی ستھری ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سب سے بہتر صورت اور سب سے بہتر رزق انسان کا ہے

انسان کی صورت کو اللہ تعالیٰ نے سب جانوروں سے ممتاز، اعلیٰ اور بہتر ہیئت میں بنایا ہے۔ اس کو سوچنے سمجھنے کی عقل عطا فرمائی۔ اس کے ہاتھ پاؤں ایسے بنائے کہ ان سے طرح طرح کی اشیاء ومصنوعات بنا کر اپنی راحت کے سامان پیدا کر لیتا ہے۔ اس کا کھانا پینا بھی عام جانوروں سے ممتاز ہے وہ اپنے منہ سے چرتے اور پیتے ہیں یہ ہاتھوں سے کام لیتا ہے۔ عام جانوروں کی غذا مفردات سے ہے کوئی گوشت کھاتا ہے کوئی گھاس اور پتے اور وہ بھی بالکل مفرد بخلاف انسان کے کہ یہ اپنے کھانے کو مختلف قسم کی چیزوں پھلوں۔ ترکاریوں گوشت اور مصالحہ سے لذیذ ومرغوب بنا کر کھاتا ہے۔ ایک ایک پھل سے طرح طرح کے کھانے اور اچار، مربے، چٹنی تیار کرتا ہے۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ (معارف مفتی اعظم)

هُوَ الْحَيُّ

وہ ہی زندہ رہنے والا☆

☆جس پر کسی حیثیت سے کبھی فنا اور موت طاری نہیں ہوئی نہ ہوسکتی ہے اور ظاہر ہے کہ جب اس کی حیات ذاتی ہوئی تو تمام لوازم حیات بھی ذاتی ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ

کسی کی بندگی نہیں اُسکے سوائے سو اُس کو پکارو خالص کر کر، اُسکی

الدِّيْنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۵﴾

بندگی سب خوبی اللہ کو جو رب ہے سارے جہان کا ☆

☆ کمالات اور خوبیاں سب وجود حیات کے تابع ہیں جو حی علی الاطلاق ہے وہ ہی عبادت کا مستحق اور تمام کمالات اور خوبیوں کا مالک ہوگا اسی لئے هُوَالْحَیُّ کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ فرمایا جیسا کہ پہلی آیت میں نعمتوں کا ذکر کر کے فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ فرمایا تھا۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہنا چاہئے۔ اس کا ماخذ یہی آیت ہے۔ (تفسیر عثانی)

حضرات سلف کا عمل: لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ کی تفسیر میں ابن جریر سے منقول ہے فرمایا حضرات سلف کی ایک جماعت یہ کہا کرتی تھی کہ جو شخص لا الہ الا اللہ کہے اس کو چاہئے کہ اس کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ بھی کہہ لیا کرے تاکہ اس آیت مبارکہ پر عمل ہو جائے بروایت اعمش مجاہد حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی یہی نقل فرمایا کرتے تھے۔ عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ ہر نماز کا سلام پھیرنے کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے۔ لا اِلٰهَ اِلّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لا شریک لہٗ وَلَهُ الْمُلکُ وَلَهُ الحمد وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شیءٍ قدیر. لا حول وَلا قوۃ اِلّا باللّٰہِ وَلا نَعبُدُ اِلّا اِیّاہُ. له النِّعمةُ وَلَهُ الفضل ولہُ الثناء الحسنُ. لا اِلٰهَ اِلّا اللّٰهُ مخلصین لَهُ الدِّین ولو کرہ الکافرون. اور یہ بیان کیا کرتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ کلمات ہر نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے (صحیح مسلم۔نسائی) تفسیر ابن کثیر جلد ۲ رابع۔ (معارف کاندھلوی)

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ

تو کہہ مجھ کو منع کر دیا کہ پوجوں اُن کو

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ

جن کو تم پکارتے ہو سوائے اللہ کے جب پہنچ چکیں

الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ وَ اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ

میرے پاس کھلی نشانیاں میرے رب سے اور مجھ کو حکم ہوا کہ تابع رہوں

لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۶﴾

جہان کے پروردگار کا ☆

☆ یعنی کھلے کھلے نشانات دیکھنے کے بعد کیا حق ہے کہ کوئی آدمی خدائے واحد کے سامنے سر عبودیت نہ جھکائے اور خالص اسی کا تابع فرمان نہ ہو۔ (تفسیر عثانی)

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ

وہی ہے جس نے بنایا تم کو خاک سے ☆

☆ یعنی تمہارے باپ آدم کو یا تم کو اس طرح کہ نطفہ جس غذا کا خلاصہ ہے وہ خاک سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ (تفسیر عثانی)

ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ

پھر پانی کی بوند سے پھر خون جمے ہوئے سے ☆

☆ یعنی بنی آدم کی اصل ایک پانی کی بوند (قطرہ منی) ہے جو آگے چل کر جما ہوا خون بنا دیا گیا۔ (تفسیر عثانی)

ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا

پھر تم کو نکالتا ہے بچہ پھر جب تک کہ پہنچو

اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ

اپنے پورے زور کو پھر جب تک کہ ہو جاؤ بوڑھے اور کوئی تم میں ایسا ہے

مَّنْ یُّتَوَفّٰی مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا

کہ مر جاتا ہے پہلے اس سے اور جب تک کہ پہنچو

اَجَلًا مُّسَمًّی

لکھے وعدے کو ☆

☆ یعنی بچہ سے جوان اور جوان سے بوڑھا ہوتا ہے اور بعض آدمی جوانی یا بڑھاپے سے پہلے ہی گزر جاتے ہیں۔ بہر حال سب کو ایک معین میعاد اور لکھے ہوئے وعدے تک پہنچنا ہے۔ موت اور حشر سے کوئی مستثنیٰ نہیں۔ ؎

ہر آنکہ زاد بنا چار بایدش نوشید
ز جام دہر مئے کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ

(تفسیر عثانی)

وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور تاکہ تم سوچو ☆

☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی سوچو اتنے احوال (اور دور) تم پر گزرے۔ ممکن ہے ایک حال اور بھی گزرے۔ وہ بھی مر کر جینا ہے آخر اسے کیوں محال سمجھتے ہو۔" (تفسیر عثانی)

هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓی

وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے پھر جب حکم کرے

اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۶۸﴾

کسی کام کو تو یہی کہے اُس کو کہ ہو جا وہ ہو جاتا ہے ☆

☆ یعنی اس کی قدرت کاملہ اور شان کن فیکون کے سامنے یہ کیا مشکل ہے کہ موت کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کردے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ

تو نے نہ دیکھا اُن کو جو جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں

اللّٰهِ ؕ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

کہاں سے پھرے جاتے ہیں وہ لوگ کہ جنھوں نے

بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۟ۛ

جھٹلایا اس کتاب کو اور اُس کو کہ بھیجا ہم نے اپنے رسولوں کے ساتھ

فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۰﴾

سو آخر جان لینگے ☆

☆ کہ اس تکذیب کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ

جب طوق پڑیں اُن کی گردنوں میں اور زنجیریں بھی ☆

☆ زنجیر کا ایک سرا طوق میں اٹکا ہوا اور دوسرا فرشتوں کے ہاتھ میں ہوگا۔ اس طرح مجرموں اور قیدیوں کی مانند لائے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

يُسْحَبُوْنَ ﴿۷۱﴾ فِي الْحَمِيْمِ ڏ ثُمَّ فِي النَّارِ

گھسیٹے جائیں جلتے پانی میں پھر آگ میں اُن کو

يُسْجَرُوْنَ ﴿۷۲﴾

جھونک دیں ☆

☆ یعنی دوزخ میں کبھی جلتے پانی کا اور کبھی آگ کا عذاب دیا جائیگا (اعاذنا اللہ منھما) (تفسیر عثمانی)

حمیم کیا ہے: جہنم ہی کے بہت سے طبقات ہوں گے جن میں قسم قسم کے عذاب ہوں گے۔ انہیں میں ایک طبقہ حمیم کا بھی ہوسکتا ہے جس کو بوجہ ممتاز اور الگ ہونے کے جہنم سے خارج بھی کہا جاسکتا ہے اور چونکہ یہ بھی ایک طبقہ جہنم ہی کا ہے اس لئے اس کو جہنم بھی کہا جاسکتا ہے۔ ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ اہل جہنم زنجیروں میں جکڑے ہوئے کبھی کھینچ کر حمیم میں ڈال دئے جاویں گے کبھی جحیم میں۔ (معارف مفتی اعظم)

ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ

پھر اُنکو کہیں کہاں گئے جن کو تم

تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۳﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ

شریک بتلایا کرتے تھے اللہ کے سوائے ☆

☆ یعنی اس وقت ان میں سے کوئی کام نہیں آتا ہو سکے تو ان کو مدد کے لئے بلاؤ۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا

بولیں وہ ہم سے چوک گئے ☆

☆ یعنی ہم سے گئے گزرے ہوئے۔ شاید اس وقت عابدین اور معبودین الگ الگ کردیئے جائیں گے یا ضَلُّوْا عَنَّا کا مطلب یہ ہو کہ گو موجود ہیں مگر جب ان سے کوئی فائدہ نہیں تو ہوئے نہ ہوئے برابر ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا ۭ

کوئی نہیں ہم تو پکارتے نہ تھے پہلے کسی چیز کو ☆

غلطی کا اعتراف ☆ اکثر مفسرین نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ ہم جن کو دنیا میں پکارتے تھے اب کھلا کہ وہ واقع میں کچھ چیز نہ تھے گویا یہ بطور حسرت و افسوس کے اپنی غلطی کا اعتراف ہوگا۔ لیکن حضرت شاہ صاحبؒ کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین اولین منکر ہو چکے تھے کہ ہم نے شریک ٹھہرائے ہی نہیں اب گھبرا کر منہ سے نکل جائیگا ضَلُّوْا عَنَّا جس میں شریک ٹھہرانے کا اعتراف ہوگا پھر کچھ سنبھل کر انکار کردینگے کہ ہم نے خدا کے سوا کسی کو پکارا ہی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾

اسی طرح بچلاتا ہے اللہ منکروں کو ☆

☆ یعنی جس طرح یہاں انکار کرتے کرتے چل گئے اور گھبرا کر اقرار کرلیا۔ یہ ہی حال ان کافروں کا دنیا میں تھا۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ

یہ بدلہ اُس کا جو تم اتراتے پھرتے تھے زمین میں

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُونَ ﴿٧٥﴾

ناحق اور اُس کا جو تم اکڑتے تھے☆

☆یعنی دیکھ لیا ناحق کی شیخی اور غرور و تکبر کا انجام یہ ہوتا ہے اب وہ اکڑ فوں کدھر گئی۔ (تفسیر عثمانی)

فَرَح کا معنی: مال و دولت کے نشہ میں خدا کو بھول کر معاصی سے لذت حاصل کرنا اور ان پر خوش ہونا یہ تو حرام و ناجائز ہے اور اس آیت میں یہی فَرَح مراد ہے جیسے قارون کے قصہ میں بھی فَرَح اسی معنی میں آیا ہے لَا تَفْرَحْ۔ (معارف مفتی اعظم)

اُدْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ

داخل ہو جاؤ دروازوں میں دوزخ کے☆

☆یعنی ہر قسم کے مجرم اس دروازے سے جو ان کے لئے تجویز شدہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى

سدا رہنے کو اُس میں سو کیا بُرا ٹھکانا ہے

الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٧٦﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ

غرور والوں کا سو تو ٹھہرا رہ بیشک وعدہ اللہ کا

اللَّهِ حَقٌّ ۚ فَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ

ٹھیک ہے پھر اگر ہم دکھلا دیں تجھ کو کوئی وعدہ

الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا

جو ہم ان سے کرتے ہیں یا قبض کرلیں تجھ کو، ہر حالت میں ہماری ہی طرف

يُرْجَعُونَ ﴿٧٧﴾

پھر آئیں گے☆

وعدۂ الٰہی ☆یعنی اللہ نے ان کو عذاب دینے کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔ ممکن ہے کہ کوئی وعدہ آپ کی موجودگی میں پورا ہو (جیسا کہ ''بدر'' اور ''فتح مکہ'' وغیرہ میں ہوا) یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہوا بہر حال یہ ہم سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے سب کا انجام ہمارے ہاتھ میں ہے اس زندگی کے بعد عذاب کی تکمیل اس زندگی میں ہوگی۔ چھٹکارہ کسی صورت سے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ

اور ہم نے بھیجے ہیں بہت رسول تجھ سے پہلے

مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ

بعضے اُن میں وہ ہیں کہ سنایا ہم نے تجھ کو اُن کا احوال

مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۗ

اور بعضے ہیں کہ نہیں سنایا ☆

☆یعنی بعض کا تفصیلی حال تجھ سے بیان کیا، بعض کا نہیں کیا (اور ممکن ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد ان کا بھی مفصل حال بیان کر دیا ہو) بہر حال جن کے نام معلوم ہیں ان پر تفصیلاً اور جن کے نام وغیرہ معلوم نہیں ان پر اجمالاً ایمان لانا ضروری ہے لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ

اور کسی رسول کو مقدور نہ تھا کہ لے آتا کوئی نشانی

إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ

مگر اللہ کے حکم سے☆

مختار کل اللہ تعالیٰ ہے ☆یعنی اللہ کے سامنے سب عاجز ہیں۔ رسولوں کو یہ بھی اختیار نہیں کہ جو معجزہ چاہیں دکھلا دیا کریں، صرف وہ ہی نشانات دکھلا سکتے ہیں جسکی اجازت حق تعالیٰ کی طرف سے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ

پھر جب آیا حکم اللہ کا فیصلہ ہو گیا انصاف سے

وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ ﴿٧٨﴾

اور ٹوٹے میں پڑے اُس جگہ جھوٹے ☆

☆یعنی جس وقت اللہ کا حکم پہنچتا ہے رسولوں اور انکی قوموں کے درمیان منصفانہ فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ اس وقت رسول سرخرو اور کامیاب ہوتے ہیں اور باطل پرستوں کے حصہ میں ذلت و خسران کے سوا کچھ نہیں آتا۔ (تفسیر عثمانی)

اَللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَنْعَامَ لِتَرْكَبُوا

اللہ ہے جس نے بنا دیئے تمہارے واسطے چوپائے تاکہ سواری کرو

مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٧٩﴾ وَلَكُمْ فِيهَا

بعضوں پر اور بعضوں کو کھاتے ہو اور ان میں تم کو

مَنَافِعُ

بہت فائدے ہیں☆

مثلاً ان کے چمڑے، بال اور اون وغیرہ سے طرح طرح کے فائدے اٹھاتے ہو۔ (تفسیر عثانی)

وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ

اور، کہ پہنچو ان پر چڑھ کر کسی کام تک جو تمہارے جی میں ہو☆

سواری کرنا بجائے خود ایک مقصد ہے اور سواری کے ذریعہ سے انسان بہت مقاصد دینی و دنیوی حاصل کرتا ہے۔ (تفسیر عثانی)

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴿٨٠﴾

اور اُن پر اور کشتیوں پر لدے پھرتے ہو☆

یعنی خشکی میں جانوروں کی پیٹھ پر اور دریا میں کشتیوں پر لدے پھرتے ہو۔ (تفسیر عثانی)

وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَأَيَّ آيَاتِ اللَّهِ

اور دکھلاتا ہے تم کو اپنی نشانیاں پھر کون کونسی نشانیوں کو

تُنْكِرُونَ ﴿٨١﴾

اپنے رب کی نہ مانو گے☆

یعنی اس قدر کھلے نشان دیکھنے پر بھی آدمی کہاں تک انکار ہی کرتا چلا جائے گا (اور ابھی کیا معلوم اللہ اور کتنے نشان دکھلائے گا)۔ (تفسیر عثانی)

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا

کیا پھرے نہیں وہ ملک میں کہ دیکھ لیتے

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

کیسا انجام ہوا اُن سے پہلوں کا

كَانُوا أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَآثَارًا

وہ تھے اُن سے زیادہ اور زور میں سخت اور نشانیوں

فِي الْأَرْضِ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا

میں جو چھوڑ گئے ہیں زمین پر، پھر کام نہ آیا اُن کے جو وہ

يَكْسِبُونَ ﴿٨٢﴾

کماتے تھے☆

عذاب الٰہی ☆ یعنی پہلے بہت قومیں گزر چکیں جو جتھے میں اور زور و قوت میں ان سے بہت زیادہ تھیں۔ انہوں نے ان سے کہیں بڑھ کر زمین پر اپنی یادگاریں اور نشانیاں چھوڑیں لیکن جب خدا کا عذاب آیا تو وہ زور و طاقت اور ساز و سامان کچھ بھی کام نہ آسکا۔ یوں ہی تباہ و برباد ہو کر رہ گئے۔ (تفسیر عثانی)

فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا

پھر جب پہنچے اُنکے پاس رسول اُن کے کھلی نشانیاں لے کر اترانے لگے

بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ

اُس پر جو اُنکے پاس تھی خبر اور اُلٹ پڑی اُن پر وہ چیز

مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٨٣﴾

جس پر ٹھٹھا کرتے تھے☆

پیغمبروں پر استہزاء کا انجام ☆ یعنی وجوہ معاش اور مادی ترقیات کا جو علم ان کے پاس تھا اور جن غلط عقیدوں پر دل جمائے ہوئے تھے اس پر اتراتے رہے اور انبیاء علیہم السلام کے علوم و ہدایات کو حقیر سمجھ کر مذاق اڑاتے رہے۔ آخر ایک وقت آیا جب ان کو اپنی ہنسی مذاق کی حقیقت کھلی اور ان کا استہزاء و تمسخر خود ان ہی پر الٹ پڑا۔ (تفسیر عثانی)

جہل مرکب: جیسے یونانی فلاسفہ کے بیشتر علوم و تحقیقات جو الٰہیات سے متعلق ہیں اسی نمونہ کی ہیں جن کی کوئی دلیل نہیں۔ ان کو جہل مرکب تو کہہ سکتے ہیں۔ اُن کا نام علم رکھنا علم کی توہین ہے۔ یا پھر ان کے اس علم سے مراد دنیا کی تجارت، صنعت وغیرہ کا علم ہے جسمیں یہ لوگ فی الواقع ماہر تھے۔

یہ لوگ چونکہ قیامت اور آخرت کے منکر اور وہاں کی راحت وکلفت سے جاہل و غافل ہیں۔ اسی لئے اپنے اسی ظاہری ہنر پر خوش اور مگن ہو کر انبیاء کے علوم کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ (مظہری) (معارف مفتی اعظم)

فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ

پھر جب انہوں نے دیکھ لیا ہماری آفت کو، بولے ہم یقین لائے اللہ

وَحۡدَهٗ وَكَفَرۡنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ

اکیلے پر اور ہم نے چھوڑ دیں وہ چیزیں جن کو

مُشۡرِكِيۡنَ ۝۸۴

شریک بتلاتے تھے ☆

اب پچھتائے کیا ہوت ☆ یعنی جس وقت آفت آنکھوں کے سامنے آ گئی اور عذاب الٰہی کا معائنہ ہونے لگا تب ہوش آیا اور ایمان و توبہ کی سوجھی اب پتہ چلا کہ اکیلے خدائے بزرگ ہی سے کام چلتا ہے۔ جن ہستیوں کو خدائی کا درجہ دے رکھا تھا سب عاجز اور بیکار ہیں ہماری سخت حماقت اور گستاخی تھی کہ ان چیزوں کو تخت خدائی پر بٹھا دیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمۡ يَكُ يَنۡفَعُهُمۡ اِيۡمَانُهُمۡ لَمَّا

پھر نہ ہوا کہ کام آئے اُن کو یقین لانا اُن کا جس وقت

رَاَوۡا بَاۡسَنَا ؕ

دیکھ چکے ہمارا عذاب ☆

یعنی اب پچھتانے اور تقصیر کا اعتراف کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ایمان و توبہ کا وقت گزر چکا۔ عذاب دیکھ لینے پر تو ہر کسی کو بے اختیار یقین آ جاتا ہے مگر یہ یقین موجب نجات نہیں نہ اس یقین کی بدولت آیا ہوا عذاب ٹل سکتا ہے۔ قال تعالیٰ وَلَيۡسَتِ التَّوۡبَةُ لِلَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الۡمَوۡتُ قَالَ اِنِّىۡ تُبۡتُ الۡـٰٔنَ وَلَا الَّذِيۡنَ يَمُوۡتُوۡنَ وَهُمۡ كُفَّارٌ ؕ (نساء رکوع ۳) وقال فی قصۃ فرعون آٰلۡـٰٔنَ وَقَدۡ عَصَيۡتَ قَبۡلُ وَكُنۡتَ مِنَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ وفی الحدیث ان اللّٰہ تعالیٰ یقبل توبۃ العبد مالم یغرغر۔ (تفسیر عثمانی)

سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ قَدۡ خَلَتۡ فِىۡ

رسم پڑی ہوئی اللہ کی جو چلی آئی ہے اُس

عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الۡكٰفِرُوۡنَ ۝۸۵

کے بندوں میں اور خراب ہوئے اُس جگہ منکر ☆

سُنَّۃَ اللّٰہِ: یعنی ہمیشہ سے یوں ہی ہوتا رہا ہے کہ لوگ اول انکار و استہزاء سے پیش آتے ہیں پھر جب عذاب میں پکڑے جاتے ہیں اس وقت شور مچاتے اور اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ اللہ کی عادت یہ ہے کہ اس بے وقت کی توبہ قبول نہیں فرماتا۔ آخر منکرین اپنے جرائم کی پاداش میں خراب و برباد ہو کر رہ جاتے ہیں اللھم احفظنا من الخسران واحفظنا من غضبک وسخطک فی الدنیا و الآخرۃ۔ (تم سورۃ المؤمن وللہ الحمد والمنۃ) (تفسیر عثمانی)

سُوۡرَةُ حٰمٓ السَّجۡدَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِىَ اَرۡبَعٌ وَّخَمۡسُوۡنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوۡعَاتٍ

سورہ حٰم سجدہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں چون آیتیں ہیں اور چھ رکوع

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کا پڑھنے والا ایک ایسی قوم کی ہدایت کا ذریعہ بنے گا جو بحکم الٰہی شریعت کے احکام پر عمل کریں گے۔ (علامہ ابن سیرینؒ)

سورۃ حٰمٓ سجدہ کے مضامین: اس سورت کے مضامین کا حاصل زیادہ تر اثبات رسالت ہے۔ اور ضمناً بعث بعد الموت اور حشر ونشر کو بھی ثابت کیا گیا۔ بالخصوص قریش کے لوگ جو توحید خداوندی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے سے اعراض کرتے تھے ان پر وعید و تہدید بھی ہے۔ (معارف کاندھلوی)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

حٰمٓ ۝۱ تَنۡزِيۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝۲

اُتارا ہوا ہے بڑے مہربان رحم والے کی طرف سے ☆

نعمت کتاب ☆ یعنی اللہ تعالیٰ کی بہت ہی بڑی مہربانی اور رحمت بندوں پر ہے جو انکی ہدایت کے لئے ایسی عظیم الشان اور بے مثال کتاب نازل فرمائی۔ (تفسیر عثمانی)

كِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰيٰتُهٗ

ایک کتاب ہے کہ جُدی جُدی کی ہیں اُسکی آیتیں ☆

مضامین قرآن ☆ لفظی طور پر آیات کا جدا جدا ہونا تو ظاہر ہے مگر معنوی حیثیت سے بھی سینکڑوں قسم کے علوم اور مضامین کی تفصیل الگ الگ آیات میں کی گئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ۝۳

قرآن عربی زبان کا ایک سمجھ والے لوگوں کیلئے ☆

قرآن کی زبان ☆ یعنی قرآن کریم اعلیٰ درجہ کی صاف و شستہ عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے جو اسکے مخاطبین اولین کی مادری زبان تھی تاکہ ان لوگوں کو سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ خود سمجھ کر دوسروں کو پوری طرح سمجھا سکیں۔ مگر اسکے باوجود بھی ظاہر ہے کہ وہ ہی لوگ اس سے متمتع ہو سکتے ہیں جو سمجھ رکھتے ہیں۔ ناسمجھ جاہل کو اس نعمت عظمیٰ کی کیا قدر ہو سکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ

سُنانے والا خوشخبری اور ڈر ☆

☆ یعنی قرآن اپنے ماننے والوں کو نجات وفلاح کی خوشخبری سناتا اور منکروں کو برے انجام سے ڈراتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿٤﴾

پر دھیان میں نہ لائے وہ بہت لوگ سو وہ نہیں سنتے ☆

اکثریت کا اعراض ☆ یعنی ان سب باتوں کے باوجود بھی تعجب ہے کہ ان میں کے بہت لوگ اس کتاب کی بیش قیمت نصائح کی طرف دھیان نہیں کرتے اور جب ادھر دھیان ہی نہیں تو سننا کیوں چاہیں گے۔ اور فرض کیجئے کانوں سے سن بھی لیا لیکن گوش دل سے نہ سنا اور قبول کرنے کی توفیق نہ ہوئی تو سنا ان سنا برابر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن پاک کا عتبہ پر اثر: سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ قریشیوں کی مجلس ایک مرتبہ جمع تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عتبہ قریش سے کہنے لگا کہ اگر تم سب کا مشورہ ہو تو میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں انہیں کچھ سمجھاؤں اور کچھ لالچ دوں۔ اگر وہ کسی بات کو قبول کرلیں تو ہم انہیں دیدیں اور انہیں ان کے کام سے روک دیں۔ یہ واقعہ اُس دن کا ہے کہ حضرت حمزہؓ مسلمان ہو چکے تھے اور مسلمانوں کی تعداد معقول ہوگئی تھی اور روز افزوں ہوتی جاتی تھی۔ سب قریشی اس پر رضامند ہوئے یہ حضورؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا برادر زادے! تم عالی نسب ہو تم ہم میں سے ہو ہماری آنکھوں کے تارے اور ہمارے کلیجے کے ٹکڑے ہو۔ افسوس کہ تم اپنی قوم کے پاس ایک عجیب وغریب چیز لائے تم نے ان میں پھوٹ ڈلوادی۔ تم نے ان کے عقل مندوں کو بے وقوف قرار دیا۔ تم نے ان کے معبودوں کی عیب جوئی کی تم نے ان کے دین کو برا کہنا شروع کیا تم نے ان کے بڑے بوڑھوں کو کافر بنایا۔ اب سن لو آج میں آپ کے پاس ایک آخری اور انتہائی فیصلے کے لئے آیا ہوں۔ میں بہت سی صورتیں پیش کرتا ہوں ان میں سے جو آپ کو پسند ہو قبول کیجئے اور خدارا اس فتنے کو میٹ دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تمہیں کہنا ہو کہو میں سن رہا ہوں۔ اس نے کہا سنو اگر تمہارا ارادہ اس چال سے مال کے جمع کرنے کا ہے تو ہم سب مل کر تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ تم سے بڑھ کر مالدار سارے قریش میں کوئی نہ ہو۔ اور اگر آپ کا ارادہ اس سے اپنی سرداری کا ہے تو ہم سب مل کر تم کو اپنا سردار تسلیم کر لیتے ہیں۔ اور اگر آپ بادشاہ بننا چاہتے ہیں تو ہم ملک آپ کو سونپ کر رعایا بننے کیلئے بھی تیار ہیں۔ اور اگر آپ کو کوئی جن وغیرہ کا اثر ہے تو ہم اپنا مال خرچ کر کے بہتر سے بہتر طبیب اور جھاڑ پھونک کرنے والے مہیا کر کے آپ کا علاج کراتے ہیں۔ ایسا ہو جاتا ہے کہ بعض مرتبہ تابع جن اپنے عامل پر غالب آ جاتا ہے تو اسی طرح اس سے چھٹکارا حاصل کیا جاتا ہے۔ اب عتبہ خاموش ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی سب کہہ چکے؟ کہا ہاں۔ فرمایا اب میری سنو وہ متوجہ ہو گیا۔ آپؐ نے بسم اللہ الخ پڑھ کر اس سورۃ کی تلاوت شروع کی۔ عتبہ باادب سنتا رہا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدے کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا۔ پھر فرمایا ابوالولید میں کہہ چکا اب تجھے اختیار ہے۔ عتبہ یہاں سے اٹھا اور اپنے ساتھیوں کی طرف چلا۔ اس کے چہرے کو دیکھتے ہی ہر ایک کہنے لگا عتبہ کا حال بدل گیا۔ اس سے پوچھا کہو کیا بات رہی؟ اس نے کہا میں نے تو ایسا کلام سنا ہے جو واللہ اس سے پہلے کبھی نہیں سنا۔ بخدا! نہ تو وہ جادو ہے نہ شعر گوئی ہے نہ کاہنوں کا کلام ہے۔ سنو قریشیو میری مان لو اور میری جچی تلی بات کو قبول کرلو کہ اُسے اس کے خیالات پر چھوڑ دو نہ موافقت کرو نہ مخالفت جو دعوی اس کا ہے اس میں اور جو یہ کہتا ہے اس میں تمام عرب اس کا مخالف ہے وہ اپنی تمام طاقت اس کے مقابلے میں صرف کر رہا ہے۔ یا تو وہ اس پر غالب آ جائیں گے تو تم سستے چھوٹے یا یہ ان پر غالب آئے گا تو اس کا ملک تمہارا ملک کہا جائے گا اور اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی اور سب سے زیادہ اس کے نزدیک مقبول تم ہی ہو گے۔ یہ سن کر قریشیوں نے کہا ابوالولید قسم خدا کی محمدؐ نے تجھ پر جادو کر دیا۔ اس نے جواب دیا سنو جو میری رائے تھی میں آزادی سے کہہ چکا اب تمہیں اپنے فعل کا اختیار ہے۔ (تفسیر ابن کثیر اردو)

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا

اور کہتے ہیں ہمارے دل غلاف میں ہیں اُس بات سے جس کی طرف

تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ

تو ہم کو بلاتا ہے اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے

وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ

اور ہمارے اور تیرے بیچ میں پردہ ہے

فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ﴿٥﴾

سو تو اپنا کام کر ہم اپنا کام کرتے ہیں ☆

اکثریت کا جواب ☆ یعنی صرف اسی قدر نہیں کہ نصیحت کی طرف دھیان نہیں کرتے یا کان نہیں دھرتے، بلکہ ایسی باتیں کرتے ہیں جن کو سن

کرنا صح بالکلیہ مایوس ہو جائے۔ اور آئندہ نصیحت سنانے کا ارادہ بھی ترک کر دے۔ مثلاً کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر تو تمہاری باتوں کی طرف سے غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ اس لئے کوئی بات وہاں تک پہنچتی نہیں۔ اور جب تم بات کرتے ہو ہمارے کان اونچا سننے لگتے ہیں۔ ثقل سماع کی وجہ سے کچھ سنائی نہیں دیتا اور ہمارے تمہارے درمیان ایسا پردہ ہے جو ایک کو دوسرے سے ملنے نہیں دیتا، دشمنی، اور عداوت کی جو دیواریں کھڑی ہیں وہ درمیان سے اٹھ جائیں اور جو خلیج حائل ہے وہ پر ہو، تب ہم میں سے ایک دوسرے تک پہنچ سکے لیکن ایسا ہونا ناممکن ہے پھر تم کیوں اپنا مغز تھکاتے ہو۔ ہم کو ہمارے حال پر چھوڑ دو۔ تم اپنا کام کیے جاؤ، ہم اپنا کام کریں گے اس کی توقع مت رکھو کہ ہم کبھی تمہاری نصیحتوں سے متاثر ہونے والے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مِمَّا تَدْعُوْنَآ - یعنی جس توحید کی طرف تم ہم کو بلا رہے ہو اس کی طرف سے ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہیں اس لئے تمہاری بات ہم نہیں سمجھتے۔

وَفِیْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ - وقر، ثقل، گرانی، ڈاٹ، مطلب یہ کہ ہمارے کان بند ہیں اس لئے تمہاری بات نہیں سنتے۔ یعنی تمہاری دعوت ہم قبول نہیں کرتے اس طرح جیسے کوئی بے عقل اور مکمل بہرا ہو جو نہ کچھ سمجھتا ہو نہ سنتا ہو۔

حجاب کا معنی: حجابٌ۔ یعنی ہمارے اور تمہارے درمیان دین کا اختلاف ہے جو ہم کو تمہارے ساتھ جڑ جانے اور مل جانے سے روکتا ہے اور یہ حجاب بھی ایسا ہے جو ہم دونوں کی درمیانی مسافت کو پر کر دینے والا ہے دونوں کے درمیان کوئی خلاء نہیں ہے کہ ایک فریق دوسرے کی طرف بڑھ سکے اور مائل ہو سکے۔ آیات مذکورہ میں ترک قبول اور انقطاع کلی کو تمثیلی رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔

فَاعْمَلْ۔ سو آپ اپنے مذہب کے مطابق کام کریں یا یہ مطلب کہ آپ ہمارے افکار و اعمال کے خلاف کام کئے جائیں۔

آیت کا شان نزول: حضرت عمر بن خطابؓ کی روایت ہے کہ کچھ قریشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے حضورؐ نے ان سے فرمایا تمہارے مسلمان نہ ہونے کی کیا وجہ ہے اسلام لے آؤ گے تو عرب کے سردار بن جاؤ گے قریشیوں نے کہا ہم آپ کی بات نہیں سمجھتے نہ ہم کو آپ کا کلام سنائی دیتا ہے ہمارے دلوں پر تو غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ ابو جہل نے ایک کپڑا لے کر اپنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان حائل کر کے کہا محمد وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْهِ وَفِیْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَیْنِنَا وَبَیْنِكَ حِجَابٌ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو دو باتیں ماننے کی دعوت دیتا ہوں۔ شہادت دو کہ اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی ساجھی نہیں (۲) اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ کافروں نے جب یہ بات سنی تو پشت پھیر کر چل دیئے اور بولے کیا اس نے (ہمارے) تمام معبودوں کی جگہ ایک معبود کو دے دی یہ بڑی عجیب بات ہے اور ایک دوسرے سے کہنے لگا

چلو (چلو) اپنے معبودوں (کی پوجا) پر جمے رہو مقصود یہی ہے ہم نے یہ بات تو پچھلی قوموں میں نہیں سنی تھی یہ محض من گھڑت ہے کیا نصیحت نامہ ہم میں (سب کو چھوڑ کر) اسی پر نازل کیا گیا۔ اس وقت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ آپ کو سلام فرماتا ہے اور اس نے فرمایا ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کو سمجھنے سے ان کے دل پردوں میں ہیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹیں کہ ان کو کچھ سنائی نہیں دیتا اگر ان کی یہ بات صحیح ہوتی تو قرآن سن کر بھاگتے کیوں بلاشبہ یہ جھوٹے ہیں سنتے ہیں لیکن سننے سے فائدہ نہیں اٹھاتے کیونکہ ان کو قرآن سے نفرت ہے (یہ واقعہ تو پہلے دن ہوا) جب دوسرا دن ہوا تو ان میں سے ستر آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا محمدؐ ہمارے روبرو اسلام پیش کیجئے (ہم مسلمان ہونا چاہتے ہیں حضورؐ نے اسلام پیش کیا) اور وہ سب مسلمان ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات دیکھ کر مسکرا دیئے اور فرمایا کل تم کہتے تھے کہ تمہارے دل میری دعوت کی طرف سے پردہ پوش ہیں اور تمہارے کانوں میں ڈاٹیں ہیں اور آج صبح کو ہی تم مسلمان ہو گئے اللہ کا شکر ہے کہنے لگے اے اللہ کے رسول ہم نے کل جھوٹ کہا تھا اگر وہ بات سچ ہوتی تو ہم کو کبھی ہدایت نہ ملتی اللہ سچا ہے اور بندے جھوٹے ہیں اللہ غنی ہے اور ہم اس کے محتاج ہیں۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ
تو کہہ میں بھی آدمی ہوں جیسے تم حکم آتا ہے مجھ کو
اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِیْمُوْٓا اِلَیْهِ
کہ تم پر بندگی ایک حاکم کی ہے سو سیدھے رہو اس کی طرف
وَاسْتَغْفِرُوْهُ ؕ
اور اس سے گناہ بخشواؤ☆

پیغمبر کا خطاب ☆ یعنی نہ میں خدا ہوں کہ زبردستی تمہارے دلوں کو پھیر سکوں، نہ فرشتہ ہوں جس کے بھیجے جانے کی تم فرمائش کیا کرتے ہو نہ کوئی اور مخلوق ہوں، بلکہ تمہاری جنس و نوع کا ایک آدمی ہوں جس کی بات کا سمجھنا تم کو ہم جنسی کی بناء پر آسان ہونا چاہئے، اور وہ آدمی ہوں، جسے حق تعالیٰ نے اپنی آخری اور کامل ترین وحی کے لئے چن لیا ہے بناء علیہ خواہ تم کتنا ہی اعراض کرو اور کتنی ہی یاس انگیز باتیں کرو میں خدائی پیغام تم کو ضرور پہنچاؤں گا۔ مجھے بذریعہ وحی بتلایا گیا ہے کہ تم سب کا معبود اور حاکم علی الاطلاق ایک ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ لہٰذا سب کو لازم ہے کہ تمام شئون و احوال میں سیدھے اسی خدائے واحد کی طرف رخ کر کے چلیں اسکے راستہ سے ذرا

ادھر ادھر قدم نہ ہٹائیں اور پہلے اگر ٹیڑھے تر چھے چلے ہیں تو اپنے پروردگار سے اسکی معافی چاہیں۔ اور اگلی پچھلی خطائیں بخشوائیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ کا مطلب: (۱) حسن نے کہا اللہ نے آپ کو تواضع کی تعلیم دی یعنی میں تم میں سے ہی ایک شخص ہوں اگر میرے پاس وحی نہ آتی تو مجھے وہ علم حاصل نہ ہوتا جو تم دیکھ رہے ہو میرے پاس وحی ہی تو آئی ہے جس نے بتایا ہے کہ تمہارا سب کا معبود ایک ہی معبود ہے اس لئے تم پر لازم ہے کہ اس کو کان لگا کر سنو اور قبول کر لو (۲) یا اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ کا یہ مطلب ہے کہ میں فرشتہ نہیں ہوں نہ جن ہوں کہ تم اس سے تعلیم حاصل نہ کر سکو نہ خلاف عقل باتوں کی میں تم کو تعلیم دیتا ہوں بلکہ توحید کی طرف بلا رہا ہوں جو بالکل تقاضائے عقل کے بھی مطابق ہے اور نقل کے بھی موافق ہے۔ فَاسۡتَقِيۡمُوۡۤا اِلَيۡهِ وَاسۡتَغۡفِرُوۡهُ سو اس (معبود برحق) کی طرف سیدھے بندھ لو اور اس سے معافی مانگو۔ یعنی خالص توجہ کے ساتھ اللہ کی طاعت کرو اور اللہ کی اطاعت سے رخ موڑ کر کسی دوسرے کی طاعت کی طرف نہ جاؤ اور ہر طرح کے شرک و گناہ کی معافی کی درخواست اللہ سے کرو۔ اس سے آگے نافرمانوں کو عذاب کی دھمکی دی اور فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

وَوَيۡلٌ لِّلۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝ الَّذِيۡنَ لَا
اور خرابی ہے شریک کرنے والوں کو جو نہیں
يُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ
دیتے زکوٰۃ اور وہ آخرت سے
هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ۝
منکر ہیں ☆

مشرکوں کا انجام ☆ جن لوگوں کا معاملہ اللہ کے ساتھ یہ ہے کہ عاجز مخلوق کو اس کی بندگی میں شریک کرتے ہیں، اور بندوں کے ساتھ یہ ہے کہ صدقہ اور زکوٰۃ کا پیسہ کسی محتاج مسکین پر خرچ کرنے کے روادار نہیں ساتھ ہی انجام کی طرف سے بالکل غافل اور بے فکر ہیں، کیونکہ انہیں تسلیم ہی نہیں کہ مرنے کے بعد کوئی دوسری زندگی اور اچھے برے کا حساب کتاب بھی ہوگا۔ ایسوں کا مستقبل بجز ہلاکت اور خرابی و بربادی کے اور کیا ہونا ہے۔

زکوٰۃ کا مطلب (تنبیہ) بعض سلف نے یہاں "الزکوٰۃ" سے مراد کلمہ طیبہ لیا ہے۔ اور بعض نے "زکوٰۃ" کے معنی پاکیزگی اور ستھرائی کے لئے ہیں۔ مطلب یہ ہوگا کہ وہ لوگ اپنے نفس کو عقائد فاسدہ اور اخلاق ذمیمہ سے پاک و صاف نہیں کرتے۔ اس میں کلمہ طیبہ کا ترک اور زکوٰۃ وغیرہ کا ادا نہ کرنا بھی آ گیا و ھذا کما قال "قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكّٰى" وقال "قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰهَا" وقال "وَحَنَانًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً" وغیر ذلک شاید یہ معنی اس لئے یہاں لئے گئے ہوں کہ کفار مخاطب بالفروع نہیں یا اس لئے کہ آیت مکی ہے اور زکوٰۃ وغیرہ کی تشخیص مدینہ میں ہوئی۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

زکوٰۃ کو خصوصیت سے ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے

اس کا جواب قرطبی وغیرہ نے یہ دیا ہے کہ قریش عرب مالدار لوگ تھے۔ اور صدقہ و خیرات غریبوں کی امداد ان کا خاص وصف تھا۔ مگر جو لوگ مسلمان ہو جاتے۔ یہ لوگ ان کو اسی طرح کی خاندانی اور معاشرتی امداد سے بھی محروم کر دیتے تھے۔ اس کی مذمت کرنا مقصود ہے اس لئے زکوٰۃ کو خصوصیت سے ذکر کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

شرک باللہ اور انکار آخرت کے ساتھ اللہ نے آیت مذکورہ میں زکوٰۃ نہ دینے کا ذکر اس لئے کیا کہ مال سے انسان کو بہت زیادہ محبت ہوتی ہے۔ مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ایمان کی اول ترین علامت ہے۔ آیت میں (در پردہ) مومنوں کو ادائے زکوٰۃ کی ترغیب دی گئی ہے اور زکوٰۃ نہ دینے پر سخت تہدید کی گئی ہے۔

زکوٰۃ نہ دینے کا مطلب

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا لَا يُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ سے مراد یہ ہے کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار نہیں کرتے توحید کا اقرار ہی نفس کی (زکوٰۃ یعنی) طہارت ہے مطلب یہ ہے کہ توحید کا اقرار کر کے وہ شرک کی نجاست سے اپنے نفسوں کو پاک نہیں کرتے۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ (زکوٰۃ مالی مراد ہو یا طہارت اعمال دونوں صورتوں میں) آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار (جس طرح ایمان کے مکلف ہیں اسی طرح) فروع ایمان کے بھی مکلف ہیں۔

یعنی زکوٰۃ نہ دینے کی علت یہ ہے کہ وہ آخرت کے منکر ہیں جو شخص آخرت کا منکر ہو اور زکوٰۃ کے اخروی ثواب کا عقیدہ نہ رکھتا ہو وہ غریبوں کی مالی امداد کو تضیع مال کے سوا کچھ نہیں سمجھتا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
البتہ جو لوگ یقین لائے اور کئے بھلے کام
لَهُمۡ اَجۡرٌ غَيۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ۝
اُن کو ثواب ملتا ہے جو موقوف نہ ہو ☆

مومنین کا اجر ☆ یعنی کبھی منقطع نہ ہوگا ابدالآباد تک جاری رہے گا جنت

میں پہنچ کر نہ ان کو فنا نہ ان کے ثواب کو۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا مصداق: سدی نے کہا جو بیمار۔ اپاہج۔ اور بوڑھے لوگ۔ (جوانی کی طرح) عبادت کرنے سے عاجز ہو گئے ہوں ان کے حق میں اس آیت کا نزول ہوا مطلب یہ ہے کہ جوانی اور صحت کی حالت میں وہ نیک عمل کرتے تھے۔ کمزوری اور مجبوری کے زمانہ میں بھی ان کے اعمال ویسے لکھے جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ جب اچھے طریقہ سے عبادت کرتا رہتا ہے پھر بیمار ہو جاتا ہے تو اعمال نویس فرشتے کو حکم دیا جاتا ہے کہ اس کے ویسے ہی اعمال تحریر کر جیسے وہ صحت کی حالت میں کیا کرتا تھا یہ حکم اس وقت تک کے لئے دیا جاتا ہے جب کہ اللہ اس کو بیماری سے آزاد کر دے۔ رواہ البغوی فی تفسیرہ و شرح السنہ۔

حضرت ابوموسیٰؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ جب بیمار ہو جاتا ہے یا سفر کی حالت میں ہوتا ہے تو اس کے لئے ویسے اعمال لکھے جاتے ہیں جیسے وہ وطن میں قیام اور صحت کی حالت میں کیا کرتا تھا۔ رواہ البخاری۔

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مسلمان کسی جسمانی دکھ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ فرشتے کو حکم دیتا ہے اس کے وہی نیک اعمال لکھو جو (صحت کی حالت میں) وہ کیا کرتا تھا اب اگر اللہ اس کو تندرستی دیدیتا ہے تو اللہ (اس بیماری کی وجہ سے) اس کے گناہ دھو دیتا اور پاک کر دیتا ہے اور اگر اس کی روح قبض کر لیتا ہے تو اس کی مغفرت کر دیتا ہے اور اس کو رحمت سے نوازتا ہے۔ رواہ البغوی فی شرح السنہ۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا بیماری کی حالت میں بندہ کے لئے وہ ثواب لکھا جاتا ہے جو بیمار ہونے سے پہلے اس کے اعمال کا لکھا جاتا تھا اور اب بیماری کی وجہ سے ان اعمال کو کرنے سے قاصر ہو گیا ہو رواہ رزین۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ
تو کہہ کیا تم منکر ہو اُس سے جس نے

خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ
بنائی زمین دو دن میں اور

تَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ
برابر کرتے ہو اُسکے ساتھ اوروں کو وہ ہے رب

الْعٰلَمِيْنَ ⑨
جہان کا ☆

مقام تعجب ☆ یعنی کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ رب العالمین کی وحدانیت اور صفات کمالیہ کا انکار کرتے اور دوسری چیزوں کو اس کی برابر سمجھتے ہو جو ایک ذرہ کا اختیار نہیں رکھتیں۔ (تفسیر عثمانی)

آسمان و زمین کی تخلیق میں ترتیب: بیان القرآن میں حضرت سیدی حکیم الامت قدس سرہ نے فرمایا کہ یوں تو زمین و آسمان کی پیدائش کا ذکر مختصر و مفصل قرآن کریم میں سینکڑوں جگہ آیا ہے۔ مگر ان میں ترتیب کا بیان کہ پہلے کیا بنا پیچھے کیا بنا۔ یہ غالباً صرف تین ہی آیتوں میں آیا ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ سب آیات میں غور کرنے سے میرے خیال میں تو یہ آتا ہے کہ یوں کہا جاوے کہ اول زمین کا مادہ بنا اور ہنوز اس کی موجودہ ہیئت نہ بنی تھی کہ اس حالت میں آسمان کا مادہ بنا جو دخان یعنی دھوئیں کی شکل میں تھا اس کے بعد زمین بہیئت موجودہ پر پھیلا دی گئی۔ پھر اس پر پہاڑ اور درخت وغیرہ پیدا کئے گئے۔ پھر آسمان کے مادہ دخانیہ کے سات آسمان بنا دیئے۔ امید ہے کہ سب آیتیں اس تقریر پر منطبق ہو جاویں گی۔ آگے حقیقت حال سے اللہ تعالیٰ ہی خوب واقف ہیں (بیان القرآن۔ سورہ بقرہ رکوع ۳) (معارف مفتی اعظم)

وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا
اور رکھے اس میں بھاری پہاڑ اُوپر سے

وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا
اور برکت رکھی اُسکے اندر اور ٹھہرائیں اُس میں خوراکیں اُس کی ☆

زمین کی برکت ☆ "اور برکت رکھی اس کے اندر" یعنی قسم قسم کی کانیں، درخت، میوے، پھل، غلے اور حیوانات زمین سے نکلتے ہیں اور "ٹھہرائیں اس میں خوراکیں اسکی" یعنی زمین پر بسنے والوں کی خوراکیں ایک خاص اندازہ اور حکمت سے زمین کے اندر رکھ دیں چنانچہ ہر اقلیم اور ہر ملک میں وہاں کے باشندوں کی طبائع اور ضروریات کے موافق خوراکیں مہیا کر دی گئی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ⑩
اقوات قوت کی جمع ہے جس کے معنی ہیں رزق اور روزی جس میں عام ضروریات انسانی داخل ہیں۔ کما قال ابوعبیدؒ (زاد المسیر لابن جوزی رحمہ اللہ)

ہر خطہ زمین کے الگ الگ خصوصیات کی حکمت

اور حضرت حسن اور سدی نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے ہر حصہ میں اسکے بسنے رہنے والوں کی مصالح کے مناسب رزق اور روزی مقدر فرما دی۔ مقدر فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ حکم جاری کر دیا کہ اس حصہ زمین میں فلاں فلاں چیزیں اتنی اتنی مقدار سے پیدا ہو جائیں۔ اسی تقدیر

الٰہی سے ہر حصہ زمین کی کچھ خصوصیات ہوگئیں' ہر جگہ مختلف قسم کی معدنیات اور مختلف اقسام کی نباتات اور درخت اور جانور اس خطہ کی ضروریات ان کے مزاج ومرغوبات کے مطابق پیدا فرمادیئے۔

اسی سے ہر خطہ کی مصنوعات وملبوسات مختلف ہوتی ہیں۔ یمن میں عصب۔ سابور میں سابوری رئے میں طیالسہ۔ کسی خطہ میں گندم' کسی میں چاول اور دوسرے غلاف' کسی جگہ میں روئی' کسی میں جوٹ' کسی میں سیب انگور اور کسی میں آم' اس اختلاف اشیاء میں ہر خطہ کے مزاجوں کی مناسبت بھی ہے اور عکرمہ اور ضحاک کے قول کے مطابق یہ فائدہ بھی ہے کہ دنیا کے سب خطوں اور ملکوں میں باہمی تجارت اور تعاون کی راہیں کھلیں۔ کوئی خطہ دوسرے خطہ سے مستغنی نہ ہو۔ باہمی احتیاج ہی پر باہمی تعاون کی مضبوط تعمیر ہوسکتی ہے۔ عکرمہ نے فرمایا کہ بعض خطوں میں نمک کو سونے کی برابر تول کر فروخت کیا جاتا ہے۔

ضروریات انسانی کا بے مثال گودام

گویا زمین کو حق تعالیٰ نے اس پر بسنے والے انسانوں اور جانوروں کی تمام ضروریات غذا مسکن اور لباس وغیرہ کا ایک ایسا عظیم الشان گودام بنادیا ہے۔ جس میں قیامت تک آنے اور بسنے والے اربوں اور کھربوں انسانوں اور لاتعداد جانوروں کی سب ضروریات رکھ دی ہیں' وہ زمین کے پیٹ میں بڑھتی اور حسب ضرورت قیامت تک نکلتی رہیں گی۔ انسان کا کام صرف یہ رہ گیا کہ اپنی ضروریات کو زمین سے نکال کر اپنی ضرورت کے مطابق استعمال کرے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَقَدَّرَ فِيهَآ اَقْوَاتَهَا اور زمین کے باشندوں کی روزی زمین میں ہی مقرر فرمادی۔ اقواتها میں مضاف محذوف ہے یعنی اقوات اهلها ۔ حسن نے کہا اللہ نے زمین میں انسانوں اور چوپایوں کی روزی الگ الگ مقرر کردی جو چیز جس کے لئے مناسب اور ذریعہ زندگی تھی وہ اس کو دے دی۔ عکرمہ اور ضحاک نے کہا ہر شہر میں وہ چیز پیدا کی جو دوسرے شہر میں نہیں پیدا کی تاکہ ایک شہر والے دوسرے شہر کو لے جائیں اور اس طرح باہم تجارت کرکے زندگی بسر کریں کلبی نے کہا کہ کسی طرف والوں کو روٹی کسی سمت والوں کو (صرف) جوار کسی کو چھوارے اور کسی جانب کے رہنے والوں کو مچھلیاں عطا کیں (یعنی ہر سمت کے رہنے والوں کو خاص خاص قسم کی کھانے کی چیزیں عنایت کی۔ (تفسیر مظہری)

فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ⑩

چار دن میں پورا ہوا پوچھنے والوں کو ☆

پیدائش زمین کی مدت ☆یعنی یہ سب کام چار دن میں ہوا۔ دو روز میں زمین پیدا کی گئی اور دو روز میں اس کے متعلقات کا بندوبست ہوا۔ جو پوچھے یا پوچھنے کا ارادہ رکھتا ہے اسے بتلادو کہ یہ سب مل کر پورے چار دن ہوئے بدون کسر اور کمی بیشی کے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی (پوچھنے والوں کا) جواب پورا ہوا۔"

دن کا مطلب:

(تنبیہ) یہاں "دنوں" سے مراد ظاہر ہے معروف متبادر دن نہیں ہوسکتے کیونکہ زمین اور سورج وغیرہ کی پیدائش سے قبل ان کا وجود متصور ہی نہیں۔ لامحالہ ان دنوں کی مقدار مراد ہوگی یا وہ دن مراد ہو جس کی نسبت فرمایا ہے وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (حج۔ رکوع ۶) واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ وَهِىَ دُخَانٌ

پھر چڑھا آسمان کو اور وہ دھواں ہو رہا تھا ☆

☆یعنی پھر آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت سارا ایک تھا دھوئیں کی طرح۔ اس کو بانٹ کر سات آسمان کئے جیسا کہ آگے آتا ہے (تنبیہ) ممکن ہے "دخان" سے آسمانوں کے مادہ کی طرف اشارہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ کا معنی: ثم کا اس جگہ استعمال تاخیر زمانہ کے لئے نہیں ہے کیونکہ پہاڑوں کی تخلیق زمین کو بچھانے اور ہموار کرنے کے بعد ہوئی اس لئے تاخیر زمانی تو مراد نہیں ہوسکتی بلکہ دونوں تخلیقوں میں تفاوت کے اظہار کے لئے ثُمَّ کا استعمال کیا۔

دخان کیا ہے: وَهِىَ دُخَانٌ شاید دخان سے مراد مادۂ دخان اور وہ چھوٹے چھوٹے اجزاء ہوں جن سے آسمان بنایا گیا ہے۔ آسمان کا مادہ دخان یعنی آبی بخارات ہیں کذا قال البغوی (فلاسفہ یونان اور علماء طبعیات کے نزدیک دخان نام ہے ارضی اور آتشی اجزاء کے مخلوط امتزاجی قوام کا اور بخار نام ہے آبی وہوائی اجزاء کے مرکب امتزاجی کا لیکن بغوی کے قول پر دخان سے مراد آبی بخارات ہیں)۔ (تفسیر مظہری (اردو) جلد دہم)

فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ

پھر کہا اس کو اور زمین کو آؤ تم دونوں خوشی سے

كَرْهًا ۭ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَاۗىِٕعِيْنَ ⑪

یا زور سے وہ بولے ہم آئے خوشی سے ☆

نظام کائنات ☆یعنی ارادہ کیا کہ ان دونوں (آسمانوں اور زمین) کے ملاپ سے دنیا بسائے۔ خواہ اپنی طبیعت سے ملیں یا زور سے ملیں (بہرحال دونوں کو ملا کر ایک نظام بنانا تھا) وہ دونوں آملے اپنی طبیعت سے آسمان سے سورج کی شعاع آئی، گرمی پڑی، ہوائیں اٹھیں، ان سے گرد اور بھاپ اوپر چڑھی پھر پانی ہو کر مینہ برسا جس کی بدولت زمین سے طرح طرح کی چیزیں

پیدا ہوئیں اور پہلے جو فرمایا تھا کہ ''زمین میں اس کی خوراکیں رکھیں'' یعنی اس میں قابلیت ان چیزوں کے نکلنے کی رکھ دی تھی۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

زمین وآسمان کو اللہ تعالیٰ کا حکم: جو تاثیر و تاثر میں نے تمہارے اندر پیدا کیا ہے اس کو لے کر آ جاؤ اور جو مختلف اوضاع اور طرح طرح کی کائنات تمہارے اندر میں نے ودیعت کر دی ہیں ان کو ظاہر کرو۔ یا یہ مطلب ہے کہ جس چیز کو میں تمہارے اندر سے پیدا کرنے والا ہوں اس چیز کو نمودار کردو۔

طاؤس نے حضرت ابن عباسؓ کا تفسیری قول اس طرح نقل کیا ہے میں نے بندوں کی مصلحت کے لئے جو منافع تم دونوں کے اندر پیدا کئے ہیں ان کو ظاہر کرو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے آسمان سے ارشاد فرمایا اے آسمان اپنے سورج چاند اور ستاروں کو نمودار کرا اور اے زمین اپنے اندر دریاؤں کو رواں کرا اور درختوں اور پھلوں کو برآمد کر۔

طَوْعًا اَوْ كَرْهًا۔ چار و ناچار حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ نے آسمان و زمین سے ارشاد فرمایا میں نے جو حکم تم کو دیا ہے اس کی تعمیل کرو ورنہ میں تم کو مجبور کر کے اپنے حکم کی تعمیل کراؤں گا۔ آسمان و زمین نے اس کے جواب میں کہا۔

قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ۔ دونوں نے کہا ہم بخوشی حاضر ہیں۔ طائعین جمع مذکر کا صیغہ استعمال کیا۔ طائعتین بصیغہ تثنیہ مؤنث نہیں فرمایا اس لئے کہ حکم کی اطاعت کا قول کرنے والے آسمان و زمین اور ان کی ساری کائنات تھی اس لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا اور جب آسمان و زمین کی طرف قول کی نسبت کی اور قول کی نسبت ذی عقل کی طرف کی جاتی ہے اس لئے آسمان و زمین کو ذی عقل مان کر وہ صیغہ استعمال کیا جو ذی عقل کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ کلام مبنی بر استعارہ ہے (حقیقی قول مراد نہیں ہے)۔

اتینا سے مراد ہے قدرت کاملہ کا اظہار اور مراد خداوندی کا یقینی قطعی وقوع اور اتینا سے مراد ہے فوراً متاثر ہو جانا جس طرح حاکم و فرماں روا کے حکم کی تعمیل فرماں بردار فوراً کرتا ہے اسی طرح آسمان و زمین نے فرمان پذیری کا مظاہرہ کیا آیت كُنْ فَيَكُوْنُ میں بھی یہی فوری فرمان پذیری ہی مراد ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ

پھر کر دیئے وہ سات آسمان دو دن میں ☆

تعیین ایام کی احادیث ☆ یعنی چار دن وہ تھے اور دو دن میں آسمان بنائے کل چھ دن ہو گئے، جیسا کہ دوسری جگہ ''سِتَّةِ اَيَّامٍ'' کی تصریح ہے (تنبیہ) جن احادیث مرفوعہ میں تخلیق کائنات کے متعلق دنوں کی تعیین و ترتیب آئی ہے کہ فلاں فلاں چیز اللہ نے ہفتہ کے فلاں فلاں دن میں پیدا کی ان میں کوئی حدیث صحیح اب تک نظر سے نہیں گزری حتیٰ کہ ابو ہریرہؓ کی حدیث کے متعلق جو صحیح مسلم میں ہے ابن کثیر لکھتے ہیں'' وهومن غرائب الصحيح و قد علله البخاري في التاريخ فقال رواه بعضهم عن ابي هريرة عن كعب الاحبار وهوالا صح ''اور روح المعانی میں قفال شافعی سے نقل کیا ہے ''تفردبه مسلم و قد تكلم عليه الحفاظ علي ابن المديني والبخاري وغيره هما وجعلوه من كلام كعب وان اباهريرة انما سمعه منه ولكن اشتبه على بعض الرواة فجعله مرفوعاً

تخلیق زمین وآسمان میں تقدیم و تاخیر کا مسئلہ

باقی قرآن کریم کی اس آیت اور سورہ بقرہ کی آیت ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ سے جو ظاہر ہوتا ہے کہ سات آسمان زمین کی پیدائش کے بعد بنائے گئے اور سورہ ''نازعات'' میں وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمین آسمان کے بعد بچھائی گئی۔ اس کے جواب کئی طرح دیئے گئے ہیں احقر کو ابوحیان کی تقریر پسند ہے یعنی ضروری نہیں کہ پہلی آیت میں ''ثُمَّ'' اور دوسری میں ''بَعْدَ ذٰلِكَ'' تراخی زمان کیلئے ہو۔ ممکن ہے کہ ان الفاظ سے تراخی فی الاخبار یا تراخی رتبی مراد لیں جیسے ''ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ'' میں۔ یا دوسری جگہ ''عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ'' میں یہی معنی مراد لئے گئے ہیں۔ بہرحال قرآن کریم میں ترتیب زمانی کی تصریح نہیں۔ ہاں نعمت کے تذکرہ میں زمین کا اور عظمت و قدرت کے تذکرہ میں آسمان کا ذکر مقدم رکھا ہے، جس کا نکتہ ادنیٰ تامل و تدبر سے معلوم ہو سکتا ہے۔ تفصیل کا یہاں موقع نہیں یہ چند الفاظ اہل علم کی تنبیہ کیلئے لکھ دیئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

زمین وآسمان کی تخلیق کے دن

صحیح یہ ہے کہ آغاز تخلیق اتوار کے دن سے ہوا لیکن اس حدیث میں سنیچر کے دن ابتداء تخلیق قرار دی گئی ہے آیت خلق الجبال رواسی الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑوں وغیرہ کی پیدائش تیسرے اور چوتھے دن (منگل اور بدھ) ہوئی لیکن حدیث میں پہاڑوں کی پیدائش اتوار کے دن اور درختوں کی پیدائش پیر کے دن بتائی گئی ہے۔ تخلیق آدم کے قصہ کی رفتار بتا رہی ہے کہ آسمان و زمین کی تخلیق سے بہت مدت کے بعد آدم کی تخلیق ہوئی اللہ نے فرمایا وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً الخ پھر تخلیق آدم کے بیان میں آیا ہے کہ آدم کی مٹی چالیس روز گوندھی گئی اب حدیث مذکورہ کی رو سے اگر آدم کی پیدائش جمعہ کی آخری ساعت میں قرار دی جائے تو آغاز تخلیق جمعہ کے دن سے ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا

اور اُتارا ہر آسمان میں حکم اُس کا ☆

مدینہ منورہ کی مبارک فضاؤں میں
ترتیب دی جانیوالی عظیم تفسیر
دور حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق

گلدستۂ تفاسیر
جدید

اردو کی چھ مستند تفاسیر سے منتخب

اول مکمل تفسیر عثمانی

تفسیر ابن کثیر

تفسیر مظہری

تفسیر عزیزی

معارف القرآن
حضرت مولانا مفتی اعظم

معارف القرآن
حضرت مولانا کاندھلوی

تفسیر میرٹھی
مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

مرتب
حضرۃ مولانا عبد القیوم مہاجر مدنی دامت برکاتہم العالیہ

پسند فرمودہ
حضرت مولانا قاری محمد عثمان نائب مہتمم دار العلوم دیوبند
حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ
حضرت مولانا مفتی عبد الستار صاحب رحمہ اللہ

تفسیری افادات و نکات
حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمہ اللہ — حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ
شیخ الاسلام حضرت حسین احمد مدنی رحمہ اللہ — حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گلدستہ تفاسیر

مدینہ منورہ کی مبارک فضاؤں میں
ترتیب دی جانیوالی عظیم تفسیر
دورِ حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق

جلد ۵-۶

جدید گلدستہ تفاسیر

سورة المؤمنون تا سورة القمر

مرتب: حضرۃ مولانا عبد القیوم مہاجر مدنی مدظلہ العالی

مسترشد خاص
شیخ المشائخ حضرت مولانا عبد الغفور عباسی المدنی نور اللہ مرقدہ

پسند فرمودہ
حضرت مولانا مفتی عبد الستار صاحب رحمہ اللہ
حضرت مولانا مفتی عبد القادر صاحب رحمہ اللہ
حضرت مولانا قاری محمد عثمان نائب مہتمم دار العلوم دیوبند
حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ العالی
مفسر قرآن حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری مدظلہ
حضرت مولانا محمد موسیٰ کرماڈی مدظلہ العالی

اوّل مکمل تفسیر عثمانی
تفسیر مظہری
تفسیر عزیزی
تفسیر ابن کثیر
معارف القرآن
حضرت مولانا مفتی اعظم رحمہ اللہ
معارف القرآن
حضرت مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ
تفسیر میرٹھی
مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

تفسیری افادات ونکات
حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمہ اللہ
مجدد الملت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ
شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ
حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب رحمہ اللہ
حضرت علامہ الزماں شمس الحق افغانی رحمہ اللہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240)

گلدستہ تفاسیر

جملہ حقوق محفوظ ہیں
تاریخ اشاعت.................محرم الحرام ۱۴۲۸ھ
ناشر....................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت....................سلامت اقبال پریس ملتان

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ....چوک فوارہ....ملتان
اسلامی کتاب گھر...خیابان سرسید روڈ...راولپنڈی
ادارہ اسلامیات..........انار کلی.........لاہور
دارالاشاعت..........اُردو بازار..........کراچی
مکتبہ سید احمد شہید........اردو بازار......لاہور
مکتبۃ القرآن.......نیوٹاؤن..............کراچی
مکتبہ رحمانیہ........اُردو بازار .... لاہور
مکتبہ دارالاخلاص....قصہ خوانی بازار......پشاور
مکتبہ رشیدیہ.......سرکی روڈ..................کوئٹہ

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE
119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

''گلدستہ تفاسیر''

دَورِ حاضر کی چھ شاہکار تفسیروں کا حاصل

(حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ العالی ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر حال)

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد

اِس دَور میں پاک و ہند میں جہاں بھی درس قرآن کی مجالس قائم ہیں وہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کے اس ارشاد کا حاصل ہیں کہ جہاں تک ہو سکے اس دور میں علوم قرآن کو عام کیا جائے آپ نے مالٹا کے ایام اسیری میں برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی دینی فلاح اسی میں سمجھی۔ علی العموم مسلمانوں کو اس ترجموں کے سیکھنے اور سمجھنے کی رغبت بھی دلائی جائے۔ علمائے کرام اہل اسلام کو خاص طور سے ترجموں کے سیکھنے اور پڑھنے کی ضرورت اور اس کی منفعت دل نشین کرنے میں کوتاہی نہ فرمائیں بلکہ ترجمہ کی تعلیم کیلئے ایسے سلسلے ہی قائم فرماویں کہ ہر بات بسہولت اپنی حالت کے مناسب اور فرصت کے موافق حاصل کر سکے۔

اس ملک میں اُردو میں لکھی گئیں دو بڑی تفسیریں (۱) معارف القرآن حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ (۲) معارف القرآن حضرت شیخ الحدیث والتفسیر مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ برصغیر پاک و ہند میں وہ شہرت پائے ہوئے ہیں کہ درس قرآن دینے والا کوئی عالم دین ان دو سے مستغنی نہیں رہ سکتا۔ تاہم ان دونوں ضخیم تفاسیر کو ساتھ ساتھ رکھنا خاصا مشکل کام تھا حدیث کا خصوصی ذوق رکھنے والوں کیلئے تفسیر ابن کثیر کا ساتھ رکھنا ایک اور کڑی منزل تھی یہ درس قرآن پاک و ہند کے ہر علمی حلقے میں قبولیت سے اس کیلئے سرتاج علماء سند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کا نام نامی اور اسم گرامی اس درجہ ضمانت میں ہے کہ اسے پاک و ہند کا ہر شخص بلا کسی اختلاف کے گھر بیٹھے علم قرآن اور مرادات قرآن پر مطلع ہو سکتا ہے فقہی نقطۂ نظر سے قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ کی تفسیر مظہری نقشبندی سلسلہ کے سالکین کیلئے حرف آخر ہے۔

مولانا عبدالقیوم صاحب نے ان تمام تفاسیر پر خاصی محنت کر کے اس حاصل مطالعہ کو عصر حاضر کے عظیم علمی شاہکار تفسیر عثمانی کے ساتھ جمع کر کے ایک ''گلدستہ تفاسیر'' عوام کے سامنے رکھ دیا ہے جس طرح دعوت کا کام چھ نمبروں پر چل رہا ہے اور اس دَور کی یہ خدمت قرآن بھی ان چھ نمبروں پر چلی ہے۔

راقم الحروف اس گلدستہ کی صرف مہک سے متاثر ہو کر بلکہ حضرت مفتی عبدالستار صاحب کی نظر پسند پر پورا اعتماد کر کے اس خدمت قرآن میں ان چند سطور سے شامل ہو رہا ہے ؎

اجازت ہو تو آ کر اس میں شامل ان میں ہو جاؤں — سنا ہے کل تیرے دَر پر ہجومِ عاشقاں ہو گا

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ درس قرآن کے ان چھ نمبروں کو ہمیشہ ذہن میں رکھیں اور ہو سکے تو ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان سے یہ چھ علمی ذخیرے اپنے پاس منگوا رکھیں اور کبھی کبھی گلدستہ تفاسیر کے مطالعہ میں ان اصل ماخذ کو بھی دیکھ لیا کریں اس سے یہ بات آپ پر ضرور کھل جائے گی کہ مولف مولانا عبدالقیوم صاحب کس قدر اپنی علمی سفر میں کامیاب ہوئے ہیں۔

آخر میں اللہ رب العزت مؤلف اور اس گلدستہ تفاسیر کے جملہ مقرظین کو ان چھ مفسرین کے ساتھ جمع کرے آمین۔

؎ زہے نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

خالد محمود عفی اللہ عنہ

(ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر حال وارد مدرسہ نعمتُ الرحیم ملتان)

کلمات مبارکہ

ازحضرت اقدس استاذ العلماء مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہم

(مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان)

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم اَمَّا بَعْدُ!

ہمارے مشفق ومہربان جناب الحاج عبدالقیوم صاحب مہاجر مدنی مدظلہٗ کے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے عجیب شدت سے یہ جذبہ پیدا کیا کہ عامۃ المسلمین کے نفع کے لئے ایک جامع تفسیر ہو جس میں آیات کی مختلف تفسیریں یکجا جمع ہوں اور اس کے علاوہ تفسیر کے متعلق ضروری مضامین بھی آجائیں۔ تاکہ علماء وطلباء وعوام کے لئے قرآن مجید کی آیات کے مفہوم وتفسیر کو سمجھنا آسان ہو اور متفرق تفاسیر کی ورق گردانی سے بے نیاز ہو جائیں جو چیزیں بہت سے اوراق پلٹنے کے بعد حاصل ہوتی تھیں وہ ایک ہی جگہ بآسانی میسر ہوسکیں۔ اسی جذبہ کے پیش نظر جناب موصوف نے مختلف تفاسیر کو کھنگال کر گلدستہ تفاسیر کے نام سے ایک تفسیری مجموعہ تیار کیا ہے۔ میں نے اس کے بعض اجزاء کو دیکھ کر مفید پایا۔ امید ہے کہ اس کاوش کی بدولت علماء وطلباء اور عوام الناس سب کو ہی بے حد نفع ہوگا۔ اور قارئین حضرات اس کو بہت پسند فرمائیں گے۔ چونکہ یہ تفسیری مضامین مختلف تفاسیر سے منتخب شدہ ہیں، ممکن ہے کہ کہیں کوئی بات بے ربط یا نامکمل رہ گئی ہو تو ایسی جگہ حوالہ کو مدنظر رکھ کر قارئین کرام اصل تفسیر کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، جناب مؤلف صاحب کو کہ وہ امت مسلمہ کے دینی نفع کیلئے بہت متفکر اور کوشاں رہتے ہیں۔

چنانچہ اسی فکر کی وجہ سے پہلے بھی ایک اسلامی انسائیکلوپیڈیا دینی دسترخوان کے نام سے مرتب کر چکے ہیں۔ جو کہ تین ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ اسی طرح تعمیر انسانیت بھی موصوف کی مرتب شدہ کتاب ہے۔ جو کہ دو ضخیم جلدوں میں شائع ہو کر مقبول عام ہو چکی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ یہ مجموعہ تفسیر بھی موصوف کی دیگر کتب کی طرح بہت نافع اور مفید ثابت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ موصوف کی اس کاوش کو شرف قبولیت بخشیں، اور اس کے نفع کو عام وتام بنادیں اور باعث بخشش ونجات بنادیں۔

وماذلک علی اللہ بعزیز۔ عبدالستار عفی عنہ ١/٥/٢٦ھ

فہم قرآن کے شائقین کیلئے قرآنی علوم کا گلدستہ

(حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب مدظلہ العالی شیخ الحدیث دارالعلوم کبیروالا)

بندہ نے گلدستہ تفاسیر مؤلفہ الحاج جناب عبدالقیوم صاحب ملتانی ثم مدنی کو چند مقامات سے دیکھا ماشاءاللہ بہت مفید اور آسان پایا مؤلف دام مجدہ نے اس امر کا اہتمام فرمایا ہے کہ اکابر کی اردو تفاسیر کو جمع کر کے یکجا کر دیا ہے فہم قرآن کا طالب بہت آسانی سے تھوڑے وقت میں بہت سے اکابر کے علوم سے مستفید ہو جاتا ہے حق تعالےٰ اس تفسیر کو بہت ہی نافع اور مقبول بنائیں۔ وماذلک علی اللہ بعزیز۔

اجمالی فہرست

(جلد-۵-۶)

فہرست عنوانات

سورۃ المؤمنون تا سورۃ الاحزاب

☆...☆...☆

فہرست عنوانات

سورة سبا تا سورة القمر

سورۃ الصافات ۶۴۹

سورۃ الزخرف

☆......☆......☆

گلدستہ تفاسیر

جلد-۵

سورۃ المؤمنون

تا

سورۃ سبا

سورة المؤمنون

سورۃ مومنون مکہ میں اُتری اور اس کی ایک سو اٹھارہ آیتیں ہیں اور چھ رکوع

جس نے اسکو خواب میں پڑھا اس کے دل میں زیادہ دیر تک عبادت میں کھڑے رہنے کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف عاجزی کرنے کی محبت ہوگی اور ایک ایسے مرض کا خوف ہے جو بڑا خطرناک ہے۔ (علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١ الَّذِيْنَ هُمْ

کام نکال لے گئے ایمان والے جو اپنی

فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝٢

نماز میں جھکنے والے ہیں

خشوع کا معنی:

''خشوع'' کے معنی ہیں کسی کے سامنے خوف و ہیبت کے ساتھ ساکن اور پست ہونا، چنانچہ ابن عباسؓ نے ''خاشعون'' کی تفسیر ''خائفون ساکنون'' سے کی ہے اور آیت تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ بھی دلالت کرتی ہے کہ ''خشوع'' میں ایک طرح کا سکون وتذلل معتبر ہے۔ قرآن کریم میں ''خشوع'' کو وجوہ، ابصار، اصوات وغیرہ کی صفت قرار دیا ہے۔ اور ایک جگہ آیت اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ میں قلب کی صفت بتلائی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصل خشوع قلب کا ہے اور اعضائے بدن کا خشوع اُس کے تابع ہے۔

نماز میں خشوع:

جب نماز میں قلب خاشع وخائف اور ساکن و پست ہوگا تو خیالات ادھر اُدھر بھٹکتے نہیں پھریں گے، ایک ہی مقصود پر جم جائیں گے۔ پھر خوف وہیبت اور سکون وخضوع کے آثار بدن پر بھی ظاہر ہوں گے مثلاً بازو اور سر جھکانا، نگاہ پست رکھنا، ادب سے دست بستہ کھڑا ہونا، ادھر اُدھر نہ تاکنا، کپڑے یا داڑھی وغیرہ سے نہ کھیلنا، انگلیاں نہ چٹخانا، اور اسی قسم کے بہت افعال واحوال لوازم خشوع میں سے ہیں۔ احادیث میں حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نماز میں ایسے ساکن ہوتے تھے جیسے ایک بے جان لکڑی، اور کہا جاتا تھا کہ یہ نماز کا خشوع ہے۔ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا نماز بدون خشوع کے صحیح ومقبول ہوتی ہے یا نہیں۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ خشوع اجزائے صلوٰۃ کے لئے شرط نہیں۔ ہاں قبول صلوٰۃ کے لئے شرط ہے میرے نزدیک یوں کہنا بہتر ہوگا کہ حسن قبول کے لئے شرط ہے۔ واللہ اعلم۔ یہاں تفصیل کا موقع نہیں۔ احیاء العلوم اور اس کی شرح میں تفصیل ملاحظہ کی جائے۔ بہرحال انتہائی فلاح اور اعلیٰ کامیابی ان ہی مؤمنین کو حاصل ہوگی جو خشوع وخضوع کے ساتھ نمازیں ادا کرتے ہیں اور اُن اوصاف سے موصوف ہیں جو آگے بیان کئے گئے ہیں۔ (تفسیر عثانی)

پہلی دس آیات:

مسند احمد میں حضرت فاروق اعظم عمر بن خطابؓ کی روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو پاس والوں کے کان میں ایسی آواز ہوتی تھی جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز ہوتی ہے۔ ایک روز آپکے قریب ایسی ہی آواز سنی گئی تو ہم ٹھہر گئے کہ تازہ آئی ہوئی وحی سن لیں۔ جب وحی کی خاص کیفیت سے فراغت ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ رُخ ہوکر بیٹھ گئے اور یہ دُعا کرنے لگے اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَاٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا وَارْضَ عَنَّا وَاَرْضِنَا (یعنی یا اللہ ہمیں زیادہ دے کم نہ کر اور ہماری عزت بڑھا ذلیل نہ کر اور ہم پر بخشش فرما، محروم نہ کر اور ہمیں دوسروں پر ترجیح دے ہم پر دوسروں کو ترجیح نہ دے اور ہم سے راضی ہو اور ہمیں بھی اپنی رضا سے راضی کردے)۔ اس کے بعد فرمایا کہ مجھ پر اس وقت دس آیتیں ایسی نازل ہوئی ہیں کہ جو شخص اُن پر پورا پورا عمل کرے تو وہ (سیدھا) جنت میں جائیگا۔ پھر یہ دس آیتیں جو اُوپر لکھی گئی ہیں پڑھ کر سنائیں۔ (ابن کثیر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق:

اور نسائی نے کتاب التفسیر میں یزید بن بابنوس سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خُلق کیسا اور کیا تھا، انہوں نے فرمایا آپ کا خلق یعنی طبعی عادت وہ تھی جو قرآن میں ہے اس کے بعد یہ دس آیتیں تلاوت کر کے فرمایا کہ بس یہی خلق و عادت تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ (ابن کثیر)

کامیابی کی چابی:

اللہ تعالیٰ نے فلاح پانے کا وعدہ ان مؤمنین سے کیا ہے جن میں وہ سات صفات موجود ہوں جن کا ذکر ان آیات (۱تا۱۱) کے اندر آیا ہے۔

دنیا کا تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے کہ جو اہل صلاح ان سات اوصاف کے حامل اور اُن سے متصف اور اُن پر قائم ہیں گو دُنیا میں وقتی تکلیف اُن کو بھی پیش آ جائے مگر انجام کار اُن کی تکلیف جلد دُور ہوتی ہے اور مراد حاصل ہو جاتی ہے ساری دنیا ان کی عزت کرنے پر مجبور ہوتی ہے اور دُنیا میں نیک نام انہیں کا باقی رہتا ہے۔ جتنا دنیا کے حالات کا غور و انصاف سے مطالعہ کیا جائیگا ہر دور ہر زمانے ہر خطہ میں اسکی شہادتیں ملتی چلی جائیں گی۔

نماز میں خشوع: خشوع کے لغوی معنے سکون کے ہیں اصطلاح شرع میں خشوع یہ ہے کہ قلب میں بھی سکون ہو، یعنی غیر اللہ کے خیال کو قلب میں بالقصد حاضر نہ کرے اور اعضاء بدن میں بھی سکون ہو کہ عبث اور فضول حرکتیں نہ کرے (بیان القرآن) خصوصاً وہ حرکتیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں منع فرمایا ہے اور فقہاء نے اُن کے مکروہات نماز کے عنوان سے جمع کر دیا ہے تفسیر مظہری میں خشوع کی یہی تعریف حضرت عمرو بن دینار سے نقل کی ہے اور دوسرے بزرگوں سے جو خشوع کی تعریف میں مختلف چیزیں نقل کی گئی ہیں وہ دراصل اسی سکون قلب و جوارح کی تفصیلات ہیں۔ مثلاً حضرت مجاہد نے فرمایا کہ نظر اور آواز کو پست رکھنے کا نام خشوع ہے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ دائیں بائیں التفات یعنی گوشۂ چشم سے دیکھنے سے بچنا خشوع ہے حضرت عطاء نے فرمایا کہ بدن کے کسی حصہ سے کھیل نہ کرنا خشوع ہے۔ حدیث میں حضرت ابوذرؓ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نماز کے وقت اپنے بندے کیطرف برابر متوجہ رہتا ہے جب تک وہ دوسری طرف التفات نہ کرے جب دوسری طرف التفات کرتا ہے یعنی گوشۂ چشم سے دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس سے رُخ پھیر لیتے ہیں (رواہ احمد والنسائی و ابوداؤد وغیرہم۔ مظہری) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ کو حکم دیا کہ اپنی نگاہ اُس جگہ رکھو جس جگہ سجدہ کرتے ہو اور یہ کہ نماز میں دائیں بائیں التفات نہ کرو۔ (رواہ البیہقی فی السنن الکبریٰ مظہری)

نماز میں داڑھی سے کھیلنا:

اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں اپنی داڑھی سے کھیل رہا ہے تو فرمایا لوخشع قلب ھذا لخشعت جوارحہ (رواہ الحاکم والترمذی بسند ضعیف) یعنی اگر اس شخص کے دل میں خشوع ہوتا تو اسکے اعضاء میں بھی سکون ہوتا۔ (مظہری)

نماز میں خشوع کی ضرورت کا درجہ:

امام غزالی و قرطبی اور بعض دوسرے حضرات نے فرمایا کہ نماز میں خشوع فرض ہے اگر پوری نماز خشوع کے بغیر گزر جائے تو نماز ادا ہی نہ ہوگی۔ دوسرے حضرات نے فرمایا کہ اسمیں شبہ نہیں کہ خشوع روح نماز ہے اسکے بغیر نماز بے جان ہے مگر اس کو رکن نماز کی حیثیت سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ خشوع نہ ہوا تو نماز ہی نہ ہوئی اور اس کا اعادہ فرض قرار دیا جائے۔

حضرت سیدی حکیم الامتؒ نے بیان القرآن میں فرمایا کہ خشوع صحت نماز کیلئے موقوف علیہ تو نہیں اور اس درجہ میں وہ فرض نہیں مگر قبول نماز کا موقوف علیہ اور اس مرتبہ میں فرض ہے۔ حدیث میں طبرانی نے معجم کبیر میں بسند حسن حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو چیز اس اُمت سے اُٹھ جائیگی یعنی سلب ہو جائیگی وہ خشوع ہے یہانتک کہ قوم میں کوئی خاشع نظر نہ آئیگا۔ کذا فی مجمع الزوائد (بیان) (معارف مفتی اعظم)

شانِ نزول:

حاکم نے حسب شرط شیخین حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا اور اس کو صحیح قرار دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے میں اپنی نظر کو اوپر آسمان کی طرف اٹھا لیتے تھے اس پر آیات ذیل کا نزول ہوا۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ بیشک۔ ان مومنوں نے (آخرت میں) فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔

اس آیت کے نزول ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر نیچے جھکا لیا۔ ابن مردویہ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان میں ادھر اُدھر نظر گھما لیا کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بغوی نے حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی نماز کے اندر آسمان کی طرف اپنی نظر اٹھا لیا کرتے تھے جب یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی تو سجدہ گاہ پر نظر جمانے لگے۔

ابن ابی حاتم نے ابن سیرین کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ صحابہ نماز کے اندر آسمان کی طرف نظریں اٹھا لیتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

لفظ "قد" کا استعمال

لفظ قد کسی امر متوقع کے ثبوت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جیسے لما کسی امر متوقع کی نفی پر دلالت کرتا ہے۔ قد اگر ماضی ہو تو تحقق وقوع کے علاوہ قرب حال کا مفہوم بھی اس کے اندر آ جاتا ہے۔ (قد قام ابھی کھڑا ہو گیا۔ قد اکل ابھی ابھی وہ کھا چکا) مومنوں کو اللہ کے فضل سے فلاح کی توقع تھی قد کے لانے سے فلاح یاب ہونے کی مسلمانوں کے لئے بشارت ہو گئی (گویا مسلمان فلاح یاب ہو چکے)۔

فلاح کیا ہے؟

صاحب قاموس نے لکھا ہے فلاح کامیابی اور (کسی قابل خوف چیز سے) نجات اور امر خیر میں باقی رہنا۔ فلاح دنیوی بھی ہوتی ہے اور آخرت کی بھی

اس جگہ فلاح اُخروی مراد ہے۔ کامل فلاح اُخروی یہ ہے کہ بالکل عذاب نہ ہو، نہ قبر میں، نہ حساب کے وقت (حساب فہمی کی سختی کی شکل میں) نہ شدائد قیامت میں مبتلا ہوکر، نہ دوزخ میں داخل ہونے کی صورت میں، نہ صراط پر سے گذرنے میں (خلاصہ یہ ہے کہ عذاب قبر سے حساب فہمی کی سختی سے شدائد قیامت سے، روز قیامت کی ظلمت سے، دوزخ کی آگ اور ہر طرح کی تکلیفوں سے اور پل صراط پر گذرنے کی دشواری سے بالکل نجات مل جائے) اور اس نجات کے بعد جنت میں داخلہ مل جائے۔ مرتبہ قرب اور دیدار باری تعالیٰ نصیب ہوجائے اور مولیٰ کریم کی خوشنودی حاصل ہوجائے۔

رہی فی الجملہ ناقص کامیابی تو اس کی خصوصیت انہی اہل ایمان کے ساتھ نہیں ہے جن کی صفات کا تذکرہ اس آیت میں کیا گیا ہے بلکہ ہر وہ شخص جو لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہو وہ (آخرت میں) ضرور فلاح یاب ہوگا (خواہ اس کی فلاح کامل نہ ہو) اللہ نے فرمادیا ہے: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۞ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۞ جو ذرہ (یا چھوٹی سُرخ چیونٹی کے) برابر نیکی کرے گا وہ اس کی نظر کے سامنے آئے گی۔ اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا وہ بھی اس کی نظر کے سامنے آئے گی اور نفس ایمان و توحید تمام نیکیوں کا سرگروہ ہے (اس لئے ہر مؤمن کا فلاح یاب ہونا ضروری ہے خواہ کسی قدر گناہگار ہو) اسی لئے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، توحید کی تصدیق کرنے والے سعادت یاب ہوں گے اور جنت میں (ہمیشہ) رہیں گے۔

بخیل جنت میں نہ جائے گا:

حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع روایت ہے کہ اللہ نے جنت عدن کو پیدا کیا اس کے درختوں میں پھل لگائے۔ (یعنی درختوں میں اتنی کثرت سے پھل پیدا کئے کہ ان کی شاخیں پھلوں کے بوجھ سے جھک گئیں اور پھل لٹک گئے) اور جنت کے اندر نہریں نکالیں پھر اس کی طرف دیکھا اور فرمایا بات کر، جنت نے عرض کیا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ اللہ نے فرمایا، قسم اپنی عزت و جلال کی کوئی بخیل تیرے اندر میرے قریب بھی نہیں آئے گا۔ رواہ الطبرانی

جنت کی چیزیں:

میں کہتا ہوں اس حدیث میں شاید بخیل سے مراد کافر ہے کیونکہ کافر اللہ کا حق توحید ادا کرنے میں بخیل ہوتا ہے۔ دوسری سند سے طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب اللہ نے جنت عدن کو پیدا کیا تو اس کے اندر ایسی چیزیں پیدا کیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں نہ کسی شخص کے دل میں ان کا خیال آیا، پھر فرمایا بات کر، جنت نے عرض کیا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔

ابن ابی الدنیا نے صفۃ الجنت میں حضرت انسؓ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے جنت عدن کو ایک سفید موتی اور یاقوت سرخ اور زمرد سبز کی اینٹوں سے بنایا ہے اس کا پلاستر مشک کا ہے اس کی گھاس زعفران ہے اس کی پتھریاں موتی ہیں اور اس کی مٹی عنبر ہے، اور فرمایا بات کر۔ جنت نے عرض کیا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ اللہ نے فرمایا، قسم ہے اپنی عزت کی تیرے اندر میرے قرب میں کوئی بخیل نہیں آئے گا۔

تمام مؤمن کسی نہ کسی وقت جنت میں داخل ہوں گے:

حضرت مؤلف نے کہا ہوسکتا ہے کہ آیت میں فلاح سے مراد جنت کا داخلہ ہو خواہ عذاب کے بعد ہی مل جائے، اس وقت المؤمنون سے تمام مؤمن مراد ہوں گے کیونکہ کسی نہ کسی وقت سب مؤمنوں کا جنت میں داخلہ ہو جائے گا جیسا کہ احادیث مذکورہ سے ثابت ہے۔ اس تفسیر پر آیت میں مؤمنوں کی جو صفات بیان کی ہیں وہ قید احترازی کے طور پر نہ ہوں گی۔ (کہ جن مؤمنوں میں وہ صفات نہ ہوں وہ فلاح یاب نہ ہوں) بلکہ صفات مدحیہ ہوں گی۔ مؤمن کے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ ان صفات کا حامل ہو اگر ان صفات کو قید احترازی قرار دیا جائے اور فلاح سے کامل فلاح مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ کامل فلاح پانے والے وہ مؤمن ہوں گے جو ان صفات کے حامل ہوں لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جو مؤمن اپنے اندر یہ صفات نہیں رکھتے ہوں گے وہ مطلقاً فلاح یاب نہ ہوں گے۔

اہل سنت کا اجماع ہے کہ جو گناہگار مؤمن بغیر توبہ کے مر جائیں وہ جنت میں بالآخر ضرور داخل ہوں گے اللہ کو اختیار ہے کہ سزا دینے کے بعد جنت میں داخل فرمادے یا معاف فرمادے اور بغیر عذاب دیئے جنت میں بھیج دے۔

خشوع کے متعلق مختلف اقوال:

خٰشِعُوْنَ سے کون لوگ مراد ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے ترجمہ کیا، عاجزی کرنے والے، اللہ کے سامنے اظہار عجز کرنے والے۔ حسن نے کہا ڈرنے والے۔ مقاتل نے کہا تواضع کرنے والے اور اپنے آپ کو پست قرار دینے والے۔ مجاہد نے کہا نظریں نیچی اور آواز پست رکھنے والے۔ ایک روایت میں حضرت علیؓ کا قول آیا ہے (نماز میں) ادھر اُدھر التفات نہ کرنا خشوع ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا خشوع یہ ہے کہ یہ معلوم بھی نہ ہو کون دائیں طرف ہے اور کون بائیں طرف۔ اور دائیں بائیں نظر نہ ڈالے۔

عمرو بن دینار نے کہا، خشوع سے مراد ہے سکون۔ اور حسن بیت علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ خشوع سے مراد ہے سجدہ گاہ سے نظر نہ ہٹانا۔ عطاء نے کہا اپنے بدن کے کسی حصے سے نہ کھیلنا مثلاً بے وجہ نہ کھجانا مراد ہے۔

بعض نے کہا نماز میں خشوع نام ہے توجہ کی یکسوئی کا کہ دوسری طرف خیال نہ جائے اور زبان سے جو الفاظ ادا کر رہا ہے اس پر غور کرتا جائے، نماز

سے ادھر اُدھر نہ ہٹے۔ دائیں بائیں نظر نہ گھمائے۔ کسی طرف مائل نہ ہو، انگلیاں نہ چٹکائے، کنکریوں کو (جو زمین پر پڑی ہوں) کو الٹ پلٹ نہ کرے اور نماز کے نامناسب کوئی حرکت نہ کرے۔

حضرت ابودرداء نے فرمایا خشوع سے مراد ہے قولی اخلاص (اللہ کے سامنے) تعظیم کے ساتھ کھڑا ہونا، کامل یقین اور پوری توجہ ویکسوئی۔

صاحبِ قاموس نے لکھا ہے خشوع کا معنی ہے خضوع یعنی تواضع، خشوع کا مفہوم تواضع کے قریب ہے۔ یا خشوع کا تعلق اعضائے بدن سے ہوتا ہے اور خضوع آواز کی پستی و عاجزی، اور نگاہ اور سکون اور اظہار عجز سب سے متعلق ہے۔ نہایہ میں ہے خشوع نگاہ اور آواز میں ہوتا ہے جیسے خضوع کا تعلق اجزائے بدن سے ہوتا ہے۔

بندہ متوجہ ہو تو اللہ متوجہ رہتا ہے:

حضرت ابوذر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ بندے کی طرف برابر متوجہ رہتا ہے جب تک بندہ نماز میں ادھر اُدھر نظر کو متوجہ نہیں کرتا۔ جب بندہ ادھر اُدھر التفات کرتا ہے تو اللہ بھی اس کی طرف سے توجہ پھیر لیتا ہے۔ رواہ احمد، وابوداؤد، والنسائی، والدارمی۔

شیطان کا جھپٹا:

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کیا، فرمایا یہ ایک جھپٹا ہوتا ہے جو شیطان بندے کی نماز میں سے اچک لیتا ہے۔ راوہ الشیخان فی الصحیحین

نماز میں آسمان کی طرف دیکھنا:

حضرت انسؓ بن مالک راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لوگ نماز کے اندر اپنی نگاہ آسمان کی طرف کیوں اٹھاتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس معاملہ میں اتنا سخت تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا لوگوں کو اس حرکت سے باز آ جانا چاہئے ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔ راوہ البغوی۔ مسلم اور نسائی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا نماز میں دعاء کے وقت آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے سے لوگوں کو باز آ جانا چاہئے ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔

حضرت جابر بن سمرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نماز کے اندر آسمان کی طرف نظر اٹھانے سے لوگوں کو باز آ جانا چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی نگاہیں واپس نہ آئیں۔ رواہ مسلم وابوداؤد واحمد وابن ماجۃ۔

نفاق والا خشوع:

حضرت ابوبکر صدیقؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہم نفاق والے خشوع سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ نفاق والا خشوع کیسا ہوتا ہے فرمایا بدن کا خشوع اور دل کا نفاق (یعنی دل کسی اور طرف مشغول ہو اور بظاہر اعضاء نماز میں ہوں)۔

حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابوبکر صدیق کی نماز

مجاہد کا بیان ہے حضرت عبداللہ بن زبیر نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لکڑی کا تھم (اپنی جگہ) کھڑا ہے حضرت ابوبکر صدیق کی بھی یہی حالت تھی۔

حضرت اسماء بنت حضرت ابوبکر صدیقؓ راوی ہیں کہ ان کی والدہ حضرت ام رومان نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکرؓ نے مجھے نماز میں ادھر اُدھر جھکتے دیکھا تو اتنا سخت ڈانٹا کہ قریب تھا میں نماز توڑ دوں، اور فرمایا، میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جب تم میں سے کوئی نماز کو کھڑا ہو تو اس کے ہاتھ پاؤں میں سکون رہنا چاہئے، یہودیوں کی طرح ادھر اُدھر نہ جھکے، نماز میں ہاتھ پاؤں کا ساکن رہنا نماز کا جز تکمیل ہے۔ (ازالۃ الخفاء)

نماز میں پتھر نہ ہٹائے:

حضرت ابوالاحوص راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جب کوئی نماز کو کھڑا ہو جائے تو پتھریوں کو صاف نہ کرے کیونکہ (اللہ کی) رحمت اس کے منہ کے سامنے ہوتی ہے (اس کی طرف سے توجہ نہ ہٹائے) رواہ البغوی، امام احمد، ابن عدی، نسائی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے یہ حدیث حضرت ابوذر کی روایت سے بیان کی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت انسؓ کو نصیحت:

حضرت انس کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، اپنی نظر سجدہ کرنے کے مقام پر رکھا کرو۔ رواہ البیہقی فی سنن الکبیر

یہ بھی حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا بیٹے نماز میں ادھر اُدھر دیکھنے سے پرہیز رکھ۔ نماز کے اندر ادھر اُدھر نظر کرنا (نماز کی) بربادی ہے اگر مجبوری ہو تو نفل میں (ایسا کرسکتا ہے) فرض میں نہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝	
اور جو	نکمی بات پر دھیان نہیں کرتے

فضولیات سے پرہیز:

یعنی فضول بیکار مشغلوں میں وقت ضائع نہیں کرتے کوئی دوسرا شخص لغو اور نکمی بات کہے تو اُدھر سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ اُن کو وظائف عبودیت سے

اتنی فرصت ہی نہیں ہوتی کہ ایسے بے فائدہ جھگڑوں میں اپنے کو پھنسائیں۔

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خو — چو بگذشت برعارف جنگجو

گر ایں مدعی دوست بشناختے — بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

(تفسیر عثمانی)

لغو کے درجات:

لغو کے معنے فضول کلام یا کام جسمیں کوئی دینی فائدہ نہ ہو۔ لغو کا اعلیٰ درجہ معصیت اور گناہ ہے جس میں فائدہ دینی نہ ہونے کے ساتھ دینی ضرر نقصان ہے اس سے پرہیز واجب ہے، اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ نہ مفید ہو نہ مضر، اسکا ترک کم از کم اولیٰ اور موجب مدح ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من احسن اسلام المرأ ترکہ مالا یعنیہ. یعنی انسان کا اسلام جب اچھا ہوسکتا ہے جبکہ وہ بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دے۔ اسی لئے آیت میں اسکو مومن کامل کی خاص صفت قرار دیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

لغو کے متعلق اقوال:

اور جو لغو باتوں سے (قولی ہوں یا فعلی) اعراض کرنے والے ہیں عطاء نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا کہ لغو سے مراد شرک ہے حسن نے کہا گناہ اور نافرمانیاں مراد ہیں۔ میں کہتا ہوں آخرت میں کام نہ آنے والے امور مراد لینا بہتر ہے خواہ وہ امور قول سے تعلق رکھتے ہوں یا عمل سے۔

اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شرک اور معاصی اور مُعْرِضُوْنَ آخرت میں ضرر پہنچانے والے امور کے ارتکاب کا تو ذکر ہی کیا ہے وہ تو بیکار اور غیر مفید باتوں سے بھی الگ رہتے ہیں اور پرہیز کرتے ہیں۔

بعض نے کہا لغو سے اعراض کرنے کا یہ مطلب ہے کہ کافروں کے مقابلہ میں وہ گالیاں نہیں دیتے اور سبّ وشتم نہیں کرتے۔

دوسری آیت میں اللہ نے خود فرمایا ہے وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا مطلب یہ ہے کہ جب وہ بُری بات سنتے ہیں تو خود اس کے اندر گھس نہیں پڑتے۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝	
اور جو	زکوۃ دیا کرتے ہیں

زکوۃ ادا کرنا:

یعنی اُن کی عادت ہے کہ ہمیشہ زکوۃ ادا کرتے رہتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ کبھی دی کبھی نہ دی، غالباً اسی لئے یُؤدُوْنَ الزکوۃ کی جگہ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ کی ترکیب اختیار فرمائی۔ گویا بتلا دیا کہ زکوۃ ادا کرنا اُن کا مستمر کام ہے۔ مترجم محقق قدس روحہ نے ''دیا کرتے ہیں'' کہہ کر ادھر اشارہ کر دیا۔ بعض مفسرین نے یہاں زکوۃ کو ''طہارت'' (پاکیزگی) یا تزکیہ نفس کے معنی میں لیا ہے۔ گویا آیت حاضرہ کو قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى اور قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا کے مشابہ قرار دیا ہے۔ اگر یہ مراد ہو تو اُس کے مفہوم کو عام رکھا جائے جس میں بدن کا، دل کا اور مال کا پاک رکھنا سب داخل ہو۔ زکوۃ وصدقات بھی ایک قسم کی مالی تطہیر ہے۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (توبہ۔ رکوع ۱۳) یہ کہنا کہ آیت مکی ہے اور مکہ میں زکوۃ فرض نہ ہوئی تھی، ابن کثیرؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ اصل زکوۃ کی مشروعیت مکہ میں ہوچکی تھی، ہاں مقادیر ونُصب وغیرہ کی تشخیص مدینہ پہنچ کر ہوئی واللہ اعلم۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝		
اور جو	اپنی شہوت کی جگہ کو	تھامتے ہیں

اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ		
مگر	اپنی عورتوں پر	یا اپنے ہاتھ کے مال باندیوں پر

فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ		
سو ان پر نہیں کچھ	الزام	پھر جو کوئی ڈھونڈے اس کے سوا

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝	
سو وہی ہیں	حد سے بڑھنے والے

شرمگاہوں کی حفاظت:

یعنی اپنی منکوحہ عورت یا باندی کے سواء کوئی اور راستہ قضائے شہوت کا ڈھونڈے، وہ حلال کی حد سے آگے نکل جانے والا ہے۔ اس میں زنا، لواطت اور استمناء بالید وغیرہ سب صورتیں آگئیں، بلکہ بعض مفسرین نے حُرمت متعہ پر بھی اس سے استدلال کیا ہے وفیہ کلام طویل لایسعہ المقام۔ راجع روح المعانی تحت ہذہ الآیہ الکریم۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ یعنی وہ لوگ جو اپنی بیویوں اور شرعی لونڈیوں کے علاوہ سب سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ان دونوں کے ساتھ شرعی ضابطہ کے مطابق شہوت نفس پوری کرنے کے علاوہ اور کسی سے کسی ناجائز طریقہ پر شہوت رانی میں مبتلا نہیں ہوتے۔ اس آیت کے ختم پر ارشاد فرمایا

فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ یعنی شرعی قاعدے کے مطابق اپنی بیوی یا لونڈی سے شہوت نفس کو تسکین دینے والوں پر کوئی ملامت نہیں اسمیں اشارہ ہے کہ اس ضرورت کو ضرورت کے درجہ میں رکھنا ہے مقصد زندگی بنانا نہیں اسکا درجہ اتنا ہی ہے کہ جو ایسا کرے وہ قابل ملامت نہیں واللہ اعلم۔

قضائے شہوت کی حرام صورتیں:

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ یعنی منکوحہ بیوی یا شرعی قاعدہ سے حاصل شدہ لونڈی کیساتھ شرعی قاعدے کے مطابق قضاء شہوت کے علاوہ اورکوئی بھی صورت شہوت پورا کرنے کی حلال نہیں اسمیں زنا بھی داخل ہے اور جو عورت شرعاً اُس پر حرام ہے اُس سے نکاح بھی بحکم زنا ہے اور اپنی بیوی یا لونڈی سے حیض ونفاس کی حالت میں یا غیر فطری طور پر جماع کرنا بھی اس میں داخل ہے۔ یعنی کسی مرد یا لڑکے سے یا کسی جانور سے شہوت پوری کرنا بھی۔ اور جمہور کے نزدیک استمناء بالید یعنی اپنے ہاتھ سے منی خارج کر لینا بھی اسمیں داخل ہے۔ از تفسیر بیان القرآن۔ قرطبی۔ بحر محیط وغیرہ۔ (معارف مفتی اعظم)

ماملکت سے مراد صرف باندیاں ہیں:

حضرت مؤلف نے فرمایا کہ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ سے صرف باندیاں مراد ہیں کیونکہ عورتوں کو کم عقلی کی وجہ سے بے عقل چیزوں کے حکم میں داخل سمجھا جاتا ہے اس لئے مؤنث کی ضمیریں بے عقل چیزوں کی طرف راجع کر دی جاتی ہیں پس لفظ ما کا اس جگہ ذکر کرنا دلالت کر رہا ہے کہ اس سے باندیاں مراد ہیں غلام مراد نہیں ہیں خلاصہ یہ کہ عورتوں کے لئے اپنے غلاموں سے قربت ناجائز ہے۔

متعہ کی حرمت:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ابتدائے اسلام میں عورتوں سے متعہ کرنا جائز تھا۔ کوئی شخص اجنبی شہر میں جاتا اور وہاں کوئی جان پہچان والا نہ ہوتا تو جس قدر قیام کا ارادہ ہوتا اتنی مدت کے لئے کسی عورت سے نکاح کر لیتا تا کہ عورت اس کے لئے کھانا تیار کر دے اور سامان کی حفاظت رکھے یہاں تک کہ جب آیت اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ نازل ہوئی تو سوائے ان دونوں قسموں کے ہر عورت حرام ہوگئی۔ رواہ الترمذی۔ جن عورتوں سے متعہ کیا جاتا ہے وہ بیویاں یقیناً نہیں ہوتیں۔ فرقہ شیعہ کے نزدیک بھی نہ ان کو شوہر کی میراث ملتی ہے نہ شوہر کو ان کی میراث۔ (اور باندیاں بھی یقیناً نہیں ہیں اور تیسری کوئی قسم حسب صراحت آیت حلال نہیں ہے) اور زوجین کے درمیان توارث صراحت قرآنی کے بموجب ضروری ہے۔ متعہ کا مسئلہ سورۂ نساء کی آیت فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً کی تفسیر میں ہم نے مفصل بیان کر دیا ہے۔

جلق حرام ہے:

آیت مذکورہ اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ عمل بالید (جلق) بھی حرام ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ

اور جو — اپنی امانتوں سے — اور اپنے قرار سے خبردار ہیں

امانتداری اور ایفائے عہد:

یعنی امانت اور قول وقرار کی حفاظت کرتے ہیں، خیانت اور بدعہدی نہیں کرتے نہ اللہ کے معاملہ میں نہ بندوں کے۔ (تفسیر عثمانی)

امانتوں سے مراد ہیں، وہ چیزیں جو بطور امانت مؤمنوں کے پاس رکھی جائیں انکو ان چیزوں کا امین بنادیا جائے۔

دوقسم کے عہد:

عہد (وعدہ) دوطرح کا ہوتا ہے ایک عہد وہ ہے جو اللہ نے بندوں سے لیا اور بندوں نے اللہ سے کیا ہے۔ نماز، روزہ، اور تمام عبادتیں اس کے ذیل میں آتی ہیں۔ دوسرا عہد وہ ہے جو آدمی آپس میں کرتے ہیں۔ امانت، ودیعت، تجارت اور دوسرے معاہدات جن کا تعلق باہم انسانوں سے ہوتا ہے دونوں کی پابندی اور ان کو پورا کرنا مسلمانوں پر واجب ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ ۹

اور جو — اپنی نمازوں کی — خبر رکھتے ہیں

نمازوں کی حفاظت:

نمازیں اپنے اوقات پر آداب وحقوق کی رعایت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ بندوں کے معاملات میں پڑ کر عبادت الٰہی سے غافل نہیں ہوتے۔ یہاں تک مؤمنین مفلحین کی چھ صفات وخصائل بیان کیں۔

(۱) خشوع وخضوع سے نمازیں پڑھنا یعنی بدن اور دل سے اللہ کی طرف جھکنا۔

(۲) باطل لغو اور نکمی باتوں سے علیحدہ رہنا۔

(۳) زکوٰۃ یعنی مالی حقوق ادا کرنا یا اپنے بدن، نفس اور مال کو پاک رکھنا۔

(۴) شہوات نفسانی کو قابو میں رکھنا۔

(۵) امانت وعہد کی حفاظت کرنا گویا معاملات کو درست رکھنا۔

(۶) اور آخر میں پھر نمازوں کی پوری طرح حفاظت کرنا کہ اپنے وقت پر آداب وشروط کی رعایت کے ساتھ ادا ہوں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز کا حق تعالیٰ کے یہاں کیا درجہ ہے اور کس قدر مہتم بالشان چیز ہے کہ اُس سے شروع کر کے اُسی پر ختم فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

محبوب عمل:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ سب سے زیادہ محبوب عمل اللہ کے نزدیک کیا ہے؟ آپ نے فرمایا نماز کو وقت پر ادا کرنا۔ پوچھا گیا پھر؟ فرمایا ماں

باپ سے سلوک کرنا۔ پوچھا گیا پھر؟ فرمایا خدا کی راہ میں جہاد کرنا۔ (بخاری ومسلم)

آنکھوں کی ٹھنڈک دل کی راحت:

چنانچہ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے خوشبو اور عورتیں زیادہ پسند ہیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے (نسائی)۔ ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے نماز کے وقت اپنی لونڈی سے کہا کہ پانی لاؤ نماز پڑھ کر راحت حاصل کروں تو سننے والوں کو انکی یہ بات گراں گذری۔ آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرماتے تھے اے بلال اٹھو اور نماز کے ساتھ ہمیں راحت پہنچاؤ۔ (تفسیر ابن کثیر)

بہترین عمل: حدیث شریف میں ہے سیدھے سیدھے رہو اور تم ہرگز احاطہ نہ کرسکو گے جان لو کہ تمہارے تمام اعمال میں بہترین عمل نماز ہے دیکھو وضوء کی حفاظت صرف مؤمن ہی کرسکتا ہے۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۝ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ
وہی ہیں میراث لینے والے جو میراث پائینگے باغ ٹھنڈی چھاؤں کے
هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ (11)
وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

جنت کے میراث ہونے پر پہلے کسی جگہ ہم لکھ چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مہاجرین وانصار:

شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ سورۃ مؤمنون مکی ہے اور شروع سورت میں جن مؤمنین مفلحین کی صفات فاضلہ کو بیان کیا گیا ہے اس کے اولین مصداق مہاجرین اولین اور خلفاء راشدین تھے جن کو دینی اور دنیوی فوز و فلاح سے نوازا گیا۔ (ازالۃ الخفاء) (معارف کاندھلوی)

جنت کے وارث:

ان سب صفات کو بیان فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ یہی لوگ وارث ہیں، جو الفردوس کے دائمی وارث ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے خدا سے جب جنت مانگو جنت الفردوس مانگو وہ سب سے اعلیٰ اور اوسط جنت ہے۔ وہیں سے جنت کی سب نہریں جاری ہوتی ہیں اسی کے اوپر خدا تعالیٰ کا عرش ہے (صحیحین)

ہر ایک کی دو منزلیں:

فرماتے ہیں تم میں سے ہر ایک کی دو دو جگہیں ہیں ایک منزل جنت میں ایک جہنم میں۔ جب کوئی دوزخ میں گیا تو اس کی منزل کے وارث جنتی بنتے ہیں اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں جنتی تو اپنی جنت کی جگہ سنوار لیتا ہے اور جہنم کی جگہ ڈھا دیتا ہے اور دوزخی اس کے خلاف کرتا ہے۔ کفار جو عبادت کے لئے پیدا کئے گئے تھے انہوں نے عبادت ترک کردی تو ان کے لئے جو انعامات تھے وہ ان سے چھین کر سچے مؤمنوں کے حوالے کردیئے گئے۔ اسی لئے انہیں وارث کہا گیا۔ صحیح مسلم میں ہے کچھ مسلمان پہاڑوں کے برابر گناہ لیکر آئیں گے جنہیں اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر ڈال دے گا اور انہیں بخش دے گا۔ اور سند سے مروی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایک ایک یہودی یا نصرانی دے گا کہ یہ تیرا فدیہ ہے جہنم سے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جب یہ حدیث سنی تو راوی حدیث ابو بردہؓ کو قسم دی انہوں نے تین مرتبہ قسم کھا کر حدیث کو دہرایا۔ اسی جیسی آیت یہ بھی ہے تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا الخ اور آیت میں ہے۔ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا

فردوس: فردوس رومی زبان میں باغ کو کہتے ہیں بعض سلف کہتے ہیں کہ اس باغ کو جس میں انگور کی بیلیں ہوں، واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں جو فردوس کے وارث ہوں گے۔

أُولَٰئِكَ یعنی یہی لوگ جو اوصاف مذکورہ کے حامل ہیں۔

الْوَارِثُونَ یعنی اس بات کے مستحق ہیں کہ صرف انہی کو (فردوس کا) وارث کہا جائے گا۔

الَّذِينَ يَرِثُونَ یہ الوارثون کا وصف ہے اور جس چیز کے وارث ہوں گے ان کا بیان ہے پہلے بلاتعیین وراثت کا ذکر کیا گیا پھر تعیین کے ساتھ وراثت فردوس کا ذکر کیا۔ اس سے وراثت کی عظمت اور بلندئ شان ظاہر ہوگئی۔ (شبہ کیا جاسکتا ہے کہ وارث ہونے کا لفظ چاہتا ہے کہ پہلے فردوس کسی اور کی تھی پھر مؤمنوں کو دی جائے گی۔

ابن ماجہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو اپنے وارث کی میراث سے بھاگے گا اللہ جنت کے اندر اس کا میراثی حصہ ختم کردے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ۝ (12)			
اور ہم نے بنایا	آدمی کو	چنی ہوئی	مٹی سے

منتخب مٹی کا بنا ہوا: کیونکہ سب کے باپ حضرت آدم علیہ السلام منتخب مٹی سے پیدا ہوئے اور ویسے بھی تمام بنی آدم نطفہ سے پیدا ہوتے ہیں اور نطفہ بھی مٹی سے نکلی ہوئی غذاؤں کا خلاصہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عبد بن حمید کا قول نقل کیا ہے کہ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ سے مراد ہے بنی آدم کا نطفہ (گویا طین سے مراد ہوئے بنی آدم اور سلالۃ سے مراد ہوا نطفہ)۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ﴿۱۳﴾
پھر ہم نے رکھا اس کو پانی کی بوند کر کے ایک جمے ہوئے ٹھکانہ میں

رِحم مادر میں:

یعنی رحم مادر میں جہاں سے کہیں ہل نہ سکے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً
پھر بنایا اُس بوند سے لہو جما ہوا پھر بنائی اس لہو جمے ہوئے سے گوشت کی بوٹی
فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ
پھر بنائیں اُس بوٹی سے ہڈیاں پھر پہنایا ان ہڈیوں پر گوشت

مختلف مراحل:

یعنی کچھ حصہ گوشت کا سخت کر کے ہڈیاں بنا دیں۔ اور ہڈیوں کے ڈھانچے پر پھر گوشت پوست منڈھ دیا۔ سورۂ ''حج'' میں اسی کے قریب کیفیت تخلیق انسان کی بیان ہو چکی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مُضْغَۃٌ گوشت کی بوٹی اتنی جو چبانے کے بقدر ہو۔ گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں بنا دینے کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے اس کو سخت کر دیا۔ مضغۃ کا جو حصہ ہڈی ہونے سے باقی رہا اس کا گوشت بنا کر ہم نے ہڈیوں کو اس گوشت کا لباس پہنا دیا (ہڈیوں پر چڑھا دیا)۔

ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ
پھر اُٹھا کھڑا کیا اُس کو ایک نئی صورت میں

روح حیات:

یعنی روح حیات پھونک کر ایک جیتا جاگتا انسان بنا دیا۔ جس پر آگے چل کر بچپن، جوانی، کہولت اور بڑھاپے کے بہت سے احوال وادوار گذرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

نفخِ روح کیا ہے:

نفخ روح، اللہ کی ایک صفت ہے (جس کا وجود قدیم ہے) اللہ نے فرمایا جب ہڈیاں گوشت کا جامہ پہن لیتی ہیں تو اس صفت کا تعلق جسم سے ہو جاتا ہے گویا روح کا جسم سے تعلق حادث ہے اور روح بجائے خود قدیم ہے ہاں اگر آیت میں انشاء (پیدا کرنے سے مراد نفخ روح ہو پیدا کرنا نہ ہو تو اس توجیہ کی ضرورت نہیں)۔

انسان پیدائش سے انجام تک:

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کا مادۂ تخلیق ماں کے پیٹ میں بشکل نطفہ چالیس روز تک جمع رکھا جاتا ہے پھر وہ مادہ خون کا لوتھڑا ہو جاتا ہے اور اس حالت میں اتنی ہی مدت تک رہتا ہے۔ پھر گوشت کی بوٹی بن جاتا ہے اور اتنی ہی مدت تک (بوٹی کی شکل پر) رہتا ہے پھر اللہ فرشتہ کو چار احکام دے کر بھیجتا ہے فرشتہ اس کے (اچھے بُرے) اعمال اور مدتِ زندگی اور رزق اور سعید یا شقی ہونا (مؤمن یا کافر ہونا جنتی یا دوزخی ہونا) لکھ دیتا ہے پھر اس کے اندر روح پھونکی جاتی ہے پس قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم میں سے کچھ لوگ (ساری عمر) جنتیوں کے جیسے کام کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے اور جنت کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن (تخلیقی) تحریر غالب آتی ہے اور وہ دوزخیوں کے کام کرنے لگتے ہیں (اور انہی اعمال پر خاتمہ ہو جاتا ہے) اور بعض لوگ (ساری عمر) دوزخیوں کے جیسے کام کرتے ہیں، یہاں تک کہ ان کے اور دوزخ کے درمیان ایک گز سے زیادہ فاصلہ نہیں رہتا آخر تقدیر کا لکھا غالب آ جاتا ہے اور وہ جنتیوں کے عمل کرنے لگتے ہیں (اور اسی پر ان کا خاتمہ ہو جاتا ہے) متفق علیہ بخاری ومسلم

مسئلہ: اگر کسی نے کوئی انڈا غصب کیا اور غاصب کے پاس پہنچ کر انڈے سے بچہ نکل آیا اور پھر بچہ مر گیا یا حرم کے اندر سے انڈا باہر نکال کر لے آیا اور حرم سے باہر انڈے سے بچہ پیدا ہو گیا تو دونوں صورتوں میں انڈے کا ضمان (تاوان) دینا پڑے گا کیونکہ بچہ کا پیدا ہونا تخلیق آخر ہے اور اسی دور میں روحِ سفلی یعنی روح حیوانی پیدا ہو جاتی ہے اس لئے ضمان کا تعلق تخلیق اول سے ہی ہو گا۔

زندگی کے تغیرات:

عوفی کی روایت حضرت ابن عباس کا تفسیری قول ہے کہ انشاء تخلیق آخر سے زندگی کے سارے تدریجی تغیرات اور انقلابات مراد ہیں پیدا ہونا، پھر چیخنا، پھر دودھ پینا، پھر آہستہ آہستہ بیٹھنا پھر رفتہ رفتہ کھڑا ہونا پھر چلنا اور دودھ ترک کر کے کچھ غذائی چیزیں کھانا پینا پھر بچپن سے دھیرے دھیرے جوانی کی حدود میں داخل ہونا اور ملک ملک میں گھومنا پھرنا سب ہی انشاء خلق آخر کی صورتیں ہیں۔

میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ انشاء تخلیق آخر سے مراد دوسری ولادت ہو جو صوفی کو اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ مرتبہ فناء پر پہنچ جاتا ہے اور تمام بہیمی اور سبعی بشری صفات سے نکل کر ملکوتی صفات اختیار کر لیتا ہے اور پھر ملکوتی صفات سے ترقی کر کے رحمانی صفات کی طرف منتقل ہوتا ہے اور بقاء باللہ یا بقاء بصفات اللہ کے مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے۔ لفظ ثُمَّ کا استعمال کرنے کی یہ وجہ زیادہ مناسب ہے۔ (تفسیر مظہری)

روحِ حقیقی اور روحِ حیوانی:

یہاں خلقاً آخر کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ، شعبیؒ، عکرمہؒ، ضحاکؒ

ابوالعالیہؒ وغیرہ نے نفخ روح سے فرمائی ہے۔ تفسیر مظہری میں ہے کہ غالباً مراد اس روح سے روحِ حیوانی ہے کہ وہ بھی مادی اور ایک جسم لطیف ہے جو جسم حیوانی کے ہر ہر جزو میں سمایا ہوا ہوتا ہے جس کو اطباء اور فلاسفہ روح کہتے ہیں۔ اُس کی تخلیق بھی تمام اعضاء انسانی کی تخلیق کے بعد ہوتی ہے اس لئے اسکو لفظ ثم سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور روحِ حقیقی جسکا تعلق عالم ارواح سے ہے، وہیں سے لاکر اس روحِ حیوانی کے ساتھ اسکا کوئی رابطہ حق تعالیٰ اپنی قدرت سے پیدا فرما دیتے ہیں جسکی حقیقت کا پہچاننا انسان کے بس کا نہیں اس روحِ حقیقی کی تخلیق تو تمام انسانوں کی تخلیق سے بہت پہلے ہے انہیں ارواح کو حق تعالیٰ نے ازل میں جمع کر کے ؟؟ فرمایا اور سب نے بلیٰ کے لفظ سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ ہاں اسکا تعلق جسم انسانی کے ساتھ تخلیق اعضاء انسانی کے بعد ہوتا ہے۔ اس جگہ نفخ روح سے اگر یہ مراد لی جائے کہ روحِ حیوانی کیساتھ روحِ حقیقی کا تعلق اسوقت قائم فرمایا گیا تو یہ بھی ممکن ہے۔ اور درحقیقت حیات انسان اسی روحِ حقیقی سے متعلق ہے جب اس کا تعلق روحِ حیوانی کے ساتھ ہو جاتا ہے تو انسان زندہ کہلاتا ہے جب منقطع ہو جاتا ہے تو انسان مُردہ کہلاتا ہے وہ روحِ حیوانی بھی اپنا عمل چھوڑ دیتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾
سو بڑی برکت اللہ کی جو سب سے بہتر بنانیوالا ہے

تناسب صورت:

خوبصورتی سے تمام اعضاء وقویٰ کو بہترین سانچے میں ڈھالا اور اُس کی ساخت عین حکمت کے موافق نہایت موزوں و متناسب بنائی۔ (تفسیر عثمانی)

وحی کے ساتھ حضرت عمرؓ کی موافقت:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اپنے رب کی موافقت چار باتوں میں کی ہے، جب یہ آیت اُتری کہ ہم نے انسان کو بجتی مٹی سے پیدا کیا تو بے ساختہ میری زبان سے فتبارک اللہ احسن الخالقین نکلا، اور وہی پھر اُترا۔ (تفسیر ابن کثیر)

شانِ الٰہی

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (تخلیق کے گذشتہ احوال دلیل ہیں اس امر کی کہ) اللہ کی بہت بڑی شان ہے جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔

تَبٰرَكَ اللّٰهُ یعنی اللہ کی شان اعلیٰ و برتر ہے اس بات سے کہ وہ اپنا کوئی شریک بنائے یا اس کے احکام کی پابندی اور تعمیل میں سستی کی جائے۔

عبداللہ بن سعد کا واقعہ:

بعض روایات میں آیا ہے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب تھا (وحی نازل ہوتی تو آپ اس سے وحی کی کتابت بھی کرالیا کرتے تھے) ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھوائے بغیر یہ جملہ اس نے آیت مذکورہ کے اختتام پر زبان سے کہہ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسی طرح لکھ دے یہ یوں ہی نازل ہوا ہے۔ عبداللہ نے (لوگوں سے) کہا اگر محمد نبی ہیں ان کے پاس وحی آتی ہے تو میں بھی نبی ہوں میرے پاس بھی وحی آتی ہے یہ کہہ کر اسلام سے پھر گیا اور مکہ چلا گیا کچھ مدت کے بعد جب مکہ فتح ہوا تو جہاں اور چند لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واجب القتل قرار دیا وہاں اس کو بھی مباح الدم قرار دیدیا اور حکم دیدیا کہ جہاں ملے قتل کر دیا جائے۔ عبداللہ حضرت عثمان بن عفان کی خدمت میں حاضر ہو کر سفارش کا خواستگار ہوا حضرت عثمان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے لئے امان کی درخواست کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک خاموش رہے۔ پھر دیر کے بعد فرمایا، اچھا۔ (عبداللہ کو امان مل گئی) حضرت عثمان واپس چلے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا (تم نے میرے اچھا کہنے سے پہلے ہی اس کو قتل کیوں نہیں کر دیا) میں تو دیر تک اسی لئے خاموش رہا تھا کہ تم اس کو قتل کر دو۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اشارہ کیوں نہ کر دیا، فرمایا، نبی کے لئے یہ زیبا نہیں کہ نگاہ کی چوری کرے۔ عبداللہ اسی روز دوبارہ مسلمان ہو گیا اور پھر اس کا اسلام اچھا رہا۔ (فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ) (تفسیر مظہری)

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾
پھر تم اس کے بعد مرو گے

سب کو موت آئے گی:

یعنی تمہارا وجود ذاتی اور خانہ زاد نہیں، مستعار اور دوسرے کا عطیہ ہے۔ چنانچہ موت آ کر سب نقشہ بگاڑ دیتی ہے۔ تم اس وقت اس کے زبردست پنجہ سے اپنی ہستی کو نہیں بچا سکتے۔ یقیناً کوئی اور قاہر طاقت تمہارے اوپر ہے جس نے وجود کی باگ اپنے ہاتھ میں تھام رکھی ہے جب چاہے ڈھیلی چھوڑ دے، جب چاہے کھینچ لے۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾
پھر تم قیامت کے دن کھڑے کئے جاؤ گے

پھر قیامت میں اٹھائے جاؤ گے:

جس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا وہ ہی دوبارہ بنا کر کھڑا کریگا۔ تاکہ پہلے وجود کی مستور قوتیں اور اعمال کے نتائج اپنی کامل ترین صورتوں میں ظاہر ہو کر

ثابت کر دیں کہ یہ اتنا بڑا کارخانہ کوئی بیکار اور بے نتیجہ ڈھونگ نہیں بنایا گیا تھا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ

اور ہم نے بنائے ہیں | تمہارے اوپر | سات رستے

سات آسمان:

''طرائق'' کے معنی بعض مفسرین ولغویین کے نزدیک طبقات کے ہیں یعنی آسمان کے سات طبقے اوپر نیچے بنائے۔ فہذا کما قال کَیْفَ خَلَقَ اللّٰہُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا (نوح - رکوع ۱) اور بعض نے طرائق کو راستوں کے معنی میں لیا ہے۔ یعنی سات آسمان بنائے جو فرشتوں کی گذرگاہیں ہیں۔ بعض معاصر مصنفین نے ''سبع طرائق'' سے سات سیاروں کے مدارات مراد لئے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

طرآئق سے مراد آسمان ہیں، کیونکہ ہر اوپر والا آسمان نیچے والے آسمان پر چڑھا ہوا ہے اگر نچلی چیز بالائی چیز کی طرح ہو تو نچلی کو بالائی چیز کا طریقہ کہا جاتا ہے۔ طرائق کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ آسمانوں کے اندر فرشتوں یا سیاروں کے چلنے کی گذرگاہیں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ

اور ہم نہیں ہیں | خلق سے | بے خبر

پورا نظام قابو میں ہے:

ہر چیز پورے انتظام واحکام اور خبرداری سے بنائی ہے اور اُسکی حفاظت و بقاء کے طریقوں سے ہم پورے باخبر ہیں۔ اجرام سماویہ اور مخلوقات سفلیہ میں کوئی چیز نہیں جو ہمارے احاطۂ علم وقدرت سے باہر ہو۔ ورنہ سارا انتظام ہی درہم وبرہم ہوجائے۔ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا (حدید - رکوع) (تفسیر عثمانی)

الخلق سے مراد ہے 'مخلوق' کوئی ہو۔

غٰفِلِیْنَ، یعنی ان کے معاملہ سے بے خبر، ان کو یوں ہی بے کار چھوڑ دینے والے نہیں ہیں بلکہ اختلال اور نظام کی ابتری سے ان کو محفوظ رکھتے ہیں۔ ان کی نگرانی رکھتے ہیں اور حسب حکمت ومصلحت ان کے مناسب حد کمال تک پہنچانے کا انتظام قائم رکھتے ہیں اور آسمانوں کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ

اور اُتارا ہم نے آسمان سے پانی ماپ کر

آب رسانی کا نظام:

نہ اس قدر زیادہ کہ دنیا بے وقت اور بے موقع تباہ ہوجائے اور نہ اتنا کم کہ ضروریات کو کافی نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت میں آسمان سے پانی برسانے کے ذکر کے ساتھ ایک قید بقدر کی بڑھا کر اس طرف اشارہ کردیا کہ انسان ایسا ضعیف الخلقت ہے کہ جو چیزیں اس کے لئے مدار زندگی ہیں اگر وہ مقدار مقدر سے زائد ہوجاویں تو وہی اس کیلئے وبال جان اور عذاب بن جاتی ہیں پانی جیسی چیز جس کے بغیر کوئی انسان وحیوان زندہ نہیں رہ سکتا اگر ضرورت سے زیادہ برس جائے تو طوفان آجاتا ہے اور انسان اور اسکے سامان کے لئے وبال وعذاب بن جاتا ہے۔ (معارف القرآن)

پانی سے مراد بارش کا پانی بقدر یعنی مناسب مقدار کے ساتھ جتنا تقاضائے مصلحت تھا۔ (تفسیر مظہری)

فَاَسْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ

پھر اس کو ٹھہرا دیا | زمین میں

زیر زمین پانی کا ذخیرہ:

یعنی بارش کا پانی زمین اپنے اندر جذب کر لیتی ہے جس کو ہم کنواں وغیرہ کھود کر نکالتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

زمین میں ٹھہرانے کا مطلب بعض اہل علم نے یہ بیان کیا کہ تالابوں اور حوضوں اور گڑھوں میں ہم نے پانی کو جمع کردیا تاکہ بارش نہ ہو تو لوگ اس سے کام چلائیں۔ بعض اہل تفسیر نے کہا کہ اس سے زمین کا پانی پینا مراد ہے پانی کو زمین چوس لیتی ہے۔ زمین کے مسامات میں پانی گھس جاتا ہے پھر اس سے چشمے اور سوت پھوٹ نکلتے ہیں۔ زمین سے جتنا پانی برآمد ہوتا ہے وہ آسمان سے برسا ہوا ہی ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ

اور ہم اُس کو لے جائیں | تو لے جاسکتے ہیں

اللہ چاہے تو پانی ختم ہوجائے:

یعنی نہ اُتارنا چاہیں تو نہ اُتاریں اور اُتارنے کے بعد تم کو اس سے منتفع ہونے کی دسترس نہ دیں مثلاً اس قدر گہرا کردیں کہ تم نکالنے میں کامیاب نہ ہوسکو، یا خشک کر کے ہوا میں اُڑادیں، یا کھاری اور کڑوا کردیں، تو ہم یہ سب کچھ کرسکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ذَهَابٍ بِهٖ اس کو لے جانا، زائل کردینا۔ مراد یہ ہے کہ ہم اس کو خراب بھی کرسکتے ہیں کہ کسی کام نہ آئے اور بھاپ بنا کر اڑا بھی سکتے ہیں اور زمین

کے اندر انتہائی گہرائی تک بھی پہنچا سکتے ہیں کہ کسی کے ہاتھ نہ آئے۔

لَقٰدِرُوْنَ بلاشبہ ہم پانی کو فنا کر دینے پر بھی اسی طرح قادر ہیں جس طرح اس کو برسانے پر قادر ہیں اگر ہم پانی کو فنا کر دیں تو تم پیاسے مر جاؤ تمہارے جانور بھی مر جائیں اور تمہاری زمینیں بنجر ہو جائیں۔

جنت سے جاری شدہ دریاء:

بغوی نے لکھا ہے حدیث میں آیا ہے کہ اللہ نے جنت سے چار دریا، نازل کیے ہیں۔ سیحون، جیحون، دجلہ، فرات۔ یہ بھی بغوی نے لکھا ہے کہ امام حسن بن سفیان نے سند کے ساتھ بوساطت عکرمہ حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے جنت کے ایک چشمہ سے جو جنت کے نچلے نشیبی حصہ میں تھا پانچ دریا جبرئیل کے دونوں بازوؤں پر نازل فرمائے۔ سیحون، جیحون، دجلہ، فرات، نیل۔ جبرئیل نے یہ دریا بطور امانت پہاڑوں کے سپرد کر دیئے اور زمین میں بہا دیئے۔ اور لوگوں کے لئے فائدہ بخش بنا دیئے۔ آیت وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ سے اسی طرف اشارہ ہے پھر جب یاجوج و ماجوج کا زمانہ آئے گا تو اللہ جبرئیل کو بھیج کر زمین سے قرآن اور تمام (دینی) علم کو اور سنگ اسود کو اور مقام ابراہیم کو اور تابوت موسیٰ کو مع اس کی اندرونی چیزوں کے اور ان پانچوں دریاؤں کو آسمان کی طرف اٹھا لے گا۔ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ اس آیت کا یہی مطلب ہے جب یہ چیزیں زمین سے اٹھالی جائیں گی تو اہل ارض دنیا اور دین کی ہر بھلائی سے محروم ہو جائیں گے۔

میں کہتا ہوں شاید زمین کے سارے دریا جنت ہی سے آئے ہیں۔ حدیث میں صرف پانچ کا تذکرہ بطور تمثیل کیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ لَّكُمْ
پھر اُگا دیئے تمہارے واسطے اس سے باغ کھجور اور انگور کے تمہارے
فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾
واسطے اُن میں میوے ہیں بہت اور انہی میں سے کھاتے ہو

باغات اور پھل:

یعنی اُن کی بہار دیکھ کر خوش ہوتے ہو اور بعض کو بطور تفکہ اور بعض کو بطور غذا استعمال کرتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ
اور وہ درخت جو نکلتا ہے سینا پہاڑ سے لے اُگتا ہے

بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾
تیل اور روٹی ڈبونا کھانے والوں کے واسطے

زیتون کا درخت:

یعنی زیتون کا درخت جس میں سے روغن نکلتا ہے جو مالش وغیرہ کے کام آتا ہے اور بہت ملکوں کے لوگ سالن کی جگہ اُس کا استعمال کرتے ہیں۔ اس درخت کا ذکر خصوصیت سے فرمایا کیونکہ اُس کے فوائد کثیر ہیں اور خاص فضل وشرف رکھتا ہے۔ اسی لئے سورۂ ''تین'' میں اس کی قسم کھائی گئی۔ جبل طور کی طرف نسبت کرنا بھی اُس کی فضیلت و برکت ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ وہاں اس کی پیداوار زیادہ ہوتی ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

علمی لطیفہ:

تفسیر قرطبی میں اس جگہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اسی آیت سے استدلال کر کے ایک عجیب لطیفہ شب قدر کی تعیین میں نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک مرتبہ اکابر صحابہ کے مجمع سے سوال کیا کہ شب قدر رمضان کی کونسی تاریخ میں ہے سب نے جواب میں صرف اتنا کہا کہ اَللّٰهُ اَعْلَمُ کوئی تعیین بیان نہیں کیا۔ حضرت ابن عباسؓ ان سب میں چھوٹے تھے اُن سے خطاب فرمایا کہ آپ کیا کہتے ہیں تو ابن عباسؓ نے فرمایا کہ امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے آسمان سات پیدا کئے، زمینیں سات پیدا کیں، انسان کی تخلیق سات درجات میں فرمائی۔ انسان کی غذاء سات چیزیں بنائیں اس لئے میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ شب قدر ستائیسویں شب ہوگی۔ فاروق اعظمؓ نے یہ عجیب استدلال سُن کر اکابر صحابہ سے فرمایا کہ آپ سے وہ بات نہ ہو سکی جو اس لڑکے نے کی جس کے سر کے بال بھی ابھی مکمل نہیں ہوئے۔ یہ حدیث طویل ابن ابی شیبہ کے مُسند میں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے تخلیق انسانی کے سات درجات سے مراد وہی لیا ہے جو اس آیت میں ہے اور انسان کی غذا کی سات چیزیں سورۂ عبس کی آیت میں ہیں فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۙ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ۙ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ۙ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ۙ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۙ اس آیت میں آٹھ چیزیں مذکور ہیں جن میں پہلی سات انسان کی غذا ہے اور آخری یعنی اَبّ یہ جانوروں کی غذا ہے۔ (قرطبی)

زیتون کے فوائد وخصوصیات:

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ سیناء اور سینین اُس مقام کا نام ہے جس میں کوہ طور واقع ہے۔ زیتون کا تیل تیل کی ضروریات مثلاً بدن کی مالش اور چراغ میں جلانے کے بھی کام آتا ہے اور کھانے میں سالن کا بھی کام دیتا ہے اسی کو فرمایا تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ۔ زیتون کے درخت کے لئے کوہ طور کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ درخت سب سے پہلے کوہ طور ہی پر پیدا ہوا ہے

اور بعض نے کہا کہ طوفانِ نوح کے بعد سب سے پہلا درخت جو زمین پر اگا وہ زیتون تھا۔ (مظہری) (معارف مفتی اعظم)

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ اور ہم نے ایک (اور) درخت پیدا کیا (یعنی زیتون) جو طور سینا میں پیدا ہوتا ہے۔

طورِ سیناء:

سیناء کے معنی مختلف بیان کئے گئے ہیں، مجاہد نے کہا سیناء کا معنی ہے برکت۔ یعنی برکت والے پہاڑ سے ہم نے زیتون کو پیدا کیا۔

قتادہ، ضحاک اور عکرمہ نے کہا اس کا معنی ہے اچھا اور خوبصورت۔ ضحاک نے کہا یہ نبطی زبان کا لفظ ہے اور عکرمہ نے اس کو حبشی زبان کا لفظ کہا ہے۔ کلبی نے کہا سیناء کا معنی ہے درختوں والا۔ بعض نے کہا سریانی زبان میں گھنے درختوں کی جھاڑی کو سیناء کہتے ہیں۔ مقاتل نے کہا جس پہاڑ پر بکثرت پھلدار درخت ہوں اس کو نبطی زبان میں سیناء اور سینین کہا جاتا ہے۔ مجاہد نے کہا سیناء۔ خاص پتھروں کی ایک قسم ہوتی ہے یہ طور میں بکثرت موجود ہیں اس لئے طور کی سیناء کی طرف اضافت کردی گئی۔ ابن زید نے کہا طور سیناء پورا نام اس پہاڑ کا ہے جو مصر اور ایلہ کے درمیان واقع ہے۔ جہاں سے حضرت موسیٰ کو ندا دی گئی تھی۔ جیسے امرءالقیس پورا نام ہے۔

زیتون کا سالن: تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ جو اگتا ہے تیل لئے ہوئے اور کھانے والوں کے لئے سالن لئے ہوئے۔ یعنی زیتون میں دونوں فائدے ہیں یعنی اس کے اندر روغن بھی جو مالش کے کام میں آتا ہے اور چراغ بھی اس سے جلائے جاتے ہیں اور یہ سالن بھی ہے کہ روٹی اس میں ڈبوئی جاتی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے صبغ اور صباغ اس سالن کو کہتے ہیں جس میں روٹی ڈبوئی جاتی ہے اور روٹی پر اس کا رنگ آ جاتا ہے اور ادام عام سالن کو کہتے ہیں جس کو روٹی کے ساتھ کھایا جاتا ہے خواہ اس سے روٹی رنگین ہو یا نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا

اور تمہارے لئے چوپایوں میں دھیان کرنے کی بات ہے پلاتے ہیں ہم تم کو

فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ

ان کے پیٹ کی چیز سے اور تمہارے لئے ان میں بہت فائدے ہیں

وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ (٢١)

اور بعضوں کو کھاتے ہو

حیوانات کے فوائد: نباتات کے بعد یہ حیوانات کا ذکر ہوا یعنی جانوروں کا دودھ ہم اپنی قدرت سے تم کو پلاتے ہیں۔ اور بہت کچھ فائدے تمہارے لئے اُن کی ذات میں رکھ دیئے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض جانوروں کا گوشت کھانا بھی حلال کردیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ (٢٢)

اور ان پر اور کشتیوں پر لدے پھرتے ہو

وسائل نقل وحمل: یعنی خشکی میں جانوروں کی پیٹھ پر اور دریا میں جہازوں اور کشتیوں پر سوار ہو کر کہیں سے کہیں نکل جاتے ہو اور بڑے بڑے وزنی سامان بار کرتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

ربط آیات: کشتی کی مناسبت سے آگے نوح علیہ السلام کا قصہ ذکر فرماتے ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اُن سے کشتی بنوائی جو طوفانِ عظیم کے وقت مؤمنین کی نجات کا ذریعہ بنی۔ پھر نوح علیہ السلام کی مناسبت سے بعض دوسرے انبیاء کے واقعات بھی ذکر فرمادیئے۔ شاید یہاں ان قصص کے بیان میں یہ بھی اشارہ ہوگا کہ جس طرح اوپر کی آیات میں تمہاری جسمانی ضروریات کا انتظام مذکور ہے اسی طرح خداوند رحمان نے تمہاری روحانی حوائج وضروریات کا سرانجام کرنے کے لئے ابتدائے دنیا سے وحی ورسالت کا سلسلہ بھی قائم فرمادیا۔ یایوں کہو کہ اوپر قدرت کے نشانات بیان فرما کر توحید کی طرف متوجہ کرنا تھا۔ اُس کی تکمیل کے لئے یہاں سے سلسلۂ نبوت کا بیان شروع کردیا۔ جس کے ضمن میں انبیاء اور اُن کے متبعین کی خوش انجامی اور مکذبین ومعاندین کی بدانجامی بھی ذہن نشین کردی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ

اور ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کے پاس تو اس نے کہا

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ

اے قوم بندگی کرو اللہ کی تمہارا کوئی حاکم نہیں اس کے سوائے

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ (٢٣) فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

کیا تم ڈرتے نہیں تب بولے سردار جو کافر تھے

مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

اُس کی قوم میں یہ کیا ہے آدمی ہے جیسے تم

یعنی اس میں اور تم میں فرق کیا ہے جو یہ رسول بن جائے۔ تم نہ بنو۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت اور سرداران قوم کا خطاب:

پس انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو، سوائے اس کے تمہارا اور کوئی معبود نہیں سو کیا تم (اس سے) ڈرتے نہیں۔ یعنی کیا تم کو اس بات کا اندیشہ نہیں کہ تم جو اس کے سوا دوسروں کی پوجا کرتے ہو اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہو۔ کہیں وہ تم سے یہ ساری نعمتیں چھین لے اور تم کو اس شرک کی وجہ سے (دنیا اور آخرت میں) عذاب میں مبتلا کر دے۔

الملاء سرداران قوم نے آپس میں (یا عوام سے) کہا۔ کہ یہ نوح علیہ السلام تو تم ہی جیسا آدمی ہے تمہاری طرح کھاتا اور سوتا ہے پھر یہ اللہ کا بھیجا ہوا رسول کیسے ہوسکتا ہے۔ قوم نوح کا خیال تھا کہ پتھر بھی معبود ہونے میں اللہ کے شریک ہیں اور کوئی انسان اللہ کا رسول نہیں ہوسکتا اگر خدا کسی کو پیغمبر بنا کر بھیجنا چاہتا تو کسی فرشتے کو بھیجتا اسی خیال کے زیر اثر وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ نوح چونکہ رسالت کے مدعی ہیں اس لئے شاید ان کو اپنے آدمی ہونے کا انکار ہے یا فرشتہ ہونے کا دعویٰ ہے۔ (تفسیر مظہری)

یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْکُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ

چاہتا ہے کہ بڑائی کرے تم پر اور اگر اللہ چاہتا

لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِکَۃً ۚۖ

تو اُتارتا فرشتے

سرداروں کا تبصرہ:

یعنی بڑا بن کر رہنا چاہتا ہے اس لئے یہ سب ڈھونگ بنایا ہے ورنہ خدا کسی کو رسول بنا کر بھیجتا تو کیا یہ ہی اس کام کے لئے رہ گیا تھا۔ کوئی فرشتہ نہ بھیج سکتا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

یُرِیْدُ یعنی رسالت کا دعویٰ کرنے سے اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ تم سب کا سردار بن جائے اور تم سب سے اعلیٰ و بالا ہو جائے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ یعنی اگر اللہ کو منظور ہوتا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے یا کسی کو رسول بنا کر بھیجنا چاہتا۔ (تفسیر مظہری)

مَّا سَمِعْنَا بِھٰذَا فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۴﴾

ہم نے یہ نہیں سنا اپنے اگلے باپ دادوں میں

یعنی ہم نے ایسی عجیب بات کبھی نہیں سنی کہ ایک ہماری طرح کا معمولی آدمی خدا کا رسول بن جائے اور تمام دیوتاؤں کو ہٹا کر تنہا ایک خدا کی حکومت منوانے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

مَا سَمِعْنَا بِھٰذَا ہم نے تو یہ بات جس کا نوح مدعی ہے کہ معبود ایک ہے اور آدمی کو پیغمبر بنا کر وہ بھیجتا ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا، اپنے پچھلے بزرگوں میں بھی کبھی نہیں سنی۔ ایسی بات کافروں نے یا تو محض عناد کی وجہ سے کہی تھی یا واقعی کسی پیغمبر کو آئے ہوئے ایک لمبی مدت گذر گئی تھی اور ان کو بزرگوں سے بھی کسی پیغمبر کا مبعوث ہونا معلوم نہیں ہوا تھا۔ (تفسیر مظہری)

اِنْ ھُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِہٖ جِنَّۃٌ

اور کچھ نہیں یہ ایک مرد ہے کہ اس کو سودا ہے

فَتَرَبَّصُوْا بِہٖ حَتّٰی حِیْنٍ ﴿۲۵﴾

سو راہ دیکھو اس کی ایک وقت تک

معلوم ہوتا ہے کہ اس غریب کا دماغ چل گیا۔ بھلا ساری قوم کے خلاف اور اپنے باپ دادوں کے خلاف ایسی بات زبان سے نکالنا جو کوئی شخص باور نہ کر سکے کھلا جنون نہیں تو اور کیا ہوگا بہتر ہے چند روز صبر کرو اور انتظار کرو، شاید کچھ دنوں کے بعد اسے ہوش آ جائے اور جنون کے دورہ سے افاقہ ہو یا یوں ہی مر مرا کر قصہ ختم ہو جائے۔ (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا کَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾

بولا اے رب تو مدد کر میری کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا

بارگاہِ الٰہی میں حضرت نوحؑ کی درخواست:

یعنی جب نوحؑ کی ساری کوششیں بیکار ثابت ہوئیں، ساڑھے نو سو برس سختیاں جھیل کر بھی اُن کو راہِ راست پر لانے میں کامیاب نہ ہوئے تو خدا سے فریاد کی کہ اب ان اشقیاء کے مقابلہ میں میری مدد فرمایئے۔ کیونکہ بظاہر یہ لوگ میری تکذیب سے باز آنیوالے نہیں۔ اوروں کو بھی خراب کریں گے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَوْحَیْنَآ اِلَیْہِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْیُنِنَا

پھر ہم نے حکم بھیجا اس کو کہ بنا کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے

وَوَحْیِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُکْ

اور ہمارے حکم سے پھر جب پہنچے ہمارا حکم اور اُبلے تنور تو تو ڈال لے

فِیْھَا مِنْ کُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَاَھْلَکَ

کشتی میں ہر چیز کا جوڑا دو دو اور اپنے گھر کے لوگ

یہ قصہ پہلے سورۂ ''ہود'' وغیرہ میں گذر چکا ہے وہاں ان الفاظ کی تفسیر ملاحظہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

تنور کا مطلب: وَفَارَ التَّنُّوْرُ تنور، اُس خاص جگہ کو بھی کہا جاتا ہے جو روٹی پکانے کیلئے بنائی جاتی ہے اور یہی معنے معروف ومشہور ہیں۔ دوسرے معنے میں تنور پوری زمین کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ خلاصۂ تفسیر میں اسی معنے کے اعتبار سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ اور بعض حضرات نے اس سے ایک خاص تنور روٹی پکانے والا مراد لیا ہے جو کہ کوفہ کی مسجد میں اور بعض کے نزدیک ملک شام میں کسی جگہ تھا۔ اس تنور سے پانی اُبلنے لگا۔ (معارف مفتی اعظم)

آغازِ عذاب: حضرت مفسر کے نزدیک تنور سے مراد یہی روٹی پکانے کا تنور ہے۔ حضرت نوح کو عذاب (طوفان) آنے کی یہ نشانی بتائی گئی تھی چنانچہ تنور سے پانی پھوٹ نکلا بیوی نے آ کر اطلاع دی آپ فوراً سوار ہو گئے۔ آپ کا مکان کوفہ کی مسجد کے اندر تھا کہ باب کندہ کی طرف سے داخل ہونے والے داہنے ہاتھ کو واقع تھا۔ یہ بھی کہا گیا کہ ملک شام کی کسی (ٹیلہ کی) چوٹی پر آپ رہتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ

مگر جس کی قسمت میں پہلے سے ٹھہر چکی ہے بات

یعنی کافروں کو، خواہ تیرے کنبہ کے ہوں سوار مت کر۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور مجھ سے بات نہ کر ان ظالموں کے واسطے بیشک اُن کو ڈوبنا ہے

یعنی حکم قطعی عذاب کا ہو چکا۔ یہ فیصلہ اٹل ہے، ضرور ہو کر رہیگا۔ اب ظالموں میں سے کسی کو بچانے کے لئے ہم سے کسی سفارش نہ کرنا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ

پھر جب چڑھ چکے تو اور جو تیرے ساتھ ہے کشتی پر تو کہہ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾

شکر اللہ کا جس نے چھڑایا ہم کو گنہگار لوگوں سے

یعنی ہم کو ان سے علیحدہ کر کے عذاب سے مامون رکھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ

اور کہہ اے رب اُتار مجھ کو برکت کا اتارنا اور تو ہے

خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾

بہتر اُتارنے والا

کشتی سے برکت کا اتارنا:

یعنی کشتی میں اچھی آرام کی جگہ دے اور کشتی سے جہاں اتارے جائیں وہاں بھی کوئی تکلیف نہ ہو۔ ہر طرح اور ہر جگہ تیری رحمت و برکت شامل حال رہے۔ (تفسیر عثمانی)

مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا برکت کا اتارنا۔ کشتی میں برکت کا اتارنا یہ کہ اللہ کے دشمنوں کی صحبت سے نجات دی اور اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہو جانے کا موقع عنایت فرمایا، اور زمین میں اترنے کے بابرکت ہونے کے یہ معنی کہ (اللہ نے ڈوبنے سے محفوظ رکھا۔ مترجم) اور نسل و رزق میں کثرت عطا فرمائی اور بے غمی کے ساتھ عبادت رب میں مشغول ہو جانے کا موقع عنایت کیا۔

حضرت نوح کی عظمت:

دعا کرنے کا حکم صرف حضرت نوح کو دیا اپنے لئے بھی اور اپنے ساتھیوں کے لئے بھی اس میں حضرت نوح کی بزرگی کا اظہار ہے اور اس امر کی طرف ایماء ہے کہ حضرت نوح کی دعا ساتھ والوں کے لئے بھی کافی ہے ساتھیوں کو اپنے لئے دعا کرنے کی ضرورت نہیں۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾

اس میں نشانیاں ہیں اور ہم ہیں جانچنے والے

کہ کون ان نشانوں کو سن کر عبرت و نصیحت حاصل کرتا ہے کون نہیں کرتا۔ کما قال تعالیٰ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (قمر رکوع ۱) (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾

پھر پیدا کی ہم نے ان سے پیچھے ایک جماعت اور

یہ ذکر "عاد" کا ہے یا "ثمود" کا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ

پھر بھیجا ہم نے ان میں ایک رسول اُن میں

حضرت ہودؑ اور حضرت نوحؑ کی دعوت:

یعنی حضرت ہود یا حضرت صالح علیہما السلام۔ (تفسیر عثمانی)

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ

کہ بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا حاکم اس کے سوائے

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ

پھر کیا تم ڈرتے نہیں اور بولے سردار اس کی قوم کے جو

كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ

کافر تھے اور جھٹلاتے تھے آخرت کی ملاقات کو اور آرام دیا تھا

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ

ان کو ہم نے دنیا کی زندگی میں

قوم کا عقیدہ: یعنی اس کے معتقد نہ تھے کہ مرنے کے بعد ایک دن خدا سے ملنا ہے۔ بس دنیا کی زندگی اور اُس کا عیش و آرام ہی اُن کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ

اور کچھ نہیں یہ ایک آدمی ہے جیسے تم، کھاتا ہے جس قسم سے تم کھاتے ہو

وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿٣٣﴾

اور پیتا ہے جس قسم سے تم پیتے ہو

یعنی بظاہر کوئی بات اس میں تم سے سوا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿٣٤﴾

اور کہیں تم چلنے لگے کہنے پر ایک آدمی کے اپنے برابر کے تو تم بے شک خراب ہوئے

سرداروں کا فیصلہ: یعنی اس سے بڑی خرابی اور ذلت کیا ہوگی کہ اپنے جیسے ایک معمولی آدمی کو خواہ مخواہ مخدوم و مطاع ٹھہرا لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

"وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ" اور بخدا اگر تم اپنے جیسے آدمی کے (کہنے پر چلے اور) فرماں بردار بن گئے تو یقینا اس وقت گھاٹے میں رہو گے۔ کہ اپنے جیسے آدمی کے فرماں بردار ہو گے اور خود اپنے کو ذلیل کرو گے۔ وہ لوگ عجیب بیوقوف اور جاہل تھے کہ اپنے جیسے آدمی کی بات ماننے کا تو انکار کرتے تھے اور بے جان پتھروں کی پوجا کر کے اپنے ذلیل ہونے کا مظاہرہ کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا

کیا تم کو وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مر جاؤ اور ہو جاؤ مٹی اور ہڈیاں

اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿٣٥﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿٣٦﴾

تو تم کو نکلنا ہے کہاں ہو سکتا ہے کہاں ہو سکتا ہے جو تم سے وعدہ ہوتا ہے

بعث بعد الموت کا انکار: یعنی کس قدر بعید از عقل بات کہتا ہے کہ ہڈیوں کے ریزے مٹی کے ذرات میں مل جانے کے بعد پھر قبروں سے آدمی بن کر اٹھیں گے؟ ایسی مہمل بات ماننے کو کون تیار ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا

اور کچھ نہیں یہی جینا ہے ہمارا دنیا کا مرتے ہیں اور جیتے ہیں

وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿٣٧﴾

اور ہم کو پھر اٹھنا نہیں

انکارِ آخرت: یعنی کہاں کی آخرت اور کہاں کا حساب کتاب۔ ہم تو جانیں یہ ہی ایک دنیا کا سلسلہ اور یہ ہی ایک مرنا اور جینا ہے جو سب کی آنکھوں کے سامنے ہوتا رہتا ہے۔ کوئی پیدا ہوا کوئی فنا ہو گیا آگے کچھ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨافْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

اور کچھ نہیں یہ ایک مرد ہے باندھ لایا ہے اللہ پر جھوٹ

پیغمبر پر جھوٹ کی تہمت:

کہ میں اُس کا پیغمبر ہوں اور وہ مُردوں کو دوبارہ زندہ کر کے عذاب و ثواب دیگا۔ یہ دونوں دعوے ایسے ہیں جن کو ہم کبھی تسلیم نہیں کر سکتے۔ خواہ مخواہ جھگڑنے اور دردسری کرنے سے کیا فائدہ؟ (تفسیر عثمانی)

وَمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٣٨﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ

اور اس کو ہم نہیں ماننے والے بولا اے رب میری مدد کر

بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿٣٩﴾

کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا

پیغمبر کی دُعاء

یعنی آخر پیغمبر نے کفار کی طرف سے نا اُمید ہو کر دعا کی۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿٤٠﴾

فرمایا اب تھوڑے دنوں میں صبح کو رہ جائیں گے پچھتاتے

عذاب کی اطلاع: یعنی عذاب آیا چاہتا ہے جس کے بعد پچھتائیں گے، اور وہ پچھتانا نفع نہ دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ

پھر پکڑا ان کو چنگھاڑ نے تحقیق

اس سے بظاہر مترشح ہوتا ہے کہ یہ قصہ "ثمود" کا ہے کہ وہ چنگھاڑ سے مرے ہیں۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً

پھر کر دیا ہم نے ان کو کوڑا

قوم کی ہلاکت: جیسے سیلاب خس و خاشاک کو بہالے جاتا ہے، اس طرح عذاب الٰہی کے سیل میں بہے چلے گئے۔ (تفسیر عثمانی)

''ہم نے ان کو خس و خاشاک بنا دیا''۔ یعنی ہلاک کر دیا جیسے سیلاب کے اوپر کوڑا کرکٹ بہہ کر آ جاتا ہے۔ ہم نے اُس کوڑے کی طرح اُن کو کر دیا۔ جو شخص ہلاک ہو جائے، عرب اس کے متعلق کہتے ہیں سال بہ الوادی۔ نالہ کا سیلاب اس کو بہالے گیا۔ (تفسیر مظہری)

فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

سو دُور رہو جائیں گنہگار لوگ

یعنی خدا کی رحمت سے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾

پھر پیدا کیں ہم نے اُن سے پیچھے　جماعتیں　اور

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾

نہ آگے جائے　کوئی قوم اپنے وعدے سے　اور نہ پیچھے رہے

قوموں کے انجام:

یعنی ہر ایک قوم جس نے پیغمبروں کی تکذیب کی ٹھیک اپنے اپنے وعدہ پر ہلاک کی جاتی رہی، جو میعاد کسی قوم کی تھی ایک منٹ اس سے آگے پیچھے نہ ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا

پھر بھیجتے رہے ہم اپنے رسول لگاتار، جہاں پہنچ چکی امت کے پاس اُن کا رسول

كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ

اس کو جھٹلا دیا پھر چلاتے گئے ہم ایک کے پیچھے دوسرے اور کر ڈالا ان کو کہانیاں

رُسولوں کو جھٹلانے کی سزا:

یعنی رسولوں کا تانتا باندھ دیا، یکے بعد دیگرے پیغمبر بھیجتے رہے اور مکذبین میں بھی ایک کو دوسرے کے پیچھے چلتا کرتے رہے۔ ادھر پیغمبروں کی بعثت کا اور اُدھر ہلاک ہونے والوں کا نمبر لگا دیا۔ چنانچہ بہت قومیں ایسی تباہ و برباد کر دی گئیں جن کے قصے کہانیوں کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ آج ان کی داستانیں محض عبرت کے لئے پڑھی اور سنی جاتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ اور ہم نے ان کو کہانیاں بنا دیا۔ یعنی ان کی داستانیں اور ہلاکت کے قصے رہ گئے، جن کو لوگ بطور داستان بیان کرتے ہیں اور عبرت آموز دماغوں والے ان سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾

سو دُور ہو جائیں جو لوگ نہیں مانتے

یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا

پھر بھیجا ہم نے موسیٰ　اور اس کے بھائی ہارون کو　اپنی نشانیاں

وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ

دے کر اور کھلی سند فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس، پھر لگے بڑائی

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾

کرنے اور وہ لوگ زور پر چڑھ رہے تھے

فرعون اور اس کے سرداروں کا تکبر:

اس لئے خدائی پیغام کو خاطر میں نہ لائے۔ کبر و غرور کے نشہ نے ان کے دماغوں کو بالکل مختل کر رکھا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ کھلی دلیل، جو مقابل حریف کو لاجواب بنا دینے والی ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ سے مراد عصا ہو، سب سے پہلا معجزہ یہی تھا، اسی لئے اس کو مستقل طور پر ذکر کیا۔ اسی سے متعدد معجزات صادر ہوتے تھے، مثلاً وہ سانپ بن جاتی تھی۔ جادوگروں نے رسیوں سے جو سانپ بنائے تھے ان کو یہ لاٹھی نگل گئی تھی۔ اسی کی ضرب سے سمندر کا پانی پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا تھا، اسی کی ضرب سے پتھر سے چشمے جاری ہو جاتے تھے، یہ پڑاؤ کرنے کے وقت چاروں طرف گھوم کر لشکر کی حفاظت کرتی تھی۔ یہی رات میں شمع کا کام دیتی تھی، یہی پھلدار درخت بن گئی تھی یہی چشموں کے اندر سے پانی نکالنے کے لئے رسی ڈول کا کام دیتی تھی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیات سے مراد دلائل ہوں اور سلطان سے مراد معجزات ہوں، یا دونوں سے مراد معجزات ہوں۔ یہ سب نشان نبوت تھے اور حضرت موسیٰ کے دعوے کی دلیل تھے۔ (تفسیر عثمانی)

فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا

سو بولے کیا ہم مانیں گے اپنی برابر کے دو آدمیوں کو

وَّقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾

اوران کی قوم ہمارے تابعدار ہیں

ایمان سے انکار کا بہانہ:

یعنی موسیٰ و ہارونؑ کی قوم (بنی اسرائیل) تو ہماری غلامی کر رہی ہے اُن میں کہ دو آدمیوں کو ہم اپنا سردار کس طرح بنا سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ

پھر جھٹلایا ان دونوں کو پھر ہو گئے غارت ہونے والوں میں اور ہم نے دی

اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

موسیٰ کو کتاب تاکہ وہ راہ پائیں

بنی اسرائیل کا دستور العمل:

یعنی فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد ہم نے ان کو تورات شریف مرحمت کی تا لوگ اُس پر چل کر جنت اور رضائے الٰہی کی منزل تک پہنچ سکیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗۤ اٰيَةً

اور بنایا ہم نے مریم کے بیٹے اور اس کی ماں کو ایک نشانی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام: یعنی قدرت الٰہیہ کی نشانی ہے کہ تنہا ماں سے بدون باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کر دیا۔ جیسا کہ ''آل عمران'' اور سورۃ ''مریم'' میں اس کی تقریر کی جا چکی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَّاٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾

اوران کو ٹھکانا دیا ایک ٹیلہ پر جہاں ٹھہرنے کا موقع تھا اور پانی نتھرا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش:

شاید یہ وہی ٹیلہ یا اونچی زمین ہو جہاں وضع حمل کے وقت حضرت مریم تشریف رکھتی تھیں۔ چنانچہ سورۂ مریم کی آیات فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِىْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَهُزِّىْۤ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا دلالت کرتی ہیں کہ وہ جگہ بلند تھی۔ نیچے چشمہ یا نہر بہہ رہی تھی۔ اور کھجور کا درخت نزدیک تھا۔ (کذا فسرہ ابن کثیر رحمہ اللہ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بادشاہ کی دشمنی:

لیکن عموماً مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ حضرت مسیح کے بچپن کا واقعہ ہے۔ ایک ظالم بادشاہ ہیرودس نامی نجومیوں سے سنکر کہ حضرت عیسیٰ کو سرداری ملے گی، لڑکپن ہی میں اُن کا دشمن ہو گیا تھا اور قتل کے درپے تھا۔ حضرت مریم الہام ربانی سے اُن کو لے کر مصر چلی گئیں اور اُس ظالم کے مرنے کے بعد پھر شام واپس چلی آئیں۔ چنانچہ ''انجیل متی'' میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے اور مصر کا اونچا ہونا باعتبار رودِ نیل کے ہے ورنہ غرق ہو جاتا اور ''ماء معین'' رود نیل ہے بعض نے۔

ربوہ کا مطلب: ''ربوہ'' (اونچی جگہ) سے مراد شام یا فلسطین لیا ہے۔ اور کچھ بعید نہیں کہ جس ٹیلہ پر ولادت کے وقت موجود تھیں وہیں اس خطرہ کے وقت بھی پناہ دی گئی ہو۔ واللہ اعلم۔

بعض گمراہ مصنفین کی تردید:

بہر حال اہل اسلام میں کسی نے ''ربوہ'' سے مراد کشمیر نہیں لیا نہ حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر کشمیر میں بتلائی۔ البتہ ہمارے زمانہ کے بعض زائغین نے ''ربوہ'' سے کشمیر مراد لیا ہے اور وہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر بتلائی ہے جس کا کوئی ثبوت تاریخی حیثیت سے نہیں۔ محض کذب و دروغ بافی ہے۔ مثلاً ''خان یار'' شہر سری نگر میں جو قبر ''یوز آسف'' کے نام سے مشہور ہے اور جس کی بابت ''تاریخ اعظمی'' کے مصنف نے محض عام افواہ نقل کی ہے کہ ''لوگ اُس کو کسی نبی کی قبر بتاتے ہیں وہ کوئی شہزادہ تھا اور دوسرے ملک سے یہاں آیا'' اُس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر بتانا پرلے درجہ کی بے حیائی اور سفاہت ہے۔ ایسی اٹکل پچو قیاس آرائیوں سے حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات کو باطل ٹھہرانا بجز خبط اور جنون کے کچھ نہیں اگر اس قبر کی تحقیق مطلوب ہو اور یہ کہ ''یوز آسف'' کون تھا تو جناب منشی حبیب اللہ صاحب امرتسری کا رسالہ دیکھو جو خاص اسی موضوع پر نہایت تحقیق و تدقیق سے لکھا گیا ہے۔ اور جس میں اس مہمل خیال کی دھجیاں بکھیر دی گئی ہیں۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ عنا وعن سائر المسلمین احسن الجزاء۔ (تفسیر عثمانی)

صحابہ و تابعین کے اقوال

رَبوہ زمین میں اونچی جگہ۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا، یہ دمشق تھا۔ سعید بن مسیب اور مقاتل کا بھی یہی قول ہے۔

ضحاک نے کہا غوطہ دمشق مراد ہے۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا ربوہ سے رملہ مراد ہے۔ عطا کی روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ ربوہ سے مراد بیت المقدس ہے۔ یہی قول قتادہ اور کعب کا ہے۔ کعب نے کہا ربوہ کا حصہ بہ نسبت دوسری زمین کے اٹھارہ میل آسمان کے قریب تھا۔ ابن زید کے نزدیک مصر مراد ہے (یہی قول تاریخی حیثیت سے زیادہ قوی ہے)۔ (تفسیر مظہری)

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا

اے رسولو کھاؤ ستھری چیزیں اور کام کرو بھلا

اکل حلال اور صدق مقال:

یعنی سب پیغمبروں کے دین میں یہ ہی ایک حکم رہا کہ حلال کھانا حلال راہ سے کما کر۔ اور نیک کام کرنا۔ نیک کام سب خلق جانتی ہے۔ چنانچہ تمام پیغمبر نہایت مضبوطی اور استقامت کے ساتھ اکل حلال صدق مقال اور نیک اعمال پر مواظبت اور اپنی اُمتوں کو اسی کی تاکید کرتے رہے۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ اسی طرح کا حکم جو یہاں رسولوں کو ہوا، عامہ مؤمنین کو دیا گیا۔ اس میں نصاریٰ کی رہبانیت کا بھی رد ہو گیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر سے خاص مناسبت رکھتا ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کا کھانا پینا، پہننا حرام کا ہو، اسے اپنی دعاء کے قبول ہونے کی توقع نہیں رکھنا چاہئے۔ اور بعض احادیث میں ہے کہ جو گوشت حرام سے اُگا ہو، دوزخ کی آگ اُس کی زیادہ حقدار ہے۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت داؤدؑ کا اکل حلال اور عبادت گذاری:

حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی محنت کا کھایا کرتے تھے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے اللہ کو سب سے زیادہ پسند روزہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے اور سب سے زیادہ پسندیدہ قیام داؤد علیہ السلام کا قیام ہے۔ آدھی رات سوتے تھے اور تہائی رات نماز تہجد پڑھتے تھے اور چھٹا حصہ سو جاتے تھے اور ایک دن روزہ رکھتے ایک دن نہ رکھتے تھے۔ میدان جنگ میں کبھی پیٹھ نہ دکھاتے۔

انبیاء حلال ہی کھاتے ہیں:

ام عبداللہ بنت شدادؓ فرماتی ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ کا ایک پیالہ شام کے وقت بھیجا تا کہ آپ اس سے اپنا روزہ افطار کریں دن کا آخری حصہ تھا اور دھوپ کی تیزی تھی تو آپ نے قاصد کو واپس کر دیا کہ اگر تیری بکری کا ہوتا تو خیر اور بات تھی۔ انہوں نے کہلوایا کہ یا رسول اللہ میں نے یہ دودھ اپنے مال سے خرید کیا ہے۔ پھر آپ نے پی لیا۔ دوسرے دن مائی صاحبہ حاضر خدمت ہو کر عرض کرتی ہیں کہ یا رسول اللہ اس گرمی میں میں نے دودھ بھیجا بہت دیر سے بھیجا تھا۔ آپ نے میرے قاصد کو واپس کیا۔ آپ نے فرمایا ہاں مجھے یہی فرمایا گیا ہے انبیاء صرف حلال کھاتے ہیں اور صرف نیک عمل کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

طیبات فقط حلال چیزیں ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا لفظ طیبات کے لغوی معنی ہیں پاکیزہ نفیس چیزیں۔ اور چونکہ شریعت اسلام میں جو چیزیں حرام کر دی گئی ہیں نہ وہ پاکیزہ ہیں نہ اہل عقل کے لئے نفیس و مرغوب، اس لئے طیبات سے مراد حلال چیزیں ہیں جو ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے پاکیزہ و نفیس ہیں۔

نکتہ: علماء نے فرمایا کہ ان دونوں حکموں کو ایک ساتھ لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ حلال غذا کا عمل صالح میں بڑا دخل ہے جب غذا حلال ہوتی ہے تو نیک اعمال کی توفیق خود بخود ہونے لگتی ہے اور غذا حرام ہو تو نیک کام کا ارادہ کرنے کے باوجود بھی اسمیں مشکلات حائل ہو جاتی ہیں۔ حدیث میں ہے کہ بعض لوگ لمبے لمبے سفر کرتے ہیں اور غبار آلود رہتے ہیں پھر اللہ کے سامنے دعاء کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور یارب یارب پکارتے ہیں مگر اُن کا کھانا بھی حرام ہوتا ہے پینا بھی، لباس بھی حرام سے تیار ہوتا ہے اور حرام ہی کی اُن کو غذا ملتی ہے ایسے لوگوں کی دعا کہاں قبول ہو سکتی ہے۔ (قرطبی)

اس سے معلوم ہوا کہ عبادت اور دعا کے قبول ہونے میں حلال کھانے کو بڑا دخل ہے جب غذا حلال نہ ہو تو عبادت اور دعا کی مقبولیت کا بھی استحقاق نہیں رہتا۔ (معارف مفتی اعظم)

ایسا کھانا جو غافل نہ کرے:

بعض نے کہا اس سے حلال صاف قوام والا مراد ہے حلال تو حرام کی ضد ہوتا ہے اور صاف سے یہ مراد ہے کہ اس کے کھانے سے اللہ کی یاد نہ بھولے اس کا کھانا اللہ کی یاد سے غافل نہ بنا دے اور خواہشات نفسانی میں نہ ڈال دے۔ اور قوام سے یہ مراد ہے کہ نفس کی خواہش کو روک دے عقل کی حفاظت رکھے، یعنی سیری کی مقدار سے زائد نہ ہو۔

عمل صالح: نیک کام سے مراد ہے اللہ کے حکم کے مطابق عمل کرنا جو محض اللہ کی خوشنودی کے لئے کیا جائے اس میں کسی قسم کے شرک کی آمیزش بھی نہ ہو، فاسد نہ ہو یعنی ایسا قول و فعل نہ ہو جو اللہ کو پسند نہیں ہے۔

خلاصہ کلام: خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ہر زمانہ میں اس زمانہ کے پیغمبر کو حکم دیدیا تھا کہ حرام چیز نہ کھانا حلال کھانا اور نیک کام کرنا۔ یہ کلام حقیقت میں گذشتہ واقعات کا بیان ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت:

حسن، مجاہد، قتادہ، سدی، کلبی اور مفسرین کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ خطاب صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ عرب کا طریقہ ہے کہ ایک کو جمع کے صیغہ سے خطاب کر لیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں ایک کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے جمع کے صیغہ سے خطاب کیا جاتا ہے اس قسم کے خطاب میں مخاطب کی بزرگی کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور یہ بتانا ہوتا ہے کہ یہ ایک جماعت کے قائم مقام ہے۔ (تفسیر مظہری)

پس جمع کا صیغہ بول کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے اور ایماء ہے اس طرف کہ آپ کو سب لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صیغہ جمع سے خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور علماء امت کو ہو رسول اللہ اور علمائے امت کے درمیان ایک برزخی

درجہ رکھتا ہے اور علمائے امت، رسول اور دوسرے لوگوں کے درمیان برزخی درجہ رکھتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ علماء انبیاء کے قائم مقام ہیں یا علوم انبیاء کے وارث ہیں۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو خطاب:

بعض اہل علم نے کہا کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کو خطاب ہے اور یہ خطاب اس وقت کیا گیا تھا جب ربوہ میں وہ پناہ گزیں ہوگئے تھے اس خطاب میں اس حکم کو بیان فرمایا ہے جو انبیائے سابقین کو دیا گا تھا تا کہ یہ دونوں بزرگ بھی سابق انبیاء کی پیروی کریں۔ بیان قصہ کا تقاضا یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کو ہی مخاطب قرار دیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ﴿۵۱﴾

جو تم کرتے ہو میں جانتا ہوں

اللہ باخبر ہے: یعنی حلال کھانے اور نیک کام کرنے والوں کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے تمام کھلے چھپے احوال وافعال سے باخبر ہے۔ اُسی کے موافق ہر ایک سے معاملہ کریگا۔ یہ رسولوں کو خطاب کر کے امتوں کو سنایا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ

اور یہ لوگ ہیں تمہارے دین کے سب ایک دین پر اور میں ہوں تمہارا رب

فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾ فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا

سو مجھ سے ڈرتے رہو پھر پھوٹ ڈال کر کرلیا اپنا کام آپس میں ٹکڑے ٹکڑے

اختلافِ امت کے اسباب:

یعنی اصول کے اعتبار سے تمام انبیاء کا دین وملت ایک اور سب کا خدا بھی ایک ہے جس کی نافرمانی سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہئے۔ لیکن لوگوں نے پھوٹ ڈال کر اصل دین کو پارہ پارہ کر دیا اور جُدی جُدی راہیں نکال لیں۔ اسی طرح آراء واہواء کا اتباع کر کے سینکڑوں فرقے اور مذہب بن گئے۔ یہ تفریق انبیاء نے نہیں سکھلائی۔ اُن کے یہاں ازمنہ وامکنہ وغیرہ کے اختلاف سے صرف فروعی اختلاف تھا۔ اصول دین میں سب بالکلیہ متفق رہے ہیں۔ عموماً مفسرین نے آیت کی تقریر اسی طرح کی ہے۔

پیغمبر کا کام:

لیکن حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "ہر پیغمبر کے ہاتھ اللہ تعالیٰ نے جو اُس وقت کے لوگوں میں بگاڑ تھا، اُس کا سنوار فرمایا پیچھے لوگوں نے جانا انکا حکم جُدا جُدا ہے۔ آخر ہمارے پیغمبر کی معرفت سب بگاڑ کا سنوار (اور سب خرابیوں کا علاج) اکٹھا بتا دیا اب سب دین مل کر ایک دین ہو گیا"۔ اور سب قومیں ایک جھنڈے تلے جمع کر دی گئیں۔ (تفسیر عثمانی)

سو لوگوں نے اپنے دین میں (اپنا طریق الگ الگ کر کے) اختلاف پیدا کرلیا ہر گروہ کے پاس جو کچھ دین ہے وہ اسی پر اترائے ہوئے ہیں، یعنی جن لوگوں کے پاس پیغمبروں کو بھیجا گیا تھا۔ انہوں نے پیغمبروں کے بعد دین میں تفرقہ پیدا کرلیا اور ایک دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اصولی اختلاف دین بنا لیا۔ اور ایک دین کے چند دین بنا لئے کوئی تو تمام پیغمبروں کی اور ان کے لائے ہوئے احکام کی تصدیق کرتا رہا یہ ہر زمانے میں اہل حق کا گروہ رہا اور کچھ لوگ کسی پیغمبر اور کسی حکم پر ایمان لائے، دوسرے انبیاء واحکام کا انکار کر دیا، جیسے یہودی، اور عیسائی اور صابی۔ بعض نے سب ہی کا انکار کر دیا جیسے مجوسی اور بُت پرست۔ مذکورہ بالا تفسیری مطلب اس صورت ہوگا جب تَقَطَّعُوْا کو قَطَعُوْا کے معنی میں مانا جائے۔

آسمانی کتابوں میں تحریف:

بعض علماء نے زُبُرًا کا ترجمہ کیا ہے کتابیں۔ زبوت الکتاب میں جلی حروف میں کتاب لکھی، ہر جلی موٹے حروف کی کتاب کو زبور کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا دین پہلے ایک کتاب کی شکل میں تھا جو اللہ کی طرف سے نازل کی گئی تھی لیکن انہوں نے اس کی متعدد تحریف کردہ کتابیں بنا ڈالیں۔

حسن نے اس طرح مطلب بیان کیا کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور بگاڑ دیا۔ (تفسیر مظہری)

كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾

ہر فرقہ جو اُن کے پاس ہے اُس پر ریجھ رہے ہیں

یعنی سمجھتے ہیں کہ ہم ہی حق پر ہیں اور ہماری ہی راہ سیدھی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾

سو چھوڑ دے ان کو ان کی بیہوشی میں ڈوبے ایک وقت تک

فرقہ پرستوں کو چھوڑ دیئے:

یعنی جن لوگوں نے انبیاء کی متفقہ ہدایات میں رخنے ڈال کر الگ الگ فرقے اور ملتیں قائم کر دیں ہر فرقہ اپنے ہی عقائد وخیالات پر دل جمائے بیٹھا ہے کسی طرح اُس سے ہٹنا نہیں چاہتا، خواہ آپ کتنی ہی نصیحت فرمائیں تو آپ بھی ان کے غم میں زیادہ نہ پڑیے بلکہ تھوڑی سی مہلت دیجئے کہ یہ اپنی غفلت وجہالت کے نشہ میں ڈوبے رہیں۔ یہاں تک کہ وہ گھڑی آپہنچے جب اُن کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں۔ یعنی موت یا عذاب الٰہی ان کے

سروں پر منڈلانے لگے۔ (تفسیر عثانی)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا (یعنی) کفر و گمراہی میں (رہنے دیجئے) بعض نے کہا غمرۃ سے مراد ہے غفلت اور باوجود نہ جاننے کے جاننے کا دعویٰ کرنا۔ غفلت کو اس پانی سے تشبیہ دی۔ جس میں آدمی ڈوب جاتا ہے اس کے قد سے بھی پانی اونچا ہو جاتا ہے۔

فرقہ پرستوں پر گرفت ضرور ہوگی:

حَتّٰى حِيْنٍ" ایک خاص وقت تک یعنی وقت موت تک یا اس وقت تک کہ اللہ آپ کو جہاد کا حکم دیدے۔ مقصد یہ ہے کہ آپ ان کے کفر سے رنجیدہ نہ ہوں۔ ہم ان کی گرفت ضرور کریں گے یا اپنی طرف سے براہ راست عذاب بھیج کر یا آپ کے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے۔ (تفسیر مظہری)

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾
کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ یہ جو ہم اُن کو دیئے جاتے ہیں مال اور اولاد
نُسَارِعُ لَهُمْ فِى الْخَيْرٰتِ
سو دوڑ دوڑ کر پہنچا رہے ہیں ہم ان کو بھلائیاں

ایک پرانا وہم: یہی خیال اُنکا تھا۔ چنانچہ کہتے تھے نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ (سبا۔ رکوع ۴) یعنی ہم اگر خدا کے ہاں مردود و مبغوض ہوتے تو یہ مال و دولت اور اولاد وغیرہ کی بہتات کیوں ہوتی۔ (تفسیر عثانی)

بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾
یہ بات نہیں وہ سمجھتے نہیں

عقل کے کورے:

یعنی سمجھتے نہیں کہ مال و اولاد کی یہ افراط انکی فضیلت و کرامت کی وجہ سے نہیں امہال و استدراج کی بناء پر ہے۔ جتنی ڈھیل دی جارہی ہے اُسی قدر اُن کی شقاوت کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہے سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۚ وَاُمْلِىْ لَهُمْ ۚ اِنَّ كَيْدِىْ مَتِيْنٌ (اعراف رکوع ۲۳)

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾
البتہ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے اندیشہ رکھتے ہیں

مؤمن کی شان:

یعنی باوجود ایمان و احسان کے کفار و مغرورین کی طرح مکر اللہ سے مامون نہیں ہمہ وقت خوف خدا سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں کہ نہ معلوم دنیا میں جو انعامات ہو رہے ہیں استدراج تو نہیں۔ حسن بصریؒ کا مقولہ ہے "اِنَّ الْمُؤْمِنَ جَمَعَ اِحْسَانًا وَّشَفَقَةً وَاِنَّ الْمُنَافِقَ جَمَعَ اِسَاءَةً وَّاَمْنًا"۔ (مؤمن نیکی کرتا اور ڈرتا رہتا ہے اور منافق بدی کر کے بیفکر ہوتا ہے)۔ (تفسیر عثانی)

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾
اور جو لوگ اپنے رب کی باتوں پر یقین کرتے ہیں

آیات پر یقین: یعنی آیات کونیہ و شرعیہ دونوں پر یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ اُدھر سے پیش آئے عین حکمت اور جو خبر دی جائے بالکل حق اور جو حکم ملے وہ بہمہ وجوہ صواب و معقول ہے۔ (تفسیر عثانی)

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾
اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتے

توحید پر ایمان: یعنی خالص ایمان و توحید پر قائم ہیں۔ ہر ایک عمل صدق و اخلاص سے ادا کرتے ہیں۔ شرک جلی یا خفی کا شائبہ بھی نہیں آنے دیتے۔ (تفسیر عثانی)

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں قرار دیتے یعنی اپنے رب کی عبادت میں کسی طرح کے شرک کی آمیزش نہیں کرتے نہ شرکِ جلی کرتے ہیں نہ شرکِ خفی۔ شرک نہ کرنے کا جو مطلب بیان کیا ہے اس سے مضمون کی تکرار کا شبہ جاتا رہا بظاہر اللہ پر ایمان رکھنا اور اس کے ساتھ شریک قرار نہ دینا ایک ہی مفہوم رکھتا ہے لیکن جب شرک سے عبادت میں شرک مراد لے لیا جائے تو وحدتِ مضمون باقی نہیں رہتی کیونکہ اللہ کو ماننے کے بعد بھی اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک کیا جا سکتا تھا (جیسے عرب کے مشرک بلکہ تمام بت پرست کرتے ہیں کہ اللہ کو بھی مانتے ہیں اور اسی کے ساتھ دوسروں کی بھی پوجا کرتے ہیں)۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ
اور جو لوگ کہ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل ڈر رہے ہیں
اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾
اس لئے کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے

نیک عمل کے باوجود ڈرتے رہنا:

یعنی کیا جانے وہاں قبول ہوا یا نہ ہوا، آگے کام آئے یا نہ آئے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کر کے یہ کھٹکا لگا رہتا ہے، اپنے عمل پر مغرور نہیں ہوتے، نیکی کرنے کے باوجود ڈرتے ہیں۔ (تفسیر عثانی)

مَآ اٰتَوْا یعنی جو کچھ خیر، خیرات کرتے ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت

عائشہؓ یہ آیت یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا پڑھتی تھیں تو فرماتی تھیں جو کچھ نیک کام کرتے ہیں (یعنی حضرت عائشہ کے نزدیک دینے سے مراد صرف مال دینا نہیں بلکہ ہر کارِ خیر کرنا مراد ہے)۔

وجلۃ ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ان کی خیر خیرات رد نہ کردی جائے اور قبول نہ کی جائے۔ یا اس طریقے سے نہ ہو پائے جو بارگاہ کبریائی میں پیش ہونے کے مناسب ہے اور اس پر ان کی پکڑ ہو جائے یا ان کو اپنے گناہوں کی کثرت اور طاعت کی قلت کی وجہ سے یہ اندیشہ لگا رہتا ہے کہ کہیں یہ خیر خیرات بھی ان کو اللہ کے عذاب سے بچا نہ سکے۔

اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ؕ یعنی اس بات سے ان کے دل ڈرتے ہیں کہ اللہ کے پاس ان کو لوٹ کر جانا ہے اور وہ ان کے ہر عمل سے واقف ہے۔ حسن بصریؒ نے فرمایا۔ وہ اللہ کی طاعت کرتے ہیں اور کوشش کے ساتھ کرتے ہیں پھر بھی ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کی طاعت نامقبول نہ ہو جائے۔

بیہقی کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ کیا یہ وہ شخص ہے جو زنا کرتا شراب پیتا اور چوری کرتا ہے فرمایا نہیں اے صدیق کی بیٹی! (یہ وہ شخص نہیں) بلکہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو رات کو (نماز کے لئے) اٹھتا ہے اور خیرات کرتا ہے اور (پھر بھی) ڈرتا ہے کہ کہیں قبول نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝

وہ لوگ دوڑ دوڑ کر لیتے ہیں بھلائیاں اور وہ اُن پر پہنچے سب سے آگے

اصل نیکی:

دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ کما قال تعالیٰ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ (آل عمران۔ رکوع ۱۵) تو درحقیقت اصلی بھلائی اعمال صالحہ، اخلاق حمیدہ اور ملکات فاضلہ میں ہوئی نہ کہ اموال و اولاد میں، جیسے کفار کا گمان تھا۔ (تفسیر عثمانی)

نیکی میں پیش قدمی کرنا:

آیت کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ طاعتوں کی بہت زیادہ رغبت رکھتے ہیں اس لئے جلدی جلدی طاعتیں کرتے ہیں تاکہ کوئی طاعت فوت نہ ہو جائے۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ طاعتوں میں پیش قدمی کرنے پر جن اُخروی بھلائیوں کا وعدہ کیا گیا ہے اور نیک اعمال میں تیزی کرنے سے جن دنیوی فوائد کو وابستہ کیا گیا ہے سب فائدوں کے حاصل کرنے کے لئے وہ تیزی سے کام لیتے ہیں اور جلدی جلدی حاصل کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مصیبت کو کوئی چیز رد نہیں کرتی سوائے دعا کے اور عمر میں کوئی چیز زیادتی نہیں کرتی مگر نیکی (یعنی خیر، خیرات، حسنِ سلوک)۔ اس تفسیر پر اس آیت کا مضمون ویسا ہی ہوگا جیسا آیت فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ کا ہے گویا ان کو وہ ثواب ملے گا جو ان کے مخالف لوگوں کو نہیں ملے گا۔

میں کہتا ہوں جن بھلائیوں کی طرف دنیا میں مؤمن تیزی سے بڑھتے ہیں ان سے مراد شاید یہ ہو کہ مؤمن کو اللہ کی یاد میں لذت آتی ہے اس کے دل کو چین ملتا ہے۔ وہ بقدر کفاف رزق پر قناعت کرتا اور سیر ہو جاتا ہے اس کو دنیوی نعمتوں کے زوال کا کوئی خوف نہیں ہوتا وہ سوائے اللہ کے نہ کسی سے امید وابستہ رکھتا ہے نہ ڈرتا ہے اس کو خواب میں یا بطور الہام مبشرات پہنچتی رہتی ہے۔

وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ؕ یعنی وہ نیکیوں کی طرف پیش قدمی کی وجہ سے جنت کی طرف سب سے آگے بڑھنے والے ہیں۔ یا سابقون سے (مراد سب سے آگے بڑھنا اور سبقت کر جانا نہیں بلکہ) مراد ہے طاعتوں کی طرف یا ثواب کی طرف یا جنت کی طرف بڑھنا۔ یا یہ مراد ہے کہ آخرت سے پہلے وہ دنیوی فائدوں کی طرف بڑھنے والے ہیں کیونکہ (ثواب آخرت سے پہلے) فوری طور پر ان کے لئے دنیوی فائدے فراہم کردیئے جاتے ہیں۔ بعض علماء کی قول ہے کہ لَهَا سٰبِقُوْنَ میں لام بمعنی الیٰ ہے یعنی وہ بھلائیوں کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں جیسے آیت لما نھوا عنہ میں لام بمعنی الیٰ ہے۔ اسی وجہ سے کلبی نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں کہا ہے کہ وہ تمام اقوام سے بھلائیوں کی طرف سبقت کرنے والے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، اللہ کی طرف سے ان کے لئے سعادت پہلے ہی سے (مقدر) ہوچکی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ

اور ہم کسی پر بوجھ نہیں ڈالتے مگر اس کی گنجائش کے موافق اور ہمارے پاس لکھا ہوا ہے

يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝٦٢

جو بولتا ہے سچ اور ان پر ظلم نہ ہوگا

انسان کو اس کی طاقت کے مطابق مکلف بنایا گیا ہے:

یعنی اُوپر جو اعمال و خصائل بیان کئے گئے کوئی ایسے مشکل کام نہیں جن کا اٹھانا انسانی طاقت سے باہر ہو۔ ہماری یہ عادت نہیں کہ لوگوں کو تکلیف مالا یطاق دیجائے۔ یہ سب باتیں وہ ہیں جنکو اگر توجہ کرو تو بخوبی حاصل کرسکتے ہو۔ اور جو لوگ سابقین کاملین کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے انہیں بھی اپنی وسعت و ہمت کے موافق پوری کوشش کرنی چاہئے کہ وہ اُسی کے مکلف ہیں۔ ہمارے یہاں صحائف اعمال میں درجہ بدرجہ ہر ایک کے اعمال لکھے ہوئے موجود ہیں جو قیامت

کے دن سب کے سامنے کھول کر رکھ دیئے جائیں گے اور اُن ہی کے موافق جزا دی جائے گی جس میں رتی برابر ظلم نہ ہوگا نہ کسی کی نیکی ضائع ہوگی۔ نہ اجر کم کیا جائے گا، نہ بے وجہ بے قصور دوسرے کا بوجھ اُس پر ڈالا جائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ

کوئی نہیں اُن کے دل بیہوش ہیں اس طرف سے اور ان کو اور کام

مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾

لگ رہے ہیں اس کے سوائے کہ وہ اُن کو کر رہے ہیں

انسان کسی اور طرف مشغول ہے:

یعنی آخرت کے حساب کتاب سے یہ لوگ غافل ہیں اور دنیا کے دوسرے دھندوں میں پڑے ہیں جن سے نکلنے کی فرصت ہی نہیں ہوتی جو آخرت کی طرف توجہ کریں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اُن کے دل شک وتردد اور غفلت و جہالت کی تاریک موجوں میں غرقاب ہیں۔ بڑا گناہ تو یہ ہوا، باقی اس سے ورے اور بہت سے گناہ ہیں جنکو وہ سمیٹ رہے ہیں۔ ایکدم کو اُن سے جُدا نہیں ہوتے اور جدا بھی کیونکر ہوں، جو کام اُنکی استعداد کی بدولت مقدر ہو چکے ہیں وہ کر کے رہیں گے اور لامحالہ اُن کا خمیازہ بھی اٹھانا پڑے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْئَرُوْنَ ﴿۶۴﴾

یہاں تک کہ جب پکڑیں گے ہم اُن کے آسودہ لوگوں کو آفت میں تبھی وہ لگیں گے چلانے

لَا تَجْئَرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾

مت چلاؤ آج کے دن تم ہم سے چھوٹ نہ سکو گے

عذاب آئے تو چلاتے ہیں:

یعنی جب دنیوی یا اُخروی عذاب میں پکڑے جائیں گے تو چلائیں گے اور شور مچائیں گے کہ ہمیں اس آفت سے بچاؤ۔ بھلا وہاں بچانے والا کون؟ حکم ہوگا کہ چلاؤ نہیں، یہ سب چیخ پکار بیکار ہے۔ آج کوئی تمہاری مدد کو نہیں پہنچ سکتا نہ ہمارے عذاب سے چھڑا سکتا ہے۔ چنانچہ اس عذاب کا ایک نمونہ کفار مکہ کو بدر میں دکھلایا گیا جہاں اُنکے بڑے بڑے سردار مارے گئے یا قید ہوگئے۔ عورتیں مہینوں تک اُن کا نوحہ کرتی رہیں سر کے بال کٹوا کر ماتم کئے گئے۔ روئے پیٹے، چیخے چلائے، کچھ بن نہ پڑا۔ ایک مرتبہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مظالم سے تنگ آ کر بددعا فرمائی تو سات سال کا قحط مسلط ہوا مُردار کی ہڈیاں اور چمڑے کھانے اور خون پینے کی نوبت آ گئی، آخر رحمۃ للعالمین سے رحم کا واسطہ دیکر دعاء کی درخواست کی۔ تب اللہ تعالیٰ نے وہ عذاب اُٹھایا۔ اُس وقت نہ ''لات ومنات'' کام آئے نہ ہُبل ونائل۔ (تفسیر عثمانی)

غزوہ بدر اور قحط کا عذاب:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مُراد وہ عذاب ہے جو غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی تلوار سے ان کے سرداروں پر پڑا تھا۔ اور بعض حضرات نے اس عذاب سے مراد قحط کا عذاب لیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے مکہ والوں پر مسلط کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ وہ مُردار جانور اور کتے اور ہڈیاں کھانے پر مجبور ہوگئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے لئے بددعا بہت کم کی ہے لیکن اس موقع میں مسلمانوں پر اُن کے مظالم کی شدت سے مجبور ہو کر یہ بددعا کی تھی۔ اللھمّ اشد دوطائک علیٰ مضرو اجعل ھا علیھم سنین کسنی یوسف (رواہ البخاری ومسلم) (قرطبی ومظہری) (معارف مفتی اعظم)

قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى

تم کو سنائی جاتی تھی میری آیتیں تو تم ایڑیوں

اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ

پر اُلٹے بھاگتے تھے اُس سے تکبر کر کے ایک

اپنی غفلت واعراض کو یاد کرو:

یعنی اب کیوں شور مچاتے ہو، وہ وقت یاد کرو جب خدا کے پیغمبر آیات پڑھ کر سناتے تھے تو تم اُلٹے پاؤں بھاگتے تھے، سننا بھی گوارا نہ تھا۔ تمہاری شیخی اور تکبر اجازت نہ دیتا تھا کہ حق کو قبول کرو اور پیغمبروں کی بات پر کان دھرو۔ (تفسیر عثمانی)

سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾

قصہ گو کو چھوڑ کر چلے گئے

پیغمبر کی باتوں پر توجہ نہ دیتے تھے:

یعنی پیغمبر کی مجلس سے ایسے بھاگتے تھے گویا کسی فضول قصہ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ یا کا مطلب یہ ہے کہ رات کے وقت حرم میں بیٹھ کر پیغمبر علیہ السلام اور قرآن کریم کی نسبت باتیں بناتے اور طرح طرح کے قصے گھڑتے تھے، کوئی جادو کہتا تھا، کوئی شاعری کوئی کہانت، کوئی کچھ اور۔ اسی طرح کی بکواس اور بیہودہ ہذیان کیا کرتے تھے۔ آج اُس کا مزہ چکھو چیخنے چلانے سے کچھ حاصل نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ

سو کیا انہوں نے دھیان نہیں کیا اس کلام میں

قرآن پر غور نہیں کیا: یعنی قرآن کی خوبیوں میں غور وفکر نہیں کرتے۔ ورنہ

حقیقت حال منکشف ہو جاتی کہ بلاشبہ یہ کلام اللہ جل شانہٗ کا ہے جس میں اُن کی بیماریوں کا صحیح علاج بتلایا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾

یا آئی ہے ان کے پاس ایسی چیز جو نہ آئی تھی ان کے پہلے باپ دادوں کے پاس

پیغمبر اور کتاب کوئی نئی بات نہ تھی:

یعنی نصیحت کرنے والے ہمیشہ ہوتے رہے ہیں پیغمبر ہوئے یا پیغمبر کے تابع ہوئے۔ آسمانی کتابیں بھی برابر اُترتی رہی ہیں۔ کبھی کہیں، کبھی کہیں۔ سو یہ کوئی انوکھی بات نہیں جس کا نمونہ پیشتر سے موجود نہ ہو۔ ہاں جو اکمل ترین واشرف ترین کتاب اب آئی اس شان و مرتبہ کی پہلے نہ آئی تھی تو اس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ اور زیادہ اس نعمت کی قدر کرتے اور آگے بڑھ کر اُس کی آواز پر لبیک کہتے جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہی۔

(تنبیہ) شاید یہاں ''آباء اولین'' سے آباء ابعدین مراد ہوں۔ اور سورۂ ''یٰسٓ'' میں جو آیا ہے لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ وہاں آباء اقربین کا ارادہ کیا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۶۹﴾

یا پہچانا نہیں انہوں نے اپنے پیغام لانے والے کو، سو وہ اس کو اوپرا سمجھتے ہیں

پیغمبر کی صداقت و دیانت بھی سامنے ہے:

یعنی کیا اس لئے اعراض و تکذیب پر تلے ہوئے ہیں کہ اُن کو پیغمبر کے احوال سے آگاہی نہیں۔ حالانکہ سارا عرب جانتا ہے کہ آپ بچپن سے صادق و امین اور عفیف و پاکباز تھے۔ چنانچہ حضرت جعفر نے بادشاہ حبشہ کے سامنے، حضرت مغیرہ ابن شعبہ نے نائب کسریٰ کے آگے اور ابوسفیان نے بحالت کفر قیصر روم کے دربار میں اسی چیز کا اظہار کیا۔ پھر ایسے مشہور و معروف راستباز بندہ کی نسبت کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ (العیاذ باللہ) خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ یعنی اُن کے انکار کی ایک وجہ یہ ہو سکتی تھی کہ جو شخص دعوت حق اور دعوائے نبوت لیکر آیا ہے یہ کہیں باہر سے آیا ہوتا تاکہ یہ لوگ اسکے نام و نسب اور عادات و خصائل اور کردار سے واقف نہ ہوتے تو یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم اس مدعی کے حالات سے واقف نہیں اس کو کیسے نبی و رسول مان کر اپنا مقتدا بنالیں۔ مگر یہاں تو یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش ہی کے اعلیٰ نسب میں اسی شہر مکہ میں پیدا ہوئے اور بچپن سے لیکر جوانی اور مابعد کا سارا زمانہ اُنہیں لوگوں کے سامنے گذرا، آپ کا کوئی عمل کوئی عادت ان سے چھپی ہوئی نہیں تھی اور دعوائے نبوت سے پہلے تک سارے کفار مکہ آپ کو صادق و امین کہا کرتے تھے۔ (معارف مفتی اعظم)

اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ

یا کہتے ہیں اس کو سودا ہے کوئی نہیں وہ تو لایا ہے ان کے پاس

بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾

سچی بات اور ان بہتوں کو سچی بات بُری لگتی ہے

فقط خواہش پرستی انکار کر رہی ہے:

یعنی سودائیوں اور دیوانوں کی باتیں کہیں ایسی کھری اور سچی ہوتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ بھی محض زبان سے کہتے تھے، دل ان کا جانتا تھا کہ بیشک جو کچھ آپ لائے ہیں حق ہے۔ پر حق بات چونکہ انکی اغراض و خواہشات کے موافق نہ تھی اس لئے بُری لگتی تھی اور قبول کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ

اور اگر سچا رب چلے ان کی خوشی پر تو خراب ہو جائیں

السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ

آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے

ان کی ہر خواہش پرستی کیلئے شے حق نہیں بدل سکتی:

یعنی سچی بات بُری لگتی ہے تو لگنے دو۔ سچائی اُن کی خوشی اور خواہش کے تابع نہیں ہو سکتی۔ اگر سچا خدا ان کی خوشی اور خواہش ہی پر چلا کرے تو وہ خدا ہی کہاں رہے۔ معاذ اللہ بندوں کے ہاتھ میں ایک کٹ پتلی بن جائے۔ ایسی صورت میں زمین و آسمان کے یہ محکم انتظامات کیونکر قائم رہ سکتے ہیں۔ اگر ایک چھوٹے سے گاؤں کا انتظام محض لوگوں کی خواہشات کے تابع کر دیا جائے، وہ بھی چار دن قائم نہیں رہ سکتا چہ جائیکہ زمین و آسمان کی حکومت۔ کیونکہ عام خواہشات نظام عقلی کے مزاحم اور باہم کر بھی متناقض واقع ہوئی ہیں عقل و ہوٰی کی کشمکش اور اہوائے مختلفہ کی لڑائی میں سارے انتظامات درہم برہم ہو جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ

کوئی نہیں ہم نے پہنچائی ہے ان کو ان کی نصیحت

ہدایت آ پہنچی ہے:

جس کی وہ تمنا کیا کرتے تھے لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِکْرًا مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۙ لَکُنَّا عِبَادَ اللّٰہِ الْمُخْلَصِیْنَ ۔ (صافات۔ رکوع ۵) (تفسیر عثمانی)

فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٧١﴾
سو وہ اپنی نصیحت کو دھیان نہیں کرتے

مفاد پرست انکار کر رہے ہیں:

جب آ گئی اور ایسی آئی جس سے اُن کو قومی حیثیت سے عظیم الشان فخر و شرف حاصل ہوا تو اب منہ پھیرتے ہیں اور ایسے اعلیٰ فضل و شرف کو ہاتھ سے گنوار ہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ
یا تو ان سے مانگتا ہے کچھ محصول سو محصول تیرے رب کا بہتر ہے
وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿٧٢﴾
اور وہ ہے بہتر روزی دینے والا

پیغمبر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا:

یعنی دعوت و تبلیغ اور نصیحت و خیر خواہی کر کے ان سے کسی معاوضہ کے بھی طلب گار نہیں۔ خدا تعالیٰ نے دارین کی جو دولت آپ کو مرحمت فرمائی ہے وہ اس معاوضہ سے کہیں بہتر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٧٣﴾
اور تو تو بلاتا ہے ان کو سیدھی راہ پر
وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ
اور جو لوگ نہیں مانتے آخرت کو
عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿٧٤﴾
راہ سے ٹیڑھے ہو گئے ہیں

پیغمبر تو صراطِ مستقیم کی طرف بلاتا ہے:

یعنی آپ کے صدق و امانت کا حال سب کو معلوم ہے جو کلام آپ لائے اس کی خوبیاں اظہر من الشمس ہیں۔ معاذ اللہ آپ کو خلل دماغ نہیں، اُن سے کسی معاوضہ کے طالب نہیں، جس راستہ کی طرف آپ بلاتے ہیں بالکل سیدھا اور صاف راستہ ہے، جس کو ہر سیدھی عقل والا بسہولت سمجھ سکتا ہے کوئی اینچ پیچ نہیں ٹیڑھا ترچھا نہیں۔ ہاں اس پر چلنا اُن ہی کا حصہ ہے جو موت کے بعد دوسری زندگی مانتے ہوں اور اپنی بدانجامی سے ڈرتے ہوں، جسے انجام کا ڈر اور عاقبت کی فکر ہی نہیں وہ کب سیدھے راستہ پر چلے گا، یقیناً ٹیڑھا رہے گا۔ اور سیدھی سی بات کو بھی اپنی کجروی سے کج بنالے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا
اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور کھول دیں جو تکلیف پہنچی ان کو تو بھی برابر لگے رہیں
فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿٧٥﴾
اپنی شرارت میں بہکے ہوئے

احسان فراموش اور ناشکرے:

یعنی تکلیف سے نکال کر آرام دیں۔ تب بھی احسان نہ مانیں اور شرارت وسرکشی سے باز نہ آئیں۔ حضرت کی دعاء سے ایک مرتبہ مکہ والوں پر قحط پڑا تھا، پھر حضرت ہی دعاء سے کھلا۔ شاید یہ اُسی کو فرمایا، یا یہ مطلب ہے کہ اگر ہم اپنی رحمت سے اُن کے نقصان کو دور کر دیں یعنی قرآن کی سمجھ دے دیں تب بھی یہ لوگ اپنے ازلی خسران اور سوء استعداد کی وجہ سے اطاعت و انقیاد اختیار کرنیوالے نہیں کما قال تعالیٰ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۖ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (انفال۔ رکوع ۳)

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا
اور ہم نے پکڑا تھا ان کو آفت میں پھر نہ عاجزی کی
لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿٧٦﴾
اپنے رب کے آگے اور نہ گڑگڑائے

مثلاً قحط وغیرہ آفات مسلط ہوئیں۔ تب بھی عاجزی کر کے خدا کی بات نہ مانی۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: بیہقی نے دلائل میں بیان کیا ہے کہ ابن اثال حنفی جب گرفتار ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وعدہ لیکر چھوڑ دیا پھر وہ مکہ کو چلا گیا اور مسلمان ہو گیا (قریش نے اس کو گرفتار کرنا چاہا وہ بھاگ کر) مکہ اور یمامہ کے درمیان آ کر بیٹھا اور یمامہ سے جو غلے کی رسد مکہ کو آیا کرتی تھی اس کو روک دیا، قریش بھوکے مرنے لگے، یہاں تک کہ جانوروں کا اون کھانے لگے، مجبور ہو کر ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کیا آپ کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ آپ کو دنیا والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک یہی بات ہے۔ ابوسفیان نے کہا تو (یہ کیسی رحمت ہے کہ) آپ نے آباواجداد کو تو تلوار سے قتل کر

دیا اور ان کی اولاد کو قحط سالی سے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت میں (گویا) شہادت ہے اس بات کی کہ اگر ہم نے دوسرا عذاب بھی ان سے دور کر دیا تو یہ اللہ کے سامنے زاری نہیں کریں گے جیسے پہلے عذاب میں گرفتار ہونے کے بعد اللہ کی طرف انہوں نے رجوع نہیں کیا اور زاری نہیں کی۔ (تفسیر مظہری)

حَتّٰٓی اِذَا فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِیْدٍ

یہاں تک کہ جب کھول دیں ہم ان پر دروازہ ایک سخت آفت کا

اِذَا هُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾

تب اس میں ان کی آس ٹوٹے گی

اس سے یا تو آخرت کا عذاب مراد ہے یا شاید وہ دروازہ لڑائیوں کا کھلا جس میں تھک کر عاجز ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ

اور اسی نے بنا دیئے تمہارے کان اور آنکھیں

وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾

اور دل تم بہت تھوڑا حق مانتے ہو

اللہ کی دی ہوئی صلاحیتیں استعمال کرو:

کانوں سے اس کی آیات تنزیلیہ کو سنو اور آنکھوں سے آیات تکوینیہ کو دیکھو اور دلوں سے دونوں کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ ان نعمتوں کا شکر یہ تھا کہ اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو اُس کے کام میں لاتے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ اکثر آدمیوں نے اکثر اوقات میں ان قوتوں کو بے جا خرچ کیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾

اور اسی نے تم کو پھیلا رکھا ہے زمین میں اور اسی کی طرف جمع ہو کر جاؤ گے

آخرت کی حاضری: ہاں ہر ایک کو شکر گذاری اور ناشکری کا بدلہ مل جائے گا۔ اُس وقت کوئی شخص یا کوئی عمل غیر حاضر نہ ہو سکے گا۔ جس نے پھیلایا اُس کو سمیٹنا کیا مشکل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ

اور وہی ہے جلاتا اور مارتا اور اسی کا کام ہے بدلنا

الَّیْلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾

رات اور دن کا سو کیا تم کو سمجھ نہیں

دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں:

زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ یا اندھیرے سے اُجالا اور اُجالے سے اندھیرا کر دینا جس کے قبضہ میں ہے اُس کی قدرت عظیمہ کے سامنے کیا مشکل ہے کہ تم کو دوبارہ زندہ کر دے اور آنکھوں کے آگے سے ظلمت جہل کے پردے اٹھا دے۔ جس کے بعد حقائق اشیاء ٹھیک ٹھیک منکشف ہو جائیں جیسا کہ قیامت میں ہوگا۔ فَبَصَرُكَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ (تفسیر عثمانی)

بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوْٓا ءَاِذَا

کوئی بات نہیں یہ تو وہی کہہ رہے ہیں جیسا کہا کرتے تھے پہلے لوگ کہتے ہیں کیا

مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾

جب ہم مر گئے اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم کو زندہ ہو کر اٹھنا ہے

لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ

وعدہ دیا جاتا ہے ہم کو اور ہمارے باپ دادوں کو یہی پہلے سے

اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۸۳﴾

اور کچھ بھی نہیں یہ نقلیں ہیں پہلوں کی

رجعت پسندی اور اندھی تقلید:

یعنی عقل و فہم کی بات کچھ نہیں محض پرانے لوگوں کی اندھی تقلید کئے چلے جا رہے ہیں، وہی دقیانوسی شکوک پیش کرتے ہیں جو ان کے پیشرو کیا کرتے تھے۔ یعنی مٹی میں مل کر اور ریزہ ریزہ ہو کر ہم کیسے زندہ کئے جائیں گے؟! ایسی دور از عقل باتیں جو ہم کو سنائی جا رہی ہیں پہلے ہمارے باپ دادوں سے بھی کہی گئی تھیں لیکن ہم نے تو آج تک خاک کے ذروں اور ہڈیوں کے ریزوں کو آدمی بنتے نہ دیکھا۔ ہو نہ ہو یہ سب قصے کہانیاں ہیں جو پہلے لوگ گھڑ گئے تھے۔ اور اب اُن ہی کی نقل کی جا رہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهَآ اِنْ كُنْتُمْ

تو کہہ کس کی ہے زمین اور جو کوئی اس میں ہے بتاؤ اگر تم

تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾

جانتے ہو اب کہیں گے سب کچھ اللہ کا ہے تو کہہ پھر تم سوچتے نہیں

سب اللہ کے قبضہ میں ہے:

کہ جس کا قبضہ ساری زمین اور زمینی چیزوں پر ہے کیا تمہاری مشت خاک

اُس کے قبضہ سے باہر ہوگی؟ (تفسیر عثمانی)

اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ اگر تم اہل علم میں سے ہو یا اگر تم جانتے ہو تو جواب دو، بتاؤ۔ مخاطب کی اہانت اور تحقیر اس سوال سے مقصود ہے کہ ایسی بات جس کو بچے اور دیوانے بھی جانتے ہیں تم نہیں جانتے، تمہارا حال اور قول تمہاری جہالت کا شاہد ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس کا انکار ممکن ہی نہیں تمام لوگ اس کے قائل ہیں۔ عقل صریح اور نقل صحیح اس کی گواہ ہے اس لئے ان کو کہنا پڑے گا۔ (تفسیر مظہری)

قُلۡ مَنۡ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبۡعِ وَرَبُّ الۡعَرۡشِ

تو کہہ کون ہے مالک ساتوں آسمانوں کا اور مالک اس بڑے

الۡعَظِيۡمِ ۝٨٦ سَيَقُوۡلُوۡنَ لِلّٰهِ ؕ قُلۡ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ۝٨٧

تخت کا اب بتائیں گے اللہ کو تو کہہ پھر تم ڈرتے نہیں

خوفِ خدا کرو: اتنا بڑا شہنشاہ تمہاری ان گستاخیوں اور نافرمانیوں پر تم کو دھر گھسیٹے۔ کیا یہ انتہائی گستاخی نہیں کہ اس شہنشاہ مطلق کو ایک ذرہ کے مقدار سے عاجز قرار دینے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

عرش الٰہی: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی شان بہت بڑی ہے۔ اس کا عرش آسمانوں پر اس طرح ہے اور آپ نے اپنے ہاتھ سے قبہ کی طرح بنا کر بتایا (ابوداؤد)۔ اور حدیث میں ہے ساتوں آسمان وزمین اور ان کی کل مخلوق کرسی کے مقابلے پر ایسی ہے جیسے کسی چٹیل میدان میں کوئی حلقہ پڑا ہو۔ اور کرسی اپنی تمام چیزوں سمیت عرش کے مقابلے میں بھی ایسی ہی ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ عرش کی ایک جانب سے دوسری جانب کی دوری پچاس ہزار سال کی مسافت کی ہے۔

بعض سلف کا قول ہے کہ عرش سرخ رنگ یاقوت کا ہے اس آیت میں عرش عظیم کہا گیا ہے اور اس سورت کے آخر میں عرش کریم کہا گیا ہے یعنی بہت بڑا اور بہت حسن و خوبی والا پس لمبائی چوڑائی وسعت عظمت حسن و خوبی میں وہ بہت ہی اعلیٰ اور بالا ہے اسی لئے لوگوں نے اسے یاقوت سرخ کہا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ تمہارے رب کے پاس رات دن کچھ نہیں اس کے عرش کا نور اس کے چہرے کے نور سے ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

قُلۡ مَنۡۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوۡتُ كُلِّ شَىۡءٍ وَّهُوَ يُجِيۡرُ

تو کہہ کس کے ہاتھ میں ہے حکومت ہر چیز کی اور وہ بچا لیتا ہے

وَلَا يُجَارُ عَلَيۡهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝٨٨ سَيَقُوۡلُوۡنَ لِلّٰهِ ؕ

اور اس سے کوئی بچا نہیں سکتا بتاؤ اگر تم جانتے ہو اب بتائیں گے اللہ کو

اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا:

ہر چیز پر اُسی کا اختیار چلتا ہے جس کو چاہے وہ پناہ دے سکتا ہے لیکن کوئی دوسرا اُس کے مجرم کو پناہ نہیں دے سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ يُجِيۡرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيۡهِ یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہے عذاب اور مصیبت رنج وتکلیف سے پناہ دیدے اور یہ کسی کی مجال نہیں کہ اسکے مقابلہ پر کسی کو پناہ دیکر اُس کے عذاب وتکلیف سے بچالے یہ بات دنیا کے اعتبار سے بھی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو کوئی نفع پہنچانا چاہے اسکو کوئی روک نہیں سکتا اور جس کو کوئی تکلیف وعذاب دینا چاہے اُس سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ اور آخرت کے اعتبار سے بھی یہ مضمون صحیح ہے کہ جس کو وہ عذاب میں مبتلا کریگا اُس کو کوئی بچا نہ سکے گا اور جسکو جنت اور راحت دیگا اس کو کوئی روک نہ سکے گا۔ (قرطبی)

(معارف مفتی اعظم)

قُلۡ فَاَنّٰى تُسۡحَرُوۡنَ ۝٨٩

تو کہہ پھر کہاں سے تم پر جادو آ پڑتا ہے

تم پر کیا جادو ہے: جس سے مسحور ہو کر تم ہوش وحواس کھو بیٹھتے ہو کہ ایسی موٹی باتیں بھی نہیں سمجھ سکتے جب تمام زمین وآسمان کا مالک وہ ہی ہوا اور ہر چیز اُسی کے زیر تصرف واقتدار ہوئی، تو آخر تمہارے بدن کی ہڈیاں اور ریزے اُس کے قبضہ اقتدار سے نکل کر کہاں چلے جائیں گے کہ ان پر وہ قادر مطلق اپنی مشیت نافذ نہ کر سکے گا۔ (تفسیر عثمانی)

بَلۡ اَتَيۡنٰهُمۡ بِالۡحَـقِّ وَاِنَّهُمۡ لَـكٰذِبُوۡنَ ۝٩٠

کوئی نہیں ہم نے ان کو پہنچایا سچ اور وہ البتہ جھوٹے ہیں

دلائل کے باوجود انکار حق:

یعنی دلائل وشواہد سے ظاہر کر دیا گیا کہ جو کچھ ان سے کہا جا رہا ہے ہو بہو صحیح اور حق ہے اور وہ لوگ محض جھوٹے خیالات کی پیروی کر رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنۡ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنۡ اِلٰهٍ

اللہ نے کوئی بیٹا نہیں کیا اور نہ اس کے ساتھ کسی کا حکم چلے

اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا

یوں ہوتا تو لے جاتا ہر حکم والا اپنی بنائی چیز کو اور چڑھائی کرتا

بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ ؕ

ایک پر ایک

اللہ کا کوئی شریک ہوتا تو نظام نہ چلتا:

یعنی زمین و آسمان اور ذرہ ذرہ کا تنہا مالک و مختار وہ ہی ہے نہ اُسے بیٹے کی ضرورت نہ مددگار کی، نہ اُس کی حکومت وفرمانروائی میں کوئی شریک جسے ایک ذرہ کا مستقل اختیار ہو۔ ایسا ہوتا تو ہر ایک با اختیار حاکم اپنی رعایا کو لے کر علیحدہ ہو جاتا اور اپنی جمعیت فراہم کر کے دوسرے پر چڑھائی کر دیتا اور عالم کا یہ مضبوط ومحکم نظام چند روز بھی قائم نہ رہ سکتا۔ سورۂ انبیاء کی آیت "لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا" کے فوائد میں اس کی تقریر کی جا چکی ہے ملاحظہ کر لی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

(جب کوئی اور بھی الٰہ ہوتا تو وہ ضرور خالق بھی ہوتا) اور ہر الٰہ (خدا) اپنی مخلوق کو (تقسیم کر کے) جدا کر لیتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتا۔

اپنی مخلوق کو لے کر جدا ہو جاتا اور دوسرے کو اپنی مخلوق پر تصرف کرنے سے روک دیتا اور ہر ایک کی ملکیت دوسرے کی ملکیت سے علیحدہ ہو جاتی (اور ان کے باہم لڑائی ہوتی) اور (لڑائی میں) ایک دوسرے پر غالب آ جاتا۔ جیسے دنیا کے بادشاہوں کا طریقہ ہے تعدد آلہہ کے وقت باہمی جنگ و جدال ناممکن نہیں اور جنگ میں ایک دوسرے پر غلبہ ہونا ہی چاہئے نتیجہ میں ایک مغلوب ہوتا اور مغلوب خدا نہیں ہو سکتا۔ مغلوبیت کمزوری اور حدوث کی علامت ہے۔ اور اگر کوئی کسی پر غالب نہ آ سکتا تو دونوں غالب آنے سے عاجز ہوتے اور عجز علامت حدوث ہے الوہیت کے منافی ہے۔ (تفسیر مظہری)

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾

اللہ نرالا ہے اُن کی بتلائی باتوں سے

کیا خدا کی شان یہ ہوتی ہے کہ اُس کے آگے کوئی دم مار سکے یا ایک ذرہ اُس کے حکم سے باہر ہو سکے۔ (تفسیر عثمانی)

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾

جاننے والا چھپے اور کھلے کا وہ بہت اوپر ہے اس سے جس کو یہ شریک بتلاتے ہیں

اللہ شراکت سے پاک ہے: یعنی جس کی قدرت عامہ وتامہ کا حال پہلے بیان ہو چکا اور علم محیط ایسا کہ کوئی ظاہر و باطن اور غیب وشہادت اُس سے پوشیدہ نہیں۔ اُس کی حکومت میں کیا وہ چیزیں شریک ہونگی جن کی قدرت سب صفات محدود و مستعار ہیں؟ استغفر اللہ۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾

تو کہہ اے رب اگر تو دکھانے لگے مجھ کو جو ان سے وعدہ ہوا ہے

رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾

تو اے رب مجھ کو نہ کریو ان گنہگار لوگوں میں

ہر مؤمن عذاب سے بچنے کی دُعاء کرے:

یعنی حق تعالیٰ کی جناب میں ایسی گستاخی کی جاتی ہے تو یقیناً کوئی سخت آفت آ کر رہے گی۔ اس لئے ہر مؤمن کو ہدایت ہوئی کہ اللہ کے عذاب سے ڈر کر یہ دعا مانگے کہ جب ظالموں پر عذاب آئے تو الٰہی مجھ کو اُن کے ذیل میں شامل نہ کرنا۔ جیسا کہ حدیث میں آیا "واذا اردت بقوم فتنة فتوفني غير مفتون"۔ مطلب یہ ہے کہ خداوندا ہم کو ایمان واحسان کی راہ پر مستقیم رکھ۔ کوئی ایسی تقصیر نہ ہو کہ العیاذ باللہ تیرے عذاب کی لپیٹ میں آ جائیں۔ جیسے دوسری جگہ ارشاد ہوا "وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً" (انفال-رکوع۳) یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنا کر دوسروں کو سنانا ہے اور یہ قرآن کریم کی عام عادت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شیاطین سے حفاظت کی دُعاء:

مسند احمد اور ترمذی کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں یہ جملہ بھی ہوتا تھا کہ خدایا جب تو کسی قوم کے ساتھ فتنے کا ارادہ کرے تو مجھے فتنہ میں ڈالنے سے پہلے اٹھا لے۔ (ابن کثیر)

وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾

اور ہم کو قدرت ہے کہ تجھ کو دکھلا دیں جو ان سے وعدہ کر دیا ہے

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ

بُری بات کے جواب میں وہ کہہ جو بہتر ہے ہم خوب

اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾

جانتے ہیں جو یہ بتاتے ہیں

اعلیٰ اخلاقی قدریں:

یعنی ہم کو قدرت ہے کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے دنیا ہی میں ان کو سزا دے دیں لیکن آپ کے مقام بلند اور اعلیٰ اخلاق کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اُن کی بُرائی کو بھلائی سے دفع کریں جہاں تک اس طرح دفع ہو سکتی ہو۔ اور اُن کی بیہودہ بکواس سے مشتعل نہ ہوں۔ اُس کو ہم خوب جانتے ہیں، وقت پر کافی سزا دی جائے گی۔ آپ کے اغماض اور نرم برتاؤ کا اثر یہ ہوگا کہ بہت سے لوگ گرویدہ ہو کر آپ کی طرف جھکیں گے اور دعوت واصلاح کا مقصود حاصل ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾

اور کہہ اے رب میں تیری پناہ چاہتا ہوں شیطان کی چھیڑ سے

شیاطین سے بچنے کا طریقہ:

پہلے شیاطین الانس کے ساتھ برتاؤ کرنے کا طریقہ بتلایا تھا۔لیکن شیاطین الجن اُس طریقہ سے متاثر نہیں ہو سکتے۔کوئی تدبیر یا نرمی اُن کو رام نہیں کر سکتی۔ اُس کا علاج صرف استعاذہ ہے یعنی اللہ کی پناہ میں آ جانا، تا وہ قادر مطلق اُن کی چھیڑ خانی اور شر سے محفوظ رکھے۔حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ شیطان کی چھیڑ یہ ہے کہ دین کے سوال و جواب میں بے موقع غصہ چڑھے اور لڑائی ہو پڑے۔اسی پر فرمایا کہ بُرے کا جواب دے اُس سے بہتر۔(تفسیر عثمانی)

هَمَزٰت زور سے دھکا دینا یعنی وسوسے ڈال کر گناہوں کی طرف لے جانا۔

اَنْ يَّحْضُرُوْنِ کہ میرے پاس آئیں۔یعنی میری نماز میں عبادت میں اور دوسرے امور میں میرے پاس بھی آئیں کیونکہ شیطان جب پاس آئے گا تو ضرور وسوسہ بھی پیدا کرے گا۔(تفسیر مظہری)

شیاطین سے حفاظت کی دُعاء:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ پڑھا کرتے تھے، اور میں پناہ مانگتا ہوں کہ شیطان میرے کسی کام میں حائل ہو اور وہ میرے پاس پہنچ جائے۔پس ہر ایک کام کے شروع میں خدا کا ذکر شیطان کی شمولیت کو روک دیتا ہے، کھانا پینا، جماع ذبح وغیرہ کُل کاموں کے شروع کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہئے۔ابوداؤد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا یہ بھی تھی اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَرَمِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَدَمِ وَ مِنَ الْغَرَقِ وَاَعُوْذُ بِكَ اَنْ يَّتَخَبَّطَنِيَ الشَّيْطٰنُ عِنْدَ الْمَوْتِ۔اے اللہ! میں تجھ سے بُرے بڑھاپے سے اور دب کر مر جانے سے اور ڈوب کر مر جانے سے پناہ مانگتا ہوں اور اس سے بھی کہ موت کے وقت شیطان مجھ کو بہکا دے۔

نیند آنے کیلئے دُعاء:

مسند احمد میں ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دعا سکھاتے تھے کہ نیند اچاٹ ہو جانے کی مرض کو دُور کرنے کرنے کے لئے ہم سوتے وقت پڑھا کریں بِسْمِ اللّٰهِ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهٖ وَ عِقَابِهٖ وَ مِنْ شَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ۔ حضرت ابن عمرؓ کا دستور تھا کہ اپنی اولاد میں سے جو ہوشیار ہوتے انہیں تو یہ دعا سکھا دیا کرتے اور جو چھوٹے نا سمجھ ہوتے یاد نہ کر سکتے ان کے گلے میں اس دعا کو لکھ کر لٹکا دیتے۔ابو داؤد، ترمذی اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے امام ترمذیؒ اسے حسن غریب بتلاتے ہیں۔(تفسیر ابن کثیر)

شیاطین اور جنات کے دوسرے آثار اور حملوں سے بچنے کے لئے بھی یہ دعا مجرب ہے۔حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو شب میں نیند نہ آتی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو یہ کلمات دعا تلقین فرمائے کہ یہ پڑھ کر لیٹا کریں، انہوں نے پڑھا تو یہ شکایت جاتی رہی وہ دعا یہ ہے اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَ عِقَابِهٖ وَ مِنْ شَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾

اور پناہ تیری چاہتا ہوں اے رب اس سے کہ میرے پاس آئیں

یعنی کسی حال میں بھی شیطان کو میرے پاس نہ آنے دیجئے کہ مجھ پر وہ اپنا وار کر سکے۔(تفسیر عثمانی)

اَنْ يَّحْضُرُوْنِ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان تمہارے ہر کام میں ہر حال میں تمہارے پاس آتا ہے اور ہر کام میں گناہوں اور غلط کاموں کا وسوسہ دل میں ڈالتا رہتا ہے (قرطبی) اسی سے پناہ مانگنے کے لئے یہ دعا تلقین فرمائی گئی ہے۔(معارف مفتی اعظم)

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ

یہاں تک کہ جب پہنچے اُن میں کسی کو موت کہے گا اے رب

ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ

مجھ کو پھر بھیج دو شاید کچھ میں بھلا کام کر لوں اس میں جو پیچھے چھوڑ آیا

موت آئے گی تو پچھتائیں گے:

یعنی آپ ان کفار کی برائیوں کو بھلے طریقہ سے دفعہ کرتے رہئے۔اور جو باتیں یہ بناتے ہیں اُن کو ہمارے حوالہ کیجئے یہاں تک کہ ان میں سے بعض کی موت کا وقت آ پہنچے اور نزع کی حالت میں مبادی عذاب کا معائنہ کر کے پچھتاوا شروع ہو۔اُس وقت تمنا کریں گے کہ اے پروردگار! قبر کی طرف لے جانے کے بجائے ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس کر دو۔تا گذشتہ زندگی میں جو تقصیرات ہم نے کی ہیں اب نیک عمل سے اُن کی تلافی کر سکیں۔آئندہ ہم ایسی خطائیں ہرگز نہیں کریں گے۔کما قال تعالیٰ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (منافقون۔رکوع۲) (تفسیر عثمانی)

موت کے فرشتوں سے مؤمن کی گفتگو:

ابن جریج کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن کو (موت کے) فرشتے نظر آتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کیا ہم تجھے دنیا کی طرف لوٹادیں۔ مؤمن کہتا ہے کیا افکار و آلام کے گھر کی طرف (تم مجھے لوٹانا چاہتے ہو میں ایسا نہیں چاہتا) بلکہ میں تو اللہ کے پاس جانا چاہتا ہوں اور کافر (کے سامنے جب ملائکہ آتے ہیں تو وہ) کہتا ہے رَبِّ ارْجِعُوْنِ۔

جو اللہ سے ملنا چاہتا ہے اللہ اس سے ملنا چاہتا ہے:

صحیحین میں حضرت عبادہ بن صامت کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا پسند کرتا ہے اور جو اللہ سے ملنا بُرا سمجھتا ہے اللہ بھی اس سے ملنے سے نفرت کرتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے یا کسی اور بی بی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تو موت کو ناپسند کرتے ہیں (کون مرنا چاہتا ہے) فرمایا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ بات یوں ہے کہ مؤمن کے سامنے جب موت آتی ہے تو اس کو اللہ کی خوشنودی اور عزت بخشی کی بشارت دی جاتی ہے اس وقت (پیچھے رہنے والی) کوئی چیز بھی آگے آنے والی چیز سے زیادہ محبوب نہیں ہوتی اس لئے وہ اللہ سے ملنے کو پسند کرتا ہے اور اللہ اس سے ملنا پسند کرتا ہے۔ لیکن جب کافر کے مرنے کا وقت آتا ہے تو اس کو اللہ کے عذاب اور سزا کی اطلاع دی جاتی ہے اس وقت پیش آنے والی چیز سے زیادہ بُری کوئی چیز اس کی نظر میں نہیں ہوتی اس لئے وہ اللہ سے ملنے کو ناگوار سمجھتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

عمل صالح کرنے کا نسخہ:

حضرت علاء بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کیا ہی عمدہ بات فرماتے ہیں آپ فرماتے ہیں تم یوں سمجھ لو کہ میری موت آچکی تھی لیکن میں نے اللہ سے دعا کی کہ مجھے چند روز کی مہلت دیدی جائے تاکہ میں نیکیاں کر لوں اللہ تعالیٰ نے مجھے مہلت دیدی ہے تو اب مجھے چاہئے کہ دل کھول کر نیکیاں کرلوں۔ قتادہؒ فرماتے ہیں کافر کی اس امید کو یاد رکھو اور خود زندگی کی گھڑیاں اطاعت خدا میں بسر کرو۔

کافر کی درخواست رَدّ ہو جاتی ہے:

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں جب کافر اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اپنا جہنم کا ٹھکانا دیکھ لیتا ہے تو کہتا ہے میرے رب! مجھے لوٹا دے میں توبہ کرلوں گا اور نیک اعمال کرتا رہوں گا۔ جواب ملتا ہے کہ جتنی عمر تجھے دی گئی تھی تو ختم کر چکا۔ پھر اس کی قبر اس پر سمٹ جاتی ہے اور تنگ ہو جاتی ہے اور سانپ بچھو چمٹ جاتے ہیں۔

گناہگاروں کی قبریں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں گنہگاروں پر ان کی قبریں بڑی مصیبت کی جگہ ہوتی ہیں۔ ان کی قبروں میں انہیں کالے ناگ ڈستے رہتے ہیں جن میں سے ایک بہت بڑا اس کے سرہانے ہوتا ہے اور ایک اتنا ہی بڑا پائینتوں ہوتا ہے وہ سر کی طرف سے ڈسنا اور اوپر چڑھنا شروع کرتا ہے یہ پیروں کی طرف سے کاٹنا اور اُوپر چڑھنا شروع کرتا ہے یہاں تک کی بیچ کی جگہ آ کر دونوں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ پس یہ ہے وہ برزخ جہاں یہ قیامت تک رہیں گے۔

عالَم برزخ کے عذاب پر تنبیہ:

مِن وَّرَآءِ هِمْ کے معنے کئے گئے ہیں کہ ان کے آگے برزخ ایک حجاب اور آڑ ہے دنیا اور آخرت کے درمیان۔ وہ نہ تو صحیح طور پر دنیا میں ہیں کہ کھائیں پئیں نہ آخرت میں ہیں کہ اعمال کے پورے بدلے میں آجائیں بلکہ بیچ ہی بیچ میں ہیں۔ پس اس آیت میں ظالموں کو ڈرایا جا رہا ہے کہ انہیں عالَم برزخ میں بھی بڑے بڑے بھاری عذاب ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ناکام تمنا:

رَبِّ ارْجِعُوْنِ یعنی موت کے وقت کافر پر جب آخرت کا عذاب سامنے آنے لگتا ہے تو وہ تمنا کرتا ہے کہ کاش میں پھر دنیا میں لوٹ جاؤں اور نیک عمل کر کے اس عذاب سے نجات حاصل کرلوں۔ (معارف مفتی اعظم)

كَلَّا ۚ إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا ۖ	
ہرگز نہیں یہ ایک بات ہے	کہ وہی کہتا ہے

کافر واپس آکر بھی نیکی نہ کریں گے:

یعنی اجل آجانے کے بعد اس کام کیلئے ہرگز واپس نہیں کیا جا سکتا اور بالفرض واپس کر دیا جائے تو ہرگز نیک کام نہ کرے گا۔ وہ ہی شرارتیں پھر سوجھیں گی وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۔ (انعام۔ رکوع ۳) یہ محض اُس کی بات ہے جو زبان سے بنا رہا ہے اور غلبۂ حسرت وندامت کی وجہ سے خاموش نہیں رہ سکتا وہ ہی اپنی طرف سے یہ بات کہتا ہے کہتا رہے، ہمارے یہاں شنوائی نہیں ہوگی۔

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ	
اور ان کے پیچھے	پردہ ہے اس دن تک کہ اٹھائے جائیں

عالَم برزخ:

یعنی ابھی کیا دیکھا ہے۔ موت ہی سے اس قدر گھبرا گیا۔ آگے اس کے بعد ایک اور عالم برزخ آتا ہے جہاں پہنچ کر دنیا والوں سے پردہ میں ہو جاتا ہے اور آخرت بھی سامنے نہیں آتی۔ ہاں عذاب آخرت کا تھوڑا سا نمونہ

سامنے آتا ہے جس کا مزہ قیامت تک پڑا چکھتا رہیگا۔ (تفسیر عثمانی)

موت کے بعد قیامت اور حشر تک کے زمانے کو برزخ کہا جاتا ہے کہ یہ دنیاوی حیات اور آخرت کے درمیان حدِ فاصل ہے اور معنے آیت کے یہ ہیں کہ جب مرنے والا کافر، فرشتوں سے دوبارہ دنیا میں بھیجنے کو کہتا ہے تو یہ کلمہ تو اس کو کہنا ہی تھا کیونکہ اب عذاب سامنے آ چکا ہے مگر اس کلمہ کا اب کوئی فائدہ اسلئے نہیں کہ وہ اب برزخ میں پہنچ چکا ہے جس کا قانون یہ ہے کہ برزخ سے لوٹ کر کوئی دنیا میں نہیں آتا اور قیامت اور بعث و نشر سے پہلے دوسری زندگی نہیں ملتی۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ

پھر جب پھونک ماریں صُور میں تو نہ قرابتیں ہیں اُن میں

يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ

اس دن اور نہ ایک دوسرے کو پوچھے

کوئی کسی کو نہ پوچھے گا:

یعنی عالم برزخ کے بعد قیامت کی گھڑی ہے۔ دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے بعد تمام خلائق کو ایک میدان میں لا کھڑا کریں گے۔ اُس وقت ہر ایک شخص اپنی فکر میں مشغول ہوگا۔ اولاد ماں باپ سے، بھائی بھائی سے اور میاں بیوی سے سروکار نہ رکھے گا۔ ایک دوسرے سے بیزار ہوں گے۔ کوئی کسی کی بات نہ پوچھے گا۔ یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ وصاحبتہ وبنیہ لکل امرئ منہم یومئذ شان یغنیہ (عبس- رکوع ۱) اسکے بعد دوسرے وقت ممکن ہے بعض قرابتوں سے کچھ نفع پہنچ جائے کما قال تعالیٰ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ (طور۔ رکوع ۱)

(تنبیہ) بعض احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سارے نسب اور دامادی کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے (یعنی کام نہ دیں گے) "الا نسبی و صھری" (بجز میرے نسب اور صہر کے) معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقات عموم سے مستثنیٰ ہیں۔ اسی حدیث کو سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب سے نکاح کیا، اور چالیس ہزار درہم مہر باندھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ "وہاں باپ بیٹا ایک دوسرے کے شامل نہیں، ہر ایک سے اُس کے عمل کا حساب ہے۔" (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ برقرار رہے گا:

مسند احمد کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جو چیز اسے ناخوش کرے وہ مجھے بھی ناخوش کرتی ہے اور جو چیز اسے خوش کرے وہ مجھے بھی خوش کرتی ہے۔ قیامت کے روز سب رشتے ناطے ٹوٹ جائیں گے لیکن میرا نسب میرا سبب میری رشتے داری نہ ٹوٹے گی۔

بدعتیں ایجاد کرنے والے:

اس حدیث کی اصل بخاری و مسلم میں بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے اسے ناراض کرنے والی اور اسے ستانے والی چیزیں مجھے ناراض کرنے والی اور مجھے تکلیف پہنچانے والی ہیں۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر فرمایا لوگوں کا کیا حال ہے کہ کہتے ہیں رسول اللہ کا رشتہ بھی آپ کی قوم کو کوئی فائدہ نہ دیگا۔ بخدا میرا رشتہ دنیا میں اور آخرت میں ملا ہوا ہے۔ اے لوگو! میں تمہارا میر سامان ہوں جب تم آؤ گے ایک شخص کہے گا یا رسول اللہ میں فلاں ابن فلاں ہوں۔ میں جواب دوں گا کہ ہاں نسب تو میں نے پہچان لیا لیکن تم لوگوں نے میرے بعد بدعتیں ایجاد کی تھیں اور ایڑیوں کے بل مرتد ہو گئے تھے۔

حضرت عمرؓ کا حضرت ام کلثوم سے نکاح

مسند امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ میں ہم نے کئی سندوں سے یہ روایت وارد کی ہے کہ جب آپ نے اُمّ کلثوم بنت علی بن ابی طالبؓ سے نکاح کیا تو فرمایا کرتے تھے واللہ مجھے اس نکاح سے صرف یہ غرض تھی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہر سبب و نسب قیامت کے دن کٹ جائے گا مگر میرا نسب اور سبب۔ (تفسیر ابن کثیر)

پہلا نفخہ اور دوسرا نفخہ:

سعید بن جبیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ صور پھونکے جانے سے مراد اس جگہ پہلا نفخہ صور ہے۔ یعنی نفخہ بیہوشی جس کے متعلق فرمایا ہے وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ۔ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ جب صور پھونکا جائے گا تو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب بیہوش ہو جائیں گے اور اس روز ان کے درمیان (دنیاوالی) رشتہ داریاں نہیں رہیں گی اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔

ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ پھر دوبارہ صور پھونکا جائیگا تو یک دم سب (اُٹھ کے) کھڑے ہو جائیں گے اور (حیرت سے) دیکھتے ہوں گے وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ اور ایک دوسرے کی جانب رُخ کر کے باہم پوچھیں گے الخ۔

صحیح یہ ہے کہ آیت میں نفخہ سے مراد نفخہ بعث (جس کے بعد سب لوگ زندہ ہو کر اُٹھ کھڑے ہوں گے) مراد ہے۔

قیامت میں حقوق کا اعتبار ہوگا انساب کا نہیں:

حضرت ابن مسعود نے فرمایا، قیامت کے دن بندے یا بندی کا ہاتھ پکڑ

کر علی الاعلان سب اگلوں اور پچھلوں کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور ایک منادی نداء دے گا، یہ فلاں بن فلاں ہے اس کی طرف کسی کا حق ہو تو وہ اپنا حق لینے آ جائے اس وقت جس شخص کا اپنے باپ یا بیٹے یا بی بی یا بھائی پر کوئی حق ہوگا وہ خوش ہوگا اور اپنا حق وصول کرے گا۔ اس کے بعد حضرت ابن مسعودؓ نے آیت فَلَآ اَنْسَابَ الخ پڑھی۔ عطاء کی روایت میں حضرت ابن عباس کا قول بھی آیا ہے کہ اس جگہ نفخہ سے مراد دوسرا نفخہ ہے۔

نسب پر فخر بے کار ہے:

فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ یعنی دنیا میں تو شرافت نسب پر فخر کرتے تھے، قیامت کے دن کوئی کسی پر نسبی (اور نسلی) فخر نہ کر سکے گا۔ یا یہ مطلب ہے کہ رشتے ناطے اس روز فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔ کیونکہ سب اتنے وحشت زدہ اور حیران ہوں گے کہ کوئی کسی سے محبت نہیں کرے گا اور آپس میں مہر و الفت کا جذبہ معدوم ہو جائے گا اور یہ حالت ہو جائے گی کہ آدمی اپنے بھائی ماں باپ اور بیوی بچوں سے بھی بھاگے گا۔

معصوم بچے والدین کو شراب پلائیں گے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، قیامت کا دن ہوگا تو اس روز مسلمانوں کے لڑکے نکلیں گے (یعنی کوثر و تسنیم کے پاس سے ایسی حالت میں برآمد ہوں گے) کہ ان کے ہاتھوں میں شربت (شراب طہور) ہوگا۔ لوگ ان سے کہیں گے ہم کو پلا دو، وہ جواب دیں گے (نہیں) ہم اپنے ماں باپ کو پلائیں گے۔ اپنے ماں باپ کو پلائیں گے، یہاں تک کہ ساقط شدہ بچہ بھی جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا کہے گا جب تک میرے باپ اندر نہ جائیں گے، میں اندر داخل نہ ہوں گا۔ رواہ ابن ابی الدنیا عن عبداللہ بن عمر اللیثی۔ ابوزرارہ کی حدیث بھی اسی کے ہم معنی آئی ہے۔

ابن عساکر نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن میرے نسبی اور سسرالی ناتے کے علاوہ نسبی اور سسرالی رشتہ ٹوٹ جائے گا۔

مؤمنوں کے رشتے منقطع نہ ہوں گے:

مؤمنوں کی نسبی رشتہ داریاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں داخل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب مسلمانوں کے باپ تھے، اور آپ کی بی بیاں مسلمانوں کی مائیں تھیں۔ (پس آپ کا رشتہ منقطع نہ ہوگا یعنی مؤمنوں کے رشتے ناطے منقطع نہ ہوں گے۔)

بغوی نے کہا، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن کوئی ذریعہ اور نسب سود مند نہ ہوگا سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اور نسبت کے، یعنی سوائے قرآن و سنت کے۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء:

حدیث میں ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ جہاں میرا نکاح ہوا ہے اور جس کا نکاح میرے ساتھ ہوا ہے وہ سب جنت میں بھی میرے ساتھ رہیں تو خدا تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

سو جس کی بھاری ہوئی تول تو وہی لوگ کام لے نکلے

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

اور جس کی ہلکی نکلی تول سو وہی لوگ ہیں جو ہار بیٹھے اپنی جان

فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ

دوزخ ہی میں رہا کریں گے جھلس دے گی اُن کے منہ کو آگ اور وہ

فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اُس میں بدشکل ہو رہے ہوں گے

ہونٹ سوج جائیں گے اور زبان کو پاؤں روندیں گے:

جلتے جلتے بدن سوج جائیگا، نیچے کا ہونٹ لٹک کر ناف تک، اور اوپر کا پھول کر کھوپری تک پہنچ جائیگا، اور زبان باہر نکل کر زمین میں لٹکتی ہوگی جسے دوزخی پاؤں سے روندیں گے۔ (اللّٰهم احفظنا منه ومن سائر انواع العذاب) (تفسیر عثمانی)

میدان حشر کے مختلف احوال:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ محشر میں مختلف موقف ہوں گے ہر موقف کا حال مختلف ہوگا۔ ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ کوئی کسی کو نہ پوچھے گا پھر کسی موقف میں جب وہ ہیبت اور ہول کا غلبہ کم ہو جائیگا تو باہم ایک دوسرے کا حال بھی دریافت کریں گے۔ (مظہری)

مؤمنین کاملین اور کفار:

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ یعنی میزان عمل میں جس شخص کا نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا وہ ہی فلاح پانے والے ہیں اور جسکا پلہ نیکیوں کا ہلکا رہے گا تو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں خود اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا اور اب وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنے والے ہیں۔ اس آیت میں مقابلہ صرف مؤمنین

کاملین اور کفار کا ہے اور انہیں کے وزن اعمال کا اور ان میں سے ہر ایک کے انجام کا ذکر کیا گیا کہ مؤمنین کاملین کا پلہ بھاری ہوگا انکو فلاح حاصل ہوگی، کفار کا پلہ ہلکا رہے گا ان کو ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنا پڑے گا۔

ہر انسان کے اعمال کا وزن ہوگا:

بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کے اعمال جو دنیا میں بے وزن بے جسم اعراض ہوتے ہیں محشر میں ان کو مجسم کر کے میزان عمل میں رکھا جائے گا وہ تولے جائیں گے۔ طبرانی وغیرہ نے یہ بروایت ابن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ ان سب روایات حدیث کے الفاظ اور متن تفسیر مظہری میں مکمل موجود ہیں وہاں دیکھے جاسکتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

نکتہ: موازین میزان کی جمع ہے (اور میزان کا معنی ہے ترازو) یعنی جس کی ترازو میں نیکیوں کا پلڑہ نیچے کا جھکا ہوگا۔ موازین کو بصیغہ جمع اس لئے ذکر کیا کہ ہر شخص کی (وزن کشی کی) ترازو الگ ہوگی۔ یا تعدد میزان سے مراد وزن کا تعدد ہے۔

علمائے اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ میزان کا قائم ہونا اور اعمال کا اس میں تولا جانا حق ہے۔ خوارج معتزلہ اور شیعہ اس کا انکار کرتے ہیں اور اکثر اہل بدعت (جو سلف صالحین کے خلاف عقائد رکھتے ہیں) اس کے منکر ہیں۔

(۱) میزان اور ترازو پر ایمان لانا ضروری ہے

(۲) میزان کے متعلق احادیث متواتر المعنی ہیں

(۱) بیہقی نے البعث میں حضرت عمر بن خطاب کی روایت سے حدیث جبرئیل نقل کی ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ جبرئیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ایمان کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کو ماننا، اللہ کے فرشتوں اور رسولوں کو ماننا، اور جنت، دوزخ، میزان اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھائے جانے کا یقین کرنا۔ اور اس بات کو ماننا کہ اچھی بری تقدیر اللہ کی طرف سے (مقرر) ہے (یعنی دنیا میں جو اچھائی برائی ہوتی ہے اللہ نے اس کا علمی اندازہ پہلے سے کرلیا تھا) جبرئیل نے کہا اگر میں ایسا کرلوں تو کیا میں مؤمن ہو جاؤں گا، فرمایا، ہاں، جبرئیل نے کہا آپ نے سچ کہا۔

(۲) حاکم نے مستدرک میں بر شرط مسلم حضرت سلمان کی روایت سے بیان کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن میزان قائم کی جائے گی (اتنی بڑی ہوگی کہ) اگر آسمان و زمین اس میں رکھ دیئے جائیں تو اس میں سما جائیں۔ ابن مبارک نے الزہد میں اور اجری نے الشریعت میں حضرت سلمانؓ کا قول موقوفاً نقل کیا ہے اور ابوالشیخ ابن حبان نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس کا قول بھی یہی بیان کیا ہے کہ میزان کی ایک زبان اور دو پلڑے ہوں گے۔

ابن ابی الدنیا نے اور ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت حذیفہ کا قول بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن میزان والے حضرت جبرئیل ہوں گے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن بعض لوگ آئیں گے جو عظیم الجثہ اور موٹے ہوں گے اور خدا کے نزدیک ان کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا تلاوت فرمائی۔ متفق علیہ من حدیث ابی ہریرہؓ۔

(۴) ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، بیہقی اور حاکم نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن میری امت کے ایک آدمی کو سب کے سامنے لایا جائے گا اور اس کے ننانوے طومار کھولے جائیں گے۔ ہر طومار کا طول بقدر رسائی نظر ہوگا پھر (اللہ اس سے) فرمائے گا کیا اس میں سے کسی بات کا تجھے انکار ہے کیا میری طرف سے اعمال نویسوں نے تیرے اوپر کوئی ظلم کیا ہے۔ وہ شخص عرض کرے گا نہیں، اے میرے رب۔ (اعمال نویسوں نے میری کوئی حق تلفی نہیں کی) اللہ فرمائے گا، کیوں نہیں، میرے پاس تیری ایک نیکی ہے تجھ پر آج ظلم مطلقاً نہ ہوگا (اس نیکی کا بدلہ ملے گا) چنانچہ اس شخص کا ایک کارڈ نکالا جائے گا جس میں اَشْهَد انْ لَّا اله الاّ اللّٰهُ وَ اَشهد انَّ مُحَمَّدً ا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ لکھا ہوگا۔ بندہ عرض کرے گا اے میرے رب ان طوماروں کی موجودگی میں اس کارڈ کی کیا حقیقت ہے اللہ فرمائے گا تیری حق تلفی نہیں کی جائے گی، چنانچہ تمام طومار ایک پلڑے میں رکھے جائیں گے اور وہ کارڈ دوسرے پلڑے میں طوماروں والا پلڑا اوپر کو اڑ جائے گا (یعنی اٹھ جائیگا) اور کارڈ بھاری نکلے گا۔ اللہ کے نام سے کوئی چیز بھاری نہیں ہوتی۔ امام احمد نے حسن، صحیح سند سے حضرت ابن عمر کی روایت سے اسی طرح حدیث نقل کی ہے۔

(۵) بعض نے کہا اعمال کو مجسم بنا کر تولا جائے گا۔ حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر آسمانوں کو اور زمین اور ان کے اندر کی اور ان دونوں کے درمیان کی اور ان کے نیچے کی ساری کائنات کو لاکر میزان کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں لا الٰہ الا اللّٰہ کی گواہی کو رکھا جائے تو لا الٰہ الا اللّٰہ کی شہادت والا پلڑا جھک جائے گا (وزنی نکلے گا) رواہ الطبرانی۔

ابن عبدالرزاق نے علم کی فضیلت کے باب میں اپنی سند سے ابراہیم نخعی کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن آدمی کے عمل لاکر اس کی ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیئے جائیں گے تو وہ پلڑا ہلکا رہے گا پھر بادلوں کی طرح ایک

چیز لاکر ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھدی جائے گی وہ وزنی نکلے گی، پھر اس شخص سے کہا جائے گا تو جانتا ہے یہ کیا ہے وہ شخص جواب دے گا نہیں (میں واقف نہیں) کہا جائے گا یہ علم کی فضیلت ہے جو تو لوگوں کو تعلیم دیتا تھا۔

(۲) ذہبی نے علم کی فضیلت کے بیان میں حضرت عمران بن حصین کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن علماء کی روشنائی اور شہیدوں کے خون کا موازنہ کیا جائے گا تو علماء کی روشنائی شہیدوں کے خون سے بھاری نکلے گی۔

مؤمن بندہ اور اسکے اعمال کا کافر و کافر کے اعمال سے موازنہ

میں کہتا ہوں کہ مؤمن بندہ کو مع اس کے نیک اعمالناموں یا مع مجسم اعمال کے (دونوں باتوں کا مطلب ایک ہی ہے) ایک پلڑے میں رکھا جائے گا اور دوسرے کافر بندہ کو مع اس کے بُرے اعمالناموں کے یا مع اس کے مجسم بُرے اعمال کے دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا تو کافر کا وزن مچھر کے پر کے برابر نہ نکلے گا۔ اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهُ یعنی اس کی میزان میں (اس کا) کوئی وزن ہی نہ ہوگا مؤمن کی ترازو میں ضرور (کچھ نہ کچھ) وزن ہوگا خواہ لاالٰہ الا اللہ کی شہادت کے سبب ہی ہو اسی کے متعلق اللہ نے بطور کنایہ فرمایا فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ

اعمال کے درجات:

مگر مؤمن کے ثقل کے درجات ہوں گے جو کبیرہ گناہوں سے بچتے رہے ہوں گے اور اللہ نے ان کے گناہ ساقط کر دیئے ہوں گے تو ان کی میزانوں میں وزن سب سے زیادہ ہوگا بدیوں کا پلڑہ اڑ جائے گا۔ بالکل خالی رہے گا (اس میں کوئی وزن ہی نہ ہوگا) اور جن لوگوں کے عمل مخلوط ہوں گے، اچھے عمل بھی ہوں اور بُرے عمل بھی ان میں جنت کے اندر داخل ہونے کی صلاحیت ہوگی انہیں کے متعلق حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں کی حساب فہمی ہوگی گناہوں کی بہ نسبت ایک نیکی بھی اگر کسی کی زائد ہوگی تو وہ جنت میں چلا جائے گا اور جس کے گناہ نیکیوں سے زیادہ ہوں گے وہ دوزخ میں چلا جائے گا، یعنی گناہوں کی کثافت سے پاک صاف بنانے کے لئے اس کو آگ میں داخل کیا جائے گا جیسے لوہا آگ میں پڑ کر میل کچیل سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ایک دانگ کے وزن سے بھی میزان کا وزن ہلکا بھاری ہوگا۔

جس کے گناہ اور نیکیاں برابر ہوں:

اور جن اشخاص کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی وہ اصحاب اعراف ہوں گے اس وقت تک اعراف میں رہیں گے جب تک اللہ ان کے جنت میں داخلے کا حکم دیدے اس کے بعد جنت میں چلے جائیں گے۔

قرآن میں یا مؤمن صالح کا تذکرہ ہے یا کافر کا:

قرآن میں صرف مؤمنین صالحین کا ذکر ہے یا کافروں کا۔ گناہگار مؤمنوں کا کوئی تذکرہ نہیں اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ نزولِ قرآن کے زمانہ میں سارے مؤمن صالح ہی تھے۔ سب صحابہ تھے، کبائر سے پرہیز رکھنے والے تھے۔ یا گناہوں سے توبہ کرنے والے تھے اور گناہوں سے توبہ کرنے والے بے گناہ کی طرح ہو جاتے ہیں۔

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهُ فَأُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ اور جن لوگوں کی میزانیں ہلکی ہوں گی تو وہ ایسے ہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنی جانوں کو گھاٹے میں رکھا، جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ یعنی جن کے اچھے اعمال ہلکے ہوں گے یا اچھے اعمال کا پلڑہ ہلکا ہوگا ایسا کہ ان کی نیکیوں کا کوئی وزن ہی نہ ہوگا ایسے لوگ لامحالہ کافر ہی ہوں گے۔

ہمیشہ کی خوش نصیبی و بدنصیبی:

بزار اور بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن آدم کے بیٹے کو لاکر میزان کے دونوں پلڑوں کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور ایک فرشتے کو میزان پر مقرر کیا جائے گا اب اگر اس کی میزانیں بھاری نکلیں تو وہ فرشتہ ایسی آواز سے جس کو ساری مخلوق سنے گی کہے گا، فلاں شخص خوش نصیب ہو گیا اس کے بعد کبھی بدنصیب نہ ہوگا اور اگر اس کی میزانیں ہلکی نکلیں تو وہ فرشتہ ایسی آواز سے جس کو ساری مخلوق سنے گی کہے گا فلاں شخص بدنصیب ہو گیا آئندہ اس کے بعد کبھی خوش نصیب نہ ہوگا۔ اس حدیث میں خفت سے مراد ہے بالکل وزن نہ ہونا۔

گنہگار مؤمنوں کے اعمال دو بار تلیں گے:

میں کہتا ہوں شاید گنہگار مؤمنوں کے اعمال دو بار تولے جائیں گے اگر اس کی نیکیوں میں کسی قدر ہلکا پن ہوگا تو اس کو اس وقت تک کے لئے دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا کہ وہ پاک صاف ہو جائے پھر پاک صاف ہونے کے بعد اس کے اعمال کی پھر تول کی جائے گی اس وقت اس کی میزانیں بھاری نکلیں گی تو فرشتہ ندا دے گا فلاں شخص خوش نصیب ہو گیا اس کے بعد کبھی بدنصیب نہ ہوگا۔ ہم نے سورت القارعہ میں اس بحث کی کسی قدر تحقیق کر دی ہے۔

آیت مندرجہ بالا میں صرف کفار مراد ہیں اس کی دلیل اس سے آگے آنے والی آیت ہے فرمایا ہے فَأُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ الخ وہ یہی لوگ ہوں گے جنہوں نے خود اپنا نقصان کیا اور نفس کو کامل کرنے کا جو وقت تھا وہ کھو دیا۔ (مظہری)

امت محمدیہ کے چہرے کو آگ نہیں جلائے گی:

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ جلس دے گی ان کے چہروں کو آگ۔ یعنی

ان کے چہروں کو آگ جلا ڈالے گی۔ (کذا فی القاموس) اور مومن کے چہرے کو آگ نہیں جلائے گی۔ مسلم نے حضرت جابر کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس امت کے کچھ لوگ دوزخ میں جائیں گے اور آگ ان کو جلائے گی لیکن ان کے چہروں کے گھیرے کو نہیں جلائے گی پھر کچھ مدت کے بعد ان کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔

پورے جسم کا گوشت اتر جائے گا:

ابن مردویہ اور ضیاء نے حضرت ابودرداء کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ کے متعلق دریافت کیا گیا فرمایا آگ کی ان کو ایک لپٹ لگے گی کہ ان کے گوشت بہہ کر ایڑیوں پر جا پڑیں گے۔ طبرانی نے الاوسط میں اور ابونعیم نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم کی طرف جب دوزخیوں کو ہنکا کر لے جایا جائے گا تو آگ کی ایک لپٹ ان کو ایسی لگے گی کہ گوشت کو ہڈی پر لگا نہ چھوڑے گی سارا گوشت ایڑیوں پر (بہا کر) ڈال دے گی۔

شکلیں بگڑ جائیں گی:

وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ اور آگ کے اندر ان کی صورتیں بگڑ جائیں گی۔ کلوح کا معنی ہے دونوں ہونٹوں کا دانتوں کے اوپر سے سکڑ جانا (یعنی نیچے کا ہونٹ نیچے کی طرف آ جانا اور اوپر کا ہونٹ اوپر کو اٹھ جانا) ترمذی نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے لکھا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ کی تشریح میں فرمایا آگ اس کو بھون ڈالے گی کہ اوپر کا ہونٹ بالائی جانب کو اتنا اٹھ جائے گا کہ سر کے وسط تک پہنچ جائے گا اور نچلا ہونٹ اتنا لٹک جائے گا کہ ناف سے جا لگے گا۔

ہناد نے بیان کیا کہ حضرت ابومسعودؓ نے آیت وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ کے متعلق فرمایا جیسے پکی ہوئی سری جس کے دانت باہر نکل آئے ہوں اور ہونٹ سکڑ گئے ہوں۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

کیا تم کو سنائی نہ جاتی تھیں ہماری آیتیں پھر تم ان کو جھٹلاتے تھے

منکروں کو جتلایا جائے گا:

یعنی اس وقت ان سے یوں کہیں گے گویا جن باتوں کو دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے، اب آنکھوں سے دیکھ لو سچی تھیں یا جھوٹی؟ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾

بولے اے رب زور کیا ہم پر ہماری کم بختی نے اور رہے ہم لوگ بہکے ہوئے

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

اے ہمارے رب نکال لے ہم کو اس میں سے اگر ہم پھر کریں تو ہم گنہگار

منکروں کا اعتراف:

یعنی اعتراف کریں گے کہ بیشک ہماری بدبختی نے دھکا دیا جو سیدھے راستہ سے بہک کر اس ابدی ہلاکت کے گڑھے میں آ پڑے۔ اب ہم نے سب کچھ دیکھ لیا۔ از راہ کرم ایک دفعہ ہم کو یہاں سے نکال دیجئے پھر کبھی ایسا کریں تو گنہگار، جو سزا چاہے دیجئے گا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ

فرمایا پڑے رہو پھٹکارے ہوئے اس میں اور مجھ سے نہ بولو ایک فرقہ تھا

مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا

میرے بندوں میں جو کہتے تھے اے رب ہمارے ہم یقین لائے سو معاف

وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

کر ہم کو اور رحم کر ہم پر، اور تو سب رحم والوں سے بہتر ہے

وہاں فریاد نہیں سنی جائے گی:

یعنی بک بک مت کرو، جو کیا تھا اب اس کی سزا بھگتو۔ آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جواب کے بعد پھر فریاد منقطع ہو جائے گی۔ بجز زفیر و شہیق کے کچھ کلام نہ کر سکیں گے۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

حسن نے کہا دوزخیوں سے یہ آخری کلام ہو گا اس کے بعد وہ کلام نہ کر سکیں گے سوائے دم گھٹنے اور آہیں بھرنے کے اور کوئی بات نہ کر سکیں گے۔ کتوں کی طرح بھونکیں گے نہ خود بات سمجھیں گے نہ اپنی بات سمجھا سکیں گے، قرطبی نے کہا، جب اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ان سے کہہ دیا جائے گا تو ان کی ساری امیدیں کٹ جائیں گی، بالکل نراس ہو جائیں گے اور ایک دوسرے کی طرف رُخ کر کے بھونکیں گے اس وقت دوزخ اوپر سے بند کر دی جائے گی۔

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ

پھر تم نے ان کو ٹھٹھوں میں پکڑا یہاں تک کہ بھول گئے ان کے پیچھے میری یاد

وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

اور تم ان سے ہنستے رہے

دنیا میں مومنوں پر ہنستے تھے:

یعنی دنیا میں مسلمان جب اپنے رب کے آگے دعا و استغفار کرتے تو تم کو ہنسی

سوجھتی تھی۔ اس قدر ٹھٹھا کرتے اور اُن کے نیک خصلتوں کا اتنا مذاق اڑاتے تھے کہ انکے پیچھے پڑ کر تم نے مجھے بھی یاد نہ رکھا، گویا تمہارے سر پر کوئی حاکم ہی نہ تھا جو کسی وقت ان حرکتوں پر نوٹس لے اور ایسی سخت شرارتوں کی سزا دے سکے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنِّیْ جَزَیْتُهُمُ الْیَوْمَ بِمَا صَبَرُوْۤا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾
میں نے آج دیا ان کو بدلہ اُن کے صبر کرنے کا کہ وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے

مؤمنین کے صبر کا اجر:

بیچارے مسلمانوں نے تمہاری زبانی اور عملی ایذاؤں پر صبر کیا تھا، آج دیکھتے ہو تمہارے بالمقابل اُن کو کیا پھل ملا۔ ان کو ایسے مقام پر پہنچا دیا جہاں وہ ہر طرح کامیاب اور ہر قسم کی لذتوں اور مسرتوں سے ہمکنار ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا
فرمایا تم کتنی دیر رہے زمین میں برسوں کی گنتی سے بولے
لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّیْنَ ﴿۱۱۳﴾
ہم رہے ایک دن یا کچھ دن سے کم تو پوچھ لے گنتی والوں سے

دنیا کی زندگی بہت کم معلوم ہوگی:

یعنی فرشتوں سے جنہوں نے ہر نیکی بدی گن رکھی ہے یہ بھی گنا ہو گا ''زمین میں رہنا'' یعنی قبر میں رہنا یا دنیا کی عمر، یہ بھی وہاں تھوڑی نظر آئیگی۔ یہ پوچھنا اس واسطے کہ دنیا میں عذاب کی شتابی کیا کرتے تھے، اب جانا کہ شتاب ہی آیا۔ کذا فی موضح القرآن۔ (تفسیر عثمانی)

دنیا کی زندگی قلیل کیوں معلوم ہوگی:

(۱) دکھ اور تکلیف کے وقت کو آدمی طویل سمجھتا ہے اور اس سے پہلے گذرے ہوئے زمانے کو چھوٹا جانتا ہے۔ (۲) پچھلی مدت تو گذر چکی تھی اور جو مدت گذر چکے وہ حقیر ہی معلوم ہوتی ہے۔ (۳) آخرت کی زندگی لامحدود ہے اس کے مقابلے میں یہ دنیوی زندگی اور قبر میں رہنے کی مدت بہت ہی کم ہے۔ (۴) پچھلی زندگی خوشی میں گذری اور خوشی کے ایام چھوٹے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ یہ آخری توجیہ اس صورت میں صحیح ہوگی جب مدت قیام سے صرف دنیا میں زندگی کی مدت مراد ہو۔ قبر کی مدت مراد نہ ہو کیونکہ نصوص قطعیہ اور اجماع سے ثابت ہے کہ (کافروں کے لئے خصوصیت کے ساتھ) عذاب قبر حق ہے۔ (تفسیر مظہری)

قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾
فرمایا تم اُس میں بہت نہیں تھوڑا ہی رہے ہو اگر تم جانتے ہوتے

کاش کہ دنیا میں سمجھ جاتے:

یعنی واقعی دنیا کی عمر تھوڑی ہی تھی۔ لیکن اگر اس بات کو پیغمبروں کے کہنے سے دنیا میں سمجھ لیتے تو کبھی اس متاع فانی پر مغرور ہو کر انجام سے غافل نہ ہوتے اور وہ گستاخیاں اور شرارتیں نہ کرتے جن کا دنیا کے زائل و فانی لذتوں میں پڑ کر ارتکاب کیا۔ (تفسیر عثمانی)

لَوْ اَنَّكُمْ تمنائی ہے جس کے اندر توبیخ وملامت بھی ہے، یعنی کاش تم دنیا میں جان لیتے کہ وہاں تمہاری مدت قیام تھوڑی ہے پھر اس زندگی کو کھیل کود، تکمیل خواہشات اور نفس پرستی میں نہ کھو دیتے اور آج کے دن کی پیشی کو نہ بھولتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، دنیا میں ایسے رہو جیسے تم مسافر یا راہ گیر ہو۔ رواہ البخاری عن ابن عمر، امام، ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں حدیث مذکورہ کے آخر میں یہ بھی ہے کہ اپنے آپ کو قبروں والوں میں شمار کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، آخرت میں یہ دنیا بس ایسی ہوگی جیسے کوئی شخص اپنی انگلی (ذرا) سمندر میں ڈال (کر نکال) لے پھر دیکھے کہ انگلی (سمندر کے پانی سے) کیا لے کر لوٹی۔ رواہ احمد وابن ماجہ ومسلم عن المستورد۔ (تفسیر مظہری)

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ
سو کیا تم خیال رکھتے ہو کہ ہم نے تم کو بنایا کھیلنے کو اور تم
اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾
ہمارے پاس پھر کر نہ آؤ گے

تمہیں یونہی فضول نہیں بنایا:

یعنی دنیا میں تو نیکی بدی کا پورا نتیجہ نہیں ملتا۔ اگر اس زندگی کے بعد دوسری زندگی نہ ہو تو گویا یہ سب کارخانہ محض کھیل تماشا اور بے نتیجہ تھا۔ سوحق تعالیٰ کی جناب اس سے بہت بلند ہے کہ اُس کی نسبت ایسا رکیک خیال کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَآ اِلٰهَ
سو بہت اوپر ہے اللہ وہ بادشاہ سچا کوئی حاکم
اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِیْمِ ﴿۱۱۶﴾
نہیں اسکے سوائے مالک اُس عزت کے تخت کا

اللہ تعالیٰ وفاداروں کو یونہی نہیں چھوڑے گا:

جب وہ بالا و برتر، شہنشاہ، مالک علی الاطلاق ہے تو ہو نہیں سکتا کہ وفاداروں

اور مجرموں کو یوں کس مپرسی کی حالت میں چھوڑ دے۔ (تفسیر عثانی)

الْمَلِكُ الْحَقُّ حقیقی بادشاہ جس کو حکومت کا حق ہے (اور جس کی حکومت واقعی ہے) دوسری مخلوق بالذات مالک نہیں مملوک ہے، (حاکم نہیں محکوم ہے) اس کی مالکیت (اور شاہیت) بالعرض ہے یعنی جب اللہ ہی بادشاہ حقیقی ہے تو اس کا فعل عبث نہیں ہو سکتا۔

الْعَرْشِ الْكَرِيمِ عرش بزرگ۔ اللہ کی پرعظمت تجلیات خصوصی طور پر عرش پر پڑتی ہیں اسی لئے اس کی صفت کریم قرار دی۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ

او رجو کوئی پکارے اللہ کے ساتھ دوسرا حاکم جس کی سند نہیں

لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ ط

اُس کے پاس، سو اس کا حساب ہے اس کے رب کے نزدیک

یعنی وہاں حساب ہو کر مقدار جرم کے موافق سزا دی جائیگی۔ (تفسیر عثانی)

اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت باطل ہے:

پکارنے سے مراد ہے عبادت کرنا۔ یہ دوسری صفت ہے اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت باطل ہے اور باطل کی کوئی دلیل نہیں یہ دوسری صفت یا تو محض تاکیدی ہے یا اس لئے ذکر کی گئی ہے کہ حکم توحید کی بنا اسی پر ہے۔ اس امر پر تنبیہ بھی ہے کہ کوئی ایسا دین اختیار کرنا جس کی کوئی دلیل نہ ہو ممنوع ہے چہ جائیکہ اس (عقیدہ و عمل) کے خلاف دلیل موجود ہو۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا آخری خطبہ:

امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آخری خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ لوگو تم بیکار اور عبث پیدا نہیں کئے گئے اور تم مہمل چھوڑ نہیں دیئے گئے، یاد رکھو وعدے کا ایک دن ہے جس میں خود خدائے تعالیٰ فیصلے کرنے اور حکم فرمانے کے لئے نازل ہوگا۔ وہ نقصان میں پڑا اس نے خسارہ اٹھایا وہ بے نصیب اور بدبخت ہو گیا وہ محروم اور خالی ہاتھ رہا جو خدا کی رحمت سے دور ہو گیا اور جنت سے روک دیا گیا جس کی چوڑائی مثل کل زمینوں اور آسمانوں کے ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کل قیامت کے دن وہ عذاب خدا سے بچ جائے گا جس کے دل میں اس دن کا خوف آج ہے اور جو اس فانی دنیا کو اس باقی آخرت پر قربان کر رہا ہے، اس تھوڑے کو اس بہت کے حاصل کرنے کے لئے بے تکان خرچ کر رہا ہے اور اپنے اس خوف کو امن سے بدلنے کے اسباب مہیا کر رہا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ تم سے اگلے ہلاک ہوئے جن کے قائم مقام اب تم ہو اسی طرح تم بھی مٹا دیئے جاؤ گے اور تمہارے بدلے آئندہ آنے والے آئیں گے یہاں تک کہ ایک وقت آئے گا کہ ساری دنیا سمٹ کر اس خیر الوارثین کے دربار میں حاضری دے گی، لوگو خیال تو کرو کہ تم دن رات اپنی موت سے قریب ہو رہے ہو اور اپنے قدموں اپنی گور کی طرف جا رہے ہو تمہارے پھل پک رہے ہیں تمہاری امیدیں ختم ہو رہی ہیں تمہاری عمریں پوری ہو رہی ہیں تمہاری اجل نزدیک آ گئی ہے تم زمین کے گڑھوں میں دفن کر دیئے جاؤ گے جہاں نہ کوئی بستر ہوگا نہ تکیہ، دوست احباب چھوٹ جائیں گے حساب کتاب شروع ہو جائے گا۔ اعمال سامنے آ جائیں گے جو چھوڑ آئے ہو وہ دوسروں کا ہو جائے گا جو آگے بھیج چکے اسے سامنے پاؤ گے نیکیوں کے محتاج ہو گے بدیوں کی سزائیں بھگتو گے۔ اے اللہ کے بندو اللہ سے ڈرو اس کی باتیں سامنے آ جائیں۔ اس سے پہلے موت تم کو اچک لے جائے، اس سے پہلے جوابدہی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اتنا کہا تھا جو رونے کے غلبے نے آواز بلند کر دی منہ پر چادر کا کونہ ڈال کر رونے لگے اور حاضرین کی بھی آہ وزاری شروع ہو گئی۔

جنّ کا علاج:

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک بیمار شخص جسے کوئی جن ستا رہا تھا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو آپ نے اسے سورت کے ختم تک کی آیتیں اس کے کان میں تلاوت فرمائیں۔ وہ اچھا ہو گیا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا عبداللہ تم نے اس کان میں کیا پڑھا تھا؟ آپ نے بتلا دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے یہ آیتیں اس کے کان میں پڑھ کر اسے جلا دیا، واللہ ان آیتوں کو اگر کوئی باایمان بایقین شخص کسی پہاڑ پر پڑھے تو وہ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائے۔

غرق ہونے سے تحفظ کی دعاء:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری امت کا ڈوبنے سے بچاؤ کشتیوں میں سوار ہونے کے وقت یہ کہنا ہے، بِسْمِ اللّٰهِ الْمَلِكِ الْحَقِّ

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُونَ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَمُرْسٰهَا إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَحِيمٌ . (ابن کثیر)

إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُونَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَبِّ اغْفِرْ

بیشک بھلا نہ ہوگا منکروں کا اور تو کہہ اے رب معاف کر

وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِينَ ﴿۱۱۸﴾

اور رحم کر اور تو ہے بہتر سب رحم والوں سے

دُعائے مغفرت:

یعنی ہماری تقصیرات سے درگذر فرما اور اپنی رحمت سے دنیا و آخرت میں سرفراز کر۔ تیری رحمت بے نہایت کے سامنے کوئی چیز مشکل نہیں۔

آخری آیات کا ورد رکھنا چاہئے:

اَفَحَسِبْتُمْ سے ختم سورۃ تک کی یہ آیتیں بہت بڑی فضیلت اور تاثیر رکھتی ہیں، جس کا ثبوت بعض احادیث سے ہوا ہے اور مشائخ نے تجربہ کیا ہے۔ چاہئے کہ ان آیات کا ورد رکھا جائے، خاتمہ پر وہ دعا تبرکاً و تفاؤلاً نقل کرتا ہوں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کو تلقین فرمائی کیونکہ اُس کے الفاظ ان آیات کے مناسب ہیں اَللّٰھُم اِنِیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْماً کَثِیْرًا و اِنَّہٗ لَایَغْفِرُ الذُّنُوبَ اِلاَّ اَنْتَ فَاغْفِر لِی مَغْفِرۃً مِنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ.

تم سورۃ المؤمنون بفضلہ ومنہ وحسن توفیقہ ونرجو منہ اکمال بقیۃ الفوائد۔

(تفسیر عثمانی)

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ اور آپ کہا کریں اے میرے رب (میری خطائیں) معاف کردے اور (میرے حال پر) رحم فرما تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ یعنی اے اللہ تو میری تمام خطاؤں کو معاف فرمادے (خطاؤں کی معافی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر تکلیف دہ ضرررساں چیز سے حفاظت ہوجائے گی) اور مجھ پر رحم فرما (ہر طرح کے رحم کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ ہر فائدہ بخش چیز عنایت فرمادیگا۔ مغفرت کا لازمی نتیجہ دفع مضرت ہے اور رحمت کا لازمی نتیجہ حصول منفعت)۔

اختتام سورۃ و آغاز سورۃ کا ربط: شروع سورت میں اہل ایمان کے لئے فلاح کو ثابت کیا اور اخیر سورت میں کافروں سے فلاح کی نفی کی۔

نبی اور امت کی دُعاء: اے نبی آپ اور آپ کے متبعین ہمیشہ یہ دعا مانگا کریں۔ اے میرے پروردگار ہمارا قصور معاف فرما اور ہم پر اپنی خاص رحمت فرما یعنی ہم کو اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما۔ اور ایمان پر قائم رکھ اور تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ کہ تیری رحمت کے بعد کسی کی رحمت کی حاجت نہیں رہتی۔

مقصود امت کو تعلیم ہے کہ اس طرح دعا مانگا کریں۔ گناہوں سے استغفار بھی فلاح کا ذریعہ ہے اگر اعمال صالحہ میں کوتاہی ہو تو استغفار سے گریز نہ کرے۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ.

مجاہدین کا ورد: اَفَحَسِبْتُمْ سے لے کر ختم سورت تک یہ آیتیں بڑی فضیلت رکھتی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لئے ایک سریہ (چھوٹا لشکر) روانہ فرمایا اور یہ حکم دیا کہ صبح اور شام یہ آیتیں پڑھا کریں یعنی اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا الخ

صحابہ کہتے ہیں کہ ہم نے حسب الارشاد یہ آیتیں پڑھیں تو ہم صحیح سالم مال غنیمت لے کر واپس آئے۔ اخرجہ ابن السنی وابن مندہ و ابو نعیم بسند حسن – روح المعانی ص:۶۵ ج۱۸

پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک مصیبت زدہ شخص پر گزر ہوا جس کے کان میں تکلیف تھی۔ عبداللہ بن مسعود نے اَفَحَسِبْتُمْ سے لے کر آخر سورت تک آیتیں پڑھ کر اس کے کان میں دم کیں تو وہ اچھا ہوگیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو یہ فرمایا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر یقین والا مرد اس کو پہاڑ پر پڑھ دے تو وہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔ اخرجہ الحکیم و الترمذی وابن المنذر وابو نعیم فی الحلیۃ و اخرون عن ابن مسعود (روح المعانی ص:۶۵ ج۱۸، تفسیر قرطبی ص ۱۵۷ ج۱۲) (معارف کاندھلویؒ)

الحمدللہ سورۃ المؤمنون ختم ہوئی

سورة النور

جس نے اس کی خواب میں تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہوگا جو امر کو بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے ہیں اور اللہ کیلئے کسی سے محبت کریگا اور اللہ ہی کیلئے بغض رکھے گا دنیا میں اس کو کوئی مرض لاحق ہوگا۔ (علامہ ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ أَرْبَعٌ وَّسِتُّوْنَ آيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ نور مدینہ میں نازل ہوئی اور اُس کی چونسٹھ آیتیں اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ

یہ ایک سورت ہے کہ ہم نے اُتاری اور ذمہ پر لازم کی اور اتاریں اس میں

اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ①

باتیں صاف تا کہ تم یاد رکھو

سورۂ نور کے مضامین:

یہ سورۃ بعض نہایت ضروری احکام وحدود، امثال ومواعظ، حقائق توحید اور بہت ہی اہم تنبیہات واصلاحات پر مشتمل ہے اس کا سب سے زیادہ ممتاز اور سبق آموز حصہ وہ ہے، جس کا تعلق قصہ ''افک'' سے ہے۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے جو جھوٹی تہمت لگائی تھی اُس میں بعض سادہ دل اور مخلص مسلمانوں کے پائے استقامت کو بھی قدرے لغزش ہوگئی تھی جس کا خطرناک اثر نہ صرف عائشہ صدیقہؓ کی پوزیشن پر پڑتا تھا، بلکہ ایک حیثیت سے خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ مجد وشرف تک پہنچتا تھا، اس لئے ضروری ہوا کہ قرآن کریم پورے اہتمام اور قوت سے ایسی خوفناک غلط کاری یا غلط فہمی کی اصلاح کرے اور ہمیشہ کے لئے ایمانداروں کے کان کھول دے کہ آئندہ کبھی دشمنوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوکر ایسی ٹھوکر نہ کھائیں پیغمبر علیہ السلام کا مرتبہ رفیع یا اُمہات المومنین کی پاک ومحترم حیثیت ایسی نہیں جسکے سمجھنے اور یادرکھنے میں کوئی مسلمان کسی وقت بھی ذرا تساہل روا رکھے۔ شاید اسی لئے سورت کا آغاز ان الفاظ سے فرمایا سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا الخ تا مخاطبین سمجھ لیں کہ اس کے مضامین ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں اور بہت زیادہ محفوظ رکھنے اور لازم پکڑنے کے مستحق ہیں۔ اور جو صاف صاف نصیحتیں اور کھری کھری باتیں اس سُورت میں بیان فرمائی گئی ہیں، اس لائق ہیں کہ ہر مسلمان اُن کو حرز جان بنائے اور یاد رکھے۔ ایک منٹ کے لئے اُس سے غفلت نہ کرے ورنہ دین ودنیا کی تباہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سورۂ نور میں بیان کئے گئے احکام کی اہمیت:

اس سورت کی پہلی آیت تو بطور تمہید کے ہے جس سے اسکے احکام کا خاص اہتمام بیان کرنا مقصود ہے اور احکام میں سب سے پہلے زنا کی سزا کا ذکر جو مقصود سورت، عفت اور اُس کے لئے نگاہوں تک کی حفاظت، بغیر اجازت کسی کے گھر میں جانے اور نظر کرنے کی ممانعت کے احکام آگے آنیوالے ہیں زنا کا ارتکاب ان تمام احتیاطوں کو توڑ کر عفت کے خلاف انتہائی حد پر پہنچنا اور احکام الٰہیہ کی کھلی بغاوت ہے۔ اسی لئے اسلام میں انسانی جرائم پر جو سزائیں (حدود) قرآن میں متعین کردی گئی ہیں زنا کی سزا بھی ان تمام جرائم کی سزا سے اشد اور زیادہ ہے زنا خود ایک بہت بڑا جرم ہونے کے علاوہ اپنے ساتھ سینکڑوں جرائم لیکر آتا ہے اور اُسکے نتائج پوری انسانیت کی تباہی ہے دنیا میں جتنے قتل وغارتگری کے واقعات پیش آتے ہیں تحقیق کی جائے تو ان میں بیشتر کا سبب کوئی عورت اور اُس سے حرام تعلق ہوتا ہے اس لئے شروع سورت میں اس انتہائی جرم وبے حیائی کا قلع قمع کرنے کے لئے اس کی حد شرعی بتلائی گئی ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عفت پر ایمان لانا فرض ہے:

جس طرح حضرت مریم صدیقہ کی عفت وعصمت پر ایمان لانا فرض ہے اور اس میں شک کرنا کفر ہے اسی طرح عائشہ صدیقہ بنت صدیق کی عفت وعصمت پر ایمان لانا فرض ہے اور عائشہ صدیقہ کی عصمت اور نزاہت میں شک کرنا کفر اور ارتداد ہے، دونوں کی عفت وعصمت نص قرآنی سے ثابت ہے اور نص قرآنی کا انکار کفر اور ارتداد ہے۔ (معارف کاندھلوی)

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

بدکاری کرنے والی عورت اور مرد سو مارو ہر ایک کو دونوں میں سے

مِائَةَ جَلْدَةٍ

سو سو درّے

زانی کی سزا: یہ سزا اُس زانی اور زانیہ کی ہے جو آزاد، عاقل، بالغ ہو اور نکاح کئے ہوئے نہ ہو یا نکاح کرنے کے بعد ہمبستری نہ کر چکے ہوں اور جو آزاد نہ ہو

اسکے پچاس دُرّے لگتے ہیں، اُس کا حکم پانچویں پارہ کے اول رکوع کے ختم پر مذکور ہے۔ اور جو عاقل یا بالغ نہ ہو وہ مکلف ہی نہیں اور جس مسلمان میں تمام صفتیں موجود ہوں (حریت بلوغ، عقل، نکاح اور ہمبستری سے فراغ) ایسے شخص کو "محصن" کہتے ہیں۔ اُس کی سزا "رجم" (سنگسار کرنا) ہے جیسا کہ سورۂ مائدہ میں "تورات" کے حوالہ سے فرمایا وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ الخ اور وہ حکم الله رجم تھا جیسا کہ وہاں کے فوائد میں گذر چکا۔

زناء اور قتل عمداور مرتد کی سزامیں تورات کا حکم باقی رکھا گیا:

چنانچہ نبی کریم نے اس کے موافق فیصلہ کیا اور فرمایا "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَوَّلُ مَنْ اَحْيَآ اَمْرَكَ اِذْ اَمَاتُوْهُ" (خدایا! میں پہلا شخص ہوں جس نے تیرے حکم کو زندہ کیا جبکہ وہ اُسے مٹا چکے تھے) پھر نہ صرف اُن یہود کو بلکہ جس قدر واقعات اس قسم کے پیش آئے اُن سب میں زانی محصن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی رجم کی سزا دی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل برابر اسی قانون رجم پر رہا۔ بلکہ اہل سنت والجماعت میں کسی ایک شخص نے بھی اس سے اختلاف کی جُرأت نہ کی۔ گویا سنت متواترہ اور اجماع اہل حق نے بتلا دیا کہ اس مسئلہ میں شریعت محمدیہ نے تورات کے حکم کو باقی رکھا ہے جیسا کہ قتل عمد کی سزا قتل ہونا قرآن کریم نے بحوالہ تورات بیان فرمایا تھا وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ الخ اور مُرتدین کے قتل کا بنی اسرائیل کو حکم دینا سورۂ "بقرہ" میں بیان کیا گیا۔ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ پھر ان ہی احکام کو اُمت محمدیہ کے حق میں بھی قائم رکھا گیا۔

ان احکام کی حفاظت فرض ہے:

شاید رجم محصن اور مسئلہ قصاص کو نقل کرنے کے بعد جو بڑی شدت و تاکید سے ترک حکم بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کی بُرائی بیان فرمائی اور آخر میں ارشاد ہوا وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ الخ اس سے یہی غرض ہو کہ تورات کے یہ احکام اب قرآن کے زیر حفاظت ہیں جن کے قائم رکھنے میں پیغمبر کو کسی کی اہواء وآراء کی پروا نہیں کرنی چاہئے۔ چنانچہ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پروا کی نہ آپ کے خلفاء نے۔ حتی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب رجم محصن کے متعلق یہ اندیشہ ہوا بلکہ مکشوف ہو گیا کہ آگے چل کر بعض زائغین اس کا انکار کرنے لگیں گے (چنانچہ خوارج نے اور ہمارے زمانہ کے ایک ممسوخ فرقہ نے کیا) تو آپ نے منبر پر چڑھ کر صحابہ وتابعین کے مجمع میں اس حکم خداوندی کا بہت شد ومد سے اعلان فرمایا اور اس میں قرآن کی ایک آیت کا حوالہ دیا جس میں رجم محصن کا صریح حکم تھا اور جس کی تلاوت گو بعد میں منسوخ ہو گئی مگر حکم برابر باقی رہا۔

(تنبیہ) کسی آیت کا محض منسوخ التلاوت ہونا اور حکم باقی رہنا یہ ایک مستقل مسئلہ ہے جسکی تحقیق ان مختصر فوائد میں درج نہیں ہو سکتی۔ انشاء اللہ العزیز اگر مستقل تفسیر قرآن لکھنے کی نوبت آئے تو وہاں لکھا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وہ لوگ جو رحمت سے محروم ہیں

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تین قسم کے لوگ ہیں جو جنت میں نہ جائیں گے اور جن کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہ دیکھے گا (۱) ماں باپ کا نافرمان (۲) وہ عورتیں جو مردوں کی مشابہت کریں (۳) اور دیوث، اور تین قسم کے لوگ ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہ دیکھے گا (۱) ماں باپ کا نافرمان (۲) ہمیشہ کا نشے کا عادی (۳) اور راہ خدا میں دے کر احسان جتانے والا۔ مسند میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تین قسم کے لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کر دی ہے ہمیشہ کا شرابی، ماں باپ کا نافرمان اور اپنے گھر والوں میں خباثت کو برقرار رکھنے والا۔ (تفسیر ابن کثیر)

کوڑے مارنے کا طریقہ: فَاجْلِدُوْا کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ صرف جلد بدن پر مارو۔ ایسا نہ مارو جو کھال کو اُدھیڑ کر گوشت تک پہنچ جائے۔ اسی سے فقہاء نے مسئلہ ذیل کا استنباط کیا ہے۔

مسئلہ: ایسے درمیانی سائز کے کوڑے سے مارا جائے جس کے سرے پر گھنڈی (گانٹھ) نہ ہو اور ضرب بھی درمیانی طور پر ماری جائے۔ ابن ابی شیبہ نے حنظلہ سدوسی کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت انس بن مالک فرماتے تھے، حکم دیا جاتا تھا کہ کوڑے کی گھنڈی کاٹ دی جائے، پھر اس کے سرے کو دو پتھروں میں رکھ کر خوب کوٹ دیا جائے پھر مارا جائے۔ حنظلہ کا بیان ہے، میں نے دریافت کیا حضرت کس کے زمانہ میں ایسا کیا جاتا تھا فرمایا حضرت عمر بن خطاب کے عہد (خلافت) میں۔

عبدالرزاق نے یحییٰ بن ابی کثیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ایسے جرم کا ارتکاب ہو گیا ہے جو موجب حد ہے اس لئے مجھ پر حد (شرعی) جاری فرما دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کوڑا طلب فرمایا، حکم کی تعمیل کی گئی، لیکن جو کوڑا پیش کیا گیا وہ سخت بھی تھا اور اس میں (سرے پر) گھنڈی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے کم (سخت) لاؤ۔ حسب الحکم ایک اور کوڑا پیش کیا گیا جو شکستہ بھی تھا اور نرم بھی فرمایا اس سے اونچے درجہ کا لاؤ (یعنی اتنا نرم بھی نہ ہو اور پہلے کوڑے کی طرح سخت اور گرہ دار بھی نہ ہو) چنانچہ درمیانی حیثیت کا کوڑا لایا گیا، فرمایا، یہ ٹھیک ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کوڑے سے اس شخص کو پٹوایا۔ ابن ابی شیبہ نے زید بن اسلم کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے اور امام مالک نے موطا میں بھی اس کو ذکر کیا ہے۔

نکتہ: زنا کی رغبت کا ظہور عموماً عورت کی طرف سے پہلے ہوتا ہے وہ

اکثر مردوں کے سامنے خودنمائی کرتی ہے اس لئے آیت میں زانیہ کا لفظ زانی کے لفظ سے پہلے ذکر کیا اور چوری کا صدور عام طور پر مردوں سے ہی ہوتا ہے اس لئے آیت سرقہ میں السارق کا ذکر السارقۃ سے پہلے کیا۔

مسئلہ: علمائے امت اسلامیہ کا اتفاق ہے کہ اگر زانی اور زانیہ آزاد، عاقل، بالغ اور کنوارے ہوں تو ہر ایک کے سو کوڑے مارے جائیں اس آیت میں یہی حکم دیا گیا ہے۔ اس سے زیادہ اور کوئی سزا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نہیں دی جا سکتی۔

حضرت زید بن خالد کا بیان ہے میں نے خود سنا ناکتخدا زانی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے، سو کوڑے مارنا اور ایک سال کی جلاوطنی۔ رواہ البخاری۔

صحیحین میں حضرت زید بن خالد اور حضرت ابوہریرہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخصوں نے اپنا مقدمہ پیش کیا، ایک نے کہا کتاب اللہ کے موافق ہمارے درمیان فیصلہ کر دیجئے اور مجھے کچھ بولنے کی اجازت دیجئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیان کرو۔ اس شخص نے کہا میرا بیٹا اس شخص کے پاس مزدور تھا۔ میرے بیٹے نے اس کی بیوی سے زنا کیا، لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تیرے بیٹے کو سنگسار کی سزا دی جائے گی میں نے سزا سے بچانے کے لئے بطور معاوضہ اس شخص کو سو بکریاں اور ایک باندی دیدی، پھر علماء سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا تیرے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لئے شہر بدر کیا جائے گا اور اس عورت کو سنگسار کیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان سننے کے بعد فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تم دونوں کا فیصلہ کتاب اللہ کے موافق کروں گا، تیری بکریاں اور باندی تو واپس کی جائیں گی اور تیرے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لئے شہر بدر کیا جائے گا اور (حضرت انسؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا) اُنس اُٹھ اور میرے پاس اس شخص کی عورت کو لوٹا کر لے آ۔ اگر وہ اقرار کر لے تو اس کو سنگسار کر دے، چنانچہ اس عورت نے اقرار کر لیا اور اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگسار کرا دیا۔

امام مالک اور امام شافعیؒ کا مسلک:

امام مالک نے شہر بدر کرنے کا حکم صرف مردوں کے لئے خاص قرار دیا ہے، اور عورتوں کے لئے شہر بدر کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اور امام شافعی نے محرم کے ہمراہ ہونے کی شرط لگائی ہے۔

طحاوی نے لکھا ہے کہ جب عورتوں کے لئے تنہا سفر کرنے کی وجہ سے شہر بدر کرنے کا حکم ان کے لئے باقی نہیں رہا تو مردوں کو شہر بدر کرنے کی نفی بھی اس سے نکل آئی۔

جلاوطنی حدّ زناء کا حصہ نہیں ہے:

طحاوی نے لکھا ہے کہ حدّ زنا میں تغریب (جلاوطنی) داخل نہیں اس کا ثبوت حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث سے ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اگر تم میں سے کسی کی باندی زنا کرے اور فعل زنا ثابت ہو جائے تو اس کو کوڑے لگائے جائیں اور ڈانٹ ڈپٹ یا زجر و توبیخ نہ کرے۔

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ کوئی حدیث ایسی نہیں کہ جس سے تغریب واجب کا وجوب اس طرح ثابت ہوتا ہو کہ ہم اس کو بطریق حد (زناء) واجب قرار دے سکیں۔ ہاں اقامت حد (یعنی سزائے تازیانہ کے بعد) اگر حاکم وقت کی مصلحت عامہ کا تقاضا ہو اور وہ شہر بدر بھی کر دے تو اس کو ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔

عبدالرزاق نے زہری کی روایت سے سعید بن مسیّب کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے شراب خوری کی سزا میں ربیعہ بن امیہ کو جلاوطن کر کے خیبر بھیج دیا ربیعہ ہرقل سے جا کر مل گیا اور عیسائی ہو گیا حضرت عمر کو جب یہ اطلاع ملی تو فرمایا آئندہ میں کسی مسلمان کو جلاوطنی کی سزا نہیں دوں گا۔

حدّ کے علاوہ جلاوطنی حاکم کا صوابدیدی عمل ہے:

اگر حاکم وقت مصلحت سمجھے کہ سزاء تازیانہ کے ساتھ شہر بدر بھی کر سکتا ہے بمصلحتِ حاکم شہر بدر کرنا جائز ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث تغریب اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان کے فیصلے جو روایت میں آتے ہیں ان سب کا مطلب یہی ہے (کہ حاکم کا یہ اختیار تمیزی ہے اگر وہ چاہے تو جلاوطن بھی کر دے) شہر بدر کرنے کا جواز صرف زنا کی صورت میں ہی نہیں ہے بلکہ حاکم اگر مصلحت سمجھے تو ہر مفسد کو جلاوطن کر سکتا ہے۔

طحاوی نے حضرت عمرو بن شعیب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنے غلام کو قتل کر دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سو کوڑے لگوائے پھر اس کو ایک سال کے لئے شہر بدر کر دیا اور (اس کا حصہ) مسلمانوں کی فہرست سے خارج کر دیا اور ایک بردہ آزاد کرنے کا اسکو حکم دیا۔

سعید بن منصور راوی ہیں کہ ایک شخص نے رمضان میں شراب پی تھی حضرت عمر نے اس کو دو سو کوڑے لگوائے اور جلاوطن کر کے شام کی طرف بھیج دیا۔ بخاری نے اس روایت کے ایک حصہ کو بطور تعلیق بیان کیا ہے۔ بغوی نے الجعدیات میں اتنا زائد بیان کیا ہے کہ حضرت عمر جب کسی شخص پر غضبناک ہوتے تھے تو اس کو شام کی طرف بھیج دیتے تھے بیہقی کی روایت میں آیا ہے کہ بصرہ کی طرف جلاوطن کر کے بھیج دیتے تھے۔ عبدالرزاق نے بوساطت معمر از ایوب از نافع بیان کیا کہ حضرت عمر نے فدک کی طرف (ایک شخص کو) شہر بدر کر کے بھیج دیا۔

ترک معصیت اور تزکیہ کیلئے ہجرت:

مشائخ کرام اسی لئے اگر کسی مرید کے اندر غلبۂ نفسانیت محسوس کرتے تو اس کو (کچھ مدت کے لئے) ترک وطن کا حکم دیدیتے تھے تاکہ اس کی

نفسانیت کا غلبہ ٹوٹ جائے اور دل میں نرمی آ جائے۔

میں کہتا ہوں اگر کسی مسلمان کو کوئی حاکم مبتلائے معصیت دیکھے اور اس مسلمان کو اپنے کیے پر ندامت بھی ہو اور وہ اپنے قصور پر شرمندہ بھی ہو تو اس کو سفر کرنے اور وطن کو (کچھ مدت کے لئے) چھوڑ دینے کا حکم دیدے لیکن جو مجرم اپنے قصور پر شرمندہ اور پشیمان نہ ہو اس کی سزا یہ ہے کہ جب تک توبہ نہ کرے ساری زمین سے اس کو نکال دیا جائے۔ ساری زمین سے نکال دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو قید کر دیا جائے۔ واللہ اعلم۔

سنگسار کرنا احادیث متواترہ سے ثابت ہے:

اگر زانی اور زانیہ شادی شدہ ہوں تو ان کو سنگسار کیا جائے گا، صحابۂ کرام کا اس پر اتفاق ہے بعد کے علماء کا بھی اس پر اجماع ہے۔ صرف خارجی اس کے منکر ہیں کیونکہ اجماع صحابہ اور خبر آحاد کا وہ انکار کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ رجم (سنگسار کرنے) کا حکم قرآن سے ثابت نہیں۔ خبر آحاد میں آیا ہے اور خبر آحاد موجب حکم نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ رجم کا حکم احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔

حضرت عمرؓ کا خطبہ:

بیہقی کی روایت ہے کہ حضرت عمر نے خطبہ دیا اور خطبہ میں فرمایا، اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق بنا کر بھیجا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ نازل کردہ آیات میں آیت رجم بھی نازل فرمائی ہم نے وہ آیت پڑھی اور یاد رکھی (آیت یہ تھی) الشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْ هُمَا الْبَتَّةَ نَكَالًامِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جب زنا کریں تو دونوں کو قطعاً اللہ کی طرف سے سزا کے طور پر سنگسار کر دو اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کرایا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کرایا اس حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا، اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ کہنے لگیں گے عمر نے کتاب اللہ میں اضافہ کر دیا تو میں مصحف کے حاشیہ پر آیت رجم لکھ دیتا ابوداؤد نے حضرت عمر کا خطبہ نقل کیا ہے اس خطبہ میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ جب طویل زمانہ گذر جائے گا تو لوگ کہنے لگیں گے کہ رجم کا حکم ہم کو کتاب اللہ میں نہیں ملتا۔ ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں (حضرت عمر نے خطبہ میں فرمایا مجھے یہ بات پسند نہیں کہ لوگ کہیں عمر نے کتاب اللہ میں اضافہ کر دیا، اگر یہ خیال نہ ہوتا تو میں اس کو قرآن میں لکھ دیتا۔ کیونکہ مجھے ڈر لگا ہوا ہے کہ آئندہ کچھ لوگ آئیں گے اور اس آیت کو قرآن میں نہیں پائیں گے تو اس کے منکر ہو جائیں گے (اور کہیں گے رجم کی کوئی آیت قرآن میں نہیں ہے) حضرت عمر نے یہ خطبہ صحابہ کے سامنے دیا تھا اور کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا (معلوم ہوا کہ آیت رجم کا قرآن میں ہونا اجماعی ہے) حاکم اور طبرانی نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جب زنا کریں تو ان کو اس لذت اندوزی کی پاداش میں سنگسار کر دو۔

صحیح ابن حبان میں آیا ہے کہ سورۃ احزاب سورۂ بقرہ کے برابر تھی اور اس میں آیت رجم الشیخ و الشیخۃ اذا زنیا الخ بھی تھی۔

تین چیزیں جو مسلمان کا خون حلال کرتی ہیں:

صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی شہادت دیتا ہو اس کا خون حلال نہیں مگر تین وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے (۱) جان کے بدلے جان یعنی قصاص کی وجہ سے (۲) یا شادی شدہ زانی ہو (۳) یا دین سے نکل گیا ہو جماعت (مسلمین) کو چھوڑ کر علیحدہ ہو گیا ہو۔

حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف کا بیان ہے کہ جس روز حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کیا گیا تھا اس روز دریچہ سے باہر گردن نکال کر آپ نے فرمایا میں تم لوگوں کو اللہ کی قسم دیکر دریافت کرتا ہوں کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ مسلمان کا خون حلال نہیں مگر تین وجوہ میں کسی ایک وجہ سے (۱) شادی شدہ ہونے کے بعد اس نے زنا کیا ہو (۲) مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو گیا ہو (۳) یا ناحق کسی کو قتل کر دیا ہو۔ پس خدا کی قسم میں نے زنا نہیں کیا نہ اسلامی دور سے پہلے نہ اسلام کی حالت میں اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے بعد میں اسلام سے پھرا اور نہ کسی کو ناحق قتل کیا جس کو قتل کرنا اللہ نے حرام کیا ہو تو پھر تم لوگ مجھے کیوں قتل کرتے ہو۔ رواہ الترمذی والنسائی و ابن ماجۃ والدارمی۔ ورواہ الشافعی فی مسندہ و رواہ البزار والحاکم۔ حاکم نے اس کو بر شرط شیخین صحیح قرار دیا ہے ورواہ البیہقی وابو داؤد۔ بخاری نے حسب روایت ابوقلابہ اس حدیث کو فعلی قرار دیا ہے، حضرت ابوقلابہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ نے کسی کو قتل نہیں کیا مگر تین وجوہ سے (اگر) کسی نے (ناحق) قتل کیا تو اس کو (قصاص میں) قتل کیا گیا۔ یا شادی شدہ ہوتے ہوئے کسی نے زنا کیا (تو اس کو سنگسار کیا گیا) یا کوئی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑا اور اسلام سے مرتد ہو گیا (تو اس کو قتل کیا)۔

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی سنگساری:

صحیح حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز بن مالک کو سنگسار کرایا تھا جبکہ انہوں نے خود زنا کا اقرار کیا تھا، رواہ مسلم والبخاری من حدیث ابن عباس ورواہ الترمذی وابن ماجۃ من حدیث ابی ہریرہ۔

حضور نے غیر محصن مرد کو کوڑے لگوائے اور محصنہ عورت کو سنگسار کرایا

صحیحین میں حضرت زید بن خالد کی روایت کردہ حدیث پہلے نقل کی جا

چکی ہے جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک شخص کے مزدور نے اس کی بیوی سے زنا کیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زانی کے تو کوڑے لگوائے اور ایک سال کے لئے شہر بدر کرنے کا حکم دیا۔ اور حضرت انس سے فرمایا، انیس اٹھ کر جا، اگر عورت اعتراف کرلے تو اس کو سنگسار کردے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ پہلے اس کے کوڑے مارنا اور پھر سنگسار کرنا۔

ایک صاحب کی بیوی کی سنگساری:

طحاوی نے حضرت ابوواقد لیثی اشجعی صحابی کا بیان نقل کیا ہے، حضرت ابو واقد نے فرمایا، ہم حضرت عمر کے پاس موجود تھے۔ ایک شخص حاضر ہوا، اور اس نے عرض کیا امیر المؤمنین میری بیوی نے زنا کا ارتکاب کیا ہے، اور وہ اس فعل کا اعتراف کرتی ہے، حضرت عمر نے مجھ کو چند لوگوں کے ساتھ اس عورت کے پاس دریافت کرنے کے لئے بھیجا۔ حسب الحکم ہم نے جا کر دریافت کیا اس عورت نے وہی بیان کیا جو اس کے شوہر نے کہا تھا اور کہا میرے شوہر نے سچ کہا، ہم نے یہ اطلاع حضرت عمر کو جا کر دیدی۔ آپ نے اس عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیدیا۔ سنگسار کرنے سے پہلے کوڑے نہیں لگوائے اور یہ واقعہ صحابہ کی جماعت کے سامنے کا ہے (کسی نے اس کا انکار نہیں کیا)۔

ایک خاتون کی دوہری سزا:

میں کہتا ہوں حضرت علی نے جو ہمدانیہ عورت کو دوہری سزا دی اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ پہلے اس کا شادی شدہ ہونا آپ کو معلوم نہیں ہوا تھا اس لئے کوڑے لگوائے پھر شادی شدہ ہونا معلوم ہوگیا تو رجم کی سزا دی۔ اور حضرت علی نے جو فرمایا کہ کتاب اللہ کے موافق میں اس کے کوڑے لگواتا ہوں اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق اس کو رجم کرتا ہوں اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ ناکتخدا کی سزا کوڑے مارنا قرآن میں مذکور ہے اور شادی شدہ کو سنگسار کرنے کا حکم حدیث میں ہے، پس جب تک اس کے شادی شدہ ہونے کا علم نہ تھا آپ نے قرآن کے مطابق اس کے کوڑے لگوادیئے اور جب شادی شدہ ہونے کا علم ہوگیا تو آپ نے اس کو رجم کرادیا، یہی تشریح ایک روایت میں بھی آئی ہے۔

ایک شخص کی دوہری سزا:

طحاوی نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے زنا کا ارتکاب کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اس کے کوڑے ماردیئے گئے، پھر آپ کو اطلاع ملی کہ وہ شادی شدہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رجم کرادیا۔

احصان کا معنی اور شرائط:

احصنّ سے مراد ہے نکاح کرلینا اور المحصنٰت سے مراد ہیں آزاد عورتیں۔ زانی اور زانیہ کو رجم کرنے کے لئے جو احصان کی شرط شرعاً ضروری ہے اس سے مراد ہے نکاحی ہونا یعنی صحیح نکاح میں ہونا، کیونکہ نکاح کے بعد عورت مرد کی حصن وحفاظت میں داخل ہوجاتی ہے، نتیجہ تزویج محصنؔ ہوجاتا ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محصن کو کتخدا اور غیر محصن کو ناکتخدا (ثیب اور بکر) کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

علماء نے احصان رجم کی شرائط میں سے زانی کا آزاد، عاقل، بالغ ہونا بھی ضروری قرار دیا ہے اور یہ بھی لازم قرار دیا ہے کہ اس نے صحیح طریقے سے نکاح کیا ہو اور نکاح کے بعد زوجہ سے قربت صنفی بھی کرلی ہو۔ یہ پانچوں شرطیں باجماع علماء ضروری ہیں (ان میں سے اگر کوئی شرط مفقود ہو تو رجم کا حکم جاری نہیں کیا جا سکتا) عقل اور بلوغ تو قابل سزا ہونے کی بلکہ اللہ کی طرف سے احکام کا مکلف اور مامور ہونے کی ضروری شرط ہے احصان رجم ہی میں ان کا خصوصی ذکر مناسب نہیں اور آزاد ہونا ہر سزا کی تکمیل کی شرط ہے رجم ہی کی کوئی خصوصیت نہیں، یہاں تک کہ غلام کے سو کوڑے بھی نہیں مارے جائیں گے بلکہ آدھی سزا دی جائے گی، ہاں نکاح کا صحیح ہونا رجم کے لئے ایک ضروری شرط ہے۔

امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک زانی کو سنگسار کرنے کے لئے اس کا مسلمان ہونا بھی ضروری ہے۔

یہودی زناکاروں کی سنگساری کا واقعہ:

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ کچھ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کا ارتکاب کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے متعلق کیا فیصلہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رجم کی بابت توریت میں تم کو کیا ملتا ہے؟ کہنے لگے (توریت کے موافق تو) زنا کرنے والوں کو ہم تعزیر کرتے ہیں (یعنی منہ کالا کر کے بازار میں گشت کراتے اور مشتہری کرتے ہیں) اور کوڑے مارتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن سلام بولے تم نے جھوٹ کہا توریت میں تو سنگسار کردینے کا حکم ہے۔ توریت لاؤ۔ توریت لائی گئی اور اس کو کھول کر پڑھا گیا تو ایک یہودی نے آیت رجم پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس نے اول وآخر کی عبارت پڑھ دی۔ عبداللہ نے فرمایا ہاتھ ہٹاؤ۔ اس نے ہاتھ ہٹایا تو آیت رجم سامنے آگئی۔ اس پر یہودی کہنے لگے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! عبداللہ نے سچ کہا، توریت میں آیت رجم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو سنگسار کردینے کا حکم نافذ فرمادیا۔ حسب الحکم دونوں کو رجم کردیا گیا۔ اس حدیث سے امام احمد وامام شافعی کے قول کا ثبوت ہوتا ہے کہ زانی کو رجم کرنے کے لئے اسلام کی شرط نہیں ہے۔

سابقہ شریعتوں کے احکام:

میں کہتا ہوں امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ گزشتہ شریعتوں کے احکام

ہمارے لئے واجب العمل ہیں تاوقتیکہ ان کا منسوخ کیا جانا ہماری شریعت میں واضح طور پر نہ آ گیا ہو خاص کر اس صورت میں تو ان کا واجب العمل ہونا ضروری قرار پا جاتا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر عمل کیا ہو شریعت سابقہ کے حکم پر رسول اللہ کا عمل کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ حکم ہماری شریعت میں بھی باقی ہے اگر ہماری شریعت میں منسوخ کر دیا گیا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ہرگز عمل نہ کرتے اور اللہ کے (آخری) نازل کردہ حکم کے خلاف کبھی حکم نہ دیتے۔ جب امام ابوحنیفہ کا خود یہ قول ہے کہ بغیر شرعی ناسخ کے شریعت سابقہ کا حکم ہمارے لئے بھی واجب العمل ہے تو پھر دیکھنا یہ ہے کہ کیا کوئی آیت یا حدیث ایسی ہے جو حکم رجم کو منسوخ کر رہی ہو ہم کو تو ایسی نہ کوئی آیت ملتی ہے نہ حدیث۔ زانی زانیہ، شیخ شیخہ، ثیب اور بکر کے الفاظ تو عام ہیں مؤمن کو بھی شامل ہیں۔

مسئلہ: اگر دونوں میں سے ایک پاگل اور دوسرا عاقل ہو تو امام مالکؒ و امام شافعیؒ و امام احمدؒ کے نزدیک دونوں میں سے جو مجنون نہ ہوگا اس پر حد شرعی قائم کی جائے گی۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا اگر مرد عاقل ہے اور عورت پاگل تو حد شرعی مرد پر جاری ہوگی اور اگر عورت عاقل ہے اور مرد پاگل تو عورت پر حد جاری نہ ہوگی۔ کیونکہ فعل زنا کا فاعل تو مرد ہوتا ہے عورت تو محل زنا ہے عورت کو زانیہ مجازاً کہا جاتا ہے (حقیقت میں عورت مزنیہ ہوتی ہے) عورت کو جو زنا کی سزا دی جاتی ہے وہ صرف اس وجہ سے کہ اس نے مرد کو فعل زنا کی اجازت دی۔ باقی ائمہ نے کہا اگر عورت عذر شرعی رکھتی ہو اور اس کو سزا نہ دی جائے تو مرد جو غیر معذور ہے اجماعاً شرعی سزا سے نہیں بچ سکتا اسی طرح اگر مرد معذور ہو اور عورت عاقل ہو تو مرد کا معذور ہونا عورت سے حد شرعی کو ساقط نہیں کر سکتا۔

زناء کی تعریف:

مرد کا عورت سے آگے کے مقام میں بغیر کسی استحقاق ملکیت کے (یعنی بغیر نکاح اور بغیر ملکیت شخص کے) جماع کرنا شرعاً اور لغۃً زنا کہلاتا ہے دُبر میں جماع کرنا زنا نہیں کہلاتا خواہ مفعول عورت ہو یا مرد۔ سورت نساء کی آیت وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا کی تفسیر کے ذیل میں ہم نے لواطت کی سزا کی تشریح کر دی ہے۔

ایسی صورتیں جو زنا نہیں مگر زنا کے مشابہ ہیں:

پس اگر کسی نے اپنی حائضہ بی بی سے یا اپنی روزہ دار بیوی سے یا محرم (یعنی جس نے حج یا عمرہ کا احرام کر لیا ہو) بیوی سے یا استبراء کی مدت (تقریباً ایک ماہ) کے ختم کا انتظار کئے بغیر یا اس باندی سے جو اس کے اور دوسرے شخص کے درمیان مشترک ہو یا مشرک باندی سے یا دوسرے کی منکوحہ باندی سے یا اس باندی سے جو دودھ کے رشتہ سے حرام ہو گئی ہے صحبت کر لی تو اس کو زنا نہیں کہا جائے گا نہ اس فعل پر شرعی سزا جاری ہوگی کیونکہ ان تمام صورتوں میں کسی قدر ملکیت موجود ہے ہاں ایسا کرنے پر گناہگار ضرور ہوگا۔ اگر شبہ ملک ہو تو شرعاً اس کا حکم بھی ملک کی طرح ہے، چاروں ائمہ اور سوائے ظاہریہ فرقہ کے تمام علماء کے نزدیک حد ساقط ہو جاتی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے شبہات کی وجہ سے حدود کو ساقط کر دو۔ (یعنی اگر ارتکاب جرم میں شبہ پیدا ہو جائے تو اس فعل کی مقررہ شرعی سزا جاری مت کرو) ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث بواسطہ مقسم حضرت ابن عباس کی روایت سے مسند ابوحنیفہ میں مذکور ہے۔

شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے:

ترمذی، حاکم اور بیہقی نے بطریق زہری بواسطہ عروہ حضرت عائشہ کی روایت سے حدیث مذکور کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں، جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو ساقط کرو اگر اس (مجرم) کے لئے کوئی راستہ نکل سکے تو اس کو چھوڑ دو کیونکہ حاکم کا معافی میں غلطی کرنا، غلط طور پر سزا دینے سے بہتر ہے۔ اس روایت میں یزید بن زیاد دمشقی ضعیف ہے بخاری نے اس کو منکر اور نسائی نے متروک قرار دیا ہے۔ وکیع نے اس حدیث کو موقوفاً بیان کیا ہے اور یہی زیادہ صحیح بھی ہے۔ ترمذی نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ متعدد صحابہ کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت علیؓ کی مرفوع روایت کے یہ الفاظ ہیں شبہات کی وجہ سے حدود کو ساقط کر دو اور حدود کو معطل کر دینا (جاری نہ کرنا) حاکم کے لئے جائز نہیں ہے (یعنی شبہات کی وجہ سے حدود کو ساقط کر دینا چاہئے لیکن ثبوت کے بعد حاکم حدود کو معطل نہیں کر سکتا) اس کی سند میں مختار بن نافع ہے جو منکر الحدیث ہے۔ امام بخاری نے اس کے متعلق یہی کہا ہے۔

اس موضوع کی صحیح ترین حدیث سفیان ثوری کے سلسلہ سے آئی ہے جس کے قائل حضرت ابن مسعود ہیں کہ شبہات سے حدود کو ساقط کر دو اور جہاں تک تم سے ہو سکے مسلمانوں سے قتل (یعنی جان لینے والی سزا) کو دفع کر دو۔ رواہ ابن ابی شیبہ۔ حضرت عقبہ بن عامر اور حضرت معاذ سے بھی یہ حدیث موقوفاً مروی ہے رواہ ابن ابی شیبہ حضرت عمرؓ سے بھی منقطعاً اور موقوفاً یہ حدیث آئی ہے ابن حزم نے کتاب الایصال میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عمر پر اس کو موقوف قرار دیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے ابراہیم نخعی کے طریق سے حضرت عمر کا قول اس طرح نقل کیا ہے کہ اگر شبہات کی وجہ سے میں غلطی سے حدود ساقط کر دوں تو میرے نزدیک یہ فعل اس سے بہتر ہے کہ شبہات کی موجودگی میں میں حدود جاری کر دوں۔

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ شبہ کی وجہ سے سقوط حد کی حدیث کو ساری امت نے قبول کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے جو اقوال اس

سلسلہ میں مروی ہیں تو مسئلہ کا قطعی الثبوت ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعزؓ سے فرمایا تھا۔ شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا۔ شاید تو نے چھولیا ہوگا شاید تو نے دبالیا ہوگا، گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اقرار زنا کے بعد حضرت ماعزؓ کو اپنے اقرار سے لوٹ جانے کی در پردہ تلقین فرمائی تھی اور اس کا فائدہ سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کے جواب میں ہاں کہہ دیتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو چھوڑ دیتے۔ اسی طرح جو چور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا اس کے متعلق بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے خیال میں اس نے چوری نہیں کی۔

غامدیہ عورت (جس نے زنا کا اقرار کیا تھا) سے بھی ایسا ہی فرمایا تھا۔

حضرت علی نے بھی اسی طرح سراحہ سے (جس نے زنا کا اقرار کیا تھا) فرمایا تھا، شاید تو سو رہی ہوگی اور وہ تیرے اوپر آ پڑا ہوگا۔ شاید اس نے تجھ پر جبر کیا ہوگا شاید تیرے آقا نے تیرا نکاح اسی سے کرا دیا ہوگا اور تو اس بات کو چھپا رہی ہے۔ صحابہ کے اس طرح کے اقوال تلاش کے بعد بہت مل سکتے ہیں جن کی تفصیل موجب طول ہے خلاصہ یہ کہ تمام احادیث وآثار کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ حد کو ساقط کرنے کی ہر ممکن تدبیر کی جائے۔

شبہ اشتباہ: یعنی ایسا شبہ جو شبہ میں پڑنے والوں کے لئے تو ہوتا ہے اور جو شبہ نہ کریں ان کے لئے نہیں ہوتا، ایسا شبہ اس وقت ہوتا ہے جب حلت کی کوئی واقعی دلیل تو موجود نہیں ہوتی، لیکن مرتکب زنا اس چیز کو دلیل سمجھ لیتا ہے جو واقع میں دلیل نہیں ہو سکتی۔

مثلاً کسی نے ماں باپ یا اپنی بی بی کی باندی سے یہ سمجھتے ہوئے صحبت کر لی کہ ماں باپ کے ساتھ رشتۂ ولادت سے اور بی بی سے رشتۂ زوجیت کی وجہ سے ملکیت مشترک ہے اسی لئے ماں باپ اور بی بی کے لئے اس کی شہادت اور اس کے لئے والدین اور بی بی کی شہادت شرعاً قابل قبول نہیں۔ یا جس عورت کو تین طلاقیں دے چکا ہے اور وہ ابھی عدت میں ہے اس سے قربت کر لی یہ سمجھ کر کہ ابھی حقوق نکاح باقی ہیں عدت کا نفقہ میں دے رہا ہوں اور عدت میں عورت کا نکاح کسی دوسرے سے ہو بھی نہیں سکتا۔ ان تمام صورتوں میں اگر اس کو حرمت قربت کا علم نہیں ہے اور صحبت کر لی تو (اگر چہ یہ فعل زنا ہوگا لیکن) حد زنا جاری نہیں ہوگی اور اگر حرمت صحبت کا علم رکھنے کے بعد ایسا کرے گا تو حد زنا جاری ہوگی۔

حضرت جابر سے مروی ہے کہ ایک شخص نے خدمت گرامی میں گذارش کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا مال بھی ہے اور اولاد بھی مگر میرا باپ میرا مال چھین لینا چاہتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اور تیرا مال (سب کچھ) تیرے باپ کا ہے، ابن القطان اور منذری نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔
یہ حدیث طبرانی نے الاصغر میں اور بیہقی نے دلائل میں بھی نقل کی ہے۔

حدّ کا مطلب: حدود تو اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں۔ دیکھو تہمت زنا لگانے کی سزا شرعاً اسّی کوڑے مقرر ہے اور تہمت کفر تہمت زنا سے زیادہ سخت ہے مگر اس کی کوئی سزا شرعاً مقرر نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کو زنا سے زیادہ سخت قرار دیا ہے، اور فرمایا ہے غیبت، زنا سے زیادہ سخت ہے۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان، عن ابی سعید وجابر۔ (اس کے باوجود غیبت کی کوئی شرعی سزا مقرر نہیں۔)

وہ عورتیں جن سے نکاح حلال نہیں:

جن عورتوں سے نکاح حلال نہیں ان سے مراد وہ عورتیں ہیں جن سے نکاح کی حرمت دوامی ہو کبھی ان سے نکاح حلال نہ ہو خواہ نسبی قرابت دار ہوں یا رضاعی یا سسرالی رشتہ دار ہوں (مثلاً ماں، دادی، نانی تمام اصول اور بیٹی پوتی نواسی تمام فروع اسی طرح تمام رضاعی محرمات یعنی رضاعی ماں کے تمام اصول وفروع وغیرہ اور منکوحہ موطوءہ بیوی کے تمام اصول وفروع وغیرہ) لیکن اگر صحت نکاح اختلافی ہو۔ جیسے بلا گواہوں کے نکاح تو ان سے نکاح حد زنا کو ساقط کر دیتا ہے۔

مسئلہ: اگر چار مردوں نے الگ الگ (متفرق اوقات یا متعدد مجالس میں) شہادت دی تو امام شافعی کے نزدیک ثبوت زنا ہو جائے گا اور حد زنا جاری کر دی جائے گی۔ دوسرے تینوں اماموں کے نزدیک زنا کا ثبوت نہ ہوگا اور شاہدوں کو تہمت زنا لگانے والا قرار دیا جائے گا کیونکہ ابتداء میں ایک گواہ یا دو گواہ یا تین گواہ پیش ہوئے تھے اس وقت نصاب شہادت پورا نہ تھا اور شہادت واجب الرد ہو گئی اور جب قلت تعداد کی وجہ سے ان کی شہادت رد کر دی گئی تو دوبارہ صرف اس وجہ سے کہ چوتھا شاہد بھی آ گیا اور اس نے شہادت دیدی رد شدہ شہادتوں کو قبول نہیں کیا جا سکتا پہلی شہادتوں کا اعتبار تو ختم ہو گیا اگر گواہ آئے تو الگ الگ پھر شہادت دینے کے وقت سب جمع ہو گئے اور سب نے ساتھ شہادت دی تو امام احمد کے نزدیک ایسی شہادت قبول کر لی جائے گی لیکن امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک چاروں گواہوں کا ساتھ آنا اور ساتھ ساتھ شہادت دینا ضروری ہے اس لئے الگ الگ آنے والے لوگوں کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی گو شہادت کے وقت سب کا اجتماع ہو جائے۔

مسئلہ: کیا اقرار کی صورت میں متعدد بار اقرار ضروری ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام احمد اور اکثر علماء کے نزدیک اقرار کا تعدد لازم ہے۔ عاقل بالغ شخص (ثبوت شہادت نہ ہونے کی صورت میں) اگر خود چار مرتبہ اقرار کرے گا تو ثبوت زنا ہو جائے گا اس تعداد سے کم اقرار کافی نہیں ہے۔ پھر امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک ہی مجلس میں چار بار اقرار کرنا بھی کافی نہیں ہے ہر اقرار کی مجلس بھی الگ ہونی چاہئے ثبوت زنا میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

امام احمد، اسحاق بن راہویہ اور مصنف میں ابن ابی شیبہ نے حضرت ابوبکر کی

روایت سے بیان کیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا کہ ماعزؓ نے حاضر ہوکر ایک بار زنا کا اقرار کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رد کر دیا، ماعزؓ پھر آئے اور آ کر دوبارہ اقرار کیا آپ نے پھر بھی لوٹا دیا وہ پھر آئے اور تیسری بار اقرار کیا۔ میں نے ماعزؓ سے کہا اب اگر چوتھی بار تم نے اقرار کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم کو سنگسار کر دیں گے مگر ماعزؓ نے چوتھی بار بھی اقرار کیا، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قید کر دیا، اور اس کے متعلق (قبیلہ والوں سے) دریافت کیا (کہ یہ کیسا آدمی ہے اس کو جنون تو نہیں ہے) سب نے کہا ہم کو تو (اس کے اندر) بھلائی ہی معلوم ہے آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنگسار کرا دیا۔

اس حدیث سے بھی صراحۃً معلوم ہو رہا ہے کہ ماعزؓ متعدد مرتبہ آئے تھے۔ اور تعدد آمد بغیر غائب ہوئے ممکن نہیں اسی لئے حنفیہ قائل ہیں کہ اگر غائب ہوکر پھر لوٹ آئے تو یہ دوسری مجلس مانی جائے گی۔

مسئلہ: حاکم کے لئے مستحب ہے کہ اقرار زنا کرنے والے کو پردے پردے میں اقرار سے لوٹ جانے کی تعلیم دے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعزؓ سے فرمایا، شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا، شاید تو نے چھو لیا ہوگا۔

مسئلہ: چار مرتبہ اقرار کرنے کے بعد حد جاری ہونے سے پہلے یا حد جاری ہونے کے بعد اقرار سے لوٹ جائے تو تینوں اماموں کے نزدیک اس کا رجوع قبول کیا جائے گا اور حد ساقط ہو جائے گی۔

ابوداؤد نے حضرت یزید بن نعیم کی روایت سے حضرت ماعزؓ کے قصہ کی جو تفصیل بیان کی ہے اس میں راوی کا یہ قول بھی منقول ہے کہ پتھر لگنے سے ماعزؓ کو جب چوٹ کی تکلیف محسوس ہوئی تو وہ تیزی کے ساتھ بھاگ نکلے۔ سب مارنے والے لوگ پکڑ نہ سکے صرف عبداللہ بن انیس نے ماعزؓ کو جالیا اور اونٹ کے پاؤں کی ہڈی ماعزؓ کے پھینک ماری جس سے وہ ختم ہو گئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ واقعہ بیان کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگوں نے اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا۔ شاید وہ توبہ کر لیتا اور اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا (اور گناہ معاف فرما دیتا) ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے حضرت ماعزؓ کا جو قصہ بیان کیا ہے وہ اسی جیسا ہے۔

مریض پر حد جاری کرنا:

اگر مریض زنا کرلے اور رجم کا مستحق ہو جائے تو اس کو سنگسار کر دیا جائے گا۔ بیماری کا عذر مانع نہ ہوگا کیونکہ رجم کا مقصد ہی ہلاک کر دینا ہے لیکن اگر زانی مریض سزائے تازیانہ کا مستحق ہو تو صحت یاب ہونے تک سزا کو ملتوی رکھا جائے گا تاکہ سزا موجب ہلاکت نہ ہو جائے۔ اگر زانی مریض ایسے مرض میں مبتلا ہو جس سے صحت یاب ہونے کی امید ہی نہ ہو مثلاً سل کے مرض میں مبتلا ہو یا پیدائشی طور پر ضعیف ہو تو امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک ایک ایسا گچھا جس میں سو ٹہنیاں ہوں لیکر ایک مرتبہ اس گچھے سے اس کو اس طرح مار دیا جائے کہ ہر ٹہنی اس کے بدن پر پڑ جائے۔ جیسا کہ بغوی نے شرح السنۃ میں اور ابن ماجہ نے حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف کی وساطت سے حسب روایت سعید بن عبادہ بیان کیا ہے کہ ہماری باندیوں میں ایک مرد رہتا تھا جو پیدائشی طور پر بہت کمزور تھا ایک روز دیکھتے کیا ہیں کہ وہ ایک باندی پر پڑا ہوا فعل گناہ میں مشغول ہے۔ حضرت سعد بن عبادہ نے اس کا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے سو کوڑے مارو۔ حضرت سعد نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، وہ تو بہت ہی کمزور ہے اگر ہم اس کے سو کوڑے ماریں گے تو وہ یقیناً مر جائے گا فرمایا، تو ایک گچھا جس میں سو ٹہنیاں ہوں ایک بار اس کے مارو اور پھر اس کو نکال دو۔ ابوداؤد نے یہ حدیث حضرت ابوامامہ بن سہل کی روایت سے ایک انصاری کے حوالہ سے بیان کی ہے اور نسائی نے بروایت ابوامامہ بن سہل عن ابیہ (یعنی سہل کی وساطت سے) اور طبرانی نے بروایت ابوامامہ بحوالہ ابوسعید خدری بیان کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے یہ تمام طرق روایت محفوظ ہیں گویا ابوامامہ نے صحابہ کی ایک جماعت کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے اور بیہقی نے اس کو ابوامامہ سے مرسلاً بیان کیا ہے۔

حاملہ عورت پر حد:

حاملہ عورت کو زنا کی سزا میں وضع حمل سے پہلے حد زنا نہیں ماری جائے گی تاکہ پیٹ کا بچہ ہلاک نہ ہو جائے اگر وہ سزائے تازیانہ کی مستحق ہو تو نفاس سے فراغت سے پہلے اس کو کوڑے نہ مارے جائیں۔ حضرت علی نے ارشاد فرمایا تھا لوگو اپنے باندی غلاموں پر حد شرعی جاری کرو۔ شادی شدہ ہو یا نا کتخدا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک باندی نے جب زنا کیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اس کے کوڑے ماروں لیکن نفاس شروع ہوئے اس کو تھوڑا ہی زمانہ گذرا تھا مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں اس کے کوڑے ماروں گا تو یہ مر جائے گی۔ میں نے اس کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ فرمایا تم نے خوب کیا، رواہ مسلم۔ ابوداؤد کی روایت اس طرح ہے اس وقت تک باندی کو رہنے دو کہ اس کا خون بند ہو جائے پھر اس پر حد جاری کرنا اور اپنے باندی غلاموں پر حد زنا قائم کرتے رہنا۔

اور اگر نفاس میں مبتلا عورت کی سزا رجم ہو تو اس کو سنگسار کر دیا جائے گا کیونکہ بچہ پیدا ہو چکا اور وہ رجم کی مستحق ہے اس کو تو مرنا ہی ہے۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا، عورت کو رجم کرنے میں اتنی مدت کی تاخیر کی جائے گی کہ بچہ کو اس کی ضرورت نہ رہے۔

روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غامدیہ سے فرمایا جا اور اس وقت تک انتظار کر کہ بچہ پیدا ہو جائے جب بچہ پیدا ہو گیا اور وہ عورت

پھر آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جا اور بچہ کو دودھ پلاتی رہ جب دودھ چھڑادے تو آنا جب غامدیہ نے (مدت پوری کرکے) دودھ چھڑادیا تو بچہ کو لے کر آئی بچہ کے ہاتھ میں روٹی کی کرچ تھی، عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ اب میں نے اس کا دودھ چھڑادیا اور یہ کھانا کھانے لگا ہے حضور نے وہ بچہ ایک مسلمان کے سپرد کردیا (تاکہ وہ پرورش کرتا رہے) اس کے بعد ایک گڑھا کھدوا کر جس کی گہرائی عورت کے سینہ تک تھی لوگوں کو حکم دیا کہ اس کو سنگسار کردو۔ سب نے سنگسار کردیا۔

مسئلہ: آیت فاجلدوا میں حاکموں کو خطاب ہے اسی لئے امام ابوحنیفہ کے نزدیک کوئی آقا، حاکم کی اجازت کے بغیر اپنے باندی غلام پر حد جاری نہیں کرسکتا، امام شافعی، امام احمد اور امام مالک کا قول اس کے خلاف ہے ایک روایت میں امام مالک کے نزدیک باندی پر اس کا آقا اجازت حاکم کے بغیر حد جاری کرسکتا ہے ہاں اگر باندی کسی کی منکوحہ ہو تو خود حد جاری نہیں کرسکتا۔

نووی (شافعی) نے کہا صحیح تر یہ بات ہے کہ (بغیر اجازت حاکم کے) اقامت حدود کا حکم عام ہے کیونکہ حدیث کے الفاظ میں اطلاق ہے (ہر حد کی اقامت کا حکم مسلمانوں کو دیا گیا ہے) تہذیب میں ہے کہ قطع دست اور قتل کرادینے کا اختیار صرف حاکم کو ہے یہی صحیح ترین قول ہے۔

امام شافعی نے بحوالہ امام مالک بروایت نافع بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کے ایک غلام نے چوری کی، حضرت عبداللہ نے سعید بن عاص حاکم مدینہ کے پاس ہاتھ کاٹنے کے لئے بھیج دیا۔ سعید نے غلام کا ہاتھ کاٹنے سے انکار کردیا اور کہا غلام کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگر اس نے چوری کی ہو۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا آپ نے کس کتاب میں پڑھا ہے، پھر آپ نے خود حکم دیدیا اور اس غلام کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

امام ابوحنیفہ نے اپنے مسلک کے استدلال میں اصحاب السنن کی اس روایت کو پیش کیا جو انہوں نے اپنی کتابوں میں موقوفاً و مرفوعاً لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر نے چار چیزوں کو حاکموں کے اختیار میں دیا ہے۔ حدود، زکوٰۃ (کی وصولی اور تقسیم) صلوٰۃ جمعہ اور مال فے (یعنی مال غنیمت کو جمع کرنا اور تقسیم کرنا)۔ (تفسیر مظہری اردو جلد ہشتم)

زناء کی تباہ کاریاں:

باقی جرائم کی سزا کو اس طرح متعین نہیں کیا گیا بلکہ امیر یا قاضی مجرم کی حالت اور جرم کی حیثیت اور ماحول وغیرہ کے مجموعہ پر نظر کر کے جس قدر سزا دینے کو انسداد جرم کے لئے کافی سمجھے وہ سزا دے سکتا ہے ایسی سزاؤں کو شریعت کی اصطلاح میں تعزیرات کہا جاتا ہے۔

جس قوم میں زنا عام ہو جائے وہاں کسی کا نسب محفوظ نہیں رہتا۔ ماں بہن بیٹی وغیرہ جن سے نکاح حرام ہے جب یہ رشتے ہی غائب ہو گئے تو اپنی بیٹی اور بہن بھی نکاح میں آسکتی ہے جو زنا سے بھی زیادہ اشد جرم ہے۔

فعل زنا ایک ایسی بے حیائی ہے جس کا صدور عورت کی طرف سے ہونا انتہائی بیباکی اور بے پروائی سے ہوسکتا ہے کیونکہ قدرت نے اس کے مزاج میں فطری طور پر ایک حیاء اور اپنی عفت کی حفاظت کا جذبہ قویہ ودیعت فرمایا ہے اور اسکی حفاظت کے لئے بڑے سامان جمع فرمائے ہیں اُس کی طرف سے اس فعل کا صدور بہ نسبت مرد کے زیادہ اشد ہے۔

نکتہ: فاجلدوا لفظ جلد کوڑا مارنے کے معنے میں آتا ہے وہ جلد سے مشتق ہے کیونکہ کوڑا عموماً چمڑے سے بنایا جاتا ہے۔ بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ لفظ جلد سے تعبیر کرنے میں اسطرف اشارہ ہے کہ یہ کوڑوں یا دُرّوں کی ضرب اس حد تک رہنی چاہئے کہ اسکا اثر انسان کی کھال تک رہے۔

جس جرم کی سزا سخت ہے اسکے ثبوت کی شرائط بھی سخت ہیں:

زنا کی سزا اسلام میں سب جرائم کی سزاؤں سے زیادہ سخت ہے اس کے ساتھ اسلامی قانون میں اُس کے ثبوت کے لئے شرائط بھی بہت سخت رکھی گئی ہیں جن میں ذرا بھی کمی رہے یا شبہ پیدا ہو جائے تو زنا کی انتہائی سزا جس کو حد کہا جاتا ہے وہ معاف ہو جاتی ہے صرف تعزیری سزا بقدر جرم باقی رہ جاتی ہے۔ تمام معاملات میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ثبوت کے لئے کافی ہو جاتی ہے مگر حد زنا جاری کرنے کے لئے چار مرد گواہوں کی عینی شہادت جس میں کوئی التباس نہ ہو شرط ضروری ہے جیسا کہ سورۂ نساء کی آیت میں گزر چکا ہے۔ دوسری احتیاط اور شدت اس شہادت میں یہ ہے کہ اگر شہادت زنا کی کوئی شرط مفقود ہونے کی بنا پر شہادت رد کی گئی تو پھر شہادت دینے والوں کی خیر نہیں، اُن پر قذف یعنی زنا کی جھوٹی تہمت کا جُرم قائم ہو کر حد قذف اَسّی کوڑے لگائے جانے کی صورت میں جاری کی جاتی ہے اس لئے ذرا سا شبہ ہونے کی صورت میں کوئی شخص اس کی شہادت پر اقدام نہیں کرسکتا۔ البتہ جس صورت میں صریح زنا کا ثبوت نہ ہو مگر شہادت سے دو مرد و عورت کا غیر مشروع حالت میں دیکھنا ثابت ہو جائے تو قاضی اُن کے جرم کی حیثیت کے مطابق تعزیری سزا کوڑے لگانے وغیرہ کی جاری کرسکتا ہے سزائے زنا اور اس کی شرائط وغیرہ کے مفصل احکام کتب فقہ میں مذکور ہیں وہاں دیکھے جاسکتے ہیں۔ (معارف القرآن جلد ششم)

آیت رجم جس کی تلاوت منسوخ ہوگئی:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس خطبہ میں جس آیت رجم کا ذکر فرمایا وہ پوری آیت اس طرح ہے: الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموهما البتة نكالا من الله والله عزيز حكيم. (اخرجہ النسائی وصححہ الحاکم)

(ترجمہ) شادی شدہ مرد یا عورت جب (دیکھو فتح الباری ص ۱۲۷ ج ۱۲) زنا کریں تو ان دونوں کو رجم یعنی سنگسار کر ڈالو قطعی طور پر اور یہ رجم کا حکم اللہ کی طرف سے بطور عبرت ہے تا کہ اس عبرتناک سزا کو دیکھ کر لوگ زنا سے باز آجائیں اور اللہ غالب ہے اور حکمت والا ہے۔ (معارف کاندھلویؒ)

وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ

اور نہ آوے تم کو اُن پر ترس اللہ کے حکم چلانے میں

اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

اگر تم یقین رکھتے ہو اللہ پر اور پچھلے دن پر

احکام الٰہی جاری کرنے میں کوئی چیز مانع نہ بننے دو:

یعنی اگر اللہ پر یقین رکھتے ہو تو اس کے احکام و حدود جاری کرنے میں کچھ پس و پیش نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ مجرم پر ترس کھا کر سزا بالکل روک لو یا اس میں کمی کرنے لگو یا سزا دینے کی ایسی ہلکی اور غیر مؤثر طرز اختیار کرو کہ سزا سزا نہ رہے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ حکیم مطلق اور تم سے زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے اس کا کوئی حکم سخت ہو یا نرم مجموعۂ عالم کے حق میں حکمت و رحمت سے خالی نہیں ہوسکتا۔ اگر تم اُس کے احکام و حدود کے اجراء میں کوتاہی کرو گے تو آخرت کے دن تمہاری پکڑ ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

اگر فاطمہ بنت محمد ہوتی تو اس کا ہاتھ کاٹ دیتا:

صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی قریش کے لئے اس معاملہ نے بڑی پریشان کن حیثیت اختیار کرلی انہوں نے مشورہ کیا کہ کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی سفارش کردیتا، سب نے کہا سوائے اسامہ بن زید کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں اور کوئی اس کی جرأت نہیں کرسکتا۔ چنانچہ حضرت اسامہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلے میں گذارش کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تم اللہ کی قائم کردہ حد کے متعلق سفارش کررہے ہو۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (منبر پر) کھڑے ہوکر ایک خطبہ دیا اور فرمایا تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے تباہ کردیئے گئے کہ جب ان میں کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تھا تو اس پر حد جاری کرتے تھے۔ خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد نے بھی چوری کی ہوتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

حدود میں نرمی نہ کرو:

اہل تفسیر نے آیت کی تشریح اس طرح کی ہے کہ تم کو اللہ کے دین میں کوئی نرمی نہ پکڑ لے کہ ہلکی مار مارو۔ ایسا نہ کرو بلکہ دردناک مار مارو۔ سعید بن مسیب اور حسن نے یہی تفسیر کی ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا، زنا کی حد تو سختی سے جاری کی جائے پھر اس سے کم سختی شراب کی حد مارنے میں کی جائے اور تہمت زنا کی سزا میں اور بھی خفت سے کام لیا جائے۔ کیونکہ ممکن ہے تہمت زنا لگانے والا واقع میں سچا ہو (لیکن اپنے قول کو شہادت سے ثابت نہ کرسکا ہو) اور شراب پینے کی حد میں غلطی کا احتمال نہیں ہوسکتا اور زنا کا جرم شراب خوری سے بڑا ہے (اس لئے اس کی سزا کو جاری کرنے میں بہت زیادہ سختی سے کام لینا چاہئے) قتادہ کا قول ہے کہ شراب خوری اور تہمت زنا کی سزا میں خفت برتی جائے۔ زنا کی سزا جاری کرنے میں سختی سے کام لیا جائے۔ زہری نے کہا جرم زنا اور تہمت زنا کی سزا دینے میں خفت اختیار کی جائے کیونکہ ان کی سزائیں کتاب اللہ میں مذکور ہیں اور شراب کی سزا میں خفت اختیار کی جائے شراب کی سزا صرف حدیث میں آئی ہے قرآن مجید سے ثابت نہیں ہے۔

حد سے آگے بھی نہ بڑھو:

بغوی کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کی ایک باندی نے زنا کیا آپ نے اس کے کوڑے لگوائے اور کوڑے مارنے والے سے فرمایا، اس کی پیٹھ اور ٹانگوں پر کوڑے مارنا، آپ کے ایک بیٹے نے کہا لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ (اللہ کا حکم ہے) حضرت عبداللہ نے فرمایا بیٹے! اللہ نے مجھے یہ حکم نہیں دیا کہ میں اس کو قتل کردوں۔ میں نے (کوڑے) ماردیئے اور درد پہنچا دیا۔ (اتنا ہی کافی ہے) (تفسیر مظہری)

وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اور دیکھیں ان کا مارنا کچھ لوگ مسلمان

سزا برسر عام ہو:

یعنی سزا تنہائی میں نہیں۔ مسلمانوں کے مجمع میں دینی چاہئے کیونکہ اُس رسوائی میں سزا کی تکمیل و تشہیر اور دیکھنے سننے والوں کے لئے سامان عبرت ہے۔ اور شاید یہ بھی غرض ہو کہ دیکھنے والے مسلمان اُس کی حالت پر رحم کھا کر عفو و مغفرت کی دعاء کریں گے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

برسر عام سزا کی حکمت:

فواحش اور بے حیائی کی روک تھام کیلئے اسلام نے دُور دُور تک پہرے بٹھائے ہیں عورتوں پر پردہ لازم کردیا گیا۔ مردوں کو نظر نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا۔ زیور کی آواز یا عورت کے گانے کی آواز کو ممنوع قرار دیا گیا کہ وہ بے حیائی کے لئے محرک ہیں اس کے ساتھ ہی جس شخص سے ان معاملات میں کوتاہی دیکھ لی جائے اس کو خلوت میں تو سمجھانے کا حکم ہے مگر اس کو رسوا

کرنے کی اجازت نہیں۔ لیکن جو شخص ان تمام شرعی احتیاطوں کو توڑ کر اس درجہ میں پہنچ گیا کہ اس کا جرم شرعی شہادت سے ثابت ہوگیا تو اب اس کی پردہ پوشی دوسرے لوگوں کی جرأت بڑھانے کا موجب ہوسکتی ہے۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً وَّالزَّانِیَۃُ
بدکار مرد نہیں نکاح کرتا مگر عورت بدکار سے یا شرک والی سے اور بدکار عورت سے
لَا یَنْکِحُھَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ
نکاح نہیں کرتا مگر بدکار مرد یا مشرک

زانی کی طبیعت کا تجزیہ:

زنا کی سزا ذکر کرنے کے بعد اس فعل کی غایت شناعت بیان فرماتے ہیں یعنی جو مرد یا عورت اس عادت شنیع میں مبتلا ہیں حقیقت میں وہ اس لائق نہیں رہتے کہ کسی عفیف مسلمان سے اُن کا تعلق ازدواج و ہمبستری قائم کیا جائے اُن کی پلید طبیعت اور میلان کے مناسب تو یہ ہے کہ ایسے ہی کسی بدکار و تباہ حال مرد و عورت سے یا ان سے بھی بدتر کسی مشرک و مشرکہ سے اُن کا تعلق ہو۔ کما قال تعالیٰ اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ (سورۂ نور)۔

کند ہمجنس باہمجنس پرواز، کبوتر باکبوتر باز باباز

اُن کی حرکت کا اصلی اقتضاء تو یہ ہی تھا۔ اب یہ جُدا گانہ امر ہے کہ حق تعالیٰ نے دوسری مصالح و حکم کی بنا پر کسی نام نہاد مسلمان کا مشرک و مشرکہ سے عقد جائز نہیں رکھا۔ یا مثلاً بدکار مرد کا پاکباز عورت سے نکاح ہو جائے تو بالکل باطل نہیں ٹھہرایا۔ (تنبیہ) آیت کی جو تقریر ہم نے کی وہ بالکل سہل اور بے تکلف ہے اس میں "لاینکح" کے معنی وہ لئے گئے جو "السلطان لایکذب" وغیرہ محاورات میں لئے جاتے ہیں یعنی نفی لیاقت فعل کو نفی فعل کی حیثیت دے دی گئی۔ فافہم واستقم۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: ترمذی شریف میں ہے کہ ایک صحابی جن کا نام مرثد بن ابو مرثد تھا یہ مکہ سے مسلمان قیدیوں کو اٹھا لایا کرتے تھے اور مدینے پہنچا دیا کرتے تھے۔ عناق نامی ایک بدکار عورت مکہ میں رہا کرتی تھی۔ جاہلیت کے زمانہ میں ان کا اس عورت سے تعلق تھا۔ حضرت مرثد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایک قیدی کو لانے کیلئے مکہ تشریف گیا۔ ایک باغ کی دیوار کے نیچے میں پہنچ گیا۔ رات کا وقت تھا چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ اتفاق سے عناق آ پہنچی اور مجھے دیکھ لیا بلکہ پہچان بھی لیا اور آواز دیکر کہا کیا مرثد ہے؟ میں نے کہا ہاں مرثد ہوں۔ اس نے بڑی خوشی ظاہر کی اور مجھ سے کہنے لگی چلو رات میرے ہاں گزارنا۔ میں نے کہا عناق اللہ تعالیٰ نے زنا کاری حرام کردی ہے۔ جب وہ مایوس ہوگئی تو اس نے مجھے پکڑ وانے کے لئے غل مچانا شروع کیا کہ اے خیمے والو ہوشیار ہو جاؤ دیکھو چور آ گیا ہے۔ یہی ہے جو تمہارے قیدیوں کو چرایا کرتا ہے۔ لوگوں میں جاگ ہوگئی اور آٹھ آدمی میرے پکڑنے کو میرے پیچھے دوڑے میں مٹھیاں بند کر کے خندق کے راستے بھاگا اور ایک غار میں جا چھپا۔ یہ لوگ میرے پیچھے ہی پیچھے غار پر آ پہنچے لیکن میں انہیں نہ ملا۔ یہ وہیں پیشاب کرنے کو بیٹھے واللہ ان کا پیشاب میرے سر پر آ رہا تھا۔ لیکن اللہ نے انہیں اندھا کر دیا۔ انکی نگاہیں مجھ پر نہ پڑیں ادھر اُدھر ڈھونڈ ھ بھال کر واپس چلے گئے۔ میں نے کچھ دیر گزار کر جب یہ یقین کر لیا کہ وہ پھر سو گئے ہوں گے تو یہاں سے نکلا پھر مکہ کی راہ لی اور وہیں پہنچ کر اس مسلمان قیدی کو اپنی کمر پر چڑھایا اور وہاں سے لے بھاگا۔ چونکہ وہ بھاری بدن کے تھے میں جب اذخر میں پہنچا تو تھک گیا میں نے انہیں کمر سے اتار کر ان کے بندھن کھول دیئے اور آزاد کر دیا۔ اب اٹھاتا چلاتا مدینے پہنچ گیا۔ چونکہ عناق کی محبت میرے دل میں تھی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ میں اس سے نکاح کرلوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو رہے۔ میں نے دوبارہ یہی سوال کیا پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور یہ آیت اُتری۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے مرثد! زانیہ سے نکاح زانی یا مشرک ہی کرتا ہے تُو اس سے نکاح کا ارادہ چھوڑ دے۔

نسائی نے حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک عورت تھی جس کو ام مہزول کہا جاتا تھا وہ بدکار پیشہ ور عورت تھی کسی صحابی نے اس سے نکاح کرنا چاہا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

زانیہ سے زانی کا نکاح جائز ہے:

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے زنا کے سلسلہ میں ایک مرد اور ایک عورت کو پٹوایا اور ان کو ترغیب دی کہ دونوں میں نکاح ہو جائے لیکن اس مرد نے انکار کر دیا (معلوم ہوا کہ زانیہ سے زانی کا نکاح جائز ہے) طبرانی اور دار قطنی نے بیان کیا کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا کرے اور پھر اس سے نکاح کرلینا چاہے تو کیا حکم ہے، فرمایا حرام حلال کو حرام نہیں بنا دیتا۔ عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ نے اپنی اپنی مصنف میں بیان کیا ہے کہ کسی نے حضرت ابن عباس سے پوچھا اگر کسی نے کسی عورت سے زنا کیا ہو پھر نکاح کرلینا چاہتا ہو تو کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا اس کا آغاز زنا ہے اور انجام نکاح۔ (تفسیر مظہری)

مذکورہ تفسیر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس آیت میں زانی اور زانیہ سے مُراد وہ ہیں جو زنا سے توبہ نہ کریں اور اپنی اس بُری عادت پر قائم رہیں۔ اور اگر

ان میں سے کوئی مرد خانہ داری یا اولاد کی مصلحت سے کسی پاکدامن شریف عورت سے نکاح کر لے یا ایسی عورت کسی نیک مرد سے نکاح کر لے تو اس آیت سے اس نکاح کی نفی لازم نہیں آتی۔ یہ نکاح شرعاً درست ہو جائے گا۔

جمہور فقہاء امت امام اعظم ابوحنیفہ، مالک، شافعی وغیرہ رحمھم اللہ کا یہی مذہب ہے اور صحابہ کرام سے ایسے نکاح کرانے کے واقعات ثابت ہیں تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباس کا بھی یہی فتویٰ نقل کیا ہے۔

وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۳
اور یہ حرام ہوا ہے ایمان والوں پر

مومنین کیلئے زنا اور زانیہ سے نکاح حرام ہے:

یعنی زنا مومنین پر حرام ہے۔ ایک مومن مومن رہتے ہوئے یہ حرکت کیسے کرے گا۔ حدیث میں ہے "لَا یَزْنِی الزَّانِی حِیْنَ یَزْنِی وَھُوَ مُؤمِنٌ" یا یہ مطلب ہو کہ زانیہ سے نکاح کرنا اُن پاکباز مردوں پر حرام کر دیا گیا ہے جو صحیح اور حقیقی معنوں میں مومنین کہلانے کے مستحق ہیں یعنی تکوینی طور پر اُن کے پاک نفوس کو ایسی گندی جگہ کی طرف مائل ہونے سے روک دیا گیا ہے۔ اس وقت "حُرِّمَ" کے معنی وہ ہوں گے جو وَحَرَّمْنَا عَلَیْہِ الْمَرَاضِعَ میں یا "وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَا" میں لئے گئے ہیں۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

حرام نکاح اور حرام فعل:

کسی مشرک عورت سے یا جو عورتیں ہمیشہ کے لئے حرام ہیں ان میں سے کسی سے نکاح کر لیا تو یہ گناہ عظیم بھی ہے اور ایسا نکاح شرعاً کالعدم ہے زنا میں اور اس میں کوئی فرق نہیں۔ دوسرے یہ کہ فعل حرام ہے یعنی گناہ موجب سزا ہے مگر دنیا میں اس فعل کے کچھ ثمرات رہتے ہیں معاملہ صحیح ہو جاتا ہے جیسے کسی عورت کو دھوکہ دے کر یا اغوا کر کے لے آیا پھر شرعی قاعدے کے مطابق دو گواہوں کے سامنے اس کی مرضی سے نکاح کر لیا تو یہ فعل تو ناجائز و حرام تھا مگر نکاح صحیح ہو گیا اولاد ثابت النسب ہو گی اسی طرح زانیہ اور زانی کا نکاح جبکہ اُن کا مقصود اصلی زنا ہی ہو نکاح محض کسی دنیوی مصلحت سے کرتے ہوں اور زنا سے توبہ نہیں کرتے ایسا نکاح حرام ہے مگر دنیوی احکام میں باطل کالعدم نہیں۔ نکاح کے ثمرات شرعیہ نفقہ، مہر، ثبوت نسب اور میراث سب جاری ہوں گے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ
اور جو لوگ عیب لگاتے ہیں حفاظت والیوں کو
ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ
پھر نہ لائے چار مرد شاہد

پاکدامن عورت پر زناء کی تہمت لگانا:

یعنی ایسی پاکدامن عورتوں کو زنا کی تہمت لگائیں جن کا بدکار ہونا کسی دلیل یا قرینہ شرعیہ سے ثابت نہیں۔ اُس کی سزا بیان فرماتے ہیں اور یہی حکم پاکباز مردوں پر تہمت لگانے کا ہے۔ چونکہ یہ آیات ایک عورت کے قصہ میں نازل ہوئیں اس لئے اُن ہی کا ذکر فرمایا۔ اگر چار گواہ پیش کر دیے اور اُن کی شہادت بقاعدہ شریعت پوری اُتری تو مقذوف یا مقذوفہ پر حد زنا جاری کی جائے گی۔ (تفسیر عثانی)

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ اور جو لوگ پاک دامن عورتوں کو تہمت زنا لگاتے ہیں۔ یعنی صراحۃً لفظ زنا کی کسی پاک دامن عورت کی طرف نسبت کرتے ہیں مثلاً کوئی یوں کہتا ہے تو نے زنا کیا یا کہتا ہے اے زانیہ۔ یرمون کی یہ تفسیر تمام علمائے تفسیر و فقہ کے نزدیک مسلمہ ہے کیونکہ چار شہادتیں پیش کرنے کی شرط آیت میں صراحۃً مذکور ہے (اور یہ شرط صرف زنا ہی کے ثبوت کی ہے) اب کسی شخص نے کسی پر کسی دوسرے گناہ کی تہمت لگائی تو باجماع علماء حد قذف (تہمت زنا لگانے کی سزا) اس پر لازم نہ ہوگی۔ بلکہ حاکم حسب صوابدید اس کو تعزیر کر سکتا ہے۔ اس طرح اگر صراحۃً زنا کی تہمت نہیں لگائی بلکہ پردے پردے میں تعریضاً کسی کی طرف زنا کی نسبت کی (مثلاً یوں کہا، میں تو زانی نہیں۔ مطلب یہ کہ تم زانی ہو) تو امام ابوحنیفہ امام شافعی، امام احمد، سفیان ثوری، ابن سیرین اور حسن بن صلاح کے نزدیک حد قذف جاری نہیں کی جائے گی۔

محصنات کا مطلب:

باجماع علماء احصان سے اس جگہ مراد یہ ہے کہ آزاد ہو بالغ ہو عاقل ہو مسلمان ہو پاکدامن ہو اس سے پہلے متہم بالزنا نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا من اشرک باللّٰہ فلیس بمحصن (جس نے کسی کو اللہ کے ساتھ عبادت میں ساجھی بنایا وہ محصن نہیں ہے) اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔

اگر کسی نے اپنی عمر میں کبھی جرم زنا کا ارتکاب کیا ہو پھر توبہ کر لی ہو اور اس کی حالت درست ہو گئی ہو اور درستی پر ایک مدت گزر گئی ہو پھر اس کی طرف مجرم زنا ہونے کی کوئی نسبت کرے تو تہمت لگانے والے پر حد قذف جاری نہیں کی جائے گی کیونکہ زنا کی نسبت کرنے والا اپنے قول میں سچا ہوتا ہے البتہ اس کو تعزیر کی جائے گی کیونکہ جس شخص نے توبہ کر لی ہے اس کی طرف اس نے گذشتہ گناہ کی نسبت کی حالانکہ گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کسی باندی غلام یا بچے یا پاگل کی طرف زنا کی نسبت کرنے والا بھی حد قذف کا مستوجب نہیں ہوتا۔ داؤد کے متعلق روایت میں آیا ہے کہ ان کے نزدیک باندی غلام پر تہمت زنا لگانے والے پر

حد قذف جاری کی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عائشہؓ کی فضیلت:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مائی صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ان کے آخری وقت آئے تو فرمانے لگے اُم المومنین! آپ خوش ہو جایئے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ رہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم محبت سے پیش آتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے سوا کسی اور باکرہ سے نکاح نہیں کیا اور آپ کی براءت آسمان سے نازل ہوئی۔

مؤمنوں والا کلمہ:

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ اور حضرت زینبؓ اپنے اوصاف حمیدہ کا ذکر کرنے لگیں تو حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میرا نکاح آسمان سے اترا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میری پاکیزگی کی شہادت قرآن کریم میں آسمان سے اتری جب کہ صفوان بن معطلؓ مجھے اپنی سواری پر بٹھا لائے تھے۔ حضرت زینبؓ نے پوچھا یہ تو بتلاؤ جب تم اس اونٹ پر سوار ہوئی تھیں تو تم نے کیا کلمات کہے تھے؟ آپ نے فرمایا حسبی اللہ ونعم الوکیل اس پر وہ بول اٹھیں کہ تم نے مؤمنوں کا کلمہ کہا تھا۔ پھر فرمایا جس جس نے پاک دامن صدیقہؓ پر تہمت لگائی ہے ہر ایک کو بڑا عذاب ہوگا اور جس نے اس کی ابتدا اٹھائی ہے جو اسے ادھر اُدھر پھیلاتا رہا ہے اس کے لئے سخت تر عذاب ہیں۔ اس سے مراد عبداللہ بن ابی بن سلول ملعون ہے۔ ٹھیک قول یہی ہے۔

ثبوت تہمت کی شرائط:

ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ پھر نہ لائے چار مرد گواہ، یعنی متہم بالزنا نے اگر زنا کا انکار کیا ہو اور تہمت زنا لگانے والا چار گواہ نہ پیش کر سکا ہو تو تہمت لگانے والے کے کوڑے مارو اور اگر چار گواہ زنا کے پیش کر دے تو اب قذف کرنے والا سبکدوش ہو جائے گا اس کے اوپر حد قذف جاری نہیں کی جائے گی (بلکہ ثبوت زنا مکمل ہو جانے کی وجہ سے زانی کو کوڑے مارے جائیں گے) اگر چار گواہ زنا کے تو پیش کر دیئے لیکن مختلف اوقات میں متفرق طور پر پیش کیے اور سب گواہ مجتمع ہو کر نہیں آئے تو زنا کا ثبوت نہ ہوگا اور جس پر تہمت لگائی گئی ہے اس پر حد زنا جاری نہ ہوگی، امام ابو حنیفہ کا یہی مسلک ہے۔ لیکن تہمت لگانے والا بھی مستحق سزا نہیں رہے گا وہ بھی حد قذف سے محفوظ ہو جائے گا۔ کیونکہ زنا کی شہادت کی تعداد تو بہر حال موجود ہے۔ گواہوں کے ساتھ ساتھ آنے کی شرط محض احتیاطاً لگائی گئی ہے تاکہ زنا کی حد ساقط ہو جائے۔ قاذف (تہمت زنا لگانے والے) پر حد قذف لازم کرنے کے لئے یہ شرط نہیں لگائی گئی ہے (کہ اگر گواہ اجتماعی شکل میں شہادت نہ دیں یا ساتھ ساتھ نہ آئیں تو قاذف پر حد جاری کر دی جائے) اسی طرح اگر متہم بالزنا نے ایک بار اقرار کر لیا تو اس پر حد زنا جاری نہ ہوگی اور نہ قاذف پر حد قذف جاری ہوگی۔

آیت میں شہداء سے مراد وہ شاہد ہیں جو شرعاً شہادت کے اہل ہوں، اسی لئے اگر اندھوں نے شہادت دی یا ایسے لوگوں نے شہادت دی جو جرم قذف کے سزا یافتہ ہوں یا شاہدوں میں کوئی غلام ہو، ان سب صورتوں میں زنا کا ثبوت نہ ہوگا، بلکہ ان گواہوں پر حد قذف جاری کی جائے گی، ایسے لوگ شرعاً شہادت کے قابل نہیں۔ ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے غلام تو نہ شاہد بننے کا اہل ہے نہ شہادت دینے کا اس کی شہادت سے تو زنا کے شبہ کا ثبوت بھی نہ ہوگا زنا کا ثبوت تو ادائے شہادت سے ہوتا ہے۔

لیکن اگر گواہ فاسق ہوں تو ان پر حد قذف تو جاری نہ ہوگی لیکن ان کی شہادت سے زنا کا ثبوت بھی نہ ہو سکے گا۔ اس لئے متہم بالزنا پر حد زنا بھی جاری نہ ہوگی، کیونکہ فاسق شہادت ادا کرنے اور شاہد بننے کا اہل تو ہے لیکن فسق کی وجہ سے اس کی شہادت میں کسی قدر ضعف ہے اس لئے فاسقوں کی شہادت سے شبہ زنا تو پیدا ہو جائے گا اور وہ حد قذف سے محفوظ رہیں گے اور ثبوت زنا نہ ہوگا اس لئے زانی پر حد زنا جاری نہ ہوگی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک فاسق گواہوں پر حد قذف جاری کی جائے گی کیونکہ شافعی کے نزدیک فاسق غلام کی طرح شہادت کا اہل ہی نہیں ہے۔

اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ اگر گواہوں کی تعداد چار سے کم ہو تو ان پر حد قذف جاری کی جائے گی (اللہ کی قائم کی ہوئی حد معطل نہ ہو اور مجرم آزادی کے ساتھ جرم نہ کریں) اس نیت خیر کے لئے زنا کی (اور ہر جرم کی) شہادت کی ضرورت تھی اور چار سے کم گواہ ہوں تو یہ غرض حاصل نہیں ہو سکتی (پھر گواہوں کی گواہی صرف بدنام کرنے اور مسلمانوں کی آبروریزی کے جذبہ کے زیر اثر مانی جائے گی بلکہ واقع میں بھی ایسا ہی ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

شریعت اسلام نے بغیر ثبوت شرعی کے جس کا نصاب چار مرد گواہ عادل ہونا ہے اگر کوئی کسی پر تہمت صریح زنا کی لگائے تو اس تہمت لگانے کو بھی شدید جرم قرار دیا اور اس جُرم پر بھی حد شرعی اسی کوڑے مقرر کی جس کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ کسی شخص پر زنا کا الزام کوئی شخص اُسی وقت لگانے کی جرأت کرے گا جبکہ اس کے اس فعل خبیث کو خود اپنی آنکھ سے دیکھا بھی اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس کو یہ یقین ہو کہ میرے ساتھ اور تین مردوں نے دیکھا ہے اور وہ گواہی دیں گے۔ کیونکہ اگر دوسرے گواہ ہیں ہی نہیں یا چار سے کم ہیں یا اُن کے گواہی دینے میں شبہ ہے تو اکیلا یہ شخص گواہی دے کر تہمت زنا کی سزا کا مستحق بننا کسی حال گوارا نہ کرے گا۔

ایک شبہ اور جواب:

رہا یہ معاملہ کہ جب زنا کی شہادت کے لئے ایسی کڑی شرطیں لگا دی گئیں تو مجرموں کو کھلی چھٹی مل گئی نہ کسی کو شہادت کی جرأت ہوگی نہ کبھی ثبوت شرعی بہم

پہنچے گا نہ ایسے مجرم کبھی سزایاب ہوسکیں گے مگر یہ خیال اس لئے غلط ہے کہ زنا کی حد شرعی یعنی سو کوڑے یا رجم وسنگساری کی سزا دینے کے لئے تو یہ شرطیں ہیں لیکن دو غیر محرم مرد وعورت کو یکجا قابل اعتراض حالت میں یا بےحیائی کی باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر اس کی شہادت دینے پر کوئی پابندی نہیں اور ایسے تمام اُمور جو زنا کے مقدمات ہوتے ہیں یہ بھی شرعاً قابل سزا جرم ہیں لیکن حد شرعی کی سزا نہیں بلکہ تعزیری سزا قاضی یا حاکم کی صوابدید کے مطابق کوڑے لگانے کی دی جاتی ہے اس لئے جس شخص نے دو مرد وعورت کو زنا میں مبتلا دیکھا مگر دوسرے گواہ نہیں ہیں تو صریح زنا کے الفاظ سے تو شہادت نہ دے مگر بے حجابانہ اختلاط کی گواہی دے سکتا ہے اور حاکم قاضی اس پر تعزیری سزا بعد ثبوت جُرم جاری کرسکتا ہے۔

محصنات کون ہیں:

یہ لفظ ''احصان'' سے مشتق ہے اصطلاح شرع میں احصان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کا حد زنا میں اعتبار کیا گیا ہے وہ یہ کہ جس پر زنا کا ثبوت ہو جاوے وہ عاقل بالغ آزاد مسلمان ہو اور کسی عورت کے ساتھ نکاح صحیح کرچکا ہو اور اُس سے مباشرت بھی ہوچکی ہو تو اس پر سزائے رجم وسنگساری جاری ہو گی۔ (معارف مفتی اعظم)

فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا

تو مارو اُن کو اسی دُرّے اور نہ مانو

لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا

اُن کی کوئی گواہی کبھی

زنا کی تہمت لگانے کی سزا:

یہ سزا قاذف (تہمت لگانے والے) کی ہوئی کہ (مقذوف کے مطالبہ پر) اسی دُرّے لگائے جائیں اور آئندہ ہمیشہ کے لئے (معاملات) میں مردود الشہادت قرار دیا جائے۔ حنفیہ کے نزدیک توبہ کے بعد بھی اُس کی شہادت معاملات میں قبول نہیں کی جاسکتی۔ (تفسیر عثمانی)

ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً اسی کوڑے۔ بشرطیکہ گواہی دینے والے آزاد ہوں (غلام نہ ہوں) اگر گواہ غلام ہوں تو باجماع فقہاء ہر ایک کی سزا آدھی ہو جائے گی، یعنی ہر غلام گواہ کے چالیس کوڑے مارے جائیں گے۔ فقہاء نے حد قذف کو حد زنا پر قیاس کیا ہے (زانی غلام یا باندی ہو تو پچاس کوڑے مارے جانے کا حکم آیت قرآنی اور حدیث میں آیا ہے۔ اس لئے قاذف اگر غلام ہو تو اس کی سزا بھی آدھی ہوگی)۔ اللہ نے زانی باندیوں کے متعلق فرمایا فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ (تفسیر مظہری)

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ

اور وہ ہی لوگ ہیں نافرمان

تہمت لگانے والا فاسق ہوا:

اگر واقع میں جان بوجھ کر جھوٹی تہمت لگائی تھی تب تو اُن کا فاسق و نافرمان ہونا ظاہر ہے اور اگر واقعی سچ بیان کیا تھا لیکن جانتے تھے کہ چار گواہوں سے ہم اپنا دعوی ثابت نہیں کرسکیں گے تو ایسی بات کا اظہار کرنے سے بجز ایک مسلمان کی آبروریزی اور پردہ دری کے کیا مقصود ہوا جو بجائے خود ایک مستقل گناہ ہے اور علماء نے اُس کو کبائر میں شمار کیا ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ

مگر جنہوں نے توبہ کر لی اس کے پیچھے اور

اَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

سنور گئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے

توبہ سے فسق کا ازالہ ہوجاتا ہے:

یعنی توبہ اور اصلاح حال کے بعد اللہ کے نافرمان بندوں میں اُس کا شمار نہ رہے گا۔ گو پچھلے قذف کی سزا میں مردود الشہادت پھر بھی رہے۔ یہ ہی مذہب سلف میں سے قاضی شریح۔ ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر، مکحول، عبدالرحمن بن زید بن جابر حسن بصری محمد بن سیرین اور سعید بن المسیب رحمهم الله کا ہے۔ کمافی الدر المنثور وابن کثیر۔ (تفسیر عثمانی)

توبہ سے سزا ساقط نہیں ہوتی:

امام ابوحنیفہ نے فرمایا اِلَّا الَّذِيْنَ کا استثناء گذشتہ آخری جملہ کی طرف راجع ہے (یعنی جو لوگ توبہ کرلیں گے اور اپنے احوال کو درست کرلیں گے وہ فاسق نہیں رہیں گے مطلب یہ ہے کہ توبہ سے قذف کی سزا معاف نہیں ہوگی صرف فاسق ہونے کا حکم جاتا رہے گا) اصول فقہ میں امام ابوحنیفہ کا مسلک یہی ہے۔ توبہ سے فسق ختم ہوجاتا ہے، حدود ساقط نہیں ہوتیں جمہور علماء کے نزدیک توبہ سے حد ساقط نہیں ہوتی۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ

اور جو لوگ عیب لگائیں اپنی (منکوحہ) بی بیوں کو

یعنی زنا کی تہمت لگائے یا اپنے بچہ کو کہے کہ یہ میرے نطفہ سے نہیں۔

(تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: بخاری نے صحیح میں حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ ہلال بن امیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی پر شریک بن سمحا سے زنا کرنے کی تہمت لگائی (واقعہ یقیناً سچا تھا لیکن شرعی شہادت موجود نہیں تھی اس لئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرعی ثبوت پیش کرو) ورنہ تمہاری پشت پر کوڑے مارے جائیں گے ہلال نے عرض کیا یارسول اللہ اگر کوئی شخص کسی کو اپنی بیوی پر دیکھے تو کیا گواہوں کو تلاش کرنے جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گواہ یا تمہاری پشت پر کوڑے۔ ہلال نے کہا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے میں بلاشک وشبہ سچا ہوں اللہ ضرور (کوئی حکم ایسا) نازل فرمائے گا جس سے میری پشت کوڑوں سے بچ جائے گی، اس وقت جبرئیل آیاتِ ذیل لے کر نازل ہوئے۔ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ اور جو لوگ اپنی بیویوں کی طرف زنا کی نسبت کرتے ہیں۔ کیفیت وحی دور ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت ان كان من الصّٰدِقِيْنَ تک تلاوت فرمائی حسب الحکم ہلال آئے اور انہوں نے شہادت دی یعنی لعان کیا اور حضور برابر فرماتے رہے کہ اللہ جانتا ہے کہ تم دونوں میں ایک جھوٹا ہے تو کیا تم دونوں میں سے کوئی ایک اپنے قول سے رجوع کرے گا۔ ہلال کی شہادت کے بعد عورت کھڑی ہوئی اور اس نے شہادت دی یعنی لعان کیا جب پانچویں شہادت کا نمبر آیا تو لوگوں نے اس کو روکا اور کہا یہ شہادت فیصلہ کر دینے والی ہے (اگر تو نے جرم کیا ہے تو شہادت سے اب بھی لوٹ سکتی ہے) عورت ذرا جھجکی اور مڑی یہاں تک کہ ہمارا خیال ہوا کہ یہ (شہادت سے) لوٹ جائے گی پھر کہنے لگی میں اپنے خاندان کو آئندہ ہمیشہ کے لئے رسوا نہیں کروں گی چنانچہ اس نے شہادت جاری رکھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس عورت کو دیکھتے رہنا (اگر اس کے بچہ پیدا ہوا اور آنکھیں سرگلیں ہوں سرین بھاری ہوں اور پنڈلیاں گداز ہوں تو (خیال کر لینا کہ) وہ شریک بن سمحا کا ہے، چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو وہ ایسا ہی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر کتاب اللہ کا فیصلہ نازل نہ ہوا ہوتا تو پھر میں اس عورت سے سمجھتا۔

ابن عویمر کی بیوی کا واقعہ:

صحیح میں حضرت سہل بن سعد ساعدی کی روایت سے آیا ہے کہ ابن عویمر عجلانی نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی آدمی کو (مشغول) دیکھے تو کیا کرے اگر وہ قتل کردے گا تو لوگ (قصاص میں) اس کو قتل کردیں گے (گواہ لینے جائے گا تو مرد فارغ ہو کر جا چکے گا) بتایئے وہ کیا کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اور تمہاری بیوی کے معاملہ میں حکم نازل ہو گیا ہے جاؤ اپنی بیوی کو لے آؤ حضرت سہل کا بیان ہے پھر دونوں نے مسجد کے اندر لعان کیا میں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا لعان سے دونوں فارغ ہو گئے تو عویمر نے عرض کیا یارسول اللہ اب اس کے بعد میں اس عورت کو اپنے پاس رکھوں گا تو (گویا) میں نے اس پر تہمت تراشی کی (کیونکہ غیرت مند آدمی زنا کار عورت کو اپنے نکاح میں نہیں رکھتا ہے) چنانچہ انہوں نے عورت کو تین طلاقیں دے دیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذرا دیکھتے رہنا اگر اس عورت کے بچہ پیدا ہو اور وہ سانولا، سیاہ چشم بھاری سرینوں اور گداز پنڈلیوں والا ہو تو میرا خیال ہو جائے گا کہ عویمر (یعنی ابن عویمر) نے سچ کہا تھا اور اگر اسی کی طرح سرخ رنگ کا ہوا تو میں سمجھوں گا کہ عویمر نے اس عورت پر دروغ بندی کی چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو وہ ایسا ہی تھا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے مطابق عویمر کی سچائی ظاہر ہوتی تھی چنانچہ آئندہ اس بچہ کا نسب ماں سے ملایا جاتا (اور ولد عویمر نہیں کہا جاتا تھا)

حضرت سعد بن معاذ کی گفتگو، حضرت ہلال کا واقعہ:

امام احمد نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جب آیت

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ
فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا

نازل ہوئی تو انصار کے سردار حضرت سعد بن عبادہ نے عرض کیا (کیا) اسی طرح آیت نازل ہوئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے گروہ انصار سن رہے ہو تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے (اس کو نزول آیت میں شبہ ہے) انصار نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو آپ برا نہ کہیں یہ بڑے غیرت مند آدمی ہیں بخدا انہوں نے (کبھی کسی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح نہیں کیا) ہمیشہ ناکتخدا سے ہی نکاح کیا اور نہ اپنی کسی بیوی کو طلاق دی (یعنی جس عورت کا پردہ کسی مرد نے اٹھا لیا ہو اس کو انہوں نے کبھی ساتھ رکھنا پسند نہیں کیا اور انتہائی غیرت یہ کہ کسی عورت کو طلاق نہیں دی۔ کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کر سکے) ان کی اسی شدت غیرت کی وجہ سے ہم میں سے کوئی شخص جرأت نہیں کر سکتا کہ (اگر ان کی چھوڑی ہوئی کوئی عورت ہو تو) اس سے نکاح کر لے۔ حضرت سعد نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ قربان بخدا یہ تو میں ضرور جانتا ہوں کہ یہ آیت حق ہے اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے لیکن مجھے تعجب اس بات پر ہے کہ اگر میں بدکار عورت کو اس حالت میں دیکھوں کہ کوئی شخص اس کو اپنی رانوں میں دبائے ہوئے ہے تو مجھے یہ بھی اجازت نہیں کہ میں اس کو اس کی جگہ سے ہلا سکوں جب تک کہ چار گواہ لا کر ان کو آنکھوں سے دکھا نہ دوں خدا کی قسم جب تک میں گواہ لاؤں گا وہ شخص اپنا کام کر کے چل دے گا۔ اس واقعہ کو زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ

ہلال بن امیہ کا قصہ ہو گیا حضرت ہلال ان تینوں میں سے ایک تھے جن کی توبہ قبول ہونے کی صراحت آیت میں آئی تھی۔ (غزوۂ تبوک کو تین شخص باوجود قدرت کے نہیں گئے تھے اور واپسی کے وقت حاضر خدمت ہو کر انہوں نے سچ سچ عرض کر دیا تھا اور اپنے قصور کا اعتراف کر لیا تھا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر سخت عتاب کیا تھا اور مسلمانوں کو ان کے بائی کاٹ کا حکم دے دیا تھا انہوں نے چالیس، پچاس دن برابر اللہ سے زاری کی اور روتے رہے آخر ان کی توبہ قبول ہوئی اور قبول توبہ کی آیت اللہ نے نازل فرمادی) واقعہ یوں ہوا کہ حضرت ہلال رات کو اندھیرا پڑے اپنی زمین سے واپس آئے آ کر دیکھا کوئی شخص ان کی بیوی کے پاس موجود ہے (اور کام میں مشغول ہے) آپ نے اپنی آنکھوں سے ان کی حرکت دیکھی اور اپنے کانوں سے ان کی باتیں سنیں لیکن اس شخص کو متنبہ نہیں کیا صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا میں اندھیرا پڑے گھر آیا تو میں نے اپنی بیوی کے پاس ایک آدمی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے (ان کی باتیں) سنیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ناگوار ہوئی اور بارگذری، دوسری طرف انصار جمع ہوئے اور انہوں نے کہا سعد بن عبادہ کے قول نے ہم کو آزمائش میں ڈال دیا، اب ہلال بن امیہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کوڑے) لگوائیں گے اور لوگوں میں ان کی شہادت کو باطل قرار دیں گے۔ ہلال نے کہا خدا کی قسم مجھے امید ہے کہ اللہ میرے لئے اس سے رہائی کا کوئی راستہ ضرور نکال دے گا (راوی کا بیان ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوڑے لگوانے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ اللہ نے آپ پر وحی نازل فرمائی۔ جب وحی نازل ہو گئی (اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا دی) لوگ ہلال کو کوڑے مارنے سے رک گئے۔ آیت نازلہ یہ تھی وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ الخ ابو یعلی نے ایسا ہی بیان حضرت انس کا نقل کیا ہے بغوی نے یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد اس کے آخر میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہلال تم کو خوش خبری ہو اللہ نے تمہارے لئے کشائش پیدا کر دی ہلال نے کہا مجھے اللہ سے اس کی امید تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کو بلاؤ حسب الحکم عورت حاضر ہوئی جب دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اکٹھے ہوئے تو عورت سے (ہلال کا قول) کہا گیا عورت نے ہلال کے قول کو جھوٹا قرار دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ یقیناً جانتا ہے کہ تم دونوں میں ایک جھوٹا ہے تو کیا تم دونوں میں سے کوئی (اپنے بیان سے) رجوع کرنے والا ہے۔ ہلال نے کہا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ قربان میں سچ کہہ چکا اور میں نے حق بات کہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ان دونوں کے درمیان لعان کرا دو۔ حسب الحکم ہلال سے کہا گیا، شہادت دو ہلال نے چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ میں یقیناً سچا ہوں، پانچویں شہادت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال سے فرمایا، ہلال اللہ سے ڈر دنیوی عذاب، آخرت کے عذاب سے آسان ہے اور اللہ کا عذاب لوگوں کے عذاب سے بہت زیادہ سخت ہے اور یہ پانچویں شہادت واجب کر دینے والی ہے (اگر تو جھوٹا ہے تو) عذاب کو تجھ پر واجب کر دے گی۔ ہلال نے کہا خدا کی قسم اللہ اس شہادت پر مجھے عذاب نہیں دے گا۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر میرے کوڑے نہیں ماریں گے۔ اس کے بعد پانچویں شہادت میں ہلال نے کہا کہ اللہ کی لعنت مجھ پر اگر میں جھوٹا ہوں، پھر پانچویں شہادت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو روکا اور فرمایا اللہ سے ڈر پانچویں شہادت یقیناً واجب کر دینے والی ہے اور اللہ کا عذاب لوگوں کے عذاب سے زیادہ سخت ہے، یہ سن کر عورت تھوڑی دیر کے لئے کچھ جھجکی اور اقرار کرنے کا ارادہ کیا، لیکن پھر کہنے لگی، خدا کی قسم میں اپنے خاندان کو رسوا نہیں کروں گی، چنانچہ اس نے پانچویں شہادت دے دی اور کہا اللہ کا مجھ پر غضب ہو اگر وہ (ہلال) سچا ہو، آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو الگ الگ کر دیا اور فیصلہ کر دیا کہ بچہ (اگر ہو گا تو) عورت کا ہو گا باپ کی طرف اس کی نسبت نہیں کی جائے گی۔ لیکن بچہ کو ولد حرام نہیں کہا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اگر بچہ ایسا ایسا ہو تو شوہر کا ہو گا اور اگر ایسا ایسا ہو تو وہ اس شخص کا ہو گا جس کا نام لیا گیا ہے۔ چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو خاکستری رنگ کے اونٹ کی طرح بدشکل تھا جو آئندہ زندگی میں مصر کا حاکم بنا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ میرا باپ کون تھا۔

عکرمہ نے کہا وہ بچہ مصر کا گورنر ہوا اور کسی باپ کی طرف اس کی نسبت نہیں کی جاتی تھی۔ اکثر طرق روایت میں آیا ہے کہ لعان کرنے کے وقت ہلال کی بیوی حاملہ تھی۔

عویمر کے واقعہ کی تفصیل:

بغوی نے لکھا ہے کہ تمام روایات میں حضرت ابن عباس کا بیان مندرجہ ذیل آیا ہے اور یہی مقاتل نے بیان کیا کہ جب آیت وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الخ نازل ہوئی۔ اور منبر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھ کر سنائی تو عاصم بن عدی انصاری نے اٹھ کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ مجھے آپ پر قربان کر دے (یہ فرمایئے) اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو (مشغول) دیکھ لے اور جو کچھ دیکھا ہے اس کو بیان کر دے تو اس کے اسی کوڑے مارے جائیں گے اور مسلمان اس کو فاسق کہیں گے اور آئندہ اس کی گواہی کبھی قبول نہیں کی جائے گی۔ ہم گواہ اس وقت تک کہاں سے لا سکتے ہیں گواہوں کی تلاش میں جائیں گے تو اتنے وقت میں وہ شخص اپنے کام سے

فارغ ہو کر جا چکا ہوگا۔ انہی عاصم کے ایک چچازاد ے تھے جن کا نام عویمر تھا اور عویمر کی بیوی خولہ بنت قیس بن محصن تھیں (چند روز بعد کا ذکر ہے کہ) عویمر عاصم کے پاس پہنچے اور کہا (بھائی) میں نے اپنی بیوی خولہ کے پیٹ پر سوار خود شریک بن سمی کو دیکھ پایا (اب کیا کروں) عاصم نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور آئندہ جمعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! گذشتہ جمعہ کو جو بات میں نے عرض کی تھی اس میں مبتلا میرے ہی خاندان کا ایک شخص ہو گیا۔ عویمر خولہ اور شریک، سب عاصم کے بنی عم (یعنی ایک ہی دادا کی اولاد) تھے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو طلب فرمایا اور عویمر سے ارشاد فرمایا وہ تیری بیوی اور تیرے چچا کی بیٹی ہے، اللہ سے ڈر اس کو بہتان تراشی کا نشانہ نہ بنا۔ عویمر نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے شریک کو اس کے پیٹ پر دیکھا اور چار مہینے سے میں خولہ کے قریب بھی نہیں گیا۔ اس کو اگر حمل ہے تو کسی اور کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت سے فرمایا، اللہ سے ڈر اور جو کچھ تو نے کیا مجھ سے بیان کر دے۔ عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ! عویمر بڑا غیرت مند آدمی ہے اس نے دیکھا کہ میں اور شریک دیر تک بیدار رہتے اور باہم باتیں کرتے رہتے، اس کو غیرت آئی اور غیرت نے اس سے وہ بات کہلوائی (جو اس نے آپ سے کہی تھی)، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شریک سے فرمایا تیرا کیا بیان ہے؟ اس نے کہا جو عورت کہہ رہی ہے وہی میں کہتا ہوں، اس پر اللہ نے آیت وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ نازل ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کا حکم دیا کہ الصلوۃ جامعۃ کی نداء کر دے، منادی نے ندا کر دی لوگ جمع ہو گئے، آپ نے عصر کی نماز پڑھی پھر عویمر سے فرمایا، اٹھ اور کھڑا ہو کر اللہ کو گواہ کر کے کہہ کہ خولہ زانیہ ہے اور میں یقیناً بلاشبہ سچا ہوں۔ عویمر نے کھڑے ہو کر یہی شہادت دی، پھر دوسری شہادت میں عویمر نے کہا، میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے شریک کو خولہ کے پیٹ پر دیکھا اور میں بلاشبہ سچا ہوں، پھر تیسری شہادت میں عویمر نے کہا، میں شہادت دیتا ہوں کہ اس عورت کو جو حمل ہے وہ میرا نہیں کسی اور کا ہے اور میں سچا ہوں پھر چوتھی شہادت میں عویمر نے کہا میں اللہ کو شاہد جان کر کہتا ہوں کہ میں نے چار مہینے سے اس سے قربت نہیں کی اور بلاشک میں سچا ہوں، پھر پانچویں مرتبہ عویمر نے کہا اگر عویمر اس بات میں جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت ہو (اس کے بعد) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خولہ سے فرمایا، کھڑی ہو (اور قسم کھا کر بیان کر) خولہ کھڑی ہوئی اور اس نے کہا، میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں زانیہ نہیں ہوں اور عویمر جھوٹا ہے، پھر دوسری شہادت میں خولہ نے کہا، میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ عویمر نے شریک کو میرے پیٹ پر نہیں دیکھا اور عویمر جھوٹا ہے، پھر تیسری شہادت میں عورت نے کہا میں عویمر سے حاملہ ہوں اور یہ جھوٹا ہے، پھر چوتھی شہادت میں عورت نے کہا عویمر نے کبھی مجھے زناء کی حالت میں مبتلا نہیں دیکھا اور یہ جھوٹا ہے، پھر پانچویں شہادت میں اس نے کہا اگر عویمر اس قول میں سچا ہو تو خولہ پر اللہ کا عذاب ٹوٹے، تکمیل شہادت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو الگ کرا دیا اور فرمایا اگر یہ قسمیں نہ ہوتیں تو اس وقت اس عورت کے معاملے میں کچھ رائے ہوتی، پھر لوگوں سے فرمایا بچے کی پیدائش کے وقت کو دیکھتے رہو اگر بچے کے دونوں ابرو کشادہ ہوں دونوں میں فاصلہ ہو بال بھورے ہوں رنگ مائل بہ سیاہی ہو تو (سمجھو کہ) وہ شریک بن سمحا کا ہے اور اگر رنگ خاکستری ہو بال گھنگھریالے ہوں، اعضاء کے جوڑ اونٹ کی طرح ہوں تو سمجھو کہ وہ اس شخص کا نہیں ہے جس کی طرف زناء کی نسبت کی گئی ہے (بلکہ وہ عویمر کا ہوگا) حضرت ابن عباس نے فرمایا خولہ کے بچہ پیدا ہوا تو وہ شریک سے بہت زیادہ مشابہ تھا۔

لعان کیلئے دو شرطیں:

امام ابوحنیفہ نے فرمایا، جب تک دو شرطیں نہ ہوں گی لعان جائز نہ ہوگا ایک شرط یہ ہے کہ مرد اہل شہادت ہو یعنی مسلمان آزاد عاقل بالغ ہو دوسری شرط یہ ہے کہ عورت ایسی ہو کہ اس کے قاذف (تہمت زنا لگانے والے) کو حد لگائی جا سکتی ہو یعنی مسلمان ہو آزاد ہو، عاقل ہو، بالغ ہو اور (اس سے پہلے) اس کی طرف زنا کی نسبت نہ کی گئی ہو امام صاحب کے اس قول پر اگر عورت ایسی ہو کہ اس کے قاذف کو حد زنا لگائی جا سکتی ہو اور مرد غلام ہو یا کافر ہو یا تہمت زنا کا پہلے سزا یافتہ ہو (اور ایسا مرد تہمت زنا لگائے) تو لعان کا حکم نہیں دیا جائے گا بلکہ حاکم اگر مناسب سمجھے گا تو تعزیری سزا مرد کو دے گا۔

امام صاحب نے شوہر کے لئے شہادت کا اہل ہونے کی شرط لگائی ہے اور یہ بھی ضروری قرار دیا ہے کہ عورت ایسی ہو جس کے قاذف پر حد قذف جاری کی جا سکتی ہو ان دونوں باتوں کا ثبوت عمرو بن شعیب کے دادا کی روایت کردہ حدیث سے ملتا ہے اس حدیث کو ابن ماجہ اور دارقطنی نے چند طرق سے نقل کیا ہے۔

دارقطنی نے بروایت عثمان بن عبدالرحمٰن زہری بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار (صورتیں) ہیں جن میں لعان نہیں ہے۔ آزاد مرد اور باندی عورت کے درمیان لعان نہیں ہے غلام مرد اور آزاد بی بی کے درمیان لعان نہیں ہے مسلم مرد اور یہودیہ عورت کے درمیان لعان نہیں ہے۔ مسلم مرد اور نصرانی عورت کے درمیان لعان نہیں ہے۔ یحییٰ، بخاری، ابو حاتم رازی اور ابوداؤد نے کہا عثمان بن عبدالرحمٰن کچھ نہیں ہے (یعنی ہے ناقابل اعتبار ہے) یحییٰ نے ایک بار کہا وہ جھوٹ کہتا تھا ابن حبان نے کہا موضوع احادیث کی روایت کا سلسلہ قابل اعتماد راویوں سے ملاتا تھا اس کی روایت کردہ حدیث کو حجت میں پیش کرنا جائز نہیں۔ نسائی اور دارقطنی نے کہا یہ متروک الحدیث ہے۔

دارقطنی اور ابن ماجہ نے عثمان بن عطاء خُراسانی کی روایت سے:

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار عورتوں سے لعان نہیں۔ عیسائی عورت مسلمان مرد، یہودی عورت مسلمان مرد، باندی عورت آزاد مرد، آزاد عورت غلام مرد۔ یحییٰ اور دارقطنی نے عثمان بن عطاء کو ضعیف کہا ہے ابوحاتم اور ابن حبان نے کہا اس کی حدیث سے احتجاج جائز نہیں۔ علی بن جنید نے کہا یہ متروک الحدیث ہے۔

دارقطنی نے کہا عثمان کی متابعت یزید بن زریع نے بھی کی ہے اس نے بھی بروایت عطاء یہ حدیث بیان کی ہے لیکن یزید بن زریع بھی ضعیف ہے۔

ابن ہمام نے لکھا ہے ضعیف حدیث اگر متعدد طریقوں سے مروی ہو (اور ہر سند میں ضعف ہو) تو وہ حجت (قابل استدلال) ہو جاتی ہے۔ یہ حدیث اسی قسم کی ہے اس کی تائید اوزاعی اور ابن جریج کی روایت سے ہو رہی ہے کہ دونوں اماموں نے اس کو عمرو بن شعیب کے دادا کا قول قرار دیا ہے (اگرچہ اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں کی اور مرفوعاً نہیں بیان کیا پھر بھی موقوفاً ضرور کہا ہے)

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ لعان سے انکار کرنا اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار ہے لیکن اس میں کسی قدر شبہ ہے (کیونکہ صراحۃً اس نے اقرارِ کذب نہیں کیا ہے) اور شبہ کی صورت میں حد جاری نہیں کی جاسکتی مجبوراً اس کو قید کیا جائے گا تاکہ وہ یا لعان پر تیار ہو جائے اور لعان کرے یا صراحۃً اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرے تاکہ اس پر حدِ قذف جاری کی جاسکے۔

اگر شوہر لعان کر لے تو عورت پر بھی لعان کرنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب ہو جاتا ہے اگر وہ انکار کرے تو حاکم اس کو قید کر دے اور اتنی مدت قید رکھے کہ وہ لعان کے لئے تیار ہو جائے یا زنا کا اقرار کر لے اور شوہر کی تصدیق کر دے۔ ہم کہتے ہیں لعان اس وقت تک متحقق نہیں ہوتا جب تک عورت بھی لعان نہ کر لے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ

اور شاہد نہ ہوں اُن کے پاس سوائے ان کی جان کے تو ایسے شخص کی گواہی

اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۶

کی یہ صورت ہے کہ چار بار گواہی دے اللہ کی قسم کھا کر کہ مقرر وہ شخص سچا ہے

وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۷

اور پانچویں بار یہ کہ اللہ کی پھٹکار ہو اُس شخص پر اگر ہو وہ جھوٹا

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ

اور عورت سے ٹل جائے گی مار یوں کہ وہ گواہی دے چار گواہی

بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۸ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ

اللہ کی قسم کھا کر کہ مقرر وہ شخص جھوٹا ہے اور پانچویں یہ کہ اللہ کا غضب

اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۹

آئے اس عورت پر اگر وہ شخص سچا ہے

لعان کا طریقہ:

یعنی جو اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اول اس سے چار گواہ طلب کئے جائیں گے اگر پیش کر دے تو عورت پر حدِ زنا جاری کر دی جائے گی۔ اگر گواہ نہ لا سکا تو اس کو کہا جائے گا کہ چار مرتبہ قسم کھا کر بیان کرے کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے (یعنی جو تہمت اپنی بیوی پر لگائی ہے اس میں جھوٹ نہیں بولا) گویا چار گواہوں کی جگہ خود اس کی یہ چار حلفیہ شہادتیں ہوئیں اور آخر میں پانچویں مرتبہ یہ الفاظ کہنے ہوں گے کہ "اگر وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت اور پھٹکار" اگر الفاظ مذکورہ بالا کہنے سے انکار کرے تو حبس کیا جائے گا اور حاکم اس کو مجبور کرے گا کہ یا اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرے، تو حد قذف لگے گی جو اوپر گزری۔ اور یا پانچ مرتبہ وہی الفاظ کہے جو اوپر مذکور ہوئے۔ اگر کہہ لئے تو پھر عورت سے کہا جائے گا کہ وہ چار مرتبہ قسم کھا کر بیان کرے کہ "یہ مرد تہمت لگانے میں جھوٹا ہے" اور پانچویں دفعہ یہ الفاظ کہے کہ "اللہ کا غضب آوے اس عورت پر اگر یہ مرد اپنے دعوے میں سچا ہو" تاوقتیکہ عورت یہ الفاظ نہ کہے گی اُس کو قید میں رکھیں گے اور مجبور کریں گے کہ یا صاف طور پر مرد کے دعوے کی تصدیق کرے تب تو حدِ زنا اس پر جاری ہوگی اور یا بالفاظ مذکورہ بالا اس کی تکذیب کرے۔ اگر اس نے بھی مرد کی طرح یہ الفاظ کہہ دیئے اور "لعان" سے فراغت ہوئی تو اس عورت سے صحبت اور دواعی صحبت سب حرام ہو گئے۔ پھر اگر مرد نے اس کو طلاق دے دی فبہا ورنہ قاضی اُن میں تفریق کر دے۔ گو دونوں رضامند نہ ہوں یعنی زبان سے کہہ دے کہ میں نے ان میں تفریق کی۔ اور یہ تفریق طلاق بائن کے حکم میں ہو گی۔ (تنبیہ) زوجین سے اس طرح الفاظ کہلوانے کو شریعت میں "لعان" کہتے ہیں اور لعان صرف قذف ازواج کے ساتھ مخصوص ہے عام محصنات کے قذف کا وہی حکم ہے جو اوپر کی آیات میں مذکور ہو چکا۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ: اگر عورت نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ واقعی یہ بچہ شوہر کا نہیں ہے انکارِ ولد میں یہ سچا ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس صورت میں نہ لعان کا حکم باقی رہے گا نہ حد زناء ثابت ہوگی، اور بچہ دونوں کا مانا جائے گا کیونکہ لعان ہو جاتا تو بچے کی نسبت پھر شوہر سے نہ ہوتی لیکن لعان نہ ہوا اور زوجین سے نسبی الحاق بچے کا حق ہے اس لئے زوجین کے کہنے سے اس حق کا ابطال نہیں ہو سکتا۔

لعان کے بعد تفریق واجب ہے:

فریقین کے لعان کر چکنے کے بعد دونوں میں تفریق کر دینا حاکم پر واجب ہو جاتا ہے۔

صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں لعان کرنے والوں (یعنی مرد اور عورت) سے فرمایا۔ تمہارا حساب اللہ کے ذمے ہے یقینی بات ہے کہ تم دونوں میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے (مرد کو مخاطب کر کے فرمایا) اب تیری اُس پر کوئی راہ نہیں (یعنی اس سے ملنے کا اب تیرے لئے کوئی راستہ نہیں رہا دوامی انقطاع ہو گیا) اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا مال (یعنی جو مہر میں نے دیا اس کا کیا ہوگا) فرمایا اگر تو نے اس پر سچا الزام لگایا ہے تو مال (مہر) اس حلت کا معاوضہ ہو گیا جو تجھے اس سے جماع کرنے کی حاصل تھی (یعنی تو اس سے قربت کر چکا مہر اس کا معاوضہ ہو جائے گا) اور اگر تو نے اس پر جھوٹی تہمت لگائی ہے تو یہ مال بہت دور چلا گیا اس لئے تیرے لئے اب کوئی مال نہیں ہو سکتا۔ ابوداؤد نے حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت سے لعان کرنے والے مرد و عورت کے مقدمہ میں جو حدیث بیان کی ہے وہ اوپر گزر چکی ہے کہ دونوں میں (دوامی) تفریق کرا دی جائے کہ آئندہ کبھی دونوں نہ مل سکیں۔ دار قطنی نے حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بھی ایسا ہی بیان کیا ہے۔

لعان سے فسخ نکاح از خود نہیں ہو جاتا:

امام ابوحنیفہ نے فرمایا، ثبوت حرمت فسخ نکاح کا تقاضا نہیں کرتا۔ دیکھو ظہار سے حرمت ہو جاتی ہے اور نکاح فسخ نہیں ہوتا (بلکہ کفارۂ ظہار ادا کرنے کے بعد پھر حلت ہو جاتی ہے) ہاں ثبوت حرمت کے بعد شوہر بیوی کو دستورِ شرعی کے مطابق اپنے پاس رکھنے سے جب قاصر ہے تو اچھی طرح بحسن و خوبی عورت کو آزاد کر دینا اس پر لازم ہے اور جب اس نے ایسا نہیں کیا تو حاکم نے قائم مقام کی حیثیت سے عورت کو اس سے الگ کر دیا تا کہ عورت پر ظلم نہ ہو۔ اس کا ثبوت صحیحین کی اس روایت سے ہوتا ہے جس کے راوی حضرت سہل بن سعد ہیں کہ دونوں کے لعان کر چکنے کے بعد عویمر نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب اگر میں نے اس کو اپنے پاس روکے رکھا (یعنی اپنے نکاح میں رکھا) تو (گویا) میں نے اس پر جھوٹی تہمت تراشی کی چنانچہ لعان کے بعد عویمر نے اس کو تین طلاقیں دے دیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دینے کے سلسلے میں اس کے خلاف کچھ نہیں فرمایا۔

میں کہتا ہوں لعان کے بعد حرمت ہو جانا باجماع علماء ثابت ہے۔ امام شافعی امام زفر اور دوسرے ائمہ کے نزدیک تو حرمت کا ثبوت ظاہری ہے (کہ یہ حضرات لعان کو فسخ نکاح قرار دیتے ہیں اور لعان کے بعد بغیر حکم حاکم کے فرقت واقع ہو جاتی ہے) اور امام ابوحنیفہؒ کے قول پر بھی حرمت کا ثبوت یقینی ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعان کے بعد دونوں میں تفریق نہ کراتے امام صاحب خود قائل ہیں کہ لعان کے بعد قاضی دونوں میں تفریق کرا دے۔

امام صاحب کا یہ قول کہ چونکہ شوہر لعان کے بعد بیوی کو دستورِ شرعی کے مطابق اپنے پاس روک نہیں سکتا اس لئے حاکم عورت کو آزاد کرا دینے کا فیصلہ کر دے تسریح بالاحسان کے لئے قاضی شوہر کا قائم مقام ہے۔ یہ قول چاہتا ہے کہ لعان کے بعد قاضی شوہر کو طلاق دینے کا حکم دے۔

مسئلہ: اگر مرد نے عورت سے کہا تیرا (یہ) حمل مجھ سے نہیں ہے تو امام ابوحنیفہ، امام زفر اور امام احمد کے نزدیک لعان کا حکم نہیں دیا جائے (نہ مرد پر حد قذف جاری ہوگی نہ عورت کو زانیہ قرار دیا جائے گا) کیونکہ بچہ ہونا یقینی نہیں ہے (ممکن ہے حمل ہی نہ ہو)

نسائی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عجلانی اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کرایا، بیوی اس وقت حاملہ تھی۔ عبدالرزاق نے بھی یہ واقعہ اسی طرح نقل کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ شوہر نے کہا میں عفار النخل سے ہی اس (عورت) کے قریب نہیں گیا ہوں (اس لئے یہ بچہ مجھ سے نہیں ہے) عفار النخل کا یہ معنی ہے کہ شاخ تراشی کے بعد دو مہینہ تک درخت کو سینچا نہ جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے اللہ ظاہر کر دے چنانچہ پیدا ہوا تو بڑی بری شکل کا تھا۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انکار حمل کی صورت میں لعان جائز ہے۔

عویمر کو اس کے خاندان والے بہت ملامت کیا کرتے تھے اور کہتے تھے ہم تو اس عورت کو نیک ہی جانتے ہیں لیکن جب بچہ شریک کا ہم شکل پیدا ہوا تو پھر لوگوں نے عویمر کو معذور سمجھا (یعنی ملامت کرنا چھوڑ دیا) بچہ دو سال زندہ رہ کر مر گیا اس کی ماں بھی اس کے کچھ دنوں بعد مر گئی اور شریک اس واقعہ کے بعد لوگوں کی نظر میں ذلیل ہو گیا۔ قصہ کی یہ تفصیل دلالت کر رہی ہے کہ عویمر نے عورت کے زنا کرنے کا بھی دعویٰ کیا تھا اور حمل کا بھی انکار کیا تھا۔

زنا کار خاتون اور تہمت تراش مرد کی اخروی سزا:

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جس عورت نے کسی دوسری قوم کے آدمی کو اپنی قوم میں شامل کیا (یعنی کسی دوسرے شخص سے زنا کر کے بچہ کو اپنے شوہر کا بتایا) وہ اللہ کی رحمت سے خارج ہو گئی اور اللہ قیامت کے دن اس کو جنت میں داخل نہیں فرمائے گا اور جس مرد نے دیدہ دانستہ اپنے بچہ کا باپ ہونے سے انکار کر دیا تو اللہ قیامت کے دن اس سے پردہ کرے گا (اللہ کا دیدار اسے میسر نہ ہوگا) اور اگلے پچھلوں کے سامنے اس کو رسوا کرے گا۔ رواہ ابوداؤد والنسائی والشافعی و

ابن حبان و الحاکم۔ دار قطنی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

غیر باپ کو اپنا باپ بنانا حرام ہے:

صحیحین میں حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابوبکرہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام (کے دور) میں کسی نے غیر باپ کو اپنا باپ قرار دیا اور وہ واقف بھی ہے کہ جس شخص کی طرف وہ اپنے باپ ہونے کی نسبت کر رہا ہے وہ اس کا باپ نہیں ہے تو جنت اس پر حرام ہے۔

مسئلہ: اگر بچے کی پیدائش کے وقت مرد کہیں غائب تھا تو واپس آنے کے بعد کی مدت کا اعتبار کیا جائے گا۔ صاحبین کے نزدیک اتنی مدت غور کرنے کے لئے دی جائے گی جتنی مدت نفاس کی ہوتی ہے اور امام صاحب کے نزدیک مدت مبارکباد کی برابر مدت تامل کے لئے کافی ہے۔

مسئلہ: اگر شوہر کو اپنی بیوی کے زنا کا یقین ہو گیا یا زید سے زنا کرنے کی خبر مشہور ہونے کی بناء پر پختہ گمان ہو گیا اور تائیدی قرینہ بھی موجود ہے (مثلاً) شوہر نے زید کو اس عورت کے ساتھ تنہائی میں دیکھ لیا تو اس صورت میں وہ عورت پر زنا کا الزام قائم کر سکتا ہے یا اگر عورت کے کوئی بچہ پیدا ہوا اور اس نے بیوی سے قربت ہی نہیں کی اس لئے اس کو یقین ہو گیا کہ یہ بچہ مجھ سے نہیں ہے تو انکار ولدیت کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: اگر جماع کیا یا عزل کیا یا عورت کے زنا کرنے کا اس کو (یقینی) علم ہو گیا اور اس بات کا احتمال ہے کہ بچہ اس کا ہو یا زانی کا ہو تو اپنا بچہ ہونے کا انکار حرام ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ

اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تمہارے اوپر اور اس کی رحمت

وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ ع

اور یہ کہ اللہ معاف کرنے والا ہے حکمتیں جاننے والا تو کیا کچھ نہ ہوتا

قانون الٰہی رحمت و فضل ہے:

یعنی اگر یہ حکم لعان مشروع نہ ہوتا تو قذف کے عام قاعدہ کے موافق زوج پر حد قذف آتی اور یا ساری عمر خون کے گھونٹ پیتا۔ کیونکہ ممکن ہے وہ سچا ہو۔ بخلاف غیر شوہر کے کہ وہ اظہار میں مضطر نہیں، اس لئے اس کے قانون میں ان امور کی رعایت ضرور نہیں۔ دوسری طرف اگر محض خاوند کے قسمیں کھانے پر زنا کا ثبوت ہو جایا کرتا تو عورت کی سخت مصیبت تھی، حالانکہ ممکن ہے وہ ہی سچی ہو۔ اسی طرح اگر عورت کو قسمیں کھانے پر یقیناً بری سمجھ لیا جاتا تو مرد پر حد قذف واجب ہو جاتی باوجود یہ کہ اس کے صادق ہونے کا بھی مساوی احتمال موجود ہے پس ایسے طور پر لعان کا مشروع کرنا کہ سب کی رعایت رہے یہ اثر ہے حق تعالیٰ کے فضل و رحمت کا، کیونکہ فریقین میں سے جو سچا ہو وہ بے محل سزا سے بچ گیا۔ اور جھوٹے کی دنیا میں پردہ پوشی کر کے مہلت دی گئی کہ شاید توبہ کر لے۔ پھر اس کی توبہ کا قبول کر لینا یہ اثر صفت توابیت کا ہوا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ

جو لوگ لائے ہیں یہ طوفان

حضرت عائشہؓ پر تہمت کا واقعہ:

یہاں سے اُس طوفان کا ذکر ہے جو حضرت عائشہؓ پر اٹھایا گیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۶ھ میں غزوہ بنی المصطلق سے واپس مدینہ تشریف لا رہے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی ہمراہ تھیں، ان کی سواری کا اونٹ علیحدہ تھا، وہ ہودہ میں پردہ چھوڑ کر بیٹھ جاتیں۔ حمال ہودے کو اُونٹ پر باندھ دیتے۔ ایک منزل پر قافلہ ٹھہرا ہوا تھا، کوچ سے ذرا پہلے حضرت عائشہ کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئی۔ جس کے لئے قافلہ سے علیحدہ ہو کر جنگل کی طرف تشریف لے گئیں۔ وہاں اتفاق سے ان کا ہار ٹوٹ کر گر گیا۔ اُس کی تلاش میں دیر لگ گئی، یہاں پیچھے کوچ ہو گیا۔ حمال حسب عادت اُونٹ پر ہودہ باندھنے آئے۔ اور اُس کے پردے پڑے رہنے سے گمان کیا کہ حضرت عائشہؓ اُس میں تشریف رکھتی ہیں۔ اُٹھاتے وقت بھی شبہ نہ ہوا۔ کیونکہ اُن کی عمر تھوڑی تھی اور بدن بہت ہلکا پھلکا تھا۔ غرض حمالوں نے ہودہ باندھ کر اُونٹ کو چلتا کر دیا۔ حضرت عائشہؓ واپس آئیں تو وہاں کوئی نہ تھا۔ نہایت استقلال سے انہوں نے یہ رائے قائم کی کہ یہاں سے اب جانا خلاف مصلحت ہے۔ جب آگے جا کر میں نہ ملوں گی تو یہیں تلاش کرنے آئیں گے۔ آخر وہیں قیام کیا، رات کا وقت تھا، نیند کا غلبہ ہوا وہیں لیٹ گئیں۔ حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ گرے پڑے کی خبر گیری کی غرض سے قافلہ کے پیچھے کچھ فاصلہ سے رہا کرتے تھے، وہ اس موقع پر صبح کے وقت پہنچے۔ دیکھا کوئی آدمی پڑا سوتا ہے۔ قریب آ کر پہچانا کہ حضرت عائشہ ہیں (کیونکہ پردہ کا حکم آنے سے پہلے انہوں نے ان کو دیکھا تھا) دیکھ کر گھبرا گئے اور اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھا۔ جس سے اُن کی آنکھ کھل گئی فوراً چہرہ چادر سے ڈھانک لیا۔ حضرت صفوانؓ نے اُونٹ اُن کے قریب لا کر بٹھلا دیا۔ یہ اُس پر پردہ کے ساتھ سوار ہو گئیں۔ انہوں نے اُونٹ کی نکیل پکڑ کر دوپہر کے وقت قافلہ سے جا ملایا۔ عبداللہ بن اُبی بڑا خبیث، بد باطن، اور دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، اُسے ایک بات ہاتھ لگ گئی اور بدبخت نے واہی تباہی بکنا شروع کیا۔ اور بعض بھولے بھالے مسلمان بھی (مثلاً مردوں میں سے حضرت حسان، حضرت مسطح، اور عورتوں میں سے حضرت حمنہ بنت جحش) منافقین کے مغویانہ پراپیگنڈہ سے متاثر ہو کر اس قسم کے

افسوسناک تذکرے کرنے لگے۔ عموماً مسلمانوں کو اور خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کے واہیات تذکروں اور شہرتوں سے سخت صدمہ تھا۔ ایک مہینہ تک یہی چرچا رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنتے اور بغیر تحقیق کچھ نہ کہتے، مگر دل میں خفا رہتے۔ ایک ماہ بعد ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس شہرت کی اطلاع ہوئی شدت غم سے بیتاب ہوگئیں اور بیمار پڑ گئیں۔ شب و روز روتی تھیں۔ ایک منٹ کے لئے آنسو نہ تھمتے تھے۔ اسی دوران میں بہت سے واقعات پیش آئے اور گفتگوئیں ہوئیں جو صحیح بخاری وغیرہ میں مذکور ہیں اور پڑھنے کے قابل ہیں۔ آخر حضرت صدیقہ کی براءت میں خود حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں سورۂ نور کی یہ آیتیں اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْکِ الخ سے دور تک نازل فرمائیں جس پر عائشہ صدیقہ فخر کیا کرتی تھیں اور بلاشبہ جتنا فخر کریں تھوڑا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

مفصل واقعہ خود حضرت عائشہؓ کی زبانی:

زہری نے کہا مجھ سے متعدد اہل حدیث نے یہ قصہ بیان کیا بعض نے کم بعض نے زیادہ لیکن ہر ایک کا بیان دوسرے کے بیان کی تائید کرتا ہے۔

سفر کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول:

عروہ کی روایت میں حضرت عائشہ کا بیان حسب ذیل آیا ہے۔ ام المومنین نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر پر تشریف لے جاتے تو اپنی بیبیوں میں قرعہ اندازی کرتے تھے، جس بی بی کا نام نکل آتا اس کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔

غزوۂ بنی مصطلق کے سفر میں میری رفاقت:

چنانچہ ایک جہاد پر آپ تشریف لے جانے لگے تو حسب معمول قرعہ اندازی کی، میرا نام نکل آیا، مجھے آپ نے ساتھ لے لیا، یہ واقعہ پردہ کی آیت نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ میں ہودج میں سوار ہوتی میرا ہودج ہی اٹھا کر (اونٹ پر) رکھا جاتا تھا اور نیچے اتارا جاتا تھا (مجھے باہر نکلنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی) اس طرح ہم مدینے سے چل دیے۔

میرا پیچھے رہ جانا:

جب جہاد سے فارغ ہو کر واپس ہوئے اور مدینے کے قریب پہنچ کر ایک جگہ اترے، رات کو کوچ کرنے کا اعلان ہوا۔ میں (رفع ضرورت کو جانے کے لئے) اٹھی اور چل کر لشکر سے آگے نکل گئی۔ ضرورت سے فارغ ہو کر جب اپنے مقام پر پہنچی اور سینہ کو ٹٹولا تو عقیق یمنی کا جو ہار میں پہنے تھی وہ ٹوٹ کر کہیں گر گیا، میں ہار کو ڈھونڈنے کے لئے فوراً لوٹ پڑی، ہار کی تلاش میں مجھے دیر ہوگئی، میرے ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھنے والے لوگ آئے اور یہ خیال کر کے کہ میں ہودج کے اندر ہوں خالی ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا، اس زمانہ میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں بھاری نہیں ہوتی تھیں ان پر گوشت نہیں چڑھا ہوتا تھا، کھانا تھوڑا کھاتی تھیں، اس لئے لوگوں نے ہودج کی خفت محسوس نہ کی، پھر میں تو کم سن لڑکی ہی تھی انہوں نے ہودج کو اونٹ پر لاد دیا اور اونٹ کو کھڑا کر کے چل دیے لشکر کے روانہ ہونے کے بعد مجھے ہار مل گیا۔ پڑاؤ پر واپس آئی تو وہاں کوئی بھی نہ تھا پڑاؤ بالکل خالی تھا، مجبوراً میں اپنی فرودگاہ پر ہی رک گئی اور خیال کیا کہ جب لوگ مجھے نہ پائیں گے تو لوٹ کر ضرور آئیں گے۔ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے مجھے نیند آ گئی اور میں سو گئی۔

حضرت صفوان بن معطلؓ کے ساتھ قافلے کے ساتھ شمولیت:

صفوان بن معطل سلمی ذکوانی نے لشکر سے پیچھے بہت دور قیام کیا تھا (کیونکہ لشکر کی کوئی گری پڑی چیز تلاش کرنے اور نگرانی رکھنے پر ان کو مامور کیا گیا تھا) وہ رات کے آخری حصہ میں اپنی فرودگاہ سے (حسب الحکم) روانہ ہوئے اور صبح کو میری فرودگاہ پر پہنچ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ کوئی سو رہا ہے، دیکھتے ہی مجھے پہچان لیا، کیونکہ پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا تھا۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھا۔ میں ان کے پڑھنے کی آواز سے بیدار ہوگئی اور اپنا چہرہ چادر سے ڈھانک لیا، خدا کی قسم انہوں نے مجھ سے کوئی بات ہی نہیں کی اور سوائے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کے اور کوئی لفظ میں نے ان سے نہیں سنا، اپنی اونٹنی انہوں نے میرے پاس لا کر بٹھا دی اور اس کا گھٹنا باندھ دیا، میں اٹھ کر اونٹنی پر سوار ہوگئی وہ مہار پکڑے ہوئے آگے آگے چلتے رہے ہمارا لشکر ٹھیک دوپہر کے وقت ایک جگہ ٹھہر گیا تھا، میں اس طرح لشکر تک پہنچ گئی۔

واپسی پر میری علالت:

میرے معاملہ میں جس (تہمت تراش) کو ہلاک ہونا تھا وہ (غلط افواہیں پھیلا کر) مارا گیا۔ اس تہمت تراشی کا سب سے بڑا ذمہ دار عبداللہ بن ابی بن سلول تھا، میں مدینے پہنچ کر بیمار ہوگئی اور ایک مہینہ بیمار رہی لوگ الزام تراشوں کی باتوں میں مشغول تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے التفات میں کمی:

بیماری کے زمانے میں مجھے پتہ نہیں تھا صرف یہ بات میرے لئے ضرور پریشان کن اور شبہ پیدا کرنے والی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ التفات میری طرف نہ تھا جو میری بیماری میں پہلے ہوا کرتا تھا، بس اتنی بات ہوتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حسب معمول) آتے اور سلام علیک کرتے اور فرماتے تھے تم لوگ کیسے ہو پھر واپس چلے جاتے اس سے مجھے شبہ ہوتا پریشانی ہوتی، لیکن راز کا پتہ نہ تھا۔

تہمت تراشی کی خبر:

جب میں اچھی ہوگئی مگر کمزور تھی تو ایک رات کو ام مسطح کو ساتھ لے کر میں

مناصع کی طرف جانے کے لئے نکلی پہلے ہمارے گھروں کے پاس بیت الخلاء بنے ہوئے نہیں ہوتے تھے، رفع ضرورت کے لئے رات کو ہم جنگل کی طرف عربوں کے پہلے رواج کے مطابق جایا کرتے تھے ہم کو گھروں کے قریب ٹٹیاں بنانے سے (بدبو سے) ایذا ہوتی تھی۔ (مسطح کی ماں ابورہم بن عبد مناف کی بیٹی تھی اور مسطح کی نانی صخر بن عامر کی بیٹی تھی صخر کی بیٹی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خالہ تھی اور اس کا بیٹا مسطح بن اثاثہ تھا) غرض میں اور ام مسطح دونوں ساتھ ساتھ ضرورت سے فارغ ہو کر گھر کی طرف کو لوٹے، ام مسطح کا پاؤں چادر میں الجھ گیا اور اس نے ٹھوکر کھائی گرتے ہی اس کے منہ سے نکلا مسطح مرے، میں نے کہا تم نے یہ بہت بُری بات کہی، کیا تم ایسے شخص کو کوس رہی ہو جو بدر میں شریک تھا۔ ام مسطح نے کہا بیٹی کیا تم نے اس کی بات نہیں سنی؟ میں نے کہا اس نے کیا کہا۔ اس پر ام مسطح نے مجھے تہمت تراشوں کی کہی ہوئی بات بتائی، اس کو سن کر میری بیماری اور بڑھ گئی۔

والدین کے گھر جا کر رات بھر روتے رہنا:

جب گھر لوٹ کر آئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حسب معمول) تشریف لائے اور دریافت کیا آپ لوگ کیسے ہیں تو میں نے کہا کیا آپ کی اجازت ہے میں اپنے والدین کے گھر جانا چاہتی ہوں۔ میرا خیال تھا کہ مجھے یقینی خبر ماں باپ سے مل جائے گی، آپ نے اجازت دے دی میں والدین کے گھر پہنچی اور اپنی والدہ سے پوچھا اماں لوگ یہ کیا باتیں کر رہے ہیں والدہ نے کہا بیٹا تم اس کا رنج نہ کرو جب کوئی عورت کسی شوہر کی نظر میں چہکیلی ہوتی ہے اور شوہر اس سے محبت کرتا ہے اور اس کی سوکنیں بھی ہوتی ہیں تو سوکنیں اس کے خلاف بڑی بڑی باتیں بناتی ہیں میں نے کہا سبحان اللہ لوگ یہ باتیں کہہ رہے ہیں، میں اس خبر کو سن کر رات بھر روتی رہی صبح تک نہ میرا آنسو تھما نہ نیند آئی، پھر صبح کو بھی روتی رہی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا متعلقین سے تحقیق کرنا:

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالب اور اسامہ بن زید کو مشورہ کے لئے بلایا کیونکہ وحی آنے میں دیر ہو گئی تھی (مدت سے وحی نہیں آئی تھی) اسامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی کی پاک دامنی سے واقف تھے انہوں نے پاک دامن ہونے کا ہی مشورہ دیا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ اسامہ کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کی محبت تھی اسی کے مطابق انہوں نے مشورہ دیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ آپ کی بیوی ہیں اور ہم تو ان کو اچھا ہی جانتے ہیں لیکن علی نے کہا آپ کے لئے اللہ نے کوئی تنگی نہیں رکھی ان کے علاوہ بہت عورتیں ہیں۔ آپ خادمہ سے دریافت کریں وہ سچ سچ کہہ دے گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ کو بلایا اور فرمایا کیا تو نے عائشہ کی کوئی ایسی حرکت دیکھی ہے جس سے تیرے دل میں کچھ شک گزرا ہو بریرہ نے کہا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے میں نے عائشہؓ کی کوئی بات ایسی نہیں دیکھی کہ میں نکتہ چینی کر سکوں ہاں بس اتنی بات ضرور ہے کہ وہ چونکہ کم سن لڑکی ہے سو جاتی ہے آٹا گوندھا ہوا رکھا رہتا ہے بکری آتی ہے اس کو کھا جاتی ہے۔

برسر منبر بہتان تراشوں کی تردید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب

اس تحقیقات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور عبداللہ بن ابی کی طرف سے معذرت پیش کرنے کے خواستگار ہوئے اور فرمایا اے گروہ اہل اسلام میرے گھر والوں کے معاملہ میں عبداللہ بن ابی کی ذات سے مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے کیا کوئی اس کی طرف سے میرے سامنے کوئی عذر پیش کر سکتا ہے خدا کی قسم مجھے اپنی بیوی کے متعلق (کوئی بُری بات معلوم نہیں ہوئی) اچھائی ہی معلوم ہوئی لوگ ایک ایسے آدمی کا نام لے رہے ہیں جس کے اندر مجھے کوئی بُرائی معلوم نہیں ہے (وہ اچھا ہی ہے) اور وہ میرے گھر کے اندر میرے ساتھ ہی جاتا ہے، (تنہا نہیں جاتا) یہ سن کر سعد بن معاذ اشہلی کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اگر آپ کی طرف سے تہمت تراش کو کچھ دکھ پہنچ جائے تو) میں آپ کو معذور جانتا ہوں اگر وہ اوس کے قبیلہ میں ہے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا اور اگر ہمارے خزرجی بھائیوں میں سے ہے تو آپ جو حکم دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ یہ بات سن کر قبیلہ خزرج کا ایک شخص اُٹھ کھڑا ہوا۔ حسان کی ماں اس شخص کے چچا کی بیٹی تھی، یعنی سعد بن عبادہ سردار خزرج کھڑے ہوئے پہلے یہ نیک آدمی تھے لیکن قبیلہ کی حمیت ان پر سوار ہو گئی او رسعد بن معاذ سے کہنے لگے خدا کی قسم تم نے جھوٹ کہا تم نہ اس کو قتل کرو گے نہ اس کو قتل کرنے کی تم میں ہمت ہے اور اگر تمہارے قبیلہ والوں میں سے وہ ہوتا تو میرے خیال میں تم اس کو قتل کرنے کا ارادہ ہی نہ کرتے اس پر سعد بن معاذ کے چچا زاد بھائی اسید بن حضیر نے سعد بن عبادہ سے کہا تم نے خدا کی قسم جھوٹ کہا ہم اسکو ضرور بالضرور قتل کر دیں گے تم یقیناً منافق ہو منافقوں کی طرف سے لڑتے ہو اس کے بعد اوس اور خزرج دونوں قبیلے جوش میں آ گئے قریب تھا کہ آپس میں لڑ پڑیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر موجود تھے آپ سب کو ٹھنڈا کر رہے تھے آخر سب خاموش ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔

میرا رات دن روتے رہنا:

حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں اس روز بھی دن بھر روتی رہی اور رات بھر بھی میرا آنسو نہ تھما نہ نیند آئی والدین کو اندیشہ ہو گیا کہ روتے روتے میرا جگر پھٹ جائے گا۔ دونوں حضرات میرے پاس بیٹھے ہی ہوئے تھے اور میں رو رہی تھی کہ ایک انصاری عورت نے اندر آنے کی اجازت طلب کی، میں نے

اجازت دے دی وہ آ کر بیٹھ گئی اور میرے ساتھ رونے لگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی:

کچھ دیر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور بیٹھ گئے اس سے پہلے جب سے میرے متعلق چہ میگوئیاں شروع ہوئی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس نہیں بیٹھے تھے، اور ایک مہینہ کا وقفہ گزر چکا تھا اس عرصہ میں میرے معاملے کے متعلق کوئی وحی بھی نہیں آئی تھی بیٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول کلمہ شہادت پڑھا، پھر فرمایا، عائشہ مجھے تیرے متعلق ایسی ایسی خبریں پہنچی ہیں اگر تو ان سے پاک ہے تو اللہ تیری پاکی ظاہر فرما دے گا اور اگر تو اتفاقاً کسی گناہ میں مبتلا ہوگئی ہے تو اللہ سے توبہ و استغفار کر، بندہ جب گناہ کا اقرار کر لیتا ہے اور معافی کا طلبگار ہوتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میرا بیان:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بات پوری کر چکے تو میرے آنسو تھم گئے کہ ایک قطرہ بھی نکلتا مجھے محسوس نہ ہوا پھر میں نے اپنے والد سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب دیجئے، والد نے کہا خدا کی قسم مجھے کوئی جواب معلوم نہیں کیا جواب دوں۔ پھر میں نے اپنی والدہ سے یہی بات کہی کہ آپ جواب دیجئے، انہوں نے بھی والد کی طرح یہی کہا کہ میں کیا کہوں مجھے کوئی جواب معلوم نہیں، آخر میں نے خود کہا (اس وقت میں نوعمر لڑکی تھی زیادہ قرآن بھی نہیں پڑھا تھا) خدا کی قسم میں جان گئی کہ تم لوگوں نے یہ بات سن کر اپنے دلوں میں جمالی ہے اور اس کو سچ ماننے لگے ہو، اب اگر میں کہوں کہ میں اس سے پاک ہوں اور خدا جانتا ہے کہ میں اس سے پاک ہوں تو تم مجھے سچا نہ جانو گے اور اگر میں تمہارے سامنے اقرار کرلوں اور خدا جانتا ہے کہ میں اس فعل سے پاک ہوں تو تم مجھے سچا سمجھو گے (اس لئے میں کچھ نہیں کہہ سکتی) مجھے اپنی اور تمہاری حالت کی سوائے اس کے اور کوئی مثال نہیں ملتی جو یوسفؑ کے باپ نے کہا تھا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ (پس میں بھی یہی کہتی ہوں) یہ کہنے کے بعد میں نے منہ موڑ لیا اور بستر پر لیٹ گئی۔

مجھے اپنی براءت کا یقین تھا:

میں یہ تو جانتی تھی کہ چونکہ میں پاک ہوں، اللہ ضرور میری پاکی کا اظہار فرما دے گا۔ لیکن میرا یہ گمان بھی نہ تھا کہ میرے معاملے میں اللہ کوئی ایسی وحی نازل فرمائے گا جو (ہمیشہ قرآن میں) پڑھی جائے گی۔ میرے دل میں میری حالت اس قابل نہ تھی کہ اللہ اس کے سلسلہ میں اپنا کلام نازل فرماتا جو (ہمیشہ) پڑھا جائے گا۔ مجھے تو یہ امید تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے میری پاک دامنی کا کوئی خواب دکھا دیا جائے گا۔

وحی اُترنا:

خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے ہٹے بھی نہ تھے اور نہ کوئی گھر والا باہر نکلا تھا کہ اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرما دی اور نزول وحی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تکلیف ہوئی تھی وہ ہونے لگی، سخت سردی کے زمانے میں نزول وحی کے وقت چاندی کے موتیوں جیسے پسینے کے قطرے (آپ کی پیشانی سے) ٹپکنے لگتے تھے۔

خوشخبری:

کچھ دیر کے بعد وحی کی وہ حالت دور ہوئی اور ہنستے ہوئے جو لفظ آپ نے سب سے پہلے اپنے منہ سے نکالا وہ یہ تھا، عائشہؓ خوش ہو جا، اللہ نے تیری پاک دامنی کا اظہار کر دیا، میری ماں نے کہا اٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ میں نے کہا خدا کی قسم میں نہ اٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جاؤں گی نہ اللہ کے سوا کسی کا شکر کروں گی، اللہ نے میری پاکی ظاہر فرمائی ہے۔ (تفسیر مظہری)

صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس مجلس سے ابھی نہیں اُٹھے تھے اور گھر والوں میں بھی کوئی نہیں اُٹھا تھا کہ آپ پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو نزول وحی کے وقت ہوا کرتی تھی جس سے سخت سردی کے زمانے میں آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ چھوٹنے لگتا تھا جب یہ کیفیت رفع ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے ہوئے اُٹھے اور سب سے پہلا کلمہ جو فرمایا وہ یہ تھا بشری یا عائشة اما اللہ فقد ابرأک یعنی اے عائشہؓ خوشخبری سنو اللہ تعالیٰ نے تو تمہیں بری کر دیا۔ میری والدہ نے کہا کہ کھڑی ہو جاؤ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو میں نے کہا کہ نہ میں اس معاملہ میں اللہ کے سوا کسی کا احسان مانتی ہوں نہ کھڑی ہوں گی میں اپنے رب کی شکر گزار ہوں کہ اسی نے مجھے بری فرمایا۔

حضرت صدیقہؓ کی چند خصوصیات:

امام بغویؒ نے انہیں آیات کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ حضرت صدیقہ عائشہؓ کی چند خصوصیات ایسی ہیں جو ان کے علاوہ کسی دوسری عورت کو نصیب نہیں ہوئیں اور صدیقہ عائشہؓ بھی (بطور تحدیث بالنعمة) ان چیزوں کو فخر کے ساتھ بیان فرمایا کرتی تھیں۔

پہلی خصوصیت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے پہلے جبرئیل امین ایک ریشمی کپڑے میں میری تصویر لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور فرمایا کہ یہ تمہاری زوجہ ہے (رواہ الترمذی عن عائشہؓ) اور بعض روایات

میں ہے کہ جبرئیل امین اپنی ہتھیلی میں یہ صورت لے کر تشریف لائے تھے۔

دوسری خصوصیت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوا کسی کنواری لڑکی سے نکاح نہیں کیا۔

تیسری خصوصیت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ان کی گود میں ہوئی۔

چوتھی خصوصیت:

بیت عائشہؓ ہی میں آپ مدفون ہوئے۔

پانچویں خصوصیت:

آپ پر اس وقت بھی وحی نازل ہوتی تھی جبکہ آپ حضرت عائشہؓ کے ساتھ ایک لحاف میں ہوتے تھے دوسری کسی بی بی کو یہ خصوصیت حاصل نہ تھی۔

چھٹی خصوصیت:

آسمان سے اُن کی براءت نازل ہوئی۔

ساتویں خصوصیت:

وہ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہیں اور صدیقہ ہیں اور ان میں سے ہیں جن سے دُنیا ہی میں مغفرت کا اور رزق کریم کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا ہے۔ (مظہری)

حضرت صدیقہؓ کی فقیہانہ اور عالمانہ تحقیقات اور فاضلانہ تقریر کو دیکھ کر حضرت موسیٰ بن طلحہؒ نے فرمایا کہ میں نے صدیقہ عائشہؓ سے زیادہ فصیح و بلیغ نہیں دیکھا۔ (رواہ الترمذی) (معارف مفتی اعظم)

اِفک کا معنی اور مطلب:

افک، انتہائی درجہ کا جھوٹ، افک کا لغوی معنی ہے موڑ دینا، اُلٹ دینا، حضرت عائشہؓ پر تہمت کو افک اس وجہ سے فرمایا کہ آپ اپنی پاک دامنی اور شرافت نفس کی وجہ سے تعریف اور دعا کی مستحق تھیں، صدیق اکبرؓ کی بیٹی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی تھیں۔ مسلمانوں کی ماں تھیں ہر طرح کی تعظیم و تکریم آپ کی واجب تھی، پس اس کے برعکس جس نے آپ کے اوپر تہمت لگائی اس نے (گویا) حقیقت کو ہی اُلٹ دیا۔ یہ قلب حقیقت ہوگیا۔ (تفسیر مظہری)

عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ
تمہیں میں ایک جماعت ہیں

طوفان اٹھانے والے:

یعنی طوفان اُٹھانے والے خیر سے وہ لوگ ہیں جو جھوٹ یا سچ اسلام کا نام لیتے اور اپنے کو مسلمان بتلاتے ہیں۔ اُن میں سے چند آدمیوں نے مل کر یہ سازش کی اور کچھ لوگ نادانستہ اُن کی عیارانہ سازش کا شکار ہوگئے۔ تاہم خدا کا احسان ہے کہ جمہور مسلمان اُن کے جال میں نہیں پھنسے۔ (تفسیر عثمانی)

عُصْبَةٌ دس سے چالیس تک کے آدمیوں کی جماعت۔ اس کا کوئی واحد نہیں۔ كذافي النهاية مِنْكُمْ یعنی مسلمانوں میں سے۔

بخاری وغیرہ کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں (ام المومنین) زینب بنت جحش کو ان کی دینداری کی وجہ سے اللہ نے (اس تہمت تراشی سے) بچائے رکھا، انہوں نے سوائے کلمہ خیر کے اور کچھ نہیں کہا، لیکن ان کی بہن حمنہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہوگئی (یعنی تہمت تراشی کرنے والوں کی ہمنوا بن گئی) یہ باتیں کرنے والے مسطح حسان بن ثابت اور عبداللہ بن ابی منافق تھے۔ عبداللہ بن ابی ہی ایسی باتیں نکال کر لاتا اور جمع کرتا تھا۔

بغوی نے لکھا ہے عروہ نے اہل افک میں صرف حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ، اور حمنہ بنت جحش کے نام دوسرے لوگوں کے ساتھ ذکر کئے، مجھے باقی لوگوں کے نام معلوم نہیں، اتنا ضرور معلوم ہے کہ ایک جماعت تھی جیسا کہ اللہ نے عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ فرمایا ہے (اور عصبہ دس سے کم کو نہیں کہتے)۔

حضرت عائشہؓ کا حسنِ خلق و مروت:

عروہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ کو پسند نہ تھا کہ آپ کے سامنے حضرت حسان کو بُرا کہا جائے آپ فرماتی تھیں حسان کا ہی تو یہ شعر ہے۔

فَاِنَّ اَبِیْ وَوَالِدَتِیْ وَعِرْضِیْ　　لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِّنْكُمْ وِقَاءُ

(ترجمہ) میرے ماں باپ اور میری آبرو تم سے محمد کی آبرو کو بچانے والے ہیں۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو پر میرے والدین اور آبرو قربان۔ (تفسیر مظہری)

لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۭ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ
تم اس کو نہ سمجھو بُرا اپنے حق میں　بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں

الزام سے متاثرہ شخصیات کیلئے تسلی:

یہ خطاب ان مسلمانوں کی تسلی کے لئے ہے جنہیں اس واقعہ سے صدمہ پہنچا تھا بالخصوص عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور اُن کا گھرانا کہ ظاہر ہے وہ سخت غمزدہ اور پریشان تھے یعنی گو بظاہر یہ چرچا بہت مکروہ، رنجدہ اور ناخوشگوار تھا۔ لیکن فی الحقیقت تمہارے لئے اس کی تہ میں بڑی بہتری چھپی ہوئی تھی۔ آخراتنی مُدت تک ایسے جگر خراش حملوں اور ایذاؤں پر صبر کرنا کیا خالی جاسکتا ہے۔ کیا یہ شرف تھوڑا ہے کہ خود حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں تمہاری نزاہت و براءت اُتاری۔ اور دشمنوں کو رسوا کیا اور قیامت تک کے لئے تمہارا ذکر خیر قرآن پڑھنے والوں کی زبان پر جاری کردیا۔ اور مسلمانوں

کو پیغمبر علیہ السلام کی ازواج واہل بیت کا حق پہچاننے کے لئے ایسا سبق دیا جو کبھی فراموش نہ ہو سکے۔ فللہ الحمد علی ذلک۔ (تفسیر عثمانی)

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ

ہر آدمی کے لئے اُس میں سے وہ ہے جتنا اس نے گناہ کمایا

وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ

اور جس نے اُٹھایا ہے اُس کا بڑا بوجھ اُس کے واسطے بڑا عذاب ہے

الزام تراشی کے فتنہ کے حصہ داروں کا گناہ:

یعنی جس شخص نے اس فتنہ میں جس قدر حصہ لیا اُسی قدر گناہ سمیٹا اور سزا کا مستحق ہوا۔ مثلاً بعض خوش ہو کر اور خوب مزے لے کر ان واہیات باتوں کا تذکرہ کرتے تھے۔ بعض اظہار افسوس کے طرز میں بعض چھیڑ کر مجلس میں چرچا اُٹھا دیتے اور آپ خود چپکے سُنا کرتے۔ بعض سن کر تردد میں پڑ جاتے، بہت سے خاموش رہتے اور بہت سے سُن کر جھٹلا دیتے ان پچھلوں کو پسند فرمایا اور سب کو درجہ بدرجہ کم و بیش الزام دیا۔ اور بڑا بوجھ اٹھانے والا منافقوں کا سردار عبداللہ بن اُبی تھا جیسا کہ روایات کثیرہ میں تصریح ہے۔ یہ ہی خبیث لوگوں کو جمع کرتا اور اُبھارتا اور نہایت چالاکی سے خود دامن بچا کر دوسروں سے اس کی اشاعت کرایا کرتا تھا۔ اس کے لئے آخرت میں بڑا عذاب تو ہے ہی، دنیا میں بھی ملعون خوب ذلیل و رسوا ہوا اور قیامت تک اسی ذلت وخواری سے یاد کیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

کوڑوں کی سزا:

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عائشہ پر تہمت تراشی کی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک (پر حد قذف جاری کی ہر ایک) کو اسی اسی کوڑے لگوائے میں کہتا ہوں سزائے تازیانہ اور دنیا میں رسوائی تو ان کی دنیوی سزا تھی اور آخرت میں جتنی سزا اللہ کو منظور ہوگی مل جائے گی۔

عبداللہ بن اُبی کی بکواس بازی:

ابن ابی ملیکہ نے بروایت عروہ قصہ افک کے ذیل میں حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا ہے۔ ام المومنین نے فرمایا، پھر میں سوار ہو گئی صفوان نے اونٹ کی مہار پکڑ لی (اور مہار پکڑے آگے آگے چلنے لگے) چلتے چلتے منافقوں کی ایک جماعت کی طرف سے ہمارا گذر ہوا منافقوں کا قاعدہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے عام) لشکر سے الگ اپنا پڑاؤ کرتے تھے (ان کی فرودگاہ عام مسلمانوں کی فرودگاہ سے الگ ہوتی تھی) منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی کہنے لگا یہ عورت کون ہے۔ ساتھیوں نے جواب دیا عائشہ ہے، عبداللہ بولا خدا کی قسم یہ اس سے نہیں بچی اور نہ وہ اس سے بچا، تمہارے نبی کی بیوی رات بھر ایک مرد کے ساتھ رہی۔ پھر صبح ہوئی تو وہ شخص آگے آگے چلنے لگا۔

آیت کی تفسیر میں ایک کمزور قول:

بعض کا قول ہے کہ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ سے چار شخص مراد ہیں، عبداللہ بن ابی بن سلول، حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش۔ یہ قول کمزور ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو الّذی تولّٰی کے بجائے والّذین تولّوا (بصیغہ جمع) ہوتا، اس کے علاوہ مسطح اور حسان تو بدری تھے، بدر میں شریک تھے اور شرکاء بدر کے تمام اگلے پچھلے گناہ اللہ نے معاف فرما دیئے ہیں (اس لئے ان پر آخرت میں عذاب عظیم نہیں ہو سکتا)

اہل بدر کی فضیلت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بدر سے فرمایا تھا جو چاہو کرو اللہ نے تم کو بخش دیا ہے۔ اللہ نے تمام (مخلص) صحابیوں کے متعلق فرمایا ہے وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى اور ہر ایک کے لئے اللہ نے جنت کا وعدہ کر لیا ہے۔ (اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ عذاب نہ ہوگا ممکن ہے عذاب کے بعد جنت میں داخلہ ہو) مسروق نے کہا، میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا حسان بن ثابت اُس وقت ام المومنین کے پاس موجود تھے اور حضرت عائشہؓ کی شان میں یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

حَصَانٌ رَزَانٌ مَاتُزَنُّ بِرِيْبَةٍ
وَتُصْبِحُ غَرْثٰى مِنْ لُحُوْمِ الْغَوَافِلِ

(ترجمہ) وہ بڑی پاک دامن اور بڑی باوقار ہیں، کسی شبہ کی بات سے متہم نہیں کی جا سکتیں ان کا پیٹ بے خبر بھولی عورتوں کے گوشت سے خالی رہتا ہے (یعنی کسی کی غیبت نہیں کرتیں)۔ (تفسیر عثمانی)

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ

کیوں نہ جب تم نے اس کو سنا تھا خیال کیا ہوتا ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں

بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ

نے اپنے لوگوں پر بھلا خیال اور کہا ہوتا یہ صریح طوفان ہے

ایک مسلمان کا طرز معاشرت:

مسلمان کو چاہیے کہ اپنے مسلمان بھائی بہنوں کے ساتھ حسن ظن رکھے اور جب سنے کہ لوگ ایک نیک شخص پر یوں ہی رجما بالغیب بری تہمتیں لگاتے ہیں تو اپنے میں ایسے خیالات کو راہ نہ دے بلکہ اُن کو جھٹلائے۔ پیغمبر

علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کوئی پیٹھ پیچھے بھائی مسلمان کی مدد کرے اللہ پیٹھ پیچھے اُس کی مدد کرے گا۔ بے تحقیق تہمتیں تراشنا ایمان سے بعید ہے۔ چاہئے کہ آدمی خود اپنی آبرو پر دوسروں کی آبرو کو قیاس کر لے۔

حضرت ابوایوبؓ کا کمال:

جیسا کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ وغیرہ نے قصہ ''افک'' میں کیا۔ ایک روز اُن کی بیوی نے کہا کہ لوگ عائشہ صدیقہؓ کی نسبت ایسا کہتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ جھوٹے ہیں۔ کیا ایسا کام تو کر سکتی ہے؟ بولی ہرگز نہیں۔ فرمایا پھر (صدیقؓ کی بیٹی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی) عائشہ صدیقہؓ تجھ سے کہیں بڑھ کر پاک وصاف اور طاہر و مطہر ہیں، اُن کی نسبت بے وجہ ایسا گمان کیوں کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت کے آخری جملے وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ۔ میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ تقاضا ایمان کا یہ تھا کہ مسلمان اس خبر کو سنتے ہی کہہ دیتے کہ یہ کھلا جھوٹ ہے اس سے ثابت ہوا کہ کسی مسلمان کے بارے میں جب تک کسی گناہ یا عیب کا علم کسی دلیل شرعی سے نہ ہو جائے اُس وقت تک اُس کے ساتھ نیک گمان رکھنا اور بلا کسی دلیل کے عیب و گناہ کی بات اُس کی طرف منسوب کرنے کو جھوٹ قرار دینا عین تقاضائے ایمان ہے۔

بلا دلیل مسلمان سے بدگمانی جائز نہیں ہے:

اس سے ثابت ہوا کہ ہر مسلمان مرد وعورت کے ساتھ اچھا گمان رکھنا واجب ہے جب تک کسی دلیل شرعی سے اس کے خلاف ثابت نہ ہو جائے۔ اور جو شخص بلا دلیل شرعی کے اُس پر الزام لگاتا ہے اُس کی بات کو رد کرنا اور جھوٹا قرار دینا بھی واجب ہے کیونکہ وہ محض ایک غیبت اور مسلمان کو بلا وجہ رُسوا کرنا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ایک اہم اور ضروری تنبیہ:

مذکورہ دونوں آیتوں میں ہر مسلمان کو دوسرے مسلمانوں سے حُسن ظن رکھنے کی ہدایت اوراس کے خلاف بے دلیل باتوں کی تردید کو واجب قرار دیا ہے اس پر کسی کو یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی سے اس خبر کے غلط ہونے پر یقین کیوں نہ فرمایا اور اس خبر کی تردید کیوں نہ کر دی اور ایک مہینہ تک تردد کی حالت میں کیوں رہے یہاں تک کہ حضرت صدیقہ عائشہؓ سے فرمایا کہ اگر تم سے کوئی لغزش ہو گئی ہو تو توبہ کر لینا چاہئے۔ (کمارواہ البخاری)

وجہ یہ ہے کہ یہاں ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر حُسن ظن رکھنے کا حکم ہے وہ اس تردد کے منافی نہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آیا۔ کیونکہ آپ نے اس خبر کی نہ تصدیق فرمائی اور نہ اس کے مقتضے پر کوئی عمل فرمایا نہ اس کا چرچا کرنا پسند فرمایا بلکہ صحابہ کرام کے مجمع میں یہی فرمایا کہ ماعلمت علی اھلی الاخیرا رواہ البخاری۔ یعنی میں اپنی اہلیہ کے بارہ میں بھلائی اور نیکی کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ یہ سب انہیں آیات مذکورہ کے مقتضٰی پر عمل اور حُسن ظن رکھنے کے شواہد ہیں۔ البتہ قطعی اور یقینی علم جس سے طبعی تردد (بھی رفع ہو جاوے وہ اس وقت ہوا جب آیات براءت نازل ہوگئیں۔

ہر مسلمان کو گناہوں سے پاک صاف سمجھنا اصل شرعی ہے جو دلیل سے ثابت ہے اسکے خلاف جو بات بغیر دلیل کے کہی جائے اس کو جھوٹا سمجھنے کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں۔ صرف اتنا کافی ہے کہ ایک مومن مسلمان پر بغیر کسی دلیل شرعی کے الزام لگایا گیا ہے لہٰذا یہ بہتان ہے۔

انسدادِ فواحش کا قرآنی نظام:

قرآن حکیم نے فواحش کے انسداد کا یہ خاص نظام بنایا ہے کہ اول تو اس قسم کی خبر کہیں مشہور نہ ہونے پاوے اور شہرت ہو تو ثبوت شرعی کے ساتھ ہو تاکہ اس شہرت کے ساتھ ہی مجمع عام میں حد زنا اُس پر جاری کر کے اس شہرت ہی کو سبب انسداد بنا دیا جائے۔ اور جہاں ثبوت شرعی نہ ہو وہاں اس طرح کی بے حیائی کی خبروں کو چلتا کر دینا اور شہرت دینا جبکہ اس کے ساتھ کوئی سزا نہیں طبعی طور پر لوگوں کے دلوں سے بے حیائی اور فواحش کی نفرت کم کر دینے اور جرائم پر اقدام کرنے اور شائع کرنے کا موجب ہوتی ہے جس کا مشاہدہ آج کل کے اخبارات میں روزانہ ہوتا ہے کہ اس طرح کی خبریں ہر روز ہر اخبار میں نشر ہوتی رہتی ہیں، نوجوان مرد اور عورتیں اُن کو دیکھتے رہتے ہیں روزانہ ایسی خبروں کے سامنے آنے اور اُس پر کسی خاص سزا کے مرتب نہ ہونے کا لازمی اور طبعی اثر یہ ہوتا ہے کہ دیکھتے دیکھتے وہ فعل خبیث نظروں میں ہلکا نظر آنے لگتا ہے اور پھر نفس میں ہیجان پیدا کرنے کا موجب ہوتا ہے اسی لئے قرآن حکیم نے ایسی خبروں کی تشہیر کی اجازت صرف اُس صورت میں دی ہے جبکہ وہ ثبوت شرعی کے ساتھ ہو اُس کے نتیجہ میں خبر کے ساتھ ہی اس بے حیائی کی ہولناک پاداش بھی دیکھنے سننے والوں کے سامنے آ جائے۔ اور جہاں ثبوت اور سزا نہ ہو تو ایسی خبروں کی اشاعت کو قرآن نے مسلمانوں میں فواحش پھیلانے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ کاش مسلمان اس پر غور کریں۔ (مفتی اعظم)

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا

کیونکہ نہ لائے وہ اس بات پر چار شاہد پھر جب نہ لائے

بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝

شاہد تو وہ لوگ اللہ کے یہاں وہی ہیں جھوٹے

بغیر ثبوت الزام اٹھانا غلط ہے:

یعنی اللہ کے حکم اور اس کی شریعت کے موافق وہ لوگ جھوٹے قرار دیے گئے ہیں۔ جو کسی پر بدکاری کی تہمت لگا کر چار گواہ پیش نہ کر سکیں۔ اور بدون کافی ثبوت کے ایسی سنگین بات زبان سے بکتے پھریں۔ (تفسیر عثمانی)

اگر کوئی کسی پر زنا کا الزام قائم کرے اور اتنے گواہ بھی پیش کر دے جو زنا کی سزا جاری کرنے کے لئے کافی ہوں تو ممکن ہو اس کی نیت بخیر ہو وہ اللہ کی نافرمانی سے لوگوں کو روکنا چاہتا ہو لیکن ضروری شہادت پیش نہ کر سکے تو اس صورت میں کسی پر زنا کا الزام لگانے کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ ایک مسلمان کو بدنام کرنا چاہتا ہے حد شرعی قائم کرانا نہیں چاہتا اس حالت میں اگر وہ شرعی سزا قائم کرانے کی نیت کا دعوی کرتا ہے تو عند اللہ جھوٹا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا
اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت دنیا
وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ
اور آخرت میں تو تم پر پڑتی اس چرچا کرنے میں کوئی آفت بڑی

اللہ کے فضل نے بچالیا:

یعنی اللہ تعالی نے اس امت کو پیغمبر کے طفیل دنیا کے عذابوں سے بچایا ہے۔ نہیں تو یہ بات قابل تھی عذاب کے۔ (موضح القرآن) نیز تم میں سے مخلصین کو توبہ کی توفیق دے کر خطا معاف کر دی ورنہ منافقین کی طرح وہ بھی قیامت کے دن عذاب عظیم میں گرفتار ہوتے۔ (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

یعنی اے مسلمانو! اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے تم پر اللہ کا کرم نہ ہوتا اور دنیا میں طرح طرح کی نعمتیں وہ اپنی رحمت سے نہ دیتا (منجملہ دوسری نعمتوں کے ایک اسلام کی توفیق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا میسر آ جانا بھی ہے جس کی وجہ سے عذاب کے نزول میں رکاوٹ ہوئی اور توبہ کا وقت مل گیا) اور آخرت میں اللہ کی رحمت تم پر نہ ہوتی (کہ اس نے عفو و درگزر اور جنت میں داخل کرنے کا وعدہ فرما لیا ہے) تو جس نازیبا اور پُر معصیت مشغلہ میں تم گھس گئے تھے اس کی وجہ سے دنیا و آخرت میں تم پر بڑا عذاب آ جاتا۔ (تفسیر عثمانی)

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ
جب لینے لگے تم اس کو اپنی زبانوں پر اور بولنے لگے اپنے منہ سے جس چیز کی تم کو
لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ
خبر نہیں اور تم سمجھتے ہو اس کو ہلکی بات اور یہ اللہ کے یہاں بہت بڑی ہے

جرم کی سنگینی: یعنی عذاب عظیم کے مستحق کیوں نہ ہوتے جبکہ تم ایسی بے تحقیق اور ظاہر البطلان بات کو ایک دوسرے کی طرف چلتا کر رہے تھے۔ اور زبان سے وہ انکل پچو باتیں نکالتے تھے جن کی واقعیت کی تمہیں کچھ بھی خبر نہ تھی پھر اصل یہ ہے کہ ایسی سخت بات کو (یعنی کسی محصنہ خصوصاً پیغمبر علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ اور مومنین کی روحانی والدہ کو متہم کرنا) جو اللہ کے نزدیک بہت بڑا سنگین جرم ہے محض ایک ہلکی اور معمولی بات سمجھنا، یہ اصل جرم سے بھی بڑا جرم تھا۔ (تفسیر عثمانی)

تمام نیکیوں کا مدار: حضرت معاذ بن جبل کا بیان ہے میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت میں لے جائے اور دوزخ سے دور کر دے فرمایا تم نے بڑی بات دریافت کی لیکن جن کے لئے اللہ آسان کر دے اس کے لئے آسان بھی ہے اللہ کی عبادت کرو۔ کسی چیز کو اس کے ساتھ (الوہیت و ربوبیت میں) ساجھی نہ بناؤ نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو۔ رمضان کے روزے رکھو، کعبے کا حج کرو۔ آخر میں فرمایا کیا میں تم کو بھلائی کے دروازے نہ بتا دوں، (یاد رکھو) روزہ (عذاب سے بچنے کی) سپر ہے، خیرات، گناہوں (کی آگ) کو اس طرح بجھا دیتی ہے جیسے پانی آگ کو اور رات کے جوف (وسط) میں نماز پڑھنا (بھی گناہ کی آگ کو بجھا دیتا ہے) پھر آپ نے آیت تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَعْمَلُوْنَ تک تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا کیا میں تمہیں (دینی) امور کا سر اور ستون اور اس کے کوہان کی چوٹی نہ بتا دوں، اسلام اس کا سر ہے، نماز اس کا ستون ہے اور جہاد اس کے کوہان کی چوٹی ہے۔ پھر فرمایا، کیا میں تم کو ایسی بات نہ بتا دوں جس پر ان سب کا مدار ہے۔ میں نے عرض کیا ضرور فرمائیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان کو پکڑ کر فرمایا اس کو روکے رکھو۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا بات کرنے پر بھی ہماری پکڑ ہوگی، فرمایا، معاذ! تجھ پر تیری ماں روئے زبانوں کے نتائج ہی تو لوگوں کو اوندھے منہ دوزخ میں گرائیں گے (یعنی باتوں کی کھیتی دوزخ کی شکل میں کٹ کر سامنے آئے گی) رواہ احمد، والترمذی وابن ماجہ۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ
اور کیوں نہ جب تم نے اس کو سنا تھا کہا ہوتا ہم کو نہیں لائق کہ منہ پر لائیں
نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ
یہ بات اللہ تو پاک ہے یہ تو بڑا بہتان ہے

تہمت کی بات سنتے ہی انکار کیوں نہ کیا:

یعنی اول تو حسن ظن کا اقتضاء یہ تھا کہ دل میں بھی یہ خیال نہ گزرنے پائے۔ جیسا کہ اوپر ارشاد ہوا لیکن اگر شیطانی اغواء سے فرض کیجئے کسی کے

دل میں کوئی بُرا وسوسہ گزرے تو پھر یہ جائز نہیں کہ ایسی ناپاک بات زبان پر لائی جائے۔ چاہئے کہ اس وقت مومن اپنی حیثیت اور دیانت کو ملحوظ رکھے اور صاف کہہ دے کہ ایسی بے سر و پا بات کا زبان سے نکالنا مجھ کو زیب نہیں دیتا اے اللہ تو پاک ہے۔ کس طرح لوگ ایسی نامعقول بات منہ سے نکالتے ہیں۔ بھلا جس پاکباز خاتون کو تو نے سید الانبیاء اور راس المتقین کی زوجیت کے لئے چنا کیا وہ (معاذ اللہ) خود بے آبرو ہو کر پیغمبر کی آبرو کو بٹہ لگائے گی (حاشا ثم حاشا) ہو نہ ہو دشمنوں نے ایک بے قصور پر بہتان باندھا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ ہمارے لئے یہ بات کہنی بھی جائز نہیں اے اللہ تو پاک ہے (تیرا رسول صلی اللہ علیہ وسلم پاک ہے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی پاک ہے) یہ بڑا بہتان ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی بیٹی کیلئے ایسی بات کیوں کہی گئی:

مَّا يَكُونُ لَنَآ یعنی ہمارے لئے جائز نہیں، سزاوار نہیں کہ یہ بات یا اس قسم کی باتیں کہیں، صدیق اکبر کی بیٹی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی کے متعلق ایسے بات کہنی تو سچے مسلمانوں کے لئے بہت ہی شاق تھی ویسے بھی کسی پاک دامن پر زنا کی تہمت لگانی فاسق بنا دیتی ہے آئندہ ایسے شخص کی شہادت قابل پذیرائی نہیں رہتی اور تہمت تراش مستحق سزا ہو جاتا ہے۔

سُبْحٰنَكَ یعنی اے اللہ تو اس بات سے پاک ہے کہ تیرے نبی کی بیوی زانیہ ہو، کیونکہ بیوی کی زناکاری تو شوہر کی آبرو کو تباہ کر دیتی ہے۔ نبی لوگوں کو دعوت اصلاح دیتا ہے۔

یہ بہت بڑا بہتان تھا:

هٰذَا بُهْتَانٌ یعنی یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ سننے والا اس کو سن کر حیران رہ جاتا ہے جس پر دروغ بندی کی جا رہی ہے اس کی عظمت شان اور پھر اس کی طرف ایسی ذلیل حرکت کی نسبت سننے والے کو متحیر بنا دیتی ہے جس پر دروغ تراشی کی جاتی ہے اس کے مرتبے کے موافق تہمت (کے ہلکے بھاری ہونے) کا اندازہ قائم کیا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝
اللہ تم کو سمجھاتا ہے کہ پھر نہ کرو ایسا کام کبھی اگر تم ایمان رکھتے ہو

خبردار! آئندہ ایسا نہ ہو:

یعنی مومنین کو پوری طرح چوکس اور ہشیار رہنا چاہیے۔ بد باطن منافقین کے چکموں میں کبھی نہ آئیں۔ ہمیشہ پیغمبر علیہ السلام اور آپ کے اہل بیت کی عظمت شان کو ملحوظ رکھیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ کہ ایسی حرکت دوبارہ پھر کبھی نہ کرنا۔ وعظ کا معنی ہے ایسی یاد داشت جس میں خوف بھی دلایا گیا ہو۔ خلیل نے کہا وعظ کا معنی ہے اس طور پر خیر کی یاد دہانی کرنا کہ دلوں میں رقت پیدا ہو جائے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تم کو اپنا عذاب یاد دلاتا اور سزا سے ڈراتا ہے۔

یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تم کو تنبیہ کرتا ہے اور ڈراتا ہے کیونکہ اس کو تمہارا پھر ایسا کرنا پسند نہیں ہے۔

مجاہد نے يَعِظُكُمْ کا ترجمہ کیا تم کو منع کرتا ہے دوبارہ ایسی حرکت کرنے سے۔

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ یعنی اگر تم مومن ہو تو نصیحت مانو، ایسی حرکت پھر کبھی نہ کرنا یہ حرکت تقاضائے ایمان کے خلاف ہے۔

جو شیعہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کو متہم کرتے ہیں وہ مومن نہیں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝
اور کھولتا ہے اللہ تمہارے واسطے پتے کی باتیں اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا ہے

اللہ کی طرف سے راہنمائی:

یعنی پتہ اس کا کہ یہ طوفان اٹھایا کس نے معلوم ہوا کہ منافقین نے جو ہمیشہ چھپے دشمن تھے۔ اگلی آیت میں پتہ بتلا دیا۔ (کذا فی الموضح) عموماً مفسرین نے آیات سے مراد احکام، نصائح، حدود اور قبول توبہ وغیرہ کے مضامین لئے ہیں۔

اس وقت صفات علم و حکمت کے ذکر سے یہ غرض ہو گی کہ اللہ تعالیٰ تم میں سے مخلصین کی ندامت قلبی کا حال خوب جانتا ہے۔ اس لئے توبہ قبول کی اور چونکہ حکیم مطلق ہے اس لئے نہایت حکمت و دانائی کے ساتھ تمہاری سیاست کی گئی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ
جو لوگ چاہتے ہیں کہ چرچا ہو بدکاری کا
فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
ایمان والوں میں

بدکاری کی خبروں کا چرچا کرنے والے:

یعنی بدکاری پھیلے یا بدکاری کی خبریں پھیلیں۔ یہ چاہنے والے منافقین تھے لیکن ان کا تذکرہ کر کے مومنین کو بھی متنبہ فرما دیا کہ اگر فرض کرو کسی کے دل میں ایک بُری بات کا خطرہ گزر را اور بے پروائی سے کوئی لفظ زبان سے بھی کہہ گزرا تو چاہئے کہ اب ایسی مہمل بات کا چرچا کرتا نہ پھرے۔ اگر خواہی نہ خواہی کسی مومن کی آبرو ریزی کرے گا تو خوب سمجھ لے کہ اس کی آبرو بھی محفوظ نہ رہے گی۔ حق تعالیٰ اسے ذلیل و خوار کر کے چھوڑے گا۔ کما فی حدیث احمد رحمہ اللہ۔ (تفسیر عثمانی)

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ

ان کے لئے عذاب ہے دردناک دنیا اور آخرت میں

دنیا میں حد قذف، رسوائی اور قسم قسم کی سزائیں اور آخرت میں دوزخ کی سزا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

اللہ جانتا ہے کس کا کتنا جرم ہے:

یعنی ایسے فتنہ پردازوں کو خدا خوب جانتا ہے گو تم نہ جانتے ہو۔ اور اسی کے علم میں ہے کہ کس کا جرم کتنا ہے اور کس کی کیا غرض ہے۔ (تنبیہ) حُبِ شیوعِ فاحشہ، حسد و کینہ وغیرہ کی طرح اعمال قلبیہ میں سے ہے۔ مراتب قصد میں سے نہیں۔ اس لئے اس پر ماخوذ ہونے میں اختلاف نہ ہونا چاہئے۔ فتنبہ لہ۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اور (اے لوگو!) تم نہیں جانتے۔ اس لئے تم کو تو ظاہری امور کا اتباع کرنا چاہیے تھا، اگر الزام زنا کے ریزی اس کا مقصد نہیں وہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کو قائم کرانا اور زمین سے بگاڑ کو دور کرنا چاہتا ہے، لیکن اگر شرعی گواہ نہ ہوں تو الزام زنا لگانے والا اچھی نیت نہیں رکھتا۔ حدود الٰہیہ کو قائم نہیں کرا سکتا۔ مسلمانوں کی آبرو ریزی کرنا اس کا مقصد ہے اس لئے حد قذف اس پر جاری کرو۔ خواہ واقع میں سچا ہو حقیقت خدا جانے۔ اللہ کے حکم کے بموجب وہ جھوٹا ہے تم ظاہری احکام کے پابند ہو اللہ نے ایسے لوگوں کو بہتان تراش کہا، اور تہمت تراشی کی سزا مقرر کردی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ

اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت

وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۰﴾

اور یہ کہ اللہ نرمی کرنے والا ہے مہربان تو کیا کچھ نہ ہوتا

اللہ کی مہربانی سے فتنہ ختم ہوا:

یعنی یہ طوفان تو ایسا اٹھا تھا کہ نہ معلوم کون کون اس کی نذر ہوتے لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و رحمت اور شفقت و مہربانی سے تم میں سے تائبین کی توبہ کو قبول فرمایا اور بعض کو حد شرعی جاری کر کے پاک کیا اور جو زیادہ خبیث تھے ان کو ایک گونہ مہلت دی۔ (تفسیر عثمانی)

یہ خطاب ان مسلمانوں کو ہے جنہوں نے حضرت عائشہ کے قصہ میں کچھ دخل اندازی کی تھی۔ شرط کی جزا محذوف ہے۔ یعنی اگر اللہ کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا تو دنیا میں ایسا عذاب تم پر نازل کرتا کہ تمہاری بیخ و بن اکھڑ جاتی اور آخرت میں تم کو ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈال دیتا۔

اللہ نے اس آیت میں دوبارہ عذاب سے ڈرایا ہے اور اپنی رحمت کا تذکرہ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ بڑا اہم اور جرم بہت سنگین تھا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ الخ میں عبداللہ بن ابی اور اسکے ساتھی مراد ہیں اور لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ سے مراد ہے دنیا میں حد قذف اور آخرت میں دوامی دوزخ اور وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ میں مراد ہیں حسان، اور مسطح اور حمنہ۔ (تفسیر مظہری)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ

اے ایمان والو نہ چلو قدموں پر شیطان کے

وَمَنْ یَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ فَاِنَّهٗ

اور جو کوئی چلے گا قدموں پر شیطان کے سو وہ تو

یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ

یہی بتلائے گا بے حیائی اور بری بات

شیطانی چالوں سے ہوشیار رہو:

یعنی شیطان کی چالوں سے ہشیار رہا کرو۔ مسلمان کا یہ کام نہیں ہونا چاہئے کہ شیاطین الانس والجن کے قدم بقدم چلنے لگے۔ ان ملعونوں کا تو مشن ہی یہ ہے کہ لوگوں کو بے حیائی اور برائی کی طرف لے جائیں تم جان بوجھ کر کیوں ان کے بھرے میں آتے ہو۔ دیکھو شیطان نے ذرا سا چرکہ لگا کر کتنا بڑا طوفان کھڑا کر دیا اور کئی سیدھے سادھے مسلمان کس طرح اس کے قدم پر چل پڑے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰی

اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت تو نہ سنورتا

مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ

تم میں ایک شخص بھی کبھی اور لیکن اللہ سنوارتا ہے جس کو چاہے

وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۱﴾

اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے

اللہ نے شیطان کو ناکام کر دیا:

یعنی شیطان تو سب کو بگاڑ کر چھوڑتا ایک کو بھی سیدھے راستہ پر نہ رہنے دیتا۔ یہ تو

خدا کا فضل اور اُس کی رحمت ہے کہ وہ اپنے مخلص بندوں کی دستگیری فرما کر بہتیروں کو محفوظ رکھتا ہے اور بعض کو مبتلا ہو جانے کے بعد توبہ کی توفیق دے کر درست کر دیتا ہے۔ یہ بات اُسی خدائے واحد کے اختیار میں ہے اور وہ ہی اپنے علم محیط اور حکمت کاملہ سے جانتا ہے کہ کون بندہ سنوارے جانے کے قابل ہے اور کس کی توبہ قبول ہونی چاہئے۔ وہ سب کی توبہ وغیرہ کو سنتا اور ان کی قلبی کیفیات سے پوری طرح آگاہ ہے۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ

اور قسم نہ کھائیں بڑے درجہ والے تم میں سے اور کشائش والے

أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ

اس پر کہ دیں قرابتیوں کو اور محتاجوں کو اور وطن چھوڑنے والوں کو

فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ

اللہ کی راہ میں اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم نہیں چاہتے

أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۲﴾

کہ اللہ تم کو معاف کرے اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان

احسان و مروت کی تعلیم

حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت مسطحؓ کا معاملہ

حضرت عائشہؓ پر طوفان اُٹھانے والوں میں بعض مسلمان بھی نادانی سے شریک ہو گئے۔ ان میں سے ایک حضرت مسطحؓ تھے جو ایک مفلس مہاجر ہونے کے علاوہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بھانجے یا خالہ زاد بھائی ہوتے ہیں قصہ ''افک'' سے پہلے حضرت صدیق اکبرؓ ان کی امداد اور خبر گیری کیا کرتے۔ جب یہ قصہ ختم ہوا اور عائشہ صدیقہؓ کی براءت آسمان سے نازل ہو چکی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ آئندہ مسطحؓ کی امداد نہ کروں گا۔ شاید بعض دوسرے صحابہ کو بھی ایسی صورت پیش آئی ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی یعنی تم میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی بزرگی اور دنیا کی وسعت دی ہے انہیں لائق نہیں کہ ایسی قسم کھائیں ان کا ظرف بہت بڑا اور ان کے اخلاق بہت بلند ہونے چاہئیں۔ بڑی جوانمردی تو یہ ہی ہے کہ بُرائی کا بھلائی سے دیا جائے۔ محتاج رشتہ داروں اور خدا کے لئے وطن چھوڑ والوں کی اعانت سے دست کش ہو جانا بزرگوں اور بہادروں کا کام نہیں۔ اگر قسم کھالی ہے تو ایسی قسم کو پورا مت کرو۔ اُس کا کفارہ ادا کر دو۔ تمہاری شان یہ ہونی چاہئے کہ خطا کاروں کی خطا سے اغماض اور درگزر کرو۔ ایسا کرو گے تو حق تعالیٰ تمہاری کوتاہیوں سے درگزر کرے گا۔ کیا تم حق تعالیٰ سے عفو و درگزر کی امید اور خواہش نہیں رکھتے؟ اگر رکھتے ہو تو تم کو اس کے بندوں کے معاملہ میں یہ ہی خُو اختیار کرنی چاہئے۔ گویا اس میں ''تخلق باخلاق اللّٰہ'' کی تعلیم ہوئی۔ احادیث میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب سُنا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے تو فوراً بول اُٹھے۔ بلٰى يا ربّنا انّا نُحبّ (بیشک اے پروردگار! ہم ضرور چاہتے ہیں) یہ کہہ کر مسطحؓ کی جو امداد کرتے تھے بدستور جاری فرما دی، بلکہ بعض روایات میں ہے کہ پہلے سے دگنی کر دی۔ رضی اللہ عنہ (تفسیر عثمانی)

اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ''(اے فضیلت اور دولت والو) کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ (تمہارے درگزر کرنے اور حسن سلوک کرنے اور معاف کر دینے کے بدلے میں) تمہارے قصور معاف کر دے۔ یعنی تم سے بھی تو اللہ کے حقوق ادا نہیں ہوتے تو کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری کوتاہیوں کو معاف کر دے تم پر اللہ کی نعمتیں اور حقوق بہت زیادہ ہیں اور وہ بدلہ لینے پر پوری پوری قدرت بھی رکھتا ہے اس کے باوجود وہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔ لہٰذا تم بھی اپنے اندر اللہ کی یہ پسندیدہ صفت پیدا کرو۔

شیخین وغیرہ کی روایت ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا خدا کی قسم میں تو دل سے خواستگار ہوں کہ اللہ میرے قصور بخش دے۔ اس کے بعد آپ نے دوبارہ حضرت مسطحؓ کے مصارف جاری کر دیئے اور فرمایا واللہ! آئندہ کبھی میں یہ مصارف نہیں روکوں گا۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صلہ رحم جوڑنے والا وہ نہیں ہے جو برابر کا بدلہ لے لے بلکہ واصل رحم وہ شخص ہے کہ اگر کوئی تم سے اپنا رشتہ توڑے تو تم اس کو جوڑے رکھو۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابن عباس اور ضحاک کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور دوسرے چند صحابیوں نے قسم کھائی تھی کہ جن لوگوں نے اس بُہتان تراشی میں حصہ لیا ہے ان کو کچھ نہیں دیں گے اس پر آیت مذکور کا نزول ہوا۔ (تفسیر مظہری)

ایک اہم تنبیہ: حضرت صدیقہ عائشہؓ پر تہمت کے قضیہ میں جو بعض مسلمان بھی شریک ہو گئے تھے یہ قضیہ اس وقت کا تھا جب تک آیات براءت قرآن میں نازل نہیں ہوئی تھیں۔ آیات براءت نازل ہونے کے بعد جو شخص حضرت صدیقہ عائشہؓ پر تہمت لگائے وہ بلا شبہ کافر منکر قرآن ہے جیسا کہ شیعوں کے بعض فرقے اور بعض افراد اس میں مبتلا پائے جاتے ہیں ان کے کافر ہونے میں کوئی شک و شبہ کرنے کی بھی گنجائش نہیں وہ باجماع اُمت کافر ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ

جو لوگ عیب لگاتے ہیں حفاظت والیوں بے خبر ایمان والیوں کو

لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۲۳﴾

ان کو پھٹکار ہے دنیا میں اور آخرت میں اور ان کے لئے ہے بڑا عذاب

پاکدامن خواتین پرتہمت گناہِ کبیرہ ہے:

صحیحین کی حدیث میں ہے۔ " اجتنبو االسّبعَ الموبقات الشرک باللّٰه وقتل النّفس الّتی حرّم اللّٰه الاّ بالحقّ واکل الرّبوا واکل مال الیتیم والتولّیَ یوم الزحف وقذف المُحصنات المومنات الغافلات " اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قذف محصنات مطلقاً مہلکات میں سے ہے۔

ازواج مطہرات میں سے کسی پر تہمت لگانا کفر ہے:

پھر ان میں سے بھی ازواج مطہرات بالخصوص اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا قذف تو کس درجہ کا گناہ ہوگا، علماء نے تصریح کی ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد جو شخص عائشہ صدیقہؓ یا ازواج مطہرات میں سے کسی کو متہم کرے وہ کافر، مکذبِ قرآن اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اور طبرانی کی ایک حدیث میں ہے۔ "قذفُ المُحصنةِ یھدمُ عملَ مائةِ سنةٍ" (محصنہ پر تہمت لگانا سو برس کے عمل کو ڈھا دیتا ہے)۔ العیاذ باللّٰہ۔ (تفسیر عثمانی)

عوام بن حوشب نے قبیلہ بنی کاہل کے ایک شیخ کے حوالہ سے نقل کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا آیت مذکورہ حضرت عائشہؓ اور دوسری امہات المومنین کے حق میں خاص طور پر نازل ہوئی اس میں توبہ کا ذکر نہیں ہے اور اگر کوئی کسی دوسری مومن عورت پر زنا کی تہمت لگائے اس کے لئے اللہ نے توبہ کی گنجائش رکھی ہے۔ اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے آیت وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُھَدَآءَ ... اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا الخ تلاوت کی اور فرمایا ان لوگوں کے لئے توبہ کا ذکر کیا گیا اور (آیت مذکورہ بالا میں) ان لوگوں کے لئے توبہ کا ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح طبرانی نے ضحاک بن مزاحم کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول صرف امہات المومنین کے حق میں ہوا تھا۔ (تفسیر مظہری)

یَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ
جس دن کہ ظاہر کر دیں گی اُن کی زبانیں اور ہاتھ
وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾
اور پاؤں جو کچھ وہ کرتے تھے

قیامت کے دن مجرم کی رسوائی:

یعنی مجرم منہ سے بولنا اور ظاہر کرنا نہ چاہے گا، مگر خود زبان اور ہاتھ پاؤں بولیں گے اور ان میں سے ہر عضو اس عمل کو ظاہر کرے گا جو اس کے ذریعہ سے کیا گیا تھا (لطیفہ) قاذف نے زبان سے تہمت لگائی تھی اور چار گواہوں کا اس سے مطالبہ تھا جو پورا نہ کر سکا۔ اس کے بالمقابل یہاں بھی پانچ چیزیں ذکر ہوئیں۔ ایک زبان جو قذف کا اصلی آلہ ہے اور چار ہاتھ پاؤں جو اس کی شرارت کے گواہ ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

مؤمن کی پردہ پوشی اور کافر کی رسوائی:

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن حساب کے لئے مومن کو طلب کیا جائے گا اور اس کا رب اس کے کئے ہوئے وہ اعمال اسکے سامنے لائے گا جو بندے اور رب کے درمیان تھے، یعنی حقوق اللہ سے تعلق رکھنے والے اعمال جن سے بندہ واقف ہوگا اور اس کا رب بندے کے سامنے لائے جائیں گے مومن ان کا اقرار کرے گا اور عرض کرے گا اے میرے رب! میں نے یہ کئے تھے میں نے یہ کئے تھے، اقرار کرانے کے بعد اللہ ان پر پردہ ڈال دے گا اور معاف فرما دے گا، وہ گناہ اس طرح چھپا دیئے جائیں گے کہ روئے زمین پر کوئی مخلوق اس کو نہ دیکھ سکے گی ہاں اس کی نیکیاں ہی نیکیاں نمایاں ہوں گی سارے لوگ اس کی نیکیاں دیکھیں گے اور باہم بیان کریں گے۔ منافق کو جب حساب کے لئے طلب کیا جائے گا اور اس کا رب اس کے عمل اس کے سامنے لائے گا تو وہ انکار کرے گا اور عرض کرے گا اے میرے رب! تیری عزت کی قسم میں نے یہ کام نہیں کئے جنکے کام فرشتے نے مجھ پر لکھ دیئے ہیں۔ فرشتہ کہے گا کیا تو نے فلاں دن فلاں جگہ یہ کام نہیں کیا تھا۔ منافق کہے گا قسم ہے عزت رب کی میں نے نہیں کئے اس وقت اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی (اور اعضاء شہادت دیں گے) حضرت ابوموسیٰ نے کہا میرا خیال ہے کہ سب سے پہلے اس کی داہنی ران بولے گی، پھر ابوموسیٰ نے آیت اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤی اَفْوَاهِهِمْ الخ تلاوت کی۔

ابویعلی اور حاکم نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا (یعنی یہ حدیث مرفوع ہے)

زبان پر مہر اور مختلف اعضاء کی گواہی:

احمد نے بسند صحیح اور طبرانی نے حضرت عقبہ بن عامر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جس روز منہ پر مہر لگا دی جائے گی اس روز انسان کی سب سے پہلی ہڈی جو کلام کرے گی وہ اس کی بائیں ران کی ہو گی۔ احمد، نسائی، حاکم اور بیہقی حضرت معاویہ بن حیدہ کی روایت سے بیان کیا اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن (منافق) لوگ اس حالت میں آئیں گے کہ ان کے مونہوں پر دہانے چڑھے ہوں گے (کہ منہ بند ہوں گے بول نہ سکیں گے) سب سے پہلے آدمی کی ران اور ہتھیلی کلام کرے گی۔ مسلم نے رویت باری تعالیٰ کے باب میں

حضرت ابو ہریرۃؓ کی روایت کردہ ایک طویل حدیث کے ذیل میں بیان کیا ہے کہ آدمی کے عمل (کی شہادت دینے کے لئے) اس کی ران اور اس کا گوشت اور اس کی ہڈی بولے گی اور یہ شخص منافق ہوگا جس پر اللہ کا غضب ہوگا۔

منہ پر مہر لگانے کا یہ مطلب ہے کہ خود اپنے ارادے سے وہ منہ سے بول نہ سکیں گے (اپنی مرضی کے مطابق زبانوں سے کلام نہ کرسکیں گے) یہ مطلب نہیں کہ ان کے ارادے کے خلاف بھی ان کی زبانوں سے کوئی لفظ نکل نہ سکے گا (اور گویائی کی قوت سلب ہوجائے گی)

قرطبی نے لکھا ہے جسمانی اعضاء ان لوگوں کے خلاف شہادت دیں گے جو اعمال ناموں کی تحریر کے منکر ہوں گے (اور اعمال نامہ کے اندراج کو غلط بتائیں گے) اور جھگڑا کریں گے۔ ایسے لوگوں کے خلاف اعضائے جسم شہادت دیں گے۔

میں کہتا ہوں اس تفسیر پر گذشتہ آیات کا نزول عبداللہ بن ابی کے لئے مانا جائے گا جیسا کہ قتادہ کا خیال ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ

اُس دن پوری دے گا ان کو اللہ ان کی سزا جو چاہئے اور جان لیں گے

اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾

کہ اللہ وہی ہے سچا کھولنے والا

رتی رتی عمل سامنے آئے گا:

جو رتی رتی عمل کھول کر سامنے رکھ دیتا ہے اور جس کا حساب بالکل صاف ہے اس کے ہاں کسی طرح کا ظلم و تعدی نہیں۔ یہ مضمون قیامت کے دن سب کو مکشوف و مشہود ہوجائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ

گندیاں ہیں گندوں کے واسطے اور گندے واسطے گندیوں کے

وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ

اور ستھریاں ہیں ستھروں کے واسطے اور ستھرے واسطے ستھریوں کے

بروں کیلئے برے اچھوں کیلئے اچھے:

یعنی بدکار اور گندی عورتیں گندے اور بدکار مردوں کے لائق ہیں۔ اسی طرح بدکار اور گندے مرد اس قابل ہیں کہ ان کا تعلق اپنے جیسی گندی اور بدکار عورتوں سے ہو۔ پاک اور ستھرے آدمیوں کا ناپاک بدکاروں سے کیا مطلب۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ پیغمبر کی عورت بدکار (زانیہ) نہیں ہوتی یعنی اللہ تعالیٰ ان کی ناموس کی حفاظت فرماتا ہے نقلہ فی موضح القرآن۔ (تنبیہ) آیت کا یہ مطلب تو ترجمہ کے موافق ہوا۔ مگر بعض مفسرین سلف سے یہ منقول ہے کہ "اَلْخَبِیْثٰتُ" اور "الطَّیِّبٰتُ" سے یہاں عورتیں مراد نہیں بلکہ اقوال و کلمات مراد ہیں یعنی گندی باتیں گندوں کے لائق ہیں۔ اور ستھری باتیں ستھرے آدمیوں کے۔ پاکباز اور ستھرے مرد و عورت ایسی گندی تہمتوں سے بری ہوتے ہیں جیسا کہ آگے "اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ" سے ظاہر ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ گندی باتیں گندوں کی زبان سے نکلا کرتی ہیں۔ تو جنہوں نے کسی پاکباز کی نسبت گندی بات کہی، سمجھ لو کہ وہ خود گندے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عائشہؓ کی براءت:

ابن زید نے کہا، خبیثات سے گندی عورتیں اور خبیثین سے گندے مرد مراد ہیں یعنی اکثر گندی عورتیں گندے مردوں کے لئے اور گندے مرد گندی عورتوں کے لئے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے ہوتے ہیں اور عائشہؓ پاک ہیں، اس لئے اللہ نے ان کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے لئے منتخب فرمایا۔ عائشہؓ اور ان جیسے لوگ ان افتراء پردازوں کی الزام تراشی سے پاک ہیں۔ اگر عائشہؓ پاک نہ ہوتیں تو پاک رسول کی بیوی بننے کی اہل نہ ہوتیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج جنتی ہیں:

حضرت ہند بن ابی ہالہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کو ناپسند ہے کہ میں سوائے جنتی (عورت) کے کسی اور سے نکاح کروں۔ رواہ ابن عساکر۔

اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ

وہ لوگ بے تعلق ہیں ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں

یعنی ستھرے آدمی اُن باتوں سے بری ہیں جو یہ گندے لوگ بکتے پھرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾

اُن کے واسطے بخشش ہے اور روزی ہے عزت کی

یعنی بُرا کہنے سے وہ بُرے نہیں ہوجاتے، بلکہ جب وہ اس پر صبر کرتے ہیں تو یہ چیز اُن کی خطاؤں یا لغزشوں کا کفارہ بنتی ہے۔ اور یہاں مفسد لوگ جس قدر اُن کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں وہاں اُس کے بدلہ میں عزت کی روزی ملتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن مجید کی ان آیات سے جو عائشہ صدیقہؓ کی عنداللہ قدر و منزلت ثابت ہوئی وہ روز روشن سے زیادہ واضح ہے حق جل شانہ کی اس شہادت کے بعد بھی اگر کوئی بدباطن عائشہ صدیقہ پر تہمت لگائے تو باتفاق علماء امت وہ کافر ہے اور عائشہ صدیقہ پر تہمت لگانے والے کا وہی حکم ہے جو مریم

صدیقہ پر تہمت لگانے والے کا ہے۔ حضرت مسروق (جو کبار علماء تابعین میں سے ہیں) ان کی یہ عادت تھی جب وہ عائشہ صدیقہ سے روایت کرتے تو یوں کہتے کہ مجھ سے صدیقہ بنت صدیق، حبیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مُبرَّاۃٌ من السماء نے اس طرح بیان کیا۔

(نکتہ) خاتمہ پر اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ بصیغہ جمع ذکر فرمایا سو اس عموم میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ حکم فقط عائشہ صدیقہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہی حکم تمام ازواج مطہرات کو بھی شامل ہے۔ (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

(معارف القرآن کاندھلوی)

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ان کے (یعنی عائشہؓ اور ان جیسے لوگوں کے) لئے (گناہوں کی) مغفرت ہے اور عزت والا رزق یعنی جنت ہے۔

حضرت عائشہؓ کی مایہ ناز خصوصیتیں:

بغوی نے لکھا ہے کہ روایت میں آیا ہے حضرت عائشہؓ چند باتوں پر ناز کرتی تھیں جو آپ ہی کو عطا کی گئی تھیں، کسی اور عورت کو نہیں دی گئیں۔

(۱) حضرت جبرئیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت عائشہؓ کی تصویر ایک ریشمی کپڑے میں (لپیٹ کر) لائے اور کہا یہ آپ کی بیوی ہیں۔

میں کہتا ہوں ترمذی نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے۔ روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت جبرئیل حضرت عائشہؓ کی تصویر اپنے ہاتھ میں لائے تھے۔ (۲) حضرت عائشہؓ کے سوا کسی اور ناکتخدا (دوشیزہ) سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی نہیں کی۔ (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضور والا کا سر حضرت عائشہؓ کی گود میں تھا۔ (۴) حضرت عائشہؓ کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک دفن کیا گیا۔ (۵) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے ساتھ ایک چادر میں ہوتے تو (کبھی اسی حالت میں) وحی آ جاتی (اور کسی بیوی کو یہ شرف حاصل نہیں تھا) (۶) حضرت عائشہؓ کی پاک دامنی کی صراحت آسمان سے نازل ہوئی۔ (۷) آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (اول) خلیفہ کی صاحبزادی ہیں۔ (۸) آپ صدیقہ طاہرہ تھیں۔ (۹) آپ سے مغفرت اور رزق کریم عطا فرمانے کا وعدہ کیا گیا۔

صدیق کی بیٹی صدیقہ:

مسروق اگر حضرت عائشہؓ کی روایت سے کوئی حدیث بیان کرتے تو یہ الفاظ کہتے، مجھ سے بیان کیا صدیق کی صاحبزادی صدیقہ نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی بیوی تھیں اور جن کی پاک دامنی آسمان سے نازل کی گئی تھی۔

حضرت عائشہؓ کی خاص عظمت:

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اگر پورے قرآن میں تلاش کیا جائے تو کسی کے لئے کوئی وعید اتنی سخت نہیں نازل ہوئی۔ جتنی حضرت عائشہ پر تہمت تراشنے والوں کے حق میں نازل ہوئی۔

صحیحین میں آیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تجھے (یعنی تیری صورت کو) تین رات برابر خواب میں میری نظر کے سامنے لایا گیا، فرشتہ ایک ریشمی کپڑے میں تجھے لاتا تھا اور مجھ سے کہتا تھا یہ آپ کی بیوی ہے، میں نے تیرے چہرے سے کپڑا ہٹایا تو وہ تیری ہی صورت تھی، میں نے کہا اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اس کو پورا کر دے گا۔

جبریلؑ کا حضرت عائشہؓ کو سلام:

صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے یہ بھی آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ جبرئیلؑ ہیں تم کو سلام کہہ رہے ہیں۔ میں نے جواب دیا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کچھ نظر آتا تھا جو میں نہیں دیکھتی تھی۔

تمام ازواج مطہرات پر فضیلت:

یہ بھی حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ لوگ قصداً عائشہؓ کی باری کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے ہدیے بھیجتے تھے (باری کی اس تعیین سے) ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنا مقصود ہوتی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے دو گروہ (جدا جدا) ہو گئے تھے۔ ایک گروہ عائشہ، حفصہ، صفیہ اور سودہ کا تھا اور دوسرا گروہ ام سلمہ اور باقی بیویوں کا تھا۔ ایک روز ام سلمہ کی ساتھ والی بیویوں نے ام سلمہ سے کہا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کریں کہ آپ لوگوں سے فرما دیں کہ اگر کسی شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی ہدیہ بھیجنا ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس بیوی کے گھر ہوں وہیں بھیج دیں (عائشہؓ کی باری ہی کی تخصیص نہ رکھیں) چنانچہ ام سلمہ نے (بیویوں کا قول) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم مجھے عائشہؓ کے معاملے میں مت ستاؤ۔ سوائے عائشہؓ کے اور کسی عورت کی چادر میں (اگر میں موجود ہوتا ہوں تو) میرے پاس وحی نہیں آتی۔ ام سلمہ نے کہا میں اللہ کے رسول کو ایذا دینے سے اللہ سے توبہ کرتی ہوں۔ اس کے بعد بیویوں نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی) فاطمہؓ کو اسی غرض سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور (سیدہ) فاطمہؓ نے اس بات کے سلسلے میں گذارش کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بیٹا! کیا تجھے وہ بات ناپسند ہے جو مجھے پسند ہے۔ سیدہ نے کہا کیوں نہیں (پسند ہے)۔ فرمایا تو تو بھی اس سے محبت کر۔ متفق علیہ۔

تمام عورتوں پر حضرت عائشہؓ کی فضیلت:

صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت سے آیا ہے (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید (ایک خاص قسم کا کھانا) کی فضیلت اور کھانوں پر۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے فرمایا۔ صحابہ کو جب کسی حدیث (کے سمجھنے) میں کوئی دشواری ہوتی تو ہم جا کر حضرت عائشہؓ سے دریافت کرتے تو اس کا علم ہم کو ان کے پاس ملتا۔ رواہ الترمذی۔

حضرت عائشہؓ کی بلاغت وسلاست:

حضرت موسیٰ بن طلحہ کا بیان ہے میں نے عائشہؓ سے زیادہ سلیس بیان والا کسی کو نہیں پایا۔ رواہ الترمذی۔

چار شخصیتوں کی براءت:

بیضاوی نے لکھا ہے، اللہ نے چار شخصوں کو چار کے ذریعہ سے پاکی (یعنی تہمت سے براءت) عنایت کر دی۔

(۱) یوسف کو زلیخا کے ایک گھر والے (بچہ) کی شہادت کی وجہ سے۔

(۲) موسیٰ کو یہودیوں کی تہمت سے اس پتھر کے ذریعہ جو آپ کے کپڑے لے بھاگا تھا۔

(۳) مریمؑ کو انہی کے بچے (عیسیٰ) کی شہادت کی وجہ سے۔

(۴) عائشہؓ کو ان مذکورہ آیات کے ذریعے سے اور مختلف پرزور طریقوں سے، حضرت عائشہؓ کی پاک دامنی کا اظہار اتنی مؤکد عبارتوں میں محض منصب رسول کی عظمت کو بیان کرنے اور آپ کے مرتبے کو بالا اور اعلیٰ بنانے کے لئے کیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں اس سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں حضرت عائشہؓ کی عظمت وشان کا اظہار بھی مقصود ہے۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ

اے ایمان والو مت جایا کرو کسی گھر میں اپنے گھروں کے سوائے

حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ

جب تک بول چال نہ کر لو، اور سلام کر لو اُن گھر والوں پر یہ

خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾

بہتر ہے تمہارے حق میں تاکہ تم یاد رکھو

کسی کے ہاں جانے کے آداب:

یعنی خاص اپنے ہی رہنے کا جو گھر ہو اس کے سوا کسی دوسرے کے رہنے کے گھر میں یوں ہی بے خبر نہ گھس جائے کیا جانے وہ کس حال میں ہو اور اس وقت کسی کا اندر آنا پسند کرتا ہے یا نہیں۔ لہٰذا اندر جانے سے پہلے آواز دے کر اجازت حاصل کرے اور سب سے بہتر آواز سلام کی، حدیث میں ہے کہ تین مرتبہ سلام کرے اور اجازت داخل ہونے کی لے۔ اگر تین بار سلام کرنے کے بعد بھی اجازت نہ ملے تو واپس چلا جائے۔ فی الحقیقت، یہ ایسی حکیمانہ تعلیم ہے کہ اگر اس کی پابندی کی جائے تو صاحب خانہ اور ملاقاتی دونوں کے حق میں بہتر ہے۔ مگر افسوس آج مسلمان اُن مفید ہدایات کو ترک کرتے جاتے ہیں جن کو دوسری قومیں اُن ہی سے سیکھ کر ترقی کر رہی ہیں (ربط) شروع سورت سے احکام زنا وقذف وغیرہ کے بیان ہوئے تھے۔ چونکہ بسا اوقات بلا اجازت کسی کے گھر میں چلا جانا ان امور کی طرف مفضی ہو جاتا ہے اس لئے ان آیات میں مسائل استیذ ان کو بیان فرما دیا۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: ابن جریر نے حضرت عدی بن ثابت کی روایت سے بیان کیا کہ ایک انصاری عورت نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے گھر کے اندر (بعض وقت) ایسی حالت میں ہوتی ہوں کہ میں نہیں چاہتی کہ اس حالت میں کوئی مجھے دیکھے، لیکن گھر کے آدمیوں سے کوئی (نہ کوئی) آدمی (بے روک ٹوک) اندر آجاتا ہے اور اس حالت میں مجھے دیکھ لیتا ہے، میں کیا کروں۔ اس سوال پر آیت ذیل کا نزول ہوا۔ (تفسیر مظہری)

استیناس کا مطلب:

ابن ابی حاتم نے کہا کہ حضرت ابوایوب کے بھتیجے حضرت ابوسودہ نے بیان کیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سلام کرنا تو ہم جانتے ہیں لیکن استیناس (طلب انس) کا کیا مطلب ہے، فرمایا (استیناس یہ ہے کہ) آدمی (باہر ہی رہ کر) سبحان اللہ اور اللہ اکبر اور الحمدللہ کہے اور کھنکھارے (تاکہ گھر والے کو اس کی آمد کی اطلاع ہو جائے) پھر اہل خانہ اجازت دے دے۔ (تو اندر داخل ہو جائے)

قاموس میں ہے اُنس، ضد وحشت (کو کہتے ہیں) آنس الشیءَ کسی چیز کو دیکھا جانا، احساس کیا آنس الصوت آواز کو سُنا، خلیل نے کہا استیناس کا معنی دیکھنا۔

حضور کی نصیحت:

تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا یعنی گھر والوں کو السلام علیکم کہو۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بیٹے! جب تو گھر والوں کے پاس جائے تو انہیں سلام کر تیرے اور تیرے گھر والوں کے لئے برکت حاصل ہو گی۔ رواہ الترمذی۔

سلام کے بغیر داخلہ کی اجازت نہ دو:

حضرت کلدہ بن حنبلؓ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا پہنچا نہ اجازت داخلہ مانگی نہ سلام کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، واپس جاؤ اور واپس جا کر کہو السلام علیکم کیا میں اندر آ سکتا ہوں، رواہ ابوداود والترمذی۔

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے پہلے سلام نہ کیا ہو اس کو (داخلے کی) اجازت نہ دو۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

بغوی نے لکھا ہے ایک شخص نے حضرت ابن عمرؓ سے داخلہ کی اجازت طلب کی اور کہا کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا، نہیں ایک شخص نے آنے والے کو مشورہ دیا کہ پہلے سلام کر پھر اجازتِ داخلہ طلب کر۔ حسب مشورہ اس نے سلام کیا پھر اجازت طلب کی حضرت ابن عمرؓ نے اجازت داخلہ دے دی۔

امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص سلام سے پہلے استیذان کرے اس کو اجازت نہ دو (کیونکہ اس نے مسنون طریقہ کو چھوڑ دیا) (روح المعانی) اور ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ بنی عامر کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح استیذان کیا کہ باہر سے کہا أألج کیا میں گھس جاؤں۔ آپ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ یہ شخص استیذان کا طریقہ نہیں جانتا باہر جا کر اس کو طریقہ سکھلاؤ کہ یوں کہے السلام علیکم أأدخل یعنی کیا میں داخل ہو سکتا ہوں۔ ابھی یہ خادم باہر نہیں گیا تھا کہ اس نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات سن لئے اور اس طرح کہا السلام علیکم أأدخل تو آپ نے اندر آنے کی اجازت دے دی (ابن کثیر) اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاتاذنوا لمن لم یبدأ بالسلام یعنی جو شخص پہلے سلام نہ کرے اس کو اندر آنے کی اجازت نہ دو۔ (مظہری)

ترمذی میں ہے حضرت ابن عمرؓ حاجت سے فارغ ہو کر آ رہے تھے لیکن دھوپ کی تاب نہ لا سکے تو ایک قریشی عورت کی جھونپڑی کے پاس پہنچ کر فرمایا السلام علیکم، کیا میں اندر آ جاؤں؟ اس نے کہا سلامتی سے آ جاؤ۔ آپ نے پھر یہی کہا اس نے پھر یہی جواب دیا۔ آپ کے پاؤں جل رہے تھے کبھی اس قدم پر سہارا لیتے کبھی اس قدم پر فرمایا یوں کہو کہ آ جاؤ۔ اس نے کہا کہ آ جاؤ۔ اب آپ اندر تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہؓ کے پاس چار عورتیں گئیں اجازت چاہی کیا ہم آ جائیں؟ آپ نے فرمایا نہیں تم میں جو اجازت کا طریقہ جانتی ہو اسے کہو کہ وہ اجازت لے تو ایک عورت نے پہلے سلام کیا پھر اجازت مانگی۔ حضرت عائشہؓ نے اجازت دے دی پھر یہی آیت پڑھ کر سنائی۔

حضرت زینبؓ فرماتی ہیں کہ میرے خاوند حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جب میرے پاس گھر میں آتے تو کھنکھار کر آتے۔ کبھی بلند آواز سے دروازے سے باہر کسی سے باتیں کرنے لگتے تاکہ گھر والوں کو آپ کے آنے کی اطلاع ہو جائے چنانچہ حضرت مجاہدؒ نے تَسْتَانِسُوْا کے معنی بھی یہی کئے ہیں کہ کھنکھار دینا تھوک دینا وغیرہ۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں مستحب ہے کہ جب انسان اپنے گھر میں جانا چاہے باہر سے ہی کھنکھار دے یا جوتیوں کی آہٹ سنا دے۔ ایک حدیث میں ہے کہ سفر سے رات کے وقت بے اطلاع گھر آ جانے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کیونکہ اس سے گویا گھر والوں کی خیانت کو پوشیدہ طور پر ٹٹولنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ایک سفر سے صبح کے وقت آئے تو حکم دیا کہ بستی کے پاس لوگ اتریں تاکہ مدینہ میں خبر مشہور ہو جائے شام کو اپنے گھروں میں جانا اس لئے کہ اس اثناء میں عورتیں اپنی صفائی ستھرائی کر لیں۔ اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا سلام تو ہم جانتے ہیں لیکن استیناس کا طریقہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ یا الحمد للہ یا اللہ اکبر بلند آواز سے کہہ دینا یا کھنکھار دینا جس سے گھر والے معلوم کر لیں کہ فلاں آ رہا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

مسئلہ: اگر قاصد بھیج کر کسی کو بلوایا جائے اور وہ قاصد کے ساتھ آ جائے تو مزید اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر تم میں سے کسی کو بلوایا جائے اور وہ قاصد کے ساتھ آ جائے تو یہی اس کے لئے اجازت ہے۔ رواہ ابوداؤد۔

دوسری روایت میں آیا ہے کسی کو بلوانے کیلئے قاصد بھیجنا ہی اجازت ہے۔

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ یعنی اچانک اندر گھس پڑنے سے یا رسم جاہلیت سے یہ طریقہ بہتر ہے۔

جاہلیت کا طریقہ: حضرت عمران بن حصینؓ کا بیان ہے ہم جاہلیت کے زمانے میں (بجائے سلام علیک کے) کہتے تھے انعم اللّٰہ بک عینا اللہ تم کو خنک چشم رکھے۔ انعم صباحا صبح بخیر، جب اسلام آیا تو اس نے ہم کو ایسا کرنے کی ممانعت کر دی۔ رواہ ابوداؤد۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ: ان آیات میں يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے خطاب کیا گیا جو مردوں کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر عورتیں بھی اس حکم میں داخل ہیں جیسا کہ عام احکام قرآنیہ اسی طرح مردوں کو مخاطب کر کے آتے ہیں عورتیں بھی اس میں شامل ہوتی ہیں بجز مخصوص مسائل کے جن کی خصوصیت مردوں کے ساتھ بیان کر دی جاتی ہے۔ چنانچہ نساء صحابہ کا بھی یہی معمول تھا کہ کسی کے گھر جائیں تو پہلے اُن سے استیذان کریں۔ حضرت اُم ایاسؓ فرماتی ہیں کہ ہم چار عورتیں

اکثر حضرت صدیقہ عائشہؓ کے پاس جایا کرتی تھیں اور گھر میں جانے سے پہلے اُن سے استیذان کرتی تھیں جب وہ اجازت دیتی تو اندر جاتی تھیں۔ (ابن کثیر بحوالہ ابن ابی حاتم)

مسئلہ: اسی آیت کے عموم سے معلوم ہوا کہ کسی دوسرے شخص کے گھر میں جانے سے پہلے استیذان کا حکم عام ہے مرد عورت محرم غیر محرم سب کو شامل ہے۔ عورت کسی عورت کے پاس جائے یا مرد مرد کے پاس، سب کو استیذان کرنا واجب ہے، اسی طرح ایک شخص اگر اپنی ماں اور بہن یا دوسری محرم عورتوں کے پاس جائے تو بھی استیذان کرنا چاہئے۔

اپنے گھر میں بھی اجازت لے کر داخل ہونا:

حضرت ابوموسیٰ اور حضرت حذیفہ اپنی محرم عورتوں کے پاس (گھر کے اندر) آنا چاہتے تو ان سے بھی اجازتِ داخلہ کے طلب گار ہوتے تھے۔

امام مالکؒ نے مؤطا میں مرسلاً عطاء بن یسارؒ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں اپنی والدہ کے پاس جانے وقت بھی استیذان کروں آپ نے فرمایا ہاں استیذان کرو۔ اُس شخص نے کہا یا رسول اللہ! میں تو اپنی والدہ ہی کے ساتھ گھر میں رہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا پھر بھی اجازت لئے بغیر گھر میں نہ جاؤ۔ اس نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو ہر وقت اُن کی خدمت میں رہتا ہوں آپ نے فرمایا پھر بھی اجازت لئے بغیر گھر میں نہ جاؤ کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ اپنی والدہ کو ننگی دیکھو اس نے کہا کہ نہیں۔ فرمایا اسی لئے استیذان کرنا چاہئے کیونکہ یہ احتمال ہے کہ وہ گھر میں کسی ضرورت سے ستر کھولے ہوئے ہوں۔ (مظہری)

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آیت قرآن میں غیر بیوتکم آیا ہے اس میں بیوتکم سے مراد وہ بیوت اور گھر ہیں جن میں انسان تنہا خود ہی رہتا ہو۔ والدین، بہن بھائی وغیرہ اُس میں نہ ہوں۔

مسئلہ: جب گھر میں صرف اپنی بیوی رہتی ہو اُس میں داخل ہونے کے لئے اگرچہ استیذان واجب نہیں مگر مستحب اور طریقِ سنت یہ ہے کہ وہاں بھی اچانک بغیر کسی اطلاع کے اندر نہ جائے بلکہ داخل ہونے سے پہلے اپنے پاؤں کی آہٹ سے یا کھنکھار سے کسی طرح پہلے باخبر کر دے پھر داخل ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زوجہ محترمہ فرماتی ہیں کہ عبداللہ جب کبھی باہر سے گھر میں آتے تھے تو دروازہ میں کھنکھار کر پہلے اپنے آنے سے باخبر کر دیتے تھے تاکہ وہ ہمیں کسی ایسی حالت میں نہ دیکھیں جو ان کو پسند نہ ہو (ابن کثیر بحوالہ ابن جریر وقال اسنادہ صحیح) (مظہری)

اجازت لیتے وقت اپنا نام بتائے:

پہلے سلام اور پھر داخل ہونے کی اجازت لینے کا جو بیان اوپر احادیث سے ثابت ہوا اس میں بہتر یہ ہے کہ اجازت لینے والا خود اپنا نام لے کر اجازت طلب کرے جیسا کہ حضرت فاروق اعظم کا عمل تھا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پہ آ کر یہ الفاظ کہے۔ **السلام علی رسول اللہ السلام علیکم ایدخل عمر** یعنی سلام کے بعد کہا کہ کیا عمر داخل ہو سکتا ہے (رواہ قاسم بن اصبغ وابن عبدالبر فی التمہید عن ابن عباس عن عمرؓ (ابن کثیر) اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت عمرؓ کے پاس گئے تو استیذان کے لئے یہ الفاظ فرمائے **السلام علیکم ھذا ابوموسیٰ السلام علیکم ھذا الاشعری** (قرطبی) اس میں بھی پہلے اپنا نام ابوموسیٰ بتلایا پھر مزید وضاحت کے لئے اشعری کا ذکر کیا۔ اور یہ اس لئے کہ جب تک آدمی اجازت لینے والے کو پہچانے نہیں تو جواب دینے میں تشویش ہوگی۔ اس تشویش سے بھی مخاطب کو بچانا چاہئے۔

خطیب بغدادی نے اپنے جامع میں علی بن عاصم واسطی سے نقل کیا ہے کہ وہ بصرہ گئے تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی ملاقات کو حاضر ہوئے۔ دروازہ پر دستک دی۔ حضرت مغیرہؓ نے اندر سے پوچھا کون ہے تو جواب دیا انَّا (یعنی میں ہوں) تو حضرت مغیرہ نے فرمایا کہ میرے دوستوں میں تو کوئی بھی ایسا نہیں جس کا نام انا ہو پھر باہر تشریف لائے اور اُن کو حدیث سُنائی کہ ایک روز حضرت جابر عبداللہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اجازت لینے کے لئے دروازہ پر دستک دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر سے پوچھا کون صاحب ہیں، تو جابرؓ نے یہی لفظ کہہ دیا انا یعنی میں ہوں۔ آپ نے بطور زجر وتنبیہ کے فرمایا انا انا یعنی انا انا کہنے سے کیا حاصل ہے اس سے کوئی پہچانا نہیں جاتا۔

ایک بُرا طریقہ:

اس سے بھی زیادہ بُرا یہ طریقہ ہے جو آج کل بہت سے لکھے پڑھے لوگ بھی استعمال کرتے ہیں کہ دروازہ پر دستک دی جب اندر سے پوچھا گیا کہ کون صاحب ہیں تو خاموش کھڑے ہیں کوئی جواب ہی نہیں دیتے۔ یہ مخاطب کو تشویش میں ڈالنے اور ایذا پہنچانے کا بدترین طریقہ ہے جس سے استیذان کی مصلحت ہی فوت ہو جاتی ہے۔

جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر دستک دیتے تھے تو ان کی عادت یہ تھی کہ ناخنوں سے دروازہ پر دستک دیتے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ ہو (رواہ الخطیب فی جامعہ۔ قرطبی) جو شخص استیذان کے مقصد کو سمجھ لے کہ اصل اُس سے استیناس ہے یعنی مخاطب کو مانوس کر کے اجازت حاصل کرنا وہ خود بخود ان سب چیزوں کی رعایت کو ضروری سمجھے گا جن چیزوں سے مخاطب کو تکلیف ہو اُس سے بچائے گا۔ اپنا نام ظاہر کرے

اور دستک دے تو متوسط انداز سے دے یہ سب چیزیں اس میں شامل ہیں۔

مسئلہ: کسی شخص کو ایسے وقت ٹیلیفون پر مخاطب کرنا جو عادۃً اس کے سونے یا دوسری ضروریات میں یا نماز میں مشغول ہونے کا وقت ہو بلا ضرورت شدیدہ جائز نہیں کیونکہ اس میں بھی وہی ایذا رسائی ہے جو کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونے اور اس کی آزادی میں خلل ڈالنے سے ہوتی ہے۔

مسئلہ: جس شخص سے ٹیلیفون پر بات چیت اکثر کرنا ہو تو مناسب یہ ہے کہ اس سے دریافت کرلیا جائے کہ آپ کو ٹیلیفون پر بات کرنے میں کس وقت سہولت ہوتی ہے پھر اس کی پابندی کرے۔

مسئلہ: ٹیلیفون پر اگر کوئی طویل بات کرنا ہو تو پہلے مخاطب سے دریافت کرلیا جائے کہ آپ کو ذرا سی فرصت ہو تو میں اپنی بات عرض کروں کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ٹیلیفون کی گھنٹی آنے پر آدمی طبعاً مجبور ہوتا ہے کہ فوراً معلوم کرے کہ کون کیا کہنا چاہتا ہے اور اس ضرورت سے وہ کسی بھی حال میں اور اپنے ضروری کام میں ہو اس کو چھوڑ کر ٹیلیفون اٹھاتا ہے۔ کوئی بے رحم آدمی اس وقت لمبی بات کرنے لگے تو سخت تکلیف محسوس ہوتی ہے۔

مسئلہ: بعض لوگ ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی رہتی ہے اور کوئی پروا نہیں کرتے نہ پوچھتے ہیں کہ کون ہے کیا کہنا چاہتا ہے یہ اسلامی اخلاق کے خلاف اور بات کرنے والے کی حق تلفی ہے جیسے حدیث میں آیا ہے ان لزورک علیک حقا یعنی جو شخص آپ کی ملاقات کو آئے اس کا تم پر حق ہے کہ اس سے بات کرو اور بلا ضرورت ملاقات سے انکار نہ کرو اسی طرح جو آدمی ٹیلیفون پر آپ سے بات کرنا چاہتا ہے اس کا حق ہے کہ آپ اس کو جواب دیں۔ (معارف مفتی اعظم)

فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا
پھر اگر نہ پاؤ اُس میں کسی کو تو اس میں نہ جاؤ
حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ
جب تک کہ اجازت نہ ملے تم کو

بہر حال دوسرے کے گھر میں بلا اجازت داخل ہو جائز نہیں:

اگر یہ معلوم ہوا ہو کہ گھر میں کوئی موجود نہیں تب بھی دوسرے کے گھر میں بدون مالک و مختار کی اجازت کے مت جاؤ۔ کیونکہ ملک غیر میں بدون اجازت تصرف کا کوئی حق نہیں۔ نہ معلوم بے اجازت چلے جانے سے کیا جھگڑا پیش آجائے ہاں صراحۃً یا دلالۃً اجازت ہو تو جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جب تک گھر والا اگر تم کو اجازت نہ دے دے اندر نہ جاؤ۔ بات یہ ہے کہ بغیر اجازت اندر داخل ہوجانے کی ممانعت کی وجہ صرف یہی نہیں ہے کہ بغیر اجازت داخلے سے ننگا کھلا آدمی سامنے آجاتا ہے اور بے پردگی ہو جاتی ہے، بلکہ ایک وجہ ممانعت کی یہ بھی ہے کہ اس سے بعض ان باتوں یا چیزوں کا اظہار ہوجاتا ہے جس کو آدمی لوگوں سے چھپانا چاہتا ہے پھر ممانعت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دوسرے کی چیز میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا یوں بھی ممنوع ہے ہاں اس مکان میں بدون اجازت داخلہ کی ممانعت نہیں جس میں اچانک داخلہ کی کوئی معقول وجہ ہو مثلاً مکان میں آگ لگ گئی ہو یا ڈھے رہا ہو۔ یا اس میں کوئی ممنوع فعل ہو رہا ہو۔ (مثلاً چوری ہو رہی ہو یا قتل ہو رہا ہو یا شراب فروخت ہو رہی ہو) (تفسیر مظہری)

وَإِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا
اور اگر تم کو جواب ملے کہ پھر جاؤ تو پھر جاؤ
هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ
اس میں خوب ستھرائی ہے تمہارے لئے

اجازت نہ ملے تو لوٹ آؤ:

یعنی ایسا کہنے سے برا نہ مانو بسا اوقات آدمی کی طبیعت کسی سے ملنے کو نہیں چاہتی یا حرج ہوتا ہے یا کوئی ایسی بات کررہا ہے جس پر غیر کو مطلع کرنا پسند نہیں کرتا تم کو کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ اس پر بوجھ ڈالو۔ اس طرح بار خاطر بننے سے تعلقات صاف نہیں رہتے۔ (تفسیر عثمانی)

تین مرتبہ مانگنے سے اجازت نہ ملے تو لوٹ آؤ:

حضرت ابوسعید خدری کا بیان ہے میرے پاس ابوموسیٰ اشعریؓ آئے اور کہا، مجھے حضرت عمرؓ نے آدمی بھیج کر بلوایا (آدمی کہہ کر واپس چلا گیا) حسب الطلب میں حضرت عمر کے دروازے پر پہنچا اور تین بار (باہر سے) سلام کیا لیکن (اندر سے) حضرت عمرؓ نے سلام کا جواب نہیں دیا، میں لوٹ آیا۔ اب جو ملاقات ہوئی تو حضرت عمرؓ نے مجھ سے جواب طلب کیا کہ تم کیوں نہیں آئے۔ میں نے جواب دیا، میں تو آیا تھا اور تین مرتبہ سلام کرنے کے بعد بھی جب سلام کا جواب آپ کی طرف سے نہیں ملا تو لوٹ گیا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمادیا تھا، اگر تم میں سے کوئی تین مرتبہ (داخلہ کی) اجازت طلب کرے اور اس کو اجازت نہ ملے تو اس کو لوٹ جانا چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، اس ارشاد پر شہادت پیش کرو۔ (اگر آپ لوگوں میں سے کوئی اس فرمان کا شاہد ہو تو میرے ساتھ چل کر شہادت دے دے) حضرت ابوسعیدؓ نے فرمایا، میں اٹھ کھڑا ہوا اور ان کے ساتھ جاکر حضرت عمرؓ کے سامنے شہادت دے دی۔ متفق علیہ۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کی مرفوع روایت ہے کہ تسلیم (جس کا حکم آیت

یں دیا گیا ہے) یہ ہے کہ تین مرتبہ کہے السلام علیکم، کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔ اگر اجازت مل جائے تو اندر چلا جائے ورنہ لوٹ جائے۔ رواہ ابن ماجہ۔

حسن نے کہا، پہلی مرتبہ (اجازت طلبی اور سلام) اطلاع آمد ہے اور دوسری مرتبہ سلام و اجازت طلبی ایک قسم کا مشورہ اور طلب امر ہے اور تیسری مرتبہ الفاظ مذکور کہنا واپسی کیلئے اجازت کی طلب ہے۔ حضرت انس راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ کے پاس (ملاقات کے لئے) تشریف لے گئے اور (باہر سے) داخلے کی اجازت طلب کی اور فرمایا السلام علیکم ورحمۃ اللہ، حضرت سعد نے چپکے سے جواب دے دیا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں سنا۔ یہاں تک کہ آپ نے تین بار سلام علیک کی اور سعد نے ایسی آواز سے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ سن سکے۔ بالآخر آپ لوٹ آئے۔ اب سعد پیچھے دوڑے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار آپ نے جتنی بار سلام علیک کی میں نے اپنے کانوں سے اس کو سنا اور جواب بھی برابر دیا، لیکن اپنا جواب آپ کو نہیں سنایا (اتنی پست آواز سے جواب دیا کہ آپ نہ سن سکیں (مجھے دل سے خواہش تھی کہ آپ کی طرف سے سلامتی اور برکت زیادہ سے زیادہ مجھے مل جائے۔ (آپ برابر مجھے برکت و سلامتی کی دعا دیتے رہیں) اس کے بعد سب لوگ سعد کے گھر کے اندر داخل ہوئے۔ سعد نے کشمش پیش کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمائی اور کھانے سے فارغ ہو کر فرمایا، تمہارا کھانا نیک لوگوں نے کھایا اور ملائکہ نے تمہارے لئے نزولِ رحمت کی دعا کی اور روزہ داروں نے تمہارے پاس روزہ کھولا۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ۔

مسئلہ: اگر کوئی کسی کے دروازے پر جائے اور اجازتِ داخلہ طلب نہ کرے بلکہ صاحب خانہ کے باہر نکلنے کے انتظار میں دروازے پر بیٹھ جائے تو جائز ہے۔ حضرت ابن عباس ایک انصاری کے دروازے پر طلب حدیث کے لئے جاتے اور انصاری کے برآمد ہونے کے انتظار میں دروازے پر بیٹھ جاتے۔ داخل ہونے کی اجازت طلب نہ کرتے۔ انصاری فرماتے اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے آپ نے مجھے اطلاع دے دی ہوتی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہم کو اسی طرح طلب علم کا حکم دیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں، اللہ نے فرمایا ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ یہ آیت بھی مضمون مذکور پر دلالت کر رہی ہے۔

کسی کے گھر جھانکنا منع ہے:

اگر کوئی کسی کے دروازے پر جائے اور اجازت طلب کرے اور دروازے پر پردہ نہ ہو تو دروازے کے سامنے منہ کر کے نہ کھڑا ہو اور نہ دروازے کی جھریوں سے اندر جھانکے حضرت عبداللہ بن بسر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے دروازے پر جاتے تو دروازے کے بالکل سامنے منہ کر کے نہیں کھڑے ہوتے بلکہ دائیں یا بائیں بازو کے پاس کھڑے ہو کر فرماتے السلام علیکم، السلام علیکم اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں گھروں (کے دروازوں) پر پردے نہیں ہوتے تھے۔ رواہ ابوداؤد۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی راوی ہیں کہ ایک بار ایک شخص نے حجرے کے پردے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر جھانک کر دیکھا، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں کوئی نوک دار لوہے کی چیز تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے تو میں اس کی آنکھ میں اس کو چبھو دیتا۔ طلب اجازت کا حکم تو فقط نہ دیکھنے کے لئے ہی دیا گیا ہے (جب دیکھ لیا تو طلب اجازت بیکار ہے) رواہ البغوی۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر کوئی شخص تمہاری اجازت کے بغیر تم کو جھانک کر دیکھے اور تم کوئی کنکری اس کے پھینک مارو اور کنکری سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تمہارا کوئی جرم نہیں۔ رواہ احمد والشیخان فی الصحیحین۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾

اور اللہ جو تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے

جو کچھ کرتے ہو اللہ جانتا ہے:

وہ تمہارے تمام اعمال قلبیہ و قالبیہ سے باخبر ہے جیسا کچھ کرو گے اور جس نیت سے کرو گے حق تعالیٰ اس کے مناسب جزا دے گا۔ اور اس نے اپنے علم محیط سے تمام امور کی رعایت کر کے یہ احکام دیئے ہیں۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا

نہیں گناہ تم پر اس میں کہ جاؤ اُن گھروں میں

غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ

جہاں کوئی نہیں بستا اس میں کچھ چیز ہو تمہاری

غیر رہائشی مکانات کا مسئلہ:

یعنی جن مکانوں میں کوئی خاص آدمی نہیں رہتا، نہ کوئی روک ٹوک ہے مثلاً مسجد، مدرسہ، خانقاہ، سرائے وغیرہ۔ اگر وہاں تمہاری کوئی چیز ہے یا تم کو چندے اُس کے برتنے کی ضرورت ہے تو بیشک وہاں جا سکتے ہو اس کے لئے استیذان کی ضرورت نہیں۔ اس طرح کے مسائل کی تفصیل فقہ میں دیکھی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے کہ جن بیوت میں بلا اجازت داخلے کا حکم آیت مذکور میں دیا گیا ہے ان سے مراد کون سے مکان ہیں علماء کے اقوال اس میں مختلف آئے ہیں، قتادہ نے کہا ان سے مراد وہ دوکانیں، کوٹھڑیاں اور مکان ہیں جو قافلوں کے لئے بنا دیئے جاتے تھے، قافلے آتے جاتے وہاں ٹھہرتے تھے او راپنا سامان رکھتے تھے۔ ان مکانون میں بغیر اجازت طلبی کے داخلے کو جائز کر دیا گیا۔ اس صورت میں متاع (بمعنی منفعت) یہ ہوگی کہ وہاں لوگ اُترتے ہیں اور سامان رکھتے ہیں اور سردی گرمی سے بچتے ہیں۔

ابن زید نے کہا، ان سے مراد وہ تجارتی کوٹھیاں اور دکانیں ہیں جو بازاروں میں ہوتی ہیں جہاں خرید وفروخت کے لئے لوگ داخل ہوتے ہیں یہی منفعت ہے۔

ابراہیم نخعی نے کہا بازار کی دوکانوں میں داخل ہونے کی اجازت لینی ضروری نہیں۔ ابن سیرینؒ جب بازار کی کسی دوکان پر جاتے تو فرماتے السلام علیکم، میں داخل ہو جاؤں، پھر (جواب کا انتظار کئے بغیر داخل ہو جاتے) (تفسیر مظہری)

شانِ نزول: حضرت صدیق اکبرؓ سے روایت ہے کہ جب استیذان کی آیاتِ مذکورہ نازل ہوئیں جنہیں بغیر اجازت کے کسی مکان میں داخل ہونے کی ممانعت ہے تو صدیق اکبرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ اس ممانعت کے بعد قریش کے تجارت پیشہ لوگ کیا کریں گے کیونکہ مکہ اور مدینہ سے ملک شام تک ان کے تجارتی سفر ہوتے ہیں اور اس راستہ میں جابجا ان کے مسافر خانے بنے ہوتے ہیں جن میں دوران سفر وہ لوگ قیام کرتے ہیں۔ ان میں کوئی مستقل رہنے والا نہیں ہوتا تو وہاں استیذان کی کیا صورت ہوگی اجازت کس سے حاصل کی جائے گی۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (رواہ ابن ابی حاتم۔ مظہری)

مسئلہ: رفاہِ عام کے اداروں میں جس مقام پر اُس کے مالکان یا متولیان کی طرف سے داخلہ کے لئے کچھ شرائط اور پابندیاں ہوں اس کی پابندی شرعاً واجب ہے مثلاً ریلوے اسٹیشن پر اگر بغیر پلیٹ فارم کے جانے کی اجازت نہیں ہے تو پلیٹ فارم ٹکٹ حاصل کرنا ضروری ہے اس کی خلاف ورزی ناجائز ہے ایرڈروم (ہوائی اڈے) کے جس حصہ میں جانے کی محکمہ کی طرف سے اجازت نہ ہو وہاں بغیر اجازت کے جانا شرعاً جائز نہیں۔

مسئلہ: اسی طرح مساجد۔ مدارس۔ خانقاہوں۔ ہسپتالوں وغیرہ میں جو کمرے وہاں کے منتظمین یا دوسرے لوگوں کی رہائش کے لئے مخصوص ہوں جیسے مساجد مدارس اور خانقاہوں کے خاص حجرے یا ریلوے۔ ایرڈروم اور ہسپتالوں کے دفاتر اور مخصوص کمرے جو مریضوں یا دوسرے لوگوں کی رہائش گاہ ہیں وہ بیوت غیر مسکونہ کے حکم میں نہیں۔ بلکہ مسکونہ کے حکم میں ہیں ان میں بغیر اجازت جانا شرعاً ممنوع اور گناہ ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ

اور اللہ کو معلوم ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو

اُس نے تمہارے تمام کھلے چھپے حالات کی رعایت سے یہ احکام مشروع کئے ہیں جن سے مقصود فتنہ وفساد کے مداخل کو بند کرنا ہے۔ مومن کو چاہئے کہ اپنے دل میں اسی غرض کو پیش نظر رکھ کر عمل کرے۔ (تفسیر عثمانی)

تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو۔ یہ وعید اُن لوگوں کے لئے ہے جو کسی فساد کی غرض سے یا لوگوں کو برہنہ دیکھنے کے لئے گھروں میں بلا اجازت داخل ہوتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ

کہہ دے ایمان والوں کو نیچی رکھیں ذری اپنی آنکھیں

بدنظری حرام ہے: بدنظری عموماً زنا کی پہلی سیڑھی ہے۔ اسی سے بڑے بڑے فواحش کا دروازہ کھلتا ہے قرآن کریم نے بدکاری اور بےحیائی کا انسداد کرنے کے لئے اول اسی سوراخ کو بند کرنا چاہا۔ یعنی مسلمان مرد وعورت کو حکم دیا کہ بدنظری سے بچیں اور اپنی شہوات کو قابو میں رکھیں۔ اگر ایک مرتبہ بے ساختہ مرد کی کسی اجنبی عورت پر یا عورت کی کسی اجنبی مرد پر نظر پڑ جائے تو دوبارہ ارادہ سے اُس طرف نظر نہ کرے۔ کیونکہ یہ دوبارہ دیکھنا اس کے اختیار سے ہوگا جس میں وہ معذور نہیں سمجھا جاسکتا۔ اگر آدمی نگاہ نیچی رکھنے کی عادت ڈال لے اور اختیار وارادہ سے ناجائز امور کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھا کرے تو بہت جلد اس کے نفس کا تزکیہ ہوسکتا ہے چونکہ پہلی مرتبہ دفعۃً جو بے ساختہ نظر پڑتی ہے۔ از راہ شہوت ونفسانیت نہیں ہوتی۔ اس لئے حدیث میں اس کو معاف رکھا گیا ہے۔ شاید یہاں بھی مِنْ اَبْصَارِهِمْ میں مِنْ کو تبعیضیہ لے کر اسی طرف اشارہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

حسن کی مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی لعنت ہے (نامحرم کو) دیکھنے والے پر اور جس عورت کو دیکھا جائے اس پر رواہ البیہقی فی شعب الایمان يَغُضُّوْا امر کا صیغہ ہے۔

مومنوں کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ کسی کو نہ دیکھیں سب کی طرف سے آنکھیں بند رکھیں، بلکہ جس کو دیکھنے کی اجازت نہیں اس کی طرف نظر اٹھانے کی ممانعت ہے بلکہ نامحرم کی طرف بالا رادہ دوسری بار دیکھنے کی بندش ہے۔ پہلی مرتبہ جو بلا ارادہ نظر پڑ جائے اس کا گناہ نہیں۔ حضرت بریدہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا، علی یہ پہلی (بے ساختہ) نظر کے پیچھے (دوسری بالا رادہ) نظر نہ کرنا پہلی نظر تمہارے لئے جائز ہے دوسری نظر مباح نہیں۔ رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والدارمی۔

اچانک نظر پڑنا:

حضرت جریر بن عبداللہ کا بیان ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر پڑ جانے کا مسئلہ دریافت کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ نظر پھیر لیا کرو۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابوامامہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو مسلمان کسی (اجنبی) عورت کی خوبصورتی پہلی مرتبہ (اچانک) دیکھ کر آنکھ بند کر لیتا ہے اللہ اس کے لئے عبادت میں احساس حلاوت پیدا کر دیتا ہے رواہ احمد۔ (تفسیر مظہری)

نابینا سے بھی پردہ ضروری ہے:

ابوداؤد اور ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت اُم سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیٹھی تھیں جو ابن اُم مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے۔ یہ واقعہ پردے کی آیتیں اُترنے کے بعد کا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پردہ کر لو۔ انہوں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ تو نابینا ہیں نہ ہمیں دیکھیں گے نہ پہچانیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم تو نابینا نہیں ہو کہ اسے نہ دیکھو۔

دیور موت ہے: صحیحین میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! عورتوں کے پاس جانے سے بچو۔ پوچھا گیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دیور جیٹھ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ تو موت ہے۔

عورت کا خوشبو لگا کر مسجد آنا:

ابوداؤد میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک عورت خوشبو سے مہکتی ہوئی ملی۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا تو مسجد سے آ رہی ہے؟ اس نے کہا ہاں! فرمایا کیا تم نے خوشبو لگائی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا میں نے اپنے حبیب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو عورت اس مسجد میں آنے کے لئے خوشبو لگائے اس کی نماز نامقبول ہے جب تک کہ وہ لوٹ کر جنابت کی طرح غسل نہ کرے۔

غیر جگہ زینت ظاہر کرنا:

ترمذی میں ہے کہ اپنی زینت کو غیر جگہ ظاہر کرنے والی عورت کی مثال قیامت کے اس اندھیرے جیسی ہے جس میں نور نہ ہو۔

عورتیں راستہ کے ایک طرف ہو کر چلیں:

ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں عورتوں کو راستے میں ملے جلے چلتے ہوئے دیکھ کر فرمایا عورتو! تم اِدھر اُدھر ہو جاؤ۔ تمہیں بیچ راہ میں نہ چلنا چاہئے۔ یہ سن کر عورتیں دیواروں سے لگی لگی چلنے لگیں یہاں تک کہ اُن کے کپڑے دیواروں سے رگڑتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۚ
اور تھامتے رہیں اپنے ستر کو

یعنی حرام کاری سے بچیں اور ستر کسی کے سامنے نہ کھولیں۔ الا عند من اباحهُ الشارعُ من الازواج وما ملکت ایمانهُم.

انسدادِ فواحش اور حفاظتِ عصمت:

عورتوں کے لئے حجاب اور پردہ کے احکام کی پہلی آیات وہ ہیں جو سورۂ احزاب میں ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آنے کے وقت نازل ہوئیں، جس کی تاریخ بعض حضرات نے ۳ھ اور بعض نے ۵ھ بتائی ہے تفسیر ابن کثیر اور نیل الاوطار میں ۵ھ کو ترجیح دی ہے اور روح المعانی میں حضرت انسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ ذی قعدہ ۵ھ میں یہ عقد ہوا ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پہلی آیت حجاب اسی موقع پر نازل ہوئی۔ اور سورۂ نور کی یہ آیات قصہ افک کے ساتھ نازل ہوئی ہیں جو غزوہ بنی المصطلق یا مریسیع سے واپسی میں پیش آیا یہ غزوہ ۶ ہجری میں ہوا۔

غیر محرم عورت کی طرف بُری نیت سے دیکھنا تحریماً اور بغیر کسی نیت کے دیکھنا کراہتہً داخل ہے اور کسی عورت یا مرد کے ستر شرعی پر نظر ڈالنا بھی اس میں داخل ہے (مواضع ضرورت جیسے علاج معالجہ وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہیں) کسی کا راز معلوم کرنے کے لئے اُس کے گھر میں جھانکنا اور تمام وہ کام جن میں نگاہ کے استعمال کرنے کو شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے اس میں داخل ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ: شرمگاہوں کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ نفس کی خواہش پورا کرنے کی جتنی ناجائز صورتیں ہیں اُن سب سے اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں۔ اس میں زنا، لواطت اور دو عورتوں کا باہمی سحاق جس سے شہوت پوری ہو جائے، ہاتھ سے شہوت پوری کرنا یہ سب ناجائز وحرام چیزیں داخل ہیں۔ مراد اس آیت کی ناجائز وحرام شہوت رانی اور اس کے تمام مقدمات کو ممنوع کرنا ہے جن میں سے ابتدا اور انتہا کو تصریحاً بیان فرما دیا باقی درمیانی مقدمات سب اس میں داخل ہو گئے۔ فتنۂ شہوت کا سب سے پہلا سبب اور مقدمہ نگاہ ڈالنا اور دیکھنا ہے اور آخری نتیجہ زنا ہے ان دونوں کو صراحۃً ذکر کر کے حرام کر دیا گیا اُن کے درمیانی حرام مقدمات مثلاً باتیں سُننا۔ ہاتھ لگانا وغیرہ یہ سب ضمناً آ گئے۔

ابن کثیر نے حضرت عبیدہؓ سے نقل کیا ہے کہ کل ماعصی اللہ بہ فھو کبیرۃ وقد ذکر الطرفین۔ یعنی جس چیز سے بھی اللہ کے حکم کی مخالفت ہوتی ہو سب کبیرہ ہی ہیں لیکن آیت میں اُن کے دو طرف ابتدا و انتہا

کو ذکر کر دیا گیا ابتداء نظر اُٹھا کر دیکھنا اور انتہا زنا ہے۔ طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

النظر سھم من سھام ابلیس مسموم من ترکھا مخافتی ابدلتہ ایمانا یجد حلاوتہ فی قلبہ۔ (از ابن کثیر)

(ترجمہ) نظر ایک زہریلا تیر شیطان کے تیروں سے ہے جو شخص باوجود دل کے تقاضے کے اپنی نظر پھیر لے تو میں اس کے بدلے اس کو ایسا پختہ ایمان دوں گا جس کی لذت وہ اپنے قلب میں محسوس کرے گا۔ (ابن کثیر)

برہنہ ہونے سے بچو:

بہز بن حکیم کے دادا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنی شرمگاہ کو سوائے اپنی بیوی اور اپنی باندی کے اوروں سے محفوظ رکھ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آدمی تنہائی میں ہو تو کیا حکم ہے فرمایا اللہ زیادہ مستحق ہے اس بات کا کہ اس سے شرم کی جائے۔ رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجۃ۔

حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، برہنہ ہونے سے بچو تمہارے ساتھ (ہروقت) ایسی ہستیاں رہتی ہیں جو تم سے کسی وقت الگ نہیں ہوتیں سوائے رفع حاجت کے وقت کے یا اس وقت کے جب کوئی شخص اپنی بیوی سے قربت کرتا ہے۔ لہٰذا تم ان سے شرم کرو اور ان کی عزت کرو۔

ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ

اس میں خوب ستھرائی ہے اُن کے لئے بیشک اللہ کو خبر ہے جو کچھ کرتے ہیں

آنکھ کی چوری اور دل کا بھید اللہ کو معلوم ہے:

یعنی آنکھ کی چوری اور دلوں کے بھید اور نیتوں کا حال اس کو سب معلوم ہے لہٰذا اس کا خیال کر کے بدنگاہی اور ہر قسم کی بدکاری سے بچو۔ ورنہ وہ اپنے علم کے موافق تم کو سزا دے گا۔ يَعْلَمُ خَاۗىِٕنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ (مومن۔رکوع ۲) حضرت شاہ صاحبؒ نے "مَا يَصْنَعُوْنَ" سے مراد غالباً جاہلیت کی بے اعتدالیاں لی ہیں یعنی جو بے اعتدالیاں پہلے سے کرتے آ رہے ہیں وہ اللہ کو سب معلوم ہے اسی لئے اب اُس نے اپنے پیغمبر کے ذریعہ سے یہ احکام جاری کئے تا تمہارا تزکیہ ہو سکے۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ

اور کہہ دے ایمان والیوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں

وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ

اور تھامتی رہیں اپنے ستر کو اور نہ دکھلائیں اپنا سنگار

اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا

مگر جو کھلی چیز ہے اُس میں سے

زینت کو ظاہر نہ کرنا:

سنگار عرف میں خارجی اور کسی آرائش کو کہتے ہیں جو مثلاً لباس یا زیور وغیرہ سے حاصل ہو۔ احقر کے نزدیک یہاں "زینت" کا ترجمہ "سنگار" کے بجائے "زیبائش" کیا جاتا تو زیادہ جامع اور مناسب ہوتا۔ زیبائش کا لفظ ہر قسم کی خلقی اور کسبی زینت کو شامل ہے، خواہ وہ جسم کی پیدائشی ساخت سے متعلق ہو یا پوشاک وغیرہ خارجی ٹیپ ٹاپ سے خلاصہ مطلب یہ ہے کہ عورت کو کسی قسم کی خلقی یا کسبی زیبائش کا اظہار بجز محارم کے جن کا ذکر آگے آتا ہے کسی کے سامنے جائز نہیں۔ ہاں جس قدر زیبائش کا ظہور ناگزیر ہے اور اس کے ظہور کو بسبب عدم قدرت یا ضرورت کے روک نہیں سکتی، اس کے مجبوری یا بضرورت کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں (بشرطیکہ فتنہ کا خوف نہ ہو) حدیث و آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ چہرہ اور کفین ہتھیلیاں "اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا" میں داخل ہیں کیونکہ بہت سی ضروریات دینی و دنیوی ان کے کھلا رکھنے پر مجبور کرتی ہیں۔ اگر ان کے چھپانے کا مطلقاً حکم دیا جائے تو عورتوں کے لئے کاروبار میں سخت تنگی اور دشواری پیش آئے گی۔ آگے فقہاء نے قدمین کو بھی ان ہی اعضاء پر قیاس کیا ہے اور جب یہ اعضاء مستثنیٰ ہوئے تو ان کے متعلقات مثلاً انگوٹھی، چھلا یا مہندی کاجل وغیرہ کو بھی استثناء میں داخل ماننا پڑے گا لیکن واضح ہے کہ "اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا" سے صرف عورتوں کو بضرورت ان کے کھلا رکھنے کی اجازت ہوئی۔ نامحرم مردوں کو اجازت نہیں دے گئی کہ وہ آنکھیں لڑایا کریں اور ان اعضاء کا نظارہ کیا کریں۔ شاید اسی لئے اس اجازت سے پیشتر ہی حق تعالیٰ نے غض بصر کا حکم مومنین کو سنا دیا ہے معلوم ہوا کہ ایک طرف سے کسی عضو کے کھولنے کی اجازت اس کو مستلزم نہیں کہ دوسری طرف سے اس کو دیکھنا بھی جائز ہو آخر مرد جن کے لئے پردہ کا حکم نہیں اسی آیت بالا میں عورتوں کو ان کی طرف دیکھنے سے منع کیا گیا۔ نیز یاد رکھنا چاہئے کہ ان آیات میں محض ستر کا مسئلہ بیان ہوا ہے یعنی اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ اپنے گھر کے اندر ہو یا باہر عورت کو کس حصہ بدن کا کس کے سامنے کن حالات میں کھلا رکھنا جائز ہے۔ باقی مسئلہ "حجاب" یعنی شریعت نے اس کو کن حالات میں گھر سے باہر نکلنے اور سیر و سیاحت کرنے کی اجازت دی، یہاں مذکور نہیں۔ اس کی کچھ تفصیل انشاء اللہ سورۂ احزاب میں آئے گی۔ اور ہم نے فتنہ کا خوف نہ ہونے کی جو شرط بڑھائی وہ دوسرے دلائل اور قواعد شرعیہ سے ماخوذ ہے جو ادنیٰ تامل اور مراجعت نصوص سے دریافت ہو سکتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے بحوالہ مقاتل بیان کیا کہ حضرت جابر بن عبداللہ نے فرمایا، (ایک بار) حضرت اسماء بنت مرثد اپنے نخلستان میں تھیں کچھ عورتیں ان کے پاس آئیں جو ازار پہنے ہوئے نہ تھیں اس لئے جو کچھ وہ پانوؤں میں پہنے ہوئی تھیں (یعنی پازیب وغیرہ) وہ کھلا نظر آ رہا تھا ان کے سینے اور گیسو بھی کھلے ہوئے تھے۔ حضرت اسماء نے فرمایا یہ کیسی بُری ہیئت ہے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ایک بار حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھیں۔ حضرت ابن ام مکتوم بھی آ گئے (یہ واقعہ حکم حجاب نازل ہونے کے بعد کا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم دونوں پردے میں ہو جاؤ (حضرت ام سلمہ کا بیان ہے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا وہ نابینا نہیں ہیں۔ فرمایا کیا تم دونوں بھی نابینا ہو کیا تم اس کو نہیں دیکھ سکتیں۔ رواہ احمد وابوداؤد والترمذی۔

مسئلہ: ناف سے زانو تک عورت کو عورت نہیں دیکھ سکتی اور نہ مرد مرد کو۔ حضرت ابوسعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مرد مرد کے ستر کو نہ دیکھے اور نہ عورت، عورت کے ستر کو، مرد، مرد کے ساتھ برہنہ ایک کپڑے میں نہ لیٹے اور نہ عورت، عورت کے ساتھ برہنہ ایک کپڑے میں لیٹے۔ رواہ مسلم۔

وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا اور اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت کریں اور اپنی زینت (کے مواقع) کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس (موقع زینت) میں سے (غالباً) کھلا رہتا ہے۔ زینت سے مراد ہیں۔ زیور کپڑے، سنگھار یعنی سج دھج اور سنگھار کو پردہ سے نہیں ہے کیونکہ آزاد عورت کا سارا بدن واجب الستر ہے سوائے شوہر اور محرم کے عورت کے بدن کا کوئی حصہ دیکھنا کسی مرد کے لئے جائز نہیں۔ ہاں مجبوری ہو تو الگ بات ہے جیسے بیماری کا علاج یا ادائے شہادت وغیرہ۔

عورت سرتاپا پردے کی چیز ہے:

حُسن کا اصل سرچشمہ تو چہرہ ہی ہے چہرے کو دیکھنے سے ہی فتنہ پیدا ہونے کا خطرہ بہت زیادہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے عورت (سرتاپا) عورت ہے (یعنی قابل ستر ہے) جب باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک جھانک میں رہتا ہے۔ رواہ الترمذی عن ابن مسعود۔

یہ حدیث بتارہی ہے کہ عورت (از سرتاپا) واجب الستر ہے۔

ضرورت ومجبوری کا حکم:

ضرورتیں اس حکم سے باجماع امت مستثنیٰ ہیں۔ عورت کو بازار سے ضروری سودا سلف لانے والا نہ ملے تو یہ بھی ایک طرح کی ضرورت ہے، برقعہ پہن کر وہ نکل سکتی ہے۔ راستہ دیکھنے کے لئے وہ ایک آنکھ کھلی رکھے، سر سے پاؤں تک چھپانے والا کپڑا نہ ملے تو جہاں تک ممکن ہو اور جو کپڑے میسر ہوں وہی کپڑے پہن کر اور بدن کو چھپا کر باہر آ سکتی ہے۔ کبھی علاج معالجہ کے لئے ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کبھی گواہوں کے پاس اور کبھی عدالت میں حاکم کے سامنے جانے کی مجبوری ہوتی ہے ان سب صورتوں میں بقدر ضرورت پردے کا انکشاف درست ہے۔ ہم نے زینت کا مرادی معنی دو طرح سے بیان کیا ہے (۱) کپڑے، زیور اور بناؤ سنگھار کی چیزیں۔ بیضاوی کے نزدیک زینت سے یہی مراد ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے بھی زینت سے مراد کپڑے لئے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

اوپر کے کپڑے:

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ ماظهر منها میں جس چیز کو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ اوپر کے کپڑے ہیں جیسے بُرقع یا لمبی چادر جو برقع کے قائم مقام ہوتی ہے۔ یہ کپڑے زینت کے کپڑوں کو چھپانے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں تو مراد آیت کی یہ ہوگی کہ زینت کی کسی چیز کو ظاہر کرنا جائز نہیں بجز اُن اوپر کے کپڑوں کے جن کا چھپانا بضرورت باہر نکلنے کے وقت ممکن نہیں جیسے برقع وغیرہ۔

چہرہ کا کھولنا جائز نہیں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود کی تفسیر کے مطابق تو غیر محرم مردوں کے سامنے عورت کو چہرہ اور ہاتھ کھولنا بھی جائز نہیں صرف اوپر کے کپڑے برقع وغیرہ کا اظہار بضرورت مستثنیٰ ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ حسن اور زینت کا اصل مرکز انسان کا چہرہ ہے اور زمانہ فتنہ وفساد اور غلبۂ ہویٰ اور غفلت کا ہے اس لئے بجز مخصوص ضرورتوں کے مثلاً علاج معالجہ یا کوئی خطرہ شدیدہ وغیرہ عورت کو غیر محارم کے سامنے قصداً چہرہ کھولنا بھی ممنوع ہے اور مردوں کو اس کی طرف قصداً نظر کرنا بھی بغیر ضرورت شرعیہ کے جائز نہیں۔

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ
اور ڈال لیں اپنی اوڑھنی اپنے گریبان پر

سینہ چھپانے کی تاکید:

بدن کی خلقی زیبائش میں سب سے زیادہ نمایاں چیز سینہ کا ابھار ہے اس کے مزید تستر کی خاص طور پر تاکید فرمائی اور جاہلیت کی رسم کو مٹانے کی صورت بھی بتلا دی۔ جاہلیت میں عورتیں خمار اوڑھنی سر پر ڈال کر اس کے دونوں پلے پشت پر لٹکا لیتی تھیں۔ اس طرح سینہ کی ہیئت نمایاں رہتی تھی۔ یہ

گویا حسن کا مظاہرہ تھا۔ قرآن کریم نے بتلا دیا کہ اوڑھنی کو سر پر سے لا کر گریبان پر ڈالنا چاہیے تاکہ اس طرح کان، گردن اور سینہ پوری طرح مستور رہے۔ (تفسیر عثمانی)

زینت ظاہرہ کے استثناء کے بعد ارشاد ہے وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ یعنی آنچل مار لیا کریں اپنے دوپٹوں کا اپنے سینوں پر، خُمر، خمار کی جمع ہے اُس کپڑے کو کہتے ہیں جو عورت سر پر استعمال کرے اور اُس سے گلا اور سینہ بھی چھپ جائے۔ جیوب جیب کی جمع ہے جس کے معنی ہیں گریبان، چونکہ زمانہ قدیم سے گریبان سینہ ہی پر ہونے کا معمول ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں عورتیں دوپٹہ سر پر ڈال کر اس کے دونوں کنارے پشت پر چھوڑ دیتی تھیں جس سے گریبان اور گلا اور سینہ اور کان کھلے رہتے تھے اس لئے مسلمان عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ ایسا نہ کریں بلکہ دوپٹے کے دونوں پلے ایک دوسرے پر اُلٹ لیں تاکہ یہ سب اعضاء چھپ جائیں۔ (رواہ ابن ابی حاتم عن ابن جبیرؒ۔ روح) آگے دوسرا استثناء اُن مردوں کا بیان کیا گیا ہے جن سے شرعاً پردہ نہیں جس کے دو سبب ہیں اول تو جن مردوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے اُن سے کسی فتنہ کا خطرہ نہیں وہ محارم ہیں جن کی طبائع کو حق تعالیٰ نے خلقۃً ایسا بنایا ہے کہ وہ ان عورتوں کی عصمت کے محافظ ہوتے ہیں اُن سے خود کوئی فتنہ کا احتمال نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ
اور نہ کھولیں اپنا سنگار مگر اپنے خاوند کے آگے یا اپنے باپ کے

محرم رشتہ داروں کا حکم:

چچا اور ماموں کا بھی یہی حکم ہے اور ان محارم میں پھر فرق مراتب ہے مثلاً جو زینت خاوند کے آگے ظاہر کر سکتی ہے دوسرے محارم کے سامنے نہیں کر سکتی۔ ابدائے زینت کے درجات ہیں جن کی تفصیل تفاسیر اور کتب فقہ میں دیکھنی چاہیے۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ جس قدر تستر کا اہتمام اجنبیوں سے تھا، اُتنا محارم سے نہیں یہ مطلب نہیں کہ ہر ایک عضو کو ان میں سے ہر ایک کے آگے کھول سکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

خاوند کا حکم:

اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ مگر اپنے شوہروں کے لئے، زینت کا مرکزی نقطہ تو شوہر ہی ہیں اپنی بیویوں کے سارے بدن کو دیکھنا جائز ہے، یہاں تک کہ شرمگاہوں کو بھی۔ مگر شرمگاہوں کو دیکھنا مکروہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے جو شخص اپنی بیوی سے قربت کرے تو پردہ کر لے۔ دونوں گدھوں کی طرح ننگے نہ ہوں۔ رواہ الشافعی والطبرانی والبیہقی عن ابن مسعود عن عتبہ بن عبد والنسائی عن عبداللہ بن سرجس والطبرانی ایضاً عن ابی امامۃ

ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرمگاہ کبھی نہیں دیکھی۔ (تفسیر مظہری)

ابن عباسؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"اذا جامع احد کم زوجه او جاريته فلا ينظر الى فرجها فان ذلک يورث العمى." قال ابن الصلاح جيد الاسناد كذافي شرح الجامع الصغير.

جب کوئی اپنی بیوی اور باندی سے جماع کرے تو اس کی شرمگاہ کی طرف نظر نہ کرے یہ دیکھنا نابینائی پیدا کرتا ہے۔

ابن صلاح کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند نہایت عمدہ ہے۔

مسئلہ: کسی بیگم صاحب کا تنہا موٹر میں بیٹھ کر کہیں جانا جبکہ ان کا شوہر یا باپ یا بھائی ان کے ساتھ نہ ہو اور فقط موٹر چلانے والا اس موٹر میں موجود ہو تو یہ خلوت بالاجنبیہ ہے اور بلاشبہ حرام ہے۔

محرم کے سامنے زینت کا اظہار مقصود نہ ہو:

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عورت کے محارم کا ذکر فرمایا اور بتلایا کہ عورت کے لئے اپنی زینت کو ان محارم کے سامنے ظاہر کرنا اور کھولنا جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ محارم کے سامنے بھی اس کشف و اظہار سے اپنے حسن و جمال کا اظہار مقصود نہ ہو۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۴ ج ۳۔

جیسا کہ سورۂ احزاب کی یہ آیت فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ اس بارہ میں نص صریح ہے مقصود یہ ہے کہ عورتوں کو چاہیے کہ چلتے وقت ایسی حرکت نہ کریں جس سے مردوں کو عورتوں کے جانے اور چلنے کا علم ہو جائے اور ان کے پازیب کی آواز مردوں کی شہوت کو برانگیختہ کرنے کا سبب بنے۔

خوشبو لگا کر لوگوں پر گذرنا:

اور اسی قسم سے ہے کہ عورت اپنے گھر سے خوشبو لگا کر نہ نکلے اگرچہ وہ برقعہ اوڑھے ہوئے ہو جیسا کہ ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت عطر لگا کر گھر سے نکلے اور کسی مجلس پر گزرے تو وہ ایسی اور ایسی ہے یعنی زانیہ اور بدکار ہے۔ رواہ ابوداؤد والنسائی والترمذی وقال ہذا حدیث حسن صحیح۔

آواز سنانا: پس جب عورت کے لئے اپنے زیور کی آواز کا نکالنا ناجائز اور حرام ہے۔ تو عورت کا خود اپنی آواز کا نکالنا مثلاً کسی اجنبی مرد سے باتیں کرنا یا گانا بجانا وہ بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ اجنبی عورت کا تو قرآن سننا بھی حرام ہے اور عورت کی اذان اور اقامت بھی بالاجماع ناجائز ہے۔ معلوم ہوا کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے جس کا پردہ

واجب ہے پس جب عورت کی اذان اور اقامت ناجائز ہے تو جلسۂ عام میں عورت کی تقریر بدرجہ اولیٰ حرام اور ناجائز ہوگی۔ پس معلوم ہوا کہ عورت کا کھلے منہ جلسوں میں آنا اور تقریر کرنا اور مردوں کی پارٹیوں میں کھلے منہ شرکت کرنا اور اپنی تصویر اتروانا اور اس کا اخباروں میں چھپوانا بالاشبہ حرام ہوگا۔ جب عورت کے زیور کی آواز فتنہ ہے اور اس کا اظہار ناجائز ہے تو خود عورت کی تصویر اور اس کی آواز کیسے فتنہ نہ ہوگی اور اس کا اظہار اور اشتہار کیوں حرام نہ ہوگا۔ خوب سمجھ لو کہ عورت کی تقریر اور عورت کی تصویر یہ سب زنا کے دروازے ہیں۔ شریعت مطہرہ ان کو بند کرنا چاہتی ہے مگر یہ دلدادگان مغربیت اس فکر میں ہیں کہ بے پردگی اس درجہ بام عروج پر پہنچ جائے کہ نفس پرستوں کو نکاح ہی کی ضرورت نہ ہو۔

نیز احادیث میں عورت کو اجنبی مرد کے ساتھ خلوت کی ممانعت ہے۔

اور عورت کو بغیر محرم کے سفر کرنے کی ممانعت آئی ہے۔

اور عورت کو بغیر شوہر کی اجازت کے مسجد وغیرہ میں جانے کی ممانعت آئی ہے۔ اس ممانعت کی علت صرف یہی فتنۂ شہوت ونفسانیت ہے جس کا شریعت مطہرہ سد باب کرنا چاہتی ہے۔ (معارف کاندھلوی)

اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ

یا اپنے خاوند کے باپ کے یا اپنے بیٹے کے یا اپنے خاوند کے بیٹے کے

اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ

یا اپنے بھائی کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے

اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ

یا اپنی عورتوں کے

یعنی جو عورتیں اُس کے پاس اُٹھنے بیٹھنے والی ہیں۔ بشرطیکہ نیک چلن ہوں۔ بدراہ عورتوں کے سامنے نہیں اور بہت سے سلف کے نزدیک اس سے مسلمان عورتیں مراد ہیں۔ کافر عورت اجنبی مرد کے حکم میں ہے۔ (تفسیر عثانی)

اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ یا اپنے بھانجوں کے لئے۔ بہنوں کے پوتے نواسے بھی اسی حکم میں شامل ہیں۔ مذکورۂ بالا سب لوگ عام طور پر اپنی بزرگ یا خورد عورتوں کے گھروں میں ہر وقت آمد ورفت رکھتے ہیں اور عموماً کسی فتنہ کا اندیشہ نہیں ہوتا، اصول وفروع سے صنفی تعلقات کو طبعاً لوگ بُرا سمجھتے ہیں پھر حیاءً اور شرم بھی دامن گیر ہوتی ہے۔ اس لئے مذکورۂ بالا مردوں کے سامنے مذکورہ عورتوں کا آنا اور اپنی زینت کو ظاہر کرنا اللہ نے جائز قرار دیا اور مردوں کے لئے مباح کر دیا کہ خدمت کے وقت جو حصۂ بدن کھلا رہتا ہے یا کھل جاتا ہے اس کو دیکھ سکتے ہیں یعنی سر، پنڈلیاں، بازو اور سینہ۔ پیٹ اور پشت کو دیکھنا روا نہیں، نہ ناف سے زانو تک کوئی حصہ دیکھنا جائز ہے عام طور پر یہ حصے کام کے وقت بھی چھپے رہتے ہیں اور ان کو چھپا رکھنے میں کوئی تکلیف بھی نہیں ہوتی۔ یہ حکم ان مردوں اور عورتوں کے لئے ہے جو باہم محرم ہیں جن کے درمیان سلسلۂ نکاح ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا ہے، خواہ حرمت نسبی ہو یا دودھ کی شرکت کی وجہ سے۔ آیت میں باپ کے بھائیوں اور ماں کے بھائیوں کا ذکر صراحت کے ساتھ نہیں کیا گیا کیونکہ دلالت النص سے ان کا حکم وہی معلوم ہو جاتا ہے جو بھتیجوں اور بھانجوں کا ہے اس پر اجماع اہل علم ہے کیونکہ جب پھوپھی اپنی زینت کا اظہار اپنے بھتیجے کے سامنے کر سکتی ہے تو بھتیجی کے لئے بھی اپنے چچا کے سامنے زینت کا اظہار جائز ہوگا۔ دونوں رشتے برابر کے ہیں اسی طرح خالہ بھانجے کے سامنے جب اپنی زینت کا اظہار کر سکتی ہے تو بھانجی ماموں کے سامنے بھی زینت کو ظاہر کر سکتی ہے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ اعمام واخوال کو صراحت کے ساتھ ذکر نہ کرنے سے اس طرف اشارہ ہو کہ چچا اور ماموں کے سامنے اظہار زینت نہ کرنا تقاضاء احتیاط ہے۔ ممکن ہے کہ وہ ان کی زینت کو دیکھ کر اپنے بیٹوں کے سامنے ان عورتوں کی زینت کو بیان کر دیں۔

آنکھوں اور ہاتھوں کا زنا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، دونوں آنکھیں زنا کرتی ہیں اور دونوں آنکھوں کا زنا (بُری نیت سے) دیکھنا ہے اور دونوں ہاتھ زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا (بُری نیت سے) پکڑنا ہے۔ دوسری روایت میں ہے دونوں آنکھیں زنا کرتی ہیں اور دونوں ہاتھ زنا کرتے ہیں اور دونوں پاؤں زنا کرتے ہیں اور شرمگاہ زنا کرتی ہے۔ رواہ احمد والطبرانی عن ابن مسعود۔ مرفوعاً۔

اگر خطرہ ہو تو محرم سے بھی پرہیز کرے:

محرم عورتوں سے زنا کرنے کا جرم بہت ہی سخت ہے۔ اس لئے اگر ان کو دیکھنے یا چھونے سے نفسانیت کے بیدار ہو جانے کا کسی ایک طرف بھی خطرہ ہو تو دیکھنے سے پرہیز رکھے اور چھونے سے بھی۔

عورت کا عورت کی زینت کو دیکھنا:

اَوْ نِسَآئِهِنَّ یا اپنی عورتوں کے لئے یعنی ایک عورت دوسری عورت کے سامنے اپنی زینت کا اظہار کر سکتی ہے خواہ وہ عورت مومنہ ہو یا غیر مومنہ آزاد ہو یا باندی کیونکہ ہر عورت دوسری عورت کی ہم جنس ہے اور نفسانی خواہشات کی بیداری کا عام طور پر خطرہ نہیں ہوتا۔ ہاں ناف سے زانو تک کا انکشاف ایک عورت دوسری عورت کے سامنے بھی (باستثناء ضرورت خاص) نہیں کر سکتی۔

امام ابوحنیفہ کا ایک قول منقول ہے کہ عورت کا عورت کی طرف دیکھنا ایسا ہی ہے جیسے مرد کا اپنی محرم عورتوں کی طرف دیکھنا۔ (تفسیر مظہری)

بارہ قسم کے محارم

تنبیہ: یاد رہے کہ اس جگہ لفظ محرم عام معنے میں استعمال ہوا ہے جو شوہر پر بھی مشتمل ہے فقہاء کی اصطلاح میں محرم کی جو خاص تفسیر ہے کہ جس سے کبھی نکاح جائز نہ ہو وہ یہاں مراد نہیں تفصیل ان بارہ مستثنیات کی جو سورۂ نور کی مذکورہ آیت میں ہے یہ ہے سب سے پہلے شوہر ہے جس سے بیوی کے کسی عضو کا پردہ نہیں اگرچہ اعضاء مخصوصہ کو بلا ضرورت دیکھنا خلاف اولیٰ ہے حضرت صدیقہ عائشہؓ نے فرمایا ما رأی منی ولا رأیت منہ یعنی نہ آپ نے میری خاص عضو کو دیکھا نہ میں نے آپ کے۔

دوسرے اپنے باپ ہیں۔ جس میں دادا، پردادا سب داخل ہیں۔ تیسرے شوہر کا باپ ہے اس میں بھی دادا، پردادا سب داخل ہیں چوتھے اپنے لڑکے جو اپنی اولاد میں ہیں۔ پانچویں شوہر کے لڑکے جو کسی دوسری بیوی سے ہوں۔ چھٹے اپنے بھائی، اس میں حقیقی بھی داخل ہیں اور باپ شریک یعنی علاتی اور ماں شریک یعنی اخیافی بھی۔ لیکن ماموں، خالہ یا چچا، تایا اور پھوپی کے لڑکے جن کو عام عرف میں بھائی کہا جاتا ہے وہ اس میں داخل نہیں وہ غیر محرم ہیں۔ ساتویں بھائیوں کے لڑکے یہاں بھی صرف حقیقی یا علاتی یا اخیافی بھائی کے لڑکے مراد ہیں دوسرے عرفی بھائیوں کے لڑکے شامل نہیں۔ آٹھویں بہنوں کے لڑکے۔ اس میں بھی بہنوں سے حقیقی اور علاتی اخیافی بہنیں مراد ہیں۔ پہلے لفظ نسائهن میں داخل ہیں ان کو علیحدہ بیان کرنے کی ضرورت کیا تھی اس کا جواب جصاصؒ نے یہ دیا ہے کہ لفظ نسائهن اپنے ظاہر کے اعتبار سے صرف مسلمان عورتوں کے لئے ہے۔ اور مملوکہ باندیوں میں اگر کافر بھی ہوں تو ان کو مستثنیٰ کرنے کے لئے یہ لفظ علیحدہ لایا گیا ہے۔

گیارھویں قسم أَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ مغفل اور بدحواس قسم کے لوگ ہیں جن کو عورتوں کی طرف کوئی رغبت و دلچسپی ہی نہ ہو (ابن کثیر) اور یہی مضمون ابن جریر نے ابوعبداللہ، ابن جُبیر ابن عطیہ وغیرہ سے نقل کیا ہے اس لئے اس سے مراد وہ مرد ہیں جو عورتوں کی طرف نہ کوئی رغبت و شہوت رکھتے ہیں، نہ اُن کے اوصاف حُسن اور حالات سے کوئی دلچسپی رکھتے ہیں کہ دوسرے لوگوں سے بیان کردیں بخلاف مخنث قسم کے لوگوں کے جو عورتوں کے اوصاف خاص سے تعلق رکھتے ہوں اُن سے بھی پردہ واجب ہے جیسا کہ صدیقہ عائشہؓ کی حدیث میں ہے کہ ایک مخنث ازواج مطہرات کے پاس آیا کرتا تھا اور اُمہات المومنین اس کو غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ جو اس آیت میں مذکور ہے داخل سمجھ کر اُس کے سامنے آجاتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اُس کو دیکھا اور اُس کی باتیں سنیں تو گھروں میں داخل ہونے سے، اس کو روک دیا (روح المعانی)

اسی لئے ابن حجر مکیؒ نے شرح منہاج میں فرمایا ہے کہ مرد اگرچہ عنین (نامرد) یا مجبوب (مقطوع العضو) یا بہت بوڑھا ہو وہ اس غیر اولی الاربۃ کے لفظ میں داخل نہیں ان سب سے پردہ واجب ہے۔ اس میں غیر اولی الاربۃ کے لفظ کے ساتھ جو التابعین کا لفظ مذکور ہے۔ اُس سے مراد یہ ہے کہ ایسے مغفل بدحواس لوگ جو طفیلی بن کر کھانے پینے کے لئے گھروں میں چلے جائیں وہ مستثنیٰ ہیں۔ اس کا ذکر صرف اس لئے کیا گیا کہ اس وقت ایسے مغفل قسم کے کچھ مرد ایسے ہی تھے جو طفیلی بن کر کھانے پینے کے لئے گھروں میں جاتے تھے اصل مدار حکم کا ان کے مغفل بدحواس ہونے پر ہے تابع اور طفیلی ہونے پر نہیں۔ واللہ اعلم۔

بارھویں قسم أَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ ہے۔ اس سے مراد وہ نابالغ بچے ہیں جو ابھی بلوغ کے قریب بھی نہیں پہنچے اور عورتوں کے مخصوص حالات وصفات اور حرکات وسکنات سے بالکل بے خبر ہوں اور جو لڑکا ان امور سے دلچسپی لیتا ہو وہ مراہق یعنی قریب البلوغ ہے اُس سے پردہ واجب ہے (ابن کثیر) امام جصاصؒ نے فرمایا کہ یہاں طفل سے مراد وہ بچے ہیں جو مخصوص معاملات کے لحاظ سے عورتوں اور مردوں میں کوئی امتیاز نہ کرتے ہوں (ذکرہ عن المجاہد) پردہ سے مستثنیات کا بیان ختم ہوا۔ (معارف مفتی اعظم)

أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ
یا اپنے ہاتھ کے مال کے

غلام اور باندی:

یعنی اپنی لونڈیاں (باندیاں) اور بعض سلف کے نزدیک مملوک غلام بھی اس میں داخل ہے اور ظاہر قرآن سے اسی کی تائید ہوتی ہے لیکن جمہور ائمہ اور سلف کا یہ مذہب نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلام سیدہ فاطمہ کو عطا فرمایا اور غلام کو ساتھ لے کر حضرت فاطمہ کے پاس تشریف لے گئے اس وقت حضرت سیدہ کے پاس صرف اتنا کپڑا تھا کہ اگر سر چھپاتی تھیں تو پاؤں کھلے رہتے تھے اور ٹانگیں چھپاتی تھیں تو سر تک کپڑا نہیں پہنچتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ملاحظہ فرمائی تو ارشاد فرمایا کوئی حرج نہیں (کوئی غیر نہیں ہے) صرف تمہارا باپ اور تمہارا غلام ہے۔ رواہ ابوداؤد۔ اس حدیث کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے وہ غلام چھوٹی عمر کا ہو۔ حدیث میں جو لفظ غلام آیا ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے (غلام کا معنی ہے لڑکا) (تفسیر مظہری)

اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ

یا کار بار کرنے والوں کے جو مرد کہ کچھ غرض نہیں رکھتے

یعنی کمیرے خدمتگار جو محض اپنے کام سے کام رکھیں اور کھانے سونے غرق ہوں، شوخی نہ رکھتے ہوں یا فاترالعقل پاگل جن کے حواس وغیرہ بھی ٹھکانے نہ ہوں، محض کھانے پینے میں گھر والوں کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مخنث وغیرہ: صحیح یہ ہے کہ خصی اور ذکر بریدہ نامحرم عورت کے معاملہ میں نر کا حکم رکھتے ہیں۔ ہدایہ میں ہے خصی نر قابل جماع ہوتا ہے اور ذکر بریدہ کی بھی یہی حالت ہوتی ہے مس کر سکتا ہے، رگڑ سکتا ہے اس کو انزال ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ زنانہ جو بدفعلیوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے زنانہ بن گیا ہو وہ بھی بدچلن نر ہوتا ہے یہ سب لوگ آیت قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ کے حکم میں داخل ہیں، آیت کا حکم ذکر بریدہ خصی اور مخنث کو بھی شامل ہے اور یہ شمول قطعی ہے۔ اور آیت التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ میں ان ذکر بریدہ خصی وغیرہ کا شامل ہونا قطعی نہیں ہے اس لئے اول آیت میں جو نظریں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے وہ ان پر لاگو ہوگا۔

میں کہتا ہوں اصلی فطری خنثیٰ جس کے پاس آلہ مردانگی بھی ہوتا ہے او رشرمگاہ نسوانی بھی۔ اگر اس میں نسوانی علامات نمایاں ہوں، مثلاً عورتوں کی طرح پستان ہوں یا عورتوں کی مثل پستانوں میں دودھ اتر آئے، یا حیض آتا ہو یا حمل ہو، یا شرمگاہ نسوانی سے اس سے جماع کیا جا سکتا ہو تو ایسا خنثیٰ عورت کے حکم میں ہے۔ ورنہ مرد کا حکم اس پر لاگو ہوگا، عورتوں کے لئے اس کے سامنے اظہار زینت جائز نہ ہوگا۔ اور اگر خنثیٰ مشکل ہے تو محتاط طریقہ اختیار کیا جائے گا نہ وہ مردوں کے سامنے اپنا کشف کر سکے گا نہ عورتیں اس کے سامنے اپنی زینت کو نمایاں کر سکیں گی۔ واللہ اعلم۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت ام سلمہ کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ کے پاس موجود تھے اور گھر میں ایک مخنث بھی موجود تھا، مخنث نے حضرت ام سلمہ کے بھائی حضرت عبداللہ بن امیہ سے کہا عبداللہ! اگر کل کو اللہ تم کو طائف کی فتح عنایت فرما دے تو میں تم کو غیلان کی بیٹی کا پتہ بتاؤں گا، وہ چار کے ساتھ سامنے آتی ہے اور آٹھ کے ساتھ پیٹھ موڑ کر جاتی ہے (یعنی اس کے حسن کا یہ عالم ہے کہ جب وہ سامنے سے آتی ہے تو پیٹ پر چار شکنیں پڑتی دکھائی دیتی ہیں اور پشت پھیر کر واپس جاتی ہے تو آٹھ شکنیں نمودار ہوتی ہیں، چار دائیں پہلو کی طرف اور چار بائیں پہلو کی طرف) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ لوگ تمہارے پاس اندر نہ آئیں۔ (تفسیر مظہری)

اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ

یا لڑکوں کے جنہوں نے ابھی نہیں پہچانا عورتوں کے بھید کو

یا جن لڑکوں کو ابھی تک نسوانی سرائر کی کوئی تمیز نہیں، نہ نفسانی جذبات رکھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ

اور نہ ماریں زمین پر اپنے پاؤں کو کہ جانا جائے

مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ

جو چھپاتی ہیں اپنا سنگار

یعنی چال ڈھال ایسی نہ ہونی چاہئے کہ زیور وغیرہ کی آواز سے اجانب کو اُدھر میلان اور توجہ ہو۔ بسا اوقات اس قسم کی آواز صورت دیکھنے سے بھی زیادہ نفسانی جذبات کے لئے محرک ہو جاتی ہے۔

عورت عورت سے قرآن سیکھے:

بیضاوی نے النوازل میں صراحت کی ہے کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے۔ اسی پر یہ مسئلہ مبنی ہے کہ عورت کا عورت سے قرآن سیکھنا افضل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے ارشاد فرمایا کہ سبحان اللہ کہنا مردوں کے لئے ہے اور تالی بجانا عورتوں کے لئے۔ متفق علیہ۔

ابن ہمام نے لکھا ہے اسی وجہ سے اگر کہا جائے۔ کہ عورت نماز میں اگر جہری قرأت کرے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ تو اس کی بنیاد معقول ہے امام کو نماز میں اگر سہو ہو جائے تو اس کو متنبہ کرنے کے لئے بجائے اس کے کہ عورت آواز سے سبحان اللہ کہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تالی بجا دینے کا حکم دیا۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا قدم بھی عورت ہے۔ (تفسیر مظہری)

اپنی مخفی زینت کا اظہار خواہ کسی ذریعہ سے ہو وہ بھی جائز نہیں۔ زیور کے اندر خود کوئی چیز ایسی ڈالی جائے جس سے وہ بجنے لگے یا ایک زیور دوسرے زیور سے ٹکرا کر بجے یا پاؤں زمین پر اس طرح مارے جس سے زیور کی آواز نکلے اور غیر محرم مرد سنیں یہ سب چیزیں اس آیت کی رو سے ناجائز ہیں۔ اور اسی وجہ سے بہت سے فقہاء نے فرمایا کہ جب زیور کی آواز غیر محرموں کو سنانا اس آیت سے ناجائز ثابت ہوا تو خود عورت کی آواز کا سنانا اس سے بھی زیادہ سخت اور بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگا اس لئے عورت کی آواز کو بھی ان حضرات نے ستر میں داخل قرار دیا ہے اور اسی بنا پر نوازل میں فرمایا کہ عورتوں کو جہاں تک ممکن ہو قرآن کی تعلیم بھی عورتوں ہی سے لینا چاہئے۔ مردوں سے تعلیم لینا بدرجہ مجبوری جائز ہے۔

صحیح بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ نماز میں اگر کوئی سامنے سے گزرنے لگے تو مرد کو چاہئے کہ بلند آواز سے سبحان اللہ کہہ کر گزرنے والے کو متنبہ کر دے مگر عورت آواز نہ نکالے بلکہ اپنی ایک ہتھیلی کی پشت پر دوسرا ہاتھ مار کر اس کو متنبہ کرے۔

حنفیہ کے نزدیک عورت کی اذان مکروہ ہے لیکن حدیث سے ثابت ہے کہ ازواج مطہرات نزولِ حجاب کے بعد بھی پس پردہ غیر محارم سے بات کرتی تھیں اس مجموعہ سے راجح اور صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس موقع اور جس محل میں عورت کی آواز سے فتنہ پیدا ہونے کا خطرہ ہو وہاں ممنوع ہے جہاں یہ نہ ہو جائز ہے (بصاص) اور احتیاط اسی میں ہے کہ بلا ضرورت عورتیں پس پردہ بھی غیر محرموں سے گفتگو نہ کریں۔ واللہ اعلم۔

خوشبو لگا کر باہر نکلنا:

اس حکم میں یہ بھی داخل ہے کہ عورت جب بضرورت گھر سے باہر نکلے تو خوشبو لگا کر نہ نکلے کیونکہ وہ بھی اس کی مخفی زینت ہے غیر محرم تک یہ خوشبو پہنچے تو ناجائز ہے۔ ترمذی میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث ہے جس میں خوشبو لگا کر باہر جانے والی عورت کو بُرا کہا گیا ہے۔

مزین برقع پہن کر نکلنا بھی ناجائز ہے۔

وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ
اور توبہ کرو اللہ کے آگے سب مل کر اے ایمان والو
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾
تاکہ تم بھلائی پاؤ

آئندہ کیلئے توبہ کرلو:

یعنی پہلے جو کچھ حرکات ہو چکیں اُن سے توبہ کرو اور آئندہ کے لئے ہر مرد و عورت کو خدا سے ڈر کر اپنی تمام حرکات وسکنات اور چال چلن میں انابت اور تقویٰ کی راہ اختیار کرنی چاہیئے۔ اسی میں دارین کی بھلائی اور کامیابی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اور اے مسلمانو تم سب کے سب اللہ سے توبہ کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے اوامر و نواہی کی تعمیل میں کوتاہی ہر شخص سے ہوتی ہے اس لئے سب کو توبہ کرنا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام بنی آدم خطاوار ہیں اور خطاواروں میں سب سے اچھے توبہ کرنے والے ہیں۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی۔

بعض اہل تفسیر نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ سورۂ نور میں اللہ نے جن اخلاق وآداب کو اختیار کرنے یا نہ کرنے کی تم کو ہدایت کی ہے اس کی تعمیل کی طرف رجوع کرو۔

بعض نے کہا جاہلیت کے زمانہ میں تم جو کچھ کرتے تھے اس سے توبہ کرو، اسلام کی وجہ سے اگرچہ پچھلے دور کفر کے اعمال قابل مواخذہ نہیں رہے، لیکن جب بھی ان بداعمالیوں کی یاد آ جائے ان پر ندامت تو بہرحال واجب ہی ہے اور ان کو دوبارہ اختیار نہ کرنے کا پکا ارادہ لازم ہی ہے۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

فلاح دارین توبہ ہی سے وابستہ ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس شخص کے لئے خوشی ہے جو اپنے اعمالنامے میں بکثرت استغفار پائیگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توبہ واستغفار:

حضرت ابن عمر کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے لوگو اپنے رب کی طرف رجوع کرو۔ میں ہر روز سو بار اپنے رب کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم میں دن میں ستر بار سے زیادہ اپنے رب سے معافی مانگتا اور توبہ کرتا ہوں۔ رواہ البخاری۔

اعرابی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ میرے دل پر کثافت آ جاتی ہے اور میں دن میں سو مرتبہ اللہ سے استغفار اور توبہ کرتا ہوں۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابن عمر کا بیان ہے ہم گنتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مجلس میں سو بار فرماتے تھے رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ وابوداؤد۔ (تفسیر مظہری)

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ
اور نکاح کردو رانڈوں کا اپنے اندر

بیوہ، رنڈوں اور غیر شادی شدہ کا نکاح کرو:

اوپر استیذان، غض بصر اور تستر وغیرہ کے احکام بیان ہوئے تھے، تاکہ بے حیائی اور بدکاری کی روک تھام کی جائے۔ اس آیت میں یہ حکم دیا کہ جن کا نکاح نہیں ہوا یا ہوکر بیوہ اور رنڈوے ہو گئے تو موقع مناسب ملنے پر ان کا نکاح کر دیا کرو۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے علی! تین کاموں میں دیر نہ کر، نماز فرض کا جب وقت آ جائے، جنازہ جب موجود ہو اور رانڈ عورت جب اس کا کفو مل جائے۔" جو قومیں رانڈوں کے نکاح پر ناک بھوں چڑھاتی ہیں سمجھ لیں کہ اُن کا ایمان سلامت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بقاء نسل کا عقلی اور شرعی تقاضا بھی یہی ہے کہ کچھ حدود کے اندر رہ کر مرد و عورت کے اختلاط کی کوئی صورت تجویز کی جائے۔ اسی کا نام قرآن وسنت کی اصطلاح میں نکاح ہے۔ آیت مذکورہ میں اس کے متعلق حرہ عورتوں کے اولیاء اور کنیزوں غلاموں کے آقاؤں کو حکم دیا ہے کہ وہ اُن کا نکاح کر دیا کریں۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ الآیۃ، ایامیٰ ایم کی جمع ہے جو ہر اس مرد و عورت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جس کا نکاح موجود نہ ہو۔ خواہ اول ہی سے نکاح نہ کیا ہو یا زوجین میں سے کسی ایک کی موت سے یا طلاق سے نکاح ختم ہو چکا

ہو۔ ایسے مردوں وعورتوں کے نکاح کے لئے اُن کے اولیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اُن کے نکاح کا انتظام کریں۔

نکاح کرنے کا مسنون طریقہ:

آیت مذکورہ کے طرز خطاب سے اتنی بات تو باتفاق ائمہ فقہاء ثابت ہے کہ نکاح کا مسنون اور بہتر طریقہ یہی ہے کہ خود اپنا نکاح کرنے کے لئے کوئی مرد یا عورت بلاواسطہ اقدام کے بجائے اپنے اولیاء کے واسطے سے یہ کام انجام دے اس میں دین ودنیا کے بہت سے مصالح اور فوائد ہیں۔ خصوصاً لڑکیوں کے معاملہ میں کہ لڑکیاں اپنے نکاح کا معاملہ خود طے کریں، یہ ایک قسم کی بے حیائی بھی ہے اور اس میں فواحش کے راستے کھل جانے کا خطرہ بھی، اسی لئے بعض روایاتِ حدیث میں عورتوں کو خود اپنا نکاح بلاواسطہ ولی کرنے سے روکا بھی گیا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک یہ حکم ایک خاص سنت اور شرعی ہدایت کی حیثیت میں ہے اگر کوئی بالغ لڑکی اپنا نکاح بغیر اجازت ولی کے اپنے کفو میں کرے تو نکاح صحیح ہوجائے گا اگرچہ خلاف سنت کرنے کی وجہ سے وہ موجب ملامت ہوگی جبکہ اس نے کسی مجبوری سے اس پر اقدام نہ کیا ہو۔

لفظ ایامیٰ میں بالغان مرد وعورت دونوں داخل ہیں اور بالغ لڑکوں کا نکاح بلاواسطہ ولی سب کے نزدیک صحیح ہوجاتا ہے اس کو کوئی باطل نہیں کہتا۔ اسی طرح ظاہر یہ ہے کہ لڑکی بالغ اگر اپنا نکاح خود کرے تو وہ بھی صحیح اور منعقد ہوجائے ہاں خلاف سنت کام کرنے پر ملامت دونوں کو کی جائے گی۔

نکاح واجب ہے یا سنت یا مختلف حالات میں حکم مختلف ہے:

اس پر ائمہ مجتہدین تقریباً سبھی متفق ہیں کہ جس شخص کو نکاح نہ کرنے کی صورت میں غالب گمان یہ ہو کہ وہ حدودِ شریعت پر قائم نہیں رہ سکے گا گناہ میں مبتلا ہوجائے گا اور نکاح کرنے پر اس کو قدرت بھی ہو کہ اس کے وسائل موجود ہوں تو ایسے شخص پر نکاح کرنا فرض یا واجب ہے جب تک نکاح نہ کرے گا گنہگار رہے گا۔

مسند احمد میں روایت ہے کہ حضرت عکافؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تمہاری زوجہ ہے انہوں نے عرض کیا نہیں۔ پھر پوچھا کوئی شرعی لونڈی ہے کہا کہ نہیں پھر آپ نے دریافت کیا کہ تم صاحب وسعت ہو یا نہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ صاحب وسعت ہوں، مراد یہ تھی کہ کیا تم نکاح کے لئے ضروری نفقات کا انتظام کرسکتے ہو جس کے جواب میں انہوں نے اقرار کیا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تو تم شیطان کے بھائی ہو اور فرمایا کہ ہماری سنت نکاح کرنا ہے۔ تم میں بدترین آدمی وہ ہیں جو بے نکاح ہوں اور تمہارے مُردوں میں سب سے رذیل وہ ہیں جو بے نکاح مرگئے۔ (مظہری)

اس روایت کو بھی جمہور فقہاء نے اسی حالت پر محمول فرمایا ہے جبکہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں گناہ کا خطرہ غالب ہو۔ عکافؓ کا حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوگا کہ وہ صبر نہیں کرسکتے۔

اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک نکاح میں عبادت کا پہلو بہ نسبت دوسرے مباحات کے غالب ہے احادیث صحیحہ میں اُس کو سنت المرسلین اور اپنی سنت قرار دے کر تاکیدات بکثرت آئی ہیں، اُن روایات حدیث کے مجموعہ سے اتنا واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ نکاح عام مباحات کی طرح مُباح نہیں بلکہ سنتِ انبیاء ہے جس کی تاکیدات بھی حدیث میں آئی ہیں۔ صرف نیت کی وجہ سے عبادت کی حیثیت اس میں نہیں بلکہ سنتِ انبیاء ہونے کی حیثیت سے بھی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اس طرح تو کھانا پینا سونا بھی سنتِ انبیاء ہے کہ سب نے ایسا کیا ہے مگر جواب واضح ہے کہ ان چیزوں پر سب انبیاء کا عمل ہونے کے باوجود یہ کسی نے نہیں کہا نہ کسی حدیث میں آیا کہ کھانا پینا اور سونا سنتِ انبیاء ہے بلکہ اس کو عام انسانی عادت کے تابع انبیاء کا عمل قرار دیا ہے بخلاف نکاح کے کہ اس کو صراحۃً سنت المرسلین اور اپنی سُنت فرمایا ہے۔

تفسیر مظہری میں اس موقع پر ایک معتدل بات یہ کہی ہے کہ جو شخص حالتِ اعتدال میں ہو کہ نہ غلبۂ شہوت سے مجبور ومغلوب ہو اور نہ نکاح کرنے سے کسی گناہ میں پڑنے کا اندیشہ رکھتا ہو یہ شخص اگر یہ محسوس کرے کہ نکاح کرنے کے باوجود نکاح اور اہل وعیال کی مشغولیت میرے لئے کثرت ذکر اللہ اور توجہ الی اللہ سے مانع نہیں ہوگی تو اس کے لئے نکاح افضل ہے اور انبیاء علیہم السلام اور صلحاء اُمت کا عام حال یہی تھا۔ اور اگر اس کا اندازہ یہ ہے کہ نکاح اور اہل وعیال کے مشاغل اس کو دینی ترقی، کثرت ذکر وغیرہ سے روک دیں گے تو بحالتِ اعتدال اس کے لئے عبادت کے لئے خلوت گزینی اور ترکِ نکاح افضل ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

صدیق اکبرؓ کا قول ہے کہ تم نکاح کے بارے میں خدا کا حکم مانو وہ تم سے اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں امیری کو نکاح میں طلب کرو۔

تین آدمی جن کی مدد ضرور ہوتی ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تین قسم کے لوگوں کی مدد کا اللہ تعالیٰ کے ذمہ حق ہے نکاح کرنے والا جو حرام کاری سے بچنے کی نیت سے نکاح کرے، وہ لکھت لکھ دینے والا غلام جس کا ارادہ ادائیگی کا ہو، وہ غازی جو خدا تعالیٰ کی راہ میں نکلا ہو (ترمذی وغیرہ)

ایک بے سروسامان آدمی کا نکاح:

اسی کی تائید میں وہ روایت ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کا نکاح ایک عورت سے کرادیا جس کے پاس بجز تہمد کے اور کچھ نہ تھا یہاں تک کہ لوہے کی انگوٹھی بھی اس کے پاس سے نہیں نکلی تھی۔

باوجود اس فقیری اور مفلسی کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نکاح کرادیا اور مہر یہ ٹھہرایا کہ جو قرآن اسے یاد ہے اپنی بیوی کو یاد کرادے۔

اسلام میں سب سے پہلی قسطیں:

حضرت عمرؓ کے غلام ابوامیہؓ نے مکاتبہ کیا تھا۔ جب وہ اپنی رقم کی پہلی قسط لے کر آیا تو آپ نے فرمایا جاؤ اپنی اس رقم میں دوسروں سے بھی مدد طلب کرو۔ اس نے جواب دیا کہ امیرالمومنین! آپ آخری قسط تک تو مجھے ہی محنت کرنے دیجئے۔ فرمایا نہیں مجھے ڈر ہے کہ کہیں خدا تعالیٰ کے اس فرمان کو ہم چھوڑ نہ بیٹھیں کہ انہیں کا وہ مال دو جو اس نے تمہیں دے رکھا ہے پس یہ پہلی قسطیں تھیں جو اسلام میں ادا کی گئیں ابن عمرؓ کی عادت تھی کہ شروع شروع میں آپ نہ کچھ دیتے تھے نہ معاف فرماتے تھے۔ کیونکہ خیال ہوتا تھا کہ ایسا نہ ہو آخر میں یہ رقم پوری نہ کر سکے تو میرا دیا ہوا مجھے ہی واپس آجائے۔ ہاں آخری قسطیں ہوتیں تو جو چاہتے اپنی طرف سے معاف کردیتے۔

حفاظتِ عصمت کا نسخہ:

عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ جو مرد کسی عورت کو دیکھے اور اس کے دل میں خواہش پیدا ہوا سے چاہیے کہ اگر اس کی بیوی موجود ہو تو اس کے پاس چلا جائے ورنہ خدا تعالیٰ کی خدائی میں نظریں ڈالے اور صبر کرے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ اسے غنی کردے۔

وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ

اور جو نیک ہوں تمہارے غلام اور لونڈیاں

لونڈیوں اور غلاموں کا نکاح:

یعنی لونڈی غلام کو اگر اس لائق سمجھو کہ حقوق زوجیت ادا کرسکیں گے اور نکاح ہوجانے پر مغرور ہو کر تمہاری خدمت نہ چھوڑ بیٹھیں گے تو اُن کا بھی نکاح کردو۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ صالحین سے مراد ہیں وہ لوگ جن میں نکاح کرنے اور حقوق نکاح ادا کرنے کی صلاحیت و اہلیت ہو۔

مسئلہ: اگر جوش صنفی غالب ہو، اور حرام میں مبتلا ہوجانے کا اندیشہ ہو تو نکاح واجب ہے صاحب نہایہ نے لکھا ہے اگر زنا میں مبتلا ہوجانے کا ڈر ہو اور رکنے پر قدرت نہ ہو تو ایسی حالت میں نکاح فرض ہے۔ ابن ہمام نے لکھا ہے اگر ایسا قوی اندیشہ ہو کہ نکاح نہ کرے گا تو اپنے پر قابو نہ پاسکے گا۔ یقیناً حرام میں مبتلا ہوجائے گا تو نکاح فرض ہے اور اگر مغلوبیت اس حد تک نہ ہو بلکہ جوش کی وجہ سے مبتلاء معصیت ہوجانے کا خطرہ ہو تو نکاح واجب ہے لیکن یہ وجوب اس وقت ہے جب حقوقِ نکاح ادا کرنے کا یقین ہو نکاح کے بعد حق تلفی کا اندیشہ نہ ہو، اگر لوازم نکاح ادا نہ کرسکنے کا خوف ہو تو نکاح مکروہ ہے۔ ابن ہمام نے یہ بھی لکھا ہے کہ حق تلفی کا خوف بھی تفصیل طلب ہے اگر فریضہ نکاح کے تلف ہونے کا یقین ہو تو نکاح حرام ہے اگر حق تلفی کا خطرہ ہو یقین نہ ہو تو نکاح مکروہ تحریمی ہے۔

بدائع میں ذکر کیا گیا ہے جوش شہوانی (کے وقت) جو نکاح فرض ہو جاتا ہے اس کے لئے یہ شرط بھی ضروری ہے کہ بقدر مہر معجّل ادا کرنے اور نفقہ برداشت کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔ اگر جوش شہوانی کے ساتھ یہ شرطیں بھی موجود ہوں اور نکاح نہ کرے تو گناہگار ہوگا۔

بغیر نکاح رہنے کی ممانعت:

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ مجرد رہنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ رواہ الترمذی وابن ماجۃ۔

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عکاف سے فرمایا کیا تیری بیوی ہے عکاف نے کہا نہیں فرمایا اور کوئی باندی بھی نہیں ہے۔ عکاف نے کہا نہیں۔ فرمایا تو خوش حال (مالدار) بھی ہے عکاف نے کہا میں فراخ حال ہوں (مالدار ہوں) فرمایا تب تو تو شیطان کے بھائیوں میں سے ہے۔

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہماری سنت (طریقہ) نکاح ہے تم میں جو لوگ مجرد ہیں وہ بُرے لوگ ہیں اور جو مجرد ہونے کی حالت میں مر گئے وہ بہت رذیل مردے ہیں۔ رواہ احمد۔

حضرت انس کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کرنے کا حکم دیتے تھے اور مجرد رہنے کی سختی کے ساتھ ممانعت فرماتے تھے اور ارشاد فرماتے تھے اس عورت سے نکاح کرو جو شوہر سے بہت زیادہ محبت کرنے والی اور بکثرت بچے پیدا کرنے والی ہو۔ میں قیامت کے دن متقی لوگوں کے مقابلے میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔ رواہ احمد وابوداؤد والنسائی۔

خطاب سرپرستوں کو ہے کہ اگر ایامیٰ نکاح کرنا چاہیں تو وہ نکاح نہ روکیں نکاح فرض عین نہیں ہے اس پر اجماع امت ہے۔ بعض کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے بعض کے نزدیک مستحب لیکن سنت یا مستحب ہونا صرف اس شرط کے ساتھ ہے کہ جماع پر قدرت رکھتا ہو بیوی کا خرچ اٹھا سکتا ہے اور حق تلفی کا اس کو خطرہ نہ ہو ان میں سے اگر کوئی شرط مفقود ہو تو نکاح مکروہ ہے یا حرام۔

جوانوں کو حکم:

عملی سنت ہونے کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوامی عمل سے ملتا ہے اور قولی سنت کے ثبوت کے لئے یہ حدیث کافی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے گروہ جواناں تم میں سے جو شخص نکاح کی طاقت رکھتا ہے وہ نکاح کرلے اور جس میں (مالی) استطاعت نہ ہو وہ روزے رکھے، روزہ اس

کے لئے شہوت شکن ہے۔ (خصی بننے کی ضرورت نہیں، روزہ خود ایسا ہی شہوت شکن ہے جیسے خصی ہونا، متفق علیہ من حدیث ابن مسعود۔

نکاح میری سنت ہے:

ابن ماجہ نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نکاح میری سنت ہے جس نے میری سنت پر عمل نہیں کیا وہ مجھ سے (متعلق) نہیں ہے۔ (یعنی میری تعلیم سے اس کا تعلق نہیں) نکاح کرو۔ دوسری امتوں کے مقابلہ میں، میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔ جو استطاعت رکھتا ہو اس کو نکاح کرنا چاہیے جو استطاعت نہ رکھتا ہو اس کو روزہ رکھنا ضروری ہے۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی عیسیٰ بن میمون ہے اور یہ راوی ضعیف ہے۔

پیغمبروں کی چار سنتیں:

صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت سے آیا ہے کہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) میں روزے رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے (یعنی وہ میرا نہیں مجھ سے اس کا تعلق نہیں ہے)

ترمذی نے ایوب کی روایت سے لکھا ہے کہ پیغمبروں کی چار سنتیں ہیں۔ حیاء، خوشبو کا استعمال، مسواک اور نکاح۔

ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص طاہر اور مطہر ہونے کی حالت میں اللہ سے ملنے کا خواستگار ہو اس کو آزاد عورتوں سے نکاح کرنا چاہیئے۔

بعض صحابہ کے جذبات کی اصلاح:

شیخین نے صحیحین میں بیان کیا ہے کہ چند صحابہ نے امہات المومنین سے (اندرون خانہ) پوشیدگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کے متعلق دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ گھر کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اوقات غیر معمولی عبادت میں نہیں گزرتے تھے، آپ سوتے بھی تھے عبادت بھی کرتے تھے تو کہنے لگے ہم میں سے کون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہوسکتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فروگذاشتیں تو اللہ نے پہلے ہی سے معاف فرمادی ہیں۔ ایک صاحب بولے، میں تو عورتوں سے قربت ہی چھوڑ دوں گا، دوسرے نے کہا میں گوشت نہیں کھاؤں گا، تیسرے کہنے لگے میں بستر پر نہیں سوؤں گا، اس گفتگو کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچ گئی دوسرے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تقریر کی اور خطبہ میں حمد وثناء کے بعد فرمایا کیا وجہ کہ کچھ لوگوں نے ایسی باتیں کیں، میں تو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں روزہ بھی رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے (متعلق) نہیں ہے۔

اس امت کے سب سے افضل آدمی:

بخاری نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے ابن عباسؓ نے فرمایا، نکاح کرو۔ اس امت کے سب سے افضل آدمی کی بیبیاں بہت تھیں، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو سب سے افضل تھے آپ کی بیبیاں بھی بہت تھیں اور بیبیوں کی کثرت نے آپ کے مرتبہ کی عظمت کم نہیں کی۔ اوپر گزر چکا ہے کہ مجرد رہنے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ممانعت فرمائی ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہؒ کی تحقیق:

میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ جو شخص اپنے لئے نکاح کرنے اور اہل و عیال سے تعلق رکھنے کو تعلق باللہ رکھنے میں رکاوٹ نہیں سمجھتا اس کو اپنے اوپر اتنا قابو ہے کہ باوجود ان مشاغل کے عبادت اور ذکر اللہ کی کثرت اور تعمیر اوقات میں اس کے کوئی فرق نہیں آسکتا تو اس کے لئے نکاح افضل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر انبیاء، صحابہ کرام اور بیشتر علمائے صالحین اسی درجہ پر فائز تھے، باوجود کثرت موانع کے ان بزرگوں کے مجاہدے میں کوئی فرق نہیں آسکتا تھا ان کا مرتبہ یقیناً بہت اونچا تھا اور ان کا ثبات فکر ونظر نہایت پختہ تھا اور ان کا عملی جہاد نفس سب عوائق وموانع پر غالب تھا۔ لیکن جو شخص اپنے آپ کو اتنا راسخ القدم نہیں سمجھتا وہ ڈرتا ہے کہ نکاح کرنے اور اہل وعیال کی پرورش میں مشغول ہونے سے اس کے تعمیری اوقات میں فرق آجائے گا، اس کے دل کی دنیا اجاڑ ہوجائے گی وہ پراگندہ خاطر ہوکر ذکر اللہ کی کثرت نہ کرسکے گا اور انقطاع کلی میں رخنہ پیدا ہوجائے گا۔ اس کے لئے ترک نکاح افضل ہے لیکن یہ ترک کی افضلیت اس وقت ہے جب اس کو زنا میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ اللہ نے ذکر خدا اور تعلق باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ پر زور دیتے ہوئے تمام پرکشش اسباب دنیا اور پرفریب جذبات قرابت سے مغلوب نہ ہونے کی تعلیم دی ہے اور فرمایا ہے۔

مسلم نے حضرت عمرو بن العاص کی روایت سے مرفوعاً بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا متاع (فائدہ اندوزی کی چیز) ہے اور دنیا کے متاع میں صالح عورت سب سے اچھی متاع ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نکاح دنیاوی امور میں سے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اللہ کے) فرض کے بعد حلال کی طلب بھی فرض ہے رواہ الطبرانی والبیہقی عن ابن مسعودؓ۔

طبرانی نے حضرت انس بن مالک کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ بھی بیان کی ہے کہ حلال کی طلب ہر مسلمان پر واجب ہے۔ بقائے نسل کے لئے نکاح جس طرح فرض کفایہ ہے (تاکہ مسلمانوں کی نسل دنیا میں ختم نہ ہو) اسی طرح بقدر بقائے زندگی کھانا پینا ہر شخص پر فرض عین ہے او

تجارت زراعت وغیرہ دوسرے معاملات اور پیشے فرض کفایہ ہیں۔ اگر سب لوگ ان کو چھوڑ دیں گے تو معاشی انتظام درہم برہم ہو جائے گا اور دینی نظم بھی بگڑ جائے گا (اور سب گناہگار ہوں گے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ امانت دار سچا تاجر (قیامت کے دن) انبیاء اور صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا، رواہ الترمذی عن ابی سعید الخدری وحسنہ وابن ماجہ من حدیث ابن عمر۔

بغوی نے شرح السنۃ میں حضرت انس کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ لیکن (نکاح ہو یا تجارت یا زراعت یا کھانا پینا) ان تمام امور کی خوبی (یعنی عبادت ہو جانا) بالغیر ہے (حسن نیت کی وجہ سے یہ امور عبادت بن جاتے ہیں) اور ذکر خداوندی اور سب سے کٹ کر اللہ سے لو لگانا فی نفسہ عبادت ہیں ان کی خوبی ذاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ نوافل کی وجہ سے برابر میرا مقرب ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، الحدیث رواہ البخاری۔ اس حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ میرا بندہ نکاح یا کھانے پینے سے برابر میرا اقرب حاصل کرتا جاتا ہے۔ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس وحی نہیں آئی کہ میں مال جمع کروں اور تاجروں میں سے ہو جاؤں بلکہ یہ وحی آئی ہے کہ اپنے رب کی تسبیح وتحمید کروں اور سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو جاؤں۔ رواہ البغوی فی تفسیر سورۃ الحجر۔

تمام پیغمبروں کی شریعتوں میں نکاح کرنا مجرد رہنے سے افضل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار چیزوں کو سنن انبیاء میں شمار کیا ہے ان چار چیزوں میں ایک نکاح کو بھی شامل کیا ہے۔ آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ موسیٰ، ہارونؑ، ایوبؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، زکریاؑ وغیرہم سب ہی نے نکاح کئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، مسلمانوں کا بہترین مال وہ بکریاں ہیں جن کو ہنکا کر وہ پہاڑ کی چوٹی پر لے جائے (اور سب سے الگ ہو جائے) تاکہ فتنوں سے اپنے دین کو بچا کر بھاگ جائے۔ رہبانیت سے مراد ہے ان جائز امور کو ترک کر دینا جن کو ترک کرنے کا کوئی ثواب نہیں، جیسے نکاح کا ترک کر دینا بستر پر سونا ترک کر دینا، گوشت ترک کر دینا، ہمیشہ چپ رہنا اور کلام کو ترک کر دینا، جیسے نصاریٰ کے راہب کیا کرتے تھے، اللہ نے فرمایا ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ شریعت میں ممانعت اسی اختراعی خود ساختہ رہبانیت کی ہے۔ جائز شرعی رہبانیت کی ممانعت نہیں ہے۔ صحابہ کرام کی تعریف میں حدیث میں آیا ہے وہ رات میں راہب اور دن میں شیر تھے۔

گویا آیت یہ تعلیم دے رہی ہے کہ اگر غلام آقا سے یا بالغ عورت سرپرست سے اپنا نکاح کرانے کی درخواست کرے تو آقا اور ولی پر ان کا نکاح کرا دینا واجب ہے یہ مطلب امام شافعی کے مسلک پر ہوگا اور ان لوگوں کے نزدیک بھی آیت کا یہی مفہوم ہوگا جو عورتوں کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ سے نکاح کو جائز نہیں قرار دیتے۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک تو آیت کا مقصد صرف یہ ہے کہ سرپرست لوگ عورتوں کو نکاح سے نہ روکیں یہی مفہوم آیت فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ کا ہے۔

مناسب رشتہ آئے تو نکاح کردو:

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر تمہارے پاس کوئی ایسا شخص پیام نکاح بھیجے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے (اپنی بہن، بیٹی یا عزیزہ کا) نکاح کر دو اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین پر فتنہ اور لمبا چوڑا بگاڑ پیدا ہو جائے گا (رسوائی ذلت اور زناکاری کا برا نتیجہ پیدا ہوگا) رواہ الترمذی۔

اولاد کا نکاح نہ کرنے کا نقصان:

حضرت عمر بن خطابؓ اور انس بن مالک راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، توریت میں لکھا ہوا تھا کہ جس کی بیٹی بارہ سال کی ہو جائے اور وہ اس کا نکاح نہ کرے اس حالت میں اگر لڑکی کسی گناہ کا ارتکاب کرلے تو گناہ نکاح نہ کرنے والے پر پڑے گا۔

حضرت ابوسعید اور حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کے لڑکا ہو وہ لڑکے کا اچھا نام رکھے اور اچھی تہذیب سکھائے، جوان ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے، اگر بالغ ہو جانے کے بعد اس کا نکاح نہیں کرے گا اور وہ کوئی گناہ کر بیٹھے گا تو اس کا گناہ باپ پر ہوگا، دونوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں بیان کی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

غلام اور باندیاں نکاح کے قابل ہوں تو انکے نکاح میں رکاوٹ نہ ڈالو

وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ یعنی اپنے غلاموں اور کنیزوں میں جو صالح ہوں، اُن کے نکاح کرادیا کرو۔ یہ خطاب اُن کے آقاؤں اور مالکوں کو ہے اس جگہ صالحین کا لفظ اپنے لغوی معنے میں آیا ہے یعنی ان میں جو شخص نکاح کی صلاحیت و استطاعت رکھتا ہو اس کا نکاح کرا دینے کا حکم ان کے آقاؤں کو دیا گیا ہے مراد اس صلاحیت سے وہی ہے کہ بیوی کے حقوق زوجیت اور نفقہ ومہر معجّل ادا کرنے کے قابل ہوں۔ اور اگر صالحین کو معروف

یعنی نیک لوگوں کے معنے میں لیا جائے تو پھر ان کی تخصیص بالذکر اس وجہ سے ہوگی کہ نکاح کا اصل مقصد حرام سے بچنے کا وہ صالحین ہی میں ہوسکتا ہے۔

بہر حال اپنے غلاموں اور کنیزوں میں جو صلاحیت نکاح کی رکھنے والے ہوں ان کے نکاح کا حکم ان کے آقاؤں کو دیا گیا ہے اور مُراد اس سے یہ ہے کہ اگر وہ اپنی نکاح کی ضرورت ظاہر کریں اور خواہش کریں کہ اُن کا نکاح کر دیا جائے تو آقاؤں پر بعض فقہاء کے نزدیک واجب ہوگا کہ ان کے نکاح کر دیں اور جمہور فقہاء کے نزدیک اُن پر لازم ہے کہ ان کے نکاح میں رکاوٹ نہ ڈالیں بلکہ اجازت دے دیں کیونکہ مملوک غلاموں اور کنیزوں کا نکاح بغیر مالکوں کی اجازت کے نہیں ہوسکتا۔ تو یہ حکم ایسا ہی ہوگا جیسا کہ قرآن کریم کی ایک آیت میں ہے فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ یعنی عورتوں کے اولیاء پر لازم ہے کہ اپنی زیر ولایت عورتوں کو نکاح سے نہ روکیں اور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص منگنی لے کر آئے اور اخلاق آپ کو پسند ہوں تو ضرور نکاح کر دو اگر ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور وسیع پیمانے کا فساد پیدا ہو جائے گا۔ (رواہ الترمذی)

خلاصہ یہ ہے کہ یہ حکم آقاؤں کو اس لئے دیا گیا کہ وہ اجازت نکاح دینے میں کوتاہی نہ کریں خود نکاح کرانا ان کے ذمہ واجب ہو یہ ضروری نہیں۔ واللہ اعلم۔

اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ
اگر وہ ہوں گے مُفلس اللہ اُن کو غنی کر دے گا اپنے فضل سے

رزق کے خوف سے نکاح ترک نہ کرو:

بعض لوگ نکاح میں اس لئے پس و پیش کیا کرتے ہیں کہ نکاح ہو جانے کے بعد بیوی بچوں کا بار کیسے اُٹھے گا۔ انہیں سمجھا دیا کہ ایسے موہوم خطرات پر نکاح سے مت رُکو۔ روزی تمہاری اور بیوی بچوں کی اللہ کے ہاتھ میں ہے کیا معلوم ہے کہ خدا چاہے تو ان ہی کی قسمت سے تمہارے رزق میں کشائش کر دے۔ نہ مجرد رہنا غنا کا موجب ہے اور نہ نکاح کرنا فقر و افلاس کو مستلزم ہے۔ یہ باتیں حق تعالیٰ کی مشیت پر ہیں جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا۔ وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً فَسَوْفَ یُغْنِیْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ (توبہ۔ رکوع ۴) اور ظاہری اسباب کے اعتبار سے بھی یہ چیز معقول ہے کہ نکاح کر لینے یا ایسا ارادہ کرنے سے آدمی پر بوجھ پڑتا ہے اور وہ پہلے سے بڑھ کر کمائی کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ اُدھر بیوی اور اولاد ہو جائے تو وہ بلکہ بعض اوقات بیوی کے کنبہ والے بھی کسب معاش میں اس کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ بہر حال روزی کی تنگی یا وسعت نکاح یا تجرد پر موقوف نہیں۔ پھر یہ خیال نکاح سے مانع کیوں ہو۔ (تفسیر عثمانی)

نکاح کے ذریعہ اللہ کا فضل تلاش کرو:

حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا، نکاح کے سلسلہ میں اللہ کے حکم کی تعمیل کرو، اللہ نے جو تم سے غنی بنا دینے کا وعدہ کیا ہے وہ اس کو پورا کرے گا۔ اللہ نے فرمایا ہے اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ حضرت قتادہ کا بیان ہے، حضرت عمر بن خطاب کا فرمان ہم سے نقل کیا گیا ہے۔ میں نے اس شخص کی طرح (عجیب آدمی) نہیں دیکھا جو نکاح کے ذریعہ غنا کا طلبگار نہیں ہوتا۔ حالانکہ اس سلسلہ میں اللہ نے وعدہ فرمایا ہے وہ فرماتا ہے نکاح کے ذریعہ سے غنا طلب کرو۔ نکاح کر کے ہی اللہ کے فضل کے خواستگار بنو۔ اس کے بعد آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

بزار خطیب اور دار قطنی نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عورتوں سے نکاح کرو۔ وہ خود مال لے کر آئیں گی (یعنی نکاح کے بعد اللہ تمہارے لئے فراخ دستی کے دروازے کھول دے گا) رواہ ابوداؤد فی مراسیلہ مرسلاً عن عروۃ۔

ثعلبی اور دیلمی مؤلف مسند الفردوس نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے نکاح کے ذریعہ سے رزق کی تلاش کرو۔

میں کہتا ہوں شاید یہ وعدہ ان لوگوں کے لئے ہے جو نکاح کے ذریعہ سے پاک دامن رہنے کے خواستگار ہوتے ہیں اور رزق کا بھروسہ اللہ پر رکھتے ہیں۔ ذیل کی آیت سے اس کی تائید ہو رہی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۳۲﴾
اور اللہ کشائش والا ہے سب کچھ جانتا ہے

جس کے حق میں مناسب جانتا ہے کشائش کر دیتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلْیَسْتَعْفِفِ الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰی
اور اپنے آپکو تھامتے رہیں جن کو نہیں ملتا سامان نکاح کا جب تک
یُغْنِیَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ
کہ مقدور دے اُن کو اللہ اپنے فضل سے

جب تک نکاح کی ہمت نہیں عفت محفوظ رکھو:

یعنی جن کو فی الحال اتنا بھی مقدور نہیں کہ کسی عورت کو نکاح میں لاسکیں تو جب تک خدا تعالیٰ مقدور دے چاہئے کہ اپنے نفس کو قابو میں رکھیں۔ اور عفیف رہنے کی کوشش کریں۔ کچھ بعید نہیں کہ اسی ضبط نفس اور عفت کی برکت سے حق تعالیٰ اُن کو غنی کر دے اور نکاح کے بہترین مواقع مہیا فرما دے۔

وَالَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ
اور جو لوگ چاہیں لکھت آزادی کی مال دے کر اُن میں سے کہ جو تمہارے ہاتھ

فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا

کے مال ہیں تو ان کو لکھ کر دے دو اگر سمجھو ان میں بھلائی

غلام اور لونڈی کی آزادی:

یعنی کسی کا غلام یا لونڈی کہے یا مزید توثیق کے لئے لکھوانا چاہے کہ میں اتنی مدت میں اس قدر مال تجھ کو کما دوں تو مجھے آزاد کر دے، تو مالک کو چاہیے کہ قبول کر لے اور لکھ دے (اس معاملہ کو مکاتبہ کہتے ہیں (اور یہ غلاموں کے آزاد کرانے کی ایک خاص صورت ہے) لیکن یہ مالک کو اُس وقت قبول کرنا چاہیے جبکہ وہ سمجھے کہ واقعی اس غلام یا لونڈی کے حق میں آزادی بہتر ہوگی۔ قید غلامی سے چھوٹ کر چوری یا بدکاری یا اور طرح کی بدمعاشیاں کرتا نہ پھرے گا۔ اگر یہ اطمینان ہو تو بیشک اس کو آزادی کا موقع دینا چاہیے۔ تا وہ آزاد ہو کر اپنی فلاح کے میدانوں میں خوب ترقی کر سکے اور کہیں نکاح کرنا چاہے تو باختیار خود نکاح کر لے۔ غلامی کی وجہ سے میدان تنگ نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا یہ آیت نازل ہوئی تو حویطب نے اپنے غلام کو سو دینار ادا کرنے کی شرط پر مکاتب بنا دیا اور بیس دینار (تجارت وغیرہ کے لئے) اس کو خود دے دیئے، چنانچہ غلام نے (کمائی کر کے) سو دینار ادا کر دیئے (اور آزاد ہو گیا) یہ غلام جنگ حنین میں شہید ہو گیا۔

آیت مذکور میں، جمہور علماء کے نزدیک امر استحبابی ہے وجوبی نہیں مکاتب بنانا واجب نہیں)

حضرت ابن سیرینؒ کی آزادی:

بغوی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ابن سیرین نے اپنے آقا حضرت انس بن مالک سے درخواست کی کہ مجھے مکاتب بنا دیجئے۔ حضرت انس نے کچھ توقف کیا۔ ابن سیرین نے حضرت عمر سے جا کر شکایت کی۔ حضرت عمر درہ لے کر حضرت انس پر چڑھ دوڑے۔ اور مکاتب بنانے کا حکم دیا۔ حضرت انس نے ابن سیرین کو مکاتب بنا دیا۔ (تفسیر مظہری)

اگر آزادی میں ان کی بہتری ہو تو آزاد کرو:

اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا یعنی مکاتب بنانا جب درست ہوگا جبکہ تم ان میں بہتری کے آثار دیکھو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور اکثر حضرات ائمہ نے اس بہتری سے مراد قوت کسب بتلائی ہے یعنی جس شخص میں یہ دیکھو کہ اگر اس کو مکاتب بنا دیا تو کما کر معینہ رقم جمع کر لے گا اُس کو مکاتب بناؤ ورنہ جو اس قابل نہ ہو اُس کو مکاتب بنا دینے سے غلام کی محنت بھی ضائع ہوگی آقا کا نقصان بھی ہوگا۔ اور صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ خیر اور بہتری سے مراد اس جگہ یہ ہے کہ اُس کے آزاد ہونے سے مسلمانوں کو کسی نقصان کے پہنچنے کا خطرہ نہ ہو مثلاً یہ کہ وہ کافر ہو اور اپنے کافر بھائیوں کی مدد کرتا ہو اور صحیح بات یہ ہے کہ لفظ خیر اس جگہ دونوں چیزوں پر حاوی ہے کہ غلام میں قوت کسب بھی ہو اور اُس کی آزادی سے مسلمانوں کو کوئی خطرہ بھی نہ ہو۔ (مظہری)

جدید مادہ پرستانہ نظریات اور قرآن کا نظریۂ ملکیت:

آج کل دنیا میں مادہ پرستی کا دور دورہ ہے۔ ساری دنیا معاد و آخرت کو بھلا کر صرف معاش کے جال میں پھنس گئی ہے ان کی علمی تحقیقات اور غور و فکر کا دائرہ صرف معاشیات ہی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے اور اس میں بحث و تحقیق کے زور نے ایک ایک معمولی مسئلہ کو ایک مستقل فن بنا دیا ہے۔ ان فنون میں سب سے بڑا فن معاشیات کا ہے۔

اس معاملہ میں آج کل عقلاء دنیا کے دو نظریئے زیادہ معروف و مشہور ہیں اور دونوں ہی باہم متصادم ہیں اُن کے تصادم نے اقوام دنیا میں تصادم اور جنگ و جدال کے ایسے دروازے کھول دیئے ہیں کہ ساری دنیا امن و اطمینان سے محروم ہو گئی۔

قرآن کریم نے اُصول یہ بتایا کہ کائنات کی ہر چیز دراصل اللہ تعالیٰ کی ملک ہے جو ان کا خالق ہے پھر اس نے اپنے فضل و کرم سے انسان کو ایک خاص قانون کے تحت ملکیت عطا فرمائی ہے جن چیزوں کا اس قانون کی رو سے وہ مالک بنا دیا گیا ہے اس میں دوسروں کے تصرف کو بغیر اس کی اجازت کے حرام قرار دیا مگر مالک بننے کے بعد بھی اس کو آزاد ملکیت نہیں دی کہ جس طرح چاہے کمائے اور جس طرح چاہے خرچ کرے بلکہ دونوں طرف ایک عادلانہ اور حکیمانہ قانون رکھا ہے کہ فلاں طریقہ کمانے کا حلال ہے فلاں حرام اور فلاں جگہ خرچ کرنا حلال ہے اور فلاں حرام۔ اور یہ کہ جو چیز اس کی ملکیت میں دی ہے اُس میں کچھ اور لوگوں کے حقوق بھی لگا دیئے ہیں جن کو ادا کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔ (مفتی اعظم)

وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْۤ اٰتٰىكُمْ

اور دو ان کو اللہ کے مال سے جو اس نے تم کو دیا ہے

غلاموں کی آزادی میں مالی امداد کرو:

یہ دولتمند مسلمانوں کو فرمایا کہ ایسی لونڈی غلام کی مالی امداد کرو خواہ زکوٰۃ سے یا عام صدقات و خیرات وغیرہ سے، تا وہ جلد آزادی حاصل کر سکیں اور اگر مالک بدل کتابت کا کوئی حصہ معاف کر دے، یہ بھی بڑی امداد ہے (تنبیہ) مصارف زکوٰۃ میں جو وفی الرقاب کا ایک مد رکھا ہے وہ ان ہی غلاموں کے آزاد کرانے کا فنڈ ہے۔ خلفائے راشدین کے عہد میں بیت المال سے ایسے غلاموں کی امداد ہوتی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاۤءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا

اور نہ زبردستی کرو اپنی چھوکریوں پر بدکاری کے واسطے اگر وہ چاہیں قید سے رہنا

لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ

کہ تم کمانا چاہو اسباب دنیا کی زندگانی کا

لونڈیوں کو غلط کاری نہ کراؤ:

جاہلیت میں بعض لوگ اپنی لونڈیوں سے کسب کراتے تھے عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کے پاس کئی لونڈیاں تھیں جن سے بدکاری کرا کر روپیہ حاصل کرتا تھا۔ ان میں بعض مسلمان ہوگئیں تو اس فعل شنیع سے انکار کیا۔ اس پر وہ ملعون زدوکوب کرتا تھا۔ یہ آیت اسی قصہ میں نازل ہوئی۔ اور اسی شان نزول کی رعایت سے مزید تقبیح کیلئے "إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا" اور "لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا" کی قیود بڑھاتی ہیں ورنہ لونڈیوں سے بدکاری کرانا بہرحال حرام ہے اور اس طرح جو کمائی کریں سب ناپاک ہے۔ خواہ لونڈیاں یہ کام رضاء و رغبت سے کریں یا زبردستی اور ناخوشی سے۔ ہاں اگر لونڈیاں نہ چاہیں اور یہ محض دنیا کے حقیر فائدے کے لئے زبردستی مجبور کرے تو اور بھی زیادہ وبال اور انتہائی وقاحت اور بے شرمی کی دلیل ہے۔

وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَإِنَّ اللّٰهَ مِنْ بَعْدِ

اور جو کوئی ان پر زبردستی کرے گا تو اللہ ان کی بےبسی کے پیچھے

إِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾

بخشنے والا مہربان ہے

مجبور و محکوم قابل رحم ہے:

یعنی زنا ایسی بری چیز ہے جو جبر و اکراہ کے بعد بھی بری رہتی ہے لیکن حق تعالیٰ محض اپنی رحمت سے مکرہ کی بےبسی اور بیچارگی کو دیکھ کر درگذر فرماتا ہے۔ اس صورت میں مکرہ (زبردستی کرنے والے) پر سخت عذاب ہوگا اور مکرہ پر (جس پر زبردستی کی گئی) رحم کیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

گناہ اس وقت قرار نہ دیا جائے گا جب جبر کرنے والا اضطرار کی حد تک مجبور کر کے وہ گناہ کرائے یعنی مجبور کو یہ اندیشہ ہو جائے اگر میں جابر کے قول پر عمل نہیں کروں گا تو مارا جاؤں گا یا میرا کوئی عضو کاٹ دیا جائے گا۔ اگر اس حد تک اندیشہ نہ ہو تو گناہ قائم رہتا ہے۔ اور چونکہ عبداللہ نے باندیوں کو اس حد تک مجبور نہیں کیا تھا کہ اگر وہ زنا نہ کریں گی تو ان کو قتل کر دیا جائے گا یا جسم کا کوئی عضو کاٹ دیا جائے گا یا توڑ پھوڑ دیا جائے گا اس لئے گناہ قائم رہا وہ عورتیں زنا کرنے کے بعد بے گناہ نہیں ہوئیں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ

اور ہم نے اتاریں تمہاری طرف آیتیں کھلی ہوئی اور کچھ حال ان کا جو

خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾

ہو چکے تم سے پہلے اور نصیحت ڈرنے والوں کو

قرآن کا بیان نصیحت و عبرت کا کامل سامان ہے:

یعنی قرآن میں سب کچھ نصیحتیں احکام اور گذشتہ اقوام کے عبرتناک واقعات بیان کر دیئے گئے ہیں۔ تا خدا کا ڈر رکھنے والے سن کر نصیحت و عبرت حاصل کریں اور اپنے انجام کو سوچیں "وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا" اس کی مراد یہ ہو کہ پہلی امتوں پر بھی اسی طرح کی حدود اور احکام جاری کئے گئے تھے جو اس سورت میں مذکور ہوئے۔ اور بعض قصے بھی اس قصہ افک کے مشابہ پیش آئے جو سورت ہذا میں بیان کیا گیا ہے۔ پس جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم صدیقہ اور حضرت یوسف صدیق کی دشمنوں کے بہتان سے براءۃ ظاہر فرمائی، عائشہ صدیقہ بنت الصدیقؓ کی براءۃ اور بزرگی بھی تا قیام قیامت صادقین کے قلوب میں نقش فی الحجر کر دی۔ اور دشمنوں کا منہ کالا کیا۔ (تفسیر عثمانی)

اور جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں ان کی بعض حکایات یعنی جس طرح یوسفؑ، مریمؑ وغیرہ کے ہم نے عجیب تاریخی واقعات بیان کئے انہی کی طرح عجیب واقعہ ہم نے عائشہؓ کا بھی بیان کر دیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ جو حالات اور نتائج گذشتہ قوموں کے ہم نے بیان کئے انہی کی طرح اے دروغ بندی، تہمت تراشی کرنے والو تمہارا حال بھی بیان کر دیا جو نتیجہ ان کا ہوا وہی تمہارا ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

اللہ روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی

اللہ کے نور سے جہان آباد ہے:

یعنی اللہ سے رونق اور ہستی ہے زمین اور آسمان کی، اس کی مدد نہ ہو تو سب ویران ہو جائیں (موضح القرآن) سب مخلوق کو نور وجود اسی سے ملا ہے۔ چاند، سورج، ستارے، فرشتے اور انبیاء و اولیاء میں جو ظاہری یا باطنی روشنی ہے اسی منبع النور سے مستفاد ہے۔ ہدایت و معرفت کا جو چمکارا کسی کو پہنچتا ہے اسی بارگاہ رفیع سے پہنچتا ہے تمام علویات و سفلیات اس کی آیات تکوینیہ و تنزیلیہ سے منور ہیں حسن و جمال یا خوبی و کمال کی کوئی چمک اگر کہیں نظر پڑتی ہے وہ اسی کے وجہ منور اور ذات مبارک کے جمال و کمال کا ایک پرتو ہے۔

طائف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء:

سیرۃ ابن اسحٰق میں ہے کہ طائف میں جب لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کو ستایا تو یہ دعا زبان پر تھی۔ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَیْهِ اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ اَنْ یَحِلَّ بِیْ غَضَبُكَ اَوْیَنْزِلَ بِیْ سَخَطُكَ لَكَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ رات کی تاریکی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کو "اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ" کہہ کر پکارا کرتے اور اپنے کان، آنکھ، دل، ہر ہر عضو بلکہ بال بال میں اُس سے نور طلب فرماتے تھے اور اخیر میں بطور خلاصہ فرماتے "وَاجْعَلْ لِیْ نُوْرًا یا وَاَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا یا "وَاجْعَلْنِیْ نُوْرًا" یعنی میرے نور کو بڑھا بلکہ مجھے نور ہی نور بنا دے۔ اور ایک حدیث میں ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ خَلْقَهُ فِیْ ظُلْمَةٍ ثُمَّ اَلْقٰی عَلَیْهِمْ مِنْ نُوْرِهٖ فَمَنْ اَصَابَهُ مِنْ نُوْرِهٖ یَوْمَئِذٍ اهْتَدٰی وَمَنْ اَخْطَاهُ ضَلَّ (فتح الباری ص ۲۳۰) یعنی جس کو اُس وقت اللہ کے نور (توفیق) سے حصہ ملا وہ ہدایت پر آیا اور جو اُس سے چوکا گمراہ رہا۔ واضح رہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات مثلاً سمع۔ بصر وغیرہ کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی۔ ایسے ہی صفت نور بھی ہے ممکنات کے نور پر قیاس نہ کیا جائے۔ تفصیل کے لئے امام غزالیؒ کا رسالہ "مشکوٰۃ الانوار" دیکھو۔ (تفسیر عثمانی)

نور کا مطلب:

اللہ آسمانوں کا اور زمین کا نور ہے۔ نور اس کیفیت کا نام ہے جس کو آنکھ سب سے پہلے ادراک کرتی ہے پھر اس کے ذریعے سے دوسری قابل دید چیزوں کا انکشاف کرتی ہے۔ جیسے چاند سورج کی روشنی کہ (پہلے چاند سورج اس سے روشن ہوتے ہیں پھر) ان چیزوں کا اس سے انجلاء ہو جاتا ہے جو سورج و چاند کے سامنے ہوتی ہیں۔ اس تعریف کی رو سے لفظ نور کا ذاتِ باری تعالیٰ پر حقیقی اطلاق ممکن نہیں (کیونکہ یہ نور مادی ہے اور عوارضِ مادیات میں سے ہے) لامحالہ تاویل کی جائے گی۔ تاویل کی چند صورتیں ہیں۔

(۱) مضاف کو محذوف مانا جائے یعنی اللہ زمین و آسمان کو نور عطا کرنے والا ہے (۲) بطور مبالغہ مصدر کو اللہ پر محمول کیا جائے (اللہ میں اتنی زیادہ نور بخشی ہے کہ گویا خدا خود نور ہو گیا) جیسے زید کا اگر بہت زیادہ منصف ہونا ظاہر کرنا ہوتا ہے تو کہتے ہے زیدٌ عدلٌ یا اعلیٰ ترین کریم کو کرم کہہ لیتے ہیں۔

کبھی لفظ نور کا اطلاق بطور مدح بھی کیا جاتا ہے جیسے ایک شاعر کا شعر ہے۔
جب کسی رات کو عبداللہ مرد سے چلا جاتا ہے تو مرد کا نور اور حسن چلا جاتا ہے۔

بعض نے کہا نور سے مراد ہے مدبر جو سردار قوم بڑا مدبر اور منتظم ہو اس کو نور القوم کہا جاتا ہے۔

بعض نے کہا نور وہ کیفیت ہے جو خود ظاہر ہو اور دوسری چیزوں کو ظاہر کرنے والی ہو اور اصلِ ظہور وجود و ہستی ہے جس طرح اصلِ خفاء عدم و نیستی ہے، پس نور السموٰت سے مراد ہے آسمانوں کا موجود ہونا۔ اللہ بذات خود موجود ہے اور دوسری چیزوں کو موجود کرنے والا ہے۔

باصرہ، (قوتِ بینائی) پر بھی اس کا اطلاق اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ ادراک اشیاء اس پر موقوف ہے اور بصیرت تو، بہرحال اعلیٰ ترین مدرک ہے آنکھ اپنا ادراک نہیں کرتی بصیرت اپنا بھی ادراک ہے اور اپنی ذات کے علاوہ تمام کلیات و جزئیات کا ادراک بھی اسی پر موقوف ہے۔ یہی حقائق پر غور کرتی اور ان کی تحلیل و ترکیب کرتی ہے اس لئے اس کو نور کہنا تو بدرجہ اولیٰ لازم ہے۔ اور چونکہ بصیرت بذاتِ خود اور باختیار کامل نہ اپنی ذات کا ادراک کر سکتی ہے نہ دوسری چیزوں کا بلکہ اللہ کی طرف سے اس پر فیضانِ ادراک ہوتا ہے کبھی بلاواسطہ اور کبھی ملائکہ وانبیاء کے توسط سے اس لئے ان سب کو انوار کہا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

مذکورہ مثال کا حاصل:

اس لئے حاصل اس مثال کا یہ ہے کہ مؤمن کا سینہ ایک طاق کی مثال ہے اس میں اس کا دل ایک قندیل کی مثال ہے اس میں نہایت شفاف روغن زیتون فطری نورِ ہدایت کی مثال ہے جو مؤمن کی فطرت میں ودیعت رکھا گیا ہے۔ جس کا خاصہ خود بخود بھی قبولِ حق کا ہے پھر جس طرح روغن زیتون آگ کے شعلہ سے روشن ہو کر دوسروں کو روشن کرنے لگتا ہے اسی طرح فطری نورِ ہدایت جو قلب مؤمن میں رکھا گیا ہے جب وحی الٰہی اور علم الٰہی کے ساتھ اس کا اتصال ہو جاتا ہے تو روشن ہو کر عالم کو روشن کرنے لگتا ہے اور حضرات صحابہ و تابعین نے جو اس مثال کو قلب مؤمن کے ساتھ مخصوص فرمایا وہ بھی غالباً اس لئے ہے کہ فائدہ اس نور کا صرف مؤمن ہی اُٹھاتا ہے ورنہ وہ فطری نورِ ہدایت جو ابتداء تخلیق کے وقت انسان کے قلب میں رکھا جاتا ہے وہ مؤمن کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ ہر انسان کی فطرت اور جبلت میں وہ نور ہدایت رکھا جاتا ہے اسی کا یہ اثر دنیا کی ہر قوم ہر خطہ ہر مذہب و مشرب کے لوگوں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ وہ خدا کے وجود کو اور اُس کی عظیم قدرت کو فطرۃً مانتا ہے اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کے تصور اور تعبیر میں خواہ کیسی ہی غلطیاں کرتا ہو مگر اللہ تعالیٰ کے نفسِ وجود کا ہر انسان فطرۃً قائل ہوتا ہے بجز چند مادہ پرست افراد کے جن کی فطرت مسخ ہو گئی ہے کہ وہ خدا ہی کے وجود کے منکر ہیں۔

ایک صحیح حدیث سے اس عموم کی تائید ہوتی ہے جس میں یہ ارشاد ہے کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ، یعنی ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو فطرت کے تقاضوں سے ہٹا کر غلط راستوں پر ڈال دیتے ہیں۔ اس فطرت سے مراد ہدایت ایمان ہے۔

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ
مثال اس کی روشنی کی جیسے ایک طاق اس میں ہو ایک چراغ وہ چراغ دھرا ہو

فِیْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ
ایک شیشہ میں وہ شیشہ ہے جیسے ایک تارہ چمکتا ہوا تیل جلتا ہے
مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّلَا
اُس میں ایک برکت کے درخت کا وہ زیتون ہے نہ مشرق کی طرف ہے اور نہ
غَرْبِیَّةٍ ۙ یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ
مغرب کی طرف قریب ہے اُس کا تیل کہ روشن ہو جائے اگرچہ نہ لگی ہو اُس میں آگ
نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ؕ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ
روشنی پر روشنی اللہ راہ دکھلا دیتا ہے اپنی روشنی کی جس کو چاہے
وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ
اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے واسطے اور اللہ سب
بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۙ
چیز کو جانتا ہے

مؤمن نورالٰہی سے کس طرح ہدایت حاصل کرتا ہے:

یعنی یوں تو اللہ تعالیٰ کے نور سے تمام موجودات کی نمود ہے لیکن مؤمنین مہتدین کو نورالٰہی سے ہدایت وعرفان کا جو خصوصی حصہ ملتا ہے اس کی مثال ایسی سمجھو گویا مؤمن قانت کا جسم ایک طاق کی طرح ہے جس کے اندر ایک ستارہ کی طرح چمکدار شیشہ (قندیل) رکھا ہو یہ شیشہ اُس کا قلب ہوا جس کا تعلق عالم بالا سے ہے۔ اُس شیشہ (قندیل) میں معرفت وہدایت کا چراغ روشن ہے، یہ روشنی ایسے صاف وشفاف اور لطیف تیل سے حاصل ہو رہی ہے جو ایک نہایت ہی مبارک درخت (زیتون) سے نکل کر آیا ہے اور زیتون بھی وہ جو کسی حجاب سے نہ مشرق میں ہو نہ مغرب میں یعنی کسی طرف دھوپ کی روک نہیں کھلے میدان میں کھڑا ہے جس پر صبح وشام دونوں وقت کی دھوپ پڑتی ہے۔ تجربہ سے معلوم ہوا کہ ایسے زیتون کا تیل اور بھی زیادہ لطیف وصاف ہوتا ہے غرض اُس کا تیل اس قدر صاف اور چمکدار ہے کہ بدون آگ دکھلائے ہی معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود روشن ہو جائے گا۔ یہ تیل میرے نزدیک اُسی حسن استعداد اور نور توفیق کا ہوا جو نور مبارک کے القاء سے بدء فطرت میں مؤمن کو حاصل ہوا تھا۔ جیسا کہ اوپر کے فائدہ میں گذر چکا اور جس طرح شجرۂ مبارکہ کو لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّلَا غَرْبِیَّةٍ فرمایا تھا وہ نور ربانی بھی جہت کی قید سے پاک ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ مؤمن کا شیشۂ دل نہایت صاف ہوتا ہے اور خدا کی توفیق سے اُس میں قبول حق کی ایسی زبردست استعداد پائی جاتی ہے کہ بدون دیا سلائی دکھائے ہی جل اُٹھنے کو تیار ہوتا ہے۔ اب جہاں ذرا آگ دکھائی یعنی وحی وقرآن کی تیز روشنی نے اس کو مس کیا فوراً اُس کی فطری روشنی بھڑک اٹھی۔ اسی کو "نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ" فرمایا۔ باقی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے، جس کو چاہے اپنی روشنی عنایت فرمائے اور وہ ہی جانتا ہے کہ کس کو یہ روشنی ملنی چاہئے کس کو نہیں ان عجیب وغریب مثالوں کا بیان فرمانا بھی اسی غرض سے ہے کہ استعداد رکھنے والوں کو بصیرت کی ایک روشنی حاصل ہو۔ حق تعالیٰ ہی تمثیل کے مناسب موقع ومحل کو پوری طرح جانتا ہے کسی دوسرے کو قدرت کہاں کہ ایسی موزوں وجامع مثال پیش کر سکے۔ آگے فرمایا کہ وہ روشنی ملتی ہے اس سے کہ جن مسجدوں میں کامل لوگ صبح وشام بندگی کرتے ہیں وہاں دھیان لگا رہے۔ (تنبیہ) مفسرین نے تشبیہ کی تقریر بہت طرح کی ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی موضح القرآن میں نہایت لطیف وعمیق تقریر فرمائی ہے مگر بندہ کے خیال میں جو توجیہ آئی وہ درج کر دی۔ وللنّاس فیما یعشقون مذاہب واضح رہے کہ "یُوْقَدُ اور وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ" میں جس نار کی طرف اشارہ ہے میں نے مشبہ میں اُس کی جگہ وحی وقرآن کو رکھا ہے۔ اس کا ماخذ وہ فائدہ ہے جو حضرت شاہ صاحبؒ نے "مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا" پر لکھا ہے اور جس کی تائید صحیحین کی ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں آپ نے یہ الفاظ فرمائے ہیں۔ "انّما مثلی ومثل النّاس کرجلٍ استوقد نارًا فلمّا اضاءت ماحولہٗ جعل الفراش وھٰذہِ الدّوابّ الّتی یقعن فیھا الخ" (تفسیر عثمانی)

دلوں کی چار قسمیں:

مسند کی ایک حدیث میں ہے دلوں کی چار قسمیں ہیں ایک تو صاف اور روشن، ایک غلاف دار بندھا ہوا ایک اُلٹا اور اوندھا، ایک پھر اہوا اُلٹا سیدھا، پہلا دل تو مؤمن کا دل ہے جو نورانی ہوتا ہے اور دوسرا دل کافر کا دل ہے اور تیسرا دل منافق کا دل ہے کہ اس نے جانا پھر انجان ہو گیا، پہچان لیا پھر منکر ہو گیا۔ چوتھا دل وہ دل ہے جس میں ایمان بھی ہے نفاق بھی ہے۔ ایمان کی مثال تو اس میں مثل ترکاری کے درخت کے ہے کہ اچھا پانی اسے بڑھا دیتا ہے اور نفاق کی مثال اس میں مثل پھوڑے کے ہے کہ خون پیپ اسے اُبھار دیتا ہے اب جو غالب آ گیا وہ اس دل پر چھا جاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم:

اور امام بغویؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے کعب احبار سے پوچھا کہ اس آیت کی تفسیر میں آپ کیا کہتے ہیں مثل نورہ کمشکوٰۃ الآیۃ کعب احبار جو تورات وانجیل کے بڑے عالم مسلمان تھے انہوں نے فرمایا کہ یہ مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی بیان کی گئی ہے۔ مشکوٰۃ آپ کا سینہ اور زجاجۃ (قندیل) آپ کا قلب

مبارک اور مصباح (چراغ) نبوت ہے۔ اور اس نور نبوت کا خاصہ یہ ہے کہ نبوت کے اظہار و اعلان سے پہلے ہی اس میں لوگوں کے لئے روشنی کا سامان ہے پھر وحی الٰہی اور اس کے اعلان کا اس کے ساتھ اتصال ہو جاتا ہے تو یہ ایسا نور ہوتا ہے کہ سارے عالم کو روشن کرنے لگتا ہے۔

بہت سے واقعات عجیبہ صحیح روایات سے ثابت ہیں جن کو شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خصائص کبریٰ میں اور ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں اور دوسرے علماء نے بھی اپنی مستقل کتابوں میں جمع کر دیا ہے۔ اس کا ایک کافی حصہ اس جگہ تفسیر مظہری میں بھی نقل کر دیا ہے۔

روغن زیتون کی برکات:

شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ اس سے زیتون اور اس کے درخت کا مبارک او رنافع و مفید ہونا ثابت ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روغن زیتون کو کھاؤ بھی اور بدن پر مالش بھی کرو کیونکہ یہ شجرۂ مبارکہ ہے (رواہ البغوی والترمذی عن عمرؓ مرفوعاً۔ مظہری) (معارف مفتی اعظم)

مؤمن کے دل کا نور:

مَثَلُ نُوْرِهٖ اللہ کے نور کی صفت۔ یعنی وہ نور جو مومن کے دل میں جگمگاتا ہے جس کی پرتو اندازی کی وجہ سے مومن کا دل اللہ کی ذات وصفات کی طرف راستہ پاتا ہے عقل انسانی جس کو پا نہیں سکتی تھی۔ اس نور کی ضیاء پاشی کی وجہ سے وہاں تک پہنچ جاتی ہے اور جس کے ذریعہ یہ عقل بشری حق کو حق اور باطل کو باطل جان لیتی ہے، اللہ نے فرمایا، فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ

بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن مسعود پڑھتے تھے مَثَلُ نُوْرِهٖ فِيْ قَلْبِ الْمُؤْمِنِ بقول سعید بن جبیر حضرت ابن عباس نے فرمایا، اس نور کی حالت و صفت جو اللہ نے مومن کو عطا فرمایا ہے۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ نورہ کی ضمیر مومن کی طرف راجع ہے۔ حضرت ابی نے فرمایا، مومن کے دل کے نور کی صفت۔ یہ مومن وہ بندہ ہے، جس کے دل کے اندر اللہ نے ایمان اور سینہ کے اندر قرآن جمادیا ہے۔ حسن اور زید بن اسلم نے کہا نور سے مراد قرآن ہے، سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا نور سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک۔ بعض کے نزدیک نور سے اللہ کی طاعت مراد ہے۔ بندے کی طاعت کو اللہ نے اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے۔

كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ جیسے ایک طاقچہ جس میں ایک چراغ ہو۔ مشکوۃ طاقچہ جس میں آر پار سوراخ نہ ہو اگر آر پار سوراخ ہو تو اس کو کُوّۃ (روشن دان) کہتے ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک مشکوۃ حبشی زبان کا لفظ ہے۔ مجاہد نے مشکوۃ کا ترجمہ قندیل کیا ہے اس وقت مضاف محذوف ہوگا، یعنی نور قندیل کی طرح ہے جس میں چراغ موجود ہو۔ مصباح چراغ۔ یہ اسم آلہ بروزن مفعال ہے، صبح کا معنی ہے روشنی مصباح روشنی کا آلہ۔

اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ چراغ شیشہ (کے فانوس) میں ہو۔ زجاج نے کہا شیشے کے اندر نور اور آگ کی روشنی بہت زیادہ جھلکتی ہے، اسی لئے لفظ زجاجۃ ذکر کیا۔

اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ شیشے کا فانوس ایسا معلوم ہوتا ہو۔ دری میں یا نسبتی ہے۔ دُر موتی۔ (یعنی موتی جیسا تارا) صفائی اور حسن میں موتی کی طرح۔

يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ وہ چراغ جو برکت والے درخت یعنی زیتون (کے تیل) سے روشن ہو۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حدیث میں آیا ہے زیتون کے تیل سے ناسور اچھا ہوتا ہے۔ چوٹی سے جڑ تک اس کے درخت میں تیل ہی تیل ہوتا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت اسید بن ثابت یا حضرت اسید انصاری کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زیتون کا تیل کھاؤ اور استعمال کرو یہ مبارک درخت ہے۔ رواہ الترمذی عن عمرؓ۔ واحمد الترمذی والحاکم عن ابی اسید ورواہ ابن ماجۃ والحاکم عن ابی ہریرۃؓ۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں زیتون کا تیل کھاؤ اور استعمال کرو یہ نفیس اور برکت والا ہوتا ہے۔

ابونعیم نے الطب میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زیتون کا تیل کھاؤ اور لگاؤ یہ ستر بیماریوں کے لئے شفاء ہے، جن میں سے ایک کوڑھ کی بیماری بھی ہے۔

لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ جو نہ شرقی ہو نہ غربی۔

بعض نے کہا وہ درخت نہ زمین کے مشرقی حصہ میں واقع ہے نہ مغربی حصہ میں بلکہ درمیان میں یعنی ملک شام میں واقع ہے، شام کا زیتون بہت عمدہ ہوتا ہے۔

نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ نور بالائے نور ہے۔ ایک تو تیل کی بجائے خود چمک پھر آگ کی وجہ سے اس کی اشتعالی روشنی۔ یہ دوہرا نور ہے۔ بلکہ چند در چند نور ہے تیل کے صاف ہونے کی وجہ سے اس کی ذاتی چمک شیشہ کے اشتعال کی چمک اور ایسے طاقچہ کی جگمگاہٹ جس میں ادھر ادھر سوراخ اور آر پار راستہ نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کا بیان ہے میں نے بحالت حمل خواب میں دیکھا کہ ایک نور میرے اندر سے نکلا جس کی وجہ سے شہر بصریٰ علاقہ شام کے محلات میری نظر کے سامنے چمک اٹھے پھر پیدا ہوتے ہی آپ نے سر آسمان کی طرف اٹھایا، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ جونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے آپ کی والدہ نے ایک نور دیکھا جس سے ملک شام کے محل ان کی نظر کے سامنے چمک اٹھے، ابن حبان اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

مہر نبوت: ابونعیم نے دلائل میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے بیان کیا جب آپ پیدا ہوئے تو فرشتہ نے آپ کو تین بار پانی میں غوطہ دیا۔ پھر ایک ریشمی بٹوے کے اندر سے ایک مہر نکال کر آپ کے شانہ پر لگائی جس کی وجہ سے ایک سفید انڈے کی طرح چیز پیدا ہوگئی جو زہرہ کی طرح چمکنے لگی۔

عالم کفر میں زلزلہ: بیہقی، ابن ابی الدنیا اور ابن السکن کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی رات کو کسریٰ کے محل میں لرزہ آ گیا اس کے چودہ کنگرے گر پڑے اور کسریٰ خوف زدہ ہوگیا۔ اور فارس کی جو آگ ہزار برس سے نہیں بجھی تھی وہ بجھ گئی اور ساوت جھیل خشک ہوگئی۔

یہودی تاجر کی خبر: حضرت عائشہ کی روایت میں آیا ہے کہ ایک یہودی مکہ میں رہتا اور تجارت کرتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی رات کو اس نے قریش سے کہا اے گروہ قریش آج رات اس امت کا نبی پیدا ہو گیا جس کے دونوں شانوں کے درمیان ایک نشان ہے اور نشان میں گھوڑے کے ریال کی طرح چند بالوں کی ایک قطار ہے لوگ یہودی کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے پاس پہنچے اور نومولود بچے کی پشت کھول کر دیکھی یہودی کی نظر جب مس پر پڑی فوراً بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ لوگوں نے پوچھا ارے ارے تجھے کیا ہوگیا، یہودی کہنے لگا واللہ بنی اسرائیل سے نبوت نکل گئی۔ رواہ الحاکم۔

راہب کی پیش گوئی:

مواہب لدنیہ میں عمیصا راہب کا قصہ ذکر کیا گیا ہے، عمیصا مکہ والوں سے کہتا تھا اے اہل مکہ عنقریب تم میں ایک پیغمبر پیدا ہونے والا ہے۔ سارا عرب جس کا تابع ہو جائے گا اور عجم پر بھی اس کا اقتدار ہوگا یہ زمانہ اس کی پیدائش کا ہے۔

حضرت عباس کے مسلمان ہونے کا خاص سبب:

حضرت عباس بن عبدالمطلب کا بیان ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے دین میں میرے داخل ہونے کا ایک خاص باعث ہوا آپ کے نبی ہونے کی نشانی میں نے اسی وقت دیکھ لی تھی جب آپ جھولنے میں پڑے ہوئے چاند سے باتیں کر رہے تھے اور انگلی سے اس کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور جب آپ اس کی طرف اشارہ کرتے تھے وہ (کنارہ) جھک جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اس سے باتیں کر رہا تھا اور وہ مجھ سے باتیں کر رہا تھا وہ مجھے رونے سے بہلاتا تھا اور جب وہ عرش کے نیچے سربسجود ہوتا تھا تو میں اس کی آواز سنتا تھا۔

فرشتے جھولا جھلاتے تھے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی شمار کی گئی ہے کہ آپ کے جھولنے کو فرشتے جھلاتے تھے۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ پیدا ہوتے ہی آپ نے کلام کیا تھا۔

حضرت حلیمہ کی گود میں برکتیں:

ابویعلیٰ اور ابن حبان نے حضرت عبداللہ بن جعفر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انا حضرت حلیمہ نے کہا جب میں نے آپ کو اپنی گود میں لے لیا تو فوراً میری چھاتیاں بقدر ضرورت دودھ سے بھر آئیں پہلے میرا بچہ یعنی ضمرہ بھوکا رہنے کی وجہ سے سوتا نہ تھا، اب دونوں نے سیر ہو کر پی لیا اور دونوں سو گئے پہلے میری پستان میں اتنا دودھ ہی نہ تھا جو بچہ کے لئے کافی ہوتا نہ ہماری اونٹنی کے پاس دودھ تھا جو بچہ کو پلایا جا سکتا اب جو میرا شوہر اونٹنی کے پاس گیا تو دیکھا گیا ہے کہ اونٹنی کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہیں میرے شوہر نے اس کو دوہا اور میں نے خوب سیر ہو کر پیا اور شوہر نے بھی خوب پیا اور وہ رات بڑے چین سے گزری محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر جب میں واپس آئی اور گدھی پر سوار ہوئی تو خدا کی قسم وہ اتنی تیز چلنے لگی کہ ساتھیوں کا کوئی گدھا اس کا مقابلہ نہ کر سکا ساتھ والیاں کہنے لگیں اری ابی ذویب کی بیٹی! ذرا ٹھہر تو، کیا یہ تیری وہی گدھی ہے جس پر تو آئی تھی، میں نے کہا ہاں۔ بات یہ تھی کہ کمزوری اور لاغری کی وجہ سے میری گدھی ساتھ والے قافلہ کے لئے بار ہوگئی تھی بار بار ان کو رکنا پڑتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا کلام:

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ حضرت حلیمہ نے کہا جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دودھ چھڑایا تو آپ نے کہا، اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَّالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَّسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۔ یہ آپ کا سب سے پہلا کلام تھا۔ الحدیث۔

بادل کا سایہ: حضرت ابن عباس کا بیان ہے حلیمہ آپ کو دور نہیں جانے دیتی تھیں تاکہ آپ کی طرف سے ان کو بے خبری نہ رہے ایک روز آپ اپنی (رضاعی) بہن شیماء کے ساتھ باہر چلے گئے اور جہاں (جنگل میں) اونٹ تھے وہاں جا پہنچے حلیمہ تلاش میں نکلیں آپ اپنی بہن کے ساتھ (کہیں) مل گئے حلیمہ نے کہا اس گرمی میں تم کہاں پھر رہے ہو شیماء نے کہا اماں! مجھے اپنے بھائی کے ساتھ تو گرمی محسوس ہی نہیں ہوئی، برابر ان کے اوپر ایک بدلی سایہ کئے رہی جب یہ کہیں ٹھہر جاتے تھے بدلی بھی (ان کے اوپر) ٹھہر جاتی تھی یہ چل دیتے تھے تو بدلی بھی ان کے اوپر چل دیتی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں چراغ کی ضرورت نہیں تھی:

شمائل محمدیہ میں مذکور ہے کہ حلیمہ نے کہا جس روز سے ہم نے آپ کو لیا کبھی ہم کو چراغ کی ضرورت نہیں رہی آپ کے چہرہ کی روشنی تو چراغ سے زیادہ نورانی تھی۔ اگر ہم کو کسی جگہ چراغ کی ضرورت پڑتی تو ہم آپ کو وہاں لے جاتے آپ کی برکت سے تمام مقامات روشن ہو جاتے۔

بت اور حجر اسود تعظیم سے جھک گئے:

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حلیمہ جب آپ کو لے کر بتوں کی طرف گئیں تو ہبل اور دوسرے بت آپ کی تعظیم میں اپنی اپنی جگہ سرنگوں ہو گئے اور سنگ اسود کے پاس لے کر گئیں تو سنگ اسود خود اپنی جگہ سے نکل کر آپ کے منہ کو چمٹ گیا۔

خشک وادیاں سرسبز ہو گئیں:

یہ بھی مروی ہے کہ حلیمہ جب آپ کو دودھ پلانے لگیں تو پستانوں سے اتنا دودھ بہنے لگا جو دس بلکہ اس سے بھی زیادہ بچوں کے لئے کافی ہوتا۔ جب حلیمہ آپ کو لے کر کسی خشک وادی سے گزرتیں تو وہ فوراً سرسبز ہو جاتی، حضرت حلیمہ خود کہتی اور دیکھتی تھیں کہ پتھر اور درخت آپ کو سلام کرتے تھے اور درختوں کی شاخیں آپ کی طرف جھک جاتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رضاعی بھائی دونوں ساتھ ساتھ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ رضاعی بھائی کا بیان ہے کہ میرا رضاعی بھائی جب کسی وادی پر جا کر کھڑا ہوتا تھا تو وہ فوراً سرسبز ہو جاتی تھی۔ اور بکریوں کو پانی پلانے کے لئے ہم کنویں پر آتے تھے تو کنویں کا پانی ابل کر کنویں کے منہ تک آ جاتا تھا، جب آپ دھوپ میں کھڑے ہوتے تھے تو بدلی آ کر سایہ کر لیتی تھی اور جنگلی جانور آپ کے پاس آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چومتے تھے۔

شق صدر:

خلاصۃ السیر میں ہے کہ آپ کی انا نے بیان کیا ایک بار آپ ہمارے اونٹوں کے مقام پر تھے اچانک آپ کا رضاعی بھائی دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ دو سفید پوش آدمیوں نے میرے قرشی بھائی کو پکڑ کر زمین پر لٹا کر پیٹ پھاڑ دیا، حضرت حلیمہ کا بیان ہے ہم یہ بات سن کر فوراً ان کی طرف نکل کھڑے ہوئے جا کر دیکھا تو آپ منہ لپیٹے کھڑے ہوئے تھے ہم نے آپ کو چمٹا لیا اور دریافت کیا، کیا واقعہ ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو آدمی سفید پوش آئے اور انہوں نے مجھے لٹا کر میرا پیٹ پھاڑا پھر اس کے اندر کسی چیز کو ٹٹولا، مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے کیا چیز نکالی۔ حضرت شداد بن اوس کی روایت سے ابویعلی، ابونعیم اور ابن ابی عساکر نے ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے کہ تین آدمیوں کا ایک گروہ آیا ان کے پاس سونے کا طشت تھا جو برف سے بھرا ہوا تھا ان میں سے ایک نے مجھے زمین پر لٹایا (اور پیٹ پھاڑ کر) پھر پیٹ کے اندر کی چیزیں نکالیں۔ پھر ان کو برف سے دھویا اور خوب دھویا پھر ان کو ان کی جگہ دوبارہ رکھ دیا پھر دوسرا کھڑا ہوا اور اس نے میرا دل نکال کر پھاڑا اور اس کو صاف کیا یہ سب باتیں میں دیکھ رہا تھا، پھر ایک سیاہ بوٹی اس کے اندر سے نکال کر پھینک دی پھر دائیں بائیں طرف ہاتھ گھمانے لگا معلوم ہوتا تھا کوئی چیز تلاش کر رہا ہے پھر مجھے نظر آیا کہ اس کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی ہے، جو مجسم نور ہے اس کو دیکھنے سے نگاہ میں چکا چوند ہو رہی تھی اس انگوٹھی سے اس نے میرے دل پر مہر لگا دی مہر لگاتے ہی میرا دل نور سے بھر گیا یہ نبوت و دانش کا نور تھا پھر دل کو لوٹا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا میں اس مہر کی خنکی اپنے دل میں مدت تک محسوس کرتا رہا پھر تیسرے شخص نے اپنے ساتھی سے کہا تم ہٹ جاؤ (وہ ہٹ گیا) تیسرے شخص نے سینے کی وسطی لکیر (خط ابیض) کے آغاز سے زیر ناف کے آخری حصہ تک ہاتھ پھیرا فوراً شگاف جڑ گیا۔

حضرت انس کا بیان ہے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ پر سلائی کا نشان دیکھتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے قحط دور ہو گیا:

ابن عساکر کی روایت میں آیا ہے کہ ایک سال کال پڑا، ابوطالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر بارش کی دعا کرنے کعبے کے پاس پہنچے کعبہ کی دیوار سے اپنی پشت لگائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی پکڑی اس وقت آسمان پر بادل کا ٹکڑا بھی نہ تھا، فوراً ادھر ادھر سے بادل آ گیا اور موسلا دھار خوب بارش ہوئی اتنی کہ ساری وادی بہ نکلی۔ اس واقعہ کی طرف ابوطالب نے ذیل کے شعر میں اشارہ کیا ہے" ان کا رنگ گورا ہے ان کے طفیل میں بارش کی دعا کی جاتی ہے وہ یتیموں کی پناہ گاہ اور رانڈوں کی عصمت بچانے والے ہیں۔"

راہب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا:

خلاصۃ السیر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارہ سال کی عمر میں اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ ملک شام کی طرف گئے۔ مقام بصریٰ میں پہنچے تو بحیرا راہب نے آپ کا حلیہ دیکھ کر پہچان لیا اور دست مبارک کو پکڑ کر کہا۔ یہ رب العالمین کے رسول ہیں اللہ ان کو انسانوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمائے گا۔ راہب سے دریافت کیا گیا تم کو اس کا کیسے علم ہوا، راہب نے کہا جب تم لوگ گھاٹی سے نکل کر آ رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ ہر درخت اور پتھر ان کی طرف کو جھک رہا تھا اور ایسا صرف نبی کے لئے ہی ہوتا ہے ہم نے اپنی کتابوں میں ان کے حالات پڑھے ہیں۔ پھر ابوطالب سے بحیرا نے کہا اگر تم ان کو لے کر شام کو گئے تو یہودی ان کو قتل کر دیں گے۔ چنانچہ راہب کے مشورے سے ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بصریٰ سے ہی واپس کر دیا (یا ساتھ لے کر واپس لوٹ آئے) دوبارہ حضرت خدیجہؓ کے غلام کو ساتھ لے کر تجارت کی غرض سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ملک شام کو گئے اس وقت سن مبارک پچیس ۲۵ سال کا تھا اور حضرت خدیجہ سے نکاح نہیں ہو پایا تھا، شام میں پہنچ کر ایک راہب کے گرجے کے پاس اترے راہب نے اوپر سے میسرہ کی طرف جھانک کر دریافت کیا تمہارے ساتھ یہ کون شخص ہے

میسرہ نے کہا باشندگان حرم میں سے ایک قریشی شخص ہے۔ راہب نے کہا اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے کبھی کوئی اور نہیں اترا۔

راہب مسلمان ہو گیا:

بعض روایات میں آیا ہے کہ راہب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا میں ایمان لے آیا اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ وہی (نبی) ہیں جن کا ذکر اللہ نے توریت میں کیا ہے، پھر مہر نبوت کو دیکھ کر چوما اور کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول نبی امی ہاشمی عربی ہیں آپ ہی صاحب حوض ہیں آپ ہی شفاعت کرنے والے ہیں آپ ہی کے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا۔

فرشتے سایہ کرنے لگے:

بعض روایات میں آیا ہے کہ میسرہ نے بیان کیا دوپہر کا وقت ہوا اور گرمی سخت ہوگئی تو دو فرشتے اتر کر آپ پر سایہ کرنے لگے تاکہ گرمی (اور سورج کی تیزی) سے آپ کو تکلیف نہ ہو آپ اس وقت اپنے اونٹ پر سفر کر رہے تھے حضرت خدیجہ نے میسرہ کا جب بیان سنا تو آپ کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کرنے کا شوق پیدا ہو گیا۔

علامہ سہیلی کی توجیہہ:

سہیلی نے راہب مذکور کے قول کا مطلب اس طرح بیان کیا۔ راہب کی مراد یہ تھی کہ اس وقت اس درخت کے نیچے پیغمبر ہی فروکش ہوا ہے۔ سہیلی کو اس تاویل کی ضرورت اس لئے پڑی کہ انبیاء کے دور کو گزرے ایک طویل مدت (تقریباً پانچسو سال) گزر چکے تھے اتنی طویل مدت کسی ایک درخت کا باقی رہنا بعید از عقل تھا پھر درخت بھی سر راہ تھا آنے جانے والے ضرور اس کے نیچے آرام لیتے رہے ہوں گے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ لب راہ درخت کے نیچے کوئی مسافر سوائے نبی کے کبھی نہ اترا ہو۔ سہیلی کی توجیہ ٹھیک ہے لیکن یہ توجیہ لفظ قطُّ کے خلاف ہے قطُّ کا تو یہ معنی ہے کہ کبھی اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے اور کوئی نہیں اترا حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی قدرت ہمہ گیر معمولی حالات اللہ کی قدرت سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے اور کوئی کبھی نہ اترا ہو۔ اللہ کی قدرت سے کوئی بات بعید نہیں۔ (سہیلی کی توجیہ کا یہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے کہ یہ درخت جس کی عمر دس بیس یا پچاس برس ہے اس مدت میں کوئی شخص کبھی اس کے نیچے نہیں نازل ہوا اس وقت صرف پیغمبر ہی فروکش ہوا اور حسب صراحت توریت اس کے نیچے پیغمبر ہی اتر سکتا تھا) واللہ اعلم۔

حضرت ابن عمرؓ کا قول:

سالم کی روایت میں آیا ہے کہ آیت مذکورہ کی تفسیر میں حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ''مشکوٰۃ'' سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک سینہ اور ''زجاجۃ'' سے مراد ہے آپ کا دل اور مصباح وہ نور تھا جو آپ کے دل میں روشن تھا اور ''شجرۂ مبارکۃ'' سے مراد ہیں حضرت ابراہیم اور ''شرقی غربی'' نہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ حضرت ابراہیم نہ یہودی تھے نہ عیسائی اور ''نور علیٰ نور'' کا یہ مطلب ہے کہ ایک نور تو حضرتِ ابراہیم کے دل کا نور تھا اور دوسرا نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کا نور۔

محمد بن کعب کا قول:

محمد بن کعب قرظی نے کہا ''مشکوٰۃ'' حضرت ابراہیمؑ تھے اور ''زجاجۃ'' حضرت اسمٰعیلؑ اور ''مصباح'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی کی ذات کو اللہ تعالیٰ نے آیت سراجاً منیرا میں سراج فرمایا ہے۔ یہ چراغ ایک برکت والے درخت کے تیل یعنی حضرت ابراہیمؑ کی ذات سے روشن تھا، حضرت ابراہیم یقیناً بہت ہی بابرکت تھے اکثر انبیاء آپ ہی کی نسل سے ہوئے پھر آپ ایسے درخت کی طرح تھے جو نہ شرقی ہو نہ غربی یعنی آپ نہ یہودی تھے نہ عیسائی یہودی مغرب کو منہ کر کے عبادت کرتے ہیں اس لئے یہودیوں کو غربی قرار دیا اور عیسائی شرقی قرار پائے۔

وحی سے قبل ہی کمالات ظاہر ہونے لگے:

يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ سے اس طرف اشارہ ہے کہ وحی آنے سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اور محاسن ظہور پذیر ہونے والے تھے (آگ کے چھونے یعنی وحی آنے کے بعد تو ان کا ظہور ہو ہی گیا وحی سے پہلے ہی وہ قریب الظہور تھے)

نور اصل اور نور نسل:

نور بالائے نور کا یہ مطلب ہے کہ نور اصل نور نسل کے ساتھ شامل ہو گیا ایک تو نور ابراہیمی تھا پھر نور محمدی اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ پس نور محمدی نور بالائے نور ہو گیا۔

حضرت ابی بن کعب کی تفسیر:

ابو العالیہ نے حسب ذیل تفسیر کی حضرت ابی بن کعب کی طرف نسبت کی ہے کہ یہ مومن کی مثال ہے مومن کی ذات ایک مشکوٰۃ ہے زجاجہ مومن کا سینہ ہے مصباح اس کا دل ہے نور مصباح ایمان اور قرآن کی روشنی ہے جو مومن کے دل میں ہوتی ہے۔ شجرۂ مبارکہ سے یہ روشنی اخلاص اللہ کے مبارک درخت سے حاصل ہوتی ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سرسبز شاداب درخت جو گھنے باغ میں دوسرے درختوں سے گھرا ہوا ہو کہ سورج کے طلوع و غروب کے وقت دھوپ سے محفوظ ہو مومن بھی ہر طرح کے فتنہ سے محفوظ رہتا ہے، چار اوصاف اس کے خصوصی اوصاف ہوتے ہیں اگر اللہ کی طرف سے اس کو کچھ ملتا ہے تو شکر ادا کرتا ہے نہیں ملتا تو صبر کرتا ہے فیصلہ کرتا ہے تو

انصاف کا کرتا ہے بات کہتا ہے تو سچی کہتا ہے اس کا دل ایسا چراغ ہوتا ہے جو آگ چھو جانے کے بغیر بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روشن ہو جانے کے قریب ہے یعنی ظہور حق سے پہلے ہی اس کو معرفت حق حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ اس کا دل فطری طور پر حق پرست ہے، وہ نور بالائے نور ہوتا ہے اس کا قول ایک نور ہوتا ہے اس کا علم ایک نور ہوتا ہے اس کا آنا نور اور جانا نور ہوتا ہے اور قیامت کے دن وہ نور ہی کی طرف جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کا قول:

حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ اللہ کے نور کی مثال ہے جو مومن کے دل میں ہوتا ہے مومن کا دل فطرتاً ہدایت پر عمل کرتا ہے جب اس کو (شریعت کے ذریعہ سے) علم حاصل ہو جاتا ہے تو اس کی ہدایت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے نور بالائے نور ہو جاتا ہے۔

صوفی کا دل:

میں کہتا ہوں صوفی کا دل حق بات، حق عمل اور حق اعتقاد کی وجہ سے کھل جاتا ہے حق کو قبول کرتا ہے اور باطل کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے، باطل سے اس میں انقباض ہو جاتا ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ اپنے دل سے (مشتبہ امور میں) فتویٰ طلب کرو۔ اگرچہ مفتیوں نے تم کو فتویٰ دے دیا رواہ البخاری فی التاریخ بسند حسن۔ جب مومن کے دل میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم آ جاتا ہے تو اس کے اندر یقین وہدایت کا نور اور بڑھ جاتا ہے۔ ''نور علیٰ نور'' کی تشریح میں کلبی نے کہا یعنی مومن کا ایمان اور اس کا عمل، سدی نے کہا نور ایمان اور نور قرآن۔

حسن اور ابن زید کا قول:

حسن اور ابن زید نے کہا یہ قرآن کی مثال ہے مصباح قرآن ہے جس طرح چراغ سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اسی طرح قرآن سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ زجاجہ مومن کا دل ہے مشکوۃ اس کا منہ اور زبان ہے، مبارک درخت وحی کا درخت ہے، زیت سے مراد ہے قرآنی دلائل، تیل کے روشن ہو جانے سے مراد ہے حجت قرآن کا واضح ہو جانا خواہ اس کو پڑھا نہ گیا ہو، یعنی نزول قرآن سے پہلے اللہ نے مخلوق کی ہدایت کی نشانیاں اور دلائل قائم فرما دی تھیں پھر جب قرآن نازل ہوا تو نور بالائے نور ہو گیا، نور فطرت میں نور قرآن کا اضافہ ہو گیا۔

بعض علماء کا قول:

بعض علماء نے کہا یہ حقیقت میں اس ہدایت کی تمثیل ہے جو واضح آیات کے مفہوم کے اندر موجود ہے اور اس ہدایت کا ظہور مشکوۃ ہے یا یوں کہا جائے کہ لوگوں کے اوہام وخیالات کی تاریکیاں ہدایت کو گھیرے رہتی ہیں پس یہ ہدایت چراغ کی طرح ہے جس کو ہر طرف سے ظلمت محیط ہوتی ہے (اور وہ بیچ میں جگمگاتا رہتا ہے)

انسان کی پانچ علمی ادراکی قوتیں:

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ نے انسان کو پانچ علمی ادراکی قوتیں عطا فرمائی ہیں جن سے انسانی معاش ومعاد وابستہ ہے۔

(۱) حسی قوت (یعنی حس مشترک) جس کے ذریعہ سے دماغ ان چیزوں کو جان لیتا ہے جو ظاہری پانچوں حواس کے ذریعہ سے محسوس ہوتی ہیں۔

(۲) خیال کی قوت یہ طاقت احساسی قوت کے معلومات کا خزانہ ہے محسوسات کی جو صورتیں حسی قوت میں آتی ہیں ان کو یہ اپنے اندر جمع رکھتی ہے تا کہ ضرورت کے وقت قوت عقلیہ کے سامنے لا سکے۔

(۳) قوت عاقلہ جو صرف کلی حقائق کا ادراک کرتی ہے (جزئی صورتوں سے حقائق کلیہ کا تجرد اور استنباط کر لیتی ہے)

(۴) فکری قوت یعنی قوت متفکرہ جو معلومات کو ترتیب دے کر نامعلوم چیزوں کا علم حاصل کرتی ہے اس کا کام دلائل کو جوڑنا اور معلومات کو ترتیب دینا ہے۔

(۵) قوت قدسیہ یہ قوت انبیاء اور اولیاء کے ساتھ مخصوص ہے اسرار ملکوت اور انوار غیب کا اس کے ذریعہ سے انکشاف ہوتا ہے آیت وَلٰکِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا میں یہی قوت مراد ہے۔

آیت زیر تفسیر میں یہی پانچوں قوتیں مشکوۃ، زجاجہ، مصباح، شجرہ اور زیت سے مراد ہیں۔

حسی قوت، مشکوۃ کی طرح ہے گویا یہ ایک کھڑکی یا روشندان ہے جس کا رُخ باہر کی طرف کو ہے اور صرف محسوسات خارجیہ کو جانتی ہے اپنے پیچھے کا اس کو کچھ ادراک نہیں، اس کا معقولات کے ذریعہ سے روشن ہو جانا بالذات نہیں۔

قوت خیالیہ، اس قارورے یا شیشے کی طرح ہے جو ہر جہتی معقولات کی صورتوں کا ادراک کرتی ہے اور انوار عقلیہ کو اپنے اندر محفوظ رکھتی اور قوت عاقلہ کی ضیاء پاشی سے روشن رہتی ہے۔

قوت عاقلہ ایک چراغ ہے جو علوم کلیہ اور معارف ربانیہ کے نور سے جگمگا رہا ہے، قوت متفکرہ ایک مبارک درخت ہے جس کے پھل لامحدود ہیں یہ زیتون کا درخت ہے جس سے روغن پیدا ہوتا ہے اور اسی روغن سے چراغ روشن ہوتا ہے۔ یہ درخت نہ غربی ہے نہ شرقی، کیونکہ تمام جسمانی عوارض سے پاک ہے یا یوں کہو کہ یہ درخت فکر یہ صورتوں اور معانی کے درمیان واقع ہے، دونوں سے بہرہ یاب ہوتا ہے اور دونوں میں تصرف کرتا ہے۔

قوت قدسیہ روغن زیتون کی طرح صاف وشفاف ہے، بغیر سوچ، بچار اور کسی سے سیکھنے کے خود ہی معارف وعلوم کی نورانیت سے جگمگا جانے کے

قریب ہوتی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ آیت مذکورہ میں قوتِ عقلیہ کی تمثیل ہو، ہر شخص کی قوت عقلیہ وعملیہ ہر قسم کی صورتوں سے خالی ہوتی ہے لیکن قبولِ علم کی اس میں صلاحیت واستعداد ہوتی ہے اس درجہ کو آیت میں مشکوٰۃ قرار دیا ہے (قدماء فلاسفہ حسبِ صراحت بہ ہروی وشیخ ابن سیناء قوتِ عقلیہ کے اس مرتبہ کو عقل ہیولانی کہتے ہیں)

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تشریح:

حضرت مجدد الف ثانی کے کشفِ الہامی پر مبنی آیت زیر تفسیر کی دو تاویلیں اور بھی ہیں جن کو ہم اس جگہ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ (۱) اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی آسمان وزمین کو موجود کرنے والا اور پردہ عدم سے میدان خارجی میں لانے والا ہے اور یہ وجود خارجی مثل ظل اور سایہ کے ہے۔

مَثَلُ نُوْرِهٖ. نور سے مراد ہے وجود عظمت نور کو ظاہر کرنے کے لئے اپنی ذات کی طرف نور کی نسبت کی جیسے بیت اللہ (خانہ خدا) اور ناقۃ اللہ (اللہ کی براہِ راست پیدا کی ہوئی متبرک اونٹنی) کہا جاتا ہے یا یوں کہاں جائے کہ ماہیاتِ ممکنات پر وجودِ خداوندی پرتو انداز اور سایہ افگن ہے جیسے چاند اور سورج کے مقابل جو خطہ زمین آجاتا ہے اس پر چاند اور سورج کا نور عکس ریز ہوتا ہے۔

كَمِشْكٰوةٍ یعنی جیسے مشکوٰۃ (طاقچہ، چراغ دان) کی روشنی، مضافِ محذوف ہے۔

فِيْهَا مِصْبَاحٌ یعنی مشکوٰۃ کے اندر چراغ روشن ہے اور چراغ کی روشنی سے مشکوٰۃ پرنور ہو رہا ہے اسی طرح اللہ کی صفات واسماء کے چراغ سے تمام ممکنات کی حقیقتیں نور وجود حاصل کر رہی ہیں۔

اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ یعنی چراغ کی نور پاشی بدرجہ کمال ہے، حضرت مجدد نے فرمایا انبیاء اور اولیاء کو چھوڑ کر باقی تمام ممکنات کے مبادیِ تعین اللہ کی صفات نہیں بلکہ صفات کا پرتو اور ظل مبدءِ تعین ہے اس کی توضیح یہ ہے کہ اللہ اپنی صفاتِ کمال کو بھی جانتا ہے اور ان صفات کے نقائض کو بھی یعنی وہ اپنی صفاتِ ثبوتیہ کا بھی علم رکھتا ہے اور صفاتِ سلبیہ تنزیہیہ کا بھی۔ جیسے موت نقیض حیات ہے جہالت نقیض علم ہی کمزوری اور عجز قدرت کی نقیض ہے۔ بہرا ہونا سننے کی نقیض ہے نابینا ہونا بینا ہونے کی نقیض گونگا ہونا کلام کی نقیض ہے، مجبور ہونا با اختیار ہونے کی نقیض ہے اور تعطل تکوین کی نقیض ہے۔

جب اللہ کی صفاتِ ثبوتیہ اور سلبیہ مرتبہ علم میں جمع ہو جاتی ہیں تو نقائض کی تصویریں صفاتِ سلبیہ کے ساتھ آمیختہ ہو جاتی ہیں ان مخلوطات کی حقیقت عدم ہوتی ہے اور سلب صفات ان کے عوارض ہوتے ہیں یعنی یہ صفاتِ سلبیہ اور تنزیہیہ ہوتی ہیں۔ صوفیا کی اصطلاح میں انہی مخلوطات کو ظل صفات کہتے انہی کو اعیانِ ثابتہ کہا جاتا ہے یہی ممکنات اور حقائق ممکنات کے مبادیٔ تعین ہوتے ہیں یہی حقائق امکانیہ کی مربی (تعین کرنے والی) ہوتی ہیں، صفات کی تشبیہ روشن چراغ سے دی جا سکتی ہے اور ظلال صفات کو شیشہ کہہ سکتے ہیں اور ماہیاتِ امکانیہ کے وجود وظہور کو مشکوٰۃ قرار دیا جا سکتا ہے، چراغ کی روشنی سے شیشہ اور قارورہ روشن ہو جاتا ہے، مصباح کے نور سے شیشہ جگمگا جاتا ہے۔

مسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نور اللہ (کے چہرہ) کا نقاب ہے اگر وہ اس نقاب کو کھول دے تو اس چہرے کے چمکارے (شعاعیں) وہاں تک ساری مخلوق کو جلا کر سوختہ کر دیں جہاں تک اس کی نظر پہنچے۔ شاید اس حدیث میں نور سے مراد مرتبہ ظلال ہے اور انوارِ وجہ سے مراد ہیں صفات۔

بات یہ ہے کہ عام ممکنات کی ماہیات اپنی استعداد کی کمزوری سے براہِ راست ظلال کی وساطت کے بغیر صفات سے نور وجود کو حاصل نہیں کر سکتیں۔ اگر ظلال صفات کا توسط نہ ہو تو عام ممکنات معدوم ہو جائیں البتہ انبیاء واولیاء اپنی استعداد وصلاحیت کی قوت کی وجہ سے براہ راست صفات سے بہرہ اندوز ہو سکتے ہیں۔

اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ یعنی نورِ مصباح سے شیشہ روشن اور چمکیلا ہو جاتا ہے شیشہ کو دیکھ کر دھوکا ہو جاتا ہے کہ یہی مصباح ہے دیکھنے والے شیشہ (یعنی فانوس) اور چراغ میں امتیاز نہیں کر پاتے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

رَقَّ الزُّجَاجُ وَرَقَّتِ الْخَمْرُ   فتشابها وَتشاكل الْاَمْرُ

(ترجمہ) شیشہ بھی شفاف ہے اور شراب بھی شفاف ہے، دونوں ہم شکل ہیں۔

فَكَاَنَّمَا خَمْرٌ وَلَا زَجَاجٌ   وَكَاَنَّمَا زُجَاجٌ وَلَا خَمْرٌ

(ترجمہ) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صرف شراب ہے شیشہ نہیں ہے اور یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ صرف شیشہ ہے شراب نہیں ہے۔

ظلال وصفات میں چونکہ اتنا اشتباہ ہے کہ دونوں میں امتیاز کرنا بہت مشکل ہے اسی لئے عارفوں کا ایک گروہ یعنی وہ صوفی جو وحدۃ الوجود کے قائل ہیں نظری فریب میں مبتلا ہو گئے۔ ظلال کو صفات سمجھ بیٹھے دونوں مرتبوں کا فرق نہ سمجھ سکے اور صفات کو عین ذات کہنے لگے اور خیال کرنے لگے کہ ممکنات کی ماہیات میں جو حقیقت جلوہ انداز ہے وہ ان ممکنات کی عین ہے نور پذیر اور نور افگن ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اسی غلط فہمی کی بنیاد پر وہ پکار اُٹھے، لیس فی الکون الا اللّٰہ عالم وجود میں سوائے اللہ کے اور کچھ نہیں۔ ایک عارف نے کہا۔ لَيْسَ فِي جُبَّتِيْ سوى اللّٰه میرے جبہ کے اندر سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں، ایک وجودی شاعر کا قول ہے۔

لا مُلک سُلیمان ولا بلقیسُ   ولا آدم فی الکون ولاابلیسُ

(ترجمہ) عالم وجود میں نہ ملک سلیمان ہے نہ بلقیس نہ آدمی نہ ابلیس۔

والکل صُوَرٌ وانت المعنیٰ   یامنْ ھُوَ للقلوبِ مقناطِیس

(ترجمہ) اے وہ ذات جو دلوں کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے مقناطیس ہے حقیقت تو ہی ہے اور باقی سارا جہان محض صورتیں، مورتیں ہیں۔

یہ ساری خرافات سکر اور فریفتگی عشق کا نتیجہ ہیں یہ لوگ جلوہ آفریں اور جلوہ پذیر میں فرق نہ کر سکے۔

ذات اور صفات:

شیخ مجدد نے فرمایا صفات ضرور ذات سے زائد ہیں اور خارج (یعنی نفس الامر) میں ان کا وجود ہے نصوص قرآنی اور صراحت احادیث سے یہی ثابت ہے لیکن ذات فی نفسہا ترتب آثار میں صفات کی محتاج نہیں ہے (یعنی تنہا ذات بغیر صفات کے اظہار آثار کے لئے کافی ہے) اگر ہم ساری صفات کا عدم فرض کر لیں تب بھی آثار کا ظہور ذات سے ضرور ہوگا۔ مثلاً اگر سننے اور دیکھنے کی صفت ذات میں نہ مانی جائے تب بھی تنہا ذات ان آثار کے اظہار کے لئے کافی ہے جو شنوائی اور بینائی کی صفات پر مرتب ہوتے ہیں۔ شنوائی کے آثار اگر (بغیر صفت سمع کے) تنہا ذات سے ظاہر ہوں تو اس وقت اس کو شان سمع کہا جائے گا اسی طرح بصارت کے آثار بغیر صفت بصارت کے ذات سے ظاہر ہو سکتے ہیں اس لئے اس کو شانِ بصارت کہا جائے گا۔

نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یعنی ایک تو چراغ کا نور ہے جو شیشے اور مشکوٰۃ کو روشن کر رہا ہے دوسرا درخت زیتون کے روغن کا نور ہے جیسے ایک نور صفات ہے جس سے آثار کا ظہور ماہیات کی نور اندوزی اور ممکنات کی ایجاد وابستہ ہے دوسرا نور شیون ذات کا ہے اس طرح نور بالائے نور ہے۔

یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ یعنی جس شخص کو چاہتا ہے اللہ اپنا نور معرفت عطا فرماتا ہے اس کی معرفت کا نور خاص خاص عارف ہی حاصل کرتے ہیں۔

ایجادِ اشیاء: اس توجیہ پر اس آیت میں ایجادِ اشیاء کی طرف اشارہ ہوگا وجود خارجی وظلی کے میدان میں پردۂ عدم سے نکل کر آنا مراد ہوگا اور اس بات کا ثبوت ہوگا کہ تمام موجودات سے ذات خداوندی انتہائی قریب ہے۔

سورۂ قاف کی آیت نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ کی تفسیر میں ہم نے اقربیت ذات کی مفصل تشریح کر دی ہے۔

(۲) دوسری تاویل جو سلف سے مروی ہے حسب ذیل ہے

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی آسمان و زمین کے رہنے والوں کو اللہ اپنی معرفت کا راستہ بتانے والا ہے پس تمام اہل ارض و سما اسی کے نور کے ذریعہ سے ذات وصفات کی معرفت کا راستہ پاتے اور مراتب قرب تک ترقی کرتے جاتے ہیں آیت قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ اور آیت اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ میں درپردہ اسی نور کو بیان کیا ہے۔ ایک حدیث قدسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ فرماتا ہے میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے میرا قرب حاصل کرتا جاتا ہے، بالآخر میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ الحدیث۔ اسی قرب کا نام ولایت خاصہ ہے۔

مؤمن کے دل میں نور کی مثال:

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ یعنی مومن کے دل میں اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے مشکوٰۃ کا نور جس کے اندر چراغ روشن ہو۔ پس مومن کا دل ایک مشکوٰۃ ہے جس کے اندر صفاتِ الٰہی کی جلوہ پاشی ہو رہی ہے او رصفاتِ خداوندی مثل روشن چراغ کے ہیں۔ اور یہ چراغ زیتون کے ایک بابرکت درخت (کے تیل) سے روشن ہے اور درخت بھی وہ ہے جو شرقی ہے نہ غربی، یعنی صفات الٰہیہ ذات الٰہی سے پھوٹ رہی ہیں اور ذات کے اندر شیون ذاتیہ اور اعتبارات ان صفات کے لئے سرچشمہ ہیں۔

اولیاء کی نور چینی:

اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ اس آیت میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ اولیاء عموماً براہ راست صفاتِ الٰہیہ سے پرتو اندوز نہیں ہو سکتے، ان کی نور چینی ظلال کی وساطت پر موقوف ہے ظلال کے پردے کے پیچھے صفات ہیں جو ظلال پر پرتو افگن ہیں اور ظلال کی نور پاشی اولیاء پر ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

(۱) ظہور (۲) بطون۔ ظہوری حیثیت تو یہ ہے کہ وہ ذات الٰہی کے ساتھ قائم ہیں۔ یہی ظہور صفات ولایت کبریٰ یعنی ولایت انبیاء ہے اور بطون کی حیثیت کا نام ولایت عُلیا یعنی ولایت ملائکہ ہے۔

انبیاء کے بعد صدیقین کا مرتبہ ہے صدیقین صحابہ کے متعلق فرمایا ہے، ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ اور صحابہ کے بعد دوسرے صدیقوں کے متعلق فرمایا، وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ صدیق مرتبہ صفات وشیون سے ترقی کر کے مرتبۂ ذات تک پہنچتے ہیں۔ صفات وشیون کے حجاب کے بغیر خالص ذات ان پر جلوہ پاش ہو جاتی ہے آیت میں آخری دونوں فریقوں کے متعلق کوئی اشارہ نہیں ہے البتہ نور علیٰ نور سے اولیاء کے مراتب وصول کے اختلاف کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس مقام پر ایک نور دوسرے نور سے اوپر ہے درجۂ نورانیت میں بڑا تفاوت ہے۔

تاریکی کے بعد نور:

یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ اللہ اپنے نور کے ذریعہ سے جس کو چاہتا

ہے ہدایت یاب کر دیتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ اللہ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا پھر اس پر اپنے نور کا کچھ حصہ (پرتو) ڈالا، پس جس شخص نے اس نور کا کچھ حصہ پالیا وہ ہدایت یاب ہوگیا اور جس نے نور کا حصہ نہ پایا وہ گمراہ ہوگیا اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اللہ کے علم پر قلم خشک ہوگیا۔ رواہ احمد والترمذی۔

نور پڑنے اور پہونچنے کی صورت یہ ہے کہ جس ذاتِ گرامی کو اللہ نے رحمت عالم بنا کر بھیجا اور اس کے سینے کو کھول دیا اور اس کے دل کے اندر نورِ حکمت اور ایمان کو بھر دیا، اس کی پیروی کی جائے اس کے چمکتے ہوئے نور کا کوئی چمکارا چن لیا جائے اپنے دل کو اس رحمت عالم کے دل کا آئینہ بنا دیا جائے تا کہ اپنا دل بھی بقدرِ نور چینی روشن ہو جائے۔ آدمی تین طرح کے ہیں ایک وہ گروہ ہے جس نے صورتِ ایمان حاصل کر لی، دنیا میں کفر سے اور آخرت میں دوزخ سے نجات پالی، دوسرا وہ گروہ ہے جس نے حقیقت پالی حقیقتِ ایمان پانے والوں کے درجات مختلف ہیں۔ تیسرا وہ طبقہ ہے جس نے نورِ ایمان قطعاً حاصل نہیں کیا، صحیح راستہ سے محروم رہا، اور ادھر اُدھر بھٹکتا رہا۔ یہ گروہ اہلِ ضلالت کا ہے۔

نور کے برتن:

حضرت ابوعنبہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، زمین والوں میں اللہ (کے نور) کے کچھ ظروف ہیں، یعنی اللہ کے نیک بندوں کے دل، جو دل سب سے زیادہ نرم اور بہت زیادہ پسیجنے والے ہیں، اللہ کو وہ سب سے زیادہ پیارے ہیں۔ رواہ الطبرانی

قرآنی تمثیلات:

وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ اور لوگوں کے فائدے کے لئے اللہ مثالیں بیان کرتا ہے، یعنی وہ عقلی معانی جن کو آدمی حواس کے ذریعہ سے نہیں سمجھتا ان کو سمجھانے کے لئے اللہ محسوس مثالیں دیتا ہے تا کہ غیر محسوس امور کا انسان کو علم ہو جائے، آیت کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ اپنے اولیاء کو عالمِ مثال میں ان چیزوں کی تصویریں دکھا دیتا ہے جن کی (عالم محسوسات و معقولات میں) کوئی تصویر نہیں اور اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ حق بالکل نمایاں ہو کر ان کے سامنے آ جائے اور وہ حقیقت کی صورت دیکھ لیں۔ بات یہ ہے کہ اللہ سے بندے کا قریب ہونا تو قرآن اور حدیث سے ثابت ہے، نوافل کے ذریعہ سے بندہ اللہ کا قرب حاصل کرتا رہتا ہے لیکن یہ قرب جسمانی نہیں، مادی نہیں، بے کیف ہے اس کی کیفیت نہیں بیان کی جا سکتی۔ نہ حواس ظاہری و باطنی سے اس کا احساس کیا جا سکتا ہے نہ عقلِ نارسا کی علمی رسائی وہاں تک ہے۔ نہ علم حصولی کا اس سے تعلق ہے نہ اس کا علم حضوری ہوسکتا ہے بلکہ عقلی اور حسی علم کے علاوہ براہِ راست اللہ کی طرف اس کا فیضان ہوتا ہے اسی علم کو بطور کنایہ بیان کیا گیا ہے اس حدیثِ قدسی میں جس میں اللہ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے حتی کنت سمعه الذی یسمع به (میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے) علم وجدانی کے حصول کا براہِ راست فیضان کے علاوہ ایک اور ذریعہ بھی ہوتا ہے، عالمِ مثال میں ان تمام حقائق و معانی کی صورتیں اور جسمانی شکلیں موجود ہیں جن کی اس عالم جسمانی میں کوئی شکل نہیں (مثلاً عداوت، محبت، صداقت، علم، ایمان، جہالت وغیرہ ایسے معانی ہیں جن کی کوئی شکل اس عالم میں موجود نہیں، ہاں ان معانی کے مظاہر موجود ہیں) صوفی عالم مثال میں ظلال کا دائرہ دیکھتا ہے اور صفات کا دائرہ بھی اس کو نظر آتا ہے اور جتنا نوافل کو انابت اور رجوع الی اللہ کے زینے پر آگے بڑھتا ہے اس کو اپنی ذات دائرۂ ظلال کی طرف بڑھتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ آخر دائرۂ ظلال میں اس کی ذات مخلوط ہو کر گم ہو جاتی ہے۔ اور دائرے کے رنگ میں ڈوب جاتی ہے اس کے آگے دائرہ صفات کی طرف اس کی سیر شروع ہوتی ہے اور جب حدود صفات تک اس کی رسائی ہو جاتی ہے تو اس وقت وہ اپنی انفرادی ہستی کھو دیتا ہے اور صفات کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔

حقیقت میں وہاں کوئی رنگ نہیں ہوتا (رنگ تو عرض کی قسم ہے اور مقولۂ کیف سے ہے وہاں تو کوئی کیفیت نہیں) لیکن سمجھانے کے لئے کوئی لفظ نہیں۔ زبان اس حالت کو بیان کرنے سے قاصر ہے اس لئے رنگ کا لفظ استعمال کیا گیا، اللہ نے فرمایا ہے سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ہم ان کو انفسی اور آفاقی نشانیاں دکھاتے ہیں تا کہ ان کو کامل انکشاف ہو جائے کہ اللہ ہی حق ہے (اور اللہ کے سوا ہر چیز باطل اور بے حقیقت) وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ اور اللہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے۔ یہ جملہ حالیہ ہے (یعنی ایسا نہیں کہ بغیر علم کے اللہ مثالیں بیان کرتا ہے۔ نہیں ایسا نہیں۔ بلکہ بخوبی کامل علم کی حالت میں اللہ بیان فرماتا ہے)۔ (تفسیر مظہری)

فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللّٰهُ أَنْ تُرْفَعَ

اُن گھروں میں کہ اللہ نے حکم دیا اُن کو بلند کرنے کا

مسجدوں کی تعمیر و تعظیم:

اُن کی تعظیم و تطہیر کا حکم دیا یعنی اُن کی خبر گیری کی جائے اور ہر قسم کی گندگی اور لغو افعال و اقوال سے پاک رکھا جائے۔ مساجد کی تعظیم میں یہ بھی داخل ہے کہ وہاں پہنچ کر دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے۔ (تفسیر عثمانی)

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ ان گھروں میں جن کو بنانے کا اللہ نے حکم دیا ہے بیوت سے مراد ہیں مسجدیں۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ مسجدیں زمین پر اللہ کے گھر ہیں یہ آسمان والوں کی نظر میں ایسی چمکیلی دکھائی دیتی ہیں جیسے زمین والوں کے لئے ستارے۔ مسجدیں بلند کرنے سے مراد ہے مسجدوں کا بنایا جانا، کذا قال مجاہد۔ رفع بمعنی تعمیر آیت وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ میں بھی آیا ہے (جب ابراہیم بیت اللہ کی دیواریں اٹھارہے تھے، یعنی بنا رہے تھے) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کے (ذکر) کے لئے مسجد بنائے گا اللہ جنت کے اندر اس کے لئے گھر بنادے گا۔ (متفق علیہ من حدیث عثمان)

حسن نے کہا آیت اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ اس کے گھر کی تعظیم کی جائے، یعنی اس میں بیہودہ بُری باتیں نہ کی جائیں، آیت اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ میں پاک رکھنے سے مراد بھی یہی ہے کہ اس میں بُری باتیں نہ کی جائیں۔

پیغمبروں کی بنائی ہوئی مسجدیں:

بغوی نے بروایت صالح بن حبان بریدہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ صرف چار مسجدیں ہیں جن کو پیغمبروں نے بنایا تھا کعبہ کو حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل نے بنایا، بیت المقدس کو حضرت داؤد و حضرت سلیمان نے بنایا، مسجد مدینہ اور مسجد قبا کو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا، مسجد قبا وہی مسجد ہے جس کی بنیاد اول دن سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی تھی۔

میں کہتا ہوں یہ مسجدیں گو بڑی فضیلت رکھتی ہیں لیکن انہی کو خاص طور پر مراد قرار دینے کی کوئی دلیل نہیں۔ اس لئے زیادہ مناسب یہ ہے کہ فی بیوت کو یھدی اللہ لنورہ سے وابستہ قرار دیا جائے اکثر ہدایت الٰہیہ مسجدوں کے اندر اعتکاف کرنے والوں اور نماز ادا کرنے والوں کو حاصل ہوتی ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز مومن کی معراج ہے۔ یہ بھی ارشاد فرمایا، بندہ اپنے رب سے بہت زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے لہٰذا تم (سجدہ میں) دعا بہت کیا کرو۔ رواہ مسلم وابوداؤد والنسائی عن ابی ہریرہؓ۔ (تفسیر مظہری)

اللہ کی محبت کا راستہ:

جمہور مفسرین کے نزدیک ان بیوت سے مراد مساجد ہیں۔

مساجد اللہ کے گھر ہیں ان کی تعظیم واجب ہے

قرطبی نے اسی کو ترجیح دی اور استدلال میں حضرت انسؓ کی یہ حدیث پیش کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنا چاہتا ہے اس کو چاہئیے کہ مجھ سے محبت کرے۔ اور جو مجھ سے محبت رکھنا چاہے اس کو چاہئیے کہ میرے صحابہ سے محبت کرے۔ اور جو صحابہ سے محبت رکھنا چاہے اس کو چاہئیے کہ قرآن سے محبت کرے۔ اور جو قرآن سے محبت رکھنا چاہے اس کو چاہئیے کہ مسجدوں سے محبت کرے کیونکہ وہ اللہ کے گھر ہیں، اللہ نے اُن کی تعظیم کا حکم دیا ہے اور ان میں برکت رکھی ہے وہ بھی بابرکت اور ان کے رہنے والے بھی بابرکت وہ بھی اللہ کی حفاظت میں ہیں اور ان کے رہنے والے بھی حفاظت میں۔ وہ لوگ اپنی نمازوں میں مشغول ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کے کام بناتے اور حاجتیں پوری کرتے ہیں وہ مسجدوں میں ہوتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اُن کے پیچھے اُن کی چیزوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ (قرطبی)

بدبو کے ساتھ مسجد میں نہ آئے:

صحیح مسلم میں حضرت فاروق اعظمؓ سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس شخص کے منہ سے لہسن یا پیاز کی بدبو محسوس فرماتے تھے اس کو مسجد سے نکال کر بقیع میں بھیج دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس کو لہسن پیاز کھانا ہی ہو تو اس کو خوب اچھی طرح پکا کر کھائے کہ اُن کی بدبو ماری جائے۔

مسجدوں کی شان وشوکت اور زینت:

رفع مساجد کا مفہوم جمہور صحابہ وتابعین کے نزدیک یہی ہے کہ مسجدیں بنائی جائیں اور ان کو ہر بُری چیز سے پاک صاف رکھا جائے۔ بعض حضرات نے اس میں مسجدوں کی ظاہری شان وشوکت اور تعمیری بُلندی کو بھی داخل قرار دیا ہے اور استدلال کیا ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ نے مسجد نبوی کی تعمیر اصل کی لکڑی سے شاندار بنائی تھی اور حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے مسجد نبوی میں نقش و نگار اور تعمیری خوبصورتی کا کافی اہتمام فرمایا تھا اور یہ زمانہ اجلۂ صحابہ کا تھا کسی نے اُن کے اس فعل پر انکار نہیں کیا اور بعد کے بادشاہوں نے تو مسجدوں کی تعمیرات میں بڑے اموال خرچ کئے ہیں۔ ولید بن عبدالملک نے اپنے زمانہ خلافت میں دمشق کی جامع مسجد کی تعمیر وتزیین پر پورے ملک شام کی سالانہ آمدنی سے تین گنا زیادہ مال خرچ کیا تھا اُن کی بنائی ہوئی یہ مسجد آج تک قائم ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر نام ونمود اور شہرت کے لئے نہ ہو اللہ کے نام اور اللہ کے گھر کی تعظیم کی نیت سے کوئی شخص مسجد کی تعمیر شاندار بلند و مستحکم خوبصورت بنائے تو کوئی ممانعت نہیں بلکہ امید ثواب کی ہے۔

فضائل مساجد:

ابوداؤد نے حضرت ابوامامہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے گھر سے وضو کر کے فرض نماز کے لئے مسجد کی طرف نکلا اس کا ثواب اُس شخص جیسا ہے جو احرام باندھ کر گھر سے حج کے لئے نکلا ہو اور جو

شخص نماز اشراق کے لئے اپنے گھر سے وضو کر کے مسجد کی طرف چلا تو اس کا ثواب عمرہ کرنے والے جیسا ہے۔ اور ایک نماز کے بعد دوسری بشرطیکہ ان دونوں کے درمیان کوئی کام یا کلام نہ کرے، علیین میں لکھی جاتی ہے۔ اور حضرت بریدہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ اندھیرے میں مساجد کو جاتے ہیں اُن کو قیامت کے روز مکمل نور کی بشارت سنادیجئے۔ (رواہ مسلم)

اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا، گھر میں یا دُکان میں نماز پڑھنے کی نسبت بیس سے زائد درجہ افضل ہے اور یہ اس لئے کہ جب کوئی شخص وضو کرے اور اچھی طرح (سنت کے مطابق) وضو کرے پھر مسجد کو صرف نماز کی نیت سے چلے اور کوئی غرض نہ ہو تو ہر قدم پر اس کا مرتبہ ایک درجہ بلند ہو جاتا ہے اور ایک گناہ معاف ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ مسجد میں پہنچ جائے۔ پھر جب تک جماعت کے انتظار میں بیٹھا رہے گا اس کو نماز ہی کا ثواب ملتا رہے گا اور فرشتے اس کے لئے یہ دعا کرتے رہیں گے کہ یا اللہ، اس پر رحمت نازل فرما اور اس کی مغفرت فرما، جب تک کہ وہ کسی کو ایذا نہ پہنچائے اور اس کا وضو نہ ٹوٹے۔ اور حضرت حکم بن عُمیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں مہمانوں کی طرح رہو اور مسجدوں کو اپنا گھر بناؤ۔ (معارف القرآن)

اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخر زمانے میں ایسے لوگ ہوں گے جو مسجدوں میں آکر جگہ جگہ حلقے بنا کر بیٹھ جائیں گے اور وہاں دنیا ہی کی اور اس کی محبت کی باتیں کریں گے تم ایسے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایسے مسجد میں آنے والوں کی ضرورت نہیں۔ اور حضرت سعید بن مسیبؒ نے فرمایا کہ جو شخص مسجد میں بیٹھا گویا وہ اپنے رب کی مجلس میں بیٹھا ہے اس لئے اُس کے ذمہ ہے کہ زبان سے سوائے کلمۂ خیر کے اور کوئی کلمہ نہ نکالے۔ (قرطبی)

مساجد کے پندرہ آداب:

علماء نے آدابِ مساجد میں پندرہ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اول یہ کہ مسجد میں پہنچنے پر اگر کچھ لوگوں کو بیٹھا دیکھے تو اُن کو سلام کرے اور کوئی نہ ہو تو السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین کہے (لیکن یہ اُس صورت میں ہے جبکہ مسجد کے حاضرین نفلی نماز یا تلاوت و تسبیح وغیرہ میں مشغول نہ ہوں ورنہ اس کو سلام کرنا درست نہیں۔) دوسرے یہ کہ مسجد میں داخل ہو کر بیٹھنے سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد کی پڑھے (یہ بھی جب ہے کہ اس وقت نماز پڑھنا مکروہ نہ ہو، مثلاً عین آفتاب کے طلوع یا غروب یا استواء نصف النہار کا وقت نہ ہو۔ ۱۲ش) تیسرے یہ کہ مسجد میں خرید و فروخت نہ کرے۔ چوتھے یہ کہ وہاں تیر تلوار نہ نکالے۔ پانچویں یہ کہ مسجد میں اپنی گم شدہ چیز تلاش کرنے کا اعلان نہ کرے۔ چھٹے یہ کہ مسجد میں آواز بلند نہ کرے۔ ساتویں یہ کہ وہاں دنیا کی باتیں نہ کرے۔ آٹھویں یہ کہ مسجد میں بیٹھنے کی جگہ میں کسی سے جھگڑا نہ کرے۔ نویں یہ کہ جہاں صف میں پوری جگہ نہ ہو وہاں گھُس کر لوگوں پر تنگی پیدا نہ کرے۔ دسویں یہ کہ کسی نماز پڑھنے والے کے آگے سے نہ گزرے۔ گیارھویں یہ کہ مسجد میں تھوکنے ناک صاف کرنے سے پرہیز کرے۔ بارھویں اپنی انگلیاں نہ چٹخائے تیرھویں یہ کہ اپنے بدن کے کسی حصہ سے کھیل نہ کرے۔ چودھویں نجاسات سے پاک صاف رہے اور کسی چھوٹے بچے یا مجنون کو ساتھ نہ لے جائے پندرھویں یہ کہ وہاں کثرت سے ذکر اللہ میں مشغول رہے۔

قرطبی نے یہ پندرہ آداب لکھنے کے بعد فرمایا ہے کہ جس نے یہ کام کر لئے اُس نے مسجد کا حق ادا کر دیا اور مسجد اس کے لئے حرز و امان کی جگہ بن گئی۔

احقر نے مساجد کے آداب و احکام ایک مستقل رسالہ بنام ''آداب المساجد'' میں جمع کر دیئے ہیں جن کو ضرورت ہو اس کا مطالعہ فرمائیں۔

وہ مکانات جو مساجد کے حکم میں ہیں:

تفسیر بحرمحیط میں ابوحیان نے فرمایا کہ فی بیوت کا لفظ قرآن میں عام ہے جس طرح مساجد اس میں داخل ہیں اسی طرح وہ مکانات جو خاص تعلیم قرآن تعلیم دین یا وعظ و نصیحت یا ذکر و شغل کے لئے بنائے گئے ہوں جیسے مدارس اور خانقاہیں، وہ بھی اس حکم میں داخل ہیں اُن کا بھی ادب و احترام لازم ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ
اور وہاں اُس کا نام پڑھنے کا

تسبیح و تہلیل اور تلاوت قرآن وغیرہ سب اذکار اس میں شامل ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وہ کام جو مساجد میں ناجائز ہیں:

فرمان ہے کہ جسے مسجد میں خرید و فروخت کرتے ہوئے دیکھو تو کہو کہ اللہ تو تیری تجارت میں نفع نہ دے اور جب کسی کو گم شدہ جانور مسجد میں تلاش کرتا ہوا پاؤ تو کہو کہ اللہ تعالیٰ کرے نہ ملے (ترمذی) ارشاد ہے کہ بہت سی باتیں مسجد کے لائق نہیں، مسجد کو راستہ نہ بنایا جائے۔ مسجد میں ہتھیار نہ نکالے جائیں، مسجد میں تیر کمان پر نہ لگایا جائے نہ تیر پھیلائے جائیں، نہ کچا گوشت لایا جائے نہ یہاں حد ماری جائے، نہ یہاں باتیں اور قصے کہے جائیں نہ اسے بازار بنایا جائے (ابن ماجہ) فرمان ہے کہ ہماری مسجدوں سے اپنے بچوں کو اور دیوانوں کو اور خرید و فروخت کو اور لڑائی جھگڑے کو اور بلند آواز سے بولنے کو اور حدوں کے جاری کرنے کو اور تلواروں کے ننگی کرنے کو روکو۔ ان

کے دروازوں پر وضو وغیرہ کی جگہ بناؤ اور جمعہ کے دن انہیں خوشبو سے مہکادو (ابن ماجہ) اس کی سند ضعیف ہے۔

سائب بن یزید کندیؒ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں کھڑا تھا کہ اچانک مجھ پر کسی نے کنکر پھینکا میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے مجھ سے فرمانے لگے جاؤ اُن دونوں شخصوں کو میرے پاس لاؤ جب میں آپ کے پاس انہیں لایا تو آپ نے دریافت فرمایا تم کون ہو؟ یا پوچھا کہ تم کہاں کے ہو؟ انہوں نے کہا ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا اگر تم یہاں کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا، تم مسجد نبوی میں اونچی اونچی آوازوں سے بول رہے ہو؟ (بخاری)

مسجد میں جانے کی دُعاء:

ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں جائے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجے پھر اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ پڑھے اور جب مسجد سے نکلے تو نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیج کر اَللّٰهُمَّ اعْصِمْنِيْ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھے

عورتوں کا مسجد میں آنا:

صحیحین میں ہے کہ مسلمان عورتیں صبح کی نماز میں آتی تھیں پھر وہ اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی چلی جاتی تھیں اور بوجہ رات کے قدرے اندھیرے کے وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ عورتوں نے یہ جو نئی نئی باتیں نکالی ہیں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کو پالیتے تو انہیں مسجدوں میں آنے سے روک دیتے جیسے کہ بنواسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں (بخاری و مسلم) (تفسیر ابن کثیر)

يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾
یاد کرتے ہیں اُس کی وہاں صبح اور شام

نمازوں کی تاکید: یعنی تمام مناسب اوقات میں خدا کو یاد کرتے ہیں بعض مفسرین نے کہا کہ ''غدو'' سے صبح کی نماز مراد ہے اور ''آصال'' میں باقی چاروں نمازیں داخل ہیں۔ کیونکہ اصیل زوال شمس سے صبح تک کے اوقات پر بولا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے ایک روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ صبح کی تسبیح سے چاشت کی نماز مراد ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو شخص باوضو فرض نماز کے لئے چل کر جاتا ہے اس کا ثواب محرم حاجی کی طرح ہوتا ہے اور جو چاشت کی نماز کی غرض سے چل کر جاتا ہے اور صرف چاشت کی نماز کا ارادہ ہی اس کو کھڑا کرتا ہے اس کا ثواب عمرہ کرنے والے کے ثواب کے برابر ہوتا ہے اور (ایک) نماز کے پیچھے (دوسری) نماز علیین میں لکھ دی جاتی ہے۔

بغوی اور طبرانی نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے جو شخص فرض نماز کے لئے پیدل چل کر گیا تو (اس کا یہ عمل) ایسا ہے جیسے ایک حج (کرنا) اور جو شخص نفل نماز کے لئے پیدل چل کر گیا تو یہ نماز نفل عمرہ کی طرح ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ
وہ مرد کہ نہیں غافل ہوتے سودا کرنے میں اور نہ بیچنے میں اللہ کی یاد سے
وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ
اور نماز قائم رکھنے سے اور زکوۃ دینے سے

اللہ کے بندے:

یعنی معاش کے دھندے اُن کو اللہ کی یاد اور احکام الٰہیہ کی بجا آوری سے غافل نہیں کرتے۔ بڑے سے بڑا بیوپار یا معمولی خرید وفروخت کوئی چیز خدا کے ذکر سے نہیں روکتی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہی شان تھی۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہل علم نے کہا کہ تجارت سے مفید لین دین مراد ہے اور اس کے بعد بیع کا خصوصی ذکر بیع کی اہمیت دکھانے کے لئے کیا گیا ہے۔

ذکر اللہ سے مراد ہے نماز پڑھنے کے لئے مسجدوں میں آنا۔ بغوی نے بروایت سالم حضرت ابن عمر کا قول نقل کیا ہے کہ میں بازار میں تھا، اتنے میں نماز کی اقامت ہوئی۔ لوگ اُٹھ کر دکانیں بند کر کے مسجد میں چلے گئے انہیں کے متعلق آیت لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ الخ نازل ہوئی۔

یا ذکر اللہ سے مراد ہے اللہ کی عمومی یاد اور مالک سے لو لگانا اس وقت ذکر اللہ کا لفظ عام ہوگا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ نماز قائم کرنے سے مراد ہے مقررہ اوقات میں نماز ادا کرنا، مقررہ وقت سے نماز کو مؤخر کرنے والا نماز کو قائم کرنے والا نہیں ہوتا۔

وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ اور (فرض) زکوۃ ادا کرنے سے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب ادائے زکوۃ کا وقت آجاتا ہے تو وہ زکوۃ کو روکتے نہیں فوراً ادا کر دیتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

بازار والوں کی فضیلت:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ یہ آیت بازار والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اُن کے صاحبزادے حضرت سالمؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت عبداللہ بن عمرؓ بازار سے گزرے تو نماز کا وقت ہو گیا تھا لوگوں کو دیکھا کہ دکانیں بند کر کے مسجد کی طرف جا رہے ہیں تو فرمایا کہ انہی لوگوں کے

بارے میں قرآن کا یہ ارشاد ہے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللهِ ۔

عہدِ رسالت کے دُکاندار:

اور عہد رسالت میں دو صحابی تھے ایک تجارت کرتے تھے دوسرے صنعت وحرفت یعنی لوہار کا کام کرتے اور تلواریں بنا کر بیچتے تھے۔ پہلے صحابی کی تجارت کا حال یہ تھا کہ اگر سودا تولنے کے وقت اذان کی آواز کان میں پڑ جاتی تو وہیں ترازو کو پٹک کر نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے تھے۔ دوسرے بزرگ کا یہ عالم تھا کہ اگر گرم لوہے پر ہتھوڑے کی ضرب لگا رہے ہیں اور کان میں آواز اذان کی آ گئی تو اگر ہتھوڑا مونڈھے پر اُٹھائے ہوئے ہیں تو وہیں مو پیچھے ہتھوڑا ڈال کر نماز کو چل دیتے تھے اُٹھائے ہوئے ہتھوڑے کی کام لینا بھی گوارا نہ تھا۔ اُن کی مدح میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (قرطبی)

عورتوں کی نماز گھروں میں بہتر ہے:

لفظ رجال کی تعبیر میں اس طرف اشارہ ہے کہ مساجد کی حاضری دراصل مردوں کے لئے ہے عورتوں کی نماز اُن کے گھروں میں افضل ہے۔

مسند احمد اور بیہقی میں حضرت اُم سلمہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خیر مساجد النساء قعر بیوتھن یعنی عورتوں کی بہترین مساجد اُن کے گھروں کے تنگ وتاریک گوشے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ﴿٣٧﴾

ڈرتے رہتے ہیں اُس دن سے جس میں اُلٹ جائیں گے دل اور آنکھیں

قیامت کا دن:

یعنی اس روز دل وہ باتیں سمجھ لیں گے جو ابھی تک نہ سمجھے تھے اور آنکھیں وہ ہولناک واقعات دیکھیں گی جو کبھی نہ دیکھے تھے۔ قلوب میں کبھی نجات کی توقع پیدا ہوگی۔ کبھی ہلاکت کا خوف۔ اور آنکھیں کبھی داہنے کبھی بائیں دیکھیں گی کہ دیکھئے کس طرف سے پکڑے جائیں، یا کس جانب سے اعمالنامہ ہاتھ میں دیا جائے۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ

تاکہ بدلہ دے اُن کو اللہ اُن کے بہتر سے بہتر کاموں کا اور زیادتی دے اُن کو اپنے فضل سے

یعنی اچھے کاموں کا جو صلہ مقرر ہے وہ ملے گا۔ اور حق تعالیٰ کے فضل سے اور زیادہ دیا جائے گا جس کی تفصیل وتعیین ابھی نہیں کی جاسکتی۔

وَاللهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٨﴾

اور اللہ روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے شمار

یعنی اس کے ہاں کیا کمی ہے اگر جنتیوں کو بے حد وحساب عنایت فرمائے تو کچھ مشکل نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ

اور جو لوگ منکر ہیں اُن کے کام جیسے ریت جنگل میں پیاسا جانے اُس کو

الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا

پانی یہاں تک کہ جب پہنچا اُس پر اُس کو کچھ نہ پایا

وَوَجَدَ اللهَ عِندَهُ فَوَفَّاهُ حِسَابَهُ ۗ وَاللهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٣٩﴾

اور اللہ کو پایا اپنے پاس پھر اُس کو پورا پہنچا دیا اُس کا لکھا اور اللہ جلد لینے والا ہے حساب

فریب خوردہ لوگ:

کافر دو قسم کے ہیں ایک وہ جو اپنے زعم اور عقیدہ کے موافق کچھ اچھے کام کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد کام آئیں گے۔ حالانکہ اگر کوئی کام بظاہر اچھا بھی ہو تو کفر کی شامت سے وہ عنداللہ مقبول ومعتبر نہیں۔ ان فریب خوردہ کافروں کی مثال ایسی سمجھو کہ دوپہر کے وقت جنگل میں ایک پیاسے کو دور سے پانی دکھائی دیا اور وہ حقیقت میں چمکتی ہوئی ریت تھی۔ پیاسا شدت تشنگی سے بیتاب ہو کر وہاں پہنچا دیکھا تو پانی وانی کچھ نہ تھا، ہاں ہلاکت کی گھڑی سامنے کھڑی تھی اور اللہ تعالیٰ عمر بھر کا حساب لینے کے لئے موجود تھا، چنانچہ اسی اضطراب وحسرت کے وقت اللہ نے اُس کا سب حساب ایکدم میں چکا دیا۔ کیونکہ وہاں حساب کرتے کیا دیر لگتی ہے۔ ہاتھوں ہاتھ عمر بھر کی شرارتوں اور غفلتوں کا بھگتان کر دیا گیا۔ دوسرے وہ ہیں جو سر سے پاؤں تک دنیا کے مزوں میں غرق اور جہل وکفر، ظلم وعصیان کی اندھیریوں میں پڑے غوطے کھا رہے ہیں اُن کی مثال آگے بیان فرمائی۔ اُن کے پاس روشنی کی اتنی بھی چمک نہیں جتنی سراب پر دھوکہ کھانے والے کو نظر آتی تھی۔ یہ لوگ خالص اندھیریوں اور تہ بہ تہ ظلمات میں بند ہیں کسی طرف سے روشنی کی شعاع اپنے تک نہیں پہنچنے دیتے۔ نعوذ باللہ منہا۔

أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ مَوْجٌ

یا جیسے اندھیرے گہرے دریا میں چڑھی آتی ہے اُس پر ایک لہر اُس پر ایک لہر

مِّن فَوْقِهِ سَحَابٌ ۚ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ

اُس کے اوپر بادل اندھیرے ہیں ایک پر ایک

تاریکی میں ڈوبے ہوئے (کافر)

یعنی سمندر کی تہ میں خود دریا کا اندھیرا، اُس پر طوفانی لہریں جو ایک پر ایک

چڑھی آتی ہے۔ پھر سب کے اوپر گھنا بادل کا اندھیرا، اور رات کا وقت فرض کیا جائے تو ان اندھیریوں میں اور اضافہ ہو جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

إِذَآ أَخْرَجَ يَدَهُۥ لَمْ يَكَدْ يَرَىٰهَا ۗ

جب نکالے اپنا ہاتھ لگتا نہیں کہ اُس کو وہ سوجھے

یعنی اپنا ہاتھ اُٹھا کر آنکھوں سے قریب کرے دیکھے تو اندھیرے کی وجہ سے نظر نہ آئے جس کو ہمارے یہاں کہتے ہیں کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں پہچانتا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ ٱللَّهُ لَهُۥ نُورًا فَمَا لَهُۥ مِن نُّورٍ ﴿٤٠﴾

اور جس کو اللہ نے نہ دی روشنی اُس کے واسطے کہیں نہیں روشنی

اوپر مومنین کے ذکر میں جو يَهْدِي ٱللَّهُ لِنُورِهِۦ مَن يَشَآءُ فرمایا تھا یہ جملہ اس کے مقابل ہوا یعنی جس کو خدا تعالیٰ نور توفیق نہ دے اسے اور کون روشنی پہنچا سکتا ہے۔ ان کی استعداد خراب تھی توفیق نہ ملی۔ اور دریا کی تہ میں گر کر انہوں نے سب دروازے روشنی کے اپنے اوپر بند کر لئے۔ پھر نور آئے تو کدھر سے آئے۔ (تفسیر عثمانی)

أَلَمْ تَرَ أَنَّ ٱللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُۥ مَن فِى

کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ کی یاد کرتے ہیں جو کوئی ہیں

ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱلطَّيْرُ صَٰٓفَّٰتٍ ۖ

آسمان و زمین میں اور اڑتے جانور پر کھولے ہوئے

پرندے قدرت کی نشانی ہیں:

شاید اُڑتے جانوروں کا علیحدہ ذکر اس لئے کیا کہ وہ اُس وقت آسمان و زمین کے بیچ میں معلق ہوتے ہیں۔ اور ان کا اس طرح ہوا میں اُڑتے رہنا قدرت کی بڑی نشانی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُۥ وَتَسْبِيحَهُۥ ۗ

ہر ایک نے جان رکھی ہے اپنی طرح کی بندگی اور یاد

ہر مخلوق اپنا وظیفہ پورا کر رہی ہے:

یعنی حق تعالیٰ نے ہر ایک چیز کو اُس کے حال کے مناسب جو طریقہ انابت و بندگی اور تسبیح خوانی کا الہام فرمایا اُس کو سمجھ کر وہ اپنا وظیفہ ادا کرتی رہتی ہے لیکن افسوس و تعجب کا مقام ہے کہ بہت سے انسان کہلانے والے غفلت اور ظلمت جہالت میں پھنس کر مالک حقیقی کی یاد اور ادائے عبودیت سے بے بہرہ ہیں۔

(تنبیہ) مخلوقات کی تسبیح کے متعلق پندرھویں پارہ میں ربع کے قریب کچھ مضمون گزر چکا۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو تسبیح کی وصیت کی اور فرمایا۔ "وانها لصلوة الخلق"۔ (یہی باقی مخلوق کی نماز ہے) (تفسیر عثمانی)

زمخشری اور دوسرے مفسرین نے فرمایا کہ اس میں بھی کوئی بُعد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کے اندر اتنا فہم و شعور رکھا ہو جس سے وہ اپنے خالق و مالک کو پہچانے اور اس میں بھی کوئی بُعد نہیں کہ ان کو کسی خاص قسم کی گویائی عطا فرمائی ہو اور خاص قسم کی تسبیح و عبادت اُن کو سکھا دی ہو جس میں وہ مشغول رہتے ہوں آخری جملے كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُۥ میں اس مضمون کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور نماز میں ساری مخلوق لگی ہوئی ہے مگر ہر ایک کی نماز اور تسبیح کا طریقہ اور صورت مختلف ہے۔ فرشتوں کا اور طریقہ، انسان کا دوسرا، اور نباتات کسی اور طرح سے عبادت نماز و تسبیح ادا کرتے ہیں جمادات کسی اور طریق سے قرآن کریم کی ایک دوسری آیت سے بھی اسی مضمون کی تائید ہوتی ہے جس میں ارشاد ہے أَعْطَىٰ كُلَّ شَىْءٍ خَلْقَهُۥ ثُمَّ هَدَىٰ، یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کو ہدایت دی۔ وہ ہدایت یہی ہے کہ وہ ہر وقت حق تعالیٰ کی اطاعت میں لگی ہوئی اپنی مفوضہ ڈیوٹی کو پورا کر رہی ہے۔

وَٱللَّهُ عَلِيمٌۢ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٤١﴾

اور اللہ کو معلوم ہے جو کچھ کرتے ہیں

یعنی اُن کی بندگی اور تسبیح کو خواہ تم نہ سمجھو لیکن حق تعالیٰ کو سب معلوم ہے کہ کون کیا کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِلَّهِ مُلْكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۖ وَإِلَى ٱللَّهِ ٱلْمَصِيرُ ﴿٤٢﴾

اور اللہ کی حکومت ہے آسمان اور زمین میں اور اللہ ہی تک پھر جانا ہے

اللہ کی حکومت سب پر محیط ہے:

یعنی جیسے اُس کا علم سب کو محیط ہے، اس کی حکومت بھی تمام علویات و سفلیات پر حاوی ہے اور سب کو آخر کار اُسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ آگے اپنے حاکمانہ اور قادرانہ تصرفات کو بیان فرماتے ہیں۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ ٱللَّهَ يُزْجِى سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُۥ

تو نے نہ دیکھا کہ اللہ ہانک لاتا ہے بادل کو پھر اُن کو ملا دیتا ہے

ثُمَّ يَجْعَلُهُۥ رُكَامًا فَتَرَى ٱلْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَٰلِهِۦ

پھر اُن کو رکھتا ہے تہ بر تہ پھر تو دیکھے مینہ نکلتا ہے اُس کے بیچ سے

نظام باد و باراں: یعنی ابتداء میں بادل کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اُٹھتے ہیں پھر مل کر بڑا بادل بن جاتا ہے پھر بادلوں کی تہ پرتہ جمادی جاتی ہے۔

وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْ بَرَدٍ
اور اُتارتا ہے آسمان سے اس میں جو پہاڑ ہیں اولوں کے
فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ
پھر وہ ڈالتا ہے جس پر چاہے اور بچا دیتا ہے جس سے چاہے

یعنی جیسے زمین میں پتھروں کے پہاڑ ہیں بعض سلف نے کہا کہ اسی طرح آسمان میں اولوں کے پہاڑ ہیں۔ مترجم رحمہ اللہ نے اُسی کے موافق ترجمہ کیا ہے لیکن زیادہ راجح اور قوی یہ ہے کہ سماء سے بادل مراد ہو مطلب یہ ہے کہ بادلوں سے جو کثیف اور بھاری ہونے میں پہاڑوں کی طرح ہیں۔ اولے برساتا ہے جس سے بہتوں کو جانی یا مالی نقصان پہنچ جاتا ہے اور بہت سے محفوظ رکھے جاتے ہیں مشہور ہے کہ اولے کی چھال بیل کے ایک سینگ پر پڑتی ہے اور دوسرا سینگ خشک رہ جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ نے اس آیت میں اطلاع دی ہے کہ آسمان میں اولوں کے پہاڑ ہیں۔ دوسرے ترجمہ کی بناء پر مِنْ جِبَالٍ مِنْ بَرَدٍ مفعول ہوگا یعنی اولوں کے بڑے بڑے تودے جو پہاڑوں کی طرح ہوتے ہیں، اللہ اوپر سے اتارتا ہے۔

فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ پھر اس کو جس (کی جان و مال) پر چاہتا ہے گراتا ہے اور جس سے ہٹانا چاہتا ہے ہٹا دیتا ہے۔ یعنی جس کی کھیتیاں اور مال اولوں سے تباہ کرنا چاہتا ہے تباہ کر دیتا ہے اور جس سے (اولوں کے رخ کو) پھیرنا چاہتا ہے پھیر دیتا ہے اس کو ژالہ باری سے نقصان نہیں پہنچتا۔ (تفسیر مظہری)

يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ
ابھی اس کی بجلی کی کوند لے جائے آنکھوں کو

یعنی بجلی کی چمک اس قدر تیز ہوتی ہے کہ آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، قریب ہے کہ بینائی جاتی رہے۔ (تفسیر عثمانی)

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ
اللہ بدلتا ہے رات اور دن کو

رات و دن کا نظام: یعنی دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن اُسی کی قدرت سے آتا ہے اور وہ ہی کبھی رات کو کبھی دن کو گھٹاتا بڑھاتا رہتا ہے اور اُن کی گرمی کو سردی سے، سردی کو گرمی سے تبدیل کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ نے فرمایا مجھے ابن آدم دکھ پہنچاتا ہے زمانے کو گالیاں دیتا ہے، حالانکہ میں ہی زمانہ (کو الٹنے پلٹنے والا) ہوں میرے ہی ہاتھ میں حکم ہے، میں ہی رات دن کا ادل بدل کرتا ہوں۔ (رواہ البخاری و مسلم فی صحیحیہما)۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ
اس میں دھیان کرنے کی جگہ ہے آنکھ والوں کو

آنکھ والو عبرت حاصل کرلو:

یعنی چاہیے کہ قدرت کے ایسے عظیم الشان نشانات دیکھ کر آدمی بصیرت و عبرت حاصل کرے اور اس شہنشاہ حقیقی کی طرف سچے دل سے رجوع ہو جس کے قبضہ میں ان تمام تصرفات و تقلبات کی باگ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عبرت سے مراد یہ ہے کہ یہ واقعات ایک خالق قدیم کی ہستی پر دلالت کرتے ہیں جس کی قدرت ہمہ گیر علم محیط کل اور مشیت نافذ ہے وہ کسی کا محتاج نہیں (بلکہ دنیا کا ہر واقعہ اسی کا مرہون قدرت و مشیت ہے) الابصار سے مراد ہے بصیرت اور صحیح فہم۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ
اور اللہ نے بنایا ہر پھرنے والے کو ایک پانی سے

اس کے لئے سترھویں پارہ کے تیسرے رکوع میں آیت وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ کا فائدہ دیکھنا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

مخلوقات کا جوہر وجود:

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ. اور اللہ ہی نے پیدا کیا ہر رینگنے پھرنے والے جانور کو پانی سے۔

پانی سے مراد ہے وہ پانی جو ہر جانور کے خمیری مادے میں داخل ہے یا نطفہ مراد ہے اس صورت میں کل جانور مراد نہ ہوں گے، کیونکہ بعض جانور بغیر نطفہ کے پیدا ہوں گے لیکن اکثریت انہی جانداروں کی ہے جن کی تخلیق نطفہ سے ہوتی ہے۔

بعض علماء نے کہا تمام (عنصری) مخلوق کی اصل پانی ہی ہے ارسطو اور اس کے پیرو کہتے ہیں کہ ہر جانور کی تخلیق کے اصل ارکان و عناصر چار ہیں پانی ہوا مٹی آگ ارسطو اور شیخ ابن سینا نے انہی کو اُسطقسات بھی کہا ہے بعض یونانیوں کا خیال ہے کہ اجزاء تخلیقی دو ہیں۔ بعض نے کہا صرف گیس ہر تخلیق کی بنیاد ہے پانی مٹی وغیرہ اسی کے روپ ہیں۔

لیکن بعض علمائے اسلام قائل ہیں کہ سنگ بنیاد پانی ہے پانی جم کر پتھر بنا۔ پانی تحلیل و تبخیر کے ذریعہ ہوا بن گیا۔ پھر ہوا آگ ہوگئی سب حیوانوں کا اصل خمیر پانی ہی ہے اور پانی ہی بنیاد ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ اللہ نے اول پانی کو پیدا کیا پھر اس کے کچھ حصے بنا دیا، جس سے فرشتے بنے اور کچھ حصہ کو آگ میں تبدیل کر دیا جس سے جنات کی تخلیق ہوئی اور کچھ حصہ کو مٹی بنا دیا گیا جس سے حضرت آدم کی ساخت ہوئی اور مٹی سے ہی تمام جانور بنائے گئے۔ (تفسیر مظہری)

فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ

پھر کوئی ہے کہ چلتا ہے اپنے پیٹ پر

مخلوقات کی مختلف ہیئتیں:

جیسے سانپ اور مچھلی فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ سو کچھ جانور تو وہ ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں۔ جیسے سانپ گنڈا روغیرہ۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ

اور کوئی ہے کہ چلتا ہے دو پاؤں پر

جیسے آدمی اور طیور۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ

اور کوئی ہے کہ چلتا ہے چار پر

جیسے گائے بھینس وغیرہ۔ (تفسیر عثمانی)

يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴۵

بناتا ہے اللہ جو چاہتا ہے بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے

یعنی کسی جانور کو چار سے زائد پاؤں دیئے ہوں تو بعید نہیں۔ اس کی لامحدود قدرت و مشیت کو کوئی محصور نہیں کر سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ

ہم نے اتاریں آیتیں کھول کھول کر بتلانے والی اور اللہ چلائے

مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۴۶

جس کو چاہے سیدھی راہ پر

واضح نشانیاں موجود ہیں:

یعنی آیات تکوینیہ و تنزیلیہ تو اس قدر واضح ہیں کہ انہیں دیکھ کر اور سن کر چاہیئے کوئی آدمی نہ بہکے لیکن سیدھی راہ پر چلتا وہ ہی ہے جسے خدا تعالیٰ نے ہدایت کی توفیق دی ہو۔ لاکھوں آدمی یہ کھلی کھلی نشانیاں دیکھتے ہیں پر نتیجہ کے اعتبار سے اُن کا دیکھنا نہ دیکھنا برابر ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى

اور لوگ کہتے ہیں ہم نے مانا اللہ کو اور رسول کو اور حکم میں آگئے پھر پھر جاتا ہے

فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۷

ایک فرقہ اُن میں سے اس کے پیچھے اور وہ لوگ نہیں ماننے والے

منافقین کا وطیرہ:

یہ منافقین کا ذکر ہے۔ وہ زبان سے دعویٰ ایمان و اطاعت کا کیا کرتے تھے اور جب عمل کا وقت آتا تو پھر جاتے حقیقت یہ ہے کہ اُن کے دلوں میں شروع سے ایمان و انقیاد موجود ہی نہ تھا جو کچھ زبانی جمع خرچ تھا امتحان و ابتلاء کے وقت اُس کی بھی قلعی کھل جاتی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

آئندہ آیت کا شانِ نزول:

ابن ابی حاتم نے حسن بصری کی مرسل روایت بیان کی ہے کہ بعض (منافق) لوگوں کا اگر کسی سے کچھ نزاع ہوتا تھا اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑے کا فیصلہ کرانے کی دعوت دی جاتی تھی تو وہ اگر حق پر ہوتا اور اس کو بجائے خود یہ یقین ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہر حال حق فیصلہ کریں گے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانے اور مقدمہ پیش کرنے پر راضی ہو جاتا تھا لیکن اگر وہ حق پر نہ ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس معاملہ لے جانے کی اس کو دعوت دی جاتی تو کترا جاتا اور کہتا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں) فلاں شخص سے چل کر فیصلہ کراؤ۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ

اور جب ان کو بلایئے اللہ اور رسول کی طرف کہ اُن میں فیصلہ چکا دے

اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۴۸ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ

تبھی ایک فرقہ کے لوگ اُن میں منہ موڑتے ہیں اور اگر ان کو

الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۝۴۹

کچھ پہنچتا ہو تو چلے آئیں اُس کی طرف قبول کر کر

یعنی اگر ان کا جھگڑا کسی سے ہو گیا اور سمجھتے ہوں کہ ہم ناحق پر ہیں اُس

وقت اگر دوسرا فریق کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چل کر اس معاملہ کو طے کرالو تو یہ منافق رضامند نہیں ہوتے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً بلارو رعایت حق کے موافق فیصلہ کریں گے جو اُن کے مفاد کے خلاف پڑے گا۔ حالانکہ پہلے سے یہ دعویٰ کررہے تھے کہ ہم اللہ و رسول پر ایمان لائے اور اُن کا حکم ماننے کو تیار ہیں۔ اب وہ دعویٰ کہاں گیا۔ ہاں فرض کیجئے اگر کسی معاملہ میں حق ان کی جانب ہو تو اُس وقت بہت جلدی سے گردن جھکا کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہو جائیں اور فیصلہ کا انحصار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر کردیں گے۔ کیونکہ سمجھتے ہیں عدالت سے ہمارے موافق فیصلہ ہوگا۔ تو یہ ایمان و اسلام کیا ہوا۔ محض ہوا پرستی ہوئی۔

اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

کیا اُن کے دلوں میں روگ ہے

دل بیمار ہیں: روگ یہ کہ خدا و رسول کو سچ مانا لیکن حرص نہیں چھوڑتی کہ کہے پر چلیں جیسے بیمار چاہتا ہے چلے اور پاؤں نہیں اُٹھتا۔ (تفسیر عثمانی)

اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

یا دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں یا ڈرتے ہیں کہ بے انصافی کرے گا اُن پر اللہ

وَرَسُوْلُهٗ ۭ بَلْ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

اور اُس کا رسول کچھ نہیں وہی لوگ بے انصاف ہیں

منافق غلط شک میں مبتلا ہیں:

یعنی خدا اور رسول کی بابت کوئی دھوکہ لگا ہوا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت یا اللہ کے وعدہ وعید میں کوئی شک وشبہ ہے؟ یا گمان ہے کہ اللہ اور اس کا رسول اُن کے معاملات کا خلاف انصاف فیصلہ کریں گے؟ اس لئے اُن کی عدالت میں مقدمہ لے جانے سے کتراتے ہیں۔ سو یاد رکھو وہاں تو ظلم و بے انصافی کا احتمال ہی نہیں۔ ہاں خود ان ہی لوگوں نے ظلم پر کمر باندھ رکھی ہے۔ چاہتے ہیں کہ اپنا حق پورا وصول کرلیں اور دوسروں کا ایک پیسہ نہ دیں۔ اسی لئے اُن معاملات کو خدائی عدالت میں لانے سے گھبراتے ہیں جن میں سمجھتے ہیں کہ رسول کا منصفانہ فیصلہ ہمارے مطلب کے خلاف ہوگا۔ یہ تو منافقین کا ذکر تھا۔ آگے ان کے بالمقابل مخلصین کی اطاعت و فرمانبرداری کو بیان فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ

ایمان والوں کی بات یہی تھی کہ جب بلایئے اُن کو اللہ

وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ

اور رسول کی طرف فیصلہ کرنے کو اُن میں تو کہیں ہم نے سن لیا اور حکم مان لیا

وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

اور وہ لوگ کہ انہی کا بھلا ہے

سچے مسلمان کا کام: یعنی سچے مسلمان کا کام یہ ہوتا ہے اور یہ ہونا چاہیے کہ جب کسی معاملہ میں اُن کو خدا اور رسول کی طرف بُلایا جائے خواہ اس میں بظاہر اُن کا نفع ہو یا نقصان۔ ایک منٹ کا توقف نہ کریں۔ فی الفور "سمعاو طاعة" کہہ کر حکم ماننے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اسی میں ان کی اصلی بھلائی اور حقیقی فلاح کا راز مضمر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ

اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور اس کے رسول کے اور ڈرتا رہے اللہ سے اور بچ کر چلے

فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝

سو وہی لوگ ہیں مراد کو پہنچنے والے

کامیاب کون ہوگا؟ یعنی جو فی الحال فرمانبردار ہو، گزشتہ تقصیرات پر نادم ہو کر اور خدا سے ڈر کر توبہ کرے اور آئندہ برے راستہ سے بچ کر چلے۔ اسی کے لئے دنیا وآخرت کی کامیابی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

رومی کسان کا عجیب واقعہ: تفسیر قرطبی میں اس جگہ ایک واقعہ حضرت فاروق اعظمؓ کا نقل کیا جس سے ان چاروں چیزوں کے مفہوم کا فرق اور وضاحت ہوجاتی ہے واقعہ یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ ایک روز مسجد نبوی میں کھڑے تھے اچانک ایک رومی دہقانی آدمی بالکل آپ کے برابر آکر کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا انا اشهد ان لا الٰه الا الله و اشهد ان محمدا رسول الله، حضرت فاروق اعظمؓ نے پوچھا کیا بات ہے تو کہا میں اللہ کے لئے مسلمان ہوگیا ہوں۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے پوچھا کیا اس کا کوئی سبب ہے اس نے کہا ہاں۔ بات یہ ہے کہ میں نے تورات، انجیل، زبور اور انبیاء سابقین کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں۔ مگر حال میں ایک مسلمان قیدی قرآن کی ایک آیت پڑھ رہا تھا وہ سنی تو معلوم ہوا کہ اس چھوٹی سی آیت نے تمام کتب قدیمہ کو اپنے اندر سمولیا ہے تو مجھے یقین ہوگیا کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ فاروق اعظمؓ نے پوچھا کہ وہ کون سی آیت ہے تو اس رومی دہقان نے یہی آیت مذکورہ تلاوت کی اور اس کے ساتھ اس کی تفسیر بھی عجیب و غریب اس طرح بیان کی کہ من يطع الله فرائض الٰہیہ کے متعلق ہے ورسوله سنت نبوی کے متعلق ہے۔ ويخش الله گزشتہ عمر کے متعلق ہے ويتقه آئندہ

باقی عمر کے متعلق ہے۔ جب انسان چار چیزوں کا عامل ہو جائے تو اس کو اولئک ھم الفائزون کی بشارت ہے اور فائز وہ شخص ہے جو جہنم سے نجات پائے اور جنت میں اس کو ٹھکانا ملے۔ فاروق اعظمؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (کے کلام میں اس کی تصدیق موجود ہے آپ) نے فرمایا ہے اوتیت جوامع الکلم یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسے جامع کلمات عطا فرمائے ہیں جن کے الفاظ مختصر اور معانی نہایت وسیع ہیں۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ

اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی اپنی تاکید کی قسمیں کہ اگر تو حکم کرے تو

لَيَخْرُجُنَّ ۭ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ

سب کچھ چھوڑ کر نکل جائیں تو کہہ قسمیں نہ کھاؤ حکمبرداری چاہیے جو دستور ہے

اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾

البتہ اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو

منافقوں کی جھوٹی قسمیں:

یعنی منافقین بڑی سخت تاکیدی قسمیں کھا کر آپ کو یقین دلانا چاہا۔ کہ ہم کو آپ حکم دیں تو سب گھر بار چھوڑ کر خدا کے راستہ میں نکل جا۔ لئے تیار ہیں ذرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ فرمائیں تو سب مال ودولت اللہ کے راستہ میں لٹا کر الگ ہو جائیں۔ اس پر فرمایا کہ اس قدر منہ بھر قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری فرمانبرداری کی حقیقت [illegible] چکی کہ زبان سے دعوے بہت کیا کرتے ہو۔ اور عمل کا وقت آئے تو آہستہ سے کھسک جاتے ہو۔ چاہیے کہ سچے مسلمانوں کے دستور کے موافق حکمبرداری کر کے دکھلاؤ زبانی قسمیں کھانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ فرض کرو تم قسمیں کھا کر بندوں کو اپنی بات کا یقین دلا دو لیکن اللہ کے آگے کسی کی چالاکی اور فریب نہیں چل سکتا۔ وہ تو تمام ظاہر اور پوشیدہ باتوں کی خبر رکھتا ہے۔ آگے چل کر تمہاری مکاری اور نفاق کا پردہ فاش کر دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا

تو کہہ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا پھر اگر تم منہ پھیرو گے

فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ

تو اس کا ذمہ ہے جو بوجھ اس پر رکھا اور تمہارا ذمہ ہے جو بوجھ تم پر رکھا اور اگر

تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَي الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾

اُس کا کہا مانو تو راہ پاؤ اور پیغام لانے والے کا ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا کھول کر

اطاعت وتصدیق کی ذمہ داری پوری کرو:

یعنی پیغمبر پر خدا کی طرف سے تبلیغ کا بوجھ رکھا گیا ہے، سو اس نے پوری طرح ادا کر دیا۔ اور تم پر جو بوجھ ڈالا گیا وہ تصدیق وقبول حق کا ہے اور یہ کہ اُس کے ارشاد کے موافق چلو۔ اگر تم اپنی ذمہ داری کو محسوس کر کے اُس کے احکام کی تعمیل کرو گے تو کامیابی دارین کی راہ پاؤ گے اور دنیا وآخرت میں خوش رہو گے ورنہ پیغمبر کا کچھ نقصان نہیں، تمہاری شرارت وسرکشی کا خمیازہ تم کو ہی بھگتنا پڑے گا۔ پیغمبر تو اپنا فرض ادا کر کے عنداللہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکے۔ آگے اطاعت رسول کے بعض ثمرات بیان فرماتے ہیں جن کا سلسلہ دنیا ہی میں شروع ہو جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کئے ہیں انہوں

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ

نے نیک کام البتہ پیچھے حاکم کر دے گا اُن کو ملک میں جیسا حاکم کیا تھا ان سے

مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى

اگلوں کو اور جما دے گا اُن کے لئے دین اُن کا جو پسند کر دیا اُن کے واسطے

لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ

اور دے گا اُن کو اُن کے ڈر کے بدلے میں امن میری بندگی کریں گے

لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ

شریک نہ کریں گے میرا کسی کو

اطاعت رسول کے ثمرات:

یہ خطاب فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کے لوگوں کو یعنی جو ان میں اعلیٰ درجہ کے نیک اور رسول کے کامل متبع ہیں رسول کے بعد ان کو زمین کی حکومت دے گا اور جو دین اسلام خدا کو پسند ہے اُن کے ہاتھوں سے دنیا میں اُس کو قائم کرے گا۔ گویا جیسا کہ لفظ استخلاف میں اشارہ ہے وہ لوگ محض دنیوی بادشاہوں کی طرح نہ ہوں گے بلکہ پیغمبر کے جانشین ہو کر آسمانی بادشاہت کا اعلان کریں گے اور دین حق کی بنیادیں جمائیں گے اور خشکی و تری میں اُس کا سکہ بٹھا دیں گے۔ اُس وقت مسلمانوں کو کفار کا خوف مرعوب نہ کرے گا وہ کامل امن واطمینان کے ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول رہیں گے اور دنیا میں امن وامان کا دور دورہ ہوگا۔ ان مقبول و

معزز بندوں کی ممتاز شان یہ ہوگی کہ وہ خالص خدائے واحد کی بندگی کریں گے جس میں ذرہ برابر شرک کی آمیزش نہ ہوگی۔ شرک جلی کا تو وہاں ذکر کیا ہے شرک خفی کی ہوا بھی اُن کو نہ پہنچے گی۔ صرف ایک ذات کے غلام ہوں گے، اُسی سے ڈریں گے اُسی سے اُمید رکھیں گے۔ اُسی پر بھروسہ کریں گے اسی کی رضا میں اُن کا جینا اور مرنا ہوگا۔ کسی دوسری ہستی کا خوف و ہراس اُن کے پاس نہ پھٹکے گا۔ نہ کسی دوسرے کی خوشی ناخوشی کی پروا کریں گے۔ الحمدللہ کہ یہ وعدہ الٰہی چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پر پورا ہوا۔ اور دنیا نے اس عظیم الشان پیشین گوئی کے ایک ایک حرف کا مصداق اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ خلفائے اربعہ کے بعد بھی کچھ بادشاہانِ اسلام وقتاً فوقتاً اُس نمونہ کے آتے رہے اور جب اللہ چاہے گا آئندہ بھی آئیں گے۔ احادیث سے معلوم ہوا کہ آخری خلیفہ حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ ہوں گے جن کے متعلق عجیب وغریب بشارات سنی گئیں ہیں۔ وہ خدا کی زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے اور خارق عادت جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ اسلام کا کلمہ بلند کریں گے۔ اَللّٰھُمَّ احْشُرْ نَافِیْ زُمْرَتِہٖ وَارْزُقْنَا شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ اِنَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَۃِ وَذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ"

(تنبیہ) اس آیت استخلاف سے خلفائے اربعہ کی بڑی بھاری فضیلت و منقبت نکلتی ہے۔ ابن کثیرؒ نے اس کے تحت میں عہد نبوت سے لے کر عہد عثمانی تک کی فتوحات کو درجہ بدرجہ بیان کیا ہے آخر میں یہ الفاظ لکھے ہیں۔ وَجُبِیَ الْخَرَاجُ مِنَ الْمَشَارِقِ وَ الْمَغَارِبِ اِلٰی حَضْرَۃِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَذٰلِکَ بِبَرَکَۃِ تِلَاوَتِہٖ وَدِرَاسَتِہٖ وَجَمْعِہِ الْاُمَّۃَ عَلٰی حِفْظِ الْقُرْاٰنِ وَ لِھٰذَا ثَبَتَ فِی الصَّحِیْحِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِنَّ اللّٰہَ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ فَرَأَیْتُ مَشَارِقَھَا وَمَغَارِبَھَا وَسَیَبْلُغُ مُلْکُ اُمَّتِیْ مَازُوِیَ لِیْ مِنْھَا فَھَا نَحْنُ نَتَقَلَّبُ فِیْمَا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَصَدَقَ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ فَنَسْاَلُ اللّٰہَ الْاِیْمَانَ بِہٖ وَبِرَسُوْلِہٖ وَالْقِیَامَ بِشُکْرِہٖ عَلَی الْوَجْہِ الَّذِیْ یُرْضِیْہِ عَنَّا۔" (تفسیر عثمانی)

دورِ خلافت کی فتوحات:

حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل میں اپنے بعد عمرؓ بن خطاب کو خلیفہ بنانے کا الہام فرمایا۔ عمر بن خطابؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے نظام خلافت ایسا سنبھالا کہ آسمان نے انبیاء علیہم السلام کے بعد ایسا نظام کہیں نہ دیکھا تھا۔ اُن کے زمانے میں ملک شام پورا فتح ہو گیا اسی طرح پورا ملک مصر اور ملک فارس کا اکثر حصہ۔ اُنہیں کے زمانے میں قیصر وکسریٰ کی قیصری اور کسروی کا خاتمہ ہوا۔ اس کے بعد خلافت عثمانی کا وقت آیا تو اسلامی فتوحات کا دائرہ مشارق ومغارب تک وسیع ہو گیا۔ بلاد مغرب، اندلس اور قبرص تک اور مشرق اقصیٰ میں بلاد چین تک اور عراق، خراسان، اہواز سب آپ کے زمانے میں فتح ہوئے۔ اور صحیح حدیث میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مجھے پوری زمین کے مشارق و مغارب سمیٹ کر دکھائے گئے ہیں اور میری اُمت کی حکومت اُن تمام علاقوں تک پہنچے گی جو مجھے دکھائے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ خلافت عثمانیہ کے دور ہی میں پورا فرما دیا (یہ سب مضمون تفسیر ابن کثیر سے لیا گیا ہے)

اور ایک حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ خلافت میرے بعد تیس سال رہے گی اس کی مراد خلافت راشدہ ہے جو بالکل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر قائم رہی اور حضرت علیؓ مرتضیٰ تک چلی کیونکہ یہ تیس سال کی مدت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے تک پوری ہوئی۔

بارہ خلفاء:

ابن کثیرؒ نے اس جگہ صحیح مسلم کی یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری اُمت کا کام چلتا رہے گا جب تک کہ بارہ خلیفہ رہیں گے۔ ابن کثیر نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ یہ حدیث بارہ خلیفہ عادل اس اُمت میں ہونے کی خبر دے رہی ہے جس کا وقوع ضروری ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ سب کے سب مسلسل اور متصل سے ہوں بلکہ ہوسکتا ہے کہ کچھ وقفوں کے بعد ہوں۔ ان میں سے چار تو یکے بعد دیگرے ہو چکے جو خلفاء راشدین تھے پھر کچھ وقفہ کے بعد حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز ہوئے اُن کے بعد بھی مختلف زمانوں میں ایسے خلیفہ ہوتے رہے اور تا قیامت رہیں گے آخری خلیفہ حضرت مہدی ہوں گے۔ روافض نے جن بارہ خلفاء کو متعین کیا ہے اس کی کوئی دلیل حدیث میں نہیں بلکہ ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کا خلافت سے کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ان سب کے درجات برابر ہوں اور سب کے زمانے میں امن وسکون دنیا کا یکساں ہو۔ بلکہ اس وعدہ کا مدار ایمان وعمل صالح پر استقامت اور مکمل اتباع پر ہے اس کے درجات کے اختلاف سے حکومت کی نوعیت وقوت میں بھی فرق واختلاف لازمی ہے، اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں جب اور جہاں کوئی مسلمان عادل اور صالح بادشاہ ہوا ہے اس کو اپنے عمل وصلاح کے پیمانے پر اس وعدۂ الٰہیہ کا حصہ ملا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا ہے ان حزب اللہ هم الغالبون یعنی اللہ کی جماعت ہی غالب رہے گی۔

خلفائے راشدین کے حق ہونے کی دلیل:

یہ آیت حضرات خلفاء راشدین کی خلافت کے حق وصحیح اور مقبول عنداللہ

ہونے کی بھی دلیل ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ اپنے رسول اور اس کی اُمت سے فرمایا تھا اس کا پورا پورا ظہور انہیں حضرات کے زمانے میں ہوا۔ اگر ان حضرات کی خلافت کو حق وصحیح نہ مانا جائے جیسے روافض کا خیال ہے تو پھر قرآن کا یہ وعدہ ہی کہیں پورا نہیں ہوا۔ اور روافض کا یہ کہنا کہ یہ وعدہ حضرت مہدی کے زمانے میں پورا ہوگا ایک مضحکہ خیز چیز ہے اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ چودہ سو برس تو پوری اُمت ذلت وخواری میں رہے گی اور قرب قیامت میں جو چند روز کے لئے ان کو حکومت ملے گی وہی حکومت اس وعدہ سے مراد ہے معاذ اللہ۔

حضرت عبداللہ بن سلام کا خطاب:

بغوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن سلام کا یہ خطبہ نقل کیا ہے جو انہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف ہنگامہ کے وقت دیا تھا۔ خطبہ کے الفاظ یہ ہیں ”اللہ کے فرشتے تمہارے شہر کے گرد احاطہ کئے ہوئے حفاظت میں اس وقت سے مشغول تھے جب سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما ہوئے اور آج تک یہ سلسلہ جاری تھا۔ خدا کی قسم اگر تم نے عثمان کو قتل کر دیا تو یہ فرشتے واپس چلے جائیں گے اور پھر کبھی نہ لوٹیں گے۔ خدا کی قسم تم میں سے جو شخص ان کو قتل کرے گا وہ اللہ کے سامنے دست بُریدہ حاضر ہوگا اس کے ہاتھ نہ ہوں گے۔ اور سمجھ لو کہ اللہ کی تلوار اب تک میان میں تھی، خدا کی قسم اگر وہ تلوار میان سے نکل آئی تو پھر کبھی میان میں نہ جائے گی۔ کیونکہ جب کوئی نبی قتل کیا جاتا ہے تو اس کے بدلے میں ستر ہزار آدمی مارے جاتے ہیں اور جب کسی خلیفہ کو قتل کیا جاتا ہے تو پینتیس ہزار آدمی مارے جاتے ہیں۔ (مظہری)

چنانچہ قتل عثمان غنیؓ سے جو باہمی خونریزی کا سلسلہ شروع ہوا تھا اُمت میں چلتا ہی رہا ہے۔ اور جیسے اللہ تعالیٰ کی نعمت استخلاف اور استحکام دین کی مخالفت اور ناشکری قاتلان عثمان نے کی تھی اُن کے بعد روافض اور خوارج کی جماعتوں نے خلفاء راشدین کی مخالفت میں گروہ بنا لئے۔ اسی سلسلے میں حضرت حسین بن علیؓ کی شہادت کا عظیم حادثہ پیش آیا نسئل اللّٰہ الھدایۃ وشکر نعمتہ۔ (معارف مفتی اعظم)

حضرت شعیاؑ کا خطاب:

وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ شعیا نبی کی طرف وحی خدا تعالیٰ آئی کہ تو بنی اسرائیل کے مجمع میں کھڑا ہو جا تا میں تیری زبان سے جو چاہوں گا نکلواؤں گا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو آپ کی زبان سے بحکم خدا تعالیٰ یہ خطبہ بیان ہوا، اے آسمان سن اے زمین خاموش رہ اللہ تعالیٰ ایک شان پوری کرنا اور ایک امر کی تدبیر کرنا چاہتا ہے جسے وہ پورا کرنے والا ہے، وہ چاہتا ہے کہ جنگلوں کو آباد کر دے، ویرانے کو بسا دے، صحراؤں کو سرسبز بنادے، فقیروں کو غنی کر دے، چرواہوں کو سلطان بنادے،

ان پڑھوں میں سے ایک اُمی کو نبی بنا کر بھیجے جو نہ بدگو ہو، نہ بداخلاق ہو، نہ بازاروں میں شور وغل کرنے والا ہو، اتنا مسکین صفت اور متواضع ہو کہ اس کے دامن کی ہوا سے وہ چراغ بھی نہ بجھے جس کے پاس سے وہ گزرا ہو، اگر وہ سوکھے بانسوں پر پیر رکھ کر چلے تو بھی چرچراہٹ کسی کے کان میں نہ پہنچے میں اسے بشیر ونذیر بنا کر بھیجوں گا وہ زبان کا پاک ہوگا، اندھی آنکھیں اس کی وجہ سے روشن ہو جائیں گی، بہرے کان اس کے باعث سننے لگیں گے، غلاف والے دل اس کی برکت سے کھل جائیں گے، ہر ہر بھلے کام سے میں اسے سنواروں گا، ہر ہر خلق کریم سے میں اسے سرفراز فرماؤں گا، سکینت اس کا لباس ہوگی، نیکی اس کا وطیرہ ہوگی، تقویٰ اس کی ضمیر ہوگا، حکمت اس کی باتیں ہوں گی، صدق ووفا اس کی طبیعت ہوگی، عفو ودرگذر کرنا اور عمدگی وبھلائی چاہنا اس کی خصلت ہوگی، حق اس کی شریعت ہوگی، عدل اس کی سیرت ہوگی، ہدایت اس کی امام ہوگی، اسلام اس کی ملت ہوگی، احمد اس کا نام ہوگا، (صلی اللہ علیہ وسلم) گمراہی کے بعد اس کے ذریعہ سے میں ہدایت پھیلا دوں گا، جہالت کے بعد علم چمک اُٹھے گا، پستی کے بعد اس کی وجہ سے ترقی ہوگی، انجان پنا اس کی ذات سے پہچاننے سے بدل جائے گا کمی زیادتی سے بدل جائے گی، فقیری کو اس کے ذریعہ میں امیری سے بدل دوں گا، اس کی ذات سے جُدا جُدا لوگوں کو میں ملا دوں گا، فرقت کے بعد اُلفت ہوگی، چھوٹ کے بعد ایکا ہوگا، اختلاف کے بعد اتفاق ہوگا، مختلف دل جدا گانہ خواہشیں ایک ہو جائیں گی، بے شمار بندگان خدا ہلاکت سے بچ جائیں گے اس کی امت کو میں تمام امتوں سے بہتر کر دوں گا جو لوگوں کے نفع کے لئے ہوگی، بھلائیوں کا حکم کرنے والی بُرائیوں سے روکنے والی ہوگی، موحد مومن مخلص ہوں گے، خدا تعالیٰ کے جتنے رسول خدا تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ لائے ہیں یہ سب کو مانیں گے کسی کے انکاری نہ ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

دورِ خلافت میں وعدہ الٰہی پورا ہوا:

حضور گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے بنی حنیفہ (یعنی مسیلمہ کے لشکر) سے اور عرب مرتدوں سے جہاد کیا اور غلبۂ روم سے نو سال بعد حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں اللہ نے فتح شام مرحمت فرمائی۔ حدیبیہ کے سال ۶ھ میں رومی غالب آئے تھے اس کے نو سال بعد مسلمانوں نے ملک شام ان سے چھین لیا اور اللہ کا وعدہ پورا ہوا، حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام سے عراق پر لشکر کشی کرنے کا مشورہ کیا، حضرت علیؓ نے اسی آیت کو ثبوت میں پیش کرتے ہوئے جہاد کا مشورہ دیا۔ حضرت علیؓ کا یہ مشورہ اہل سنت کی متعدد کتابوں میں منقول ہے اور شیعی کتب میں سے نہج البلاغۃ میں

بھی حضرت علی اسی آیت سے یہ استنباط مذکور ہے بروایت نہج البلاغہ حضرت علیؓ نے فرمایا اس کام (دین) کی کامیابی یا ناکامی تعداد کی قلت و کثرت پر موقوف نہیں ہے یہ تو اللہ کا دین ہے جس کو اس نے غالب بنایا ہے اور (یہ) اللہ کا لشکر ہے جس کو اس نے غلبہ عنایت کیا ہے اور مدد فرمائی ہے یہاں تک کہ جہاں سے نکلا نکلا اور جہاں پہنچا پہنچا، اللہ نے خود فرما دیا، وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ الخ پس اللہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا اور اپنے لشکر کو ضرور فتحیاب بنائے گا۔

وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ اور جس دین کو اللہ نے ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو ضرور ضرور جماؤ عطا فرمائے گا۔ حضرت ابن عباس نے اس کی تشریح میں فرمایا ان کو ملکی وسعت عطا کرے گا دوسرے ممالک پر ان کا قبضہ ہو جائے گا اور اپنے دین کو تمام مذاہب پر غالب کرے گا۔ (تفسیر مظہری)

خلفائے راشدین کا فتویٰ شرعی حجت ہے:

فقہاء کرام کا فتویٰ یہ ہے کہ جو شخص خلفاء راشدین کے فتوے کو حجت نہ سمجھے وہ اہل سنت و جماعت میں سے نہیں، نیز چونکہ یہ استخلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس لئے اس کا مفاد یہ ہوگا کہ منجانب اللہ لوگوں پر اس خلیفہ کی اطاعت واجب ہوگی اس لئے بادشاہ کا یہ کہنا کہ ہم نے فلاں شخص کو وزیر اور والی بنایا۔ اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس کے احکام ماننا رعایا پر واجب ہے کیونکہ جب شروع آیت میں وعدہ کی اسناد اللہ کی طرف ہے اور بعد میں یستخلفنهم میں بھی استخلاف کی اسناد اللہ کی طرف ہے کہ اللہ خلیفہ بنائے گا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ خلیفہ اللہ کا بنایا ہوا اور اس کا مقرر کردہ ہوگا اور اس کا ظہور اس وعدہ کے مطابق ہوگا اور جس کو خدا تعالیٰ خلیفہ مقرر کرے اس کی اطاعت بلاشبہ واجب ہے۔

قاضی شوستری کی تحریر:

قاضی نور اللہ شوستری احقاق الحق میں لکھتے ہیں حاصل یہ کہ حضرت امیر کی خلافت برائے نام تھی خلافت کا نام تھا معنی اور حقیقت نہ تھی زمانہ خلافت کے لوگ ان سے معارضہ اور مناقشہ کرتے تھے اور وہ مبغوض تھے اپنے زمانہ خلافت میں اپنے پیش رو خلفاء کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے جن لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی وہ سب ان کے دشمنوں کے گروہ تھے اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ خلفاء ثلثہ نہایت عدل و انصاف اور افضل حالت میں گزرے اور ان کے بعد آنے والے خلیفہ کی انتہائی معراج یہ ہے کہ قدم بقدم انہیں کے راستہ پر چلے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تحریر:

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا۔ وہ پورا کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت صدیق اور حضرت فاروق اور حضرت عثمان کے اخیر زمانہ تک امن قائم رہا۔ یہاں تک کہ جب مسلمانوں کے ایک گروہ نے اس نعمت کا کفران کیا اور ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے ایک تغیر عظیم پیدا کر دیا اور موجودہ حالت کو تبدیل کر دیا اور خوف کو پھر ان پر مسلط کر دیا۔ (ازالۃ الخفاء)

مثالی دورِ حکومت:

خلفاء راشدین کے دور خلافت میں جو فتوحات بلا دعجم و شام حاصل ہوئیں وہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سعادت سے لے کر اس وقت تک کسی کو حاصل نہیں ہوئی تھیں اور وہ تالیف قلوب اور تمکین و توسیع دین متین علی وجہ الکمال و التمام جس کا عشر عشیر کسی دین و ملت کو نصیب نہیں ہوا۔ انہیں حاصل ہوئی پس اگر ان بزرگانِ دین کی خلافت۔ وعدہ الٰہی کا مصداق نہ تھی تو بتلایا جائے تو پھر اور کس کی خلافت وعدہ الٰہی کا مصداق بن سکے گی۔ خاص کر خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں اہلِ اسلام دینی اور دنیوی ترقیات کے لحاظ سے اوج کمال کو پہنچے۔ احکام شریعت جاری ہوئے۔ اسلام سربلند ہوا او رکفر سرنگوں ہوا۔ اور کفار ذلیل خوار ہوئے اور اہل اسلام کے باج گزار بنے اور جہاد کا بازار گرم ہوا اور ملک کے ملک مسلمانوں کے زیر نگین آئے اور وعدہ استخلاف سے جو غرض تھی کہ دین اسلام سربلند ہو اور دنیا پر حکمران ہو یہ غرض خلفاء ثلاثہ کے عہد خلافت میں خوب حاصل ہوئی۔

حضرت علی اپنے پیشرو خلفاء کو حق پر سمجھتے تھے:

حضرت علیؓ نے اپنی صاحبزادی کا حضرت عمر سے نکاح کر دیا جو باتفاق حضرات شیعہ و اہل سنت ثابت ہے۔

نیز فریقین کی کتابوں سے یہ امر بالاتفاق ثابت ہے کہ حضرت علی نے اپنے زمانہ خلافت میں ان تمام احکام اور سنن کو جاری اور باقی رکھا کہ جو خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں جاری تھیں۔ پس اگر خلفاء ثلاثہ کی خلافتیں اور ان کے احکام بدعت تھے تو حضرت علی پر ان کی تائید قطعاً حرام تھی کیونکہ بدعت کی تائید باتفاق فریقین موجب لعنت ہے اور بدعتی کی تعظیم اسلام کے ڈھانے کی سعی اور کوشش ہے اہل سنت والجماعت حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو ان تمام خرافات سے پاک اور منزہ سمجھتے اہل سنت کا یقین ہے کہ حضرت علی بلاشبہ شیر خدا تھے۔

بغرض محال وہ اگر خلفاء ثلاثہ کا فر اور منافق سمجھتے تو مدینہ سے ہجرت کر جاتے مگر کافروں کے ہم نوالہ اور ہم پیالہ نہ بنتے معلوم ہوا کہ اس قسم کی روایتیں دشمنان اہل بیت کی ساختہ اور پرداختہ ہیں۔ (معارف القرآن)

شیعوں کی کتاب سے ثبوت:

چنانچہ نہج البلاغہ میں (جو شیعوں کی اعلیٰ ترین کتاب ہے) مذکور ہے کہ جب عمر بن الخطاب نے اہل فارس کی لڑائی میں جانے کے لئے حضرت امیرؓ

سے مشورہ کیا تو حضرت امیر نے جواب میں یہ عبارت ارشاد فرمائی۔

ان هذا الامر لم یکن نصرته وخذلانه بکثرة ولاقلة وهودین الله الذی اظهره وجنده الذی اعزه وایده حتی بلغ مابلغ وطلع حیث طلع ونحن علی موعود من الله تعالی منکم و عملوا الصالحات الی اخر الآیة فالله منجز وعده وناصر جنده الخ۔

(تحفہ ص ۱۷۱ ۳۶ باب ہفتم در امامت وازالۃ الخفاء ص ۴۰)

بے شک اس دین کو فتح لشکر کی کثرت سے نہیں ملی اور نہ لشکر کی قلت سے اس کو شکست ہوئی۔ بلکہ یہ دین خدا کا دین ہے جس نے اس کو غلبہ عطا کیا اور لشکر اسلام اللہ کا لشکر اور اس کی فوج ہے کہ خدا نے اس کو عزت اور قوت دی یہاں تک کہ یہ دین پہنچا جہاں تک پہنچا اور ظاہر اور روشن ہوا جیسا کہ ظاہر اور روشن ہوا اور ہم خدا کے وعدہ پر ہیں جیسا کہ اس نے قرآن عزیز میں اہل ایمان سے خلافت اور تمکین دین اور امن کا وعدہ کیا ہے جو اس آیت یعنی وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ میں مذکور ہے پس اللہ اپنے وعدہ کو پورا اور اپنے لشکر کی مدد کرے گا یعنی ان کو غلبہ اور فتح دے گا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے اس کلام سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک خلافت فاروقی خلافت موعودہ فی القرآن کا مصداق ہے اور نہج البلاغہ کے تمام شارحین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت علی کا مقصود آیت استخلاف کی طرف اشارہ ہے۔

حق شانہٗ نے نبی امی فداہ نفسی والی سے جو وعدے کئے تھے کہ تیرے خادموں اور غلاموں کو داؤد اور سلیمان اور ذوالقرنین جیسی حکومت عطا کروں گا وہ وعدہ ہائے خداوندی ابوبکر و عمر و عثمان کے ہاتھوں پورے ہو گئے۔ دیکھو قرۃ العینین ص ۲۲۲

مصطفٰی را وعدہ کرد الطاف حق — گر بمیری تو نمیرد ایں سبق
چاکرانت شہرہا گیرند وجاہ — دین تو گیرد زماہی تا بماہ

کسریٰ کا خاتمہ:

حجاز اور نجد اور یمن اور بحرین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں اہل اسلام کے قبضہ میں آ گیا تھا۔ اور نواحی عرب میں جو بت پرستی رائج تھی اس کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ خیبر جو یہودیوں کا اڈہ تھا وہ ختم ہو چکا تھا اور ہجر کے مجوسی اور نواحی شام کے کچھ عیسائی جزیہ گزار ہو گئے تھے۔ صدیق اکبر کے زمانہ خلافت میں فارس کے کچھ علاقے بصریٰ اور ملک شام کے کچھ علاقے مسلمانوں کے تصرف میں آئے اور فاروق اعظم کے زمانہ خلافت میں تمام ملک شام اور تمام ملک مصر اور فارس کا اکثر ملک مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور کسریٰ شاہ فارس نے ہر چند کوشش کی لیکن سوائے کسر شوکت (اقبال کچھ نہ ملا اور قیصر روم نے بہتیرے ہاتھ پیر مارے لیکن سوائے قصور طالع کے کچھ نہ دیکھا اور ان دونوں سلطنتوں کے بے شمار خزانے اور بے حساب اسباب مسلمانوں میں تقسیم ہوئے اور ان تمام اقالیم میں اسلام کا ڈنکا بج گیا اور بے خوف وخطر توحید حق پھیل گئی اور کفر وشرک دور مجوسیت اور عیسائیت کا بعض جگہوں سے بالکل خاتمہ ہو گیا اور بعض جگہ مقہور ومغلوب ہو گئی اور عثمان غنی کے دور خلافت میں اسلام کی حکومت مغرب کی جانب میں اور اندلس اور قیروان اور بحر محیط تک اور مشرق میں چین تک کا علاقہ مفتوح ہو گیا۔

اور ۳۰ھ میں حضرت عثمان غنی کے دور خلافت میں کسریٰ مارا گیا اور کسریٰ کی سلطنت کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا اور مشرق ومغرب کا خراج مدینہ منورہ آنے لگا۔ (معارف کاندھلوی)

امن وچین کا دور:

ابوالعالیہ نے کہا اللہ نے اپنی نبی کو جزیرۃ العرب پر اقتدار عطا فرما دیا، سب عربوں نے ہتھیار رکھ دیئے اور مسلمان ہو گئے، وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مسلمان اسی چین سے رہے پھر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے دور میں بھی امن وچین کی یہی حالت قائم رہی اور حضرت عثمانؓ کا دور خلافت بھی اسی طرح گزر گیا آخر جس (خانہ جنگی کی مصیبت) میں پھنسنا تھا پھنس گئے اور اللہ کی نعمت کے شکر گزار نہ رہے۔

آیت مذکورہ کا شانِ نزول:

ابوالعالیہ کا بیان ہے کہ نزول وحی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں صحابہ کے ساتھ رہے صحابہ کو حکم تھا کہ کافروں کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں پر صبر رکھیں، پھر مدینے کو ہجرت کر جانے کا حکم ہو گیا لڑنے کا بھی حکم مل گیا، لیکن (ہر طرف سے خوف کی یہ حالت تھی کہ) کوئی ہتھیار اپنے بدن سے الگ نہ کرتا تھا آخر ایک شخص نے کہا کیا ہمارے لئے کوئی دن بھی ایسا نہ آئے گا کہ ہم امن سے رہیں اور ہتھیار کھول دیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ حضرت براء نے فرمایا یہ آیت ہمارے متعلق نازل ہوئی تھی ہم سخت خوف کی حالت میں تھے پھر اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور خوف کی بجائے امن عطا کیا اور زمین پر امن کو پھیلا دیا یعنی ملکی فتوحات عطا فرما دیں)

اہلسنت کی تصدیق اور روافض کی تردید:

اس آیت میں آئندہ واقعہ کے متعلق پیشین گوئی ہے (جو صحیح ثابت ہوئی) اس لئے یہ صداقت نبوت کی دلیل ہے۔ اور خلفائے راشدین کی حالت کی حجت پر بھی آیت دلالت کر رہی ہے اگر خلفائے راشدین کی خلافت مراد نہ ہو تو وعدہ الٰہی میں کذب لازم آئے گا کیونکہ سوائے خلافت راشدہ کے زمانہ کے موعود (فتوحات ملکیہ) اور موعود لہم (مومنین صالحین) یکجا جمع نہ ہوئے اس سے اہلسنت کے مسلک کی صداقت واضح ہوتی ہے اور

یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دین اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے اور رافضیوں کا یہ قول غلط ہو جاتا ہے کہ ائمہ آج تک خوف کی حالت میں رہے ہیں یہاں تک کہ دشمنوں کے خوف سے امام مہدی بھی پوشیدہ ہیں۔

لفظ منکم (میں خطاب صحابہ کو ہے اس لئے اس لفظ) سے یہ بھی غلط ثابت ہوتا ہے کہ امام مہدی کے ظہور کے بعد اللہ اپنا وعدہ پورا کرے گا ابھی تک اس نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا) دین کا ظہور کب اور کیسے ہوگا جب کہ کچھ اوپر گیارہ سو برس تک نہیں ہوا۔ ایسا خیال کرنا کتنی بڑی حماقت ہے۔

خلافت کے تیس سال:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہ کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہے پھر ملوکیت ہو جائے گی۔ حضرت سفینہ نے کہا دو سال حضرت ابوبکرؓ خلافت کو تھامے رہے، پھر حضرت عمرؓ کی خلافت دس سال رہی۔ پھر حضرت عثمانؓ کی خلافت بارہ سال رہی پھر حضرت علیؓ چھ سال خلیفہ رہے۔

فتوحات اور قیام امن کی نبوی پیش گوئی:

حضرت عدی بن حاتم نے فرمایا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور اس نے فاقہ کی شکایت کی اور دوسرے آدمی نے آ کر راستہ میں لوٹا جائے کا شکوہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عدی کیا تم نے حیرہ دیکھا ہے، میں نے عرض کیا میں نے خود نہیں دیکھا البتہ اس کے متعلق سنا ضرور ہے فرمایا اگر تمہاری عمر (کچھ) لمبی ہوئی تو دیکھ لوگے کہ (تنہا) عورت حیرہ سے سفر کرتی ہوئی آئے گی اور کعبہ کا طواف کرے گی اور سوائے خدا کے کسی سے خوف نہ ہوگا میں نے اپنے دل میں کہا اس وقت بنی طے کے غارت گر کہاں ہوں گے جنہوں نے ملک میں آگ لگا دی ہے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اگر تیری عمر (کچھ) دراز ہوئی تو کسریٰ کے خزانے تم لوگ فتح کر لوگے، میں نے کہا کیا کسریٰ بن ہرمز کے فرمایا، کسریٰ بن ہرمز کے (پھر فرمایا) اگر تمہاری عمر دراز ہوئی تو دیکھ لوگے کہ آدمی مٹھی بھر چاندی یا سونا قبول کرنے والے کو تلاش میں لئے پھرے گا اور کوئی لینے والا نہ ملے گا اور جس روز آدمی اپنے رب کے سامنے جائے گا اور بندے کے اور اس کے رب کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا کہ اللہ کا مطلب بندے کو سمجھائے (بلکہ اللہ براہ راست بندہ سے خطاب کرے گا) اور فرمائے گا کیا اپنے احکام پہنچانے کے لئے میں نے تیرے پاس اپنا رسول نہیں بھیجا تھا؟ بندہ کہے گا کیوں نہیں (یقیناً بھیجا تھا) اللہ فرمائے گا کیا میں نے تجھے مال نہیں دیا تھا اور تجھ پر اپنی مہربانی نہیں کی تھی بندہ عرض کرے گا کیوں نہیں (یہ سب کچھ ہوا تھا) اس وقت آدمی اپنی دائیں جانب دیکھے گا تو جہنم کے سوا اس کو کچھ نہیں دکھائی دے گا اور بائیں طرف دیکھے گا تب بھی جہنم ہی دکھائی دے گا (غرض جہنم میں پھینک دیا جائے گا) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ سے بچو، خواہ چھوارے کا ایک ٹکڑا ہی خیرات کر کے (یعنی چھوارے کا ایک ٹکڑا غریب کو دینا دوزخ سے بچنے کا سبب بن جائے گا) اگر چھوارے کا ایک ٹکڑا بھی میسر نہ ہو تو (سائل سے) میٹھی بات کہہ کر ہی (دوزخ سے اپنی حفاظت کرو) حضرت عدی نے (اپنے شاگردوں سے) فرمایا میں نے تو یہ دیکھ لیا کہ ایک عورت حیرہ سے کعبہ کا طواف کرنے کے لئے چلتی یہاں تک کہ طواف کر لیتی ہے اور (راستہ میں اس کو کسی لٹیرے بدمعاش کا اندیشہ نہیں ہوتا) اللہ کے سوا اس کو کسی کا خوف نہیں ہوتا اور کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کرنے میں تو میں خود شریک تھا۔ آئندہ اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو بھی صحیح پالوگے کہ مٹھی بھر (سونا چاندی) آدمی لے کر قبول کرنے والے کی تلاش میں نکلے گا اور قبول کرنے والا اس کو نہیں ملے گا۔ (تفسیر مظہری)

بارہ خلفاء قریشی ہوں گے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لوگوں کا کام بھلائی سے جاری رہے گا یہاں تک کہ ان میں بارہ خلیفے ہوں۔ پھر آپ نے ایک جملہ آہستہ بولا جو راوی حدیث حضرت جابر بن سمرہؓ سن نہ سکے تو انہوں نے اپنے والد صاحب سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ انہوں نے بیان کیا کہ یہ فرمایا ہے یہ سب کے سب قریشی ہوں گے (مسلم) آپ نے یہ بات اس شام کو بیان فرمائی تھی جس دن حضرت ماعز بن مالکؓ کو رجم کیا گیا تھا پس معلوم ہوا کہ ان بارہ خلیفوں کا ہونا ضروری ہے لیکن یہ یاد رہے کہ یہ وہ خلیفے نہیں جو شیعوں نے سمجھ رکھے ہیں کیونکہ شیعوں کے اماموں میں تو بہت سے وہ بھی ہیں جنہیں خلافت و سلطنت کا کوئی حصہ بھی پوری عمر میں نہیں ملا تھا۔ اور یہ بارہ خُلفاء ہوں گے سب کے سب قریشی ہوں گے حکم میں عدل کرنے والے ہوں گے ان کی بشارت اگلی کتابوں میں بھی ہے اور یہ بھی شرط نہیں ہے کہ یہ سب کے سب یکے بعد دیگرے ہوں گے بلکہ ان کا ہونا یقینی ہے خواہ پے در پے کچھ ہوں خواہ متفرق زمانوں میں کچھ ہوں چنانچہ چاروں خلیفے تو بالترتیب ہوئے اول ابوبکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم اجمعین ان کے بعد پھر سلسلہ ٹوٹ گیا پھر بھی ایسے خلیفہ ہوئے اور ممکن ہے آگے چل کر بھی ہوں ان کے صحیح زمانوں کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے ہاں اتنا یقینی ہے کہ حضرت امام مہدیؒ بھی انہی بارہ میں سے ہوں گے جن کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے جن کی کنیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت سے مطابق ہوگی تمام زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے جیسے کہ وہ ظلم و ناانصافی سے بھر گئی ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی، پھر کاٹ کھانے

والا ملک ہو جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور جو کوئی ناشکری کرے گا اس کے پیچھے سو وہ ہی لوگ ہیں نافرمان

ناشکری کرنے والے:

یعنی ایسے انعامات عظیمہ کے بعد ناشکری کرنا بہت ہی بڑے نافرمان اور اصل مجرم کا کام ہے حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جو کوئی خلفائے اربعہ کی خلافت اور ان کے فضل و شرف سے منکر ہوا۔ ان الفاظ سے اُس کا حال سمجھا گیا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (تفسیر عثمانی)

قاتلین عثمان: فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ سو یہی لوگ (ایمان یا دائرہ اطاعت سے) خارج ہوں گے بغوی نے لکھا ہے اہل تفسیر کا بیان ہے کہ سب سے پہلے خدا داد نعمت کی ناشکری کرنے والے وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت عثمان کو شہید کر دیا، جب حضرت عثمانؓ کو انہوں نے شہید کر دیا تو اللہ نے وہ نعمت بھی بدل ڈالی جوان کو عطا فرمائی تھی، چنانچہ خوف ان پر طاری ہو گیا اور (دینی) بھائی بھائی ہونے کے باوجود آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرنے لگا۔

بغوی نے حمید بن ہلال کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن سلام نے حضرت عثمانؓ کی بابت فرمایا۔ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما ہوئے اس وقت سے آج تک (اللہ کے حفاظتی) فرشتے تمہارے اس شہر کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہیں اب اگر تم عثمانؓ کو قتل کر دو گے تو خدا کی قسم فرشتے چلے جائیں گے اور پھر کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ جو شخص عثمان کو شہید کرے گا خدا کی قسم جب وہ اللہ کے سامنے جائے گا تو کوڑھی ہو کر جائے گا اللہ کی تلوار نیام کے اندر ہے اگر اللہ نے نیام سے اس کو نکال دیا تو خدا کی قسم پھر تم سے (ہٹا کر) وہ (کبھی یا روز قیامت تک) نیام میں داخل نہیں کرے گا کیونکہ جب بھی کوئی نبی شہید کیا گیا (اسکے انتقام میں) ستر ہزار آدمی مارے گئے اور جب بھی کوئی خلیفہ شہید کیا گیا (اسکے بدلہ میں) پینتیس ہزار آدمی قتل کئے گئے۔

رافضی و خارجی: میں کہتا ہوں اللہ نے جو مسلمانوں کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا اور خلافت عطا فرمائی، رافضیوں اور خارجیوں کے مختلف گروہوں نے اس کی ناشکری کی۔

یزید بن معاویہ

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ میں یزید بن معاویہ کی طرف اشارہ ہو یزید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو اور آپ کے ساتھیوں کو شہید کیا یہ ساتھی خاندان نبوت کے ارکان تھے عزت رسول کی بے عزتی کی اور اس پر فخر کیا اور کہنے لگا آج بدر کے دن کا انتقام ہو گیا اس نے مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم پر لشکر کشی کی اور حرہ کے واقعہ میں مدینہ کو غارت کیا اور وہ مسجد جس کی بناء تقوی پر قائم کی گئی تھی اور جس کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ کہا گیا ہے اس کی بے حرمتی کی اسی نے بیت اللہ پر سنگباری کے لئے منجنیقیں نصب کرائیں اور اسی نے اول خلیفہ رسول اللہ یعنی حضرت ابوبکرؓ کے نواسے حضرت عبداللہ بن زبیر کو شہید کرایا اور ایسی ایسی نازیبا حرکتیں کیں کہ آخر اللہ کے دین کا منکر ہو گیا اور (اللہ کی حرام کی ہوئی) شراب کو حلال کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا

اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوۃ اور حکم پر چلو

الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

رسول کے تاکہ تم پر رحم ہو

مقبول بندوں کا طریقہ:

یعنی خدا کی رحمت سے حصہ لینا چاہتے ہو تو تم بھی اُن ہی مقبول بندوں کی روش اختیار کرو۔ وہ روش یہ ہی ہے نمازیں قائم کرنا، زکوٰۃ دیتے رہنا اور تمام شعب زندگی میں رسول کے احکام پر چلنا۔ "اَللّٰهُمَّ ارزُقْنا مُتابعة رسُولك صلى الله عليه وسلم وتوَفَّنا عليها والحِقْنا بالصّالحين" آمین۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ

نہ خیال کر کہ یہ جو کافر ہیں تھکا دیں گے بھاگ کر ملک میں

وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾

اور ان کا ٹھکانا آگ ہے اور وہ بُری جگہ ہے پھر جانے کی

مردود لوگوں کی شکست:

یہ نیک بندوں کے بالمقابل مردود و مغضوب لوگوں کا انجام بتلایا۔ یعنی جبکہ نیکوں کو ملک کی حکومت اور زمین کی خلافت عطا کی جاتی ہے، کافروں اور بدکاروں کی ساری مکاریاں اور تدبیریں شکست ہو جاتی ہیں۔ اللہ کے ارادہ کو کوئی روک نہیں سکتا اگر تمام خدائی میں ادھر اُدھر بھاگتے پھریں تب بھی وہ خدائی سزا سے اپنے کو نہیں بچا سکتے یقیناً اُن کو جہنم کے جیلخانہ میں جانا پڑے گا۔ (تفسیر عثمانی)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

اے ایمان والو اجازت لے کر آئیں تم سے جو تمہارے ہاتھ کے مال ہیں

مسئلہ استیذان کا تتمہ:

یعنی لونڈی غلام، چار رکوع پہلے مسئلہ استیذان (اجازت لینے) کا ذکر

تھا۔ یہ اسی کا تتمہ ہے۔ درمیان میں خاص خاص مناسبتوں سے دوسرے مضامین آ گئے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت اسماءؓ کی ناگواری پر آیت کا نزول:

ابن ابی حاتم نے مقاتل بن حبان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت اسماء بنت مرثد کا ایک غلام تھا جو اکثر حضرت اسماء کے پاس ایسے وقت میں (بلا اجازت) آ جاتا تھا کہ اس وقت غلام کا آنا حضرت اسماء کو ناگوار گزرتا تھا، حضرت اسماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یارسول اللہ ہمارے خادم اور غلام ایسے وقت ہمارے پاس آ جاتے ہیں کہ اس وقت ان کا آنا ہم کو ناگوار ہوتا ہے اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ

اور جو کہ نہیں پہنچے تم میں عقل کی حد کو تین بار فجر کی

مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ

نماز سے پہلے اور جب اتار رکھتے ہو اپنے کپڑے دوپہر میں

الظَّهِيْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ

اور عشا کی نماز سے پیچھے یہ تین وقت بدن کھلنے کے ہیں تمہارے

غلاموں اور نابالغوں کے گھر میں آنے کا ادب:

ان تین وقتوں میں عموماً زائد کپڑے اُتار دیئے جاتے ہیں یا سونے جاگنے کا لباس تبدیل کیا جاتا ہے اور بیوی کے ساتھ مخالطت بھی بیشتر ان ہی اوقات میں ہوتی ہے کبھی فجر سے قبل یا دوپہر کے وقت آدمی غسل کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ کوئی مطلع نہ ہو۔ اس لئے حکم دیا کہ ان تین وقتوں میں نابالغ لڑکوں اور لونڈی غلام کو بھی اجازت لے کر آنا چاہیے۔ باقی وقتوں میں ان کو اجانب کی طرح اجازت طلب کرنے کی حاجت نہیں۔ اِلّا یہ کہ کوئی شخص اپنی مصلحت سے دوسرے اوقات میں بھی استیذان کی پابندی عائد کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: بغوی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری غلام کو دوپہر کے وقت حضرت عمر کو بلانے کے لئے بھیجا، غلام حضرت عمر کے پاس (گھر کے اندر) پہنچا ایسی حالت میں دیکھا کہ حضرت عمر کو اس حالت میں دیکھا جانا ناگوار گزرا۔ اس پر آیت وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ نازل ہوئی۔

جوانی کو نہ پہنچنے سے مراد یہ ہے کہ جوانی کے قریب بھی نہ پہنچے ہوں (مراہق بھی نہ ہوں) جو لڑکے بالغ ہونے کے قریب پہنچ گئے ہوں وہ بالغ کے حکم میں ہیں۔

مسئلہ: آیت مذکور کا اقتضاء ہے کہ مذکورہ تینوں اوقات میں غلام کا اپنے آقا کے پاس بلا اجازت (تنہائی میں) جا پہنچنا ممنوع ہے خواہ غلام چھوٹی عمر کا ہی ہو لیکن ہو باشعور۔ اور باندی (اوقات مذکورہ میں بلا اجازت) اپنی مالکہ کے پاس نہیں جا سکتی ہاں باندی اپنے آقا اور مالک کے پاس ہر وقت بلا اجازت داخل ہو سکتی ہے کیونکہ وہ تو بیوی کی طرح ہے (جو ننگے کھلے سے واقف ہوتی ہے) بالغ یا قریب البلوغ غلام اپنی مالکہ کے پاس کسی وقت داخل نہیں ہو سکتا (شرعاً مالکہ کو اس سے پردہ کرنا چاہیے) اللہ نے فرمایا ہے قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ الخ اس آیت میں جن مملوک لوگوں کا استثناء کیا گیا ہے ان سے مراد باندیاں ہیں غلام نہیں ہیں اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں ہم نے یہ مضمون بیان کر دیا ہے۔

جو لڑکا باشعور ہے وہ بغیر اجازت لئے ہر سہ اوقات مذکورہ میں داخل نہیں ہو سکتا اور ان تین اوقات کے علاوہ ہر وقت بغیر اجازت حاصل کئے داخل ہو سکتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ

کچھ تنگی نہیں تم پر اور نہ ان پر ان وقتوں کے پیچھے

طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ

پھرا ہی کرتے ہو ایک دوسرے کے پاس

یعنی اوقات مذکورہ بالا کو چھوڑ کر باقی جن اوقات میں عادۃً ایک دوسرے کے پاس بے روک ٹوک آتے جاتے ہیں اُن میں نابالغ لڑکوں یا لونڈی غلام کو ہر مرتبہ اجازت لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ ایسا پابند کرنے میں بہت تنگی اور کاروبار کا تعطل ہے جو حق تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔ (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

یوں کھولتا ہے اللہ تمہارے آگے باتیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا

حَكِيْمٌ (۵۸) وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ

حکمت والا ہے اور جب پہنچیں لڑکے تم میں سے عقل کی حد کو

فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

تو ان کو ویسی ہی اجازت لینی چاہیے جیسے لیتے رہے ہیں ان سے اگلے

نابالغ لڑکا: یعنی لڑکا جب تک نابالغ ہے تین وقتوں کے سوا باقی اوقات میں بلا اجازت لئے آ جا سکتا ہے۔ جس وقت حد بلوغ کو پہنچا پھر اس کا حکم اُن ہی مردوں جیسا ہو گیا جو اس سے پہلے بالغ ہو چکے ہیں اور جن کا حکم پیشتر آیت

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا"
میں گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ اٰيٰتِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ

یوں کھول کر سناتا ہے اللہ تم کو اپنی باتیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا

حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾ وَ الْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا يَرْجُوْنَ

حکمت والا ہے اور جو بیٹھ رہی ہیں گھروں میں تمہاری عورتوں میں سے جن کو

نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ

توقع نہیں رہی نکاح کی ان پر گناہ نہیں کہ اتار رکھیں اپنے کپڑے

غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ ؕ وَ اَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ

یہ نہیں کہ دکھاتی پھریں اپنا سنگار اور اس سے بھی بچیں تو بہتر ہے ان کے لئے

بوڑھی خواتین کا مسئلہ:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی بوڑھی عورتیں گھر میں تھوڑے کپڑوں میں رہیں تو درست ہے اور پورا پردہ رکھیں تو اور بہتر" اور گھر سے باہر نکلتے وقت بھی زائد کپڑے مثلاً برقع وغیرہ اتار دیں تو کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ اس زینت کا اظہار نہ ہو جس کے چھپانے کا حکم آیت "وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ" میں دیا جا چکا ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جوان عورتوں کے تستر کے متعلق قرآن کریم کا منشا کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا یعنی وہ عورتیں جو بڑی بوڑھی ہونے کی وجہ سے اس قابل نہ رہی ہوں کہ نکاح کی کوئی توقع کر سکیں۔ ربیعہ نے کہا اس سے مراد وہ بوڑھی عورتیں ہیں جن سے مرد نفرت کرتے ہیں بڑھاپے کی وجہ سے کوئی اس کی طرف رغبت نہیں کرتا۔ جو عمر رسیدہ عورت ایسی ہو کہ اس کے اندر کچھ رعنائی باقی ہو وہ اس آیت سے خارج ہے۔

کپڑے اتار دینے سے مراد ہے کچھ کپڑے اتار دینا لہٰذا کسی (آزاد) بوڑھی عورت کے لئے بھی اجنبی مردوں کے سامنے پشت یا پیٹ اور ناف سے نیچے کا بدن کھولنا جائز نہیں۔ سر، چہرہ اور دونوں بانہیں کھول سکتی ہے۔

عورتوں کیلئے اظہارِ زینت ممنوع ہے:

غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ برج کا لغوی مفہوم ہے ظہور قلعہ، مضبوط عمارت، آسمانی ستاروں کا جھمگھٹ۔

لفظ تبرج کا خصوصی استعمال عورتوں کے بے پردہ بن ٹھن کر مردوں کے سامنے آنے کے لئے ہوتا ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس باتوں کو برا سمجھتے تھے ان میں سے ایک بات یہ (حضور کو پسند نہ) تھی کہ عورت سنگھار کر کے غیر مقام میں نمودار ہو۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ تبرج کا معنی ہے غیر مردوں کے سامنے عورتوں کا اظہار زینت۔ ایسا اظہار زینت شرعاً مذموم ہے ہاں شوہر کے سامنے اظہار زینت مذموم نہیں ہے حدیث میں لغیر محلھا سے یہی مذموم اظہار زینت ہے۔

اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ کے بعد غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ کی قید کا اضافہ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ کچھ کپڑے اتار کر غیر مردوں کے سامنے بوڑھی عورتوں کا آنا اس وقت قابل گناہ نہیں قرار دیا جائے گا جب کچھ کپڑے اتارنے سے ان عورتوں کا مقصد اظہارِ زینت نہ ہو اگر کپڑے اتارنے کا مقصد اندرونی زینت اور لباس کی نمائش ہو تو بہر حال گناہ اور حرام ہے۔

وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۶۰﴾

اور اللہ سب باتیں سنتا جانتا ہے

خفیہ فتنہ بازی بھی اللہ سے پوشیدہ نہیں:

یعنی یہ تو فتنہ کی روک تھام کے ظاہری انتظامات تھے باقی پردہ کے اندر جو باتیں کی جاتی ہیں اور فتنے اٹھائے جاتے ہیں، یاد رہے۔ خدا تعالیٰ ان سب کو سنتا اور جانتا ہے۔ اسی کے موافق ہر ایک سے معاملہ کرے گا۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ

نہیں ہے اندھے پر کچھ تکلیف اور نہ لنگڑے پر

حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ

تکلیف اور نہ بیمار پر تکلیف

معذوروں کیلئے عذر پذیری اور ان سے معاملات کا طریقہ

یعنی جو کام تکلیف کے ہیں وہ ان کو معاف ہیں مثلاً جہاد، حج، جمعہ اور جماعت اور ایسی چیزیں۔ (کذافی الموضح) یا یہ مطلب ہے کہ ان معذور محتاج لوگوں کو تندرستوں کے ساتھ کھانے میں کچھ حرج نہیں۔ جاہلیت میں اس قسم کے محتاج و معذور آدمی اغنیاء اور تندرستوں کے ساتھ کھانے سے رکتے تھے انہیں خیال گزرتا تھا کہ شاید لوگوں کو ہمارے ساتھ کھانے سے نفرت ہو اور ہماری بعض حرکات و اوضاع سے ایذا پہنچتی ہو، اور واقعی بعضوں کو نفرت و وحشت ہوتی بھی تھی۔ نیز بعض مومنین کو غایت اتقاء سے یہ خیال پیدا ہوا کہ ایسے معذوروں اور مریضوں کے ساتھ کھانے میں شاید اصول عدل و مساوات قائم نہ رہ سکے۔ اندھے کو سب کھانے نظر نہیں آتے لنگڑا ممکن ہے دیر میں پہنچے

اور مناسب نشست سے نہ بیٹھ سکے۔ بیمار کا تو پوچھنا ہی کیا ہے اس بناء پر ساتھ کھلانے میں احتیاط کرتے تھے کہ ان کی حق تلفی نہ ہو۔ دوسری ایک اور صورت پیش آتی تھی کہ یہ معذور و محتاج لوگ کسی کے پاس گئے، وہ شخص استطاعت نہ رکھتا تھا، ازراہ بے تکلفی ان کو اپنے باپ، بھائی، بہن، چچا، ماموں وغیرہ کسی عزیز وقریب کے گھر لے گیا۔ اس پر ان حاجتمندوں کو خیال ہوتا تھا کہ ہم تو آئے تھے کہ اس کے پاس، یہ دوسرے کے ہاں لے گیا، کیا معلوم وہ ہمارے کھلانے سے کارہ اور ناخوش تو نہیں۔ ان تمام خیالات کی اصلاح آیت حاضرہ میں کر دی گئی کہ خواہی نہ خواہی اس طرح کے اوہام و وساوس میں مت پڑو۔ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں وسعت رکھی ہے پھر تم خود اپنے اوپر تنگی کیوں کرتے ہو۔

وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ
اور نہیں تکلیف تم لوگوں پر کہ کھاؤ اپنے گھروں سے یا اپنے باپ کے گھر
اٰبَآىِٕكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ
سے یا اپنی ماں کے گھر سے یا اپنے بھائی کے گھر سے یا اپنی بہن کے گھر سے
اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ
یا اپنے چچا کے گھر سے یا اپنی پھوپھی کے گھر سے
اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ
یا اپنے ماموں کے گھر سے یا اپنی خالہ کے گھر سے یا جس گھر کی کنجیوں کے
مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ
تم مالک ہو یا اپنے دوست کے گھر سے

یعنی تمہارے زیر تصرف دے دیا گیا ہو۔ مثلاً کسی نے اپنی چیز کا وکیل یا محافظ بنا دیا اور بقدر معروف اس میں سے کھانے پینے کی اجازت دے دی۔ (تفسیر عثمانی)

اولاد کا گھر اپنا گھر ہوتا ہے:

اپنے گھروں سے مراد ہیں وہ گھر جن میں بیوی بچے ہوں اس میں اولاد کے گھر بھی شامل ہیں، اپنی اولاد کا گھر اپنا ہی گھر ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے اخرجہ اصحاب السنۃ وابن ماجہ والحاکم عن عائشہ رضی اللہ عنہا۔

پاکیزہ ترین مال: ابن ماجہ نے بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پاکیزہ ترین مال وہ ہے جو آدمی اپنی کمائی سے کمائے اور آدمی کی اولاد بھی اسی کی کمائی سے ہے مطلب یہ ہے کہ بیویوں کا اور اپنی اولاد کا مال

کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کذا قال ابن قتیبہ

اَوْ صَدِيْقِكُمْ یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔

وہ گھر جن سے بلا اجازت کھانا جائز ہے:

بغوی نے لکھا ہے حسن اور قتادہ اسی آیت کی بنا پر قائل تھے کہ دوست کے گھر میں داخل ہو کر اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے کوئی چیز کھا لینا جائز ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مذکورۂ بالا اشخاص (یعنی اقرباء اور اعزاء) کے گھروں میں جا کر ان کی موجودگی کے بغیر کچھ کھا لینا جائز ہے۔ کھا سکتے ہو لیکن بطور توشہ ذخیرہ کرنا اور اٹھا کر لے آنا جائز نہیں۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے یہ حکم شروع اسلام میں تھا پھر منسوخ کر دیا گیا۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حکم اب بھی باقی ہے لیکن اس کا جواز اس بات پر موقوف ہے کہ گھر والے نے صریح اجازت دے دی ہو یا قرینہ سے اس کی اجازت معلوم ہو گئی ہو یہی وجہ ہے کہ آیت میں ذکر ایسے ہی لوگوں کا کیا گیا جن سے عام طور پر بے تکلفی ہوتی ہے۔ (اور آپس میں کھانے پینے کا کوئی پرہیز یا تکلف نہیں ہوتا) ان لوگوں کا آیت میں تذکرہ صرف عادت ورواج کے پیش نظر ہے (حصر کے لئے نہیں ہے) اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ بالکل اجنبی اور غیر آدمی کے گھر پہنچ کر اس کی صریحی یا غیر صریحی اجازت کے بغیر کچھ کھا لینا بھی جائز ہے، بشرطیکہ گھر والے کی رضامندی کا کسی طور پر علم ہو گیا ہو۔

مسئلہ: یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ عام طور پر قریبی محرم رشتہ داروں میں چونکہ بے تکلفی اور (کھانے پینے سے) انبساط خاطر ہوتا ہے اس لئے حنفیہ کہتے ہیں کہ محرم قرابت دار کے مکان کے اندر سے اگر کوئی شخص اس قرابت دار کا یا کسی غیر کا مال چرا لے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، لیکن اگر کسی غیر کے مکان سے کچھ مال چرایا خواہ چرانے والے کے قریبی محرم ہی کا ہو تب بھی ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ اول صورت میں مال محرز نہ تھا اور دوسری صورت میں محرز تھا (محرز بمعنی محفوظ یعنی اول صورت میں مال ایسی جگہ نہیں رکھا ہوا تھا جو چرانے والے کے لئے محفوظ مقام سمجھا جائے۔ اور دوسری صورت میں اس چور کے لئے غیر کا گھر ممنوع ہے۔ اور محفوظ مقام ہے)۔ (تفسیر مظہری)

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا
نہیں گناہ تم پر کہ کھاؤ آپس میں مل کر یا جدا ہو کر
فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً
پھر جب کبھی جانے لگو گھروں میں تو سلام کہو اپنے لوگوں پر
مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ
نیک دعا ہے اللہ کے یہاں سے برکت والی ستھری یوں کھولتا ہے اللہ

لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

تمہارے آگے اپنی باتیں تا کہ تم سمجھ لو

یعنی اپنایت کے علاقوں میں کھانے کی چیز کو ہر وقت پوچھنا ضروری نہیں۔ نہ کھانے والا احجاب کرے نہ گھر والا دریغ کرے۔ مگر عورت کا گھر اگر اُس کے خاوند کا ہو۔ اُس کی مرضی حاصل کرنی چاہئیے اور مل کر کھاؤ یا جدا یعنی اس کی تکرار دل میں نہ رکھے کہ کس نے کم کھایا کس نے زیادہ۔ سب نے مل کر کھایا۔ اور اگر ایک شخص کی مرضی نہ ہو تو پھر کسی کی چیز کھانی ہرگز درست نہیں اور تقید فرمایا سلام کا آپس کی ملاقات میں۔ کیونکہ اس سے بہتر دعا نہیں۔ جو لوگ اس کو چھوڑ کر اور الفاظ گھڑتے ہیں اللہ کی تجویز سے ان کی تجویز بہتر نہیں ہو سکتی۔

(تنبیہ) آیت سے تنہا کھانے کا جواز بھی نکلا۔ بعض حضرات کو لکھا ہے کہ جب تک کوئی مہمان ساتھ نہ ہو کھانا نہ کھاتے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ غلو ہے۔ البتہ اگر کئی کھانے والے ہوں اور اکٹھے بیٹھ کر کھائیں تو موجب برکت ہوتا ہے کما وردفی الحدیث۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول بنی لیث بن بکر کنانی کے متعلق ہوا اس قبیلہ کا ایک شخص تنہا بغیر مہمان کے نہیں کھاتا تھا مہمان ساتھ کھانے کے لئے مل جاتا تو کھانا کھالیتا ورنہ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ صبح سے بیٹھے بیٹھے شام ہوگئی اور کھانا سامنے رکھا رہا مگر اس شخص نے نہیں کھایا، اونٹنیوں کے تھنوں میں دودھ بھرا رہتا مگر وہ تنہا نہ پیتا (اس لئے دودھ دوہتا ہی نہ تھا) جب کوئی مہمان ہم مشرب ہونے کے لئے آجاتا تو پی لیتا۔ دن بھر مہمان کے نہ ملنے اور تنہا نہ کھانے کی وجہ سے بھوکا پیاسا رہتا، آخر جب شام ہو جاتی تو کچھ کھالیتا۔ یہ بیان قتادہ ضحاک اور ابن جریج کا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ایک ساتھ کھانے سے برکت ہوتی ہے:

مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے آ کر کہا یا رسول اللہ ہم کھاتے تو ہیں لیکن آسودگی حاصل نہیں ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تم الگ الگ کھاتے ہو گے جمع ہو کر ایک ساتھ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھاؤ تو تمہیں برکت دی جائے گی۔

غلام اپنے آقا کے گھر سے کھا سکتا ہے:

امام ابوحنیفہؒ کا اور امام احمدؒ کے مذہب کا مشہور مقولہ ہے جس کی کُنجیاں تمہاری ملکیت میں ہیں اس سے مراد غلام اور داروغے ہیں کہ وہ اپنے آقا کے مال سے حسب ضرورت و دستور کھا پی سکتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

سلام کا طریقہ: تحِيَّةً بطور دعا۔ تحیۃ کے معنی ہی سلام کرنا ہیں۔ اس لئے لفظ تحیۃ۔ سَلِّمُوْا کا مفعول مطلق ہے۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ نے آدم کو اپنی (قائم کردہ) صورت میں پیدا کیا۔ آدمؑ کے قد کی لمبائی ساٹھ ہاتھ تھی۔ بنا چکنے (اور روح پھونکنے) کے بعد فرمایا کہ جاؤ فرشتوں کی جماعت جو بیٹھی ہوئی ہے اس کو سلام کرو۔ اور سنو وہ تم کو کیا جواب دیتے ہیں۔ وہ جو جواب دیں گے وہی تمہارا اور تمہاری نسل کا جواب (سلام) ہوگا آدمؑ نے جا کر السلام علیکم کہا فرشتوں نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ الخ۔

حضرت ابوامامہ کی مرفوع روایت ہے کہ سب سے زیادہ اللہ سے قرب رکھنے والا وہ شخص ہے جو سلام کی ابتداء کرتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ کی مرفوع روایت ہے جو شخص کسی جلسہ میں پہنچے تو سلام کرے، پھر اس کا دل بیٹھنے کو چاہے تو بیٹھ جائے۔ پھر (واپسی کے وقت) جب اٹھے تو سلام کرے۔ پہلا سلام دوسرے سلام سے زیادہ مستحق (ثواب) نہیں ہے۔ رواہ الترمذی وابوداؤد۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً سے مراد ہے اچھی خوبصورت، حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میرے کسی اُمتی سے ملو تو اس کو سلام کرو۔ اس سے تمہاری عمر لمبی ہوگی اور جب اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو۔ اس سے تمہارے گھر کی خیر بڑھے گی اور چاشت کی نماز پڑھا کرو۔ یہ صلوٰۃ اوابین (اللہ کی طرف لوٹنے والوں کی نماز) ہے۔ اخرجہ البیہقی، فی شعب الایمان والثعلبی وحمزۃ بن یوسف الجرجانی فی تاریخ جرجان، اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو کا بیان ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اسلام (میں) کون سا (عمل) سب سے اچھا ہے۔ فرمایا، یہ کہ تم کھانا کھلاؤ اور (ہر شخص کو) سلام کرو۔ خواہ اس کو جانتے ہو یا نہ جانتے ہو، متفق علیہ۔

قتادہ نے کہا اگر تم اپنے گھر میں داخل ہو تو اپنے گھر والوں کو سلام کرو۔ وہ تمہارے سلام کے زیادہ مستحق ہیں اور اگر خالی گھر میں داخل ہو جہاں کوئی نہ ہو تب (بھی سلام کرو اور) یوں کہو اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ، ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ ملائکہ سلام کا جواب دیتے ہیں۔

بیہقی نے شعب الایمان میں قتادہ کی مرسل روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم باہر جاؤ تو اپنے گھر والوں کو سلام کے ساتھ رخصت کرو۔

ترمذی نے حضرت انس کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھ سے) فرمایا، بیٹے جب تو گھر والوں کے پاس (گھر کے اندر) داخل ہو تو ان کو سلام کیا کر تیرے لئے اور تیرے گھر والوں کے لئے برکت ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

خالی گھر پر سلام کا طریقہ:

حضرت ابن عباس نے فرمایا، اگر گھر کے اندر کوئی نہ ہو تو یوں کہے "اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا مِنْ رَّبِّنَا اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلٰى اَهْلِ الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ" ہم پر ہمارے رب کی طرف سے سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلامتی ہو گھر والوں پر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔

اس آیت کی توضیح میں عمرو بن دینار نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ جب تو مسجد میں داخل ہو تو یوں کہہ "اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ.

مسلمان کے حقوق:

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں اگر کوئی بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے۔ اگر وہ مر جائے تو اس کے جنازے میں یہ حاضر ہو۔ اگر وہ دعوت کرے تو یہ دعوت کو قبول کرے۔ ملاقات ہو تو سلام کرے۔ اس کو چھینک آئے تو یہ یرحمک اللہ کہے اور وہ سامنے موجود ہو یا نہ ہو بہرحال اس کی خیر خواہی کرے۔ رواہ النسائی والترمذی۔ اور بزار نے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

محبت کا نسخہ: حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ فرمایا تم جب تک مومن نہ ہو گے جنت میں نہ جاؤ گے اور جب تک آپس میں محبت نہ کرو گے مومن نہ ہو گے، کیا میں تم کو ایسی بات نہ بتادوں کہ اگر تم اس کو کرو گے تو آپس میں محبت کرنے لگو گے۔ سلام (کے رواج) کو پھیلاؤ۔ رواہ مسلم۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

ایمان والے وہ ہیں جو یقین لائے ہیں اللہ پر اور اُس کے رسول پر

وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا

اور جب ہوتے ہیں اُس کیساتھ کسی جمع ہونے کے کام میں تو چلے نہیں جاتے

حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ

جب تک اُس سے اجازت نہ لے لیں جو لوگ تجھ سے اجازت لیتے ہیں

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ

وہ ہی ہیں جو مانتے ہیں اللہ کو اور اُس کے رسول کو

اوپر کی آیتوں میں آنے کے وقت استیذان (اجازت طلب کرنے) کا ذکر تھا۔ یہاں جانے کے وقت استیذان کی ضرورت بتلائی ہے یعنی پورے ایمان والے وہ ہیں جو رسول کے بُلانے پر حاضر ہوتے ہیں اور جب کسی اجتماعی کام میں شریک ہوں مثلاً جمعہ، عیدین، جہاد اور مجلس مشاورت وغیرہ میں تو بدون اجازت کے اُٹھ کر نہیں جاتے۔ یہ ہی لوگ ہیں جو کامل اور صحیح معنی میں اللہ اور رسول کو مانتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: دلائل میں بیہقی نے اور ابن اسحاق نے عروہ اور محمد بن کعب قرظی کے حوالہ سے بیان کیا کہ جنگ احزاب کے سال (جب قریش اور غطفان کے قبائل وغیرہ مدینہ پر چڑھ کر آئے تو) قریش نے مدینہ میں چاہ رومہ کے مجمع الاسیال کے مقام پر اپنا پڑاؤ کیا ان کا کمانڈر ابوسفیان تھا اور غطفان (کے قبائل) نے آکر احد کے ایک طرف نقمین میں قیام کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع مل چکی تھی آپ نے مدینہ کے گرد خندق کھدوادی تھی خود بھی حضور خندق کھودنے میں مصروف عمل تھے اور مسلمان بھی کام میں لگے ہوئے تھے، لیکن منافقوں میں سے کچھ لوگ سستی کر رہے تھے۔ جھوٹ موٹ کام میں شریک تھے اور موقع پاتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم واجازت کے بغیر گھروں کو چپکے سے سرک لیتے تھے پھر کسی مسلمان کو کوئی حادثہ درپیش ہو جاتا جس سے وہ مجبور ہو جاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کر دیتا۔ اور اجازت لے کر جاتا تھا۔ اجازت ملنے پر ضرورت پوری کر کے فوراً واپس آجاتا تھا اس پر یہ آیات ذیل آخر سورۃ تک نازل ہوئیں۔ (تفسیر مظہری)

فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ

پھر جب اجازت مانگیں تجھ سے اپنے کسی کام کے لئے تو اجازت دے جس کو

وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۲﴾

ان میں سے تو چاہے اور معافی مانگ اُن کے واسطے اللہ سے اللہ بخشنے والا مہربان ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جسے چاہیں اجازت دیں:

یعنی غور وفکر کے بعد جس کو مناسب سمجھیں اجازت دے دیں۔ اور چونکہ اس اجازت پر عمل کرنا بھی فی الجملہ صحبت نبوی سے حرمان اور صورۃ تقدیم الدنیا علی الدین کا شائبہ اپنے اندر رکھتا ہے اس لئے اُن مخلصین کے حق میں استغفار فرمائیں تا آپ کے استغفار کی برکت سے اس نقص کا تدارک ہو سکے۔ (تفسیر عثمانی)

لِمَنْ شِئْتَ یعنی ہر طلب گار اذن کو اجازت دے دینا رسول پر لازم نہیں ورنہ اجازت طلب کرنے کا فائدہ ہی کیا ہے، اجازت کی درخواست تو ہر ایک کر سکتا تھا۔ لِمَنْ شِئْتَ کی قید سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ بعض احکام اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے پر موقوف ہیں اور اسی طرح خلیفہ وقت (کے امتیازی اختیار) کو ان میں دخل ہے۔ (تفسیر مظہری)

اجتماعی کاموں سے رخصت کا طریقہ:

مجاہد نے کہا جمعہ کے دن (خطبہ کے وقت) امام کی طرف سے ہاتھ سے اشارہ کر دینا ہی اذن ہے اہل علم کہتے ہیں، مسلمانوں کے ہر اجتماعی کام کا یہی

حکم ہے۔ جب امام کے ساتھ لوگ کسی اجتماعی کام کے لئے جمع ہوں تو بغیر اجازت امام کے اجتماع کو چھوڑ کر نہ جائیں اور امام کو اختیار ہے کہ جب کوئی جانے کے لئے اجازت مانگے تو جس کو چاہے اجازت دے دے نہ چاہے نہ دے۔ اجازت طلب کرنے اور اجازت دینے نہ دینے کی تفصیل اس وقت ہے جب ٹھہرے رہنے سے کوئی اضطراری سبب مانع نہ ہو۔ اگر اضطراری سبب پیدا ہو گیا تو اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے، مثلاً مسجد میں کسی عورت کو حیض شروع ہو گیا یا کوئی جنب ہو گیا یا کسی کو کوئی (شدید) مرض لاحق ہو گیا۔ ایسے حالات میں اجازت طلب کرنا لازم نہیں۔ (تفسیر مظہری)

ابوداؤد وغیرہ میں ہے جب تم میں سے کوئی کسی مجلس میں جائے تو اہل مجلس کو سلام کر لیا کرے اور جب وہاں سے آنا چاہے تو بھی سلام کر لیا کرے۔ آخر دفعہ کا سلام پہلی مرتبہ کے سلام سے کچھ کم نہیں ہے۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام صاحب نے اسے حسن فرمایا ہے۔

مقاتل بن حیانؒ فرماتے ہیں، جمعہ کے دن خطبے میں بیٹھا رہنا منافقوں پر بہت بھاری پڑتا تھا اور مسجد میں آ جانے اور خطبہ شروع ہو جانے کے بعد کوئی شخص بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے نہیں جا سکتا تھا جب کسی کو کوئی ایسی ہی ضرورت ہوتی تو اشارے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دے دیتے اس لئے کہ خطبے کی حالت میں بولنے سے جمعہ باطل ہو جاتا ہے تو یہ منافق آڑ ہی آڑ میں نظریں بچا کر سرک جاتے۔ (تفسیر ابن کثیر)

لَا تَجْعَلُوْا دُعَاۤءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاۤءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا
مت کرلو بلانا رسول کا اپنے اندر برابر اس کے جو بلاتا ہے تم میں ایک دوسرے کو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طلب فرمانے پر حاضر ہونا فرض ہو جاتا ہے

یعنی حضرت کے بلانے پر حاضر ہونا فرض ہو جاتا ہے۔ آپ کا بُلانا اوروں کی طرح نہیں کہ چاہے اُس پر لبیک کہے یا نہ کہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر حاضر نہ ہو تو آپ کی بددعاء سے ڈرنا چاہئے کیونکہ آپ کی دعاء معمولی انسانوں جیسی نہیں۔ نیز مخاطبات میں حضور کے ادب وعظمت کا پورا خیال رکھنا چاہئے۔ عام لوگوں کی طرح ''یا محمد'' وغیرہ کہہ کر خطاب نہ کیا جائے بلکہ یا نبی اللہ اور یا رسول اللہ جیسے تعظیمی القاب سے پکارنا چاہئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ''حضرت کے بُلانے سے فرض ہوتا تھا حاضر ہونا جس کام کو بلائیں۔ پھر یہ بھی تھا کہ وہاں سے بے اجازت اُٹھ کر چلے نہ جائیں۔ اب بھی سب مسلمانوں کو اپنے سرداروں کے ساتھ یہ برتاؤ کرنا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

دیہاتیوں کی اصلاح:

ابونعیم نے الدلائل میں ضحاک کی سند سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ (دیہاتی اعرابی لوگ) یا محمد یا ابا القاسم کہتے تھے، اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس حکم کے بعد وہ لوگ یا نبی اللہ یا رسول اللہ کہہ کر خطاب کرنے لگے۔

فائدہ: یہ تشریح آیت کے سیاق وسباق کے مناسب نہیں ہے کیونکہ پچھلا کلام تو اجازت طلب کرنے نہ کرنے کے سلسلے میں تھا (اور یہاں رسول کو پکارنے اور بلانے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ دونوں کلاموں میں کوئی ربط نہیں) اس کے علاوہ نفس عبارت بھی اس مطلب سے انکار کرتی ہے کیونکہ کَدُعَاۤءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا مشبہ بہ ہے اور اس میں لفظ بعض (اول) فاعل ہے دُعاء کی اس کی طرف اضافت ہے۔ کیونکہ بعضا منصوب ہے اس لئے یقینی طور پر مفعول ہے پس عبارت کا تقاضا ہے کہ دعاء الرسول (مشبہ) میں بھی دعا کی اضافت فاعل کی طرف ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعاء سے ڈرتے رہو!

بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباسؓ نے آیت کا (تشریحی) معنی اس طرح بیان کیا (تم اللہ کے رسول کو ناراض نہ کرو) تم کو ان کی بددعاء سے ڈرتے رہنا چاہئے، ان کی بددعاء موجب (عذاب) ہے دوسروں کی بددعا کی طرح نہیں ہے۔

یہودیوں کی گستاخیاں:

بخاری نے صحیح میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ کچھ یہودی خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور کہا السام علیک (تم پر ہلاکت ہو، تم کو موت آ جائے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وعلیکم (اور تم پر بھی) حضرت عائشہؓ نے فرمایا، **السام علیکم و لعنة اللّٰہ و غضب علیکم** (تم کو موت آئے تم پر اللہ کی لعنت ہو اور غضب ٹوٹے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عائشہ! نرمی کرو۔ نرم کلام اختیار کرو، سخت کلامی اور بیہودہ بات کہنے سے پرہیز رکھو۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا، کیا آپ نے نہیں سُنا کہ انہوں نے کیا کہا تھا۔ فرمایا کیا تم نے نہیں سنا کہ میں نے ان کو کیا جواب (لوٹا کر) دیا تھا۔ میری دعا ان کے بارے میں قبول ہو جائے گی۔ اور ان کی دعا میرے بارے میں قبول نہ ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے خصوصاً اور عام معاشرت کے بعض آداب واحکام

آیات مذکور میں دو حکم دیئے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کسی دینی جہاد وغیرہ کے لئے جمع کریں تو مقتضائے ایمان یہ ہے کہ سب جمع ہو جائیں اور پھر آپ کی مجلس سے بغیر آپ کی اجازت کے نہ

جائیں۔ کوئی ضرورت پیش آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت حاصل کر لیں اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت ہے کہ کوئی خاص حرج اور ضرورت نہ ہو تو اجازت دے دیا کریں اسی ضمن میں اُن منافقین کی مذمت ہے جو اس تقاضائے ایمان کے خلاف بدنامی سے بچنے کے لئے حاضر تو ہو جاتے ہیں مگر پھر کسی کی آڑ لے کر چپکے سے کھسک جاتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

مسند احمد میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری او تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی جب وہ روشن ہوئی تو پتنگوں پروانوں کا اجتماع ہو گیا اور وہ دھڑا دھڑ اس میں گرنے لگے اب یہ انہیں ہر چند روک رہا ہے لیکن وہ ہیں کہ شوق سے اس میں گرے جاتے ہیں اور اس شخص کے روکنے سے نہیں رُکتے۔ یہی حالت میری اور تمہاری ہے کہ تم آگ میں گرنا چاہتے ہو اور میں تمہاری کولیاں بھر بھر کر تمہیں اس سے روک رہا ہوں کہ آگ میں نہ گھسو آگ سے بچو لیکن تم میری نہیں مانتے اور اس آگ میں گھسے چلے جا رہے ہو۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا

اللہ جانتا ہے اُن لوگوں کو تم میں سے جو سٹک جاتے ہیں آنکھ بچا کر

منافقین کی گستاخیاں: یہ منافقین تھے جن کو مجلس نبوی میں بیٹھنا اور پند و نصیحت سننا شاق گزرتا تھا۔ وہ اکثر موقع پا کر اور آنکھ بچا کر مجلس سے بلا اجازت لے کر اٹھا، یہ بھی اُس کی آڑ میں ہو کر ساتھ ساتھ چل دیئے اُس کو فرمایا کہ تم پیغمبر سے کیا چھپاتے ہو، خدا تعالیٰ کو تمہارا سب کا حال معلوم ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ

سو ڈرتے رہیں وہ لوگ جو خلاف کرتے ہیں اُس کے حکم کا اس سے کہ آپڑے

فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾

اُن پر کچھ خرابی یا پہنچے اُن کو عذاب درد ناک

نافرمانوں کو عذاب سے ڈرنا چاہیے:

یعنی اللہ و رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں اُن کے دلوں میں کفر و نفاق وغیرہ کا فتنہ ہمیشہ کے لئے جڑ نہ پکڑ جائے۔ اور اس طرح دنیا کی کسی سخت آفت یا آخرت کے دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ العیاذ باللہ

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قَدْ يَعْلَمُ

سنتے ہو اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں اُس کو معلوم ہے

مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ۭ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا

جس حال پر تم ہو اور جس دن پھیرے جائیں گے اُس کی طرف تو بتائے گا

عَمِلُوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾

ان کو جو کچھ انہوں نے کیا، اور اللہ ہر ایک چیز کو جانتا ہے

اللہ تعالیٰ سے کوئی کام چھپ نہیں سکتا:

یعنی ممکن ہے مخلوق سے آنکھ بچا کر کوئی کام کر گزرو، لیکن حق تعالیٰ سے تمہارا کوئی حال پوشیدہ نہیں رہ سکتا نہ اُس کی زمین و آسمان میں سے نکل کر کہیں بھاگ سکتے ہو۔ وہ جس طرح تمہارے احوال موجودہ سے باخبر ہے ایسے ہی اُس دن کی کیفیت مجازات سے بھی پورا آگاہ ہے جب تمام مخلوق حساب و کتاب کے لئے اُس کی طرف لوٹائی جائے گی اور ہر ایک کے سامنے اُس کا ذرہ ذرہ عمل کھول کر رکھ دیا جائے گا۔ ایسے علیم الکل اور مالک الکل کی سزا سے مجرم کس طرح اپنے کو بچا سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عورتوں کو سورۂ نور سکھاؤ:

بغوی نے حضرت عائشہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عورتوں کو بالا خانوں پر نہ رکھو اور ان کو لکھنا نہ سکھاؤ (بلکہ) ان کو چرخہ کی اور سورتِ نور کی تعلیم دو۔ اللہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ کرام نے سچ فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

تَمَّ سُوْرَةُ النُّوْرِ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَتَوْفِيْقِهٖ، اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ قُلُوْبَنَا بِالْاِيْمَانِ وَالْاِحْسَانِ وَنَوِّرْ قُبُوْرَنَا وَاعتم لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَبِالْاِجَابَةِ جَدِيْرٌ

الحمد للہ سورۃ النور ختم ہوئی

سورة الفرقان

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ حق کو پسند کرے گا اور باطل اس کو ناگوار ہوگا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ
سورۂ فرقان مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی ستتر آیتیں اور چھ رکوع ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے
تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ
بڑی برکت ہے اس کی جس نے اُتاری فیصلہ کی کتاب

حق وباطل کا فیصلہ کرنے والی کتاب:

"فرقان" (فیصلہ کی کتاب) قرآن کریم کو فرمایا جو حق وباطل کا آخری فیصلہ اور حرام وحلال کو کھلے طور پر ایک دوسرے سے جُدا کرتا ہے یہی کتاب ہے جس نے اپنے اتارنے والے کی عظمت شان، علو صفات اور اعلیٰ درجہ کی حکمت ورافت کو انتہائی شکل میں پیش کیا اور تمام جہان کی ہدایت واصلاح کا تکفل اور اُن کو خیر کثیر اور غیر منقطع برکت عطا کرنے کا سامان بہم پہنچایا۔ (تفسیر عثمانی)

تبارک بڑی خیر والا ہے۔

قرآن کی قرأتیں:

امام مالک، امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عمرؓ بن خطاب کا بیان نقل کیا ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں میں نے ہشام بن حکیم کو سورۂ فرقان پڑھتے سنا اور کان لگا کر سنا تو محسوس کیا کہ ہشام ان کثیر الفاظ پر سورۂ فرقان پڑھ رہے ہیں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھایا تھا (کثیر الفاظ سے غالباً مراد الفاظ کے ادا کرنے کی کیفیت ہے جیسے امالہ اشمام وغیرہ) قریب تھا کہ نماز ہی میں میں ان پر جا کودوں لیکن میں رکا رہا، جب انہوں نے سلام پھیر دیا تو فوراً جا کر ان کا گریبان پکڑ لیا اور دریافت کیا، یہ سورت جو تم پڑھ رہے تھے تم کو کس نے پڑھائی تھی۔ ہشام نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی تھی۔ میں نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو مجھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قراءت کے خلاف پڑھائی تھی جو تم نے پڑھی۔ غرض میں ہشام کو کھینچتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا اور عرض کیا میں نے ان کو سورۂ فرقان ان طریقوں سے پڑھتے نہیں سنا جن کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ سورۃ پڑھائی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہشام سے فرمایا، ہشام پڑھو، ہشام نے جس طریقے سے پہلے پڑھا تھا اسی طریقے سے پڑھ کر سنا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح ہے یونہی نازل کی گئی، پھر مجھ سے فرمایا تم پڑھو۔ حسب الحکم میں نے اس طریقے سے یہ سورت پڑھی جس طریقہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پڑھائی تھی، فرمایا، یہ اسی طرح نازل ہوئی یہ قرآن سات حرفوں (لہجوں یا طرق ادا وغیرہ) پر نازل ہوا ہے تم کو جو طریقہ سہل معلوم ہو اس طریقہ سے پڑھو۔ (مؤلف) (تفسیر مظہری)

تبارک کا استعمال صرف اللہ کے لئے مخصوص ہے یہ لفظ برکت سے بنایا گیا ہے، برکت کا معنی ہے کثرت خیر یعنی اس کی خیر کثیر ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، یعنی ہر خیر اسی کی طرف سے آئی ہے۔

برکت کا مطلب: تبارک، برکت سے مشتق ہے۔ برکت کے معنے خیر کی کثرت کے ہیں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ معنی آیت کے یہ ہیں کہ ہر خیر وبرکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

قرآن کو فرقان کیوں فرمایا:

فرقان، قرآن کریم کا لقب ہے لغوی معنے اس کے تمیز اور فرق کرنے کے ہیں۔ قرآن چونکہ اپنے واضح ارشادات کے ذریعہ حق وباطل میں تمیز اور فرق بتلاتا ہے اور معجزہ کے ذریعہ اہل حق واہل باطل میں امتیاز کر دیتا ہے اس لئے اس کو فرقان کہا جاتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

عَلٰى عَبْدِهٖ
اپنے بندہ پر

کامل واکمل بندہ: یعنی اپنے اس کامل واکمل بندہ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پر جن کا ممتاز لقب ہی کمال عبودیت کی وجہ سے "عبداللہ" ہو گیا۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا
تاکہ رہے جہان والوں کے لئے ڈرانے والا

قرآن کا پیغام عالمگیر ہے:

یعنی قرآن کریم سارے جہان کو کفر وعصیان کے انجام بد سے آگاہ کرنے والا ہے۔ چونکہ سورت ہذا میں مکذبین ومعاندین کا ذکر بکثرت ہوا ہے، شاید اسی لئے یہاں صفت "نذیر" کو بیان فرمایا۔ "بشیر" کا ذکر نہیں کیا۔ اور

"للعالمین" کے لفظ سے بتلا دیا کہ یہ قرآن صرف عرب کے اُمیوں کے لئے نہیں اترا بلکہ تمام جن وانس کی ہدایت واصلاح کے واسطے آیا ہے۔(تفسیر عثمانی)

للعلمین، اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت سارے عالم کے لئے ہے بخلاف پچھلے انبیاء کے کہ اُن کی نبوت و رسالت کسی مخصوص جماعت یا مخصوص مقام کے لئے ہوتی تھی۔ صحیح مسلم کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے چھ خصوصی فضائل کا ذکر فرمایا ہے اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کی بعثت سارے جہان کے لئے عام ہے۔(معارف مفتی اعظم)

الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وہ کہ جس کی ہے سلطنت آسمان اور زمین میں
وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ
اور نہیں پکڑا اس نے بیٹا اور نہیں کوئی اس کا ساجھی
فِى الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَىْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝
سلطنت میں اور بنائی ہر چیز پھر ٹھیک کیا اس کو ماپ کر

تخلیق ربانی کا اعجاز:

یعنی ہر چیز کو ایک خاص اندازہ میں رکھا کہ اُس سے وہی خواص و افعال ظاہر ہوتے ہیں جن کے لئے پیدا کی گئی ہے اپنے دائرہ سے باہر قدم نہیں نکال سکتی نہ اپنی حدود میں عمل و تصرف کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ غرض ہر چیز کو ایسا ماپ تول کر پیدا فرمایا کہ اس کی فطری موزونیت کے لحاظ سے ذرا کمی بیشی یا انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ بڑے بڑے سائنس داں حکمت کے دریا میں غوطہ لگاتے ہیں اور آخرکار اُن کو یہ ہی کہنا پڑتا ہے صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِىْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَىْءٍ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۔(تفسیر عثمانی)

حکومت میں کوئی اللہ کا شریک نہیں ہے:

وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا اور اس نے (اپنے لئے) کوئی بیٹا نہیں اختیار کیا (جیسا کہ عیسائیوں کا خیال ہے کہ مسیح صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا بیٹا تھا)

وَخَلَقَ كُلَّ شَىْءٍ اور اسی نے ہر چیز پیدا کی۔ یعنی ایک خاص اندازے کے ماتحت ہر چیز کو نیستی سے ہستی میں لایا۔ مثلاً انسان کو خاص مادہ سے مخصوص معین شکل دے کر پیدا کیا۔

فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا پھر سب کا الگ الگ اندازہ رکھا۔

یعنی اس کو ٹھیک بنایا، جو خواص وافعال اس میں پیدا کرنا مقصود تھا اس کے مطابق اس چیز میں تخلیقی صلاحیت پیدا کردی۔ جیسے انسان میں فہم ادراک غور وفکر تدبیر، نوع درنوع صنعتوں کے اختراع اور گوناگوں افعال واعمال پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا کردی۔

بعض علماء نے قدر کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ نے ہر چیز کے لئے مدتِ زندگی، عمل اور رزق پہلے سے ہی مقدر کردیا۔ اب (اس دنیا میں آکر) یہ تینوں چیزیں تخلیق کے مطابق ہوتی ہیں۔(اللہ کے اندازہ تخلیقی کے خلاف نہیں ہوسکتیں۔(تفسیر مظہری)

فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا تخلیق کے بعد تقدیر کا ذکر فرمایا گیا۔ تخلیق کے معنی تو اتنے ہیں کہ بغیر کسی سابق مادہ وغیرہ کے ایک چیز کو عدم سے وجود میں لایا جائے وہ کیسی بھی ہو۔

وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ اور نہ حکومت میں کوئی اس کا ساجھی ہے جیسا کہ مجوسی اور ثنویہ فرقہ والے کہتے ہیں (مجوسی اور ثنویہ فرقہ والے دو خالق مانتے ہیں۔ ایک خیر اور بھلائی کا خالق، دوسرا شر اور بُرائی کا خالق۔ مجوسی اول خالق کو یزداں اور دوسرے کو (اہرمن کہتے ہیں)۔ اس آیت میں اللہ نے اپنے لئے اقتدار مطلق ہونے کا اظہار فرمایا اور اس کی دلیل پر آئندہ آیت میں تنبیہ فرمائی۔

مخلوقات میں سے ہر ایک چیز میں خاص خاص حکمتیں:

اور تقدیر کا مفہوم یہ ہے کہ جس چیز کو بھی پیدا فرمایا اس کے اجزاء کی ساخت اور شکل وصورت اور آثار وخواص بڑی حکمت کے ساتھ اُس کام کے مناسب پیدا کئے جس کام کے لئے اس چیز کو پیدا کیا گیا ہے آسمان کی ساخت اس کے اجزاء ترکیبی اور ہیئت اُس کام کے مناسب ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے آسمان بنایا ہے۔ سیاروں اور ستاروں کی تخلیق میں وہ چیزیں رکھی گئیں جو اُن کے منشاء وجود کے مناسب ہیں۔ زمین اور اس کے پیٹ میں پیدا ہونے والی ہر چیز جس پر نظر ڈالو ہر ایک کی ساخت، شکل و صورت، نرمی، سختی اُس کام کے مناسب بنائی گئی ہے جس کام کے لئے قدرت نے اس کو پیدا کیا ہے۔ زمین کو نہ اتنا رقیق مادہ پانی کی طرح بنایا کہ جو کچھ اُس پر رکھا جائے وہ اس کے اندر ڈوب جائے، نہ اتنا سخت پتھر اور لوہے کی طرح بنایا کہ اس کو کھود نہ سکیں کیونکہ اس سے یہی ضرورتیں متعلق تھیں کہ اس کو کھود کر پانی بھی نکالا جاسکے۔ اس میں بنیادیں کھود کر بڑی اُونچی عمارتیں اس پر کھڑی کی جاسکیں۔ پانی کو سیال بنایا جس میں ہزاروں حکمتیں ہیں۔ ہوا بھی سیال ہی ہے مگر پانی سے مختلف، پانی ہر جگہ خود بخود نہیں پہنچتا اُس میں انسان کو کچھ محنت بھی کرنا پڑتی ہے ہوا کو قدرت نے اپنا جبری انعام بنایا کہ وہ بغیر کسی محنت وعمل کے ہر جگہ پہنچ جاتی ہے بلکہ کوئی شخص ہوا سے بچنا چاہے تو اس کو اس کے لئے بڑی محنت کرنا پڑتی ہے۔ یہ جگہ مخلوقات الٰہیہ کی حکمتوں کی تفصیل بیان کرنے کی نہیں۔ ایک ایک مخلوق کو دیکھو ان میں سے

ہر ایک قدرت وحکمت کا شاہکار ہے۔ امام غزالیؒ نے اپنی ایک مستقل کتاب اس موضوع پر لکھی ہے بنام الحکمۃ فی مخلوقات اللہ تعالیٰ۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا

اور لوگوں نے پکڑ رکھے ہیں اُس سے ورے کتنے حاکم جو نہیں بناتے کچھ چیز

وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ

اور وہ خود بنائے گئے ہیں اور نہیں مالک اپنے حق میں

ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝

بُرے کے اور نہ بھلے کے اور نہیں مالک مرنے کے اور نہ جینے کے اور نہ جی اُٹھنے کے

ظلم وحماقت کی انتہاء:

یعنی کس قدر ظلم اور تعجب وحیرت کا مقام ہے کہ ایسے قادر مطلق، مالک الکل حکیم علی الاطلاق کی زبردست ہستی کو کافی نہ سمجھ کر دوسرے معبود اور حاکم تجویز کر لئے گئے۔ جو گویا خدا کی حکومت میں حصہ دار ہیں۔ حالانکہ اُن بیچاروں کا خود اپنا وجود بھی اپنے گھر کا نہیں نہ وہ ایک ذرہ کے پیدا کرنے کا اختیار رکھتے ہیں، نہ مارنا جلانا اُن کے قبضہ میں ہے، نہ اپنے مستقل اختیار سے کسی کو ادنیٰ ترین نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ بلکہ خود اپنی ذات کے لئے بھی ذرہ برابر فائدہ حاصل کرنے یا نقصان سے محفوظ رہنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ ایسی عاجز ومجبور ہستیوں کو خدا کا شریک ٹھہرانا کس قدر سفاہت اور بے حیائی ہے۔ (ربط) یہ تو قرآن نازل کرنے والے کی صفات وشئون کا ذکر تھا اور اس کے متعلق مشرکین جو بے تمیزی کر رہے تھے اُس کی تردید تھی۔ آگے خود قرآن اور حامل قرآن کی نسبت سفیہانہ نکتہ چینیوں کا جواب ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جھوٹے معبودوں کی عاجزی:

لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا جو نہ کسی جو ہر کو پیدا کرتے نہ عرض کو نہ عمل وفعل کو نہ حالت کو۔ جو ممکن خود مستقل بالذات ہو اپنے وجود خارجی میں دوسرے کا محتاج نہ ہو اس کو جوہر کہتے ہیں جیسے تمام اجسام اور جو وجود خارجی میں اگر دوسرے کا محتاج ہو تو اس کو عرض کہتے ہیں جیسے سیاہی سرخی جسم کی محتاج ہے۔

وَهُمْ يُخْلَقُوْنَ اور وہ پیدا کئے جاتے ہیں، وہ مخلوق ہیں۔ اللہ سب کا خالق ہے۔ عبارت کے الفاظ ومعانی میں عموم ہے تمام باطل معبودوں کو یہ لفظ شامل ہے لیکن مراد صرف بُت ہیں۔

نفع ونقصان پر قادر نہ ہونا صرف بتوں ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ عالی مرتبہ پیغمبر جیسے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت عزیرؑ اور تمام فرشتے بھی عاجز ہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے قُل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ماشاء اللہ ولو کنت اعلم الغیب لا ستکثرت من الخیر وما مسنی السوء.

وَلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا اور نہ وہ قابو رکھتے ہیں موت پر نہ زندگی پر نہ (دوبارہ) اُٹھنے پر یعنی ان میں قدرت نہیں کہ کسی پر موت کو مسلط کر سکیں یا کسی کو (ابتداء) زندگی دے سکیں یا (مرنے کے بعد) دوبارہ زندہ کر کے اٹھا سکیں۔ اور یہ تمام امور الوہیت کے لوازم ہیں جس کے اندر یہ لوازم نہیں وہ الٰہ نہیں ہو سکتا۔ آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ الٰہ کے لئے ضروری ہے کہ دوبارہ زندہ کر کے سزا وجزا دے سکے۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ

اور کہنے لگے جو منکر ہیں اور کچھ نہیں ہے یہ مگر طوفان باندھ لایا ہے

وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ

اور ساتھ دیا ہے اُس کا اُس میں اور لوگوں نے

کافروں کی بے سروپا باتیں:

یعنی یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے معاذ اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چند یہودیوں کی مدد سے ایک کلام تیار کر لیا اور اس کو جھوٹ طوفان خدا کی طرف منسوب کر دیا۔ پھر ان کے ساتھی لگے اُس کی اشاعت کرنے بس کل حقیقت اتنی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

انکار نبوت کفر ہے:

صراحت کے ساتھ کفروا کہنے میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ انکار توحید کی طرح انکار نبوت بھی کفر ہے۔ صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے قبیلۂ عبدالقیس کے وفد کے قصہ میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تم جانتے ہو کہ ایک اللہ کے ماننے کے معنی کیا ہیں؟ اہل وفد نے کہا، اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بخوبی واقف ہے۔ فرمایا (اللہ کی توحید کو) ماننا یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ کی شہادت دو۔

قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ مجاہد نے کہا قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ سے ان کی مراد تھی یہودیوں کی ایک جماعت۔ حسن نے کہا ایک حبشی (غلام) مراد تھا جس کا نام عبید بن الحصر تھا۔ یہ کاہن تھا۔ بعض نے کہا مکہ میں کچھ غلام تھے جن کے نام تھے، جبر، یسار، عداس۔ یہ لوگ کتابی تھے، قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ سے یہی لوگ مراد تھے۔

مشرکوں کا خیال تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ہی قرآن سیکھ لیتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝

سو آ گئے بے انصافی اور جھوٹ پر

قرآن کی صداقت کو جھٹلانا سب سے بڑا ظلم ہے:

یعنی اس سے بڑھ کر ظلم اور جھوٹ کیا ہوگا کہ ایسے کلام معجز اور کتاب حکیم کو جس کی عظمت وصداقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے کذب وافتراء کہا جائے۔ کیا چند یہودی غلاموں کی مدد سے ایسا کلام بنایا جا سکتا ہے جس کے مقابلہ سے تمام دنیا کے فصیح وبلیغ عالم وحکیم بلکہ جن وانس ہمیشہ کے لئے عاجز رہ جائیں۔ اور جس کے علوم ومعارف کی تھوڑی سی جھلک بڑے بڑے عالی دماغ عقلاء وحکماء کی آنکھوں کو خیرہ کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا
اور کہنے لگے یہ نقلیں ہیں پہلوں کی جن کو اس نے لکھ رکھا ہے
فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝
سو وہی لکھوائی جاتی ہیں اُس کے پاس صبح اور شام

کافروں کی کورمغزی:

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب سے کچھ قصے کہانیاں سن کر نوٹ کر لی ہیں یا کسی سے نوٹ کرالی ہیں۔ وہ ہی شب وروز اُن کے سامنے پڑھی اور رٹی جاتی ہیں۔ نئے نئے اسلوب سے اُن ہی کا اُلٹ پھیر رہتا ہے اور کچھ بھی نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اول نماز کے دو وقت مقرر تھے صبح اور شام۔ مسلمان حضرت کے پاس جمع ہوتے جو نیا قرآن اُترا ہوتا لکھ لیتے یاد کرنے کو۔ اُس کو کافر یوں کہنے لگے۔

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
تو کہہ اس کو اتارا ہے اُس نے جو جانتا ہے چھپے ہوئے بھید آسمانوں میں اور زمین میں

قرآن تو علیم وخبیر کا اتارا ہوا ہے:

یعنی کتاب خود بتلا رہی ہے کہ وہ کسی ایک انسان یا کمیٹی کی بنائی ہوئی نہیں، بلکہ اُس خدا کی اتاری ہوئی ہے جس کے احاطہ علمی سے زمین وآسمان کی کوئی چیز باہر نہیں ہو سکتی۔ اس کلام کی معجزانہ فصاحت وبلاغت، علوم ومعارف، اخبار غیبیہ احکام وقوانین اور وہ اسرار مکنونہ جن کی تہ تک بدوں توفیق الٰہی کے عقول وافہام کی رسائی نہیں ہو سکتی صاف ظاہر کرتے ہیں کہ یہ کسی محدود علم والے آدمی یا سازشی جماعت کا کلام نہیں۔

اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝
بیشک وہ بخشنے والا مہربان ہے

اللہ کی بخشش ومہربانی:

یعنی اپنی بخشش اور مہر سے ہی یہ قرآن اتارا، موضح القرآن۔ پھر جو لوگ ایسی روشن حقیقت کے منکر ہیں باوجود اُن کے جرائم کا تفصیلی علم رکھنے کے فوراً سزا نہیں دیتا۔ یہ بھی اُس کی بخشش اور مہر ہی کا پرتو ہے۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ
اور کہنے لگے یہ کیسا رسول ہے کھاتا ہے کھانا
وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ
اور پھرتا ہے بازاروں میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کافروں کی چہ میگوئیاں:

یعنی جب ہماری طرح کھانا کھائے اور ہماری طرح خرید وفروخت کے لئے بازاروں میں جائے تو ہم میں اُس میں فرق کیا رہا۔ اگر واقعی رسول تھا تو چاہئے تھا کہ فرشتوں کی طرح کھانے پینے اور طلب معاش کے بکھیڑوں سے فارغ ہوتا۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے، کافر کہتے تھے تم فرشتہ نہیں ہو۔ فرشتہ کھاتا پیتا نہیں اور تم کھاتے پیتے ہو۔ اور تم بادشاہ بھی نہیں ہو۔ بادشاہ بازاروں میں نہیں گھومتا پھرتا اور تم گھومتے پھرتے ہو۔

کافروں کی باتیں بے بنیاد ہیں:

میں کہتا ہوں یہ بات غلط ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو نہ کبھی فرشتہ ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور نہ بادشاہ ہونے کا (پھر کافر اس کی تردید ہی کیوں کرتے) بلکہ آپ نے تو فرمایا تھا اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ میں تم جیسا انسان ہوں (مگر) میرے پاس وحی آتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا اور نبوت کا دعویٰ کھانا کھانے اور بازاروں میں چلنے پھرنے کے منافی نہیں ہے۔ یہ چیزیں تو مقتضائے بشریت ہیں اور بشریت نبوت کے لئے لازم ہے، افادہ اور استفادہ کے لئے ہم جنس ہونا ضروری ہے۔ اللہ نے فرمایا اگر زمین پر ملائکہ (آباد) ہوتے، اطمینان کے ساتھ زمین پر چلتے پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتہ ہی رسول اتارتے (انسانوں کے لئے انسان ہی پیغمبر ہونا چاہئے)۔ (تفسیر مظہری)

لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝
کیوں نہ اترا اس کی طرف کوئی فرشتہ کہ رہتا اُس کے ساتھ ڈرانے کو
اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا
یا آپڑتا اُس کے پاس خزانہ یا ہو جاتا اس کے لئے ایک باغ کہ کھایا کرتا اُس میں سے

کافروں کا ایک بیوقوفانہ خیال:

یعنی اگر فرشتوں کی فوج نہیں تو کم از کم خدا کا ایک آدھ فرشتہ ان کو سچا ثابت کرنے اور رُعب جمانے کے لئے ساتھ رہتا جسے دیکھ کر خواہ مخواہ لوگوں کو جھکنا پڑتا۔ یہ کیا کہ کسمپرسی کی حالت میں اکیلے دعوے کرتے پھر رہے ہیں۔ یا اگر فرشتے بھی ہمراہ نہ ہوں تو کم از کم آسمان سے سونے چاندی کا کوئی غیبی خزانہ مل جاتا کہ لوگوں کو بے دریغ مال خرچ کر کے ہی اپنی طرف کھینچ لیا کرتے۔ اور خیر یہ بھی نہ سہی معمولی رئیسوں اور زمینداروں کی طرح انگور کھجور وغیرہ کا ایک باغ تو ان کی مِلک میں ہوتا جس سے دوسروں کو نہ دیتے تو کم از کم خود بے فکری سے کھایا پیا کرتے جب اتنا بھی نہیں تو کس طرح یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ نے رسالت کے عہدۂ جلیلہ پر معاذ اللہ ایسی معمولی حیثیت کے آدمی کو مامور کیا ہے۔

وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝

اور کہنے لگے بے انصاف تم پیروی کرتے ہو اس ایک مرد جادو مارے کی

یعنی میاں کی یہ پوزیشن اور اتنے اونچے دعوے؟ بجز اس کے کیا کہا جائے کہ عقل کھوئی گئی ہے یا کسی نے جادو کے زور سے دماغ مختل کر دیا ہے جو ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا

دیکھ کیسی بٹھلاتے ہیں تجھ پر مثلیں سو بہک گئے

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝

اب پا نہیں سکتے راستہ

دیکھو! کافروں کی گمراہیاں:

یعنی کبھی کہتے ہیں کہ ان کی باتیں محض مفتریات ہیں کبھی دعوے کرتے ہیں کہ نہیں دوسروں سے سیکھ کر اپنے سانچے میں ڈھال لی ہیں۔ کبھی آپ کو مسحور بتلاتے ہیں کبھی ساحر، کبھی کاہن، کبھی شاعر، کبھی مجنوں، یہ اضطراب خود بتلاتا ہے کہ ان میں سے کوئی چیز آپ پر منطبق نہیں ہوتی۔ اسی لئے کسی ایک بات پر قرار نہیں۔ اور الزام لگانے کا کوئی راستہ ہاتھ نہیں آتا۔ جو لوگ انبیاء کی جناب میں اس طرح کی گستاخیاں کر کے گمراہ ہوتے ہیں اُن کے راہ راست پر آنے کی کوئی توقع نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا

بڑی برکت ہے اُس کی جو چاہے تو کر دے تیرے واسطے اس سے بہتر

مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ

باغ کہ نیچے بہتی ہیں اُن کے نہریں

وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝

اور کر دے تیرے واسطے محل

اللہ سب کچھ پر قادر ہے مگر منکر ازلی محروم ہیں:

یعنی اللہ کے خزانہ میں کیا کمی ہے، وہ چاہے تو ایک باغ کیا، بہت سے باغ اُس سے بہتر عنایت فرما دے جس کا یہ لوگ مطالبہ کرتے ہیں۔ بلکہ اس کو قدرت ہے کہ آخرت میں جو باغ اور نہریں اور حور و قصور ملنے والے ہیں وہ سب آپ کو ابھی دنیا میں عطا کر دے لیکن حکمت الٰہی بالفعل اس کو مقتضی نہیں۔ اور معاندین کے سارے مطالبات اور فرمائشیں بھی اگر پوری کر دی جائیں تب بھی یہ حق و صداقت کو قبول کرنے والے نہیں ہیں۔ باقی پیغمبر علیہ السلام کی صداقت ثابت کرنے کے لئے جو دلائل و معجزات پیش کئے جا چکے وہ کافی سے زیادہ ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول:

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے نیز ابن ابی شیبہ نے مصنف میں حضرت خیثمہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ (اللہ کی طرف سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا اگر آپ چاہیں تو ہم آپ کو زمین کے خزانے اور خزانوں کی کنجیاں عطا کر دیں اور اس سے آپ کے اس اجر میں کمی نہ ہوگی جو قیامت کے دن ہمارے پاس سے آپ کو ملے گا اور اگر آپ چاہیں تو اس (نعمت) کو بھی ہم آخرت (کی نعمتوں) کے ساتھ جمع کر دیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا نہیں (میں یہاں لینا نہیں چاہتا) میرے لئے آخرت میں دونوں (نعمتوں) کو جمع کر لیا جائے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

بغوی نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباسؓ کا قول اس طرح نقل کیا ہے اگر وہ چاہے تو اس سے یعنی بازاروں میں گھومنے اور معاش کی تلاش میں پھرنے سے بہتر عنایت کر دے۔

قصوراً مضبوط مکان۔ عرب ہر پختہ مکان کو قصر کہتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فقر پسندی:

امام احمد اور ترمذی نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے وادیٔ مکہ کو میرے لئے سونا بنا دینے کی مجھ سے پیش کش کی۔ میں نے عرض کیا نہیں میرے رب۔ میں تو ایک دن سیر شکم ہوں اور ایک دن بھوکا

رہوں (یہی مجھے پسند ہے) جب میں بھوکا ہوں تو تیرے سامنے زاری کروں اور سیر شکم ہوں تو تیری تعریف اور شکر کروں۔

حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر میں چاہتا تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلتے، ایک فرشتہ جس کی کمر کعبے کے برابر تھی میرے پاس آیا اور اس نے کہا آپ کا رب آپ کو سلام فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو نبی (اور) بندہ (غلام) رہیں اور اگر چاہیں تو نبی (اور) بادشاہ ہو جائیں۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف دیکھا۔ جبرئیل علیہ السلام نے اشارہ کیا کہ اپنے آپ کو نچلا رکھو۔ میں نے کہہ دیا میں نبی اور بندہ (غلام) رہنا چاہتا ہوں۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے کھانا نہیں کھاتے تھے اور فرماتے تھے میں غلاموں کی طرح کھاتا ہوں اور غلاموں کی طرح بیٹھتا ہوں۔ (تفسیر مظہری)

بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ وَأَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ

کچھ نہیں وہ جھٹلاتے ہیں قیامت کو اور ہم نے تیار کی ہے اُس کے واسطے کہ

بِالسَّاعَةِ سَعِيرًا ﴿١١﴾

جھٹلاتا ہے قیامت کو آگ

کافروں کا اصل مقصد شرارت ہے:

یعنی یہ لوگ جن چیزوں کا مطالبہ کر رہے ہیں، فی الحقیقت طلب حق کی نیت نہیں۔ محض شرارت اور تنگ کرنے کے لئے ہے۔ اور شرارت کا سبب یہ ہے کہ انہیں ابھی تک قیامت اور سزا و جزاء پر یقین نہیں آیا۔ سو یاد رکھنا چاہئے کہ اُن کے جھٹلانے سے کچھ نہیں بنتا، قیامت آ کر رہے گی اور ان مکذبین کے لئے آگ کا جو جیل خانہ تیار کیا گیا ہے اس میں ضرور رہنا پڑے گا۔

إِذَا رَأَتْهُمْ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَزَفِيرًا ﴿١٢﴾

جب وہ دیکھے گی اُن کو دور کی جگہ سے سنیں گے اُس کا جھنجھلانا اور چلانا

شرارت پسندوں کا عذاب:

یعنی دوزخ کی آگ محشر میں جہنمیوں کو دُور سے دیکھ کر جوش میں بھر جائے گی اور اس کی غضبناک آوازوں اور خوفناک پھنکاروں سے بڑے بڑے دلیروں کے پتے پانی ہو جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میرا نام لے کر میرے ذمے وہ بات کہے جو میں نے نہ کہی ہو اور جو شخص اپنے ماں باپ کے سوا دوسروں کو اپنا ماں باپ کہے اور جو غلام اپنے آقا کے سوا اور کی طرف اپنی غلامی کی نسبت کرے وہ جہنم کی دونوں آنکھوں کے درمیان اپنا ٹھکانا بنالے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! کیا جہنم کی بھی آنکھیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں کیا تم نے خدا کے کلام کی یہ آیت نہیں سنی إِذَا رَأَتْهُمْ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ الخ۔

حضرت ربیعؒ کا خوفِ آخرت:

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت ربیعؒ وغیرہ کو ساتھ لئے ہوئے کہیں جا رہے تھے راستے میں لوہار کی دوکان آئی آپ وہاں ٹھہر گئے اور لوہا جو آگ میں تپایا جا رہا تھا اسے دیکھنے لگے۔ حضرت ربیعؒ کا تو بُرا حال ہو گیا عذاب خدا کا نقشہ آنکھوں تلے پھر گیا قریب تھا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ اس کے بعد آپ فرات کے کنارے گئے وہاں آپ نے تنور کو دیکھا کہ اس کے بیچ میں آگ شعلے مار رہی ہے، بے ساختہ آپ کی زبان سے یہ آیت نکل گئی اسے سُنتے ہی حضرت ربیعؒ بے ہوش ہو کر گر پڑے چار پائی پر ڈال کر آپ کو گھر پہنچایا گیا، صبح سے لے کر دوپہر تک حضرت عبداللہؓ ان کے پاس بیٹھے رہے اور چارہ جوئی کرتے رہے لیکن حضرت ربیعؒ کو ہوش نہ آیا۔

دوزخ کی دہشت:

حضرت عبید بن عمیرؒ فرماتے ہیں کہ جب جہنم مارے غصے کے تھرتھرائے گی اور شور و غل اور چیخ و پکار اور جوش خروش شروع کرے گی اس وقت تمام مقرب فرشتے اور ذی رتبہ انبیاء کانپنے لگیں گے یہاں تک کہ خلیل خدا حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے اور کہنے لگیں گے کہ خدایا! میں آج تجھ سے صرف اپنی جان کا بچاؤ چاہتا ہوں اور کچھ نہیں مانگتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُقَرَّنِينَ

اور جب ڈالے جائیں گے اس کے اندر ایک جگہ تنگ میں ایک زنجیر

دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا ﴿١٣﴾

میں کئی کئی بندھے ہوئے پکاریں گے اُس جگہ موت کو

دوزخ میں مجرموں کی جگہیں:

یعنی دوزخ میں ہر مجرم کے لئے خاص جگہ ہوگی جہاں سے ہل نہ سکے گا۔ اور ایک نوعیت کے کئی کئی مجرم ایک ساتھ زنجیروں میں جکڑے ہوں گے۔ اُس وقت مصیبت سے گھبرا کر موت کو پکاریں گے کہ کاش موت آ کر ہماری ان دردناک مصائب کا خاتمہ کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

دوزخ کی تنگی:

اور جب ان کو دوزخ کے تنگ مقام میں باندھ جکڑ کر ڈالا جائے گا تو

وہاں وہ ہلاکت (یعنی موت) کو پکاریں گے۔

تنگ مقام میں ڈالے جانے کی غرض ہوگی عذاب کی شدت تنگی میں بے چینی اور وسعت مکان میں کچھ راحت ہوتی ہی ہے۔ ابن ابی حاتم نے یحییٰ بن اسید کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا، فرمایا قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس کو دوزخ میں اس طرح ٹھونسا جائے گا جیسے دیوار میں میخ۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں آیا ہے جیسے برچھے بوری میں۔

ابن مبارک نے بطریق قتادہ بیان کیا کہ حضرت عبداللہ (بن عمر) فرماتے تھے کافروں پر دوزخ کی ایسی تنگی ہوگی جیسے نیزے بوری میں۔

لوہے کے صندوقوں میں بند ہوں گے:

ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب ان لوگوں کو جن کو ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے دوزخ میں ڈالا جائے گا (یعنی ڈالے جانے کا حکم ہوگا) تو اول ان کو لوہے کے صندوقوں میں بند کر کے لوہے کی کیلیں ٹھونک دی جائیں گی پھر ان صندوقوں کو دوسرے آہنی صندوقوں میں بند کر دیا جائے گا۔ پھر جہنم کی تہ میں ان کو پھینک دیا جائے گا، پس کوئی بھی سوا اپنے کسی دوسرے کو عذاب میں مبتلا دیکھ نہ سکے گا۔

سوید بن غفلہ کی روایت سے بھی ابونعیم اور بیہقی نے اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

مُقَرَّنِيْنَ یعنی گردن سے ہاتھ بندھے ہوئے زنجیروں سے جکڑے ہوئے، بعض نے کہا شیطانوں کے ساتھ باندھے گئے۔ شیطانوں کی جٹ میں بندھے ہوئے۔ (تفسیر مظہری)

یہ لوگ جہنم کے ایسے تنگ و تاریک مکان میں ٹھونس دیئے جائیں گے جیسے بھالا کسی سوراخ میں اور روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی بابت سوال ہونا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا مروی ہے کہ جیسے کیل دیوار میں بمشکل گاڑی جاتی ہے اس طرح ان دوزخیوں کو ٹھونسا جائے گا یہ اُس وقت خوب جکڑے ہوئے ہوں گے بال بال بندھا ہوا ہوگا۔ وہاں وہ موت کو فوت کو ہلاکت کو حسرت کو پکارنے لگیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سب سے پہلے ابلیس جہنم رسید ہوگا:

احمد بزار، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سب سے پہلے ابلیس کو آگ کا لباس پہنایا جائے گا وہ اس لباس کو اپنی دونوں بھنوؤں پر رکھ کر کھینچے گا اور یا ثبور پکارے گا (ہائے میری ہلاکت) اس کی ذریات اس کے پیچھے (اسی طرح کا لباس پہنے) یا ثبور پکارتی ہوگی، آخر سب دوزخ پر جا کر ٹھہریں گے اس وقت ان سے کہا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿١٤﴾

مت پکارو آج ایک مرنے کو اور پکارو بہت سے مرنے کو

یعنی ایک بار مریں تو چھوٹ جائیں۔ دن میں ہزار بار مرنے سے بدتر حال ہوتا ہے۔ (موضح القرآن)

قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ

تو کہہ بھلا یہ چیز بہتر ہے یا باغ ہمیشہ رہنے کا جس کا وعدہ ہو چکا پرہیز گاروں سے

یعنی مکذبین کا انجام سن لیا۔ اب خود فیصلہ کر لو کہ یہ پسند ہے یا وہ جس کا وعدہ مومنین متقین سے کیا گیا۔

كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا ﴿١٥﴾ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ

وہ ہوگا اُن کا بدلہ اور پھر جانے کی جگہ اُن کے واسطے وہاں ہے جو وہ چاہیں

اور چاہیں گے وہی جو اُن کے مرتبہ کے مناسب ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

مؤمنوں کا انعام:

جو کچھ وہ چاہیں گے جنت میں ان کو ملے گا (یا ان کے لئے موجود ہے) ہمیشہ (وہاں) رہیں گے۔

یعنی اپنے مرتبے کے لائق مؤمن جنت کے اندر جو کچھ چاہے گا وہ اس کو ملے گا۔ ظاہر ہے کہ ناقص کو وہ نعمت نہیں ملے گی جو کامل کو ملے گی۔ آیت میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ تمام ارمان تو صرف جنت میں ہی پورے ہوں گے (دنیا میں پورے نہیں ہوسکتے) (تفسیر مظہری)

خٰلِدِيْنَ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا ﴿١٦﴾

رہا کریں ہمیشہ ہو چکا تیرے رب کے ذمہ وعدہ مانگا ملتا

اللہ نے اپنی مہربانی سے لازم کر لیا:

وَعْدًا مَّسْئُوْلًا سے مراد حتمی وعدہ ہے جو خدا تعالیٰ نے محض فضل و عنایت سے اپنے ذمہ لازم کر لیا۔ یا یہ مطلب کہ اس وعدہ کے ایفاء کا متقین سوال کریں گے۔ جو یقیناً پورا کیا جائے گا۔ جیسا کہ دعا میں ہے رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ (تفسیر عثمانی)

عَلٰى رَبِّكَ یعنی آپ کے رب پر لازم ہے اور واجب ہے کیونکہ اس نے وعدہ کر لیا ہے اور وعدہ خداوندی کے خلاف ہونا ممکن نہیں (یعنی اللہ پر کوئی بات فی نفسہ واجب نہیں وجوب مجبور، عاجز پر ہوتا ہے اور خدا ہر عجز سے پاک ہے لیکن اس نے اپنے ارادے اور اختیار سے وعدہ فرما لیا ہے اس لئے

وعدے کو پورا کرنا اس پر لازم ہے، پس یہ وجوب اضافی ہے خود اسی کا اختیار کردہ ہے پہلے ارادے کے ساتھ اس نے وعدہ کیا پھر وعدے کے مطابق ایفاء کو اس نے اپنے اوپر واجب کیا (اس لئے اگر ایفاء وعدہ اس پر واجب ہوا تو اس کے اختیار کے ماتحت ہوا) (تفسیر مظہری)

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ
اور جس دن جمع کر بلائے گا اُن کو اور جن کو وہ پوجتے ہیں اللہ کے سوائے
فَيَقُولُ ءَأَنْتُمْ أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هَٰؤُلَاءِ
پھر ان سے کہے گا کیا تم نے بہکایا میرے ان بندوں کو
أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ﴿۱۷﴾
یا وہ آپ بہکے راہ سے

میدان حشر میں جھوٹے معبودوں سے سوال:

یعنی عابدین کو سنا کر معبودوں سے دریافت کیا جائے گا کہ کیا تم نے ان کو شرک کی اور اپنی پرستش کرانے کی ترغیب دی تھی یا یہ خود اپنی حماقت و جہالت اور غفلت و بے توجہی سے گمراہ ہوئے۔ (تفسیر عثانی)

مَا يَعْبُدُونَ سے مراد ہیں تمام باطل معبود عقل والے ہوں یا عقل سے محروم کیونکہ زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ لفظ ما دونوں کو شامل ہوتا ہے اہل عقل کو اور بے عقل چیزوں کو مجاہد نے سوال و جواب کے قرینہ کا لحاظ کرتے ہوئے کہا کہ اس جگہ ملائکہ جنات، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت عزیرؑ مراد ہیں۔ عکرمہ ضحاک اور کلبی کے نزدیک صرف اصنام (بت) مراد ہیں کیونکہ اہل نحو کا مشہور قول یہ ہے کہ ما کا استعمال بے عقل چیزوں کے لئے ہوتا ہے اس قول کا مطلب یہ ہوا کہ قیامت کے دن اللہ ان بتوں کو زندہ کردے گا اور بولنے پر قدرت عطا کردے گا جس طرح انسان کے ہاتھ پاؤں اور مقاماتِ گناہ گویا بنادیئے جائیں گے۔

أَضْلَلْتُمْ کیا تم نے گمراہ کیا تھا، یعنی کیا تم نے ان کو اپنی پوجا کی دعوت دی تھی۔

أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ وہ خود معرفت حق کا راستہ کھو بیٹھے تھے۔ انہوں نے خود صحیح غور و فکر نہیں کیا، اور ہادی برحق کی نصیحت سے گریز کیا۔ اس سوال کی غرض معبودانِ باطل کے پرستاروں کو سرزنش اور زجر ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنْبَغِي لَنَا أَنْ نَتَّخِذَ
بولیں گے تو پاک ہے ہم سے بن نہ آتا تھا کہ پکڑ لیں
مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ
کسی کو تیرے بغیر رفیق

معبودوں کا عابدوں سے اظہارِ براءت:

یعنی ہماری کیا مجال تھی کہ تجھ سے ہٹ کر کسی دوسرے کو اپنا رفیق و مددگار سمجھتے۔ پھر جب ہم اپنے نفس کے لئے تیرے سوا کوئی سہارا نہیں رکھتے تھے تو دوسروں کو کیسے حکم دیتے کہ ہم کو اپنا معبود اور حاجت روا سمجھیں۔ (تفسیر عثانی)

نقلی معبودوں کو سوال پر تعجب ہوگا:

سُبْحَانَكَ، یعنی بطورِ تعجب وہ یہ لفظ کہیں گے کیونکہ معبودانِ باطل اگر ملائکہ یا انبیاء ہوں گے تو اس سوال پر ان کا تعجب ظاہر ہی ہے۔ اللہ نے ان کو معصوم بنایا تھا ان سے ایسا جرم کیسے سرزد ہوسکتا تھا اور اگر مخاطب جمادات اور پتھروں وغیرہ کو مانا جائے تب بھی ان کا تعجب صحیح ہے ان کو اللہ کی طرف سے تخلیقاً قدرت ہی نہیں دی گئی پھر وہ کیسے گمراہ کرسکتے تھے ان سے ایسا سوال تعجب انگیز تھا۔

یا ان کو اس بات پر تعجب اس وجہ سے ہوا کہ ہمارے متعلق تو فرما دیا گیا کہ ہم اللہ کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہتے ہیں۔ اللہ نے فرما دیا ہے وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ پھر ہم کس طرح گمراہ کرسکتے ہیں اور کیونکر شرک کی تعلیم دے سکتے ہیں۔

مَا كَانَ يَنْبَغِي لَنَا ہمارے لئے تو یہ بھی جائز نہیں، یعنی اللہ نے ہم کو معصوم بنایا ہے یا قدرت ہی نہیں دی، اس لئے کسی دوسرے کو اللہ کے سوا ہم اپنا کارساز قرار دیں یہ ہمارے لئے درست ہی نہیں ہے، دوسروں کو بہکانے یا گمراہ کرنے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

جو معبودیت کا دعویٰ کرتے تھے ان کا جواب:

یہ جواب انبیاء، ملائکہ اور جمادات کی طرف سے ہوگا۔ لیکن جو لوگ خود معبود اور رب بن بیٹھے ہیں خواہ وہ انسان ہوں یا جنات، ان کی طرف سے یہ جواب نہ ہوگا بلکہ وہ اس طرح کے جواب دیں گے۔

وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ قسم اللہ کی جو ہمارا رب ہے ہم مشرک نہیں تھے شیطان کہے گا إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا وہ سچا وعدہ تھا اللہ نے وہ پورا کیا اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا میرا تم پر کوئی جبر نہ تھا۔ الآیۃ۔ (تفسیر مظہری)

وَلَٰكِنْ مَتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ نَسُوا
لیکن تو ان کو فائدہ پہنچاتا رہا اور ان کے باپ دادوں کو یہاں تک کہ
الذِّكْرَ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا ﴿۱۸﴾
بھلا بیٹھے تیری یاد اور یہ تھے لوگ تباہ ہونے والے

حقیقتِ حال: یعنی اصل یہ ہے کہ یہ بدبخت اپنی سوءِ استعداد سے خود ہی تباہ ہونے کو پھر رہے تھے ہلاکت ان کے لئے مقدر ہو چکی تھی، ظاہری سبب اس کا یہ ہوا کہ عیش و آرام میں پڑ کر اور غفلت کے نشہ میں چُور ہو کر آپ کی یاد کو بھلا بیٹھے، کسی نصیحت پر کان نہ دھرا پیغمبروں کی ہدایت و ارشاد کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کر لیں اور دنیوی تمتع پر مغرور ہو گئے آپ نے اپنی نوازش سے جس قدر ان کو اور ان کے باپ دادوں کو دنیا کے فائدے پہنچائے، یہ اسی قدر غفلت و نسیان میں ترقی کرتے گئے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ انعاماتِ الٰہیہ کو دیکھ کر منعمِ حقیقی کی بندگی اور شکرگزاری اختیار کرتے، اُلٹے مغرور و مفتون ہو کر کفر و عصیان پر تُل گئے۔ گویا جو امرت تھا، بدبختی سے ان کے حق میں زہر بن گیا۔

فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ بِمَا تَقُولُونَ

سو وہ تو جھٹلا چکے تم کو تمہاری بات میں

مشرکوں کے سب سہارے ٹوٹ جائیں گے:

یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا کہ لو! جن کی اعانت پر تم کو بڑا بھروسہ تھا وہ خود تمہارے دعاوی کو جھٹلا رہے ہیں اور تمہاری حرکات سے اعلانیہ بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ ہم قیامت کے دن مشرکوں سے کہیں گے کہ تمہارے معبود ہی تم کو جھوٹا قرار دے رہے ہیں۔ بِمَا تَقُولُونَ یعنی یہ بات جو تم کہتے تھے کہ یہ ہمارے معبود ہیں یا کہتے ہو کہ ہمارے ان معبودوں نے ہم کو گمراہ کیا، اس بات کی تکذیب تمہارے معبودوں نے ہی کر دی۔ (تفسیر مظہری)

فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا

اب نہ تم لوٹا سکتے ہو اور نہ مدد کر سکتے ہو

یعنی اب نہ عذابِ الٰہی کو پھیر سکتے ہو نہ بات کو پلٹ سکتے ہو نہ ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہو جس کو جو سزا ملنے والی ہے اُس کا بڑے مزہ چکھتے رہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ يَظْلِمْ مِنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا (۱۹)

اور جو کوئی تم میں گنہگار ہے اُس کو ہم چکھائیں گے بڑا عذاب

شاید ظلم سے مراد یہاں شرک ہو، اور ممکن ہے ہر قسم کا ظلم و گناہ مُراد لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ

اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے رسول سب

لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ

کھاتے تھے کھانا اور پھرتے تھے بازاروں میں

کافروں کے اعتراض کی تردید:

یہ جواب ہوا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ الخ کا یعنی آپ سے پہلے جتنے پیغمبر دنیا میں آئے سب آدمی تھے۔ آدمیوں کی طرح کھاتے پیتے اور معاشی ضروریات کے لئے بازار بھی جاتے تھے۔ اُن کو فرشتہ بنا کر نہیں بھیجا جو کھانے پینے اور حوائج بشریہ سے مستغنی ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے لئے بازاروں میں پھرنا شانِ تقدس اور بزرگی کے منافی نہیں۔ بلکہ اگر بازار نہ جانے کا منشاء کبر و خود بینی ہو تو یہ بزرگی کے خلاف ہے۔

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ

اور ہم نے رکھا ہے تم میں ایک دوسرے کے جانچنے کو دیکھیں ثابت بھی رہتے ہو

کشمکشِ دنیا امتحان ہے:

یعنی پیغمبر ہیں کافروں کا ایمان جانچنے کو۔ اور کافر ہیں پیغمبروں کا صبر جانچنے کو۔ اب دیکھیں کافروں کے سفیہانہ طعن و تشنیع اور لغو اعتراضات سن کر تم کس حد تک صبر و استقلال دکھاتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

قتادہ نے کہا، قریش مومنوں کا مذاق بناتے تھے اور کہتے تھے ذرا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو تو دیکھو، جن لوگوں نے ان کا ساتھ دیا ہے وہ تو ہمارے غلام ہیں، کمینے ہیں ذلیل طبقے کے ہیں، اللہ نے ان مومنوں کو خطاب کر کے فرمایا اَتَصْبِرُوْنَ کیا اس فقر و مصیبت اور کافروں کی طرف سے اذیت پہنچنے پر تم صبر رکھو گے۔ یا صبر نہ رکھو گے، صبر رکھو گے تو اجر پاؤ گے۔ صبر نہ رکھو گے تو غم و الم میں مزید مبتلا ہو گے مطلب یہ کہ صبر رکھو۔ (تفسیر مظہری)

شکر کی توفیق کا نسخہ:

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مال اور جسم کے لحاظ سے اپنے سے اونچے کو دیکھے تو اپنے سے نیچے کو بھی دیکھے (یعنی) اپنے سے اونچے کو مت دیکھو کہ حسرت ہو نیچے کو دیکھو کہ تسلی ہو اور شکر کی توفیق ہو۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین واحمد۔ (تفسیر مظہری)

پیغمبروں کا فقر

صحیح مسلم شریف میں ہے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں خود تجھے اور تیرے ذریعہ سے اور لوگوں کو آزمانے والا ہوں۔ مسند میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہتا تو میرے

ساتھ سونے چاندی کے پہاڑ چلتے رہتے۔ اور صحیح حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی اور بادشاہ بننے میں اور نبی اور بندہ بننے میں اختیار دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بندہ اور نبی بننا پسند فرمایا، فصلوٰتُ اللّٰہ وسلامُہٗ علیہ و علیٰ آلہٖ واَصحابہٖ اَجمعین. (تفسیر ابن کثیر)

مسند احمد، ترمذی میں حضرت ابواُمامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھ سے فرمایا کہ میں آپ کے لئے پورے بطحاء مکہ اور اس کے پہاڑوں کو سونا بنا دیتا ہوں، تو میں نے عرض کیا نہیں، اے میرے پروردگار مجھے تو یہ پسند ہے کہ مجھے ایک روز پیٹ بھرائی کھانا ملے (جس پر اللہ کا شکر ادا کروں) اور ایک روز بھوکا رہوں (اُس پر صبر کروں) اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ پھرا کرتے۔ (مظہری)

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا عام طور پر فقر وفاقہ میں رہنا اللہ تعالیٰ کی ہزاروں حکمتوں اور عام انسانوں کی مصالح کی بناء پر ہے اور اس میں بھی وہ اس حالت پر مجبور نہیں ہوتے اگر وہ چاہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کو بڑا مالدار صاحب جائیداد بنا سکتے ہیں مگر اُن کی ذات کو حق تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ وہ مال ودولت سے کوئی دلچسپی ہی نہیں رکھتے، فقر وفاقہ ہی کو پسند کرتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ﴿٢٠﴾
اور تیرا رب سب کچھ دیکھتا ہے

یعنی کافروں کا کفر وایذاء دہی اور صابروں کا صبر وتحمل سب اُس کی نظر میں ہے۔ ہر ایک کو اُس کے کئے کا پھل دے کر رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا
اور بولے وہ لوگ جو اُمید نہیں رکھتے کہ ہم سے ملیں گے کیوں نہ
أُنزِلَ عَلَيْنَا الْمَلَائِكَةُ أَوْ نَرَىٰ رَبَّنَا
اُترے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھ لیتے اپنے رب کو

منکرین آخرت کی بیہودہ گوئی:

یعنی جن کو یہ اُمید نہیں کہ ایک روز ہمارے رُوبرو حاضر ہو کر حساب وکتاب دینا ہے وہ سزا کے خوف سے بالکل بے فکر ہو کر معاندانہ اور گستاخانہ کلمات زبان سے بکتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہم پر فرشتے وحی لے کر کیوں نہ اُترے۔ یا خدا تعالیٰ سامنے آ کر ہم سے ہم کلام کیوں نہ ہو گیا۔ کم از کم فرشتے تمہاری تصدیق ہی کے لئے آ جاتے یا خود خداوند رب العزت کو ہم دیکھتے کہ سامنے ہو کر تمہارے دعوے کی تائید وتصدیق کر رہا ہے کما فی موضع آخر قَالُوا لَن نُّؤْمِنَ حَتَّىٰ نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ (انعام رکوع ۱۵) وفی سورۃ الاسرا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا رکوع ۱۰۔ (تفسیر عثمانی)

لَقَدِ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيرًا ﴿٢١﴾
تحقیق بہت بڑائی رکھتے ہیں اپنے جی میں اور سر چڑھ رہے ہیں بڑی شرارت میں

منکر تکبر کے مریض ہیں:

یعنی انہوں نے اپنے دل میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ رکھا ہے جو وحی اور فرشتوں کے آنے کی تمنا رکھتے ہیں شرارت وسرکشی کی حد ہو گئی کہ باوجود ایسی سیاہ کاریوں کے دنیا میں ان آنکھوں سے خداوند قدوس کو دیکھنے اور شرف ہم کلامی سے مشرف ہونے کا مطالبہ کریں۔

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلَائِكَةَ لَا بُشْرَىٰ يَوْمَئِذٍ
جس دن دیکھیں گے فرشتوں کو کچھ خوشخبری نہیں اُس دن
لِّلْمُجْرِمِينَ وَيَقُولُونَ حِجْرًا مَّحْجُورًا ﴿٢٢﴾
گنہگاروں کو اور کہیں گے کہیں روک دی جائے کوئی آڑ

گھبراؤ نہیں وقت آ رہا ہے:

یعنی گھبراؤ نہیں، ایک دن آنے والا ہے جب فرشتے تم کو نظر پڑیں گے لیکن اُن کے دیکھنے سے تم جیسے مجرموں کو کچھ خوشی حاصل نہ ہو گی، بلکہ سخت ہولناک مصائب کا سامنا ہو گا۔ حتیٰ کہ جو لوگ اس وقت فرشتوں کے نزول کا مطالبہ کرنے والے ہیں اُس وقت حِجْرًا مَّحْجُورًا کہہ کر پناہ طلب کریں گے، اور چاہیں گے کہ اُن کے اور فرشتوں کے درمیان کوئی سخت روک قائم ہو جائے کہ وہ اُن تک نہ پہنچ سکیں لیکن خدا کا فیصلہ کب رُک سکتا ہے فرشتے بھی حِجْرًا مَّحْجُورًا کہہ کر بتلا دیں گے کہ آج مسرت وکامیابی ہمیشہ کے لئے تم سے روک دی گئی ہے۔ (تنبیہ) ممکن ہے یہ تذکرہ احتضار (موت) کے وقت کا ہو۔ کما قال تعالیٰ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ (انفال۔ رکوع ۷) وقال تعالیٰ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ (انعام رکوع ۱۱)

گویا یہ کیفیت اُسکے بالمقابل ہو گی۔ جو دوسری جگہ مومنین کی بیان ہوئی ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ (حم السجدہ۔ رکوع ۴) اور ممکن ہے یہاں قیامت کے دن کا ذکر ہو۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے بحوالہ ابن جریج لکھا ہے کہ عربوں پر جب کوئی مصیبت آتی

ہے اور کسی ناخوشگوار امر میں مبتلا ہوتے ہیں تو حجرا محجورا کہتے ہیں چنانچہ مجرم فرشتوں کو دیکھنے کے بعد یہ الفاظ کہیں گے۔ (تفسیر مظہری)

مؤمن کی روح کا اعزاز:

صحیح حدیث میں ہے کہ فرشتے مؤمن کی روح سے کہتے ہیں اے پاک روح جو پاک جسم میں تھی تو اللہ تعالیٰ کے رحم اور رحمت کی طرف چل جو تجھ سے ناراض نہیں ہے۔ شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ ان میں سے چار کی تسبیح تو یہ ہوگی۔ سُبحانک اللّٰھُمّ وبحمدک لک الحمد علیٰ حلمک بعد علمک خُدایا تو پاک ہے تو قابل ستائش وتعریف ہے باوجود علم کے پھر بھی بُردباری برتنا تیرا وصف ہے جس پر ہم تیری تعریف بیان کرتے ہیں اور چار کی تسبیح یہ ہوگی۔ سُبحانک اللّٰھُمّ وبحمدک لک الحمْدُ علیٰ عفوک بعد قُدرتک خدایا تو پاک ہے اور اپنی تعریفوں کے ساتھ ہے تیرے ہی لئے سب تعریف ہے کہ تو باوجود قدرت کے معاف فرماتا رہتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا ﴿۲۳﴾

اور ہم پہنچے اُن کے کاموں پر جو انہوں نے کئے تھے پھر ہم نے کر ڈالا اس کو خاک اُڑتی ہوئی

غرور خاک ہوجائے گا:

یعنی وہ ہم کو بلاتے تھے تو ہم بھی آ پہنچے، مگر اُن کی عزت بڑھانے کو نہیں، بلکہ اس لئے کہ انہوں نے اپنے زعم باطل کے موافق جو بھلے کام کئے تھے جن پر بڑا بھروسہ تھا انہیں ہم قطعاً ملیامیٹ کردیں اور اس طرح بے حقیقت کرکے اُڑادیں جیسے خاک کے حقیر ذرات ہوا میں اِدھر اُدھر اُڑ جایا کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اعمال روح اخلاص وایمان سے یکسر خالی یا طریق حق کے بالکل متضاد واقع ہوئے ہیں۔ قال تعالیٰ مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ (ابراہیم۔رکوع ۳) وغیر ذٰلک من الآیات۔ (تفسیر عثمانی)

هَبَاءً مَّنثُورًا یعنی بےکار، رائیگاں جس کا آخرت میں کوئی ثواب نہ ہوگا، کیونکہ ثواب کی شرط ہے ایمان اور محض اللہ کے لئے نیکی کرنا اور یہ دونوں شرطیں کافروں کے اعمال میں مفقود ہیں۔

ہباءً کا معنی:

حضرت علیؓ نے فرمایا، ہباء ان ذروں کو کہتے ہیں جو روشندانوں (اور کواڑوں) کے شگافوں سے سورج کی روشنی پر غبار کی طرح نظر آتے ہیں، مگر ہاتھ سے ان کو چھوا نہیں جاسکتا اور نہ وہ سایہ میں نظر آتے ہیں حسن، مجاہد اور عکرمہ نے بھی اس لفظ کی یہی تشریح کی۔ منثور کا معنی ہے پراگندہ۔ (تفسیر مظہری)

أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا ﴿۲۴﴾

بہشت کے لوگوں کا اُس دن خوب ہے ٹھکانا اور خوب ہے جگہ دوپہر کے آرام کی

اہل جنت کے مزے:

یعنی یہ لوگ تو اس روز اس مصیبت میں گرفتار ہوں گے اور جن کی ہنسی اُڑایا کرتے تھے وہ جنت میں خوب عیش وآرام کے مزے لوٹیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

جنت ودوزخ میں داخلہ کا وقت:

بغوی کی روایت میں حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ان الفاظ کے ساتھ آیا ہے۔ قیامت کا دن آدھا نہ ہونے پائے گا کہ اہل جنت، جنت میں اور اہل نار دوزخ میں جاکر ٹھہر جائیں گے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت میں یہ آیت اسی طرح آئی ہے۔ ابن جریر، ابن المنذر اور ابونعیم نے الحلیہ میں ابراہیم نخعی کا قول نقل کیا ہے۔ لوگ خیال کرتے تھے کہ قیامت کے دن آدھے دن میں لوگوں کا حساب ختم ہوجائے گا پھر جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں قیلولہ کریں گے (دوپہر بسر کریں گے) بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے اس روز حساب شروع دن میں ہی ہوجائے گا۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں مجھے معلوم ہوا ہے کہ کس وقت جنتی جنت میں جائیں گے اور جہنمی جہنم میں، یہ وہ وقت ہوگا جو یہاں دنیا میں دوپہر کا وقت ہوتا ہے کہ لوگ اپنے گھروں کو دوگھڑی آرام حاصل کرنے کی غرض سے لوٹتے ہیں۔ جنتیوں کا یہ قیلولہ جنت میں ہوگا۔ مچھلی کی کلیجی انہیں پیٹ بھر کر کھلائی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنزِيلًا ﴿۲۵﴾

اور جس دن پھٹ جائے آسمان بادل سے اور اُتارے جائیں فرشتے تار لگا کر

اللہ تعالیٰ کا نزولِ اجلال:

قیامت کے دن آسمانوں کے پھٹنے کے بعد اوپر سے بادل کی طرح کی ایک چیز اُترتی نظر آئے گی جس میں حق تعالیٰ کی ایک خاص تجلی ہوگی۔ اُسے ہم چتر شاہی سے تعبیر کئے لیتے ہیں۔ شاید یہ وہی چیز ہو جسے ابورزین کی حدیث میں عماء سے اور نسائی کی ایک روایت میں جو معراج سے متعلق ہے غیابہ سے تعبیر کیا ہے۔ واللہ اعلم اس کے ساتھ بیشمار فرشتوں کا ہجوم ہوگا اور آسمانوں کے فرشتے اُس روز لگاتار مقام محشر کی طرف نزول فرمائیں گے۔ دوسرے پارہ کے نصف کے قریب آیت هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ الخ میں بھی اسی طرح کا مضمون گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن جریر اور ابن مبارک نے ضحاک کا قول نقل کیا ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ کے حکم سے آسمان اپنے باشندوں سمیت پھٹ پڑے گا اس حکم کے وقت ملائکہ آسمان کے کناروں پر ہوں گے اور نیچے اتر کر ساری زمین اور زمین والوں کو گھیر لیں گے، پھر دوسرے تیسرے چوتھے پانچویں چھٹے اور ساتویں آسمان کا بھی یہی حال ہوگا۔ پھر سب فرشتے صف بستہ ہو جائیں گے ایک قطار کے بعد دوسری قطار (ترتیب وار) ہو جائے گی پھر ایک فرشتہ اترے گا جس کے بائیں جانب جہنم ہوگا۔ زمین والے جہنم کو دیکھ کر ادھر اُدھر بھاگ پڑیں گے مگر زمین کے جس کنارے پر پہنچیں گے وہاں ملائکہ کی سات صفیں گھیرے ہوئے ملیں گی مجبوراً اسی جگہ جہاں سے بھاگے تھے لوٹ آئیں گے۔ آیات ذیل میں اسی کا بیان ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے۔

إِنِّيٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۙ يَوْمَ تُوَلُّونَ مُدْبِرِينَ

وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۚ وَجِاْىٓءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ ۙ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ

إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا ۚ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ

فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۙ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى أَرْجَآئِهَا

لوگ اسی حالت میں ہوں گے کہ اچانک ایک آواز سنائی دے گی اور لوگ حساب (فہمی) کے لئے چل دیں گے۔ (تفسیر مظہری)

اللہ تعالیٰ کا نزولِ اجلال:

ابوبکر بن عبداللہؒ کہتے ہیں کہ عرش کو اترتا دیکھ کر اہل محشر کی آنکھیں پھٹ جائیں گی جسم کانپ اٹھیں گے دل ہل جائیں گے۔ عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ جس وقت اللہ عزوجل مخلوق کی طرف اُترے گا تو درمیان میں ستر ہزار پردے ہوں گے بعض نور کے بعض ظلمت کے۔ اس ظلمت میں سے ایک ایسی آواز نکلے گی کہ جس سے دل پاش پاش ہو جائیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ ای عن الغمام ۔قرطبی۔ معنے یہ ہیں کہ آسمان شق ہو کر اس میں سے ایک رقیق بادل اُترے گا جس میں فرشتے ہوں گے۔ یہ ابر بشکل سائبان آسمان سے آوے گا اور اس میں حق تعالیٰ کی تجلی ہوگی اور اس کے گرداگرد ملائکہ ہوں گے۔ یہ حساب شروع ہونے کا وقت ہوگا اور اُس وقت آسمان کا پھٹنا صرف کھلنے کے طور پر ہوگا یہ وہ پھٹنا نہیں ہوگا جو پہلی مرتبہ نفخہ صور کے وقت آسمان زمین کو فنا کرنے کے لئے ہوگا کیونکہ یہ نزول غمام جس کا ذکر آیت میں ہے نفخہ ثانیہ کے بعد ہے جبکہ سب زمین وآسمان دوبارہ درست ہو چکے ہوں گے۔ (بیان القرآن) (معارف مفتی اعظمؒ)

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ۨالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا

بادشاہی اُس دن سچی ہے رحمٰن کی اور ہے وہ دن

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا

منکروں پر مشکل

فقط اللہ کی بادشاہی ہوگی:

یعنی ظاہراً و باطناً صورۃً و معنیً من کل الوجوہ اکیلے رحمان کی بادشاہت ہوگی اور صرف اُسی کا حکم چلے گا۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (مومن۔ رکوع ۲) پھر جب رحمان کی حکومت ہوئی تو جو مستحق رحمت ہیں اُن کے لئے رحمت کی کیا کمی، بے حساب رحمتوں سے نوازے جائیں گے مگر باوجود ایسی لامحدود رحمت کے کافروں کے لئے وہ دن بڑی سخت مشکل اور مصیبت کا ہوگا۔

کہ بازار چنداں کہ آگندہ تر　　تہیدست را دل پراگندہ تر

(تفسیر عثمانی)

قیامت کے دن کی سختی:

وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا اور وہ دن کافروں کے لئے سخت دشوار دن ہوگا۔ حضرت ابو سعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دن کے متعلق دریافت کیا گیا جس کی مقدار پچاس ہزار برس کے برابر ہوگی (اور عرض کیا گیا) کیسا لمبا دن ہوگا (اور اتنا لمبا وقت کیسے کٹے گا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مومن کے لئے وہ بہت ہلکا ہوگا یہاں تک کہ فرض نماز کے (ایک) وقت سے بھی اس کے لئے زیادہ آسان (اور چھوٹا) ہوگا۔

آئندہ آیت کا شانِ نزول:

بغویؒ نے لکھا ہے، عقبہ بن ابی معیط کا دستور تھا کہ جب سفر سے واپس آتا تھا تو کھانا تیار کراتا اور اپنی قوم کے بڑے بڑے لوگوں کی دعوت کرتا تھا، یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زیادہ بیٹھتا تھا ایک روز سفر سے واپس آکر کھانا تیار کرایا اور لوگوں کی دعوت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کھانے کے لئے بلایا (آپ تشریف لے گئے) جب عقبہ نے کھانا لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اس وقت تک تمہارا کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک تم لا الٰہ الا اللّٰہ اور محمد رسول اللّٰہ کی شہادت نہ دو گے عقبہ نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کھانا کھا لیا عقبہ اُبی بن خلف کا دوست تھا (اور اُبی سخت کافر تھا) اُبی کو عقبہ کے کلمۂ شہادت پڑھنے کی اطلاع ملی تو اس نے عقبہ سے کہا عقبہ تم بے دین ہو گئے عقبہ نے کہا نہیں تو خدا کی قسم میں تو بے دین نہیں ہوا۔ بات صرف یہ تھی کہ میرے گھر ایک آدمی آیا اور بغیر کلمۂ شہادت پڑھوائے میرا کھانا کھانے سے اس نے انکار کر دیا میری غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ وہ میرے گھر سے بغیر کھانا کھائے چلا جائے اس لئے میں نے شہادت دے دی

اوراس نے کھانا کھالیا ابی نے کہا میں اس وقت تک تم سے راضی نہیں ہوں گا جب تک تم جا کر اس کے منہ پر تھوک نہ دو گے، عقبہ نے جا کر ایسا کر دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے بھی اگر مکہ کے باہر تجھے پالیا تو تیرے سر پر تلوار ماروں گا (یعنی تجھے قتل کردوں گا۔ چنانچہ عقبہ کو بدر کے دن بندھوا کر قتل کر دیا گیا۔ رہا ابی تو اس کو احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا۔ ابن جریر نے یہ روایت مرسل بھی نقل کی ہے اس روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔ اُبی نے عقبہ سے کہا میں تم سے اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک تم اس کی گردن کو پاؤں سے روند نہ دو گے، اور اس کے منہ پر تھوک نہ دو گے، چنانچہ عقبہ نے جب دارالندوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدے کی حالت میں پایا تو وہ ایسا کر گزرا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میں مکہ کے باہر تجھ کو پاؤں گا تو تیرے سر پر تلوار ماروں گا بدر کے دن عقبہ قید کر لیا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو عقبہ کے قتل کر دینے کا حکم دیا اور مقابلہ کے وقت اُبی کے بھالا مارا پھر اُبی مکہ کو لوٹ گیا اور مر گیا۔ عقبہ اور ابی کے متعلق آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي

اور جس دن کاٹ کاٹ کھائے گا گنہگار اپنے ہاتھوں کو کہے گا اے کاش

اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾

کہ میں نے پکڑا ہوتا رسول کے ساتھ رستہ

کافروں کی بے انتہاء حسرت:

یعنی مارے حسرت وندامت کے اپنے ہاتھ کاٹے گا اور افسوس کرے گا کہ میں نے کیوں دنیا میں رسول خدا کا راستہ اختیار نہ کیا اور کیوں شیاطین الانس والجن کے بہکائے میں آ گیا جو آج یہ روز بد دیکھنا پڑا۔ (تفسیر عثمانی)

الظّالم سے مراد ہے عقبہ بن ابی معیط ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ اُبی بن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، عقبہ بن ابی معیط نے اس کو سرزنش کی اس پر یہ آیت خَذُوْلًا تک نازل ہوئی، شعبی اور مقسم سے بھی ایسی ہی روایت آئی ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے دانتوں سے ہاتھ کاٹنا۔ انگلیوں کے پورے کھانا، دانت پیسنا یہ سب کنائی الفاظ ہیں ان سے مراد ہوتا ہے انتہائی غصہ اور حسرت۔

عقبہ کا انجام بد:

ضحاک نے کہا، جب عقبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر تھوک پھینکا تو اس کا تھوک لوٹ کر اسی کے رخساروں پر آ پڑا۔ جس سے دونوں رخسارے جل گئے۔ اور مرتے دم تک جلنے کا نشان نہیں گیا شعبی کا بیان ہے کہ عقبہ بن ابی معیط امیہ بن خلف کا دوست تھا۔ عقبہ مسلمان ہو گیا امیہ نے کہا چونکہ تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر لی ہے اس لئے میرا چہرہ تیرے لئے اور تیرا چہرہ میرے لئے دیکھنا حرام ہے عقبہ نے اسلام کا انکار کر دیا اور مرتد ہو گیا اس پر اللہ نے اس کے بارے میں آیت وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ نازل فرمائی الظالم سے مراد ہے عقبہ بن ابی معیط بن امیہ بن عبدالشمس بن عبدمناف۔ ہاتھ کاٹنے سے مراد ہے ندامت وافسوس کہ وہ دوست جس نے اس کو اللہ کے راستہ سے روکا اس نے اس کا کہا مان لیا اور گناہ وکفر کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو خود تباہ کر دیا۔ عطاء نے کہا وہ (قیامت کے دن) اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک کھا جائے گا پھر ہاتھ اُگ آئیں گے وہ حسرت وافسوس کرتے ہوئے ان کو پھر کھا جائے گا اور یوں ہی ہاتھ اُگتے رہیں گے اور وہ حسرت کے ساتھ کھاتا رہے گا۔ (تفسیر مظہری)

يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾

اے خرابی میری کاش کہ نہ پکڑا ہوتا میں نے فلانے کو دوست

گمراہوں کی دوستی کا انجام:

یعنی جن کی دوستی اور اغواء سے گمراہ ہوا تھا یا گمراہی میں ترقی کی تھی، اس وقت پچھتائے گا کہ افسوس ایسوں کو میں نے اپنا دوست کیوں سمجھا۔ کاش میرے اور ان کے درمیان کبھی دوستی اور رفاقت نہ ہوئی ہوتی۔ (تنبیہ) مفسرین نے یہاں عقبہ بن ابی معیط اور ابی بن خلف کا جو واقعہ نقل کیا ہے، کچھ ضرورت نہیں کہ آیت کے مدلول کو اس پر مقصور کیا جائے۔ ہاں جو تقریر ہم نے کی ہے اس میں وہ بھی داخل ہے۔

صرف مؤمن کو اپنا ساتھی بناؤ:

مسند احمد ترمذی، ابوداؤد وغیرہ نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لاتصاحب الامؤمنا ولایاکل مالک الاتقی (مظہری) کسی غیر مسلم کو اپنا ساتھی نہ بناؤ، اور تمہارا مال (بطور دوستی کے) صرف متقی آدمی کھائے، یعنی غیر متقی سے دوستی نہ کرو، اور ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

المرء علی دین خلیله فلینظر من یخالل (رواہ البخاری)

(ترجمہ) ہر انسان (عادۃ) اپنے دوست کے دین اور طریقہ پر چلا کرتا ہے اس لئے دوست بنانے سے پہلے خوب غور کر لیا کرو کہ کس کو دوست بنا رہے ہو۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ہمارے مجلسی دوستوں میں کون لوگ بہتر ہیں تو آپ نے فرمایا۔

من ذكركم بالله رويته وزاد في علمكم منطقه وذكركم بالاخرة عمله رواه البزار (قرطبی)

ترجمہ: وہ شخص جس کو دیکھ کر خدا یاد آئے اور جس کی گفتگو سے تمہارا علم بڑھے اور جس کے عمل کو دیکھ کر آخرت کی یاد تازہ ہو۔

لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ

اُس نے تو بہکا دیا مجھ کو نصیحت سے مجھ تک پہنچ چکنے کے پیچھے

وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾

اور ہے شیطان آدمی کو وقت پر دغا دینے والا

یعنی پیغمبر کی نصیحت مجھ کو پہنچ چکی تھی۔ جو ہدایت کے لئے کافی تھی اور امکان تھا کہ میرے دل میں گھر کر لے۔ مگر اس کمبخت کی دوستی نے تباہ کیا اور دل کو اُدھر متوجہ نہ ہونے دیا۔ بیشک شیطان بڑا دغاباز ہے آدمی کو عین وقت پر دھوکا دیتا اور بُری طرح رُسوا کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

نیک و بد ساتھی کی مثال:

حضرت ابوموسیٰ اشعری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک اور بدہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کے پاس تو مشک ہے اور دوسرا لوہار کی بھٹی دھونک رہا ہے۔ مشک اپنے پاس رکھنے والا یا تو تم کو (کچھ مشک مفت) دے دے گا یا تم اس سے خرید لوگے یا (کم از کم) عمدہ خوشبو ہی تم کو (اس کی طرف سے) مل جائے گی۔ اور بھٹی دھونکنے والا، یا تمہارے کپڑوں کو جلا دے گا یا (کم از کم) بدبو تم کو اس کی طرف سے پہنچے گی (رواہ البخاری)

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (عام طور پر) آدمی اپنے دوست کے مسلک پر ہوتا ہے اس لئے اس کو (پہلے سے) دیکھ لینا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔ (رواہ البغوی)

امام احمد اور اصحاب سنن نے اور شیخین نے صحیحین میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے نیز صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بھی آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آدمی اسی کے ساتھ ہوگا (یا ہوتا ہے) جس سے اس کو محبت ہوگی۔ (یا محبت ہے) (تفسیر مظہری)

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا

اور کہا رسول نے اے میرے رب میری قوم نے ٹھہرایا ہے

هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾

اس قرآن کو جھک جھک

بد بخت قوم:

یعنی ضدی معاندین نے جب کسی طرح نصیحت پر کان نہ دھرا، تب پیغمبر نے بارگاہ الٰہی میں شکایت کی کہ خداوند! میری قوم نہیں سنتی، انہوں نے قرآن جیسی عظیم الشان کتاب کو (العیاذ باللہ) بکواس قرار دیا ہے، جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو خوب شور مچاتے اور بک بک جھک جھک کرتے ہیں۔ تا کوئی شخص سن اور سمجھ نہ سکے۔ اس طرح ان اشقیاء نے قرآن جیسی قابل قدر کتاب کو بالکل متروک و مہجور کر چھوڑا ہے۔ (تنبیہ) آیت میں اگرچہ مذکور صرف کافروں کا ہے تاہم قرآن کی تصدیق نہ کرنا، اس میں تدبر نہ کرنا، اس پر عمل نہ کرنا۔

قرآن کے ترک کی صورتیں:

اُس کی تلاوت نہ کرنا، اُس کی تصحیح قرأت کی طرف توجہ نہ کرنا، اُس سے اعراض کر کے دوسری لغویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا، یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ہجران قرآن کے تحت میں داخل ہوسکتی ہیں۔ "فنسأل الله الكريم المنان القادر على مايشاء ان يخلصنا مما يسخطه ويستعملنا فيما يرضيه من حفظ كتابه وفهمه والقيام بمقتضاه آناء الليل واطراف النهار على الوجه الذي يحبه ويرضاه انه كريم وهاب"۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس شخص نے قرآن پڑھا مگر پھر اس کو بند کر کے گھر میں معلق کر دیا نہ اس کی تلاوت کی پابندی کی نہ اسکے احکام میں غور کیا، قیامت کے روز قرآن اس کے گلے میں پڑا ہوا آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرے گا کہ آپکے اس بندہ نے مجھے چھوڑ دیا تھا اب آپ میرے اور اس کے معاملہ کا فیصلہ فرما دیں۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظمؒ)

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ

اور اسی طرح رکھے ہیں ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن گنہگاروں میں سے

ہر نبی کے دشمن ہوئے ہیں:

جو نبی کی بات ماننے میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں اور لوگوں کو قبول حق سے روکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾

اور کافی ہے تیرا رب راہ دکھلانے کو اور مدد کرنے کو

اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرے گا:

یعنی کافر پڑے بہکایا کریں، جس کو اللہ چاہے گا راہ پر لے آئے گا یا یہ

مطلب ہے کہ اللہ جس کو چاہیے گا ہدایت کردے گا اور جن کو ہدایت نصیب نہ ہوگی اُن سب کے مقابلہ میں تیری مدد کرے گا۔ یا یہ کہ حق تعالیٰ تیری مدد کر کے مقام مطلوب تک پہنچادے گا۔ کوئی رکاوٹ مانع نہ ہوسکے گی۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ
اور کہنے لگے وہ لوگ جو منکر ہیں کیوں نہ اُترا
عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ
اس پر قرآن سارا ایک جگہ ہو کر

دشمنوں کا اعتراض:

یعنی نبی کے دشمن لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے ایسے ایسے اعتراض چھانٹتے ہیں کہ صاحب! دوسری کتابوں کی طرح پورا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتارا گیا برسوں میں جو تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارا گیا اللہ میاں کو کچھ سوچنا پڑتا تھا، اس سے تو شبہ ہوتا ہے کہ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم سوچ سوچ کر بناتے ہیں پھر موقع مناسب دیکھ کر تھوڑا تھوڑا سناتے رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن پاک کی فضیلت:

لطیفہ یہ ہے کہ قرآن کو دونوں بزرگیاں ملیں۔ یہ ایک ساتھ لوح محفوظ سے ملا اعلیٰ میں اُترا لوح محفوظ سے پورا کا پورا آسمان دنیا تک پہنچا۔ پھر حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوتا رہا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سارا قرآن ایک دفعہ ہی لیلۃ القدر میں آسمانِ دنیا پر نازل ہوا۔ پھر بیس سال تک زمین پر اترتا رہا۔ پھر اس کے ثبوت میں آپ نے وَلَا يَاْتُوْنَكَ الخ اور آیت وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ الخ تلاوت فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر)

كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا
اسی طرح اتارا تاکہ ثابت رکھیں ہم اس سے تیرا دل اور پڑھ سنایا ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر

قرآن تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی حکمتیں:

یعنی یہ کیا ضرور ہے کہ تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارنا اس سبب سے ہو جو تم نے سمجھا۔ اگر غور کرو گے تو اس طرح نازل کرنے میں بہت سے فوائد ہیں جو دفعۃً نازل کرنے کی صورت میں پوری طرح حاصل نہ ہوتے مثلاً اس صورت میں قرآن کا حفظ کرنا زیادہ آسان ہوا، سمجھنے میں سہولت رہی، کلام پوری طرح منضبط ہوتا رہا اور جن مصالح وحکم کی رعایت اس میں کی گئی تھی، لوگ موقع بہ موقع اُن کی تفاصیل پر مطلع ہوتے رہے۔ ہر آیت کی جُداگانہ شانِ نزول کو دیکھ کر اُس کا صحیح مطلب متعین کرنے میں مدد ملی۔ ہر ضرورت کے وقت ہر بات کا بروقت جواب ملتے رہنے سے پیغمبر اور مسلمانوں کے قلوب تسکین پاتے رہے۔ اور ہر آیت کے نزول پر گویا دعویٰ اعجاز کی تجدید ہوتی رہی۔ اس سلسلہ میں جبریل علیہ السلام کا بار بار آنا جانا ہوا جو ایک مستقل برکت تھی، وغیر ذلک من الفوائد۔ ان ہی میں سے بعض فوائد کی طرف یہاں اشارہ فرمایا ہے۔

وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ
اور نہیں لاتے تیرے پاس کوئی مثل کہ ہم نہیں پہنچا دیتے تجھ کو
بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا
ٹھیک بات اور اُس سے بہتر کھول کر

قرآن شافی جواب دیتا ہے:

یعنی کفار جب کوئی اعتراض قرآن پر یا کوئی مثال آپ پر چسپاں کرتے ہیں تو قرآن اُس کے جواب میں ٹھیک ٹھیک بات بتلا دیتا ہے جس میں کسی قسم کا ہیر پھیر نہیں ہوتا۔ بلکہ صاف واضح معتدل اور بے غل وغش بات ہوتی ہے ہاں جن کی عقل اوندھی ہوگئی ہو وہ سیدھی اور صاف بات کو بھی ٹیڑھی سمجھیں یہ الگ چیز ہے ایسوں کا انجام اگلی آیت میں بیان فرمایا۔

اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ
جو لوگ کہ گھیر کر لائے جائیں گے اوندھے پڑے ہوئے اپنے منہ پر دوزخ کی طرف
اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ۠
انہی کا بُرا درجہ ہے اور بہت بہکے ہوئے ہیں راہ سے

گمراہی پسندوں کا انجام:

یہ وہی لوگ ہیں جن کی عقل اوندھی ہوگئی اور مطلوبات کو چھوڑ کر عقلی خواہشات پر جھک پڑے۔ آگے ایسی چند اقوام کا جو حشر ہوا عبرت کے لئے اُس کو بیان فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تین طرح لوگوں کو چلایا جائے گا:

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن تین طور پر لوگوں کو چلایا جائے گا کچھ سوار، کچھ پیدل، کچھ منہ کے بل چلنے والے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا منہ کے بل چلیں گے فرمایا جس نے پاؤں سے چلایا ہے وہ منہ کے بل چلانے کی بھی قدرت رکھتا ہے۔ رواہ ابوداؤد والبیہقی۔ (تفسیر مظہری)

حدیث میں ہے کہ کفار قیامت کے دن اوندھے منہ کے بل چلائے

جائیں گے اور اپنے منہ سے راستہ کے کانٹے کو ہٹائیں گے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ قیامت کے دن کافر کس طرح منہ کے بل چلے گا آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو خدا اس کو دنیا میں پیروں کے بل چلانے پر قادر ہے وہ قیامت کے دن منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے۔ یعنی سر کے بل چلانا او ر پیروں کے بل چلانا خدا کی قدرت کے لحاظ سے یکساں ہے۔

نکتہ: امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح کفار کے دل دنیا میں ــــ ہو گئے اور زمین اور پستی کی طرف مائل ہو گئے اور بلندی سے اعراض کیا اس لئے ان کا حشر اسی ہئیت کے ساتھ ہوگا۔ ایسے ہی لوگ جو قلب اور عقل کے اندھے اور اوندھے۔ باعتبار مکان کے یا باعتبار مرتبہ کے بدترین خلائق ہیں اور سب سے زیادہ گمراہ ہیں اس لئے ان کا حشر منہ کے بل ہوگا۔ (معارف کاندھلوی)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ
اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اور کر دیا ہم نے اس کے ساتھ اُس کا بھائی
هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿٣٥﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ
ہارون کام بٹانے والا پھر کہا ہم نے تم دونوں جاؤ اُن لوگوں کے پاس
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ
جنہوں نے جھٹلایا ہماری باتوں کو

قوم فرعون کا حق سے انکار:

یعنی آیات تکوینیہ کو جو اللہ کی توحید وغیرہ پر دال ہیں اور انبیائے سابقین کے متفقہ بیانات کو جن کا تھوڑا بہت چرچا پہلے سے چلا آتا تھا، جھٹلا کر خدائی کے دعوے کرنے لگے تھے۔

فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿٣٦﴾ ؕ وَقَوْمَ نُوْحٍ
پھر دے مارا ہم نے اُن کو اکھاڑ کر اور نوح کی قوم کو
لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ
جب انہوں نے جھٹلایا پیغام لانے والوں کو

قوم نوحؑ کا کرتوت:

ایک پیغمبر کا جھٹلانا سب کا جھٹلانا ہے کیونکہ اصول دین میں سب انبیاء متحد ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تکذیب رسل سے مراد ہے حضرت نوح کی اور آپ سے پہلے گزرے ہوئے پیغمبروں کی تکذیب یا یوں کہا جائے کہ صرف حضرت نوحؑ کی تکذیب ہی مراد ہے لیکن ایک پیغمبر کی تکذیب حقیقت میں سب پیغمبروں کی تکذیب ہے کیونکہ ہر پیغمبر دوسرے تمام پیغمبروں کی تصدیق کرتا ہے اس ایک کو جھوٹا جاننا حقیقت میں تمام پیغمبروں کو دروغ گو قرار دینا ہوتا ہے اس لئے تکذیب نوح کو تکذیب رسل قرار دیا۔ (تفسیر مظہری)

اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ
ہم نے ان کو ڈبا دیا اور کیا اُن کو لوگوں کے حق میں نشانی، اور تیار کر رکھا ہے ہم نے گنہگاروں
عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٣٧﴾ ۚ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ
کے واسطے عذاب درد ناک اور عاد کو اور ثمود کو اور کنوئیں والوں کو

کنوئیں والی قوم:

اصحاب الرس (کنوئیں والے) کون تھے؟ اس میں سخت اختلاف ہوا ہے "روح المعانی" میں بہت سے اقوال نقل کر کے لکھا ہے۔ "وملخص الاقوال انھم قوم اھلکھم اللّٰہ بتکذیب من ارسل الیھم" یعنی خلاصہ یہ ہے کہ وہ کوئی قوم تھی جو اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی پاداش میں ہلاک ہوئی حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ایک اُمت نے اپنے رسول کو کنوئیں میں بند کیا پھر اُن پر عذاب آیا تب وہ رسول خلاص ہوا۔" (تفسیر عثمانی)

اس جگہ اصحاب الرس سے مراد ہے حضرت شعیبؑ کی قوم، جس نے ایک کنوئیں پر اپنی آبادی کر لی تھی۔ یہ لوگ جانور پالتے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے ایک وقت جب وہ سب کنوئیں کے گرداگرد اپنے گھروں میں موجود تھے وہاں کی زمین دھنس گئی، وہ کنواں اور آبادی اور ساری زمین اندر گھس گئی اور سب مر گئے اُن کے یکدم ہلاک ہو جانے کی اصلی علت یہ تھی کہ اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے حضرت شعیب پیغمبر کو مبعوث فرمایا، حضرت شعیبؑ نے ان کو اسلام کی دعوت دی لیکن ان کی سرکشی اور بڑھتی گئی اور حضرت شعیبؑ کو طرح طرح سے ایذا پہنچانے لگے۔ آخر ہلاک کر دیئے گئے۔ زمین سب کو کھا گئی، کنوئیں کو بھی، ان کو بھی اور ان کے گھروں کو بھی۔ یہ تفصیل وہب بن منبہ نے بیان کی۔ ابن جریر اور ابن عساکر نے قتادہ کی طرف بھی اس بیان کی نسبت کی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ سعید بن جبیر نے بیان کیا کہ اصحاب الرس کا ایک پیغمبر تھا جس کا نام حنظلہ بن صفوان تھا، رس والوں نے اپنے پیغمبر کو شہید کر دیا، اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لوگ اللہ کی طرف سے ایک مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ ایک دراز گردن، عظیم الجثہ پرندہ کوہ فتح پر رہتا تھا، پرندہ کو لمبی گردن ہونے کی وجہ سے عنقاء کہا جاتا تھا۔ عنقاء اس قوم کے بچوں پر آ پڑتا تھا اور اُچک کر لے جاتا تھا۔ حنظلہ نے عنقاء کو بددعا دی نتیجہ یہ

ہوا کہ ایک بجلی اس پر ٹوٹ پڑی۔ لیکن کچھ مدت کے بعد قوم والوں نے حنظلہ کو شہید کر دیا اور (اس جرم کی سزا میں) ان کو بھی ہلاک کر دیا گیا۔

حبیب نجار:

بغوی نے لکھا ہے، رسدی کا بیان ہے رس نطاکیہ میں ایک کنواں تھا، لوگوں نے حبیب بن نجار کو قتل کر کے اس کنویں میں ڈال دیا، حبیب بن نجار اور ان کی قوم کا تذکرہ سورۂ یٰسین میں آیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

سورۂ اعراف وغیرہ میں اصحاب الرّس کی بابت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ یہ ثمودیوں کی ایک بستی والے تھے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ یہ فلج والے تھے جن کا ذکر سورہ یٰسین میں ہے۔ ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ آزر بیجان کے ایک کنویں کے پاس ان کی بستی تھی۔ عکرمہ فرماتے ہیں انہیں کنویں والے اس لئے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے پیغمبر کو کنویں میں ڈال دیا تھا۔

اوّل جنت میں جانے والا غلام:

ابن اسحاق محمد بن کعبؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سیاہ فام غلام سب سے اول جنت میں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بستی والوں کی طرف اپنا نبی بھیجا تھا لیکن اس بستی والوں میں سے بجز اس کے کوئی بھی ایمان نہ لایا بلکہ انہوں نے اللہ کے نبیؑ کو ایک غیر آباد کنویں میں اوجڑ میدان میں ڈال دیا، اور اس کے منہ پر ایک بڑی ساری چٹان رکھ دی کہ یہ وہیں مرجائیں۔ یہ غلام جنگل میں جاتا لکڑیاں کاٹ کر لاتا انہیں بازار فروخت کرتا اور روٹی وغیرہ خرید کر کنویں پر آتا۔ اس پتھر کو سر کا دیتا یوں آدمیوں سے کھسک نہ سکتا تھا۔ لیکن خدائے تعالیٰ اس کے ہاتھوں اسے سرکا دیتا۔ یہ ایک رسی میں لٹکا کر روٹی اور پانی اس پیغمبرؑ کے پاس پہنچا دیتا جسے وہ کھا پی لیتے مدتوں تک یوں ہی ہوتا رہا۔ ایک مرتبہ یہ گیا لکڑیاں کاٹیں، چُنیں جمع کیں، گٹھڑی باندھی، اتنے میں نیند کا غلبہ ہوا سو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر نیند ڈال دی سات سال تک وہ سوتا رہا۔ سات سال کے بعد آنکھ کھلی انگڑائی لی اور کروٹ بدل کر پھر سو رہا۔ سات سال کے بعد پھر آنکھ کھلی تو اس نے اپنی لکڑیوں کی گٹھڑی اُٹھائی اور شہر کی طرف چلا اسے یہی خیال تھا کہ ذرا سی دیر کے لئے سو گیا تھا۔ شہر میں آ کر لکڑیاں فروخت کیں حسب عادت کھانا خریدا اور وہیں پہنچا دیکھتا ہے کہ کنواں تو وہاں ہے ہی نہیں۔ بہت ڈھونڈا، لیکن نہ ملا۔ یہاں یہ ہوا تھا کہ قوم کے دل ایمان کی طرف راغب ہوئے انہوں نے جا کر اپنے نبیؑ کو کنویں سے نکالا سب کے سب ایمان لائے پھر نبی اپنی وفات فوت ہو گئے نبی علیہ السلام بھی اپنی زندگی میں اس حبشی غلام کو تلاش کرتے رہے لیکن اس کا پتہ نہ چلا۔ پھر اس نبی کے انتقال کے بعد یہ شخص اپنی نیند سے جگایا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پس یہ حبشی غلام ہے جو سب سے پہلے جنت میں جائے گا۔ یہ روایت مُرسل ہے اور اس میں غرابت و نکارت ہے اور شاید ادراج بھی ہے، واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَقُرُوْنًا بَیْنَ ذٰلِكَ كَثِیْرًا ﴿۳۸﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ

اور اُس کے بیچ میں بہت سی جماعتوں کو اور سب کو کہہ سنائیں ہم نے

الْاَمْثَالَ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِیْرًا ﴿۳۹﴾

مثالیں اور سب کو کھود یا ہم نے غارت کر کر

یعنی پہلے سب کو اچھی طرح سمجھایا جب کسی طرح نہ مانا تو تختہ الٹ دیا۔ (تفسیر عثمانی)

بہتر قرآن: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرن تو صحابہ تھے، جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا اور دوسرا قرن وہ لوگ تھے جنہوں نے اکثر صحابہ کو یا کسی ایک صحابی ہی کو دیکھا تھا۔ اور تیسرا قرن وہ لوگ تھے جنہوں نے تابعین ہی میں سے کسی ایک کو دیکھا تھا۔

قرن کا مطلب: سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ قرن ایک صدی کو کہتے ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو دعا دی تھی اور فرمایا تھا ایک قرن جیو چنانچہ اس کی عمر سو سال ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْیَةِ الَّتِیْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ

اور یہ لوگ ہو آئے ہیں اُس بستی کے پاس جن پر برسا برا برساؤ

قوم لوط کی بستیاں:

یعنی قوم لُوط کی بستیاں جن کے کھنڈرات پر سے مکہ والے شام کے سفر میں گزرتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے قوم لوط کی بستیاں پانچ ہیں اللہ نے ان میں سے چار کو تباہ کر دیا اور ایک بستی جو چھوٹی سی تھی بچ گئی اس بستی کے رہنے والے خبیث حرکات میں مبتلا نہ تھے۔ ملک شام کو جاتے ہوئے یہ بستیاں سر راہ پڑتی تھیں۔ (تفسیر مظہری)

اَفَلَمْ یَكُوْنُوْا یَرَوْنَهَا ۚ

کیا دیکھتے نہ تھے اُس کو

یعنی کیا اُن کے کھنڈرات کو عبرت کی نگاہ سے نہ دیکھا۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ كَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾

نہیں پر اُمید نہیں رکھتے جی اُٹھنے کی

عبرت آموزی میں رکاوٹ:

یعنی عبرت کہاں سے ہوتی جب اُن کے نزدیک یہ احتمال ہی نہیں کہ مرنے کے بعد پھر جی اُٹھنا اور خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ عبرت تو وہ ہی حاصل کرتا ہے جس کے دل میں تھوڑا بہت ڈر ہو اور انجام کی طرف سے بالکل بے فکر نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا الَّذِيْ

اور جہاں تجھ کو دیکھیں کچھ کام نہیں اُن کو تجھ سے مگر ٹھٹھے کرنے کیا یہی ہے جس کو

بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ

بھیجا اللہ نے پیغام دے کر یہ تو ہم کو بچلا ہی دیتا ہمارے معبودوں سے اگر ہم نہ

اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۭ

جمے رہتے اُن پر

استہزاء بازی:

یعنی بجائے عبرت حاصل کرنے کے اُن کا مشغلہ تو یہ ہے کہ پیغمبر سے ٹھٹھا کیا کریں۔ چنانچہ آپ کو دیکھ کر استہزاءً کہتے ہیں کہ کیا یہی بزرگ ہیں جن کو اللہ نے رسُول بنا کر بھیجا ہے؟ بھلا یہ حیثیت اور منصب رسالت؟ کیا ساری خدائی میں سے یہ ہی اکیلے رسُول بننے کے لئے رہ گئے تھے؟ آخر کوئی بات تو ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کی تقریر جادو کا اثر رکھتی ہے۔ قوت فصاحت اور زورِ تقریر سے رنگ تو ایسا جمایا تھا کہ بڑے بڑوں کے قدم پھسل گئے ہوتے۔ قریب تھا کہ اس کی باتیں ہم کو ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دیتیں۔ وہ تو ہم پکے ہی ایسے تھے کہ برابر جمے رہے اور ان کی کسی بات کا اثر قبول نہ کیا۔ ورنہ یہ ہم سب کو کبھی کا گمراہ کر کے چھوڑتے۔ (العیاذ باللہ)

وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ

اور آگے جان لیں گے جس وقت دیکھیں گے عذاب

مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝۴۲

کہ کون بہت بچلا ہوا ہے راہ سے

عذاب آنکھیں کھول دے گا:

یعنی عذاب الٰہی کو آنکھوں سے دیکھیں گے تب ان کو پتہ لگے گا کہ واقع میں کون گمراہی پر تھا۔

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۭ اَفَاَنْتَ

بھلا دیکھ تو اُس شخص کو جس نے پوجنا اختیار کیا اپنی خواہش کا کہیں

تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝۴۳

تو لے سکتا ہے اُس کا ذمہ

خواہش نفس کے بندے:

یعنی آپ ایسے ہوا پرستوں کو راہ ہدایت پر لے آنے کی کیا ذمہ داری کر سکتے ہیں جن کا معبود ہی محض خواہش ہو کہ جدھر خواہش لے گئی اُدھر ہی جھک پڑے جو بات خواہش کے موافق ہوئی قبول کر لی، جو مخالف ہوئی رد کر دی۔ آج ایک پتھر اچھا معلوم ہوا اُسے پوجنے لگے کل دوسرا اُس سے خوبصورت مل گیا پہلے کو چھوڑ کر اُس کے آگے سر جھکا دیا۔ (تفسیر عثمانی)

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۭ اے پیغمبر آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی، جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے، یعنی اپنی خواہشات کا تابع ہو گیا۔ خواہشات پر ہی اس نے اپنے مذہب کی بنیاد رکھی (خواہشاتِ نفس کا پرستار ہو گیا) نہ کسی دلیل کو سنتا ہے نہ دیکھتا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباس نے آیت کا تفسیری مطلب اس طرح بیان کیا، کیا آپ اس شخص کو دیکھ رہے ہیں۔ جس نے اس اللہ کی عبادت تو ترک کر دی جو اس کا خالق ہے اور پتھروں کی طرف جھک گیا، ان کی پوجا کرنے لگا۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ جاہلیت میں عرب کی یہ حالت تھی کہ جہاں کسی سفید گول مول پتھر کو دیکھا اس کی ڈنڈوت کرنے لگے۔ اس سے اچھا کوئی نظر پڑ گیا اس کے سامنے جھک گئے۔ اور اول کو چھوڑ دیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ۭ

یا تو خیال رکھتا ہے کہ بہت سے اُن میں سنتے یا سمجھتے ہیں

اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝۴۴

اور کچھ نہیں وہ برابر ہیں چوپایوں کے بلکہ وہ زیادہ بہکے ہوئے ہیں راہ سے

چوپایوں سے بدتر انسان:

یعنی کیسی ہی نصیحتیں سنایئے، یہ تو چوپائے جانور ہیں بلکہ اُن سے بھی بدتر انہیں سننے یا سمجھنے سے کیا واسطہ چوپائے تو بہرحال اپنے پرورش کرنے والے مالک کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں۔ اپنے محسن کو پہچانتے ہیں۔ نافع و مضر کی کچھ شناخت رکھتے ہیں۔ کھلا چھوڑ دو تو اپنی چراگاہ اور پانی پینے کی جگہ پہنچ جاتے ہیں لیکن ان بدبختوں کا حال یہ ہے کہ نہ اپنے خالق و رازق کا حق پہچانا

نہ اُس کے احسانات کو سمجھا نہ بھلے برے کی تمیز کی، نہ دوست دشمن میں فرق کیا، نہ غذائے روحانی اور چشمۂ ہدایت کی طرف قدم اُٹھایا۔ بلکہ اُس سے کوسوں دُور بھاگے اور جو قوتیں خدا تعالیٰ نے عطا کی تھیں اُن کو معطل کئے رکھا بلکہ بے موقع صرف کیا۔ اگر ذرا بھی عقل وفہم سے کام لیتے تو اس کارخانہ قدرت میں بیشمار نشانیاں موجود تھیں جو نہایت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی توحید وتنزیہ اور اصول دین کی صداقت وحقانیت کی طرف رہبری کر رہی ہیں جن میں سے بعض نشانیوں کا ذکر آئندہ آیات میں کیا گیا ہے۔

یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ جانور اپنے خالق کو جانتے اور اس کے حکم کی اطاعت کرتے اور تسبیح وتحمید میں مشغول رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں اگرچہ ان کی قوت فہم کو عام لوگ نہیں سمجھتے۔

چوپایوں کا بولنا:

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص ایک بیل کو ہنکا کر لے جارہا تھا (چلتے چلتے جب) تھک گیا تو بیل پر سوار ہوگیا۔ بیل نے کہا ہم کو اس کام کے لئے نہیں پیدا کیا گیا ہے، لوگوں نے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سن کر) کہا سبحان اللہ! بیل بھی (کہیں) بولتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا تو اس پر ایمان ہے اور ابوبکرؓ وعمرؓ کا بھی۔ اس وقت یہ دونوں حضرات وہاں موجود بھی نہیں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص اپنی بکریوں کے ساتھ تھا اچانک ایک بھیڑیئے نے ایک بکری پر حملہ کردیا اور پکڑ لیا، بکریوں کا مالک جا پہنچا اور بکری کو چھڑایا، بھیڑیئے نے کہا، قیامت کے دن اس کی حمایت کون کرے گا جب کہ سوائے میرے اور کوئی اس کی نگرانی کرنے والا نہیں ہوگا لوگوں نے کہا سبحان اللہ (کیا) بھیڑیا بھی باتیں کرتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں تو اس پر ایمان رکھتا ہوں اور ابوبکرؓ وعمرؓ بھی۔ یہ دونوں حضرات وہاں موجود بھی نہیں تھے۔

فائدہ: ملائکہ میں روح اور عقل ہوتی ہے۔ اور چوپایوں میں نفس و خواہشات۔ آدمی سب کا مجموعہ ہے پس اگر آدمی کی نفسانیت اور خواہشات کا روحانیت (عقل پر غلبہ ہوجاتا ہے تو آدمی چوپایوں سے بھی زیادہ گمراہ ہو جاتا ہے اور اگر روحانیت کا نفس وخواہشات پر تسلط ہوجاتا ہے تو آدمی ملائکہ سے افضل ہوجاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

أَلَمْ تَرَ إِلَىٰ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ

تو نے نہیں دیکھا اپنے رب کی طرف کیسے دراز کیا سایہ کو اور اگر چاہتا تو اس

سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيلًا ﴿٤٥﴾ ثُمَّ قَبَضْنَاهُ

کو ٹھہرا رکھتا پھر ہم نے مقرر کیا سورج کو اس کا راہ بتلانے والا پھر کھینچ لیا ہم

إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا ﴿٤٦﴾

نے اس کو اپنی طرف سہج سہج سمیٹ کر

دھوپ اور سائے کا نظام:

صبح سے طلوع شمس تک سب جگہ سایہ رہتا ہے اگر حق تعالیٰ سورج کو طلوع نہ ہونے دیتا تو یہی سایہ قائم رہتا، مگر اس نے اپنی قدرت سے سورج نکالا جس سے دھوپ پھیلنی شروع ہوئی اور سایہ بتدریج ایک طرف کو سمٹنے لگا۔ اگر دھوپ نہ آتی تو سایہ کو ہم سمجھ بھی نہ سکتے۔ کیونکہ ایک ضد کے آنے سے ہی دوسری ضد پہچانی جاتی ہے۔ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِضِيَاءٍ الخ (قصص۔ رکوع ۷)

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اول ہر چیز کا سایہ لمبا پڑتا ہے۔ پھر جس طرف سورج چلتا ہے اس کے مقابل سایہ ہٹتا جاتا ہے جب تک کہ جڑ میں آلگے۔ اپنی طرف کھینچ لیا کا یہ مطلب ہے کہ اپنی اصل کو جا لگتا ہے سب کی اصل اللہ ہے (موضح القرآن) پھر زوال کے بعد سے ایک طرف سے دھوپ سمٹنا شروع ہوتی ہے اور دوسری طرف سایہ لمبا ہونے لگتا ہے حتیٰ کہ آخر نہار میں دھوپ غائب ہوجاتی ہے۔ یہی مثال دنیا کی ہستی کی سمجھو۔ اول عدم تھا، پھر نور وجود میں آیا، پھر آخر کار کتم عدم میں چلی جائے گی۔ اور اسی جسمانی نور وظل کے سلسلہ پر روحانی نور وظلمت کو قیاس کرلو۔ اگر کفر و عصیان اور جہل وطغیان کی ظلمات میں آفتاب نبوۃ کی روشنی اللہ تعالیٰ نہ بھیجتا تو کسی کو معرفت صحیحہ کا راستہ ہاتھ نہ آتا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت قاضی ثناء اللہؒ کی تحقیق:

میرے نزدیک ان آیات کی تاویل دوسرے رنگ سے بھی کی جاسکتی ہے ظل سے مراد عالم مکان ہے عالم مکان کا وجود، خارجی ظلی ہے امکان مرتبہ وجوب کا ظل ہے شمس سے مراد ہیں اللہ کی صفات واسماء کے مراتب اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح عالم امکان کو ایجاد کیا اور اس کے وجود کو جو وجود واجب کا ظل ہے کس طرح ماہیات ممکنہ کی مختلف صورتوں پر پھیلا دیا اگر اللہ چاہتا تو سارے عالم امکان کے وجود کو ساکن مستقر اور ایک ہی حالت پر کر دیتا مگر اس نے ایسا نہیں چاہا بلکہ اس کو محل حوادث اور تغیرات وفناء کی آماجگاہ بنادیا تاکہ وہ ذات واجب الوجود حقیقی کا محتاج رہے اور اس کی امکانی احتیاج نمودار ہو پھر ہم نے آفتاب کو اس کے لئے راہنما بنایا، یعنی جب اللہ کی صفات واسماء کا جلوہ صوفی کے دل پر پڑتا ہے اور قلبی بصیرت کے ذریعہ اس کو وجود حق تعالیٰ کا مشاہدہ ہوتا ہے تو اس وقت اس پر یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ تمام عالم امکان وجود حق تعالیٰ کا ظل ہے تجلیات و

مشاہدات سے پہلے وہ خیال کرتا ہے کہ عالم امکان کا بجائے خود کوئی وجود ہے لیکن صفاتی اور اسمائی نور پاشی کے بعد اس کا یہ خیال دور ہو جاتا ہے۔

پھر ہم اس کو دھیرے دھیرے سمیٹ لیتے ہیں یعنی صوفی کو رفتہ رفتہ اپنا مقرب بنا لیتے ہیں اور ہماری صفات و ذات کی بے کیف قربت اس کو حاصل ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا فرمان نقل کیا تھا۔ اللہ فرماتا ہے کہ نوافل کے ذریعہ میرا بندہ برابر میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ الحدیث

صوفیاء کا قول ہے جس کے دونوں دن برابر (ایک جیسے) ہوں وہ گھاٹے میں رہتا ہے (یعنی جو دوسرے دن پہلے دن سے زیادہ عروج حاصل نہ کرے وہ خسارے میں ہے) (تفسیر مظہری)

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ

اور وہی ہے جس نے بنا دیا تمہارے واسطے رات کو اوڑھنا اور نیند کو

سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا ﴿٤٧﴾

آرام اور دن کو بنا دیا اُٹھ نکلنے کے لئے

رات اور دن کا خالق:

یعنی رات کی تاریکی چادر کی طرح سب پر محیط ہو جاتی ہے جس میں لوگ کاروبار چھوڑ کر آرام کرتے ہیں، پھر دن کا اُجالا ہوتا ہے تو نیند سے اُٹھ کر اِدھر اُدھر چلنے پھرنے لگ جاتے ہیں۔ اسی طرح موت کی نیند کے بعد قیامت کی صبح آئے گی جس میں سارا جہان دوبارہ اُٹھ کھڑا ہوگا اور یہی حالت اُس وقت پیش آتی ہے جب انبیاء علیہم السلام وحی والہام کی روشنی سے دنیا میں اُجالا کرتے ہیں، تو جہل وغفلت کی نیند سے سوئی ہوئی مخلوق ایک دم آنکھیں مل کر اُٹھ بیٹھتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حسنِ تخلیق:

یہاں کئی چیزیں قابلِ غور ہیں اول یہ کہ نیند کا راحت ہونا بلکہ راحت کی جان ہونا تو ہر شخص جانتا ہے مگر انسانی فطرت یہ ہے کہ روشنی میں نیند آنا مشکل ہوتا ہے اور آ بھی جائے تو جلد آنکھ کھل جاتی ہے۔ حق تعالیٰ نے نیند کے مناسب رات کو تاریک بھی بنایا اور ٹھنڈا بھی۔ اسی طرح رات خود ایک نعمت ہے اور نیند دوسری نعمت، اور تیسری نعمت یہ ہے کہ سارے جہان کے انسانوں جانوروں کی نیند ایک ہی وقت رات میں جبری کر دی، ورنہ اگر ہر انسان کی نیند کے اوقات دوسرے انسان سے مختلف ہوتے تو جس وقت کچھ لوگ سونا چاہتے دوسرے لوگ کاموں میں مصروف اور شور شغب کا سبب بنے رہتے۔ اسی طرح جب دوسروں کے سونے کی باری آتی تو اس وقت کام کرنے والے چلنے پھرنے والے ان کی نیند میں خلل انداز ہوتے۔ اس کے علاوہ ہر انسان کی ہزاروں حاجتیں دوسرے انسانوں سے وابستہ ہوتی ہیں باہمی تعاون وتناصر اور کاموں میں بھی شدید حرج ہوتا کہ جس شخص سے آپ کو کام ہے اس کے سونے کا وقت ہے اور جب اُس کے جاگنے کا وقت آئے گا تو آپ کا سونے کا وقت ہوگا۔

اگر ان مقاصد کی تکمیل کے لئے کسی بین الاقوامی معاہدہ سے کام لیا جاتا کہ سب لوگ اپنے سونے کا وقت ایک ہی مقرر کر لیں، اول تو ایسا معاہدہ اربوں کروڑوں انسانوں میں ہونا آسان نہ تھا پھر اُس پر کاربند رکھنے کے لئے ہزاروں محکمے کھولنے پڑتے اس کے باوجود عام قانونی اور معاہداتی طریقوں سے طے ہونے والی چیزوں میں جو خلل ہر جگہ رشوت، رعایت وغیرہ کے سبب پایا جاتا ہے وہ پھر بھی باقی رہتا۔

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنی قدرت کاملہ سے نیند کا ایک وقت جبری طور پر مقرر کر دیا ہے کہ ہر انسان اور ہر جانور کو اُسی وقت نیند آتی ہے کبھی کسی ضرورت سے جاگنا بھی چاہے تو اُس کیلئے مشکل سے انتظام کر پاتا ہے۔ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ (معارف مفتی اعظم)

وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ

اور وہی ہے جس نے چلائیں ہوائیں خوشخبری لانے والیاں اُس کی رحمت سے آگے

وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ﴿٤٨﴾ لِّنُحْيِيَ بِهِ بَلْدَةً

اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی پاکی حاصل کرنے کا کہ زندہ کر دیں اُس سے

مَّيْتًا وَنُسْقِيَهُ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنَاسِيَّ كَثِيرًا ﴿٤٩﴾

مرے ہوئے دیس کو اور پلائیں اُس کو اپنے پیدا کئے ہوئے بہت سے چوپایوں اور آدمیوں کو

مردہ زمینوں کی زندگی کا نظام:

یعنی اول برساتی ہوائیں بارش کی خوشخبری لاتی ہیں، پھر آسمان کی طرف سے پانی برستا ہے جو خود پاک اور دوسروں کو پاک کرنے والا ہے۔ پانی پڑتے ہی مُردہ زمینوں میں جان پڑ جاتی ہے کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں جہاں خاک اُڑ رہی تھی وہاں سبزہ زار بن جاتا ہے۔ اور کتنے جانور اور آدمی بارش کا پانی پی کر سیراب ہوتے ہیں۔ اسی طرح قیامت کے دن ایک غیبی بارش کے ذریعہ مردہ جسموں کو جو خاک میں مل چکے تھے زندہ کر دیا جائے گا اور دنیا میں بھی اسی طرح جو دل جہل وعصیان کی موت سے مر چکے تھے وحی الٰہی کی آسمانی بارش ان کو زندہ کر دیتی ہے جو روحیں پلیدی میں پھنس کر تھیں روحانی

بارش کے پانی سے دُھل کر پاک وصاف ہو جاتی ہیں اور معرفت ووصول الی اللہ کی پیاس رکھنے والے اسی کو پی کر سیراب ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

طہور کا معنی:

طہور وہ چیز جس سے پاکی حاصل ہوتی ہے جیسے سحور سحری کا کھانا۔ فطور افطار کی چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پاک مٹی مسلمان کو طاہر بنانے کی چیز ہے، جب تک پانی نہ پائے خواہ دس سال گزر جائیں رواہ احمد وابوداؤد والترمذی عن ابی ذر۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ساری زمین ہمارے لئے مسجد بنا دی گئی ہے اور زمین کی مٹی کو طہور (پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ) بنا دیا گیا ہے۔

یا طہور قبول کی طرح مصدر ہے، مسلم وابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کے برتن میں اگر کتا منہ ڈال دے تو اس برتن کی پاکی یہ ہے کہ اس کو سات مرتبہ دھو ڈالے جن میں پہلی مرتبہ مٹی سے (مانجھے) اس صورت میں پانی کو طہور کہنا بطور مبالغہ کے ہوگا۔

نیند سے بیدار ہو کر پہلے ہاتھ دھوئے:

امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، اور اصحاب سنن اربعہ نے حضرت ابوداؤد کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو جائے تو بغیر تین مرتبہ ہاتھ دھوئے برتن میں ہرگز نہ ڈالے کیونکہ کسی کو نہیں معلوم کہ اس کا ہاتھ رات کو (سوتے میں) کہاں رہا۔ یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایت سے بھی آئی ہے۔

کثیر پانی: امام ابوحنیفہؒ نے کہا، جو شخص آب کثیر استعمال کر رہا ہے اگر اس کے غالب خیال میں پانی اتنا ہے کہ ایک طرف کی نجاست (کا اثر) دوسرے کنارے تک پہنچنے سے قاصر ہے تو ایسا پانی کثیر ہے ورنہ قلیل ہے۔

اللہ نے فرمایا ہے إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ارشاد گرامی ہے کہ پانچوں نمازیں (درمیانی اوقات کے گناہوں کے لئے) اور جمعہ کی نماز آئندہ جمعہ تک (کے گناہوں) کے لئے اور رمضان (آئندہ) رمضان تک (کے گناہوں) کے لئے کفارہ ہیں درمیانی (اوقات وایام کے) گناہوں کو اتار دینے والے ہیں بشرطیکہ آدمی کبیرہ گناہوں سے بچا رہے رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ۔

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے کسی اجنبی عورت کا بوسہ لے لیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا اظہار کر دیا، اس پر آیت وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ الی آخرہ نازل ہوئی۔ (متفق علیہ)

استعمال شدہ پانی:

آب مستعمل کو جو لوگ پاک کہتے ہیں ان کے قول کی تائید متعدد احادیث سے ہوتی ہے۔ حضرت جابر کا بیان ہے میں بیمار تھا، بیہوش پڑا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو تشریف لائے آکر وضو کیا اور وضو کا پانی میرے اوپر ڈالا، مجھے فوراً ہوش آ گیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے وارث نہ میرے ماں باپ ہیں نہ اولاد، اس پر آیت فرائض نازل ہوئی۔ متفق علیہ

حضرت سائب بن یزید کا بیان ہے مجھے میری خالہ رسول اللہ کی خدمت میں لے گئیں اور عرض کیا یہ میری بہن کا لڑکا دُکھی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دُعاء کی، پھر وضو کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی میں نے پیا۔ متفق علیہ۔

حضرت مسور بن مخرمہ کی حدیث صلح حدیبیہ کے تذکرے کے ذیل میں آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کوئی تھوک تھوکا تو خدا کی قسم وہ (زمین پر گرنے کے بجائے) کسی آدمی کے ہاتھ پر لگا اور اس نے اس لعاب کو اپنے بدن اور چہرے پر مل لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو کرتے تھے (لوگ وضو کے پانی کو لینے کے لئے ٹوٹ پڑتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وضو کے پانی پر لڑ پڑیں گے۔ (رواہ البخاری)

رُکا ہوا پانی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی ایسا نہ کرے کہ رُکے ہوئے پانی میں جو جاری نہ ہو پیشاب کرکے پھر اسی سے وضو کرے۔ متفق علیہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی رُکے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے۔ اس حدیث میں رُکے ہوئے پانی میں غسل کرنے کی ممانعت فرمائی گئی اور اس ممانعت کی وجہ یا تو یہ ہے کہ وہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے یا یہ وجہ ہے کہ وہ مطہر نہیں رہتا استعمال کے بعد پانی کا نجس ہو جانا تو ناقابل تصور ہے صرف دوسری ہی شق باقی رہی یعنی وہ طاہر تو ہے مطہر نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں ممانعت تحریمی نہیں تنزیہی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا، اس سے وضو جائز ہے ہاں اگر کوئی جامد چیز آمیختہ ہو جائے جس سے پانی میں گاڑھا پن آ گیا یا پانی کے بیشتر اوصاف بدل گئے جیسے نبیذ کی حالت ہوتی ہے نبیذ خیساندہ پانی میں کوئی چیز بھگوئی ہوئی یا حد خاص تک پکائی ہوئی یا کوئی سیال چیز ہی زیادہ مقدار میں پانی میں مل گئی ہو کہ اس کی مقدار کے مقابلے میں پانی کے اجزاء کم ہوں یا پانی کے اکثر اوصاف بدل گئے ہوں یا اس کو پانی میں پکایا گیا ہو جس کی وجہ سے پانی کی طبیعت ہی بدل گئی ہو جیسے شوربہ یا آب باقلی تو اس سے وضو جائز نہیں لیکن اگر آمیزش

سے پانی میں تھوڑا سا تغیر آ جائے تو کوئی حرج نہیں۔ ابن خزیمہ اور نسائی نے حضرت ام ہانی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت میمونہؓ نے ایک بڑے لگن سے غسل کیا جس میں گوندھے ہوئے آٹے کے آثار موجود تھے۔

میت کا غسل:

بخاری نے حضرت ام عطیہ انصاریہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کی وفات ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے تو فرمایا اس کو تین بار یا پانچ بار اس سے زیادہ بار جتنا مناسب سمجھو پانی اور بیری کے پتوں سے (یعنی بیری کے پتوں کے ساتھ گرم کئے ہوئے پانی سے غسل دینا اور آخری بار کچھ کافور شامل کر دینا یا فرمایا، کافور شامل کر دینا۔

بزار نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ثمامہ بن اثال مسلمان ہونے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ پانی اور بیری کے پتوں سے غسل کر لیں قیس بن عاصم کی حدیث میں بھی یہی آیا ہے کہ وہ مسلمان ہونے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل کرنے کا حکم دیا۔

ناپاک زمین کو پاک کرنا:

دارقطنی نے عبدالجبار کے طریق سے بروایت ابن حنیف از یحییٰ بن سعید بیان کیا کہ حضرت انسؓ نے فرمایا ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا، حضور گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس جگہ کو کھود دو (اور مٹی نکال کر) پھر اس جگہ ایک ڈول پانی بہا دو حافظ ابن حجر نے کہا، اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ

اور طرح طرح سے تقسیم کیا ہم نے اُس کو ان کے بیچ میں تا دھیان رکھیں

فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝

پھر بھی نہیں رہتے بہت لوگ بدون ناشکری کیے

آب پاشی کا نظام:

یعنی بارش کا پانی تمام زمینوں اور آدمیوں کو یکساں نہیں پہنچتا۔ بلکہ کہیں کم کہیں زیادہ کہیں جلد کہیں بدیر جس طرح اللہ کی حکمت مقتضی ہو پہنچتا رہتا ہے۔ تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کی تقسیم کسی قادر مختار و حکیم کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن بہت لوگ پھر بھی نہیں سمجھتے اور نعمت الٰہی کا شکر ادا نہیں کرتے۔ اُلٹے کفر اور ناشکری پر اتر آتے ہیں۔ یہی حال روحانی بارش کا ہے کہ جس کو اپنی استعداد اور ظرف کے موافق جتنا حصہ ملنا تھا مل گیا اور بہت سے اس نعمت عظمیٰ کا کفران ہی کرتے رہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ اور ہم نے پانی کو انسانوں میں گھمایا پھرایا کبھی ایک شہر میں کبھی دوسری بستی میں بارش کی۔ بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ کوئی سال ایسا نہیں ہوتا کہ دوسرے سال سے اس میں بارش زیادہ ہو بلکہ اللہ بارش کو زمین پر گھماتا رہتا ہے پھر آپ نے یہی آیت پڑھی ایک مرفوع روایت میں آیا ہے کہ کوئی ساعت ایسی نہیں ہوتی نہ رات میں نہ دن میں کہ ابر سے بارش نہ ہوتی ہو، اللہ بارش کا رُخ جس طرف چاہتا ہے پھیر دیتا ہے ابن اسحاق ابن جریج اور مقاتل نے حضرت ابن مسعودؓ تک اس قول کو پہنچایا ہے اور حضرت ابن مسعودؓ نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمایا ہے کہ کسی ایک سال دوسرے سال سے زیادہ بارش نہیں ہوتی لیکن اللہ نے رزق کی تقسیم کر دی ہے نچلے آسمان (یعنی بادل) میں بینہ (کا خزانہ) رکھ دیا ہے اور مخصوص ناپ تول کے ساتھ نیچے اتارتا ہے جب کوئی قوم گناہ کرتی ہے تو اللہ اس کی طرف سے بارش کا رُخ موڑ کر دوسروں کی طرف کر دیتا ہے۔ اور جب سب نافرمان ہو جاتے ہیں تو پھر بیابانوں اور دریاؤں کی طرف بارش کو موڑ دیا جاتا ہے۔

ناشکرے لوگ:

فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا لیکن اکثر لوگ بے ناشکری کئے نہیں رہے۔ یعنی جب اللہ نے بارش کی تو اکثر لوگوں نے ناشکری کی اور کہنے لگے یہ بارش تو فلاں ستارہ کی تاثیر سے ہوئی ہے، حضرت زید بن خالدؓ جہنی راوی ہیں کہ حدیبیہ میں رات کو بارش ہوئی جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد لوگوں کی طرف رخ پھیرا اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا، صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ نے فرمایا صبح کو میرے بندوں میں سے کچھ مجھ پر ایمان رکھنے والے ہوئے کچھ کافر (ہوئے) جن لوگوں نے کہا ہم پر اللہ کے فضل و رحمت سے بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان رکھنے والے ہیں اور ستاروں کے منکر اور جن لوگوں نے کہا فلاں ستارہ (کی تاثیر) سے ہم پر بارش ہوئی وہ میرے منکر ہو گئے اور ستاروں (کی تاثیر) پر یقین رکھنے والے۔ متفق علیہ (تفسیر مظہری)

بادل کے فرشتے:

ایک مُرسل حدیث ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے کہا کہ میں بادل کی نسبت کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا بادلوں پر جو فرشتہ مقرر ہے وہ یہ ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے جو چاہیں دریافت فرمالیں۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! ہمارے پاس تو خدا تعالیٰ کا حکم آتا ہے کہ فلاں فلاں شہر میں اتنے اتنے قطرے برساؤ، ہم تعمیل ارشاد کردیتے ہیں۔ بارش جیسی نعمت کے وقت اکثر لوگوں کے کفر کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے یہ بارش برسائے گئے چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ بارش برس چکنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! جانتے ہو تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول خوب جاننے والا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندوں میں سے بہت سے میرے ساتھ مؤمن ہوگئے اور بہت سے کافر ہوگئے۔

جنہوں نے کہا کہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ بارش ہم پر برسی ہے وہ تو میرے ساتھ ایمان رکھنے والے اور ستاروں سے کفر کرنے والے ہوئے اور جنہوں نے کہا کہ ہم پر فلاں فلاں تارے کے اثر سے پانی برسایا گیا وہ میرے ساتھ کافر ہوئے اور تاروں کے ساتھ مؤمن ہوئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

بارش ہر سال یکساں برستی ہے:

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ مطلب آیت کا یہ ہے کہ بارش کو ہم بدلتے اور پھیرتے رہتے ہیں کبھی ایک شہر میں کبھی دوسرے میں، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ جو لوگوں میں شہرت ہوتی ہے کہ اس سال بارش زیادہ ہے اس سال کم ہے یہ حقیقت کے اعتبار سے صحیح نہیں بلکہ بارش کا پانی تو ہر سال اللہ تعالیٰ کی طرف سے یکساں نازل ہوتا ہے البتہ بحکم الٰہی یہ ہوتا رہتا ہے کہ اس کی مقدار کسی شہر بستی میں زیادہ کردی کسی میں کم کردی۔ بعض اوقات کمی کرکے کسی بستی کے لوگوں کو سزا دینا اور متنبہ کرنا ہوتا ہے اور بعض اوقات زیادتی بھی عذاب بن جاتی ہے تو یہی پانی جو خالص رحمت ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور نافرمانی کرتے ہیں ان کے لئے اسی کو عذاب اور سزا بنادیا جاتا ہے۔ (معارف القرآن)

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيرًا ﴿۵۱﴾ فَلَا

اور اگر ہم چاہتے تو اٹھاتے ہر بستی میں کوئی ڈرانے والا سو تو

تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾

کہنا مت مان منکروں کا اور مقابلہ کر اُن کا اس کے ساتھ بڑے زور سے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم زور وشور سے منکرین کا مقابلہ کرتے رہیں

یعنی نبی کا آنا تعجب کی چیز نہیں اللہ چاہے تو اب بھی نبیوں کی کثرت کردے کہ ہر بستی میں علیحدہ نبی ہو۔ مگر اُس کو منظور یہی یہ ہوا کہ اب آخر میں سارے جہان کے لئے اکیلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجے۔ سو آپ کافروں کے احمقانہ طعن وتشنیع اور سفیہانہ نکتہ چینیوں کی طرف التفات نہ فرمائیں۔ اپنا کام پوری قوت اور جوش سے انجام دیتے رہیں اور قرآن ہاتھ میں لے کر ان منکرین کا مقابلہ زور وشور کے ساتھ کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کرنے والا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ختم نبوت کی حکمت:

یعنی اس طرح آپ کے اوپر سے تبلیغ کا بار ہلکا ہوجاتا لیکن آپ کو عظمت عطا کرنے اور آپ کی شان بلند کرنے کے لئے ہم نے سب لوگوں کے لئے تنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور تمام پیغمبروں پر آپ کو فضیلت عطا کی۔

نذیر سے مراد ہے پیغمبر جو بستی والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائے۔

کافروں کی طرف نہ جھکیں:

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا سو اس نعمت کے شکر یہ میں آپ کافروں کی خوشی کا کام نہ کیجئے اور قرآن سے بڑے زور شور سے ان کا مقابلہ کیجئے۔

یعنی کافر جس طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاتے ہیں آپ ان کا کہنا نہ مانیں ان کی موافقت نہ کریں نہ اس چیز میں ان سے رواداری کا سلوک کریں بلکہ ہماری نعمت کا شکر ادا کریں کہ ہم نے سب لوگوں کے لئے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے آپ اپنی دعوت اور اظہار حق پر ثابت قدم رہیں اور اللہ کی مدد توفیق یا قرآن کے ذریعہ سے یا کافروں کی مخالفت کرکے۔ ان سے جہاد عظیم کریں دل سے بھی اور زبان سے بھی اور تلوار سے بھی (جیسا موقع ہو ویسا جہاد کیجئے) مراد یہ ہے کہ کافر ابطال حق کی کوشش کرتے ہیں آپ ان کے مقابلہ میں ہر طرح اظہار حق اور حمایت حق کی کوشش کریں۔ (تفسیر مظہری)

وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ

اور وہی ہے جس نے ملے ہوئے چلائے دو دریا یہ میٹھا ہے پیاس بجھانے والا

وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا

اور یہ کھاری کڑوا اور رکھا اُن دونوں کے بیچ پردہ

وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾

اور آڑ روکی ہوئی

میٹھا وکڑوا پانی ایک ساتھ:

بیان القرآن میں دو معتبر بنگالی علماء کی شہادت نقل کی ہے کہ ارکان سے چاٹگام تک دریا کی شان یہ ہے کہ اُس کی دو جانبیں بالکل الگ الگ نوعیت

کے دو دریا نظر آتے ہیں ایک کا پانی سفید ہے، ایک کا سیاہ، سیاہ میں سمندر کی طرح طوفانی تلاطم اور تموج ہوتا ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے کشتی سفید میں چلتی ہے اور دونوں کے بیچ میں ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے جو دونوں کا ملتقی ہے لوگ کہتے ہیں کہ سفید پانی میٹھا ہے اور سیاہ کڑوا۔ اور مجھ سے باریسال کے بعض طلبہ نے بیان کیا کہ ضلع باریسال میں دو ندیاں ہیں جو ایک ہی دریا سے نکلی ہیں۔ ایک کا پانی کھاری بالکل کڑوا اور ایک کا نہایت شیریں اور لذیذ ہے یہاں گجرات میں راقم الحروف جس جگہ آج کل مقیم ہے ڈابھیل ملک ضلع سورت سمندر تقریباً دس بارہ میل کے فاصلہ پر ہے ادھر کی ندیوں میں برابر مد و جزر (جوار بھاٹا) ہوتا رہتا ہے۔ بکثرت ثقات نے بیان کیا کہ مد کے وقت جب سمندر کا پانی ندی میں آجاتا ہے لیکن اس وقت بھی دونوں پانی مختلط نہیں ہوتے۔ اوپر کھاری رہتا ہے نیچے میٹھا، جزر کے وقت اوپر سے کھاری اُتر جاتا اور میٹھا جوں کا توں باقی رہ جاتا ہے واللہ اعلم۔ ان شواہد کو دیکھتے ہوئے آیت کا مطلب بالکل واضح ہے یعنی خدا کی قدرت دیکھو کہ کھاری اور میٹھے دونوں دریاؤں کے پانی کہیں نہ کہیں مل جانے کے باوجود بھی کس طرح ایک دوسرے سے ممتاز رہتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں دریا الگ الگ اپنے اپنے مجریٰ میں چلائے اور دونوں زور لگا کر درمیان سے زمین کو ہٹا دیتے اور اس کی ہستی کو تباہ کر دیتے، پھر دونوں میں ہر ایک کا جو مزہ ہے وہ اُسی کے لئے لازم ہے۔ یہ نہیں کہ میٹھا دریا کھاری یا کھاری میٹھا بن جائے۔ گویا باعتبار اوصاف کے ہر ایک دوسرے سے بالکل الگ رہنا چاہتا ہے۔ وقیل غیر ذلک والراجح عندی ہو الاول۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

میٹھا اور کھاری پانی اللہ کی عظیم نعمت:

بعض ٹھہرے ہوئے سمندروں کا پانی کھاری اور بدمزہ ہوتا ہے۔ اللہ کی اس نعمت پر بھی شکر کرنا چاہئے کہ اس نے میٹھے پانی کی چوطرف ریل پیل کر دی کہ لوگوں کو نہانے دھونے اور اپنے کھیت اور باغات کو پانی دینے میں آسانی رہے۔ مشرقوں اور مغربوں میں محیط سمندر کھاری پانی کے اس نے بہا دیئے جو ٹھہرے ہوئے ہیں ادھر اُدھر بہتے نہیں۔ لیکن موجیں مار رہے ہیں تلاطم کر رہے ہیں۔ بعض میں مد و جزر رہے۔ ہر مہینے کی ابتدائی تاریخوں میں تو ان میں زیادتی اور بہاؤ ہوتا ہے پھر چاند کے گھٹنے کے ساتھ وہ گھٹتا جاتا ہے یہاں تک کہ آخر میں اپنی حالت پر آجاتا ہے پھر جہاں چاند چڑھا یہ بھی چڑھنے لگا چودہ تاریخ تک برابر چاند کے ساتھ چڑھتا رہا پھر اُترنا شروع ہوا۔ ان تمام سمندروں کو اسی خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے وہ پوری اور زبردست قدرت والا ہے۔ کھاری اور گرم پانی گو پینے کے کام نہیں آتا لیکن ہواؤں کو صاف کر دیتا ہے جس سے انسانی زندگی ہلاکت میں نہ پڑے اس میں جو جانور مر جاتے ہیں ان کی بدبو دنیا والوں کو ستا نہیں سکتی اور کھاری پانی کے سبب سے اس کی ہوا صحت بخش اور اس کا مزہ پاک طیب ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب سمندر کے پانی کی نسبت سوال ہوا کہ کیا ہم اس سے وضو کر لیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حِجْرًا مَّحْجُوْرًا پردہ سخت روک کہ کوئی اپنی حد سے آگے نہیں بڑھتا، اور نمکین سمندر، میٹھے سمندر کو بگاڑ نہیں سکتا۔ بیضاوی نے لکھا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باہر سے کسی چیز نے داخل ہو کر سمندر کو بیچ سے پھاڑ دیا ہے اور اس طرح یہ دخیل (دھارا) میلوں تک گھستا چلا جاتا ہے اور اس کے مزے میں فرق نہیں۔ (تفسیر مظہری)

اللہ کی قدرت کا عظیم کرشمہ:

مراد ان دو دریاؤں سے وہ مواقع ہیں جہاں شیریں ندیاں اور نہریں بہتے سمندر میں آ کر گرتی ہیں وہاں باوجود اس کے کہ اوپر سے دونوں کا سطح ایک معلوم ہوتا ہے لیکن قدرت الٰہیہ سے ان میں ایک ایسی حد فاصل ہے کہ ملتقیٰ کے ایک جانب سے پانی لیا جائے تو شیریں اور دوسری جانب سے جو کہ جانب اول سے بالکل قریب ہے پانی لیا جائے تو تلخ۔ دُنیا میں جہاں جس جگہ شیریں پانی کی نہریں چشمے سمندر کے پانی میں گرتے ہیں وہاں اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ میلوں دُور تک میٹھا اور کھاری پانی الگ الگ چلتے ہیں، دائیں طرف میٹھا بائیں طرف تلخ کھاری یا اوپر نیچے ہیں اور تلخ پانی الگ الگ پائے جاتے ہیں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ بیان القرآن میں دو معتبر بنگالی علماء کی شہادت نقل کی ہے کہ ارکان سے چاٹگام تک دریا کی شان یہ ہے کہ اس کی دو جانبیں بالکل الگ الگ نوعیت کے دو دریا نظر آتے ہیں ایک کا پانی سفید ہے اور ایک کا سیاہ، سیاہ میں سمندر کی طرح طوفانی تلاطم اور تموج ہوتا ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے کشتی سفید میں چلتی ہے اور دونوں کے بیچ میں ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے جو دونوں کا ملتقی ہے لوگ کہتے ہیں کہ سفید پانی میٹھا ہے اور سیاہ کڑوا۔ اھ، اور مجھ سے باریسال کے بعض طلباء نے بیان کیا کہ ضلع باریسال میں دو ندیاں ہیں جو ایک ہی دریا سے نکلی ہیں ایک کا پانی کھاری بالکل کڑوا اور ایک کا نہایت شیریں اور لذیذ ہے۔ یہاں گجرات میں راقم الحروف جس جگہ آج کل مقیم ہے (ڈابھیل سملک ضلع سورت) سمندر وہاں سے تقریباً دس بارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ ادھر کی ندیوں میں برابر مد و جزر (جوار بھاٹا) ہوتا رہتا ہے بکثرت ثقات نے بیان کیا کہ مد کے وقت جب سمندر کا پانی ندی میں آجاتا ہے تو میٹھے پانی کی سطح پر کھاری پانی بہت زور سے چڑھ جاتا ہے لیکن اس وقت بھی دونوں پانی مختلط نہیں ہوتے۔ اوپر

کھاری رہتا ہے نیچے میٹھا جزر کے وقت اوپر سے کھاری اُتر جاتا ہے اور میٹھا جوں کا توں میٹھا باقی رہ جاتا ہے واللہ اعلم، ان شواہد کو دیکھتے ہوئے آیت کا مطلب بالکل واضح ہے یعنی خدا کی قدرت دیکھو کہ کھاری اور میٹھے دونوں دریاؤں کے پانی کہیں نہ کہیں مل جانے کے باوجود بھی کس طرح ایک دوسرے سے ممتاز رہتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا

اور وہی ہے جس نے بنایا پانی سے آدمی پھر ٹھہرایا اُس کے لئے جد اور سسرال

وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ﴿۵۴﴾ وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ

اور تیرا رب سب کچھ کر سکتا ہے اور پوجتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر

مَا لَا يَنفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ وَكَانَ الْكَافِرُ

وہ چیز جو نہ بھلا کرے اُن کا نہ بُرا اور ہے کافر

عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا ﴿۵۵﴾

اپنے رب کی طرف سے پیٹھ پھیر رہا

ایک قطرۂ آب سے انسان کی پیدائش:

دیکھ لوا کس طرح اپنی قدرت کاملہ سے ایک قطرۂ آب کو عاقل و کامل آدمی بنا دیا۔ پھر آگے اُس سے نسلیں چلائیں اور دامادی اور سسرال کے تعلقات قائم کئے۔ ایک ناچیز قطرہ کو کیا سے کیا کر دیا اور کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ لیکن یہ حضرت تھوڑی ہی دیر میں اپنی اصل کو بھول گئے اور اس رب قدیر کو چھوڑ کر عاجز مخلوق کو خدا کہنے لگے۔ اپنے پروردگار کا حق تو کیا پہچانتے اُس سے منہ موڑ کر اور پیٹھ پھیر کر شیطان کی فوج میں جا شامل ہوئے۔ تاکہ اغواء و اضلال کے مشن میں اس کی مدد کریں اور مخلوق کو گمراہ کرنے میں اس کا ہاتھ بٹائیں۔ نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ

اور تجھ کو ہم نے بھیجا یہی خوشی اور ڈر سنانے کے لئے تو کہہ میں نہیں مانگتا

عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَن شَاءَ أَن يَتَّخِذَ

تم سے اس پر کچھ مزدوری مگر جو کوئی چاہے کہ پکڑ لے

إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿۵۷﴾

اپنے رب کی طرف راہ

پیغمبر کا کام:

یعنی آپ کا کام خدا تعالیٰ کی وفاداری پر بشارات سنانا اور غداروں کو خراب نتائج و عواقب سے آگاہ کر دینا ہے۔ آگے کوئی مانے یا نہ مانے آپ کو کچھ نقصان نہیں۔ آپ ان سے کچھ فیس یا مزدوری تھوڑی طلب کر رہے تھے کہ ان کے نہ ماننے سے اس کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔ آپ تو ان سے صرف اتنا ہی چاہتے ہیں کہ جو کوئی چاہے خدا کی توفیق پا کر اپنے رب کا راستہ پکڑے۔ اسی کو چاہو فیس کہہ لو یا مزدوری۔ (تفسیر عثمانی)

رسالت کا اجر: اللہ کے امر و نواہی کی تعمیل کے لئے اللہ کے رسول کی اطاعت کو اجر رسالت قرار دیا کیونکہ رسالت کا اصل مقصد ہی یہ ہے اس کے علاوہ ہر اجر تبلیغ کی نفی کر دی تاکہ کسی کو شبہ کرنے کا موقع ہی باقی نہ رہے۔ شاید کوئی سرپھرا یہ خیال کرنے لگتا کہ اللہ کی طرف احکام کو منسوب کر کے یہ اپنی اطاعت تحصیل زر و مال کے لئے کرانا چاہتے ہیں اور ہم سے معاوضہ مالی کے طلب گار ہیں، ہر قسم کے معاوضہ مالی کی طلب کی ممانعت کر کے اس وہم کی بیخ کنی کر دی، پھر اس طرز ادا میں انتہائی شفقت کا اظہار بھی ہے کافروں کے لئے جو بات فائدہ رساں تھی اس کو اپنے لئے سودمند ظاہر کیا اور بتا دیا کہ تم لوگوں کا اس راستہ پر چلنا ہی میری خدمت رسالت کا پورا معاوضہ ہے اس طریق بیان سے اس امر پر تنبیہ بھی ہوگئی کہ امت کی اطاعت کا فائدہ مآل کے اعتبار سے رسول کی طرف لوٹے گا چونکہ رسول کی راہنمائی سے امت ہدایت یاب ہوئی ہے اس لئے (راہنمائی کا اور) ہدایت یاب ہونے کا ثواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے گا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیکی کا راستہ بتانے والا بھی نیکی کرنے والے کی طرح ہے یہ حدیث بزار نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت سہل بن سعد اور حضرت ابو مسعودؓ کی روایت سے اور امام احمد نیز صحاح ستہ کے مؤلفین نے اور ضیاء نے کچھ زیادتی کے ساتھ حضرت بریدہؓ کی روایت سے اور ابن ابی الدنیا نے قضاء الحوائج میں حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔ ضیاء نے اتنا ٹکڑا حدیث کا اور نقل کیا ہے کہ اللہ مصیبت زدہ کی فریاد رسی کو پسند فرماتا ہے۔ مسلم نے حضرت جریر کی روایت سے ایک طویل حدیث کے ذیل میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ قائم کیا اس کو اس طریقے پر چلنے کا ثواب ملے گا اور ان لوگوں کے عمل کا بھی ثواب ملے گا جو اس طریقہ پر چلیں گے مگر اس سے ان عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ

اور بھروسہ کر اوپر اُس زندہ کے جو نہیں مرتا

اللہ کے سوا کسی کے بھروسہ کی ضرورت نہیں:

یعنی آپ تنہا خدا پر بھروسہ کر کے اپنا فرض (تبلیغ ودعوت وغیرہ) ادا کئے جایئے۔ کسی کی مخالفت یا موافقت کی پرواہ نہ کریں۔ فانی چیزوں کا کیا سہارا۔ سہارا تو اسی کا ہے جو ہمیشہ زندہ رہے کبھی نہ مرے۔ (تفسیر عثمانی)

وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۚ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۸﴾

اور یاد کر اس کی خوبیاں اور وہ کافی ہے اپنے بندوں کے گناہوں سے خبردار

یعنی اسی پر توکل رکھیے اور اسی کی عبادت اور حمد وثنا کرتے رہیے۔ ان مجرموں سے وہ خود نمٹ لے گا۔

اور جب تیرا پروردگار حی لایموت ہے تو سمجھ لے کہ اس کی مدد بھی دائم ہوگی جس پر کبھی موت نہیں آئے گی جس زندہ پر بھی بھروسہ کیا جائے اس کے مرنے کے بعد سہارا باقی نہیں رہتا مگر خداوند ذوالجلال حي لايموت ہے آپ کے کسی دشمن میں یہ طاقت نہیں کہ اس سہارے کو ختم کر سکے اور آپ ان کی دشمنی کی وجہ سے پریشان نہ ہوں۔ اطمینان کے ساتھ اللہ کی تسبیح میں لگے رہئے اور سبحانک اللهم وبحمدک یا سبحان الله وبحمده سبحان الله العظیم پڑھتے رہئے اللہ کے ذکر اور تسبیح کی یہ خاصیت ہے کہ اس سے قلب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ اور دل کی پریشانی دور ہوتی ہے لہذا آپ تبلیغ بھی کرتے رہیے اور تسبیح بھی پڑھتے رہیے اور ان دشمنوں کی دشمنی کی پرواہ نہ کیجئے۔ (معارف کاندھلوی)

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا

جس نے بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ اُن کے بیچ میں ہے

فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ

چھ دن میں پھر قائم ہوا عرش پر

اس کا بیان سورۂ اعراف میں گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۹﴾

وہ بڑی رحمت والا سو پوچھ اس سے جو اس کی خبر رکھتا ہو

اللہ کی قدر جاننے والے:

یعنی اللہ تعالیٰ کی شانوں اور رحمتوں کو کسی جاننے والے سے پوچھو۔ یہ جاہل مشرک اُسے کیا جانیں وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اپنی شئون وکمالات کا پوری طرح جاننے والا تو خدا ہی ہے اَنْتَ كما اثنيت عَلٰى نَفْسِكَ لیکن مخلوق میں سب سے بڑے جاننے والے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی ذات گرامی میں حق تعالیٰ نے اولین وآخرین کے تمام علوم جمع کر دیے، خدا تعالیٰ کی شانوں کو کوئی اُن سے پوچھے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا

اور جب کہیے اُن سے سجدہ کرو رحمٰن کو کہیں

وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾

رحمٰن کیا ہے کیا سجدہ کرنے لگیں ہم جس کو تو فرمائے اور بڑھ جاتا ہے اُن کا بدکنا

بے قدرے لوگ: یعنی یہ جاہل مشرک رحمان کی عظمتِ شان کو کیا سمجھ سکتے ہیں جن کو اس نام سے بھی چڑ ہے۔ جب یہ نام سنتے ہیں تو انتہائی جہل یا بیحیائی اور تعنت سے ناواقف بن کر کہتے ہیں کہ رحمان کون ہے، جس کو ہم سے سجدہ کراتا ہے کیا محض تیرے کہہ دینے سے ایسی بات مان لیں؟ بس تم نے ایک نام لے دیا اور ہم سجدہ میں گر پڑے غرض جس قدر انہیں رحمان کی اطاعت وانقیاد کی طرف توجہ دلایئے اُسی قدر زیادہ بدکتے اور بھاگتے ہیں۔

سجدہ فقط اللہ کو ہے:

ایک مرسل حدیث میں ہے کہ مدینہ طیبہ کی کسی گلی میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سلمان! مجھے سجدہ نہ کر سجدے کے لائق وہ ہے جو ہمیشہ کی زندگی والا ہے جس پر کبھی موت نہیں (ابن ابی حاتم) اور اس کی تسبیح وحمد بیان کرتا رہ۔ (تفسیر ابن کثیر)

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا

بڑی برکت ہے اس کی جس نے بنائے آسمان میں بُرج

آسمان کے بُرج:

یعنی بڑے بڑے ستارے، یا آسمانی قلعے جن میں فرشتے پہرہ دیتے ہیں۔ یا ممکن ہے سورج کی بارہ منزلیں مُراد ہوں جو اہل ہیئت نے بیان کی ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ آسمان کے بارہ حصے، اُن کا نام بُرج، ہر ایک پر ستاروں کا پتہ، یہ حدیں رکھی ہیں حساب کو۔ (موضح) (تفسیر عثانی)

حضرت علی اور ابن عباس اور محمد بن کعب اور ابراہیم نخعی اور سلیمان بن مہران اعمش سے منقول ہے کہ یہ پہرہ دینے والے فرشتوں کے ٹھکانے ہیں۔ دیکھو (تفسیر ابن کثیر)

اور بعض کہتے ہیں کہ بروج سے آسمان کی وہ بارہ منزلیں مراد ہیں جو اہل ہیئت بیان کرتے ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد جس کو لیث بھی کہتے ہیں۔ سنبلہ۔ میزان۔ عقرب۔ قوس۔ جدی۔ دلو۔ حوت۔

آسمان میں ستاروں کے اجتماع سے مختلف صورتیں پیدا ہوگئیں۔ کہیں شیر کی اور کہیں ترازو کی اور کہیں بچھو کی کہیں مچھلی کی۔ اور آفتاب جب ایک برج سے دوسرے برج میں جاتا ہے تو موسم بدل جاتا ہے یہ بھی خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اس لئے وہ ان ناموں سے موسوم ہوئے، حکماء نے آسمان کو خیالی طور پر اس طرح تقسیم کیا ہے کہ جس طرح خربوزہ کی قاشیں ہوتی ہیں اور اس نام کے ساتھ اس کو نامزد کیا کہ جو صورت اس میں نمودار ہوئی۔ (معارف کاندھلوی)

موسموں کی تبدیلی کا نظام:

ہر شخص مشاہدہ سے دیکھتا اور سمجھتا ہے کہ شمس و قمر اور دوسرے ستاروں کے کبھی سامنے آنے اور کبھی غائب ہو جانے سے نیز چاند کے گھٹنے بڑھنے سے اور رات دن کے انقلاب سے پھر مختلف موسموں اور مختلف خطوں میں دن رات کے گھٹنے بڑھنے کے عجیب و غریب نظام سے جس میں ہزاروں سال سے کبھی ایک منٹ ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آتا، ان سب اُمور سے ایک ادنیٰ عقل و بصیرت رکھنے والا انسان یہ یقین کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ سب کچھ حکیمانہ نظام یوں ہی خود بخود نہیں چل رہا کوئی اس کو بنانے چلانے والا اور باقی رکھنے والا ہے اور اتنا سمجھنے کے لئے انسان کو نہ کسی فلسفی تحقیق اور آلات رصد یہ وغیرہ کی حاجت پڑتی ہے نہ قرآن نے اس کی طرف دعوت دی۔ قرآن کی دعوت صرف اُسی حد تک ان چیزوں میں غور و فکر کی ہے جو عام مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ انکشافات اس کی واضح دلیل ہیں کہ کسی نظریہ اور تحقیق کو یقینی اور آخری نہیں کہا جا سکتا۔ انسانی ضرورت سے متعلقہ تمام فنون، فلکیات، کائنات فضاء ابر و باراں، خلاء، طبقات الارض، پھر زمین پر پیدا ہونے والی مخلوقات، جمادات نباتات حیوانات سے اور عالم انسان اور انسانی علوم و فنون، تجارت، زراعت صنعت وغیرہ ان سب میں سے قرآن حکیم صرف اُن کی روح اور مشاہداتی حصہ کو اسقدر لیتا ہے جس سے انسان کی دینی یا دُنیوی ضرورت متعلق ہے، دور از کار تحقیقات کی دلدل میں انسان کو نہیں پھنساتا البتہ کہیں کہیں کسی خاص مسئلے کی طرف اشارہ یا صراحت بھی پائی جاتی ہے۔

تفسیر قرآن میں سائنسی نظریات کی موافقت یا مخالفت کا صحیح معیار

علماء اہلِ حق قدیم و جدید اس پر متفق ہیں کہ ان مسائل کے متعلق جو بات قرآن کریم سے یقینی طور پر ثابت ہے۔ اگر کوئی قدیم یا جدید نظریہ اُس سے مختلف ہو تو اس کی وجہ سے قرآنی آیات میں کھینچ تان اور تاویل جائز نہیں، اس نظریہ ہی کو مغالط قرار دیا جائے گا، البتہ جن مسائل میں قرآنِ کریم کی کوئی تصریح موجود نہیں الفاظ قرآنی میں دونوں معنے کی گنجائش ہے وہاں اگر مشاہدات اور تجربے سے کسی ایک نظریہ کو قوت حاصل ہو جائے تو آیتِ قرآن کو بھی اسی معنی پر محمول کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ جیسے اسی آیت جعل فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا میں ہے کہ قرآن کریم نے اس بارہ میں کوئی واضح فیصلہ نہیں دیا کہ ستارے آسمان کے اندر ہیں یا باہر فضائے آسمانی میں ہیں۔

فیثاغورس کی تحقیق کی تائید:

آج کل جبکہ خلائی تجربات نے یہ ثابت کر دیا کہ ان سیارات تک پہنچا جا سکتا ہے تو اس سے فیثاغورسی نظریہ کی تائید ہو گئی کہ ستارے آسمانوں میں پیوست نہیں کیونکہ قرآنِ کریم اور احادیث صریحہ کی تصریحات کی رُو سے آسمان ایک ایسا حصار ہے جس میں دروازے ہیں اور دروازوں پر فرشتوں کا پہرہ ہے اُن میں ہر شخص داخل نہیں ہو سکتا۔ اس مشاہدے اور تجربے کی بناء پر آیت مذکورہ کا یہ مفہوم قرار دیا جائے گا کہ کواکب کو فضائے آسمانی میں پیدا کیا گیا ہے اور یہ کوئی تاویل نہیں بلکہ دو مفہوم میں سے ایک کی تعیین ہے۔

غلط دعویٰ: لیکن اگر کوئی سرے سے آسمانوں کے وجود کا انکار کرے جیسے بعض ہئیت جدید والے کہتے ہیں یا کوئی یہ دعویٰ کرے کہ راکٹوں اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ آسمانوں کے اندر داخلہ ہو سکتا ہے تو از روئے قرآن اُس دعوے کو غلط قرار دیا جائے گا کیونکہ قرآن کریم نے متعدد آیات میں یہ بات واضح طور پر بتلائی ہے کہ آسمانوں میں دروازے ہیں اور وہ دروازے خاص خاص حالات میں کھولے جاتے ہیں ان دروازوں پر فرشتوں کا پہرہ مسلط ہے۔ آسمانوں میں داخلہ ہر شخص کا جب چاہے نہیں ہو سکتا، اس دعوے کی وجہ سے اُن آیات میں کوئی تاویل نہیں کی جائے گی اور اس دعوے کو غلط قرار دیا جائے گا۔

اسی طرح جبکہ قرآن کریم کی آیت كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ سے ستاروں کا حرکت کرنا ثابت ہے۔

علامہ آلوسیؒ کا تجزیہ:

زمانۂ حال کے سب سے بڑے مفسر قرآن سید محمود آلوسی بغدادی جن کی تفسیر روح المعانی علماءِ سلف کی تفاسیر کا بہترین خلاصہ اور عرب و عجم مشرق و مغرب میں مقبول و مستند تفسیر ہے۔

اُن کے پوتے علامہ سید محمود شکری آلوسی نے ان مسائل پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے **مادل علیه القرآن هما يعضد الهيئة الجديدة القويمة البرهان** جس میں ہئیت جدیدہ کے نظریات کی تائید قرآن کریم کی روشنی میں کی گئی ہے مگر دوسرے تجدد پسند علماء کی طرح قرآنی آیات میں کسی قسم کی تاویل کو روا نہیں رکھا۔ اُن کے چند جملے اس جگہ نقل کر دینا کافی ہیں جو ہئیتِ جدیدہ کی تائید میں لکھے ہیں وہ فرماتے ہیں۔

میں نے ہئیت جدیدہ کے بہت سے قواعد کو دیکھا ہے وہ قرآن وسنت کی نصوص کے خلاف نہیں۔ اوراس کے باوجود اگر وہ قرآن وسنت کی کسی نص کے خلاف ہو تو ہم اس کی طرف رُخ نہ کریں گے اور قرآن وسنت کی نصوص میں اس کی وجہ سے تاویل نہ کریں گے کیونکہ ایسی تاویل سلف صالحین کے مذہب مقبول میں نہیں ہے بلکہ ہم اُس وقت یہ کہیں گے کہ جو نظریہ قرآن و سنت کے خلاف ہے اس میں ہی کوئی خلل ہے کیونکہ عقل سلیم اور نقل صحیح میں کبھی اختلاف نہیں ہوتا بلکہ ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔

علم فلکیات کی تاریخ:

فلکیات اور ستاروں، سیاروں کی حرکات اور ہئیات کے متعلق بحث و تحقیق کوئی نیا فن نہیں، ہزاروں سال پہلے سے ان مسائل پر تحقیقات کا سلسلہ جاری ہے۔ مصر، شام، ہند، چین وغیرہ میں ان فنون کا چرچا قدیم زمانہ سے چلا آ رہا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام سے پانسو سال پہلے اس فن کا بڑا معلم فیثا غورس گزرا ہے جو اطالیہ کے مدرسہ کوتونا میں باقاعدہ اس کی تعلیم دیتا تھا، اس کے بعد میلاد مسیح علیہ السلام سے تقریباً ایکسو چالیس سال پہلے اس فن کا دوسرا محقق بطلیموس رومی آیا اور اسی زمانے میں ایک دوسرے فلاسفر ہپیر خوس کی شہرت ہوئی جس نے زاویئے ناپنے کے آلات ایجاد کئے۔

فیثا غورس اور بطلیموس کے نظریات ہیئت افلاک کے متعلق بالکل ایک دوسرے سے متضاد تھے۔ بطلیموس کو اپنے زمانے کی حکومت اور عوام کا تعاون حاصل ہوا۔ اس کا نظریہ اتنا پھیلا کہ فیثا غورس کا نظریہ گوشۂ گمنامی میں جا پڑا، اور جب یونانی فلسفہ کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا تو یہی بطلیموس کا نظریہ ان کتابوں میں منتقل ہوا اور اہل علم میں عام طور سے یہی نظریہ جانا پہچانا گیا۔ بہت سے مفسرین نے آیات قرآنیہ کی تفسیر میں بھی یہ نظریہ سامنے رکھ کر کلام کیا۔

گیارہویں صدی ہجری اور پندرہویں صدی عیسوی جس میں اقوام یورپ کی ترقی کا آغاز ہوا اور یورپین محققین نے ان مسائل پر کام کرنا شروع کیا جن میں سب سے پہلے کوپرنک پھر جرمنی مین کیلر اور اطالیہ میں گلیلیو وغیرہ کے نام آتے ہیں انہوں نے ازسرنو ان مباحث کا جائزہ لیا، یہ سب اس پر متفق ہو گئے کہ ہئیت افلاک کے متعلق بطلیموسی نظریہ غلط اور فیثا غورس کا نظریہ صحیح ہے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی اور تیرہویں صدی ہجری میں اسحٰق نیوٹن کی شہرت ہوئی، اس کی تحقیقات وایجادات نے اس کو مزید تقویت پہنچائی، اس نے یہ تحقیق کی کہ وزنی چیزیں اگر ہوا میں چھوڑی جائیں تو ان کے زمین پر آ گرنے کا سبب وہ نہیں جو بطلیموسی نظریہ میں بتلایا گیا ہے کہ زمین کے وسط میں مرکزِ عالم ہے اور تمام وزنی چیزیں مرکز کی طرف فطرۃً رجوع کرتی ہیں بلکہ اُس نے بتلایا کہ جتنے ستارے اور سیارات ہیں سب میں ایک جذب وکشش کا مادہ ہے زمین بھی اسی طرح کا ایک سیارہ ہے اس میں بھی کشش ہے۔ جس حد تک زمین کی کشش کا اثر رہتا ہے وہاں سے ہر وزنی چیز زمین پر آئے گی لیکن اگر کوئی چیز اس کی کشش کے دائرہ سے باہر نکل جائے تو وہ پھر نیچے نہیں آئے گی۔

ابوریحان البیرونی کی تحقیقاتِ پر راکٹ کی ایجاد:

حال میں روسی اور امریکی ماہرین نے قدیم اسلامی فلاسفر ابوریحان محمد البیرونی کی تحقیقات کی امداد سے راکٹ وغیرہ ایجاد کر کے اس کا عملی تجربہ اور مشاہدہ کرلیا کہ راکٹ جب اپنی شدید قوت اور تیز رفتاری کے سبب زمین کی کشش کو توڑ کر اس کے دائرہ سے باہر نکل گیا تو پھر یہ نیچے نہیں آتا بلکہ ایک مصنوعی سیارے کی صورت اختیار کر لیتا اور اپنے مدار پر چکر لگاتا ہے۔ پھر ان مصنوعی سیاروں کا تجربہ کرتے کرتے اس کے ماہرین نے سیارات تک پہنچنے کی تدبیریں شروع کیں اور بالآخر چاند پر پہنچ گئے جس کی تصدیق اس زمانے کے تمام ماہرین فن موافق ومخالف نے کی اور اب تک چاند پر بار بار جانے وہاں کے پتھر، خاک وغیرہ لانے اور اس کے فوٹو مہیا کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ دوسرے سیارات تک پہنچنے کی بھی کوششیں ہو رہی ہیں اور خلانوردی خلا پیمائی کی مشقیں جاری ہیں۔

خلائی سفر:

ان میں سے امریکن خلانورد جان گلین جو کامیابی کے ساتھ خلا کا سفر کر کے واپس آیا اور اس کی کامیابی پر اس کے موافق ومخالف سبھی نے اعتماد کیا، اس کا ایک بیان امریکہ کے مشہور ماہنامہ ریڈرز ڈائجسٹ میں اور اس کا اُردو ترجمہ امریکہ کے اُردو ماہنامہ سیربین میں مفصل شائع ہوا ہے یہاں اس کے اہم اقتباسات ماہنامہ سیربین سے نقل کئے جاتے ہیں جن سے ہمارے زیر بحث مسئلہ پر کافی روشنی پڑتی ہے جان گلین نے اپنے طویل مقالہ میں خلاء کے عجائب کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''یہی وہ ایک واحد شئی ہے جو خلاء میں خدا کے وجود پر دلالت کرتی ہے، اور یہ کہ کوئی طاقت ہے جو ان سب کو مرکز ومحور سے وابستہ رکھتی ہے۔'' آگے لکھا ہے کہ: ''اُس کے باوجود خلا میں پہلے ہی سے جو عمل جاری ہے اُس کو دیکھتے ہوئے ہماری کوششیں انتہائی حقیر ہیں۔ سائنسی اصطلاحات وپیمانوں میں خلائی پیمائش ناممکن ہے۔''

قطب نما کے پس پردہ قوت:

آگے ہوائی جہاز کی مشینی قوت کا تذکرہ کر کے لکھا ہے کہ:

''لیکن ایک یقینی اور غیر محسوس قوت کے بغیر اس کا استعمال بھی محدود اور بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے اس لئے کہ جہاز کو اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے تعین رُخ کی حاجت ہوتی ہے اور یہ کام قطب نما سے لیا جاتا ہے۔ وہ قوت جو

قطب نما کو متحرک رکھتی ہے ہمارے تمام حواس خمسہ کے لئے ایک کھلا چیلنج ہے اسے نہ ہم دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ چھو سکتے ہیں نہ چکھ سکتے ہیں نہ سونگھ سکتے ہیں حالانکہ نتائج کا ظہور اس پر واضح دلالت کررہا ہوتا ہے کہ یہاں کوئی پوشیدہ قوت ضرور موجود ہے۔''

آگے سب سیر وسفر کے نتیجہ کے طور پر لکھتا ہے:

''عیسائیت کے اُصول ونظریات کی حقیقت بھی ٹھیک یہی کچھ ہے۔ اگر ہم ان کو اپنا رہنما بنائیں تو باوجود یہ کہ ہمارے حواس ان کے ادراک سے عاجز ہوتے ہیں لیکن اس رہنما قوت کے نتائج وتاثرات اپنے اور اپنے دوسرے بھائیوں کی زندگیوں میں کھلی آنکھوں دیکھیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم جانتے ہیں اور اس بنا پر کہتے ہیں کہ اس کائنات میں ایک رہنما قوت موجود ہے۔''

یہ ہیں خلاء کے مسافروں اور سیارات پر کمند پھینکنے والوں کی کمائی کے حاصلات۔

نظام کائنات کا پیغام:

بس حاصل اُتنی بات ہوئی کہ یہ سب نظام کائنات اور نجوم وسیارات خود بخود نہیں، بلکہ کسی عظیم اور غیر محسوس طاقت کے زیر فرمان چل رہے ہیں۔ یہی وہ بات ہے جس کو انبیاء علیہم السلام نے پہلے قدم پر عام انسانوں کو بتلا دیا تھا اور قرآن کریم کی بیشمار آیات میں اسی چیز کا یقین دلانے کے لئے آسمان زمین، نجوم وسیارات وغیرہ کے حالات پر غور وفکر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

آپ نے دیکھ لیا کہ جس طرح زمین میں بیٹھ کر آسمانی فضاؤں اور نجوم وسیارات کی تحقیقات وہیئات پر فلسفیانہ بحثیں کرنے والے ان چیزوں کی حقیقت تک نہ پہنچ سکے اور بالآخر اپنے عجز وبے بسی کا اعتراف کیا، اسی طرح یہ زمین سے لاکھوں میل اُوپر کا سفر کرنے والے اور چاند کے پتھر اور مٹی اور وہاں کے فوٹو لانے والے بھی حقیقت شناسی کے میدان میں کچھ اس سے آگے نہ بڑھ سکے۔

بزرگان سلف نے یہ نصیحت فرمائی

زباں تازہ کردن باقرار تو — نینگیختن علت از کار تو
مہندس لبے جوید از راز شاں — نداند کہ چوں کردی آغاز شاں

صوفیائے کرام جو نظر کشفی سے ان چیزوں کو دیکھتے ہیں ان کا فیصلہ بھی انجام کار وہی ہے جو شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔

چہ شبہا نشستم دریں سیر گم — کہ حیرت گرفت آستینم کہ قم

حافظ شیرازی نے اپنی لے میں فرمایا۔

سخن از مطرب ومی گوئی وراز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود ونکشاید بحکمت ایں معمارا

اس تمام تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ کائنات افلاک وفضاء اور کائنات ارضی میں غور وفکر اس حیثیت سے کہ اُن سے پیدا کرنے والے کے وجود اور توحید اور اس کی بے مثال علم وقدرت پر استدلال کیا جا سکے عین مقصود قرآنی ہے اور قرآن جابجا اس کی دعوت دے رہا ہے۔

تجربات ومشاہدات سے کوئی چیز ثابت ہو جائے تو اس کو قرآن کے منافی کہنا بھی صحیح نہیں۔ چاند کے اوپر پہنچنا، رہنا بسنا اور وہاں کی معدنیات وغیرہ سے نفع اُٹھانا وغیرہ سب اس میں داخل ہیں ان میں سے کوئی چیز مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہو جائے تو اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں اور جب تک ثابت نہ ہو خواہ مخواہ اس کے تصورات باندھنا اور اس میں عمر عزیز کے اوقات صرف کرنا بھی کوئی دانشمندی نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا

اور رکھا اس میں چراغ

آسمان کا چراغ:

یعنی سورج، شاید نور وحرارت کے جمع ہونے اور صفت احراق رکھنے کی وجہ سے اس کو چراغ فرمایا وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا (نوح۔ رکوع)

وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿۶۱﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً

اور چاند اُجالا کرنے والا اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن بدلتے سدلتے

رات ودن کا نظام:

گھٹنے بڑھنے یا آنے جانے کو بدلنا سدلنا فرمایا، یا یہ مطلب ہے کہ ایک کو دوسرے کا بدل بنایا ہے مثلاً دن کا کام رہ گیا، رات کو کر لیا اور رات کا وظیفہ رہ گیا، دن میں پورا کر دیا۔ کما ورد فی الحدیث۔ (تفسیر عثمانی)

خِلْفَةً یعنی رات اور دن میں سے ہر ایک دوسرے کا قائم مقام ہو جاتا ہے، اسی لئے اگر کسی سے دن یا رات کا کوئی عمل فوت ہو گیا ہو تو دن کے عمل کو رات میں اور رات کے عمل کو دن میں ادا کر سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ کی فراست:

بغوی نے لکھا ہے کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا آج میری رات کی نماز فوت ہو گئی حضرت عمرؓ نے فرمایا رات کو جو نماز فوت ہو گئی اس کو دن میں (پورا) کر لو۔ اللہ نے فرمایا ہے

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ

حسن راوی ہیں کہ ایک بار حضرت عمرؓ نے چاشت کی نماز بہت طویل کر دی کسی نے دریافت کیا آج آپ نے وہ بات کی جو اس سے پہلے آپ نہیں کرتے تھے فرمایا میرا رات کا کچھ وظیفہ آج رہ گیا تھا میں اس کو پورا کرنا چاہتا

تھا۔ یا فرمایا۔ میں نے اس کو ادا کرنا چاہا، اس کے بعد آپ نے آیت وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً تلاوت فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾

اس شخص کے واسطے کہ چاہے دھیان رکھنا یا چاہے شکر کرنا

بدلتے حالات کا سبق:

یعنی چاند، سورج وغیرہ کا اُلٹ پھیر اور رات دن کا ادل بدل اس لئے ہے اُس میں دھیان کر کے لوگ خداوند قدیر کی معرفت کا سُراغ لگائیں کہ یہ سب تصرفات وتقلبات عظیمہ اُسی کے دستِ قدرت کی کارسازیاں ہیں۔ اور رات دن کے فوائد وانعامات کو دیکھ کر اُس کی شکرگزاری کی طرف متوجہ ہوں۔ چنانچہ رحمٰن کے مخلص بندے جن کا ذکر آگے آتا ہے، ایسا ہی کرتے ہیں۔

صحیح حدیث شریف میں ہے، اللہ تعالیٰ رات کو اپنے ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن کا گنہگار توبہ کرلے اور دن کو ہاتھ پھیلاتا ہے کہ رات کا گنہگار توبہ کرلے۔

خلفۃ کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ مختلف یعنی دن روشن رات تاریک اس میں اُجالا اس میں اندھیرا یہ نورانی وہ ظلماتی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا

اور بندے رحمٰن کے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں

اللہ کے سچے بندے:

یعنی مشرکین کی طرح رحمان کا نام سن کر ناک بھوں نہیں چڑھاتے بلکہ ہر فعل وقول سے بندگی کا اظہار کرتے ہیں۔ اُن کی چال ڈھال سے تواضع، متانت، خاکساری اور بے تکلفی ٹپکتی ہے متکبروں کی طرح زمین پر اکڑ کر نہیں چلتے۔ یہ مطلب نہیں کہ ریاء وتصنع سے بیماروں کی طرح قدم اُٹھاتے ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو رفتار احادیث میں منقول ہے، اس کی تائید نہیں کرتی۔ (تفسیر عثمانی)

یا یہ مقصود ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جو رحمٰن کی عبادت میں ڈوبے ہوئے ہیں (گویا حقیقت میں یہ ہی اللہ کی بندگی کرنے والے ہیں) اس صورت میں عباد عابد کی جمع ہے جیسے تجار تاجر کی جمع ہے۔ اللہ کے دوسرے نام اس جگہ ذکر نہیں کئے صرف الرحمٰن کا ذکر کیا اس میں اشارہ ہے کہ اللہ نے ان سے اپنی رحمت کاملہ کا وعدہ کرلیا ہے اور یہ بھی مخلوقِ خدا پر کامل طور پر مہربان ہیں (جب رحمان کے پرستار ہیں تو خود بھی ان کا رحیم ہونا ضروری ہے)

یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا یعنی تواضع اور فروتنی کے ساتھ پروقار پر سکون چال سے چلتے ہیں ان کی چال میں نہ غرور ہے نہ اترانا۔ لغت میں ہون کا معنی ہے نرمی، صاحب قاموس نے ہون کا معنی لکھا ہے وقار (سنجیدگی) یہی معنی مراد ہیں اس قولِ رسول میں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، مؤمن نرم رفتار اور پروقار ہوتا ہے اتنا کہ انتہائی نرمی کی وجہ سے تم اس کو احمق خیال کرنے لگتے ہو۔ رواہ البیہقی بسند ضعیف عن ابی ہریرہؓ۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عمرؓ نے ایک نوجوان کو اکڑ کر چلتے دیکھا فرمایا جس چال میں غرور ہو وہ بُری ہے سوائے جہاد کے (جب دشمنوں کا مقابلہ ہو) اللہ نے کچھ لوگوں کی تعریف کی ہے اور فرمایا ہے وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ ـــــ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا تک۔ پس تو اپنی چال میں درمیانی صورت اختیار کر۔ (نہ زیادہ جھک کر چل نہ اکڑ کر)

یہاں ان مخصوص بندوں کو اپنا بندہ فرما کر ان کو اعزازی لقب دینا تھا مگر اپنی طرف نسبت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے سب اسماء حسنٰی اور صفات کمال میں سے اس جگہ لفظ رحمٰن کا انتخاب شاید اس لئے کیا گیا کہ مقبولین کی عادات وصفات اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کی ترجمان اور مظہر ہونا چاہئیں اس کی طرف اشارہ کرنا منظور ہے۔

مقبول بندوں کی مخصوص صفات وعلامات:

آیات مذکورہ میں اللہ کے مخصوص اور مقبول بندوں کی تیرہ صفات و علامات کا ذکر آیا ہے جن میں عقائد کی درستی اور اپنے ذاتی اعمال میں خواہ وہ بدن سے متعلق ہوں یا مال سے، سب میں اللہ ورسول کے احکام اور مرضی کی پابندی۔ دوسرے انسانوں کے ساتھ معاشرت اور تعلقات کی نوعیت، رات دن کی عبادت گزاری کے ساتھ خوفِ خدا، تمام گناہوں سے بچنے کا اہتمام اور اپنے ساتھ اپنی اولاد وازواج کی اصلاح کی فکر وغیرہ شامل ہیں۔

ان کا سب سے پہلا وصف عباد ہونا ہے عباد عبد کی جمع ہے عبد کا ترجمہ ہے بندہ جو اپنے آقا کا مملوک ہو، اس کا وجود اور اس کے تمام اختیارات و اعمال آقا کے حکم ومرضی پر دائر ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا بندہ کہلانے کا مستحق وہی شخص ہوسکتا ہے جو اپنے عقائد وخیالات کو اور اپنے ہر ارادے اور خواہش کو اور اپنی ہر حرکت وسکون کو اپنے رب کے حکم او رمرضی کے تابع رکھے ہر وقت گوش برآواز رہے کہ جس کام کا حکم ہو وہ بجالاؤں۔

دوسری صفت یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا یعنی چلتے ہیں وہ زمین پر تواضع کے ساتھ لفظ ہون کا مفہوم اس جگہ سکینت و وقار اور تواضع ہے کہ اکڑ کر نہ چلے، قدم متکبرانہ انداز سے نہ رکھے بہت آہستہ چلنا مراد نہیں، کیونکہ وہ بلاضرورت ہو تو خلافِ سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے کی جو صفت شمائل نبویہ میں منقول ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا چلنا بہت آہستہ نہیں بلکہ کسی قدر تیزی کے ساتھ تھا۔ حدیث میں ہے کانما الارض تطوی لہٗ یعنی آپ ایسا چلتے تھے کہ گویا زمین آپ کے لئے سمٹتی ہے (ابن

کثیر) اسی لئے سلف صالحین نے تبرکلف مریضوں کی طرح آہستہ چلنے کو علامت تکبر و تصنع ہونے کے سبب مکروہ قرار دیا ہے۔ فاروق اعظمؓ نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ بہت آہستہ چل رہا ہے، پوچھا، کیا تم بیمار ہو۔ اس نے کہا نہیں، تو آپ نے اس پر دُرہ اٹھایا اور حکم دیا کہ قوت کے ساتھ چلا کرو (ابن کثیر)

حضرت حسن بصریؒ نے اس آیت يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا کی تفسیر میں فرمایا کہ مؤمنین مخلصین کے تمام اعضاء و جوارح آنکھ، کان، ہاتھ پاؤں سب اللہ کے سامنے ذلیل و عاجز ہوتے ہیں ناواقف اُن کو دیکھ کر معذور عاجز سمجھتا ہے حالانکہ نہ وہ بیمار ہیں نہ معذور بلکہ تندرست قوی ہیں مگر اُن پر حق تعالیٰ کا خوف ایسا طاری ہے جو دوسروں پر نہیں ہے۔ اُن کو دنیا کے دھندوں سے آخرت کی فکر نے روکا ہوا ہے۔ اور جو شخص اللہ پر بھروسہ نہیں کرتا اور اس کی ساری فکر دُنیا ہی کے کاموں میں لگی رہتی ہے تو وہ ہمیشہ حسرت ہی حسرت میں رہتا ہے (کہ دنیا تو ساری ملتی نہیں اور آخرت میں اُس نے حصہ نہیں لیا) اور جس شخص نے اللہ کی نعمت صرف کھانے پینے کی ہی چیزوں کو سمجھا ہے اور اعلیٰ اخلاق کی طرف دھیان نہیں دیا، اُس کا علم بہت تھوڑا ہے اور عذاب اُس کے لئے تیار ہے۔ (از ابن کثیر ملخصاً)

بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی گواہی کو اکبر کبائر فرمایا ہے۔

وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾

اور جب بات کرنے لگیں اُن سے بے سمجھ لوگ تو کہیں صاحب سلامت

جاہلوں سے سلوک: یعنی کم عقل اور بے ادب لوگوں کی بات کا جواب عفو و صلح سے دیتے ہیں۔ جب کوئی جہالت کی گفتگو کرے تو ملائم بات اور صاحب سلامت کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں۔ ایسوں سے منہ نہیں لگتے۔ نہ اُن میں شامل ہوں نہ اُن سے لڑیں۔ اُن کا شیوہ وہ نہیں جو جاہلیت میں کسی نے کہا تھا ۔

اَلا لا يجهلنْ احدٌ علينا   فنجهلَ فوقَ جهلِ الجاهلينا

یہ تو رحمان کے ان مخلص بندوں کا دن تھا، آگے رات کی کیفیت بیان فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مروی ہے کہ حسن بصری نے یہ آیت پڑھی تو فرمایا یہ تو ان کی دن کی حالت ہوتی ہے (اور رات میں حالت وہ ہوتی ہے جو آئندہ آیت میں بیان کی گئی ہے (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿۶۴﴾

اور وہ لوگ جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدہ میں اور کھڑے

رات کی عبادت گذاری:

یعنی رات کو جب غافل بندے نیند اور آرام کے مزے لوٹتے ہیں، یہ خدا کے آگے کھڑے اور سجدہ میں پڑے ہوئے گزارتے ہیں۔ رکوع چونکہ قیام و سجود کے درمیان واقع ہے، شاید اسی لئے اس کو علیحدہ ذکر نہیں کیا۔ گویا ان ہی دونوں کے بیچ میں آ گیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا اور وہ لوگ جو رات کو اپنے رب کے سامنے سجدے کرتے اور کھڑے رہتے ہیں۔

حسن نے فرمایا، یہ حالت ان کی رات کو ہوتی ہے، عبادت کے لئے رات کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے کیا کہ رات کی عبادت زیادہ دشوار ہوتی ہے ریاکاری کا بھی اس میں شائبہ نہیں ہوتا خضوع قلب اور زبان سے دل کی موافقت خوب ہوتی ہے اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دن دوسری قسم کی عبادتوں کے لئے مخصوص ہے (جو عام طور پر رات کو ادا نہیں کی جا سکتیں) مثلاً اللہ کی راہ میں جہاد اور کسی ملامت گر کی ملامت کا اندیشہ نہ کرنا تعلیم و تعلم اور ہدایت کرنے اور ہدایت پانے کے لئے نیک لوگوں اور بزرگوں کی صحبت (وغیرہ)

رات کی نماز کی فضیلت:

سُجَّدًا ساجد کی جمع ہے اور قیام قائم کی یا قیام مصدر بمعنی اسم فاعل ہے، نماز شب (کی فضیلت) کے متعلق حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت کے سردار حاملین قرآن اور نماز شب ادا کرنے والے ہیں۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے، میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات میں پڑھی جانے والی نماز ہے۔ رواہ احمد۔

حضرت ابوامامہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامِ شب کا التزام کرو یہ گزشتہ صلحاء کی عادت جاریہ ہے رب سے قربت حاصل کرنے گناہوں کو ساقط کرنے اور (آئندہ) گناہ سے روکنے کا ذریعہ ہے۔ رواہ الترمذی۔

حضرت ابوسعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تین چیزیں ہیں جن کی طرف دیکھ کر اللہ ہنستا (یعنی اظہار پسندیدگی فرماتا) ہے۔ (۱) اس آدمی کو دیکھ کر جو رات میں اُٹھ کر نماز پڑھتا ہے۔ (۲) ان لوگوں کو دیکھ کر جو نماز میں صف بند ہوتے ہیں۔ (۳) ان لوگوں کو دیکھ کر جو دشمن کے مقابلے میں لڑنے کے لئے صفیں قائم رکھتے ہیں۔ (رواہ البغوی فی شرح السنۃ)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جس نے عشاء (کی نماز) کے بعد دو رکعتیں یا اس سے زیادہ پڑھ لیں (تو گویا) اس نے رات بھر اللہ کے سامنے سجدہ اور قیام میں گزاری، حضرت عثمان بن عفانؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لی تو ایسا ہو گیا جیسے اس نے آدھی رات قیام کیا۔ رواہ مسلم واحمد (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ

اور وہ لوگ کہ کہتے ہیں اے رب ہٹا ہم سے دوزخ کا عذاب

جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ

بیشک اُس کا عذاب چمٹنے والا ہے وہ بُری جگہ ہے

مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٦٦﴾

ٹھہرنے کی اور بُری جگہ رہنے کی

خوفِ آخرت:

یعنی اتنی عبادت پر اتنا خوف بھی ہے۔ یہ نہیں کہ تہجد کی آٹھ رکعت پڑھ کر خدا کے عذاب وقہر سے بےفکر ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

اپنے عملوں پر بھروسہ نہ کر بیٹھو:

حضرت علیؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے انبیاء بنی اسرائیل میں سے ایک نبی (یعنی حضرت داؤد) کے پاس وحی بھیجی کہ اپنی امت کے اطاعت گزار بندوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں کیونکہ قیامت کے دن حساب فہمی کے وقت میں جس بندے کو کھڑا کروں گا اور اس کو عذاب دینا چاہوں گا تو (بتقاضاء عدل) اس کو عذاب دوں گا اور میرے نافرمان بندوں سے کہہ دو کہ وہ خود اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالیں (یعنی مغفرت سے ناامید نہ ہوں) کیونکہ میں بڑے بڑے گناہ (اگر چاہوں گا تو اپنی رحمت سے) بخش دوں گا اور مجھے پروانہیں ہے (نہ کسی کو عذاب دینے نہ بخش دینے کی) رواہ ابونعیم (تفسیر مظہری)

جہنم کے گڑھے:

حضرت عُبید ابن عمیر فرماتے ہیں کہ جہنم میں گڑھے ہیں کنوؤں جیسے ان میں سانپ ہیں جیسے بختی اُونٹ اور بچھو ہیں جیسے خچر جب کسی جہنمی کو جہنم میں ڈالا جاتا ہے تو وہاں سے نکل کر آتے اور انہیں لپٹ جاتے ہیں ہونٹوں پر سروں پر جسم کے اور حصوں پر ڈستے اور ڈنک مارتے ہیں جس سے ان کے سارے بدن میں زہر پھیل جاتا ہے اور پھکنے لگتے ہیں۔ سارے سر کی کھال جھلس کر گر پڑتی ہے پھر وہ سانپ چلے جاتے ہیں۔

جہنمیوں کی آہ وزاری:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جہنمی ایک ہزار سال تک جہنم میں چلاتا رہے گا۔ یاحنّان یامنّان تب اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل سے فرمائے گا جاؤ دیکھو یہ کیا کہہ رہا ہے۔ حضرت جبرئیل آ کر دیکھیں گے کہ سب جہنمی بُرے حال سر جھکائے آہ وزاری کر رہے ہیں جا کر جناب باری تعالیٰ میں خبر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا پھر جاؤ فلاں فلاں جگہ یہ شخص ہے جاؤ اور اسے لے آؤ۔ آپ بحکم خدا تعالیٰ جائیں گے اور اسے لا کر خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس سے دریافت فرمائے گا کہ تو کیسی جگہ ہے؟ یہ جواب دے گا کہ خدایا ٹھہرنے کی بھی بُری جگہ اور سونے بیٹھنے کی بھی بدترین جگہ ہے۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا اچھا اب اسے اس کی جگہ واپس کر آؤ۔ تو یہ گڑگڑائے گا عرض کرے گا کہ اے میرے ارحم الراحمین خدا! جب کہ تو نے مجھے اس سے باہر نکالا تو تیری ذات ایسی نہیں کہ پھر مجھے اس میں داخل کر دے مجھے تو تجھ سے رحم وکرم کی ہی اُمید ہے۔ خدایا بس اب مجھ پر کرم فرما۔ جب تو نے مجھے جہنم سے نکالا تو میں خوش ہو گیا تھا کہ اب تو اس میں نہ ڈالے گا۔ اس مالک ورحمٰن و رحیم خدا کو بھی رحم آ جائے گا اور فرمائے گا اچھا میرے بندے کو چھوڑ دو۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا

اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرنے لگیں نہ بے جا اڑائیں اور نہ تنگی کریں

وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾

اور ہے اس کے بیچ ایک سیدھی گزران

خرچ میں میانہ روی:

یعنی موقع دیکھ بھال کر میانہ روی کے ساتھ خرچ کرتے ہیں۔ نہ مال کی محبت نہ اُس کی اضاعت۔ کما قال تعالیٰ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ (بنی اسرائیل۔ رکوع۳) (تفسیر عثمانی)

مسند احمد میں فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ اپنی گزران میں میانہ روی کرنا انسان کی سمجھداری کی دلیل ہے اور حدیث میں ہے جو افراط تفریط سے بچتا ہے وہ کبھی فقیر محتاج نہیں ہوتا۔ بزار کی حدیث میں ہے کہ امیری میں فقیری میں عبادت میں درمیانہ روی بڑی ہی بہتر اور احسن چیز ہے۔ امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ راہِ خدا میں کتنا ہی چاہو دو اس کا نام اسراف نہیں ہے۔ حضرت ایاس بن معاویہؒ فرماتے ہیں جہاں کہیں تو حکم خدا تعالیٰ سے آگے بڑھ جائے وہی اسراف ہے اور بزرگوں کا قول ہے کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ اسراف ہے۔

صحابہ کرام کے کھانے پینے کا مقصد:

صحابۂ کرامؓ مزے اور لذت کے لئے کھانا نہیں کھاتے تھے نہ آرائش و زیبائش کے لئے لباس پہنتے تھے بلکہ کھانا کھانے سے ان کا مقصد تھا بھوک کو دور کرنا اور عبادت رب کے لئے قوت حاصل کرنا اسی طرح لباس سے ان کی

غرض تھی قابل ستر حصہ بدن کو چھپانا اور سردی گرمی سے جسم کی حفاظت کرنی۔
حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا یہ بھی اسراف ہے کہ آدمی کو جو چیز پسند آئے وہ خرید ے۔ (از مفسر رحمہ اللہ) (تفسیر مظہری)

محتاجی سے تحفظ:

ایک دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما عال من اقتصد، یعنی جو شخص خرچ میں میانہ روی اور اعتدال پر قائم رہتا ہے وہ کبھی فقیر محتاج نہیں ہوتا۔ (رواہ الامام احمد۔ ابن کثیر)

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ

اور وہ لوگ کہ نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ دوسرے حاکم

وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ

اور نہیں خون کرتے جان کا جو منع کر دی اللہ نے مگر جہاں چاہیے

مثلاً قتل عمد کے بدلہ قتل کرنا، یا بدکاری کی سزا میں زانی محصن کو سنگسار کرنا، یا جو شخص دین چھوڑ کر جماعت سے علیحدہ ہو جائے اس کو مار ڈالنا۔ یہ سب صورتیں الا بالحق میں شامل ہیں۔ کما ورد فی الحدیث۔

وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾

اور بدکاری نہیں کرتے اور جو کوئی کرے یہ کام وہ جا پڑا گناہ میں ☆

اثام: یعنی بڑا سخت گناہ کیا جس کی سزا مل کر رہے گی بعض روایات میں آیا کہ "آثام" جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس میں بہت ہی ہولناک عذاب بیان کیے گئے ہیں۔ اعاذنا اللہ عنہا۔ (تفسیر عثمانی)

سب سے بڑا گناہ: شیخین نے صحیحین میں حضرت ابن مسعود کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابن مسعود نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا سب سے بڑا کون سا گناہ ہے فرمایا، اللہ کی مثل دوسرے کو قرار دینا حالانکہ اللہ نے ہی تم کو پیدا کیا ہے میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے، فرمایا اس خوف سے اپنی اولاد کو قتل کر دینا کہ وہ تمہارے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائے گی، میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے فرمایا اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا۔

ابن جریر، طبرانی اور بیہقی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی پتھر جس کا وزن دس اوقیہ ہو جہنم کے کنارہ سے (اندر کی طرف) پھینکا جائے تو ستر برس میں غی و اثام تک پہنچے گا۔ راوی کا بیان ہے میں نے عرض کیا غی اور اثام کیا ہیں فرمایا، جہنم کی تلی میں دو نہریں ہیں جن کے اندر دوزخیوں کا کچ لہو بہہ کر جاتا ہے انہی دونوں کا ذکر اللہ نے اپنی کتاب میں کیا ہے اور فرمایا ہے: فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ... وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا (تفسیر مظہری)

فنائے قلب کا مقام:

میں کہتا ہوں آیت وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ سے شاید فناء قلب کی طرف اشارہ ہے، فناء قلب کے بعد آدمی سوائے خدا کے کسی چیز کا قصد نہیں کرتا، اللہ کے سوا اس کو نہ کسی سے کوئی امید رہتی ہے نہ خوف، اللہ ہی اس کا مقصود ہو جاتا ہے اور جو مقصود ہوتا ہے وہی معبود ہوتا ہے بلکہ اس کو اللہ کے سوا کوئی چیز موجود ہی نہیں دکھائی دیتی کیونکہ حقیقی وجود اللہ کا ہے دوسری چیزوں کا حقیقی وجود نہیں (بلکہ وجود حقیقی کا ایک پرتو اور سایہ ہے) صرف اللہ ہی کا اصل وجود ہے، ذات الٰہی کا تقاضا ہے وجود۔

يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾

دونا ہوگا اس کو عذاب قیامت کے دن اور پڑا رہے گا اس میں خوار ہو کر

یعنی اور گناہوں سے یہ گناہ بڑے ہیں۔ عذاب بھی ان پر بڑا ہوگا اور دم بدم بڑھتا رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ

مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کیا کچھ کام نیک سو ان کو

يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾

بدل دے گا اللہ برائیوں کی جگہ بھلائیاں اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

توبہ کا فائدہ:

یعنی گناہوں کی جگہ نیکیوں کی توفیق دے گا اور کفر کے گناہ معاف کرے گا۔ یا یہ کہ بدیوں کو مٹا کر توبہ اور عمل صالح کی برکت سے ان کی تعداد کے مناسب نیکیاں ثبت فرمائے گا۔ کما یظھر من بعض الاحادیث۔ (تفسیر عثمانی)

کچھ علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ اپنی مہربانی سے اسلام میں کیے ہوئے برے اعمال کو قیامت کے دن نیکیوں میں تبدیل کر دے گا یہی قول سعید بن مسیب مکحول ام المومنین حضرت عائشہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ کا مروی ہے اس کی تائید حضرت ابو ذرؓ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن ایک آدمی کو (حساب کے لئے) لایا جائے گا اور حکم ہوگا اس کے چھوٹے گناہ اس کے سامنے لاؤ حسب الحکم چھوٹے گناہ اس کے سامنے لائیں گے اور اس کے بڑے گناہ پوشیدہ رکھے جائیں گے وہ چھوٹے گناہوں کا اقرار کرے گا انکار نہیں کرے گا اور بڑے گناہوں (کی پیشی) کا اندیشہ کرتا رہے گا حکم ہوگا ہر گناہ کی جگہ اس کو ایک نیکی دے دو وہ کہے گا میرے گناہ تو اور بھی ہیں جو مجھے

یہاں دکھائی نہیں دیتے۔ راوی کا بیان ہے یہ فرماتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنے ہنس پڑے کہ کچلیاں نظر آنے لگیں رواہ مسلم۔ ابن ابی حاتم نے حضرت سلمانؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن ایک شخص کو اس کا اعمالنامہ دیا جائے گا جونہی وہ اعمالنامہ کا بالائی حصہ پڑھے گا تو اس کے خیالات برے ہونے لگیں گے (لیکن) وہ یکدم اعمالنامہ کے نیچے کے اندراجات کو دیکھے گا تو اس میں اس کو اپنی نیکیاں دکھائی دیں گی پھر جو بالائی حصہ کو دیکھے گا تو اس میں مندرجہ برائیاں نیکیوں سے تبدیل ہو چکی ہوں گی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن کچھ ایسے لوگوں کو بھی اللہ (موقف میں) لائے گا جو دل سے خواہشمند ہوں گے کہ انہوں نے (کاش) گناہ بہت کئے ہوتے دریافت کیا گیا یہ کون لوگ ہوں گے فرمایا جن کی بُرائیاں نیکیوں میں تبدیل کر دی گئی ہوں گی۔ اگر کسی کے ذہن میں یہ آئے کہ گناہ جیسی ناپسندیدہ چیز نیکی میں کیسے بدل سکتی ہے تو اس کا دو طرح سے ازالہ ہو سکتا ہے۔

گناہ پر نیک بندوں کی ندامت:

اللہ کے نیک بندوں سے اگر بتقدیر الٰہی کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو ان کو انتہائی پشیمانی ہوتی ہے اتنی کہ خود ان کو اپنی جان ذلیل معلوم ہونے لگتی ہے، فوراً اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں زاری کرتے ہیں اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں، معافی کے طلبگار ہوتے ہیں آخر رحمت الٰہی کی ان پر اتنی اور ایسی بارش ہونے لگتی ہے کہ اگر وہ گناہ نہ کرتے تو اس رحمت کا نزول ان پر نہ ہوتا اور اس مرتبے پر نہ پہنچتے حاصل یہ کہ گناہ جو موجب عذاب تھا، ندامت واستغفار کے بعد سبب ثواب بن جاتا ہے اسی مفہوم کو ظاہر کرتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اگر تم نے گناہ نہ کئے تو اللہ تم کو لے جائے گا اور تمہاری جگہ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جو گناہ کریں گے پھر اللہ سے معافی کے طلبگار ہوں گے اور اللہ ان کو معاف کر دے گا۔ رواہ مسلم من حدیث ابی ہریرہؓ۔

حضرت ماعزؓ کی توبہ:

یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ماعز بن مالک کے لئے دعائے مغفرت کرو۔ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایک گروہ کو تقسیم کر دی جائے تو سب کو اپنے اندر سمالے (سب کی مغفرت کے لئے کافی ہو جائے)

ایک خاتون کی توبہ:

ایک عورت قبیلہ غامد میں کی تھی اس سے فعل زنا سرزد ہو گیا اس نے بھی حاضر ہو کر سزائے زنا جاری کرنے کی درخواست کی اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے پاک کر دیجئے اس کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چند ٹالنا چاہا مگر وہ نہ مانی آخر اس کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگسار کرا دیا حضرت خالد بن ولید نے اس غامدیہ عورت کے متعلق کچھ ناشائستہ الفاظ کہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خالد زبان روک قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایسی توبہ مکس والا بھی کرے تو اس کی بھی مغفرت ہو جائے (مکس وہ ٹیکس جو عُشر کے بہانہ سے سرکاری آدمی سوداگروں سے وصول کر لیتے تھے یہ ٹیکس بیرونی سوداگروں سے دھوکہ دے کر لیا جاتا تھا۔ مجمع البحار۔ رواہ مسلم فی قصۃ ماعز والغامدیۃ عن بریدۃ۔

یہی روح ہے اس قول کی کہ جس گناہ کا آغاز غفلت اور انجام ندامت (و توبہ) ہو وہ اس طاعت سے بہتر ہے جس کا آغاز فخر اور انجام ریاکاری ہو۔

اہل محبت کے بعض اعمال واقوال:

بحر محبت میں ڈوبنے والوں سے کبھی کبھی کوئی ایسا عمل یا قول سرزد ہو جاتا ہے جو معیار شریعت سے گرا ہوا ہوتا ہے جیسے رہبانیت (ترک لذائذ، ترک تعلقات، ترک کل) سماع، وجد اور شطحیات (غیر شرعی کلمات) چونکہ ان امور کا ان سے صدور خالص محبت وعشق کے زیر اثر ہوتا ہے اس لئے ان کی ان ظاہری لغزشوں کو اللہ نیکیوں سے تبدیل کر دے گا۔

عارف رومی نے فرمایا ہے۔

ہر چہ گیرد علتی علت شود | کفر گیرد کاملے ملت شود
کار پاکاں را قیاس از خود مگیر | گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر
او بدل گشت و بدل شد کار او | لطف گشت و نور شد ہر نار او

شاید حضرت ابوذرؓ کی حدیث میں جو آیا ہے کہ (قیامت کے دن بعض لوگوں کے متعلق حکم ہوگا کہ) اس کے چھوٹے گناہ اس کے سامنے لاؤ حسب الحکم چھوٹے گناہ اس کے سامنے لائے جائیں گے اور پوشیدہ گناہوں کو پوشیدہ رکھا جائے گا۔ اس سے اشارہ ہمارے مذکورہ بالا قول کی طرف ہے کیونکہ کاملوں سے جو ان امور کا صدور ہوتا ہے وہ غلبہ محبت کے زیر اثر ہوتا ہے۔

شرعی نقطۂ نظر سے ان کو چھوٹے گناہ کہا جا سکتا ہے کبیرہ گناہ نہیں قرار دیا جا سکتا چونکہ ان صغیرہ گناہوں کا اصل سرچشمہ (ارادۂ معصیت نہیں بلکہ) غلبہ محبت ہوتا ہے اس لئے اللہ ان کو نیکیاں بنا دے گا رہے کبیرہ گناہ جو بقضاء خداوندی کبھی کبھی ان سے سرزد ہو گئے ہوں گے ان کو پوشیدہ رکھا جائے گا اور معاف کر دیا جائے گا ذکر بھی نہیں کیا جائے گا جیسا کہ آئندہ آیت اس کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۞ اور اللہ بہت معاف کرنے والا بڑا مہربان ہے چھوٹے بڑے سب گناہوں کو بخشدے گا توبہ کے بعد بھی اور بغیر توبہ کے بھی۔

سونے کا وظیفہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب انسان

سوتا ہے تو فرشتہ شیطان سے کہتا ہے مجھے اپنا صحیفہ جس میں اس کے گناہ لکھے ہوئے ہیں دے وہ دے دیتا ہے تو ایک ایک نیکی کے بدلے دس دس گناہ وہ اس کے صحیفے سے مٹا دیتا ہے اور انہیں نیکیاں لکھ دیتا ہے پس تم میں سے جو بھی سونے کا ارادہ کرے وہ تینتیس دفعہ اللہ اکبر اور چونتیس دفعہ الحمد للہ کہے اور تینتیس دفعہ سبحان اللہ کہے یہ مل کر سو ۱۰۰ مرتبہ ہو گئے۔

برائیاں نیکیوں میں بدل جائیں گی:

حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ انسان کو قیامت کے دن نامۂ اعمال دیا جائے گا وہ پڑھنا شروع کرے گا تو اوپر اس کی برائیاں درج ہوں گی جنہیں پڑھ کر یہ کچھ ناامید سا ہونے لگے گا۔ اسی وقت اس کی نظر نیچے کی طرف پڑے گی تو اپنی نیکیاں لکھی ہوئی پائے گا جس سے کچھ ڈھارس بندھے گی۔ اب دوبارہ اوپر کی طرف دیکھے گا تو وہاں کی برائیوں کو بھی بھلائیوں سے بدلا ہوا پائے گا حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ بہت سے لوگ خدا تعالیٰ کے سامنے آئیں گے جن کے پاس بہت کچھ گناہ ہوں گے پوچھا گیا کہ وہ کون سے لوگ ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ بھلائیوں سے بدل دے گا۔

چار قسم کے جنتی:

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ جنتی جنت میں چار قسم کے جائیں گے۔ متقین یعنی پرہیز گاری کرنے والے پھر شاکرین یعنی شکر خدا کرنے والے پھر خائفین یعنی خوف خدا رکھنے والے پھر اصحاب یمین جن کے دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال ملے ہوں گے۔ پوچھا گیا کہ انہیں اصحاب یمین کیوں کہا جاتا ہے؟ جواب دیا اس لئے کہ انہوں نے نیکیاں بدیاں سب کچھ کی تھیں ان کے عمل نامے ان کے داہنے ہاتھ میں ملے اپنی بدیوں کا ایک ایک حرف پڑھ کر یہ کہنے لگا کہ خدایا ہماری نیکیاں کہاں ہیں؟ یہاں تو سب بدیاں لکھی ہوئی ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ان بدیوں کو مٹا دے گا اور ان کے بدلے نیکیاں لکھ دے گا انہیں پڑھ کر خوش ہو کر اب تو یہ دوسروں سے کہیں گے کہ آؤ ہمارے عملنامے دیکھو۔ جنتیوں کے اکثر یہی ہوں گے۔ علی بن حسین زین العابدینؒ فرماتے ہیں کہ برائیوں کو بھلائیوں سے بدلنا آخرت میں ہوگا مکحولؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو بخشے گا اور انہیں نیکیاں کر دے گا۔

ایک بوڑھے گناہ گار کا واقعہ:

حضرت مکحولؒ نے ایک مرتبہ حدیث بیان کی کہ ایک بہت بوڑھے ضعیف آدمی جن کی بھویں آنکھوں پر آ گئی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ یارسول اللہ! میں ایک ایسا شخص ہوں جس نے کوئی غداری کوئی گناہ کوئی بدکاری باقی نہیں چھوڑی میرے گناہ اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ اگر تمام انسانوں پر تقسیم ہو جائیں تو سب کے سب غضب خدا میں گرفتار ہو جائیں۔ کیا میری بخشش کی بھی کوئی صورت ہے؟ کیا میری توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ اس نے کلمہ پڑھ لیا کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ اللہ تعالیٰ تیری تمام برائیاں گناہ بدکاریاں سب کچھ معاف فرما دے گا بلکہ جب تک تو اس پر قائم رہے گا اللہ تعالیٰ تیری برائیاں بھلائیوں سے بدل دے گا۔ اس نے پھر پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے چھوٹے بڑے گناہ سب صاف ہو جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں سب کے سب۔ پھر تو وہ شخص خوشی خوشی واپس جانے لگا اور تکبیر و تہلیل، پکارتا ہوا لوٹ گیا، رضی اللہ عنہ۔ (ابن جریر)

ایک خاتون کا واقعہ:

ایک عورت حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس آئی اور دریافت فرمایا کہ مجھ سے بدکاری ہو گئی اس سے بچہ ہو گیا میں نے اسے مار ڈالا اب کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے آپؓ نے فرمایا کہ اب نہ تیری آنکھیں ٹھنڈی ہو سکتی ہیں نہ خدا تعالیٰ کے ہاں تیری بزرگی ہو سکتی ہے تیرے لئے توبہ ہرگز نہیں، وہ روتی پیٹتی واپس چلی گئی۔ صبح کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھ کر میں نے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے اس سے بہت ہی بری بات کہی کیا تو ان آیتوں کو قرآن میں نہیں پڑھتا وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ سے اِلَّا مَنْ تَابَ تک۔ مجھے بڑا ہی رنج ہوا اور میں لوٹ کر اس عورت کے پاس پہنچا۔ اور اسے یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں وہ خوش ہو گئی اور اسی وقت سجدے میں گر پڑی اور کہنے لگی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میرے چھٹکارے کی صورت پیدا کر دی (طبرانی) اور روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کا پہلا فتویٰ سن کر وہ حسرت و افسوس کے ساتھ یہ کہتی ہوئی واپس چلی کہ ہائے ہائے یہ اچھی صورت کیا جہنم کے لئے بنائی گئی تھی؟ اس میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت ابو ہریرہؓ کو اپنی غلطی کا علم ہوا تو اس عورت کو ڈھونڈنے کے لئے نکلے۔ تمام مدینہ اور ایک ایک گلی چھان ماری لیکن کہیں پتہ نہ چلا۔ اتفاق سے رات کو وہ عورت پھر آ گئی تب حضرت ابو ہریرہؓ نے انہیں صحیح مسئلہ بتلایا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ اس نے میرے لئے چھٹکارے کی صورت بنائی اور میری توبہ کی قبولیت رکھی۔ یہ کہہ کر اس کے ساتھ جو لونڈی تھی اسے آزاد کر دیا اس لونڈی کے ایک لڑکی بھی تھی اور سچے دل سے توبہ کر لی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا (۷۱)

اور جو کوئی توبہ کرے اور کرے کام نیک سو وہ پھر آتا ہے اللہ کی طرف پھر آنے کی جگہ

مسلمان گناہ گار کی توبہ:

پہلے ذکر تھا کافر کے گناہوں کا جو پیچھے ایمان لے آیا۔ یہ ذکر ہے اسلام

میں گناہ کرنے کا۔ وہ بھی جب توبہ کرے یعنی پھرے بُرے کام سے تو اللہ کے یہاں جگہ پائے۔ معلوم ہوا کہ سورۂ نساء میں جو فرمایا وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا (نساء رکوع ۱۳) وہ غیر تائب کے حق میں ہے۔ واللہ اعلم۔

وَمَنْ تَابَ اور جس نے توبہ کی۔ یعنی شرک و معاصی سے توبہ کی۔ شرک اور گناہ کو چھوڑ دیا اور ندامت کے ساتھ معافی کا طلبگار رہا۔

مَتَابًا کی تنوین بعض اہل تفسیر کے نزدیک تعظیم کے لئے اور توبہ کی ترغیب کے لئے ہے مطلب یہ کہ وہ اللہ کی طرف ایسا عظیم الشان رجوع کرتے ہیں جو اللہ کی نظر میں پسندیدہ ہے عذاب کو مٹا دینے والا اور حصول ثواب کا ذریعہ ہے بعض علماء نے کہا اللہ کی طرف لوٹنے سے مراد ہے اللہ کے ثواب کی طرف لوٹنا اور یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے۔ بغوی نے لکھا ہے بعض اہل علم کا قول ہے کہ جن گناہوں سے اجتناب کرنے کی سابق آیت میں صراحت کی گئی ہے اس آیت میں ان گناہوں سے توبہ مقصود نہیں ہے دوسری قسم کی توبہ اور رجوع مقصود ہے۔ یعنی جن لوگوں نے شرک سے توبہ کی اور فرائض کو ادا کیا اور قتل و زناء کا ارتکاب نہیں کیا اس کا رجوع مرنے کے بعد اللہ کی طرف بحسن و خوبی ہوگا۔ قتل و زناء کا ارتکاب کرنے والوں سے قتل و زنا نہ کرنے والوں کا رجوع بہتر حالت میں ہوگا، اس صورت میں پہلی توبہ جس کا ذکر وَمَنْ تَابَ میں کیا گیا ہے جزا ہوگی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیت تمام گناہوں سے توبہ کے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص توبہ کرنے کا ارادہ کرے اور عزم کر چکا ہو تو اس کو لوجہ اللہ توبہ کرنا چاہئے فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اگرچہ خبر ہے لیکن بمعنی امر ہے۔ بعض نے کہا (یتوب میں توبہ بمعنی رجوع ہے) مطلب یہ ہے کہ آخر اللہ کی طرف لوٹنا اور منتقل ہونا ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی صوفیانہ توجیہ:

میں کہتا ہوں کہ اگر آیت يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ میں وہ تائب مراد ہوں جن سے غلبۂ حال اور سکر و محبت کے زیر اثر کچھ ایسی لغزشیں ہوگئی ہوں جو غیر شرعی ہوں معیار شرع پر پوری نہ اترتی ہوں پھر اس محبت کے غلبہ کی وجہ سے اللہ ان کی لغزشوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دے تو اس آیت میں وہ نیک بندے مراد ہو سکتے ہیں جن سے کوئی غیر شرعی حرکت سرزد نہیں ہوئی نہ سکر اور غلبۂ حال کی وجہ سے نہ حالت صحو میں بلکہ ان بندوں نے تمام مکروہات و ممنوعات شرعیہ سے رجوع کر لیا اور کبھی کوئی گناہ کا کام نہیں کیا، ان اصحاب صحو کا رجوع اللہ کی طرف اصحاب سکر سے بہتر ہوگا جیسے نقشبندیہ ہیں جو بالکل صحابہ کرام کا نمونہ ہیں اور صحابہ کی طرح سنت کے پیرو ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ

اور جو لوگ شامل نہیں ہوتے جھوٹے کام میں

جھوٹ سے پرہیز:

یعنی نہ جھوٹ بولیں نہ جھوٹی شہادت دیں۔ نہ باطل کاموں اور گناہ کی مجلسوں میں حاضر ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

جھوٹے گواہ کی سزا:

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا جھوٹے گواہ کے چالیس تسمے (کوڑے) مارے جائیں اور منہ کالا کر کے بازار میں گھمایا جائے۔

حضرت عمرؓ کے انہی احکام کی روشنی میں امام مالک، امام شافعی امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا جھوٹے گواہ کو (کوڑے) مارنے کی تعزیری سزا دی جائے اور اس کی قوم کے سامنے لے جا کر اس کو کھڑا کیا جائے تا کہ وہ بھی پہچان جائیں کہ یہ جھوٹا گواہ ہے۔

امام مالک نے اتنا زائد فرمایا کہ مسجدوں اور بازاروں میں اس کو حاضر کیا جائے۔

گناہ کبیرہ: مذکورۂ بالا ائمہ نے فرمایا کہ جھوٹی شہادت گناہ کبیرہ ہے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان حضرت انسؓ کی روایت سے شیخین نے صحیحین میں نقل کیا ہے بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو بتاؤں کہ سب سے بڑے کبیرہ گناہ کون سے ہیں صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور فرمائیے، فرمایا اللہ کا ساجھی قرار دینا، ماں باپ سے سرکشی کرنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تکیہ لگائے ہوئے تھے فوراً اُٹھ بیٹھے اور فرمایا سنو، اور جھوٹی بات کہنی، جھوٹی شہادت دینی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کو بار بار اتنی مرتبہ فرمایا کہ ہم نے (اپنے دل میں) کہا اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو جاتے تو بہتر تھا۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تعزیری سزا کے لئے صرف تشہیر کافی ہے۔ مارنا اور قید کرنا جائز نہیں کیونکہ تعزیز کا مقصد ہے (مجرم کو) باز داشت اور یہ باز داشت تشہیر سے حاصل ہو جاتی ہے۔ مارنے اور قید کرنے میں زجرو باز داشت کی شدت ہے لیکن ایسی سخت سزا کا تصور مجرم کو اپنی شہادت کے جھوٹے ہونے کے اقرار اور شہادت سے لوٹ جانے سے روکتا ہے اور شہادت کا جھوٹ ہونا بغیر اس کے ثابت نہیں ہوتا کہ مجرم خود ہی اپنی شہادت کے کاذب ہونے کا اقرار کرے اور دی ہوئی شہادت سے لوٹ جائے لہذا جھوٹی شہادت کی سزا میں تخفیف ہونی چاہئے (تا کہ مجرم اپنی شہادت کے جھوٹے ہونے کے اقرار کی جراءت کر سکے) رہا حضرت عمرؓ کا اثر تو وہ محض سیاسی تھا۔ (آئینی نہ تھا آرڈیننس تھا جس کا امیر وقت کو اختیار ہے)۔

قاضی شُریح رحمہ اللہ کا عمل:

امام ابوحنیفہؒ کے قول کی طرح قاضی شریح کا قول بھی روایت میں آیا ہے

امام محمد نے کتاب الآثار میں بیان کیا ہے کہ شریح جب کسی جھوٹے گواہ کو پکڑ لیتے تھے اور مجرم بازاری شخص ہوتا تو شریح اپنے قاصد کو حکم دیتے کہ جا کر بازار والوں سے کہہ دو کہ شریح تم کو سلام کہتا ہے اور سلام کے بعد اس نے کہا ہے کہ ہم نے اس شخص کو جھوٹا شاہد پایا تم لوگ اس سے پرہیز رکھو اور اگر مجرم (بازاری نہ ہوتا بلکہ) عرب کے قبیلہ میں سے ہوتا تو اس قبیلہ کی مسجد میں قاصد کو بھیج کر مذکورہ بالا پیام کہلا بھیجتے ابن ابی شیبہ نے بھی شریح کا یہی فیصلہ نقل کیا ہے ابن جریج کے نزدیک شہادت زور سے ہر جھوٹ مراد ہے صرف شرک ہی مراد نہیں ہے۔

جھوٹ کی مجلسوں سے پرہیز:

بعض علماء نے "لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ" کا مطلب یہ بیان کیا کہ وہ جھوٹ کی محفلوں میں شرکت نہیں کرتے (یعنی الزور سے پہلے مضاف محذوف ہے) کیونکہ بیہودہ جلسوں میں موجود ہونا بھی شرکت کا حکم رکھتا ہے۔ اس تفسیر پر بیہودہ قصوں یا شاعری کی مجلسوں میں شرکت کرنا ناجائز قرار پائے گا مجاہد کا یہی قول ہے۔ مراد یہ ہے کہ مشرکوں کے تہواروں اور میلوں میں وہ شریک نہیں ہوتے۔

بعض نے الزور سے نوحہ کی مجلس مراد لی ہے۔ قتادہ نے عدم شہادت زور کا یہ مطلب بیان کیا کہ بیہودہ، باطل باتوں کی تائید اور اعانت نہیں کرتے۔

محمد بن حنیفہ نے فرمایا، لغو اور گانے کے موقع پر حاضر نہیں ہوتے۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا گانا دلوں میں نفاق کو اس طرح اگاتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو۔ (تفسیر مظہری)

حدیث میں بھی ہے کہ سچے مؤمن کو چاہئیے کہ اس دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر دور شراب چل رہا ہو اور یہ بھی مطلب ہے کہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ صحیحین میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں سب سے بڑا گناہ بتادوں؟ تین دفعہ یہی فرمایا صحابہؓ نے کہا ہاں یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے تھے اب اس سے الگ ہو کر فرمانے لگے سنو اور جھوٹی بات کہنا سنو اور جھوٹی گواہی دینا اسے بار بار فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم اپنے دل میں کہنے لگے کہ کاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب خاموش ہو جاتے۔

زیادہ ظاہر لفظوں سے تو یہ ہے کہ وہ جھوٹ کے پاس نہیں جاتے؟ اسی لئے آگے بیان ہوا کہ اگر اتفاقاً گزر ہو جائے تو وہ اس سے کوئی دلچسپی نہیں لیتے، منہ پھیرے مڑ جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کسی کھیل کے پاس سے گزرے تو منہ پھیرے ہوئے بغیر رُکے چلے گئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کریم ہو گئے۔

رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم فرماتے ہیں کہ انسان کے مرتے ہی اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں، مگر تین چیزیں، نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے یا علم جس سے اس کے بعد نفع اُٹھایا جائے یا صدقہ جاریہ۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۲﴾

اور جب گزرتے ہیں کھیل کی باتوں پر نکل جائیں بزرگانہ

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی گناہ میں شامل نہیں، اور کھیل کی باتوں کی طرف دھیان نہیں کرتے نہ اس میں شامل نہ اُن سے لڑیں۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ وہ خود اپنے ارادہ سے گناہوں کی مجلسوں میں نہیں جاتے لیکن اتفاقاً اگر کسی گناہ کی محفل کی طرف سے ان کا گذر ہو جاتا ہے تو منہ پھیر کر تیزی کے ساتھ وہاں سے گزر جاتے ہیں۔ عربی محاورہ ہے کَرُمَ فُلَانٌ عَمَّا يشينه فلاں شخص ایسی باتوں سے پاک ہے جو اس کو عیب دار بناتی ہیں اكرم نفسه عنه اس نے اپنے نفس کو عیب دار بنانے والی باتوں سے پاک رکھا۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا

اور وہ لوگ کہ جب اُن کو سمجھائیے اُن کے رب کی باتیں نہ پڑیں

عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾

اُن پر بہرے اندھے ہو کر

غور وفکر کی عادت:

بلکہ نہایت فکر و تدبر اور دھیان سے سنیں اور سن کر متاثر ہوں مشرکین کی طرح پتھر کی مورتیں نہ بن جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی بغیر گوش ہوش سے سننے اور بغیر چشم حقیقت بین سے دیکھنے کے اندھوں بہروں کی طرح نہیں اُٹھ کھڑے ہوتے بلکہ گوش قبول سے سنتے اور سمجھتے ہیں اور چشم بصیرت سے حق کو دیکھتے اور اس پر چلتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا

اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے رب دے ہم کو ہماری عورتوں کی طرف سے

وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ

اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک

صالح اہل وعیال:

یعنی بیوی بچے ایسے عنایت فرما جنہیں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی اور قلب مسرور ہو۔ اور ظاہر ہے مومن کامل کا دل اسی وقت ٹھنڈا ہوگا جب اپنے اہل و عیال کو طاعت الٰہی کے راستہ پر گامزن اور علم نافع کی تحصیل میں مشغول

پائے۔ دنیا کی سب نعمتیں اور مسرتیں اس کے بعد ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قرطبی نے لکھا ہے مومن کی آنکھ کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی ٹھنڈک نہیں کہ وہ اپنی بیوی اور اولاد کو اللہ کا فرمان بردار دیکھے۔ (تفسیر مظہری)

وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾
اور کر ہم کو پرہیز گاروں کا پیشوا

نیکی کی امامت:

یعنی ایسا بنا دے کہ لوگ ہماری اقتداء کر کے متقی بن جایا کریں۔ حاصل یہ کہ ہم نہ صرف بذات خود مہتدی، بلکہ دوسروں کے لئے ہادی ہوں۔ اور ہمارا خاندان تقویٰ وطہارت میں ہماری پیروی کرے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت مکحول شامی نے فرمایا کہ اس کا مقصود اپنے لئے تقویٰ کا ایسا اعلیٰ مقام حاصل کرنا ہے کہ دنیا کے متقی لوگ بھی ہمارے عمل سے فائدہ پہنچے۔ قرطبی نے یہ دونوں قول نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ ان دونوں کا حاصل ایک ہی ہے کہ ریاست وامامت کی طلب جو دین کے لئے اور آخرت کے فائدہ کے لئے ہو وہ مذموم نہیں بلکہ جائز ہے۔ اور آیت لایریدون علوا میں اس ریاست واقتداء کی خواہش کی مذمت ہے جو دُنیوی عزت وجاہ کے لئے ہو، واللہ اعلم۔

یہاں تک عباد الرحمٰن، یعنی مؤمنین کاملین کی اہم صفات کا بیان پورا ہو گیا، آگے اُن کی جزاء اور آخرت کے درجات کا ذکر ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ
اُن کو بدلہ ملے گا بالاخانوں سے اس لئے کہ وہ ثابت قدم رہے اور لینے آئیں گے
فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾
ان کو وہاں دعا اور سلام کہتے ہوئے

مؤمنین کا انعام:

یعنی جنت میں اُوپر کے درجے ملیں گے اور فرشتے دعاء وسلام کہتے ہوئے ان کا استقبال کریں گے اور آپس کی ملاقاتوں میں یہ ہی کلمات سلام ودعاء اُن کی تکریم وعزت افزائی کے لئے استعمال ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

جنت کے درجات:

شیخین نے صحیحین میں اور امام احمد نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت اپنے سے اوپر بالائی منزلوں والوں کو آپس کے تفاوت مراتب کی وجہ سے اس طرح دیکھیں گے جیسے تم لوگ ابر آلود آسمان میں مشرق یا مغربی افق سے ستاروں کو دیکھتے ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو انبیاء کے مکان ہوں گے دوسرا کوئی وہاں نہیں پہنچے گا۔ فرمایا، کیوں نہیں، قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور پیغمبروں کو سچا جانا (وہ انسان ان مراتب تک پہنچ سکتے ہیں) حضرت سہل بن سعد کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث آئی ہے۔

جنت کے بالاخانے: احمد حاکم، اور بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے اور ترمذی بیہقی نے حضرت علیؓ کی روایت سے اور امام احمد نے حضرت ابومالک اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جنت کے اندر کچھ بالاخانے ایسے ہیں جن کے اندر کی حالت باہر سے اور باہر کی حالت اندر سے دکھائی دے گی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بالاخانے کن لوگوں کے لئے ہوں گے، فرمایا ان لوگوں کے لئے جو پاکیزہ کلام کرتے ہیں (غریبوں کو) کھانا کھلاتے ہیں اور جب دوسرے لوگ سوتے ہوتے ہیں تو وہ رات کو (نماز میں) کھڑے رہتے ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں یہ حدیث اسی طرح آئی ہے۔ حضرت علیؓ کی روایت کے لحاظ سے حدیث مذکوران الفاظ کے ساتھ آئی ہے، ان لوگوں کے لئے ہیں جو پاکیزہ کلام کرتے ہیں سلام پھیلاتے ہیں کھانا کھلاتے ہیں اور رات میں ایسے وقت نماز پڑھتے ہیں کہ (اور) لوگ سوتے ہوتے ہیں۔

حضرت ابو مالک کی روایت کے یہ الفاظ ہیں، اُن لوگوں کے لئے ہیں جو کھانا کھلاتے ہیں، نرم کلام کرتے ہیں، متواتر روزے رکھتے ہیں اور رات میں نماز پڑھتے ہیں جبکہ (اور) لوگ سوتے ہوتے ہیں۔

بیہقی اور ابو نعیم نے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا میں تم کو جنت کے بالاخانوں کے متعلق نہ بتاؤں، صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (فرمایئے) ارشاد فرمایا، جنت کے اندر یقیناً کچھ بالاخانے قسم قسم کے جواہرات کے ایسے (شفاف) ہیں کہ ان کے باہر سے اندر کی نعمتیں لذتیں اور عزت بخشیاں دکھائی دیں گی اور اندر سے باہر کی راحت لذت اور عزت دکھائی دے گی یہ نعمت لذت اور عزت ایسی ہوگی جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کان نے سنی ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ بالاخانے کن لوگوں کے لئے ہوں گے فرمایا ان لوگوں کے لئے جنہوں نے سلام کو پھیلایا کھانا کھلایا ہمیشہ روزے رکھے اور رات میں ایسے وقت نماز پڑھی جبکہ (اور) لوگ سوتے ہوں۔ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرنے کی کس میں طاقت ہے فرمایا میری امت اس کی طاقت رکھتی ہے میں اس کی تفصیل تم کو بتاتا ہوں جو اپنے بھائی (مسلمان) سے ملا اور اس کو سلام کیا اور سلام کا جواب دیا۔ اس نے سلام کو پھیلایا اور جس نے اپنے اہل وعیال کو پیٹ بھر کھانا کھلایا تو اس نے (ضروری) کھانا کھلا دیا اور جس نے رمضان

کے اور ہر مہینے تین دن کے (یعنی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخوں کے) روزے رکھے اس نے (گویا) ہمیشہ روزے رکھے اور جس نے عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھ لی تو بیشک اس نے رات ایسے وقت نماز پڑھی کہ یہودی عیسائی اور مجوسی اس وقت خواب میں ہوتے ہیں۔ اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔

ابن عدی اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کوئی شک نہیں کہ جنت کے اندر کچھ بالا خانے ایسے ہیں کہ ان کے اندر رہنے والا اگر ان کے اندر ہوگا تو بالا خانہ سے پیچھے والی چیزیں اس سے پوشیدہ نہ ہوں گی اور اگر بالا خانوں سے پیچھے (باہر) ہوگا تو اندر کی چیزیں اس سے مخفی نہ ہوں گی۔ عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول یہ بالا خانے کن کے لئے ہوں گے فرمایا ان کے لئے جنہوں نے پاکیزہ کلام کیا، مسلسل روزے رکھے سلام کو پھیلایا اور رات میں ایسے وقت نماز پڑھی کہ لوگ سوتے ہوں عرض کیا گیا کلام کی پاکیزگی سے کیا مراد ہے، فرمایا، سُبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر قیامت کے دن جب ان کا قائل (محشر کے میدان میں) آئے گا تو یہ کلمات آگے پیچھے ہوں گے اور نجات دلانے والے ہوں گے عرض کیا گیا، مسلسل روزے رکھنے کا کیا مطلب ہے فرمایا، جس نے رمضان کے روزے رکھے اس نے بلاشبہ (ہمیشہ کے) مسلسل روزے رکھے عرض کیا گیا کھلانے سے کیا مراد ہے فرمایا جس نے اپنے عیال کو کھانا دیا۔ عرض کیا گیا سلام کو پھیلانے سے کیا مراد ہے فرمایا اپنے (مسلمان) بھائی کی مصاحبت اور اس کو سلام کرنا عرض کیا گیا لوگوں کے سونے کی حالت میں نماز کا کیا مطلب، فرمایا عشاء کی نماز۔

حکیم، ترمذی نے حضرت سہل بن سعد کی مرفوع روایت سے اس آیت کے ذیل میں بیان کیا ہے کہ بالا خانہ سرخ یاقوت، سبز زبرجد اور سفید موتی کا ہوگا جس میں نہ کوئی شگاف ہوگا نہ کوئی عیب۔

سلامتی کے تحفے: وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا اور ان کو اس بہشت میں (فرشتوں کی طرف سے) بقا کی دعا اور سلام ملے گا۔

یعنی بالا خانوں کے اندر فرشتے تحیۃ وسلام کے ساتھ استقبال کریں گے مراد یہ ہے کہ ان کے لئے اللہ سے سلامتی وعافیت کی دعا کریں گے یا یہ مراد ہے کہ ان کو ہر آفت سے سالم رہنے اور ہمیشہ باقی رہنے کی بشارت دیں گے۔ کلبی نے کہا مراد یہ ہے کہ وہ باہم ایک دوسرے کو سلام کریں گے اور اللہ کی طرف سے ان کو سلام بھیجا جائے گا۔ احمد، بزار اور ابن حبان نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کی مخلوق میں سے جنت کے اندر وہ فقراء مہاجرین داخل ہوں گے جن کے ذریعہ سے سرحدوں کی حفاظت کی جاتی ہے اور انہی کی وجہ سے مکروہات سے (مسلمانوں کا) بچاؤ ہوتا ہے (لیکن ان کی خود یہ حالت ہوتی ہے کہ) وہ اپنی ضروریات کو اپنے سینے میں لے کر مر جاتے ہیں اور زندگی بھر ان کو پورا نہیں کر سکتے۔ اللہ اپنے فرشتوں میں سے جن کو چاہے گا حکم دے گا کہ جاؤ ان کو سلام کرو۔ (ان کا استقبال کرو) ملائکہ عرض کریں گے اے ہمارے رب ہم تیرے آسمان کے باشندے ہیں اور تیری مخلوق میں سے تیرے برگزیدہ بنائے ہوئے ہیں۔ پھر تو ہی ہم کو حکم دے رہا ہے کہ ہم ان کے پاس جائیں اور ان کو سلام کریں، اللہ فرمائے گا یہ وہ لوگ ہیں جو میری (ہی) عبادت کرتے تھے میرا ساجھی کسی کو نہیں بناتے تھے انہی کے ذریعہ سے سرحدوں کی حفاظت کی جاتی تھی اور انہی کی وجہ سے مکروہات سے بچاؤ ہوتا تھا لیکن وہ ایسی حالت میں مر جاتے تھے کہ ان کی ضروریات ان کے سینوں کے اندر ہوتی تھیں اور وہ ضروریات کو پورا نہ کر سکے تھے۔ حسب الحکم ملائکہ ان کے پاس جائیں گے اور ہر دروازے سے داخل ہو کر کہیں گے سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ بعض لوگوں نے کہا آیت کا یہ مطلب ہے کہ ان کو تحیت یعنی بقائے دوامی اور سلام یعنی ہر آفت سے سلامتی کی پیش کش کی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾

سدا رہا کریں ان میں خوب جگہ ہے ٹھہرنے کی اور خوب جگہ رہنے کی

یعنی ایسی جگہ تھوڑی دیر ٹھہرنا ملے تو بھی غنیمت ہے ان کا تو وہ گھر ہوگا۔

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاۗؤُكُمْ ۚ

تو کہہ پروا نہیں رکھتا میرا رب تمہاری اگر تم اس کو نہ پکارا کرو

اللہ بے نیاز ہے ہم محتاج ہیں:

یعنی تمہارے نفع نقصان کی باتیں سمجھا دیں۔ بندہ کو چاہئے مغرور اور بیباک نہ ہو، خدا کو اس کی کیا پروا، ہاں اس کی التجا، پر رحم کرتا ہے نہ التجا کروگے اور بنے رہوگے تو منہ بھیڑ کے لئے تیار ہو جاؤ جو عنقریب ہونے والی ہے۔

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾

سو تم تو جھٹلا چکے اب آگے کو ہوتی ہے مٹھ بھیڑ

تکذیب حق کی سزا ملنے والی ہے:

یعنی کافر جو حق کو جھٹلا چکے۔ یہ تکذیب عنقریب ان کے گلے کا ہار بنے گی اس کی سزا سے کسی طرح چھٹکارا نہ ہوگا۔ آخرت کی ابدی بلا تو ہے ہی دنیا میں بھی اب جلد مٹھ بھیڑ ہونے والی ہے یعنی لڑائی جہاد۔ چنانچہ غزوہ بدر میں اس مٹھ بھیڑ کا نتیجہ دیکھ لیا۔ تم سورۃ الفرقان وللہ الحمد والمنۃ۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کی مدد اور اس کی توفیق سے سورت فرقان کی تفسیر ۲ صفر ۱۴۰۵ھ کو ختم ہوئی۔ (مظہری)

سورۃ الفرقان کے آخری رکوع کا خلاصہ

از حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مذہب کی بنیاد تین چیزیں ہیں ایک مبداء، ایک معاد، ایک میعاد، مبداء کا مطلب یہ ہے کہ ابتداء کہاں سے ہوئی، معاد کا مطلب یہ کہ لوٹ کر کہاں جانا ہے، میعاد کا مطلب یہ ہے کہ درمیان میں کس طرح زندگی گزاری جائے تو اس رکوع میں مبداء کا بھی ذکر ہے کہ وہ کون ذات ہے جو تمہاری اصل ہے معاد کا بھی ذکر ہے کہ تمارا انجام کیا ہونا ہے اور اس کا بھی ذکر ہے کہ درمیان کی زندگی کس طرح گذارنی ہے۔

انسان کا مبداء کیا ہے؟

ابتداء یہاں سے کی گئی ہے کہ:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیْرًا ' برکت والی وہ ذات ہے جس نے آسمان میں برج قائم کئے، منزلیں قائم کیں اور ان منزلوں میں سے سورج اور چاند کو گزارا، جس سے رات اور دن پیدا ہونے لگے، موسم بننے لگے، سردی گرمی اور برسات آنے لگی۔

یہ گویا مبداء کا ذکر ہے کہ اصل ابتداء جس ذات سے ہے، اس کی قدرۃ آسمانوں زمین میں بھی کام کر رہی ہے۔ آسمان بنادیئے، چاند، سورج پیدا کر دیئے اور اُن میں حرکت پیدا کر دی۔

انسان کا میعاد رحمٰن کے بندوں کی چال:

اسکے بعد دس احکام شروع کیے کہ اس کی رضا کے لئے کس طرح زندگی گزاری جائے۔ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا رحمٰن کے بندوں کا دنیا میں کیا ڈھنگ ہونا چاہئے؟

رحمٰن لغت میں اور شریعت میں بھی اس ذات کو کہتے ہیں جو ساری نعمتوں کا مالک ہو، ظاہری اور باطنی تمام نعمتیں دینے پر قادر ہو، ہر نعمت اس کے قبضے میں ہو، ساری نعمتوں کا والی، وارث اور مالک ہو، تو اس رحمٰن کے بندے کس طرح سے دنیا میں زندگی بسر کریں فرمایا، رحمٰن کے بندوں کا ڈھنگ یہ ہونا چاہئے کہ جب وہ زمین میں چلیں تو نرم چال چلیں اس میں ہدایت دی گئی کہ زندگی کی بنیاد تواضع اور خاکساری پر رکھی جائے کبر ونخوت پر نہ رکھی جائے، تکبر اور اپنے کو بڑا بنانا یہ نہیں بلکہ چال سے واضح ہو کہ کوئی خدا کا بندہ جا رہا ہے، یہ نہ معلوم ہو کہ کوئی جبار قہار جا رہا ہے یہ انسان کی شان نہیں ہے۔ اور انسان کی شان یہ کیوں نہیں ہے؟

اس کی وجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی کہ کلکم بنو ادم و ادم من تراب تم سب آدم کی اولاد ہو۔ آدم کو خدا نے مٹی سے پیدا کیا ہے مٹی کا یہ کام نہیں ہے کہ اچھل اچھل کر اوپر جائے، یہ جب تک پست اور پامال رہے گی جب ہی تک اس کی قدر ہوگی مٹی جوتوں میں روندی جاتی ہے مگر چوں نہیں کرتی جب ہی تک اس کی قدر ہے کہ جس طرح ہم تصرف کریں بلا چون و چرا اس تصرف کو قبول کرے اگر مٹی اوپر اڑی، کسی کی آنکھ میں پڑی وہ لعنت کرے گا کسی کے کپڑے پر گرے گی وہ کپڑے کو جھٹک دے گا کہے گا کمبخت گرد کہاں سے آ گئی تو مٹی نے ذرا ابھرنے کا نام لیا تو اس پر لعنتیں برسنا شروع ہو گئیں۔

تو جس مٹی سے انسان پیدا کیا گیا، اگر وہ اینٹھنے لگے، غرور کرنے لگے، کبر و نخوت اختیار کرنے لگے ہر شخص اس انسان کو برا کہے گا اور جو تواضع و خاکساری اختیار کر لے اور مٹی بن کر رہے، سب اس کو سر پر بٹھائیں گے کہ یہ بڑی کیمیا معلوم ہوتی ہے کسی بھی مجلس میں جو بڑا بول بولتا ہے ہاتھ کے ہاتھ وہیں اس کو سزا مل جاتی ہے اور جو تواضع کا کلمہ بولتا ہے، سب اس کی قدر کرتے ہیں۔

حق تعالی شانہ کی عادت کریمہ بھی یہ ہے چنانچہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی بندہ عبادت کر کے یوں کہے کہ اے اللہ! میرے سے کچھ نہیں بن پایا، میرے بس میں کچھ نہیں، تیرا فضل ہے کہ یہ کام تو نے مجھ سے کرا دیا میرے اندر یہ طاقت نہیں تھی حق تعالی شانہ فوراً فرماتے ہیں کہ نہیں عمل تو نے ہی کیا تھا مسجد کی طرف چل کر تو ہی گیا تھا حج کیلئے بیت اللہ کی طرف تو نے ہی سفر کیا تھا تو نے سب کچھ کیا اور اگر کوئی کبر ونخوت سے یوں کہے کہ اے اللہ میں نے نماز پڑھی، میں نے عبادت کی، میں نے یہ کام کیا، فرماتے ہیں کہ نالائق! تو نے کیا کیا؟ ارادہ ہم نے تیرے اندر پیدا کیا بدن، روح اور طاقت ہم نے دی، تو نے کیا کیا؟ جو خود دعویٰ کرتا ہے اسے پست کر دیتے ہیں اور جو دعویٰ چھوڑ کر کہتا ہے کہ میں نے کچھ نہیں کیا، اُسے فرماتے ہیں کہ تو نے سب کچھ کیا، اس لیے سنت اللہ یہ ہے کہ جو آدمی خاکساری برتے، عجز و نیاز برتے، بندگی کی شان سے آئے، اُسے اونچا اٹھاتے ہیں، اسے عزت دیتے ہیں اور جو خود ابھرنے لگا اسے زمین پر پٹخ دیتے ہیں کسی شاعر نے خوب کہا ہے کہ

پستی سے ہو سر بلند اور سرکشی سے پست
اس راہ کے عجیب نشیب و فراز ہیں

تو انسان کی فطرت یہی بنائی گئی کہ تیرے سامنے مٹی ہے اگر وہ ابھرتی ہے تو تو لعنت بھیجتا ہے یہ جوتیوں کے نیچے رہتی ہے تو تو عزت کرتا ہے تو جس چیز سے تو بنا ہے تیرا مزاج بھی ایسا ہی ہونا چاہئے کہ جتنی تو خاکساری برتے گا تیری عزت ہو گی جتنا تو غرور کرے گا، اتنا ہی تجھے پست کر دیا جائے گا تو پہلی بات تو یہ فرمائی گئی کہ رحمٰن کے بندوں کی زندگی کا ڈھنگ کیا ہونا چاہئے جب گھر سے باہر نکلیں اور چلیں تو زمین پر ہلکی چال چلیں، نخوت و کبر کی چال نہ چلیں اس کو دوسرے موقع پر قرآن کریم نے فرمایا: وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ۔

اپنی چال میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرو اور زیادہ زور سے چلا کر مت بولو حسب ضرورت آواز بلند کرو بہت زیادہ شور مچا کے بولنا کبر و نخوت کی علامت ہوتی ہے۔

ایک تو یہ کہ کسی کی آواز ہی خلقۃً بلند ہو، وہ دوسری بات ہے لیکن ارادہ کر کے آدمی چلائے یہ سمجھ کر کہ دوسرے کے اوپر میری آواز کا دباؤ پڑے یہ ممنوع ہے بس ضرورت کے وقت اعتدال کے ساتھ آواز بلند کرے تو بولنے اور چلنے دونوں میں اعتدال ہونا چاہئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چال مبارک کا جو نقشہ حدیث میں آتا ہے کہ یمشی کا نما ینقلع آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح سے چلتے تھے کہ گویہ شان تھی، اس طرح کہ گردن تو جھکی ہوئی جس کو خاکساری کی چال کہتے ہیں مگر ساتھ میں قوت اتنی تھی کہ یوں معلوم ہوتا تھا زمین کو کھود کر اندر گھس رہے ہیں اتنی قوت سے قدم پڑتا تھا تو قوت بھی ہو، شجاعت بھی ہو اور خاکساروں کی طرح نیازمندی بھی ہو وقار بھی اور تواضع بھی ہو، نہ بیماروں کی چال چلے جیسے کوئی مریض جارہا ہے کہ ذرا کوئی تھپڑ مار دے تو گر پڑے، یہ بھی نہیں اور نہ اُبھر کر چلے جیسے کوئی متکبر جارہا ہے بیچ کی چال ہو کہ اس سے خودداری اور خاکساری بھی ٹپکے یمشون ھونا کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آہستہ آہستہ چلے، بلکہ یہ کہ تواضع سے چلے چاہے تیز چلے گویا یہ پہلا نقشہ بتلایا گیا کہ جب گھر سے نکلو تو ایسی چال چلو، اس لیے کہ مسلمان بے فکر نہیں پیدا کیا گیا کہ جس طرح اس کا جی چاہے چل پڑے، قدموں پر نگاہ ہونی چاہئے کہ یہ کس طرح سے چلیں اس لیے کہ مؤمن کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ حاضر و ناظر ہے قرآن کریم میں فرمایا گیا مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا۔

تم تین آدمی تنہائی میں بیٹھ کر آہستہ آہستہ سرگوشی کرو گے تو چوتھا خدا وہاں موجود ہوگا، یہ نہیں ہے کہ تمہاری باتوں کا سننے والا کوئی نہیں تم چار ہو گے پانچواں خدا ہوگا تم زیادہ ہو گے تب خدا موجود، کم ہو گے تب خدا موجود، جب اللہ ہر جگہ حاضر و ناظر اور موجود ہے تو آدمی کو ہر جگہ ادب سے چلنا پڑے گا۔ بے ادبی وہ کرے جس کا عقیدہ یہ ہو کہ مسجد میں خدا ہے اس لیے میں ادب کرتا ہوں اور سڑک پر گویا خدا نہیں تو میرا جی جس طرح چاہے چلوں یہاں بھی ہے وہاں بھی ہے، ہر جگہ کے مناسب ادب ہوگا اور عجز و نیازمندی اختیار کی جائے گی تو زندگی گزارنے کی پہلی بات یہ ہے کہ ہم زندگی میں قدم قدم پر نگاہ رکھیں کہ ہماری چال ڈھال کیا ہے۔

رحمٰن کے بندوں کا قال:

اس کے بعد آگے فرمایا چلتے چلتے لوگوں سے ملاقات ہوئی، تو اس میں اچھے بھی ملتے ہیں اور برے بھی۔ بعضے تو ایسے ملتے ہیں جو بڑے مہذب اور شائستہ ہیں آپ نے سلام کیا، انہوں نے جواب دیا، انہوں نے آپ کا شکریہ ادا کیا آپ نے اُن کا شکریہ ادا کیا محبت بڑھ گئی اور بعض ایسے بھی ملتے ہیں کہ وہ جھگڑے اور فساد کی بات اٹھاتے ہیں کہ کسی کو بری نگاہ سے دیکھ لیا کسی پر پھبتی کس دی، ایسے موقع پر ہماری رفتار کیا ہونی چاہئے اس پر فرمایا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا اگر جاہل ملیں اور جاہلانہ حرکتیں کریں تو تم ان کے ساتھ جاہل مت بنو تم سلام کہو یعنی جب وہ جاہلانہ بات کریں بس اُن سے کہہ دو کہ بھئی ہمارا سلام ہم یہ باتیں نہیں جانتے تمہارے لیے بھی زیبا نہیں ہمارے لیے بھی اور اگر آپ بھی جھگڑے میں لگ گئے تو وہاں اچھی خاصی لڑائی چل جائے گی جھگڑا اٹھ جائے گا اور جھگڑا اٹھانا بہت آسان ہے مگر اس کا مٹانا بہت مشکل ہے اس لیے صبر و تحمل کرنا پڑتا ہے تو فرمایا گیا جب چلو تو چال میں نرمی پیدا کرو نرم چال رکھو کہ ہر ایک آدمی محبت کی نگاہ سے دیکھے گا آپ سے کوئی جھگڑا نہیں کرے گا جھگڑا جب کرے گا جب آپ متکبرانہ انداز سے جائیں اور جب تواضع سے گئے تو اول تو سب عزت کریں گے لیکن پھر بھی اگر کوئی بے وقوف آدمی مل جائے اور جاہلانہ باتیں کرے تو آپ کہیں گے۔ قالوا سلما بھئی! ہم یہ بات نہیں جانتے، ہمارا سلام ہے یہ مناسب نہیں ہے ہمارا کام یہ نہیں ہے تم جانو تمہارا کام جانے۔

سلام کی برکات اور آداب:

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سلام ایک ایسی عظیم چیز ہے جو جھگڑوں کو ختم کر دیتی ہے سلام آدمی نہ کرے تو برا سمجھا جاتا ہے اور اگر سلام کرلے تو جاہل بھی ہوں گے وہ بھی جھک جائیں گے کہ یہ بڑا اچھا آدمی ہے سلام کر رہا ہے۔

اس واسطے فرمایا گیا اگر باہم دشمنیاں بھی ہوں، عداوتیں بھی ہوں، اگر دشمن کو آپ سلام کریں گے دشمنیاں ڈھیلی پڑجائیں گی وہ وعلیکم السلام کہنے پر مجبور ہوگا جس کا مطلب ہے کہ تمہارے لئے بھی سلامتی ہو جب سلامتی کی دعا دے گا تو جھگڑا اٹھائے گا کیوں؟ خود کہہ رہا ہے کہ اللہ تمہیں صحیح سلامت رکھے، تو دعا بھی دے اور اوپر سے جھگڑا بھی اٹھائے؟ اس سلام نے ساری دشمنی ختم کردی۔

اس واسطے حدیث میں فرمایا گیا کہ افشوا السلام علی من عرفت ومن لم تعرف۔ جب چلو سلام کرنے کی عادت ڈالو، خواہ تعارف ہو یا نہ ہو۔

آج کے زمانہ کا تمدن یہ ہے کہ جب تک تیسرا آدمی تعارف نہ کرائے نہ بول، نہ چال، نہ سلام، نہ کلام، یہ متکبرانہ تمدن ہے یہ اسلام کا تمدن نہیں ہے اسلام کا تمدن یہ ہے کہ جب ہم بھی اور تم بھی اسلام کا رشتہ مشترک ہے، اسلامی اخوت اور بھائی بندی پھیلی ہوئی ہے تو کیا ضرورت ہے کہ کوئی تیسرا تعارف کرائے، پہلے سے ہی تعارف حاصل ہے یہ ہمارا بھائی مسلمان ہے اس

میں اسلام بھرا ہوا ہے۔

ہمارا تعارف بھی اسے حاصل ہے یہ بھی جانتا ہے کہ میں مسلمان ہوں جب دونوں کے اندر ایک رشتہ مشترک ہے، پھر تیسرے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ تعارف کرائے، اگر گھر میں دو حقیقی بھائی موجود ہوں وہ دونوں یوں کہیں کہ کوئی تیسرا ملنے والا آکر تعارف کرائے کہ یہ آپ کے حقیقی بھائی ہیں اور یہ آپ کے حقیقی بھتیجے ہیں تب آپ کلام کریں گے آپ کہیں گے کہ میری رشتہ داری ہے مجھے کیا مصیبت ہے کہ میں تیسرے آدمی کو بلاؤں کہ بھئی! میرا تعارف کرادو، یہ تکلف اور بناوٹ ہے تو نسبتی رشتے سے زیادہ قوی رشتہ اسلام کا ہے دو حقیقی بھائی اتنے قریب نہیں ہوتے جتنے دینی رشتہ کی وجہ سے دو مسلمان قریب ہوتے ہیں اس لیے ضرورت نہیں ہے کہ کوئی چوتھا آدمی تعارف کرائے۔

ہاں اس میں البتہ اس زمانے میں ایک مصیبت پڑ گئی، کہ ہم صورت سے یہ نہیں سمجھتے کہ مسلمان ہے بھی یا نہیں؟ بعض اوقات سلام کرنے کو جی چاہتا ہے لیکن سوچتے ہیں کہ یہ مسلمان ہے یا عیسائی ہے یا یہودی ہے یہ مصیبت آ کے پڑ گئی اس سے معلوم ہوا کہ ہیئت اور وضع بھی ایسی ہو جس سے دُور سے سمجھ لیا جائے کہ مسلمان آ رہا ہے تاکہ سلام وکلام کی نوبت آ جائے۔

بہر حال اس حدیث میں ہدایت کی گئی کہ پہچان پہچان کر سلام نہ کرو، اس واسطے کہ تعارف کرانے میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بڑا آدمی ہوا، اس کا تو تعارف ہوگیا اور اگر کوئی چھوٹا موٹا آدمی آئے تو اس کا کوئی تعارف نہیں کراتا گویا آپ کا سلام بڑے آدمی کو تو ہوگا چھوٹے کو نہیں ہوگا، یہ خود ایک تکبر ہے کہ چھوٹوں کو منہ نہ لگایا جائے اور بڑوں کے سامنے جھکے۔

اسی واسطے فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر کوئی سواری پر سوار جا رہا ہو اور لوگ سڑک پر سامنے بیٹھے ہوں تو سوار ہونے والے کا فرض ہے کہ وہ بیٹھنے والوں کو سلام کرے، اپنے اندر خاکساری پیدا کرے ایسی صورت نہ پیدا ہونے دے جس میں یہ انتظار ہو کہ یہ مجھے سلام کریں کیونکہ یہ میرے سے چھوٹے ہیں یہ چھوٹائی بڑائی کہاں کی؟ آدمی خود ہی چھوٹا ہے بڑا اللہ ہے سب سے بڑی ذات وہ ہے اس کے سامنے سب چھوٹے ہیں اس لیے ہر شخص یہ سمجھے کہ میں چھوٹا ہوں وہ بڑا ہے جب یہ سمجھے گا تو سلام کی ابتداء کرنے کی کوشش کرے گا اس لیے سلام کے آداب میں سے یہ ہے کہ جب دو آدمی ملیں تو یہ انتظار نہ کریں کہ دوسرا مجھے سلام کہے اسی کو فرمایا گیا:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا رحمٰن کے بندے جب چلیں تو خاکساری کی چال چلیں اور جب لوگوں سے ملیں تو سلام کی عادت ڈالیں اگر نیک لوگ ہیں تو سلامتی کی دعاء ہوگی اگر برے اور جھگڑالو لوگ ہیں تو یہ سلام رخصت کا ہوگا کہ بھئی! ہمارا سلام ہم جاتے ہیں ہم ان جھگڑوں میں نہیں پڑتے تو سلام ہر صورت میں انسان کے لیے رہا۔

پھر یہ اتنی پاکیزہ چیز ہے کہ حدیث میں فرمایا گیا:

تحية اليهود بالاصابع و تحية النصارى بالاكف وتحية المسلمين السلام عليكم یہودیوں کا سلام انگلیوں سے ہے، نصاریٰ کا سلام ہتھیلی سے ہے اور مسلمانوں کا سلام السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ ہے تو یہود و نصاریٰ کا سلام اشارہ محض ہیں اور مسلمانوں کا سلام ایک مستقل دعاء ہے کہ تم پر سلامتی ہو اللہ کی رحمتیں تم پر نازل ہوں، برکتیں تم پر نازل ہوں ہر مسلمان جو دوسرے کو دُعاء دے اس سے اس کی خیر خواہی اور محبت ظاہر ہوگی تعلق بھی مضبوط ہو جائے گا۔

وہ مثل مشہور ہے کہ کسی آدمی کے سامنے کوئی جن آ گیا تو اسے خطرہ لاحق ہوگیا کہ یہ تو کھا جائے گا اس نے آگے بڑھ کر کہا ماموں جان! سلام اس نے کہا بھانجے وعلیکم السلام اور کہا کہ میرا ارادہ تجھے کھانے کا تھا لیکن تو نے ماموں کہا اور سلام کیا میرے دل میں رحم آ گیا میں نے چھوڑ دیا اب تو آزاد ہے جہاں چاہے جا چلا جا۔ تو سلام نے جان بچائی یہی صورت دشمن کی بھی ہے اگر کسی سے پکی دشمنی ہے آپ کہیں السلام علیکم وہ پسیج جائے گا دشمنی ڈھیلی پڑ جائے گی تو یہ بہت بڑی نعمت اور عظیم دُعاء ہے۔

تو زندگی گزارنے کے طریقے میں پہلی چیز چال ہے دوسری چیز قال ہے کہ قال میں دعاء ہو، چال میں تواضع ہو اور جھگڑالوؤں سے بھی جب کلام کرو، سلام کے ساتھ کرو، کہ **سلامٌ عليكم لا نبتغي الجاهلين** ہمارا سلام ہو ہم ان باتوں میں نہیں پڑتے۔

گویا اسلامی شریعت نے رہن سہن کیلئے ابتدائی دو چیزیں بتلائیں ایک زبان کو قابو میں رکھو، دوسرے قدم کو قابو میں رکھو بے ڈھنگا چلو بھی مت اور کلام بھی مت کرو۔

رحمٰن کے بندوں کی تنہائی:

یہ تو لوگوں کے ساتھ معاملہ ہے اب آگے اور چلے تو آ گئی مسجد یا تنہائی آ گئی یا رات کا وقت آ گیا جس میں لوگوں کے ساتھ اختلاط نہیں پھر کیا کرے آگے کی ہدایت دی۔ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا رحمٰن کے بندوں کی شان یہ ہے کہ جب وہ رات گزارتے ہیں تو سجود اور قیام کے ساتھ گزارتے ہیں کہ سو بھی جاتے ہیں کبھی سجدے میں ہیں کبھی قیام و رکوع میں ہیں، اللہ کی یاد کرتے ہیں، اُس کے سامنے گڑگڑاتے ہیں گویا مخلوق کے آگے مہذب بن کر آتے ہیں اور خدا کے سامنے عابد بن کر آتے ہیں یہاں عبادت کی ضرورت ہے، وہاں شفقت کی ضرورت ہے، شفقت کا تو یہ ہے کہ سلام کرے اور عبادت کا اثر یہ ہے کہ سجدہ و رکوع کرے، ناک اور پیشانی کو اللہ کے سامنے سجدے میں رگڑے۔

یہ گویا جانی عبادت بتلائی گئی جب تم اپنے گھر میں آؤ یعنی مسجد میں تو سبھی عبادت کرتے ہیں، اس کو تو ساری دنیا جانتی ہی ہے لیکن اگر گھر میں میت کے لئے آؤ میت کہتے ہیں رات گزارنے کو رات گزارنے میں ہر انسان تنہا ہوتا ہے جب یہ لیا تو وہ تن تنہا ہے اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں، جاگتا ہوا ہوگا مجلس کرے گا دوستوں میں بیٹھے گا، باتیں بھی کرے گا اور جب سو گیا تو ایک لاکھ آدمی اگر ایک جگہ سوئے ہوئے ہیں، ہر ایک ان میں سے تن تنہا ہے اس وقت ہر ایک کا سابقہ اللہ کے ساتھ ہے بندوں کے ساتھ نہیں اس واسطے اس موقع کا ادب بتلایا کہ جب تم تن تنہا ہو اور اللہ کے سوا کوئی نہ ہو اس وقت سجود و قیام اور طاعت و عبادت کو اپنا شیوہ بنالو تاکہ تمہاری بندگی نمایاں ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حدیث میں فرماتے ہیں کہ ثلث درجات تین چیزیں ہیں جن سے انسان کے درجات بلند ہوتے ہیں عنداللہ بھی اس کا رتبہ اونچا ہے اور خلقت کے نزدیک بھی اس کا رتبہ بلند ہوتا ہے۔

افشاء السلام، و اطعام الطعام، و الصلوة بالليل و الناس نيام.

سب سے پہلی چیز افشاء السلام ہے یعنی مخلوق کو سلام کرنا ہے اس سے انسان کے درجات بلند ہوتے ہیں اور اتنی بلندی کہ اللہ کے ہاں جو مرتبہ ہوگا اسے اللہ جانے یا یہ بندہ آخرت میں جانے گا دنیا میں یہ ہے کہ کثرت سلام سے لوگوں کے دلوں میں عزت و وقار پیدا ہو جاتا ہے۔

دوسری چیز فرمائی، اطعام الطعام، حاجت مندوں کو کھانا کھلانا، اس میں مسکین، غریب، سائل، مسافر، مہمان بھی آتے ہیں کھانا کھلانا سب کے لئے عام ہے یعنی حقوق قائم کر دیئے گویا یہ فرمایا گیا کہ اس سے درجات بلند ہوتے ہیں خواہ کوئی سائل بن کر آئے، مہمان بن کر آئے یا ان میں سے کوئی نہ ہو آپ کو معلوم ہے کہ فلاں حاجت مند ہے۔ از خود آپ اس کو کھانا کھلائیں اس سے بھی درجات بلند ہوتے ہیں۔

تیسری چیز رات کو نماز پڑھنا، جب کہ دنیا پڑی سو رہی ہو اس لیے کہ یہ نماز انتہائی خلوص کی ہوگی، نہ اس میں نام و نمود کا جذبہ ہوگا نہ ریاء وشہرت پسندی کا ہوگا، نہ لوگوں کو دکھلاوے کے لیے ہوگی دکھلاوے بھی کس کو؟ سب تو سو رہے ہیں، لوگوں کو کچھ خبر نہیں اس وقت جو نماز پڑھتا ہے تو بجز اس کے کہ اللہ ہی کی محبت اس کو اٹھا کر جگائے اور کچھ نہیں۔

علماء لکھتے ہیں کہ جس کو بھی جو کچھ ملا ہے وہ رات کی نماز سے ملا ہے دنیا بھی ملی ہے وہ بھی رات کی نماز سے، آخرت بنی ہے وہ بھی رات کی نماز سے۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيۡلِ هِىَ اَشَدُّ وَطۡاً وَّاَقۡوَمُ قِيۡلًا سکون و آرام کا وقت رات ہی کا وقت ہوتا ہے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ تہجد آداب صالحین میں سے ہے کیونکہ دن میں ریاء کاری اور دکھلاوے کا وہم ہوسکتا ہے رات کی نماز میں دکھلاوے اور ریاء کاری کا کوئی دخل نہیں غرض جس کو جو ملا وہ رات کی نماز سے ملا۔

حدیث میں ہے کہ چند باتیں ایسی ہیں کہ ان سے اللہ کو ہنسی آتی ہے جیسی ہنسی اس کی شان کے مناسب ہے یہ ایسی ہنسی نہیں جیسے ہم اور آپ ہنستے ہیں اس لیے کہ وہ جسم سے پاک ہے مگر ہماری جسمانی ہنسی کی حقیقت یہ ہے کہ جب دل میں کوئی خوشی پیدا ہو جب ہنسی آتی ہے غم دل میں بھرا ہوا ہو تو کون ہنسا کرتا ہے تو رونا غم کی اور ہنسنا خوشی کی علامت ہے۔ غرض خوشی ایک کیفیت ہے اسے ظاہر کرنے کے لئے اللہ نے ہنسی رکھ دی چونکہ ہمارے پاس بدن ہے تو جب اندر خوشی ہے تو باہر بدن پر ہنسی آتی ہے حق تعالیٰ چونکہ بدن و صورت سے پاک ہیں اس لیے جب اس کو بیان کریں گے تو کہیں گے ہنسی درست ہے مگر ہنسی کا وہ مطلب نہیں ہوگا جو ہمارے ہاں ہو رہا ہے۔

تو حدیث میں ہے کہ تین موقعوں پر حق تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے ایک میدان حج میں جب ننگے سر، ننگے پاؤں، گرد پڑا ہوا، بال بکھرے ہوئے، ناخن بڑھے ہوئے، نہ خوشبو اور نہ زینت اور لبیک لبیک کہتے ہوئے بندے پھر رہے ہیں حق تعالیٰ کو اس موقع پر ہنسی آتی ہے کہ کیا چیز اُن کو ان کے گھروں سے نکال کر لائی ہے، بیوی بچے چھوڑے، وطن چھوڑا، آخر یہ کیوں فقیروں کی طرح سے بے وطن ہوئے ہیں؟ میری محبت میں ہی تو پھر رہے ہیں حق تعالیٰ ہنستے ہیں اور ملائکہ سے کہتے ہیں کہ تمہیں گواہ کرتا ہوں میں نے ان سب کی مغفرت کی، یہ میری محبت میں گھر بار، بیوی بچوں کو چھوڑ کر آئے ہیں میں کریم ہوں یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ گھر بار چھوڑیں اور میں توجہ نہ کروں میں نے ان سب کی مغفرت کی تو خوش ہو کر مغفرت فرماتے ہیں اس خوشی کو ہنسی سے تعبیر کیا گیا۔

دوسری ہنسی کب آتی ہے؟ جب مکبر تکبیر کہے اور لوگ دوڑ دوڑ کے آ رہے ہیں کہ صف اولیٰ میں جگہ ملے، ہر ایک کہتا ہے مجھے ملے گویا ایک قسم کا جھگڑا ہے اور آگے پیچھے ہونے کی دوڑ ہے حق تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے کہ یہ جو اپنا گھر چھوڑ کر میرے گھر میں آئے ہیں ان میں سے ہر ایک آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا ہے یہاں کوئی مٹھائی روٹی نہیں مل رہی؟ یہ آخر کیوں دوڑ رہے ہیں؟ یہ میری محبت میں دوڑ رہے ہیں، یہ میرا دربار جان کر آئے ہیں یہ چاہتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے جتنا بھی قریب ہو جائینگے اتنے ہی ہمارے درجات بلند ہوں گے اس سے خوش ہو کر حق تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے۔

اور تیسرا موقع کون سا ہے؟ فرمایا گیا کہ خاوند اور بیوی پڑے ہوئے سو رہے ہیں اچانک خاوند کی آنکھ کھلی اور اس کا جی چاہا کہ تہجد پڑھوں اس نے بیوی کے منہ کے اوپر پانی کا چھینٹا مارا وہ بڑبڑا کے اٹھی اس نے کہا کیا مصیبت آئی ہے خاوند نے کہا دو رکعت نفل پڑھ لے تہجد کا وقت ہے حق تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے کہ یہ ایک محبوبہ ہے اس کے پاس لیٹی ہوئی ہے آرام سے میٹھی نیند سو رہی تھی ایک دم گھبرا کے اٹھی کہ بارش تو نہیں آ گئی، خاوند نے کہا، بارش تو نہیں مگر دو رکعت پڑھ لے تو یہ آگے سے کہتی ہے کہ میں شکریہ ادا کرتی ہوں کہ مجھے دو رکعت

پڑھنے کی توفیق ہوگئی اس نے بھی کھڑے ہوکر دو رکعتیں پڑھیں یا بیوی نے خاوند کے منہ پر چھینٹا مار دیا اور وہ ہڑبڑا کر اٹھا تو یہ موقع بھی حق تعالیٰ کی ہنسی کا ہوتا ہے چونکہ یہ تینوں چیزیں درجات کے بلند ہونے کا باعث ہیں اور اللہ کی انتہائی رضاء کا وقت ہے اس واسطے اس کو ہنسی سے تعبیر کیا گیا تو یہ جو فرمایا گیا ہے کہ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا کہ جب رات تنہائی میں گزارتے ہیں تو کبھی سجدہ و رکوع میں اور کبھی تلاوت میں ہیں اس پر حق تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے کہ کوئی دیکھنے والا نہیں کسی کو یوں نہیں کہہ سکتے کہ دیکھو میں بڑا عابد زاہد ہوں کسی کو دکھلانے کے لئے یہ نہیں اٹھا یہ صرف مجھے دکھلانے اور میری رضا کے لئے اٹھا ہے میں کریم ہوں میں بخشتا ہوں اور مغفرت کرتا ہوں۔

اب گویا تین باتیں ہوئیں گھر سے نکلو تو تواضع کی چال چلو، قال ہو تو سلامتی کا کلمہ ہو، بُرے کلمات نہ ہوں، جاہلانہ باتیں نہ ہوں اور رات گزارو تنہائی میں جب کسی انسان سے سابقہ نہیں تو سجود و قیام اور اللہ کے ذکر و طاعت کرو۔

رحمٰن کے بندوں کی زبان سے عبادت:

اور یہ تو عمل ہے کہ قیام کر لیا، سجدہ کر لیا اور قلب کے جذبات کیا ہونے چاہئیں؟ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ دل میں خوف بھرا ہوا ہو، زبان پر اس کو ادا کرے اور یہ دعا کرے اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم کا عذاب ہٹا دے، اس کو ہمارے سے دُور دُور رکھ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا اس لیے کہ یہ عذاب گلے کا ہار ہے جب لٹک جائے گا تو اس کا جدا ہونا مشکل ہوگا کسی کے بس میں نہیں ہوگا کہ اس عذاب کو دُور کرے اللہ کی طرف سے جب عذاب آتا ہے تو کوئی پناہ دینے والا نہیں ہے آخرت تو آخرت دنیا میں بھی حق تعالیٰ اگر کسی کو عیاذاً باللہ مبتلا کر دیں کہیں پناہ کی جگہ نہیں ملتی جب تک اللہ ہی پناہ نہ دے کسی قوم کو گھیرے تو چار طرف سے راستے بند ہو جاتے ہیں بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں ملتا، بجز اس کے اللہ ہی پناہ دے اور مخرج پیدا کر دے اور آخرت میں تو اسباب کا ذکر ہی نہیں، وہاں تو سارا کارخانہ مسبب الاسباب کا ہے اس لیے بڑا ڈر وہاں کا ہے۔

اس لیے کہ یہاں اگر آدمی مبتلا ہو جائے تو کم سے کم خیال تو باندھ لے گا کہ شاید کل کو چھٹکارا ہو جائے شاید پرسوں کو، وہاں تو خیال پر بھی پابندی ہوگی کہ راحت کا آدمی سوچ بھی نہیں سکتا تو انتہائی قید و بند ہے کہ دل بھی گرفتار، زبان بھی گرفتار، ہاتھ پیر بھی گرفتار کوئی پناہ کی جگہ نہیں یہ ہے عذاب جہنم اس لیے فرمایا گیا کہ تم ایک تو بدن سے عمل کرو یعنی سجود اور قیام کرو اور ایک زبان سے یہ دعاء پڑھو۔ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا۔

غرض پہلے قدموں کو لیا کہ انہیں ٹھیک ڈالو کہ چال درست ہو، پھر بدن کو لیا کہ سجدے اور قیام میں لگو پھر زبان کو لیا کہ سلامتی کی بات کرو اللہ سے دعائیں کرو اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا۔ اس لیے کہ جہنم جسے کہتے ہیں وہ بدترین ٹھکانا ہے اللہ اس سے پناہ دے اور نجات عطا فرمادے، اب گویا قول، بدن اور قدم کی سب عبادتیں آگئیں۔

مالیات کے سلسلہ میں رحمٰن کے بندوں کی شان:

اب اس سے آگے انسان کے وسائل اور اسباب ہیں جن کو مالیات کہتے ہیں نقد، سامان، گھر بار یہ سب اموال کہلاتے ہیں جب ہم اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں، تو ہمارا سامان بھی اسی کا پیدا کیا ہوا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ جان اور بدن سے عبادت کریں مال سے نہ کریں، مال اسی کی چیز ہے اس نے ہمیں دے دیا یہ اس کا فضل ہے مگر اصل مالک وہ ہے تو فرمایا جب بدن سے فارغ ہو گئے بدن کا، قدموں کا، زبان ہاتھ، پیر اور سونے جاگنے کا ڈھنگ معلوم ہو گیا اب ایک چیز رہ جاتی ہے جو مالیات ہیں اس کے بارے میں فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا رحمٰن کے بندوں کی شان یہ ہے کہ جب اللہ ان کو مال و دولت دے تو وہ اعتدال کیساتھ چلیں نہ تو بخیل بنیں کہ ایک پائی بھی ان کے ہاتھ سے نہ نکلے نہ فضول خرچ بے جا اپنی دولت خرچ کر کے محض اپنے نفس کی راحتوں میں گنوا دیں اعتدال کے ساتھ چلیں نہ اسراف کریں نہ تقصیر کریں اسراف فضول خرچی کو کہتے ہیں تقتیر امساک اور بخل کو کہتے ہیں جس طرح اور جگہ فرمایا گیا۔ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا نہ تو اپنے ہاتھ کو اتنا سکیڑو کہ تمہارا ہاتھ مونڈھے کو لگ جائے کہ دینے کے لیے کچھ نہیں اور نہ اتنا پھیلاؤ کہ جو کچھ ہے سب دے ڈالو، کل کو بھیک مانگنے لگو، دونوں چیزیں ممنوع ہیں درمیانی چال یہ ہے کہ دو بھی اور نہ بھی دو، یعنی یہ پہچان کر کہاں دینا جائز ہے کہاں ناجائز ہے کہاں موزوں ہے کہاں ناموزوں ہے کہاں دینا حق ہے، کہاں دینا ناحق ہے، لہو و لعب، کھیل تماشے میں مت دو، وہاں بخیل بن جاؤ یہی بہتر ہے اور اگر عمل خیر ہو، یہاں دینا بہتر ہے جب آدمی اعتدال کے ساتھ خرچ کرے گا تو حدود معلوم کرنے کی ضرورت ہوگی، کہ کہاں خرچ کروں کہاں نہ کروں؟

اسلام کا اصول ہی اعتدال ہے، عمل میں بھی اعتدال ہو، چنانچہ یہ اسراف ہے کہ آدمی نفل پڑھنے پر آئے تو ساری رات پڑھتا رہے اور جب چھوڑ کے بھاگے تو فرضوں کی بھی خیر نہیں یہ اچھی چیز نہیں، عبادت کرے، نفل پڑھے، مگر اس طرح کہ پھر عمر بھر اس کو نبھاوے فرائض تو ادا کرے مگر نوافل پڑھے تو ان کو پھر عمر بھر نبھائے۔

اسی کو فرمایا گیا۔ خير الا مور ما ديم عليه۔ آدمی کا بہترین عمل وہ ہے جس پر وہ ہمیشگی کر سکے مثل مشہور ہے کہ ”نہ دوڑ کے چلے نہ اکھڑ کے گرے“ چلے تو آدمیوں کی طرح چلے نہ دوڑے نہ بالکل ضعیف بن جائے، بیچ کی چال چلے اسی کو فرمایا گیا کہ نفل، تلاوت، ذکر کرنے میں اعتدال ہو۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا جی چاہتا ہے کہ ایک قرآن روز ختم کیا کروں گا؟

فرمایا ہرگز نہیں، یہ نبھ نہیں سکے گا، کم کرو۔

عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دو دن میں ایک ختم کرلیا کروں گا؟

فرمایا نہیں، یہ نبھ نہیں سکے گا۔

پھر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں چاہتا ہوں کہ دس پارے روز پڑھوں اور ہر تیسرے دن ختم کروں؟

فرمایا۔ نہیں نبھ سکے گا۔

پھر عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایک منزل روزانہ پڑھ لیا کروں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ خوشی سے اس کی بھی اجازت نہیں دی مگر جب اصرار دیکھا تو فرمایا اچھا۔

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میرا بڑھاپے کا زمانہ آیا اب مجھے قدر ہوئی کہ پانچ پارے روز بھی نہیں پڑھ سکتا تھا تو میں کہتا تھا کہ اگر میں روز کا ایک قرآن شریف شروع کر دیتا تو چھوڑ کے بن پڑتی اور محرومی اختیار کرتا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی سچی بات فرمائی تھی کیسی پاک نصیحت فرمائی تھی، یہ بھی منشا نہیں تھا کہ پانچ پارے روزانہ پڑھوں، مقصد نبھانا تھا۔ اب ان پانچ کا نبھانا بھی مشکل ہو رہا ہے، اس لیے آدمی کام اتنا کرے جو نبھ سکے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں، یہ مسجد نبوی میں عبادت کیا کرتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن تشریف لائے دیکھا کہ چھت میں ایک رسی لٹک رہی ہے فرمایا یہ رسی کیسی ہے؟

عرض کیا گیا کہ ام سلمہ عبادت کرتی ہیں جب بیٹھے بیٹھے تھک جاتی ہیں، اونگھ آنے لگتی ہے تو رسی کا سہارا لے کر بیٹھتی ہیں پھر عبادت کرنے لگتی ہیں۔

فرمایا اس کی کیا ضرورت ہے جب نیند آئے پڑ کے سو جاؤ جب سو کر اٹھو بشاشت ہو پھر اللہ کو یاد کرو اس تکلف کی کیا ضرورت ہے کہ نیند آرہی ہے، اونگھ آرہی ہے کہیں رسی کی آڑ، کہیں دیوار کی آڑ اس تصنع اور بناوٹ کی ضرورت نہیں اتنا کام کرو جتنا نبھ جائے، تو اقتصاد یعنی عمل میں میانہ روی یہ معتبر ہے خواہ جان کے خرچ کرنے کا عمل ہو یا مال کے خرچ کرنے کا اعتدال ہونا چاہئے۔

رحمٰن کے بندوں کی قلبی عبادت:

یہاں تک گویا اعمال آگئے، چال ایسی ہو سلام کرنا ایسا ہو وغیرہ یہ گویا ہاتھ، پیر اور زبان کی عبادت آگئی آگے قلب کی عبادت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس مبداء اور معاد کے درمیان میں جو زندگی گزارو تو دل کیسا ہونا چاہئے، دل کی عبادت کیا ہو؟ تو فرمایا وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۔ رحمٰن کے بندوں کی شان یہ ہے کہ جب وہ اللہ کو پکاریں تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، کسی کو ساجھی نہ ٹھہرائیں نہ اس کی ذات میں، نہ صفات میں اور نہ ہی افعال میں، ذات بھی اس کی یکتا ہے کہ اس جیسا کوئی نہیں، صفات و کمالات بھی اسکے یکتا ہیں کہ کوئی اس جیسا نہیں، افعال میں بھی وہ یکتا ہے کہ کوئی اس جیسا نہیں۔

ذات لامحدود ہے پس اس کی حد نہیں، اس کے سوا جو بھی ہے اس کی ایک حد ہے سب سے بڑی مخلوق انسان ہے مگر اس کی ایک حد ہے، ڈیڑھ گز کے اندر ہے اس سے باہر نہیں ہے ہم ایک حد میں ہیں اس سے آگے نہیں ہیں، آپ اپنی حد میں ہیں اس سے باہر نہیں میں اپنی حد میں ہوں اس سے باہر نہیں ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ جہاں جاؤ وہ موجود کہیں پہنچ جاؤ وہ موجود ہے، آسمانوں، زمینوں اور ان کی تہوں میں گھس جاؤ تب اللہ موجود ہے اس کے وجود کی کوئی حد نہیں ہے، تو اللہ کے سوا کون ہے کہ اس کے وجود کی حد نہ ہو خ جسے دیکھو اس کی ایک حد ہے پہاڑ ہیں گو کتنے بڑے ہیں مگر ایک حد میں ہیں سمندر ہیں ان کی ایک حد ہے جہاں کنارہ آ گیا سمندر ختم ہو گیا آگے زمین شروع ہو گئی، یہ نہیں کہ سمندر ہر جگہ موجود، آسمانوں، زمینوں، فضا میں بھی ہے ایسا نہیں ہے اپنے دائرے کے اندر ہے زمین اپنے دائرے میں ایک حد میں ہے حد سے آگے کچھ نہیں ہے اور اللہ کی ذات اس کی کہیں حد ہی نہیں ہے، کسی عالم میں پہنچو اللہ کی ذات موجود ہے اس جیسی دوسری ذات نہیں وہ بے مثل و بے مثال ہے۔

اسی طرح اس کی صفات بھی یکتا ہیں، مثلاً اس کی صفت علم ہے آپ کا علم ہوگا کہ سو مسئلے معلوم ہوں گے، ہزار ہوں گے، دس ہزار معلوم ہوں گے اس کے بعد پھر جہالت آگے کچھ معلوم نہیں، لیکن اللہ کی ذات کا علم لامحدود ہے کوئی ذرہ نہیں ہلتا کہ اسے علم نہ ہو، کوئی پتہ نہیں حرکت کرے گا کہ اس کے علم میں نہ ہو، آپ کی اور ہماری قدرت ایک حد میں ہے ہم یہ لاؤڈ اسپیکر اٹھالیں گے، جائے نماز تہہ کر کے اٹھالیں گے لیکن اگر کوئی کہے کہ مسجد کو اٹھاؤ آپ ہم کہہ دیں گے کہ یہ ہماری قدرت میں نہیں ہے ہمارے بس میں نہیں ہے، ایک جن مسجد کو اٹھالے گا لیکن اس کو اگر کہا جائے کہ ساری زمین کو اٹھالے وہ کہے گا میرے قبضے میں نہیں، ملائکہ علیہم السلام زمین کا ایک ٹکڑا اٹھا کر پھینک دیں جبرئیل علیہ السلام نے لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں الٹ دیں لیکن ان سے کہا جائے کہ آسمانوں کو پلٹ دو، وہ کہیں گے میری قدرت ہی نہیں غرض بڑے سے بڑے طاقت والے کی طاقت کی ایک حد ہے، مگر اللہ کی طاقت کی کوئی حد نہیں ہے، قدرت، علم، سماعت، بصارت ساری صفات اس کی ایسی ہیں۔

ایسے ہی وہ اپنے افعال میں بھی یکتا ہے کہ اس جیسا کوئی بھی فعل نہیں کر سکتا وہ ماں کے پیٹ میں بچے کو بنا دیتا ہے، کوئی اور دوسرا نہیں کر سکتا، اس نے چاند سورج بنائے، ہمارے آپ کے بس میں نہیں ہے ساری زمین کے حکماء ملیں چاند تو بڑا اونچا ہے زمین کا ایک ذرہ بنا دیں جس میں وہ خاصیتیں ہوں جو اللہ کی زمین میں ہیں زمین کے ٹکڑوں کو جوڑ توڑ کر کچھ بنالیں گے لیکن

خود زمین کی ایجاد کریں ایک ذرہ بھی نہیں کر سکتے ساری دنیا کے فلاسفر جمع ہو جائیں سورج کی ایک کرن بھی نہیں بنا سکتے اور اللہ نے بنایا، معلوم ہوا اس جیسا فعل کوئی نہیں کر سکتا۔

تو ذات، صفات اور افعال سب کچھ یکتا اور بے مثل ہے اس لیے جب جھکیں گے تو اس کے آگے جھکیں گے اگر اس کا کوئی شریک اور ساجھی ٹھہرا لیں تو یہ کیسے درست ہوگا؟ کیوں کہ جب اس کی ذات وصفات اور افعال میں کوئی شریک نہیں تو عبادت میں کون شریک ہو سکتا ہے؟ سب عبادتیں اسی کے لئے ہوں گی سجدہ رکوع اور فریاد اسی کے سامنے کریں گے، رزق، اولاد اسی سے مانگیں گے، اس کی ذات کے سوا دینے والا کوئی نہیں ہے۔

انبیاء علیہم السلام اتنے مقدس بندے ہیں اور ان میں سے سب سے زیادہ افضل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ساری کائنات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم برتر ہیں لیکن عبدیت کا یہ حال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ تم خود اپنی زبان سے کہو۔

قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۔

اے پیغمبر! اعلان کرو کہ میں نہ تمہارے نفع کا مالک ہوں نہ نقصان کا۔

حضرت فاطمہؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب کر کے فرمایا:

یا فاطمة بنت محمد لا اغنی عنک من اللہ شیئا

اے فاطمہؓ بیٹی محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے قبضے میں کچھ نہیں ہے، تیرے اندر ایمان اور عمل ہوگا تو نجات پا جائے گی میں نجات نہیں دلا سکوں گا، نہ دنیا میرے قبضے میں ہے نہ آخرت، جب سید الاولین والآخرین یہ فرمائیں کہ میرے بس میں کچھ نہیں تو میں اور آپ کیا چیز ہیں؟ پوری مخلوق کیا چیز ہے؟ جو اس سے نمٹ لے، بالکل کسی کے بس میں کچھ نہیں، تو اسی کو مانو، جس کے بس میں سب کچھ ہے وہ اللہ کی ذات ہے۔

ہارون رشید کی بادشاہت کا زمانہ تھا اس وقت قحط پڑا، ایک دیہاتی آیا کہ میں بھی جا کر بادشاہ سے کچھ مانگوں، تا کہ میری اصلاح حال ہو بچے بھوکے مر رہے ہیں میں جا کر بادشاہ سے کہوں کہ اپنے خزانے سے مجھے کچھ دے جب آیا تو دیکھا کہ ہارون رشید نماز میں مصروف ہیں تو چوب دار نے کہا کہ ذرا ٹھہر جا یہ دیہاتی بے چارہ ٹھہر گیا ہارون رشید جب سلام پھیر چکے اور دُعا مانگ چکے تو ہارون رشید نے پوچھا کہ چودھری صاحب کیوں آئے؟

چودھری صاحب نے کہا کہ یہ تو میں بعد میں بتاؤں گا کہ کیوں آیا پہلے یہ بتا کہ تو کر کیا رہا تھا یہ کیا بات تھی اس نے کہا میں اپنے اللہ کے آگے جھک رہا تھا اُس نے کہا اچھا تیرے سے بھی کوئی بڑا ہے؟ اس نے کہا میرے سے بڑے اللہ میاں ہیں، میں ان سے مانگتا ہوں۔

بس دیہاتی وہیں سے لوٹا کہ مجھے اس سے مانگنے کی ضرورت نہیں میں اس سے کیوں نہ مانگوں، جس سے تو مانگ رہا ہے جب تو بھی اس کا محتاج ہے تو میں محتاج کا محتاج کیوں بنوں؟ حقیقت یہی ہے کہ سب اس کے سامنے بے بس ہیں وہی سب کے کام کرتے ہیں نہ کوئی کسی کو دے سکتا ہے نہ چھین سکتا ہے وہی دیتا ہے اسی کو چھیننے کی قدرت ہے۔

آدمی کو اگر کچھ لینا ہے تو اپنے معاملے کو اللہ میاں سے درست کرے سب کچھ مل جائے گا ان سے بگاڑ لی تو ملا ملایا بھی چھن جائے گا۔

ہارون رشید ایک دفعہ دربار میں بیٹھے ہوئے تھے بادشاہی کا جوش جو آیا تو ہارون رشید نے کہا آج جس کو جو جی چاہے مانگے اسے وہی دوں گا بس لوگ کھڑے ہوگئے کسی نے کہا مجھے دس لاکھ روپے دے دو اس نے کہا دے دیا کسی نے کہا مجھے فلاں صوبے کی گورنری دے دیجئے اس نے کہا دے دی کسی نے کہا مجھے وائسرائے بنا دیجئے اس نے کہا بنا دیا کسی نے کہا مجھے قلعہ دے دیجئے اس نے کہا دے دیا جو جس نے مانگا ہارون نے حکم دیا کہ وہ اسے دے دیا جائے۔

ہارون رشید کی پشت پر باندی کھڑی ہوئی پنکھا جھل رہی تھی تو ہارون نے گردن پھیر کر باندی سے کہا کہ تو نے کچھ نہیں مانگا سب درباری مانگ رہے ہیں۔

باندی نے کہا ان بے وقوفوں کو نمٹنے دیجئے بعد میں میں بھی مانگوں گی۔

اس نے کہا اچھا یہ میرے وزراء، امراء سب بے وقوف، پاگل اور احمق ہیں۔

ہارون رشید کو بُرا معلوم ہوا کہ اس نے میرے سارے وزراء، امراء کو اس نے پاگل بنا دیا، ان امراء کو بھی برا لگا مگر امیر المؤمنین کی باندی تھی اس لیے کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا تھا بہر حال اس نے کہا کہ پہلے یہ احمق نمٹ لیں اس کے بعد میں بھی آپ سے مانگوں گی جب سب دربار والوں کی مرادیں پوری ہوگئیں ہارون نے کہا اب مانگ کیا مانگتی ہے؟ اس نے کہا جو کچھ میں مانگوں گی آپ دے سکیں گے ہاں میں دوں گا، میرا اعلان ہے ضرور دوں گا اس نے ہارون رشید کی پشت پر ہاتھ رکھ دیا کہ میں تو آپ کو مانگتی ہوں جب آپ میرے ہو گئے تو ملک، قلعے، دولت اور خزانے بھی کچھ میرے ہیں یہ سب بے وقوف تھے اس لیے کہ جس نے خزانہ لیا اسے خزانہ مل گیا آگے کچھ بھی نہیں، قلعہ مانگا قلعہ مل گیا، باقی کچھ نہیں کسی نے گورنری مانگی گورنر بن گیا باقی کچھ نہیں، تو انہوں نے ایک ایک چیز مانگی اور میں نے وہ چیز مانگی کہ ساری چیزیں میرے قبضے میں آجائیں۔

یہی شان اہل اللہ اور اہل دنیا کی ہے مثلاً اہل دُنیا مانگتے ہیں کہ یا اللہ! مجھ کو لکھ پتی بنا دیجئے، یا کروڑ پتی بنا دیجئے تو وہ بنا دیے گئے کسی نے کہا کہ مجھے جاگیر دے دیجئے فرماتے ہیں حق تعالیٰ کہ دے دی اللہ والے کہتے ہیں کہ آپ میرے ہو جائیے تو سب کچھ میرے قبضے میں ہے وہ کروڑ پتی بھی ہے، لکھ پتی بھی ہے، تو دانش مندی کی بات یہ ہے کہ جڑ بنیاد کو آدمی پکڑ لے۔

اس لیے آدمی کو اگر مانگنا چاہئے تو اللہ سے مانگے اس سے کیا مانگے جو خود

مانگنے والا اور محتاج ہو، اسی لیے فرمایا گیا۔

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلٰهًا آخَرَ رحمن کے بندوں کی شان یہ ہے کہ جب وہ پکارنے بیٹھتے ہیں تو تنہا اللہ کی ذات کو پکارتے ہیں کسی اور کو ساجھی نہیں سمجھتے۔ اس لیے کہ اللہ کا کوئی اور مددگار تو نہیں ہے۔ جب انہوں نے آسمان بنایا تھا تو کسی سے کہا تھا کہ اتنا کام تم کردو اتنا میں کرلوں گا۔ جب پیٹ میں بچے کو بنایا تھا تو کیا کسی سے مدد مانگی تھی کہ آ تو بھی شریک ہوجا۔ مجھ اکیلے سے نہیں بنتا تو شریک ہوجائے گا تو بن جائے گا جب کسی کام کی تخلیق میں کوئی شریک نہیں ہے تو عبادت میں کیسے شریک ہو گئے؟ وہ تنہا بناتا ہے، تو تنہا وہ معبود بھی ہوگا۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ۔ تنہا آپ ہی کی عبادت کریں گے تنہا آپ ہی سے مدد مانگیں گے، مسلم کو اللہ نے یہ شان دی ہے کہ اس کا سر خدا کے سوا کسی اور کے آگے نہیں جھکتا، یہ ذلت پیش کرے گا تو اللہ کے سامنے کرے گا بندہ بندہ کے آگے ذلیل ہونے کیلئے دنیا میں نہیں بھیجا گیا اسی واسطے شریعت نے بھیک مانگنے سے ممانعت فرمائی ہے کوئی کسی کے آگے بھیک نہ مانگے اس لیے کہ مانگنے سے زیادہ ذلت کسی چیز میں نہیں ہے، بھیک مانگنا اپنے کو بے آبرو کرنا ہے بندے کو حق نہیں ہے کہ اپنے جیسے بندہ کے آگے بے آبرو بنے۔

ایک دوستی میں مانگنا ہے جیسے آپ کسی بے تکلفی میں یوں کہیں کہ بھئی یہ چیز مجھے دے دو یہ تعلق کو بڑھانے کا ذریعہ بنتا ہے جیسے قرآن کریم میں فرمایا گیا

أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ
أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوتِ عَمَّاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخْوَالِكُمْ أَوْ بُيُوتِ
خَالَاتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَفَاتِحَهُ أَوْ صَدِيقِكُمْ

فرماتے ہیں اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں ہے تم اپنے گھروں میں جس طرح تمہارا جی چاہے کھا سکتے ہو ماں کے گھر سے مانگ کر کھا سکتے ہو، یہ مانگنا تملق اور مانگنا تعلق کی علامت ہوگا باپ، حقیقی بھائی، بہن، چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ یا ایسے گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں یا اپنے دوستوں کے گھر سے بھی مانگ کر کھا سکتے ہو کوئی حرج نہیں ان سے مانگ کرلو گے تو وہ یہ سمجھیں گے کہ جب انہوں نے اپنا سمجھا جب تو مانگا کوئی دنیا کے آگے تو یہ مانگتا نہیں پھرتا اس طرح بے تکلفی سے اگر کوئی مانگ لے تو یہ بجائے بے آبروئی کے آبرو کا ذریعہ بنتا ہے اور تعلق کے استحکام کا ذریعہ بنتا ہے اس کی اجازت دی گئی ہے ایک ہے بھیک مانگنا یعنی محتاج و مفلس بن کے کسی کے آگے آنا کہ تم ہمارا کام پورا کردو ہم تو کچھ بھی نہیں کر سکتے اس ذلت کے اظہار سے ممانعت کی گئی ہے وقار کے ساتھ مانگنا جو ہے اس کی ممانعت نہیں ہے بہر حال سوال میں چونکہ ذلت تھی اور ایسی ذلت صرف اللہ کے آگے اختیار کی جا سکتی ہے غیر کے آگے نہیں اس لیے اس کی ممانعت کی گئی ہے اور مانگو تو صرف خدا سے مانگو، فریاد اس سے کرو، اولاد، رزق، صحت سب کچھ اس سے مانگو اس لیے کہ ہر چیز کے خزانے اس کے قبضے میں ہیں اس لیے فرمایا

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلٰهًا آخَرَ رحمن کے بندے وہ ہیں کہ جب وہ پکارنے بیٹھتے ہیں تو اللہ کے سوا کسی کو شریک نہیں مانتے، تنہا اسی کو پکارتے ہیں۔

حقوق العباد کے بارے میں رحمن کے بندوں کا طرزِ عمل:

تو یہاں تک چال ڈھال، زبان، ہاتھ، پیر، مال و دولت اور روح کی سب عبادت آگئی اب آگے دوسرے کے ساتھ معاملہ، دوسروں کے حقوق کو بتلایا گیا اس بارے میں رحمن کے بندوں کی کیا شان ہے؟

وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ

رحمن کے بندے وہ ہیں جو ناحق قتل نہیں کرتے کہ کسی کی جان لے لی، کسی کی گردن اڑادی، یہ رحمن کے بندے کی شان نہیں ہے یہ فساق و فجار کی شان ہے کہ دوسرے کو ایذاء پہنچائیں۔ اپنی بڑائی جتلانے کیلئے دوسروں کی حقارت چاہیں معاملات میں دوسروں کو حقیر سمجھیں یہ متکبروں کی شان ہے ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے وہ دنیا میں اپنے آپ کو سمجھیں کہ ہم بہت بڑے ہیں لیکن دنیا ہی میں ایسے لوگوں کا انجام برا ہو جاتا ہے جو دوسروں کی تحقیر کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔

ہاں اللہ ہی حکم دیں کہ قتل کرو، پھر قتل کرنا فرض ہے جیسے قصاص میں قتل کریں کسی نے ناحق قتل کیا تھا تو سزا میں اس کا قتل کرنا یہ جائز ہے یا کوئی اپنے دین سے مرتد ہو جائے اس کا قتل کردینا جائز ہے یا اس طرح سے کوئی زنا کار ہو پتھروں سے سنگسار کردینا یا اس کا قتل کردینا ہے یہ بھی جائز ہے، اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اسے پتھروں سے قتل کیا جائے غرض زنا کاری یا قاتلوں کو دنیا سے پاک کرنے کے لیے یا مرتدین جو دین کی کوئی اہمیت نہ سمجھیں اور اپنے دین کو بدل ڈالیں ایسے لوگوں سے دنیا کو پاک کرنے کے لیے قتل کیا جانا جائز ہے، یہ قتل حق ہے، ناحق وہ قتل ہے کہ قتل کا کوئی استحقاق نہیں تھا اور چار پیسے کی خاطر گردن ماردی یا ڈاکہ ڈالنا تھا جا کے قتل کردیا یا جذبہ آیا لڑائی شروع ہوئی ادھر سے بھی چھری نکل آئی ادھر سے بھی نکل آئی قتل و غارت شروع ہوگیا اس کا کوئی حق نہیں تو یہی فرمایا گیا جن کی نسبت رحمن کی طرف ہوگی اور وہ رحمانی ہوں گے وہ یہ کام نہیں کریں گے یہ فساق و فجار کا کام ہے کہ وہ بیلوں کی طرح سے پھرتے ہیں بیل کا کام یہی ہے کہ جو سامنے آگیا اس کے سینگ ماردیا یا شیر کے آگے کوئی آگیا تو وہ دانت کھول کر پھاڑ کھانے کے لیے جا پڑا، غرض یہ بہائم کا کام ہے انسانوں کا کام نہیں ہے۔

حدیث میں فرمایا گیا کہ مؤمن کون ہے؟ مؤمن کی علامت کیا ہے؟

فرمایا: المؤمن من امنه الناس علی دمائهم و اموالهم مؤمن وہ ہے کہ لوگ اس سے اپنی جان، اپنے مال اور اپنی آبرو کے بارے میں مطمئن ہو جائیں کہ یہ مؤمن ہے کہ یہ ہماری جان نہیں لے سکتا، یہ ہمارے مال کو ضائع نہیں کر سکتا اور ہماری آبرو کو خراب نہیں کر سکتا لوگوں کو اتنا اطمینان پیدا

ہو جائے پھر سمجھا جائے گا کہ یہ مؤمن ہے۔

پھر امن الناس میں لفظ بھی عام ہے کہ لوگ مطمئن ہوں خواہ مسلم یا غیر مسلم ہوں، ہر ایک کو اطمینان ہو جائے کہ بھئی! یہ مؤمن ہے اس کا کام یہ نہیں کہ مار دھاڑ کرتا پھرے یا آبرو ریزیاں کرتا پھرے دنیا اس سے مطمئن رہے کہ یہ صالح آدمی ہے اس سے کسی نقصان کا اندیشہ نہیں ہے۔

اور اگر آپ کسی سے کھٹکتے رہیں کہ بھئی کہیں یہ چھری نہ مار دے یہ مؤمن کیا اچھا خاصا بیل ہے بیل جب سڑک پر چلتا ہے تو آپ دامن بچا کر چلتے ہیں کہ کہیں پیشاب نہ کردے کہ کوئی چھینٹ نہ آجائے کہیں سینگ نہ ماردے تو اگر مؤمن سے بھی کوئی یوں بچنے لگے کہ بھئی جیب بچاؤ کہیں جیب نہ کتر لے کہیں جیب سے فونٹین پن نہ نکال لے جائے تو یہ مؤمن کیا ہوا مؤمن کا یہ کام نہیں ہے۔

اس لیے فرمایا کہ رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو نفس انسانی کے درپے نہیں ہوتے قتل و غارت کرتے نہیں پھرتے ہاں خدا کا حکم آجائے حکم کیلئے قصاص لے لیں تو قتل کردیں ویسے ان کا کام نہیں ہے۔

وَلَا يَزْنُوْنَ آبرو ریزی نہیں کرتے۔

سب سے بڑی آبرو ریزی زنا کاری ہے، کہ ایک عورت کی آبرو ختم کردی اور اس درجے ختم کردی کہ عمر بھر کیلئے بے آبرو ہوگئی اس سے اگر بچہ پیدا ہو وہ ولد الزنا ہوگا تو پوری برادری کہے گی کہ یہ حرام کا بچہ ہے اس کو بیٹی مت دو اس سے معاملہ مت کرو تو کتنا عظیم اس نے گناہ کیا کہ ایک عورت کی پوری زندگی برباد کردی سوسائٹی میں اس کی کوئی وقعت اور آبرو باقی نہ رہی ایسا شخص قابل گردن زدنی ہے۔

پھر آبرو ریزی ایک کی کی اور امن ساری سوسائٹی سے اٹھا دیا دوسروں کو جرأت ہوگی کہ وہ بھی یہ حرکت کریں تو دنیا کے اندر بدامنی پھیل گئی آبرو باقی نہ رہی تو ایک کی آبرو جائے گی اور دوسرے کو اس نے آبرو ریزی کرنے کی جرأت دلائی اس واسطے فرمایا گیا کہ زانی کی سزا سنگسار کرنا ہے، تو فقط یہ نہیں ہے کہ قتل کیا جائے بلکہ اس کا نصف حصہ زمین میں گاڑ کر پبلک اکٹھی ہو اور پھر مار مار کر اسے سنگسار کیا جائے ظاہر میں تو یہ سزا بڑی سخت معلوم ہوتی ہے لوگ کہتے ہیں کہ وحشت والی سزا ہے لیکن میں عرض کرتا ہوں کہ جرم کی نوعیت کو دیکھو کہ ایک شخص کی آبرو ضائع کی سوسائٹی برباد کی دنیا سے اس نے امن اٹھا دیا ایسے شخص کو تو اس سے زیادہ سزا دینی چاہئے۔

اس لیے فرمایا گیا کہ رحمٰن کے بندوں کی شان یہ ہے کہ نہ وہ کسی کی جان گنواتے ہیں نہ کسی کی آبرو گنواتے ہیں دونوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا

پھر بھی اگر کوئی یہ حرکت کرے گا اُسے اثام میں ڈالا جائے گا۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اثام ایک وادی اور جہنم میں جنگل ہے اسمیں شدید عذاب ہے کہ جہنم بھی اس سے پناہ مانگتا ہے اس میں اس کا ٹھکانا بنایا جائے گا۔

يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ، دوگنا تگنا عذاب اس کے اُوپر بڑھتا ہوا ہوگا، اس لیے کہ جیسے اس نے دنیا میں آبرو ریزی کر کے آبرو کو تہ و بالا کیا کہ پھر آبرو ابھر ہی نہ سکے اس طرح عذاب بھی تہہ بہ تہہ ڈالا جائے گا تاکہ وہ ابھر ہی نہ سکے اسے بھی وہاں امن نہیں ہوگا، وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا اور ایک لمبی مدت تک ذلت اور رسوائی کے ساتھ یہ عذاب بھگتے گا۔

توبہ کرنے والوں سے حق تعالیٰ کا معاملہ:

اِلَّا مَنْ تَابَ۔ سوائے اس کے کہ کوئی توبہ کرے اس سے آخرت کا عذاب ٹل جائے گا دنیا میں تو عذاب آ گیا کہ اسے سنگسار کردیں گے لیکن ابھی آخرت کی توبہ باقی ہے اگر توبہ کرلی وہاں کا عذاب ختم ہو جائے گا۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ جو توبہ کرے اور توبہ کے بعد نیک راستے پر چلنے لگے فضول حرکتوں کو ترک بھی کردے پھر فقط گناہ معاف ہی نہیں ہوں گے بلکہ اس کی نیکیاں بدیوں کو بھی مٹادیں گی اس کی نیکیاں غالب آجائیں گی اللہ تعالیٰ اس کی برائیاں نیکیوں سے بدل دے گا اور اس تبدیلی کا ظہور آخرت میں ہوگا۔

حدیث میں ہے کہ ایک شخص میدان محشر میں حاضر ہوگا حق تعالیٰ اسے بلائیں گے وہ بے چارہ یا تو توبہ کر کے گیا ہوگا یا توبہ نہ کی ہوگی تو حق تعالیٰ کا فضل متوجہ ہوگا۔ اسے فرمائیں گے قریب ہو جا، وہ قریب ہوگا فرمائیں گے اور قریب ہو جا، یہ بے چارہ لرز رہا ہے کپکپا رہا ہے، ہیبت زدہ اور ڈر رہا ہے فرمائیں گے اور قریب ہو جا، اتنا قریب آئے گا کہ حدیث میں ہے اس کے کانوں میں آہستہ آہستہ بات چیت ہوگی حق تعالیٰ اس کو اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ یاد دلائیں گے، فرمائیں گے یہ حرکت کیوں کی؟ اور اس کا دل اُچھل اُچھل کر منہ کو آ رہا ہوگا کہ اب میری نجات کی کوئی صورت نہیں اور حکم ہوگا جاؤ جہنم میں اس لیے کہ ابھی تو چھوٹی چھوٹی برائیاں پوچھ رہے ہیں جو میں نے بڑی بڑی حرکتیں کی ہیں ان کی نوبت آگئی تو کیا ہوگا؟ یہ معمولی باتیں تھیں ان کو پوچھ لیا ہے۔

عذر کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی عرض کرے گا اللہ میاں میں نے اپنی بدبختی سے ایسی حرکتیں کیں بہت سے بدیاں گنوانے کے بعد حق تعالیٰ فرمائیں گے ان سب کے بدلے ہم تجھے نیکیاں دیتے ہیں اور تیرے نامۂ اعمال میں وہ لکھی جاتی ہیں اب وہ حیران ہوگا کہ یہ تو دوسرا قصہ ہے میں تو ڈر رہا تھا کہ میرے لیے ہلاکت ہے، یہاں تو بدیوں کو نیکیوں سے بدلا جا رہا ہے اب خود ہی کہے گا اللہ میاں، وہ جو بہت بڑی بدی میں نے کی تھی وہ تو آپ نے پوچھی ہی نہیں، فرمائیں گے حق تعالیٰ وہ کیا تھی؟ بندہ عرض کرے گا وہ یہ تھی فرمائیں گے اس کے بدلہ میں اتنی نیکیاں دیں پھر کہے گا ایک تو اس سے بھی بڑی کی تھی وہ آپ نے پوچھی ہی نہیں فرمائیں گے وہ کیا تھی؟ عرض کرے گا وہ یہ تھی فرمائیں گے حق تعالیٰ اسکے بدلے میں اتنی نیکیاں دیں تو رحمت متوجہ ہو جائے تو ہلاکت کی کوئی صورت نہیں اور غضب خدانخواستہ متوجہ ہو جائے تو نجات کی کوئی صورت نہیں۔

آگے فرمایا: وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا اس سے پہلے تو وہ گنہگاروں سے معاملہ تھا اب آگے اصول بیان کیا جس سے جو بھی قصور ہو وہ

تو بہ ورجوع کرے تو بہ کا دروازہ کسی کے لیے بند نہیں مؤمن کا فرض یہ ہے کہ وہ اللہ سے مایوس نہ ہو توبہ کا دروازہ اس وقت بند ہوگا جب آفتاب مغرب سے طلوع کرے گا اور قیامت کی بڑی علامات نمایاں ہوں گی اور دنیا کا خاتمہ قریب ہوگا اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہوگا اس لیے اگر ستر برس سے بھی معصیت میں مبتلا ہو اور آج دل سے سچی توبہ کر لے آج بھی معافی مل جائے گی۔

حدیث میں ہے کہ کسی شخص نے زنا کیا اور اس کے دل میں ندامت اور شرمندگی آئی اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا اے میرے پروردگار! فرماتے ہیں کہ ابھی اس نے یہ نہیں کہا کہ مجھے بخش دیجیے حق تعالیٰ فوراً فرماتے ہیں۔ ایعلم ان لہ ربا۔ یعنی یہ جان گیا کہ اس کا بھی کوئی رب ہے جو اس کی پکڑ کر لے گا یہ جان گیا فرماتے ہیں جب یہ جان گیا تو قبل اس کے کہ یہ مغفرت مانگے اس کی مغفرت ہو جاتی ہے اور حدیث میں ہے کہ مغفرت مانگ کر گیا اور اب پھر زنا کیا پھر ندامت ہوئی پھر آیا پھر کہا یارب پھر حق تعالیٰ فرمائیں گے اچھا اب بھی سمجھ گیا کہ ہے رب؟! پھر مغفرت مانگنے سے پہلے مغفرت کر دیتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اے لوگو! تم گناہ کرتے کرتے تھک جاؤ گے لیکن اللہ بخشتے بخشتے نہیں تھکیں گے تمہارے گناہوں کی ایک حد ہے مگر اس کی رحمت کی کوئی حد ونہایت نہیں ہے تو اس لیے یہ اصولاً فرما دیا کہ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا اس کے بعد ایک دوسرا معاملہ ارشاد فرمایا وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا۔ رحمٰن کے بندوں کی شان یہ ہے کہ جب ان سے کوئی معاملہ پڑتا ہے تو وہ جھوٹ میں نہیں پڑتے زور کے معنی جھوٹی گواہی دینے کے ہیں تو رحمٰن کے بندے جھوٹی گواہیوں اور جھوٹی مقدمہ بازیوں میں نہیں پڑتے اور جب وہ لغو اور فضول مجلسوں سے گزرتے ہیں تو سادگی اور صفائی سے گزر جاتے ہیں ادھر متوجہ نہیں ہوتے۔ کرام بن کر گزر جاتے ہیں۔

اور انکی دعاء ہر وقت یہ ہوتی ہے کہ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا اے ہمارے پروردگار ہمیں جو ہماری بیویوں سے اولاد دے وہ صالح اور پاک اولاد دے اور ہمیں صالح اور پاک لوگوں سے آگے چلنے والے بنا کہ ہم خود اپنی اولاد اور بیویوں کو راہ دکھلائیں۔

اور یہ بھی فرمایا گیا وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا اور ان کے دلوں پر دین کی سمجھ اور علم اتنا ہوتا ہے کہ جب قرآن کی آیتیں ان کے سامنے پڑھی جاتی ہوں تو فوراً قلب کی سلامتی کی وجہ سے اس کا مطلب سمجھتے ہیں دین پر استقامت کی وجہ سے اس کا مطلب سمجھتے ہیں دین پر استقامت کی وجہ سے ان میں سمجھ پیدا کر دی جاتی ہے وہ ان آیات کو اندھے بہروں کی طرح قبول نہیں کرتے بلکہ سمجھداری کے ساتھ شنوا و بینا ہو کر قبول کرتے ہیں وہ مطلب سمجھتے ہیں جو اللہ کا مطلب ہے۔

رحمٰن کے بندوں کی معاد:

آگے فرماتے ہیں: أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو بالائی منزلوں میں اعلیٰ سے اعلیٰ بلڈنگیں عالم آخرت میں عطا کی جائیں گی مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ محلات اور باغات ان کو عطا کیے جائیں گے اور ان کو ابدی زندگی دی جائے گی گویا یہ ہماری مقامات معاد ہے جہاں ہم کو جانا ہے اور ایک وہ جگہ ہے جہاں سے ہم آئے تھے یعنی اللہ کی ذات بابرکات اور اس کا حکم وہ ہمارے لیے مبداء تھا جس سے ہماری ابتداء ہوئی اور یہ (جزائے غرفات) ہماری معاد ہوگی اور بیچ میں زندگی گزارنے کا یہ طریقہ ہے کہ زبان، ہاتھ، پیر، روح اور مالیات کی بھی حفاظت ہو اور ہر چیز اللہ کے حکم کے مطابق ہو صرف کرنے کا جذبہ ہمارے اندر ہو اور یہ جب ہی ہوگا جب شریعت سامنے آئے اس کا علم اور تعلیم ہمارے سامنے آئے جس کے ذریعے ہم ہاتھ، پیر، قلب، دماغ، روح وغیرہ کو اس راستے پر ڈال سکیں۔

تو یہ جو ابتداء میں کہا گیا تھا کہ تین سوال ہیں اور فطرت سے پیدا ہوتے ہیں کہ کہاں سے آئے؟! کہاں جائیں گے؟ کس طرح سے زندگی گزاریں؟! تو جہاں سے ہم آئے وہ اللہ رب العزت کی ذات بابرکات ہے جس کے امر سے آئے اس کے وجود سے ہمیں پرتو ملا تو ہمارا وجود ہو گیا اس نے حکم دیا کہ ہو جا، ہم ہو گئے تو اصل اللہ کا حکم اور امر ہے اور کہاں جائیں گے؟! یہ معاد ہے کہ لوٹ کر اسی کے پاس جانا ہے، وہیں جا کر راحت مل سکتی ہے اور بیچ میں ہم اس کے کہے کے مطابق زندگی گزاریں اور اس کا کہا ہوا کیسے سامنے آئے؟! اس کے رسول اس کا فرمایا ہوا لے کر آئے ہیں جس کو صراط مستقیم کہتے ہیں جس پر ہم کو چلنا ہے جب ان تینوں چیزوں پر آ جائیں جب ہی فطرت کو تسلی ہوتی ہے اتنا آدمی اندھا رہے کہ اسے راستہ ہی نہ ملے جس کے اوپر وہ رہے اور نہ پتہ ہو کہ میں کہاں سے آیا ہوں بس یہ کہ دنیا یوں ہی چلتی آتی ہے اس کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے اس کی فطرت میں سکون کبھی نہیں ہوگا۔

اسی طرح سے اگر یوں کہے کہ بس ایسے ہی چلتے رہیں گے نہ آخرت آئے گی نہ قیامت آئے گی، نہ یہ عالم ختم ہوگا تو پھر یہ الجھن پیدا ہوگی کہ جس چیز کی ابتداء ہوتی ہے اس کی انتہا بھی ہوتی ہے جب اس عالم کی ایک ابتداء ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ عالم کے ہر ہر جز کی ابتداء ہے تو کل کی بھی ابتداء ہے جب ابتداء ہے تو انتہاء بھی ہوگی گویا اعقل اسے مجبور کرتی ہے کہ مان اور اس کا نفس مجبور کرتا ہے کہ نہ مان تو سکون پیدا نہیں ہوگا لیکن اگر مان لیتا ہے تو سکون قلب پیدا ہو جاتا ہے کہ آدمی ایک راستے پر لگ گیا اسے پھر طمانیت اور بشاشت حاصل ہو جاتی ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۳)

الحمد للہ سورۃ الفرقان مکمل ہوئی

سورة الشعراء

جس نے خواب میں اسکی تلاوت کی اسکی تعبیر یہ ہے کہ اسکو رزق حاصل کرنے میں دقت ہوگی اور کوئی چیز بغیر مصیبت کے نہ پائے گا اور سفر کو دوست رکھے گا اور فائدہ کم اٹھائے گا۔ (علامہ ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الشُّعَرَاءِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَانِ وَسَبْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّاَحَدَ عَشَرَ رُكُوْعًا
سورۃ الشعراء مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی دو سو ستائیس آیتیں ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
طٰسٓمّٓ ○ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲
یہ آیتیں ہیں کھلی کتاب کی

اعجاز قرآن: یعنی اس کتاب کا اعجاز کھلا ہوا ہے۔ احکام واضح ہیں اور حق و باطل سے الگ کرنے والی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سورۃ کی فضیلت: حاکم نے مستدرک میں حضرت معقل بن یسارؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طٰہٰ اور طٰس والی سورتیں اور حٰم والی سورتیں مجھے الواح موسیٰ سے عطا کی گئیں۔

طٰسٓمّٓ کا معنی:

طٰسٓمّٓ بغوی نے بروایت عکرمہ بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا طٰسٓمّٓ کی تفسیر سے علماء عاجز ہیں۔ علی بن طلحہ والبی کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ قسم ہے اور اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے (یعنی اللہ نے اپنے اس نام کی قسم کھائی ہے) قتادہ نے کہا قرآن کے ناموں میں سے ایک نام طٰسٓمّٓ ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۳
شاید تو گھونٹ مارے اپنی جان اس بات پر کہ وہ یقین نہیں کرتے

امت کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دلسوزی:

یعنی ان بدبختوں کے غم میں اپنے کو اس قدر گھلانے کی ضرورت نہیں کیا ان کے پیچھے آپ اپنی جان کو ہلاک کر کے رہیں گے دلسوزی اور شفقت کی بھی آخر ایک حد ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بخع نفسهٗ اس نے غم میں اپنی جان ہلاک کر دی۔
بخاع پشت میں ایک رگ ہوتی ہے جو گردن میں بھی آتی ہے۔

نزول آیت کا زمانہ:

اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب اہل مکہ نے رسول اللہ کی تکذیب کی اور آپ کو یہ بات بہت شاق ہوئی کیونکہ حضور کو بہت زیادہ تمنا اور رغبت تھی کہ اہل مکہ مسلمان ہو جائیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضور کو اہل مکہ کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے اس بات کا غم ہو کہ کہیں خدا تعالیٰ مجھ سے اس کی باز پرس نہ کرے اس صورت میں یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پیام تسلی ہے۔ لعلّ کلمہ امید ہے لیکن اس جگہ رحم کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے یعنی اپنی جان پر آپ رحم کریں اور غم میں نہ پڑیں آپ اگر غم کریں گے تو شاید آپ غم کی وجہ سے اپنی جان ہلاک کر دیں۔ درحقیقت ہم ہی ان کا مومن ہونا نہیں چاہتے۔ (تفسیر مظہری)

آیت سے معلوم شدہ احکام:

اس آیت سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ کسی کافر کے بارے میں اگر یہ معلوم بھی ہو جائے کہ اس کی تقدیر میں ایمان لانا نہیں ہے تب بھی اس کو تبلیغ کرنے سے رکنا نہیں چاہیے، دوسرے یہ معلوم ہوا کہ مشقت میں اعتدال چاہیے اور جو شخص ہدایت نہ پائے اس پر زیادہ حزن و غم نہ کیا جائے۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ
اگر ہم چاہیں اتاریں ان پر آسمان سے ایک نشانی پھر رہ جائیں
اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۝۴
ان کی گردنیں اس کے آگے نیچی

حکمت الٰہی:

یعنی یہ دنیا ابتلاء کا گھر ہے جہاں بندوں کے انقیاد و تسلیم اور سرکشی کو آزمایا جاتا ہے۔ اسی لئے حکمت الٰہی مقتضی نہیں کہ ان کا اختیار بالکل سلب کر لیا جائے۔ ورنہ خدا چاہتا تو کوئی ایسا آسمانی نشان دکھلاتا کہ اس کے آگے زبردستی سب کی گردنیں جھک جاتیں۔ بڑے بڑے سرداروں کو بھی انکار و انحراف کی قدرت باقی نہ رہتی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا تو نہیں کیا، ہاں وہ نشان بھیجے جنہیں دیکھ کر آدمی حق کو سمجھنا چاہے تو بآسانی سمجھ سکے۔ اور کبھی کبھی مغلوب ہو کر گردن جھکانے سے مفر بھی نہ ملے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ
اور نہیں پہنچتی ان کے پاس کوئی نصیحت رحمٰن سے

مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ۝۵

نئی جس سے منہ نہیں موڑتے

محروم ہدایت لوگ:

یعنی آپ جن کے غم میں پڑے ہیں اُن کی حالت یہ ہے کہ رحمٰن اپنی رحمت وشفقت سے جب اُن کی بھلائی کے لئے کوئی پند ونصیحت بھیجتا ہے یہ اُدھر متوجہ نہیں ہوتے بلکہ مُنہ پھیر کر بھاگتے ہیں گویا کوئی بہت بُری چیز سامنے آگئی۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ جب یہ زمین کو اور اس کی روئیدگی کو دیکھ رہے ہیں اور توحید الٰہی اور قیامت کے وقوع کی نشانیاں ان کے سامنے ہیں تو مزید آیات کی طلب نہ کرنی چاہیے۔ (تفسیر مظہری)

فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۶

سو یہ تو جھٹلا چکے اب پہنچے گی اُن پر حقیقت اُس بات کی جس پر ٹھٹھے کرتے تھے

تکذیب وانکار کی سزا ملنے والی ہے:

یعنی صرف معمولی اعراض ہی نہیں۔ تکذیب واستہزا بھی ہے سو عنقریب دنیا اور آخرت میں اپنے کرتوت کی سزا بھگتیں گے۔ تب اُس چیز کی حقیقت کُھلے گی جس کا مذاق اُڑایا کرتے تھے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا

کیا نہیں دیکھتے وہ زمین کو کتنی اُگائیں ہم نے اُس میں

مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝۷ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

ہر ایک قسم کی خاصی چیزیں اس میں البتہ نشانی ہے

وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۸

اور اُن میں بہت لوگ نہیں ماننے والے

تھوڑا سا غور کر کے حق تک رسائی ممکن ہے:

یعنی یہ مکذبین اگر ایک پیش پا افتادہ زمین ہی کے احوال میں غور کرتے تو مبدا ومعاد کی معرفت حاصل کرنے کے لئے کافی ہو سکتی تھی۔ کیا دیکھتے نہیں کہ اسی کرکری اور حقیر مٹی سے کیسے عجیب وغریب رنگ برنگ پھول پھل اور قسم قسم کے غلے اور میوے ایک مضبوط نظام تکوین کے ماتحت پیدا ہوتے ہیں۔ کیا یہ اس کی دلیل نہیں کہ کسی لامحدود قدرت وحکمت رکھنے والے صانع نے اس پُر رونق چمن کی گلکاریاں کی ہیں جس کے قبضہ میں وجود کی باگ ہے اور وہ ہی جب چاہے اُسے ویران کر سکتا اور ویرانی کے بعد دوبارہ آباد کر سکتا ہے۔ پھر ان آیات تکوینیہ کو سمجھ لینے کے بعد آیات تنزیلیہ کی تصدیق میں کیا اشکال رہ جاتا ہے۔ ہاں ماننا ہی منظور نہ ہو تو الگ بات ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۹

اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا

قدرتِ الٰہی:

یعنی زبردست تو ایسا ہے کہ نہ ماننے پر فوراً عذاب بھیج سکتا تھا مگر رحم کھا کر تاخیر کرتا ہے کہ ممکن ہے اب بھی مان لیں۔

ربطِ مضامین: آگے عبرت کے لئے مکذبین کے چند واقعات بیان فرمائے ہیں جن سے ظاہر ہوگا کہ خدا نے اُن کو کہاں تک ڈھیل دی، جب کسی طرح نہ مانے تو پھر کیسے تباہ وبرباد کیا۔ اُن میں پہلا قصہ قوم فرعون کا ہے جو پیشتر سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ وغیرہ میں بالتفصیل گزر چکا۔ وہاں کے فوائد ملاحظہ کر لئے جائیں۔

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰

اور جب پکارا تیرے رب نے موسیٰ کو کہ جا اُس قوم گنہگار کے پاس

قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوْنَ ۝۱۱

قوم فرعون کے پاس کیا وہ ڈرتے نہیں

تم جا کر انہیں خدا کے غصہ سے ڈراؤ۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ یاد کرو:

یعنی اس واقعہ کو یاد کرو جب آپ کے رب نے موسیٰ کو پکارا تھا موسیٰ نے درخت کو اور (درخت سے اُٹھتی ہوئی) آگ کو دیکھا اس وقت اللہ نے ان کو ندا دی تھی۔

اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پیام تسکین ہے کہ آپ کافروں کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے اپنی جان کا نقصان نہ کریں اور اس وقت کو یاد کریں جب اللہ نے موسیٰ کو ندا دی تھی اور قوم فرعون کے پاس جا کر ہدایت کرنے کا حکم دیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝۱۲ وَيَضِيْقُ

بولا اے رب میں ڈرتا ہوں کہ مجھ کو جھٹلائیں اور رُک جاتا ہے

صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ۝۱۳

میرا جی اور نہیں چلتی ہے میری زبان سو پیغام دے ہارون کو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اندیشہ:

یعنی پوری بات سننے سے پہلے ہی جھٹلانا شروع کر دیں گے اور مجلس میں کوئی تائید کرنے والا نہ ہوگا۔ ممکن ہے اُس وقت ملول اور حزین ہو کر طبیعت رُک جائے، دل نہ کھلے اور زبان میں کچھ لکنت پہلے ہی سے ہے۔ تنگدل ہو کر بولنے میں زیادہ رُکاوٹ پیدا نہ ہو جائے اس لئے میری تقویت و تائید کے لئے اگر ہارون کو جو مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہیں، میرا شریک حال کر دیا جائے تو بڑی مہربانی ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ
اور ان کو مجھ پر ہے ایک گناہ کا دعویٰ

یعنی ایک قبطی کے خون کا دعویٰ جس کی تفصیل سورۂ قصص میں آئے گی۔ (تفسیر عثمانی)

فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ
سو ڈرتا ہوں کہ مجھ کو مار ڈالیں

یعنی دعوت و تبلیغ سے پہلے ہی میرا کام تمام نہ کر دیں کہ یہ وہی شخص ہے جو ہمارے آدمی کا خون کر کے بھاگا تھا۔ ایسی صورت میں فرض تبلیغ کس طرح ادا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ كَلَّا فَاذْهَبَا بِآيَاتِنَا إِنَّا مَعَكُمْ مُسْتَمِعُونَ
فرمایا کبھی نہیں تم دونوں جاؤ لے کر ہماری نشانیاں ہم ساتھ تمہارے سنتے ہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے تسکین و تسلی:

یعنی کیا مجال ہے کہ ہاتھ لگا سکیں۔ جاؤ اپنی استدعاء کے موافق ہارون کو بھی ساتھ لو اور ہمارے دیئے ہوئے معجزات و نشانات لے کر وہاں پہنچو۔ ان نشانات کے ساتھ ہوتے ہوئے تم کو کیا ڈر، اور نشان کیا ہم خود ہر موقع پر تمہارے ساتھ ہیں اور فریقین کی گفتگو سن رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ (١٦)
سو جاؤ فرعون کے پاس اور کہو ہم پیغام لے کر آئے ہیں پروردگار عالم کا
أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ (١٧)
یہ کہ بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو

آزادی بنی اسرائیل کا پروگرام:

بنی اسرائیل کا وطن حضرت ابراہیم کے زمانہ سے ملک شام تھا۔ حضرت یوسفؑ کے سبب سے مصر میں آ رہے، وہاں ایک مدت گزری۔ اب ان کو حق تعالیٰ نے ملک شام دینا چاہا۔ فرعون اُن کو نہ چھوڑتا تھا۔ کیونکہ اُن سے غلاموں کی طرح بیگار میں کام لیتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن کی آزادی کا مطالبہ فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کو دعوت:

بغوی نے لکھا ہے فرعون نے بنی اسرائیل کو چار سو برس غلام بنائے رکھا، اس زمانہ میں بنی اسرائیل کی تعداد چھ سو اسی ہزار تھی (یعنی چھ لاکھ اسی ہزار) غرض موسیٰ مصر کی طرف چلے ہارون وہاں موجود ہی تھے موسیٰ نے ہارون کو حکم الٰہی سے مطلع کیا۔ قصہ کی تفصیل میں آیا ہے کہ موسیٰ جب مصر کو لوٹ کر آئے تو اس وقت اونی چوغہ پہنے ہاتھ میں لاٹھی لئے لاٹھی کے سرے میں تو بڑا لٹکا ہوا (جس کے اندر کھانے پینے کا سامان تھا) اس ہئیت سے مصر میں داخل ہوئے۔ مصر میں آ کر اپنے گھر میں داخل ہوئے اور ہارون کو اطلاع دی کہ اللہ نے مجھے فرعون کے اور تمہارے پاس بھیجا ہے تمہارے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ ہم دونوں جا کر فرعون کو دعوت دیں یہ سن کر موسیٰ و ہارون کی ماں آ گئی اور چیخ پڑی کہنے لگی فرعون تو تجھے قتل کرنے کے لئے تیری تلاش میں ہے اگر تم لوگ اس کے پاس جاؤ گے تو وہ تم کو مروا ڈالے گا۔ حضرت موسیٰ نے اس کی ایک نہ مانی اور رات کو دونوں فرعون کے دروازہ پر جا پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ دربان جلے بکے ہو گئے اور گھبرا کر انہوں نے پوچھا، دروازہ پر کون ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ دربانوں نے اوپر سے جھانک کر دیکھا اور پوچھا تم دونوں کون ہو۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا، میں رب العالمین کا قاصد ہوں فوراً دربان نے فرعون سے جا کر کہا، ایک پاگل دروازے پر کھڑا کہہ رہا ہے میں رب العالمین کا قاصد ہوں۔ فرعون نے صبح تک یوں ہی چھوڑے رکھا۔ صبح ہوئی تو دونوں کو طلب کیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ دونوں فرعون کی طرف گئے لیکن سال بھر تک فرعون نے اپنے پاس آنے کی اجازت نہیں دی پھر دربان نے جا کر فرعون سے کہا یہاں ایک آدمی ہے جو کہہ رہا ہے کہ میں رب العالمین کا قاصد ہوں، فرعون نے کہا اندر آنے دو۔ ہم اس سے کچھ دل لگی ہی کریں گے۔ دونوں فرعون کے پاس پہنچے اور اللہ کا پیغام پہنچایا۔ فرعون حضرت موسیٰ کو پہچان گیا۔ کیونکہ آپ نے اسی کے گھر میں پرورش پائی تھی۔ (تفسیر مظہری)

در بہ بست و دشمن اندر خانہ بود   قصۂ فرعون زین افسانہ بود

رب العالمین کی طرف سے جو پیغام ہدایت لے کر تیرے پاس آیا ہوں۔ وہ تیری روحانی تربیت بلکہ روحانی حیات اور دائمی زندگی کا سامان ہے جس کے سامنے وہ چند روزہ تربیت جس کا تو مجھ پر احسان جتا رہا ہے ہیچ ہے، تو مر رہا ہے میں تیرے لئے ہدایت کا تریاق لے کر آیا ہوں ایک گھونٹ پی

لے زندہ ہو جائے گا۔ (معارف کاندھلوی)

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا
بولا کیا نہیں پالا ہم نے تجھ کو اپنے اندر لڑکا سا

فرعون کا جواب:

یعنی تو وہی نہیں جس کو ہم نے اپنے گھر میں بڑے ناز و نعم سے پالا پوسا اور پرورش کر کے اتنا بڑا کیا۔ اب تیرا یہ دماغ ہو گیا کہ ہم ہی سے مطالبات کرتا اور اپنی بزرگی منواتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿۱۸﴾
اور رہا تو ہم میں اپنی عمر میں سے کئی برس

اتنے برسوں تک کبھی یہ دعوے نہ کئے، اب یہاں سے نکلتے ہی رسول بن گئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ
اور کر گیا تو اپنی وہ کرتوت جو کر گیا

یعنی جو کرتوت کر کے بھاگا تھا (قبطی کا خون) اُسے ہم بھولے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾
اور تو ہے ناشکر

یعنی ہمارے سب احسانات بھلا کر لگا پیغمبری کے دعوے کرنے اُس وقت تو بھی (العیاذ باللہ) اُن ہی میں کا ایک تھا جن کو آج کافر بتلاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾
کہا کیا تو تھا میں نے وہ کام اور میں تھا چوکنے والا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عذر:

یعنی قبطی کا خون میں نے دانستہ نہیں کیا تھا، غلطی سے ایسا ہو گیا مجھے کیا خبر تھی کہ ایک مکا مارنے میں جو تادیب کے لئے تھا اُس کا دم نکل جائے گا۔ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ (قصص۔ رکوع ۲) (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں لفظ ضلال کا مفہوم

قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ فرعون کے اس سوال پر کہ تم نے اے موسیٰ ایک قبطی کو قتل کیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواباً فرمایا کہ ہاں میں نے قتل ضرور کیا تھا لیکن وہ قتل ارادۃً اور قصد سے نہ تھا بلکہ اس قبطی کو اس کی خطا پر متنبہ کرنے کے لئے گھونسہ مارا جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ خلاصہ یہ کہ نبوت کے منافی قتل عمد ہے اور یہ قتل بلا ارادہ ہوا تھا جو منافی نبوت نہیں، حاصل یہ ہوا کہ یہاں ضلال کا مطلب بے خبری ہے اور اس سے مراد قبطی کا بلا ارادہ قتل ہو جانا ہے، اس معنی کی تائید حضرت قتادہؒ اور ابن زیدؒ کی روایات سے بھی ہوتی ہے کہ دراصل عربی میں ضلال کے کئی معنی آتے ہیں، اور ہر جگہ اس کا مطلب گمراہی نہیں ہوتا۔ یہاں بھی اس کا ترجمہ گمراہ کرنا درست نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا
پھر بھاگا میں تم سے جب تمہارا ڈر دیکھا پھر بخشا مجھ کو میرے رب نے حکم
وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾
اور ٹھہرایا مجھ کو پیغام پہنچانے والا

دعوائے نبوت: یعنی بیشک میں خوف کھا کر یہاں سے بھاگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ مجھے نبوت و حکمت عطا فرمائے۔ اس نے اپنے فضل سے مجھے سرفراز کیا اور رسول بنا کر تمہاری طرف بھیجا۔ یہ بجائے خود میری صداقت کی دلیل ہے کہ جو شخص تم سے خوف کھا کر بھاگا ہو، پھر اس طرح بے خوف و خطر تنہا تمہارے سامنے آ کر ڈٹ جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾
اور کیا وہ احسان ہے جو تو مجھ پر رکھتا ہے کہ غلام بنایا تو نے بنی اسرائیل کو

فرعون کے احسان کا تجزیہ:

یعنی بچپن میں میری پرورش کا احسان جتلانا تجھے زیب نہیں دیتا کیا ایک اسرائیلی بچہ کی تربیت سے اس کا جواب ہو سکتا ہے کہ تو نے اس کی ساری قوم کو غلام بنا رکھا ہے۔ بالخصوص جبکہ اس بچہ کی تربیت بھی خود تیرے زہرہ گداز مظالم کے سلسلہ ہی میں وقوع پذیر ہوئی ہو۔ نہ تو بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کرتا، نہ خوف کی وجہ سے میری والدہ تابوت میں رکھ کر مجھے دریا میں چھوڑتی، نہ تیرے محل سرا تک رسائی ہوتی، ان حالات کا تصور کر کے تجھ کو ایسا احسان جتلاتے ہوئے شرمانا چاہئے اور صاف بات یہ ہے کہ جس پروردگار نے تجھ جیسے دشمن کے گھر میں میری پرورش کرائی اُسی نے آج تیری خیر خواہی کے لئے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ کی طرف سے یہ اقرار احسان ہے کہ تو نے مجھے زندہ چھوڑ دیا اور پالا، اور دوسرے اسرائیلی بچوں کی طرح قتل نہیں کرایا۔ گویا حضرت موسیٰ نے فرمایا، بیشک یہ تیرا احسان ہے جو تو مجھے جتلا رہا ہے کہ بنی اسرائیل کو

تو نے غلام بنائے رکھا اور مجھے چھوڑ دیا۔ غلام نہیں بنایا۔

بظاہر یہ اقرار نعمت ہے اور حقیقت میں انکار ہے، حضرت موسیٰ نے اول فرعون کی تردید و توبیخ کی اور پھر اس نعمت تربیت کی طرف کلام کا رخ کیا جس کا فرعون نے ذکر کیا تھا لیکن اس کا صراحۃً انکار نہیں کیا۔ کیونکہ فرعون نے واقع میں پالا ہی تھا بلکہ اس بات پر تنبیہ کی کہ یہ نعمت حقیقت میں احسان نہ تھی لیکن ظلم کے مقابلے میں یا ظلم کے نتیجے میں یہ نعمت تھی مجھ پر تیرا احسان نتیجہ تھا اس بات کا کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا ان کے لڑکوں کو تو قتل کراتا تھا اسی وجہ سے میں تیرے ہاتھ لگا اور تیرے پاس مجھے پہنچایا گیا اور تو نے میری پرورش و کفالت کی۔ اگر تو بنی اسرائیل کو حد سے زیادہ ذلیل نہ کرتا اور ان کے لڑکوں کو قتل نہ کراتا تو میرے گھر والے میری پرورش کرتے اور دریا میں مجھے نہ پھینکتے اور میں تیرے مکان میں نہ لایا جاتا۔ (تفسیر مظہری)

فرعون کا جواب:

تو نے مجھے اپنا بیٹا بنا کر میری پرورش کی۔ مجھے تو تو نے چھوڑ دیا اور میرے سوا ساری قوم کو غلام بنا لیا تو کیا اسی طرح کی اس چند روزہ پرورش سے میری نبوت و رسالت کو دفع کرنا چاہتا ہے میں نے اگر تیری چند روزہ نعمت تربیت کا کفران کیا ہے تو تو رب العالمین کی بے شمار نعمتوں کے کفران میں مبتلا ہے اور جس رب العالمین نے تجھ کو اور تیرے آباؤ اجداد کو پیدا کیا ہے۔ تو تو اسی رب العالمین کا کافر اور منکر بنا ہوا ہے اور جس رب العالمین نے تیری روحانی تربیت اور ہدایت کے لئے رسول بھیجا ہے تو تو اس کی ہی تکذیب اور کفر پر تلا ہوا ہے اور رب العالمین نے جو مجھے آب حیات دے کر بھیجا ہے تو اس کا ایک گھونٹ بھی پینے کے لئے تیار نہیں کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی کفران نعمت ہو سکتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾

بولا فرعون کیا معنی پروردگار عالم کا

ربّ العالمین کے متعلق فرعون کا سوال:

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے امتثال میں اپنے کو رب العالمین کا پیغمبر کہا، اُس پر فرعون جو د، تعنت اور ہٹ دھرمی کی راہ سے بولا کہ (العیاذ باللہ) رب العالمین کیا چیز ہوتی ہے، میری موجودگی میں کسی اور رب کا نام لینا کیا معنی رکھتا ہے کیونکہ اُس شقی ازلی کا دعویٰ تو اپنی قوم کے روبرو یہ تھا مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ (میں اپنے سوا تمہارے لئے کوئی معبود نہیں سمجھتا) اور اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (تمہارا بڑا پروردگار میں ہوں) چنانچہ اس کی قوم کے لوگ بعض تو انتہائی جہل و بلادت سے اور بعض خوف یا طمع سے اسی کی پرستش کرتے تھے۔ گو دل میں اس ملعون کو بھی خدا کی ہستی کا یقین تھا۔ جیسا کہ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ (بنی اسرائیل رکوع ۱۲) سے ظاہر ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (بطور تحقیق) کہنے لگا رب العالمین کیا چیز ہوتی ہے یعنی فرعون نے رب العالمین کی حقیقت دریافت کی اور ظاہر ہے کہ اللہ کی ذات مرکب نہیں ہے کہ اس کے اجزاء ذاتیہ حضرت موسیٰ بتا دیتے اور فرد کے صرف خصوصیات ہی بتائے جا سکتے ہیں (یعنی صرف تعریف بالخاصہ ہی ہوسکتی ہے) اس لئے حضرت موسیٰ نے جواب میں اللہ کے خصوصی افعال اور آثار کا ذکر کیا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ

کہا پروردگار آسمان اور زمین کا اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے

اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾

اگر تم یقین کرو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب:

یعنی آسمان و زمین کی سب چیزیں جس کے زیر تربیت ہیں وہ ہی رب العالمین ہے۔ اگر تمہارے قلوب میں کسی چیز پر بھی یقین لانے کی استعداد موجود ہو تو فطرۃ انسانی سب سے پہلے اس چیز کا یقین دلانے کے لئے کافی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾

بولا اپنے گرد والوں سے کیا تم نہیں سنتے ہو

فرعون کی چالاکی:

فرعون جان بوجھ کر بات کو رلانا چاہتا تھا اپنے حوالی موالی کو ابھارنے اور موسیٰ علیہ السلام کی بات کو خفیف کرنے کے لئے کہنے لگا، سنتے ہو، موسیٰ کیسی دور از کار باتیں کر رہے ہیں۔ کیا تم میں کوئی تصدیق کرے گا کہ میرے سوا آسمان و زمین میں کوئی اور رب ہے؟ (تفسیر عثمانی)

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾

کہا پروردگار تمہارا اور پروردگار تمہارے اگلے باپ دادوں کا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زور خطاب:

یعنی او احمق! میں جس رب العالمین کا ذکر کر رہا ہوں، وہ ہے جس نے خود تم کو اور تمہارے باپ دادوں کو پیدا کیا۔ اور جب تمہارا نام بھی نہ تھا اس

وقت زمین وآسمان کی تربیت وتدبیر کررہا تھا۔

قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾

بولا تمہارا پیغام لانے والا جو تمہاری طرف بھیجا گیا ضرور باؤلا ہے

فرعون کا دوسرا پینترا:

یعنی (العیاذ باللہ) کس دیوانہ کو رسول بنا کر بھیجا ہے جو ہماری اور ہمارے باپ دادوں کی خبر لیتا ہے۔ اور ہماری شوکت وحشمت کو دیکھ کر ذرا نہیں جھجکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دماغ عقل سے بالکل خالی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۗ

کہا پروردگار مشرق کا اور مغرب کا اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے

اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾

اگر تم سمجھ رکھتے ہو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک اور ناقابل انکار دلیل:

حضرت موسیٰ نے پھر ایک بات کہی جس طرح کی حضرت ابراہیم نے نمرود کے سامنے آخر میں کہی تھی۔ یعنی رب العالمین وہ ہے جو مشرق ومغرب کا مالک اور تمام سیارات طلوع وغروب کی تدبیر ایک محکم ومضبوط نظام کے موافق کرنے والا ہے۔ اگر تم میں ذرا بھی عقل ہو تو بتلا سکتے ہو کہ اس عظیم الشان نظام کا قائم رکھنے والا بجز خدا کے کون ہوسکتا ہے۔ کیا کسی کو قدرت ہے کہ اس کے قائم کئے ہوئے نظام کو ایک سیکنڈ کے لئے توڑ دے یا بدل ڈالے۔ یہ آخری بات سن کر فرعون بالکل مبہوت ہوگیا اور بحث وجدال سے گزر کر دھمکیوں پر اتر آیا۔ جیسا کہ آگے آتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ''حضرت موسیٰ ایک بات کہے جاتے تھے اللہ کی قدرتیں بتانے کو اور فرعون بیچ میں اپنے سرداروں کو ابھارتا تھا کہ ان کو یقین نہ آجائے۔'' (تفسیر عثمانی)

یعنی روزانہ دیکھتے ہو کہ اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اور گزشتہ دن کے محور کے علاوہ دوسرے محور پر چلاتا ہے یہاں تک کہ مغرب تک ایسے طریقہ سے پہنچا دیتا ہے جو انتظام کائنات کے لئے انتہائی مفید ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ اگر تم عقل رکھتے ہو تو سمجھ گئے ہوگے کہ جو جواب میں نے دیا ہے اس سے اعلیٰ جواب (اللہ کے بارے میں) ممکن نہیں۔

حضرت موسیٰ نے پہلے گفتگو میں نرمی کی تھی لیکن جب ان لوگوں کی طرف سے شدت محسوس کی تو ان ہی کے قول کی طرح اپنے کلام میں بھی درشتی اختیار کرلی۔

مغلوب جاہلوں کی عادت ہے کہ جب کوئی جواب بن نہیں پڑتا تو دھمکیاں دینے پر اتر آتے ہیں فرعون نے بھی ایسا ہی کیا۔ جب لاجواب ہوگیا تو۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ

بولا اگر تو نے ٹھہرایا کوئی اور حاکم میرے سوائے تو مقرر ڈالوں گا تجھ کو

مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾

قید میں

فرعون کی دہشت گردی:

اس مرتبہ فرعون نے اپنا مطلب صاف کہہ دیا کہ یہاں ''مصر'' میں کوئی اور خدا نہیں۔ اگر میرے سوا کسی اور معبود کی حکومت مانی تو یاد رکھو قید خانہ تیار ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بولا اگر میرے سوا تو نے کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں شامل کردوں گا۔

الْمَسْجُوْنِيْنَ میں الف لام عہدی ہے یعنی ان قیدیوں میں شامل کردوں گا جن کی حالت میرے قید خانے میں تجھے معلوم ہے۔ کلبی نے کہا فرعون کی قید کی حالت قتل سے بھی زیادہ سخت تھی، قیدی کو ایک تنہا اندھیری کوٹھری میں پھینک دیتا تھا، قیدی کو وہاں کچھ نظر نہ آتا تھا اور لڑھکتا ہوا زمین کے اندر چلا جاتا تھا۔ فرعون کو سخت عذاب دینے کی قدرت حاصل تھی اس سے اس نے اپنے رب ہونے پر استدلال کیا اور صانع عالم کا انکار کرنے لگا اس نے بطور تعجب اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ کہا تھا کہ میرے سوا کسی دوسرے الٰہ کا ہونا عجیب بات ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾

کہا اور اگر لے کر آیا ہوں تیرے پاس ایک چیز کھول دینے والی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک اور چیلنج:

یعنی فیصلہ میں ابھی جلدی نہ کر۔ یہ تو تیری باتوں کا جواب تھا اب ذرا وہ کھلے ہوئے نشان بھی دیکھ جن سے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور میری صداقت دونوں کا اظہار ہو۔ اگر ایسے نشان دکھلاؤں تو کیا پھر بھی تیرا فیصلہ یہ ہی رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ

بولا تو وہ چیز لا اگر تو سچ کہتا ہے پھر ڈال دیا اپنا عصا

فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۲﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا

سو اسی وقت وہ اژدہا ہوگیا صریح اور اندر سے نکالا اپنا ہاتھ سو

هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ

اسی وقت وہ سفید تھا دیکھنے والوں کے سامنے، بولا اپنے گرد کے سرداروں

اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۙ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ
ہے یہ تو کوئی جادوگر ہے پڑھا ہوا چاہتا ہے کہ نکال دے تم کو
مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾
تمہارے دیس سے اپنے جادو کے زور سے، سو اب کیا حکم دیتے ہو

فرعون کی بدحواسی:

یا تو خدائی کے دعوے تھے، یا اتنی جلد ایسا حواس باختہ ہوگیا کہ اپنے غلاموں اور پرستاروں کے احکام پر چلنے کے لئے آمادہ ہوگیا۔

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾
بولے ڈھیل دے اس کو اور اُس کے بھائی کو اور بھیج دے شہروں میں نقیب
يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ
لے آئیں تیرے پاس جو بڑا جادوگر ہو پڑھا ہوا پھر اکٹھے کئے جادوگر وعدہ پر
يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾
ایک مقرر دن کے

یعنی عید کے دن چاشت کے وقت۔

وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾
اور کہہ دیا لوگوں کو کیا تم بھی اکٹھے ہوگے
لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾
شاید ہم راہ قبول کر لیں جادوگروں کی اگر ہو اُن کو غلبہ

فرعون جادوگروں کا سہارا لینے لگا:

یعنی سب کو اکٹھا ہونا چاہئے۔ امید قوی ہے کہ ہمارے جادوگر غالب آئیں گے۔ اُس وقت ہم موسیٰ کی شکست اور مغلوبیت دکھلانے کے لئے اپنے ساحرین ہی کی راہ پر چلیں گے۔ گویا یہ ظاہر کرنا تھا کہ اس میں ہماری کوئی خودغرضی نہیں۔ جب مقابلہ میں ہمارا پلہ بھاری رہے گا تو انصافاً کسی کو ہمارے طریقہ سے منحرف ہونے کی گنجائش نہیں رہ سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

جادوگروں سے مراد ہیں وہ جادوگر جن کو فرعون نے موسیٰ کے مقابلے کے لئے بلوایا تھا۔ لعل امید ظاہر کرنے کے لئے آتا ہے اور امید کا لفظ اسی کی کر رہا ہے کہ جادوگروں سے مراد ہیں فرعون کے جمع کئے ہوئے جادوگر۔ (حضرت مؤلف نے کہا) جادوگروں سے مراد ہیں موسیٰ ہارونؑ اور ان کی قوم والے اور اتباع سے مراد ہے اتباع دینی۔ اس وقت امید کا (حقیقی اصل معنی مراد نہ ہوگا بلکہ) مطلب یہ ہوگا کہ اگر موسیٰ اور ہارون غالب ہو گئے تو شاید ہم ان کے دین پر چلنے لگیں، یعنی ہم ان کے دین پر نہیں چلیں گے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا
پھر جب آئے جادوگر کہنے لگے فرعون سے بھلا کچھ ہمارا حق بھی ہے
اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ
اگر ہو ہم کو غلبہ بولا البتہ اور تم اُس
اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾
وقت مقربوں میں ہوگے

فرعون کے جادوگر کرائے کے مزدور:

یعنی نہ صرف مالی انعام واکرام بلکہ تم میرے خاص مصاحبوں میں رہو گے۔ ان آیات کا مفصل بیان ''اعراف'' اور ''طٰہٰ'' میں گزر چکا ہے۔

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾
کہا اُن کو موسیٰ نے ڈالو جو تم ڈالتے ہو

جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چیلنج:

یعنی جب ساحرین نے کہا کہ موسیٰ تم پہلے اپنی لاٹھی ڈالتے ہو، یا ہم ڈالیں، اُس کے جواب میں فرمایا کہ تم ہی اپنی قوت خرچ کر دیکھو۔ (تفسیر عثمانی)

اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں سے کہا کہ آپ جو کچھ جادو دکھانا چاہتے ہو وہ دکھاؤ، اس پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کو جادو کا حکم دے رہے ہیں، لیکن ذرا سے غور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے جادو دکھانے کا حکم نہیں تھا بلکہ جو کچھ وہ کرنے والے تھے اس کا ابطال مقصود تھا لیکن اس کا باطل ہونا بغیر اس کے ظاہر کرنے کے ناممکن تھا اس لئے آپ نے ان کو اظہار جادو کا حکم دیا جیسے کہ ایک زندیق کو کہا جائے کہ تم اپنے زندقہ، اور بے دینی کے دلائل پیش کرو تا کہ میں ان کو باطل ثابت کر سکوں ظاہر ہے کہ اسے کفر پر رضامندی نہیں کہا جا سکتا۔ (معارف۔ مفتی اعظم)

فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ
پھر ڈالیں انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں اور بولے فرعون کے اقبال

اِنَّا لَنَحۡنُ الۡغٰلِبُوۡنَ ﴿۴۴﴾

بے ہماری ہی فتح ہے

جادوگروں نے فرعون کی قوت کا سہارا لیا:

بعض نے بعزۃ فرعون کو قسم کے معنی میں لیا ہے یعنی فرعون کے اقبال کی قسم ہم ہی غالب ہو کر رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

بِعِزَّةِ فِرۡعَوۡنَ یہ کلمہ ان جادوگروں کے لئے بمنزلہ قسم ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھی۔ افسوس کہ مسلمانوں میں بھی اب ایسی قسمیں رائج ہو گئی ہیں جو اس سے زیادہ شنیع اور قبیح ہیں مثلاً بادشاہ کی قسم، تیرے سر کی قسم، تیری ڈاڑھی کی قسم یا تیرے باپ کی قبر کی قسم، اس قسم کی قسمیں کھانا شرعاً جائز نہیں، بلکہ ان کے متعلق یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ خدا کے نام کی جھوٹی قسم کھانے میں جو گناہ عظیم ہے۔ ان ناموں کی سچی قسم بھی گناہ میں اس سے کم نہیں (کمالین اردو) (معارف مفتی اعظم)

فَاَلۡقٰی مُوۡسٰی عَصَاہُ فَاِذَا ہِیَ تَلۡقَفُ مَا یَاۡفِکُوۡنَ ﴿۴۵﴾

پھر ڈالا موسیٰ نے اپنا عصا پھر تب ہی وہ نگلنے لگا جو سانگ انہوں نے بنایا تھا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فتح:

شیخ اکبر نے لکھا ہے کہ خالی رسیاں اور لاٹھیاں رہ گئیں جو سانپوں کی صورتیں انہوں نے بنائیں تھیں، موسیٰ کا عصا ان کو نگل گیا۔

فَاُلۡقِیَ السَّحَرَۃُ سٰجِدِیۡنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۴۷﴾

پھر اوندھے گرے جادوگر سجدہ میں بولے ہم نے مان لیا جہان کے رب کو

رَبِّ مُوۡسٰی وَ ہٰرُوۡنَ ﴿۴۸﴾ قَالَ اٰمَنۡتُمۡ لَہٗ قَبۡلَ

جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا بولا تم نے اس کو مان لیا ابھی

اَنۡ اٰذَنَ لَکُمۡ ۚ اِنَّہٗ لَکَبِیۡرُکُمُ الَّذِیۡ عَلَّمَکُمُ السِّحۡرَ ۚ

میں نے حکم نہیں دیا تم کو مقرر وہ تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو سکھلایا جادو

فرعون کی سیاسی چالبازیاں:

یعنی موسیٰ تمہارا بڑا استاد ہے، آپس میں سازش کر کے آئے ہو کہ تم یہ کرنا، ہم یوں کہیں گے اور حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "تمہارا بڑا" کہا رب کو "یعنی موسیٰ اور تم ایک استاد کے شاگرد ہو" واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

یعنی فرعون کو یہ اندیشہ ہو گیا کہ لوگ جادوگروں کے ایمان لانے سے بہک جائیں گے اور خیال کرنے لگیں گے کہ جادوگروں کے سامنے حق کا ظہور ہو گیا اس لئے وہ ایمان لے آئے پس قوم کو دھوکہ دینے اور حقیقت کو مشتبہ بنانے کے لئے اس نے کہا کہ میری اجازت کے بغیر تم نے موسیٰ (کی اس کرشمہ سازی) کا یقین کر لیا۔ (تفسیر مظہری)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ:

یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ جادوگر جو عمر بھر جادوگری کے کفر میں مبتلا، اس پر مزید فرعون کے دعوائے خدائی کو ماننے والے اور اس کی پرستش کرنے والے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر اپنی پوری قوم کے خلاف، فرعون جیسے ظالم جابر بادشاہ کے خلاف ایمان کا اعلان کر دیں یہی ایک حیرت انگیز چیز تھی مگر یہاں تو صرف ایمان کا اعلان ہی نہیں بلکہ ایمان کا وہ گہرا رنگ چڑھ جانے کا مظاہرہ ہے کہ قیامت و آخرت گویا ان کے سامنے نظر آنے لگی۔ آخرت کی نعمتوں کا مشاہدہ ہونے لگا ہے جس کے مقابلے میں دنیا کی ہر سزا اور مصیبت سے بے نیاز ہو کر فَاقۡضِ مَاۤ اَنۡتَ قَاضٍ کہہ دیا یعنی جو تیرا جی چاہے کر لے ہم تو ایمان سے پھرنے والے نہیں۔ یہ بھی درحقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کا معجزہ ہے جو معجزہ عصا اور ید بیضاء سے کم نہیں، اسی طرح کے بہت سے واقعات ہمارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ظاہر ہوئے ہیں کہ ایک منٹ میں ستر برس کے کافر میں ایسا انقلاب آ گیا کہ صرف مؤمن ہی نہیں ہو گیا بلکہ غازی بن کر شہید ہونے کی تمنا کرنے لگا۔ (معارف مفتی اعظم)

فَلَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۬ؕ لَاُقَطِّعَنَّ اَیۡدِیَکُمۡ وَ اَرۡجُلَکُمۡ

سو اب معلوم کر لو گے البتہ کاٹوں گا تمہارے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں

مِّنۡ خِلَافٍ وَّ لَاُوصَلِّبَنَّکُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۴۹﴾ قَالُوۡا لَا ضَیۡرَ ۫

اور سولی پر چڑھاؤں گا تم سب کو بولے کچھ ڈر نہیں

اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا مُنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۵۰﴾

ہم کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے

جادوگروں کے ایمان کی پختگی:

یعنی بہر حال مر کر خدا کے یہاں جانا ہے اس طرح مریں گے، شہادت کا درجہ ملے گا، یہ سب مضامین "سورۂ اعراف" وغیرہ میں گزر چکے ہیں۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔

اِنَّا نَطۡمَعُ اَنۡ یَّغۡفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰیٰنَاۤ اَنۡ کُنَّاۤ

ہم غرض رکھتے ہیں کہ بخش دے ہم کو رب ہمارا تقصیریں ہماری اس واسطے

اَوَّلَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۵۱﴾

کہ ہم ہوئے پہلے قبول کرنے والے

یعنی موسیٰ علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ کے بعد بھرے مجمع میں ظالم فرعون کے روبرو سب سے پہلے ہم نے قبول حق کا اعلان کیا۔ اس سے اُمید ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ ہماری گزشتہ تقصیرات کو معاف فرمائے گا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ رات کو لے نکل میرے بندوں کو البتہ تمہارا پیچھا کریں گے

ہجرت کا حکم:

یعنی جب ایک مُدت مدید تک سمجھانے اور آیات دکھلاتے رہنے کے بعد بھی فرعون نے حق کو قبول نہ کیا اور "بنی اسرائیل" کا ستانا نہ چھوڑا، تو ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنی قوم کو لے کر رات میں یہاں سے ہجرت کر جاؤ۔ اور دیکھنا یہ فرعونی لوگ تمہارا پیچھا کریں گے (گھبرانا نہیں)۔

فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

پھر بھیجے فرعون نے شہروں میں نقیب

تعاقب کی تیاری:

تاکہ تمام قبطیوں کو جمع کر کے بنی اسرائیل کا تعاقب کرے۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾

یہ لوگ جو ہیں سو ایک جماعت ہے تھوڑی سی

فرعون کے دعوے:

یعنی ان تھوڑے سے آدمیوں نے تم کو تنگ کر رکھا ہے۔ حالانکہ ان کی ہستی کیا ہے، جو تمہارے مقابلہ میں عہدہ برآ ہوسکیں۔ یہ باتیں قوم کو غیرت اور جوش دلانے کے لئے کہیں۔

وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور وہ مقرر ہم سے دل جلے ہوئے ہیں

یا ہم کو غصہ دلا رہے ہیں معلوم ہوتا ہے ان کی کم بختی نے دھکا دیا ہے۔

وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور ہم سارے اُن سے خطرہ رکھتے ہیں

تو اس روز روز کے خطرہ کا قلع قمع ہی کر دو بعض مفسرین نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ ہماری بڑی جمعیت ہے جو محتاط یا مسلح ہے تو یہ الفاظ دل بڑھانے کے لئے ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾

پھر نکال باہر کیا ہم نے ان کو باغوں اور چشموں سے

وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾

اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے اسی طرح

فرعونیوں کی بدبختی:

یعنی اس طرح قبطی گھربار، مال و دولت، باغ اور کھیتیاں چھوڑ کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں ایک دم نکل پڑے۔ جنہیں پھر لوٹنا نصیب نہ ہوا۔ گویا اس تدبیر سے اللہ تعالیٰ نے اُن کو نکال باہر کیا۔ (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ ۭ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾

اسی طرح اور ہاتھ لگا دیں ہم نے یہ بنی اسرائیل کے

بنی اسرائیل کو مصر کا وارث بنا دیا:

یا تو اُس کے بعد ہی یہ چیزیں بنی اسرائیل کے ہاتھ لگیں اور یا ایک مدت بعد سلیمان علیہ السلام کے عہد میں جب ملک مصر بھی اُن کی سلطنت میں شامل ہوا۔ واللہ اعلم پہلے اس کے متعلق اختلاف گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ

پھر پیچھے پڑے اُن کے سورج نکلنے کے وقت پھر جب مقابل ہوئیں دونوں فوجیں

قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾

کہنے لگے موسیٰ کے لوگ ہم تو پکڑے گئے

دریائے قلزم کے کنارے پر:

یعنی بحر قلزم کے کنارہ پہنچ کر بنی اسرائیل پار ہونے کی فکر کر رہے تھے کہ پیچھے سے فرعونی لشکر نظر آیا گھبرا کر موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ اب ان کے ہاتھ سے کیسے بچیں گے۔ آگے سمندر حائل ہے اور پیچھے سے دشمن دبائے چلا آ رہا ہے۔

قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾

کہا ہرگز نہیں میرے ساتھ ہے میرا رب وہ مجھ کو راہ بتلائے گا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اطمینان علی اللہ:

یعنی گھبراؤ نہیں، اللہ کے وعدوں پر اطمینان رکھو، اُس کی حمایت و نصرت میرے ساتھ ہے۔ وہ یقیناً ہمارے لئے کوئی راستہ نکال دے گا۔ ناممکن ہے

کہ دشمن ہم کو پکڑ سکے۔

فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ
پھر حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ مار اپنے عصا سے دریا کو
فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿٦٣﴾
پھر دریا پھٹ گیا تو ہو گئی ہر پھانک جیسے بڑا پہاڑ

عصائے موسیٰ سے پانی میں راستے بن گئے:

پانی بہت گہرا تھا۔ بارہ جگہ سے پھٹ کر خشک راستے بن گئے بارہ قبیلے بنی اسرائیل کے الگ الگ اُن میں کو گزرے اور بیچ میں پانی کے پہاڑ کھڑے رہ گئے۔ (کذافی موضح القرآن)

وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ
اور پاس پہنچا دیا ہم نے اُسی جگہ دوسروں کو اور بچا دیا ہم نے موسیٰ کو اور جو
مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿٦٥﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿٦٦﴾
لوگ تھے اُس کے ساتھ سب کو پھر ڈبا دیا ہم نے اُن دوسروں کو

فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی:

یعنی فرعونی لشکر بھی قریب آ گیا اور دریا میں راستے بنے ہوئے دیکھ کر بنی اسرائیل کے بعد بے سوچے سمجھے گھس پڑا۔ جب تمام لشکر دریا کی لپیٹ میں آ گیا، فوراً خدا کے حکم سے پانی کے پہاڑ ایک دوسرے سے مل گئے۔ یہ قصہ پہلے گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۚ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٦٧﴾
اس چیز میں ایک نشانی ہے اور نہیں تھے بہت لوگ اُن میں ماننے والے

حق کی کامیابی کی دلیل:

یعنی جب اکثروں نے حق کو قبول نہ کیا تو آخر میں قدرت نے یہ نشان دکھلایا۔ جس سے صادقین اور مکذبین کے انجام کا دنیا ہی میں الگ الگ پتہ چل جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بلاشبہ اس میں (یعنی موسیٰ کو ساتھیوں سمیت بچا لینے اور فرعون کو ساتھیوں سمیت غرق کر دینے میں) کھلی ہوئی دلیل ہے (موسیٰ کی سچائی کی) اور ان میں (یعنی فرعون کے ساتھیوں میں) اکثر لوگ مؤمن نہ تھے۔ روایت میں آیا ہے کہ فرعون کے ساتھیوں میں سے صرف یہ لوگ ایمان لائے تھے آسیہ فرعون کی بی بی، ایک وہ شخص جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوا تھا یعنی خربیل اور اس کی بی بی اور مریم بنت ناموسیا۔ یہ مریم وہی عورت تھی جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کی نشاندہی کی تھی۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٦٨﴾
اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی:

یہ سنا دیا ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ مکہ کے فرعون بھی مسلمانوں کے پیچھے نکلیں گے لڑائی کو۔ پھر وطن سے باہر تباہ ہوں گے "بدر" کے دن جیسے فرعون تباہ ہوا۔ (موضح القرآن)

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ
اور سنا دے اُن کو خبر ابراہیم کی جب کہا اپنے باپ کو
وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٠﴾
اور اس کی قوم کو تم کس کو پوجتے ہو

دعوتِ ابراہیمی: یعنی یہ چیز کیا ہے جسے تم پوجتے ہو؟ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿٧١﴾
وہ بولے ہم پوجتے ہیں مورتوں کو پھر سارے دن انہی کے پاس لگے بیٹھے رہتے ہیں

قوم کا جواب:

یعنی تم ہمارے معبودوں کو جانتے نہیں جو ایسی تحقیر سے سوال کر رہے ہو۔ ہم ان مورتوں کو پوجتے ہیں اور اس قدر وقعت و عقیدت ہمارے دل میں ہے کہ دن بھر آسن جما کر ان ہی کو لگے بیٹھے رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

کہنے لگے ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور ہمیشہ ان ہی پر جمے رہتے ہیں (حضرت ابراہیم کا سوال مختصر تھا لیکن) فخر کے طور پر انہوں نے جواب کو طول دے دیا نَظَلُّ (کا لغوی ترجمہ ہے ہم دن کو ہوتے ہیں۔ لیکن یہ ترجمہ یہاں مناسب نہیں ہے اس لئے اس جگہ اس کا معنی ہے ہم ہمیشہ رہتے ہیں؟ بغوی نے لکھا ہے وہ لوگ دن میں بتوں کی پوجا کرتے تھے رات کو نہیں کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿٧٢﴾
کہا کچھ سنتے ہیں تمہارا کہا جب تم پکارتے ہو

حضرت ابراہیمؑ کا سوال:

یعنی اتنا پکارنے پر کبھی تمہاری بات سنتے ہیں؟ اگر نہیں سنتے (جیسا کہ

اُن کے جماد ہونے سے ظاہر ہے) تو پکارنا فضول ہے۔

> اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿۷۳﴾
>
> یا کچھ بھلا کرتے ہیں تمہارا یا بُرا

یعنی کیا پوجنے پر کچھ نفع یا نہ پوجنے کی صورت میں کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ ظاہر ہے جو اپنے اُوپر سے مکھی تک نہ اُڑا سکیں وہ دوسرے کو کیا نفع نقصان پہنچا سکیں گے؟ پھر ایسی عاجز و لایعقل چیز کو معبود بنانا کہاں کی عقلمندی ہے۔

> قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾
>
> بولے نہیں پر ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو یہی کام کرتے

قوم کا جواب:

یعنی ان منطقی بحثوں اور کج حجتیوں کو ہم نہیں جانتے، نہ ہماری عقیدت اور پرستش کا مدار ان باتوں پر ہے بس سو دلیلوں کی ایک دلیل یہ ہے کہ ہمارے بڑے اسی طرح کرتے چلے آئے۔ کیا ہم اُن سب کو احمق سمجھ لیں۔

> قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾
>
> کہا بھلا دیکھتے ہو جن کو پوجتے رہے ہو

> اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾
>
> تم اور تمہارے باپ دادے اگلے

یعنی ان کا پوجنا ایک پُرانی حماقت ہے، ورنہ جس کے اختیار اور قبضہ میں ذرہ برابر نفع نقصان نہ ہو اُس کی عبادت کیسی؟

> فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ
>
> سو وہ میرے غنیم ہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اعلانِ جنگ:

یعنی لو! میں بے خوف و خطر اعلان کرتا ہوں کہ تمہارے ان معبودوں سے میری لڑائی ہے میں ان کی گت بنا کر رہونگا وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ (انبیاء رکوع ۵) اگر ان میں کوئی طاقت ہے تو مجھ کو نقصان پہنچا دیکھیں۔ کما قال تعالیٰ فی موضع آخر وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْئًا الآیۃ (انعام۔ رکوع ۹) وقال نوح علیہ السلام فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ (یونس۔ رکوع ۸) وقال ہود (علیہ السلام) فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ (ہود۔ رکوع ۵) اور بعض مفسرین نے کہا کہ یہ نہایت موثر ولطیف پیرایہ میں مشرکین پر تعریض ہے۔ یعنی جن کی تم عبادت کر رہے ہو میں اُن کو اپنا دشمن سمجھتا ہوں۔ اگر نعوذ باللہ ان کی پرستش کروں تو سراسر نقصان ہے۔ اسی سے سمجھ لو کہ تم بھی ان کی عبادت کر کے نقصان اُٹھا رہے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اپنا دشمن کہنے سے در پردہ یہ مراد ہے کہ وہ تمہارے دشمن ہیں تم کو ان کی پوجا کرنے سے ایسا ضرر پہنچے گا جو کسی شخص کو اپنے دشمن سے نہیں پہنچتا۔ مہربان واعظ کی نصیحت کرنے کا یہ مؤثر طریقہ ہی ہے کہ پہلے وہ اپنی ذات کو مخاطب کرتا ہے اور مقصد ہوتا ہے دوسروں کو نصیحت کرنا۔ اسی قسم کا استعمال دوسری آیت میں آیا ہے فرمایا ہے وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ یعنی کیا وجہ کہ تم اپنے خالق کی عبادت نہ کرو۔

جمادات کی طرف دشمن ہونے کی نسبت مجازی ہے یا تو اس وجہ سے کہ وہ ضرر پہنچنے کا ذریعہ ہیں یا اس وجہ سے کہ قیامت کے دن وہ دشمن بن جائیں گے۔ (تفسیر مظہری)

> اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۷﴾
>
> مگر جہان کا رب

کہ وہ ہی میرا معبود دوست اور مددگار ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہل علم نے کہا کہ قوم ابراہیم بتوں کے ساتھ اللہ کی بھی عبادت کرتے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تمہارے سارے معبود سوائے رب العالمین کے میرے دشمن ہیں یا یوں کہا جائے کہ ان کے آباؤ اجداد میں سے کچھ لوگ اللہ کو مانتے اور اس کی عبادت کرتے تھے (ان دونوں صورتوں میں استثناء متصل ہوگا) (تفسیر مظہری)

> الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿۷۸﴾
>
> جس نے مجھ کو بنایا سو وہی مجھ کو راہ دکھلاتا ہے

اللہ تعالیٰ ہی خالق و راہنما ہے:

یعنی فلاح دارین کی راہ دکھاتا اور اعلیٰ درجہ کے فوائد و منافع کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ہر مخلوق کو زندگی کا دنیوی و اخروی راستہ وہی بتاتا ہے اللہ نے فرمایا ابتداء ایجاد سے انتہا موت تک پوری زندگی اللہ تخلیقی تدریجی رہنمائی فرماتا رہتا ہے تاکہ انسان مفید حیات چیزوں کو حاصل کرتا اور ضرر رساں چیزوں سے بچتا رہے۔ رحم کے اندر بچہ ماں کا فضول خون ناف کے ذریعہ سے چوسنا شروع کرتا ہے اور اس سفر کی انتہاء داخلہ جنت ہے یہ ساری رہنمائی اللہ ہی کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

> وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿۷۹﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ
>
> اور وہ جو مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوں

فَهُوَ يَشْفِينِ ۝ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ ۝

تو وہی شفا دیتا ہے اور وہ جو مجھ کو مارے گا پھر جلائے گا

راز، شافی اور زندگی وموت کا مالک اللہ ہی ہے

یعنی کھلانا پلانا، مارنا جلانا اور بیماری سے اچھا کرنا، سب اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہ ہی مجھے شفا عنایت کرتا ہے۔

ادب کا لحاظ: بیماری اور شفا دونوں کا خالق اللہ ہی ہے لیکن بلحاظ ادب مریض کرنے کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی۔ حضرت خضر کے قول کو نقل کیا ہے اور فرمایا فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا میں نے ارادہ کیا کہ اس کشتی کو عیب دار کر دوں۔ فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی بھرپور طاقت کو پہنچ جائیں (اول آیت میں ارادہ عیب کی نسبت حضرت خضر نے اپنی طرف کی تقاضاء ادب یہی تھا اور دوسری آیت میں ارادہ کی نسبت اللہ کی طرف کی تقاضا ء معرفت یہی تھا۔ مترجم

حضرت ابراہیم نے بیمار ہونے کو اپنا فعل اسی لحاظ سے بھی قرار دیا کہ (گو بیماری اللہ پیدا کرتا ہے مگر) ہر مصیبت جو انسان پر آتی ہے وہ اسی کے کرتوت کا نتیجہ ہوتی ہے۔

موت اور بیماری کا فرق

اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو بیان کرنا چاہتے تھے (اور بیمار کرنا نعمت نہیں اس لئے بیمار کرنے کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی) لیکن آئندہ آیت میں موت دینے کی نسبت اللہ کی طرف کی ہے گو بظاہر موت بھی سخت تکلیف کا نام ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ موت میں کوئی ضرر نہیں ہوتا وہ تو ایک غیر محسوس چیز ہے مرنے سے پہلے جو عوارض واسباب عارض ہوتے ہیں دکھ دینے والے تو وہ ہوتے ہیں ان کے بعد موت کا غیر محسوس درد ہوتا ہے ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ اہل کمال کے لئے موت تو دنیوی مصائب و آلام سے چھوٹنے اور لازوال راحت ونعمت حاصل ہونے کا ذریعہ ہے مشہور مقولہ ہے کہ موت ایک پل ہے جو حبیب کو حبیب کے پاس پہنچا دیتا ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ اچانک موت مومن کے لئے راحت اور کافر کے لئے مؤاخذہ ہے۔ رواہ احمد والبیہقی عن عائشہ مرفوعاً دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ہر مسلم کے لئے موت (گناہوں کا) کفارہ ہے۔ رواہ ابونعیم فی الحلیۃ والبیہقی بسند ضعیف عن انسؓ۔

پھر ایک عقلی بات یہ بھی ہے کہ موت عموماً کھانے پینے کی چیزوں میں (انتہائی) کمی (یا بیشی) کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یوں بھی اخلاط (سوداء صفراء بلغم، خون) اور عناصر (آگ پانی مٹی ہوا) کے درمیان انتہائی تضاد اور کیفیات کا اختلاف ہے ان کے باہمی اختلاط کے بعد اعتدال مزاجی اور معتدل کیفیت کا ظہور تو جبراً اللہ کی قدرت سے ہو جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ۝

اور وہ جو مجھ کو توقع ہے کہ بخشے میری تقصیر انصاف کے دن

یعنی کسی معاملہ میں بھول چوک یا اپنے درجہ کے موافق خطاء و تقصیر ہو جائے تو اُسی کی مہربانی سے معافی کی توقع ہو سکتی ہے کوئی دوسرا معاف کرنے والا نہیں۔ آگے حق تعالیٰ کے کمالات اور مہربانیوں کا ذکر کرتے کرتے حضرت ابراہیم نے غلبہ حضور سے دعاء شروع کر دی جو کمال عبدیت کے لوازم میں سے ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مقام عصمت کی وضاحت:

جھوٹ اور معصیت کا لزوم تو اس وقت ہوتا جب کہ وہ اپنے آپ کو معصوم اور ہر گناہ سے پاک سمجھتے ہوئے زبان سے کہتے کہ میں گناہگار، خطا وار ہوں مگر وہ تو اپنے آپ کو گناہوں سے پاک جانتے ہی نہ تھے (گو پاک تھے) واقعہ یہ ہے کہ صوفی جب مقام فقر وفناء کی تکمیل کر لیتا ہے تو وہ اپنی ہستی اور اپنے سارے کمالات کو حق تعالیٰ کی طرف سے عاریت سمجھتا ہے اور اپنے نفس کو معدوم محض تصور کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میرا نفس تو تمام شرور کا مبدء ہے اللہ نے فرمایا ہے مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ تم کو جو بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے پہنچتی ہے اور جو برائی پہنچتی ہے وہ تمہارے نفس کی طرف سے پہنچتی ہے۔ اس حالت میں اگر صوفی اپنے کو گناہگار کہتا ہے تو اس کو جھوٹ نہیں کہا جا سکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ:

ایک بار ظہر کی دو رکعتیں پڑھنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو ہو گیا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال کیا میں پوری نماز پڑھ چکا اسلئے سلام پھیر دیا) ذوالیدین (ایک صحابی تھے) نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا نماز میں قصر کر دیا گیا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے فرمایا اس میں سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ ذوالیدین نے عرض کیا (حضور) کچھ تو ہوا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا اس میں سے کوئی بات نہیں ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات ہرگز ہرگز نہ جھوٹ ہو سکتی ہے نہ گناہ ہاں نسیان ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دعا کی تھی رَبِّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي اے میرے رب میرے قصور کو معاف فرما دے اس دعا کی بنیاد بھی انکسارِ نفس ہے اور چونکہ یہ امر ہے اور امر انشاء

کی قسم ہے اسلئے اس میں کذب کا احتمال بھی نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

بندہ ہمان بہ کہ ز تقصیر خویش عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوند لیش کس نتواند کہ بجا آورد

رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿٨٣﴾

اے میرے رب دے مجھ کو حکم اور ملا مجھ کو نیکوں میں

حضرت ابراہیمؑ کی دُعاء:

یعنی مزید علم و حکمت اور درجات قرب و قبول مرحمت فرما، اور اعلیٰ درجہ کے نیکوں کے زمرہ میں (جو انبیاء علیہم السلام ہیں) شامل رکھ۔ کما قال نبینا صلی اللہ علیہ وسلم "اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی" اس دعاء سے اپنی کامل احتیاج اور حق تعالیٰ کی عنایت کا اظہار مقصود ہے یعنی نبی ہو یا ولی، اللہ تعالیٰ کسی کے معاملہ میں مجبور و مضطر نہیں، ہمہ وقت اُس کے فضل و رحمت سے کام چلتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿٨٤﴾

اور رکھ میرا بول سچا پچھلوں میں

یعنی ایسے اعمال مرضیہ اور آثار حسنہ کی توفیق دے کہ پیچھے آنے والی نسلیں ہمیشہ میرا ذکر خیر کریں اور میرے راستہ پر چلنے کی طرف راغب ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آخر زمانہ میں میرے گھرانے سے نبی ہو اور اُمت ہو، اور میرا دین تازہ کریں۔ چنانچہ یہی ہوا کہ حق تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو دنیا میں قبول عام عطا فرمایا اور اُن کی نسل سے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا جنہوں نے ملت ابراہیمی کی تجدید کی اور یہ فرمایا کہ میں ابراہیمؑ کی دعاء ہوں، آج بھی ابراہیمؑ کا ذکر خیر اہل ملل کی زبانوں پر جاری ہے اور اُمت محمدیہ تو ہر نماز میں "کما صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ" اور "کما بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ" پڑھتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی میری اچھی تعریف اور بھلائی کا ذکر اور قبولِ عام آئندہ لوگوں کی زبانوں پر کر دے (کہ سب مجھے اچھا کہیں کوئی برائی کے ساتھ میرا ذکر نہ کرے) یا یہ مطلب ہے کہ آنے والی امتیں اگر میری ثناء کریں تو وہ سچی ہو (میری غیر واقعی اور غلط تعریف نہ کریں)۔ (تفسیر مظہری)

وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ﴿٨٥﴾

اور کر مجھ کو وارثوں میں نعمت کے باغ کے

یعنی جنت کا جو آدم کی میراث ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاغْفِرْ لِاَبِیْۤ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿٨٦﴾

اور معاف کر میرے باپ کو وہ تھا راہ بھولے ہوؤں میں

ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دعاء باپ کی موت کے بعد کی۔ مگر دوسری جگہ تصریح آ گئی کہ جب اُس کا دشمن خدا ہونا ظاہر ہو گیا تو براءت اور بیزاری کا اظہار فرمایا۔ کما قال تعالیٰ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ (توبہ۔ رکوع۱۴) اور اگر اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ میں کان کا ترجمہ تھا کے بجائے ہے سے کیا جائے پھر کوئی اشکال نہیں۔ کیونکہ زندگی میں ایمان لے آنے کا امکان تھا۔ تو دعاء کا حاصل یہ ہے کہ الٰہی اس کو ایمان سے مشرف فرما کر کفر کے زمانہ کی خطائیں معاف فرما دے۔ اس کی قدرے مفصل تحقیق پہلے کسی جگہ گزر چکی ہے۔ فلیراجع۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابراہیم کا والد کیلئے استغفار:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے ان کی زندگی میں استغفار اس نیت اور خیال سے کی تھی کہ اللہ رب العزت ان کو ایمان لانے کی توفیق دے جس کے بعد مغفرت یقینی ہے یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ خیال تھا کہ میرا باپ خفیہ طور پر ایمان لے آیا ہے اگرچہ اس کا اظہار اور اعلان نہیں کیا لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ میرا باپ تو کفر پر مرا ہے تو انہوں نے اپنی پوری بیزاری اور براءۃ کا اظہار فرمایا۔

(فائدہ) اس بات کی تحقیق کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو باپ کا کفر اور شرک اپنے باپ کی زندگی میں معلوم ہو گیا تھا یا مرنے کے بعد یا قیامت کے روز ہو گا، اس کی پوری تفصیل سورہ توبہ میں مذکور ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ﴿٨٧﴾ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ

اور رسوا نہ کر مجھ کو جس دن سب جی کر اٹھیں جس دن نہ کام آئے کوئی مال

وَّلَا بَنُوْنَ ﴿٨٨﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴿٨٩﴾

اور نہ بیٹے مگر جو کوئی آیا اللہ کے پاس لے کر دل چنگا

پاک دل:

یعنی بھلا چنگا بے روگ دل جو کفر و نفاق اور فاسد عقیدوں سے پاک ہو گا وہ ہی وہاں کام دے گا۔ نرے مال و اولاد کچھ کام نہ آئیں گے۔ اگر کافر چاہے کہ قیامت میں مال و اولاد فدیہ دے کر جان چھڑا لے، تو ممکن نہیں۔ یہاں کے صدقات و خیرات اور نیک اولاد سے بھی کچھ نفع کی توقع اُسی وقت ہے جب اپنا دل کفر کی پلیدی سے پاک ہو۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں اور منافقوں کی رسوائی:

شیخین نے صحیحین میں خود حضرت ابن عمر کا بیان نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا مجھ سے دریافت کیا گیا کہ (قیامت کے دن اللہ جو بعض بندوں سے

کچھ چپکے چپکے فرمائے گا جس کی دوسروں کو اطلاع نہ ہوگی اس) سرگوشی کے متعلق آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سنا ہے۔ میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ تم میں سے بعض لوگ اپنے رب کے قریب ہو جائیں گے یہاں تک کہ وہ ان پر اپنا پردہ ڈال دے گا اور فرمائے گا کیا تو نے ایسا ایسا کیا تھا۔ بندہ عرض کرے گا جی ہاں جی ہاں۔ اللہ فرمائے گا میں نے دنیا میں تیرے اس عمل پر پردہ ڈالے رکھا تھا اور آج معاف کرتا ہوں پھر اس کی نیکیوں کی تحریر سیدھے ہاتھ میں دے دی جائے گی۔ البتہ کافروں اور منافقوں کو سب کے سامنے علی الاعلان پکارا جائے گا۔ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر دروغ تراشی کی تھی۔ آگاہ ہو جاؤ کہ ان ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔

شرک اور شک سے پاک دِل:

سلیم سے مراد شرک اور شک سے پاک دل ہے گناہوں سے پاک ہونا مراد نہیں ہے کیونکہ کوئی شخص بھی (لغزش یا چھوٹے بڑے ہر قسم کے) گناہ سے پاک نہیں ہے۔ بغوی نے لکھا ہے یہی قول اکثر اہلِ تفسیر کا ہے۔

بدعت سے پاک دِل:

سعید بن جبیر نے کہا سلیم (تندرست صحت مند) دل مومن کا ہے اور بیمار دل کافر اور منافق کا (اس قول پر آیت میں ہر مومن مراد ہوگا) ابو عثمان نیشا پوری نے کہا سلیم (سالم۔ خالی) دل اس کا ہے جو ہر بدعت سے خالی ہو اور سنت پر قائم ہو یعنی (آیت میں) اہلِ سنت والجماعت (مراد ہیں)

کافر کو کوئی چیز فائدہ نہ دے گی:

آیت کا تفسیری مطلب یہ ہے کہ اس روز مال اور اولاد کسی کو فائدہ نہیں پہنچائے گی۔ ہاں مومن کو فائدہ پہنچائے گی۔ اس صورت میں مستثنیٰ مفرغ ہوگا یا یہ مطلب ہے کہ کسی کا مال واولاد مفید نہ ہوگی ہاں مومن کا مال اور اولاد کام آئے گی۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ کافر خواہ اپنے قرابتداروں کے لئے کتنا ہی مال صرف کر دے اور کتنے ہی مسکینوں کو کھانا کھلائے کچھ بھی اس کے کام نہ آئے گا نہ اولاد اس کے کام آئے گی خواہ اس کی اولاد صلحاء اور انبیاء ہی ہوں مگر کافر کی کوئی شفاعت نہیں کرے گا نہ اس کے لئے معافی کا طلبگار ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

تندرست دِل:

دوسری بات یہ ہے کہ قلب سلیم کے لفظی معنے تندرست دل کے ہیں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ قلب ہے، جو کلمہ توحید کی گواہی دے اور شرک سے پاک ہو، یہی مضمون مجاہد حسن بصری سعید بن مسیب سے بعنوان مختلف منقول ہے۔ سعید بن مسیب نے فرمایا کہ تندرست دل صرف مومن کا ہو سکتا ہے، کافر کا دل بیمار ہوتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿۹۰﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ۙ﴿۹۱﴾
اور پاس لائیں بہشت کو واسطے ڈر والوں کے اور نکالیں دوزخ کو سامنے بے راہوں کے

جنت و دوزخ کا نظارہ: یعنی محشر میں جنت مع اپنی انتہائی آرائش و زیبائش کے متقین کو قریب نظر آئے گی۔ جسے دیکھ کر داخل ہونے سے پہلے ہی مسرور و محظوظ ہوں گے۔ اسی طرح دوزخ کو مجرموں کے پاس لے آئیں گے تا داخل ہونے سے پیشتر ہی خوف کھا کر لرزنے لگیں۔

وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۙ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اور کہیں اُن کو کہاں ہیں جن کو تم پوجتے تھے اللہ کے سوائے
هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾
کیا کچھ مدد کرتے ہیں تمہاری یا بدلہ لے سکتے ہیں

فرضی معبود کہاں ہیں: یعنی اب وہ فرضی معبود کہاں گئے کہ نہ تمہاری مدد کر کے اس عذاب سے چھڑا سکتے ہیں نہ بدلہ لے سکتے ہیں بلکہ خود اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے۔

فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ
پھر اوندھے ڈالیں اُس میں ان کو اور سب بے راہوں کو اور ابلیس کے لشکر کو
اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾
سبھوں کو کہیں گے جب وہ وہاں باہم جھگڑنے لگیں
تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۷﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ
قسم اللہ کی ہم تھے صریح غلطی میں جب ہم تم کو برابر کرتے تھے
بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾
پروردگار عالم کے، اور ہم کو راہ سے بہکایا سو ان گنہگاروں نے
فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾
پھر کوئی نہیں ہماری سفارش کرنے والے اور نہ کوئی دوست محبت کرنیوالا

انجام کار سب باطل پرستوں کا آپس میں جھگڑا:

یعنی بت اور بت پرست اور ابلیس کا سارا لشکر، سب کو دوزخ میں اوندھے منہ گرا دیا جائے گا۔ وہاں پہنچ کر آپس میں جھگڑیں گے۔ ایک دوسرے کو الزام دے گا اور آخر کار اپنی گمراہی کا اعتراف کریں گے کہ واقعی ہم سے بڑی سخت

غلطی ہوئی کہ تم کو (یعنی بتوں کو یا دوسری چیزوں کو جنہیں خدائی کے حقوق و اختیارات دے رکھے تھے) رب العالمین کے برابر کر دیا۔ کیا کہیں یہ غلطی ہم سے ان بڑے شیطانوں نے کرائی، اب ہم اس مصیبت میں گرفتار ہیں نہ کوئی بت کام دیتا ہے نہ شیطان مدد کو پہنچتا ہے۔ وہ خود ہی دوزخ کے کندے بن رہے ہیں۔ کوئی اتنا بھی نہیں کہ خدا کے یہاں ہماری سفارش کر دے یا کم از کم اس آڑے وقت میں کوئی دوست دلسوزی و ہمدردی ہی کا اظہار کرے۔ سچ ہے اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ (زخرف۔ رکوع ۹)
(تفسیر عثمانی)

نکتہ: شافعین کو جمع اور صدیق کو مفرد ذکر کرنے کی چند وجوہ ہو سکتی ہیں۔
(۱) عام طور پر سفارشی تو بہت ہو جاتے ہیں اور سچا دوست کم ہی ملتا ہے۔
(۲) جتنی کوشش متعدد سفارشی کرتے ہیں ان سب سے زیادہ لگن کے ساتھ ایک دوست کوشش کرتا ہے۔
(۳) صدیق کا اطلاق واحد پر بھی ہوتا ہے اور جمع پر بھی۔

کافر کو گہری دوستی بھی کام نہ آئے گی:

اس روز گہرے دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے ہاں متقی (باہم دشمن نہ ہوں گے) بغوی نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی روایت سے بیان کیا۔ حضرت جابر نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ آدمی جنت کے اندر کہے گا میرا فلاں دوست کیا ہوا (کہاں گیا) اس وقت اس جنتی کا دوست جہنم میں ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۲﴾
سو کسی طرح ہم کو پھر جانا ملے تو ہم ہوں ایمان والوں میں

کافروں کی ناکام حسرت:

یعنی اگر ایک مرتبہ ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس جانے کا موقع دیا جائے تو اب وہاں سے پکے ایماندار بن کر آئیں لیکن یہ کہنا بھی جھوٹ ہے۔ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (انعام رکوع ۳)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۳﴾
اس بات میں نشانی ہے اور بہت لوگ اُن میں نہیں ماننے والے

قصہ ابراہیمؑ کا سبق:

یعنی ابراہیمؑ کے اس قصہ میں توحید وغیرہ کے دلائل اور مشرکین کا عبرتناک انجام دکھلایا گیا ہے مگر لوگ کہاں مانتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)
حضرت ابراہیم اپنی قوم پر کس قدر مہربان تھے۔ بیان قرآنی میں اس کی کیسی اعلیٰ تصویر پیش کی ہے اور نفس واقعہ کی کیسی تصویر کشی کی ہے وعدہ وعید کو بھی بطور نقل بیان کیا ہے لیکن در پردہ تاکہ سننے والے گوش قبول سے اس کو سنیں اور نفرت نہ کریں پھر اس بیان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی بھی واضح دلیل اور کھلا ہوا ثبوت موجود ہے (کہ آپ باوجود امی ہونے کے ہزاروں سال پرانا واقعہ کس قدر خوبصورتی اور صداقت کے ساتھ بیان کر رہے ہیں اگر یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بیان کردہ نہیں ہے تو اور کیا ہے) (تفسیر مظہری)

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۰۴﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ
اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا جھٹلایا نوح کی قوم نے
الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۰۶﴾
پیغام لانیوالوں کو جب کہا ان کو ان کے بھائی نوح نے کیا تم کو ڈر نہیں
اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۰۷﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۰۸﴾
میں تمہارے واسطے پیغام لانیوالا ہوں معتبر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

حضرت نوحؑ کی دعوت:

یعنی نہایت صدق وامانت کے ساتھ حق تعالیٰ کا پیغام بلاکم وکاست تم کو پہنچاتا ہوں۔ لہٰذا واجب ہے کہ پیغام الٰہی سن کر خدا سے ڈرو۔ اور میرا کہا مانو۔ (تفسیر عثمانی)

ایک پیغمبر کا انکار سب کا انکار ہے:

روایات میں آیا ہے کہ حسن بصریؒ سے دریافت کیا گیا۔ ابو سعید یہ تو بتایئے کہ اللہ نے كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ الْمُرْسَلِیْنَ كَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِیْنَ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِیْنَ فرمایا ہے باوجودیکہ ان میں سے ہر قوم نے صرف اپنے ہی ایک پیغمبر کی تکذیب کی کیونکہ ان کی ہدایت کے لئے ایک ہی پیغمبر کو بھیجا گیا تھا۔ حسن بصری نے فرمایا ہر دوسرا پیغمبر انہی (عقائد واعمال) کی تعلیم لے کر آیا جس کے لئے پہلا پیغمبر آیا اور جب انہوں نے ایک پیغمبر کی تکذیب کی تو حقیقت میں سب کی تکذیب کی۔ (تفسیر مظہری)

وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ
اور مانگتا نہیں میں تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے
اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾
اسی پروردگار عالم پر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

پیغمبر بے لوث ہوتا ہے:

یعنی ایک بے غرض اور بے لوث آدمی کی بات ماننی چاہیئے۔ (تفسیر عثمانی)

طاعات پر اُجرت لینے کا حکم:

وَمَآ اَسْـَٔلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم اور تبلیغ پر اجرت لینا درست نہیں ہے اس لئے سلف صالحین نے اجرت لینے کو حرام کہا ہے لیکن متاخرین نے اس کو بحالت مجبوری جائز قرار دیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَکَ وَاتَّبَعَکَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

بولے کیا ہم تجھ کو مان لیں اور تیرے ساتھ ہو رہے ہیں کمینے

قوم کے سرداروں کا اعتراض:

یعنی تھوڑے سے کمینے اور نیچ قوم کے لوگ اپنی نمود کے لئے تیرے ساتھ ہو گئے ہیں، بھلا یہ کیا اونچے کام کریں گے اور ہمارا افضل و اشرف کب اجازت دے سکتا ہے کہ ان کمینوں کے دوش بدوش تمہاری مجلس میں بیٹھا کریں، پہلے تو آپ ان کو اپنے یہاں سے کھسکائیے پھر ہم سے بات کرنا۔ (تفسیر عثمانی)

قوم نوح کا احمق پن:

بغوی نے ترجمہ کیا ہے نچلے طبقہ والے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا سنار عکرمہ نے کہا کپڑا بننے والے اور موچی۔ قوم نوح کے یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ وہ بہت خفیف العقل احمق تھے ان کے پیش نظر صرف حقیر متاع دنیا تھا وہ نادار مومنوں کے متعلق یہی رائے رکھتے تھے کہ صرف مال کے لالچ اور کچھ اونچا اٹھنے کے لئے وہ ایمان لائے ہیں۔ غور وخوض اور فکر و بصیرت کے بعد مسلمان نہیں ہوئے ان لوگوں کا تمہاری دعوت قبول کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ تمہاری دعوت و نصیحت غلط اور باطل ہے ایسے کمینوں کے ساتھ ہم کیسے ایمان لا سکتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ وَمَا عِلْمِیْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ اِنْ حِسَابُہُمْ

کہا مجھ کو کیا جاننا ہے اُس کا جو کام وہ کر رہے ہیں اُن کا حساب پوچھنا

اِلَّا عَلٰی رَبِّیْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۴﴾

میرے رب کا ہی کام ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو اور میں ہانکنے والا نہیں ایمان لانے والوں کو

غریبوں کو دھکے نہیں دیے جا سکتے:

یعنی مجھے اُن کا صدق و ایمان قبول ہے۔ ان کے پیشے یا نیت اور اندرونی کاموں کے جاننے سے کیا مطلب۔ اس کا فیصلہ اور حساب تو پروردگار کے یہاں ہوگا۔ باقی میں تمہاری خاطر سے غریب ایمانداروں کو اپنے پاس سے دھکے نہیں دے سکتا۔

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۱۵﴾

میں تو بس یہی ڈر سنا دینے والا ہوں کھول کر

یعنی میرا فرض تم کو آگاہ کر دینا تھا سو کر چکا، تمہاری لغو فرمائشیں پوری کرنا میرے ذمہ نہیں۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَہِ یٰنُوْحُ لَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِیْنَ ﴿۱۱۶﴾

بولے اگر تو نہ چھوڑے گا اے نوح تو ضرور سنگسار کر دیا جائے گا

قوم والوں کی دھمکی:

یعنی بس اب ہم کو اپنی نصیحت سے معاف رکھو، اگر اس روش سے باز نہ آئے تو سنگسار کئے جاؤ گے۔

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ کَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَبَیْنَہُمْ فَتْحًا

کہا اے رب میری قوم نے تو مجھ کو جھٹلایا سو فیصلہ کر دے میرے ان کے بیچ میں کسی طرح کا فیصلہ

حضرت نوح علیہ السلام کی دُعاء:

یعنی میرے اور اُن کے درمیان عملی فیصلہ فرما دیجئے۔ اب ان کے راہ راست پر آنے کی توقع نہیں۔

وَّنَجِّنِیْ وَمَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۸﴾

اور بچا لے مجھ کو اور جو میرے ساتھ ہیں ایمان والے

یعنی مجھ کو اور میرے ساتھیوں کو الگ کر کے ان کا بیڑا غرق کر۔

فَاَنْجَیْنٰہُ وَمَنْ مَّعَہٗ فِی الْفُلْکِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾

پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے اس لدی ہوئی کشتی میں

ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِیْنَ ﴿۱۲۰﴾

پھر ڈبا دیا ہم نے اس کے پیچھے اُن باقی رہے ہوؤں کو

اس قصہ کی تفصیل پہلے کئی جگہ گزر چکی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ؕ وَمَا کَانَ اَکْثَرُہُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۱﴾

البتہ اس بات میں نشانی ہے اور ان میں بہت لوگ نہیں ہیں ماننے والے

وَاِنَّ رَبَّکَ لَہُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۲۲﴾ کَذَّبَتْ عَادُ

اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا جھٹلایا عاد نے

الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لَہُمْ اَخُوْہُمْ ہُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

پیغام لانے والوں کو جب کہا اُن کو اُن کے بھائی ہود نے کیا تم کو ڈر نہیں

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۲۵﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۱۲۶﴾

میں تمہارے پاس پیغام لانے والا معتبر ہوں سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ

اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے اسی جہان کے

رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۲۷﴾ أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ﴿۱۲۸﴾

مالک پر کیا بناتے ہو ہر اونچی زمین پر ایک نشان کھیلنے کو

وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ﴿۱۲۹﴾

اور بناتے ہو کاریگریاں شاید تم ہمیشہ رہو گے

قوم عاد کی عمارت پرستی:

ان لوگوں کو بڑا شوق تھا اونچے مضبوط منارے بنانے کا جس سے کچھ کام نہ نکلے، مگر نام ہو جائے اور رہنے کی عمارتیں بھی بڑے تکلف کی بناتے تھے مال ضائع کرنے کو۔ اُن میں بڑی کاریگریاں دکھلاتے گویا یہ سمجھتے تھے کہ ہمیشہ یہیں رہنا ہے اور یہ یادگاریں اور عمارتیں کبھی برباد نہ ہوں گی۔ لیکن آج دیکھو تو ان کے کھنڈر بھی باقی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

کبوتر بازی:

سعید بن جبیر نے کہا قوم عاد والے کبوتر بازی کرتے تھے کبوتروں کے لئے انہوں نے برج بنا رکھے تھے۔ حضرت ہودؑ نے ان کے اس فعل کو پسند نہیں کیا اور ان برجوں کے بنانے کو لغو قرار دیا اس کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں تعبثون آیا ہے یعنی تم لوگ ان سے کھیلتے ہو۔

ذلّت والا کام:

میں کہتا ہوں کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ یادگار قائم رکھنے کے لئے محلات اونچی عمارتیں اور قلعے تعمیر کرتے تھے دنیا پرستوں کا شیوہ ہی یہی ہے۔ اس کی غرض یہ ہوتی تھی کہ ہمیشہ ان عمارتوں کو بنانے والوں کی یادگار باقی رہے۔ اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا۔ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے رب نے بڑی بڑی لاٹیں بنانے والی عاد ارم کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ چونکہ یہ عمل فضول اور بے نتیجہ تھا اس لئے حضرت ہودؑ نے اس کو پسند نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ تعمیری عمل پسند نہیں تھا اسی لئے حضور اقدس نے ارشاد فرمایا جب اللہ کسی بندہ کی برائی چاہتا ہے تو کچی اینٹوں اور گارے میں اس کی ہمت کو محصور کر دیتا ہے کہ وہ عمارتیں بنانے لگتا ہے۔ رواہ الطبرانی بسند جید من حدیث جابر۔

لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں بیان فرمایا کہ اس آیت میں لعل تشبیہ کے لئے ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے ترجمہ یہ فرمایا كَأَنَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ یعنی گویا تم ہمیشہ رہو گے (کمافی الروح)۔

بلاضرورت عمارت بنانا مذموم ہے:

اس آیت سے ثابت ہوا کہ بغیر ضرورت کے مکان بنانا اور تعمیرات کرنا شرعاً برا ہے۔ اور یہی معنی ہیں اس حدیث کے جو امام ترمذی نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ النفقة كلها في سبيل الله الا البناء فلاخير فيه یعنی وہ عمارت جو ضرورت سے زائد بنائی گئی ہو اس میں کوئی بہتری اور بھلائی نہیں، اور اس معنی کی تصدیق حضرت انسؓ کی دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے کہ ان كل بناء وبال على صاحبه الا مالا يعني الا مالا بد منه (ابو داؤد) یعنی ہر تعمیر صاحب تعمیر کے لئے مصیبت ہے مگر وہ عمارت جو ضروری ہو وہ وبال نہیں ہے روح المعانی میں فرمایا کہ بغیر غرض صحیح کے بلند عمارت بنانا شریعت محمدیہ میں بھی مذموم اور برا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

حضرت واثلہ بن اسقع کی روایت سے طبرانی نے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر عمارت اپنے مالک کے لئے وبال ہے سوائے اس کے جو ایسی ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرماتے وقت اپنی ہتھیلی سے اشارہ کیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

ایک انصاری صحابی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی:

حضرت انس راوی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے (یعنی بازار کو گئے) ایک گول اونچے گنبد (نما مکان) کو دیکھ کر فرمایا یہ کیا ہے صحابہ نے عرض کیا یہ فلاں انصاری کا ہے حضور خاموش ہو گئے مگر یہ بات اپنے دل میں لئے رہے جب اس کا مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ اس وقت لوگوں کے مجمع میں تشریف فرما تھے اس شخص نے سلام کیا آپ نے منہ پھیر لیا ایسا کئی مرتبہ ہوا وہ شخص سمجھ گیا کہ حضور مجھ سے ناراض ہیں اس لئے بے رخی برت رہے ہیں (لیکن ناراضگی کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آئی) صحابہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ مجھے غیر غیر دکھائی دیتا ہے کیا وجہ ہے صحابہ نے کہا باہر تشریف لے گئے تھے اور تمہارے بنائے ہوئے گنبد کو دیکھا تھا یہ سنتے ہی وہ شخص فوراً لوٹ پڑا اور جا کر گنبد کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دیا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز پھر باہر تشریف لے گئے اور گنبد دکھائی نہیں دیا تو فرمایا وہ گنبد کیا ہوا صحابہ نے عرض کیا اس کے مالک نے حضور کی بے رخی کا ہم سے شکوہ کیا تھا ہم نے اس کو بات بتا دی اس نے جا کر گنبد کو ڈھا دیا۔ فرمایا سنو ہر عمارت اپنے مالک کے لئے وبال ہو گی سوائے اس کے جو ضروری ہو جس کے بغیر چارہ نہ ہو۔

امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر عمارت قیامت کے دن اپنے مالک کے لئے وبال ہوگی۔ سوائے مسجد اور (سکونت کے) گھر کے۔

اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے مضبوط عمارتیں بناتے ہو۔

مسئلہ: لمبی لمبی آرزوئیں کرنی مکروہ ہے آرزو کی کمی مستحب ہے۔

حضرت ابن عمر کا بیان ہے ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے جسم کے کسی حصہ کو پکڑ کر فرمایا دنیا میں اس طرح رہنا جیسے تو پردیسی ہے، یا راہ گیر ہے اور اپنے آپ کو مردوں (کی فہرست) میں شمار کرنا۔ رواہ البخاری۔

موت سر پر کھڑی ہے:

یہ بھی حضرت عمر کی روایت ہے کہ ایک بار ہماری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا میں اور میری ماں کچھ مٹی سے کر رہے تھے (یعنی مٹی کی لسائی یا لپائی کر رہے تھے) فرمایا عبداللہ یہ کیا ہے میں نے کہا ہم کچھ درستی (مرمت) کر رہے ہیں۔ فرمایا امر (یعنی تقدیری حکم) اس سے بھی پہلے پہنچنے والا ہے (یعنی موت سر پر کھڑی ہے معلوم نہیں اس کی درستی سے پہلے آ جائے) رواہ احمد والترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل:

حضرت ابن عباس نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بچے ہوئے) پانی کو بہا دیا کرتے تھے (آگے بڑھ کر سفر میں جب پانی کی ضرورت ہوتی اور پانی موجود نہ ہوتا تو) تیمم کر لیتے تھے میں عرض کرتا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی قریب ہی ہے حضور فرماتے مجھے کیا معلوم شاید میں پانی تک نہ پہنچ سکوں۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ وابن الجوزی فی کتاب الوفاء۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ ﴿۱۳۰﴾ ج

اور جب ہاتھ ڈالتے ہو تو پنجہ مارتے ہو ظلم سے

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾ ج

سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

کمزوروں پر ظلم سے باز آؤ:

یعنی ظلم و ستم سے زیر دستوں اور کمزوروں کو تنگ کر رکھا ہے گویا انصاف او رنرمی کا سبق ہی نہیں پڑھا۔ خدا کی ضعیف مخلوق کو جبر و تعدی کا تختہ مشق بنا رکھا ہے۔ سو اللہ سے ڈرو، ظلم و تکبر سے باز آؤ، اور میری بات مانو۔ (تفسیر عثمانی)

جبارین:

جبارین بغیر رحم کے ناحق قتل کرنے والے۔ قاموس میں ہے جبار متکبر آدمی اور وہ دل جس میں رحم نہ آئے اور ناحق بہت زیادہ قتل کرنے والا۔ (تفسیر مظہری)

وَاتَّقُوا الَّذِیْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ ج اَمَدَّكُمْ

اور ڈرو اُس سے جس نے تم کو پہنچائیں وہ چیزیں جو تم جانتے ہو پہنچائے

بِاَنْعَامٍ وَّبَنِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ لا وَجَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾ ج اِنِّیْٓ اَخَافُ

تم کو چوپائے اور بیٹے اور باغ اور چشمے میں ڈرتا ہوں

عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۳۵﴾ ط

تم پر ایک بڑے دن کی آفت سے

اپنے انجام کو سوچو:

یعنی اتنا تو سوچو کہ آخر یہ سامان تم کو کس نے دیئے ہیں؟ کیا اُس منعم حقیقی کا تمہارے ذمہ کوئی حق نہیں۔ اگر تمہاری یہ ہی شرارت اور سرکشی رہی تو مجھے اندیشہ ہے کہ پہلی قوموں کی طرح کسی سخت آفت میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔ دیکھو! میں تم کو نصیحت کر چکا اپنے انجام کو خوب سوچ لو۔

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَیْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ لا

بولے ہم کو برابر ہے تو نصیحت کرے یا نہ بنے تو نصیحت کرنے والا

اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۳۷﴾ لا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۱۳۸﴾ ج

اور کچھ نہیں یہ باتیں عادت ہے اگلے لوگوں کی اور ہم پر آفت نہیں آنے والی

قوم والوں کی بے حسی:

یعنی تمہاری نصیحت بیکار ہے۔ یہ جادو ہم پر چلنے والا نہیں قدیم سے یہ عادت چلی آتی ہے کہ کچھ لوگ نبی بن کر عذاب سے ڈرایا کرتے ہیں اور مرنے جینے کا سلسلہ بھی پہلے سے چلا آتا ہے تو اسے ہم کو کیا اندیشہ ہو سکتا ہے رہا جو طریقہ ہمارا ہے وہ ہی ہمارے اگلے باپ دادوں کا تھا۔ ہم اس سے کسی طرح ہٹنے والے نہیں۔ نہ عذاب کی دھمکیوں کو خاطر میں لا سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وعظ اس کلام کو کہتے ہیں جو وعد و وعید (ترغیب و ترہیب) کے ذکر کی وجہ سے دلوں میں نرمی پیدا کر دے (یعنی وعظ کے اندر ترغیب و ترہیب ضروری ہے تاکہ دلوں کی سختی دور ہو)

اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِیْنَ یہ تو پہلے لوگوں کی عادت ہی ہے (کہ وہ اسی طرح کی جھوٹی باتیں بنایا کرتے تھے) یا یہ مطلب ہے کہ ہمارا جو مذہب اور دین ہے۔ یہی دین ہمارے اسلاف کا تھا اور ہم ان کے پیرو ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ زندگی اور موت کی یہ رفتار پہلے زمانے سے یوں ہی چلی آئی

ہے سب لوگ پیدا ہوتے اور مرتے رہے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ

پھر اُس کو جھٹلانے لگے تو ہم نے اُن کو غارت کردیا

یعنی سخت آندھی بھیج کر ان کا قصہ بھی پہلے اعراف وغیرہ میں مفصل گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۹﴾

اس بات میں البتہ نشانی ہے اور اُن میں بہت لوگ نہیں ماننے والے

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۴۰﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ

اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا جھٹلایا ثمود

الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾

نے پیغام لانے والوں کو جب کہا اُن کو اُن کے بھائی صالح نے کیا تم ڈرتے نہیں

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾

میں تمہارے پاس پیغام لانے والا ہوں معتبر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ

اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے

اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَاۤ اٰمِنِیْنَ ﴿۱۴۶﴾

اسی جہان کے پالنے والے پر کیا چھوڑے رکھیں گے تم کو یہاں کی چیزوں میں بے کھٹکے

فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِیْمٌ ﴿۱۴۸﴾

باغوں میں اور چشموں میں اور کھیتوں میں اور کھجوروں میں جن کا گابھا ملائم ہے

وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فٰرِهِیْنَ ﴿۱۴۹﴾

اور تراشتے ہو پہاڑوں کے گھر تکلف کے

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾

سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

حضرت صالح علیہ السلام کی تبلیغ:

یعنی کیا یہ خیال ہے کہ ہمیشہ اس عیش و آرام اور باغ و بہار کے مزے لوٹو گے؟ اور پہاڑوں کو تراش کر جو تکلف کے مکان تیار کئے ہیں ان سے کبھی نہ نکلو گے؟ یا یہ مضبوط اور سنگین عمارتیں تم کو خدا کے عذاب سے بچالیں گی؟ اس سودائے خام کو دل سے نکال ڈالو۔ اور خدا تعالیٰ سے ڈر کر میرا کہا مانو۔ میں تمہارے بھلے کی کہتا ہوں۔

وَلَا تُطِیْعُوْۤا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ

اور نہ مانو حکم بیباک لوگوں کا جو خرابی کرتے ہیں

فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

ملک میں اور اصلاح نہیں کرتے

عوام سے خطاب:

یہ عوام کو فرمایا کہ تم ان بڑے مفسد شیطانوں کے پیچھے چل کر تباہ نہ ہو۔ یہ تو زمین میں خرابی پھیلانے والے ہیں۔ اصلاح کرنے والے اور نیک صلاح دینے والے نہیں۔

قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ﴿۱۵۳﴾

بولے تجھ پر تو کسی نے جادو کیا ہے

مَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚۖ

تو بھی ایک آدمی ہے جیسے ہم

سرداروں کی بے پرواہی:

یعنی ہم سے کون سی بات تجھ میں زائد ہے جو نبی بن گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے جادو کر دیا ہے جس سے تیری عقل ماری گئی (العیاذ باللہ)

فَاْتِ بِاٰیَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۵۴﴾

سو لے آ کچھ نشانی اگر تو سچا ہے

یعنی اگر تو نبی ہے اور ہم سے ممتاز درجہ رکھتا ہے تو اللہ سے کہہ کہ کوئی ایسا نشان دکھلا جسے ہم بھی تسلیم کر لیں پھر فرمائش کی کہ اچھا پتھر کی اس چٹان میں سے ایک اونٹنی نکال دے جو ایسی اور ایسی ہو۔ حضرت صالح نے دعاء فرمائی، حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے یہ نشان دکھلا دیا۔

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾

کہا یہ اونٹنی ہے اس کیلئے پانی پینے کی ایک باری اور تمہارے لئے باری ایک دن کی مقرر

حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی:

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ اونٹنی پیدا ہوئی پتھر میں سے اللہ کی قدرت

سے حضرت صالح کی دعاء سے وہ چھوٹی پھرتی، جس جنگل میں چرنے یا جس تالاب پر پانی پینے جاتی سب مواشی بھاگ کر کنارے ہو جاتے۔ تب یوں ٹھہرا دیا کہ ایک دن اُس پانی پر وہ جائے، ایک دن اوروں کے مواشی جائیں۔

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾
اور مت چھیڑیو اُس کو بُری طرح سے پھر پکڑ لے تم کو آفت ایک بڑے دن کی

یعنی اونٹنی کے ساتھ بُرائی سے پیش نہ آنا ورنہ بڑی سخت آفت ہوگی۔

فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾
پھر کاٹ ڈالا اُس اونٹنی کو پھر کل کو رہ گئے پچھتاتے

اونٹنی کے ساتھ ظلم:

ایک بدکار عورت کے گھر مواشی بہت تھے، چارے اور پانی کی تکلیف سے اپنے ایک آشنا کو اُکسایا، اُس نے اونٹنی کے پاؤں کاٹ کر ڈال دیئے۔ اُس کے تین دن بعد عذاب آیا (موضح القرآن) یہ قصہ بھی پہلے مفصل گزر چکا۔

فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا
پھر آ پکڑا اُن کو عذاب نے البتہ اس بات میں نشانی ہے اور
كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ
اُن میں بہت لوگ نہیں ماننے والے اور تیرا رب وہی ہے زبردست
الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ
رحم کرنے والا جھٹلایا لوط کی قوم نے پیغام لانے والوں کو جب کہا اُن کو
اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۶۲﴾
اُن کے بھائی لوط نے کیا تم ڈرتے نہیں میں تمہارے لئے پیغام لانے والا ہوں معتبر
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ
سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو، اور مانگتا نہیں میں تم سے اس کا کچھ بدلہ
اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۴﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ
میرا بدلہ ہے اُسی پروردگار عالم پر کیا تم دوڑتے ہو
مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾
جہان کے مردوں پر

قوم لوط کی بدکاری:

یعنی سارے جہان میں سے مرد ہی تمہاری شہوت رانی کیلئے رہ گئے، یا یہ کہ سارے جہان میں سے تم ہی ہو جو اس فعل شنیع کے مرتکب ہوتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت لوط علیہ السلام ان کا نام لوط بن ہاران بن آزر تھا یہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی حیات میں بہت بڑی امت کی طرف بھیجا تھا۔ یہ لوگ سدوم اور اُس کے آس پاس بستے تھے بالآخر یہ بھی خدا تعالیٰ کے عذابوں میں پکڑے گئے سب کے سب ہلاک ہوئے اور ان کی بستیوں کی جگہ ایک جھیل سڑے ہوئے گندے کھاری پانی کی رہ گئی۔ یہ اب تک بھی بلاد غور میں مشہور ہے جو کہ بیت المقدس اور کرک وشوبک کے درمیان ہے۔ ان لوگوں نے بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ کیا تمام دنیا جہان والوں میں سے تم (یہ حرکت کرتے ہو کہ) مردوں سے فعل بد کرتے ہو یعنی سارے جہان سے ہٹ کر سب کے خلاف تم مردوں سے لواطت کرتے ہو دنیا میں کوئی مخلوق بھی اس عمل میں تمہاری شریک نہیں ہے کوئی بھی یہ حرکت نہیں کرتا اس مطلب پر عالمین سے مراد ہوگا ہر جماع کرنے والا (خواہ آدمی ہو یا کوئی اور) یا یہ مطلب ہے کہ آدمیوں میں سے تم ہی مردوں سے لواطت کرتے ہو اور کوئی آدمی ایسا نہیں کرتا اس مطلب پر العالمین سے مراد آدمی ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ
اور چھوڑتے ہو جو تمہارے واسطے بنادی ہیں تمہارے رب نے تمہاری بیبیاں
بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾
بلکہ تم لوگ ہو حد سے بڑھنے والے

فطرت کی خلاف ورزی:

یعنی یہ خلاف فطرت کام کر کے آدمیت کی حد سے بھی نکل چلے ہو۔

(تفسیر عثمانی)

وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اور جو بیبیاں اللہ نے تمہارے لئے پیدا کی ہیں ان کو چھوڑے رہتے ہو اس ترجمہ پر من ازواجکم میں من بیانیہ ہوگا۔ یا یہ مطلب یہ ہے کہ تمہاری بیبیوں کا جو مقام اللہ نے تمہارے لئے بنایا ہے تم اس کو چھوڑے رکھتے ہو (یعنی عورتوں سے صنفی مجامعت نہیں کرتے بلکہ ان سے بھی لواطت کرتے ہو) وہ لوگ عورتوں سے بھی لواطت کرتے تھے۔ جیسے رافضی کرتے ہیں۔

"بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ" بلکہ تم حد سے تجاوز کرنے والے ہی لوگ ہو۔ یعنی شہوت رانی میں حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرتے ہو شہوت کو پورا کرنے میں تم تمام لوگوں کی حد بندیوں سے آگے بڑھنے والے بلکہ جانوروں سے بھی اس معاملہ میں بڑھ کر ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ گناہوں میں تم حد سے بڑھے ہوئے ہو یا یہ مطلب ہے کہ اس نالائق حرکت کرنے کی وجہ سے تم اس بات کے مستحق ہو کہ تم کو حد سے تجاوز کرنے والا کہا جائے۔ (تفسیر مظہری)

غیر فطری فعل اپنی بیوی سے بھی حرام ہے:

لفظ مِن ازواجکم میں حرف مِنْ اصطلاحی الفاظ میں بیانیہ بھی ہوسکتا ہے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ تمہاری خواہش نفسانی کے لئے جو اللہ نے بیویاں پیدا فرمائی ہیں تم ان کو چھوڑ کر اپنے ہم جنس مردوں کو اپنی شہوت نفس کا نشانہ بناتے ہو جو خباثت نفس کی دلیل ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حرف مِنْ کو تبعیض کے لئے قرار دیں تو اشارہ اس طرف ہوگا کہ تمہاری بیبیوں کا جو مقام تمہارے لئے بنایا گیا اور جو امر فطری ہے اس کو چھوڑ کر بیویوں سے خلاف فطرت عمل کرتے ہو جو کہ قطعاً حرام ہے، غرض اس دوسرے معنے کے لحاظ سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوگیا کہ اپنی زوجہ سے خلاف فطرت عمل حرام ہے، حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص پر لعنت فرمائی ہے نعوذ باللہ منہ (کذا فی الروح)
(معارف مفتی اعظم)

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿١٦٧﴾

بولے اگر نہ چھوڑے گا تو اے لوط تو تو نکال دیا جائے گا

قوم والوں کی دھمکی:

یعنی یہ وعظ ونصیحت رہنے دو۔ اگر آئندہ ہمیں تنگ کرو گے تو تم کو بستی سے نکال باہر کریں گے۔

قَالَ اِنِّىْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿١٦٨﴾

کہا میں تمہارے کام سے البتہ بیزار ہوں

حضرت لوط علیہ السلام کی استقامت:

اسلئے ضرور اُس پر اظہار نفرت کروں گا اور نصیحت سے باز نہیں آسکتا۔ (تفسیر عثمانی)

لوطؑ نے کہا میں تمہارے (عمل سے سخت نفرت کرنے والا ہوں یا) عمل کا سخت دشمن ہوں قالی بغض رکھنے والا یعنی تمہارے عمل سے مجھے سخت نفرت ہے اسی لئے مجھے بستی سے نکالے جانے کی دھمکی کی پروا نہیں ہے مِنَ القالین کہنے میں قالی کہنے سے زیادہ زور ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے عمل سے نفرت کرنیوالی جماعت میں میں شامل ہوں اور اس گروہ میں مشہور ہوں۔ (تفسیر مظہری)

رَبِّ نَجِّنِىْ وَاَهْلِىْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٩﴾

اے رب خلاص کر مجھ کو اور میرے گھر والوں کو اُن کاموں سے جو یہ کرتے ہیں

حضرت لوط علیہ السلام کی دُعاء:

یعنی ان کی نحوست اور وبال سے ہم کو بچا اور انہیں غارت کر۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت لوط کو جب معلوم ہوگیا کہ میری نصیحت ودعوت کا ان لوگوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا (آئندہ ان کے ساتھ رہنا بیکار ہے) تو آپ نے دعا کی کہ مجھے ان سے الگ کر دیا جائے تا کہ ان پر آنے والے عذاب سے میں محفوظ رہوں۔ (تفسیر مظہری)

فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٧٠﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِى الْغٰبِرِيْنَ ﴿١٧١﴾

پھر بچا دیا ہم نے اُس کو اور اسکے گھر والوں کو سب کو مگر ایک بڑھیا رہ گئی رہنے والوں میں

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی:

یہ اُن کی بیوی تھی جو اُن بدمعاشوں سے مل رہی تھی۔ جب عذاب آیا تو یہ بھی ہلاک ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

"اِلَّا عَجُوْزًا فِى الْغٰبِرِيْنَ" عجوز سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہے جو کہ قوم لوط کے اس فعل سے راضی تھی اور کافرہ تھی۔ لوط علیہ السلام کی یہ کافر بیوی اگر واقع میں بڑھیا تھی تو اس کے لئے لفظ عجوز استعمال کرنا ظاہر ہی ہے اور اگر یہ عمر کے لحاظ سے بڑھیا نہ تھی تو اس کو عجوز کے لفظ سے شاید اس لئے تعبیر کیا گیا کہ پیغمبر کی بیوی اُمت کے لئے ماں کی جگہ ہوتی ہے جو عورت کثیر الاولاد ہو اُس کو بڑھیا کہہ دینا کچھ مستبعد نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿١٧٢﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا

پھر اُٹھا مارا ہم نے اُن دوسروں کو اور برسایا اُن پر ایک برساؤ

فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿١٧٣﴾

سو کیا بُرا برساؤ تھا اُن ڈرائے ہوؤں کا

عذاب کی صورت:

یعنی اُن کی بستیاں اُلٹ دیں اور آسمان سے پتھروں کا برساؤ کیا۔ سو ڈھیر ہو کر رہ گئے۔ اُن کا قصہ بھی مفصل اعراف وغیرہ میں گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

لوطی کی سزا:

"وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ" اس آیت سے ثابت ہوا

کہ لوطی پر دیوار گرانے یا بلند مقام سے نیچے پھینکنے کی تعزیر جائز ہے جیسے حنفیہ کا مسلک ہے کیونکہ قوم لوط اسی طرح ہلاک کی گئی تھی کہ ان کی بستیوں کو اوپر اُٹھا کر الٹا زمین پر پھینک دیا گیا تھا (شامی کتاب الحدود) (معارف مفتی اعظم)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۴﴾
البتہ اس بات میں نشانی ہے اور اُن میں بہت لوگ نہیں تھے ماننے والے
وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۷۵﴾ كَذَّبَ اَصْحٰبُ
اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا جھٹلایا بن کے
لْـَٔیْكَةِ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۷۶﴾
رہنے والوں نے پیغام لانے والوں کو

مدین والے:

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اصحاب ایکہ وہ ہی قوم مدین ہے ایکہ ایک درخت تھا جسے یہ لوگ پوجتے تھے اسی نسبت سے اصحاب الایکہ کہا گیا۔ اور اسی لئے شعیبؑ کو اخوہم سے تعبیر نہیں فرمایا۔ کیونکہ انبیاء کی اُخوت محض قومی ونسبی تعلقات پر مبنی تھی۔ اگر مدین کہتے تو اخوہم کہنا موزوں تھا۔ جب اصحاب الایکہ کہہ کر ایک مذہبی نسبت سے ذکر کیا تو اس حیثیت سے اخوہم فرمانا حضرت شعیبؑ کی شان کے مناسب نہ تھا۔ بہرحال مدین اور اصحاب ایکہ ایک قوم ہے اور شعیبؑ اسی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے پہلے بھی اس کے متعلق کچھ بحث گزر چکی۔ (تفسیر عثمانی)

ایکہ درختوں کی گھنی جھاڑی بن مدین کے قریب ایک گھنا جنگل تھا جس میں کچھ لوگ رہتے تھے یہ گروہ مدین والوں سے الگ تھا۔ اللہ نے حضرت شعیب کو جس طرح مدین والوں کی ہدایت پر مامور کیا تھا اسی طرح اس جنگل کے باشندوں کی ہدایت کے لئے بھی مقرر کیا تھا حضرت شعیب اہل مدین میں سے تھے اصحاب ایکہ میں سے نہیں تھے۔ (تفسیر مظہری)

اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَیْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّیْ لَكُمْ
جب کہا اُن کو شعیب نے کیا تم ڈرتے نہیں میں تم کو پیغام
رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ
پہنچانے والا ہوں معتبر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو اور نہیں مانگتا میں
عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۰﴾
تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے اسی پروردگار عالم پر

اَوْفُوا الْكَیْلَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَزِنُوْا
پورا بھر کر دو ماپ اور مت ہو نقصان دینے والے اور تولو
بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ﴿۱۸۲﴾
سیدھی ترازو سے

حضرت شعیبؑ کی تبلیغ:

یعنی معاملات میں خیانت اور بے انصافی مت کرو جس طرح لینے کے وقت پورا ناپ تول کر لیتے ہو دیتے وقت بھی پورا ناپ تول کر دو۔

وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَ لَا تَعْثَوْا
اور مت گھٹا دو لوگوں کو اُن کی چیزیں اور مت دوڑو
فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۱۸۳﴾
ملک میں خرابی ڈالتے ہوئے

یعنی ملک میں ڈاکے مت ڈالو اور لوگوں کے حقوق نہ مارو۔ (تفسیر عثمانی)

فساد فی الارض:

مُفسدِیْنَ دانستہ تباہی لاتے ہوئے مطلب یہ ہے کہ قصداً بگاڑ نہ پیدا کرو تباہی نہ پھیلاؤ اس سے معلوم ہوا کہ اگر نیت اصلاح کی ہو اور خرابی پیدا ہو جائے تو اس کو فساد فی الارض نہیں کہا جائے گا اور اس کا کوئی مواخذہ نہیں۔ کسی نے کافر کے تیر مارا کافر نے مسلمان قیدی کو اپنے سامنے ڈھال کی طرح کر دیا اور مسلمان مارا گیا یا زخمی ہو گیا تو نہ دیت ہوگی نہ قصاص نہ کوئی تاوان۔ (تفسیر مظہری)

ادائیگی کے حقوق:

ولا تبخسوا الناس اشیاء هم ء یعنی نہ کمی کرو لوگوں کی اپنی چیزوں میں مراد یہ ہے کہ معاہدہ کے مطابق جتنا کسی کا حق ہے اُس سے کمی کرنا حرام ہے خواہ وہ ناپنے تولنے کی چیز ہو یا کوئی دوسری۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی ملازم مزدور اگر اپنے مقررہ وقت میں چوری کرتا ہے وقت کم لگاتا ہے وہ بھی اسی وعید میں داخل ہے۔ امام مالکؒ نے مؤطا میں روایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز عصر میں شریک نہیں ہوا، وجہ پوچھی تو اس نے کچھ عذر کیا تو حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا طففت یعنی تو نے تولنے میں کمی کر دی، چونکہ نماز کوئی تولنے کی چیز نہیں اس لئے یہ حدیث نقل فرما کر امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ وفاء وتطفیف یعنی حق کے مطابق کرنا یا کم کرنا ہر چیز میں ہے یعنی صرف ناپ تول ہی کے ساتھ یہ حکم مخصوص نہیں بلکہ کسی کے حق

میں کمی کرنا خواہ کسی صورت سے ہو وہ تطفیف میں داخل ہے جس کا حرام ہونا وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

وَاتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۸۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ
اور ڈرو اُس سے جس نے بنایا تم کو اور اگلی خلقت کو بولے تجھ پر تو
اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا
کسی نے جادو کر دیا ہے اور تو بھی ایک آدمی ہے جیسے ہم
وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۱۸۶﴾
اور ہمارے خیال میں تو تو جھوٹا ہے

قوم کا جواب: یعنی دعوے نبوت میں اور عذاب وغیرہ کی دھمکیوں میں۔

فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۸۷﴾
سو گرا دے ہم پر کوئی ٹکڑا آسمان کا اگر تو سچا ہے

اگر سچا ہے تو آسمان کا یا بادل کا کوئی ٹکڑا گروا کر ہم کو ہلاک کیوں نہیں کر دیتا۔

قَالَ رَبِّیْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾
کہا میرا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو

حضرت شعیبؑ کی وضاحت:

یعنی وہ ہی جانتا ہے کہ کس مجرم پر کس وقت اور کتنی سزا ملنی چاہیے۔ عذاب دینا ہمارا کام نہیں۔ ہمارا کام ہشیار کر دینا تھا، سو کر چکے۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ
پھر اس کو جھٹلایا پھر پکڑ لیا اُن کو آفت نے سائبان والے دن کی بیشک وہ تھا
عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۸۹﴾
عذاب بڑے دن کا

زلزلے اور آگ کا عذاب:

سائبان کی طرح ابر آیا اُس میں سے آگ برسی، نیچے سے زمین کو بھونچال آیا اور سخت ہولناک آواز آئی، اس طرح سب قوم تباہ ہوگئی۔ ان کا قصہ بھی پہلے مفصل گزر چکا ہے۔ ایک نظر وہاں کے فوائد پر ڈال لی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

خدا کا مجرم اپنے پاؤں چل کر آتا ہے:

عذاب یوم الظلہ، جس کا ذکر اس آیت میں آیا ہے اس کا واقعہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اُن کی قوم پر سخت گرمی مسلط فرمائی کہ نہ مکان کے اندر چین آتا نہ باہر، پھر ان کے قریبی جنگل میں ایک گہرا بادل بھیج دیا جس کے نیچے ٹھنڈی ہوا تھی، ساری قوم گرمی سے پریشان تھی سب دوڑ دوڑ کر اس بادل کے نیچے جمع ہوگئے جب ساری قوم بادل کے نیچے آگئی تو اس بادل نے ان پر پانی کے بجائے آگ برسادی جس سے سب بھسم ہوکر رہ گئے۔ (کذا روی عن ابن عباس۔ روح)(معارف مفتی اعظم)

یوم الظلہ (سائبان کے دن) کے عذاب نے ان کو آ پکڑا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ ایکہ والوں کے جنگل میں سخت گرمی پڑی، لوگ بے تاب ہوکر تہ خانوں میں گھس گئے اندر پہنچے تو وہاں اور بھی شدید گرمی محسوس ہوئی مجبور ہوکر باہر آگئے اس وقت آسمان پر ایک بدلی آئی اور بدلی کے سایہ میں سب جمع ہوگئے اسی بدلی کو ظلہ (سائبان) کہا گیا ہے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ بادل سے آگ برسنے لگی اور سب جل بھن گئے یہ قصہ سورت ہود میں گزر چکا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۹۰﴾
البتہ اس بات میں نشانی ہے اور اُن میں بہت لوگ نہیں ماننے والے
وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۹۱﴾ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ
اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا اور یہ قرآن ہے اتارا
رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ
ہوا پروردگار عالم کا لے کر اترا ہے اُس کو فرشتہ معتبر تیرے دل پر
لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ﴿۱۹۴﴾
کہ تو ہو ڈر سنا دینے والا

نزول قرآن:

آغاز سورت میں قرآن کریم کا ذکر تھا اور اس کی تکذیب پر دھمکی دی گئی تھی درمیان میں مکذبین حق کے واقعات بیان ہوئے، یہاں سے پھر مضمون سابق کی طرف عود کیا گیا ہے یعنی قرآن کریم وہ مبارک اور عظیم الشان کتاب ہے جسے رب العالمین نے اُتارا، جبریل امین لے کر اُترے اور تیرے پاک و صاف قلب پر اتاری گئی کیونکہ یہی قلب تھا جو اللہ کے علم میں اس بھاری امانت کو اُٹھانے اور سنبھالنے کے لائق تھا، چنانچہ وحی قرآنی آئی اور سیدھی تیرے دل میں اُترتی چلی گئی۔ تو نے اُس کو اپنے سارے دل سے سنا اور سمجھا اور محفوظ رکھا، شاید عَلٰى قَلْبِكَ کے لفظ میں یہ بھی اشارہ ہو کہ نزول وحی کی جو دو کیفیتیں احادیث صحیحہ میں وارد ہوئی ہیں (یعنی کبھی صلصلة الجرس کی طرح آنا اور کبھی فرشتہ کا آدمی کی صورت میں سامنے آکر بات کرنا) اُن میں

سے قرآن کی وحی اکثر پہلی کیفیت کے ساتھ آتی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

وحی کی صورتیں:

کیونکہ دونوں حالتوں میں محققین کے نزدیک فرق یہ تھا کہ پہلی حالت میں پیغمبر کو بشریت سے منخلع ہو کر ملکیت کی طرف جانا پڑتا تھا گویا اس وقت آلات جسمانیہ کو بالکل معطل کر کے صرف روحی قوتوں اور قلبی حواس سے کام لیتے تھے، دل کے کانوں سے وحی کی آواز سنتے تھے اور دل کی آنکھوں سے فرشتہ کو دیکھتے تھے اور دل کی الٰہی قوتوں سے ان علوم کی تلقی کرتے تھے اور محفوظ رکھتے تھے بخلاف دوسری حالت کے کہ اس میں فرشتہ ملکیت سے نزول کر کے بشریت کی طرف آنا پڑتا تھا اس وقت پیغمبر ان ہی ظاہری آنکھوں سے فرشتہ کو دیکھتے اور ان ہی ظاہری کانوں کے توسط سے آواز سنتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وحی کی پہلی قسم کو احادیث میں فرمایا کہ هو اشده علی (وہ مجھ پر بہت بھاری ہوتی ہے) کیونکہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشریت سے ملکیت کی طرف صعود کرنا پڑتا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیاز:

قال ابن الشيخ فهو عليه افضل الصلاة والسلام مختص بهذه الرتبة العلية والكرامة السنية من سائر الانبياء فان كتبهم انزلت عليهم بالالواح والصحائف جملة واحدة فهي منزلة على صورهم وظاهرهم على قلوبهم حاشيه شيخ زاده على تفسير البيضاوى ص ۴۷۹ ج ۳ وكذافي روح البيان ص ۳۰۶ ج ۶ (معارف کاندھلوی)

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ﴿١٩٥﴾
کھلی عربی زبان میں

یعنی اتارا نہایت فصیح، واضح اور شگفتہ عربی زبان میں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ عَلٰى قَلْبِكَ سے مراد یہ نہیں کہ صرف مضامین قرآن کے آپ کے دل میں اتار دیئے پھر آپ نے ان کو اپنے الفاظ میں ادا کر دیا۔ بلکہ الفاظ اور مضامین سب وحی ربانی سے قلب مبارک پر القا کئے گئے۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت:

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے سامنے نہایت فصاحت سے ابر کے اوصاف بیان کئے جسے سن کر صحابہؓ کہہ اٹھے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو کمال درجہ کی فصیح و بلیغ زبان بولتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بھلا میری زبان ایسی پاکیزہ کیوں نہ ہوگی قرآن بھی تو میری زبان میں اترا ہے۔

امام سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں، وحی عربی میں اتری ہے یہ اور بات ہے کہ ہر نبی نے اپنی قوم کے لئے ان کی زبان میں ترجمہ کر دیا قیامت کے دن سریانی زبان ہوگی ہاں جنتیوں کی زبان عربی ہوگی۔ (ابن ابی حاتم) (تفسیر ابن کثیر)

قرآن پاک کے متعلق عقیدہ:

قال ابن الشيخ فالقرآن كلام الله وصفة القائمة به كساه كسوة الالفاظ المركبة من الحروف العربية ونزله الى جبريل وجعله امينا لئلا يتصرف في حقائقه ثم نزل به كماهو على قلب رسول الله صلى الله عليه وسلم ليتعرفه ويتخلق بخلقه ويتنور بانواره ويتحلى بحقائقه ففهم وتمكن من تفهميه. الخ حاشيه شيخ زاده ص ۴۷۹ ج ۳

قرآن اللہ کا کلام ہے اور اس کی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور بے چون وچگون ہے۔ بندوں کی ہدایت کے لئے اس کو حروف عربیہ کے لباس میں بارگاہ قدس سے نازل کیا۔ جبریل امین نے جن الفاظ اور حروف کے ساتھ اس کو سنا اسی طرح بعینہ اللہ کی امانت کو اللہ کے رسول تک پہنچا دیا۔ دیکھو حاشیہ) شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۴۷۹ ج ۳ اور دیکھو تفسیر روح البیان ص ۳۰۶ ج ۶۔

تمام امت کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ مابین دفتی المصحف کلام اللہ یعنی مصحف میں دو دفتوں کے درمیان اللہ کا کلام ہے اور جو شخص اس مصحف کو کلام اللہ نہ مانے وہ کافر ہے لیکن وہ اس مصحف کے نقوش کتابیہ اور حروف مطبوعہ کو قدیم نہ مانے تو اس انکار سے وہ کافر نہ ہوگا۔ جن الفاظ قرآن کو اپنی زبانوں سے پڑھتے ہیں اور جن حروف قرآنیہ کو اپنے مصاحف میں لکھتے ہیں اگرچہ وہ حادث اور مخلوق ہیں لیکن ہمارے لئے یہ ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ کہ ہم مطلق قرآن کو یا کلام اللہ کو مخلوق اور حادث کہیں۔ کلام الٰہی جو ذات باری کے ساتھ قائم ہے اور اس کی صفت ہے کہ وہ بلاشبہ قدیم اور غیر مخلوق ہے لیکن ہماری قرأت اور سماعت اور کتابت یہ سب مخلوق اور حادث ہیں قرآن جس حیثیت سے بندہ سے متعلق ہے اس حیثیت سے اس کو حادث اور مخلوق کہہ سکتے ہیں تا کہ خدا کی صفت میں اور بندہ کی صفت میں فرق ہو جائے مطلقاً کلام اللہ اور قرآن کو مخلوق اور حادث کہنا جائز نہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب) (معارف کاندھلوی)

نزول قرآن عربی میں ہوا:

اس آیت کا بعض اہل تفسیر نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ روح الامین نے یہ قرآن آپ کے دل پر عربی زبان میں اتارا ہے اگر کسی اور زبان میں نازل ہوتا تو آپ کے کانوں پر نازل ہوتا دل پر نازل نہ ہو سکتا کیونکہ غیر عربی الفاظ کے معنی آپ سمجھ نہ پاتے۔ آدمی کبھی چند زبانوں سے واقف ہوتا ہے اگر کوئی اس کی مادری زبان میں بات کرے تو فوراً اس کا ذہن مطلب کی طرف متوجہ ہوتا

ہے الفاظ کی طرف اس کی توجہ نہیں ہوتی اور اگر مادری زبان کے علاوہ کسی دوسری سیکھی ہوئی زبان میں اس سے کلام کرتا ہے تو اول اس کا ذہن الفاظ کی طرف متوجہ ہوتا ہے پھر الفاظ سے معانی کی طرف انتقال ذہنی ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

نماز میں ترجمہ قرآن پڑھنا ناجائز ہے:

اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز میں فرض تلاوت کی جگہ قرآن کے الفاظ کا ترجمہ کسی زبان فارسی۔ اردو۔ انگریزی میں پڑھ لینا بدون اضطرار کے کافی نہیں۔ بعض ائمہ سے جو اس میں توسع کا قول منقول ہے ان سے بھی اپنے اس قول سے رجوع ثابت ہے۔

قرآن کے اُردو ترجمہ کو قرآن کہنا جائز نہیں:

اسی طرح قرآن کا صرف ترجمہ کسی زبان میں بغیر عربی متن کے لکھا جائے تو اس کو اس زبان کا قرآن کہنا جائز نہیں۔ جیسے آج کل بہت سے لوگ صرف اردو ترجمہ قرآن کو اُردو کا قرآن اور انگریزی کو انگریزی کا قرآن کہہ دیتے ہیں یہ ناجائز اور بے ادبی ہے قرآن کو بغیر متن عربی کے کسی دوسری زبان میں بنام قرآن شائع کرنا اور اس کی خرید و فروخت سب ناجائز ہے اس مسئلہ کی پوری تفصیل احقر کے رسالہ "تحذیر الاخوان عن تغییر رسم القرآن" میں مذکور ہے۔

سابقہ کتب کو قرآن نہ کہا جائے:

مستدرک حاکم میں حضرت معقل بن یسارؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سورۂ بقرہ ذکر اول سے دی گئی ہے اور سورۂ طٰہٰ اور طواسین یعنی جتنی سورتیں طٰس سے شروع ہوتی ہیں اور حوامیم یعنی جو سورتیں حٰم سے شروع ہیں یہ سب سورتیں الواح موسیٰ میں سے دی گئی ہیں اور سورۂ فاتحہ مجھے تحت عرش سے دی گئی ہے۔ اور طبرانی۔ حاکم۔ بیہقی وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ سورۂ ملک تورات میں موجود ہے۔ الحدیث اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى میں تو خود قرآن کی تصریح یہ ہے إِنَّ هَٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ یعنی یہ مضامین سورت حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں بھی ہیں، لیکن تمام آیات و روایات کا حاصل یہی ہے کہ بہت سے مضامین قرآن کتب سابقہ میں بھی موجود تھے۔

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان مضامین کی وجہ سے کتب سابقہ کے ان حصوں کو جن میں یہ مضامین قرآن آئے ہیں قرآن کا نام دے دیا جائے۔ نہ امت میں کوئی اس کا قائل ہے کہ ان صحیفوں اور کتابوں کو جن میں مضامین قرآن مذکور ہیں قرآن کہا جائے، بلکہ عقیدہ جمہور اُمت کا یہی ہے کہ قرآن نہ صرف الفاظ قرآن کا نام ہے۔ نہ صرف معانی قرآن کا۔ اگر کوئی شخص قرآن ہی کے الفاظ مختلف جگہوں سے چُن کر ایک عبارت بنادے، مثلاً کوئی یہ عبارت بنالے الحمد لله العزيز الرحيم الذي له ملك السموات وهو رب العلمين خالق كل شيء وهو المستعان یہ سارے الفاظ قرآن ہی کے ہیں مگر اس عبارت کو کوئی قرآن نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح صرف معانی قرآن جو کسی دوسری زبان میں بیان کئے جائیں وہ بھی قرآن نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ (۱۹۶)

اور یہ لکھا ہے پہلوں کی کتابوں میں

مضامین قرآن کا تسلسل:

یعنی قرآن کی اور اُس کے لانے والے کی خبر پہلی آسمانی کتابوں میں موجود ہے انبیائے سابقین برابر پیشین گوئی کرتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ باوجود بہت سی تحریف و تبدیل کے اب تک بھی ایک ذخیرہ اس قسم کی پیشینگوئیوں کا پایا جاتا ہے۔ اور یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ اس قرآن کے بیشتر مضامین اجمالاً یا تفصیلاً اگلی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ خصوصاً قصص، توحید، رسالت، معاد وغیرہ مضامین جن پر تمام کتب سماویہ اور انبیاء و مرسلین کا اتفاق رہا ہے۔

أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ آيَةً أَن يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ (۱۹۷)

کیا ان کے واسطے نشانی نہیں یہ بات کہ اس کی خبر رکھتے ہیں پڑھے لوگ بنی اسرائیل کے

علمائے یہود کا علم:

یعنی علمائے بنی اسرائیل خوب جانتے ہیں کہ یہ وہ ہی کتاب اور پیغمبر ہے جس کی خبر پہلے سے آسمانی صحیفوں میں دی گئی تھی۔ چنانچہ اُن میں سے بعض نے علانیہ اور بعض نے اپنی خصوصی مجلسوں میں امرِ حق کا اقرار کیا ہے اور بعض انصاف پسند اسی علم کی بناء پر مسلمان ہوگئے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ، غرض ایک منصف فہیم کے لئے جس کا دل حق کی طلب رکھتا اور خدا سے ڈرتا ہو، اس چیز میں بڑی نشانی ہے کہ دوسرے مذاہب کے علماء بھی اپنے دلوں میں قرآن کی حقانیت کو سمجھتے ہیں، گو کسی وجہ سے بعض اوقات اعلان و اقرار کر جرأت نہ کرسکیں۔ (تفسیر عثمانی)

علماء بنی اسرائیل سے مراد بر قول عطیہ پانچ علماء تھے عبداللہ بن سلام۔ ابن یامین۔ ثعلبہ، اسد، اُسید حضرت ابن عباس نے فرمایا اہل مکہ نے مدینہ میں یہودیوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کرایا، یہودیوں نے کہا ان کی (یعنی پیغمبر آخر الزماں کی) بعثت کا زمانہ یہی ہے اور

ہم توریت میں ان کے اوصاف وخصوصی احوال پاتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ
اور اگر اتارتے ہم یہ کتاب کسی اوپری زبان والے پر اور وہ اس کو پڑھ کر
مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۹﴾
سناتا تو بھی اس پر یقین نہ لاتے

مشرکین کے بہانے کبھی ختم نہ ہوں گے:

یعنی آپ تو فصحائے عرب میں سے ہیں۔ ممکن ہے مشرکین مکہ یوں کہہ دیں کہ قرآن آپ نے خود تصنیف کرلیا ہوگا (حالانکہ قرآن اس حد اعجاز کو پہنچا ہوا ہے، جس کا مثل تمام جن وانس بھی بنا کر نہیں لاسکتے) تاہم کہنے کو یہ احتمال پیدا کر سکتے ہیں۔ لیکن ان کی ہٹ دھرمی وشقاوت اور بدبختی کا حال تو یہ ہے کہ اگر یہ قرآن فرض کرو ہم کسی غیر فصیح عرب یا عجمی انسان پر اتارتے جو ایک حرف عربی کا بولنے پر قادر نہ ہوتا، بلکہ بفرض محال کسی حیوان لایعقل پر اتارا جاتا، تب بھی یہ لوگ اس کے ماننے والے نہ تھے۔ اُس وقت کچھ اور احتمالات پیدا کرتے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں" کافر کہتے تھے کہ قرآن آیا ہے عربی زبان میں، اس نبی کی زبان بھی عربی ہے شاید آپ ہی کہہ لاتا ہو۔ اگر غیر زبان والے پر عربی قرآن اُترتا تو یقین کرتے فرمایا کہ دھوکہ والے کا جی کبھی نہیں ٹھہرتا۔ تب اور شبہے نکالتے کہ کوئی سکھا جاتا ہے (موضح القرآن) (تفسیر عثمانی)

عجمی کا مطلب:

اعجمین اعجم کی جمع ہے، عجم اس شخص کو کہتے ہیں جو فصیح عربی اچھی طرح نہ بول سکے خواہ نسباً عربی ہی ہو اور عجمی کی نسبت عجم کی طرف ہے، عجمی اس شخص کو کہتے ہیں جو نسباً غیر عربی ہو خواہ عربی فصیح بولتا ہو۔ اس تشریح لغوی کی بنا پر آیت کا یہ معنی ہوگا کہ اگر ہم یہ قرآن کسی ایسے شخص پر نازل کرتے جس کی عربی زبان فصیح نہ ہوتی۔ (تفسیر مظہری)

كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ
اسی طرح گھسا دیا ہم نے اس انکار کو گنہگاروں کے دل میں وہ نہ مانیں گے اس کو
حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۲۰۱﴾
جب تک نہ دیکھ لیں گے عذاب دردناک

اللہ تعالیٰ کا قانون مہلت:

یعنی جو آدمی جرائم اور گناہوں کا خوگر ہو جاتا ہے اور اپنے قویٰ کو شرارت اور سرکشی میں لگا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی عادت کے موافق ڈھیل چھوڑ دیتا ہے اور اس کے دل میں انکار وتکذیب کے اثر کو جاگزیں کر دیتا ہے۔ یہ تقریر ترجمہ کے موافق ہوئی۔

حقانیت قرآن:

لیکن بہت سے مفسرین نے سلکنٰہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع کی ہے یعنی قرآن کو ہم نے اس طرح مجرمین کے دل میں گھسا دیا ہے کہ وہ دل میں خوب سمجھتے ہیں کہ یہ کلام بشر کا نہیں ہوسکتا۔ پھر بھی ہٹ دھرمی سے ایمان نہیں لا سکتے اور تکذیب کئے چلے جاتے ہیں۔ تاآنکہ دنیا یا آخرت میں دردناک عذاب کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیں، اُس وقت مانیں گے کہ ہاں پیغمبر سچے تھے اور جو کتاب لائے تھے وہ سچی تھی، مگر اُس وقت ماننا کچھ نفع نہ دے گا۔

فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ فَيَقُوْلُوْا
پھر آئے اُن پر اچانک اور اُن کو خبر بھی نہ ہو پھر کہنے لگیں
هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾
کچھ بھی ہم کو فرصت ملے گی

جب آنکھ کھلے گی مہلت نہیں ملے گی:

یعنی جب عذاب الٰہی ایک دم سر پر پہنچ جائے گا اُس وقت کہیں گے کیا ہمیں تھوڑی سی مہلت دی جاسکتی ہے کہ اب توبہ کرکے اپنا چال چلن درست کرلیں اور پیغمبروں کا اتباع کرکے دکھلائیں دنیا میں تو عذاب کی جلدی مچارہے تھے اب مہلت طلب کرنے لگے۔

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿۲۰۵﴾
کیا ہمارے عذاب کو جلد مانگتے ہیں بھلا دیکھ تو اگر فائدہ پہنچاتے رہیں ہم ان کو برسوں
ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾
پھر پہنچے اُن پر جس چیز کا اُن سے وعدہ تھا تو کیا کام آئے گا اُن کے جو کچھ فائدہ اٹھاتے رہے

ساری زندگی کی مہلت گنوادی:

یعنی سالہا سال کی ڈھیل اور مہلت بھی جو دی گئی تھی اُس وقت کچھ کام نہ آئے گی۔ اُس وقت یہ برسوں کی مہلت کالعدم معلوم ہوگی اور سمجھیں گے کہ واقعی بہت ہی جلدی پکڑے گئے۔ (نازعات۔ رکوع ۲) (تفسیر عثمانی)

لمبی عمر نعمت ہے:

اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ اس آیت میں اشارہ ہے کہ دنیا میں کسی کو عمر

دراز ملنا بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے لیکن جو لوگ اس نعمت کی ناشکری کریں ایمان نہ لائیں ان کو عمر دراز کی عافیت و مہلت کچھ کام نہ آئے گی۔ امام زہریؒ نے نقل فرمایا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ روز صبح کو اپنی داڑھی پکڑ کر اپنے نفس کو خطاب کر کے یہ آیت پڑھا کرتے تھے اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ الآیۃ اس کے بعد ان پر گریہ طاری ہو جاتا اور یہ اشعار پڑھتے تھے

نهارک بالغرور سهو و غفلة — وليلک نوم والتردی لک لازم
فلاانت فی الايقاظ يقظان حازم — ولا انت فی النوم ناج وسالم
وتسعی الی ماسوف تکره غبة — کذلک فی الدنيا تعيش البهائم

(ترجمہ) اے فریب خوردہ تیرا سارا دن غفلت میں اور رات نیند میں صرف ہوتی ہے حالانکہ موت تیرے لئے لازمی ہے، نہ تو بیدار لوگوں میں ہوشیار و بیدار ہے اور نہ سونے والوں میں اپنی نجات پر مطمئن ہے۔ تیری کوشش ایسے کاموں میں رہتی ہے جس کا انجام عنقریب ناگوار صورت میں سامنے آئے گا، دنیا میں چوپائے جانور ایسے ہی جیا کرتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۸﴾

اور کوئی بستی نہیں غارت کی ہم نے جس کے لئے نہیں تھے ڈر سنانے والے

ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۰۹﴾

یاد دلانے کو اور ہمارا کام نہیں ہے ظلم کرنا

مہلت کے بعد عذاب آتا ہے:

یعنی کسی قوم کا تختہ یوں ہی ایک دم نہیں اُلٹ دیا گیا۔ عذاب بھیجنے سے پہلے کافی مہلت دی گئی اور ہشیار کرنے والے پیغمبر بھیجے گئے کہ لوگ غفلت میں نہ رہیں، جب کسی طرح نہ مانے آخر غارت کئے گئے۔ العیاذ باللہ۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾

اور اس قرآن کو نہیں لے کر اترے شیطان اور نہ اُن سے بن آئے اور نہ وہ کر سکیں

قرآن کریم شیطان کے دخل سے پاک ہے:

درمیان میں مکذبین کے احوال بیان فرما کر پھر اصل مضمون وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ کی تکمیل و تتمیم فرماتے ہیں یعنی یہ کتاب خدا تعالیٰ کے ہاں سے جبریل امین لائے ہیں۔ شیاطین کی سکھلائی ہوئی چیز نہیں۔ بھلا شیاطین سے کہاں ممکن ہے کہ ایسی کتاب بن آئے۔ اُن کی طبائع کا خاصہ تو گمراہی، فساد، اور ظلمت پھیلانا ہے۔ اور یہ کتاب اول سے آخر تک رُشد و صلاح اور نور ہدایت سے بھری ہوئی ہے جس کی تعلیم سے وہ جماعت تیار ہوئی۔ جس سے زیادہ آسمان کے نیچے بجز انبیاء کے کوئی پاکباز، صادق، خداترس اور خداپرست جماعت نہیں تو اس کتاب کے علوم اور شیاطین کی طبائع میں کوئی مناسبت نہیں۔ نہ وہ اس لائق ہیں کہ اس عظیم الشان، متبرک بار امانت کو اٹھا سکیں۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (حشر رکوع ۳) روایت میں ہے کہ بعض مشرکین کا خیال تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی جن آ کر یہ قرآن سکھلا جاتا ہے۔ بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ وحی آنے میں کچھ دیر ہوئی تو ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا (نعوذ باللہ) ان آیات میں اسی خیال کی تردید ہے۔

اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾

اُن کو تو سننے کی جگہ سے دور کر دیا ہے

شیاطین کی ناکہ بندی:

یعنی نزول قرآن کے زمانہ میں اُس کی حفاظت کے لئے ایسے غیبی پہرے بٹھائے گئے ہیں کہ شیاطین پاس بھی نہیں پھٹک سکتے نہ ایک حرف اُچک سکتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ۔ وَاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا (جن۔ رکوع ۱) وقال تعالیٰ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا (جن۔ رکوع ۲ وقال تعالیٰ) لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ (حم السجدہ۔ رکوع ۵)

(تنبیہ) شیاطین کے غیبی خبریں سننے کی کوشش کرنے اور ناکام رہنے کے متعلق سورۂ حجر کے شروع میں مفصل کلام کیا جا چکا ہے وہاں مطالعہ کرنا چاہیے۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾

سو تو مت پکار اللہ کے ساتھ دوسرا معبود پھر تو پڑے عذاب میں

قرآن کو چھوڑنا عذاب کو دعوت دینا ہے:

یہ فرمایا رسول کو اور سنایا اوروں کو یعنی جب یہ کتاب بلاشک و شبہ خدا کی اتاری ہوئی ہے۔ شیطان کا اس میں ذرہ بھر دخل نہیں تو چاہیے کہ اس کی تعلیم پر چلو جس میں اصل اصول توحید ہے۔ شرک و کفر اور تکذیب کی شیطانی راہ اختیار مت کرو۔ ورنہ عذاب الٰہی سے رُستگاری کی کوئی سبیل نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا (بظاہر خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن حقیقت میں) اس سے دوسروں کو ڈرانا مقصود ہے گویا یوں فرمایا کہ آپ تمام مخلوق میں میرے نزدیک زیادہ معزز ہیں۔ میرے سوا کسی دوسرے کو معبود بنائیں گے تو آپ کو بھی عذاب دوں گا۔ (تفسیر مظہری)

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾

اور ڈر سنا دے اپنے قریب کے رشتہ داروں کو

قرابتداروں کو ڈرانے کا حکم:

یعنی اوروں سے پہلے اپنے اقارب کو تنبیہ کیجئے کہ خیر خواہی میں ان کا حق مقدم ہے اور ویسے بھی آدمی کی صداقت وحقانیت اقارب کے معاملہ سے پرکھی جاتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے قریش کو پکار کر سنا دیا اور اپنی پھوپی تک اور اپنی بیٹی تک اور چچا تک کہہ سنایا کہ اللہ کے ہاں اپنی فکر کرو۔ خدا کے ہاں میں تمہارا کچھ نہیں کر سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے قرابتداروں کو دعوت دینا:

بغوی نے لکھا ہے کہ محمد بن اسحٰق نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت علی نے فرمایا جب یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طلب کیا اور فرمایا علی اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریب ترین عزیزوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤں میں یہ حکم سن کر سوچ میں پڑ گیا کہ کیا کروں مجھے معلوم تھا کہ اگر میں ان لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤں گا اور اس کام کے لئے پکاروں گا تو ان کی طرف سے میرے سامنے ایسا عمل آئے گا جو مجھے ناگوار ہوگا یہ سوچ کر میں خاموش ہو رہا لیکن اب جبرئیل نے مجھ سے آ کر کہا کہ محمد اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اللہ تم کو عذاب دے گا لہٰذا علی تم جا کر ایک صاع (آٹے) کی روٹی بنواؤ اور بکری کی ایک ٹانگ (پکا کر بطور سالن کے) اس کے ساتھ رکھ دو اور ایک بڑے پیالہ میں دودھ بھر کر لے آؤ پھر اولادِ عبدالمطلب کو اکٹھا کرو تاکہ جس بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے میں وہ بات ان کو پہنچا دوں حضرت علی نے فرمایا میں نے حکم کی تعمیل کی پھر سب کی دعوت کر دی وہ لوگ آئے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تائے (چچے) ابوطالب، حمزہ، عباس اور ابولہب بھی تھے سب کم وبیش چالیس آدمی تھے جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے وہ کھانا منگوایا جو میں نے تیار کیا تھا میں نے لاکر رکھ دیا آپ نے اس میں سے ایک ٹکڑا گوشت کا لے کر اپنے دانتوں سے اس کو کاٹا پھر اس کو پیالہ میں رکھ دیا پھر فرمایا بسم اللہ کھائیے سب نے کھایا یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے خدا کی قسم جتنا کھانا میں نے سب کے لئے رکھا تھا اتنا تو ان میں کا ایک آدمی کھالیتا (مگر کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ سب کے پیٹ بھر گئے اور کسی کو مزید ضرورت نہیں رہی) پھر فرمایا ان کو (دودھ) پلاؤ میں ان کے سامنے وہی (دودھ بھرا) پیالہ لے آیا خدا کی قسم دودھ اتنا تھا کہ اتنا تو ایک آدمی پی جاتا لیکن سب پی کر سیر ہو گئے اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ بات کرنے کا موقع پایا لیکن حضور کے کچھ کہنے سے پہلے ابولہب بول اٹھا اور کہنے لگا تمہارے ساتھی نے تم پر جادو کر دیا یہ سنتے ہی لوگ منتشر ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بات نہ کر سکے دوسرے دن حضور نے فرمایا علی تم کو معلوم ہے کہ یہ شخص پہلے بول اٹھا اور میرے بات کرنے سے پہلے ہی لوگ منتشر ہو گئے اب پھر ویسا ہی کھانا تیار کرو جیسا (کل) کیا تھا اور لوگوں کو پھر جمع کرو میں نے حکم کی تعمیل کی پھر سب کو جمع کیا حضور نے کھانا منگوایا میں نے سامنے لاکر رکھ دیا آپ نے وہی عمل کیا جو گذشتہ دن کیا تھا اس کے بعد سب نے کھایا پیا کھا چکنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام شروع کیا اور فرمایا اے اولادِ عبدالمطلب میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم کو بھی اس کی دعوت دوں تم میں سے کون شخص ہے جو اس کام میں مدد کرے اور میرا بھائی اور وصی اور نائب ہو جائے لوگ یہ سن کر سب کے سب جھجکے میں سب سے کم عمر تھا میں نے کہا یا نبی اللہ میں اس کام میں آپ کا مددگار رہوں گا یہ سن کر آپ نے میری گردن پکڑی اور فرمایا یہ میرا بھائی میرا وصی اور میرا نائب ہے تم اس کی بات سنو اور اس کا کہا مانو لوگ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اس نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم علی کی بات سنیں اور اس کی اطاعت کریں۔

کوہِ صفا سے سب کو بلانا:

صحیحین میں سعید بن جبیر کی وساطت سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان آیا ہے کہ جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہِ صفا پر چڑھ کر (مختلف) بطون قریش کو پکارنا شروع کیا اے اولادِ فہر اے بنی عدی آواز سن کر سب لوگ جمع ہو گئے جو خود نہ آ سکا اس نے اپنا قاصد بھیج دیا تاکہ وہ جا کر دیکھے کہ واقعہ کیا ہے ابولہب بھی آ گیا اور دوسرے قریش والے بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھلا بتاؤ اگر میں تم کو اطلاع دوں کہ وادی کے اندر (اس وقت) کچھ سوار موجود ہیں جو تم پر تاخت کرنا چاہتے ہیں تو کیا تم میری تصدیق کرو گے سب نے کہا جی ہاں ہم نے اپنے تجربہ میں آپ کا کبھی کوئی جھوٹ نہیں پایا حضور نے فرمایا تو عذاب شدید آنے سے پہلے میں تم کو اس سے ڈرا رہا ہوں (عذاب شدید میرے سامنے ہے جو آنے والا ہے) ابولہب بولا تو ہمیشہ کے لئے ہلاک ہو جائے کیا اسی لئے تو نے ہم کو جمع کیا تھا اس پر سورت تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ آخر تک نازل ہوئی۔

قوم والوں سے خطاب:

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے آیا ہے کہ جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ اتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے

اور فرمایا اے گروہ قریش۔ (راوی کا بیان ہے کہ یہ لفظ فرمایا یا اسی طرح کا کوئی دوسرا لفظ) اپنی جانوں کو خود خرید لو (یعنی آنے والے عذاب سے بچالو) میں اللہ (کے عذاب سے تمہارے کسی کام نہیں آؤں گا۔ اے عباس بن عبدالمطلب میں اللہ (کے عذاب) سے بچانے کے لئے بالکل تمہارے کام نہیں آسکتا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی صفیہ تم کو بھی میں اللہ سے نہیں بچا سکتا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ میرے مال میں تو جو کچھ مانگنا چاہتی ہے مجھ سے مانگ لے اللہ کے مقابل میں تیرے کوئی کام نہیں آؤں گا۔

ابولہب کی ہلاکت:

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ حدیث نقل کی ہے کہ جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بستی سے) نکل کر کوہ صفا پر چڑھ گئے اور وہاں سے اونچی آواز سے پکارا یا صباحاہ (اے لوگو ہشیار ہو جاؤ دشمن آ خررات میں حملہ کرنے والا ہے) لوگوں نے آواز سن کر کہا یہ کون ہے سب آپ کے پاس جمع ہو گئے حضور نے فرمایا بھلا بتاؤ تو اگر میں تم کو اطلاع دوں کہ کچھ سوار اس پہاڑ کے دامن سے برآمد ہو رہے ہیں (جو تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں) تو کیا تم مجھے سچا جانو گے لوگوں نے کہا ہم نے تجربہ میں آپ کی کوئی بات جھوٹی نہیں پائی فرمایا تو میں عذاب شدید آنے سے پہلے تم کو (اس کی آمد سے) ڈرا رہا ہوں (عذاب شدید میرے سامنے ہے) ابولہب بولا تجھے ہلاکت ہو کیا اس لئے تو نے ہم کو اکٹھا کیا تھا یہ کہہ کر کھڑا ہو گیا اس پر اسی روز تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ (اعمش کی قراءت میں اسی طرح آیا ہے) نازل ہوئی۔

بغوی نے حضرت عبداللہ بن حمار مجاشعیؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ جو علم اس نے مجھے عطا فرمایا ہے اور تم اس سے واقف نہیں آج تم کو اس کے کچھ حصہ سے واقف کر دوں اس نے فرمایا کہ جو مال میں نے اپنے بندوں کو (بطور حلال) عطا کر دیا وہ ان کے لئے حلال ہے میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا پھر شیطانوں نے پہنچ کر ان کو ان کے دین سے بہکایا اور جو چیز میں نے ان کے لئے حلال کر دی تھی شیطانوں نے وہ چیز ان کے لئے حرام قرار دیں میں نے ان کو حکم دیا تھا کہ جس چیز کی معبودیت کی میں نے کوئی دلیل نہیں، اتاری اس کو میرا ساجھی نہ قرار دیں۔ اللہ نے تمام زمین والوں کو دیکھا اور سب سے نفرت کی عرب ہوں یا عجمی ہوں۔ ہاں اہل کتاب میں سے جو (اصلی دین پر) باقی رہ گئے تھے (ان سے نفرت نہیں کی) اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں (اللہ کی نافرمانی اور عذاب سے) قریش کو ڈراؤں میں نے عرض کیا اے رب وہ تو میرا سر توڑ ڈالیں گے اور میرے سر کو (کچل کر) روٹی بنا دیں گے اللہ نے فرمایا میں نے تجھے اسی لئے بھیجا ہے کہ تیری بھی جانچ کروں اور تیرے ذریعہ سے دوسروں کی بھی میں نے تیرے اوپر ایک کتاب اتاری ہے جس کو پانی نہیں دھو سکتا تو اس کو سوتے جاگتے پڑھا کر، تو ان سے جہاد کر کامیاب ہوگا تو (اللہ کے بندوں پر) خرچ کر (اللہ کی طرف سے) تجھ پر خرچ کیا جائے گا۔ تو ایک لشکر (کافروں کے مقابلے کے لئے) تیار کر میں اس سے پانچ گنا لشکر تیری مدد کے لئے بھیج دوں گا۔ اور اپنے فرمانبرداروں کو ساتھ لے کر نافرمانوں سے جنگ کر پھر فرمایا اہل جنت تین ہیں۔

(۱) منصف حاکم (۲) ہر قرابتدار اور مسلم پر مہربانی کرنے والا نرم دل آدمی (۳) دولت مند پاک دامن آدمی جو خود پاکدامن رہتا ہے اور دوسروں کو خیرات دیتا ہے۔

اور دوزخی پانچ ہیں وہ کمزور بے عقل جس میں برائیوں سے رکنے والی سمجھ نہ ہو محض دوسروں کے پیچھے لگ جانے والا ہو اور وہ شخص کہ جب صبح کو اٹھتا ہے تو تم کو تمہارے مال وعیال کے معاملہ میں فریب دیتا، اٹھتا ہے اور وہ شخص کہ اس کا ہر لالچ خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو اس کو (اپنے ساتھ) لے جاتا ہے۔ اور وہ شخص جو بد اخلاق اور فحاش ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بخل اور کذب کا بھی ذکر کیا تھا۔ واللہ اعلم

ایک ایک کو خطاب:

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے اُترتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریشیوں کو بُلایا اور انہیں ایک ایک کر کے اور عام طور پر خطاب کر کے فرمایا کہ اے قریشیو! اپنی جانیں جہنم سے بچالو۔ اے کعب کے خاندان والو! اپنی جانیں آگ سے بچالو۔ اے ہاشم کی اولاد کے لوگو! اپنے تئیں خدا کے عذابوں سے چھڑالو۔ اے عبدالمطلب کے لڑکو! خدا کے عذابوں سے بچنے کی کوشش کرو۔ اے فاطمہ بنت محمد! اپنی جان کو دوزخ سے بچالے۔ میں خدا کے ہاں کی کسی چیز کا مالک نہیں۔ بیشک تمہاری قرابت داری ہے جس کے دنیوی حقوق میں ہر طرح ادا کرنے کو تیار ہوں (مسلم وغیرہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کی مثال:

مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت اُتری تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک پہاڑی پر چڑھ گئے جس کی چوٹی پر پتھر تھے وہاں پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بنی عبدالمناف میں تو صرف ہوشیار کر دینے والا ہوں میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے دشمن کو دیکھا اور دوڑ کر اپنے والوں کو ہوشیار کرنے کے لئے آیا تا کہ وہ بچاؤ کر لیں دور سے ہی اس نے غل مچانا شروع کر دیا کہ پہلے ہی خبردار ہو جائیں (مسلم نسائی وغیرہ)

حضرت علیؓ کی فضیلت:

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اُتری تو آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم نے اپنے اہل بیت کو جمع کیا یہ تیس شخص تھے جب یہ کھا پی چکے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو میرا قرض اپنے ذمے لے اور میرے بعد میرے وعدے پورے کرے وہ جنت میں بھی میرا ساتھی اور میرے اہل میں میرا خلیفہ ہوگا۔ تو ایک شخص نے کہا کہ آپ تو ایک سمندر ہیں آپ کے ساتھ کون کھڑا ہو سکتا ہے؟! تین دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن کوئی تیار نہ ہوا تو میں نے کہا یارسول اللہ! میں اس کے لئے تیار ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
اور اپنے بازو نیچے رکھ ان کے واسطے جو تیرے ساتھ ہیں ایمان والے

یعنی شفقت میں رکھ ایمان والوں کو اپنے ہوں یا پرائے۔

فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ
پھر اگر تیری نافرمانی کریں تو کہہ دے میں بیزار ہوں تمہارے کام سے

یعنی خلاف حکم خدا جو کوئی کرے اُس سے تو بیزار ہو جا، اپنا ہو یا پرایا۔ (موضح) (تفسیر عثمانی)

گناہوں سے بیزاری:

پھر اگر وہ مومن (بعض امور میں) تمہاری نافرمانی کریں تو کہہ دو کہ میں تمہارے ان (گناہوں کے) اعمال سے بری ہوں۔ اس آیت میں گناہوں سے الگ ہونے کے اظہار کا حکم دیا گیا ہے گناہگاروں سے الگ ہونے کے اظہار کا حکم نہیں دیا گیا۔ (تفسیر مظہری)

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ
اور بھروسہ کر اُس زبردست رحم والے پر

اللہ پر بھروسہ رکھو:

یعنی نافرمانی کرنے والے کوئی ہوں اور کتنے ہی ہوں تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ سب سے بیزار ہو کر ایک خدا پر بھروسہ رکھ جو زبردست بھی ہے کسی کی اس کے مقابلہ میں چل نہیں سکتی، اور مہربانی فرمانے والا بھی، چنانچہ اپنی مہربانی سے تیرے حال پر ہر وقت نظر، عنایت رکھتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

توکل کا معنی ہے اپنا کام (مکمل طور پر) دوسرے کے سپرد کر دینا اور ایسا کرنا نہ عقلاً جائز ہے نہ نقلاً صحیح۔ ہاں اگر جس کی سپردگی میں کام دیا ہو وہ نفع پہنچانے اور ضرر کو دفع کرنے پر کامل قدرت رکھتا۔ بھروسہ کرنے والے کے اقوال کو سنتا اور تمام احوال کو دیکھتا ہو اور انجام سے باخبر ہو اور بھروسہ کرنے والے کا ہر وقت نگراں ہو تو اس کی سپردگی میں اپنے کام دیئے جا سکتے ہیں اسی لئے فرمایا علی العزیز یعنی اس اللہ پر اعتماد رکھو جو اپنے دشمنوں پر غالب ان کو مقہور کرنے والا اور اپنے دوستوں کی مدد کرنے والا ہے الرحیم جو رحیم ہے تمہارے اوپر بھی اور تمہاری پیروی کرنے والوں پر بھی۔ (تفسیر مظہری)

الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ
جو دیکھتا ہے تجھ کو جب تو اُٹھتا ہے اور تیرا پھرنا نمازیوں میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساجدین میں تقلب:

یعنی جب تو تہجد کو اُٹھتا ہے اور متوسلین کی خبر لیتا ہے کہ خدا کی یاد میں ہیں یا غافل (موضح) یا تو جب نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور جماعت کی نماز میں نقل و حرکت (رکوع وسجود وغیرہ) کرتا ہے، اور مقتدیوں کی دیکھ بھال رکھتا ہے اور بعض سلف نے کہا کہ ساجدین سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء مراد ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کا ایک نبی کی صُلب سے دوسرے نبی کی صُلب تک منتقل ہونا اور آخر میں نبی ہو کر تشریف لانا بلکہ بعض مفسرین نے اس لفظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان پر استدلال کیا ہے۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تم کو اس وقت بھی دیکھتا ہے جب تم تنہا نماز پڑھتے ہو اور اس وقت بھی دیکھتا ہے جب نمازیوں کے ساتھ جماعت کی نماز پڑھتے ہو۔ مجاہد نے کہا مطلب یہ ہے کہ تم جو نمازیوں کی طرف نظر گھماتے پھراتے ہو اللہ اس کو دیکھتا ہے بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح سامنے سے دیکھتے تھے اسی طرح پشت کے پیچھے کی چیز کو بھی دیکھتے تھے (تو نماز کے اندر نظر نبوت سے مقتدیوں کے حال کا بھی مشاہدہ کر لیتے تھے حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میرا رخ یہاں (یعنی سامنے کی طرف) دیکھتے ہو واللہ تمہارے خضوع کی حالت مجھ سے پوشیدہ نہیں ہوتی میں تمہیں بلاشبہ اپنی پشت کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں رواہ البغوی۔

عطاء کی روایت میں حضرت ابن عباس کا ایک قول آیا ہے کہ تقلب سے مراد ہے آباء و اجداد کی پشتوں میں منتقل ہونا یعنی ایک نبی سے نور محمدی کا دوسرے نبی کی پشت میں منتقل ہو کر آنا۔ لیکن اس تفسیر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی خاص مدح نہ ہوگی کیونکہ آباء و اجداد میں ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہونا تو صرف رسول اللہ ہی کے لئے مخصوص نہ تھا تمام قریش بلکہ تمام انسان یونہی پشت در پشت منتقل ہوتے چلے آئے ہیں۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ تقلب سے مراد ہو پاک عبادت گزار مردوں کی پشت سے مقدس پاک دامن عورتوں کے رحموں میں آپ کا منتقل ہوتے رہنا یعنی موحد، مومن مردوں کی پشتوں سے مومن، موحد عورتوں کے رحموں کی طرف انتقال۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کا مؤمن ہونا:

اس تفسیر سے آیت پر استدلال کیا جا سکے گا اس امر پر کہ

حضور کے سارے آباء واجداد مومن تھے۔ کذا قال السیوطی۔

حافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی کے شعر ہیں۔

وینقل احمد نوراً عظیماً تلاءٔ لافی وُجُوہِ السَّاجدین
تقلّبَ فیہِمْ قرناً فقرناً الی اَنْ جاءَ خیرُ الْمُرسلین

ہر ایک نورِ عظیم منتقل کرتا رہا جو موحدوں کے چہروں میں جگمگاتا رہا وہ نور ہر زمانہ میں منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ سید المرسلینؐ پیدا ہو گئے۔

اس تفسیر کی تائید صحیح بخاری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے قرن در قرن (منتقل کر کے) بنی آدم کے بہترین قرن میں بھیجا گیا یہاں تک کہ میری بعثت اس زمانہ میں ہوگئی جس میں میں ہوں۔ مسلم نے حضرت واثلہ بن اسقع کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے اولاد ابراہیم میں سے اسماعیل کا انتخاب کر لیا اور اولاد اسماعیل میں سے بنی کنانہ کا اور بنی کنانہ میں سے قریش کا اور قریش میں سے بنی ہاشم کا اور بنی ہاشم میں سے مجھے چن لیا۔ بیہقی نے دلائل النبوت میں حضرت انسؓ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے حضور نے فرمایا جب بھی اللہ نے آدمیوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین فرقہ میں سے کر دیا آخر مجھے میرے والدین سے پیدا کر دیا گیا کہ دور جاہلیت کی کوئی خرابی مجھے نہیں پہنچی آدم سے لے کر اپنے والدین تک میں نکاح سے پیدا ہوا زناء سے نہیں۔ پس میں ذاتی حیثیت میں بھی تم سے بہتر ہوں اور نسبی اعتبار سے بھی افضل ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد کے مؤمن ہونے کے موضوع پر مجمل اور مفصل ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں مثبت ومنفی ہر طرح کی بحث کی ہے میں نے اس کا خلاصہ ایک رسالہ کی شکل میں لکھ دیا ہے اس موضوع کی تنقیح کے لئے اس رسالہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ
بیشک وہی ہے سننے والا جاننے والا میں بتلاؤں تم کو کس پر اُترتے ہیں
الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۲۲﴾
شیطان اُترتے ہیں ہر جھوٹے گنہگار پر

صداقت وعظمتِ قرآن وپیغمبر:

یہاں پھر قرآن کے صدق اور عظمت شان پر تنبیہ فرمائی یعنی ایسے ساجدین اور تہجد گزاروں کے امام کو جو اللہ کے معاملہ میں اپنے اور بیگانے کی کوئی پروانہ کرے اور ساری دنیا سے ٹوٹ کر اکیلے خدا پر بھروسہ رکھے، کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ (معاذ اللہ) شیطان اُن پر وحی لاتا تھا؟ آؤ! میں تم کو بتاؤں کہ شیطانی وحی کس قسم کے لوگوں پر آتی ہے۔ وہ آتی ہے جھوٹوں پر بدمعاشوں اور بدکاروں پر کیونکہ شیطان سچے اور نیک آدمیوں سے بیزار ہے کہ یہ اس کو برا جانتے ہیں۔ جھوٹے دغا بازوں سے خوش ہے جو اس کی مرضی کے موافق ہیں۔ بھلا سب سچوں سے زیادہ سچے اور تمام نیکوں سے بڑھ کر نیک انسان کو شیطانی وحی سے کیا نسبت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق وامانت اتقاء، پاکبازی، خدا ترسی تو وہ اوصاف ہیں جو بچپن سے لے کر دعوائے نبوت تک آپ کی ساری قوم کو تسلیم تھے۔ حتیٰ کہ الصادق الامین آپؐ کا لقب ہی پڑ گیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

''شیاطین اترتے ہیں ہر بڑے دروغ گو پکے گناہگار پر۔''

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ شریر دروغ گو ہیں۔ نہ گناہگار اللہ کے نافرمان اس لئے شیاطین کا نزول ان پر نہیں ہو سکتا تعلیم دینے والے اور تعلیم پانے والے میں (عملی وقولی) مناسبت وموافقت ضروری ہے۔ (تفسیر مظہری)

يُلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾
لا ڈالتے ہیں سنی ہوئی بات اور بہت اُن میں جھوٹے ہیں

شیطان کی جھوٹی روایات:

یعنی شیاطین کوئی ایک آدھ ناتمام بات امور غیبیہ جزئیہ کے متعلق جو سن بھاگتے ہیں اس میں سو جھوٹ ملا کر اپنے کاہن دوستوں کو پہنچاتے ہیں، یہ حقیقت ان کی وحی کی ہے۔ برخلافِ اس کے انبیاء علیہ السلام کی وحی کا ایک حرف اور ایک شوشہ بھی جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ بعض نے يُلْقُوْنَ السَّمْعَ کے معنی یہ لئے ہیں، کہ شیاطین ملاءِ اعلیٰ کی طرف کان لگاتے ہیں کہ کوئی غیبی بھنک کان میں پڑ جائے، یا جھوٹے گنہگار شیاطین کی طرف کان جھکائے رکھتے ہیں کہ کوئی چیز اُدھر سے ہاتھ آئے تو چلتی کریں۔ (تفسیر عثمانی)

کاہنوں کی باتیں:

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کے متعلق دریافت کیا حضور نے فرمایا وہ (یعنی کاہن) ہیچ ہیں عرض کیا گیا یا رسول اللہ وہ بسا اوقات ایسی باتیں کہتے ہیں جو صحیح ثابت ہوتی ہیں فرمایا کوئی ایک صحیح بات کوئی جن (فرشتوں کی گفتگو سے) جھپٹ کر لے بھاگتا ہے اور لا کر اپنے دوست کے کان میں مرغی کے کٹکٹانے کی طرح کٹ کٹ کر دیتا ہے کاہن اس (ایک صحیح بات) میں سو سے بھی زیادہ جھوٹ ملا کر بیان کر دیتے ہیں۔ متفق علیہ۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ فرشتے عنان یعنی ابر میں اترتے ہیں اور ان میں باہم اس امر کا تذکرہ ہوتا ہے جس کا فیصلہ آسمان پر ہو چکا ہے شیاطین (بادلوں تک پہنچ کر) اس

بات کو چوری سے سن پاتے ہیں اور کاہنوں کے دلوں میں لا کر ڈال دیتے ہیں کاہن اسکے ساتھ سو جھوٹ اپنی طرف سے شامل کر دیتے ہیں۔ رواہ البخاری۔

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ جب کسی امر کا فیصلہ آسمان پر کر دیتا ہے تو فرشتے عاجزی اور اطاعت کے اظہار کے لئے اپنے بازو پھٹ پھٹاتے ہیں جیسے کسی چٹان پر زنجیر مارنے سے آواز پیدا ہوتی ہے جب گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو (باہم) پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا (دوسرے جواب میں) کہتے ہیں جو کچھ فرمایا وہ حق ہے وہی بزرگ، برتر، عالی قدر ہے۔ اس بات کو کچھ چوری سے سننے والے، (شیاطین) سن پاتے ہیں وہ نیچے والے چوری سے سننے والے سے کہہ دیتے ہیں اور اسی طرح ایک کے بعد ایک ترتیب وار سن لیتا ہے (سفیان راوی نے اپنی انگلیاں کھول کر ہاتھ کو ترچھا کر کے دکھایا یعنی چاروں انگلیوں کو اس طرح ترتیب دے کر بتایا کہ ایک انگلی دوسری کے اوپر اور دوسری تیسری کے اوپر تیسری چوتھی کے اوپر کر کے دکھائی۔ (مترجم) نیچے والا سن کر اپنے سے نیچے والے کو بتا دیتا ہے اور وہ اپنے سے نیچے والے کو یہاں تک کہ سب سے نچلا شیطان ساحر یا کاہن کو بتا دیتا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اوپر والا نیچے والے کو بتانے بھی نہیں پاتا کہ پہلے ہی ایک انگارہ (ٹوٹنے والا ستارہ) اس پر آ گرتا ہے اور اس کو جلا دیتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انگارہ پڑنے سے پہلے وہ اپنے نیچے والے کو بتا چکتا ہے۔ کاہن اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتا ہے اور لوگوں سے کہہ دیتا ہے اسی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ کیا فلاں فلاں دن کاہن نے ایسا نہیں کہا تھا غرض اسی آسمان والی بات کی وجہ سے کاہن کی تصدیق کی جاتی ہے۔ رواہ البخاری

ستاروں کا ٹوٹنا:

حضرت ابن عباس نے کسی انصاری کا مقولہ نقل کیا انصاری نے کہا ہم ایک رات رسول اللہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک تارہ ٹوٹا اور اس کی روشنی ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاہلیت کے زمانہ میں اس طرح (تارہ) پھینکا جاتا تھا تو تم لوگ کیا کہتے تھے حاضرین نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتے ہیں ہم کہا کرتے تھے کہ آج رات کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ (تارے) نہ کسی کے مرنے کی وجہ سے پھینکے جاتے ہیں۔ نہ کسی کی زندگی کی وجہ سے پھینکے جاتے ہیں بلکہ ہمارا رب بزرگ و برتر جب کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو حاملین عرش تسبیح پڑھتے ہیں پھر ان سے متصل آسمان والے یہاں تک کہ تسبیح (کی آواز) اس نچلے قریبی آسمان والوں کو پہنچ جاتی ہے پھر حاملین عرش سے متصل آسمان والے حاملین عرش سے کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا وہ بتاتے ہیں کہ اللہ نے یہ فرمایا پھر (ترتیب وار) ایک آسمان والے دوسرے آسمان والوں سے پوچھتے چلے آتے ہیں یہاں تک کہ وہ بات اس دنیوی آسمان تک پہنچ جاتی ہے اور جن جھپٹ کر اس کو سن کر لے بھاگتا ہے اس طرح شیاطین اپنے دوستوں کی طرف لا کر دے مارتے ہیں (کاہن لوگ) جب اس بات کو اسی طرح بیان کرتے ہیں جیسی وہ ہوتی ہے تو وہ حق ہوتی ہے لیکن وہ تو اس میں بڑھا دیتے ہیں۔ رواہ مسلم۔ (تفسیر مظہری)

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾

اور شاعروں کی بات پر چلیں وہی جو بے راہ ہیں

پیغمبر شاعر نہیں ہے:

کافر لوگ پیغمبر کو کبھی کاہن بتاتے کبھی شاعر، سو فرمایا کہ شاعری کی باتیں محض تخیلات ہوتی ہیں تحقیق سے اس کو لگاؤ نہیں ہوتا، اس لئے اس کی باتوں سے بجز گرمی محفل یا وقتی جوش اور واہ واہ کے کسی کو مستقل ہدایت نہیں ہوتی حالانکہ اس پیغمبر کی صحبت میں قرآن سن سن کر ہزاروں آدمی نیکی اور پرہیزگاری پر آتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

دورِ فاروقی کے ایک گورنر کی معزولی کا واقعہ:

امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں حضرت نعمان بن عدی بن نضلہ کو بصرے کے شہر میسان کا گورنر مقرر کیا تھا وہ شاعر تھے ایک مرتبہ اپنے شعروں میں کہا کہ کیا حسینوں کو یہ اطلاع نہیں ہوئی کہ ان کا محبوب میسان میں ہے جہاں ہر وقت شیشے کے گلاسوں سے دور شراب چل رہا ہے اور گاؤں کی بھولی لڑکیوں کے گانے اور ان کے رقص و سرود مہیا ہیں ہاں اگر میرے کسی دوست سے ہو سکے تو اس سے بڑے اور بھرے ہوئے جام مجھے پلائے لیکن ان سے چھوٹے جام مجھے سخت ناپسند ہیں۔ خدا کرے امیر المؤمنین کو یہ خبر نہ پہنچے ورنہ وہ برا مانیں گے اور سزا دیں گے۔ یہ اشعار سچ مچ حضرت امیر المؤمنین تک پہنچے آپ سخت ناراض ہوئے اور اسی وقت آدمی بھیجا کہ میں نے تجھے تیرے عہدے سے معزول کیا اور آپ نے ایک خط بھیجا جس میں بسم اللہ الخ کے بعد حٰم کی تین آیتیں الیہ المصیر تک لکھ کر پھر تحریر فرمایا کہ تیرے اشعار میں نے سنے مجھے سخت رنج ہوا۔ میں تجھے تیرے عہدے سے معزول کرتا ہوں۔ چنانچہ اس خط کو پڑھتے ہی حضرت نعمانؓ دربار خلافت میں حاضر ہوئے اور بادب عرض کی کہ امیر المؤمنین! واللہ میں نے کبھی شراب پی نہ ناچ رنگ اور گانا بجانا دیکھا سنا یہ تو صرف شاعرانہ ترنگ تھی۔ آپ نے فرمایا یہی میرا خیال ہے لیکن میری ہمت تو نہیں پڑتی کہ ایسے فحش گو شاعر کو کوئی عہدہ دوں

پس معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک بھی شاعر اپنے شاعروں میں کسی جرم کے اعلان پر گو وہ قابل حد ہو مارا نہ جائے گا اس لئے کہ وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ ہاں وہ قابل ملامت اور لائق سرزنش ضرور ہیں چنانچہ حدیث میں ہے کہ پیٹ کو لہو پیپ سے بھر لینا اشعار سے بھر لینے سے بہتر ہے۔

شعر کی تعریف:

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ اصل لغت میں شعر ہر اس کلام کو کہا جاتا ہے جس میں محض خیالی اور غیر حقیقی مضامین بیان کئے گئے ہوں جس میں کوئی بحر، وزن، ردیف اور قافیہ کچھ شرط نہیں، فن منطق میں بھی ایسے ہی مضامین کو ادلہ شعریہ اور قضایا شعریہ کہا جاتا ہے اصطلاحی شعر و غزل میں بھی چونکہ عموماً خیالات کا ہی غلبہ ہوتا ہے اس لئے اصطلاح شعراء میں کلام موزوں مقفی کو شعر کہنے لگے۔ بعض مفسرین نے آیات قرآن بَلْ هُوَ شَاعِرٌ - شَاعِرٌ مَّجْنُوْنٌ - شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ وغیرہ میں شعر اصطلاحی کے معنی میں مراد لے کر کہا کہ کفار مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وزن دار، قافیہ دار کلام لانے والے کہتے تھے لیکن بعض نے کہا کہ کفار کا مقصد یہ نہ تھا اس لئے کہ وہ شعر کے طرز و طریق سے واقف تھے، اور ظاہر ہے کہ قرآن اشعار کا مجموعہ نہیں اس کا قائل تو ایک عجمی بھی نہیں ہو سکتا چہ جائے کہ فصیح و بلیغ عرب، بلکہ کفار آپ کو شاعر شعر کے اصلی معنی یعنی خیالی مضامین کے لحاظ سے کہتے تھے مقصد ان کا دراصل آپ کو نعوذ باللہ جھوٹا کہنا تھا کیونکہ شعر بمعنی کذب بھی استعمال ہوتا ہے اور شاعر کاذب کو کہا جاتا ہے اس لئے ادلہ کاذبہ کو ادلہ شعریہ کہا جاتا ہے خلاصہ یہ کہ جیسے موزوں اور مقفی کلام کو شعر کہتے ہیں اسی طرح ظنی اور تخمینی کلام کو بھی شعر کہتے ہیں جو اہل منطق کی اصطلاح ہے۔

اچھے اشعار: تفسیر قرطبی میں ہے کہ مدینہ منورہ کے فقہاء عشرہ جو اپنے علم و فضل میں معروف ہیں ان میں سے عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود مشہور قادر الکلام شاعر تھے اور قاضی زبیر بن بکار کے اشعار ایک مستقل کتاب میں جمع تھے۔ پھر قرطبی نے لکھا کہ ابو عمرو نے فرمایا کہ اچھے مضامین پر مشتمل اشعار اہل علم اور اہل عقل میں سے کوئی برا نہیں کہہ سکتا، کیونکہ اکابر صحابہ جو دین کے مقتدا ہیں ان میں کوئی بھی ایسا نہیں جس نے خود شعر نہ کہے ہوں یا دوسروں کے اشعار نہ پڑھے یا سنے ہوں اور پسند کیا ہو۔

کون سے اشعار برے ہیں:

جن روایات میں شعر شاعری کی مذمت مذکور ہے ان سے مقصود یہ ہے کہ شعر میں اتنا مصروف اور منہمک ہو جائے کہ ذکر اللہ عبادت اور قرآن سے غافل ہو جائے۔ امام بخاریؒ نے اس کو ایک مستقل باب میں بیان فرمایا ہے اور اس بات میں حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے۔ لأن يمتلي جوف رجل قيحا يريه خير من ان يمتلي شعرا، یعنی کوئی آدمی پیپ سے اپنا پیٹ بھرے یہ اس سے بہتر ہے کہ اشعار سے پیٹ بھرے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ شعر جب ذکر اللہ اور قرآن اور علم کے اشتغال پر غالب آ جائے۔ اور اگر شعر مغلوب ہے تو برا نہیں ہے اسی طرح وہ اشعار جو فحش مضامین یا لوگوں پر طعن و تشنیع یا دوسرے خلاف شرع مضامین پر مشتمل ہوں وہ باجماع امت حرام و ناجائز ہیں اور یہ کچھ شعر کے ساتھ مخصوص نہیں جو نثر کلام ایسا ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ (قرطبی)

حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے گورنر عدی بن نضلہ کو ان کے عہدہ سے اس لئے برخاست کر دیا کہ وہ فحش اشعار کہتے تھے، حضرت عمر بن عبد العزیز نے عمرو بن ربیعہ اور ابو الاحوص کو اسی جرم میں جلا وطن کرنے کا حکم دیا۔ عمرو بن ربیعہ نے توبہ کر لی وہ قبول کی گئی۔ (قرطبی)

خدا و آخرت سے غافل کر دینے والا ہر علم اور فن مذموم ہے:

ابن ابی جمرہ نے فرمایا کہ بہت قافیہ بازی اور ہر ایسا علم و فن جو دلوں کو سخت کر دے اور خدا تعالیٰ کے ذکر سے انحراف و اعراض کا سبب بنے اور اعتقادات میں شکوک و شبہات اور روحانی بیماریاں پیدا کرے اس کا بھی وہی حکم ہے جو مذموم اشعار کا حکم ہے۔

اکثر تابعین کی گمراہی متبوع کی گمراہی کی علامت ہوتی ہے:

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ اس آیت میں شعراء پر یہ عیب لگایا گیا ہے کہ ان کے متبعین گمراہ ہیں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گمراہ تو ہوئے متبعین ان کے عمل کا الزام متبوعین یعنی شعراء پر کیسے عائد ہوا، وجہ یہ ہے کہ عموماً اتباع کرنے والوں کی گمراہی علامت اور نشانی ہوتی ہے متبوع کی گمراہی کی لیکن سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حکم اس وقت ہے جب تابع کی گمراہی بلا اس متبوع کے اتباع کیا [illegible] متبوع کو جھوٹ [illegible] سے نہ بچنے بچانے کا اہتمام نہیں ہے [illegible] طرح کی [illegible] ہیں وہ روک ٹوک نہیں کرتا اس سے تابع [illegible] عادت پڑ گئی تو یہ تابع کا گناہ خود متبوع کے گناہ کی علامت [illegible] اگر گمراہی متبوع کی ایک وجہ سے اور اتباع کسی دوسری [illegible] گمراہی متبوع کی گمراہی کی علامت نہیں ہوگی، مثلاً ایک [illegible] عقائد و مسائل میں کسی عالم کا اتباع کرتا ہے اور ان میں کوئی گمراہی نہیں، اعمال و اخلاق میں اس عالم کا اتباع نہیں کرتا ان میں یہ گمراہ ہے تو اس کی عملی اور اخلاقی گمراہی اس عالم کی گمراہی پر دلیل نہیں ہوگی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شاعروں کی گپوں کا ایک نمونہ لکھا جاتا ہے:

اے رشک مسیحا تری رفتار کے قرباں ٹھوکر سے مری لاش کئی بار جلا دی

اے بادصبا ہم تجھے کیایاد کریں گے اُس گل کی خبر تو نے کبھی ہم کو نہ لادی
صبا نے اس کے کوچہ سے اڑا کر خدا جانے ہماری خاک کیا کی

وغیرہ وغیرہ حتیٰ کہ کبھی کفریات بکنے لگتے ہیں۔

قرآن قرآن کے اعجاز کے دو رُخ ہیں اول ترتیبی یعنی اسلوب ادا اور دوسرا معنوی۔ قرآن کی معنویت پر تو وہ لوگ یہ جرح کرتے تھے کہ یہ شیاطین لے کر اترتے ہیں اور اعجاز لفظی کے سلسلہ میں کہتے تھے یہ شاعری ہے اس لئے اللہ نے کاہنوں اور شاعروں کی حالت بیان کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کا ان کی حالتوں سے فرق ظاہر کر دیا۔

شعرگوئی کی مذمت:

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی کے پیٹ میں لہو، پیپ بھرا ہو کہ اس کی صحت کو غارت کر دے تو اس سے بہتر ہے کہ اس کے اندر شعر بھرے ہوں۔ رواہ البخاری ومسلم واحمد وابو داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ۔

حضرت ابوسعید خدری کا بیان ہے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب (کوہ) عرج میں چل رہے تھے اچانک ایک شاعر گاتا ہوا سامنے آیا حضور نے فرمایا شیطان کو پکڑ لو یا تھام لو فرمایا اگر کسی کے جوف کے اندر پیپ، لہو بھرا ہو تو اس سے بہتر ہے کہ اس کے اندر شعر بھرے ہوں۔

حضرت ابن مسعود راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کلام میں انتہائی مبالغہ کرنے والے غارت ہو گئے حضور نے یہ بات تین بار فرمائی۔

حضرت ابوثعلبہ خشنی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سب سے زیادہ پیارے اور قیامت کے دن سب سے زیادہ میرے مقرب تم میں سے وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق سب سے اچھے ہوں اور میرے لئے سب سے زیادہ قابل نفرت اور قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ دور تم میں سے وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق سب سے برے ہوں فضول بکواس کرنے والے ہوں بنا بنا کر خلاف حقیقت کثیر کلام کرنے والے ہوں حلق پھاڑ کر بغیر احتیاط کے کام کو پھیلانے والے ہوں۔ میں کہتا ہوں شعراء کی یہی حالت ہوتی ہے۔ ترمذی نے حضرت جابر کی روایت سے بھی حدیث اسی طرح نقل کی ہے ایک روایت میں آیا ہے کہ صحابہ نے عرض کیا ہم ثرثاروں (بکواسی، کثیر گو) اور متشدقون (باچھیں پھاڑ کر بنا کر کلام کرنے والے) کو تو جانتے ہیں متفیھقون کے کیا معنی فرمایا تکبر کرنے والے۔

بے عمل خطیب:

حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رات مجھے (معراج میں) لے جایا گیا تو میرا گزر کچھ لوگوں کی طرف سے ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے میں نے پوچھا جبرئیل یہ کون لوگ ہیں جبرئیل نے کہا یہ آپ کی امت کے وہ خطیب ہیں جو ایسی باتیں (تقریر میں) کہتے تھے جو خود نہیں کرتے تھے۔ رواہ الترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔

شانِ نزول:

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بروایت عوفی حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو آدمیوں نے (یعنی دو شاعروں نے) باہم ہجو کا مقابلہ کیا ایک انصاری تھا دوسرا کسی اور قبیلہ کا ہر ایک کے ساتھ اس کی قوم کے کچھ غاوی (گمراہ یعنی اشعار کو نقل کرنے اور یاد رکھنے والے) بھی تھے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

غاوی کون ہیں:

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں بغوی نے ضحاک کی روایت سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے عطیہ کی ایک روایت بھی ابن عباس سے یہی ہے حضرت ابن عباس کا قول عطیہ نے بھی یہی نقل کیا ہے اور ابن ابی حاتم نے بھی بروایت عکرمہ اسی طرح بیان کیا ہے۔

لیکن اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ آیت میں وہ شعراء مراد ہیں جو کافروں کی حمایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجاء کرتے تھے مقاتل نے ان کے نام اس طرح نقل کئے ہیں عبداللہ بن زبیر سہمی۔ ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی۔ شافع بن عبد مناف۔ ابوعزہ عبداللہ بن عمر جمحی۔ امیہ بن صلت ثقفی۔

یہ شعراء جھوٹی غلط سلط باتیں کہتے اور دعویٰ کرتے تھے کہ جیسا محمد کہتے ہیں ویسا ہم بھی کہتے ہیں یہ لوگ اشعار سناتے اور ان کی قوم کے کچھ گمراہ لوگ جمع ہو جاتے اور رسول اللہ اور صحابہ کے متعلق ان شاعروں کے ہجائیہ اشعار سنتے اور پھر نقل کرتے تھے یہی وہ لوگ تھے جن کو اللہ نے غاوون فرمایا۔ یعنی وہ لوگ جو رسول اللہ اور مسلمانوں کے متعلق کہے ہوئے ہجائیہ اشعار نقل کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ﴿٢٢٥﴾
تو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر میدان میں سر مارتے پھرتے ہیں

شعراء کی گمراہیاں:

یعنی جو مضمون پکڑ لیا اُسی کو بڑھاتے چلے گئے کسی کی تعریف کی تو آسمان پر چڑھا دیا، مذمت کی تو ساری دنیا کے عیب اُس میں جمع کر دیئے۔ موجود کو معدوم اور معدوم کو موجود ثابت کرنا اُن کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے غرض جھوٹ، مبالغہ اور تخیل کے جس جنگل میں نکل گئے پھر مڑ کر نہیں دیکھا۔ اسی

لئے شعر کی نسبت مشہور ہے۔ اکذب اُو احسن اُو۔

وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ﴿۲۲۶﴾

اور یہ کہ وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے

زبانی وخیالی باتیں:

یعنی شعر پڑھو تو معلوم ہو کہ رستم سے زیادہ بہادر اور شیر سے زیادہ دلیر ہوں گے اور جا کر ملو تو پرلے درجہ کے نامرد اور ڈرپوک کبھی دیکھو تو ہٹے کٹے ہیں اور اشعار پڑھو تو خیال ہو کہ نبضیں ساقط ہو چکیں، قبض روح کا انتظار ہے۔ حالی نے مسدس میں ان کے جھوٹ کا خوب نقشہ کھینچا ہے۔

پیغمبر کو شاعروں سے کوئی لگاؤ نہیں:

غرض ایک پیغمبر خدا اور وہ بھی خاتم الانبیاء کو اس جماعت سے کیا لگاؤ۔ اسی لئے فرمایا وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بات تھی سچی تلی باون تولے پاؤ رتی تحقیق کی ترازو میں تلی ہوئی۔ پھر جو بات زبان مبارک سے کہی جاتی تھی وہ ہی عمل میں آنکھوں سے نظر آتی تھی۔ بھلا شاعر ایسے ہوتے ہیں؟ اور شاعری اسے کہتے ہیں؟ حاشا ثم حاشا۔

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا

مگر وہ لوگ جو یقین لائے اور کام کیے اچھے اور یاد کی

اللَّهَ كَثِيرًا وَانتَصَرُوا مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا

اللہ کی بہت اور بدلہ لیا اُس کے پیچھے کہ اُن پر ظلم ہوا

اچھے شعراء:

مگر جو کوئی شعر میں اللہ کی حمد کہے یا نیکی کی ترغیب دے یا کفر کی مذمت یا گناہ کی بُرائی کرے یا کافر اسلام کی ہجو کریں یہ اُس کا جواب دے یا کسی نے اس کو ایذا پہنچائی اُس کا جواب بحد اعتدال دیا ایسا شعر عیب نہیں چنانچہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ ایسے ہی اشعار کہتے تھے اسی لئے حضور نے فرمایا کہ ان کافروں کا جواب دے اور روح القدس تیرے ساتھ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: ابن ابی حاتم اور ابن جریر اور حاکم نے ابوالحسن براد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب آیت وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الخ نازل ہوئی تو عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن مالک اور حسان بن ثابت خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ اللہ نے یہ آیت نازل کی ہے اور وہ جانتا ہے کہ ہم شاعر ہیں اب ہم تو غارت ہو گئے اس پر اللہ نے آیت اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ نازل فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو طلب فرمایا اور یہ آیات پڑھ کر سنا دیں۔

ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا یعنی ان کی شاعری ان کے لئے اللہ کے ذکر کی کثرت سے مانع نہ ہو۔ اور اپنے بیشتر اشعار میں وہ اللہ کے ذکر توحید۔ اللہ کی حمد وثنا اور اس کی اطاعت کی ترغیب بیان کرتے ہوں۔

ابو یزید نے کہا ذکر کی کثرت تعداد کی کثرت سے نہیں ہوتی بلکہ حضور قلب سے ہوتی ہے۔

وَّانْتَصَرُوْا یعنی مسلمانوں کی ہجا جن لوگوں نے کی ہو ان مؤمن شاعروں نے اس کے مقابلے میں ان کی ہجا کی ہو اور اس طرح کافروں کے ظلم کا انتقام لیا ہو۔

بغوی نے شرح السنۃ اور معالم میں لکھا ہے کہ حضرت کعب بن مالک نے رسول اللہ کی خدمت میں عرض کیا یا نبی اللہ شاعری کے متعلق اللہ نے جو کچھ نازل فرمایا وہ معلوم ہی ہے (پھر ہمارا کیا ہوگا) فرمایا مومن اپنی تلوار (سے بھی جہاد کرتا ہے) اور زبان سے (بھی) جہاد کرتا ہے قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم جو (اپنی زبانوں سے) ان کے تیر مارتے ہو وہ گویا کمانوں سے تیر مارنے کی طرح ہیں۔

استیعاب میں عبدالبر نے لکھا ہے کہ حضرت کعب نے عرض کیا یا رسول اللہ شاعری کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ فرمایا مؤمن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور اپنی زبان سے بھی۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ:

بغوی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ عمرۃ القضاء کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے ابن رواحہ حضور کے آگے آگے چل رہے تھے اور حرم کے اندر شعر پڑھ رہے تھے حضور نے (حضرت عمر سے) فرمایا عمر اس کو پڑھنے دے یہ اشعار کمانوں کے تیروں سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ ان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ:

صحیحین میں حضرت براء بن عازب کی روایت سے آیا ہے کہ غزوہ بنی قریظہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت سے فرمایا مشرکوں کی ہجو کرو جبرئیل (مدد کے لئے) تمہارے ساتھ ہیں یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان سے فرمارہے تھے میری طرف سے ان کو جواب دو۔ اے اللہ روح القدس کے ذریعہ سے اس کی مدد کر۔

مسلم نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریش کی ہجو کرو تمہاری طرف سے یہ ہجو قریش کے لئے تیر لگنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔

یہ بھی حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حسان سے یہ فرماتے ہوئے سنا روح القدس برابر تیری مدد پر رہے گا جب تو اللہ او

راللہ کے رسول کی طرف سے دفاع کرے گا۔

حضرت عائشہ کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ فرما رہے تھے حسان نے ان کی ہجا کی پس شفا دی اور شفا دینے والی چیز بیان کر دی۔

بخاری نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسان کے لئے مسجد کے اندر منبر رکھوا دیتے تھے جس پر وہ کھڑے ہو کر رسول اللہ کی طرف سے فخریہ یا دفاعیہ کلام پڑھتے تھے اور رسول اللہ فرماتے تھے اللہ روح القدس سے حسان کی مدد کراتا ہے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حسان دفاع کرتا ہے۔

بغوی نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریش کی ہجو کرو یہ ان کے لئے تیر لگنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔ پھر ابن رواحہ کے پاس آدمی بھیجا اور ان کو حکم دیا ان کی ہجا کرو اور ان سے ہجو میں مقابلہ کرو (لیکن وہ) حضور کی خوشی کے مطابق (ہجو) نہ کر سکے پھر کعب بن مالک کو بلوایا پھر حسان بن ثابت کو بلوایا جب حسان آئے تو فرمایا اب وقت آ گیا کہ تم اس شیر کی طرف تیر بھیجو جو دُم پٹک رہا ہے (یعنی حملہ کے لئے تیار ہے) پھر حضرت حسان نے اپنی زبان منہ سے باہر نکالتے ہوئے اسے ہلا کر کہا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اپنی زبان سے ان کو چمڑے کی طرح چیر ڈالوں گا حضور نے فرمایا جلدی نہ کرو ابوبکر قریش کے نسبوں سے بخوبی واقف ہیں میرا نسب بھی قریش کے اندر ہی ہے ابوبکر میرے نسب کو ان کے اندر سے الگ چھانٹ دیں گے حسان حضرت ابوبکر کے پاس گئے پھر لوٹ کر آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ابوبکر نے آپ کے نسب کو چھانٹ دیا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں آپ کو ان کے اندر سے اس طرح کھینچ نکالوں گا جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔ حسان نے یہ شعر کہے۔

هجوت محمدا فاجبت عنه وعند الله فی ذاک الجزاء

تو نے محمد کی ہجو کی میں نے ان کی طرف سے جواب دیا اللہ کے ہاں اس کا بدلہ ہے۔

هجوت محمدا براتقیا رسول الله شیمته الوفاء

تو نے مقدس پرہیزگار محمد کی ہجو کی جو اللہ کے رسول ہیں اور ان کی خصلت وفاء عہد ہے۔

فان ابی ووالدتی وعرضی لعرض محمد منکم وقاء

میرے ماں باپ اور میری آبرو ـــــ محمد کی آبرو کو تم سے بچانے والی ہے یعنی محمد کی آبرو پر سب قربان

امن یهجو رسول الله منکم ویمدحه وینصره سواء

تم میں سے جو رسول اللہ کی ہجو کرتا ہے اور جو رسول اللہ کی مدح اور امداد کرتا ہے کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔

وجبریل رسول الله فینا وروح القدس لیس له کفاء

اللہ کے رسول جبریل اور روح القدس ہمارے اندر ہیں جن کا کوئی ہمسر نہیں۔

ابن سیرین کی مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن مالک سے فرمایا لاؤ حضرت کعب نے آپ کو (قصیدہ) سنایا حضور نے فرمایا یہ ان (قریش) کے لئے تیر پڑنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔

فائدہ: ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر شعر جھوٹ اور دوسری ناجائز باتوں سے پاک ہو تو ایسی شاعری میں کوئی حرج نہیں دارقطنی نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شعر (کے جواز وعدم جواز) کا ذکر کیا گیا فرمایا یہ بھی ایک کلام ہے اچھا بھی ہوتا ہے برا بھی ہوتا ہے اچھے کو لے لو برے کو چھوڑ دو۔

لبید کا کلام:

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے اچھا کلام جو کسی شاعر نے کہا ہو۔ وہ لبید کا یہ کلام ہے الا کل شیٔ ما خلا اللہ باطل خوب سن لو اللہ کے سوا ہر چیز بے حقیقت ہے۔ متفق علیہ

امیہ بن صلت کے اشعار:

عمرو بن شدید نے اپنے باپ کی روایت سے بیان کیا عمرو کے باپ نے کہا میں ایک روز رسول اللہ کے پیچھے حضور کے ساتھ سوار تھا فرمایا کہ امیہ بن صلت کا کوئی شعر تمہیں یاد ہے میں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا لاؤ میں نے ایک شعر سنا دیا فرمایا اور لاؤ میں نے ایک شعر اور سنا دیا فرمایا اور پڑھو یہاں تک کہ میں نے حضور کو سو شعر پڑھ کر سنائے۔ رواہ مسلم۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد:

حضرت جندب راوی ہیں کہ کسی معرکہ میں حضور کی ایک انگلی زخمی (یا خون آلود) ہوگئی آپ نے فرمایا۔

هَلْ انْتِ الاَّ اصبعٌ دُمِیتِ وفِیْ سَبِیلِ اللّٰه مَالقِیْتِ

تو صرف ایک انگلی ہے جو زخمی ہوگئی اور جو کچھ تو نے دکھ پایا اللہ کی راہ میں پایا۔ متفق علیہ۔

حضرت صدیق وفاروق وحیدر رضی اللہ عنہم:

شعبی کا بیان ہے کہ ابوبکر بھی شعر کہتے تھے اور عمر بھی شعر کہتے تھے اور علی بھی شعر کہتے تھے تینوں شعر کہتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس کی شعر پسندی:

روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عباس مسجد کے اندر خود بھی شعر

پڑھتے تھے اور پڑھواتے بھی تھے ایک بار عمرو بن ربیع کو طلب فرما کر اس سے اس کا قصیدہ سنا جس کا پہلا شعر یہ تھا۔

امن آل نعمیٰ انت غادٍ مبکرٌ غداۃ غدام رائحٌ فمُحَجَّرٌ

ابن ربیعہ نے آپ کو پورا قصیدہ آخر تک سنا دیا جو تقریباً ستر شعر کا تھا۔ حضرت ابن عباس نے دوبارہ لوٹ کر سنا دیا کیونکہ آپ پورا قصیدہ ایک بار سن کر یاد کر لیا کرتے تھے۔

فائدہ: اگر شعروں میں اللہ کا ذکر ہو یا علمِ دین ہو یا مسلمانوں کو وعظ و نصیحت ہو تو ایسی شاعری عبادت ہے۔ حضرت ابی بن کعب راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض شعر حکمت ہوتے ہیں۔ رواہ البخاری۔

صخر بن عبداللہ بن بریدہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے بعض بیان جادو ہوتے ہیں اور بعض علم جہالت اور بعض شعر حکمت اور بعض قول عیال۔ رواہ ابوداؤد۔

حضرت ابن عباس کی روایت ہے بعض بیان جادو ہوتے ہیں اور بعض علم جہالت اور بعض شعر حکمت اور بعض قول عیال۔ رواہ ابوداؤد۔

حضرت ابن عباس کی روایت ہے بعض بیان جادو ہوتے ہیں اور بعض شعر حکمتیں۔ رواہ ابوداؤد۔ واحمد۔

ایک حدیث اوپر درج کی جا چکی ہے کہ مومن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور زبان سے بھی۔ ابوداؤد ونسائی دارمی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرکوں سے جہاد کرو اپنے مالوں سے اپنی جانوں سے۔ اور اپنی زبانوں سے۔

اوپر کی آیت میں جب اللہ نے مسلم شعراء اور مشرک شعراء کا ذکر کر دیا تو آئندہ آیت میں مشرک شعراء کو وعید سنائی اور فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾
اور اب معلوم کر لیں گے ظلم کرنے والے کہ کس کروٹ الٹتے ہیں

ظالموں کو دھمکی:

یہ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا کی مناسبت سے فرمایا کہ ظالموں کو عنقریب اپنا انجام معلوم ہو جائے گا کہ کس کروٹ اُونٹ بیٹھتا ہے سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ اللہ کی کتابوں اور پیغمبروں کو کاہن و شاعر کہہ کر جھٹلائے۔ (تفسیر عثمانی)

بیضاوی نے لکھا ہے یہ سخت تہدید ہے سیعلم کے اندر وعید بلیغ ہے اور الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا میں عموم واطلاق ہے اور اَيَّ مُنْقَلَبٍ میں ابہام کے ساتھ عظیم ہولناکی کا اظہار ہے مطلب یہ ہے کہ ظالم امید رکھتے ہیں کہ عذاب سے (ان کو چھوٹ مل جائے گی اور وہ) لوٹ جائیں گے مگر (مرنے کے بعد) ان کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ عذاب سے لوٹنے کی کوئی وجہ نہیں ہوگی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وصیت نامہ:

ابن ابی حاتم نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا میرے والد نے اپنے وصیت نامہ میں دو سطریں لکھیں (اور وصیت نامہ اس طرح تحریر کیا) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ وصیت وہ ہے جو ابوبکر بن ابوقحافہ نے دنیا سے نکلتے وقت لکھی تھی (یہ وقت ایسا ہوتا ہے کہ) اس وقت کافر بھی ایمان لے آتا ہے اور بدکار بھی نیک ہو جاتا ہے اور جھوٹا بھی سچ کہتا ہے میں نے تم پر عمر بن خطاب کو اپنا جانشین بنایا، اگر وہ انصاف کریں تو ان کے متعلق میرا یہی خیال اور امید ہے اور اگر وہ ظلم کریں اور (مذہبی احکام کو بدل ڈالیں) تو میں (معذور ہوں) غیب داں نہیں ہوں۔ (آئندہ کا مجھے علم نہیں) وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۔ (تفسیر مظہری)

اور صرف یہی انصاری شعراء رضی اللہ عنہم ہی نہیں بلکہ اگر کسی شاعر نے اپنی جاہلیت کے زمانہ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بھی اشعار کہے ہوں اور پھر وہ مسلمان ہو جائے توبہ کر لے اور اس کے مقابلہ میں ذکر اللہ بکثرت کرے وہ بیشک اس بُرائی سے الگ ہے۔ حسنات سیات کو دور کر دیتی ہیں جب کہ اس نے مسلمانوں کو اور دینِ خدا کو بُرا کہا تھا وہ بُرا تھا لیکن جب اس نے مدح کی وہ بُرائی اچھائی سے بدل گئی۔ جیسے حضرت عبداللہ بن الزبعری نے اسلام سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو بیان کی تھی لیکن اسلام کے بعد بڑی مدح بیان کی اور اپنے اشعار میں اس ہجو کا عذر بھی بیان کر دیا کہ اس وقت میں شیطانی پنجہ میں پھنسا ہوا تھا اسی طرح ابوسفیان بن حارث باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچازاد بھائی ہونے کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانی دشمن تھا اور بہت ہی ہجو کیا کرتا تھا جب مسلمان ہو گئے تو ایسے مسلمان ہوئے کہ دنیا بھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب انہیں کوئی نہ تھا۔ اکثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کیا کرتے تھے اور بہت ہی عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سورة النمل

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ حق کو پسند کرے گا اور باطل کو برا سمجھے گا اور اپنی قوم کا سردار ہوگا اور علم اور سرداری پائے گا۔ (علامہ ابن سیرین)

سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورہ نمل مکہ میں اتری اور اس کی ترانوے آیتیں اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بےحد مہربان نہایت رحم والا ہے

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝۱

یہ آیتیں ہیں قرآن　اور　کھلی کتاب کی

هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ

ہدایت　اور　خوشخبری ایمان والوں کے واسطے جو قائم رکھتے ہیں

الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۳

نماز کو　اور دیتے ہیں زکوۃ　اور ان کو　آخرت　پر یقین ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ

جو لوگ نہیں مانتے آخرت کو اچھے دکھلائے ہم نے ان کی نظروں میں

اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۴

ان کے کام سو وہ بہکے پھرتے ہیں

دنیا پرستی کے مریض:

یعنی جن کو انجام کی کوئی فکر اور مستقبل کا خیال نہ ہو، وہ اس دنیائے فانی کی فکر میں ڈوبے رہتے ہیں۔ ان کی تمام کوششوں کا مرکز یہی چند روزہ زندگی ہے جو کتاب یا پیغمبر ادھر سے ہٹا کر عاقبت کی طرف توجہ دلائے، اس پر کیوں کان دھرنے لگے۔ وہ دنیا کے عشق میں غرق ہو کر ہادیوں پر آوازیں کستے ہیں۔ آسمانی صحیفوں کو مورد طعن بناتے ہیں۔ پیغمبروں کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہیں۔ اور یہی کام ہیں، جن کو اپنے نزدیک بہت اچھا سمجھ کر برابر گمراہی میں ترقی کرتے جاتے ہیں۔ (تنبیہ) تزئین کی نسبت حق تعالی کی طرف اس حیثیت سے کی کہ خالق ہر چیز کا وہی ہے کسی سبب پر مسبب کا ترتب بدون اس کی مشیت و ارادہ کے نہیں ہو سکتا جیسا کہ دوسرے مواضع میں اضلال و ختم و طبع وغیرہ کی نسبت اس کی طرف ہوئی ہے۔ سورہ نمل کی ان ابتدائی آیات کا مضمون سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات سے بہت مشابہ ہے ان کو ایک مرتبہ مطالعہ کر لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ یعنی جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے اعمال بد ان کی نظروں میں مزین کر دیے ہیں۔ اس لئے وہ انہی کو بہتر سمجھ کر گمراہی میں مبتلا رہتے ہیں اور بعض مفسرین نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ اعمالھم سے مراد نیک اعمال ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے تو نیک اعمال کو مزین کر کے ان کے سامنے رکھ دیا تھا مگر ان ظالموں نے انکی طرف التفات نہ کیا بلکہ کفر و شرک میں مبتلا رہے اس لئے گمراہی میں بھٹکنے لگے۔ لیکن پہلی تفسیر زیادہ واضح ہے، اول تو اس لئے کہ مزین کرنے کے الفاظ عموماً اعمال بد کے لئے استعمال ہوئے ہیں جیسے زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ۔ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا - زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ الخ اور اچھے اعمال کے لئے اس لفظ کا استعمال بہت کم ہے جیسے حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ الآیۃ دوسری آیت میں اعمالھم (ان کے اعمال) کا لفظ بھی اس پر دلالت کر رہا ہے کہ مراد اعمال بد ہیں نہ کہ اعمال صالحہ۔ (معارف مفتی اعظم)

تلک سے آیات سورت کی طرف اشارہ ہے۔

لوح محفوظ:

كِتَابٍ مُّبِيْنٍ سے مراد لوح محفوظ ہے جس کے اندر ہر ہونے والی چیز کا اندراج ہے اس کو مبین یعنی مظہر کل فرمایا لوح محفوظ تحریر کے لحاظ سے قرآن پر مقدم ہے لیکن ہمارے علم کا تعلق قرآن سے ہی ہے اسی تعلق کا لحاظ کر کے القرآن کو کتاب مبین سے پہلے ذکر کیا۔

قرآن کے احکام واضح ہیں:

یا کتاب مبین سے بھی قرآن ہی مراد ہے قرآن حلال و حرام احکام کو کھول کر بیان کرنے والا ہے اور چونکہ معجز ہے اس لئے اپنے صحیح ہونے کو بھی واضح طور پر بیان کر رہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ

وہی ہیں　جن کے واسطے　بری طرح کا عذاب ہے اور

فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝۵

آخرت میں　وہی ہیں　خراب

یعنی وہاں سب سے زیادہ خسارہ میں یہ ہی لوگ ہوں گے۔

وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝

اور تجھ کو تو قرآن پہنچتا ہے ایک حکمت والے خبردار کے پاس سے

دنیا پرستوں کو چھوڑیئے آپ عظیم الشان کتاب کا شکر ادا کرتے رہیں

یعنی ان بدبختوں کو تیہ ضلالت میں بھٹکنے دو۔ جب انہوں نے قرآن مبین کی قدر نہ پہچانی اور اُس کی ہدایات و بشارات سے فائدہ نہ اُٹھایا تو یہ ہی حشر ہونا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو خدا کا شکر کیجئے کہ اُس علیم وحکیم کی سب سے زیادہ عظیم الشان کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرحمت کی گئی ہے جس سے ہر وقت تازہ بتازہ فوائد پہنچ رہے ہیں جس میں مومنین کے لئے بشارتیں ہیں اور مکذبین کو عبرتناک واقعات سنائے گئے ہیں تا سچوں کا دل مضبوط و قوی ہو اور جھوٹ کی حمایت کرنے والے اپنی بدانجامی پر مطلع ہو جائیں۔ چنانچہ ان ہی اغراض کے لئے آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعونیوں کا قصہ سنایا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

علم وحکمت:

علم حکمت کے اندر داخل ہے کیونکہ علم عام مفہوم پر دلالت کرتا ہے اور حکمت کا لفظ عمل کے استحکام پر دلالت کرتا ہے لہٰذا دونوں اوصاف کو ظاہر کرنے کے لئے حکیم کے ساتھ علیم بھی فرما دیا پھر اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ کچھ علوم تو حکمت ہوتے ہیں جیسے علم العقائد علم شریعت وغیرہ اور بعض علوم حکمت نہیں ہوتے جیسے قصص اور آئندہ چیزوں کا بیان۔ گویا لفظ علیم سے اس طرف اشارہ ہے کہ اس قرآن میں گزشتہ واقعات کو بھی بیان کیا گیا ہے چنانچہ اس سے آگے حضرت موسیٰ کے قصہ کی تفصیل ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ۭ

جب کہا موسیٰ نے اپنے گھر والوں کو میں نے دیکھی ہے ایک آگ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدین سے واپسی سفر کا حال:

یہ مدین سے جاتے ہوئے وادی طویٰ کے قریب پہنچ کر کہا جبکہ سخت سردی کی اندھیری رات میں راستہ بھول گئے تھے مفصل واقعہ سورۃ طٰہٰ کے فوائد میں گزر چکا۔ ملاحظہ کر لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

روایت بالمعنی کی دلیل:

(اللہ نے وہ قول نقل کیا جو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی سے کہا تھا اور ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے عربی میں نہیں کہا ہوگا بلکہ اس مفہوم کو اپنی زبان میں ادا کیا ہو جس کو قرآن کے اندر عربی عبارت میں اللہ نے بیان کر دیا) اس میں دلیل ہے اس امر کی کہ حدیث کے معنی کو دوسرے الفاظ میں نقل کرنا (اور یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا) جائز ہے اور نکاح بھی ایسے الفاظ سے جائز ہے جو تزویج ونکاح کے مفہوم کو ظاہر کر رہے ہوں۔ (تفسیر مظہری)

سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ

اب لاتا ہوں تمہارے پاس وہاں سے کچھ خبر یا لاتا ہوں انگارا

قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝

سلگا کر شاید تم سینکو

یعنی رستہ کی خبر لاتا ہوں اگر آگ کے پاس کوئی موجود ہو ورنہ کم از کم سینکنے تاپنے کے لئے ایک انگارا لے آؤں گا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ کو امید تھی اس لئے لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ کہہ دیا اور یہ یقینی تھی کہ ضرور کوئی اطلاع مفید لے کر آؤں گا اس لئے ساٰتیکم کہہ دیا۔

بخبر کوئی اطلاع یعنی صحیح راستہ کی اطلاع۔ حضرت موسیٰ راستہ بھٹک گئے تھے صحیح راستے کی ہی تلاش تھی۔ (تفسیر مظہری)

جد وجہد توکل کے منافی نہیں ہے:

معلوم ہوا کہ ضروریات کے حصول کے لئے جد وجہد توکل کے منافی نہیں، لیکن بھروسہ اپنی کوشش کے بجائے اللہ پر ہونا چاہئے اور آگ آپ کو دکھلائے جانے میں بھی شاید یہی حکمت ہو کہ اس سے آپ کے دونوں مقصود پورے ہو سکتے تھے، راستے کا مل جانا اور آگ سے گرمی حاصل کرنا۔ (کمافی الروح)

ادب کا لحاظ:

اس جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے امکثوا اور تصطلون جمع کے صیغے بولے حالانکہ آپ کے ساتھ صرف آپ کی بیوی یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی تھیں ان کے لئے لفظ جمع استعمال فرمانا بطور اکرام کے ہوا جیسے معزز لوگوں میں کسی ایک فرد سے بھی خطاب ہوتا ہے تو صیغہ جمع کا استعمال کیا جاتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لئے صیغہ جمع استعمال فرمانا روایات حدیث میں وارد ہوا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَلَمَّا جَاۗءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ

پھر جب پہنچا اس کے پاس آواز ہوئی کہ برکت ہے

مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا

اس پر جو کوئی کہ آگ میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے

نورِ الٰہی کا ظہور:

وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ دنیا کی آگ نہیں بلکہ غیبی اور نورانی آگ ہے جس کے اندر نورِ الٰہی ظاہر ہو رہا تھا یا اُس کی بجلی چمک رہی تھی۔ شاید وہ ہی ہو جس کو حدیث میں فرمایا۔ حجابہ النّار یا حجابہ النور پھر غیب سے آواز آئی اَنۡ بُوۡرِکَ مَنۡ فِی النَّارِ وَ مَنۡ حَوۡلَہَا یعنی زمین کا یہ ٹکڑا مبارک آگ میں جو تجلّی ہے وہ بھی مبارک اور اس کے اندر یا اُس کے آس پاس جو ہستیاں ہیں مثلاً فرشتے یا خود موسیٰ علیہ السلام وہ سب مبارک ہیں۔ یہ غالباً موسیٰ علیہ السلام کو مانوس کرنے کے لئے بطور اعزاز و اکرام کے فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے سلام:

(یعنی موسیٰ علیہ السلام) اس پر بھی (برکت ہو، یہ دُعا بطور تحیۃ وسلام کے ہے جیسے ملاقاتی آپس میں سلام کرتے ہیں۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام جانتے نہ تھے کہ یہ نور انوار الٰہیہ سے ہے اس لئے خود سلام نہیں کر سکے تو منجانب اللہ ان کے اُنس کے لئے سلام ارشاد ہوا اور فرشتوں کو ملا لینا شاید اس لئے ہو کہ جس طرح فرشتوں کو سلام حق تعالیٰ کے قربِ خاص کی علامت ہوتی ہے یہ سلام بھی موسیٰ علیہ السلام کو قربِ خاص کی بشارت ہو گیا) اور (اس امر کے بتلانے کے لئے کہ یہ نور جو بشکلِ نار ہے خود حق تعالیٰ کی ذات نہیں (ساتھ ہی آگے) ارشاد فرما دیا کہ) اللہ رب العالمین (رنگ، جہات، مقدار اور حد بندی وغیرہ سے) پاک ہے (اور اس نور میں یہ چیزیں پائی جاتی ہیں۔

آگ میں کیا تھا:

ابن جریر، ابن ابی حاتم۔ ابن مردویہ وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت حسن بصری۔ سعید بن جبیرؒ سے مَنۡ فِی النَّارِ کی تفسیر میں یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ مَنۡ فِی النَّارِ سے خود ذاتِ حق سبحانہ وتعالیٰ مراد ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ آگ ایک مخلوق ہے اور کسی مخلوق میں خالق کا حلول نہیں ہو سکتا اس لئے اس روایت کا یہ مفہوم تو ہو نہیں سکتا کہ ذاتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے آگ کے اندر حلول فرمایا تھا جیسا کہ بہت سے بُت پرست مشرکین بتوں کے وجود میں ذاتِ حق کے حلول کے قائل ہیں اور یہ توحید کے قطعاً خلاف ہے بلکہ مراد ظہور ہے جیسا آئینہ میں جس چیز کو دیکھا جاتا ہے وہ آئینہ میں حلول کئے ہوئے نہیں ہوتی اس سے الگ اور خارج ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے۔ یہ ظہور جس کو تجلّی بھی کہا جاتا ہے خود ذاتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی تجلّی نہیں تھی ورنہ اگر ذاتِ حق تعالیٰ کا مشاہدہ موسیٰ علیہ السلام نے کر لیا ہوتا تو بعد میں ان کے اس سوال کی کوئی وجہ نہیں رہتی رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ (یعنی اے میرے پروردگار مجھے اپنی ذات پاک دکھا کہ میں دیکھ سکوں) اور اس کے جواب میں حق تعالیٰ کی طرف سے لَنۡ تَرٰىنِیۡ کا ارشاد بھی پھر کوئی معنے نہ رکھتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباسؓ کے اس قول میں حق تعالیٰ جل شانہٗ کا ظہور مراد ہے یعنی تجلّی جو آگ کی صورت میں ہوئی یہ جس طرح حلول نہیں تھا اسی طرح تجلّی ذات بھی نہیں تھی بلکہ لَنۡ تَرٰىنِیۡ الآیۃ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس عالمِ دنیا میں تجلّی ذاتی کا کوئی شخص مشاہدہ نہیں کر سکتا۔ پھر اس ظہور و تجلّی کا کیا مفہوم ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تجلّی مثالی تھی جو حضرات صوفیہ کرام میں معروف ہے اس کی حقیقت کا سمجھنا تو انسان کے لئے مشکل ہے۔ بقدرِ ضرورت تقریب الی الفہم کیلئے احقر نے اپنی کتاب احکام القرآن بزبان عربی سورۃ قصص میں اس کی کچھ تفصیل لکھی ہے اہلِ علم اس میں دیکھ سکتے ہیں عوام کی ضرورت کی چیز نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

نُودِیَ ندا دی گئی ندا۔ کے اندر قول کا معنی ہے یعنی پکار کر کہا گیا بُوۡرِکَ مَنۡ فِی النَّارِ یعنی پاک ہے وہ جو آگ کے اندر جلوہ افروز ہے اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ۔ حضرت ابن عباس وسعید بن جبیر اور حسن کی بھی تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے موسیٰ کو ندا دی اور اپنا کلام سنایا بعض علماء نے لکھا ہے کہ وہ آگ نہ تھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا نور جلوہ افروز تھا موسیٰ نے اس کو آگ خیال کیا تھا اس لئے لفظ نار (آگ) کہا تھا۔

سعید بن جبیر نے کہا وہ بعینہٖ آگ ہی تھی جو اللہ (کی ذات) کیلئے حجاب تھی جیسا کہ بعض روایت میں حجابہ النور کی بجائے حجابہ النار آیا ہے اس تفسیر پر اس آیت کا شمار متشابہات میں ہوگا جیسا دوسری آیت میں آیا ہے، هَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّاۡتِیَہُمُ اللّٰہُ فِیۡ ظُلَلٍ مِّنَ الۡغَمَامِ وہ صرف اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ غمام کے سائبانوں میں ان کے پاس آ پہنچے۔ (تفسیر مظہری)

بعض اہلِ علم نے کہا بُوۡرِکَ مَنۡ فِی النَّارِ میں مضاف محذوف ہے یعنی بورک من فی طلب النار (برکت دی گئی اس کو جو آگ کی طلب میں ہے) یا بورک من فی مکان النار، (مبارک ہے وہ جو آگ کے مقام پر ہے) بہر حال اس سے مراد حضرت موسیٰ ہیں اور مَنۡ حَوۡلَہَا سے ملائکہ مراد ہیں جو آگ کے آس پاس موجود تھے اللہ کی طرف سے موسیٰ کے لئے اس لفظ میں پیامِ برکت تھا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتوں کی زبانی پیامِ برکت ورحمت دیا گیا تھا رَحۡمَتُ اللّٰہِ وَ بَرَکٰتُہٗ عَلَیۡکُمۡ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ اور فرشتوں نے کہا تھا۔

بعض نے کہا مَنۡ فِی النَّارِ سے مراد ملائکہ ہیں اور من حولہا سے مراد موسیٰ جو نور موسیٰ نے دیکھا تھا اس کے اندر ملائکہ تسبیح تحمید اور تقدیس میں مشغول تھے اور موسیٰ آگ کے قریب تھے۔

بعض علماء نے کہا مَنۡ حَوۡلَہَا کا لفظ عام ہے وادی کے اندر جو کوئی تھا سب کو یہ لفظ شامل تھا اور ارضِ شام (جس کو مخزنِ انبیاء ہونے کی وجہ سے برکات بھی کہا گیا ہے) بھی اس میں داخل ہے اور خطاب کا صیغہ ذکر کرنے سے پہلے

مَنْ حَوْلَهَا کا ذکر کرنا موسیٰ کو ایک طرح کی بشارت اور اس امر کی پہلے سے خوشخبری ہے کہ تمہارا واقعہ بڑی عظمت والا ہوگا تمہاری برکتیں ارض شام میں پھیلیں گی ان تمام تاویلات پر سبحان اللہ رب العالمین سے دو باتیں مستفاد ہوں گی ایک تو توہم تشبیہ کی نفی ہو جائے گی دوسری بات یہ کہ آئندہ واقعہ موسیٰ کی عظمت کا اظہار اور اس کا تعجب آفرین ہونا معلوم ہو جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

موسیٰ علیہ السلام کو یہ ندا بطور سلام اور تحیہ اکرام تھی جس سے ان کا اعزاز اور اکرام اور ان کی تسلی مقصود تھی کہ اے موسیٰ گھبراؤ نہیں مبارک ہو تم کو اور ملائکہ حاضرین کو۔ جیسے فرشتے جب ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے تو من جانب اللہ یہ کہا رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اہل البیت۔ یہ فرشتوں کی طرف سے سلام اور تحیہ اکرام تھا اور ابن عباس اور سعید بن جبیر اور حسن بصری سے یہ منقول ہے کہ مَنْ فِي النَّارِ سے اللہ پاک مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا نور اور اس کی قدرت کا جلوہ مراد ہے اور ایک روایت میں ابن عباس سے اس طرح آیا ہے کہ وہ آگ در حقیقت آگ نہ تھی بلکہ وہ ایک نور تھا جو آگ کی صورت میں ظاہر ہوا اور اس روایت کی بنا پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ بابرکت ہے وہ ذات پاک جو اس آگ میں جلوہ فرما ہے اور جس کا نور اس آگ میں ظاہر ہو رہا ہے یہ نور الٰہی کی ایک تجلی تھی جو اس آگ کے آئینے میں ظاہر ہو رہی تھی جیسے آنکھ کی پتلی میں آسمان کا جلوہ نظر آ جاتا ہے اور یہ مطلب نہیں کہ آنکھ میں آسمان سما گیا۔ غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو دیکھا وہ نور الٰہی کی ایک تجلی تھی جو چمک رہی تھی اور وہ دنیا کی آگ نہ تھی بلکہ ایک نورانی اور غیبی آگ تھی جس میں نور الٰہی ظاہر ہو رہا تھا اور یہ ظاہری آگ نور الٰہی کا ایک حجاب اور ایک پردہ یا آئینہ تھی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے حجابہ النار اور ظاہر ہے کہ جو چیز کسی آئینہ میں ظاہر ہو وہ اس آئینہ کا عین نہیں ہوتی اور نہ آئینہ اس کا عین ہوتا ہے آئینہ اس چیز کا مظہر ہوتا ہے اور آئینہ میں ظاہر ہونے والی صورت اصل ظاہر کا ایک جلوہ ہوتا ہے اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ مَنْ فِي النَّارِ سے اللہ سبحانہ تعالیٰ مراد ہیں تو ممکن تھا کہ کسی نادان کو یہ وہم ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی مکان اور کسی چیز میں سمایا ہوا ہے تو آئندہ آیت وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں اس کی تنزیہ و تقدیس پر متنبہ فرمایا جس کا مطلب یہ ہے اور اللہ جو جہانوں کا پروردگار ہے وہ مخلوقات کی مشابہت سے اور مکان سے اور سمت سے اور جہت سے اور کسی محل میں نزول اور حلول کرنے سے پاک اور منزہ ہے اس آگ میں جو کچھ نظر آیا وہ اللہ کے نور کی ایک تجلی تھی جو آگ میں نمودار ہوئی جیسے آفتاب کسی آئینہ میں متجلی ہو سکتا ہے مگر اس میں سما نہیں سکتا اسی طرح سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کسی مخلوق میں متجلی اور جلوہ افروز ہو سکتا ہے مگر اس میں سما نہیں سکتا۔ (معارف کاندھلوی)

وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸﴾
اور پاک ہے ذات اللہ کی جو رب سارے جہان کا

اللہ تعالیٰ جسم، صورت، جہت وغیرہ سے پاک ہے:

یعنی مکان، جہت، جسم صورت اور رنگ وغیرہ سمات حدوث سے اللہ کی ذات پاک ہے۔ آگ میں اس کی تجلی کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ اس کی ذات پاک آگ میں حلول کر آئی؟ آفتاب عالمتاب قلعی دار آئینہ میں متجلی ہوتا ہے لیکن کون احمق کہہ سکتا ہے کہ اتنا بڑا کرۂ شمسی چھوٹے سے آئینہ میں سما گیا؟

يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۹﴾
اے موسیٰ وہ میں اللہ ہوں زبردست حکمتوں والا

یعنی اس وقت تجھ سے کلام کرنے والا میں ہوں یہ سب واقعہ مفصلاً سورہ طٰہٰ میں گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ
اور ڈال دے لاٹھی اپنی پھر جب دیکھا اس کو پھنپھناتے جیسے سانپ کی سٹک

شاید ابتداء میں پتلا ہوگا، یا سرعت حرکت میں تشبیہ ہوگی اصغر جثہ میں نہیں۔

وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ
لوٹا پیٹھ پھیر کر اور مڑ کر نہ دیکھا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خوف:

یہ خوف طبعی تھا جو منافی نبوت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ایک حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں رہنے والے ایسے سانپوں کے قتل سے ممانعت فرمائی ہے۔ الغرض جناب موسیٰ اسے دیکھ کر ڈر اور دہشت کے مارے ٹھہر نہ سکے اور منہ موڑ کر پیٹھ پھیر کر وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے ایسے دہشت زدہ تھے کہ مڑ کر بھی نہ دیکھا اسی وقت اللہ تعالیٰ نے آواز دی کہ موسیٰ! ڈرو نہیں۔ میں تو تمہیں اپنا برگزیدہ رسول اور ذی عزت پیغمبر بنانا چاہتا ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر)

يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۣ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۰﴾
اے موسیٰ مت ڈر میں جو ہوں میرے پاس نہیں ڈرتے رسول

پیغمبر اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا:

یعنی اس مقام حضور و اصطفاء میں پہنچ کر ایسی چیزوں سے ڈرنے کا کیا مطلب۔ مرسلین کو لائق نہیں کہ ہماری بارگاہ قرب میں پہنچ کر لاٹھی یا سانپ یا کسی مخلوق سے ڈریں۔ وہاں تو دل کو انتہائی سکون وطمانیت حاصل ہونا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جب میرا قرب مل جاتا ہے اور میری بارگاہ میں پیغمبر آ جاتے ہیں تو (حالت قرب میں) پھر کسی (خوفناک چیز سے نہیں ڈرتے)۔ یہ آخری جملہ عدم خوف کی علت ہے مطلب یہ ہے کہ جو پیغمبر میرا پیام مخلوق کو پہنچاتے ہیں وہ صرف مجھ سے ڈرتے ہیں اور میرے سوا کسی سے نہیں ڈرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا انا اخشاکم باللہ بظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر سب سے زیادہ ڈرتے ہیں لیکن آیت کا جو مطلب ہم نے بیان کیا اس کی روشنی میں حدیث کا مطلب بھی واضح ہو گیا (کہ پیغمبروں کو بارگاہ الٰہی میں رسائی کے بعد مخلوق میں سے کسی کا خوف نہیں رہتا وہ صرف اللہ سے ڈرتے ہیں)

یا یہ مطلب ہے کہ پیغمبروں پر جس وقت وحی نازل ہوتی ہے تو اس وقت وہ اتنے مستغرق ہو جاتے ہیں کہ ان کو مطلقاً کوئی خوف نہیں رہتا۔ یا یہ مطلب ہے کہ ان کو اپنا انجام برا ہونے کا اندیشہ نہیں رہتا کیونکہ ان کا انجام اور مآل کار برا ہوتا ہی نہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کا ڈر جانا بعض نے کہا ہے کہ طبعی ہے جو کسی طرح جلالت شان کے منافی نہیں اور بعض نے کہا ہے کہ جو حادثہ مخلوق کی جانب سے ہو اس میں تو نہ ڈرنا کمال ہے جیسے ابراہیم آتش نمرود سے نہیں ڈرے اور جو امر خالق کی طرف سے ہو اس میں ڈرنا ہی کمال ہے کہ وہ فی الحقیقت حق تعالیٰ سے ڈرنا ہے جیسے ہوا تیز ہونے کے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھبرا جانا حدیثوں میں آتا ہے سو چونکہ اس تبدل میں مخلوق کا واسطہ نہ تھا اس سے ڈر گئے کہ یہ کوئی قہر الٰہی نہ ہو۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا اپنی لاٹھی زمین پر پھینک دو موسیٰ نے لاٹھی پھینک دی وہ سانپ بن گئی اور تیزی کے ساتھ دوڑنے لگی اور حکم ملا اپنا ہاتھ گریبان کے اندر کر کے نکالو وہ سفید بے داغ نکلے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس حکم کی بھی تعمیل کی اور ہاتھ اندر سے گورا چمکیلا بے داغ نکلا اور حکم ملا یہ دونوں نشانیاں لے کر مع نو نشانیوں کے فرعون اور اس کی قوم کے پاس جاؤ وہ بدکار لوگ ہیں موسیٰ علیہ السلام گئے اور معجزات پیش کئے فرعون اور اس کے ساتھیوں نے کہا یہ کھلا جادو ہے۔ (تفسیر مظہری)

إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوءٍ

مگر جس نے زیادتی کی پھر بدلے میں نیکی کی برائی کے پیچھے

فَإِنِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ ⑪

تو میں بخشنے والا مہربان ہوں

کوتاہی کے بعد توبہ و اصلاح:

یہ استثناء منقطع ہے۔ یعنی خدا کے حضور میں پہنچ کر خوف و اندیشہ صرف اس کو ہونا چاہئے جو کوئی زیادتی یا خطاء و تقصیر کر کے آیا ہو۔ اس کے متعلق بھی ہمارے ہاں یہ قاعدہ ہے کہ برائی کرنے کے بعد اگر دل سے توبہ کر کے اپنی روش درست کر لی اور نیکیاں کر کے برائی کا اثر مٹا دیا تو حق تعالیٰ اپنی رحمت سے معاف فرمانے والا ہے حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں موسیٰ علیہ السلام سے چوک کر ایک کافر کا خون ہو گیا تھا اس کا ڈر تھا ان کے دل میں، ان کو وہ معاف کر دیا۔ (تفسیر عثمانی)

پیغمبر گناہ سے پاک ہوتا ہے:

صحیح تر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے جو لغزشیں ہوئی ہیں وہ درحقیقت گناہ ہی نہ تھے نہ صغیرہ نہ کبیرہ، البتہ صورت گناہ کی تھی اور درحقیقت وہ اجتہادی خطا میں ہوئی ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

بعض علماء کے نزدیک استثناء منقطع ہے کیونکہ پیغمبروں سے ظلم (گناہ) کا صدور ممکن نہیں (اللہ نے ان کو معصوم بنایا ہے) اس وقت الّا کا معنی ہو گا لیکن (اور کلام بالکل علیحدہ ہو گا) مطلب اس طرح ہو گا۔ لیکن پیغمبروں کے علاوہ جس نے گناہ کیا ہو پھر توبہ کر لی ہو، تو اللہ غفور رحیم ہے اس کو معاف کر دے گا لیکن ایسے شخص کو اللہ کے سوا دوسروں کا خوف ہو جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ

اور ڈال دے ہاتھ اپنا اپنے گریبان میں کہ نکلے سفید ہو کر نہ کسی برائی سے

فِي تِسْعِ آيَاتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ⑫

یہ دونوں مل کر نو نشانیاں لے کر جا فرعون اور اس کی قوم کی طرف بیشک وہ تھے لوگ نافرمان

نو نشانیوں کا بیان سورہ بنی اسرائیل کی آیت الخ کے تحت میں دیکھو۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ آيَاتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُبِينٌ ⑬

پھر جب پہنچیں ان کے پاس ہماری نشانیاں سمجھانے کو بولے یہ جادو ہے صریح

وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا ۚ

اور ان کا انکار کیا اور ان کا یقین کر چکے تھے اپنے جی میں بے انصافی اور غرور سے

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ⑭

سو دیکھ لے کیسا ہوا انجام خرابی کرنے والوں کا

قوم والوں کا انکار اور عذاب:

یعنی جب وقتاً فوقتاً ان کی آنکھیں کھولنے کیلئے وہ نشانیاں دکھلائی گئیں تو کہنے لگے کہ یہ سب جادو ہے حالانکہ ان کے دلوں میں یقین تھا کہ موسیٰ علیہ

السلام سچے ہیں اور جو نشانیاں دکھلا رہے ہیں یقیناً خدائی نشان ہیں۔ جادو، شعبدہ اور نظر بندی نہیں مگر محض بے انصافی اور غرور وتکبر سے جان بوجھ کر اپنے ضمیر کے خلاف حق کی تکذیب اور سچائی کا انکار کر رہے تھے، پھر کیا ہوا چند روز بعد پتہ لگ گیا کہ ایسے ہٹ دھرم مفسدوں کا انجام کیسا ہوتا ہے سب کو بحر قلزم کی موجوں نے کھالیا کسی کو گور وکفن بھی نصیب نہ ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ

اور ہم نے دیا داؤد اور سلیمان کو ایک علم

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے علوم:

حضرت سلیمانؑ حضرت داؤد علیہ السلام کے صاحبزادہ ہیں باپ بیٹے میں سے ہر ایک کو اس کی شان کے لائق اللہ تعالیٰ نے علم کا خاص حصہ عطا فرمایا، شرائع واحکام اور اصول سیاست وحکمرانی وغیرہ کے علوم سب اس لفظ کے تحت میں داخل ہوگئے۔ (تفسیر عثمانی)

ظاہر ہے کہ اس سے مراد علوم انبیاء ہیں جو نبوت ورسالت سے متعلق ہوتے ہیں اس کے عموم میں دوسرے علوم وفنون بھی شامل ہوں تو بعید نہیں جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہ سازی کی صنعت سکھا دی گئی تھی۔ حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام زمرہ انبیاء میں ایک خاص امتیاز یہ رکھتے ہیں کہ ان کو نبوت ورسالت کے ساتھ سلطنت بھی دی گئی تھی اور سلطنت بھی ایسی بے نظیر کہ صرف انسانوں پر نہیں بلکہ جنات اور جانوروں پر بھی ان کی حکمرانی تھی ان سب عظیم الشان نعمتوں سے پہلے حق تعالیٰ کے نعمت علم کا ذکر فرمانے سے اس طرف اشارہ ہوگیا کہ نعمتِ علم تمام دوسری نعمتوں سے فائق اور بالاتر ہے۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا

اور بولے شکر اللہ کا جس نے ہم کو بزرگی دی

نعمتوں کا شکر:

حق تعالیٰ نے جو علم داؤد وسلیمان علیہم السلام کو دیا تھا اسی کا اثر یہ تھا کہ حق تعالیٰ کے انعامات کا شکر ادا کرتے تھے کسی نعمت الٰہی پر شکر ادا کرنا اصل نعمت سے بڑی نعمت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے لکھا ہے کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ جو نعمتیں دے اور ان پر وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے تو اس کی حمد ان نعمتوں سے بہت افضل ہے دیکھو خود کتاب اللہ میں یہ نکتہ موجود ہے پھر آپ نے یہی آیت لکھ کر لکھا کہ ان دونوں پیغمبروں کو جو نعمت دی گئی تھی اس سے افضل اور نعمت کیا ہو۔ (ابن کثیر)

علم کی فضیلت:

آیت بتا رہی ہے کہ علم بڑی فضیلت ہے باعث شرف ہے اور علماء کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے چودھویں کے چاند کو باقی ستاروں پر فضیلت ہے۔ علماء انبیاء علیہم السلام کے جانشین ہیں اور انبیاء نے کوئی دینار و درہم اپنی میراث میں نہیں چھوڑا بلکہ علم کی میراث چھوڑی پس جس نے اس میراث کو لیا (وہ بڑا خوش نصیب ہے) اس نے بڑی میراث پائی رواہ احمد والترمذی وابوداؤد۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عابد پر عالم کی برتری ایسی ہے جیسے تم میں سے ادنیٰ آدمی پر میری برتری رواہ الترمذی عن ابی امامۃ الباہلی۔

آیت میں نعمت علم کا شکر ادا کرنے کی ترغیب ہے اور اس بات کی تعلیم ہے کہ آدمی کو خواہ بہت لوگوں پر فضیلت حاصل ہو پھر بھی اس کو تواضع کرنا چاہئے اور یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس پر بھی بہت لوگوں کو برتری حاصل ہے وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ہر عالم سے اونچا عالم ہے۔ (تفسیر مظہری)

عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٥﴾

اپنے بہت سے بندوں ایمان والوں پر

بہت سے اس لئے کہا کہ بہت بندگانِ خدا کو ان پر فضیلت دی گئی ہے۔ باقی تمام مخلوق پر فضیلت کلی تو سارے جہان میں ایک ہی بندے کو حاصل ہوئی جن کا نام مبارک ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ

اور قائم مقام ہوا سلیمان داؤد کا

حضرت سلیمانؑ کے فضائل:

یعنی داؤد کے بیٹوں میں سے اُن کے اصل جانشین حضرت سلیمان علیہ السلام ہوئے جن کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے نبوت اور بادشاہت دونوں جمع کر دیں اور وہ ملک عطا فرمایا جو اُن سے قبل یا بعد کسی کو نہ ملا جن، ہوا اور پرندوں کو ان کے لئے مسخر فرما دیا۔ جیسا کہ سورۂ سبا میں آئیگا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت داؤدؑ کے وارث حضرت سلیمانؑ ہوئے اس سے مراد مال کی وراثت نہیں بلکہ ملک ونبوت کی وراثت ہے اگر مالی میراث مراد ہوتی تو اس میں صرف حضرت سلیمانؑ ہی کا نام نہ آتا کیونکہ حضرت داؤدؑ کی سو بیویاں تھیں انبیاءؑ کے مال کی میراث نہیں بٹتی۔ (تفسیر ابن کثیر)

انبیاء میں مال کی وراثت نہیں ہوتی:

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ... ورث سے وراثت علم اور نبوت مراد ہے

وراثت مال نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث یعنی انبیاء نہ وارث ہوتے ہیں اور نہ مورث، حضرت ابوالدرداءؓ سے ترمذی اور ابوداؤد میں روایت ہے۔

العلماء ورثة الانبياء وان الانبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما ولكن ورثوا العلم فمن اخذهٗ اخذ بحظ وافر یعنی علماء انبیاء کے وارث ہیں، لیکن انبیاء میں وراثت علم اور نبوت کی ہوتی ہے مال کی نہیں ہوتی۔ حضرت ابوعبداللہ کی روایت اس مسئلہ کو اور زیادہ واضح کر دیتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام کے وارث ہوئے (روح عن الکلینی) عقلی طور پر بھی یہاں وراثت مال مراد نہیں ہو سکتی کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ کی اولاد میں اُنیس بیٹوں کا ذکر آتا ہے اگر وراثت مال مراد ہوتو یہ بیٹے سب کے سب وارث ٹھہریں گے پھر وراثت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی تخصیص کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ وراثت وہ مراد ہے جس میں بھائی شریک نہ تھے بلکہ صرف حضرت سلیمان علیہ السلام وارث بنے اور وہ صرف علم اور نبوت کی وراثت ہی ہو سکتی ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کا ملک وسلطنت بھی حضرت سلیمان کو عطا فرما دیا اور اس میں مزید اضافہ اس کا کر دیا کہ آپ کی حکومت جنات اور وحوش و طیور تک عام کر دی، ہوا کو آپ کے لئے مسخر کر دیا، ان دلائل کے بعد طبرسی کی وہ روایت غلط ہو جائے گی جس میں انہوں نے بعض ائمہ اہل بیت کے حوالے سے مال کی وراثت مراد لی ہے (روح)

حضرت سلیمان اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا درمیانی عرصہ

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے درمیان ایک ہزار سات سو سال کا فاصلہ ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ اور سلیمانؑ داؤدؑ کے وارث ہوئے یعنی نبوت کے حکومت کے اور علم کے وارث ہوئے۔ قتادہ نے یہی تفسیر کی اخرجہ عبد بن حمید وابن المنذر وابن ابی حاتم شیعہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ انبیاء بھی دوسروں کو اپنا وارث بناتے ہیں۔ لیکن شیعہ فرقہ کا یہ استدلال بجائے فائدہ کے ان کو نقصان پہنچاتا ہے اگر سلیمانؑ داؤدؑ کے مال کے وارث ہوئے یہ صحیح مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت داؤدؑ کے جو دوسرے اٹھارہ بیٹے تھے ان کو باپ کے مال میں سے کچھ نہیں ملا سب کے وارث سلیمانؑ ہو گئے وراثت کا معنی یہ ہے کہ ایک شئ دوسرے کی طرف بغیر کسی بیع شراء اور ہبہ اور عاریت وغیرہ کے منتقل ہو جائے خواہ وہ دونوں آپس میں قرابت دار ہوں یا نہ ہوں اللہ نے فرمایا ہے وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ہم نے اس سرزمین کا بنی اسرائیل کو وارث بنا دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں جو لانورث کا لفظ آیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی آدمی (خواہ کتنا ہی عزیز اور قرابتدار ہو) کسی نبی کے مال کا وارث نہیں ہوتا بلکہ نبی کی وفات کے بعد اس کا مال وقف قرار پائے گا اور اللہ براہ راست اس کا مالک ہوگا۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت داؤدؑ کو اللہ نے جو نعمتیں عطا فرمائی تھیں وہ نعمتیں سب حضرت سلیمان کو عطا فرما دیں بلکہ تسخیر ہوا اور تسخیر شیاطین یہ دونوں چیزیں زیادہ عنایت فرمائیں۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ

اور بولا اے لوگو ہم کو سکھائی ہے بولی اُڑتے جانوروں کی

پرندوں کی بولیاں:

اس بات کا انکار کرنا بداہت کا انکار ہوگا کہ پرندے جو بولیاں بولتے ہیں اُن میں ایک خاص حد تک افہام وتفہیم کی شان پائی جاتی ہے ایک پرند جس وقت اپنے جوڑے کو بُلاتا یا دانہ دینے کے لئے اپنے بچوں کو آواز دیتا یا کسی چیز سے خوف کھا کر خبردار کرتا ہے ان تمام حالات میں اُس کی بولی اور لب ولہجہ یکساں نہیں ہوتا چنانچہ اُس کے مخاطبین اس فرق کو بخوبی محسوس کرتے ہیں۔ اس سے ہم سمجھتے ہیں کہ دوسرے احوال وضروریات کے وقت بھی اُن کے چہچہوں میں (گو ہمیں کتنے ہی متشابہ ومتعارف معلوم ہوں) ایسا لطیف وخفیف تفاوت ہوتا ہوگا جسے وہ آپس میں سمجھ لیتے ہوں گے۔ تم کسی پوسٹ آفس میں چلے جاؤ اور تار کی متشابہ کھٹ کھٹ گھنٹوں سنتے رہو، تمہارے نزدیک محض بے معنی حرکات واصوات سے زیادہ وقعت نہ ہوگی لیکن ٹیلی گراف ماسٹر فوراً بتا دے گا کہ فلاں جگہ سے فلاں آدمی یہ مضمون کہہ رہا ہے یا فلاں لیکچرار کی تقریر انہی تاروں کی کھٹکھٹاہٹ میں صاف سنائی دے رہی ہے۔ کیونکہ وہ ان فقرات تلغرافیہ کی دلالت وضعیہ سے پوری طرح واقف ہے۔ علیٰ ہذا القیاس کیا بعید ہے کہ واضع حقیقی نے نغمات طیور کو بھی مختلف معانی ومطالب کے اظہار کے لئے وضع کیا ہو۔ اور جس طرح انسان کا بچہ اپنے ماں باپ کی زبان سے آہستہ آہستہ واقف ہوتا رہتا ہے طیور کے بچے بھی اپنی فطری استعداد سے اپنے ہی نوع کی بولیوں کو سمجھنے لگتے ہوں اور بطور ایک پیغمبرانہ اعجاز کے حق تعالیٰ کسی نبی کو بھی اُن کا علم عطا فرما دے۔ حیوانات کے لئے جزئی ادراکات کا حصول تو پہلے سے مسلم چلا آتا ہے لیکن یورپ کی جدید تحقیقات اب حیوانات کی عاقلیت کو آدمیت کی سرحد سے قریب کرتی جاتی ہیں حتیٰ کہ حیوانات کی بولیوں کی ابجد تیار کی جا رہی ہے قرآن کریم نے خبر دی تھی کہ ہر چیز اپنے پروردگار کی

تسبیح وتحمید کرتی ہے جسے تم سمجھتے نہیں اور ہر پرندہ اپنی صلوٰۃ وتسبیح سے واقف ہے احادیث صحیحہ میں حیوانات کا تکلم بلکہ جمادات مخصوصہ کا بات کرنا اور تسبیح پڑھنا ثابت ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اپنے خالق کی اجمالی مگر صحیح معرفت ہر چیز کی فطرت میں تہ نشین کر دی گئی ہے پس اُن کی تسبیح وتحمید یا بعض محاورات و خطابات پر بعض بندگان خدا کا بطور خرق عادت مطلع کر دیا جانا از قبیل محالات عقلیہ نہیں۔ ہاں عام عادت کے خلاف ضرور ہے۔ سو اعجاز و کرامت اگر عام عادت اور معمول کے موافق ہوا کرے تو اعجاز و کرامت ہی کیوں کہلائے (خوارق عادت پر ہم نے مستقل مضمون لکھا ہے اُسے ملاحظہ کر لیا جائے) بہرحال اس رکوع میں کئی معجزے اس قسم کے مذکور ہیں۔ جن میں زائغین نے عجیب طرح کی رکیک اور لچر تحریفات شروع کر دی ہیں، کیونکہ بعض طیور کا اپنی بولی میں آدمیوں کے بعض علوم کو ادا کرنا، یا چیونٹیوں کا آپس میں ایک دوسرے کو مخاطب بنانا اور سلیمان پیغمبر کا اُن کو سمجھ لینا یہ سب باتیں اُن کے نزدیک ایسی لغو اور احمقانہ ہیں جن پر ایک بچہ بھی یقین نہیں کر سکتا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ لاکھوں محققین اور علمائے سلف وخلف کی نسبت خیال کرنا کہ وہ ایسی کچی، لغو اور بدیہی البطلان باتوں کو جنہیں ایک بچہ اور گنوار بھی نہیں مان سکتا تھا بلا تردید و تکذیب بیان کرتے چلے آئے اور ان اوہام کو ذکر کر کے مضمون آیات کی صحیح حقیقت جو تم پر آج منکشف ہوئی ہے کسی نے بیان نہ کی؟ یہ خیال اُن باتوں سے بھی بڑھ کر لغو اور احمقانہ ہے جن کی لغویت کو تم تسلیم کرانا چاہتے ہو۔ علماء سے ہر زمانہ میں غلط فہمی یا خطاء وتقصیر ہو سکتی ہے، مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ شب و روز کی جن محسوسات اور پیش پا اُفتادہ حقائق کو انسان کا بچہ بچہ جانتا ہے وہ صدیوں تک بڑے بڑے عقلمند اور محقق علماء کو ایک دن بھی نظر نہ آتی ہوں۔ یاد رہے کہ ہم اسرائیلی خرافات کی تائید نہیں کر رہے۔ ہاں جس حد تک اکابر سلف نے بلا اختلاف کلام الٰہی کا مدلول بیان کیا ہے اُس کو ضرور تسلیم کرتے ہیں خواہ وہ اسرائیلی روایات کے موافق پڑ جائیں یا مخالف۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جانوروں کی بولیوں کا علم:

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی منطق الطیر کا علم عطا فرمایا۔ جانوروں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرنا اور اونٹ کا آپ سے شکایت کرنا اور درختوں اور پتھروں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو السلام علیک یا رسول اللہ کہنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

اور اس قسم کی کرامتوں کا نمونہ فاروق اعظمؓ کو بھی عطا ہوا۔ حضرت عمرؓ کا عین خطبہ میں یا ساریۃ الجبل الجبل کہنا۔ اور حضرت ساریہ کا میدان کا رزار میں حضرت عمرؓ کی آواز سننا۔ روایات معتبرہ سے ثابت ہے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک بار زلزلہ آیا تو حضرت عمرؓ نے زمین پر پاؤں مارا اور کہا کہ اے زمین میں تجھ پر عدل اور انصاف جاری کئے ہوئے ہوں اور تو حرکت کر رہی ہے زمین فوراً ساکن ہو گئی اور دریائے نیل کے نام حضرت عمرؓ کے ایک پرچہ لکھنے کا بھی واقعہ مشہور ہے دریائے نیل خشک ہو گیا تھا حضرت عمر کا یہ پرچہ ڈالتے ہی جاری ہو گیا۔ (معارف کاندھلوی)

اپنے لئے جمع کا صیغہ بولنا جائز ہے بشرطیکہ تکبراً نہ ہو:

عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَأُوتِينَا الخ، حضرت سلیمان علیہ السلام نے باوجود خود اکیلے ہونے کے اپنے لئے جمع کا صیغہ شاہانہ محاورہ کے طور پر استعمال کیا ہے تا کہ رعایا پر رُعب پڑے اور رعایا اطاعت خداوندی اور اطاعت سلیمان علیہ السلام میں سستی نہ کریں۔ اسی طرح امراء، حکام اور افسران کو اپنی رعایا کی موجودگی میں اپنے لئے جمع کا صیغہ استعمال کرنے میں مضائقہ نہیں جبکہ وہ سیاسۃً اور اظہار نعمت کی غرض سے ہو تکبر وتعلّی کے لئے نہ ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

مختلف پرندوں کی نصیحتیں:

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت کعبؓ نے فرمایا حضرت سلیمانؑ کے پاس جنگلی کبوتر نے آواز نکالی تو آپ نے پوچھا کیا تم کو معلوم ہے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے حاضرین نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ کہہ رہا ہے مرنے کے لئے جنو اور ویران ہونے کے لئے عمارتیں بناؤ۔ فاختہ چیخی تو آپ نے فرمایا جانتے ہو یہ کیا کہہ رہی ہے حاضرین نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہی ہے کاش یہ مخلوق پیدا نہ کی جاتی۔ مور چیخا تو آپ نے پوچھا جانتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے حاضرین نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ کہہ رہا ہے جیسا دوسروں سے معاملہ کرو گے ویسا ہی تم سے کیا جائے گا۔ ہدہد بولا تو پوچھا یہ کیا کہہ رہا ہے تمہیں معلوم ہے حاضرین نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہا ہے جو رحم نہیں کرے گا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔ ترمتی (باز اور شکرہ کی طرح شکاری پرندہ) نے آواز دی تو پوچھا تم جانتے ہو یہ کیا کہہ رہی ہے حاضرین نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ کہہ رہی ہے گناہگارو اللہ سے معافی کی درخواست کرو تیہو (ایک قسم کا مرغ) چیخا تو پوچھا تم کو معلوم ہے یہ کیا کہہ رہا ہے لوگوں نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہا ہے ہر زندہ مرے گا اور ہر نیا پرانا فرسودہ ہوگا۔ خطاف (ابابیل کی قسم کا پرندہ جس کے بازو بہت لمبے ہوتے ہیں اور بہت تیز اڑتا ہے) چیخا تو پوچھا کیا جانتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے حاضرین نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہا ہے پہلے سے نیکی بھیجو (وہاں) تم کو مل جائے گی۔ کبوتری نے آواز دی تو فرمایا یہ کیا کہہ رہی ہے تم کو معلوم ہے حاضرین نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہی ہے پاکی بیان کرو میرے رب برتر کی اتنی کہ آسمانوں اور زمین کو بھر دے۔ قمری چیخی تو پوچھا جانتے ہو یہ کیا کہہ رہی ہے لوگوں نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہی ہے میرے رب اعلیٰ کی پاکی بیان کرو۔ فرمایا کوا عشر وصول کرنے والے (کل مال کا دسواں حصہ بطور ٹیکس وصول کرنے والے) کو بددعا دیتا ہے اور چیل کہتی ہے سواء اللہ کے ہر چیز کو فنا

ہے۔ اور قسطاۃ کہتی ہے جو خاموش رہا محفوظ رہا۔ اور طوطا کہتا ہے تباہی ہے اس کے لئے جس کا مقصد دنیا ہی ہے اور مینڈک کہتا ہے میرے رب قدوس کی پاکی بیان کرو اور باز کہتا ہے۔ میرے رب کی پاکی بیان کرو اور ثنا کرو اور مینڈکی کہتی ہے پاکی بیان کرو اس کی جس کا ذکر ہر زبان پر ہے۔

مکحول نے کہا سلیمانؑ کے پاس ایک تیتر چیخا تو آپ نے پوچھا جانتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے لوگوں نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہا ہے الرحمن علی العرش استوی (رحمن عرش پر متمکن ہے) فرقدؔ کا بیان ہے ایک بلبل درخت پر بیٹھا سر ہلا رہا تھا اور دم پیچھے کو جھکا رہا تھا (اور بول رہا تھا) حضرت سلیمانؑ کا ادھر سے گزر ہوا فرمایا جانتے ہو یہ بلبل کیا کہہ رہا ہے لوگوں نے کہا اللہ اور اس کا نبی ہی خوب واقف ہیں فرمایا یہ کہہ رہا ہے میں نے آدھا چھوارا کھا لیا پس دنیا پر لازم ہے کہ اس کو بڑھا کر پورا کردے۔

حضرت ابن عباسؓ سے یہودیوں کے سوال:

روایت میں آیا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا ہم سات چیزوں کے متعلق آپ سے دریافت کرتے ہیں اگر آپ بتا دیں گے تو ہم مسلمان ہو جائیں گے اور آپ کی تصدیق کریں گے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا سمجھنے کے لئے پوچھ سکتے ہو ضد کے لئے نہیں پوچھ سکتے یہودیوں نے پوچھا بتائیے چنڈول (ایک خوش آواز چڑیا) اپنے گانے میں کیا کہتا ہے اور مینڈک اپنی ٹرٹر میں کیا کہتا ہے اور مرغ اپنی بانگ میں کیا کہتا ہے اور گدھا اپنے رینگنے میں کیا کہتا ہے اور گھوڑا اپنی ہنہناہٹ میں کیا کہتا ہے اور زرزور اور تیتر کیا کہتا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا چنڈول کہتا ہے اے اللہ محمد اور آل محمد سے بغض رکھنے والوں پر لعنت کر اور مرغ کہتا ہے غافلو اللہ کی یاد کرو، اور مینڈک کہتا ہے پاک ہے وہ معبود جس کی عبادت سمندروں کے کنڈوں میں بھی کی جاتی ہے اور گدھا کہتا ہے اے اللہ عشر (ناجائز ٹیکس) وصول کرنے والے پر لعنت کر۔ گھوڑا جب معرکہ میں صفوں مقابلہ پر ہوتا ہے تو کہتا ہے سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح۔ پاک اور مقدس ہے ملائکہ اور جبریل کا رب۔ زرزور کہتا ہے اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ ہر روز کی روزی اسی روز عطا فرما اور تیتر کہتا ہے الرحمٰن علی العرش استوی۔ یہودی یہ جواب سن کر مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلام اچھا رہا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا قول:

حضرت امام جعفر صادق نے اپنے والد کی وساطت سے اپنے دادا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب گدھ چلاتا ہے تو کہتا ہے اے آدم کے بیٹے جی لے جب تک چاہے آخر موت ہے عقاب چیختا ہے تو کہتا ہے لوگوں سے دور رہنے میں سلامتی ہے اور چنڈول چیختا ہے تو کہتا ہے اے اللہ آل محمد سے بغض رکھنے والوں پر لعنت بھیج اور خطاف چلاتا ہے تو کہتا ہے الحمد للّٰہ رب العالمین اور الضالین کو ایسا کھینچتا ہے جیسے قاری کھینچتا ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہؒ کی تحقیق:

میں کہتا ہوں کہ جانوروں کی آوازوں کی جو تشریح حضرت کعبؓ سے منقول ہے اور جو تفصیل مکحول اور فرقد کے اقوال میں آئی ہے اس سب کا تعلق ممکن ہے کہ کسی ہنگامی آواز سے ہو (حضرت سلیمان کے سامنے کسی وقت جانور اس طرح بولے ہوں) اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ جانور جب بھی بولتے ہیں تو یہی کلمات کہتے ہیں۔ اللہ نے اس سورت میں جو ہدہد اور چیونٹی کا کلام نقل کیا ہے اس کا تعلق تو پیش آمدہ واقعہ کے ساتھ تھا ہی البتہ یہودیوں کے سوال کے جواب میں جو کچھ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ یقینًا بتا رہا ہے کہ یہ جانور ہمیشہ ہی یہ الفاظ کہتے ہیں اگر یہ روایت پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو اس کی تاویل کرنی ضروری ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

حضرت داؤدؑ کی وفات

مسند امام احمدؒ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں حضرت داؤدؑ بہت ہی غیرت والے تھے جب آپ گھر سے باہر جاتے تو دروازے بند کرتے جاتے پھر کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی ایک مرتبہ آپ اسی طرح باہر تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک بیوی صاحبہ کی نظر اٹھی تو دیکھتی ہیں کہ گھر کے بیچوں بیچ ایک صاحب کھڑے ہیں۔ حیران ہو گئیں۔ اور دوسروں کو دکھایا، آپس میں سب کہنے لگیں یہ کہاں سے آ گئے؟ دروازے بند ہیں یہ داخل کیسے ہوئے؟ خدا کی قسم حضرت داؤدؑ کے سامنے ہماری سخت رسوائی ہوگی۔ اتنے میں حضرت داؤدؑ بھی آ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انہیں کھڑا دیکھا اور دریافت کیا کہ تم کون ہو اس نے جواب دیا وہ جسے کوئی روک اور دروازہ روک نہ سکے، وہ جو کسی بڑے سے بڑے کی مطلق پروانہ کرے، حضرت داؤدؑ سمجھ گئے اور فرمانے لگے مرحبا، مرحبا آپ ملک الموت ہیں۔ اسی وقت ملک الموت نے آپؑ کی روح قبض کی۔ سورج نکل آیا اور آپ پر دھوپ آ گئی تو حضرت سلیمانؑ نے پرندوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت داؤدؑ پر سایہ کریں انہوں نے اپنے پر کھول کر ایسی گہری چھاؤں کر دی کہ زمین پر اندھیرا سا چھا گیا۔

ایک اللہ والے کا عجیب قصہ:

حضرت عبداللہ بزرگ ایک ولی اللہ شخص تھے پیر اور جمعرات کا روزہ پابندی سے رکھا کرتے تھے۔ اسی سال کی عمر تھی ایک آنکھ سے کانے تھے۔ سلیمان بن زید نے ان سے آنکھ کے جانے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے اس کے بتانے سے انکار کر دیا۔ یہ بھی پیچھے پڑ گئے مہینوں گزر گئے نہ وہ بتاتے نہ یہ سوال چھوڑتے۔ آخر تنگ آ کر فرمایا سن لو! دو خراسانی میرے پاس برزہ میں جو

دمشق کے پاس ایک شہر ہے آئے اور مجھ سے کہا کہ میں انہیں برزہ کی وادی میں لے جاؤں۔ میں انہیں وہاں لے گیا انہوں نے انگیٹھیاں نکالیں بخور نکالے اور جلانے شروع کئے یہاں تک کہ تمام وادی خوشبو سے مہکنے لگی اور ہر طرف سے سانپوں کی آمد شروع ہوگئی لیکن یہ بے پرواہی سے بیٹھے رہے کسی سانپ کی طرف التفات تک نہ کرتے تھے۔ تھوڑی دیر میں ایک سانپ آیا جو ہاتھ بھر کا تھا اور اس کی آنکھیں سونے کی طرح چمک رہی تھی۔ یہ بہت ہی خوش ہوئے اور کہنے لگے خدا کا شکر ہے کہ ہماری سال بھر کی محنت ٹھکانے لگی۔ انہوں نے اس سانپ کو لے کر اس کی آنکھوں میں سلائی پھیر کر اپنی آنکھوں میں وہ سلائی پھیر لی، میں نے اُن سے کہا کہ میری آنکھوں میں بھی یہ سلائی پھیر دو۔ انہوں نے انکار کر دیا، میں نے ان سے منت سماجت کی بمشکل وہ راضی ہوئے اور میری داہنی آنکھ میں وہ سلائی پھیر دی اب جو میں دیکھتا ہوں تو زمین مجھے ایک شیشے کی طرح معلوم ہونے لگی جیسی اوپر کی چیزیں نظر آتی تھیں ایسی ہی زمین کے اندر کی چیزیں بھی دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ اچھا اب آپ ہمارے ساتھ ہی کچھ دور چلئے۔ میں نے منظور کرلیا وہ باتیں کرتے ہوئے مجھے ساتھ لئے ہوئے چلے۔ جب میں بستی سے بہت دور نکل گیا تو دونوں نے مجھے دونوں طرف سے پکڑ لیا اور ایک نے اپنی انگلی ڈال کر میری آنکھ نکال لی اور پھینک دی۔ اور مجھے یونہی بندھا ہوا وہیں پٹک کر دونوں کہیں چل دیئے۔ اتفاقاً وہاں سے ایک قافلہ گزرا اور انہوں نے مجھے اس حالت میں دیکھ کر رحم کھایا قید و بند سے مجھے آزاد کیا اور میں چلا آیا، یہ قصہ ہے میری آنکھ کے جانے کا (ابن عساکر) (تفسیر ابن کثیر)

وَأُوتِينَا مِن كُلِّ شَيْءٍ
اور دیا ہم کو　ہر چیز　میں سے

یعنی ایسی عظیم الشان سلطنت و نبوت کے لئے جو چیزیں اور سامان درکار تھے وہ عطا فرمائے۔ (تفسیر عثمانی)

عُلِّمْنَا اور اُوتِينَا جمع متکلم کے صیغے ہیں حضرت سلیمانؑ نے اپنے ساتھ حضرت داؤدؑ کو شامل کر کے جمع متکلم کے صیغے استعمال کئے۔ یا حضرت سلیمانؑ نے اپنے متبعین کو شامل کر کے یہ لفظ کہے۔ کیونکہ آپکے متبعین کو آپ کی وساطت سے وہ علم اور وہ انعام ملا جو اللہ نے آپکو عطا فرمایا تھا۔ یا اصولِ سیاست کو پیش نظر رکھ کر حضرت سلیمانؑ نے شاہانہ الفاظ استعمال کئے بادشاہ اپنے کو ہم کہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کُل شیءٍ سے دنیا اور آخرت سے تعلق رکھنے والی ہر چیز مراد ہے مقاتل نے کہا نبوت حکومت اور شیاطین و ہوا کی تسخیر مراد ہے۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ ۝ وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ
بیشک یہی ہے فضیلت صریح　اور جمع کئے گئے سلیمان کے پاس اُسکے لشکر
مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ۝۱۷
جن　اور انسان　اور اُڑتے جانور پھر اُن کی جماعتیں بنائی جاتیں

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر:

یعنی سلیمان علیہ السلام جب کسی طرف کوچ کرتے تو جن انس طیور تینوں قسم کے لشکروں میں سے حسبِ ضرورت و مصلحت ساتھ لئے جاتے تھے۔ اور اُن کی جماعتوں میں خاص نظم و ضبط قائم رکھا جاتا تھا۔ مثلاً پچھلی جماعتیں تیز چل کر یا اُڑ کر اگلی جماعتوں سے آگے نہیں نکل سکتی تھیں۔ نہ کوئی سپاہی اپنے مقام اور ڈیوٹی کو چھوڑ کر جا سکتا تھا جس طرح آج بری، بحری اور ہوائی طاقتوں کو ایک خاص نظم و ترتیب کے ساتھ کام میں لایا جاتا ہے۔

حضرت سلیمانؑ نے یہ بات ادائے شکر کے طور پر کہی اظہارِ فخر کے لئے نہیں کہی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور (یہ بات) فخر (کے طور پر) نہیں ہے اور قیامت کے دن آدم کے سوا سب لوگ میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی جو بات فرمائی وہ اس حکم کی تعمیل کے طور پر تھی جو آیت وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ میں دیا گیا ہے۔

حضرت سلیمانؑ کی حکومت:

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت سلیمان نے ساری روئے زمین پر سات سو برس اور چھ ماہ تمام جن و انس اور پرندوں اور چرندوں اور درندوں پر حکومت کی اور ہر چیز کی بولی اللہ نے ان کو سکھا دی تھی اور انہیں کے زمانہ میں عجیب عجیب صنعتوں کی ایجاد ہوئی۔

محمد بن کعب نے کہا سلیمان کی لشکرگاہ سو فرسخ تھی ۲۵ فرسخ جنات کے لئے ۲۵ فرسخ آدمیوں کے لئے ۲۵ فرسخ پرندوں کے لئے اور ۲۵ فرسخ جنگلی جانوروں کے لئے سلیمانؑ کے ایک ہزار کمرے تھے جو لکڑی کے تختوں کے فرش پر قائم تھے تین سو منکوحہ بیبیاں تین سو گھروں میں رہتی تھیں اور سات سو باندیاں سات سو گھروں میں۔ سلیمانؑ کے حکم سے تند ہوا اس تخت کو اٹھا کر اوپر کو لے جاتی تھی پھر بحکم سلیمانؑ نرم نرم ہوا اس کو لے کر چلتی تھی۔ (ایک روز) جو آپ کہیں جا رہے تھے اور آسمان و زمین کے درمیان تھے کہ اللہ نے وحی بھیجی میں نے تمہاری حکومت میں اضافہ کر دیا ہے اب کوئی مخلوق جہاں بھی کوئی بات کرے گی ہوا وہ بات لاکرتم کو پہنچا دے گی۔ (تفسیر مظہری)

حَتّٰىٓ اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ

یہاں تک کہ جب پہنچے چیونٹیوں کے میدان پر

چیونٹیوں کی وادی پر گذر:

یعنی سلیمان کا اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ ایسے میدان کی طرف گزر ہوا جہاں چیونٹیوں کی بڑی بھاری بستی تھی۔ (تنبیہ) جہاں چیونٹیاں مل کر خاص سلیقہ سے اپنا گھر بناتی ہیں اُسے زبان عرب میں قریة النمل کہتے ہیں (چیونٹیوں کی بستی) مفسرین نے مختلف بلاد میں کئی ایسی وادیوں کا پتہ بتلایا ہے جہاں چیونٹیوں کی بستیاں بکثرت تھیں، ان میں سے کسی ایک پر حسب اتفاق حضرت سلیمان علیہ السلام کا گزر ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت سلیمانؑ کے سفری انتظامات:

وہب بن منبہ نے بحوالہ کعب بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ جب تخت پر سوار ہوتے تو اہل وعیال کو نوکروں چاکروں کو اور لاؤ لشکر کو بھی سوار کر لیتے تھے سالن پکانے کے برتن اور روٹیاں پکانے کی آتش تنور بھی ساتھ ہوتے تھے اتنی بڑی بڑی دیگیں بھی ہوتی تھیں کہ ایک دیگ میں دس اونٹوں کا گوشت آ جائے چوپایوں کیلئے میدان بھی اپنے سامنے بنواتے تھے اثنائے سیر میں آسمان وزمین کے درمیان چوپائے اپنے میدانوں میں دوڑتے تھے اور باورچی کھانا اور روٹیاں پکانے میں مشغول رہتے تھے ہوا ان سب کو لے کر چلتی تھی۔

مدینہ اور مکہ سے حضرت سلیمانؑ کا گذر

ایک بار اصطخر سے یمن کو جاتے میں مدینہ شریف کے اوپر سے بھی گزرے اور فرمایا یہ نبی آخر الزماں کی ہجرت گاہ ہے خوشخبری ہے اس کے لئے جو ان کے اوپر ایمان لائے اور خوشی ہے۔

اس کے لئے جس نے ان کا اتباع کیا۔ کعبہ کے اوپر سے گزرے تو کعبہ کے گرداگرد بت نظر آئے جن کی پوجا کی جاتی تھی جب سلیمان کعبہ سے آگے بڑھ گئے تو کعبہ رونے لگا اللہ نے کعبہ کے پاس وحی بھیجی (اور دریافت فرمایا) تیرے رونے کا کیا سبب ہے کعبہ نے کہا اے میرے رب مجھے اس بات نے رلایا کہ یہ تیرا نبی تھا اور تیرے دوستوں کی جماعت تھی یہ لوگ میری طرف سے گزرے اور میرے پاس نماز نہیں پڑھی حالانکہ میرے آس پاس تجھے چھوڑ کر بتوں کی پوجا کی جاتی ہے اللہ نے وحی بھیجی تو نہ رو کچھ مدت کے بعد میں تجھے سجدہ کرنے والے چہروں سے بھر دوں گا اور تیرے اندر جدید قرآن نازل کروں گا اور تیرے اندر سے آخر زمانہ میں ایک نبی پیدا کروں گا میں اپنے انبیاء سے محبت رکھتا ہوں تیرے اندر اپنی مخلوق سے ایسے لوگوں کو آباد کروں گا جو میری عبادت کریں گے اور میں اپنے بندوں پر ایک فرض (یعنی فریضہ حج) مقرر کر دوں گا (جس کو ادا کرنے کے لئے) وہ اتنی تیزی سے تیرے قریب پہنچیں گے جتنی تیزی سے گدھ اپنے آشیانوں کی طرف جاتے ہیں وہ تیرے ایسے مشتاق ہوں گے جیسے اونٹنی کو اپنے بچہ کی طرف اور کبوتری کو اپنے انڈوں کی طرف اشتیاق ہوتا ہے (اونٹنی اپنے بچہ کے پاس اور کبوتری اپنے انڈوں کے پاس بڑی بے تابی سے پہنچنا چاہتی ہے میں تجھے بتوں اور شیطانوں کے پجاریوں سے پاک کر دوں گا۔ پھر سلیمان چلتے چلتے وادی سدیر کی طرف سے گزرے وادی سدیر وادی طائف کا حصہ ہے۔ وہاں آپ کا مرور وادی نمل پر ہوا۔ کعب کا یہی قول ہے کہ وادی نمل طائف میں تھی مقاتل اور قتادہ وہ شام میں ایک زمین تھی بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس وادی میں جن رہتے تھے اور وہاں کی چیونٹیاں ان کی سواریاں تھیں فرق حمیدی نے اس وادی کی چونٹیاں مکھیوں کی طرح تھیں بعض نے کہا بختاتی اونٹ کے برابر تھیں مشہور یہ ہے کہ یہ بات کہنے والی ایک چھوٹی چیونٹی تھی۔ (تفسیر مظہری)

قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ

کہا ایک چیونٹی نے اے چیونٹیو گھس جاؤ اپنے گھروں میں

لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ

نہ پیس ڈالے تم کو سلیمان اور اُس کی فوجیں اور اُن کو خبر بھی نہ ہو

چیونٹی کا اعلان:

یعنی یہ ایسے تو نہیں جو جان بوجھ کر تم کو ہلاک کریں، ہاں ممکن ہے بے خبری میں پس جاؤ۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں چیونٹی کی آواز کوئی (آدمی) نہیں سنتا، انہیں (سلیمان علیہ السلام کو) معلوم ہو گئی یہ اُن کا معجزہ ہوا۔

چیونٹیوں کی معاشرت کا نظام:

(تنبیہ) علمائے حیوانات نے سالہا سال جو تجربے کئے ہیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حقیر ترین جانور اپنی حیات اجتماعی اور نظام سیاسی میں بہت ہی عجیب اور شئون بشریہ سے بہت قریب واقع ہوا ہے۔ آدمیوں کی طرح چیونٹیوں کے خاندان اور قبائل ہیں اُن میں تعاون باہمی کا جذبہ تقسیم عمل کا اصول اور نظام حکومت کے ادارات نوع انسانی کے مشابہ پائے جاتے ہیں محققین یورپ نے مدتوں اُن اطراف میں قیام کر کے جہاں چیونٹیوں کی بستیاں بکثرت ہیں بہت قیمتی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ افسوس ہے ان مختصر فوائد میں ان کی گنجائش نہیں۔ محض مقام کی مناسبت سے دائرۃ المعارف المصریہ کے آخری جملے نقل کرتا ہوں فمتی ذاهم عدو قرية النمل اختفت العملة وخرجت الجنود للقتال والنضال فيخرج اولا واحد معها لِلاستطلاع ثم يعُودُ فخبرابمارأى وبعد هنيهة

تخرج ثلاثة او اربعة يتبعها عدد كثيف من الجيوش بادية عليهم، علائم الحنق فتلدغ كل ما صادفته ولا تفلتُ مَنْ تلدغه ولو قطعتْ اربا اربا فاذا انتهى القتال رجع الفعلةُ فاعادوا بناء ما تهدم يتخللها عدد من الجنود للحراسة لاللعمل۔ متذکرہ جملوں میں بتلایا ہے کہ خطرہ کی آہٹ پا کر اول ایک چیونٹی باہر نکلتی اور واپس جا کر اپنی قوم کو اپنی معلومات سے آگاہ کرتی ہے۔ باقی سلیمان علیہ السلام کا پتہ لگالینا اور سلیمانؑ کا اس کی بات پر مطلع ہوجانا بطریق خرق عادت تھا۔ (تفسیر عثمانی)

حیوانوں میں بھی ایک درجہ کی عقل موجود ہے:

پرندوں اور چوپاؤں میں بھی عقل وشعور ہے اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ پرندے، چرندے اور تمام حیوانات میں بھی عقل وشعور کسی درجہ میں موجود ہے البتہ ان کی عقول اس درجہ کی نہیں کہ ان کو احکام شرع کا مکلف بنایا جاتا اور انسان اور جنات کو عقل وشعور کا وہ کامل درجہ عطا ہوا ہے جس کی بنا پر وہ اللہ تعالیٰ کے مخاطب ہوسکیں اور ان پر عمل کرسکیں۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ کبوتر سب پرندوں میں زیادہ عقلمند ہے ابن عطیہ نے فرمایا کہ چیونٹی ذہین عقلمند جانور ہے اس کی قوت شامہ بڑی تیز ہے جو کوئی دانہ اس کے قبضہ میں آتا ہے اس کے دو ٹکڑے کردیتی ہے تاکہ اگے نہیں اور سردی کے تمام کیلئے اپنی غذا کا ذخیرہ جمع کرتی ہے (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

چیونٹی کا اندازِ خطاب:

جمع مذکر کا خطابی صیغہ استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب کلام کرتا ہے اور حیوانات کے متعلق بات کرتا ہے تو حیوانات کے بے عقل ہونے کی وجہ سے ان کے لئے وہ ضمیریں استعمال کرتا ہے جو جمادات کے لئے مستعمل ہیں عورتوں کے لئے بھی ان کے ضعیف العقل ہونے کی وجہ سے جمادات کی ضمیریں استعمال کرلی جاتی ہیں گویا ان کو بھی بے عقل مان کر جمادات کے ساتھ شامل کردیا جاتا ہے لیکن حیوانات جب دوسرے حیوانات سے کلام کرتے ہیں تو وہ اپنی نظر میں اپنے کو ذی عقل سمجھتے ہیں اور دوسرے کو اہل عقل کی طرح خطاب کرتے ہیں اس جگہ اللہ نے وہ کلام نقل کیا ہے جو ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں کو اہل عقل قرار دے کر کیا تھا اس لئے وہ صیغہ اختیار کرلیا جس کے مخاطب اہل عقل ہوتے ہیں۔

لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ تم کو سلیمان اور ان کی فوجیں پیس نہ ڈالیں۔ اس کلام میں (بظاہر) پیس ڈالنے کی ممانعت ہے (لیکن ایک چیونٹی حضرت سلیمانؑ اور ان کی فوج کو پیسنے کی ممانعت کیسے کرسکتی تھی پھر چیونٹی کا روئے خطاب تو دوسری چیونٹیوں کی طرف تھا حضرت سلیمانؑ اور ان کی فوج کی جانب نہیں تھا) لیکن فی الحقیقت چیونٹیوں کو باہر نکلنے اور باہر رہنے کی ممانعت ہے تاکہ پامال ہونے سے بچ جاؤ جیسے عرب کہتے ہیں لا اراک ھٰھنا میں تجھے یہاں نہ دیکھوں یعنی یہاں نہ ٹھہرنا (یا پھر نہ آنا)۔

حضرت سلیمان اور ان کے لشکر کے متعلق چیونٹی کا حسن ظن:

وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ایسی حالت میں کہ ان کو پتہ بھی نہ ہو۔ کیونکہ اگر ان کو معلوم ہوگا تو وہ خود ہی تم کو نہیں روندیں گے۔ گویا یہ حضرت سلیمانؑ اور آپ کے ساتھیوں کی طرف سے ممکن الوقوع فعل کی معذرت کا اظہار ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دانستہ یہ قصور تو ان سے سرزد نہ ہوگا۔

افسوس شیعہ فرقہ کو چیونٹی کی برابر بھی سمجھ نہیں کہ وہ صحابہ کرام کی جانب سے قصداً اہل بیت وایذا پہنچانے کے قائل ہیں۔

اہل معرفت کا قول:

بعض اہل عرفان نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہا ایسا نہ ہو کہ تم حضرت سلیمانؑ کے لشکر اور ان کے ساز و سامان اور شان شوکت کی سیر کرنے میں اتنی مشغول ہوجاؤ کہ اللہ کے ذکر سے بھی غافل ہو اور ذکر خدا سے غفلت تمہاری ہلاکت کا ذریعہ ہوجائے یہ بات سلیمان نے تین میل سے سن پائی۔ کذا قال مقاتل۔ کیونکہ جہاں کہیں جو مخلوق بات کرتی تھی ہوا وہ بات حضرت سلیمانؑ کے گوش گزار کردیتی تھی۔ (تفسیر مظہری)

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا	
پھر مسکرا کر ہنس پڑا	اس کی بات سے

حضرت سلیمانؑ کا تعجب اور خوشی:

اس چیونٹی کی بات سمجھ کر تعجب ہوا اور فرط سرور ونشاط سے ادائے شکر کا جذبہ جوش میں آیا۔ (تفسیر عثمانی)

اس چیونٹی کو یقین تھا کہ نبی اور اس کے اصحاب جان بوجھ کر کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کرسکتے یہ چیونٹی رافضیوں سے زیادہ عقلمند تھی جو صحابہ کرامؓ سے بدگمان ہیں اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے نبی کی آل واولاد پر جان بوجھ کر ظلم کیا۔ معلوم ہوا کہ حیوانات کو بھی اس کا علم ہے کہ انبیاء کرامؑ اور ان کے اصحابؓ سے دیدہ ودانستہ کسی پر ظلم اور زیادتی ممکن نہیں حضرت سلیمانؑ نے دور سے اس کی آواز کو سن لیا اور سمجھ گئے پس سلیمان علیہ السلام اس کی اس بات سے مسکراتے ہوئے ہنسنے لگے اور خوش ہوئے کہ جانوروں کو بھی مجھ پر اطمینان ہے کہ میں اور میرے اصحاب ان پر ظلم نہیں کریں گے نیز جانوروں کی بولی سمجھ لینا حق جل شانہ کی ایک عظیم نعمت اور کرامت ہے اس ایک نعمت کو دیکھ کر اور نعمتیں یاد آگئیں تو نعمت کو چھوڑ کر منعم حقیقی کی طرف متوجہ ہوگئے اور شکر اور مناجات میں مشغول ہوگئے۔ (معارف کاندھلوی)

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا پس سلیمانؑ مسکراتے ہوئے ہنس پڑے یہاں کچھ کلام محذوف ہے اوراسی پر عطف ہے پورا کلام اس طرح تھا سلیمانؑ نے چیونٹی کی بات سن لی اس کا مطلب سمجھ لیا مطلب سمجھ کر خوش ہوئے اور اس بات سے بھی ان کو مسرت ہوئی کہ چیونٹی نے آپ کو اور آپ کی فوج کو عادل سمجھا یہ تمام باتیں سمجھ کر آپ خوش ہوئے اور مسکرادیئے۔ یا یوں کہا جائے کہ آپ کو چیونٹی کی دانش مندی اور احتیاط سے تعجب ہوا اور اس بات پر بھی اچنبھا ہوا کہ ایک حقیقی چیونٹی اپنی اور اپنی قوم کے بچاؤ کے راستے کیسے جانتی ہے ان باتوں پر آپ کو تعجب ہوا اور آپ مسکرادیئے۔

انبیاء کی ہنسی:

ضاحکا یعنی حضرت سلیمانؑ کا تبسم ضحک کی حد تک پہنچ گیا (گویا ہنس دیئے) زجاج نے کہا انبیاءؑ کی ہنسی اکثر بصورت تبسم ہی ہوتی ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شروع میں مسکرائے ہوں پھر ہنس دیئے ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھر پور ہنستے نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلق کا کوا نظر آ گیا ہو آپ صرف مسکرادیا کرتے تھے۔ رواہ البخاری۔

حضرت عبداللہ بن حارث بن جزءؓ کا بیان ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو مسکراتے نہیں دیکھا رواہ الترمذی۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ

اور بولا اے میرے رب میری قسمت میں دے کہ شکر کروں تیرے

اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا

احسان کا جو تو نے کیا مجھ پر اور میرے ماں باپ پر اور یہ کہ کروں کام نیک

تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾

جو تو پسند کرے اور ملالے مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں

توفیق شکر کی دُعاء:

یعنی حیران ہوں تیرے انعامات عظیمہ کا شکر کس طرح ادا کروں، پس آپ ہی سے التجاء کرتا ہوں کہ مجھے پورا شاکر بنادیجئے زبان سے بھی اور عمل سے بھی۔ اور اعلیٰ درجہ کے نیک بندوں میں (جو انبیاء و مرسلین ہیں) محشور فرمایئے۔ (تفسیر عثمانی)

عمل صالح کیلئے قبولیت کی دُعاء:

وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ یہاں رضا معنے قبول ہے، معنے یہ ہیں کہ یا اللہ مجھے ایسے عمل صالح کی توفیق دیجئے جو آپ کے نزدیک مقبول ہو۔ روح المعانی میں اس سے اس پر استدلال کیا ہے کہ عمل صالح کے لئے قبولیت لازم نہیں ہے بلکہ قبولیت کچھ شرائط پر موقوف ہوتی ہے، اور فرمایا کہ صالح اور مقبول ہونے میں نہ عقلاً کوئی لزوم ہے نہ شرعاً۔ اسی لئے انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے کہ اپنے اعمال صالحہ کے مقبول ہونے کی بھی دُعا کرتے تھے جیسے حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کے وقت دُعا فرمائی، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اس سے معلوم ہوا کہ جو عمل نیک ہے صرف اس کو کر کے بے فکر ہونا نہیں چاہئے، اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دُعا کرے کہ اس کو قبول فرمائے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام بھی ان کلمات میں دخول جنت کے لئے فضلِ ربی کی دُعا فرما رہے ہیں یعنی اے اللہ، مجھے وہ فضل بھی عطا فرما جس سے جنت کا مستحق ہو جاؤں۔ (معارف مفتی اعظم)

نکتہ: گزشتہ آیات میں فھم یوزعون کا لفظ آیا ہے اور اس آیت میں رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ آیا ہے دونوں کا اصل مادہ ایک ہے دونوں لفظ وزع بمعنی منع سے مشتق ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ مجھ کو اپنی ناشکری سے روک دے اور تیرا شکر میرے پاس رکا رہے اور میں اس کو ایسا باندھ کر رکھوں کہ تیرا شکر میرے ہاتھ سے چھوٹ نہ جائے۔ کمافی الکشاف اجعلنی ازع شکر نعمتک عندی واکفه وار تبطه لاینفلت عنی حتی لاانفک شاکر الک انتھی۔ (معارف کاندھلوی)

وَتَفَقَّدَ الطَّیْرَ فَقَالَ مَالِیَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ

اور خبر لی اُڑتے جانوروں کی تو کہا کیا ہے جو میں نہیں دیکھتا ہد ہد کو

اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِیْنَ ﴿۲۰﴾

یا ہے وہ غائب

ہُد ہُد کی غیر حاضری:

کسی ضرورت سے سلیمان علیہ السلام نے اڑنے والی فوج کا جائزہ لیا، ہُد ہُد اُن میں نظر نہ پڑا۔ فرمایا کیا بات ہے ہُد ہُد کو میں نہیں دیکھتا۔ آیا پرندوں کے جھنڈ میں مجھ کو نظر نہیں آیا، یا حقیقت میں غیر حاضر ہے؟ (تنبیہ) پرندوں سے حضرت سلیمانؑ مختلف کام لیتے تھے مثلاً ہوائی سفر میں اُن کا پرے باندھ کر اوپر سایہ کرتے ہوئے جانا یا ضرورت کے وقت پانی وغیرہ کا کھوج لگانا، یا نامہ بَری کرنا وغیرہ۔ ممکن ہے اس وقت ہُد ہُد کی کوئی خاص ضرورت پیش آئی ہو۔ مشہور ہے کہ جس جگہ زمین کے نیچے پانی قریب ہو ہُد ہُد کو محسوس ہو جاتا ہے۔ اور یہ کچھ مستبعد نہیں کہ حق تعالیٰ کسی جانور کو کوئی خاص حاسہ انسانوں اور دوسرے جانوروں سے تیز عنایت فرمادے۔ اسی ہُد ہُد کی نسبت نہایت معتبر ثقات نے بیان کیا کہ زمین میں جس جگہ مٹی کے نیچے کینچوا ہوا سے

محسوس کر کے فوراً نکال لیتا ہے حتیٰ کہ کبھی کبھی ایک دو بالشت زمین کھودتا ہے تب وہاں سے کھینچوا نکلتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے انسانوں کے علاوہ جنات اور وحوش وطیور پر حکومت عطا فرمائی تھی اور جیسا کہ حکمرانی کا اُصول ہے رعایا کے ہر طبقہ کی نگرانی اور خبر گیری حاکم کے فرائض میں سے ہے اس کے مطابق اس آیت میں بیان فرمایا وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ یعنی سلیمان علیہ السلام نے اپنی رعایا کے طیور کا معائنہ فرمایا اور یہ دیکھا کہ ان میں کون حاضر ہے کون غیر حاضر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی عادت شریفہ یہ تھی کہ صحابہ کرامؓ کے حالات سے باخبر رہنے کا اہتمام فرماتے تھے جو شخص غیر حاضر ہوتا اگر بیمار ہے تو عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے تیمارداری کرتے اور کسی تکلیف میں مبتلا ہے تو اس کے لئے تدبیر فرماتے تھے۔

حاکم کو اپنی رعیت کی اور مشائخ کو اپنے شاگردوں اور مُریدوں کی خبر گیری ضروری ہے:

آیت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی رعایا کے ہر طبقہ پر نظر رکھتے اور ان کے حالات سے اتنے باخبر رہتے تھے کہ ہُدہُد جو طیور میں چھوٹا اور کمزور بھی ہے اور اس کی تعداد بھی دنیا میں بہ نسبت دوسرے طیور کے کم ہے وہ بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی نظر سے اوجھل نہیں ہوا، بلکہ خاص ہُدہُد کے متعلق جو سوال آپ نے فرمایا اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ زمرۂ طیور میں کم تعداد اور کمزور ہے، اس لئے اپنی رعیت کے کمزوروں پر نظر رکھنے کا زیادہ اہتمام فرمایا صحابہ کرامؓ میں حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اس سنت انبیاءؑ کو پوری طرح جاری کیا، راتوں کو مدینہ منورہ کی گلیوں میں پھرتے تھے کہ سب لوگوں کے حالات سے باخبر رہیں، جس شخص کو کسی مصیبت و تکلیف میں گرفتار پاتے اُس کی امداد فرماتے تھے جس کے بہت سے واقعات ان کی سیرت میں مذکور ہیں۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر دریائے فرات کے کنارہ پر کسی بھیڑیئے نے کسی بکری کے بچے کو پھاڑ ڈالا تو اس کا بھی عمر سے سوال ہوگا۔ (قرطبی)

یہ تھے وہ اُصولِ جہانبانی و حکمرانی جو انبیاء علیہم السلام نے لوگوں کو سکھائے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اُن کو عملاً جاری کر کے دکھلایا اور جس کے نتیجہ میں پوری مسلم وغیر مسلم رعایا امن و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھی اور اُن کے بعد زمین و آسمان نے ایسے عدل و انصاف اور عام دُنیا کے امن وسکون اور اطمینان کا یہ منظر نہیں دیکھا۔

مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے کیا ہوگیا کہ میں ہُدہُد کو مجمع میں نہیں دیکھتا۔

اپنے نفس کا محاسبہ:

یہاں موقع تو یہ فرمانے کا تھا کہ ہُدہُد کو کیا ہوگیا کہ وہ مجمع میں حاضر نہیں۔ عنوان شاید اس لئے بدلا کہ ہُدہُد اور تمام طیور کا مسخر ہونا حق تعالیٰ کا ایک انعام خاص تھا، ہُدہُد کی غیر حاضری پر ابتداءً میں یہ خوف دل میں پیدا ہوا کہ شاید میرے کسی قصور سے اس نعمت میں کمی آئی کہ ایک صنف طیور کی یعنی ہُدہُد غائب ہوگیا اس لئے اپنے نفس سے سوال کیا کہ ایسا کیوں ہوا، جیسا کہ مشائخ صوفیہ کا معمول ہے کہ جب اُن کو کسی نعمت میں کمی آئے یا کوئی تکلیف و پریشانی لاحق ہو تو وہ اس کے، ازالہ کے لئے مادی اسباب کی طرف توجہ کرنے سے پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کرتے تھے کہ ہم سے اللہ تعالیٰ کے حق شکر میں کون سی کوتاہی ہوئی جس کے سبب یہ نعمت ہم سے لے لی گئی۔ قرطبی نے اس جگہ بحوالہ ابن عربی ان بزرگوں کا یہ حال نقل کیا ہے۔

اذا فقدوا اٰمالھم تفقدوا اعمالھم

یعنی ان حضرات کو جب اپنی مراد میں کامیابی نہیں ہوتی تو یہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے ہیں کہ ہم سے کیا قصور سرزد ہوا۔ اس ابتدائی محاسبہ نفس اور غور وفکر کے بعد فرمایا أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ اس جگہ حرف اَم بمعنے بل ہے (قرطبی) معنے یہ ہیں کہ یہ بات نہیں کہ ہُدہُد کے دیکھنے میں میری نظر نے خطاء کی بلکہ وہ حاضر ہی نہیں۔

طیور میں سے ہُدہُد کی تخصیص کی وجہ اور ایک اہم عبرت:

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے سوال کیا گیا کہ تمام پرندوں میں ہدہد کی تفتیش کی کیا وجہ پیش آئی تو آپ نے فرمایا کہ سلیمان علیہ السلام نے کسی ایسے مقام میں قیام فرمایا جہاں پانی نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ نے ہُدہُد کو یہ خاصیت عطا فرمائی ہے کہ وہ زمین کے اندر کی چیزوں کو اور زمین کے اندر بہنے والے چشموں کو دیکھ لیتا ہے مقصود حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ تھا کہ ہُدہُد سے یہ معلوم کریں کہ اس میدان میں پانی کتنی گہرائی میں ہے اور کس جگہ زمین کھودنے سے پانی کافی مل سکتا ہے۔ ہُدہُد کی اس نشاندہی کے بعد وہ جنات کو حکم دے دیتے کہ اس زمین کو کھود کر پانی نکالو وہ بڑی جلد کھود کر پانی نکال لیتے تھے۔ ہُدہُد اپنی تیز نظر اور بصیرت کے باوجود شکاری کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ اور پرندوں کو طلب کیا۔

یعنی پرندوں کے متعلق تفتیش کی اور ان کو طلب کیا۔ تفقد کا معنی ہے گم شدہ چیز کا ڈھونڈنا غرض پرندوں کی تفتیش کرنے کے بعد ہدہد کو غیر حاضر پایا۔ ہدہد کو تلاش کرنے کی وجہ یہ تھی کہ جب حضرت سلیمان کسی منزل پر اترتے تھے تو دھوپ سے بچانے کے لئے پرندے پورے لشکر پر سایہ کر لیتے تھے اور ہدہد اوپر چڑھ کر زمین کو دیکھتا تھا اور زمین کے اندر پانی کی تلاش کرتا تھا اور پانی کا دور یا قریب ہونا معلوم کرتا تھا کیونکہ اس کو زمین کے اندر کی چیزیں اسی طرح نظر آتی

تھیں جیسے شیشہ کے اندر چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔ پانی جہاں نظر آ جاتا وہاں جا کر چونچ سے زمین کو کریدتا تھا پھر جنات پہنچ کر زمین کو کھود کر پانی برآمد کر لیا کرتے تھے، کذا اخرج ابن ابی شیبۃ و عبدابن حمید و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و الحاکم۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس پر سوال اور اس کا جواب:

سعید بن جبیر نے کہا جب حضرت ابن عباسؓ نے یہ فرمایا تو نافع بن ازرق نے کہا اے بیان کرنے والے دیکھ کیا کہہ رہا ہے (سمجھ کے بات کر) ایک بچہ جب جال بچھا کر اس پر مٹی ڈال دیتا ہے (اور اس پر دانہ بکھیر دیتا ہے) تو ہدہد کو جال نظر نہیں آتا اور آ کر پھنس جاتا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تیرا برا ہو جب تقدیری حکم ہو جاتا ہے تو کچھ دکھائی نہیں دیتا دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں جب قضاوقدر آ جاتی ہے تو نظر جاتی رہتی ہے اور نابینا ہو جاتی ہے۔

غرض حضرت سلیمانؑ ایک منزل پر اترے لوگوں نے پانی تلاش کیا کہیں نہیں ملا پانی کی ضرورت سخت تھی حضرت سلیمان نے ہدہد کو تلاش کرایا آپ کو خیال تھا کہ وہ حاضر ہوگا لیکن وہ نہیں ملا۔

فَقَالَ مَالِیَ لَآ اَرَی الْھُدْھُدَ اَمْ کَانَ مِنَ الْغَآئِبِیْنَ پس کہا مجھے کیا ہو گیا ہے مجھے ہدہد دکھائی نہیں دیتا یا (واقعی) وہ غیر حاضر ہے۔ اس جملہ کا عطف تفقد الطیر پر ہے یعنی سلیمانؑ نے پرندوں کو سایہ فگن ہونے کا حکم دیا لیکن دھوپ آپ کے تخت پر دکھائی دی اور پرندوں کی طرف تفتیشی نظر سے دیکھا تو ہدہد کو نہ پایا اور فرمایا۔

یا یوں کہا جائے کہ سلیمان کے لئے تمام لشکر فوجیں جتھے جمع کر دیئے گئے اور وہ ایک منزل پر اترے پانی کی ضرورت ہوئی اور پانی نہ ملا تو ہدہد کو بلوایا ہدہد نہ ملا تو فرمایا۔ مالی میں استفہام تعجبی ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا

اُس کو سزا دوں گا سخت سزا

مثلاً اُس کے بال و پر نوچ ڈالوں گا۔ (تفسیر عثمانی)

کام میں سستی پر معتدل سزا دینا جائز ہے:

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے حق تعالیٰ نے جانوروں کو ایسی سزائیں دینا حلال کر دیا تھا جیسا عام اُمتوں کے لئے جانوروں کو ذبح کر کے ان کے گوشت پوست وغیرہ سے فائدہ اُٹھانا اب بھی حلال ہے۔ اسی طرح پالتو جانور گائے، بیل، گدھا، گھوڑا، اونٹ وغیرہ اپنے کام میں سستی کرے تو اُس کو تادیب کے لئے بقدر ضرورت مارنے کی معتدل سزا اب بھی جائز ہے۔ دوسرے جانوروں کو سزا دینا ہماری شریعت میں ممنوع ہے۔ (قرطبی)

یا یہ مطلب تھا کہ میں اس کے مخالف کے ساتھ اسکو قید کر دوں گا۔ یا یہ معنی تھا کہ میں اس کو ساتھیوں کا خدمت گار بنا دوں گا کہ وہ اپنے ساتھ والوں کی خدمت کرتا رہے حضرت سلیمان کے لئے (ہدہد کو) عذاب دینا جائز تھا۔ (تفسیر مظہری)

اَوْ لَاَاْذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۱﴾

یا ذبح کر ڈالوں گا یا لائے میرے پاس کوئی سند صریح

یعنی اپنی غیر حاضری کا واضح عذر پیش کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

مجرم کو عذر کا موقع دینا چاہئے:

اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ یعنی اگر ہُدہُد نے اپنی غیر حاضری کا کوئی عذر واضح پیش کر دیا تو وہ اس سزا سے محفوظ رہے گا، اس میں اشارہ ہے کہ حاکم کو چاہئے کہ جن لوگوں سے کوئی قصور عمل میں سرزد ہو جائے اُن کو عذر پیش کرنے کا موقع دے، عذر صحیح ثابت ہو تو سزا کو معاف کر دے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ

پھر بہت دیر نہ کی کہ آ کر کہا میں لے آیا خبر ایک چیز کی کہ تجھ کو اس کی خبر

بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۢ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ

نہ تھی اور آیا ہوں تیرے پاس سبا سے ایک خبر لے کر تحقیقی

قوم سباء: حضرت سلیمانؑ کو اس ملک کا حال مفصل نہ پہنچا تھا)۔ اب پہنچا۔ سبا ایک قوم کا نام ہے اُن کا وطن عرب میں تھا یمن کی طرف (موضح القرآن) گویا ہُدہُد کے ذریعہ سے حق تعالیٰ نے متنبہ فرما دیا کہ بڑے سے بڑے انسان کا علم بھی محیط نہیں ہو سکتا دیکھو جن کی بابت خود فرمایا تھا وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا اُن کو ایک جزئی کی اطلاع ہُدہُد نے کی۔ (تفسیر عثمانی)

اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ یعنی ہُدہُد نے اپنا عذر بتلاتے ہوئے کہا کہ مجھے وہ چیز معلوم ہے جو آپ کو معلوم نہیں، یعنی میں ایک ایسی خبر لایا ہوں جس کا آپ کو پہلے علم نہیں تھا۔

وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۢ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ سبا یمن کا ایک مشہور شہر جس کا ایک نام مآرب بھی ہے، اس کے اور یمن کے دارالحکومت صنعاء کے درمیان تین دن کی مسافت تھی۔

انبیاء علیہم السلام عالم الغیب نہیں ہوتے:

امام قرطبی نے فرمایا کہ اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام عالم الغیب نہیں ہوتے جس سے اُن کو ہر چیز کا علم ہو سکے۔

کیا چھوٹے آدمی کو یہ حق ہے کہ اپنے بڑوں سے کہے کہ مجھے آپ سے زیادہ علم ہے

ہُدہُد کی مذکورہ گفتگو سے بعض لوگوں نے اس پر استدلال کیا ہے

کہ کوئی شاگرد اپنے استاد سے یا غیر عالم عالم سے کہہ سکتا ہے کہ اس مسئلہ کا علم مجھے آپ سے زیادہ ہے بشرطیکہ اس کو اس مسئلہ کا واقعی طور پر مکمل علم دوسروں سے زائد ہو۔ مگر روح المعانی میں فرمایا کہ یہ طرزِ گفتگو اپنے مشائخ اور بڑوں کے سامنے خلافِ ادب ہے اس سے احتراز کرنا چاہئے، اور ہُد ہُد کے قول سے اس پر استدلال اس لئے نہیں ہو سکتا کہ اس نے یہ بات اپنے آپ کو سزا سے بچانے اور عذر کے قوی ہونے کے لئے کہی ہے تاکہ اس کی غیر حاضری کا عذر پوری طرح حضرت سلیمانؑ کے سامنے آ جائے ایسی ضرورت میں ادب کی رعایت رکھتے ہوئے کوئی بات کی جائے تو مضائقہ نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

چار جانوروں کا قتل ممنوع ہے:

مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار جانوروں کا قتل منع فرمادیا، چیونٹی، شہد کی مکھی، ہُد ہُد اور صُرد یعنی لٹورا۔ (تفسیر ابن کثیر)

ہُد ہُد کا غیر حاضری کے سبب کا مفصل واقعہ:

غَيْرَ بَعِيْدٍ یعنی لمبا توقف نہیں کیا تھا یا دراز مدت تک نہیں ٹھیرے تھے مطلب یہ کہ حضرت سلیمانؑ کے خوف سے ہد ہد جلد واپس آ گیا ہد ہد کی غیر حاضری کا سبب علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہو کر حرم (کعبہ) کو چلے گئے اور اللہ کی مشیت جتنی تھی اسی کے مطابق وہاں قیام پذیر رہے جب تک مکہ میں رہے روزانہ پانچ ہزار اونٹنیاں پانچ ہزار بیل اور بیس ہزار مینڈھے ذبح کرتے رہے آپ نے اپنی قوم کے سرداروں سے فرمایا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں سے نبی عربی جن کے اوصاف یہ یہ ہوں گے برآمد ہوں گے ان کو مخالفین پر فتحیاب کیا جائے گا ان کا رعب ایک ماہ کی مسافت تک پڑے گا نزدیک اور دور ان کے لئے برابر ہوگا اللہ کے معاملہ میں وہ کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے حاضرین نے پوچھا اے اللہ کے نبی ان کا دین کیا ہوگا فرمایا وہ دین توحید (دین حنیف یعنی دین ابراہیمی) پر چلیں گے خوشی ہو اس کے لئے جو ان کو پالے اور ان پر ایمان لائے حاضرین نے دریافت کیا ان کی بعثت میں کتنی مدت باقی ہے حضرت سلیمان نے فرمایا ایک ہزار حاضرین کو چاہئے کہ وہ یہ بات ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں حاضر نہیں ہیں۔ بیشک وہ انبیاء کے سردار اور خاتم المرسلین ہوں گے۔

راوی کا بیان ہے حضرت سلیمانؑ مکہ میں قیام پذیر رہے جب حج پورا کر لیا تو مکہ سے نکلے اور صبح کو مکہ سے روانہ ہو کر یمن کی طرف چل دیئے صنعاء میں زوال کے وقت پہنچ گئے یہ مسافت ایک ماہ کی راہ تھی صنعاء کی [illegible] اور سرسبز پایا آپ نے وہاں اترنے کو پسند کیا تاکہ کھانے اور نماز سے فراغت حاصل کر لیں ہد ہد نے سوچا کہ سلیمان تو اترنے میں لگے ہوئے ہیں اتنے میں آسمان کی طرف اڑ کر زمین کی لمبائی چوڑائی دیکھ لوں چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور اوپر جا کر دائیں بائیں نظر دوڑائی تو بلقیس کا ایک باغ نظر آیا ہد ہد سبزے کی طرف چل دیا اور باغ میں اتر گیا وہاں ایک اور ہد ہد سے ملاقات ہوگئی ہد ہد سلیمان اس کے پاس اتر کر پہنچ گیا۔ ہد ہد سلیمان کا نام یعفور اور ہد ہد یمن کا نام عنفیر تھا عنفیر نے یعفور سے پوچھا کہاں سے آئے ہو اور کہاں کا ارادہ ہے یعفور نے کہا میں اپنے مالک سلیمان بن داؤد کے ساتھ شام سے آیا ہوں عنفیر نے پوچھا سلیمان کون ہے یعفور نے کہا وہ جن وانس اور شیطانوں وحشی جانوروں پرندوں اور ہواؤں کے بادشاہ ہیں۔ (ان کا حکم سب پر چلتا ہے) تم کہاں کے رہنے والے ہو عنفیر نے کہا اسی ملک کا باشندہ ہوں یعفور نے پوچھا اس ملک کا بادشاہ کون ہے عنفیر نے کہا یہاں کی بادشاہ ایک عورت ہے جس کو بلقیس کہا جاتا ہے بیشک تمہارے آقا کا ملک بڑا ہے لیکن بلقیس کا ملک بھی کم نہیں ہے وہ یمن کی ملکہ ہے اس کے زیر حکم بارہ ہزار جنرل ہیں اور ہر جنرل کے ماتحت ایک لاکھ جنگی سپاہی ہیں کیا تم میرے ساتھ چل کر اس کی حکومت دیکھنا چاہتے ہو یعفور نے کہا مجھے یہ ڈر لگا ہوا ہے کہ نماز کے وقت سلیمان کو پانی کی ضرورت ہوگی اور مجھے تلاش کریں گے عنفیر نے کہا تمہارا مالک اس بات سے خوش ہوگا کہ تم اس کو اس ملک کی خبر بتاؤ گے یعفور نے عنفیر کے ساتھ بلقیس کو اور اس کی حکومت کو دیکھا اور سلیمان کے پاس عصر کے وقت سے پہلے نہ پہنچ سکا ادھر جب سلیمان اتر پڑے تو اس جگہ پانی نہ تھا نماز کا وقت آ گیا اور پانی کی ضرورت ہوئی تو پانی نہیں ملا آپ نے جنات سے آدمیوں سے اور شیاطین سے پانی کے متعلق دریافت کیا لیکن کسی کو معلوم نہ تھا کہ پانی کہاں ہے پرندوں کی تلاش کی تو ہد ہد کو غیر حاضر پایا پرندوں کے عریف (مانیٹر۔ سردار۔ ناظم) یعنی گدھ کو طلب فرمایا اور ہد ہد کے متعلق اس سے پوچھا گدھ نے کہا مجھے معلوم نہیں وہ کہاں ہے میں نے تو اس کو کہیں بھیجا نہیں ہے۔ اس وقت حضرت سلیمانؑ کو غصہ آ گیا اور فرمایا لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ پھر پروں کے سردار عقاب کو بلوایا اور حکم دیا ابھی ہد ہد کو پکڑ لاؤ عقاب فوراً اڑا اور آسمان کے نیچے ہوا کے ساتھ چسپاں ہو گیا وہاں سے اس کو یہ دنیا ایک پیالہ کی طرح نظر آئی پھر ادھر ادھر نظر دوڑائی تو یمن کی طرف سے ہد ہد بھی آتا دکھائی دیا عقاب اس پر ٹوٹ پڑا ہد ہد نے عقاب کو پر تو ڑ کر اپنی طرف آتا دیکھا تو سمجھ گیا کہ عقاب کا ارادہ میرے متعلق برا ہے ہد ہد نے اس کو قسم دی اور کہا میں تجھے اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے تجھے طاقت عطا کی ہے اور مجھ پر قدرت دی ہے تو مجھ پر رحم کر اور کوئی دکھ پہنچانے کے درپے نہ ہو عقاب ہد ہد کی طرف سے پلٹ گیا کم بخت تو مرے اللہ کے پیغمبر نے قسم کھائی ہے کہ وہ تجھے عذاب دیں گے یا ذبح کر ڈالیں گے اس کے بعد دونوں نے حضرت

سلیمانؑ کی طرف رخ کر دیا جب لشکر تک پہنچے تو گدھ اور دوسرے پرندوں نے جا لیا اور کہا ارے آج تو دن بھر کہاں غائب رہا اللہ کے پیغمبر نے تیرے متعلق یہ یہ کہا تھا ہد ہد نے کہا کیا انہوں نے (اپنی قسم میں) کوئی شرط بھی لگائی تھی پرندوں نے کہا ہاں یہ بھی فرمایا اَوْ لَیَاْتِیَنِّیْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ہد ہد نے کہا بس تو میں عذاب سے بچ گیا پھر عقاب اور ہد ہد اڑ کر حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں پہنچا آپ اس وقت کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے عقاب نے کہا یا نبی اللہ میں اس کو لے آیا ہد ہد نے سلیمان کو دیکھ کر اظہار عاجزی کے طور پر اپنا سر اٹھایا دم اور دونوں بازو نیچے کو لٹکا دیئے اور زمین پر ان کو کھینچنے لگا جب آپ کے قریب پہنچ گیا تو آپ نے اس کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور فرمایا تو کہاں تھا میں تجھے ضرور سخت عذاب دوں گا ہد ہد نے کہا یا نبی اللہ اس وقت کو یاد کیجئے جب آپ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے یہ بات سن کر حضرت سلیمان لرز گئے اور ہد ہد کو معاف کر دیا۔ پھر غیر حاضری کی وجہ دریافت کی۔

کسی کو اپنے علم پر ناز نہ کرنا چاہئے:

فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ (کہ ہد ہد آ گیا) اور اس نے کہا میں ایسی بات پوری پوری معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں۔

احاطہ کسی چیز کا ہمہ جہتی (پورا پورا) علم۔ اللہ کے سوا دوسروں کے علم کے لئے اس کا استعمال یا بطور مجاز ہوتا یا بطریق مبالغہ مطلب یہ ہے کہ مجھے ایک بات یقینی طور پر معلوم ہوئی ہے جو آپ کے علم میں نہیں ہے ایک ہد ہد کا ایک جلیل القدر نبی سے اس طرح خطاب کرنا بتا رہا ہے کہ ادنیٰ جانور کو بھی بعض وہ باتیں معلوم تھیں جو سلیمان کو بھی نہ تھیں اس میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ سلیمان علیہ السلام کو اپنے علم پر ناز نہ کرنا چاہئے بلکہ سمجھ لینا چاہئے کہ میرا علم بہت ہی ناقص ہے اس سے شیعہ فرقہ کا اس عقیدہ کا غلط ہونا ثابت ہوتا ہے کہ امام سے کوئی بات چھپی نہیں رہتی اور اس کے زمانہ میں کوئی بھی اس سے زیادہ اور بڑھ کر عالم نہیں ہوتا۔

سبا یمن کے ایک شہر کا نام ہے جس کا صنعاء سے فاصلہ تین برید ہے بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سبا کے متعلق دریافت کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبا ایک آدمی تھا جس کے دس بیٹے تھے جن میں سے چھ دائیں سمت کو چلے گئے اور چار بائیں رخ کو یعنی چھ نے دائیں طرف جا کر آبادی کر لی یہ ملک یمن ہو گیا اور چار نے بائیں جانب جا کر آباد ہو گئے یہ آبادی شام کے نام سے موسوم ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ

میں نے پایا ایک عورت کو جو ان پر بادشاہی کرتی ہے اور اس کو ہر ایک چیز ملی ہے

ہر ایک چیز میں مال، اسباب، فوج، اسلحہ اور حسن و جمال سب آ گیا۔ (تفسیر عثمانی)

ملکہ سباء: اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ یعنی میں نے ایک عورت کو پایا جو قوم سبا کی مالک ہے یعنی اُن پر حکومت کرتی ہے اس عورت یعنی ملکہ سبا کا نام تاریخ میں بلقیس بنت شراحیل بتلایا گیا ہے اور بعض روایات میں ہے کہ اس کی والدہ جنات میں سے تھی جس کا نام ملعمہ بنت شیصان بتلایا جاتا ہے (رواہ وہیب بن جریر عن الخلیل ابن احمد۔ قرطبی) اور اُن کا دادا ہد ہد پورے ملک یمن کا ایک عظیم الشان بادشاہ تھا جس کی اولاد میں چالیس لڑکے ہوئے سب کے سب مُلوک اور بادشاہ بنے۔ ان کے والد شراحیل نے ایک جنیہ عورت سے نکاح کر لیا تھا اُسی کے بطن سے بلقیس پیدا ہوئی۔ جنیہ سے نکاح کرنے کی مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ یہ اپنی حکومت و سلطنت کے غرور میں لوگوں سے کہتا تھا کہ تم میں کوئی میرا کفو نہیں اس لئے میں نکاح ہی نہ کروں گا کیونکہ غیر کفو میں نکاح مجھے پسند نہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے اس کا نکاح ایک جنیہ عورت سے کرا دیا (قرطبی) شاید یہ اُسی فخر و غرور کا نتیجہ تھا کہ اس نے انسانوں کو جو درحقیقت کفو تھے حقیر و ذلیل سمجھا اور اپنا کفو تسلیم نہ کیا تو قدرت نے اس کا نکاح ایک ایسی عورت سے مقدر کر دیا جو نہ اس کی کفو تھی نہ اس کی جنس و قوم سے تھی۔

کیا انسان کا نکاح جنی عورت سے ہو سکتا ہے:

احادیث صحیحہ سے جنات میں توالد و تناسل اور مرد و عورت کی تمام وہ خصوصیات جو انسانوں میں ہیں جنات میں بھی موجود ہونا ثابت ہے۔

دوسرا سوال شرعی حیثیت سے ہے کہ کیا عورت جنیہ کسی انسان مرد کے لئے نکاح کر کے حلال ہو سکتی ہے۔

اس مسئلہ کی تفصیل آکام المرجان فی احکام الجان میں مذکور ہے اس میں بعض ایسے واقعات بھی ذکر کئے ہیں کہ مسلمان مرد سے مسلمان جنیہ کا نکاح ہوا اور اس سے اولاد بھی ہوئی یہاں یہ مسئلہ اس لئے زیادہ قابل بحث نہیں کہ نکاح کرنے والا بلقیس کا والد مسلمان ہی نہ تھا اس کے عمل سے کوئی استدلال جواز یا عدم جواز پر نہیں ہو سکتا اور چونکہ شرع اسلام میں اولاد کی نسبت باپ کی طرف ہوتی ہے اور بلقیس کے والد انسان تھے اس لئے بلقیس انسان ہی قرار پائے گی۔

عورت کی حکمرانی:

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی کہ اہل فارس نے اپنے ملک کا بادشاہ کسریٰ کی بیٹی کو بنا دیا ہے تو آپ نے فرمایا لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأة یعنی وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جس نے اپنے اقتدار کا مالک عورت کو بنا دیا۔ اس لئے علماء اُمت اس پر متفق ہیں کہ کسی عورت کو امامت و خلافت یا سلطنت و حکومت سپرد نہیں کی جا سکتی، بلکہ نماز کی امامت کی طرح امامت کبریٰ بھی صرف مردوں کو

سزاوار ہے۔ رہا بلقیس کا ملکہ سبا ہونا تو اس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہو سکتا جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے خود نکاح کیا اور پھر اس کو حکومت و سلطنت پر برقرار رکھا، اور یہ کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں جس پر احکام شرعیہ میں اعتماد کیا جا سکے۔ (معارف مفتی اعظم)

بلقیس.... پیدائش سے حکمرانی تک:

ملکہ سبا کا نام بلقیس بنت شراحیل تھا وہ یعرب بن قحطان کی نسل سے تھی اس کا باپ بہت بڑا بادشاہ تھا جس کے ۳۹ آباء و اجداد بادشاہ ہو گزرے تھے وہ خود چالیسواں تھا ملک یمن پر حکومت کرتا تھا اور سرحدی ہمسران بادشاہوں میں سے کسی کو اپنا ہمسر نہیں جانتا تھا اسی لئے اس نے ہر بادشاہ کی بیٹی سے نکاح کرنے سے انکار کر دیا تھا آخر اس کا نکاح (خاندان جنات میں) ایک پری سے ہو گیا جس کا نام ریحانہ بنت سکن تھا اس پری کے پیٹ سے بلقیس بنت شراحیل پیدا ہوئی۔ سوا بلقیس کے شراحیل کا کوئی اور بچہ نہیں ہوا۔ حدیث میں آیا ہے کہ بلقیس کے ماں باپ میں سے کوئی ایک جنات میں سے تھا۔

باپ کے مرنے کے بعد بلقیس نے ملکہ بننے کی خواہش کی اور اپنی حکومت کا اعلان کر دیا قوم میں سے کچھ لوگوں نے مان لیا اور کچھ نے مخالفت کی مخالفین نے ایک اور شخص کو اپنا بادشاہ بنا لیا قوم دو فرقوں میں بٹ گئی یمن کی مملکت کے بھی دو ٹکڑے ہو گئے جس مرد کو بادشاہ بنایا گیا تھا اس نے لوگوں سے بہت برا سلوک کیا۔ رعیت کی عورتوں پر بھی دست درازی کرنے لگا لوگوں نے اس کو معزول کرنا چاہا لیکن اس کی طاقت زیادہ تھی کچھ بس نہ چلا بلقیس نے جب عورتوں کی یہ بے حرمتی دیکھی تو اس کو غیرت آئی اور اس نے اس ظالم بادشاہ کے پاس از خود تحریر بھیجی اور خواہش کی کہ تم مجھ سے نکاح کر لو (تاکہ دونوں حکومتیں ایک ہو جائیں اور قومی نفاق مٹ جائے) بادشاہ نے جواب لکھا۔ مجھے تمہاری طرف سے امید نہ تھی کہ تم میرے پیام نکاح کو قبول کر لو گی اسی لئے میں نے اپنی طرف سے نکاح کی تحریک نہیں کی بلقیس نے کہا مجھے کوئی عذر نہیں تم میرے کفو اور شریف ہو اب میری قوم والوں کو جمع کر کے ان کے سامنے مجھ سے نکاح کرنے کی درخواست رکھو بادشاہ نے سب لوگوں کو جمع کیا اور سب کو نکاح کا پیام دیا لوگوں نے کہا ہمارے خیال میں تو بلقیس راضی نہیں ہو گی بادشاہ نے کہا ابتدائی تحریک خود اس کی طرف سے ہو چکی ہے میں آپ لوگوں سے یہ چاہتا ہوں کہ اس کی زبان سے تم خود اس کا اقرار سن لو قوم والوں نے آ کر بلقیس سے اس کا ذکر کیا بلقیس نے کہا ہاں مجھے اولاد کی تمنا ہے غرض لوگوں نے بلقیس کا نکاح بادشاہ سے کر دیا بلقیس جب وداع ہو کر گئی تو اپنی بہت سی فوج کو (جلو میں) لیتی گئی اور بادشاہ کے پاس پہنچی تو اس کو اتنی شراب پلائی کہ وہ بے ہوش ہو گیا پھر اس کا سر کاٹ کر رات ہی کو اپنے گھر واپس آ گئی صبح ہوئی اور لوگوں نے بادشاہ کو مقتول اور سر دروازہ پر لٹکا ہوا پایا تو سمجھ لیا کہ یہ نکاح ایک فریب و مکر تھا اس کے بعد سب لوگوں نے بالاتفاق بلقیس کو ملکہ مان لیا۔ (تفسیر مظہری)

بلقیس کی والدہ:

قتادہؒ کہتے ہیں کہ اس کی ماں جنیہ عورت تھی اس کے قدم کا پچھلا حصہ چوپائے کے کھر جیسا تھا اور روایت میں ہے کہ اس کی ماں کا نام فارعہ تھا۔ ابن جریج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کے باپ کا نام ذی شرح تھا اور ماں کا نام بلتعہ تھا۔

بلقیس کا لاؤ لشکر:

لاکھوں کا اس کا لاؤ لشکر تھا۔ اس کی بادشاہی ایک عورت کو کرتے ہوئے میں نے پایا۔ اس کے مشیر وزیر تین سو بارہ شخص ہیں ان میں سے ہر ایک کے ماتحت بارہ ہزار کی جمعیت ہے۔ اس کی زمین کا نام مارب ہے۔ یہ صنعا سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہی قول قرین قیاس ہے۔ (اس کا اکثر حصہ مملکت یمن میں ہے۔ واللہ اعلم۔ دنیوی ضروری اسباب ہر قسم کا اسے مہیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٣﴾	
اور اُس کا	ایک تخت ہے بڑا

بلقیس کا تخت:

یعنی اُس ملکہ کے بیٹھنے کا تخت ایسا مکلف و مرصع اور بیش قیمت تھا کہ اُس وقت کسی بادشاہ کے پاس نہ تھا مفسرین ملکہ کا نام بلقیس لکھتے ہیں۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ اور اس کا تخت عظیم ہے۔

یعنی جسم میں بڑا سونے کا بنا ہوا یاقوت سرخ زبرجد سبز اور موتیوں سے مرصع جس کے پائے یاقوت و زمرد کے تھے۔ اس کے اوپر سات کمرے تھے اور ہر کمرہ کا دروازہ علیحدہ تھا جو بند رہتا تھا۔ ابن ابی حاتم نے زہیر بن محمد کے حوالہ سے بیان کیا کہ وہ تخت سونے کا تھا جس کے دونوں پہلو یاقوت و زبرجد سے مرصع تھے اس کا طول ۸۰ ہاتھ اور عرض ۴۰ ہاتھ تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا بلقیس کا تخت تیس ہاتھ لمبا تیس ہاتھ چوڑا تھا۔ (تفسیر مظہری)

اس کا نہایت ہی شاندار تخت ہے جس پر وہ جلوس کرتی ہے سونے سے منڈھا ہوا ہے اور جڑاؤ اور مروارید کی کاریگری اس پر ہوئی ہے یہ اسی ہاتھ اُونچا تھا اور چالیس ہاتھ چوڑا تھا۔ چھ سو عورتیں ہر وقت اس کی خدمت میں کمربستہ رہتی تھیں اس کا دیوان خاص جس میں یہ تخت تھا بہت بڑا محل تھا بلند و بالا کشادہ اور فراخ پختہ مضبوط اور صاف۔ جس کے شرقی حصے میں تین سو ساٹھ طاق تھے اور اتنے ہی مغربی حصے میں اسے اس صنعت سے بنایا تھا کہ ہر دن سورج ایک طاق سے نکلتا اور اسی کے مقابلہ کے طاق سے غروب ہوتا۔ اہل دربار صبح شام اسے سجدہ کر لیتے راجا پرجا سب آفتاب پرست تھے خدا کا پجاری ان میں ایک بھی نہ تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

میں نے پایا کہ وہ اور اس کی قوم سجدہ کرتے ہیں سورج کو اللہ کے سوائے

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ

اور بھلے دکھلا رکھے ہیں اُن کو شیطان نے اُن کے کام پھر روک دیا ہے

عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾

اُن کو رستہ سے سو وہ راہ نہیں پاتے

قوم سبا کا شرک:

یعنی وہ قوم مشرک آفتاب پرست ہے شیطان نے اُن کی راہ مار دی، اور مشرکانہ رسوم واطوار کو اُن کی نظر میں خوبصورت بنا دیا۔ اسی لئے وہ راہِ ہدایت نہیں پاتے۔ ہُد ہُد نے یہ کہہ کر گویا سلیمان علیہ السلام کو اس قوم پر جہاد کرنے کی ترغیب دی۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ

کیوں نہ سجدہ کریں اللہ کو جو نکالتا ہے چھپی ہوئی چیز آسمانوں میں

وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور زمین میں اور جانتا ہے جو چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو

جانوروں کی فطری معرفت:

غالباً یہ ہُد ہُد کے کلام کا تتمہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جانور اپنے خالق کی صحیح معرفت فطرۃً رکھتے ہیں۔ یا بطور خرقِ عادت اُسی ہُد ہُد کو اس طرح کی تفصیلی معرفت عطا کی گئی ہو۔ خدا چاہے تو ایسی معرفت ایک خشک لکڑی میں پیدا کر دے۔ باقی جانوروں میں فطری طور پر اس قسم کی عقل ومعرفت کا موجود ہونا جیسے صدر شیرازی نے اسفار اربعہ میں علم حضوری یا شعور بسیط سے تعبیر کیا ہے اس کو مستلزم نہیں کہ ان کی طرف انبیاء مبعوث ہوں۔ کیونکہ یہ فطری معرفت کسبی نہیں جبلی ہے۔ اور بعثت انبیاء کا تعلق کسبیات سے ہوتا ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں کہ جس چیز میں کوئی درجہ عقل وشعور کا ہو وہ مکلف بھی ہو۔ مثلاً شریعت حقہ نے صبی کو مکلف قرار نہیں دیا۔ حالانکہ قبل از بلوغ اس میں خاصا درجہ عقل کا موجود ہے اسی سے حیوانات کی عاقلیت کا اندازہ کر لو۔ (تنبیہ) حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ہُد ہُد کی روزی ہے ریت سے کیڑے نکال نکال کر کھانا۔ نہ دانہ کھائے نہ میوہ، اُس کو اللہ کی اسی قدرت سے کام ہے شاید اسی لئے یخرج الخبء کا خاص طور پر ذکر کیا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾

اللہ ہے کسی کی بندگی نہیں اُس کے سوائے پروردگار تخت بڑے کا

یعنی اُس کے عرش عظیم سے بلقیس کے تخت کو کیا نسبت۔

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾

سلیمان نے کہا ہم اب دیکھتے ہیں تو نے سچ کہا یا تو جھوٹا ہے

یعنی تیرے جھوٹ سچ کا امتحان کرتا ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت سلیمانؑ کا خط:

اس کے بعد ہدہد نے لوگوں کو پانی کا پتہ بتایا اور لوگوں نے گڑھے کھود کر پانی خود بھی پیا اور جانوروں کو بھی پلایا۔ حضرت سلیمان نے ایک خط اس طرح لکھا۔ بندۂ خدا سلیمان بن داؤد کی طرف سے بلقیس ملکہ سبا کے نام۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت پر چلے۔ اما بعد۔ مجھ پر فخر نہ کرو اور میرے پاس اطاعت گزار ہو کر آ جاؤ۔ ابن جریج نے کہا حضرت سلیمان نے صرف اتنے ہی الفاظ لکھے جتنے اللہ نے اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں قتادہ نے کہا انبیاءؑ کی تحریریں ایسی ہی مختصر ہوتی ہیں وہ کلام کو طول نہیں دیتے نہ زیادہ بات لکھتے ہیں۔ خط لکھ کر حضرت سلیمانؑ نے اس پر مشک چسپاں کیا اور اس پر اپنی مہر لگا کر ہدہد کے حوالہ کیا اور فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ

لے جا میرا یہ خط اور ڈال دے اُنکی طرف پھر اُنکے پاس سے ہٹ آ

فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾

پھر دیکھ وہ کیا جواب دیتے ہیں

قاصد شاہی کے آداب:

یعنی سلیمانؑ نے ایک خط لکھ کر ہُد ہُد کے حوالہ کیا کہ ملکہ سبا کو پہنچا دے اور جواب لے کر آ۔ اور دیکھنا خط پہنچا کر وہاں سے ایک طرف ہٹ جانا۔ کیونکہ قاصد کا وہیں سر پر کھڑا رہنا آداب شاہانہ کے خلاف ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں یعنی آپ کو چھپا لیکن وہاں کا ماجرا دیکھ ہُد ہُد خط لے گیا بلقیس جہاں اکیلی سوتی تھی۔ روزن میں سے جا کر اس کے سینہ پر رکھ دیا۔ (موضح) (تفسیر عثمانی)

تحریر اور خط بھی عام معاملات میں حجت شرعیہ ہے:

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کے نام خط بھیجنے و

اس پر اتمام حجت کے لئے کافی سمجھا اور اسی پر عمل فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ عام معاملات میں تحریر وخط قابل اعتبار ثبوت ہے۔ فقہاء رحمہم اللہ نے صرف اُن مواقع میں خط کو کافی نہیں سمجھا جہاں شہادت شرعیہ کی ضرورت ہے کیونکہ خط اور ٹیلیفون وغیرہ کے ذریعہ شہادت نہیں لی جاسکتی۔ شہادت کا مدار شاہد کا عدالت کے سامنے آ کر بیان دینے پر رکھا گیا جس میں بڑی حکمتیں مضمر ہیں، یہی وجہ ہے کہ آجکل بھی دنیا کی کسی عدالت میں خط اور ٹیلیفون پر شہادت لینے کو کافی نہیں سمجھا جاتا۔

مشرکین کو خط لکھنا اور اُن کے پاس بھیجنا جائز ہے:

دوسرا مسئلہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس خط سے یہ ثابت ہوا کہ تبلیغ دین اور دعوت اسلام کے لئے مشرکین اور کفار کو خطوط لکھنا جائز ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مختلف کفار کو خطوط بھیجنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

انسانی اخلاق کی رعایت ضروری ہے:

فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد سے نامہ بری کا کام لیا تو اس کو یہ ادب مجلس بھی سکھایا کہ خط ملکہ سبا کو پہنچا کر وہیں سر پر سوار نہ رہے بلکہ وہاں سے ذرا ہٹ جائے جو عام شاہی مجلسوں کا طریقہ ہے اس میں آداب معاشرت اور انسانی اخلاق کا عام مخلوقات کے ساتھ مطلوب ہونا معلوم ہوا۔ (معارف مفتی اعظم)

خط بلقیس کے پاس:

حسب الحکم ہدہد خط لے کر بلقیس کے پاس پہنچا بلقیس اس وقت صنعاء سے تین منزل پر مقام مآرب میں تھی ہدہد ملکہ کے قصر میں پہنچا تو دروازے سب مقفل پائے اور کنجیاں ملکہ نے اپنے سرہانے رکھ لی تھیں غرض ہدہد (کسی طرح) بلقیس کے قریب پہنچ گیا بلقیس چت لیٹی سورہی تھی ہدہد نے خط اس کے سینہ پر رکھ دیا۔
كذا اخرج عبد بن حميد و ابن المنذر و ابن ابى حاتم عن قتادة.

مقاتل کا بیان ہے کہ ہدہد اپنی چونچ میں خط پکڑ کر لے گیا اور بلقیس کے سرہانے جا کھڑا ہوا باڈی گارڈ سردار اور سپاہی موجود تھے ہدہد نے پر پھڑ پھڑائے لوگ اس کو دیکھتے رہے آخر ملکہ نے خود سر اٹھایا ہدہد نے فوراً خط ملکہ کی گود میں ڈال دیا۔

وہب بن منبہ اور ابن زید کا بیان ہے کہ سورج کے رخ پر ایک روشن دان تھا اور سورج سامنے سے نکلتا تھا جونہی ملکہ روشن دان (یا دریچہ) سے اس کی طرف دیکھتی اور سورج نظر آتا فوراً اس کو سجدہ کرتی تھی ہدہد اس دریچہ میں گھس گیا اور دونوں بازو پھیلا کر روشندان کو بند کر دیا سورج حسب معمول اونچا ہوا لیکن روشن دان بند ہونے کی وجہ سے ملکہ کو پتہ نہ چلا جب دیر ہوگئی تو اُٹھ کر سورج کو دیکھنے گئی ہدہد نے فوراً خط اس کی طرف پھینک دیا بلقیس پڑھی ہوئی تھی خط لے کر مہر دیکھی مہر دیکھتے ہی لرز گئی کیونکہ سلیمان کی حکومت (کا نقشہ) مہر میں موجود تھا سمجھ گئی کہ جس نے یہ خط بھیجا ہے وہ مجھ سے بڑا بادشاہ ہے ہدہد خط پھینک کر کچھ پیچھے ہٹ گیا بلقیس نے خط پڑھا پھر جا کر تخت پر بیٹھی اور اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا یہ سردار بارہ ہزار تھے ہر سردار کے ماتحت ایک لاکھ سپاہی تھے حضرت ابن عباس کا قول ایک روایت میں آیا ہے کہ بلقیس کے ساتھ ایک لاکھ اقیال تھے اور ہر قیل کے پاس ایک لاکھ فوج تھی قیل بمعنی نواب یا بادشاہ جو شہنشاہ کے ماتحت ہوتا ہے قتادہ اور مقاتل نے کہا بلقیس کی مشورہ کمیٹی ۳۱۳ آدمیوں کی تھی ہر ممبر شوریٰ کے ماتحت دس دس ہزار سپاہی تھے سب آ کر اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے تو۔ (تفسیر مظہری)

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾

کہنے لگی اے دربار والو میرے پاس ڈالا گیا ایک خط عزت کا

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ

وہ خط ہے سلیمان کی طرف سے

بلقیس کا اپنے وزیروں سے مشورہ:

بلقیس نے خط پڑھ کر اپنے مشیروں اور درباریوں کو جمع کیا، کہنے لگی کہ میرے پاس یہ خط عجیب طریقہ سے پہنچا ہے جو ایک بہت بڑے معزز ومحترم بادشاہ (سلیمانؑ) کی طرف سے آیا ہے۔ غالباً حضرت سلیمان کا نام اور اُن کی بیمثال حکومت وشوکت کا شہرہ پہلے سے سن چکی ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط کس زبان میں تھا:

حضرت سلیمان علیہ السلام گو عربی نہ تھے لیکن عربی زبان جاننا اور سمجھنا آپ سے کوئی بعید بھی نہیں، جبکہ آپ پرندوں تک کی زبان بھی جانتے تھے اور عربی زبان تو تمام زبانوں سے افضل اور اشرف ہے لہٰذا ہوسکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط عربی زبان میں لکھا ہو کیونکہ مکتوب الیہ (بلقیس) عربی النسل تھی اس نے خط کو پڑھا بھی اور سمجھا بھی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط اپنی ہی زبان میں تحریر فرمایا ہو اور بلقیس کے پاس حضرت سلیمان علیہ السلام کی زبان کا ترجمان ہو جس نے پڑھ کر خط سنایا اور سمجھایا ہو۔ (روح)

خط نویسی کے چند آداب:

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ کریم کے لفظی معنی معزز مکرم کے ہیں اور محاورہ میں کسی خط کو معزز مکرم جب کہا جاتا ہے جبکہ اس پر مہر لگائی گئی ہو۔ اسی لئے اس آیت میں كِتٰبٌ كَرِيْمٌ کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ قتادہ

زبیرؒ وغیرہ نے کتاب مختوم سے کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط پر اپنی مہر ثبت فرمائی تھی۔ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ملوک عجم کی یہ عادت معلوم ہوئی کہ جس خط پر مہر نہ ہو اُس کو نہیں پڑھتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بادشاہوں کے خطوط کے لئے مہر بنوائی اور قیصر وکسریٰ وغیرہ کو جو خطوط تحریر فرمائے اُن پر مہر ثبت فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ خط پر مہر لگانا مکتوب الیہ کا بھی اکرام ہے اور اپنے خط کا بھی، آج کل عادت خط کو لفافہ میں بند کرکے بھیجنے کی ہوگئی ہے یہ بھی مہر کے قائم مقام ہے جس جگہ مکتوب الیہ کا اکرام منظور ہو، کھلا خط بھیجنے کے بجائے لفافہ میں بند کرکے بھیجنا اقرب الی السنۃ ہے۔

إِنَّهُ مِن سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ قرآن کریم نے انسانی زندگی کا کوئی پہلو نہیں چھوڑا جس پر ہدایات نہ دی ہوں۔ خط وکتابت اور مراسلت کے ذریعہ باہمی گفت وشنید بھی انسان کی اہم ضروریات میں داخل ہے اس سورت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا مکتوب بنام ملکہ سبا (بلقیس) پورا کا پورا نقل فرمایا گیا، یہ ایک پیغمبر ورسول کا خط ہے اور قرآن کریم نے اس کو بطور استحسان کے نقل کیا ہے اس لئے اس خط میں جو ہدایات خط وکتابت کے معاملے میں پائی جاتی ہیں وہ مسلمانوں کے لئے بھی قابل اتباع ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

حضرت سلیمانؑ کے خط کا اعزاز:

امام قشیری فرماتے ہیں کہ اس کتاب کو کتاب کریم اس لئے کہا کہ اس گرامی نامہ کا مضمون اللہ کے نام سے شروع ہوا ہے اور اس میں مالک الملک کی اطاعت اور فرمانبرداری کی دعوت دی گئی ہے اور اس میں اپنے لئے ملک اور سلطنت کی طمع کا کوئی شائبہ اور رائحہ بھی نہیں۔

نظم

اے نام تو بہترین سر آغاز   بے نام تو نامہ کے کنم آغاز

آرائش نامہاست نامت   آسائش سینہا کلامت

غرض یہ کہ ملکہ بلقیس نے جب یہ دیکھا کہ اس کتاب کریم کو ایک پرندہ لے کر آیا ہے جو نہایت شائستہ اور ادب سے آراستہ ہے تو سمجھ گئی کہ پرند جس کے مطیع اور فرمانبردار ہوں وہ شاہانِ عالم کی قسم کا بادشاہ نہیں وہ کوئی خاص برگزیدہ ہستی ہے اس لئے اس نے ارکانِ دولت کو جمع کرکے سلیمان علیہ السلام کا یہ گرامی نامہ سنایا تمام دربار ہل گیا اور گھبرا اُٹھے۔

کاتب اپنا نام پہلے لکھے پھر مکتوب الیہ کا:

سب سے پہلی ایک ہدایت تو اس خط میں یہ ہے کہ خط کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے نام سے شروع کیا، مکتوب الیہ کا نام کس طرح لکھا قرآن کریم کے الفاظ میں وہ مذکور نہیں۔ مگر اتنی بات اس سے معلوم ہوئی کہ خط لکھنے والے کے لئے سنت انبیاء یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنا نام لکھے جس میں بہت سے فوائد ہیں مثلاً خط پڑھنے سے پہلے ہی مکتوب الیہ کے علم میں آجائے کہ میں کس کا خط پڑھ رہا ہوں تاکہ وہ اُسی ماحول میں خط کے مضمون کو پڑھے اور غور کرے مخاطب کو یہ تکلیف نہ اُٹھانی پڑے کہ کاتب کا نام خط میں تلاش کرے کہ کس کا خط ہے کہاں سے آیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جتنے مکاتیب منقول اور شائع شدہ عالم میں موجود ہیں اُن سب میں بھی آپ نے یہی طریقہ اختیار فرمایا ہے کہ (من محمد عبداللہ ورسولہ) سے شروع فرمایا گیا ہے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ جب کوئی بڑا آدمی اپنے چھوٹے کو خط لکھے اس میں تو اپنے نام کی تقدیم پر کوئی اشکال نہیں، لیکن کوئی چھوٹا اپنے باپ، اُستاد وشیخ یا اور کسی بڑے کو خط لکھے اس میں اپنے نام کو مقدم کرنا کیا اس کے ادب کے خلاف نہ ہوگا اور اس کو ایسا کرنا چاہیے یا نہیں، اس معاملے میں حضرات صحابہ کرامؓ کا عمل مختلف رہا ہے اکثر حضرات نے تو اتباع سنت نبوی کو ادب پر مقدم رکھ کر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خطوط لکھے اُن میں بھی اپنے نام کو مقدم لکھا ہے۔ روح المعانی میں بحرمحیط کے حوالہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تو کوئی انسان قابل تعظیم نہیں، مگر صحابہ کرامؓ جب آپ کو بھی خط لکھتے تو اپنا نام ہی شروع میں لکھا کرتے تھے اور حضرت علاء حضرمی کا خط جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام معروف ہے وہ اس پر شاہد ہے۔

البتہ روح المعانی میں مذکورہ روایات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ سب کلام افضلیت میں ہے جواز میں نہیں اگر کوئی شخص اپنا نام شروع کے بجائے اخیر میں لکھ دے تو یہ بھی جائز ہے۔ فقیہ ابواللیث کی بستان میں ہے کہ اگر کوئی شخص مکتوب الیہ کے نام سے شروع کردے تو اس کے جواز میں کسی کو کلام نہیں کیونکہ اُمت میں یہ طریقہ بھی چلا آرہا ہے اس پر نکیر نہیں کی گئی (روح المعانی وقرطبی)

خط کا جواب دینا بھی سنت انبیاء ہے:

تفسیر قرطبی میں ہے کہ جس شخص کے پاس کسی کا خط آئے اُس کے لئے مناسب ہے کہ اس کا جواب دے کیونکہ غائب کا خط حاضر کے سلام کے قائم مقام ہے اس لئے حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت میں ہے کہ وہ خط کے جواب کو جواب سلام کی طرح واجب قرار دیتے تھے۔ (قرطبی)

خطوط میں بسم اللہ لکھنا:

حضرت سلیمان علیہ السلام کے مذکورہ خط سے نیز رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام مکاتیب سے ایک مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ خط کے شروع میں بسم اللہ

الرحمٰن الرحیم لکھنا سنت انبیاء ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ بسم اللہ کو اپنے نام سے پہلے لکھے یا بعد میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاتیب اس پر شاہد ہیں کہ بسم اللہ کو سب سے مقدم، اس کے بعد کاتب کا نام، پھر مکتوب الیہ کا نام لکھا جائے، اور قرآن کریم میں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام پہلے اور بسم اللہ بعد میں مذکور ہے اس کے ظاہر سے جواز اس کا بھی معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ اپنے نام کے بعد لکھی جائے۔ لیکن ابن ابی حاتم نے یزید بن رومان سے نقل کیا ہے، کہ دراصل حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے خط میں اس طرح لکھا تھا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ من سليمان بن داؤد الى بلقيس ابنة ذى شرح وقومها ۔ ان لاتعلوا الخ بلقیس نے جب یہ خط اپنی قوم کو سنایا تو اس نے قوم کی آگاہی کے لئے سلیمان علیہ السلام کا نام پہلے ذکر کر دیا، قرآن کریم میں جو کچھ آیا ہے وہ بلقیس کا قول ہے قرآن کریم میں اس کی تصریح نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصل خط میں بسم اللہ مقدم تھی یا سلیمان علیہ السلام کا نام اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کا نام لفافہ کے اوپر لکھا ہو اور اندر بسم اللہ سے شروع ہو، بلقیس نے جب اپنی قوم کو خط سنایا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام پہلے ذکر کر دیا۔

مسئلہ: خط نویسی کی اصل سنت تو یہی ہے کہ ہر خط کے شروع میں بسم اللہ لکھی جائے، لیکن قرآن وسنت کے نصوص واشارات سے حضرات فقہاء نے یہ کلیہ قاعدہ لکھا ہے کہ جس جگہ بسم اللہ یا اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لکھا جائے اگر اس جگہ اُس کاغذ کے بے ادبی سے محفوظ رکھنے کا کوئی اہتمام نہیں بلکہ وہ پڑھ کر ڈال دیا جاتا ہے تو ایسے خطوط اور ایسی چیز میں بسم اللہ یا اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لکھنا جائز نہیں کہ اس طرح اس بے ادبی کے گناہ کا شریک ہو جائے گا، آج کل جو عموماً ایک دوسرے کو خطوط لکھے جاتے ہیں ان کا حال سب جانتے ہیں کہ نالیوں اور گندگیوں میں پڑے نظر آتے ہیں، اس لئے مناسب یہ ہے کہ ادائے سنت کے لئے زبان سے بسم اللہ کہہ لے تحریر میں نہ لکھے۔

آیتِ قرآنی والی تحریر کیا کسی کافر مشرک کے ہاتھ میں دینا جائز ہے

یہ خط حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو اس وقت بھیجا ہے جب وہ مسلمان نہیں تھیں حالانکہ اس خط میں بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ لکھا ہوا تھا جس سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطوط ملوک عجم کو لکھے ہیں اور وہ مشرک تھے، اُن میں بھی بعض آیات قرآن لکھی ہیں۔ وجہ دراصل یہ ہے کہ قرآن کریم کا کسی کافر کے ہاتھ میں دینا تو جائز نہیں لیکن ایسی کوئی کتاب یا کاغذ جس میں کسی مضمون کے ضمن میں کوئی آیت آ گئی ہے وہ عرف میں قرآن نہیں کہلاتا اس لئے اس کا حکم بھی قرآن کا حکم نہیں ہوگا وہ کسی کافر کے ہاتھ میں بھی دے سکتے ہیں اور بے وضو کے ہاتھ میں بھی (عالمگیری کتاب الحظر والاباحۃ)

خط مختصر، جامع، بلیغ اور مؤثر انداز میں لکھنا چاہئے:

حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس والا نامہ کو دیکھئے تو چند سطروں میں تمام اہم اور ضروری مضامین بھی جمع کر دیئے اور بلاغت کا اعلیٰ معیار بھی قائم ہے۔ کافر کے مقابلے میں اپنی شاہانہ شوکت کا اظہار بھی ہے۔ اس کے ساتھ حق تعالیٰ کی صفات کمال کا بیان اور اسلام کی طرف دعوت بھی، اور ترفع وتکبر کی مذمت بھی، درحقیقت یہ خط بھی اعجاز قرآنی کا ایک نمونہ ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ خط نویسی میں تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت بھی وہی ہے کہ تحریر میں طول نہ ہو، مگر ضروری کوئی مضمون چھوٹے بھی نہیں۔ (روح المعانی)

اہم امور میں مشورہ کرنا سنت ہے اس میں دوسروں کی رائے سے فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے اور لوگوں کی دلجوئی بھی ہوتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

بعض نے کریم کہنے کی یہ وجہ بیان کی کہ خط پہنچنے کا واقعہ عجیب تھا بلقیس اپنے کمرہ کے اندر لیٹی ہوئی تھی دروازے سب مقفل تھے ہدہد روشن دان سے آ کر بلقیس کے سینہ پر خط ڈال گیا اور بلقیس کو پتہ بھی نہ چلا بعض نے کہا خط کی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ابتداء کی گئی تھی اس لئے اس کو کریم کہا۔

اس کے بعد بلقیس نے بتایا کہ یہ خط کہاں سے آیا۔ اور کہا:

اِنَّهٗ مِنۡ سُلَيۡمٰنَ بلاشبہ یہ (خط یا عنوان) سلیمان کے پاس سے آیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّهٗ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۙ
اور وہ یہ ہے شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
اَلَّا تَعۡلُوۡا عَلَىَّ وَاۡتُوۡنِىۡ مُسۡلِمِيۡنَ
کہ زور نہ کرو میرے مقابلہ میں اور چلے آؤ میرے سامنے حکمبردار ہو کر

خط کی جامعیت:

ایسا مختصر، جامع اور پُرعظمت خط شاید ہی دنیا میں کسی نے لکھا ہو۔ مطلب یہ تھا کہ میرے مقابلہ میں زور آزمائی سے کچھ نہ ہوگا۔ خیریت اس میں ہے کہ اسلام قبول کرو اور حکمبردار ہو کر آدمیوں کی طرح سیدھی انگلیوں میرے سامنے حاضر ہو جاؤ۔ تمہاری شیخی اور تکبر میرے آگے کچھ نہ چلے گی۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَتۡ يٰۤاَيُّهَا الۡمَلَؤُا اَفۡتُوۡنِىۡ فِىۡۤ اَمۡرِىۡ ۚ
کہنے لگی اے دربار والو مشورہ دو مجھ کو میرے کام میں

مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾

میں طے نہیں کرتی کوئی کام تمہارے حاضر ہونے تک

یعنی مشورہ دو کیا جواب دیا جائے اور کیا کاروائی کی جائے جیسا کہ تمہیں معلوم ہے میں کسی اہم معاملہ کا فیصلہ بدون تمہارے مشورہ کے نہیں کرتی۔ (تفسیر عثمانی)

فتیا اور فتویٰ کسی مشکل بات کا جواب یعنی جو معاملہ میرے سامنے ہے اس میں مجھے مشورہ دو۔

حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ یہاں تک کہ تم میرے پاس موجود نہ ہو اور مجھے مشورہ نہ دو یا جب تک اس بات کے درست ہونے کی شہادت نہ دے دو۔ (تفسیر مظہری)

قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ

وہ بولے ہم لوگ زور آور ہیں اور سخت لڑائی والے

وَّ الْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾

اور کام تیرے اختیار میں ہے سو تو دیکھ لے جو حکم کرے

درباریوں کا مشورہ:

یعنی ہمارے پاس زور و طاقت اور سامانِ حرب کی کمی نہیں۔ نہ کسی بادشاہ سے دبنے کی ضرورت تیرا حکم ہو تو ہم سلیمان سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ آگے تو مختار ہے سوچ سمجھ کر حکم دے۔ ہماری گردن اس کے سامنے خم ہوگی۔ معلوم ہوتا ہے کہ درباریوں کی صلاح لڑائی کرنے کی تھی مگر ملکہ نے اس میں تعمیل مناسب نہ سمجھی اور ایک بین بین صورت اختیار کی جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُوَّةٍ یعنی لڑنے کی قوت بَاْسٍ شَدِيْدٍ یعنی لڑائی کے وقت سخت طاقتور تعداد کی کثرت اور باس سے مراد ہے شدتِ شجاعت۔

بلقیس نے اہل دربار سے صلح یا جنگ دونوں کا مشورہ لیا تھا لڑائی صلح کے مقابلہ میں مشکل اور سخت کام ہے جنگ کی صورت میں اہل دربار نے تعمیل حکم کا اقرار کیا۔ برخلاف ان یہودیوں کے جنہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ تم اور تمہارا خدا دونوں جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں یعنی ہم تو آگے نہیں جائیں گے۔ جب بلقیس کے حکم پر انہوں نے لڑنے کا اظہار کر دیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ صلح کا اگر حکم ہوا تو ہم اس کی تعمیل بدرجۂ اولیٰ کریں گے آپ کو دونوں باتوں کا اختیار ہے۔

مَاذَا تَاْمُرِيْنَ میں ما استفہامیہ ہے اور پورا جملہ بتاویل مفرد ہو کر انظری کا مفعول ہے یعنی آپ خود دیکھ لیں اور سوچ لیں کہ دونوں میں کون سی چیز آپ کے لئے مفید ہے جنگ یا صلح۔ بہر حال ہم آپ کے فیصلہ پر چلنے کے لئے تیار ہیں۔ (تفسیر مظہری)

اگر جنگ خواہ ہی نبرد آوریم دل دشمناں رابدرد آوریم
وگر صلح جوئی ترا بندہ ایم بتسلیم حکمت سر افگندہ ایم

مطلب یہ تھا کہ ہم جنگ کے لئے تیار ہیں آگے آپ کو اختیار ہے ارکان دولت کا میلان جنگ کی طرف تھا مگر ملکہ نے جنگ میں تعجیل مناسب نہ سمجھی بلکہ صلح اور جنگ کے بین بین ایک صورت اختیار کی۔ (معارف کاندھلوی)

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا

کہنے لگی بادشاہ جب گھستے ہیں کسی بستی میں اس کو خراب کر دیتے ہیں

وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ

اور کر ڈالتے ہیں وہاں کے سرداروں کو بے عزت اور ایسا ہی کچھ کریں گے اور میں بھیجتی ہوں

اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

اُن کی طرف کچھ تحفہ پھر دیکھتی ہوں کیا جواب لے کر پھرتے ہیں بھیجے ہوئے

بلقیس کا فیصلہ:

معلوم ہوتا ہے کہ مضمون خط کی عظمت و شوکت اور دوسرے قرائن و آثار سے بلقیس کو یقین ہو گیا کہ اس بادشاہ پر ہم غالب نہیں آ سکتے اور کم از کم اس کا قوی احتمال تو ضرور تھا۔ اس نے بتلایا کہ ایسی شان و شکوہ رکھنے والے بادشاہوں سے لڑنا کھیل نہیں۔ اگر وہ غالب آ گئے (جیسا کہ قوی امکان ہے) تو ملوک و سلاطین کی عام عادت کے موافق تمہارے شہروں کو تہ و بالا کر کے رکھ دیں گے۔ اور وہ انقلاب ایسا ہوگا جس میں بڑی عزت والے سرداروں کو ذلیل و خوار ہونا پڑے گا۔ لہٰذا میرے نزدیک بہتر ہے کہ ہم جنگ کرنے میں جلدی نہ کریں بلکہ اُن کی طاقت طبعی رجحانات، نوعیت حکومت اور اس بات کا پتہ لگائیں کہ ان کی دھمکیوں کی پشت پر کون سی قوت کارفرما ہے۔ اور یہ کہ واقعی طور پر وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ اگر کچھ تحائف و ہدایا دے کر ہم آنے والی مصیبت کو اپنے سر سے ٹال سکیں تو زیادہ اچھا ہوگا ورنہ جو کچھ رویہ معلوم ہو جائے گا ہم اُس کے مناسب کاروائی کریں گے۔ حضرت شاہ صاحب" لکھتے ہیں۔ بلقیس نے چاہا کہ اس بادشاہ کا شوق دریافت کرے کس چیز سے ہے۔ مال خوبصورت آدمی، یا نادر سامان، سب قسم کی چیزیں تحفہ میں بھیجی تھیں۔ (تفسیر عثمانی)

ملکہ نے عام بادشاہوں کا عمومی ضابطہ بیان کر کے اول قوم کو مبہم طور پر جنگ سے ڈرایا پھر آخری فقرہ کہہ کے صراحت کر دی کہ ان لوگوں سے بھی مجھے یہی خطرہ ہے۔ كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ کا ایک ترجمہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بادشاہ ایسا ہی کرتے رہتے ہیں ان کا دستور ہی یہی ہے۔ اس ترجمہ پر اس فقرہ کا

ارتباط سابق جملہ سے ہوگا اور یفعلون کی ضمیر ملوک کی طرف راجع ہوگی حضرت سلیمان اور آپ کے لشکر کی طرف راجع نہ ہوگی۔

یا یہ مقولہ اللہ کا ہے اللہ نے بلقیس کے قول کی تصدیق فرما دی کہ ہاں بادشاہوں کا یہی طریقہ عمل ہے۔ ملکہ کے اس کلام سے معلوم ہو رہا ہے کہ بلقیس صلح کو مناسب خیال کرتی تھی۔

بلقیس کے تحائف:

وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِم بِهَدِيَّةٍ فَنَاظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ اور میں ان کو ایک ہدیہ بھیجوں گی پھر دیکھوں گی کہ قاصد کیا جواب لے کر آتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ میں اپنے پاس سے کچھ تحفہ دے کر قاصدوں کو روانہ کروں گی۔ ہدیہ وہ چیز جو ہدیہ میں دی جائے۔ جیسے عطیہ دی ہوئی چیز۔

بغوی نے لکھا ہے بلقیس ہدیہ بھیج کر حضرت سلیمان کی جانچ کرنی چاہتی تھی کہ بادشاہ ہیں یا نبی اگر بادشاہ ہوں گے تو ہدیہ قبول کر لیں گے اور لشکر کشی نہیں کریں گے اور نبی ہوں گے تو ہدیہ کو رد کر دیں گے اور بغیر اتباع ایمانی کے راضی نہیں ہوں گے۔

اس کے بعد ہدیہ میں ملکہ نے کچھ غلام اور کچھ باندیاں بھیجیں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا سب کو ایک ہی طرح کا لباس پہنا دیا تا کہ (لڑکے اور لڑکی کی) شناخت نہ ہو سکے۔ مجاہد نے کہا دو سو غلام اور دو سو باندیاں بھیجی تھیں۔ مجاہد اور مقاتل کا قول ہے کہ باندیوں کو غلاموں کا لباس اور غلاموں کو باندیوں کا لباس پہنا دیا تھا۔ سعید بن جبیر نے کہا (سونے کی) اینٹ ریشم اور دیبا کے ساتھ بھیجی تھی بعض نے کہا سونے کی چار اینٹیں بھیجی تھیں۔ وہب بن منبہ نے بیان کیا بلقیس نے پانسو لڑکے اور لڑکیاں بھیجیں لڑکیوں کو قبا میں اور کمر کے پٹکے یعنی لڑکوں کا لباس پہنایا اور غلاموں کو باندیوں کے کپڑے پہنائے۔ کلائیوں میں سنہری کنگن گلے میں سونے کے طوق کانوں میں بالیاں اور بالے جواہر سے مرصع پہنائے لڑکوں کو پانسو گھوڑوں پر اور لڑکیوں کو پانسو خچروں پر سوار کرایا ہر گھوڑے کی لگام سنہری جواہر سے جڑی تھی اور چار جامے رنگارنگ، کے دیبا کے بلقیس نے چاندی کی پانچ سو اینٹیں اور موتی اور یاقوت سے جڑا ہوا تاج بھی بھیجا مشک وعنبر وعود بھی پھر ایک ڈبہ میں بلا سوراخ کیا ہوا ایک قیمتی موتی اور ٹیڑھا کیا ہوا ایک پوتھ رکھ کر بند کر دیا۔

بلقیس کا قاصد اور اس کو ہدایات:

اور اپنی قوم کے ایک سردار کو جس کا نام منذر بن عمرو تھا بلوا کر کچھ دوسرے سمجھدار ہوشیار آدمیوں کو اس کے ساتھ کر کے ایک خط جس میں تحفوں کی فہرست تھی دے کر ہدایت کی اور سب چیزیں دے کر بھیج دیا اور نمائندہ سے کہہ دیا کہ سلیمان سے جا کر یہ کہنا کہ اگر آپ نبی ہیں تو باندیوں کو غلاموں سے الگ چھانٹ دیجئے اور بغیر کھولے بتایئے کہ ڈبہ میں کیا ہے اور جب وہ بتا دیں تو کہنا کہ اس موتی میں ٹھیک سوراخ کر دیجئے اور سوراخ دار پوتھ میں دھاگہ ڈال دیجئے لیکن کسی آدمی یا جن سے اس میں مدد نہ لیجئے غلاموں اور باندیوں کو یہ حکم دیا کہ غلام باندیوں کی بولی میں زنانہ لوچدار بات کریں اور باندیاں کرخت لہجے میں مردانہ بات کریں پھر قاصد سے یہ بھی کہہ دیا کہ تم اس بات کا اندازہ کرنا کہ وہ کس طور پر پیش آتے ہیں اگر غصہ کی نظر سے تم کو دیکھیں تو سمجھ لینا وہ بادشاہ ہیں تم ہرگز خوف زدہ نہ ہونا ہم ان سے زیادہ عزت رکھتے ہیں اور اگر کشادہ پیشانی اور مہربانی سے پیش آئیں تو سمجھ لینا وہ نبی مرسل ہیں ان کی بات سمجھنا اور (ادب کے ساتھ) جواب دینا غرض بلقیس کے قاصد سارے تحفے لے کر روانہ ہو گئے۔

حضرت سلیمانؑ کے انتظامات:

ادھر ہدہد نے جلد جا کر حضرت سلیمان کو اس واقعہ کی اطلاع دے دی آپ نے جنات کو حکم دیا کہ سونے چاندی کی اینٹیں تیار کریں حکم کی تعمیل کی گئی پھر آپ نے حکم دیا کہ ان اینٹوں کو اس جگہ سے نو فرسخ تک ایک میدان میں یہ اینٹیں بچھا دیں اور میدان کے گردا گرد سونے چاندی کی اونچی دیوار کھینچ دیں پھر فرمایا خشکی اور دریا میں کون سا جانور سب سے اچھا ہوتا ہے حاضرین نے عرض کیا یا نبی اللہ ہم نے فلاں سمندر میں کچھ جانور دیکھے ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں ان کے دو باز و گردن پر کلغیاں اور پیشانیوں پر بال ہوتے ہیں فرمایا ابھی لے آؤ جنات نے فوراً لا کر حاضر کر دیئے فرمایا میدان کے دائیں بائیں دونوں طرف سونے چاندی کی اینٹوں کے فرش پر ان کو باندھ دو اور ان کا چارہ ان کے سامنے ڈال دو پھر جنات کو حکم دیا اپنی اولاد کو لا کر میدان کے دائیں بائیں کھڑا کر دو۔

ان احکام کی تعمیل کے بعد حضرت سلیمان اپنے تخت پر رونق افروز ہو گئے اور اپنے دائیں بائیں جانب چار چار ہزار کرسیاں بچھوا دیں اور دائیں بائیں فرسخوں تک صف بستہ کھڑے ہونے کا شیطانوں کو حکم دیا۔

بلقیس کے قاصدوں کا احساس کمتری:

جب قاصد قریب پہنچ گئے اور سلیمانؑ کی حکومت دیکھی اور ایسے چوپائے دیکھے جو کبھی نہ دیکھے تھے اور ان کو چاندی سونے کی اینٹوں پر گوبر کرتے پایا تو خود وہ اپنی نظروں میں حقیر ہو گئے اور جو تحفے ساتھ لائے تھے سب پھینک دیئے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے سونے چاندی کی اینٹیں بچھانے کا حکم جس وقت دیا تھا اس وقت بلقیس کی بھیجی ہوئی اینٹوں کی گنتی کے مطابق جگہ خالی چھوڑ دی تھی قاصدوں نے جب کچھ اینٹوں کی جگہ خالی دیکھی اور باقی زمین پر فرش پایا تو ان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں کوئی ہم پر اینٹیں اٹھا لینے کی تہمت نہ لگائے۔ اس لئے خالی جگہ پر اینٹیں پھینک دیں پھر شیاطین کو دیکھ کر تو خوف زدہ ہو گئے اُن سے کہا گیا آگے بڑھو ڈر کی کوئی بات

نہیں قاصد تمام جن وانس اور پرندوں درندوں اور چرندوں کی ٹکڑیوں سے گزر کر حضرت سلیمان کے سامنے جا کھڑے ہوئے آپ نے ان کی طرف کشادہ روئی کے ساتھ اچھی نظروں سے دیکھا اور فرمایا کیا بات ہے امیر وفد نے ساتھ لائی ہوئی چیزیں پیش کردیں اور ملکہ کا خط بھی دے دیا۔

حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کے تمام سوالات حل کردیئے:

آپ نے خط غور سے پڑھا اور فرمایا ڈبہ کہاں ہے امیر وفد نے پیش کردیا آپ نے ڈبہ کو ہلایا اتنے میں جبرئیل آ گئے اور ڈبہ کے اندر جو چیز تھی وہ بتادی حضرت سلیمانؑ نے فرمایا اس کے اندر بغیر سوراخ کا ایک قیمتی موتی ہے۔ اور ایک ٹیڑھا سوراخ کیا ہوا پوتھ ہے قاصد نے عرض کیا آپ نے صحیح فرمایا اب موتی میں سوراخ کردیجئے اور پوتھ میں دھاگہ پرودیجئے حضرت سلیمانؑ نے جنات اور آدمیوں سے دریافت فرمایا کوئی اس میں سوراخ کرسکتا ہے کسی کو سوراخ کرنے کی تدبیر معلوم نہ تھی اس لئے خاموش رہے پھر آپ نے شیاطین سے دریافت کیا ایک شیطان نے کہا لکڑی کے کیڑے کو بلوایئے حسب الحکم لکڑی کا کیڑا آیا اور دھاگہ منہ میں پکڑ کر موتی میں سوراخ کرتا ہوا دوسری جانب نکل آیا حضرت سلیمانؑ نے فرمایا تو کیا انعام چاہتا ہے کیڑے نے عرض کیا میری روزی درخت (لکڑی) میں مقرر کردی جائے حضرت نے فرمایا تیرے لئے ایسا ہی کردیا گیا۔ پھر آپ نے لڑکوں اور لڑکیوں کو الگ الگ چھانٹ دیا جس کی تدبیر یہ کی کہ سب کو ہاتھ منہ دھونے کا حکم دیا لڑکی برتن میں سے پانی ایک ہاتھ میں لیتی پھر ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں ڈالتی پھر منہ پر مارتی تھی اور لڑکا براہ راست برتن سے پانی لے کر منہ پر مارتا تھا۔ لڑکی بانہہ کے اندرونی جانب پانی ڈالتی تھی اور لڑکا کلائی کے بیرونی جانب پانی بہاتا تھا لڑکی یونہی پانی دھارتی تھی اور لڑکا اوپر سے نیچے کو ہاتھ پر پانی گراتا تھا۔ خلاصہ یہ کہ آپ نے سب کو الگ الگ چھانٹ دیا پھر لائے ہوئے ہدیے واپس کردیئے جیسا کہ آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِ َۦ
پھر جب پہنچا سلیمان کے پاس بولا کیا تم میری اعانت کرتے ہو مال سے
اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ۝
سو جو اللہ نے مجھ کو دیا ہے بہتر ہے اس سے جو تم کو دیا ہے، بلکہ تم ہی اپنے تحفے سے خوش رہو

حضرت سلیمانؑ نے تحائف واپس کردیئے:

یعنی یہ تحفہ تمہیں ہی مبارک رہے، کیا تم نے مجھے محض ایک دنیوی بادشاہ سمجھا جو مال ومتاع کا لالچ دیتے ہو، تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے جو روحانی و مادی دولت مجھے عطا فرمائی ہے وہ تمہارے ملک و دولت سے کہیں بڑھ کر ہے ان سامانوں کی ہمیں کیا پرواہ۔ (تفسیر عثمانی)

کافر کا ہدیہ قبول کرنے کا اصول:

کافر کا ہدیہ قبول کرنے میں اگر اپنی یا مسلمانوں کی کسی مصلحت میں خلل آتا ہو یا ان کے حق میں رائے کی کمزوری پیدا ہوتی ہو تو ان کا ہدیہ قبول کرنا درست نہیں (روح المعانی) ہاں اگر کوئی دینی مصلحت اس ہدیہ کے قبول کرنے کی داعی ہو، مثلاً اس کے ذریعہ کافر کے مانوس ہو کر اسلام سے قریب آنے پھر مسلمان ہونے کی اُمید ہو یا اس کے کسی شر وفساد کو اس کے ذریعہ دفع کیا جاسکتا ہو تو قبول کرنے کی گنجائش ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اس معاملہ میں یہی رہی ہے کہ بعض کفار کا ہدیہ قبول فرمالیا، بعض کا رد کردیا۔ عمدۃ القاری شرح بخاری کتاب الہبۃ میں اور شرح سیر کبیر میں حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ براء کا بھائی عامر بن ملک مدینہ طیبہ میں کسی ضرورت سے پہنچا جبکہ وہ مشرک کافر تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو گھوڑے اور دو جوڑے کپڑے کا ہدیہ پیش کیا، آپ نے اس کا ہدیہ یہ فرما کر واپس کردیا کہ ہم مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتے۔ اور عیاض بن حمار مجاشعی نے آپ کی خدمت میں ایک ہدیہ پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے سوال کیا کہ تم مسلمان ہو اس نے کہا کہ نہیں آپ نے ان کا ہدیہ بھی یہ کہہ کر رد فرما دیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے عطایا لینے سے منع فرمایا ہے اس کے بالمقابل یہ روایات بھی موجود ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مشرکین کے ہدایا قبول فرمائے۔ ایک روایت میں ہے کہ ابو سفیان نے بحالت شرک آپ کو ایک چمڑا ہدیہ میں بھیجا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا اور ایک نصرانی نے ایک ریشمی حریر کا بہت چمکتا ہوا کپڑا ہدیہ میں پیش کیا، آپ نے قبول فرمالیا۔

شمس الائمہؒ اس کو نقل کرکے فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سبب یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض کا ہدیہ رد کردینے میں اس کے اسلام کی طرف مائل ہونے کی اُمید تھی وہاں رد کردیا اور بعض کا ہدیہ قبول کرنے میں اسکے مسلمان ہوجانے کی اُمید تھی تو قبول کرلیا (از عمدۃ القاری کتاب الہبہ)

اور بلقیس نے جو رد ہدیہ کو نبی ہونے کی علامت قرار دیا اس کا سبب یہ نہ تھا کہ نبی کے لئے ہدیہ قبول کرنا مشرک کا جائز نہیں بلکہ سبب یہ تھا کہ اس نے اپنا ہدیہ در حقیقت ایک رشوت کی حیثیت سے بھیجا تھا کہ اس کے ذریعہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حملے سے محفوظ رہے۔

حضرت سلیمانؑ کا جواب:

اللہ نے جو کچھ عطا فرما دیا ہے (یعنی دین نبوت، حکمت، حکومت) وہ

اس سے افضل و بہتر ہے جو تم کو دیا ہے (میں اس ہدیہ کے لین دین سے خوش نہیں ہوتا) بلکہ تم ہی اپنے ہدیہ سے خوش ہوتے ہو۔

کیونکہ تم لوگ صرف ظاہری دنیوی زندگی کو جانتے ہو یہی تمہاری نظروں کے سامنے ہے اس لئے ہدیے لے کر مال میں اضافہ کرنا چاہتے ہو اور ہدیے دے کر اپنے ہمسروں پر فخر کرنا چاہتے ہو۔ تم میری حالت کو اپنی حالت پر قیاس کرتے ہو حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ پھر منذر بن عمرو سردار وفد کی طرف رخ کر کے فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا

پھر جا ان کے پاس اب ہم پہنچتے ہیں اُن پر ساتھ لشکروں کے جن کا مقابلہ نہ ہو سکے ان سے

وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور نکال دیں گے اُن کو وہاں سے بے عزت کر کے اور وہ خوار ہوں گے

حملہ کی اطلاع:

یعنی قیدی بنیں گے، جلاوطن ہوں گے اور ذلت وخواری کے ساتھ دولت وسلطنت سے دستبردار ہونا پڑے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں اور کسی پیغمبر نے اس طرح کی بات نہیں فرمائی۔ سلیمانؑ کو حق تعالیٰ کی سلطنت کا زور تھا جو یہ فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

بعض علماء نے کہا ذلت عزت کی ضد ہے آبرو اور حکومت کا زوال ذلت ہے اور صغار سے مراد ہے قیدی ہو جانا یعنی اگر وہ مسلمان ہو کر نہیں آئیں گے تو ہم ان کو ان کی سرزمین سے نکال دیں گے اور ان کو قیدی بنا لیا جائے گا۔

بلقیس کی حضرت سلیمانؑ کے ہاں حاضری کی تیاری:

وہب بن منبہ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ جب وفد یمن حضرت سلیمانؑ کے پاس سے لوٹ کر بلقیس کے پاس پہنچا (اور واقعہ بیان کیا) تو بلقیس نے کہا واللہ میں تو پہلے ہی پہچان چکی کہ وہ بادشاہ نہیں ہے اور اس کے مقابلہ کی ہم میں سکت نہیں۔ اس کے بعد بلقیس نے حضرت سلیمانؑ کے پاس پیام بھیجا میں خود اپنی قوم کے سرداروں کے ساتھ آپ کے پاس آ رہی ہوں اور دیکھوں گی کہ جس دین کی طرف آپ ہم کو بلا رہے ہیں وہ کیا ہے پھر بلقیس نے حکم دے کر اپنے تخت کو تہ برتہ سات کمروں میں بند کرا کے دروازوں کو مقفل کر دیا یا سات محلوں کے اندر اس کو رکھوا دیا اور حفاظت کے لئے کچھ نگراں مقرر کر دیئے اور اپنے نائب سے کہا تم یہاں کے حالات کے نگراں رہنا میرے تخت تک کوئی پہنچنے نہ پائے اور کوئی اس کو خراب نہ کر سکے۔ پھر ایلچی کو یہ اعلان کرنے کا حکم دے دیا کہ تمام ممالک محروسہ کے باشندوں کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ ہم کوچ کر رہے ہیں اس کے بعد یمن کے بارہ ہزار نوابوں کو لے کر روانہ ہوگئی ہر نواب کے ماتحت ہزاروں سپاہی تھے۔

حضرت سلیمانؑ کا رعب:

حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ حضرت سلیمانؑ بڑے باوقار اور رعب داب کے آدمی تھے اگر کسی سے کچھ دریافت کرتے تھے تو (اس کی مجال نہ ہوتی کہ خود اپنی طرف سے جواب دے سکے بلکہ) وہ حضرت پر بھی آپ کے سوال کا جواب محول کر دیتا (اور کہہ دیتا کہ اللہ کے نبی کو ہی اس کا بخوبی علم ہے) ایک روز اپنے تخت حکومت پر باہر نکل کر تشریف فرما تھے کہ ایک غبار قریب ہی اڑتا نظر آیا دریافت فرمایا یہ کیا ہے حاضرین نے عرض کیا بلقیس اس جگہ آ کر اتری ہے یہ مقام حضرت سلیمانؑ کی مجلس سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر تھا حضرت سلیمانؑ نے یہ بات سن کر اپنے لشکر والوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا

بولا اے دربار والو تم میں کوئی ہے کہ لے آوے میرے پاس اُس کا تخت

قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾

پہلے اس سے کہ وہ آئیں میرے پاس حکمبردار ہو کر

بلقیس کے تخت اٹھانے کا پروگرام:

قاصد نے واپس جا کر پیغام جنگ پہنچا دیا بلقیس کو یقین ہو گیا کہ یہ کوئی معمولی بادشاہ نہیں ان کی قوت خدائی زور سے ہے۔ جدال وقتال سے کچھ فائدہ نہ ہوگا، نہ کوئی حیلہ اور زور ان کے روبرو چل سکتا ہے آخر اظہار اطاعت وانقیاد کی غرض سے بڑے ساز وسامان کے ساتھ حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں حاضری دینے کے لئے روانہ ہوگئی جب ملک شام کے قریب پہنچی حضرت سلیمان نے اپنے درباریوں سے فرمایا کوئی ہے جو بلقیس کا تخت شاہی اس کے پہنچنے سے پیشتر میرے سامنے حاضر کر دے۔ اس میں بھی حضرت سلیمان کو کسی طرح بلقیس پر اپنی خداداد عظمت وقوت کا اظہار مقصود تھا۔ تا وہ سمجھ لے کہ یہ نرے بادشاہ نہیں، کوئی اور فوق العادت باطنی طاقت بھی اپنے ساتھ رکھتے ہیں (تنبیہ) قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ سے معلوم ہوا کہ اسلام وانقیاد سے پہلے حربی کا مال مباح ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مسلمین کی قید اظہار واقعہ کے لئے ہے کیونکہ وہ لوگ اسی قصد سے آ رہے تھے تخت کا منگانا غالباً اس غرض سے ہے کہ وہ لوگ میرا معجزہ بھی دیکھ لیں کیونکہ اتنا بڑا تخت اور پھر اس کا ایسے سخت پہروں میں اس طور پر اچانک آ جانا کہ اطلاع تک نہ ہو عادت بشریہ سے باہر ہے اگر جنوں کی تسخیر یعنی تابع ہونے سے ہو تب بھی جنوں کا خود بخود تابع ہو جانا بھی ایک معجزہ ہی ہے اور

اگر کسی ولی امت کی کرامت کے ذریعہ ہے تو ولی کی کرامت بھی نبی کا معجزہ ہوتا ہے اور اگر بغیر کسی واسطے کے ہے تو پھر معجزہ ہونا ظاہر ہے بہرحال ہر صورت یہ معجزہ اور نبوت کی دلیل ہے لہٰذا مقصود یہ ہوگا کہ اندرونی کمالات کے ساتھ ساتھ یہ معجزہ کے کمالات بھی دیکھ لیں تاکہ ایمان واطمینان زیادہ ہو۔

بلقیس کی حاضری دربارِ سلیمانی میں:

قرطبی نے تاریخی روایات کے حوالے سے لکھا ہے کہ بلقیس کے قاصد خود بھی مرعوب ومبہوت ہو کر واپس ہوئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا اعلان جنگ سنا دیا تو بلقیس نے اپنی قوم سے کہا کہ پہلے بھی میرا یہی خیال تھا کہ سلیمان دنیا کے بادشاہوں کی طرح بادشاہ نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے کوئی خاص منصب بھی ان کو ملا ہے اور اللہ کے نبی ورسول سے لڑنا اللہ کا مقابلہ ہے۔ جس کی ہم میں طاقت نہیں، یہ کہہ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کی تیاری شروع کردی، بارہ ہزار سرداروں کو اپنے ساتھ لیا جن کے تحت ایک ایک لاکھ افواج تھیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے ایسا رعب وجلال عطا فرمایا تھا کہ ان کی مجلس میں کوئی ابتداءً گفتگو کی جرأت نہ کرسکتا تھا۔ ایک روز حضرت سلیمان علیہ السلام نے دور سے غبار اٹھتا ہوا دیکھا تو حاضرین سے سوال کیا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا، اے نبی اللہ! ملکہ بلقیس اپنے ساتھیوں کے ساتھ آ رہی ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ اس وقت وہ دربار سلیمانی سے ایک فرسخ یعنی تقریباً تین میل کے فاصلے پر تھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے تسخیر جنات کا عام معجزہ عطا فرمایا ہوا تھا شاید حق تعالیٰ کی طرف سے اشارہ پا کر انہوں نے یہ ارادہ فرمایا کہ کسی طرح بلقیس کا تخت شاہی اس کے یہاں پہنچنے سے پہلے حاضر ہو جائے اس لئے حاضرین کو جن میں جنات بھی تھے خطاب فرما کر یہ تخت لانے کے لئے فرما دیا اور اس کے تمام اموال ودولت میں تخت شاہی کا انتخاب بھی شاید اس لئے کیا گیا کہ وہ اس کی سب سے زیادہ محفوظ چیز تھی جس کو سات محلات شاہی کے وسط میں ایک محفوظ محل کے اندر مقفل کر کے رکھا تھا کہ اس کے اپنے آدمیوں کا بھی وہاں تک گزر نہ تھا، اس کے بغیر دروازہ یا قفل توڑے ہوئے منتقل ہو جانا اور اتنی مسافت بعیدہ پر پہنچ جانا حق تعالیٰ شانہٗ کی ہی قدرتِ کاملہ سے ہو سکتا ہے یہ اس کو حق تعالیٰ کی قدرت عظیمہ پر یقین کا سب سے بڑا ذریعہ ہو سکتا تھا اس کے ساتھ اس پر بھی یقین لازم تھا کہ سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ ہی کی طرف سے کوئی خاص منصب حاصل ہے کہ ان کے ہاتھ پر ایسی فوق العادت چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں (ذکرہ واختارہ ابن جریر)

قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ مُسْلِمِیْن، مُسْلِم کی جمع ہے جس کے لغوی معنی مطیع وفرمانبردار کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں مومن کو مسلم کہا جاتا ہے یہاں بقول ابن عباسؓ اس کے لغوی معنی مراد ہیں، یعنی مطیع وفرمانبردار کیونکہ ملکہ بلقیس کا اسلام لانا اس وقت ثابت نہیں بلکہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہونے اور کچھ گفتگو کرنے کے بعد مسلمان ہوئی ہے جیسا کہ خود قرآن کریم کے آنے والے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ

بولا ایک دیو جنوں میں سے میں لائے دیتا ہوں وہ تجھ کو پہلے

اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ

اس سے کہ تو اٹھے اپنی جگہ سے

ایک دیو کا دعویٰ:

حضرت سلیمانؑ کا دربار روزانہ ایک معین وقت تک لگتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے کہ آپ دربار سے اُٹھ کر جائیں، میں تخت کو حاضر کرسکتا ہوں، مگر اس کو پھر کچھ عرصہ لگتا۔ حضرت سلیمانؑ اس سے بھی زیادہ جلدی چاہتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾

اور میں اس پر زورآور ہوں معتبر

زورآور ہوں یعنی اپنی قوتِ بازو سے بہت جلد اُٹھا کر لا سکتا ہوں، اللہ نے مجھ کو قدرت دی ہے اور معتبر ہوں، یعنی اس میں خیانت نہ کروں گا کہتے ہیں تخت بہت بیش قیمت تھا سونے چاندی کا اور لعل وجواہر جڑے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت سلیمان علیہ السلام بلقیس کو اللہ کی قدرت اور اس کا عطا کردہ معجزہ دکھانا چاہتے تھے بلقیس کی عقل کی آزمائش بھی مقصود تھی کہ (مرصع کاری کو) بدلنے کے بعد وہ اپنے تخت کو پہچان سکے گی یا نہیں۔

مسلمان ہو کر آنے سے پہلے کی (حسب صوابدید مفسرؒ) شرط اس لئے لگائی کہ مسلمان ہونے کے بعد تو بلقیس کی رضامندی کے بغیر اس کا تخت لینا حضرت سلیمان کے لئے حلال نہ تھا (اس فقیر مترجم کی نظر میں یہ توجیہ نامناسب ہے اس سے معصوم پیغمبر پر الزام عائد ہوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ بلقیس کے تخت پر ہر حیلے اور بہانہ سے قبضہ کرنا چاہتے تھے حالانکہ حضرت سلیمانؑ کو اللہ نے سونے چاندی اور جواہر کے انبار عطا فرما دیئے تھے آپ کو کسی طرح کسی غیر مسلم کے مال کا لالچ نہیں ہو سکتا۔ (واللہ اعلم)

عفریت کا ترجمہ ضحاک نے کیا خبیث فراء نے کہا سخت طاقتور ابن قتیبہ نے کہا وہ جس کی تخلیقی ساخت مضبوط ہو اس کو عفریت کہتے ہیں اصل میں یہ لفظ عفر سے بنا ہے اور عفر مٹی کو کہتے ہیں۔ عافرہ اس نے کشتی لڑ کر اس کو مٹی

پر گرادیا۔ بہر حال۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ الَّذِیۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمٌ مِّنَ الۡكِتٰبِ اَنَا اٰتِيۡكَ بِهٖ

بولا وہ شخص جس کے پاس تھا ایک علم کتاب کا میں لائے دیتا ہوں

قَبۡلَ اَنۡ يَّرۡتَدَّ اِلَيۡكَ طَرۡفُكَ ؕ

تیرے پاس اس کو پہلے اس سے کہ پھر آئے تیری طرف تیری آنکھ

آصف بن برخیا:

راجح یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص حضرت سلیمان کا صحابی اور وزیر آصف بن برخیا ہے جو کتب سماویہ کا عالم اور اللہ کے اسماء اور کلام کی تاثیر سے واقف تھا، اُس نے عرض کیا کہ میں چشم زدن میں تخت کو حاضر کرسکتا ہوں۔ آپ کسی طرف دیکھئے قبل اس کے کہ آپ ادھر سے نگاہ ہٹائیں تخت آپ کے سامنے رکھا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

اکثر ائمہ تفسیر قتادہ وغیرہ سے ابن جریر نے نقل کیا ہے اور قرطبی نے اسی کو جمہور کا قول قرار دیا ہے کہ یہ کوئی شخص حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھا۔ ابن اسحٰق نے اس کا نام آصف بن برخیا بتلایا ہے اور یہ کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دوست تھا، اور بعض روایات کے اعتبار سے اُن کا خالہ زاد بھائی بھی تھا جس کو اسم اعظم کا علم تھا جس کا خاصہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے جو بھی دُعا کی جائے قبول ہوتی ہے اور جو کچھ مانگا جائے اللہ کی طرف سے عطا کردیا جاتا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اسم اعظم کا علم نہیں تھا کیونکہ یہ کچھ بعید نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مصلحت اس میں دیکھی ہو کہ یہ عظیم کارنامہ ان کی امت کے کسی آدمی کے ذریعہ ظاہر ہو جس سے بلقیس پر اور زیادہ اثر پڑے۔

معجزہ اور کرامت میں فرق:

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح معجزہ میں اسباب طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ وہ براہ راست حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا ہے وَمَا رَمَيۡتَ اِذۡ رَمَيۡتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ اسی طرح کرامت میں بھی اسباب طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا براہ راست حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی کام ہو جاتا ہے۔ اور معجزہ اور کرامت دونوں خود صاحب معجزہ و کرامت کے اختیار میں بھی نہیں ہوتے۔ ان دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ ایسا کوئی خارق عادت کام اگر کسی صاحب وحی نبی کے ہاتھ پر ہو تو معجزہ کہلاتا ہے غیر نبی کے ذریعہ اس کا ظہور ہو تو کرامت کہلاتی ہے اس واقعہ میں اگر یہ روایت صحیح ہے کہ یہ عمل حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب میں سے آصف بن برخیا کے ذریعہ ہوا تو یہ اُن کی کرامت کہلائے گی اور ہر ولی کے کمالات چونکہ ان کے رسول و پیغمبر کے کمالات کا عکس اور انہی سے مستفاد ہوتے ہیں اس لئے اُمت کے اولیاء اللہ کے ہاتھوں جتنی کرامتوں کا ظہور ہوتا رہتا ہے یہ سب رسول کے معجزات میں شمار ہوتے ہیں۔

اکثر مفسرین نے صراحت کی ہے کہ وہ آصف بن برخیا تھے جو صدیقیت کے مرتبہ پر فائز تھے اللہ کا اسم اعظم ان کو معلوم تھا جب اسم اعظم لے کر اللہ سے دعا کرتے تھے تو اللہ ان کی دعا قبول فرمالیتا تھا اور ان کا سوال پورا کر دیتا تھا جریر اور مقاتل نے بوساطت ضحاک حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس بیان کی نسبت کی ہے کہ آصف نے نماز کے بعد حضرت سلیمان سے کہا جہاں تک آپ کی نظر پہنچے اپنی آنکھیں اٹھا کر دیکھئے حضرت سلیمان نے نظر اٹھا کر یمن کی طرف دیکھا اور آصف نے دعا کی فوراً اللہ نے فرشتوں کو بھیج دیا فرشتوں نے تخت اٹھا لیا اور زمین کو اندر ہی اندر چیرتے ہوئے لاکر حضرت سلیمان کے سامنے رکھ دیا۔

تختِ بلقیس کا واقعہ کرامت تھی یا تصرف:

تصرف اصطلاح میں خیال ونظر کی طاقت استعمال کر کے حیرت انگیز کام صادر کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کے لئے نبی یا ولی بلکہ مسلمان ہونا بھی شرط نہیں، وہ مسمریزم جیسا ایک عمل ہے۔ صوفیائے کرام نے اصلاح مریدین کے لئے کبھی کبھی اس کو استعمال کیا ہے۔

رہا یہ شبہ کہ ان کا یہ کہنا کہ اَنَا اٰتِيۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ يَّرۡتَدَّ اِلَيۡكَ طَرۡفُكَ یعنی میں یہ تخت آنکھ جھپکنے سے پہلے لا دوں گا، یہ علامت اس کی ہے کہ یہ کام اُن کے قصد و اختیار سے ہوا جو علامت تصرف کی ہے کیونکہ کرامت ولی کے اختیار میں نہیں ہوتی تو اس کا یہ جواب ہوسکتا ہے کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ اطلاع کر دی ہو کہ تم ارادہ کرو گے تو ہم یہ کام اتنی جلدی کر دیں گے۔ یہ تقریر حضرت سیدی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی ہے جو احکام القرآن میں سورۂ نمل کی تفسیر لکھنے کے وقت حضرت نے ارشاد فرمائی تھی، اور تصرف کی حقیقت اور اس کے احکام پر حضرت کا ایک مستقل رسالہ بنام التصرف عربی زبان میں تھا۔ جس کا اُردو ترجمہ احقر نے لکھا تھا وہ جداگانہ شائع ہو چکا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس شخص کا نام آصف بن برخیا تھا جو سلیمان علیہ السلام کا صحابی اور ان کا وزیر تھا۔ جو کتب الٰہیہ کا عالم تھا اور اسماء الٰہیہ کے خواص اور تاثیرات سے واقف تھا دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۳۶۴ ج ۳ و روح المعانی ص ۱۸۳ ج ۱۹۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا اس نے عرض کیا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں اور نبی کے بیٹے ہیں آپ اللہ سے دُعا

فرمایئے آپ اگر اللہ سے دُعاء کریں گے تو حاضر ہو جائیگا حضرت سلیمانؑ نے دعاء کی تو فوراً تخت حاضر ہو گیا (دیکھو زاد المسیر ص ۵۷۱)

تخت کا اس طرح طرفۃ العین میں حاضر ہو جانا سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا اور ان کے صحابی کی کرامت تھی۔ کیونکہ صحابی کو یہ مرتبہ اپنے نبی کی متابعت سے ملا یہ بھی ممکن تھا کہ خود سلیمان علیہ السلام اس تخت کو لے آتے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ کام ان کے خادم کے ہاتھ سے کرایا تا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے مزید اعزاز و اکرام کا سبب بنے کہ یہ شخص اللہ کا اس درجہ مقبول بندہ ہے کہ اس کے خادم ایسے ہیں جن سے ایسی کرامتیں ظہور میں آ رہی ہیں۔

(فائدہ) اور طرفۃ العین میں اس طرح تخت کا حاضر ہو جانا عقلاً محال نہیں اور موجودہ سائنس کی تحقیق پر اجسام کی تیز رفتاری کی کوئی حد مقرر نہیں ابھی تک تو بندہ کی قدرت کا بھی صحیح اندازہ نہیں ہو سکا کہ کہاں تک پہنچے گی تو خدائے قادر مطلق کی قدرت کی کون حد مقرر کر سکتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

آصف بن برخیا کی دُعاء:

بعض اہلِ روایت کا کہنا ہے یہ مسافت دو مہینے کی راہ کے برابر تھی آصف نے کیا دعا مانگی تھی مجاہد نے کہا یاذا الجلال والاکرام کہا تھا یعنی یہ اسم اعظم ہے کلبی نے کہا یا حی یا قیوم تھا (یہی اسم اعظم ہے) حضرت عائشہؓ کا بھی یہی قول ہے۔

زہری کا قول مروی ہے کہ جس کے پاس علم کتاب تھا اس نے اس طرح دعا کی تھی یا الٰھنا والٰہ کل شیءٍ الٰھاً واحداً لا الٰہ الا انت ائتنی بعرشھا اے ہمارے معبود اور ہر چیز کے تنہا معبود تیرے سوا کوئی معبود نہیں میرے پاس اس کا تخت لے آ۔

اللہ کے اسم اعظم کی بحث ہم نے سورۂ آل عمران کے شروع میں تفصیل کیساتھ لکھ دی ہے میرے نزدیک زہری کا قول قابلِ ترجیح ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ

پھر جب دیکھا اُس کو دھرا ہوا اپنے پاس کہا یہ میرے رب کا فضل ہے

فضل الٰہی کا شکر:

یعنی یہ ظاہر کے اسباب سے نہیں آیا، اللہ کا فضل ہے کہ میرے رفیق اس درجہ کو پہنچے جن سے ایسی کرامات ظاہر ہونے لگیں۔ اور چونکہ ولی کی خصوصاً صحابی کی کرامت اُس کے نبی کا معجزہ اور اُس کے اتباع کا ثمرہ ہوتا ہے اس لئے حضرت سلیمان پر بھی اُس کی شکر گزاری عائد ہوئی۔ (تنبیہ) معلوم ہوا کہ اعجاز و کرامت فی الحقیقت خداوند قدیر کا فعل ہے جو ولی یا نبی کے ہاتھ پر خلافِ معمول ظاہر کیا جاتا ہے پس جس کی قدرت سے سورج یا زمین کا کرہ ایک لمحہ میں ہزاروں میل کی مسافت طے کر لیتا ہے اسے کیا مشکل ہے کہ تخت بلقیس کو پلک جھپکنے میں مآرب سے شام پہنچا دے حالانکہ تخت بلقیس کو سورج اور زمین سے ذرہ اور پہاڑ کی نسبت ہے۔

لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ

میرے جانچنے کو کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری

حضرت سلیمان ہر ہر قدم پر حق تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچانتے اور ہمہ وقت شکر گزاری کے لئے تیار رہتے تھے گویا یہ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا کے حکم کی تعمیل تھی۔ (تفسیر عثمانی)

لِيَبْلُوَنِيْ یعنی اس کا یہ فضل مجھ پر میری جانچ کرنے کے ہے ءَاَشْكُرُ کہ کیا میں اس کی نعمت کا شکر کرتا ہوں اور محض اس کی مہربانی سمجھتا ہوں اپنی طاقت اور قوت کا نتیجہ نہیں قرار دیتا اور پھر اس عطیۂ خداوندی کا حق ادا کرتا ہوں۔ اَمْ اَكْفُرُ یا ناشکری کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو اس کا مستحق قرار دیتا ہوں یا اس کا حق ادا کرنے میں قصور کرتا ہوں۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ

اور جو کوئی شکر کرے، سو شکر کرے اپنے واسطے اور جو کوئی ناشکری کرے سو

رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ (۴۰)

میرا رب بے پروا ہے کرم والا

شکر گزاری کا نفع:

یعنی شکر گزاری کا نفع شاکر ہی کو پہنچتا ہے کہ دنیا و آخرت میں مزید انعامات مبذول ہوتے ہیں ناشکری کرے گا تو خدا کا کیا نقصان وہ ہمارے شکریوں سے قطعاً بے نیاز اور بذاتِ خود کامل الصفات اور منبع الکمالات ہے۔ ہمارے کفرانِ نعمت سے اس کی کسی صفت کمالیہ میں کمی نہیں آ جاتی۔ یہ بھی اُس کا کرم ہے کہ ناشکروں کو فوراً سزا نہیں دیتا۔ ایسے کریم کی ناشکری کرنے والا پرلے درجہ کا بیحیا اور احمق ہے۔ (تفسیر عثمانی)

الشکر قید النعمۃ الموجودۃ وصید النعمۃ المفقودۃ شکر موجود نعمت کو روک رکھتا ہے اور غیر موجود نعمت کا شکار کرتا ہے (یعنی زیادت نعمت کا ذریعہ ہے) شکر کرنے سے صاحب نعمت کی ذمہ داری پوری ہو جاتی ہے وہ حق واجب کر دیتا ہے اور اس کا درجہ عنداللہ اونچا ہو جاتا ہے اور آخرت میں ثواب کا استحقاق پیدا ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کھانے والا شکر ادا کرنے والا (یعنی کھا کر شکر ادا کرنے والا) صابر روزہ دار کی مثل ہے رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ والحاکم بسند صحیح عن ابی ہریرۃؓ

امام احمد اور ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت سنان بن سنہ کی روایت سے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے کھانے والے (پھر اس کا) شکر کرنے والے کے لئے اتنا ہی اجر ہے جیسے صابر روزہ دار کا۔

غنی یعنی اس کے شکر سے بے پرواہ ہے کریم یعنی شاکر اور کافر سب کو دیتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ
کہا روپ بدل دکھلاؤ اس عورت کے آگے اسکے تخت کا ہم دیکھیں سمجھ پاتی ہے یا ان لوگوں
مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ ﴿٤١﴾
میں ہوتی ہے جن کو سمجھ نہیں

تخت کے رنگ وروپ میں تبدیلی:

یعنی تخت کا رنگ روپ تبدیل کردو۔ اور اس کی وضع وہیئت بدل ڈالو، جسے دیکھ کر بلقیس بآسانی نہ سمجھ سکے۔ اس سے بلقیس کی عقل وفہم کو آزمانا تھا کہ ہدایت پانے کی استعداد اس میں کہاں تک موجود ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سلیمانؑ نے (بلقیس کی سمجھ کو جانچنے کے لئے) حکم دیا اس کے لئے اس کے تخت کی صورت بدل دو ہم دیکھیں کہ اس کو صحیح پتہ لگتا ہے یا اس کا شمار انہی لوگوں میں ہے جو (ایسی باتوں کا) پتہ نہیں لگا سکتے۔ نکروا یعنی تخت کو ایسا کر دو کہ وہ پہچان نہ سکے۔ (اس کو اپنا نہیں کوئی غیر تخت محسوس ہو۔ مترجم) روایت میں آیا ہے کہ حسب الحکم تخت کے نچلے حصہ کو بالائی اور بالائی حصہ کو نچلا کر دیا گیا۔ اور سرخ جواہر کی جگہ سبز جواہر جڑ دیئے گئے اور سبز کی جگہ سرخ۔

اتھتدی کیا وہ اپنے تخت کو شناخت کرنے کی راہ پالے گی (کسی طریقہ سے شناخت کر سکے گی)

تخت کے ذریعہ بلقیس کے امتحان کی حکمت:

سلیمانؑ نے ایسا کیوں کیا اس کے متعلق وہب بن منبہ اور کعبؓ وغیرہ کا بیان ہے کہ شیاطین کو یہ اندیشہ تھا کہ سلیمانؑ بلقیس سے عقد نہ کرلیں اگر ایسا کرلیا تو جنات کے سارے راز وہ سلیمانؑ سے کہہ دے گی کیونکہ اس کی ماں پری تھی وہ جنات کی خفیہ باتوں سے واقف تھی پھر اگر کوئی اولاد ہوگئی تو سلیمانؑ کے بعد اس کے زیر حکم رہنا پڑے گا اور یہ نسل سلیمانی کی غلامی کبھی دور نہ ہوگی اس لئے حضرت سلیمانؑ کو نفرت دلانے کے لئے شیاطین نے حضرت سلیمانؑ سے بلقیس کی مذمت کی اور کہا اس کی عقل میں کچھ کمزوری ہے اس کے دونوں قدم گدھے کے سم کی طرح ہیں اس کی پنڈلیوں پر بال ہیں اسی اطلاع کی بنیاد پر حضرت سلیمان نے تخت کی صورت بدل ڈالنے کا حکم دیا تاکہ بلقیس کی عقل کی جانچ ہو جائے اور پنڈلیاں دیکھنے کے لئے ایک شیشہ گھر بنانے کا حکم دیا۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَٰكَذَا عَرْشُكِ ۖ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ
پھر جب وہ آپہنچی کسی نے کہا کیا ایسا ہی ہے تیرا تخت بولی گویا یہ وہی ہے

بلقیس کی دانائی:

نہ کہا ہاں وہ ہی ہے اور نہ بالکل نفی کی، جو حقیقت تھی ٹھیک ٹھیک ظاہر کر دی کہ تخت وہ ہی ہے مگر کچھ اوصاف میں فرق آگیا۔ اور فرق چونکہ معتد بہ نہیں اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ گویا وہ ہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

پھر جب وہ آگئی تو اس سے کہا گیا آپ کا تخت بھی ایسا ہی ہے ملکہ نے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے بعینہ یہ وہی ہے اہکذا عرشک۔ یہ اشتباہی لفظ بلقیس کی عقل کی آزمائش کے لئے کیا گیا مقاتل کا بیان ہے کہ بلقیس نے اپنا تخت پہچان تو لیا تھا لیکن اشتباہی الفاظ میں اس نے جواب اس لئے دیا کہ اس سے مشتبہ الفاظ میں ہی سوال کیا گیا تھا بعض نے کہا واقعی وہ پوری یقینی شناخت نہیں کر پائی تھی اس لئے نہ کھل کر اقرار کیا نہ انکار حضرت سلیمانؑ اس طرز کلام سے اس کی دانشمندی کو پہچان گئے۔ پھر اس سے کہا گیا واقعی یہ تخت آپ ہی کا ہے لیکن آپ نے دیکھا کہ سات دروازوں میں مقفل ہونے اور چوکیداروں کی حفاظت کرنے سے یہ محفوظ نہ رہ سکا۔ اس پر بلقیس نے جواب دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ﴿٤٢﴾
اور ہم کو معلوم ہو چکا پہلے سے، اور ہم ہو چکے حکم بردار

بلقیس کے یقین کا اظہار:

یعنی اس معجزہ کی حاجت نہ تھی ہم کو پہلے ہی یقین ہو چکا تھا کہ سلیمان محض بادشاہ نہیں۔ اللہ کے مقرب بندہ ہیں اور اسی لئے ہم نے فرمانبرداری اور تسلیم وانقیاد کا رستہ اختیار کرلیا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی دوسری نشانیوں سے ہم نے آپ کی نبوت کو جان لیا تھا ہدہد کا خط ڈالنا اور ہمارے تحفوں کو واپس کر دینا اور قاصدوں کے ذریعہ سے پیام بھیجنا بعض علماء نے کہا کہ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ حضرت سلیمانؑ اور آپ کے ساتھیوں کا کلام ہے یعنی ہم تو اللہ کی قدرت اور ہر حکم خدا کی صحت کو اس واقعہ سے پہلے ہی جانتے ہیں اور ہم اس کے بھیجے ہوئے دین پر قائم ہیں اور برابر اس کے اطاعت گزار اور فرمانبردار ہیں۔ اس وقت اس کلام کی غرض ہوگی محض اللہ کی نعمتوں کا ذکر اور ان کے شکر کا اظہار بعض اہل علم نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہم کو بلقیس کے ایمان لانے اور آنے سے پہلے اطاعت گزار

ہو جانے کا علم ہو چکا تھا اور ہم اللہ کے فرماں بردار ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور روک دیا اس کو ان چیزوں سے جو پوجتی تھی اللہ کے سوائے

اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾

البتہ وہ تھی منکر لوگوں میں

حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کو شرک سے منع کیا:

یعنی حق تعالیٰ نے یا سلیمان علیہ السلام نے حق تعالیٰ کے حکم سے ملکہ بلقیس کو آفتاب وغیرہ کی پرستش سے روک دیا جس میں وہ بمعیت اپنی قوم کے مبتلا تھی۔ یا یہ مطلب ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے تک جو علانیہ اسلام کا اظہار نہیں کیا اس کا سبب یہ ہے کہ جھوٹے معبودوں کے خیال اور قوم کفار کی تقلید وصحبت نے اس کو ایسا کرنے سے روک رکھا تھا۔ نبی کی صحبت میں پہنچ کر وہ روک جاتی رہی، ورنہ سلیمان علیہ السلام کی صداقت کا اجمالی علم اس کو پہلے ہی ہو چکا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

بعض نے کہا شیشہ کا صحن خانہ تیار کرنے کا حکم دیا جس کے نیچے پانی ہی پانی رکھا اور پانی میں مینڈکیاں اور طرح طرح کی مچھلیاں چھوڑ دیں پھر اس صحن کے شہ نشین میں اپنا تخت بچھوا دیا اور اس پر رونق افروز ہو گئے پرندے جنات اور انسان آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے بعض کا خیال ہے شیشہ کا ایک صحن تیار کرایا تھا جس کے نیچے مچھلیوں اور مینڈکیوں کی مورتیں رکھی تھیں دیکھنے والا اس کو پانی ہی سمجھتا تھا۔ غرض اس کے بعد بلقیس کو بلوایا۔ (تفسیر مظہری)

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ

کسی نے کہا اس عورت کو اندر چل محل میں پھر جب دیکھا اس کو خیال کیا

لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا

کہ وہ پانی ہے گہرا اور کھولیں اپنی پنڈلیاں

بلقیس حضرت سلیمانؑ کے دربار کو سمجھ نہ سکی:

یعنی پانی میں گھسنے کے لئے پائنچے چڑھا لئے جیسے عام قاعدہ ہے کہ پانی کی گہرائی پوری طرح پر معلوم نہ ہو تو گھسنے والا شروع میں پائنچے چڑھا لیتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا اور اپنی پنڈلیوں سے کپڑا ہٹایا تاکہ میں داخل ہو جاؤں۔ ابن ابی شیبہ ابن المنذر عبد بن حمید اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کے نقل کردہ ایک طویل بیان میں کہا ہے کہ بلقیس کے آنے سے پہلے حضرت سلیمان نے ایک قصر بنوایا جس کا صحن سفید آبگینہ کا رکھا اور اس کے نیچے پانی چھوڑ دیا پانی کے نیچے آبی جانور بھی چھوڑ دیئے اور اپنے تخت کو اس صحن کے شہ نشین پر بچھوایا اور تخت پر تشریف فرما ہو گئے جب بلقیس آئی اور اس نے صحن کو دیکھا تو رکا ہوا پانی خیال کیا اور پنڈلیوں سے کپڑا اٹھا دیا تاکہ پانی میں گھس کر سلیمان کے پاس پہنچ جائے سلیمانؑ نے اس کی طرف دیکھا تو پنڈلیاں اور قدم بہت ہی خوبصورت دکھائی دیئے البتہ پنڈلیوں پر بال تھے سلیمانؑ نے دیکھ کر نظر پھیر لی۔

نکاح سے پہلے عورت کو دیکھنا:

علماء نے اسی جگہ سے یہ مطلب اخذ کیا ہے کہ اگر اجنبی عورت کو نکاح کا پیام دینا ہو تو اس کو دیکھ لینا جائز ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا تم میں سے جب کوئی کسی عورت کو نکاح کا پیام دے اور وہ حصہ بدن (چہرہ وغیرہ) دیکھنا ممکن ہو جس کو دیکھ کر نکاح کر سکے تو ایسا کر لے۔ رواہ ابوداؤد عن جابر وروی احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی عن مغیرۃ بن شعبۃ۔ حضرت مغیرہ کا بیان ہے میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیام بھجوایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کیا تم نے اس کو دیکھ لیا ہے میں نے کہا نہیں فرمایا تو اس کو دیکھ لو تم دونوں کے آپس میں محبت پیدا کرنے کے لئے یہ بات مناسب ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ

کہا یہ تو ایک محل ہے جڑے ہوئے ہیں اس میں شیشے

حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کو حقیقت بتلائی:

حضرت سلیمان علیہ السلام دیوانخانہ میں بیٹھے تھے۔ اس میں پتھروں کی جگہ شیشے کا فرش تھا۔ صاف شیشہ دور سے نظر آتا کہ پانی لہرا رہا ہے۔ اور ممکن ہے شیشہ کے نیچے واقعی پانی ہو یعنی حوض کو شیشہ سے پاٹ دیا ہو۔ اس نے پانی میں گھسنے کے لئے پنڈلیاں کھولیں۔ سلیمان نے پکارا کہ یہ شیشے کا فرش ہے پانی نہیں، اس کو اپنی عقل کا قصور اور ان کی عقل کا کمال معلوم ہوا۔ سمجھی کہ دین میں بھی جو یہ سمجھے ہیں وہ ہی صحیح ہوگا۔ اور یہ بھی پتہ لگ گیا کہ جس ساز وسامان پر اس کی قوم کو ناز تھا، یہاں اس سے بڑھ کر سامان موجود ہے۔ گویا سلیمان علیہ السلام نے اس کو متنبہ فرما دیا کہ آفتاب وستاروں کی چمک پر مفتون ہو کر انہیں خدا سمجھ لینا ایسا ہی دھوکہ ہے جیسے آدمی شیشہ کی چمک دیکھ کر پانی گمان کر لے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ

بولی اے رب میں نے برا کیا ہے اپنی جان کا اور میں حکم بردار ہوئی

مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾

ساتھ سلیمان کے اللہ کے آگے [illegible] جہان کا

بلقیس کے اسلام کا اعلان:

یعنی اے پروردگار! میں تیری حکمبر دار ہو کر سلیمان کا راستہ اختیار کرتی ہوں۔ اب تک میں نے اپنی جان پر بڑا ظلم کیا کہ شرک و کفر میں مبتلا رہی، اب اُس سے تائب ہو کر تیری بارگاہ ربوبیت کی طرف رجوع کرتی ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت سلیمانؑ کا بلقیس سے نکاح:

ابن عساکر نے حضرت عکرمہؓ سے روایت کیا ہے کہ اس کے بعد بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے نکاح میں آ گئی اور اس کو اس کے ملک پر برقرار رکھ کر یمن واپس بھیج دیا۔ ہر مہینے حضرت سلیمان علیہ السلام وہاں تشریف لے جاتے اور تین روز قیام فرماتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے لئے یمن میں تین عمدہ محلات ایسے تیار کرا دیئے تھے جس کی مثال و نظیر نہیں تھی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

علماء تفسیر و سیر میں یہ مشہور ہے کہ ملکہ سبا کے اسلام لانے کے بعد سلیمان علیہ السلام نے اس سے نکاح فرمالیا۔ ملکہ سبا غیر شادی شدہ تھی۔ والمشهور انه علیه السلام تزوجها و الیه ذهب جماعة من اهل الاخبار تفسیر روح المعانی ص۱۸۹ ج۱۹۔ (معارف کاندھلوی)

حضرت سلیمانؑ نے جب بلقیس سے نکاح کر لیا تو آپ کو بلقیس سے بڑی محبت ہو گئی اور یمن کی سلطنت پر اس کو برقرار رکھا۔ اور حضرت سلیمان کے حکم سے جنات نے یمن میں تین قلعے اتنے اونچے بنائے کہ ایسے اونچے اور خوبصورت قلعے کسی نے نہ دیکھے ہوں گے ان کے نام تھے سلحون سنون اور عمدان جب حضرت سلیمان نے بلقیس کو ان کے ملک میں واپس کر دیا تو ہر مہینے ملاقات کے لئے ایک بار جایا کرتے تھے اور تین روز وہاں قیام پذیر رہتے تھے صبح کو شام سے یمن کو چل دیتے تھے اور پھر صبح کو ہی یمن سے شام کو روانہ ہو جاتے تھے بلقیس کے بطن سے حضرت سلیمان کا ایک لڑکا بھی ہوا۔

کہا گیا ہے کہ ۱۳ سال کی عمر میں حضرت سلیمان کو حکومت ملی تھی اور ۵۳ سال کی عمر پا کر آپ کی وفات ہوئی "سبحان الله من لا زوال لملكه" پاک ہے وہ خدا جس کی حکومت کو کبھی زوال نہیں۔

لا ملک سلیمان ولا بلقیس　　لا آدم فی الکون ولا ابلیس

والکل فصورة وانت المعنی　　یا من هو للقلوب مقناطیس

نہ سلیمان کی حکومت (کوئی حقیقت رکھتی) ہے نہ بلقیس نہ آدم اس کائنات میں وجود (حقیقی) رکھتے ہیں نہ ابلیس اے وہ ذات جو دلوں کو اپنی طرف کھینچنے والی مقناطیس ہے تو ہی حقیقت ہے اور کل جہان صورت۔ (تفسیر مظہری)

بلقیس کی ایک بدگمانی:

آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب بلقیس صحن پر پہنچی اور اس کو کنڈ سمجھی تو خیال کیا کہ سلیمان مجھے غرق کرنا چاہتے ہیں اس سے تو قتل ہونا آسان ہے پھر جب حقیقت ظاہر ہو گئی تو کہنے لگی میں نے سلیمان پر بدگمانی کر کے اپنے اوپر ظلم کیا اب میں نے توبہ کی اور اسلام لے آئی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

اور ہم نے بھیجا تھا ثمود کی طرف اُن کے بھائی صالح کو کہ بندگی کرو اللہ کی

فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ (۴۵)

پھر وہ تو دو فرقے ہو کر لگے جھگڑنے

قوم ثمود میں گروہ بندی:

یعنی ایک ایمان والے اور ایک منکر، جیسے مکہ کے لوگ پیغمبر کے آنے سے جھگڑنے لگے۔ قوم ثمود کے جھگڑنے کی قدرے تفصیل سورۂ اعراف کی ان آیات میں گزر چکی۔ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ الخ (اعراف۔ رکوع ۱۰) (تفسیر عثمانی)

قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ

کہا اے میری قوم کیوں جلدی مانگتے ہو برائی کو پہلے بھلائی سے

لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (۴۶)

کیوں نہیں گناہ بخشواتے اللہ سے شاید تم پر رحم ہو جائے

حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم:

حضرت صالح علیہ السلام نے اُن کو بہت سمجھایا ہر طرح فہمائش کی اور آخرت میں عذاب کی دھمکی دی۔ جس پر وہ کہنے لگے يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (اعراف۔ رکوع ۱۰) یعنی سچا ہے تو عذاب الٰہی ہم پر لے آ، دیر کس بات کی ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ کم بختو! ایمان و توبہ اور بھلائی کی راہ تو اختیار نہیں کرتے جو دنیا و آخرت میں کام آئے۔ اُلٹے بُرائی طلب کرنے میں جلدی مچا رہے ہو۔ بُرا وقت آ پڑے گا تو ساری طمطراق ختم ہو جائیگی۔ ابھی موقع ہے کہ گناہوں سے توبہ کر کے محفوظ ہو جاؤ۔ کیوں توبہ و استغفار نہیں کرتے حق تعالیٰ عذاب کی جگہ اپنی رحمتیں تم پر نازل فرمائے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ

بولے ہم نے منحوس قدم دیکھا تجھ کو اور تیرے ساتھ والوں کو

قوم کا حضرت صالح علیہ السلام پر الزام:

یعنی جب سے تیرا منحوس قدم آیا ہے اور یہ باتیں شروع کی ہیں ہم پر قحط وغیرہ کی سختیاں پڑتی جاتی ہیں اور گھر گھر میں لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ

کہا تمہاری بری قسمت اللہ کے پاس ہے

یعنی یہ سختیاں یا برائیاں میری وجہ سے نہیں۔ تمہاری بدقسمتی سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری شرارتوں اور بداعمالیوں کے سبب سے مقدر کی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾

کچھ نہیں تم لوگ جانچے جاتے ہو

یعنی کفر کی شامت سے تم پر سختی پڑی ہے کہ دیکھیں سمجھتے ہو یا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ

اور تھے اس شہر میں نو شخص کہ خرابی کرتے

فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾

ملک میں اور اصلاح نہ کرتے

قوم ثمود کے نو سردار:

یہ نو شخص شاید نو جماعتوں کے سردار ہوں گے جن کا کام ملک میں فساد پھیلانے اور خرابی ڈالنے کے سوا کچھ نہ تھا۔ اصلاح و درستی کی طرف ان کا قدم کبھی نہ اٹھتا تھا مکہ میں بھی کافروں کے نو سردار تھے جو ہمہ وقت اسلام کی بیخ کنی اور پیغمبر کی دشمنی میں ساعی رہتے تھے بعض مفسرین نے ان کے نام لکھے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تسعۃ رھط لفظ رھط جماعت کے معنے میں آتا ہے۔ یہاں نو اشخاص میں سے ہر شخص کو رھط کے لفظ سے شاید اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ لوگ اپنے مال و دولت اور جاہ و حشم کے سبب قوم کے بڑے مانے جاتے تھے اور ہر ایک کے ساتھ الگ الگ جماعتیں تھیں، اس لئے ان نو آدمیوں کو نو جماعتیں فرمایا۔ یہ لوگ قوم صالح علیہ السلام کی بستی یعنی حجر کے بڑے مانے جاتے تھے۔ حجر ملک شام میں معروف مقام ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ

بولے کہ آپس میں قسم کھاؤ اللہ کی کہ البتہ رات کو جا پڑیں ہم اس پر اور اس کے گھر پر پھر کہہ دیں گے

لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

اس کے دعویٰ کرنے والے کو ہم نے نہیں دیکھا جب تباہ ہوا اس کا گھر اور ہم بیشک سچ کہتے ہیں

حضرت صالح علیہ السلام پر حملہ کا پروگرام:

یعنی آپس میں معاہدے اور حلف ہوئے کہ سب مل کر رات کو حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پر ٹوٹ پڑو اور کسی کو زندہ نہ چھوڑو۔ پھر جب کوئی ان کے خون کا دعویٰ کرنے والا کھڑا ہو تو کہہ دینا ہمیں خبر نہیں۔ ہم سچ کہتے ہیں کہ اس گھر کی تباہی ہماری آنکھوں نے نہیں دیکھی۔ گویا ہم خود تو ایسی حرکت کیا کرتے اس وقت موقع پر موجود بھی نہ تھے۔ اس طرح کی متفقہ سازش اور دروغ گوئی سے ہم میں ایک بھی ملزم نہ ٹھہر سکے گا جس سے ان کے حمایتی خون بہا وصول کریں۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ تھا کہ ہم سب مل کر رات کے اندھیرے میں ان پر اور ان کے متعلقین پر چھاپہ ماریں، سب کو ہلاک کر دیں، پھر ان کے خون کا دعویدار وارث تحقیق تفتیش کے لئے کھڑا ہو گا تو ہم یہ کہہ دیں گے کہ ہم نے تو فلاں آدمی کو نہ مارا، نہ مارتے کسی کو دیکھا، اور ہم اپنے اس قول میں اس لئے سچے ہوں گے کہ رات کے اندھیرے میں یہ تعیین کہ کس نے کس کو مارا ہمیں معلوم نہیں ہوگی۔

جھوٹ کی برائی:

اس میں ایک بات یہ قابل نظر ہے کہ یہ کفار اور ان میں سے بھی چیدہ بد معاش جو فساد میں معروف تھے یہ سارے کام شرک کفر اور قتل و غارت گری کے کر رہے ہیں اور کوئی فکر نہیں مگر ان کو بھی یہ فکر لاحق ہوئی کہ ہم جھوٹ نہ بولیں یا جھوٹے قرار نہ دیئے جائیں۔ اس سے اندازہ لگایئے کہ جھوٹ کیسا بڑا گناہ ہے کہ سارے بڑے بڑے جرائم کے مرتکب بھی اپنی شرافت نفس اور عزت کی حفاظت کے لئے جھوٹ بولنے پر اقدام نہ کرتے تھے۔ دوسری بات اس آیت میں یہ قابل غور ہے کہ جس شخص کو ان لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام کا ولی قرار دیا ہے وہ تو انہی اہل صالح میں شامل تھا اس کو قتل کے ارادہ سے کیوں چھوڑ دیا۔ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے وہ ولی خاندانی اعتبار سے ولی ہو مگر کافر ہو کافروں کے ساتھ ملا ہوا ہو صالح علیہ السلام اور ان کے متعلقین کے قتل کے بعد وہ ان کے خون کا دعویٰ اپنے نسبی تعلق کی بناء پر کرے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مسلمان ہی ہو مگر کوئی بڑا آدمی ہو جس کے قتل کرنے سے اپنی قوم میں اختلاف و انتشار کا خطرہ ہو اس لئے اس کو چھوڑ دیا، واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور انہوں نے بنایا ایک فریب اور ہم نے بنایا ایک فریب اور ان کو خبر نہ ہوئی ☆

ان کا مکر تو وہ جھوٹی سازش تھی اور خدا کا مکر تھا ان کو ڈھیل دینا کہ خوب دل کھول کر اپنی شرارتوں کی تکمیل کر لیں۔ تا مستحق عذاب عظیم ہونے میں کوئی حجت وعذر باقی نہ رہے وہ سمجھ رہے تھے کہ ہم حضرت صالح کا قصہ ختم کر رہے

ہیں یہ خبر نہ تھی کہ اندر اندر ان ہی کی جڑ کٹ رہی ہے اور ان ہی کا قصہ ختم ہو رہا ہے حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ان کی ہلاکت کے اسباب پورے ہونے تھے شرارت جب تک حد کو نہ پہنچے ہلاکت نہیں آتی۔ (تفسیر عثمانی)

ان کا فساد اور ہلاکت:

یہی وہ لوگ تھے جو درہم کے سکے کو تھوڑا سا کتر لیتے تھے اور اسے چلاتے تھے۔ سکے کو کاٹنا بھی ایک طرح کا فساد ہے چنانچہ ابوداؤد وغیرہ میں حدیث ہے جس میں بلاضرورت سکے کو جو مسلمانوں میں رائج ہو کاٹنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے الغرض ان کا یہ فساد بھی تھا اور دیگر فساد بھی بہت سارے تھے اس ناپاک گروہ نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ آج رات کو صالح علیہ السلام کو اور اس کے گھرانے کو قتل کر ڈالو اس پر سب نے حلف اُٹھائے اور مضبوط عہد و پیمان کئے۔ لیکن یہ لوگ حضرت صالح تک پہنچیں اس سے پہلے عذاب خدا تعالیٰ ان تک پہنچ گیا اور ان کا ستیاناس کر دیا۔ اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آئی اور ان سب سرداروں کے سر پھوٹ گئے سارے ہی ایک ساتھ مر گئے۔ ان کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے خصوصاً جب انہوں نے حضرت صالح والی اونٹنی کو قتل کیا، اور دیکھا کہ کوئی عذاب نہیں آیا تو اب نبی اللہ کے قتل پر آمادہ ہوئے۔ مشورے کیے کہ چپ چاپ اچانک اسے اور اس کے بال بچوں کو ہلاک کر دو اور اس کے ولی وارثوں اور قوم سے کہہ دو کہ ہمیں کیا خبر! اگر صالح نبی ہے تو وہ ہمارے ہاتھ لگنے کا نہیں ورنہ اسے بھی اس کی اونٹنی کے ساتھ سلا دو۔ اس ارادے سے چلے راہ میں ہی تھے جو فرشتے نے پتھر سے ان سب کے دماغ پاش پاش کر دیئے۔ ان کے مشوروں میں اور جو جماعت شریک تھی انہوں نے جب دیکھا کہ انہیں گئے ہوئے عرصہ ہوا اور واپس نہیں لوٹے تو یہ خبر لینے چلے۔ دیکھا کہ سب کے سر پھٹے ہوئے ہیں بھیجے نکلے پڑے ہیں اور سب مردہ ہیں۔ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام پر ان کے قتل کی تہمت رکھی اور انہیں مار ڈالنے کے لئے چڑھے لیکن ان کی قوم ہتھیار لگا کر آ گئی اور کہنے لگی دیکھو اس نے تم سے کہا ہے کہ تین دن میں عذاب خدا تعالیٰ تم پر آئے گا تم یہ تین دن گزر جانے دو اگر یہ سچا ہے تو اس کے قتل سے خدا تعالیٰ کو اور ناراض کرو گے اور زیادہ سخت عذاب آئیں گے اور اگر یہ جھوٹا ہے تو پھر تمہارے ہاتھ سے بچ کر کہاں جائے گا چنانچہ وہ لوگ چلے گئے۔ فی الواقع ان سے حضرت صالحؑ نے صاف فرما دیا تھا کہ تم نے خدا تعالیٰ کی اونٹنی کو قتل کیا ہے تو تم تین دن تک تو مزے اُڑا لو پھر خدا تعالیٰ کا سچا وعدہ ہو کر رہے گا۔ یہ لوگ حضرت صالحؑ کی زبانی یہ سن کر کہنے لگے یہ تو اتنی مدت کہہ رہا ہے آؤ ہم آج ہی اس سے فارغ ہو جائیں جس پتھر سے اونٹنی نکلی تھی اسی پہاڑی پر حضرت صالح علیہ السلام کی ایک مسجد تھی جہاں آپ نماز پڑھا کرتے تھے انہوں نے مشورہ کیا کہ جب وہ نماز کو آئے اسی وقت راہ میں ہی اس کا کام تمام کر دو۔ جب پہاڑی پر چڑھنے لگے تو دیکھا کہ اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آ رہی ہے اس سے بچنے کے لئے ایک غار میں گھس گئے چٹان آ کر غار کے منہ پر اس طرح ٹھہر گئی کہ منہ بالکل بند ہو گیا سب کے سب ہلاک ہو گئے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلا کہ کہاں گئے؟ انہیں یہاں یہ عذاب آیا وہاں باقی والے وہیں ہلاک کر دیئے گئے۔ نہ ان کی خبر انہیں ہوئی اور نہ ان کی انہیں۔ حضرت صالحؑ اور باایمان لوگوں میں سے کسی کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے اور اپنی جانیں خدا تعالیٰ کے عذابوں میں کھو دیں۔ انہوں نے مکر کیا ہم نے ان کی چال بازی کا مزہ انہیں چکھا دیا اور انہیں اس سے ذرا پہلے بھی مطلق علم نہ ہو سکا انجام کار ان کی فریب بازیوں کا یہ ہوا کہ سب کے سب تباہ و برباد ہوئے یہ ہیں ان کی بستیاں جو اوجڑ پڑی ہیں ان کے ظلم کی وجہ سے یہ ہلاک ہو گئے ان کے بارونق شہر تباہ کر دیئے گئے۔ ذی علم لوگ ان نشانوں سے عبرت حاصل کر سکتے ہیں ہم نے ایماندار متقیوں کو بال بال بچا لیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

مَکَرُوْا مَکْرًا یعنی انہوں نے غداری کی کہ شب خوں مار کر صالحؑ کو قتل کر ڈالنے کا باہم مشورہ طے کر لیا۔ وَمَکَرْنَا مَکْرًا یعنی ہم نے بھی ان کو ہلاک کرنے کا سبب اسی بات کو بنا دیا۔ کَیْفَ کَانَ میں استفہام تعجبی ہے تعجب کے ساتھ ان کے انجام پر نظر کرو اَنَّا دَمَّرْنٰھُمْ کہ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا ان نو آدمیوں کو ہلاک کس طرح کیا گیا اس کے متعلق روایات میں اختلاف ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے فرشتوں کو صالح علیہ السلام کے مکان کی حفاظت کے لئے بھیج دیا جب ان نو آدمیوں نے تلواریں سونت کر صالحؑ کے گھر پر چڑھائی کی تو فرشتوں نے ان پر پتھر برسائے پتھر تو ان کو دکھتے تھے اور پتھر مارنے والا کوئی نظر نہ آتا تھا آخر سب وہیں ڈھیر ہو گئے۔ (تفسیر مظہری)

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ

پھر دیکھ لے کیسا ہوا انجام اُن کے فریب کا کہ ہلاک کر ڈالا ہم نے اُن کو

وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۵﴾

اور اُن کی قوم کو سب کو

آخر کار اللہ کی تدبیر کامیاب ہوئی:

اُن نو اشخاص نے اول اتفاق کر کے اونٹنی کو ہلاک کیا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ اب تین دن سے زیادہ مہلت نہیں عذاب" کر رہے گا تب آپس میں ٹھہرایا کہ ہم تو خیر تین دن کے بعد ہلاک کئے جائیں گے ان کا تین دن سے پہلے ہی کام تمام کر دو۔ چنانچہ شب کے وقت حضرت صالح کے گھر پر چھاپہ مارنے اور اُن کو مع اہل و عیال کے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ نو آدمی اس

ناپاک مقصد کے لئے تیار ہو کر نکلے باقی کفار اُن کے تابع یا معین تھے۔ حق تعالیٰ نے حضرت صالح کی حفاظت فرمائی۔ فرشتوں کا پہرہ لگا دیا۔ آخر وہ عذاب سماوی سے تباہ ہوئے اور اپنے ساتھ قوم کو بھی تباہ کرایا۔ (تفسیر عثمانی)

فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا

سو یہ پڑے ہیں اُن کے گھر ڈھیے ہوئے بسبب اُن کے انکار کے

قوم ثمود کی بستیوں کے کھنڈر:

مکہ والے شام کا سفر کرتے تو راستہ پر وادی القریٰ میں ثمود کی بستیوں کے کھنڈر دیکھتے تھے فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً الخ میں ان ہی کی طرف اشارہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (۵۲)

البتہ اس میں نشانی ہے اُن لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں

یعنی جاننے والوں کو چاہیے کہ ان واقعات ہائلہ سے عبرت حاصل کریں۔ (تفسیر عثمانی)

وَأَنجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ (۵۳)

اور بچا دیا ہم نے اُن کو جو یقین لائے تھے اور بچتے رہے تھے

ایمان والے کامیاب ہوئے:

یعنی حضرت صالح علیہ السلام کے رفقاء جو ایمان لائے اور کفر وعصیان سے بچتے تھے ہم نے اُن کو عذاب کی لپیٹ سے بچا دیا۔ خدا کی قدرت دیکھو! مومن وکافر رلے ملے ایک بستی میں رہیں مگر عذاب آتا ہے تو چُن چُن کر کافروں کو ہلاک کرتا ہے مومن کو نہیں چھوتا۔

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ (۵۴)

اور لوط کو جب کہا اُس نے اپنی قوم کو کیا تم کرتے ہو بے حیائی اور تم دیکھتے ہو

حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت:

یعنی دیکھتے ہو کیسا بُرا اور گندہ کام ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ کہ دیدہ دانستہ تم انتہائی بے حیائی کا کام کرتے ہو یا یہ مطلب ہے کہ بے حیائی کا کام تم ایک دوسرے کی نظروں کے سامنے (بلا جھجک) کرتے ہو ان لوگوں کا یہ طریقہ تھا کہ لوگوں کی موجودگی میں سب کے سامنے ایسے بُرے کام کرتے تھے۔

یا مطلب ہے کہ گزشتہ نافرمان قوموں کے نشانات وآثار تباہی تمہاری نظروں کے سامنے ہیں پھر بھی یہ حرکت کرتے ہو۔ (تفسیر مظہری)

أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّن دُونِ النِّسَاءِ

کیا تم دوڑتے ہو مردوں پر للچا کر عورتوں کو چھوڑ کر

بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ (۵۵)

کوئی نہیں تم لوگ بے سمجھ ہو

یعنی تم سمجھتے نہیں کہ اس بے حیائی کا انجام کیا ہونے والا ہے پرلے درجہ کے جاہل اور احمق ہو۔ (تفسیر عثمانی)

کیا تم شہوت کے ساتھ مردوں پر چڑھتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر (اس کی وجہ کوئی نہیں) بلکہ (اس معاملہ میں تم بالکل جاہل لوگ ہو) محض جہالت کرتے ہو۔

یہ قوم لوط کی بدکاری کا بیان ہے کہ شہوت رانی کے لئے مردوں پر آتے ہیں عورتوں کو چھوڑ کر حالانکہ عورتیں اس کام کے لئے پیدا کی گئی ہیں آیت میں اس امر پر تنبیہ بھی ہے کہ جماع کا اصل مقصد ہے طلب نسل محض تقاضاء شہوت پورا کرنا مقصود نہیں ہے (کہ جہاں چاہا بے محل اس عمل کو کر لیا)

بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ یعنی یہ حرکت اس شخص کی طرح کرتے ہو جو اس کی برائی سے ناواقف ہو یا سبک سر بے وقوف ہو جو اچھے برے کا امتیاز نہ رکھتا ہو۔ یا تم اس کے انجام سے ناواقف لوگ ہو۔

یہ آیات دلالت کر رہی ہیں کہ اشیاء کا حسن قبح (محض شرعی نہیں ہے بلکہ) واقعی اور نفس الامری چیز ہے اگرچہ بعض چیزوں کے اچھے بُرے ہونے کا علم شریعت پر موقوف ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ

پھر اور کچھ جواب نہ تھا اُن کی قوم کا مگر یہی کہ کہتے تھے نکال دو لوط کے گھر کو

مِّن قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ (۵۶)

اپنے شہر سے یہ لوگ ہیں ستھرے رہا چاہتے

قوم والوں کا جواب: یعنی اپنے کو بڑا پاک وصاف بنانا چاہتے ہیں۔ پھر ہم ناپاکوں میں اُن کا کیا کام ہے۔

فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ

پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو

یعنی انہیں تباہ کر کے انہیں بچا لیا۔ (تفسیر عثمانی)

إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَاهَا مِنَ الْغَابِرِينَ (۵۷)

مگر اس کی عورت مقرر کر دیا تھا ہم نے اس کو رہ جانے والوں میں

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی:

یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی جو اُن بدمعاشوں کی اعانت کرتی تھی وہ بھی ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ڈھیر ہوگئی۔

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ

اور برسا دیا ہم نے اُن پر برساؤ پھر کیا بُرا برساؤ تھا اُن ڈرائے ہوؤں کا

پتھروں کی بارش:

یعنی آسمان سے پتھر برسائے اور شہر کا تختہ الٹ دیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ مذکورہ بالا تین قصوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا۔ ہم لائیں گے لشکر جس کا سامنا نہ کرسکیں گے، وہ ہی بات ہوئی رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اور مکہ والوں میں۔ اور حضرت صالح علیہ السلام پر نو شخص متفق ہوئے کہ رات کو جا پڑیں۔ اللہ نے اُن کو بچایا اور ان کو غارت کیا۔ مکہ کے لوگ بھی یہ ہی چاہ چکے لیکن نہ بن پڑا جس رات حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی، کتنے کافر حضرت کا گھر گھیر بیٹھے تھے کہ صبح کو اندھیرے میں نکلیں تو سب مل کر مار لیں (کسی ایک کو خون بہانہ دینا پڑے) حضرت صاف بچ کر نکل گئے۔ اُن کو نہ سوجھا۔ اور قوم لوط نے چاہا کہ پیغمبر کو شہر سے نکال دیں، یہ ہی مکہ والے بھی چاہ چکے۔ اللہ نے آپ سے نکلنا بتایا کہ خود اپنے اختیار سے شہر چھوڑ کر نکل جاؤ۔ اور اُسی میں کام نکالا۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

تو کہہ تعریف ہے اللہ کو اور سلام ہے اُس کے بندوں پر جن کو اُس نے پسند کیا

قصص سے فارغ ہو کر آگے آللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ سے توحید کا بیان فرمانا ہے۔ یہ الفاظ بطور خطبہ کے تعلیم فرمائے جو بیان شروع کرنے سے قبل ہونا چاہیے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اللہ کی تعریف اور پیغمبر پر سلام بھیج کر اگلی بات شروع کرنی لوگوں کو سکھلا دی۔ (موضح) اور بعض مفسرین کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے جو کمالات و احسانات اوپر بضمن قصص مذکور ہوئے ہیں اُن پر پیغمبر کو حکم ہوا کہ اللہ کی حمد و ثنا کریں اور شکر بجالائیں اور اس کے مقبول بندوں پر جن میں سے بعضوں کا اوپر نام لیا گیا ہے سلام بھیجیں۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کے پسندیدہ بندے: اس آیت میں اَلَّذِيْنَ اصْطَفٰى کے الفاظ سے ظاہر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام مراد ہیں جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ہے وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ اور حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت میں ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ ہیں۔ سفیان ثوری نے اسی کو اختیار کیا ہے (اخرجه عبد بن حميد والبزار وابن جرير وغيرهم)

اگر آیت میں اَلَّذِيْنَ اصْطَفٰى سے مراد صحابہ کرام لئے جائیں جیسا کہ ابن عباسؓ کی روایت میں ہے تو اس آیت سے غیر انبیاء پر سلام بھیجنے کے لئے انہیں علیہ السلام کہنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اس مسئلہ کی پوری تحقیق سورۃ احزاب میں آیت صلوا علیه وسلموا کی تفسیر میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ: اس آیت سے خطبہ کے آداب بھی ثابت ہوئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور انبیاء علیہم السلام پر درود و سلام سے شروع ہونا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے تمام خطبات میں یہی معمول رہا ہے بلکہ ہر اہم کام کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام مسنون و مستحب ہے (كذا في الروح) (معارف مفتی اعظم)

بروایت امام مالکؒ حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ اس سے مراد صحابہ کرامؓ ہیں سفیان ثوری کا بھی یہی قول ہے کلبی نے کہا ساری امت محمدیہ مراد ہے کیونکہ اللہ نے ساری امت کے لئے فرمایا ہے ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ بعض نے کہا گزشتہ اور آئندہ سب مومن مراد ہیں یا یہ مطلب ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعا سلامتی کرو کیونکہ انبیاء اور ان کی امتوں کو جن آفتوں سے اللہ نے بچایا اور عزت و کرامت عطا فرمائی وہ سب کچھ نور محمدی کی برکت سے ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں (آغاز) آفرینش کے لحاظ سے سب سے پہلا ہوں اور بعثت کے اعتبار سے سب کے بعد۔ رواه ابو سعد عن قتادة مرسلاً۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں (اس وقت) نبی تھا جب کہ آدم روح و جسم کے درمیان تھے (یعنی حضرت آدمؑ کے بدن میں روح بھی نہیں پڑی تھی) رواه ابن سعد بسند صحيح عن ميسرة بن سعد عن ابى الجدعاء ورواه الطبرانى عن ابن عباس (تفسیر مظہری)

آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ

بھلا اللہ بہتر ہے یا جن کو وہ شریک کرتے ہیں

وعظ توحید: یہاں سے توحید کا وعظ شروع کیا گیا ہے یعنی قصص مذکورہ بالا سن کر اور دلائل تکوینیہ و تنزیلیہ میں غور کر کے تم ہی بتلاؤ کہ ایک خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کا ماننا بہتر اور نافع اور معقول ہے یا اس کی خدائی میں اُس کی عاجز ترین مخلوق کو شریک ٹھہرانا۔ یہ مسئلہ اب کچھ ایسا مشکل تو نہیں رہا جس کا فیصلہ کرنے میں کچھ وقت ہو یا دیر لگے تاہم مزید تذکیر و تنبیہ کی غرض سے آگے اللہ تعالیٰ کی بعض شئون و صفات بیان کی جاتی ہیں جو توحید پر دال ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مشرکوں کی حماقت: اس آیت میں درحقیقت مشرکوں کی حماقت اور سبک سری کا اظہار ہے جب انبیاء علیہ السلام اور ان کی امتوں کے قصے بیان کر دیئے

جن سے ثابت ہورہا ہے کہ اللہ کو اپنے نیک بندوں کی عزت افزائی اور دشمنوں کو ذلیل کرنے کی قدرت کاملہ حاصل ہے اور کوئی اس کی قدرت سے سرتابی نہیں کر سکتا تو اب فرمایا کہ ایسا رب قادر عبادت کے قابل اور مرکز خوف ورجا ہونے کا مستحق ہے یا وہ عاجز بےبس بت وغیرہ جو نہ نفع پہنچانے کی قدرت رکھتے ہیں۔ نہ ضرر پہنچانے کی طاقت بلکہ ان کا ضرر نفع سے زیادہ قریب ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ
بھلا کس نے بنائے آسمان اور زمین اور اُتار دیا تمہارے
مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ
لئے آسمان سے پانی پھر اُگائے ہم نے اُس سے باغ رونق والے
مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا
تمہارا کام نہ تھا کہ اُگاتے اُن کے درخت

اللہ کی خالقیت مشرک بھی مانتے ہیں:

سرے سے درختوں کا اُگانا تمہارے اختیار میں نہیں۔ چہ جائے کہ اُس کا پھول پھل لانا اور بارآور کرنا۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور اس کی روزی رسانی کو مشرکین بھی مانتے تھے جیسے دوسری آیت میں بیان ہوا ہے کہ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ الخ یعنی اگر تو ان سے دریافت کرے کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے اور اگر تو ان سے سوال کرے کہ آسمان سے پانی برسا کر مردہ زمین کو کس نے زندہ کردیا؟ تو بھی ان کا یہی جواب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے۔ الغرض یہ جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ خالق کل صرف اللہ ہی ہے لیکن ان کی عقلیں ماری گئی ہیں کہ عبادت کے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کرلیتے ہیں باوجودیکہ جانتے ہیں کہ وہ نہ پیدا کرنے والے ہیں نہ روزی دینے والے۔ اور اس بات کا فیصلہ تو آسانی سے ہر عقلمند کرسکتا ہے کہ لائق عبادت وہی ہے جو خالق مالک اور رازق ہے۔ اسی لئے یہاں اس آیت میں بھی سوال کیا کہ کیا معبود برحق کے ساتھ کوئی اور بھی عبادت کے لائق ہے کیا خدا کے ساتھ مخلوق کو پیدا کرنے میں مخلوق کی روزی رسائی میں کوئی اور بھی شریک ہے؟ چونکہ وہ مشرک خالق رازق صرف اللہ ہی کو مانتے تھے اور عبادت اوروں کی بھی کرتے تھے اس لئے اور آیت میں فرمایا اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ الخ خالق اور غیر خالق یکساں نہیں ہیں پھر تم خالق مخلوق کو کیسے ایک کررہے ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ
اب کوئی اور حاکم ہے اللہ کے ساتھ کوئی نہیں وہ لوگ راہ سے مڑتے ہیں

جو خالق ہے وہی معبود ہے:

یعنی تمام دنیا جانتی ہے اور خود یہ مشرکین بھی مانتے ہیں کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنا، بارش برسانا درخت اگانا۔ بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کا کام نہیں۔ چنانچہ دوسری جگہ قرآن میں اُن کا اقرار و اعتراف مذکور ہے پھر یہاں تک پہنچ کر راستہ سے کیوں کتراجاتے ہیں۔ جب اللہ کے سوا کوئی ہستی نہیں جو خلق وتدبیر کرسکے یا کسی چیز کا مستقل اختیار رکھے، تو اُس کی الوہیت ومعبودیت میں وہ کس طرح شریک ہوجائے گی۔ عبادۃ انتہائی تذلل کا نام ہے سو وہ اُسی کی ہونی چاہیے جو انتہائی درجہ میں کامل اور بااختیار ہو۔ کسی ناقص یا عاجز مخلوق کو معبودیت میں خالق کے برابر کردینا انتہائی ظلم اور ہٹ دھرمی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اوتار: ہندوستان کے مشرک یعنی ہندو اوتاروں کے قائل ہیں اوتار اس کو کہتے ہیں کہ جس میں خدا حلول کرجائے جیسے رام اور کنہیا کے متعلق ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ وہ اوتار تھے۔

اہل اسلام اس سے بری اور بیزار ہیں مسلمانوں کے نزدیک خدا اس سے پاک اور منزہ ہے کہ وہ کسی چیز میں حلول کرے یا کسی چیز کا جز ہوجائے۔ سبحانه و تعالىٰ عما یصفون. (معارف کاندھلوی)

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا
بھلا کس نے بنایا زمین کو ٹھہرنے کے لائق

زمین کا فرش کس نے بنایا:

یعنی آدمی اور جانوروں کی قیام گاہ ہے۔ آرام سے اُس پر زندگی بسر کرتے اور اُس کے محاصل سے منتفع ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ
اور بنائیں اس کے بیچ میں ندیاں اور رکھے اس کے ٹھہرانے کو بوجھ

نہریں اور پہاڑ کس نے بنائے:

یعنی پہاڑ رکھ دیئے تا کہ ٹھہری رہے، کپکپائے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۭ
اور رکھا دو دریاؤں میں پردہ

دریاؤں کا نظام کس نے بنایا:

اس کی تحقیق قریب ہی سورۂ فرقان میں گزرچکی۔ آیت وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا کا فائدہ ملاحظہ کرلیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾

اب کوئی اور حاکم ہے اللہ کے ساتھ کوئی نہیں بہتوں کو اُن میں سمجھ نہیں

اللہ ہی نے یہ سب کچھ بنایا ہے:

یعنی کوئی اور بااختیار ہستی ہے جس سے یہ کام بن پڑیں اور اس بناء پر وہ معبود بننے کے لائق ہو۔ جب نہیں تو معلوم ہوا کہ یہ مشرکین محض جہالت اور ناسمجھی سے شرک ومخلوق پرستی کے غار عمیق میں گرتے چلے جارہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ

بھلا کون پہنچتا ہے بے کس کی پکار کو جب اس کو پکارتا ہے اور دور کر دیتا ہے سختی

مظلوم کی فریاد کون سنتا ہے:

یعنی جب اللہ چاہے اور مناسب جانے تو بے کس اور بیقرار کی فریاد سن کر سختی کو دور کر دیتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ (انعام۔رکوع۴)

گویا اسی نے دعاء کو بھی اسباب عادیہ میں سے ایک سبب بنایا ہے۔ جس پر مسبب کا ترتب بمشیت الٰہی اجتماع شروط اور ارتفاع موانع کے بعد ہوتا ہے اور علامہ طیبی وغیرہ نے کہا کہ آیۃ میں مشرکین کو تنبیہ ہے کہ سخت مصائب وشدائد کے وقت تو تم بھی مضطر ہو کر اُسی کو پکارتے ہو اور دوسرے معبودوں کو بھول جاتے ہو، پھر فطرت اور ضمیر کی اس شہادت کو امن واطمینان کے وقت کیوں یاد نہیں رکھتے۔ (تفسیر عثمانی)

یا کون ہے ایسا کہ جب کوئی بے قرار اس کو پکارتا ہے تو وہ اس کی دعا قبول کرتا ہے اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں۔ اضطرار (باب افتعال) ضَرّ سے بنا ہے مضطر یعنی وہ شخص جو ایسے دکھ میں مبتلا ہو گیا ہو جس سے مجبور ہو کر بے قراری کے ساتھ وہ اللہ کی طرف رخ کرتا اور اس سے پناہ کا خواستگار ہوتا ہو۔ المضطر میں الف لام جنسی ہے استغراق کے لئے نہیں ہے اس لئے ہر دعا کرنے والے کی ہر دعا قبول کرنا ضروری نہیں۔ اِذَا دَعَاهُ یعنی اللہ اگر چاہتا ہے تو مضطر کی دعا قبول کر لیتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

مضطر کون ہے؟

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ۔

اَلْمُضْطَرَّ۔ اضطرار سے مشتق ہے کسی ضرورت سے مجبور و بے قرار ہونے کو اضطرار کہا جاتا ہے اور وہ جبھی ہوتا ہے جب اس کا کوئی یار و مددگار اور سہارا نہ ہو، اس لئے مضطر وہ شخص ہے جو سب دنیا کے سہاروں سے مایوس ہو کر خالص اللہ تعالیٰ ہی کو فریاد رس سمجھ کر اس کی طرف متوجہ ہو۔ مضطر کی یہ تفسیر سُدی۔ ذوالنون مصری، سہل بن عبداللہ وغیرہ سے منقول ہے (قرطبی)

بے کس کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی دُعاء:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے لئے ان الفاظ سے دعا کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْا فَلَا تَكِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَاَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ كُلَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ (ترجمہ) یااللہ میں تیری رحمت کا اُمیدوار ہوں اس لئے مجھے ایک لحظہ کے لئے بھی میرے اپنے نفس کے حوالہ نہ کیجئے۔ اور آپ ہی میرے سب کاموں کو درست کر دیجئے آپ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (قرطبی)

مضطر کی دُعا اخلاص کی بناء پر ضرور قبول ہوتی ہے:

امام قرطبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مضطر کی دعا قبول کرنے کا ذمہ لے لیا ہے اور اس آیت میں اس کا اعلان بھی فرما دیا ہے، جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ دُنیا کے سب سہاروں سے مایوس اور علائق سے منقطع ہو کر صرف اللہ تعالیٰ ہی کو کارساز سمجھ کر دعا کرنا سرمایۂ اخلاص ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اخلاص کا بڑا درجہ ہے وہ جس کسی بندہ سے پایا جائے وہ مومن ہو یا کافر، اور متقی ہو یا فاسق فاجر اس کے اخلاص کی برکت سے اس کی طرف رحمت حق متوجہ ہو جاتی ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے کفار کا حال ذکر فرمایا ہے کہ جب یہ لوگ دریا میں ہوتے ہیں اور کشتی سب طرف سے موجوں کی لپیٹ میں آ جاتی ہے اور یہ گویا آنکھوں کے سامنے اپنی موت کو کھڑا دیکھ لیتے ہیں اس وقت یہ لوگ پورے اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں کہ اگر ہمیں اس مصیبت سے آپ نجات دے دیں تو ہم شکر گزار رہوں گے، لیکن جب اللہ تعالیٰ ان کی دُعا قبول کر کے خشکی پر لے آتے ہیں تو یہ پھر شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

تین دُعائیں: ایک صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین دُعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں، جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، ایک مظلوم کی دُعاء، دوسرے مسافر کی دُعاء، تیسرے باپ جو اپنی اولاد کے لئے بددُعا کرے۔ قرطبی نے اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا کہ ان تینوں دُعاؤں میں بھی وہی صورت ہے جو دعائے مضطر میں اوپر لکھی گئی ہے کہ جب کوئی مظلوم دُنیا کے سہاروں اور مددگاروں سے مایوس ہو کر دفع ظلم کے لئے اللہ کو پکارتا ہے وہ بھی مضطر ہی ہوتا ہے اسی طرح مسافر حالت سفر میں اپنے خویش وعزیز اور ہمدردوں غمگساروں سے الگ بے سہارا ہوتا ہے۔ اسی طرح باپ اولاد کے لئے اپنی فطرت اور پدری شفقت کی بناء پر کبھی بددعا نہیں کر سکتا بجز اس کے کہ اس کا دل بالکل ٹوٹ جائے اور اپنے آپ کو مصیبت سے بچانے کے لئے اللہ کو پکارے۔ امام حدیث آجری نے حضرت ابوذرؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ میں مظلوم کی دعا کو کبھی رد نہیں کروں گا اگرچہ وہ کسی کافر کے منہ سے ہو (قرطبی)

دُعاء قبول نہ ہوتو مایوس نہ ہو:

اگر کسی مضطر یا مظلوم یا مسافر وغیرہ کو کبھی یہ محسوس ہو کہ اس کی دعا قبول نہیں ہوئی تو بدگمان اور مایوس نہ ہو بعض اوقات دعا قبول تو ہو جاتی ہے مگر کسی حکمت و مصلحت ربانی سے اس کا ظہور دیر میں ہوتا ہے۔ یا پھر وہ اپنے نفس کو ٹٹولے کہ اس کے اخلاص اور توجہ الی اللہ میں کمی کوتاہی رہی ہے۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

ایک بے کس ومجبور کا عجیب واقعہ:

ایک بہت ہی عجیب واقعہ حافظ ابن عساکرؒ نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے ایک صاحب فرماتے ہیں کہ میں ایک خچر پر لوگوں کو دمشق سے زبدانی لے جایا کرتا تھا اور اسی کرایہ پر میری گزر بسر تھی۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے خچر کرایہ پر لیا، میں نے اسے سوار کرایا اور لے چلا، ایک جگہ جہاں دو راستے تھے پہنچے تو اس نے کہا اس راہ چلو میں نے کہا میں اس سے واقف نہیں ہوں سیدھی راہ یہی ہے اس نے کہا نہیں میں پوری طرح واقف ہوں یہ بہت نزدیک کا راستہ ہے میں اس کے کہنے سے اسی راہ چلا تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک لق ودق بیابان میں ہم آ گئے ہیں جہاں کوئی راستہ نظر نہیں آتا نہایت خطرناک جنگل اور بن ہے اور ہر طرف لاشیں پڑی ہوئی ہیں میں سہم گیا۔ وہ مجھ سے کہنے لگا ذرا لگام تھام لو مجھے یہاں اترنا ہے میں نے لگام تھام لی وہ اترا اور اپنا تہمد اونچا کر کے کپڑے ٹھیک کر کے چھری نکال کر مجھ پر حملہ کیا، میں وہاں سے سرپٹ بھاگا لیکن اس نے میرا تعاقب کیا اور مجھے پکڑ لیا۔ میں اسے قسمیں دینے لگا لیکن اس نے خیال بھی نہ کیا۔ میں نے کہا اچھا یہ خچر اور کل سامان جو میرے پاس ہے تو لے لے اور مجھے چھوڑ دے۔ اس نے کہا یہ تو میرا ہو ہی چکا لیکن میں تو تجھے زندہ چھوڑنا چاہتا ہی نہیں۔ میں نے اُسے خدا کا خوف دلایا آخرت کے عذابوں کا ذکر کیا لیکن اس چیز نے بھی اس پر کوئی اثر نہ کیا اور وہ میرے قتل پر تُلا رہا۔ اب میں مایوس ہو گیا اور مرنے کے لئے تیار ہو گیا اور اس سے بہ منت التجا کی کہ آپ مجھے دو رکعت نماز ادا کر لینے دیجئے، اس نے کہا اچھا جلدی پڑھ لے۔ میں نے نماز شروع کی لیکن خدا کی قسم میری زبان سے قرآن کا ایک حرف نہیں نکلتا تھا یونہی ہاتھ باندھے دہشت زدہ کھڑا ہوا تھا اور وہ جلدی مچا رہا تھا، اسی وقت اتفاق سے یہ آیت میری زبان پر آ گئی اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ یعنی خدا ہی ہے جو بے قراری کے وقت کی دعا کو سُنتا اور قبول فرماتا ہے اور بے بسی بے کسی کو سختی اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے پس اس آیت کا زبان سے جاری ہونا تھا جو میں نے دیکھا کہ بیچوں بیچ جنگل میں سے ایک گھوڑے سوار تیزی سے اپنا گھوڑا بھگائے نیزہ تانے ہماری طرف چلا آ رہا ہے اور بغیر کچھ کہے اس ڈاکو کے پیٹ میں اُس نے اپنا نیزہ گھسیڑ دیا جو اس کے جگر کے آر پار ہو گیا، وہ اسی وقت بے جان ہو کر گر پڑا۔ سوار نے باگ موڑی اور جانا چاہا لیکن میں اس کے قدموں سے لپٹ گیا اور بالحاح کہنے لگا خدا کے لئے یہ تو بتلاؤ کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا میں اس کا بھیجا ہوا ہوں جو مجبوروں بے کسوں اور بے بسوں کی دعا قبول فرماتا ہے اور مصیبت وآفت کو ٹال دیتا ہے میں نے خدا کا شکر کیا اور وہاں سے اپنا خچر اور مال لے کر صحیح سالم واپس لوٹا، رحمہ اللہ۔

ایک بزرگ کا عجیب واقعہ:

اسی قسم کا ایک اور واقعہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے ایک لشکر نے ایک جنگ میں کافروں سے شکست کھائی اور واپس لوٹے۔ ان میں ایک مسلمان جو بڑے سخی اور نیک تھے یہ بھی تھے، ان کا گھوڑا جو بہت تیز رفتار تھا راستہ میں اڑ گیا۔ اس ولی اللہ نے بہت کوشش کی لیکن جانور نے قدم ہی نہ اُٹھایا آخر عاجز آ کر اس نے کہا کیا بات ہے تو اڑ گیا۔ ایسے ہی موقعہ کے لئے تو میں نے تیری خدمت کی تھی اور تجھے پیار سے پالا تھا۔ گھوڑے کو خدا تعالیٰ نے زبان دی، اس نے جواب دیا کہ وجہ یہ ہے کہ آپ میرا گھاس دانہ سائیس کو سونپ دیتے تھے وہ اس میں سے چرا لیتا تھا مجھے بہت کم کھانے کو دیتا تھا اور مجھ پر ظلم کرتا تھا۔ خدا کے اس نیک بندے نے کہا اب تو چل میں خدا کو بیچ میں رکھ کر وعدہ کرتا ہوں کہ اب سے تجھے میں ہمیشہ اپنی گود میں ہی کھلایا کروں گا۔ جانور یہ سنتے ہی تیزی سے لپکا اور انہیں جائے امن تک پہنچا دیا۔ حسب وعدہ اب سے یہ بزرگ اپنے اس جانور کو اپنی گود ہی میں کھلایا کرتے تھے۔ لوگوں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی، انہوں نے کسی سے واقعہ کہہ دیا جس کی عام شہرت ہو گئی اور لوگ اس واقعہ کو سننے کے لئے اُن کے پاس دُور دُور سے آنے لگے۔ شاہِ رُوم کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے چاہا کہ کسی طرح انہیں اپنے شہر میں بُلا لے بہت کوششیں کیں لیکن بے سود رہیں آخر میں اس نے ایک شخص کو بھیجا کہ کسی طرح حیلے حوالے سے انہیں بادشاہ تک پہنچائے۔ یہ شخص پہلے مسلمان تھا پھر مُرتد ہو گیا تھا۔ یہ بادشاہ کے پاس سے چلا یہاں آ کر ان سے ملا اپنا اسلام ظاہر کیا توبہ کی اور نہایت نیک بن کر رہنے لگا، یہاں تک کہ اس ولی اللہ کو اس پر پورا اعتماد ہو گیا اور اسے صالح اور دیندار سمجھ کر انہوں نے دوستی پیدا کر لی اور ساتھ ساتھ پھرنے لگے۔ اس نے اپنا پورا رسوخ جما کر اپنی ظاہری دینداری کے فریب میں انہیں پھنسا کر ادھر بادشاہ کو اطلاع دی کہ فلاں وقت دریا کے کنارے ایک مضبوط جری شخص کو بھیجو میں انہیں لے کر وہاں آ جاؤں گا اور اس شخص کی مدد سے انہیں گرفتار کر لوں گا۔ یہاں سے انہیں جُل دے کر لے چلا اور اسی جگہ پہنچایا۔ دفعۃً یہ شخص نمودار ہوا اور اس بزرگ پر حملہ کیا، ادھر سے اس مرتد نے حملہ کیا اس نیک دل شخص نے اس وقت آسمان کی طرف نگاہیں اُٹھائیں اور دعا کی کہ خدایا اس شخص نے

تیرے نام سے مجھے دھوکا دیا ہے میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ تو جس طرح چاہے مجھے ان دونوں سے بچالے۔ وہیں جنگل سے دو درندے بھاگتے ہوئے آتے دکھائی دیئے اور ان دونوں شخصوں کو انہوں نے دبوچ لیا اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے چل دیئے اور یہ بندہ خدا با امن و امان وہاں سے صحیح و سالم واپس تشریف لے آئے، رحمہ اللہ (تفسیر ابن کثیر)

وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ؕ

اور کرتا ہے تم کو نائب اگلوں کا زمین پر

قوموں کو زمین کی وراثت کون دیتا ہے؟

یعنی ایک قوم یا نسل کو اُٹھا لیتا اور اُس کی جگہ دوسری کو آباد کرتا ہے جو زمین میں مالکانہ اور بادشاہانہ تصرف کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ اور تم کو زمین کے وارث بناتا ہے یعنی اسلاف کے جانشین اخلاف ہوتے ہیں زمین کے وارث بنانے کا مطلب ہے زمین پر رہنے زمین میں تصرف کرنے یا زمین پر تسلط جمانے کا اختیار دینا۔ بعض اہل علم نے کہا انسانوں کو اللہ نے زمین پر جنات کا جانشین کر دیا۔ میں کہتا ہوں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ نے زمین پر تم میں سے کچھ آدمیوں کو اپنا نائب بنایا یہی مضمون آیت اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَة کا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؕ

اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ تم بہت کم دھیان کرتے ہو

غور کرو تو حقیقت نظر آئے؟

یعنی پوری طرح دھیان کرتے تو دور جانے کی ضرورت نہ پڑتی انہی اپنی حوائج و ضروریات اور قوموں کے ادل بدل کو دیکھ کر سمجھ سکتے تھے کہ جس کے ہاتھ میں ان امور کی باگ ہے تنہا اسی کی عبادت کرنی چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ

بھلا کون راہ بتاتا ہے تم کو اندھیروں میں جنگل کے اور دریا کے

جنگل و دریاء میں کون راہنمائی کرتا ہے:

یعنی خشکی اور دریا کی اندھیریوں میں ستاروں کے ذریعہ سے تمہاری رہنمائی کرتا ہے۔ خواہ بلاواسطہ یا بواسطہ قطب نما وغیرہ آلات کے۔ (تفسیر عثمانی)

بھلا بتاؤ کہ یہ بت بہترین یا وہ ذات بہتر ہے جو تم کو بیابانوں میں اور دریاؤں کے اندھیروں میں راستہ بتاتا ہے یعنی اس نے تمہاری رہنمائی کے لئے ستارے پیدا کئے تا کہ اندھیروں میں ان کے ذریعہ راستہ معلوم کر سکو کما قال تعالیٰ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ اور ان ستاروں کا پیدا کرنے والا سوائے خدا کے کون ہے۔

معنوی ستارے:

یہ تو ظاہری ستارے ہیں اور معنوی ستارے صحابہ کرام ہیں جن کے متعلق حدیث میں آیا ہے۔ اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم میرے تمام صحابہ نجوم ہدایت ہیں تم جس کی پیروی کرو گے راہ یاب ہو گے۔

غم مخور ز آنرا کہ غمخوارت منم — وز ہمہ برہا نگہدارت منم
از تو گر اغیار بردارند روئی — ایں جہان و آں جہاں یارت منم

(معارف کاندھلوی)

وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ

اور کون چلاتا ہے ہوائیں خوشخبری لانے والیاں اُس کی رحمت سے پہلے

ہوا و بارش کون بھیجتا ہے:

یعنی باران رحمت سے پہلے ہوائیں چلاتا ہے جو بارش کی آمد کی خوشخبری سناتی ہیں۔

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ؕ

اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ اللہ بہت اوپر ہے اس سے جس کو شریک بتلاتے ہیں

یہ سب کچھ جھوٹے معبودوں کے بس کا نہیں ہے:

یعنی کہاں وہ قادر مطلق اور حکیم برحق اور کہاں عاجز و ناقص مخلوق جسے اُس کی خدائی کا شریک بتلایا جا رہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ

بھلا کون سرے سے بناتا ہے پھر اس کو دہرائے گا

کس نے ابتداءً پیدا کیا اور کون دوبارہ زندہ کرے گا:

ابتداء پیدا کرنا تو سب کو مسلم ہے کہ اللہ کا کام ہے۔ موت کے بعد دوبارہ پیدا کرنے کو بھی اس سے سمجھ لو۔ منکرین بعث بعد الموت بھی اتنا سمجھتے تھے کہ اگر بالفرض دوبارہ پیدا کئے گئے تو یہ کام اُسی کا ہوگا جس نے اول پیدا کیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

(پہلی تخلیق تو مسلمہ تھی لیکن) قیامت کے دن دوبارہ پیدا ہونے کے کفار منکر تھے پر عقلاً اعادہ تخلیق ناممکن نہیں۔ اور نقلی دلائل سے وجوب اعادہ ثابت ہے نقلی دلائل کے واجب الیقین ہونے پر معجزات کی تائید کافی ہے اس لئے دوبارہ تخلیق بھی ناقابل شک ہے اور یہ یقینی ہے کہ اللہ ہی دوبارہ پیدا کرے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ

اور کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے

آسمان وزمین سے تمہیں رزق کون دیتا ہے:

یعنی کون ہے جو آسمانی اور زمینی اسباب کے ذریعہ سے اپنی حکمت کے موافق تم کو روزی پہنچاتا ہے۔

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ

اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ تو کہہ لاؤ اپنی سند

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٦٤﴾

اگر تم سچے ہو

تمہارے پاس مقابلہ کی کوئی دلیل ہے تو پیش کرو؟

یعنی اگر اتنے صاف نشانات اور واضح دلائل سننے کے بعد بھی تم خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور شرک کی قباحت کو تسلیم نہیں کرتے تو جو کوئی دلیل تم اپنے دعوائے باطل کے ثبوت میں رکھتے ہو پیش کرو۔ ابھی تمہارا جھوٹ سچ کھل جائے گا۔ مگر وہاں دلیل و برہان کہاں محض اندھی تقلید ہے۔ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ (مومنون۔ رکوع ۶) (تفسیر عثمانی)

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ

تو کہہ خبر نہیں رکھتا جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں چھپی ہوئی چیز کی مگر اللہ

اللہ کے معبود ہونے پر ایک دوسری طرح کی دلیل:

اس آیت میں مضمون سابق کی تکمیل اور مضمون لاحق کی تمہید ہے۔ شروع پارہ سے یہاں تک حق تعالیٰ کی قدرت تامہ، رحمت عامہ اور ربوبیت کاملہ کا بیان تھا یعنی جب وہ ان صفات وشئون میں متفرد ہے تو الوہیت و معبودیت میں بھی متفرد ہونا چاہیے۔ آیت حاضرہ میں اُس کی الوہیت پر دوسری حیثیت سے استدلال کیا جارہا ہے یعنی معبود وہ ہوگا۔ جو قدرت تامہ کے ساتھ علم کامل ومحیط بھی رکھتا ہو۔ اور یہ وہ صفت ہے جو زمین وآسمان میں کسی مخلوق کو حاصل نہیں۔ اُسی رب العزت کے ساتھ مخصوص ہے پس اس اعتبار سے بھی معبود بننے کی مستحق اکیلی اُس کی ذات ہوئی۔

علم غیب کا مسئلہ:

(تنبیہ) کُل مغیبات کا علم بجز خدا کے کسی کو حاصل نہیں نہ کسی ایک غیب کا علم کسی شخص کو بالذات بدون عطائے الٰہی کے ہوسکتا ہے اور نہ مفاتیح غیب (غیب کی کنجیاں جن کا ذکر سورۃ انعام میں گزر چکا) اللہ نے کسی مخلوق کو دی ہیں۔ ہاں بعض بندوں کو بعض غیوب پر باختیار خود مطلع کر دیتا ہے جس کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص کو حق تعالیٰ نے غیب پر مطلع فرما دیا۔ یا غیب کی خبر دے دی لیکن اتنی بات کی وجہ سے قرآن وسنت نے کسی جگہ ایسے شخص پر عالم الغیب یا فلان یعلم الغیب کا اطلاق نہیں کیا۔ بلکہ احادیث میں اُس پر انکار کیا گیا ہے۔ کیونکہ بظاہر یہ الفاظ اختصاص علم الغیب بذات الباری کے خلاف موہم ہوتے ہیں۔ اسی لئے علمائے محققین اجازت نہیں دیتے کہ اس طرح کے الفاظ کسی بندہ پر اطلاق کئے جائیں۔ گو لغۃً صحیح ہوں جیسے کسی کا یہ کہنا کہ ان اللہ لا یعلم الغیب (اللہ کو غیب کا علم نہیں) گو اس کی مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے کوئی چیز غیب ہے ہی نہیں سخت ناروا اور سوء ادب ہے۔ یا کسی کا حق سے موت اور فتنہ سے اولاد اور رحمت سے بارش مراد لے کر یہ الفاظ کہنا انی اکرہ الحق واحب الفتنۃ وافر من الرحمۃ (میں حق کو بُرا سمجھتا ہوں اور فتنہ کو محبوب رکھتا ہوں اور رحمت سے بھاگتا ہوں) سخت مکروہ اور قبیح ہے، حالانکہ باعتبار نیت ومراد کے قبیح نہ تھا۔ اسی طرح فلان عالم الغیب وغیرہ الفاظ کو سمجھ لو اور واضح رہے کہ علم غیب سے ہماری مراد محض ظنون وتخمینات نہیں اور نہ وہ علم جو قرائن ودلائل سے حاصل کیا جائے۔ بلکہ جس کے لئے کوئی دلیل و قرینہ موجود نہ ہو وہ مراد ہے۔ سورۂ انعام واعراف میں اس کے متعلق کسی قدر لکھا جاچکا ہے۔ وہاں مراجعت کرلی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ آپ لوگوں کو بتلا دیں کہ جتنی مخلوق آسمانوں میں ہے جیسے فرشتے اور جتنی مخلوق زمین میں ہے جیسے بنی آدم اور جنات وغیرہ ان میں سے کوئی بھی غیب کو نہیں جانتا۔ بجز اللہ تعالیٰ کے آیت مذکورہ نے پوری وضاحت اور صراحت کے ساتھ یہ بتلایا ہے کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے جس میں کوئی فرشتہ یا نبی ورسول بھی شریک نہیں ہوسکتا۔ (معارف مفتی اعظم)

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ یعنی فرشتے والارض یعنی جن وانس جن میں تمام انبیاء بھی شامل ہیں۔ الغیب غیب سے مراد وہ چیز ہے جو حواس (ظاہری وباطنی) کی رسائی سے باہر ہو یعنی حسی نہ ہو اور نہ اس کے ثبوت پر کوئی عقلی دلیل قائم ہو (یعنی نظری ہونا قابل استدلال غیر ممکن الفکر مترجم) الا اللہ یعنی صرف اللہ ہی ان تمام باتوں کو جانتا ہے جو ملائکہ اور جن وانس کے لئے ناممکن الحصول ہیں۔ ہاں اگر اللہ چاہے تو بعض غیب کی باتیں اپنے بندوں کو بتادے اس طرح اللہ کی عطا وموہبت سے کچھ غیبی باتیں بندوں کو بھی معلوم ہو جائیں الا اللہ میں استثناء منقطع ہے کیونکہ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں اللہ پہلے سے داخل نہ تھا اللہ کے لئے نہ آسمان مکان بن سکتا ہے نہ زمین اللہ ہر استقرار وتمکن سے پاک ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا فرمان ہے کہ جو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کل کی بات جانتے تھے اُس نے اللہ تبارک وتعالیٰ پر بہتان عظیم باندھا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ زمین وآسمان والوں میں سے کوئی بھی غیب کی بات جاننے والا نہیں۔

ستاروں کے فائدے اور جاہلوں کا علم:

قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں میں تین فائدے رکھے ہیں۔ آسمان کی زینت، بھولے بھٹکوں کی رہبری اور شیطانوں کی مار کسی اور بات کا ان کے ساتھ عقیدہ رکھنا اپنی رائے سے بات بنانا اور تکلیف اُٹھانا اور اپنے حصہ کو کھونا ہے۔ جاہلوں نے ستاروں کے ساتھ علم نجوم کو متعلق رکھ کر فضول باتیں بنائی ہیں کہ اس ستارے کے وقت جو نکاح کرے یوں ہوگا فلاں ستارے کے موقعہ پر سفر کرنے سے یہ ہوتا ہے فلاں ستارے کے وقت جو تولد ہوا وہ ایسا وغیرہ وغیرہ یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔ ان کی اس بکواس کے خلاف اکثر ہوتا رہتا ہے ہر ستارے کے وقت کوئی کالا گورا ٹھگنا لمبا خوبصورت بدشکل پیدا ہوتا ہی ہے نہ کوئی جانور غیب جانے نہ کسی پرندے غیب حاصل ہوسکے نہ ستارے غیب کی رہنمائی کریں۔ سنو خدائی فیصلہ ہوچکا ہے کہ آسمان اور زمین کی کل مخلوق غیب سے بے خبر ہے۔ انہیں تو اپنے جی اُٹھنے کا وقت بھی نامعلوم ہے (ابن ابی حاتم) سبحان اللہ قتادہؒ کا یہ قول کتنا صحیح کس قدر مفید اور معلومات سے پُر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿٦٥﴾

اور اُن کو خبر نہیں کب جی اُٹھیں گے

قیامت کا معین وقت کسی کو معلوم نہیں:

یعنی قیامت کب آئے گی جس کے بعد مردے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ اس کی خبر کسی کو نہیں۔ پہلے سے مبدا کا ذکر چلا آتا تھا۔ یہاں سے معاد کا شروع ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ اور ان کو پتہ بھی نہیں کہ ان کا حشر کب ہوگا کیونکہ وقت حشر حسی نہیں کہ حواس کے ذریعہ سے اس کا وقت معلوم ہوسکے اور نہ اس کے وقت کی تعیین نظری قابل استدلال ہے اس لئے کسی آسمانی زمینی مخلوق کے لئے قیامت کا تعیینی علم ممکن نہیں۔ ہاں اگر اللہ کسی کو بتادے تو معلوم ہونا ممکن ہے مگر اللہ نے کسی کو قیامت کی تعیین کا علم عطا نہیں فرمایا یہ علم اپنی ذات کے لئے مخصوص رکھا ہے۔ (تفسیر مظہری)

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ

بلکہ تھک کر گر گیا اُن کا فکر آخرت کے بارہ میں بلکہ اُن کو

فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿٦٦﴾

شبہ ہے اُس میں بلکہ وہ اُس سے اندھے ہیں

کم عقلوں کا انکارِ قیامت:

یعنی عقل دوڑا کر تھک گئے، آخرت کی حقیقت نہ پائی کبھی شک کرتے ہیں کبھی منکر ہوتے ہیں (موضح) اور بعض مفسرین نے یوں تقریر کی ہے کہ آخرت کے ادراک تک اُن کے علم کی رسائی نہ ہوئی اور نہ عدم علم کی وجہ سے صرف خالی الذہن رہے بلکہ اس کے متعلق شک وتردد میں پڑ گئے، اور نہ صرف شک وتردد بلکہ اُن دلائل وشواہد سے بالکل آنکھیں بند کرلیں جن میں غور و تامل کرتے تو شک رفع ہوسکتا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ

اور بولے وہ لوگ جو منکر ہیں کیا جب ہم ہوجائیں مٹی اور ہمارے باپ دادے

اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿٦٧﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا

کیا ہم کو زمین سے نکالیں گے وعدہ پہنچ چکا ہے اس کا ہم کو اور ہمارے باپ دادوں کو

مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾

پہلے سے کچھ بھی نہیں یہ نقلیں ہیں اگلوں کی

منکروں کی دلیل:

یعنی پہلے ہمارے بڑوں سے یہی وعدے کئے گئے تھے۔ جو پہلے کہہ گئے اُن ہی کی نقل آج یہ پیغمبر بھی اتار رہے ہیں لیکن کتنے قرن گزر چکے ہم نے تو آج تک نہ دیکھا نہ سنا کہ کوئی مردہ مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہوا ہو اور اُس کو سزا ملی ہو۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ

تو کہہ دے پھرو ملک میں تو دیکھو کیسا

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٦٩﴾

ہوا انجام کار گنہگاروں کا

قیامِ قیامت کی دلیل:

یعنی کتنے مجرموں کو دنیا ہی میں عبرتناک سزائیں مل چکی ہیں اور پیغمبروں کا فرمانا پورا ہوکر رہا۔ اسی پر قیاس کرلو کہ بعث بعد الموت اور عذاب آخروی کی جو خبر انبیاء دیتے چلے آئے ہیں یقیناً پوری ہوکر رہے گی یہ کارخانہ یوں ہی

بے سر انہیں کہ اُس پر کوئی حاکم نہ ہو، وہ اپنی رعایا کو یوں ہی مہمل نہ چھوڑے گا جب سب مجرموں کو یہاں پوری سزا نہیں ملتی تو یقینا کوئی دوسری زندگی ہو گی جہاں ہر ایک اپنی کیفر کردار کو پہنچے اگر تمہاری یہ ہی تکذیب رہی تو مکذبین کا جو انجام دنیا میں ہوا تمہارا ابھی ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

منکروں کو دھمکی:

(اے محمد) آپ کہہ دیجئے کہ ملک میں چل پھر کر دیکھو کہ مجرموں کا انجام کیسا (برا) ہوا۔

یہ دھمکی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کافروں کو کہ دیکھو تکذیب انبیاء کا نتیجہ کتنا برا نکلا۔ اس سے تم کو بھی ڈرنا چاہئے کہ تکذیب کا جو خمیازہ ان کو بھگتنا پڑا تم کو بھی تکذیب رسول کی ویسی ہی سزا ملے گی۔ کافروں کو مجرمین کہنے سے مومنوں کے غیر مجرم ہونے کی طرف لطیف ایماء ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝٧٠

اورغم نہ کر اُن پر اور نہ خفا ہوا اُن کے فریب بنانے سے

جو منکر ہی ہے اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیں:

یعنی اُن کو سمجھا کر اور بدی کے انجام پر متنبہ کر کے الگ ہو جایئے اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو آپ بہت زیادہ غم و تاسّف نہ کریں اور نہ ان کے مکرو فریب اور حق کے خلاف تدبیریں کرنے سے تنگدل اور خفا ہوں آپ اپنا فرض ادا کر چکے، اللہ تعالیٰ ایسے ضدی مجرموں سے خود نبٹ لے گا اور جس طرح پہلے مجرموں کو سزائیں دی گئی ہیں اُن کو بھی دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت:

ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے ساتھ جو شفقت و ہمدردی کا جذبہ رکھتے تھے اس کا تقاضا تھا کہ سب کو اللہ کا پیغام سنا کر جہنم سے بچالیں جو لوگ اس پیغام کو قبول نہ کرتے تو آپ کو سخت صدمہ پہنچتا تھا اور آپ ایسے غمگین ہوتے تھے جیسے کسی کی اولاد اس کے کہنے کے خلاف آگ میں جا رہی ہو اس لئے قرآن نے جا بجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے مختلف عنوانات اختیار فرمائے ہیں۔ سابقہ آیات میں وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ اسی سلسلہ کا ایک عنوان تھا۔ مذکور الصدر آیت میں بھی تسلی کا مضمون دوسرے انداز سے بیان فرمایا ہے کہ آپ کا کام پیغام حق کو پہنچا دینے کا وہ آپ پورا کر چکے ہیں جن لوگوں نے اس کو قبول نہیں کیا اس میں آپ کا کوئی قصور اور کوتاہی نہیں جس پر آپ غم کریں بلکہ وہ اپنی صلاحیت قبول ہی کو کھو چکے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝٧١

اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو

یعنی آخر وہ قیامت کب آئے گی؟ اور جس عذاب کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں کب نازل ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ

تو کہہ کیا بعید ہے جو تمہاری پیٹھ پر پہنچ چکی ہو

بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝٧٢

بعض وہ چیز جس کی جلدی کر رہے ہیں

معرکہ بدر مشرکین کیلئے عذاب:

یعنی گھبراؤ نہیں وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ اور کچھ بعید نہیں کہ وعدہ کا کچھ حصہ قریب ہی آلگا ہو (چنانچہ زیادہ دن نہ گزرے کہ بدر میں سزا کی ایک قسط پہنچ گئی رہی قیامت کبریٰ سو اس کے بھی بعض آثار و علامات ظاہر ہونے شروع ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ

اور تیرا رب تو فضل رکھتا ہے لوگوں پر

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝٧٣

پر اُن میں بہت لوگ شکر نہیں کرتے

مہلت اللہ کا فضل ہے:

یعنی حق تعالیٰ اپنے فضل سے اگر عذاب میں تاخیر کرتا ہے تو چاہئے تھا اس مہلت کو غنیمت سمجھتے اور اس کی مہربانی کے شکر گزار ہو کر ایمان و عمل صالح کا راستہ اختیار کرتے لیکن وہ اس کے خلاف ناشکری کرتے اور اپنے منہ سے عذاب مانگتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ

اور تیرا رب جانتا ہے جو چھپ رہا ہے ان کے سینوں میں

وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝٧٤ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ

اور جو کچھ کہ ظاہر کرتے ہیں اور کوئی چیز نہیں جو غائب ہو آسمان

وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝٧٥

اور زمین میں مگر موجود ہے کھلی کتاب میں

سب کے سب اعمال اللہ کے علم میں ہیں:

یعنی تمہارے ظاہری و پوشیدہ اعمال، دلوں کے بھید نیتیں ارادے اور زمین و آسمان کے چھپے سے چھپے راز سب اللہ تعالیٰ کے علم میں حاضر اور اُس کے دفتر میں درج ہیں۔ ہر بات اُسی کے موافق اپنے اپنے وقت پر وقوع پذیر ہوگی۔ جلدی مچانے یا دیر لگانے سے کچھ حاصل نہیں۔ جو چیز علم الٰہی میں طے شدہ ہے جلد یا بدیر اپنے وقت پر آئے گی اور ہر ایک کو اس کے عمل اور نیت و عزم کے موافق پھل مل کر رہے گا۔

إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِي إِسْرَائِيلَ

یہ قرآن سناتا ہے بنی اسرائیل کو

أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٧٦﴾ وَإِنَّهُ لَهُدًى

بہت چیزیں جس میں وہ جھگڑ رہے ہیں اور بیشک وہ ہدایت ہے

وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٧٧﴾

اور رحمت ہے ایمان والوں کے واسطے

اہل کتاب کے جھگڑوں کا فیصلہ:

یعنی ابھی عملی فیصلہ کا وقت نہیں آیا، البتہ قرآن قولی و عملی فیصلہ کے لئے آیا ہے۔ اُس وقت سماوی علوم اور مذہبی چیزوں کے سب سے بڑے عالم بنی اسرائیل سمجھے جاتے تھے مگر عقائد، احکام اور قصص و روایات کے متعلق اُن کے شدید اختلافات کا فیصلہ کن تصفیہ بھی قرآن نے سنایا۔ فی الحقیقت قرآن ہی وہ کتاب ہے جس نے دنیا کو خداوند قدوس کا آخری پیغام پہنچایا۔ او رایمان لانے والوں کی رہبری کی تا لوگ اُس دن کے لئے تیاری کر رکھیں۔ جبکہ ہر معاملہ کا عملی فیصلہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُم بِحُكْمِهِ

تیرا رب اُن میں فیصلہ کریگا اپنی حکومت سے

وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ﴿٧٨﴾

اور وہی ہے زبردست سب کچھ جاننے والا

یعنی قرآن تو آیا ہے سمجھانے اور آگاہ کرنے کو، باقی تمام معاملات کا حکیمانہ اور حاکمانہ فیصلہ خدائے قادر و توانا کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۖ إِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ ﴿٧٩﴾

سو تو بھروسہ کر اللہ پر بیشک تو ہے صحیح کھلے رستہ پر

آپ کسی کے اختلاف سے متاثر نہ ہوں:

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے اختلاف و تکذیب سے متاثر نہ ہوں۔ خدا پر بھروسہ کر کے اپنا کام کئے جائیں جس صحیح وصاف راستہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چل رہے ہیں اُس میں کوئی کھٹکا نہیں۔ آدمی جب صحیح راستہ پر ہو اور خدائے واحد پر بھروسہ رکھے پھر کیا غم ہے۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ

البتہ تو نہیں سنا سکتا مردوں کو اور نہیں سنا سکتا بہروں کو اپنی پکار

إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿٨٠﴾ وَمَا أَنْتَ بِهَادِي

جب لوٹیں وہ پیٹھ پھیر کر اور نہ تو دکھلا سکے

الْعُمْيِ عَنْ ضَلَالَتِهِمْ

اندھوں کو جب وہ راہ سے بچلیں

مردہ دلوں کا حال:

یعنی جس طرح ایک مردہ کو خطاب کرنا یا کسی بہرے کو پکارنا خصوصاً جبکہ وہ پیٹھ پھیرے چلا جا رہا ہو اور پکارنے والے کی طرف قطعاً ملتفت نہ ہو اُن کے حق میں سودمند نہیں یہی حال ان مکذبین کا ہے جن کے قلوب مر چکے ہیں اور دل کے کان بہرے ہو گئے ہیں اور سننے کا ارادہ بھی نہیں رکھتے کیا ان کے حق میں کوئی نصیحت نافع اور کارگر نہیں ایک نپٹ اندھے کو جب تک آنکھ نہ بنوائے تم کس طرح راستہ یا کوئی چیز دکھلا سکتے ہو۔ یہ لوگ بھی دل کے اندھے ہیں اور چاہتے بھی نہیں کہ اندھے پن سے نکلیں۔ پھر تمہارے دکھلانے سے وہ دیکھیں تو کیسے دیکھیں۔ (تفسیر عثمانی)

اس کے معنی بھی یہی ہوئے کہ جیسے مردے اگر کوئی بات حق کی سن بھی لیں اور اس وقت وہ حق کو قبول کرنا بھی چاہیں تو یہ ان کے لئے نافع نہیں، کیونکہ وہ دنیا کے دارالعمل سے گزر چکے ہیں جہاں ایمان و عمل نافع ہو سکتا تھا مرنے کے بعد برزخ یا محشر میں تو سبھی کافر منکر ایمان و عمل صالح کی تمنائیں کریں گے مگر وہ وقت ایمان و عمل کے قبول ہونے کا وقت نہیں۔ اس لئے اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مردے کوئی کلام کسی کا سن ہی نہیں سکتے اس لئے سماع اموات کے مسئلہ سے درحقیقت یہ آیت ساکت ہے۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ قابل نظر ہے کہ مردے کسی کلام کو سن سکتے ہیں یا نہیں۔

مسئلہ سماع اموات:

یہ مسئلہ کہ مُردے کوئی کلام سن سکتے ہیں یا نہیں اُن مسائل میں سے ہے جن

میں خود صحابہ کرام کا باہم اختلاف رہا ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سماع موتی کو ثابت قرار دیتے ہیں اور حضرت ام المؤمنین صدیقہ عائشہؓ اس کی نفی کرتی ہیں اسی لئے دوسرے صحابہ وتابعین میں بھی دو گروہ ہو گئے بعض اثبات کے قائل ہیں بعض نفی کے۔ اور قرآن کریم میں یہ مضمون ایک تو اسی موقع پر سورۂ نمل میں آیا ہے دوسرے سورۂ روم میں تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ دوسری آیت آئی ہے اور سورۂ فاطر میں یہ مضمون ان الفاظ سے آیا ہے وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ یعنی آپ اُن لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو کہ قبروں میں ہیں۔

ان تینوں آیتوں میں یہ بات قابل نظر ہے کہ ان میں سے کسی میں بھی یہ نہیں فرمایا کہ مردے سن نہیں سکتے بلکہ تینوں آیتوں میں نفی اس کی کی گئی ہے کہ آپ نہیں سنا سکتے۔ تینوں آیتوں میں اسی تعبیر واختیار کرنے سے اس طرف واضح اشارہ نکلتا ہے کہ مردوں میں سننے کی صلاحیت تو ہو سکتی ہے مگر ہم باختیار خود اُن کو نہیں سنا سکتے۔

ان تینوں آیتوں کے بالمقابل ایک چوتھی آیت جو شہداء کے بارے میں آئی ہے وہ یہ ثابت کرتی ہے کہ شہداء کو اپنی قبروں میں ایک خاص قسم کی زندگی عطا ہوتی ہے اور اس زندگی کے مطابق رزق بھی ان کو ملتا ہے اور اپنے پسماندہ متعلقین کے متعلق بھی منجانب اللہ ان کو بشارت سنائی جاتی ہے آیت یہ ہے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۚ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۘ

یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ مرنے کے بعد بھی روح انسانی میں شعور اور ادراک باقی رہ سکتا ہے بلکہ شہداء کے معاملہ میں اس کے وقوع کی شہادت بھی یہ آیت دے رہی ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ یہ حکم تو شہیدوں کے ساتھ مخصوص ہے دوسرے اموات کے لئے نہیں، سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے کم از کم اتنا تو ثابت ہو گیا کہ مرنے کے بعد بھی روح انسانی میں شعور وادراک اور اس دنیا کے ساتھ علاقہ باقی رہ سکتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے شہداء کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ اُن کی ارواح کا تعلق ان کے اجساد اور قبور کے ساتھ قائم رہتا ہے اسی طرح جب اللہ تعالیٰ چاہیں تو دوسرے اموات کو یہ موقع دے سکتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو سماع اموات کے قائل ہیں، ان کا یہ قول بھی ایک صحیح حدیث کی بنا پر ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر سے اسناد صحیح کے ساتھ منقول ہے وہ یہ ہے جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی قبر پر گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور وہ اس کو سلام کرے تو اللہ تعالیٰ اس مردے کی روح اس میں واپس بھیج دیتے ہیں تا کہ وہ سلام کا جواب دے۔

امام غزالی اور علامہ سبکی وغیرہ کی تحقیق یہ ہے کہ اتنی بات تو احادیث صحیحہ اور قرآن کی آیت مذکورہ سے ثابت ہے کہ بعض اوقات میں مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں لیکن یہ ثابت نہیں کہ ہر مردہ ہر حال میں ہر شخص کے کلام کو ضرور سنتا ہے اس طرح آیات وروایات کی تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مردے ایک وقت میں احیاء کے کلام کو سن سکیں دوسرے وقت نہ سن سکیں، یہ بھی ممکن ہے کہ بعض کے کلام کو سنیں بعض کے کلام کو نہ سنیں، یا بعض مردے سنیں بعض نہ سنیں، کیونکہ سورۂ نمل، سورۂ روم، سورۂ فاطر کی آیات سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ مردوں کو سنانا ہمارے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ جس کو چاہتے ہیں سنا دیتے ہیں۔

اس لئے جن مواقع میں حدیث کی روایات صحیحہ سے سننا ثابت ہے وہاں سننے پر عقیدہ رکھا جائے اور جہاں ثابت نہیں وہاں دونوں احتمال ہیں اس لئے نہ قطعی اثبات کی گنجائش ہے نہ قطعی نفی کی، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

اس مسئلہ کی مکمل تحقیق میں احقر نے ایک مستقل رسالہ بنام "تکمیل الحبور بسماع اہل القبور" لکھا ہے جو احکام القرآن سورۂ روم حزب خامس میں بزبان عربی شائع ہوا ہے جس میں آیات وروایات اور اقوال سلف وخلف اور شرح الصدور وغیرہ سے بہت سے واقعات ومخاطبات اہل قبور کے نقل کئے گئے ہیں۔ اہل علم وہاں دیکھ سکتے ہیں عوام کے لئے یہاں اس کا ضروری خلاصہ لکھا گیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٨١﴾
تو تو سناتا ہے اُس کو جو یقین رکھتا ہو ہماری باتوں پر سو وہ حکم بردار ہیں

نصیحت کس کو نفع دیتی ہے؟

یعنی نصیحت سنانا اُن کے حق میں نافع ہے جو سن کر اثر قبول کریں۔ اور اثر قبول کرنا یہی ہے کہ خدا کی باتوں پر یقین کر کے فرماں بردار بنیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اللہ نے جس کے دل کو اندھا کر دیا ہے ایمان کی راہ اس کو سوجھائی نہیں دیتی آپ اس کو ایمان کا راستہ نہیں دکھا سکتے آپ کا قرآن سنانا سوا ان لوگوں کے کسی کو فائدہ نہیں دے سکتا جو ہماری آیات پر ایمان رکھنے والے ہیں یعنی ایمان لانا ہم نے ان کے لئے مقدر کر دیا ہے پس وہ ہی مسلم ہوتے ہیں یعنی اپنا رخ خلوص کے ساتھ اللہ کی طرف کر دیتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً
اور جب پڑ چکے گی اُن پر بات نکالیں گے ہم اُن کے آگے ایک جانور
مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا
زمین سے اُن سے باتیں کرے گا اس واسطے کہ لوگ ہماری
بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿٨٢﴾
نشانیوں کا یقین نہیں کرتے تھے

باتیں کرنے والا جانور:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں قیامت سے پہلے صفا پہاڑ مکہ کا پھٹے گا اس میں سے ایک جانور نکلے گا جو لوگوں سے باتیں کرے گا کہ اب قیامت نزدیک ہے اور سچے ایمان والوں کو اور چھپے منکروں کو نشان دے کر جدا کر دے گا (موضح) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل آخر زمانہ میں طلوع الشمس من المغرب کے دن ہوگا۔ قیامت تو نام ہی اس کا ہے کہ عالم کا سب موجودہ نظام درہم و برہم کر دیا جائے لہٰذا اس قسم کے خوارق پر کچھ تعجب نہیں کرنا چاہیے جو قیامت کی علامات قریبہ اور اس کے پیش خیمہ کے طور پر ظاہر کی جائیں گی شاید دابۃ الارض کے ذریعہ سے یہ دکھلانا ہو کہ جس چیز کو تم پیغمبروں کے کہنے سے نہ مانتے تھے آج وہ ایک جانور کی زبانی ماننی پڑ رہی ہے۔ مگر اُس وقت کا ماننا نافع نہیں صرف مکذبین کی تجہیل وتحمیق مقصود ہے ماننے کا جو وقت تھا گزر گیا۔ (تنبیہ) دابۃ الارض کے متعلق بہت سے رطب و یابس اقوال و روایات تفاسیر میں درج کی گئی ہیں مگر معتبر روایات سے تقریباً اتنا ہی ثابت ہے جو حضرت شاہ صاحبؒ نے لکھا۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

قیامت کی دس نشانیاں:

مسند احمد میں حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو۔ (۱) آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا (۲) دخان (۳) دابہ (۴) خروج یاجوج و ماجوج (۵) نزول عیسیٰ علیہ السلام (۶) دجال (۷) تین خسوف کے معنی، ایک مغرب میں دوسرا مشرق میں تیسرا جزیرۃ العرب میں ہوگا (۸) ایک آگ جو قعر عدن سے نکلے گی اور سب لوگوں کو ہنکا کر میدان حشر کی طرف لے آئے گی جس مقام پر لوگ رات گزارنے کیلئے ٹھیریں گے یہ آگ بھی ٹھہر جائے گی پھر ان کو لے چلے گی۔

(ہکذا رواہ مسلم واہل السنن من طرق وقال الترمذی حدیث حسن صحیح)

دابہ کوہ صفا سے نکلے گا:

ابن کثیرؒ نے بحوالہ ابو داؤد طیالسی حضرت طلحہ بن عمر سے ایک طویل حدیث میں روایت کیا ہے کہ یہ دابۃ الارض مکہ مکرمہ میں کوہ صفا سے نکلے گا اور اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہوا مسجد حرام میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان پہنچ جائے گا لوگ اس کو دیکھ کر بھاگنے لگیں گے ایک جماعت رہ جائے گی یہ دابہ اُن کے چہروں کو ستاروں کی طرح روشن کر دے گا۔ اس کے بعد وہ زمین کی طرف نکلے گا، ہر کافر کے چہرے پر کفر کا نشان لگا دے گا۔ کوئی اس کی پکڑ سے بھاگ نہ سکے گا یہ ہر مومن و کافر کو پہچانے گا۔ (ابن کثیر)

قیامت کی سب سے آخری علامت:

مسلم بن حجاج نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سُنی تھی جس کو میں کبھی بھولتا نہیں وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی آخری علامات میں سب سے پہلے آفتاب کا طلوع مغرب کی طرف سے ہوگا اور آفتاب بلند ہونے کے بعد دابۃ الارض نکلے گا ان دونوں علامتوں میں سے جو بھی پہلے ہو جائے اس کے فوراً بعد قیامت آ جائے گی (ابن کثیر) (معارف مفتی اعظم)

صحیح مسلم میں ہے کہ سب سے پہلے جو نشانی ظاہر ہوگی وہ سورج کا مغرب سے نکلنا اور دَآبَّةُ الْاَرْضِ کا ضحیٰ کے وقت آ جانا ہے ان دونوں میں سے جو پہلے ہوگا اس کے بعد ہی دوسرا ہوگا۔

چھ چیزوں سے پہلے عمل کرو:

صحیح مسلم میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھ چیزوں کی آمد سے پہلے ہی پہلے نیک اعمال کر لو۔ سورج کا مغرب سے نکلنا۔ اور دھوئیں کا آنا اور دجال کا آنا اور دَآبَّةُ الْاَرْضِ کا آنا اور تم میں سے ہر ایک کا خاص امر اور عام امر۔ یہ حدیث اور سندوں سے دوسری کتابوں میں بھی ہے۔

دابہ کی انگوٹھی اور لاٹھی:

ابو داؤد طیالسی میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دَآبَّةُ الْاَرْضِ کے ساتھ حضرت موسیٰؑ کی لکڑی ہوگی اور حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی ہوگی۔ کافروں کی ناک پر لکڑی سے مہر لگائے گا اور مومنوں کے منہ انگوٹھی سے منور کر دے گا یہاں تک کہ ایک دستر خوان پر بیٹھے ہوئے مومن کافر سب ظاہر ہوں گے۔ ایک اور حدیث میں جو مسند احمد میں ہے مروی ہے کہ کافروں کی ناک پر انگوٹھی سے مہر کرے گا اور مومنوں کے چہرے لکڑی سے چمکا دے گا۔

دابۃ الارض کے نکلنے کی جگہ:

ابن ماجہ میں بریدہؓ سے روایت ہے کہ مجھے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے پاس کے ایک جنگل میں گئے۔ میں نے دیکھا کہ ایک خشک زمین ہے جس کے اردگرد ریت ہے فرمانے لگے یہیں سے دابۃ الارض نکلے گا۔ بریدہؓ کہتے ہیں اس کے کئی سال بعد میں حج کے لئے نکلا تو مجھے لکڑی دکھائی دی جو میری اس لکڑی کے برابر تھی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس کے چار پیر ہوں گے صفا کی کھڈ میں سے نکلے گا۔ اس قدر تیزی سے خروج کرے گا کہ جیسے کوئی بہت ہی تیز رفتار گھوڑا ہو، تاہم تین دن میں اس کے جسم کا تیسرا حصہ بھی نہ نکلا ہوگا۔ عبداللہ بن عمروؓ سے جب اس کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا جیاد میں ایک چٹان ہے اس کے نیچے سے نکلے گا۔ میں اگر وہاں ہوتا تو میں تمہیں وہ چٹان دکھا

دیتا یہ سیدھا مشرق کی طرف جائے گا اور اس زور سے چلائے گا کہ ہر طرف اس کی آواز پہنچ جائے گی پھر شام کی طرف جائے گا، وہاں بھی چیخ لگا کر پھر یمن کی طرف متوجہ ہوگا یہاں بھی آواز لگا کر شام کے وقت مکہ سے چل کر صبح کو عسفان پہنچ جائے گا۔ لوگوں نے پوچھا پھر کیا ہوگا؟ فرمایا پھر مجھے معلوم نہیں۔

دابۃ الارض کی چیخ:

عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے کہ مزدلفہ کی رات کو نکلے گا، حضرت عزیرؑ ایک کلام کی حکایت ہے کہ سدوم کے نیچے سے یہ نکلے گا اس کے کلام کو سب سنیں گے حاملہ کے حمل وقت سے پہلے گر جائیں گے، میٹھا پانی کڑوا ہو جائے گا دوست دشمن بن جائیں گے، حکمت جل جائے گی، علم اُٹھ جائے گا نیچے کی زمین باتیں کرے گی، انسان کی وہ تمنائیں ہوں گی جو کبھی پوری نہ ہوں، ان چیزوں کی کوشش ہوگی جو کبھی حاصل نہ ہوں، اُس بارے میں کام کریں گے جسے کھائیں گے نہیں۔

دابۃ الارض کا رنگ وروپ:

ابوہریرہؓ کا قول ہے کہ اس کے جسم پر سب رنگ ہوں گے۔ اس کے دو سینگوں کے درمیان سوار کے لئے ایک فرسخ کی راہ ہوگی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ موٹے نیزے اور بھالے کی طرح ہوگا حضرت علیؓ فرماتے ہیں اس کے بال ہوں گے کھر ہوں گے، ڈاڑھی ہوگی، دم نہ ہوگی۔ تین دن میں بمشکل ایک تہائی باہر آئے گا حالانکہ تیز گھوڑے کی چال چلتا ہوگا۔ ابن الزبیرؓ کا قول ہے کہ اس کا سر بیل کے سر کے مشابہ ہوگا آنکھیں خنزیر کی آنکھوں کے مشابہ ہوں گی، کان ہاتھی جیسے ہوں گے سینگ کی جگہ اُونٹ کی طرح ہوگی، شتر مرغ جیسی گردن ہوگی شیر جیسا سینہ ہوگا، چیتے جیسا رنگ ہوگا، بلی جیسی کمر ہوگی، مینڈھے جیسی دم ہوگی، اُونٹ جیسے پاؤں ہوں گے، ہر دو جوڑ کے درمیان بارہ گز کا فاصلہ ہوگا۔ حضرت موسیٰؑ کی لکڑی اور حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی ساتھ ہوگی۔ ہر مومن کی پیشانی پر اپنے عصائے موسوی سے نشان کر دے گا جو پھیل جائے گا اور اس کا چہرہ منور ہو جائے گا اور ہر کافر کے چہرے پر خاتم سلیمانی سے نشان لگا دے گا جو پھیل جائے گا اور اس کا سارا چہرہ سیاہ ہو جائے گا۔ اب تو اس طرح مومن کافر ظاہر ہو جائیں گے کہ خرید وفروخت کے وقت کھانے پینے کے وقت لوگ ایک دوسرے کو اے مومن! اور اے کافر کہہ کر بلائیں گے۔ دابۃ الارض ایک ایک کا نام لے کر ان کو جنت کی خوشخبری یا جہنم کی بدخبری سنا دے گا یہی معنی ومطلب اس آیت کا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا وہ دابۃ ایسا دابۃ نہ ہوگا جس کی دم ہو بلکہ داڑھی والا دابۃ ہوگا۔

بغوی نے حضرت ابن عمر کا قول نقل کیا ہے کہ دابۃ الارض کوہ صفا کے ایک شگاف سے برآمد ہوگا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے احرام کی حالت میں صفا کو لاٹھی سے ٹھوکا اور فرمایا دابۃ میری لاٹھی کے ٹھوکے کو سن رہا ہے۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا دابۃ ایک گھاٹی سے برآمد ہوگا اس کا سر بادل کو چھوئے گا اور اس کی ٹانگیں زمین کے اندر ہوں گی باہر نکلی بھی نہ ہوں گی وہ نماز پڑھتے آدمی کی طرف سے گزرے گا اور کہے گا نماز کی تجھے کیا ضرورت پھر اس (کے ماتھے یا ناک پر) نشان بنا دے گا۔

تین بار دابہ نکلے گا:

بغوی نے حضرت ابوشریحہ انصاری کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پوری مدت میں تین بار دابۃ کا خروج ہوگا۔ ایک بار یمن سے برآمد ہوگا جس کی شہرت بادیہ (صحرا) میں پھیل جائے گی۔ اور قریہ یعنی مکہ میں بھی اس کا تذکرہ پہنچ جائے گا پھر ایک روز سب سے بڑی عزت و عظمت والی مسجد یعنی مسجد حرام میں لوگ جمع ہوں گے کہ دابہ دکھائی دے گا عمرو (راوی) نے کہا رکن اسود سے باب بنی مخزوم تک درمیان میں دکھائی دے گا اور مسجد کے ہر گوشہ میں موجود لوگوں کو دیکھے گا لوگ اس کو دیکھ کر بکھر جائیں گے لیکن ایک جماعت اس کے سامنے جمی رہے گی وہ سمجھ لیں گے کہ اللہ سے چھوٹ کر وہ کہیں جا نہیں سکتے دابہ اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہوا ان کی طرف گزرے گا اور ان کے چہروں کو (نشان زد کر کے) ایسا روشن کر دے گا جیسے چمکدار ستارے۔ پھر زمین کو پھاڑتا ہوا چلا جائے گا (اتنی تیزی کے ساتھ) کہ اس کو پکڑنے والا پا نہ سکے گا اور اس سے بھاگنے والا چھوٹ نہ سکے گا پھر کچھ لوگ اُٹھ کر نماز پڑھنے لگیں گے تو (تیسری بار) وہ پیچھے سے آ پڑے گا اور کہے گا اے فلاں تو اب نماز پڑھ رہا ہے پھر نمازی کے سامنے آ کر اس کے چہرہ پر نشان بنا دے گا پھر لوگ وہاں سے ہٹ کر اپنے گھروں کو چلے جائیں گے اور ساتھ ساتھ مل کر سفر کریں گے اور باہم باتوں میں شرکت کریں گے اور کافر کا مؤمن سے امتیاز ہو جائے گا مؤمن کو مؤمن کہہ کر پکارا جائے گا اور کافر کو کافر کہہ کر۔

حضرت حذیفہ بن یمان کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دابہ کا تذکرہ آیا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کہاں سے برآمد ہوگا۔ فرمایا سب سے بڑھ کر حرمت والی مسجد سے اس وقت عیسیٰ علیہ السلام طواف کر رہے ہوں گے مسلمان آپ کے ساتھ ہوں گے کہ قندیل کی حرکت کی طرح ان کے قدموں کے نیچے زمین میں لرزہ پیدا ہوگا اور مشرقی جانب کوہ صفا پھٹ کر اس سے دابۃ برآمد ہو جائے گا سب سے پہلے اس کا سر نکلے گا۔ اس پر اون اور پر ہوں گے کوئی پکڑنے والا اس تک پہنچ نہ سکے گا اور نہ بھاگنے والا اس سے چھوٹ سکے گا۔ وہ لوگوں پر مومن وکافر کا نشان بنا دے گا۔ مومن کا چہرہ چمکدار ستارہ کی طرح روشن ہو جائے گا اس کی دونوں آنکھوں کے بیچ میں وہ نشان ہوگا۔ اور کافر کی دونوں آنکھوں کے بیچ میں جو نشان ہوگا وہ کالا ہوگا اور

دونوں آنکھوں کے بیچ میں کافر لکھا ہوگا۔ رواہ البغوی و کذا اخرج ابن جریر بغوی نے سہل بن صالح کے والد کی روایت سے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یا تین بار فرمایا حناد کی گھاٹی بری گھاٹی ہے عرض کیا گیا یا رسول اللہ ایسا کیوں ہے فرمایا اس سے دابۃ برآمد ہوگا اور تین چیخیں مارے گا جن کو مشرق و مغرب کے درمیان سب سنیں گے اس کا چہرہ مرد کا چہرہ ہوگا اور (باقی) جسمانی بناوٹ پرندے کی ہوگی اور جو اس کو دیکھے گا اس سے وہ کہے گا کہ اہل مکہ محمد اور قرآن پر یقین نہیں رکھتے تھے۔

حضرت ابوامامہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دابۃ برآمد ہوگا اور لوگوں کی ناکوں پر نشان لگا دے گا اس کے بعد بھی لوگ (مدت تک) زندہ رہیں گے یہاں تک کہ بعض لوگ جانور خرید کر لائیں گے تو ان سے دریافت کیا جائے گا تم نے یہ جانور کس سے خریدا وہ جواب دیں گے مہر زدہ آدمی سے۔ رواہ احمد، حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جمعہ کی رات کو دابہ برآمد ہوگا لوگ منا کی طرف جا رہے ہوں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دابۃ الارض کو دیکھا:

ابن ابی شیبہ عبد بن حمید ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے حسن کا بیان نقل کیا ہے کہ موسیٰ نے اپنے رب سے خواہش کی کہ مجھے دابۃ الارض دکھا دیا جائے (اللہ نے دعا قبول فرمائی اور) چنانچہ دابہ تین دن رات (برابر) نکلتا رہا خلا میں جاتا رہا اور اس کا کوئی کنارہ نظر نہ آتا تھا حضرت موسیٰ نے ہیبت ناک منظر دیکھ کر درخواست کی اے میرے رب اس کو لوٹا دے اللہ نے اس کو لوٹا دیا۔

مؤمن و کافر کا امتیاز:

میں کہتا ہوں کہ احادیث دلالت کر رہی ہیں کہ دابۃ الارض سچے مومنوں کو ان منافقوں سے الگ کر دے گا جو زبان سے مومن اور دل سے کافر ہوں گے اور کفر سے مراد ہے اس اسلام کی ضد جو (صرف زبانی ہوتا ہے لیکن زبان سے اسلام کا اقرار کرنے والوں کے) دلوں میں نہیں ہوتا بلکہ ایسے لوگوں کے دل اس دین کی تصدیق نہیں کرتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا ہے اس اسلام کو مجازی اسلام کہا جاتا ہے یا کفر سے مراد ہے اس حقیقی اسلام کی ضد جس کے دعوے دار دلوں میں بھی ایمان رکھتے ہیں اور زبان سے بھی تصدیق کرتے ہیں لیکن اطمینان قلب اور ایمان نفس کے درجہ پر فائز نہیں ہوتے اگر کفر سے مؤخر الذکر معنی مراد ہو تو دابہ جو بعض لوگوں سے کہے گا اے فلاں تو دوزخیوں میں سے ہے اس سے مراد یہ ہوگی کہ تو دوزخ میں ضرور جائے گا یہ مطلب نہ ہوگا کہ تو ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

کفر سے مراد علانیہ کفر کا اقرار نہیں ہوسکتا کیونکہ فتح کے بعد مکہ کے اندر علانیہ کفر کا دعویدار کوئی باقی نہیں رہا (نہ آئندہ ہوگا) پھر مومنوں سے تمیز کر دینے کا کوئی معنی نہیں۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ

اور جس دن گھیر بلائیں گے ہم ہر ایک فرقہ میں سے ایک جماعت جو جھٹلاتے تھے

بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

ہماری باتوں کو پھر اُن کی جماعت بندی ہوگی

گناہ گاروں کی تقسیم:

ہر گناہ والوں کے جتھے اور جماعتیں الگ الگ ہوں گی۔ (تنبیہ) عموماً مفسرین نے فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ کے معنی روکنے کے لئے ہیں یعنی ہر اُمت کے مکذبین کو محشر کی طرف لے چلیں گے اور وہ اتنی کثرت سے ہوں گے کہ پیچھے چلنے والوں کو آگے بڑھنے سے روکا جائے گا۔ جیسے انبوہ کثیر میں انتظام قائم رکھنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حَتّٰىٓ اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ

یہاں تک کہ جب حاضر ہو جائیں فرمائے گا کیوں جھٹلایا تم نے میری باتوں کو اور نہ

تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

آ چکی تھیں تمہاری سمجھ میں یا بولو کہ کیا کرتے تھے

غور و فکر کے بغیر جھٹلا دیا:

یعنی پوری طرح سمجھنے اور تمام اطراف و جوانب پر نظر ڈالنے کی کوشش بھی نہ کی، پہلے ہی جھٹلانا شروع کر دیا۔ یا بولو! یہ نہیں تو اور کیا کرتے تھے یعنی اس کے سوا تمہارا کام ہی کیا تھا اور ممکن ہے یہ مطلب ہو کہ بے سوچے سمجھے تکذیب ہی کی تھی؟ یا بول اس کے سوا اور بھی کچھ گناہ سمیٹے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

جو لوگ غور و فکر کرنے کے باوجود حق کو نہ پا سکیں کہ اُن کی نظر و فکر ہی گمراہی کی طرف لے جائے تو ان کا جرم کسی قدر ہلکا ہو جاتا ہے اگرچہ اللہ کے وجود اور توحید وغیرہ کی تکذیب پھر بھی کفر و ضلال اور دائمی عذاب سے نہیں بچائے گی کیونکہ یہ ایسے بدیہی اُمور ہیں جن میں نظر و فکر کی غلطی معاف نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾

اور پڑ چکی اُن پر بات اس واسطے کہ انہوں نے شرارت کی تھی اب وہ کچھ نہیں بول سکتے

منکروں کے تمام عذر ختم ہو گئے:

یعنی اُن کی شرارتوں کا یقینی ثبوت ہو چکا اور خدا کی حجت تمام ہو چکی۔ اب آگے وہ کیا بول سکتے ہیں۔ باقی بعض آیات میں جو ان کا عذر پیش کرنا مذکور ہے وہ شاید اس سے پہلے ہو چکے گا بہر حال نفی و اثبات کو اختلاف مواطن

پر حمل کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

کیونکہ ان کے پاس تکذیب کرنے کا کوئی عذر ہی نہ ہوگا یا اس وجہ سے کہ ان کو بولنے کی اجازت نہیں ملے گی کہ کچھ عذر پیش کرسکیں۔ بعض نے کہا نہ بولنے کی وجہ یہ ہوگی کہ ان کے مونہوں پر مہریں لگی ہوں گی بعض نے کہا وہ عذاب میں ایسے گرفتار ہوں گے کہ ان کو بولنے کا ہوش ہی نہ ہوگا اول توجیہ زیادہ صحیح ہے۔ اسی پر اگلی آیت دلالت کر رہی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ

کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے بنائی رات کہ اس میں چین حاصل کریں

وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

اور دن بنایا دیکھنے کا البتہ اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کیلئے جو یقین کرتے ہیں

رات ودن کے نظام پر غور کی دعوت:

یعنی کیسے کھلے کھلے نشان اللہ تعالیٰ نے دنیا میں دکھلائے پر ذرا بھی غور نہ کیا۔ ایک رات دن کے روزانہ ادل بدل ہی کے حال میں غور کر لیتے تو اللہ کی توحید پیغمبروں کی ضرورت اور بعثت بعد الموت سب کچھ سمجھ سکتے تھے۔ آخر وہ کون ہستی ہے جو ایسے مضبوط ومحکم انتظام کے ساتھ برابر دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن کو نمودار کرتا ہے جس نے ہماری ظاہری بصارت کے لئے شب کی تاریکی کے بعد دن کا اُجالا کیا۔ کیا وہ ہماری باطنی بصیرت کے لئے اوہام واہوا کی تاریکیوں میں معرفت وہدایت کی روشنی نہ بھیجتا۔ پھر رات کیا ہے؟ نیند کا وقت ہے جسے ہم موت کا ایک نمونہ قرار دے سکتے ہیں۔ اُس کے بعد دن آیا پھر آنکھیں کھول کر اِدھر اُدھر پھرنے لگے۔ اسی طرح اگر حق تعالیٰ ہم پر موت طاری کرے اور موت کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھا لے تو اس میں کیا استحالہ ہے۔ غرض یقین کرنے والوں کے لئے اسی ایک نشان میں تمام ضروری چیزوں کا حل موجود ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَمْ يَرَوْا میں رؤیت (دیکھنا) بمعنی علم ہے یعنی کیا یہ نہیں جانتے کہ خاص طریقہ سے مفید طور پر معاش ومعاد کے مصالح کے مطابق روشنی اور تاریکی کا توارد وتعاقب اللہ نے کردیا ہے ان کا اس طور پر تعاقب دلالت کر رہا ہے کہ ان کا فاعل خالق حکیم اور قادر قاہر ہے اور ظاہر ہے کہ جو شب وروز کے تعاقب پر قدرت رکھتا ہے وہ پیغمبروں کو اللہ کی عبادت کی دعوت دینے کے لئے بھیج سکتا ہے اور فرمانبرداری ونافرمانی کی جزا سزا دینے کی بھی اس کو قدرت ہے اور موت کے بعد زندگی بھی لا سکتا ہے جیسا کہ وہ نور وظلمت اور بیداری وخواب کا تبادل کرتا رہتا ہے۔ اور پیغمبروں کے معجزات سے پیغمبروں کی اور ان کی لائی ہوئی تعلیم کی صداقت ثابت ہو چکی ہے ان تمام امور مذکورہ میں اللہ کی توحید اور رسول کے صادق ہونے کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں تکذیب کرنے والے کو ان دلائل کے بعد کون سا عذر ہوسکتا ہے لیکن ان دلائل وآیات کا فائدہ انہی لوگوں کو پہنچتا ہے جو ایمان رکھتے ہیں۔

حشر کی دلیل: اَلَمْ يَرَوْا سے آخر تک حشر کی دلیل ہے ظلمت کو نور سے اور خواب کو بیداری سے بدلنا دلالت کر رہا ہے کہ جو قادر یہ تبادلہ کرتا ہے وہ موت کے بعد دوبارہ زندگی بھی لاسکتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ

اور جس دن پھونکی جائے گی صور

صُور کا پھونکا جانا:

صور پھونکنے والا فرشتہ اسرافیل ہے جو حکم الٰہی کے انتظار میں صور لئے تیار کھڑا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ

تو گھبرا جائے جو کوئی ہے آسمان میں اور جو کوئی ہے زمین میں

اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ

مگر جس کو اللہ چاہے

بعض روایات میں ہے اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ کہ جبرئیل، میکائیل اسرافیل اور ملک الموت ہیں۔ اور بعض نے شہداء کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

قتادہ وغیرہ ائمہ تفسیر نے اس آیت کو نفخہ ثانیہ کے متعلق قرار دیا ہے جس سے سب مردے دوبارہ زندہ ہو جائیں گے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ سب زندہ ہونے کے وقت گھبرائے ہوئے اٹھیں گے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ صور تین مرتبہ پھونکا جائے گا، پہلا نفخہ فزع ہوگا جس سے سب پریشانی گھبراہٹ اور اضطراب میں مبتلا ہوجائیں گے۔ دوسرا نفخہ صعق ہوگا جس سے سب مرجائیں گے تیسرا نفخہ نفخہ حشر ونشر ہوگا جس سے سب مردے زندہ ہوجائیں گے مگر آیات قرآن اور احادیث صحیحہ سے ثبوت دو ہی نفخوں کا ملتا ہے (قرطبی وابن کثیر) ابن مبارک نے حضرت حسن بصری سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا۔ (قرطبی)

وہ لوگ جن پر گھبراہٹ نہ ہوگی:

اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ یہ استثناء مفرغ سے ہے جس کے معنے گھبراہٹ کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جن پر کوئی گھبراہٹ حشر کے وقت نہیں ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ یہ لوگ

شہداء ہوں گے حشر کی دوبارہ زندگی کے وقت ان پر کوئی گھبراہٹ نہیں ہوگی (صحیح الحدیث ابن العربی (قرطبی) سعید ابن جبیرؒ نے بھی یہ فرمایا کہ مراد اس سے شہداء ہیں جو حشر کے وقت اپنی تلواریں باندھے ہوئے عرش کے گرد جمع ہوں گے اور قشیری نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام ان میں بدرجہ اولی داخل ہیں کیونکہ ان کو مقام شہادت بھی حاصل ہے اور مقام نبوت مزید براں ہے (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ اور یاد کرو اس دن کو جب کہ صور کے اندر پھونک ماری جائے گی۔

سور ایک سینگ ہے:

حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صور کے متعلق دریافت کیا فرمایا وہ ایک سینگ ہے جس سے پھونکا جائے گا۔ رواہ ابوداؤد والترمذی وحسنہ والنسائی وابن حبان والحاکم۔ حضرت ابن مسعود سے بھی اسی طرح کی حدیث مروی ہے۔ **رواہ مسدد بسند صحیح۔**

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فکر آخرت:

حضرت زید بن ارقم راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کیسے چین پا سکتا ہوں سینگ (صور) والا تو سینگ منہ میں لئے پیشانی آگے کو جھکائے اور کان لگائے ہوئے ہے کہ کب اس کو (پھونکنے کا) حکم دیا جاتا ہے صحابہ کو یہ فرمان سن کر بڑی دشواری ہوگئی (کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے کہ دل کو کسی وقت سکون میسر نہیں تو ہمارا کیا ٹھکانہ ہے) فرمایا کہو حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ اللہ ہمارے لئے کافی ہے وہی اچھا ذمہ دار ہے۔

احمد حاکم بیہقی اور طبرانی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے یہ حدیث اسی طرح بیان کی ہے اور ترمذی حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوسعید کی روایت سے بھی یونہی نقل کیا ہے اور ابونعیم نے حضرت جابر کی روایت سے بھی ایسا ہی بیان کیا ہے۔

صُور والا فرشتہ:

سعید بن منصور اور بیہقی نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جبرئیل اس کے یعنی اسرافیل کے دائیں جانب اور میکائیل بائیں جانب ہیں اور وہی صور والا ہے۔ قرطبی نے لکھا ہے تمام (پیغمبروں کی) امتوں کے علماء کا اتفاق ہے کہ اسرافیل ہی صور پھونکیں گے۔

کل نفخات:

بعض علماء کا قول ہے کہ صرف دو نفخات ہوں گے نفخہ فزع ہی نفخہ صعق ہوگا ان لوگوں کا خیال ہے کہ نفخہ ایک ہی ہوگا جس میں دونوں حالتیں پیدا ہو جائیں گی اور یہ دونوں باہم لازم ملزوم ہوں گی صور کی آواز سن کر پہلے گھبراہٹ پھر بے ہوشی اور موت ہو جائے گی۔ قرطبی نے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے اور استدلال میں کہا ہے کہ نفخہ فزع سے اس جگہ مَنْ شَآءَ اللّٰهُ کو مستثنیٰ کر لیا گیا ہے جس طرح کہ نفخہ صعق سے من شاء اللہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے دونوں کے متعلق اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ نفخات نہیں ہوں گے بلکہ ایک ہی نفخہ ہوگا (جس کو نفخہ فزع بھی کہا گیا ہے اور نفخہ صعق بھی)

میں کہتا ہوں یہ دلیل صحیح نہیں ہے اس سے دونوں نفخوں کا ایک ہونا ثابت نہیں ہوتا بے شک مستثنیٰ منہ دونوں کلاموں میں ایک ہی ہے لیکن مَنْ شَآءَ اللّٰهُ کو دونوں جگہ مستثنیٰ کر لینے کا یہ معنی نہیں کہ دونوں مستثنیٰ ایک ہی ہیں۔

شہداء کی فضیلت:

بغوی نے لکھا ہے مستثنیٰ کون لوگ ہوں گے اس کی تعیین میں علماء کے اقوال میں اختلاف ہے حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ کی بابت دریافت کیا گیا تو حضور نے فرمایا وہ شہداء ہوں گے کیونکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ موجود ہیں ان کو فزع لاحق نہ ہوگا۔

ابویعلی بیہقی اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے ذکر کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے جبرئیل سے آیت وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ کے سلسلہ میں دریافت کیا کہ وہ کون ہیں جن کو اللہ بے ہوش کرنا (یا صور کی آواز سے مردہ کرنا) نہ چاہے گا وہ شہداء ہوں گے جو تلواریں لٹکائے عرش کے گرداگرد ہیں علماء نے استثناء شہداء کی بابت یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں بغوی نے لکھا ہے بعض آثار میں آیا ہے کہ شہداء اللہ کے استثناء کردہ ہیں یعنی اللہ نے خود نفخہ صور کے اثر سے ان کو مستثنیٰ کر دیا ہے۔ **كذاروی هناد بن السری والبيهقی والنحاس فی معانی القرآن عن سعيد بن جبير۔**

جبریل، میکائیل، عزائیل اور حاملین عرش:

فریابی نے اپنی تفسیر میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ تک تلاوت کی تو صحابہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کون لوگ ہیں جن کا اللہ نے استثناء کیا ہے فرمایا جبرئیل میکائیل فرشتۂ موت اسرافیل اور حاملین عرش جب اللہ مخلوق (یعنی انسانوں) کی روحیں قبض کر لے گا تو ملک الموت سے فرمائے گا اب کون باقی ہے ملک الموت جواب دے گا اے مالک عظمت وعزت تو پاک ہے بڑی خیر والا ہے بزرگ و برتر ہے جبرئیل اور میکائیل اور ملک الموت باقی ہیں اللہ فرمائے گا میکائیل کی جان لے لے ملک الموت میکائیل کی جان لے لے گا

اور میکائیل بڑے پہاڑ کی طرح گر جائے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا (اب) کون باقی رہا ملک الموت عرض کرے گا جبرئیل اور ملک الموت اللہ فرمائے گا اے موت کے فرشتے تو مر جا موت کا فرشتہ فوراً مر جائے گا اللہ فرمائے گا جبرئیل اب کون باقی رہے گا جبرئیل تیری ذات کریم لافانی اور جبرئیل میت فانی اللہ فرمائے گا (موت تو تجھے بھی آنی ہے) مرے بغیر چارہ نہیں جبرئیل فوراً سجدہ میں گر جائے گا اپنے دونوں بازو پھڑ پھڑانے لگے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرئیل کی جسمانی ساخت کی میکائیل کی جسمانیت پر بیشی ایسی ہے جیسے بڑے پہاڑ کی بڑائی چھوٹے ٹیلہ پر بیہقی نے آیت نُفِخَ فِي الصُّوْرِ کے ذیل میں حضرت انسؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ جن کو اللہ نے مستثنیٰ کیا ہے ان میں سے تین اشخاص ہوں گے جبرئیل اور میکائیل اور ملک الموت اللہ باوجودیکہ خوب جانتا ہوگا فرمائے گا اے ملک الموت کون باقی رہا ملک الموت عرض کرے گا تیری لافانی ذات کریم اور تیرا بندہ جبرئیل اور میکائیل اور ملک الموت اللہ فرمائے گا میکائیل کی جان لے لے پھر فرمائے گا باوجود بلکہ خوب واقف ہوگا (اب) کون باقی رہا ملک الموت عرض کرے گا تیری ذات کریم لافانی اور تیرا بندہ جبرئیل اور ملک الموت اللہ فرمائے گا جبرئیل کی جان لے لے اس کے بعد فرمائے گا باوجود خوب جانتا ہوگا (اب) کون باقی رہا ملک الموت عرض کرے گا تیری ذات کریم لافانی اور تیرا بندہ ملک الموت اور وہ بھی مرنے والا ہے اللہ فرمائے گا تو بھی مر جا (ملک الموت بھی مر جائے گا) پھر فرمائے گا میں نے ہی مخلوق کو شروع میں پیدا کیا تھا پھر میں ہی دوبارہ تخلیق کروں گا اب کہاں ہیں مغرور متکبر کوئی جواب نہیں دے گا پھر اللہ پکار کر فرمائے گا آج حکومت کس کی ہے ۔کوئی بھی جواب دینے والا نہ ہوگا اللہ خود ہی فرمائے گا ایک غالب کل اللہ کی اس کے بعد (ملک الموت کو سب سے پہلے اٹھایا جائے گا اور) دوبارہ صور میں پھونک ماری جاری جائے گی اور یکدم سب کھڑے ہو جائیں گے اور ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے۔

بیہقی نے زید بن اسلم کا قول نقل کیا ہے کہ جن کو اللہ نے مستثنیٰ کیا ہے وہ بارہ ہیں جبرئیل میکائیل اسرافیل ملک الموت اور آٹھ حاملین عرش۔ بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ جبرئیل و میکائیل کی روح قبض کی جائے گی پھر حاملین عرش کی پھر اسرافیل کی روح پھر ملک الموت کی روح۔

بیہقی نے مقاتل کا قول نقل کیا ہے (اول) میکائیل کی روح قبض کی جائے گی پھر جبرئیل کی روح پھر اسرافیل کی روح پھر ملک الموت کو بھی (مر جانے کا) حکم ہوگا وہ بھی مر جائے گا۔

سب سے پہلے پیدا ہونے اور سب سے آخر میں مرنے والے

ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں وہب کا قول نقل کیا ہے کہ ان چاروں یعنی جبرئیل میکائیل اسرافیل علیہم السلام اور ملک الموت علیہم السلام کو اللہ نے سب سے پہلے پیدا کیا اور سب کے آخر میں ان کو وفات دے گا اور پھر سب سے پہلے ان کو زندہ کرے گا یہی ہیں اَلْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا کاموں کا انتظام کرنے والے ملائکہ اور اَلْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا (کاموں کو تقسیم کرنے والے ملائکہ) یعنی قرآن کی اس آیت میں یہی مراد ہیں سیوطی نے لکھا استثناء کی ان تمام روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے ان تمام روایات کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ یہ سب مستثنیٰ ہیں (چاروں ملائکہ بھی اور آٹھوں حاملین عرش بھی)

حضرت قاضی ثناء اللہؒ کی تحقیق:

میں کہتا ہوں جتنی احادیث اور آثار آئی ہیں وہ نفخۂ صعق (نفخۂ موت) سے استثناء کے متعلق ہیں نفخۂ فزع سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ میرے نزدیک آیۃ سے جن لوگوں کا استثناء کیا گیا ہے ان سے مراد وہ نیکوکار مؤمن ہیں جن کا ذکر آیت مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ - اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ میں کیا گیا ہے ان آیات میں صراحت ہے کہ جو لوگ دوزخ میں جائے بغیر جنت میں چلے جائیں گے ان پر نفخۂ فزع کے وقت گھبراہٹ طاری نہ ہوگی اور نفخۂ فزع کے وقت سوا کافروں کے اور کوئی موجود ہی نہ ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت صرف شریروں پر برپا ہوگی۔ رواہ احمد و مسلم عن ابن مسعود۔ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے قیامت اسی وقت قائم ہوگی جب زمین پر اللہ اللہ (کہنے والا ہی نہ ہوگا اور اللہ اللہ) نہیں کہا جائے گا رواہ احمد و مسلم والترمذی عن انسؓ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا قیامت برپا نہ ہوگی یہاں تک کہ کعبہ کا حج نہیں کیا جائے گا (کوئی حج کرنے والا ہی نہ ہوگا اس وقت قیامت آئے گی) رواہ عبدالرزاق فی الجامع۔ یہ بھی حضور کا ارشاد ہے کہ قیامت نہیں آئے گی یہاں تک کہ کعبہ اور قرآن اٹھا لیا جائے گا (اس وقت آئے گی) رواہ السنجری عن ابن عمر۔ اس مضمون کی اور احادیث بھی آئی ہیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارواح شہداء کو مستثنیٰ قرار دیا کیونکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں باقی ملائکہ اور ارواح انبیاء بھی استثناء میں داخل ہیں وہ بھی بالکل گھبراہٹ سے مستثنیٰ ہوں گی۔ ابن جریر نے تفسیر میں طبرانی نے المطولات ابویعلی نے مسند میں بیہقی نے البعث میں ابوموسیٰ مدینی نے المطولات میں علی بن معبد نے کتاب الطاعۃ والعصیان میں ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں نیز عبد بن حمید نے حضرت ابوہریرہ کی روایت کردہ ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس میں ذکر کیا گیا ہے پھر تین بار صور پھونکا جائے گا پہلا نفخہ نفخۂ فزع ہوگا دوسرا نفخہ صعق اور تیسرا نفخہ وہ نفخہ جس کے بعد سب رب العالمین کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے اللہ اسرافیل کو پہلی بار

صور پھونکنے کا حکم دے گا اسرافیل پھونکے گا جس سے (سارے) اہل سموات وارض، گھبرا جائیں گے (سخت خوف زدہ ہو جائیں گے) سوا ان کے جن کو اللہ (محفوظ رکھنا) چاہے گا (وہ محفوظ رہیں گے) یہاں تک کہ حضور نے فرمایا پھر دودھ پلانے والیاں اپنے شیر خوار بچوں کو بھول جائیں گی حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے بچوں کے بال سفید ہو جائیں گے اور شیطان اڑے اڑے بھاگ کر زمین کے کناروں پر پہنچ جائیں گے سامنے سے ملائکہ آ کر ان کے منہ پر مار مار کر واپس لوٹا دیں گے لوگ پیٹھ پھیر سے بھاگ رہے ہوں گے ایک دوسرے کو پکارے گا اللہ نے اسی دن کو یوم التناد (پکار کا دن) فرمایا ہے اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ (قبروں کے اندر) اس بیرونی کیفیت سے بالکل بے خبر ہوں گے ان کو کچھ معلوم نہ ہوگا کہ اوپر کیا ہو رہا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں جن کو اللہ نے مستثنیٰ کیا ہے اور فرمایا ہے اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ فرمایا وہ شہداء ہوں گے (تمام) زندوں تک وہ خوف پہنچے گا (مگر شہیدوں تک نہیں پہنچے گا) اور وہ اپنے رب کے پاس زندگی کی حالت میں ہوں گے ان کو اللہ کی طرف سے روزی ملتی ہے اللہ ان کو اس روز کے خوف سے محفوظ رکھے گا اور اس گھبراہٹ سے وہ امن میں رہیں گے یہ عذاب انہی لوگوں پر قائم ہوگا جو اللہ کی مخلوق میں سب سے برے (یعنی کافر) ہوں گے اللہ نے فرمایا ہے يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ اللہ جتنی مدت چاہے گا لوگ اسی حالت میں رہیں گے پھر نفخہ الصعق کا حکم دے گا تو سارے آسمان وزمین والے مرجائیں گے سواء ان کے جن کو اللہ (موت سے محفوظ رکھنا) چاہے ملک الموت عرض کرے گا آسمان و زمین والے (سارے) مر گئے سواء ان کے جن کو تو نے (محفوظ رکھنا) چاہا اللہ فرمائے گا حالانکہ وہ خوب جانتا ہوگا، اب کون باقی رہا۔ پھر (بروایت ابوہریرہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل میکائیل ملک الموت اور حاملین عرش کے مرنے کا تذکرہ حضرت انس کی روایت کردہ حدیث کے مطابق کیا یا یوں کہا جائے کہ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ سے مراد ہیں بعض مومنوں کی روحیں اور سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى سے مراد ہیں انبیاء اور مقربین بارگاہ الٰہی۔

نفخہ الصعق سے مستثنیٰ کون ہوں گے اس مبحث میں صحیح قول وہ ہے جو صاحب مظہم نے کہا ہے کہ لفظ صعق سے بطور عموم مجاز ایسا مفہوم مراد ہے جو موت کو بھی شامل ہے اور صرف بے ہوشی کو بھی زندوں کے لئے موت اور مردوں کے لئے بے ہوشی ہو جائے گی یہ بے ہوشی تمام انبیاء کو (جو عالم برزخ میں موجود ہیں) ہوگی البتہ حضرت موسیٰ کے بے ہوش ہونے میں تردد ہے کوئی قطعی بات نہیں کہی جا سکتی شیخین نے صحیحین میں اور ترمذی وابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ ایک یہودی نے مدینہ کے بازار میں کہا قسم ہے اس کی جس نے موسیٰ کو تمام انسانوں پر فضیلت عطا کی یہ بات سن کر ایک انصاری نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور یہودی کے طمانچہ مارا اور کہا تو ایسی بات کہتا ہے حالانکہ ہم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں۔ اس بات کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا گیا تو ارشاد فرمایا اللہ نے فرمایا ہے وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ پس میں ہی سب سے پہلے اپنا سر اٹھاؤں گا تو اچانک دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا ایک پایہ پکڑے ہوئے ہیں مجھے نہیں معلوم کہ مجھ سے پہلے انہوں نے اپنا سر اٹھا لیا (اور اُٹھ کھڑے ہوئے) یا ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ نے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ جب لفظ صعق موت اور بے ہوشی دونوں کو شامل ہے اور انبیاء پر (عالم برزخ میں) غشی طاری ہو جائے گی تو شہداء کا بیہوش ہونا بدرجہ اولیٰ ہوگا اور ملائکہ بھی بے ہوش ہوں گے البتہ جبرئیل میکائیل اسرافیل ملک الموت اور حاملین عرش کی موت صور پھونکنے کی آواز سے نہیں ہوگی بلکہ یہ ملائکہ بعد کو مریں گے جیسا کہ احادیث میں آ چکا ہے۔ (تفسیر مظہری)

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ سے جبرئیل اور میکائیل اور اسرافیل اور عزرائیل اور ارواح انبیاء اور ارواح شہداء مراد ہیں۔

ایک بار صور پھنکے گا۔ جس سے خلق مرجائے گی۔ دوسرا پھنکے گا تو جی اٹھیں گے اس کے بعد پھنکے گا تو گھبرا جائیں گے۔ پھر پھنکے گا تو بیہوش ہو جائیں گے اور پھر پھنکے گا تو ہشیار ہوں گے۔ صور پھنکنا کئی بار ہے۔ (موضح القرآن) (معارف کاندھلوی)

وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾
اور سب چلے آئیں اس کے آگے عاجزی سے

متعدد بار صور پھنکنا:

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ایک بار صور پھنکے گا جس سے خلق مرجائے گی۔ دوسرا پھنکے گا تو جی اٹھیں گی۔ اس کے بعد پھنکے گا تو گھبرا جائیں گے، پھر پھنکے گا تو بیہوش ہو جائیں گے اور پھنکے گا تو ہشیار ہوں گے صور پھنکنا کئی بار ہے (موضح) اور بہت سے علماء صرف دو نفخے مانتے ہیں یعنی کل دو مرتبہ پھنکے گا۔ اور سب احوال کو انہی دو میں درج کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً
اور تو دیکھے پہاڑوں کو سمجھے کہ وہ جم رہے ہیں
وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ
اور وہ چلیں گے جیسے چلے بادل

پہاڑ روئی کی طرح ہوں گے:

یعنی جن بڑے بڑے پہاڑوں کو تم اس وقت دیکھ کر خیال کرتے ہو کہ ہمیشہ کے لئے زمین میں جمے ہوئے ہیں کبھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کھا سکیں گے۔ قیامت کے دن یہ روئی کے گالوں کی طرح فضا میں اُڑتے پھریں گے اور بادل کی طرح تیز رفتار ہوں گے وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنْبَثًّا (واقعہ رکوع ا) وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ (القارعہ رکوع ا) (طٰہٰ۔ رکوع ۶) (تنبیہ) آیت ہذا کو زمین کی حرکت وسکون کے مسئلہ سے کچھ علاقہ نہیں جیسا کہ بعض متنورین نے سمجھا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تمام بڑے اجسام کی حرکت:

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ مراد یہ ہے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ کر اس طرح چلیں گے جیسے بادل کہ دیکھنے والا اس کو اپنی جگہ جما ہوا سمجھتا ہے حالانکہ وہ تیزی سے چل رہے ہیں تمام بڑے اجسام جن کی ابتداء وانتہاء انسان کی نظر کے سامنے نہیں ہوتی جب وہ کسی ایک سمت کی طرف حرکت کریں تو خواہ حرکت کتنی بھی تیز ہو دیکھنے والوں کو ایسا دکھائی دیتا ہے کہ وہ اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں جس کا مشاہدہ سب کو گہرے بادل اور دور تک چھائی ہوئی گھٹا سے ہوتا ہے کہ یہ بادل اپنی جگہ جمے ہوئے دکھائی دیتے ہیں حالانکہ وہ چل رہے ہیں مگر ان کی حرکت دیکھنے والوں کو اس وقت محسوس ہوتی جب وہ اتنی دور چلے جائیں کہ افق کا کنارہ اس سے کھل جائے۔ (معارف مفتی اعظم)

اے دیکھنے والے تو (نزع کے وقت) پہاڑوں کو دیکھے گا خیال کرے گا کہ یہ اپنی جگہ کھڑے ہیں (متحرک نہیں ہیں) حالانکہ وہ بادلوں کی طرح (تیز رفتاری کے ساتھ) چلیں گے۔

پھر تیزی کے ساتھ چل کر زمین پر گر پڑیں گے اور زمین کے برابر ہو جائیں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ بڑے بڑے جسم بھی اگر تیزی کے ساتھ ایک طرف کو حرکت کر رہے ہوں تو ان کی حرکت محسوس نہیں ہوتی۔ (تفسیر مظہری)

بڑی بڑی اہم باتیں: عبداللہ بن عمروؓ سے ایک دن کسی شخص نے دریافت کیا کہ یہ آپ کیا فرمایا کرتے ہیں کہ اتنے اتنے وقت تک قیامت آ جائے گی۔ آپ نے سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ یا اور کوئی ایسا ہی کلمہ بطور تعجب کہا اور فرمانے لگے سنو! اب تو جی چاہتا ہے کہ کسی سے کوئی حدیث بیان ہی نہ کروں۔ میں نے یہ کہا تھا کہ عنقریب تم بڑی بڑی اہم باتیں دیکھو گے بیت اللہ خراب ہوگا اور یہ ہوگا اور وہ ہوگا وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ دجال میری اُمت میں چالیس ٹھہرے گا۔ میں نہیں جانتا کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال، پھر اللہ (حضرت) عیسیٰؑ کو نازل فرمائے گا وہ صورت شکل میں بالکل عروہ بن مسعود جیسے ہوں گے آپؑ اسے ڈھونڈ نکالیں گے اور اسے ہلاک کر دیں گے۔ پھر سات سال ایسے نہ گزریں گے کہ دنیا بھر میں دو شخص ایسے نہ ہوں گے جن میں آپس میں بغض وعداوت ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک بھینی بھینی ٹھنڈی ہوا چلائے گا جس سے ہر مؤمن فوت ہو جائے گا ایک ذرے کے برابر بھی جس کے دل میں خیر یا ایمان ہوگا اس کی روح بھی قبض ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کسی پہاڑ کی کھوہ میں گھس گیا ہوگا تو یہ ہوا وہیں جا کر اسے فنا کر دے گی۔ اب زمین پر صرف بدلوگ رہ جائیں گے جو پرندوں جیسے ہلکے اور چوپایوں جیسے بے عقل ہوں گے ان میں سے بھلائی برائی کی تمیز اُٹھ جائے گی ان کے پاس شیطان پہنچے گا اور کہے گا تم شرماتے نہیں کہ ان بتوں کی پرستش چھوڑے بیٹھے ہو؟ یہ بت پرستی شروع کر دیں گے۔ خدا انہیں روزیاں پہنچاتا رہے گا اور خوش وخرم رکھے گا۔ یہ اسی مستی میں ہوں گے جو صور پھونکنے کا حکم مل جائے گا جس کے کان میں آواز پڑی وہیں دائیں بائیں لوٹنے لگے گا۔ سب سے پہلے اسے وہ شخص سنے گا جو اپنے اونٹوں کے لئے حوض ٹھیک ٹھاک کر رہا ہوگا سنتے ہی بے ہوش ہو جائے گا۔ اور سب لوگ بیہوش ہونا شروع ہو جائیں گے۔

روحوں کا جسم میں سرایت کرنا:

صور کی حدیث میں ہے کہ تمام روحیں صور کے سوراخ میں رکھی جائیں گی اور جب جسم قبروں سے اُگ رہے ہوں گے صور پھونک دیا جائے گا روحیں اُڑنے لگیں گی۔ مؤمنوں کی روحیں نورانی ہوں گی کافروں کی روحیں اندھیرے اور ظلمت والی ہوں گی۔ رب العالمین خالق کل فرمادے گا کہ میرے جلال کی میری عزت کی قسم ہے ہر روح اپنے بدن میں چلی جائے۔ جس طرح زہر رگ وپے میں سرایت کرتا ہے اس طرح روحیں اپنے جسموں میں پھیل جائیں گی اور لوگ اپنی اپنی جگہ سے سر جھاڑتے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ

کاری گری اللہ کی جس نے سادھا ہے ہر چیز کو

صانع حقیقی کی کاریگری: یعنی جس نے ہر چیز کو نہایت حکمت سے درست کیا اُسی نے آج پہاڑوں کو ایسا بھاری اور مضبوط بنایا ہے اور وہی اُن کو ایک دن ریزہ ریزہ کر کے اُڑا دے گا۔ وہ اُڑانا محض تباہ کرنے کی غرض سے نہ ہوگا بلکہ عالم کو توڑ پھوڑ کر اس درجہ پر پہنچانا ہوگا جہاں پہنچانے کے لئے ہی اسے پیدا کیا ہے۔ تو یہ سب اسی صانع حقیقی کی کاریگری ہوئی جس کا کوئی تصرف حکمت سے خالی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ۝

اس کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو

یعنی اس توڑ پھوڑ اور انقلاب عظیم کے بعد بندوں کا حساب کتاب ہوگا اور چونکہ حق تعالیٰ بندوں کے ذرہ ذرہ عمل سے خبردار ہے تو ہر ایک کو ٹھیک اُس کے عمل کے موافق جزا وسزا دی جائے گی۔ نہ ظلم ہوگا نہ حق تلفی ہوگی۔ آگے اسی کی قدرے تفصیل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ

جو کوئی لے کر آیا | بھلائی | تو اس کو ملے اُس سے بہتر

نیک عمل اور اس کا بدلہ: یعنی ایک نیکی کا بدلہ کم از کم دس نیکیوں کے حساب سے دیا جائے گا جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

معنے یہ ہیں کہ جو شخص نیک عمل کرے گا اور نیک عمل اسی وقت نیک کہلانے کے قابل ہوتا ہے جبکہ اس کی پہلی شرط ایمان موجود ہو تو اس کو اپنے عمل سے بہتر چیز ملے گی مراد اس سے جنت کی لازوال نعمتیں اور عذاب اور ہر تکلیف سے دائمی نجات ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ خیر سے مراد یہ ہے کہ ایک نیکی کی جزاء دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک ملے گی۔ (مظہری)

وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾

اور اُن کو گھبراہٹ سے | اُس دن | امن ہے

بڑی گھبراہٹ: یعنی بڑی گھبراہٹ سے کما قال تعالیٰ (انبیاء۔ رکوع ۷) اگر کم درجہ کی گھبراہٹ ہو تو اس آیت کے منافی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ فزع سے مراد ہر بڑی مصیبت اور پریشانی اور گھبراہٹ ہے مطلب یہ ہے کہ دنیا میں تو ہر متقی پرہیزگار بھی انجام سے ڈرتا ہی رہتا ہے اور ڈرنا ہی چاہئے جیسے قرآن کریم کا ارشاد ہے: یعنی رب کا عذاب ایسا نہیں کہ اُس سے کوئی بے فکر اور مطمئن ہو کر بیٹھ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور صحابہ و اولیاء اُمت ہمیشہ خائف و لرزاں رہتے تھے مگر اس روز جبکہ حساب کتاب سے فراغت ہو چکے گی تو حسنہ لانے والے نیک لوگ ہر خوف و غم سے بے فکر اور مطمئن ہوں گے، واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ

اور جو کوئی لے کر آیا بُرائی | سو اوندھے ڈالیں اُن کے منہ | آگ میں

هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

وہی بدلہ پاؤ گے | جو کچھ | تم کیا کرتے تھے

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ زیادتی نہیں۔ جو کرنا سو بھرنا، خود کردہ را چہ علاج۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ

مجھ کو یہی حکم ہے کہ بندگی کروں | اس شہر کے مالک کی | جس نے اس کو

حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ۡ

حرمت دی | اور اسی کی ہے ہر ایک چیز

معظم و محترم گھر: شہر سے مراد ہے مکہ معظمہ جسے خدا تعالیٰ نے معظم و محترم بنایا۔ اسی تخصیص و تشریف کی بناء پر رب کی اضافت اُس کی طرف کی گئی ورنہ یوں ہر چیز کا رب اور مالک ایک وہ ہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ بلدہ سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک مکہ مکرمہ ہے اللہ تعالیٰ تو رب العالمین اور رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ ہے مکہ مکرمہ کی تخصیص اس جگہ اس کی عظمت شان اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم و محترم ہونے کا اظہار ہے لفظ حرم تحریم سے مشتق ہے اس کے معنے مطلق احترام و اکرام کے بھی ہیں اور اس احترام و اکرام کی وجہ سے جو خاص احکام شرعیہ مکہ مکرمہ اور ارض حرم سے متعلق ہیں وہ بھی اس میں داخل ہیں مثلاً جو شخص حرم میں پناہ لے وہ مامون ہو جاتا ہے۔ حرم میں کسی دشمن سے انتقام لینا اور قتل کرنا جائز نہیں اور ارض حرم میں شکار کو قتل کرنا بھی جائز نہیں۔ درختوں کا کاٹنا جائز نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس (اللہ) کی عبادت کروں جو (خاص طور پر) اس شہر کا مالک حقیقی ہے جس نے اس کو محترم بنایا ہے (ویسے تو عام طور پر) ہر چیز اسی کی ہے اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں (اسی کا) فرمانبردار رہوں۔

هٰذِهِ الْبَلْدَةِ یعنی مکہ۔ رب کی هٰذِهِ الْبَلْدَةِ کی طرف اضافت شہر کی عزت ظاہر کرنے اور اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے کہ اس کے اندر کعبہ ہے جو تجلیات الٰہیہ کی پرتو افگنی کا خصوصی مقام ہے۔

الَّذِيْ حَرَّمَهَا یعنی وہ رب ایسا ہے کہ اس نے اس شہر کو حرم بنا دیا یہ مکمل مقام امن ہے یہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا نہ کسی کا خون بہایا جاتا ہے نہ کسی کو لوٹا جاتا ہے نہ یہاں کے شکار کو بھڑکا کر نکالا جاتا ہے نہ یہاں کے درخت اور گھاس کاٹنے کی اجازت ہے۔ حقیقت میں اللہ کی اس صفت کا ذکر کر کے قریش کو اللہ کے احسان کی یاد دلائی گئی ہے کہ اس نے ان تمام فتنوں فسادوں اور بدامنیوں سے تمہارے مسکن کو محفوظ رکھا ہے جو سارے عرب میں پھیلے ہوئے ہیں۔

لَهٗ كُلُّ شَيْءٍ یعنی ہر چیز اسی کے مخلوق و مملوک ہے اس شہر کا بھی مالک حقیقی وہی ہے۔ **المسلمین** یعنی فرمانبردار مطیع حکم ہو جاؤں یا ملت اسلام پر قائم رہوں (پہلا معنی لغوی ہے دوسرا معنی اصطلاحی) (تفسیر مظہری)

وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾

اور مجھ کو حکم ہے | کہ | رہوں | حکم برداروں میں

کامل فرمانبرداری: یعنی اُن لوگوں میں رہوں جو حق تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری کرنے والے اور اپنے کو ہمہ تن اس کے سپرد کر دینے والے ہیں۔

وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ

اور یہ کہ | سنادوں | قرآن

قرآن کے ذریعہ نصیحت اور قرآن کی پیروی:

یعنی بذاتِ خود اللہ کی بندگی اور فرمانبرداری کرتا رہوں اور دوسروں کو قرآن سنا کر اللہ کا رستہ بتلاتا رہوں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ اور (مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ) میں قرآن پڑھ کر سناؤں۔ اتلو یا تلاوت سے ہے یعنی تبلیغ و دعوت کی غرض سے پڑھ کر سناؤں یا تلو سے مشتق ہے اور تلو کا معنی (پیچھے پیچھے چلنا) اتباع کرنا یعنی اس قرآن کی پیروی کروں (اس کے راستہ پر چلوں) بیضاوی نے لکھا ہے کہ اللہ نے اول مبدأ و معاد و قیامت کے احوال لوگوں کے لئے بیان فرما دیئے ہیں اس کے بعد اپنے رسول کو حکم دیا کہ آپ ان کو یہی بات سنا دیجئے اب رسول اللہ کے ذمہ تبلیغ و دعوت کا فریضہ تو باقی نہیں صرف یہی کام رہ گیا کہ اپنے رب کی عبادت میں مستغرق ہو جائیں اور ہر وقت اسی کی یاد میں لگے رہیں اُمِرْتُ سے پہلے قُلْ محذوف یعنی آپ کہہ دیجئے کہ مجھے عبادت کرنے اور اطاعت پر قائم رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ ۚ

پھر جو کوئی راہ پر آیا سو راہ پر آئے گا اپنے ہی بھلے کو

وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾

اور جو کوئی بہکا رہا تو کہہ دے میں تو یہی ہوں ڈر سنا دینے والا

ہر کسی کو اپنے لئے راہِ راست کی ضرورت ہے:

یعنی میں نصیحت کر کے فارغ الذمہ ہو چکا، نہ سمجھو تو تمہارا ہی نقصان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سو جو سیدھے راستہ پر چلے گا وہ اپنے لئے چلے گا اور جو راہِ راست سے بھٹکے گا تو آپ کہہ دیجئے (میرا کچھ ضرر نہ ہوگا) میں صرف ڈرانے والا ہوں (یعنی کسی کو ہدایت یاب بنانے کا ذمہ دار میں نہیں کسی کی گمراہی کا وبال مجھ پر نہیں پڑے گا میرا کام صرف پہنچا دینا ہے کسی کے ہدایت یاب نہ ہونے اور راہِ راست پر نہ چلنے کی باز پرس مجھ سے نہیں ہوگی اور آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ سب خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں وہ عنقریب تم کو اپنی نشانیاں دکھا دے گا اس وقت تم ان کو پہچان لو گے اور آپ کا رب تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔

فَمَنِ اهْتَدٰى یعنی آپ کی دعوت و تبلیغ سے جو شخص راہ یاب ہو جائے گا تو اس کا فائدہ خود اسی کو ہوگا آپ پر احسان جتلانے کا اس کو حق نہیں اور جو راہ راست سے بھٹکے گا سیدھا راستہ کھو دے گا اور تبلیغ و دعوت کے بعد بھی راہ حق پر نہ چلے گا اس کا وبال اسی پر پڑے گا آپ کہہ دیجئے میرا کام صرف ڈرانا ہے تمہارا ذمہ دار نہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ

اور کہہ تعریف ہے سب اللہ کو

راہنمائی کے منصب کا شکر:

یعنی اللہ کا ہزاراں ہزار شکر جس نے مجھ کو ہادی و مہتدی بنایا۔ فی الحقیقت تعریف کے لائق اسی کی ذات ہے جس کو خوبی یا کمال ملا وہیں سے ملا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ اور اللہ نے جو نعمت نبوت سے مجھے سرفراز کیا اور جو تبلیغ و دعوت مجھ پر واجب تھی اس کو پورا کرنے کی مجھے توفیق عنایت کی اس پر اس کا شکر ہے وہ مستحق ستائش و ثنا ہے۔ (تفسیر مظہری)

سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ۭ

آگے دکھائے گا تم کو اپنے نمونے تو ان کو پہچان لو گے

آیاتِ الٰہیہ: یعنی آگے چل کر حق تعالیٰ تمہارے اندر یا تم سے باہر اپنی قدرت کے وہ نمونے اور میری صداقت کے ایسے نشان دکھلائے گا جنہیں دیکھ کر سمجھ لو گے کہ بے شک یہ اللہ کی وہ ہی آیات ہیں جن کی خبر پیغمبر نے دی تھی باقی اس وقت کا سمجھنا تم کو نافع ہو یا نہ ہو، یہ جُدا گانہ چیز ہے۔ علامات قیامت وغیرہ سب اس کے تحت میں آ گئیں۔ (تفسیر عثمانی)

سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ عنقریب تم کو اللہ اپنی نشانیاں دکھا دے گا۔ نشانیوں سے مراد ہیں دنیا میں نمودار ہونے والی آیاتِ قدرت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی آیاتِ صداقت ہیں جیسے بدر کی لڑائی میں کافروں کا مارا جانا قید ہونا فرشتوں کا نازل ہو کر مسلمانوں کی مدد کرنا اور کافروں کے چہروں کو زخمی کرنا اور پشت پر ضربیں لگانا چاند کا پھٹنا کنکریوں کا تسبیح پڑھنا اور آخر زمانہ میں دابۃ الارض کا برآمد ہونا۔ انہیں آیات کی طرف اشارہ ایک اور آیت میں آیا ہے فرمایا ہے سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِىْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ یا آیات سے مراد ہیں آخرت میں نمودار ہونے والی نشانیاں (یعنی واقعات قیامت ایک اور جگہ فرمایا ہے۔ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِىْٓ اَنْفُسِهِمْ۔

فَتَعْرِفُوْنَهَا اس وقت تم ان آیات کو پہچان لو گے لیکن اس وقت پہچاننے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع

اور تیرا رب بے خبر نہیں اُن کاموں سے جو تم کرتے ہو

سزا میں تاخیر کو غفلت نہ سمجھو:

یعنی جو عمل اور معاملہ تم کرتے ہو، سب اس کی نظر میں ہے۔ اُسی کے

مدینہ منورہ کی مبارک فضاؤں میں
ترتیب دی جانیوالی عظیم تفسیر
دور حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق

جدید

گلدستہ تفاسیر

اردو کی چھ مستند تفاسیر سے منتخب

اول مکمل تفسیر عثمانی

تفسیر ابن کثیر

تفسیر مظہری

تفسیر عزیزی

معارف القرآن
حضرت مولانا مفتی اعظم

معارف القرآن
حضرت مولانا کاندھلوی

تفسیر میرٹھی
مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

مرتب
حضرۃ مولانا عبد القیوم مہاجر مدنی مدظلہ العالی

پسند فرمودہ
حضرت مولانا قاری محمد عثمان نائب مہتمم دار العلوم دیوبند
حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ
حضرت مولانا مفتی عبد الستار صاحب رحمہ اللہ

تفسیری افادات ونکات
حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمہ اللہ — مجدد الملت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ
شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ — حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ

مدینہ منورہ کی مبارک فضاؤں میں
ترتیب دی جانیوالی عظیم تفسیر
دورِ حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق

جلد ۷

جدید گلدستہ تفاسیر

سورۃ الرحمٰن تا سورۃ الناس

مرتب حضرۃ مولانا عبدالقیوم مہاجر مدنی مدظلہ العالی
مسترشد خاص
شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالغفور عباسی المدنی نوراللہ مرقدہ

پسندفرمودہ
حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ
حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ
حضرت مولانا قاری محمد عثمان نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند
حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ العالی
مفسر قرآن حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری مدظلہ
حضرت مولانا محمد موسیٰ کرماڈی مدظلہ العالی

اوّل مکمل تفسیر عثمانی
تفسیر مظہری
تفسیر عزیزی
تفسیر ابن کثیر
معارف القرآن
حضرت مولانا مفتی اعظم رحمہ اللہ
معارف القرآن
حضرت مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ
تفسیر میرٹھی
مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

تفسیری افادات ونکات
حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمہ اللہ
مجدد الملت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ
شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ
حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب رحمہ اللہ
حضرت علامہ الزماں شمس الحق افغانی رحمہ اللہ

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

گلدستہ تفاسیر

جملہ حقوق محفوظ ہیں

تاریخ اشاعت.................محرم الحرام ۱۴۲۸ھ

ناشر..............ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت.............سلامت اقبال پریس ملتان

انتباہ

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔
الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔
پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں
تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ....چوک فوارہ....ملتان
اسلامی کتاب گھر...خیابان سرسید روڈ...راولپنڈی
ادارہ اسلامیات........انارکلی........لاہور
دارالاشاعت......اردو بازار........کراچی
مکتبہ سید احمد شہید......اردو بازار.....لاہور
مکتبۃ القرآن......نیوٹاؤن..........کراچی
مکتبہ رحمانیہ......اردو بازار ...... لاہور
مکتبہ دارالاخلاص...قصہ خوانی بازار...... پشاور
مکتبہ رشیدیہ.....سرکی روڈ..............کوئٹہ

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE
119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

فہرست عنوانات

سورة الرحمن تا سورة الناس

فہرست
چودہ سو سالہ مفسرین کرام

گلدستۂ تفاسیر

جلد-۷

سُوْرَۃُ الرَّحْمٰن
تا
سُوْرَۃُ النَّاس

گلدستہ تفاسیر جلد ۷

سورۃ الرحمٰن مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی اٹھہتر (۷۸) آیتیں ہیں اور تین رکوع

جس شخص نے خواب میں دیکھا کہ وہ یہ سورۃ پڑھ رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ دنیا میں نعمت اور آخرت میں رحمت پائے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سببِ نزول: اَلرَّحْمٰنُ۔ کافروں نے کہا تھا رحمٰن کیا چیز ہے (ہم نہیں جانتے) اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا رحمٰن وہی (اللہ) ہے جو آغازِ آفرینش سے انتہاءِ ابد تک تمام دنیوی اور اخروی نعمتیں عطاء کرنے والا ہے۔

سب سے پہلے قرآن کے ذکر کی حکمت

قرآن مجید تمام دینی نعمتوں کی اصل اور سب سے بڑی نعمت ہے۔ انسان کی فلاحِ دارین اسی سے وابستہ ہے۔ اسی لئے تمام نعمتوں سے پہلے تعلیم قرآن کا ذکر کیا اس کے بعد تخلیق انسان کو بیان کیا گویا یہ اشارہ ہے اس امر کی جانب کہ انسان کو پیدا کرنے کی اصل غایت تعلیم قرآن ہی ہے اور اسی غرض سے انسان کو قوتِ بیانیہ عطا کی اور اظہارِ مدعا کی تعلیم دی۔

اکتیس مرتبہ نعمتوں کی یاددہانی: اللہ کی نعمتوں سے منحرف تھے۔ اسی لئے اس سورت میں ۳۱ مرتبہ اللہ کی نعمتوں کی یاددہانی کی جس کا مقصد ہے تنبیہ اور توبیخ کرنا کفرانِ نعمت پر عذاب کی وعید بھی دی تاکہ انکارِ نعمت سے باز آ جائیں اور وعدۂ نعمت اور ثواب کے بعد نعمتوں کا ذکر کیا تاکہ موجودہ نعمتوں کا شکر کریں اور آئندہ نعمتوں کی امید رکھیں۔

بعض علماء تفسیر نے لکھا ہے کہ کفار کہتے کہ کوئی شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سکھاتا ہے۔ یہ خدا کا کلام نہیں ہے اس کی تردید میں اس نے فرمایا اللہ کا کلام نہیں ہے کوئی انسان ایسا اعجازی کلام نہیں بنا سکتا' بلکہ یہ کلام اسی رحمٰن کا ہے۔ اسی کی رحمت کا تقاضا ہے کہ اس نے تمام نعمتیں انسان کو عطا کی ہیں اور ان نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت قرآن ہے پس اسی نے قرآن کی تعلیم دی ہے۔ (تفسیر مظہری)

سورۂ رحمٰن مکی ہے: امام قرطبیؒ نے چند روایات حدیث کی وجہ سے مکی ہونے کو ترجیح دی ہے۔ ترمذی میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کے سامنے سورۂ رحمٰن پوری تلاوت فرمائی۔ یہ لوگ سنکر خاموش رہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے لیلۃ الجن میں جنات کے سامنے یہ سورت تلاوت کی تو اثر قبول کرنے کے اعتبار سے وہ تم سے بہتر رہے۔ کیونکہ جب میں قرآن کے اس جملے پر پہنچتا تھا (فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰن) تو جنات سب کے سب بول اٹھتے تھے (لا بِشَیْءٍ مِّنْ نِعَمِکَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ فَلَکَ الْحَمْدُ) "یعنی اے ہمارے پروردگار! ہم آپ کی کسی بھی نعمت کے تکذیب و ناشکری نہ کریں گے آپ ہی کے لئے حمد ہے"۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ سورت مکی ہے' کیونکہ لیلۃ الجن وہ رات جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو تبلیغ و تعلیم فرمائی مکہ مکرمہ میں ہوئی ہے۔

لفظ رحمٰن کے تکرار کی حکمت: اسی طرح کی اور بھی چند روایات قرطبی نے نقل کی ہیں جن سے اس سورت کا مکی ہونا معلوم ہوتا ہے اس سورت کو لفظ رحمٰن سے شروع کیا گیا اس میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ کفار مکہ اللہ تعالیٰ کے لئے اسی قسم کے تکرار کا نام تردید بتلایا ہے' وہ فصحاء و بلغاء عرب کے کلام میں مستحسن اور شیریں سمجھا گیا ہے' نثر اور نظم دونوں میں استعمال ہوتا ہے' اور صرف عربی نہیں' فارسی' اردو وغیرہ زبانوں کے مسلّم شعراء کے کلام میں بھی اس کی نظائر پائی جاتی ہیں۔ یہ موقع اس کو جمع کرنے کا نہیں' تفسیر روح المعانی وغیرہ میں اس جگہ متعدد نظائر بھی نقل کئے ہیں۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آگے جو کام رحمٰن کا ذکر کیا گیا ہے' یعنی تعلیم قرآن' اس میں یہ بھی بتلا دیا گیا کہ اس تعلیم قرآن کا مقتضی اور سبب داعی صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے' ورنہ اس کے ذمہ کوئی کام واجب و ضروری نہیں' جس کا اس سے سوال کیا جا سکے' اور نہ وہ کسی کا محتاج ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

سورہ رحمٰن کا حسن اور معجزانہ بلاغت

سورۃ الرحمٰن کے کلمات کی عظمت و خوبی اور ان کا حسن و بلاغت ہر سننے والے کو بدیہی طور پر محسوس ہوتا ہے۔ اس سورت کا حسن و زینت اور معجزانہ بلاغت ایسی واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ لِکُلِّ شیءٍ عُرُوْسًا وَعروسِ القرآن الرحمٰن کی ہر چیز کی ایک زینت و خوبصورتی ہوتی ہے۔ جو اپنی خوبصورتی سے دلہن نظر آتی ہے اور قرآن کریم کی عروس سورۃ الرحمٰن ہے۔

ابتداء سورت میں حق تعالیٰ شانہٗ کی ایسی عظیم الشان اور ظاہر و باہر نعمتوں کا ذکر ہے کہ انسانی فکر انکی عظمت کا اندازہ کرنے سے بھی قاصر ہے انسانی تخلیق اور اس میں ودیعت رکھے ہوئے کمال نطق و گویائی علم و فہم کے ذکر کے بعد شمس و قمر۔ نجم و شجر ارض و سما جیسے عظیم قدرت خداوندی کے نمونے بیان کرتے ہوئے کائنات کی ہر چیز کو پروردگار عالم کے سامنے مطیع و فرماں بردار ہونا بیان کیا۔ اور نظام عالم کا اسی کے فرمان کے مطابق قائم و جاری رہنا بیان فرمایا اسی کے ساتھ حق تعالیٰ نے اپنی صفات الوہیت اور عظمت و کبریائی کا ذکر فرمایا اور یہ کہ انسانی سعادت کا تقاضا ہے کہ اپنے رب کی اطاعت کرے اس کی نافرمانی شقاوت و بدنصیبی ہے اور انسان کو اپنے اعمال کی جزاء و سزا سے غافل نہ ہونا چاہئے۔ اس ضمن میں یہ بھی فرما دیا گیا کہ مطیعین پر

انعام وکرم کس طرح ہوگا اور مجرمین کیسے کیسے ہولناک عذاب وشدائد میں مبتلا ہوں گے اور انکی ذلت ورسوائی کیسی ہوگی۔ (معارف کاندھلوی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴿۲﴾

رحمٰن نے سکھلایا قرآن ☆

سب سے اونچی نعمت:

جواس کے عطایا میں سب سے بڑا عطیہ اوراس کی نعمتوں میں سب سے اونچی نعمت ورحمت ہے۔ انسان کی بساط اوراس کے ظرف پر خیال کرو اور علم قرآن کے اس دریائے ناپیدا کنار کو دیکھو بلاشبہ ایسی ضعیف البنیان ہستی کو آسمانوں اور پہاڑوں سے زیادہ بھاری چیز کا حامل بنا دینا رحمان ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ ورنہ کہاں بشر اور کہاں خدا کا کلام۔ (تنبیہ) سورۃ النجم میں فرمایا تھا عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ، یہاں کھول دیا کہ قرآن کا اصلی معلم اللہ ہے گو فرشتہ کے توسط سے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿۴﴾

بنایا آدمی پھر سکھلایا اُس کو بات کرنا ☆

نعمتوں کی جڑ "ایجاد" (وجود عطا فرمانا) اللہ کی بڑی نعمت بلکہ نعمتوں کی جڑ ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایجاد ذات اور ایجاد صفت۔ تو اللہ تعالیٰ نے آدمی کی ذات کو پیدا کیا اور اس میں علم بیان کی صفت بھی رکھی۔ یعنی قدرت دی کہ اپنے مافی الضمیر کو نہایت صفائی اور حسن وخوبی سے ادا کر سکے اور دوسروں کی بات سمجھ سکے۔ اسی صفت کے ذریعہ سے وہ قرآن سیکھتا سکھاتا ہے اور خیر وشر، ہدایت وضلالت، ایمان وکفر اور دنیا وآخرت کی باتوں کو واضح طور پر سمجھتا اور سمجھاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

الانسان اور البیان سے کیا مراد ہے

حضرت ابن عباسؓ اور قتادہؒ کے نزدیک الانسان سے مراد آدمؑ ہیں اللہ نے حضرت آدمؑ کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے تھے آپ سات لاکھ زبانیں جن میں سے سب سے افضل واعلیٰ عربی زبان تھی جانتے تھے ابوالعالیہ اور حسن نے کہا الانسان سے جنس انسان مراد ہے۔ اللہ نے انسان کو بولنا لکھنا سمجھنا سمجھانا (اور فہم وادراک) عطا کیا کہ وہ دوسرے جانوروں سے ممتاز ہو گیا اور وحی کو برداشت کرنے اور حامل قرآن بننے کے قابل ہو گیا۔ سدی نے کہا اللہ نے ہر قوم کو اس کی زبان سکھا دی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الانسان سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور البیان سے مراد قرآن ہو۔ قرآن تمام لوگوں کے لئے راہ نما اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی واضح دلیل ہے اس میں ازل سے ابد تک تمام چیزوں کا بیان ہے اور اس کا بیان گزشتہ پیغمبروں کے بیان کے موافق بھی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۙ﴿۵﴾

سورج اور چاند کے لئے ایک حساب ہے ☆

چاند وسورج کا نظام: یعنی دونوں کا طلوع وغروب، گھٹنا بڑھنا، یا ایک حالت پر قائم رہنا پھر ان کے ذریعہ سے فصول ومواسم کا بدلنا اور سفلیات پر مختلف طرح سے اثر ڈالنا یہ سب کچھ ایک خاص حساب اور ضابطہ اور مضبوط نظام کے ماتحت ہے۔ مجال نہیں کہ اس کے دائرہ سے باہر قدم رکھ سکیں۔ اور اپنے مالک وخالق کے دیئے ہوئے احکام سے روگردانی کر سکیں۔ اس نے اپنے بندوں کی جو خدمات ان دونوں کے سپرد کر دی ہیں ان میں کوتاہی نہیں کر سکتے۔ ہمہ وقت ہماری خدمت میں مشغول ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ﴿۶﴾

اور جھاڑ اور درخت مشغول ہیں سجدہ میں ☆

زمینی مخلوق کی اطاعت: یعنی علویات کی طرح سفلیات بھی اپنے مالک کی مطیع ومنقاد ہیں۔ چھوٹے جھاڑ، زمین پر پھیلی ہوئی بیلیں اور اونچے درخت سب اس کے حکم تکوینی کے سامنے سربسجود ہیں۔ بندے ان کو اپنے کام میں لائیں تو انکار نہیں کر سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلنَّجْمُ۔ بیل والا پودا جو زمین میں پھیلتا ہے اور اس کا کھڑا ہونے والا تنہ نہیں ہوتا۔

اَلشَّجَرُ۔ تنہ والا درخت جو موسم سرما میں باقی رہتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

نجم اور شجر کی تفسیر

ابن جریرؒ بیان کرتے ہیں کہ نجم وشجر کی تفسیر میں ائمہ تفسیر کے مختلف اور متعدد اقوال منقول ہیں۔ یہ بات تو تمام ائمہ لغت اور تفسیر کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ شجر بمعنی درخت ہے جو اپنے تنے پر قائم اور زمین سے بلند ہو۔ نجم کے بارہ میں ابن ابی طلحہ۔ عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ سبزہ جو زمین پر پھیلا ہوا ہو یا جس میں ہر طرف سبزہ اور وہ بیلیں جو زمین پر پھیلی ہوئی ہوں داخل ہیں۔

تکوینی طور پر وہ اللہ کے حکم کے سامنے مطیع وفرمانبردار ہیں تو اسی طرح سفلیات اور عالم ارضی میں ہر سبزہ اور درخت بھی اپنے مالک اللہ رب العزت کے سامنے مطیع وفرمانبردار۔ چھوٹے جھاڑ۔ زمین پر پھیلی ہوئی بیلیں ہوں یا

قد آور درخت ہر ایک اللہ کے سامنے سرنگوں ہے جیسا کہ آیت مبارکہ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۭ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۭ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ (معارف کاندھلوی)

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ﴿۷﴾
اور آسمان کو اونچا کیا اور رکھی ترازو
اَلَّا تَطْغَوْا فِى الْمِيْزَانِ ﴿۸﴾ وَاَقِيْمُوا
کہ زیادتی نہ کرو ترازو میں اور سیدھی
الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ﴿۹﴾
ترازو تو لو انصاف سے اور مت گھٹاؤ تول کو ☆

وضع میزان ☆ اوپر سے دو دو چیزوں کے جوڑے بیان ہوتے چلے آ رہے تھے یہاں بھی آسمان کی بلندی کے ساتھ آگے زمین کی پستی کا ذکر ہے۔ درمیان میں میزان (ترازو) کا ذکر شاید اس لئے ہو کہ عموماً ترازو کو تولتے وقت آسمان و زمین کے درمیان معلق رکھنا پڑتا ہے۔ یہ اس تقدیر پر ہے کہ میزان سے مراد ظاہری اور حسی ترازو ہو۔ چونکہ اس کے ساتھ بہت سے معاملات کی درستی اور حقوق کی حفاظت وابستہ تھی۔ اس لئے ہدایت فرما دی کہ وضع میزان کی یہ غرض جب ہی حاصل ہو سکتی ہے کہ نہ لیتے وقت زیادہ تولو نہ دیتے وقت کم ترازو کے دونوں پلے اور باٹ بٹی میں کمی بیشی نہ ہو۔ نہ تولتے وقت ڈنڈی ماری جائے بلکہ بدون کمی بیشی کے دیانتداری کے ساتھ بالکل ٹھیک تولا جائے۔ (تنبیہ) اکثر سلف نے وضع میزان سے اس جگہ عدل کا قائم کرنا مراد لیا ہے۔ یعنی اللہ نے آسمان سے زمین تک ہر چیز کو حق و عدل کی بنیاد پر اعلیٰ درجہ کے توازن و تناسب کے ساتھ قائم کیا ہے۔ اگر عدل و حق ملحوظ نہ رہے تو کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ بندے بھی عدل و حق کے جادہ پر مستقیم رہیں اور انصاف کی ترازو کو اٹھنے یا جھکنے نہ دیں نہ کسی پر زیادتی کریں نہ کسی کا حق دبائیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ عدل ہی سے زمین و آسمان قائم ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَّا تَطْغَوْا فِى الْمِيْزَانِ ۔ تا کہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو۔

اَن مصدریہ ہے **لا تطغوا** مضارع منفی ہے یعنی اللہ نے میزان قائم کر دی تا کہ تم لوگ حق سے تجاوز نہ کرو۔ میزان کو قائم رکھو کوئی کسی کی حق تلفی نہ کرے۔ یا اَن مفسرہ ہے اور **لا تطغوا** صیغۂ نہی ہے۔ یعنی اللہ نے حکم دیا ہے کہ تم وزن میں حق سے تجاوز نہ کرو۔

ناپ تول کے مسائل

(۱) زید نے کوئی چیز ناپ تول کر کے خرید لی پھر بکر کے ہاتھ وہ چیز ناپ تول کر فروخت کر دی اس صورت میں بکر پر لازم ہے کہ اگر وہ اس چیز کو خالد کے ہاتھ فروخت کرنا یا خود استعمال کرنا چاہتا ہے تو خود ناپ تول کر بیچے یا ناپ تول کر اپنے استعمال میں لائے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ زید نے ناپ تول میں بھولے سے کچھ زیادتی کر دی اور اس زیادتی کا مالک بکر تو ہو نہیں سکتا وہ زیادہ مال زید ہی کا ہے اور غیر کے مال میں تصرف حرام ہے۔ جس سے پرہیز لازم ہے۔

(۲) جب تک غلہ کی ناپ دو پیمانوں سے نہ ہو جائے ایک پیمانہ بیچنے والے کا اور دوسرا ناپ کر خریدنے والے کا اس وقت تک مشتری کے لئے کسی کے ہاتھ اس غلہ کو فروخت کرنا جائز نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا ہے رواہ ابن ماجہ۔

عبدالرزاق نے یحییٰ بن کثیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت حکیم بن حزام باہم چھواروں کی خرید و فروخت کر کے اور بوریوں میں بھر دیتے تھے پھر اسی ناپ کو یوں ہی بھرا ہوا کسی تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرما دی تاوقتیکہ تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرتے وقت بائع ناپ تول کر نہ دے۔ (یوں ہی بوریوں میں بھرا ہوا غلہ وغیرہ بیچنا جائز نہیں)۔

(۳) فروخت کے وقت سے پہلے اگر فروخت کرنے والے نے غلہ وغیرہ ناپ تول کر رکھ لیا تو خواہ خریدار کے سامنے ہی ناپا تولا ہو مگر وہ ناپ تول قابل اعتبار نہیں وہ بائع کا ناپ تول (جو فروخت کرنے کے لئے ضروری ہے) نہیں مانا جائے گا اور وہ ناپ تول بھی کافی نہیں سمجھا جائے گا جو خرید فروخت کی گفتگو طے ہو جانے کے بعد خریدار کی غیر موجودگی میں بائع کر کے رکھ لے کیوں کہ فروخت شدہ چیز کو خریدار کے سپرد کرنا ضروری ہے اور سپردگی کے لئے خریدار کے سامنے ناپنا تولنا لازم ہے۔ اگر مشتری کی موجودگی میں بائع نے ناپ تول کر دی تو کیا یہ کیل و وزن کافی ہے یا مشتری کو قبضہ کرنے کے لئے دوبارہ خود ناپ تول کرنی چاہئے حدیث سے بظاہر مؤخر الذکر حکم مستفاد ہو رہا ہے کیونکہ حدیث میں صاع (ناپ تول) بائع اور صاع مشتری دونوں کو ضروری قرار دیا ہے لیکن صحیح ترین فیصلہ یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں خریدار کے سامنے عقد کے وقت بائع کا ناپنا تولنا کافی ہے۔

(۴) زید نے بکر سے بیع سلم کی بکر کو روپیہ دے دیا اور غلہ کی وصولی دو ماہ کے بعد قرار پائی اس صورت میں زید رب السلم (قیمت کا دیوال اور غلہ کا لیوال) ہوا اور بکر مسلم الیہ (قیمت کا لیوال اور غلہ کا دیوال) ہوا۔ جب دو ماہ گزر گئے تو بکر نے زید کو دینے کے لئے کچھ غلہ خریدا اور خود قبضہ نہیں کیا بلکہ زید سے کہہ دیا کہ تم

خالد سے جا کر غلہ لے لو یہ ناجائز ہے کیوں کہ دونوں اوصاف زید میں جمع ہو گئے ایک تو ناپ تول اس لئے ہونا چاہئے کہ بکر نے خالد سے غلہ خریدا ہے دوسری ناپ تول اس لئے ضروری ہے کہ زید کو مسلم الیہ سے غلہ وصول کرتے وقت ناپ تول کرنی چاہئے۔ اس صورت میں ایک ناپ تول کافی نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

وضع میزان کا مفہوم

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۔ آسمان کی بلندی کا ذکر فرماتے ہوئے وضع میزان کو بیان فرمایا گیا۔ آسمان اور آسمان پر نظر آنے والے شمس وقمر اور نجوم کا ذکر فرما کر اپنی قدرت عظیمہ ظاہر فرمائی جا رہی ہے ساتھ ہی مخاطب کو اس بات کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے کہ وہ شمس وقمر اور ستاروں کے نظام پر نظر ڈالے اور فلکیات پر غور کرے تو حق تعالیٰ شانہٗ کی قدرت عظیمہ کا مشاہدہ ہو گا۔ اور یہ دیکھے گا کہ کس حسن اسلوب کے ساتھ یہ سب نظام قائم ہے جس میں کسی قسم کا کوئی خلل نہیں تو اسی طرح اللہ رب العزت نے زمین والوں کے واسطے نظام عدل قائم رکھنے کے واسطے ترازو اتاری ہے جس کے ذریعے عدل وانصاف قائم کیا جا سکتا ہے اور عدل وانصاف ہے جو بذریعہ ترازو قائم ہوتا ہے اس سے زمینی نظام حیات اسی حسن اسلوب سے چل سکتا ہے جس خوبی اور حسن اسلوب سے فلکیات کا نظام چل رہا ہے گویا اللہ رب العزت نے آسمان سے زمین تک ہر چیز کو حق اور عدل کی بنیاد پر بہترین توازن اور تناسب کے ساتھ قائم فرمایا ہے اگر عدل اور حق ملحوظ نہ رہے تو کائنات کا سارا نظام ہی درہم برہم ہو جائے اس لئے ضروری ہے کہ بندے بھی حق اور عدل کی راہ پر قائم رہیں اور انصاف کی ترازو اٹھنے یا جھکنے نہ دیں نہ کسی پر زیادتی کریں نہ کسی کا حق دبائیں۔ (معارف کاندھلوی)

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝۱۰

اور زمین کو بچھایا واسطے خلق کے ☆

عالمگیر کا فرش: کہ اس پر آرام سے چلیں پھریں اور کاروبار جاری رکھیں۔ (تفسیر عثمانی)

میں کہتا ہوں بظاہر اس جگہ جن وانس مراد ہیں کیوں کہ خطاب انہی دونوں کو کیا گیا ہے فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ کے مخاطب یہی دونوں نوعیں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فِيهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ

اُس میں میوہ ہے اور کھجوریں

الْاَكْمَامِ ۝۱۱ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ

جن کے میوہ پر غلاف اور اس میں اناج ہے جس کے ساتھ بھس ہے

وَالرَّيْحَانُ ۝۱۲

اور پھول خوشبودار ☆

پھل، میوے، غلہ، اناج ☆ یعنی پھل میوے بھی زمین سے نکلتے ہیں اور غلہ اناج بھی۔ پھر غلہ میں دو چیزیں ہیں دانہ، جو انسانوں کی غذا ہے وہ اور بھوسہ جو جانوروں کے لئے ہے اور بعض چیزیں زمین سے وہ پیدا ہوتی ہیں جو کھانے کے کام میں نہیں آتیں لیکن ان کی خوشبو وغیرہ سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ریحان کا معنی: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا قرآن مجید میں جہاں بھی لفظ ریحان آیا ہے اس سے مراد رزق ہے۔

حسن اور ابن زید نے کہا ریحان سے مراد یہی خوشبو ہے جو سونگھی جاتی ہے۔ ریحان کا لفظ روح سے مشتق ہے ریحان (بروزن فعلان) اصل میں رویحان (بروز فعیلان) تھا واؤ کو یاء سے بدل کر یاء کو یاء میں ادغام کر دیا پھر یاء کو تخفیف کر دی بعض اہل لغت کے نزدیک ریحان کی اصل روحان تھی واؤ کو تخفیفاً یاء سے بدل دیا گیا۔ (تفسیر مظہری)

عبرت ونصیحت: ذُو الْعَصْفِ ۔ کا لفظ بڑھا کر غافل انسان کو اس طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ یہ روٹی، دال، وغیرہ جو وہ دن میں کئی کئی مرتبہ کھاتا ہے اس کا ایک ایک دانہ مالک وخالق نے کیسی کیسی صنعت عجیبہ کے ساتھ مٹی اور پانی سے پیدا کیا، اور پھر کسی طرح اس کو حشرات الارض سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک ایک دانہ پر غلاف چڑھایا۔ جب وہ تمہارا لقمہ تر بنا۔ (معارف مفتی اعظم)

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۱۳

پھر کیا کیا نعمتیں رب اپنے کی جھٹلاؤ گے تم دونوں ☆

کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ☆ یعنی اے جن وانس اوپر کی آیات میں تمہارے رب کی جو عظیم الشان نعمتیں اور قدرت کی نشانیاں بیان کی گئیں تم ان میں سے کس کس کے جھٹلانے کی جرأت کرو گے؟ کیا یہ نعمتیں اور نشانیاں ایسی ہیں جن میں سے کسی کا انکار کیا جا سکے؟ علماء نے ایک حدیث صحیح کی بناء پر لکھا ہے کہ "جب کوئی شخص یہ آیت "فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ" سنے تو جواب دے "لابشیء من نعمک ربنا نکذب فلک الحمد" (اے ہمارے رب ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے۔ سب حمد وثنا تیرے ہی لئے ہے (تنبیہ) گو جن کا ذکر تصریحاً پہلے نہیں ہوا لیکن "اَنَام" میں وہ شامل ہیں۔ اور "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ" میں دونوں کا عبادت کے لئے پیدا ہونا مذکور ہے اور اس آیت کے بعد متصل ہی آدمی اور جن کی کیفیت تخلیق بتلائی گئی ہے۔ اور چند آیات کے بعد "سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ" اور "

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ" میں صریحاً جن و انس کو مخاطب کیا گیا ہے یہ قرائن دلالت کرتے ہیں کہ یہاں مخاطب وہ ہی دونوں ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ
بنایا آدمی کو کھنکھناتی مٹی سے
كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ
جیسے ٹھیکرا اور بنایا جن کو
مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾
آگ کی لپیٹ سے ☆

تخلیق آدم ☆ یعنی سب آدمیوں کے باپ آدمؑ کو مٹی اور جنوں کے باپ کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔ (تفسیر عثمانی)

خَلَقَ الْاِنْسَانَ۔ یعنی حضرت آدمؑ کو پیدا کیا۔

صَلْصَالٍ۔ خشک مٹی جو کھن کھن بجتی ہو۔ بعض نے کہا صلصال سڑی ہوئی کیچڑ کو کہتے ہیں۔

كَالْفَخَّارِ۔ ٹھیکرا۔ آگ میں پکائی ہوئی کیچڑ یا گارا۔ بعض نے کہا فخر کا معنی ہے بیرونی اشیاء جیسے مال مرتبہ وغیرہ پر اترانا۔ گھڑا بھی بجانے سے کھن کھن بجتا ہے گویا اظہار فخر کرتا ہے۔

آدم کا مادۂ تخلیق: سب سے پہلے مادہ تخلیق مٹی (تراب) ہی تھی پھر پانی ملا کر اس کو کیچڑ (یا گارا) بنایا گیا پھر (گوندھ کر) اس کو سڑی ہوئی کیچڑ کی شکل دیدی گئی پھر خشک کر کے اس کو کھن کھن بجتی ہوئی ٹھیکرے کی صورت دے دی گئی۔

وَخَلَقَ الْجَآنَّ۔ الجان جنس جن۔ بعض نے کہا جنات کو جو پدر اعلیٰ تھا اس کا نام الجان تھا۔ ضحاک نے کہا ابلیس مراد ہے۔

مِنْ مَّارِجٍ۔ مارج بھڑکتی ہوئی خالص صاف بے دود آگ۔ (تفسیر مظہری)

جنات کا مادۂ تخلیق: جانٌ بتشدید نون' جنسِ جنات کو کہا جاتا ہے' اور مارج آگ سے اُٹھنے والا شعلہ ہے۔ جنات کی تخلیق کا بڑا عنصر آگ کا شعلہ ہے۔ جیسا کہ انسان کی تخلیق میں بڑا جز مٹی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾
پھر کیا کیا نعمتیں رب اپنے کی جھٹلاؤ گے تم دونوں ☆

"آلاء" کا معنی اور مصداق: "اٰلَآءِ" کا ترجمہ عموماً "نعمت" کیا گیا ہے لیکن ابن جریر نے بعض سلف سے "قدرت" کے معنی نقل کئے ہیں اس لئے جس مقام پر جو معنی زیادہ چسپاں ہوں وہ اختیار کئے جائیں یہاں اور اس سے پہلی آیت میں دونوں مطلب ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ انس و جن کو خلعت وجود سے سرفراز فرمانا اور جماد لایعقل سے عاقل بنا دینا اللہ کی بڑی نعمت ہے اور اس کی لامحدود قدرت کی نشانی بھی ہے۔ (تنبیہ) یہ جملہ "فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ" اس سورۃ میں اکتیس مرتبہ آیا ہے اور ہر مرتبہ کسی خاص نعمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یا شئون عظمت و قدرت میں سے کسی خاص شان کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اس قسم کی تکرار عرب و عجم کے کلاموں میں بکثرت پائی جاتی ہے۔ مدت ہوئی رسالہ "القاسم" میں بندہ نے ایک مضمون بعنوان "قرآن مجید میں تکرار کیوں ہے" چھپوایا تھا اس میں چند نظائر شعرائے عرب کے کلاموں سے پیش کی گئی ہیں اور تکرار کے فلسفہ پر بحث کی ہے یہاں اس کے بسط کا موقع نہیں۔ (تفسیر عثانی)

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔ انسان اور جن تخلیق کے مختلف مدارج اور دوروں سے گذر کر افضل مرکبات اور خلاصۂ کائنات بنے۔ اللہ کی یہ بڑی (فطری) نعمت ہے جس سے جن و انس کو سرفراز کیا گیا۔ پس کون کون سی نعمت کا یہ دونوں انکار کر سکتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾
مالک دو مشرق کا اور مالک دو مغرب کا ☆

تبدیلی موسم کے ساتھ مطلع ومغرب کی تبدیلی

جاڑے اور گرمی میں جس جس نقطہ سے سورج طلوع ہوتا ہے وہ دو مشرق اور جہاں جہاں غروب ہوتا ہے وہ دو مغرب ہوئیں۔ ان ہی مشرقین اور مغربین کے تغیر و تبدل سے موسم اور فصلیں بدلتی ہیں اور طرح طرح کے انقلابات ہوتے ہیں۔ زمین والوں کے ہزارہا فوائد و مصالح ان تغیرات سے وابستہ ہیں۔ تو ان کا ادل بدل بھی خدا کی بڑی بھاری نعمت اور اس کی قدرت عظیمہ کی نشانی ہوئی۔ (تنبیہ) آیت سے پہلے اور پیچھے دور تک دو دو چیزوں کے جوڑے بیان ہوئے ہیں اس لئے یہاں مشرقین و مغربین کا ذکر نہایت ہی لطف دیتا ہے۔ (تفسیر عثانی)

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾ مَرَجَ
پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے چلائے
الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ
دو دریا مل کر چلنے والے اُن دونوں میں ہے ایک پردہ

لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۰﴾
جو ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرے

میٹھا اور کھاری پانی ☆یعنی ایسا نہیں کہ میٹھا اور کھاری پانی ایک دوسرے پر چڑھائی کر کے اس کی خاصیت وغیرہ کو بالکلیہ زائل کر دے یا دونوں مل کر دنیا کو غرق کر ڈالیں اس آیت کے مضمون کے متعلق کچھ تقریر سورۃ ''فرقان'' کے اواخر میں گزر چکی ہے۔ اس کو ملاحظہ کر لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

میٹھا اور کھاری دریاء: مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ 'مرج کے لغوی معنی آزاد و بے قید چھوڑ دینے کے ہیں۔ اور بحرین سے دو دریا شیریں اور نمکین مراد ہیں' زمین پر حق تعالیٰ نے دونوں قسم کے دریا پیدا فرمائے ہیں' اور بعض جگہ یہ دونوں مل جاتے ہیں' جس کی نظائر دنیا کے ہر خطے میں پائی جاتی ہیں' مگر جہاں دو دریا شیریں اور نمکین مل کر بہتے ہیں وہاں کافی دور تک دونوں کا پانی الگ الگ ممتاز رہتا ہے' ایک طرف میٹھا دوسری طرف کھارا۔ اور بعض جگہ یہ صورت اوپر نیچے بھی ہوتی ہے جہاں دریائے شور کسی شیریں دریا کے اوپر چڑھ آتا ہے وہاں بھی نیچے کا پانی اپنی جگہ شیریں ہوتا ہے' اور اوپر کا نمکین اور کھاری پانی باوجود رقیق اور لطیف ہونے کے ایک مسافت تک ایک دوسرے میں خلط ملط نہیں ہوتا۔ الگ الگ اپنے ذائقہ کے ساتھ چلتا ہے اسی قدرت حق تعالیٰ کا بیان کے لئے فرمایا۔ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ۔ یعنی دونوں دریا ملتے ہیں' مگر ان کے درمیان قدرت خداوندی کا ایک پردہ حائل رہتا ہے جو دور تک آپس میں ان کو ملنے نہیں دیتا۔ (معارف مفتی اعظم)

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ يَخْرُجُ
پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے نکلتا ہے
مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَ الْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾
اُن دونوں سے موتی اور مونگا
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ وَلَهُ
پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے اور اُسی
الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَ
کے ہیں جہاز اونچے کھڑے دریا میں
عْلَامِ ﴿۲۴﴾
جیسے پہاڑ ☆

کشتیاں اور بحری جہاز ☆یعنی کشتیاں اور جہاز گو بظاہر تمہارے بنائے ہوئے ہیں مگر خود تم کو اللہ نے بنایا اسی نے وہ قوتیں اور سامان عطا کئے جن سے جہاز تیار کرتے ہو لہٰذا تم اور تمہارے مصنوعات سب کا مالک و خالق وہ ہی خدا ہوا اور یہ سب اسی کی نعمتیں اور قدرت کی نشانیاں ہوئیں (تنبیہ) یہ جملہ پہلے جملہ ''يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ'' الخ نکلتی ہیں اور اوپر یہ نعمتیں موجود ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

موتی کہاں سے نکلتے ہیں: مِنْهُمَا۔ یعنی میٹھے سمندروں سے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نمکین سمندروں سے موتی برامد ہوتے ہیں۔ شیریں سمندر سے برآمد نہیں ہوتے۔ (لیکن آیت مذکورہ میں تو تثنیہ کی ضمیر آئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں سمندروں سے موتی برآمد ہوتے ہیں) اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ جس جگہ شیریں اور شور سمندر ملتے ہیں اس جگہ سے موتی برآمد ہوتے ہیں (تومنهما سے مراد ہوگی من مجتمعها)

مجاہد اور ضحاک کے قول کے مطابق اگر البحرین سے بحر سماء اور بحر ارض مراد ہو تو دونوں کے باہم ملنے کی صورت یہ ہوگی کہ جب آسمان سے بارش ہوتی ہے تو دریائی سیپیں اپنے منہ کھول دیتی ہیں اور کسی کے منہ میں کوئی قطرہ آ گرتا ہے اور اس کا موتی بن جاتا ہے۔ کذا قال ابن جریر۔

اللُّؤْلُؤُ بڑے موتی اور الْمَرْجَانُ چھوٹے موتی (کذا فی القاموس)

الْجَوَارِ۔ الجاریۃ کی جمع ہے۔ بڑی کشتیاں (جہاز)

الْمُنْشَئٰتُ۔ اوپر کو اٹھی ہوئی (ابھری ہوئی) بعض نے اس کا ترجمہ کیا مسخر۔ تابع حکم۔

كَالْاَعْلَامِ۔ اعلام علم کی جمع ہے۔ بڑے اونچے پہاڑ۔ (تفسیر مظہری)

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾
پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے
كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ وَّيَبْقٰى
جو کوئی ہے زمین پر فنا ہونیوالا ہے اور باقی رہیگا
وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾
منہ تیرے رب کا بزرگی اور عظمت والا ☆

تمام مخلوق اللہ ہی کی محتاج ہے ☆یعنی زمین و آسمان کی تمام مخلوق زبان حال و قال سے اپنی حاجات اسی خدا سے طلب کرتی ہے کسی کو ایک لمحہ کے لئے اس سے استغناء نہیں اور وہ بھی سب کی حاجت روائی اپنی حکمت کے موافق کرتا ہے۔ ہر وقت اس کا الگ کام اور ہر روز اس کی نئی شان ہے۔ کسی کو مارنا' کسی کو جلانا' کسی کو بیمار کرنا' کسی کو تندرست کر دینا' کسی کو بڑھانا' کسی کو گھٹانا'

کسی کو دینا کسی سے لینا اس کی شئون میں داخل ہیں۔ وقس علی ہٰذا۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ۔ وجہ رب (رب کا چہرہ) متشابہات میں سے ہے یعنی ایسا مبہم ہے جس کا علم عام طور پر مخلوق کو نہیں ہوسکتا۔

ذُو الْجَلٰلِ ۔ عظمت اور تسلط والا سب سے بے نیاز۔

جب وجہ کو بمعنی جہت مانا جائے تو کلام کا حاصل مطلب اس طرح ہوگا روئے زمین پر جو جن وانس بستے ہیں وہ اپنی ذات و وجود کے اعتبار سے ہیچ ہیں ان کی بقاء کا کوئی رخ نہیں ہر جہت سے فنا ان کے دامن گیر ہے ہاں رب کی طرف متوجہ ہونے کا ان کا رُخ غیر فانی ہے نسبت رب ان کی باقی رہنے والی ہے اس کو فنا نہیں۔

ذاالجلال والاکرام کا ورد: ترمذی نے حضرت انس کی روایت سے اور احمد ونسائی وحاکم نے حضرت ربیعہ بن عامر کی وایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یا ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ کا ہمیشہ ورد رکھو۔ حصن حصین میں آیا ہے کہ ایک شخص یا ذاالجلال والاکرام کہہ رہا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گذر ہوا فرمایا (اب) تیری دعا قبول ہوگی سوال کرو جو کچھ مانگنا ہے مانگ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ کا وردانسان کا اعلیٰ وصف وخصوصیت ہے۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ الخ اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ بھی ہے کہ وہ جن وانس کو اپنی جانب متوجہ ہونے کی توفیق عطا فرماتا ہے اور یہ بھی ایک نعمت ہے کہ وہ کائنات جو اپنی ذات۔ وجود اور صفات کے لحاظ سے فانی ہے اس کو اپنی رحمت اور مہربانی سے بقاء عنایت کرے گا۔ اور فناء کل کے بعد دوبارہ دوامی زندگی عطا کرنا اور لازوال عیش وراحت عنایت فرمانا بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ سو کس کس نعمت کا تم انکار کرو گے۔ (تفسیر مظہری)

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ میں کونسی نعمت کا ذکر ہے

شیخ سیوطیؒ نے فرمایا یہ سوال کیا گیا كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ کونسی نعمت کا بیان ہے (کہ جس کے بعد فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ فرمایا گیا جس طرح انعامات خداوندی پر اس کو اس سورت میں ذکر کیا گیا ہے) تو اس کے متعدد جواب دیئے گئے جن میں سے بہتر یہ جواب ہے کہ اس آیۃ میں دارالہموم (یعنی تکالیف و آلام اور رنج وغم کی زندگی) سے دارالسرور کی طرف منتقل ہونے کا اور اہل ایمان کے واسطے راحتوں کا بیان ہے جو یقیناً ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ لہٰذا اس کے ذکر پر بھی فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ آیۃ مربوط اور چسپاں بلکہ نہایت ہی لطیف ہے۔
(معارف القرآن کاندھلویؒ)

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۸﴾ يَسْئَلُهٗ

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے اُس سے مانگتے

مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ

ہیں جو کوئی ہیں آسمانوں میں اور زمین میں ہر روز

هُوَ فِىْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾

اُس کو ایک دھندا ہے☆

☆ یعنی دنیا کے یہ کام اور دھندے عنقریب ختم ہونیوالے ہیں اس کے بعد ہم دوسرا دور شروع کریں گے جب تم دونوں بھاری قافلوں (جن وانس) کا حساب کتاب ہوگا مجرموں کی پوری طرح خبر لے جائیگی۔ اور وفاداروں کو پورا صلہ دیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

يَسْئَلُهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ الخ یعنی فرشتے انسان اور جنات سب اپنی اپنی حاجتیں اللہ سے مانگتے ہیں۔ رزق' صحت' عافیت' توفیق عبادت' مغفرت اور نزول تجلیات و برکات کے اسی سے طلب گار ہوتے ہیں۔

بعض اہل تفسیر نے کہا کہ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے ساری مخلوق مراد ہے کیوں کہ تمام کائنات اپنی ذات وصفات اور کل ضروریات میں اللہ کی محتاج ہے۔

شان الٰہی: اللہ ہمیشہ ایک (نئی) شان میں نمودار ہوتا ہے کسی کو زندگی دیتا ہے کسی کی زندگی لے لیتا ہے۔ کسی قوم کو عزت دیتا ہے کسی کو ذلت' رزق دیتا ہے کسی کو زیادہ کسی کو کم' بیمار کو صحت مند اور تندرست کو بیمار کرتا ہے' مصیبت زدہ کی مصیبت دور کرتا ہے۔

سائل کو عطا کرتا ہے' مؤمن کے گناہ معاف کرتا ہے اور کافروں کو جہنم میں لے جاتا ہے اور گوناگوں عذاب میں مبتلا کرتا ہے اور جو لوگ رب کی پیشی سے ڈرتے ہیں ان کی عزت افزائی کرتا اور جنت میں داخل فرماتا ہے۔ غرض جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بھی اللہ کی شان ہے کہ گناہ معاف کرتا ہے' مصیبت کو دور کرتا ہے' کسی قوم کو اونچا کرتا ہے اور کسی کو نیچا۔ رواہ ابن ماجۃ وابن حبان فی الصحیح من حدیث ابی الدرداء۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ من جملہ دوسری مخلوق کے اللہ نے موتی کی ایک لوح پیدا کی جس کے دونوں پٹھے سرخ یاقوت کے بنائے اس کا قلم نور ہے اس کی تحریر بھی نور ہے' اللہ ہر روز تین سو ساٹھ مرتبہ اس پر نظر کرتا ہے۔ وہی پیدا کرتا ہے رزق دیتا ہے' زندگی عطا فرماتا ہے' موت دیتا ہے' عزت عنایت کرتا ہے' ذلت دیتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے' یہ ہی (مطلب ومضمون) ہے آیت "کل یوم ہوفی شان" کا۔

اولیاء کے اقوال: حسین بن الفضل نے کہا اللہ کی شان ہے کہ (تمام) امور

مقدرہ کو ان کے مقررہ اوقات تک لے جاتا ہے۔ سلیمان دارانی نے اس آیت کی تشریح کو ذیل میں کہا ہر روز اس کی طرف سے جدید خیر بندوں کو ملتی ہے۔

سفیان بن عیینہ نے کہا کل زمانہ دو دن کا نام ہے۔ ایک دن پوری مدت دنیا ہے اور دوسرا دن روز قیامت۔ پس مدت دنیا میں اس کی شان یہ ہے کہ (بعض کاموں کو کرنے کا) حکم دیتا ہے اور بعض کاموں (کے کرنے) کی ممانعت کرتا ہے زندگی عطا کرتا ہے اور موت دیتا ہے (رزق وغیرہ) دیتا ہے اور روکتا ہے اور قیامت کے دن اس کی شان ہوگی (اعمال کا) بدلہ دینا' حساب لینا اور ثواب عذاب دینا۔ بعض اہل علم نے کہا اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ ہر روز تین فوجیں ایک عالم سے نکال کر دوسرے عالم میں لے جاتا ہے ایک فوج کو باپوں کی پشت سے نکال کر ماؤں کے رحم میں پہنچاتا ہے اور دوسری فوج کو ماؤں کے پیٹ سے نکال کر دنیا میں لاتا ہے اور تیسری فوج کو دنیا سے نکال کر قبروں میں پہنچا دیتا ہے۔ اس کے بعد سب کے سب اللہ کی طرف کوچ کر لیں گے۔ (تفسیر مظہری)

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾ سَنَفْرُغُ
پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ہم جلد فارغ ہونیوالے
لَکُمْ اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا
ہیں تمہاری طرف اے دو بھاری قافلو پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی
تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ
جھٹلاؤ گے اے گروہ جنوں کے اور انسانوں کے اگر
اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ
تم سے ہو سکے کہ نکل بھاگو آسمانوں اور زمین کے
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۭ لَا تَنْفُذُوْنَ
کناروں سے تو نکل بھاگو نہیں نکل سکنے کے
اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾
بدون سند کے☆

کوئی اللہ کی حکومت سے نہیں بھاگ سکتا

یعنی اللہ کی حکومت سے کوئی چاہے کہ نکل بھاگے تو بدون قوت اور غلبہ کے کیسے بھاگ سکتا ہے کیا خدا سے زیادہ کوئی قوی اور زور آور ہے۔ پھر نکل کر جائے گا کہاں' دوسری قلمرو کونسی ہے جہاں پناہ لے گا۔ نیز دنیا کی معمولی حکومتیں بدون سند اور پروانہ راہداری کے اپنی قلمرو سے نکلنے نہیں دیتیں تو اللہ بدون سند کے کیوں نکلنے دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

فارغ ہونے کی توجیہات

اللہ کو کسی کام میں ایسی مشغولیت نہیں جو دوسرے کام کی طرف متوجہ ہونے سے مانع ہو ورنہ اللہ کا بے علم اور عاجز ہونا لازم آئے گا اس لئے آیت میں فراغت سے مراد مشغولیت مانعہ سے فراغت نہیں ہے بلکہ مجازی معنی مراد ہے اور اس کی توجیہات مختلف طور پر کی گئی ہیں جن کی سب کاموں سے فارغ ہو کر جو شخص کسی چیز کی طرف توجہ کرتا ہے تو وہ پورے طور پر اس کو سزا انجام دینے پر قادر ہوتا ہے۔ یہاں فراغت سے مراد دوسری مشاغل سے فراغت حاصل کرنا نہیں (صرف تہدید مراد ہے) کذا قال ابن عباس وضحاک۔

عنقریب ہم تم کو ڈھیل اور مہلت دینا چھوڑ دیں گے اور تمہارے معاملہ (کا فیصلہ شروع کر دیں گے)۔

پہلے اللہ نے نیکوں سے جزا کا وعدہ کیا اور بدکاروں کو عذاب کی دھمکی دی پھر فرمایا عنقریب ہم اس وعدہ اور وعید سے فارغ ہو جائیں گے یعنی تم سے حساب فہمی کریں گے اور اعمال کا بدلہ دیں گے اور اس طرح ہمارا وعدہ پورا ہو جائے گا اور ہم تمہارے کام سے فارغ ہو جائیں گے (کذا قال الحسن والمقاتل)۔

جن وانس کو ثقلان کہنے کی وجہ: جن وانس کو ثقل (بار) کہنے کی یہ وجہ ہے کہ جن وانس زندہ ہوں یا مردہ بہرصورت ان کا بار زمین پر ہی رہتا ہے۔ امام جعفر صادق نے فرمایا یہ دونوں گناہوں کے بار سے لدے ہوئے ہیں۔ بعض نے کہا انہی دونوں پر احکام تکیفیہ کا بار ہے۔

اہل معانی کہتے ہیں کہ جس چیز کی اہمیت اور بوقت تقابل وزن اور رفعت مرتبہ ہو اس کو ثقل کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔ انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی میں تمہارے اندر دو ثقل (اہم چیزیں) چھوڑنے والا ہوں اللہ کی کتاب اور اپنی اولاد۔

فارغ ہونے کا ایک اور معنی: حضور نے اہمیت قدر اور عظمت شان کی وجہ سے کتاب اللہ اور اپنی عترت کو ثقلین فرمایا۔ ثقلین کی وجہ تسمیہ اگر اہمیت و وزن کو قرار دیا جائے تو اس صورت میں سنفرغ کا مطلب یہ ہوگا کہ عنقریب براہ راست تمہارے ساتھ ہمارا معاملہ ہوگا درمیان میں کسی اور کو دخل نہ ہوگا۔ ابو ذر نے عقیلی کی روایت سے بیان کیا راوی کا بیان ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا قیامت کے دن ہم میں سے ہر ایک اپنے رب کو بغیر کسی رکاوٹ کے (یعنی بلا حجاب) دیکھے گا فرمایا کیوں

نہیں میں نے عرض کیا مخلوق میں کیا اس کی کوئی نشانی (مثال) ہے فرمایا کیا چودھویں رات کے چاند کو تم میں سے ہر ایک بلا رکاوٹ نہیں دیکھتا ہے میں نے عرض کیا کیوں نہیں فرمایا یہ تو اللہ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے اور اللہ کی جلالت قدر وعظمت شان تو سب سے زیادہ ہے۔ رواہ ابوداؤد۔

ایک فارسی شاعر کا کیسا بہترین شعر ہے ؎

جہانے مختصر خواہم کہ در وے ہمیں جائے من و جائے تو باشد

میں ایسا مختصر جہان چاہتا ہوں جس میں صرف میری اور تیری جگہ ہو۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔ متاخرین کے قول کے مطابق فراغت سے مراد تہدید وغیرہ ہو تو اس آیت کا مطلب ظاہر ہے کہ نعمتوں کی تکذیب نہ کرو۔ تکذیب نعمت الٰہیہ موجب عذاب ہے۔ آلاء سے ہر نعمت مراد ہے خواہ اس کا ذکر آیت میں آیا ہو یا نہ آیا ہو۔

اِنِ اسْتَطَعْتُمْ: بعض اہل علم کا قول ہے کہ یہ خطاب قیامت کے دن ہوگا۔ ابن جریر اور ابن مبارک نے ضحاک کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کا دن ہوگا تو بحکم خدا آسمان دنیا اپنے باشندوں سمیت پھٹ پڑے گا۔ فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے پھر رب کے حکم سے ملائکہ نیچے اتر کر زمین اور اس کے باشندوں کا احاطہ کرلیں گے پھر تیسرے پھر چوتھے پھر پانچویں پھر چھٹے پھر ساتویں آسمان کی بھی یہی کیفیت ہوگی۔ (ساتویں آسمان کے فرشتے اتر کر ترتیب وار صف بستہ ہو جائیں گے (اور سب کو اپنے گھیرے میں لے لیں گے اس وقت ملک اعلیٰ (اللہ) نزول اجلال فرمائے گا اس کے بائیں جانب جہنم ہوگی زمین والے جہنم کو دیکھ کر ادھر ادھر بھاگ نکلیں گے لیکن زمین کے جس کنارے پر پہنچیں گے وہاں (ترتیب وار) فرشتوں کی سات صفیں (گھیرا ڈالے ہوئے) موجود پائیں گے مجبوراً جس جگہ سے بھاگے تھے پھر لوٹ کر اسی جگہ آ جائیں گے۔

یا یہ مطلب ہے کہ بغیر اس کے کہ میں قوت وقدرت تم کو عطا کروں تم آسمان وزمین سے پار نہیں نکل سکتے کسی کو بھی ذاتی قدرت نہیں ہے ہر شخص کو جو قوت حاصل ہے وہ عطاء خداوندی ہے اور عارضی ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو معراج جسمانی حاصل ہوئی اور آپ آسمانوں سے گذر کر سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى تک پہنچے یہ قوت آپ کو بھی بعطاء الٰہی حاصل ہوئی تھی۔ صوفی بھی دائرۂ امکان سے نکل کر محض اللہ کی عطا کردہ قوت سے مدارج قرب تک پہنچتا ہے بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جس طرف تم رخ کرو گے میرے ہی ملک اور تسلط کی طرف کرو گے (یعنی ہر طرف میرا ہی ملک واقتدار ہوگا) اس صورت میں بسلطان میں بمعنی اِلیٰ ہوگا (میرے اقتدار کے ساتھ یعنی میرے اقتدار کی طرف) عرب کہتے ہیں زیدٌ احسن بی زید نے میرے ساتھ بھلائی کی یعنی میری طرف۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا آیت کا مطلب یہ ہے کہ آسمانوں میں اور زمین میں جو چیزیں ہیں ان کو جاننے کی سکت اگر تمہارے اندر ہو تو ان کو جان لو تم بغیر سلطان کے یعنی ان نشانیوں کے بغیر جو اللہ نے قائم کی ہیں موجودات سماوی وارضی کو نہیں جان سکتے۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔ یعنی اللہ کی نعمتوں کی تکذیب نہ کرو تکذیب موجب عذاب ہے اور تم عذاب سے بھاگنے کی قدرت نہیں رکھتے بعض اہل علم کا قول ہے کہ تنبیہ۔ تخویف اور باوجود کامل قدرت رکھنے کے درگذر کرنا اور معاف کردینا یہ سب کچھ اللہ کی نعمت ہے اور عقلی معراج اور تمام ترقیات اور ایسے اسباب ترقیات کہ ان کے ذریعہ سے لوگ آسمانوں سے بھی اوپر پہنچ جائیں ان کا شمول بھی آلاء اللہ میں ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مخلوق کا احاطہ ملائکہ اور آگ کے بھڑکتے شعلوں سے کر دیا جائے گا پھر آواز دی جائے گی اے گروہ انس وجن اگر آسمان وزمین کے کناروں کو پار کر کے نکل سکتے ہو تو نکلو۔ (تفسیر مظہری)

فضائی سفر جو آجکل ہو رہے ہیں

اس زمانہ میں جو زمین کے کشش سے باہر نکلنے اور خلا میں سیارات پر پہنچنے کے تجربات ہو رہے ہیں وہ سب ظاہر ہے کہ آسمان کے حدود سے باہر نہیں بلکہ سطح آسمان سے بہت نیچے ہو رہے ہیں۔ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ سے باہر نکل جانے کا اس سے کوئی تعلق نہیں یہ تو اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتے باہر نکلنا تو کجا۔ اس لئے اس آیت کے مفہوم سے ان خلائی سفروں اور سیارات پر پہنچنے کے واقعات کا کوئی تعلق نہیں بعض سادہ لوح لوگ اس آیت ہی کو خلائی سفروں کے امکان وجواز کے لئے پیش کرنے لگے جو معانی قرآن سے بالکل ناواقفیت کی دلیل ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٤﴾
پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ☆

کھول کھول کر سمجھانا: یعنی اس طرح کھول کھول کر سمجھانا اور تمام نشیب وفراز پر متنبہ کرنا کتنی بڑی نعمت ہے۔ کیا اس نعمت کی تم قدر نہیں کرو گے اور اللہ کی ایسی عظیم الشان قدرت کو جھٹلاؤ گے۔ (تفسیر عثمانی)

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ
چھوڑے جائیں تم پر شعلے آگ کے صاف
وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿٣٥﴾
اور دھواں ملے ہوئے پھر تم بدلہ نہیں لے سکتے ☆

مجرموں پر آگ: یعنی جس وقت مجرموں پر آگ کے صاف شعلے اور دھواں ملے ہوئے شرارے چھوڑے جائیں گے کوئی ان کو دفع نہ کر سکے گا اور نہ وہ اس سزا کا کچھ بدلہ لے سکیں گے۔ (تفسیر عثانی)

آیت کا مفہوم: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ شواظ سے مراد وہ شعلہ ہے جس میں دھواں نہ ہو اور آپ نے اس کی سند میں اُمیہ بن ابوصلت کا شعر پڑھ سنایا۔ اور نحاس کی معنیٰ آپ نے کئے ہیں محض دھواں جس میں شعلہ نہ ہو اور اس کی شہادت میں بھی ایک شعر نابغہ کا پڑھ سنایا۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں نحاس سے مراد پیتل ہے جو پگھلایا جائے گا اور ان کے سروں پر بہایا جائے گا۔ بہرصورت مطلب یہ ہے کہ اگر تم قیامت کے دن میدان محشر سے بھگنا چاہو تو میرے فرشتے اور جہنم کے داروغے تم پر آگ برسا کر دھواں چھوڑ کر تمہارے سر پر پگھلا ہوا پیتل بہا کر تمہیں واپس لوٹا لائیں گے۔ تم نہ اُن کا مقابلہ کر سکتے ہو نہ انہیں دفع کر سکتے ہو نہ ان سے انتقام لے سکتے ہو۔ پس تمہیں رب کی کسی نعمت کے انکار سے انکار چاہئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ☆

مجرموں کی سزا☆ مجرموں کو سزا دینا بھی وفاداروں کے حق میں انعام ہے اور اس سزا کا بیان کرنا تا لوگ سن کر اس جرم سے باز رہیں یہ مستقل انعام ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ہر آیت میں نعمت جتائی کوئی اب نعمت ہے اور کسی کی خبر دینا نعمت ہے کہ اس سے بچیں"۔ (تفسیر عثانی)

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔ بعض اہل علم نے کہا موجبات عذاب سے ڈرانا بھی ایک نعمت خداوندی ہے اس لئے موجبات عذاب سے اجتناب لازم ہے اور فرماں بردار نافرمان کے معاوضہ میں (ثواب وعذاب کا) امتیاز بھی اللہ کی ایک نعمت ہے (اس لئے نافرمانی سے گریز ضروری ہے) (تفسیر مظہری)

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ

پھر جب پھٹ جائے آسمان تو ہو جائے

وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۝

گلابی جیسے نری ☆

☆یعنی قیامت کے دن آسمان پھٹے گا اور رنگ میں لال نری کی طرح ہو جائے گا۔ (تفسیر عثانی)

قیامت کے دن آسمان کا رنگ کیا ہوگا

مسند احمد کی حدیث میں ہے لوگ قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے اور آسمان اُن پر ہلکی بارش کی طرح برستا ہوگا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں سرخ چمڑے کی طرح ہو جائے گا۔ اور روایت میں ہے گلابی رنگ گھوڑے کے رنگ جیسا آسمان کا رنگ ہو جائیگا۔ ابوصالح فرماتے ہیں پہلے گلابی رنگ ہوگا پھر سرخ ہو جائیگا گلابی رنگ گھوڑے کا رنگ موسم بہار میں تو زردی مائل نظر آتا ہے اور جاڑے میں بدل کر سرخ جچتا ہے۔ جوں جوں سردی بڑھتی ہے اس کا رنگ متغیر ہوتا جاتا ہے۔ اسی طرح آسمان بھی رنگ پر رنگ بدلے گا' پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا جیسے روغن گلاب کا رنگ ہوتا ہے اُس رنگ کا آسمان ہو جائے گا۔ آج وہ سبز رنگ ہے لیکن اُس دن اس کا رنگ سرخی لئے ہوئے ہوگا زیتون کے تیل کی تلچھٹ جیسا ہو جائے گا۔ جہنم کی آگ کی تپش اسے پگھلا کر تیل جیسا کر دے گی۔ اس دن کسی مجرم سے اس کا جرم نہ ہو پوچھا جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ

پھر اُس دن پوچھ نہیں اُس کے گناہ کی

اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ۝

کسی آدمی سے اور نہ جن سے ☆

سوال☆ یعنی کسی آدمی یا جن سے اس کے گناہوں کے متعلق معلوم کرنے کی غرض سے سوال نہ کیا جائے گا کیونکہ خدا کو پہلے سے سب کچھ معلوم ہے۔ ہاں بطور الزام و توبیخ ضابطہ کا سوال کریں گے۔ کما قال "فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ" (حجر رکوع ۶) یا یہ مطلب ہو کہ قبروں سے اٹھتے وقت سوال نہ ہوگا بعد میں ہونا اس کے منافی نہیں۔ (تفسیر عثانی)

یعنی یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے یہ کام کیا تھا یا نہیں کیا تھا کیوں کہ اللہ کو تو اس کا علم پہلے ہی ہوگا اور اعمالناموں والے فرشتے اعمال لکھ ہی چکے ہوں گے اور عذاب کے فرشتے صورت دیکھتے ہی پہچان لیں گے ہاں اعمال کی باز پرس ہوگی یعنی یہ پوچھا جائے گا کہ جب تم کو ممانعت کر دی گئی تھی تو تم نے ایسا کیوں کیا اور جب کرنے کا حکم دے دیا گیا تھا تو ایسا کیوں نہیں کیا اس وضاحت کے بعد اس آیت میں اور آیت فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ

بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ میں تضاد پیدا نہیں ہوتا مجاہد کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا یہی تشریحی قول آیا ہے حسن اور قتادہ نے بھی یہی بیان کیا ہے دونوں آیتوں میں اختلاف دور کرنے کے سلسلے میں حضرت ابن عباس کا یہ قول بھی آیا ہے کہ مجرموں کافروں سے سوال رحمت و شفاعت نہیں ہوگا سوال نہ ہونے کا یہی مطلب ہے بلکہ زجر و توبیخ کے طور پر باز پرس ہوگی سوال کئے جانے سے یہی مراد ہے۔ عکرمہ کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا قیامت میں مختلف مقامات ہوں گے کسی مقام پر سوال کیا جائے گا (اس لئے آیت لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ الخ صحیح ہے) اور کسی مقام پر سوال نہیں ہوگا (اس لئے آیت لَا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖ صحیح ہے) ابوالعالیہ نے کہا آیت کا مطلب یہ ہے کہ مجرم کی باز پرس غیر مجرم سے نہیں ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞ يُعْرَفُ
پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے پہچانے
الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ
پڑیں گے گنہگار اپنے چہرے سے ☆

مجرم کی پہچان ☆ یعنی چہروں کی سیاہی اور آنکھوں کی نیلگونی سے مجرم خود بخود پہچانے جائیں گے جیسے مومنین کی شناخت سجدہ اور وضو کے آثار و انوار سے ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

سوال پیدا ہوسکتا تھا کہ جب مجرم انسان و جن سے اس کے جرم کے متعلق سوال ہی نہیں کیا جائے گا تو عذاب کے فرشتوں کو کیسے معلوم ہوگا کہ یہ مجرم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عذاب کے فرشتے مجرموں کے چہرے دیکھ کر شناخت کرلیں گے۔ ان کے چہرے سیاہ اور آنکھیں نیلی ہوں گی اللہ نے فرمایا ہے۔ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ۔

قبر سے اُٹھتے وقت مومن و کافر کا فرق

مخفی نے دیباج میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے جبرائیل نے اطلاع دی کہ (اللہ نے فرمایا) مسلمان کے مرنے کے وقت اور قبر کے اندر رہنے کے وقت اور قبر سے نکالے جانے کے وقت لا الٰہ الا اللہ باعث اُنس (یعنی گھبراہٹ اور وحشت دور کرنے کا سبب) ہوگا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم (تم حیرت میں پڑ جاؤ گے) جب دیکھو گے کہ لوگ سروں سے خاک جھاڑتے قبروں سے اُٹھ رہے ہوں گے ایک کہتا ہوگا لا الٰہ الا اللہ والحمد للہ اس کا چہرہ گورا ہوگا' دوسرا پکارے گا ہائے افسوس اللہ کے معاملہ میں میں نے بڑا قصور کیا ایسے لوگوں کے چہرے کالے ہونگے۔

ابن ابی شیبہ' ابن ابی حاتم اور ابو یعلی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث بیان کی کہ قیامت کے دن اللہ کچھ لوگوں کو ایسی حالت میں اٹھائے گا کہ ان کے منہ آگ سے بھڑک رہے ہوں گے عرض کیا گیا یا رسول اللہ یہ کون لوگ ہوں گے فرمایا (یہ وہ لوگ ہوں گے) جن کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا۔

تکبر کرنے والوں کا حشر: بزار نے حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ تکبر کرنے والوں کا قیامت کے دن حشر چھوٹی چیونٹیوں کی شکل میں ہوگا۔ اس موضوع کی اور بھی احادیث بکثرت آئی ہیں۔

پیشہ ور بھکاری کا حشر: چاروں اصحاب سنن نے اور حاکم نے حضرت ابن مسعود کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ جو شخص باوجود غنی ہونے کے سوال کرے گا قیامت کے دن ایسی (زخمی) حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر کھرونچے اور خراشیں ہوں گی۔ صحیحین میں بھی اسی طرح کی حدیث آئی ہے۔

مومن کے قتل میں مدد کرنے والے کا حشر

ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ جو شخص مومن کے قتل میں آدھی بات کہہ کر بھی مدد کرے گا وہ اللہ کی پیشی میں ایسی حالت سے جائے گا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا ''مایوس از رحمت خدا''۔

قبلہ کی طرف ریزش پھینکنے والے کا حشر

ابن خزیمہ اور ابن حبان نے حضرت ابن عمرؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ جو (مسجد کی) قبلہ کی دیوار پر ناک کی ریزش پھینکے گا قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں اٹھایا جائے گا کہ وہ ریزش اس کے چہرے پر (چسپاں) ہوگی۔

دورخے آدمی کا حشر: طبرانی نے الاوسط میں حضرت سعد بن ابی وقاص کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ دنیا میں جو شخص دورخا ہے وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کے آتشیں ساخت کے دو چہرے ہوں گے۔ طبرانی اور ابن ابی الدنیا نے حضرت انس کی مرفوع حدیث لکھی ہے کہ (دنیا میں) جو دو زبانوں والا اللہ قیامت کے دن آتشیں ساخت کی اس کی دو زبانیں بنادے گا۔

دو بیویوں میں برابری نہ رکھنے والے کا حشر

چاروں اصحاب سنن اور حاکم اور ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ جس کی دو بیبیاں ہوں اور وہ دونوں میں برابری نہ رکھے قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا (یعنی ٹیڑھا ہوگا) دوسری روایت میں آیا ہے اس کا ایک پہلو گرا ہوا ہوگا۔

حق تلفی کرنے والوں کا حشر: صحیح احادیث میں آیا ہے کہ جن لوگوں نے ناحق کسی کی کوئی چیز لی ہو جب ان لوگوں کا حشر ہوگا تو وہ چیز ان کی گردن

میں لدی ہوگی۔ صحیحین میں مرفوع حدیث ان لوگوں کے بارے میں آئی ہے جنہوں نے مال غنیمت میں کچھ چوری کی ہوگی تو حشر کے دن وہ چیز ان کی گردن پر سوار ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ﴿٤١﴾

پھر پکڑا جائیگا پیشانی کے بال سے اور پاؤں سے ☆

مجرموں کا حشر ☆یعنی کسی کے بال اور کسی کی ٹانگ پکڑ کر جہنم کی طرف گھسیٹا جائے گا۔ یا ہر ایک مجرم کی ہڈیاں پسلیاں توڑ کر پیشانی کو پاؤں سے ملا دیں گے اور زنجیر وغیرہ سے جکڑ کر دوزخ میں ڈال دیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

حناد نے اس آیت کی تشریح میں ضحاک کا قول نقل کیا ہے کہ پیشانی کو قدموں سے ملا دیا جائے گا پھر پشت کے پیچھے سے ایک زنجیر میں جکڑ دیا جائے گا۔

محمد بن کعبؒ فرماتے ہیں بدکار شخص کی پیشانی کے بال پکڑ کر اسے اس گرم پانی میں ایک غوطہ دیا جائے گا تمام گوشت گھل جائے گا اور ہڈیوں کو چھوڑ دے گا۔ بس دو آنکھیں اور ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

اور حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ یہ اُس وقت کا حال ہے جب ایک مرتبہ ان سے اُن کے جرائم کی پرسش ہو چکے گی' اور وہ انکار کر دیں گے' قسمیں اٹھالیں گے' تو ان کے مونہوں اور زبانوں پر مہر کر دی جائے گی۔ ہاتھوں پاؤوں کی گواہی لی جائے گی' یہ تینوں تفسیریں ابن کثیر نے نقل کی ہیں' تینوں متقارب ہیں کوئی اختلاف نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

ایک مشکل ترین مقام: مسند احمد میں ہے کہ قبیلہ بنو کندہ کا ایک شخص مائی عائشہؓ کے پاس گیا۔ پردے کے پیچھے بیٹھا اور مائی صاحبہ سے سوال کیا کہ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی سنا ہے کہ کسی وقت آپ کو کسی شخص کی شفاعت کا اختیار نہ ہوگا؟ ام المؤمنینؓ نے جواب دیا کہ ہاں' ایک مرتبہ ایک ہی کپڑے میں ہم دونوں تھے۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں جب کہ پل صراط رکھا جائے گا اُس وقت مجھے کسی کی شفاعت سفارش کا اختیار نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ میں جان لوں کہ خود مجھے کہاں لے جاتے ہیں؟ اور جس وقت کہ چہرے سیاہ سفید ہونے شروع ہوں یہاں تک کہ میں دیکھ لوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جاتا ہے؟ یا فرمایا یہاں تک کہ میں دیکھ لوں کہ مجھے پر کیا وحی بھیجی جاتی ہے؟ اور جب جہنم پر پل رکھا جائے اور اسے تیز اور گرم کیا جائے۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! اس کی تیزی اور گرمی کی کیا حد ہے؟ فرمایا تلوار کی دھار جیسا تیز ہوگا اور آگ کے انگارے جیسا گرم ہوگا۔ مومن تو بے ضرر گذر جائے گا اور منافق لٹک جائے گا جب بیچ میں پہنچے گا اس کے قدم پھسل جائیں گے۔ یہ اپنے ہاتھ اپنے پیروں کے طرف جھکائے گا۔ جس طرح کوئی ننگے پاؤں چل رہا ہو اور اسے کانٹا لگ جائے اور اس زور کا لگے گویا کہ اس نے اس کے پاؤں کو چھید دیا تو کس طرح بے صبری اور جلدی سے وہ سر اور ہاتھ جھکا کر اس کی طرف جھک پڑتا ہے اسی طرح یہ جھکے گا۔ ادھر یہ جھکا اُدھر داروغہ جہنم اس کی پیشانی اور قدم جہنم کی زنجیروں سے جکڑ لیں گے اور جہنم کی آگ میں گرا دیں گے جس میں تقریباً پچاس سال تک وہ گہرا اُترتا جائے گا۔ میں نے پوچھا حضور! یہ جہنمی کس قدر بوجھل ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مثل دس گیا بھن اونٹنیوں کے' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے بعض فقروں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے ہونا منکر ہے اور اس کی اسناد میں ایک شخص ہے جن کا نام بھی نیچے کے راوی نے نہیں لیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٢﴾ هَٰذِهِ

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے یہ

جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿٤٣﴾

دوزخ ہے جس کو جھوٹ بتاتے تھے گنہگار ☆

☆یعنی اس وقت کہا جائے گا کہ یہ وہ ہی دوزخ ہے جس کا دنیا میں انکار کیا کرتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ آنٍ ﴿٤٤﴾

پھریں گے بیچ اُس کے اور کھولتے پانی کے ☆

جہنمیوں کی حالت ☆یعنی کبھی آگ کا اور کبھی کھولتے پانی کا عذاب ہوگا (اعاذنا اللہ منہما ومن سائر انواع العذاب) (تفسیر عثمانی)

جہنم اور نہایت گرم پانی کے درمیان وہ چکر لگاتے رہیں گے۔ ترمذی اور بیہقی نے حضرت ابو درداء کی روایت سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ قیامت کے دن ان پر بھوک کر ایسا مسلط کیا جائے گا کہ وہ (چیخیں گے اور) فریاد کریں گے ان کی فریاد رسی اسی طرح کی جائے گی کہ تھوہر کا کھانا ان کو دیا جائے گا جس سے نہ بھوک دفع ہوگی نہ بدن میں فربہی آئے گی اور جو کھانا ان کو کھلایا جائے گا وہ حلق میں پھنسے گا اس وقت ان کو یاد ہوگی کہ دنیا میں جب حلق میں کھانا پھنستا تھا تو پانی کی مدد سے اس کو تیر کر لیا کرتے تھے یہ بات یاد کر کے وہ پانی کے لئے فریاد کریں گے۔ ان کی فریاد پر گرم پانی لوہے کے آنکڑوں سے پکڑ کر ان کے منہ کے سامنے لایا جائے گا پانی جب منہ کے قریب آئے گا تو چہرہ بھن جائے گا اور پیٹ کے اندر پہنچے گا (تو انتڑیاں کٹ کر نکل پڑیں گی) الی آخر الحدیث۔

امام احمدؒ' ترمذیؒ' ابن حبانؒ' حاکم اور بیہقی نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت وَإِن يَسْتَغِيثُوا

يُغَاثُوا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ کی تشریح میں فرمایا جیسے روغن زیتون کی تلچھٹ جب وہ پانی اس کے منہ کے قریب لایا جائے گا تو چہرے کی کھال گر پڑے گی۔

جہنم کی ایک وادی: کعب احبار نے کہا آن جہنم کی ایک وادی ہے جس میں دوزخیوں کا لہو جمع ہوگا اس وادی میں دوزخیوں کو ڈبویا جائے گا کہ ان کا ایک ایک جوڑ اکھڑ جائے گا پھر ان کو وادی سے نکالا جائے گا اور از سر نو ان کی جسمانی تخلیق کر کے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا یہی مطلب ہے يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ آنٍ کا۔ (تفسیر مظہری)

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۴۵﴾ وَلِمَنْ خَافَ

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے اور جو کوئی ڈرا

مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ ﴿۴۶﴾

کھڑے ہونے سے اپنے رب کے آگے اُس کے لئے ہیں دو باغ

ڈرنے والے ☆ یعنی جس کو دنیا میں ڈر لگا رہا کہ ایک روز اپنے رب کے آگے کھڑا ہونا اور رتی رتی کا حساب دینا ہے اور اسی ڈر کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی سے بچتا رہا اور پوری طرح تقویٰ کے راستوں پر چلا اس کے لئے وہاں دو عالیشان باغ ہیں جن کی صفات آگے بیان کی گئی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول: ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں عطاء کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک روز حضرت ابوبکر قیامت میزان اور جنت دوزخ کے سوچ میں پڑ گئے اور فرمایا کاش میں پیدا ہی نہیں ہوتا کاش میں گھاس ہوتا کہ کوئی چوپایہ مجھے آ کر چر لیتا اور دوبارہ مجھے پیدا نہ کیا جاتا اس پر آیت نازل ہوئی۔

ابن شوذب اور عطا خراسانیؒ فرماتے ہیں آیت وَلِمَنْ خَافَ حضرت صدیق اکبرؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

چار جنتیں: احادیث میں آیا ہے کہ جنتیں کل چار ہوں گی دو چاندی کی ان دونوں میں جو برتن اور دوسری چیزیں ہوں گی وہ چاندی کی ہوں گی اور دو جنتیں سونے کی ان دونوں میں جو برتن اور دوسیر چیزیں ہوں گی وہ سب سونے کی ہوں گی۔ اہل جنت اور اللہ کے درمیان صرف عظمت الٰہیہ کی چادر حائل ہوگی اور وہ اپنے رب کو جنت عدن میں دیکھیں گے۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین عن ابی موسیٰ الاشعری۔

بغوی نے حضرت عبداللہ بن قیس کی روایت سے اور احمد وطیالسی و بیہقی نے حضرت ابوموسیٰ کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنات الفردوس چار ہیں دو سونے کی جن کے سارے زیور برتن اور تمام چیزیں سونے کی ہونگی اور دو چاندی کی جس کے اندر زیور برتن اور تمام اشیاء چاندی کی ہونگی الخ بغوی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ڈرتا ہے وہ رات کو (بھی) چلتا ہے اور جو رات کو (بھی) چلتا ہے وہ منزل پر پہنچ جاتا ہے سن لو اللہ جو چیز فروخت کرتا ہے وہ بیش قیمت جنت ہے۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ۔ مقام رب سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک قیامت کے روز حق تعالیٰ کے سامنے حساب کے لئے پیشی ہے اور اس سے خوف کے معنی یہ ہیں کہ جلوت وخلوت میں اور ظاہر و باطن کے تمام احوال میں اس کو یہ مراقبہ دائمی رہتا ہو کہ مجھے ایک روز حق تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا اور اعمال کا حساب دینا ہے اور ظاہر ہے جس کو ایسا مراقبہ ہمیشہ رہتا ہو وہ گناہ کے پاس نہیں جائے گا۔

اور قرطبی وغیرہ بعض حضرات مفسرین نے مقام رب کی یہ تفسیر بھی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ہر قول و فعل اور خفیہ وعلانیہ عمل پر نگراں اور قائم ہے ہماری ہر حرکت اس کے سامنے ہے حاصل اس کا بھی وہی ہوگا کہ حق تعالیٰ کا یہ مراقبہ اس کو گناہوں سے بچا دے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

ڈرنے والے کی فضیلت: حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اس آیت کی تلاوت کی تو میں نے کہا اگر چہ زنا اور چوری بھی اس سے ہوگئی ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اسی آیت کی تلاوت کی۔ میں نے پھر وہی کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی آیت پڑھی۔ میں نے پھر یہی سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر چہ ابودرداء کی ناک خاک آلود ہو جائے' نسائی۔ بعض سند سے یہ روایت موقوف بھی مروی ہے۔ اور حضرت ابودرداءؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ جس دل میں خدا کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف ہوگا ناممکن ہے کہ اس سے زنا ہو یا وہ چوری کرے۔

ترمذی شریف کی یہ حدیث بھی خیال میں رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ڈرے گا وہ رات کے وقت ہی کوچ کرے گا اور جو رات کے اندھیرے میں چل پڑا وہ منزل مقصود تک پہنچ جائے گا۔ خبردار ہو جاؤ خدا کا سودا بہت گراں ہے یاد رکھو وہ سودا جنت ہے۔ امام ترمذیؒ اس حدیث کو غریب بتلاتے ہیں۔

مومن جن بھی جنت میں جائیں گے

یہ آیت عام ہے انسانوں اور جنات دونوں کو شامل ہے اور اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ جنوں میں سے بھی جو ایمان لائیں اور تقویٰ کریں وہ جنت میں جائیں گے۔ اسی لئے جن وانس کو اس کے بعد خطاب کر کے فرماتا ہے کہ اب تم اپنے رب کی کس کس نعمت کی تکذیب کرو گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۴۷﴾

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے'

ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾

جن میں بہت سی شاخیں

باغ اور پھل ☆ یعنی مختلف قسم کے پھل ہوں گے اور درختوں کی شاخیں نہایت پرمیوہ اور سایہ دار ہوں گی۔ (تفسیر عثمانی)

عکرمہ کا قول ہے کہ فنن ٹہنیوں کے اس سایہ کو کہتے ہیں جو باغ کی دیواروں پر پڑتا ہے جس نے ذواتا افنان کا ترجمہ کیا ہے ذواتا اظلال (سایہ دار) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ افنان فن کی جمع ہو یعنی رنگارنگ کے پھلوں اور قسم قسم کے درختوں والیاں عرب کہتے ہیں افتن فلان فی حدیثہ فلاں شخص نے اپنی گفتگو میں طرح طرح کی اور رنگ رنگ کی باتیں کہیں سعید بن جبیر اور ضحاک کا یہی قول ہے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت بھی اس قول کی نسبت کی گئی ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿۵۰﴾

اُن دونوں میں دو چشمے بہتے ہیں ☆

☆ یعنی جو کسی وقت تھمتے نہیں نہ خشک ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

جنت کے چشمے اور نہریں: ہر جنت میں دو قسم کے چشمے ہوں گے خواہ سو ہوں یا ہزار یا اس سے کم و بیش۔ کیوں کہ اللہ نے فرمایا ہے۔

فِیْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چاروں قسم کی بکثرت نہریں جنت کے اندر ہوں گی۔ پانی کی دودھ کی شراب کی اور شہد کی ہر قسم کی بہت سی نہریں۔

بغوی نے حسن کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں چار نہریں ہوں گی دو تو عرش کے نیچے سے رواں ہوں گی ایک وہ جس کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِیْرًا اور دوسری زنجبیل باقی دونوں ابلتی ہوں گی ایک سلسبیل دوسری تسنیم۔ (تفسیر مظہری)

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِیْهِمَا مِنْ

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے اُن دونوں میں

کُلِّ فَاکِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ

ہر میوہ قسم قسم کا ہوگا پھر کیا کیا نعمتیں

رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی فُرُشٍۢ

اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تکیہ لگائے بیٹھے بچھونوں پر

بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ

جن کے استر تافتے کے ☆

بچھونے ☆ جب ان کا استر دبیز ریشم کا ہوگا تو ابرے کو اسی سے قیاس کر لو۔ کیسا کچھ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

جنت کے پھل اور چیزیں: بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا دنیا میں جو میٹھے یا کڑوے پھل ہیں وہ سب جنت میں ہوں گے یہاں تک کہ حنظل بھی ہوگا مگر وہ کڑوا نہ ہوگا میٹھا ہوگا۔ ابن ابی حاتم اور ابن المنذر نے بھی یہ روایت بیان کی ہے۔ ابن ابی حاتم نے مسند میں اور حناد نے زھد میں اور ابن جریر و بیہقی نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جنت کے اندر جو چیزیں ہوں گی دنیا میں ان کے صرف نام ہی نام ہیں (کیفیت' لذت' حالت' حقیقت مقدار وغیرہ جنت کی چیزوں کی بالکل الگ ہے) (تفسیر مظہری)

حضرت اسماءؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہٰی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا اس کی شاخوں کا سایہ اس قدر دراز ہے کہ سوار سو سال تک اس میں چلا جائے۔ یا فرمایا کہ سو سوار اس کے تلے سایہ حاصل کرلیں۔ سونے کی ٹڈیاں اس پر چھائی ہوئی تھیں' اس کے پھل بڑے بڑے مٹکوں اور بہت بڑی گول جتنے تھے (ترمذی) پھر ان میں نہریں بہہ رہی ہیں تاکہ ان درختوں اور شاخوں کو سیراب کرتی رہیں اور بکثرت اور عمدہ پھل لائیں۔ اب تو تمہیں اپنے رب کی نعمتوں کی قدر کرنی چاہئے۔ ایک کا نام تسنیم ہے دوسری کا سلسبیل ہے۔ یہ دونوں نہریں پوری روانی کے ساتھ بہہ رہی ہیں۔ ایک ستھرے پانی کی دوسری لذت والی بے نشے کی شراب کی۔ ان میں ہر قسم کے پھلوں کے جوڑے بھی موجود ہیں۔ اور پھل بھی وہ جن سے تم صورت شناس تو ہو لیکن لذت شناس نہیں ہو۔ کیونکہ وہاں کی نعمتیں نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں نہ کسی کان نے سنی ہیں نہ کسی دماغ میں آسکتی ہیں۔ تمہیں رب کی نعمتوں کی ناشکری سے رک جانا چاہئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فِیْهِمَا مِنْ کُلِّ فَاکِهَةٍ زَوْجٰنِ۔ پہلے دو باغوں کی صفت میں مِنْ کُلِّ فَاکِهَةٍ کے الفاظ سے تمام انواع فواکہ کا ہونا بیان فرمایا ہے' اس کے بالمقابل دوسرے باغوں میں مِنْ کُلِّ فَاکِهَةٍ کے بجائے صرف فَاکِهَةٌ کے الفاظ ہیں اور زَوْجٰنِ کے معنی یہ ہیں کہ ہر میوے کی دو دو قسمیں ہوں گی' یہ دو قسمیں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خشک و تر کی ہوں' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک تو عام معروف و

مشہور اور مزے کی ہو اور دوسری غیر معمولی انداز کی (مظہری) (معارف مفتی اعظم)

وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿٥٤﴾
اور میوہ اُن باغوں کا جھک رہا ☆

بے تکلف حاصل ہونے والے پھل ☆ جس کے چننے میں کلفت نہ ہوگی کھڑے، بیٹھے، لیٹے، ہر حالت میں بے تکلف متمتع ہوسکیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٥﴾ فِيْهِنَّ
پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے اُن میں عورتیں
قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ
ہیں نیچی نگاہ والیاں نہیں قربت کی اُن سے کسی آدمی نے
قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿٥٦﴾
اُن سے پہلے اور نہ کسی جن نے ☆

عصمت کی پیکر حوریں ☆ یعنی ان کی عصمت کو کسی نے بھی چھوا نہ انہوں نے اپنے ازواج کے سوا کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ (تفسیر عثمانی)

جنت کی حوریں: لَمْ يَطْمِثْهُنَّ الخ یعنی انسانی عورتوں سے کسی انسان نے اور جنی عورتوں سے کسی جن نے مباشرت نہیں کی ہوگی۔

ابن ابی حاتم اور بیہقی نے بوساطت ابوطلحہ حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے لَمْ يَطْمِثْهُنَّ یعنی (جماع سے) ان کو خون آلود نہیں کیا ہوگا۔ یہ آیت دلالت کر رہی ہے اس امر پر کہ انسانوں کی طرح جن بھی مباشرت کرتے ہیں۔ مقاتل نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں کہا کسی انس و جن نے ان سے مباشرت نہیں کی ہوگی کیوں کہ ان کی تخلیق جنت میں ہوئی ہے۔ اس تفسیر پر قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ سے مراد حوریں ہوں گی۔

دنیا والی عورتوں کی تخلیق ثانی: سعید بن منصور اور بیہقی نے شعبی کا قول بیان کیا ہے کہ دنیا کی عورتوں کی دوبارہ تخلیق اس طرح ہوگی جس طرح آیت اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا عُرُبًا اَتْرَابًا۔

یعنی تخلیق ثانوی کے بعد کسی انس و جن نے اہل جنت سے پہلے ان سے مباشرت نہ کی ہوگی۔ بغوی نے کلبی کی طرف بھی اس تشریح کی نسبت کی ہے۔

جنت میں داخل ہونے والا پہلا گروہ

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا اس کی شکلیں چودھویں کے چاند کی طرح ہوں گی۔ نہ وہ تھوکیں گے نہ ناک کی ریزش سنکیں گے نہ براز کو ان کی ضرورت ہو گی۔ دوسری روایت میں آیا ہے وہ بیمار نہیں ہوں گے ان کے برتن اور کنگھے سونے اور چاندی کے ہوں گے، ان کی انگیٹھیاں موتی کی ہوں گی، ان کا پسینہ مُشک ہوگا۔ ہر شخص کی دو بیبیاں ہوں گی، جن کے حسن کی یہ حالت ہوگی کہ پنڈلیوں کے اندر کا مغز (گوشت کے شفاف ہونے کی وجہ سے) باہر سے نظر آئے گا۔ اہل جنت میں باہم اختلاف اور بغض نہ ہوگا سب کو یک دل ہوں گے، صبح شام اللہ کی پاکی بیان کرنے میں مشغول رہیں گے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٧﴾ كَاَنَّهُنَّ
پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے وہ کیسی جیسے
الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٥٨﴾
کہ لعل اور مونگا ☆

☆ یعنی ایسی خوش رنگ اور بیش بہاء۔ (تفسیر عثمانی)

حوروں کا حسن: ابن ابی حاتم، یہ روایت ترمذی میں بھی موقوفاً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے اور امام ترمذیؒ اسی کو زیادہ صحیح بتلاتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے پیغمبر مدنی احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر اہل جنت کی دو بیویں اس صفت کی ہوں گی کہ ستر ستر حلے پہن لینے کے بعد بھی ان کی پنڈلیوں کی جھلک نمودار رہے گی۔ بلکہ اندر کا گودا بھی بوجہ صفائی کے دکھائی دے گا۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ یا تو فخر کے طور پر یا مذاکرہ کے طور پر یہ بحث چھڑ گئی کہ جنت میں عورتیں زیادہ ہوں گی یا مرد؟ تو حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کیا ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ پہلی جماعت جو جنت میں جائے گی وہ چاند جیسی صورتوں والی ہوں گی۔ ان کے پیچھے جو جماعت جائے گی وہ آسمان کے بہترین چمکیلے تاروں جیسے چہروں والی ہوگی۔ ان میں سے ہر شخص کی دو دو بیویاں ایسی ہوں گی جن کی پنڈلی کا گودا گوشت کے پیچھے سے نظر آئے گا اور جنت میں کوئی بے بیوی کا نہ ہوگا۔ اس حدیث کی اصل بخاری میں بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں خدا کی راہ کی صبح اور اس کی راہ کی شام ساری دنیا سے اور جو اس میں ہے سب سے بہتر ہے۔ جنت میں جو جگہ تمہیں ملے گی اس میں سے ایک کمان یا ایک کوڑی کے برابر کی جگہ ساری دنیا اور اس کی ساری چیزوں سے افضل ہے۔ اگر جنت کی عورتوں میں سے ایک عورت دنیا میں جھانک لے تو زمین و آسمان کو جگمگا دے اور خوشبو سے تمام عالم مہک اٹھے۔ ان کی ہلکی سی چھوٹی سی دوپٹیاں بھی دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے گراں ہیں۔ صحیح بخاری

میں یہ حدیث بھی ہے۔ پھر ارشاد ہے کہ دنیا میں جس نے نیکی کی اس کا بدلہ آخرت میں سلوک و احسان کے سوا اور کچھ نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٩﴾ هَلْ
پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے اور کیا
جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿٦٠﴾
بدلہ ہے نیکی کا مگر نیکی ☆

نیکی کا بدلہ: یعنی نیک بندگی کا بدلہ نیک ثواب کے سوا کیا ہوسکتا ہے۔ ان جنتیوں نے دنیا میں اللہ کی انتہائی عبادت کی تھی گویا وہ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے اللہ نے ان کو انتہائی بدلہ دیا۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (سجدہ۔ رکوع ۲)۔ شاید اس میں دولت دیدار کی طرف بھی اشارہ ہو واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی

بغوی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ تلاوت فرمائی پھر ارشاد فرمایا' جانتے ہو تمہارے رب نے کیا فرمایا۔ صحابہؓ نے عرض کیا' اللہ اور اللہ کے رسول ہی بخوبی واقف ہیں فرمایا' اللہ ارشاد فرماتا ہے' جس کو میں نے توحید کی نعمت عطا کی اُس کا بدلہ سواء جنت کے اور کچھ نہیں ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا' جس نے لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کیا اور جو شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اس پر عمل کیا۔ اس کا بدلہ سواء جنت کے کچھ نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦١﴾ وَمِنْ
پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے اور اُن
دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿٦٢﴾
دو کے سوائے اور دو باغ ہیں

اصحاب یمین کے باغ: شاید پہلے دو باغ مقربین کے لیے تھے اور یہ دونوں اصحاب یمین کے لیے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہتا ہے اس کے لئے چار جنتیں ہوں گی دو کا ذکر وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ میں کر دیا گیا اور دو کی صراحت اس جگہ کر دی چونکہ اول الذکر دونوں جنتیوں کا مرتبہ مؤخر الذکر جنتیوں سے اعلیٰ تھا۔ اس لئے چاروں کا ذکر یکجا نہیں کیا بلکہ اول درجہ کی جنتیوں کا ذکر پہلے کر دیا پھر آخری جنتوں کی صراحت کی۔

حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا پہلی دونوں جنتیں سونے کی ہیں اور سابقین اولین کے لئے ہیں اور دوسری دونوں جنتیں ان کی پیروی کرنے والوں کے لئے ہیں اور چاندی کی ہیں۔ رواہ الحاکم والبیہقی۔

بیہقی نے حضرت ابوموسیٰؓ کی روایت سے حدیث مذکور اس طرح بھی بیان کی ہے کہ پہلی دونوں جنتیں سونے کی سابقین کے لئے ہیں اور دوسری جنتیں اصحاب الیمین (دائیں طرف والوں) کے لئے۔ کذا ذکر البغوی قول ابن جریج۔

بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ اللہ کا عرش پانی پر تھا پھر اللہ نے اپنے لئے جنت بنائی پھر اس میں دوسری جنت بنا دی پھر اس کو ایک موتی سے ڈھانپ دیا اور کہا وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ۔

بقول بغوی کسائی نے من دونہما کا ترجمہ کیا ہے ان دونوں کے سامنے' دونوں کے مقابل۔

ضحاک کا قول ہے کہ دو جنتیں سونے کی ہیں اور دوسری دونوں یاقوت کی۔ یہ قول بھی دلالت کر رہا ہے کہ من دون سے مراد (کم مرتبہ نہیں بلکہ) سامنے اور مقابل ہے (کیونکہ یاقوت کی جنتیں سونے کی جنتوں سے کم مرتبہ نہیں ہوسکتیں) (تفسیر مظہری)

فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٣﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿٦٤﴾
پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے گہرے سبز جیسے سیاہ ☆

سبزی جب زیادہ گہری ہوتی ہے تو سیاہی مائل ہو جاتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ ان دونوں باغوں میں سبزی اور زمین پر پھیلی ہوئی بیلوں کی کثرت ہوگی' جس طرح اول الذکر دونوں باغوں میں درختوں اور پھلوں کی فراوانی ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ اول الذکر باغوں کو مؤخر الذکر باغوں پر اسی وجہ سے برتری ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٥﴾ فِيْهِمَا
پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے اُن میں
عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿٦٦﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا
دو چشمے ہیں اُبلتے ہوئے پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی
تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٧﴾ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ
جھٹلاؤ گے اُن میں میوے ہیں اور کھجوریں

وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾
اور انار ☆

انار اور کھجور ☆ مگر یہاں کے انار اور کھجوروں پر قیاس نہ کیا جائے ان کی کیفیت اللہ ہی جانے۔ (تفسیر عثمانی)

درخت خرما کا پھل (تازہ ہو یا خشک) محض غذا ہے اور انار دوا ہے اور فاکہہ وہ چیز ہوتی ہے جس کا مقصد صرف لذت ذوق ہوتا ہے۔ اسی لئے امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی اور کہا میں فاکہہ نہیں کھاؤں گا اور کھجور یا انار کھالیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول بیان کیا ہے کہ جنت کے کھجور کے درختوں کے تنے سبز زمرد کے اور پتے سرخ سونے کے ہوں گے ان کے ریشوں سے اہل جنت کے لباس اور جوڑے بنائے جائیں گے ان کے پھل مٹکوں یا ڈولوں کے برابر ہوں گے دودھ سے زیادہ سفید شہد سے زیادہ میٹھے اور مکھن سے زیادہ نرم ہوں گے ان کے اندر گٹھلی نہیں ہوگی۔

ابن ابی الدنیا نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا' جنت کے ایک چھوارے کی لمبائی بارہ ہاتھ ہوگی اور اس کے اندر گٹھلی نہیں ہوگی یہ بھی حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ جنت کے ایک انار کے گرداگرد بہت سے آدمی جمع ہو کر سب مل کر اس کو کھائیں گے اگر کھانے کے لئے کسی کی زبان پر کسی چیز کا ذکر آجائیگا فوراً وہ چیز مل جائیگی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' میں نے جنت میں انار (اتنا بڑا) دیکھا کہ جیسے اونٹ جس پر پالان کسا ہوا ہو۔ (تفسیر مظہری)

ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے جنتی کھجور کے درختوں کے ریشے کا جنتیوں کا لباس بنے گا۔ یہ سرخ رنگ سونے کے ہوں گے۔ اس کے تنے سبز زمردیں ہوں گے اس کے پھل شہد سے زیادہ میٹھے اور مسکے سے زیادہ نرم ہوں گے۔ گٹھلی بالکل نہ ہوگی۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ میں نے جنت کے انار دیکھے اتنے بڑے تھے جیسے اونٹ مع ہودج۔ خیرات کے معنی بہ کثرت اور بہت حسین' نہایت نیک خلق اور بہتر خلق ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ معنی مروی ہیں۔

جنت میں کھانے کے بعد فضلہ نہیں ہوگا

مسند عبد بن حمید میں ہے یہودیوں نے آکر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا جنت میں میوے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا ہاں ہیں۔ انہوں نے پوچھا کیا جنتی دنیا کی طرح وہاں بھی کھائیں گے پئیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں بلکہ بہت کچھ زیادہ اور بہت کچھ زیادہ۔ انہوں نے کہا پھر کیا وہاں فضلہ بھی نکلے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں نہیں بلکہ پسینہ آ کر سب ہضم ہو جائیگا۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ فِیْهِنَّ
پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ان سب
خَیْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾
باغوں میں اچھی عورتیں ہیں خوبصورت ☆

خوب صورت اور خوب سیرت بیویاں

یعنی اچھے اخلاق کی خوبصورت اور خوب سیرت۔ (تفسیر عثمانی)

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾
پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے
حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ﴿۷۲﴾
حوریں ہیں رکی رہنے والیاں خیموں میں ☆

عورت کی خوبی ☆ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت ذات کی خوبی گھر میں رکے رہنے ہی سے ہے۔ (تفسیر عثمانی)

''حور'' کا معنی: حور حوراء۔ حوراء اس عورت کو کہتے ہیں جس کی آنکھوں کا حدقہ۔ خوب سیاہ ہو اور سفیدی بجائے خود خوب سفید اور سیاہی بجائے خود خوب سیاہ ہو اور پلک چمکدار ہوں اور پلکوں کے گرداگرد سفیدی ہو اور بدن گورا ہو یا پوری آنکھ ہرن کی طرح چمکیلی سیاہ ہو ایسی آنکھ انسان کی نہیں ہوتی مجازاً اس کا استعمال عورتوں کے لئے کیا جاتا ہے۔ کذافی القاموس۔

''حور'' کی خوبصورتی و پاکیزگی

ابن مبارک کا بیان ہے کہ زید بن اسلم نے کہا' اللہ تعالیٰ حور عین کو مٹی سے نہیں پیدا کرتا' بلکہ ان کی ساخت مشک و کافور اور زعفران کی ہے۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اگر حور سمندر میں تھوک دے تو اس کے لعاب دہن کی شیرینی سے سمندر میٹھا ہو جائے۔

حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اہل جنت کی عورتوں میں سے اگر کوئی عورت سات سمندروں میں تھوک دے تو سارے سمندر شہد سے زیادہ میٹھے ہو جائیں۔

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے اندر تنی مقدار جتنی تم میں سے کسی کے کمان کے نصف وتر کی ہوتی ہے دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے اور جنت کی عورتوں میں سے کوئی عورت زمین کی طرف جھانک لے تو زمین تک ساری درمیان مسافت روشن ہو جائے اور خوشبو سے بھر جائے اور اس کے سر کی اوڑھنی دنیا اور موجودات سے بہتر ہے۔ رواہ البخاری۔

ابن ابی الدنیا نے کعب کا قول نقل کیا ہے کہ اگر حور کا ایک ہاتھ آسمان سے نیچے کی طرف لٹکا دیا جائے تو ساری زمین اس کی وجہ سے ایسی روشن ہو جائے جیسے سورج دنیا والوں کے لئے چمکتا ہے۔

مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ۔ چھپی ہوئی محفوظ مسہریوں میں۔

حوروں کے خیمے: صحیح بخاری شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنت میں ایک خیمہ ہے درمجوف کا جس کا عرض ساٹھ میل کا ہے اس کے ہر ہر کونے میں جنتی کی بیویاں ہیں جو دوسری کونے والیوں کو نظر نہیں آتیں۔ مومن ان سب کے پاس آتا جاتا رہے گا۔ دوسری روایت میں چوڑان ان کا تیس میل ہونا مروی ہے۔ یہ حدیث صحیح مسلم شریف میں بھی ہے۔

حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں خیمہ ایک ہی لو لو کا ہے جس میں ستر دروازے موتی کے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں جنت میں ایک خیمہ ہوگا جو ایک موتی کا بنا ہوا ہوگا۔ چار فرسخ چوڑا‘ جس کے چار ہزار دروازے ہوں گے اور چوکھٹیں سب کی سونے کی ہوں گی۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے ادنیٰ درجے کے جنتی کے اسی ہزار خادم ہوں گے اور بہتر بیویاں ہوں گی اور لو لو و زبرجد کا محل ہوگا جو جابیہ سے صنعا تک پہنچے۔ پھر فرماتا ہے ان بے مثل حسینوں کے پنڈے اچھوتے ہیں کسی جن وانس کا گذر ان کے پاس نہیں ہوا۔ (تفسیر ابن کثیر)

بغوی نے (مقصورات کے معنی تشریح کرتے ہوئے) لکھا ہے کہ وہ حوریں جنہوں نے اپنی نظریں صرف اپنے شوہروں پر منحصر کر اور مقصور کر رکھی ہوں گی‘ شوہروں کے علاوہ دوسروں پر وہ نگاہ بھی نہیں ڈالیں گی۔ بیہقی نے مجاہد کا قول بیان کیا‘ مقصورات یعنی خیموں کے اندر بند اور محفوظ ہوں گی وہاں سے نہیں ہٹیں گی اور خیمہ موتی اور چاندی کا ہوگا۔

بیہقی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا‘ شب معراج میں جنت کے اندر ایک جگہ پہنچا‘ جس کو بیدخ کہا جاتا ہے‘ وہاں موتی زبرجد سبز اور یاقوت سرخ کے خیمے ہیں (اندر سے حوروں نے) کہا‘ السلام وعلیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم‘ میں نے کہا‘ جبرئیل یہ آواز کیسی ہے (جس نے مجھے خطاب کیا) جبرائیل نے کہا یہ خیمے کے اندر مستور حوریں ہیں‘ انہوں نے اپنے رب سے آپ کو سلام کرنے کی اجازت مانگی تھی‘ اللہ نے ان کو اجازت دے دی۔ حوریں کہنے لگیں‘ ہم (ہمیشہ) رضامند رہیں گی‘ کبھی ناراض نہیں ہوں گی ہم (یہاں) ہمیشہ رہیں گی کبھی (یہاں سے) کوچ نہیں کریں گی (یہ بیان کرنے کے بعد) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ پڑھا۔ بغوی نے حضرت عبداللہ بن قیس کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا‘ جنت کے اندر ایک خیمہ ہے‘ کھوکھلے موتی کا‘ جس کی چوڑائی ساٹھ میل ہے اس کی ہر گوشہ میں رہنے والے دوسروں کو (یعنی دوسرے گوشہ میں رہنے والوں کو) نظر نہیں آتے‘ اہل ایمان ان سب کا دورہ کریں گے (یعنی یہ سب مؤمنوں کے زیر حکم ہوں گے) صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت سے بھی اسی طرح کی حدیث آئی ہے۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خیمے کھوکھلے موتی کے ہوں گے‘ حضرت عمرؓ کی موقوف حدیث بھی اسی طرح آئی ہے۔ ابن جریر نے ابومجلز کی مرسل حدیث بھی ایسی ہی نقل کی ہے۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابو درداءؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ خیمہ ایک موتی کا ہوگا‘ جس میں موتی کے ستر دروازے ہوں گے۔

حناد نے حضرت عمرؓ بن میمون کا قول نقل کیا ہے کہ خیمے کھوکھلے موتیوں کا ہوگا۔

مجاہد اور ابن احوص کی روایت بھی اسی طرح ہے۔ ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا نے حضرت ابن مسور کا قول نقل کیا ہے کہ ہر مسلم کا ایک منتخب پسندیدہ مقام ہوگا اور ہر پسندیدہ مقام میں ایک خیمہ ہوگا۔ اور ہر خیمہ کے چار دروازے ہوں گے اور ہر دروازہ سے ہر روز ایک تحفہ اور ہدیہ داخل ہوگا‘ جو اس سے پہلے نہ آیا ہوگا (یعنی نو بنو حوریں ہوں گی) نہ اترانے والیاں ہوں گی نہ غرور کرنے والیاں نہ گندہ بغل نہ گندہ دہن۔ حُوْرٌ عِیْنٌ کَاَنَّھُنَّ بَیْضٌ مَّکْنُوْنٌ ۔

فائدہ: دنیا کی عورتیں حوروں سے بہتر ہوں گی بیہقی نے بیان کیا کہ حضرت ام سلمہ نے فرمایا‘ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی عورتیں اعلیٰ ہیں یا حوریں‘ فرمایا دنیا کی عورتیں حورعین سے ایسی ہی افضل ہیں جیسا ابراء استر سے اعلیٰ ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ایسا کس وجہ سے ہے فرمایا‘ ان کے نماز روزے کی وجہ سے اللہ ان کے چہروں کو نور کا لباس پہنا دے گا (نورانی کر دے گا) اور ان کے جسموں کو ریشم کا لباس پہنا دے گا۔ ان کے رنگ گورے‘ کپڑے سبز اور زیور زرد ہوں گے‘ ان کی انگیٹھیاں موتی کی اور کنگھیاں سونے کی ہوں گی‘ وہ کہیں گی ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں ہم کبھی نہیں مریں گی‘ ہم آرام پروردہ ہیں کبھی دکھی نہیں ہوں گی ہم یہاں ہمیشہ مقیم رہیں گی‘ کبھی یہاں سے کوچ نہیں کریں گی‘ ہم ہمیشہ رضامند رہنے والیاں ہیں۔ کبھی ناراض نہیں ہوں گی‘ خوشی ہو اس کے لئے جس کے لئے ہم ہیں اور جو ہمارے لئے ہے‘ میں نے عرض کیا‘ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر کسی عورت نے دو یا تین یا چار شوہر کئے ہوں اور پھر مر جائے اور جنت میں چلی

جائے اور اس کے سب شوہر بھی جنت میں چلے جائیں تو وہ کس شوہر کی بی بی ہوگی۔ فرمایا' اس کو اختیار دے دیا جائے گا (جس کی زوجیت میں چاہے داخل ہو جائے) اور وہ اس شوہر کی زوجیت کو پسند کرے گی جو دنیا میں سب سے اچھے اخلاق والا تھا' حضرت ام سلمہ نے فرمایا خوش اخلاقی دنیا اور دین کی ساری بھلائیوں پر غالب آ گئی۔

حناد کا بیان ہے کہ حبان بن جبلہ نے فرمایا' اہل جنت کی عورتیں جب جنت میں داخل ہوں گی تو حوروں سے ان کا مرتبہ اپنے اعمال دنیویہ کی وجہ سے افضل ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾ لَمْ
پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے نہیں
یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ
ہاتھ لگایا اُن کو کسی آدمی نے اُن سے پہلے اور
لَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا
نہ کسی جن نے پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی
تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ
جھٹلاؤ گے تکیہ لگائے بیٹھے سبز مسندوں پر
خُضْرٍ وَّ عَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾
اور قیمتی بچھونے نفیس پر
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾
پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ
بڑی برکت ہے نام کو تیرے رب کی جو بڑائی والا
وَالْاِکْرَامِ ﴿۷۸﴾ ع
اور عظمت والا ہے☆

یعنی جس نے اپنے وفاداروں پر ایسے احسان وانعام فرمائے اور غور کرو تو تمام نعمتوں میں اصلی خوبی اسی کے نام پاک کی برکت سے ہے اور اسی کا نام لینے سے یہ نعمتیں حاصل ہوتی ہیں پھر سمجھ لو جس کے اسم میں اس قدر برکت ہے مسمّی میں کیا کچھ ہوگی۔ ونسال اللہ الکریم الوھاب ذاالجلال والاکرام ان یجعلنا من اھل الجنتین الاولین. آمین تم سورۃ الرحمان وللہ الحمد والمنۃ (تفسیر عثمانی)

رفرف کا معنی: صاحب قاموس نے لکھا ہے رفرف سبز کپڑا جس سے بیٹھنے کی چیزیں اور بستر اور فرش اور تکیے گدیاں بنائی جاتی ہیں۔ صحاح میں ہے کہ رفرف ایک خاص قسم کا کپڑا جو [illegible] کے مشابہ ہوتا ہے فارسی میں ایسے کپڑے کے فرش کو بہار کہتے ہیں۔

عوفی نے کہا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا' رفرف مجالس اور بستروں کا زائد حصہ (یعنی جھالر وغیرہ) قتادہ نے کہا' فرش کے اوپر جو سبز مجالس (یعنی چاندنی یا قالین یا مسند وغیرہ) بچھائی جاتی ہیں وہ رفرف خضر ہیں۔

ابن کیسان نے ترجمہ کیا کہنی ٹیکنے کے تکیے (جن پر کہنی ٹیکی جاتی ہے)

ابن عُیینہ نے ترجمہ کیا مسندیں۔

بیہقی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے کہا عَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ (یعنی) مسندیں قتیبی نے ہر منقش کپڑے (چھینٹ وغیرہ) کو عرب عبقری کہتے ہیں' ابوعبیدہ نے کہا عبقری اس مقام کی طرف منسوب ہے جہاں کپڑے پر نقاشی کا کام ہوتا تھا' خلیل نے کہا ہر بزرگ اعلیٰ نفیس آدمی وغیرہ کو عرب عبقری کہتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے متعلق فرمایا تھا' میں نے ایسا کوئی عبقری نہیں دیکھا جو اس کی طرح کارنامے انجام دیتا ہو۔

بحمد اللہ

الحمد للہ سورۃ الرحمٰن کی تفسیر ختم ہوئی

سورۂ واقعہ

جس نے خواب میں دیکھا کہ وہ یہ سورہ پڑھ رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ نیکیوں اور طاعتوں کی طرف سبقت کرنے والا ہوگا۔ (ابن سیرین)

حضرت ابن مسعود کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے جو شخص ہر شب سورۂ واقعہ پڑھے گا اس کو کبھی فاقہ نہیں ستائے گا۔ رواہ البغوی وابویعلی فی مسندہ والبیہقی بسند ضعیف فی شعب الایمان۔ (واللہ اعلم)

سورۂ واقعہ کی خصوصی فضیلت مرض وفات میں عبداللہ بن مسعودؓ کی سبق آموز ہدایات

ابن کثیر نے بحوالہ ابن عساکر ابوظبیہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مرض وفات میں حضرت عثمان غنیؓ عیادت کے لئے تشریف لے گئے' حضرت عثمانؓ نے پوچھا مَا تَشْتَكِيْ (تمہیں کیا تکلیف ہے) تو فرمایا ذُنُوْبِيْ (یعنی اپنے گناہوں کی تکلیف ہے) پھر پوچھا مَا تَشْتَهِيْ (یعنی آپ کیا چاہتے ہیں) تو فرمایا رَحْمَةَ رَبِّيْ (یعنی اپنے رب کی رحمت چاہتا ہوں) پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں آپ کے لئے کسی طبیب (معالج) کو بلاتا ہوں تو فرمایا اَلطَّبِيْبُ اَمْرَضَنِيْ (یعنی مجھے طبیب ہی نے بیمار کیا ہے) پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں آپ کے لئے بیت المال سے کوئی عطیہ بھیج دوں تو فرمایا لَا حَاجَةَ لِيْ فِيْهَا' (مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں) حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ عطیہ لے لیجئے وہ آپ کے بعد آپ کی لڑکیوں کے کام آئے گا تو فرمایا کیا آپ کو میری لڑکیوں کے بارے میں یہ فکر ہے کہ وہ فقر وفاقہ میں مبتلا ہو جائیں گی۔ مگر مجھے یہ فکر اس لئے نہیں کہ میں نے اپنی لڑکیوں کو تاکید کر رکھی ہے کہ ہر رات سورۂ واقعہ پڑھا کریں' کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْوَاقِعَةِ كُلَّ لَيْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ اَبَدًا (ابن کثیر) (جو شخص ہر رات میں سورۂ واقعہ پڑھا کرے وہ کبھی فاقہ میں مبتلا نہیں ہوگا)۔

ابن کثیر نے یہ روایت بسند ابن عساکر نقل کرنے کے بعد اس کی تائید دوسری سندوں اور دوسری کتابوں سے بھی پیش کی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

سورۂ واقعہ کے مضامین: ابتداء سورۃ میں قیامت کے واقعہ ہونے کی خبر اس کے احوال عظمت وہیبت کے ساتھ دیتے ہوئے انسانوں کو تین قسموں میں منقسم فرمایا اس کے بعد ان کے انجام اور سعادت وشقاوت اور جزاء وسزا کا ذکر فرمایا پھر دلائل قدرت کی تفصیل فرماتے ہوئے قرآن کریم کی عظمت و حقانیت کا بیان فرمایا اور یہ واضح فرمایا کہ کون لوگ سابقین بالخیرات اور اہل سعادت ہیں اور کون درمیانہ درجہ کے اور کون وہ بدنصیب ہیں جو سعادت سے محروم رہتے ہوئے اپنے کو ہلاکت وتباہی میں ڈالتے ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا ثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ واقعہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چھیانوے آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١﴾ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿٢﴾

جب ہو پڑے ہو پڑنے والی نہیں ہے اُس کے ہو پڑنے میں کچھ جھوٹ ☆

قیامت کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا ☆یعنی قیامت جب ہو پڑے گی اس وقت کھل جائیگا کہ یہ کوئی جھوٹی بات نہ تھی نہ اسے کوئی ٹلا سکے گا نہ واپس کر سکے گا اور "لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ" وغیرہ کے جھوٹے دعوے سب ختم ہو جائیں۔ کوئی شخص جھوٹی تسلیوں سے اس دن کی ہولناک سختیوں کو گھٹانا چاہے یہ بھی نہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿٣﴾

پست کرنیوالی ہے بلند کرنیوالی ☆

انقلاب عظیم ☆یعنی ایک گروہ کو نیچے لے جاتی ہے اور ایک گروہ کو اوپر اٹھاتی ہے۔ بڑے بڑے متکبروں کو جو دنیا میں بہت معزز اور سر بلند سمجھے جاتے تھے اسفل سافلین کی طرف دھکیل کر دوزخ میں پہنچا دیگی اور کتنے ہی متواضعین کو جو دنیا میں پست اور حقیر نظر آتے تھے۔ ایمان وعمل صالح کی بدولت جنت کے اعلیٰ مقامات پر فائز کریگی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباسؓ سے اس جملہ کی یہی تفسیر منقول ہے اور مقصد اس کا ہولناک ہونا اور اس میں عجیب قسم کے انقلابات پیش آنے کا بیان ہے جیسا کہ سلطنتوں اور حکومتوں کے انقلاب کے وقت مشاہدہ ہوا کرتا ہے کہ اوپر والے نیچے اور نیچے والے اوپر ہو جاتے ہیں' فقیر مالدار ہو جاتے ہیں مالدار فقیر ہو جاتے ہیں (روح) (معارف مفتی اعظم)

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ﴿٤﴾ وَّبُسَّتِ

جب لرزے زمین کپکپا کر اور ریزہ ریزہ

الْجِبَالُ بَسًّا ۙ﴿۵﴾ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۙ﴿۶﴾

ہوں پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر پھر ہو جائیں غبار اُڑتا ہوا☆

یعنی زمین میں سخت زلزلہ آئیگا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر غبار کی طرح اڑتے پھرینگے۔ (تفسیر عثانی)

وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۭ﴿۷﴾

اور تم ہو جاؤ تین قسم پر ☆

آدمیوں کی تین قسمیں ☆ یعنی وقوع قیامت کے بعد کل آدمیوں کی تین قسمیں کردی جائیں گی دوزخی' عام جنتی' اور خواص مقربین جو جنت کے نہایت اعلیٰ درجات پر فائز ہونگے۔ آگے تینوں کا مجملاً ذکر کرتے ہیں۔ پھر ان کے احوال کی تفصیل بیان ہوگی۔ (تفسیر عثانی)

ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ قیامت کے روز تمام لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہو جاویں گے' ایک قوم عرش کے داہنی جانب ہوگی' یہ وہ ہوں گے جو آدم علیہ السلام کی داہنی جانب سے پیدا ہوئے۔ اور ان کے اعمالنامے ان کے داہنے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے' اور ان کو عرش کی داہنی جانب میں جمع کر دیا جائے گا' یہ سب لوگ جنتی ہیں۔

دوسری قوم عرش کے بائیں جانب میں جمع ہوگی' جو آدم علیہ السلام کے بائیں جانب سے پیدا ہوئی اور جن کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھوں میں دیئے گئے۔ ان سب کو بائیں جانب میں جمع کر دیا جائے گا' اور یہ سب لوگ جہنمی ہیں' (نعوذ باللہ من صنیعہم)

اور تیسری قسم طائفہ سابقین کا ہوگا جو رب عرش کے سامنے خصوصی امتیاز اور قرب کے مقام میں ہوگا' جن میں انبیاء و رسول صدیقین' شہداء اور اولیاء اللہ شامل ہوں گے۔ ان کی تعداد بہ نسبت اصحاب الیمین کے کم ہوگی۔

آخر سورۃ میں ان تینوں کا ذکر پھر اس سلسلے میں آئے گا کہ انسانوں کی موت کے وقت سے ہی آثار اس کے محسوس ہو جائیں گے کہ یہ ان تینوں گروہوں میں سے کس گروہ میں شامل ہونے والا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ جب لوگوں کے جوڑے ملائے جائیں فرمایا قسم قسم کے یعنی ہر عمل کے عامل کی ایک جماعت۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم تین قسم پر ہو جاؤ گے یعنی اصحاب یمین اصحاب شمال اور سابقین۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ

پھر داہنے والے کیا خوب ہیں

الْمَيْمَنَةِ ۭ﴿۸﴾

داہنے والے☆

داہنی طرف والے ☆ یعنی جو لوگ عرش عظیم کی داہنی طرف ہوں گے جن کو اخذ میثاق کے وقت آدم کے داہنے پہلو سے نکالا گیا تھا اور ان کا اعمالنامہ بھی داہنے ہاتھ میں دیا جائیگا اور فرشتے بھی انکو داہنی طرف سے لیں گے۔ اس روز ان کی خوبی اور یمن و برکت کا کیا کہنا' شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کی نسبت دیکھا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی داہنی طرف نظر کر کے ہنستے ہیں اور بائیں طرف دیکھ کر روتے ہیں۔ (تفسیر عثانی)

وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ

اور بائیں والے کیا برے لوگ ہیں

الْمَشْئَمَةِ ۭ﴿۹﴾

بائیں والے☆

بائیں جانب والے ☆ یہ لوگ آدم علیہ السلام کے بائیں پہلو سے نکالے گئے۔ عرش کے بائیں جانب کھڑے کیے جائینگے' اعمالنامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا اور فرشتے بائیں طرف سے ان کو پکڑینگے' ان کی نحوست اور بدبختی کا کیا ٹھکانا۔ (تفسیر عثانی)

بائیں ہاتھ کو عرب شومی کہتے ہیں' شام کو شام اور یمن کو یمن اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ملک شام کعبہ سے بائیں جانب اور یمن کعبہ سے دائیں جانب واقع ہے۔ بائیں سمت والوں کو دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا۔ یہ ہی خروج ذریت کے وقت حضرت آدم کے بائیں جانب تھے یا یوں کہا جائے کہ ان لوگوں کے بائیں ہاتھوں میں اعمالنامے دیئے جائیں گے یا یوں کہا جائے کہ یہ لوگ خود اپنے لئے منحوس ہوئے' ان کی عمریں گناہوں میں بسر ہوئیں۔ (تفسیر مظہری)

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۙ﴿۱۰﴾ اُولٰٓئِكَ

اور اگاڑی والے تو اگاڑی والے وہ لوگ

الْمُقَرَّبُوْنَ ۚ﴿۱۱﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۱۲﴾

ہیں مقرب باغوں میں نعمت کے ☆

آگے بڑھ جانے والے ☆ یعنی جو لوگ کمالات علمیہ و عملیہ اور مراتب تقویٰ میں دوڑ کر اصحاب یمین سے آگے نکل گئے وہ حق تعالیٰ کی

رحمتوں اور مراتب قرب و وجاہت میں بھی سب سے آگے ہیں۔ (وهم الانبياء والرسل و الصديقون والشهداء يكونون بين يدى ربهم عز وجل كما قال ابن كثيرؒ)۔ (تفسیر عثمانی)

گروہ انبیاءؑ ایمان اور اطاعت خداوندی میں سب کے پیشوا اور سب سے آگے ہیں' ان کی امتیں ان کی تابع ہیں' انبیاء کا کامل اتباع کرنے والے اور بوراثت کمالات نبوت حاصل کرنے والے اور خالص انوار ذاتیہ سے مشرف ہونے والے صحابہ کرام اور ان کے بعض متبعین ہیں اسی لئے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جو ہجرت میں سبقت کرنے والے تھے' وہ ہی آخرت میں بھی پیش رو ہوں گے۔

عکرمہ نے کہا سابقین اولین سے مراد ہیں وہ لوگ جو اسلام میں سبقت کرنے والے تھے یعنی صحابہؓ' ابن سیرین نے کہا' وہ مہاجر اور انصار مراد ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی۔ ربیع بن انس نے کہا' دنیا میں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق میں سبقت کی وہ ہی جنت کی طرف سبقت کرنے والے ہوں گے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا' پانچوں نمازوں کی طرف پیش قدمی کرنے والے مراد ہیں۔

صحابہ کرامؓ: ان تمام اقوال کا حاصل یہ ہے کہ اَلسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ سے صحابہ کرامؓ مراد ہیں۔

حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا سَبَقْتُكُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ طُرًّا. غُلَامًا مَّا بَلَغْتُ اَوَانَ حُلُمِىْ میں نے تم سب سے پہلے اسلام کی طرف پیش قدمی کی جب کہ میں لڑکا تھا' زمانہ جوانی کو نہیں پہنچا تھا۔

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا' صحابی سب کے سب کمالاتِ نبوت میں ڈوبے ہوئے تھے اور تابعین میں سے اکثر حضرات اور تبع تابعین میں بعض اشخاص بھی کمالات نبوت میں مستغرق تھے لیکن اس کے بعد (۱۰۰۰ ھ) تک' انوارِ نبوت مدھم اور ہلکے ہوتے رہے اور کمالات ولایت کا ظہور ہونے لگا۔ اور وہ انوار ولایت جو صفائی اور ظلی تجلیات سے مستفاد تھے (شکر' شطح اور خوارق و کرامات) نمودار ہونے لگے پھر (۱۰۰۰ھ) کے بعد بعض افرادِ امت کو نبی کی سرشت پر پیدا کیا گیا اور اللہ نے کمالاتِ نبوت سے ان کو سرفراز فرمایا (یہ لوگ کمالات نبوت میں دور اول کے مشابہ ہو گئے) اسی وجہ سے امت کا آخری دور اول دور کی طرح اور اس کے مشابہ ہو گیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' میری امت کی مثال ایسی ہے' جیسے بارش' معلوم نہیں ہوتا کہ بارش کی ابتدائی حصہ زیادہ بہتر (مفید) ہے یا آخری حصہ۔ رواہ الترمذی عن انس۔ (تفسیر مظہری)

امام احمدؒ نے حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے سوال کیا کہ تم جانتے ہو کہ قیامت کے روز ظل اللہ کی طرف سبقت کرنے والے کون لوگ ہوں گے صحابہ کرام نے عرض کیا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اُن کو حق کی طرف دعوت دی جائے تو اس کو قبول کریں اور جب اُن سے حق مانگا جائے تو ادا کر دیں' اور لوگوں کے معاملات میں وہ فیصلہ کریں جو اپنے حق میں کرتے ہیں۔

مجاہدؒ نے فرمایا کہ سابقین سے مراد انبیاء ہیں' ابن سیرین نے فرمایا کہ جن لوگوں نے دونوں قبلوں یعنی بیت المقدس اور بیت اللہ کی طرف نماز پڑھی ہے وہ سابقین ہیں' اور حضرت حسنؒ و قتادہؒ نے فرمایا کہ ہر اُمت میں سابقین ہوں گے' بعض مفسرین نے فرمایا کہ مسجد کی طرف سب سے پہلے جانے والے سابقین ہوں گے۔

ابن کثیرؒ نے ان تمام اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ سب اقوال اپنی اپنی جگہ صحیح و درست ہیں' ان میں کوئی اختلاف نہیں' کیونکہ سابقین وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں نیک کاموں کی طرف مسابقت کی ہو گی تو جو آدمی اس دنیا میں اعمالِ صالحہ کے اندر دوسروں سے آگے بڑھا رہا وہ آخرت میں بھی سابقین میں سے ہو گا' کیونکہ آخرت کی جزاءِ عمل کے مناسب دی جائے گی۔ (معارف مفتی اعظم)

فرشتوں کی ایک نامنظور درخواست:

ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ فرشتوں نے درگاہِ خدا میں عرض کیا کہ پروردگار تو نے ابن آدم کے لئے تو دنیا بنا دی ہے وہ وہاں کھاتے پیتے ہیں اور بیوی بچوں سے لطف اٹھاتے ہیں پس ہمارے لئے آخرت کر دے۔ جواب ملا کہ میں ایسا نہیں کروں گا۔ انہوں نے تین مرتبہ یہی دعا کی۔ پس خدائے تعالیٰ نے فرمایا میں نے جسے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اُسے اُن جیسا ہرگز نہ کروں گا جنہیں میں نے صرف لفظ کن سے پیدا کیا۔ حضرت امام دارمیؒ نے بھی اس اثر کو اپنی کتاب الردّ علی الجہمیہ میں وارد کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ اللہ عزوجل نے فرمایا جسے میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے اُس کی نیک اولاد کو میں اُس جیسا نہ کروں گا جسے میں نے کہا ہو گا تو وہ ہو گیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَقَلِيْلٌ

انبوہ ہے پہلوں میں سے اور تھوڑے ہیں

مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۴﴾

پچھلوں میں سے ☆

اوّلین اور آخرین ☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں " پہلے کہا' پہلی امتوں کو' اور پچھلی یہ امت (محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم) یا پہلے پچھلے اسی امت کے (مراد ہوں) یعنی اعلیٰ درجہ کے لوگ پہلے بہت ہو چکے ہیں۔ پیچھے کم ہوتے ہیں" (تنبیہ) اکثر مفسرین نے آیت کی تفسیر میں یہ دونوں احتمال بیان کیے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ نے دوسرے احتمال کو ترجیح دی اور روح المعانی میں طبرانی وغیرہ سے ایک حدیث ابوبکرہ کی بسند حسن نقل کی ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کے متعلق فرمایا" **هما جميعاً من هذه الامة** (واللہ اعلم)۔ ابن کثیرؒ نے ایک تیسرا مطلب آیت کا بیان کیا ہے احقر کو وہ پسند ہے یعنی ہر امت کے پہلے طبقہ میں نبی کی صحبت یا قرب عہد کی برکت سے اعلیٰ درجہ کے مقربین جس قدر کثرت سے ہوئے ہیں پچھلے طبقوں میں وہ بات نہیں رہی کما قال صلی اللہ علیہ وسلم "**خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم**" ہاں اگر ابوبکرہ کی حدیث صحیح ہو جیسا کہ روح المعانی میں ہی تو ظاہر ہے وہ ہی مطلب متعین ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

اَلْاٰخِرِیْنَ۔ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ۱۰۰۰ھ کے بعد ہوئے اور اللہ نے ان کو کمالات نبوت سے سرفراز فرمایا۔

صحابہؓ کو بُرا نہ کہو: صحیحین میں حضرت ابوسعیدؓ خدری کی مرفوع روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' میرے صحابیوں کو بُرا نہ کہو' اگر تم میں سے کوئی کوہِ احد کے برابر سونا راہ خدا میں خرچ کرے گا تو میرے کسی ایک صحابی کے ایک سیر بلکہ آدھے سیر (چھوارے غلہ وغیرہ) کے برابر بھی نہ ہوگا۔

اہل جنت میں امت محمدیہ کی مقدار: امام احمد بزار اور طبرانی نے صحیح حدیث سے بیان کیا کہ حضرت جابرؓ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرمارہے تھے مجھے امید ہے کہ میری اتباع کرنے والے اہل جنت میں ایک چوتھائی ہوں گے ہم نے یہ سن کر تکبیر کہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں امید رکھتا ہوں کہ (کل جنتی لوگوں میں) میری امت نصف ہوگی۔

امام بخاری نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تم پسند کرو گے کہ (کل) اہل جنت میں تم ایک چوتھائی ہو ہم نے عرض کیا جی ہاں' فرمایا' قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' میں امید کرتا ہوں کہ (کل) جنتیوں میں تم آدھے ہوگے۔

ترمذی' حاکم اور بیہقی نے حضرت بریدہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی' اسی تمہاری اور چالیس باقی امتوں میں سے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔

طبرانی نے حضرت ابوموسیٰ' حضرت ابن عباسؓ' حضرت معاویہ بن جیدہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کی روایت سے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔

(تفسیر مظہری)

اسی طرح محمد بن سیرینؒ نے فرمایا کہ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ کے متعلق علماء یہ کہتے اور توقع کرتے تھے کہ یہ اولین و آخرین سب اسی اُمت میں سے ہوں (ابن کثیر)

حدیث ابوبکرہؓ: روح المعانی میں ایک حدیث مرفوع بسند حسن حضرت ابوبکرہؓ کی روایت سے یہ نقل کی ہے۔

اَخْرَجَ مُسَدَّدٌ فِیْ مُسْنَدِه وَابْنُ الْمُنْذِرِ وَالطَّبْرَانِیُّ وَابْنُ مَرْدُوَيه بِسَنَدٍ حَسَنٍ عَنْ اَبِیْ بَكْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ قَوْلِهٖ سُبْحَانَهٗ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ قَالَ هُمَا جَمِيْعًا مِّنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ

مسدّد نے اپنی مسند میں اور ابن المنذر' طبرانی اور ابن مردویہ نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابوبکرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ دونوں جماعتیں اسی اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہوں گی۔"

اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی سند ضعیف کے ساتھ حدیث مرفوع بہت سے حضرات محدثین نے نقل کی ہے' جس کے الفاظ یہ ہیں هُمَا جَمِيْعًا مِّنْ اُمَّتِیْ' یعنی یہ دونوں اوّلین و آخرین میری ہی امت میں سے ہوں گے۔

اس تفسیر کے مطابق شروع آیت میں كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً کا مخاطب اُمت محمدیہ ہی ہوگی' اور یہ تینوں قسمیں امت محمدیہ ہی کی ہوں گی (روح المعانی)

امت محمدیہ کی افضلیت: تفسیر مظہری میں۔ ہے کہ آیات قرآن کی واضح دلالت اس پر ہے کہ اُمت محمدیہ تمام اُمم سابقہ سے افضل ہے' اور بظاہر یہ ہے کہ کسی اُمت کی فضیلت اس کے اندر اعلیٰ طبقہ کی زیادہ تعداد ہی سے ہوتی ہے' اس لئے یہ بات بعید ہے کہ افضل الامم کے اندر سابقین مقربین کی تعداد کم ہو آیات قرآن كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ اور لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا سے امت محمدیہ کی افضلیت سب اُمتوں پر ثابت ہے' اور ترمذی' ابن ماجہ و دارمی نے حضرت بہز بن حکیمؒ سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے' حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

اَنْتُمْ تُتِمُّوْنَ سَبْعِيْنَ اُمَّةً اَنْتُمْ اٰخِرُهَا وَاَكْرَمُهَا عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰی

(تم ستر سابقہ امتوں کا تتمہ ہوگے جن میں تم سب سے آخر میں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ اکرم وافضل ہوگے)۔ (معارف مفتی اعظم)

عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ

بیٹھے ہیں جڑاؤ تختوں پر ☆

جو سونے کی تاروں سے بنے گئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

کچھ مفسروں نے کہا ملے ہوئے سونے اور جواہر سے بنے ہوئے ضحاک نے کہا قطار میں لگے ہوئے۔ (تفسیر مظہری)

مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿۱۶﴾
تکیہ لگائے اُن پر ایک دوسرے کے سامنے ☆

اہل جنت کی نشست ☆ یعنی نشست ایسی ہوگی کہ کسی ایک کی پیٹھ دوسرے کی طرف نہ رہے گی۔ (تفسیر عثمانی)

يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿۱۷﴾
لئے پھرتے ہیں انکے پاس لڑکے سدا رہنے والے ☆

جنتیوں کے خُدّام ☆ یعنی خدمت کے لیے لڑکے ہونگے جو سدا ایک حالت پر رہیں گے۔ (تفسیر عثانی)

حسن نے کہا وہ دنیا والوں کی ہی اولاد ہوگی جنہوں نے نہ نیکیاں کی ہوں گی کہ ثواب پائیں نہ گناہ کئے ہوں گے کہ عذاب میں ماخوذ ہوں بلکہ ان کو اہل جنت کا خادم بنا دیا جائے گا۔

ابن مبارک، ہناد اور بیہقی نے حضرت عمر کا قول بیان کیا ہے کہ سب سے کم درجہ کا جنتی وہ ہوگا، جس کے ایک ایک کام کے لئے ہزار خادم اس کے آس پاس دوڑیں گے اور (دوسرے کام کے لئے دوسرے خادم ہوں گے) اس کے کام پر دوسرے مقرر نہیں ہوں گے۔

اللہ نے اہل جنت کے حسن معاشرت، تہذیب اخلاق اور خلوص دوستی کو متقابلین کے لفظ سے ظاہر کر دیا یَطُوْفُ یعنی خدمت کے لئے ان کے پاس آمد و رفت رکھیں گے۔

وِلْدَانٌ۔ بعض اہل علم نے ترجمہ کیا وہ لڑکے جو خدمت اہل جنت کے لئے ہی پیدا کئے گئے ہیں۔

مُخَلَّدُوْنَ۔ یعنی نہ وہ مریں گے نہ بوڑھے ہوں گے اور نہ ان میں اور کوئی تغیر آئے گا، بلکہ ہمیشہ لڑکوں ہی کی شکل میں رہیں گے۔ (تفسیر مظہری)

ابن ابی الدنیا نے حضرت انس کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ تمام جنتیوں میں سب سے نچلے جنتی کے سرہانے (یعنی پشت کی طرف) دس ہزار خادم کھڑے ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ اہل جنت میں سب سے کم درجہ والے کے پاس صبح شام پانچ ہزار خادم آمد و رفت کریں گے اور ان میں سے ہر ایک کے پاس (طرح طرح کے پھلوں اور کھانوں کا) ایک برتن ہوگا جو اس کے ساتھی کے پاس نہ ہوگا۔ اور اہل جنت میں کوئی بھی ادنیٰ درجہ والا نہیں ہوگا (یعنی اہل جنت میں مرتبہ کی بلندی اور پستی اضافی ہوگی واقع میں کسی کا درجہ پست نہیں ہوگا)۔

بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ
آبخورے اور کوزے اور پیالہ نتھری
مَّعِيْنٍ ﴿۱۸﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا
شراب کا جس سے نہ سر دُکھے اور نہ
يُنْزِفُوْنَ ﴿۱۹﴾
بکواس لگے ☆

☆ یعنی نتھری اور صاف شراب جس کے قدرتی چشمے جاری ہونگے اس کے پینے سے نہ سر گرانی ہوگی نہ بکواس لگے گی کیونکہ اس میں نشہ نہ ہوگا۔ خالص سرور اور لذت ہوگی۔ (تفسیر عثانی)

وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿۲۰﴾
اور میوہ جونسا پسند کر لیں
وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾
اور گوشت اُڑتے جانوروں کا جس قسم کو جی چاہے ☆

پسندیدہ چیزیں فقط خواہش پر مل جائیں

یعنی جس وقت جو میوہ پسند ہو اور جس قسم کا گوشت مرغوب ہو بدون محنت و تعب کے پہنچے گا۔ (تفسیر عثانی)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، جوں ہی جنتی کے دل میں کسی پرندے کے گوشت کا خیال گذرے گا، فوراً وہ پرندہ جنتی کی خواہش کے موافق مجسم اسکے سامنے آپڑے گا۔

بزار، ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے اندر تم جس پرندہ کو دیکھ کر اس کی خواہش کرو گے وہ فوراً بھنا ہوا تمہارے آگے آجائے گا۔

ابن ابی الدنیا نے ابو امامہ کا بیان نقل کیا ہے کہ جنت کے اندر جنتی آدمی جس پرندے (کے گوشت) کی خواہش کرے گا۔ فوراً وہ پرندہ جو بختی اونٹ کی طرح ہوگا (بھنا ہوا) جنتی کے دستر خوان پر آگر گرے گا نہ دھواں اس کو لگا ہوگا نہ اس کو آگ نے چھوا ہوگا، جنتی اس میں سے سیر ہو کر کھا چکے گا تو وہ اُڑ جائے گا۔

ہناد نے بروایت حسن بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے اندر (کچھ) پرندے بختی اونٹوں کی مثل ہوں گے وہ پرندہ جنتی کے پاس (خود) چلا آئے گا' جنتی اس میں سے (حسب خواہش) کھالے گا پھر وہ اُڑ جائے گا' ایسا معلوم ہوگا کہ اس کے کسی حصہ میں کمی آئی ہی نہیں۔

ہناد اور ابن ابی الدنیا نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جنت کے اندر ایسا پرندہ ہوگا کہ اس کے ستر ہزار پر ہوں گے وہ خود آ کر جنتی کی رکابی میں گر پڑے گا پھر بازو پھڑ پھڑائے گا تو اس کے ہر پر سے ایک رنگ نکلے گا جو برف سے زیادہ سفید' مکھن سے زیادہ نرم اور شہد سے زیادہ شیریں ہوگا اور اس کے مشابہ کسی دوسرے پر کا رنگ نہیں ہوگا۔ اس کے بعد وہ اڑ کر چلا جائے گا۔

شجرہ طوبیٰ: ہناد کا بیان ہے کہ مغیث بن سُمّی نے کہا طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے' جنت کے اندر کوئی مکان ایسا نہیں ہے کہ اس درخت کے کسی نہ کسی شاخ کا اس پر سایہ نہ ہو' اس درخت میں رنگارنگ کے پھل ہیں بختی اونٹ جیسے پرندے اس پر اُترتے ہیں (جنتی) آدمی جب دل میں اس کی خواہش کرے گا اور اس کو بلائے گا تو وہ فوراً اس کے دسترخوان پر آ کر گر جائے گا' جنتی اس کے ایک طرف سے بھنا ہوا گوشت کھائے گا اور اس کے دوسرے پہلو سے پھر وہ پرندہ لوٹ کر ویسا ہی ہو جائے گا' جیسا تھا اور اڑ کر چلا جائے گا۔

حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت: بیہقی نے حضرت حذیفہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے اندر (کچھ) پرندے بختی اونٹوں کی طرح (یعنی جسامت میں) ہوں گے' حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا پھر وہ عیش میں ہوں گے' فرمایا' ان سے زیادہ عیش میں وہ لوگ ہوں گے جو ان کو کھائیں گے اور ابوبکر تم انہی کھانے والوں میں سے ہو گے۔ (تفسیر مظہری)

وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿۲۲﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ
اور عورتیں گوری بڑی آنکھوں والیاں' جیسے موتی کے دانے
الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا
اپنے غلاف کے اندر بدلہ اُن کاموں کا جو
يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾
کرتے تھے ☆

حور عین ☆ یعنی صاف موتی کی طرح جس پر گرد و غبار کا ذرا بھی اثر نہ آیا ہو۔ (تفسیر عثمانی)

مجاہد نے کہا حور کی پنڈلیوں کا مغز کپڑوں کے باہر سے نمایاں ہوگا۔ حور عین کا ترجمہ سیاہ پتلیوں بڑی آنکھوں والیاں بھی کیا گیا ہے۔

بیہقی کا بیان ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا' میں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول مجھے حور عین کا معنی بتایئے۔ فرمایا گورے رنگ کی دراز پلک والیاں جیسے گدھ کے پر' میں نے عرض کیا كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ کا کیا مطلب ہے فرمایا جیسے سیپ کے اندر موتی چھپا ہوا صاف اور ہاتھوں کے چھونے سے آزاد ہوتا ہے' وہ حوریں صفائی میں ایسے ہی موتی کی طرح شفاف ہوں گی۔

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ جنت میں ایک نور چمکے گا تو لوگ کہیں گے کوئی حور اپنے شوہر کے سامنے ہنسی' یہ اس کے دانتوں کی چمک ہے۔

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حور جب چلے گی تو اس کی پنڈلیوں کے پازیبیں اللہ کی تقدیس کریں گی۔ اور اس کی کلائیوں کے کنگن اللہ کی بندگی بیان کریں گے اور اس کے سینہ کا یاقوتی ہار ہنسے گا۔ اس کے دونوں پاؤں میں سونے کی جوتیاں ہوں گی' جن کے تسمے موتی کے ہوں گے اور وہ اللہ کی پاکی بیان کریں گے اور تقدیس و تمجید و تسبیح کی یہ آوازیں سنی جائیں گی۔ (تفسیر مظہری)

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾
نہیں سنیں گے وہاں بکواس اور نہ گناہ کی بات
اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾
مگر ایک بولنا سلام سلام ☆

جنت میں سلامتی ہی سلامتی ☆ یعنی لغو اور واہیات باتیں وہاں نہیں ہونگی نہ کوئی جھوٹ بولے گا نہ کسی پر جھوٹی تہمت رکھے گا بس ہر طرف سے سلام سلام کی آوازیں آئیں گی یعنی جنتی ایک دوسرے کو اور فرشتے جنتیوں کو سلام کرینگے۔ اور رب کریم کا سلام پہنچے گا جو بہت ہی بڑے اعزاز و اکرام کی صورت ہے اور سلام کی یہ کثرت اس کی طرف اشارہ ہے کہ اب یہاں پہنچ کر تم تمام آفات اور مصائب سے محفوظ اور صحیح و سالم رہو گے۔ نہ کسی طرح کا آزار پہنچے گا نہ موت آئیگی نہ فنا۔ (تفسیر عثمانی)

مجاہدین کا اعزاز: امام احمد' بزار اور ابن حبان نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' مخلوق خدا میں سب سے پہلے جنت کے اندر وہ فقراء مجاہدین داخل ہوں گے جن کے ذریعے سے (اسلامی) سرحدوں کی حفاظت ہوتی ہے اور مکروہات دفع کئے جاتے ہیں' اور (اس کے باوجود) وہ اپنی حاجت اپنے سینوں میں لئے مرجاتے ہیں' پوری نہیں کر پاتے' اللہ اپنے فرشتوں میں سے جس کو چاہے گا حکم دے گا کہ ان

مہاجروں کے پاس جاؤ اور ان کو سلام کرو۔ فرشتے عرض کریں گے ہم آسمان کے باشندے اور تیری مخلوق میں سب سے افضل ہیں۔ اس پر بھی تو ہم کو ان کے پاس جانے اور سلام کرنے کا حکم دے رہا ہے (یہ لوگ کتنے اعلیٰ مرتبے والے ہیں) اللہ فرمائے گا وہ (میرے) بندے تھے میری ہی عبادت کرتے تھے میری عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتے تھے ان سے سرحدوں کی حفاظت ہوتی تھی اور مکروہات کو دفع کیا جاتا تھا اور وہ اپنی حاجت اپنے سینوں میں لئے مرجاتے تھے۔ حاجت پوری نہیں کر پاتے تھے حسب الحکم فرشتے ان کے پاس جائیں گے اور ہر دروازے سے داخل ہو کر کہیں گے تم پر سلامتی ہو کیوں کہ تم نے صبر کیا۔ تمہارا آخری مکان کیسا اچھا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ

اور داہنے والے کیا کہنے داہنے

الْيَمِيْنِ ﴿٢٧﴾ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿٢٨﴾

والوں کے رہتے ہیں بیری کے درختوں میں جس میں کانٹا نہیں

وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿٢٩﴾

اور کیلے تہ پر تہ ☆

اصحاب الیمین ☆ جو قسم قسم کے مزہ دار پھلوں سے لدے ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

وہ پاک باطن نفوس مطمئنہ والے متقی ہوں گے جن کے دل روشن ہیں پھر آخرت میں انہیں کیساتھ گناہ گار اہل ایمان کو بھی شامل کر دیا جائے گا خواہ انبیاء اور صلحاء کی سفارش سے ان کے گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا یا اللہ بغیر شفاعت کے ان کی خطاؤں کو بخش دے گا یا عذاب دینے کے بعد پاک صاف کر کے صلحاء اور اہل تقویٰ کے ساتھ ملا دے گا کیوں کہ جہنم سے مؤمن کے گناہوں کا میل ایسا صاف ہو جائیگا جیسے لوہار کی بھٹی سے لوہے کا میل صاف ہو جاتا ہے۔

جنت کے درخت: فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ مخضود کا معنی ہے بے خار یعنی جس کے کانٹے کاٹ دیئے گئے ہوں یا وہ شاخ جو پھلوں کی کثرت کی وجہ سے بوجھ کے مارے دوہری ہو رہی ہو۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے خَضَدَا لْشجر درخت کے کانٹے کاٹ دیئے اور خَضَدَا لْغصن تر اور نرم ہونے کی وجہ سے شاخ کو دوہرا کر دیا۔

بیہقی نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک اعرابی نے دریافت کیا یا رسول اللہ اللہ نے قرآن میں ایسے درخت کا ذکر کیا جس (کو چھونے اور چبھنے) سے آدمی کو تکلیف ہوتی ہے فرمایا وہ کون سا درخت ہے اعرابی نے عرض کیا بیری کا درخت جس میں کانٹے ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے سدر مخضود فرمایا ہے (یعنی) اللہ اس کے کانٹے توڑ دے گا اور ہر کانٹے کی جگہ ایک پھل پیدا کر دیگا۔ پھر ہر پھل پھٹ کر اس سے بہتر رنگ کے کھانے برآمد ہوں گے اور کوئی رنگ دوسرے رنگ کے مشابہ نہیں ہوگا۔

طبرانی نے بھی عتبہ بن عبد کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے۔

بیہقی نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے۔ مخضود کا معنی ہے (پھلوں کے) بوجھ سے لدا ہوا اور طلح منضود سے مراد ہے تہ برتہ کیلا۔ (تفسیر مظہری)

امت محمدیہ کا کوئی دور اصحاب الیمین سے خالی نہ ہوگا

مؤمنین ومتقین واولیاء اللہ تو اس پوری امت کے اول وآخر میں بھاری تعداد میں رہیں گے۔ اور اُمت محمدیہ کا کوئی دور کوئی طبقہ اصحاب الیمین سے خالی نہ رہے گا اس کی شہادت اس حدیث سے بھی ملتی ہے جو صحیح بخاری ومسلم میں حضرت معاویہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی اور ہزاروں مخالفتوں کے نرغے میں بھی وہ اپنا رشد وہدایت کا کام کرتی رہے گی۔ اس کو کسی کی مخالفت نقصان نہ پہنچا سکے گی یہاں تک کہ قیامت قائم ہونے تک یہ جماعت اپنے کام میں لگی رہے گی (معارف مفتی اعظم)

وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿٣٠﴾

اور سایہ لمبا ☆

جنت کا موسم ☆ یعنی نہ دھوپ ہوگی نہ گرمی سردی لگے گی۔ نہ اندھیرا ہوگا صبح کے اور طلوع شمس سے پہلے جیسا درمیانی وقت ہوتا ہے ایسا معتدل سایہ سمجھو اور لمبا پھیلا ہوا اتنا کہ بہترین تیز رفتار گھوڑا سو برس تک متواتر چلتا رہے تو ختم نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

جنت کا ایک درخت: صحیحین میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایک درخت ہے جس کے سایہ میں گھوڑے کا سوار سو برس چلنے کے بعد بھی اس کو طے نہیں کر سکے گا۔ اگر تم اس کا ثبوت چاہتے ہو تو پڑھو وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ۔

ہناد بن سری نے الزہد میں یہ بھی کہا ہے کہ اس حدیث کی اطلاع کعب کو پہنچی تو انہوں نے کہا قسم ہے اس خدا کی جس نے موسیٰ پر توریت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کیا اگر کوئی شخص پنج سالہ یا چار سالہ اونٹ پر سوار ہو کر اس درخت کے گرد چکر لگائے تو بوڑھا ہونے تک اس کا چکر پورا نہ کر سکے گا۔ اور گر جائے گا اللہ نے اپنے ہاتھ سے اس کو بویا ہے اور اس کی ٹہنیاں جنت کے احاطہ کے باہر تک چھائی ہوئی ہیں۔ جنت کے اندر جو دریا ہے وہ

اسی درخت کی جڑ سے نکلا ہے۔

بغوی نے بروایت عکرمہ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ کی تشریح کے ذیل میں حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جنت کے اندر ساق عرش پر ایک درخت ہے اہل جنت اس کی جڑ کے پاس بیٹھ کر باتیں کریں گے اور بعض لوگ دنیوی کھیل کے خواہش مند ہوں گے' اس وقت اللہ جنت کی ایک ہوا بھیج دے گا جس سے وہ درخت حرکت میں آجائے گا اور اس سے دنیا کے ہر کھیل کی آوازیں نکلیں گی۔ (تفسیر مظہری)

وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۟ۙ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۟ۙ
اور پانی بہتا ہوا اور میوہ بہت
لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ۟ۙ
نہ اُس میں سے ٹوٹا اور نہ روکا ہوا ☆

بے مثال پھل اور میوے ☆ بہت قسم کا میوہ' نہ پہلے اس میں سے کسی نے توڑا نہ دنیا کے موسمی میووں کی طرح آئندہ ختم ہو نہ اس کے لینے میں کسی قسم کی روک ٹوک پیش آئے۔ (تفسیر عثمانی)

بعض علماء نے لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ وہ زمانے کی تبدیلی سے منقطع نہیں ہوں گے اور قیمت نہ ہونے کی وجہ سے ان کا ملنا ممنوع نہ ہوگا۔ دنیا کے پھل فصلی ہوتے ہیں اور قیمت سے ملتے ہیں اور فصل گذرنے کے بعد نہیں ملتے اور قیمت نہ ہو تو دستیاب نہیں ہوتے جنت کے پھل ایسے نہیں ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ۟ؕ
اور بچھونے اونچے ☆

جنت کے تخت اور بستر ☆ یعنی بے حد دبیز اور اونچے ظاہر میں بھی اور رتبہ میں بھی۔ (تفسیر عثمانی)

امام احمد ترمذی' ابن ماجہ' بیہقی اور ابن ابی الدنیا نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو بستروں کے درمیان اتنا فرق ہوگا جتنا آسمان و زمین کے درمیان ہے۔ ترمذی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں اور ان کی اونچائی اتنی ہوگی جتنی آسمان و زمین کے درمیان ہے۔ اور دونوں کے درمیان فاصلہ پانچ سو برس کی راہ (کے برابر) ہے۔ بغوی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت ابوامامہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ اگر سب سے اونچا فرش سب سے نچلے فرش پر گر جائے تو چالیس برس میں نہ پہنچ سکے۔ طبرانی نے حضرت ابوامامہؓ کی مرفوع روایت سے بیان کیا کہ اگر سب سے اونچی بلندی سے فرش کو نیچے پھینک دیا جائے تو نیچے قرارگاہ تک سو برس میں پہنچے۔

بعض اہل تفسیر کے نزدیک فرش سے مراد ہیں (بستروں والیاں یعنی) عورتیں عرب عورتوں کو بستر اور لباس کہتے ہیں۔ اس صورت میں مَّرْفُوْعَةٍ کا معنی ہوگا' حسن اور فضیلت میں دنیوی عورتوں سے اونچی یا مسہریوں پر اُن کا اونچا ہونا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۟ۙ فَجَعَلْنٰهُنَّ
ہم نے اُٹھایا اُن عورتوں کو ایک اچھی اُٹھان پر پھر کیا اُن کو
اَبْكَارًا ۟ۙ عُرُبًا اَتْرَابًا ۟ۙ لِّاَصْحٰبِ
کنواریاں پیار دلانیوالیاں ہم عمر واسطے داہنے
الْيَمِيْنِ ۟ؕ
والوں کے ☆

دوشیزائیں ☆ یعنی حوریں اور دنیا کی عورتیں جو جنت میں ملیں گی وہاں ان کی پیدائش اور اٹھان خدا کی قدرت سے ایسا ہوگا کہ ہمیشہ خوبصورت جو ان ہی رہیں گی۔ جن کی باتوں اور طرز و انداز پر بیساختہ پیار آئے اور سب کو آپس میں ہم عمر رکھا جائیگا اور ان کے ازواج کے ساتھ بھی عمر کا تناسب برابر قائم رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش کلامی: بیہقی نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اس وقت میرے پاس ایک بڑھیا بیٹھی ہوئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' یہ کون ہے' میں نے عرض کیا میری ایک خالہ ہے فرمایا جان لو کہ کوئی بوڑھیا جنت میں داخل نہ ہوگی' بوڑھیا کو یہ سن کر وہ (غم پیدا) ہو گیا جو اللہ نے چاہا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ فرماتا ہے۔ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ۔

طبرانی نے الاوسط میں دوسری سند سے حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک بوڑھی عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ دعا فرمائیے کہ اللہ مجھے جنت میں داخل فرما دے فرمایا جنت میں کوئی بڑھیا داخل نہیں ہوگی' حضرت عائشہؓ نے فرمایا' میں نے کہا' آپ کے کلام

سے اس کو دکھ اور تکلیف پہنچی' فرمایا انشاء اللہ یہ بات ایسی ہی ہوگی جب اللہ ان کو داخل کرنا چاہے گا تو ان کو (یعنی بوڑھی عورتوں کو) دوشیزہ بنا کر داخل فرمادے گا۔

مقاتل وغیرہ نے کہا ان سے مراد عورتیں نہیں ہیں بلکہ حوریں مراد ہیں ان پر ولادت کا بار نہیں پڑا' اللہ نے ان کو کنواریاں ہی پیدا کیا اور کوئی دکھ وہاں نہیں ہے۔

عُرُبًا یہ عروب کی جمع ہے' شوہروں کی شیفتہ اور حبیبہ۔ ابن ابی حاتم نے حضرت جعفر بن محمد کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عُرُبًا کی تشریح میں فرمایا ان کا کلام عربی ہوگا۔

بیہقی کا بیان ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ عربا اترابا کا کیا مطلب ہے فرمایا دنیا میں جو بوڑھی عورتیں کھچڑی بالوں والی اور آنکھوں سے چیپڑ بہنے والی ہوں گی' اللہ ان کو اس بڑھاپے کے بعد (قیامت کے دن جب) پیدا کرے گا تو ان کو کنواری بنادے گا۔

اہل جنت کی عمریں: حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جنت والے جنت میں داخل ہونگے اس وقت برہنہ بدن' بے ریش و بروت' گورے رنگ کے اور گھونگھریالے بالوں والے ہوں گے' سب ۳۳ سال کی عمر کے ہوں گے' سب آدمؑ کے قد پر ہوں گے' لمبائی ساٹھ ہاتھ چوڑائی سات ہاتھ۔ رواہ احمد والطبرانی فی الاوسط وابن ابی الدنیا والبغوی بسند حسن۔

حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا والوں میں سے جو کوئی بچپن میں مرجائیں گے یا بوڑھے ہوکر (بہر حال) اس کو دوبارہ ۳۳ برس کا کر کے جنت میں داخل کیا جائے گا اس سے زیادہ کبھی بھی نہ ہوں گے اور دوزخی بھی ایسے ہی ہوں گے' رواہ الترمذی وابویعلی وابن ابی الدنیا۔

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنتی جب جنت میں داخل ہوں گے تو ان کا قد آدم کے قد کے برابر ساٹھ ہاتھ (یعنی شاہی گز) اور حسن یوسفؑ جیسا اور عمر عیسیٰؑ کی پیدائش کے برابر (عیسیٰ کے دنیا میں رہنے کی ابتدائی عمر) یعنی ۳۳ سال ہوگی اور ان کی زبان محمد کی زبان ہوگی' برہنہ بدن' بغیر ڈاڑھی مونچھ کے سرگیں چشم ہوں گے' رواہ الطبرانی فی الاوسط بسند جید۔ رواہ الطبرانی۔ (تفسیر مظہری)

ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ﴿۳۹﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ
انبوہ ہے پہلوں میں سے اور انبوہ ہے
الْآخِرِينَ ﴿۴۰﴾
پچھلوں میں سے ☆

☆ یعنی اصحاب یمین پہلوں میں بھی بکثرت ہوئے ہیں اور پچھلوں میں بھی انکی بہت کثرت ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول: بغوی نے عروہ بن رویم کی مرسل حدیث بیان کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ اس آیت کو سن کر رو دیے اور عرض کیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اللہ پر اس کے رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اللہ کے رسول کی تصدیق کی لیکن ہم میں سے نجات پانے والے تھوڑے ہوں گے اس پر آیت ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ نازل ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا' اللہ نے تمہارے قول کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی ہے حضرت عمرؓ نے عرض کیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اپنے رب سے اور اس کے رسول کی تصدیق سے راضی ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمؑ سے لے کر ہمارے دور تک (سب ملا کر) ایک ثلہ ہوگا اور مجھ سے شروع ہوکر قیامت تک ایک ثلہ ہے (یعنی اولین سے مراد وہ امتیں ہیں جو آدم سے شروع ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئیں' اصحاب الیمین کا ایک بڑا گروہ تو ان کے مجموعہ میں سے ہوگا اور الآخرین سے مراد ہے امت محمدیہ' تنہا اس امت میں سے ایک بڑا گروہ اصحاب الیمین کا ہوگا) اور اس کا خاتمہ لا الٰہ الا اللہ کہنے والے ان (مؤمن) حبشیوں پر ہوگا جو اونٹوں کے چرواہے ہوں گے' ابن ابی حاتم نے بھی عروہ کی یہ مرسل حدیث نقل کی ہے۔

ایک علمی نکتہ: آیت ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ۔ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ میں سے آیت ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ منسوخ نہیں ہے کیوں کہ یہ خبر ہے اور خبر میں نسخ جاری نہیں ہوتا' ایک خبر دوسری خبر سے منسوخ نہیں ہوتی' اس کے علاوہ منسوخ ہونے کے لئے محل کا ایک ہونا ضروری ہے اور یہاں محل ایک نہیں ہے اول آیت یعنی (قليل من الآخرين) مقربین کے متعلق ہے اور دوسری آیت (یعنی ثلة من الآخرين) میں اصحاب الیمین مراد ہیں۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ الاولین سے مراد ہوں تمام انبیاء کے صحابی اور ان کے تابعی' اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور تابعی بھی داخل ہیں کیوں کہ یہ لوگ آئندہ اتباع کرنے والوں سے سابق اور اول تھے' اس کی تائید کر رہی ہے آیت وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ اور الْآخِرِينَ سے مراد ہوں قیامت کے قریب آنے والے اس امت کے افراد۔ اس طرح اہل قرب تو تھوڑے سے ہوں گے اور اصحاب الیمین اس امت میں بھی بہت ہوں گے اور دوسری امتوں میں بھی' اسی کی تائید ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے کہ میں امید کرتا ہوں کہ تم اہل جنت میں

آدھے ہوگئے' ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ اسی (۸۰) صفیں تمہاری ہوں گے اور چالیس صفیں باقی تمام امتوں کی۔

حضرت عکاشہؓ کی سبقت: بخاری کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہوئے۔ میرے سامنے (تمام امتیں لائی گئیں اور ان کے ساتھ ان کے انبیاء گذرتے رہے تو کسی نبی کے ساتھ ایک ہی آدمی (یعنی امتی) تھا' کسی نبی کے ساتھ دو آدمی' کسی نبی کے ساتھ ایک جماعت اور کسی نبی کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا' پھر میں نے اتنی کثیر جماعت دیکھی کہ اس نے آفاق سوار کو بند کر دیا تھا اور مجھے بتایا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے اور ان کے ساتھ ستر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنت میں چلے جائیں گے وہ مومن ہونگے جو فال نہیں لیتے' منتر نہیں پڑھتے' داغ نہیں لگاتے اور اپنے رب پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں۔ حضرت عکاشہ بن محصن یہ سن کر آگے بڑھے اور عرض کیا' یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں ان میں سے ہوں' فرمایا ہاں' اس کے بعد ایک اور شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا' کیا میں بھی ان میں سے ہوں' فرمایا اس میں عکاشہ تجھ سے سبقت لے گیا۔ (تفسیر مظہری)

آنحضرت کا معمول اور ایک صحابی کا خواب

حافظ ابوبکر بیہقی نے دلائل نبوت میں وارد کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھتے پاؤں موڑے ہوئے ہیں ستر مرتبہ یہ پڑھتے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا پھر فرماتے ہیں ستر کے بدلے سات سو ہیں۔ جس کے ایک دن کے گناہ سات سو سے بھی بڑھ جائیں وہ بے خبر ہے پھر دو مرتبہ اس کو فرماتے پھر لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھتے اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب اچھا معلوم ہوتا تھا' اس لئے پوچھتے کہ کیا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ ابوزملؓ کہتے ہیں ایک دن اسی طرح حسب عادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تو میں نے کہا ہاں یارسول اللہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ فرمایا خدا خیر سے ملائے شر سے بچائے ہمارے لئے بہتر بنائے اور ہمارے دشمنوں کے لئے بدتر بنائے ہر قسم کی تعریفوں کا مستحق وہ اللہ ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے' اپنا خواب بیان کرو۔ میں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے دیکھا کہ ایک راستہ ہے کشادہ آسان نرم اور صاف اور بے شمار لوگ اس راستے میں چلے جا رہے ہیں۔ یہ راستہ جاتے جاتے ایک سرسبز باغ کو نکلتا ہے کہ میری آنکھوں نے ایسا لہلہاتا ہوا ہرا بھرا باغ کبھی نہیں دیکھا' پانی ہر سو رواں ہے سبزے سے پٹا پڑا ہے انواع و اقسام کے درخت خوشنما پھلے پھولے کھڑے ہیں۔ اب میں نے دیکھا کہ پہلی جماعت جو آئی اور اس باغ کے پاس پہنچی تو انہوں نے اپنی سواریاں تیز کر لیں اور دائیں بائیں نہیں گئے اور تیز رفتار کے ساتھ یہاں سے گذر گئے۔ پھر دوسری جماعت آئی جو تعداد میں بہت زیادہ تھی' جب یہاں پہنچے تو بعض لوگوں نے تو اپنے جانوروں کو چرانا چگانا شروع کیا اور بعض نے کچھ لے لیا اور چل دیے۔ پھر تو بہت سارے لوگ آئے جب ان کا گذر اس گل وگلزار پر ہوا تو یہ تو پھول گئے اور کہنے لگے یہ سب سے اچھی جگہ ہے۔ گویا میں انہیں دیکھ رہا ہوں کہ وہ دائیں بائیں جھک پڑے۔ میں نے یہ دیکھا لیکن میں آپ تو چلتا ہی رہا جب دور نکل گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک منبر سات سیڑھیوں کا بچھا ہوا ہے اور آپ اُس کے اعلیٰ درجے پر تشریف فرما ہیں اور آپ کی دائیں جانب ایک صاحب ہیں گندم گوں رنگ بھری انگلیوں والے دراز قد' جب وہ کلام کرتے ہیں تو سب خاموشی سے سنتے ہیں اور لوگ اونچے ہو ہو کر توجہ سے ان کی باتیں سنتے ہیں اور آپ کی بائیں طرف ایک شخص ہیں بھرے جسم کے درمیانہ قد کے جن کے چہرہ پر بہ کثرت تل ہیں ان کے بال گویا پانی سے تر ہیں جب وہ بات کرتے ہیں تو ان کے اکرام کی وجہ سے سب لوگ جھک جاتے ہیں۔ پھر اس سے آگے ایک شخص ہیں جو اخلاق و عادات میں اور چہرے نقشے میں بالکل آپ سے مشابہت رکھتے ہیں۔ آپ لوگ سب ان کی طرف پوری توجہ کرتے ہیں اور ان کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان سے آگے ایک دُبلی پتلی بُڑھیا اونٹنی ہے میں نے دیکھا کہ گویا آپ اُسے اٹھا رہے ہیں۔ یہ سُن کر حضور کا رنگ متغیر ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت بدل گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سیدھے سچے اور صحیح راستے سے مراد تو وہ دین ہے جسے میں لے کر خدا کی طرف سے آیا ہوں اور جس ہدایت پر تم ہو۔ ہرا بھرا سبز باغ جو تم نے دیکھا ہے وہ دنیا ہے اور اس کی عیش و عشرت کا دل لبھانے والا سامان۔ میں اور میرے اصحاب تو اُس سے گذر جائیں گے نہ ہم اس میں مشغول ہوں گے نہ وہ ہمیں چمٹے گی نہ ہمارا تعلق اس سے ہو گا نہ اس کا تعلق ہم سے۔ نہ ہم اس کی چاہت کریں گے نہ وہ ہمیں لپٹے گی۔ پھر ہمارے بعد دوسری جماعت آئے گی جو ہم سے تعداد میں بہت زیادہ ہو گی۔ ان میں سے بعض تو اس دنیا میں پھنس جائیں گے اور بعض بقدر حاجت لے لیں گے اور چل دیں گے اور نجات پالیں گے۔ پھر اُن کے بعد زبردست جماعت آئے گی۔ جو اس دنیا میں بالکل مستغرق ہو جائے گی اور دائیں بائیں جھک جائے گی فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ اب رہے تم سو تم اپنی سیدھی راہ چلتے رہو گے یہاں تک کہ مجھ سے تمہاری ملاقات ہو جائے گی۔ جس منبر کے آخری ساتویں درجے پر تم نے مجھے دیکھا اس کی تعبیر یہ ہے کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال کی ہے میں آخری ہزارویں سال میں ہوں۔ میرے دائیں

جس گندمی رنگ موٹی ہتھیلی والے انسان کو تم نے دیکھا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں جب وہ کلام کرتے ہیں تو لوگ اونچے ہو جاتے ہیں اس لئے کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے شرف ہم کلامی حاصل ہو چکا ہے۔ اور جنہیں تم نے میرے بائیں دیکھا جو درمیانہ قد کے بھرے جسم کے بہت سے تلوں والے تھے جن کے بال پانی سے ترنظر آتے تھے وہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہیں۔ چونکہ ان کا اکرام اللہ تعالیٰ نے کیا ہے ہم سب بھی ان کی بزرگی کرتے ہیں۔ اور جن شیخ کو تم نے بالکل مجھ سا دیکھا وہ ہمارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں ہم سب ان کا قصد کرتے ہیں اور ان کی اقتدا و تابعداری کرتے ہیں۔ اور جس اونٹنی کو تم نے دیکھا کہ میں اسے کھڑا کر رہا ہوں اس سے مراد قیامت ہے جو میری امت پر قائم ہوگی نہ میرے بعد کوئی نبی ہے نہ میرے بعد کوئی امت ہے۔ فرماتے ہیں اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پوچھنا چھوڑ دیا کہ کسی نے خواب دیکھا ہے؟ ہاں اگر کوئی شخص اپنے آپ اپنا خواب بیان کرتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعبیر دیا کرتے تھے۔

ایک صحابیہؓ کا خواب: مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب پسند تھا' بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوچھ لیا کرتے تھے کہ کسی نے خواب دیکھا ہے؟ اگر کوئی ذکر کرتا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس خواب سے خوش ہوتے تو اُسے بہت اچھا لگتا۔ ایک مرتبہ ایک عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا یا رسول اللہ! میں نے آج ایک خواب دیکھا ہے کہ گویا میرے پاس کوئی آیا اور مجھے مدینہ سے لے کر چلا اور جنت میں پہنچا دیا پھر میں نے ایک دھماکہ سنا جس سے جنت میں ہل چل مچ گئی میں نے جو نظر اٹھا کر دیکھا تو فلاں بن فلاں کو دیکھا بارہ شخصوں کے نام لئے انہیں بارہ شخصوں کا ایک لشکر بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی دن ہوئے ایک مہم پر روانہ کیا ہوا تھا' فرماتی ہیں انہیں لایا گیا۔ یہ اطلس کے کپڑے پہنے ہوئے تھے ان کی رگیں جوش مار رہی تھیں حکم ہوا کہ انہیں نہر بیدخ میں لے جاؤ یا نہر بیدخ کہا جب ان لوگوں نے اس نہر میں غوطہ لگایا تو اُن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکنے لگ گئے پھر ایک سونے کی سینی میں گدری کھجوریں آئیں جو انہوں نے اپنی حسب منشا کھائیں اور ساتھ ہی ہر طرح کے میوے جو چوطرف چنے ہوئے تھے جس میوے کو اُن کا جی چاہتا تھا لیتے تھے اور کھاتے تھے میں نے بھی اُن کے ساتھ شرکت کی اور وہ میوے کھائے۔ مدت کے بعد ایک قاصد آیا اور کہا فلاں فلاں اشخاص جنہیں آپ نے لشکر میں بھیجا تھا شہید ہو گئے۔ ٹھیک بارہ شخصوں کے نام لئے اور یہی نام تھے جنہیں اس بی بی صاحبہ نے اپنے خواب میں دیکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نیک بخت صحابیہ کو پھر بلوایا اور فرمایا اپنا خواب دوبارہ بیان کرو۔ اس نے پھر بیان کیا اور انہیں لوگوں کے نام لئے جن کے نام قاصد نے لئے تھے۔

جنتی انگور کا ایک خوشہ: ابویعلیٰ میں ہے کہ ظہر کی فرض نماز پڑھاتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے اور ہم بھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا کوئی چیز لینی چاہی۔ پھر پیچھے ہٹ آئے۔ نماز سے فارغ ہو کر حضرت اُبی بن کعبؓ نے پوچھا کہ حضور! آج تو آپ نے ایسی بات کی جو اس سے پہلے کبھی نہیں کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے سامنے جنت لائی گئی اور جو اُس میں ترو تازگی اور سبزی ہے میں نے اس میں سے ایک انگور کا خوشہ توڑنا چاہا تا کہ لا کر تمہیں دوں پس میرے اور اس کے درمیان پردہ حائل کر دیا گیا۔ اور اور میں اسے تمہارے پاس لے آتا تو زمین و آسمان کے درمیان کی کل مخلوق اسے کھاتی رہتی تاہم اس میں ذرا سی بھی کمی نہ آتی۔

جنتی درخت اور پھلوں کی مثالیں: مسند امام احمد میں ہے کہ ایک اعرابی نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو حوض کوثر کی بابت سوال کیا اور جنت کا بھی ذکر کیا' پوچھا کہ کیا اس میں میوے بھی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں وہاں طوبیٰ نامی درخت بھی ہے۔ پھر کچھ کہا جو مجھے یاد نہیں۔ پھر پوچھا وہ درخت ہماری زمین کے کس درخت سے مشابہت رکھتا ہے؟ آپ نے فرمایا تیرے ملک کی زمین میں کوئی درخت اس کا ہم شکل نہیں۔ کیا تو شام میں گیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا شام میں ایک درخت ہوتا ہے جسے جوزہ کہتے ہیں ایک ہی تنہ ہوتا ہے اور اوپر کا حصہ پھیلا ہوا ہوتا ہے وہ البتہ اس کے مشابہ ہے اس نے پوچھا جنتی خوشے کتنے بڑے ہوتے ہیں؟ فرمایا کالا کوا مہینہ بھر تک اُڑتا رہے اتنے بڑے۔ وہ کہنے لگا اس درخت کا تنہ کس قدر موٹا ہے؟ آپ نے فرمایا اگر تو اپنی اونٹنی کے بچے کو چھوڑ دے اور وہ چلتا رہے یہاں تک کہ بوڑھا ہو کر گر پڑے تب بھی اس کے تنے کا چکر پورا نہیں کر سکتا۔ اس نے کہا اس میں انگور بھی لگتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ پوچھا کتنے بڑے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ کیا کبھی تیرے باپ نے اپنے ریوڑ میں سے کوئی موٹا تازہ بکرا ذبح کر کے اس کی کھال کھینچ کر تیری ماں کو دے کر کہا ہے کہ اس کا ڈول بنالو؟ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا بس اتنے ہی بڑے بڑے انگور کے دانے ہوتے ہیں۔ اس نے کہا پھر تو ایک ہی دانہ مجھ کو اور میرے گھر والوں کو کافی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بلکہ ساری برادری کو۔ پھر یہ میوے بھی ہمیشگی والے ہیں نہ کبھی ختم ہوں نہ کبھی ان سے روکا جائے۔

جنت کا عیش وعشرت: صور کی مشہور مطول حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کو جنت میں لے جانے کی سفارش کریں گے جس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے آپ کی شفاعت قبول کی اور آپ کو انہیں جنت میں پہنچانے کی اجازت دی۔ آپ فرماتے ہیں پھر میں انہیں جنت میں لے جاؤں گا' خدا کی قسم تم جس قدر اپنے گھر بار اور اپنی بیویوں سے واقف ہو اس سے بہت زیادہ اہل جنت اپنے گھروں اور بیویوں سے

واقف ہوں گے۔ پس ایک ایک جنتی کی بہتر بہتر بیویاں ہوں گی جو خدا کی بنائی ہوئی ہیں اور دو دو بیویاں عورتوں میں سے ہوں گی کہ انہیں بوجہ اپنی عبادت کے ان سب عورتوں پر فضیلت حاصل ہوگی۔ جنتی ان میں سے ایک کے پاس جائے گا یہ اس بالا خانے میں ہوگی جو یاقوت کا بنا ہوا ہوگا اس پلنگ پر ہوگی جو سونے کی تاروں سے بُنا ہوا ہوگا اور جڑاؤ جڑا ہوا ہوگا۔ ستر جوڑے پہنے ہوئے ہوگی جو سب باریک اور سبز چمکیلے خالص ریشم کے ہوں گے یہ بیوی اس قدر نازک نورانی ہوگی کہ اس کی کمر پر ہاتھ رکھ کر سینے کی طرف سے دیکھے گا تو صاف نظر آ جائے گا۔ کپڑے گوشت ہڈی کوئی چیز روک نہ ہوگی۔ اس قدر اس کا پنڈا صاف اور آئینہ نما ہوگا۔

جس طرح مروارید میں سوراخ کر کے ڈورا ڈال دیں تو وہ ڈورا باہر سے نظر آتا ہے اسی طرح اُس کی پنڈلی کا گودا نظر آئے گا۔ ایسا ہی نورانی بدن اس جنتی کا بھی ہوگا۔ الغرض یہ اس کا آئینہ ہوگی اور وہ اسکا۔ یہ اس کے ساتھ عیش وعشرت میں مشغول ہوگا' نہ یہ تھکے نہ وہ' نہ اس کا دل بھرے نہ اُس کا۔ جب کبھی نزدیکی کرے گا تو کنواری پائے گا' نہ اس کا عضو ست ہو نہ اُسے گراں گذرے مگر خاص پانی وہاں نہ ہوگا جس سے گھن آئے۔ یہ یوں ہی مشغول ہوگا جو کان میں ندا آئے گی کہ یہ تو ہمیں خوب معلوم ہے کہ نہ آپ کا دل ان سے بھرے گا نہ ان کا آپ سے مگر آپ کی دوسری بیویاں بھی ہیں۔ اب یہ یہاں سے باہر آئے گا اور ایک ایک کے پاس جائے گا جس کے پاس جائے گا اُسے دیکھ کر بے ساختہ اس کے منہ سے نکل جائیگا کہ رب کی قسم تجھ سے بہتر جنت میں کوئی چیز نہیں نہ میری محبت کسی سے تجھ سے زیادہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے ہیں کہ یا رسول اللہ! کیا جنت میں جنتی لوگ جماع بھی کریں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں قسم ہے اس خدا کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے خوب اچھی طرح بہترین طریق پر۔ جب الگ ہوگا وہ اسی وقت پھر پاک صاف اچھوتی باکرہ بن جائے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مؤمن کو جنت میں اتنی اتنی عورتوں کے پاس جانے کی قوت عطا کی جائے گی۔ حضرت انسؓ نے پوچھا حضور! کیا اتنی طاقت رکھے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سو آدمیوں کے برابر اُسے قوت ملے گی۔ طبرانی کی حدیث میں ہے ایک ایک سو کنواریوں کے پاس ایک ایک دن میں ہو آئے گا۔ حافظ عبداللہ مقدسیؒ فرماتے ہیں میرے نزدیک یہ حدیث شرط صحیح پر ہے' واللہ اعلم۔

حوروں کے گیت: ترمذی کی حدیث میں ہے کہ یہ جنتی حوریں ایک روح افزا باغ میں جمع ہو کر نہایت پیارے گلے سے گانا گائیں گی کہ ایسی سُریلی اور رسیلی آواز مخلوق نے کبھی نہ سنی ہوگی۔ ان کا گانا وہی ہوگا جو اوپر بیان ہوا۔ ابو یعلیٰ میں ہے ان کے گانے میں یہ بھی ہوگا۔

نَحْنُ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ   خُبِئْنَا لِأَزْوَاجٍ كِرَامٍ

ہم پاک صاف خوش وضع خوب صورت عورتیں ہیں جو بزرگ اور ذی عزت شوہروں کے لئے چھپا کر رکھی گئی تھیں بخاری ومسلم وغیرہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پہلی جماعت جو جنت میں جائے گی ان کے چہرے چودھویں رات جیسے روشن ہوں گے۔ ان کے بعد والی جماعت کے بہت چمک دار ستارے جیسے روشن چہرے ہوں گے یہ پاخانے پیشاب تھوک رینٹ سے پاک ہوں گے ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی ان کے پسینے مشک کی خوشبو والے ہوں گے۔ ان کی انگوٹھیاں لولو کی ہوں گی ان کی بیویاں حور عین ہوں گی ان سب کے اخلاق مثل ایک ہی شخص کے ہوں گے۔ یہ سب اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی شکل پر ساٹھ ہاتھ کے لمبے قد کے ہوں گے۔ طبرانی میں ہے کہ اہل جنت بے بال اور بے ریش گورے رنگ والے خوش خلق اور خوبصورت سرگیں آنکھوں والے تینتیس برس کے عمر کے ساٹھ ہاتھ لمبے اور سات ہاتھ چوڑے چکلے مضبوط بدن والے ہوں گے۔ اس کا کچھ حصہ ترمذی میں بھی مروی ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ گو کسی عمر میں انتقال ہوا ہو دخولِ جنت کے وقت تینتیس سال عمر کے ہوں گے اور اسی عمر میں ہمیشہ رہیں گے۔ اسی طرح جہنمی بھی (ترمذی)۔ اور روایت میں ہے کہ ان کے قد ساٹھ ہاتھ فرشتے کے ہاتھ کے اعتبار سے ہوں گے۔ قد آدمؑ حسن یوسفؑ عمر عیسیٰؑ یعنی تینتیس سال اور زبان محمد صلی اللہ علیہ وسلم یعنی عربی والے ہوں گے بے بال کے اور سرگین آنکھوں والے۔ (ابن ابی الدنیا) (تفسیر ابن کثیر)

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ
اور بائیں والے کیسے بائیں والے
الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ﴿۴۲﴾ وَّظِلٍّ
تیز بھاپ میں اور جلتے پانی میں اور سایہ
مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ﴿۴۴﴾
میں دھویں کے نہ ٹھنڈا اور نہ عزت کا ☆

دوزخ کا دھواں ☆ یعنی دوزخ کی آگ سے کالا دھواں اٹھے گا۔ اس کے سایہ میں رکھے جائینگے۔ جس سے کوئی جسمانی یا روحانی آرام نہ ملے گا۔ نہ ٹھنڈک پہنچے گی نہ وہ عزت کا سایہ ہوگا ذلیل وخوار اس کی تپش میں بھنتے رہیں گے۔ یہ ان کی دنیوی خوشحالی کا جواب ہوا جس کے غرور میں اللہ اور رسول سے ضد باندھی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ

وہ لوگ تھے اس سے پہلے

مُتْرَفِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ

خوش حال اور ضد کرتے تھے

عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴿۴۶﴾

اُس بڑے گناہ پر ☆

بڑا گناہ ☆ وہ بڑا گناہ کفر وشرک ہے اور تکذیب انبیاء یا جھوٹی قسمیں کھا کر یہ کہنا کہ مرنے کے بعد ہرگز کوئی زندگی نہیں۔ کما قال تعالیٰ " وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ " (نحل۔ رکوع ۵)۔ (تفسیر عثمانی)

شعبی نے کہا اَلْحِنْثِ الْعَظِيْمِ سے مراد ہے دانستہ جھوٹی قسم۔ یعنی وہ قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ انکو دوبارہ زندہ کر کے نہ اٹھایا جائے گا' اور ان کی یہ قسمیں جھوٹی تھیں۔ (تفسیر مظہری)

وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۵ اَئِذَا مِتْنَا

اور کہا کرتے تھے کیا جب ہم مر گئے

وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا

اور ہو چکے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم

لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾

پھر اُٹھائے جائیں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادے بھی ☆

جو ہم سے بھی بہت پہلے مرچکے۔ یعنی یہ بات کس کی سمجھ میں آسکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۹﴾

تو کہہ دے کہ اگلے اور پچھلے سب اکٹھے

لَمَجْمُوْعُوْنَ ۵ اِلٰى مِيْقَاتِ

ہونے والے ہیں ایک دن مقرر کے

يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾

وقت پر ☆

یعنی قیامت کے دن جس کا وقت اللہ کے علم میں مقرر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ

پھر تم جو ہو اے بہکے ہوو

الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ

جھٹلانے والوں البتہ کھاؤ گے ایک درخت

مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾

سینڈ کے سے پھر بھرو گے اُس سے پیٹ ☆

جہنمیوں کا کھانا ☆ یعنی جب بھوک سے مضطر ہوں گے تو یہ درخت کھانے کو ملے گا اور اسی سے پیٹ بھرنا پڑے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس نے فرمایا' زقوم کے درخت سے اگر ایک قطرہ دنیا کے سمندروں میں ٹپکا دیا جائے تو تمام دنیا کی معاش تباہ ہو جائے پھر ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جن کی غذا ہی زقوم ہوگا۔ رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجۃ والحاکم۔ ترمذی نے اس اثر کو صحیح کہا ہے۔

عمرو خولانی نے کہا ہم کو اطلاع ملی ہے کہ آدمی درخت زقوم کا جتنا حصہ نوچے گا۔ اتنا ہی حصہ اس کے بدن کا بھی نوچ لیا جائے گا' رواہ عبداللہ بن احمد فی زوائد الزہد وابونعیم۔ (تفسیر مظہری)

فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿۵۴﴾

پھر پیو گے اُس پر ایک جلتا پانی

فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿۵۵﴾

پھر پیو گے جیسے پیں اُونٹ تونسے ہوئے ☆

جہنمیوں کی شراب ☆ یعنی گرمی میں تونسا ہوا اونٹ جسے پیاس کی شدت سے ایک دم پانی چڑھاتا چلا جاتا ہے یہی حال دوزخیوں کا ہوگا لیکن وہ گرم پانی جب منہ کے قریب پہنچائیں گے تو منہ کو بھون ڈالے گا اور پیٹ میں پہنچے گا تو آنتیں کٹ کر باہر آپڑیں گی (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

یہ جہنمی جبراً سخت گرم پانی پلائے جائیں گے جو خود ایک بدترین عذاب

ہوگا بھلا اس سے پیاس کیا رُکتی۔

ایک سانس میں پینا کیوں مکروہ ہے: حضرت خالد بن معدانؒ فرماتے ہیں کہ ایک ہی سانس میں پانی پینا یہ بھی پیاسے والے اونٹ کا سا پینا ہے اس لئے مکروہ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٥٦﴾
یہ مہمانی ہے اُن کی انصاف کے دن ☆

کافروں کی مہمانی ☆یعنی انصاف کا مقتضاء یہی تھا کہ ان کی مہمانی اس شان سے کی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

یہاں یہ لفظ بطور استہزاء استعمال کیا گیا ہے جیسے فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ میں بَشِّرْ کا لفظ استہزائیہ ہے کیوں کہ عذاب الیم حقیقت میں خوشخبری کی چیز نہیں۔ مطلب یہ کہ یہ سب سے پہلا کھانا ہوگا جوان کو ملے گا جو مستقل کھانا ملے گا اس کا تو ذکر ہی کیا۔ (تفسیر مظہری)

يَوْمَ الدِّيْنِ بدلہ کا دن۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿٥٧﴾
ہم نے تم کو بنایا پھر کیوں نہیں سچ مانتے ☆

☆یعنی اس بات کو کیوں نہیں مانتے کہ پہلے بھی اس نے پیدا کیا اور وہی دوبارہ پیدا کریگا۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿٥٨﴾ ءَاَنْتُمْ
بھلا دیکھو تو جو پانی تم ٹپکاتے ہو اب تم
تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿٥٩﴾
اُس کو بناتے ہو یا ہم ہیں بنانے والے ☆

نطفہ سے انسان کون بناتا ہے ☆یعنی رحم مادر میں نطفہ سے انسان کون بناتا ہے۔ وہاں تو تمہارا کسی کا ظاہری تصرف بھی نہیں چلتا۔ پھر ہمارے سوا کون ہے جو پانی کے قطرہ پر ایسی خوبصورت تصویر کھینچتا اور اس میں جان ڈالتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ
ہم ٹھہرا چکے تم میں مرنا ☆

☆یعنی جلانا مارنا سب ہمارے قبضے میں ہے۔ جب وجود وعدم کی باگ ہمارے ہاتھ میں ہوئی تو مرنے کے بعد اٹھا دینا کیا مشکل ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿٦٠﴾ عَلٰٓى اَنْ
اور ہم عاجز نہیں اس بات سے
نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ
کہ بدلے میں لے آئیں تمہاری طرح کے لوگ اور اُٹھا کھڑا کریں
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾
تم کو وہاں جہاں تم نہیں جانتے ☆

☆حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''یعنی تم کو اور جہان میں لیجا کر تمہاری جگہ یہاں اور خلقت بسا دیں''۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ۔ یہ جملہ حالیہ ہے اس کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ تقدیر موت ہم نے ایسی حالت میں کی کہ ہم سے پہلے کوئی تقسیم موت نہیں کر چکا تھا۔ نمبر۲۔ ہم مغلوب نہیں ہیں ہم پر کوئی غالب نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى
اور تم جان چکے ہو پہلا اُٹھان
فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾
پھر کیوں نہیں یاد کرتے ☆

☆یعنی پہلی پیدائش کو یاد کرکے دوسری کو بھی سمجھ لو۔ (تفسیر عثمانی)

النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى۔ یعنی قطرہ سے انسان کی تخلیق اور نیست سے ہست ہونا۔

فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ۔ یعنی کیوں نہیں سمجھتے کہ تخلیق اول کرنے والا تخلیق ثانی پر بھی قدرت رکھتا ہے دوسری بار تخلیق تو پہلی تخلیق سے آسان ہے اس میں نہ زیادہ صنعت کی ضرورت ہے نہ جدید تخصیص اجزا واعضا کی کیوں کہ ایک نمونہ اور مثال کا پہلے وجود ہو چکا۔

فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ۔ کا لفظ بتا رہا ہے کہ شرعاً قیاس بھی ایک دلیل ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿٦٣﴾ ءَاَنْتُمْ
بھلا دیکھو تو جو تم بوتے ہو کیا تم اُس کو

تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾

کرتے ہو کھیتی یا ہم ہیں کھیتی کر دینے والے ☆

بیج سے کھیتی کون بناتا ہے ☆ یعنی بظاہر بیج زمین میں تم ڈالتے ہو لیکن زمین کے اندر اس کی پرورش کرنا پھر باہر نکال کر ایک لہلہاتی کھیتی بنا دینا کس کا کام ہے اس کے متعلق تو ظاہری اور سطحی دعویٰ بھی تم نہیں کر سکتے کہ ہماری تیار کی ہوئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن جریر میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زَرَعْتُ نہ کہا کرو بلکہ حَرَثْتُ کہا کرو یعنی یوں کہو میں نے بویا یوں نہ کہو کہ میں نے اُگایا۔ (تفسیر ابن کثیر)

لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ

اگر ہم چاہیں تو کر ڈالیں اس کو روندا ہوا گھانس پھر تم سارے

تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ بَلْ نَحْنُ

دن رہو باتیں بناتے ہم تو قرضدار رہ گئے بلکہ ہم

مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾

بے نصیب ہو گئے ☆

ہم کھیتی کی حفاظت کرتے ہیں ☆ یعنی کھیتی پیدا کرنے کے بعد اس کا محفوظ اور باقی رکھنا بھی ہمارا ہی کام ہے۔ ہم چاہیں تو کوئی آفت بھیج دیں جس سے ایک دم میں ساری کھیتی تہس نہس ہو کر رہ جائے پھر تم سر پکڑ کر رو و اور آپس میں بیٹھ کر باتیں بنانے لگو میاں ہمارا تو بڑا بھاری نقصان ہو گیا بلکہ سچ پوچھو تو بالکل خالی ہاتھ ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾

بھلا دیکھو تو پانی کو جو تم پیتے ہو

ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ

کیا تم نے اُتارا اس کو بادل سے یا

نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾

ہم ہیں اُتارنے والے ☆

پانی کس نے اتارا ☆ یعنی بارش بھی ہمارے حکم سے آتی ہے اور زمین کے خزانوں میں وہ پانی ہم ہی جمع کرتے ہیں۔ تم کو کیا قدرت تھی کہ پانی بنا لیتے یا خوشامد اور زبردستی کر کے بادل سے چھین لیتے۔ (تفسیر عثمانی)

لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا

اگر ہم چاہیں کر دیں اس کو کھارا پھر کیوں نہیں

تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

احسان مانتے ☆

ہم چاہتے تو پانی کو کھارا کر دیتے ☆ یعنی ہم چاہیں تو میٹھے پانی کو بدل کر کھاری کڑوا بنا دیں جو نہ پی سکو نہ کھیتی کے کام آئے پھر احسان نہیں مانتے کہ ہم نے میٹھے پانی کے کتنے خزانے تمہارے ہاتھ میں دے رکھے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پانی پی کر فرماتے تھے "الحمدللہ الذی سقاناہ عذباً فراتاً برحمتہ ولم یجعلہ ملحاً أجاجا بذنوبنا" (ابن کثیر)۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾ ءَاَنْتُمْ

بھلا دیکھو تو آگ جس کو تم سلگاتے ہو کیا تم نے

اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِــُٔوْنَ ﴿۷۲﴾

پیدا کیا اس کا درخت یا ہم ہیں پیدا کرنے والے ☆

آگ کے درخت ☆ عرب میں کئی درخت سبز ایسے ہیں جن کو رگڑنے سے آگ نکلتی ہے جیسے ہمارے ہاں بانس، پہلے سورۃ "یٰس" میں اس کا بیان ہو چکا۔ یعنی ان درختوں میں آگ کس نے رکھی ہے۔ تم نے یا ہم نے۔ (تفسیر عثمانی)

دنیا کی اور جہنم کی آگ: حضرت قتادہؒ کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری یہ دنیا کی آگ دوزخ کی آگ کا سترواں حصہ ہے۔ لوگوں نے کہا حضور! یہی بہت کچھ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں پھر یہ سترواں حصہ بھی دو مرتبہ پانی سے بجھایا گیا ہے اب یہ اس قابل ہوا ہے کہ تم اس سے نفع اٹھا سکو اور اس کے قریب جا سکو۔ یہ مرسل حدیث مسند میں مروی ہے اور بالکل صحیح ہے۔

مفادِ عامہ کی تین چیزیں: ابوداؤد وغیر میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزوں میں تمام مسلمانوں کا برابر کا حصہ ہے آگ گھانس اور پانی۔ ابن ماجہ میں ہے یہ تینوں چیزیں روکنے کا کسی کو حق نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً
ہم نے ہی تو بنایا وہ درخت یاد دلانے کو☆

دنیا کی آگ سے عبرت پکڑو☆ یعنی یہ آگ دیکھ کر دوزخ کی آگ کو یاد کریں کہ یہ بھی اسی کا ایک حصہ اور ادنی نمونہ ہے اور سوچنے والے کو یہ بات بھی یاد آسکتی ہے کہ جو خدا سبز درخت سے آگ نکالنے پر قادر ہے وہ یقیناً مردہ کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

قیامت کی یاد دہانی کی چیز کیونکہ جو خدا سبز لکڑی سے آگ برآمد کرتا ہے باوجودیکہ سبز تازہ لکڑی میں ماہیت موجود ہوتی ہے جو کیفیت کے لحاظ سے آگ کی بالکل ضد ہے وہ خدا دوبارہ بھی انسانوں کو پیدا کرسکتا ہے۔ کیونکہ انسان کی ہڈیاں پہلے اول زندگی میں تر تھیں ان میں رطوبت طبعیہ تھی پھر رطوبت خشک ہوگئی اور ہڈیاں فرسودہ ہوگئیں۔ بس اتنی بات ہوئی۔ خشک ہڈیوں میں دوبارہ رطوبت طبعیہ پیدا ہونا پانی سے آگ برآمد کرنے کے مقابلہ میں تو آسان ہے یا تذکرہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ تاریکی میں اس کے ذریعہ راستہ معلوم ہو جاتا ہے یا اس سے جہنم کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

کیونکہ آگ عمومی ضرورت کی چیز ہے ہمارے اسباب معاشی اس سے وابستہ ہیں۔ اکثر اوقات لوگوں کی نظروں کے سامنے اس کا رہنا ضروری ہے اور چونکہ دنیوی آگ جہنم کی آگ کا ایک نمونہ ہے اس لئے اس آگ کو دیکھ کر جہنم کی آگ کی یاد لازم ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿۷۳﴾
اور برتنے کو جنگل والوں کے ☆

آگ کے منافع☆ جنگل والوں اور مسافروں کو آگ سے بہت کام پڑتا ہے۔ خصوصاً جاڑے کے موسم میں۔ اور یوں تو سب ہی کا کام اس سے چلتا ہے۔ (تنبیہ) بعض روایات کی بناء پر علماء نے مستحب سمجھا ہے کہ ان آیات میں ہر جملہ استفہامیہ کو تلاوت کرنے کے بعد کہے "بل انت یا رب" (تفسیر عثمانی)

بہ نسبت اہل اقامت کے مسافروں کو آگ کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے درندوں اور جنگلی جانوروں سے حفاظت کے لئے وہ اکثر رات کو آگ روشن رکھتے ہیں (کہیں ٹیلے یا پہاڑی پر) آگ جل رہی ہو تو مسافروں کو راستہ مل جاتا ہے پھر سردی کی وجہ سے ان کو تاپنے اور جسم کو سینکنے کی بھی زیادہ ضرورت پڑتی ہے اسی لئے مسافروں کے لئے فائدہ رساں ہونے کا ذکر کیا۔ اکثر اہل تفسیر نے مقوین کا یہی ترجمہ کیا ہے۔

بعض اہل علم نے کہا مقوین سے مراد ہیں مالدار لوگ۔ اگر کوئی مالدار ہو جائے اور اس کے جانور قوی ہو جائیں تو کہا جاتا ہے "اقوی الرجل" وہ آدمی قوت والا ہو گیا۔ اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ مالدار ہوں یا نادار آگ سب کے فائدے کی چیز ہے پھر خصوصیت کے ساتھ صرف مالداروں کے لئے فائدہ مند اس لئے کہا گیا کہ دولت مند طبقہ ہی بکثرت کھانا پکاتا ہے یہی وجہ ہے کہ کثیر الرماد (زیادہ راکھ والا) بول کر مراد ہوتی ہے کہ اس کے پاس مہمان بہت آتے ہیں اور کھانا بہت پکایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾
سو بول پاکی اپنے رب کے نام کی جو سب سے بڑا☆

منعم کا شکر ادا کرو☆ جس نے ایسی مختلف اور کارآمد چیزیں پیدا کیں اور خالص اپنے فضل و احسان سے ہم کو متنفع کیا اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اور منکرین کی گھڑی ہوئی خرافات سے اس کی اور اس کے نام مبارک کی پاکی بیان کرنا چاہیے تعجب ہے کہ لوگ ایسی آیات باہرہ دیکھنے کے بعد بھی اس کی قدرت و وحدانیت کو کما حقہ نہیں سمجھتے۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾
سو میں قسم کھاتا ہوں تاروں کے ڈوبنے کی☆

☆اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ قسم کھاتا ہوں آیتوں کے اترنے کی پیغمبروں کے دلوں میں (موضح) یا آیات قرآن کے اترنے کی آسمان سے زمین پر آہستہ آہستہ تھوڑی تھوڑی۔ (تفسیر عثمانی)

عطاء بن ابی رباح نے کہا مَوٰقِعِ النُّجُوْمِ سے مراد ہیں ستاروں کی سیر گاہیں اور منزلیں۔ حسن نے کہا قیامت کے دن ستاروں کا بکھر جانا اور بے نور ہو جانا مراد ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا نجوم سے مراد ہیں نجوم القرآن اور مواقع سے مراد ہیں نجوم القرآن کے اوقاتِ نزول کیونکہ قرآن کا نزول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نجماً نجماً یعنی تھوڑا تھوڑا (مختلف اوقات میں) ہوتا تھا۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ
اور یہ قسم ہے اگر سمجھو تو بڑی

عَظِيْمٌ ۝ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝

بڑی قسم بیشک یہ قرآن ہے عزت والا

فِىْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ لَّا يَمَسُّهٗٓ

لکھا ہوا ہے ایک پوشیدہ کتاب میں اُس کو وہی چھوتے ہیں

اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝

جو پاک بنائے گئے ہیں ☆

پاک نفسوں کی کتاب ☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی فرشتے اس کتاب کو ہاتھ لگاتے ہیں۔ وہ کتاب یہی قرآن لکھا ہوا ہے فرشتوں کے ہاتھوں میں یا لوح محفوظ میں۔" اور بعض نے "لَایَمَسُّہٗ" کی ضمیر قرآن کی طرف راجع کی ہے یعنی اس قرآن کو نہیں چھوتے مگر پاک لوگ یعنی جو صاف دل اور پاک اخلاق رکھتے ہیں۔ وہ ہی اس کے علوم وحقائق تک ٹھیک رسائی پا سکتے ہیں۔ یا اس قرآن کو نہ چھوئیں مگر پاک لوگ یعنی بدون وضو اس کو ہاتھ لگانا جائز نہیں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے اس وقت "لَایَمَسُّہٗ" کی نفی نہی کے لیے ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

معزز کلام: اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ۔ یعنی جس کلام کی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت کر رہے ہیں وہ قرآن معزز ہے جو اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے چونکہ یہ اللہ کا کلام ہے اس لئے ہر کلام پر اس کی فوقیت اور عزت حاصل ہے جیسے اللہ کو مخلوق پر برتری حاصل ہے اس طرح اس کے کلام کو مخلوق کے کلام پر برتری حاصل ہے۔ رواہ الترمذی۔

یا یہ مطلب ہے کہ اصلاح دنیا و آخرت کے تمام اصول اس کے اندر موجود ہیں اس لئے یہ کثیر الخیر اور بہت زیادہ فائدہ رساں ہے۔ اہل معانی کا قول ہے کہ کریم وہ شخص ہوتا ہے جو کثیر الخیر ہو۔ یا کریم کا معنی ہے اچھا اور پسندیدہ۔

مَکْنُوْنٍ۔ محفوظ اس سے مراد ہے لوح محفوظ۔

مسئلہ: علماء کا اجماعی قول ہے کہ جُنُبْ (جس کو غسل کرنا واجب ہے) اور حائضہ اور نفساء اور بے وضو شخص کو قرآن کو چھونا جائز نہیں ہے۔

غلاف اور جزدان کا مسئلہ: اگر غلاف اور جزدان قرآن سے علیحدہ ہو (یعنی کتاب کے کور کی طرح چسپاں نہ ہوں) تو اس کو پکڑ کر قرآن کو چھونا اور اٹھانا امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے۔

ہم کہتے ہیں تکریم قرآن چاہتی ہے کہ بے وضو قرآن کو چھوا نہ جائے اور مس کا اطلاق اسی وقت ہوتا ہے جب بغیر غلاف اور جزدان کے چھوا جائے اور بیچ میں کوئی پردہ اور حجاب نہ ہو۔ تکریم اتنی ہی ہونا چاہئے جو شرع سے ثابت ہو اس سے زیادہ محض تکلف ہے۔

آستین اور دامن سے قرآن کا پکڑنا: آستین یا دامن سے قرآن کا پکڑنا بے وضو آدمی کے لئے مکروہ ہے کیونکہ یہ دونوں ہاتھ کے تابع ہیں۔

جس سکہ پر آیت لکھی ہو اس کا چھونا: جس سکے پر قرآن کی کوئی سورت لکھی ہو اس کو بغیر ہمیانی یا بٹوے کے چھونا ناجائز ہے کیونکہ جس پر قرآن لکھا جائے وہ مصحف ہو جاتا ہے۔

جنبی کے لئے قرآن کا پڑھنا جائز نہیں: اس آیت سے بدرجۂ اولیٰ دلالت نص سے ثابت ہوتا ہے کہ جُنُب کے لئے قرآن پڑھنا جائز نہیں اسی پر اجماع علماء ہے۔ کیونکہ مصحف اس کو کہتے ہیں جس پر وہ نقوش وحروف لکھے ہوئے ہوں جو قرآن کے الفاظ پر دلالت کر رہے ہوں۔

بغیر وضو آیات کی تلاوت جائز ہے: حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ میں ایک رات اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہؓ کے گھر رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی بی بی تو بستر کے طول میں سوئے اور میں عرض میں سو گیا۔ جب کچھ کم وبیش آدھی رات ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے اور اُٹھ بیٹھے اول آپ نے چہرۂ مبارک سے نیند کا اثر (ہاتھوں سے) مل کر دور کیا، پھر سورۃ آل عمران کی آخری دس آیات تلاوت فرمائیں اس کے بعد کھڑے ہو کر ایک معلق مشکیزہ کا دہانہ کھول کر اس سے وضو کیا۔ الخ متفق علیہ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر وضو کے تلاوت آیات جائز ہے۔

حضرت علیؓ بن ابی طالب کی حدیث ہے کہ سوائے جنابت کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاوت قرآن سے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی تھی، رواہ احمد وابن خزیمۃ واصحاب السنن والحاکم وابن الجارو وابن السکن وعبدالحق والبغوی فی شرح السنۃ وصححہ الترمذی۔

مُوَحِّد کون ہے؟ بغوی نے لکھا ہے کہ محمد بن فضل نے کلبی کا قول نقل کیا کہ مطھرون سے مراد ہیں موحد۔

میں کہتا ہوں صوفیہ کی اصطلاح میں موحد اس شخص کو کہتے ہیں جس کا مقصود سواء اللہ کے اور کوئی نہ ہو۔ حضرت مجدد نے فرمایا جو تیرا مقصود ہے وہی تیرا معبود ہے کیونکہ مقصود حاصل کرنے کے لئے آدمی ہر ذلت مشقت اور فروتنی کو برداشت کرتا ہے اور تعبد کا یہی معنی ہے (عبادت کہتے ہی انتہائی فروتنی اور غایت تضرع کو۔ بیضاوی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تک کسی کی خواہشات اس (دین) کے تابع نہ ہوں جائیں جو میں

لایا ہوں اس وقت تک وہ مومن نہیں ہوتا۔ رواہ النووی فی الاربعین۔

درجات کی ترقی کب ملتی ہے: فراء نے کہا آیت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی لذت اسی کو ملے گی جو اس پر ایمان لائے گا۔ اسی کی تائید میں حضرت مجدد نے فرمایا کہ نفس کو فنا کرنے اور بُری خصلتوں سے پاک ہوجانے کے بغیر صوفی کو قرآنی برکات حاصل نہیں ہوتیں۔ فنائے نفس سے پہلے قرأت قرآن کا شمار نیکوں کے اعمال میں ضرور ہوتا ہے لیکن نفس ونفسانیات کے فناء اور آثار نفس کے زوال کے بعد درجات قرب کی طرف ترقی قرأت قرآن سے وابستہ ہے۔ اس زندگی میں بھی اور آخرت میں جنت کے اندر داخلہ کے بعد بھی جیسا کہ آیت وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ میں آیا ہے۔

صاحب قرآن کا اعزاز: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' صاحب قرآن سے کہا جائے گا قرآن پڑھ اور چڑھتا چلا جا اور ترتیل کے ساتھ پڑھ جیسا تو دنیا میں پڑھتا تھا' تیرا درجہ اس آخری آیت کے پاس ہوگا جو تو پڑھے گا۔ رواہ الترمذی واحمد وابوداؤد والنسائی من حدیث عبداللہ بن عمرؓ۔ (تفسیر مظہری)

توہین کا اندیشہ ہو تو دشمن کے ملک میں قرآن نہ لے جاؤ

حدیث عبداللہ بن عمر میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ قرآن کریم دشمن کی سرزمین میں لے کر سفر کیا جائے اسی اندیشہ کے باعث کہ وہ مصحف قرآن کی توہین وبے حرمتی نہ کریں۔ اور بغیر پاکی ممکن ہے قرآن کریم کو ہاتھ لگائیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کے اسلام لانے کے واقعہ میں مذکور ہے کہ انہوں نے اپنی بہن کو قرآن کریم پڑھتے ہوئے پایا تو بہن نے وہ اوراق چھپالئے۔ اور عمر فاروق نے جب کہا کہ دکھاؤ مجھے تم کیا پڑھ رہے ہو تو کہا کہ تم مشرک ہو اور نجس آدمی قرآن کو نہیں چھو سکتا۔ ان کو پہلے غسل کے لئے کہا پھر ان کو ہاتھ میں وہ اوراق دیئے۔ ۱۲۔ (معارف کاندھلوی)

تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۸۰﴾
اتارا ہوا ہے پروردگار عالم کی طرف سے ☆

روحانی آفتاب ☆ یعنی یہ کوئی جادو ٹونا نہیں نہ کاہنوں کی زٹیل اور بے سروپا باتیں ہیں نہ شاعرانہ تک بندیاں بلکہ بڑی مقدس ومعزز کتاب ہے' جو رب العالمین نے عالم کی ہدایت وتربیت کے لیے اتاری' جس خدا نے چاند سورج اور تمام ستاروں کا نہایت محکم اور عجیب وغریب نظام قائم کیا یہ ستارے ایک اٹل قانون کے ماتحت اپنے روزانہ غروب سے اسی کی عظمت ووحدانیت اور قاہرانہ تصرف واقتدار کا عظیم الشان مظاہرہ کرتے ہیں (کما احتج به ابراهیم علی قومه) اور زبان حال سے شہادت دیتے ہیں کہ جس اعلیٰ وبرتر ہستی اور سلطنت غیبیہ کے ہاتھ میں ہماری باگ ہے وہ ہی اکیلا زمین' بادل' پانی' آگ' ہوا' مٹی اور کائنات کے ذرے ذرے کا مالک وخالق ہوگا۔ کیا ایسے روشن آسمانی نشانات کو دیکھ کر ان مضامین کی صداقت میں کوئی شبہ رہ سکتا ہے جو پہلے رکوع میں بیان ہوئے ہیں اور کیا ایک عاقل اس عظیم الشان نظام فلکی پر نظر ڈال کر اتنا نہیں سمجھ سکتا کہ ایک دوسرا باطنی نظام شمسی بھی جو قرآن کریم اور اس کی آیات یا تمام کتب وصحف سماویہ سے عبارت ہے' اسی پروردگار عالم کا قائم کیا ہوا ہے جس نے اپنی قدرت ورحمت کاملہ سے یہ ظاہری نظام قائم فرمایا۔ وہ ہی پاک خدا ہے جس نے روحانی ستاروں کے غروب ہونے کے بعد آفتاب قرآن کو چکایا اور اپنی مخلوق کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا۔ آج تک یہ آفتاب برابر چمک رہا ہے۔ کس کی مجال ہے جو اس کو بدل سکے یا غائب کردے۔ اس کے انوار اور شعاعیں انہی دلوں میں پوری طرح منعکس ہوتی ہیں جو مانجھ کر پاک وصاف کرلیے جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

أَفَبِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَنتُم
اب کیا اس بات میں تم
مُّدْهِنُونَ ﴿۸۱﴾ وَتَجْعَلُونَ
سستی کرتے ہو اور اپنا حصہ تم
رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ﴿۸۲﴾
یہی لیتے ہو کہ اُس کو جھٹلاتے ہو ☆

مشرکین کی بدبختی ☆ یعنی کیا یہ ایسی دولت ہے جس سے منتفع ہونے میں تم سستی اور کاہلی کرو۔ اور اپنا حصہ اتنا ہی سمجھو کہ اس کو اور اس کے بتائے ہوئے حقائق کو جھٹلاتے رہو' جیسے بارش کو دیکھ کر کہہ دیا کرتے ہو کہ فلاں ستارہ فلاں برج میں آگیا تھا اس سے بارش ہوگئی۔ گویا خدا سے کوئی مطلب ہی نہیں۔ اسی طرح اس باران رحمت کی قدر نہ کرنا جو قرآن کی صورت میں نازل ہوئی ہے اور یہ کہہ دینا کہ وہ اللہ کی اتاری ہوئی نہیں' سخت بدبختی اور حرماں نصیبی ہے۔ کیا ایک نعمت کی شکر گذاری یہی ہے کہ اس کو جھٹلایا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول: حضرت زید بن خالد جہنی کا بیان ہے کہ حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صبح کی نماز پڑھائی۔ رات کو بارش ہوئی تھی جس کے کچھ نشانات تھے' حضور والا نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد لوگوں کی طرف رخ کرکے فرمایا کیا تم لوگ جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا' حاضرین نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بخوبی جانتے

ہیں فرمایا' اللہ نے فرمایا' میرے بندوں میں کوئی مجھ پر ایمان رکھتا ہے اور کوئی میرا انکار کرتا ہے' جو شخص کہتا ہے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہم پر بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان رکھتا ہے اور ستاروں کا منکر ہے اور جو شخص قائل ہے کہ پچھتر سے ہم پر بارش ہوئی وہ میرا منکر ہے اور ستاروں پر ایمان رکھتا ہے۔

مسلم کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا بیان آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک بار بارش ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (آج) صبح کو کچھ لوگ شکر گذار ہوئے اور کچھ کافر نعمت۔ بعض نے کہا یہ اللہ کی رحمت ہے جو اللہ نے عطا فرمائی اور بعض نے کہا پچھتر سچا ثابت ہوا اس پر آیت فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ - تُكَذِّبُوْنَ تک نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ غزوۂ تبوک (کے زمانہ) میں ایک انصاری شخص کے بارے میں ان آیات کا نزول ہوا' بات یہ ہوئی کہ مسلمان مقام حجر میں اترے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کوئی شخص یہاں کا پانی نہ لے پھر یہاں سے کوچ کر کے اگلی منزل پر فروکش ہوئے۔ لیکن وہاں مسلمانوں کے پاس پانی نہیں تھا صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت پیش کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کی فوراً بارش ہوگئی اور اتنی ہوئی کہ سب سیراب ہوگئے ایک شخص کو منافق سمجھا جاتا تھا اس سے ایک انصاری نے کہا دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ کر جونہی اللہ سے دعا کی فوراً بادل سے بارش ہوگئی وہ (منافق) بولا ہم پر تو ایسے ایسے پچھتر سے بارش ہوئی اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ یہ واقعہ حجر میں ہوا تھا۔

مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بھی اللہ آسمان سے برکت (بارش) نازل فرماتا ہے آدمیوں کا ایک گروہ اس کی ناشکری کرنے لگتا ہے بارش تو نازل کرتا ہے اللہ اور وہ کہتا ہے فلاں فلاں ستاروں کی تاثیر سے بارش ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

تجرباتی علم: ایک مرتبہ حضرت عباسؓ سے پوچھا تھا کہ ثریا ستارہ کتنا باقی ہے؟ پھر کہا تھا کہ اس علم والوں کا خیال ہے کہ یہ اپنے ساقط ہو جانے کے ہفتہ بھر بعد افق پر نمودار ہوتا ہے چنانچہ یہی ہوا بھی کہ اس سوال و جواب اور استسقا کو سات روز گذرے تھے جو پانی برسا۔ یہ واقعہ محمول ہے عادت اور تجربہ پر نہ یہ کہ اس ستارے میں ہی اور اس ستارے کو ہی اثر کا موجد جانتے ہوں۔ اس قسم کا عقیدہ تو کفر ہے ہاں تجربہ سے کوئی چیز معلوم کر لینا یا کوئی بات کہہ دینا دوسری چیز ہے۔ اس بارے کی بہت سی حدیثیں آیت مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ کی تفسیر سے گذر چکی ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾
پھر کیوں نہیں جس وقت جان پہنچے حلق کو
وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾
اور تم اُس وقت دیکھ رہے ہو
وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ
اور ہم اُس کے پاس ہیں تم سے زیادہ
وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ اِنْ
پر تم نہیں دیکھتے پھر کیوں نہیں اگر تم
كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾
نہیں ہو کسی کے حکم میں
تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ
تو کیوں نہیں پھیر لیتے اُس روح کو اگر
صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾
ہو تم سچے ☆

منکرین کے جھوٹے ہونے کی دلیل ☆ یعنی ایسی بے فکری اور بے خوفی سے اللہ کی باتوں کو جھٹلاتے ہو' گویا تم کسی دوسرے کے حکم اور اختیار ہی میں نہیں' یا کبھی مرنا اور خدا کے ہاں جانا ہی نہیں۔ اچھا جس وقت تمہارے کسی عزیز و محبوب کی جان نکلنے والی ہو' سانس حلق میں اٹک جائے' موت کی سختیاں گذر رہی ہوں اور تم پاس بیٹھے اس کی بے بسی اور درماندگی کا تماشا دیکھتے ہو اور دوسری طرف خدا یا اسکے فرشتے تم سے زیادہ اس کے نزدیک ہیں جو تمہیں نظر نہیں آتے اگر تم کسی دوسرے کے قابو میں نہیں تو اس وقت کیوں اپنے پیارے کی جان کو اپنی طرف نہیں پھیر لیتے اور کیوں بادل ناخواستہ اپنے سے جدا ہونے دیتے ہو دنیا کی طرف واپس لا کر اسے آنیوالی سزا سے کیوں بچا نہیں لیتے۔ اگر اپنے دعوؤں میں سچے ہو تو ایسا کر دکھاؤ۔ (تفسیر عثمانی)

غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ۔ یعنی یعنی غیر مجرم ہوا اور قیامت کے دن زندہ کر کے

تمہاری حساب فہمی نہ ہوگی یعنی تم کو تمہارے خیال کے بموجب دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھایا جائے گا۔ یا مدینین سے مراد میں مملوک عاجز ذلیل کہا جاتا ہے دَانَہٗ اس کو ذلیل کیا اور غلام بنالیا۔

ترجعونَ۔ یعنی جان کو اس کی قرار گاہ تک کیوں نہیں لوٹا دیتے کہ اس کے مقام تک موت کی رسائی نہ ہوسکے یا یہ معنی ہے کہ تم جب مجبور و مقہور نہ ہو تو پھر جان کو (بدن کے اندر) لوٹا کیوں نہیں دیتے۔

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝۸۸

سو جو اگر وہ مردہ ہوا مقرب لوگوں میں

فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ۝۸۹

تو راحت ہے اور روزی ہے اور باغ نعمت کا

وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝۹۰

اور جو اگر وہ ہوا داہنے والوں میں

فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝۹۱

تو سلامتی پہنچے تجھ کو داہنے والوں سے ☆

ہر ایک نے اپنے ٹھکانے کو پہنچنا ہے ☆ یعنی تم ایک منٹ کیلئے نہیں روک سکتے۔ اس کو اپنے ٹھکانے پر پہنچنا ضروری ہے اگر وہ مردہ مقربین میں سے ہوگا تو اعلیٰ درجہ کی روحانی وجسمانی راحت وعیش کے سامانوں میں پہنچ جائیگا اور "اصحاب یمین" میں سے ہوا تب بھی کچھ کھٹکا نہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی خاطر جمع رکھ ان کی طرف سے" یا یہ مطلب ہے کہ اصحاب یمین کی طرف سے اس کو سلام پہنچے گا۔ یا اس کو کہا جائے گا کہ تیرے لیے آئندہ سلامتی ہی سلامتی ہے اور تو "اصحاب یمین" میں شامل ہے بعض احادیث میں ہے کہ موت سے پہلے ہی مرنیوالے کو یہ بشارتیں مل جاتی ہیں۔ اور اسی طرح مجرموں کو ان کی بدحالی کی اطلاع دے دی جاتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابو العالیہ نے کہا جو شخص مقربین میں ہوتا ہے اس کو دنیا چھوڑنے سے پہلے جنت کی کوئی خوشبودار چیز سنگھائی جاتی ہے پھر اس کی روح قبض کی جاتی ہے۔ ابوبکر رزاق نے کہا روح سے مراد دوزخ سے نجات اور ریحان سے مراد ہے دار القرار (آرام گاہ یعنی جنت) میں داخلہ۔

بغوی نے سَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ۔ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اصحاب الیمین کی طرف سے اطمینان رہے۔ آپ ان کی کوئی فکر نہ کریں وہ اللہ کے عذاب سے محفوظ ہیں آپ ان کی سلامتی کو دیکھ کر خوش اور راضی ہوں گے۔

مقاتل نے کہا اللہ ان کے قصوروں سے درگذر فرمائے گا اور نیکیوں کو قبول کرے گا۔ فراء وغیرہ نے یہ مطلب بیان کیا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اصحاب الیمین کی طرف سے سلام ہو یا یہ مطلب ہے کہ صاحب الیمین سے کہا جائے گا تو اصحاب الیمین میں سے ہے تیرے لئے سلامتی ہو۔ (تفسیر مظہری)

مومن کی موت: حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ حضرت ملک الموت علیہ السلام سے فرماتا ہے میرے فلاں بندے کے پاس جا اور اسے میرے دربار میں لے آ۔ میں نے اسے رنج' راحت' آرام' تکلیف' خوشی' ناخوشی غرض ہر آزمائش میں آزما لیا اور اپنی مرضی کے مطابق پایا۔ بس اب میں اُسے ابدی راحت دینا چاہتا ہوں۔ جا اُسے میرے خاص دربار میں پیش کر۔ ملک الموت پانچ سو رحمت کے فرشتے اور جنت کے کفن اور جنتی خوشبوئیں ساتھ لے کر اس کے پاس آتے ہیں۔ گو ریحان ایک ہی ہوتا ہے لیکن سرے پر بیس قسمیں ہوتی ہیں ہر ایک کی جداگانہ مہک ہوتی ہے سفید ریشم ساتھ ہوتا ہے جس میں سے مشک کی لپٹیں آتی ہیں الخ۔

جنتیوں کی آپس میں ملاقات: مسند میں ہے حضرت ام ہانیؓ نے رسول مقبول علیہ السلام سے پوچھا کیا مرنے کے بعد ہم آپس میں ایک دوسرے سے ملیں گے؟ اور ایک دوسرے کو دیکھیں گے؟ آپؐ نے فرمایا روح ایک پرند ہو جائے گی جو درختوں کے میوے چگے گی یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ اس وقت اپنے اپنے جسم میں چلی جائے گی اس حدیث میں ہر مؤمن کے لئے بہت بڑی بشارت ہے۔

جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے

مسند احمد میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابو لیلیٰؒ ایک جنازے میں گدھے پر سوار جا رہے تھے آپ کی عمر اس وقت بڑھاپے کی تھی' سر اور داڑھی کے بال سفید تھے اسی اثناء میں آپ نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا چاہتا ہے اور جو خدا سے ملنے کو برا جانتا ہے اللہ بھی اس کی ملاقات سے کراہت کرتا ہے۔ صحابہؓ یہ سن کر سر جھکائے رونے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روتے کیوں ہو؟ صحابہؓ نے کہا حضور! بھلا موت کون چاہتا ہے؟ فرمایا سنو مطلب سکرات کے وقت سے ہے۔ اس وقت نیک اور مقرب بندے کو تو راحت و انعام اور آرام و جنت کی خوش خبری سنائی جاتی ہے جس پر وہ تڑپ اٹھتا ہے اور چاہتا

ہے کہ جہاں تک ممکن ہو جلد اللہ سے ملے تا کہ ان نعمتوں سے مالا مال ہو جائے پس خدا بھی اس کی ملاقات کی تمنا کرتا ہے۔ اور اگر بد بندہ ہے تو اسے موت کے وقت گرم پانی اور جہنم کی مہمانی کی خبر دی جاتی ہے جس سے یہ بیزار ہو جاتا ہے اور اس کی روح رونگٹے رونگٹے میں چھپنے اور اٹکنے لگتی ہے اور یہ دل چاہتا ہے کہ کسی طرح خدا کے حضور میں حاضر نہ ہوؤں۔ پس اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔　(تفسیر ابن کثیر)

وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ
اور جو اگر وہ ہوا جھٹلانے والوں
الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾
بہکنے والوں میں سے تو مہمانی ہے جلتا پانی
وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾
اور ڈالنا آگ میں ☆

☆ یعنی اس کا انجام یہ ہوگا اور مرنے سے پہلے اس کی خبر سنا دی جائے گی۔　(تفسیر عثمانی)

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾
بیشک یہ بات یہی ہے لائق یقین کے ☆

☆ یعنی تمہاری تکذیب سے کچھ نہیں ہوتا۔ جو کچھ اس صورت میں مومنین اور مجرمین کی خبر دی گئی ہے بالکل یقینی ہے اسی طرح ہو کر رہے گا خواہ مخواہ شبہے پیدا کر کے اپنے نفس کو دھوکا نہ دو۔ بلکہ آنے والے وقت کی تیاری کرو۔　(تفسیر عثمانی)

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾
سو بول پاکی اپنے رب کے نام سے جو سب سے بڑا ☆

عالم آخرت کی تیاری ☆ یعنی تسبیح و تحمید میں مشغول رہو کہ یہ ہی وہاں کی بڑی تیاری ہے اس نیک مشغلہ میں لگ کر مکذبین کی دل آزار بے ہودگیوں سے بھی یکسوئی رہتی ہے اور ان کے باطل خیالات کا رد بھی ہوتا ہے یہاں سورت کے خاتمہ پر جی چاہتا ہے کہ وہ حدیث نقل کر دی جائے جس پر امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کو ختم فرمایا ہے **عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كلمتان خفيفتان على اللسان ثقيلتان في الميزان حبيبتان الى الرحمان سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم.** تم سورة الواقعہ ولله الحمد والمنہ۔　(تفسیر عثمانی)

حضرات عارفین فرماتے ہیں تقویت قلب اور اطمینان باطن کے لئے سبحان اللہ والحمد للہ جیسے کلمات اکسیر کا درجہ رکھتے ہیں تسبیح و حمد سے قلب کو وہ قوت حاصل ہوتی ہے کہ انسان بڑے سے بڑے صدموں اور تکالیف کو برداشت کر لیتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

مسند میں ہے اس آیت کے اُترنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے رکوع میں رکھو۔ اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اُترنے پر فرمایا اسے سجدے میں رکھو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس نے سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ کہا اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگایا جاتا ہے (ترمذی)　(تفسیر ابن کثیر)

بحمد اللہ

سورۃ واقعہ کی تفسیر ختم ہوئی

جس نے خواب میں دیکھا کہ وہ یہ سورۃ پڑھ رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ اچھے اثر کا ہوگا اور دین میں صحیح ہوگا۔

سونے سے پہلے مسبحات کا پڑھنا:

ابوداؤد ترمذی اور نسائی نے لکھا ہے کہ حضرت عرباضؓ بن ساریہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے مسبحات (وہ سورتیں جن کو سَبَّحَ اور یُسَبِّحُ اور سَبِّح سے شروع کیا گیا ہے) پڑھتے اور فرماتے تھے۔ ان میں ایک آیت ایسی ہے جو ہزار آیتوں سے بہتر ہے میں کہتا ہوں شاید وہ آیت آیت تسبیح ہے۔ نسائی نے معاویہ کا قول موقوفاً بیان کیا ہے کہ مسبحات سورت حدید سورت حشر سورت صف سورت جمعہ سورت تغابن اور سورت الاعلیٰ ہیں۔ میں کہتا ہوں مسبحات میں سے سورت بنی اسرائیل بھی ہے لیکن حضرت معاویہؓ نے اس کا ذکر نہیں کیا بلکہ ترمذی نسائی اور حاکم نے تو حدیث کے یہ الفاظ بھی نقل کئے وحتی یقرا بنی اسرائیل والزمر سونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ الزمر بھی پڑھتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

سورۃ حدید کی بعض خصوصیات:

پانچ سورتوں کو حدیث میں مُسَبِّحَاتْ سے تعبیر کیا گیا ہے جن کے شروع میں سَبَّحَ یا یُسَبِّحُ آیا ہے ان میں سے پہلی یہ سورت حدید ہے دوسری حشر تیسری صف چوتھی جمعہ پانچویں تغابن ابوداؤد ترمذی نسائی میں حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سونے سے پہلے یہ مُسَبِّحَات پڑھا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان میں ایک آیت ایسی ہے جو ہزار آیتوں سے افضل ہے ابن کثیر نے یہ روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ وہ افضل آیت سورۃ حدید کی یہ آیت ہے هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔ (معارف مفتی اعظم)

مقصد میں کامیابی کی دعاء:

سیوطی نے جمع الجوامع میں لکھا ہے کہ مراد پوری ہونے کی دعاء کے سلسلے میں حضرت علیؓ نے فرمایا (پہلے) سورۃ حدید کی ابتدائی آیات اور سورۃ حشر کے آخر کی تین آیات پڑھے پھر کہے اے وہ ذات جو ایسی ہے اس کے سوا ایسا اور کوئی نہیں میری اس حاجت کو پورا کردے۔ (انشاء اللہ دعا قبول ہوگی) (تفسیر مظہری)

سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ حدید مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی انتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں ☆

جمادات کی تسبیح ☆یعنی زبان حال سے یا قال سے یا دونوں سے۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہل علم کے نزدیک جمادات وغیرہ (جو تسبیح کلامی وقولی سے فطرتاً محروم ہیں) کی تسبیح حالی مراد ہے یعنی یہ ساری چیزیں دلالت کررہی ہیں کہ اللہ ہر برائی (اور نقص و عجز) سے پاک ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ (جماد ہو یا نامی باشعور ہو یا بے شعور۔ ذی عقل ہو یا محروم از عقل) تمام موجودات میں اس کی نوع کے مناسب زندگی اور علم موجود ہے جیسا کہ ہم نے سورۃ بقرہ کی آیات وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ کی تفسیر میں وضاحت کردی ہے پس ہر چیز کی تسبیح مقالی ہے (گو ہم اس کے کلام کو نہ سمجھیں) اللہ نے فرمایا ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ۔ (تفسیر مظہری)

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ لَهٗ مُلْكُ

اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا اسی کے لئے ہے راج

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ

آسمانوں کا اور زمین کا جلاتا ہے اور مارتا ہے

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے ☆

☆یعنی آسمان و زمین میں سب جگہ اسی کا حکم اور اختیار چلتا ہے۔ ایجاد و اعدام کی باگ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی طاقت اس کے تصرف تکوینی کو روک نہیں سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ

وہی ہے سب سے پہلا اور سب سے پچھلا ☆

اول و آخر ☆ جب کوئی نہ تھا' وہ موجود تھا' اور کوئی نہ رہے وہ موجود رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

ہر چیز اپنی ذات کے اعتبار سے فنا پذیر ہے اللہ کا وجود اصل ہے جو قابل زوال نہیں' ہر شے کی ہستی مستعار ہے' اللہ کی ہستی کے زیر حکم ہے پس سب سے پیچھے باقی رہ جانے والا وہی ہے (یعنی ہر چیز سے پہلے عدم ہے اور ہر چیز کے وجود پر باعتبار ذات عدم طاری ہونے والا ہے اور اللہ کے وجود پر عدم سابق نہیں اور نہ اس پر عدم طاری ہوسکتا ہے' پس ہر چیز عدم سابق اور عدم لاحق کے درمیان عارضی مستعار وجود رکھتی ہے اور اللہ کا وجود دوامی عدم سابق ولاحق سے پاک ہے) (تفسیر مظہری)

اور امام غزالیؒ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کو آخر باعتبار معرفت کے کہا گیا ہے کہ سب سے آخر معرفت اس کی ہے انسان علم و معرفت میں ترقی کرتا رہتا ہے' مگر یہ سب درجات جو اس کو حاصل ہوئے راستہ کی مختلف منزلیں ہیں اس کی انتہا اور آخری حد حق تعالیٰ کی معرفت ہے (از روح المعانی)

اے برتر از قیاس و گمان و خیال و وہم
وز ہرچہ دیدہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم
اے بروں از جملہ قال و قیل من
خاک برفرقِ من و تمثیلِ من

(معارف مفتی اعظم)

وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ
اور باہر اور اندر اور وہ سب کچھ
شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝
جانتا ہے ☆

ظاہر بھی اللہ' باطن بھی اللہ

ہر چیز کا وجود ظہور اس کے وجود سے ہے۔ لہٰذا اس کا وجود اگر ظاہر و باہر نہ ہوتو اور کس کا ہوگا۔ عرش سے فرش تک اور ذرہ سے آفتاب تک ہر چیز کی ہستی اس کی ہستی کی روشن دلیل ہے لیکن اسی کے ساتھ اس کی کنہ ذات اور حقائق صفات تک عقل و ادراک کی رسائی نہیں۔ کسی ایک صفت کا احاطہ بھی کوئی نہیں کرسکتا نہ اپنے قیاس ورائے سے اس کی کچھ کیفیت بیان کرسکتا ہے۔ بایں لحاظ کہہ سکتے ہیں کہ اس سے زیادہ باطن اور پوشیدہ کوئی نہیں بہر حال وہ اندر بھی باہر بھی' ظاہر بھی باطن بھی' کھلے اور چھپے ہر قسم کے احوال کا جاننے والا ہے ظاہر (بمعنی غالب) ایسا کہ اس سے اوپر کوئی قوت نہیں باطن ایسا کہ اس سے پرے کوئی موقع نہیں جہاں اس کی آنکھ سے اوجھل ہوکر پناہ مل سکے۔ فقی الحدیث وانت الظاهر فليس فوقک شيء وانت الباطن فليس دونک شيء. (تفسیر عثمانی)

سب سے بڑھ کر ظاہر بھی ہے اور مخفی بھی

ہر چیز سے بڑھ کر اس کا ظہور ہے کیونکہ ہر چیز کے ظہور کی بناء اس کی وجود پر ہے معدوم کا کوئی ظہور نہیں ہوتا اور ہر چیز کا وجود اللہ کے وجود کا پرتو اور ظل ہے پس ہر چیز کا ظہور اللہ کے ظہور کی ایک شاخ ہے' اللہ کا ظہور اصل ہے اور مخلوق کا وجود اسی سے مستفاد ہے' اور چونکہ اللہ کا ظہور کامل ہے اور آنکھوں کی بصارت قاصر اور ناقص اسلئے کہ اللہ کا وجود دکھائی نہیں دیتا۔ چمگادڑ سورج کو نہیں دیکھتا اور نہ ٹھیک نصف النہار کے وقت سورج پر نظر جما کر اس کو کوئی دیکھ سکتا ہے' کیونکہ ظہور کی شدت اور نور کی قوت نظر کے لئے حجاب بن جاتی ہے لیکن جس طرح دن میں سورج کی روشنی کا اعتراف ہر بچہ بڑا اور عقلمند و دیوانہ کرتا ہے اسی طرح جس میں تھوڑی سی بھی قوت تمیز ہے وہ اللہ کی ہستی کا منکر نہیں ہوسکتا۔

اور وہی کمال ظہور کی وجہ سے پوشیدہ ہے اس کے علاوہ اس کی حقیقت ذات تو سب سے مخفی ہے۔ آنکھوں والے انبیاء اور اولیاء کی بصارت اور بصیرت کی رسائی کنہ ذات تک نہیں۔

سوتے وقت کی دعاء: حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے مسلم' ابو داؤد' ترمذی النسائی' ابن ماجہ اور ابن ابی شیبہ نے اور حضرت عائشہؓ کی روایت سے ابویعلی موصلی نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سونے کو لیٹتے تھے تو اس وقت یہ دعاء کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى وَمُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْفُرْقَانِ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهٖ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ اِقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَاَغْنِنَا عَنِ الْفَقْرِ. (اے اللہ! اے آسمانوں کے اور زمین کے مالک۔ اے عرشِ عظیم کے مالک' اے ہمارے مالک' اے ہر چیز کے مالک' اے دانہ کو اور گٹھلی کو چیر نے والے (اور اس سے پورا نکلانے والے) اے توریت و انجیل و قرآن کو اتارنے والے میں تیری پناہ لیتا ہوں ہر اس چیز کو بدی سے جو تیرے دستِ قدرت میں ہے' اے اللہ تو ہی (سب سے اول ہے تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں اور تو ہی سب کے) آخر ہے' تیرے بعد کوئی چیز نہیں' اور تو ہی ظاہر ہے تجھ سے بالا کوئی چیز نہیں اور تو ہی مخفی ہے تجھ سے زیادہ اندرونی کوئی چیز نہیں' ہمارا قرض ادا فرما دے اور ہم سے فقر کو دور کر کے ہم کو غنی بنا دے) (تفسیر مظہری)

وساوسِ شیطانیہ کا علاج

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اگر کبھی تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ اور دین حق کے معاملے میں شیطان کوئی وسوسہ ڈالے تو یہ آیت آہستہ سے پڑھ لیا کرو۔
هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (ابن کثیر)

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
وہی ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین
فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ؕ
چھ دن میں پھر قائم ہوا تخت پر ☆

☆اس کا بیان سورہ اعراف میں آٹھویں پارے کے ختم سے کچھ پہلے گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یہ آیت متشابہات میں سے ہے سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ اس کی مرادی تشریح نہ کی جائے۔ اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کا کیا مطلب ہے۔ کیا مراد ہے اس کو اللہ ہی کے سپرد کر دیا جائے (یعنی ان متشابہات میں سے ہیں جن کی تشریح نہ شارع نے کی نہ اپنی مراد بیان کی نہ قیاس کو اس میں دخل ہے) (تفسیر مظہری)

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِى الْاَرْضِ وَمَا
جانتا ہے جو اندر جاتا ہے زمین کے اور جو
يَخْرُجُ مِنْهَا
اس سے نکلتا ہے☆

☆ مثلاً بارش کا پانی اور بیج زمین کے اندر جاتا ہے۔ اور کھیتی، درخت وغیرہ اس سے باہر نکلتے ہیں اس کا بیان سورہ "سبا" میں گذر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا
اور جو کچھ اُترتا ہے آسمان سے اور جو کچھ
يَعْرُجُ فِيْهَا ؕ
اُس میں چڑھتا ہے☆

☆ آسمان کی طرف سے اترتے ہیں فرشتے' احکام قضاء وقدر کے فیصلے اور بارش وغیرہ اور چڑھتے ہیں بندوں کے اعمال اور ملائکہ ۔۔اللہ۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا
اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو اور اللہ جو تم
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۴
کرتے ہو اُسکو دیکھتا ہے☆

اللہ دیکھ رہا ہے ☆ یعنی کسی وقت تم سے غائب نہیں۔ بلکہ جہاں کہیں تم ہو اور جس حال میں ہو' وہ خوب جانتا ہے اور تمام کھلے چھپے اعمال کو دیکھتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کی معیت بے کیف ہے (جسمانی نہیں' مکانی نہیں' زمانی نہیں' ناقابل بیان ہے) اللہ کی نسبت تمام مقاموں سے ایک جیسی ہے اس لئے ہر مقام میں وہ بندوں کے ساتھ رہتا ہے خواہ بندے کہیں ہوں۔ (تفسیر مظہری)

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
اسی کے لئے ہے راج آسمانوں کا اور زمین کا
وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۵
اور اللہ ہی تک پہنچتے ہیں سب کام☆

☆یعنی اس کی قلمرو سے نکل کر کہیں نہیں جا سکتے۔ تمام آسمان و زمین میں اسی اکیلے کی حکومت ہے اور آخر کار سب کاموں کا فیصلہ وہیں سے ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ
داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے
النَّهَارَ فِى الَّيْلِ ؕ
دن کو رات میں ☆

☆ یعنی کبھی دن کو گھٹا کر رات بڑی کر دیتا ہے اور کبھی اس کے برعکس رات کو گھٹا کر دن بڑا کر دیتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

صحیح حدیث میں ہے رات کے اعمال دن سے پہلے اور دن کے عمل رات سے پہلے اس کی جناب میں پیش کر دیے جاتے ہیں۔ وہ تمہارے ساتھ ہے یعنی تمہارا نگہبان ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۶
اور اُس کو خبر ہے جیوں کی بات کی ☆

اللہ دلوں کے بھید جانتا ہے

یعنی دلوں میں جو نیتیں اور ارادے پیدا ہوں یا خطرات و وساوس آئیں وہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

احسان کیا ہے؟ صحیح حدیث میں ہے کہ جبرئیلؑ کے سوال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا تو خدا کو دیکھ رہا ہے پس اگر تو اُسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے۔

زندگی سنوارنے کا نسخہ

ایک شخص آ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا حکمت کا توشہ دیجئے کہ میری زندگی سنور جائے۔ آپ نے مجھے فرمایا اللہ تعالیٰ کا لحاظ کر اور اس سے اس طرح شرما جیسے کہ تو اپنے کسی نزدیکی نیک قرابت دار سے شرماتا ہو جو تجھ سے کبھی جدا نہ ہوتا ہو۔ یہ حدیث ابوبکر اسماعیلی نے روایت کی ہے سند غریب ہے۔

دو شعر: حضرت امام احمدؒ اکثر ان دو شعروں کو پڑھتے رہتے تھے۔

اِذَا مَا خَلَوْتَ الدَّهْرَ يَوْمًا فَلَا تَقُلْ　خَلَوْتُ وَلٰكِنْ قُلْ عَلَيَّ رَقِيْبُ

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ يَغْفِلُ سَاعَةً　وَلَا اَنَّ مَا يَخْفٰى عَلَيْهِ يَغِيْبُ

جب تو بالکل تنہائی اور خلوت میں ہو اس وقت بھی یہ نہ کہہ کہ میں اکیلا ہی ہوں بلکہ کہتا رہ کہ تجھ پر ایک نگہبان ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی ساعت بے خبر نہ سمجھ اور مخفی سے مخفی کام کو اس پر مخفی نہ مان۔ (تفسیر ابن کثیر)

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا
یقین لاؤ اللہ پر اور اُسکے رسول پر اور خرچ کرو اُس میں سے
جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ
جو تمہارے ہاتھ میں دیا ہے اپنا نائب کر کر ☆

سب اللہ کا ہے ☆ یعنی جو مال تمہارے ہاتھ میں ہے اس کا مالک اللہ ہے۔ تم صرف امین اور خزانچی ہو۔ لہٰذا جہاں وہ مالک بتلائے اسکے نائب کی حیثیت سے خرچ کرو۔ اور یہ بھی ملحوظ رکھو کہ پہلے یہ مال دوسروں کے ہاتھ میں تھا ان کے جانشین تم بنے۔ ظاہر ہے تمہارا جانشین کوئی اور بنایا جائے گا پھر جب معلوم ہے کہ یہ چیز نہ پہلوں کے پاس رہی نہ تمہارے پاس رہے گی تو ایسی زائل و فانی چیز سے اتنا دل لگانا مناسب نہیں کہ ضروری اور مناسب مواقع میں بھی آدمی خرچ کرنے سے کترائے۔ (تفسیر عثمانی)

اٰمِنُوْا۔ یعنی اے لوگو ایمان لاؤ اللہ پر اور وَرَسُوْلِهٖ اس کے رسول پر۔ کیونکہ بغیر پیغمبروں کی وساطت اور توسل کے اللہ پر صحیح ایمان لانا ممکن نہیں۔

دولت ڈھلتی چھاؤں ہے: یا یہ مطلب ہے کہ پچھلے گزشتہ لوگوں کا قائم مقام اللہ نے تم کو بنایا ہے پہلے وہ مالک اور متصرف تھے اب ان کی جگہ تم ہو اور آئندہ تمہاری جگہ اس مال کی ملکیت اور تصرف کا اختیار دوسروں کو ہوگا۔ جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ کہہ کر اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے پر آمادہ کرنا اور برانگیختہ کرنا مقصود ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ
سو جو لوگ تم میں یقین لائے ہیں اور خرچ کرتے ہیں اُن کو
اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۞
بڑا ثواب ہے ☆

ایمان کا تقاضا پورا کرو ☆ لہٰذا ضروری ہے کہ جن لوگوں میں یہ صفت وخصلت موجود نہیں اپنے اندر پیدا کریں اور جن میں موجود ہے اس پر ہمیشہ مستقیم رہیں اور ایمان کے مقتضٰی پر عمل رکھیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ
اور تم کو کیا ہوا کہ یقین نہیں لاتے اللہ پر
وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا
اور رسول بلاتا ہے تم کو کہ یقین لاؤ
بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ
اپنے رب پر اور لے چکا ہے تم سے عہد پکا اگر ہو
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞
تم ماننے والے ☆

وعدہ کرنے کے بعد ایمان کیوں نہیں لاتے

یعنی اللہ پر ایمان لانے یا یقین و معرفت کے راستوں پر چلتے رہنے سے کیا چیز مانع ہوسکتی ہے۔ اور اس معاملہ میں سستی یا تقاعد کیوں ہو جبکہ خدا کا رسول تم کو کسی اجنبی اور غیر معقول چیز کی طرف نہیں بلکہ تمہارے حقیقی پرورش

کرنیوالے کی طرف دعوت دے رہا ہے جس کا اعتقاد تمہاری اصل فطرت میں ودیعت کر دیا گیا اور جس کی ربوبیت کا اقرار تم دنیا میں آنے سے پہلے کر چکے ہو۔ چنانچہ آج تک اس اقرار کا کچھ نہ کچھ اثر بھی قلوب بنی آدم میں پایا جاتا ہے۔ پھر دلائل و براہین اور ارسال رسل کے ذریعہ سے اس ازلی عہد و پیمان کی یاد دہانی اور تجدید بھی کی گئی۔ اور انبیائے سابقین نے اپنی امتوں سے یہ عہد بھی لیا کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرینگے۔ اور تم میں بہت سے وہ بھی ہیں جو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر سمع و طاعت اور انفاق فی سبیل اللہ وغیرہ امور ایمانیہ پر کاربند رہنے کا پکا عہد کر چکے ہیں۔ پس ان مبادی کے بعد کہاں گنجائش ہے کہ جو ماننے کا ارادہ رکھتا ہو وہ نہ مانے اور جو مان چکا ہو وہ اس سے انحراف کرنے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

ربوبیت الٰہی کا اقرار: اللہ نے اپنی ربوبیت کا تم سے اقرار لے لیا تھا یعنی جب آدم کی پشت سے تم کو برآمد کر کے فرمایا تھا۔ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تم نے جواب میں کہا تھا بَلٰی شَہِدْنَا عَلٰٓی اَنْفُسِنَا الخ۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ نے پیغمبروں کی زبانی اور اپنی کتابوں میں تم سے عہد لے لیا تھا' اور فرمایا تھا

ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ۝

بعض اہل علم کے نزدیک اخذ میثاق سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے (فطری) دلائل قائم کر دیئے اور دیکھنے اور غور کرنے کی قوت عطا فرما دی۔

چار چیزوں کا حکم اور چار کی ممانعت

صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے آیا ہے کہ قبیلہ عبدالقیس کا وفد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا اور چار چیزوں کی ممانعت فرما دی' ان کو اللہ لا شریک لہٗ پر ایمان لانے کا حکم دیا اور فرمایا کیا جانتے ہو کہ اللہ وحدہٗ پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے وفد نے جواب دیا اللہ اور اس کا رسول ہی بخوبی واقف ہیں فرمایا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہُ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کی شہادت دینی۔ اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا اور (ایک بات یہ کہ) تم مال غنیمت کا پانچواں حصہ (بیت المال کو) دو۔

(جن) چار چیزوں کی ممانعت فرمائی (وہ یہ ہیں) چکنی' گھڑیا' کدو کا پیالہ' لکڑی کا کھٹلا اور روغنی برتن ان برتنوں کو استعمال کرنے کی ممانعت کر دی یہ سب شراب پینے کے برتن تھے۔ حضور نے فرمایا' ان کو یاد رکھنا اور ادھر والوں کو بھی بتا دینا۔

میں کہتا ہوں (ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ باتوں کا حکم دیا۔ (۱) شہادت توحید و رسالت (۲) اقامت صلوٰۃ (۳) ادائے زکوٰۃ (۴) صیام رمضان (۵) مال غنیمت کا خمس۔ حالانکہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تھا کہ چار باتوں کا حکم دیا' لیکن تفصیل میں پانچ باتوں کا ذکر کیا) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایمان باللہ کا حکم دینے کے بعد چار باتوں کا حکم دیا اول ایمان کی تشریح کی پھر چار باتوں کی تفصیل بیان کر دی۔

یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ اللہ وحدہٗ پر ایمان رسول پر ایمان لائے بغیر ناقابل تصور ہے۔

علامہ بیضاویؒ بغویؒ کی تقریر: بیضاوی نے کہا' آیت کا مطلب اس طرح ہے اگر کسی موجب کی وجہ سے تم ایمان لانے والے ہو تو یہ موجب موجود ہے اس سے بڑھ کر اور کوئی موجب ایمان نہیں ہو سکتا۔ بغوی نے اس طرح مطلب بیان کیا ہے اگر تم کبھی کسی وقت ایمان لانے والے ہو تو یہ وقت ایمان لانے کا سب سے بہتر ہے۔ دلائل موجود ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہو چکی اور قرآن نازل ہو گیا۔ (اس سے بڑھ کر ایمان لانے کا اور کونسا دن آئے گا۔) (تفسیر مظہری)

هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖٓ اٰیٰتٍۢ
وہی ہے جو اتارتا ہے اپنے بندے پر آیتیں
بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ
صاف کہ نکال لائے تم کو اندھیروں سے
اِلَی النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللہَ بِکُمْ لَرَءُوْفٌ
اُجالے میں اور اللہ تم پر نرمی کرنیوالا ہے
رَّحِیْمٌ۝
مہربان ☆

اللہ تعالیٰ کی مہربانی ☆ یعنی قرآن اتارا اور صداقت کے نشان دیئے تا ان کے ذریعہ سے تم کفر و جہل کی اندھیریوں سے نکال کر ایمان و علم کے اجالے میں لے آئے یہ اللہ کی بہت ہی بڑی شفقت اور مہربانی ہے' اگر سختی کرتا تو ان ہی اندھیروں میں پڑا چھوڑ کر تم کو ہلاک کر دیتا۔ یا ایمان لانے کے بعد بھی پچھلی خطاؤں کو معاف نہ کرتا۔ (تفسیر عثمانی)

عَبْدِهٖ سے مراد ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیات بینات۔ یعنی قرآن مجید یا کھلے ہوئے معجزات۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ

اور تم کو کیا ہوا ہے کہ خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں

اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ

اور اللہ ہی کو بچ رہتی ہر شے آسمانوں میں

وَالْاَرْضِ

اور زمین میں ☆

خوشدلی سے مال خرچ کرو ☆یعنی مالک فنا ہو جاتا ہے اور ملک اللہ کا بچ رہتا ہے اور ویسے تو ہمیشہ اسی کا مال تھا۔ پھر اس کے مال میں سے اسکے حکم کے موافق خرچ کرنا بھاری کیوں معلوم ہو؟ خوشی اور اختیار سے نہ دو گے تو بے اختیار اسی کے پاس پہنچے گا۔ بندگی کا اقتضاء یہ ہے کہ خوشدلی سے پیش کرے اور اس کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے فقر وافلاس سے نہ ڈرے کیونکہ زمین و آسمان کے خزانوں کا مالک اللہ ہے کیا اس کے راستہ میں خوشدلی سے خرچ کرنے والا بھوکا رہے گا؟" ولا تخش من ذی العرش اقلالاً" (تفسیر عثمانی)

جو اللہ کے نام پر دیدیا وہی باقی اور وہی اپنا ہے

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ایک بار لوگوں نے ایک بکری ذبح کی سب گوشت تو بانٹ دیا صرف ایک شانہ رکھ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بانٹنے سے) بکری کا کونسا حصہ باقی رہا؟ عرض کیا گیا صرف ایک شانہ باقی ہے فرمایا ایک شانہ کے علاوہ سب باقی رہا (ایک شانہ باقی نہیں رہا) یعنی جو اللہ واسطے بانٹ دیا اس کا ثواب باقی رہا اور جو نہیں بانٹا گیا اس کا ثواب جمع نہ ہوا۔ رواہ الترمذی۔

حضرت ابن مسعود راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کون ایسا ہے کہ اس کو اپنے (پاس کے) مال سے وارث کا مال زیادہ محبوب ہے۔ صحابہ نے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے ہر شخص کو اپنا مال وارث کے (پاس رہنے والے) مال سے زیادہ محبوب ہے (یعنی ہر شخص چاہتا ہے کہ میں مالدار رہوں۔ وارث کا مالدار ہونا اتنا پسندیدہ نہیں جتنا اپنا مالدار ہونا مرغوب ہے) فرمایا تو اس کا مال وہ ہے جو اس نے (مرنے سے) پہلے بھیج دیا اور وارث کا مال وہ ہے جو پیچھے چھوڑ گیا۔ رواہ البخاری والنسائی۔ (تفسیر مظہری)

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ

برابر نہیں تم میں جس نے کہ خرچ کیا

قَبْلِ الْفَتْحِ

فتح مکہ سے پہلے ☆

☆اور بعض نے فتح سے مراد صلح حدیبیہ لی ہے اور بعض روایات سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ

اور لڑائی کی اُن لوگوں کا درجہ بڑا ہے اُن

الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ

سے جو کہ خرچ کیں اُس کے بعد اور لڑائی کریں

وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ

اور سب سے وعدہ کیا ہے اللہ نے خوبی کا ☆

فتح سے پہلے جہاد کرنے والوں کا درجہ

☆یعنی یوں تو اللہ کے راستہ میں کسی وقت بھی خرچ کیا جائے اور جہاد کیا جائے وہ اچھا ہے خدا اس کا بہترین بدلہ دنیا یا آخرت میں دیگا لیکن جن مقدور والوں نے "فتح مکہ" یا "حدیبیہ" سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا وہ بڑے درجے لے اڑے بعد والے مسلمان ان کو نہیں پہنچ سکتے کیونکہ وہ وقت تھا کہ حق کے ماننے والے اور اس پر لڑنیوالے اقل قلیل تھے۔ اور دنیا کافروں اور باطل پرستوں سے بھری ہوئی تھی۔ اس وقت اسلام کو جانی اور مالی قربانیوں کی ضرورت زیادہ تھی اور مجاہدین کو بظاہر اسباب اموال وغنائم وغیرہ کی توقعات بہت کم۔ ایسے حالات میں ایمان لانا اور خدا کے راستہ میں جان ومال لٹا دینا بڑے اولوالعزم اور پہاڑ سے زیادہ ثابت قدم انسانوں کا کام ہے **فرضی اللہ عنہم و رضوا عنہ ورزقنا اللہ اتباعھم وحبھم**۔ امین۔ (تفسیر عثمانی)

صحابہ کرامؓ کا مقام: قرآن کریم نے اس کی ضمانت دیدی کہ حضرات صحابہ سابقین و آخرین میں سے کسی سے بھی اگر عمر بھر میں کوئی گناہ سرزد ہو بھی گیا تو وہ اس پر قائم نہ رہے گا توبہ کرلے گا یا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ونصرت اور دین کی خدمات عظیمہ اور ان کی بے شمار حسنات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دے گا اور ان کی موت اس سے پہلے نہ ہوگی کہ ان کا گناہ معاف ہو کر وہ صاف و بیباق ہو جائیں۔

حضرات صحابہ کرام عام اُمت کی طرح نہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے درمیان اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ایک واسطہ ہیں۔ اُن کے بغیر نہ امت کو قرآن پہنچنے کا کوئی راستہ ہے اور نہ معانی قرآن اور تعلیمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا' اس لئے اسلام میں اُن کا ایک خاص مقام ہے ان کے مقامات کتب تاریخ کی رطب ویابس روایات سے نہیں پہچانے جاتے' بلکہ

قرآن وسنت کے ذریعہ پہچانے جاتے ہیں۔

ان میں سے اگر کسی سے کوئی لغزش اور غلطی بھی ہوتی ہے تو اکثر وہ اجتہادی خطاء ہوتی ہے جس پر کوئی گناہ نہیں' بلکہ حسب تصریح احادیث صحیحہ ایک اجر ہی ملتا ہے' اور اگر فی الواقع کوئی گناہ ہی ہو گیا تو اوّل وہ اُن کے عمر بھر کے اعمالِ حسنہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی نصرت و خدمت کے مقابلہ میں صفر کی حیثیت رکھتا ہے۔

آجکل تاریخ کی جھوٹی سچی' قوی ضعیف روایات کی بناء پر جو بعض لوگوں نے بعض حضرات صحابہ کو موردِ طعن والزام بنایا ہے' اول تو اس کی بنیاد جو تاریخی روایات پر ہے وہ بنیاد ہی متزلزل ہے' اور اگر کسی درجہ میں اُن روایات کو قابل التفات مان بھی لیا جائے تو قرآن وحدیث کے کھلے ہوئے ارشادات کے خلاف اُن کی کوئی حیثیت نہیں رہتی' وہ سب مغفور ہیں۔

صحابہ کرام کے بارے میں پوری امت کا اجماعی عقیدہ

یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام کی تعظیم وتکریم' ان سے محبت رکھنا' ان کی مدح وثناء کرنا واجب ہے اور ان کے آپس میں جو اختلافات اور مشاجرات پیش آئے اُن کے معاملے میں سکوت کرنا' کسی کو موردِ الزام نہ بنانا لازم ہے' عقائد اسلامیہ کی تمام کتابوں میں اس اجماعی عقیدہ کی تصریحات موجود ہیں' امام احمدؒ کا رسالہ جو بروایت اصطخری معروف ہے اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

لَا یَجُوْزُ لِاَحَدٍ اَنْ یَّذْکُرَ شَیْئًا مِّنْ مَّسَاوِیهِم وَلَا یَطْعَنَ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْهُمْ بِعَیْبٍ وَّلَا نَقْصٍ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِکَ وَجَبَ تَأْدِیْبُهٗ (شرح العقیدۃ الواسطیہ معروف بہ الدرۃ المضیۃ (ص ۳۸۹)

"کسی کے لئے جائز نہیں کہ صحابہ کرام کی کسی برائی کا ذکر کرے یا اُن میں سے کسی پر طعن کرے یا کوئی عیب یا نقصان ان کی طرف منسوب کرے اور جو ایسا کرے اس کو سزا دینا واجب ہے"

اور ابن تیمیہؒ نے الصارم المسلول میں صحابہ کرام کے متعلق فضائل و خصوصیات کی بہت سی آیات اور روایات حدیث لکھنے کے بعد لکھا ہے۔

"جہاں تک ہمارے علم میں ہے ہم اس معاملہ میں علماء فقہاء صحابہؓ و تابعین اور تمام اہل السنۃ والجماعۃ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں پاتے کیونکہ سب کا اس پر اجماع ہے کہ امت پر واجب یہ ہے کہ سب صحابہ کرام کی مدح وثناء کرے' اور ان کے لئے استغفار کرے اور ان کو اللہ کی رحمت ورضا کے ساتھ ذکر کرے' اُن کی محبت اور دوستی پر ایمان رکھے اور جو اُن کے معاملہ میں بےادبی کرے اس کو سزا دے۔"

اور ابن تیمیہؒ نے شرح عقیدہ واسطیہ میں تمام اُمت محمدیہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے مشاجرات صحابہ کے متعلق لکھا ہے۔

اہل السنۃ والجماعۃ سکوت اختیار کرتے ہیں اُن اختلافی معاملات سے جو صحابہ کرام کے درمیان پیش آئے اور کہتے ہیں کہ جو روایات ان میں سے کسی پر عیب لگانیوالی ہیں اُن کی حقیقت یہ ہے کہ بعض تو بالکل جھوٹ ہے اور بعض میں کتر بیونت کر کے ان کی اصل حقیقت بگاڑ دی گئی ہے' اور جو کچھ صحیح ہے وہ اس میں معذور ہیں کیونکہ (انہوں نے جو کچھ کیا اللہ کے لئے کیا اجتہاد سے کیا) اس اجتہاد میں یا وہ صحیح بات پر تھے (تو دوہرے ثواب کے مستحق تھے) یا خطاء پر تھے (تو معذور اور ایک ثواب کے مستحق تھے) ان تمام باتوں کے ساتھ وہ اس کے معتقد نہیں کہ ہر صحابی چھوٹے بڑے گناہوں سے معصوم ہے بلکہ ان سے گناہ کا صدور ممکن ہے' مگر ان کے فضائل اور اسلام کی عظیم الشان خدمات ایسی ہیں جو اُن سب کی مغفرت کی مقتضی ہیں یہاں تک کہ ان کی مغفرت ومعافی اتنی وسیع ہوگی جو امت میں دوسروں کے لئے نہ ہوگی۔" (معارف مفتی اعظم)

حضرت ابوبکرؓ کے نام اللہ تعالیٰ کا پیغام

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سند سے ایک روایت بیان کی ہے کہ ایک روز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا مجلس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے انہوں نے ایک عبا پہنا ہوا تھا جو سینہ پر کئی جگہ سے پھٹا ہوا تھا اور پیوند لگا ہوا تھا انہوں نے اپنا جو کچھ مال تھا وہ قبل الفتح (اور قبل از ہجرت) اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا تھا۔ تو جبریل امین اترے اور انہوں نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ میں ابوبکر کو اس حالت میں دیکھ رہا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہوں نے اپنا سارا مال فتح مکہ سے قبل مجھ پر خرچ کر ڈالا ہے جبریل امین کہنے لگے کہ اللہ رب العزت کا ان کو پیغام سلام ہے اور یہ کہ ان سے پوچھو کہ کیا تم مجھ سے راضی ہو اس فقر کی حالت میں یا ناراض ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو مخاطب کرتے ہوئے یہ پیغام سنایا۔ ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ ممکن ہے کہ میں اپنے رب سے ناراض ہوں (آپ گواہ ہوں) میں اپنے رب سے راضی ہوں۔ ۱۲۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴) (معارف کاندھلوی)

سببِ نزول: بغوی کا بیان ہے کہ محمد بن فضل نے کلبی کا قول نقل کیا کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حق میں نازل ہوئی۔ آپ سب سے پہلے مسلمان ہوئے اور سب سے پہلے راہ خدا میں مال خرچ کیا۔

میں کہتا ہوں عبارت کے لحاظ سے تو یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ وہ مہاجر اور انصار جو سابقین اولین میں سے تھے ان لوگوں سے افضل ہیں جو فتح کے بعد ایمان لائے اور راہِ خدا میں مال خرچ کیا۔ لیکن رفتارِ آیت اور مفہوم کلام دلالت کر رہا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ تمام صحابہؓ سے اور تمام صحابہؓ دوسرے لوگوں سے افضل تھے کیونکہ برتری اور فضیلت کا معیار سبقت اسلام اور (فتح

سے پہلے) جان و مال کو راہِ خدا میں صرف کرتا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کوئی اچھا طریقہ جاری کرے گا اس کو اپنے عمل کا اجر بھی ملے گا اور ان لوگوں کے عمل کا بھی اجر ملے گا جو اس طریقے پر چلیں گے۔ لیکن اس طریقے پر چلنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور باتفاق علماء یہ امر ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر سب سے پہلے ایمان لائے اور سردارانِ قریش آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور آپ نے اپنا بڑا مال سب سے پہلے راہ خدا میں خرچ کیا اور آپ ہی نے سب سے پہلے راہ خدا میں کافروں کی طرف سے تکلیفیں برداشت کیں' اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جس شخص نے ہم پر کوئی احسان کیا ہم نے ہر ایک کا بدلہ چکا دیا۔ سوائے ابوبکرؓ کے کہ ان کے احسان کا بدلہ (ہم نہ دے سکے) قیامت کے دن اللہ عطا فرمائے گا اور مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں پہنچایا جتنا ابوبکرؓ کے مال نے پہنچایا۔ رواہ الترمذی من حدیث ابی ہریرۃؓ۔

مالی قربانی: حضرت عبداللہ بن زبیر نے اپنے والد کی روایت سے بیان کیا کہ ابوبکرؓ جس وقت مسلمان ہوئے تو ان کے پاس چالیس ہزار تھے جو سب کے سب آپ نے راہ خدا میں رسول کی خدمت میں خرچ کر دیئے۔

جانی قربانی: بخاری کی روایت ہے کہ عقبہ بن ابی معیط نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (کعبہ میں) نماز پڑھتے دیکھا تو آپ کے گلے میں چادر ڈال کر اتنی کھینچی کہ گلا گھٹنے لگا' حضرت ابوبکر نے دیکھ لیا اور آ کر عقبہ کو دور کیا اور فرمایا کہ کیا تم لوگ ایسے شخص کو قتل کر دو گے جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور تمہارے پاس وہ کھلے ہوئے دلائل (یا معجزات) بھی لے کر آیا ہے ابو عمرو کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ کافروں نے حضرت ابوبکر کو پکڑ کر بہت سخت مارا' سخت چوٹیں لگائیں جب آپ گھر لوٹ کر آئے تو یہ حالت ہو گئی کہ جب اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرتے تو ہاتھ کے ساتھ بال بھی آ جاتے تھے (یعنی بال کمزور پڑ گئے تھے) اور آپ کہتے تھے: تَبَارَکْتَ یَا ذَالْجَلَالِ۔ ابو عمرو نے استیعاب میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے سات غلام آزاد کیے جن کو راہِ خدا میں عذاب دیا جاتا تھا۔ ان میں سے بلال اور عامر بن فہیرہ بھی تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کی دعوت سے اسلام لانے والے سردار

ابو اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکرؓ جب اسلام لائے تو آپ نے اپنا اسلام پوشیدہ نہیں رکھا۔ اور لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف آنے کی دعوت دی' حضرت ابوبکرؓ اپنے لوگوں کو جوڑ کر رکھنے والے سہل الاخلاق اور لوگوں کے دلوں میں محبوب تھے قوم میں سے جو لوگ بھروسے کے تھے اور آپ کے پاس آتے جاتے اور بیٹھتے تھے آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی' چنانچہ آپ کی دعوت پر مندرجہ ذیل حضرات مسلمان ہو گئے۔ بنی عبدالشمس کے سردار حضرت عثمان بن عفان بنی اسد کے سردار حضرت زبیر بن عوام۔ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف یہ دونوں حضرات بنی زہرہ کے سردار تھے۔ بنی تمیم کے سردار حضرت طلحہ بن عبیداللہ۔ جب ان حضرات نے دعوت قبول کر لی اور اسلام لے آئے اور نماز پڑھ لی تو حضرت ابوبکرؓ ان کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ان حضرات کے مسلمان ہونے سے قبائل قریش کا زور ٹوٹ گیا۔

واقعہ معراج کی تصدیق وہجرت وغیرہ

اسلام میں حضرت ابوبکرؓ کے اونچے مقامات ہیں۔ شب معراج کی سیر کی آپ نے (فوراً سنتے ہی) پوری پوری تصدیق کی اور کافروں کو (مسکت) جواب دیا۔ اہل وعیال (اور متعلقین) کو چھوڑ کر رسول اللہ کے ساتھ ہجرت کی اور سارے راستہ میں نیز غار (ثور) میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے جب دوسرے لوگ شبہ میں پڑ گئے تھے اور مکہ میں داخل نہ ہونے سے ان کو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں) تردد پیدا ہو گیا تھا تو حدیبیہ کی صلح کے دن آپ نے (حضرت عمر سے) نہایت معقول (اور ثباتِ ایمانی پر دلالت کرنے والی) بات کہی تھی اسی طرح بدر کے موقع پر آپ کا کلام (ایمان کی پختگی ظاہر کرنے کے لئے کافی) تھا لیکن باوجودیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے آپ پر بھی غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ لوگوں کو تسکین دینے کے لئے آپ نے (مدلل) خطاب کیا (اور قرآن کی آیت تلاوت فرمائی جس سے صحابہؓ کے دماغوں سے پردہ اٹھ گیا) مسلمانوں کی مصلحتوں کے پیش نظر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آغوش قبر میں دینے سے پہلے ہی) آپ نے بیعت کا اہتمام کیا (اور اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا مسئلہ طے کیا)۔

جہاد و فتوحات: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کا ایک لشکر حضرت اسامہ بن زیدؓ کی زیر قیادت شام کو بھیجنے کا اہتمام کیا تھا اسی اثناء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور حضرات ابوبکرؓ کو خلیفہ بنا دیا گیا اور مدینہ کے اطراف کے بیشتر قبائل مرتد ہو گئے لیکن آپ نے حضرت اسامہؓ کی روانگی ملتوی نہیں کی اور مرتدوں سے لڑنے کے لئے بھی لشکر اسلام کو بھیجا۔

آپ نے ہی عراق اور شام کی طرف (ایرانیوں اور رومیوں سے جہاد کرنے کے لئے) مسلمانوں کے فوجی دستے بھیجے (جو کامیاب ہوئے) آپ کے مناقب میں آخری منقبت یہ تھی کہ آپ نے حضرت عمر کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کیا۔ (تفسیر مظہری)

بعد والوں کی فضیلت: صحیح بخاری کی شرح کے ابتدائی حصے کتاب الایمان میں ہم یہ حدیث بیان کر آئے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا

سب سے زیادہ اچھے ایمان والے تمہارے نزدیک کون ہیں؟ کہا فرشتے فرمایا وہ تو اللہ کے پاس ہی ہیں پھر ایمان کیوں نہ لاتے؟ کہا پھر انبیاء' فرمایا ان پر تو وحی اور کلام خدا اترتا ہے وہ کیسے ایمان نہ لاتے؟ کہا پھر ہم۔ فرمایا واہ تم ایمان سے کیسے رک سکتے تھے میں تم میں زندہ موجود ہوں۔ سنو! بہترین اور عجیب تر ایمان دار وہ لوگ ہیں جو تمہارے بعد آئیں گے۔ صحیفوں میں لکھا دیکھیں گے اور ایمان قبول کریں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۰﴾
اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو ☆

اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کی خبر ہے ☆ یعنی اللہ کو سب خبر ہے کہ کس کا عمل کس درجہ کا ہے اور اس میں اخلاص کا وزن کتنا ہے اپنے اسی علم کے موافق ہر ایک سے معاملہ کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا
کون ہے ایسا کہ قرض دے اللہ کو
حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ
اچھی طرح' پھر وہ اُسکو دونا کردے اُسکے واسطے اور اُسکو ملے
كَرِيْمٌ ﴿۱۱﴾
ثواب عزت کا ☆

اللہ کو قرض دینے کا مطلب

☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں'' قرض کے معنی یہ کہ اس وقت جہاد میں خرچ کرو پھر تم ہی دولتیں برتو گے (اور آخرت میں بڑے مرتبے پاؤ گے) یہ ہی معنی ہیں دونے کے ورنہ مالک میں اور غلام میں سود بیاج نہیں۔ جو دیا سو اس کا جو نہ دیا سو اس کا''۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کے بندوں کو قرض دینے والا یا اللہ کو قرض دینے سے مراد ہے اللہ کی راہ میں اس امید پر خرچ کرنا کہ اللہ اس کا عوض عنایت فرمائے گا گویا یہ ایسا ہی ہوگیا جیسے کوئی قرض دے (اس یقین کے ساتھ کہ قرض کا عوض واپس ضرور ملے گا)۔

قَرْضًا حَسَنًا ۔ یعنی خلوص کے ساتھ بہت عمدہ اعلیٰ مال صحیح طریقے سے۔

فَيُضٰعِفَهٗ ۔ پس اللہ اس کو چند گنا بدلہ دے گا۔

وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۔ یعنی اگر چند گنا اجر اللہ نہ بھی دے تب بھی اصل اجر بجائے خود بہت اعلیٰ ہوگا جس کی طلب بغیر امید زیادتی کے بجائے خود ہی ہونا چاہئے اور جب اصل معاوضہ کے ساتھ کتنے ہی گنا زیادہ ملنے کی امید ہو اور اللہ کا وعدہ ہو تو ایسے اجر کی طلب تو بہت ہی ضروری ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابو دحداحؓ کی تجارت: اس آیت کو سن کر حضرت ابو دحداح انصاریؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کیا ہمارا رب ہم سے قرض مانگتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ کہا ذرا اپنا ہاتھ تو دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بڑھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا میرا باغ جس میں کھجور کے چھ سو درخت ہیں وہ میں نے اپنے رب کو دیا۔ آپ کے بیوی بچے بھی اس باغ میں تھے۔ آپ آئے اور باغ کے دروازے پر کھڑے رہ کر اپنی بیوی صاحبہ کو آواز دی' وہ لبیک کہتی ہوئی آئیں تو فرمانے لگے بچوں کو لے کر چلی آؤ میں نے یہ باغ اپنے رب عزوجل کو قرض دیدیا ہے۔ وہ خوش ہو کر کہنے لگیں آپ نے بہت نفع کی تجارت کی۔ اور بال بچوں کو اور گھر کے اثاثے کو لے کر باہر چلی آئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے جنتی درخت وہاں کے باغات جو میووں سے لدے ہوئے اور جن کی شاخیں یاقوت اور موتی کی ہیں ابو دحداح کو خدا نے دیدیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ
جس دن تو دیکھے ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو
يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ
دوڑتی ہوئی چلتی ہے اُنکی روشنی اُن کے آگے اور
بِاَيْمَانِهِمْ
اُنکے داہنے ☆

ایمان و عمل کی روشنی ☆ میدان حشر سے جس وقت پل صراط پر جائیں گے سخت اندھیرا ہوگا تب اپنے ایمان اور عمل صالح کی روشنی ساتھ ہو گی۔ شاید ایمان کی روشنی جس کا محل قلب ہے آگے ہو اور عمل صالح کے داہنے کیونکہ نیک عمل داہنی طرف جمع ہوتے ہیں۔ جس درجہ کا کسی کا ایمان و عمل ہوگا اسی درجہ کی روشنی ملے گی اور غالباً اس امت کی روشنی اپنے نبی کے طفیل دوسری امتوں کی روشنی سے زیادہ صاف اور تیز ہوگی۔ بعض روایات سے بائیں جانب بھی روشنی کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اس کا مطلب شاید یہ ہوگا کہ روشنی کا

اثر ہر طرف پہنچے گا۔ واللہ اعلم۔　(تفسیر عثمانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء:

شیخین، ابوداؤد اور نسائی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لئے برآمد ہوتے تو (راستہ میں) کہتے تھے اے اللہ! میرے دل میں نور۔ میری آنکھوں میں نور میرے کانوں میں نور، میرے دائیں طرف نور اور میرے بائیں طرف نور (اور میرے آگے نور) اور میرے پیچھے نور اور مجھے (سر تا پا) نور کر دے۔

روایت میں اتنا زائد ہے، میری زبان میں نور، اور میرے پیچھے سے نور اور میرے سامنے سے نور اور میرے اوپر سے نور اور میرے نیچے سے نور کر دے اے اللہ مجھے نور عطا فرما۔

اس دعاء میں تمام اطراف سے نور ہونے کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آیت میں جو صرف دو جہتوں (آگے آگے اور دائیں طرف) کا ذکر کیا ہے اس سے مراد تمام اطراف ہیں لیکن خوش نصیب لوگوں کو جو اعمالنامے دیئے جائیں گے وہ انہی دو سمتوں سے دیئے جائیں گے اس لئے خصوصیت کے ساتھ ان دو جہتوں کا ذکر کیا گیا۔

نور کی مقدار: ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ بقدر اعمال ان کو نور عطا کیا جائے گا۔ پل صراط سے گذرتے ہوئے کسی کا نور تو پہاڑ جیسا ہوگا اور کسی کا نور درخت کھجور کے برابر اور کم سے کم نور وہ ہوگا جو صرف انگوٹھے میں ہوگا کبھی جلے گا، کبھی بجھے گا۔ قتادہ نے بیان کیا ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بعض مؤمنوں کا نور تو اتنی دور تک چمکے گا، جیسے مدینے سے عدن تک اور بعض کا نور اتنی مسافت تک جیسے مدینہ سے صنعاء تک اور اس سے کم (ہوتا چلا جائے گا) یہاں تک کہ بعض مؤمنوں کا نور صرف دونوں قدموں کے درمیان چمکے گا۔

تاریکی میں نماز کے لئے جانا: ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت بریدہؓ کی روایت سے اور ابن ماجہ نے حضرت انسؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بشارت ہو قیامت کے دن نور کامل حاصل ہونے کی اُن لوگوں کو جو تاریکیوں میں پیدل چل کر مسجدوں کو جاتے ہیں۔

نمازوں کی پابندی: امام احمد اور طبرانی نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نمازوں کی پابندی رکھے گا تو قیامت کے دن وہ نمازیں اس کے لئے نور اور برہان اور نجات ہو جائیں گی اور جو نمازوں کی نگہداشت نہیں کریگا اس کے لئے نہ نور ہوگا نہ بُرہان، نہ نجات اور قیامت کے دن وہ قارون اور فرعون اور ہامان کے ساتھ ہوگا۔

سورۂ کہف: طبرانی نے حضرت ابوسعید کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ جو شخص سورۂ کہف پڑھے گا تو قیامت کے دن یہ سورۃ اس کے لئے نور بن جائے گی اس کی جگہ سے مکہ تک (یعنی مدینہ سے جتنی دور مکہ ہے اتنی دور تک اس کے لئے نور ہی نور ہوگا)۔

ابن مردویہ نے بیان کیا کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھے گا تو قیامت کے دن اس کے قدموں کے نیچے سے بادلوں تک نور ہی نور چمکے گا۔

درود: دیلمی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر درود پڑھنی پل صراط پر نور ہو (جائے) گی۔

دنیا کی نابینائی: طبرانی نے الاوسط میں لکھا ہے کہ دنیا میں جس کی آنکھیں جاتی رہی ہوں اگر وہ صالح ہے تو قیامت کے دن اللہ اس کے لئے نور کر دے گا۔

حاجی کا بال: طبرانی نے حضرت عبادہ بن صامت کا قول حج کے سلسلے میں بیان کیا، حضرت عبادہ نے فرمایا سر مونڈنے میں جو ایک بال بھی زمین پر گر جائے گا وہ قیامت کے دن نور ہو جائے گا۔

شیطانوں کو ماری ہوئی کنکریاں: بزار نے حضرت ابن مسعود کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ (حج میں) جب رمی جمار کیا جاتا ہے۔ یعنی کنکریں ماری جاتی ہیں تو وہ کنکریاں قیامت کے دن (حج کرنے والے کے لئے) نور ہو جائیں گے

سفید بال: طبرانی نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت ابوامامہ کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ اسلام میں جس کے بال کچھ بھی سفید ہو گئے (یعنی بوڑھا ہو گیا) تو بالوں کی یہ سفیدی قیامت کے دن نور ہو جائے گی۔

بازار میں اللہ کا ذکر: بیہقی نے شعب الایمان میں منقطع سند سے حضرت ابن عمر کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ بازار میں اللہ کا ذکر کرنے والے کو قیامت کے دن ہر بال کے عوض نور حاصل ہوگا۔

جہاد کے تیر: بزار نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ جس شخص نے راہ خدا میں ایک تیر بھی پھینکا قیامت کے دن وہ تیر اس کے لئے نور ہو جائے گا۔

کسی کی پریشانی دور کرنا: طبرانی نے حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی مشکل کو دور کر دیگا اللہ قیامت کے دن پُل صراط پر اس کے لئے نور کی دو شاخیں کر دے گا جن سے ایک دنیا روشن ہو جائے گی جن کی تعداد سوائے رب العزت کے اور کوئی نہیں جانتا۔

ظلم اندھیرا ہے: شیخین نے حضرت ابن عمر کی روایت سے اور مسلم نے حضرت جابر کی روایت سے اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عمر

کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت ابن زیاد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ظلم سے اجتناب رکھو کیونکہ قیامت کے دن ظلم تاریکیاں ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

دمشق میں حضرت ابوامامہ باہلیؓ کے ایک خطاب سے اقتباس

پھر تم قبروں سے میدان حشر کی طرف نقل کئے جاؤ گے' جس میں مختلف مراحل اور مواقف ہوں گے' ایک مرحلہ ایسا آئے گا کہ بحکم خداوندی کچھ چہرے سفید اور روشن کر دیئے جاویں گے اور کچھ چہرے کالے سیاہ کر دیئے جاویں گے' پھر ایک مرحلہ ایسا آوے گا کہ میدان حشر میں جمع ہونے والے سب لوگوں پر جن میں مؤمن و کافر سب ہوں گے' ایک شدید ظلمت اور اندھیری طاری ہو جائے گی' کسی کو کچھ نظر نہ آئے گا' اس کے بعد نور تقسیم کیا جائے گا ہر مؤمن کو نور عطا کیا جائے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

حضرت جنادہ کا ارشاد: حضرت جنادہ بن ابوامیہؒ فرماتے ہیں لوگو! تمہارے نام مع ولدیت کے اور خاص نشانیوں کے خدا کے ہاں لکھے ہوئے ہیں اسی طرح تمہارا ہر ظاہر باطن عمل بھی وہاں لکھا ہوا ہے۔ قیامت کے دن نام لے کر پکار کر کہہ دیا جائے گا کہ اے فلاں یہ تیرا نور ہے اور اے فلاں تیرے لئے کوئی نور ہمارے ہاں نہیں' پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔

حضرت ضحاکؒ کا ارشاد: حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں اول اول تو ہر شخص کو نور عطا ہوگا لیکن۔ جب پل صراط پر جائیں گے منافقوں کا نور بجھ جائے گا۔ اسے دیکھ کر مؤمن بھی ڈرنے لگیں گے کہ ایسا نہ ہو ہمارا نور بھی بجھ جائے۔ تو اللہ سے دعائیں کریں گے کہ خدایا ہمارا نور ہمارے لئے پورا پورا کر۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں اس آیت سے مراد پل صراط پر نور کا ملنا ہے تا کہ اس اندھیری جگہ سے آرام گذر جائیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ

خوشخبری ہے تم کو آج کے دن باغ ہیں کہ نیچے بہتی ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

جن کے نہریں سدا رہو

فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (۱۲)

اُن میں یہ جو ہے یہی ہے بڑی مراد ملنی ☆

☆ کیونکہ جنت اللہ کی خوشنودی کا مقام ہے۔ جو وہاں پہنچ گیا سب مرادیں مل گئیں۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ

جس دن کہیں گے دغاباز مرد اور عورتیں

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ

ایمان والوں کو راہ دیکھو ہماری' ہم بھی روشنی لے لیں

نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَاۗءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا

تمہارے نور سے کوئی کہیگا لوٹ جاؤ پیچھے پھر ڈھونڈ لو

نُوْرًا ۭ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ

روشنی پھر کھڑی کر دیجائے انکے بیچ میں ایک دیوار جس میں ہوگا دروازہ

بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ

اُس کے اندر رحمت ہو گی اور باہر

قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۭ (۱۳)

کی طرف عذاب ☆

منافقین کا انجام ☆ یعنی مؤمنین اور منافقین کے بیچ میں دیوار کھڑی کر دیجائے گی جس میں دروازہ ہوگا اس دروازہ سے مؤمن جنت کی طرف جا کر منافقوں کی نظر سے اوجھل ہو جائینگے دروازہ کے اندر پہنچ کر جنت کا سماں ہوگا اور ادھر دروازہ سے باہر عذاب الٰہی کا منظر دکھائی دیگا۔ (تفسیر عثمانی)

ابن جریر اور بیہقی نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب لوگ تاریکی میں ہوں گے تو اللہ ایک دم ایک روشنی پیدا کر دے گا۔ مومن اس روشنی کی طرف رُخ کر کے چل پڑیں گے اور وہ نور جنت تک ان کا رہنما رہے گا۔ منافق جب مومنوں کو دیکھیں گے کہ وہ نور کی طرف چل پڑے تو وہ مسلمانوں کے پیچھے چلنے کا ارادہ کریں گے لیکن منافقوں کے لئے (بجائے نور کے) تاریکی ہو جائے گی اس وقت وہ مسلمانوں سے کہیں گے ذرا توقف کرو ہم بھی تمہاری روشنی سے کچھ چمک حاصل کر لیں کیونکہ دنیا میں ہم تمہارے لئے تھے مسلمان کہیں گے جس تاریکی سے تم آئے تھے وہیں واپس لوٹ جاؤ اور اسی مقام پر نور کی تلاش کرو۔

شیعہ' خارجی وغیرہ ہواء پرستوں کا انجام

میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ منافقوں کو نور دیا ہی نہیں جائے گا۔ قرآن کی

آیات اسی پر دلالت کررہی ہیں۔ رہیں وہ احادیث جن میں منافقوں کے نور کا ذکر کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ جنت تک پہنچنے سے پہلے ان کا نور بجھا دیا جائے گا تو شاید ان منافقوں سے مراد ہیں اصحاب الہواء شیعہ اور خارجی مسلم کے لوگ' اس کا ثبوت اس حدیث مبارک سے ہوتا ہے جس کی راوی حضرت ابن عباسؓ ہیں کہ ہر مؤحد کو نور دیا جائے گا اور مؤحد وہی ہوتا ہے جو توحید و رسالت کا خلوص قلب سے اقرار کرے جیسا وفد عبدالقیس کی حدیث میں آیا ہے کہ ایمان باللہ وحدہٗ یہ ہے کہ تم اللہ کو لاشریک لہٗ مانو اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار کرو۔

بیت المقدس کی شرقی دیوار: بغوی نے لکھا ہے' ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا' وہ دیوار جس کا ذکر آیت بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ میں آیا ہے اس سے بیت المقدس کی شرقی دیوار مراد ہے' جس کے اندرونی جانب مسجد ہے اور باہر کی طرف وادی جہنم ہوگی ابن شریح کا بیان ہے کہ کعب کہتے تھے۔ بیت المقدس میں وہ دروازہ جس کو باب الرحمۃ کہا جاتا ہے وہی ہے' جس کا ذکر اللہ نے آیت فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ میں کیا ہے۔

ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ ۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا' یہ بات منافقوں سے مومن کہیں گے۔ قتادہ نے کہا یہ بات ملائکہ کہیں گے' وَرَآءَكُمْ سے مراد وہ مقام ہے جہاں نور تقسیم ہوا تھا' حضرت ابوامامہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیثوں سے یہی ثابت ہوتا ہے' یا پیچھے لوٹنے سے مراد ہے دنیا کی طرف لوٹنا یعنی دنیا کی طرف لوٹ کر جاؤ' وہاں ایمان و معرفت حاصل کرو۔ اخلاق حمیدہ اختیار کرو اور اللہ کی عبادت کرو۔ کیونکہ یہ نور حقیقت میں اسی ایمان و طاعت کا ظہور ہے۔　　(تفسیر مظہری)

نفسا نفسی: ابن ابی ملیکہ کی روایت میں ابن عباس سے یہ منقول ہے فرمایا کہ یہی وہ نور ہوگا جس کی تکمیل اور زیادتی کی اہل ایمان اللہ سے دعاء کرنے لگیں گے رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا اور یہ وقت ایسا ہوگا کوئی کسی کو یاد کرتا نہ ہوگا بلکہ ہر ایک اپنی ہی فکر میں ہوگا اہل ایمان شوق جنت میں ہر ماسوا سے بے تعلق ہوں گے اور کافر و منافق آثار عذاب کی مشاہدہ سے بدحواس ہوں گے اور اس وقت مؤمنین کے نور سے منافقوں کو کچھ نظر نہ آسکے گا جیسے کہ نابینا انسان کو بینا کی آنکھ کی روشنی سے کچھ نظر نہیں آسکتا۔

يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ

یہ اُن کو پکاریں گے کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ ☆

منافقین کو روشنی نہیں ملے گی

☆ قصہ یہ ہے کہ کھلے ہوئے کافر پل صراط پر نہیں چلیں گے۔ بلکہ پہلے ہی دوزخ میں اس کے دروازوں سے دھکیل دیے جائیں گے ہاں جو کسی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہیں سچے یا کچے انہیں پل صراط سے گذرنے کا حکم ہوگا اس پر چڑھنے سے پہلے ایک سخت اندھیری لوگوں کو گھیر لے گی۔ اس وقت ایمان والوں کے ساتھ روشنی ہوگی منافق بھی ان کی روشنی میں پیچھے پیچھے چلنا چاہیں گے لیکن مؤمن جلد آگے بڑھ جائیں گے اس لیے ان کی روشنی منافقین سے دور ہوتی جائے گی تب وہ پکاریں گے کہ میاں ذرا ٹھہرو' ہم کو اندھیرے میں پیچھے مت چھوڑ کر جاؤ۔ تھوڑا انتظار کرو کہ ہم بھی تم سے مل جائیں اور تمہاری روشنی سے استفادہ کریں۔ آخر ہم دنیا میں تمہارے ساتھ ہی رہتے تھے اور ہمارا شمار بھی بظاہر مسلمانوں میں ہوتا تھا اب اس مصیبت کے وقت ہم کو اندھیرے میں پڑا چھوڑ کر کہاں جاتے ہو کیا رفاقت کا حق یہی ہے۔ جواب ملے گا کہ پیچھے لوٹ کر روشنی تلاش کرو اگر مل سکے تو وہاں سے لے آؤ۔ یہ سن کر پیچھے ہٹیں گے اتنے میں دیوار دونوں فریق کے درمیان حائل ہو جائیگی۔ یعنی روشنی دنیا میں کمائی جاتی ہے وہ جگہ پیچھے چھوڑ آئے یا پیچھے سے وہ جگہ مراد ہو جہاں پل صراط پر چڑھنے سے پہلے نور تقسیم کیا گیا تھا۔　　(تفسیر عثمانی)

قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ

کہیں گے کیوں نہیں لیکن تم نے بچلا دیا اپنے آپ کو

وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ

اور راہ دیکھتے رہے اور دھوکے میں پڑے اور بہک گئے

الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ

اپنے خیالوں پر یہاں تک کہ آ پہنچا حکم اللہ کا اور تم کو بہکا دیا

بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾

اللہ کے نام سے اُس دغاباز نے ☆

منافقین کی فریب نفسی

☆ یعنی بے شک دنیا میں بظاہر تم ہمارے ساتھ تھے اور زبان سے دعوٰی اسلام کا کرتے تھے لیکن اندرونی حال یہ تھا کہ لذات و شہوات میں پڑ کر تم نے نفاق کا راستہ اختیار کیا اور اپنے نفس کو دھوکا دیکر ہلاکت میں ڈالا۔ پھر توبہ نہ کی بلکہ راہ دیکھتے رہے کہ کب اسلام اور مسلمانوں پر کوئی افتاد پڑتی ہے اور دین کے متعلق شکوک و شبہات کی دلدل میں پھنسے رہے۔ یہی دھوکا رہا کہ آگے ان منافقانہ چالوں کا خمیازہ بھگتنا نہیں بلکہ یہ خیالات اور امیدیں پکا

لیں کہ چند روز میں اسلام اور مسلمانوں کا یہ سب قصہ ٹھنڈا ہو جائیگا۔ آخر ہم ہی غالب ہونگے۔ رہا آخرت کا قصہ، سو وہاں بھی کسی نہ کسی طرح چھوٹ ہی جائینگے۔ ان ہی خیالات میں مست تھے کہ اللہ کا حکم آ پہنچا اور موت نے آ دبایا اور اس بڑے دغا باز (شیطان) نے تمکو بہکا کر ایسا کھو دیا کہ اب سبیل رستگاری کی نہیں رہی۔ (تفسیر عثمانی)

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا
سو آج تم سے قبول نہ ہو گا فدیہ دینا اور نہ
مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَأْوٰىكُمُ النَّارُ
منکروں سے تم سب کا گھر دوزخ ہے
هِيَ مَوْلٰىكُمْ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾
اور وہی ہے رفیق تمہاری اور بری جگہ جا پہنچے ☆

آج نجات کا کوئی راستہ نہیں ہے

☆یعنی بالفرض اگر آج تم (منافق) اور جو کھلے بندوں کافر تھے کچھ معاوضہ وغیرہ دیکر سزا سے بچنا چاہو تو اس کے منظور کیے جانے کی کوئی صورت نہیں بس تم سب کو اب اسی گھر میں رہنا ہے۔ یہی دوزخ کی آگ تمہارا ٹھکانا ہے اور یہی رفیق ہے۔ کسی دوسرے سے رفاقت کی توقع مت رکھو۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ
کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں کو کہ گڑ گڑائیں
قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ
اُنکے دل اللہ کی یاد سے اور جو اُترا ہے
الْحَقِّ
سچا دین ☆

☆یعنی وقت آگیا ہے کہ مؤمنین کے دل قرآن اور اللہ کی یاد اور اس کے سچے دین کے سامنے جھک جائیں۔ اور نرم ہو کر گڑ گڑانے لگیں۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول: ابن ابی شیبہ نے المصنف میں عبدالعزیز بن رواد کی روایت سے اور ابن ابی حاتم نے مقاتل بن حبان کے حوالہ سے بیان کیا کہ بعض صحابہ ہنسی اور مذاق کے زیادہ عادی تھے اور بہت مزاح کرتے تھے اس پر آیت اَلَمْ يَأْنِ الخ نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتم نے بحوالہ سدی قاسم کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (کچھ) صحابی کسی قدر سست پڑ گئے تھے تو اللہ نے آیت اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ الخ نازل فرمائی پھر کچھ مدت کے بعد اضمحلال پیدا ہو گیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ کوئی حدیث بیان فرمایئے (تاکہ ہمارے دلوں کی یہ اضمحلالی کیفیت دور ہو جائے اس وقت آیت اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا الخ نازل ہوئی۔ بغوی نے کلبی اور مقاتل کا بیان نقل کیا ہے کہ ہجرت سے ایک سال بعد آیت منافقوں کے حق میں نازل ہوئی۔ وجہ نزول یہ ہوئی کہ کچھ لوگوں نے ایک روز حضرت سلیمانؓ فارسی سے درخواست کی کہ توریت میں عجیب عجیب باتیں ہیں، آپ ہم سے توریت کی کوئی بات بیان کیجئے، اس پر آیات نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ الخ نازل ہوئیں یہ جواب سن کر ایک مدت تک سائل مکرر سوال کرنے سے رُکے رہے کچھ مدت کے بعد منافقوں نے دوبارہ حضرت سلیمان فارسی سے یہی سوال کیا اس پر آیت اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ الخ نازل ہوئی۔ یہ سن کر سائل مدت تک مزید سوال سے رُکے رہے ایک مدت کے بعد پھر وہی سوال کیا کہ توریت میں عجیب عجیب واقعات ہیں اس میں سے ہم کو کچھ سنایئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس وجہ نزول کی بنا پر آیت کی تفسیر اس طرح ہوگی، جو لوگ بظاہر زبان سے ایمان لے آئے ہیں، کیا ابھی ان کے لئے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے سامنے جھک جائیں۔ الخ (تفسیر مظہری)

وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا
اور نہ ہوں اُن جیسے جن کو
الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ
کتاب ملی تھی اس سے پہلے پھر دراز گذری
الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِيْرٌ
اُن پر مدت پھر سخت ہوگئے اُن کے دل اور بہت
مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۱۶﴾
اُن میں نافرمان ہیں ☆

مقام بلند ☆یعنی ایمان وہی ہے کہ دل نرم ہو۔ نصیحت اور خدا کی یاد کا اثر جلد

قبول کرے۔ شروع میں اہل کتاب یہ باتیں پیغمبروں کی صحبت میں پاتے تھے مدت کے بعد غفلت چھاتی گئی۔ دل سخت ہو گئے وہ بات نہ رہی اکثروں نے سخت سرکشی اور نافرمانیاں شروع کر دیں۔ اب مسلمانوں کی باری آئی ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کی صحبت میں رہ کر نرم دلی انقیاد کامل اور خشوع لذکر اللہ کی صفات سے متصف ہوں اور اس مقام بلند پر پہنچیں جہاں کوئی امت نہ پہنچی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ
جان رکھو کہ اللہ زندہ کرتا ہے زمین کو
بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ
اُسکے مر جانے کے بعد ہم نے کھول کر سنا دیے
الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷﴾
تم کو پتے اگر تم کو سمجھ ہے ☆

مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ☆ یعنی عرب لوگ جاہل اور گمراہ تھے جیسے مردہ زمین۔ اب اللہ نے ان کو ایمان اور علم کی روح سے زندہ کیا۔ اور ان میں سب کمال پیدا کر دیے۔ غرض کسی مردہ سے مردہ انسان کو مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ سچی توبہ کر لے تو اللہ پھر اس کے قالب میں روح حیات پھونک دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اور تلاوت سے اللہ سخت (مردہ) دلوں کو اسی طرح زندہ کر دیتا ہے جس طرح مردہ (خشک) زمین کو زندہ کرتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ اللہ مردہ زمین کو زندہ کرنے کی طرح مردہ انسانوں کو زندہ کریگا۔ اس جملہ میں دل کی قساوت سے بازداشت کی گئی ہے اور خشوع کی ترغیب دی گئی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ
تحقیق جو لوگ خیرات کرنیوالے ہیں مرد اور عورتیں
وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ
اور قرض دیتے ہیں اللہ کو اچھی طرح اُن کو ملتا ہے دونا
لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۸﴾
اور اُن کو ثواب ہے عزت کا ☆

صدقہ کا بدلہ کئی گنا ملے گا ☆ یعنی جو اللہ کے راستہ میں خالص نیت سے اس کی خوشنودی کی خاطر خرچ کریں اور غیر اللہ سے کسی بدلہ یا شکریہ کے طلبگار نہ ہوں گو یا وہ اللہ کو قرض دیتے ہیں۔ سو اطمینان رکھیں کہ ان کا دیا ہوا ضائع نہ ہوگا۔ بلکہ کئی گنا کر کے لوٹایا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

قَرْضًا حَسَنًا۔ یعنی بطیب خاطر خلوص قلب کے ساتھ اللہ کو قرض دیا۔ قرض کو حسن کی شرط سے مشروط کرنے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ صدقہ دینا وہی معتبر ہے جو خلوص قلب کے ساتھ دیا جائے۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ
اور جو لوگ یقین لائے اللہ پر اور اُس کے سب رسولوں
اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ڰ
پر وہی ہیں سچے ایمان والے
وَالشُّهَدَاۗءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ
اور لوگوں کا احوال بتلانے والے اپنے رب کے پاس اُنکے واسطے
اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۭ
ہے انکا ثواب اور انکی روشنی ☆

سچے اور پکے ایماندار ☆ مترجم محقق رحمہ اللہ نے بظاہر "اَلشُّهَدَاۗءُ" کا عطف "اَلصِّدِّيْقُوْنَ" پر مانا ہے یعنی جو لوگ اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر پوری طرح یقین لائے اور اس یقین کا اثر ان کے اعمال و احوال میں ظاہر ہونا چاہیے تو سچے اور پکے ایماندار یہی ہیں۔ اور اللہ کے ہاں یہی حضرات بطور گواہ کے دوسرے لوگوں کا حال بتائیں گے۔ کما قال "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا" (بقرۃ رکوع ۱۷) آخرۃ میں ان سچے ایمان داروں کو اپنے عمل اور درجہ ایمان کے موافق ثواب اور روشنی عطا ہوگی (آیت کی تفسیر اور بھی کئی طرح کی گئی ہے مگر رعایت اختصار انکے نقل کی اجازت نہیں دیتی)۔ (تفسیر عثمانی)

کیا ہر مؤمن صدیق و شہید ہے؟ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَاۗءُ اس آیت سے معلوم ہوا کہ صدیق و شہید ہر مؤمن کو کہا جا سکتا ہے اور حضرت قتادہؓ اور عمرو بن میمون نے اس آیت کی بناء پر فرمایا کہ ہر وہ شخص جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے وہ صدیق و شہید ہے۔

ابن جریر نے حضرت براء بن عازبؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مُؤْمِنُوْ اُمَّتِیْ شُهَدَآءُ یعنی میری اُمت کے سب مؤمن شہید ہیں اور اس کی دلیل میں آپ نے آیت مذکورہ تلاوت فرمائی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک روز اُن کے پاس کچھ حضرات صحابہ جمع تھے انہوں نے فرمایا كُلُّكُمْ صِدِّيْقٌ وَّشَهِيْدٌ یعنی تم میں سے ہر ایک صدیق بھی ہے شہید بھی لوگوں نے تعجب سے کہا کہ ابو ہریرہؓ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میری بات کا یقین نہیں آتا تو قرآن کی یہ آیت پڑھ لو۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ۔

لیکن قرآن کریم کی ایک دوسری آیت سے بظاہر یہ مستفاد ہوتا ہے کہ صدیق وشہید ہر مؤمن نہیں بلکہ مؤمنین میں سے ایک اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کو صدیق وشہید کہا جاتا ہے' آیت یہ ہے: فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ

کیونکہ اس آیت میں انبیاء کے ساتھ عام مؤمنین میں تین طبقے خصوصیت سے ذکر کیے گئے ہیں' صدیقین' شہداء اور صالحین' اور ظاہر اس سے یہ ہے کہ ان تینوں کے مفہوم اور مصداق میں فرق ہے' ورنہ تینوں کو الگ الگ کہنے کی ضرورت نہ ہوتی' اسی لئے بعض حضرات نے فرمایا کہ صدیقین وشہداء تو دراصل مؤمنین کے مخصوص اعلیٰ طبقات کے لوگ ہیں' جو بڑی صفات عالیہ کے حامل ہیں' یہاں سب مؤمنین کو صدیق وشہید فرمانے کا حاصل یہ ہے کہ ہر مومن بھی ایک حیثیت سے صدیقین وشہداء کے حکم میں ہے اور اُن کے زمرہ میں لاحق سمجھا جائے گا۔

اور روح المعانی میں ہے کہ مناسب یہ ہے کہ اس آیت میں الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مراد وہ مؤمن لئے جاویں جو ایمان کامل رکھتے ہیں اور طاعات کے پابند ہیں' ورنہ وہ مؤمن جو شہوات اور غفلت میں منہمک ہو اس کو صدیق و شہید نہیں کہا جاسکتا۔

اس کی تائید اُس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَللَّعَّانُوْنَ لَا يَكُوْنُوْنَ شُهَدَآءَ یعنی لوگوں پر لعنت کرنے والے شہداء میں شامل نہ ہوں گے' اور حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک مرتبہ لوگوں سے فرمایا کہ "تمہیں کیا ہوگیا کہ تم دیکھتے ہو کہ کوئی آدمی لوگوں کی عزت وآبرو کو مجروح کرتا ہے اور تم اس کو نہ روکتے ہو نہ کوئی برا مانتے ہو' ان حضرات نے عرض کیا کہ ہم اس کی بدزبانی سے ڈرتے ہیں کہ ہم کچھ بولیں گے تو وہ ہماری بھی عزت وآبرو پر حملہ کرے گا' حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا اگر یہ بات ہے تو تم لوگ شہداء نہیں ہوسکتے" ابن اثیر نے یہ روایت نقل کر کے اس کا مطلب یہ بتلایا کہ ایسی مداہنت کرنے والے اُن شہداء میں شامل نہیں ہوں گے جو قیامت کے روز انبیاء سابقین کی امتوں کے مقابلہ میں شہادت دیں گے (روح المعانی)

تفسیر مظہری میں ہے کہ اس آیت میں الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مراد صرف وہ حضرات ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایمان لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مشرف ہوئے۔

اور آیت میں لفظ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ جو کلمہ حصر ہے یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ صدیقیت صحابۂ کرام میں منحصر ہے' حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ صحابۂ کرام سب کے سب کمالات نبوت کے حامل تھے' جس شخص نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان کے ساتھ دیکھ لیا' وہ کمالات نبوت میں مستغرق ہوگیا' واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم' (معارف مفتی اعظم)

بعض حضرات نے یہاں شہید کا ترجمہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والا ہی کیا ہے اور اس کا قرینہ یہ سمجھا کہ آیت کریمہ "اُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ" میں صدیق کے بعد شہید کا ذکر کیا گیا ہے اور صدیقیت کے مقام کے بعد مقام شہادت ہے تو اس لحاظ سے وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ کا مفہوم خدا کے لئے اپنی جان قربان کرنا اور اپنے رب کے یہاں شہید ہونا بیان کیا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

"صدیق" کا ایک مخصوص معنی اور نو صدیق

لفظ صدیق کا اطلاق ایک اور معنی پر بھی ہوتا ہے جو بہت ہی زیادہ خاص ہے اور اسی معنی کے لحاظ سے حضرت علیؓ نے فرمایا تھا' میں ہی سب سے بڑا صدیق ہوں میرے بعد صرف جھوٹا ہی ایسی بات (یعنی صدیق اکبر ہونے کا دعویٰ) کرسکتا ہے' اسی معنی کے پیش نظر ضحاک نے کہا کہ اس امت میں ایسے (صدیق) آٹھ تھے جو اپنے زمانے میں تمام روئے زمین کے باشندوں سے پہلے ایمان لائے تھے۔ ابوبکرؓ' علیؓ' زیدؓ' عثمانؓ' طلحہؓ' زبیرؓ' سعدؓ' حمزہؓ اور نویں ایک اور تھے جن کی نیت کے خلوص کی وجہ سے اللہ نے ان کو ان آٹھ کے ساتھ شامل کردیا یعنی عمرؓ بن خطاب۔ شامل کردینے کا یہ مطلب ہے کہ مذکورہ حضرات سے چھ سال بعد نویں شخص کو صدیق بنادیا۔ یہ معنی نہیں کہ کم درجہ والے کو اعلیٰ مرتبہ والوں کے ساتھ (ذیلی طور پر شامل کردیا' کیونکہ حضرت عمرؓ کا درجہ تو سوائے حضرت ابوبکرؓ کے باقی تمام صحابہ سے بلند تھا)۔ (تفسیر مظہری)

صدیق اور شہید کا درجہ: صدیق کا درجہ شہید سے یقیناً بڑا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جنتی لوگ اپنے سے اوپر کے بالاخانے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے چمکتے ہوئے مشرقی یا مغربی ستارے کو تم آسمان کے کنارے پر دیکھتے ہو۔ لوگوں نے کہا یہ درجے تو صرف انبیاء کے ہوں

گے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں قسم ہے اُس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی (بخاری ومسلم) ایک غریب حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شہید اور صدیق دونوں وصف اس آیت میں اسی مؤمن کے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری امت کے مؤمن شہید ہیں۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت کی تلاوت کی۔حضرت عمرو بن میمون کا قول ہے یہ دونوں ان دونوں انگلیوں کی طرح قیامت کے دن آئیں گے۔بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے شہیدوں کی روحیں سبز رنگ پرندوں کے قالب میں ہوں گی۔جنت میں جہاں چاہیں کھاتی پیتی پھریں گی اور رات کو قندیلوں میں سہارا لیں گی ان کے رب نے ان کی طرف دیکھا اور پوچھا تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا یہ کہ تو ہمیں دنیا میں دوبارہ بھیج تاکہ ہم پھر تیری راہ میں جہاد کریں اور شہادت حاصل کریں۔اللہ نے جواب دیا یہ تو میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ کوئی لوٹ کر پھر دنیا میں نہیں جائے گا۔پھر فرماتا ہے کہ انہیں اجر و نور ملے گا۔جو نور ان کے سامنے رہے گا اور ان کے اعمال کے مطابق ہوگا مسند احمد کی حدیث میں ہے شہیدوں کی چار قسمیں ہیں وہ پکے ایمان دار مؤمن جو دشمن خدا سے بھڑ گیا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اس کا وہ درجہ ہے کہ اہل محشر اس طرح سر اٹھا اٹھا کر اس کی طرف دیکھیں گے اور یہ فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر اپنا سر بلند کیا کہ ٹوپی نیچے گر گئی۔اور اس حدیث کے راوی حضرت عمرؓ نے بھی اسے بیان کرنے کے وقت اتنا ہی اپنا سر بلند کیا کہ آپ کی ٹوپی بھی زمین پر جا پڑی۔دوسرا وہ جو ہے ایماندار نکلا جہاد میں لیکن دل میں جرأت کم ہے کہ یکا یک تیر آ لگا اور روح پرواز کر گئی۔یہ دوسرے درجہ کا جنتی ہے شہید ہے۔تیسرا وہ جس کے بھلے برے اعمال تھے لیکن رب نے اسے پسند فرمالیا اور میدان جہاد میں کفار کے ہاتھوں شہادت نصیب ہوئی یہ تیسرے درجے میں ہے۔چوتھا وہ جس کے گناہ بہت زیادہ ہیں جہاد میں نکلا اور خدا نے شہادت نصیب فرما کر اپنے پاس بلوالیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ

اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلایا ہماری باتوں کو

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۹﴾

وہ ہیں دوزخ کے لوگ ☆

☆ یعنی دوزخ اصل میں ان ہی کے لیے بنی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۔یعنی وہ ہی ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے دوسرے لوگ دوامی دوزخی نہیں ہوں گے۔ترکیب جملہ حصر پر دلالت کر رہی ہے اور صاحب الجحیم ہونا بتا رہا ہے کہ دوزخ سے وہ جدا نہیں ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

جان رکھو کہ دنیا کی زندگانی یہی ہے

لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّ

کھیل اور تماشا اور بناؤ اور

تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى

بڑائیاں کرنی آپس میں اور بہتایت ڈھونڈنی

الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ

مال کی اور اولاد کی جیسے حالت

غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ

ایک مینہ کی جو خوش لگا کسانوں کو اُس کا سبزہ

ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا

پھر زور پر آتا ہے پھر تو دیکھے زرد ہو گیا

ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِى الْاٰخِرَةِ

پھر ہو جاتا ہے روندا ہوا گھاس اور آخرت میں

عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ

سخت عذاب ہے اور معافی بھی ہے

مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا

اللہ سے اور رضا مندی اور

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ

دنیا کی زندگانی تو یہی ہے مال

الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾

دغا کا ☆

ایمان و عمل صالح کے علاوہ سب فانی ہے

☆ آدمی کو اول عمر میں کھیل چاہیے' پھر تماشا' پھر بناؤ سنگار (اور فیشن) پر ساکھ بڑھانا' اور نام و نمود حاصل کرنا' پھر موت کے دن قریب آئیں تو مال و اولاد کی فکر کہ پیچھے میرا گھر بار بنا رہے اور اولاد آسودگی سے بسر کرے۔ مگر یہ سب ٹھاٹھ سامان فانی اور زائل ہیں۔ جیسے کھیتی کی رونق و بہار چند روزہ ہوتی ہے پھر زرد پڑ جاتی ہے اور آدمی اور جانور اس کو روندکر چورا کر دیتے ہیں۔ اس شادابی اور خوبصورتی کا نام ونشان نہیں رہتا۔ یہی حال دنیا کی زندگانی اور اس کے ساز و سامان کا سمجھو کہ وہ فی الحقیقت ایک دغا کی پونجی اور دھوکے کی ٹٹی ہے۔ آدمی اسکی عارضی بہار سے فریب کھا کر اپنا انجام تباہ کر لیتا ہے۔ حالانکہ موت کے بعد یہ چیزیں کام آنیوالی نہیں وہاں کچھ اور ہی کام آئیگا۔ یعنی ایمان اور عمل صالح۔ جو شخص دنیا سے یہ چیز کما کر لے گیا' سمجھو بیڑا پار ہے۔ آخرت میں اس کے لیے مالک کی خوشنودی و رضامندی۔ اور جو دولت ایمان سے تہی دست رہا اور کفر و عصیان کا بوجھ لیکر پہنچا اس کے لیے سخت عذاب اور جس نے ایمان کے باوجود اعمال میں کوتاہی کی اس کے لیے جلد یا بدیر دھکے کھا کر معافی ہے۔ دنیا کا خلاصہ وہ تھا' آخرت کا یہ ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

اَلْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۔ یعنی حیات دنیا کی وہ مرغوبات جو منافع آخرت کے حصول کا ذریعہ نہیں ہیں۔

لَعِبٌ ۔ یعنی بے فائدہ ہیں۔ منافع آخرت کے مقابلہ میں ہیچ ہیں جلد فنا ہو جانے والی ہیں۔ گویا کھیل ہیں۔

وَلَهْوٌ ۔ اور دل کا بہلاوا ہیں' اہم امور اُخرویہ سے روکنے اور غافل بنانے والی ہیں۔

وَزِيْنَةٌ ۔ اور ظاہری سجاوٹ ہے جیسے خوبصورت بڑھیا۔ لباس۔ اعلیٰ سواریاں اور اونچے مکان وغیرہ۔

وَتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ ۔ نسب (طاقت' مال وغیرہ) پر بے جا تفاخر ہے جس کا اللہ کے نزدیک کوئی درجہ نہیں۔

وَتَكَاثُرٌ ۔ اور مال و اولاد کی کثرت پر باہمی مقابلہ ہے۔ ایک کا دوسرے پر تفاخر ہے (بس اس کا نام دنیوی زندگی ہے۔ اس کو خوب جان لو)

كَمَثَلِ غَيْثٍ الخ۔ امور دنیا کی بے ثباتی۔ سرعت زوال اور قلیل المنفعت ہونے کی یہ تمثیل ہے۔ کافروں کا مطمح نظر صرف ظاہری روئیدگی و بالیدگی ہوتی ہے اور اس کے آگے ان کی نظر نہیں جاتی اس لئے اَعْجَبَ الْكُفَّارَ ' فرمایا' لیکن مؤمن جب کوئی تعجب آگیں چیز دیکھتا ہے تو اس کی نگاہ قادر مطلق کی قدرت کا مشاہدہ کرتی ہے۔ وہ دنیوی زندگی کی ٹیپ ٹاپ کو نہیں دیکھتا بلکہ محاسن آخرت کی طرف اس کا ذہنی انتقال ہوتا ہے۔

وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۔ یعنی اللہ کے دشمنوں کے لئے آخرت میں عذاب شدید ہوگا' کیونکہ وہ دنیوی زندگی میں لہو و لعب میں مشغول تھے اور آخرت میں جو امور ان کے لئے فائدہ رساں ہو سکتے تھے یا ان سے غافل تھے۔

وَرِضْوَانٌ ۔ یعنی اللہ کے دوستوں کے لئے کیوں کہ وہ اس فریب گاہ ہستی سے دور رہتے تھے اور آخرت کے عیش دوامی کو حاصل کرنے کے لئے ایسے امور کی تیاری میں منہمک رہتے تھے جو آخرت میں ان کے لئے مفید تھے۔ (تفسیر مظہری)

وقت گذر جاتا ہے تو آنکھیں کھلتی ہیں

انسان پر جتنے دور اس ترتیب سے آتے ہیں غور کرو تو ہر دور میں وہ اپنے اسی حال پر قانع اور اسی کو سب سے بہتر جانتا ہے' جب ایک دور سے دوسرے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے تو سابقہ دور کی کمزوری اور لغویت سامنے آ جاتی ہے۔

انسانی زندگی کی مثال: اس مثال کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ کھیتی اور دوسری نباتات پھول پھلواریاں جب ہری بھری ہوتی ہیں تو سب دیکھنے والے خصوصاً کفار بڑے خوش اور مگن نظر آتے ہیں' مگر آخر کار پھر وہ خشک ہونا شروع ہوتی ہے' پہلے زرد پیلی پڑ جاتی ہے پھر بالکل خشک ہو کر چورا چورا ہو جاتی ہے' یہی مثال انسان کی ہے کہ شروع میں تر و تازہ حسین خوب صورت ہوتا ہے' بچپن سے جوانی تک کے مراحل اسی حال میں طے کرتا ہے' مگر آخر کار بڑھاپا آ جاتا ہے جو آہستہ آہستہ بدن کی تازگی اور حسن و جمال سب ختم کر دیتا ہے' اور بالآخر مر کر مٹی ہو جاتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ
دوڑو اپنے رب کی معافی کی
رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ
طرف کو اور بہشت کو ☆

مغفرت کا سامان کرلو ☆ یعنی موت سے پہلے وہ سامان کر لو جس سے کوتاہیاں معاف ہوں اور بہشت ملے اس کام میں سستی اور دیر کرنا مناسب نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ
جس کا پھیلاؤ ہے جیسے پھیلاؤ آسمان
وَالْاَرْضِ ۙ
اور زمین کا ☆

جنت کا احاطہ ☆ یعنی آسمان اور زمین دونوں کو اگر ملا کر رکھا جائے تو اس کی برابر جنت کا عرض ہوگا طول کتنا ہوگا؟ یہ اللہ ہی جانے۔ (تفسیر عثمانی)

اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ
تیار رکھی ہے واسطے اُن کے جو یقین لائے اللہ پر اور اسکے رسولوں پر'
ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ
یہ فضل اللہ کا ہے دے اُس کو جس کو چاہے اور اللہ کا
ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٢١﴾
فضل بڑا ہے ☆

اصل چیز فضل الٰہی ☆ یعنی ایمان و عمل بیشک حصول جنت کے اسباب ہیں۔ لیکن حقیقت میں ملتی ہے اللہ کے فضل سے اس کا فضل نہ ہو تو سزا سے چھوٹنا ہی مشکل ہے جنت ملنے کا تو ذکر کیا۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ الخ۔ یعنی جنت میں داخل کرنا اللہ کی مہربانی ہے۔ اللہ جس کو چاہے گا اپنی مہربانی سے نوازے گا۔ اللہ پر کسی کا وجوبی حق نہیں ہے' بلکہ عطائے جنت کا اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے اس لئے ضروری ہے (اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا)۔

اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کرو: ابو نعیم نے حضرت علی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے بنی اسرائیل میں سے ایک نبی کے پاس وحی بھیجی' اپنی امت کے ان لوگوں سے جو میرے فرمانبردار ہیں کہہ دو کہ اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کریں۔ کیونکہ قیامت کے دن جس کو میں حساب کے لئے کھڑا کروں گا اور اس کو عذاب دینا چاہوں گا تو (حساب فہمی میں سختی اور خوردہ گیری کر کے) اس کو عذاب ضرور دوں گا اور اپنی امت کے گنہگاروں سے کہہ دو کہ وہ خود اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالیں (یعنی میری رحمت سے مایوس نہ ہوں) میں بڑے بڑے گناہ بخش دوں گا اور مجھے کچھ پرواہ نہ ہوگی۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کو اس کا (نیک) عمل (دوزخ سے) نہیں بچائے گا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کو بھی نہیں فرمایا (ہاں) مجھے بھی نہیں۔ سوائے اس کے کہ اللہ اپنی رحمت اور فضل سے مجھے ڈھانک لے۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' سیدھی چال رکھو لگے لگے چلو (اور بشارت پاؤ) خوش رہو' کسی کا عمل اس کو جنت میں نہیں لے جائیگا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ بھی (اپنے عمل سے جنت میں نہیں جائیں گے) فرمایا' اور نہ میں سوائے اس کے کہ اللہ مغفرت اور رحمت سے ڈھانک لے۔ مسلم نے بھی حضرت جابر کی روایت سے ایسی حدیث بیان کی ہے۔

جنت کا داخلہ فضل سے ہوگا: جنت کے اندر مراتب اور درجات مختلف ہیں' تفاوت درجات اعمال کے تفاوت پر مبنی ہے' لیکن جنت کے اندر ابتدائی داخلہ اور وہاں دوامی قیام محض اللہ کے فضل و رحمت سے ہوگا۔ اس کی تائید حضرت ابن مسعودؓ کے اس قول سے ہوتی ہے جس کو ہناد نے الزہد میں نقل کیا ہے کہ تم لوگ پل صراط سے بعفوِ خدا گذر جاؤ گے اور اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور جنت کے مکانوں میں اپنے اپنے اعمال کے مطابق قیام کرو گے۔ (تفسیر مظہری)

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي
کوئی آفت نہیں پڑتی
الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا
ملک میں اور نہ تمہاری جانوں میں جو لکھی نہ
فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ
ہو ایک کتاب میں پہلے اس سے کہ پیدا کریں ہم اُسکو دنیا میں ☆

علم الٰہی ☆ ملک میں جو عام آفت آئے مثلاً قحط' زلزلہ وغیرہ اور خود تم کو جو مصیبت لاحق ہو مثلاً مرض وغیرہ وہ سب اللہ کے علم میں قدیم سے طے شدہ ہے اور لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ اسی کے موافق دنیا میں ظہور ہو کر رہے گا۔ ایک ذرہ بھر کم و بیش یا پس و پیش نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

مِنْ مُّصِيْبَةٍ۔ کوئی مصیبت جیسے قحط اور دوسری (ارضی) آفات۔

وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ۔ جیسے بیماری اور احباب کی موت۔

فِيْ كِتٰبٍ۔ یعنی لوح محفوظ میں لکھی ہوئی اور اللہ کے علم میں پہلے سے موجود ہے۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا۔ یعنی مصائب کو یا زمین کو یا نفوس کو پیدا کرنے سے پہلے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿٢٢﴾
بیشک یہ اللہ پر آسان ہے ☆

☆یعنی اللہ کو ہر چیز کا علم ذاتی ہے، کچھ محنت سے حاصل کرنا نہیں پڑا۔ پھر اپنے علم محیط کے موافق تمام واقعات و حوادث کو قبل از وقوع کتاب (لوح محفوظ) میں درج کر دینا اس کے لیے کیا مشکل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ
تا کہ تم غم نہ کھایا کرو اُس پر جو ہاتھ نہ آیا
وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ
اور نہ شیخی کیا کرو اُس پر جو تم کو اُس نے دیا☆

نہ ملے تو صبر اور مل جائے تو شکر کرو

یعنی اس حقیقت پر اس لیے مطلع کر دیا کہ تم خوب سمجھ لو کہ جو بھلائی تمہارے لیے مقدر ہے ضرور پہنچ کر رہے گی اور جو مقدر نہیں وہ کبھی ہاتھ نہیں آ سکتی جو کچھ اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں ٹھہر چکا ہے ویسا ہی ہو کر رہے گا۔ لہٰذا جو فائدہ کی چیز ہاتھ نہ لگے اس پر غمگین و مضطرب ہو کر پریشان نہ ہو اور جو قسمت سے ہاتھ لگ جائے اس پر اکڑو اور اتراؤ نہیں بلکہ مصیبت و ناکامی کے وقت صبر و تسلیم اور راحت و کامیابی کے وقت شکر و تحمید سے کام لو۔ (تنبیہ) پہلے اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ الخ میں بتلایا تھا کہ دنیا کے سامانِ عیش و طرب میں پڑ کر آدمی کو آخرت سے غافل نہ ہونا چاہیے۔ آیت ہٰذا میں متنبہ فرما دیا کہ یہاں کی تکالیف و مصائب میں گھر کر چاہیے کہ حد اعتدال سے تجاوز نہ کرے۔ (تفسیر عثمانی)

غم نہ ہونے سے مراد ہے ایسا غم نہ ہونا جو اللہ کے حکم پر راضی ہونے اور صبر کرنے سے مانع ہو (فطری غم مراد نہیں ہے۔ فوت نعمت کا فطری تاثر تو ہوتا ہی ہے) اسی طرح فرح نہ ہونے سے مراد ہے وہ مسرت جو غرور اور اکڑ پیدا کر دے جس کی وجہ سے آدمی اترا جائے (فطری مسرت نہ ہونا مراد نہیں ہے) اسی لیے آگے فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ ہر انسان طبعی طور پر بعض چیزوں سے خوش ہوتا ہے بعض سے غمگین، لیکن ہونا یہ چاہیے کہ جس کو کوئی مصیبت پیش آوے وہ اس پر صبر کر کے آخرت کا اجر و ثواب کمائے اور جو کوئی راحت و خوشی پیش آئے وہ اس پر شکر گزار ہو کر اجر و ثواب حاصل کرے (رواہ الحاکم و صححہ از روح) (معارف القرآن مفتی اعظم)

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝۲۳
اور اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی اِترانے والا بڑائی مارنیوالا

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَأْمُرُوْنَ النَّاسَ
وہ جو کہ آپ نہ دیں اور سکھلائیں لوگوں کو
بِالْبُخْلِ
بھی نہ دینا☆

متکبر مالداروں کی حالت ☆اکثر متکبر مالداروں کی حالت یہ ہی ہوتی ہے کہ بڑائی اور شیخی تو بہت ماریں گے مگر خرچ کرنے کے نام پر پیسہ جیب سے نہ نکلے گا۔ کسی اچھے کام میں خود دینے کی توفیق نہ ہو گی اور اپنے قول و فعل سے دوسروں کو بھی یہ ہی سبق پڑھائیں گے۔ موقع پر بڑھ کر خرچ کرنا متوکلوں اور ہمت والوں کا کام ہے جو پیسہ سے محبت نہیں کرتے' اور جانتے ہیں کہ سختی اور نرمی سب اسی مالک علی الاطلاق کی طرف سے ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اللہ کی عطا کردہ نعمتوں پر مغرور ہو جائے اور دوسروں پر فخر جتانے لگے۔ حضرت جعفرؒ صادق نے فرمایا' اے ابن آدم تو کیوں ایسی چیز کو مفقود ہونے پر افسوس کرتا ہے جو دست فوت تجھے واپس نہیں دے گا اور کیوں ایسی چیز پر اتراتا ہے جو تیرے پاس موجود ہے کیونکہ موت اس کو تیرے پاس رہنے نہ دے گی۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ
اور جو کوئی منہ موڑے تو اللہ آپ ہے بے پرواہ
الْحَمِيْدُ ۝۲۴
سب خوبیوں کے ساتھ موصوف☆

اللہ کو تمہارے مال کی ہرگز ضرورت نہیں ہے

☆یعنی تمہارے خرچ کرنے یا نہ کرنے سے اس کو کوئی فائدہ یا نقصان نہیں پہنچتا وہ تو بے نیاز اور بے پرواذات ہے تمام خوبیاں اعلیٰ وجہ الکمال اس کی ذات میں جمع ہیں۔ تمہارے کسی فعل سے اس کی کسی خوبی میں اضافہ نہیں ہوتا جو کچھ نفع نقصان ہے تمہارا ہے خرچ کرو گے خود فائدہ اٹھاؤ گے نہ کرو گے گھاٹے میں رہو گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ يَّتَوَلَّ ۔ یعنی جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے اعراض کرے گا' کترائے گا۔

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ ۔ اس سے یعنی اس کے اعراض سے اور راہِ خدا میں خرچ نہ کرنے سے اللہ بے پرواہ ہے اور شکر نعمت جو موجب تقرب ہے اس سے بھی اللہ

غنی ہے نہ اول سے اللہ کو کوئی ضرر پہنچتا ہے نہ دوسرے سے اس کو کوئی فائدہ ہے۔

اَلْحَمِیْدُ۔ یعنی اللہ بذاتہ مستحق حمد ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ
ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں
وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ
دیکر اور اُتاری اُن کے ساتھ کتاب اور ترازو
لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ
تا کہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر ☆

علم وعمل میں ظاہر وباطن میں سیدھی راہ چلو

☆ کتاب اور ترازو۔ شاید اسی تولنے کی ترازو کو کہا کہ اس کے ذریعہ سے بھی حقوق ادا کرنے میں اور لین دین میں بھی انصاف ہوتا ہے یعنی کتاب اللہ اس لیے اتاری کہ لوگ عقائد اور اخلاق و اعمال میں سیدھے انصاف کی راہ چلیں، افراط وتفریط کے راستہ پر قدم نہ ڈالیں اور ترازو اس لیے پیدا کی بیع وشرا وغیرہ معاملات میں انصاف کا پلہ کسی طرف اٹھا' یا جھکا نہ رہے اور ممکن ہے "ترازو" شریعت کو فرمایا ہو جو تمام اعمال قلبیہ وقالبیہ کے حسن وقبح کو ٹھیک جانچ تول کر بتلاتی ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

ترازو: بعض لوگوں کا قول ہے کہ حضرت جبرئیلؑ ترازو لے کر نازل ہوئے تھے اور حضرت نوحؑ کو وہ ترازو دی تھی تا کہ وہ اپنی امت کو ترازو سے تولنے کا حکم دے دیں۔

میزان اصل میں اس آلہ کو کہا جاتا ہے' جس سے کسی چیز کا وزن کیا جائے' جس کی عام صورت ترازو ہے' اور مروّجہ ترازو کے علاوہ مختلف چیزوں کے وزن تولنے کے لئے جو دوسرے مختلف قسم کے آلات ایجاد ہوتے رہتے ہیں' وہ بھی میزان کے مفہوم میں داخل ہیں' جیسے آجکل روشنی' ہوا وغیرہ کے ناپنے والے آلات ہیں۔

کتاب اور میزان کے بعد ایک تیسری چیز کو نازل کرنے کا ذکر ہے' یعنی حدید (لوہا) اس کے نازل کرنے کا مطلب بھی اس کو پیدا کرنا ہے' جیسا کہ قران کریم کی ایک آیت میں چوپایہ جانوروں کے متعلق بھی لفظ انزال استعمال فرمایا ہے۔ حالانکہ وہ کہیں آسمان سے نازل نہیں ہوتے' زمین پر پیدا ہوتے ہیں' آیت یہ ہے وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ۔ یہاں باتفاق اَنْزَلْنَا سے مراد خَلَقْنَا ہے۔ یعنی تخلیق کو انزال کے لفظ سے تعبیر کر دیا ہے۔ جس میں اشارہ اس طرف پایا جاتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب اس اعتبار سے منزل من السماء ہے کہ اس کے پیدا ہونے سے بھی بہت پہلے وہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا تھا' (روح) (تفسیر مظہری)

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ
اور ہم نے اتارا لوہا ☆

☆ یعنی اپنی قدرت سے پیدا کیا اور زمین میں اس کی کانیں رکھ دیں۔ (تفسیر عثمانی)

چار برکتیں: حضرت ابن عمر کی مرفوع روایت میں آیا ہے کہ اللہ نے چار برکتیں آسمان سے زمین پر نازل فرمائی ہیں۔ لوہا' آگ' پانی' نمک (یعنی وہ چیزیں خیر کثیر کی حامل ہیں۔ مترجم)۔

اہل معانی نے لکھا ہے کہ اتارنے سے مراد ہے پیدا کرنا اللہ نے کانوں سے لوہا برآمد کیا اور وحی کے ذریعہ سے لوہے کی مصنوعات کی صنعت لوگوں کو سکھائی۔ (تفسیر مظہری)

میزان اور حدید کا کام: میزان ان حدود کو بتلاتی ہے جن سے انصاف کیا جاتا ہے' مگر سرکش معاند جو نہ کسی دلیل سے مانتا ہے نہ ترازو کی تقسیم کے مطابق عمل کرنے کو تیار ہے' اگر اس کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ دنیا میں عدل وانصاف قائم نہ ہونے دے گا' اس کو پابند کرنا لوہے اور تلوار کا کام ہے جو حکومت وسیاست کرنے والے آخر میں بدرجۂ مجبوری استعمال کرتے ہیں۔

اصل تعلیم وتربیت ہے

جنگ بحالت مجبوری جائز ہے

قرآن کریم نے دنیا میں عدل وانصاف کرنے کے لئے دو چیزوں کو تو اصل قرار دیا' ایک کتاب' دوسرے میزان' کتاب سے حقوق کی ادائیگی اور اس میں کمی بیشی کی ممانعت کے احکام معلوم ہوتے ہیں' اور میزان سے وہ حصے متعین ہوتے ہیں جو دوسروں کے حقوق ہیں' انہی دونوں چیزوں کے نازل کرنے کا مقصد لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ قرار دیا ہے' حدید کا ذکر اس کے بعد آخر میں فرمایا جس میں اشارہ ہے کہ اقامتِ عدل وانصاف کیلئے لوہے کا استعمال بدرجۂ مجبوری ہے' وہ اصل ذریعۂ اقامت عدل وانصاف کا نہیں ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ خلق خدا کی اصل اصلاح اور ان کا عدل وانصاف پر قائم کرنا درحقیقت ذہنوں کی تربیت اور تعلیم سے ہوتا ہے' حکومت کا زور زبردستی دراصل اس کام کے لئے نہیں' بلکہ راستہ سے رکاوٹ دُور کرنے کے لئے بدرجۂ مجبوری ہے' اصل چیز ذہنوں کی تربیت اور تعلیم وتلقین ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

جنگ کا مقصد: امام ابوداؤدؒ نے ایک حدیث بروایت عبداللہ بن عمر بیان فرمائی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "بعثت بالسيف بين يدي الساعة حتى يعبد الله وحده لا شريك له" الخ میں مبعوث کیا گیا ہوں تلوار دیکر جہاد مع الکفار کے لئے قیامت سے پہلے اور اس کا مامور ہوں کہ جہاد کرتا رہوں تا آنکہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت و بندگی کی جانے لگے اور میرا رزق میرے تیروں کے سایہ میں بنایا گیا ہے اور ذلت و ناکامی ان لوگوں کے حق میں طے کر دی گئی ہے جو میرے حکم کی نافرمانی کریں۔

جنت سے آئی ہوئی تین چیزیں: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں تین چیزیں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت سے آئیں نہائی۔ سنسی اور ہتھوڑا (ابن جریر) (تفسیر ابن کثیر)

فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ
اُس میں سخت لڑائی ہے اور لوگوں کے کام چلتے ہیں ☆

☆ یعنی لوہے سے لڑائی کے سامان (اسلحہ وغیرہ) تیار ہوتے ہیں اور لوگوں کے بہت سے کام چلتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ
اور تاکہ معلوم کرے اللہ کون مدد کرتا ہے اُسکی اور اُسکے رسولوں کی
بِالْغَيْبِ
بن دیکھے ☆

جہاد کھوٹے اور کھرے کی کسوٹی ہے

☆ یعنی جو آسمانی کتاب سے راہ راست پر نہ آئیں اور انصاف کی ترازو کو دنیا میں سیدھا نہ رکھیں ضرورت پڑے گی کہ ان کی گوشمالی کی جائے اور ظالم و کجرو معاندین پر اللہ و رسول کے احکام کا وقار و اقتدار قائم رکھا جائے اسوقت شمشیر کے قبضہ پر ہاتھ ڈالنا اور ایک خالص دینی جہاد میں اسی لوہے سے کام لینا ہوگا۔ اس وقت کھل جائے گا کہ کون سے وفادار بندے ہیں جو بن دیکھے خدا کی محبت میں آخرت کے غائبانہ اجر و ثواب پر یقین کر کے اس کے دین اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢٥﴾
بیشک اللہ زور آور ہے زبردست ☆

☆ یعنی جہاد کی تعلیم و ترغیب اس لیے نہیں دی گئی کہ اللہ کچھ تمہاری امداد و اعانت کا محتاج ہے۔ بھلا اس زور آور اور زبردست ہستی کو کمزور مخلوق کی کیا حاجت ہو سکتی تھی۔ ہاں تمہاری وفاداری کا امتحان مقصود ہے تا جو بندے اس میں کامیاب ہوں ان کو اعلیٰ مقامات پر پہنچایا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

لوگوں کو جہاد کا حکم اس نے صرف اس لئے دیا ہے کہ لوگ اللہ کی رضا مندی حاصل کریں اور تعلیم حکم کر کے ثواب کے مستحق بن جائیں اور دین کو غلبہ حاصل ہو جائے یا مجاہدوں کو شہادت کا درجہ مل جائے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَ
اور ہم نے بھیجا نوح کو اور ابراہیم کو اور
جَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ
ٹھہرا دی دونوں کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب

حضرت نوح اور حضرت ابراہیمؑ کی فضیلت

☆ یعنی پیغمبری اور کتاب کیلئے ان دونوں کی نسل کو چن لیا کہ ان کے بعد یہ دولت ان کی ذریت سے باہر نہ جائیگی۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کو رسول بنا کر بھیجنے کی صراحت اس لئے فرما دی کہ عام پیغمبروں پر ان دونوں کو فضیلت حاصل تھی اور ان دونوں کی نسل بھی بہت زیادہ پھیلی (اور پھلی)۔

توریت، انجیل، زبور اور قرآن حضرت ابراہیمؑ کی نسل پر نازل کیے گئے اور حضرت ابراہیمؑ حضرت نوحؑ کی نسل سے تھے۔ (تفسیر مظہری)

فَمِنْهُمْ مُهْتَدٍ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٢٦﴾
پھر کوئی اُن میں راہ پر ہے اور بہت اُن میں نافرمان ہیں ☆

☆ جن لوگوں کی طرف وہ بھیجے گئے تھے یا یوں کہو کہ ان دونوں کی اولاد میں سے بعضے راہ پر رہے اور اکثر نافرمان ثابت ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَى آثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا
پھر پیچھے بھیجے اُن کے قدموں پر اپنے رسول ☆

تمام رسولوں کی تعلیم ایک تھی ☆ یعنی پچھلے رسول انہی پہلوں کے نقش قدم پر تھے۔ اصولی حیثیت سے سب کی تعلیم ایک تھی۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ

اور پیچھے بھیجا ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو اور اُسکو ہم نے

الْاِنْجِيْلَ ۙ

دی انجیل ☆

یعنی آخر میں انبیائے بنی اسرائیل کے خاتم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل دے کر بھیجا۔ (تفسیر عثمانی)

بنی اسرائیل میں حق و باطل کی کشمکش:

ابن ابی حاتم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو پکارا۔ آپ نے لبیک کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو! بنی اسرائیل کے بہتر گروہ ہو گئے جن میں سے تین نے نجات پائی۔ پہلے فرقہ نے تو بنی اسرائیل کی گمراہی دیکھ کر ان کی ہدایت کے لئے اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر ان کے بڑوں کو تبلیغ شروع کی لیکن آخر وہ لوگ جدال و قتال پر اتر آئے اور بادشاہ اور امراء نے جو اس تبلیغ سے بہت گھبراتے تھے ان پر لشکر کشی کی اور انہیں قتل بھی کیا اور قید بھی کیا۔ ان لوگوں نے تو نجات حاصل کر لی۔ پھر دوسری جماعت کھڑی ہوئی ان میں مقابلے کی طاقت تو نہ تھی تاہم اپنے دین کی قوت سے سرکشوں اور بادشاہ کے دربار میں حق گوئی شروع کی اور خدا کے سچے دین اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مسلک اصلی کی طرف انہیں دعوت دینے لگے، ان بدنصیبوں نے انہیں قتل بھی کرایا آروں سے بھی چیرا اور آگ میں بھی جلایا، جسے اس جماعت نے صبر و شکر کے ساتھ برداشت کیا اور نجات حاصل کی۔ پھر تیسری جماعت اٹھی یہ ان سے بھی زیادہ کمزور تھے ان میں طاقت نہ تھی کہ اصل دین کے احکام کی تبلیغ ان ظالموں میں کریں اس لئے انہوں نے اپنے دین کا بچاؤ اسی میں سمجھا کہ جنگلوں میں نکل جائیں اور پہاڑوں پر چڑھ جائیں عبادت میں مشغول ہو جائیں اور دنیا کو ترک کر دیں اور انہی کا ذکر رہبانیت والی آیت میں ہے۔ یہی حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے اس میں بہتر فرقوں کا بیان ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ اجر انہیں ملے گا جو مجھ پر ایمان لائیں اور میری تصدیق کریں اور ان میں کے اکثر جو فاسق ہیں وہ وہ ہیں جو مجھے جھٹلائیں اور میرا اخلاف کریں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے بادشاہوں نے حضرت عیسیٰؑ کے بعد توریت و انجیل میں تبدیلیاں کر لیں۔ لیکن ایک جماعت ایمان پر قائم رہی اور اصلی تورات و انجیل اس کے ہاتھ میں رہی جسے وہ تلاوت کیا کرتے تھے ایک مرتبہ اُن لوگوں نے جنہوں نے کتاب اللہ میں ردو بدل کر لیا تھا اپنے بادشاہوں سے ان سچے مؤمنوں کی شکایت کی کہ یہ لوگ کتاب اللہ کہہ کر جس کتاب کو پڑھتے ہیں اس میں تو ہمیں گالیاں لکھی ہیں اُس میں لکھا ہوا ہے جو کوئی خدا کی نازل کردہ کتاب کے مطابق حکم نہ کرے وہ کافر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَجَعَلْنَا فِي قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ

اور رکھ دی اُس کے ساتھ چلنے والوں کے دل میں

رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ

نرمی اور مہربانی ☆

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری ☆ یعنی حضرت مسیحؑ کے ساتھی جو واقعی ان کے طریقہ پر چلنے والے تھے ان کے دلوں میں اللہ نے نرمی رکھی تھی۔ وہ خلق خدا کے ساتھ محبت و شفقت کا برتاؤ کرتے اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ نے سچے عیسائیوں کے متعلق فرمایا ہے: لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۔ اور صحابہ کرامؓ کے متعلق فرمایا ہے۔ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ۔ (تفسیر مظہری)

وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا

اور ایک ترک کرنا دنیا کا جو انہوں نے نئی بات نکالی تھی ہم نے

عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا

نہیں لکھا تھا یہ اُن پر مگر کیا چاہنے کو اللہ کی رضا مندی پھر نہ

رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ

نباہا اُسکو جیسا چاہیے تھا نباہنا ☆

رہبانیت ☆ یعنی آگے چل کر حضرت مسیحؑ کے متبعین نے بے دین بادشاہوں سے تنگ ہو کر اور دنیا کے مخمصوں سے گھبرا کر ایک بدعت رہبانیت کی نکالی جس کا حکم اللہ کی طرف سے نہیں دیا گیا تھا، مگر نیت ان کی یہی تھی کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کریں۔ پھر اس کو پوری طرح نباہ نہ سکے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یہ فقیری اور تارک الدنیا بننا نصاریٰ نے رسم نکالی جنگل میں تکیہ بنا کر بیٹھے نہ جورو رکھتے نہ بیٹا نہ کماتے نہ جوڑتے، محض عبادت میں لگے رہتے، خلق سے نہ ملتے اللہ نے بندوں کو یہ حکم نہیں دیا" (کہ اس طرح دنیا چھوڑ کر بیٹھ

رہیں) مگر جب اپنے اوپر ترک دنیا کا نام رکھا' پھر اس پردے میں دنیا چاہنا بڑا وبال ہے۔ شریعت حقہ اسلامیہ نے اس اعتدال فطری سے متجاوز رہبانیت کی اجازت نہیں دی ہاں بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ "اس امت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے" کیونکہ مجاہد اپنے سب حظوظ وتعلقات سے واقعی الگ ہو کر اللہ کے راستے میں نکلتا ہے۔ (تنبیہ) "بدعت" کہتے ہیں ایسا کام کرنا جس کی اصل کتاب وسنت اور قرون مشہود لہا بالخیر میں نہ ہو اور اس کو دین اور ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

حاصل مطلب یہ کہ جس رہبانیت کا پورے طور پر پابند رہنے کا انہوں نے ازخود التزام کیا اسکی پوری پوری نگہداشت بعض لوگوں نے نہیں کی بلکہ ریاضت وعبادت وغیرہ کی پوری پابندی نہ کر سکے یا رہبانیت فقط دکھانے اور شہرت دینے اور دنیا حاصل کرنے کے لئے کرنے لگے یا تثلیث کے قائل ہو گئے یا انہوں نے اپنے علماء ومشائخ کو ارباب بنالیا یا حضرت عیسیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ماننے سے انکار کر دیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے صحیح طور پر شریعت عیسوی پر قائم تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ کا انکار کر دیا۔ یہ سب باتیں تقاضائے رہبانیت کے خلاف تھیں۔ (تفسیر مظہری)

رہبانیت مطلقاً مذموم وناجائز ہے یا اس میں کچھ تفصیل ہے؟

صحیح بات یہ ہے کہ لفظ رہبانیت کا عام اطلاق ترک لذات وترک مباحات کے لئے ہوتا ہے' اس کے چند درجے ہیں' ایک یہ کہ کسی مباح وحلال چیز کو اعتقاداً یا عملاً حرام قرار دے' یہ دین کی تحریف وتغییر ہے' اس معنی کے اعتبار سے رہبانیت قطعاً حرام ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ مباح کے کرنے کو اعتقاداً یا عملاً حرام قرار نہیں دیتا' مگر کسی دنیوی یا دینی ضرورت کی وجہ سے اس کو چھوڑنے کی پابندی کرتا ہے' دنیوی ضرورت جیسے کسی بیماری کے خطرہ سے کسی مباح چیز سے پرہیز کرے' اور دینی ضرورت یہ کہ یہ محسوس کرے کہ میں نے اس مباح کو اختیار کیا تو انجام کار میں کسی گناہ میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ جیسے جھوٹ' غیبت وغیرہ سے بچنے کے لئے کوئی آدمی لوگوں سے اختلاط ہی چھوڑ دے' یا کسی نفسانی رذیلہ کے علاج کے لئے چند روز بعض مباحات کو ترک کر دے اور اس ترک کی پابندی بطور علاج ودوا کے اس وقت تک کرے' جب تک یہ رذیلہ دُور نہ ہو جائے' جیسے صوفیائے کرام مبتدی کو کم کھانے کم سونے کم اختلاط کی تاکید کرتے ہیں کہ یہ ایک مجاہدہ ہوتا ہے نفس کو اعتدال پر لانے کا جب نفس پر قابو ہو جاتا ہے' کہ ناجائز تک پہنچنے کا خطرہ نہ رہے تو یہ پرہیز چھوڑ دیا جاتا ہے' یہ درحقیقت رہبانیت نہیں' تقویٰ ہے جو مطلوب فی الدین اور اسلاف کرام صحابہ وتابعین اور ائمہ دین سے ثابت ہے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ کسی مباح کو حرام تو قرار نہیں دیتا مگر اس کا استعمال جس طرح سنت سے ثابت ہے اس طرح کے استعمال کو بھی چھوڑنا ثواب اور افضل جان کر اس سے پرہیز کرتا ہے' یہ ایک قسم کا غلو ہے' جس سے احادیث کثیرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ اور جس حدیث میں لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ آیا ہے۔ "یعنی اسلام میں رہبانیت نہیں" اس سے مراد ایسا ہی ترک مباحات ہے کہ ان کے ترک کو افضل وثواب سمجھے۔ (تفسیر مظہری)

فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ
پھر دیا ہم نے اُن لوگوں کو جو اُن میں ایماندار تھے اُن کا بدلہ
وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾
اور بہت اُن میں نافرمان ہیں ☆

عیسائیوں کی عمومی حالت ☆ یعنی ان میں کے اکثر نافرمان ہیں اسی لیے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر باوجود دل میں یقین رکھنے کے ایمان نہیں لاتے۔ (تفسیر عثمانی)

اہل کتاب میں ہلاک ہونیوالے اور نجات پانے والے گروہ

بغوی نے اپنی سند کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا' میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا' حضور نے فرمایا' ابن مسعود جو لوگ یعنی اہل کتاب تم سے پہلے گذر گئے وہ بہتر فرقوں میں بٹ گئے جن میں سے تین فرقوں نے (دوزخ سے) نجات پائی اور باقی ہلاک ہو گئے) (یعنی دوزخی ہو گئے) ایک فرقہ نے تو (بددین) بادشاہوں سے مقابلہ کیا اور ان سے لڑے اور دین عیسیٰ پر قائم رہے' بادشاہوں نے ان کو پکڑ لیا اور قتل کر دیا (یہ فرقہ جنتی ہوا) ایک فرقہ وہ تھا جس میں بادشاہوں سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں تھی اور نہ یہ قوت تھی کہ بادشاہوں کے سامنے کھڑے ہو کر دین الٰہی اور دین عیسوی کی دعوت دیں یہ فرقہ ملک کی سیاحت کو نکل گیا اور راہب بن گئے انہیں کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ الخ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اب) جو مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق کی اور میرا اتباع کیا اس نے حقیقت میں رہبانیت کی پوری نگہداشت کی (یہی تیسرا نجات یافتہ فرقہ ہے) اور جو مجھ پر ایمان نہیں لایا وہ ہلاک ہونے والا (یعنی دوزخی) ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اس وقت ان راہبوں میں سے صرف تھوڑے آدمی رہ گئے تھے چنانچہ خانقاہ والے خانقاہ سے اُتر آئے گھومنے پھرنے والے سیاحت چھوڑ کر اور گرجا والے گرجا چھوڑ کر باہر آ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔ (تفسیر مظہری)

اپنی جانوں پر سختی نہ کرو، جہاد کو لازم پکڑو

ابویعلیٰ میں ہے کہ لوگ حضرت انس بن مالکؓ کے پاس مدینہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت کے زمانے میں آئے۔ آپ اس وقت امیر مدینہ تھے۔ جب یہ آئے اس وقت حضرت انسؓ نماز ادا کر رہے تھے اور بہت ہلکی نماز پڑھ رہے تھے جیسے مسافرت کی نماز ہو یا اس کے قریب قریب۔ جب سلام پھیرا تو لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ کیا آپ نے فرض نماز پڑھی یا نفل؟ فرمایا فرض اور یہی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ میں نے اپنے خیال سے اپنی یاد برابر تو اس میں کوئی خطا نہیں کی۔ ہاں اگر کچھ بھول گیا ہوں تو اُس کی بابت نہیں کہہ سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اپنی جانوں پر سختی نہ کرو ورنہ تم پر سختی کی جائے گی۔ ایک قوم نے اپنی جانوں پر سختی کی اور ان پر بھی سختی کی گئی پس ان کی بقایا خانقاہوں میں اور ایسے ہی گھروں میں اب بھی دیکھ لو۔ یہ تھی وہ سختی کی ترکِ دنیا جو خدا نے اُن پر واجب نہیں کی تھی۔ دوسرے دن ہم لوگوں نے کہا آیئے سواریاں پر چلیں اور دیکھیں اور عبرت حاصل کریں۔ حضرت انسؓ نے فرمایا بہت اچھا۔ پس سب سوار ہو کر چلے اور کئی ایک بستیاں دیکھیں جو بالکل اُجڑ گئی تھیں اور مکانات اوندھے پڑے ہوئے تھے تو ہم نے کہا ان شہروں سے آپ واقف ہیں؟ فرمایا خوب اچھی طرح بلکہ ان کے باشندوں سے بھی۔ انہیں سرکشی اور حسد نے ہلاک کیا۔ حسد نیکیوں کے نور کو بجھا دیتا ہے اور سرکشی اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔ آنکھ کا بھی زنا ہے۔ ہاتھ اور قدم اور زبان کا بھی زنا ہے۔ اور شرمگاہ اسے سچاتی ہے یا جھٹلاتی ہے۔

ایک شخص حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا تم نے مجھ سے وہ سوال کیا جو میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا۔ میں تجھے وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرتے رہنے کی۔ یہی تمام نیکیوں کا سر ہے اور تو جہاد کو لازم پکڑے رہ، یہی اسلام کی رہبانیت ہے۔ اور ذکر اللہ اور تلاوت قرآن پر مداومت کر وہی تیری راحت و روح ہے آسمانوں میں اور تیری یاد ہے زمین میں۔ یہ روایت مسند احمد میں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا

اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور یقین لاؤ

بِرَسُوْلِهٖ یُؤْتِكُمْ كِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ

اُس کے رسول پر دے گا تم کو دو حصے اپنی رحمت سے

وَ یَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَ یَغْفِرْ

اور رکھ دیگا تم میں روشنی جس کو لئے پھرو اور تم کو معاف

لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۲۸

کریگا اور اللہ معاف کرنیوالا ہے مہربان ☆

ایمان واتباع پر قائم رہو☆ یعنی اس رسول کے تابع رہو کہ یہ نعمتیں پاؤ۔ گزشتہ خطاؤں کی معافی اور ہر عمل کا دونا ثواب اور روشنی لیے پھرو یعنی تمہارا وجود ایمان و تقویٰ سے نورانی ہوجائے اور آخرت میں یہ ہی نور تمہارے آگے اور داہنی طرف چلے (تنبیہ) احقر کے خیال میں یہ خطاب ان اہل کتاب کو ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکے تھے اس تقدیر پر ''وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ'' سے ایمان پر ثابت و مستقیم رہنا مراد ہوگا باقی اہل کتاب کو دونا ثواب ملنے کا کچھ بیان سورہ ''قصص'' میں گذر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

تین قسم کے لوگ جن کو دوہرا ثواب ملے گا

صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت سے آیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین (قسم کے) آدمی ہیں جن کو دوہرا اجر ملے گا اول وہ کتابی شخص جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اس نے تصدیق کی دوسرا وہ غلام جس نے اللہ کا فرض بھی ادا کیا اور اپنے آقاؤں کا حق بھی ادا کیا تیسرا وہ شخص جس کے پاس کوئی باندی ہے۔ جس سے وہ ہم بستری کرتا ہے پھر اس کو (اسلامی) آداب اچھی طرح سکھاتا ہے۔ اور خوب دینی تعلیم دیتا ہے پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیتا ہے اس کے لئے بھی دوہرا اجر ہے۔

نور سے کیا مراد ہے: ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا نور قرآن ہی ہے مجاہد نے کہا نور کھلی ہدایت ہے۔ یعنی اللہ تمہارے لئے ایک ایسا کھلا ہوا راستہ کر دے گا جس پر چل کر تم بارگاہ قدس اور جنت الفردوس تک پہنچ جاؤ گے۔ (تفسیر مظہری)

لِّئَلَّا یَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا یَقْدِرُوْنَ

تاکہ نہ جانیں کتاب والے کہ پا نہیں سکتے

عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ
کوئی چیز اللہ کے فضل میں سے اور یہ کہ
الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط
بزرگی اللہ کے ہاتھ ہے دیتا ہے جس کو چاہے
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (۲۹)
اور اللہ کا فضل بڑا ہے ☆

فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے

☆ یعنی اہل کتاب پہلے پیغمبروں کے احوال سن کر پچھتاتے کہ افسوس ہم ان سے دور پڑ گئے ہم کو وہ درجے ملنے محال ہیں جو نبیوں کی صحبت سے حاصل ہوتے ہیں سو یہ رسول اللہ نے کھڑا کیا اس کی صحبت میں سے دونا کمال اور بزرگی مل سکتی ہے۔ اور اللہ کا فضل بند نہیں ہو گیا۔ (تنبیہ) حضرت شاہ صاحبؒ نے آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے لیکن اکثر سلف سے یہ منقول ہے کہ یہاں " لِئَلَّا يَعْلَمَ " بمعنی "لِكَيْ يَعْلَمَ" کے ہیں یعنی تا کہ جان لیں اہل کتاب (جو ایمان نہیں لائے) کہ وہ دسترس نہیں رکھتے اللہ کے فضل پر۔ اور فضل صرف اللہ کے ہاتھ ہے۔ جس پر چاہے کر دے۔ چنانچہ اہل کتاب میں سے جو خاتم الانبیاء پر ایمان لائے ان پر یہ فضل کر دیا کہ ان کو دوگنا اجر ملتا ہے اور گزشتہ خطاؤں کی معافی اور روشنی مرحمت ہوتی ہے۔ اور جو ایمان نہیں لائے وہ ان انعامات سے محروم ہیں۔ تم سورۃ الحدید فللہ الحمد والمنہ۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول: بغوی نے قتادہ کا بیان نقل کیا ہے کہ ان اہل کتاب نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے تھے مسلمان ہو جانے والے اہل کتاب پر حسد کیا تھا ان کا دعویٰ تھا کہ ہم اللہ کی اولاد اور اس کے چہیتے اور منتخب کردہ ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت: لِئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ۔ نازل فرمائی اور فرما دیا کہ پیغمبروں پر چونکہ وہ ایمان نہیں لائے اس لئے کسی قسم کا اجر و ثواب ان کو نہیں ملے گا۔ کیوں کہ ہر اجر ایمان کے ساتھ وابستہ ہے ایمان نہیں تو کوئی ثواب نہیں۔

اہل کتاب کی خام خیالی: بعض اہل علم نے کہا کہ لِئَلَّا يَعْلَمَ میں لا زائد نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب یہ نہ سمجھ لیں اور یہ عقیدہ نہ رکھ لیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان اللہ کے فضل کو نہیں پا سکتے۔

ابن المنذر نے بروایت مجاہد نیز بغوی نے بیان کیا ہے کہ اہل کتاب کا عقیدہ تھا کہ وہ اللہ کے بیٹے اور چہیتے اور پسندیدہ محبوب ہیں ایسا نہیں ہے بلکہ وہ اللہ کے فضل کے کسی حصہ پر قدرت نہیں رکھتے ان کو اجر و ثواب بالکل نہیں ملے گا کیوں کہ اللہ کے پیغمبروں پر وہ ایمان نہیں لائے اور ہر اجر ایمان کے ساتھ وابستہ ہے۔ حضرت علیؓ کی طرف اس روایت کی نسبت کی گئی ہے کہ یہودی کہتے تھے کہ عنقریب ہم میں ایک نبی مبعوث ہوگا جو (ان مسلمانوں کے) ہاتھ پاؤں کاٹے گا اس کی تردید میں اللہ نے فرمایا ہاتھ پاؤں کاٹنا تو درکنار ان کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ یہ اللہ کے فضل یعنی نبوت پر کچھ بھی قدرت نہیں رکھتے نبوت عطا کرنا اللہ کے ہاتھ میں ہے اللہ اپنے فضل سے جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے۔

امت محمدیہ کی فضیلت: بخاری نے صحیح میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری امت گذشتہ امتوں کی مدت کے مقابلہ میں اتنی ہے جتنا عصر سے مغرب تک کا وقت ہوتا ہے۔ تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے مزدوروں سے کچھ کام کرانا چاہا اور کہا ایک ایک قیراط مزدوری پر دو پہر تک میرا کام کون کر سکتا ہے۔ یہودیوں نے ایک ایک قیراط پر دو پہر تک کام کیا پھر کام کرانے والے نے کہا اب دو پہر سے عصر تک ایک ایک قیراط مزدوری پر کون کام کر سکتا ہے یہ سن کر نصاریٰ نے ایک ایک قیراط پر دو پہر سے عصر تک کام کیا پھر کام کے طلبگار نے کہا اب عصر سے مغرب تک دو دو قیراط اجرت پر کون کام کر سکتا ہے۔

سن لو تم ہی وہ لوگ ہو جو نماز عصر سے مغرب تک کام کرنے والے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ تمہاری اجرت دوگنی ہوگی۔ اس اعلان پر یہودی اور عیسائی ناراض ہو گئے انہوں نے کہا۔ ہم کام تو زیادہ کرنے والے ہیں اور اجرت کم پائیں گے۔

اللہ نے فرمایا! کیا میں نے (تمہارا کچھ حق کاٹ کر) تم پر ظلم کیا ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے کہا نہیں اللہ نے فرمایا پس یہ میرا فضل ہے میں جسکو چاہتا ہوں دیتا ہوں۔

حضرت معاویہؓ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ میری امت میں سے کچھ لوگ ہمیشہ اللہ کے حکم پر کاربند رہیں گے کوئی ان کی مدد نہ کرے اور کوئی ان کی مخالفت کرے ان کا کوئی بگاڑ نہ ہوگا۔ اسی حالت میں اللہ کا حکم (یعنی روز قیامت) آ جائے گا۔ (متفق علیہ) تفسیر مظہری)

بحمد اللہ تم

الحمد للہ سورۃ حدید ختم ہوئی

جس نے خواب میں دیکھا کہ وہ اس سورۃ کی تلاوت کر رہا ہے اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ اہل باطل سے جھگڑنے والا اور ان کو دبانے والا ہوگا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوۡرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَانِ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ مجادلہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی بائیس آیتیں ہیں اور تین رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ

سُن لی اللہ نے آیات اُس عورت کی جو جھگڑتی تھی تجھ سے

فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ

اپنے خاوند کے حق میں اور جھینکتی تھی اللہ کے آگے ☆

شانِ نزول ☆ اسلام سے پہلے مرد اگر اپنی عورت کو کہتا کہ تو میری ماں ہے تو سمجھتے تھے کہ ساری عمر کے لیے اس پر حرام ہوگئی۔ پھر کوئی صورت ان کے ملنے کی نہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ایک مسلمان (اوس بن الصامتؓ) اپنی عورت (خولہ بنت ثعلبہ) کو یہ ہی کہہ بیٹھا۔ عورت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچی اور سب ماجرا کہہ سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے ابھی تک کوئی خاص حکم نہیں دیا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ تو اس پر حرام ہوگئی۔ اب تم دونوں کیونکر مل سکتے ہو وہ شکوہ وزاری کرنے لگی کہ گھر ویران ہوتا ہے اولاد پریشان ہوتی ہے کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑتی کہ یارسول اللہ! اس نے ان الفاظ سے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ کبھی اللہ کے آگے رونے جھینکنے لگتی کہ اللہ میں اپنی تنہائی اور مصیبت کی فریاد تجھ سے کرتی ہوں ان بچوں کو اگر اپنے پاس رکھوں تو بھوکے مرینگے اس کے پاس چھوڑوں تو یوں ہی (کس مپرسی میں) ضائع ہو جائینگے۔ اے اللہ تو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے میری مشکل کو حل کر، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور ''ظہار'' کا حکم اترا (تنبیہ) حنفیہ کے نزدیک ظہار یہ ہے کہ اپنی بیوی کو محرمات ابدیہ (ماں، بہن وغیرہ) کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دے جس کی طرف دیکھنا اس کو منع ہو مثلاً یوں کہے ''انت علی کظہر امی'' (تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ) ''ظہار'' کے احکام کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

حاکم نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا اور اس کو صحیح قرار دیا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا پاک ہے وہ ذات جس کی شنوائی میں ہر چیز سمائی ہوئی ہے میں نے خولہ بنت ثعلبہ کا کلام خود سنا تھا لیکن اس کے کلام کا کچھ حصہ میں سن نہ سکی تھی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے شوہر کی شکایت کر رہی تھی اور کہہ رہی تھی یارسول اللہ! اس نے میرا مال کھالیا اور اس کے لئے میں نے اپنا پیٹ بکھیر دیا (یعنی بچے پیدا کر دیئے) لیکن جب میں بوڑھی ہو گئی اور سلسلہ تولید ختم ہوگیا تو اس نے مجھ سے ظہار کر لیا یعنی اس نے مجھ سے کہہ دیا اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ تو میرے لئے ایسی ہے جیسے میرے لئے میری ماں کی پشت۔ مراد یہ ہے کہ اس نے مجھ سے تعلق رکھنے کو اپنے لئے حرام کر لیا۔ اے اللہ میں تجھ سے اپنا شکوہ کرتی ہوں خولہ اپنی جگہ سے ہٹی بھی نہیں تھی کہ آیات ذیل نازل ہوئیں۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ۔ لفظ قَدْ نے سَمِعَ۔ کو ماضی قریب بنا دیا۔ یہ لفظ بتا رہا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا اس عورت کو توقع تھی کہ اللہ اس عورت کی گفتگو اور شکوہ کو سن رہا ہے اور اس کے دکھ کو دور فرما دے گا۔

تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا۔ خولہ کے شوہر تھے اوس بن صامت۔ مجادلہ کا (لغوی) معنی ہے شدت مخاصمت۔ یہاں خولہ کے کلام میں شدت مراد ہے۔

واقعہ کی تفصیل: بغوی نے لکھا ہے یہ آیت حضرت اوس بن صامتؓ کی بی بی حضرت خولہ بنت ثعلبہ کے حق میں نازل ہوئی۔ خولہ حسین تھیں اور اوس کے مزاج میں غصہ بہت تھا۔ ایک روز اوس نے خولہ سے قربت کرنی چاہی خولہ نے انکار کر دیا اوس نے کہا تو میرے لئے ایسی ہے جیسی میری ماں کی پشت (کہنے کو تو غصہ میں کہہ دیا) پھر پشیمان ہوئے کیوں کہ دور اسلامی سے پہلے ظہار اور ایلاء (عورت سے محدود الایام کنارہ کش رہنے کی قسم) کو طلاق سمجھا جاتا تھا۔ اسلئے اوس بن صامت نے خولہ سے کہا میرے خیال میں تو میرے لئے حرام ہوگئی خولہ نے کہا واللہ یہ طلاق نہیں ہے۔ یہ کہہ کر خولہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اس وقت حضرت عائشہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر ایک طرف کا دھو رہی تھیں خولہ نے آ کر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے شوہر اوس بن صامت نے مجھ سے نکاح اس وقت کیا تھا جب میں جوان تھی مالدار تھی اور کنبہ والی تھی جب وہ میرا مال کھا چکا اور میری جوانی ختم کر دی اور میرا کنبہ بھی بچھڑ گیا اور میں بوڑھی ہوگئی تو اب مجھ سے اس نے ظہار کر لیا لیکن ظہار کرنے کے بعد پشیمان ہوگیا کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ میں اور وہ پھر یکجا ہو سکیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس کے لئے حرام ہوگئی خولہ نے کہا میں اپنی محتاجی اور تنہائی کا شکوہ اللہ سے کرتی ہوں میرا اس کا ساتھ مدت دراز تک رہا۔ اور میں نے اس کے لئے اپنا پیٹ جھاڑ دیا (یعنی اپنے پیٹ سے اس کے بہت بچے جنے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے خیال میں تو تو اس کے لئے حرام ہوگئی۔ اور تیرے متعلق کوئی خاص حکم میرے پاس نہیں آیا خولہ بار بار کلام کو لوٹتی پلٹتی رہی آخر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ تو اس کے لئے حرام ہوگئی تو گفتگو سے رکی اور کہنے لگی میں اللہ ہی سے اپنی محتاجی اور بدحالی کا شکوہ کرتی ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اگر میں ان کو اپنے ساتھ رکھوں گی تو بھوکے رہیں گے اور اس کے پاس چھوڑوں گی تو تباہ ہو جائیں گے پھر اوپر (آسمان کی طرف) سر اٹھا کر کہنے لگی اے اللہ میں تجھ سے ہی شکوہ کرتی ہوں اے اللہ (میرے لئے) اپنے نبی کی زبان پر حکم نازل فرما دے۔ اسلام میں یہ پہلا ظہار تھا حضرت عائشہؓ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کا دوسرا حصہ دھونے لگیں تو خولہ بولی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ پر قربان میرے معاملہ میں غور فرمایئے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا اپنی بات ختم کرو اور جھگڑنا چھوڑ، کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کو نہیں دیکھ رہی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی اترتی تھی تو اس وقت آپ پر ایک اونگھ طاری ہو جاتی تھی جب وحی کی حالت ختم ہوگئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے شوہر کو بلالے اوسؓ آگئے تو آپ نے آیات قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ الخ ان کو پڑھ کر سنائیں حضرت عائشہؓ نے فرمایا بڑی خیر والا ہے وہ اللہ جس کی شنوائی تمام آوازوں کو اپنے اندر سمائے ہوئے ہے میں گھر کے گوشے میں موجود تھی اس عورت کی کچھ گفتگو سن رہی تھی اور کچھ نہیں سن پائی تھی۔ (مگر اللہ نے اس کی ساری گفتگو سن لی) اور آیت قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ نازل فرما دی۔ (تفسیر مظہری)

حضرت خولہؓ کی فریاد: حضرت خولہؓ یہ واقعہ پیش آنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا حکم شرعی معلوم کرنے کے لئے حاضر ہوئیں اس وقت تک اس خاص مسئلے کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی وحی نازل نہ ہوئی تھی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قول مشہور کے موافق ان سے فرما دیا مَا اَرَاکِ اِلَّا قَدْ حَرُمْتِ عَلَيْهِ یعنی میری رائے میں تو تم اپنے شوہر پر حرام ہوگئیں، وہ یہ سن کر واویلا کرنے لگیں کہ میری جوانی سب اس شوہر کی خدمت میں ختم ہوگئی اب بڑھاپے میں انہوں نے مجھ سے یہ معاملہ کیا، میں کہاں جاؤں؟ میرا اور میرے بچوں کا گذارہ کیسے ہوگا؟ اور ایک روایت میں ہے کہ خولہ نے یہ عرض کیا کہ مَا ذَکَرَ طَلَاقًا یعنی میرے شوہر نے طلاق کا تو نام بھی نہیں لیا تو پھر طلاق کیسے ہوگئی، اور ایک روایت میں ہے کہ خولہؓ نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَشْکُوْا اِلَیْکَ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خولہؓ سے یہ فرمایا مَا اُمِرْتُ فِیْ شَانِکِ بِشَیْءٍ حَتَّی الْاٰنَ۔ یعنی ابھی تک تمہارے مسئلے کے متعلق مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔

ظہار کا کفارہ: حدیث میں ہے کہ حضرت خولہ بنت ثعلبہؓ کی واویلا اور فریاد پر جب آیات مذکورہ اور کفارہ ظہار کے احکام نازل ہوئے اور شوہر سے دائمی مفارقت وحرمت سے بچنے کا راستہ نکل آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شوہر کو بلایا، دیکھا کہ ضعیف البصر بوڑھا آدمی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نازل شدہ آیات اور کفارہ کا حکم سنایا کہ ایک غلام یا لونڈی آزاد کردو اس نے کہا کہ یہ میری قدرت میں نہیں کہ غلام خرید کر آزاد کروں آپ نے فرمایا کہ پھر دو مہینے کے مسلسل روزے رکھو اس نے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی کہ جس نے آپ کو رسول برحق بنایا، میری حالت یہ ہے کہ اگر دن میں دو تین مرتبہ کھانا نہ کھاؤں تو میری نگاہ بالکل ہی جاتی رہتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، اس نے عرض کیا کہ یہ بھی میری قدرت میں نہیں بجز اس کے کہ آپ ہی کچھ مدد کریں۔ آپ نے اس کو کچھ غلہ عطا فرمایا، پھر کچھ دوسرے لوگوں نے جمع کر دیا اس طرح ساٹھ مسکینوں کو فطرے کی مقدار دے کر کفارہ ادا ہو گیا۔ (ابن کثیر) (معارف مفتی اعظم)

وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۗ اِنَّ

اور اللہ سنتا تھا سوال و جواب تم دونوں کا بیشک

اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ①

اللہ سنتا ہے دیکھتا ہے ☆

اللہ تعالیٰ سب کی سنتا ہے ☆ یعنی اللہ تو سب ہی کچھ سنتا اور دیکھتا ہے۔ جو گفتگو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور اس عورت کے درمیان ہوئی وہ [illegible] سنتا۔ بیشک وہ مصیبت زدہ عورت کی فریاد کو پہنچا اور ہمیشہ کے لیے اس [illegible] حوادث سے عہدہ برا ہونے کا راستہ بتلا دیا۔ جو آگے آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

الَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ

جو لوگ ماں کہہ بیٹھیں تم میں سے

نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ

اپنی عورتوں کو وہ نہیں ہو جاتیں اُنکی مائیں، اُن کی

اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ

مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے اُن کو جنا

وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ

اور وہ بولتے ہیں ایک ناپسند بات

وَزُوْرًا ؕ
اور جھوٹی ☆

جاہلانہ خیال کی تردید ☆ یعنی بیوی (جس نے اس کو جنا نہیں) وہ اس کی واقعی ماں کیونکر بن سکتی۔ جو محض اتنے لفظ پر ہمیشہ کے لیے حقیقی ماں کی طرح حرام ہو جائے؟ ہاں آدمی جب اپنی بدتمیزی سے ایک جھوٹی نامعقول اور بےہودہ بات کہہ دے اس کا بدلہ یہ ہے کہ کفارہ دے تب اس کے پاس جائے ورنہ نہ جائے۔ پر عورت اسی کی رہی محض ظہار سے طلاق نہیں پڑے گی۔ (تفسیر عثمانی)

دور جاہلیت کا قانون: ظہار کا معنی ہے کسی شخص کا اپنی بی بی سے یہ کہہ دینا کہ تو میرے لئے ایسی (ہی حرام) ہے جیسی میری ماں کی پشت۔ جاہلیت کے زمانہ میں اس کو طلاق مانا جاتا تھا اور اس سے وہ عورت اپنے شوہر کے لئے ہمیشہ کے واسطے حرام ہو جاتی تھی۔

ظہار کا شرعی حکم: شریعت نے ظہار کو حرمت دوامی کا موجب نہیں قرار دیا بلکہ ایک خاص وقت تک ایسی عورت کو حرام کر دیا کفارہ ادا کرنے کے بعد ظہار والی عورت حرام نہیں رہتی شوہر کے لئے حلال ہو جاتی ہے۔

ظہار ظہر سے مشتق تھے۔ (ظہر کے معنی ہیں پیٹھ) لیکن فقہاء نے عورت کے بدن کے ہر اس حصہ کو جس کو کھلا رکھنا حرام ہے۔ جیسے ران یا شرم گاہ وغیرہ ظہر کے حکم میں شامل کر دیا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان عورتوں سے تشبیہ بھی موجب ظہار ہے کیوں کہ ان عوتوں سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہے۔ اسی طرح اگر اپنی عورت کے کسی غیر معین حصہ کو یا ایسے عضو کو جو کل کے قائم مقام مانا جاتا ہے تشبیہ دی' تب بھی ظہار کا حکم جاری ہوگا۔ مثلاً یوں کہا میرے لئے تیرا سر یا تیری شرم گاہ یا تیرا چہرہ یا تیری گردن یا تیرا بدن یا تیرا جسم یا تیری جان یا تیرا نفس یا تیرا آدھا بدن یا تیرا ایک تہائی بدن میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔ کیوں کہ ان الفاظ میں سے بعض ایسے ہیں کہ ان کو بول کر پوری شخصیت مراد ہوتی ہے۔ یا ایسے اجزاء بدن میں جو غیر معین ہیں۔ (مثلاً تیرا آدھا بدن تیرا ایک تہائی بدن وغیرہ) اس صورت میں حکم سارے جسم کی طرف متعدی ہے ہاں اگر یوں کہا کہ تیرا ہاتھ یا تیرا پاؤں میرے لئے میری ماں کی پشت کی طرح ہے تو ظہار نہ ہوگا۔

حضرت سلمہؓ بن صخر کا واقعہ: ایک حدیث سلمانؒ بن یسار کی روایت سے آئی ہے کہ حضرت سلمہؓ بن صخر نے کہا میرے اندر قوت مردی سب لوگوں سے زائد تھی۔ رمضان آیا تو رمضان بھر کے لئے میں نے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا رمضان کے دن یوں ہی گذرتے رہے ایک رات جب بیوی میری خدمت کر رہی تھی اس کے بدن کا کچھ چھپا ہوا حصہ مجھے دکھ گیا نظر پڑتے ہی میں اس پر جا پڑا صبح ہوئی تو میں نے اپنے کنبہ والوں سے اس کا تذکرہ کیا اور ان سے درخواست کی کہ میرے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے معاملہ میں کچھ عرض معروض کرو خاندان والوں نے جواب دیا نہیں خدا کی قسم ہم ایسا نہیں کریں گے ہم کو اندیشہ ہے کہ کہیں ہمارے متعلق کوئی آیت نازل نہ ہو جائے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسی بات نہ فرمادیں کہ اس کی عار ہم پر (ہمیشہ کے لئے) ہوگی تم خود جاؤ اور جو مناسب ہو وہ کرو آخر میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اپنا واقعہ بیان کر دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے ایسا کیا میں نے عرض کیا (جی ہاں) میں نے ایسا کیا فرمایا کیا تو نے ایسا کیا میں نے عرض کیا میں نے ہی ایسا کیا فرمایا کیا تو نے ایسا کیا میں نے کہا جی ہاں فرمایا کیا تو نے ایسا کیا میں نے عرض کیا میں نے ایسا کیا اب جو کچھ اللہ کا حکم ہو مجھ پر جاری کیجئے میں ثابت قدم رہوں گا۔ فرمایا ایک گردن آزاد کر دے میں نے اپنی گردن کے ایک جانب ہاتھ مار کر عرض کیا قسم ہے اس کی جس نے نبی برحق بنا کر بھیجا ہے۔ میں تو اس گردن کے علاوہ اور کسی گردن یعنی باندی یا غلام کا مالک نہیں ہوں فرمایا تو دو مہینے کے روزے رکھو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول روزے ہی میں تو مجھ سے یہ حرکت ہوئی ہے فرمایا تو صدقہ دو (ساٹھ مسکینوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلاؤ) میں نے عرض کیا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو برحق بھیجا ہے ہم نے تو یہ رات خالی پیٹ گذاری ہے نان شبینہ بھی ہم کو میسر نہیں تھی فرمایا تو بنی زریق کے تحصیلدار زکوٰۃ کے پاس جاؤ اس سے کہہ دو تم کو (بنی زریق کے مال صدقات میں سے) دیدے تم ایک وسق (ساٹھ صاع۔ ایک صاع تقریباً چار رسیر) چھوارے لے لو اس میں ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ اور جو بچ رہیں وہ اپنے اور اپنی عیال کے کام میں لاؤ۔ یہ حکم پا کر میں اپنے کنبہ والوں کے پاس لوٹ کر آیا اور ان سے کہا میں نے تم لوگوں کے پاس تو تنگی اور بدسلوکی پائی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مجھے کشائش اور برکت حاصل ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تمہاری زکوٰۃ کا مال لینے کا حکم دیا ہے اب تم مجھے اپنی زکوٰۃ کا مال دو۔

مشروط ظہار: (۱) ظہار کو اگر کسی شرط سے وابستہ کیا جائے تو رافعی کے نزدیک درست ہے حضرت سلمہؓ بن صخر نے رمضان کی شرط کے ساتھ ظہار کو وابستہ کیا تھا ابن رافعہ کہتے ہیں کہ حدیث مذکورہ جو سنن میں آئی ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلمہ نے ظہار موقت کیا تھا کسی شرط کے ساتھ مشروط نہیں کیا تھا۔ بیہقی نے حدیث مذکور کے جو الفاظ نقل کئے ہیں۔ ان سے رافعہ کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

(۲) اگر ظہار کو کسی شرط کے ساتھ وابستہ کیا پھر طلاق بائن دیدی پھر

طلاق کے بعد وقوع شرط ہو گیا تو (طلاق ہو جائے گی) ظہار کا حکم نہیں ہوگا۔ کذا قال ابن الہمام۔

(۳) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ظہار شرط نکاح صحیح ہے۔ مثلاً کسی اجنبی عورت سے کہا اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو میرے لئے تو ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت پھر اس سے نکاح کر لیا تو کفارۂ ظہار لازم ہوگا۔

اگر کسی عورت سے کہا کہ تو میرے لئے رجب اور رمضان میں ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت پھر رجب میں کفارہ دیدیا تو کافی ہے۔ (رمضان میں دوبارہ کفارہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں)۔

متعدد ظہار: اگر ایک عورت سے ایک نشست میں یا متعدد مجالس میں کئی بار ظہار کیا تو امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کے نزدیک ہر بار ظہار کرنے کا کفارہ الگ الگ دینا ہوگا کیوں کہ ظہار کرنے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا نکاح حسب سابق باقی رہتا ہے۔ اس لئے دوسری بار اور تیسری بار (بلکہ یکے بعد دیگر بہت مرتبہ) ظہار صحیح ہے اور اسباب حرمت کا ایک جگہ اجتماع درست ہے جیسے روزہ کی حالت میں شراب کی حرمت اس لئے بھی ہے کہ شراب بجائے خود حرام ہے اور چونکہ شراب روزہ شکن ہے اس لئے بھی روزے میں حرام ہے۔ اسی طرح اگر شراب نہ پینے کی قسم کھالی ہو تو ایک تو شراب فی نفسہ حرام ہے دوسرے قسم تو ڑنا بھی حرام ہے ہاں اگر دوسری اور تیسری مرتبہ کلمات ظہار کہنے سے پہلے ظہار کو پختہ کرنے کی نیت ہو اور ظہار کرنے والا کہے میری نیت ایک ہی بار ظہار کی تھی تو قضاء اور دیانۃً دونوں طور پر اس کو سچا قرار دیا جائے گا طلاق کا حکم اس کے خلاف ہے دو یا تین (یا زیادہ) بار طلاق دینے والا اگر کہے کہ میری نیت پہلی طلاق کو پختہ کرنے کی تھی (دوسری اور تیسری طلاق کی نہیں تھی تو عدالت اسلامیہ اس کا اعتبار نہیں کرے گی) کیوں کہ ظہار کا تعلق (براہ راست) اللہ سے ہے (اور طلاق کا تعلق حقوق انسانی سے ہے)　　(تفسیر مظہری)

وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝
اور اللہ معاف کرنیوالا بخشنے والا ہے ☆

دورِ جاہلیت کی تلافی ☆ یعنی جاہلیت میں جو ایسی حرکت کر چکے وہ معاف ہے۔ اب ہدایت آچکنے کے بعد ایسا مت کرو۔ اگر غلطی سے کر گذرے تو توبہ کر کے اللہ سے معاف کراؤ اور عورت کے پاس جانے سے پہلے کفارہ ادا کرو۔　　(تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ
اور جو لوگ ماں کہہ بیٹھیں اپنی عورتوں کو پھر

يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ
کرنا چاہیں وہی کام جسکو کہا ہے تو آزاد کرنا چاہئے
مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ
ایک بردہ پہلے اس سے کہ آپس میں ہاتھ لگائیں ☆

کفارہ ☆ یعنی یہ لفظ (انت علیّ کظهر امی) کہا صحبت موقوف کرنے کو۔ پھر صحبت کرنا چاہیں تو پہلے ایک غلام آزاد کر لیں اس کے بعد ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ (تنبیہ) حنفیہ کے ہاں کفارہ دینے سے پہلے جماع اور دواعی جماع دونوں ممنوع ہیں بعض احادیث میں ہے "امره ان لا يقربها حتى يكفر"۔　　(تفسیر عثمانی)

کفارہ کے مسائل

(۱) ظہار کرنے والے کے کفارہ کے بغیر قربت بھی حرام ہے۔ اور وہ مبادی و اسباب بھی حرام ہیں جو مباشرت تک پہنچا دیتے ہیں جیسے بوسہ، چھونا (معانقہ وغیرہ) یہ قول امام ابوحنیفہؒ اور مالکؒ کا ہے۔

(۲) اگر ظہار کرنے والا بغیر کفارہ دیئے عورت سے قربت کرنا چاہے تو عورت کو چاہئے تو عورت پر لازم ہے کہ مرد کو اس فعل سے روک دے اور قاضی پر لازم ہے کہ کفارہ ادا کرنے پر اس کو مجبور کرے اگر وہ کفارہ دینے سے انکار کرے تو اسے پٹوائے لیکن اگر وہ کہے کہ میں کفارہ دے چکا تو اس کی بات کو سچ مانا جائے گا بشرطیکہ وہ دروغ گو ہونے میں مشہور نہ ہو۔ (کذا فی الفتح القدیر)

(۳) قرآن میں اس جگہ چونکہ لفظ رقبہ گردن یعنی بردہ مطلق ہے اس لئے غلام ہو یا باندی کافر ہو یا مسلمان بچہ ہو یا بڑا سب کو کفارہ میں آزاد کیا جا سکتا ہے۔

(۴) مندرجۂ ذیل عیوب رکھنے والے غلام کی آزادی کفارۂ ظہار کے لئے کافی نہیں ہوگی۔ نابینا: دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں یا ایک ہی طرف کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کٹا ہوا یا ہاتھوں کے دونوں انگوٹھے کٹے ہوئے یا انگوٹھے کے علاوہ ہر ہاتھ کی تین انگلیاں کٹی ہوئی یا ایک ہاتھ اور مخالف سمت کی ایک ٹانگ کٹی ہوئی اتنا بہرا کہ چیخ کی آواز بھی نہ سن سکے۔

اگر چیخ کی آواز سن سکتا ہو تو اس کی آزدی کافی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر کسی عضو کے نقصان سے اتنی خرابی پیدا ہو جائے کہ مطلقاً کام ہی نہ چل سکے تو ایسے ناقص العضو غلام کی آزادی کافی نہیں اور اگر کسی طرح کام چل سکے خواہ ناقص طریقہ سے ہی ہو تو ایسے غلام یا باندی کی آزادی کفارۂ ظہار کے لئے کافی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اگر صلح کا ارادہ نہ ہو تو کیا کرے: اگر کوئی شخص ظہار کر بیٹھے اور اب بیوی سے اختلاط نہیں رکھنا چاہتا تو کوئی کفارہ لازم نہیں۔ البتہ بیوی کی

حق تلفی ناجائز ہے۔ اگر وہ مطالبہ کرے تو کفارہ ادا کر کے اختلاط کرنا یا پھر طلاق دے کر آزاد کرنا واجب ہے۔ اگر یہ شخص خود نہ کرے تو بیوی حاکم اسلام کی طرف مراجعت کر کے شوہر کو اس پر مجبور کر سکتی ہے' یہ سب مسائل کتب فقہ میں مفصل لکھے گئے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ
اس سے تم کو نصیحت ہوگی ☆

کفارہ کی حکمت ☆ یعنی کفارہ کی مشروعیت تمہاری تنبیہ و نصیحت کے لیے ہے کہ پھر ایسی غلطی نہ کرو اور دوسرے بھی باز آئیں۔ (تفسیر عثانی)

ذٰلِكُمْ۔ یعنی مباشرت سے پہلے کفارہ ادا کرنے کا حکم۔

تُوْعَظُوْنَ بِهٖ۔ تم کو اسی کی نصیحت کی جاتی ہے۔ تاکہ ظہار سے جو حرمت پیدا ہو گئی ہے وہ زائل ہو جائے۔ یا یہ مطلب کہ دوبارہ ظہار کا ارتکاب اس ڈر سے نہ کرو کہ بیوی سے جدا ہونا پڑیگا۔ یا یہ سمجھ لو کہ کفارہ کا وجوب اس لئے تم پر ہوا ہے کہ ارتکاب گناہ کیا ہے اس خیال سے تم نصیحت حاصل کرو اور ارتکاب ظہار سے آئندہ باز رہو۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝
اور اللہ خبر رکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ☆

☆ یعنی تمہارے احوال کے مناسب احکام بھیجتا ہے اور خبر رکھتا ہے کہ تم کس حد تک ان پر عمل کرتے ہو۔ (تفسیر عثانی)

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ
پھر جو کوئی نہ پائے تو روزے ہیں دو مہینے
مُتَتَابِعَيْنِ
کے لگاتار ☆

☆ یعنی بیچ میں دم نہ لے۔ (تفسیر عثانی)

غلام نہ ہو تو دو ماہ روزے رکھے: فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ۔ یعنی جس کے پاس غلام یا باندی موجود نہ ہو اور حاصل بھی نہ کر سکتا ہو خواہ اس کی وجہ یہ ہو کہ غلام خریدنے کی قیمت میسر نہ ہو یا غلام دستیاب نہ ہو سکتا ہو اور قیمت موجود ہو یا غلام کی جتنی قیمت ہو اتنا ہی ظہار کرنے والا مقروض ہو یا اپنے اور اپنے اہل وعیال کے مصارف کا ضرورت مند ہو اگر غلام خریدتا ہے نفقۂ اہل وعیال سے معذور ہو جاتا ہے۔ ان سب صورتوں میں امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک غلام آزاد نہ کرنا اور روزے رکھنا جائز ہے۔ (تفسیر مظہری)

مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ
پہلے اس سے کہ آپس میں چھوئیں پھر جو کوئی یہ نہ
يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ
کر سکے تو کھانا دینا ہے ساٹھ محتاجوں کا ☆

☆ ''بردہ'' (غلام) آزاد کرنے کا مقدور نہ ہو تب روزے رکھ سکتا ہے اور روزے رکھنے سے مجبور ہو تب کھانا دے سکتا ہے۔ تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کی جائے۔ (تفسیر عثانی)

تسلسل ضروری ہے: اگر تسلسل ٹوٹ جائے خواہ کسی عذر کی وجہ سے یا بغیر عذر کے بہر حال از سر نو دو ماہ کے روزے رکھنے لازم ہوں گے یہ قول باجماع علماء ہے (یعنی کوئی دن ناغہ نہ ہونا چاہئے) اگر ظہار کرنے والے نے دو مہینے کے درمیان رات کو قصداً یا دن کو بھول کر مباشرت کر لی۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک از سر نو کل روزے رکھنے ہوں گے کیونکہ مباشرت سے پہلے روزے رکھنے کی ضرورت ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ روزے رکھنے کی پوری مدت میں مباشرت نہ کی جائے اس لئے صورت مذکورہ میں از سر نو کل روزے رکھنے واجب ہیں۔ امام احمد کا ظاہر قول بھی یہی ہے۔

اگر روزے بھی نہ رکھ سکے تو...... اگر بیماری یا ضعف پیری کی وجہ سے یا ایسی شدت شہوت کی وجہ سے کہ مباشرت سے باز نہ رہ سکے روزے نہ رکھ سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینا لازم ہے ہر مسکین کو دو سیر عراقی یعنی نصف صاع غلہ کسی قسم کا ہو بغوی نے لکھا ہے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کا یہی قول ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر مسکین کو نصف صاع گندم یا ایک صاع جو یا چھوارے دیئے جائیں شعبی' نخعی' سعید بن جبیر' حاکم' مجاہد اور کرخی کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت خولہ بنت مالک نے بیان کیا ہے میرے شوہر حضرت اوس بن مالک نے ظہار کر لیا میں اس کی شکایت لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے معاملہ میں مجھ سے جھگڑنے لگے اور فرمانے لگے اللہ سے ڈر وہ تیرے چچا کا بیٹا ہے۔ میں وہاں سے ہٹی بھی نہ تھی کہ آیت۔ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ الخ۔ نازل ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بردہ آزاد کرنے کا حکم دیا میں نے کہا ان کے پاس کوئی بردہ نہیں ہے فرمایا دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے۔ میں نے عرض کیا وہ بہت بوڑھے روزے رکھنے کی ان میں سکت نہیں ہے فرمایا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا میں نے

عرض کیا اس کے پاس تو خیرات کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے فرمایا ایک فرق چھوارے دیکر میں اس کی مدد کروں گا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر میں بھی ایک فرق چھوارے مزید دے کر ان کی مدد کروں گی فرمایا تو نے خوب کہا اب اپنے چچا کے بیٹے کے پاس واپس چلی جا۔

کھانا کھلانے کے مسائل

(۱) اگر صبح اور شام ساٹھ ساٹھ صاع بھر کر گیہوں کی روٹی کھلا دی خواہ روکھی کھلائی ہو تو بھی کافی ہے لیکن جو کی روٹی کے ساتھ تو سالن ضروری ہے۔

(۲) صبح شام دونوں وقت ایک ہی مسکین کو کھلائے یا ایک مسکین کو دو روز دن کا کھانا اور دوسرے مسکین کو دو وقت شام کا کھانا دے (اور اس طرح ساٹھ مسکینوں کی خوراک ہو جائے) تو جائز ہے لیکن اگر ساٹھ مسکینوں کو صبح کا کھانا اور دوسرے ساٹھ مسکینوں کو شام کا کھانا کھلایا تو جائز نہیں۔ وہ بچہ جس کا دودھ چھوٹا ہو اور وہ شخص جس کا پیٹ بھرا ہو ان کو کھلانا کافی نہیں ہے بھوکوں کا پیٹ بھرنا اور شکم سیر کرنا ضروری ہے خواہ وہ تھوڑا کھائیں یا زائد (یعنی ان کی معمولاً خوراک کم ہو یا زائد)

(۳) اگر ایک ہی مسکین کو ساٹھ دن کھلایا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔

(۴) امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا اگر ظہار کرنے والا کھانا کھلانے کے دوران ظہار کردہ عورت سے مباشرت کر لے تو دوبارہ از سر نو کھلانا ضروری نہیں ہے۔

(۵) اصحاب السنن نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا پھر (دوران ظہار) اس پر جا پڑا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا تو نے ایسی حرکت کیوں کی اس شخص نے جواب دیا میں نے چاندنی میں اس کی پازیب (یا اس کی گوری پنڈلیاں) دیکھ لیں (مجھ سے صبر نہ ہو سکا) فرمایا تو جب تک کفارہ نہ دے دو اس سے کنارہ کش رہو۔ اس حدیث میں مطلق کفارہ سے پہلے کنارہ کش رہنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا۔ ترمذی کے نزدیک یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے منذر نے کہا اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور ہر ایک کا دوسرے سے سننا مشہور ہے (لہٰذا حدیث معتبر ہے)۔

اگر ظہار کرنے والا کفارہ دینے سے پہلے مباشرت کر گذرے تو استغفار کر لے کیوں کہ یہ عمل ناجائز ہے اور امر حرام کے ارتکاب کے بعد توبہ و استغفار لازم ہے اس کے بعد کفارۂ ظہار دیدے تاکہ حرمت مباشرت آئندہ کے لئے زائل ہو جائے۔ کفارۂ ظہار کے علاوہ دوسرا کفارہ جس کو کفارۂ مباشرت کہا جا سکتا ہے واجب نہیں۔

امام مالکؒ نے موطا میں ایسے شخص کے بارہ میں جو ظہار کرنے کے بعد کفارہ ادا کرنے سے پہلے مرتکب مباشرت ہو جائے ذکر کیا ہے کہ ایسا شخص آئندہ کفارہ ادا کرنے تک مباشرت نہ کرے اور اللہ سے استغفار کرے امام مالک نے فرمایا میں نے اس سلسلہ میں جو کچھ سنا ہے سب سے بہتر یہی صورت ہے۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ

یہ حکم اس واسطے کہ تابعدار ہو جاؤ اللہ کے اور اس کے رسول کے ☆

☆ یعنی جاہلیت کی باتیں چھوڑ کر اللہ و رسول کے احکام پر چلو جو مومن کامل کی شان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لِتُؤْمِنُوْا۔ ایمان سے مراد ہے احکام شرعیہ پر عمل۔ جیسے آیت كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ میں ایمان سے مراد نماز ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ نے یہ احکام اس لئے دیئے ہیں کہ تم ان پر عمل کرو اور جاہلیت کے دستور و رواج کو چھوڑ دو۔ (تفسیر مظہری)

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ

اور یہ حدیں باندھی ہیں اللہ کی اور منکروں کے واسطے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ

عذاب ہے دردناک جو لوگ کہ مخالفت کرتے ہیں

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ

اللہ کی اور اُس کے رسول کی وہ خوار ہوئے جیسے کہ خوار ہوئے ہیں

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ

وہ لوگ جو اُن سے پہلے تھے اور ہم نے اُتاری ہیں

اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ

آیتیں بہت صاف اور منکروں کے واسطے عذاب ہے

مُّهِيْنٌ ۞

ذلت کا ☆

حدود اللہ ☆ یعنی مومنین کا کام نہیں کہ اللہ کی باندھی ہوئی حدود سے تجاوز کریں۔ باقی رہے کافر جو حدود اللہ کی پروانہیں کرتے اور خود اپنی رائے و خواہش سے حدیں مقرر کرتے ہیں انہیں چھوڑیے کہ ان کے لیے دردناک

عذاب تیار ہے۔ ایسے لوگ پہلے زمانہ میں بھی ذلیل و خوار ہوئے اور اب بھی ہو رہے ہیں اللہ کی روشن اور صاف صاف آیتیں سن لینے کے بعد انکار پر جمے رہنا اور خدائی احکام کی عزت و احترام نہ کرنا اپنے کو ذلت کے عذاب میں پھنسانے کا مرادف ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ

جس دن کہ اُٹھائیگا اللہ ان سب کو پھر جتلائیگا اُن کو

بِمَا عَمِلُوْا

اُن کے کئے کام ☆

☆ یعنی جو کام کیے تھے ان سب کا نتیجہ سامنے آجائے گا کوئی ایک عمل بھی غائب نہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

فَيُنَبِّئُهُمْ۔ یعنی علی الاعلان سب کے سامنے رسوا کرنے کے لئے اللہ ان کو ان کے اعمال سے باخبر کرے گا تاکہ سب کے سامنے ان کو عذاب دیا جا سکے۔ (تفسیر مظہری)

اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ط وَاللّٰهُ

اللہ نے وہ سب گن رکھے ہیں اور وہ بھول گئے اور اللہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۶

کے سامنے ہے ہر چیز ☆

سب کے اعمال محفوظ ہیں ☆ یعنی انکو اپنی عمر بھر کے بہت سے کام یاد بھی نہیں رہے یا ان کی طرف توجہ نہیں رہی لیکن اللہ کے ہاں وہ سب ایک ایک کر کے محفوظ ہیں۔ وہ سارا دفتر اس دن کھول کر سامنے رکھ دیا جائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

اَحْصٰىهُ اللّٰهُ۔ یعنی اللہ کا علم ان کے سارے اعمال کو محیط ہے ان کا کوئی عمل اللہ کے علم سے باہر نہیں۔

وَنَسُوْهُ۔ یعنی بدعملی کی کثرت یا ان کے بے پروائی اور بیباکی کی وجہ سے وہ اپنے کئے ہوئے اعمال کو بھول گئے۔ جو اہم اور عظیم کام ہوتا ہے اس کو یاد رکھا جاتا ہے اور ان کی نظر میں گناہوں کی اہمیت نہیں اس لئے ان کو بھول گئے۔

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ۔ یعنی اللہ سے کوئی چیز غائب نہیں۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں

وَمَا فِي الْاَرْضِ ط مَا يَكُوْنُ مِنْ

اور جو کچھ ہے زمین میں، کہیں نہیں ہوتا

نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا

مشورہ تین کا جہاں وہ نہیں ہوتا اُن میں چوتھا اور نہ

خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰى

پانچ کا جہاں وہ نہیں ہوتا اُن میں چھٹا اور نہ اُس سے کم

مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ

اور نہ زیادہ جہاں وہ نہیں ہوتا اُن کے ساتھ

اَيْنَ مَا كَانُوْا ج

جہاں کہیں ہوں ☆

سب کچھ اللہ کے سامنے ہے ☆ یعنی صرف ان کے اعمال ہی پر کیا منحصر ہے اللہ کے علم میں تو آسمان و زمین کی ہر چھوٹی بڑی چیز ہے کوئی مجلس کوئی سرگوشی اور کوئی خفیہ سے خفیہ مشورہ نہیں ہوتا جہاں اللہ اپنے علم محیط کے ساتھ موجود نہ ہوں جہاں تین آدمی چھپ کر مشورہ کرتے ہوں نہ سمجھیں کہ وہاں کوئی چوتھا نہیں سن رہا اور پانچ کی کمیٹی خیال نہ کرے کہ کوئی چھٹا سننے والا نہیں۔ خوب سمجھ لو کہ تین ہوں یا پانچ یا اس سے کم زیادہ کہیں ہوں کسی حالت میں ہوں اللہ تعالیٰ ہر جگہ اپنے علم محیط سے ان کے ساتھ ہے کسی وقت ان سے جدا نہیں (تنبیہ) مشورہ میں اگر صرف دو شخص ہوں تو بصورت اختلاف ترجیح میں دشواری ہوتی ہے اسی لیے عموماً معاملات مہمہ میں طاق عدد رکھتے ہیں اور ایک کے بعد پہلا طاق عدد تین تھا پھر پانچ شاید اس لیے ان دو کو اختیار فرمایا اور آگے "وَلَا اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرَ" سے تعمیم فرما دی۔ باقی حضرت عمر کا شوریٰ خلافت کو چھ بزرگوں میں دائر کرنا (حالانکہ چھ کا عدد طاق نہیں) اس لئے ہوگا کہ اس وقت یہی چھ خلافت کے سب سے زیادہ اہل اور مستحق تھے۔ جن میں سے کسی کو چھوڑا نہیں جا سکتا تھا۔ نیز خلیفہ کا انتخاب انہی چھ میں سے ہو رہا تھا تو ظاہر ہے جس کا نام آتا اس کو سوائے رائے دینے والے تو پانچ ہی رہتے ہیں۔ پھر بھی احتیاطاً حضرت عمرؓ نے بصورت مساوات ایک جانب کی ترجیح کے لیے عبداللہ بن عمرؓ کا نام لے دیا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ۔ یعنی اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے اور اس طرح تین کے عدد کو چار کر دیتا ہے۔ اللہ کی معیت بے کیفیت ہے اس کی کیفیت بیان نہیں

کی جاسکتی۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کو اس کی سرگوشی کا علم ہوتا ہے۔

تخصیص عدد کی وجہ: تین اور پانچ کا خصوصیت کے ساتھ ذکر یا تو اس وجہ سے کیا گیا کہ آیت کا نزول مخصوص واقعہ سے تعلق رکھتا ہے منافقوں نے باہم سرگوشیاں کی تھیں۔ انہیں کے سلسلہ میں اس آیت کا نزول ہوا۔

یا تخصیص عددی کی یہ وجہ ہے کہ اللہ طاق ہے طاق عدد کو ہی پسند کرتا ہے (اگرچہ اس کے طاق ہونے کا معنی ہے ایک ہونا اور ایک عدد نہیں آغاز عدد جفت سے ہوتا ہے اور تین کا عدد پہلا طاق عدد ہے اور پانچ دوسرا طاق عدد ہے) اور باہم مشورہ کے لئے کم سے کم تین آدمی ہونے چاہئیں۔ دو تو وہ ہوں گے جن کی رائے میں باہم اختلاف ہوگا اور تیسرا وہ ہوگا جو فریقین میں سے کسی ایک کی رائی کو ترجیح دے گا اس طور پر باہم مشورہ کے لئے کم سے کم تین آدمی کا ہونا ضروری ہے۔ یہ تو انفرادی مشورہ کی صورت ہے یعنی ایک شخص ایک رائے رکھتا ہے اور دوسرا شخص دوسرا خیال رکھتا ہے۔ لیکن باہم مشورہ کبھی جماعتوں میں بھی ہوتا ہے اور جماعت کا ادنی درجہ دو ہے۔ اس صورت میں کم سے کم ایک طرف دو ہونے اور دوسری رائے رکھنے والے بھی کم سے کم دو ہوں گے اور دونوں فریقوں کا فیصلہ کرنیوالا اور ایک فریق کی رائے کو فریق ثانی پر ترجیح دینے والا پانچواں شخص ہوگا اس طرح یہ کمیٹی پانچ آدمیوں کی ہو جائے گی۔ اب رہے تین سے کم باہم مشورہ۔ یعنی دو کا مشورہ یا تین اور پانچ سے زائد۔ یعنی چار اور چھ۔ اور اس سے زائد تو اس کی طرف اشارہ ولا ادنی من ذلک ولا اکثر میں کر دیا گیا۔

اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ ۔ مگر اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے یعنی اللہ کو ان کے مشورہ کی اطلاع ہوتی ہے۔ اللہ کے ساتھ ہونے کی کیفیت نا قابل بیان ہے۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ
پھر جتلا دیگا اُن کو جو کچھ اُنہوں نے کیا قیامت
الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ
کے دن بیشک اللہ کو معلوم ہے ہر چیز
عَلِيْمٌ ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا
تو نے نہ دیکھا اُن لوگوں کو جن کو منع
عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا
ہوئی کانا پھوسی پھر بھی وہی کرتے ہیں جو منع

عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ
ہو چکا ہے اور کان میں باتیں کرتے ہیں گناہ کی اور زیادتی کی
وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ
اور رسول کی نافرمانی کی ☆

سبب نزول ☆ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھ کر منافق سرگوشیاں کرتے۔ مجلس والوں کا مذاق اڑاتے۔ ان پر عیب پکڑتے ایک دوسرے کے کان میں اس طرح بات کہتا اور آنکھوں سے اشارے کرتا جس سے مخلص مسلمانوں کو تکلیف ہوتی اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن کر کہتے "یہ مشکل کام ہم سے کہاں ہو سکے گا" پہلے سورہ "نساء" میں اس طرح کی سرگوشیوں سے منع کیا جاچکا تھا۔ لیکن یہ موذی بے حیاء پھر بھی اپنی حرکتوں اور زیادتیوں سے باز نہ آئے۔ اس پر یہ آیتیں اتریں۔ (تفسیر عثمانی)

ابن ابی حاتم نے بروایت مقاتل بن حبان بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہودیوں کے درمیان معاہدہ مصالحت تھا اسی زمانے میں جب کوئی صحابی یہودیوں کی طرف سے گذرتا تھا وہ چپکے چپکے آپس میں کچھ باتیں کرنے لگتے تھے صحابی کو یہ خیال ہوتا تھا کہ یہ لوگ مجھے قتل کرنے یا دکھ پہنچانے کی سازش کر رہے تھے۔

بغوی کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ مسلمان جب یہودیوں کو چپکے چپکے سرگوشیاں کرتے دیکھتے تھے تو کہتے تھے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان کو ہمارے فوجی دستوں کے مارے جانے یا مرنے یا شکست کھا کر بھاگنے کی کوئی اطلاع ملی ہے اس وجہ سے تو یہ سرگوشیاں کر رہے ہیں اس خیال سے مسلمانوں کے دلوں کو دکھ پہنچتا تھا اور وہ غمگین ہو جاتے تھے۔ جب ایسے واقعات بہت ہونے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی زبانی بار بار اس کی شکایات سنیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو اس طرح سرگوشیاں کرنے کی ممانعت فرمادی لیکن وہ باز نہیں آئے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ ۔ یعنی (علی الاعلان) رسوا کرنے اور مستحق سزا قرار دینے کے لئے ان کو قیامت کے دن اللہ ان کے سارے اعمال سے آگاہ فرمائے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔ چونکہ اللہ تمام ذات و صفات کا خالق اور احوال کو الٹ پلٹ کرنے والا ہے اس لئے یقیناً ہر چیز سے بخوبی واقف ہے۔ (تفسیر مظہری)

مجلس کے ادب: حضرت شاہ عبدالقادرؒ اپنے فوائد میں لکھتے ہیں "مجلس میں دو شخص کان میں بات کریں تو دیکھنے والے کو غم ہو کہ مجھ سے کیا حرکت

ہوئی جو یہ چھپ کر کہتے ہیں''۔

احادیث میں اس بات کی ممانعت آئی ہے کہ مجلس میں ایک آدمی کو چھوڑ کر دو شخص آپس میں سرگوشی کرنے لگیں کیونکہ اس صورت میں لامحالہ تیسرا شخص غمگین ہوگا۔

بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِذَا كُنْتُمْ ثَلٰثَةً فَلَا يَتَنَاجَ رَجُلَانِ دُوْنَ الْاٰخَرِ حَتّٰى يَخْتَلِطُوْا بِالنَّاسِ فَاِنَّ ذٰلِكَ يَحْزُنُهٗ۔ ''یعنی جس جگہ تم تین آدمی جمع ہو تو دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر باہم سرگوشی اور خفیہ باتیں نہ کیا کرو جب تک دوسرے آدمی نہ آجائیں' کیونکہ اس سے اس کی دلشکنی ہو گی'' (غیریت اور اجنبیت کا احساس ہوگا اور ممکن ہے کہ ایسے شبہات پیدا ہو جائیں کہ شاید یہ دونوں کوئی بات میرے خلاف کر رہے ہیں جو مجھ سے چھپاتے ہیں) (از مظہری) (معارف مفتی اعظم)

وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ

اور جب آئیں تیرے پاس تجھ کو وہ دعا دیں جو

يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ

دعا نہیں دی تجھ کو اللہ نے اور کہتے ہیں اپنے دل

اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا

میں کیوں نہیں عذاب کرتا ہم کو اللہ اُس پر جو

نَقُوْلُ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا ج

ہم کہتے ہیں کافی ہے اُن کو دوزخ داخل ہونگے اس میں

فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۸

سو بُری جگہ پہنچے ☆

یہودیوں کی شرارت ☆ یعنی اللہ نے تو آپ کو دوسرے انبیا کے ساتھ یہ دعائیں دی ہیں "سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ" اور "سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى" اور مومنین کی زبانوں سے "السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" مگر بعض یہود جب آپ کے پاس آتے تو بجائے السلام علیک کے دبی زبان سے "السام علیک" کہتے جس کے معنی ہیں ''تجھے موت آئے'' گویا اللہ نے جو سلامتی کی دعا آپ کو دی تھی اس کے خلاف بددعا دیتے تھے۔ پھر آپس میں کہتے کہ اگر یہ واقعی رسول ہے تو اس کہنے سے ہم پر فوراً عذاب کیوں نہیں آتا۔ اس کا جواب دیا ''حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ'' یعنی جلدی نہ کرو۔ ایسا کافی عذاب آئیگا جس کے سامنے دوسرے عذاب کی ضرورت نہ ہوگی (تنبیہ) احادیث میں ''یہود'' کے متعلق آیا ہے کہ "السلام" کی جگہ "السام" کہتے تھے۔ ممکن ہے بعض منافقین بھی ایسا کہتے ہونگے کیونکہ منافق عموماً یہودی تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب کوئی یہودی یہ کہتا آپ جواب میں صرف "وعلیک" فرما دیتے ایک مرتبہ عائشہ صدیقہؓ نے "السام علیک" کے جواب میں یہودی کو "علیک السام واللعنہ" کہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کمال خلق سے یہ جواب پسند نہ آیا۔ (تفسیر عثمانی)

بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۔ یہودی بجائے السلام علیکم کے السام علیکم کہتے تھے سام کا معنی ہے موت (گویا دھوکہ دیتے تھے اور دعا کی بجائے درپردہ بددعا کرتے تھے)۔

وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۔ اور اپنے دلوں میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہٹ کر آپس میں کہتے ہیں۔

حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۔ ان کو عذاب دینے کے لئے جہنم کافی ہے۔

گفتگو کا ادب: حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ یہودیوں کی ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی درخواست کی (اجازت ملنے کے بعد وہ آئے اور) کہا السام علیکم میں نے (یہ لفظ سن لیا اور) کہا **بل علیکم السام واللعنۃ** (تم پر ہلاکت اور لعنت ہو) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ اللہ رفیق ہے (یعنی رفیق الکلام ہے) اور ہر کام میں نرمی کو پسند فرماتا ہے۔ میں نے عرض کیا کیا آپ نے ان کی بات نہیں سنی انہوں نے فرمایا۔ میں نے بھی وعلیکم کہہ دیا تھا۔ دوسری روایت میں ہے میں نے بھی علیکم (بغیر واؤ کے) کہہ دیا تھا۔ بخاری کی روایت ہے کہ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے السام علیکم کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی (جواب میں) وعلیکم فرما دیا حضرت عائشہؓ (سے ضبط نہ ہوا اور آپ) نے کہا **السام علیکم ولعنکم اللہُ وَغَضِبَ علیکم** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ نرمی اختیار کرو درشت کلامی اور فحش سے پرہیز کرو حضرت عائشہ نے عرض کیا کیا آپ نے ان کی بات نہیں سنی فرمایا میں نے جو کہا وہ تم نے نہیں سنا میں نے تو ان کی بات انہیں پر لوٹا دی میری بددعا ان کے حق میں قبول ہوگی اور ان کی بددعا میرے حق میں قبول نہیں ہوگی۔

مسلم کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم فحش گو نہ بنو اللہ فحش گوئی کو پسند نہیں کرتا۔ حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب یہودی تم کو سلام کرتے ہیں تو ان میں سے کچھ لوگ السام علیکم کہتے ہیں تم بھی وعلیکم کہہ دیا کرو متفق علیہ۔ حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اہل کتاب تم کو سلام کریں تو تم وعلیکم کہہ دیا کرو۔ (متفق علیہ) (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَا

اے　ایمان　والو　جب　تم　کان

جَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ

میں بات کرو تو مت کرو بات گناہ کی

وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ

اور زیادتی کی اور رسول کی نافرمانی کی

وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى

اور بات کرو احسان کی اور پرہیزگاری کی ☆

مسلمانوں کے مشورے ☆یعنی سچے مسلمانوں کو منافقین کی خو سے بچنا چاہیے ان کی سرگوشیاں اور مشورہ ظلم وعدوان اور اللہ و رسول کی نافرمانی کے لیے نہیں بلکہ نیکی اور تقویٰ اور معقول باتوں کی اشاعت کے لیے ہونے چاہئیں جیسا کہ سورۂ "نساء" میں گذرا" لَاخَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ (نساء رکوع ۱۷) (تفسیر عثمانی)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۔ مقاتل نے کہا اس آیت میں خطاب منافقوں کو ہے جو صرف زبانوں سے اسلام کا دعویٰ کرتے تھے دلوں میں ایمان نہیں تھا۔ عطاء نے کہا وہ مومن مراد ہیں جو اپنے خیال کے بموجب ایمان لے آئے تھے۔

فَلَا تَتَنَاجَوْا ۔ یعنی یہودیوں کی طرح سرگوشیاں نہ کرو۔

وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ ۔ البر سے مراد ہے اداءِ فرائض۔ طاعت اور ہر وہ بات جس میں مسلمانوں کی بھلائی ہو۔

وَالتَّقْوٰى ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے پرہیز۔ (تفسیر مظہری)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ⑨

اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے پاس تم کو جمع ہونا ہے ☆

اللہ سے ڈرو ☆یعنی سب کو اللہ کے سامنے جمع ہو کر ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے۔ اس سے کسی کا ظاہر و باطن پوشیدہ نہیں لہٰذا اس سے ڈر کر نیکی اور پرہیزگاری کی بات کرو۔ (تفسیر عثمانی)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۔ یعنی ہر عمل اور ترک عمل میں اللہ سے ڈرتے رہو کیونکہ ہر عمل و ترک کا بدلہ اللہ ضرور دیگا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ

یہ جو ہے کانا پھوسی سو شیطان کا کام ہے تاکہ دلگیر کرے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ

ایمان والوں کو اور وہ اُن کا کچھ نہ بگاڑیگا

شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ

بدون اللہ کے حکم کے اور اللہ پر چاہئے کہ

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑩

بھروسہ کریں ایمان والے ☆

منافق کچھ نہیں بگاڑ سکتے ☆یعنی منافقین کی کانا پھوسی (سرگوشی) اسی غرض سے تھی کہ ذرا مسلمان رنجیدہ اور دلگیر ہوں اور گھبرا جائیں کہ نامعلوم یہ لوگ ہماری نسبت کیا منصوبے سوچ رہے ہونگے۔ یہ کام شیطان ان سے کرا رہا تھا۔ مگر مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ شیطان ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اس کے قبضہ میں کیا چیز ہے۔ نفع نقصان سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا حکم نہ ہو کتنے ہی مشورے کریں اور منصوبے گانٹھ لیں تمہارا بال بیکا نہ ہو گا۔ لہٰذا تم کو غمگین و دلگیر ہونے کے بجائے اپنے اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے (تنبیہ) احادیث میں ممانعت آئی ہے کہ مجلس میں ایک آدمی کو چھوڑ کر دو شخص کانا پھوسی کرنے لگیں کیونکہ وہ تیسرا غمگین ہوگا یہ مسئلہ بھی ایک طرح آیۂ ہٰذا کے تحت میں داخل ہوسکتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں " مجلس میں دو شخص کان میں بات کریں تو دیکھنے والے کو غم ہو کہ مجھ سے کیا حرکت ہوئی جو یہ چھپ کر کہتے ہیں"۔ (تفسیر عثمانی)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ

اے ایمان والو جب کوئی تم کو کہے

لَكُمْ تَفَسَّحُوْا

کہ کھل کر بیٹھو ☆

☆یعنی اس طرح بیٹھو کہ جگہ کھل جائے اور دوسروں کو بھی موقع بیٹھنے کا ملے۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول: بغوی نے مقاتل ابن حبان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدری مہاجرین و انصار کی عزت فرماتے تھے۔ ایک روز کچھ بدری حضرات خدمت گرامی میں حاضر ہوئے ان کے آنے سے پہلے اور لوگ مجلس میں بیٹھ چکے تھے مجبوراً یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گردا گرد کھڑے ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا آپ نے سلام کا جواب دیا پھر انہوں نے حاضرین کو سلام کیا انہوں نے بھی جواب دیا یہ حضرات کھڑے انتظار کرتے رہے کہ مسلمان ان کو جگہ دیدیں لیکن کسی نے جگہ نہیں دی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناگوار ہوئی اور اپنے پاس والے شخص کو حکم دیا

اے فلاں کھڑا ہو جا اسی طرح دوسرے سے فرمایا تو بھی (اٹھ جا) غرض جتنے بدری صحابی کھڑے تھے ان کی تعداد کے بقدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے حاضرین کو اٹھایا اور بدریوں کو ان کی جگہ پر بیٹھ جانے کا حکم دیدیا اٹھنے والوں کو یہ حکم شاق گذرا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے چہروں پر ناگواری کے آثار محسوس کرلئے اس پر آیات کا نزول ہوا۔ (تفسیر مظہری)

مجلس کا ادب: مجلس کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دو شخصوں کے درمیان بغیر ان کی اجازت کے داخل نہ ہو کہ بعض اوقات دونوں کے یک جا بیٹھنے میں اُن کی کوئی خاص مصلحت ہوتی ہے حضرت اُسامہ بن زید لیثیؓ کی روایت ابوداؤد و ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لَا یَحِلُّ لِرَجُلٍ اَنْ یُّفَرِّقَ بَیْنَ اثْنَیْنِ اِلَّا بِاِذْنِھِمَا ''یعنی کسی شخص کے لئے حلال نہیں کہ دو شخص جو ملے بیٹھے ہیں ان کے درمیان تفریق پیدا کرے جب تک کہ ان سے ہی اجازت نہ ملے (ابن کثیر) (معارف مفتی اعظم)

فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ

مجلسوں میں تو کھل جاؤ اللہ کشادگی

اللّٰہُ لَکُمْ ج

دے تم کو☆

☆یعنی اللہ تمہاری تنگیوں کو دور کریگا اور اپنی رحمت کے دروازے کشادہ کردیگا۔ (تفسیر عثمانی)

آداب مجلس: بغوی نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی ایسا نہ کرے کہ کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر پھر اس جگہ بیٹھ جائے بلکہ کشائش اور وسعت کرلیا کرو۔

بغوی نے بطریق شافعی حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن اپنے (مسلمان) بھائی کو (اس کی جگہ سے) نہ اٹھائے بلکہ یوں کہے جگہ کھولدو۔ (مجھے بھی جگہ دو)۔

ابوالعالیہ قرظی اور حسن نے کہا یہ حکم لڑائی کے مقامات اور دشمن سے جنگ کرنے کی جگہ کے سلسلہ میں تھا بعض لوگ مجاہدوں کی لائن میں داخل ہو جاتے اور کہتے تھے ہمارے لئے جگہ کھولدو لیکن پہلے سے جو مجاہد موجود ہوتے تھے وہ دشمن سے لڑنے اور شہید ہونے کے بڑے حریص ہوتے تھے اس لئے نو واردوں کو لائن میں جگہ نہیں دیتے تھے اس پر یہ حکم نازل ہوا۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا

اور جب کوئی کہے کہ اُٹھ کھڑے ہو تو اُٹھ کھڑے ہو☆

☆حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''یہ آداب ہیں مجلس کے کوئی آئے اور جگہ نہ پائے تو چاہیے سب تھوڑا تھوڑا ہٹیں تا مکان حلقہ کا کشادہ ہو جائے یا (اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوں اور) پرے ہٹ کر حلقہ کرلیں۔ (یا بالکل چلے جانے کو کہا جائے تو چلے جائیں) اتنی حرکت میں غرور (یا بخل) نہ کریں خو نیک پر اللہ مہربان ہے اور خوئے بد سے بیزار'' (تنبیہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم پرنور کی مجلس میں ہر شخص آپ کا قرب چاہتا تھا جس سے کبھی مجلس میں تنگی پیش آتی تھی حتی کہ بعض مرتبہ اکابر صحابہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جگہ نہ ملتی اس لیے یہ احکام دیئے گئے تا ہر ایک کو درجہ بدرجہ استفادہ کا موقع ملے اور نظم و ضبط قائم رہے۔ اب بھی اس قسم کی انتظامی چیزوں میں صدر مجلس کے احکام کی اطاعت کرنا چاہیے۔ اسلام ابتری اور بدنظمی نہیں سکھلاتا۔ بلکہ انتہائی نظم و شائستگی سکھلاتا ہے۔ اور جب عام مجالس میں یہ حکم ہے تو میدان جہاد اور صفوف جنگ میں تو اس سے کہیں بڑھ کر ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ لا

اللہ بلند کریگا اُنکے لئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں تم میں سے

وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ط

اور علم اُنکے درجے ☆

☆یعنی سچا ایمان اور صحیح علم انسان کو ادب و تہذیب سکھلاتا اور متواضع بناتا ہے۔ اہل علم و ایمان جس قدر کمالات و مراتب میں ترقی کرتے ہیں اسی قدر جھکتے اور اپنے کو ناچیز سمجھتے جاتے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ ان کے درجے اور زیادہ بلند کرتا ہے "من تواضع للہ رفعہ اللہ" یہ متکبر بددین یا جاہل گنوار کا کام ہے کہ اتنی سی بات پر لڑے کہ مجھے یہاں سے کیوں اٹھا دیا اور وہاں کیوں بٹھا دیا یا مجلس سے اٹھ جانے کو کیوں کہا افسوس کہ آج بہت سے بزرگ اور عالم کہلانے والے اسی خیالی اعزاز کے سلسلہ میں غیر مختتم جنگ آزمائی اور مورچہ بندی شروع کردیتے ہیں" اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ''۔ (تفسیر عثمانی)

علماء کی فضیلت: علماء سے مراد باعمل علماء ہیں۔ باعمل اہل علم کو اللہ وہ درجات عنایت کرتا ہے جو جاہل باعمل لوگوں کو نہیں عطا فرماتا۔ کیوں کہ عالم کے علم و عمل کی اقتداء کی جاتی ہے پس عالم کو اپنے کیے ہوئے کا ثواب تو دیا ہی جاتا ہے ان لوگوں کے عمل کا بھی پورا پورا اجر عنایت کیا جاتا ہے جو عالم کی اقتداء میں نیک عمل کرتے ہیں لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اصل نیکی

کرنے والوں کا کچھ ثواب کاٹ کر علماء کو دے دیا جاتا ہے ایسا نہیں ہوتا بلکہ ان مقتدیوں کو بھی انکی نیکی کا ثواب پورا پورا دیا جاتا ہے۔

مسلم نے حضرت جریر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کیا (اور اس پر لوگوں نے عمل کیا) تو اس کو اس طریقہ پر عمل کرنے کا اجر ملیگا اور ساتھ ہی ان لوگوں کے عمل کا بھی ثواب ملے گا۔ جو اس طریقہ پر چلتے رہیں گے لیکن عمل کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ عابد پر عالم کی برتری ایسی ہے جیسی چودھویں رات کے چاند کی برتری باقی ستاروں پر۔ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نے وارثت میں نہ کوئی دینار چھوڑا نہ درہم صرف علم کی میراث چھوڑی جس نے اس میراث کو لیا وہ بڑا خوش نصیب ہے۔ امام احمدؒ اور اصحاب السنن نے یہ حدیث کثیر بن قیس کی روایت سے اور بقول ترمذی قیس بن کثیر کی روایت سے بیان کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسی (تم میں سے سب سے) اعلیٰ کی سب سے ادنیٰ پر۔ رواہ الترمذی من حدیث ابی امامۃ الباہلی۔

علم کی فضیلت: حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے مسجد میں دو جگہ جلسہ ہو رہا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گذرے فرمایا دونوں مجلسیں مبنی بر خیر ہیں لیکن ایک دوسری سے افضل ہے۔ یہ لوگ تو اللہ سے دعا کر رہے ہیں اور اس کی طرف راغب ہیں اگر اللہ چاہے گا ان کو دے گا نہ دینا چاہے گا نہیں دے گا۔ اور وہ لوگ فقہ اور (دین کا) علم سیکھتے ہیں اور ناواقفوں کو سکھاتے ہیں اس لئے یہ لوگ (اول گروہ ہے) بڑھ کر ہیں اور مجھے تو تعلیم دہندہ بنا کر بھیجا گیا ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی (معلمین اور متکلمین) کے گروہ کے پاس بیٹھ گئے۔ رواہ الدارمی۔

حسن نے کہا حضرت ابن مسعود نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا لوگو اس آیت کو سمجھو یہ تم کو علم کی رغبت دلا رہی ہے اللہ فرما رہا ہے کہ مؤمن عالم مؤمن ناواقف سے بہت درجے اونچا ہے۔

آیت مذکورہ سے یہ بات بطور اشارہ معلوم ہو رہی ہے۔ کہ بدری صحابی اس اعزاز کے مستحق تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا کرتے تھے اور (بدریوں کے لئے جگہ چھوڑ دینے کا) جو حکم اللہ کے رسول نے دیا تھا وہ ٹھیک تھا اور جن لوگوں نے اس حکم کی تعمیل کی ان کو ثواب دیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو ☆

☆ یعنی ہر ایک کو اس کے کام اور لیاقت کے موافق درجے عطا کرتا ہے اور وہ ہی جانتا ہے کہ کون واقعی ایماندار اور اہل علم ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔ اور اللہ تمہارے اعمال سے پورے طور پر باخبر ہے یعنی تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تم کو اس کا بدلہ دے گا۔

اس جملہ میں عمل کی ترغیب ہے اور جن لوگوں نے حکم کی تعمیل نہیں کی بلکہ اس کو نامناسب سمجھا ان کے لئے تہدید ہے۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ

اے ایمان والو جب تم کان میں بات

الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ

کہنا چاہو رسول سے تو آگے بھیجو اپنی بات

نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ

کہنے سے پہلے خیرات یہ بہتر ہے

لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا

تمہارے حق میں اور بہت ستھرا پھر اگر نہ پاؤ

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے ☆

منافقوں کا علاج ☆ منافق بے فائدہ باتیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کان میں کرتے کہ لوگوں میں اپنی بڑائی جتائیں اور بعض مسلمان غیر مبہم باتوں میں سرگوشی کر کے اتنا وقت لے لیتے تھے کہ دوسروں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفید ہونے کا موقع نہ ملتا تھا یا کسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلوت چاہتے تو اس میں بھی تنگی ہوتی تھی۔ لیکن مروت و اخلاق کے سبب کسی کو منع نہ فرماتے اس وقت یہ حکم ہوا کہ جو مقدرت والا آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنا چاہے وہ اس سے پہلے کچھ خیرات کر کے آیا کرے اس میں کئی فائدے ہیں غریبوں کی خدمت، صدقہ کرنیوالے کے نفس کا تزکیہ، مخلص و منافق کی تمیز، سرگوشی کرنیوالوں کی تقلیل وغیر ذٰلک ہاں جس کے پاس خیرات کرنے کو کچھ نہ ہو اس سے یہ قید معاف ہے۔ جب یہ حکم اترا منافقین نے مارے بخل کے وہ عادت چھوڑ دی اور مسلمان بھی سمجھ گئے کہ زیادہ سرگوشیاں کرنا اللہ کو پسند نہیں اسی لیے یہ قید لگائی ہے۔ آخر یہ حکم اگلی آیت سے منسوخ فرما دیا۔ (تفسیر عثمانی)

تنگدست حضرات کا مسئلہ: ابن ابی حاتم کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب یہ آیت نازل ہوئی تو بہت لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے سے رک گئے اور (مسائل) دریافت کرنے سے باز رہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو سے رک گئے تنگ دست تو اپنی ناداری کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے سے معذور ہو گئے اور مالدار لوگ اپنی کنجوسی کی وجہ سے ہم کلامی سے محروم ہو گئے۔ صحابہؓ پر یہ محرومی بڑی گراں گذری اسکے بعد (بغیر کچھ خیرات کئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (مسائل پوچھنے کی) اجازت ہو گئی۔

حضرت علیؓ کا امتیاز: تفسیر مدارک میں آیا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرتا تو ایک درہم خیرات کر دیا کرتا تھا۔ اور میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دس مسائل دریافت کئے آپ نے مجھے ان کے جواب دیئے۔ (۱) میں نے پوچھا تھا یا رسول اللہ (عہد کی) وفا کیا ہے فرمایا اقرار واحدانیت اور لا الٰہ الا اللہ کی شہادت' (۲) میں نے پوچھا فساد سے کیا مراد ہے فرمایا کفر باللہ اور شرک۔ (۳) میں نے کہا حق کیا ہے فرمایا اسلام اور قرآن اور ولایت (۴) میں نے پوچھا حیلہ کیا ہے فرمایا ترک حیلہ (قطع اسباب) (۵) میں نے کہا مجھ پر کیا چیز لازم ہے فرمایا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت (۶) میں نے کہا اللہ سے دعا میں کس طرح کروں فرمایا خلوص اور یقین کے ساتھ (۷) میں نے عرض کیا اللہ سے میں کیا مانگوں فرمایا عافیت (دوزخ سے اور دنیوی مصائب سے حفاظت) (۸) میں اپنی نجات کے لئے کیا کروں فرمایا حلال (روزی) کھاؤ اور سچ کہو۔ (۹) میں نے عرض کیا سرور (خوشی) کیا ہے؟ فرمایا جنت (۱۰) میں نے عرض کیا راحت (چین آرام سکون) کیا ہے فرمایا اللہ سے ملاقات (یعنی اللہ کا دیدار) جب میں یہ سوالات کر چکا اور جواب مل چکا تو اس حکم کو منسوخ کرنے والی آیت ذیل نازل ہوئی۔

ترمذی نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا اور اس روایت کو حسن کہا ہے کہ جب آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (علیؓ) تمہاری کیا رائے ہے (مقدار صدقہ) ایک دینار ہونا چاہئے۔ (یعنی دس درہم) میں نے عرض کیا لوگوں میں اس کی طاقت نہیں ہوگی فرمایا (اچھا) تو نصف دینار میں نے عرض کیا اس کی بھی استطاعت نہیں ہوگی فرمایا تو پھر کیا مقدار ہونی چاہیے میں نے عرض کیا ایک جو (مثلاً ایک پیسہ) فرمایا تم بڑے زاہد ہو اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ
کیا تم ڈر گئے کہ آگے بھیجا کرو کان کی بات
نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ
سے پہلے خیراتیں سو جب تم نے
تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ
نہ کیا اور اللہ نے معاف کر دیا تم کو
فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ
تو اب قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ
وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ وَاللّٰهُ
اور حکم پر چلو اللہ کے اور اُسکے رسول کے اور اللہ
خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۳
کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو ☆

پچھلے حکم کی منسوخی ☆ یعنی صدقہ کا حکم دینے سے جو مقصد تھا حاصل ہو گیا۔ اب ہم نے یہ وقتی حکم اٹھا لیا ہے چاہیے کہ ان احکام کی اطاعت میں ہمہ تن لگے رہو جو کبھی منسوخ ہونے والے نہیں۔ مثلاً نماز و زکوٰۃ وغیرہ اس سے کافی تزکیہ نفس ہو جائیگا (تنبیہ) "فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا" سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم پر عام طور سے عمل کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ بعض روایات میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس حکم پر امت میں سے صرف میں نے عمل کیا۔ (تفسیر عثمانی)

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا۔ یعنی کیا تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو گیا یا یہ مطلب ہے کہ شیطان نے جو محتاج ہو جانے سے تم کو ڈرایا ہے تو اس وجہ سے تم خیرات کرنے سے ڈر گئے۔

فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا۔ یعنی جب مفلسی یا کنجوسی کی وجہ سے تم نے خیرات نہیں کی۔

وَتَابَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ ۔ یعنی اللہ نے تم سے درگذر کی اور عذاب نہیں دیا یا تَابَ عَلَیْكُمْ کا یہ معنی ہے کہ اللہ نے تم کو صدقات کی فرضیت سے لوٹا دیا اور خیرات کے حکم کو منسوخ کر دیا اور خیرات نہ کرنے کی تم کو اجازت دیدی۔

آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ مفلس ہو جانے کا اندیشہ گناہ تھا' مگر اللہ نے اس کو معاف کر دیا۔

آئندہ آیت کا شان نزول: امام احمدؒ بزار، ابن جریرؒ طبرانی اور حاکم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی حجرہ میں تشریف فرما تھے یا کسی حجرہ کے سایہ میں فروکش تھے اور سایہ سکڑ رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک جبار آدمی تمہارے پاس (ابھی) آئے گا۔ دوسری روایت میں آیا ہے اس کا دل جبار کے دل کی طرح ہوگا۔ یعنی وہ شیطان ہوگا۔ جب وہ آئے تو تم لوگ اس سے کلام نہ کرنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ سامنے سے ایک شخص نمودار ہوا جو نیلی آنکھوں والا اور کانا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو آتا دیکھا تو بلایا اور فرمایا تم اور تمہارے ساتھی مجھے گالیاں کیوں دیتے ہیں۔ اس شخص نے جواب دیا مجھے ذرا دیر کی اجازت دیجئے میں جا کر ابھی آپ کے پاس آتا ہوں چنانچہ وہ شخص چلا گیا اور ساتھیوں کو بلا لایا اور سب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قسمیں کھائیں کہ ہم نے نہ باتیں کہی ہیں نہ کی ہیں۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا

کیا تو نے نہ دیکھا اُن لوگوں کو جو دوست ہوئے ہیں

غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ

اُس قوم کے جن پر غصہ ہوا ہے اللہ ☆ نہ وہ

مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ

تم میں ہیں اور نہ اُن میں ہیں ☆ اور قسمیں کھاتے ہیں

عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾

جھوٹ بات پر اور اُن کو خبر ہے ☆

☆ یہ لوگ منافق ہیں اور وہ قوم یہود ہے۔ (تفسیر عثمانی)

☆ یعنی منافق نہ پوری طرح تم مسلمانوں میں شامل کیونکہ دل سے کافر ہیں اور نہ پوری طرح اُن میں شریک کیونکہ بظاہر زبان سے اپنے کو مسلمان کہتے تھے "مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ". (تفسیر عثمانی)

☆ یعنی بے خبری اور غفلت سے نہیں جان بوجھ کر جھوٹی بات پر قسمیں کھاتے ہیں مسلمان سے کہتے ہیں "اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ" کہ وہ تم میں سے ہیں اور تمہاری طرح سچے ایماندار ہیں حالانکہ ایمان سے کوئی دور کی نسبت بھی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا ۔ الذین سے مراد ہیں منافق یعنی عبداللہ بن نبتل اور اس کے ساتھی۔ اور قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ سے مراد ہیں یہودی یہ منافق یہودیوں کے دوست اور خیر خواہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز یہودیوں سے جا کر کہہ دیتے تھے۔

مَا هُمْ مِّنْكُمْ ۔ یعنی دین اور دوستی میں وہ تم میں سے نہیں ہیں دین کے لحاظ سے مومن نہیں اور دوستی یہودیوں سے رکھتے ہیں۔

وَلَا مِنْهُمْ ۔ اور نہ یہودیوں میں سے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ

تیار رکھا ہے اللہ نے اُن کے لئے سخت عذاب ☆

☆ جس کو دوسری جگہ فرمایا "اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ" (نساء رکوع ۲۱) (تفسیر عثمانی)

اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

بیشک وہ برے کام ہیں جو وہ کرتے ہیں ☆

☆ یعنی خواہ ابھی ان کو نظر نہ آئے لیکن نفاق کے کام کر کے وہ اپنے حق میں بہت برا بیج بو رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً

بنا رکھا ہے اپنی قسموں کو ڈھال

فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

پھر روکتے ہیں اللہ کی راہ سے

فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾

تو اُن کو ذلت کا عذاب ہے

لَنْ تُغْنِىَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ

کام نہ آئیں گے اُن کو اُن کے مال

وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ

اور نہ اُن کی اولاد اللہ کے ہاتھ سے کچھ بھی

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا

وہ لوگ ہیں دوزخ کے وہ اُسی میں

خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾
پڑے رہیں گے ☆

منافقت کا انجام ☆ یعنی جھوٹی قسمیں کھا کر مسلمانوں کے ہاتھوں سے اپنی جان و مال کو بچاتے ہیں اور اپنے کو مسلمان ظاہر کر کے دوستی کے پیرایہ میں دوسروں کو اللہ کی راہ پر آنے سے روکتے ہیں۔ سو یاد رہے کہ یہ لوگ اس طرح کچھ عزت نہیں پا سکتے۔ سخت ذلت کے عذاب میں گرفتار ہو کر رہیں گے اور جب سزا کا وقت آئیگا اللہ کے ہاتھ سے کوئی نہ بچا سکے گا۔ نہ مال کام آئیگا نہ اولاد جن کی حفاظت کے لیے جھوٹی قسمیں کھاتے پھرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا
جس دن جمع کریگا اللہ اُن سب کو
فَیَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا یَحْلِفُوْنَ
پھر قسمیں کھائیں گے اُسکے آگے جیسے کھاتے ہیں
لَكُمْ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى
تمہارے آگے اور خیال رکھتے ہیں کہ وہ کچھ بھلی
شَیْءٍ
راہ پر ہیں ☆

اللہ کے سامنے جھوٹ ☆ یعنی یہاں کی عادت پڑی ہوئی وہاں بھی نہ جائیگی۔ جس طرح تمہارے سامنے جھوٹ بول کر بچ جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے ہوشیار ہیں اور بڑی اچھی چال چل رہے ہیں اللہ کے سامنے بھی جھوٹی قسمیں کھانے کو تیار ہو جائینگے کہ پروردگار ہم تو ایسے نہ تھے ویسے تھے۔ شاید وہاں بھی خیال ہو کہ اتنا کہہ دینے سے رہائی ہو جائیگی۔ (تفسیر عثمانی)

یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ۔ یعنی یہ عذاب مہین اس دن ہوگا جب اللہ ان کو زندہ کر کے اُٹھائے گا اور وہ اللہ کے سامنے قسمیں کھا کھا کر کہیں گے بخدا ہم مشرک نہیں تھے جس طرح اب دنیا میں قسمیں کھا کر تم سے کہتے ہیں کہ ہم تم میں سے ہیں (کافر غیر مسلم نہیں ہیں)

وَیَحْسَبُوْنَ الخ۔ اور خیال کرتے ہیں کہ یہ ان کی نجات کا ذریعہ ہے اور جھوٹی قسمیں اللہ کے سامنے بھی ان کے کام آئیں گی۔ یقیناً یہ انتہائی جھوٹے ہیں وہ خدا جو عالم الغیب ہے اس سے بھی یہ جھوٹ بولیں گے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾
سنتا ہے وہی ہیں اصل جھوٹے ☆

☆ بیشک اصل اور ڈبل جھوٹا وہ ہی ہے جو خدا کے سامنے بھی جھوٹ کہنے سے نہ شرمائے۔ (تفسیر عثمانی)

اِسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ
قابو کر لیا ہے اُن پر شیطان نے
فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ
پھر بھلا دی اُن کو اللہ کی یاد ☆

شیطانی گروہ ☆ شیطان جس پر پوری طرح قابو کر لے اس کا دل و دماغ اسی طرح مسخ ہو جاتا ہے اسے کچھ یاد نہیں رہتا کہ خدا بھی کوئی چیز ہے۔ بھلا اللہ کی عظمت اور بزرگی و مرتبہ کو وہ کیا سمجھے۔ شاید محشر میں بھی جھوٹ پر قدرت دے کر اس کی بے حیائی اور حماقت کا اعلان کرنا ہو کہ اس ممسوخ کو اتنی سمجھ نہیں کہ اللہ کے آگے میرا جھوٹ کیا چلے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ اَلَآ
وہ لوگ ہیں گروہ شیطان کا سنتا ہے
اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ
جو گروہ ہے شیطان کا
الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾
وہی خراب ہوتے ہیں ☆

☆ شیطانی لشکر کا انجام یقیناً خراب ہے نہ دنیا میں ان کے منصوبے آخری کامیابی کا منہ دیکھ سکتے ہیں نہ آخرت میں عذاب شدید سے نجات پانے کی کوئی سبیل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حِزْبُ الشَّیْطٰنِ ۔ شیطان کا لشکر، شیطان کا گروہ۔

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۔ یقیناً یہ گھاٹا اٹھانے والے ہیں۔ جنت کے عوض انہوں نے دوزخ خرید لی۔

قبر میں دو گھروں کا نظارہ: حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ ایک طویل حدیث میں آیا ہے کہ کافر کے لئے قبر کے اندر جنت کی طرف ایک شگاف کسی قدر کھول دیا جاتا ہے جس سے وہ جنت کے اندر کی چیزیں اور تر و تازگی دیکھ لیتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا رُخ اللہ نے تیری طرف سے پھیر دیا ہے' پھر دوزخ کی طرف ایک شگاف کھول دیا جاتا ہے جس سے کافر دوزخ کی طرف دیکھتا ہے تو دکھائی دیتا ہے کہ (آگ کے شعلے آپس میں ایسے لپٹ رہے ہیں کہ) ایک دوسرے کو کھائے جاتا ہے' کافر سے کہا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانہ ہے۔ رواہ ابن ماجۃ۔

یہ بھی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کے دو گھر ہیں ایک جنت میں دوسرا دوزخ میں جو شخص مر کر دوزخ میں چلا جاتا ہے اس کے جنت والے گھر کے وارث اہل جنت ہو جاتے ہیں اللہ نے انہیں کے متعلق فرمایا ہے اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
جو لوگ خلاف کرتے ہیں اللہ کا' اور اُس کے رسول کا'
اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ كَتَبَ
وہ لوگ ہیں سب سے بیقدر لوگوں میں اللہ لکھ چکا
اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ
کہ میں غالب ہونگا اور میرے رسول
اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾
بیشک اللہ زور آور ہے زبردست ☆

حق ہی غالب ہوگا ☆ یعنی اللہ و رسول کا مقابلہ کرنیوالے جو حق و صداقت کے خلاف جنگ کرتے ہیں، سخت ناکام اور ذلیل ہیں۔ اللہ لکھ چکا ہے کہ آخر کار حق ہی غالب ہو کر رہیگا اور اس کے پیغمبر ہی مظفر و منصور ہوں گے۔ اس کی تقریر پہلے کئی جگہ گزر چکی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

كَتَبَ اللّٰهُ ۔ یعنی اللہ نے لوح محفوظ میں یہ اٹل فیصلہ لکھ دیا ہے۔

لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۔ زجاج نے کہا رسولوں کا غلبہ دو صورتوں میں ہے جن پیغمبروں کو کافروں سے لڑنے کا حکم دیا گیا وہ لڑائی میں غالب آئے اور جن کو لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا ان کو دلائل و براہین کے ذریعے سے غلبہ حاصل ہوا۔

قَوِيٌّ ۔ یعنی ایسا طاقتور ہے کہ کوئی اس کی مشیت میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتا۔

عَزِيْزٌ ۔ ایسا غالب ہے کہ کوئی اس پر غلبہ نہیں پا سکتا۔ (تفسیر مظہری)

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ
تو نہ پائیگا کسی قوم کو جو یقین رکھتے ہوں اللہ پر
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ
اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ایسوں سے جو مخالف ہوئے
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ
اللہ کے اور اسکے رسول کے خواہ وہ اپنے باپ ہوں
اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ
یا اپنے بیٹے یا اپنے بھائی یا
عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ
اپنے گھرانے کے اُن کے دلوں میں اللہ نے
قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ
لکھ دیا ہے ایمان ☆

☆ یعنی ایمان انکے دلوں میں جما دیا اور پتھر کی لکیر کی طرح ثبت کر دیا۔ (تفسیر عثمانی)

مومن کافر سے دوستی نہیں کرتا: اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ کافروں کی دوستی سے مومن کے ایمان میں خرابی آ جاتی ہے' مومن کسی کافر سے دوستی نہیں کرتا خواہ وہ کافر اس مومن کا کتنا ہی قریب ترین رشتہ رکھتا ہو۔

شان نزول: بعض روایات میں آیا ہے کہ اس آیت کا نزول ابوحاطب بن بلتعہ کے حق میں ہوا۔ ابوحاطب نے مکہ والوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض مخفی ارادوں کی اطلاع کے لئے ایک تحریر بھیج دی تھی (جو راستہ ہی میں پکڑی گئی) تفصیلی واقعہ کا بیان سورۂ ممتحنہ میں آئے گا۔

ابن المنذر نے بحوالۂ ابو جریج بیان کیا کہ ابوقحافہ نے (مسلمان ہونے سے پہلے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ بُرا کہا تھا۔

حضرت ابوبکرؓ نے (اپنے باپ) ابوقحافہ کے مُکا مارا جس سے وہ گر پڑے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ابوبکر! کیا تم نے ایسی حرکت کی؟

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا۔ اگر اس وقت میرے پاس تلوار ہوتی تو میں

تلوار سے اس کو مارتا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتم نے ابن سودہ کی روایت سے بیان کیا کہ اس آیت کا نزول حضرت عبیدہ بن جراح کے بارے میں ہوا جنہوں نے معرکۂ بدر میں اپنے باپ کو قتل کر دیا تھا' حاکم نے مستدرک میں اور طبرانی نے یہ واقعہ مذکورۂ ذیل تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے بدر کی لڑائی کے دن ابو عبیدہ کے والد ابو عبیدہ کو قتل کرنے کے درپے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ اس سے کترا جاتے تھے۔ آخر جب اس کی طرف سے بار بار بکثرت ایسا واقعہ ظاہر ہوتا رہا (اور وہ نہ مانا) تو ابو عبیدہ نے اس کو قتل کر دیا مقاتل بن حبان نے بوساطت مرہ ہمدانی بیان کیا کہ آیت وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ کے متعلق حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ ابو عبیدہ بن جراح نے اپنے باپ عبداللہ بن جراح کو جنگ احد میں قتل کر دیا۔

اَوْ اَبْنَآءَهُمْ ۔ یعنی ابو بکر۔ آپ نے بدر کی لڑائی کے دن اپنے بیٹے کو مقابلہ کی دعوت دی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجئے۔ پہلے دستہ میں بھی شامل ہو جاؤں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ابو بکر ہم کو (ابھی) اپنی ذات سے فائدہ اٹھانے دو (یعنی خود میدان میں نہ جاؤ بلکہ مشیر کی حیثیت سے ہمارے ساتھ رہو)

اَوْ اِخْوَانَهُمْ ۔ یعنی حضرت مصعبؓ بن عمیر جنہوں نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو اُحد کے دن قتل کیا تھا۔

اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۔ یعنی حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ۔ حضرت عمر نے بدر کی لڑائی میں اپنے ماموں عاصم بن ہشام کو قتل کیا تھا اور حضرت علیؓ' حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ نے بدر کے دن عتبہ بن ربیعہ شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ کو مارا تھا (قتل کیا تھا)

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ ۔ یعنی اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان کو جما دیا ہے۔ ان کے دلوں میں شک آ ہی نہیں سکتا۔

اس آیۂ مبارکہ میں بیان کردہ اہل ایمان کی شان اس وقت بھی ظاہر ہوئی جبکہ بدر کے قیدیوں کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ لیا تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ خیال کیا کہ فدیہ لینے میں کچھ تو مسلمانوں کے واسطے مدد اور تقویت کا سامان ہو جائے گا مزید یہ لوگ جگہ خود اپنے عشیرہ و قبیلہ ہی کے ہیں تو اس طرح کے انعام واحسان سے ممکن ہے اسلام کی طرف مائل ہو جائیں۔ مگر عمر فاروقؓ نے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری یہ رائے نہیں ہے جو ابو بکر کی ہے۔ میری تو رائے یہ ہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ ائمۃ الکفر ہیں ان کو قتل کر دیا جائے تاکہ کفر کی طاقت وشوکت پامال ہو مجھے آپ اجازت دیں کہ اپنے فلاں رشتہ دار (بھائی) کو قتل کروں اور علیؓ کو فرمایئے کہ وہ عقیل اپنے بھائی کو قتل کرے۔ اور فلاں کو فرمایئے کہ فلاں کو قتل کرے تاکہ اللہ تعالیٰ یہ دیکھ لے کہ ہمارے دلوں میں مشرکین اور خدا کے دشمنوں کی قطعاً کوئی محبت نہیں۔ قصہ کی تفصیل کے لئے کتب سیرت کی مراجعت فرمائی جائے۔ (معارف کاندھلوی)

وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ
اور اُن کی مدد کی ہے اپنے غیب کے فیض سے ☆

☆ یعنی غیبی نور عطا فرمایا جس سے قلب کو ایک خاص قسم کی معنوی حیات ملتی ہے یا روح القدس (جبریل) سے ان کی مدد فرمائی۔ (تفسیر عثمانی)

وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ
اور داخل کریگا اُن کو باغوں میں جن کے نیچے
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ
بہتی ہیں نہریں ہمیشہ رہیں اُن میں
رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ
اللہ اُن سے راضی اور وہ اُس سے راضی ☆
اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ
وہ لوگ ہیں گروہ اللہ کا سنتا ہے
حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾
جو گروہ ہے اللہ کا وہی مراد کو پہنچے ☆

صحابہؓ کی فضیلت ☆ یعنی یہ لوگ اللہ کے واسطے سب سے ناراض ہوئے تو اللہ ان سے راضی ہوا۔ پھر جس سے اللہ راضی ہوا اسے اور کیا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی جو دوستی نہیں رکھتے اللہ کے مخالف سے اگرچہ باپ بیٹے ہوں وہ ہی سچے ایمان والے ہیں ان کو یہ درجے ملتے ہیں" صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان یہ ہی تھی کہ اللہ و رسول کے معاملہ میں کسی چیز اور کسی شخص کی پروا نہیں کی اسی سلسلہ میں ابو عبیدہؓ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا جنگ "احد" میں ابو بکرؓ صدیق اپنے بیٹے عبدالرحمان کے مقابلہ میں نکلنے کو تیار ہو گئے مصعبؓ بن عمیر نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو عمر بن الخطاب نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو علی بن ابی طالب' حمزہؓ عبیدۃ بن الحارث نے اپنے

اقارب عتبہ شیبہ اور ولید بن عتبہ کو قتل کیا اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ نے جو مخلص مسلمان تھے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر آپ حکم دیں تو اپنے باپ کا سر کاٹ کر خدمت میں حاضر کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا۔ فرضی اللہ تعالیٰ عنہم ورضوا عنہ ورزقنا اللہ حبہم واتباعہم واماتنا علیہ آمین۔ تم سورۃ المجادلہ فللہ الحمد والمنۃ۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَیَّدَهُمْ الخ۔ روح سے مراد ہے نور یا اللہ کی مدد۔ سدی نے کہا ایمان مراد ہے۔

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔ یعنی ان کی اطاعت کی وجہ سے اللہ ان سے راضی ہوگا اور اللہ کی طرف سے عطائے ثواب پر وہ راضی ہوں گے۔ یا یہ مراد ہے کہ دنیا میں ان کے متعلق اللہ نے جو فیصلہ کر دیا ہے اس پر وہ راضی ہیں۔

اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ۔ یہ اللہ کا گروہ ہے اس کے دین کے مددگار ہیں اللہ کے اوامر ونواہی کے پابند ہیں۔

الْمُفْلِحُوْنَ۔ فلاح دارین حاصل کرنے والے ہیں۔ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہونے والے ہیں۔ ہر خوف سے محفوظ و مامون ہیں۔ (تفسیر مظہری)

کافر و فاجر سے دوستی: بہت سے حضرات فقہاء نے یہی حکم فساق و فجار اور دین سے عملاً منحرف مسلمانوں کا قرار دیا ہے کہ اُن کے ساتھ دلی دوستی کسی مسلمان کی نہیں ہوسکتی' کام کاج کی ضرورتوں میں اشتراک یا مصاحبت بقدر ضرورت الگ چیز ہے' دل میں دوستی کسی فاسق و فاجر کی اسی وقت ہوگی جبکہ فسق و فجور کے جراثیم خود اس کے اندر موجود ہوں گے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعاؤں میں فرمایا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ لِفَاجِرٍ عَلَیَّ یَدًا۔ یعنی یا اللہ مجھ پر کسی فاجر آدمی کا احسان نہ آنے دیجئے' کیونکہ شریف النفس انسان اپنے محسن کی محبت پر طبعاً مجبور ہوتا ہے اس لئے فساق و فجار کا احسان قبول کرنا ذریعہ ان کی محبت کا بنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی پناہ مانگی (قرطبی)۔

وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ۔ یہاں روح کی تفسیر بعض حضرات نے نور سے کی ہے جو منجانب اللہ مؤمن کو ملتا ہے اور وہی اس کے عمل صالح کا اور قلب کے سکون واطمینان کا ذریعہ ہوتا ہے' اور یہ سکون واطمینان ہی بڑی قوت ہے' اور بعض حضرات نے رُوح کی تفسیر قرآن اور دلائل قرآن سے کی ہے وہی مؤمن کی اصل طاقت وقوت ہے' (قرطبی) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

الحمدللہ سورۃ مجادلہ ختم ہوئی

جس نے خواب میں دیکھا کہ یہ سورہ پڑھ رہا ہے اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے پڑھنے والے کا حشر ایسی حالت میں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوگا اور اس کے دشمنوں کو ہلاک کرے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سورۃ کے مضامین: حشر کے معنی لغت میں جلاوطنی کے ہیں تو اس سورت میں یہودیوں کی جلاوطنی اور ذلت وخواری کا ذکر ہے کہ وہ کس طرح مدینہ اور مضافاتِ مدینہ سے جلاوطن کئے گئے جو قدرت خداوندی کا عظیم کرشمہ تھا کہ اس نے اپنے رسول کو ان پر تسلط اور غلبہ عطا فرمایا۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا آغاز حق تعالیٰ نے اپنی تسبیح وتقدیس سے فرمایا اور اختتام بھی تسبیح وتنزیہ پر فرمایا اور سورت کے اختتام پر اپنی صفات کمال وجلال کو بھی ذکر فرما دیا تاکہ اللہ رب العزت کی کمال قدرت اور کمال حکمت ظاہر ہو۔ (معارف کاندھلوی)

سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ حشر مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی چوبیس آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور

الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمت والا ☆

☆ چنانچہ اس کے زبردست غلبہ اور حکمت کے آثار میں سے ایک واقعہ آگے بیان کیا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

وہی ہے جس نے نکال دیا اُن کو جو منکر ہیں

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ

کتاب والوں میں اُن کے گھروں سے ☆

بنی نضیر کی عہد شکنی وجلاوطنی ☆ مدینہ سے مشرقی جانب چند میل کے فاصلہ پر ایک قوم یہود بستی تھی جس کو "بنی نضیر" کہتے تھے یہ لوگ بڑے جتھے والے اور سرمایہ دار تھے اپنے مضبوط قلعوں پر انکو ناز تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم

جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو شروع میں انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کا معاہدہ کر لیا کہ ہم آپ کے مقابلہ پر کسی کی مدد نہ کرینگے پھر مکہ کے کافروں سے نامہ و پیام کرنے لگے حتی کہ انکے ایک بڑے سردار کعب بن اشرف نے چالیس سواروں کے ساتھ مکہ پہنچ کر بیت اللہ شریف کے سامنے مسلمانوں کے خلاف قریش سے عہد و پیمان باندھا۔ آخر چند روز بعد اللہ و رسول کے حکم سے محمد بن مسلمہ نے اس غدار کا کام تمام کر دیا پھر بھی ''بنی نضیر'' کی طرف سے بدعہدی کا سلسلہ جاری رہا۔ کبھی دغابازی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چند رفیقوں کے ساتھ بلا کر اچانک قتل کرنا چاہا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاں بیٹھے تھے اوپر سے بھاری چکی کا پاٹ ڈال دیا اگر لگے تو آدمی مر جائے مگر سب مواقع پر اللہ کے فضل نے حفاظت فرمائی آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جمع کیا ارادہ کیا کہ ان سے لڑیں جب مسلمانوں نے نہایت سرعت و مستعدی سے مکانوں اور قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ وہ مرعوب و خوفزدہ ہو گئے۔ عام لڑائی کی نوبت نہ آئی۔ انہوں نے گھبرا کر صلح کی التجا کی آخر یہ قرار پایا کہ وہ مدینہ خالی کر دیں۔ ان کی جانوں سے تعرض نہ کیا جائیگا۔ اور جو مال اسباب اٹھا کر لے جا سکتے ہوں لے جائیں باقی مکان' زمین' باغ وغیرہ پر مسلمان قابض ہوئے حق تعالیٰ نے وہ زمین مال غنیمت کی طرح تقسیم نہ کرائی صرف حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار پر رکھی حضرت نے اکثر اراضی مہاجرین پر تقسیم کر دیں اس طرح انصار پر سے ان کا خرچ ہلکا ہوا۔ اور مہاجرین و انصار دونوں کو فائدہ پہنچا نیز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر کا اور وارد و صادر کا سالانہ خرچ بھی اسی سے لیتے تھے اور جو بچ رہتا اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے تھے۔ اس سورت میں یہی قصہ مذکور ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ۔ یعنی خاندان بنی نضیر جو حضرت ہارونؑ کی نسل سے تھا۔

مِنْ دِيَارِهِمْ۔ ان کے گھروں سے مدینہ میں تھے۔

یہودیوں کی عہد شکنی اور جلاوطنی کی تفصیل

ابن اسحاق نے بیان کیا' بنی نضیر کی جلاوطنی کا واقعہ اس وقت ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُحد سے واپس آئے تھے اور بنی قریظہ کا واقعہ جنگ احزاب سے واپسی کے وقت ہوا ان دونوں واقعات کے درمیان دو سال کی مدت ہوئی۔ بنی نضیر کو جلاوطن کرنے کا سبب یہ ہوا کہ (ہجرت کے بعد) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو بنی نضیر سے یہ معاہدہ ہو گیا کہ فریقین میں سے کوئی کسی سے جنگ نہیں کرے گا اور بنی نضیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں سے بھی نہیں لڑیں گے (اور نہ مسلمانوں کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے ہمراہ ہو کر لڑیں گے)۔

(۱) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدر کی لڑائی میں مشرکوں پر غلبہ حاصل ہو گیا تو بنی نضیر نے کہا خدا کی قسم یہ وہی نبی ہیں جن کے اوصاف توریت میں ہم کو ملتے ہیں۔ ان کا جھنڈا (کبھی) نہیں لوٹایا جا سکتا۔ اس کے بعد جب جنگ اُحد میں مسلمانوں کو شکست ہو گئی تو بنی نضیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت میں شک کرنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی دشمنی پر علی الاعلان اُتر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو ان کا معاہدہ ہوا تھا اس کو توڑ دیا چنانچہ بنی نضیر کا ایک شخص کعب بن اشرف چالیس یہودیوں کو لیکر کہ پہنچا اور قریش سے ملا اور فریقین نے باہم مل کر ایک معاہدہ کیا کہ سب قریش اور بنی نضیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر متحد رہیں گے ابوسفیان چالیس قریشیوں کو اور کعب بن اشرف یہودیوں کو لیکر کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور ایک معاہدہ کعبہ کے پردوں کے اندر آپس میں کر لیا۔ توثیق معاہدہ کے بعد کعب اپنے ساتھیوں کو لے کر مدینہ واپس آ گیا اور حضرت جبرائیل نے فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس معاہدہ کی اطلاع دیدی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا حکم دیدیا اور حضرت محمد بن مسلمہ نے جا کر کعب کو قتل کر دیا۔

(۲) بنی نضیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیام بھیجا کہ (ہم آپ کا کلام سننا اور آپ کا پیام سمجھنا چاہتے ہیں اس لئے) آپ اپنے تیس ساتھیوں کے ساتھ اور ہم اپنے تیس عالموں کے ساتھ نکل کر آ جائیں اور درمیان مقام پر سب جمع ہو جائیں اور ہمارے علماء آپ کی باتیں سنیں اگر وہ آپ کی تصدیق کر دیں گے اور آپ پر ایمان لے آئیں گے تو ہم سب ایمان لے آئیں گے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گزارش کو مان لیا اور) دوسرے روز تیس صحابہ کو ساتھ لے کر نکل کھڑے ہوئے اُدھر سے تیس یہودی عالم نکل آئے۔ جب دونوں فریق کھلے میدان میں پہنچ گئے تو بنی نضیر نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا محمد تک تمہاری رسائی کیسے ہو گی ان کے ساتھ تو ان کے تیس رفیق جان نثار موجود ہیں جب ان کی یہ تدبیر کامیاب نہیں ہوئی تو پیام بھیجا ہم (سب) ساٹھ آدمی ہیں (اس گڑبڑ میں) آپ کی بات کیسے سمجھ پائیں گے اس لئے آپ اپنے تین ساتھیوں کو لیکر آئیں۔ ہمارے بھی تین عالم آ جائیں گے اور آپ کی بات سنیں گے اگر انہوں نے تصدیق کر دی اور آپ پر ایمان لے آئے تو ہم بھی مسلمان ہو جائیں گے چنانچہ حضور والا تین صحابہ کے ساتھ برآمد ہوئے اور اُدھر سے تین یہودی بھی آ گئے جن کے پاس خنجر تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اچانک شہید کر دینے کا ان کا ارادہ تھا لیکن بنی نضیر کی ہی ایک عورت تھی جس کا بھائی مسلمان ہو گیا تھا اور انصاری تھا اس عورت نے بطور خیر خواہی اپنے بھائی کو کہلا بھیجا اور بنی نضیر کے ارادہ کی اطلاع دیدی اس کا بھائی فوراً دوڑا اور قبل اس کے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں تک پہنچتے آپ کو مخفی طور پر اطلاع دیدی آپ فوراً مدینہ کی طرف لوٹ آئے ابوداؤد' بیہقی' عبد بن حمید اور عبدالرزاق نے صحیح سند کے ساتھ یہ قصہ بیان کیا ہے۔

(۴) بنی نضیر نے ایک بدعہدی یہ کی تھی کہ بیر معونہ سے واپسی میں عمرو بن امیہ ضمری نے دو آدمیوں کو قتل کر دیا تھا (حسب معاہدہ) ادائے دیت میں کچھ (مالی) مدد لینے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی نضیر کے پاس پہنچے (اور ایک پہاڑی کے دامن میں ان سے باتیں کرنے کے لئے بیٹھ گئے) تو یہودیوں نے بالائے قلعہ سے آپ کے اوپر پتھر لڑکا کر گرانے کا ارادہ کیا اللہ نے آپ کو محفوظ رکھا اور اس کی اطلاع آپ کو دیدی ہم نے یہ قصہ سورت مائدہ کی آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ الخ۔ کی تفسیر میں لکھ دیا ہے۔ ابن حمید نے بروایت عکرمہ بیان کیا کہ جب اللہ نے اپنے رسول کو اس واقعہ کی خبر دیدی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کو واپس آ گئے تو کنانہ بن صوریا نے یہودیوں سے کہا کیا تم جانتے ہو کہ محمد کیوں اٹھ کر چلے گئے یہودیوں نے جواب دیا خدا کی قسم اس کی وجہ نہ ہم جانتے ہیں نہ آپ کنانہ نے کہا کیوں نہیں توریت کی قسم میں تو اس کی وجہ جانتا ہوں۔ محمد کو تمہارے ارادہ کی خبر مل گئی (اس لئے وہ اٹھ کھڑے ہوئے) تم لوگ خود فریبی میں مبتلا نہ ہو خدا کی قسم وہ اللہ کے رسول ہیں اللہ نے ہی ان کو تمہارے ارادہ کی اطلاع دیدی اس لئے وہ اٹھ کھڑے ہوئے بلاشبہ وہ آخری نبی ہیں تم چاہتے تھے کہ وہ بنی ہارون کی نسل سے ہو مگر اللہ نے جہاں چاہا (اور جس کو چاہا) وہ نبوت عطا کر دی۔ ہماری کتابیں اور وہ توریت جو ہم نے پڑھی ہے اور وہ محرف اور تغیر یافتہ بھی نہیں ہے بتارہی ہیں کہ آخری نبی کا مقام پیدائش مکہ اور مقام ہجرت یثرب ہوگا ان کے احوال واوصاف وہی ہیں جو ہماری کتاب میں بیان کئے گئے ہیں ایک حرف کا بھی فرق نہیں ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں تم یہاں سے کوچ کر رہے ہو تمہارے بچے ضایع ہو رہے ہیں تم اپنے گھروں کو چھوڑ رہے ہو اور اپنے مالوں کو خیر باد کہہ رہے ہو۔ یہ بات تمہارے لئے بہت ہی بری ہے میرا کہا مانو دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کر لو کسی تیسری بات میں کوئی بھلائی نہیں ہے لوگوں نے دریافت کیا وہ دو باتیں کونسی ہیں کنانہ نے کہا یا تو مسلمان ہو جاؤ محمد کے ساتھی بن جاؤ اس صورت میں تمہارے اموال واولاد کی حفاظت ہو جائے گی جو حال محمد کے ساتھیوں کا ہے وہی تمہارا ہوگا تمہارے مال تمہارے قبضہ میں رہیں گے اور تم کو گھروں سے بھی باہر نہیں کیا جائے گا یہودیوں نے کہا ہم توریت کو اور موسیٰ کی نصیحت کو تو نہیں چھوڑیں گے کنانہ نے کہا دوسری بات یہ ہے کہ وہ تمہارے پاس حکم بھیجیں گے کہ میرے شہر سے نکل جاؤ تم کہہ دینا بہت اچھا اس صورت میں وہ تمہاری جانوں اور مالوں کو اپنے لئے حلال نہیں قرار دیں گے تم چاہو اپنے مال فروخت کر دینا بیچنا نہ چاہو تو اپنے پاس رکھنا (اور لیجانا) یہودیوں نے کہا ہاں یہ بات ٹھیک ہے سلام بن مشکم بولا تم نے جو حرکت کی مجھے تو پہلے ہی وہ ناپسند تھی اب وہ ہمارے پاس پیام بھیجیں گے کہ میرے شہر سے نکل جاؤ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہود کو جلاوطنی کا پیغام

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لے آئے تو محمد بن مسلمہ کو بلوایا اور حکم دیا کہ بنی نضیر کے یہودیوں کے پاس جاؤ اور اُن سے کہو کہ اللہ کے رسول نے مجھے بھیجا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ تم لوگ میرے شہر سے نکل جاؤ حسب الحکم محمد بن مسلمہ بنی نضیر کے پاس گئے اور فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ تم نے غداری کر کے سابق معاہدہ جو میں نے تم سے کیا تھا توڑ دیا اور جس غداری کا یہودیوں نے ارادہ کیا تھا اس کو بیان کر دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ عمرو بن حجاش مکان کی چھت کے اوپر سے اللہ کے رسول پر پتھر لڑھکانا چاہتا تھا۔ اللہ کے رسول نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تم لوگ میرے شہر سے نکل جاؤ میں دس روز کی تمہیں مہلت دیتا ہوں اس کے بعد (یہاں) تم میں سے جو کوئی نظر آئے گا اس کی گردن ماردوں گا۔

یہود کی تیاریاں اور ابن اُبی کا پیغام

یہ فرمان سننے کے بعد یہودی تیاری میں لگے اور سواریاں بھی (جنگل سے) منگوائیں یہ لوگ جلاوطن ہونے کی تیاری میں مشغول ہی تھے کہ عبداللہ بن اُبی کے دو قاصد سوید اور اعمس ان سے آ کر ملے اور کہا عبداللہ بن ابی نے کہا ہے کہ تم لوگ اپنے گھر اور سامان چھوڑ کر ہرگز مدینہ سے نہ جانا بلکہ اپنے قلعوں میں رہنا میرے پاس میری قوم کے اور عرب کے دو ہزار آدمی ہیں ہم سب (تمہاری حفاظت کے لئے) تمہارے قلعوں کے اندر آ جائیں گے اور اس سے پہلے کہ مسلمان تم تک پہنچیں ہم سب تم سے پہلے مر جائیں گے اور بنی قریظہ بھی تمہاری مدد کریں گے تم کو بے مدد نہیں چھوڑیں گے ان کے علاوہ بنی غطفان میں جو تمہارے حلیف ہیں وہ بھی تمہاری مدد کریں گے اس کے بعد ابن ابی نے کعب بن اسد قرظی کے پاس آدمی بھیجا اور اس سے درخواست کی کہ تم اور تمہارے ساتھی میری مدد کریں کعب نے کہا ہم میں سے کوئی ایک آدمی بھی معاہدہ کو نہیں توڑے گا ابن اُبی اس جواب میں مایوس ہو گیا اور ارادہ کیا کہ بنی نضیر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان معاملہ کو الجھا رکھے پھر حیی بن اخطب قرظی کے پاس آدمی بھیجا (اور امداد طلب کی حیی نے شروع میں تو انکار کیا لیکن ابن ابی اس کے پاس پیام بھیجتا رہا آخر کار) حیی نے کہا کہ میں محمد کے پاس کسی کو بھیج کر یہ اطلاع دیدوں گا کہ ہم میں سے کوئی اپنا گام چھوڑ کر نہیں جائے گا آپ کو جو کچھ

کرنا ہے کریں۔ حیی بن اخطب کو ابن ابی کی بات سے کچھ امید ہوگئی تھی۔ سلام بن مشکم نے کہا اگر تیری رائے کی ہلکی کا مجھے اندیشہ نہ ہوتا تو میں اپنے ساتھ والے یہودیوں کو لے کر تجھ سے الگ ہو جاتا حیی ہوشیار رہ خدا کی قسم تو جانتا ہے اور ہم بھی جانتے ہیں اور جو لوگ تیرے ساتھ ہیں وہ بھی جانتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور ان کے اوصاف ہمارے پاس (ہماری کتابوں میں لکھے ہوئے) موجود ہیں اس کے باوجود جو ہم نے ان کا اتباع نہیں کیا۔ اس کی وجہ صرف جلن ہے ہم کو یہ حسد ہوا کہ ہارون کی اولاد سے نبوت نکل گئی مناسب یہی ہے کہ انہوں نے ہم کو جو حکم دیا ہے ہم اس کو قبول کر لیں اور اس کے شہروں سے نکل جائیں میں جانتا ہوں کہ اس بدعہدی (عہد شکنی) میں تو میرا مخالف ہے (ضرور نقض معاہدہ کرے گا تو مناسب یہ ہے کہ) چھواروں کی فصل آنے دے جب چھواروں کی فصل آجائے گی تو ہم آجائیں گے یا وہ ہی چھواروں کے لئے ہمارے پاس آپہنچیں گے۔

یہودیوں کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب

حیی نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا اور اپنے بھائی جدی بن اخطب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ کہنے کے لئے بھیجا کہ ہم اپنے گھر بار سے نہیں ہٹیں گے تم جو کرنے والے ہو کرو حیی نے اپنے بھائی جدی کو ابن ابی کے پاس بھی اس بات کی اطلاع دینے کے لئے بھیج دیا کہ ہم نے رسول اللہ کو (نسخ معاہدہ کی) خبر بھیج دی ہے اب تم نے بنونضیر سے جو وعدہ کیا ہے اس کے موافق عمل کرو غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جدی کی زبانی حیی کا پیام سنا تو اللہ اکبر کہا اور مسلمانوں نے بھی آپ کے ساتھ تکبیر کہی حضور نے فرمایا اب میں یہودیوں سے مقابلہ کروں گا۔ جدی جب ابن ابی کے پاس پہنچا تو وہ گھر میں تھا اور کچھ لوگ اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ندا کرا دی تھی کہ بنی نضیر کی آبادیوں کی طرف مسلمان روانہ ہو جائیں حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی ابن ابی کے پاس آئے ابن ابی کے پاس ایک جماعت موجود ہی تھی اور جدی بن اخطب بھی تھا آپ نے آکر اپنی زرہ پہنی اور تلوار لی اور (بنی نضیر کی طرف) چل دیئے۔

قاصد کی واپسی: جدی بن اخطب حیی کے پاس پہنچا تو حیی نے پوچھا کیا خبر ہے جدی نے کہا بری جس وقت میں نے جا کر محمد کو وہ پیام پہنچایا جس کے لئے مجھے بھیجا گیا تھا تو انہوں نے اللہ اکبر کہا اور کہا اب میں یہودیوں سے جنگ کروں گا میں ابن ابی کے پاس پہنچا تو وہاں کوئی خبر نہ تھی ابن ابی نے اتنا کہا تھا کہ میں قبیلہ غطفان کے ان لوگوں کے پاس اطلاع بھیج رہا ہوں جو حلیف ہیں وہ آکر تمہارے ساتھ ہو جائیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بنی نضیر کی طرف روانگی

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی نضیر کی طرف روانہ ہوگئے اور مدینہ میں اپنی جگہ ابن ام مکتوم کو مقرر کر دیا عصر کی نماز بنی نضیر کے میدان میں پہنچ کر پڑھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے حملہ کرنے کا ارادہ کیا تھا تو بنی نضیر قلعوں کی دیواروں پر چڑھ گئے اور وہاں سے پتھر اور تیر برسانے لگے تھے۔ بنی قریضہ الگ رہے انہوں نے بنی نضیر کی مدد نہیں کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز پڑھ کر دس صحابیوں کے ساتھ اپنے گھر واپس آگئے اور اپنی جگہ حضرت علی کو لشکر کا امیر مقرر کر دیا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر کو اپنا قائم مقام بنایا تھا رات بھر مسلمانوں نے محاصرہ قائم رکھا جب صبح ہوئی تو بلال نے اذان دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان صحابہ کے ساتھ جو آپ کے ہمراہ واپس آئے تھے (یعنی محافظ دستہ) فجر کی نماز بنی خطم کے میدان میں پڑھی۔

مذاکرات: اسی حالت میں حیی بن اخطب نے پیام بھیجا کہ جو کچھ آپ چاہتے ہیں ہم دینے کو تیار ہیں ہم آپ کی بستیوں سے نکل جائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج اس کو منظور نہیں کرتا البتہ جتنا سامان زرہ اور اسلحہ کے علاوہ تم اونٹ پر لاد سکتے ہو لیجاؤ اور اپنے گھروں سے نکل جاؤ۔ سلام بن مشکم نے کہا کہ کم بخت اس بات کو قبول کرلے قبل اس کے کہ اس سے بھی بری بات تجھے قبول کرنی پڑے حیی نے کہا اس سے زیادہ بری بات اور کیا ہوگی۔ سلام نے کہا (آئندہ) بچے باندی غلام بنالئے جائیں گے اور مال کے ساتھ جانیں بھی جائیں گی اس سے تو آسان ہے کہ مال ہی چلا جائے حیی نے ایک یا دو روز اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا۔

دو راہبوں کا مسلمان ہونا: یامین بن عمیر اور ابوسعید بن رہب نے جب یہ کیفیت دیکھی تو ایک نے دوسرے سے کہا خدا کی قسم تم یقینی طور پر جانتے ہو کہ یہ اللہ کے رسول ہیں پھر مسلمان ہونے میں تامل کیا ہے ہم مسلمان ہو جائیں ہماری جانیں بھی محفوظ ہو جائیں گی اور مال بھی یہ گفتگو کرنے کے بعد رات کو یہ دونوں نیچے اتر آئے اور مسلمان ہوگئے اور ان کا جان و مال محفوظ ہوگیا۔

محاصرہ کی مدت: محمد بن عمر بن سعد۔ بلاذری۔ ابومعشر اور ابن حبان کے قول پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاصرہ جاری رکھا۔ ابن اسحاق اور ابوعمرو نے مدت حصار چھ روز اور سلیمان تیمی نے تقریباً بیس روز اور ابن کلاع نے ۲۳ روز بتائی ہے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت میں پچیس روز تک محاصرہ رکھنے کا ذکر آیا ہے۔

دوران محاصرہ میں جو مکان یہودیوں کے متصل اور قریب تھے وہ خود ان کو ڈھا رہے تھے اور جو مکان مسلمانوں کے قریب تھے مسلمان ان کو گرا رہے

اور آگ لگا رہے تھے۔

صلح: آخر صلح ہوگئی یہودی نیچے اتر آئے اور اسلحہ کو چھوڑ کر باقی سامان اونٹوں پر لادنے لگے۔ عمرو بن حجاش کو کسی نے اچانک قتل کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر سن کر خوشی ہوئی۔ بنی نضیر نے کہا کچھ لوگوں پر ہمارا قرض ہے (اتنی مہلت دی جائے کہ ہم قرضہ وصول کر لیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جلدی کرو۔ حضرت اسید بن حضیر پر ابو رافع کے ۱۲۰ دینار ایک سال کی ادائیگی کے وعدہ پر قرض تھے ابو رافع نے معیاد آنے سے پہلے مطالبہ کیا آخر فریقین میں بجائے ۱۲۰ دینار کے اسی دینار پر صلح ہوگئی۔

بنی نضیر کی جلاوطنی: بنی نضیر نے عورتوں اور بچوں کو اونٹوں پر سوار کیا اور جو سامان لاد سکتے تھے وہ لاد دیا یہاں تک کہ گھر کو ڈھا کر دروازوں کی چوکھٹیں بھی اکھاڑ لیں باقی مال و اسباب اور اسلحہ پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قبضہ کر لیا پچاس زرہیں پچاس خود اور ۳۴۰ تلواریں دستیاب ہوئیں۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط پر صلح کی تھی کہ تین گھروں والے ایک اونٹ پر (مشترک طور سے) جتنا سامان لاد کر لیجا سکتے ہوں لیجائیں باقی جو رہ جائے گا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوگا۔ ضحاک کا بیان ہے کہ ہر تین آدمیوں کو (سامان لادنے کے لئے) ایک اونٹ دیا گیا تھا غرض بنی نضیر اس طرح (خانہ بدوش ہو کر) مدینہ سے شام کی طرف یعنی اذرعات اور اریحا کو چلے گئے۔ صرف دو خاندان ایک آل حقیق اور دوسرا حیی بن اخطب کا قبیلہ (بجائے شام کے) خیبر کو چلے گئے۔ ان میں کا ایک گروہ حیرہ کو چلا گیا (حیرہ اس وقت عراق کی راجدھانی تھا)۔ (تفسیر مظہری)

لِاَوَّلِ الْحَشْرِ
پہلے ہی اجتماع پر لشکر کے ☆

یہودیوں کا حشر ☆ یعنی ایک ہی ہلہ میں گھبرا گئے اور پہلی ہی مڈ بھیڑ پر مکان اور قلعے چھوڑ کر بھاگنے کو تیار ہو بیٹھے کچھ بھی ثابت قدمی نہ دکھلائی (تنبیہ) "اَوَّلِ الْحَشْرِ" سے بعض مفسرین کے نزدیک یہ مراد ہے کہ اس قوم کے لیے اس طرح ترک وطن کرنے کا یہ پہلا ہی موقع تھا۔ قبل ازیں ایسا واقعہ پیش نہ آیا تھا یا "اَوَّلِ الْحَشْرِ" میں اس طرف اشارہ ہو کہ ان یہود کا پہلا حشر یہ ہے کہ مدینہ چھوڑ کر بہت سے خیبر وغیرہ چلے گئے اور دوسرا حشر وہ ہو گا جو حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں پیش آیا یعنی دوسرے یہود و نصاریٰ کی معیت میں یہ لوگ بھی خیبر سے ملک شام کی طرف نکالے گئے جہاں آخری حشر ابھی ہونا ہے اسی لیے "شام" کو "ارض المحشر" بھی کہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا
تم نہ اٹکل کرتے تھے کہ نکلیں گے اور
اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ
وہ خیال رکھتے تھے کہ اُن کو بچالیں گے اُنکے قلعے اللہ کے
اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ
ہاتھ سے پھر پہنچا اُن پر اللہ جہاں سے اُن کو
يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ
خیال نہ تھا اور ڈال دی اُنکے دلوں میں
الرُّعْبَ
دھاک ☆

سب ساز و سامان دھرے رہ گئے ☆ یعنی ان کے ساز و سامان مضبوط قلعے اور جنگجویانہ اطوار دیکھ کر نہ تم کو اندازہ تھا کہ اس قدر جلد اتنی آسانی سے وہ ہتھیار ڈال دینگے نہ ان کو خیال تھا کہ مٹھی بھر بے سرو سامان لوگ اس طرح قافیہ تنگ کر دینگے۔ وہ اسی خواب خرگوش میں تھے کہ مسلمان (جن کے سروں پر اللہ کا ہاتھ ہے) ہمارے قلعوں تک پہنچنے کا حوصلہ نہ کر سکیں گے اور اس طرح گویا اللہ کے ہاتھ سے بچ نکلیں گے مگر انہوں نے دیکھ لیا کہ کوئی طاقت اللہ کے حکم کو نہ روک سکی انکے اوپر اللہ کا حکم وہاں سے پہنچا جہاں سے ان کو خیال و گمان بھی نہ تھا یعنی دل کے اندر سے خدا تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور بے سرو سامان مسلمانوں کی دھاک بٹھلا دی۔ ایک تو پہلے ہی اپنے سردار کعب بن اشرف کے ناگہانی قتل سے مرعوب و خوف زدہ ہو رہے تھے اب مسلمانوں کے اچانک حملہ نے رہے سہے حواس بھی کھو دیئے۔ (تفسیر عثمانی)

يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ
اُجاڑنے لگے اپنے گھر اپنے ہاتھوں
وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ
اور مسلمانوں کے ہاتھوں ☆

مکانوں کی توڑ پھوڑ ☆ یعنی حرص اور غیظ وغضب کے جوش میں مکانوں کے کڑی' تختے' کواڑ اکھاڑنے لگے تاکوئی چیز جو ساتھ لے جاسکتے ہیں رہ نہ جائے اور مسلمانوں کے ہاتھ نہ لگے۔اس کام میں مسلمانوں نے بھی ان کا ہاتھ بٹایا ایک طرف سے وہ خود گراتے تھے دوسری طرف سے مسلمان۔اور غور سے دیکھا جائے تو مسلمانوں کے ہاتھوں جو تباہی و ویرانی عمل میں آئی وہ بھی ان ہی بدبختوں کی بدعہدیوں اور شرارتوں کا نتیجہ تھی۔ (تفسیر عثمانی)

ابن زید نے کہا انہوں نے ستون اکھاڑے' چھتیں توڑیں' دیواروں میں نقب لگائے' لکڑیاں تختے یہاں تک کہ کیلیں بھی اکھاڑ لیں اور مکانوں کو ڈھا دیا تاکہ مسلمان ان میں رہ نہ سکیں قتادہ نے کہا مسلمان بیرونی جانب سے اپنی طرف کے حصہ کو اور یہودی اندرونی جانب سے مکانوں کو ڈھا رہے تھے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مسلمان جب کسی گھر پر قابض ہوتے تو اس کو گرا دیتے تھے تاکہ لڑائی کا میدان وسیع ہو جائے اور یہودی گھروں میں نقب لگا کر پشت کی طرف دوسرے مکانوں میں چلے جاتے اور پشت والے مکانوں میں قلعہ بند ہو کر خالی کئے ہوئے مکانوں پر پتھر برساتے تھے تاکہ جو مسلمان وہاں داخل ہو چکے ہوں وہ زخمی ہو جائیں یہی مطلب ہے آیت يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ الخ کا۔ (تفسیر مظہری)

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ②
سو عبرت پکڑو اے آنکھ والو ☆

عبرت حاصل کرو ☆ یعنی اہل بصیرت کے لیے اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے اللہ تعالیٰ نے دکھلا دیا کہ کفر' ظلم' شرارت اور بدعہدی کا انجام کیسا ہوتا ہے اور یہ کہ محض ظاہری اسباب پر تکیہ کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے غافل ہو جانا عقلمند کا کام نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَاعْتَبِرُوْا۔ پس ان یہودیوں کے حال کو دیکھ کر عبرت حاصل کرو اور ان کی طرح کفر اور معصیت میں مبتلا نہ ہو تاکہ جو مصیبت ان پر پڑی ویسی مصیبت تم پر نہ آجائے۔

قیاس کے معتبر ہونے کی دلیل: جو علماء قیاس کو دلیل شرعی مانتے ہیں انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔اصل اور فرع کے درمیان میں کسی ایسی صفت میں اشتراک ہوتا ہے جو سبب حکم بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔اسی مشترکہ صفت کی وجہ سے اصل کا حکم فرع کی طرف تجاوز کرتا ہے یہی معنی اعتبار کے ہیں اور اعتبار کا حکم آیت میں دیا گیا ہے۔

عبرت آفریں منظر: یوسف صالحی نے سبیل الرشاد میں بیان کیا ہے کہ محمد بن عمر نے حضرت ابراہیم بن جعفر کی وساطت سے حضرت جعفر کی طرف اس بیان کی نسبت کی ہے جعفر نے کہا جب بنی نضیر (مدینہ سے) نکل گئے تو عمرو بن سعد یہودی مدینہ میں آیا اور بنی نضیر کے مکانوں کا اس نے چکر لگایا اور ان کو اجاڑ پا کر سوچ میں پڑ گیا پھر بنی قریظہ کے پاس واپس گیا اور کہنے لگا میں نے آج (بڑا) عبرت آفریں منظر دیکھا اپنے بھائیوں کی بستی کو ویران پایا (ایک وقت تھا کہ) وہاں میرے بھائی غیرت مند' صاحب شرف اور بہادر تھے فیصلہ کن رائے اور عقل رسا کے مالک تھے لیکن (افسوس کہ) ذلت کے ساتھ نکل گئے اپنے مال چھوڑ گئے اور دوسرے لوگ اس مال کے مالک ہو گئے۔اس سے پہلے (کعب) بن اشرف کا واقعہ ہوا تھا رات کو اس کے گھر کے اندر شبخون مار کر اس کو قتل کر دیا گیا۔ابن سنیہ کا واقعہ بھی اس سے پہلے ہو چکا ہے ابن سنیہ یہودیوں کا سردار تھا۔ بڑا جیوٹ اور طاقتور تھا اور پھر بنی قینقاع کی جلاوطنی بھی ہوگئی بنی قینقاع یہودیوں کی ڈھار (یعنی عزت اور طاقت) تھے ان کا محاصرہ کر لیا گیا کوئی شخص سر بھی (حصار سے) باہر نہیں نکال سکا سب قیدی ہوگئے آخر سب کے جلاوطن ہونے کی شرط پر ان کو چھوڑا گیا۔ برادرانِ ملت تم نے یہ سب واقعات دیکھے اب میرا کہا مانو آؤ سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہو جائیں خدا کی قسم تم جانتے ہو کہ وہ نبی ہیں ہم کو ان کی بشارت ہمارے علماء دیتے چلے آئے ہیں آخر میں ابن السیان ابو عمیر اور ابن حواس بیت المقدس سے آئے یہ دونوں یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے ان دونوں نے ہم کو (آنے والے اس) نبی کا اتباع کا حکم دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ دونوں (بزرگوں) کا سلام اس نبی کو پہنچا دیا جائے اس کے بعد ان دونوں کی اسی دین (اسلام) پر وفات ہوگئی اور ان کو دفن کر دیا گیا (ان دونوں بزرگوں نے یہ باتیں) ہماری اسی عبرت کے لئے کہی تھیں عمرو بن سعد کا یہ کلام سن کر سب خاموش رہے کسی نے کچھ نہیں کہا عمرو بن سعد نے پھر دوبارہ اپنی بات لوٹائی اور بنی قریظہ کو لڑائی گرفتاری اور جلاوطنی سے ڈرایا اس وقت زبیر بن باطا نے کہا توریت کی قسم میں نے ان کے حالات ابن باطا کی اس (اصل) توریت میں پڑھے ہیں جو موسیٰ پر نازل ہوئی تھی اور وہ توریت ان نسخوں میں سے نہیں تھی جو ہم نے لکھ رکھے ہیں کعب بن سعد بولا ابو عبدالرحمٰن پھر آپ کو محمد کے اتباع سے روکنے والا کون ہے زبیر نے کہا آپ (روکنے والے) ہیں کعب نے کہا یہ کیسے توریت کی قسم میں تو آپ کے اور محمد کے درمیان کبھی حائل نہیں ہوا زبیر نے کہا آپ ہی (ساری قوم کی طرف سے) عہد و پیمان کرنے کے مختار ہیں آپ ان کی اتباع کریں گے تو ہم بھی اتباع کریں گے آپ ان کی پیروی سے انکار کر دیں گے تو ہم بھی انکار کر دیں گے عمرو بن سعد نے کعب کی طرف متوجہ ہو کر کہا سنو قسم توریت کی جو موسیٰ پر طور سینا میں نازل ہوئی بلاشبہ ان کو دنیا میں عزت اور غلبہ حاصل ہوگا وہ بلاشک موسیٰ کے راستہ پر ہیں اور کل کو جنت میں وہ

اوران کی امت موسیٰ کے ساتھ فروکش ہوگی کعب نے کہا ہم تو اپنے وعدہ اور معاہدہ پر قائم رہیں گے اور محمد بھی معاہدہ کی ذمہ داری کو نہیں توڑیں گے لیکن ہم دیکھیں گے کہ حیی کیا کرتا ہے اس کو بری ذلت وخواری کے ساتھ نکالا گیا ہے میرا خیال ہے وہ محمد سے ضرور جنگ کرے گا اگر وہ فتح یاب ہو گیا تو ہم بھی چاہتے ہیں ہم اپنے دین پر قائم رہیں گے اور اگر حیی پر محمد کو غلبہ حاصل ہو گیا تو پھر زندگی میں کوئی خیر نہیں ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا چھوڑ دیں گے اور منتقل ہو جائیں گے عمرو بن سعد نے کہا پھر اس معاملہ میں (یعنی منتقل ہونے میں) آپ تاخیر کیوں کر رہے ہیں یہ بات تو سامنے آ ہی گئی ہے کعب نے کہا اس بات کا وقت ہاتھ سے نہیں نکلے گا میں جب یہ بات چاہوں گا (یعنی مدینہ چھوڑ دینے کا ارادہ کروں گا) محمد مان لیں گے عمرو نے کہا کیوں نہیں (موقع اور وقت ہاتھ سے ضرور نکل جائے گا) توریت کی قسم جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم چل کر ہماری طرف آ جائیں گے تو ہم کو اپنے قلعوں میں چھپ جانا پڑے گا پھر ان کے حکم پر ہم کو نیچے اترنا ہوگا اور وہ ہماری گردنیں ماردیں گے کعب نے کہا اس معاملہ میں میری رائے تو یہی ہے جو میں کہہ چکا میرا دل گوارہ نہیں کرتا کہ میں اس کا تابع ہو جاؤں اور وہ نہ (میرے) خاندان نبوت کی فضیلت کو پہچانے اور نہ میرے کارناموں کی قدر کرے اور (معمولی شخص کی طرح) مجھے اسرائیلی کہے عمرو بن سعد نے کہا کیوں نہیں اپنی جان کی قسم وہ ضرور (اس فضیلت حسب ونسب سے) واقف ہے۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ اطلاع ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی قریظہ کے میدان میں آ کر فروکش ہو گئے عمرو بن سعد نے کہا یہ ہی وہ بات ہے جو میں نے تم سے کہی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ بنی قریظہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے ہوئے معاہدہ کو توڑ دیا تھا اور معرکہ خندق میں (قریش کے ساتھ مل کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑے تھے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ
اور اگر نہ ہوتی یہ بات کہ لکھ دیا تھا اللہ نے اُن پر
الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ
جلاوطن ہونا تو اُن کو عذاب دیتا دنیا میں اور آخرت میں
فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝۳
ہے اُن کے لئے آگ کا عذاب ☆

یہودیوں کو عذاب در عذاب ☆ یعنی انکی قسمت میں جلاوطنی کی سزا لکھی تھی یہ بات نہ ہوتی تو کوئی دوسری سزا دنیا میں دی جاتی مثلاً بنی قریظہ کی طرح مارے جاتے غرض سزا سے بچ نہیں سکتے یہ خدا کی حکمت ہے کہ قتل کے بجائے محض جلاوطنی پر اکتفا کیا گیا۔ لیکن یہ تخفیف صرف دنیوی سزا میں ہے۔ آخرت کی ابدی سزا کسی طرح ان کافروں سے ٹل نہیں سکتی حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "جب یہ قوم ملک شام سے بھاگ کر یہاں آئی تھی تو ان کے بڑوں نے کہا تھا کہ ایک دن تم کو یہاں سے ویران ہو کر پھر شام میں جانا پڑیگا۔ چنانچہ اس وقت اجڑ کر (بعض شام میں چلے گئے اور بعض) خیبر میں رہے پھر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں وہاں سے اجڑ کر شام میں گئے"۔ (تفسیر عثمانی)

ابن اسحاق نے یزید بن رومان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی نضیر کے میدان میں جا کر اترے تو بنی نضیر اپنے قلعوں کے اندر گھس گئے اور قلعہ بند ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نخلستانوں کو کاٹنے اور جلا ڈالنے کا حکم دیدیا۔ محمد یوسف صالحی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولیلیٰ مازنی اور عبداللہ بن سلام کو کھجور کے درختوں کو کاٹ ڈالنے کی خدمت پر مامور کیا ابویعلی عجوہ کو کاٹنے لگے اور عبداللہ بن سلام نے لون کو کاٹنا شروع کیا۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ
یہ اس لئے کہ وہ مخالف ہوئے اللہ سے اور اُس کے رسول سے
وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ
اور جو کوئی مخالف ہو اللہ سے تو اللہ کا عذاب
الْعِقَابِ ۝۴
سخت ہے

☆ یعنی ایسے مخالفوں کو ایسی سخت سزا ملتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یہودیوں کی طرف قریشیوں کے خطوط

ابوداؤد میں ہے کہ ابن ابی اور اُس کے مشرک ساتھیوں کو جو قبیلۂ اوس وخزرج میں سے تھے کفار قریش نے خط لکھا' جبکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تھے اور غزوہ بدر پیش نہیں آیا تھا۔ اس میں تحریر تھا کہ تم نے حضور کو اپنے شہر میں ٹھہرا لیا ہے پس یا تو تم اس سے لڑائی کرو اور اسے نکال باہر کر دیا ہم تمہیں نکال دیں گے اور اپنے تمام لشکروں کو لے کر تم پر حملہ کریں گے اور تمہارے تمام لڑنے والوں کو تہ تیغ کر دیں گے اور تمہاری عورتوں لڑکیوں کو لونڈیاں بنا لیں گے خدا کی قسم یہ ہو کر ہی رہے گا اب تم سوچ سمجھ لو۔ عبداللہ بن اُبی اور

اس کے بت پرست ساتھیوں نے اس خط کو پا کر آپس میں مشورہ کیا اور خفیہ طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی کرنے کی تجویز بالا تفاق منظور کر لی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبریں معلوم ہوئیں تو آپ خود ان کے پاس گئے اور ان سے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ قریشیوں کا خط کام کر گیا اور تم لوگ اپنی موت کے سامان اپنے ہاتھوں کرنے لگے ہو تم اپنی اولادوں اور اپنے بھائیوں کو اپنے ہاتھوں ذبح کرنا چاہتے ہو میں تمہیں پھر ایک مرتبہ موقع دیتا ہوں کہ سوچ سمجھ لو اور اپنے اس بدارادے سے باز آ جاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد نے ان پر اثر کیا اور وہ لوگ اپنی جگہ چلے گئے۔ لیکن قریش نے بدر سے فارغ ہو کر انہیں پھر ایک خط لکھا اور اسی طرح دھمکایا۔ انہیں ان کی قوت ان کی تعداد اور ان کے مضبوط قلعے یاد دلائے۔ پھر بھرے پر چڑھ گئے اور بنو نضیر نے صاف طور پر بدعہدی کی کمر باندھ لی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آدمی بھیجا کہ تیس آدمی لے کر آیئے ہم میں سے بھی تیس ذی علم آدمی آتے ہیں۔ ہمارے تمہارے درمیان کی جگہ پر یہ ساٹھ آدمی ملیں اور آپس میں بات چیت ہو۔ اگر یہ لوگ آپ کو سچا مان لیں اور ایمان لے آئیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ
جو کاٹ ڈالا تم نے کھجور کا درخت یا
تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا
رہنے دیا کھڑا اپنی جڑ پر
فَبِاِذْنِ اللّٰهِ
سو اللہ کے حکم سے ☆

سبب نزول ☆ جب وہ لوگ قلعہ بند ہو گئے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی کہ ان کے درخت کاٹے جائیں اور باغ اجاڑے جائیں تا اس کے درد سے باہر نکل کر لڑنے پر مجبور ہوں اور کھلی ہوئی جنگ کے وقت درختوں کی رکاوٹ باقی نہ رہے۔ اس پر کچھ درخت کاٹے گئے اور کچھ چھوڑ دیئے گئے کہ فتح کے بعد مسلمانوں کے کام آئیں گے۔ کافروں نے طعن کرنا شروع کیا کہ خود تو فساد سے منع کرتے ہیں کیا درختوں کا کاٹنا اور جلانا فساد نہیں؟ اس پر یہ آیت اتری یعنی یہ سب کچھ اللہ جل شانہ کے حکم سے ہے۔ حکم الٰہی کی تعمیل کو فساد نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ گہری حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ چنانچہ اس حکم کے بعض مصالح اوپر بیان ہو چکیں۔ (تفسیر عثمانی)

عجوہ کھجور: (عجوہ کھجوروں کی ایک اعلیٰ نوع ہوتی تھی اور لون معمولی قسم تھی) دونوں سے اس تعیین کی وجہ دریافت کی گئی (جب کہ حکم میں کوئی تعیین نہیں تھی نہ استثناء تھا) ابولیلیٰ نے کہا عجوہ کو میں اس لئے جلا رہا ہوں کہ یہودیوں کے لئے عجوہ کام نہ آئیں عبداللہ بن سلام نے فرمایا میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ (ان کافروں کا مال) غنیمت مسلمانوں کو عطا فرمائے گا اور عجوہ کے درخت بہت قیمتی ہوتے ہیں اور ان پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے گا اس لئے میں ان کو نہیں کاٹتا) جب عجوہ کے درخت کاٹے گئے تو عورتیں اپنے گریبان پھاڑنے منہ پیٹنے اور واویلا کرنے لگیں اور سلام بن مشکم نے حیی سے کہا عجوہ کے درخت کٹ رہے ہیں آئندہ تیس برس تک عجوہ کا ایک خوشہ ایک گھوڑے کے عوض کھانے کو نہیں ملے گا۔ (تفسیر مظہری)

لینۃ: مقاتل نے کہا لینۃ ایک قسم کا کھجور کا درخت ہوتا ہے جس کے پھل کو لون کہا جاتا ہے یہ رنگ میں بہت زرد (اور اتنا شفاف) ہوتا ہے کہ اندر کی گٹھلی باہر سے دکھائی دیتی ہے اور (گودا اتنا نرم ہوتا ہے) کہ ڈاڑھ اس میں گھس جاتی ہے عرب اس کو بہت پسند کرتے ہیں اس کے ایک درخت کی قیمت رصیف کی قیمت کے برابر ہوتی ہے اور عرب کو رصیف سب سے زیادہ مرغوب ہے۔

فَبِاِذْنِ اللّٰهِ۔ یعنی ان درختوں کو کاٹنا یا نہ کاٹنا اور کھڑا رہنے دینا سب اللہ کی اجازت سے ہے یہ اس میں کوئی گناہ نہیں ہے بخاری نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے کھجور کے درخت جلوا دیئے اور کٹوا دیئے تھے۔

ابولیلیٰ نے ضعیف سند سے حضرت جابرؓ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ نے اجازت دے کر درخت خرما کٹوائے تھے پھر بنی نضیر پر زیادہ سختی کی (اور بہت درخت جلوائے اور کٹوائے تھے تو) صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے جو کچھ درخت کاٹ ڈالے اور کچھ چھوڑ دیئے کیا اس فعل میں ہم پر کوئی گناہ عائد ہوا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ۔ یعنی کاٹنے کی اجازت دے کر یہودیوں کو ذلیل کرنا اللہ کا مقصود ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝
اور تاکہ رسوا کرے نافرمانوں کو ☆

نافرمانوں کی رسوائی ☆ یعنی تاکہ مسلمانوں کو عزت دے اور کافروں کو ذلیل کرے چنانچہ جو درخت چھوڑ دیئے گئے اس میں مسلمانوں کی ایک کامیابی اور کفار کو غیظ میں ڈالنا ہے کہ یہ مسلمان اس کو برتیں گے اور نفع اٹھائیں گے۔ اور جو کاٹے یا جلائے گئے اس میں مسلمانوں کی دوسری

کامیابی یعنی ظہور آثار غلبہ اور کفار کو غیظ وغضب میں ڈالنا ہے کہ مسلمان ہماری چیزوں میں کیسے تصرفات کر رہے ہیں لہٰذا دونوں امر جائز اور حکمت پر مشتمل ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ
اور جو مال کہ لوٹا دیا اللہ نے اپنے رسول پر اُن سے سو تم
اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا
نے نہیں دوڑائے اُس پر گھوڑے اور نہ
رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ
اونٹ ولیکن اللہ غلبہ دیتا ہے اپنے رسولوں کو
عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
جس پر چاہے اور اللہ سب کچھ
قَدِيْرٌ ۝۶
کرسکتا ہے☆

مال غنیمت اور مال فَی ☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”کہ یہی فرق رکھا ہے ”غنیمت“ میں اور ”فیٔ“ میں۔ جو مال لڑائی سے ہاتھ لگا وہ غنیمت ہے اس میں پانچواں حصہ اللہ کی نیاز (جس کی تفصیل دسویں پارہ کے شروع میں گزر چکی) اور چار حصے لشکر کو تقسیم کیے جاتے ہیں اور جو بغیر جنگ کے ہاتھ آیا وہ سب کا سب مسلمانوں کے خزانہ میں رہے (انکو مصالح عامہ میں) اور جو کام ضروری ہو اس پر خرچ ہو“ (تنبیہ) اگر قدرے جنگ ہونے کے بعد کفار مرعوب ہو کر صلح کی طرف مسارعت کریں اور مسلمان قبول کرلیں اس صورت میں جو اموال صلح سے حاصل ہونگے وہ بھی حکم ”فیٔ“ میں داخل ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اموال ”فیٔ“ خالص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار وتصرف میں ہوتے تھے ممکن ہے کہ یہ اختیار مالکانہ ہو جو صرف آپ کے لیے مخصوص تھا۔ جیسا کہ آیات حاضر میں ”عَلٰى رَسُوْلِهٖ“ کے لفظ سے متبادر ہوتا ہے۔ اور احتمال ہے کہ محض حاکمانہ ہو۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے ان اموال کے متعلق آپ کو اگلی آیت میں ہدایت فرمادی کہ وجوبا یا ندبا فلاں فلاں مصارف میں صرف کیے جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ اموال امام کے اختیار وتصرف میں چلے جاتے ہیں لیکن اس کا تصرف مالکانہ نہیں ہوتا محض حاکمانہ ہوتا ہے۔ وہ ان کو اپنی صوابدید اور مشورہ سے مسلمانوں کی عام ضروریات ومصالح میں خرچ کریگا باقی اموال غنیمت کا حکم اس سے جداگانہ ہے۔ وہ خمس نکالے جانے کے بعد خالص لشکر کا حق ہوتا ہے کما یدل علیہ قولہ تعالیٰ ”وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ“ الآیۃ لشکری اپنی خوشی سے چھوڑ دیں تو وہ علیحدہ بات رہی البتہ شیخ ابوبکر رازی حنفی نے ”احکام القرآن“ میں نقل کیا ہے کہ یہ حکم اموال منقولہ کا ہے غیر منقولہ میں امام کو اختیار ہے کہ مصلحت سمجھے تو لشکر پر تقسیم کردے اور مصلحت نہ سمجھے تو مصالح عامہ کے لیے رہنے دے۔ جیسا کہ سواد عراق میں حضرت عمرؓ نے بعض جلیل القدر صحابہؓ کے مشورہ سے یہ ہی عملدرآمد رکھا۔ اسی مسلک کے موافق شیخ ابوبکر رازی نے ”وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ“ الآیۃ کو اموال منقولہ پر اور سورہ ”حشر“ کی آیات کو اموال غیر منقولہ پر حمل کیا ہے۔ اس طرح کہ پہلی آیات ”وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ“ حکم ”فیٔ“ پر اور دوسری آیت ”مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى“ حکم ”غنیمت“ پر محمول ہے اور لغۃً ”غنیمت“ کو لفظ ”فیٔ“ سے تعبیر کرسکتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (تفسیر عثمانی)

يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ۔ لیکن اللہ نے اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتا ہے غالب کردیتا ہے لیکن مخالفوں کے دلوں میں پیغمبروں کا رعب ڈالدیتا ہے۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اس لئے جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے خواہ ظاہری ذرائع کو استعمال کر کے یا بلاواسطہ بغیر ظاہری ذرائع کے۔ (تفسیر مظہری)

اجتہادی اختلاف کی دونوں جانبوں میں کسی کو گناہ نہیں کہہ سکتے

دوسرا اہم اصول اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ جو لوگ اجتہاد شرعی کی صلاحیت رکھتے ہیں اگر ان کا اجتہاد کسی مسئلے میں مختلف ہو جائے ایک فریق جائز قرار دے اور دوسرا ناجائز تو عنداللہ یہ دونوں حکم درست اور جائز ہوتے ہیں ان میں سے کسی کو گناہ معصیت نہیں کہہ سکتے اور اسی لئے اس پر نہی عن المنکر کا قانون جاری نہیں ہوتا کیونکہ ان میں سے کوئی جانب بھی منکر شرعی نہیں اور وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ میں درختوں کے کاٹنے یا جلانے والوں کے عمل کی توجیہ بیان کی گئی ہے کہ وہ بھی فساد میں داخل نہیں بلکہ کفار کو ذلیل کرنے کے قصد سے موجب ثواب ہے۔

مسئلہ: بحالت جنگ کفار کے گھروں کو منہدم کرنا یا جلانا اسی طرح درختوں کھیتوں کو برباد کرنا جائز ہے یا نہیں اس میں ائمہ فقہاء کے مختلف اقوال ہیں امام اعظم ابوحنیفہؒ سے بحالت جنگ ان سب کاموں کا جائز ہونا منقول ہے مگر شیخ ابن ہمامؒ نے فرمایا کہ یہ جواز اس وقت میں ہے جبکہ اس کے بغیر کفار پر غلبہ پانا مشکل ہو یا اس صورت میں جبکہ مسلمانوں کی فتح کا گمان غالب نہ ہو تو

یہ سب کام اس لئے جائز ہیں کہ ان سے کفار کی طاقت وشوکت کو توڑنا مقصود ہے یا عدم فتح کی صورت میں اُن کے مال کو ضائع کرنا بھی ان کی قوت کو کمزور کر دینے کے لئے اس میں داخل ہے (مظہری) (معارف مفتی اعظم)

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ

جو مال لوٹایا اللہ نے اپنے رسول پر بستیوں

اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ

بستیوں والوں سے سو اللہ کے واسطے اور رسول کے ☆

مال فی کا عام ضابطہ☆ پہلی آیت میں صرف اموال ''بنی نضیر'' کا ذکر تھا اب اموال ''فیئے'' کے متعلق عام ضابطہ بتلاتے ہیں یعنی ''فیئے'' پر قبضہ رسول کا اور رسول کے بعد امام کا کہ اسی پر یہ خرچ پڑتے ہیں باقی اللہ کا ذکر تبرکا ہوا وہ تو سب ہی کا مالک ہے۔ ہاں کعبہ کا خرچ اور مسجدوں کا بھی جو اللہ کے نامزد ہیں ممکن ہے اس میں درج ہو۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کا معاملہ

(سنن ومسند وغیرہ) ابو داؤد میں حضرت مالک بن اوسؓ سے مروی ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ نے مجھے دن چڑھے بلایا میں گھر گیا تو دیکھا کہ آپ ایک چوکی پر جس پر کوئی کپڑا وغیرہ نہ تھا بیٹھے ہوئے ہیں۔ مجھے دیکھ کر فرمایا تمہاری قوم کے چند لوگ آئے ہیں میں نے انہیں کچھ دیا ہے تم اسے لیکر ان میں تقسیم کر دو۔ میں نے کہا اچھا ہوتا اگر جناب کسی اور کو یہ کام سونپتے۔ آپ نے فرمایا نہیں تم ہی کرو۔ میں نے کہا بہت بہتر۔ اتنے میں آپ کا داروغہ یرفا آیا اور کہا اے امیر المومنین! حضرت عثمانؓ بن عفان حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ حضرت زبیر بن العوامؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تشریف لائے ہیں کیا انہیں اجازت ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں آنے دو چنانچہ یہ حضرات تشریف لائے۔ یرفا پھر آیا اور کہا امیر المومنین! حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ اجازت طلب کر رہے ہیں آپ نے فرمایا اجازت ہے۔ یہ دونوں حضرات بھی تشریف لائے۔ حضرت عباسؓ نے کہا اے امیر المومنین میرا اور ان کا فیصلہ کیجئے یعنی حضرت علیؓ کا تو پہلے جو چاروں بزرگ آئے تھے ان میں سے بھی بعض نے کہا ہاں امیر المومنین ان دونوں بزرگوں کے درمیان فیصلہ کر دیجئے اور انہیں راحت پہنچایئے۔ حضرت مالکؓ فرماتے ہیں اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ ان چاروں بزرگوں کو ان دونوں حضرات نے ہی اپنے سے پہلے یہاں بھیجا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ٹھہرو۔ پھر ان چاروں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تمہیں اس خدا کی قسم جس کے حکم سے آسمان وزمین قائم ہیں کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہمارا ورثہ بانٹا نہیں جاتا ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ ان چاروں نے اس کا اقرار کیا۔ پھر آپ ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اسی طرح قسم دے کر ان سے بھی یہی سوال کیا اور انہوں نے بھی اقرار کیا۔ پھر آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک خاصہ کیا تھا جو اور کسی کے لئے نہ تھا۔ پھر آپ نے یہی آیت وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ الخ پڑھی اور فرمایا بنو نضیر کے مال اللہ تعالیٰ نے بطور فے کے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے تھے۔ خدا کی قسم نہ تو میں نے تم پر اس میں کسی کو ترجیح دی اور نہ خود ہی اسے سب کا سب لے لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا اور اپنی اہل کا سال بھر کا خرچ اس میں سے لے لیتے تھے اور باقی مثل بیت المال کے کر دیتے تھے۔ پھر ان چاروں بزرگوں کو اسی طرح قسم دے کر پوچھا کہ کیا تمہیں یہ معلوم ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ پھر ان دونوں سے قسم دے کر پوچھا اور انہوں نے بھی ہاں کہی پھر فرمایا حضورؐ کے فوت ہونے کے بعد ابوبکرؓ والی بنے اور تم دونوں خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اے عباس! تم تو اپنی قرابت داری جتا کر اپنے چچازاد بھائی کے مال میں سے اپنا ورثہ طلب کرتے تھے اور یہ یعنی حضرت علیؓ اپنا حق جتا کر اپنی بیوی یعنی حضرت فاطمہؓ کی طرف سے اس کے والد کے مال سے ورثہ طلب کرتے تھے جس کے جواب میں تم دونوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ہمارا ورثہ نہیں بانٹا جاتا ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے اللہ خوب جانتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ یقیناً راست گو نیک کار رشد و ہدایت والے اور تابع حق تھے چنانچہ اس مال کی ولایت حضرت الصدیقؓ نے کی آپ کے فوت ہو جانے کے بعد آپ کا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ میں بنا اور وہ مال میری ولایت میں رہا۔ پھر آپ دونوں کے دونوں ایک صلاح سے میرے پاس آئے اور مجھ سے اسے مانگا جس کے جواب میں میں نے کہا کہ اگر تم اس شرط سے اس مال کو اپنے قبضے میں لو کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے خرچ کرتے تھے تم بھی کرتے رہو گے تو میں تمہیں سونپ دیتا ہوں۔ تم نے اس بات کو قبول کیا اور خدا کو بیچ میں دے کر تم نے اس مال کی ولایت لی پھر تم جو اب آئے ہو تو کیا اس کے سوا کوئی اور فیصلہ چاہتے ہو؟ قسم خدا کی قیامت تک اس کے سوا اس کا کوئی فیصلہ میں نہیں کر سکتا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اگر تم اپنے وعدے کے مطابق اس مال کو نگرانی اور اس کا صرف نہیں کر سکتے تو تم اسے پھر لوٹا دو (تاکہ میں آپ اسے اسی طرح خرچ کروں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے اور جس طرح خلافت صدیقی میں اور آج تک ہوتا رہا)۔

کھجور کے درختوں کی واپسی: مسند احمد میں ہے کہ لوگ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کو اپنے کھجوروں کے درخت وغیرہ دیدیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ قریظہ اور بنونضیر کے اموال آپ کے قبضے میں آئے تو آپ نے ان لوگوں کو ان کے دیئے ہوئے مال واپس دینے شروع کئے۔ حضرت انسؓ کو بھی ان کے گھر والوں نے آپ کی خدمت میں بھیجا کہ ہمارا دیا ہوا بھی سب یا جتنا چاہیں ہمیں واپس کر دیں۔ انسؓ نے جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد دلایا آپ نے وہ سب واپس کرنے کو فرمایا۔ لیکن آپ یہ سب حضرت ام ایمنؓ کو اپنی طرف سے دے چکے تھے۔ انہیں جب معلوم ہوا کہ یہ سب میرے قبضے سے نکل جائیگا تو انہوں نے آ کر میری گردن میں کپڑا ڈال دیا اور مجھ سے فرمانے لگیں خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں حضرت تجھے یہ نہیں دینگے آپ تو مجھے وہ سب کچھ دے چکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ام ایمن تم گھبراؤ نہیں ہم تمہیں اس کے بدلے اتنا اتنا دیں گے لیکن وہ نہ مانی اور یہی کہے گئیں۔ آپ نے فرمایا اچھا اور اتنا اتنا ہم تمہیں دیں گے لیکن وہ اب بھی خوش نہ ہوئیں اور وہی فرماتی رہیں۔ آپ نے پھر فرمایا لو ہم تمہیں اتنا اتنا اور دیں گے یہاں تک کہ جتنا انہیں دے رکھا تھا اس سے جب تقریباً دس گنا زیادہ دینے کا وعدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تب آپ راضی ہو کر خاموش ہو گئیں اور ہمارا مال ہمیں مل گیا۔ یہ فے کا مال جن پانچ جگہوں میں صرف ہوگا یہی جگہیں غنیمت کے مال کے صرف کرنے کی بھی ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

مالک حقیقی کی عطا کردہ ولایت پیکر رسالت میں

آیت مذکورہ فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ میں لام للّٰہ پر تملیک کے لئے ہے جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ اللہ رب العزت ان اموال کا حقیقی مالک ہے اور للرسول پر لام تولیت کا ہے کہ مالک حقیقی نے اپنی عطاء اور ملک یا امانت بطور نیابت و تولیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ فرمائی اور قانون مقرر ہو گیا کہ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ تو ولایت و نیابت کا یہ مقام اور تولیت ایک برزخی مقام ہوا جو ملک حقیقی اور ملک مستعار کے درمیان ہے۔ اور یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مختص ہے اس سے یہ نتیجہ واضح طور پر اخذ ہوتا ہے کہ جیسے مالک حقیقی خداوند مالک الملک کو یہ اختیار ہے کہ وہ جسے چاہے دے اور جسے چاہے نہ دے اسی طرح بوجہ خلافت خداوندی یہ مرتبہ متوسطہ یعنی مرتبہ تولیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے جس کے واسطے آیت مبارکہ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ناطق ہے۔

جو تولیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خلافت الٰہیہ کے ضمن میں من جانب اللہ حاصل تھی اس کا ماحصل خلافت کی تقسیم ہے کہ آپ کے بعد خلفائے راشدین وہ خدمت انجام دیتے رہیں جو ان کے سپرد کی جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلافت خداوندی حاصل تھی تو خلفائے راشدین کو خلافت نبوت حاصل تھی اور اس کا اصل سبب تولیت ہے نہ کہ ملکیت۔ اس لئے نقل خلافت میں وراثت و قرابت کا مسئلہ پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ فرما کر وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ یہ ظاہر فرما دیا کہ ہر عطا خواہ مال فئی و غنیمت ہو یا خلافت و نیابت رسالت ہو اس میں کسی کا استحقاق دخل نہیں بلکہ رسول خدا کا فیصلہ اور انکی عطا اور تعیین ہی بنیاد ہے جس کو چاہیں اپنی صوابدید سے عطا فرما دیں تو اسی معیار سے آپ نے جس ہستی کو حضرات صحابہ میں خلافت نبوت کا سب سے پہلا مستحق سمجھا اسی کو خود اپنی حیات مبارکہ میں جانشین بنا دیا اور حکم دے دیا مروا بابکر لیصل با الناس کہ ابوبکر کو کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ مگر ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ و حفصہؓ نے بہت کوشش کی کہ ابوبکر کے بجائے کسی اور کو اس خدمت پر مامور کر دیا جائے لیکن آپ نے پوری قوت اور سختی سے انکی بات رد کرتے ہوئے یہی فیصلہ برقرار رکھا کہ مروا بابکر لیصل بالناس تاکہ دنیا کے سامنے یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ آپ کا اپنے مصلے پر ابوبکرؓ کو کھڑے ہونے کے لئے فرمانا کوئی اتفاقی بات نہ تھی بلکہ یہ ایک طے شدہ خداوندی فیصلہ تھا کہ اب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت و جانشینی صدیق اکبرؓ کے واسطے بارگاہ خداوندی سے طے ہو چکی ہے۔ چنانچہ خود حضرت علیؓ اسی حقیقت کو اپنے خطبات میں ارشاد فرمایا کرتے اور فرماتے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر کو امامت کے لئے فرمایا یہ بات نہیں کہ ہم غائب تھے بلکہ موجود تھے ہماری موجودگی میں یہ حکم صادر ہو رہا تھا اور ہم تندرست تھے بیمار نہ تھے کہ کوئی یہ گمان کرنے لگے شاید علی بیمار ہوں گے اس وجہ سے یہ بات ہوگئی ورنہ علی ہی امام بنائے جاتے۔ (نہج البلاغۃ) (معارف کاندھلوی)

حضرت عمرؓ کا فرمان: شیخین نے صحیحین میں مالک بن اوس بن حدثان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا اللہ نے اپنے رسول کو اس مال مفت میں تصرف کرنے کا ایسا اختیار خصوصیت کے ساتھ دیا جو اور کسی کو نہیں دیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ۔ قدیر تک پڑھی چنانچہ یہ ملکیت خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی جس سے اپنا اور اپنے گھر والوں کا سالانہ خرچ کیا کرتے تھے اس کے بعد جو کچھ بچتا تھا اس کو اللہ کا مال قرار دیتے تھے (یعنی جہاد وغیرہ کی تیاری میں صرف کرتے تھے)۔

صحیحین میں حضرت عمرؓ کی روایت سے یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ بنی نضیر کے مال (یعنی املاک اور نقد و جنس) اللہ نے اپنے رسول کی (خصوصیت کے ساتھ) بے محنت عطا فرمائی تھی اس کے لئے مسلمانوں کو نہ گھوڑے دوڑانے پڑے اور نہ اونٹ چنانچہ وہ (ساری املاک) صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھیں اسی میں سے حضور گھر والوں کو سال بھر کر خرچ دیتے تھے اور جو کچھ بچتا تھا اس سے جہاد کی تیاری یعنی اسلحہ اور گھوڑوں کی خریداری کرتے تھے۔

فَلِلّٰہِ۔ اللہ کے لئے ہونے کا یہ معنی نہیں کہ اللہ کا کوئی الگ حصہ مقرر کیا گیا کیونکہ دنیا اور آخرت سب اللہ ہی کی ہے (بنی نضیر کے مال ہی کی کیا خصوصیت ہے) بلکہ اس مال کی نسبت جو اپنی طرف کی اس سے اس مال کا بابرکت ہونا ظاہر کیا گیا ہے یہ قول حسنؒ قتادہؒ عطاء ابراہیم نخعیؒ عامر شعبیؒ اور عام فقہاء و مفسرین کا ہے۔ بعض کے نزدیک اللہ کا حصہ کعبہ کی اور دوسری مساجد کی تعمیر میں خرچ کیا جائے گا (اللہ کا حصہ الگ ہونے کا یہی مطلب ہے) (تفسیر مظہری)

وَلِذِی الْقُرْبٰی
اور قرابت والے کے ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت والے ☆ یعنی حضرت کے قرابت والوں کے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ میں اس مال میں سے ان کو بھی دیتے تھے اور ان میں فقیر کی بھی قید نہیں تھی۔ اپنے چچا حضرت عباسؓ کو جو دولت مند تھے آپ نے حصہ عطا فرمایا۔ اب آپ کے بعد حنفیہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار جو صاحب حاجت ہوں امام کو چاہیے کہ انہیں دوسرے محتاجوں سے مقدم رکھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِذِی الْقُرْبٰی۔ اس سے مراد ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابتدار یعنی بنی ہاشم اور بنی مطلب۔ امام شافعیؒ کی روایت ہے کہ حضرت جبیر بن مطعم نے فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل قرابت یعنی بنی ہاشم اور بنی مطلب کو مال تقسیم کیا تو میں اور عثمان خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اللہ نے بنی ہاشم میں پیدا کیا ہے اس لئے ہم اپنے ہاشمی بھائیوں کو برتری کا تو انکار نہیں کرتے لیکن ہمارے یہ بھائی بنی مطلب ہیں جن کی آپ سے قرابت اور ہماری قرابت برابر کی ہے پھر آپ نے ان کو تو (تقسیم کے وقت) حصہ دیا اور ہم کو چھوڑ دیا حضور نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر ایک جال سے بنا کر فرمایا بنی ہاشم اور بنی مطلب اس طرح ایک ہیں۔

ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں بھی آیا ہے کہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) میں اور اولاد مطلب نہ جاہلیت (کے زمانہ) میں الگ الگ تھے نہ اسلام (کے دور) میں۔ ہم اور وہ ایک ہی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیوں کا جال بنا کر بتایا۔ (تفسیر مظہری)

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ
اور یتیموں کے اور محتاجوں کے اور مسافر کے

السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً
تاکہ نہ آئے لینے دینے میں
بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ
دولت مندوں کے تم میں سے ☆

گردش دولت ضروری ہے ☆ یعنی یہ مصارف اس لیے بتائے کہ ہمیشہ یتیموں محتاجوں بیکسوں اور عام مسلمانوں کی خبر گیری ہوتی رہے اور عام اسلامی ضروریات سرانجام پاسکیں یہ اموال محض دولت مندوں کے الٹ پھیر میں پڑ کر انکی مخصوص جاگیر بن کر نہ رہ جائیں جن سے سرمایہ دار مزے لوٹیں اور غریب فاقوں مریں۔ (تفسیر عثمانی)

مال فی کی مصارف: سابق آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ مال فے خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور اس آیت میں ذوی القربی اور یتامی اور مساکین اور ابناء السبیل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل کر دیا اس سے یہ بات بتانی مقصود ہے کہ رسول اللہ اس مال کو کہاں کہاں صرف کرتیں گے۔ مال غنیمت تو صرف مجاہدین میں تقسیم کرنا ضروری تھا لیکن مال فے کسی تقسیم مال غنیمت کی تقسیم کی طرح نہیں تھی بلکہ اس کی تقسیم اللہ کے رسول کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کی صواب دید پر موقوف ہوئی اور ان کو اجازت دی گئی کہ اصناف مذکورہ میں سے جس کو چاہیں دیں۔

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ مالدار اور دولت مند لوگ ہی اس مال کا لین دین آپس میں کرتے رہیں اور فقیر غریب محروم رہیں جیسا کہ دور جاہلیت میں کیا جاتا تھا بلکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیدیا گیا کہ وہ مصلحت کے مطابق جس طرح چاہیں تقسیم کریں۔ (تفسیر مظہری)

دولت کی اسلامی تقسیم

حق تعالی رب العالمین ہے اس کی مخلوق ہونے کی حیثیت سے انسانی ضروریات میں تمام انسانوں کا یکساں حق ہے اس میں مومن وکافر کا بھی فرق نہیں کیا گیا۔ خاندانی اور طبقاتی امیر وغریب کا کیا امتیاز ہوتا۔ اللہ تعالی نے دنیا میں تقسیم دولت کا بہت بڑا حصہ جو انسان کی فطری اور اصلی ضروریات پر مشتمل ہے اس کی تقسیم خود اپنے اپنے دست قدرت میں رکھ کر اس طرح فرمائی ہے کہ اس سے ہر طبقہ ہر خطہ ہر کمزور وقوی یکساں فائدہ اٹھا سکے ایسی اشیاء کو اللہ جل شانہ نے اپنی حکمت بالغہ سے عام انسانی دسترس اور قبضہ وتسلط سے مافوق بنا دیا ہے کہ کسی کی مجال نہیں کہ اس پر ذاتی قبضہ جما سکے ہوا فضا آفتاب ماہتاب اور سیاروں کی روشنی فضاء میں پیدا ہونے والے بادل ان کی بارش یہ چیزیں ایسی

ہیں کہ اُن کے بغیر انسان تھوڑی دیر بھی زندہ نہیں رہ سکتا' ان سب کو قدرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے ایسا وقف عام بنا دیا کہ کوئی بڑی سے بڑی حکومت وطاقت اس پر قبضہ نہیں جما سکتی' یہ چیزیں اللہ کی مخلوق کو ہر جگہ یکساں ملتی ہیں۔

سونا چاندی' روپیہ پیسہ' جو اصلی اور فطری ضروریات میں داخل نہیں' مگر حق تعالیٰ نے اس کو تمام ضروریات کی تحصیل کا ذریعہ بنا دیا ہے' اور یہ معادن سے نکالنے کے بعد خاص قانون کے تحت نکالنے والوں کی ملکیت ہو جاتا ہے' اور اُن سے اُن کی ملکیت مختلف طریقوں پر دوسروں کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہے' اور اگر اس کی گردش پورے انسانوں میں خاطر خواہ ہوتی رہے تو کوئی انسان بھوکا ننگا نہیں رہ سکتا' مگر ہوتا یہ ہے کہ مال سے صرف خود ہی فائدہ اٹھائے' دوسروں تک اس کا فائدہ نہ پہنچے' اس بخل وحرص نے دنیا میں اکتنازِ دولت اور سرمایہ پرستی کے پروانے اور نئے بہت سے طریقے ایجاد کرائے' جن کے ذریعہ اس دولت کی گردش صرف سرمایہ داروں اور بڑے لوگوں کے ہاتھوں تک محدود ہو کر رہ گئی۔ عام غریب مساکین محروم کر دیئے گئے' جس کے رد عمل نے دنیا میں کمیونزم اور سوشلزم جیسے نامعقول طریقے ایجاد کئے۔

شخصی ملکیت اور مفادِ عامہ: اسلامی قانون نے ایک طرف تو شخصی ملکیت کا اتنا احترام کیا ہے کہ ایک شخص کے مال کو اس کی جان کے برابر اور جان کو بیت اللہ کی حرمت کے برابر قرار دیا اس پر کسی کے ناجائز تصرف کو شدت سے روکا' دوسری طرف جو ہاتھ ناجائز طور پر اس کی طرف بڑھا وہ ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ تیسری طرف ایسے تمام دروازے بند کر دیئے کہ قدرتی وسائل کے حاصل ہونے والی چیزوں پر کوئی خاص شخص یا جماعت قبضہ کر کے بیٹھ نہ جائے اور عوام کو محروم کر دے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ج

اور جو دے تم کو رسول سو لے لو

وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ج

اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو ☆

اطاعت رسول ☆ یعنی مال وجائیداد وغیرہ جس طرح پیغمبر اللہ کے حکم سے تقسیم کرے اسے بخوشی ورغبت قبول کرو جو ملے لے لو۔ جس سے روکا جائے رک جاؤ اور اسی طرح اس کے تمام احکام اور اوامر ونواہی کی پابندی رکھو۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت کا عموم: یہ آیت اگرچہ مال فے کی تقسیم کے متعلق ہے لیکن (الفاظ عموم کے پیش نظر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اوامر ونواہی پر کاربند رہنے کی ہدایت کو شامل ہے۔ بخاری کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا اللہ کی لعنت ہو گودنے والیوں اور گدوانے والیوں پر اور (سفید بال) نوچنے والیوں پر اور خوبصورتی کے لئے دانتوں کی جھریاں بنانے والیوں پر اور تخلیق خداوندی کو بدلنے والیوں پر۔ حضرت ابن مسعودؓ کے اس قول کی اطلاع بنی اسد کی ایک عورت کو پہنچی تو وہ آئی اور حضرت ابن مسعودؓ سے کہا کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ آپ نے ایسی ایسی عورت پر لعنت کی ہے ابن مسعودؓ نے فرمایا اللہ کے رسول نے فرمایا جن پر لعنت کی ہے (اور جن کے احکام کی پابندی کی ہدایت اللہ کی کتاب میں موجود ہے انہوں نے لعنت کی) میں ایسی عورتوں پر لعنت کیسے نہ کروں اس عورت نے کہا دونوں لوحوں کے درمیان جو کتاب موجود ہے میں نے وہ (ساری) پڑھی اس میں تو کہیں مجھے نہیں ملا (کہ رسول کے ہر حکم کی پابندی کرو) حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا تو نے کتاب اللہ پڑھی ہی نہیں اگر پڑھتی تو تجھے (یہ حکم) مل جاتا کیا تو نے نہیں پڑھا کہ اللہ نے فرمایا ہے مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ عورت نے کہا کیوں نہیں (یہ آیت تو میں نے پڑھی ہے) فرمایا تو اللہ کے رسول نے (ایسا کرنے کی) ممانعت کر دی ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ یعنی اللہ کے رسول کے احکام کے خلاف نہ کرو۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص کو احرام کی حالت میں سلے ہوئے کپڑے پہنے دیکھا تو حکم دیا کہ یہ کپڑے اُتار دو' اس شخص نے کہا کہ آپ اس کے متعلق مجھے قرآن کی کوئی آیت بتا سکتے ہیں؟ جس میں سلے ہوئے کپڑوں کی ممانعت ہو حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہاں وہ آیت میں بتاتا ہوں۔ پھر یہی آیت مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ پڑھ کر سنا دی امام شافعیؒ نے ایک مرتبہ لوگوں سے کہا کہ میں تمہارے ہر سوال کا جواب قرآن سے دے سکتا ہوں' پوچھو جو کچھ پوچھنا ہے' ایک شخص نے عرض کیا کہ ایک محرم نے زنبور (تتیا) مار ڈالا تو اس کا کیا حکم ہے؟ امام شافعیؒ نے یہی آیت مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ تلاوت کر کے حدیث سے اس کا حکم بیان فرما دیا۔ (قرطبی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم درحقیقت اللہ ہی کا حکم ہوتا ہے' منکرین حدیث کے لئے تنبیہ

اس آیت میں ان درختوں کے کاٹنے جلانے یا اُن کو باقی چھوڑنے کے دونوں مختلف عملوں کو باذن اللہ فرمایا ہے' حالانکہ قرآن کی کسی آیت میں دونوں میں سے کوئی بھی حکم مذکور نہیں' ظاہر تو یہ ہے کہ دونوں حضرات نے جو عمل کیا' وہ اپنے اجتہاد سے کیا' زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لی ہو مگر قرآن نے اس اجازت کو جو کہ ایک حدیث تھی اذن اللہ قرار دے کر واضح کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کی طرف سے تشریح احکام کا اختیار دیا گیا ہے' اور جو حکم آپ

جاری فرمادیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم میں داخل ہے اس کی تعمیل قرآنی آیات کی تعمیل کی طرح فرض ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ کا عذاب

الْعِقَابِ ⑦

سخت ہے ☆

رسول کی نافرمانی سے ڈرو ☆ یعنی رسول کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے ڈرتے رہو کہیں رسول کی نافرمانی کی صورت میں اللہ تعالیٰ کوئی سخت عذاب مسلط نہ کردے۔ (تفسیر عثمانی)

لِلْفُقَرَاۗءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ

واسطے ان مفلسوں وطن چھوڑنے والوں کے

اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ

جو نکالے ہوئے آئے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے

يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا

ڈھونڈتے آئے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا مندی

وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ

اور مدد کرنے کو اللہ کی اور اس کے رسول کی وہ لوگ

هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ⑧

وہی ہیں سچے ☆

فقراء مہاجرین کا خصوصی حق ☆ یعنی یوں تو اس مال سے عام مسلمانوں کی ضروریات وحوائج متعلق ہیں۔ لیکن خصوصی طور پر ان ایثار پیشہ جاں نثاروں اور سچے مسلمانوں کا حق مقدم ہے جنہوں نے محض اللہ کی خوشنودی اور رسول کی محبت واطاعت میں اپنے گھر بار اور مال ودولت سب کو خیر باد کہا اور بالکل خالی ہاتھ ہو کر وطن سے نکل آئے تا اللہ ورسول کے کاموں میں آزادانہ مدد کرسکیں۔ (تفسیر عثمانی)

نکتہ: للفقراء میں الف لام عہدی ہے اور معہود وہی لوگ ہوں گے جن کا ذکر اوپر کردیا گیا یعنی ذِي الْقُرْبٰى اور وَالْيَتٰمٰى اور الْمَسٰكِيْنِ۔ پس یہ بدل کل من کل ہے۔

میرے نزدیک فقراء مہاجرین اور وہ لوگ جن کا ذکر آگے کیا گیا ہے ان تمام مومنوں کو شامل ہیں جو قیامت تک آنے والے ہوں خواہ زردار ہوں یا نادار جن لوگوں کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے یعنی ذِي الْقُرْبٰى وغیرہ وہ بھی انہیں لوگوں کے ذیل میں داخل ہیں اس صورت میں فقراء مہاجرین وغیرہ عام قرار پائیں گے اور پہلے جن کا ذکر آچکا ہے وہ خاص مانے جائیں گے اور یہ صورت بدل الکل من البعض کی ہوجائے گی۔

آیت سے ایک مسئلہ پر استدلال: مکہ کے کافروں نے مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکال دیا تھا اور ان کے مال پر قبضہ کرلیا تھا اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان مہاجر اپنا جو مال چھوڑ آئے تھے اور کفار مکہ نے اس پر قبضہ کرلیا تھا وہ مال کافروں کا ہی ہوگیا کفار اس کے مالک ہوگئے کیونکہ اللہ نے ایسے مہاجروں کو فقراء فرمایا ہے اور فقیر اسی کو کہتے ہیں۔ جس کی ملکیت میں کچھ نہ ہو اس شخص کو فقیر نہیں کہا جاتا جس کی ملکیت میں مال تو ہو مگر اس کے قبضہ میں نہ ہو اور وہ ایسے مقام پر چلا گیا ہو کہ اپنے مال تک اس کی رسائی نہ ہوسکتی ہو بلکہ ایسے شخص کو خصوصیت کے ساتھ ابن السبیل (راہ گیر مسافر) کہا جاتا ہے اس لئے آیت صدقات میں ابن السبیل کا فقراء پر عطف کیا گیا ہے۔

اسی بنیاد پر امام ابوحنیفہ اور امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ کافر اگر مسلمانوں کے مال پر قابض ہوجائیں تو شرعاً ان کو مالک قرار دیا جائے گا امام ابوحنیفہؒ نے کفار کے مالک ہونے کی یہ شرط لگائی کہ دارالکفر میں کفار مسلمانوں کے مال پر منفرداً قابض ہوجائیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی تائید چند احادیث سے ہوتی ہے۔ ابوداؤد نے مراسیل میں تمیم بن طرفہ کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے قبضہ میں اپنی اونٹنی پائی اور دعویٰ کیا کہ یہ اونٹنی میری ہے دونوں اپنا مقدمہ لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے مدعی نے اپنے دعویٰ کے گواہ پیش کئے اور مدعی علیہ نے اس امر کے گواہ پیش کئے کہ میں نے یہ اونٹنی دشمن سے خریدی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی سے فرمایا جس قیمت کو اس شخص نے یہ اونٹنی خریدی ہے اگر تو لینا چاہے تو وہ قیمت دیکر تو لے لے ورنہ اونٹنی اس کی ہے۔ یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے لیکن مرسل اکثر اہل علم کے نزدیک قابل استدلال ہے۔

يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ۔ یعنی اپنے اعمال حسنہ کی مقدار سے کتنے ہی گناہ زائد ثواب کی طلب کرتے ہیں۔

وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ یعنی اللہ کے دین کی مدد کرتے ہیں۔

اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔ یعنی مؤمن ہونے کے دعویٰ میں وہ سچے ہیں بعض شیعہ کہتے ہیں کہ فقراء مہاجرین جن کو گھر بار چھوڑ کر نکلنا پڑا وہ مومن نہیں تھے۔

منافق تھے۔ مؤمن ہونے کے دعوی میں جھوٹے تھے آیت مذکورہ کی صراحت شیعہ کے مقولہ کے خلاف ہے اس لئے ایسا کہنا اور یہ عقیدہ رکھنا کفر ہے۔

مہاجرین کی تکلیفیں: قتادہ نے کہا' یہ وہ مہاجر تھے جو اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں گھر بار مال متاع اور کنبہ قبیلہ کو چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے تھے اور راہ اسلام میں ان کو کتنی ہی شدائد برداشت کرنی پڑیں مگر انہوں نے اسلام کو اختیار کیا۔ بعض آدمیوں کی تکلیفیں اس حد تک بڑھ گئی تھیں کہ انتہائی بھوک کی وجہ سے وہ پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے۔ تاکہ کمر سیدھی ہی رہ سکے بعض آدمیوں کے پاس سردی سے بچنے کے لئے کوئی کپڑا نہیں تھا۔ اس لئے وہ زمین میں گڑھے کھود کر ان میں پناہ لیتے تھے۔ میں کہتا ہوں وہ لوگ راہ خدا میں شہید ہونے کے مشتاق تھے۔

فقراء مہاجرین کی فضیلت: بغوی نے معالم اور شرح السنۃ میں امیہ بن عبداللہ بن اسید کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقراء مہاجرین کے ذریعہ سے دعاء کشائش کیا کرتے تھے۔

مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن فقراء مہاجرین دولت مندوں سے چالیس سال پہلے جنت کی طرف بڑھیں گے۔

ابوداؤد نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فقراء مہاجرین کے گروہ تم کو قیامت کے دن نور کامل حاصل ہونیکی بشارت ہو تم لوگ دولت مند آدمیوں سے نصف یوم پہلے جنت میں داخل ہوگے اور یہ (نصف یوم) بقدر پانسو برس کے ہوگا۔ میں کہتا ہوں شاید فقراء مہاجرین مالدار مہاجرین سے چالیس سال پہلے اور دوسرے دولت مند لوگوں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

اموال صدقات میں صلحاء اور دینی خدمات انجام دینے والے حاجتمندوں کو مقدم کیا جائے

اس سے معلوم ہوا کہ اموال صدقات خصوصا مال فئے اگرچہ عام فقراء مسلمین کی حاجت رفع کرنے کے لئے ہیں۔ لیکن ان میں بھی نیک' صالح' دیندار خصوصا دینی خدمات انجام دینے والے طلباء' علماء اوروں سے مقدم رکھے جاویں' اسی لئے اسلامی حکومتوں میں تعلیم وتبلیغ اور اصلاح خلق میں مشغول علماء اور مفتیوں' قاضیوں کو ان کے گذارہ کے اخراجات مال فئے ہی سے دینے کا رواج تھا' کیونکہ ان آیات میں صحابہ کرام میں بھی اول دو درجے قائم کئے گئے۔ ایک مہاجرین جنہوں نے سب سے پہلے اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بڑی قربانیاں پیش کیں' اور اسلام کے لئے بڑے مصائب جھیلے بالآخر مال و جائیداد' وطن اور تمام خویش و اقرباء کو خیر باد کہہ کر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی' دوسرے انصار مدینہ ہیں۔ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آنے والے مہاجرین حضرات کو بلا کر دنیا کو اپنا مخالف بنایا اور ان حضرات کی ایسی میزبانی کی کہ جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی' ان دونوں طبقوں کے بعد تیسرا درجہ اُن مسلمانوں کا قرار دیا جو حضرات صحابہ کے بعد مشرف با سلام ہوئے اور ان کے نقش قدم پر چلے جس میں قیامت تک آنے والے مسلمان سب شریک ہیں' آگے ان تینوں طبقات کے کچھ فضائل وکمالات اور دینی خدمات کا بیان ہے۔

ایک اہم مسئلہ

اس آیت میں حضرات مہاجرین کو فقراء فرمایا ہے' اور فقیر وہ شخص ہوتا ہے جس کی ملک میں کچھ نہ ہو یا کم از کم بقدر نصاب کوئی چیز نہ ہو' حالانکہ حضرات مہاجرین میں سے اکثر مکہ مکرمہ میں اصحاب اموال و جائداد تھے' اگر ہجرت کے بعد بھی وہ اموال ان کی ملکیت ہوتے تو اُن کو فقراء کہنا درست نہ ہوتا۔ قرآن کریم نے اُن کو فقراء فرما کر اس طرف اشارہ کردیا کہ ہجرت کے بعد انکی جائداد اور مال جو مکہ میں چھوڑ آئے اور کفار نے اُن پر قبضہ کرلیا وہ اُن کی ملک سے نکل گئے۔

اسی لئے امام اعظم ابوحنیفہؒ و امام مالکؒ نے فرمایا کہ اگر مسلمان کسی جگہ ہجرت کر کے چلے آویں اور ان کے مال و جائداد پر کفار قابض ہوجائیں' یا خدانخواستہ کسی دارالاسلام پر وہ غالب آکر مسلمانوں کے اموال و جائیداد چھین لیں تو یہ اموال و جائیداد کفار کے مکمل قبضہ مالکانہ کے بعد انہی کی ملک ہوجاتے ہیں۔ اُن کے تصرفات بیع وشراء ان اموال مسلمین میں نافذ ہوتے ہیں' روایت حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

صحابہ کرام کی سچائی کا اعلان: وصف اُن کا أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ یعنی یہی لوگ قول وعمل کے سچے ہیں' کلمہ اسلام پر پڑھ کر جو عہد اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم سے باندھا تھا اس میں بالکل پورے اُترے' اس آیت نے تمام صحابہ مہاجرین کے صادق ہونے کا عام اعلان کردیا' جو شخص ان میں کسی کو جھوٹا قرار دے وہ مسلمان نہیں ہوسکتا' کیونکہ وہ اس آیت کا منکر ہے' معاذ اللہ' روافض جو ان حضرات کو منافق کہتے ہیں یہ اس آیت کی کھلی تکذیب ہے' ان حضرات مہاجرین کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ مقام تھا کہ اپنی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ سے ان فقراء مہاجرین کا وسیلہ دے کر دعاء فرماتے تھے (کما رواہ البغوی' مظہری) (معارف مفتی اعظم)

صدقات' مال غنیمت اور مال فی

مالک بن اوس بن حدثان سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ فاروق اعظمؓ نے آیت مبارکہ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا ... عَلِيمٌ حَكِيمٌ

تک تلاوت کی اور فرمایا یہ آیت مصارف صدقات کو بیان کر رہی ہے اور ان لوگوں کے لئے ہے جو صدقات کے مستحق ہیں۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ

اور فرمایا اس آیت نے ان لوگوں کو بیان کیا ہے جو مال غنیمت کے مستحق ہیں۔ اس کے بعد سورۂ حشر کی یہ آیت تلاوت کی۔ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی۔ الی قولہ تعالیٰ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ اور فرمایا کہ یہ آیت مال فئی مہاجرین کا حق بیان کر رہی ہے۔ پھر آیت وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ پڑھ کر فرمانے لگے کہ اس آیت نے مال فئی میں انصار کا حق بیان کیا ہے اور اخیر میں وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ پڑھ کر فرمانے لگے کہ اس آیت نے تو تمام مسلمانوں کا احاطہ کر لیا ہے جس سے ثابت ہو گیا کہ بیت المال اور مال فئی میں ہر مسلمان کا حق ہے۔ اگر میں زندہ رہا تو تم دیکھ لینا کہ ایک چرواہے کا حق بھی اس کے گھر پہنچا کرے گا بغیر اس کے کہ اس کی پیشانی پر پسینہ بھی آئے ہر مسلمان کا حق اس تک پہنچ کر رہے گا خواہ وہ کسی بھی دور دراز مقام پر ہو۔ (صحیح بخاری۔ تفسیر روح المعانی۔ تفسیر ابن کثیر) (معارف کاندھلوی)

وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ
اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں
مِنْ قَبْلِهِمْ
اُن سے پہلے سے ☆

فضائل انصارؓ ☆ اس گھر سے مراد ہے مدینہ طیبہ اور یہ لوگ انصار مدینہ ہیں جو مہاجرین کی آمد سے پہلے مدینہ میں سکونت پذیر تھے اور ایمان و عرفان کی راہوں پر بہت مضبوطی کے ساتھ مستقیم ہو چکے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

تَبَوَّؤُ ۔ کے معنی ٹھکانے بنانے کے ہیں اور دار سے مراد دار ہجرت یا دار ایمان یعنی مدینہ طیبہ ہے۔

مدینہ طیبہ کی ایک خاص فضیلت: اسی لئے حضرت امام مالکؒ ایک حیثیت سے مدینہ طیبہ کو باقی دنیا کے سب شہروں سے افضل قرار دیتے تھے فرماتے تھے کہ دنیا کے تمام شہر اور ملک جہاں جہاں اسلام پہنچا اور پھیلا ہے سب جہاں کے ذریعہ فتح ہوئے ہیں یہاں تک کہ مکہ مکرمہ بھی، بجز مدینہ طیبہ کے یہ صرف ایمان سے فتح ہوا ہے (قرطبی)

اس آیت میں تَبَوَّؤُ کے تحت میں دار کے ساتھ ایمان کا بھی ذکر فرمایا ہے، حالانکہ ٹھکانا پکڑنے کا تعلق کسی مقام اور جگہ سے ہوتا ہے، ایمان کوئی ایسی چیز نہیں جس میں ٹھکانا پکڑا جائے، اس لئے بعض حضرات نے فرمایا کہ یہاں ایک لفظ محذوف ہے یعنی اَخْلَصُوْا یا تَمَكَّنُوْا۔ مطلب یہ ہوگا کہ یہی وہ حضرات ہیں جنہوں نے دار الہجرت میں ٹھکانا بنایا اور ایمان میں مخلص اور مضبوط ہوئے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں استعارہ کے طور پر ایمان کو ایک محفوظ مکان سے تشبیہ دے کر اس میں پناہ گزین ہو جانے کو بیان فرمایا ہو، اور لفظ مِنْ قَبْلِهِمْ یعنی مہاجرین سے پہلے کا مطلب یہ ہے کہ ان انصار مدینہ کی ایک فضیلت یہ ہے کہ جو شہر اللہ کے نزدیک دار الہجرت اور دار الایمان بننے والا تھا۔ اس میں ان لوگوں کا قیام و قرار مہاجرین سے پہلے ہو چکا تھا۔ اور مہاجرین کے یہاں منتقل ہونے سے پہلے ہی یہ حضرات ایمان قبول کر کے اس میں پختہ ہو چکے تھے۔ (معارف مفتی اعظم)

مدینہ طیبہ کی فضیلت: دار الایمان سے مراد مدینہ طیبہ۔ مدینہ کو دار الایمان کہنے کی یہ وجہ ہے کہ مدینہ مظہر ایمان ہے حضرت جابر بن سمرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے مدینہ کا نام طابہ مقرر کیا ہے (مسلم) حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ بھٹی کی طرح ہے میل کچیل کو باہر کر دیتا ہے اور پاک صاف کو نکھار دیتا ہے۔ (متفق علیہ) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی اسی مفہوم کی حدیث آئی ہے۔ (مسلم) (تفسیر مظہری)

یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ
وہ محبت کرتے ہیں اُس سے جو وطن چھوڑ کر آئے اُنکے پاس ☆

انصار کی دوسری صفت ☆ یعنی محبت کے ساتھ مہاجرین کی خدمت کرتے ہیں حتیٰ کہ اپنے اموال وغیرہ میں ان کو برابر کا شریک بنانے کے لیے تیار ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت انصار کی ایک صفت اس آیت میں یہ بیان کی گئی ہے یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ یعنی یہ حضرات ان لوگوں سے محبت رکھتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے شہر میں چلے آئے ہیں، جو عام دنیا کے انسانوں کے مزاج کے خلاف ہے، ایسے اُجڑے ہوئے خستہ حال لوگوں کو اپنی بستی میں جگہ دینا کون پسند کرتا ہے، ہر جگہ ملکی اور غیر ملکی کے سوالات کھڑے ہوتے ہیں۔ مگر ان حضرات انصار نے صرف یہی نہیں کیا کہ ان کو اپنی بستی میں جگہ دی، بلکہ اپنے مکانوں میں آباد کیا اور اپنے اموال میں حصہ دار بنایا، اور اس طرح عزت و احترام کے ساتھ ان کا استقبال کیا کہ ایک ایک مہاجر کو اپنے پاس جگہ دینے کے لئے کئی کئی انصاری حضرات نے درخواست کی یہاں تک کہ قرعہ اندازی کرنا پڑی، قرعہ کے ذریعہ جو مہاجر جس انصاری کے حصہ میں آیا اس کو سپرد کیا گیا (مظہری)

اموال بنونضیر کی تقسیم کا واقعہ: انصار مدینہ کے دو بڑے سردار حضرت سعد بن عبادہؓ اور سعد بن معاذؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری رائے یہ ہے کہ یہ سب اموال بھی صرف مہاجر بھائیوں میں تقسیم فرما دیجئے اور وہ پھر بھی ہمارے مکانوں میں بدستور مقیم رہیں' اُن کی بات سُن کر تمام حاضرین انصار بول اٹھے کہ ہم اس فیصلے پر راضی اور خوش ہیں' اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انصار اور ابناء انصار کو دعا دی' اور ان اموال کو صرف مہاجرین میں تقسیم فرما دیا' انصار میں سے صرف دو حضرات کو جو بہت حاجتمند تھے اس میں سے حصہ عطاء فرمایا یعنی سہل بن حنیفؓ اور ابودجانہؓ اور سعد بن معاذؓ کو ایک تلوار عطا فرمائی جو ابن ابی الحقیق کی ایک ممتاز تلوار تھی (مظہری بحوالہ سبیل الرشاد محمد بن یوسف الصالحی) (معارف مفتی اعظم)

وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ
اور نہیں پاتے اپنے دل میں
حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ
تنگی اُس چیز سے جو مہاجرین کو دی جائے' اور مقدم رکھتے ہیں
عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ
اُن کو اپنی جان سے' اور اگرچہ ہو اپنے
خَصَاصَةٌ ؕ وقف
اوپر فاقہ ☆

انصار کی تیسری صفت ☆ یعنی مہاجرین کو اللہ تعالیٰ جو فضل وشرف عطا فرمائے یا اموال فی وغیرہ میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ عنایت کریں اسے دیکھ کر انصار دل تنگ نہیں ہوتے نہ حسد کرتے ہیں بلکہ خوش ہوتے ہیں اور ہر اچھی چیز میں انکو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں۔ خود سختیاں اور فاقے اٹھا کر بھی اگر ان کو بھلائی پہنچا سکیں تو دریغ نہیں کرتے۔ ایسا بے مثال ایثار آج تک دنیا کی کس قوم نے کس قوم کے لیے دکھلایا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا' اس میں حاجت سے مراد ہر ضرورت کی چیز ہے' اور مِمَّآ اُوْتُوْا کی ضمیر مہاجرین کی طرف راجع ہے' معنی آیت کے یہ ہیں کہ اس تقسیم میں جو کچھ مہاجرین کو دیدیا گیا' انصار مدینہ نے خوشی سے اس کو اس طرح قبول کیا کہ گویا ان کو ان چیزوں کی کوئی حاجت ہی نہیں' اُن کو دینے سے بُرا ماننا یا شکایت کرنا اس کا تو دور دور کوئی امکان ہی نہ تھا'

اس کے بالمقابل جب بحرین فتح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ یہ پورا مال صرف انصار میں تقسیم کر دیا جائے مگر انصار نے اس کو قبول نہ کیا' بلکہ عرض کیا ہم اُس وقت تک نہ لیں گے جب تک ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی اس میں سے حصہ نہ دیا جائے۔ (رواہ البخاری عن انس بن مالکؓ)۔

انصار کا ایثار: حضرات مہاجرین کے معاملہ میں حضرات انصار نے بڑے ایثار سے کام لیا' اپنے مکانوں' دکانوں کاروبار' زمین اور زراعت میں ان کو شریک کر لیا' لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان مہاجرین کو وسعت عطا فرمائی تو انہوں نے بھی حضرات انصار کے احسانات کی مکافات میں کمی نہیں کی۔

قرطبی نے بحوالہ صحیحین حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ جب مہاجرین مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آئے تو ان کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا' اور انصار مدینہ زمین و جائیداد والے تھے' انصار نے ان حضرات کو ہر چیز نصفا نصف تقسیم کر دی' اپنے باغات کے آدھے پھل سالانہ اُن کو دینے لگے' اور حضرت انسؓ کی والدہ اُم سلیمؓ نے اپنے چند درخت کھجور کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدیے تھے' جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسامہ بن زید کی والدہ اُم ایمن کو عطا فرما دیئے۔

مذکورہ آیات کا سبب نزول: اور قشیری نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام میں سے ایک بزرگ کو کسی شخص نے ایک بکری کا سر بطور ہدیہ پیش کیا' اس بزرگ نے خیال کیا کہ ہمارا فلاں بھائی اور اس کے اہل و عیال ہم سے زیادہ ضرورتمند ہیں' یہ سر ان کے پاس بھیج دیا' اس دوسرے بزرگ کے پاس پہنچا تو اسی طرح انہوں نے تیسرے کے پاس اور تیسرے نے چوتھے کے پاس بھیج دیا۔ یہاں تک کہ سات گھروں میں پھرنے کے بعد پھر پہلے بزرگ کے پاس واپس آ گیا۔ اس واقعہ پر آیات مذکورہ نازل ہوئیں۔ یہی واقعہ ثعلبیؒ نے حضرت انسؓ سے بھی روایت کیا ہے۔

بے مثال قربانی: اور حذیفہ عدویؓ فرماتے ہیں کہ میں جنگ یرموک میں اپنے چچازاد بھائی کی تلاش شہداء کی لاشوں میں کرنے کے لئے نکلا' اور کچھ پانی ساتھ لیا' کہ اگر ان میں کچھ جان ہوتی تو پانی پلا دوں گا۔ ان کے پاس پہنچا تو کچھ رمق زندگی کی باقی تھی' میں نے کہا کہ کیا آپ کو پانی پلا دوں' اشارہ سے کہا کہ ہاں' مگر فوراً ہی قریب سے ایک دوسرے شہید کی آواز آہ آہ کی آئی تو میرے بھائی نے کہا کہ یہ پانی اُن کو دیدو' ان کے پاس پہنچا اور پانی دینا چاہا تو تیسرے آدمی کی آواز ان کے کان میں آئی' اس نے بھی اس تیسرے کو دینے کے لئے کہہ دیا' اسی طرح یکے بعد دیگرے سات شہیدوں کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا۔ جب ساتویں شہید کے پاس پہنچا تو وہ دم توڑ چکے تھے۔ یہاں سے اپنے بھائی کے پاس پہنچا تو وہ بھی ختم ہو چکے تھے۔

یہ چند واقعات ہیں جن میں کچھ انصار کے کچھ مہاجرین کے ہیں' اکثر

کے بارے میں کہا گیا ہے کہ آیت ایثار اس واقعہ میں نازل ہوئی' مگر ان میں کوئی تضاد و اختلاف نہیں' کیونکہ جس طرح کے واقعہ میں ایک آیت نازل ہو چکی ہے اگر اسی طرح کا کوئی دوسرا واقعہ پیش آ جائے تو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اس میں یہ آیت نازل ہوئی اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سبھی واقعات نزول آیت کا سبب یا مصداق ہیں۔

پورے مال کا صدقہ: ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بیضہ کے برابر سونے کا ٹکڑا بالغرض صدقہ پیش کیا' تو آپ نے اس کو اسی کی طرف پھینک کر ارشاد فرمایا کہ تم میں سے بعض لوگ اپنا سارا مال صدقہ کرنے کو لے آتے ہیں پھر محتاج ہو کر لوگوں سے بھیک مانگتے ہیں۔

لوگوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں' ہر حال کا حکم الگ ہے' پورا مال صدقہ کر ڈالنے کی ممانعت اُن لوگوں کے لئے ہے جو بعد میں فقر و فاقہ پر صبر نہ کر سکیں' اپنے صدقہ کئے ہوئے پر پچھتائیں' یا پھر لوگوں سے بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائیں' اور وہ لوگ جنکے عزم و ہمت اور ثبات و استقلال کا یہ حال ہو کہ سب کچھ خرچ کر ڈالنے کے بعد فقر و فاقہ پر انہیں کوئی پریشانی نہ ہو' بلکہ ہمت کے ساتھ اس پر صبر کر سکتے ہوں اُن کے لئے سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالنا جائز ہے' جیسا کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے ایک جہاد میں چندہ میں اپنا سارا مال پیش کر دیا تھا' اسی کے نظائر یہ واقعات ہیں جو اس جگہ مذکور ہیں' ایسے حضرات نے اپنے اہل و عیال کو بھی اسی صبر و استقلال کا خوگر بنا رکھا تھا۔ اس لئے اس میں ان کی بھی کوئی حق تلفی نہ تھی' اگر مال خود اہل و عیال کے قبضہ میں ہوتا تو وہ بھی ایسا ہی کرتے'۔ (قرطبی باضافہ اشیاء)

حضرات مہاجرین کی طرف سے ایثار انصار کی مکافات

دنیا میں کوئی اجتماعی کام یک طرفہ رواداری و ایثار سے قائم نہیں رہتا جب تک دونوں طرف سے اسی طرح کا معاملہ نہ ہو' اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا اس کی ترغیب دی کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دے کر باہمی محبت بڑھایا کریں' اسی طرح جن کو ھدیہ دیا گیا ہے ان کو یہ بھی تعلیم دی کہ تم بھی ہدیہ دینے والے کے احسان کی مکافات کرو' اگر مالی وسعت اللہ تعالیٰ عطا فرما دے تو مال سے ورنہ دعاء ہی سے اس کی مکافات کرو' بے حسی کے ساتھ کسی کے احسانات کا بار سر پر لیتے رہنا شرافت اور خلق کے خلاف ہے۔

حضرت عائشہؓ کا صدقہ: مؤطاء امام مالکؒ میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک مسکین نے اُن سے سوال کیا' ان کے گھر میں صرف ایک روٹی تھی اور ان کا اس روز روزہ تھا' آپ نے اپنی خادمہ سے فرمایا کہ یہ روٹی اس کو دیدیو' خادمہ نے کہا کہ اگر یہ دیدی گئی تو شام کو آپ کے افطار کرنے کے لئے کوئی چیز نہ رہے گی' حضرت صدیقہؓ نے فرمایا کہ پھر بھی دیدؤ' یہ خادمہ کہتی ہیں کہ جب شام ہوئی تو ایک ایسے شخص نے جن کی طرف سے ہدیہ دینے کی کوئی رسم نہ تھی ایک سالم بکری بھنی ہوئی اور اس کے اوپر آٹے میدے کا خول چڑھا ہوا پختہ' جو عرب میں سب سے بہترین کھانا سمجھا جاتا ہے' اُن کے پاس بطور ہدیہ بھیج دیا' حضرت صدیقہؓ نے خادمہ کو بلایا کہ آؤ یہ کھاؤ یہ تمہاری اُس روٹی سے بہتر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر اور ایک سائل

اور نسائی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ بیمار تھے' اور انگور کو جی چاہا' ان کے لئے ایک درہم میں ایک خوشہ انگور کا خرید کر لایا گیا' اتفاق سے ایک مسکین آ گیا اور سوال کیا' آپ نے فرمایا کہ یہ خوشہ اس کو دیدو' حاضرین میں سے ایک شخص خفیہ طور پر اس کے پیچھے گیا اور خوشہ اس مسکین سے خرید کر پھر ابن عمرؓ کو پیش کر دیا' مگر یہ سائل پھر آیا اور سوال کیا تو حضرت ابن عمرؓ نے پھر اس کو دیدیا' پھر کوئی صاحب خفیہ طور پر گئے اور اس مسکین کو ایک درہم دے کر خوشہ خرید لائے' اور حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں پیش کر دیا' وہ سائل پھر آنا چاہتا تھا لوگوں نے منع کر دیا۔ اور حضرت ابن عمرؓ کو یہ اطلاع ہوئی کہ یہ وہی خوشہ ہے جو انہوں نے صدقہ میں دیدیا تھا' تو ہرگز نہ کھاتے' مگر ان کو یہ خیال ہوا کہ لانے والا یا بازار سے لایا ہے اس لئے استعمال فرمالیا۔

حضرت عمر فاروقؓ، حضرت ابو عبیدہ اور حضرت معاذ بن جبل

اور ابن مبارک نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے چار سو دینار ایک تھیلی میں بھر کر تھیلی غلام کے سپرد کی کہ ابو عبیدہ بن جراحؓ کے پاس لیجاؤ کہ ہدیہ ہے قبول کر کے اپنی ضرورت میں صرف کریں' اور غلام کو ہدایت کر دی کہ ہدیہ دینے کے بعد کچھ دیر گھر میں ٹھہر جانا اور یہ دیکھنا کہ ابو عبیدہ اس رقم کو کیا کرتے ہیں' غلام نے حسب ہدایت یہ تھیلی حضرت ابو عبیدہؓ کی خدمت میں پیش کر دی اور ذرا ٹھہر گیا ابو عبیدہؓ نے تھیلی لے کر کہا کہ اللہ تعالیٰ اُن کو یعنی عمر بن خطابؓ کو اس کا صلہ دے اور اُن پر رحمت فرمائے اور اُسی وقت اپنی کنیز کو کہا کہ لو یہ سات فلاں شخص کو پانچ فلاں کو دے آؤ' یہاں تک کہ پورے چار سو دینار اسی وقت تقسیم کر دیئے۔

غلام نے واپس آ کر واقعہ بیان کر دیا۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے اُسی طرح چار سو دینار کی ایک دوسری تھیلی تیار کی ہوئی غلام کو دے کر ہدایت کی کہ معاذ بن جبلؓ کو دے آؤ' اور وہاں بھی دیکھو وہ کیا کرتے ہیں یہ غلام لے گیا۔ انہوں نے تھیلی لے کر حضرت عمرؓ کے حق میں دعاء دی رحمہ اللہ ووصلہ "یعنی اللہ اُن پر رحمت فرمائے اور اُن کو صلہ دے" اور یہ بھی تھیلی لے کر فوراً تقسیم کرنے کے لئے بیٹھ گئے' اور اس کے بہت سے حصے کر کے مختلف گھروں میں بھیجتے رہے' حضرت معاذؓ کی بیوی یہ سب ماجرا دیکھ رہی تھیں آخر میں بولیں

کہ ہم بھی تو بخدا مسکین ہی ہیں' ہمیں بھی کچھ ملنا چاہئے' اس وقت تھیلی میں صرف دو دینار رہ گئے تھے وہ انکو دیدئے۔ غلام یہ دیکھنے کے بعد لوٹا اور حضرت عمرؓ سے بیان کیا' تو آپ نے فرمایا کہ یہ سب بھائی بھائی ہیں سب کا مزاج ایک ہی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

مہاجرین کی میزبانی کے لئے انصار کی قرعہ اندازی

محمد بن یوسف صالحی نے سبیل الرشاد میں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی عوف بن عمرو کی بستی سے منتقل ہو کر مدینہ تشریف لائے تو آپ کے ساتھ مہاجرین بھی منتقل ہو کر مدینہ آ گئے ان مہاجرین کو مہمان رکھنے کے متعلق انصار کا باہم اختلاف ہو گیا تمام انصار نے چاہا کہ مہاجرین ان کے گھروں میں اتریں آخر نوبت قرعہ اندازی تک پہنچی اور جس انصاری کا نام قرعہ میں نکل آیا وہ اپنے مہمان کو اپنے گھر لے گیا اس طرح مہاجرین انصار کے گھروں اور مالوں میں مقیم (شریک) ہو گئے۔

بنی نضیر کے مال غنیمت کے بارے میں انصار کا ایثار

بنی نضیر کا مال غنیمت جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ آیا تو آپ نے ثابت بن قیس بن شماس کو طلب فرمایا اور حکم دیا میرے پاس اپنی قوم والوں کو بلا لاؤ ثابت نے عرض کیا۔ کیا خزرج کو فرمایا (نہیں بلکہ) تمام انصار کو حسب الحکم ثابت نے (تمام) اوس اور خزرج والوں کو بلا لیا (جب سب آ گئے تو) کلام شروع کیا اور اللہ کی حمد وثنا کی پھر انصار کا اور مہاجرین کے ساتھ انصار کے حسن سلوک کا اور اپنے مکانوں اور مالوں میں مہاجرین کو جگہ دینے کا اور مہاجرین کے لئے انصار کے ایثار کرنے کا ذکر کیا اس کے بعد فرمایا اللہ نے بنی نضیر کا جو متروکہ مجھے عنایت فرمایا ہے اگر تم چاہو تو میں وہ متروکہ تم کو اور مہاجروں کو (برابر) تقسیم کر دوں اس صورت میں مہاجرین ان حالات پر قائم رہیں گے جن پر اب ہیں یعنی تمہارے گھروں اور تمہارے مالوں میں سکونت۔ اور اگر تم پسند کرو تو میں یہ مال انہیں کو دیدوں (تم کو نہ دوں) اس صورت میں وہ تمہارے گھروں کو چھوڑ دیں گے اور چلے جائیں گے یہ تقریر سن کر حضرت سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ نے باہم مشورہ کے بعد عرض کیا یا رسول اللہ آپ یہ مال مہاجرین کو ہی تقسیم کر دیں اور جیسے وہ اب ہمارے گھروں میں رہتے ہیں آئندہ بھی رہیں گے۔

(دونوں سرداروں کا فیصلہ سن کر) انصار نے پکار کر کہا یا رسول اللہ ہم اس پر راضی ہیں ہم کو یہ منظور ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے اللہ انصار پر رحمت (نازل) فرما اس کے بعد بنی نضیر کا جو متروکہ اللہ نے اپنے رسول کو عنایت فرمایا تھا وہ آپ نے تقسیم کر دیا صرف مہاجرین کو عطا فرمایا اور انصار میں سے سواء دو محتاج آدمیوں کے اور کسی کو نہیں دیا ایک سہل بن حنیف دوسرے ابو دجانہ البتہ سعد بن معاذ کو ابن ابی الحقیق کی تلوار عنایت کر دی اس تلوار کی بڑی شہرت تھی۔

بلاذری نے فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا تمہارے مہاجر بھائیوں کے پاس مال نہیں ہے اگر تمہاری مرضی ہو تو یہ (بنی نضیر کا متروکہ) مال تم کو اور ان کو میں تقسیم کر دوں اور جو تمہارا مال اب تقسیم شدہ ہے وہ بھی تمہارے اور ان کے درمیان بانٹ دوں۔ اور اگر تم چاہو تو اپنا مال اپنے پاس رکھو (مہاجرین کو اس میں سے کچھ نہ دو) اور یہ کل مال فئی میں انہیں کو بانٹ دوں (تم کو کچھ نہ دوں) انصار نے جواب دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ مال فئی تو آپ انہیں کو تقسیم کر دیں اور ہمارے مال میں سے جتنا آپ چاہیں بانٹ کر ان کو دیدیں۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۔ یعنی اپنے مکانوں اور مالوں کے لئے مہاجرین کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں یہاں تک کہ جس انصاری کی دو بیبیاں تھیں اس نے ایک کو طلاق دیکر اپنے مہاجر بھائی کا اس سے نکاح کر دیا۔

ایک انصاری کا عجیب ایثار: بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے (فاقہ کی) سخت تکلیف ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیبیوں کے گھر کسی کو بھیجا (کہ جو کچھ موجود ہو لے آئے) لیکن کسی بی بی کے گھر میں کچھ نہیں ملا حضورؐ نے فرمایا کیا کوئی ہے جو آج رات اس کی مہمانی کرے (یعنی کھانا کھلا دے) اللہ کی رحمت اس پر فوراً ایک انصاری کھڑا ہو گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی ضیافت کروں گا چنانچہ مہمان کو لیکر یہ صاحب اپنے گھر پہنچے اور بی بی سے کہا یہ اللہ کے رسول کا مہمان ہے اس سے بچا کر کوئی چیز نہ رکھنا بی بی نے کہا خدا کی قسم میرے پاس سوائے بچوں کے کھانے کے اور کچھ نہیں ہے انصاری نے کہا جب بچے شام کو کھانا مانگیں تو حیلہ بہانہ کر کے ان کو سلا دینا اور پھر آ کر چراغ بجھا دینا ہم (دونوں) آج رات بھوکے رہیں گے (اور بچوں کا کھانا مہمان کو کھلا دیں گے) بی بی نے ایسا ہی کیا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ بیوی نے کھانا تیار کیا اور بچوں کو سلا دیا پھر چراغ کی بتی درست کرنے کے بہانے اٹھی اور چراغ بجھا دیا اور (مہمان کے ساتھ دونوں جھوٹ موٹ کھانے میں شریک ہو گئے) مہمان پر ظاہر کرتے رہے کہ ہم کھانے میں شریک ہیں (لیکن کھایا کچھ نہیں) دونوں رات بھر خالی پیٹ رہے صبح کو وہ انصاری خدمت گرامی میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ فلاں مرد اور فلاں عورت سے بہت خوش ہوا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

انصار کو صبر کی تلقین: بخاری نے حضرت انس بن مالک کی روایت سے

بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین میں جاگیریں عطا فرمانے کے لئے انصار کو طلب فرمایا انصار نے عرض کیا ہمارے بھائی مہاجرین کے لئے بھی جاگیریں کاٹ دی جائیں تو ہم بھی اپنے لئے جاگیریں کٹوالیں گے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (جب تم اتنا ایثار کر رہے ہو کہ بغیر مہاجرین کے جاگیریں نہیں لینا چاہتے) تو مجھ سے (قیامت کے دن) ملاقات کرنے کے وقت تک صبر رکھنا کیوں کہ اس (کا) اثر میرے بعد تم پر پڑیگا (یعنی تمہاری حق تلفی کی جائے گی اور مہاجرین کو تم پر ترجیح دی جائے گی۔مگر تم صبر کرنا)۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ

اور جو بچایا گیا اپنے جی کے لالچ سے

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٩﴾

سو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے☆

کامیاب لوگ ☆یعنی بڑے کامیاب اور بامراد ہیں وہ لوگ جن کو اللہ کی توفیق ودستگیری نے ان کے دل کے لالچ اور حرص وبخل سے محفوظ رکھا لالچی اور بخیل آدمی اپنے بھائیوں کے لیے کہاں ایثار کرسکتا ہے اور دوسروں کو پھلتا پھولتا دیکھ کر کب خوش ہوتا ہے؟ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ نفس کو مال سے محبت اور خرچ کرنے سے نفرت ہوتی ہے اسی محبت ونفرت کا اس پر غلبہ رہتا ہے جو لوگ نفس کے ان تقاضوں کے خلاف عمل کرتے ہیں وہ ہی حقیقت میں فلاح یاب ہیں۔

شح اور بخل کا معنی: شح کا معنی ہے بخل اور حرص (قاس) جوہری نے صحاح میں شح کا معنی لکھا ہے بخل مع حرص۔

بغوی نے لکھا ہے کہ علماء کے نزدیک شح اور بخل میں فرق ہے ایک شخص نے حضرت ابن مسعود سے کہا مجھے اندیشہ ہے کہ قیامت کے دن میں تباہ ہو جاؤں گا حضرت ابن مسعود نے فرمایا کیا بات ہے یہ اندیشہ تم کو کیسے ہے اس شخص نے عرض کیا میں سن رہا ہوں کہ اللہ فرما رہا ہے وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ اور میں انتہائی بخیل ہوں میرے ہاتھ سے کوئی چیز نکل نہیں پاتی حضرت ابن مسعود نے فرمایا یہ وہ شح نہیں ہے جس کا ذکر اللہ نے فرمایا ہے شح تو یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کا مال ناجائز طور پر کھا جاؤ ہاں یہ بخل ضرور ہے اور بخل بھی بری چیز ہے۔حضرت عمرؓ نے فرمایا کوئی شخص اپنا مال روک کر رکھے تو یہ شح نہیں ہے شح تو یہ ہے کہ دوسرے کے مال کو (ناجائز طور پر) آدمی لالچ کی نظر سے دیکھے۔

سعید بن جبیر نے فرمایا شح (کا معنی) یہ ہے کہ آدمی حرام مال حاصل کرے اور زکوۃ نہ دے۔بعض اہل علم کا قول ہے کہ شح کا معنی ہے ایسی شدید حرص جو ممنوعات کے ارتکاب کا موجب ہوتی ہے۔

ابن زید نے کہا جس چیز (کو لینے) کی اللہ نے ممانعت کر دی ہے اس کو نہ لے اور جس چیز کو دینے کا حکم دیا ہے اس کو روک رکھنے کا موجب بخل نہ ہوا ایسے آدمی کو شح نفس سے محفوظ کہا جائے گا (یعنی شح نفس سے بچنے کا یہی مفہوم ہے)

شح سے بچو: حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظلم کرنے سے پرہیز رکھو کیونکہ قیامت کے دن ظلم تاریکیاں ہو (جائے) گا اور شح سے بچو شح نے تم سے پہلے لوگوں کو تباہ کر دیا اسی کے باعث انہوں نے آپس میں خون ریزیاں کیں اور حرام کو حلال بنایا۔رواہ مسلم واحمد۔

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ کی راہ میں (اٹھتا ہوا غبار اور دوزخ کا) دھواں کسی بندہ کے جوف میں کبھی یکجا نہ ہوگا۔(یعنی جس مجاہد کے دماغ میں جہاد میں اٹھتا ہوا غبار پہنچ جائے گا۔اس کے دماغ میں دوزخ کا دھواں نہیں جائے گا) اور کسی ایک بندہ کے دل میں کبھی شح اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے (یعنی شح تقاضاء ایمان کے خلاف ہے) رواہ البغوی وکذا رواہ النسائی۔(تفسیر مظہری)

حرص، بخل اور ظلم سے بچو: مسند احمد اور مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لوگو ظلم سے بچو قیامت کے دن یہ ظلم اندھیریاں بن جائے گا۔لوگو بخیلی اور حرص سے بچو یہی وہ چیز ہے جس نے تم سے پہلے لوگوں کو برباد کر دیا اسی کی وجہ سے انہوں نے خونریزیاں کیں اور حرام کو حلال بنا لیا۔اور سند سے یہ بھی مروی ہے کہ فحش سے بچو اللہ تعالیٰ فحش باتوں اور بے حائی کے کاموں کو ناپسند فرماتا ہے۔حرص اور بخیلی کی مذمت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اسی کے باعث اگلوں نے ظلم کیے فسق وفجور کیے اور قطع رحمی کی۔ابوداؤد وغیرہ میں ہے اللہ کی راہ کا غبار اور جہنم کا دھواں کسی بندے کے پیٹ میں جمع ہو ہی نہیں سکتا۔اسی طرح بخیلی اور ایمان بھی کسی بندہ کے دل میں جمع نہیں ہو سکتے یعنی راہ خدا کی گرد جس پر پڑی وہ جہنم سے آزاد ہو گیا اور جس کے دل میں بخیلی نے گھر کر لیا اسکے دل میں ایمان کے رہنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی حضرت عبداللہؓ کے پاس آ کر ایک شخص نے کہا کہ اے ابو عبدالرحمٰن میں تو ہلاک ہو گیا۔آپ نے فرمایا کیا بات ہے؟ کہا قرآن میں تو ہے جو اپنے نفس کی بخیلی سے بچا دیا گیا اس نے فلاح پائی اور میں تو مال کو بڑا روکنے والا ہوں مال خرچ کرتے ہوئے دل رکتا ہے۔آپ نے فرمایا اس کنجوسی کا ذکر اس آیت میں نہیں یہاں مراد بخیلی سے یہ ہے کہ تو اپنے کسی مسلمان بھائی کا مال ظلم سے کھا جائے ہاں بخیلی بمعنی کنجوسی بھی ہے بہت بُری چیز (ابن ابی حاتم)۔

حرص سے تحفظ ہر جرم سے تحفظ ہے: حضرت ابوالہیاج اسدیؒ فرماتے ہیں کہ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ ایک

صاحب صرف یہی دعا پڑھ رہے ہیں اَللّٰھُمَّ قِنِیْ شُحَّ نَفْسِیْ خدایا مجھے میرے نفس کی حرص وآز سے بچالے آخر مجھ سے نہ رہا گیا میں نے کہا آپ صرف یہی دعا کیوں مانگ رہے ہیں؟ اس نے کہا جب اس سے بچاؤ ہو گیا تو پھر نہ زنا کاری ہوسکے گی نہ چوری نہ کوئی اور برا کام۔ اب جو میں نے دیکھا تو وہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف تھے رضی اللہ عنہ (ابن جریر) (تفسیر ابن کثیر)

عام ضابطہ: حضرات انصار کے ایثار اور اللہ کی راہ میں سب کچھ قربان کر دینے کا ذکر کرنے کے بعد عام ضابطہ ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچ گئے تو اللہ کے نزدیک وہ ہی فلاح وکامیابی پانے والے ہیں۔

شح کے متعلق احکام: لفظ شح اور بخل تقریباً ہم معنی ہیں لفظ شح میں کچھ مبالغہ ہے کہ بہت شدید بخل کو کہا جاتا ہے۔ بخل وشح اگر حقوق واجبہ میں کیا جائے خواہ وہ اللہ کے حقوق ہوں جیسے زکوٰۃ صدقۃ الفطر عشر قربانی وغیرہ کہ ان کی ادائیگی میں بوجہ بخل کے کوتاہی کرے یا انسانوں کے حقوق واجبہ ہوں جیسے اہل وعیال کا نفقہ یا اپنے حاجتمند والدین اور عزیزوں کا نفقۂ واجبہ جو بخل ان حقوق واجبہ کی ادائیگی سے مانع ہو وہ قطعاً حرام ہے اور جو امور مستحبہ اور فضائل انفاق سے مانع ہو وہ مکروہ ومذموم ہے اور جو محض رسمی چیزوں میں خرچ سے مانع ہو وہ شرعاً بخل نہیں۔

بخل وشح اور دوسروں پر حسد ایسی مذموم خصلتیں ہیں کہ قرآن وحدیث میں ان کی بڑی مذمت آئی ہے۔ اور جو اُن سے بچ جائے اس کے لئے بڑی بشارت ہے حضرات انصار کی جو صفات اور بیان ہوئی ہیں اُن میں اُن کا بخل وحسد سے بری ہونا واضح ہے۔

کینہ اور حسد سے پاک ہونا جنتی ہونے کی علامت

ابن کثیر نے بحوالہ امام احمد حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی تمہارے سامنے ایک شخص آنے والا ہے جو اہل جنت میں سے ہے چنانچہ ایک صاحب انصار میں سے آئے جن کی ڈاڑھی سے تازہ وضو کے قطرات ٹپک رہے تھے اور بائیں ہاتھ میں اپنے نعلین لئے ہوئے تھے دوسرے دن بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا اور یہی شخص اسی حالت کے ساتھ سامنے آیا تیسرے روز پھر یہی واقعہ پیش آیا اور یہی شخص اپنی مذکورہ حالت میں داخل ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجلس سے اُٹھ گئے تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اس شخص کے پیچھے لگے (تاکہ اس کے اہل جنت ہونے کا راز معلوم کریں) اور ان سے کہا کہ میں نے کسی جھگڑے میں قسم کھالی ہے کہ میں تین روز تک اپنے گھر نہ جاؤں گا اگر آپ مناسب سمجھیں تو تین روز مجھے اپنے یہاں رہنے کی جگہ دیدیں انہوں نے منظور کر فرمالیا۔ عبداللہ بن عمروؓ نے یہ تین راتیں اُن کے ساتھ گذاریں تو دیکھا کہ رات کو تہجد کے لئے نہیں اٹھتے البتہ جب سونے کے لئے بستر پر جاتے تو کچھ اللہ کا ذکر کرتے تھے پھر صبح کی نماز کے لئے اُٹھ جاتے تھے۔ البتہ اس پورے عرصہ میں میں نے ان کی زبان سے بجز کلمہ خیر کے کوئی کلمہ نہیں سنا جب تین راتیں گذر گئیں اور قریب تھا کہ میرے دل میں ان کے عمل کی حقارت آجائے تو میں نے اُن پر اپنا راز کھول دیا کہ ہمارے گھر کوئی جھگڑا نہیں تھا لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین روز تک یہ سنتا رہا کہ تمہارے پاس ایک ایسا شخص آنے والا ہے جو اہل جنت میں سے ہے اور اس کے بعد تینوں دن آپ ہی آئے اس لئے میں نے چاہا کہ میں آپ کے ساتھ رہ کر دیکھوں کہ آپ کا وہ کیا عمل ہے جس کے سبب یہ فضیلت آپ کو حاصل ہوئی مگر عجیب بات ہے کہ میں نے آپ کو کوئی بڑا عمل کرتے نہیں دیکھا۔ تو وہ کیا چیز ہے جس نے آپ کو اس درجہ پر پہنچایا۔ انہوں نے کہا میرے پاس تو بجز اس کے کوئی عمل نہیں جو آپ نے دیکھا ہے میں یہ سن کر واپس آنے لگا تو مجھے بُلا کر کہا کہ ہاں ایک بات ہے کہ ''میں اپنے دل میں کسی مسلمان کے کی طرف سے کینہ اور برائی نہیں پاتا'' اور کسی پر حسد نہیں کرتا جس کو اللہ نے کوئی خیر کی چیز عطا فرمائی ہو عبداللہ بن عمرو نے کہا کہ بس یہی وہ صفت ہے جس نے آپ کو یہ بلند مقام عطا کیا ہے۔

ابن کثیر نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ اس کو نسائی نے بھی عمل الیوم واللیلہ میں نقل کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح علیٰ شرط الشیخین ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ

اور واسطے اُن لوگوں کے جو آئے اُن کے بعد ☆

بعد میں آنے والے مومن ☆ یعنی ان مہاجرین وانصار کے بعد عالم وجود میں آئے یا ان کے بعد حلقہ اسلام میں آئے یا مہاجرین سابقین کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آئے والظاہر ہو الاوّل۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان آیات کو تلاوت کر کے فرمایا کرتے خدا کی قسم جو شخص مہاجرین کی طرف سے کدورت رکھتا ہو وہ ہرگز ان لوگوں میں سے نہیں ہوسکتا جن کو اس آیت میں بیان کیا گیا اور حق تعالیٰ شانہٗ نے مدح فرمائی۔ ازالۃ الخفاء۔ ہدیۃ الشیعہ۔ ۱۲۔

ابن تیمیہ کا کلام: چنانچہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ ''منہاج السنۃ'' جلد اول میں ان آیات کا ذکر کر کے لکھتے ہیں اور یہ آیتیں مہاجرین وانصار کی مدح پر مشتمل ہیں اور ان لوگوں کی بھی تعریف پر مشتمل ہیں جو انصار ومہاجرین کے بعد آئیں گے اور یہ بعد میں آنیوالے سابقین اولین کے لئے دعاءِ مغفرت کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا کریں گے کہ اے اللہ ہمارے

دلوں کو مہاجرین وانصار کے کینہ سے بالکل پاک وصاف رکھ۔ نیز ان آیات میں یہ مضمون بھی ہے کہ مال فئی کی مستحق یہ تین جماعتیں ہیں (ان کے سوا اور کسی کا اس میں استحقاق نہیں) اور اس میں کوئی شک نہیں کہ رافضی ان تینوں قسموں سے خارج ہیں اس لئے کہ وہ مہاجرین وانصار کے لئے دعاء مغفرت نہیں بلکہ ان کے دلوں میں تو مہاجرین وانصار کا کینہ بھرا ہوا ہے۔ تو ان ایات میں صحابہ کرام کی فضیلت و مدح ہے اور اسی طرح اہلسنت کی مدح ہے جو صحابہ کرام سے محبت رکھتے ہیں اور یہ آخری قید رافضیوں کے خارج کرنے کے لئے ہے۔ اور یہ آیت رافضیوں کے مذہب کو بالکل چاک کر دیتی ہے۔ اور ان کے اس عیب وخبث کی پردہ دری کر رہی ہے جو ان کے سینوں میں بھرا ہوا ہے۔ اللّٰھم جَنبنَا عَن کُلِّ رفضٍ وسُوْءٍ وَاَمْلأ قلوبَنا عَن حُبِّ اَصْحَاب نَبِیّکَ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وعلیٰ آلِہٖ وَاَصْحابه. اجمعین. (معارف کاندھلوی)

صحابہ کرام کی محبت واجب ہے: قرطبی نے فرمایا کہ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ صحابۂ کرام کی محبت ہم پر واجب ہے' حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ جو شخص کسی صحابی کو بُرا کہے یا اس کے متعلق بُرائی کا اعتقاد رکھے اس کا مسلمانوں کے مال فئے میں کوئی حصہ نہیں' پھر اسی آیت میں استدلال فرمایا' اور چونکہ مال فئی میں حصہ ہر مسلمان کا ہے تو جس کا اس میں حصہ نہ رہا اس کا اسلام وایمان ہی مشکوک ہوگیا۔

صحابہ سے بدگمان ہونا جائز نہیں: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سب مسلمانوں کو اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استغفار اور دعاء کرنے کا حکم دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ ان کے آپس میں جنگ وجدال کے فتنے بھی پیدا ہوں گے (اس لئے کسی مسلمان کو مشاجرات صحابہ کی وجہ سے ان میں سے کسی سے بدگمان ہونا جائز نہیں)۔

حضرت صدیقہ عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ یہ اُمت اُس وقت تک ہلاک نہیں ہوگی جب تک اس کے پچھلے لوگ اگلوں پر لعنت وملامت نہ کریں گے۔

لعنت کا سبب: حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ کسی صحابی کو بُرا کہتا ہے تو اس سے کہو کہ جو تم میں سے زیادہ بُرا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت' یہ ظاہر ہے کہ زیادہ بُرے صحابہ تو ہو نہیں سکتے یہی ہوگا جو ان کی بڑائی کر رہا ہے' خلاصہ یہ ہے کہ صحابۂ کرام میں سے کسی کو بُرا کہنا سبب لعنت ہے۔

اسلاف کا طریقہ: اور عوام بن ہوشبؒ نے فرمایا کہ میں نے اس اُمت کے پہلے لوگوں کو اس بات پر مستقیم اور مضبوط پایا ہے کہ وہ لوگوں کو یہ تلقین کرتے تھے کہ صحابہ کرام کے فضائل اور محاسن بیان کیا کرو تا کہ لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا ہو اور وہ مشاجرات اور اختلافات جو ان کے درمیان پیش آئے ہیں اُن کا ذکر نہ کیا کرو جس سے ان کی جرأت بڑھے (اور وہ بے ادب ہو جاویں) (یہ سب روایات تفسیر قرطبی سے لی گئی ہیں)۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ
کہتے ہوئے اے رب بخش ہم کو اور
لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا
ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے
بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ
ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے
قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
دلوں میں بیر ایمان والوں کا
رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۰﴾ ع
اے رب تو ہی ہے نرمی والا مہربان ☆

بعد کے مومنین کا طرز عمل ☆ یعنی سابقین کے لیے دعاء مغفرت کرتے ہیں اور کسی مسلمان بھائی کی طرف سے دل میں بیر اور بغض نہیں رکھتے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ یہ'' آیت سب مسلمانوں کے واسطے ہے جو اگلوں کا حق مانیں اور انہی کے پیچھے چلیں اور ان سے بیر نہ رکھیں'' امام مالکؒ نے یہیں سے فرمایا کہ جو شخص صحابہ سے بغض رکھے اور ان کی بدگوئی کرے اس کے لیے مال فئے میں کچھ حصہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

پہلوں کا پچھلوں پر حق: لِاِخْوَانِنَا۔ یعنی ہمارے دینی بھائیوں کے لئے جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔ پہلوں کا پچھلوں پر بڑا حق ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے جن کو ہدایت ملی اور ایمان کی توفیق ہوئی ان ہی کے ذریعہ سے پیچھے آنے والے ہدایت یاب ہوئے۔

غِلًّا کینہ۔ حسد بغض۔

ناصبی' خارجی اور شیعہ کی محرومی: اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ اگر کسی کے دل میں کسی صحابی کی طرف سے کسی طرح کا بغض ہو تو اس کا شمار ان لوگوں میں نہیں ہوگا جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے (یعنی نواصب' خوارج

اور شیعہ اس آیت کے مصداق نہیں ہیں۔ مترجم) یہ ابن ابی لیلیٰ کا قول ہے۔

مؤلف فصول نے جو امامیہ اثنا عشری فقہ میں سے تھا لکھا ہے کہ یہ جماعت حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان پر نکتہ چینی کر رہی تھی حضرت جعفر محمد بن علی باقر نے ان سے فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں شامل نہیں ہو جس کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ۔ الآیۃ۔

صحیفۂ کاملہ میں آیا ہے کہ حضرت امام زین العابدین یہ دعا کیا کرتے تھے۔ اے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر خصوصیت کے ساتھ رحمت نازل فرما جنہوں نے صحبت (رسول) کو اچھی طرح نباہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنے میں اچھی طرح آزمائش میں پورے اترے تیزی کے ساتھ خدمت رسول میں حاضر ہوئے اور دعوت رسول کی طرف پیش قدمی کی اور جونہی آپ نے اپنی رسالت کے دلائل بیان کئے فوراً انہوں نے قبول کر لیا اور کلمۂ توحید و رسالت ظاہر کرنے میں (تامل نہیں کیا بلکہ) اہل و عیال کو چھوڑ دیا اور نبوت کو مضبوط کرنے کے لئے اپنے ماں باپ اور اولاد سے بھی لڑے اور آپ کی وجہ سے فتح یاب ہوئے اور اے اللہ ان لوگوں پر رحمت نازل فرما) جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اور آپ کی دوستی میں (جان و مال کی) اس تجارت کے امیدوار تھے جو خسران مال نہیں تھی اور (ان لوگوں پر بھی رحمت نازل کر) جنہوں نے اسلام کا مضبوط قبضہ پکڑ کر اپنے قبائل کو چھوڑ دیا اور ان کی رشتہ داریاں مثلاً (قرابتداروں سے) منقطع ہو گئیں اور قرابت رسول کے سایہ میں وہ مسکن گزیں ہو گئے۔

اے اللہ جن چیزوں کو انہوں نے تیرے لئے اور تیرے راستہ میں قربان کر دیا ان کو نظر انداز کرنا اور اپنی خوشنودی عطا فرما کر ان کو خوش کرنا اس بدلہ میں کہ انہوں نے تیرے دین پر لوگوں کو جمع کیا اور تیرے رسول کے ساتھ رہے اور تیری طرف آنے کی لوگوں کو دعوت دی اور انکی قدر افزائی فرما اس بنا پر کہ انہوں نے تیری راہ میں اپنی قوم کی بستیوں کو چھوڑا اور وسعت معاشی سے نکل کر تنگدستی میں پڑے۔

رافضی یہودیوں اور عیسائیوں سے بدتر

مالک بن معول کا بیان ہے مجھ سے عامر بن شرجیل شعبی نے کہا مالک ایک بات میں یہودی اور عیسائی رافضیوں سے افضل ہیں جب یہودیوں سے دریافت کیا گیا کہ تمہاری ملت میں سب سے افضل کون لوگ تھے تو انہوں نے کہا موسیٰ کے صحابی اور عیسائیوں سے پوچھا گیا کہ تمہاری امت میں کون لوگ سب سے برتر تھے تو انہوں نے کہا عیسیٰ کے حواری جب رافضیوں سے سوال کیا گیا کہ تمہاری ملت میں سب سے برے کون لوگ ہیں تو کہنے لگے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ان کو حکم دیا گیا تھا کہ صحابہ کے لئے طلب مغفرت کریں تو انہوں نے (بجائے دعا کرنے کے) صحابیوں کو برا کہا۔ ان کے خلاف روز قیامت تک تلواریں کھچی رہیں گی۔ ان کا جھنڈا کبھی سربلند نہیں ہوگا نہ ان کے قدم جمیں گے نہ ایک رائے پر ان کا اتفاق ہوگا جب بھی یہ (صحابہ کے خلاف) لڑائی کی آگ بھڑکائیں گے اللہ ان کی جماعتوں کو منتشر کر کے اور ان کے خون بہا کر لڑائی کی آگ بجھا دیگا۔ اللہ ہم کو گمراہ کن خواہشات سے محفوظ رکھے۔ مالک بن انس نے فرمایا جو شخص کسی صحابی سے بغض رکھے گا۔ یا اس کے دل میں کسی صحابی کی طرف سے کینہ ہوگا اس کو مسلمانوں کے مال فئے میں حصہ پانے کا کوئی حق نہیں یہ فرما کر امام مالک نے آیت مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى .... رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ تلاوت فرمائی۔

باجماع علماء مال فئے ہر قسم کے مسلمانوں کا حق ہے خواہ غنی ہوں یا فقیر تمام مسلمان حکام عمال اور علماء اس سے بہرہ یاب ہو سکتے ہیں (مشاہرات و وظائف اس میں سے ان کو دیئے جا سکتے ہیں) خواہ وہ مالدار ہوں یا نادار اسی طرح اسلامی فوج کے مصارف اس سے کئے جا سکتے ہیں فوجیوں کا نادار ہونا ضروری نہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ مال فئے میں سے تمام مسلمانوں کو برابر برابر حصہ دیتے تھے حضرت عمر فاروق نے فضیلت دی اور خدمت اسلامی کے تفاوت کے پیش نظر تقسیم فئے میں بھی تفاوت کر دیا تھا لیکن مالداری اور ناداری کا لحاظ کسی نے نہیں کیا۔

بحرین کے مال کی تقسیم: امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ مجھ سے ابن ابی انجیح نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر کی خدمت میں (فئے کا) کچھ مال پیش کیا گیا آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص سے کچھ مال دینے کا وعدہ کیا ہو وہ آ جائے یہ ارشاد سن کر حضرت جابر بن عبداللہ آئے اور کہا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ جب بحرین کا مال آئے تو میں تجھے اتنا اتنا دونوں لپ بھر کر (اشارہ کیا) دوں گا حضرت ابوبکر نے فرمایا دونوں ہاتھ بھر کر لے لو میں نے لے لیا پھر اس کو گنا تو پانچ سو تھے پھر ارشاد فرمایا ایک ہزار لے لو (کیونکہ حضور اقدس نے دونوں ہاتھوں کو ملا کر اشارہ کرتے ہوئے اتنا کا لفظ مکرر فرمایا تھا) میں نے ہزار لے لئے اس کے بعد آپ نے ہر اس شخص کو جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ کیا تھا کچھ کچھ دیا اس کے بعد بھی کچھ مال باقی رہ گیا تو آپ نے ہر مرد عورت بچے بڑے آزاد غلام سب میں برابر برابر بانٹ دیا چنانچہ ہر شخص کے حصہ میں ۹-۱-۱/۳ درہم آئے جب دوسرا سال آیا تو اس سے زیادہ مال آیا آپ نے وہ بھی لوگوں کو تقسیم کر دیا اس بار ہر شخص کے حصہ میں بیس درہم آئے یہ (مساویانہ تقسیم) دیکھ کر کچھ مسلمان حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور عرض کیا اے رسول خدا کے جانشین آپ نے مال کی تقسیم کی اور سب کو برابر حصہ دیا ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کو دوسروں

پر فضیلت اور سبقت اسلامی اور پختگی حاصل ہے آپ، ان کی فضیلت اور اسلامی سبق اور تقدیم کو تقسیم میں ملحوظ رکھتے تو بہتر تھا حضرت ابو بکر نے فرمایا میں اس بات کو خوب جانتا ہوں مگر اس کا ثواب تو (آخر میں) اللہ دے گا اور یہ تقسیم معاشی ہے اس میں برابری کی بیشی (بعض کو بعض پر ترجیح دینے) سے بہتر ہے۔ جب حضرت عمر کا دور خلافت آیا اور فتوحات کا مال ملا تو آپ نے تقسیم میں فضیلت اسلامی کا لحاظ رکھا اور فرمایا جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑے ان کو میں ان لوگوں کے برابر نہیں قرار دے سکتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہ کر آپ کے دشمنوں سے لڑے چنانچہ جن انصار و مہاجرین کی سبقت اسلام اور فضیلت حاصل تھی ان میں سے شرکاء بدر کو پانچ ہزار عطا کیے اور جن کو شرکاء بدر کی طرح صرف اسلامی برتری حاصل تھی اُن کو اُن کے فضائل کے مطابق حصہ دیا۔ امام ابو یوسف نے لکھا ہے کہ مجھ سے عضرہ کے غلام عمر نے اور بعض دوسرے لوگوں نے کہا کہ جب حضرت عمر کے پاس فتوحات کا مال (بکثرت) آیا تو فرمایا اس مال کی تقسیم کے متعلق ابو بکر کی ایک رائے تھی اور میری رائے ان سے الگ ہے جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑے ان کو میں ان لوگوں کے برابر نہیں رکھ سکتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ کر (دشمنوں سے) لڑے چنانچہ آپ نے مہاجرین و انصار میں سے ہر اس شخص کو جو غزوۂ بدر میں شریک رہا تھا چار چار ہزار دیئے اور سواء حضرت صفیہ اور حضرت جویریہ کے حضور کی ہر بی بی کو بارہ ہزار دیئے۔ حضرت صفیہ اور حضرت جویریہ کو صرف چھ چھ ہزار دیئے ان دونوں بیبیوں نے لینے سے انکار کر دیا حضرت عمر نے فرمایا میں نے دوسری بیبیوں کو جو دوگنا حصہ دیا ہے وہ ان کی ہجرت کی وجہ سے دیا ہے (ان کو فضیلت ہجرت حاصل تھی) دونوں بیبیوں نے فرمایا یہ وجہ نہیں بلکہ ترجیح کی یہ وجہ ہے کہ آپ کے خیال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ان کو ہم پر برتری حاصل تھی۔ حالانکہ حضور کی نظر میں ہمارا بھی وہی مرتبہ تھا جو ان کا تھا یہ جواب سن کر حضرت عمر نے ان کے لئے بھی بارہ بارہ ہزار کر دیئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس کو بھی بارہ ہزار دیئے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو چار ہزار دیئے اور حضرت عبداللہ بن عمر کو تین ہزار۔ عبداللہ نے عرض کیا ابا اسامہ کو مجھ سے ایک ہزار زائد کیوں دیئے اسامہ کے باپ کو کوئی ایسی فضیلت حاصل نہ تھی جو میرے باپ کو حاصل نہ ہو اور نہ اُسامہ کو کوئی ایسی برتری حاصل ہے جو مجھے حاصل نہ ہو حضرت عمر نے فرمایا اسامہ کا باپ تیرے باپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ پیارا تھا اور اسامہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں تجھ سے زائد محبوب تھا۔

حضرت حسن اور حضرت حسین کو پانچ پانچ ہزار دیئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان کا مرتبہ اونچا تھا (باقی) انصار و مہاجرین کے لڑکوں کو دو دو ہزار دیئے لیکن۔ جب عمرو بن ابی سلمہ سامنے سے گذرے تو فرمایا ان کو ایک ہزار بڑھا دو اس پر محمد بن عبدالرحمن بن جحش نے کہا ان کے باپ ابو سلمہ کو وہ فضیلت حاصل نہیں تھی جو ہمارے باپ کو حاصل نہ ہو اور نہ ان کو کوئی ایسی برتری حاصل ہے جو ہم کو نہ ملی ہو (پھر یہ حصہ میں بیشی کیوں کی گئی) فرمایا ابو سلمہ (کے بیٹے ہونے) کی وجہ سے تو میں نے ان کو دو ہزار دیئے اور حضرت ام سلمہ کی وجہ سے ایک ہزار زائد دیدیے) اگر تیری ماں بھی حضرت ام سلمہ کے ہم پلہ ہوتی تو تجھے بھی میں ایک ہزار زائد دیدیتا۔ باقی لوگوں کو آپ نے آٹھ آٹھ سو دیئے حضرت طلحہ بن عبیداللہ اپنے بھائی کو لے کر آئے تو ان کو بھی آٹھ سو دیئے نضر بن انس سامنے سے گذرے تو فرمایا ان کو دو ہزار دیدو جنگ احد میں ان کے باپ کا (وہ) کارنامہ تھا جو دوسروں کا نہیں ہوا شکست کے بعد انہوں نے لوگوں سے دریافت کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ہوا میں نے کہا میرے خیال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا گیا یہ بات سن کر انہوں نے تلوار سونت لی اور نیام توڑ کر کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے مگر اللہ تو زندہ ہے وہ تو نہیں مرے گا یہ کہہ کر (مشرکوں سے) اتنا لڑے کہ شہید ہو گئے اور یہ فلاں فلاں مقام پر بکریاں چرا رہا تھا۔

تقسیم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کا لحاظ

حضرت عمر اپنے دور خلافت میں مال کی تقسیم اسی طرح کرتے رہے۔ امام ابو یوسف نے لکھا ہے کہ مجھ سے محمد بن اسحاق نے بروایت ابو جعفر بیان کیا کہ حضرت عمر نے جب تقسیم مال کا ارادہ کیا اور آپ کی رائے دوسروں کی رائے سے آخری تھی تو لوگوں نے کہا کہ پہلے آپ اپنی ذات سے شروع کیجئے (یعنی پہلے اپنا حصہ مقرر کیجئے) فرمایا نہیں۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابتداروں سے اقرب فالاقرب کے طریقہ سے تقسیم شروع کی پہلے حضرت عباس سے پھر حضرت علی سے شروع کیا اس طرح پانچ اصول تک ترتیب وار تقسیم کی یہاں تک کہ عدی بن کعب تک پہنچ گئے ہم سے مخالد بن سعید نے شعبی کا بیان نقل کیا اور شعبی نے ایسے شخص کا حوالہ دیا جو حضرت عمر کے دور میں موجود تھا کہ جب فارس اور روم کی فتوحات ہوئیں (اور مسلسل بکثرت مال آنے لگا) تو حضرت عمر نے کچھ صحابیوں کو جمع کر کے دریافت کیا آپ حضرات کی کیا رائے ہے میرا خیال تو یہ ہے کہ سالانہ لوگوں کے وظائف مقرر کردوں اور سال بھر تک مال خزانہ میں جمع کرتا رہوں اس میں بڑی برکت ہو گی صحابہ نے جواب دیا آپ جب چاہیں کریں ان شاء اللہ آپ کو اللہ کی طرف سے توفیق نصیب ہو گی اس کے بعد آپ نے (سالانہ) عطیات مقرر کر دیئے اور فرمایا آغاز تقرر کس سے کروں عبد بن عوف نے کہا اپنی ذات سے شروع کیجئے فرمایا نہیں خدا کی قسم (ایسا نہیں کروں گا) بلکہ بنی ہاشم سے شروع کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا (قریبی) قبیلہ ہے چنانچہ جو ہاشمی بدر

میں شریک ہوئے تھے ان میں ہر ایک کو خواہ وہ غلام ہو (یعنی بنی ہاشم کا آزاد کردہ عجمی غلام) یا عربی بہرحال ہر ایک کے پانچ ہزار مقرر کئے۔ حضرت عباس کے بارہ ہزار مقرر ہوئے بنی ہاشم بنی امیہ کے وظائف مقرر کئے بنی امیہ میں سے بھی ان لوگوں کو مقدم رکھا جو شرکاء بدر تھے اور بنی ہاشم سے قریب ترین رشتہ رکھتے تھے ان میں سے بھی ہر ایک کے پانچ ہزار مقرر کئے۔

انصار میں ہر ایک کے چار چار ہزار مقرر کئے انصاریوں میں سے پہلے محمد بن مسلمہ کا وظیفہ مقرر ہوا۔

امہات المومنین میں سے ہر ایک کے دس ہزار لیکن حضرت عائشہ کے بارہ ہزار مقرر کئے حبش کی طرف ہجرت کرنیوالوں میں سے ہر ایک کے چار ہزار۔ اور عمرو بن ابوسلمہ کے چار ہزار مقرر ہوئے کیوں کہ حضرت ام سلمہ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے آپ کو ترجیح حاصل تھی عبداللہ بن جحش نے کہا آپ نے ان کو ہم پر کیوں فضیلت دی پورا سوال و جواب بیان سابق میں ذکر کر دیا گیا ہے چونکہ حضرت حسن اور حضرت حسین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب مرتبہ حاصل تھا اس لئے ان میں سے ہر ایک کے لئے پانچ ہزار مقرر کیا پھر دوسرے لوگوں کے لئے عربی ہوں یا آزاد کردہ عجمی تین سو اور چار سو کا وظیفہ معین کیا گیا۔

مہاجرین اور انصار کی عورتوں کا وظیفہ چھ سو، چار سو، تین سو، اور دو سو مقرر ہوا کچھ مہاجرین کا وظیفہ دو ہزار ہوا۔ برقیل جب مسلمان ہو گئے تو ان کا وظیفہ بھی دو ہزار مقرر ہو گیا۔ برقیل نے کہا میری زمین میرے ہی قبضہ میں رہنے دیجیے میں اس کا خراج ویسے ہی ادا کروں گا جیسے پہلے ادا کیا جاتا تھا حضرت عمر نے اس کی درخواست منظور کر لی۔

امام ابو یوسف نے لکھا ہے مجھ سے محمد بن عمرو بن علقمہ نے بحوالۂ ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن عوف حضرت ابوہریرہؓ کا بیان نقل کیا اس روایت میں آیا ہے کہ مہاجرین کا پانچ پانچ ہزار اور انصار کا تین تین ہزار اور امہات المومنین کا بارہ بارہ ہزار وظیفہ مقرر کیا۔

ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی سخاوت

جب حضرت زینب بنت جحش کا وظیفہ ان کی خدمت میں پہنچا تو فرمایا امیر المومنین کی اللہ مغفرت کرے اس روپیہ کی تقسیم تو میری ساتھ والیاں (یعنی دوسری امہات المؤمنین صلی اللہ علیہ وسلم) مجھ سے زیادہ اچھی طرح کر سکتی تھیں (حضرت زینب سمجھیں کہ یہ بارہ ہزار درہم مجھے اس لئے دیئے گئے ہیں تاکہ میں دوسری بیبیوں کو تقسیم کر دوں) لانے والے نے کہا یہ ساری رقم تو آپ کی ہے چنانچہ وہ روپیہ آپ کے سامنے ڈال دیا گیا اور آپ نے اس کو کپڑے سے ڈھاک دیا پھر جو عورت آپ کے پاس موجود تھی اس سے فرمایا اس کپڑے کے اندر ہاتھ ڈال جتنا ہاتھ میں آجائے اتنا اتنا (دوسری عورتوں کو) بانٹ دے وہ عورت اس طرح بانٹنے لگی آخر اس تقسیم کنندہ عورت نے کہا شاید آپ مجھے بھول گئیں حالانکہ آپ پر میرا حق (زائد) ہے فرمایا کپڑے کے نیچے جو باقی رہا ہے وہ تو لے لے اس نے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو ۸۵ درہم نکلے۔ اس کے بعد حضرت زینب نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی اے اللہ اس سال کے بعد کبھی عمر کا عطیہ مجھے نہ پائے (یعنی میں اگلے سال تک زندہ نہ ہوں) چنانچہ امہات المؤمنین میں سب سے پہلے حضرت زینب کی موت ہوئی اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملیں۔

ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت زینب بنت جحش تمام بیبیوں سے زائد سخی تھیں۔

حضرت عمر نے حضرت زید بن ثابت کو انصار کی تقسیم کا ذمہ دار بنا دیا۔ حضرت زید نے سکان عوالی مدینہ سے تقسیم کا آغاز کیا سب سے پہلے بنی الاشہل کو دیا پھر قبیلۂ اوس کو دیا کیوں کہ ان کے گھر دوری پر تھے اوس کے بعد قبیلۂ خزرج کو سب سے آخر میں آپ کا خود نمبر آیا ان کا قبیلہ بنی مالک بنی نجار تھا مسجد کے گرداگرد رہتے تھے۔

غلاموں کا حق: امام ابو یوسف نے لکھا ہے مجھ سے مدینہ کے ایک شیخ نے بحوالۂ اسمٰعیل بن مسائب بن یزید بیان کیا اور اسمٰعیل نے اپنے باپ کی روایت سے کہا کہ حضرت عمر بن خطاب فرما رہے تھے قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اس مال میں ہر شخص کا حق ہے میں دیتا ہوں اور روکتا ہوں اور سوائے مملوک غلام کے اور کسی کا دوسرے سے زیادہ حق نہیں ہے اور میں بھی تم میں سے ایک فرد ہوں لیکن کتاب اللہ کی رو سے لوگوں کے مراتب مختلف ہیں کوئی موروث اسلام ہے کسی کو تقدم اسلامی حاصل ہے کوئی غنی ہے کوئی محتاج خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو ضرور ایسا ہوگا کہ کوہ صفاء پر جانور چرانے والے کو اس مال میں اس کا حصہ اس کی جگہ پر پہنچ جائے گا بغیر اس کے کہ (اپنے حصہ کی طرف میں) اس کا چہرہ سرخ ہو۔

بچوں کا وظیفہ: پیدا ہوتے ہی بچہ کا وظیفہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔ نوخیز شباب ہونے پر دو سو وظیفہ ہو جاتا تھا اس سے آگے بڑھتا تھا تو اتنا ہی وظیفہ بڑھا دیا جاتا تھا جب حضرت عمر نے دیکھا کہ مال بہت ہو گیا تو فرمایا آئندہ سال کی اس تاریخ تک اگر میں زندہ رہا تو پچھلی جماعتوں کو ان کی اولاد سے ملا دوں گا یہاں تک کہ وظیفہ میں سب برابر ہو جائیں گے لیکن آپ کی وفات اس تاریخ کے آنے سے پہلے ہی ہو گئی۔

بغیر لڑائی کے حاصل ہونیوالے مال کے متعلق ائمہ کی آراء

جو مال بغیر لڑائی کے حکومت اسلامیہ کو مل جائے جیسے (۱) جزیہ (۲) تجارت کا عشر (ٹیکس یعنی ۱/۱۰) (۳) وہ مال جو ڈر کے مارے کافر چھوڑ گئے ہوں

(۴) کافروں سے مصالحت کرنے کی بناء پر جو مال مسلمانوں کو کافروں سے حاصل ہوا ہو (۵) زمین کا خراج (۶) مرتد کا مال جس کو قتل کر دیا گیا ہو وہ مر گیا ہو (۷) لاوارث ذمی میت کا مال (۸) بنی تغلب کی زکوٰۃ کا ان تمام اقسام کے مال کا خمس (پانچواں حصہ) نکالا جائے گا یا نہیں۔ ائمہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ اور امام مالک کی رائے ہے کہ خمس نہیں نکالا جائے گا بلکہ مسلمانوں کے سماجی و اجتماعی مصالح کے لئے کل مال صرف کیا جائے گا۔ جیسے سرحدوں کی حفاظت و بندش پلوں کی تعمیر۔ قاضیوں اور محتسبوں اور گورنروں اور کارندوں کی تنخواہ ہیں اور بقدر کفایت علماء کے وظائف اور فوجیوں کی اور ان کے اہل وعیال کی معاشی ضرورتوں کی تکمیل امام احمد کا بھی قوی الروایت قول یہی ہے۔ (کذا فی الہدایۃ) تجنیس میں ہے معلمین اور متعلمین کے وظائف اس مال سے دیئے جائیں گے تمام طالب علم اسی حکم میں شامل ہیں۔ پھر خمس کے پانچ حصے کئے جائیں گے' ایک حصہ (یعنی کل مال کا ۱/۲۵) بنی ہاشم اور بنی مطلب کو دیا جائے گا۔ مال دار اور نادار کی ان میں تفریق نہ ہو گی' سب کو دیا جائے گا ہاں مذکر کا مؤنث سے دوگنا حصہ ہو گا۔ دوسرا حصہ یتیموں کا ہو گا یتیم اس نابالغ بچے کو کہتے ہیں جس کا باپ مر گیا ہو امام شافعی کے قول مشہور کی پر یتیم کا حصہ اس وقت ہو گا جب وہ محتاج ہو۔ تیسرا حصہ مسکینوں کا اور چوتھا حصہ مسافروں کا ہو گا۔ بر قول شافعی ان چاروں اصناف کو دینا ضروری ہے ایک روایت یہ بھی ہے کہ سب کو دینا ضروری نہیں بلکہ ان میں سے جو صنف اس مقام میں ہو اسی کو دینا کافی ہے۔ رہا پانچ سہام میں سے پانچواں حصہ تو وہ مسلمانوں کے (عمومی اور مشترک) مصالح میں صرف کیا جائے گا۔ مثلاً سرحدوں کی حفاظت اور استحکام' قاضیوں کی تنخواہیں اور علماء کے وظائف ان میں بھی جو احوال اور ضرورت کے لحاظ سے اہم ہو گا اس کو دیا جائے گا۔

رہے باقی چار خمس (یعنی ۴/۵ یا پچیس میں سے بیس سہام) تو زیادہ ظاہر یہی ہے کہ وہ ان لوگوں کی معاشی امداد میں صرف ہو گا جن کی معاشی کفا' ضروری ہے یعنی وہ مجاہدین جو جہاد کے لئے تیار کئے گئے اور جہاد پر ان کو لگایا گیا ہو ان کے ناموں کا ایک رجسٹر رکھا جائے گا اور بقدر کفایت ہر ایک کو دیا جائے گا ان میں قریش کا نمبر اول ہو گا اور قریش میں سے بھی بنی ہاشم اور بنی مطلب کو مقدم رکھا جائے گا پھر بنی عبد شمس کا پھر بنی نوفل کا پھر بنی عبد العزیٰ کا اس کے بعد قریش کی دوسری شاخوں کا نمبر آئے گا۔ اور دوسری شاخوں میں وہ لوگ واجب التقدیم ہوں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب اور قرابت رکھتے ہوں گے اس کے بعد انصار کو پھر باقی عرب کو پھر عجم کو تقسیم کیا جائے گا۔ رجسٹر میں ان لوگوں کے ناموں کا اندراج نہیں ہو گا جو نابینا ہوں یا اپاہج ہوں یا جہاد کرنے اور دشمن سے لڑنے کے قابل نہ ہوں۔ اگر چاروں خمس (یعنی پچیس میں کے بیس) جہادی دستوں کے مصارف سے زائد ہوں تو ہر ایک کی محنت اور ذمہ داری کو ملحوظ رکھ کر انہی کو تقسیم کر دیئے جائیں گے مناسب یہ ہے کہ اس کا کچھ حصہ گھوڑوں کی خریداری اور سرحدوں کے استحکام کے لئے صرف کیا جائے۔

غیر منقولہ مال کا طریقہ: مذکورہ بالا طریق تقسیم تو اموال منقولہ کے متعلق تھا زمین اور غیر منقولہ جائیداد کا حکم الگ ہے صحیح مسلک یہ ہے کہ (باغ زمین کنویں وغیرہ) غیر منقولہ جائیداد کو وقف کر دیا جائے اور اس سے جو کچھ حاصل ہو اس کو منقولہ اموال کی طرح تقسیم کیا جائے۔ کذا فی المنہاج۔

جمہور ائمہ کی دلیل: جمہور ائمہ (ابوحنیفہ، مالک، احمد) کے قول کی تائید محمد بن یوسف صالحی کے اس بیان سے ہوتی ہے جو سبیل الرشاد میں ذکر کیا گیا ہے اور اس میں بنی نضیر کے مال کا حکم نقل کیا گیا ہے محمد بن یوسف نے کہا کہ حضرت عمر بن خطاب نے خدمت گرامی میں عرض کیا یا رسول اللہ (بنی نضیر کے متروکہ مال میں) کیا آپ تقسیم سہام خمس نہیں کریں گے فرمایا اللہ نے جس مال کو مومنوں کے سہام سے الگ رکھا ہے میں اسکو اس مال کی شکل نہیں دے سکتا جس میں تقسیم سہام ہوتی ہے۔

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوسیوں سے اور نجران کے عیسائیوں سے جزیہ لیا اور اہل یمن پر جزیہ مقرر کیا مگر کسی روایت میں یہ نہیں آیا کہ اس جزیہ کو آپ نے پانچ سہام پر تقسیم کیا ہو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہوتا تو ضرور روایت میں آتا۔

ابو داؤد نے ضعیف سند سے بیان کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے گورنروں کو لکھ بھیجا کہ عمر بن خطاب نے جو حکم دیا مسلمانوں نے اس کو مبنی بر انصاف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے موافق جانا۔ واللہ اعلم (تفسیر مظہری)

حضرت عمرؓ کی اپنے خلیفہ وصیت

صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر کے موقع پر یہ روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں اپنے بعد کے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ مہاجر اولین کے حق ادا کرتا رہے' ان کی خاطر مدارت میں کمی نہ کرے اور میری وصیت ہے کہ انصار کے ساتھ بھی نیکی اور بھلائی کرے جنہوں نے مدینہ میں جگہ بنائی اور ایمان میں جگہ حاصل کی' ان کے بھلے لوگوں کی بھلائیاں قبول کرے اور ان کی خطاؤں سے درگذر اور چشم پوشی کرے۔ ان کی شرافت طبعی ملاحظہ ہو کہ جو بھی راہ خدا میں ہجرت کر کے آئے یہ اپنے دل میں اسے گھر دیتے ہیں اور اپنا جان و مال ان پر سے نثار کرنا اپنا فخر جانتے ہیں۔

مہاجرین کا انصار کی تعریف کرنا: مسند احمد میں ہے کہ مہاجرین نے ایک مرتبہ کہا یا رسول اللہ ہم نے تو دنیا میں ان انصار جیسے لوگ نہیں دیکھے تھوڑے میں سے تھوڑا اور بہت میں سے بہت برابر ہمیں دے رہے ہیں' مدتوں سے ہمارا کل خرچ اٹھا رہے ہیں بلکہ ناز برداریاں کر رہے ہیں اور

کبھی چہرے پر شکن بھی نہیں بلکہ خدمت کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں دیتے ہیں اور احسان نہیں رکھتے' کام کاج خود کریں اور کمائی ہمیں دیں' حضرت ہمیں تو ڈر ہے کہ کہیں ہمارے اعمال کا سارا سارا اجر انہیں کو نہ مل جائے۔ آپ نے فرمایا نہیں نہیں جب تک تم ان کی ثنا اور تعریف کرتے رہو گے اور ان کے لئے دعائیں مانگتے رہو گے۔

انصار کا مقام ایثار: صحیح بخاری شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار نے انصاریوں کو بلا کر فرمایا کہ میں بحرین کا علاقہ تمہارے نام لکھ دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک آپ ہماری مہاجر بھائیوں کو بھی اتنا ہی نہ دیں ہم اسے نہ لیں گے۔ آپ نے فرمایا اچھا اگر نہیں لیتے تو دیکھو آئندہ بھی صبر کرتے رہنا میرے بعد ایسا وقت بھی آئے گا کہ اوروں کو دیا جائے گا اور تمہیں چھوڑ دیا جائیگا۔ صحیح بخاری شریف کی اور حدیث میں ہے کہ انصاریوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ہمارے کھجوروں کے باغات ہم میں اور ہمارے بھائیوں میں تقسیم کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ پھر فرمایا سنو کام کاج بھی تم ہی کرو اور ہم سب کو تو پیداوار میں شریک رکھو۔ انصار نے جواب دیا یا رسول اللہ ہمیں یہ بھی بخوشی منظور ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ
کیا تو نے نہیں دیکھا اُن لوگوں کو جو دغا باز ہیں کہتے ہیں
لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ
اپنے بھائیوں کو جو کہ کافر ہیں اہل
الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ
کتاب میں سے اگر تم کو کوئی نکال دیگا تو ہم بھی نکلیں گے
مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ
تمہارے ساتھ اور کہا نہ مانیں گے کسی کا تمہارے معاملہ میں کبھی
وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ
اور اگر تم سے لڑائی ہوئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے ☆

منافقین کا پیغام یہودیوں کے نام

☆ عبداللہ بن ابی وغیرہ منافقین نے یہود "بنی النضیر" کو خفیہ پیغام بھیجا تھا کہ گھبرانا نہیں اور اپنے کو اکیلا مت سمجھنا۔ اگر مسلمانوں نے تم کو نکالا ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے اور لڑائی کی نوبت آئی تو تمہاری مدد کرینگے۔ یہ ہمارا بالکل اٹل قطعی فیصلہ ہے۔ اس کے خلاف تمہارے معاملہ میں ہم کسی کی بات ماننے والے اور پروا کرنے والے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ۔ یعنی یہودی۔ بنی نضیر اور بنی قریظہ۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ عبداللہ بن سلول نے بنی نضیر کے پاس دو قاصد بھیج کر کہلوایا تھا تم مدینہ سے مت نکلنا میرے پاس دو ہزار آدمی ہیں جو تمہارے ساتھ قلعہ بند ہو جائیں گے۔

سبب نزول: ابن ابی حاتم نے سدی کا قول نقل کیا ہے کہ بنی قریظہ میں سے کچھ لوگ (بظاہر) مسلمان ہو گئے ان میں سے کچھ لوگ منافق تھے انہیں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اس روایت کے بموجب بھائیوں سے نسبی بھائی مراد ہوں گے یہ منافق بنی نضیر سے کہتے تھے کہ مدینہ میں اپنے گھروں کا تخلیہ نہ کرنا اگر تم کو تمہارے گھروں سے (یعنی مدینہ سے) نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۱﴾
اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں ☆

منافقوں کا جھوٹ ☆ یعنی دل سے نہیں کہہ رہے۔ محض مسلمانوں کے خلاف اکسانے کے لیے باتیں بنا رہے ہیں اور جو کچھ زبان سے کہہ رہے ہیں ہرگز اس پر عمل نہیں کرینگے۔ (تفسیر عثمانی)

لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ
اگر وہ نکالے جائیں یہ نہ نکلیں گے اُن کے ساتھ'
وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ
اور اگر اُن سے لڑائی ہوئی یہ نہ مدد کریں گے اُن کی ☆

منافقین کا دھوکہ ☆ چنانچہ لڑائی کا سامان ہوا اور "بنی نضیر" محصور ہو گئے ایسی نازک صورت حال میں کوئی منافق انکی مدد کو نہ پہنچا۔ اور آخر کار جب وہ نکالے گئے یہ اس وقت آرام سے اپنے گھروں میں چھپے بیٹھے رہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ
اور اگر مدد کریں گے تو بھاگیں گے
الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲﴾
پیٹھ پھیر کر پھر کہیں مدد نہ پائیں گے ☆

شکست منافقوں کا مقدر ہے☆یعنی اگر بفرض محال منافق ان کی مدد کو نکلے بھی تو نتیجہ کیا ہوگا بجز اس کے کہ مسلمانوں کے مقابلہ سے پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ پھر ان کی مدد تو کیا کر سکتے خود انکی مدد کو بھی کوئی نہ پہنچے گا۔ (تفسیر عثانی)

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ
البتہ تمہارا ڈر زیادہ ہے اُن کے دلوں میں
مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا
اللہ کے ڈر سے یہ اس لئے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں
يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۳﴾
رکھتے ☆

انہیں اللہ کا ڈر نہیں ہے☆یعنی اللہ کی عظمت کو سمجھتے اور دل میں اس کا ڈر ہوتا تو کفر و نفاق کیوں اختیار کرتے۔ ہاں مسلمانوں کی شجاعت و بسالت سے ڈرتے ہیں اسی لیے انکے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتے نہ میدان جنگ میں ثابت قدم رہ سکتے ہیں۔ (تفسیر عثانی)

اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۔یعنی لوگوں کے ڈر سے وہ بظاہر زبان سے تو ایمان لے آتے ہیں۔ لیکن دلوں میں ان کے کفر رہتا ہے اور اللہ ان کے باطنی کفر کو جانتا ہے مگر وہ اللہ سے نہیں ڈرتے اور دل سے ایمان نہیں لاتے۔

بندوں سے خوفزدہ ہونے کا سبب: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ الخ ۔ یہ اللہ کی بہ نسبت تم سے زیادہ خوف زدہ ہونا اس سبب سے ہے کہ وہ اللہ کو نہیں پہچانتے اس کی عظمت کو نہیں جانتے اتنا نہیں سمجھتے کہ نفع اور ضرر پہنچانے والا اللہ ہی ہے بندوں کے سارے اعمال و افعال اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اس لئے اسی سے ڈرنا چاہئے۔ (تفسیر مظہری)

لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى
لڑ نہ سکیں گے تم سے سب مل کر مگر بستیوں کے
مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَاۗءِ جُدُرٍ ۭ
کوٹ میں یا دیواروں کی اوٹ میں ☆

یہودی مسلمانوں سے مرعوب ہیں☆یعنی چونکہ ان لوگوں کے دل مسلمانوں سے مرعوب اور خوفزدہ ہیں اس لیے کھلے میدان میں جنگ نہیں کر سکتے۔ ہاں گنجان بستیوں میں قلعہ نشین ہو کر یا دیواروں اور درختوں کی آڑ میں چھپ کر لڑ سکتے ہیں۔ ہمارے ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ یورپ نے مسلمانوں کی تلوار سے عاجز ہو کر قسم قسم کے آتشباز اسلحہ اور طریق جنگ ایجاد کیے ہیں۔ تاہم اب بھی اگر کسی وقت دست بدست جنگ کی نوبت آ جاتی ہے تو چند ہی منٹ میں دنیا "لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَاۗءِ جُدُرٍ" کا مشاہدہ کر لیتی ہے باقی اس قوم کا تو کہنا ہی کیا جس کے نزدیک چھتوں پر چڑھ کر اینٹ پتھر پھینکنا اور تیزاب کی پچکاریاں چلانا ہی سب سے بڑی علامت بہادری کی ہے۔ (تفسیر عثانی)

لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ ۔یعنی کفار اور منافق تم سے نہیں لڑیں گے۔

جَمِيْعًا ۔یعنی کسی عزم اور متفق رائے پر جمع ہو کر۔

اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ ۔مگر ان بستیوں میں رہ کر جو محفوظ ہیں قلعہ بند ہیں یا ان کے گرد اگرد خندق کھود دیے گئے ہوں مراد یہ ہے کہ تمہارے مقابلہ پر آ کر تم سے نہیں لڑیں گے کیوں کہ وہ تم سے سخت خوف زدہ ہیں۔ (تفسیر مظہری)

بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۭ
اُنکی لڑائی آپس میں سخت ہے ☆

فرقہ وارانہ جنگ میں تیز ہیں☆یعنی آپس کی لڑائی میں بڑے تیز اور سخت ہیں جیسا کہ اسلام سے پہلے "اوس" و "خزرج" کی جنگ میں تجربہ ہو چکا مگر مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی ساری بہادری اور شیخی کرکری ہو جاتی ہے۔ (تفسیر عثانی)

مسلمانوں سے مرعوبیت کی وجہ: بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شدید یعنی تمہارے مقابلہ پر آ کر نہ لڑنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ فطرۃً اور تخلیقاً بزدل اور ڈرپوک ہیں کیوں کہ جب وہ آپس میں لڑتے ہیں اور کافروں کی ایک جماعت دوسری کافر جماعت سے لڑتی ہے تو بڑی بہادری سے لڑتے ہیں بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اللہ نے انکے دلوں میں تمہارا خوف ڈال دیا ہے بڑے سے بڑا بہادر اور عزت والا جب اللہ اور اس کے رسول کے مقابلے پر لڑتا ہے تو بزدل اور خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ
تو سمجھے وہ اکٹھے ہیں اور اُن کے دل
شَتّٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا
جدا جدا ہو رہے ہیں یہ اس لئے کہ وہ لوگ عقل نہیں

یَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۴﴾

رکھتے ☆

کافروں کے دل جدا جدا ہیں ☆یعنی مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کے ظاہری اتفاق واتحاد سے دھوکہ مت کھاؤ ان کے دل اندر سے پھٹے ہوئے ہیں ہر ایک اپنی غرض وخواہش کا بندہ اور خیالات میں ایک دوسرے سے جدا ہے پھر حقیقی یکجہتی کہاں میسر آسکتی ہے اگر عقل ہو تو سمجھیں کہ یہ نمائشی اتحاد کس کام کا۔ اتحاد اسے کہتے ہیں جو مومنین قانتین میں پایا جاتا ہے کہ تمام اغراض وخواہشات سے یکسو ہو کر سب نے ایک اللہ کی رسی کو تھام رکھا ہے اور ان سب کا مرنا جینا اسی خدائے واحد کے لیے ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تَحۡسَبُهُمۡ جَمِيۡعًا ۔یعنی تم خیال کرتے ہو کہ وہ تم سے لڑنے پر متفق ہیں۔

وَّقُلُوۡبُهُمۡ شَتّٰى ۔مگر ان کے دل متفرق ہیں اللہ نے ان کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دیا ہے۔ ایک بات پر ان کے دل نہیں جمتے دنیوی مصالح کے حصول کے پیش نظر کبھی لڑنا چاہتے ہیں اور تمہارے خوف کی وجہ سے کبھی بھاگ جانے کا ارادہ کرتے ہیں۔

بے اتفاقی کی وجہ: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ الخ ۔یہ پراگندگی خیال اور ایک رائے پر نہ جمنا اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ بے عقل ہیں حق وباطل میں امتیاز نہیں کر سکتے نہ غور کرتے ہیں نہ اتنا سمجھتے ہیں یہ خوف زدہ ہونا صرف اس وجہ سے ہے کہ ان کے دلوں پر کفر چھایا ہوا ہے اور نبی برحق کے مقابل وہ صف آرا ہیں۔ (تفسیر مظہری)

كَمَثَلِ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ قَرِيۡبًا

جیسے قصہ اُن لوگوں کا جو ہو چکیں اُن سے پہلے قریب ہی

ذَاقُوۡا وَبَالَ اَمۡرِهِمۡ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ

چکھی انہوں نے سزا اپنے کام کی اور اُن کے لئے عذاب

اَلِيۡمٌ ﴿۱۵﴾

دردناک ہے☆

یہ بھی برباد ہوں گے ☆یعنی ابھی قریب زمانہ میں یہود "بنی قینقاع" اپنی غداری کا مزہ چکھ چکے ہیں جب انہوں نے بدعہدی کی تو مسلمانوں نے ایک مختصر لڑائی کے بعد نکال باہر کیا اور اس سے پیشتر ماضی قریب میں مکہ والے "بدر" کے دن سزا پا چکے ہیں وہی انجام "بنی نضیر" کا دیکھ لو کہ دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھوں سزا مل چکی اور آخر کا دردناک عذاب جوں کا توں رہا۔ (تفسیر عثمانی)

كَمَثَلِ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ قَرِيۡبًا ۔یعنی بنی نضیر کی مثال ویسی ہی ہے جیسی ان سے کچھ ہی پہلے والے لوگوں کی تھی مجاہد کا قول ہے کہ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ قَرِيۡبًا سے مراد وہ مشرکین ہیں جو بدر میں مسلمانوں سے لڑے تھے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا بنی قینقاع کے یہودی مراد ہیں بنی قینقاع حضرت عبداللہ بن سلام کے قبیلہ والے تھے انہوں نے عبداللہ بن ابی بن سلول یا عبادہ بن صامت وغیرہ سے معاہدہ کر رکھا تھا۔ یہ لوگ سناری کا کام کرتے تھے اور قوم یہود میں سب سے زیادہ بہادر تھے۔

یہود بنی قینقاع کی عہد شکنی: ذَاقُوۡا وَبَالَ اَمۡرِهِمۡ ۔یعنی کفر اور عداوت رسول کی بدانجامی کا دنیا میں بھی انہوں نے مزہ چکھ لیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی سکونت چھوڑ کر مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو تمام یہودیوں نے آپ سے ایک معاہدہ کر لیا اور عہد نامہ لکھا گیا اور جو لوگ یہودیوں کے یا رسول اللہ کے معاہد اور حلیف تھے ان کو بھی معاہدہ نامہ کے اندر اسی فریق سے ملحق کر دیا گیا جس کے وہ حلیف بنے اس معاہدہ میں متعدد دفعات ہیں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ اگر کسی فریق کا کوئی دشمن ہو تو اس فریق کے خلاف اس کے دشمن کی مدد فریق ثانی نہیں کرے گا جب بدر کی لڑائی کفار مکہ سے ہوئی تو بنی قینقاع نے سب سے پہلے عہد شکنی اور معاہدہ کی خلاف ورزی کی علی الاعلان باغی ہو گئے اور اندرونی عداوت کے مظاہرہ پر اتر آئے انہیں حالات میں ایک مسلمان بدوی عورت قینقاع کے بازار میں آئی اور ایک سنار کے پاس کسی زیور (خریدنے) کے لئے بیٹھی لوگوں نے اس کا چہرہ بے نقاب کرنا چاہا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا سنار نے پیچھے سے اس کے کپڑے کا ایک کونہ کسی کانٹے میں الجھا دیا عورت کو پتہ بھی نہیں ہوا جب وہ اٹھی تو اس کا ستر کھل گیا لوگ ہنسنے لگے وہ چیخ پڑی یہ دیکھ کر ایک مسلمان نے سنار پر حملہ کر دیا اور اس کو قتل کر دیا سنار یہودی تھا یہودیوں نے اس مسلمان کو قتل کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا معاہدہ (پس پشت) پھینک دیا شہید مسلمانوں کے متعلقین نے مسلمانوں کو پکارا مسلمان غضبناک ہو گئے اس طرح مسلمانوں میں اور بنی قینقاع کے یہودیوں میں فساد ہو گیا اس پر آیت وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنۡ قَوۡمٍ خِيَانَةً فَانۢبِذۡ اِلَيۡهِمۡ عَلٰى سَوَآءٍ نازل ہوئی۔

وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۔یعنی آخرت میں ان پر عذاب الیم ہوگا دنیوی عذاب آخرت کے عذاب کو کم نہیں کر دے گا۔ (تفسیر مظہری)

بنو قینقاع کی جلاوطنی: واقعہ یہ تھا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مدینہ کے آس پاس جتنے قبائل یہود کے تھے سب کے ساتھ ایک معاہدہ صلح کا ہو گیا تھا۔ جس کی شرائط میں یہ داخل تھا کہ ان میں سے کوئی رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے کسی

مخالف کی امداد نہ کرے گا' ان معاہدہ کرنے والوں میں قبیلہ بنو قینقاع بھی شامل تھا' مگر اس نے چند مہینوں کے بعد ہی عذر و عہد شکنی شروع کر دی اور غزوۂ بدر کے موقع پر مشرکین کے ساتھ خفیہ سازش و امداد کے کچھ واقعات سامنے آئے' اس وقت یہ آیت قرآن نازل ہوئی (وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ) ''یعنی اگر (معاہدہ اور صلح کے بعد) کسی قوم کی خیانت کا خطرہ لاحق ہو تو آپ ان کا معاہدہ صلح ختم کر سکتے ہیں''۔ بنو قینقاع اس معاہدہ کو اپنی غداری سے خود توڑ چکے تھے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف جہاد کا اعلان فرمایا اور علم جہاد حضرت حمزہؓ کو عطا فرمایا اور مدینہ طیبہ کے شہر پر حضرت ابولبابہؓ کو اپنا خلیفہ مقرر کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی تشریف لے گئے۔ یہ لوگ مسلمانوں کا لشکر دیکھ کر اپنے قلعہ میں بند ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا' پندرہ روز تک تو یہ لوگ محصور ہو کر صبر کرتے رہے' بالآخر اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا' اور یہ سمجھ گئے کہ مقابلہ سے کام نہ چلے گا اور قلعہ کا دروازہ کھول دیا' اور کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی ہیں جو آپ ہمارے بارے میں نافذ کریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ان کے مردوں کے قتل کا ہونے والا تھا۔ کہ عبداللہ بن ابی منافق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے حد اصرار الحاح کیا کہ ان کی جاں بخشی کر دی جائے' بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ یہ لوگ بستی خالی کر کے جلا وطن ہو جائیں۔ اور ان کے اموال مسلمانوں کا مال غنیمت ہونگے' اس قرارداد کے مطابق یہ لوگ مدینہ چھوڑ کر ملک شام کے علاقہ اذرعات میں چلے گئے۔ اور ان کے اموال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کے قانون کے مطابق اس طرح تقسیم فرمایا کہ ایک خمس بیت المال کا رکھ کر باقی چار خمس غانمین میں تقسیم کر دیئے۔

غزوہ بدر کے بعد یہ پہلا خمس تھا جو بیت المال میں داخل ہوا' یہ واقعہ بروز شنبہ ۱۵ شوال ۲ھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے بیس ماہ بعد پیش آیا۔ (معارف مفتی اعظم)

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ
جیسے قصہ شیطان کا جب کہے انسان کو
اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ
تو منکر ہو پھر جب وہ منکر ہو گیا کہے میں الگ ہوں
مِّنْكَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾
تجھ سے میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو رب سارے جہان کا
فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِی النَّارِ
پھر انجام دونوں کا یہی کہ وہ دونوں ہیں آگ میں
خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا
ہمیشہ رہیں اسی میں اور یہی ہے سزا
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۷﴾
گنہگاروں کی ☆

منافقوں کی مثال ☆ یعنی شیطان اول انسان کو کفر و معصیت پر ابھارتا ہے۔ جب انسان دام اغوا میں پھنس جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میں تجھ سے الگ اور تیرے کام سے بیزار ہوں مجھے تو اللہ سے ڈر لگتا ہے (یہ کہنا بھی ریاء اور مکاری سے ہوگا) نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود بھی دوزخ کا کندہ بنا اور اسے بھی بنایا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ 'شیطان آخرت میں یہ بات کہے گا اور ''بدر'' کے دن بھی ایک کافر کی صورت میں لوگوں کو لڑواتا تھا۔ جب فرشتے نظر آئے تو بھاگا جس کا ذکر سورہ ''انفال'' میں گزر چکا ہے۔ یہی مثال منافقوں کی ہے ''بنی نضیر'' کو اپنی حمایت رفاقت کا یقین دلا دلا کر بھرے پر چڑھاتے رہے۔ آخر جب وہ مصیبت میں پھنس گئے آپ الگ ہو بیٹھے لیکن کیا وہ اس طرح اللہ کے عذاب سے بچ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں دونوں کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ الخ۔ یعنی عبداللہ بن ابی اور اس جیسے دوسرے منافق جو یہودیوں کو جنگ پر آمادہ کرتے تھے ان کی مثال شیطان ایسی ہے۔

گورا شیطان اور برصیصا عابد: بغویؒ نے لکھا ہے کہ عطاء وغیرہ نے بحوالہ ابن عباسؓ بیان کیا کہ امام فترت (انقطاع نبوت کا زمانہ جو حضرت عیسیٰؑ کے بعد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک تھا) میں ایک راہب (تارک الدنیا درویش) تھا جس کو برصیصا کہا جاتا تھا ستر برس تک یہ راہب اپنے عبادت خانہ میں اللہ کی عبادت کرتا رہا کبھی ایک لمحہ کے لئے اللہ کی نافرمانی نہیں کی اس کے سلسلہ میں ابلیس اپنی ساری تدبیریں کر کے عاجز آ گیا مگر اس کو نہیں بہکا سکا آخر ایک دن اس نے تمام خبیث شیطانوں کو جمع کیا اور کہنے لگا۔ مجھے کوئی بھی اب تک ایسا نہ ملا جو برصیصا کے معاملہ میں میرا کام پورا کر دیتا حاضرین میں ایک شیطان ابیض (گورا شیطان) بھی تھا۔ یہ

شیطان وہی تھا جو انبیاء کے ساتھ لگا رہتا تھا اور جبرئیل کی شکل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی آیا تا کہ بطریق وحی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں وسوسہ پیدا کر سکے جبرئیل نے اس کو دھکے دیکر ہندوستان کے آخری حصہ تک بھگا دیا تھا۔ اسی گورے شیطان نے ابلیس سے کہا میں آپ کا کام پورا کردوں گا۔ چنانچہ وہ اس مجلس سے چلا اور راہبوں کا ایسا لباس پہنا اور وسط سر کے بال مونڈ کر برصیصا کے عبادت خانہ تک جا پہنچا اور (نیچے سے) برصیصا کو آواز دی برصیصا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ برصیصا دس دن میں صرف ایک دن نماز سے فارغ اور دس ہی دن میں صرف ایک دن روزہ ناغہ کرتا تھا گورے شیطان نے جب دیکھا کہ برصیصا نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا تو برصیصا کی خانقاہ کے نیچے ہی عبادت میں مشغول ہو گیا۔ عبادت سے مقرر وقت پر) فارغ ہو کر جب برصیصا نے اپنے عبادت خانے سے جھانک کر دیکھا تو گورے شیطان کو بہترین راہبانہ ہیئت میں نماز میں کھڑا ہوا پایا یہ صورت دیکھ کر اس کو جواب نہ دینے پر اپنے دل میں پشیمانی ہوئی اور کہنے لگا آپ نے مجھے پکارا تھا مگر میں آپ کی طرف متوجہ نہیں ہوا آپ کا مجھ سے کیا کام ہے گورے شیطان نے کہا میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں تا کہ آپ کے ساتھ مل کر عبادت کروں اور آپ کے علم و عمل سے بہرہ اندوز ہوں اور ہم دونوں عبادت میں لگ جائیں آپ میرے لئے دعا کریں اور میں آپ کے لئے دعا کروں راہب نے کہا میں تمہاری طرف متوجہ نہیں ہو سکتا اگر تم مؤمن ہو تو میں عام مومنوں کے لئے جو دعا کرتا ہوں اگر وہ دعا خدا قبول فرما لے گا تو تم کو بھی اس میں شامل کر دیگا۔ یہ کہہ کر برصیصا پھر نماز کی طرف متوجہ ہو گیا اور گورے شیطان کو چھوڑ دیا گورا شیطان بھی نماز میں مشغول ہو گیا برصیصا نے چالیس روز تک اس کی طرف کوئی التفات نہیں کی (نماز میں مشغول رہا) چالیس روز کے بعد جب نماز سے فارغ ہوا تو گورے شیطان کو نماز میں کھڑا پایا آخر شیطان کی اتنی سخت کوشش دیکھ کر برصیصا نے پوچھا تمہارا کیا مطلب ہے گورے شیطان نے کہا میرا مقصد یہ ہے کہ آپ مجھے اجازت دیدیں میں بھی اوپر آپ کے پاس آ جاؤں برصیصا نے اجازت دیدی گورا شیطان اوپر برصیصا کے پاس خانقاہ میں آ گیا اور اس کے ساتھ ایک سال تک عبادت میں مشغول رہا پورا چلہ ختم ہونے سے پہلے روزہ کا افطار ناغہ نہیں کرتا تھا۔ اور نہ چالیس روز پورے ہونے سے پہلے نماز ختم کرتا تھا اور اکثر دو چلے بھی یونہی گزر جاتے تھے۔ برصیصا نے جب (عبادت میں) اس کی یہ محنت دیکھی تو خود اپنی ذات اس کو حقیر معلوم ہونے لگی اور شیطان کی حالت پر اس کو تعجب ہوا سال پورا ہو گیا تو گورے شیطان نے برصیصا سے کہا اب میں جا رہا ہوں کیونکہ آپ کے علاوہ میرا ایک اور ساتھی ہے (میں اس کے پاس جاؤں گا) میرا خیال تو یہ تھا کہ آپ اس سے زیادہ عبادت گذار ہوں گے لیکن آپ کے متعلق جو کچھ میں نے سنا تھا آپ کی حالت اس سے غیر پائی یہ بات سن کر برصیصا کو (اپنی کم محنت ہونے کی) شدید تکلیف ہوئی اور چونکہ شیطان ابیض کی شدید ریاضت دیکھ چکا تھا۔ اس لئے اس کی جدائی راہب پر شاق گذری رخصت ہوتے وقت گورے شیطان نے برصیصا سے کہا مجھے کچھ دعائیں آتی ہیں میں آپ کو وہ سکھاتا ہوں جس مشغلہ میں آپ ہیں وہ دعائیں اس سے بہتر ہیں آپ ان کو پڑھ کر اللہ سے دعا کریں گے تو اللہ بیمار کو شفا عطا کرے گا دکھی کو سکھی کر دے گا اور آسیب زدہ کو ٹھیک کر دے گا برصیصا نے کہا مجھے یہ مرتبہ پسند نہیں میرے لئے اپنا ہی مشغلہ (بہت کافی) ہے مجھے ڈر ہے کہ جب لوگ اس کی خبر پائیں گے تو میری عبادت میں خلل انداز ہو جائیں گے گورا شیطان برابر اصرار کرتا رہا آخر راہب کو وہ دعائیں سکھا کے چھوڑا اس کے بعد چلا گیا اور ابلیس سے جا کر کہا واللہ میں نے اس شخص کو تباہ کر دیا پھر یہاں سے واپس چلا گیا راستہ میں ایک آدمی ملا اس شیطان نے اس کا گلا گھونٹ دیا اور طبیب کی ہیئت میں اس شخص کے گھر والوں سے جا کر کہا تمہارے ساتھی کو آسیب (یا جنوں کا دورہ) ہے کیا میں اس کا علاج کر دوں لوگوں نے کہا ہاں۔ جا کر مریض کو دیکھا اور بولا اس پر جڑیل (جنات کی عورت) کا اثر ہے میں اس پر قابو نہیں پا سکتا البتہ تم کو ایک ایسے آدمی کا پتہ بتاتا ہوں جو اللہ سے دعا کرے اس کو اچھا کر سکتا ہے غرض اس نے برصیصا کا پتہ بتا دیا اور کہا تم اس کے پاس جاؤ اس کے پاس اسم اعظم ہے جب وہ اسم اعظم لے کر دعا کرتا ہے تو اللہ قبول کر لیتا ہے لوگ برصیصا کے پاس گئے اور اس سے دعا کرنے کی درخواست کی اس نے اسی الفاظ سے دعا کر دی جو گورے شیطان نے اس کو سکھائے تھے۔ فوراً مریض پر جس شیطان کا تسلط تھا وہ شیطان بھاگ گیا۔ گورے شیطان نے بہت سے لوگوں سے ایسی ہی حرکت کی اور برصیصا کا پتہ بتاتا رہا اور لوگ اچھے ہوتے رہے۔ ایک بار شیطان ابیض بنی اسرائیل کی کسی شہزادی پر اثر انداز ہوا اس لڑکی کے تین بھائی تھے اور باپ بادشاہ تھا بادشاہ مر گیا اور اپنے بھائی کو اپنا جانشین بنا گیا لڑکوں کا چچا بادشاہ ہو گیا تو گورا شیطان شہزادی کی طرف متوجہ ہوا اس کو سخت اذیت دی اور گلا گھونٹ دیا پھر اس کے بھائیوں کے پاس طبیب کی شکل میں آیا اور بولا کیا تم چاہتے ہو کہ میں اس کا علاج کر دوں ان لوگوں نے کہا ہاں کہنے لگا ایک بڑا خبیث اس کے درپے آزار ہے اور مجھ میں اس کو دور کرنے کی طاقت نہیں البتہ ایک شخص کا میں پتہ بتاتا ہوں جس پر تم اعتماد رکھتے ہو لڑکی کو اس کے پاس لے جاؤ جب اس پر وہ خبیث آئے گا اور وہ شخص اس کے لئے دعا کرے گا تو لڑکی اچھی ہو جائے گی۔ تمکو یہ بات معلوم ہو جائے گی۔ اور لڑکی کو بعافیت واپس لے آؤ گے لوگوں نے کہا وہ کون شخص ہے گورے شیطان نے کہا برصیصا زاہد۔ شہزادوں نے کہا وہ ہماری

بات کیسے مانیں گے ان کا مقام تو بہت بلند ہے۔ شیطان نے کہا اس کی خانقاہ کے برابر ایک اور عبادت خانہ تعمیر کرواتنا اونچا کہ وہاں سے اس کی خانقاہ کے اندر جھانک سکو پھر وہاں سے اپنا مقصد اس سے کہو اگر مان لے تو خیر نہ مانے تو اپنے تعمیر کردہ عبادت خانہ میں لڑکی کو چھوڑ آؤ اور برصیصا سے کہہ دو یہ (تمہاری نگرانی میں ہماری امانت ہے) بغرض ثواب اس کی نگرانی رکھنا الحاصل شہزادے برصیصا کی طرف گئے اور اس سے درخواست کی لیکن اس نے انکار کر دیا شیطان کے مشورے کے مطابق شہزادوں نے راہب کی خانقاہ کے برابر ایک عبادت خانہ تعمیر کرا دیا اور لڑکی کو اس میں رکھ دیا اور (راہب سے) کہا یہ ہماری امانت ہے بغرض ثواب اس کی نگرانی رکھنا یہ کہہ کر واپس آ گئے جب (مقررہ ایام گزرنے کے بعد) برصیصا نے نماز ختم کی تو ایک حسین لڑکی پر نظر پڑی اور ایسی نظر پڑی کہ وہ لڑکی اس کے دل نشین ہو گئی اور اس پر بڑی مصیبت آ گئی اس کے بعد شیطان نے آ کر اس لڑکی کا گلا گھونٹ دیا برصیصا نے اس کے لئے گورے شیطان کی بتائی ہوئی دعائیں کیں شیطان اتر گیا برصیصا نماز میں مشغول ہو گیا شیطان نے آ کر پھر اس کا گلا گھونٹ دیا اس مرتبہ بے ہوشی میں وہ اپنا ستر بھی کھولنے لگی گورے شیطان نے آ کر برصیصا سے کہا اب تو اس پر جا پڑ پھر توبہ کر لینا اللہ گناہ معاف کرنے والا ہے معاف کر دے گا اور تیرا مقصد پورا ہو جائے گا۔ ردوکد کے بعد برصیصا لڑکی پر جا پڑا اور اس کے بعد مسلسل لڑکی کے پاس جاتا رہا آخر لڑکی حاملہ ہو گئی اور اس کا حمل نمایاں ہو گیا تو شیطان اس کے پاس آیا اور کہنے لگا ارے برصیصا تو رسوا ہو گیا۔ اب مناسب ہے کہ تو لڑکی کو قتل کر دے پھر توبہ کر لینا اگر وہ لوگ پوچھیں تو کہنا اس کا جن اس کو لے گیا۔ مجھ میں بچانے کی قدرت نہیں تھی۔ برصیصا نے لڑکی کو قتل کر دیا پھر (رات کو) لیجا کر پہاڑی کے کنارے دفن کر دیا دفن کرتے وقت شیطان نے آ کر لڑکی کی چادر کا ایک کونہ پکڑ لیا اس طرح چادر کا ایک گوشہ قبر کی مٹی سے باہر رہ گیا۔ برصیصا اپنی خانقاہ میں لوٹ آیا اور نماز میں مشغول ہو گیا۔ لڑکی کے بھائی اپنی بہن کی خبر گیری کے لئے آئے اور دریافت حال کے لئے آتے رہتے تھے۔ انہوں نے آ کر دریافت کیا برصیصا ہماری بہن کیا ہوئی برصیصا نے جواب دیا شیطان آ کر اس کو اڑا لے گیا اور مجھ میں بچانے کی قدرت نہیں تھی۔ ان لوگوں نے برصیصا کی بات پر یقین کر لیا سب لوٹ آئے شام ہوئی تو بھائی غم زدہ تو تھے ہی سوتے میں شیطان نے بڑے بھائی سے خواب میں کہا کہ برصیصا نے تمہاری بہن کے ساتھ یہ حرکتیں کیں پھر اس کو فلاں جگہ دفن کر دیا اس بھائی نے اپنے دل میں کہا یہ خواب ہے۔ اور شیطانی خیال ہے برصیصا تو بہت بزرگ آدمی ہے وہ ایسا نہیں کر سکتا تین رات برابر شیطان اس کو یہی خواب دکھاتا رہا لیکن اس نے کوئی پرواہ نہیں کی آخر شیطان خواب میں منجھلے بھائی کے پاس گیا اور اس سے بھی یہی

بات کہی مگر اس نے بھی وہی خیال کیا جو بڑے بھائی نے کیا تھا اور کسی سے کچھ بیان نہیں کیا آخر میں تیسرے بھائی کے پاس خواب میں جا کر شیطان نے یہی بات کہی اس نے اپنے دونوں بھائیوں سے یہ خواب بیان کر دیا منجھلے اور بڑے نے بھی اپنے خواب ظاہر کر دیئے پھر تینوں برصیصا کے پاس گئے اور کہا برصیصا ہماری بہن کیا ہوئی برصیصا نے کہا میں تو تم کو پہلے ہی بتا چکا ہوں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم مجھے تہمت زدہ کرنا چاہتے ہو یہ بات سن کر شہزادوں کو اس سے شرم آئی اور کہنے لگے ہم آپ پر تہمت نہیں دھرتے یہ کہہ کر لوٹ آئے شیطان پھر خواب میں آ کر ان سے کہا ارے تمہاری بہن تو فلاں مقام پر دفن ہے اور اس کی چادر کا ایک گوشہ قبر کی مٹی سے اوپر دکھ رہا ہے ان لوگوں نے جا کر دیکھا تو جیسا خواب میں دیکھا تھا ویسا ہی پایا پھر تو مزدوروں اور غلاموں کو لیکر کسیوں اور کدالوں سے ان لوگوں نے برصیصا کا عبادت خانہ ڈھا دیا اور اس کو عبادت خانہ سے اتار کر مشکیں کس کر بادشاہ کے پاس گئے ادھر گورے شیطان نے برصیصا سے کہا (تو انکار نہ کرنا) اگر تو نے انکار کیا تو تجھ پر دو جرم عائد ہو جائیں گے قتل کا اور پھر انکار قتل کا۔ برصیصا نے اقرار کر لیا تو بادشاہ نے اس کو قتل کرنے کیلئے سولی پر چڑھانے کا حکم دیدیا سولی پر چڑھاتے وقت وہی گورا شیطان آیا اور برصیصا سے کہا کیا تو مجھے پہچانتا ہے برصیصا نے کہا نہیں بولا میں وہی ہوں جس نے تجھے دعائیں سکھائی تھیں اور تیری دعائیں قبول ہوئیں امانت میں خیانت کرتے تجھے خدا سے ڈر نہیں لگا۔ تیرا تو دعویٰ تھا کہ میں تمام بنی اسرائیل سے بڑھ کر عبادت گذار ہوں مگر تجھے شرم نہیں آئی اسی طرح برابر شرم دلاتا رہا پھر آخر میں کہنے لگا کیا جو کچھ تو نے کیا وہی کافی نہ تھا کہ تو نے اقرار جرم کر لیا اور خود اپنے کو بھی رسوا کیا اور اپنے جیسے دوسرے (عبادت گذار) لوگوں کو بھی رسوا کیا اگر تو اس حالت میں مر گیا تو تیری مثل دوسرے (عابد زاہد) لوگ کبھی فلاح یاب نہیں ہوں گے۔ ہر ایک عابد کو لوگ مکار دھوکہ باز کہیں گے برصیصا نے پوچھا تو اب میں کیا کروں کہنے لگا میری ایک بات مان لے اگر وہ بات مان لے گا تو میں تجھے موجودہ حالت سے بچا کر لے جاؤں گا میں لوگوں کی نظر بندی کر دوں گا اور تجھے اس جگہ سے نکال لے جاؤں گا برصیصا نے پوچھا وہ کیا بات ہے کہنے لگا بس مجھے سجدہ کر لے برصیصا نے کہا میں ایسا کرتا ہوں شیطان نے کہا برصیصا میرا مقصد پورا ہوا میں یہی چاہتا تھا تیرا انجام یہی ہو کہ تو کافر ہو گیا اب میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔

اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ میں اللہ سے جو رب العالمین ہے ڈرتا ہوں شیطان نے یہ بات محض دکھاوے کے لئے کہی (سچے دل سے نہیں کہی) کیوں کہ خدا کا خوف شیطانوں کی سرشت میں ہی نہیں رکھا گیا ہے۔ اہل تفسیر کے بعض اقوال میں آیا ہے کہ الانسان سے جنس انسان مراد ہے اور جس طرح آمر اپنے مامور کو حکم دے کر کسی کام پر آمادہ کرتا ہے اسی طرح شیطان انسان

کو کفر پر برانگیختہ کرتا ہے اور اس اندیشہ سے کہ انسان کے ساتھ (اغوا کرنے کا) اس پر عذاب نہ ہو قیامت کے دن یہ بات کہے گا۔ (تفسیر مظہری)

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ

اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے

وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ

اور چاہیے کہ دیکھ لے ہر ایک جی کیا بھیجتا ہے کل کے واسطے☆

کل کے لئے تیاری کرلو☆یعنی اللہ سے ڈر کر طاعات اور نیکیوں کا ذخیرہ فراہم کرو اور سوچو کہ کل کے لیے کیا سامان تم نے آگے بھیجا ہے جو مرنے کے بعد وہاں پہنچ کر تمہارے کام آئے۔ (تفسیر عثمانی)

دنیا کی زندگی بہت مختصر ہے: یہاں چند باتیں غور طلب ہیں۔ اول۔ یہ کہ اس آیت میں قیامت کو لفظ غد سے تعبیر کیا جس کے معنی ہیں آنے والی کل' اس میں دو چیزوں کی طرف اشارہ ہے' اول پوری دنیا کا بمقابلہ آخرت نہایت قلیل ومختصر ہونا ہے کہ ساری دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایک دن کی مثل ہے' اور حساب کے اعتبار سے تو یہ نسب ہونا بھی مشکل ہے' کیونکہ آخرت دائمی ہے جس کی کوئی انتہا اور انقطاع نہیں' انسانی دنیا کی عمر تو چند ہزار سال ہی بتلائی جاتی ہے' اگر زمین و آسمان کی تخلیق سے حساب لگائیں تو چند لاکھ سال ہو جائیں گے' مگر پھر ایک محدود مدت ہے غیر محدود اور غیر متناہی سے اس کو کوئی بھی نسبت نہیں ہوتی۔

بعض روایات حدیث میں ہے اَلدُّنْيَا يَوْمٌ وَلَنَا فِيْهِ صَوْمٌ ''ساری دنیا ایک دن ہے اور اُس دن میں ہمارا روزہ ہے''۔ اور غور کرو تو تخلیق انسانی سے شروع کر دیا تخلیق زمین و آسمان سے یہ دونوں چیزیں ایک فرد انسانی کے لئے قابل اہتمام نہیں' بلکہ ہر فرد کی دنیا تو اس کی عمر کے ایام وسال ہیں' اور وہ آخرت کے مقابلہ میں کتنی حقیر مدت ہے' اس کا ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے۔

قیامت یقینی ہے: دوسرا اشارہ۔ کہ قیامت کے یقینی ہونے کی طرف ہے۔ جیسے آج کے بعد کل کا آنا امر یقینی ہے کسی کو اس میں شبہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح دنیا کے بعد قیامت و آخرت کا آنا یقینی ہے۔

قیامت بہت قریب ہے: تیسرا اشارہ اس طرف ہے کہ قیامت بہت قریب ہے' جیسے آج کے بعد کل کچھ دور نہیں' بہت قریب سمجھی جاتی ہے' اسی طرح دنیا کے بعد قیامت بھی قریب ہے۔

اور قیامت ایک تو پورے عالم کی ہے' جب زمین و آسمان سب فنا ہو جائیں گے' وہ بھی اگرچہ ہزاروں لاکھوں سال کے بعد ہو مگر بمقابلہ مدت آخرت کے بالکل قریب ہی ہے' دوسری قیامت ہر انسان کی اپنی ہے جو اس کی موت کے وقت آجاتی ہے' جیسا کہ کہا گیا ہے مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ یعنی جو شخص مر گیا اس کی قیامت تو ابھی قائم ہو گئی''۔ کیونکہ قبر ہی سے عالم آخرت کے آثار شروع ہو جاتے ہیں' اور عذاب وثواب کے نمونے سامنے آجاتے ہیں' کیونکہ عالم قبر جسکو عالم برزخ بھی کہا جاتا ہے اس کی مثال دنیا کی انتظار گاہ (ویٹنگ روم) کی سی ہے جو فرسٹ کلاس سے لے کر تھرڈ کلاس تک کے لوگوں کے لئے مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ اور مجرموں کا ویٹنگ روم حوالات یا جیل خانہ ہوتا ہے' اسی انتظار گاہ ہی سے ہر شخص اپنا درجہ اور حیثیت متعین کر سکتا ہے۔ اس لئے مرنے کے ساتھ ہی ہر انسان کی اپنی قیامت آجاتی ہے۔ اور انسان کا مرنا اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا معمہ بنایا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا فلسفی اور سائنسدان اس کا یقینی وقت مقرر نہیں کر سکتا۔ بلکہ ہر وقت ہر آن انسان اس خطرہ سے باہر نہیں ہوتا۔ کہ شاید اگلا گھنٹہ زندگی کی حالت میں نہ آئے۔ خصوصاً اس برق رفتار زمانہ میں تو ہارٹ فیل ہونے کے واقعات نے اس کو روزمرہ کی بات بنا دیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَۚ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرُۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾

اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو☆

تقویٰ اختیار کرو☆یعنی تمہارا کوئی کام اللہ سے پوشیدہ نہیں لہٰذا اس سے ڈر کر تقویٰ کا راستہ اختیار کرو اور معاصی سے پرہیز رکھو۔

وَلَا تَكُونُواْ كَٱلَّذِينَ نَسُواْ ٱللَّهَ

اور مت ہو اُن جیسے جنہوں نے بھلا دیا اللہ کو

فَأَنسَىٰهُمْ أَنفُسَهُمْۚ أُوْلَٰٓئِكَ هُمُ

پھر اللہ نے بھلا دیے اُن کو اُنکے جی وہ لوگ وہی

ٱلْفَٰسِقُونَ ﴿١٩﴾

ہیں نافرمان☆

غافلوں کی طرح نہ ہو جاؤ☆یعنی جنہوں نے اللہ کے حقوق بھلا دیئے اس کی یاد سے غفلت اور بے پروائی برتی اللہ نے خود ان کو ان کی جانوں سے ان کو غافل اور بے خبر کر دیا کہ آنیوالی آفات سے اپنے بچاؤ کی کچھ فکر نہ کی۔ اور نافرمانیوں میں غرق ہو کر دائمی خسارے اور ابدی ہلاکت میں پڑ گئے۔ (تفسیر عثمانی)

نَسُوا اللّٰهَ۔ اللہ کو بھول گئے یعنی بے پروائی کے ساتھ ممنوعات کا ارتکاب کرتے ہیں اور واجبات کو ترک کرتے ہیں۔ اللہ کی پرواہ نہیں کرتے۔

فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ۔ یعنی اللہ نے نفس کے آرام وراحت اور کامیابی سے بے پرواہ کر دیا اس لئے نفسوں کی بھلائی اور فائدہ کے لئے کچھ نہیں کرتے یا یہ مراد ہے کہ قیامت کی ہولناکیاں ایسی ہوں گی جو ان سے خود ان کے نفسوں کو فراموش کرادیں گی۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ یعنی پورے پورے نافرمان ہیں۔ (تفسیر مظہری)

لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ

برابر نہیں دوزخ والے اور بہشت والے

الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ⑳

بہشت والے جو ہیں وہی ہیں مراد پانے والے ☆

بہشت کا راستہ ☆ یعنی چاہئے کہ آدمی اپنے کو بہشت کا مستحق ثابت کرے جس کا راستہ قرآن کریم کی ہدایات کے سامنے جھکنے کے سوا کچھ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰي

اگر ہم اتارتے یہ قرآن ایک

جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا

پہاڑ پر تو تو دیکھ لیتا کہ وہ دب جاتا پھٹ جاتا

مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ

اللہ کے ڈر سے ☆

مقام افسوس ☆ یعنی مقام حسرت وافسوس ہے کہ آدمی کے دل پر قرآن کا اثر کچھ نہ ہو حالانکہ قرآن کی تاثیر اس قدر زبردست اور قوی ہے کہ اگر وہ پہاڑ جیسی سخت چیز پر اتارا جاتا اور اس میں سمجھ کا مادہ موجود ہوتا تو وہ بھی متکلم کی عظمت کے سامنے دب جاتا اور مارے خوف کے پھٹ کر پارہ پارہ ہو جاتا۔ میرے والد مرحوم نے ایک طویل نظم اس کے ضمن میں یہ تین شعر لکھے تھے۔

سنتے سنتے نغمہ ہائے محفلِ بدعات کو
کان بہرے ہو گئے دل بد مزہ ہونے کو ہے
آؤ سنوائیں تمہیں وہ نغمہ مشروع بھی
پارہ جس کے لحن سے طور ہدیٰ ہونے کو ہے
حیف گر تاثیر اس کی تیرے دل پر کچھ نہ ہو
کوہ جس سے خاشِعاً مُتَصَدِّعاً ہونے کو ہے

(تفسیر عثمانی)

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ الخ۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک آیت میں ایک تمثیل ہے یعنی اللہ اگر پہاڑ میں قوت تمیز پیدا کر دیتا اور پھر اس وقت قرآن اتارتا تو پہاڑ عاجزی سے دب جاتا خوف سے پھٹ جاتا اور عظمت قرآن سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا (وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ) باوجودیکہ پہاڑ نہایت سخت ٹھوس اور باوزن ہیں لیکن ان کو خوف ہوتا کہ وہ تعظیم قرآن پوری طرح جیسا کہ حق ہے۔ ادا نہ کر پاتے اس وجہ سے پارہ پارہ ہو جاتے لیکن کافر انسان جو صاحب علم وعرفان ہے قرآن کے اندر جو نصیحتیں اور عبرتیں ہیں ان کو جانتا پہچانتا ہے پھر بھی سنی ان سنی کر دیتا ہے (بالکل اثر پذیر نہیں ہوتا)

جمادات بھی اپنے خالق کا شعور رکھتے ہیں

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جمادات (اور نباتات) بظاہر بے شعور اور عدیم الحس ہیں لیکن اپنے خالق کا شعور رکھتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ سے کہتا ہے کیا تیرے اوپر کوئی بندۂ خدا اللہ کو یاد کرتا ہوا گذرا۔

قدمائے یونان کی غلط تحقیق: صحیح تحقیق یہ ہے کہ قدماء یونان جو نباتات و جمادات کو بے حس اور عدیم الشعور کہتے ہیں وہ غلط ہے موجودہ سائنس نے نباتات میں تو شعور ثابت کر دیا اور عنقریب جمادات کا حساس ہونا بھی ظاہر ہو جائے گا۔ اللہ نے پہلے ہی فرما دیا ہے وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ یہ تسبیح مقالی ہے حالی نہیں یہ مراد نہیں کہ ہر شئی تخلیقاً اپنے خالق کے بے عیب ہونے پر دلالت کر رہی ہے ہر مصنوع اپنے صانع پر دال ہے یہ مطلب صراحت آیت کے خلاف ہے کیونکہ آیت کا آخری جز بتا رہا ہے کہ انسان تسبیح اشیاء کو نہیں سمجھتا اب اگر تسبیح حالی مراد لی جائے اور تسبیح حالی کا معنی یہ لیا جائے کہ ہر مخلوق فطرۃً اپنے خالق وفاطر کے بے عیب ہونے پر دلالت کر رہی ہے تو اس تسبیح اشیاء سے تو یونانی کافر بلکہ جاہل بے علم بھی واقف تھے اور ہیں پھر نفی تفقہ کے کچھ معنی نہیں اس سے ثابت ہوا کہ تسبیح مقالی ہی مراد ہے مگر ہر چیز کی نوعی زبان جدا جدا ہے جس کو ہر نوع کے افراد ہی سمجھتے ہیں پہاڑ پہاڑ کی بولی سمجھتا ہے اور پانی پانی کی بات سمجھتا ہے انسان ان کی بولی نہیں سمجھتے معجزۂ نبوت اس سے مستثنیٰ ہے عام انسان اسی بولی کو سمجھتے ہیں جو محتاج حروف اور ادوات الصوت کا مرہون ہے اور اسی کو وہ کلام اور مقال کہتے ہیں پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا بالکل صحیح ہے کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ سے کہتا ہے۔ وغیرہ۔

غور وفکر سے کام لو: لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ اس آیت میں اشارہ اور توبیخ ہے اس امر پر کہ انسان غور وفکر سے کام نہیں لیتا اور اتنا سخت دل ہے کہ

تلاوت قرآن کے وقت اس کے اندر خشوع نہیں پیدا ہوتا۔ (تفسیر مظہری)

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا

اور یہ مثالیں ہم سُناتے ہیں

لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢١﴾

لوگوں کو تاکہ وہ غور کریں ☆

عظمت قرآن ☆ حضرت شاہؒ لکھتے ہیں "یعنی کافروں کے دل بڑے سخت ہیں کہ یہ کلام سن کر بھی ایمان نہیں لاتے اگر پہاڑ سمجھے تو وہ بھی دب جائے" (تنبیہ) یہ تو کلام کی عظمت کا ذکر تھا آگے متکلم کی عظمت و رفعت کا بیان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

کھجور کے تنہ کا احساس: مطلب یہ ہے کہ انسانوں کو بھی ڈر اور عاجزی چاہئے متواتر حدیث میں ہے کہ منبر تیار ہونے سے پہلے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھجور کے تنے پر ٹیک لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے۔ جب منبر بن گیا بچھ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر خطبہ پڑھنے کو کھڑے ہوئے اور وہ تنہ دور ہو گیا تو اس میں سے رونے کی آواز آنے لگی اور اس طرح سسکیاں لے لے کر وہ رونے لگا جیسے کوئی بچہ بلک بلک کر روتا ہو اور اسے چپ کرایا جا رہا ہو کیونکہ اسے اس ذکر و وحی کے سننے سے کچھ دوری ہوگئی۔ اور امام حسن بصریؒ اس حدیث کو بیان کر کے فرماتے تھے کہ لوگو ایک کھجور کا تنہ اس قدر اس کے رسول کا شائق ہو تو تمہیں چاہئے کہ اس سے بہت زیادہ شوق اور چاہت تم رکھو۔ اسی طرح کی یہ آیت ہے کہ جب ایک پہاڑ کا یہ حال ہو تو تمہیں چاہئے کہ تم تو اس حالت میں اس سے آگے رہو۔ اور جگہ فرمانِ خدا ہے وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ الخ یعنی اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا کہ اس کے باعث پہاڑ چلا دیئے جائیں یا زمین کاٹ دی جائے یا مُردے نکل پڑیں (تو اس کے قابل یہی قرآن تھا) مگر پھر بھی ان کفار کو ایمان نصیب نہ ہوتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ

وہ اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی جانتا ہے

الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ

جو پوشیدہ ہے اور جو ظاہر ہے وہ ہے بڑا مہربان

الرَّحِيْمُ ﴿٢٢﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ

رحم والا وہ اللہ ہے جس کے سوائے بندگی نہیں کسی کی

اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ

وہ بادشاہ ہے پاک ذات سب عیبوں سے سالم ☆

پاک ذات ☆ یعنی سب نقائص اور کمزوریوں سے پاک اور سب عیوب و آفات سے سالم نہ کوئی برائی اس کی بارگاہ تک پہنچی نہ پہنچے۔ (تفسیر عثمانی)

الْمُؤْمِنُ

امان دینے والا ☆

المومن ☆ "مومن" کا ترجمہ "امان دینے والا" کیا ہے اور بعض مفسرین کے نزدیک "مصدق" کے معنی ہیں یعنی اپنی اور اپنے پیغمبروں کی قولاً و فعلاً تصدیق کرنے والا یا مومنین کے ایمان پر مہر تصدیق ثبت کرنے والا۔ (تفسیر عثمانی)

الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۗ

پناہ میں لینے والا زبردست دباؤ والا صاحبِ عظمت

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٢٣﴾

پاک ہے اللہ اُن کے شریک بتلانے سے ☆

☆ یعنی اس کی ذات و صفات اور افعال میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

عظمت کبریائی: صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عظمت میرا تہبند ہے اور کبریائی میری چادر ہے جو مجھ سے ان دونوں میں سے کسی کو چھیننا چاہے گا میں اُسے عذاب کر دوں گا۔ اپنی مخلوق کو جس چیز پر چاہے وہ رکھ سکتا ہے۔ کل کاموں کی اصلاح اسی کے ہاتھ ہے وہ ہر برائی سے نفرت اور دوری رکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام: بخاری و مسلم میں بہ روایت حضرت ابو ہریرہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ننانوے یعنی ایک کم ایک سو نام ہیں۔ جو انہیں شمار کر لے یاد رکھ لے وہ جنت میں داخل ہو گا۔ وہ وتر ہے یعنی واحد ہے اور اکائی کو دوست رکھتا ہے۔ ترمذی میں ان ناموں کی صراحت بھی آئی ہے جو نام یہ ہیں۔ اللہ کہ نہیں کوئی معبود مگر وہی۔

(۱) رحمٰن (۲) رحیم (۳) ملک (۴) قدوس (۵) سلام (۶) مومن (۷) مہیمن (۸) عزیز (۹) جبار (۱۰) متکبر (۱۱) خالق (۱۲) باری (۱۳) مصور (۱۴) غفار (۱۵) وہاب (۱۶) رزاق (۱۷) قہار (۱۸) فتاح (۱۹) علیم (۲۰) قابض (۲۱) باسط (۲۲) خافض (۲۳) رافع (۲۴) معز (۲۵) مذل (۲۶) سمیع (۲۷) بصیر (۲۸) حکم (۲۹) عدل (۳۰) لطیف (۳۱)

خبیر (۳۲) حلیم (۳۳) عظیم (۳۴) غفور (۳۵) شکور (۳۶) علی (۳۷) کبیر (۳۸) حفیظ (۳۹) مقیت (۴۰) حسیب (۴۱) جلیل (۴۲) کریم (۴۳) رقیب (۴۴) مجیب (۴۵) واسع (۴۶) حکیم (۴۷) ودود (۴۸) مجید (۴۹) باعث (۵۰) شہید (۵۱) حق (۵۲) وکیل (۵۳) قوی (۵۴) متین (۵۵) ولی (۵۶) حمید (۵۷) محصی (۵۸) مبدی (۵۹) معید (۶۰) محی (۶۱) ممیت (۶۲) حی (۶۳) قیوم (۶۴) واجد (۶۵) ماجد (۶۶) واحد (۶۷) صمد (۶۸) قادر (۶۹) مقتدر (۷۰) مقدم (۷۱) مؤخر (۷۲) اول (۷۳) آخر (۷۴) ظاہر (۷۵) باطن (۷۶) والی (۷۷) متعال (۷۸) بر (۷۹) تواب (۸۰) منتقم (۸۱) عفو (۸۲) رؤف (۸۳) مالک الملک (۸۴) ذوالجلال والاکرام (۸۵) مقسط (۸۶) جامع (۸۷) غنی (۸۸) مغنی (۸۹) معطی (۹۰) مانع (۹۱) ضار (۹۲) نافع (۹۳) نور (۹۴) ہادی (۹۵) بدیع (۹۶) باقی (۹۷) وارث (۹۸) رشید (۹۹) صبور۔ ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے اور اس میں کچھ تقدیم و تاخیر کی زیادتی بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ان اسمائے حسنٰی کی جامعیت: سو جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات بے شمار ہیں لیکن یہ ننانوے نام۔ تمام اسماءِ حسنٰی اور صفات علیٰ کی اصل ہیں کہ دنیا میں عقل کے نزدیک جس قدر صفات کمال متصور ہو سکتی ہیں وہ سب انہی ننانویں اسماء حسنٰی کے تحت درج ہیں اور یہ ننانوے اسماء حسنٰی بے شمار صفات کمالیہ لئے بمنزلہ اصل کے ہیں اور تمام صفات کمال کا خلاصہ اور اجمال ہیں اور حدیث میں احصار سے محض زبانی یاد کر لینا مراد نہیں۔ یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ان تمام اسماء حسنی اور صفات علیٰ کے ساتھ موصوف ہے تو جس شخص نے حق تعالیٰ کو تمام صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف جانا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (معارف کاندھلوی)

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ

وہ اللہ ہے بنانے والا نکال کھڑا کرنے والا☆

☆ ''خالق'' و ''باری'' کے فرق کی طرف ہم نے سورہ بنی اسرائیل کی آیت ''وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ'' الخ کے فوائد میں کچھ اشارہ کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

الْمُصَوِّرُ

صورت کھینچنے والا☆

☆ جیسا کہ نطفہ پر انسان کی تصویر کھینچ دی۔ (تفسیر عثمانی)

ممتاز صورتیں: اَلْمُصَوِّرُ۔ بغوی نے لکھا ہے مخلوق کی ایسی تصویری علامات بنانے والا کہ ان میں باہم امتیاز ہو جائے محاورہ میں کہا جاتا ہے هٰذِهٖ صُوْرَةُ الْاَمْرِ' یہ اس کام کی مثال ہے شروع میں اللہ نے اندازہ کیا۔ پھر وجود کا جامہ پہنایا پھر صورت گری کی۔ صحاح میں ہے کہ تصویر اشیاء کے ان نقوش کو کہتے ہیں جن کی وجہ سے ہر چیز دوسری سے ممتاز ہو جاتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں محسوس اور محض عقلی غیر محسوس محسوس کو تو تمام لوگ خواہ خاص ہوں یا عوام بلکہ ہر انسان اور بہت سے حیوانات جان لیتے ہیں سمجھ لیتے ہیں۔ جیسے انسان کی گھوڑے کی اور جمادات کی محسوس صورتیں معاینہ کے بعد ہر شخص جان لیتا ہے میں کہتا ہوں انہیں محسوس صورتوں کے ذریعہ سے ہی زید عمر سے ممتاز ہوتا ہے۔ غیر محسوس تصویر کو صرف خاص خاص لوگ جانتے ہیں۔ عوام کے ادراک کی رسائی عقل وہاں تک نہیں ہوتی جیسے انسان کے امتیازی افعال اور مختلف اشیاء کی وہ اندرونی خصوصیات جن کی وجہ سے ایک چیز دوسری چیز سے ممتاز ہو جاتی ہے۔ ان دونوں صورتوں کی طرف آیات ذیل میں اشارہ کیا گیا ہے ارشاد فرمایا ہے۔ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ۔ خَلَقَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۔ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۔ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۔

انسانی شکل وصورت کی فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خلق آدم علی صورتہ اللہ نے آدم کو اپنی شکل پر بنایا اس حدیث میں مراد ہے انسان کی وہ خاص ہیئت جو آنکھوں سے بھی دکھائی دیتی ہے اور چشم باطن سے بھی وہ خصوصیت انسانیہ محسوس ہوتی ہے یہ وہ خصوصیت ہے جس کی وجہ سے بکثرت مخلوق پر انسان کو برتری حاصل ہے۔ صورتہ کے لفظ میں اللہ کی طرف صورت کی اضافت حقیقی نہیں کیوں کہ اللہ ہر مشابہت سے پاک ہے نہ اس کا کوئی جزء ہے نہ ہیئت۔ اس جگہ اضافت سے مقصود ہے انسان کی فضیلت کا اظہار اور عزت آفرینی جیسے ناقۃ اللہ (اللہ کی اونٹنی) بیت اللہ (خانہ خدا) میں ناقہ صالح اور کعبہ ابراہیم کی فضیلت کا اظہار مقصود ہے۔ میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ اپنی صورت پر بنانے سے مراد ہو اپنی صفات (علم قدرت ارادہ وغیرہ) عطا فرمانا کیوں کہ یہی وہ صفات ہیں جن کی وجہ سے انسان نے خلعت خلافت زیب تن کیا اور بار امانت برداشت کیا۔ یہ تمام تشریح اس وقت ضروری ہو گی۔ جب صورۃ کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹائی جائے۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ یہ ضمیر آدم کی طرف راجع ہو یعنی اللہ نے آدم کو ان کی خاص صورت پر بنایا اور وہ امتیازی شکل عطا فرمائی جو آدم کے سوا کسی اور مخلوق کو نہیں دی گئی۔ (تفسیر مظہری)

لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى

اُسی کے ہیں سب نام خاصے☆

☆یعنی وہ نام جو اعلیٰ درجہ کی خوبیوں اور کمالات پر دلالت کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَلْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۔ یعنی وہ نام جو اچھے اوصاف اور بہترین معانی پر دلالت کرتے ہیں (ان کے معانی میں کوئی عیب و نقص نہیں ہے)

اَلْحَكِيْمُ ۔ جامع کمالات ۔ اللہ کی قدرت کاملہ اور علم ہمہ گیر ہے اور تمام کمالات کا سرچشمہ اور مجموعہ یہی دونوں صفات ہیں۔

آخری تین آیات کی فضیلت: حضرت معقل بن یسارؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح کے وقت تین بار اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھ کر سورۂ حشر کے آخری تین آیات پڑھے گا اللہ ستر ہزار فرشتے مقرر کر دے گا جو شام تک اس کے لئے دعاء رحمت کرتے رہیں گے۔ اگر وہ اس روز مر جائے گا تو شہید مریگا اور (بجائے صبح کے) اگر شام کو پڑھے گا۔ تب بھی اس کو یہی مرتبہ ملے گا۔ رواہ الترمذی وقال حدیث غریب۔

حضرت ابوامامہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص رات کو یا دن کو سورۂ حشر کی آخری آیات پڑھے گا اور اس رات میں یا دن میں اس کی روح قبض کر لی جائے گی۔ تو اس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج

پاکی بول رہا ہے اُس کی جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں ☆

☆یعنی زبان حال سے یا قال سے بھی جس کو ہم نہیں سمجھتے۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾

اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا ☆

تمام کمالات کی جامع صفات ☆ تمام کمالات و صفات الٰہیہ کا مرجع ان دو صفتوں "عزیز" اور "حکیم" کی طرف ہے کیونکہ "عزیز" کمال قدرت پر اور "حکیم" کمال علم پر دلالت کرتا ہے اور جتنے کمالات ہیں علم اور قدرت سے کسی نہ کسی طرح وابستہ ہیں روایات میں سورۂ "حشر" کی ان تین آیتوں (هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سے آخر تک) کی بہت فضیلت آئی ہے مومن کو چاہیے کہ صبح و شام آیات کی تلاوت پر مواظبت رکھے۔ (تفسیر عثمانی)

تم سورہ الحشر وللہ الحمد والمنہ

خواب میں اس کے پڑھنے والے کو مصیبت پہنچے گی اور اس کا ثواب اس کو ملے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۂ ممتحنہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی تیرہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

يٰٓاَيُّهَا

اے

شان نزول ☆ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح مکہ والوں سے ہوئی تھی جس کا ذکر "اِنَّا فَتَحْنَا" میں آ چکا۔ برس یہ صلح قائم رہی۔ پھر کافروں کی طرف سے ٹوٹی۔ تب حضرت نے خاموشی کے ساتھ فوج جمع کر کے مکہ فتح کرنے کا ارادہ کیا خبروں کی بندش کر دی گئی مبادا کفار مکہ آپ کی تیاریوں سے آگاہ ہو کر لڑائی کا سامان شروع کر دیں اور اس طرح حرم شریف میں جنگ کرنا ناگزیر ہو جائے۔ ایک مسلمان حاطب بن ابی بلتعہ نے (جو مہاجرین و بدرین میں سے تھے) مکہ والوں کو خط لکھ کر بھیجا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر اندھیری رات اور سیل بے پناہ کی طرح تم پر ٹوٹنے والا ہے حضرت کو وحی سے معلوم ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ وغیرہ چند صحابہ کو حکم دیا کہ ایک عورت مکہ کے راستہ میں سفر کرتی ہوئی فلاں مقام پر ملے گی اس کے پاس ایک خط ہے وہ حاصل کر کے لاؤ یہ لوگ تیزی سے روانہ ہوئے اور عورت کو ٹھیک اسی مقام پر پالیا اس نے بہت لیت و لعل اور رد و کد کے بعد خط ان کے حوالے کیا پڑھنے سے معلوم ہوا کہ حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے کفار مکہ کے نام ہے اور مسلمانوں کے حملہ کی اطلاع دی گئی ہے آپ نے حاطب کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے بولے؟ یارسول اللہ! نہ میں نے کفر اختیار کیا ہے نہ اسلام سے پھرا ہوں سچی بات یہ ہے کہ میرے اہل و عیال مکہ میں۔ ہیں وہاں ان کی حمایت کرنیوالا کوئی نہیں میں نے کافروں پر ایک احسان کر کے یہ چاہا کہ وہ لوگ اس کے معاوضہ میں میرے اہل و عیال کی خبر لیتے رہیں اور ان سے اچھا سلوک کریں (میں نے سمجھا کہ اس سے میرا کچھ فائدہ ہو جائیگا اور اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا) فتح و نصرت کے جو وعدے اللہ نے آپ سے کئے ہیں۔ وہ یقیناً پورے ہو کر رہیں گے کسی کے روکے رک نہیں سکتے (چنانچہ نفس خط میں بھی یہ مضمون تھا کہ "خدا کی قسم اگر رسول اللہ صلی وعلیہ وسلم تن تنہا بھی تم پر حملہ آور ہوں تو اللہ ان کی مدد کریگا اور جو

وعدے ان سے کئے ہیں پورے کر کے چھوڑیگا'' بلا شبہ حاطب سے یہ بہت بڑی خطا ہوئی لیکن رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ نے فرمایا "لا تقولوا له الا خیرا" بھلائی کے سوا اس کو کچھ مت کہو اور فرمایا حاطب بدریین میں سے ہے تمہیں کیا معلوم ہے کہ اللہ نے بدریین کی خطائیں معاف فرمادیں۔ سورہ ہذا کا بڑا حصہ اسی قصہ میں نازل ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

سارہ باندی کا مدینہ میں آنا: بغوی وغیرہ نے بیان کیا کہ ابوعمرو بن صفی بن ہاشم بن عبد مناف کی باندی سارہ مکہ سے مدینہ آئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ میں فتح مکہ کی تیاری کر رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو مسلمان ہو کر آئی ہے کہنے لگی نہیں فرمایا تو پھر کس وجہ سے آئی ہے بولی آپ ہی لوگ میرے گھر والے کنبہ والے اور آقا تھے اپنے آقاؤں کے چلے آنے کے بعد میں سخت محتاج ہو گئی اس لئے آپ لوگوں کے پاس آئی ہوں کہ آپ لوگ مجھے (کھانے پینے کو) دیں کپڑے دیں اور سواری کے لئے اونٹ دیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مکہ کے جوان کیا ہوئے وہ تیری خبر گیری نہیں کرتے سارہ مغنیہ بھی تھی اور نوحہ خواں بھی کہنے لگی بدر کے واقعہ کے بعد کسی کام کی (نہ مرثیہ خوانی کی نہ گانے کی) کوئی فرمائش نہیں آئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عبدالمطلب کو اس کی مدد کے لئے ترغیب دی بنی مطلب نے اس کو خرچ بھی دیا کپڑے بھی دیئے اور سواری بھی دی۔

حضرت حاطبؓ کا خط: حاطب بن ابی بلتعہ ایک شخص تھے۔ جو بدری تھے۔ مترجم جو بنی اسد بن عبدالعزی کے حلیف (معاہد) تھے حاطب نے اہل مکہ کے نام ایک خط لکھا اور سارہ کے پاس گئے اس کو ایک چادر اور دس دینار اس شرط پر دیئے کہ وہ حاطب کا خط مکہ والوں کو پہنچادے حاطب نے لکھا تھا۔ از حاطب بن بلتعہ بنام اہل مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ اپنی احتیاط کرلو۔ سارا خط لے کر روانہ ہوگئی جبرئیل نے حضور کو حاطب کے خط کی اطلاع دیدی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی حضرت عمار حضرت زبیر حضرت طلحہ حضرت مقداد بن اسود اور حضرت ابو مرثد کو (سارہ کے تعاقب میں) روانہ کر دیا یہ حضرات گھوڑوں پر سوار ہو کر چل دیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا روانہ ہو جاؤ جب نخلستان خاخ پر پہنچنا تو وہاں تم کو ایک عورت ملے گی جو اونٹ پر سوار ہو گی اس کے پاس مشرکوں کے نام حاطب بن ابی بلتعہ کا ایک خط ہوگا وہ خط اس سے لے لینا اور پھر اس کو جانے دینا اگر وہ خط نہ دے تو اس کی گردن مار دینا یہ حضرات اس مقام پر پہنچے جس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا تو وہاں واقعی وہ عورت ملی ان حضرات نے کہا وہ خط کہاں ہے وہ قسم کھا کر بولی میرے پاس تو کوئی خط نہیں ہے ان صاحبان نے ہر چند تلاش کیا اور اس کے سامان کی تفتیش کی لیکن خط نہیں ملا آخر (بے نیل مرام) واپسی کا ارادہ کر لیا حضرت علیؓ نے فرمایا۔ خدا کی قسم نہ ہم جھوٹے ہیں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ فرمایا (خط ضرور اس کے پاس ہے) یہ کہہ کر آپ نے تلوار نیام سے کھینچ لی اور فرمایا خط نکال ورنہ میں تجھے ننگا کر کے تیری گردن اڑا دوں گا جب عورت نے دیکھا کہ واقعی یہ لوگ ایسا کریں گے تو اپنے چونٹے سے خط نکال کر دیدیا چوٹی کے بالوں میں اس نے وہ خط چھپا رکھا تھا ان بزرگوں نے وہ خط لے کر اس کا راستہ چھوڑ دیا نہ اس سے کوئی تعرض کیا نہ اس کے سامان سے اور خط لاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔

حضرت حاطبؓ سے جواب طلبی: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب کو طلب کیا اور ان سے فرمایا کیا تم اس خط کو پہچانتے ہو حاطب نے عرض کیا جی ہاں فرمایا تم نے ایسی حرکت کیوں کی حاطب نے کہا واللہ میں جب سے مسلمان ہوا ہوں میں نے کفر نہیں کیا اور جب سے آپ کا خیر خواہ ہوں کبھی آپ سے کھوٹ نہیں کی اور جب سے کافروں کو چھوڑا کبھی ان سے محبت نہیں کی لیکن بات یہ ہے کہ ہر مہاجر کا کوئی نہ کوئی (عزیز۔ دوست) مکہ میں موجود ہے جو اس کے گھر والوں کا محافظ ہے اور میں وہاں اجنبی تھا اور میرے بیوی بچے وہاں ان کے پاس موجود تھے مجھے اپنے گھر والوں کی فکر ہوئی اور میں نے ارادہ کیا کہ کوئی احسان ان پر کر دوں (تاکہ میرے اہل وعیال کی حفاظت رکھیں) اور مجھے یہ یقین ہی تھا کہ اللہ مکہ والوں پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا اور اللہ کے عذاب کے مقابلے میں میری تحریر ان کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکے گی۔

حضرت حاطبؓ کی صداقت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب کے قول کی تصدیق کی اور ان کے عذر کو قبول فرمالیا۔ حضرت عمر نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن مار دوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمر تم کو کیا معلوم شاید اللہ نے اہل بدر کے (اچھے برے) تمام احوال دیکھنے کے بعد ہی فرمایا ہے۔ **واعملوا ما شئتم قد غفرت لکم** جو چاہو کرو میں نے تم کو معاف کر دیا۔

صحیحین کی روایت: صحیحین میں آیا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور زبیر کو اور مقداد بن اسود کو بھیجا اور فرمایا جاؤ نخلستان خاخ پر پہنچو گے تو وہاں تم کو ایک عورت ملے گی جو اونٹ پر سوار ہو گی ایک خط اس کے پاس ہوگا وہ خط اس سے لے کر میرے پاس لے آنا حسب الحکم ہم نکل کر چل دیئے اسی نخلستان پر اس عورت کو پایا ہم نے کہا خط نکال کہنے لگی میرے پاس خط نہیں ہے ہم نے کہا خط نکال کر دیدے ورنہ کپڑے اتار آخر اپنے چونڈے سے اس نے خط نکال کر دیا۔ ہم خط لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے وہ تحریر حاطب بن ابی بلتعہ کی

طرف سے مکہ کے کچھ مشرکوں کے نام تھی حاطب نے رسول اللہ کی کچھ باتوں کی اطلاع مشرکوں کو دی تھی حضور گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب سے فرمایا حاطب نے عرض کیا یا رسول اللہ جلدی نہ فرمایئے بات یہ تھی یا رسول اللہ میں قریش میں سے نہیں ہوں ان کے ساتھ ملحق ہوں آپ کے پاس جتنے مہاجر ہیں ان کی رشتہ داریاں مکہ میں قریشیوں سے ہیں جس کی وجہ سے وہ لوگ مہاجروں کے گھر والوں کی اور ان کے متروکہ مال کی رکھوالی کرتے ہیں میں ہی ایک ایسا شخص ہوں کہ میری ان سے نسبی شرکت نہیں ہے اس لئے میں نے اس بات کو پسند کیا کہ ان پر کوئی ایسا احسان کروں جس کی وجہ سے وہ میرے قرابتداروں کی حفاظت رکھیں میں نے یہ حرکت کفر یا مرتد ہو جانے کی وجہ سے نہیں کی (نہ میں دل میں کفر پوشیدہ کئے ہوئے ہوں نہ دین سے پھر گیا ہوں) نہ میں کفر کو پسند کرتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے سچ کہا انہیں کے معاملے میں یہ سورت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

اہل بدر صحابہ کی فضیلت: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ جو بدر میں شریک ہوا وہ کبھی منافق نہیں ہو سکتا ان لوگوں نے اللہ کی راہ میں وہ جانبازی اور سرفروشی دکھلائی کہ حاملین عرش اور ملائکہ عش عش کرنے لگے اور جو بھی اللہ اور ان کے رسول کے مقابلہ پر آیا خواہ وہ باپ ہو یا بیٹا بھائی ہو یا دوست بے دریغ اس سے مقابلہ اور مقاتلہ کیا اور اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے نشہ میں ایسے مخمور اور چور ہوئے کہ اپنے بھی بیگانے بن گئے اور اللہ کا بول بالا کیا اور کفر و شرک کے سر پر وہ کاری ضرب لگائی کہ پھر وہ زخم مندمل نہ ہو سکا۔

اس عظیم الشان کارنامہ کے صلہ میں بارگاہ خداوندی سے رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ اور أُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ کا زریں تمغہ انکو عطا ہوا اور آئندہ جن گناہوں کے صدور کا امکان ہے انکی معافی کا صیغہ ماضی سے بیان فرمایا یعنی فقد غفرت لکم بصیغۂ ماضی فرمایا اور فما غفرلکم بصیغۂ مستقبل نہیں فرمایا تاکہ اہل بدر کا مغفور الذنوب ہونا قطعی طور پر محقق ہو جائے کہ انکی مغفرت مثل امر ماضی کے محقق اور یقینی ہے اور اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ کا خطاب۔ خطاب تشریف اور خطاب اکرام ہے اشارہ اس طرف ہے کہ یہ لوگ خواہ کچھ ہی کریں مگر کسی حال میں بھی دائرہ عفو اور دائرہ مغفرت سے باہر نہ جائیں گے۔ اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ کا خطاب گناہوں کی اباحت اور اجازت کے لئے نہ تھا ایسا خطاب انہیں محبین اور مخلصین کو ہو سکتا ہے کہ جن سے اپنے محبوب کی معصیت ناممکن ہو جائے۔

حضرت عمرؓ کا خیال اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقت کو بیان فرمانا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حاطبؓ کی اس غلطی کو فساد مزاج پر محمول کر کے نفاق کا حکم لگایا اور قتل کی اجازت چاہی۔ سرخیل اطباء روحانی فداہ روحی و جسمی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اے عمرؓ حاطب کا قلب نفاق کے مرض سے بالکل پاک ہے یہ نفاق نہیں بلکہ غفلت سے غلطی ہوگئی ہے روحانی مزاج اس کا صحیح ہے بدر کی شرکت نے اس کو کندن بنا دیا ہے اتفاق سے بد پرہیزی ہوگئی ہے صحیح المزاج کو بھی کبھی کبھی نزلہ اور زکام کی شکایت پیش آ جاتی ہے جس کے لئے ایک معمولی سا جوشاندہ یا خشاندہ کافی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حاطبؓ کو بلا کر فقط یہ دریافت فرمانا (ما هذا یا حاطب) اے حاطب یہ کیا معاملہ ہے۔ انکی عارضی شکایت کے لئے یہی جوشاندہ کافی تھا پیتے ہی بدپرہیزی کا اثر ایسا کافور ہوا کہ مرتے دم تک پھر کبھی کوئی شکایت ہی نہ پیش آئی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہُ۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ اسکندریہ کے نام دعوت اسلام کا خط لکھوایا تو انہی حاطبؓ کو سفیر بنا کر بھیجا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز تربیت

سبحان اللہ کیا بارگاہ تھی۔ ایک جانب حاطبؓ کو جوشاندہ پلایا جا رہا ہے اور دوسری جانب عمر بن الخطابؓ کو امراض روحانی کی تشخیص اور معالجہ کا طریقہ تلقین ہو رہا ہے تاکہ جب وقت آئے تو عمر تشخیص اور علاج میں غلطی نہ کریں۔

حاطب کے خط کا مضمون

اما بعد یا معشر قریش فان رسول الله صلی الله علیه وسلم جاءَکم بجیشٍ کاللیل یسیر کالسیل فوالله لو جاءَکم وَحدهٗ لنصرهُ اللهُ وَانجزلهٗ وَعدهٗ. فانظر والأنفسکم. والسلام

اے گروہ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی مانند تم پر ایک ہولناک لشکر لے کر آنے والے ہیں جو سیلاب کی طرح بہتا ہوگا۔ خدا کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا لشکر کے خود تن تنہا ہی تشریف لے جائیں تو اللہ تعالیٰ ضرور آپ کی مدد فرمائے گا اور فتح و نصرت کا جو وعدہ ہے وہ ضرور پورا ہوگا۔

خط کے مضمون کی گواہی: بعض مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ اس خط کا خود مضمون ایسا تھا جس کو دیکھ کر حاطب کا ایمان و تقویٰ ثابت ہوتا ہے اس میں یہ کلمات تھے یا معشر قریش ان محمداً یجتبی الیکم بجیش کاللیل ویسیر الیکم کالسیل والله لو جاءَ وَحدَهٗ لا لجز الله وَعدَهٗ وَنصرَ نبیهٗ وانظر والأنفسکم. والسلام ـــــ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری جانب ایک ایسا لشکر لے کر آرہے ہیں جو رات کی تاریکی کی طرح پھیل جانے والا ہے اور اس طرح تمہاری طرف بڑھ رہے ہیں جیسے کوئی طوفانی سیلاب ہو (میں تو یہ کہتا ہوں) خدا کی قسم اگر وہ تن تنہا بھی

تمہاری طرف آئیں تو اللہ تعالیٰ ضرور اپنا وعدہ پورا کرے گا اور اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو فاتح و کامیاب فرمائے گا۔ الغرض معاف تو فرما دیا گیا لیکن غلطی بہرکیف تھی اس وجہ سے اس واقعہ پر سورت نازل ہوئی۔

یہ خط یحییٰ بن سلام نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے جس کو علامہ قسطلانی نے شرح بخاری۔ کتاب الجہاد باب حکم الجاسوس میں نقل کیا ہے اسی طرح البدایہ والنھایہ ص ۳۸۴ میں اور فتح الباری جلد ۷ میں اس خط کے مضمون کو نقل کیا ہے۔

خط کا ایک دوسرا مقصد: واقدی کی روایت میں ہے کہ یہ خط سہیل بن عمرو۔ صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابوجہل کے نام تھا اور بظاہر اس خط سے مقصد ہی یہ تھا کہ جن کو اطلاع ہو وہ اسلام قبول کر لیں چنانچہ یہ تینوں فتح مکہ کے وقت مشرف با اسلام ہوئے۔

اور واقدی کی روایت سے اس خط کے یہ الفاظ معلوم ہوئے ہیں۔ ان محمد قد نضر فاما الیکم او الیٰ غیر کم فعلیکم الحذر۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہو رہے ہیں یا تو تمہاری طرف یا تمہارے علاوہ کسی اور طرف بہر حال تم احتیاط کرو اور اپنی فکر کرو تو اس کا مطلب گویا انکو اسلام کی دعوت دینا اور اس کے لئے آمادہ کرنا تھا۔ (معارف کاندھلوی)

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ

ایمان والو نہ پکڑو میرے

وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ

اور اپنے دشمنوں کو دوست تم اُن کو پیغام بھیجتے ہو

بِالْمَوَدَّةِ

دوستی سے ☆

کافروں سے دوستی نہ کرو ☆ یعنی کفار مکہ اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے بھی ان سے دوستانہ برتاؤ کرنا اور دوستانہ پیغام ان کی طرف بھیجنا ایمان والوں کو زیبا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ

اور وہ منکر ہوئے ہیں اُس سے جو تمہارے پاس آیا سچا دین

کافر اللہ کے دشمن ہیں ☆ اس لیے اللہ کے دشمن ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ

نکالتے ہیں رسول کو اور تم کو اس بات پر کہ

تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ

تم مانتے ہو اللہ کو جو رب ہے تمہارا ☆

کافروں کے مظالم ☆ یعنی پیغمبر کو اور تم کو کیسی کیسی ایذائیں دے ترک وطن پر مجبور کیا۔ محض اس قصور پر کہ تم ایک اللہ کو جو تمہارا سب کا رب ہے کیوں مانتے ہو۔ اس سے بڑی دشمنی اور ظلم کیا ہوگا تعجب ہے کہ ایسوں کی طرف تم دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ

اگر تم نکلے ہو لڑنے کو میری راہ

سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ

میں اور طلب کرنے کو میری رضا مندی ☆

اللہ کی رضا مطلوب ہے تو ان سے دور رہو

☆ یعنی تمہارا گھر سے نکلنا اگر میری خوشنودی اور میری راہ میں جہاد کرنے کے لیے ہے اور خالص میری رضا کے واسطے تم نے سب کو دشمن بنایا ہے تو پھر انہیں دشمنوں سے دوستی گانٹھنے کا کیا مطلب کیا جنہیں ناراض کر کے اللہ کو راضی کیا تھا اب انہیں راضی کر کے اللہ کو ناراض کرنا چاہتے ہو؟ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا

تم اُن کو چھپا کر بھیجتے ہو دوستی کے پیغام اور مجھ کو

اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ؕ

خوب معلوم ہے جو چھپایا تم نے اور جو ظاہر کیا تم نے ☆

تم اللہ سے کوئی بات نہیں چھپا سکتے

☆ یعنی آدمی ایک کام تمام دنیا سے چھپا کر کرنا چاہے تو کیا اس کو اللہ سے بھی چھپا لے گا؟ دیکھو! حاطب نے کس قدر کوشش کی کہ خط کی اطلاع کسی کو نہ ہو۔ مگر اللہ نے اپنے رسول کو مطلع فرما دیا اور راز قبل از وقت فاش ہو گیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ

اور جو کوئی تم میں یہ کام کرے تو وہ

ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ①

بھول گیا سیدھی راہ ☆

اللہ سے چھپ جانے کا سوال ہی نہیں ہے

☆ یعنی مسلمان ہو کر کوئی ایسا کام کرے اور یہ سمجھے کہ میں اس کے پوشیدہ رکھنے میں کامیاب ہو جاؤں گا سخت غلطی اور بہت بڑی بھول ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ

اگر تم اُن کے ہاتھ آ جاؤ ہو جائیں تمہارے دشمن

اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ

اور چلائیں تم پر اپنے

اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ

ہاتھ اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ

وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ②

اور چاہیں کہ کسی طرح تم بھی منکر ہو جاؤ ☆

کافروں سے کسی بھلائی کی امید نہ رکھو

☆ یعنی ان کافروں سے بحالت موجودہ کسی بھلائی کی امید مت رکھو۔ خواہ تم کتنی ہی رواداری اور دوستی کا اظہار کرو گے وہ کبھی مسلمان کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے باوجود انتہائی رواداری کے اگر تم پر ان کا قابو چڑھ جائے تو کسی قسم کی برائی اور دشمنی سے درگزر نہ کریں زبان سے ہاتھ سے ہر طرح ایذا پہنچائیں اور یہ چاہیں کہ جیسے خود صداقت سے منکر ہیں کسی طرح تم کو بھی منکر بنا ڈالیں۔ کیا ایسے شریر و بدباطن اس لائق ہیں کہ ان کو دوستانہ پیغام بھیجا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ

ہرگز کام نہ آئیں گے تمہارے کنبے والے اور نہ تمہاری اولاد

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۭ

قیامت کے دن وہ فیصلہ کرے گا تم میں

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③

اور اللہ جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے ☆

اللہ کی رضامندی ہر چیز پر مقدم ہے

☆ حاطب نے وہ خط اپنے اہل وعیال کی خاطر لکھا تھا اس پر تنبیہ فرمائی کہ اولاد اور رشتہ دار قیامت کے دن کچھ کام نہ آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ سب کا رتی رتی عمل دیکھتا ہے اسی کے موافق فیصلہ فرمائیگا۔ اس کے فیصلہ کو کوئی بیٹا، پوتا اور عزیز و قریب ہٹا نہیں سکے گا۔ پھر یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ ایک مسلمان اہل و عیال کی خاطر اللہ کو ناراض کر لے۔ یاد رکھو! ہر چیز سے مقدم اللہ کی رضا مندی ہے وہ راضی ہو تو اس کے فضل سے سب کام ٹھیک ہو جاتے ہیں لیکن وہ ناخوش ہو تو کوئی کچھ کام نہ آئیگا۔ (تفسیر عثمانی)

اَرْحَامُكُمْ۔ تمہاری رشتہ داریاں۔

وَلَآ اَوْلَادُكُمْ۔ یعنی مشرک رشتہ دار اور اولاد جن کی وجہ سے تم مشرکوں سے موالات کرو گے قیامت کے دن تمہارے کام نہیں آئیں گی۔ اس آیت میں حاطب بن بلتعہ اور ان جیسے دوسرے اہل ایمان کے عذر کی تردید ہے۔

مومنوں اور کافروں میں جدائی ضروری ہے

يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ۔ تم کو الگ الگ کر دے گا، تمہارا فیصلہ کر دے گا مؤمنوں کو جنت میں اور مشرکوں کو دوزخ میں بھیج دے گا پھر آج اللہ اور اس کے رسول کے حق کو ترک کر کے تم مشرکوں کے دوست کیوں بنتے ہو اور ان سے موالات کیوں کرتے ہو۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ یعنی اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے ان اعمال کا بدلہ دے گا۔ (تفسیر مظہری)

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

تم کو چال چلنی چاہئے اچھی

فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ

ابراہیم کی اور جو اُسکے ساتھ تھے جب

قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ

انہوں نے کہا اپنی قوم کو ہم الگ ہیں تم سے

وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اور اُن سے کہ جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے ☆

اسوۂ ابراہیمی ☆ یعنی جو لوگ مسلمان ہو کر ابراہیمؑ کے ساتھ ہوتے گئے اپنے اپنے وقت پر سب نے قولاً یا فعلاً اسی علیحدگی اور بیزاری کا اعلان کیا۔ (تفسیر عثمانی)

كَفَرْنَا بِكُمْ
ہم منکر ہوئے تم سے ☆

کلی بیزاری ☆ یعنی تم اللہ سے منکر ہو اور اس کے احکام کی پروا نہیں کرتے ہم تمہارے طریقہ سے منکر ہیں۔ اور ذرہ برابر تمہاری پروا نہیں کرتے۔ (تفسیر عثمانی)

وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ
اور کھل پڑی ہم میں اور تم میں دشمنی
وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا
اور بیر ہمیشہ کو یہاں تک کہ تم یقین لاؤ
بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ
اللہ اکیلے پر ☆

دوستی کا راستہ ☆ یعنی یہ دشمنی اور بیر اسی وقت ختم ہو سکتا ہے جب تم شرک چھوڑ کر اسی ایک آقا کے غلام بن جاؤ جس کے ہم ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ۔ یعنی ایمان کے بعد عداوت اور بغض محبت اور الفت سے بدل جائیگا۔ (تفسیر مظہری)

اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ
مگر ایک کہنا ابراہیم کا اپنے باپ کو
لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ
کہ میں مانگوں گا معافی تیرے لئے
اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ
اور مالک نہیں میں تیرے نفع کا اللہ کے ہاتھ سے کسی

شَيْءٍ
چیز کا ☆

حضرت ابراہیم کا طرز عمل ☆ یعنی صرف دعا ہی کر سکتا ہوں کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں۔ خدا جو کچھ پہنچانا چاہے اسے میں نہیں روک سکتا۔

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی پھر اپنی قوم کی طرف منہ نہیں کیا۔ تم بھی وہی کرو۔ ایک ابراہیمؑ نے دعا چاہی تھی باپ کے واسطے۔ جب تک معلوم نہ تھا۔ تم کو معلوم ہو چکا لہٰذا تم کافر کی بخشش نہ مانگو"۔ (تنبیہ) باپ کے حق میں ابراہیمؑ کے استغفار کا قصہ سورۂ 'براۃ' میں گزر چکا آیت "وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ" الخ کے فوائد میں دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابراہیمؑ نے جو اپنے باپ کے لئے دعاء مغفرت کا وعدہ کیا تھا وہ کافر کے لئے دعا کرنے کا ممانعت سے پہلے کیا تھا۔

وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ الخ۔ یہ مستثنیٰ کا تکملہ ہے یعنی ابراہیم نے جو اپنے باپ کے لئے دعاء مغفرت کا وعدہ کیا اس میں یہ بھی کہا تھا کہ بس میں اتنا ہی کروں گا اس سے زیادہ کچھ بھی مجھے اختیار نہیں یعنی معاف کرنا نہ کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ
اے رب ہمارے ہم نے تجھ پر بھروسہ کیا اور تیری طرف
اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿٤﴾
رجوع ہوئے اور تیری طرف ہے سب کو پھر آنا ☆

اے اللہ! ہمارا بھروسہ فقط آپ پر ہے

☆ یعنی سب کو چھوڑ کر تجھ پر بھروسہ کیا اور قوم سے ٹوٹ کر تیری طرف رجوع ہوئے اور خوب جانتے ہیں کہ سب کو پھر کر تیری ہی طرف آنا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا
اے رب ہمارے مت جانچ ہم پر کافروں کو ☆

یا اللہ! ہمیں کافروں کے لئے تختۂ مشق نہ بنا

☆ یعنی ہم کو کافروں کے واسطے محل آزمائش اور تختۂ مشق نہ بنا اور ایسے حال میں مت رکھ جس کو دیکھ کر کافر خوش ہوں' اسلام اور مسلمانوں پر آوازے کسیں

اور ہمارے مقابلہ میں اپنی حقانیت پر استدلال کرنے لگیں۔ (تفسیر عثمانی)

نکتہ: رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا الخ۔ مناجات کو محکم کرنے والا اور درخواست رحم میں مزید قوت پیدا کرنے کے لئے ربنا کا دوبارہ ذکر کیا۔

فِتۡنَةً لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا۔ یعنی کافروں کو ہم پر مسلط نہ کر کہ وہ ہم کو سخت ایذائیں دے سکیں اور ہم سے مواخذہ کریں اور اس وقت ان کے لئے فتنہ ہو یعنی ان کو عذاب دینے کا سبب پیدا ہو جائے زجاج نے کہا ان کو ہم پر غالب نہ کر ہم پر ان کو قابو نہ دے جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو حق پر خیال کرنے لگیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاغۡفِرۡ لَنَا رَبَّنَا ۚ
اور ہم کو معاف کر اے رب ہمارے ☆

☆ یعنی ہماری کوتاہیوں کو معاف فرما اور تقصیرات سے درگذر کر۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۝۵
تو ہی ہے زبردست حکمت والا ☆

اللہ کی قوت و حکمت سے توقع ☆ تیری زبردست قوت اور حکمت سے یہی توقع ہے کہ اپنے وفاداروں کو دشمنوں کے مقابلہ میں مغلوب و مقہور نہ ہونے دیگا۔ (تفسیر عثمانی)

اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ۔ یعنی تو ہی ایسا غالب ہے کہ جس کو اپنی پناہ میں لے لے اور جو تجھ پر بھروسہ کر لے کوئی اسکو دکھ نہیں پہنچا سکتا۔ اَلۡحَكِيۡمُ۔ حاکم۔ واقف۔ دعاء کو قبول کرنے پر قدرت رکھنے والا۔ (تفسیر مظہری)

لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِيۡهِمۡ اُسۡوَةٌ
البتہ تم کو بھلی چال چلنی چاہیے
حَسَنَةٌ لِّمَنۡ كَانَ يَرۡجُوا اللّٰهَ
اُن کی جو کوئی اُمید رکھتا ہو اللہ کی
وَالۡيَوۡمَ الۡاٰخِرَ ؕ وَمَنۡ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ
اور پچھلے دن کی اور جو کوئی منہ پھیرے تو
اللّٰهَ هُوَ الۡغَنِىُّ الۡحَمِيۡدُ ۝۶ ع
اللہ وہی ہے بے پرواہ سب تعریفوں والا ☆

ملت ابراہیمی کی پیروی کرو ☆ یعنی تم مسلمانوں کو یا بالفاظ دیگران لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور آخرت کے قائم ہونے کے امیدوار ہیں ابراہیمؑ اور اس کے رفقاء کی چال اختیار کرنی چاہیے۔ دنیا خواہ تم کو کتنا ہی متعصب اور سنگدل کہے تم اس راستے سے منہ نہ موڑو جو دنیا کے موحد اعظم نے اپنے طرز عمل سے قائم کر دیا۔ مستقبل کی ابدی کامیابی اسی راستہ پر چلنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر اس کے خلاف چلو گے۔ اور خدا کے دشمنوں سے دوستانہ گانٹھو گے تو خود نقصان اٹھاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی کی دوستی یا دشمنی کی کیا پروا ہے وہ تو بذات خود تمام کمالات اور ہر قسم کی خوبیوں کا مالک ہے۔ اس کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

لَكُمۡ۔ یعنی تمہارے لئے سے مسلمانو!

فِيۡهِمۡ۔ یعنی ابراہیم اور ان کے ساتھیوں (کے دستور زندگی اور اعتقاد و عمل) میں۔

لِّمَنۡ كَانَ يَرۡجُوا اللّٰهَ وَالۡيَوۡمَ الۡاٰخِرَ۔ یہ جملہ لکم سے بدل ہے یعنی ان لوگوں کے لئے عمدہ نمونہ ہے جو اللہ کی پیشی اور اس کے ثواب کا اور روز قیامت کے آنے کا اعتقاد رکھتا ہے۔ اس آیت میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ایمان کا تقاضا ہے کہ ابراہیمؑ کی پیروی کی جائے اور ابراہیمؑ کی اقتداء نہ کرنا بدعقیدگی پر دلالت کرتا ہے۔

وَمَنۡ يَّتَوَلَّ۔ یعنی انبیاء کی پیروی سے جو روگرداں ہوگا۔

هُوَ الۡغَنِىُّ۔ یعنی پیغمبروں کی پیروی اور عبادت اور ہر چیز سے خدا بے نیاز ہے انبیاء کی پیروی کرنے کا فائدہ پیروی کرنے والوں کو ہی ملے گا۔

اَلۡحَمِيۡدُ۔ اولیاء اور اہل طاعت کے لئے سزاوار ستائش ہے۔ (تفسیر مظہری)

عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّجۡعَلَ بَيۡنَكُمۡ
امید ہے کہ کر دے اللہ تم میں
وَبَيۡنَ الَّذِيۡنَ عَادَيۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ
اور جو دشمن ہیں تمہارے اُن میں
مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيۡرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ
دوستی اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے اور اللہ بخشنے والا
رَّحِيۡمٌ ۝۷
مہربان ہے ☆

ترک موالات پر قائم رہو ☆ یعنی اللہ کی قدرت ورحمت سے کچھ بعید نہیں کہ جو آج بدترین دشمن ہیں کل انہیں مسلمان کردے اور اس طرح تمہارے اور انکے درمیان دوستانہ اور برادرانہ تعلقات قائم ہو جائیں۔ چنانچہ فتح مکہ میں ایسا ہی ہوا تقریباً سب مکہ والے مسلمان ہو گئے اور جو لوگ ایک دوسرے پر تلوار اٹھا رہے تھے اب ایک دوسرے پر جان قربان کرنے لگے۔ اس آیت میں مسلمانوں کی تسلی کر دی کہ مکہ والوں کے مقابلہ میں یہ ترک موالات کا جہاد صرف چندروز کے لیے ہے پھر اس کی ضرورت نہیں رہے گی۔ چاہیے کہ بحالت موجودہ تم مضبوطی سے ترک موالات پر قائم رہو۔ اور جس کسی سے کوئی بے اعتدالی ہو گئی ہو اللہ سے اپنی خطا معاف کرائے۔ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول: بغوی نے لکھا ہے کہ مقاتل نے بیان کیا جب اللہ نے کافروں سے عداوت رکھنے کا حکم دیا تو مسلمانوں نے اپنے کافر قرابتداروں اور عزیزوں سے بھی دشمنی اور بیزاری کا اظہار کر دیا لیکن ان کے دلوں میں اقرباء کے لئے (رقت اور محبت پوشیدہ تھی) اور اللہ اس سے واقف تھا تو مسلمانوں کو تسکین دینے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔

اَلَّذِیْنَ عَادَیْتُمْ مِّنْهُمْ ۔ ان سے مراد ہیں کفار مکہ۔

اللہ نے اپنا یہ وعدہ قریب مدت میں ہی پورا کر دیا کیوں کہ آیت کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوا تھا اور فتح مکہ کے بعد وہ لوگ مسلمان ہو گئے جو مکہ میں رہتے تھے البتہ فتح مکہ کے دن جو لوگ مارے گئے جیسے حویرث بن نفیل (اور نضیر بن حارث) وغیرہ وہ دشمنی کی حالت میں ہی مارے گئے ان کے نام سورۂ نصر میں ہم نے ذکر کیے ہیں۔ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۔ یعنی ممانعت سے پہلے کافروں سے مسلمان جو موالات کر چکے یا ممانعت کے بعد بھی اظہار عداوت اور ترک موالات کر دیا مگر عزیزوں اور رشتہ داروں کے لئے دل میں الفت اور رقت پوشیدہ رہی اللہ اس سب کو معاف کر دینے والا مہربان ہے۔ (تفسیر مظہری)

رضاء الٰہی کی طلب کا انعام: بعض روایات حدیث میں ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ جب اللہ کی رضا جوئی کے لئے اپنی کسی محبوب چیز کو چھوڑتا ہے تو بعض اوقات اللہ تعالیٰ اسی چیز کو حلال کر کے اس تک پہنچا دیتے ہیں۔ اور بعض اوقات اس سے بہتر چیز عطا فرما دیتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ
اللہ تم کو منع نہیں کرتا اُن لوگوں سے
لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ
جو لڑے نہیں تم سے دین پر

وَلَمْ یُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ
اور نکالا نہیں تم کو تمہارے گھروں سے
اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْهِمْ
کہ اُن سے کرو بھلائی اور انصاف کا سلوک
اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ
بیشک اللہ چاہتا ہے انصاف والوں کو ☆

غیر معاند کافر کا حکم ☆ مکہ میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو آپ مسلمان نہ ہوئے اور مسلمان ہونے والوں سے ضد اور پرخاش بھی نہیں رکھی' نہ دین کے معاملہ میں ان سے لڑے نہ ان کو ستانے اور نکالنے میں ظالموں کے مدد گار بنے۔ اس قسم کے کافروں کے ساتھ بھلائی اور خوش خلقی سے پیش آنے کو اسلام نہیں روکتا۔ جب وہ تمہارے ساتھ نرمی اور رواداری سے پیش آتے ہیں انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تم بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور دنیا کو دکھلا دو کہ اسلامی اخلاق کا معیار کس قدر بلند ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ نہیں کہ اگر کافروں کی ایک قوم مسلمانوں سے برسرپیکار ہے تو تمام کافروں کو بلاتمیز ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا شروع کر دیں۔ ایسا کرنا حکمت وانصاف کیخلاف ہوگا۔ ضروری ہے کہ عورت' مرد' بچے' بوڑھے' جوان اور معاند و مسالم میں ان کے حالات کے اعتبار سے فرق کیا جائے جس کی قدرے تفصیل سورہ ''مائدہ'' اور آل عمران کے فوائد میں گذر چکی۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول: بخاری نے لکھا ہے کہ حضرت بنت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا میرے پاس میری ماں محبت سے آئی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا میں اس سے مل سکتی ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ امام احمد بزار اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن زبیر کی روایت سے بیان کیا اور حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا کہ قتیلہ بنت عبدالعزی جو دور جاہلیت میں حضرت ابوبکرؓ کی زوجہ تھی اور آپ نے اس کو طلاق دے دی تھی۔ اپنی بیٹی حضرت اسماء بنت حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئی اور کچھ تحفہ بھی بیٹی کے لئے لائی حضرت اسماءؓ نے تحفہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے گھر میں داخل ہونے کی بھی اجازت نہیں دی اور حضرت عائشہؓ کے پاس پیام بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ کو دریافت کریں حضرت عائشہؓ نے اطلاع دی کہ قتیلہ کے تحفے قبول کر لو اور اپنے گھر میں اس کو اترنے کی اجازت بھی دیدو اس پر یہ آیت لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ نازل

ہوئی حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ یہ آیت بنی خزاعہ کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معاہدہ کر لیا تھا کہ نہ مسلمانوں سے لڑیں گے نہ مسلمانوں کے خلاف کسی کو مدد دیں گے اللہ نے اس آیت میں ان سے حسن سلوک کرنے کی اجازت دیدی۔

ذمی کافر کو نفلی خیرات دینا جائز ہے

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ذمی کافر کو نفلی خیرات دینی جائز ہے۔ یہ مسئلہ سورت بقرہ کی آیت لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ کی تفسیر میں گذر چکا ہے اسی بناء پر ابوعمرو کی آزاد کردہ باندی سارا کو (کپڑے اور نقد) دینے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا اسی سورت کے شروع میں ہم نے یہ قصہ لکھ دیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اسلام کا عدل و انصاف: اس آیت میں ایسے کفار جنہوں نے مسلمانوں سے مقاتلہ نہیں کیا' اور ان کے گھروں سے نکالنے میں بھی کوئی حصہ نہیں لیا ان کے ساتھ احسان کے معاملہ اور اچھے سلوک اور عدل وانصاف کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ عدل وانصاف تو ہر کافر کے ساتھ ضروری ہے جس میں کافر ذمی اور مصالح اور کافر حربی و دشمن سب برابر ہیں' بلکہ اسلام میں تو عدل و انصاف جانوروں کے ساتھ بھی واجب ہے کہ ان کی طاقت سے زیادہ بار اُن پر نہ ڈالے اور اُن کے چارے اور آرام نگہداشت رکھے' اس آیت میں اصل مقصود بر واحسان کرنے کی ہدایت ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ
اللہ تو منع کرتا ہے تم کو اُن سے
قٰتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ
جو لڑے تم سے دین پر اور نکالا تم کو
مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى
تمہارے گھروں سے اور شریک ہوئے تمہارے
اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ
نکالنے میں کہ اُن سے کرو دوستی اور جو کوئی
يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵﴾
اُن سے دوستی کرے سو وہ لوگ وہی ہیں گنہگار ☆

معاند کافر سے دوستی ظلم ہے ☆ یعنی ایسے ظالموں سے دوستانہ برتاؤ کرنا بیشک سخت ظلم اور گناہ کا کام ہے (ربط) یہاں تک کفار کے دوفریق (معاند اور مسالم) کے ساتھ معاملہ کرنے کا ذکر تھا آگے بتلاتے ہیں کہ ان عورتوں کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہیے جو ''دارالحرب'' سے ''دارالاسلام'' میں آئیں یا' دارالحرب' میں مقیم رہیں۔ قصہ یہ ہے کہ ''صلح حدیبیہ'' میں مکہ والوں نے یہ قرار دیا کہ ہمارا جو آدمی تمہارے پاس جائے اس کو واپس بھیجنا ہو گا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول فرما لیا تھا۔ چنانچہ کئی مرد آئے آپ نے ان کو واپس کر دیا۔ پھر کئی مسلمان عورتیں آئیں ان کو واپس کرتے تو کافر مرد کے گھر مسلمان عورتیں حرام میں پڑتیں۔ اس پر یہ اگلی آیتیں اتریں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد عورتوں کی واپسی پر کفار نے اصرار نہیں کیا ورنہ صلح قائم نہ رہتی۔ (تفسیر عثمانی)

الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ۔ ان سے مراد ہیں مکہ کے وہ مشرک مرد جن میں سے کچھ لوگوں نے تو مسلمانوں کو نکالنے کی کوشش کی تھی اور بعض نے نکالنے والوں کی مدد کی تھی۔

کافروں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں: کافروں کو زکوٰۃ دینا باجماع علماء جائز نہیں۔ علماء نے اپنے اجماع کا استدلال اس حدیث سے کیا ہے۔ جس کے راوی حضرت معاذؓ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے فرض کر دی ہے ان پر زکوٰۃ ان کے دولتمندوں سے لیکر انہی کے محتاجوں کو لوٹا دی جائے۔

کافروں سے دوستی کرنے والے: وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ۔ یعنی اہل حرب سے جو موالات کریگا۔ اگر صرف اہل حرب مراد نہ ہونگے تو اہل ذمہ سے بھی موالات جائز نہیں ہوگی کیونکہ آیت میں عام الفاظ آئے ہیں ارشاد فرمایا ہے لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّىْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ دوسری آیت میں فرمایا ہے لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ۔ حدیث میں ارشاد گرامی آیا ہے۔ المرء مع من احب (آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اسے محبت ہوگی)۔

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم کی روایت ہے کہ (معاہدۂ حدیبیہ میں) سہیل بن عمرو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شرط بھی لکھوائی تھی کہ ہمارے آدمیوں میں جو کوئی آپ کے پاس پہنچے گا خواہ آپ کے مذہب پر ہی ہو بہرحال آپ پر لازم ہے کہ اس کو واپس کریں اور ہمارے اور اس کے درمیان رکاوٹ پیدا نہ کریں مسلمانوں کو یہ شرط ناگوار ہوئی مگر سہیل اس پر اڑا رہا آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرط معاہدہ میں لکھوا دی چنانچہ ابو جندل جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (بھاگ کر) آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو واپس کر دیا اور اس مدت معاہدہ کے اندر جو مرد بھی (کافروں کو چھوڑ کر ان کے پاس سے بھاگ

کر) آپ کے پاس آیا آپ نے اسکو لوٹا دیا (مدت معاہدہ کے اندر) کچھ عورتیں بھی ہجرت کر کے آئیں ان میں سے ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط جن کا نام عاتق تھا ہجرت کر کے آ گئیں اور ان کے قرابتداروں نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس نہیں کیا (کیوں کہ معاہدہ میں مردوں کی واپسی کی شرط تھی مہاجر عورتوں کے لوٹائے جانے کا ذکر نہیں تھا) اس پر آیات ذیل نازل ہوئیں۔ (تفسیر مظہری)

کافروں سے تعلقات کی حدود: اہل ذمہ اور اہل صلح کافروں کے ساتھ بھی کلی موالات اور دوستی جائز نہیں' اس سے تفسیر مظہری میں یہ مسئلہ نکالا ہے کہ حربی یعنی برسر جنگ کفار کے ساتھ عدل وانصاف تو اسلام میں ضروری ہے ہی' اور ممانعت صرف موالات یعنی دوستی کی کی گئی' برّ واحسان کی ممانعت نہیں کی گئی' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محسنانہ سلوک برسر پیکار دشمنوں کے ساتھ بھی جائز ہے' البتہ دوسری نصوص کی بنا پر یہ شرط ہے کہ ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنے سے مسلمانوں کو کسی نقصان وضرر کا خطرہ نہ ہو' جہاں یہ خطرہ ہو وہاں برّ واحسان اُن پر جائز نہیں' ہاں عدل وانصاف ہر حال میں ہر شخص کیلئے ضروری اور واجب ہے' واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

معاہدۂ صلح حدیبیہ کی بعض شرائط کی تحقیق

سورۂ فتح میں حدیبیہ کا واقعہ تفصیل سے آ چکا ہے۔ جس میں بالآخر قریش مکہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک معاہدۂ صلح دس سال کے لئے لکھا گیا اس معاہدہ کی بعض شرائط ایسی تھیں جن میں دب کر صلح کرنے اور مسلمانوں کی بظاہر مغلوبیت محسوس ہوتی تھی' اسی لئے صحابۂ کرام میں اس پر غم وغصہ کا اظہار ہوا۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باشارات ربانی یہ محسوس فرما رہے تھے کہ اس وقت کے چندروزہ مغلوبیت بالآخر ہمیشہ کے لئے فتح مبین کا پیش خیمہ بننے والی ہے' اس لئے قبول فرما لیا' اور پھر سب صحابۂ کرام بھی مطمئن ہو گئے۔

اس صلح نامہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر مکہ مکرمہ سے کوئی آدمی مدینہ جائے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو واپس کر دیں گے' اگرچہ وہ مسلمان ہی ہو' اور اگر مدینہ طیبہ سے کوئی مکہ مکرمہ چلا جائیگا تو قریش مکہ اس کو واپس نہ کریں گے' اس معاہدہ کے الفاظ عام تھے جس میں بظاہر مرد وعورت دونوں داخل تھے' یعنی کوئی مسلمان مرد یا عورت جو بھی مکہ مکرمہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائے اس کو آپ واپس کریں گے۔

جس وقت یہ معاہدہ مکمل ہو چکا اور ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام حدیبیہ میں تشریف فرما تھے کئی ایسے واقعات پیش آئے جو مسلمانوں کے لئے بہت صبر آزما تھے' جن میں ایک واقعہ ابو جندلؓ کا ہے' جن کو قریش مکہ نے قید میں ڈالا ہوا تھا۔ وہ کسی طرح ان کی قید سے چھوٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے' صحابۂ کرام میں اُن کو دیکھ کر سخت تشویش پھیلی کہ معاہدہ کی رُو سے اُن کو واپس کیا جانا چاہئے' اور ہم اپنے مظلوم بھائی کو پھر ظالموں کے ہاتھ میں دیدیں' یہ کیسے ہو گا۔

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاہدہ تحریر فرما چکے تھے اور اصول شریعت کی حفاظت اور اُن پر پختگی کو ایک فرد کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے تھے' اور اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم بصیرت عنقریب ان سب مظلوموں کی فاتحانہ نجات کا بھی گویا مشاہدہ کر رہی تھی' طبعی رنج وتکلیف تو ابو جندل کی واپسی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یقیناً ہو گی۔ مگر آپ نے معاہدہ کی پابندی کی بناء پر اُن کو سمجھا بجھا کر رخصت کر دیا۔ (معارف مفتی اعظم)

آیات سابقہ کے مصداق: ابن ابی حاتم بروایت ابن شہاب زہری بیان کرتے ہیں کہ ابوسفیان بن صخر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کے کسی علاقہ پر عامل بنا کر روانہ فرمایا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت ہوئی تو یہ واپس لوٹے راستہ میں ذوالخمار سے مقابلہ ہوا جو مرتد ہو چکا تھا اور اس سے قتال کی نوبت آئی تو یہ مثال ہوئی ان لوگوں کی جن سے قتال ہوا۔

صحیح مسلم میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ابوسفیان (جب فتح مکہ کی رات ایمان لے آئے) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین چیزیں میں آپ سے چاہتا ہوں مجھے عطا کر دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اچھا مانگو وہ کیا ہیں) ان میں ایک یہ بھی درخواست تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اب اجازت دیجئے کہ میں کافروں سے اسی طرح قتال کروں جیسا کہ میں (پہلے) مسلمانوں سے قتال کرتا تھا تو یہ ہے وہ بات جس کو حق تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا امید ہے کہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جنہوں نے تم سے قتال کیا اللہ تعالیٰ محبت پیدا فرما دے۔

ہشام بن عروۃ فاطمہ بنت المنذر سے بیان کرتے ہیں کہ اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ایک دفعہ میری ماں مشرکہ میرے پاس آ گئی اس زمانہ میں جبکہ قریش مکہ سے معاہدہ ہوا تھا تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں آئی ہے اور وہ مشرکہ ہے اور وہ چاہتی ہے کہ میں اس کے ساتھ کچھ سلوک کروں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو تو یہ بات وہی ہے' جس کی قرآن کریم کی یہ آیت اجازت دے رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کے ساتھ سلوک کرنے سے منع نہیں کرتا جو نہ تم سے لڑے اور نہ انہوں نے کوئی دشمنی کی یہ ممانعت صرف دشمنی اور قتال کرنے والوں سے ہے۔ (معارف کاندھلوی)

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَکُمُ

اے ایمان والو جب آئیں تمہارے پاس

الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ

ایمان والی عورتیں وطن چھوڑ کر تو اُن کو جانچ لو اللہ

اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ

خوب جانتا ہے اُنکے ایمان کو☆

مہاجر عورتوں کا امتحان ☆یعنی دل کا حال تو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔لیکن ظاہری طور سے ان عورتوں کی جانچ کرلیا کرو۔آیا واقعی وہ مسلمان ہیں اور محض اسلام کی خاطر وطن چھوڑ کر آئی ہیں کوئی دنیوی یا نفسانی غرض تو ہجرت کا سبب نہیں ہوا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت عمرؓ ان کا امتحان کرتے تھے۔اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان سے بیعت لیتے تھے اور کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بہ نفس نفیس بیعت لیا کرتے تھے جو آگے " يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ " الخ میں مذکور ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۔یعنی جانچ کرلو کہ زبانوں سے جو وہ اقرار ایمان کر رہی ہیں کیا واقعی ان کے دلوں میں ایمان ہے جانچ کر کے تم غالب ظن حاصل کرلو یوں تو ان کے قلبی ایمان کو اللہ ہی جانتا ہے تم کیا جانو (پھر بھی گمان غالب تو حاصل کرلو) (تفسیر مظہری)

سبب نزول: بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے کے لئے (مکہ کی طرف) روانہ ہوئے حدیبیہ میں پہنچے تو مکہ کے مشرکوں نے آپ سے اس شرط پر صلح کرلی کہ (آئندہ) اہل مکہ میں جو کوئی (مسلمان ہوکر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے گا آپ اس کو واپس کردیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں سے جو کوئی (مرتد ہوکر) مکہ والوں کے پاس پہنچ جائے گا اہل مکہ اسکو واپس نہیں کریں گے۔ یہ معاہدہ لکھ دیا گیا اور مہریں لگادی گئیں تحریر معاہدہ پوری ہونے ہی پائی تھی کہ سبیعہ اسلمیہ بنت حارث (مسلمان ہو کر) آ پہنچی اس کا شوہر مسافر مخزومی یا صیفی بن راہب جو کافر تھا اس کی طلب میں آ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم میری بیوی کو مجھے واپس دو تم نے شرط کرلی تھی کہ ہم میں کا جو کوئی شخص (مسلمان ہو کر) آپ کے پاس پہنچے گا آپ پر اس کو واپس کرنا لازم ہوگا یہ شرط تحریر میں موجود ہے ابھی اس کی روشنائی بھی خشک نہیں ہوئی ہے اس پر آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ الخ نازل ہوئی مہاجرات سے مراد ہیں وہ عورتیں جو دار الکفر کو چھوڑ کر دار الاسلام میں آ گئی ہوں۔ پھر سبیعہ سے عمر نے نکاح کرلیا۔ جو مرد (مسلمان ہوکر بھاگ کر مکہ سے) آپ کے پاس آتا تھا آپ اس کو واپس کردیتے تھے۔اور اگر عورت مسلمان ہوکر آتی تھی تو آپ اس کو واپس نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اس کا مہر واپس کرادیتے تھے۔

طبرانی نے ضعیف سند سے بروایت عبداللہ بن ابی احمد نے لکھا ہے کہ صلح کے ایام میں ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط ہجرت کر کے آ گئیں پیچھے سے ان کے دونوں بھائی عمارہ اور ولید بن عقبہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ پہنچے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اُم کلثوم کی واپسی کے لئے درخواست کی اس پر اللہ نے وہ معاہدہ جو حضور اور مشرکوں کے درمیان میں ہوا تھا صرف عورتوں کے معاملہ میں توڑ دیا اور مہاجر عورتوں کی واپسی کی ممانعت فرمادی پھر آیت امتحان نازل فرمائی۔ ابن ابی حاتم نے لکھا ہے مجھ سے یزید بن ابی حبیب نے بیان کیا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ یہ آیت امیہ بنت بشر یا ابو حسان بن واحداحہ کے متعلق نازل ہوئی تھی مقاتل کا بیان ہے کہ ایک عورت تھی جس کا نام سعیدہ تھا اور وہ صیفی بن راہب کی بیوی تھی صیفی مشرک تھا ایام صلح میں سعیدہ ہجرت کر کے آ گئی اور مشرکوں نے درخواست کی کہ سعیدہ کو واپس کیا جائے (لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے درخواست منظور نہیں کی) ابن جریر نے زہری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے نچلے حصہ میں فروکش تھے اور اس شرط پر اہل مکہ سے صلح کرلی تھی کہ مکہ والوں میں سے جو شخص (ہجرت کر کے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ جائے گا اس کو واپس کردیا جائے گا۔اس اثناء میں کچھ عورتیں ہجرت کر کے آ گئیں تو ان کے متعلق آیت مذکورہ نازل ہوئی۔(تفسیر مظہری)

امتحان کا طریقہ: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مؤمن مہاجر عورتوں کا امتحان اس طرح ہوتا تھا کہ عورت بحلف کہتی تھی۔ میں اپنے شوہر سے نفرت کرنے یا کسی مسلمان مرد سے عشق کرنے کی بنیاد پر نہیں آئی نہ یہ وجہ ہے کہ مجھے ایک جگہ سے نفرت اور دوسری جگہ سے الفت ہو نہ میں کوئی جرم کر کے آئی ہوں نہ طلب مال مجھے لائی ہے بلکہ اسلام پسندی اور اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا جذبہ مجھے لیکر آیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح اس سے حلف لیتے تھے جب وہ اس پر قسم کھالیتی تھی تو پھر آپ اس کو واپس نہیں لوٹاتے تھے۔اور جو مہر اس کے شوہر نے اس کو نکاح کے وقت یا بعد کو ادا کیا ہوتا تھا۔اور جو کچھ شوہر نے اس کے لئے خرچ کیا ہوتا وہ بھی شوہر کو عطا فرمادیتے تھے۔

اور حضرت صدیقہ عائشہؓ سے ترمذی میں روایت ہے جس کو ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے آپ نے فرمایا کہ اُن کے امتحان کی صورت وہ بیعت تھی جس کا ذکر اگلی آیات میں تفصیل سے آیا ہے اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ الآیۃ۔ گویا آنے والی مہاجر عورتوں کے امتحان ایمان کا طریقہ ہی یہ تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اُن چیزوں کا عہد کریں جو اس بیعت کے بیان میں

آگے آتی ہیں، اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ ابتدائی طور پر پہلے وہ کلمات اُن سے کہلوائے جاتے ہوں جو بروایت ابن عباسؓ اوپر ذکر کیے گئے ہیں اور اس کی تکمیل اس بیعت سے ہوتی ہو جس کا آگے ذکر ہے، واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا
پھر اگر جانو کہ وہ ایمان پر ہیں تو مت
تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ
پھیرو اُن کو کافروں کی طرف نہ یہ عورتیں
حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ
حلال ہیں اُن کافروں کو اور نہ وہ کافر حلال ہیں ان عورتوں کو
وَآتُوهُم مَّا أَنفَقُوا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ
اور دیدو اُن کافروں کو جو اُنکا خرچ ہوا ہو اور گناہ نہیں تم کو
أَن تَنكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ
کہ نکاح کر لو اُن عورتوں سے جب اُن کو دو
أُجُورَهُنَّ
اُن کے مہر☆

ن ہونے والی عورتوں کے مہر کا مسئلہ

یہ حکم ہوا کہ زوجین میں اگر ایک مسلمان اور دوسرا مشرک ہو تو اختلاف دین کے بعد تعلق نکاح قائم نہیں رہتا پس اگر کسی کافر کی عورت مسلمان ہو کر "دار الاسلام" میں آجائے تو جو مسلمان اس سے نکاح کرے اس کے ذمہ ہے کہ اس کافر نے جتنا مہر عورت پر خرچ کیا تھا وہ اسے واپس کر دے۔ اور اب عورت کا جو مہر قرار پائے وہ جدا اپنے ذمہ رکھے تب نکاح میں لاسکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ ۔یعنی ان عورتوں کے لئے مؤمن ہونے کا تم کو گمان غالب اور امکانی علم ہو جائے اور ایمان کی علامات ظاہر ہو جائیں۔ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ یقین کی طرح غالب گمان پر بھی عمل واجب ہوتا ہے (اگر چہ ظن مفید یقین نہیں ہوتا مگر موجب عمل ضرور ہو جاتا ہے)۔

فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ ۔یعنی کافر شوہروں کی طرف ان کو واپس مت کرو کیونکہ مؤمن عورتیں کافر شوہروں کے لئے حلال نہیں مسلمہ اور کافرہ میں تفریق کرنی لازم ہے سورۂ نسا کی آیت وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ کی تفسیر میں یہ مسئلہ گذر چکا ہے کہ اگر شوہر کافر ہو اور بیوی مہاجرہ مومنہ تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک دار الحرب سے نکلتے ہی دونوں کے درمیان تفریق کر دینی واجب ہے کیونکہ دو دار ہو گئے دار الحرب جو کفار کا وطن ہے اور دار الاسلام جو مؤمنوں کا مسکن ہے لیکن باقی تینوں اماموں کے نزدیک شوہر کے مسلمان ہونے کے وقت سے تین حیض کی مدت کا انتظار کرنا ہوگا۔ بشرطیکہ شوہر نے اس عورت سے قربت حقی کر لی ہو۔ اور ایسا نہ ہو تو پھر عورت مسلمان ہونے کے وقت سے تین حیض تک انتظار کیا جائے گا۔

وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۔یعنی کافر تجدید نکاح کے بعد بھی مؤمن عورتوں کے لئے حلال نہیں ہیں کیونکہ کافر مرد کا نکاح مسلمان عورت سے جائز ہی نہیں ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ جملہ سابق جملہ کی تاکید (معنوی) ہو۔

وَآتُوهُم مَّا أَنفَقُوا ۔یعنی ان کے شوہروں نے جو کچھ خرچ کیا ہو یعنی مہر دیا ہو (یا زیور وغیرہ مترجم) وہ ان کو واپس دیدو کیونکہ معاہدۂ حدیبیہ میں عورتوں کی واپسی بھی شامل تھی لیکن جب ان کی واپسی کی ممانعت ہوگئی تو مہر کی واپسی لازم ہوگئی۔

آئندہ کے لئے مہاجر مومنات کا اصول

جس طرح حدیبیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے صلح کی تھی ویسی ہی صلح اگر خلیفہ کافروں سے کرلے پھر جب کوئی عورت ہجرت کر کے آئے تو عورت کو واپس نہ بھیجے بلکہ اس کا (وصول کردہ) مہر لوٹا دے۔

صلح سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول

بغوی نے لکھا ہے کہ زہری کا بیان ہے اگر صلح نہ ہوتی اور وہ معاہدہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان حدیبیہ میں ہوا تھا نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجر عورتوں کو بھی روک لیتے اور ان کے مہر بھی واپس نہ کرتے معاہدہ سے پہلے جو مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آتی تھیں آپ یہی معاملہ کرتے تھے کہ ہجرت کر کے آنیوالی عورتوں کے مہر بھی واپس نہیں کراتے تھے۔

عورتوں کے حق میں معاہدہ کی تنسیخ یا توضیح

معاہدہ میں تو عموم تھا لیکن پھر عورتوں کی واپسی کا حکم منسوخ ہو گیا اور اللہ نے فرما دیا فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ جب مہاجر عورت کو واپس کرنے کی ممانعت ہوگئی تو اس کے عوض وہ مہر جو اس کے کافر شوہر نے دیا تھا واپس کرنا واجب ہو گیا دوسرے قول کا حاصل یہ ہے کہ صرف مرد مہاجر کو واپس کرنے کی شرط تھی عورت لوٹا دینے کی شرط ہی نہیں تھی کیوں کہ دوسری روایت میں آیا ہے کہ ہم میں سے جو مرد ہجرت کر کے آپ کے پاس پہنچے گا آپ اس کو ہماری طرف لوٹا دیں گے۔

مرد اور عورت کے حکم میں فرق کرنے کی حکمت

مرد اور عورت کی واپسی کے حکم میں تفریق اس وجہ سے کی گئی کہ مؤمن مرد کو اگر دوبارہ لوٹا کر کافروں کے سپرد کر بھی دیا جائے گا تو اس کے مرتد ہو جانے کا زیادہ اندیشہ نہیں کیوں کہ کافر اگر اس کو ڈرا دھمکا کر اور سختی کر کے زبان سے کلمات کفر کہلوا بھی لیں گے تو وہ تقیہ کر لے گا اور دل میں ایمان چھپائے رکھے گا لیکن عورت عام طور پر ضعیف القلب ہوتی ہے اس کو ڈرا دھمکا کر اور دکھ پہنچا کر مرتد بنا لینا زیادہ ممکن ہے وہ اپنی کمزوری اور ناچاری کی وجہ سے تقیہ بھی نہیں کر سکتی دل میں ایمان چھپائے رکھے اور بظاہر مرتد ہو جائے اس کی امید کم ہوتی ہے اس لئے معاہدہ میں اس کی واپسی کا ذکر نہیں کیا گیا اس صورت میں اداء مہر سابق مستحب ہوگا۔

دار الحرب سے آنے والی عورتوں سے نکاح اور ان کی عدت کا مسئلہ

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ ۔ یعنی اے مسلمانو! ہجرت کر کے آنے والی عورتوں سے تم نکاح کر سکتے ہو اس میں کوئی گناہ نہیں خواہ ان کے کافر شوہر دار الحرب میں موجود ہی ہوں کیونکہ (کفر اور اسلام کی وجہ سے) تفریق تو ان کی ہو ہی گئی آیت دلالت کر رہی ہے کہ عدت ضروری نہیں امام ابوحنیفہ کا یہی قول ہے صاحبین کا قول اس کے خلاف ہے۔

حق مہر کا مسئلہ: إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۔ اجور سے مراد ہیں مہر مہر کی ادائیگی کی شرط لگانے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ سابق شوہروں کا ادا کردہ مہر جو مہاجر عورتوں کی طرف سے تم نے ان کے کافر شوہروں کو واپس کیا ہو وہ جدید مہر میں محسوب نہ ہوگا یعنی ان کے کافر شوہروں کو جو کچھ تم نے دیدیا وہ دے دیا اب اگر تم ان مہاجر عورتوں سے نکاح کرو گے تو اپنے نکاح کا مہر از سر نو دینا ہوگا۔

حضرت عمرؓ کی بیوی: ابن منیع نے بطریق کلبی از ابی صالح حضرت ابن عباس کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب جب مسلمان ہو گئے تو ان کی بیوی مشرکوں کے ساتھ ہی رہ گئی اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۔ یعنی نہ یہ عورتیں کافر مردوں پر حلال ہیں اور نہ کافر مرد ان کے لئے حلال ہو سکتے ہیں کہ ان سے دوبارہ نکاح کر سکیں۔

اختلاف دین کے سبب فسخ نکاح

اس آیت نے یہ واضح کر دیا کہ جو عورت کسی کافر کے نکاح میں تھی اور پھر وہ مسلمان ہو گئی تو کافر سے اس کا نکاح خود بخود فسخ ہو گیا' یہ اس کے لئے اور وہ اس کے لئے حرام ہو گئے' اور یہی وجہ عورتوں کو شرط صلح میں واپسی سے مستثنیٰ کرنے کی ہے کہ اب وہ اس کے شوہر کافر کیلئے حلال نہیں رہی۔

کافر شوہر کے مہر کی واپسی کا حکم

مہاجر مؤمنہ کے کافر شوہر نے اس کے نکاح میں جو مہر وغیرہ اس کو دیا ہے وہ سب اس کے شوہر کو واپس دیا جائے۔ کیونکہ شرط صلح سے مستثنیٰ صرف عورتوں کی واپسی تھی' جو بوجہ ان کے حرام ہو جانے کے نہیں ہو سکتی' مگر جو مال انہوں نے ان کو دیا ہے وہ حسب شرط واپس کر دینا چاہئے اس مال کی واپسی کا خطاب مہاجر عورتوں کو نہیں کیا گیا کہ تم واپس کرو بلکہ عام مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ واپس کریں' کیونکہ بہت ممکن بلکہ غالب یہ ہے کہ جو مال ان کے شوہر نے ان کو دیا تھا وہ ختم ہو چکا ہو۔ اب ان سے واپس دلانے کی صورت ہی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے یہ فریضہ عام مسلمانوں پر ڈال دیا گیا کہ معاہدۂ صلح کو پورا کرنے کے لئے اس کی طرف سے کافر شوہروں کا مال واپس کر دیں' اگر بیت المال سے دیا جا سکتا ہے تو وہاں سے ورنہ عام مسلمانوں کے چندے سے (من القرطبی)

نکاح کا طریقہ اور ضابطہ: کافر مرد کی بیوی مسلمان ہو جائے تو نکاح فسخ ہو جانا آیت مذکورہ سے معلوم ہو چکا۔ لیکن دوسرے کسی مسلمان مرد سے اس کا نکاح کس وقت جائز ہوگا۔ اس کے متعلق امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اصل ضابطہ تو یہ ہے کہ جس کافر مرد کی عورت مسلمان ہو جائے اور حاکم اسلام اس کے شوہر کو بلا کر کہے کہ اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ تو نکاح برقرار رہے گا۔ ورنہ نکاح فسخ ہو جائے گا۔ اگر وہ اس پر بھی اسلام لانے سے انکار کرے تو اب ان دونوں میں فرقت کی تکمیل ہو گئی۔ اس وقت وہ کسی مسلمان مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ حاکم اسلام کا شوہر کو حاضر کرنا وہیں ہو سکتا ہے جہاں حکومت اسلام کی ہو' دار الکفر یا دار الحرب میں ایسا واقعہ پیش آوے تو شوہر سے اسلام کے لئے کہنے اور اس کے انکار کی صورت نہیں ہوگی جس سے دونوں میں تفریق کا فیصلہ کیا جا سکے۔ اس لئے اس صورت میں زوجین کے درمیان تفریق کی تکمیل اس وقت ہوگی جب یہ عورت ہجرت کر کے دار الاسلام میں آ جائے یا مسلمانوں کے لشکر میں آ جائے' دار الاسلام میں آنے کی صورت مذکورہ واقعات میں مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد ہو سکتی ہے۔ اور لشکر اسلام حدیبیہ میں بھی موجود تھا۔ اس میں پہنچنے سے بھی اس کا تحقق ہو جاتا ہے۔ جس کو فقہاء کی اصطلاح میں اختلاف دارین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی جب کافر مرد اور اس کی بیوی مسلمان کے درمیان دارین کا فاصلہ ہو جائے' یعنی ایک دار الکفر میں ہے دوسرا دار الاسلام میں تو یہ تفریق مکمل ہو کر عورت دوسرے سے نکاح کیلئے آزاد ہو جاتی ہے۔ (ہدایہ وغیرہ) (معارف مفتی اعظم)

وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ

اور نہ رکھو اپنے قبضہ میں ناموس کافر عورتوں کے

وَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا

اور تم مانگ لو جو تم نے خرچ کیا اور وہ کافر مانگ لیں

مَآ اَنْفَقُوْا ۭ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۭ

جو انہوں نے خرچ کیا' یہ اللہ کا فیصلہ ہے

يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

تم میں فیصلہ کرتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا

حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾

حکمت والا ہے☆

کافر بیویوں کو چھوڑ دو ☆ پہلے حکم کے مقابل دوسری طرف یہ حکم ہوا کہ جس مسلمان کی عورت کافر رہ گئی ہے وہ اس کو چھوڑ دے گا۔ پھر جو کافر اس سے نکاح کرے اس مسلمان کا خرچ کیا ہوا مہر واپس کرے اس طرح دونوں فریق ایک دوسرے سے اپنا حق طلب کر لیں جب یہ حکم اترا تو مسلمان تیار ہوئے دینے کو بھی اور لینے کو بھی لیکن کافروں نے دینا قبول نہ کیا تب اگلی آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

مشرکہ عورت سے نکاح کی ممانعت

کَوَافِر جمع کافرہ کی ہے۔ اور مراد اس سے مشرکہ عورت ہے' کیونکہ کافرہ کتابیہ سے نکاح کی اجازت قرآن کریم میں منصوص ہے' مراد آیت کی یہ ہے کہ اب تک جو مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان مناکحت کی اجازت تھی وہ ختم کر دی گئی' اب کسی مسلمان کا نکاح مشرک عورت سے جائز نہیں۔ اور جو نکاح پہلے ہو چکے ہیں وہ بھی ختم ہو چکے' اب کسی مشرک عورت کو اپنے نکاح میں روکنا حلال نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ

اور اگر جاتی رہیں تمہارے ہاتھ سے کچھ عورتیں

اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ

کافروں کی طرف پھر تم ہاتھ مارو تو دیدو اُن کو جن کی

ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ

عورتیں جاتی رہی ہیں جتنا انہوں نے

اَنْفَقُوْا ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ

خرچ کیا تھا اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر تم کو

بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

یقین ہے☆

متبادل حکم ☆ یعنی جس مسلمان کی عورت گئی اور کافر اس کا خرچ کیا ہوا نہیں پھیرتے تو جس کافر کی عورت مسلمانوں کے ہاں آئے اس کا جو خرچ دینا تھا اس کافر کو نہ دیں بلکہ اسی مسلمان کو دیں جس کا حق مارا گیا ہے۔ ہاں اس مسلمان کا حق دیکر جو بچ رہے وہ واپس کر دیں بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کافر کا خرچ کیا ہوا واپس نہیں کر سکتا تو بیت المال سے دیا جائے اللہ اکبر! کس قدر عدل وانصاف کی تعلیم ہے لیکن اس پر کاربند وہی ہوگا جس کے دل میں اللہ کا ڈر ہو اور اس پر ٹھیک ٹھیک ایمان رکھتا ہو۔ (تنبیہ) "فَعَاقَبْتُمْ" کے دو ترجمے مترجم محقق نے کیے۔ "پھر تم ہاتھ مارو" اور "پھر تمہاری باری آئے"۔ ہم نے دوسرے ترجمے کے لحاظ سے مطلب کی تقریر کی ہے پہلے ترجمہ کے موافق بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد مال غنیمت کا حاصل ہونا ہے۔ یعنی مال غنیمت میں سے اس مسلمان کا خرچ کیا ہوا ادا کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا چھ مہاجر مومن عورتیں مشرکوں سے جا ملی تھیں جو پھر اسلام کی طرف لوٹ آئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شوہروں کو مال غنیمت میں سے ان کے دیئے ہوئے مہر عطا کر دیئے۔

میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ معاہدہ میں ہر مہاجر مرد و عورت کی واپسی کی شرط بھی پھر مہاجر عورتوں کی واپسی کا حکم منسوخ کر دیا گیا اگر معاہدہ کی رو سے مہاجر عورتوں کی واپسی ضروری نہیں تھی تو ان کو لوٹا دینے کی کوئی وجہ ہی نہ تھی نہ جدید حکم کے نازل ہونے کی ضرورت تھی مہاجر عورت کی واپسی کی ممانعت کے بعد واپسی مہر واجب تھی امر کے صیغے اس پر دلالت کر رہے ہیں اور آیت ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ بھی اسی کو چاہتی ہے۔

الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ کے احکام کی تعمیل کی جائے پس جب اللہ کو مانتے ہو تو اس کی نافرمانی سے بھی پرہیز کرو۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَاۗءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ

اے نبی جب آئیں تیرے پاس مسلمان عورتیں

يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ
بیعت کرنے کو اس بات پر کہ شریک نہ ٹھہرائیں اللہ کا
شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا
کسی کو اور چوری نہ کریں اور بدکاری نہ کریں اور اپنی
يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ
اولاد کو نہ مار ڈالیں ☆

قتل اولاد کی ممانعت ☆ جیسا کہ جاہلیت میں رواج تھا کہ رسمی ننگ وعار کی وجہ سے لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے اور بعض اوقات فقر وفاقہ کے خوف سے لڑکوں کو بھی قتل کر ڈالتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

بیعت نسآءِ مؤمنات

عروۃ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نساء مؤمنات سے بیعت لینے کا ذکر اسی طرح فرمایا کرتی تھیں کہ جب یہ آیت مبارکہ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ الخ نازل ہوگئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی عورتوں کا امتحان لیتے اور پھران باتوں پر ان سے عہد لیتے جن کا آیت مبارکہ میں ذکر ہے کہ نہ شرک کریں گی کہ نہ چوری کریں گی نہ زناء وبدکاری اور نہ افتراء وبہتان اور کسی بھی حکم شرعی میں اپ کی نافرمانی نہیں کریں گی تو جو عورت اس بات کا عہد و اقرار کرلیتی آپ اس کو بیعت فرمالیتے اور صرف زبان مبارک سے فرمادیتے ''اچھا میں نے تمہیں بیعت کرلیا''۔ فرمایا کرتی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک نے خدا کی قسم کسی عورت کے ہاتھ کو کبھی نہیں چھوا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ میں عید الفطر کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اور ابوبکر عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کا زمانہ بھی دیکھا ہے یہ سب حضرات خطبہ سے قبل نماز عید پڑھا کرتے تھے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے نماز پڑھتے پھر خطبہ دیتے اور اس کے بعد منبر سے اُترتے ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ گویا یہ منظر آج میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ مجمع میں سے جو لوگ اٹھ کر منتشر ہو رہے تھے آپ انکو اپنے ہاتھ کے اشارہ سے بٹھا رہے تھے پھر آپ مردوں کے مجمع کو چیرتے ہوئے آگے کی طرف بڑھنے لگے اور اس جگہ تک پہنچے جہاں عورتوں نے نماز پڑھی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بلالؓ تھے آپ وہاں تشریف لائے اور آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اور تلاوت کے بعد ان سے دریافت فرمایا کیا تم اس پر قائم ہو اور اس کا عہد کرتی ہو مجمع میں سے ایک عورت نے جواب دیا جی ہاں یارسول اللہ جو گویا سب کی طرف سے یہ کہہ رہی تھیں اور بظاہر اسی وجہ سے کسی اور نے جواب نہ دیا سب خاموش رہیں جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ اس عورت کے سوا کسی اور نے جواب نہ دیا۔

ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا یہ اعلان کردیں اے مسلمان عورتو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے بیعت لینا چاہتے ہیں اس بات پر کہ تم نہ شرک کروگی نہ چوری نہ زنا وبدکاری اور نہ بہتان طرازی اور نہ رسول خدا کی نافرمانی کروگی۔ تو ان عورتوں میں ہندہ بن عتبہ بن ربیعہ بھی تھی جس نے غزوۂ اُحد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے بعد ان کے شکم مبارک کو چاک کر کے جگر کا ٹکڑا چبانا چاہا تھا اگر چہ اب اسلام لا چکی تھیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈرتے ہوئے چھپی ہوئی تھیں اور کسی کونہ میں بیٹھیں تھیں۔ جب فاروق اعظم نے یہ کہا کہ عہد کرو چوری بھی نہ کروگی۔ تو کہنے لگی میں ابوسفیان کے مال سے کچھ لے لیتی ہوں کیونکہ وہ مال کے حریص اور بخیل انسان ہیں (تو گھر کے مصارف وغیرہ کے لئے ان سے چھپا کر کچھ لینا پڑتا ہے) ابوسفیان ان کے خاوند بھی وہاں موجود تھے فوراً بولے اے ہندہ تو نے آج تک جو کچھ لیا یا آئندہ لے گی وہ سب تیرے واسطے حلال ہے۔ جب عمر فاروق نے یہ کہا کہ تم اپنی اولاد کو قتل نہ کروگی تو کہنے لگی ہم نے تو ان کو پالا تھا مگر تم نے انہیں بدر میں قتل کردیا اس جملہ پر عمر فاروق کو بہت ہنسی آئی۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ کچھ عورتوں نے کہا کہ ہم تو اپنی اولاد کو قتل نہیں کرتے ان کے باپ قتل کرتے ہیں۔

عبداللہ بن عباسؓ فرماتے تھے کہ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ میں یہ چیز بھی داخل ہے۔ کوئی عورت اپنے شوہر کی طرف ایسے بچہ کی نسبت کرے جو در حقیقت اس شوہر سے نہیں جیسا کہ یہ فعل جاہلیت کے زمانہ میں ہوتا تھا منیٰ کی گھاٹی میں قبل از ہجرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ سے بیعت لی تو یہی وہ امور تھے جن پر ان سے عہد لیا اور فرمایا **بايعوني على ان لا تشركوا بالله ولا تسرقوا ولا تزنوا** وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ الخ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا اِنْ **وفيتم فلكم الجنة** اگر تم ان باتوں کو پورا کروگے تو تمہارے واسطے جنت ہے (باسناد ابن ابی حاتم، تم بحمداللہ تفسیر سورۃ الممتحنہ) تفسیر ابن کثیر ج ۴۔ (معارف کاندھلوی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کرنے والی صرف نو مسلم مہاجرات ہی نہیں دوسری قدیم عورتیں بھی شریک تھیں جیسا کہ صحیح بخاری میں اُمّ عطیہؓ سے اور بسند بغوی امیمہؓ بنت رقیہؓ سے منقول ہے حضرت امیمہؓ سے روایت ہے کہ میں نے چند دوسری عورتوں کی بیعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے بیعت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن احکام شرعیہ کی پابندی کا معاہدہ اس بیعت میں لیا اس کے ساتھ یہ کلمات بھی تلقین فرمائے کہ فِیْمَا اسْتَطَعْتُنَّ وَاَطَقْتُنَّ یعنی ہم اُن چیزوں کی پابندی کا عہد اسی حد تک کرتے ہیں جہاں تک ہماری استطاعت و طاقت میں ہے' امیمہؓ نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت و شفقت ہم پر خود ہماری ذات سے بھی زائد تھی کہ ہم نے تو بلا کسی قید و شرط کے عہد کرنا چاہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کی تلقین فرمادی' تا کہ کسی اضطراری حالت میں خلاف ورزی ہو جائے وعہد شکنی میں داخل نہ ہو (مظہری)۔

اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس بیعت نساء کے متعلق فرمایا کہ عورتوں کی یہ بیعت صرف گفتگو اور کلام کے ذریعہ ہوئی' مردوں کی بیعت میں جو ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کا دستور ہے' عورتوں کی بیعت میں ایسا نہیں کیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک نے کبھی کسی غیر محرم کے ہاتھ کو نہیں چھوا (مظہری)۔

اور روایت حدیث سے ثابت ہے کہ یہ بیعت نساء صرف اس واقعہ حدیبیہ کے بعد ہی نہیں بلکہ بار بار ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ فتح مکہ کے روز بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کی بیعت سے فارغ ہونے کے بعد کوہ صفا پر عورتوں سے بیعت لی' اور پہاڑ کے دامن میں حضرت عمر بن خطابؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کو دُہرا کر نیچے جمع ہونے والی عورتوں کو پہنچا رہے تھے جو اس بیعت میں شریک تھیں۔

اس وقت بیعت ہونے والی عورتوں میں ابوسفیان کی بیوی ہند بھی داخل تھیں۔ جو شروع میں حیاء کے سبب اپنے آپ کو چھپانا چاہتی تھیں۔ پھر بیعت میں کچھ احکام کی تفصیل آئی تو بولی اور دریافت کرنے پر مجبور ہو گئیں۔ کئی سوالات کئے۔ یہ واقعہ تفصیل سے تفسیر مظہری میں مذکور ہے۔

مردوں کی بیعت میں اجمال اور عورتوں کی بیعت میں تفصیل

مردوں سے جو بیعت لی گئی وہ عموماً اسلام اور جہاد پر لی گئی ہے' عملی احکام کی تفصیل اس میں نہیں ہے' بخلاف عورتوں کی بیعت کے کہ اس میں وہ تفصیل ہے جو آگے آ رہی ہے' وجہ فرق کی یہ ہے کہ مردوں سے ایمان و اطاعت کی بیعت لینے میں یہ سب احکام داخل تھے۔ اس لئے تفصیل کی ضرورت نہیں سمجھی گئی' اور عورتیں عموماً عقل و فہم میں فردوں سے کم ہوتی ہیں اس لئے ان کی بیعت میں تفصیل مناسب سمجھی گئی یہ اس بیعت کی ابتداء ہے جو عورتوں سے شروع ہوئی مگر آگے یہ عورتوں کے ساتھ مخصوص نہیں رہی' مردوں سے بھی انہی چیزوں کو بیعت لینا روایات حدیث میں ثابت ہے۔

(کمارویٰ عن عبادۃ بن الصامتؓ) (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

بیعت صرف زبانی ارشاد اور اقرار سے ہوتی تھی

صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے جو مسلمان عورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجرت کر کے آتی تھیں ان کا امتحان اسی آیت سے ہوتا تھا۔ جو عورت ان تمام باتوں کا اقرار کر لیتی اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم زبانی فرما دیتے کہ میں نے تم سے بیعت کی' یہ نہیں کہ آپ اس کے ہاتھ سے ہاتھ ملاتے ہوں' قسم خدا کی آپ نے کبھی بیعت کرتے ہوئے کسی عورت کے ہاتھ کو ہاتھ نہیں لگایا۔ صرف زبانی فرما دیتے کہ ان باتوں پر میں نے تیری بیعت لی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے مصافحہ نہ فرماتے تھے

ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضرت اُمیمہ بنت رقیقہؓ فرماتی ہیں کئی ایک عورتوں کے ساتھ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے لئے حاضر ہوئی تو قرآن کی اس آیت کے مطابق آپ نے ہم سے عہد و پیمان لیا۔ اور ہم بھلی باتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کریں گے کے اقرار کے وقت فرمایا یہ بھی کہو کہ جہاں تک تمہاری طاقت ہے۔ ہم نے کہا اللہ کو اور اس کے رسول کو ہمارا خیال ہم سے بہت زیادہ ہے اور ان کی مہربانی بھی ہم پر خود ہماری مہربانی سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ پھر ہم نے کہا حضور آپ ہم سے مصافحہ نہیں کرتے؟ فرمایا نہیں میں غیر عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا کرتا میرا ایک عورت سے کہہ دینا سو عورتوں کی بیعت کے لئے کافی ہے۔ بس بیعت ہو چکی۔ امام ترمذیؒ اس حدیث کو حسن صحیح کہتے ہیں۔ مسند احمد میں اتنی زیادتی اور بھی ہے کہ ہم میں سے کسی عورت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مصافحہ نہیں کیا۔ یہ حضرت اُمیمہ حضرت خدیجہ کی بہن اور حضرت فاطمہؓ کی خالہ ہوتی ہیں۔

خاوندوں کی خیانت نہ کرنے کا عہد: مسند احمد میں ہے حضرت سلمٰی بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ تھیں اور دونوں قبلوں کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی تھی بنو عدی بن نجار کے قبیلہ میں سے تھیں' فرماتی ہیں' انصار کی عورتوں کے ساتھ خدمت نبوی میں بیعت کرنے کے لئے میں بھی آئی تھی اور اس آیت میں جن باتوں کا ذکر ہے ان کا ہم نے اقرار کیا۔ آپ نے فرمایا ایک اس بات کا بھی اقرار کرو کہ اپنے خاوندوں کی خیانت اور اس کے ساتھ دھوکہ نہ کرو گی۔ ہم نے اس کا بھی اقرار کیا' بیعت کی اور جانے لگیں پھر مجھے خیال آیا اور ایک عورت کو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ وہ دریافت کرے کہ خیانت و دھوکہ نہ کرنے سے آپ کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ اس کا مال چپکے سے کسی اور کو نہ دو۔

حضرت عائشہ بنت قدامہ کی بیعت: مسند کی حدیث میں ہے حضرت عائشہ بنت قدامہ فرماتی ہیں میں اپنی والدہ رائطہ بنت سفیان خزاعیہؓ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے والوں میں تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں پر بیعت لے رہے تھے اور عورتیں ان کا اقرار کرتی تھیں۔ میری والدہ کے فرمان سے میں نے بھی اقرار کیا اور بیعت والیوں میں شامل ہوئی۔

میت پر نوحہ نہ کرنے کا اقرار: صحیح بخاری شریف میں حضرت اُم عطیہؓ سے منقول ہے کہ ہم نے ان باتوں پر اور اس امر پر کہ ہم کسی مُردے پر نوحہ نہ کریں گی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اس اثنا میں ایک عورت نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا اور کہا کہ میں نوحہ کرنے سے باز رہنے پر بیعت نہیں کرتی اس لئے کہ فلاں عورت نے میرے فلاں مردے پر نوحہ کرنے میں میری مدد کی ہے تو میں اس کا بدلہ ضرور اُتاروں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے سن کر خاموش ہو رہے اور کچھ نہ فرمایا وہ چلی گئیں لیکن پھر تھوڑی دیر میں واپس آئیں اور بیعت کر لی۔

اس شرط کو پورا کرنے والی خواتین: مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے اور اتنی زیادتی بھی ہے کہ اس شرط کو صرف اس عورت نے اور حضرت ام سلیم بنت ملحانؓ نے ہی پورا کیا۔ بخاری کی اور روایت میں ہے کہ پانچ عورتوں نے اس عہد کو پورا کیا۔ ام سلیمؓ، ام علاءؓ اور ابو سبرہؓ کی بیٹی جو حضرت معاذؓ کی بیوی تھیں اور دو اور عورتیں یا ابو سبرہؓ کی بیٹی اور حضرت معاذؓ کی بیوی اور ایک عورت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید والے دن بھی عورتوں سے اس بیعت کا معاہدہ کر لیا کرتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَا يَأْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ
اور طوفان نہ لائیں باندھ کر
بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ
اپنے ہاتھوں اور پاؤں میں ☆

جھوٹ اور بہتان کی ممانعت ☆ طوفان باندھنا ہاتھ پاؤں میں' یہ کہ کسی پر جھوٹا دعویٰ کریں یا جھوٹی گواہی دیں یا کسی معاملہ میں اپنی طرف سے بنا کر جھوٹی قسم کھائیں۔ اور ایک معنی یہ کہ بیٹا جنا ہو کسی اور سے اور منسوب کر دیں خاوند کی طرف' یا کسی دوسری عورت کی اولاد لیکر مکر وفریب سے اپنی طرف نسبت کر لیں۔ حدیث میں ہے کہ جو کوئی ایک کا بیٹا دوسرے کی طرف لگائے جنت اس پر حرام ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بُهْتَانٍ۔ ایسا جھوٹ جس کو سن کر سننے والا متحیر ہو جائے۔
يَفْتَرِيْنَهٗ۔ اپنی طرف سے بنالیں خود گڑھ لیں۔

بہتان کی صورتیں: بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ۔ بعض اہل علم نے کہا ایدی اور ارجل کی صراحت اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے کی گئی ہے انسان کے ہاتھ پاؤں گناہوں کی شہادت دیں گے۔ لہٰذا گواہوں کے سامنے بہتان تراشی نہ کریں۔ بعض اہل تفسیر نے کہا بہتان تراشی سے مراد ہے کہ کوئی بچہ لیکر عورت اپنے شوہر سے کہے یہ میرا بچہ تیرے نطفہ سے ہے بہتان بین الایدی والارجل کا یہی مطلب ہے کیوں کہ ماں اپنے پیٹ میں بچہ کو اٹھائے رہتی ہے یہ بین الایدی کا مطلب ہو گیا پھر شرمگاہ کے راستے سے باہر لاتی ہے یہ عمل بین الارجل ہو گیا بہتان کا لفظ ہر قسم کی کذب تراشی کو شامل ہے لیکن اس جگہ مراد ہے دوسرے بچہ کو اپنا بچہ اپنے شوہر کے نطفہ سے قرار دینا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ
اور تیری نافرمانی نہ کریں کسی بھلے کام میں
فَبَايِعْهُنَّ
تو اُن کو بیعت کر لے ☆

عورتوں کی بیعت کا حکم ☆ پہلے فرمایا تھا کہ مسلمان عورتوں کی (جو ہجرت کر کے آئیں) جانچ کی جائے یہاں بتلا دیا کہ ان کا جانچنا یہی ہے کہ جو احکام اس آیت میں ہیں وہ قبول کر لیں تو ان کا ایمان ثابت رکھو یہ ''آیت بیعت'' کہلاتی ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عورتیں بیعت کرتی تھیں تو یہی اقرار لیتے تھے لیکن بیعت کے وقت کبھی کسی عورت کے ہاتھ نے آپ کے ہاتھ کو مس نہیں کیا۔ (تفسیر عثمانی)

نکتہ: فِيْ مَعْرُوْفٍ۔ کسی (شرعی) نیکی کے کرنے میں۔ یا گناہ اور بدی سے باز رہنے میں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمیشہ ہی نیکی کرنے کا حکم دیتے تھے اس لئے فی معروف کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی مگر لفظ معروف کو ذکر کرنے سے اس بات پر تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ اللہ کی نافرمانی کا حکم کوئی بھی دے اس کی اطاعت جائز نہیں۔

بھلے کام میں نافرمانی کا مطلب: مجاہد نے کہا عدم عصیان فِيْ مَعْرُوْفٍ سے مراد یہ ہے کہ عورتیں (غیر) مردوں کے ساتھ تخلیہ نہ کریں۔ سعد بن مسیب کلبی اور عبدالرحمٰن بن زید نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ مصیبت پڑنے پر عورتیں نوحہ نہ کریں اور ہائے وائے نہ کریں اور کپڑے

نہ پھاڑیں اور نہ سر منڈوائیں اور نہ منہ پیٹیں اور کوئی عورت اپنے محرم کے علاوہ کسی اور مرد سے باتیں نہ کرے نہ غیر محرم کے ساتھ تخلیہ کرے نہ محرم کے علاوہ کسی مرد کے ساتھ سفر کرے ابن جریرؒ ترمذی اور ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت لَا يَعْصِيْنَكَ (کی تشریح میں) فرمایا اس سے مراد ہے نوحہ نہ کرنا بخاری نے لکھا ہے کہ حضرت ام عطیہؓ نے فرمایا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے سے بھی ہم کو منع کیا اور ممانعت کو سن کر ایک عورت نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا فلاں عورت نے (نوحہ کرنے میں) میری مدد کی تھی (اس کا نوحہ کرنا مجھ پر قرض ہے پہلے میں جا کر اس کے ساتھ نوحہ کرا آؤں پھر آ کر نوحہ نہ کرنے پر بیعت کروں گی) یہ کہہ کر وہ چلی گئی پھر کچھ دیر کے بعد واپس آئی اور بیعت کی۔

جاہلیت کی چار باتیں: مسلم نے حضرت ابو مالک اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں چار باتیں جاہلیت کی ہیں جن کو لوگ ترک نہیں کریں گے اپنے نسب پر فخر دوسرے کے نسب پر طنز ستاروں (کے طلوع) سے بارش کی طلب اور نوحہ کرنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر نوحہ کرنے والی توبہ نہیں کرے گی تو قیامت کے دن خارشت کی وجہ سے تارکول کا کرتہ اور دوپٹہ پہنے اٹھائی جائے گی۔

صحیحین میں حضرت ابن مسعود کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو منہ پیٹے گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی ایسی ہائے وائے کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے یعنی ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

نوحہ کرنے والی پر لعنت: ابو داؤد نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی اور سننے والی پر لعنت کی ہے۔

فَبَايِعْهُنَّ ۔ یعنی اس بات پر ان سے بیعت لے لیجئے کہ اگر ان شرطوں کو پورا کرو گے تو تمہارے ثواب کا میں ضامن ہوں۔ (تفسیر مظہری)

وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اور معافی مانگ اُن کے واسطے اللہ سے بیشک اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

بخشنے والا مہربان ہے☆

عورتوں کے لئے استغفار ☆ یعنی ان امور میں جو کوتاہیاں پہلے ہو چکیں یا امتثال احکام میں آئندہ کچھ تقصیر رہ جائے اس کے لیے آپ ان کے حق میں دعائے مغفرت فرمائیں۔ اللہ آپ کی برکت سے انکی تقصیر معاف فرمائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۔ اور گذشتہ گناہوں کی ان کے لئے اللہ سے معافی طلب کیجئے۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ ۔ اللہ معاف کرنے والا ہے بندہ سے جو گناہ پہلے ہو گئے ہوں ان کو محو کر دیتا ہے۔ رَّحِيْمٌ ۔ یعنی آئندہ توفیق ہدایت دینے والا ہے۔ بخاری نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے ساتھ عورتوں سے زبانی بیعت لیتے تھے سواء اس عورت کو جو آپ کی مملوکہ (منکوحہ یا باندی) تھی اور کسی عورت کے ہاتھ سے آپ کا ہاتھ مس بھی نہیں کرتا تھا۔

ہندہ کی بیعت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن جب کوہ صفا پر مردوں کے بیعت سے فارغ ہو چکے تھے اور حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نیچے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے عورتوں سے بیعت لے رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عورتوں کو پیام پہنچا رہے تھے۔ ہند بنت عتبہ زوجۂ ابو سفیان بھی عورتوں میں شامل تھی اور نقاب پوش تھی اس نے اپنا حلیہ بدل لیا تھا کیوں کہ اس کو اندیشہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پہچان لیں گے۔ عورتیں جمع ہو گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم سے بیعت اس شرط پر لیتا ہوں کہ اللہ کے ساتھ کسی شی کو شریک نہیں قرار دو گی ہند سر اٹھا کر بولی خدا کی قسم جس طرح کی بیعت آپ مردوں سے لے رہے ہیں اس طرح کی بیعت آپ ہم سے نہیں لے رہے ہیں ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ بیعت مردوں کی بیعت سے مغائر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز مردوں سے صرف اسلام اور جہاد کی بیعت لی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا اور فرمایا اور چوری نہیں کرو گی ہند بولی ابو سفیان انتہائی کنجوس آدمی ہے میں اس کے مال میں سے کچھ لے لیا کرتی تھی کیا وہ میرے لئے حلال تھا یا حرام یہ بات سن کر ابو سفیان نے کہا جو کچھ تو نے پہلے لیا یا آئندہ لے گی وہ تیرے لئے حلال ہے (میری طرف سے معافی ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ مکالمہ سن کر ہنس دیئے (مسکرا دیئے) اور فرمایا تو یقیناً ہند بنت عتبہ ہے بولی ہاں۔ جو کچھ گذر چکا اس سے اب آپ درگذر کیجئے اللہ آپ کو معاف کرے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور تم زنا نہیں کرو گی ہند بولی کیا کوئی آزاد عورت بھی زنا کر سکتی ہے اس کے بعد آپ فرمایا اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گی ہند بولی جب ہماری اولاد

چھوٹی تھی تو ہم نے اس کو پالا تو تم نے ان کو قتل کیا تم اور وہ اس سے خوب واقف ہیں ہند کا بیٹا حنظلہ بن ابی سفیان بدر کی لڑائی میں مارا گیا تھا یہ بات سن کر حضرت عمر اتنے ہنسے کہ پیچھے گر گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسکرا دیئے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور تہمت تراشی نہیں کرو گی ہند بولی واللہ تہمت تراشی بری بات ہے اور آپ ہم کو سیدھی راہ پر چلانے اور مکارم اخلاق اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھی باتوں میں نافرمانی نہیں کرو گی ہند کہنے لگی ہم جو اس مجلس میں آئے ہیں تو ہمارے دلوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی قسم کی نافرمانی کا خیال ہی نہیں ہو سکتا۔ اس طرح جو عہد عورتوں سے حضور نے لیا عورتوں نے اس کا اقرار کیا۔

مردوں کی بیعت: مردوں سے جو اسلام کی بیعت لی گئی تھی اس میں وہ تمام دفعات اجمالاً موجود تھیں جن کی تفصیل وار بیعت عورتوں سے لی گئی مردوں کی بیعت میں اجمال اور عورتوں کی بیعت میں تفصیل سے کام کیوں لیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ امور مفصلہ کا صدور عورتوں سے زیادہ ہوتا ہے دیکھو بکثرت مسلمان عورتیں (توہم پرستی کی وجہ سے شرک آمیز عقیدہ رکھتی ہیں شوہروں کے مال کی چوری کرتی ہیں اپنی (ناجائز) اولاد کو زندہ درگور کرتی ہیں (یا قتل کر دیتی ہیں) رہی عورتوں کی بدکاری تو وہ مردوں کی بدکاری سے زیادہ بری ہے کیونکہ اس سے حق اللہ بھی تلف ہوتا ہے اور حق شوہر بھی عورتیں ہی غیر مرد کی اولاد کو اپنے شوہروں کی طرف منسوب کرتی اور شوہروں کے مال کا (غلط طور پر) ان کو وارث قرار دیتی ہیں بہتان تراشی دروغ بافی کا ارتکاب تو عورتیں بکثرت کرتی ہی ہیں اور کوستی بھی بہت ہیں اور شوہروں کی احسان فراموشی بھی بہت کرتی ہیں میت پر نوح کرنا تو ان کی خصوصیت ہی ہے ہائے وائے کرنا رونا پیٹنا گریبان پھاڑنا اور اسی طرح کے دوسری ایسے کام کرتی ہیں جو مرد نہیں کرتے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے کسی قدر تفصیلی بیعت لی۔ جہاد مردوں کے ساتھ مخصوص تھا اس لئے بیعت جہاد صرف مردوں سے لی۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا
اے ایمان والو مت دوستی کرو
قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ
اُن لوگوں سے کہ غصہ ہوا ہے اللہ اُن پر ☆

ربط ☆ شروع سورت میں جو مضمون تھا خاتمہ پر پھر یاد دلا دیا یعنی مومن کی شان نہیں کہ جس پر خدا ناراض ہو اس سے دوستی اور رفاقت کا معاملہ کرے۔ جس پر خدا کا غصہ ہو خدا کے دوستوں کا بھی غصہ ہونا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ
وہ آس توڑ چکے ہیں پچھلے گھر سے جیسے آس توڑی
الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾
منکروں نے قبر والوں سے ☆

کفار کی مایوسی ☆ یعنی منکروں کو توقع نہیں کہ قبر سے کوئی اٹھے گا اور پھر دوسری زندگی میں ایک دوسرے سے ملیں گے۔ یہ کافر بھی ویسے ہی ناامید ہیں (تنبیہ) بعض مفسرین کے نزدیک "مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ" کفار کا بیان ہے یعنی جس طرح کافر جو قبر میں پہنچ چکے وہاں کا حال دیکھ کر اللہ کی مہربانی اور خوشنودی سے بالکلیہ مایوس ہو چکے ہیں اسی طرح یہ کافر بھی آخرۃ کی طرف سے مایوس ہیں۔ تم سورۃ الممتحنۃ۔ (تفسیر عثمانی)

یہودیوں کی مایوسی: قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ۔ اگر مغضوب علیہم سے یہی مراد ہوں تو یہودیوں کا آخرت کی بہبودی سے مایوس ہونا اس بناء پر ہے کہ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی برحق صاحب معجزات ہونے کے منکر تھے حالانکہ توریت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت موجود تھی مگر شیطان کے زیر تسلط آ کر محض حسد و عناد کی وجہ سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرتے تھے۔ اور ان تمام باتوں کو جانتے بھی تھے مگر بدبختی ان پر غالب تھی دانستہ دشمنی اور حسد کرتے تھے اسی وجہ سے آخرت کی فلاح و بہبود سے ناامید ہو گئے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ آخرت کے ثواب میں ہمارا کوئی حصہ نہیں۔

اگر عام کفار مراد ہوں تو چونکہ ان کا آخرت پر اور آخرت کے ثواب اور عذاب پر ایمان ہی نہ تھا اس لئے نہ عذاب آخرت سے ڈرتے تھے نہ ثواب آخرت کے امیدوار۔

كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ۔ یعنی کفار جس طرح قبروں کے مردوں کے دوبارہ اٹھائے جانے یا ان کے ثواب پانے کی امید نہیں رکھتے۔ اگر قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ سے مراد عام کفار ہوں تو پھر دوبارہ صراحت کے ساتھ لفظ کفار کا استعمال یہ بات بتا رہا ہے کہ کفر ہی نے ان کو مایوس بنا رکھا ہے۔ اس تفسیر میں من اصحاب القبور کا تعلق یئس سے ہوگا اور ظرف لغو ہوگا۔

بعض کے نزدیک ظرف مستقر ہے اور من اصحاب القبور الکفار کا بیان ہے اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح قبروں میں دفن ہونے والے مردے کافر ثواب آخرت سے مایوس ہیں اسی طرح یہودی بھی فلاح آخرت سے نراس ہیں۔ کذا قال مجاہد و سعید بن جبیر۔ (تفسیر مظہری)

الحمد للہ سورۃ ممتحنہ ختم ہوئی

خواب میں اس کو پڑھنے والا شہید مرے گا۔ (ابن سیرین)

سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۂ صف مدینہ میں نازل ہوئی اس کی چودہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور

فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

جو کچھ ہے زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمت والا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ

اے ایمان والو کیوں کہتے ہو منہ سے

مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ② كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ

جو نہیں کرتے بڑی بیزاری کی بات ہے

اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③

اللہ کے یہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ

اللہ چاہتا ہے اُن لوگوں کو جو لڑتے ہیں

فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ

اُس کی راہ میں قطار باندھ کر گویا وہ دیوار ہیں

مَّرْصُوْصٌ ④

سیسہ پلائی ہوئی ☆

دعویٰ کرنے سے بچو ☆ بندہ کو لاف زنی اور دعوے کی بات سے ڈرنا چاہیے کہ پیچھے مشکل پڑتی ہے۔ زبان سے ایک بات کہہ دینا آسان ہے لیکن اس کا نباہنا آسان نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس شخص سے سخت ناراض اور بیزار ہوتا ہے جو زبان سے کہے بہت کچھ اور کرے کچھ نہیں۔ روایات میں ہے کہ ایک جگہ مسلمان جمع تھے کہنے لگے ہم کو اگر معلوم ہو جائے کہ کونسا کام اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے تو وہی اختیار کریں۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں یعنی دیکھو! سنبھل کر کہو۔ لو ہم بتلائے دیتے ہیں کہ اللہ کو سب سے زیادہ ان لوگوں سے محبت ہے جو اللہ کی راہ میں اس کے دشمنوں کے مقابلہ پر ایک آہنی دیوار کی طرح ڈٹ جاتے ہیں اور میدان جنگ میں اس شان سے صف آرائی کرتے ہیں کہ گویا وہ سب مل کر ایک مضبوط دیوار ہیں جس میں سیسہ پلا دیا گیا ہے۔ اور جس میں کسی جگہ کوئی رخنہ نہیں پڑ سکتا۔ اب اس معیار پر اپنے کو پرکھ لو بیشک تم میں بہت ایسے ہیں جو اس معیار پر کامل و اکمل اتر چکے ہیں مگر بعض مواقع ایسے بھی نکلیں گے جہاں بعضوں کے زبانی دعوؤں کی ان کے عمل نے تکذیب کی ہے آخر جنگ احد میں وہ بنیان مرصوص کہاں قائم رہی اور جس وقت حکم قتال اترا تو یقیناً بعض نے یہ بھی کہا "رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَا" الخ (نساء۔ رکوع ۱۱) بہرحال زبان سے زیادہ دعوے مت کرو بلکہ خدا کی راہ میں قربانی پیش کرو جس سے اعلیٰ کامیابی نصیب ہو۔ موسیٰ کی قوم کو نہیں دیکھتے کہ زبان سے تعلّی و تفاخر کی باتیں بڑھ چڑھ کر بناتے تھے۔ لیکن عمل کے میدان میں صفر تھا جہاں کوئی موقع کام کا آیا فوراً پھسل گئے اور نہایت تکلیف دہ باتیں کرنے لگے نتیجہ جو کچھ ہوا اس کو آگے بیان فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: ابن جریر نے ابو صالح کی روایت سے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں نے کہا تھا اگر ہم کو علم ہو جاتا کہ کونسا عمل اللہ کو زیادہ پیارا اور افضل ہے تو ہم اسی کو کرتے اس پر آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ الخ نازل ہوئی مگر (کچھ) مسلمانوں پر جہاد شاق گذرا اس پر آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ نازل ہوئی ابن جریر نے بطریق علی حضرت ابن عباسؓ کا بیان بھی اس طرح نقل کیا ہے۔

ابن ابی حاتم نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس کا قول اور ابن جریر نے ضحاک کا بیان نقل کیا ہے کہ آیت لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ اس شخص کے متعلق نازل ہوئی جو جہاد میں نہ تلوار کا استعمال کرتا ہے نہ برچھے کا نہ (دشمن کو) قتل کرتا ہے ابن ابی حاتم نے مقاتل کا قول نقل کیا ہے کہ احد کی لڑائی میں جو لوگ پشت پھیر کر بھاگ گئے تھے ان کے متعلق اس آیت کا نزول ہوا۔

محمد بن کعب نے کہا کہ شرکاء بدر کے ثواب کا بیان جب اللہ نے بیان فرمایا تو صحابہ کہنے لگے اگر آئندہ کبھی لڑائی کا موقع ملا تو ہم اپنی ساری طاقت لگا دیں گے لیکن جب احد کی لڑائی ہوئی تو یہ حضرات بھاگ کھڑے ہوئے اللہ نے ان کو عار دلانے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔ ابن زید کا قول ہے کہ یہ آیت منافقوں کے حق میں نازل ہوئی جو مسلمانوں کی مدد کرنے کا وعدہ

کرتے تھے مگر جھوٹے (وعدہ کو پورا نہیں کرتے تھے)

مَقْتًا ـ سخت ترین غصہ۔ یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ ان کا قول اللہ کو اتنا سخت ناپسند اور موجب ناراضی تھا کہ ہر ناپسندیدہ قول سے بڑھ کر تھا۔ یہ پرزور باز داشت ہے اس امر سے کہ ایسی بات کہیں جو کریں نہیں۔ اور وعدہ تو کرلیں مگر پورا نہ کریں۔

صَفًّا ـ یعنی لڑائی میں اپنی جگہ سے ہلتے نہیں جمے رہتے ہیں۔

مَّرْصُوْصٌ ـ یعنی ایسی صف بندی کرتے ہیں کہ بیچ میں شگاف نہیں چھوڑتے اور بھاگنے کے لئے حرکت بھی نہیں کرتے رص کا معنی ہے کسی عمارت یا دیوار کا مضبوط ہونا اور اس کے اجزاء کا باہم اتنا پیوستہ ہو جانا (ٹھس جانا) کہ خلا بالکل نہ رہے۔

جہاد فی سبیل اللہ بارگاہِ خداوندی میں محبوب ترین عمل

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ ـ آیۂ مبارکہ حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں جہاد فی سبیل اللہ کا محبوب ترین عمل بیان کر رہی ہے اور ظاہر ہے کہ جب یہ عمل اللہ کو محبوب ہے تو مجاہدین بھی یقیناً اس کی نظروں میں محبوب ترین بندے ہوں گے اسی کو یہ الفاظ واضح کر رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں کو بڑی ہی محبت اور پیار کی نظر سے دیکھتا ہے ایک وہ جو رات کو بیدار ہو کر نماز میں مشغول ہو جائے۔ دوسری وہ قوم جو جماعت میں نماز کے لئے صف بستہ ہیں تیسری وہ جماعت مجاہدین جو میدان جہاد میں کافروں سے قتال کے لئے صف بستہ ہے۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت خود اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اس طرح بیان فرماتا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے بندۂ متوکل ہیں پسندیدہ و برگزیدہ جو نہ سخت دل ہیں نہ بدمزاج۔ اور نہ بازاروں میں شور و شغب کرنے والے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں بلکہ درگزر اور معاف کرتے ہیں جن کا مولد (جائے پیدائش) مکہ ہے اور انکی ہجرت کی جگہ طیبہ (مدینہ) ہے اور انکا ملک سلطنت شام ہوگا۔ انکی امت حماد ہوگی۔ جو ہر جگہ اور ہر حال میں اللہ کی حمد و ثنا کرتی ہوگی۔ انکی سحر کے وقت خشیۂ خداوندی سے فضا میں ایک آواز ہوگی جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز ہو جو اپنے اطراف اعضاء دھوتے ہوں گے (یعنی وضو) اور نصف پنڈلیوں پر اپنی ازار باندھتے ہوں گے اور اس کے بعد یہ آیت تلاوت کی۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا الخ۔ اس عمل کی محبوبیت کا تو یہ مقام ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے۔ وَدِدتُّ اَنِّی اُقْتَلُ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ۔ (معارف کاندھلوی)

صحابہ کرام کا مذاکرہ: صحابۂ کرام کی ایک جماعت نے آپس میں یہ مذاکرہ کیا کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کونسا ہے تو ہم اس پر عمل کریں، بغوی نے اس میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ ان حضرات میں سے بعض نے کچھ ایسے الفاظ بھی کہے کہ اگر ہمیں اَحبّ الاعمال عند اللہ معلوم ہو جائے تو ہم اپنی جان و مال سب اُن کے لئے قربان کر دیں (مظہری)

ابن کثیر نے بحوالہ مسند احمد روایت کیا ہے کہ ان چند حضرات نے آپس میں جمع ہو کر یہ مذاکرہ کیا اور چاہا کہ کوئی صاحب جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا سوال کرے، مگر کسی کی ہمت نہ ہوئی ابھی یہ لوگ اس حالت پر تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب لوگوں کو نام بنام اپنے اپنے پاس بلایا (جس سے معلوم ہوا کہ آپ کو بذریعہ وحی ان کا اجتماع اور ان کی گفتگو معلوم ہو گئی تھی) جب یہ سب لوگ حاضر خدمت ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری سورۂ صف پڑھ کر سنائی جو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔

اس سورۃ نے یہ بھی بتلا دیا کہ اَحبّ الاعمال جس کی تلاش میں یہ حضرات تھے وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

وعظ و نصیحت ترک نہ کرو: یہ نہیں فرمایا کہ جب خود نہیں کرتے تو دوسروں کو کہنا بھی چھوڑ دو؛ اس سے معلوم ہوا کہ جس نیک کام کے خود کرنے کی ہمت و توفیق نہیں ہے اس کی طرف دوسروں کو بلانے اور نصیحت کرنے کا سلسلہ نہ چھوڑے، امید ہے کہ اس وعظ و نصیحت کی برکت سے کسی وقت اُس کو بھی عمل کی توفیق ہو جاوے جیسا کہ بکثرت تجربہ و مشاہدہ میں آیا ہے۔ البتہ اگر وہ عمل واجب یا سنت مؤکدہ کے درجہ میں ہو تو آیات مذکورہ پر نظر کر کے اپنے نفس میں نادم و شرمندہ ہونے کا سلسلہ جاری رکھنا بھی واجب ہے، اور اگر مستحبات کے متعلق ہے تو یہ سلسلہ ندامت بھی مستحب ہے۔

محبوب ترین عمل: اگلی آیات میں اُس اصل معاملہ کا ذکر ہے جو اس سورت کے نزول کا سبب بنا، یعنی اس کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کونسا عمل زیادہ محبوب ہے، اس کے متعلق ارشاد فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ـ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب وہ صف قتال ہے جو اللہ کے دشمنوں کے مقابلہ میں اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے قائم ہو اور مجاہدین کے عزم و ہمت کی وجہ سے ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ہو کہ اُن کے قدموں میں کوئی تزلزل نہ آنے پائے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ
اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اے قوم میری

لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ

کیوں ستاتے ہو مجھ کو اور تم کو معلوم ہے کہ میں

رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ

اللہ کا بھیجا آیا ہوں تمہارے پاس ☆

قوم موسیٰ کی جفا کاریاں ☆ یعنی روشن دلائل اور کھلے کھلے معجزات دیکھ کر تم دل میں یقین رکھتے ہو کہ میں اللہ کا سچا پیغمبر ہوں۔ پھر سخت نازیبا اور رنجدہ حرکتیں کر کے مجھے کیوں ستاتے ہو۔ یہ معاملہ تو کسی معمولی ناصح اور خیر خواہ کے ساتھ بھی نہ ہونا چاہیے۔ چہ جائیکہ ایک اللہ کے رسول کے ساتھ ایسا برتاؤ کرو۔ کیا میرے دل کو تمہاری ان گستاخانہ حرکات سے دکھ نہیں پہنچتا کہ کبھی بے جان بچھڑا بنا کر پوجنے لگے اور اس کو اپنا اور موسیٰ کا خدا بتلانے لگے کبھی "عمالقہ" پر جہاد کرنے کا حکم ہوا تو کہنے لگے ہم تو کبھی نہیں جائیں گے۔ تم اور تمہارا خدا جا کر لڑلو۔ ہم یہاں بیٹھے ہیں وغیر ذلک من الخرافات۔ چنانچہ اسی سے تنگ ہو کر حضرت موسیٰ نے فرمایا" رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ ۔ یعنی میرے معجزات کو تم نے دیکھا اور دیکھ رہے ہو فرعون سے جو تم کو سخت دکھ اور عذاب دیتا تھا میں نے تم کو بچایا اور یہ سمندر پار کرایا۔ پس جب تم جانتے ہو کہ میں رسول ہوں تو پھر مجھے ایذا کیوں دیتے ہو نبوت کا تو تقاضا ہے کہ نبی کی تعظیم کی جائے اور اس کو دکھ نہ دیا جائے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ

پھر جب وہ پھر گئے تو پھیر دیئے اللہ نے اُن کے دل اور اللہ

لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝۵

راہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو ☆

بدکرداری کا انجام ☆ بدی کرتے کرتے قاعدہ ہے کہ دل سخت اور سیاہ ہوتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ نیکی کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ یہی حال ان کا ہوا۔ جب ہر بات میں رسولؐ سے ضد ہی کرتے رہے اور برابر ٹیڑھی چال چلتے رہے، تو آخر مردود ہوئے۔ اور اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا کہ سیدھی بات قبول کرنے کی صلاحیت نہ رہی۔ ایسے ضدی نافرمانوں کے ساتھ اللہ کی یہی عادت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّا زَاغُوْۤا ۔ یعنی جب وہ حق سے مڑ گئے اور موسیٰ کو ایذاء دینے سے باز نہیں آئے تو اس نے بھی انکے دلوں کو قبول حق سے پھیر دیا۔

لَا یَهْدِیْ ۔ یعنی ایسی ہدایت کی توفیق نہیں دیتا کہ وہ حق کو پہچانیں یا جنت تک پہنچ جائیں۔ زجاج نے لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۔ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جن لوگوں کا فاسق رہنا پہلے سے اللہ کے علم ازلی میں ہے ان کو ہدایت نہیں کرتا۔ (تفسیر مظہری)

وَ اِذْ قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْۤ

جب کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے اے بنی

اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ

اسرائیل میں بھیجا ہوا آیا ہوں اللہ کا تمہارے پاس

مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ

یقین کرنیوالا اُس پر جو مجھ سے آگے ہیں

التَّوْرٰىةِ

توریت ☆

حضرت عیسیٰ کا بنی اسرائیل سے خطاب

☆ یعنی اصل تورات کے من اللہ ہونے کی تصدیق کرتا ہوں اور اس کے احکام واخبار پر یقین رکھتا ہوں اور جو کچھ میری تعلیم ہے فی الحقیقت ان ہی اصول کے ماتحت ہے جو تورات میں بتلائے گئے تھے۔ (تنبیہ) ابن کثیر وغیرہ نے "مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ " الخ کا مطلب یہ لیا ہے کہ میرا وجود تورات کی باتوں کی تصدیق کرتا ہے کیونکہ میں ان چیزوں کا مصداق بن کر آیا ہوں جن کی خبر تورات شریف میں دی گئی تھی۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب کہ عیسیٰؑ ابن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا (رسول) آیا ہوں کہ مجھ سے پہلے جو توریت آچکی ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور ایک عالیقدر رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا جب عیسیٰ (اپنی رسالت کو ثابت کرنے کے لئے) ان کے سامنے کھلی نشانیاں (یعنی معجزات) لائے تو انہوں نے کہا یہ تو صریح جادو ہے۔

نکتہ: یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ حضرت عیسیٰؑ نے یا بنی اسرائیل فرمایا حضرت موسیٰ کی طرح یا قوم نہیں فرمایا کیوں کہ بنی اسرائیل سے آپ کا کوئی نسبی تعلق نہیں تھا (نسب باپ سے چلتا ہے اور حضرت عیسیٰ کا کوئی باپ نہ تھا) بَیْنَ یَدَیَّ یعنی مجھ سے پہلے۔ (تفسیر مظہری)

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ

اور خوشخبری سنانے والا ایک رسول کی جو آئے گا

بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ

میرے بعد اُس کا نام ہے احمد☆

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دینا

☆یعنی پچھلے کی تصدیق کرتا ہوں اور اگلے کی بشارت سناتا ہوں۔ یوں تو دوسرے انبیاء سابقین بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم) کی تشریف آوری کا مژدہ برابر سناتے آئے ہیں۔ لیکن جس صراحت و وضاحت اور اہتمام کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوشخبری دی وہ کسی اور سے منقول نہیں۔ شاید قرب عہد کی بناء پر یہ خصوصیت ان کے حصہ میں آئی ہوگی۔ کیونکہ ان کے بعد نبی آخرالزماں کے سوا کوئی دوسرا نبی آنے والا نہ تھا۔ یہ سچ ہے کہ یہود و نصاریٰ کی مجرمانہ غفلت اور معتمدانہ دستبرد نے آج دنیا کے ہاتھوں میں اصل تورات و انجیل وغیرہ کا کوئی صحیح نسخہ باقی نہیں چھوڑا جس سے ہم کو ٹھیک پتہ لگ سکتا کہ انبیاء سابقین خصوصاً مسیح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کن الفاظ میں اور کس عنوان سے بشارت دی تھی اور اسی لئے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ قرآن کریم کے صاف و صریح بیان کو اس تحریف شدہ بائبل میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے جھٹلانے لگے۔ تاہم یہ بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ نے محرفین کو اس قدر قدرت نہیں دی کہ وہ اس کے آخری پیغمبر کے متعلق تمام پیشینگوئیوں کو بالکلیہ محو کر دیں کہ ان کا کچھ نشان باقی نہ رہے۔ موجودہ بائبل میں بھی بیسیوں مواضع ہیں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر قریب تصریح کے موجود ہے اور عقل و انصاف والوں کے لئے اس میں تاویل و انکار کی قطعاً گنجائش نہیں اور انجیل یوحنا میں تو فارقلیط (یا پیرکلوطوس) والی بشارت اتنی صاف ہے کہ اس کا بے تکلف مطلب بجز احمد (بمعنی محمود وستودہ) کے کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ بعض علماء اہل کتاب کو بھی ناگزیر اس کا اعتراف یا نیم اقرار کرنا پڑا ہے کہ اس پیشین گوئی کا انطباق پوری طرح نہ روح القدس پر اور نہ بجز سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور پر ہو سکتا ہے۔ علماء اسلام نے بحمد اللہ بشارات پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اور تفسیر حقانی کے مؤلف فاضل نے "فارقلیط والی بشارت" اور تحریف بائبل پر سورۃ "صف" کی تفسیر میں نہایت مشبع بحث کی ہے اللہ جزائے خیر دے۔ (تفسیر عثمانی)

اِسْمُهٗٓ اَحْمَدُ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا نام احمد تھا (پہلا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھا) احمد بروزن اَفْعَل اسم تفضیل کا صیغہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حامد (اللہ کی حمد کرنے والے) بھی اور محمود بھی انبیاء سب ہی اللہ کی حمد کرتے ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے حامد تھے۔ تمام انبیاء خصائل حمیدہ کے حامل ہوتے ہیں اس لئے سب محمود ہوتے ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات اور سارے انبیاء سے بڑھ کر محمود تھے کیوں کہ آپ کے فضائل و محاسن اور اخلاق ومناقب سب سے اعلیٰ اور افضل تھے اس لئے آپ سب سے زیادہ مستحق محمودیت ہوئے اور آپ کا نام محمد (بہت زیادہ محمود ہوا) حضرت مجدد صاحب نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو قسم کی ولایت حاصل تھی اول ولایت محمد یہ یعنی محبوبیت جو محبت کے ساتھ مخلوط ہے دوسری ولایت احمد یہ یہ خالص محبوبیت کا مقام ہے۔ اس بناء پر احمد کو محمودیت سے مشتق مانا جائے تو اولیٰ ہے (اسم تفضیل کا صیغہ کبھی کثرت فاعلی پر دلالت کرتا ہے کبھی کثرت مفعولی پر احمد کے لفظ میں اگر کثرت مفعولی یعنی کثرت محمودیت مانی جائے تو اولیٰ ہے)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت
تمام انبیاء اور تمام کتابوں نے دی

حضرت عیسیٰؑ نے اپنی رسالت کے دعویٰ میں دوسرے انبیاء کی تصدیق کی کیوں کہ حق کی مطابقت و موافقت حق کے ساتھ ہوتی ہے اور تمام انبیاء باہم دوسرے کی رسالت کی شہادت دیتے ہیں توریت پہلی کتاب تھی جس کے موافق انبیاء باہم دوسرے کی رسالت کی شہادت دیتے ہیں توریت پہلی کتاب تھی جس کے موافق انبیاء حکم دیا کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ نے اس کی تصدیق کی اور خاتم المرسلین سید الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی بشارت دی آپ کی آمد کی بشارت تمام انبیاء نے اور توریت نے اور ساری آسمانی کتابوں نے دی تھی۔ (تفسیر مظہری)

بشارت انجیل یوحنا

حضرت مولانا عبدالحق دہلوی نے انجیل یوحنا باب ۱۴ کی یہ مشہور بشارت انجیل یوحنا کی اس عربی نسخہ سے نقل کی ہے جو لندن میں ۱۸۳۱ء اور ۱۸۳۳ء میں طبع کیا۔

باب نمبر ۱۴ از آیت نمبر ۱۵۔ اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے۔ (۱۶) اور میں باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں فارقلیط دے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا (یعنی روح حق جسے دنیا حاصل نہیں کرسکتی) (۲۶) لیکن وہ فارقلیط (جو روح حق ہے) جسے باپ میرے نام بھیجے گا وہ تمہیں سب چیزیں سکھائے گا اور سب باتیں جو میں نے تم سے کہیں وہ یاد دلائے گا۔ (۲۹) اور اب میں نے تمہیں اس کے واقع ہونے سے پہلے کہا تا کہ جب وہ واقع ہو تو تم ایمان لاؤ (۳۰) بعد اس کے میں تم

سے بہت کلام نہ کروں گا اس لئے کہ اس جہان کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اسکی کوئی بات نہیں''۔

اور باب نمبر ۱۵۔ آیت ۲۷ میں ہے۔ جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا۔ (یعنی سچائی کی روح) تو وہ میری گواہی دے گا۔

اور باب نمبر ۱۶۔ آیت نمبر ۷ میں ہے۔ لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں تمہارے لئے میرا جانا۔ وہی فائدہ مند ہوگا۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ فارقلیط (مددگار) تمہارے پاس نہ آوے لیکن اگر میں جاؤں تو اس کو تمہارے پاس بھیج دوں گا (۸) وہ آ کر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت سے قصور وار ٹھہرائے گا۔ (۹) گناہ کے بارے میں اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے (۱۰) راستبازی کے بارے میں اس لئے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم پھر مجھے نہ دیکھو گے (۱۱) اور عدالت پر اس لئے کہ اس جہان کے سردار پر حکم کیا گیا ہے۔ (۱۲) میری اور بہت سی باتیں ہیں جن کو تم سے (اب) کہوں پر تم ان کو اب برداشت نہ کر سکو گے (۱۳) لیکن جب وہ روح حق آئے گا تو تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور وہ تمہیں آئندہ کی خبریں اور میری بزرگی اور جلال کو ظاہر کرے گا۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے جو آپ کا حواری یوحنا نقل کر رہا ہے۔

عیسائی فارقلیط کے منتظر رہے: حضرت عیسیٰؑ کے رفع الی السماء کے بعد سے علماء نصاریٰ فارقلیط کے منتظر رہے اور یہ سمجھتے تھے کہ کوئی عظیم الشان نبی مبعوث ہوگا چنانچہ منتس عیسائی نے دوسری صدی عیسوی میں یہ دعویٰ کیا کہ میں وہی فارقلیط ہوں کہ جس کی حضرت مسیح نے خبر دی بہت سے لوگ اس پر ایمان لے آئے جس کا مفصل تذکرہ ولیم میور مسیحی نے اپنی تاریخ کے تیسرے باب میں لکھا ہے اور یہ کتاب ۱۹۴۸ء میں طبع ہوئی معلوم ہوا کہ علماء یہود و نصاریٰ یہی سمجھتے تھے کہ فارقلیط سے کوئی انسان مراد ہے نہ کہ روح القدس۔

نجاشی کا ایمان: اور لب التواریخ کا مصنف جو کہ ایک مسیحی عالم ہے لکھتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل یہود و نصاریٰ ایک نبی کے منتظر تھے اور اسی وجہ سے نجاشیؒ شاہ حبشہ جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال سن کر ایمان لایا اور کہا بلاشک یہی وہ نبی ہیں جن کی حضرت مسیح نے انجیل میں خبر دی حالانکہ نجاشیؒ انجیل کا عالم ہونے کے علاوہ بادشاہ بھی تھا کسی قسم کا اس کو خوف وخطر بھی نہ تھا۔

مقوقس کا خط: اور مقوقس شاہ قبط نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والا نامہ کے جواب میں لکھا۔

سلام علیکم. امّا بعد فقد قرأت کتابک وَفهمت ما ذکرت فیه وَما تدعوا الیه وقد علمت ان نبینا قدبقی وقد کنت اظن انّهٔ یخرج بالشام وَقدْ اکرمت رسولک.

سلام ہو آپ پر اَمّا بعد! میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم والا نامہ کو پڑھا اور جو کچھ آپ نے اس میں ذکر فرمایا اور جس کی طرف دعوت دی اس کو سمجھا۔ مجھ کو خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ اب صرف ایک نبی باقی رہ گیا ہے میرا گمان یہ تھا کہ وہ نبی شام میں ظاہر ہوگا اور میں نے آپ کے قاصد کا اکرام کیا۔

مقوقس اگرچہ اسلام نہ لایا مگر اتنا ضرور اقرار کیا کہ ایک نبی کا آنا باقی رہ گیا ہے۔

جارود بن علاء کی گواہی: جارود بن علاء جو اپنی قوم میں بہت بڑے عالم تھے جب اپنی قوم کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے تو یہ کہا۔

واللہ لقد جئت بالحق ونطقت بالصدق لقد وجدت وَصفک فی الانجیل وبشربک ابن البتول. فطول التحیة لک والشکر لمن اکرمک لا اثر بعد عین وَلَا شکَ بعد یقین مُدّیدکَ اَشْهَدُ ان لَا اِلٰهَ اِلّا اللّٰه وَاَنّکَ محمد رَسُوْلُ اللّٰه.

خدا کی قسم آپ حق لے کر آئے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا البتہ تحقیق میں نے آپ کی صفت انجیل میں پائی ہے اور مسیح بن مریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی ہے۔ آپ کے لئے طویل وعریض تحیہ تکریم پیش کرتا ہوں اور شکر ہے اس کے لئے جو آپ کا اکرام کرے ذات کے بعد نشان کی اور یقین کے بعد شک کی ضرورت نہیں اور یقیناً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ہرقل اور دیگر اہل علم کی گواہیاں: اور علی ھذا ہرقل شاہ روم اور دوسرے ذی شوکت علماء تورات وانجیل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا اقرار کیا جس سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام انجیل میں لکھا ہوا تھا۔ جس کو دیکھ کر لوگ آپ پر ایمان لائے اور آپ کی آمد سے پہلے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منتظر تھے جن کو خدائے تعالیٰ نے توفیق بخشی اور کسی دنیوی طمع نے انکو نہ گھیرا وہ اس دولت سے متمتع ہوئے۔

انجیل مقدس اور حضرت مسیح پر ایمان

غرض انجیل یوحنا کی یہ آیت اپنے مجموعی مضمون اور تمام الفاظ وکلمات سے نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ونبوت کی بشارت سُنا رہی ہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام اپنے حواریین کو نہایت وضاحت کے ساتھ فرما رہے ہیں کہ میں نے تمہیں اس کے واقع ہونے سے پیشتر کہا تاکہ جب وہ واقع ہو تو ایمان لاؤ۔

اس بناء پر ہر اس شخص پر جو انجیل مقدس کو مانتا ہو اور حضرت مسیح پر ایمان رکھتا ہو۔ لازم ہے کہ وہ حضرت مسیح کے اس فرمان کی تعمیل کرے۔

کیا کسی کا یہ دعویٰ قابل قبول ہو سکتا ہے کہ وہ حضرت مسیح پر ایمان رکھتا ہے اور حال یہ کہ وہ ان کے صریح حکم کے خلاف ورزی کرتے ہوئے نبی مبشر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے انکار کردے۔ ایسی صورت میں عقلاً یہ کہا جائے گا یہ شخص خود حضرت مسیح علیہ السلام کا منکر اور کافر ہے۔

لہٰذا جو شخص بھی نصاریٰ میں سے یہ چاہتا ہے کہ وہ حضرت مسیح پر ایمان قائم رکھے اس کے واسطے اس کے سواء کوئی راستہ نہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ورنہ اس یہودی کو جو عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ رکھتا ہو ایسے عیسائی سے کوئی امتیاز نہ ہوگا جو محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر ایمان لانے سے انکار کرے۔ انجیل برنابا میں تو یہ بشارت اس سے بھی زائد وضاحت واہتمام سے ہے آپ کے اسم مبارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور احمد کی تصریح کے ساتھ مذکور ہے۔

برناباس بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے ایک حواری ہیں جس طرح ان کے حواری یوحنا، متی لوقا اور مرقس اپنی اپنی انجیلوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام اور اس کے احوال نقل کرتے ہیں اسی طرح برناباس نے بھی اپنی انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال کو جمع کیا ہے عیسائیوں کا اس انجیل کے الہامی ہونے سے انکار کرنا ایک بے معنی چیز ہے اس لئے کہ یہ انجیل قدیم انجیلوں میں سے ہے اس کا تذکرہ دوسری تیسری صدی عیسوی کی کتابوں میں ملتا ہے۔

اظہار الحق میں ہے کہ اگر لوگ یہ اعتراض کریں کہ اس انجیل کو علماء نصاریٰ نے رد کیا ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ اس رد کا کوئی اعتبار نہیں اس لئے کہ یہ انجیل قدیم انجیلوں میں سے ہے اس کا تذکرہ دوسری اور تیسری صدی عیسوی کی کتابوں میں ہے پس اس بناء پر کہ یہ انجیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے دوسو سال قبل لکھی گئی ہے اور اس جیسے عظیم الشان امر کی بدون الہام کے خبر دینا اہل فہم کے نزدیک ناممکن ہے۔

مہر نبوت کی نشانی: فاضل حیدر علی قرشی نے اپنی کتاب خلاصہ سیف المسلمین جو اردو زبان میں ہے میں لکھا ہے کہ پادری اور سکان ارمنی نے صحیفہ یسعیاء علیہ السلام کا ارمنی زبان میں ۱۶۶۶ء میں ترجمہ کیا جو ۱۷۳۳ء میں طبع ہوا اس میں صحیفۂ یسعیاء علیہ السلام کے بیالیسویں باب میں یہ فقرہ موجود ہے ''اللہ کی تسبیح پڑھو اس آنیوالے پیغمبر کی سلطنت کا نشان اس کی پشت پر ہوگا (یعنی مہر نبوت) اور اس کا نام احمد ہوگا''۔ انتہیٰ۔ اور یہ ترجمہ آرمینیوں کے پاس موجود ہے اس میں دیکھ لیا جائے۔

ان کے علاوہ انجیل مقدس کی اور بھی بشارتیں ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ونبوت کا مژدہ خوشخبری ہیں ملاحظہ فرمائیں بشائر النبیین مصنفہ حضرت علاّمہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی قدس اللہ سرہٗ العزیز۔۱۲۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے یاروں نے بڑی محنتیں کیں تب ان کا دین نشر ہوا ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ان کے خلفاء نے اس سے زیادہ کیا''۔ والحمد للہ علی ذالک اور اتنا کیا کہ تاریخ عالم اس پر حیران ہے۔ ان کی مدد۔ انکا اخلاص اور اللہ کی راہ میں قربانیاں تاریخ عالم میں اپنی مثال نہیں رکھتیں''۔

جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے صرف چند نام ہی ملتے ہیں اور انکی قربانیوں یا اخلاص و ہمدردی کا کوئی خاص کارنامہ بھی دنیا نے نہیں دیکھا بلکہ حضرت مسیح کے آسمان پر اُٹھا لئے جانے کے بعد ان کے متبعین دو فرقوں میں بٹ گئے ایک ایمان پر قائم رہا اور دوسرے نے انکار کر دیا اور جو ایمان پر قائم رہے وہ بھی آپس میں دست وگریباں ہوتے رہے حضرت مسیح کے مخلص نام لیوا نصاریٰ یہود پر غالب رہے اور نصاریٰ کی عام گمراہی کے بعد بچے کھچے افراد صحیح عقیدہ پر قائم رہ گئے تھے ان کو حق تعالیٰ نے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دوسروں پر غلبہ عنایت فرمایا۔ حجت و برہان کے اعتبار سے بھی اور قوت وسلطنت کی حیثیت سے بھی۔ فللّٰہ الحمد والمنہ۔ (معارف کاندھلوی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کی مختلف روایتیں

خازن میں بروایۃ ابوداؤد نجاشیؓ بادشاہ حبشہ کا جو کہ نصاریٰ کے عالم بھی تھے۔ یہ قول آیا ہے کہ واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں جن کی بشارت عیسیٰ نے دی تھی۔ اور خازن ہی میں ترمذی سے عبداللہ بن سلام کا قول جو کہ علماء یہود میں سے تھے آیا ہے کہ توراۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت لکھی ہے اور یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدفون ہوں گے اور چونکہ عیسیٰ علیہ السلام توراۃ کے مبلغ تھے۔ اس لئے تورات میں اس بشارت کا ہونا نیز عیسیٰ علیہ السلام سے منقول کہا جاوے گا۔ اور مولانا رحمت اللہ صاحب نے اظہار الحق میں خود توراۃ کے موجودہ نسخوں سے متعدد بشارتیں نقل کی ہیں جلد دوم صفحہ ۱۶۴ مطبوعہ قسطنطنیہ اور ان مضامین کا اناجیل موجودہ میں نہ ہونا اس لئے مضر نہیں کہ حسب تحقیق علماء محققین اناجیل کے نسخے محفوظ نہیں رہے۔ مگر تاہم جو کچھ موجود ہیں ان میں بھی اس قسم کا مضمون موجود ہے چنانچہ یوحنا کی انجیل مترجمہ عربی مطبوعہ لندن ۱۸۳۱ء و ۱۸۳۳ء کے چودھویں

باب میں ہے کہ تمہارے لئے میرا جانا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط تمہارے پاس نہ آوے پس اگر میں جاؤں تو اس کو تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ فارقلیط ترجمہ احمد کا ہے۔ اہل کتاب کی عادت ہے کہ وہ ناموں کا بھی ترجمہ کر دیتے ہیں۔ عیسیٰ نے عبرانی میں احمد فرمایا تھا۔ جب یونانی میں ترجمہ ہوا تو پیر کلوطوس لکھ دیا۔ جس کے معنی ہیں احمد یعنی بہت سراہا گیا۔ بہت حمد کرنے والا۔ پھر جب یونانی سے عبرانی میں ترجمہ کیا تو اس کو فارقلیط کر دیا۔ اور بعض عبرانی نسخوں میں اب تک نام مبارک احمد موجود ہے۔ دیکھو پادری پارکہرست کی یہ عبارت دباد حمدہ ظل ہکوتیم از حمایت الاسلام مطبوعہ بریلی ۱۸۷۳ء ص ۸۲۸۱ ترجمہ اپالوجی گاڈ فری ہینکنس مطبوعہ لندن ۱۸۲۹ء اور اس فارقلیط کی نسبت اس انجیل یوحنا میں یہ الفاظ ہیں۔ ''وہ تمہیں سب چیزیں سکھا دے گا''۔ ''اس جہان کا سردار آتا ہے''۔ وہ آ کر دنیا کو گناہ پر اور راستی اور عدالت (کے خلاف) پر سزا دے گا''۔ ''یہ ہیں وہ الفاظ جو نبی مستقل ہونے پر دال ہیں۔ اور پوری بحث اس مقام کی تفسیر حقانی میں ہے۔ اس کا ایک شمہ نقل کیا گیا ہے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

تمام انبیاء سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اقرار لیا گیا

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کوئی نبی اللہ تعالیٰ نے ایسا مبعوث نہیں فرمایا جس سے یہ اقرار نہ لیا ہو کہ ان کی زندگی میں اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کئے جائیں تو وہ آپ کی تابعداری کرے بلکہ ہر نبی سے یہ وعدہ بھی لیا جاتا رہا کہ وہ اپنی اپنی امت سے بھی یہ عہد لے لیں۔ ایک مرتبہ صحابہؓ نے دریافت کیا کہ حضور آپ ہمیں اپنی خبر سنائیے! آپ نے فرمایا میں اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰؑ کی خوشخبری ہوں میری والدہ کا جب پاؤں بھاری ہوا تو خواب میں دیکھا کہ گویا ان میں سے ایک نور نکلا ہے جس سے شام کے شہر بصریٰ کے محلات چمک اُٹھے۔ (ابن اسحاق) اس کی سند عمدہ ہے۔ اور دوسری سندوں سے اس کے شواہد بھی ہیں۔ مسند احمد میں ہے میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین تھا دراں حالیکہ حضرت آدم اپنی مٹھی میں گندھے ہوئے تھے۔ میں تمہیں اس کی ابتدا سناؤں۔ میں اپنے والد حضرت ابراہیمؑ کی دعا حضرت عیسیٰؑ کی بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں' انبیاء کی والدہ کو اسی طرح خواب دکھائے جاتے ہیں۔ مسند احمد میں اور سند سے بھی اسی کے قریب روایت مروی ہے۔

نجاشی کے دربار میں: مسند کی اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نجاشی بادشاہ حبشہ کے ہاں بھیج دیا تھا ہم تقریباً اسی آدمی تھے۔ ہم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت جعفرؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ، حضرت عثمان ابن مظعونؓ، حضرت ابوموسیٰؓ وغیرہ بھی تھے۔ ہمارے یہاں پہنچنے پر قریش نے یہ خبر پا کر ہمارے پیچھے اپنی طرف سے بادشاہ کے پاس اپنے دو سفیر بھیجے عمرو بن عاص اور عمارہ بن ولید ان کے ساتھ دربار شاہی کے لئے تحفے بھی بھیجے۔ جب یہ آئے تو انہوں نے بادشاہ کے سامنے سجدہ کیا پھر دائیں بائیں گھوم کر بیٹھ گئے پھر اپنی درخواست پیش کی کہ ہمارے کنبے قبیلے کے چند لوگ ہمارے دین کو چھوڑ کر ہم سے بگڑ کر آپ کے ملک میں چلے آئے ہیں ہماری قوم نے ہمیں اس لئے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ آپ انہیں ہمارے حوالے کر دیجئے۔ نجاشی نے پوچھا وہ کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا یہیں اسی شہر میں ہیں۔ حکم دیا کہ انہیں حاضر کرو! چنانچہ یہ مسلمان صحابہؓ دربار میں آئے۔ ان کے خطیب اس وقت حضرت جعفرؓ تھے باقی لوگ ان کے ماتحت تھے۔ یہ جب آئے تو انہوں نے سلام تو کیا لیکن سجدہ نہیں کیا۔ درباریوں نے کہا تم بادشاہ کے سامنے سجدہ کیوں نہیں کرتے؟ جواب ملا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ نہیں کرتے۔ پوچھا گیا کیوں؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول ہماری طرف بھیجا اور اس رسول نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ نہ کریں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم نماز پڑھتے رہیں' زکوٰۃ ادا کرتے رہیں۔ اب عمرو بن عاص سے نہ رہا گیا کہ ایسا نہ ہو کہ ان باتوں کا اثر بادشاہ پر پڑے۔ درباریوں اور خود بادشاہ کو بھڑکانے کے لئے وہ بیچ میں بول پڑا کہ حضور ان کے اعتقاد حضرت عیسیٰ بن مریم کے بارے میں آپ لوگوں سے بالکل مخالف ہیں۔ اس پر بادشاہ نے پوچھا بتلاؤ تم حضرت عیسیٰ کے اور ان کی والدہ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہو۔ انہوں نے کہا ہمارا عقیدہ اس بارے میں وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ہمیں تعلیم فرمایا ہے کہ وہ کلمۃ اللہ ہیں روح اللہ ہیں جس روح کو اللہ تعالیٰ نے کنواری مریم بتول کی طرف القا کیا جو کنواری تھیں کسی انسان نے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا نہ انہیں بچہ ہونے کا کوئی موقعہ تھا۔ بادشاہ نے یہ سن کر زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا اے حبشہ کے لوگو! اور اے واعظو عالمو اور درویشو! ان کا اور ہمارا اس بارے میں ایک ہی عقیدہ ہے' خدا کی قسم اس کے اور ہمارے عقیدے میں اس تنکے جتنا بھی فرق نہیں۔ اے جماعت مہاجرین تمہیں مرحبا ہو اور اس رسول کو بھی مرحبا ہو جن کے پاس سے تم آئے ہو۔ میری گواہی ہے کہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ وہی ہیں جنکی پیش گوئی ہم نے انجیل میں پڑھی ہے اور یہ وہی ہیں جن کی بشارت ہمارے پیغمبر حضرت عیسیٰؑ نے دی ہے۔ میری طرف سے تمہیں عام اجازت ہے جہاں چاہو رہو سہو۔ خدا کی قسم اگر ملک کے اس جھنجھٹ سے میں آزاد ہوتا تو میں قطعاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ آپ کی جوتیاں اٹھاتا۔ آپ کی خدمت کرتا اور آپ کو وضو کراتا۔ اتنا کہہ کر حکم دیا کہ یہ دونوں قریشی جو تحفہ لے آئے ہیں وہ انہیں واپس کر دیا جائے۔ ان مہاجرین کرام میں سے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ تو جلد ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آملے جنگ بدر میں بھی آپ نے شرکت کی۔ اس شاہ حبشہؓ کے انتقال کی خبر بھی حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے اس کے لئے بخشش کی دعا مانگی۔ یہ پورا واقعہ حضرت جعفرؓ اور حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا

پھر جب آیا اُن کے پاس کھلی نشانیاں لے کر کہنے لگے

هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۞

یہ جادو ہے صریح ☆

لوگوں کا حق کو جھٹلانا ☆ یعنی حضرت مسیح کھلی نشانیاں لے کر آئے یا جن کی بشارت دی تھی حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کھلے نشان لے کر آئے تو لوگ اسے جادو بتلانے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

معجزات عیسوی ومحمدی علیہم السلام: فَلَمَّا جَآءَهُمْ الخ یعنی جب عیسیٰ نے کھلے کھلے معجزات پیش کئے مُردوں کو زندہ کیا مادرزاد اندھوں کو بینا کر دیا اور مبروص کو تندرست بنا دیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ضمیر راجع ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلے معجزات پیش کئے انگلی کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے سب سے بڑھ کر دوامی معجزہ قرآن مجید پیش کیا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى

اور اس سے زیادہ بے انصاف کون جو باندھے

اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى

اللہ پر جھوٹ اور اُس کو بلاتے ہیں

الْاِسْلَامِ ط

مسلمان ہونے کو ☆

سب سے بڑا ظلم ☆ یعنی جب مسلمان ہونے کو کہا جاتا ہے تو حق کو چھپا کر اور جھوٹی باتیں بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے انکار کر دیتے ہیں۔ وہ خدا کو بشر یا بشر کو خدا بنانے کا جھوٹ تو ایک طرف رہا' کتب سماویہ میں تحریف کر کے جو چیزیں واقعی موجود تھیں ان کا انکار کرتے اور جو نہیں تھیں ان کو درج کرتے ہیں اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

جھوٹ کے حیلے: افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ۔ دروغ بندی کرتا ہے یعنی اللہ کی طرف شرک کی یا صاحب اولاد ہونے کی نسبت کرتا ہے یا یوں کہتا ہے کہ اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہیں اتارا یا کہتا ہے اللہ نے ہم کو حکم دیدیا ہے کہ کسی پیغمبر کو مت ماننا جب تک وہ ایسی قربانی نہ پیش کرے جس کو (غیبی) آگ (آ کر) کھا جائے یا کہتا ہے کہ موسیٰ کی شریعت دوامی شریعت ہے جو قیامت تک باقی رہے گی (کبھی منسوخ نہیں کی جائے گی)۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۞

اور اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو ☆

ظالم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا ☆ یعنی ایسے بے انصافوں کو ہدایت کہاں نصیب ہوتی ہے۔ اور ممکن ہے "لَا يَهْدِي" میں ادھر بھی اشارہ ہو کہ یہ ظالم کتنا ہی انکار اور تحریف و تاویل کریں خدا ان کو کامیابی کی راہ نہ دے گا۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جن خبروں کو وہ چھپانا یا مٹانا چاہتے ہیں چھپ یا مٹ نہ سکیں گی چنانچہ باوجود ہزاروں طرح کی قطع و برید کے آج بھی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بشارات کا ایک کثیر ذخیرہ موجود ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ

چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کی روشنی

بِاَفْوَاهِهِمْ ط وَاللّٰهُ مُتِمُّ

اپنے منہ سے اور اللہ کو پوری کرنی ہے

نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۞

اپنی روشنی اور پڑے بُرا مانیں منکر ☆

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

☆ یعنی منکر پڑے برا مانا کریں اللہ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا۔ مشیت الٰہی کے خلاف کوئی کوشش کرنا ایسا ہے جیسے کوئی احمق نور آفتاب کو منہ سے پھونک مار کر بجھانا چاہے۔ یہی حال حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں کا اور ان کی کوششوں کا ہے۔ (تنبیہ) شاید "بِاَفْوَاهِهِمْ" کے لفظ سے یہاں اس طرف بھی اشارہ کرنا ہو کہ بشارات کے انکار و اخفاء کے لئے جو جھوٹی باتیں بناتے ہیں وہ کامیاب ہونے والی نہیں۔ ہزار کوشش کریں کہ "فارقلیط" آپ نہیں ہیں لیکن اللہ منوا کر چھوڑے گا کہ اس کا مصداق آپ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

نُوْرَ اللّٰهِ اللہ کا دین بِاَفْوَاهِهِمْ اپنی جھوٹی باتوں اور دروغ تراشیوں سے۔ جیسے کوئی شخص سورج اور چاند کی روشنی پھونک مار کر بجھانا چاہے وہ بجھا نہیں

سکتا اسی طرح دین اسلام کو جو نور خداوندی ہے منہ کی پھونک یا جھوٹی باتوں اور افتراء بندیوں سے نابود نہیں کیا جا سکتا اس آیت میں ایک لطیف تشبیہ ہے۔
وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ۔ یعنی اللہ دین اسلام کو پھیلائیگا سربلندی کرے گا اور درجہ کمال تک ضرور پہنچائے گا۔ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ۔ وَلَوْ۔ اگرچہ خواہ۔ لَوْ متصلہ ہے یعنی کافروں کی خوشی ہو یا نہ ہو دونوں برابر ہیں دین اسلام کو تو اللہ پھیلا کر رہے گا دین کا جھنڈا ضرور بلند کرے گا کافروں کی ناخوشی کی اس کو پرواہ نہیں۔ (تفسیر مظہری)

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی
وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول راہ کی سوجھ دے کر
وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ
اور سچا دین کہ اُس کو اوپر کرے سب دینوں سے
كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ⑨
اور پڑے برا مانیں شرک کرنے والے ☆

☆ اس آیت پر سورۃ "براءۃ" کے فوائد میں کلام ہو چکا ہے، وہاں دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

رَسُوْلَہٗ۔ یعنی محمد رسول اللہ کو بِالْہُدٰی یعنی قرآن اور معجزات اور وہ سامان دیکر بھیجا جس سے لوگ حق تک پہنچنے کا راستہ پالیں۔ دِیْنِ الْحَقِّ دین الٰہی۔ اسلام لِیُظْہِرَہٗ یعنی تلوار اور دلائل کے ذریعہ سے اسلام کو غالب کر دے۔ کُلِّہٖ سب مذاہب پر۔ (تفسیر مظہری)

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ
اے ایمان والو میں بتلاؤں تم کو
عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ
ایسی سوداگری جو بچائے تم کو ایک عذاب
اَلِیْمٍ ⑩ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
دردناک سے ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر
وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ
اور لڑو اللہ کی راہ میں

بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ
اپنے مال سے اور اپنی جان سے یہ بہتر ہے
لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑪ یَغْفِرْ لَكُمْ
تمہارے حق میں اگر تم سمجھ رکھتے ہو بخشے گا وہ
ذُنُوْبَكُمْ وَیُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ
تمہارے گناہ اور داخل کریگا تم کو باغوں میں
تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ☆

سب سے بہتر تجارت ☆ یعنی اس دین کو تمام ادیان پر غالب کرنا تو اللہ کا کام ہے۔ لیکن تمہارا فرض یہ ہے کہ ایمان پر پوری طرح مستقیم رہ کر اس کے راستہ میں جان و مال سے جہاد کرو۔ یہ وہ سوداگری ہے جس میں کبھی خسارہ نہیں۔ دنیا میں لوگ سینکڑوں طرح کے بیوپار اور تجارتیں کرتے ہیں اور اپنا کل سرمایہ اس میں لگا دیتے ہیں۔ محض اس امید پر کہ اس سے منافع حاصل ہونگے اور اس طرح راس المال گھٹنے اور تلف ہونے سے بچ جائیگا۔ پھر وہ بذات خود اور اس کے اہل و عیال تنگدستی و افلاس کی تلخیوں سے محفوظ رہیں گے لیکن مؤمنین اپنے جان و مال کا سرمایہ اس اعلیٰ تجارت میں لگائیں گے تو صرف چندروزہ افلاس سے نہیں بلکہ آخرت کے دردناک عذاب اور تباہ کن خسارہ سے مامون ہو جائیں گے اگر مسلمان سمجھتے تو یہ تجارت دنیا کی سب تجارتوں سے بہتر ہے جس کا نفع کامل مغفرت اور دائمی جنت کی صورت میں ملے گا جس سے بڑی کامیابی اور کیا ہو سکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْکُمْ دنیوی تجارت محتاجی اور بھوک کے عذاب سے بچاتی ہے میں تم کو ایسی تجارت بتاتا ہوں جو آخرت کے دردناک عذاب سے بچانے والی ہے۔

ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ نازل ہوئی تو مسلمانوں نے کہا وہ تجارت کونسی ہے جو دردناک عذاب سے بچانے والی ہے اگر ہم کو معلوم ہو جاتا تو ہم اس کے لئے اپنے مال اور اہل و عیال کی قربانی دینے سے دریغ نہ کرتے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ الخ یہ تجارت کی تشریح ہے ایمان اور جان و مال سے اللہ

کی راہ میں جہاد ان دونوں کا مجموعہ تجارت ہے تجارت لین دین کا نام ہے مال اور جان کو دیکر آخرت کی راحت اور اللہ کی خوشنودی کا حصول یہ بھی تجارتی مبادلہ ہوا باطل عقائد کو ترک کر کے سچے علم یعنی ایمان کو لینا بھی بڑی نفع بخش تجارت ہے تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ الخ۔ جملہ خبریہ ہے (تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو اور اسکی راہ میں جہاد کرتے ہو) لیکن خبر سے مراد ہے امر (جو انشاء کی ایک قسم ہے) یعنی حکم دینا۔

نکتہ: حکم کو بصورت خبر ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ چیز قابل ترک نہیں اس سے صحابہ کی تعریف بھی مترشح ہوتی ہے کہ تم لوگ ایمان رکھتے اور جانی و مالی جہاد کرتے ہو۔

ذٰلِکُمْ ۔یعنی ایمان و جہاد کا مجموعہ خَیْرٌ لَّکُمْ یعنی خواہشات کی پیروی کرنے اور جان و مال کو راہ خدا میں خرچ نہ کرنے سے بہتر ہے۔ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو تو سمجھو اور یہ تجارت کرو۔ اسکو نہ چھوڑو۔ (تفسیر مظہری)

وَمَسٰکِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ
اور ستھرے گھروں میں بسنے کے باغوں کے اندر ☆

☆یعنی وہ ستھرے مکانات ان باغوں کے اندر ہوں گے جن میں مؤمنین کو آباد ہونا ہے۔ یہ تو آخرت کی کامیابی رہی۔ آگے دنیا کی اعلیٰ اور انتہائی کامیابی کا ذکر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جَنّٰتِ عَدْنٍ ۔عدن کا معنی ہے قیام کرنا ٹھہرنا استقرار۔ عَدَنَ بِمَکَانِ کَذَا فلاں جگہ ٹھہر گیا۔ معدن جواہرات کا مستقر۔

جنتیوں کی تعداد: قرطبی نے لکھا ہے کہ بعض روایات میں آیا ہے جنتیں سات ہیں۔ دار الجلال۔ دار السلام۔ دار الخلد۔ جنت عدن۔ جنت المأویٰ۔ جنت نعیم۔ جنت الفردوس۔ بعض اقوال میں ایا ہے کہ جنتیں چار ہیں جن کا ذکر آیت قرآنی میں آیا ہے۔ ارشاد فرمایا۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۔ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ۔

صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو جنتیں چاندی کی ہیں جن کی عمارتیں اور سارا سامان چاندی کا ہے اور دو جنتیں سونے کی ہیں جن کی عمارتیں اور سارا سامان سونے کا ہے اور جنت عدن میں رب کی طرف دیکھنے سے مانع صرف عظمت الٰہی کی چادر ہوگی جو رب کے چہرہ پر ہوگی (بظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت عدن چاروں جنتوں سے الگ کوئی جنت ہے لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ) چاروں جنتوں کی صفت ماوی بھی ہے اور خلد بھی اور عدن بھی اور السلام بھی (یعنی چاروں جنتوں میں سے ہر جنت کو خلد بھی کہا جاتا ہے اور ماوی بھی اور عدن بھی اور السلام بھی) حکیم ترمذی نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔

چار چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے بنائیں

ابو الشیخ نے کتاب العظمۃ میں حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ چار چیزیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنائیں عرش اور عدن اور قلم اور آدم۔ پھر ہر چیز کو خطاب کر کے فرمایا ہو جا وہ فوراً ہو گئی۔

ستھرے گھر: ابن مبارک، طبرانی، ابو الشیخ اور بیہقی حضرت عمران بن حصین اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت وَمَسٰکِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ کے متعلق دریافت کیا گیا فرمایا موتی کا ایک قصر ہے قصر کے اندر یاقوت سرخ کے (ستر) مکان ہیں ہر مکان کے اندر زمرد سبز کے ستر کمرے ہیں ہر کمرے میں ایک تخت بچھا ہوا ہے ہر تخت پر ستر قسم کا کھانا ہے۔ ہر کمرے کے اندر خادم اور خادمہ۔ مؤمن کو ہر صبح یہ تمام کھانا (ہر کمرے میں) ملے گا۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۲﴾ وَاُخْرٰی
یہ ہے بڑی مراد ملنی اور ایک اور چیز دے
تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ
جس کو تم چاہتے ہو مدد اللہ کی طرف سے
وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ ؕ
اور فتح جلدی ☆

اصلی کامیابی ☆یعنی اصلی اور بڑی کامیابی تو وہ ہی ہے جو آخرت میں ملے گی جس کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت کوئی چیز نہیں لیکن دنیا میں بھی ایک چیز جسے تم طبعاً محبوب رکھتے ہو دی جائے گی وہ کیا ہے "نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ" (اللہ کی طرف سے ایک مخصوص امداد اور جلد حاصل ہونے والی فتح و ظفر، جن میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ دامن کا تعلق رکھتی ہے) دنیا نے دیکھ لیا کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے ساتھ یہ وعدہ کیسی صفائی سے پورا ہوا اور آج بھی مسلم قوم اگر سچے معنی میں ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ پر ثابت قدم ہو جائے تو یہی کامیابی ان کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكَ ۔یعنی گناہوں کی مغفرت اور جنت میں داخلہ۔

الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۔اتنی بڑی کامیابی ہے کہ دوسری ہر کامیابی اس کے مقابلے میں حقیر ہے۔

وَاُخْرٰی ۔یعنی جلد ملنے والی ایک نعمت اور ہے۔

تُحِبُّوْنَهَا ۔تم اس کو پسند کرتے ہو۔اس فقرہ میں اس بات پر تعریض ہے کہ تم کو فوری جلد ملنے والی نعمت پسند ہے۔

فتوحات کی خوشخبری: نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ الخ۔یعنی اللہ کی طرف سے قریش کے خلاف مدد اور مکہ کی فتح یا خیبر کی فتح۔عطاء نے کہا روم اور فارس کی فتح مراد ہے میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ عام فتح ونصرت مراد ہے کیوں کہ بندہ کی کوشش اور جہاد کے ذریعہ سے من جانب اللہ ہر نصرت وفتح حاصل ہوتی ہے۔(تفسیر مظہری)

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٣﴾

اور خوشی سنا دے ایمان والوں کو☆

☆ کیونکہ یہ خوشخبری سنانا ایک مستقل انعام ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔یعنی اپنی قریبی فتح ونصرت کی جس کا اللہ نے وعدہ کیا ہے مسلمانوں کو بشارت دیدیجئے۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ

اے ایمان والو تم ہو جاؤ مددگار اللہ کے ☆

اللہ کی مدد☆یعنی اس کے دین اور اس کے پیغمبر کے مددگار بن جاؤ۔اس حکم کی تعمیل خدا کے فضل وتوفیق سے مسلمانوں نے ایسی کی کہ ان میں سے ایک جماعت کا تو نام ہی ''انصار'' پڑ گیا۔ (تفسیر عثمانی)

كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

جیسے کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے

لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى

اپنے یاروں کو کون ہے کہ مدد کرے میری

اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ

اللہ کی راہ میں بولے یار ہم ہیں

اَنْصَارُ اللّٰهِ

مددگار اللہ کے☆

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری☆''حواریین'' (یاران مسیح) تھوڑے سے تو گنے چنے آدمی تھے جو اپنے نسب وحسب کے اعتبار سے کچھ معزز نہیں سمجھے جاتے تھے۔انہوں نے حضرت مسیح کو قبول کیا اور ان کی دعوت کو بڑی قربانیاں کر کے دیار وامصار میں پھیلایا۔حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے یاروں نے بڑی محنتیں کی ہیں تب ان کا دین نشر ہوا۔ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بھی خلفاءؓ نے اس سے زیادہ کیا''۔والحمد للہ علی ذلک۔ (تفسیر عثمانی)

اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۔یعنی اللہ کے دین کی مدد کے لئے۔

قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ ۔حواری وہ بارہ آدمی تھے جو حضرت عیسیٰؑ پر سب سے پہلے ایمان لائے تھے حواریوں کی مزید تحقیق سورۂ آل عمران میں گذر چکی ہے۔(تفسیر مظہری)

فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ

پھر ایمان لایا ایک فرقہ بنی

اِسْرَاۗءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ ۚ

اسرائیل سے اور منکر ہوا ایک فرقہ

فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي

پھر قوت دی ہم نے اُن کو جو ایمان لائے تھے

عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿١٤﴾

اُنکے دشمنوں پر پھر ہو رہے غالب ☆

قوم عیسیٰ میں فرقہ بندی اور حق والوں کی کامیابی

☆یعنی ''بنی اسرائیل'' میں دو فرقے ہو گئے۔ایک ایمان پر قائم ہوا۔دوسرے نے انکار کیا۔پھر حضرت مسیحؑ کے بعد آپس میں دست وگریبان رہے۔آخر اللہ تعالیٰ نے اس بحث ومناظرہ اور خانہ جنگیوں میں مؤمنین کو منکرین پر غالب کیا۔حضرت مسیحؑ کے نام لیوا (نصاریٰ) یہود پر غالب رہے اور نصاریٰ میں سے ان کی عام گمراہی کے بعد جو بچے کھچے افراد صحیح عقیدہ پر قائم رہ گئے تھے ان کو حق تعالیٰ نے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے دوسروں پر غلبہ عنایت فرمایا۔حجت وبرہان کے اعتبار سے بھی اور قوت وسلطنت کی حیثیت سے بھی۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ ۔یعنی حضرت عیسیٰؑ کے اٹھائے جانے کے بعد اہل ایمان کو ان کے دشمنوں پر دلائل کے ساتھ یا بصورت جنگ اللہ نے غالب کر دیا اور وہ مغلوب ہو گئے۔بغوی نے حضرت ابن

عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے اٹھائے جانے کے بعد ان کی قوم کے تین فرقے بن گئے ایک فرقہ نے کہا عیسیٰؑ خدا تھے جو اوپر چلے گئے دوسرے فرقہ نے عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہا اور کہا ان کے باپ نے ان کو اٹھا لیا تیسرے فرقہ نے کہا وہ اللہ کے بندے اور رسول تھے ہر فرقہ جدا جدا ہو گیا۔ اور دو فرقے ہو گئے ایک فرقہ مؤمن رہا اہل ایمان اور اہل کفر کا خوب جدال وقتال ہوا دونوں کافر فرقے اہل ایمان پر غالب آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک غالب رہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مؤمن فرقہ کو کافروں پر غلبہ حاصل ہوا۔ یہی مراد ہے آیت فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ ۔کا۔

بغوی نے بروایت مغیرہ ابراہیم کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ پر جو لوگ ایمان لائے ان کی دلیل غالب آ گئی کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰؑ کے کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہونے کی تصدیق کی۔ میں کہتا ہوں کہ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ پر فَاٰمَنَتْ کا اور فَاَيَّدْنَا کا اور فَاَصْبَحُوْا کا عطف ف کے ذریعہ سے ہے اور ف محض تعقیب بلا مہلت پر دلالت کرتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ بعض لوگ حضرت عیسیٰؑ کے زمانے کے بعد بلا تاخیر ایمان لے آئے اور بعض نے انکار کر دیا پھر ایمان لانے کے فوراً بعد اللہ نے مومنوں کی تائید کی اور کافروں پر ان کو غالب کر دیا خلاصہ یہ ہے کہ حواریوں کے قول کے بعد بلا تاخیر مومنوں پر غلبہ ہو گیا (اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کافروں کا مؤمنوں پر غلبہ تھا اور بعثت محمدیہ کے بعد اہل ایمان اہل کفر پر غالب ہو گئے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

غلبہ حق عہد بہ عہد: حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرۂ ازالۃ الخفاء ج ا ص ۲۴۷ میں فرماتے ہیں "اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب فرمائے گا سو یہ بات علیٰ وَجہ الاکمل والا تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سعادت میں پائی گئی اور اس کی تکمیل آپ کے بعد خلفائے راشدین کے دور مسعود میں ہوئی کہ مسلمانوں نے بڑے بڑے جہاد کئے اور فتوحات حاصل کیں یہی صورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین کے ساتھ ہوئی کہ انہیں بھی غلبہ بعد میں ہی حاصل ہوا۔

قتادہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ بفضلہ تعالیٰ ایسا ہی یہ واقعہ بھی ہوا۔ مدینہ کے ستر اشخاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے اور جمرۂ عقبہ کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی اور آپ کی نصرت و اعانت کا عہد کیا چنانچہ انہوں نے مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور اللہ کے پیغمبر کی جان و مال سے مدد کی جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو غلبہ عطا کیا اور یہ گروہ انصار کے نام سے پکارا گیا۔ دنیا میں ان کے سوا کسی قبیلہ اور گروہ کا نام آسمان سے انصار تجویز ہو کر نہیں اترا سوائے ان حضرات انصار کے۔

سیرت کی روایات میں ہے کہ اس بیعت عقبہ کے موقعہ پر ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ہم اللہ کی عبادت کریں اور آپ کی اطاعت و نصرت کریں تو ہمیں کیا ملے گا فرمایا دنیا میں فتح و ظفر اور آخرت میں جنت۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے ایسا ہی کر دکھایا اور بے شک اللہ نے ان کو اس کی یہی جزاء دی۔

بعثت نبوی کا مقصد: بارگاہ خداوندی سے جب مذاہب باطلہ کو مغلوب کرنے اور دین حق کو غالب کرنے کا ارادہ ہوا تو سرزمین حجاز میں ایک نبی پیدا فرمایا۔ کیونکہ سرزمین حجاز نہ تو کسریٰ کے تصرف میں تھی اور نہ ہی قیصر کے تصرف میں۔ اسلئے حق تعالیٰ شانہٗ نے اس سرزمین کو دین حق کی بادشاہت کے لئے منتخب فرمایا تا کہ اس علاقہ سے ظاہر ہونے والا دین کسی سابق بادشاہت اور مادی طاقت سے مغلوب و مرعوب نہ ہو اور اسی سرزمین سے حق کی بادشاہت قائم ہو کر دنیا کی دو عظیم طاقتوں قیصر و کسریٰ کو نشانہ بنایا جائے اور جب یہ دو سلطنتیں پامال ہو جائیں گی دوسرے باطل مذاہب خود بخود پامال ہو جائیں گے۔

قصرِ ہدایت کی بنیاد: بعثت نبوی کا یہی مقصد تھا۔ اللہ رب العزت نے اس مقصد کی تکمیل کے لئے دین حق کی بنیادیں مضبوط کیں اور جزیرۂ عرب میں سوائے اسلام کے اور کوئی مذہب باقی نہ رہا قصر ہدایت کی بنیادیں اور مکمل ہو گئیں اور کچھ عمارت بھی بن گئی کہ اسی حالت میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملاء اعلیٰ اور رفیق اعلیٰ سے لحوق و اتصال کی دعوت آ پہنچی اور اللھم الرفیق الاعلیٰ فرماتے ہوئے اپنے رب سے جا ملے۔

تکمیل غلبہ: تو پھر اس دین حق کے غلبہ کی تکمیل آپ کے جانشینوں کے ہاتھوں پر ہوئی تا کہ جو ارادۂ الٰہیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ضمن میں لپٹا ہوا تھا وہ آپ کے خلفاء کے ہاتھوں پورا ہو۔ سو الحمد للہ خلفائے راشدین کے ہاتھوں قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں درہم برہم ہوئیں اور عیسائیت و مجوسیت مغلوب ہو کر مقہور ہوئی اور اس طرح دین حق ظاہر و غالب اور روشن ہوا۔ واللہ الحمد حمداً کثیراً۔ (معارف کاندھلوی)

الحمد للہ سورۃ صف ختم ہوئی

جس نے خواب میں اس سورہ کو پڑھا اس کے لئے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت کی بھلائیاں جمع کر دے گا۔ (ابن سیرین)

سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۂ جمعہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اسکی گیارہ آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ کہ ہے آسمانوں میں

وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ

اور جو کچھ کہ ہے زمین میں بادشاہ پاک ذات

الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① هُوَ الَّذِيْ

زبردست حکمتوں والا وہی ہے جس نے

بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ

اُٹھایا اَن پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ

پڑھ کر سُناتا ہے اُن کو اُس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا ہے

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ق وَ

اور سکھلاتا ہے اور اُن کو کتاب اور عقلمندی اور

اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ

اس سے پہلے وہ پڑے ہوئے تھے صریح

مُّبِيْنٍ ②

بھول میں ☆

جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا ☆ "اُمّیّین" (ان پڑھ) عرب کو کہا۔ جن میں علم و ہنر کچھ نہ تھا نہ کوئی آسمانی کتاب تھی۔ معمولی لکھنا پڑھنا بھی بہت کم آدمی جانتے تھے۔ ان کی جہالت و وحشت ضرب المثل تھی خدا کو بالکل بھولے ہوئے تھے۔ بت پرستی' اوہام پرستی اور فسق و فجور کا نام ''ملت ابراہیمی'' رکھ چھوڑا تھا اور تقریباً ساری قوم صریح گمراہی میں پڑی بھٹک رہی تھی۔ ناگہاں اللہ نے اسی قوم میں سے ایک رسول اٹھایا جس کا امتیازی لقب ''نبی امّی'' ہے۔ لیکن باوجود امّی ہونے کے اپنی قوم کو اللہ کی سب سے زیادہ عظیم الشان کتاب پڑھ کر سناتا اور عجیب و غریب علوم و معارف اور حکمت و دانائی کی باتیں سکھلا کر ایسا حکیم و شائستہ بناتا ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے حکیم و دانا اور عالم و عارف اس کے سامنے زانوائے تلمذ تہ کرتے ہیں (تنبیہ) اس طرح کی آیت سورۃ ''بقرہ'' اور ''آل عمران'' میں گزر چکی ہے۔ وہاں کے فوائد ملاحظہ کر لئے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

الْقُدُّوْسِ ۔ ہر اُس وصف سے جو اس کی شان کے لئے زیبا نہیں پاک ہے۔ الْعَزِيْزِ ۔ اپنی حکمت میں بڑا زبردست ہے۔

حکیمانہ صنعت: الْحَكِيْمِ ۔ اپنی صنعت میں حکمت والا ہے یعنی کائنات کی ہر چیز اللہ کی ہستی (اور اس کی وحدانیت) پر دلالت کرتی ہے اور ظاہر کرتی ہے کہ اس کو بنانے والا ہر نازیبا شئ (یعنی عیب و نقص و کمزوری) سے پاک وصاف ہے۔ نیز یہ کہ ہر چیز خواہ وہ نبات ہو یا جماد ایک خاص نوعیت کی زندگی اور نوعی شعور کی حامل ہے اور اپنی نوعی زبان میں اللہ کی وحدانیت کا اقرار کر رہی ہے اور اس کا بے عیب ہونا بیان کر رہی ہے لیکن (اے انسانو!) تم اس کی تسبیح قولی کو نہیں سمجھتے۔

الْاُمِّيّٖنَ ۔ سے مراد ہے عرب کیوں کہ ان میں اکثر ناخواندہ تھے۔

مِّنْهُمْ ۔ یعنی پیغمبر بھی ان امیوں میں سے ایک امی تھے مطلب یہ کہ ان کی طرح ناخواندہ تھے۔

اٰيٰتِهٖ ۔ یعنی باوجود ناخواندہ ہونے کے اللہ کا کلام اور اس کی بھیجی ہوئی آیات سناتے ہیں۔

وَيُزَكِّيْهِمْ ۔ یعنی شرک سے اور گندے افکار و اعمال سے ان کو پاک کرتے ہیں۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ ۔ یعنی ان کو قرآن کی تعلیم دیتے ہیں جو ایسا بلیغ ہے کہ سارے انس و جن مل کر اگر اس کے مثل کلام بنانے کی کوشش کریں تب بھی عاجز رہیں گے۔ وَالْحِكْمَةَ ۔ یعنی محکم شریعت جو (ناقابل نسخ ہے اور) دوسرے انبیاء کی شریعتوں کی تائید کر رہی ہے یعنی آسمانی کتابوں کے اصول کے مطابق ہے اور یہ اصول وہی ہیں جن کی شہادت تمام کتب سماویہ میں دی گئی ہے۔

وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ الخ ۔ بلاشبہ عرب بعثت نبوی سے پہلے کھلی گمراہی

میں تھے۔ یعنی پتھروں کو پوجتے تھے مردار کھاتے تھے ان کے عقائد واقوال کی تائید نہ عقل سے کی جا سکتی تھی نہ کسی صحیح نقل سے نہ درایت اس کو قبول کرتی تھی نہ روایت اسکی صحت کی شہادت دیتی تھی۔ (تفسیر مظہری)

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ ۔ اُمیین' اُمی کی جمع ہے۔ ناخواندہ شخص کو کہا جاتا ہے' عرب کے لوگ اس لقب سے معروف ہیں' کیونکہ ان میں نوشت وخواند کا رواج نہیں تھا بہت کم آدمی لکھے پڑھے ہوتے تھے۔ اس آیت میں حق تعالیٰ کی عظیم قدرت کے اظہار کے لئے خاص طور پر عربوں کے لئے یہ لقب اختیار فرمایا۔ اور یہ بھی کہ جو رسول بھیجا گیا وہ بھی انہی میں سے ہے یعنی اُمی ہے' اس لئے یہ معاملہ بڑا حیرت انگیز ہے کہ قوم ساری امی اور جو رسول بھیجا گیا وہ بھی اُمی' اور جو فرائض اس رسول کے سپرد کئے گئے جن کا ذکر اگلی آیت میں آ رہا ہے وہ سب علمی تعلیمی اصلاح ایسے ہیں کہ نہ کوئی اُمی ان کو سکھا سکتا ہے اور نہ اُمی قوم اُن کو سیکھنے کے قابل ہے۔

یہ صرف حق تعالیٰ جل شانہٗ کی قدرت کاملہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز ہی ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تعلیم واصلاح کا کام شروع فرمایا تو انہیں اُمیین میں وہ علماء اور حکماء پیدا ہو گئے جن کے علم و حکمت' عقل ودانش اور ہر کام کی عمدہ صلاحیت نے سارے جہان سے اپنا لوہا منوالیا۔ (معارف مفتی اعظم)

یوم جمعہ کی عظمت: یوم جمعہ قدیم تاریخ قبل از اسلام یوم العروبہ کہلایا جاتا تھا۔ اسلام نے اس دن کا نام یوم الجمعہ رکھا۔ یہ لفظ جمع سے مشتق ہے اس دن میں متعدد وجوہ سے جمعیت کا مفہوم پایا جاتا ہے اس کی وجہ تسمیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی نقل کیا گیا فرمایا کہ ان فیہ جمعت طینۃ ابیکم آدم۔ یعنی اس روز تمہارے باپ آدمؑ کی مٹی روئے زمین کے مختلف طبقوں کی جمع کی گئی یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے۔ کائنات کی تخلیق جو چھ روز میں ہوئی اس پر مکمل ہوئی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے سلمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا یا سلمان مایوم الجمعہ۔ کہ اے سلمان یوم جمعہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا اللہ ورسولہٗ اعلم۔ آپ نے فرمایا۔ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ نے تمہارے ماں باپ (آدم وحوا) کو جمع فرمایا۔ (جبکہ ان کو زمین پر اتار دیا گیا تھا)۔

ایک حدیث میں ہے وفیہ خلق آدم وفیہ ادخل الجنۃ وفیہ اخراج منہا وفیہ تقوم الساعۃ. وفیہ ساعۃ لا یوافقہا عبد مؤمن یسال اللہ خیرا الّا عطاہ اباہ کہ اسی دن آدم کو پیدا کیا گیا اسی میں ان کو جنت میں داخل کیا گیا اور اسی دن انکو جنت سے زمین پر اتارا گیا تا کہ خلافۃ اللہ فی الارض کا عظیم منصب عطا ہو اور اس ارادہ الٰہیہ کی تکمیل ہو جس کا اظہار ملائکہ کے سامنے فرمایا گیا تھا۔ اِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً اور اسی منصب کی عظمت ومنزلت کے ظاہر کرنے کے لئے ملائکہ کو آدم علیہ السلام کے لئے سجدہ کا حکم دیا گیا تھا الغرض اس طرح جنت سے زمین پر آنا بھی ایک بڑی عظمت ومنقبت کی تکمیل تھی جو جمعہ کے روز ہوئی اور فرمایا اسی روز قیامت قائم ہوگی اور اس میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اس میں مومن بندہ جو کچھ بھی اللہ سے مانگے اللہ اس کو ضرور عطا کرتا ہے۔

جمعہ کے دن غسل: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر مسلمان پر اللہ کا یہ حق ہے کہ ہر سات روز میں ایک دن (یوم جمعہ) غسل کرے اپنے بدن اور سر کو خوب دھوئے جمعہ کی عظمت وفضیلت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ جمعہ کی نماز ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ صحیح مسلم جلد ا۔

جمعہ نماز کا ثواب: اوس بن اوس الثقفی بیان کرتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے جس شخص نے جمعہ کے روز غسل خوب نظافت وصفائی سے کیا اور صبح جلدی ہی مسجد کے لئے روانہ ہوا اور اوّل وقت ہی پہنچ گیا اور پیدل چلا کسی سواری پر سوار ہو کر نہیں چلا اور امام کے قریب بیٹھا اور اس کے خطبہ توجہ سے سنا کوئی لغو کام نہیں کیا تو اس شخص کے لئے ہر قدم پر جو اس نے اٹھایا ہے ایک سال کے روزوں اور قیام اللیل کا اجر ملے گا۔ امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن فرمایا۔

اذان کے وقت خرید وفروخت حرام: اِذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ کی تفسیر میں زہری سے منقول ہے بیان کرتے ہیں کہ سائب بن یزید نے فرمایا جمعہ کے روز پہلی اذان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس وقت ہوتی تھی جب امام خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھتا یہی دستور ابوبکر صدیق او عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں رہا۔ جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا اور فتوحات کی وجہ سے مسلمانوں کی تعداد بہت زائد ہو گئی تھی تو عثمان غنیؓ نے مقام زوراء پر ایک اذان کا اضافہ فرمایا۔ (جو خطبہ کی اذان سے پہلے ہوتی ہے) تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ حرمت کے بیع کا جو حکم اذان جمعہ پر نازل ہوا تھا اب وہ اسی اذان پر ہوگا جو قبل از خطبہ ہوتی ہے اور اس کو حضرت عثمان غنیؓ نے اضافہ فرمایا۔ کیونکہ اذا نودی کا عموم اور اطلاق چاہتا ہے۔

گویا حضرت عثمان غنیؓ کا اس اذان کا اضافہ کرنا قرآن کریم کے الفاظ سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ وہ خلفاء راشدین میں سے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا حکم اور سنت شریعت کا قانون ہے علاوہ ازیں جملہ صحابہ نے اس عمل کو درست قرار دیا تو صحابہ کا اجماع بھی قانونِ شریعت ہے نص قرآنی سے جس اذان جمعہ پر بیع وشراء ترک کرنے کا حکم ہے یہی اذان ہوگی

جو شروع میں اضافہ کی گئی۔ اس بناء پر تمام آئمہ اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ پہلی اذان جمعہ کے بعد ہر قسم کا کاروبار بیع وشراء حرام ہے اور جس اہمیت و تاکید اور نصیحت کے انداز میں قرآن کریم نے دکانیں بند کر دینے کو اور خرید و فروخت روک دینے کو فرمایا ہے اس کے ہوتے ہوئے یہ ممکن نہیں کہ اذان جمعہ کے بعد کسب معاش میں مشغولی کو حلال رزق شمار کیا جائے اس وجہ سے اس کی حرمت پر امت کا اجماع ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ

اور اٹھایا اس رسول کو ایک دوسرے لوگوں کے واسطے بھی انہی میں سے جو ابھی نہیں ملے ان میں

بعد میں آنیوالی مسلمان قومیں ☆ یعنی یہی رسول دوسرے آنے والے لوگوں کے واسطے بھی ہے جن کو مبدا و معاد اور شرائع سماویہ کا پورا اور صحیح علم نہ رکھنے کی وجہ سے ان پڑھ ہی کہنا چاہئے۔ مثلاً فارس، روم، چین اور ہندوستان وغیرہ کی قومیں جو بعد کو امیین کے دین اور اسلامی برادری میں شامل ہو کر ان ہی میں سے ہوگئیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ "حق تعالیٰ نے اول عرب پیدا کئے اس دین کے تھامنے والے پیچھے عجم میں ایسے کامل لوگ اٹھے"۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ: حدیث میں ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے "وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ" کی نسبت سوال کیا گیا تو سلمان فارسیؓ کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اگر علم یا دین ثریا پر جا پہنچے گا تو (اسکی قوم فارس کا مرد وہاں سے بھی لے آئیگا) شیخ جلال الدین سیوطیؒ وغیرہ نے تسلیم کیا ہے کہ اس پیشین گوئی کے بڑے مصداق حضرت امام اعظم ابوحنیفۃ النعمان ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (تفسیر عثمانی)

وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ ۔ اس کا عطف یُعَلِّمُهُمْ کی ضمیر مفعول پر ہے۔ یعنی ان لوگوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی وہ تعلیم دیتے ہیں اور یہ دوسرے لوگ بھی اول لوگوں میں سے ہی ہیں یعنی انہیں کے ہم مذہب ہیں اور انہی کی راہ پر چلنے والے ہیں۔

اہل عجم: مرو بن سعید بن جبیر اور لیث کی روایت میں مجاہد کا قول آیا ہے کہ اس سے مراد عجمی لوگ ہیں کیوں کہ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے سلمان فارسی بھی ہمارے ساتھ تھے اتنے میں سورت جمعہ نازل ہوئی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (آیت) وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ تلاوت فرمائی تو ایک شخص نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کون لوگ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوٹا کر کوئی جواب نہیں دیا اس شخص نے جب دو یا تین بار سوال کیا تو سلمان فارسی کے اوپر ہاتھ رکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ایمان ثریا کے پاس (یعنی آسمان پر) ہوگا تو ان کے (یعنی ان کی قوم کے) کچھ لوگ اسکو پالیں گے۔ متفق علیہ۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں اگر دین ثریا کے پاس بھی ہوگا تب بھی اہل فارس میں سے کوئی شخص (یا فرمایا کچھ لوگ) وہاں تک جا پہنچے گا۔ اور اس کو پالیگا۔

میں کہتا ہوں یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ فارس کے کچھ آدمی بھی ایسی فضیلت کے حامل ہونگے کہ ان کا شمار ان (برگزیدہ) لوگوں میں ہوگا جو آیت وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ میں مراد ہیں آیت کے عموم کا اقتضاء یہ نہیں ہے کہ صرف اہل فارس مراد ہوں۔

سلسلہ نقشبندیہ کے اکابرین: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رِجَال مِنْ هٰؤُلَاءِ ابناء فارس فرمایا شاید ان سے مراد ہوں نقش بندی سلسلہ کے اکابر۔ اکابر نقشبندیہ بخارا اور سمرقند کے باشندے تھے اور طریقت میں ان کی نسبت حضرت سلمان۔ فارسی سے ہے کیوں کہ ان کا انتساب حضرت جعفر صادق سے ہے اور حضرت جعفر کا تعلق قاسم بن محمد سے اور قاسم کی نسبت حضرت سلمان سے ہے اور حضرت سلمان کا طریق تعلق حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اور حضرت ابوبکرؓ کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ: لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ۔ یعنی آنے والے لوگوں نے ان کو یعنی صحابہ کو ابھی نہیں پایا ابھی وہ پیدا نہیں ہوئے لیکن صحابہ کے بعد ہو جائیں گے۔

ہوسکتا ہے کہ ماضی میں نفی لحوق کا تحقق اکثریت کے لحاظ سے اور مستقبل میں توقع لحوق بعض افراد کے لحاظ سے ہے یعنی امید ہے کہ آنیوالے بعض افراد خواہ ہزار برس کے بعد آئیں اتباع رسول کی پابندی کی وجہ سے قرن اوّل کے درجہ تک پہنچ جائیں گے۔

گویا اس میں اشارہ ہے حضرت مجدد الف ثانی اور آپ کے خلفاء کاملین کی طرف جو رسول اللہ کی انتہائی متابعت کی وجہ سے کمالات رسالت تک پہنچ گئے اور وہ تمام مراتب ان کو حاصل ہو گئے جو اولوالعزم اصحاب خلت وملت اور فائزین بدرجہ محبوبیت کے فضائل کا مجموعہ تھے صحابہ کے بعد حضرت مجدد اور آپ کے خلفاء کے سوا صدر اول کے مرتبہ کو اور کوئی نہیں پہنچا اور یہ حضرات پہنچ گئے تو گویا صحابہ کے مشابہ ہو گئے پس ان کی وجہ سے امت اسلامیہ مرحومہ کی مثال اس بارش کی ایسی ہوگئی جس کے متعلق نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا اول حصہ (افادیت میں) بہتر ہے یا آخری حصہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے کہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس کا اول حصہ بہتر ہے یا آخری حصہ یا اس باغ کی طرح ہے کہ ایک سال اس کے پھل ایک حصہ میں آئے اور ایک سال دوسرا حصہ پھلا تو شاید آخری سال پھلنے والا ٹکڑا زیادہ لمبا چوڑا اور حسین ہو۔ رواہ رزین۔

تمام مسلمان: لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ ۔ کے معنی جو ابھی تک اُن لوگوں یعنی امیین کے ساتھ نہیں ملے۔ مراد ان سے وہ تمام مسلمان ہیں جو قیامت تک اسلام میں داخل ہوتے رہیں گے۔ (کما روی عن ابن زید و مجاہد وغیرہما) اس میں اشارہ ہے کہ قیامت تک آنے والے مسلمان سب کے سب مؤمنین اوّلین یعنی صحابہ کرام ہی کے ساتھ ملحق سمجھے جائیں گے' یہ بعد کے مسلمانوں کیلئے بڑی بشارت ہے (روح)۔ (معارف مفتی اعظم)

وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۳﴾
اور وہی ہے زبردست حکمت والا ☆

عرب وعجم کی تعلیم کا حکیمانہ انتظام

☆ جس کی زبردست قوت و حکمت نے اس جلیل القدر پیغمبر کے ذریعہ سے قیامت تک کے لئے عرب و عجم کی تعلیم وتزکیہ کا انتظام فرمایا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الْعَزِيزُ ۔ یعنی وہی زبردست طاقت رکھتا ہے اس امر کی کہ ایک امی آدمی کو ایسے امرِ عظیم پر جس کی مثال پیش کرنے سے دوسرے عاجز ہوں قدرت عطا فرما دے اور اس کام میں اس کی مدد کرے۔ الْحَكِيمُ وہ حکمت والا ہے کہ دوسرے انسانوں کو نظر انداز کر کے ایک خاص شخص کو پیغمبری کے لئے منتخب کر لینے کا اختیار رکھتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ
یہ بڑائی اللہ کی ہے دیتا ہے
يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۴﴾
جس کو چاہے اور اللہ کا فضل بڑا ہے ☆

عظیم الشان پیغمبر کی قدر کرو

☆ یعنی رسول کو یہ بڑائی دی اور اس امت کو اتنے بڑے مرتبہ والا رسول دیا فللّٰہ الحمد والمنۃ علی ما انعم۔ چاہیے کہ مسلمان اس انعام و اکرم کی قدر پہچانیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تعلیم وتزکیہ سے مستفید و منتفع ہونے میں کوتاہی نہ کریں۔ آگے عبرت کے لیے یہود کی مثال بیان فرماتے ہیں جنہوں نے اپنی کتاب اور پیغمبر سے استفادہ کرنے میں سخت غفلت اور کوتاہی برتی۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكَ ۔ یہ بعثت رسول تعلیم رسول اور تزکیہ گمراہاں۔

فَضْلُ اللّٰهِ ۔ اللہ کا فضل ہے محمد رسول اللہ پر کہ ان کو پیغمبری کے لئے چن لیا اور ہادی بنا دیا اور امت پر بھی اللہ کا فضل ہے کہ انہوں نے رسول کا اتباع کیا اور رسول نے ان کو ہدایت کی اور پاک کیا۔

يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ ۔ وہ جس کو دینا چاہتا ہے اور اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے۔ اس کو وہ عنایت کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ
مثال اُن لوگوں کی جن پر لادی توریت
ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ
پھر نہ اٹھائی انہوں نے جیسے مثال
الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا ۭ
گدھے کی کہ پیٹھ پر لے چلتا ہے کتابیں ☆

یہود کا پیغمبر و کتاب کی ناقدری کرنا

☆ یعنی یہود پر "تورات" کا بوجھ رکھا گیا تھا اور وہ اس کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے تھے لیکن انہوں نے اس کی تعلیمات وہدایات کی کچھ پروا نہ کی نہ اس کو محفوظ رکھا' نہ دل میں جگہ دی' نہ اس پر عمل کر کے اللہ کے فضل وانعام سے بہرہ ور ہوئے۔ بلاشبہ تورات جس کے یہ لوگ حامل بنائے گئے تھے حکمت وہدایت کا ایک ربانی خزینہ تھا' مگر جب اس سے منتفع نہ ہوئے تو وہی مثال ہو گئی۔ نہ محقق شدی نہ دانشمند چار پائے بروکتابے چند ایک گدھے پر علم و حکمت کی پچاسوں کتابیں لاددو اس کو بوجھ میں دبنے کے سوا کوئی فائدہ نہیں۔ وہ تو صرف ہری گھاس کی تلاش میں ہے۔ اس بات سے کچھ سروکار نہیں رکھتا کہ پیٹھ پر لعل وجواہر لدے ہوئے ہیں یا خزف وسنگریزے۔ اگر محض اسی پر فخر کرنے لگے کہ دیکھو میری پیٹھ پر کیسی کیسی عمدہ اور قیمتی کتابیں لدی ہوئی ہیں لہٰذا میں بڑا عالم اور معزز ہوں۔ تو یہ اور زیادہ گدھا پن ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ
بُری مثال ہے اُن لوگوں کی ☆

بری قوم ☆ یعنی بری قوم ہے وہ جس کی مثال یہ ہے۔ اللہ ہم کو پناہ میں رکھے۔ (تفسیر عثمانی)

كَذَّبُوا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ
جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی باتوں کو ☆

آیات اللہ کو جھٹلانا ☆ یعنی اللہ تعالیٰ نے تورات وغیرہ میں جو بشارت نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی دی تھیں اور دلائل و براہین آپ کی رسالت پر قائم کیں' ان کو جھٹلانا آیات اللہ کو جھٹلانا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اور اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو ☆

رجعت پسند ہدایت سے محروم رہتے ہیں

☆ یعنی ایسے معاند' ہٹ دھرم' بے انصاف لوگوں کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔ (تفسیر عثمانی)

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا ۔ یعنی ان کو توریت کی تعلیم دی گئی اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا۔

ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا ۔ یعنی پھر اس پر انہوں نے عمل نہیں کیا اور اس سے فائدہ اندوز نہیں ہوئی۔ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۔ جیسے گدھا علم کی کتابیں اپنے اوپر اٹھائے پھرتا ہے کتابوں کے بوجھ سے تھکا جاتا ہے اوران سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتا اس گدھے کی طرح حالت اس عالم کی ہے جو علم کے موافق عمل نہیں کرتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا میں فرمایا تھا اے اللہ میں غیر مفید علم سے تیری پناہ کا خواستگار ہوں۔

بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۔ اس قوم سے مراد یہودی ہیں جنہوں نے قرآن کو جھٹلایا اور توریت کی ان آیتوں کی بھی تکذیب کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلالت کر رہی تھیں۔

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۔ یعنی جو لوگ خود ظلم پسند ہوں اللہ ان کو ہدایت نہیں کرتا یا یہ مطلب ہے کہ جو لوگ اللہ کے علم ازلی میں پہلے ہی ظالم قرار پا گئے ہیں اللہ ان کو ہدایت نہیں کرتا۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ

تو کہہ اے یہودی ہونے والو اگر

زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ

تم کو دعویٰ ہے کہ تم دوست ہو اللہ کے

دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ

سب لوگوں کے سوائے تو مناؤ اپنے مرنے کو

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ

اگر تم سچے ہو اور وہ کبھی نہ منائیں گے

اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ

اپنا مرنا اُن کاموں کی وجہ سے جن کو آگے بھیج چکے ہیں

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝

انکے ہاتھ اور اللہ کو خوب معلوم ہیں سب گنہگار ☆

اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو ☆ یعنی اس گدھے پن اور جہل وحماقت کے باوجود دعویٰ یہ ہے کہ بلا شرکت غیرے ہم ہی اللہ کے دوست اور ولی اور تنہا جنت کے حقدار ہیں بس دنیا سے چلے اور جنت میں پہنچے۔ لیکن اگر واقعی دل میں یہی یقین ہے اور اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ضرور تھا کہ دنیا کے مکدر عیش سے دل برداشتہ ہو کر محبوب حقیقی کے اشتیاق اور جنت الفردوس کی تمنا میں مرنے کی آرزو کرتے جس کو یقینا معلوم ہو جائے کہ میرا اللہ کے ہاں بڑا درجہ ہے اور کوئی خطرہ نہیں وہ بیشک مرنے سے خوش ہوگا اور موت کو ایک پُل سمجھے گا جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے اس کی زبان پر تو یہ الفاظ ہونگے "غدا نلقی الاحبة' محمداً وحزبه اور یاحبذا الجنة واقترابها طيبة وبارد شرابها اور حبيب جاء على ناقة اور يبنى لايبالى ابوک سقط على الموت ام سقط عليه الموت وغير ذلک" یہ ان اولیاء اللہ کے کلمات ہیں جو دنیا کی کسی سختی یا مصیبت سے گھبرا کر نہیں' خالص لقاء اللہ اور جنت کے اشتیاق میں موت کی تمنا رکھتے تھے اور ان کے افعال وحرکات خود شہادت دیتے تھے کہ موت ان کو دنیا کی تمام لذائذ سے زیادہ لذیذ ہے قال النبی صلی اللہ علی وسلم " لوددت انی اقتل فی سبیل اللہ ثم احیاثم اقتل" اس کے بالمقابل ان جھوٹے مدعیوں کے افعال وحرکات پر نظر ڈالو کہ ان سے بڑھ کر موت سے ڈرنے والا کوئی نہیں۔ وہ مرنے کا نام سن کر گھبراتے اور بھاگتے ہیں' اس لیے نہیں کہ زیادہ دن زندہ رہیں تو نیکیاں کمائیں گے۔ محض اس لیے کہ دنیا کی حرص سے ان کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا اور دل میں سمجھتے ہیں کہ جو کرتوت کیے ہیں یہاں سے چھوٹتے ہی انکی سزا میں پکڑ جائینگے غرض ان کے تمامی افعال واطوار سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ وہ ایک لمحہ کے لیے موت کی آرزو نہیں کر سکتے۔ اور ممکن تھا کہ اس زمانہ کے یہود قرآن کے اس دعوے کو جھٹلانے کے لیے جھوٹ موٹ زبان سے موت کی تمنا کرنے لگتے مگر اللہ تعالیٰ نے یہ قدرت بھی انکو نہ دی۔ روایات میں ہے کہ اگر ان میں سے کوئی یہودی موت

کی تمنا کر گزرتا تو اسی وقت گلے میں اچھو لگ کر ہلاک ہو جاتا (تنبیہ) اس مضمون کی آیت سورہ "بقرہ" میں گزر چکی ہے اس کے فوائد دیکھ لے جائیں بعض سلف کے نزدیک "تمنی موت" کا مطلب مباہلہ تھا۔ یعنی معاند یہود سے کہا گیا کہ اگر وہ واقعی اپنے اولیاء ہونے کا یقین رکھتے ہیں اور مسلمانوں کو باطل پر سمجھتے ہیں تو تمنا کریں کہ فریقین میں جو جھوٹا ہو مر جائے لیکن وہ کبھی ایسا نہ کریں گے کیونکہ ان کو اپنے کذب و ظلم کا یقین حاصل ہے۔ ابن کثیرؒ اور ابن قیمؒ وغیرہ نے یہی توجیہ اختیار کی ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ ۔ یعنی اللہ سے صرف اپنی موت کی دعا کرو تاکہ اس مصیبت کے گڑھے سے نکل کر مقام عزت میں (جلد) پہنچ جاؤ موت ایک پل ہے جو حبیب کو حبیب تک پہنچا دیتا ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۔ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو موت کی تمنا کرو۔ موت کی تمنا جائز ہے یا ناجائز اس کی تحقیق ہم نے سورہ بقرہ کی آیت میں کر دی ہے۔

یہودیوں کو اپنے دوزخی ہونے کا یقین ہے

وَلَا یَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًا ۔ چونکہ کفر و معاصی کا ارتکاب وہ پہلے کر چکے ہیں اور آیات توریت کو بگاڑنے کا جرم کر چکے ہیں اور توریت کی جو آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلالت کرتی ہیں انہوں نے ان میں تحریف کر لی ہے اور ان کو جرائم مذکورہ کی پاداش میں اپنے دوزخی ہونے کا یقین ہے اس لئے موت کی تمنا نہیں کریں گے ان کو تو زندگی کی حرص سارے لوگوں سے سوا ہے یہ تو چاہتے ہیں کہ ہزار برس جیتے رہیں یہ موت سے ڈرتے اور بہت بھاگتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ
تو کہہ موت وہ جس سے تم بھاگتے ہو
مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ
سو وہ تم سے ضرور ملنے والی ہے پھر تم پھیرے جاؤ گے
اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ
اُس چھپے اور کھلے جاننے والے کے پاس
فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۸
پھر جتلا دے گا تم کو جو تم کرتے تھے ☆

موت سے ڈر کر کہاں بھاگو گے ☆ یعنی موت سے ڈر کر کہاں بھاگ سکتے ہو ہزار کوشش کرو مضبوط قلعوں میں دروازے بند کر کے بیٹھ رہو وہاں بھی موت چھوڑنے والی نہیں اور موت کے بعد پھر وہی اللہ کی عدالت ہے اور تم ہو (ربط) یہود کی بڑی خرابی یہ تھی کہ کتابیں پیٹھ پر لدی ہوئی ہیں لیکن ان سے منتفع نہیں ہوتے دین کی بہت سی باتیں سمجھتے بوجھتے 'پر دنیا کے واسطے چھوڑ بیٹھتے دنیا کے دھندوں میں منہمک ہو کر اللہ کی یاد آخرت کے تصور کو فراموش کر دیتے ایسی روش سے ہم کو منع کیا گیا۔ جمعہ کا تقید بھی ایسا ہی ہے کہ اس وقت دنیا کے کام میں نہ لگو بلکہ پوری توجہ اور خاموشی سے خطبہ سنو اور نماز ادا کرو حدیث میں ہے کہ "جو کوئی خطبہ کے وقت بات کرے وہ اس گدھے کی طرح ہے جس پر کتابیں لدی ہوں"۔ یعنی اس کی مثال یہود کی سی ہوئی العیاذ باللہ!۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ الخ یعنی جس موت سے تم کو انتہائی ڈر لگتا ہے کہ تم کو تمہاری بداعمالی کے جرم میں پکڑا جائے گا وہ ضرور تم کو آ کر رہے گی اس سے بھاگنا سودمند نہ ہوگا۔

اس جملہ میں آمد موت کی انتہائی تاکید کے لئے ان کو مکرر ذکر کیا یہودیوں کو کفر اور معاصی پر سخت اصرار تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کو موت سے سخت انکار ہے اس لئے موت کے آنے کی خبر کو پر زور طور پر ذکر کرنا ہی مناسب تھا۔

نکتہ: موت سے بھاگنا موت کے جلد آنے کا موجب ہے کیوں کہ موت سے فرار موت کی طرف سے غافل بنا دیتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس غفلت کی حالت میں زندگی کتنی ہی طویل ہو اور عمر کتنی ہی لمبی ہو لیکن طول حیات کا احساس و شعور جاتا رہتا ہے اور موت جب بھی آئے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ جلد آ گئی اور جو شخص موت کا مشتاق رہتا ہے اس کو مختصر زندگی بھی طویل معلوم ہوتی ہے کیوں کہ اس پر زندگی شاق ہوتی ہے اور وہ ہر وقت موت کی آمد کا منتظر رہتا ہے خلاصہ یہ کہ موت سے فرار سرعت موت کا موجب ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

موت سے بھاگنے والے کی مثال

معجم طبرانی کی ایک مرفوع حدیث میں ہے موت سے بھاگنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک لومڑی ہو جس پر زمین کا کچھ قرض ہو وہ اس خوف سے کہیں یہ مجھ سے مانگ نہ بیٹھے بھاگتے بھاگتے جب تھک جائے تب اپنے بھٹ میں گھس جائے جہاں گھسی اور زمین نے پھر اس سے تقاضا کیا کہ لومڑی میرا قرض ادا کر۔ پھر وہاں سے دم دبائے ہوئے تیزی سے بھاگی۔ آخر یونہی بھاگتے بھاگتے ہلاک ہو گئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ
اے ایمان والو جب اذان ہو

لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا

نماز کی جمعہ کے دن تو دوڑو

اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ط

اللہ کی یاد کو اور چھوڑ دو خرید و فروخت ☆

جمعہ کی اذان اور خطبہ ☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ''ہر اذان کا یہ حکم نہیں کیونکہ جماعت پھر بھی ملے گی۔ اور جمعہ ایک ہی جگہ ہوتا تھا پھر کہاں ملے گا''۔ اور اللہ کی یاد سے مراد خطبہ ہے اور نماز بھی اس کے عموم میں داخل ہے یعنی ایسے وقت جائے کہ خطبہ سنے اس وقت خرید و فروخت حرام ہے اور ''دوڑنے'' سے مراد پورے اہتمام اور مستعدی کے ساتھ جانا ہے بھاگنا مراد نہیں (تنبیہ) ''نُودِيَ'' سے مراد قرآن میں وہ اذان ہے جو نزول آیت کے وقت تھی یعنی جو امام کے سامنے ہوتی ہے کیونکہ اس سے پہلی اذان بعد کو حضرت عثمان غنیؓ کے عہد میں صحابہ کے اجماع سے مقرر ہوئی ہے لیکن حرمت بیع میں اس اذان کا حکم بھی مثل حکم اذان قدیم کے ہے کیونکہ اشتراک علت سے حکم میں اشتراک ہوتا ہے البتہ اذان قدیم میں یہ حکم منصوص وقطعی ہو گا اور اذان حادث میں یہ حکم مجتہد فیہ اور ظنی رہے گا۔ اس تقریر سے تمام علمی اشکالات مرتفع ہو گئے نیز واضح رہے کہ ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا'' یہاں عام ''مخصوص منہ البعض'' ہے کیونکہ بالا جماع بعض مسلمانوں (مثلاً مسافر ومریض وغیرہ) پر جمعہ فرض نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

جمعہ کی وجہ تسمیہ

جمعہ کو جمعہ کہنے کی کیا وجہ ہے۔ علماء نے مختلف توجیہات کی ہیں۔ اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ دور جاہلیت میں یعنی دور اسلامی سے پہلے جمعہ کو العروبۃ کہتے تھے یعنی عظمت والا کھلا ہوا دن۔ اَعْرَبَ کا معنی ہے ظاہر کیا عروبۃ اسی سے ماخوذ ہے۔

کعب بن لوی کا اجتماع اور خطاب: سب سے پہلے اس دن کا نام کعب بن لوی نے رکھا کعب نے ہی عربی خطبہ میں سب سے پہلے اما بعد کا لفظ استعمال کیا اس روز قریش کعب کے پاس جمع ہوتے تھے کعب ان کو خطاب کرتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر دیتا اور آپ کی پیدائش سے آگاہ کرتا تھا اور حکم دیتا تھا کہ جب پیدا ہو جائیں تو ان پر ایمان لانا اور ان کی پیروی کرنا اور اسی مضمون کے کچھ اشعار بھی سناتا تھا پہلے بنی اسماعیل تعمیر کعبہ سے تاریخ کا حساب لگایا کرتے تھے جب کعب بن لوی مر گیا تو اس کی وفات سے تاریخ کا حساب کرنے لگے اس کے بعد عام الفیل (حبشیوں کا کعبہ کو ڈھا دینے کے لئے مکہ معظمہ پر چڑھائی کرنے کا سال) سے حساب کرنے لگے یہی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا بھی تھا عام الفیل سے حساب کرنے کا دستور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت تک رہا اس کے بعد ہجرت نبوی سے حساب کیا جانے لگا۔ کعب کی وفات اور بعثت نبوی کے درمیان ۵۶۰ برس کا فصل ہوا۔ شرح خلاصۃ السیر۔

جمعہ کی حقیقت اور سب سے اول جمعہ کا قیام

امام احمد نسائی ابن خزیمہ اور ابن حبان نے حضرت سلمانؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم کو علم ہے کہ یوم الجمعہ کیا ہے (یعنی اس کی وجہ تسمیہ اور حقیقت کیا ہے) میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی جانے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین بار فرمائی تیسری مرتبہ میں فرمایا یہی وہ دن ہے جس میں تمہارے باپ (کے تخلیقی مادہ) کو جمع کیا گیا۔ اس حدیث کی شاہد حضرت ابو ہریرہ کی روایت بھی ہے۔ جس کو ابن ابی حاتم نے موقوفاً قوی سند سے اور امام احمد نے مرفوعاً ضعیف سند سے بیان کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا یہی بات زیادہ صحیح ہے۔ اسی سے متصل ہے وہ بیان جسکو عبدالرزاق نے بروایت ابن سیرین صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے بیان یہ ہے کہ انصار اسعد بن زرارہ کے پاس جمع ہوتے تھے اور یوم جمعہ کو یوم عروبہ کہتے تھے اسعد بن زرارہ ان کو نماز پڑھاتے اور نصیحت کرتے تھے اس وجہ سے انصار نے اس دن کا نام یوم الجمعہ رکھ دیا یہ قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے کا ہے بعض اہل روایت کا قول ہے کہ ایسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ہوا تھا دارقطنی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جمعہ پڑھنے (اور اس روز سب کے جمع ہونے) کا حکم دیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیر کو لکھا تھا اما بعد تم کو دیکھنا چاہئے کہ یہودی کس روز زبور کی تلاوت جہر کے ساتھ کرتے ہیں اسی روز تم اپنی عورتوں اور بچوں کو جمع کرو اور جمعہ کی (یعنی جمع ہونے کے) دن دن ڈھلے سب مل کر دو رکعتیں پڑھ کر اللہ کا قرب حاصل کرو۔ راوی کا بیان ہے کہ سب سے پہلے حضرت مصعب نے جمعہ پڑھا (اور پڑھتے رہے) یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ اس بیان کی سند میں ایک راوی احمد بن محمد بن غالب باہلی ہے جس پر وضع حدیث کا (محدثین نے) الزام لگایا ہے۔ زہری نے کہا اس متن کا مرسل ہونا معروف ہے۔

بعض اہل روایت نے کہا کہ ایسا صحابہ کے اجتہاد سے کیا گیا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکم نہیں دیا تھا) عبدالرزاق نے صحیح سند سے محمد بن سیرین کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے اور جمعہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے ہی اہل مدینہ نے جمعہ پڑھا تھا انصار نے کہا کہ یہودیوں کا ہر سات دن میں ایک دن ہے جس میں وہ جمع

ہوتے ہیں اور عیسائی بھی ہر ہفتے میں ایک مقرر دن جمع ہوتے ہیں لہٰذا ہم کو بھی ایک دن مقرر کر لینا چاہیے جس میں ہم جمع ہو کر نماز پڑھیں اللہ کی یاد کریں اور شکر ادا کریں حسب مشورہ انصار نے یوم العروبہ مقرر کر دیا اور حضرت اسعد بن زرارہ کے پاس جمع ہوئے اور آپ نے ان کو نماز پڑھائی اور اس کے بعد اللہ نے آیت اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ الخ نازل فرمائی۔ حافظ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے لیکن حسن سند سے اس کا ایک شاہد بھی ہے جس کو ابوداؤد و ابن ماجہ ابن خزیمہ اور بعض دوسرے علماء نے حضرت کعب بن مالک کی روایت سے بیان کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اس کو صحیح کہا ہے حضرت کعب نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں رونق افروز ہونے سے پہلے ہم کو جمعہ کی نماز اسعد بن زرارہ نے پڑھائی۔ الحدیث۔ حضرت کعب جب جمعہ کی اذان سنتے تھے تو حضرت اسعد بن زرارہ کے لئے دعاء رحمت کرتے تھے۔ عبدالرحمٰن بن کعب کا بیان ہے میں نے حضرت کعب سے پوچھا آپ حضرات اس زمانہ میں کتنے تھے فرمایا چالیس' ابن سیرین کی مرسل حدیث بتارہی ہے کہ اُن صحابہ نے یوم جمعہ کا انتخاب (اور نماز کے لئے تعین) اپنے اجتہاد سے کیا تھا۔ اور ممکن ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے اسی زمانہ میں جمعہ کے متعلق وحی آ گئی ہو لیکن (ماحول کو دیکھ کر) آپ جمعہ قائم نہ کر سکے ہوں جیسا کہ حضرت ابن خزیمہ کی حدیث میں اور اس کے بعد والی مرسل روایت میں آیا ہے یہی وجہ ہوگی کہ مدینہ میں پہنچتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جمعہ کی نماز پڑھائی۔

رسول اللہ ﷺ کے مدینے میں رونق افروز ہونے اور پہلی نماز جمعہ پڑھنے کا بیان

اہل مدینہ کا انتظار کرنا اور راہ دیکھنا

بخاری نے حضرت عائشہ کی روایت سے اور ابن سعد نے صحابہ کی ایک جماعت کے حوالہ سے بیان کیا کہ مدینہ میں جب مسلمانوں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے روانہ ہو گئے ہیں تو ہر روز صبح کو مدینہ سے نکل کر حرہ میں پہنچتے اور انتظار کرتے رہتے جب سورج میں تیزی آ جاتی اور دوپہر کی دھوپ ستانے لگتی تو واپس آ جاتے یہ زمانہ گرمی کا تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا دن ہوا تو لوگ انتظار کرنے کے بعد اپنے گھروں کو چلے گئے تھے۔ یہودی اپنی گڑھی پر کسی کام سے چڑھا ہوا مدینہ کو آنے والے راستہ کی طرف دیکھ رہا تھا جونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کی نظر پڑی فوراً بلند آواز میں اس نے پکارا قیلیے والو یہ آ گئے وہ صاحب جن کا تم انتظار کرتے تھے آواز سنتے ہی مسلمان دوڑ پڑے اور جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی تاریخ

یہ واقعہ یکم ربیع الاول روز دوشنبہ کا ہے جریر بن حازم نے ابواسحاق کی روایت سے دوسری ربیع الاول آمد کی تاریخ بتائی ہے ابراہیم بن سعد نے بروایت ابن اسحاق بارہ تاریخ اور ابوسعدی نے ۱۳ تاریخ بیان کی ہے حافظ نے کہا اکثر کا قول ہے کہ دن میں پہنچے تھے مسلم کی روایت ہے کہ رات کو آئے تھے دونوں روایتوں کا اختلاف اسی طرح دور کیا جا سکتا ہے کہ آخر شب یعنی ابتداء صبح میں پہنچے ہوں۔

بنی عمرو بن عوف کے محلّہ میں قیام

اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں پہنچے اور بنی عمرو بن عوف (کے محلہ) میں کلثوم بن ہدم اور ابوبکر حبیب بن اساف کے گھر فروکش ہوئے کلثوم نے چیخ کر غلام کو آواز دی نجیح نجیح کا لفظ سنتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر ہم کامیاب ہو گیا۔ (نجیح کا معنی ہے کامیاب۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ سے نیک فال لی) قبا میں کلثوم بن ہدم کی ایک ایسی جگہ تھی جہاں خشک کرنے کے لئے چھوارے پھیلائے جاتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ جگہ لیکر وہاں مسجد تعمیر کرادی۔

بنی عمرو کی مسجد: صحیح روایت میں آیا ہے کہ بنی عمرو بن عوف (کے محلہ) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا اور وہاں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ ایسی مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے (یعنی لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى سے یہی مسجد مراد ہے)۔

صحیح روایت میں آیا ہے کہ بنی عمرو کے محلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس روز سے کچھ زائد قیام فرمایا۔

بنی نجار کی حاضری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر میں تشریف لے جانا

امام احمد اور بخاری و مسلم نے حضرت ابوبکر کی روایت سے اور سعید بن منصور نے حضرت ابن زبیر کے حوالہ سے اور ابن اسحاق نے حضرت عویمر بن ساعد کی نسبت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نجار کو بلوایا بنی نجار آپ کے (رشتہ کے) ماموں ہوتے تھے کیوں کہ عبدالمطلب کی ماں اسی خاندان کی تھیں وہ لوگ تلواریں لٹکائے حاضر ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے کہا تشریف لے چلئے آپ سب امن چین میں رہیں گے اور آپ کے حکم کی تعمیل کی جائے گی۔ یہ جمعہ کا دن تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قصویٰ (نام والی) اونٹنی پر سوار ہو گئے لوگ آپ کے دائیں بائیں اور پیچھے ہو لئے کچھ لوگ سوار تھے کچھ پیدل۔ یہ دیکھ کر بنی عمرو بن عوف

جمع ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ ہمارے مکان سے بہتر مکان کے خواستگار ہیں کہ یہاں سے تشریف لئے جا رہے ہیں فرمایا مجھے ایسی آبادی میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے جو سب بستیوں کو کھالے گی اس لئے تم اس (اونٹنی) کو چھوڑ دو یہ خدا کی طرف سے مامور ہے (جہاں حکم ہوگا وہیں ٹھہر جائے گی) غرض مدینہ کو پہنچنے کے ارادے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبا سے چلدیئے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لئے آئے ہوئے تھے جو کہہ رہے تھے اللہ اکبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ عورتیں اور لڑکیاں اور بچے کہہ رہے تھے (نظم) وداع کی گھاٹیوں سے چودھویں کا چاند نکل آیا جب تک دعا کرتے رہیں (یعنی ہمیشہ) شکر ادا کرنا ہم پر لازم ہے اے وہ رسول جس کو ہمارے اندر بھیجا گیا ہے آپ اس حکم کے ساتھ تشریف لائے ہیں جس کی تعمیل کی جائے گی (یعنی آپ کے ہر حکم کی ہم تعمیل کریں گے)

اہل مدینہ کی خوشی اور شوق: امام احمدؒ نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں تشریف لانے کی خوشی میں حبشی چھوٹے برچھے لے کر کھیل دکھانے لگے۔ بخاری نے حضرت براء کی روایت سے لکھا ہے حضرت براء نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے اہل مدینہ جتنا خوش ہوئے میں نے اتنا خوش ہوتے ان کو کبھی نہیں دیکھا۔ انصار کے جس گھر کی طرف سے آپ گذرتے تھے وہ کہتے تھے یا رسول اللہ تشریف لایئے (آپ کے لئے) حفاظت و فراغت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دعاء خیر دیتے یہ (اونٹنی) مامور ہے اس کا راستہ چھوڑ دو بنی سالم کی طرف سے گذرے تو عتبہ بن مالک اور نوفل بن عبداللہ بن مالک آئے اور نوفل نے آپ کی اونٹنی کی مہار پکڑ لی اور عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے پاس نزول اجلال فرمایئے ہمارے لوگوں کی تعداد بھی بہت ہے اور سامان بھی کثیر ہے اور اسلحہ بھی ہیں اور ہم باغوں والے ہیں۔

یا رسول اللہ جو عرب دشمن سے ڈر کر آتا تھا ہمارے پاس آ کر پناہ لیتا ہے (ہم ہی اس کو پناہ دیتے تھے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے لگے اور فرمایا (اس کے راستہ سے ہٹ جاؤ) اس اونٹنی کو چھوڑ دو یہ (اللہ کی طرف سے) مامور ہے عبداللہ بن صامت اور عباس بن فضلہ بھی آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اتر جایئے فرمایا اللہ تم کو برکت دے یہ اونٹنی مامور ہے مسجد بنی سالم (کے مقام) پر پہنچے یہ مسجد وادی وانونا میں واقع تھی۔ بغوی نے لکھا ہے کہ جمعہ کے دن بنی سالم بن عمرو بن عوف (کے محلہ) میں آیا اور اسی مسجد میں آپ نے نماز جمعہ ادا کی یہ بھی لکھا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں جمعہ کی اول نماز پڑھی اور مدینہ ہی میں جمعہ کا پہلا خطبہ دیا یہ

بھی مروی ہے کہ آپ مسجد قبا میں نماز پڑھتے تھے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جمعہ کی نماز پڑھی تو آپ کے ساتھ سو آدمیوں نے نماز پڑھی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم راستہ سے دائیں سمت کو ہو لئے (یعنی مڑ گئے) بنی ساعدہ کی طرف سے گذر ہوا تو سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو اور ابو دجانہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لے آیئے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کے ساتھ ثروت و طاقت اور دلیری کا مقام ہے سعد نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثروت دلیری کثرت تعداد اور اس کے ساتھ کھجور کے خوشوں کی فراوانی اور کنواں میری قوم سے بڑھ کر کسی قبیلے کے پاس نہیں ہے (میرے ہی قبیلہ میں نزول فرمایئے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو ثابت اس کا راستہ چھوڑ دو۔ (اس سے تعرض نہ کرو جہاں ٹھہرنا ہے یہ ٹھہر جائے گی اللہ کی طرف سے) یہ مامور ہے اس کے بعد آپ اور بڑھے راستہ میں سعد بن ربیع عبداللہ بن رواحہ اور بشیر بن سعد سامنے آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو چھوڑ کر آگے نہ بڑھیے کہاں تشریف لے جانے کا ارادہ ہے۔ زیاد بن لبید اور فروہ بن عمر نے بھی یہی گذارش کی لیکن حضور نے یہی فرمایا اس کا راستہ چھوڑ دو یہ مامور ہے اس کے بعد بنی عدی نجاری کی طرف گذر ہوا یہ لوگ آپ کے ماموں تھے۔ (عبدالمطلب کی ماں اسی قبیلہ کی تھیں) ابو سلیط اور صرفہ بن ابی انیس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو چھوڑ کر آگے نہ جایئے ہماری تعداد بھی (بہت) ہے قوت بھی ہے اور آپ سے قرابت بھی ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ آپ سے قرابت بھی ہے اس لئے ہمارے مقابلہ میں کوئی دوسرا قبیلہ آپ کا مستحق نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کا راستہ چھوڑ دو یہ بندہ حکم ہے۔ (خود مختار نہیں ہے) غرض اونٹنی اور آگے چلی یہاں تک کہ جب نبی عدی بن تجار کے احاطہ کے سامنے پہنچی تو ان کی جانب رخ کر کے کچھ ٹھہری بالآخر آپ چلتے چلتے مسجد کے دروازہ تک پہنچے مسجد کے دروازہ تک پہنچ کے اونٹنی بیٹھ گئی جبار بن صخر اس کو اس امید پر مارنے لگے کہ شاید اٹھ کھڑی ہو لیکن اونٹنی نہیں اٹھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتر پڑے اور فرمایا کس کا گھر یہاں سے زیادہ قریب ہے ابو ایوب نے عرض کیا میرا یہ گھر زیادہ قریب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر فروکش ہو گئے اور چار مرتبہ دعا کی اے اللہ برکت والے مقام میں ہم کو نازل فرما تو بہترین اتارنیوالا ہے۔ طبرانی نے حضرت ابن الزبیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو ایوبؓ کے مکان پر اترے اور زیدؓ بن حارثہ بھی ساتھ تھے۔

حضرت ابو ایوبؓ کا گھر: ابن اسحاق نے المبتدا میں اور ابن ہشام نے التیجان میں بیان کیا ہے کہ ابو ایوب کے جس گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اترے تھے وہ مدینہ کے اگلے حصہ میں تھا۔ اس کی تعمیر تبع اول نے کی تھی تبع کے ساتھ چار سو علماء یہود بھی تھے ان علماء نے آپس میں طے کر لیا کہ اس جگہ سے باہر نہیں جائیں گے۔ تبع نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا ہم اپنی کتاب میں پاتے ہیں کہ ایک نبی جن کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا یہ مقام ان کا دار ہجرت ہوگا ہم اس وجہ سے یہاں مقیم ہونا چاہتے ہیں کہ شاید ان کو پالیں۔

یہ سن کر تبع نے بھی وہیں مقیم ہونے کا ارادہ کر لیا لیکن پھر اس کی رائے ہوئی کہ ان علماء میں سے ہر ایک کا ایک مکان تعمیر کرا دے تو اس نے ہر عالم کے لئے ایک مکان بنوا دیا اور ایک ایک باندی خرید کر ہر عالم کو نکاح کرا دیا اور ہر شخص کو کثیر مال دیا اور ایک تحریر لکھ دی جس میں اپنے مسلمان ہو جانے کا اظہار کیا اس تحریر میں یہ بھی لکھا تھا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ احمد اللہ کے رسول ہیں اگر میری عمران کی پیدائش تک ہوتی تو میں ان کا مددگار ہوتا تبع نے اس تحریر پر سونے کی مہر لگا کر سرگروہ احبار (یہودی علما کے سردار) کے سپرد کر دی اور اس سے درخواست کی کہ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پالے تو ان کی خدمت میں پیش کر دے ورنہ اس کا بیٹا پوتا وغیرہ جو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائے یہ تحریر ان کو پہنچا دے تبع نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک مکان بھی تعمیر کرا دیا تھا تاکہ آپ جب مدینہ میں آئیں تو اس مکان میں فروکش ہوں۔ اس مکان کی ملکیت نوبت بنوبت چکر کاٹتی ہوئی ابوایوب تک پہنچی ابوایوب اسی عالم کی نسل میں سے تھے جو علماء یہود کا سردار تھا مدینہ والوں میں سے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی وہ اسی عالموں میں سے کسی عالم کی نسل میں سے تھا جن کو تبع نے مدینہ میں آباد کیا تھا کہا جاتا ہے کہ تبع کی وہ تحریر جس میں اس کے اشعار تھے ابو یوسف کے پاس تھی جو ابو یوسف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دی تھی۔ یہ روایت غریب ہے۔

کس اذان پر خرید وفروخت چھوڑ دی جائے

آیت میں نداء سے مراد وہ اذان ہے جو خطبہ کے لئے امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے۔ ابن یزید کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں جمعہ کی اذان اس وقت دی جاتی تھی جب امام خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھ جاتا تھا۔ جب حضرت عثمان کا زمانہ آیا اور جمعہ کی نماز پڑھنے والے آدمی بہت ہو گئے۔ تو آپ نے تیسری اذان جو منارہ پر ہوتی تھی بڑھا دی۔

صحیح یہ ہے کہ خرید وفروخت اور سارے مشاغل ترک کر کے نماز جمعہ کے لئے تیزی کے ساتھ لپکنا پہلی اذان (یعنی منارہ والی اذان) سن کر ہی واجب ہو جاتا ہے کیوں کہ اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ کا لفظ عام ہے (یعنی جب بھی جمعہ کے لئے اذان دی جائے) اور عموم کے تحت اذان اول ہی آتی ہے۔

نماز کی طرف وقار سے آؤ: صحاح ستہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب نماز قائم ہو جائے تو تم اس کی طرف سعی کرتے (یعنی دوڑتے) ہوئے نہ آؤ بلکہ پرسکون اور باوقار طریقہ سے چل کر آؤ پھر جتنی نماز مل جائے (امام کے ساتھ) پڑھ لو جتنی فوت ہو جائے اس کو پورا کر لو امام احمدؒ کی روایت میں پورا کرنے کی جگہ آیا ہے اس کو قضا کر لو۔

اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ۔ ذکر سے مراد ہے نماز سعید بن مسیب نے فرمایا امام کی نصیحت یعنی خطبہ مراد ہے۔

وَذَرُوا الْبَیْعَ۔ بیع سے (صرف خرید فروخت ہی مراد نہیں بلکہ اس سے) مراد ہیں وہ تمام مشاغل جو نماز سے روکنے والے ہیں اس مطلب پر جمعہ کی نماز کے لئے جاتے ہوئے راستہ میں خرید فروخت کرنا جائز ہوگا۔

بیع کا خصوصی ذکر اس لئے کیا کہ اکثر لوگ زوال کے بعد بازاروں کے اندر خرید وفروخت میں مشغول رہتے تھے۔

ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ۔ یہ اذان کے بعد تمام مشاغل کو ترک اور نماز کی سعی کرنا تمہارے لئے بیع وشراء سے بہتر ہے اگر تم اپنے ذاتی مصالح کو جانتے ہو تو ایسا کرو۔

اگر کوئی اذان کے وقت خرید وفروخت کرے تو وہ بیع ہو جائیگی

اذان جمعہ کے وقت خرید فروخت یا ارض مغصوبہ میں نماز فاسد نہیں ہو جاتی بیع بھی صحیح رہتی ہے اور نماز بھی۔ یہ تفریق امام ابوحنیفہ نے کی اور امام شافعی نے اس کی تائید کی۔

جمعہ کے احکام وفضائل: قرآن وحدیث اور اجماع علماء کی روشنی میں صلوٰۃ جمعہ فرض محکم (ناقابل نسخ) ہے اس کا منکر کافر ہے آیت مذکورہ سے جمعہ کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ نماز جمعہ کی اذان ہونے پر سعی کا حکم مرتب کیا گیا ہے ذکر سے مراد بظاہر نماز ہی ہے یا خطبہ مراد ہے اولیٰ یہ ہے کہ نماز اور خطبہ دونوں مراد ہیں کیونکہ ذکر کا لفظ دونوں کو شامل ہے۔

امت محمدیہ کی فضیلت: حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم (دنیا میں) پچھلے ہیں اور قیامت کے روز آگے ہوں گے مگر اتنی بات ہے کہ ان کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی اور ہم کو ان کے بعد پھر یہ دن یعنی جمعہ کا دن ان کا تھا اللہ نے ان پر (عبادت) فرض کی تھی مگر ان کا آپس میں جمعہ کے سلسلہ میں اختلاف ہو گیا لیکن اللہ نے ہم کو اس کی راہ دکھا دی دوسرے لوگ اس میں ہمارے پیچھے ہو گئے۔ یہودی دوسرے دن اور عیسائی ان کے بھی بعد (تیسرے دن) جا پڑے (متفق علیہ)۔

جمعہ نہ پڑھنے سے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے

حضرت ابو عمر اور حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

منبر کے تختوں پر (بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہوئے) فرما رہے تھے جمعوں کو ترک کرنے والے ترک سے باز آ جائیں ورنہ اللہ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا پھر وہ غافلوں میں سے ہو جائیں گے۔ رواہ مسلم۔

جمعہ نہ پڑھنے والوں کے گھروں کو آگ لگا دوں

حضرت ابن مسعود راوی ہیں کہ کچھ لوگ جمعہ کی نماز میں نہیں آتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا میرا ارادہ ہے کہ (اپنی جگہ) کسی شخص کو نماز پڑھانے کے لئے مقرر کر کے خود جا کر ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگا دوں جو جمعہ میں نہیں آتے (مسلم)

جن پر جمعہ واجب نہیں: حضرت طارق بن شہاب نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ ہر مسلمان پر سواء چار آدمیوں کے حق واجب ہے۔ غلام۔ عورت۔ بچہ۔ بیمار۔ رواہ ابوداؤد۔ ابوداؤد نے کہا طارق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ضرور تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سنا نہیں۔ میں کہتا ہوں ابوداؤد کے اس تبصرہ کی بناء پر حدیث مرسل صحابی ہوگی۔ اور مرسل صحابی باتفاق ائمہ قابل استدلال ہے۔

نووی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث حسب شرط شیخین صحیح ہے بیہقی نے برطریق بخاری تمیم داری کا قول بیان کیا ہے کہ سواء بچہ یا غلام یا مسافر کے (ہر شخص پر) جمعہ واجب ہے رواہ الطبرانی عن الحاکم وابن مردویہ اس روایت میں عورت اور بیمار کا بھی استثناء ہے۔

تین جمعے چھوڑنے کی سزا: حضرت ابو جعد ضمیری صحابی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تین جمعے حقیر سمجھتے ہوئے ترک کر دے گا اللہ اس کے دل پر چھاپ لگا دے گا رواہ احمد وابوداؤد و الترمذی والنسائی۔ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

بغیر عذر کے جمعہ ترک کرنا: حضرت عبداللہ بن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے بغیر عذر کے جمعہ ترک کر دیا اس کو منافق لکھ دیا جائے گا اس کتاب میں جس کو نہ مٹایا جائے گا نہ تبدیل کیا جائے گا۔ بعض روایات میں تین جمعوں کا لفظ ہے رواہ الشافعی ابو یعلی کی روایت میں آیا ہے جس نے متواتر تین جمعے ترک کر دیے اس نے اسلام کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا اس حدیث کے راوی قابل اعتماد ہیں۔

جس کو جمعہ کی پرواہ نہیں اس کی اللہ کو پرواہ نہیں

حضرت جابر بن عبداللہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ واجب ہے سواء اس کے کہ بیمار ہو یا مسافر یا عورت یا بچہ یا غلام جو شخص کھیل یا تجارت میں مشغول رہ کر (جمعہ کی) پرواہ نہیں کرے گا اللہ کو بھی اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ اللہ بے نیاز اور مستحق ستائش ہے۔ رواہ الدارقطنی۔ علماء کا اجماع ہے کہ جمعہ فرض عین ہے (ہر شخص پر واجب ہے) جو شخص اس کو فرض کفایہ کہتا ہے۔ غلطی کرتا ہے۔

مسافر پر جمعہ واجب نہیں: مسافر پر جمعہ باجماع علماء واجب نہیں۔ زہری اور نخعی کا ایک قول روایت میں آیا ہے کہ مسافر اگر جمعہ کی اذان سن لے تو اس پر جمعہ واجب ہو جاتا ہے۔ غلام اور عورت پر جمعہ واجب نہیں۔

نابینا: اگر کوئی ایسا رہبر نہ ہو جو نابینا کو جمعہ کی نماز تک پہنچا دے تو نابینا پر باتفاق علماء جمعہ واجب نہیں۔

مسئلہ: اگر غلام یا مسافر یا عورت یا مریض جمعہ کی نماز میں آ جائے اور جمعہ پڑھ لے تو جمعہ صحیح ہو جاتا ہے اور ظہر کا فرض ساقط ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شہر کے اندر صرف غلاموں اور مسافروں کے ساتھ بھی جمعہ کی نماز صحیح ہو جاتی ہے جب کہ جماعت میں کوئی مقیم یا حر (آزاد) نہ ہو۔ صرف بچوں اور عورتوں کا جمعہ باتفاق درست نہیں۔ جمعہ تمام مردوں پر واجب ہے عورتوں پر باجماع علماء واجب نہیں اور بچے تو مامور ہی نہیں کیوں کہ وہ شرعاً مکلف نہیں ہیں۔ سب مردوں پر وجوب اس وجہ سے ہے کہ آیت فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ میں خطاب عمومی ہے لیکن غلاموں مسافروں اور معذوروں کو ترک جمعہ کی اجازت دیدی گئی ہے اب اگر ان میں سے کوئی جمعہ پڑھ لے تو اس نے اپنا فرض ادا کر دیا اس لئے اس کا جمعہ صحیح ہو گیا۔ جیسے اگر کوئی مسافر سفر میں رمضان کے روزے رکھ لے تو ادائیگی فرض ہو جاتی ہے۔

جمعہ کے لئے خطبہ: جمعہ کی نماز کے لئے باتفاق علماء خطبہ شرط ہے کیونکہ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ میں ذکر سے خطبہ مراد ہے۔

حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن دو خطبے دیتے تھے اور دونوں کے درمیان جلسہ ہوتا تھا۔ متفق علیہ۔

مسلم کی روایت ہے کہ جمعہ کے دن حضرت کعب بن عجرہ مسجد میں داخل ہوئے ابن ام حکم بیٹھ کر خطبہ دے رہا تھا آپ نے فرمایا اس خبیث کو دیکھو بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے حالانکہ اللہ فرماتا ہے اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا۔ ابن ہمام نے اس حدیث سے قیام واجب نہ ہونے پر استدلال کیا ہے کیونکہ نہ حضرت کعب نے ابن الحکم کی نماز فاسد ہو جانے کا حکم دیا اور نہ کسی اور نے۔ اس سے معلوم ہوا صحابہ قیام کو لازم نہیں جانتے تھے۔

مسئلہ: خطبے میں پانچ باتیں ہونا مسنون ہیں۔ اللہ کی حمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت، مومن مردوں اور عورتوں کے لئے دعا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ سب واجب ہیں۔ دونوں خطبوں کے لئے طہارت بھی واجب ہے، امام شافعی کا قوی قول یہی ہے۔

مسئلہ: خطبہ ہو رہا ہو تو حاضرین کے لئے کلام کرنا حرام ہے خواہ خطبہ سنائی دے رہا ہو یا سنائی نہ دے رہا ہو امام مالک اور امام ابوحنیفہ کا یہی فتویٰ ہے۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام خطبہ دے رہا ہو اور تیرا ساتھی کوئی بات کر رہا ہو اور تو اپنے ساتھی سے کہے چپ رہ تو تو نے لغو بات کی (یعنی یہ کہنا بھی لغو ہے)

امام احمد نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن جب امام خطبہ دے رہا ہو اور کوئی شخص بات کرے تو وہ گدھے کی طرح ہے جو کتابیں اپنے اوپر لادے ہوئے (پھر رہا) ہو یہ دونوں حدیثیں خطبہ کے وقت حرمت کلام پر دلالت کر رہی ہیں اسی طرح آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ الخ بھی (خطبہ کے وقت) بات کرنے کی حرمت پر دلالت کر رہی ہے۔

حضرت حسن وحسین کے لئے منبر سے اترنا

ابن خزیمہ اور حاکم نے حضرت بریدہ کی حدیث نقل کی ہے۔ حضرت بریدہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے۔ اتنے میں حسن اور حسین سرخ (یعنی سرخ دھاری والی) قمیصیں پہنے پاؤں پاؤں چلتے ہوئے آ گئے دونوں کی چال میں لرزش تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فوراً منبر سے اتر آئے اور دونوں کو اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا پھر فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایک امتحان ہے میں نے ان دونوں بچوں کو لرزتے قدموں سے چلتے دیکھا تو مجھ سے رُکا نہ گیا آخر میں نے اپنی بات (یعنی خطبہ) کاٹ کر دونوں کو اٹھا لیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کی فرمانبرداری

ابوداؤد نے حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا کہ جمعہ کے دن جب منبر پر متمکن ہو گئے تو فرمایا بیٹھ جاؤ ابن مسعود نے یہ حکم سن لیا اس وقت وہ مسجد کے دروازے پر تھے۔ وہیں بیٹھ گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑ گئی فرمایا عبداللہ بن مسعود ادھر آ جاؤ۔

دوران خطبہ ایک شخص کا سوال: حضرت انسؓ راوی ہیں کہ جمعہ کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے ایک شخص آیا اور بولا قیامت کب ہو گی۔ لوگوں نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ خاموش رہے۔ مگر اس نے نہیں مانا اور وہی بات دوبارہ کہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے اس کے لئے کیا تیار کر رکھا ہے اس نے جواب دیا (صرف) اللہ اور اس کے رسول کی محبت۔ فرمایا تو اسی کے ساتھ ہو گا۔ جس سے تجھے محبت ہے۔ رواہ احمد کا والنسائی وابن خزیمہ والبیہقی۔

ایک دیہاتی کا سوال: حضرت انسؓ کی روایت ہے جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خطبہ دے رہے تھے) اسی اثنا میں ایک اعرابی نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (سارا) مال تباہ ہو گیا اس کے بعد پوری حدیث استسقاء راوی نے بیان کی۔ متفق علیہ۔

دوران خطبہ گفتگو کا مسئلہ: امام ابوحنیفہ نے فرمایا آیت فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا کے مقابل احادیث احاد کو لایا جائے اور آیت کو احادیث کا ہم وزن قرار دیا جائے ایسا ممکن نہیں (کیونکہ آیت یقینی قطعی ہے اور احادیث ظنی ہیں جو مفید یقین نہیں اس لئے آیت پر فتویٰ دیا جائے گا اور احادیث کو ترک کر دیا جائے گا) پھر یہاں تو احتیاط کا تقاضا بھی ہے کہ آیت پر ہی عمل کیا جائے اور خطبہ کے وقت سننے والوں کے لئے کلام کرنے کو ناجائز کہا جائے۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا۔ کلام مطلقاً حرام ہے آثار صحابہ سے یہی ثابت ہے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس حضرت ابن عمر اور حضرت علی کی طرف نسبت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ یہ حضرات امام کے برآمد ہونے کے بعد کلام اور نماز کو مکروہ قرار دیتے تھے۔

خطبہ کے دوران نماز: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا اگر تم اپنے ساتھی سے کہو چپ رہ تو تم نے لغو حرکت کی یہ حدیث بدلالۃ النص نماز اور تحیۃ المسجد سے منع کر رہی ہے کیوں کہ اس حدیث میں امر بالمعروف کی بھی ممانعت کی ہے اور امر بالمعروف کا درجہ سنت جمعہ اور تحیۃ المسجد سے بلند ہے لہٰذا سنت جمعہ ہوں یا تحیۃ المسجد بہرحال ان کا ممنوع ہونا بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوتا ہے۔

دارقطنی نے سنن میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے ایک آدمی مسجد میں آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے فرمایا اٹھ کر دو رکعتیں پڑھ لو اتنی دیر کہ وہ شخص نماز سے فارغ ہوا حضور خطبہ دینے سے رکے رہے۔

گاؤں میں جمعہ کا مسئلہ: باتفاق علماء صحراء میں نماز جمعہ جائز نہیں البتہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ وہ میدان جو شہر کے حکم میں ہے (یعنی شہر کے تابع ہے اگرچہ حدود آبادی سے باہر ہے) اس میں نماز جمعہ جائز ہے۔

جمعہ کی نماز کے لئے جماعت کا ہونا بھی بالاتفاق ضروری ہے۔ جمعہ کا لفظ ہی جماعت پر دلالت کر رہا ہے۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا جمعہ کی نماز صرف مصر جامع میں ہی جائز ہے مصر جامع سے مراد ہے وہ شہر جس میں کوچے گلیاں ہوں بازار ہوں وہاں ایک حاکم بھی ہو جو ظالم سے مظلوم کا حق دلوا سکتا ہو۔ خواہ وہ جابر ہو ظالم سے مظلوم کا حق نہ دلواتا ہو مگر اس کی قدرت رکھتا ہو وہاں ایک عالم بھی ہو جس کی طرف مختلف ضرورتوں میں رجوع کیا جا سکے۔

حوالی مدینہ کے رہنے والے اپنی بستی سے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (مسجد نبوی میں) جمعہ کی نماز پڑھتے تھے۔ (اپنی بستی میں نہیں

پڑھتے تھے) کذافی الصحیح۔

قبا کے رہنے والے بھی (قبا سے آکر جمعہ کی نماز) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھتے تھے۔ کذا روی ابن ماجہ و ابن خزیمۃ قبا کے ایک باشندے نے اپنے باپ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا تھا کہ قبا سے (مدینہ میں آکر) ہم جمعہ کی نماز میں حاضر ہوں۔

بیہقی کی روایت ہے کہ ذوالحلیفہ کے باشندے مدینہ میں آکر جمعہ کی نماز پڑھتے تھے۔

دور صحابہ میں مختلف ممالک اور متعدد شہر فتح ہوئے وہاں مسجدیں تعمیر کی گئیں منبر نصب کئے گئے اور جمعہ کی نماز قائم کی گئی لیکن اقامت جمعہ صرف شہروں میں ہوئی لیکن گاؤں میں نہیں ہوئی اگر کسی گاؤں میں جمعہ کی نماز قائم کی گئی ہوتی تو تاریخی روایات میں کہیں اس کا ذکر ضرور ہوتا۔

جو علماء قریہ گاؤں میں جواز جمعہ کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے اول جمعہ کی نماز بنی عمرو بن سلیم کے محلہ میں پڑھی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو بستی شہر کے قریب ہو اس میں جمعہ کی اقامت اسی طرح جائز ہے جیسے شہر کے کسی حاشیہ کے محلہ میں اور یہی نہیں بلکہ شہر کے باہر یعنی بستی کے باہر میدان میں جس کا تعلق شہر سے ہو جمعہ جائز ہے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک شہر ہونا ضروری ہے۔ اور شہر قریہ سے بڑا ہوتا ہے۔

اگر شہر (مصر) میں جمعہ کی نماز پڑھ لی تو بالاتفاق جمعہ ادا ہو گیا اور ظہر ساقط ہو گیا۔

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں جمعہ ہونے کے بعد جو جمعہ سب سے پہلے پڑھا گیا وہ جواثا میں پڑھا گیا۔ جو اثا بحرین میں ایک قریہ تھا۔ رواہ البخاری۔

جوہری نے صحاح میں لکھا ہے کہ جواثا بحرین میں ایک قلعہ تھا جب قلعہ کا نام جواثا تھا تو یقیناً جواثا شہر ہوا کیوں کہ قلعہ کا ایک حاکم بھی ہوتا ہے اور دینی عالم بھی (اس لئے ہر قلعہ شہر ہو گیا) مبسوط میں ہے کہ جواثا بحرین میں ایک مدینہ (بڑا شہر) تھا۔

جمعہ کے لئے کم از کم تعداد: امام ابوحنیفہ کے نزدیک (کم سے کم) چار ہونا ضروری ہیں کیوں کہ اللہ نے جمعہ کے متعلق فرمایا ہے۔

فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ فاسعوا کے مخاطب تین ہوئے (تین سے جمع شروع ہوتی ہے) اور ذکر کے لئے ایک ذاکر (خطیب) ہونا چاہئے مجموعہ چار ہو گئے میں کہتا ہوں امام صاحب کا یہ استدلال صحیح نہیں کیوں کہ جمع کا صیغہ اس لئے ذکر کیا کہ خطاب عام ہے تعداد جماعت شرط نہیں ورنہ لازم آئیگا کہ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ اور تمام امورات میں جماعت کی شرط ضروری ہو جائے۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ پنج وقتی جماعتوں سے جمعہ کی جماعت بڑی ہونا ضروری ہے جماعت ہر وقت کی نماز کی ہوتی ہے لیکن جمعہ کا لفظ بتا رہا ہے کہ دوسری جماعتوں سے جمعہ کی جماعت بڑی ہونی چاہئے اسی لئے جمعہ کو جامع الجماعات کہا جاتا ہے اور کم سے کم جماعت کا اطلاق دو پر ہوتا ہے اس لئے امام ابو یوسف نے تین مقتدی مع امام ہونے کی شرط لگائی ہے اور امام ابو حنیفہ نے امام کے علاوہ تین مقتدیوں کا ہونا ضروری قرار دیا ہے۔

مسئلہ: صحت جمعہ کے لئے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حاکم شہر یا اس کی اجازت سے کسی دوسرے کا امام ہونا لازم ہے امام مالک امام شافعی اور امام احمدؒ کے نزدیک امامت جمعہ کے لئے یہ شرط ضروری نہیں اور ایسی شرط ضروری قرار دینے کی کوئی قابل اعتماد دلیل بھی موجود نہیں ہے۔

جمعہ کا وقت: جمہور کے نزدیک ظہر کا وقت اداء جمعہ کی ضروری شرط ہے کیونکہ صلوٰۃ جمعہ ظہر کے قائم مقام ہے اداء جمعہ سے ظہر کا فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ اور جب تک ظہر واجب نہ ہو جمعہ بھی واجب نہ ہوگا اور ظہر کا قائم مقام نہ ہو سکے گا۔

حضرت انسؓ بن مالک کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز جمعہ پڑھنے کے بعد قیلولہ کرنے کے لئے لوٹتے تھے۔ رواہ البخاری۔

ہمارے مسلک کا ثبوت ان احادیث سے ہوتا ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں کہ (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر کو لکھ کر بھیجا تھا۔

اما بعد۔ دیکھو جس روز یہودی جہر کے ساتھ زبور کی تلاوت کرتے ہیں۔ (یعنی جمعہ کے دن) تم اپنی عورتوں اور بیٹوں کو اس روز جمع کرو اور جب زوال ہو جائے تو دو رکعتیں پڑھ کر اللہ کا تقرب حاصل کرو۔

(۲) حضرت انس راوی ہیں کہ جب سورج جھک جاتا تھا (یعنی زوال ہو جاتا تھا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز پڑھتے تھے۔ رواہ البخاری۔ والترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(۳) حضرت سلمہ بن اکوع کا بیان ہے کہ جب سورج ڈھل جاتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم جمعہ کی نماز پڑھتے تھے۔ رواہ مسلم

یوسف بن مالک کا بیان ہے کہ حضرت معاذ بن جبل جب مکہ شریف میں آئے تو اس وقت لوگ جمعہ کی نماز پڑھ رہے تھے۔ اور سایہ حجروں کے اندر تھا حضرت معاذؓ نے فرمایا اس وقت تک جمعہ کی نماز نہ پڑھا کرو جب تک کعبہ کا سایہ سامنے سے نہ آ جائے۔ (یعنی زوال نہ ہو جائے) رواہ الشافعیؒ۔

میں کہتا ہوں نماز جمعہ کے لئے عمومی اجازت کی ضرورت اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر کو تحریری حکم بھیجا تھا کہ مدینہ میں لوگوں کو جمعہ پڑھائیں لیکن مکہ میں حضور نے اس وقت خود جمعہ نہیں پڑھا حالانکہ اپنے گھر میں صرف صحابہ کو جمع کر کے جمعہ پڑھنا ممکن تھا لیکن اعلان عام ممکن نہیں تھا اس لئے جمعہ نہیں پڑھا۔

گاؤں والوں کے لئے جمعہ کا مسئلہ: اگر کوئی ایسے گاؤں یا صحراء میں رہتا ہوں جہاں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی تو کیا شہر میں جمعہ کے لئے حاضر ہونا اس پر واجب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گاؤں اور صحراء کے رہنے والوں پر بالکل جمعہ واجب نہیں (خواہ اس کا مسکن شہر سے کتنا ہی قریب ہو) یہی قول امام احمدؒ کا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالک کا قول ہے کہ جس شخص پر جمعہ واجب ہے اس سے نماز عید کے بعد بھی جمعہ ساقط نہیں ہوتا کیوں کہ جمعہ کا ثبوت قرآن سنت اور اجماع سے ہے پھر حدیث آحاد سے اس کا سقوط کیسے ہوسکتا ہے علاوہ ازیں صلوٰۃ جمعہ کو نافلہ قرار دینا اور یہ کہنا کہ جو چاہے شریک جمعہ ہو جائے نافلہ کو فرض کے قائم مقام قرار دیتا ہے اور نفل فرض کے قائم مقام نہیں ہوسکتا۔

مسافر کے لئے جمعہ کا مسئلہ: جس پر جمعہ واجب ہے اور زوال کے بعد جمعہ پڑھنے سے پہلے وہ سفر کا ارادہ رکھتا ہو تو جائز نہیں ہاں اگر جمعہ کی نماز راستہ میں پڑھ سکے یا رفقاء سفر سے پیچھے رہ جانے اور کٹ جانے کا اندیشہ ہو تو زوال کے بعد اداء جمعہ سے پہلے بھی روانہ ہوسکتا ہے البتہ جمعہ کے دن زوال سے پہلے امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک سفر پر روانہ ہوسکتا ہے۔

ایک شہر میں دو جمعے: تاریخ بغداد میں خطیب نے لکھا ہے کہ ایک شہر کے اندر قدیم مسجد میں جمعہ ہونے کے باوجود دوسری جگہ بھی جمعہ کی اقامت معتصم کے زمانہ میں ۲۸۰ھ میں ہوئی معتصم نے قصر سلطانی میں نماز جمعہ پڑھی کیوں کہ ہجوم عام میں شریک ہونے سے خلفاء ڈرنے لگے تھے۔ لیکن جمعہ کے لئے دوسری مسجد مقرر نہیں کی گئی تھی۔ (صرف قصر خلافت میں دوسرا جمعہ ہونے لگا تھا) پھر مکتفی کے عہد میں جمعہ کے لئے ایک مسجد دوسری بھی بنا دی گئی اور لوگ اس میں بھی جمع ہونے لگے۔

ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں لکھا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن عاص اور حضرت سعد بن ابی وقاص کو لکھا کہ جامع مسجد (اپنے شہر میں) ایک تعمیر کریں جہاں اقامت جمعہ کی جائے اور مختلف قبائل کے لئے الگ الگ مسجدیں (ان کے علاقہ میں پنجگانہ نمازوں کے لئے) بنادیں۔

جمعہ کے دن غسل: جمعہ کے دن غسل کرنا سنت ہے امام مالک اور داؤد ظاہری کے نزدیک غسل جمعہ واجب ہے۔

حضرت ابوسعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن ہر بالغ پر غسل کرنا واجب ہے (متفق علیہ) حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ (کی نماز) کی طرف (یعنی جمعہ کی نماز پڑھنے) آئے اس کو غسل کر لینا چاہئے (متفق علیہ) یہ حدیث مشہور بلکہ متواتر ہے۔

نماز جمعہ کی سنتیں: امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسف نماز جمعہ سے پہلے اور نماز جمعہ کے بعد چار چار سنتوں کے قائل ہیں کیوں کہ حضرت ابن مسعود ایسا ہی کرتے تھے۔ ترمذی نے جامع میں حضرت ابن مسعود کا یہ ہی عمل ذکر کیا ہے۔ ابن مبارک اور ثوری کا بھی یہی قول ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے آیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص جمعہ کی نماز پڑھے تو جمعہ کے بعد چار رکعت نماز بھی پڑھے۔ واللہ اعلم۔

جمعہ پڑھنے والوں کے نام کا اندراج

بغوی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کا دن ہوتا ہے تو مسجد کے ہر دروازہ پر فرشتے آ جاتے ہیں اور مسجد میں داخل ہونے والوں کے نام نوبت بنوبت لکھتے رہتے ہیں پھر جب امام برآمد ہو جاتا ہے تو (لکھنا بند ہو جاتا ہے اور) کاغذ لپیٹ دئے جاتے ہیں اور خطبہ سننے لگتے ہیں۔ نماز کے لئے سب سے پہلے آنے والا ایسا ہے جیسے اونٹ کی قربانی کرنے والا اس کے بعد آنے والا گائے کی قربانی پیش کرنے والے کی طرح ہے پھر اس سے متصل آنے والا مینڈھے کی قربانی کرنے والے کی طرح ہے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرغی اور انڈے (کی پیش کش) کا بھی ذکر کیا اسی طرح کی روایت۔ صحیحین میں بھی آئی ہے۔

جمعہ کے دن قبولیت کی گھڑی: بخاری اور مسلم کی دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس ساعت میں جو مسلمان کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہو اور اللہ سے خیر کا طلبگار ہو اللہ اس کی دعا قبول فرماتا ہے مسلم کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ وہ ساعت خفیف ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ساعت جمعہ کے متعلق فرمار ہے تھے کہ وہ ساعت امام کے بیٹھنے اور نماز ختم کرنے کے درمیان ہے۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ میں طور کو گیا کعب احبار سے (وہاں) ملاقات ہوئی میں ان کے پاس بیٹھ گیا انہوں نے کہا توریت کی باتیں مجھ سے بیان کیں میں نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ حدیثیں بتائیں جو حدیثیں میں نے ان سے بیان کی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلوع آفتاب کے ہر دن سے افضل جمعہ کا دن ہے اسی روز آدم کو پیدا کیا گیا اسی روز ان کی توبہ قبول کی گئی۔ اسی روز ان کی وفات ہوئی اور اسی روز قیامت بپا ہوگی اور سواء جن وانس کے ہر جانور جمعہ کے دن فجر (صادق) سے طلوع آفتاب تک قیامت کے خوف سے چیختا ہے جمعہ کے دن ہی ایک گھڑی ایسی ہے کہ اگر اس وقت کوئی مسلمان بندہ نماز پڑھتے میں اللہ سے کوئی دعا کرتا ہے تو اللہ اس کی درخواست قبول فرماتا ہے۔

کعب نے کہا یہ ساعت ہر سال ایک دن ہوتی ہے۔ میں نے کہا (نہیں) بلکہ ہر جمعہ (کے دن) یہ سن کر کعب نے توریت پڑھی اور پڑھنے کے بعد کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا اس کے بعد میں حضرت عبداللہ بن سلام سے ملا اور مجلس میں جو گفتگو کعب احبار سے ہوئی وہ بیان کی اور جو حدیث میں نے بیان کی تھی اور کعب نے جو ہر سال (ایک ساعت کا ہونا) بیان کیا تھا وہ بتا دیا تو حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا کعب نے غلط کہا لیکن جب میں نے کہا۔ کہ کعب نے توریت پڑھنے کے بعد کہا تھا کہ ہر جمعہ کے دن وہ ساعت ہوتی ہے تو حضرت عبداللہ نے کہا کعب نے صحیح کہا کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ ساعت کونسی ہے حضرت ابو ہریرہ نے کہا (مجھے علم نہیں) آپ بخل نہ کیجئے مجھے بتا دیجئے حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا وہ جمعہ کی آخری ساعت ہے حضرت ابو ہریرہ نے کہا جمعہ کی آخری ساعت کیسے ہوسکتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے کہ اس ساعت میں اگر کوئی مسلمان بندہ نماز پڑھتے میں کوئی دعا کرتا ہے الخ اور اس ساعت یعنی دن کی آخری ساعت میں تو نماز پڑھی نہیں جاتی۔

حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے وہ نماز پڑھنے تک نماز (کے حکم) میں ہی ہوتا ہے۔ میں نے کہا بیشک فرمایا تو تھا حضرت عبداللہ نے فرمایا تو (بس اس حدیث میں بھی نماز پڑھنے سے) یہی مراد ہے۔ رواہ مالک وابوداؤد والترمذی۔

جمعہ کے دن درود شریف کی کثرت

حضرت اوس بن اوس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے بزرگ ترین ایام میں سے جمعہ کا دن بھی ہے اسی روز آدم پیدا ہوئے اسی دن ان کی وفات ہوئی۔ اسی دن صور پھونکی جائے گی اسی دن بیہوشی ہوگی اس لئے (اس دن) مجھ پر درود کی کثرت کیا کرو تمہارا درود مجھے پیش کیا جائے گا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا درود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشی میں کیسے لایا جائے گا؟ آپ کا جسم تو فنا ہو چکا ہو گا فرمایا اللہ نے انبیاء کے اجسام کو کھانا زمین کے لئے حرام کر دیا ہے۔ رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ والداری والبیہقی۔

جمعہ کے دن کی پانچ خصوصیات

ابولبابہ نے بروایت ابن المنذر بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کا دن سب دنوں کا سردار اور اللہ کے نزدیک تمام ایام سے زیادہ عظمت والا ہے روز اضحیٰ اور روز فطر سے (بھی زیادہ) عظمت والا ہے اس میں پانچ خصوصیات ہیں اسی دن آدم کو پیدا کیا گیا اسی دن ان کو زمین پر اتارا گیا اسی دن ان کی وفات ہوئی اس میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ اگر اس میں بندہ اللہ سے کچھ مانگتا ہے اللہ اس کو عطا فرما دیتا ہے۔ بشرطیکہ وہ حرام نہ ہو۔ اسی دن قیامت برپا ہو گی ہر مقرب فرشتہ اور آسمان و زمین اور ہوائیں اور پہاڑ اور سمندر سب ہی روز جمعہ سے ڈرتے ہیں۔ (کیونکہ جمعہ کے دن ہی قیامت برپا ہوگی) رواہ ابن ماجہ۔

حضرت سعد بن معاذ کی روایت ہے امام احمد نے بیان کیا ہے کہ ایک انصاری نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن میں کیا کیا بھلائیاں ہیں ہم کو آگاہ فرمایئے ارشاد فرمایا اس میں پانچ خصوصیات ہیں۔ الی آخرہ۔

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں۔ عرض کیا گیا جمعہ کا نام جمعہ کس خصوصیت کی وجہ سے ہوا فرمایا تمہارے باپ آدم کا خمیر اس روز ہموار کیا گیا اسی روز (صور کی آواز سے عام) بے ہوشی ہوگی اور (مردوں کو قبروں سے) اٹھایا جائے گا اور اسی میں پکڑ ہوگی اس کے آخر کے تین ساعتوں میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اس ساعت میں جو کوئی اللہ سے دعا کرتا ہے اس کی دعا قبول ہوتی ہے رواہ احمد۔

حضرت ابو درداء راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن مجھ پر درود بکثرت بھیجا کرو یہ دن مشہود ہے (یعنی) فرشتے (جمعہ میں) موجود ہوتے ہیں جو شخص بھی مجھ پر درود پڑھے گا۔ اس کا درود میرے سامنے لایا جائے گا۔ میں نے عرض کیا کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی (جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مٹی ہو جائے گا) فرمایا اللہ نے انبیاء کے جسم زمین کے لئے حرام کر دیئے ہیں اللہ کا نبی زندہ (رہتا ہے) اس کو اللہ کی طرف سے رزق دیا جاتا ہے۔ رواہ ابن ماجہ۔

جمعہ کی موت: حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو مرتا ہے اللہ اس کو قبر کے فتنہ (آزمائش یا مصیبت) سے محفوظ رکھتا ہے۔ رواہ احمد والترمذی ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔ اس کی اسناد متصل نہیں ہے۔

جمعہ کا دن اور رات: حضرت انس کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔ جمعہ کا دن بڑا روشن پیشانی والا یعنی ممتاز دن ہے اور جمعہ کی رات بڑی سفید و چمکیلی رات ہے۔ رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر۔

ساعت جمعہ: جزری مؤلف حصن حصین نے مسلم کی روایت کردہ یہ حدیث منتخب کی ہے۔ اور اسی کو پسند کیا ہے کہ ساعت جمعہ سے مراد وہ ساعت ہے جو (خطبہ کے لئے) امام کے برآمد ہونے سے ختم نماز تک ہوتی ہے (رواہ ابو موسیٰ) اکثر علماء نے حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت کو اختیار کیا ہے جو حضرت عبداللہ بن سلام کے حوالہ سے حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کی ہے یعنی یوم الجمعہ کی آخری ساعت حدیث میں مراد ہے۔

اسی طرح نسائی وغیرہ نے حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اس کو عصر کے بعد آخری وقت میں تلاش کرو۔ بیہقی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب قدر کی طرح اس ساعت کو تعیین کے ساتھ جانتے تھے پھر جس طرح

شب قدر کی تعیین فراموش کرادی گئی اسی طرح اس ساعت کی تعیین کے ساتھ جانتے تھے پھر جس شب قدر کی تعیین فراموش کرادی گئی اسی طرح اس ساعت کی تعیین بھی (اللہ کی طرف سے بھلادی گئی) ابن خزیمہ نے صحیح میں حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوسعید نے فرمایا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ساعت (کی تعیین) کے متعلق دریافت کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں جانتا تو تھا پھر مجھے فراموش کرادی گئی۔ جیسے شب قدر فراموش کرادی گئی۔ اثرم نے کہا دوصورتوں میں سے ایک صورت ماننی پڑے گی یا تو بعض احادیث کو بعض پر صحت کے لحاظ سے ترجیح دینی ہوگی یا یہ کہا جائے گا کہ جمعہ کے دن ساعت مقبولیت منتقل ہوتی رہتی ہے کبھی کسی وقت کبھی کسی وقت جیسے شب قدر منتقل ہوتی رہتی ہے۔ رمضان کے آخری عشرہ میں کبھی کسی تاریخ کو شب قدر ہوتی ہے کبھی کسی تاریخ کو۔ میں کہتا ہوں حضرت ابوموسیٰ اور حضرت عبداللہ بن سلام کی روایتوں کی تطبیق اس طرح کی جاسکتی ہے کہ حضرت عبداللہ نے جمعہ کی آخری ساعت کو ساعت مقبولیت کہا وہ توریت سے نقل کر کے کہا کیوں کہ حضرت موسیٰ کی شریعت میں جمعہ کی نماز ہی نہیں تھی۔ بنی اسرائیل روز شنبہ کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ (اور شنبہ ہی ان کی خصوصی عبادت کا دن تھا) بس جس بستی یا صحراء میں جمعہ کی نماز پڑھی ہی نہیں جاتی وہاں کے رہنے والوں کے لئے جمعہ کی آخری ساعت ہی ساعت مقبولیت ہوگی۔ اور جہاں اور جب جمعہ کی نماز پڑھی جاتی ہے وہاں کے لوگوں کے لئے ساعت مقبولیت جمعہ کی نماز کی ہی ساعت ہوگی۔ جیسا کہ حضرت ابوموسیٰ کی روایت میں آیا ہے۔

ساعت جمعہ کی تعیین کے متعلق ان دوقولوں کے علاوہ کوئی قول قابل اعتماد نہیں ہے۔

جمعہ کی نماز میں تلاوت: حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی پہلی رکعت میں سورت جمعہ اور دوسری رکعت میں سورۃ منافقوں پڑھتے تھے۔ (رواہ مسلم)

حضرت نعمان بن بشیر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں عیدوں میں اور جمعہ میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى اور هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ پڑھتے تھے۔ اور اگر جمعہ کے دن عید پڑ جاتی تھی۔ تو دونوں نمازوں میں بھی یہی پڑھتے تھے۔ رواہ مسلم۔

ابوداؤد ونسائی اور ابن حبان نے حضرت سمرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز میں سَبِّحِ اسْمَ اور هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ پڑھتے تھے۔

بغوی کا بیان ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ جمعہ کے دن یعنی جمعہ کی نماز میں سورت جمعہ کے بعد کیا پڑھتے تھے فرمایا هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ پڑھتے تھے۔

حضرت ابوسعید کی مرفوع روایت ہے کہ جمعہ کے دن جو شخص سورت کہف پڑھے گا دونوں جمعوں کے درمیان اس کے لئے ایک نور درخشاں ہوگا۔ اس حدیث کی شاہد حضرت ابن عمرؓ کی روایت بھی ہے جو ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں بیان کی ہے۔

فصل: حضرت جابرؓ کی مرفوع حدیث ہے تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو اسکی جگہ سے اٹھا کر خود اس کی بجائے نہ بیٹھے بلکہ تنگ جگہ ہو تو کہہ دے ذرا جگہ دیدو۔ رواہ مسلم۔

حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت ہے جو شخص بیکار بات کرتا ہے اور لوگوں کی گردنیں الانگتا ہے۔ (اس کو جمعہ کا ثواب نہیں ملتا بلکہ) اس کی ظہر کی نماز ہوتی ہے۔ رواہ ابوداؤد۔ (تفسیر مظہری)

اطمینان سے آؤ: روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تھے جو لوگوں کے پاؤں کی آہٹ زور سے سنی فارغ ہو کر فرمایا کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا حضرت ہم جلدی جلدی نماز میں شامل ہوئے۔ فرمایا ایسا نہ کرو نماز کو اطمینان کے ساتھ چل کر آؤ جو پاؤ پڑھ لو جو چھوٹ جائے پوری کر لو۔

جمعہ کا ثواب: سنن اربعہ میں ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن اچھی طرح غسل کرے اور سویرے سے ہی مسجد کی طرف چل دے پیدل جائے سوار نہ ہو اور امام سے قریب ہو کر بیٹھے خطبے کو کان لگا کر سنے لغو نہ کرے تو اسے ہر ہر قدم کے بدلے سال بھر کے روزوں اور سال بھر کے قیام کا ثواب ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن جنابت کے غسل کی طرح غسل کرے، اول ساعت میں جائے اس نے گویا ایک اونٹ خدا کی راہ میں قربان کیا۔

مسند احمد میں ہے جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور اپنے گھر والوں کے خوشبو ملے اگر ہو اور اچھا لباس پہنے پھر مسجد میں آئے اور کچھ نوافل پڑھے اگر جی چاہے اور کسی کو ایذا نہ دے (یعنی گردنیں پھلانگ کر نہ آئے نہ کسی بیٹھے ہوئے کو ہٹائے) پھر جب امام آجائے اور خطبہ شروع ہو خاموشی سے سنے تو اس کے گناہ جو اس جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک کے ہوں سب کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

جمعہ کے مخصوص کپڑے: ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منبر پر بیان فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے کسی پر کیا حرج ہے اگر وہ اپنے روز مرہ کے محنتی لباس کے علاوہ دو کپڑے خرید کر جمعہ کے لئے مخصوص کر رکھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمان اس وقت فرمایا جب لوگوں پر وہی معمولی چادریں دیکھیں تو فرمایا کہ اگر طاقت ہو تو ایسا کیوں نہ کر لو۔ (تفسیر ابن کثیر)

سعی: فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ سعی کے معنی دوڑنے کے بھی آتے ہیں اور کسی کام کو اہتمام کے ساتھ کرنے کے بھی' اس جگہ یہی دوسرے معنی مراد ہیں' کیونکہ نماز کے لئے دوڑتے ہوئے آنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

اور یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جب نماز کے لئے آؤ تو سکینت اور وقار کے ساتھ آؤ' آیت کے معنی یہ ہیں کہ جب جمعہ کے دن جمعہ کی اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو' یعنی نماز وخطبہ کے لئے مسجد کی طرف چلنے کا اہتمام کرو' جیسا دوڑنے والا کسی دوسرے کام کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ اذان کے بعد تم بھی کسی اور کام کی طرف بجز نماز وخطبہ کے توجہ نہ دو (ابن کثیر) ذِكْرِ اللّٰهِ ' سے مراد نماز جمعہ بھی ہوسکتی ہے اور خطبہ جمعہ بھی جو نماز جمعہ کے شرائط وفرائض میں داخل ہے وہ بھی' اس لئے مجموعہ دونوں کا مراد لیا جائے یہ بہتر ہے۔ (مظہری وغیرہ)

وَذَرُوا الْبَيْعَ ۔ یعنی چھوڑ دو بیع (فروخت کرنے کو) صرف بیع کہنے پر اکتفاء کیا گیا اور مراد بیع وشراء (یعنی خرید وفروخت) دونوں ہیں' وجہ اکتفاء کی یہ ہے کہ ایک کے چھوٹنے سے دوسرا خود بخود چھوٹ جائے گا۔ جب کوئی فروخت کرنے والا فروخت نہ کرے گا تو خریدوالے کے لئے خریدنے کا راستہ ہی نہ رہے گا۔

خرید وفروخت چھوڑنے کا عملی انتظام

اس میں اشارہ اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ اذان جمعہ کے بعد جو خرید و فروخت کو اس آیت نے حرام کر دیا ہے اس پر عمل کرنا تو بیچنے والوں اور خریداروں سب پر فرض ہے۔ مگر اس کا عملی انتظام اس طرح کیا جائے کہ دکانیں بند کر دی جائیں تو خریداری خود بخود بند ہو جائے گی۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ گاہکوں اور خریداروں کی تو کوئی حد وشمار نہیں ہوتی اُن سب کے روکنے کا انتظام آسان نہیں' فروخت کرنے والے دکاندار متعین اور معدود ہوتے ہیں ان کو فروخت سے روک دیا جائے تو باقی سب خرید سے خود رک جائیں گے' اس لئے ذَرُوا الْبَيْعَ میں صرف بیع چھوڑ دینے کے حکم پر اکتفاء کیا گیا۔

فائدہ: اذان جمعہ کے بعد سارے ہی مشاغل کا ممنوع کرنا مقصود تھا جن میں زراعت تجارت' مزدوری سب ہی داخل ہیں' مگر قرآن کریم نے صرف بیع کا ذکر فرمایا۔ اس سے اس طرح بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ جمعہ کی نماز کے مخاطب شہروں اور قصبوں والے ہیں۔ چھوٹے دیہات اور جنگلوں میں جمعہ نہیں ہوگا۔ اس لئے شہروں اور قصبوں میں جو مشاغل عام لوگوں کو پیش آتے ہیں ان کی ممانعت فرمائی گئی وہ بیع وشراء کے ہوتے ہیں۔ بخلاف گاؤں والوں کے کہ ان کے مشاغل کاشت اور زمین سے متعلق ہوتے ہیں۔ اور باتفاق فقہاء اُمت یہاں بیع سے مراد فقط فروخت کرنا نہیں بلکہ ہر وہ کام جو جمعہ کی طرف جانے کے اہتمام میں مخل ہو وہ سب بیع کے مفہوم میں داخل ہے اس لئے اذان جمعہ کے بعد کھانا پینا' سونا' کسی سے بات کرنا' یہاں تک کہ کتاب کا مطالعہ کرنا وغیرہ سب ممنوع ہیں' صرف جمعہ کی تیاری کے متعلق جو کام ہوں وہ کئے جاسکتے ہیں۔

اذان جمعہ: اذان جمعہ شروع میں صرف ایک ہی تھی جو خطبہ کے وقت امام کے سامنے کہی جاتی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پھر صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے زمانے میں اسی طرح رہا۔ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی۔ اور اطراف مدینہ میں پھیل گئی۔ امام کے سامنے والی خطبہ کی اذان دور تک سنائی نہ دیتی تھی۔ تو عثمان غنیؓ نے ایک اور اذان مسجد سے باہر اپنے مکان زوراء پر شروع کرا دی۔ جس کی آواز پورے مدینہ میں پہنچنے لگی۔ صحابہؓ کرام میں سے کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ اس لئے یہ اذان اول باجماع صحابہ شروع ہوگئی۔

جمعہ کی مخصوص شرائط: اس پر پوری امت کا اجماع واتفاق ہے کہ جمعہ کے روز ظہر کے بجائے نماز جمعہ فرض ہے اور اس پر بھی اجماع واتفاق ہے کہ نماز جمعہ عام پانچ نمازوں کی طرح نہیں اس کے لئے کچھ مزید شرائط ہیں۔ پانچوں نمازیں تنہا بلا جماعت کے بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔ دو آدمی کی بھی جماعت سے اور جمعہ بغیر جماعت کے ادا نہیں ہوتا۔ اور جماعت کی تعداد میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں۔ اسی طرح نماز پنجگانہ ہر جگہ دریا' پہاڑ' جنگل میں ادا ہو جاتی ہے' مگر جمعہ جنگل' صحراء میں کسی کے نزدیک ادا نہیں ہوتا' عورتوں' مریضوں' مسافروں پر جمعہ فرض نہیں' وہ جمعہ کی بجائے ظہر کی نماز پڑھیں' جمعہ کس قسم کی بستی والوں پر فرض ہے اس میں ائمہ فقہاء کے اقوال مختلف ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک جس بستی میں چالیس مرد احرار' عاقل' بالغ بستے ہوں اس میں جمعہ ہوسکتا ہے اس سے کم میں نہیں' امام مالکؒ کے نزدیک ایسی بستی کا ہونا ضروری ہے جس کے مکانات متصل ہوں اور اس میں بازار بھی ہو' امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہو جس سے گلی کوچے اور بازار ہوں اور کوئی قاضی حاکم فیصلہ معاملات کے لئے ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

حضرت عمرؓ کے دور میں تاجروں کی حالت

روایات میں ہے کہ ایک دفعہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ بازار میں گشت لگا رہے تھے کہ مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوئی۔ جوں ہی اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی دیکھا کہ دکاندار اور تاجر اپنے دکانوں اور تجارتی دھندوں کو چھوڑ کر مسجد کی طرف جلدی جلدی جانے لگے۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ایک نظر سے دیکھا اور فرمایا سچ ہے اللہ نے ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں یہ آیت نازل فرمائی ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ ۔ (معارف کاندھلوی)

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ

یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم کو

تَعْلَمُونَ ⑨

سمجھ ہے ☆

☆ظاہر ہے کہ منافع آخرت کے سامنے دنیوی فوائد کیا حقیقت رکھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا
پھر جب تمام ہو چکے نماز تو پھیل پڑو
فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ
زمین میں اور ڈھونڈو فضل
اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ
اللہ کا اور یاد کرو اللہ کو بہت سا تاکہ
تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰﴾
تمہارا بھلا ہو☆

نماز جمعہ کے بعد روزی کی تلاش کرو

☆حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ ''یہود کے ہاں عبادت کا دن ہفتہ تھا۔ سارا دن سودا منع تھا اس لیے فرمادیا کہ تم نماز کے بعد روزی تلاش کرو، اور روزی کی تلاش میں بھی اللہ کی یاد نہ بھولو'۔ (تفسیر عثمانی)

جمعہ کے بعد تجارت وکسب میں برکت

حضرت عراک بن مالک رضی اللہ عنہ جب نماز جمعہ سے فارغ ہو کر باہر آتے تو دروازۂ مسجد پر کھڑے ہو کر یہ دعاء کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَجَبْتُ دَعْوَتَكَ وَصَلَّيْتُ فَرِيْضَتَكَ وَانْتَشَرْتُ كَمَا اَمَرْتَنِيْ فَارْزُقْنِيْ مِنْ فَضْلِكَ وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ (رواہ ابن ابی حاتم' از ابن کثیر)۔ ''یعنی یا اللہ میں نے تیرے حکم کی اطاعت کی اور تیرا فرض ادا کیا اور جیسا کہ تو نے حکم دیا ہے نماز پڑھ کر میں باہر جاتا ہوں تو اپنے فضل سے مجھے رزق عطا فرما اور تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے''۔

اور بعض سلف صالحین سے منقول ہے کہ جو شخص نماز جمعہ کے بعد تجارتی کاروبار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ستر مرتبہ برکات نازل فرماتے ہیں۔

(ابن کثیر) (معارف مفتی اعظم)

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ ۔یعنی جب جمعہ کی نماز ادا کر چکے تو زمین پر پھیل جاؤ نماز کے بعد پھیل جانے کا حکم (وجوبی نہیں ہے بلکہ) اباحت کے لئے ہے۔یعنی نماز کی وجہ سے جس کاروبار سے تم کو منع کر دیا گیا ہے۔نماز کے بعد تم کو اس کی اجازت ہے حضرت ابن عباس نے اس کی تشریح میں فرمایا اگر چاہو تو بیٹھے رہو اور مسجد سے باہر جانا چاہتے ہو تو باہر چلے جاؤ۔اور اگر دل چاہے تو عصر تک نماز پڑھتے رہو بعض اہل علم نے کہا زمین پر پھیل جانے سے مراد دنیا کمانے کے لئے پھیلنا نہیں ہے بلکہ بیمار کی عیادت کسی جنازہ کی شرکت اور لوجہ اللہ دوست کی ملاقات کے لئے جانا مراد ہے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا ۔اور اللہ کا ذکر بہت کیا کرو یعنی تمام حالات میں اللہ کی یاد کیا کرو۔ذکر خدا کو نماز ہی پر منحصر نہ کر دو۔

بازار میں جانے کی دعاء: حضرت عمر بن خطابؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بازار میں داخل ہو اور داخل ہو کر کہے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ تو اللہ اس کے لئے ہزار ہزار نیکیاں لکھ دیگا اور ہزار ہزار گناہ مٹا دے گا۔اور اس کے ہزار ہزار درجات بلند کرے گا رواہ الترمذی۔ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔سواء ازہر بن سنان کے اس کے تمام راوی قابل اعتماد ہیں۔ازہر کے بارے میں اختلاف ہے۔

محبوب ترین عمل: حضرت عصمہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی نظر میں محبوب ترین عمل سبحانہ ہے۔(یعنی سبحان اللہ پڑھنا)

قابل تعزیر عمل: اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ قابل تعزیر تحریف ہے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبحانہ سے کیا مراد ہے۔فرمایا لوگ آپس میں باتیں کرتے ہوتے ہیں اور ایک آدمی تسبیح پڑھتا ہوتا ہے ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول تحریف کا کیا مطلب ہے فرمایا لوگ اچھی حالت میں ہوتے ہیں لیکن جب ان کا ہمسایہ یا ساتھی کچھ مانگتا ہے تو کہتے ہیں ہم (خود) بری حالت میں ہیں۔رواہ الطبرانی۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔(دونوں جہان میں) کامیاب ہونے کی امید رکھتے ہوئے۔

آیت ذیل کا شان نزول: شیخین نے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے سامنے سے قافلہ گذرا جو (ملک شام سے) آیا تھا۔حاضرین (خطبہ چھوڑ کر) مسجد سے نکل گئے اور سواء بارہ آدمیوں کے سب چلے گئے۔کلبی کی روایت میں حضرت ابن عباس کا بیان آیا ہے کہ صرف آٹھ آدمی باقی رہ گئے تھے۔ابو عوانہ کی صحیح میں آیا ہے کہ حضرت جابر نے فرمایا میں بھی باقی رہنے والوں میں سے تھا۔دار قطنی نے چالیس آدمی باقی رہنے والے بیان کئے ہیں۔لیکن اس روایت کی سند ضعیف ہے سلسلہ روایت میں علی بن عاصم راوی منفرد ہے۔عقیلی نے بھی حضرت جابر کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے اس میں اتنا زائد ہے کہ من جملہ باقی رہنے والوں کے حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی حضرت طلحہ حضرت زبیر حضرت سعد حضرت سعید حضرت ابو عبیدہ یا حضرت عمار (اس بن عمر۔راوی کو اس میں شک تھا) حضرت بلال اور

حضرت ابن مسعود تھے یہ گیارہ اصحاب ہوئے اور بارھویں حضرت جابر خود تھے۔اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا
اور جب دیکھیں سودا بکتا یا کچھ تماشہ متفرق ہو جائیں
اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ۭ قُلْ مَا
اسکی طرف اور تجھ کو چھوڑ جائیں کھڑا تو کہہ
عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ
جو اللہ کے پاس ہے سو بہتر ہے تماشے سے اور
التِّجَارَةِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱﴾
سوداگری سے اور اللہ بہتر ہے روزی دینے والا ☆

☆ایک مرتبہ جمعہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ فرما رہے تھے اسی وقت تجارتی قافلہ باہر سے غلہ لے کر آ پہنچا۔اس کے ساتھ اعلان کی غرض سے نقارہ بجتا تھا۔ پہلے سے شہر میں اناج کی کمی تھی لوگ دوڑے کہ اس کو ٹھہرائیں۔ (خیال کیا ہوگا کہ خطبہ کا حکم عام وعظوں کی طرح ہے جس میں سے ضرورت کے لیے اٹھ سکتے ہیں۔نماز پھر آ کر پڑھ لینگے یا نماز ہو چکی ہوگی جیسا کہ بعض کا قول ہے کہ اس وقت نماز جمعہ خطبہ سے پہلے ہوتی تھی۔ بہر حال خطبہ کا حکم معلوم نہ تھا اکثر لوگ چلے گئے حضرت کے ساتھ بارہ آدمی (جن میں خلفاء راشدین بھی تھے) باقی رہ گئے۔اس پر یہ آیت اتری یعنی سوداگری اور دنیا کا کھیل تماشا کیا چیز ہے وہ ابدی دولت حاصل کرو جو اللہ کے پاس ہے اور جو پیغمبر کی صحبت اور مجالس ذکر و عبادت میں ملتی ہے۔باقی قحط کی وجہ سے روزی کا کھٹکا جس کی بناء پر تم اٹھ کر چلے گئے' سو یاد رکھو روزی اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہی بہترین روزی دینے والا ہے اس مالک کے غلام کو یہ اندیشہ نہیں ہونا چاہیے۔اس تنبیہ و تادیب کے بعد صحابہ کی شان وہ تھی جو سورہ ''نور'' میں ہے ''رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ '' (تنبیہ) ''لہو'' کہتے ہیں ہر اس چیز کو جو اللہ کی یاد سے مشغول (غافل) کر دے جیسے کھیل تماشہ شاید اس نقارہ کی آواز کو ''لہو'' سے تعبیر فرمایا ہو۔ (تفسیر عثمانی)

دوران خطبہ لوگوں کے جانے کا واقعہ

ایک جمعہ کے روز یہ واقعہ پیش آیا کہ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک ایک تجارتی قافلہ مدینہ طیبہ کے بازار میں پہنچا۔اور ڈھول باجہ وغیرہ سے اس کا اعلان ہونے لگا اس وقت نماز جمعہ سے فراغت ہو چکی تھی۔خطبہ ہو رہا تھا۔ بہت سے حضرات صحابہ بازار چلے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھوڑے سے حضرات رہ گئے۔جن کی تعداد بارہ بتلائی گئی ہے (یہ روایت ابو داؤد نے مراسیل میں بیان فرمائی ہے) بعض روایات حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ میں فرمایا کہ اگر تم سب کے سب چلے جاتے تو مدینہ کی ساری وادی عذاب کی آگ سے بھر جاتی (رواہ ابو یعلیٰ' ابن کثیر)

امام تفسیر مقاتل کا بیان ہے کہ یہ تجارتی قافلہ دحیہ بن خلف کلبی کا تھا۔جو ملک شام سے آیا تھا اور تجار مدینہ میں اس کا قافلہ عموماً تمام ضروریات لے کر آیا کرتا تھا۔اور جب مدینہ کے لوگوں کو اس کی آمد کی خبر ملتی تھی تو سب مرد و عورت اس کی طرف دوڑتے تھے۔یہ دحیہ بن خلف اس وقت تک مسلمان نہ تھے بعد میں داخل اسلام ہوئے۔

اور حسن بصریؒ اور ابو مالکؒ نے فرمایا کہ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مدینہ میں اشیاء ضرورت کی کمی اور سخت گرانی تھی (تفسیر مظہری) (معارف مفتی اعظم)

ابن جریر نے حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ وہ لوگ جب نکاح کرتے تھے تو لڑکیاں باجے بجاتی تھیں باجے کی آواز سن کر لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر کھڑا چھوڑ کر باجے کی آواز کی طرف چلے جاتے تھے۔

صاحب لباب النقول نے لکھا ہے گویا دونوں واقعات کے سلسلہ میں اس آیت کا نزول ہوا۔صاحب لباب نے یہ بھی کہا میں نے دیکھا ابن المنذر نے حضرت جابر کی روایت سے ہی دونوں واقعات کا ذکر کیا۔نکاح کا واقعہ بھی اور قافلہ کے آنے کا بھی اور طریق روایت دونوں کا ایک ہی ہے۔ الحمد للہ

حسن اور ابو مالک نے کہا اہل مدینہ کو (ایک سال) بھوک نے بہت ستایا اشیاء کے نرخ گراں ہوئے وحیہ بن خلیفہ ملک شام سے کچھ روغن زیتون مدینہ میں فروخت کرنے کے لئے لایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے حاضرین کو اندیشہ ہوا کہ دوسرے لوگ پہلے سے جا کر خرید لیں گے اور ہم رہ جائیں گے اس لئے خطبہ چھوڑ کر بقیع کی طرف چلے گئے وحیہ بقیع میں ہی تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ میں صرف چند آدمی رہ گئے جن میں حضرت ابوبکر و حضرت عمر بھی تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم اس کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے اگر تم میں سے (خطبہ میں) کوئی باقی نہ رہتا تو وادی آگ سے بھر جاتی اور تم سب کو بہا کر لے جاتی۔

مقاتل کا بیان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز خطبہ دے رہے تھے کہ دحیہ بن خلیفہ کلبی کچھ تجارتی مال لے کر ملک شام سے آیا دستور تھا کہ جب دحیہ (تجارتی مال لیکر) آتا تھا تو مدینہ کی ہر پردہ نشین عورت بھی وہاں پہنچ جاتی تھی

کیوں کہ دحیہ آتا گیہوں اور تمام ضروریات کی (غذائی) چیزیں لے کر آتا تھا دحیہ مدینہ پہنچ کر بازار مدینہ کے احجار الزیت مقام پر اترتا تھا اور اس کی آمد کی اطلاع کے لئے طبل بجایا جاتا تھا لوگ آواز سنتے ہی خریداری کے لئے نکل پڑتے تھے۔ یہ دستور دحیہ کے مسلمان ہونے سے پہلے کا تھا۔ چنانچہ ایک بار جمعہ کے دن دحیہ آ گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے لوگ فوراً مسجد سے نکل پڑے مسجد کے اندر صرف بارہ مرد اور ایک عورت رہ گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد میں کتنے لوگ باقی ہیں۔ عرض کیا گیا۔ بارہ مرد اور ایک عورت فرمایا اگر یہ بھی باقی نہ رہتے تو آسمان سے نام زد پتھر برسا دیئے جاتے اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی لہو سے مراد وہی طبل ہے۔

وَتَرَكُوكَ قَآئِمًا ۔یعنی آپ کو خطبہ دیتے چھوڑ گئے۔ مسلم نے صراحت کی ہے کہ حاضرین مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ دیتے چھوڑ گئے تھے۔ بیہقی نے بھی اسی روایت کو ترجیح دی ہے لیکن دوسری روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نماز میں تھے۔ کہ نماز کو چھوڑ کر لوگ قافلہ کی طرف چلے گئے۔ دونوں روایتوں کو بعض لوگوں نے اس طرح مطابقت دی ہے کہ نماز میں تھے اور اس سے مراد مجازاً خطبہ دینا ہے گویا خطبہ بھی نماز ہی تھی کعب بن عجرہ کی حدیث اوپر نقل کی جا چکی ہے بیہقی نے نماز والی روایت کو مرجوح قرار دیا ہے۔ علقمہ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کھڑے ہوئے تھے یا بیٹھے ہوئے تھے۔ فرمایا کیا تم نے آیت وَتَرَكُوكَ قَآئِمًا نہیں پڑھی۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ چالیس آدمیوں سے کم ہوں تب بھی جمعہ کی نماز ہو جاتی ہے وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ صرف بارہ آدمی رہ گئے تھے ان ہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی نماز پڑھائی۔

مسئلہ: اگر مسبوق امام کے ساتھ جمعہ کی نماز کا کوئی حصہ پالے خواہ قعدہ یا سجدۂ سہو میں ہی شریک ہو جائے تو جمعہ کی نماز پوری کرے یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

مسئلہ: مال کی محبت اور حرص ممنوع ہے طلب رزق میں اعتدال رکھنا اور راہِ خوب اختیار کرنا مستحب ہے حضرت ابو حمید ساعدی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلب دنیا میں اختصار (اعتدال) کر کیوں کہ جو کچھ لکھ دیا گیا ہے وہ تو ہر ایک کو ملے گا۔ رواہ الحاکم وابوالشیخ وابن ماجۃ۔

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو دنیوی سامان کی کثرت سے غنا حاصل نہیں ہوتا استغناء تو دل کا استغناء ہے اللہ نے جو کچھ بندے کے لئے لکھ دیا ہے وہ ضرور عطا فرمائے گا۔ اس لئے حسن طلب سے کام لو جو حلال ہے وہ لے لو اور جو حرام ہے اس کو چھوڑ دو۔ رواہ ابو یعلی اس کی اسناد حسن ہے۔ اس حدیث کی روایت کا ابتدائی حصہ متفق علیہ بھی ہے۔ حضرت ابو درداء راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رزق بندہ کو ڈھونڈتا ہے جیسے انسان کو موت ڈھونڈتی ہے۔ رواہ ابن حبان والبزاز والطبرانی۔ طبرانی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں جتنا بندہ رزق کو ڈھونڈتا ہے۔ اس سے زیادہ رزق بندہ کو ڈھونڈتا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے اگر کوئی اپنے رزق سے بھاگے گا تب بھی رزق اس کو جا پکڑے گا جس طرح آدمی (تلاش کر کے) اپنے رزق کو پاتا ہے رواہ الطبرانی فی الاوسط والصغیر بسند حسن۔

بہترین رزق اور بہترین ذکر: حضرت سعد بن ابی وقاص کا بیان ہے میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے۔ بہترین ذکر خفی ذکر ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو کافی ہو۔ رواہ ابوعوانۃ وابن حبان۔

دنیا دار آدمی: حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایسی حالت میں صبح کرتا ہے کہ اس کا مقصد دنیا ہوتی ہے وہ اللہ کی طرف سے کسی ذمہ داری میں نہیں ہے جو مسلمانوں کی پرواہ نہیں کرتا وہ ان میں سے نہیں ہے اور جو اپنے نفس کو بخوشی بغیر کسی جبر کے ذلیل کرتا ہے وہ ہم سے متعلق نہیں ہے رواہ الطبرانی۔

مالی حرص اور بے جا خرچ: حضرت کعب بن مالک راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو بھوکے بھیڑیئے۔ جن کو بکریوں میں چھوڑ دیا جائے بکریوں کے لئے اس سے زیادہ تباہ کن نہیں ہیں جتنی تباہ کن مالی حرص اور بے جا خرچ ہے رواہ الترمذی وابن حبان۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

اے اللہ! پناہ مانگتا ہوں: حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔ اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو فائدہ رساں نہ ہو اور اس دل سے جس میں خشوع نہ ہو اور اس نفس سے جو کبھی سیر نہ ہو اور اس دعا سے جو سنی نہ جائے رواہ النسائی۔

مسلم اور ترمذی نے یہ حدیث حضرت زید بن ارقم کی روایت سے بیان کی ہے۔

انسان کی حریص طبیعت: حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر آدمی کے پاس مال بھری ہوئی دو وادیاں ہوں تب بھی وہ تیسری کا خواستگار ہوگا آدمی کے پیٹ کو خاک کے سوا کوئی چیز نہیں بھرتی۔ اور جو (حرص سے) توبہ کرتا ہے اللہ اپنی رحمت کے ساتھ اس کی طرف التفات کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

سورۃ الجمعہ کی تفسیر ختم ہوئی

خواب میں اس کا پڑھنے والا نفاق سے بری رہے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورہ منافقون مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی گیارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا

جب آئیں تیرے پاس منافق کہیں

نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ

ہم قائل ہیں تو رسول ہے اللہ کا ☆

منافقوں کی جھوٹی شہادت ☆یعنی ہم دل سے اعتقاد رکھتے ہیں آپ کے رسول ہونے پر۔ (تفسیر عثمانی)

اَلْمُنٰفِقُوْنَ ۔یعنی عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھی۔ نَشْهَدُ شہادت شہود سے ماخوذ ہے۔شہود کا معنی ہے حضور (حاضر ہونا) اور اطلاع۔شہادت اپنے علم یقینی کے مطابق خبر دینا۔ اسی لئے اللہ نے اپنے رسول کے رسول ہونے کی تو تصدیق کی اور منافقوں کی شہادت کو جھوٹا قرار دیا کیونکہ جو شہادت وہ دے رہے تھے اس کی بناء علم یقینی پر نہیں تھی۔

سبب نزول: بخاری وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت زید بن ارقم نے فرمایا۔ میں نے خود سنا عبداللہ بن اُبی اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں جب تک وہ ان کا ساتھ چھوڑ کر منتشر نہ ہو جائیں ان پر کچھ خرچ مت کرو۔ اگر ہم مدینے کو لوٹ گئے تو وہاں سے عزت والے لوگ ان ذلیلوں کو نکال دیں گے۔ میں نے اس کا ذکر اپنے چچا سے کر دیا اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طلب فرمایا۔ میں نے حاضر ہو کر واقعہ بیان کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں کو طلب فرما کر دریافت کیا۔ انہوں نے قسمیں کھالیں کہ انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جھوٹا قرار دیا اور ابن ابی کو سچا مان لیا۔ اس فیصلے سے مجھے ایسا دکھ ہوا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا چچا نے کہا میں تو تیری تکذیب نہیں چاہتا تھا مگر (اب تو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے جھوٹا قرار دیدیا اور تجھ سے متنفر ہو گئے۔ اس پر آیت اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ الخ نازل ہوئی۔ فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بھیج کر مجھے طلب فرمایا اور یہ آیات پڑھیں۔ پھر فرمایا۔ اللہ نے تیری 'بات کی' تصدیق کر دی۔

غزوۂ بنی المصطلق: محمد بن اسحٰق اور دوسرے علماء سیر نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بنی مصطلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لئے جمع ہو رہے ہیں اور ان کا سپہ سالار ام المومنین حضرت جویریہؓ کا باپ حارث بن ضرار ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر پا کر مدینہ میں اپنا جانشین بقول محمد بن عمرو ابن سعد حضرت زید بن حارثہ کو بنایا اور ابن ہشام کے قول پر حضرت ابو ذر غفاری کو جانشین مقرر کیا اور مسلمانوں کی جمعیت ساتھ لے کر روانہ ہو گئے۔ اس لشکر میں مسلمانوں کے پاس تیس گھوڑے تھے جن میں سے دس مہاجروں کے تھے اور دو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دنیوی مال کے لالچ میں بہت سے منافق بھی ہو گئے۔ بنی مصطلق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ مریسیع کے چشمہ پر جو قدید کی طرف سے سمت 'ساحل پر تھا' ہوا۔ حارث نے لڑائی کی تیاری کر لی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صف بستہ ہو گئے۔ اور حضرت عمر بن خطابؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق منادی کر دی کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دو تمہاری جانیں اور مال محفوظ رہیں گے۔ اس کے بعد طرفین سے تیراندازی ہونے لگی اور مدبھیڑ ہو گئی۔ خوب لڑائی ہوئی۔ بنی مصطلق میں سے جن کو (بتقدیر الٰہی) مارا جانا تھا وہ مارے گئے۔ باقی شکست کھا کر بھاگ پڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی عورتوں اور بچوں پر قبضہ کر لیا اور اللہ نے آپ کو مال غنیمت عطا فرمایا۔

ایک ناخوشگوار واقعہ: ابھی لوگ اسی چشمہ پر فروکش تھے کہ ایک حادثہ ہو گیا۔ حضرت عمر کے پاس بنی غفار کے قبیلہ کا ایک مزدور تھا جو آپ کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر چلتا تھا اس کا نام جہجاہ بن سعید تھا۔ سنان بن وبرہ جہنی سے جہجاہ کا ٹکراؤ ہو گیا۔ قبیلہ جہینہ قبیلۂ عوف بن خزرج کا حلیف تھا۔ دونوں لڑ پڑے۔ جہجاہ نے سنان کو اتنا زخمی کر دیا کہ خون بہنے لگا۔ سنان نے گروہ انصار کو مدد کے لئے پکارا اور غفاری نے گروہ مہاجرین کو بلایا۔ طرفین سے ایک ایک گروہ جمع ہو گیا اور ہتھیار نکل آئے مہاجرین کی طرف سے ایک آدمی نے جس کو جعال کہا جاتا تھا جہجاہ کی مدد کی۔ قریب تھا کہ ایک بڑا فتنہ بپا ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکل آئے اور فرمایا یہ کیا جاہلیت (کے دور) کی پکار مچا رکھی ہے لوگوں نے واقعہ کی اطلاع دی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھوڑو یہ فتنہ ہے یعنی شریعت میں مذموم ہے آدمی کو اپنے بھائی کی مدد کرنی چاہئے۔ اس کا بھائی ظالم ہو یا مظلوم۔ ظالم ہو تو اس کو ظلم سے روک دے یہی اس کی مدد ہے اور مظلوم ہو تو اس کی حمایت کرے۔ اس کے بعد مہاجرین کے کچھ لوگوں نے حضرت عبادہ بن صامت اور دوسرے انصاریوں سے گفتگو کی اور انہو

ں نے سنان سے بات کی۔ آخر سنان اپنے حق سے دست بردار ہو گئے۔

عبداللہ بن اُبی منافق کی ہرزہ سرائی

عبداللہ بن اُبی بن سلول اپنی جگہ بیٹھا ہوا تھا اس کے پاس دس منافق بھی بیٹھے ہوئے تھے مالک' سوید' قاعس' اوس بن قبطی' زید بن صلت' عبداللہ بن نبیل اور معتب بن قشیر' حضرت زید بن ارقم بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ یہ کم سن لڑکے تھے۔ ابن ابی نے کہا' کیا ان لوگوں نے یہ حرکت کی۔ اب ہم پر فخر کرنے اور ہماری بستیوں میں ہم سے مقابلہ کرنے لگے۔ ہماری اور ان کی حالت بالکل ایسی ہے جیسے کہاوت ہے' اپنے کتے کو (کھلا کھلا کر) موٹا کر کہ تجھے کاٹ کھائے۔ خدا کی قسم جب ہم مدینہ کو لوٹیں گے تو ہم میں سے جو عزت میں اونچا ہوگا وہ ذلیل کو نکال کر باہر کر دے گا۔ اونچی عزت والا' اس نے اپنے آپ کو کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذلیل کہا۔ پھر اپنی قوم کے لوگوں کو خطاب کر کے کہا یہ سب کچھ تم نے کیا تم نے ان کو اپنے شہروں میں اتارا اور اپنا مال بانٹ کر دیا۔ خدا کی قسم اگر تم جعال (کو دینے) سے رُک جاتے اور بچا ہوا کھانا نہ دیتے تو یہ لوگ تمہاری گردنوں پر سوار نہ ہو جاتے اور تمہاری بستیوں سے کہیں دوسری جگہ منتقل ہو جاتے اب بھی ان پر کچھ خرچ نہ کرو تاوقتیکہ وہ محمد کے پاس سے ہٹ جائیں۔ حضرت زید بن ارقم نے کہا خدا کی قسم تو اپنی قوم میں ذلیل حقیر اور قابل نفرت ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خداداد عزت میں ہیں اور مسلمانوں کے دلوں میں محبوب ہیں۔ عبداللہ بن اُبی نے کہا خاموش ہو جا۔ میں تو یونہی مذاق سے کہہ رہا تھا۔ حضرت زید بن ارقم نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اطلاع دیدی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناگوار ہوئی اور چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا پھر فرمایا لڑکے شاید تو نے اس پر دروغ بندی کی' حضرت زید نے کہا' نہیں' خدا کی قسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نے خود سُنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تیرے سننے میں کچھ غلطی ہوئی۔ حضرت زید نے کہا نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (میرے سننے میں غلطی بھی نہیں ہوئی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تجھے کچھ اشتباہ ہو گیا۔ حضرت زید نے کہا نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کچھ اشتباہ بھی نہیں ہوا) لشکر میں عبداللہ کی یہ بات پھیل گئی۔ سواء ابن ابی کی اس بات کے لوگوں میں اور کوئی بات ہی نہیں ہوتی تھی۔ کچھ انصار حضرت زید کو ملامت کرنے لگے کہ تو نے اپنی قوم کے سردار پر تہمت لگائی اور جو بات اس نے نہیں کہی تھی تو نے وہ بات اس کی طرف منسوب کر دی یہ تو نے بڑی بے جا حرکت کی اور رشتہ داری کو منقطع کیا حضرت زید نے جواب دیا خدا کی قسم جو کچھ اس نے کہا تھا میں نے خود سنا تھا خدا کی قسم (سارے قبیلہ) خزرج میں میرے باپ کو عبداللہ بن ابی سے زیادہ کسی سے محبت نہیں تھی اگر میں اپنے باپ سے بھی یہ بات سنتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر ضرور نقل کرتا مجھے امید ہے کہ اللہ اپنے نبی پر کوئی ایسا کلام ضرور نازل فرمائے گا جس سے میری بات کی تصدیق ہوگی۔

عبداللہ بن ابی کے قتل کی اجازت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار

حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجئے میں اس کی گردن ماردوں دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عباد بن بشیر کو حکم دیجئے کہ وہ ابن ابی کا سر کاٹ کر آپ کے پاس لے آئے ایک روایت میں عباد بن بشر کی جگہ محمد بن مسلمہ کا نام آیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں نے یہ اجازت دی تو لوگ کہیں گے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں (کوئی ان کا ساتھ نہ دے) لیکن کوچ کرنے کا اعلان کر دو (یہی مناسب ہے) یہ وقت ایسا تھا کہ (معمولاً) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت سفر پر روانہ نہیں ہوتے تھے۔ سخت گرمی کا وقت تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (سخت گرمی کے وقت روانہ نہیں ہوتے تھے) ٹھنڈا وقت ہو جاتا تو روانہ ہوتے تھے۔ لشکر والوں کو کچھ پتہ بھی نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی قصویٰ سامنے سے برامد ہوگئی (مجبوراً) لوگ بھی روانہ ہو گئے۔

عبداللہ بن اُبی کا جھوٹی قسم کھانا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن اُبی کو طلب فرمایا۔ وہ حاضر ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے جو بات پہنچی ہے کیا تم نے وہ کہی تھی ابن اُبی نے کہا اس خدا کی قسم جس نے آپ کے اوپر کتاب نازل فرمائی ہے۔ میں نے اس میں سے کچھ نہیں کہا۔ زید قطعاً جھوٹا ہے۔ عبداللہ بن اُبی اپنی قوم میں بڑا سردار (مانا جاتا) تھا اس کے ساتھیوں نے جو انصار تھے اور وہاں موجود تھے۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ممکن ہے اس لڑکے کو کچھ اشتباہ ہو گیا ہو۔ جو بات ابن اُبی نے کہی ہو وہ اس کو محفوظ نہ رہی ہو۔ غرض ابن اُبی کے عذر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما لیا' اور انصار کی طرف سے زید پر ملامت کی بوچھاڑ ہونے لگی اور لوگوں نے ان کو جھوٹا قرار دے لیا۔ زید اپنے چچا کے ساتھ رہتے تھے۔ چچا نے کہا میں (تم کو جھوٹا قرار دینا) نہیں چاہتا تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور سارے لوگوں نے تمہاری تکذیب کر دی اور تم سے متنفر ہو گئے۔ زید کا قاعدہ تھا کہ سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ چلتے تھے لیکن اس بات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے سے جھجکنے لگے۔

حضرت سعد یا حضرت اُسید کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہو گئے تو سب سے پہلے حضرت سعد بن

عبادہ آپ سے ملے۔ ابن اسحاق نے سعد کی بجائے اسید بن حضیر کا نام ذکر کیا ہے۔ اور کہا **السلام علیک ایها النبی ورحمة الله و بركاته**۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ سعد (یا اسید) نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ایسے ناگوار وقت میں روانہ ہوئے ہیں کہ ایسے وقت میں آپ سفر پر روانہ نہیں ہوتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم کو وہ بات نہیں پہنچی جو تمہارے ساتھی نے کہی تھی۔ سعد نے کہا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کون ساتھی؟ فرمایا ابن اُبی کہتا ہے کہ جب وہ مدینے لوٹ کر جائے گا تو بڑی عزت والا۔ وہاں سے بڑے ذلیل آدمی کو نکال دیگا۔ سعد نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ چاہیں تو اس کو نکال دیں وہ بڑا ذلیل ہے اور آپ بڑی عزت والے ہیں۔ عزت تو اللہ کے اور آپ کے اور مومنوں کے لئے ہے کچھ دیر کے بعد عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے نرمی کیجئے۔

عبداللہ بن اُبی کے کینے کی وجہ: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ کو مدینے میں لایا گیا تھا اس زمانے میں اس کی قوم والے اس کو ہار پہنانے (اور بادشاہ بنانے) کے لئے ہار پرو رہے تھے جس جس کے پاس کوئی پوتھ تھا وہ ہار پرونے کے لئے لے کر آ رہا تھا۔ یہاں تک کہ سوائے یوشع یہودی کے کسی کے پاس کوئی پوتھ نہیں بچا۔ یوشع جانتا تھا کہ خزرج والوں کو ابن اُبی کی تاج پوشی کے لئے پوتھ کی ضرورت ہے اس لئے اس نے ان لوگوں سے پوتھ کی زیادہ قیمت لی یہ ہی باتیں ہو رہی تھیں کہ اللہ آپ کو یہاں لے آیا۔ ابن ابی نے (آپ کی تشریف آوری کو اپنے لئے حکومت سے محرومی کا سبب سمجھا اور) خیال کیا کہ آپ کے آنے سے اس کی حکومت چھن گئی۔

ایک صحابیؓ کا جذبۂ حق

ابن اُبی کے بیٹے حضرت عبداللہ کو جب اس قول کی اطلاع ملی جو حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس بات کی وجہ سے جو ابن اُبی کے متعلق آپ تک پہنچی ہے۔ ابن اُبی کو آپ قتل کرا دینا چاہتے ہیں تو مجھے حکم دیجئے میں خود اس کا سر لا کر حضور کی خدمت میں اتنی جلد پیش کر دوں گا کہ آپ یہاں سے اُٹھنے بھی نہ پائیں گے۔ خدا کی قسم خزرج والے خوب جانتے ہیں کہ سارے خزرجیوں میں کوئی بھی اپنے والدین کا اتنا اطاعت گزار نہیں ہے جتنا میں ہوں۔ اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میرے علاوہ کسی اور کو میرے باپ کے قتل کرنے پر مامور کیا اور اس نے قتل کر دیا تو مجھے میرا نفس اجازت نہیں دے گا کہ میرے باپ کا قاتل لوگوں میں چلتا پھرے اور میں اس کو یوں ہی چھوڑ دوں (لا محالہ میں اس کو قتل کر دوں گا) تو کافر کے عوض مومن کو قتل کر کے میں دوزخی ہو جاؤں گا۔ آپ کی طرف سے معافی (انتقام سے) افضل واعظم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبداللہ میرا ارادہ تو (تمہارے باپ کو) قتل کرانے کا نہیں ہے نہ میں نے اس کا حکم دیا ہے جو لوگ ہماری صحبت میں رہتے ہیں ہم تو ان سے اچھا سلوک کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کھاڑی کے رہنے والوں نے ابن اُبی کو تاج پہنانے پر اتفاق کر لیا تھا لیکن جب اللہ آپ کو یہاں لے آیا تو اس کو پست کر دیا اور ہم کو آپ کی وجہ سے سربلند فرمایا۔ اب بھی کچھ لوگ اس کے آس پاس گھومتے اور ان پچھلی باتوں کا تذکرہ کرتے ہیں ان کو اللہ نے مغلوب کر دیا ہے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب کو لے کر روانہ ہو گئے دن بھر چلتے چلتے شام ہو گئی۔ پھر رات بھر چلتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور دن چڑھ گیا جب دھوپ سے تکلیف ہونے لگی تو ایک جگہ اتر پڑے اور ٹھہر گئے لوگ فوراً زمین کے چھوتے ہی (یعنی اترتے ہی) بیتاب ہو کر سو گئے (گویا سوتے میں گر پڑے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ (روانگی میں عجلت) اس وجہ سے کی تا کہ لوگوں میں ابن ابی کے قول کا جو تذکرہ ہو رہا تھا اس سے لوگ باز رہیں (اور ایک جگہ بیٹھ کر آپس میں بات چیت کرنے کا موقع نہ رہے)۔ اس کے بعد پچھلے دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ چشمۂ بقعاء تک جو نقیع کے بالائی جانب علاقہ حجاز میں واقع تھا پہنچ کر اتر پڑے۔

منافق کی موت: مسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینے کے قریب پہنچے تو ایک طوفانی ہوا ایسی اٹھی کہ سوار بھی اس کی وجہ سے ریت میں دفن ہو جائے رسول اللہ نے فرمایا یہ طوفان ایک منافق کی موت کے لئے (اللہ کی طرف سے) بھیجا گیا ہے چنانچہ جب ہم مدینہ میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ ایک بڑا منافق مر گیا۔ محمد بن عمرو کا بیان ہے کہ جب طوفان آیا تو لوگوں نے کہا یقیناً مدینہ میں کوئی بڑا حادثہ ہوا ہے اور وہاں ہمارے بال بچے ہیں (ہم کو ان کی فکر ہے) عیینہ بن حصن فزاری اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک مقررہ مدت کے لئے ناجنگ معاہدہ تھا اور معاہدے کی مدت ختم ہونے والی تھی اس لئے لوگوں کو خیال ہوا کہ کہیں عیینہ بن حصن نے مدینہ پر حملہ نہ کر دیا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے لئے کوئی (اندیشہ کی بات) نہیں ہے۔ مدینہ کی ہر گھاٹی پر ایک فرشتہ محافظ موجود ہے۔ کوئی دشمن مدینے میں داخل نہیں ہو سکتا تم ہی داخل ہو گے۔ واقعہ یہ ہوا کہ مدینہ میں ایک بڑا منافق مر گیا اسی وجہ سے یہ طوفانی ہوا چلی تھی اس کے مرنے کا منافقوں کو سخت غم ہوا تھا کیونکہ وہ منافقوں کا پشت پناہ تھا۔ یہ مرنے والا زید بن رفاعہ بن تابوت تھا۔

محمد بن عمرو نے حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا کہ زوال آفتاب

تک آندھی بہت تیز رہی زوال کے بعد سکون ہوگیا۔ حضرت عبادہ بن صامت نے اس روز ابن اُبی سے فرمایا تیرا گہرا دوست زید بن رفاعہ بن تابوت مرگیا۔ جس کے مرنے سے اسلام اور اہل اسلام کی فتح ہوئی۔ ابن اُبی نے کہا افسوس وہ (میرا دوست ہی) تھا۔ ابو ولید یہ تو بتاؤ کہ تم کو کس نے اطلاع دی۔ حضرت عبادہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ ابھی وہ مرگیا۔ ابن اُبی بڑا پشیمان پریشان اور غمگین ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کا گم ہونا

محمد بن عمرو نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی قصویٰ اونٹوں (کے گلے) میں سے گم ہوگئی۔ مسلمان ہر طرف اسکو تلاش کرنے لگے۔ ایک منافق تھا زید بن صلت جو انصار کی اس جماعت میں شامل تھا جس میں عبادہ بن بشر بن وقس اور اسید بن حضیر شامل تھے زید بن صلت نے پوچھا۔ یہ لوگ ہر طرف کہاں جارہے ہیں۔ لوگوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کھوگئی ہے اس کو تلاش کررہے ہیں۔ کہنے لگا جہاں اونٹنی ہو وہ جگہ اللہ ان کو بتا کیوں نہیں دیتا مسلمانوں کو یہ بات ناگوار ہوئی اور انہوں نے کہا دشمن خدا تجھ پر خدا کی مار تو منافق ہوگیا۔ حضرت اسید بن حضیر بولے مجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا فعل پسند ہوگا یا نہیں اگر یہ بات نہ ہوتی تو خدا کی قسم میں برچھا تیرے آر پار کردیتا۔ جب یہ نفاق تیرے دل میں تھا تو تو ہمارے ساتھ نکل کر کیوں آیا تھا کہنے لگا میں تو دنیوی مال کی طلب میں آیا تھا۔ خدا کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس اونٹنی سے کہیں بڑی آسمانی باتوں کی خبر تو ہم کو دیتے ہیں (اونٹنی کی کوئی خبر نہیں) مسلمانوں نے کہا خدا کی قسم ہماری کبھی تجھ سے (ملاپ کی) کوئی راہ نہیں ہوگی اور نہ کسی ٹیلے کے سائے میں ہم تیرے ساتھ بیٹھیں گے۔ اگر ہم کو تیرے دل کی حالت معلوم ہوتی تو تیرے ساتھ ہی نہ رہتے۔ اس کے بعد زید کو ڈر کر بھاگ پڑا۔ اس کو ڈر لگا کہ مسلمان مجھ پر حملہ کردیں گے۔ مسلمانوں نے اس کا سامان پھینک دیا۔ زید ساتھیوں سے بھاگ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر پناہ گزین ہوگیا۔ اس کے بعد حضرت جبرائیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وحی لے کر آگئے (اور اونٹنی کی اطلاع دیدی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اور منافق سن رہا تھا) منافقوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کھو گئی اور اللہ نے ان کو اونٹنی کا مقام نہیں بتایا۔ باوجودیکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو اونٹنی کی گمشدگی سے بہت بڑی باتیں بتایا کرتے ہیں۔ (حضور نے فرمایا) علم غیب سوائے خدا کے کسی کو نہیں اور اللہ نے اب مجھے اونٹنی کا مقام بتا دیا ہے۔ تمہارے سامنے گھاٹی کے اندر اونٹنی موجود ہے اس کی مہار ایک درخت میں پھنس گئی ہے تم اسی طرف جاؤ حسب الحکم لوگ وہاں جا کر اونٹنی کو لے آئے۔ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا۔

منافق کی پشیمانی اور مسلمان ہونا

منافق نے جب اونٹنی کو آتے دیکھ لیا تو پشیمان ہوا اور فوراً تیزی کے ساتھ ان ساتھیوں کے پاس آیا جن کے ساتھ وہ پہلے تھا۔ آکر دیکھا کہ اس کا مال پھینک دیا گیا ہے اور لوگ سب اپنی جگہ بیٹھے ہیں کوئی ایک بھی اپنی جگہ سے نہیں اٹھا ہے۔ جب وہ منافق ان حضرات کے قریب آنے لگا تو انہوں نے کہا۔ ہمارے پاس نہ آنا۔ کہنے لگا مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔ یہ کہہ کر قریب آ گیا اور بولا میں تم کو خدا کی قسم دیکھ پوچھتا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ کیا تم میں سے کوئی یہاں سے اٹھ کر محمد کے پاس گیا اور اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو میری اس بات کی اطلاع دیدی جو میں نے یہاں کہی تھی۔ سب نے جواب دیا نہیں خدا کی قسم ہم میں سے تو کوئی اپنی جگہ سے اٹھا ہی نہیں۔ کہنے لگا میری کہی ہوئی بات تو (یہاں) لوگوں کے پاس ہی رہی اور (وہاں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دی پھر زید نے واقعہ نقل کردیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا۔ کہنے لگا پہلے مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں شک تھا۔ لیکن اب شہادت دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ گویا پہلے میں مسلمان ہی نہیں ہوا تھا۔ اب اسلام لایا ہوں۔ ساتھیوں نے کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر معافی کا طلبگار ہو تاکہ وہ (اللہ سے) تیرے لئے استغفار کریں۔ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے گناہ کا اقرار کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے دعائے مغفرت کی۔

حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی کا باپ کو مدینہ میں داخلہ سے روکنا

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی عقیق پر پہنچے تو حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی آگے بڑھ کر اونٹوں کی تلاشی میں لگ گئے (ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی خاص اونٹ کی ان کو تلاش ہے) جب ان کے باپ کا اونٹ گزرا تو حضرت عبداللہ نے اس کو بٹھا دیا اور اس کا اگلا پاؤں باندھ دیا۔ ابن ابی نے کہا اے احمق کیا کر رہا ہے؟ حضرت عبداللہ نے جواب دیا۔ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہیں دیں گے آپ مدینے میں داخل نہیں ہوسکتے اور آپ کو خود معلوم ہوجائے گا کہ عزت والا کون ہے اور ذلیل کون ہے۔ آپ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ اس عرصے میں جو مسلمان سامنے سے گزرتا۔ حضرت عبداللہ اس کو تیزی کے ساتھ آگے جانے دیتے (اور باپ کو روکے رکھتے تھے) اور باپ کہتا تھا تو اپنے باپ کے ساتھ یہ حرکت کررہا ہے۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے اور کیفیت دریافت کی۔ عرض کیا گیا کہ حضرت

عبداللہ عبداللہ بن ابی اپنے باپ کو اس وقت تک چھوڑنے سے انکاری ہیں جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو (مدینہ میں داخل ہونے کی) اجازت نہ دیدیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے چلے تو دیکھا واقعی عبداللہ اپنے باپ کی اونٹنی کی ٹانگ باندھے بیٹھے ہیں اور ابن اُبی کہہ رہا ہے کہ میں چھوٹے بچوں سے بھی زیادہ کمزور ہوں۔ میں عورتوں سے بھی زیادہ ضعیف ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اپنے باپ کو چھوڑ دو' اور عبداللہ نے چھوڑ دیا۔

ابن اُبی کا معافی سے منہ پھیرنا: محمد بن عمر نے حضرت رافع بن خدیج کی روایت سے بیان کیا کہ ابن اُبی کے متعلق آیت قرآنی کے نزول سے پہلے حضرت عبادہ بن صامت اس روز ابن اُبی سے فرما رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیرے لئے دعائے مغفرت کر دیں گے۔ ابن اُبی گردن نیوڑانے لگا۔ حضرت عبادہ نے فرمایا۔ خدا کی قسم' تیرے اس گردن نیوڑانے اور سر پھرانے کے متعلق اللہ کی طرف سے کوئی ایسی آیت ضرور نازل ہوگی (جو تیرے لئے ایک آگ ہوگی اور) تو اس میں جلے گا۔

وحی کا نزول: راوی کا بیان ہے کہ شروع دن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں (یعنی ہمارے دائرے میں) ہی چلتے رہے اور زید بن ارقم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے سامنے آ جاتے تھے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رُخ اپنی طرف کرنا چاہتے تھے۔ اسی حالت میں وحی نازل ہوئی۔ حضرت زید بن ارقم کا بیان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکلیف محسوس ہونے لگی۔ پیشانی مبارک عرق آلود ہوگئی اور اونٹنی کی ٹانگوں پر بھاری بوجھ پڑنے لگا میں پہچان گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ہو رہا ہے۔ مجھے امید تھی کہ میری تصدیق میں اللہ ضرور کچھ نازل فرمائے گا۔ جونہی وحی کی حالت دور ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے دونوں کان پکڑ کر اوپر کو اٹھانے لگے میں اپنی اونٹنی پر تھا۔ لیکن کان اوپر اُٹھنے کی وجہ سے اوپر اٹھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لڑکے تیرے کان پورے (ثابت) ہوئے۔ اللہ نے تیری بات کی تصدیق کر دی اور اول سے آخر تک پوری سورۃ منافقون صرف ابن ابی کے متعلق نازل ہوگئی۔

سورۂ منافقون کہاں نازل ہوئی: اس واقعہ کے بعد جب کوئی نئی بات کرتا تھا تو اس کی قوم والے خود اس پر غصہ اور گرفت کرتے تھے۔ یہ پوری روایت بتا رہی ہے کہ سورۂ منافقون سفر کی حالت میں مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے اُتری۔ لیکن بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینے میں پہنچ گئے تو (اس وقت کا) حضرت زید بن ارقم کا بیان ہے کہ میں غم اور شرمندگی کی وجہ سے اپنے گھر میں جا بیٹھا۔ اسکے بعد اللہ نے حضرت زید کی تصدیق اور ابن اُبی کی تکذیب میں سورۂ منافقون نازل فرمائی۔ نزول سورۃ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کا کان پکڑ کر فرمایا۔ زید! اللہ نے تیری تصدیق کر دی اور تیرے کان کو پورا کر دیا۔

فائدہ: محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ یہ واقعہ ماہ شعبان ۶ھ میں ہوا' خلیفہ بن خیاط اور طبری نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔ لیکن قتادہ اور عروہ نے شعبان ۵ھ کا واقعہ قرار دیا ہے۔

حضرت جویریہؓ سے نکاح: اسی واقعہ کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار سے نکاح کیا تھا محمد بن اسحاق' امام احمد' ابوداؤد اور محمد بن عمرؓ نے حضرت عائشہ کا قول بیان کیا ہے کہ جویریہ شیریں (اخلاق) اور ملیح عورت تھی جس کی نظر ان پر پڑ جاتی وہ فریفتہ ہو جاتا جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چشمے پر تشریف فرما تھے کہ جویریہ آ گئیں اور بدل کتابت ادا کرنے کے لئے مدد کی خواستگار ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کا آنا مجھے ناگوار ہوا اور میں پہچان گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اسی نظر سے دیکھ رہے ہیں جس نظر سے میں دیکھ رہی ہوں (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پسندیدہ نظر سے دیکھ لیا ہے) جویریہ نے کہا۔ یا رسول اللہ! میں مسلمان عورت ہوں اور شہادت دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ میں حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جویریہ ہوں حارث اپنی قوم کا سردار تھا۔ ہم پر جو مصیبت پڑی اس سے تو آپ واقف ہی ہیں۔ میں ثابت قیس بن شماس اور ان کے چچا کے بیٹے میں مشترکاً آئی ہوں۔ ثابت نے مجھے مکاتب کر دیا لیکن بدل کتابت اتنا مقرر کیا کہ اس کو ادا کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں۔ میں آپ کے پاس امید لے کر آئی ہوں۔ آپ بدل کتابت ادا کرنے میں میری مدد کیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے بہتر کوئی بات ہوگی تو کیا تم تسلیم کر لوگی۔ جویریہ نے کہا وہ کیا بات ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایا میں تمہارا بدل کتابت ادا کر دوں گا۔ پھر تم سے نکاح کر لوں گا۔ جویریہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوب' میں راضی ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس کو بلوایا اور ان سے جویریہ کا سوال کیا۔ ثابت نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' آپ پر میرے ماں باپ قربان۔ جویریہ آپ کی ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کتابت ادا کیا اور آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ اور (پھر) باہر برامد ہوئے۔ بنی مصطلق کے کچھ لوگ حصے بانٹنے میں آ چکے تھے۔ اور ان کی عورتوں سے قربت کرنے کے مسلمان مالک ہو گئے تھے کیونکہ وہ باندیاں ہو چکی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جویریہ سے نکاح کر لیا تو مسلمانوں نے

کہا بنی مصطلق (جو غلام بنا لئے گئے ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خسرال والے ہوگئے۔ چنانچہ جو شخص بھی جس کے قبضے میں تھا اس نے آزاد کر دیا۔ اس طرح سب آزاد ہوگئے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا۔ جویریہ سے نکاح کرنے کی وجہ سے سوگھروں والے آزاد کر دیئے گئے۔ اپنے کنبے کے لئے جویریہ سے زیادہ بابرکت عورت اور کوئی نہیں ہوئی۔

حضرت جویریہؓ کا خواب: محمد بن عمر نے بروایت حرام از ہشام از عروہ بیان کیا کہ حضرت جویریہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے تین رات پہلے میں نے خواب دیکھا کہ چاند یثرب سے چل کر میری گود میں آ گرا ہے۔ میں نے کسی کے سامنے بیان کرنا اس کو مناسب نہیں سمجھا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے اور ہم کو قیدی بنالیا گیا اس وقت مجھے خواب (پورا ہونے) کی امید ہوگئی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آزاد کر کے مجھ سے نکاح کرلیا۔ تب بھی اپنی قوم کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں نے خود ان کو آزاد کر دیا۔ میرے چچا کا بیٹیوں میں ایک لڑکی تھی اس نے مجھے آ کر یہ خبر سنائی تھی ورنہ مجھے معلوم بھی نہ تھا (کہ میرے رشتہ دار آزاد ہوئے یا نہیں) پس میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

حارث کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دینا

حافظ بن عائد نے بیان کیا کہ حضرت جویریہؓ کا باپ حارث بن ابی ضرار جویریہ کا معاوضہ دینے کے لئے آیا جو (وادی) عقیق میں جہاں جویریہ کے فدیہ کے اونٹ موجود تھے تو اس کو اپنے اونٹوں میں سے دو اونٹ جو سب سے بہتر تھے بہت پسند آئے اس لئے ان دونوں کو عقیق کی کسی گھاٹی میں چھپا دیا اور باقی اونٹ لا کر اپنی بیٹی کے معاوضے میں پیش کر دیئے۔ اور عرض کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے میری بیٹی کو گرفتار کرلیا ہے۔ یہ اس کا فدیہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور وہ دو اونٹ کہاں ہیں جو تم فلاں گھاٹی میں چھپا آئے ہو یہ سنتے ہی حارث بول اٹھا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں بے شک وہ دو اونٹ مجھے بہت پیارے تھے اور میں نے ان کو چھپا دیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ
اور اللہ جانتا ہے کہ تو اُس کا رسول ہے اور اللہ
يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱
گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں ☆

منافقوں کی حقیقت ☆ یعنی جھوٹ کہتے ہیں کہ ان کو دل سے اعتقاد ہے واقع میں وہ آپ کی رسالت کے قائل نہیں محض اپنی اغراض کے پیش نظر زبان سے باتیں بناتے ہیں اور دل میں سمجھتے ہیں کہ جھوٹ بول رہے ہیں پھر اسی ایک بات پر کیا منحصر ہے' جھوٹ بولنا ان کی امتیازی خصلت اور شعار بن چکا ہے۔ بات بات میں کذب و دروغ سے کام لیتے ہیں چنانچہ اسی سورۃ میں ایک واقعہ کا ذکر آیا چاہتا ہے جس میں انہوں نے صریح جھوٹ بولا اور اللہ نے آسمان سے انکی تکذیب کی۔ (تفسیر عثمانی)

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً
انہوں نے رکھا ہے اپنی قسموں کو ڈھال بنا کر ☆

قسموں کی آڑ ☆ یعنی جھوٹی قسمیں کھالیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور مجاہدین اسلام کے ہاتھوں سے اپنی جان و مال محفوظ رکھنے کے لیے ان ہی قسموں کی آڑ پکڑتے ہیں۔ جہاں کوئی بات قابل گرفت ان سے سرزد ہوئی اور مسلمانوں کی طرف سے مواخذہ کا خوف ہوا فوراً جھوٹی قسمیں کھا کر بری ہوگئے۔ (تفسیر عثمانی)

فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ
پھر روکتے ہیں اللہ کی راہ سے
اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۲
یہ لوگ بُرے کام ہیں جو کر رہے ہیں ☆

اسلام کے راستہ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں

☆ یعنی اسلام اور مسلمانوں کی نسبت طعن و تشنیع اور عیب جوئی کر کے دوسروں کو اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں اور لوگ ان کو بظاہر مسلمان دیکھ کر دھوکا کھاجاتے ہیں' تو ان کی جھوٹی قسموں کی ضرر فساد ان ہی تک محدود نہیں رہتا بلکہ دوسروں تک متعدی ہوتا ہے۔ اس سے بڑھ کر برا کام اور کیا ہوگا (لیکن ایک شخص جب تک بظاہر ضروریات دین کا اقرار کرتا ہے خواہ جھوٹ اور فریب ہی سے کیوں نہ ہو' اسلام اس کے قتل کی اجازت نہیں دیتا)۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا
یہ اس لئے کہ وہ ایمان لائے پھر منکر ہو گئے
فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا
پھر مہر لگ گئی اُن کے دل پر سو وہ اب کچھ نہیں

يَفْقَهُوْنَ ۝

سمجھتے ☆

دلوں پر مہر لگ گئی ☆یعنی زبان سے ایمان لائے دل سے منکر رہے اور مدعی ایمان ہو کر کافروں جیسے کام کیے اس بے ایمانی اور انتہائی فریب و دغا کا اثر یہ ہوا کہ ان کے دلوں پر مہر لگ گئی۔ جن میں ایمان و خیر اور حق و صداقت کے سرایت کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں رہی ظاہر ہے کہ اب اس حالت پر پہنچ کر ان سے سمجھنے کی کیا توقع کی جا سکتی ہے جب آدمی کا قلب اس کی بدکاریوں اور بے ایمانیوں سے بالکل مسخ ہو جائے پھر نیک و بد کے سمجھنے کی صلاحیت کہاں باقی رہے گی۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ

اور جب تو دیکھے اُن کو تو اچھے لگیں تجھ کو اُن کے ڈیل

وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ

اور اگر بات کہیں سنے تو اُن کی بات ☆

منافقوں کا ظاہر ☆یعنی دل تو مسخ ہو چکے ہیں لیکن جسم دیکھو تو بہت ڈیل ڈول کے چکنے چپڑے بات کریں تو بہت فصاحت اور چرب زبانی سے نہایت لچھے دار کہ خواہ مخواہ سننے والا ادھر متوجہ ہو۔ اور کلام کی ظاہری سطح دیکھ کر قبول کرنے پر آمادہ ہو جائے کسی نے خوب کہا ہے

۔از بروں چوں گور کافر پر حلل   واندروں قہر خدائے عزوجل

از بروں طعنہ زنی بربا یزید   واز درونت ننگ مے دارد یزید

(تفسیر عثمانی)

كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ

کیسے ہیں جیسے کہ لکڑی لگا دی دیوار سے ☆

منافقوں کی مثال ☆خشک اور بیکار لکڑی جو دیوار سے لگا کر کھڑی کر دیجائے محض بیجان اور لایعقل دیکھنے میں کتنی موٹی مگر ایک منٹ بھی بدون سہارے کے کھڑی نہیں رہ سکتی۔ ہاں ضرورت پڑے تو جلانے کے کام آ سکتی ہے یہی حال لوگوں کا ہے۔ ان کے موٹے فربہ جسم اور تن و توش سب ظاہری خول ہیں اندر سے خالی اور بے جان محض دوزخ کا ایندھن بننے کے لائق۔ (تفسیر عثمانی)

كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ۔ حالانکہ وہ دیوار کے سہارے سے کھڑی ہوئی لکڑیاں ہیں علم و معرفت اور عقل سلیم سے خالی۔ کھوکھلی۔ (تفسیر مظہری)

يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ

جو کوئی چیخے جائیں ہم ہی پر بلا آئی ☆

منافقوں کی بزدلی ☆یعنی بزدل نامرد ڈرپوک ذرا کہیں شور وغل ہو تو دل دہل جائے۔ سمجھیں کہ ہم ہی پر کوئی بلا آئی۔ سنگین جرموں اور بے ایمانیوں کی وجہ سے ہر وقت ان کے دل میں دغدغہ لگا رہتا ہے کہ دیکھئے کہیں ہماری دغابازیوں کا پردہ تو چاک نہیں ہو گیا۔ یا ہماری حرکات کی پاداش میں کوئی افتاد تو پڑنے والی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

يَحْسَبُوْنَ الخ۔ یعنی ان کے دل چونکہ رعب زدہ ہیں اس لئے ہر پکار اور اونچی آواز کو اپنے اوپر ٹوٹ پڑنے والی خیال کرتے ہیں۔

اپنا بھانڈا پھوٹنے کا خطرہ: یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان کو ہر وقت ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں ان کا نفاق ظاہر نہ ہو جائے جسکی وجہ سے ان کا خون مباح کر دیا جائے اور ان کو قتل کر دیا جائے اس لئے لشکر میں جو اونچی آواز سنائی دیتی ہے مثلاً کوئی کسی کو پکارتا ہے یا کوئی جانور چھوٹ کر بھاگ پڑتا ہے یا گم شدہ اونٹ کو ڈھونڈا جاتا ہے تو وہ خیال کرتے کہ ان کے قتل اور گرفتاری کا حکم ہو گیا۔ اور اب ان کو پکڑا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ

وہی ہیں دشمن اُن سے بچتا رہ ☆

خطرناک دشمن ☆یعنی بڑے خطرناک دشمن یہ ہی ہیں ان کی چالوں سے ہوشیار رہو۔ (تفسیر عثمانی)

هُمُ الْعَدُوُّ۔ یہ منافق پکے دشمن ہیں ان سے ہوشیار رہو۔ ہوشیار رہنے اور احتیاط رکھنے کے حکم کا مقصد یہ ہے کہ ان کی صحبت میں نہ رہو ان کو ساتھ نہ رکھو ان سے بے خوف نہ رہو۔ کیونکہ جو شخص ہر وقت اپنی جان کے اندیشے میں رہے اور خوف جان ہر وقت اس کو لگا رہے وہ یقیناً پکا دشمن ہوتا ہے اور جس کی طرف سے اس کو خوف لگا رہتا ہے اس کو دکھ پہنچانے سے کبھی دریغ نہیں کرتا۔ (تفسیر مظہری)

قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۫ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝

گردن مارے اُن کی اللہ کہاں سے پھرے جاتے ہیں ☆

☆یعنی ایمان کا اظہار کر کے یہ بے ایمانی اور حق و صداقت کی روشنی آ چکنے کے بعد یہ ظلمت پسندی کس قدر عجیب ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ۔ ان پر اللہ کی لعنت۔ بظاہر یہ بد دعا ہے اور خود اپنی ذات

سے منافقوں پر لعنت کرنے کی طلب ہے لیکن حقیقت میں یہ مسلمانوں کو لعنت اور بددعا کرنے کی تعلیم ہے۔

اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ ۔یعنی وہ کسی طرح حق سے پھیرے جاتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا یَسْتَغْفِرْ لَكُمْ

اور جب کہیے اُن کو آؤ معاف کرا دے تم کو

رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَیْتَهُمْ

رسول اللہ کا مٹکاتے ہیں اپنے سر اور تو دیکھے

یَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝۵

کہ وہ رُکتے ہیں اور وہ غرور کرتے ہیں ☆

منافقوں کا تکبر ☆ بعض دفعہ جب ان منافقوں کی کوئی شرارت صاف طور پر کھل جاتی اور کذب وخیانت کا پردہ فاش ہو جاتا تو لوگ کہتے کہ (اب بھی وقت نہیں گیا) آؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ سے اپنا قصور معاف کرا لو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کی برکت سے حق تعالیٰ تمہاری خطا معاف فرما دیگا تو غرور وتکبر سے اس پر آمادہ نہ ہوتے اور بے پروائی سے گردن ہلا کر اور سر مٹکا کر رہ جاتے بلکہ بعض بدبخت صاف کہہ دیتے کہ ہم کو رسول اللہ کے استغفار کی ضرورت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا شانِ نزول: نزول سورۃ کے بعد جب عبداللہ بن اُبی کا جھوٹ ثابت ہو گیا تو ابن اُبی سے کہا گیا ابو خباب تیرے متعلق سخت آیات نازل ہوئی ہیں۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر (معافی کی درخواست کر) حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیرے لئے مغفرت کی دعا کر دیں گے۔ ابن اُبی گردن نیوڑا کر بولا تم نے مجھے ایمان لانے کا مشورہ دیا۔ میں ایمان لے آیا۔ پھر تم نے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا۔ میں نے اپنے مال کی زکوٰۃ بھی دے دی اب اس کے سوا اور کوئی بات باقی نہ رہی کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کروں اس پر اللہ نے آیت وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا یَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ الخ۔ نازل فرمائی اس کے بعد ابن اُبی مدینے میں تھوڑے دنوں ہی زندہ رہا۔ کچھ ہی زمانہ کے بعد بیمار ہو کر مر گیا۔ (تفسیر مظہری)

ابن ابی حاتم میں ہے کہ سفیان راوی نے اپنا منہ دائیں جانب پھیر لیا اور غضب وتکبر کے ساتھ ترچھی آنکھ سے گھور کر دکھا کر اسی کا ذکر اس آیت میں ہے اور سلف میں سے اکثر حضرات کا فرمان ہے کہ یہ سب کا سب بیان عبداللہ بن اُبی بن سلول کا ہے جیسے کہ عنقریب آ رہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

عبداللہ بن اُبی کا جمعہ کے دن کا معمول

سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول اپنی قوم کا بڑا اور شریف شخص تھا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھتے تھے تو یہ کھڑا ہو جاتا تھا اور کہتا تھا لوگو یہ ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو تم میں موجود ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہارا اکرام کیا اور تمہیں عزت دی اب تم پر فرض ہے کہ تم آپ کی مدد کرو اور آپ کی عزت وتکریم کرو آپ کا فرمان سنو اور جو فرمائیں بجالاؤ۔ یہ کہہ کر بیٹھ جایا کرتا تھا۔

میدان اُحد میں منافقت کھل گئی: اُحد کے میدان میں اس کا نفاق کھل گیا اور یہ وہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی نافرمانی کر کے تہائی لشکر کو لے کر مدینہ کو واپس لوٹ آیا۔

صحابہ کا اس کو اپنے منافقانہ معمول سے روکنا

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احد سے فارغ ہوئے اور مدینہ میں مع الخیر تشریف لائے۔ جمعہ کا دن آیا اور آپ منبر پر چڑھے تو حسب عادت یہ آج بھی کھڑا ہوا اور کہنا چاہتا ہی تھا کہ بعض صحابہؓ ادھر اُدھر سے کھڑے ہو گئے اور اس کے کپڑے پکڑ کر کہنے لگے دشمن خدا بیٹھ جا تو اب یہ کہنے کا منہ نہیں رکھتا تو نے جو کچھ کیا وہ کسی سے مخفی نہیں اب تو اس کا اہل نہیں کہ زبان سے جو جی میں آئے بکا رہے۔ یہ ناراض ہو کر لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا باہر نکل گیا اور کہتا جاتا تھا کہ گویا میں کس بدبات کے کہنے کیلئے کھڑا ہوا تھا میں تو اس کا کام اور مضبوط کرنے کیلئے کھڑا ہوا تھا۔ چند انصاری اسے مسجد کے دروازے پر مل گئے انہوں نے کہا کیا بات ہے؟ تو کہا میں تو اس کا کام مضبوط کرنے کے لئے کھڑا ہوا تھا جو چند اصحاب مجھ پر اچھل کر آ گئے مجھے گھسیٹنے لگے اور ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگے گویا کہ میں کسی بری بات کے کہنے کے لئے کھڑا ہوا تھا حالانکہ میری نیت یہ تھی کہ میں آپ کی باتوں کی تائید کروں۔

ابن اُبی کا استغفار سے انکار

انہوں نے کہا خیر اب تم واپس چلو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کریں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لئے خدا سے بخشش چاہیں گے اس نے کہا مجھے کوئی ضرورت نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ

برابر ہے اُن پر تو معافی چاہے اُن کی

اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ

یا نہ معافی چاہے ہرگز نہ معاف

اللّٰهُ لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي

کریگا اُن کو اللہ بیشک اللہ راہ نہیں دیتا

الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۶

نافرمان لوگوں کو ☆

اب ان کو معافی نہیں مل سکتی ☆یعنی ممکن ہے آپ غایت رحمت وشفقت سے ان کے لیے بحالت موجودہ معافی طلب کریں۔ مگر اللہ کسی صورت سے ان کو معاف کرنیوالا نہیں، اور نہ ایسے نافرمانوں کو اسکے ہاں سے ہدایت کی توفیق ملتی ہے اس طرح کی ایک آیت سورہ ''براءۃ'' میں آچکی ہے وہاں کے فوائد دیکھ لیے جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا

وہی ہیں جو کہتے ہیں مت خرچ کرو

عَلٰي مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ

اُن پر جو پاس رہتے ہیں رسول اللہ کے

حَتّٰي يَنْفَضُّوْا ۭ

یہاں تک کہ متفرق ہو جائیں ☆

شان نزول ☆ایک سفر میں دو شخص لڑ پڑے ایک مہاجرین میں کا اور ایک انصار کا دونوں نے اپنی حمایت کے لیے اپنی جماعت کو پکارا جس پر خاصا ہنگامہ ہو گیا۔ یہ خبر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو پہنچی کہنے لگا اگر ہم ان (مہاجرین) کو اپنے شہر میں جگہ نہ دیتے تو ہم سے مقابلہ کیوں کرتے تم ہی خبر گیری کرتے ہو تو یہ لوگ رسول کے ساتھ جمع رہتے ہیں خبر گیری چھوڑ دو، ابھی خرچ سے تنگ آکر متفرق ہو جائیں، اور سب مجمع بچھڑ جائے۔ یہ بھی کہا کہ اس سفر سے واپس ہو کر ہم مدینہ پہنچیں تو جس کا اس شہر میں زور و اقتدار ہے چاہیے ذلیل بے قدروں کو نکال دے (یعنی ہم جو معزز لوگ ہیں ذلیل مسلمانوں کو نکال دینگے) ایک صحابی زید بن ارقم نے یہ باتیں سن کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نقل کردیں۔ آپ نے عبداللہ بن ابی وغیرہ کو بلا کر تحقیق کی تو قسمیں کھا گئے کہ زید بن ارقم نے ہماری دشمنی سے جھوٹ کہہ دیا ہے۔ لوگ زید پر آوازے کسنے لگے وہ بیچارے سخت محجوب اور نادم تھے۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو فرمایا کہ اللہ نے تجھے سچا کیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِلّٰهِ خَزَاۗىِٕنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور اللہ کے ہیں خزانے آسمانوں کے اور زمین

وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۷

کے ولیکن منافق نہیں سمجھتے ☆

منافقوں کی حماقت ☆یعنی احمق اتنا نہیں سمجھتے کہ تمام آسمان و زمین کے خزانوں کا مالک تو اللہ ہے کیا جو لوگ خالص اس کی رضا جوئی کے لیے اس کے پیغمبر کی خدمت میں رہتے ہیں وہ ان کو بھوکوں مار دیگا، اور لوگ اگر ان کی امداد بند کر لینگے تو وہ بھی اپنی روزی کے سب دروازے بند کر لیگا؟ سچ تو یہ ہے کہ جو بندے ان اللہ والوں پر خرچ کر رہے ہیں وہ بھی اللہ ہی کراتا ہے اس کی توفیق نہ ہو تو نیک کام میں کوئی ایک پیسہ خرچ نہ کر سکے۔ (تفسیر عثمانی)

يَقُوْلُوْنَ لَىِٕنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ

کہتے ہیں البتہ اگر ہم پھر گئے مدینہ کو

لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۭ وَلِلّٰهِ

تو نکال دیگا جس کا زور ہے وہاں سے کمزور لوگوں کو اور زور تو اللہ کا

الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ

ہے اور اُسکے رسول کا اور ایمان والوں کا لیکن

الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۸

منافق نہیں جانتے ☆

عزت کا مالک اللہ ہے: ☆یعنی منافق یہ نہیں جانتے کہ زور آور اور عزت والا کون ہے۔ یاد رکھو اصلی اور ذاتی عزت تو اللہ کی ہے۔ اُس کے بعد اُسی سے تعلق رکھنے کی بدولت درجہ بدرجہ رسول کی اور ایمان والوں کی۔

حضرت عبداللہ کی ایمانی عزت: روایات میں ہے کہ عبداللہ بن اُبی کے وہ الفاظ (کہ عزت والا ذلیل کو نکال دیگا) جب اُسکے بیٹے حضرت عبداللہ بن عبداللہ کو پہنچے (جو مخلص مسلمان تھے) تو باپ کے سامنے تلوار لے کر کھڑے ہو گئے۔ بولے جب تک اقرار نہ کریگا کہ رسول اللہ عزت والے

ہیں اور تو ذلیل ہے۔ زندہ نہ چھوڑونگا اور نہ مدینہ میں گھسنے دُونگا۔ آخر اقرار کرا کر چھوڑا۔ رضی اللہ عنہ۔ منافقین کی توبیخ و تقبیح کے بعد آگے مؤمنین کو چند ہدایات کی گئی ہیں یعنی تم دنیا میں پھنس کر اللہ کی اطاعت اور آخرت کی یاد سے غافل نہ ہو جانا جس طرح یہ لوگ ہو گئے ہیں۔ (تفسیر عثانی)

اَلْعِزَّةُ ۔ یعنی حقیقت میں غلبہ اور قوت تو اللہ ہی کو حاصل ہے وہ اللہ کی عطا کردہ ہے۔ اسی نے اپنے دین کو غالب کیا۔ دشمنوں پر ان کو فتح عنایت فرمائی ہے۔

لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ یعنی منافق جہالت اور غرور کے سبب اس بات کو نہیں جانتے۔ (تفسیر مظہری)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ
اے ایمان والو غافل نہ کر دیں تم کو
اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ
تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی
ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ
یاد سے اور جو کوئی یہ کام کرے
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ⑨
تو وہی لوگ ہیں ٹوٹے میں ☆

خسارے کی تجارت ☆ یعنی آدمی کے بیے بڑے خسارے اور ٹوٹے کی بات ہے کہ باقی کو چھوڑ کر فانی میں مشغول ہو اور اعلیٰ سے ہٹ کر ادنی میں پھنس جائے مال و اولاد وہی اچھی ہے جو اللہ کی یاد اور اس کی عبادت سے غافل نہ کرے اگر ان دھندوں میں پڑ کر خدا کی یاد سے غافل ہو گیا تو آخرت بھی کھوئی اور دنیا میں قلبی سکون واطمینان نصیب ہوا

"وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى"
(تفسیر عثانی)

اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ ۔ یعنی مال اور اولاد کا انتظام واہتمام۔

عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۔ لفظ ذکر عام ہے تمام عبادتوں کو شامل ہے۔ لیکن اہل تفسیر کے نزدیک اس جگہ پانچوں وقت کی نمازیں مراد ہیں۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ۔ یعنی جو لوگ مال و اولاد میں ایسا اشتغال رکھیں گے۔ جو ذکر اللہ سے مانع ہو تو ایسے ہی لوگ گھاٹا اٹھانے والے ہیں کہ انہوں نے حقیر فنا پذیر چیز کو پسند کر لیا اور لازوال عالی قدر نعمت کو ترک کر دیا۔

منافقوں کی بد اعمالیاں: سابق آیات میں صراحت کے ساتھ منافقوں کی مذمت کی اور اس آیت میں آخر تک در پردہ ان کی بداعمالی کو بیان کیا ہے۔ مال و اولاد کے مشغلہ میں پھنسا رہنا اور نماز کو ترک کر دینا اور زکوٰۃ ادا نہ کرنا اور تاخیر موت کی تمنا کرنا۔ اور درازیٔ اجل کا امیدوار ہونا یہ سب منافقوں کی خصوصیت ہے۔ مسلمانوں کے لئے منافقوں کی طرح ان میں سے کسی بات کو اختیار کرنا زیبا نہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ
اور خرچ کرو کچھ ہمارا دیا ہوا اُس سے پہلے
اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ
کے آ پہنچے تم میں کسی کو موت تب کہے
رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ
اے رب کیوں نہ ڈھیل دی تو نے مجھ کو ایک تھوڑی سی مدت
فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ⑩
کہ میں خیرات کرتا اور ہو جاتا نیک لوگوں میں
وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ
اور ہرگز نہ ڈھیل دیگا اللہ کسی جی کو جب آ پہنچا اُس کا وعدہ ☆

خرچ کرنے سے خود تمہارا بھلا ہے

☆ یہ شاید منافقوں کے قول۔ "لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ" الخ کا جواب ہوا کہ خرچ کرنے میں خود تمہارا بھلا ہے۔ جو کچھ صدقہ خیرات کرنا ہے جلدی کرو ورنہ موت سر پر آ پہنچے گی تو پچھتاؤ گے ہم نے کیوں خدا کے راستہ میں خرچ نہ کیا اس وقت (موت کے قریب) بخیل تمنا کریگا اے پروردگار! چند روز اور میری موت کو ملتوی کر دیتے کہ میں خوب صدقہ خیرات کر کے اور نیک بن کر حاضر ہوتا لیکن وہاں التواء کیسا؟ جس شخص کی جس قدر عمر لکھ دی اور جو میعاد مقرر کر دی اس کے پورا ہو جانے پر ایک لحہ کی ڈھیل اور تاخیر نہیں ہو سکتی (تنبیہ) ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ وہ اس تمنا کو قیامت کے دن پر حمل کرتے ہیں یعنی محشر میں یہ آرزو کریگا کہ کاش مجھے پھر دنیا کی طرف تھوڑی مدت کے لیے لوٹا دیا جائیگا تو خوب صدقہ کر کے اور نیک بن کر آؤں۔ (تفسیر عثانی)

وَاَنْفِقُوْا ۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ انفاق سے مراد ہے ادائے زکوٰۃ۔

اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ ۔ موت آنے سے مراد ہے علامات موت کا سامنے

آ جانا اور نشانات موت دکھائی دینا۔ اور ایسی حالت میں خیرات کی وصیت کرنا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے دریافت کیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سی خیرات سب سے بہتر ہے' فرمایا' ایسی حالت میں خیرات کرنی افضل ہے جب کہ تم تندرست ہو' مال کی محبت رکھتے ہو' تم کو مفلسی ہو جانے کا اندیشہ ہو اور مال داری کے خواہشمند ہو اور اتنی تاخیر نہ کرتے چلے جاؤ کہ جان حلق میں آ پہنچے اور اس وقت تم کہو اتنا فلاں کو دیدو وہ تو اس (وارث) کا ہو ہی چکا (تم دو یا نہ دو اس کو مل ہی جائے گا)۔

فَيَقُوْلَ ۔یعنی زندگی میں جب صدقہ خیرات نہ کیا ہوگا تو مرنے کے بعد حسرت سے کہے گا۔

لَوْلَآ ۔ کیوں نہیں۔ بعض کے نزدیک لَو تمنائی ہے اور لَا زائد ہے یعنی اے رب! کاش دُنیا میں مجھے تھوڑی مدت زندگی اور دیدیتا۔

اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۔تھوڑی مدت۔

الصّٰلِحِيْنَ ۔ سے مراد ہے مومن۔ یہ قول مقاتل اور اہل تفسیر کی ایک جماعت کا ہے۔ ان حضرات کے نزدیک اس آیت کا نزول منافقوں کے حق میں ہوا۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک مسلمانوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی اور صلاح سے مراد ہے ادائے واجب اور ترک ممنوع۔

موت کے وقت تمنا

بغوی نے لکھا ہے کہ ضحاک اور عطیہ نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ جس شخص کے پاس مال ہو اور اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی ہو' یا حج کی طاقت رکھتا ہو اور حج نہیں کیا ہو اور اسی حالت میں وہ مرنے لگے تو مرنے کے وقت وہ (زندگی کی طرف) لوٹنے کی درخواست کرتا ہے اور کہتا ہے میں نیک لوگوں میں سے ہو جاتا اور حج کر لیتا۔ یعنی اللہ اس کو مہلت ہرگز نہیں دے گا خواہ وہ کیسی ہی تمنا کرے۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑪
اور اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو ☆

اللہ باطنی کیفیتوں کو بھی جانتا ہے ☆ اس کو یہ بھی خبر ہے کہ اگر بالفرض تمہاری موت ملتوی کر دی جائے یا محشر سے پھر دنیا کی طرف واپس کریں تب تم کیسے عمل کرو گے۔ وہ سب کی اندرونی استعدادوں کو جانتا ہے اور سب کی ظاہری و باطنی اعمال سے پوری طرح خبردار ہے اسی کے موافق ہر ایک سے معاملہ کریگا۔ (تم سورۃ المنافقون وللہ الحمد والمنۃ)۔ (تفسیر عثمانی)

جس نے خواب میں اس کو پڑھا وہ ہدایت اور ایمان پر مرے گا۔

(ابن سیرین)

سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ
سورۃ تغابن مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی اٹھارہ آیتیں ہیں اور دو رکوع
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾
يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
پاکی بول رہا ہے اللہ کی جو کچھ ہے آسمانوں
وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ
میں اور جو کچھ ہے زمین میں اُسی کا راج ہے
وَلَهُ الْحَمْدُ ۡ
اور اُسی کو تعریف ہے ☆

حکومت اور تعریف اللہ ہی کی ہے ☆ اور جس کسی کا راج دنیا میں دکھائی دیتا ہے وہ اسی کا دیا ہوا اور جس کسی کی تعریف کی جاتی ہے وہ حقیقت میں اسی کی تعریف ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ①
اور وہی ہر چیز کر سکتا ہے
هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ
وہی ہے جس نے تم کو بنایا پھر کوئی تم میں منکر ہے
وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ
اور کوئی تم میں ایماندار ☆

سب کو فطرۃ اسلام پر پیدا کیا

یعنی اسی نے سب آدمیوں کو بنایا۔ چاہیے تھا کہ سب اس پر ایمان لاتے اور اس منعم حقیقی کی اطاعت کرتے۔ مگر ہوا یہ کہ بعض منکر بن گئے اور بعض ایماندار بیشک اللہ تعالیٰ نے آدمی میں دونوں طرف جانے کی استعداد اور قوت رکھی تھی۔ مگر

اولاً سب کو فطرت صحیحہ پر پیدا کیا تھا پھر کوئی اس فطرت پر قائم رہا اور کسی نے گردوپیش کے حالات سے متاثر ہو کر اس کے خلاف راہ اختیار کر لی اور ان دونوں کا علم اللہ کو ہمیشہ سے تھا کہ کون اپنے ارادہ اور اختیار سے کس طرف جائیگا۔ اور پھر اسی کے موافق سزا یا انعام و اکرام کا مستحق ہوگا۔ یہ ہی چیز اپنے علم کے موافق اس کی قسمت میں لکھ دی تھی کہ ایسا ہوگا۔ اللہ کا علم محیط اس کو مستلزم نہیں کہ دنیا میں ارادہ واختیار کی قوت باقی نہ رہے۔ یہ مسئلہ دقیق ہے اور ہم اس پر ایک مستقل مضمون لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں واللہ الموفق والمعین۔ (تفسیر عثانی)

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ الخ یعنی اللہ نے تم کو پیدا کیا۔ اس کے بعد تم میں سے کچھ لوگ کافر ہو گئے اور کچھ لوگ مومن۔ فَمِنْكُمْ میں فَ تعقیب پر دلالت کر رہی ہے یعنی پیدائش کے بعد کچھ لوگوں نے کفر اختیار کیا اور کچھ ایماندار ہوئے۔

اللہ خالق افعال ہے اور بندہ کاسب اعمال

اللہ نے فرمایا ہے كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ بندوں کے افعال واعمال بھی اللہ ہی کے پیدا کردہ ہیں لیکن اس میں کسی قدر بندوں کے اختیار کو دخل ہے اسی لئے بندے کو کاسب کہا جاتا ہے اور اس کے افعال پر ثواب وعذاب مرتب ہے۔ صحابہ اور تابعین وغیرہم کا اسی پر اجماع واتفاق ہے یہی قول صحیح ہے اس کے خلاف آیات کی تاویل کرنی جائز نہیں' اللہ نے فرمایا ہے وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ (مومنوں کے راستہ سے جو ہٹا اللہ اس کو دوزخ میں ڈال دے گا)۔

سب کچھ ماں کے پیٹ ہی میں لکھ دیا

حضرت انس بن مالک راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا ہے' فرشتہ عرض کرتا ہے اے رب (اب) نطفہ ہے (اب) بستہ خون کا لوتھڑا ہے (اب) بوٹی ہے (ان مراحل سے گذرنے کے بعد) جب اللہ اس کو پیدا کرنا چاہتا تو فرشتہ عرض کرتا ہے اے رب کیا یہ نر ہے یا مادہ نیک بخت ہے یا بد بخت' اس کا رزق کیا ہے' اس کی مدت زندگی کیا ہے' یہ سب کچھ ماں کے پیٹ میں ہی لکھ دیا جاتا ہے۔ راوی البخاری۔

صحیحین میں حضرت ابن مسعود کی مرفوع روایت بھی اسی طرح آئی ہے۔ جس کے آخر میں اتنا اور بھی ہے کہ قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تم میں سے بعض لوگ اہل جنت کے ایسے عمل (ساری) عمر کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ لکھا ہوا آگے آتا ہے اور وہ جہنم میں چلے جاتے ہیں۔

زمین وآسمان سے پہلے تقدیر لکھ دی گئی

مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے مخلوق کی تقدیریں لکھ دی ہیں اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔ اس مضمون کی حدیثیں بکثرت آئی ہیں۔

ایمان اور کفر کی تقدیر: اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ نے آدمیوں کو مومن اور کافر پیدا کیا ہے پھر جیسا پیدا کیا ہے ویسا ہی مومن وکافر (دنیوی زندگی میں) ان کو کر دیتا ہے یعنی بعض آدمیوں کے لئے کفر مقدر کر دیا۔ بعض کے لئے ایمان' جن کے لئے تقدیر کفر کی جاتی ہے اُن کا رُخ اُنہی اعمال کی طرف کر دیتا ہے جو کفر پر آمادہ کرنے والے ہوتے ہیں اور جن کے لئے ایمان مقدر کیا جاتا ہے اُن کو انہی اعمال کی توفیق دے دیتا ہے جو ایمان کی طرف بلاتے ہیں۔

حضرت خضرؑ کے ہاتھوں قتل ہونے والا لڑکا

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی وساطت سے حضرت اُبی بن کعب کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' خضرؑ نے جس لڑکے کو قتل کیا تھا اُس کی سرشت ہی کفر پر تھی۔ اللہ نے (حضرت نوحؑ کی بددعا نقل کی ہے اور) فرمایا' وَلَا يَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (یہ کافر ایسے ہی بچے پیدا کریں گے جو بدکار کافر ہوں گے) (تفسیر مظہری)

ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا کیا جاتا ہے

ایک حدیث سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے' جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے (كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يهودانه وينصرانه الحديث) "یعنی ہر پیدا ہونے والا انسان فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے" (جس کا تقاضا مومن ہونا ہے) مگر پھر اس کے ماں باپ اسکو یہودی یا نصرانی وغیرہ بنا دیتے ہیں (قرطبی)۔

اولادِ آدم کی برادری: اولاد آدم علیہ السلام سب ایک برادری ہے' اور دنیا کے پورے انسان اس برادری کے افراد ہیں' اس برادری کو قطع کرنے اور ایک الگ گروہ بنانے والی چیز صرف کفر ہے جو شخص کافر ہو گیا' اس نے انسانی برادری کا رشتہ توڑ دیا۔ اس طرح پوری دنیا میں انسانوں میں تحزب اور گروہ بندی صرف ایمان وکفر کی بنا پر ہو سکتی ہے' رنگ اور زبان' نسب وخاندان' وطن اور ملک میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جو انسانی برادری کو مختلف گروہوں میں بانٹ دے' ایک باپ کی اولاد اگر مختلف شہروں میں بسنے لگے یا مختلف زبانیں بولنے لگے یا ان کے رنگ میں تفاوت ہو تو وہ الگ الگ گروہ نہیں ہو جاتے' اختلاف رنگ وزبان اور وطن وملک کے باوجود یہ سب آپس میں بھائی ہی ہوتے ہیں۔ کوئی سمجھدار انسان ان کو مختلف گروہ نہیں قرار دے سکتا۔

زمانہ جاہلیت میں قومیت کی بنیاد

زمانۂ جاہلیت میں نسب اور قبائل کی تفریق کو قومیت اور گروہ بندی کی بنیاد بنا دیا گیا۔ اسی طرح ملک و وطن کی بنیاد پر کچھ گروہ بندی ہونے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب بتوں کو توڑا اور مسلمان خواہ کسی ملک اور کسی خطہ کا ہو کسی رنگ اور خاندان کا ہو کوئی زبان بولتا ہو ان سب کو ایک برادری قرار دیا بنص قرآن اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (مؤمنین سب کے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں) اسی طرح کفار کسی ملک و قوم کے ہوں وہ اسلام کی نظر میں ملت واحدہ ہیں یعنی ایک قوم ہیں۔

اختلاف رنگ وزبان گروہ بندی کا ذریعہ نہیں ہے

قرآن کریم کی مذکورۃ الصدر آیت بھی اس پر شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کل بنی آدم کو صرف کافر مؤمن دو گروہوں میں تقسیم فرمایا۔ اختلاف رنگ و زبان کو قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانی اور انسان کے لئے بہت سے معاشی فوائد پر مشتمل ہونے کی بناء پر ایک عظیم نعمت تو قرار دیا ہے مگر اس کو بنی آدم میں گروہ بندی کا ذریعہ بنانے کی اجازت نہیں دی۔

ملت اسلامیہ کا انتشار اور ملت کفر کا اتحاد

یہی وہ اسلامی برادری اور ایمانی اخوت تھی جس نے تھوڑے ہی عرصہ میں مشرق و مغرب، جنوب و شمال، کالے گورے، عرب عجم کے بے شمار افراد کو ایک لڑی میں پرو دیا تھا۔ جس کی قوت وطاقت کا مقابلہ دنیا کی قومیں نہ کر سکیں۔ تو انہوں نے پھر ان بتوں کو زندہ کیا، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام نے پاش پاش کر دیا تھا۔ مسلمانوں کی عظیم ترین ملت واحدہ کو ملک و وطن اور زبان اور رنگ اور نسب اور خاندان کے مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کر کے ان کو باہم ٹکرا دیا۔ اس طرح دشمنان اسلام کی یلغار کے لئے میدان صاف ہو گیا۔ جن کا نتیجہ آنکھیں آج دیکھ رہی ہیں کہ مشرق و مغرب کے مسلمان جو ایک قوم ایک دل تھے اب چھوٹے چھوٹے گروہوں میں منحصر ہو کر ایک دوسرے سے برسر پیکار ہیں۔ اور اُن کے مقابلہ پر کفر کی طاغوتی قوتیں باہمی اختلاف رکھنے کے باوجود مسلمانوں کے مقابلہ میں ملت واحدہ ہی معلوم ہوتی ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ خَلَقَ
اور اللہ جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے بنایا
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ
آسمانوں کو اور زمین کو تدبیر سے اور صورت کھینچی تمہاری

فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ
پھر اچھی بنائی تمہاری صورت ☆

انسانی صورت ☆ سب جانوروں سے انسان کی خلقت اچھی ہے۔ دیکھنے میں بھی خوبصورت اور ملکات وقویٰ میں بھی تمام عالم سے ممتاز بلکہ سب کا مجموعہ اور خلاصہ اسی لیے صوفیہ اسے عالم "صغیر" کہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۔ یعنی ایمان اور کفر، فرماں برداری اور نافرمانی، بہر حال تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کو دیکھتا ہے، تم کو اس کا بدلہ دے گا۔

بِالْحَقِّ ۔ یعنی کامل حکمت کے ساتھ پیدا کیا کہ یہ ساری کائنات ایک صانع حکیم کی ہستی اور وحدانیت کی نشاندہی کر رہی ہے۔

وَصَوَّرَكُمْ ۔ اور اے لوگو! اللہ نے تمہارے نقشے بنائے۔

فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۔ تمام حیوانوں سے زیادہ خوب صورت تمہارے نقشے بنائے ظاہر میں بھی (کہ دیکھنے میں سب سے اچھے دکھائی دیتے ہو) اور باطنی طور پر بھی کہ تمام جہان سے زیادہ علم، عقل اور معرفت کے حامل ہو۔ (تفسیر مظہری)

صفت صورت گری: صورت گری درحقیقت خالق کائنات کی مخصوص صفت ہے، اسی لئے اسماء الٰہیہ میں اللہ تعالیٰ کا نام مصور آیا ہے، اور غور کرو کہ کائنات میں کتنی اجناس مختلفہ ہیں اور ہر جنس میں کتنی انواع مختلفہ، ہر نوع میں اصناف مختلفہ اور ہر صنف میں لاکھوں کروڑوں افراد مختلفہ پائے جاتے ہیں، ایک کی صورت دوسرے سے نہیں ملتی، ایک نوع انسانی میں ملکوں اور خطوں کے اختلاف سے نسلوں اور قوموں کے اختلاف سے شکل وصورت میں کھیے ہوئے امتیازات، پھر ان میں ہر فرد کی شکل وصورت کا دوسرے سب سے ممتاز ہونا ایک ایسی حیرت انگیز صنعت وصورت گری ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ انسانی چہرہ جو چھ سات مربع انچ سے زیادہ نہیں، اربوں، پدموں انسانوں میں ایک ہی طرح کا چہرہ ہونے کے باوجود ایک کی صورت بالکلیہ دوسرے سے نہیں ملتی کہ پہچاننا دشوار ہو جائے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ يَعْلَمُ مَا فِي
اور اُسکی طرف سب کو پھر جانا ہے جانتا ہے جو کچھ ہے
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ
آسمانوں میں اور زمین میں اور جانتا ہے
مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ وَاللّٰهُ
جو تم چھپاتے ہو اور جو کھول کر کرتے ہو اور اللہ کو

عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٤﴾ اَلَمْ

معلوم ہے جیوں کی بات کیا پہنچی

يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

نہیں تم کو خبر اُن لوگوں کی جو منکر ہو چکے ہیں

قَبْلُ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ

پہلے ' پھر انہوں نے چکھی سزا اپنے کام کی

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٥﴾

اور ان کو عذاب دردناک ہے ☆

اہل مکہ سے خطاب ☆ یعنی تم سے پہلے بہت قومیں 'عاد' 'ثمود' وغیرہ ہلاک کی گئیں اور آخرت کا عذاب الگ رہا۔ یہ خطاب اہل مکہ کو ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۔ اور اُسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے اس لئے خصائل مذمومہ اور برے اعمال کو اختیار کر کے اپنی صلاحیت کو ضائع نہ کرو ورنہ (دوسری زندگی میں) تم کو بدترین صورتوں پر اٹھایا جائیگا۔

يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ ۔ یعنی اللہ تمہارے اسرار اور اُن خیالات سے واقف ہے جو تمہارے سینوں کے اندر پوشیدہ ہوتے ہیں' جو چیز معلوم ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے خواہ وہ کلی ہو یا جزئی اللہ اس کو جانتا ہے کیونکہ ہر چیز سے اس کی نسبت (یعنی تخلیقی تعلق و ربط) ایک جیسا ہے اَلَمْ يَاْتِكُمْ ۔ یعنی اے کافرو کیا تم کو پہلے کافروں کے حالات (اور عذاب و سزا) کی خبر نہیں پہنچی سابق کافروں سے مراد ہیں قوم نوح' قوم ثمود' قوم عاد اور اصحاب الایکہ (بن والے) وغیرہ۔

وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۔ یعنی نتیجہ اور انجام یہ ہوا کہ انہوں نے دنیا میں ہی اپنے کفر کے ضرر کا مزہ چکھ لیا۔ وبال کا اصل مفہوم ہے ثقل' بار' طعام وبیل۔ ثقیل کھانا' مطر وبیل بھاری بارش۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔ یعنی آخرت میں اُن کیلئے عذاب الیم ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ

یہ اس لئے کہ لاتے تھے اُن کے پاس

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْا اَبَشَرٌ

اُنکے رسول نشانیاں پھر کہتے کیا آدمی

يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا

ہم کو راہ سمجھائیں گے پھر منکر ہوئے اور منہ موڑ لیا ☆

بشریت' نبوت کے منافی نہیں ہے ☆ یعنی کیا ہم ہی جیسے آدمی ہادی بنا کر بھیجے گئے۔ بھیجنا تھا تو آسمان سے کسی فرشتے کو بھیجتے گویا ان کے نزدیک بشریت اور رسالت میں منافات تھی۔ اسی لیے انہوں نے کفر اختیار کیا اور رسولوں کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ (تنبیہ) اس آیت سے یہ ثابت کرنا کہ رسول کو بشر کہنے والا کافر ہے انتہائی جہل والحاد ہے اس کے برعکس اگر کوئی یہ کہہ دے کہ آیت ان لوگوں کے کفر پر دلالت کر رہی ہے جو رسل بنی آدم کے بشر ہونے کا انکار کریں تو یہ دعویٰ پہلے دعوے سے زیادہ قوی ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكَ ۔ یہ دنیا اور آخرت کا عذاب۔ بِالْبَيِّنٰتِ ۔ معجزات اور واضح دلائل۔

اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۔ بشر اسم جنس ہے' ایک پر بھی اور زیادہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ وَتَوَلَّوْا ۔ اور واضح دلائل و آیات سے روگردان ہو گئے۔ (تفسیر مظہری)

وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿٦﴾

اور اللہ نے بے پروائی کی اور اللہ بے پروا ہے سب تعریفوں والا

اللہ کو کوئی ضرورت نہیں ہے ☆ یعنی اللہ کو کیا پروا تھی انہوں نے منہ موڑ لیا تو اللہ نے ادھر سے نظر رحمت اٹھا لی۔ (تفسیر عثمانی)

وَاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۔ اور اللہ اُن کی طاعت سے کیا ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ پیغمبروں کو بھیجنا تو اس کی مہربانی اور احسان ہے اور جو شخص خود اپنے ضرر پر راضی ہو وہ قابل نظر نہیں ہوتا (پس اللہ بھی اُن کی طرف سے بے پرواہ ہو گیا)

وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۔ اور اللہ ہر چیز سے بے نیاز اور بذاتِ خود فی نفسہ سزاوار ستائش ہے اس کو کسی کی تعریف کی حاجت نہیں۔ (تفسیر مظہری)

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ

دعویٰ کرتے ہیں منکر کہ ہرگز اُن کو کوئی نہ اُٹھائے گا ☆

رسالت کی طرح بعث بعد الموت کا بھی انکار ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ

تو کہہ کیوں نہیں قسم ہے میرے رب کی تم کو بیشک اُٹھانا ہے پھر

لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِكَ

تم کو جتلانا ہے جو کچھ تم نے کیا اور یہ

عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝٧

اللہ پر آسان ہے ☆

سب کو اٹھانا اور حساب لینا کوئی مشکل نہیں

یعنی دوبارہ اٹھانا اور سب کا حساب کر دینا اللہ کو کیا مشکل ہے پوری طرح یقین رکھو کہ یہ ضرور ہو کر رہیگا کسی کے انکار سے وہ آنے والی گھڑی ٹل نہیں سکتی۔ لہٰذا مناسب ہے کہ انکار چھوڑ کر اس وقت کی فکر کرو۔ (تفسیر عثمانی)

بِمَا عَمِلْتُمْ۔ تم نے جو کچھ کیا ہوگا خیر ہو یا شر یعنی تم سے حساب لی جائے گی اور تم کو تمہارے اعمال سے باخبر کیا جائے گا۔

وَذٰلِكَ۔ یعنی یہ دوبارہ زندہ کر کے اُٹھانا اور محاسبہ کرنا۔

يَسِيْرٌ۔ آسان ہے کیوں کہ اللہ کی قدرت کامل ہے اور جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے وہ محال نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ

سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور اُس نور

الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ؕ

پر جو ہم نے اُتارا ☆

یعنی قرآن کریم پر۔ (تفسیر عثمانی)

فَاٰمِنُوْا الخ۔ یعنی جب حشر اور قبروں سے اُٹھایا جانا ضروری اور یقینی ہے تو ایمان لاؤ۔

وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا۔ النور سے مراد ہے قرآن مجید۔ قرآن کا اعجاز ظاہر ہے پس اسی معجز ہونے کی وجہ سے یہ خود ظاہر ہے (جیسے نور خود ظاہر ہوتا ہے) اور قوانین و ضوابط اور احکام و اخبار کو ظاہر بھی کر رہا ہے اس لئے مظہر بھی ہے جیسے روشنی دوسری چیزوں کو ظاہر کر دیتی ہے۔ لہٰذا روشنی کی طرح قرآن ظاہر اور مظہر ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝٨

اور اللہ کو تمہارے سب کام کی خبر ہے ☆

یعنی ایمان کیساتھ عمل بھی ہونا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ

جس دن تم کو اکٹھا کریگا جمع ہونے کے دن وہ

يَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ

دن ہے ہار جیت کا ☆

دوزخیوں کی ہار اور جنتیوں کی جیت: ☆ یعنی اس دن دوزخی ہارینگے اور جنتی جیتیں گے۔ ہارنا یہی کہ اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو بے موقع خرچ کر کے راس المال بھی کھو بیٹھے اور جیتنا یہ کہ ایک ایک کے ہزاروں پائے آگے اسی کی کچھ تفصیل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ

اور جو کوئی یقین لائے اللہ پر اور کرے کام

صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ

بھلا اتار دیگا اُس پر سے اُس کی برائیاں ☆

نیک عمل سے تقصیر معاف ☆ یعنی جو تقصیرات ہوئی ہیں ایمان اور نیک کاموں کی برکت سے معاف کر دی جائینگی۔ (تفسیر عثمانی)

وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

اور داخل کرے گا اُس کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ

ہیں ندیاں رہا کریں اُن میں ہمیشہ

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝٩

یہی ہے بڑی مراد ملنی ☆

بڑی کامیابی ☆ جو جنت میں پہنچ گیا سب مرادیں مل گئیں۔ اللہ کی رضا اور دیدار کا مقام بھی وہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكَ۔ یعنی یہ ایمان اور عمل صالح کا مجموعہ بڑی کامیابی ہے کیوں کہ اسی سے دفع مضرت اور حصول منفعت وابستہ ہے (گناہوں کا معاف ہونا اور جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہونا ایمان اور عمل صالح کے مجموعہ پر موقوف ہے)۔

مومنوں اور کافروں کے مکان: عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے

اس کو صحیح کہا ہے کہ مؤمن (جنت کے اندر) اپنے مکانوں کے بھی مالک ہوں گے اور بدنصیب کافروں کے مکانوں کے بھی وارث ہوں گے۔ کافروں کے یہ مکان جنت کے اندر وہی ہوں گے کہ اگر وہ بدنصیب اللہ کی اطاعت کرتے تو یہ مکان اُن کو عطا کئے جاتے۔

سعید بن منصور، ابن ماجہ، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور بیہقی نے (البعث میں صحیح سند سے) حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تم میں سے ہر ایک کے (آخرت میں) دو گھر ہوں گے۔ ایک جنت میں دوسرا دوزخ میں جب کوئی مرکر دوزخ میں چلا جائے گا۔ تو اس کے جنت والے مکان کے مالک اہل جنت ہو جائیں گے۔ آیت اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْوٰرِثُوْنَ کا یہی مطلب ہے۔

قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوال:

صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت سے آیا ہے کہ جب بندہ کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اُس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور کہتے ہیں تو اس شخص یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بابت کیا کہتا تھا۔ مومن جواب دیتا ہے میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں اُس سے کہا جاتا ہے دوزخ کے اندر اپنا مقام دیکھ اللہ نے اس مقام کے بجائے جنت کے اندر تجھے مقام عنایت فرمادیا۔ الحدیث۔

ورثہ نہ دینے کی سزا: ابن ماجہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص وارث کی میراث سے بھاگتا ہے (یعنی وارث کو اس کا میراثی حصہ نہیں دیتا) اللہ جنت والی میراث اس کی کاٹ دیتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ
اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلائیں انہوں نے ہماری آیتیں
اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِیْنَ
وہ لوگ ہیں دوزخ والے رہا کریں
فِیْھَا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ⑩ مَآ
اُسی میں اور بُری جگہ جا پہنچے نہیں
اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ اِلَّا
پہنچتی کوئی تکلیف بدون

بِاِذْنِ اللّٰہِ ؕ وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰہِ
حکم اللہ کے اور جو کوئی یقین لائے اللہ پر
یَھْدِ قَلْبَہٗ ؕ
وہ راہ بتلائے اسکے دل کو ☆

مصیبت سے تنگدل نہ ہو صبر کرے

دنیا میں کوئی مصیبت اور سختی اللہ کی مشیت و ارادہ کے بدون نہیں پہنچتی مومن کو جب اس بات کا یقین ہے تو اس پر غمگین اور بددل ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ بہرصورت مالک حقیقی کے فیصلہ پر راضی رہنا چاہیے اور یوں کہنا چاہیے۔

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اس طرح اللہ تعالیٰ مومن کے دل کو صبر و تسلیم کی راہ بتلا دیتا ہے جس کے بعد عرفان وایقان کی عجیب راہیں کھلتی ہیں اور باطنی ترقیات اور قلبی کیفیات کا دروازہ مفتوح ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ ۔ یعنی کسی شخص کو کسی طرح کی کوئی مصیبت نہیں پہنچی مگر اللہ کے اذن سے اذن سے مراد ہے تقدیر خداوندی اور ارادۂ الٰہی۔

وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰہِ ۔ یعنی جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ اس پر جو مصیبت آتی ہے وہ بغیر اذن خدا کے نہیں آتی اور یقین رکھتا ہے کہ آنے والی مصیبت چوکتی اور ٹلتی نہیں اور نہ آنے والی آتی نہیں۔

یَھْدِ قَلْبَہٗ ۔ یعنی اللہ کو صبر اور تسلیم و رضا کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔

مسئلہ تقدیر: ابن دیلمی کا بیان ہے کہ میں حضرت اُبی بن کعب کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میرے دل میں تقدیر کے متعلق کچھ شبہ پیدا ہو گیا ہے اب آپ کوئی حدیث بیان فرما دیجئے تاکہ اللہ میرے دل سے شبہ کو دور کر دے۔ حضرت ابی نے فرمایا۔ اگر اللہ تمام آسمان والوں اور زمین کے باشندوں کو عذاب دے تو دے سکتا ہے اور وہ ظالم نہیں قرار پائے گا اور اگر اُن پر اپنی رحمت کرے تو اُسکی رحمت اُن کے اعمال سے بہتر ہوگی اور اگر کوہِ احد کے برابر سونا تم راہ خدا میں خرچ کرو گے تو جب تک تمہارا ایمان تقدیر پر نہ ہوگا اللہ قبول نہیں فرمائے گا' جان رکھو کہ جو کچھ تم کو ملنے والا ہے وہ تم سے چوکے گا نہیں اور جو ملنے والا نہیں وہ ملے گا نہیں۔ اگر اس عقیدے کے خلاف (دوسرے مخالف عقیدے) پر تم مرجاؤ گے تو دوزخ میں جاؤ گے)۔

اس کے بعد میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے جا کر یہی دریافت کیا' حضرت عبداللہ نے بھی (حضرت اُبی بن کعب کے جواب کی طرح)

جواب دیا' پھر میں حضرت حذیفہ بن یمان کی خدمت میں پہنچا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا پھر میں حضرت زید بن ثابت کی خدمت میں گیا (اور یہی سوال کیا) تو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اسی طرح سنائی۔

رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ۔ (تفسیر مظہری)

ہدایت قلب کا معنی: وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ کی تفسیر میں اعمش ابوظبیان سے بیان کرتے ہیں کہ ہم علقمہؒ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے تو انہوں نے جب یہ آیت پڑھی۔ تو ان سے اس کے معنی دریافت کئے گئے۔ فرمایا اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب کسی شخص کو کوئی مصیبت پہنچے تو یقین کرے کہ یہ تقدیر خداوندی سے ہے۔ اور اس پر راضی ہو صبر وسکون اختیار کرے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ یقین کرے قضاء الٰہی کو کوئی لوٹا نہیں سکتا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہدایت قلب کے معنی یہ ہیں کہ اس پر ثواب کی امید رکھے اور بعض ائمہ فرماتے کہ یھد قلبہ ہر نقصان اور مصیبت پر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھنا ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم میں روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عجیب حال ہے مومن کا جو بھی قضاء و قدر سے اس پر پیش آتا ہے اسکو اس چیز میں اجر وثواب ہی ملتا ہے اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور اس پر صبر کرتا ہے تو اس پر بھی اجر وثواب ہے اور اگر کوئی راحت ونعمت حاصل ہوتی ہے اور اس پر شکر کرتا ہے تو اس پر بھی اس کو ثواب ملتا ہے غرض مومن ہر طرح سے خیر ہی خیر کماتا ہے۔ ۱۲ تفسیر ابن کثیر۔ صحیحین۔ (معارف کاندھلوی)

افضل عمل: مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اس کی تصدیق کرنی اس کی راہ میں جہاد کرنا۔ اس نے کہا حضرت میں کوئی آسان کام چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا جو فیصلہ قسمت کا تجھ پر جاری ہو تو اس میں اللہ تعالیٰ کا گلہ شکوہ نہ کر اس کی رضا پر راضی رہ یہ اس سے ہلکا امر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾

اور اللہ کو ہر چیز معلوم ہے ☆

اللہ علیم ہے: یعنی جو تکلیف ومصیبت اس نے بھیجی عین علم وحکمت سے بھیجی۔ اور وہ ہی جانتا ہے کہ کون تم میں سے واقعی صبر واستقامت اور تسلیم کی راہ پر چلا اور کس کا دل کن احوال وکیفیات کا مورد بننے کے قابل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ج

اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا

پھر اگر تم منہ موڑو تو ہمارے رسول کا تو یہی کام ہے

الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۲﴾

پہنچا دینا کھول کر ☆

ہر حال میں اطاعت کرو ☆ یعنی نرمی وسختی اور تکلیف وراحت غرض ہر حالت میں اللہ ورسول کا حکم مانو اگر ایسا نہ کرو گے تو خود تمہارا ہی نقصان ہے رسول سب نیک و بد سمجھا کر اپنا فرض ادا کر چکا۔ اللہ کو تمہاری طاعت و معصیت سے کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

تمہاری نافرمانی سے رسول کو کوئی نقصان نہیں

فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الخ یعنی تمہاری روگردانی ہمارے رسول کو کوئی ضرر نہیں پہنچائے گی کیوں کہ ان کا فریضہ صرف تبلیغ حکم ہے جب وہ حکم پہنچا چکے تو اپنا فرض ادا کر چکے۔ روگردانی کا ضرر تم پر ہی پڑیگا۔ (تفسیر مظہری)

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ

اللہ اُسکے سوائے کسی کی بندگی نہیں اور اللہ پر

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۳﴾

چاہئے بھروسہ کریں ایمان والے ☆

معبود اور مستعان فقط اللہ ہے ☆ یعنی معبود اور مستعان تنہا اسی کی ذات ہے نہ کسی اور کی بندگی نہ کوئی دوسرا بھروسہ کے لائق۔ (تفسیر عثمانی)

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔ یہ جملہ حکم ایمان واطاعت کی علت ہے اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کی اطاعت کرو اس لئے کہ وہی اللہ ہے اس کے سوا قابل عبادت کوئی نہیں۔

وَعَلَى اللّٰهِ ۔ اس کا تعلق فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ سے ہے۔ علی اللہ کی تقدیم مفید حصر ہے (اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے) جب خیر وشر سب ہی کچھ بتقدیر الٰہی ہوتا ہے تو بھروسہ اور توکل بھی اللہ ہی پر ہونا ضروری ہے۔ (تفسیر مظہری)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ

اے ایمان والو تمہاری بعض

اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ

جوروئیں اور اولاد دشمن ہیں تمہارے ☆

بیوی بچوں کی محبت ☆ بہت مرتبہ آدمی بیوی بچوں کی محبت اور فکر میں پھنس کر اللہ کو اور اس کے احکام کو بھلا دیتا ہے۔ ان تعلقات کے پیچھے کتنی برائیوں کا ارتکاب کرتا اور کتنی بھلائیوں سے محروم رہتا ہے۔ بیوی اور اولاد کی فرمائشیں اور رضا جوئی اسے کسی وقت دم نہیں لینے دیتی۔ اس چکر میں پڑ کر آخرت سے غافل ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے جو اہل وعیال اتنے بڑے خسارے اور نقصان کا سبب بنیں وہ حقیقۃً اس کے دوست نہیں کہلا سکتے بلکہ بدترین دشمن ہیں جن کی دشمنی کا احساس بھی بسا اوقات انسان کو نہیں ہوتا۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے متنبہ فرمادیا کہ ان دشمنوں سے ہوشیار رہو اور ایسا رویہ اختیار کرنے سے بچو جس کا نتیجہ انکی دنیا سنوارنے کی خاطر اپنا دین برباد کرنے کے سوا کچھ نہ ہو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا میں سب بیویاں اور ساری اولاد اسی قماش کی ہوتی ہے۔ بہت اللہ کی بندیاں ہیں جو اپنے شوہروں کے دین کی حفاظت کرتی اور نیک کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتی ہیں اور کتنی ہی سعادتمند اولاد ہے جو اپنے والدین کیلئے باقیات صالحات بنتی ہے "جعلنا الله منهم بفضله ومنّه" (تفسیر عثمانی)

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ ۔ یعنی تمہارے اہل وعیال حقیقت میں تمہارے دشمن ہیں کیوں کہ اللہ کی فرمانبرداری سے روکتے اور باز رکھتے ہیں۔

سبب نزول: ترمذی اور حاکم نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ مکہ کے رہنے والے کچھ مرد مسلمان ہوگئے اور انہوں نے ہجرت کرنے کا ارادہ کرلیا۔ لیکن ان کے اہل وعیال نے اُن کو مکہ چھوڑ کر مدینہ کو جانے کی اجازت دینے سے انکار کردیا۔ بغوی نے لکھا ہے ان کے اہل وعیال نے کہا ہم نے تمہارے مسلمان ہونے پر تو صبر کرلیا لیکن اب تمہاری جدائی ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے' بیوی بچوں کی یہ التجا مسلمانوں نے مان لی اور ہجرت کا ارادہ ترک کردیا۔

ابن جریر نے عطاء بن یسار کا قول نقل کیا ہے سوا آیات يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ الخ کے باقی تمام سورۃ تغابن مکہ میں نازل ہوئی۔ یہ آیات ضرور (مدینہ میں) حضرت عوف بن مالک اشجعی کے حق میں نازل ہوئیں' حضرت عوف بن مالک عیالدار آدمی تھے آپ جب بھی جہاد پر جانے کا ارادہ کرتے تھے' بیوی بچے اُن کے سامنے روتے اور اُن کے دل میں رقت پیدا کردیتے تھے اور کہتے تھے آپ ہم کو کس پر چھوڑ کر جارہے ہیں۔ اسطرح اُن کے دل میں نرمی آجاتی تھی اور وہ جہاد سے رک جاتے تھے۔ انہی کے متعلق ان آیات کا آخر سورت تک مدینہ میں نزول ہوا۔ (تفسیر مظہری)

فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا

سو اُن سے بچتے رہو اور اگر معاف کرو

وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ

اور درگذرو اور بخشوتو اللہ ہے

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾

بخشنے والا مہربان ☆

اہل وعیال کو معاف کرتے رہو ☆ یعنی اگر انہوں نے تمہارے ساتھ دشمنی کی اور تم کو دینی یا دنیوی نقصان پہنچ گیا تو اس کا اثر یہ نہ ہونا چاہیے کہ تم انتقام کے درپے ہو جاؤ۔ اور ان پر نامناسب سختی شروع کردو۔ ایسا کرنے سے دنیا کا انتظام درہم برہم ہو جائیگا جہاں تک عقلاً وشرعاً گنجائش ہو ان کی حماقتوں اور کوتاہیوں کو معاف کرو اور عفو و درگزر سے کام لو۔ ان مکارم اخلاق پر اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ مہربانی کریگا اور تمہاری خطاؤں کو معاف فرمادیگا۔ (تفسیر عثمانی)

ترمذی اور حاکم نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب وہ لوگ مدینہ میں پہنچ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئے تو انہوں نے دیکھا کہ (ان سے پہلے ہجرت کرکے آنے والے) کچھ لوگ دینی مسائل سیکھ چکے ہیں۔ یہ دیکھ کر (ان کو اپنے اہل وعیال پر غصہ آیا) انہوں نے ارادہ کیا کہ اہل وعیال کو سزا دیں کیونکہ بیوی بچوں نے ہی ان کو ہجرت کرنے سے روک رکھا تھا۔ اس پر آیت وَاِنْ تَعْفُوْا الخ نازل ہوئی۔ یعنی اگر تم ان کا قصور معاف کردوگے اور اُن سے درگذر کروگے اور اُن کی خطا بخش دوگے تو اللہ بھی تم کو معاف فرمائے گا اور تم پر مہربانی کرے گا کیونکہ اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

فَاحْذَرُوْهُمْ ۔ تم اُن سے احتیاط رکھو' اُن کے شر سے بے فکر نہ ہو ان کا کہنا نہ مانو کہ ان کی وجہ سے ہجرت چھوڑ بیٹھو۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ

تمہارے مال اور تمہاری اولاد یہی ہیں جانچنے کو

وَاللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

اور اللہ جو ہے اُس کے پاس ہے ثواب بڑا ☆

اموال واولاد امتحان ہے ☆ یعنی اللہ تعالیٰ مال واولاد دے کر تم کو جانچتا ہے کہ کون ان فانی وزائل چیزوں میں پھنس کر آخرت کی باقی ودائم نعمتوں کو فراموش کرتا ہے اور کس نے ان سامانوں کو اپنی آخرت کا ذخیرہ بنایا اور وہاں کے اجر عظیم کو یہاں کے حظوظ ومالوفات پر ترجیح دی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابرار کے درجہ والا: جو شخص باوجود موانع اور علائق کے اور بندوں کے حقوق ادا کرے گا' اللہ اس کو ابرار کا درجہ عطا فرمائے گا اور اس متقی سے اس کا

مرتبہ بہت زیادہ ہوگا جو حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرتا ہے لیکن اس کے لئے اداء حقوق سے روکنے والا نہ کوئی رشتہ اور تعلق ہو نہ کوئی اور مانع ہو۔

انسان فرشتہ سے بہتر ہے: اسی بناء پر اہل سنت کا خیال ہے کہ خواص بشر یعنی انبیاء کا درجہ بڑے مرتبہ کے فرشتوں سے بھی اونچا ہے اور عام اولیاء و صلحاء عام ملائکہ سے افضل ہیں کیونکہ ملائکہ کے اندر تو اطاعت سے روکنے والا کوئی جذبہ ہی نہیں ہے اُن کی سرشت ہر مادی قوت سے خالی ہے اور اولیاء و صلحاء کے اندر موانع اور عوائق موجود ہیں جو اللہ کی اطاعت اور اداء حقوق سے روکتے ہیں۔ پر وہ ان سفلی جذبات پر غالب آتے ہیں لیکن اگر مال و اولاد کسی کو اللہ کی اطاعت اور بندوں کے حقوق ادا کرنے سے روک دے اور وہ اللہ کی نافرمانی اور ارتکاب ممنوعات کو اختیار کرلے تو یہی انسان اسفل السافلین میں جاگرتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: حضرت بریدہ کی روایت سے ایک حدیث آئی ہے جس کا ذکر ہم نے سورۂ جمعہ میں کردیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت حسن اور حضرت حسین کو لڑکھڑاتے قدموں سے آتے دیکھا۔ اور گرپڑنے کا اندیشہ ہوا تو منبر سے اتر کر فوراً جاکر دونوں صاحبزادوں کو اٹھالیا اور فرمایا اللہ نے سچ ارشاد کیا ہے۔ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۔ (تفسیر مظہری)

گنہگار بیوی بچوں سے بیزاری اور بغض نہیں چاہیے

مسئلہ: علماء نے اس آیت سے استدلال کیا کہ اہل وعیال سے کوئی کام خلاف شرع بھی ہوجائے تو اُن سے بیزار ہوجانا اور اُن سے بغض رکھنا یا اُن کے لئے بددعا کرنا مناسب نہیں (روح)۔

مال اولاد انسان کے لئے بڑا فتنہ ہیں

حقیقت یہ ہے کہ مال واولاد کی محبت انسان کے لئے بڑا فتنہ اور آزمائش ہیں۔ انسان اکثر گناہوں میں خصوصاً حرام کمائی میں انہی کی محبت کی وجہ سے مبتلا ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز بعض اشخاص کو لایا جائے گا اُس کو دیکھ کر لوگ کہیں گے۔ اَكَلَ عَيَالُهٗ حَسَنَاتِهٖ "یعنی اُس کی نیکیوں کو اس کے عیال نے کھالیا"۔ (روح) ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کے بارے میں فرمایا مَبْخَلَةٌ مَّجْبَنَةٌ "یعنی بخل اور جُبن یعنی نامردی اور کمزوری کے اسباب ہیں" کہ ان کی محبت کی وجہ سے آدمی اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے رُکتا ہے۔ انہی کی محبت کی وجہ سے جہاد میں شرکت سے رہ جاتا ہے۔ بعض سلف صالحین کا قول ہے اَلْعِيَالُ سُوْسُ الطَّاعَاتِ "یعنی عیال انسان کی نیکیوں کے لئے گھن ہے"۔ (معارف مفتی اعظم)

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ
سو ڈرو اللہ سے جہاں تک ہو سکے

وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا
اور سنو اور مانو☆

تقویٰ اختیار کرو ☆یعنی اللہ سے ڈر کر جہاں تک ہوسکے اس جانچ میں ثابت قدم رہو اور اس کی بات سنو اور مانو۔ (تفسیر عثمانی)

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ۔ "یعنی تقویٰ اختیار کرو مقدور بھر" جب آیت اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ نازل ہوئی جس کے معنی یہ ہیں کہ "اللہ سے ایسا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اللہ کا حق ہے" تو صحابۂ کرامؓ پر بہت بھاری اور شاق ہوا۔ کہ اللہ کے حق کے مطابق تقویٰ کس کے بس میں ہے' اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس نے بتلادیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی طاقت اور مقدور سے زیادہ تکلیف نہیں دی۔ تقویٰ بھی اپنی طاقت کے مطابق واجب ہے۔ مقصد یہ ہے کہ حصول تقویٰ میں اپنی پوری توانائی اور کوشش کرلے تو اس سے اللہ کا حق ادا ہوجائے گا (روح ملخصاً) (معارف مفتی اعظمؒ)

صحابہ کرام کا تقویٰ: حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں پہلی آیت لوگوں پر بڑی بھاری پڑی تھی' اس قدر لمبے قیام کرتے تھے کہ پیروں پر ورم آجاتا تھا اور اتنے لمبے سجدے کرتے تھے کہ پیشانیاں زخمی ہوجاتی تھیں پس اللہ تعالیٰ نے یہ دوسری آیت اتار کر تخفیف کردی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ
اور خرچ کرو اپنے بھلے کو ☆

☆یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے تمہارا ہی بھلا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ
اور جس کو بچادیا اپنے جی کے لالچ سے سو وہ لوگ وہی
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾
مُراد کو پہنچے ☆

مراد کو پہنچنے والے ☆یعنی مراد کو وہ ہی شخص پہنچتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس کے دل کے لالچ سے بچادے اور حرص وبخل سے محفوظ رکھے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا
اگر قرض دو اللہ کو اچھی طرح پر قرض دینا

يُضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ

وہ دونا کردے تم کو اور تم کو بخشے ☆

مال خرچ کرنے کا اجر ☆ یعنی اللہ کی راہ میں اخلاص اور نیک نیتی سے طیب مال خرچ کرو تو اللہ اس سے کہیں زیادہ دیگا اور تمہاری کوتاہیوں کو معاف فرمائے گا۔ اس طرح کا مضمون پہلے کئی جگہ گزر چکا ہے۔ وہیں ہم نے پوری تقریر کی ہے۔ (تفسیر عثانی)

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ۔ اللہ کو قرض دینے کے معنی ہیں اللہ کے بندوں کو قرض دینا اور قرض دینے کا مطلب ہے اللہ کی راہ میں بامید ثواب خرچ کرنا۔

قَرْضًا حَسَنًا۔ یعنی خلوص قلب کے ساتھ بخوشی خاطر بغیر دکھاوٹ اور طلب شہرت کے دینا جس سے لینے والے پر نہ احسان رکھا جائے نہ اس کو دکھ دیا جائے۔

يُضٰعِفْهُ لَكُمْ۔ یعنی دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک بلکہ اس سے بھی زیادہ جتنا اللہ چاہے گا اجر عطا فرمائے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾

اور اللہ قدر دان ہے تحمل والا ☆

اللہ قدر دان ہے ☆ قدر دانی کی بات یہ ہے کہ تھوڑے عمل پر بہت سا ثواب دیتا ہے اور تحمل یہ کہ گناہ دیکھ کر فوراً عذاب نہیں بھیجتا۔ پھر بہت سے مجرموں کو بالکل معاف اور بہتیروں کی سزا میں تخفیف کرتا ہے۔ (تفسیر عثانی)

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ

جاننے والا پوشیدہ اور ظاہر کا زبردست

الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

حکمت والا ☆

اللہ کو سب عملوں کی خبر ہے ☆ یعنی اسی کو ظاہری اعمال اور باطنی نیتوں کی خبر ہے اپنی زبردست قوت اور حکمت سے اس کے مناسب بدلہ دیگا۔ (تفسیر عثانی)

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ۔ یعنی اس کے علم سے کوئی چیز مخفی نہیں، جس چیز کا لوگ مشاہدہ کرتے ہیں اور جو چیز لوگوں کے علم سے پوشیدہ ہے اللہ سب کو جانتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ جو شخص اس وقت موجود ہے اس کو بھی خدا جانتا ہے اور جو چیز پہلے ہو چکی یا آئندہ ہونے والی ہے۔ سب سے خدا واقف ہے۔

الْعَزِيْزُ۔ ہر شے پر غالب جس کی قدرت بھی کامل ہے اور علم بھی ہمہ گیر۔ (تفسیر مظہری)

الحمد للہ سورۃ تغابن ختم ہوئی

جو شخص خواب میں اس کو پڑھے اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان اس قدر جھگڑا ہو جائے گا کہ نوبت جدائی تک پہنچ جائے گی مگر مرد مہر ادا کرے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَا عَشْرَةَ اٰيَةً فِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۂ طلاق مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی بارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ

اے نبی جب تم طلاق دو عورتوں کو

فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ

تو اُن کو طلاق دو اُن کی عدت پر ☆

طلاق دینے کا طریقہ ☆ نبی کو مخاطب بنا کر یہ ساری امت سے خطاب ہے یعنی جب کوئی شخص (کسی ضرورت اور مجبوری سے) اپنی عورت کو طلاق دینے کا ارادہ کرے تو چاہئے کہ عدت پر طلاق دے۔ سورۂ ''بقرہ'' میں آ چکا کہ مطلقہ کی عدت تین حیض ہیں (کما ہو مذہب الحنفیہ) لہٰذا حیض سے پہلے حالت طہر میں طلاق دینا چاہیے تا سارا حیض گنتی میں آئے اگر فرض کیجئے حالت حیض میں طلاق دیگا تو دو حال سے خالی نہیں۔ جس حیض میں طلاق دی ہے اس کو عدت میں شمار کرینگے یا نہ کرینگے۔ پہلی صورت میں ایقاع طلاق سے پہلے جس قدر وقت حیض کا گزر چکا وہ عدت میں سے کم ہو جائیگا اور پورے تین حیض عدت کے باقی رہینگے اور دوسری صورت میں جب موجودہ حیض کے علاوہ تین حیض لیں گے تو یہ حیض تین سے زائد ہو گا اس لیے مشروع طریقہ یہ ہے کہ طہر میں طلاق دی جائے۔ اور حدیث سے یہ قید بھی ثابت ہے کہ اس طہر میں صحبت نہ کی ہو۔ (تفسیر عثانی)

شان نزول: ابن ابی حاتم نے بوساطت قتادہ حضرت انسؓ کی روایت بیان کی کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو طلاق دے دی، حضرت صفیہ اپنے گھر چلی گئیں اس پر آیت ذیل نازل ہوئی کسی نے حضرت صفیہ سے جا کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق سے رجوع کر لیا (رجوع کرنے کی وجہ یہ تھی کہ) حضرت صفیہ صائم الدہر اور قائم اللیل تھیں۔

مسئلہ: جس طہر میں عورت سے مباشرت کر لی ہے، اس میں طلاق دینا

حرام ہے علماء کا اس فیصلہ پر اتفاق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا پھر طہر کی حالت میں جب کہ (اس طہر میں) عورت سے مباشرت نہ کی ہو طلاق دیدے۔ مندرجہ ذیل مسائل پر بھی علماء کا اتفاق ہے۔

نمبر ۱۔ جس جوان عورت سے کبھی مباشرت نہ کی ہو اس کو حالت حیض میں طلاق دینا جائز ہے۔

نمبر ۲۔ نابالغ صغیرہ جس کو ابھی حیض نہ آیا ہو اس کو بھی قبل از مباشرت اور بعد از مباشرت طلاق دینا جائز ہے۔

نمبر ۳۔ اگر حیض منقطع ہو گیا ہو یعنی عورت بوڑھی ہو گئی اور حیض آنے کی کوئی امید نہ رہی ہو تو مباشرت کے بعد اس کو طلاق دینا جائز ہے۔

جس طہر میں مباشرت کی ہو اس کو اس طہر میں طلاق دینا اس لئے حرام تھا کہ عدت کی مدت طویل نہ ہو جائے جہاں طول مدت کا گمان نہ ہو وہاں۔ بہر حال طلاق جائز ہے لہٰذا جس عورت سے قربت نہ کی ہو اور طلاق دیدی ہو اس کی تو عدت ہی نہیں ہے رہیں مؤخر الذکر دونوں صورتیں تو ان کی عدت ضرور ہوگی لیکن عدت کی گنتی مہینوں سے ہوگی ان دونوں صورتوں میں مہینوں کی گنتی میں کوئی اضافہ بالاجماع نہیں ہو جاتا۔ جماع کے بعد بھی عدت کی مدت نہیں بڑھ جاتی۔

وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ۔ اور عدت کو یاد رکھو ایسا نہ ہو کہ عدت کے بعد بھی۔ تم طلاق سے رجوع کر لو یا عدت گذرنے سے پہلے عورت سے پہلے عورت کسی اور مرد سے اپنا نکاح کر لے کیونکہ یہ دونوں امر ناجائز ہیں۔

تین طلاقیں: نص قرآنی نے یہ فیصلہ کر دیا کہ تین طلاق کے بعد حرمت قطعیہ واقع ہو جاتی ہے۔ اور رجوع کا امکان باقی نہیں رہتا جسکی تفصیل سورۂ بقرہ آیۃ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ میں گزر چکی۔ خواہ تین طلاقیں متفرقاً اور علیحدہ علیحدہ دی ہوں یا بیک وقت اس اجماعی فیصلہ میں کسی کا اختلاف نہیں البتہ ظاہریہ سے اور بعض حنابلہ سے اختلاف نقل کیا گیا۔ مگر خود امام احمد بن حنبلؒ اس کے قائل نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور احمد بن حنبل سب کا یہی فتویٰ ہے اور امت کے کل فقہاء محدثین ومفسرین اسی کے قائل ہیں۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے بھی اسی پر ایک باب باندھا ہے فرمایا باب ومَنْ اجازا الطلاق الثلث بقوله تعالیٰ الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ (معارف کاندھلوی)

نکاح وطلاق کے معاملہ کی خصوصیت

نکاح وطلاق کا معاملہ ہر مذہب وملت میں عام معاملات بیع وشراء اور اجارہ کی طرح نہیں کہ طرفین کی رضامندی سے جس طرح چاہیں کر لیا بلکہ ہر مذہب وملت کے لوگ ہمیشہ سے اس پر متفق ہیں کہ ان معاملات کو ایک خاص مذہبی تقدس حاصل ہے اُسی کی ہدایت کے تحت یہ کام سرانجام پانے چاہئیں۔ اہل کتاب یہود ونصاریٰ تو بہر حال ایک آسمانی دین اور آسمانی کتاب سے نسبت رکھتے ہیں اُن میں سیکڑوں تحریفات کے باوجود اتنی قدر مشترک اب بھی باقی ہے کہ ان معاملات میں کچھ مذہبی حدود وقیود کے پابند ہیں۔

کفار ومشرکین جو کوئی آسمانی کتاب اور مذہب نہیں رکھتے مگر کسی نہ کسی صورت میں خدا تعالیٰ کے قائل ہیں جیسے ہندو آریہ سکھ مجوس آتش پرست نجوم پرست لوگ وہ بھی نکاح وطلاق کے معاملات کے عام معاملات بیع و شراء یا اجارہ کی طرح نہیں سمجھتے اُن کے یہاں بھی کچھ مذہبی رسوم ہیں جن کی پابندی ان معاملات میں لازم سمجھتے ہیں اور انہیں اصول ورسوم پر تمام مذاہب وفرق کے عائلی قوانین چلتے ہیں۔

دہریوں کی شہوت پرستی: صرف دہریہ اور لامذہب منکر خدا لوگوں کا ایک فرقہ ہے جو خدا ومذہب ہی سے بیزار ہے اور ان چیزوں کو بھی اجارہ کی طرح باہمی رضامندی سے طے ہو جانے والا ایک معاملہ قرار دیتے ہیں جسکا مقصد اپنے شہوانی جذبات کی تسکین سے آگے کچھ نہیں۔ افسوس ہے کہ آجکل دنیا میں یہی نظریہ عام ہوتا جاتا ہے جسنے انسانوں کو جنگل کے جانوروں کی صف میں کھڑا کر دیا ہے۔ انا للہ والیه المشتکی۔

اسلام میں نکاح کا مقام: شریعت اسلام ایک مکمل اور پاکیزہ نظام حیات کا نام ہے۔ اسمیں نکاح کو صرف ایک معاملہ اور معاہدہ نہیں بلکہ ایک گونہ عبادت کی حیثیت بخشی ہے جس میں خالق کائنات کی طرف سے انسانی فطرت میں رکھے ہوئے شہوانی جذبات کی تسکین کا بہترین اور پاکیزہ سامان بھی ہے اور مرد وعورت کے ازدواجی تعلقات سے جو عمرانی مسائل بقائے نسل اور تربیت اولاد کے متعلق ہیں ان کا بھی معتدلانہ اور حکیمانہ بہترین نظام موجود ہے۔

بلا وجہ طلاق ناپسندیدہ ہے: حدیث میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض اللہ کے نزدیک طلاق ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تزوّجوا ولا تطلقوا فانّ الطّلاق یهتزّ منه عرش الرّحمٰن۔ یعنی نکاح کرو اور طلاق نہ دو کیونکہ طلاق سے عرش رحمٰن ہل جاتا ہے۔ اور حضرت ابو موسیٰؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کو طلاق نہ دو بغیر کسی بدکاری کے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان مردوں کو پسند نہیں کرتا جو صرف ذائقہ چکھنے والے ہیں اور اُن عورتوں کو پسند نہیں کرتا جو صرف ذائقہ چکھنے والی ہیں (قرطبی بروایت ثعلبی) اور دارقطنی نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے زمین پر جو کچھ پیدا فرمایا ہے اُن سب میں اللہ کے نزدیک محبوب غلاموں کو آزاد کرنا ہے اور جتنی چیزیں زمین پر پیدا کی ہیں اُن سب میں مبغوض ومکروہ طلاق ہے۔ (از قرطبی)

حالت حیض میں دی ہوئی طلاق: اور صحیحین بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی عورت کو بحالت حیض طلاق دیدی تھی۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے اسکا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ سخت ناراض ہوئے پھر فرمایا۔ ان کو چاہئے کہ بحالت حیض دی ہوئی طلاق سے رجوع کر لیں پھر اپنی زوجیت میں رکھیں یہاں تک کہ حیض سے طہارت ہو جائے اور پھر اس کے بعد حیض آئے اُس حیض سے طہارت ہو جائے اس وقت اگر طلاق دینا ہی ہے تو اس طہر میں مباشرت وصحبت کئے بغیر طلاق دیدیں۔ یہی وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے آیت (مذکورہ) میں حکم دیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ
اور گنتے رہو عدت کو☆

عدت کا خیال رکھو☆ یعنی مرد و عورت دونوں کو چاہیے کہ عدت کو یاد رکھیں۔ کہیں غفلت و سہو کی وجہ سے کوئی بے احتیاطی اور گڑبڑ نہ ہو جائے نیز طلاق ایسی طرح دیں کہ ایام عدت کی گنتی میں کمی بیشی لازم نہ آئے جیسا کہ اوپر کے فائدہ میں بتایا جا چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حاملہ کی عدت: حضرت عبداللہ بن عتبہؒ نے حضرت عمر بن عبداللہ بن ارقم زہریؒ کو لکھا کہ وہ سُبیعہ بنت حارث اسلمیہؓ کے پاس جائیں اور ان سے ان کا واقعہ دریافت کر کے انہیں لکھ بھیجیں یہ گئے دریافت کیا اور لکھا کہ ان کے خاوند حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ تھے یہ بدری صحابی تھے حجۃ الوداع میں فوت ہو گئے اس وقت یہ حمل سے تھیں تھوڑے ہی دن کے بعد انہیں بچہ پیدا ہو گیا جب نفاس سے پاک ہوئیں تو اچھے کپڑے پہن کر تجمل کر کے بیٹھ گئیں، حضرت ابوالسنابل بن بعککؓ جب اس کے پاس آئے تو انہیں اس حالت میں دیکھ کر کہنے لگے تم جو اس طرح بیٹھی ہو تو کیا نکاح کرنا چاہتی ہو؟ واللہ تم نکاح نہیں کر سکتیں جب تک کہ چار مہینے دس دن نہ گذر جائیں۔ میں یہ سن کر چادر اوڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے یہ مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا بچہ پیدا ہوتے ہی تم عدت سے نکل گئیں۔ اب تمہیں اختیار ہے۔ اگر چاہو اپنا نکاح کر لو (مسلم) (تفسیر ابن کثیر)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ
اور ڈرو اللہ سے جو رب ہے تمہارا مت نکالو اُن کو
مِنْ بُيُوْتِهِنَّ
اُن کے گھروں سے☆

اللہ سے ڈرو عورتوں کو گھروں سے نہ نکالو

☆ یعنی اللہ سے ڈر کر احکام شریعت کی پابندی رکھنی چاہیے جن میں سے ایک حکم یہ ہے کہ حالت حیض میں طلاق نہ دی جائے اور تین طلاقیں ایک دم نہ ڈالی جائیں اور مطلقہ عورت کو اس کے رہنے کے گھر سے نہ نکالا جائے وغیر ذٰلک۔ (تفسیر عثمانی)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۔ یعنی عدت کو طول دینے اور عورتوں کو ضرر پہنچانے کے لئے ایسا کرو۔ اور اللہ سے ڈرو۔

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ ۔ یعنی جن عورتوں کو طلاق دے گئی ہو اُن کو گھروں سے مت نکالو خواہ طلاق بائنہ ہو یا رجعی۔ گھروں سے مراد ہیں وہ مکان جن میں طلاق کے وقت عورتیں رہتی ہوں یعنی شوہروں کے مکان نہ نکالنے کا حکم عدت ختم ہونے کے وقت تک ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ
اور وہ بھی نہ نکلیں مگر جو کریں
بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۭ
صریح بے حیائی ☆

☆ یعنی عورتیں خود بھی اپنی مرضی سے نہ نکلیں کیونکہ یہ سکنی محض حق العبد نہیں کہ اس کی رضا سے ساقط ہو جائے بلکہ حق الشرع ہے ہاں کوئی کھلی بے حیائی کریں مثلاً بدکاری یا سرقہ کی مرتکب ہوں یا بقول بعض علماء زبان درازی کریں اور ہر وقت کا رنج و تکرار رکھتی ہوں تو نکالنا جائز ہے اور اگر بے وجہ نکلیں گی تو یہ خود صریح بے حیائی کا کام ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

مطلقہ عورت گھر سے باہر نہ نکلے: وَلَا يَخْرُجْنَ ۔ اور مطلقہ عورتیں خود بھی اپنے گھروں سے باہر نہ نکلیں۔ اس فقرے سے ثابت ہوتا ہے کہ مطلقہ کے لئے بلا ضرورت نکلنا جائز نہیں نہ رات کو نہ دن کو ہاں ضرورت ہو تو مجبوراً نکل سکتی ہے عبادات میں ضرورت مستثنیٰ ہوتی ہے ضرورت ممانعت کو اباحت سے بدل دیتی ہے۔ ضرورت کی مختلف صورتیں ہیں مثلاً گھر کے گر جانے کا خوف ہو یا چوری کا اندیشہ ہو یا مکان کا کرایہ ادا کرنے کی استطاعت نہ ہو یا مکان تنگ ہو کہ مرد عورت جدا جدا اس میں نہ رہ سکتے ہوں یا شوہر بد چلن ہو اور عورت و مرد کے درمیان کوئی رکاوٹ نہ ہو وغیرہ۔

فاحشہ مبینہ: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا فاحشہ مبینہ یہ ہے کہ وہ عورت شوہر کے گھر والوں کو فحش کلمات کہتی اور زبان درازی کرتی ہو تو شوہر

کے گھر سے اس کو نکال دینا جائز ہے۔ اسی طرح قتادہ کا قول ہے کہ اگر عورت نافرمان ہو شوہر سے سرکشی کرتی ہو تو اس کو طلاق دیدے (اور نکال دے) مؤخر الذکر دونوں صورتوں میں استثناء کا تعلق لَا تُخْرِجُوْهُنَّ سے ہوگا۔

مجبوراً نکلنا جائز ہے: امام ابوحنیفہ نے فرمایا قطعی آیت کے مقابلہ میں حدیث آحاد سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اگر بہت ہی مجبور کن ضرورت ہو تو باجماع علماء باہر نکلنا جائز ہے۔

حالت سفر میں طلاق ہو تو: اگر سفر کی حالت میں طلاق ہوگئی ہو اور عدت لازم ہو جائے اور قیام کی جگہ نہ ہو اور جس شہر سے سفر کرنے کے لئے نکلی تھی اس کا فاصلہ مسافت سفر سے کم ہو تو واپس آ جائے۔ (سفر میں اقامت عدت نہ کرے نہ سفر جاری رکھے) اور اگر منزل مقصود اور مبداء سفر کا فاصلہ مقام طلاق سے برابر ہو تو عورت کو اختیار ہے چاہے تو واپس آ جائے اور چاہے منزل مقصود کی طرف سفر جاری رکھے خواہ ولی ساتھ نہ ہو واپس آنا زیادہ بہتر ہے تاکہ شوہر کے گھر کی پاسداری اور لحاظ میں کمی نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ: جس عورت کا شوہر مر گیا ہو وہ عدت کے زمانے میں شوہر کے گھر سے دن کو نکل سکتی ہے پر رات کو باہر نکلنا ناجائز ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک رات ہو یا دن ہر وقت بیوہ کا باہر نکلنا جائز ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل سورۃ بقرہ میں گذر چکی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ

اور یہ حدیں ہیں باندھی ہوئی اللہ کی اور جو کوئی بڑھے

حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۚ

اللہ کی حدوں سے تو اس نے برا کیا اپنا ☆

☆ یعنی گنہگار ہو کر اللہ کے ہاں سزا کا مستوجب ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ الخ یعنی یہ احکام اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کرو جو اللہ کی قائم کردہ حدود سے تجاوز کرتا ہے وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتا ہے اپنے نفس کو عذاب کے لئے پیش کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَا تَدْرِیْ

اس کو خبر نہیں ☆

☆ "لَا تَدْرِیْ" کا ترجمہ اس کو خبر نہیں بصیغہ غائب کیا ہے۔ تا معلوم ہو جائے کہ خطاب اسی طلاق دینے والے کو ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ

شاید اللہ پیدا کر دے اس طلاق کے بعد نئی

اَمْرًا ①

صورت ☆

ہو سکتا ہے صلح ہو جائے ☆ یعنی شاید پھر دونوں میں صلح ہو جائے اور طلاق پر ندامت ہو۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ مرد کے دل میں عورت سے نفرت ہے وہ اسکو اپنے سے جدا کر رہا ہے لیکن ممکن ہے اللہ شوہر کے دل میں عورت کی محبت پیدا کر دے اور وہ ملاپ کا خواستگار ہو جائے اور پھر طلاق پر پشیمان ہو اور رجوع کرنا چاہے (اس لئے عدت کی پوری گنتی محفوظ رکھو) کہ اگر ملاپ کی خواہش ہو تو عدت کے اندر رجوع ہو سکے۔ (تفسیر مظہری)

شرعی احکام کی پابندی نہ کرنے کا وبال

جو شخص شرعی ہدایات کے بغیر طلاق دے بیٹھتا ہے وہ اکثر تین طلاقوں تک پہنچ جاتا ہے جس کے بعد آپس میں رجوع یا نکاح جدید بھی نہیں ہو سکتا اور آدمی اکثر طلاق دینے کے بعد پچھتاتا ہے اور مصیبت جھیلتا ہے خصوصاً جبکہ صاحب اولاد بھی ہو اس لئے یہ مصیبت دنیا ہی میں اپنی جان پر پڑی اور بہت سے لوگ جو بیوی کو تکلیف دینے اور نقصان پہنچانے کی نیت سے ظالمانہ طلاق دیتے ہیں گو اس کی تکلیف عورت کو بھی کچھ پہنچ جائے لیکن اس کے لئے ظلم پر ظلم اور دوہرا وبال ہو جائے گا ایک اللہ کی مقرر کردہ حدود کو توڑنے کا دوسرے عورت پر ظلم کرنے کا جس کی حقیقت یہ ہے کہ

پنداشت ستمگر جفا برما کرد — برگردن وے بماند و برما بگذشت

دوبارہ نکاح کی صورت: دوبارہ نکاح میں رہنے کی صورت جبھی ہو سکتی ہے جبکہ تم طلاق کے وقت حدود شرعیہ کی رعایت کرو کہ بلاوجہ طلاق کو بائن نہ کرو بلکہ رجعی رہنے دو جس میں رجعت کرنے کا شوہر کو اختیار ہوتا ہے رجعت کر لینے سے پہلا نکاح بدستور قائم رہ جاتا ہے اور یہ کہ تین طلاق تک نوبت نہ پہنچا دو جس کے بعد رجعت کا حق نہیں رہتا اور دونوں کی رضامندی کے باوجود آپس میں دوبارہ نکاح بھی شرعاً حلال نہیں ہوتا۔ (معارف مفتی اعظم)

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ

پھر جب پہنچیں اپنے وعدہ کو تو رکھ لو ان کو

بِمَعْرُوفٍ اَوْفَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ

دستور کے موافق یا چھوڑ دو اُن کو دستور کے موافق ☆

عورتوں سے شرافت کا سلوک کرو ☆ یعنی طلاق رجعی میں جب عدت ختم ہونے کو آئے تو تم کو دو باتوں میں ایک کا اختیار ہے یا عدت ختم ہونے سے پہلے عورت کو دستور کے موافق رجعت کر کے اپنے نکاح میں رہنے دو یا عدت منقضی ہونے پر معقول طریقہ سے اس کو جدا کر دو۔ مطلب یہ ہے کہ رکھنا ہو تب اور الگ کرنا ہو تب ہر حالت میں آدمیت اور شرافت کا برتاؤ کرو یہ بات مت کرو کہ رکھنا بھی مقصود نہ ہو اور خواہ مخواہ تطویل عدت کے لیے رجعت کر لیا کرو یا رکھنے کی صورت میں اسے ایذاء پہنچاؤ اور طعن و تشنیع کرو۔ (تفسیر عثانی)

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ الخ۔ یعنی مطلقات رجعیہ ختم عدت کے قریب پہنچ جائیں بَلَغْنَ اور اَجَلَهُنَّ کی ضمیریں اور مُطَلَّقَات کی طرف راجع ہیں جن کو رجعی طلاق دی گئی ہو۔

ایک جگہ فرمایا ہے۔ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ اس آیت میں لمطلقات کا لفظ عام ہے اور حکم بھی عام ہے لیکن آگے فرمایا ہے۔ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ اس فقرے میں مطلقات رجعیہ کی طرف ضمیریں راجع ہیں۔

فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ۔ دستور کے موافق عورتوں کو روک لو یعنی طلاق سے رجوع کر لو عدت کے اندر عورتوں سے ملاپ کر و اُن کو اپنی طرف واپس لے لو۔

اَوْ فَارِقُوْهُنَّ ۔ یا اُن کو اپنے سے جدا کر دو اُن کو چھوڑ دو۔

بِمَعْرُوْفٍ ۔ مگر یہ سب کچھ حسن سلوک کے ساتھ ہو عورتوں کو ضرر پہنچانے کے لئے نہ ہو کہ رجوع کر لو پھر طلاق دیدو پھر عدت ختم ہونے کو ہو تو رجوع کر لو اور اس طرح طویل مدت تک عورتیں الجھاؤ میں رہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ

اور گواہ کر لو دو معتبر اپنے میں کے ☆

رجوع پر گواہ بنا لو ☆ یعنی طلاق دیکر عدت ختم ہونے سے پہلے اگر نکاح میں رکھنا چاہے تو رجعت پر دو گواہ کرے تا لوگوں میں متہم نہ ہو۔ (تفسیر عثانی)

وَّاَشْهِدُوْا ۔ اور رجعت یا فرقت پر اپنے دو آدمیوں کو گواہ بنا لو تا کہ باہمی نزاع ختم ہو جائے مگر یہ گواہ عادل ہوں فاسق نہ ہوں۔ گواہ بنانے کا حکم استحبابی ہے ایجابی نہیں ہے امام ابو حنیفہ امام مالک کے نزدیک رجوع کیلئے شہادت کی ضرورت نہیں ایک روایت میں امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔

دوسری روایت کے اعتبار سے امام احمد کے نزدیک امر ایجابی ہے۔ رجوع کرنے کے وقت دو گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے۔ امام شافعی کے بھی دو قول منقول ہیں زیادہ صحیح قول امام ابو حنیفہ کے قول کے موافق ہے۔

ہم کہتے ہیں باتفاق علماء طلاق کے لئے گواہ بنانا واجب نہیں ہے پس رجوع از طلاق کے لئے بھی واجب نہیں ہوگا اور امر استحبابی قرار پائے گا جیسے خرید فروخت کے وقت گواہوں کی موجودگی کا حکم دیا گیا ہے اور فرمایا ہے۔ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ یہ حکم بھی استحبابی ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ طلاق کے وقت گواہوں کی موجودگی تو واجب نہ ہو اور طلاق سے رجوع کرنے کے وقت واجب ہو ورنہ حقیقت و مجاز کا اجتماع (حقیقی معنی بھی مراد لینا اور مجازی معنی بھی مراد لینا) لازم آئے گا۔ (تفسیر مظہری)

گواہ بنانے کی حکمت: اور گواہ بنانے کی حکمت رجعت کرنے کی صورت میں تو یہ ہے کہ کہیں کل کو عورت رجعت سے انکار کر کے اسکے نکاح سے نکل جانے کا دعویٰ نہ کرنے لگے اور ترک رجعت اور انقطاع نکاح کی صورت میں اس لئے کہ کل کو خود اپنا نفس ہی کہیں شرارت یا بیوی کی محبت سے مغلوب ہو کر یہ دعویٰ نہ کرنے لگے کہ عدت گزرنے سے پہلے رجعت کر لی تھی۔ ان دو گواہوں کے لئے ذَوَیْ عَدْلٍ فرما کر بتلا دیا کہ شرعی اور اصطلاحی معنی میں عدل یعنی ثقہ و معتبر ہونا گواہوں کا ضروری ہے ورنہ ان کی شہادت پر قاضی کوئی فیصلہ نہیں دیگا۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ

اور سیدھی ادا کرو گواہی اللہ کے واسطے ☆

گواہوں کو ہدایت ☆ یہ گواہوں کو ہدایت ہے کہ شہادت کے وقت ٹیڑھی ترچھی بات نہ کریں سچی اور سیدھی بات کہنی چاہیے۔ (تفسیر عثانی)

وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ میں عام مسلمانوں کو خطاب ہے کہ اگر تم کسی ایسے واقعہ رجعت یا انقطاع نکاح کے گواہ ہو اور قاضی کی عدالت میں گواہی دینے کی نوبت آوے تو کسی رورعایت یا مخالفت و عداوت کی وجہ سے سچی گواہی دینے میں ذرا بھی فرق نہ کرو۔ (معارف مفتی اعظم)

خوف خدا پابندی قوانین کا ذریعہ ہے

ہر قانون کے آگے پیچھے خوف خدا اور فکر آخرت کو سامنے کر دیا جاتا ہے۔ تا کہ ہر انسان قانون کی پابندی کسی پولیس اور نگراں کے خوف سے نہیں بلکہ اللہ کے خوف سے کرے کوئی دیکھے یا نہ دیکھے خلوت ہو یا جلوت ہر صورت میں پابندی قانون کو ضروری سمجھے۔ (تفسیر مظہری)

خطبۂ نکاح کی آیات: یہی وجہ ہے کہ نکاح کے خطبۂ مسنونہ میں

قرآن کریم کی جو تین آیتیں پڑھنا سُنت سے ثابت ہے یہ تینوں آیتیں تقویٰ کے حکم سے شروع اور اسی پر ختم ہوتی ہیں جن میں یہ اشارہ ہے کہ نکاح کرنے والوں کو ابھی سے یہ سمجھ لینا ہے کہ کوئی دیکھے یا نہ دیکھے مگر حق تعالیٰ ہمارے کھلے اور چھپے سب اعمال سے بلکہ دلوں کے پوشیدہ خیالات تک سے واقف ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ یعنی دنیوی لالچ اور غرض کے لئے نہیں بلکہ محض اللہ کے واسطے شہادت ہو' جب تم کو شہادت کے لئے طلب کیا جائے تو صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے شہادت ادا کرو۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ

یہ بات جو ہے اس سے سمجھ جائیگا جو کوئی یقین رکھتا ہوگا

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۬

اللہ پر اور پچھلے دن پر ☆

زمانۂ جاہلیت کا ظلم ☆ زمانہ جاہلیت میں عورتوں پر بہت ظلم ہوتا تھا۔ ان کو گائے بھینس یا نہایت ذلیل و مجبور قیدیوں کی طرح سمجھتے تھے۔ بعض لوگ عورت کو سوسو مرتبہ طلاق دیتے تھے اور اس کے بعد بھی اس کی مصیبت کا خاتمہ نہ ہوتا تھا۔

قرآن کی ہدایات: قرآن نے جابجا ان وحشیانہ مظالم اور بے رحمیوں کے خلاف آواز بلند کی۔ اور نکاح و طلاق کے حقوق و حدود پر نہایت صاف روشنی ڈالی۔ بالخصوص اس سورت میں منجملہ دوسری حکیمانہ ہدایات و نصائح کے ایک نہایت ہی جامع مانع اور ہمہ گیر اصول "فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ" بیان فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کو رکھو تو معقول طریقہ سے رکھو۔ اور چھوڑو تب بھی معقول طریقہ سے چھوڑو لیکن ان زریں نصیحتوں سے منتفع وہی شخص ہوسکتا ہے جس کو خدا اور یوم آخرت پر یقین ہو۔ کیونکہ یہ ہی یقین انسان کے دل میں اللہ کا ڈر پیدا کرتا ہے۔ اور اسی ڈر سے آدمی کو یہ خیال ہوتا ہے کہ جس طرح ایک کمزور عورت بخت و اتفاق سے ہمارے قبضہ و اقتدار میں آگئی ہے، ہم سب بھی کسی قہار ہستی کے قبضہ و اقتدار میں ہیں۔ یہی ایک خیال ہے جو آدمی کو ہر حالت میں ظلم و تعدی سے روک سکتا اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر اُبھارتا ہے۔ اسی لیے سورۂ ہذا میں خصوصی طور پر اتقاء (پرہیزگاری اور خدا کے خوف) پر بہت زور دیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ الخ۔ یہ تمام نصیحت ان لوگوں کے لئے کی جارہی ہے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ وہ ہی اس نصیحت سے فائدہ اندوز ہونے والے ہیں اور انہی کو نصیحت کرنی مقصود ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ

اور جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے وہ کر دے اُس کا گذارہ ☆

تقویٰ سے مشکل حل ہوگی ☆ یعنی اللہ سے ڈر کر اس کے احکام کی بہر حال تعمیل کرو۔ خواہ کتنی ہی مشکلات و شدائد کا سامنا کرنا پڑے۔ حق تعالیٰ تمام مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنادیگا۔ اور سختیوں میں بھی گزارہ کا سامان کردیگا۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول: ابن مردویہ نے بروایت کلبی بحوالہ ابوصالح بیان کیا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضرت عوف بن مالک اشجعی نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے بیٹے کو دشمن گرفتار کر کے لے گئے اور اس کی ماں بیتاب ہو رہی ہے آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں (یعنی میں کیا کروں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں تم کو اور اس عورت کو حکم دیتا ہوں کہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ بکثرت پڑھا کرو۔ عورت نے کہا اللہ کے رسول نے جو تم کو حکم دیا وہ بہت اچھا ہے چنانچہ دونوں نے لاحول ولاقوۃ الا باللہ بکثرت پڑھنا شروع کردیا' کچھ ہی مدت گذری تھی کہ وہ دشمن ان کے لڑکے کی طرف سے غافل ہوگیا اور لڑکا دشمن قبیلہ کی بکریاں ہنکا کر اپنے باپ کے پاس لے آیا۔ بغوی نے لکھا ہے وہ چار ہزار بکریاں تھیں' اس پر آیت وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ الخ۔ نازل ہوئی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عوف بن مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے بیٹے کو دشمن پکڑ کر لے گئے حضرت عوف نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محتاجی کا بھی شکوہ کیا حضور نے فرمایا۔ اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہو اور صبر کرو اور لاحول ولاقوۃ الا باللہ بکثرت پڑھا کرو انہوں نے ایسا ہی کیا ایک روز جب کہ وہ اپنے گھر میں تھے کہ اُن کا بیٹا دشمن کے کچھ اونٹ لے کر آگیا کیونکہ دشمن اس کی طرف سے غافل ہوگئے تھے (اور اس کو فرار ہونے کا موقع مل گیا)۔

ابن جریر نے بھی یہ قصہ اس طرح سالم بن ابی الجعد اور سدی کی روایت سے نقل کیا ہے۔ حاکم نے حضرت ابن مسعود اور حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ آیت وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ۔ قبیلۂ اشجع کے بارے میں نازل ہوئی یہ شخص محتاج' نادار اور کثیر العیال تھا۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ الخ۔ یعنی جو شخص مصیبت اور دکھ میں صابر رہے گا' بے صبری اختیار نہیں کرے گا اور ممنوعات سے پرہیز رکھے گا اللہ اس کے لئے اس مصیبت سے نکلنے کا راستہ پیدا کردے گا اور ایسے طریقے سے اس کو (محتاجی اور ناداری دور کرنے والا احلال) رزق عطا فرمائے گا کہ اس کے گمان میں بھی نہ ہوگا جیسے حضرت عوف اشجعی کی مصیبت دور کی اور رزق عطا فرمایا۔

فائدہ: بغوی نے بروایت مقاتل بیان کیا ہے کہ عوف بن مالک اشجعی کے بیٹے کے ہاتھ (دشمن کی) کچھ بکریاں اور سامان لگ گیا وہ بکریاں اور سامان لے کر اپنے باپ کے پاس واپس آ گئے۔ حضرت عوف نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کر دیا اور دریافت کیا کہ میرے لئے کیا یہ چیزیں حلال ہیں جو بیٹا لے کر آیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں (حلال ہیں) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

لاحول ولاقوۃ کا وظیفہ: دنیوی اور دینی منافع کو حاصل کرنے اور مضرت کو دور کرنے کے لئے حضرت مجدد صاحب نے لاحول ولاقوۃ الا باللہ کی کثرت کو پسند کیا لیکن کثرت کی مقدار کیا ہونی چاہیے اس کے متعلق فرمایا پانسو مرتبہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ روزانہ پڑھا جائے اور اول آخر سو سو مرتبہ درود پڑھا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کو اللہ نعمت عطا فرمادے اور وہ اس نعمت کی بقا کا خواستگار ہو تو لا حول ولا قوۃ الا باللہ بکثرت پڑھا کرے۔ رواہ الطبرانی من حدیث عقبۃ ابن عامر۔

صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ کی مرفوع حدیث آئی ہے کہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ نسائی کی روایت ہے کہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھنا ننانوے بیماریوں کا علاج ہے جسمیں ادنیٰ بیماری فکر ہے۔ (تفسیر مظہری)

مصائب سے نجات اور مقاصد کے حصول کا مجرب نسخہ

حدیث مذکور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عوف بن مالکؓ کو مصیبت سے نجات اور حصول مقصد کے لئے یہ تلقین فرمائی کہ کثرت کیساتھ لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا کریں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ دینی اور دُنیاوی ہر قسم کے مصائب اور مضرتوں سے بچنے اور منافع ومقاصد کو حاصل کرنے کے لئے اس کلمہ کی کثرت بہت مجرب عمل ہے اور اس کثرت کی مقدار حضرت مجددؒ نے یہ بتلائی ہے کہ روزانہ پانسو مرتبہ یہ کلمہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا کرے اور سو مرتبہ درود شریف اس کے اول و آخر میں پڑھ کر اپنے مقصد کے لئے دعا کیا کرے (تفسیر مظہری) اور امام احمدؒ اور حاکمؒ بیہقیؒ ابونعیم وغیرہ نے حضرت ابوذرؓ سے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کی اسناد کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز اس آیت وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا الآیۃ کی تلاوت بار بار فرماتے رہے یہاں تک کہ مجھے نیند آنے لگی پھر فرمایا کہ اے ابوذر اگر سب آدمی صرف اس آیت کو اختیار کرلیں تو سب کے لئے کافی ہے (روح المعانی) کافی ہونے کی مراد ظاہر ہے کہ تمام دینی اور دنیوی مقاصد میں کامیابی کے لئے کافی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

مسئلہ: اگر کوئی مسلمان قید ہو کر یا چھپے چوری بغیر ویزا کے دارالحرب میں پہنچ جائے اور وہاں سے چوری ڈاکہ راہزنی وغیرہ کے بعد کچھ مال سمٹ کر دارالاسلام میں لے آئے تو اس مال کا وہ مالک ہو جائے گا اور اس کے لئے یہ مال حلال ہے اور اس مال کا پانچواں حصہ یعنی خمس ادا کرنا اس پر واجب نہیں ہے لیکن اگر کسی حربی کافر نے اس مسلمان کے پاس نقد وجنس بطور امانت رکھا یا کوئی حربی تاجر بغرض تجارت یا حربی سیاح برائے سیاحت ویزا لے کر دارالاسلام میں آ گیا اور کسی مسلمان نے اس کے مال پر قبضہ کر لیا تو یہ قبضہ حرام ہے اور اس طرح حربی کافر کے مال کا مالک بن جانا بھی جائز نہیں کیوں کہ یہ فریب ہے معاہدہ شکنی ہے دھوکہ دہی ہے اس مال پر خمس بھی واجب نہیں (کیونکہ اس مال پر قبضہ ہی ناجائز ہے) اور اگر زبردستی دارالحرب میں جا کر کافر کے مال پر قبضہ کیا ہے تو اس مال کا حکم وہی ہے جو مال غنیمت کا ہے خمس ادا کرنا واجب ہے۔

میں کہتا ہوں رفتار آیت حضرت عوف کے قصہ کے موافق ہے اور سیاق عبارت کے مناسب حکم عام ہے (یعنی مورد خاص ہے اور حکم عام) اور جملہ معترضہ ہے جو سابق حکم کی تائید کر رہا ہے۔ اس صورت میں آیت کا مطلب اس طرح ہوگا جو مرد اللہ سے ڈرتا ہے عورت کو بلاقصور نہیں ستاتا اور ظلم نہیں کرتا' اگر عورت کی بدزبانی' بدمزاجی اور نافرمانی کی وجہ سے طلاق دیدے اور حیض کی حالت میں بھی یہ طلاق نہ ہو بلکہ طہر کی حالت میں دی گئی ہو اور عورت کی عدت لمبی کر کے اس کو ضرر پہنچانا بھی مقصود نہ ہو (کہ جب عدت کے ختم ہونے کا وقت آ جائے تو رجوع کرلے اور پھر طلاق دے دے اور پھر ختم عدت کے وقت رجوع کرلے اور پھر طلاق دے دے) اور عورت کو ایام عدت میں گھر سے نہ نکالے اور اللہ کی قائم کردہ حدود سے تجاوز نہ کرے تو اللہ اس کے لئے گناہ سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے اور اس بدزبان بدمزاج' نافرمان عورت کے عوض فرماں بردار نیک' پرہیزگار بی بی اس طور پر عنایت فرما دیتا ہے جو اس کے گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ اسی طرح جو عورت اللہ سے ڈرے اور خاوند کی حق تلفی نہ کرے بد زبانی سے پیش نہ آئے بے وجہ طلاق کے خواستگار نہ ہو بلکہ شوہر اگر اس کو دکھ پہنچاتا ہو تو صبر کرے اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرے تو اللہ اس کے لئے راہ نجات نکال دیتا ہے اور اس کو بے گمان طریقہ سے رزق عطا فرماتا ہے اور ظالم بد مزاج شوہر کی بجائے نیک' حق شناس شوہر مرحمت کر دیتا ہے۔

مضرتِ دارین سے نجات اور بچاؤ کا یہ حکم تمام اہل تقویٰ کے لئے عام ہے (مرد ہوں یا عورتیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں کہ اگر لوگ اس کو لے لیں (یعنی اس پر عمل کریں) تو اُن کے لئے کافی ہوگی' پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ تلاوت فرمائی رواہ احمد وابن ماجہ والدارمی ورواہ ابن حبان فی صحیحہ۔ حاکم کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کو بار بار پڑھتے رہتے۔ (تفسیر مظہری)

وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

اور روزی دے اُس کو جہاں سے اُس کو خیال بھی نہ ہو ☆

کامیابیوں کی کنجی ☆ اللہ کا ڈر دارین کے خزانوں کی کنجی اور تمام کامیابیوں کا ذریعہ ہے اسی سے مشکلیں آسان ہوتی ہیں بے قیاس وگمان روزی ملتی ہے گناہ معاف ہوتے ہیں جنت ہاتھ آتی ہے اجر بڑھتا ہے اور ایک عجیب قلبی سکون واطمینان نصیب ہوتا ہے۔ جس کے بعد کوئی سختی سختی نہیں رہتی اور تمام پریشانیاں اندر ہی اندر کافور ہو جاتی ہیں ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمام دنیا کے لوگ اس آیت کو پکڑ لیں تو ان کو کافی ہو جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ
اور جو کوئی بھروسہ رکھے اللہ پر تو وہ اس کو
حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ
کافی ہے تحقیق اللہ پورا کر لیتا ہے اپنا کام
جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ③
اللہ نے رکھا ہے ہر چیز کا اندازہ ☆

اللہ پر بھروسہ رکھو ☆ یعنی اللہ پر بھروسہ رکھو محض اسباب پر تکیہ مت کرو۔ اللہ کی قدرت ان اسباب کی پابند نہیں جو کام اسے کرنا ہو وہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ اسباب بھی اسی کی مشیت کے تابع ہیں ہاں ہر چیز کا اس کے ہاں اندازہ ہے۔ اسی کے موافق وہ ظہور پذیر ہوتی ہے اس لیے اگر کسی چیز کے حاصل ہونے میں دیر ہو تو متوکل کو گھبرانا نہیں چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

فَهُوَ حَسْبُهٗ یعنی اس کے تمام فکر آگیں امور کے لئے اللہ کافی ہے۔ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما رہے تھے اگر تم لوگ اللہ پر ایسا بھروسہ کرو جیسا بھروسہ کرنے کا حق ہے (یعنی کامل بھروسہ کر لو) تو اللہ تم کو اسی طرح رزق عطا فرمائے گا جس طرح پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو شکم سیر واپس آتے ہیں۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ۔

بھروسہ کرنے والے: حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے ستر ہزار آدمی بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جو منتر نہیں کراتے شگون نہیں کرتے اور اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ متفق علیہ۔ اور ایک روایت میں اتنا زاید ہے اور داغ نہیں لگواتے۔

اللہ کے ارادہ کو روکا نہیں جا سکتا: اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ۔ یعنی اللہ اپنے ارادہ کو ضرور پورا کرتا ہے۔ کوئی اس کو تکمیل ارادہ سے نہیں روک سکتا۔ اس کے فیصلے کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ مسروق نے کہا خدا کی مشیت ضرور پوری ہو کر رہتی ہے۔ کوئی اس کی مشیت پر بھروسہ رکھے یا نہ رکھے البتہ جو اس پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کے گناہ معاف فرماتا اور اجر عظیم عطا کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

متوکلین کے واقعات: مسند احمد کی حدیث اس جگہ وارد کرنے کے قابل ہے جس میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگلے زمانے میں ایک میاں بیوی تھے جو فقر و فاقہ سے اپنی زندگی گذار رہے تھے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ ایک مرتبہ یہ شخص سفر سے آیا اور سخت بھوکا تھا۔ بھوک کے مارے بیتاب تھا۔ آتے ہی اپنی بیوی سے پوچھا کچھ کھانے کو ہے؟ اس نے کہا ہاں آپ خوش ہو جائیے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روزی ہمارے ہاں آ پہنچی ہے۔ اس نے کہا پھر لاؤ جو کچھ ہو دیدو میں بہت بھوکا ہوں۔ بیوی نے کہا اور ذرا دیر صبر کر لو اللہ کی رحمت سے ہمیں بہت کچھ امید ہے۔ پھر جب کچھ دیر اور ہوگئی اس نے بیتاب ہو کر کہا جو کچھ تمہارے پاس ہے دیتی کیوں نہیں؟ مجھے تو بھوک سے سخت تکلیف ہو رہی ہے۔ بیوی نے کہا اتنی جلدی کیوں کرتے ہو؟ اب تنور کھولتی ہوں۔ تھوڑی دیر گذرنے کے بعد جب بیوی نے دیکھا کہ یہ اب پھر تقاضا کرنا چاہتے ہیں تو خود بخود کہنے لگیں اب اٹھ کر تنور کو دیکھتی ہوں۔ تو قدرت خدا سے ان کے توکل کے بدلے وہ بکری کے پہلو کے گوشت سے بھرا ہوا ہے اور دیکھتی ہیں کہ گھر کی دونوں چکیاں از خود چل رہی ہیں اور برابر آٹا نکل رہا ہے۔ انہوں نے تنور میں سے سب گوشت نکال لیا اور چکیوں میں سے سارا آٹا اٹھا لیا اور جھاڑ دیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اگر وہ صرف آٹا لیتیں اور چکی نہ جھاڑتیں تو قیامت تک چلتی رہتی اور روایت میں ہے کہ ایک شخص اپنے گھر پہنچا دیکھا کہ بھوک کے مارے گھر والوں کا برا حال ہے آپ جنگل کی طرف نکل کھڑے ہوئے یہاں ان کی نیک بخت بیوی صاحبہ نے جب دیکھا کہ میاں بھی پریشان حال ہیں اور یہ منظر دیکھ نہیں سکے اور چل دیئے تو چکی کو ٹھیک ٹھاک کیا تنور سلگایا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگیں کہ اے اللہ ہمیں روزی دے دعا کر کے اٹھیں تو دیکھا کہ ہنڈیا گوشت سے پر ہے تنور میں روٹیاں لگ رہی ہیں اور چکی سے برابر آٹا اُبلا چلا آتا ہے۔ اتنے میں میاں بھی تشریف لائے پوچھا کہ میرے بعد تمہیں کچھ ملا؟ بیوی صاحبہ نے کہا ہاں ہمارے رب نے ہمیں بہت کچھ عطا فرما دیا اس نے جا کر چکی کے دوسرے پاٹ کو اٹھا لیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان ہوا تو آپ نے فرمایا اگر وہ اسے نہ اٹھاتا تو قیامت تک یہ چکی چلتی ہی رہتی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَالّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ
اور جو عورتیں نا امید ہو گئیں حیض سے تمہاری

نِسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ

عورتوں میں اگر تم کو شبہ رہ گیا تو اُن کی عدت ہے

ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓـِٔىْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ

تین مہینے اور ایسے ہی جن کو حیض نہیں آیا ☆

بڑی عمر والی عورت کی عدت ☆یعنی مطلقہ کی عدت قرآن نے تین حیض بتلائی (کمافی سورۃ البقرۃ) اگر شبہ رہا ہو کہ جس کو حیض نہیں آیا یا بڑی عمر کے سبب موقوف ہوا اس کی عدت کیا ہوگی تو بتلا دیا کہ تین مہینے۔ (تفسیر عثمانی)

يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ۔ یعنی زیادتی عمر کی وجہ سے جن عورتوں کو حیض آنے کی امید نہیں رہی ہو۔ بعض علماء نے پچپن سال اور بعض نے ساٹھ برس حیض سے مایوسی کی (انتہائی) عمر قرار دی ہے۔

وَّالّٰٓـِٔىْ لَمْ يَحِضْنَ۔ یعنی جن بیبیوں کو حیض نہیں آیا خواہ وہ صغیر السن ہوں یا بالغ ہونے کے قریب یا عمر کے اعتبار سے بالغہ مطلب یہ کہ ایسی عورتوں کی عدت بھی تین ماہ ہے۔

مسئلہ: اگر عورت جوان ہو' حیض آتا ہو لیکن سن ایاس کو پہنچنے سے پہلے کسی وجہ سے حیض بند ہو جائے تو اکثر علماء کے نزدیک جب تک حیض کھل نہ جائے اسکی عدت ختم نہیں ہوگی' اس طرح تکمیل عدت حیض ضروری ہوگی اور سن ایاس کو پہنچ گئی تو تین ماہ گذرنے پر عدت پوری ہو جائے گی حضرت عثمانؓ' حضرت علیؓ' حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن مسعود کا یہی فتویٰ ہے' عطاء کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے' اس قول کی وجہ ظاہر ہے کیوں کہ سن ایاس کو پہنچنے سے پہلے کسی وجہ سے جس کا حیض بند ہو وہ نہ آئسہ ہے نہ اس کو غیر حائضہ کہا جا سکتا ہے۔

حضرت عمر کا قول ہے کہ ایسی عورت کو نو ماہ انتظار کرنا چاہئے اگر اس مدت میں حیض نہ آئے تو اس کے بعد تین ماہ کی عدت کرے۔ یہی قول امام مالک کا ہے۔

حسن نے کہا چھ ماہ انتظار کرے اس کے بعد تین ماہ کی عدت کرے۔

مسئلہ: اگر کسی مطلقہ کو دو حیض آ گئے اور پھر (تیسرا حیض آنے سے پہلے) سن ایاس کو پہنچ گئی اور خون منقطع ہو گیا تو از سر نو تین ماہ کی عدت کریگی لیکن سن ایاس کو پہنچی ہوئی مطلقہ نے اگر مہینوں کے اعتبار سے عدت کر لی اور عدت ختم ہونے کے بعد یا دوران عدت میں اس کو خون آ گیا تو گذشتہ مدت شمار نہیں کی جائے گی اور اگر سہ ماہی عدت کے بعد اس نے نکاح کر لیا ہوگا تو نکاح فاسد ہوگا۔ لیکن یہ حکم اس وقت ہوگا جب عادت کے مطابق خون سیاہ یا سرخ ہو اگر زرد یا سبز یا خاکستری رنگ کا ہوگا تو اُس کو حیض نہیں قرار دیا جائے گا۔ (بلکہ بیماری کا نتیجہ سمجھا جائے گا) ہاں اگر سن ایاس سے پہلے عادۃً اس کو حیض کا خون' زرد یا بستہ آتا تھا اور بعد ایاس بھی خون کا وہی رنگ رہا تو اس کو حیض ہی مانا جائے گا۔

اگر طلاق شروع مہینے میں دی تو باتفاق علماء عدت کا حساب چاند کے مہینوں سے کیا جائے گا اور اگر وسط ماہ میں طلاق دی تو (مہینوں سے عدت کا حساب نہیں ہوگا بلکہ) دنوں سے گنتی کی جائے گی وقوع طلاق نوے دن گذر جائیں گے تو عدت پوری ہوگی۔ اس سے کم مدت میں عدت ختم نہیں ہوگی' یہ قول امام ابو حنیفہ کا ہے صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) نے فرمایا پہلے مہینے کی گنتی دنوں سے کی جائے گی یعنی ۳۰ دن گنے جائیں گے اور آخری کے دو ماہ چاند سے شمار ہوں گے ۳۰ دن کے ہوں یا ۲۹ دن کے' دنوں کی گنتی نہیں کی جائے گی۔

مسئلہ: عدت کی مذکورہ مقدار مطلقہ کے لئے ہے بیوہ کے لئے نہیں ہے بیوہ اگر حاملہ نہ ہو تو اس کی عدت کی مدت چار ماہ دس روز ہے خواہ کم عمر ہو یا جوان یا سن ایاس کو پہنچی ہوئی اس پر اجماع سلف ہے اور علت اجماع اور روایت ہے جو اس آیت کی شان نزول کے طور پر حضرت ابی بن کعبؓ نے بیان کی ہے۔

حضرت اُبی کا بیان ہے کہ صحابۂ کرام نے عرض کیا نابالغ اور بڑی عمر والیاں (یعنی آئسہ) اور حاملہ عورتیں اس آیت میں مذکور نہیں ہیں ان عورتوں کی عدت کا بیان باقی ہے اور کوئی شک نہیں کہ آیت وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ میں مذکورہ عورتوں کا بیان نہیں ہے اسی لئے ارْتَبْتُمْ فرمایا رہی آیت وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ تو یہ نا قابل اشتباہ ہے کیونکہ یہ آیت تو عام ہے ہر قسم کی بیواؤں کو شامل ہے۔ اشتباہ تو اس حکم میں ہوتا ہے جس کا ثبوت ظنی دلیل سے ہو آیت وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ تو یقینی قطعی ہے اس کا شمول و عموم ظنی نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ

اور جن کے پیٹ میں بچہ ہے انکی عدت یہ کہ

يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ

جن لیں پیٹ کا بچہ ☆

حاملہ کی عدت ☆ جمہور کے نزدیک حاملہ کی عدت وضع حمل تک ہے خواہ ایک منٹ کے بعد ہو جائے یا کتنی ہی طویل مدت کے بعد ہو اس میں مطلقہ اور متوفی عنہا زوجہا دونوں کا ایک حکم ہے کما ہو مصرح فی الاحادیث۔ (تفسیر عثمانی)

سبیعہ اسلمیہ کا واقعہ: لوگوں نے حضرت ابن عباس کے آزاد کردہ غلام کریب کو ام المومنین حضرت ام سلمہ کی خدمت میں یہ مسئلہ دریافت کرنے

کے لئے بھیجا۔ کریب نے واپس آ کر کہا کہ ام المومنین نے فرمایا سبیعہ اسلمیہ کے شوہر کے انتقال سے چند روز کے بعد سبیعہ کے بچہ پیدا ہو گیا۔ سبیعہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو (عدت سے) آزاد ہو گئی' اب جس سے چاہے نکاح کر لے۔

صحیحین میں عمر بن عبداللہ بن ارقم کا بیان آیا ہے' عمر بن عبداللہ نے کہا میں نے جا کر حضرت سبیعہ اسلمیہ بنت حارث سے اُن کا واقعہ دریافت کیا کہنے لگیں میں سعد بن خولہ کے نکاح میں تھی حضرت سعد بنی عامر بن لوی کے قبیلہ سے تھے' آپ شرکاء بدر میں تھے' حجۃ الوداع میں آپ کی وفات ہوئی۔ میں اس زمانہ میں حاملہ تھی کچھ ہی مدت کے بعد وضع حمل ہو گیا جب نفاس سے پاک ہو گئی تو سنگھار کرنے لگی تا کہ لوگوں کو پیام نکاح دینے کا موقع مل سکے۔ بنی عبدالدار کے قبیلہ کا ایک شخص تھا جس کو ابوالسنابل بن بعلکک کہا جاتا تھا ابوالسنابل نے سبیعہ سے کہا تو سنگھار کیوں کرتی ہے شاید تو نکاح کرنے کی خواستگار ہے لیکن جب تک چار ماہ دس روز نہ گذر جائیں خدا کی قسم تو نکاح نہیں کر سکتی' ابوالسنابل کی یہ بات سن کر شام کو سبیعہ نے کپڑے پہنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسئلہ دریافت کیا' سبیعہ کا بیان ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتویٰ دیا اور فرمایا' وضع حمل ہوتے ہی تو (عدت سے) آزاد ہو گئی' اب اگر تو چاہے تو اپنا نکاح کر سکتی ہے۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ آیت وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ کا حکم بیوہ کو بھی شامل ہے اور مطلقہ کو بھی کیونکہ حضرت ابی بن کعب کی روایت میں آیا ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا آیت واولات الاحمال کا حکم مطلقہ ثلاث اور بیوہ دونوں کو شامل ہے' فرمایا مطلقہ ثلاث اور بیوہ دونوں کے لئے ہے۔ اس روایت میں ایک راوی مثنی بن صباح متروک ہے۔

مسئلہ: اگر دو بچے جڑواں پیدا ہوں تو آخری بچہ کی پیدائش پر عدت ختم ہو گی کیونکہ باقتضاء آیت وضع حمل کی تکمیل ضروری ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ
اور جو کوئی ڈرتا رہے اللہ سے کر دے وہ اس کے کام میں
اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ
آسانی یہ حکم ہے اللہ کا
اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ
جو اُتارا تمہاری طرف اور جو کوئی ڈرتا رہے اللہ سے اُتار دے

عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ۝
اُس پر سے اُس کی برائیاں اور بڑا دے اُس کو ثواب ☆

☆ جملہ جملہ کے بعد اتقاء اور اللہ کے ڈر کا مضمون مختلف پیرایوں میں دہرایا گیا ہے تا پڑھنے والا بار بار متنبہ ہو کہ عورتوں کے معاملات میں اس کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تقویٰ کی پانچ برکات: آیات مذکورہ میں جو تقویٰ کے فضائل و برکات کا بیان آیا اسکا خلاصہ پانچ چیزیں ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ متقی کے لئے دنیا و آخرت کے مصائب و مشکلات سے نجات کا راستہ نکال دیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اُس کے لئے رزق کے ایسے دروازے کھول دیتے ہیں جن کی طرف اسکا دھیان بھی نہیں جاتا۔ تیسرے یہ کہ اُس کے سب کاموں میں آسانی پیدا فرما دیتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ اسکے گناہوں کا کفارہ کر دیتے ہیں۔ پانچویں یہ کہ اسکا اجر بڑھا دیتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ
اُن کو گھر دو رہنے کے واسطے جہاں تم آپ رہو
مِّنْ وُّجْدِكُمْ
اپنے مقدور کے موافق ☆

مطلقہ عورتوں کا عدت تک خرچہ اور رہائش

☆ مرد کے ذمہ ضروری ہے کہ مطلقہ کو عدت تک رہنے کے لیے مکان دے اس کو "سکنیٰ" کہتے ہیں اور جب "سکنیٰ" واجب ہے تو نفقہ بھی اس کے ذمہ ہونا چاہیے کیونکہ عورت اتنے دنوں تک اسی کی وجہ سے مکان میں مقید و محبوس رہے گی۔ قرآن کریم کے الفاظ "مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ" میں بھی اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ اس کو اپنے مقدور اور حیثیت کے موافق اپنے گھر میں رکھو۔ ظاہر ہے کہ مقدور کے موافق رکھنا اس کو بھی متضمن ہے کہ اس کے کھانے کپڑے کا مناسب بندوبست کرے چنانچہ مصحف ابن مسعودؓ میں یہ آیت اس طرح تھی "اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ" حنفیہ کے نزدیک یہ حکم سکنیٰ اور نفقہ کا ہر قسم کی مطلقہ کو عام ہے رجعیہ کی قید نہیں کیونکہ پہلے سے جو بیان چلا آتا ہے مثلاً آئسہ' صغیرہ' اور حاملہ کی عدت کا مسئلہ اس میں کوئی تخصیص نہیں تھی۔ پھر اس میں بلاوجہ کیوں تخصیص کی جائے۔ رہی فاطمہ بنت قیس کی حدیث جس میں وہ کہتی ہیں کہ میرے زوج نے تین طلاقیں دے دی

تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سکنیٰ اور نفقہ نہیں دلایا۔ اوّل تو اس حدیث میں فاروق اعظمؓ عائشہ صدیقہؓ اور دوسرے صحابہؓ و تابعین نے انکار فرمایا۔ بلکہ فاروق اعظم نے یہاں تک کہہ دیا کہ ہم ایک عورت کے کہنے سے اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتے ہم کو معلوم نہیں کہ وہ عورت بھول گئی یا اس نے یاد رکھا۔ معلوم ہوا کہ فاروق اعظم کتاب اللہ سے یہ ہی سمجھے ہوئے تھے کہ مطلقہ ثلث کے لیے نفقہ و سکنیٰ واجب ہے اور اس کی تائید میں رسول اللہ کی کوئی سنت بھی ان کے پاس موجود تھی چنانچہ طحاوی وغیرہ نے روایات نقل کی ہیں جن میں حضرت عمرؓ نے تصریحاً بیان کیا ہے کہ یہ مسئلہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ اور دارقطنی میں جابرؓ کی ایک حدیث بھی اس بارہ میں صریح ہے گو اس کے بعد رواۃ میں اور رفع و وقف میں کلام کیا گیا ہے۔ دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت قیس کے لیے سکنیٰ اس لیے تجویز نہ کیا ہو کہ یہ اپنے سسرال والوں سے زبان درازی اور سخت کلامی کرتی تھی جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔ لہٰذا آپ نے حکم دے دیا کہ ان کے گھر سے چلی جائے پھر جب سکنیٰ نہ رہا تو نفقہ بھی ساقط ہو گیا جیسے ناشزہ کا (جو شوہر کی نافرمانی کر کے گھر سے نکل جائے) نفقہ ساقط ہو جاتا ہے تاوقتیکہ گھر آپ نہ آئے (نبہ علیہ ابوبکر الرازیؒ فی احکام القرآن) نیز جامع ترمذی وغیرہ کی بعض روایات میں ہے کہ اس کو کھانے پینے کے لیے غلہ دیا گیا تھا اس نے اس مقدار سے زائد کا مطالبہ کیا جو منظور نہ ہوا تو مطلب یہ ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زائد نفقہ تجویز نہیں فرمایا جو مرد کی طرف سے دیا جا رہا تھا واللہ اعلم بالصواب۔ ہاں یہ یاد رہے کہ نسائی طبرانی اور مسند احمدؒ کی بعض روایات میں فاطمہ بنت قیس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح ارشاد نقل کیا ہے کہ سکنیٰ اور نفقہ صرف اس مطلقہ کے لیے ہے جس سے رجعت کا امکان ہو ان روایات کی سندیں زیادہ قوی نہیں۔ زیلعی نے تخریج ہدایہ میں اس پر بحث کی ہے۔ فلیراجع۔ (تفسیر عثمانی)

مطلقات کا نفقہ عدت

اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ مطلقہ عورتیں اگر حاملہ ہوں تو اُن کا نفقہ اس وقت تک شوہر پر لازم ہے جب تک کہ حمل پیدا ہو۔ اسی لئے مطلقہ حاملہ کے متعلق پوری اُمت کا اجماع ہے کہ اسکا نفقہ اس کی عدت جو وضع حمل ہے پوری ہونے تک شوہر پر واجب ہے۔ باقی جو مطلقہ حاملہ نہیں اگر اس کو طلاق رجعی دی گئی ہے تو اسکا نفقہ عدت بھی شوہر پر باجماع اُمت واجب ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا
اور ایذا دینا نہ چاہو اُن کو تا کہ تنگ پکڑو

عَلَيْهِنَّ ؕ
اُن کو ☆

☆ یعنی ستاؤ نہیں کہ وہ تنگ آ کر نکلنے پر مجبور ہو جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

مطلقہ کو ستاؤ نہیں: وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ الخ یعنی ان کو تنگ کرنے کے لئے مسکن کا دکھ نہ پہنچاؤ۔ تنگ کرنے کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً مکان ایسا ہو جو ان کے لئے مناسب نہ ہو یا دوسرے لوگ اس میں بھرے ہوئے ہوں اور وہ تمام نا مناسب اسباب جن کی وجہ سے عورتیں اس مکان سے نکل جانے پر مجبور ہو جائیں۔

فاطمہ بنت قیس کی عدت اور نکاح

فاطمہ بنت قیس کا واقعہ ہے کہ ان کے شوہر ابوعمرو بن حفص نے جب کہ وہ شام کے سفر کو گئے تھے اُن کو قطعی طلاق دیدی اور ان کے وکیل نے کچھ جو (بطور نفقہ) فاطمہ کو بھجوائے فاطمہ کو غصہ آ گیا (اور انہوں نے یہ حقیر نفقہ لینا پسند نہیں کیا) وکیل نے کہا واللہ تمہارا ہم پر کوئی حق نہیں ہے (یعنی تمہارا نفقہ عدت ہمارے مؤکل پر لازم نہیں ہے) فاطمہ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور واقعہ عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر تیرا نفقہ عدت لازم نہیں۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ ام شریک کے گھر میں فاطمہ عدت کرے پھر فوراً یہ بھی فرمایا کہ ام شریک کے گھر تو میرے صحابی جاتے رہتے ہیں تو ابن ام مکتوم کے گھر عدت بسر کر لے وہ نابینا ہے تو وہاں اپنے کپڑے (چادر وغیرہ) اتار سکے گی جب عدت ختم ہو جائے تو مجھے اطلاع دینا۔ فاطمہ کا بیان ہے عدت سے آزاد ہونے کے بعد میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم والا سے عرض کیا میرے پاس معاویہ بن ابوسفیان اور ابوجہم کے پیغام نکاح آئے ہیں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حکم ہے) ارشاد فرمایا ابو جہم (کے کاندھے پر ہر وقت ڈنڈا رہتا ہے اس) کے کاندھے سے تو ڈنڈا نیچے آتا ہی نہیں اور معاویہ خود مفلس محتاج ہے (تیرا خرچ کہاں سے برداشت کرے گا اس لئے دونوں کو چھوڑ اور) اسامہ بن زید سے نکاح کر لے مجھے یہ بات پسند نہیں آئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر (مکرر) فرمایا اُسامہ سے نکاح کر لے میں نے اس سے نکاح کر لیا اللہ نے اس نکاح میں مجھے ایسی برکت عطا فرمائی کہ مجھ پر رشک کیا جانے لگا۔ رواہ مسلم۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا
اور اگر رکھتی ہوں پیٹ میں بچہ تو اُن پر خرچ کرو

عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ
جب تک جنیں پیٹ کا بچہ ☆

حاملہ کے نفقہ کی مدت ☆ حمل کی مدت کبھی بہت طویل ہو جاتی ہے اس کو خصوصیت سے بتلا دیا کہ خواہ کتنی ہی طویل ہو وضع حمل تک اس کو نفقہ دینا ہوگا یہ نہیں کہ مثلاً تین مہینے نفقہ دے کر بند لو۔ (تفسیر عثانی)

وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ الخ۔ باجماع علماء مطلقہ رجعیہ اپنے شوہر سے عدت کا خرچ لینے کی بھی مستحق ہے اور مسکن لینے کی بھی۔ اگر مکان سوہر کی ملک ہو اور طلاق سے رجوع کرنا نہ چاہتا ہو تو عدت کے پورے زمانہ میں خود گھر سے نکل آنا اور مطلقہ کے لئے مکان خالی کر دینا واجب ہے اور اگر مکان کرایہ کا ہو تو کرایہ ادا کرنا شوہر کے ذمہ لازم ہے اور اگر مطلقہ بائنہ ہو خواہ خلع کرنے کی وجہ سے یا تین طلاقوں کی وجہ سے یا لعان کی وجہ سے یا کنائی الفاظ بولنے کی وجہ سے بہر حال مسکن دینا امام ابو حنیفہؒ اور اکثر علماء کے نزدیک ضروری ہے عورت حاملہ ہو یا نہ ہو۔ کیوں کہ آیت اسکنوہن عام ہے لیکن حضرت ابن عباسؓ اور حسنؒ اور شعبیؒ کے نزدیک معتدہ بائنہ کو مسکن دینا شوہر پر لازم نہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ
پھر اگر وہ دودھ پلائیں تمہاری خاطر تو دو اُن کو اُن کا بدلہ
وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ
اور سکھاؤ آپس میں نیکی ☆

بچہ کو دودھ پلانے کا مسئلہ ☆ یعنی وضع حمل کے بعد اگر عورت تمہاری خاطر بچے کو دودھ پلائے تو جو اجرت کسی دوسری انا کو دیتے وہ اس کو دیجائے اور معقول طریقے سے دستور کے موافق باہم مشورہ کر کے قرارداد کر لیں خواہ مخواہ ضد اور کجروی اختیار نہ کریں۔ ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کا برتاؤ رکھیں نہ عورت دودھ پلانے سے انکار کرے نہ مرد اس کو چھوڑ کر کسی دوسری عورت سے پلوائے۔ (تفسیر عثانی)

فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ۔ ہم نے سورۂ بقرہ میں بیان کر دیا ہے کہ بچہ کو دودھ پلانا اس کی ماں پر واجب ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ اور مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں اس بناء پر اگر کسی کی بیوی یا وہ مطلقہ جو عدت میں ہو اپنے بچے کو دودھ پلانے کی اجرت لیتی ہے تو جائز نہیں۔ فعل واجب کے ادا کرنے کی اجرت لینا ناجائز ہے۔ اسی طرح مطلقہ عورت ختم عدت کے بعد بھی اگر اپنے بچہ کو دودھ پلانے کی اجرت طلب کرتی ہے تو جائز نہیں کیونکہ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ کا حکم عام ہے لیکن فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ میں عطاء اجرت کا حکم چاہتا ہے کہ ماں پر بچہ کو دودھ پلانا اس شرط کے ساتھ واجب ہے کہ بچہ کا باپ بچہ کی ماں کے نفقہ کا کفیل ہو۔ اللہ نے فرمایا ہے وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ زوجیت کی حالت میں طلاق کے بعد عدت کے زمانہ میں تو مرد عورت کے نفقہ کا ذمہ دار ہوتا ہی ہے۔ عدت کے بعد مرد پر عورت کے مصارف کی ذمہ داری نہیں ہوتی' ایسی حالت میں عورت بچہ کو دودھ پلانے کی اُجرت لے سکتی ہے۔

وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ۔ یہ خطاب زوجین کو ہے یعنی دونوں فریق مناسب طور پر اچھے طریقہ سے اجرت کا لین دین باہم مشورہ سے کر لیں۔ ایک دوسرے کو ضرر پہنچانے کے خواستگار نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ
اور اگر ضد کرو آپس میں تو دودھ پلائے گی
لَهٗۤ اُخْرٰى ۞
اُسکی خاطر اور کوئی عورت ☆

بحالت مجبوری ایک دوسرے کو مجبور نہ کریں

☆ یعنی اگر آپس کی ضد اور تکرار سے عورت دودھ پلانے پر راضی نہ ہو تو کچھ اس پر موقوف نہیں کوئی دوسری عورت دودھ پلانیوالی مل جائیگی اس کو اتنا گھمنڈ نہیں کرنا چاہیے۔ اور اگر مرد خواہ مخواہ بچہ کو اس کی ماں سے دودھ پلوانا نہیں چاہتا تو بہر حال کوئی دوسری عورت دودھ پلانے کو آئے گی آخر اس کو بھی کچھ دینا پڑیگا۔ پھر وہ بچہ کی ماں ہی کو کیوں نہ دے۔ (تفسیر عثانی)

وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ۔ والدین کو خطاب ہے یعنی اگر بچہ کو دودھ پلانا ماں کے لئے بہت دشوار ہو اور وہ دودھ پلانے سے انکار کر دے تو بچہ کا باپ بچہ کی ماں پر جبر نہیں کر سکتا' ماں کو معذور قرار دیا جائے گا۔ ماں بچہ پر انتہائی شفقت کرتی ہے' اتنی محبت کے باوجود جب وہ دودھ پلانے سے انکار کرتی ہے تو سمجھا جائے گا کہ واقع میں وہ معذور و مجبور ہے۔ ایسی صورت میں اگر عورت نے بہانہ کیا ہوگا اور واقع میں وہ معذور و عاجز نہ ہو تو گناہ گار ہوگی۔

اگر باپ پر بچہ کی ماں کو اجرت پر دودھ پلوانا دشوار ہو اور وہ تنگدست ہو اور بلا اُجرت یا کم اجرت پر کوئی دوسری عورت دودھ پلانے پر تیار ہو تو غیر عورت سے دودھ پلوایا جائے باپ کو مجبور نہ کیا جائے کہ وہ اجرت مثل بچہ کی ماں کو دے کر اسی سے دودھ پلوائے۔ امام ابو حنیفہ کا یہی فیصلہ ہے' ایک روایت میں امام مالک کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی گئی ہے۔ ایک قول امام شافعی کا بھی یہی ہے۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى میں صراحت کر دی گئی ہے کہ صورت مذکورہ میں کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی (یعنی دودھ پلائے) یہ ماں پر عتاب ہے کہ باپ کی دشواری اور تنگدستی کی حالت میں بھی وہ اجرت مثل کی طلب گار ہے۔

ماں اپنے بچہ کی زیادہ مستحق ہے: حضرت عمرو بن شعیب کے دادا کی روایت ہے کہ ایک عورت نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ میرا بچہ ہے' میرا پیٹ اس کا برتن ہے' میری چھاتی اس (کی پیاس بجھانے) کے لئے مشکیزہ ہے اور میری گود اس کی محافظ ہے۔ اس کے باپ نے مجھے طلاق دیدی اور وہ اس کو بھی مجھ سے چھیننا چاہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک تو نکاح نہیں کرے گی تو اس کی زیادہ مستحق ہے۔ رواہ ابوداؤد والحاکم۔ حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

حضرت عمرؓ کا صدیقؓ کے سامنے واقعہ

موطاء مالک میں مذکور ہے کہ قاسم بن محمد نے کہا حضرت عمر کے نکاح میں ایک انصاری عورت تھی جس کے بطن سے عاصم بن عمر پیدا ہوئے' کچھ مدت کے بعد حضرت عمرؓ نے انصاریہ کو طلاق دیدی' ایک مدت کے بعد آپ گھوڑے پر سوار ہو کر قباء کی طرف جا رہے تھے آپ نے دیکھا کہ وہ بچہ مسجد کے صحن میں کھیل رہا ہے فوراً اس کا بازو پکڑا اور اپنے آگے گھوڑے پر سوار کر کے لانے لگے بچہ کی نانی نے دیکھ لیا اور بچہ کو چھیننے لگی۔ غرض دونوں حضرت ابوبکرؓ (خلیفۂ اول) کے پاس پہنچے حضرت ابوبکر نے فرمایا بچہ کو عورت کو دیدو تم مداخلت مت کرو۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو کوئی جواب نہیں دیا (اور فیصلہ کی تعمیل کر دی) کذا روی عبدالرزاق۔

ابن ابی شیبہ کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اس کا بچہ پر ہاتھ پھیرنا اور عورت کی گود اور اس کی خوشبو (بچہ کے لئے) تم سے زیادہ بہتر ہے یہاں تک کہ بچہ جواں ہو جائے جوان ہونے کے بعد بچہ کو اختیار ہے کہ ماں کے پاس رہے یا باپ کے پاس۔

مسئلہ: اگر ماں دودھ پلانے کا معاوضہ اتنا ہی طلب کرے جتنا کوئی دوسری عورت چاہتی ہے تو اجماعی فیصلہ ہے کہ ماں کو چھوڑ کر دوسری عورت سے دودھ پلوانا جائز نہیں۔

مِنْ سَعَتِهٖ۔ یعنی اپنی وسعت کے موافق۔ (تفسیر مظہری)

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ

چاہیے خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے موافق

وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ

اور جس کو نپی تلی ملتی ہے اُس کی روزی

فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ

تو خرچ کرے جیسا کہ دیا ہے اُس کو اللہ نے اللہ کسی پر تکلیف

اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ

نہیں رکھتا' مگر اُسی قدر جو اُسکو دیا اب کر دے گا

اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ﴿۷﴾

اللہ سختی کے پیچھے کچھ آسانی ☆

بچہ کا خرچہ ☆ یعنی بچہ کی تربیت کا خرچ باپ پر ہے۔ وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق اور کم حیثیت کو اپنی حیثیت کے مناسب خرچ کرنا چاہیے۔ اگر کسی شخص کو زیادہ فراخی نصیب نہ ہو محض نپی تلی روزی اللہ نے دی ہو' وہ اسی میں سے اپنی گنجائش کے موافق خرچ کیا کرے۔ اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ جب تنگی کی حالت میں اس کے حکم کے موافق خرچ کرو گے وہ تنگی اور سختی کو فراخی اور آسانی سے بدل دیگا۔ (تفسیر عثمانی)

ابوعبیدہؓ کا آیت پر عمل: تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضرت ابوعبیدہؓ کی بابت حضرت عمرؓ نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ موٹا کپڑا پہنتے ہیں اور ہلکی غذا کھاتے ہیں۔ آپ نے حکم دیا کہ انہیں ایک ہزار دینار بھجوا دو اور جس کے ہاتھ بھجوائے ان سے کہہ دیا کہ دیکھنا وہ ان دیناروں کو پا کر کیا کرتے ہیں؟ جب یہ اشرفیاں انہیں مل گئیں تو انہوں نے باریک کپڑے پہنے اور نہایت نفیس غذائیں کھانی شروع کر دیں۔ قاصد نے واپس آ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا اللہ اس پر رحم کرے اس نے اس آیت پر عمل کیا کہ کشادگی والا اپنی کشادگی کے مطابق خرچ کرے اور تنگی ترشی والا اپنی حالت کے مطابق۔

تین مختلف آدمی: طبرانی کی ایک غریب حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص کے پاس دس دینار تھے اس نے ان میں سے ایک راہ للہ صدقہ کیا' دوسرے کے پاس دس اوقیہ تھے اس نے ان میں سے ایک اوقیہ یعنی چالیس درہم خرچ کئے۔ تیسرے کے پاس سو اوقیہ تھے جس میں سے اس نے اللہ کے نام پر دس اوقیہ خرچ کئے تو یہ سب اجر میں خدا کے نزدیک برابر ہیں اس لئے کہ ہر ایک نے اپنے مال کا دسواں حصہ فی سبیل اللہ دیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

نفقہ کی مقدار: امام مالک اور امام احمد نے فرمایا اور امام ابوحنیفہ کا بھی ایک روایت میں یہی قول آیا ہے اور اسی کو صاحب ہدایہ نے پسند کیا ہے کہ شرعاً کوئی مقدار نفقہ مقرر نہیں بلکہ مرد و عورت کی حالت پر اس کی کمی بیشی موقوف ہے اور محض اجتہاد (تجویز حاکم) پر مبنی ہے اگر دونوں خوشحال ہیں تو مطابق حال مقدار نفقہ زیادہ ہونا چاہئے اور دونوں تنگدست (اور نادار) ہیں تو کم سے کم جتنی مقدار کافی ہو جائے اتنی دی جائے گی اور قاضی نے تنگدستی

کے باوجود اگر متوسط مقدار نفقہ تجویز کی ہو یا دونوں متوسط مقدار پر متفق ہو گئے تو کم سے کم دینے کے بعد باقی مقدار بذمہ مرد واجب رہے گی' آیت زیر تشریح سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مرد کی مالداری اور ناداری ملحوظ رہنی چاہئے اس کے مطابق مقدار نفقہ کی تعیین کی جائے' عورت کی تنگدستی اور فراخ دستی کو تعیین مقدار میں کوئی دخل نہیں ہے۔

عورت نادار ہو اور مرد مالدار تو نفقہ زیادہ تجویز کیا جائے گا لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ کا یہی مفہوم ہے اور اگر مرد نادار اور تنگدست ہو تو جیسی اس کی حالت ہو اسی کے موافق یعنی جتنا وہ ادا کر سکتا ہو نفقہ مقرر کیا جائے گا اور اس سے آگے کچھ اس کے ذمہ باقی نہیں رہے گا خواہ عورت مالدار ہو یا تنگ حال کیوں کہ اللہ نے فرمایا ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۔(بس جتنی وسعت ہو اتنا نفقہ دیا جائے) اس سے زیادہ واجب نہیں۔ ظاہر روایت میں امام ابوحنیفہ کا یہی قول آیا ہے۔

ابن ہمام نے لکھا ہے ظاہر روایت کے' موجب یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شوہر تنگدست اور بیوی خوشحال ہو تو تنگدستی کے بموجب عورت کا نفقہ ہوگا کیونکہ خوشحال عورت نے جب تنگدست مرد سے برضامندی نکاح کر لیا تو یہی سمجھا جائے گا کہ وہ نفقہ کی تنگی پر رضامندی ہے۔ اور اگر مرد خوشحال ہے اور عورت تنگدست تو عورت کو مرد کی حالت کے موافق فراخی کے ساتھ خرچ دیا جائے گا۔

شوہر کی حالت کو نفقہ میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے اس کا ثبوت (مذکورہ) آیت قرآنی سے ہو رہا ہے۔ رہا عورت کی حالت کو ملحوظ رکھنا تو اُس کا ثبوت حضرت عائشہ کی روایت سے ہوتا ہے (آیت قرآنی سے نہیں ہوتا) حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ ہندہ بنت عتبہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (میرا شوہر) ابوسفیان بڑا کنجوس آدمی ہے مجھے اتنا خرچ نہیں دیتا جو میرے اور میرے بچوں کے لئے کافی ہو جائے میں اس کے مال میں سے اتنا لے لیتی ہوں جس کا اس کو علم بھی نہ ہوتا۔ حضور نے فرمایا اتنا لے لیا کر جو تیرے اور تیرے بچوں کے لئے حسب معمول کافی ہو۔ متفق علیہ۔

خدمت گار کا خرچہ: اگر عورت خدمت گار کی ضرورت مند ہے تو مالدار مرد پر خدمت کے لئے کسی خادم کا مقرر کرنا لازم ہے۔ امام محمد نے فرمایا تنگ دست شخص پر بھی خادم کا نفقہ واجب ہے (یعنی اگر بیوی ضرورت مند ہے تو اس کے لئے خادم فراہم کرنا اور خادم کی خدمت کا معاوضہ دینا مرد پر لازم ہے مرد فراخدست ہو یا نہ ہو) (تفسیر مظہری)

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ

اور کتنی بستیاں کہ نکل چکیں حکم سے

اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا

اپنے رب کے اور اُسکے رسولوں کے پھر ہم نے

حِسَابًا شَدِيْدًا وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا

حساب میں پکڑا اُن کو سخت حساب میں اور آفت ڈالی اُن پر بن دیکھی

نُّكْرًا ۝۸

آفت ☆

نافرمانی کی سزا ☆ یعنی احکام شریعت کی خصوصاً عورتوں کے بارے میں پوری پابندی رکھو۔ اگر نافرمانی کرو گے تو یاد رہے کہ کتنی بستیاں اللہ و رسول کی نافرمانی کی پاداش میں تباہ کی جا چکی ہیں جس وقت وہ لوگ تکبر کر کے حد سے نکل گئے ہم نے ان کا جائزہ لیا اور سختی سے لیا کہ ایک عمل کو بھی معاف نہیں کیا۔ پھر ان کو ایسی نرالی آفت میں پھنسایا جو آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی بہت سی بستیوں کے باشندوں نے سرکشی اور اپنے رب کے حکم سے اور پیغمبروں کی ہدایت سے سرتابی کی تو ہم نے سخت محاسبہ کیا۔ ان کے کسی عمل سے درگذر نہیں کی۔ دنیا میں اُن کے اعمال کا محاسبہ کیا اور سخت سزا دی۔ یا حَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا سے یہ مراد ہے کہ ہم نے اُن کے اعمال ناموں میں ہر عمل کا اندراج کر دیا کوئی عمل بغیر اندراج نہیں چھوڑا۔

عَذَابًا نُّكْرًا ۔ بہت ہی بری سزا یعنی بھوک قحط قتل قید اور تباہی وغیرہ۔ (تفسیر مظہری)

بالشت بھر زمین دبانے کا عذاب: صحیحین کی صحیح حدیث میں ہے جو شخص ظلم کر کے کسی کی ایک بالشت بھر زمین لے لے گا اسے ساتوں زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔ صحیح بخاری میں ہے اسے ساتویں زمین تک دھنسا دیا جائے گا۔ میں نے اس کی تمام سندیں اور کل الفاظ شروع ابتدا اور انتہا میں زمین کی پیدائش کے ذکر میں بیان کر دیئے ہیں۔ فالحمد للہ۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ

پھر چکھی اُنہوں نے سزا اپنے کام کی اور

عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝۹

آخر کو اُن کے کام میں ٹوٹا آ گیا ☆

☆ یعنی عمر بھر جو سودا کیا تھا آخر اس میں سخت خسارہ اٹھایا اور جو پونجی تھی سب کھو کر رہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَبَالَ اَمْرِهَا ۔ یعنی اُن کے کفر و معاصی کی دنیا میں سزا۔ (تفسیر مظہری)

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ
تیار رکھا ہے اللہ نے واسطے اُن کے سخت عذاب ☆

☆ پہلے دنیوی عذاب کا ذکر تھا یا اخروی عذاب بیان ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۚ
سو ڈرتے رہو اللہ سے اے عقل والو
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ
جن کو یقین ہے ☆

عقلمندوں کو تنبیہ ☆ یعنی یہ عبرتناک واقعات سن کر عقلمند ایمانداروں کو ڈرتے رہنا چاہیے کہیں ہم سے ایسی بے اعتدالی نہ ہو جائے کہ خدا کی پکڑ میں آ جائیں۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

فَاتَّقُوا اللّٰهَ ۔ یعنی اپنے رب کے حکم اور پیغمبروں کی ہدایت سے سرکشی مت کرو تا کہ وہ عذاب جو سرکش بستیوں پر آ چکا ہے تم پر بھی نہ آ جائے۔

يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ ۔ الذی اولی الالباب سے بدل ہے یا صفتِ موضحہ ہے عقلمندی کا تقاضا ایمان ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۙ ⑩
بیشک اللہ نے اُتاری ہے تم پر نصیحت ☆

☆ یعنی قرآن یا "ذکر" بمعنی ذاکر ہو تو خود رسول مراد ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ
رسول ہے جو پڑھ کر سناتا ہے تم کو اللہ کی آیتیں کھول کر
مُبَيِّنٰتٍ
سنانے والی ☆

یعنی صاف آیتیں جن میں اللہ کے احکام کھول کھول کر سنائے گئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
تا کہ نکالے اُن لوگوں کو جو کہ یقین لائے اور کیے

الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ
بھلے کام اندھیروں سے اُجالے میں ☆

☆ یعنی کفر و جہل کے اندھیروں سے نکال کر ایمان اور علم و عمل کے اجالے میں لے آئے۔ (تفسیر عثمانی)

مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۔ الظلمات سے مراد ہے کفر اور جہالت اور نور سے مراد ہے ایمان دینی فقاہت و دانش اور نیک عمل جن سے آخرت میں نور حاصل ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا
اور جو کوئی یقین لائے اللہ پر اور کرے کچھ بھلائی
يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
اُس کو داخل کرے باغوں میں نیچے بہتی ہیں جن کے
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ قَدْ اَحْسَنَ
نہریں سدا رہیں اُن میں ہمیشہ البتہ خوب دی
اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ⑪
اللہ نے دی اُن کو روزی ☆

☆ جنت سے زیادہ بہتر روزی کہاں ملے گی۔ (تفسیر عثمانی)

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مراد ہیں وہ مومن جو نزول قرآن کے بعد ایمان لائے جن کے لئے کفر کے بعد اللہ نے ایمان مقدر کر دیا ہے اور جہالت کے بعد علم نصیب فرما دیا تھا۔

قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۔ رزق حسن سے مراد ہے جنت جس کی نعمتیں اور راحتیں لازوال ہوں گی کبھی منقطع نہ ہوں گی۔ (تفسیر مظہری)

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ
اللہ وہ ہے جس نے بنائے سات آسمان اور
مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۭ
زمین بھی اتنی ہی ☆

سات آسمان اور سات زمینیں ☆ یعنی زمینیں بھی سات پیدا کیں

جیسا کہ ترمذی وغیرہ کی احادیث میں ہے۔ ان میں احتمال ہے کہ نظر نہ آتی ہوں اور احتمال ہے کہ نظر آتی ہوں مگر لوگ ان کو کواکب سمجھتے ہوں جیسا کہ مریخ وغیرہ کی نسبت آجکل حکماء یورپ کا گمان ہے کہ اس میں پہاڑ' دریا اور آبادیاں ہیں۔ باقی حدیث میں جو ان زمینوں کا اس زمین کے تحت میں ہونا وارد ہے وہ شاید باعتبار بعض حالات کے ہو اور بعض حالات میں وہ زمینیں اس سے فوق ہو جاتی ہوں رہا ابن عباس کا وہ اثر جس میں "ادمهم کادمکم" وغیرہ آیا ہے اس کی شرح کا یہ موقع نہیں' ''روح المعانی'' میں اس پر بقدر کفایت کلام کیا ہے اور حضرت مولانا محمد قاسمؒ کے بعض رسائل میں اس کے بعض اطراف وجوانب کو بہت خوبی سے صاف کر دیا گیا ہے۔ (تفسیر عثانی)

وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۔ یعنی آسمانوں کی طرح سات زمینیں بھی پیدا کی ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابی بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بادل آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا آپ لوگ جانتے ہیں یہ کیا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کو بخوبی علم ہے۔ فرمایا' یہ عنان (ابر) ہے یہ زمین کے آبکش اونٹ ہیں جن کو اللہ ایسے لوگوں کی طرف ہنکا کر بھیج رہا ہے جو نہ شکرگذار ہیں نہ اللہ سے دعا کرتے ہیں پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ تمہارے اوپر کیا ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا' اللہ اور اس کے رسول کو بخوبی علم ہے' فرمایا' یہ ایک اونچی چھت ہے (ٹوٹنے سے) محفوظ اور ایک موج بستہ ہے پھر فرمایا کیا تم کو معلوم ہے کہ تمہارے اور اس کے درمیان کتنا فاصلہ ہے صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی کو بخوبی علم ہے فرمایا تمہارے اور اس کے درمیان پانچ سو برس (کی راہ مسافت) ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم واقف ہو کہ اس کے اوپر کیا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کو بخوبی علم ہے' فرمایا ایک اور آسمان ہے اور دونوں کے درمیان پانچ سو برس (راہ) کا فاصلہ ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا' یہاں تک کہ سات آسمانوں کو گنا (اور فرمایا) کہ ہر دو آسمانوں کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا زمین اور آسمان کے درمیان ہے۔ پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ اس سے اوپر کیا ہے صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی کو بخوبی علم ہے۔ فرمایا اس سے اوپر عرش ہے اور اس کا (ساتویں) آسمان سے فاصلہ اتنا ہی ہے جتنا دو آسمانوں کے درمیان ہے' پھر فرمایا کیا تم واقف ہو کہ تمہارے نیچے زمین ہے پھر فرمایا۔ کیا تم جانتے ہو کہ اس کے نیچے کیا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی کو بخوبی علم ہے۔ فرمایا اس کے نیچے ایک اور زمین ہے اور دونوں زمینوں کے درمیان پانچ سو برس کی راہ کی مسافت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سات زمینیں شمار کیں اور ہر زمین کا دوسری زمین سے فاصلہ پانچ سو برس کی راہ کا بتایا پھر فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے اگر تم کوئی رسی سب سے نچلی زمین تک لٹکاؤ تو وہ اللہ (کی قدرت وصنعت) پر ہی جا کر اترے گی' اس کے بعد آپ نے پڑھا۔ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔ رواہ احمد و الترمذی۔ ہم نے یہ حدیث اور اس کی تحقیق سورۂ بقرہ کی آیت فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ کی تفسیر کے ذیل میں کر دی ہے۔

سات آسمانوں اور سات زمینیں کے متعلق

اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے جس طرح سات آسمان پیدا کئے اسی طرح اس نے سات زمینیں بھی پیدا کی ہیں گو کہ اکثر مواقع میں خلق السمٰوٰت کے ساتھ خلق ارض میں واحد کا صیغہ استعمال کیا گیا جس سے متبادر یہی ہے کہ آسمان سات ہیں اور زمین ایک ہی طبقہ ہے لیکن اس آیت میں یہ تصریح واقع ہوئی کہ جس طرح سات آسمان ہیں زمینیں بھی سات ہیں جیسا کہ جامع ترمذی اور بعض سنن کی روایت میں ہے' تو یہ ممکن ہے کہ وہ اس کرۂ ارضی سے اوپر ہوں جیسا کہ مریخ وغیرہ جن کی نسبت آج کل یورپ کے حکماء کا خیال ہے کہ اس میں پہاڑ اور اور دریا اور آبادیاں ہیں تو اس طرح سات زمینوں کا عدد پورا ہو سکتا ہے باقی یہ مسئلہ نہ تو اصول دین سے ہے کہ اس کو پوری طرح سمجھے اور اس کی تحقیق کے بغیر ایمان ہی کامل نہ ہو تو ضرور نہیں کہ ہم اس کی ایسی ہی تحقیق اور تشریح کے پابند ہوں جیسا کہ اسلام کے دیگر بنیادی اصولوں کی۔ اجمالاً اس طرح کا تصور جس کی طرف اشارہ کیا گیا وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ کا مفہوم سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ رہی وہ روایت جو عبداللہ بن عباسؓ سے موقوفاً منقول ہے جس میں یہ ہے کہ یہ سات زمینیں ہیں جن میں سے ہر زمین میں آدم ہیں تمہارے آدم کی طرح اور نوح ہیں حضرت نوح کی طرح اور ابراہیم ہیں ابراہیمؑ کی طرح اور عیسیٰ عیسیٰؑ کی طرح ہیں تو محدثین کے اصول سے یہ روایت شاذ ہے قابل اعتبار اور صحیح نہیں شمار کی گئی۔

اسلام کی دعوت اس زمین کے سوا دیگر طبقات ارض میں کتاب وسنت سے کہیں ثابت نہیں۔ اگر ہوتی تو ضرور اس بارہ میں کوئی نص وارد ہوتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس کو بیان فرماتے اس بناء پر علماء نے اس اثر کو باوجود صحیح الاسناد ہونے کی شاذ بتلایا ہے اور اگر صحیح مانا بھی جائے تو اس کی مختلف تاویلیں کی جاسکتی ہیں۔

علماءِ امتی

ممکن ہے مراد یہ ہو کہ زمین کے ہر طبقہ میں ایک ہادی ہے جو اس طبقہ کے نبی کے ہم نام ہو پس ان طبقات تحتانیہ میں آدم اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم نام ہادی ہوتے ہیں جو حقیقت میں انبیاء نہ تھے بلکہ محض ہادی تھے اور اس طبقہ کے انبیاء کے ہم نام تھے اور کسی اعتبار سے اس طبقہ کے انبیاء ورسل کے مشابہ تھے جیسا کہ حدیث میں ہے

"علماء امتی کانبیا بنی اسرائیل"۔

حق تعالیٰ شانہٗ کے اس قول اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ الخ

نبوت اولاد آدم کے ساتھ مخصوص ہے اور جمہور علماء کا بھی یہی قول ہے کہ جنات میں سے رسول نہیں آئے تحتانی طبقات کے باشندے اسی طبقہ زمین کے پیغمبروں کے تابع رہے ہیں۔ (دیکھو کشاف اصطلاحات الفنون ص ۲۶۱ ج ۱)

مسیلمہ پنجاب

یہ بھی آپ کی دعوت اور بعثت عام ہے کوئی فرد بشر اس سے مستثنیٰ نہیں لہٰذا مطابق عقائد اہل سنت یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ کی نبوت و رسالت عام ہے اور قیامت تک تمام جن وانس پر آپ کی شریعت کی پیروی فرض اور لازم ہے۔

طبقۂ زمین پر جو نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ مسیلمہ کذاب کی طرح بلاشبہ دجال کذاب ہوگا مسیلمہ کذاب خواہ یمن کا ہو یا پنجاب کا سب کا ایک ہی حکم ہے۔

ہمارے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کے بعد ہر طبقہ میں نبوت کا دعویٰ کفر اور دجل ہوگا اور ہر طبقہ کا مدعی نبوت کذاب اور دجال اور مسیلمہ اور اسود عنسی کی طرح واجب القتل ہوگا۔ اور علی ھٰذا جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور دعوت کو اس طبقۂ زمین کے سامنے مخصوص سمجھتا ہو اور ہر طبقہ کے خاتم کو صاحب شرع جدید سمجھتا ہو وہ بلاشبہ کافر اور دجال ہے۔

حضرت ابن عباس کی روائت

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جیسا کہ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ کا یہ قول عالم مثال پر محلول ہے کہ ہر طبقۂ زمین میں اس طبقۂ زمین کے صور مثالیہ اور اشباہ اور امثال موجود ہیں جیسا کہ ابن عباسؓ کی ایک روایت اس معنی کی تائید کرتی ہے وہ یہ کہ ابن عباسؓ سے ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ ان زمینوں میں مجھ جیسا ابن عباس بھی ہے اور ہر زمین میں اور ہر آسمان میں ایک خانہ کعبہ موجود ہے اس طرح زمین و آسمان میں چودہ خانے کعبے موجود ہیں حضرات اہل کشف کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے اور عالم مثال یعنی رویت مثالیہ پر محلول ہے۔ واللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اعلم۔

جدید فلاسفہ کا نظریہ: قرآن اور حدیث سے یہ ثابت ہے کہ سات آسمان ہیں اور سات زمینیں ہیں۔ فلاسفہ عصر آسمان کے وجود کے تو سرے سے قائل ہی نہیں اور زمین کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ ایک زمین ہے باقی چھ زمینوں کے قائل نہیں۔ فلاسفۂ عصر کہتے ہیں کہ فضا میں جو نیلگوں رنگ نظر آتا ہے یہ فضاء کا یا ایتھر کا رنگ ہے۔ اس لئے کہ بڑی بڑی نزدیک کن خوردبینوں سے سوائے کواکب کے فضاء میں کوئی اور جسم نظر نہیں آتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتا ہے۔ ممکن ہے بُعد مسافت کی وجہ سے آسمان نظر نہ آتا ہو اس لئے یہ انکار قابل التفات نہیں نیز فلاسفہ عصر کا مذہب یہ ہے کہ اس فضاء اور خلاء کی کوئی انتہا نہیں اور ظاہر ہے کہ خوردبین کی رسائی غیر محدود نہیں بس ممکن ہے کہ آسمان اور غیر محدود فضا اور غیر متناہی خلا کے اندر اتنے دور فاصلہ پر واقع ہو کہ بعد مسافت کی وجہ سے دوربین کی رسائی نہ ہوسکتی ہو اور یہ نیلگوں رنگ جو ہم کو نظر آتا ہے وہ آسمان دنیا کا پلستر ہو دیکھنے والے کو اصل عمارت تو نظر نہیں آتی بلکہ اس کا پلستر دکھائی دیتا ہے اور علی ھٰذا فلاسفہ عصر کا سات زمینوں کے وجود کا انکار بھی بالکل بے دلیل ہے۔ جس طرح ایک زمین موجود ہوسکتی ہے اسی طرح سات زمینیں بھی موجود ہوسکتی ہیں سات زمینوں کا وجود عقلاً محال اور ممتنع نہیں اور چونکہ مخبر صادق علیہ السلام نے ہم کو ان کے وجود کی خبر دی ہے لہٰذا اس پر ایمان لانا ضروری ہے اور فلاسفہ عصر کی بے دلیل باتوں سے قرآن و حدیث اور اللہ و رسول کی باتوں میں شکوک و اوہام پیدا کرنا زیب نہیں دیتا اس تحقیق عمیق سے اہل علم کے قلوب کو یقیناً طمانیت و سکون نصیب ہوگا اور دین اسلام کے کسی عقیدہ پر کسی طرح کا بھی شبہ پیدا نہ ہوسکے گا۔ (معارف کاندھلوی)

ہر زمین کا نبی: بیہقی کی کتاب اَلْاَسْمَاءُ وَالصِّفَات میں حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ ساتوں زمینوں میں سے ہر ایک میں نبی ہے مثل تمہارے نبی کے اور آدم ہیں مثل آدمؑ کے اور نوح ہیں مثل نوحؑ کے اور ابراہیم ہیں مثل ابراہیمؑ کے اور عیسیٰ ہیں مثل عیسیٰؑ کے۔ پھر امام بیہقی نے ایک اور روایت بھی ابن عباسؓ کی وارد کی ہے اور فرمایا ہے اس کی اسناد صحیح ہے لیکن یہ بالکل شذ ہے۔ ابوالضحیٰ جو اس کے ایک راوی ہیں میرے علم میں تو ان کی متابعت کوئی نہیں کرتا واللہ اعلم۔

فرمانبردار مخلوق: ایک مرسل اور بہت ہی منکر روایت ابن ابی الدنیا لائے ہیں جس میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ صحابہؓ کے مجمع میں تشریف لائے۔ دیکھا کہ سب کسی غور و فکر میں چپ چاپ ہیں پوچھا کیا بات ہے؟ جواب ملا اللہ کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ فرمایا ٹھیک ہے مخلوقات پر نظریں دوڑاؤ لیکن کہیں خدا کی بابت غور و خوض میں نہ پڑ جانا سنو اس مغرب کی طرف ایک سفید زمین ہے اس کی سفیدی اس کا نور ہے یا فرمایا اس کا نور اس کی سفیدی اسکا نور یا فرمایا اس کا نور اسکی سفیدی ہے ہے۔ سورج کا راستہ چالیس دن کا ہے وہاں اللہ کی ایک مخلوق ہے جس نے ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی اس کی نافرمانی نہیں کی۔ صحابہؓ نے کہا پھر شیطان ان سے کہاں ہے؟ فرمایا انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ شیطان پیدا بھی کیا گیا ہے یا نہیں؟ پوچھا کیا وہ بھی انسان ہیں؟ فرمایا انہیں حضرت آدمؑ کی پیدائش کا بھی علم نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

سات زمینیں کہاں کہاں

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ' اس آیت سے اتنی بات تو

واضح طور پر ثابت ہے کہ جس طرح آسمان سات ہیں ایسی ہی زمینیں بھی سات ہیں۔ پھر یہ سات زمینیں کہاں کہاں اور کس وضع وصورت میں ہیں۔ اوپر نیچے طبقات کی صورت میں تہ برتہ ہیں یا ہر ایک زمین کا مقام الگ الگ ہے اگر اوپر نیچے طبقات ہیں تو کیا جس طرح سات آسمانوں میں ہر دو آسمان کے درمیان بڑا فاصلہ ہے اور ہر آسمان میں الگ الگ فرشتے آباد ہیں اسی طرح ایک زمین اور دوسری زمین کے درمیان بھی فاصلہ اور ہوا فضا وغیرہ ہیں اور اُس میں کوئی مخلوق آباد ہے یا یہ طبقات زمین ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں۔ قرآن مجید اس سے ساکت ہے اور روایات حدیث جو اس بارے میں آئی ہیں اُن میں اکثر احادیث میں ائمہ حدیث کا اختلاف ہے بعض نے ان کو صحیح و ثابت قرار دیا ہے بعض نے موضوع و منگھڑت تک کہہ دیا ہے اور عقلاً یہ سب صورتیں ممکن ہیں۔ اور ہماری کوئی دینی یا دنیوی ضرورت اس کی تحقیق پر موقوف نہیں نہ ہم سے قبر میں یا حشر میں اسکا سوال ہوگا کہ ہم ان سات زمینوں کی وضع وصورت اور محل وقوع اور اُس میں بسنے والی مخلوقات کی تحقیق کریں اس لئے اسلم صورت یہ ہے کہ بس اس پر ایمان لائیں اور یقین کریں کہ زمینیں بھی آسمانوں کی طرح سات ہی ہیں۔ اور سب کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرمایا ہے۔ اتنی ہی بات قرآن نے بیان کی ہے جس کو قرآن نے بیان کرنا ضروری نہیں سمجھا ہم بھی اُس کی فکر و تحقیق میں کیوں پڑیں۔ حضرات سلف صالحین کا ایسی صورتوں میں یہی طرز عمل رہا ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے ابھموا ما ابھم اللّٰہ' یعنی جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مبہم چھوڑا ہے تم بھی اُسے مبہم رہنے دو جبکہ اس میں تمہارے لئے کوئی عملی حکم نہیں' اور تمہاری کوئی دینی یا دنیوی ضرورت اُس سے متعلق نہیں۔ خصوصاً یہ تفسیر عوام کے لئے لکھی گئی ہے ایسے خالص علمی اختلافی مباحث اس میں نہیں لئے گئے جن کی عوام کو ضرورت نہیں ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ
اُترتا ہے اُس کا حکم اُن کے اندر ☆

احکام کا نزول ☆ یعنی عالم کے انتظام وتدبیر کے لیے اللہ کے احکام تکوینیہ وتشریعیہ آسمانوں اور زمینوں کے اندر اترتے رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

امر سے مراد ہوگی وحی یعنی ساتویں آسمان سے لے کر سب سے نچلی ساتویں زمین تک اللہ کی طرف سے (انبیاء پر) وحی نازل ہوتی ہے اور امر خدا بواسطۂ وحی اترتا ہے۔

بعض احادیث میں آیا ہے کہ ہر زمین میں تمہارے آدم کی طرح ایک آدم ہے اور تمہارے نوح کی طرح ایک نوحؑ ہے اور تمہارے ابراہیم کی طرح ایک ابراہیمؑ ہے اور تمہارے موسیٰ کی طرح ایک موسیٰ ہے اور تمہارے نبی یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ایک نبی ہے۔ واللہ اعلم۔

يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ ۔ یعنی امر خداوندی اور قضاء الٰہی اور حکم رب اُن میں جاری ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ ۔ یعنی اللہ کا حکم ان ساتوں آسمانوں زمینوں کے درمیان نازل ہوتا رہتا ہے اور حکم الٰہی کی دو قسم ہیں۔ ایک تشریعی جو اللہ کے مکلف بندوں کے لئے بذریعہ وحی بواسطہ انبیاء بھیجا جاتا ہے جیسے زمین میں انسان اور جن کے لئے آسمانوں سے فرشتے یہ تشریعی احکام انبیاء تک لیکر آتے ہیں جن میں عقائد' عبادات' اخلاق' معاملات' معاشرت کے قوانین ہوتے ہیں اُن کی پابندی پر ثواب اور خلاف ورزی پر عذاب ہوتا ہے۔ دوسری قسم حکم کی حکم تکوینی ہے۔ یعنی تقدیر الٰہی کی تنفیذ سے متعلق احکام جس میں کائنات کی تخلیق اور اُس کی تدریجی ترقی اور اُس میں کمی بیشی اور موت و حیات داخل ہیں یہ احکام تمام مخلوقات الٰہیہ پر حاوی ہیں۔ اسلئے اگر ہر دو زمینوں کے درمیان فضاء اور فاصلہ اور اسمیں کسی مخلوق کا آباد ہونا ثابت ہو جائے خواہ مخلوق مکلف احکام شرعیہ کی نہ ہو تو اُس پر بھی يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ صادق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا امر تکوینی اُس پر بھی حاوی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ						
تا کہ	تم	جانو	کہ	اللہ	ہر	چیز
قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ						
کر سکتا ہے	اور	اللہ	کے	علم	میں	سمائی ہے
بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ؏						
ہر	چیز	کی ☆				

نزول احکام کا مقصد ☆ یعنی آسمان وزمین کے پیدا کرنے اور ان میں انتظامی احکام جاری کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات علم وقدرت کا اظہار ہو (نبہ علیہ ابن قیم فی بدائع الفوائد) بقیہ صفات ان ہی دو صفتوں سے کسی نہ کسی طرح تعلق رکھتی ہیں۔ صوفیہ کے ہاں جو ایک حدیث نقل کرتے ہیں "کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف" گو محدثین کے نزدیک صحیح نہیں مگر اس کا مضمون شاید اس آیت کے مضمون سے ماخوذ و مستفاد ہو واللہ اعلم۔ تم سورۃ الطلاق وللہ الحمد والمنۃ۔ (تفسیر عثمانی)

الحمد للہ سورۃ طلاق ختم ہوئی

سورة التحریم

خواب میں اس کا پڑھنے والا محرمات کے ارتکاب سے محفوظ رہے گا۔ (ابن سیرینؒ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ
اے نبی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ توجہات حاصل کرنے کیلئے ازواجِ مطہرات کی کوششیں

سورۂ ''احزاب'' کے فوائد میں گذر چکا ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو فتوحات عنایت فرمائیں اور لوگ آسودہ ہوگئے تو ازواج مطہرات کو بھی خیال آیا کہ ہم کیوں آسودہ نہ ہوں اس سلسلہ میں انہوں نے مل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ نفقہ کا مطالبہ شروع کیا، صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے ''وھن حولی یطلبنی النفقۃ'' اور بخاری کے ابواب المناقب میں ہے وحولہ نسوۃ یکلمنہ ویستکثرنہ اس پر ابوبکرؓ نے سیدہ عائشہؓ اور عمرؓ نے حفصہؓ کو ڈانٹ بتلائی، آخر ازواج نے وعدہ کیا کہ آئندہ ہم آپ سے اُس چیز کا مطالبہ نہیں کرینگے جو آپ کے پاس نہیں ہے پھر بھی رفتار واقعات کی ایسی رہی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ازواج سے ایلا کرنا پڑا تا آنکہ آیۂ تخییر نے جو ''احزاب'' میں ہے نازل ہو کر اس قصہ کا خاتمہ کر دیا اس درمیان میں کچھ واقعات اور بھی پیش آئے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبع مبارک پر گرانی ہوئی اصل یہ ہے کہ ازواج مطہرات کو جو محبت اور تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اس نے قدرتی طور پر آپس میں ایک طرح کی کشمکش پیدا کر دی تھی ہر ایک زوجہ کی تمنا اور کوشش تھی کہ وہ زائد از زائد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہات کا مرکز بن کر دارین کی برکات وفیوض سے متمتع ہو، مرد کیلئے یہ موقع تحمل و تدبر اور خوش اخلاقی کے امتحان کا نازک ترین موقع ہوتا ہے۔ مگر اس نازک موقع پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت قدمی ویسی ہی غیر متزلزل ثابت ہوئی جس کی توقع سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سیرت سے ہوسکتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ عصر کے بعد سب ازواج کے ہاں تھوڑی دیر کیلئے تشریف لے جاتے ایک روز حضرت زینبؓ کے ہاں کچھ دیر لگی معلوم ہوا کہ انہوں نے شہد پیش کیا تھا اُس کے نوش فرمانے میں وقفہ ہوا پھر کئی روز یہ معمول رہا حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے مل کر تدبیر کی کہ آپ وہاں شہد پینا چھوڑ دیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑ دیا اور حفصہؓ سے فرمایا کہ میں نے زینبؓ کے ہاں شہد پیا تھا مگر اب قسم کھاتا ہوں کہ پھر نہیں پیونگا نیز یہ خیال فرما کر کہ زینب کو اس کی اطلاع ہوگی تو خواہ مخواہ دلگیر ہونگی حفصہ کو منع کر دیا کہ اس کی اطلاع کسی کو نہ کرنا اسی طرح کا ایک قصہ ماریہ قبطیہ کے متعلق (جو آپ کے حرم سے تھی جن کے بطن سے صاحبزادے ابراہیم تولد ہوئے) پیش آیا، اُس میں آپ نے ازواج کی خاطر قسم کھالی کہ ماریہ کے پاس نہ جاؤں گا یہ بات آپ نے حضرت حفصہؓ کے سامنے کہی تھی اور تاکید کر دی تھی کہ دوسروں کے سامنے اظہار نہ ہو حضرت حفصہؓ نے ان واقعات کی اطلاع چپکے سے حضرت عائشہؓ کو کر دی اور یہ بھی کہہ دیا کہ اور کسی سے نہ کہنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلع فرما دیا آپ نے حضرت حفصہ کو جتلایا کہ تم نے فلاں بات کی اطلاع عائشہ کو کر دی حالانکہ منع کر دیا تھا، وہ متعجب ہو کر کہنے لگیں کہ آپ سے کس نے کہا، شاید عائشہؓ کی طرف خیال گیا ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ'' یعنی حق تعالیٰ نے مجھے اطلاع دی ان ہی واقعات کے سلسلہ میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ (تفسیر عثمانی)

سببِ نزول: ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن رافع نے فرمایا میں نے ام المومنین حضرت ام سلمہ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا، ام المومنین نے فرمایا میرے پاس سفید شہد کی ایک کپی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شہد کو پسند فرماتے تھے اور اس میں سے کچھ نوش فرمایا کرتے تھے، عائشہ نے کہا اس شہد کی مکھیاں تو عرفط کو چوستی ہیں یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم والا نے اس شہد کو اپنے لئے حرام قرار دے لیا اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ کذا اخرج الطبرانی سدی کی تفسیر میں اس روایت کو مرفوع کہا گیا ہے۔

حضرت ماریہؓ کا واقعہ:

اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ آیت مذکورہ کا نزول حضرت ماریہؓ کے سلسلے میں ہوا تھا جس کی تفصیل میں بغوی نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیبیوں کی باریاں بانٹ دیا کرتے تھے (ایک بار) جب حضرت حفصہؓ کی باری تھی تو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے مائکے جانے اور اپنے والد کو دیکھنے کی اجازت کی درخواست کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی حضرت حفصہؓ جب چلی گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی باندی حضرت ماریہ قبطیہ کو حضرت حفصہؓ کے گھر میں ہی طلب فرمایا، ماریہ آ گئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے قربت کی، حضرت

حفصہؓ لوٹ کر آئیں تو دروازہ بند پایا دروازہ کے پاس ہی بیٹھ گئیں کچھ دیر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہوئے اس وقت آپ کی پیشانی سے پسینہ ٹپک رہا تھا، حضرت حفصہ بیٹھی رو رہی تھیں، فرمایا کیوں رو رہی ہو، حضرت حفصہ نے جواب دیا آپ نے اسی غرض سے مجھے اجازت دی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر میں اپنی باندی کو بلایا اور میری باری کے دن میرے بستر پر اس سے قربت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا اتنا پاس لحاظ بھی نہیں کیا جتنا دوسری کسی بی بی کا کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا وہ میری باندی نہیں ہے جو اللہ نے میرے لئے حلال کر دی ہے (خیر) اب تم خاموش ہو جاؤ تمہاری خوشنودی کی خاطر میں نے اس کو اپنے اوپر حرام کر لیا، کسی بی بی کو اس کی اطلاع نہ دینا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے جونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہو گئے حضرت حفصہؓ نے وہ دیوار کھٹکھٹائی جو اُن کے اور حضرت عائشہؓ کے مکان کے درمیان تھی اور حضرت عائشہؓ سے کہا میں تم کو ایک خوش خبری سناتی ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی باندی ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا اب ہم کو اللہ نے اس کی طرف سے سکھ دے دیا حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ باہم گہری دوست تھیں اور دوسری بیبیوں کے مقابلہ میں آپس میں ایک دوسری کی مددگار اسی لیے حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ سے ساری سرگذشت بیان کر دی، یہ آیت سن کر حضرت عائشہؓ کو غصہ آ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عہد پر اس وقت تک قائم رہے جب تک یہ آیت نازل ہوئی۔

بزار نے صحیح سند سے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ آیت یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ ایک باندی کے متعلق نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ
تو کیوں حرام کرتا ہے جو حلال کیا اللہ نے تجھ پر
تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ
چاہتا ہے تو رضا مندی اپنی عورتوں کی ☆

تنبیہ: حلال کو اپنے اُوپر حرام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کو عقیدۂ حلال و مباح سمجھتے ہوئے عہد کر لیا تھا کہ آئندہ اسکو استعمال نہ کروں گا ایسا کرنا اگر کسی مصلحت صحیحہ کی بناء پر ہو تو شرعاً جائز ہے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رفیع کے مناسب نہ تھا کہ بعض ازواج کی خوشنودی کیلئے اس طرح کا اسوہ قائم کریں جو آئندہ امت کے حق میں تنگی کا موجب ہو اس لئے حق تعالیٰ نے متنبہ فرما دیا کہ ازواج کے ساتھ بیشک خوش اخلاقی برتنے کی ضرورت ہے مگر اس حد تک ضرورت نہیں کہ ان کی وجہ سے ایک حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کر کے تکلیف اٹھائیں۔ (تفسیر عثمانی)

حلال کو حرام سمجھنے کا مسئلہ:

خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی حلال قطعی کو عقیدۂ حرام قرار دے تو یہ کفر اور گناہِ عظیم ہے اور اگر عقیدۂ حرام نہ سمجھے مگر بلا کسی ضرورت و مصلحت کے قسم کھا کر اپنے اوپر حرام کر لے تو یہ گناہ ہے اس قسم کو توڑنا اور کفارہ ادا کرنا اس پر واجب ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے اور کوئی ضرورت و مصلحت ہو تو جائز، مگر خلاف اولیٰ ہے اور تیسری صورت یہ ہے کہ نہ عقیدۂ حرام سمجھے نہ قسم کھا کر اپنے اوپر حرام کرے مگر عملاً اس کو ہمیشہ ترک کرنے کا دل میں عزم کر لے یہ عزم اگر اس نیت سے کرے کہ اس کا دائمی ترک باعثِ ثواب ہے تب تو یہ بدعت اور رہبانیت ہے جو شرعاً گناہ اور مذموم ہے اور اگر ترک دائمی کو ثواب سمجھ کر نہیں بلکہ اپنے کسی جسمانی یا روحانی مرض کے علاج کے طور پر کرتا ہے تو بلا کراہت جائز ہے بعض صوفیائے کرام سے جو ترک لذائذ کی حکایتیں منقول ہیں وہ اسی صورت پر محمول ہیں۔

واقعہ مذکورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھالی تھی نزول آیت کے بعد اس قسم کو توڑا، اور کفارہ ادا فرمایا جیسا کہ درمنثور کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلام کفارہ قسم میں آزاد کیا۔ (از بیان القرآن)

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ①
اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان ☆

کہ گناہ کو معاف کر دیتا ہے۔ اور آپ سے تو کوئی گناہ بھی نہیں ہوا۔ محض اپنے درجہ میں ایک خلاف اولیٰ بات ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ، یعنی آپ سے یہ لغزش ہوگئی کہ اللہ نے جس چیز کو آپ کیلئے حلال بنایا تھا آپ نے اس کو قسم کھا کر اپنے لیے حرام کر لیا اللہ آپ کی اس لغزش کو معاف کرنے والا ہے۔ رَّحِیْمٌ، یعنی اللہ نے آپ پر اپنی رحمت کی کہ خود ساختہ تحریم سے نکلنے کا راستہ اس نے آپ کے لیے بنا دیا اور آپ سے مواخذہ نہیں کیا اور آپ کو ناجائز امر سے بچانے کیلئے اظہار ناگواری کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَیْمَانِكُمْ
مقرر کر دیا ہے اللہ نے تمہارے لئے کھول ڈالنا تمہاری قسموں کا
وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ②
اور اللہ مالک ہے تمہارا اور وہی ہے سب کچھ جانتا حکمت والا ☆

کفارہ کا قانون:

یعنی اس مالک نے اپنے علم و حکمت سے تمہارے لیے مناسب احکام

وہدایات بھیجے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نامناسب چیز پر قسم کھالے تو کفارہ دیکر (جس کا ذکر سورہ "مائدہ" میں آچکا) اپنی قسم کھول سکتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "اب جو کوئی اپنے مال کو کہے یہ مجھ پر حرام ہے تو قسم ہوگئی کفارہ دے تو اس کو کام میں لائے کھانا ہو یا کپڑا یا لونڈی" وہذا ماعلیہ الحنفیہ۔ (تفسیر عثمانی)

قَدْ فَرَضَ ،یعنی اللہ نے قانون بنادیا (شروع کردیا)

تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ،یعنی جن حلال امور کو قسم کھا کر تم اپنے اوپر حرام کر لیتے ہو اُن کو حلال بنانے کا طریقہ یا قسم کی گرہ کھول دینے کا قانون یا یہ مطلب ہے کہ جب تم اپنی قسم کو توڑنا چاہو تو اللہ نے اس کا کفارہ ادا کرنا تم پر واجب کردیا ہے کفارہ اس چیز کو کہتے ہیں جس کو کرنے سے قسم کی گرہ کھل جائے، یعنی قسم شکنی کا گناہ دور ہو جاتا ہے۔ مَوْلٰىكُمْ ،یعنی تمہارا کارساز اور مددگار ہے وَهُوَ الْعَلِيْمُ وہی تمہارے مصالح سے واقف ہے جن باتوں سے تمہاری اصلاح ہو، اُن کو وہی جانتا ہے

الْحَكِيْمُ ،اپنے احکام وافعال میں استحکام کرنے والا ہے (اور اس کا ہر حکم پُر حکمت ہے)

مسئلہ: اگر کسی شخص نے کہا میں نے اپنی باندی اپنے اوپر حرام کرلی یا کہا میں نے اپنا یہ کھانا اپنے اوپر حرام کرلیا، یا یوں کہا کہ ایسا کھانا میں نے اپنے اوپر حرام کرلیا تو امام ابوحنیفہ اور امام احمد اور امام اوزاعی کے نزدیک یہ قسم ہو جائے گی (اگر لفظ قسم موجود نہیں ہے صرف تحلیل حرام ہے) حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عائشہؓ کا قول بھی یہی مروی ہے۔

اس قول کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے پہلے فرمایا لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ (یعنی رسول اللہ کے قول کو صرف تحریم حلال سے تعبیر کیا، پھر فرمایا قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ (یعنی) تحریم حلال کو یمین (قسم) قرار دیا اور کفارہ قسم کا قانون مقرر کردیا بغوی نے سعید بن جبیر کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا (حلال کو) حرام بنالینے کا کفارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیتے تھے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (تفسیر مظہری)

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ

اور جب چھپا کر کہی نبی نے اپنی کسی عورت سے

حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ

ایک بات پھر جب اُس نے خبر کردی اُس کی اور اللہ نے جتلا دی نبی کو

عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا

وہ بات تو جتلائی نبی نے اُس میں سے کچھ اور ٹلا دی کچھ پھر جب

نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ

وہ جتلائی عورت کو بولی تجھ کو کس نے بتلا دی یہ

قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ③

کہا مجھ کو بتایا اُس خبر والے واقف نے ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حسنِ معاشرت:

شروع سورت میں ہم شہد کا اور ماریہ قبطیہ کا قصہ لکھ چکے ہیں۔ اس آیت میں بتلا دیا کہ بندے ایک بات کو چھپانے کے کتنی ہی کوشش کریں اللہ جب ظاہر کرنا چاہے تو ہرگز مخفی نہیں رہ سکتی نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن معاشرت اور وسعت اخلاق کا اس سے ثبوت ملتا ہے کہ آپ خلاف طبع کارروائیوں پر کس قدر تساہل اور اغماض برتتے اور کس طرح از راہ عفو کرم بعض باتوں کو ٹلا جاتے تھے گویا شکایت کے موقع پر بھی پورا الزام نہ دیتے تھے "موضح القرآن" میں ہے کہ بعض کہتے ہیں "اس حرم (ماریہ قبطیہ کا موقوف کرنا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے کہا اور کسی کو خبر کرنے سے منع کیا۔ اور اس کے ساتھ کچھ اور بات بھی کہی تھی اور انہوں نے حضرت عائشہ کو سب خبر کردی کیونکہ دونوں باتوں میں دونوں کا مطلب تھا۔ پھر وحی سے معلوم کرکے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی حفصہ کو حرم کی بات کا الزام دیا اور دوسری بات ذکر میں نہ لائے وہ دوسری بات کیا تھی؟ شاید یہ تھی کہ تیرا باپ عائشہ کے باپ کے بعد خلیفہ ہوگا۔ الغیب عند اللہ جو بات اللہ اور رسول نے ٹلا دی ہم کیا جانیں۔ اسی واسطے ٹلا دی کہ بے ضرورت چرچا نہ ہوتا اور لوگ برا نہ مانتے یہ مضمون خلافت کا بعض ضعیف روایات میں آیا ہے جسے بعض علماء شیعہ نے بھی تسلیم کیا۔

خلافت کا مسئلہ:

سعد بن جبیر کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کو خلافت کے متعلق آگاہ کردیا تھا) اسرار سے مراد ہے، خلافت کی بات کو چھپائے رکھنا۔

کلبی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے فرمایا تھا میرے بعد تمہارے باپ اور عائشہؓ کے باپ (باری باری) سے میرے جانشین ہوں گے واحدی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے خلیفہ ہونے کا ذکر کتاب اللہ میں موجود ہے، اللہ نے فرمایا ہے وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا حضور والا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے فرمایا تھا کہ تمہارے باپ اور عائشہؓ کے باپ میرے بعد لوگوں کے ولی (امیر) ہوں گے مگر تم اس کی اطلاع کسی کو نہ دینا یہ حدیث دوسروں طریقوں سے بھی آئی ہے، علی، میمون بن مہران، حبیب بن

ثابت، ضحاک اور مجاہد کی روایت بھی اسی طرح ہیں میمون بن مہران کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چپکے سے فرمایا تھا میرے جانشین ابوبکر ہوں گے، واللہ اعلم۔

فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهٖ یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہؓ کو وہ خبر بتائی جس سے اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو واقف کیا تھا یعنی اس بات کی اطلاع دے دی کہ حفصہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز ظاہر کردیا۔

قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَكَ هٰذَا تو حفصہؓ نے کہا آپ کو اس بات کی خبر کس نے دی کہ میں نے آپ کا راز فاش کردیا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے اس کی اطلاع اس اللہ نے دی جو علیم و خبیر ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ
اگر تم دونوں توبہ کرتی ہو تو
صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا
جھک پڑے ہیں دل تمہارے ☆

حضرت عائشہؓ و حفصہؓ سے خطاب:

یہ عائشہ و حفصہ کو خطاب ہے کہ اگر تم توبہ کرتی ہو تو بیشک توبہ کا موقع ہے کیونکہ تمہارے دل جادہ اعتدال سے ہٹ کر ایک طرف کو جھک گئے ہیں لہٰذا آئندہ ایسی بے اعتدالیوں سے پرہیز رکھا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو خطاب ہے شروع سورۃ میں عبید بن عمیر کو جو روایت حضرت عائشہؓ سے آئی ہے اور اس روایت کو بخاری اور مسلم نے ذکر کیا ہے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ خطاب حضرت حفصہ کو ہے۔

فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا تم دونوں کے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں ایک طرف کو جھک گئے ہیں راہ حق پر قائم نہیں رہے کیونکہ تم نے اس بات کو پسند کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند تھی آپ نے ماریہ کو اپنے لیے حرام کرنا چاہتے تھے نہ اپنے راز کا افشاء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا اور تم کو یہ دونوں باتیں پسند تھیں۔

حالانکہ ہر شخص پر واجب ہے کہ جس بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پسند کریں وہ بھی اس بات کو پسند کرے اور جس بات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نفرت ہو اس بات سے اس کو بھی نفرت ہو۔

واقعہ ایلاء اور آیت تخییر کے نزول کی مکمل تفصیل:

بخاری وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مجھے حضرت عمرؓ سے یہ بات دریافت کرنے کی بڑی خواہش تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ دو بیویاں کونسی تھیں جن کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا (مگر موقع نہیں ملتا تھا)

ایک بار جب حضرت عمرؓ حج کو گئے اور میں بھی آپ کے ساتھ حج کو گیا اور (راستہ میں قضائے حاجت کی ضرورت ہوئی اور) آپ ایک طرف کو مڑ گئے میں بھی لوٹا لیے (راستہ چھوڑ کر) آپ کے ساتھ ایک طرف کو مڑ گیا آپ ضرورت پوری کر کے واپس آئے تو میں نے ہاتھوں پر پانی ڈالا اور اس وقت کہا، "امیر المؤمنین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ دو بیویاں کونسی تھیں جن کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔" اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا "۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا "ابن عمر تیرے اوپر تعجب ہے وہ دونوں عائشہ اور حفصہ تھیں۔" پھر حضرت عمرؓ نے پوری سرگزشت بیان کی اور فرمایا: "میں اور بنی امیہ بن زید کے قبیلہ کا ایک انصاری جو عوالی مدینہ کا رہنے والا تھا باہم طے کر چکے تھے کہ باری باری ہم دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہا کریں گے ایک دن میں ایک دن وہ، میری باری کے دن جو وحی نازل ہو یا کوئی دوسرا واقعہ ہو اس کی اطلاع میں اس انصاری کو کر دوں اور اس کی باری کے دن جو کچھ ہو وہ مجھ سے آ کر بیان کر دے۔

ہمارا قریش کا گروہ اپنی عورتوں پر غالب رہتا تھا لیکن جب ہم مدینہ میں آئے تو ہم نے ایسے لوگ پائے جن کی عورتیں ان پر غالب تھیں ہماری عورتیں بھی انصاری عورتوں کی خو خصلت سیکھنے لگیں۔

ایک روز میں اپنی عورت پر چلایا اس نے بھی ویسا ہی (چلا کر) جواب دیا مجھے اس کا جواب دینا غیر معمولی معلوم ہوا، اُس نے کہا:

"آپ کو میرا جواب دینا کیوں ناگوار گزرا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتی ہیں بلکہ بعض عورتیں تو آج دن بھر شام تک حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چھوڑے رہی ہیں۔" (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام بھی نہیں کیا)

میں یہ بات سن کر گھبرا گیا، اور میں نے کہا نامراد رہے گی جو ایسا کرے گی، اس کے بعد میں نے کپڑے پہنے اور جا کر حفصہ کے پاس اُترا اور پوچھا: "کیا تم میں سے کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی ناراض ہوتی ہے کہ دن بھر شام تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑے رکھتی ہے؟" حفصہ نے کہا "ہاں" میں نے کہا، تو ناکام و نامراد ہو گی (اگر تو نے ایسی حرکت کی) کیا تجھے ڈر نہیں لگتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی سے اللہ ناراض ہو جائے گا پھر تو تباہ ہو جائے گی (خبردار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ (مصارف) طلب نہ کرنا اور کسی معاملے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب نہ دینا اور آپ کو چھوڑے نہ رہنا (یعنی ترک کلام نہ کرنا) اور جو کچھ تجھے ضرورت ہو مجھ سے مانگ لینا، اور تجھے اس بات پر رشک نہ ہونا چاہئے کہ تیری ہمسائی تجھ سے زیادہ چکیلی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھ سے زیادہ پیاری ہے یعنی حضرت عائشہؓ۔

حضرت عمر نے فرمایا اس زمانہ میں ہم باہم تذکرہ کرتے تھے کہ غسانیوں نے ہم سے لڑنے کے لیے اپنے گھوڑوں کی نعل بندی کرائی ہے ایک روز انصاری (دوست) اپنی باری کے دن (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا اور) عشاء کے وقت ہمارے پاس لوٹ آیا اور آتے ہی میرا دروازہ زور زور سے پیٹ ڈالا اور پوچھا کیا عمر ہے میں گھبرا کر فوراً باہر نکلا انصاری نے کہا آج ایک عظیم حادثہ ہوگیا میں نے کہا کیا ہوا کیا غسان (شاہ شام) آ گیا بولا اس سے بھی بڑا لمبا حادثہ ہوگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیبیوں کو طلاق دے دی میں نے کہا حفصہ ناکام و نامراد ہوگئی، میرا تو پہلے ہی خیال تھا کہ عنقریب (شاید) ایسا ہوگا اس کے بعد میں نے کپڑے پہنے اور جا کر فجر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بالاخانے پر تشریف لے گئے اور وہاں سب سے کنارہ کش ہوگئے اور میں حفصہ کے پاس گیا وہ رو رہی تھی میں نے کہا اب کیوں روتی ہے کیا میں نے تجھے پہلے ہی نہیں ڈرا دیا تھا کیا تم عورتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی بولی مجھے نہیں معلوم کیا وجہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے الگ بالاخانے پر گوشہ نشین ہوگئے ہیں میں حفصہ کے پاس سے نکل کر (مسجد کے) منبر کے پاس پہنچا، اس وقت منبر کے آس پاس کچھ لوگ بیٹھے رو رہے تھے میں بھی ان کے پاس تھوڑی دیر کیلئے بیٹھ گیا لیکن اندرونی غم کی وجہ سے مجھ سے وہاں زیادہ رکا نہ گیا، فوراً بالاخانے کی طرف آیا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گوشہ گیر تھے، میں نے غلام سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر کیلئے اجازت کی درخواست کرو غلام اندر گیا، اور پھر واپس آ کر غلام نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی تھی اور تمہارا تذکرہ کر دیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے مجبوراً میں واپس آ کر پھر منبر کے پاس ان لوگوں کے قریب بیٹھ گیا جو وہاں موجود تھے لیکن زیادہ دیر رُکا نہ گیا پھر جا کر اسی غلام سے کہا میرے لئے داخلہ کی استدعا کرو اس نے اندر جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کلام کیا اور کچھ دیر کے بعد واپس آ گیا اور بولا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہارے داخلہ کی اجازت کی درخواست کی تھی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے میں (مایوس ہو کر) لوٹ آیا اور انہی لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا جو منبر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے لیکن کچھ ہی دیر کے بعد اندرونی احساس کے غلبہ کی وجہ سے اٹھا اور غلام سے جا کر کہا عمر کیلئے اجازت کی درخواست کرو، غلام اندر گیا اور کچھ دیر کے بعد لوٹ کر آیا اور کہا میں نے تمہارا ذکر کیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے میں نے واپسی کیلئے پشت پھیری ہی تھی کہ اس غلام نے مجھے پکار کر کہا رسول اللہ نے تم کو داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ یہ بات سن کر میں اندر چلا گیا میں نے دیکھا حضور ننگی چٹائی پر استراحت فرما ہیں جس کی وجہ سے پہلو پر چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں اور سر کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ ہے جس میں درخت کھجور کے ریشے بھرے ہوئے ہیں میں نے سلام کیا اور کھڑے کھڑے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیبیوں کو طلاق دے دی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف نظر اٹھائی اور فرمایا نہیں، اللہ اکبر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی جھجک کو دور کرنے کیلئے میں نے کھڑے کھڑے ہی عرض کیا دیکھیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا قریش کا جتھا پہلے اپنی عورتوں پر غالب تھا لیکن مدینہ آنے کے بعد ہم نے ایسے لوگ پائے جن کی عورتیں ان پر غالب ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات سن کر مسکرا دیئے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ملاحظہ فرمایئے میں حفصہ کے پاس گیا تھا اور میں نے اس سے کہہ دیا کہ تجھے اس بات پر رشک نہ ہونا چاہئے کہ تیری ہمسائی تجھ سے زیادہ چمکیلی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات سن کر دوبارہ مسکرا دیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسکراتے دیکھ کر میں بیٹھ گیا اور نظر اٹھا کر گھر کے اندر کی چیزوں کو دیکھا، خدا کی قسم تین کچے چمڑوں کے علاوہ میں نے کوئی چیز قابل دید نہیں پائی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اللہ سے دُعا کیجئے کہ آپ کی امت کو فراخ حالی حاصل ہو جائے روم اور فارس کو اللہ نے فراخ حال کیا ہے اور اُن کو دنیا عطا کی ہے باوجود یہ کہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تکیہ لگائے ہوئے تھے میری بات سنتے ہی بیٹھ گئے اور فرمایا ابن خطاب کیا تم اس خیال میں ہو ان لوگوں کو تو اللہ نے ان کی عمدہ (دل پسند) چیزیں دنیا میں دیدیں (آخرت میں اُن کا کوئی حصہ نہیں)، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ میرے لیے دُعاء مغفرت فرمایئے بس یہی بات تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیبیوں سے الگ ہو کر گوشہ نشین ہوگئے تھے کیوں کہ حفصہ نے عائشہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راز کہہ دیا تھا۔

اللہ نے اپنے رسول پر عتاب کیا تھا اس لیے حضور اپنی بیبیوں سے سخت ناراض تھے اور عہد کیا تھا کہ میں ایک ماہ تک ان کے پاس نہیں جاؤں گا چنانچہ جب انتیس راتیں گذر گئیں تو سب سے پہلے عائشہؓ کے گھر تشریف لے گئے عائشہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو قسم کھائی تھی کہ ایک مہینہ تک آپ ہمارے (یعنی کسی بی بی) کے پاس تشریف نہیں لائیں گے لیکن آج تو انتیس کے بعد کی صبح ہے میں برابر گن رہی ہوں فرمایا مہینہ انتیس کا (بھی ہوتا) ہے واقعی وہ مہینہ انتیس (کا ہوا) تھا حضرت عائشہ کا بیان ہے اس کے بعد آیت تخییر نازل ہوئی، نزول آیت کے بعد سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے (اور مجھے نکاح میں باقی رہنے یا آزاد ہو جانے کا اختیار دیا، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم (کے ساتھ رہنے) کو اختیار کیا پھر دوسری بیبیوں کو یہ ہی اختیار دیا اور سب نے اسی بات کو اختیار کیا جو عائشہؓ نے

اختیار کی تھی (یعنی کیسا ہی فقر و فاقہ ہو کسی بی بی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہونے کو پسند نہیں کیا) بخاری کی روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا، میں تجھ سے ایک بات کہتا ہوں بغیر ماں باپ کے مشورے کے فوری عجلت میں اس کا جواب دینا تیرے لئے لازم نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ میرے والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہونے کا مجھے مشورہ نہیں دیں گے، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ نے ارشاد فرمایا ہے يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ (دونوں آیات کے ختم تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت فرمائی) میں نے عرض کیا کیا اس معاملہ میں میں والدین سے مشورہ کروں (اس کی کوئی ضرورت نہیں) میں اللہ کو اور اس کے رسول کو اور دارِ آخرت (کی بھلائی) کو چاہتی ہوں یہ حدیث بتا رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ایک ماہ تک اپنی بیبیوں سے کنارہ کش رہے اس کا سبب وہی افشاء راز تھا، حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز کہہ دیا تھا۔

لیکن مسلم نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ داخلہ کی اجازت مانگنے کیلئے آئے آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر بیٹھے ہوئے ہیں اور اجازت داخلہ کے امیدوار ہیں لیکن کسی کو اجازت نہیں دی گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو اجازت دے دی، آپ اندر چلے گئے کچھ دیر کے بعد حضرت عمرؓ آئے اور اجازتِ داخلہ کے خواستگار ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی اجازت دے دی حضرت عمرؓ اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غمگین خاموش بیٹھے ہیں، حضرت عمرؓ نے (اپنے دل میں) کہا میں کوئی ایسی بات کہوں جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آجائے چنانچہ کہنے لگے یا رسول اللہ اگر خارجہ کی بیٹی (یعنی میری بیوی) مجھ سے زیادتی خرچ کی طلب گار ہو تو میں اس کی گردن توڑ دوں گا یہ بات سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے اور فرمایا تم دیکھ رہے ہو کہ یہ عورتیں میرے گرد اگرد جمع ہیں اور مجھ سے زیادتِ مصارف کی طلب گار ہیں یہ سنتے ہی حضرت ابوبکرؓ اٹھ کر حضرت عائشہؓ کی طرف بڑھے تاکہ ان کی گردن مروڑ دیں اور حضرت عمرؓ بھی حضرت حفصہؓ کی طرف بڑھے اور دونوں حضرات نے (اپنی اپنی بیٹیوں سے کہہ دیا کہ ہرگز کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چیز کی طلب گار نہ ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ ہو، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیبیوں سے ایک ماہ یعنی انتیس رات تک کنارہ کش رہے پھر آیت تخییر نازل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور آیت تخییر کی تلاوت اُن کے سامنے کی)

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے یہ ہوسکتا ہے کہ ان تمام واقعات کا مجموعہ بیبیوں سے کنارہ کش ہونے کا سبب ہو، شہد کا قصہ، حضرت ماریہؓ کا واقعہ، حضرت حفصہ کا حضرت عائشہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کا اظہار، بیبیوں کی طرف سے وسعتِ نفقہ کی درخواست، حضرت زینب کی طرف سے تین بار ہدیہ کا واپس کرنا اور ہر مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہدیہ میں اضافہ کرنا جیسا کہ ابن سعد نے بطریق عمرہ بیان کیا ہے یہ تمام واقعات آگے پیچھے ہوتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ضبط کرتے رہے اور درگذر فرماتے رہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم اخلاق اور بلندی حوصلہ کا یہی تقاضہ تھا کہ جب یہ واقعات پیہم ہوتے رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے کنارہ کشی کر لی (مگر طلاق پھر بھی نہیں دی) اور پھر راضی ہو گئے۔ (تفسیر مظہری)

وَإِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ

اور اگر تم دونوں چڑھائی کرو گی اُس پر تو اللہ ہے اُس کا

مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ

رفیق اور جبرئیل اور نیک بخت ایمان والے

وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ﴿۴﴾

اور فرشتے اس کے پیچھے مددگار ہیں ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہے:

زوجین کے خانگی معاملات بعض اوقات ابتداً بہت معمولی اور حقیر نظر آتے ہیں لیکن اگر ذرا باگ ڈھیلی چھوڑ دی جائے تو آخر کار نہایت خطرناک اور تباہ کن صورت اختیار کر لیتے ہیں خصوصاً عورت اگر کسی اونچے گھرانے سے تعلق رکھتی ہو تو اس کو طبعاً اپنے باپ بھائی اور خاندان پر بھی گھمنڈ ہو سکتا ہے اس لیے متنبہ فرما دیا کہ دیکھو اگر تم دونوں اسی طرح کی کارروائیاں اور مظاہرے کرتی رہیں تو یاد رکھو ان سے پیغمبر کو کچھ ضرر نہیں پہنچے گا کیونکہ اللہ اور فرشتے اور نیک بخت ایماندار درجہ بدرجہ جس کے رفیق و مددگار ہوں اس کے سامنے کوئی انسانی تدبیر کامیاب نہیں ہو سکتی ہاں تم کو نقصان پہنچ جانے کا امکان ہے (تنبیہ) بعض سلف نے ''صالح المومنین'' کی تفسیر میں ابوبکرؓ و عمرؓ کا نام لیا ہے شاید یہ عائشہؓ اور حفصہؓ کی مناسبت سے ہوگا واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما:

حضرت ابن مسعود اور حضرت ابی بن کعب کا قول مروی ہے کہ صالح المؤمنین ابوبکر و عمر ہیں، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابوامامہ نے اس قول کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی کی ہے۔ ابن عمر، ابن عباس اور سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ یہ آیت ابوبکر اور عمر کے حق میں نازل ہوئی۔

ملائکہ وصالحین کی عزت افزائی:

مدد تو صرف اللہ ہی کی کافی ہے وہی تنہا مددگار اور ناصر ہے لیکن جبرئیل اور مؤمنین صالحین اور ملائکہ کا ذکر ان سب کی عزت افزائی اور عظمت ظاہر کرنے کیلئے کیا گیا۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ یعنی اللہ کی جبرئیل کی اور مؤمنین صالحین کی مدد کے بعد ملائکہ بھی اپنی پوری کثرت کے ساتھ مددگار ہیں آیت میں تینوں کی ترتیب ثابت کررہی ہے کہ جبرئیل جو خواص ملائکہ میں سے ہیں عام انسانوں سے یعنی صالح مؤمنوں سے افضل ہیں اور عام انسان صالح مؤمن عام ملائکہ سے افضل ہیں۔

آیت ذیل کا شانِ نزول:

بخاری نے حضرت عمرؓ کی روایت حدیث میں بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا یا رسول اللہ عورتوں کے معاملہ میں آپ کیلئے کیا دشواری ہے اگر آپ اُن کو طلاق دیدیں گے تو (آپ کا کچھ نقصان نہ ہوگا کیوں کہ) اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اور فرشتے اور جبرئیل ومیکائیل اور ابوبکر اور مؤمن بھی آپ کے ساتھ ہیں اللہ کا شکر ہے کہ میں نے جب کوئی بات کہی تو اللہ سے مجھے امید رہی کہ وہ میری بات کو سچا کردے گا چنانچہ میرے اس کلام کے بعد آیت ذیل نازل ہوئی۔

عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ

اگر نبی چھوڑ دے تم سب کو ابھی اُس کا رب بدلے میں دے دے

اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ

اُس کو عورتیں تم سے بہتر حکم دار یقین رکھنے والیاں

قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا۝

نماز میں کھڑی ہونے والیاں توبہ کرنے والیاں، بندگی بجالانے والیاں، روزہ رکھنے والیاں بیاہیاں اور کنواریاں ☆۵

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کمی نہیں ہے:

یعنی یہ وسوسہ دل میں نہ لانا کہ آخر تو مرد کو بیبیوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم سے بہتر عورتیں کہاں ہیں اس لیے ناگزیر ہماری سب باتیں سہی جائیں گی۔ یاد رکھو اللہ چاہے تو تم سے بھی بہتر بیبیاں اپنے نبی کے لیے پیدا کردیں اس کے ہاں کس چیز کی کمی ہے (تنبیہ) ثیبات (بیواؤں) کا ذکر شاید اس لیے کیا کہ بعض حیثیات سے آدمی ان کو ابکار پر ترجیح دیتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مُسْلِمٰتٍ اللہ کی فرماں بردار۔

مُّؤْمِنٰتٍ پیغمبروں کی تصدیق کرنے والیاں

قٰنِتٰتٍ طاعت کی پابند یا نماز پڑھنے والیاں یا دُعاء کرنے والیاں، یا اللہ کے رسول کے حکم کی طرف لوٹنے والیاں۔

عٰبِدٰتٍ اللہ کی عبادت کرنے والیاں یا حکم رسول کے سامنے انتہائی عاجزی کا اظہار کرنے والیاں۔

سٰٓئِحٰتٍ روزے رکھنے والیاں (عموماً) سیاح کے پاس سیاحت میں کھانے پینے کا سامان نہیں ہوتا، کوئی دوسرا شخص (مفت یا مول) اس کو کچھ دیدے تو کھا پی لیتا ہے روزہ دار بھی دن بھر کھانے پینے سے افطار تک رُکا رہتا ہے (گویا سیاح اور صائم دونوں وقت خاص تک کھانے پینے سے رُکے رہتے ہیں ایک میسر ہونے کے وقت تک اور دوسرا وقت افطار تک) اسی لیے روزہ دار کو سائح کہا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت آسیہ اور حضرت مریم سے نکاح کی بشارت:

معجم طبرانی میں ابن یزید اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے اس آیت میں جو وعدہ فرمایا ہے اس سے مراد بیوہ سے تو حضرت آسیہؓ ہیں جو فرعون کی بیوی تھیں اور کنواری سے مراد حضرت مریم ہیں جو حضرت عمران کی بیٹی تھیں ابن عساکر میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اس وقت حضرت خدیجہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا اللہ تعالیٰ (حضرت) خدیجہ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ انہیں خوشی ہو جنت کی ایک چاندی کے گھر کی جہاں نہ گرمی ہے نہ تکلیف ہے نہ شور وغل جو چھدے ہوئے موتی کا بنا ہوا ہے جس کے دائیں بائیں مریم بنت عمرانؓ اور آسیہ بنت مزاحم کے مکانات ہیں اور روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے خدیجہ اپنی سوکنوں سے میرا اسلام کہنا حضرت خدیجہؓ نے کہا یا رسول اللہ کیا مجھ سے پہلے بھی آپ نے کسی سے نکاح کیا تھا؟ آپ نے فرمایا نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے مریم بنت عمران اور آسیہ زوجۂ فرعون اور کلثم بہن موسیٰ کی یہ تینوں میرے نکاح میں دے رکھی ہیں یہ حدیث بھی ضعیف ہے حضرت امامہ سے ابویعلیٰ میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا جانتے ہو اللہ تعالیٰ نے جنت میں میرا نکاح مریم بنت عمران کلثم اخت موسیٰ اور آسیہ زوجۂ فرعون سے کردیا ہے میں نے کہا یا رسول اللہ آپ کو مبارک ہو، یہ حدیث بھی ضعیف ہے اور ساتھ ہی مرسل بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ

اے ایمان والو بچاؤ اپنی جان کو

وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ

اور اپنے گھر والوں کو اُس آگ سے جس کی چھپٹیاں ہیں آدمی اور پتھر ☆

گھر والوں کی اصلاح کی ذمہ داری:

ہر مسلمان کو لازم ہے کہ اپنے ساتھ اپنے گھر والوں کو بھی دین کی راہ پر

لائے سمجھا کر ڈرا کر، پیار سے مار سے، جس طرح ہو سکے دیندار بنانے کی کوشش کرے۔ اس پر بھی اگر وہ راہ راست پر نہ آئیں تو ان کی کمبختی' یہ بے قصور ہے' "وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ" کی تفسیر پارہ "الٓمٓ" کے شروع میں گزر چکی ہے۔ (تفسیر عثانی)

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اپنی جانوں کو بچاؤ یعنی فرائض ادا کرو اور گناہوں کو چھوڑ دو۔

وَاَهْلِيْكُمْ اور اپنے اہل وعیال کو بھی بچاؤ یعنی اُن کو (اسلامی) تعلیم دو اور (اسلامی) آداب سکھاؤ، اچھے کام کرنے کا حکم دو اور جن کاموں کی ممانعت کر دی گئی ہے اُن سے روکو۔

وَقُوْدُهَا یعنی اس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جس طرح معمولی آگ لکڑی سے بھڑکتی ہے اسی طرح وہ (دوزخ کی) آگ (دوزخی) آدمیوں سے اور پتھروں سے بھڑکے گی۔ (تفسیر مظہری)

بیوی اور اولاد کی تعلیم وتربیت ہر مسلمان پر فرض ہے:

حضرات فقہاء نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہر شخص پر فرض ہے کہ اپنی بیوی اور اولاد کو فرائض شرعیہ اور حلال وحرام کے احکام کی تعلیم دے اور اُس پر عمل کرانے کیلئے کوشش کرے، ایک حدیث حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس شخص پر اپنی رحمت نازل کرے جو کہتا ہے کہ اے میرے بیوی بچو، تمہاری نماز، تمہارا روزہ، تمہاری زکوٰۃ، تمہارا مسکین، تمہارا یتیم، تمہارے پڑوسی، اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اس کے ساتھ جنت میں جمع فرمائیں گے تمہاری نماز، تمہارا روزہ وغیرہ فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کا خیال رکھو اس میں غفلت نہ ہونے پائے اور مسکینکم یتیمکم وغیرہ فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے جو حقوق تمہارے ذمہ ہیں ان کو خوشی اور پابندی سے ادا کرو اور بعض بزرگوں نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب میں وہ شخص ہوگا جس کے اہل وعیال دین سے جاہل و غافل ہوں (روح) (معارف القرآن مفتی اعظم)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں ارشاد خداوندی ہے کہ اپنے گھرانے کے لوگوں کو علم وادب سکھاؤ، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اللہ کے فرمان بجالاؤ اس کی نافرمانیاں مت کرو اپنے گھرانے کے لوگوں کو ذکر اللہ کی تاکید کرو تا کہ اللہ تمہیں جہنم سے بچالے، مجاہد فرماتے ہیں اللہ سے ڈرو اور اپنے گھر والوں کو بھی یہی تلقین کرو قتادہؒ فرماتے ہیں اللہ کی اطاعت کا حکم دو اور نافرمانیوں سے روکتے رہو ان پر اللہ کے حکم قائم رکھو اور انہیں احکام خدا بجالانے کی تاکید کرتے رہو نیک کاموں میں ان کی مدد کرو اور برے کاموں پر انہیں ڈانٹو ڈپٹو، ضحاکؒ ومقاتلؒ فرماتے ہیں ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اپنے رشتے کنبے کے لوگوں کو اور اپنے لونڈی غلام کو اللہ کے فرمان بجالانے کی اور اس کی نافرمانیوں سے روکنے کی تعلیم دیتا رہے مسند احمد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب بچے سات سال کے ہو جائیں انہیں نماز پڑھنے کو کہتے سنتے رہا کرو، جب دس سال کے ہو جائیں اور نماز میں سستی کریں تو انہیں مار دھمکا کر پڑھاؤ، یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ

اُس پر مقرر ہیں فرشتے تند خو زبردست ☆

دوزخ کے فرشتوں کی طاقت:

یعنی مجرموں کو نہ رحم کھا کر چھوڑیں نہ اُن کی زبردست گرفت سے کوئی چھوٹ کر بھاگ سکے۔ (تفسیر عثانی)

مَلٰٓئِكَةٌ یعنی وہ فرشتے جو دوزخ کے کارندے ہیں۔

غِلَاظٌ دوزخیوں کیلئے سخت خو

شِدَادٌ طاقت ور قوی، اتنے زور آور کہ ایک ہی مرتبہ میں ایک فرشتہ ستر ہزار کو دوزخ میں پھینک دے گا دوزخ کے فرشتوں کو زبانیہ کہا جاتا ہے۔ ضیاء مقدسی کی روایت ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا، میں نے خود سنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جہنم کے پیدا ہونے سے ہزار برس پہلے جہنم کے فرشتوں کو پیدا کیا گیا پھر ہر روز اُن کی قوت بڑھتی رہتی ہے یہاں تک کہ جن پر ان کا مسلط کیا گیا ہے، ان کو پیشانی کے بالوں اور قدموں سے پکڑ کر چلاتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ

نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جو بات فرمائے اُن کو

وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝۶

اور وہی کام کرتے ہیں جو اُن کو حکم ہو ☆

فرشتوں کی اطاعت شعاری:

یعنی نہ حکم الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہیں نہ اس کے احکام بجالانے میں سستی اور دیر ہوتی ہے نہ امتثال حکم سے عاجز ہیں۔ (تفسیر عثانی)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ

اے منکر ہونے والو مت بہانے بتلاؤ آج کے دن

اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۷

وہی بدلہ پاؤ گے جو تم کرتے تھے ☆

قیامت میں کوئی بہانہ نہ چلے گا:

یعنی قیامت کے دن جب جہنم کا عذاب سامنے ہوگا اس وقت منکروں سے کہا جائیگا کہ حیلے بہانے مت بتلاؤ۔ آج کوئی بہانہ چلنے والا نہیں بلکہ جو کچھ کرتے تھے اس کی پوری پوری سزا بھگتنے کا دن ہے۔ ہماری طرف سے کوئی ظلم زیادتی نہیں تمہارے ہی اعمال ہیں جو عذاب کی صورت میں نظر آرہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى
اے ایمان والو توبہ کرو اللہ
اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ط
کی طرف صاف دل کی توبہ ☆

توبۂ نصوح: صاف دل کی توبہ یہ کہ دل میں پھر اس گناہ کا خیال نہ رہے۔ اگر توبہ کے بعد ان ہی خرافات کا خیال پھر آیا سمجھو کہ توبہ میں کچھ کسر رہ گئی ہے اور گناہ کی جڑ دل سے نہیں نکلی۔ "رزقنا الله منها حظاوافرا بفضله وعونه وهو على كل شيء قدير". (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے عمرو نے کہا توبہ نصوح یہ ہے کہ گناہ سے توبہ کرلے پھر گناہ کی طرف دوبارہ نہ لوٹے جیسے دودھ لوٹ کر تھن میں نہیں جاتا ہے۔

حسن نے کہا توبۂ نصوح یہ ہے کہ پچھلے گناہوں پر پشیمان ہو اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرلے۔

کلبی نے کہا توبۂ نصوح چار چیزوں کا مجموعہ ہے، زبان سے استغفار، اعضاء بدن کو (گناہوں سے) روکنا، دوبارہ نہ کرنے کا دل سے عہد اور (برے) بدکار دوستوں کو چھوڑ دینا۔

عَسٰی رَبُّكُمْ اس آیت میں گناہوں کو معاف کرنے کی امید دلائی گئی ہے اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ توبہ بجائے خود گناہوں کی معافی کی موجب نہیں، اللہ (مختار کامل ہے اس) پر کچھ واجب نہیں بندے کو امید وبیم کی حالت میں رہنا چاہئے۔

نیکیوں اور نعمتوں کا موازنہ:

بزار نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن آدمی کے تین رجسٹر ہوں گے ایک رجسٹر میں اُس کے نیک اعمال کا اندراج ہوگا دوسرے رجسٹر میں اس کے گناہ لکھے ہوئے ہوں گے اور تیسرے میں اللہ کی نعمتیں درج ہوں گی رجسٹر میں مندرجہ نعمتوں میں سے سب سے چھوٹی نعمت سے اللہ فرمائے گا کہ اس آدمی کے نیک اعمال میں سے تیرے مساوی جو عمل ہو اس کو لے لے وہ نعمت تمام نیک اعمال کو لے لے گی اور عرض کرے گی تیری عزت کی قسم ابھی تو میں نے اپنا پورا معاوضہ لیا بھی نہیں کہ تمام نیکیاں ختم ہوگئیں اور گناہ (توسب کے سب) باقی ہیں، پھر جب اللہ بندہ پر رحم کرنا چاہے گا تو فرمائے گا میرے بندے میں نے تیری نیکیاں بڑھا کر چند گنا کردیں اور تیری بداعمالیوں سے درگذر کی اور اپنی نعمت تجھے بخشدی۔

نجات اللہ کی رحمت سے ہوگی:

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کو اس کا عمل ہرگز نجات (دوزخ سے حفاظت) نہیں دے گا صحابہ نے عرض کیا آپ کو بھی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایا مجھے بھی نہیں، سواء اس کے کہ اللہ اپنی رحمت اور فضل سے مجھے ڈھانک لے (اور کوئی نجات کا ذریعہ نہیں) اس موضوع کی احادیث بہت آئی ہیں۔

اعمال پر بھروسہ نہ کرلو:

ابونعیم نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے انبیاء بنی اسرائیل میں سے ایک نبی کے پاس وحی بھیجی کہ تمہاری امت میں جو اہل طاعت ہیں ان سے کہہ دو کہ اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کریں کیوں کہ قیامت کے دن جس بندہ کو میں حساب فہمی کیلئے کھڑا کروں گا (اور اس سے محاسبہ کروں گا) اور اس کو عذاب دینا چاہوں گا تو (اس سے سخت حساب لوں گا اور اس کو عذاب دوں گا اور اپنی امت کے گناہگاروں سے کہہ دو کہ وہ مایوس نہ ہوں، میں بڑے گناہ معاف کردوں گا اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ (تفسیر مظہری)

ندامت: حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں نادم ہونا بھی توبہ کرنا ہے۔

توبہ خدا اور رسول کی رضا کا سبب ہے

حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں ہمیں کہا گیا تھا کہ اس امت کے آخری لوگ قیامت کے قریب کیا کیا کام کریں گے؟ ان میں ایک یہ ہے کہ انسان اپنی بیوی یا لونڈی سے اس کے پاخانہ کی جگہ میں وطی کرے گا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلق حرام کردیا ہے اور جس فعل پر خدا اور اس کے رسول کی ناراضگی ہوتی ہے اسی طرح مرد مرد سے بدفعلی کریں گے جو باعث ناراضگی خدا اور رسول خدا ہے ان لوگوں کی نماز بھی خدا کے ہاں مقبول نہیں جب تک کہ یہ توبہ نصوح نہ کریں۔

توبہ نصوح: حضرت زرؒ نے حضرت ابی سے پوچھا توبہ نصوح کیا ہے فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا تھا تو فرمایا قصور سے گناہ ہو گیا پھر اس پر نادم ہونا، اللہ تعالیٰ سے معافی چاہنا اور پھر اس گناہ کی طرف مائل نہ ہونا، حسنؒ فرماتے ہیں توبۂ نصوح یہ ہے کہ جیسے گناہ کی محبت تھی ویسا ہی بغض دل میں بیٹھ جائے اور جب وہ گناہ یاد آئے اس سے استغفار ہو جب کوئی شخص توبہ کرنے پر پختگی کرلیتا ہے اور اپنی توبہ پر جما رہتا ہے تو اللہ تعالےٰ

اس کی تمام اگلی خطائیں مٹا دیتا ہے جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اسلام لانے سے پہلے کی تمام خطائیں اسلام فنا کر دیتا ہے اور توبہ سے پہلے کی تمام خطائیں توبہ سوخت کر دیتی ہے، اب رہی یہ بات کہ توبۂ نصوح میں یہ شرط بھی ہے کہ توبہ کرنے والا پھر مرتے دم تک اس گناہ کو نہ کرے جیسے کہ احادیث و آثار ابھی بیان ہوئے جن میں ہے کہ پھر کبھی نہ کرے، یا صرف اس کا عزم راسخ کافی ہے کہ اسے اب کبھی نہ کروں گا، گو یا پھر بمقتضائے بشریت بھولے چوکے ہو جائے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ آدمی اپنے گزشتہ عمل پر نادم ہو اور پھر اس کی طرف نہ لوٹنے کا پختہ ارادہ اور عزم رکھتا ہو اور کلبی نے فرمایا کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ زبان سے استغفار کرے اور دل میں نادم ہو اور اپنے بدن اور اعضاء کو آئندہ اُس گناہ سے روکے۔

توبہ کے چھ ارکان:

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے سوال کیا گیا کہ توبہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا جس میں چھ چیزیں جمع ہوں۔

(۱) اپنے گزشتہ بُرے عمل پر ندامت۔ (۲) جو فرائض و واجبات اللہ تعالیٰ کے چھوٹے ہیں اُن کی قضاء۔ (۳) کسی کا مال وغیرہ ظلماً لیا تھا تو اس کی واپسی۔ (۴) کسی کو ہاتھ یا زبان سے ستایا اور تکلیف پہنچائی تھی تو اس سے معافی۔ (۵) آئندہ اُس گناہ کے پاس نہ جانے کا پختہ عزم وارادہ۔ (۶) اور یہ کہ جس طرح اُس نے اپنے نفس کو اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے دیکھا ہے اب وہ اطاعت کرتے ہوئے دیکھ لے۔ (مظہری) (معارف القرآن مفتی اعظم)

توبۃ النصوح کی تفسیر:

(حافظ ابن جریر نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے تھے کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا فرما رہے تھے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ انسان گناہ کرلے تو اس سے تائب ہو اور اس طرح کہ پھر گناہ دوبارہ نہ کرے سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اس عزم وارادہ کے ساتھ توبہ کرے کہ پھر یہ گناہ نہیں کرے گا اس طرح کبار تابعین وائمہ سے منقول ہے اور ظاہر ہے کہ یہ عزم اور پختہ ارادہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب انسان کو کیے ہوئے گناہ پر ندامت ہو اسی وجہ سے بعض روایات میں ہے التوبۃ الندم کہ توبہ ندامت کا نام ہے۔)

(حسن بصری فرمایا کرتے تھے توبۂ نصوح یہ ہے کہ تم گناہ سے توبہ کے بعد گناہ سے اتنی ہی نفرت کرنے لگو جس قدر تم کو اس سے پہلے اس گناہ کی رغبت تھی اور جب اس گناہ کا خیال آئے اس سے بارگاہِ خداوندی میں استغفار کرو۔

احادیث صحیحہ میں ہے توبہ انسان کے گناہوں کو اس طرح مٹاتی ہے جس طرح کہ اسلام اس سے قبل کے گناہوں اور خطاؤں کو مٹاتا ہے احادیث میں سید الاستغفار کے کلمات اسی حقیقت کو واضح کر رہے ہیں بندہ حق تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار واعتراف کرتے ہوئے ایک طرف اس کے انعامات کا تصور کرے دوسری طرف اپنی خطاؤں اور تقصیرات کو دیکھے یقیناً اس پر ایک ندامت وشرمندگی کی کیفیت قلب میں پیدا ہوگی اس ندامت کے ساتھ اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنا اور آئندہ کیلئے اپنے رب سے عہد کرنا کہ پھر آئندہ حتی الامکان میں اس طرح کی غلطی نہ کروں گا اور اس پر خدا سے مدد مانگے اور اپنی ہمت و کوشش اسی پر صرف کرے تو انشاء اللہ یہ توبۃ النصوح ہوگی اور امید ہے اس پر وہی ثمرات مرتب ہوں گے جن کا وعدہ حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ (معارف القرآن کاندھلویؒ)

عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ

اُمید ہے تمہارا رب اتار دے تم پر سے تمہاری برائیاں

وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

اور داخل کرے تم کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں

الْاَنْهٰرُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ

نہریں جس دن کہ اللہ ذلیل نہ کرے گا نبی کو

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

اور ان لوگوں کو جو یقین لائے ہیں اس کے ساتھ ☆

نبی کے ساتھی:

یعنی نبی کا تو کہنا کیا، اس کے ساتھیوں کو بھی ذلیل نہ کریگا بلکہ نہایت اعزاز و اکرام سے فضل وشرف کے بلند مناصب پر سرفراز فرمائے گا۔

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ

اُن کی روشنی دوڑتی ہے ان کے آگے اور اُن کے داہنے ☆

اس کا بیان سورۂ ''حدید'' میں ہو چکا۔ (تفسیر عثمانی)

مؤمنوں کو رسوا نہ کرنے کی علت:

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى یہ رسوا نہ کرنے کی علت ہے پل صراط پر مؤمنوں کے آگے آگے اور داہنے جانب نور دوڑتا ہوگا اور جب وہ منافقوں کے نور کو بجھتا دیکھیں گے تو کہیں گے اے ہمارے رب! ہم کو ہمارا پورا نور عطا کر۔ حسب تفاوتِ اعمال انوار میں تفاوت ہوگا، اس لیے وہ نورِ کامل کی درخواست کریں گے۔ (تفسیر مظہری)

میدان حشر میں اہل ایمان کا نور:

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ ، یہ اہل ایمان کے نور کا بیان ہے جو قیامت کے روز پل صراط پر بھی ہوگا ان کے آگے اور ان کے دائیں جانب۔ یہ نور دراصل اسی نور کا ثمرہ ہوگا جو روز عہد الست اولادِ آدم کی پشت سے نکالی گئی تو ان پر اللہ نے اپنا نور ڈالا جس کسی کو وہاں وہ نور پہنچ گیا دنیا میں اس کو نور ہدایت حاصل ہوا اسی نور کو ان الفاظ میں تعبیر فرمایا گیا اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ اور یہی وہ حقیقت ہے جس کو فرمایا گیا اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ یہی نور مؤمن کی قبر میں ہوگا اور پھر یہی نور میدان حشر میں اس کے ساتھ ہوگا جس کو اس آیت مبارکہ میں بیان فرمایا گیا گویا بدءِ تخلیق سے لے کر عالم حشر تک نورِ ہدایت کا سلسلہ اس طرح مربوط ہے، حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز میں ہی پہلا سب سے پہلا وہ شخص ہوں گا جس کو سجدہ کی اجازت دی جائے گی اور میں ہی وہ پہلا شخص ہوں گا جس کو سجدہ سے سر اٹھانے کی اجازت دی جائے گی تو پھر میں دیکھوں گا اپنے سامنے تو اپنی امت کو پہچانوں گا دوسری تمام امتوں کے درمیان، پھر دائیں طرف دیکھوں گا تو بھی تمام امتوں کے درمیان اپنی امت کو پہچان لوں گا پھر اپنے بائیں جانب دیکھوں گا تب بھی اپنی امت کو دوسری تمام امتوں کے درمیان پہچان لوں گا آپ نے فرمایا میری امت کے لوگ روشن پیشانیوں اور سفید قدم والے ہوں گے وضو کے آثار سے، اس قسم کی شان کسی بھی قوم کی نہ ہوگی تمام امتوں میں سے اور میں ان کو اس طرح بھی پہچانوں گا کہ ان کے دائیں ہاتھ میں ان کے نامہائے اعمال دیئے جائیں گے اور میں ان کو اس طرح بھی پہچانوں گا کہ ان کا نور ان کے آگے آگے ہوگا۔ (معارف کاندھلویؒ)

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ
کہتے ہیں اے رب ہمارے پوری کر دے ہم کو ہماری روشنی اور معاف کر ہم کو
اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑧
بیشک تو سب کچھ کر سکتا ہے ☆

ایمان کے نور کا اتمام:

یعنی ہماری روشنی آخر تک قائم رکھیے بجھنے نہ دیجئے جیسے منافقین کی نسبت سورہ ''حدید'' میں بیان ہو چکا کہ روشنی بجھ جائیگی اور اندھیرے میں کھڑے رہ جائینگے مفسرین نے عموماً یہی لکھا ہے لیکن حضرت شاہ صاحب ''اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا'' کی مراد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ روشنی ایمان کی دل میں ہے دل سے بڑھے تو سارے بدن میں پھر گوشت پوست میں (سرایت کرے)

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ
اے نبی لڑائی کر منکروں سے
وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ
اور دغا بازوں سے اور سختی کر اُن پر ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و نرمی:

حضرت کا خلق اور نرم خوئی یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ اوروں کو فرماتا ہے تحمل کرو۔ اور آپ کو فرماتا ہے کہ سختی کرو۔

جَاهِدِ الْكُفَّارَ۔ یعنی تلوار سے اور دلائل سے کافروں اور منافقوں کے مقابلہ کی کوشش کرو ان کا رد کرو اور اُن کا نفاق ظاہر ہو جائے تو ان کو رسوا کرو اور جہاد میں سختی کرو، اُن پر رحم نہ کرو۔ (تفسیر مظہری)

وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑨
اور اُن کا گھر دوزخ ہے اور بری جگہ جا پہنچے ☆

پہلے مومنین کا ٹھکانا بتلایا تھا یہاں ان کے بالمقابل کفار و منافقین کا گھر بتلا دیا۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ
اللہ نے بتلائی ایک مثل منکروں کے واسطے عورت
نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ
نوح کی اور عورت لوط کی گھر میں تھیں دونوں دو نیک بندوں کے
مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ
ہمارے نیک بندوں میں سے پھر انہوں نے اُن سے چوری کی پھر وہ
يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا
کام نہ آئے ان کے اللہ کے ہاتھ سے کچھ بھی اور حکم ہوا کہ چلی جاؤ
النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ⑩ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا
دوزخ میں جانے والوں کے ساتھ اور اللہ نے بتلائی ایک مثل
لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ
ایمان والوں کیلئے عورت فرعون کی ☆

نہ خاوند بچا سکتا ہے نہ بیوی:

یعنی حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کیسے نیک بندے مگر دونوں کے گھر میں ان کی بیویاں منافق تھیں بظاہر ان کے ساتھ تعلق تھا لیکن دل سے کافروں

کے شریک حال تھیں۔ پھر کیا ہوا؟ عام دوزخیوں کے ساتھ ان کو بھی اللہ نے دوزخ میں دھکیل دیا پیغمبروں کا رشتہ زوجیت ذرا بھی عذاب الٰہی سے نہ بچا سکا ان کے برعکس فرعون کی بیوی حضرت آسیہ بنت مزاحم کی ایماندار' ولی کامل' اور اس کا شوہر خدا کا سب سے بڑا باغی وہ نیک بیوی میاں کو خدا کے عذاب سے نہ چھڑا سکی۔ نہ میاں کی شرارت و بغاوت کے جرم میں بیوی کو کچھ آنچ پہنچی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی اپنا ایمان درست کرو نہ خاوند بچا سکے نہ جورو یہ (قانون عام طور پر) سب کو سنا دیا یہ وہم نہ کیا جائے کہ (معاذ اللہ) حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں پر کہاں کے لیے تو وہ کہا ہے (جو سورہ "نور" میں ہے) "اَلطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ" اور اگر بفرض محال ایسا وہم کیا جائے تو "امراۃ فرعون" کی مثال کس پر چسپاں کرو گے" لاحول ولا قوۃ الا باللہ. (تفسیر عثمانی)

حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویاں:

حضرت نوحؑ کی بی بی کا نام واعلہ تھا اور حضرت لوطؑ کی بی بی واہلہ تھی، اللہ نے بطور مثال ان دو عورتوں کا تذکرہ یہ بتانے کیلئے کیا کہ کافروں کا رشتہ قرابت یہاں تک کہ رشتہ زوجیت بھی اگر پیغمبروں سے ہو تو کافروں کیلئے وہ بے سود ہے پیغمبروں کی قرابت اور زوجیت بھی کام نہیں آ سکتی، یہ تنبیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ قرابت رکھنے والوں کو ہے کہ کفر کی حالت میں پیغمبرؐ بھی تمہارے کام نہیں آ سکتے۔

حضرت ابن عباس نے کہا کسی نبی کی بی بی نے بدکاری اور زنا نہیں کی۔ نوحؑ اور لوطؑ کی بیبیوں کے خیانت کرنے کا یہ معنی ہے کہ وہ عورتیں ان پیغمبروں کے دین پر نہیں تھیں حضرت نوحؑ کی بی بی لوگوں سے کہتی تھی نوح دیوانہ ہے اگر حضرت نوحؑ پر کوئی ایمان لے آتا تھا تو وہ قوم والوں کو خبر پہنچا دیتی تھی اور حضرت لوطؑ کی بی بی حضرت کے مہمانوں کی اطلاع قوم والوں کو دے دیتی تھی اگر کوئی مہمان رات کو آتا تو وہ روشنی کر دیتی تھی تا کہ روشنی دیکھ کر لوگ سمجھ جائیں کہ لوطؑ کے گھر مہمان آیا ہے اور اگر دن میں کوئی مہمان اترتا تو دھونی دے دیتی تا کہ مہمان کی آمد کی اطلاع ہو جائے۔

کلبی نے کہا خیانت کرنے کا یہ معنی ہے کہ انہوں نے دلوں میں نفاق چھپا رکھا تھا اور بظاہر مؤمن تھیں۔

فَلَمْ يُغْنِيَا یعنی یہ پیغمبر بھی اللہ کے عذاب کو دفع نہ کر سکے یا بحق زوجیت کسی قسم کا فائدہ نہ پہنچا سکے۔

وَّقِيْلَ اور دونوں عورتوں سے اُن کے مرنے کے وقت کہا گیا یا قیامت کے دن کہا جائے گا۔

مَعَ الدّٰخِلِيْنَ یعنی ان کافر دوزخیوں کے ساتھ جن کا انبیاء سے یا کسی بھی مؤمن سے رشتہ قرابت و زوجیت باقی نہیں رہا۔

اس آیت میں اللہ نے ان کافروں کی امید کو منقطع کر دیا جو آس لگائے ہوئے تھے کہ دوسروں کا ایمان ان کو فائدہ پہنچائے گا اس سے اگلی آیت میں بتایا کہ اگر بندۂ مؤمن ہے تو دوسروں کا کفر اس کو کسی طرح کا ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

فرعون کی بیوی:

اِمْرَاَتَ فِرْعَوْنَ فرعون کی بی بی کا نام آسیہ بنت مزاحم تھا فرعون جو دشمن خدا تھا ان کا شوہر تھا لیکن فرعون کے کافر ہونے کا کوئی ضرر ان کو نہیں پہنچا (یہ مخلص مومنہ اور اللہ کی مقبول بندی تھیں)

اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ جادوگروں پر غالب آ گئے تو اس سے متاثر ہو کر آسیہ ایمان لے آئیں (اور حضرت موسیٰ کی سچائی کا ان کو یقین ہو گیا) فرعون کو جب اُن کے مسلم ہو جانے کی اطلاع ملی تو اس نے آپ کو دھوپ میں ڈالو کر چومیخا کرا دیا، سلیمان کا بیان ہے کہ فرعون کی بی بی کو دھوپ میں ڈلوا کر (طرح طرح کی) ایذائیں دی جاتی تھیں لیکن جب فرعون کے کارندے واپس چلے جاتے تھے تو فرشتے آسیہ پر سایہ کر لیتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ
جب بولی اے رب بنا میرے واسطے اپنے پاس ایک
بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ
گھر بہشت میں ☆

حضرت آسیہ کی دُعاء:

یعنی اپنا قرب عنایت فرما، اور بہشت میں میرے لئے مکان تیار کر۔ (تفسیر عثمانی)

عِنْدَكَ تیرے پاس اللہ ہر (قریب اور بعید) مکان سے پاک ہے اس لیے اس کا قرب بے کیف ہے (اس کے قرب کی کیفیت نہیں بیان کی جا سکتی)

بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ اللہ نے آسیہ کا جنتی مکان اسی زندگی میں ان کو دکھا دیا تھا بذریعۂ کشف انہوں نے اپنا جنتی مکان دیکھ لیا تھا۔

مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ یعنی ان لوگوں سے نجات دے جنہوں نے کفر و معصیت کر کے خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور اللہ کے بندوں کو عذاب دیتے اور ان پر ظلم کرتے ہیں، مطلب یہ کہ ان قبطیوں سے نجات دے جو فرعون کے تابع ہیں۔

اس قصہ کے ذیل میں بیان کیا گیا ہے کہ فرعون نے ایک بڑا پتھر آسیہ کے اوپر ڈال دینے کا حکم دیا، حسب الحکم جب اُن پر ڈالنے کیلئے ایک عظیم پتھر لایا گیا تو انہوں نے کہا رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ دعا کرتی تھی کہ انہوں نے اپنا ہوتی کا گھر جنت میں دیکھ لیا اور روح بدن سے پرواز کر گئی جب پتھر ان پر ڈالا گیا تو نعش بے جان تھی، پتھر کے نیچے دبنے کی کوئی اذیت ان کو نہیں پہنچی۔

حسن نے بیان کیا اللہ نے فرعون کی بی بی کو جنت کی طرف اٹھالیا تھا وہ جنت میں کھاتی پیتی ہیں (یعنی فرعون کو ان پر قدرت ہی حاصل نہیں ہوئی) (تفسیر مظہری)

فرعون کی بیوی ایمان لے آئی اور فرعون جس قدر ستا تا ایذائیں پہنچاتا ان کے ایمان میں اور اضافہ ہوتا اس حالت میں جبکہ فرعون کی ایذائیں حد سے بڑھ چکی تھیں تو آسیہ کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوئے رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ، بیان کیا کہ جس وقت فرعون ان کے ہاتھ اور پاؤں میں میخیں پیوست کر رہا تھا اللہ رب العزت نے آسیہ کا وہ محل جو جنت میں ان کے واسطے تھا وہ ظاہر کر دیا جس کو دیکھتے ہی فرط مسرت سے ہنسنے لگیں اس پر کمبخت فرعون کہنے لگا! دیکھو یہ کیسی دیوانی عورت ہے میں اس کو عذاب دے رہا ہوں اور یہ ہنس رہی ہے ابو العالیہ بیان کرتے ہیں اللہ نے ان کی روح اس طرح قبض کی کہ وہ جنت میں تھیں۔ رضی اللہ عنہا۔

با کمال خواتین:

مُرّۃ الہمدانی ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كَمُلَ مِنَ الرجال كثير ولم يكمل من النساء إِلَّا آسيةُ امرأة فرعون و مريم ابنة عمران و خديجةُ بِنتُ خويلد

کہ مردوں میں سے تو بہت سے لوگ با کمال ہوئے لیکن عورتوں میں کمال اور ایمانی عظمت حاصل کرنے والی صرف آسیہ فرعون کی بیوی اور مریم بنت عمران اور رام المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنھن ہیں۔ (معارف القرآن کاندھلویؒ)

وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ
اور بچا نکال مجھ کو فرعون سے اور اس کے کام سے
وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۱﴾
اور بچا نکال مجھ کو ظالم لوگوں سے ☆

فرعون کی ستم رسانی:

یعنی فرعون کے پنجہ سے چھڑا اور اس کے ظلم سے نجات دے۔ حضرت موسیٰ کو انہوں نے پرورش کیا تھا اور ان کی مددگار تھیں۔ کہتے ہیں کہ فرعون کو جب حال کھلا تو ان کو چومیخا کر کے طرح طرح کی ایذائیں دیتا تھا۔ اس حالت میں اللہ کی طرف سے جنت کا محل ان کو دکھلایا جاتا جس سے سب سختیاں آسان ہو جاتی تھیں۔ آخر فرعون نے ان کو سیاستہً قتل کر دیا اور جام شہادت نوش کر کے مالک حقیقی کے پاس پہنچ گئیں۔ حدیث صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کامل ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔ اور حضرت مریم کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے ہزاراں ہزار رحمتیں ہوں اس پاک روح پر۔ (تفسیر عثمانی)

وَعَمَلِهٖ اور اس کے عمل سے مجھے نجات دے یعنی اس کی سخت ایذا رسانی سے نجات دے مقاتل نے کہا عمل فرعون سے مراد شرک ہے، ابو صالح کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا فرعون کے کارندے مراد ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ
اور مریم بیٹی عمران کی
اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا
جس نے روکے رکھا اپنی شہوت کی جگہ کو ☆

یعنی حلال و حرام سے محفوظ رکھا۔

فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ
پھر ہم نے پھونک دی اس میں ایک اپنی طرف سے جان ☆

حضرت مریم علیہ السلام کو استقرارِ حمل:

یعنی فرشتہ کے ذریعہ سے ایک روح پھونک دی۔ حضرت جبریل نے گریبان میں پھونک ماری جس کا نتیجہ استقرار حمل ہوا اور حضرت مسیح پیدا ہوئے (تنبیہ) نفخ کی نسبت اپنی طرف اس لیے کی کہ فاعل حقیقی اور مؤثر علی الاطلاق وہی ہے آخر ہر عورت کے رحم میں جو بچہ بنتا ہے اس کا بنانے والا اس کے سوا کون ہے بعض محققین نے یہاں ''فَرْج'' کے معنی چاک گریبان کے لیے ہیں اس وقت ''اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا'' کے معنی یہ ہونگے کہ کسی کا ہاتھ اپنے گریبان تک نہیں پہنچنے دیا اور یہ نہایت بلیغ کنایہ انکی عصمت وعفت سے ہوگا۔ جیسے ہمارے محاورات میں کہتے ہیں کہ فلاں عورت بہت پاک دامن ہے اور عرب میں کہا جاتا ہے ''نقی الجیب طاہر الذیل'' اس سے عفیف النفس ہونا مراد ہوتا ہے کپڑے کا دامن مراد نہیں ہوتا اس تقدیر ''فَنَفَخْنَا فِيْهِ'' میں ضمیر لفظ ''فرج'' کی طرف اس کے لغوی معنی کے اعتبار سے راجع ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ
اور سچا جانا اپنے رب کی باتوں کو اور اس کی کتابوں کو ☆

رب کی باتیں وہ ہونگی جو فرشتوں کی زبانی سورہ آل عمران میں بیان ہوئی ہیں ''وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ'' الخ اور کتابوں سے عام کتب سماویہ مراد لی جائیں تخصیص کی ضرورت نہیں۔

وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ

اور وہ تھی بندگی کرنیوالوں میں ☆

یعنی کامل مردوں کی طرح بندگی وطاعت پر ثابت قدم تھی یا یوں کہو کہ قانتین کے خاندان سے تھی۔

تم سورة التحريم ولله الحمد والمنته به التوفيق والعصمته

(تفسیر عثمانی)

حضرت عائشہؓ کی فضیلت:

حضرت ابوموسیٰ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کامل مرد تو بہت ہیں کامل عورتیں سوا آسیہ زوجہ فرعون اور مریم بنت عمران اور اور کوئی نہیں اور عائشہؓ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے دوسرے کھانوں پر ثرید کی برتری۔

رواہ احمد والشیخان فی الصحیحین والترمذی وابن ماجہ، ثعلبی اور ابونعیم کی روایت میں حدیث مذکور بالفاظ ذیل آئی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کامل مرد تو بہت ہیں کامل عورتیں صرف چار ہیں، آسیہ بنت مزاحم زوجۂ فرعون، مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے کھانوں پر ثرید کی برتری۔

الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا یعنی مردوں سے اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھا۔

فَنَفَخْنَا ہم نے پھونک دی یعنی ہمارے حکم سے جبرئیلؑ نے مریمؑ کے گریبان میں پھونک دیا جس کا اثر شرمگاہ تک پہنچا اور مریم حاملہ ہو گئی بندوں کے تمام افعال کا خالق اللہ ہی ہے اور اللہ کے حکم سے ہی جبرئیل نے پھونکا تھا اور پھونک کا خالق اللہ ہی تھا اس لیے پھونک کی نسبت بجائے جبرئیلؑ کے اپنی طرف کر دی۔

مِنْ رُّوْحِنَا مِن زائد ہے، بغیر کسی کے توسط کے اللہ نے روح کو پیدا کیا پس تخلیقِ روح کا تعلق براہِ راست اللہ سے ہوا، اخفش کے نزدیک کلام مثبت ہے اور من زائد ہے لیکن سیبویہ کے نزدیک اس جگہ من تبعیضیہ ہے جیسے يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ میں مِنْ بعضیہ ہے یعنی کچھ گناہ اللہ معاف فرما دے گا۔

بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا کلمات سے مراد ہیں وہ صحیفے جو انبیاء پر نازل ہوئے یا وحی انبیاء مراد ہے دونوں صورتوں میں اللہ کے بھیجے ہوئے قوانین اور شریعتیں مراد ہوں گی جو اللہ نے بندوں کیلئے نازل فرمائیں۔

وَكُتُبِهٖ یعنی لوحِ محفوظ کی تحریریں یا وہ کتابیں جو اللہ نے پیغمبروں پر نازل کیں۔ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ یعنی مریم ان لوگوں میں سے تھیں جو اطاعت شعار اور عبادت گذار اور پابند طاعت ہیں، قانتین (بصیغۂ جمع مذکر) کا استعمال تغلیباً ہے (عورتیں بھی قانت ہوتی ہیں اور مرد بھی صراحۃً مذکر کا صیغہ استعمال کیا گیا ضمناً عورتیں بھی اس کے اندر آ گئیں)

میں کہتا ہوں کامل ہونے سے مراد غالباً کمالاتِ نبوت تک پہنچنا ہے صحیحین کی روایت میں گویا اقوام گذشتہ کی خبر دی گئی ہے کیوں کہ ان میں (کامل مرد یعنی) انبیاء بکثرت ہوئے اور کمالاتِ نبوت تک پہنچنے والی گذشتہ امتوں میں صرف آسیہ اور مریم ہوئیں۔

حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا بھر کی عورتوں میں سے مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آسیہ زنِ فرعون تمہارے لیے کافی ہیں (یعنی صرف یہ ہی چار عورتیں کامل ہیں)۔

حضرت علیؓ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا (گذشتہ اقوام کی عورتوں میں مریم بنت عمران سب سے بہتر تھیں اور ہماری عورتوں میں سب سے بہتر خدیجہ بنت خویلد ہیں۔ (متفق علیہ)

حضرت ام سلمہؓ راوی ہیں کہ فتح مکہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کو طلب فرمایا اور اُن کے کان میں کچھ ارشاد فرمایا، حضرت فاطمہ سن کر رونے لگیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کوئی اور بات فرمائی جس کو سن کر وہ ہنس پڑیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو میں نے حضرت فاطمہؓ سے رونے اور پھر ہنسنے کا سبب دریافت کیا کہنے لگیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (پہلے) فرمایا تھا کہ (عنقریب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو جائے گی میں سن کر رونے لگی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوا مریم بنت عمران کے جنتی عورتوں کی میں سردار ہوں گی۔ یہ سن کر میں ہنس دی۔ (راوہ الترمذی)

حضرت مریم، حضرت آسیہ، حضرت خدیجہؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرت عائشہؓ کی باہم برتری کی تفصیل سورۂ آل عمران کی آیت:

يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ کی تفسیر کے ذیل میں ہم کر چکے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

الحمد للہ سورۃ التحریم ختم ہوئی

سورة الملك

اس کو جو خواب میں پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کو دنیا و آخرت کی بھلائیاں عطا فرمائے گا اور اس کی املاک و خیرات زیادہ ہوگی۔

(ابن سیرین)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ

بڑی برکت ہے اس کی جس کے ہاتھ میں ہے راج

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۝۱

اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے ☆

یعنی سب ملک اس کا ہے اور تنہا اسی کا اختیار ساری سلطنت میں چلتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

کمالِ الٰہی:

تَبَارَکَ یہ لفظ برکت سے ماخوذ ہے برکت اس زیادتی کو کہتے ہیں جو زیادتی والے کے کمال پر دلالت کرتی ہے اور مقتضی نقصان نہیں ہوتی۔ مخلوق کی صفات میں نقص ہونا لازم ہے اس لیے کمال وصفی جس پر لفظ تبارک دلالت کر رہا ہے صفات مخلوق سے بالکل منزہ ہوگا (گویا تبارک کا معنی ہوا تعالیٰ اور تنزہ) اللہ پر تمام اسماء وصفی کا اطلاق محض نتائج کے لحاظ سے ہوتا ہے مبادی ساقط الاعتبار ہوتے ہیں (مثلاً اللہ کا ایک اسم وصفی رحمٰن ہے رحمت کا معنی ہے ایسا میلان نفس جس کا نتیجہ مہربانی اور احسان ہو میلان نفس مبداء احسان ہے اور احسان میلان نفس کا نتیجہ۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ نفس اور نفسیات سے پاک ہے اس لیے اس کی ذات میں میلان ہونے کا احتمال ہی نہیں میلان نفس تو حقیقت میں نفس کا تاثر ہوتا ہے کسی قرابت دوستی یا اور کسی قسم کے تعلق کے زیر اثر دل میں رقت اور جھکاؤ پیدا ہوتا ہے اس رقت اور جھکاؤ کا تقاضا ہوتا ہے کہ جس کو دیکھ کر تاثر ہوا ہے اس کے ساتھ مہربانی کی جائے اللہ میں تاثر کہاں ممکن ہے اثر پذیری کمزوری اور عجز کی نشانی ہے اور اللہ نہ عاجز ہے نہ ضعیف۔

اس لیے اللہ پر لفظ رحمان کا اطلاق اس اعتبار سے نہیں کہ اس کے اندر میلان نفس پیدا ہوتا ہے بلکہ اس کے رحمان ہونے کا معنی یہ ہے کہ میلان نفس کا جو نتیجہ ہوتا ہے اور جو نفسانی میلان کا (انسان میں) باعث ہوتا ہے یعنی احسان اور مہربانی وہ اللہ میں محقق ہے پس اللہ رحمٰن ہے یعنی محسن ہے منعم ہے فضل کرنے والا ہے یہی حالت اللہ کے بابرکت ہونے کی ہے برکت کا معنی ہے زیادتی جس کا تقاضا متبرک کا کمال وصفی اور ہر نقص سے تنزہ ہے اللہ کی شان میں زیادتی مقداری نہیں بلکہ مرتبہ اور تنزہ کی ہے پس اللہ صاحب برکت ہے یعنی بزرگ شان والا۔ اور مشابہت مخلوق سے پاک ہے) اور جس طرح دوسرے عظمت ظاہر کرنے والے صیغے (مثلاً کَبِیْرٌ، عَظِیْمٌ، مُتَعَالِی) اللہ کے کمال وصفی پر دلالت کرتے ہیں اسی طرح یہ لفظ بھی اس کی بڑائی کو ظاہر کرتا ہے۔

ید کی تفسیر:

الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ لفظ ید متشابہات میں سے ہے کیونکہ اللہ جسمانی مادی ہاتھ نہیں رکھتا۔ علماء متاخرین نے ید کی تفسیر قدرت سے کی ہے (یعنی اسی کے قبضہ قدرت میں ملک ہے) ملک یعنی ہر چیز پر اقتدار اور ہر شے پر تصرف۔ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ یعنی جس چیز کو وہ چاہے اس پر وہ قدیر قدرت رکھتا ہے۔

(جس چیز کا اللہ ارادہ کرے اس کو کوئی دفع نہیں کر سکتا اس لیے اس کے سوا کسی سے امید و بیم رکھنا جائز نہیں۔)

کامل قدرت والا:

اس آیت میں گویا اللہ کے وجود اس کے کمال وصفی اور ہر نقص سے پاک ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے اور دعویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ دلیل بیان کی جائے اس لیے بعد کو آنے والی آیات کو بطور دلیل ذکر فرمایا۔ دعویٰ مذکور کے ثبوت کی کچھ نشانیاں تو خود انسانوں میں موجود ہیں یعنی موت و حیات کی پیدائش کچھ آسمانوں میں موجود ہیں یعنی آسمانوں کی تخلیق کی ہم آہنگی اور ان کے اندر کسی رخنہ کا نہ ہونا کچھ زمین میں موجود ہیں یعنی زمین کا قابل سکونت ہونا کچھ زمین کے پیداوار میں موجود ہیں یعنی (زندہ مخلوق کا) رزق (جو بقائے حیات کا سبب ہے) اور پرندوں کے قطار در قطار جھنڈ۔ ان چیزوں کا ذکر تو بطور دلیل کیا گیا ہے (اس سے اللہ کی قدرت اس کی صفات کاملہ اس کی ہستی اور اس کا بے عیب ہونا ثابت ہوتا ہے) درمیان میں ذیلی طور سے ان کافروں کے عذاب کا بھی تذکرہ کر دیا ہے جو نہ صدا حق سنتے ہیں نہ دلائل و آیات کو سمجھتے ہیں اور ان اہل ایمان کے ثواب کو بھی بیان کر دیا ہے جو اللہ کا خوف رکھتے اور براہین و شواہد کے مطالعہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

سورۃ کی فضیلت:

مسند احمد میں بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کریم میں تیس آیتوں کی ایک سورت

ہے جو اپنے پڑھنے والوں کی سفارش کرتی رہے گی یہاں تک کہ اسے بخش دیا جائے، وہ سورت تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ الخ ہے۔ (ابوداؤد و نسائی)

مسند عبد بن حمید میں ذرا بسط کے ساتھ بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک شخص سے فرمایا کہ آ میں تجھے ایسا تحفہ دوں کہ تو خوش ہو جائے تَبَارَکَ الَّذِی الخ پڑھا کر اور اسے اپنے اہل و عیال کو اولاد کو گھر کے بچوں کو اور پڑوسیوں کو سکھا۔ یہ سورت نجات دلوانے والی اور شفاعت کرنے والی ہے قیامت کے دن اپنے پڑھنے والے کی طرف سے خدا تعالیٰ سے سفارش کرے گی اور اسے عذاب آگ سے بچالے گی اور عذاب قبر سے بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں تو چاہتا ہوں کہ میرے ایک ایک امتی کے دل میں یہ ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا هي المانعة المنجية تنجيه من عذاب القبر ، یعنی یہ سورت عذاب کو روکنے والی اور عذاب سے نجات دینے والی ہے۔ یہ اپنے پڑھنے والے کو عذاب قبر سے بچالے گی (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن غریب از قرطبی)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ سورۂ ملک ہر مومن کے دل میں ہو (ذکرہ الثعلبی)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کتاب اللہ میں ایک ایسی سورت ہے جس کی آیتیں تو صرف تیس ہیں قیامت کے روز یہ ایک شخص کی سفارش کرے گی یہاں تک کہ اس کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کردے گی اور وہ سورۂ تبارک ہے۔ (قرطبی۔ از ترمذی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوتے نہ تھے یہاں تک کہ الم تنزیل سجدہ اور سورت تبارک الذی اول سے لے کر آخر تک پڑھ کر ختم نہ فرمالیتے۔ (معارف کاندھلوی)

دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کمال کا ظہور ہے

پہلے اتنی بات سمجھ لیجئے کہ اس دنیا میں جو کچھ بھی کارگذاری ہے وہ حق تعالیٰ شانہٗ کی صفاتِ کمال ہیں۔ ہر صفت کمال سے وہ جلوہ گر ہیں اور ہر صفت اپنا کام کر رہی ہے۔ ان میں سے ایک صفت حق تعالیٰ کی ہے ''مَلِکْ'' ہونا کہ وہ بادشاہ ہیں۔ جیسے وہ معبود ہیں۔ جیسے رحمان اور رحیم ہیں، اور جیسا کہ قدوس اور سلام اور مؤمن اور مہیمن ہیں اسی طرح سے وہ ملک بھی ہیں بادشاہ بھی ہیں ساری کائنات کے، ان کی جیسے اور صفات اس عالم میں جلوہ گر ہیں اپنی اپنی کارگذاری دکھلا رہی ہیں اسی طرح سے صفت ملوکیت بادشاہت کی صفت (ہے) جو کہ جلوہ گر ہے اس عالم میں، اور ذرہ ذرہ میں اللہ کی حکومت، حکمرانی اور بادشاہی نمایاں ہے اور اسی سے ایک نظام قائم ہے، یہ نظام اجتماعی فطرت اللہ ہے۔ یعنی کائنات حق تعالیٰ نے جو بنائی اور اس کو چلایا یہ عیاذاً باللہ کوئی بدنظمی سے نہیں چل رہا بلکہ ایک نہایت ہی محکم نظام ہے اور اس کائنات کا ایک ایک ذرہ اس نظام کی بندشوں میں جکڑا ہوا ہے ایک چیز بھی اپنے نظم سے ہٹ نہیں سکتی۔ فرق اتنا ہے کہ ایک نظام ہے تکوینی جس کا تعلق اللہ کے افعال سے ہے۔ یہ نظام اس قدر مستحکم ہے کہ اس میں ذرہ برابر بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ مثلاً اس کائنات میں اللہ نے سورج پیدا فرمایا روشنی کے لئے اس کی ایک حرکت قائم رکھی اس حرکت سے رات اور دن بنتے ہیں اور پھر رات اور دن کے مجموعے سے مہینے بنتے ہیں اور مہینوں کی ایک خاص تعداد سے سال بنتے ہیں جس سے ہم سن اور مہینے اور دن اور گھنٹے متعین کرتے ہیں تاکہ ہمارے جتنے کاروبار ہیں یہ اس نظم کے اندر بندھے رہیں اور ضبط و انتظام کے ساتھ ہماری زندگی گذرے۔ اس سورج کی حرکت میں اور دن اور رات بنانے میں کبھی کوئی ادنیٰ فرق نہیں پڑا۔ یہ اللہ نے ایسی گھڑی بنائی ہے کہ جب سے اسے چابی دی ہے دوبارہ کبھی چابی دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ نہ اس گھڑی کی بال کمانی کبھی بگڑتی ہے نہ کبھی اس کی مرمت کی ضرورت پیش آتی ہے کہ گھٹا اور بڑھا دیں اور ایک سلسلے کے ساتھ نظام عالم چل رہا ہے۔

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ

''نہ سورج کی یہ مجال ہے کہ کوئی جلدی کر بیٹھے چاند کو جا پکڑے نہ رات کی مجال ہے کہ وہ ذرا آگے کو بڑھ کے دن پر قبضہ کرلے''

دن اپنے وقت پر آ رہا ہے رات اپنے وقت پہ۔ پھر ان رات اور دن سے یہ زمانہ بن رہا ہے موسم بن رہے ہیں یہ موسم اپنی اپنی جگہ محکم اور استوار ہیں، گرمی اپنے وقت پہ آئے گی سردی اپنے وقت پہ برسات اپنے وقت پہ۔ پھر ہر موسم متعلق جو پھل اور پھول اور دانے ہیں وہ اپنے ہی وقت پہ نکل رہے ہیں۔ بہت سے پھل ہیں جو کہ برسات کے ہیں۔ بہت سے ہیں جو سردیوں میں پیدا ہوتے ہیں بہت سے ہیں جو گرمیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ وہ اپنے اپنے وقت پر اگ رہے ہیں اور نکل رہے ہیں۔ لوگوں کو ان سے فائدہ پہنچ رہا ہے۔

اسی طرح سے دن بنایا تاکہ ہمارے کاروبار چلیں، تو دن کی روشنی میں ہم اپنے کاروبار چلا رہے ہیں۔ تجارت کے زراعت کے کارخانے داری کے اور چونکہ انسان کی قوت محدود ہے اور وہ خرچ ہونے سے گھٹتی اور بڑھتی ہے اس لئے تعب اور تکان بھی پیدا ہوتا ہے کہ دن بھر کام کرتے کرتے تھک جاتے ہیں تو رات کا وقت رکھا اور اس کو فرمایا:

وَ جَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا. رات کو ہم نے سکون کا ذریعہ بنایا۔

کہ اس میں تھکے ماندے آرام کریں اور جو سو رہے ہیں وہ پھر اگلے دن

کے لئے تازہ دم ہو کر کھڑے ہو جائیں اور اپنے کاروبار میں لگیں، تو رات کو سکون کے لئے رکھا۔ دن میں بھی پانچ چھ گھنٹے کام کر کے طبعاً آدمی تھک جاتا ہے تو وقت نہار، دن کا بیچ کا حصہ قیلولہ کے لئے رکھا اور اسے سنت قرار دیا گیا۔

دوپہر بارہ بجے سونے سے عقل میں اضافہ ہوتا ہے:

بلکہ بعض روایات میں فرمایا گیا ہے کہ دن کے بارہ بجے جب آدمی سوتا ہے تو اس کی عقل میں اضافہ ہوتا ہے۔ آج کے تمدن میں بارہ بجے کا قیلولہ ہی باقی نہیں۔ آج ٹھیک بارہ اور ایک بجے کھانا کھاتے ہیں ظہر کے وقت، پھر قیلولہ کا وقت تو گذر جاتا ہے کھانے کے انتظار میں اور کھانے کا وقت آتا ہے تو اس کا اثر کام پر پڑتا ہے۔ ظہر اور عصر کے درمیان میں جو کام کر سکتے ہیں اس میں فرق پڑے گا۔ تو غرض جو کھانے کا وقت تھا وہ انتظار میں گذرا جو کام کا وقت تھا وہ کھانے میں گذرا اور اس کے بعد جو آگے کام کا وقت تھا یا بیکاری میں گزرا یا تعب و تکان میں گذرا، اسی واسطے روایت میں فرمادیا کہ بارہ بجے کا وقت ہے سکون کا، اور اس میں آدمی دس بیس منٹ آدھ گھنٹہ بھی اگر قیلولہ کر لے تو نشاط پیدا ہو جاتا ہے طبیعت میں، اور وہ جو ایک پسماندگی سی پیدا ہو جاتی ہے تھکن و تعب وہ نکل جاتا ہے پھر آدمی بقیہ آدھے دن کے لئے تیار ہو جاتا ہے تو گویا رات رکھی سکون کے لئے اور دن میں بارہ بجے کا وقت رکھا سکون کے لئے۔

دن و رات کی تقسیم:

پھر تین حصوں پر منقسم کر دیا کہ دو حصے دن کے ہیں وہ کاروبار کے لئے بیچ کا حصہ سکون کے لئے اور رات پوری سکون کے لئے اس رات میں پھر وجوب نہیں فرمایا، مگر افضلیت اس کی بیان کی، استحباب بیان کیا کہ تہجد پڑھے آدمی تاکہ رات بھی دو حصوں میں منقسم ہو جائے۔ ایک حصہ سکون و آرام کا ایک حصہ طاعت و عبادت کا اور وہ طاعت و عبادت کا جو رات میں وقت رکھا گیا ہے وہ سب سے زیادہ مقبول وقت ہے۔

آخری تہائی رات میں اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر اترتے ہیں، ان کا اترنا کیسا ہوتا ہے؟

حدیث میں فرمادیا ہے کہ آخری تہائی رات میں حق تعالیٰ اترتے ہیں آسمانِ دنیا پر، جیسا اترنا ان کی شان کے لائق ہے۔ وہ اترنا اس طرح کا نہیں ہے کہ جیسے ہم اوپر کے مالے سے نیچے کے مالے میں آجائیں۔ درجہ بہ درجہ سیڑھی بہ سیڑھی اترتے ہیں۔ یہ اجسام کے متعلق ہے حق تعالیٰ شانہٗ پاک ہیں جسم سے وہ بری و بالا ہیں اس لئے ان کا اترنا انہیں کی شان کے مطابق ہے۔ اترنے کا لفظ حقیقت پر محمول ہوگا، لیکن کیفیت ہم نہیں جانتے کہ کس کیفیت سے اترتے ہیں جیسی ان کی جناب قدوس ہے اسی انداز کا ان کا اترنا ثابت رہا ہے ہم کیفیت بیان نہیں کر سکتے۔ اتنا ہم جانتے ہیں کہ دنیا میں بہت سی طرف اترنے کی نسبت کی جاتی ہے مگر ہر ایک کا اترنا اپنی شان کے مطابق ہوتا ہے اگر آپ یوں کہیں کہ میں پانچویں مالے سے اترا اور نچلے مالے پر آیا تو اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ایک سیڑھی ہے جس پر درجہ بہ درجہ آپ اترتے ہیں لیکن اگر آپ یوں کہیں کہ میرے دل میں ایک مضمون اتر آیا تو کیا وہاں مضمون کے لئے بھی سیڑھی لگائی گئی؟ مضمون ایک لطیف چیز ہے۔ معنوی چیز ہے اس معنوی چیز کے اترنے کا طریقہ بھی معنوی ہے، وہ جسمانی نہیں ہو سکتا، جسم اترتے ہیں جسمانی سیڑھیوں سے اور معنویات اترتی ہیں معنوی انداز سے۔ آپ کہا کرتے ہی کہ فلاں کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی، اتر آئی تو وہ کوئی کسی سیڑھی سے نہیں اتری وہ اپنی شان کے مطابق اتری ہے جیسے محبت ایک معنوی چیز ہے۔ ویسے ہی اس کا زینہ بھی ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات وہ ہے کہ جسم سے بھی بری اور پاک اور جس کو آپ روح کہتے ہیں اس سے بھی بری اور پاک۔ روح بھی ان کی پیدا کی ہوئی ہے اور جسم بھی ان کا پیدا کیا ہوا ہے کہ روح اور جسم دونوں محدود چیزیں ہیں اور ہر محدود چیز کچھ نہ کچھ مرکب ہوتی ہے اور ہر مرکب چیز حادث ہوتی ہے اور حق تعالیٰ شانہٗ ترکیب سے بھی بری ہیں۔ مرکب ہونے سے بھی بری، مجرد ہونے سے بھی بری لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ان کی کوئی مثال نہیں کہ بیان کہ جا سکے اس لئے کہ مثال جو بھی دے گا ان کے سوا وہ مخلوق ہوگی اور خالق و مخلوق میں زمین و آسمان سے بھی لاکھوں گنا زیادہ فرق ہے تو ان کی مثل تو کوئی نہیں ہو سکتا، مثال البتہ ہو سکتی ہے، لیکن اگر کچھ سمجھا جائے، مگر وہ مثال بھی محض فہم کے قریب لانے کے لئے بولی جاتی ہے۔ مثال پوری طرح ان پر منطبق نہیں ہو سکتی۔ وہ ہر مثل سے ہر مثال سے بری ہیں تو بہر حال حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات منزّہ اور مقدس ہے، ان کا اترنا آسمانِ دنیا پر ان ہی کی شان کے مطابق ہے جس کو ہم نہیں جانتے، نہ ہم ان کی کیفیت کو بیان کر سکتے ہیں، لیکن حاصل یہ کہ اترتے ہیں اور پھر بھی نہیں کہ اترتے ہیں آسمانِ دنیا پر بلکہ انتہائی رحمت اور شفقت سے۔

اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر اتر کر سوال کرتے ہیں:

حدیث میں ہے کہ دونوں ہاتھ پھیلاتے ہیں اور ہاتھ پھیلانا بھی انہی کی شان کے لائق ہے جیسا ان کی جناب کے مناسب ہے اور فرمایا کہ دونوں ہاتھ کھول کر پھیلا کر فرماتے ہیں کہ أَنَا الْمَلِكُ مَنْ ذَا الَّذِي يَطْلُبُ مِنْهُ میں بادشاہ ہوں کوئی ہے مانگنے والا مجھ سے أَنَا الرَّازِقُ مَنْ ذَا الَّذِي يَسْتَرْزِقُ مِنْهُ رزق دینے والا ہوں کوئی ہے رزق کا طلب گار أَنَا الْغَافِرُ مَنْ ذَا الَّذِي يَسْتَغْفِرُ مِنْهُ میں بخشنے والا ہوں کوئی ہے بخشش مانگنے والا۔ پھر خود فرمایا کرتے ہیں کہ مانگو مجھ سے اور گویا جھنجھوڑتے ہیں سونے والوں کو کہ کوئی ہے مانگنے والا کوئی ہے پکار کرنے والا۔ پھر ایک تو یہ کہ بادشاہ کی ڈیوڑھی پر آپ خود حاضر ہوں اور جا کر اطلاع کرائیں کہ حاضر ہونا چاہتے ہیں ممکن ہے اجازت ملے ممکن ہے نہ ملے۔ محروم واپس آنا پڑے لیکن بادشاہ

عالمین خود آتے ہیں اتر کر آپ کی طرف عرش عظیم سے اتر کر آسمان دنیا پر ،اور یہ آسمانِ دنیا آپ کی چھت ہے یعنی اس دنیا کی اس کے اوپر اور آسمان ہیں،سب سے نیچے آسمان سے آسمانِ دنیا،آسمانِ دنیا اس لئے کہلاتا ہے کہ دنیا کی چھت ہے تو گویا آپ کے مکان کی چھت پر آکر آواز دیتے ہیں کہ سونے والو کوئی ہے مانگنے والا۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے رہرو منزل ہی نہیں

تو ایک تو یہ کہ ہم سوال کریں تو کچھ عطا فرمائیں وہ خود سوال فرماتے ہیں کہ کوئی مانگنے والا ہو تو مانگے،ہم دینے کے لئے آگئے۔ظاہر ہے کہ اس وقت اگر کوئی مانگے گا تو وہ دعا اور سوال خالی جا نہیں سکتی،رائیگاں نہیں جائے گی ،کیونکہ بادشاہ کہہ کر دعا منگوا رہے ہیں آپ سے سوال کرا رہے ہیں آپ سے خود سوال کرائیں پھر محروم کر دیں اسے عقل قبول نہیں کرتی اس واسطے یہ وقت خاص مقبولیت کا ہوتا ہے۔اس وقت جو مانگا جائے ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حکیم ہیں حکمت کے مطابق عطا فرماتے ہیں:

باقی کوئی آدمی امتحان لینے کے لئے جائے اللہ میاں کا کہ اچھا میں مانگ رہا ہوں تو کل کو آٹھ بج کر پانچ منٹ پر مجھے مل جانا چاہئے تو وہ آپ کے پابند نہیں ہیں۔وہ جیسے دینے والے ہیں ویسے ہی حکیم بھی ہیں،حکمت کے تحت دیتے ہیں اگر حکمت کا تقاضا ہے کہ فوراً دے دیا جائے تو فوراً مانگی مراد مل جائے گی۔اگر حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ کچھ وقفہ کیا جائے تو وقفہ لگتا ہے اس میں اور اگر حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ وہ چیز نہ دی جائے جو آپ مانگ رہے ہیں اس سے کوئی بڑی چیز دے دی جائے تو پھر وہ دے دیتے ہیں اور بعد میں آپ کہتے ہیں کہ بڑا اچھا ہوا،کیسی قبولیت کا وقت تھا میں تو یہی مانگ رہا تھا مجھے تو اس سے زیادہ مل گئی۔میں تو پھول مانگنے گیا تھا مجھے پورا باغ ہی مل گیا۔میں ایک ٹکڑا مانگتا تھا وہاں پوری روٹیوں کا دسترخوان ہی مل گیا۔تو کبھی فوراً منہ مانگی مراد ملتی ہے کبھی دیر لگتی ہے اور دیر سے ملتی ہے کبھی دیر لگتی ہے وہ چیز نہیں ملتی جو مانگی گئی ہے اس سے بڑھ کر ملتی ہے۔یہ حکمت کے تحت ہوتا ہے۔آپ اپنے نفع و نقصان کو نہیں جانتے،اللہ ہی جانتا ہے آپ کے نفع و نقصان کو،وہ دیتا ہے مگر آپ کی مصلحت دیکھ کر۔

اب یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ جیسے ایک باپ لکھ پتی ہو اور بیٹا اس سے یوں کہے مجھے سو روپے روزانہ جیب خرچ کے لئے دیا کرو تو کبھی تو ایسا ہے کہ باپ نے محبت میں عنایت میں آکر فوراً مقرر کر دیا،روزانہ سو روپے ملنے لگے لڑکے کو کبھی ایسا ہے کہ وہ مانگ رہا ہے اور مانگتے مانگتے دو مہینے گزر گئے،لڑکے کے دل میں خیال آیا کہ بس جی باپ کے دل میں کوئی شفقت نہیں رہی میری طرف سے،نہ وہ محبت باقی رہی،مانگ رہا ہوں دو مہینے ہو گئے کچھ بھی نہیں ملتا۔لیکن دو مہینے کے بعد اچانک باپ نے جاری کیا وہ سو روپے ماہوار کا وظیفہ،تو بیٹے نے کہا میں تو دو مہینے سے مانگ رہا تھا۔باپ کہتا ہے کہ بیوقوف تو جگر کی بیماری میں مبتلا تھا جگر بڑھا ہوا تھا،معدہ خراب تھا،اگر میں سو روپے روز دیتا تو کھانے میں اڑانے میں لگا تا بیماری بڑھ جاتی اس لئے میں نے روک لیا اور تیرا علاج کیا،بجائے اس کے کہ سو روپے میں تو اعلیٰ اعلیٰ چیزیں لے کر کھاتا میں نے کڑوی دوائیں پلانی شروع کیں،اب دو مہینے میں تیری صحت قابل اعتماد ہو گئی سو روپے چھوڑ کر دو سو روپے روز لے لیا کر،تیرے ہی واسطے کما رہا ہوں میں،تو بیٹا ممنون ہوگا کہ واقعی میں اپنی ناتجربہ کاری سے نہیں جانتا تھا کہ مجھے یہ نہ ملنا چاہیے مگر باپ جانتا تھا،اگر اس وقت دے دیتا تو میں ہلاکت کے قریب پہنچ جاتا اب جبکہ مجھے صحت ہو گئی اب اس نے دیا تو اب میں بھی اطمینان سے سو روپے خرچ کروں گا اور باپ کی خوشی کا باعث بھی ہوگا اور کبھی ایسا ہوتا کہ بیٹا مانگ رہا ہے اور مانگتے مانگتے ایک دو مہینے نہیں،چار پانچ نہیں، دس برس گزر گئے اور بیٹے کے دل میں یہ یقین ہو گیا کہ باپ کے دل میں کوئی شفقت باقی نہیں ہے،کروڑپتی ہے اگر دو سو روپے روزانہ بھی دے تب بھی کوئی بڑی بات نہیں مگر نہیں دیتا،معلوم ہوا بخیل ہو گیا،لیکن دس برس کے بعد باپ نے پچاس ہزار روپے کی تھیلی بھر کر رکھ دی اور کہا کہ تو جا کر جیب میں ڈال۔اگر میں تجھے سو روپے دو سو روپے روز دیتا تو کھانے اڑانے میں خرچ کر دیتا، مال ضائع ہوتا اور تیری عادتیں بگڑ جاتیں،پھر فضول خرچی کا عادی ہو جاتا تو عمر بھر یہ لت نہ چھوٹتی،اب اس دس برس کے اندر تجھے یہ تجربہ پیدا ہو گیا،نفع و نقصان کی خبر ہو گئی،اس واسطے پچاس ہزار دیتا ہوں،تجارت کر لے سو چھوڑ تو تو پانچ سو روپے کما لے گا تیرا اصل مال بھی باقی رہے گا اور نفع میں روزانہ سینکڑوں روپیہ تجھے ملے گا،یہ بہتر ہے یا وہ بہتر ہے کہ سو دو سو روپے روز دیتا اور تو ضائع کر دے گا تو بیٹا ممنون ہوگا کہ میں اپنی غلط فہمی سے سمجھ رہا تھا کہ باپ بخیل ہو گیا،مگر وہ تو انتہا سے زیادہ سخی ہے،میں اس دس برس میں سو روپے اگر روز لیتا تو اتنے بیٹھتے اور اب مجھے ایک لاکھ روپیہ مل گیا جو سو روپے روز میں نہ پڑتا یہ میرے نفع کے لئے ایسا کیا ہے،حق تعالیٰ شانہ بھی اسی طرح دیکھتے ہیں کہ اگر بندے میں بری عادتیں ہیں،گنہگاریاں ہیں،بدکاری کی عادت پڑی ہوئی ہے تو بعض دفعہ دولت دینے کی بجائے جو دی ہوتی ہے وہ بھی سمیٹ لیتے ہیں۔وہ عیاشی میں مبتلا ہے تو مفلس ہو گیا اور مانگتا ہے باپ سے باپ نہیں دیتا،لیکن دو چار برس میں دھکے کھا کر عیاشیوں کے برے نتیجے سامنے آنے کے بعد اب اس پر منکشف ہوا کہ میں بری زندگی گزار رہا تھا اس نے توبہ تِلّا کی،رستہ درست ہو گیا۔اب باپ نے دینا شروع کر دیا کہ اب تیرے ہی لئے ہے جو کچھ ہے،مگر اس حالت میں تیرے لئے مضر تھا۔تو میرا مطلب یہ ہے کہ مانگنے

کے بعد کبھی فوراً مل جاتا ہے کبھی دیر لگتی ہے اور کبھی دیر کے باوجود وہ چیز نہیں ملتی اس سے بڑی مل جاتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عمر بھر نہ ملی، مانگتا رہے آدمی عمر گزر گئی، لیکن جب انتقال کرے گا تو حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اجر وثواب کے عظیم ڈھیر اس کے سامنے لگے ہوں گے، بیان کرے گا کہ اے اللہ! میں نے تو کوئی عمل ایسا نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہوتا، فرمائیں گے تو مانگتا تھا تو دعائیں کرتا تھا، تیری دعائیں ہم نے ذخیرہ کر رکھی تھیں تاکہ ہم اس وقت دیں تاکہ ابدالآباد تک تیرے لئے نفع کا باعث بنے، دنیا تو گزرنی تھی گزر گئی، عیش سے گزارتا جب ختم ہو جاتی، مصیبت سے گزاری جب ختم ہوئی، لیکن زندگی اصل یہ ہے ہم نے تیرا سرمایہ اس زندگی کے لئے جمع کر رکھا تو اس وقت یہ کہے گا کہ اے اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے میری دعا اس وقت قبول نہ کی اب جا کر کی۔ وہاں میں ضائع کر دیتا اپنی عمر کو بھی، اپنی دولت کو بھی اور یہاں میری عمر بھی دوامی بن گئی اور میری دولت بھی دوامی بن گئی۔

بلکہ حدیث میں ہے کہ بعض اہل مصیبت حسرت میں ہوں گے اس دن، اور جب انکے سامنے اجر وثواب کے ڈھیر آئیں گے مصیبتوں کے ثمرہ میں تو وہ کہیں گے اے اللہ اس سے بڑی بڑی مصیبتیں ہم پر کیوں نہ نازل کیں آپ نے، اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ قینچیوں سے ہماری کھالیں کاٹی جاتیں، جب تھوڑی مصیبتوں پر یہ اجر وثواب مل رہا ہے تو بڑی مصیبتوں پر معلوم نہیں کیا ملتا، تو بعضوں کو حسرت ہوگی کہ مصیبت کم کیوں پڑی ہمارے اوپر، زیادہ کیوں نہ آئی۔ اس وقت یہ قدر آئے گی کہ مصائب بھی بڑی نعمتیں تھیں، یہ ذریعہ بنادی گئیں ہمارے لئے ترقی درجات کا، آخرت کے درست ہونے کا تو غرض آدمی جب بھی مانگے مانگنے میں کسر نہ چھوڑے مگر امتحان نہ لے قدرت کا کہ دیکھوں مانگ رہا ہوں ملتا ہے یا نہیں ملتا، امتحان لینا گستاخی اور بے ادبی ہے اس میں ایسا نہ ہو کہ سرے سے دعا ہی رائیگاں کر دی جائے کہ ہم سنتے ہی نہیں ایسے لا ابالی شخص کی دعا، حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَجِیْبُ الدُّعَاءَ عَنْ قَلْبٍ لَاہٍ جو لہو ولعب میں پڑے ہیں، ان کی دعا اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوتی، نہ سنی جاتی ہے جو مانگ رہا ہے اللہ سے، تخیلات میں مبتلا ہے، نہ اخلاص ہے نہ صدق ہے، نہ تضرع وزاری اور ابتہال ہے کہ متوجہ ہوں، اس کی دعا قبول نہیں کی جاتی۔

دُعاء میں قیدیں نہیں لگانی چاہئیں:

اسی طرح سے وہ دعا بھی قبول نہیں ہوتی جس میں قیدیں اور شرطیں لگائی جائیں کہ اسی وقت ملے، فلاں ہی دن ملے، فلاں موقع پر ملے، فلاں چیز ملے، سائل کو اس کا کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ بیٹھ کر متعین کرے کہ یہ چیز دیجئو یہ نہ دیجئو، یہ دعا مانگنا نہیں یہ تو مشورہ دینا ہے اللہ میاں کو کہ جب آپ دیں تو فلاں چیز دیں جیسے ایک حدیث میں ہے کہ ایک اعرابی نے دعا مانگی کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْقَصْرَ الْاَبْیَضَ لِیْ الْجَنَّۃِ۔ یا اللہ مجھے جنت میں سفید رنگ کا محل دیجئو، وائٹ ہال دیجئو جو بالکل سفید انڈہ سا ہو، آپ نے فرمایا کہ یہ کیا دعا ہے کہ اپنی طرف سے قیدیں لگا رہے ہو، سفید اور سرخ وسبز، تم بنانے والے ہو جنت کے؟ تم بنانے والے ہو درجات کے؟ تمہارا مشورہ چلے گا وہاں؟ وہاں تو ایک کوڑے کے برابر بھی جگہ مل جائے تو دنیا وما فیہا سے بہتر ہے تو قیدیں لگا رہے ہو تو وقت کی قید لگانا یا کسی نوعیت کی قید لگانا یہ بے ادبی وگستاخی ہے۔ اور اپنی ضرورت مانگے آدمی اور خوب الحاح سے مانگے، نیچا بن کے مانگے، اس واسطے کہ اگر یوں مانگنے لگے کہ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ اِنْ شِئْتَ اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ اِنْ شِئْتَ یا اللہ مجھے دے دیجئے اگر آپ چاہیں۔ میری مغفرت کر دیجئے اگر آپ چاہیں تو یہ دعا مانگنا نہیں یہ تو استغنا کا اظہار کرنا ہے سائل تو محتاج ہوتا ہے نہ کہ غنی آپ جب یوں کہہ رہے ہیں اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ اِنْ شِئْتَ بخش دیں اگر آپ چاہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا دل چاہے تو بخش دیں نہیں تو مجھے ضرورت ہی نہیں آپ کی مغفرت کی، اس میں استغنا نکلتا ہے کہ سائل بھی ہو آدمی اور مستغنی بھی بنے یہ تو اجتماع ضدین ہے، اس واسطے دعا مانگنے میں سوائے عجز وانکسار کے، سوائے بندگی کے، ابتہال کے اور انتہائی زاری اور تضرع کے، نہ کوئی قید ہو نہ کوئی شرط ہو، بس مانگے آدمی، اور میں کہتا ہوں کچھ بھی نہ ملے، دعا مانگنے کی توفیق ملی۔ دعا بھی تو عبادت ہے۔ یہ تھوڑی چیز ملی کہ دعا منگوا دی گئی آدمی سے۔

دعا مغز اور خلاصہ ہے عبادت کا:

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَۃِ دعا مغز اور خلاصہ ہے عبادت کا، خیر بہرحال بات دور جا پڑے گی میں عرض کر رہا تھا کہ حق تعالیٰ شانہ آسمان دنیا پر اترتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی ہے مانگنے والا ہم دینے کے لئے تیار ہیں، جو خوش قسمت ہیں اور اس وقت جاگتے ہوئے ہوتے ہیں وہ مانگتے ہیں اور منہ مانگی مراد ملتی ہے اس طرح حدیث میں فرمایا گیا۔ اے لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے وقتاً فوقتاً قبولیت کی ہوائیں چلتی ہیں تم سب ڈھونڈتے رہو، ایسے نہ ہو کہ وہ ہوا چلے اور تم غفلت میں پڑے ہوئے سوتے رہو۔ ان اوقات کو ضائع نہ کرو اور ضائع نہ جانے دو بلکہ ٹوہ میں لگے رہو کہ کون سا وقت مقبولیت کا ہے تو کچھ ساعتیں ہوتی ہیں مقبولیت کی، کچھ اوقات ہوتے ہیں مقبولیت کے اس میں جب آدمی مانگتا ہے تو مانگنا بھی خود عبادت، عظیم عبادت بنتا ہے، اور ملتی بھی ہے منہ مانگی مراد، تو یہ کہہ کر وہاں آسمان دنیا پر اترتے ہیں کہ اَنَا الْمَلِکُ میں بادشاہ ہوں، یعنی آپ کسی رئیس سے مانگ لیں دو چار روپے دے دے گا، کسی بڑے جاگیر دار سے مانگ لیں۔ ممکن ہے سو پچاس ہزار روپے دے دے، لیکن بادشاہ وقت جو پورے ملک کا حاکم ہے اس سے اگر

مانگیں اور وہ خود کہے کہ بھلا مانگو مجھ سے تو اندازہ کیجئے کیا کچھ نہیں دے گا بادشاہ، اور بادشاہ بھی وہ جو عالموں کا بادشاہ ہو، بادشاہوں کا بادشاہ، جس کے ہاتھ میں بادشاہی کی کنجیاں ہوں وہ اگر یوں کہے کہ مانگو مجھ سے میں دوں گا تو پھر کیا کچھ نہیں ملے گا۔

روزہ کی ایک عظیم برکت اور فضیلت:

یہی وجہ ہے کہ روزہ جو ہے جہاں اس کے اور ہزاروں فضائل اور برکات ہیں، من جملہ ان کے بڑی عظیم برکت اور فضیلت یہ بھی ہے روزے کی کہ روزے کے بارے میں فرماتے ہیں حق تعالیٰ کہ "اَلصَّوْمُ لِيْ وَ اَنَا اَجْزِيْ بِهٖ" روزہ میری چیز ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا یعنی اور اطاعتوں اور عبادتوں کا بدلہ تو ضابطہ کا ہے کہ ملائکہ کو حکم دیں گے کہ تقسیم کر دو ضابطہ کی اجرت۔ ایک عمل کے دس عمل ہوں تو دس گنا دے دی، لیکن روزے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ روزہ میرا ہے اور میں ہی خود اس کا بدلہ دوں گا، یعنی ملائکہ بیچ میں نہیں میں خود عطا کروں گا روزہ دار کو اس کا اجر اور اس کا ثواب ، تو روزہ فرمایا کہ میرا ہے اور اس واسطے فرمایا کہ اور عبادتوں میں امکان ہوتا ہے کہ آدمی دکھلاوے کے لئے کرے۔ نماز پڑھے یہ دکھلانے کو کہ بڑا عابد زاہد آدمی ہے، زکوٰۃ دے یہ دکھلانے کے لئے کہ یہ بڑا سخی داتا ہے، لیکن روزے کی کوئی شکل ہی نہیں کہ دکھلائے وہ تو اللہ ہی کے لئے ہوسکتا ہے اور اگر روزہ رکھ کر کہتا پھرے آدمی کہ جناب میں روزہ دار ہوں تو بجائے عزت کے اور تذلیل ہوگی لوگ کہیں گے کہ بھئی کسی پر احسان کیا ہے جو روزہ رکھا ہے جو ڈھول بھی پیٹتا پھر رہا ہے کہ میں نے روزہ رکھا ہے تو جب آدمی زبان سے نہ کہے روزے کا روزہ ہونا معلوم نہیں، زبان سے نہ کہے تو کسی کو پتہ نہیں چلے گا اور کہے گا تو رسوائی ہوگی اس لئے خواہ مخواہ دم بخود رہے گا، لیکن یہ ہے کہ روزہ کسی کے سامنے ظاہر نہیں ہوتا اور جب روزہ ظاہر نہیں ہوسکتا کسی کے آگے تو نہ اس میں ریاکاری کا دخل ہے کہ سناوے گا نہ دکھلاوے گا اور نہ شہرت کا، یہ تو خاص اللہ ہی کے لئے ہوسکتا ہے، تو چونکہ یہ عبادت خالص اللہ کے لئے ہے اس واسطے فرماتے ہیں کہ جب اس میں ریا کا دخل نہیں دکھلاوے کا دخل نہیں، خالص میرے لئے ہے تو میں ہی اس کا اجر بھی دوں گا یہ ضابطہ کا اجر نہیں ہوگا، بادشاہ جب خود بانٹنے کے لئے بیٹھیں وہ تو اپنی شان کے مطابق بانٹیں گے، آپ کی حیثیت کے مطابق نہیں، اور اللہ کی جو شان ہے وہ لامحدود ہے تو پھر دے گا بھی اتنا کہ کوئی حد نہایت نہیں ہوگی اس کی، تو یا تو جب خود چاہیں اور فرمائیں میری چیز ہے میں بانٹوں گا تو وہ تو اپنی شان کے مطابق بانٹیں گے، تو جب یہاں یہ فرمایا اخیر رات میں اتر کر کہ اَنَا الْمَلِکُ میں بادشاہ ہوں مَنْ ذَا الَّذِيْ يَدْعُوْنِيْ؟ کوئی ہے مانگنے والا؟ تو مانگنے والا جب مانگے گا تو اپنی شان کے مطابق اسے دیں گے آپ کی شان کے مطابق نہیں، آپ کتنا بھی مانگیں وہ محدود چیزیں ہوگی وہ جو دیں گے اپنی شان کے مطابق وہ لامحدود ہوں گی تو برکات کی کوئی انتہا نہیں رہے گی تو بہر حال بادشاہت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر سائل کو دیں اور ہر فریادی کی فریاد سنیں اور جب خود کہیں کہ میں سننے کے لئے موجود ہوں، کہو، تو پھر ظاہر بات کیا کچھ نہیں ملے گا۔

مظلوم کی بددعا سے بچنا چاہیے:

لیکن مظلوم کے بارے میں فرمادیا کہ اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ۔ مظلوم کی بددعا سے بچو اس لئے کہ اس کی دعا میں اور اللہ میں کوئی بیچ میں فاصلہ نہیں ہوتا، کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی دعا سیدھی عرش سے جا ٹکراتی ہے، اور پھر اس کے بارے میں خود فرماتے ہیں جب مظلوم جس پر ظلم ہو رہا ہے وہ ہاتھ اٹھا کر فریاد کرتا ہے تو فوراً جواب دیتے ہیں کہ اَنْصُرُکَ وَلَوْ بَعْدَ حِيْنٍ میں تیری مدد کروں گا، گھبرانا مت، مگر تھوڑا سا وقفہ لگے گا، حکمت کے تحت، مایوس مت ہو جانا کہ دیر لگ گئی، تھوڑی سی اور مظلومیت چلے گی، مگر پریشان مت ہونا میں تیری مدد کے لئے پہنچا۔ تو بہر حال حق تعالیٰ شانہ مَلِکْ ہیں۔

اس سورت میں ملوکیت کے تمام لوازمات ظاہر کئے گئے ہیں

اور ملوکیت کے بہت سے لوازم ہیں۔ اس سورۂ مبارکہ میں اللہ کی شہنشاہی بیان فرمائی گئی ہے اس شہنشاہی کے لوازم کے آثار اور اس کے طور اور طریقے یہ اس پوری سورت میں ظاہر فرما دیئے گئے ہیں تا کہ دنیا میں جب ہم نظام قائم کریں کوئی تو اللہ کے نظام کو سامنے رکھ کر اس کے مطابق اس نظام کو چلائیں اس لیے کہ حقیقی معنی میں حکمرانی اور بادشاہت صرف اللہ کا حق ہے انسان کو بادشاہت کرنے کا حق حاصل نہیں۔

اسلام میں ملوکیت کے بجائے خلافت رکھی گئی ہے:

اسی واسطے اسلام میں ملوکیت نہیں رکھی گئی خلافت رکھی گئی ہے خلافت کا مطلب یہ ہے کہ بادشاہ اللہ تعالیٰ ہیں ان کا نائب بن کر ان کے قانون کو ہم چلا رہے ہیں خود بادشاہ نہیں ہیں۔ اقتدار ان کا ہے ان کے اقتدار کے زیر سایہ ہم چل رہے ہیں، نظام ان کا ہے ان کے نظام کو ہم چلا رہے ہیں بادشاہی ان کی ہے ہم اس کی ڈوڈی پیس رہے ہیں دنیا میں راج کر رہے ہیں تو خود بادشاہ نہیں ہیں ہم خود صاحب اقتدار نہیں ہیں اقتدار اللہ تعالیٰ کا ہے اس کو چلانے کے لیے دنیا میں انسان بھیجا گیا ہے خلیفہ بنا کر۔

سب سے زیادہ بغض وعداوت اللہ کو جس نام سے ہے وہ مَلِکُ الْاَمْلَاکِ ہے یعنی شہنشاہ کا کوئی لقب اپنے لیے رکھے، کنگ رکھے۔

یہ سب زیادہ مبغوض ہے اللہ کو اس لیے کہ یہ لقب تو اس کا ہے وہ ہے شہنشاہ، وہ ہے جہانوں کا بادشاہ، تو انسان کے لیے شہنشاہی نہیں رکھی گئی،

عبادت اور بندگی رکھی گئی ہے اور بندگی یہ ہے کہ اس کے نظام کو اس کا آلہ کار بن کر، اس کا خادم بن کر، اسے خلیفہ کہیں گے اسے نائب کہیں گے تو اس سورت میں حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی بادشاہی کے اصول بیان فرمائے ہیں اللہ کی شاہی کا نظام ارشاد فرمایا

نظام بادشاہت میں سب سے پہلی چیز ہے بادشاہ کے اوصاف

تو نظام بادشاہت میں سب سے پہلی چیز ہے بادشاہ کے اوصاف کہ بادشاہ کیسا ہونا چاہیے اور حق تعالیٰ شانہٗ بادشاہ ہیں تو ان کی شان کیا ہے بادشاہی کی، تو بادشاہی کے مناسب کونسی شان ہے حق تعالیٰ کی، کہ جس سے بادشاہت انہی کے لیے سزاوار ہے دوسرے کے لیے نہیں۔ تو پہلی چیز ہے بادشاہ کے اوصاف اور کمالات کہ کس کمال کا ہونا چاہیے بادشاہ۔

دوسری چیز ہے بادشاہت کے لوازمات:

دوسرے یہ کہ وہ بادشاہ جب ہے تو اس کی بادشاہت کے لوازم کیا ہیں؟ کون کون سی چیزیں لازم ہیں بادشاہت کے لیے کہ اس کے بغیر بادشاہت عالم اسباب میں نہیں چلتی۔

تیسری چیز ہے ان لوازم کے آثار:

تیسرے یہ ہوگا کہ ان لوازم کے آثار کیا ہیں بادشاہت کے، جس ملک میں بادشاہ بادشاہی کر رہا ہے تو اس کی بادشاہی کے آثار کیا پڑ رہے ہیں اچھے پڑ رہے ہیں یا برے پڑ رہے ہیں مخلوق سکون و اطمینان سے ہے یا پریشانیوں اور الجھنوں میں مبتلا ہے، کیا آثار پڑ رہے ہیں؟ ان آثار کو دیکھ کر کہا جاتا ہے کہ بادشاہت بہت اونچی ہے اس لیے یہ سکون اور اطمینان ہے ملک کے اندر یا معاذ اللہ! بادشاہت بہت خراب ہے اس لیے ملک میں بدنظمی پھیلی ہوئی ہے

بادشاہت کے نظام میں ایک نظام تکمیلی ہے دوسرا تکوینی:

تو حق تعالیٰ شانہٗ کی بادشاہت کے نظام میں ایک نظام تو ہے تکمیلی کہ جس میں انسانوں کا دخل نہیں وہ ایسا منظم ہے کہ تل برابر اس میں کسی وقت کسی آن فرق نہیں۔ کھیتیاں اپنے طریق پر اگ رہی ہیں پیدا ہونے والے پیدا ہو رہے ہیں مرنے والے مر رہے ہیں تمام موسم اپنے وقت پر آ رہے ہیں، سورج اپنے وقت پر نکل رہا ہے، چاند اپنے وقت پر، ہر ایک کا ایک وقت مقرر ہے ذرہ برابر اس میں فرق نہیں لیکن ایک بادشاہت کا نظام ہے تکوینی یعنی انسان کو خود اختیار دے کر انسان سے کہا گیا کہ چلا اس نظام کو اس میں انسان خرچے پیدا کرتا ہے اپنی بدکرداری سے اور اپنی برائیوں سے اس نظام کو چلاتا ہے بلکہ اپنے ذاتی اقتدار کا نظام بنانا چاہتا ہے، اپنی بادشاہت جتانا چاہتا ہے دوسروں پر اللہ کی بادشاہی کو نہیں چلاتا اور جب کسی کے اندر جاہ پسندی آ جائے گی تو فطرت انسانی اسے برداشت نہیں کرے گی جب ایک شخص یوں چاہے گا کہ میں بڑا بنوں اور دوسرے چھوٹے رہیں تو دباؤ میں آ کے قہر میں آ کے ممکن ہے بن جائیں چھوٹے، لیکن دلوں میں نفرت ہوگی اسے حق کیا ہے ہمارے اوپر حکمرانی کرنے کا؟ جیسے ہم ویسا یہ ہمارے برابر کا ہے۔ اگر کوئی یوں کہے کہ مجھے بادشاہ مانو تو گوارہ نہیں کرے گی مخلوق، کرے گی تو دباؤ میں آ کر اور اگر یوں کہے کہ بھئی نہ میں بادشاہ نہ تو بادشاہ ہم سب کا بادشاہ اللہ ہے۔ قانون اس کا ہے میں تو چلانے والا ہوں۔ سب کے دلوں میں اس کی عظمت بیٹھ جائے گی۔ تو اپنی جاہ پسندی اور اپنے اقتدار دوسری مخلوق پر نہیں لاد سکتے۔ لیکن زور دباؤ میں آ کر اپنا اقتدار چلاتے ہیں۔ تو مخلوق فکر میں رہتی ہے۔ کہ کوئی موقع پڑے تو اس کے اقتدار کو ختم کر دو۔ اس نے پارٹیاں بنالیں اس نے ایجی ٹیشن شروع کیا اس نے پبلک کو ہموار کیا بغاوت پھیلائی تو یہ جو بدنظمی ملک میں ہوتی ہے۔ اس کا سبب ہم ہیں، اللہ کی حکومت سبب نہیں جہاں بلاواسطہ اس کی حکومت ہے اس میں تل برابر فرق نہیں، جہاں حکومت تمہارے واسطے سے کرنا چاہتے ہیں۔ تا کہ تمہاری عزت ہو۔ اور وہاں ہم اپنی ذاتی عزت سمجھ کر نظام کو بگاڑتے ہیں۔ وہیں سے بدنظمی پیدا ہوتی ہے۔ تو بدنظمی کا ذمہ دار دنیا میں انسان ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نہیں ان کی بلاواسطہ بادشاہت میں ذرہ برابر فرق نہیں۔ جہاں تمہیں واسطہ بنایا ہے وہیں تم نے اپنی کدورتوں کو داخل کر دیا تو نظام بگڑ جاتا ہے اس لیے اس سورت میں اصول بیان فرمائے گئے ہیں کہ نظام عالم کن اصولوں پر چلنا چاہیے وہی اصول جو اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں۔ انہی پر چلو گے تو تمہارا نظام درست ہوگا۔ ان سے ہٹو گے درست نہیں ہوگا۔ اس لیے پہلی چیز تو آتی ہے بادشاہ کے اوصاف۔

بادشاہ کے اندر سب سے پہلی چیز لیاقت اور قابلیت کا ہونا ہے:

بادشاہ کے اندر تو سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ قابلیت اور لیاقت ہونی چاہیے۔ کسی جاہل کو آپ بادشاہ بنا دیں تو جاہل کی بادشاہت جاہلانہ ہوگی۔ اور ان جاہلانہ چیزوں کا اثر برا پڑے گا۔ تو نظم کے بجائے بدنظمی پھیل جائے گی۔ تو بادشاہ کے اندر خود قابلیت اور کوئی کمال ہونا چاہیے۔ کہ جس کی وجہ سے لوگ بھی جھکیں اس کے آگے اور اس کا کام بھی چلے۔

بادشاہ کی قابلیت اور کمال یہ ہے کہ وہ مجسم خیر ہونا چاہیے:

اور یہ کہ خیر جو چیز ہے وہ بادشاہ کے اندر ہونی چاہیے۔ اگر معاذ اللہ وہ شرور کا مجموعہ ہوا برائیوں کا، تو برائی پھیلے گی۔ اس واسطے مثل مشہور ہے کہ "اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ جیسا راجہ ویسی پرجہ، جیسا بادشاہ ویسی رعایا۔ اگر بادشاہ نانجار ہے تو رعایا میں بھی نانجاری پیدا ہوگی۔ اگر بادشاہ کے اندر بھلائیاں ہیں تو رعایا میں بھی بھلائیاں پیدا ہوں گی۔ رعایا تو کوشش کرتی ہے

کہ بادشاہ کے قریب تر چلے۔" اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ "

قیصر جرمنی کی تقریر کے چند جملے:

جب یہ جنگ عظیم جاری تھی تو قیصر جرمنی نے تقریر کی اور اس نے تقریر میں چند جملے کہے تھے۔ اس میں کہا تھا کہ "اگر دنیا سے ترک مٹ جائیں تو شجاعت اور بہادری کا خاتمہ ہو جائے گا۔ جہاں بھی بہادری پھیلی ہوئی ہے وہ ترکوں کی بہادری کا اثر ہے۔ اور اگر جرمنی مٹ جائی تو سائنس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ (اس زمانے میں اول نمبر پر جرمنی کا ملک تھا۔ سائنسی ایجادات میں ،امریکہ اب بنا ہے بعد میں تو اس نے کہا تھا کہ ترک مٹ جائیں تو بہادری کا خاتمہ اور اگر جرمنی مٹ جائے تو سائنس کا خاتمہ) اور اگر فرانس مٹ جائے تو عیاشی اور بے حیائی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور اگر انگریز دنیا سے مٹ جائے تو ڈپلومیسی مکاری فریب بازی ان چیزوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔" تو ہر حکمران قوم کی کچھ خصوصیات ہوتی ہیں۔ اور جب وہ قوم حکومت کرتی ہے تو پبلک میں وہ خصوصیات پھیلتی ہیں۔ اگر مکار بادشاہ ہے تو پوری قوم کے اندر مکر اور فریب اور چالاکی اور بے ایمانی اور دَغَلْ فَسَلْ یہ چیزیں پھیل جائیں گی۔ اور اگر بادشاہ دیانتدار ہے متدین ہے تو پوری رعایا کے اندر دیانتداری کا اثر ہوگا۔

سلیمان بن عبدالملک اموی بادشاہ کا شوق:

خلفاء بنی امیہ میں سلیمان بن عبدالملک بہت بڑا اونچے درجے کا خلیفہ ہے اسے نکاح کرنے کا بہت شوق تھا۔ بہت جوان اور بڑا مضبوط تھا۔ تو شرعی حدود میں رہتا نہیں اگر چار سے زائد بیک وقت کرتا (لہٰذا) چار سے زیادہ تو کرتا نہیں تھا بیویاں۔ مگر چھ مہینے میں طلاق دی حق مہر ادا کیا ایک اور سے کر لیا پھر پانچ مہینے اسے رکھا اور پھر اسے طلاق دے دی پھر تیسری سے تو چھ سو نکاح کیے۔

گویا جائز عیاشی کہنا چاہیے جو ایک مثل برابر ہے۔ قانون کے دائرے سے باہر نہیں سینکڑوں ہزاروں نکاح کر ڈالے تو اس زمانے میں جب امراء جمع ہوتے تھے۔ کسی مجلس میں تو پوچھتا کہ آپ کتنے نکاح کر چکے ہیں اس نے کہا کہ بیس؟ آپ نے کتنے کیے؟ میں پچاس کر چکا ہوں۔ تیسرے کہتے ہیں کہ میں جناب ساٹھ کر چکا ہوں۔ ایک صاحب کہتے ہیں کہ میں نے سو نکاح کیے ہیں اب تک، تو اس زمانہ میں مابہ الفخر یہی چیز بن گئی تھی۔ کہ کتنے نکاح کیے اس لیے کہ بادشاہ کا طریقہ یہی تھا کہ دے نکاح پہ نکاح، دے نکاح پہ نکاح تو رعیت کے اندر بھی یہی جذبہ پھیل گیا۔ کہ یہ ہی کوئی بڑی شان وشوکت کی چیز ہے۔

خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیز کا مشغلہ:

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ عادل ہیں اور تین سو نفلیں رات میں ثابت ہیں ان کی باقی ان حضرات کے اوقات میں اللہ برکت دیتا ہے دن بھر تو پبلک کی خدمت میں مقدمات فیصلہ کرنے میں ملک کے تحفظ میں بقا میں اور رات کو تین سو نفلیں بھی تو کس وقت سوتے ہوں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ چوبیس گھنٹے عبادت میں گذارتے ہیں تو تین سو نفلیں رات میں ثابت ہیں اس زمانے میں امراء میں فخر کی بات کیا تھی جب کسی مجلس میں جمع ہوئے۔ آپ رات میں کتنی نفلیں پڑھتے ہیں انہوں نے کہا کہ بیس آپ کتنی پڑھتے ہیں؟ میں تو چالیس پڑھتا ہوں تیسرا کہتا ہے کہ میں پچاس نفلیں پڑھتا ہوں میں سو نفلیں پڑھتا ہوں تو فخر کی بات یہ ہوگی کہ نفلیں زیادہ پڑھی جائیں۔ تو ایک اصول ہے۔ جیسا راجہ ویسی پرجہ جیسا بادشاہ ویسی رعیت "اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ" ظاہر بات ہے کہ جب حق تعالیٰ شانہ بادشاہ ہوں گے تو وہاں تو شر اور برائی کا تو نشان بھی نہیں اَلْخَیْرُ کُلُّہٗ مِنْکَ وَاِلَیْکَ وَالشَّرُّ لَیْسَ اِلَیْکَ ساری خیر وبرکت تو اس کی ہے جہاں بھی خیر ہے وہ اس کی ہے شر اس کے پاس پھٹک نہیں سکتی۔ نہ اس کی ذات میں ہے نہ باہر کی شر وہاں تک جا سکتی ہے۔ وہ بَری ہے ہر شر سے تو جب خیر مطلق بادشاہ ہوگا۔ تو ظاہر ہے کہ عالم میں خیر پھیلے گی۔ تو پہلی چیز یہ ہے کہ بادشاہ کے اندر خیر کا غلبہ ہونا چاہیے اور جب اللہ بادشاہ ہے تو وہاں خیر ہی خیر ہے۔ وہاں شر کا کوئی نشان نہیں پھر وہ خیر ایسی ہونی چاہیے کہ اپنی ذات تک محدود نہ رہے۔ بلکہ وہ نکل کر دوسروں تک پہنچے اگر اپنی ذات سے بہت باخیر ہے ایک شخص مگر دوسروں کو اس کی خیر سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا تو دوسروں کے حق میں ہونا نہ ہونا برابر رہا۔ لیکن حق تعالیٰ شانہ کی خیر یہ ہے کہ پورے عالم میں پھیلی ہوئی ہے ذرے ذرے کے اندر پھیلی ہوئی ہے اس لیے کہ بنانے والے تو وہ ہیں وجود انہوں نے ہی دیا۔ اور وجود ہی سرچشمہ ہے ساری خیر وبرکت کا تو جس کو وجود دیا اس میں خیر پھیلی ہوئی ہے تو اللہ کی خیر ایسی ہے کہ خود اس کی ذات بھرپور ہے خیر سے اور ذرے ذرے پر اس کی خیر پھیل رہی ہے اسی کا نام ہے شریعت کی اصطلاح میں "برکت۔"

برکت کسے کہتے ہیں؟

برکت کہتے ہیں کہ کسی چیز کی خاصیت بھلائی تو اس میں ہو اور وہ پھیل کر دوسروں تک پہنچے تو کہیں گے کہ وہ شے مبارک ہے اگر اس میں خیر نہ ہو یا اس میں کوئی اچھا خاصہ نہ ہو اور وہ دوسروں تک نہ جائے تو کہیں گے خیر وبرکت کی بات نہیں، پانی ہے مثلاً اس کی خاصیت ہے ٹھنڈک اس لیے کہ وہ خود بھی ٹھنڈا ہے اور دوسروں کے دلوں میں ٹھنڈک پیدا کرتا ہے اگر پانی پئیں اور ٹھنڈک نہ پہنچے تو کہیں گے کہ منحوس پانی ہے، برکت والا پانی وہ ہے کہ خود بھی ٹھنڈک ہے اس میں اور دوسروں کو بھی پہنچ رہی ہے۔ ہوا کے اندر خیر یہ ہے کہ اس میں رطوبت ہے اور خیر یہ ہے کہ جہاں جہاں ہوا پہنچتی ہے رطوبت پہنچتی ہے اگر ہوا چلے اور رطوبت کے بجائے خشکی پھیل جائے، خشک سالی پھیل جائے کہیں گے کہ وہ بڑی منحوس ہوا چلی اپنی خاصیت نہ دکھلائی اس نے

۔تو جس شے میں خیر چھپی ہوئی ہو۔اور وہ خیر دوسروں تک پہنچ رہی ہو۔اور اس میں روز بروز اضافہ ہی ہو۔اس کو کہتے ہیں ''برکت'' اس کو ظاہر فرمایا گیا ہے کہ تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ برکت والی ذات ہے اللہ کی یعنی وہ ذات ہے کہ ہر خیر اس میں ہے اور اس کی ہر خیر مخلوق کو پہنچ رہی ہے تو معلوم ہوا کہ برکت کی ذات ہے اگر ساری خیر اس میں ہوتی اور مخلوق کو نہ ملتی خیر تو نہیں کہا جاسکتا تھا۔برکت والی ذات جو خود بھی خیر سے بھرپور اور دوسروں کو بھی خیر پہنچ رہی ہو۔مبارک ذات خیر میں مثلاً علم میں بہت بڑا کمال تو حق تعالیٰ شانہٗ سرچشمہ ہیں علوم کا اور اس نے ذرے ذرے کے اندر علم دے دیا ہے اپنی اپنی بساط کے مطابق تو برکت والی ذات ہے جو خود بھی علم سے بھرپور ہے اور عالم کے ذرے ذرے میں اس کی شان کے مطابق علم بھیج دیا۔عمل ہے تو خود بھی اس کی صناعی بے غبار اور بے داغ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ ۔ اللہ کی صفت اتنی مضبوط ہے کہ اس میں انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں کہ کوئی عیب نکال دے۔آسمان کو جیسا بنایا بس ویسا ہی بننا چاہیے۔نہ کمی ہے نہ زیادتی،زمین کو جیسا بنایا تھا ویسی ہی بننی چاہیے تھی،نہ کمی نہ زیادتی۔زمین اور آسمان کے درمیان جتنا فاصلہ ہے اتنا ہی رہنا چاہیے تھا اس سے کم ہوتب بھی مضر تھا اس سے زیادہ ہوتب بھی مضر۔تو ہر چیز اپنے اپنے موقع پرفٹ اور اپنی اپنی مقدار پہ جس کو فرماتے ہیں کہ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۔ہر چیز کے خزانے ہمارے ہاں بے انتہا ہیں،مگر ہم اتارتے ہیں عالم میں ایک مقدار اور اندازے کے مطابق جس کا تحمل کر سکے۔کائنات اتنا ہی دیتے ہیں تو روشنی لامحدود ہے مگر سورج کو اتنی دی جتنی کہ وہ برداشت کر سکے،اس کے ذریعے سے ہم تک اتنی پہنچائی کہ ہم تحمل کر سکیں۔اگر اتنی تیز روشنی دیتے کہ ہر وقت چندھیائے رہتے لوگ اور بینائیاں زائل ہو جاتیں تو کہتے کہ سورج برکت والا نہیں ہے یہ تو نحوست ہے بینائیاں چھن گئیں۔تو اتنی روشنی دی کہ جس کو وہ تحمل کرے۔اور جس کو ہم برداشت کرسکیں۔چاند میں اتنی ٹھنڈک دی کہ جتنی اس کے مناسب میں تھی۔اور اتنی ہم تک پہنچائی جتنی کہ ہم برداشت کرسکیں۔تو خیر بھی ہے اور خیر پھیل بھی رہی ہے،اور اس خیر میں اضافہ بھی ہے۔مخلوق آ رہی ہے مخلوق جا رہی ہے،مگر خیر میں کمی نہیں ہے ایک سے دوسرے کو دوسرے سے تیسرے کو،تو علم کی خیر،صنعت کی خیر،عمل کی خیر،اخلاق کی خیر یہ ساری چیزیں پھیل رہی ہیں۔تو ظاہر ہے کہ وہی ذات بادشاہت کے لیے موزوں اور مناسب ہو سکتی ہے جو ہر خیر سے بھرپور ہو۔علم ہے تو لامحدود،صنعت ہے تو لامحدود،اخلاقی کمالات ہیں تو لامحدود،برکات ہیں تو لامحدود،تو مبارک حقیقت میں اللہ کی ذات ہے جس میں اس کا کچھ اثر آ جائے گا۔اسے کہیں گے کہ برکت والا ہو گیا مبارک ہو گیا۔دن میں ایک چیز اچھی ڈال دی تو کہا جاتا ہے کہ بڑا مبارک دن ہے۔

آج اس میں تو بڑی بھلائیاں پہنچیں مخلوق کو۔رات میں جو کوئی بھلائی نکل آئے،کوئی اچھا واقعہ پیش آئے،تو کہا کرتے ہیں کہ بھئی بڑی مبارک رات تھی آج کی دیکھو۔کیسا واقعہ پیش آیا تو مبارک چیز وہ ہوتی ہے کہ اس کے اندر بھی خیر ہو اور وہ خیر دوسروں تک پہنچے۔اور اس میں گھٹنا نہ ہو بلکہ بڑھنا ہو۔اضافہ ہی اضافہ ہو۔اس کو برکت کہتے ہیں۔

اللہ کی ذات چونکہ برکتوں سے بھرپور ہے اس لیے بادشاہت کے لائق وہی ہے

تو جب اللہ کی ذات چونکہ برکتوں سے بھرپور ہے اس لیے بادشاہت کے لائق بھی وہی ہے اور کوئی بادشاہت کے لائق نہیں ہو سکتا۔ اگر ہو سکتا ہے تو اس کا نائب بننے کے لائق۔جیسے انبیاء علیہ السلام کو مبارک بنایا۔ان کے علم میں برکت،ان کے اخلاق میں برکت،ان کے افعال میں برکت،وہ کھانا سامنے رکھ دیں اس میں برکت ایک کا دو کو،دو کا دس کو کافی ہو جائے۔برکت ہی برکت ہے۔تو وہ نائب بننے کے لائق ہیں۔بادشاہ انہیں بھی نہیں بنایا۔یوں فرمایا کہ بادشاہت ہماری ہے ہماری نیابت میں یہ حکمرانی کریں گے۔تو بادشاہ کے لیے سب سے پہلے اس کی ضرورت ہے کہ وہ خیر سے بھرپور ہو،ارادے بھی اس کے نیک ہوں۔بدنیت نہ ہو۔علم بھی اس کا صحیح ہو غلط نہ ہو،اخلاق بھی اس کے اونچے ہوں۔گھٹیلو ے نہ ہوں افعال بھی اس کے صحیح ہوں بے قاعدہ اور بدنظمی لیے ہوئے نہ ہوں اس واسطے کہا جائے گا۔کہ وہ بابرکت ہے تو فرماتے ہیں تَبٰرَكَ مبارک ہے اللہ کی ذات کیونکہ ساری خیر اس میں ہے ساری خیر پہنچ رہی ہے۔اور خیر میں اضافہ ہے کوئی کمی نہیں تو پہلی چیز یہ آ گئی کہ بادشاہ کے لیے شرط تھی کہ اس کی ذات بھرپور ہو خیر سے اس میں برائی کا نشان نہ ہو۔تو تَبٰرَكَ کے لفظ سے تو اپنی ذات کی نوعیت بیان فرمائی ہے کہ برکت والی ہے اور برکت کہتے اسے ہیں کہ ہر خیر جمع ہو۔اور دوسروں تک پہنچے۔

بادشاہ کے لیے دوسری چیز ملک پر اس کا قبضہ ہونا ہے:

دوسری چیز جو بادشاہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس ملک میں حکمرانی کرے وہ قبضہ میں ہو۔اور جو قبضہ سے باہر نکلا ہوا ہو یعنی حکام کے ہاتھ میں بدنظمی پھیل رہی ہے۔بھاؤ غلط ہو رہے ہیں دَغَلْ فَسَلْ ہو رہا ہے۔تجارت میں،رشوتیں لیں جارہی ہیں۔اور حکومت کو قابو حاصل نہیں تو کہا جائے گا کہ اس کے قبضہ میں نہیں ہے زبردستی لیا قبضہ میں مگر چلا نہ سکی حکومت اپنے قبضے کو،ہاتھ پلے کچھ نہ پڑا نہ پبلک کے ہاتھ پلے کچھ پڑا۔نہ بادشاہ کے ہاتھ پلے کچھ پڑا۔اور یوں ڈگر اپنا چل رہا ہے تو چلتا رہا،لیکن حقیقتاً جسے قابو میں آنا کہتے ہیں وہ وہ ہے کہ حکام کی گرفت میں ہو اس پر ذرا ادھر ادھر نہ ہٹ سکے۔اور تھوڑا ہٹے تو بادشاہ کو علم وسیع ہے تو وہ فوراً دارو گیر کرتا ہے اور سب سنبھل جاتے ہیں تو

بادشاہ کے لیے علم کی وسعت اور قبضے اور اقتدار کی وسعت ہونی چاہیے اگر ملک قابو میں نہ آئے تو ظاہر بات ہے کہ حکومت نہیں چل سکتی۔ اور چلے گی تو ظلم و جور کی حکومت ہوگی۔ بدنظمی کی حکومت ہوگی۔ تو پہلی شرط ہی ہے کہ بادشاہ باخبر ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس کا قبضہ صحیح ہو قابو سے نکلی ہوئی نہ ہو بات۔

شاہ جہاں کے ولی عہد مقرر کرنے کا قصہ:

کہتے ہیں کہ جب شاہجہاں بادشاہ نے ولی عہد بنانا چاہا تو دو بیٹے تھے ایک اورنگ زیب اور ایک داراشکوہ تو داراشکوہ کے لیے شاہجہاں کا خیال تھا کہ بڑا بھی ہے اورنگزیب سے اور باوجاہت بھی۔ اور ملکہ بھی یہی چاہتی تھی۔ کہ داراشکوہ بادشاہ بنے۔ ہندوستان کا اور عام پبلک کا بھی یہی خیال تھا کہ یہی ولی عہد ہونا چاہیے لیکن وزیر اعظم کی رائے یہ تھی کہ اورنگزیب ہے بادشاہت کے لائق، داراشکوہ بادشاہت کے لائق نہیں، سنبھال نہ سکے گا۔ ملک کو اس کے قلب میں اتنی جان نہیں۔ بہرحال یہ چل رہا تھا قصہ۔ تو وزیر اعظم نے امتحان لیا کہ دونوں کا امتحان کراؤں۔ اور ساتھ میں ایک پارٹی کو لیا تاکہ جو امتحان ہو سب کے سامنے آجائے۔ تو اس نے سب سے پہلے داراشکوہ کے یہاں اطلاع بھجوائی کہ میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ داراشکوہ نے استقبال کا سامان کیا۔ ملک کا وزیر اعظم آرہا ہے تو حشم خدم کے ساتھ اور بڑی آؤ بھگت کے ساتھ وزیر اعظم کو بلایا۔ اور اس کی شان کے مطابق عالی شان استقبال کیا مسند بچھائی اور اپنے برابر اس کو بٹھایا، قریب کیا، خیر وزیر اعظم بیٹھ گیا اب وزیر اعظم نے کچھ سوالات کرنے شروع کیے کہ دکن میں چاولوں کا کیا بھاؤ ہے؟ تو داراشکوہ جواب نہ دے سکا بنگال میں کیا بھاؤ ہے؟ پتہ نہیں۔ سونے کا کیا بھاؤ ہے؟ کچھ پتہ نہیں۔ مگر تعظیم و تکریم بہت کی خیر وزیر اعظم وہاں سے واپس آیا اس کے بعد اطلاع کرائی اورنگزیب کے یہاں کہ میں آنا چاہتا ہوں اس نے کہا آجاؤ۔ اورنگزیب نے کوئی استقبال کا سامان نہ کیا جیسا اس کا مکان تھا ویسے ہی بیٹھے رہے۔ بلکہ ذرا اور لاابالی پن میں سرور پھیلا کر بیٹھ گئے۔ وزیر اعظم آئے تو بہت استغنا تھا۔ کوئی تعظیم و تکریم خاص نہیں اس واسطے کہ جانتے تھے کہ اورنگزیب کہ امتحان لینے آرہا ہے۔ تو ممتحن کی آؤ بھگت کے معنی تملق اور خوشامد کے ہوتے ہیں کہ میں ہوں تو اس قابل نہیں مگر نمبر دے کر پاس کر دینا۔ اورنگزیب چونکہ خود علم رکھتا تھا۔ ملک کے تمام اطراف و جوانب کا اس لیے اس میں استغنا تھا۔ تو استغنا کے ہوتے ہوئے ضرورت ہی نہیں تھی کہ تملق اور خوشامد کرے تو بہت استغنا سے بیٹھا۔ وزیر اعظم آئے تو خاص تکریم نہیں کی کہا السلام علیکم! وعلیکم السلام! بیٹھ جاؤ اب اس نے پوچھنا شروع کیا تو اس نے چار ہی سوال کیے اور اورنگزیب نے پورے ملک کی حقیقت بتلا دی کہ فلاں جگہ یہ بھاؤ ہے فلاں جگہ حکام بدنظمی میں مبتلا ہیں۔ اور فلاں جگہ عدل وانصاف ہو رہا ہے۔ فلاں حاکم کی ذہنیت ایسی اور وہ ذرا اسی ذہنیت کا، الغرض پورے ملک کا ایک نقشہ کھینچ دیا یہ بے چارہ وزیر اعظم جسے خود اتنی معلومات نہیں تھیں جتنا اس شہزادہ کو معلومات تھیں آیا شاہ جہاں کے پاس۔ شاہ جہاں نے پوچھا کیا اثر لے کر آئے۔ اس نے کہا جہاں پناہ تو یہ چاہتے ہیں کہ داراشکوہ ہو بادشاہ اور اللہ یہ چاہتا ہے کہ اورنگزیب ہو بادشاہ۔ اور اللہ ہی کا چاہا پورا ہوگا۔ اس کے بعد حالات سنائے۔ تو بات وہی تھی کہ جو قابو پا سکے ملک پر وہی بادشاہ بنانے کے لائق ہے اور قابو وہ پائے گا جس کا علم صحیح ہو۔ علم کے وسائل صحیح ہوں۔ کہ کہاں کیا چیز گذر رہی ہے؟ رعایا میں بے چینی ہے، بدنظمی ہے، سکون ہے، بدامنی ہے امن ہے۔ ظلم تو نہیں کر رہے حکام تاجروں کو دیکھا جائے۔ کہ بلیک میں تو مبتلا نہیں، نفع خوری میں تو مبتلا نہیں ہیں، حکام رشوت ستانی میں تو مبتلا نہیں ہیں۔ تمام چیزوں کی اطلاع ہو اور علم ہونے کے بعد قدرت اور قوت حاصل ہو کہ طاقت سے ان کو ہٹایا جا سکے برائی سے۔ اگر قبضے میں ہی نہیں ملک تو حکومت نہیں چل سکتی۔ اس لیے حق تعالیٰ نے پہلے تو اپنی ذات کی شان فرمائی۔ تَبَارَکَ مبارک ذات ہے جس میں ہر خیر جمع ہے ہر خیر کا سرچشمہ ہے اور اس سے خیر پھیل رہی ہے اور دوسری شان یہ ہے کہ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ اس کے ہاتھ میں ہے ملک۔ ذرہ برابر ادھر ادھر نہیں چل سکتا۔ ممکن نہیں ہے کہ اس کی منشاء کے خلاف کوئی چل جائے۔ ٹھیک ٹھیک اس کی منشاء پر چلے گا جو قضاء و قدر اس نے کر دی ہے دنیا پابند ہے اس کی، کائنات پابند ہے سارے جہاں مل کر اسی کے ارد گرد گھومیں۔

بادشاہ کے لیے تیسری چیز اقتدار حاصل ہونا ہے:

اور تیسری چیز فرمائی کہ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہر چیز پر وہ قادر ہے اور جب قدرت اسے ہر چیز پر حاصل ہے، اقتدار ہر چیز پر حاصل ہے، تو بااقتدار کے آگے چوں نہیں کر سکتا کوئی اسے تو ڈر ہوگا کہ کہیں مجھے معزول نہ کر دے تو تین وصف بیان فرمائے ایک برکت اور ایک قبضہ اور ایک چیز اقتدار تو یہ تین چیزیں انتہائی ضروری ہوتی ہیں حکومت کے لیے۔ یہ لامحدود طریق پر اسی کی ذات میں موجود ہیں تو بادشاہت کے لائق بھی اسی کی ذات ہے۔

سورہ ملک کا نام مَانِعَه اور مُنجِیَۃ بھی ہے:

اس سورت کا نام "سورۃ مانعہ" اور "سورۃ منجیہ" بھی ہے مانعہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ منع کرتی ہے عذاب قبر سے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قبر بیت ظلمت ہے اندھیروں کا گھرانہ ہے یہاں تاریکی کے سوا کسی اور چیز کا نشان نہیں اور سورہ تَبَارَکَ الَّذِیْ یہ روشنی ہے قبر کی، یا اس کا پڑھنے والا قبر کی روشنی مہیا کرتا ہے اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ روزانہ سوتے وقت آپ تَبَارَکَ الَّذِیْ اور الٓمّٓ سَجْدَۃ یہ دونوں سورتیں پابندی کے ساتھ تلاوت فرماتے تھے اور یہ بھی فرمایا کہ دونوں

سورتیں روشنی ہیں قبر کی۔ اس لیے اس سورۃ کا نام رکھا گیا ''مانعہ'' یعنی مانعت ظلمت، تاریکیوں کو دفع کرنے والی اور قبر میں اندھیری کوٹھڑی کو ایک روشن میدان بنا دینے والی۔ اس وجہ سے بھی کہ اس کی تلاوت کا خاصہ ہے نورانی طبع تو گویا تاریک قبر روشن ہو جائے گی اس کی تاثیر اس کا نام سورۃ ملک بھی ہے جس میں اللہ کی حکومت کے اصول بیان فرمائے گئے ہیں اور اللہ کی حکومت لامحدود ہے سارے جہانوں میں اسی کی حکومت ہے۔

ملک کے اندر پھیلاؤ اور وسعت داخل ہے:

تو ملک کے اندر وسعت داخل ہے ملک کہتے ہی اس کو ہیں کہ پھیلا ہوا ہو، پھیلا ہوا نہیں ہوگا تو اسے ہم صوبے کی حکمرانی اور ریاست کہیں گے اور تنگ ہو جائے گی اسے قصبے کی حکومت کہیں گے اور تنگ ہو جائے گی تو اسے قبیلے کی حکومت کہیں گے تو اور زیادہ تنگ ہو جائے گی تو اسے گھر کی حکومت کہیں گے تو حکمرانوں میں ملک کی حکومت سب سے زیادہ وسیع ہے اور اللہ کا ملک ہی ساری کائنات میں پھیلا ہوا ہے جہاں غیر اللہ کی حکمرانی ہے، وہ (بھی) سب اسی کا ملک ہے اس لیے اس کی وسعت کی کوئی حدود نہایت نہیں اس ملک میں عالم دنیا بھی داخل ہے۔

دنیا کسے کہتے ہیں:

اور دنیا کہتے ہیں دنی کو یعنی خسیس اور ذلیل کو تو سب سے زیادہ ذلیل عالم یہ ہے اسی واسطے حدیث میں فرمایا گیا ہے اِنَّ الدُّنْیَا لَا تَزِنُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ ''کہ پوری دنیا مل کر اللہ کے یہاں اتنی بھی وقعت نہیں رکھتی جیسے کہ مچھر کی ایک ٹانگ ہوتی ہے، تو یہ بے وقعت عالم ہے۔ (معارف حکیم الاسلام قاری قدس سرہٗ)

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ
جس نے بنایا مرنا اور جینا
لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا
تاکہ تم کو جانچے کون تم میں اچھا کرتا ہے کام ☆

موت وحیات کا مقصد:

یعنی مرنے جینے کا سلسلہ اسی نے قائم کیا' ہم پہلے کچھ نہ تھے (اسے موت ہی سمجھو) پھر پیدا کیا اس کے بعد موت بھیجی' پھر مرے پیچھے زندہ کر دیا۔ کما قال ''وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ'' (بقرہ رکوع ۳)
موت وحیات کا یہ سارا سلسلہ اس لیے ہے کہ تمہارے اعمال کی جانچ کرے کہ کون برے کام کرتا ہے کون اچھے اور کون اچھے سے اچھے۔ پہلی زندگی میں یہ امتحان ہوا اور دوسری زندگی میں اس کا مکمل نتیجہ دکھلا دیا گیا فرض کرو اگر پہلی زندگی نہ ہوتی تو عمل کون کرتا' اور موت نہ آتی تو لوگ مبدا و منتہی سے غافل اور بے فکر ہو کر عمل چھوڑ بیٹھتے اور دوبارہ زندہ نہ کیے جاتے تو بھلے برے کا بدلہ کہاں ملتا۔ (تفسیر عثمانی)

مختلف درجات کی زندگی

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ حیات اللہ کی بھی صفت ہے اور مخلوق کی بھی (مطلق) حیات کے لئے صاحب حیاۃ کا عالم قادر اور صاحب ارادہ ہونا لازم ہے اللہ نے اپنے ارادہ اور ممکنات کی استعداد (فطری) کے موافق مختلف ممکنات کو مختلف درجات کی زندگی عطا فرمائی ہے (الف) کسی مخلوق (یعنی انسان) کو ایسی زندگی عطا فرمائی جس کے نتیجہ میں اللہ کی ذات وصفات کی معرفت اس کو حاصل ہو گئی۔ یہی وہ امانت ہے جس کو انسان نے برداشت کر لیا اور تمام آسمان زمین پہاڑ اس کو اٹھانے سے خوف زدہ ہو گئے یہ حیات (معرفت اندوز) اللہ کی طرف سے محض القاء نوری کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے۔

امام احمدؒ اور ترمذیؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا پھر ان پر اپنے نور کا کچھ (پرتو) ڈال دیا تو جس کو اس نور کا کچھ حصہ مل گیا اس نے ہدایت پائی اور جس کو نہ ملا گمراہ ہو گیا (اسی لیے) میں کہتا ہوں کہ علم الٰہی (کے مطابق لکھ کر) قلم خشک ہو گیا (ب) کسی مخلوق کو ایسی زندگی بخشی کہ حس اور حیوانی حرکت کو وہ اپنے ساتھ لے آئی اس حیات اور اس کے مقابل (موت حیوانی) کی تعبیر اس آیت میں فرمائی ہے کُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ تم بے حس وحرکت تھے اللہ نے تم کو حیات (حیوانی) عطا کی پھر وہ تم کو بے حس وحرکت کر دے گا پھر زندگی عطا کر دیگا (ج) کسی مخلوق کو ایسی زندگی عطا کی کہ وہ اپنے ساتھ صرف نمو (تناسب طبعی کے مطابق لمبائی چوڑائی اور موٹائی میں بیشی) لاتی ہے۔

موت کا معنی ہے مطلقاً زندگی نہ ہونا ایسی چیز میں زندگی نہ ہونا جو زندہ ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے (جیسے نابینا انسان یا حیوان کو ہی کہا جاتا ہے کیونکہ انہی میں بینا ہونے کی صلاحیت ہوتی ہے دیوار کو نابینا نہیں کہا جاتا، کیونکہ دیوار میں بینا ہونے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔)

مطلب یہ ہے کہ مبدء فیاض (خالق کائنات) سے ہر ممکن کو جو وجود خارجی عطا ہوتا ہے وہ ثبوت کونی یا تقرر علمی کی وساطت سے ہوتا ہے اعیان ثابتہ کے حجاب زجاجی (لیمپ کی چمنی) سے نور وجود چھن کر باہر آتا ہے اسی کی طرف آیت مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

بغوی نے بروایت عطاء حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے دنیا میں موت کو خلق (مقدر) کر دیا ہے اور آخرت میں (دوامی) زندگی کو میں کہتا ہوں شاید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ اللہ نے دنیوی زندگی کی تعبیر موت سے اور آخرت کی زندگی کی تعبیر حیات سے فرمائی ہے۔

موت کی موت:

حاکم اور ابن عبان نے بیان کیا اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا موت کو چتکبرے مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا الخ۔ ان روایات کے سلسلہ میں سلف کا طریقہ یہ رہا ہے کہ ان کے معنی پر غور نہ کیا جائے صرف مان لیا جائے اور دوسرے متشابہات کی طرح ان کے (حقیقی) علم کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے (اور کہہ دیا جائے ہمارا ان پر ایمان ہے اور ان کی حقیقت اللہ ہی جانتا ہے) سیوطیؒ نے حکیم ترمذیؒ کا یہی قول نقل کیا ہے لیکن صوفیہ صافیہ کو چونکہ عالم مثال کا بھی کشف ہوتا ہے اور عالم مثال میں ہر جوہر عرض بلکہ غیر مادی چیز بلکہ باری تعالیٰ کی بھی ایک شکل ہے باوجودیہ کہ اللہ ہر شباہت سے پاک ہے اور عالم مثال پر ہی اس حدیث کو محمول کیا جاتا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے باپ کو بے ریش و بروت جوان کی شکل میں دیکھا اور اس کے دونوں پاؤں میں سونے کی جوتیاں تھیں، کبھی اللہ کی قدرت سے صورت مثالیہ عالم مثال سے عالم شہادت کی طرف منتقل ہوکر آ جاتی ہے بکثرت اولیا کی اس سلسلہ میں کرامتیں مشہور ہیں تو ممکن ہے کہ قیامت کے دن خدا تو عالم مثال سے موت کی صورت مثالیہ لوگوں کے سامنے لے آئے اور بحکم الٰہی اس کو ذبح کر دیا جائے تاکہ جنت اور دوزخ والے سمجھ جائیں (کہ موجودہ مکان میں) ہمیشہ رہنا ہے (آئندہ کبھی) موت نہیں ہوگی اسلام، ایمان، قرآن، اعمال، امانت، رحم اور دنیاوی ایام کے حشر کا جو صحیح احادیث میں تذکرہ آیا ہے اس کی مراد بھی یہی ہے (کہ عالم مثال میں چونکہ ان سب کی صورتیں ہیں وہ ہی صورتیں سامنے لے آئی جائیں گی)

اعمال اور معانی کی صورتیں:

سیوطیؒ نے بدور سافرہ میں بیان کیا ہے کہ تمام اعمال اور معانی (یعنی اجسام کے علاوہ) بھی مخلوق ہیں جن کی صورتیں اگرچہ ہم کو نظر نہیں آتیں لیکن اللہ کے علم میں ان کی صورتیں ہیں، اہل حقیقت نے صراحت کی ہے کہ معانی کی حقیقتوں سے واقف ہونا اور ان کو صورت جسمانی مشاہدہ کرنا کشف (اولیا) کی ایک خاص قسم ہے۔ احادیث اس کی بکثرت شاہد ہیں (انتہی) سیوطیؒ کا یہ قول عالم مثال کا بیان ہے (اولیاء کو عالم مثال ہی کا کشف ہوتا ہے عالم مثال ہی میں وہ معانی کی صورتیں دیکھتے ہیں)

امتحان کا مقصد:

لِيَبْلُوَكُمْ یعنی اوامر و نواہی کا پابند بنا کر اللہ تمہارے ساتھ بھی ویسا ہی عمل کرنا چاہتا ہے جیسا ممتحن امتحان دینے والوں کے ساتھ (ان کے درجات کو الگ الگ کر دینے کے لئے) کرتا ہے (مطلب یہ کہ بندوں کو مکلف کرنا بصورت امتحان ہے لیکن یہ امتحان اس لئے نہیں کہ اللہ کو بندوں کی وہ حالت معلوم ہو جائے جو پہلے معلوم نہ تھی بلکہ اس لئے ہے کہ بندوں کے درجات کو الگ الگ کر دیا جائے کوئی دوزخی اور کوئی جنتی ہو جائے۔

اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا بغویؒ نے بروایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ مرفوعاً بیان کیا ہے کہ اَحْسَنُ عَمَلًا یعنی کون زیادہ اچھی سمجھ رکھتا ہے اور کون ممنوعات الٰہیہ سے اپنے نفس کی بازداشت کرنے والا ہے اور کون اطاعت الٰہیہ میں زیادہ سرگرم ہے گویا عمل سے مراد فہم تقویٰ اور اطاعت لیبلوکم کا تعلق خلق الموت والحیات سے ہے یعنی تخلیق موت و حیات کی حکومت یہ ہے کہ فرماں بردار اور نافرمان کا (جدا جدا) ظہور ہو جائے کیونکہ اوامر و نواہی کا پابند بنانے کا مدار زندگی پر ہے زندگی ہی کی وجہ سے تعمیل احکام کی قدرت حاصل ہوتی ہے۔

سب سے بڑا واعظ:

اور موت ایک واعظ ہے جسے دانشمند نصیحت اندوز ہوتا ہے اور آخرت کے لئے توشہ فراہم کرنے کا موقع غنیمت سمجھتا ہے۔

حیوۃ موت کا انقلاب صانع حکیم مختار کے وجود کی دلیل ہے حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر کی مرفوع روایت ہے موت سب سے بڑا واعظ ہے اور ایمان سب سے بڑی دولت　(رواہ الطبرانی)

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے ربیع بن انسؒ مرسل قول نقل کیا ہے کہ دنیا سے بے رغبت بنانے اور آخرت کی اندرونی طلب پیدا کرنے کے لئے موت کافی ہے۔

سات چیزوں سے پہلے عمل کرلو:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ سات چیزوں سے پہلے عمل کرلو جو تمہارے سامنے آئیں گی (۱) ایسا افلاس جو (خدا اور احکام خدا کو) فراموش کر دے۔ (۲) ایسی دولت جو سرکش بنا دے (۳) جاہ کن بیماری۔ (۴) بے علم بنا دینے والا بڑھاپا۔ (۵) (دنیا کو چھڑا دینے والی) موت (۶) دجال یہ ایسا شر ہے جس کا (ہر پیغمبر کے زمانہ میں) انتظار کیا جاتا رہا ہے (۷) اور قیامت کے ساتھ جو سب سے بڑی مصیبت اور تلخ ترین حقیقت ہے۔ ترمذیؒ اور حاکمؒ نے اس حدیث کو بیان کیا ہے اور حاکمؒ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے احمدؒ اور مسلمؒ نے بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً بیان کیا ہے کہ چھ چیزوں سے پہلے (اصلاح اعمال) کرلو (۱) مغرب سے آفتاب کا طلوع ہونا (۲) دھواں (۳) دابۃ الارض (۴) دجال (۵) وہ چیز جو ہر شخص کے لئے مخصوص ہے یعنی موت (۶) اور وہ امر جو عمومی ہوگا یعنی قیامت بیہقیؒ نے حضرت ابوامامہؓ کی روایت سے اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔　(تفسیر مظہری)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع میں ہے کفیٰ بالموت واعظا و کفیٰ بالیقین غنی یعنی موت وعظ کے لئے کافی ہے

اور یقین غنی کے لئے (رواہ الطبرانی)

مراد یہ ہے کہ اپنے دوستوں اور عزیزوں کی موت کا مشاہدہ سب سے بڑا واعظ ہے جو اس سے متاثر نہیں ہوتا اس کا دوسری چیزوں سے متاثر ہونا مشکل ہے اور جس کو اللہ نے ایمان یقین کی دولت عطا فرمائی اس کے برابر کوئی غنی و بے نیاز نہیں۔

حسن عمل کیا ہے:

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی یہاں تک اَحْسَنُ عَمَلاً تک پہنچے تو فرمایا کہ اَحْسَنُ عَمَلاً وہ شخص ہے جو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے سب سے زیادہ پرہیز کرنے والا ہو اور اللہ کی اطاعت میں ہر وقت مستعد و تیار ہو۔

(قرطبی) (معارف القرآن مفتی اعظم)

اللہ کی قدرت کا کمال:

یہ اس کی قدرت کا کمال ہے کہ اس بے وقعت عالم میں ایسے افراد پیدا کئے کہ وہ سارے جہانوں پر بڑھ جائیں گے اپنے کمالات کے سبب سے، تو اللہ نے اپنی قدرت کے لئے اس دنیا کو بنایا اظہار قدرت کے لئے اگر انسان کو پیدا کرتے اگر وہ فرشتوں میں رہتا تو وہاں اگر نورانیت ہوتی تو زیادہ عزیز بات نہ سمجھی جاتی اس لئے کہ فرشتے بھی نورانی ہے، ان کا ملک بھی نورانی، وہ خود ایمانی ملک ہے، وہاں کفر کی کھپت ہی نہیں، وہاں غلاظت نہیں، نجاست نہیں، صاف ستھرا ملک ہے پاک صاف تو اس میں رہ کر اگر انسان ترقی کرتا تو قدرت کا پوری طرح سے نمونہ ظاہر نہ ہوتا لیکن لاکر رکھا انسان کو اس جہان میں کہ یہ گندگیوں کا عالم ہے۔ ہر طرف نجاست حتیٰ کہ انسان کی پیدائش بھی نجاست سے۔ ایک گندے قطرے سے پھر اس گندے قطرے کو پرورش دیتے ہیں نو مہینے تک ایک گندے عالم میں جسے رحم مادر کہتے ہیں جو ماسوائے حیض اور گندے پانی کے اور کچھ نہیں، غذا انسان کی وہ گندی، حیض کا خون بند ہو جاتا ہے وہ غذا بنتا ہے یا اس کے اجزاء بنتے ہیں بنی آدم کے، نہایت ہی ظلمانی عالم ہے نہ اس میں روشنی ہے نہ چمک سوائے اندھیریوں کے اور پھر اندھیریوں میں بھی تین اندھیریاں فرمائی گئیں۔

انسان کی تخلیق مرحلہ وار اور تین اندھیریوں میں ہوئی ہے:

تمہیں ہم نے پیدا کیا ہے ماں کے پیٹ میں دور بہ دور یعنی مختلف دور آئے ہیں تمہاری خلقت میں۔ کبھی انسان قطرہ ہے، بنص حدیث چالیس دن کے بعد خون کی بوند بن گیا پھر چالیس دن گذرے تو مضغہ گوشت بن گیا پھر چالیس دن گذرے تو اس میں ہڈیاں پہنادی گئیں، پھر چالیس دن گذرے تو کھال پہنادی گئی اس کے بعد روح ڈالی جاتی ہے تو پیدائش بھی گندے قطرے سے، غذا بھی گندی، مکان بھی گندہ اور وہ مکان بھی اندھیرا اور اندھیریاں بھی تین، ایک اندھیری کوٹھڑی کہ ماں کا پیٹ ہے اس میں کوئی چمک نہیں، کوئی نورانیت نہیں اس اندھیری کوٹھڑی میں ایک اور اندھیری کوٹھڑی ہے جس کو رحم مادر کہتے ہیں۔ یہ اس سے بھی زیادہ تنگ اور تاریک، اور اس میں پھر ایک اندھیری کوٹھڑی ہے وہ ہے مَشِیْمَۃ وہ جھلی جس میں لگتا ہوا بچہ پیدا ہوتا ہے اور دایہ اس کو کاٹ کر بچے کو نکالتی ہے تو ماں کا پیٹ اس میں رحم مادر، رحم مادر میں وہ مشیمہ جھلی، تو تین اندھیری کوٹھڑیوں میں انسان کو بنایا اور گندے قطرے سے بنایا اور گندی غذا سے بنایا۔ اس گندے انسان کو جب پاک بنایا تو اتنا پاک بنایا کہ فرشتوں سے بھی بازی لے گیا تو اس میں اللہ کی قدرت کا نمونہ ظاہر ہوتا ہے۔ اگر انسان کو جنت ہی میں رکھتے اور وہیں ترقی دیتے تو کوئی زیادہ کمال نہ سمجھا جاتا پاک عالم نورانی عالم اس میں اگر نورانی مخلوق بن گئی تو بننا کوئی تعجب انگیز نہیں عجیب چیز یہ ہے کہ ظلمتوں میں گندگیوں میں سے پاک باز انسان نکالا، تو اس سے خدا کی قدرت کا نمود و ظاہر ہوتا ہے، پھر اس کو لاکر رکھا دنیا میں کہ دنیا میں خود گندگی، کھانا پینا اور بول براز اور نجاسات اور گندگی اس سب کے اندر رہ کر پھر انسان بنتا ہے پاک باز تو اللہ کی قدرت کا نمونہ ظاہر ہوتا ہے تو ملک حق تعالیٰ کا یہ ساری کائنات ہے۔

کائنات میں دنیا سب سے کم تر عالم ہے اس سے اوپر بڑے بڑے عالم ہیں

اس میں کم تر عالم یہ دنیا ہے اس سے بڑے بڑے عالم ہیں ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں ایک ایک ستارے کو دیکھو، سورج کو دیکھو آج کل کی تحقیق کے مطابق چار کروڑ گنا بڑا ہے زمین سے یعنی چار کروڑ زمینیں بن سکتی ہیں اس میں، اور یہ چھوٹا ستارہ ہے اور بڑے بڑے ستارے تو ان گنت ہیں، ان کی بڑائیوں کی کوئی انتہا نہیں پھر ان کے اوپر آسمان ہیں سات، ان کے اوپر جنتیں ہیں سو، اور ان کے اوپر پھر عظیم الشان دریا ہے کہ جس کی ایک ایک موج پورے آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہوتی ہے۔ اس کے اوپر عرش عظیم ہے اور کرسی ہے تو حق تعالیٰ بادشاہ ہیں اور شہنشاہ ہیں، فقط ایک ملک کے نہیں، ہفت اقلیم کے نہیں، صرف دنیا جہان کے نہیں بلکہ کروڑوں جہانوں کے بادشاہ ہیں اور اتنی بڑی بادشاہت کہ کوئی ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا بغیر ان کی مشیت کے اور ان کے حکم کے اور اذن کے۔ تو ملک کے اندر وسعت داخل ہے اللہ کے ملک میں تو کوئی حد نہیں وسعت کی۔ تو اس سورۂ ملک میں کیونکہ اللہ کے ملک کی وسعت بیان کی گئی ہے اس واسطے اس میں خاصیت یہ ہے کہ یہ وسیع بھی کر دیتی ہے قبر کو، یہ قبر کو اتنا وسیع بنا دیتی ہے کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ "مومن جب سوال و جواب میں پورا اترتا ہے تو اس کی قبر وسیع کی جاتی ہے اتنی وسیع کہ تا حد نظر وہ میدان ہی میدان نظر آتا

ہے۔ باغ و بہار'' تو تنگ جگہ کو اتنا وسیع بنا دیا کہ وہ وسعت محسوس ہوتی ہے اور حد نظر حسی تو یہ ہے کہ آدمی جب لیٹتا ہے تو ایک دم اس کی نظر آسمان تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ آسمان ہو نہ ہو۔ اس کے اوپر ہو آسمان بہرحال وسعت نظر آتی ہے کہ وہاں تک پہنچتی ہے۔ یہ حسی نظر ہے اور وہاں کی نظر ہوتی ہے روحانی جو اس سے بھی زیادہ دور تک پہنچتی ہوگی۔ تو قبر کو اتنا بڑا عالم بنا دیتے ہیں کہ وہ دنیا سے بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے تو گویا اس سورت کو ''مانعہ'' کہا گیا ہے کہ وہ روکتی ہے ظلمت کو اور اتنی نورانیت پیدا کرتی ہے کہ تا حد نظر نور ہی نور نظر آتا ہے تو ''مانعہ'' اس بناء پر فرمایا گیا۔ اور اس سورۃ کا دوسرا نام ''منجیہ'' یعنی نجات دینے والی تو عذاب قبر سے بھی نجات دیتی ہے حدیث میں ہے کہ بائیں طرف سے عذاب آتا ہے تو روکتی ہے اور دائیں طرف سے آتا ہے تو روکتی ہے اور اوپر سے نیچے سے غرض چہار طرف سے یہ روکتی ہے تو نجات دے دیتی ہے بندے کو عذاب قبر سے، تنگی سے نجات دی، ظلمت سے نجات دی اور عذاب سے نجات دی، اس واسطے اس کا نام ''منجیہ'' ہے۔

اس سورۃ کا نام مُلْکُ کیوں رکھا گیا:

اور ملک اس واسطے اس کا نام ہے کہ اللہ کی شہنشاہی کے اصول بیان فرمائے گئے ہیں تاکہ دنیا میں اسی انداز سے ہم نظام قائم کریں اور خلیفۃ اللہ بن کر اللہ کی حکومت کو دنیا میں پھیلائیں۔ اس واسطے اس کا نام ملک ہے میں نے عرض کیا تھا کہ ملک میں سب سے پہلے چیز جو آتی ہے وہ ہے بادشاہ کی ذات، اس کے بعد آتی ہے بادشاہ کی صفات، اس کے بعد بادشاہ کے افعال اور اس کے بعد آتے ہیں افعال کے اثرات، کہ اس سے ملک میں کیا اثرات پھیلے، اس کی حکومت کے۔ اس میں سب سے پہلے تو اللہ کی ذات کو بیان کیا گیا ''تَبٰرَکَ'' کہ لفظ سے بڑی مبارک ذات ہے، برکت والی ذات ہے برکت کے معنی میں نے یہ عرض کیے تھے کہ ساری خیر کا مجموعہ اور پھیلنے والی۔ خیر تو خود ذات بادشاہ ہے خیر کا منبع اور سرچشمہ۔ اور اس سے خیر پھیلتی ہے تو جہانوں میں پھیل رہی ہے ولادتیں ہو رہی ہیں حیات ہو رہی ہے۔ زندگی ہو رہی ہے۔ زندوں میں سے زندہ پیدا ہو رہے ہیں پھر ان میں سے اور پیدا ہو رہے ہیں۔ انسان میں سے انسان۔ پھر انسان کی ضرورت کے لیے جانور بنائے تو جانور میں سے ایک جانور اس میں سے دوسرا اور اس میں تیسرا، کروڑوں جانور پیدا ہو رہے ہیں۔ پھر انسان کی ضرورت کے لیے مثلاً درخت اور نباتات ہیں تو درختوں میں یہ برکت کہ ایک درخت میں قلم لگایا تو دوسرا۔ دوسرے سے تیسرا۔ تیسرے سے چوتھا، لاکھوں، کروڑوں، اربوں، کھربوں درخت بنتے چلے جا رہے ہیں۔ جمادات کو دیکھو کہ پہاڑ ہیں۔ پہاڑوں میں پتھر ہیں، پتھر بڑھ بڑھ کر پہاڑ بن گئے ریتہ جمع ہوا وہ پہاڑ ہو گیا پہاڑوں میں سے پہاڑ نکلتے جا رہے ہیں تو برکت والے ہونے کا یہ مطلب ہے کہ بادشاہ عالمین کی ذات بھی بابرکت، کہ ہر خیر کا مجموعہ اور سرچشمہ اور اس برکت کے آثار اتنے کہ برکت در برکت پھیلتی چلی آرہی ہے ملک بھر میں برکات کا ظہور ہے تو اللہ کی ذات یعنی بادشاہ بحیثیت مَلِکْ اور بادشاہ ہونے کے اس کی شان یہ ہے کہ وہ خیر کا سرچشمہ اور پھیلنے والی خیر ہے اسی کو کہتے ہیں ''برکت'' کہ خود ذات میں بھی خیر ہو اور وہ پھیلے اتنی کہ کوئی انتہا نہ ہو تو اللہ تعالیٰ سے زیادہ مبارک کس کی ذات ہے؟ برکت والی کس کی ذات ہے؟ تو فرمایا تَبٰرَکَ بڑی برکت والی ذات ہے جدھر دیکھو برکت پھیل رہی ہے پھر فرمایا کہ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ اس کی ذات وہ ہے جس کے قبضے میں ہے ملک اور ملک چھوٹا موٹا نہیں کروڑوں، کھربوں، اربوں جہان ہیں اور اس کی یہ شاخ در شاخ برکات سب اس کے قبضے میں ہیں کہ کوئی ذرہ بھی نہیں ہل سکتا کہ جب تک کہ اس کی مشیت نہ ہو تو قبضے کا یہ عالم ہے ملک کے اوپر نظام حکومت بھی ہے کہ جو چیز جس طرح بنا دی وہ اسی محور پر گھوم رہی ہے سورج ہے، چاند ہے، زمین ہے، اپنے ایک مرکز کے ارد گرد سارے اسکے افعال چکر کھا رہے ہیں حرکت کر رہے ہیں تو بِیَدِہِ الْمُلْکُ ساری چیزیں اس کے قبضے میں ہیں نظام اسکے قبضے میں ہے ظاہر بات ہے کہ جب نظام پر قابو ہے بادشاہ کا۔ تو ذرہ نہیں ہل سکتا تو اس کی مملکت کتنی پرامن ہوگی، کتنی بابرکت ہوگی۔

نظام عالم میں بے برکتی کیوں ہوتی ہے؟

اب جو بے برکتی پیدا ہوتی ہے (تو اس کی وجہ یہ ہے) کہ جہاں انسان کا دخل آگیا ہے (اسے تو حکم دیا گیا تھا) کہ تو ہمارے نمونہ پر چل، وہ اپنی حرص و ہوا سے کہیں اپنا ذاتی اقتدار چاہتا ہے تو اللہ کے اقتدار کو بھول کر اپنا ذاتی اقتدار قائم کرتا ہے۔ اسکی طاقت کو فراموش کر کے اپنی طاقت پر غرّہ کرتا ہے جب وہ اپنی طاقت پر غرّہ کرے گا دعویٰ کرے گا دوسرے اس کے مخالف بنیں گے تو ملک میں بدنظمی پھیلے گی اگر وہ اپنی جاہ چاہے گا تو ہر انسان جاہ پرست ہے، وہ بھی جاہ کی طرف چلے گا اگر دو نگاہیں جمع ہوں گی تو وہ ٹکرائیں گی ایک دوسرے کو گرانا چاہے گا وہیں سے فتنہ فساد پھیلے گا، تو جہاں پر حق تعالیٰ کی تکوینی حکومت ہے اس میں کوئی بدنظمی نہیں ہر چیز اپنے محور پر چل رہی ہے اور جہاں تکمیلی چیز آئی جس میں انسان کو واسطہ بنایا تو اگر انسان درست ہے، پاکیزہ تب تو اللہ کے نظام کو چلائیں گے جیسے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام (ہیں) کہ ذرہ برابر ان کے دلوں میں اپنی ذات کا اقتدار نہیں ہوتا حالانکہ اللہ نے انہیں سب سے زیادہ با اقتدار بنایا ہے اپنی ذات کے بارے میں انبیاء علیہم السلام کو جاہ پسندی کا خطرہ بھی لاحق نہیں ہوتا۔ اسی طرح سے جو انبیاء علیہم السلام کے بلاواسطہ متبعین ہیں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وہ بھی اسی انداز پر اللہ کی حکومت کو چلاتے ہیں کہ ان میں نہ جاہ پسندی ہے نہ مال پسندی نہ محبت مال کی نہ محبت جاہ کی، فقط جاہ ہے تو اللہ کے سامنے ہے ملک تو اللہ کا

سامنے ہے اپنے کو خادم کی حیثیت سے رکھتے ہیں ان کے دل میں قطعاً نفسانیت کے وسوسے نہیں ہوتے کہ ہم کوئی چیز ہیں۔

حضرت عمر ؓ کا تنہائی میں اپنے آپ کو خطاب کرنا:

حضرت عمر ؓ کے بارے میں ہے کہ تنہائی میں ایک دفعہ بیٹھے ہوئے تھے یہ بھی نہیں کہ کوئی سامنے ہو کہ دکھلانے کو کہہ رہے ہوں تنہائی میں بیٹھے ہوئے ہیں حیرت سے بیٹھے ہوئے ہیں اپنے کو خطاب کر کے بَخٍ بَخٍ یَا بْنَ الْخَطَّابِ اَصْبَحْتَ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ. حیرت ہے اے عمر ؓ! تو امیر المومنین تیری بھی یہ قابلیت ہے کہ تو خلیفہ بنایا جائے (امیر المومنین بنایا جائے) اس درجہ بے نفسی ہے کہ تنہائی میں بیٹھ کر حیرت میں ہیں کہ مجھے کس طرح خلیفہ بنا دیا مجھ میں تو یہ لیاقت نہیں تھی تو ان لوگوں کے قلوب اتنے پاک اور صاف ہیں کہ سلطنت اتنی بڑی کہ سلاطین عالم کانپتے ہیں حضرت عمر ؓ کا نام لے کر، اور خود حضرت عمر ؓ کو دیکھو تو ان کے دل میں خطرہ بھی نہیں کہ میں کوئی چیز ہوں حیرت سے خود کہہ رہے ہیں تو امیر المومنین؟

حضرت ابوبکر ؓ کے تزکیہ قلب کا عالم:

صدیق اکبر ؓ امیر المومنین ہیں اور خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں بلاواسطہ لیکن قلب کی صفائی اور تزکیہ کا یہ عالم ہے کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ تنہائی میں بیٹھ کر اپنی زبان باہر نکال کر ایک ہاتھ سے پکڑ کر دوسرے ہاتھ سے اسے لکڑیاں مارتے ہیں اور یہ کہتے ہیں ھٰذِہٖ اَوْرَدَنِیْ الْمَوَارِدَ یہ زبان ہے جس نے مجھے مصیبتوں میں مبتلا کیا ہے، مصائب میں پھینکا اور ہلاکتوں میں ڈالا، خدا جانے کہ میری زبان کیا بکواس کرتی ہو۔ کیا چیز کہتی ہو۔ میرے عمل نہ کہیں ضائع ہو جائیں اس درجہ بے نفسی کا عالم ہے کہ زبان پر اعتماد نہیں کہ کوئی کلمہ خلاف شرع نہ نکل جائے کوئی جھوٹ نہ نکل جائے تو زبان کو لکڑیاں مار رہے ہیں۔

حضرت علی ؓ کا اپنی قمیص کاٹنا:

حضرت علی ؓ ایک دن مجلس مبارک میں بیٹھے ہوئے تھے اور اس دن کچھ ذرا سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ کپڑا کوئی کمخواب کا نہیں تھا کوئی اعلیٰ نہیں تھا، یہی معمولی زمینداروں کے کپڑے، بیٹھے بیٹھے ایک دم گھبرا کر فرمایا کہ قینچی لے کر آؤ۔ قینچی لائی گئی تو ایک آستین یہاں سے کاٹ دی اور دوسری یہاں سے کاٹ دی۔ بدہیئت بنا دیا کرتے کو۔ لوگوں کو حیرت ہوئی عرض کیا امیر المومنین! ایک اچھے خاصے کرتے کو آپ نے خراب کر دیا بدہیئت بنا دیا اگر آستین برابر کاٹ دیتے تو چلو نیم آستین ہی کا کرتا ہو جاتا ایک ہیئت تو رہتی۔ ایک کو تو مونڈھے پہ سے کاٹ دیا، ایک کو آدھے سے کاٹ دیا فائدہ کیا ہوا۔ فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی کپڑا پہن کر اترانے لگتا ہے تو غضب خداوندی اس پر اترتا ہے اور منڈلانے لگتا ہے اگر توبہ نہ کی تو غضب آ پڑتا ہے توبہ کی تو غضب واپس ہو جاتا ہے تو یہ کپڑا پہن کر میرے دل میں وسوسہ گزرا اتراہٹ کا، کہ میں بھی کوئی چیز ہوں میں نے دیکھا کہ غضب الٰہی آ رہا ہے اوپر، اس لیے میں نے گھبرا کر قینچی منگوائی بدہیئت بنایا جس سے میرے قلب کا وسوسہ دور ہو گیا اور غضب خداوندی اوپر واپس ہو گیا تو جن لوگوں کی یہ کیفیت ہو کہ اپنے نفس کے بارے میں انہیں خطرہ بھی نہ گزرے کہ ہم کوئی چیز ہیں وہ تو اللہ ہی کی حکومت چلائیں گے اپنی حکومت نہیں چلائیں گے نہ جاہ کہ خطرات ہوں نہ مال کی محبت ہو۔

حضرت علی ؓ نے ایک دفعہ مال و دولت کو دیکھ کر فرمایا:

حضرت علی ؓ ایک دن خزانے میں تشریف لے گئے تو ڈھیر لگے ہوئے تھے سونے اور چاندی کے، خراج کی رقمیں اور فئے کی رقمیں اور جزیہ کی رقمیں بھری ہوئیں تھیں تو دیکھ کر فرمایا کہ یَا دُنْیَا غُرِّیْ غَیْرِیْ۔ اے دنیا! دھوکہ میں کسی اور کو ڈالنا۔ ہم تیرے دھوکے میں آنے والے نہیں، ہم رنجھنے والے نہیں ہیں اور کہہ کر حکم دیا کہ تقسیم شروع کرو غرباء میں صبح سے شام تک پورا خزانہ خالی ہو گیا اور یہ کہہ کر واپس ہو گئے یَا دُنْیَا غُرِّیْ غَیْرِیْ۔ دھوکہ کسی اور کو دینا اے دنیا! ہم تیرے دھوکہ میں آنے والے نہیں نہ ہم اتراہٹ میں آنے والے ہیں نہ کبر و رعونت میں، تو جن لوگوں کے قلوب اتنے صاف تھے کہ نہ محبت مال کا نشان، نہ محبت جاہ کا نشان، وہی اہل اور احق تھے کہ اللہ کے نائب بنے اور اس کی حکومت کو چلائیں تو جہاں تک تکمیلی حکومت ہے یعنی انسانوں کے واسطے سے حکومت ہے اگر انسان ہوں تو وہ حکومت پاکباز ہے۔ اس حکومت میں امن ہے، امان ہے، برکات ہیں، خیر ہے، ساری چیزیں ہیں، لیکن اگر دوسری قسم کے انسان آ جائیں جو اللہ کے اقتدار کو چھوڑ کر اپنا ذاتی اقتدار چاہیں۔ بجائے بندگی کرنے کے خدائی شروع کر دیں، مال کی محبت میں غرق ہوں اور خود غرضی کی وجہ سے مال بٹورنے کی فکر میں ہوں تو رعایا کا ناس ہو گا۔ ظاہر ہے ملک کے اندر بدنظمی پیدا ہو گی، تو یہ بدنظمی اللہ کی حکومت میں نہیں ہے۔ اس نے اپنی حکومت میں جب واسطہ بنایا انسان کو تو اس انسان نے بدنظمی پھیلائی۔ جب تک کہ وہ انسان رہے کہ جو غیر محبت جاہ اور غیر محبت مال تھے جنہوں نے خالص اللہ کی حکومت پر کاٹی دنیا میں، اور جب ایسے آ گئے جن کے قلوب صاف نہیں تھے نہ مال کی محبت سے بری تھے نہ جاہ کی محبت سے، وہیں آ کر خرابی واقع ہوئی تو بتلا دیا اللہ نے کہ حکومت تو ہماری ہے۔ اور کوئی اس کو ڈھنگ سے چلاتا ہے اور کوئی بے ڈھنگے پن سے چلاتا ہے مگر چلوائیں گے تمہارے ہاتھ سے تاکہ نظام تمہارے ہاتھوں میں قائم ہو اگر ہمارے ہاتھ سے نظام رہے تمہارا واسطہ نہ ہو تو انسان مجبور محض ظاہر ہو گا۔ کل کو وہ کہہ سکتا ہے کہ آپ اگر مجھے اپنی خلافت و نیابت دیتے

تو میں یوں چلا کے دکھلاتا، مگر اب نہیں کہہ سکتا ہم بتلائیں گے جنہوں نے چلا کر دکھلایا وہ یہ ہیں اور جنہوں نے نہیں چلا دکھلایا وہ یہ ہیں۔ یہ مستحق ہیں ہماری رحمت کے اور یہ مستحق ہیں ہمارے عذاب کے تو ایک بلاواسطہ حکومت الٰہی ہے وہ اعلیٰ ترین نظم رکھتی ہے ایک بلواسطہ ہے تو واسطے جیسے ہوں گے ویسی حکومت بنے گی مگر اصول اختیار کرنے پڑیں گے انہیں وہی جو اللہ کی حکومت کے ہیں اس لیے اس سورۂ مبارکہ میں حق تعالیٰ نے اپنی حکومت اور اپنی اقتدار کے اصول بیان فرمائیں ہیں کہ شہنشاہی کس طرح چلتی ہے۔

بادشاہ کون ہونا چاہئے؟

تو پہلے ذات کو بیان کیا کہ بادشاہ وہ ہونا چاہیے کہ خیر کا سرچشمہ ہو۔ نیت بھی پاک ہو علم بھی اعلیٰ ہو، عمل بھی صاف ہو، اخلاق بھی بلند ہوں، اس کے اندر سخاوت بھی ہو اور عدل بھی ہو، سخاوت میں آ کر فضول خرچی میں نہ آئے عدل اس کی روک تھام کرے اور عدل میں آ کر بخل نہ داخل ہو، ہر چیز اپنے محل پر ہو تو بادشاہ کے اوصاف میں یہ ہے کہ بخیل نہ ہو اگر بخیل ہوگا تو رعایا تنگ ہو جائے گی۔ سخی ہوگا تو رعایا کے اندر مُرَفَّهُ الْحَالِی پیدا ہوگی مگر اس کے ساتھ عدل ہو کیونکہ عدل ظلم کے ساتھ سخاوت ہو تو جانبداری کرے گا بادشاہ، ایک طبقے کو دے گا اور ایک کو محروم کرے گا، ملک میں بدنظمی پیدا ہوگی لیکن اگر عدل ہے سخاوت کے ساتھ تو سب کو برابر برابر ملے گا کسی کو کسی سے شکایت نہیں ہوگی۔

اولاد کے بارے میں عدل وانصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے

اسی واسطے حدیث میں فرمایا گیا ہے ماں باپ کے لیے اولاد کے اندر سخاوت کرو مگر عدل کے ساتھ، سب کو برابر برابر دو، ایک نظر سے دیکھو، بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ محبت تو ساری اولاد سے طبعاً ہوتی ہے انسان کو، مگر ایک سے کچھ زیادہ پیار ہوتا ہے دوسرے سے نہیں، غیر اختیاری طور پر، لیکن معاملہ کرنے میں چاہیے مساوات کہ جتنا ایک کو دے اتنا ہی دوسرے کو۔ اگر برابری نہ رکھی تو ان میں باہم لڑائی اور منافقت پیدا ہوگی اور پھر دونوں مل کر باپ کے مدمقابل آئیں گے تو گھر کی حکومت میں بدامنی پیدا ہو جائے گی، بدنظمی پیدا ہوگی اس لیے بادشاہ کو چاہیے کہ سخی بھی ہو اعلیٰ درجے کا اور ساتھ ہی عادل بھی ہو اعلیٰ درجے کا۔

بادشاہ میں سخاوت وعدل کے ساتھ تدبر وشجاعت بھی ہونی چاہیے:

سخاوت میں اسراف سے عدل روکتا ہے اور عدل کی برکت سے سخاوت اصل محور پر چلتی ہے۔ اسی کے ساتھ بادشاہ میں دو چیزیں اور ضروری ہیں ایک تدبر اور ایک شجاعت، بہادر بھی ہو، قلب کا جری بھی ہو اگر بادشاہ بزدل ہو گیا تو پھر وہ غالب نہیں آ سکتا کسی پر۔ اس میں وہ عناصر ابھر جائیں گے جو ظالم ہیں، فسادی ہیں، انہیں کا غلبہ ہوگا، حیادار بچارے پیچھے رہ جائیں گے لیکن اگر بادشاہ کے اندر تدبر ہے تو وہ اپنی تدبیر سے سب کو یکساں قائم رکھے گا اپنی جگہ۔ ساتھ میں شجاعت اور بہادری بھی ہو بزدل نہ ہو، اگر بزدل ہوگا تو دشمن راستہ دیکھ لے گا ملک کا اور مدافعت کی قوت نہیں ہوگی تو ملک تباہ برباد ہو جائے گا، تو چار چیزیں لازمی ہیں بادشاہ کے لیے ایک سخاوت اور ایک عدل اور ایک شجاعت اور ایک تدبر۔ یہ چار چیزیں جمع ہوں گی تب ہی بادشاہی صحیح اصول پر چلے گی تو ان چاروں مجموعہ کو کہا گیا ہے برکت اور خیر، تو تَبٰرَكَ الَّذِیْ اللہ برکت والی چیز ہے کہ ہر چیز حد کمال پر ہے اور نہ صرف حد کمال پر بلکہ وہی ہے سرچشمہ تمام خیر وبرکت کا دوسروں کو ملتی ہے تو اسی سے ملتی ہے اور بِیَدِهِ الْمُلْكُ قبضے میں ہے ملک اس کے، ہاتھ کے نیچے ہے کہ ایک ذرہ بھی ادھر ادھر نہیں ہل سکتا۔ اس کے ساتھ ساتھ قدرت بھی ہے کہ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ اس کی قدرت بڑی وسیع ہے، قابو ہی میں نہیں بلکہ قادر بھی ہے ہر چیز پر، اور قدرت عام بادشاہوں میں تو یہ ہوتی ہے کہ جب جیل بھیجنے کو لایا تو جیل بھیج دیا کسی کو سزا دے دی، کسی کو انعام دے دیا۔ قدرت ہے۔

اللہ کی قدرت کا عالم:

لیکن اس کی قدرت کا یہ عالم ہے کہ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ موت اور زندگی کی باگیں بھی اسی کے ہاتھ میں ہیں کسی انسان یا کسی بھی مخلوق کے ہاتھ میں موت اور زندگی کی باگ ڈور نہیں ہے کہ جس کو چاہے زندہ کر دے جس کو چاہے موت دے دے۔

زندگی اور موت کا مطلب:

اور زندگی اور موت دینے کے یہ معنی نہیں جو نمرود نے سمجھے کہ یہ مر گیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اس کے سامنے اس کے دربار میں آ کر کہا کہ خدائی کا دعویٰ مت کر، وہ مدعی تھا خدائی کا (اس سے کہا کہ) خدائی کا دعویٰ مت کر۔ خدا کو مان اور اپنے مالک کو پہچان۔ کہتا ہے کون ہے مالک میرے سوا؟ فرمایا الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ۔

وہ ہے مالک جو زندگی بھی دیتا ہے اور موت بھی دیتا ہے اس نے کہا یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں اسی وقت دو قیدی نکلوائے جیل خانے سے ایک کے قتل کا حکم دیا اور ایک کو چھوڑ دیا کہنے لگا دیکھو ایک کو مار دیا ایک کو زندہ کر دیا۔ اس کوڑھ مغز نے یہ نہ سمجھا کہ وہ جو زندگی تھی جس کو تو نے قتل کیا وہ تیری دی ہوئی تھی؟ پھر قتل ہی تو کیا، قتل سبب بنتا ہے موت کا، لیکن موت نہیں دے سکتا کوئی۔

موت کسے کہتے ہیں؟

موت کہتے ہیں جان نکالنا اپنے قبضے سے اور قدرت سے رگ رگ کے اندر سے حیات کو نکال دینا یہ تھوڑا ہی کر سکتا تھا۔ اس نے قتل کر دیا قتل پر موت مرتب ہوئی مگر دینے والے موت کے حق تعالیٰ ہی تھے اگر یہ قتل کر دیتا گردن کاٹ دیتا اور وہ یہ چاہے زندگی نہ نکلے نہیں نکل سکتی۔ واقعات ہیں ایسے شہداء

کے بہت سے کہ ہاتھ کٹ گیا تو جھنڈا انہوں نے دوسرے ہاتھ میں لے لیا دوسرا ہاتھ کٹ گیا تو جھنڈا منہ میں لے لیا اور اس کے بعد جھنڈا منہ سے گر گیا تو انہوں نے لیٹے ہی لیٹے لڑھک کر کئی ایک کو مار ڈالا اس کے بعد کہیں جا کر جان نکلی۔ تو محض قتل ہونے سے جان نکلنا ضروری نہیں ہے اللہ جب چاہے تو جان جاتی ہے ورنہ مقتول کے اندر بھی جان رہتی ہے تو بہر حال قدرت کا اس کی یہ عالم ہے کہ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ موت بھی اسی کی پیدا کی ہوئی ہے حیات بھی اسی کی پیدا کی ہوئی ہے جس کو چاہے زندگی دے جس کو چاہے موت دے۔

زندگی کسے کہتے ہیں؟

زندگی دینے کے معنی ہیں "عطائے وجود" وجود دے دینا دوسرے کو، تو ظاہر بات یہ ہے کہ انسان میں قدرت نہیں ہے کہ وجود دے دوسرے کو، اس لیے کہ خود اس کا وجود ہی اس کے قبضے میں نہیں۔ اگر بالفرض اس نے اس کو اولاد دی تو وجود دینے والا باپ یا ماں نہیں وہ سبب بنا ہے زندگی دینے کا، وجود دینے کا، لیکن دینے والا دوسرا ہے۔ اگر اس کے ہاتھ میں، قبضے میں وجود ہوتا تو یہ خود بھی نہ مرتا، کون موت کو پسند کرتا ہے، اگر قبضے میں ہو حیات تو روک لیا کرتا آدمی۔

اگر قبضے میں ہو زندگی دینا تو جن کے اولاد نہیں ہوتی تو وہ ضرور پیدا کر لیا کرتے۔ اولاد پیدا ہونے کے اسباب سارے مہیا کرتے ہیں اور برس گزر جاتے ہیں نہیں ہوتی اولاد کوئی دعائیں کراتے ہیں، کوئی تعویذ کراتے ہیں، کوئی طبیبوں کو جاتے ہیں، اگر قبضے میں تھی زندگی تو کیوں نہ دے دی اور پیدا کر لیا بچے کو، پھر اگر کوئی مر رہا ہو تو کسی کے قبضے میں نہیں کہ پل بھر کیلئے روک لے زندگی کو، ساری دنیا کے خزانے جمع کر لو اور یہ چاہو کہ ایک منٹ کے لیے اس میت کو روک لو جان نہ نکلے تو یہ قبضہ قدرت میں نہیں، سب عاجز بنے ہوئے دیکھتے ہیں۔

نزع ہو رہا ہے، سانس چل رہا ہے، ماں باپ بھی بیٹھے ہوئے ہیں لیکن کچھ نہیں کر سکتے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی اور حیات ان کے قبضے میں نہیں ہے۔ اسباب زندگی کسی حد تک دیئے گئے ہیں قبضہ میں۔ اسباب موت کسی حد تک دیئے گئے ہیں قبضے میں، لیکن خود موت وحیات ان کے ہاتھ میں نہیں اللہ کی قدرت کا یہ عالم ہے کہ موت وحیات اس کے قبضے میں ہے جسے چاہے وجود دے، جس سے چاہے وجود چھین لے۔ تو جو ایسا قادر مطلق ہوگا حکومت اس کے لیے سزاوار ہے، حکمرانی اسی کا حصہ ہے، اسی واسطے اسلام میں حکومت اس کی ہوگی چلانے والے تم ہو گے تاکہ تمہیں اجر ملے، ثواب ملے۔ تم خود حاکم نہیں اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ حکم دینا صرف اللہ کا کام ہے اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ملک صرف اسی کا ہے تو ملک کا مالک کوئی نہیں قدرت کا مالک کوئی نہیں زندگی اور موت کا مالک کوئی نہیں یہ صرف اللہ رب العزت ہے کہ وجود اور عدم موت اور حیات دونوں اس کے قبضے میں ہیں تو فرمایا کہ اس سے زیادہ اقتدار والا بادشاہ کون ہے کہ موت وحیات بھی قبضے میں ہے تو خود ذات مبارک تَبٰرَكَ اور الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ قبضہ پورے ملک کے اوپر ہے اور وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ ہر چیز پر قادر ہے حتیٰ کی موت و حیات پر قادر ہے۔

موت وحیات کیوں پیدا کی گئیں؟

اور یہ موت وحیات کیوں دی۔ اور کیا ضرورت تھی۔ کوئی مر رہا ہے، کوئی جی رہا ہے، کوئی آ رہا ہے، کوئی جا رہا ہے، کسی کو غم ہے، کسی کو خوشی ہے، یہ کیوں کیا لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا تاکہ اللہ جانچ لے تم میں کس کا عمل اچھا ہے، کس کا برا ہے، اس واسطے کہ انسان سب سے پہلے تو میت ہی تھا کوئی تھا ہی نہیں وجود اس کا۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے اس کو وجود دیا تو وہ عدم سے وجود میں آیا، اس کے بعد پھر موت دی تو قبر میں چلا گیا، اس کے بعد پھر حیات دیں گے تو حشر میں پہنچ جائے گا۔ تو دو موتیں اور دو حیاتیں واقع ہوتی ہیں ظاہر ہے کہ اگر بالکل اس عدم میں رہتا جس میں تھا اور آتا نہ دنیا میں تو عمل کرنے کی کوئی صورت نہیں تھی، زندگی دی تاکہ عمل کرے عمل کا انجام نہیں نکل سکتا۔ جب تک موت واقع نہ ہو موت کے بعد ہی تو زندگی مکمل ہوگی اور مکمل زندگی پر دیں گے اجر، تو موت لازمی چیز ہے تاکہ عدل جہان میں بھگتے آدمی، اچھائی برائی کے ثمرات دیکھے تو زندگی دی اس لیے تاکہ عمل کرے اور موت دی اس لیے تاکہ ثمرات اس پر مرتب ہوں اور اچھے برے بدلے اس کے سامنے آئیں اس لیے فرمایا کہ موت وحیات کا سلسلہ اس لیے رکھا لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا تاکہ یہ دیکھیں کہ تم میں اچھا عمل کس کا ہے، تو عمل ہو نہیں سکتا تھا جب تک زندہ نہ کریں اور عمل کا ثمرہ مرتب نہیں ہو سکتا تھا جب تک موت نہ دیں اور موت کے بعد پھر حیات نہ دیں تو پہلے موت اس کے بعد حیات اس کے بعد موت اس کے بعد پھر حیات تو پہلی حیات میں تو عمل، دوسری حیات کے اندر ثمرات اس لیے، ہم نے رکھا موت و حیات کا سلسلہ، تاکہ تمہارے اچھے اعمال کو جانچ لیا جائے۔

تمام انسانوں کو ایک دم ہی زندگی اور موت کیوں نہیں دے دی جاتی

اب کوئی شخص یہ کہہ سکتا تھا کہ صاحب، حیات بھی مسلّم اور موت بھی مسلّم مگر یہ سارے انسان ایک دم پیدا ہو جاتے، ایک دم ایک دن میں سب کا انتقال ہو جاتا، روز روز کی جھک جھک نہ رہتی، کوئی مر رہا ہے، کوئی جی رہا ہے، تو ایک ہی دفعہ موت دے دیتے، ایک ہی دفعہ زندگی، (آخر ایسا کیوں نہیں کیا؟) اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر ایک ہی دن سب مرتے عبرت پکڑنے والا کوئی نہ رہتا۔ تو موت کو جہاں ذریعہ بنایا ثمرات ظاہر ہونے کا، وہاں عبرت کا بھی تو ذریعہ ہے کہ دوسرے کی موت دیکھ کر آدمی عبرت پکڑے کہ مجھے بھی اس

راستے جانا ہے تو میں کوئی اچھا عمل کرلوں تو عمل پر ابھارنے کے لیے ضرورت تھی کہ موت اور حیات کا سلسلہ مسلسل رہے ایسا نہ ہو کہ ایک ہی دن سب پیدا ہوں اور ایک دن میں سب مریں (بلکہ) کوئی مرے، کوئی جیے، کوئی آرہا ہے، کوئی جارہا ہے، تو آنے پر خوشی، تو جانے پر رنج، آنے پر توقع کہ اچھے اعمال کا ظہور ہوگا۔ جانے پر عبرت کہ جب یہ جارہا ہے اور اب یہ بھگتے گا تو ایسا نہ ہو کہ ہم جانے لگیں اور کوئی ایسی بری حرکت کرکے جائیں کہ ہمیں بھگتنا پڑے تو عبرت کا مقام نہ ہوتا اگر موت وحیات کا مسلسل سلسلہ نہ رہتا۔ تو موت پر بھی قادر اور حیات پر بھی قادر اور موت اور حیات کا ایک سلسلہ قائم کر دیا بیک دم نہ موت رکھی نہ بیک دم حیات رکھی تا کہ عبرت وموعظت، ترقی درجات، مدارج، یہ انسانوں کو حاصل ہوں اور یہ جب ہی ہوں گے کہ میت کو دیکھے اور عبرت پکڑے کہ کل ہمارے لیے بھی یہ دن آنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ موت وحیات پر کیوں قادر ہیں؟

اور فرمایا کہ یہ ہم کیوں قادر ہیں؟ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ اس لیے کہ ہم عزت والے ہیں عزت کی ہمارے یہاں کوئی انتہا نہیں تو جس کی عزت اور جس کا اقتدار ہو وہ سب کچھ کرسکتا ہے اور جو بے عزت ہو اس کی وقعت ہی نہیں ہوگی۔ کوئی ان میں تو وہ حکمرانی کیا کرے گا ان کے اوپر؟ عزت والا ہی تو حکمرانی کرتا ہے اگر بادشاہ کی نسبت تو ہین بیٹھ جائے کہ یہ تو بڑا ذلیل آدمی ہے اس کے تو بڑے برے افعال ہیں تو وقعت نہیں بیٹھے گی تو حکم ماننے کے لیے کوئی تیار نہیں ہوگا چنانچہ جو سلاطین بداخلاق گزرے ہیں یا یہ کار گزرے ہیں۔ مخلوق لعنتیں بھیجتی تھی اور چاہتی تھی کہ کسی طرح سے یہ ختم ہو جائیں، تو ظاہر بات ہے کہ ایسے کا حکم ماننا زبان سے تو ممکن ہے مگر سور غبت سے کوئی ماننے والا نہیں اور حق تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ انسان جب ہمارا نائب بن کر حکومت کرے تو وہ اتنا محبوب القلوب ہو کہ رعایا دعا مانگے اس کے لیے، یوں کہے کہ اس بادشاہ کی عمر دراز ہو، برکتوں کے سرچشمے پھوٹ رہے ہیں پورے ملک کے اندر برکات پھیل رہی ہے۔

بادشاہ کے لیے محبوب القلوب ہونا ضروری ہے:

تو بادشاہ کے لیے محبوب القلوب ہونا ضروری ہے جب تک محبت نہیں ہو گی بادشاہ کا کام نہیں چلے گا اور محبت جب ہوگی جب سرچشمہ خیر وبرکت ہوگا ورنہ عداوت ہوگی۔ تو محبت ہونی چاہئے نیز محبت جب ہوگی جب عزت والا ہو، اور عزت والا وہی ہے جو خیر وبرکت کا حامل ہے، خیر نہ ہوئی شر ہوئی تو عزت کے بجائے ذلت پیدا ہو جائے گی، اسی لیے فرمایا کہ وَهُوَ الْعَزِيزُ وہ عزت والا بھی ہے اور اقتدار اور جلال والا بھی ہے کہ سب ہیبت زدہ بھی ہیں محبت والے بھی ہیں مگر اس کے بعد فرمایا کہ:

اللہ تعالیٰ جلال محض نہیں ہیں:

جلال محض نہیں وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ بخشنے والا بھی بہت ہے، سخی بھی بہت ہے، داتا بھی بہت ہے، چاہے اس کا نام لینے کو برا کہیں ہیں۔ اس کے مقابلے پر آگئے ہیں لوگ، لیکن نہ سورج نکلنا بند ہوتا ہے نہ سبزیاں اگنی بند ہوتی ہیں اور نہ بارشیں برسنی بند ہوتی ہیں۔

ادیم زمین سفرۂ عام اوست چہ دشمن بریں خوان یغما چہ دوست

اس کا دسترخوان پھیلا ہوا ہے دوست اور دشمن سب کھارہے ہیں یہ نہیں ہے کہ کہ سورج نکلے تو دوستوں کے گھر پر تو دھوپ ڈالے اور جو دشمن ہیں اللہ کے ان کے گھر میں اندھیرا رہے وہاں بھی سورج پہنچ رہا ہے بارش میں یہ نہیں رکھا گیا کہ دوستوں کے گھر پر بارش ہو اور ان کے کھیتوں پر اور دشمنوں کے کھیت خشک ہو جائیں جب آتی ہے بارش تو سب کے کھیتوں پر جاتی ہے تو ایسا عام دسترخوان ہے کہ دوست دشمن سب یکساں پل رہے ہیں وہ مغفرت والا بھی ہے، بخشش والا بھی ہے، رحم وکرم والا بھی ہے، اپنی مخلوق کے اوپر بے انتہا شفیق بھی ہے۔

اللہ کی محبت کی مثال:

جیسے حدیث میں ارشاد فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال سے بیان فرمایا۔ ایک شخص ایک چڑیا کے بچے کو پکڑ لایا۔ وہ بچوں کو لے کر آیا تو اس کی ماں چڑیا، وہ منڈلا رہی ہے اس کے سر پر اور پھڑ پھڑاتی ہوئی پھر رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ کیا اسے محبت ہے بچوں کی؟ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اتنی بڑی محبت ہے دل میں پھڑ پھڑا رہی ہے اور اپنی جان دینا گوارا کرے گی بچوں پر آنچ آنا گوارا نہیں کرے گی۔ فرمایا! بے حد محبت میں یہ پھڑ پھڑا رہی ہے۔ اس کو سامنے رکھ کر فرمایا سمجھ لو کہ جب ایک جانور اور ماں بنا جانور اور یہ محبت ہے تو اللہ جو سر چشمہ ہے سب کے وجود کا جس نے بنایا۔ اسے کیسے محبت نہ ہوگی اپنی مخلوق سے اسے کہیں زیادہ محبت ہے اپنی مخلوق سے جتنا کہ جانور کو اپنے بچوں سے محبت ہوتی ہے تو ظاہر بات ہے کہ جب محبت والا ہے، جبھی تو بخشش عام ہے، مسلم ہو یا کافر، دھوپ اور بارش، غلہ اور کھانا پینا، اور پھل سب کے لئے عام ہیں ورنہ دوستوں کے لیے کرتے۔ دشمنوں کے لیے نہ رکھتے، وہ بحیثیت مخلوق کے ان پر بے حد شفیق ہے تو الْعَزِيزُ الْغَفُورُ عزت والا بھی، چشم پوشی کرنے والا بھی ہے، اخیر میں جب کوئی نہیں مانے گا تو سزا دیں گے، فطرت کے مطابق لیکن عین گناہ کی حالت میں فوراً سزا نہیں دیتے کہ شاید اب بھی سنبھل جائے، اب بھی سنبھل جائے، بخشش کا دروازہ عام ہے۔ تو یہاں تین چار وصف ہو گئے ایک تو یہ کہ ذات بادشاہ اللہ کی ذات مبارک ہے، برکت والی ہے، دوسرے یہ کہ قادر ہے، بِيَدِهِ الْمُلْكُ اس کے قبضے میں ہے

تیسرے یہ کہ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. قدرت اور اقتدار اس کا انتہائی ہے اور ساتھ میں یہ کہ عزیز بھی ہے عزت والا بھی ہے، جس کی وجہ سے سب مغلوب ہیں اور ساتھ میں غفور بھی ہے کہ محبت بھی کرتے ہیں، تو محسن بھی ہے صاحب جلال بھی ہے، جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا قرآن کریم نے کہ:

نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ

اے پیغمبر! مطلع فرما دیجئے مخلوق کو اور اپنی امت کو کہ میں کون ہوں؟

اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ ......(میں بہت ہی بخشش کرنے والا ہوں) تو بادشاہ اگر محض جابر و قاہر ہی ہو کہ جبر قہر ہی کرے تو رعایا کا ناس مارا جائے۔ اگر محض جمیل ہی جمیل ہو کہ رحم و کرم ہی کرتا رہے غصہ نہ کرے تب بھی ناس مارا جائے گا۔ اس لیے کہ بہت سی حرکات غصہ اور قہر سے بنتی ہیں، محض انعام و اکرام سے نہیں بنتی، تو دونوں شانیں ہونی چاہیے بادشاہ میں کہ جلال بھی ہو اور اکرام بھی ہو اور جلال بھی ہو اور جمال بھی ہو، عز و اقتدار اور قہر بھی ہو، اور مغفرت بھی ہو، اور بخشش اور تدبر بھی ہو، وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ یہ پانچ اوصاف بیان کیے گئے۔ یہ تھے بادشاہ کے اوصاف اور یہ کہ اس کے افعال کیا ہیں وہ افعال پھر شروع ہوئے اگلی آیت سے وہ انشاء اللہ پھر کل بیان ہوں گے۔

(معارف حکیم الاسلام قاسمی قدس سرہٗ)

وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۝
اور وہ زبردست ہے بخشنے والا

یعنی زبردست ہے جس کی پکڑ سے کوئی نہیں نکل سکتا اور بخشنے والا بھی بہت بڑا ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ
جس نے بنائے سات آسمان تہ پر تہ ☆

سات آسمان:

حدیث میں آیا ہے کہ ایک آسمان کے اوپر دوسرا آسمان' دوسرے پر تیسرا اسی طرح سات آسمان اوپر نیچے ہیں۔ اور ہر ایک آسمان سے دوسرے تک پانسو برس کی مسافت ہے۔ نصوص میں یہ تصریح نہیں کی گئی کہ اوپر جو نیلگونی چیز ہم کو نظر آتی ہے وہ ہی آسمان ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ساتوں آسمان اس کے اوپر ہوں اور یہ نیلگونی چیز آسمان کی چھت گیری کا کام دیتی ہو۔ (تفسیر عثمانی)

آسمانوں کے وجود پر قرآن کریم اور الہامی کتابوں کا فیصلہ:

چنانچہ توریت اول کے پہلے باب میں یہ لکھا ہے۔ کہ ابتداء میں خدا نے آسمان و زمین کو پیدا کیا پھر اسی کتاب کے باب سات میں طوفان نوح کے بیان میں یہ جملہ بھی ہے کہ جب نوح کی عمر چھ سو برس کی ہوئی دوسرے مہینے کی سترھویں تاریخ کو اسی دن بڑے سمندر کی سب سوتیں پھوٹ کر نکلیں، اور آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں، اور باب آٹھ میں یہ جملہ ہے اور آسمان کی کھڑکیاں بند ہو گئیں، اور آسمان سے مینہ تھم گیا، انجیل متی کے باب تین میں ہے کہ جب حضرت عیسیٰ حضرت یحییٰ کے ہاتھ سے اصطباغ یعنی دریا میں غوطہ لگا کر باہر آئے تو ان کے لیے آسمان کھل گیا اور مکاشفات یوحنا کے باب آٹھ اور دیگر ابواب سے صاف آسمان پر ستاروں کا ہونا اور ان کے دروازے کھلنا اور وہاں سے آواز آنا وغیرہ وہ باتیں مذکور ہیں کہ جو قرآن وحدیث کے مطابق ہیں اسی طرح ہنوط کے وید اور پارسیوں کے دساتیر سے بھی آسمانوں کی بابت اسی طرح کے مضامین مفہوم ہوتے ہیں الغرض ہزار ہا برس سے اور غیر الہامی کتابوں اور انبیاء علیہم السلام اور دیگر لوگوں کا اس امر میں اتفاق ہے لیکن یونان کے فلسفیوں نے جس طرح اور چیزوں کی حقیقت اور ماہیت دریافت کرنے میں عقل کے گھوڑے دوڑائے اور جو باتیں ان کو اپنے قیاس اور تخمین یا تجربہ اور آلات رصد وغیرہا سے دریافت ہوئیں تو انکو قلم بند کیا اور اس کا نام حکمت رکھا۔

حکماء یونان وفلاسفہ کے خیالات:

فیثاغورس' کہتے ہیں آسمانوں کا وجود نہیں یہ ستارے بذات خود قائم ہیں کسی میں جڑے ہوئے نہیں دوسرے گروہ کے سردفتر حکیم بطلیموس ہیں وہ کہتے ہیں کہ زمین گول کُروی ہے کسی قدر یعنی تخمینا چوتھائی حصہ اس کا ناہمواری کی وجہ سے اوپر اٹھا ہوا ہے باقی اس کے گرد پانی لپٹا ہوا ہے جسے سمندر کہتے ہیں پانی کے اردگرد کرہ ہوا لپٹا ہوا ہے اس کے اوپر آگ کوسوں تک ہر طرف سے لپٹی ہوئی ہے یہ چار کرہ عناصر کہ ہوئے اب جس قدر زمین پانی سے اوپر اٹھی ہوئی ہے اس پر سب لوگ بستے ہیں ان چاروں کروں کے چوطرف پہلا آسمان ہے جسکو فلک القمر بھی کہتے ہیں یعنی اس آسمان میں چاند ہے جیسا کہ نیلے جسم پر ایک سفید گول نشان ہو جاتا ہے اس کے اوپر فلک العطارد ہے فلک زہرہ اسکے اوپر فلک شمس ہے یعنی چوتھا آسمان ہے جہاں آفتاب ہے، اس کے اوپر فلک مریخ ہے کہ جہاں مریخ ستارہ ہے اس کے اوپر فلک مشتری اس کے اوپر جہاں مشتری ستارہ ہے اس کے اوپر فلک زحل کہ جہاں زحل ستارہ ہے اس کے اوپر فلک الثوابت کہ جہاں یہ سینکڑوں ان گنت ستارے ہیں کہ جو از خود حرکت کرتے معلوم نہیں ہوتے یعنی ایک جگہ ہمیشہ ثابت رہتے ہیں چونکہ نیچے کے آسمان بلکہ کل آسمان نہایت شفاف اور صاف ہیں وہ اوپر کے ستارے سب نظر آتے ہیں۔

اسکے اوپر فلک الافلاک ہے کہ جس کو فلک اطلس کہتے ہیں یعنی سادہ اس پر کوئی تارہ نہیں وہ دن رات میں مشرق سے مغرب کی طرف ایک جگہ چرخہ کی طرح پھر کر دورہ تمام کرتا ہے اور اسکی وجہ سے سب آسمان اور تارے دورہ تمام کرتے ہیں کہ جس

سے رات اور دن پیدا ہوتے ہیں یعنی جہاں سامنے آفتاب آ گیا وہاں دن ہو گیا اور جہاں سامنے سے بالکل ہٹ گیا وہاں رات ہو گئی اور تمام ستارے از خود بھی ایک حرکت مشرق سے مغرب کر کے دورہ تمام کرتے ہیں۔

چاند تو مہینہ بھر میں اس دورہ کو تمام کر لیتا ہے دراصل گھٹتا بڑھتا نہیں بلکہ جس قدر وہ آفتاب کے مقابلے میں آتا ہے اسی قدر اس پر روشنی پڑتی ہے اتنا ہی ہم کو دکھائی دیتا ہے ورنہ وہ گول بڑا بھاری جسم ہے زمین سے کہیں زائد ہے اور آفتاب اپنے دورہ کو دائرہ منطقہ البروج پر برس میں تمام کرتا ہے اسی لیے مختلف فصلیں سردی اور گرمی کی پیدا ہوتی ہیں یہ کل تیرہ کرے ہوئے جن میں نو آسمان ہیں سات تو یہ کہ جن کو شرع نے سبع سموات کہا ہے اور دو وہ جن کو عرش و کرسی کہا ہے کرسی فلک الثوابت عرش فلک الافلاک ہے اس صورت پر اور آسمانوں کا کوئی رنگ نہیں کیونکہ اگر رنگ نہ ہوتا تو اوپر کی چیزیں دکھائیں نہ دیتیں اور یہ جو نیلگوں معلوم ہوتا ہے یہ آسمان کی شفافی اور غبارات کی تیرگی سے پیدا ہوا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب سفیدی اور سیاہی ملتی ہے تو نیلی رنگت پیدا ہو جاتی ہے یا یوں کہو کہ اجزاء شفاف ہیں اجزائے غباری کہ جو سیاہ ہیں۔ ان کے ملنے سے یہ نیلگونی پیدا ہو گئی یا یہ کہ ہوا کہ اجزاء شفاف میں جب انکو دیکھتے ہیں تو نظر میں ایک تیرگی پیدا ہوتی ہے ان دونوں کے ملنے سے نیلگونی پیدا ہوتی ہے جیسا کہ سمندر کا پانی نیلا دکھائی دیتا ہے اس کے علاوہ اور بہت سے مسائل اس حکیم اور اس کی جماعت کے ہیں لیکن نہ اسلام کو اس ہیئت سے کچھ بحث ہے نہ اس سے۔ اگر یہ غلط ہوا تو اسلام کی صداقت میں کیا نقصان آتا ہے؟ اور جو وہ سراسر غلط ہو تو کیا نقصان ہے البتہ آسمانوں کی بابت علی سبیل فکر آیات قدرت جو کچھ قرآن یا دیگر کتب الہامیہ میں مذکور ہے اس کے تمام بنی آدم قائل ہیں وہ علم فطری ہے جب بطلیموس اور فیثاغورس نہ تھے جب بھی لوگ ان باتوں کو مانتے تھے بہر کیف الہامی کتابوں بالخصوص قرآن مجید سے یہ ثابت ہے کہ آسمان کوئی مجسم چیز ہے کہ جو قیامت کو پھٹ جاوے گی؟ (معارف کاندھلوی)

شہنشاہی کے اصول:

یہ سورۃ شہنشاہی خداوندی کے اصول پر مشتمل ہے اور حکمرانی کے اصول اور لوازم ارشاد فرمائے گئے ہیں سب سے اول بادشاہ عالمین کی ذات کا تذکرہ کیا گیا کہ وہ مبارک ہے، پھر اس کی صفات کمال کا تذکرہ کیا گیا جو حکومت کے لیے ضروری ہیں ان کی کل تفصیل عرض کی جا چکی ہے۔ آج کی آیتوں کی تفسیر کا حاصل ہو گا لوازم بادشاہت۔

لوازم بادشاہت:

یہ فطرت انسانی میں داخل ہے کہ جب کوئی حکومت قائم کی جاتی ہے تو سب سے اول دار الحکومت کی بنیاد ڈالتے ہیں دار السلطنت یا دار الخلافہ کہ جس کو باب عالی یا باب حکومت کہا جاتا ہے وہ قائم کرتے ہیں اور اس کو نہایت مستحکم اور مضبوط بناتے ہیں۔

دشمنوں کا حملہ سب سے پہلے دار السلطنت پر ہوتا ہے۔ وہ اگر قبضہ میں آ جاتا ہے تو پورا ملک فتح سمجھا جاتا ہے اس لیے دار الحکومت کو زیادہ مضبوط و مستحکم بنایا جاتا ہے بڑے بڑے قلعے تعمیر کیے جاتے ہیں اور اگر کوئی بڑی سلطنت ہے تو ساتھ ساتھ شہر پناہیں قائم کی جاتی ہیں اور ہر شہر پناہ کے اندر بڑی بڑی فوجیں رکھی جاتی ہیں جن کے ساتھ میں سامان جنگ ہوتا ہے جس زمانے کے مناسب جو کچھ سامان ہو یا جس ملک کے مناسب جو سامان ہو وہ فراہم کیا جاتا ہے گولہ اور بارود اور آج کے دور میں مثلاً بم اور بڑی بڑی دور مار توپیں اور مشین گنیں اور جیٹ طیارے۔ یہ زیادہ سے زیادہ مہیا کیے جاتے ہیں دار السلطنت کے لیے۔ اور ضرورت کے مطابق اطراف ملک میں بھی یہ قوتیں قائم کی جاتی ہیں۔ مختلف چھاؤنیاں بناتے ہیں مگر دار السلطنت کو مضبوط رکھتے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ غنی ہیں کہ ان کی حفاظت کے لئے کوئی دار السلطنت بنے یا ان کے لئے قلعے بنائے جائیں وہ تو خود حافظ و حفیظ ہیں، وہ خود حفاظت کرنے والے ہیں جہانوں کی، ان کی حفاظت کے کوئی معنی ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ملک کے اظہار کے لئے تمام لوازم سلطنت قائم کئے

"لیکن چونکہ ان کی صفت ہے مَلِکْ اور بادشاہ ہونا"

اس صفت کے اظہار کے لئے تمام لوازم سلطنت قائم کئے جاتے ہیں، تو سب سے پہلے شاہی قلعہ تعمیر کیا گیا۔

سات آسمان بمنزل سات شہر پناہوں کے ہیں:

اور وہ بھی سات شہر پناہوں کا جن کو سات آسمان کہتے ہیں، تو آسمان زمین سے زیادہ مضبوط ہے۔ زمین کمزور ہے، لیکن آسمان مضبوط ہے، زمین میں آپ روزانہ تصرف کرتے ہیں، کہیں کھود کر کنویں بنا رہے ہیں، کہیں سڑکیں نکالی جا رہی ہیں، روزانہ تغیر و تبدل زمین میں ہوتا ہے، لیکن آسمان میں کوئی تغیر و تبدل نہیں۔ جب سے آسمان بنائے گئے ہیں، ہزاروں برس سے اس وقت سے یکساں حالت پر قائم ہیں۔

آسمان کہاں ہے؟

اب یہ کہ وہ آسمان کہاں ہے تو ہو سکتا ہے کہ یہ جو نیلگوں اور چھت سی نظر آتی ہے یہی آسمان ہو، لیکن بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں کہ یہ آسمان نہیں، تو ہمیں بھی کوئی اصرار نہیں، ہو سکتا ہے کہ یہ نیلگوں چھت جو ہے اس کے اوپر آسمان ہو اور یہ نیلگوں چھت ایسی ہو جیسے ایک بڑی چھت کے نیچے شہتیری لگا

دیتے ہیں اور شامیانہ تان دیتے ہیں۔تو ہوسکتا ہے کہ یہ نیلگوں آسمان نہ ہو، آسمان اس سے بالاتر ہو۔

زمین سے آسمان تک کی مسافت پانچ سو برس ہے:

اس لئے کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ زمین سے لے کر آسمان تک پانچ سو برس کی مسافت ہے اور چونکہ مبالغہ اور استحسان ظاہر کرنا مقصود ہے۔اس واسطے وہ پانچ سو برس کی مسافت تیز سے تیز سواری پر طے ہونی چاہیے، زیادہ سے زیادہ تیز سواری ہو، وہ پانچ سو برس میں پہنچ سکتی ہے وہاں تک، آج بڑی سے بڑی تیز سواری اگر ہوسکتی ہے تو راکٹ ہوسکتا ہے، جو ایک گھنٹہ میں پچیس سو میل یا پچیس ہزار میل جانے والی سواری ہے، اور ممکن ہے کہ کل کو اس سے بھی زیادہ تیز سواری بن جائے تو وہ ایک گھنٹہ میں پانچ سو کی بجائے پانچ ہزار یا پچیس ہزار کی بجائے پچاس ہزار میل طے کر لے۔ایک لاکھ میل طے کر لے، پل بھر میں پہنچ جائے تو زیادہ سے زیادہ تیز رفتار سواری پر اگر سوار ہو کر جایا جائے تو پانچ سو برس میں آسمان پر پہنچ سکتا ہے آدمی۔اور ظاہر ہے کہ نہ اتنی عمر ہے کسی کی کہ وہ اس پر سوار ہو اور پانچ سو برس طے کرے، آج بڑی سے بڑی عمر ہے تو وہ ساٹھ ستر برس کی ہے، سو برس کی ہو جائے گی تو اس عمر پر انسان طے نہیں کر سکتا جب تک کہ مدد خداوندی شامل حال نہ ہو۔اسی واسطے ایک موقعہ پر قرآن مجید میں فرمایا گیا۔

اے جنوں اور انسانوں! اگر تم یہ کوشش کرنا چاہتے ہو کہ زمین اور آسمانوں کے فاصلے طے کر لو اور ان کی اَقۡطَار سے گزر جاؤ۔قطر کہتے ہیں اس خط کو جو دائرے کے بیچ میں ہوتا ہے، اس سے پار ہو جاؤ تو ہو سکتے ہو محال نہیں، لیکن ہو نہیں سکتے اِلَّا بِسُلۡطٰنٍ۔جب تک کہ اللہ کی طرف سے کوئی مدد نہ دی جائے تمہیں، کوئی حجت تمہارے ہاتھ میں نہ ہو اس وقت تک تم آسمانوں تک نہیں جا سکتے۔آسمان سے نیچے نیچے جہاں تک تمہارا جی چاہے چلے جاؤ، جہاں تک طاقت ہو۔

انسان چاند پر جا سکتا ہے:

آج کوئی چاند پر پہنچنا چاہے تو پہنچ سکتا ہے۔شریعت کے اصول سے کوئی بعید بات نہیں ہے۔اس لئے کہ یہ نظام کواکب ستاروں کا نظام سب آسمانوں سے نیچے ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی صریح روایت موجود ہے اس میں کہ یہ تمام ستارے آسمان کے نیچے لٹکے ہوئے ہیں اور ان میں زنجیریں پڑی ہوئی ہیں سونے اور چاندی کی اور ملائکہ کے ہاتھ میں ہیں جو تھامے ہوئے ہیں انہیں۔قیامت کے دن جب آسمان ٹوٹیں گے اور ملائکہ علیہم السلام کو بھی وفات دے دی جائے گی، زنجیریں چھوٹ جائیں گی وہ سارے ستارے ٹکڑے ہو کر نیچے آ پڑیں گے۔قیامت قائم ہو جائے گی۔

ستارے اپنی کشش سے قائم نہیں بلکہ انہیں ملائکہ نے تھام رکھا ہے:

آج کی دنیا میں کہا جاتا ہے کہ ستارے باہمی کشش سے قائم ہیں ایک دوسرے ستارے کو کھینچ رہا ہے اس لئے وہ مُعلّق ہیں، تو انہوں نے اسے کشش سے تعبیر دیا، شریعت نے اس کشش کی حقیقت بتلادی کہ وہ ملائکہ ہیں جنہوں نے اسے اپنی طاقت سے تھام رکھا ہے ستاروں کو، تو انہیں کشش سے انکار کی بھی ضرورت نہیں ہے، لیکن پھر وہ حسیات پر پہنچے، کشش ہوتی ہے حسی چیزوں میں، شریعت اس کا انکار کئے بغیر اس کی حقیقت بتلاتی ہے کہ اس پر کشش کو تھام رکھا ہے فی الحقیقت علیہم السلام نے ان کی معنوی قوت نے ستاروں کو لٹکا دیا تو یہ سارا نظام کواکب آسمانوں سے نیچے نیچے ہے۔آسمان اس سے بالاتر ہیں تو سات آسمان تعمیر کیے گئے، گویا سات شہر پناہیں بنائی گئیں۔اس لئے کہ جب بڑی حکومت ہوتی ہے تو چھوٹا موٹا قلعہ کام نہیں دیتا۔جب تک کہ ساتھ ساتھ شہر پناہیں نہ ہوں۔تو سات شہر پناہ کا ایک دار السلطنت بنایا گیا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ آخری حصہ میں تخت شاہی رکھا جاتا ہے تو ساتوں آسمانوں کے اوپر جا کر عرش عظیم قائم کیا گیا۔

ساتوں آسمانوں کے اوپر بطور ایک حفاظتی خندق کے ایک عظیم الشان سمندر ہے

آپ نے دیکھا ہوگا کہ بڑے بڑے قلعے جب تعمیر ہوتے ہیں تو دشمنوں سے حفاظت کے لئے ان کے اردگرد خندقیں کھود دی جاتی ہیں۔آسمان پانی بھرا جاتا ہے ان میں کہ اگر کوئی قریب بھی پہنچے تو دیوار تک نہ پہنچ سکے قلعے کی۔سب سے زیادہ گہری خندق ڈالتے ہیں اور اس میں بہت گہرا پانی ہوتا ہے۔اب اس میں کوئی کشتیاں بنائے۔اتنے بنائے گا قلعے والے اس کا استیصال بھی کر دیں گے اوپر سے گولیاں برسا کر، تو دشمنوں سے حفاظت کے لئے اول تو سات قلعے بنائے گئے اور پھر اس کے باہر جا کر ایک بڑی خندق بناتے ہیں جس میں پانی بھرتے ہیں تو پانی کے اوپر نرم مخلوق ہے۔اس پر چلنا آسان نہیں اس واسطے کہ پانی پر آ کر دشمن رک جاتا ہے۔تو حق تعالیٰ شانہ نے سات آسمان بنائے گویا سات قلعے تعمیر کیے اور اس کے بعد ایک عظیم الشان سمندر بنایا۔اس سمندر کی بڑائی اس حدیث میں آتی ہے کہ "آسمانوں اور زمینوں کے برابر ایک موج ہے اس دریا کی" اس سے اوپر عرش عظیم قائم کیا تو سات قلعے ہیں اس کے بعد خندق بنائی گئی اور خندق بھی جیسا قلعہ ویسی ہی خندق جیسا بادشاہ ہے ویسا ہی اس کے لئے سامان، تو وہ خندق ایسی ہے کہ ایک عظیم سمندر ہے اور اس سمندر کی ایک ایک موج آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہے۔

عرش الٰہی سمندر کے اوپر ہے:

اس کے اوپر عرش عظیم قائم کیا گیا تو گویا دار السلطنت قائم کرنے میں پہلے قلعے بناتے ہیں قلعے کے بعد خندق بناتے ہیں اور ساتویں قلعے میں پھر تخت شاہی رکھا جاتا ہے جو علامت ہوتی ہے بادشاہ کی۔اسی تخت سے احکام جاری

ہوتے ہیں، تو وہ تخت شاہی ہے عرش عظیم، ساتویں آسمان کے اوپر ایک سمندر ہے اور اس پر عرش عظیم قائم کیا گیا ہے تو عرش کی مثال بالکل ایسی ہی ہے کہ جیسے یہ سات آسمان قبوں کی طرح سے ہیں۔ایک دوسرے کے اوپر اور عرش نے سب کو گھیر رکھا ہے۔سارے آسمان، ساری زمینیں، سارے سیارات اس عرش کے نیچے ہیں تو ترتیب مُعیّن ہوگئی کہ نیچے زمین، اوپر آسمان، اوپر سمندر اس سے اوپر پھر عرش عظیم ہے۔ تو ایک شاہی قلعہ بنا اور تخت شاہی رکھا گیا۔

اللہ کے مہمانوں کے لئے جو گیسٹ ہاؤس ہے

اس کا نام جنت ہے

تو یہ بھی قاعدہ ہے کہ بہر حال حکومت کے مہمان بھی آتے ہیں تو ان کے لئے ایک گیسٹ ہاؤس بنایا جاتا ہے۔ایک بہت بڑا مہمان خانہ اتنا بڑا کہ جو سارے مہمانوں کے لئے مناسب ہو۔اس لئے کہ بادشاہ کے پاس چھوٹے موٹے قسم کے لوگ تو نہیں پہنچتے۔وہاں والیان ملک اور بڑے بڑے نواب اور راجہ ہی پہنچ سکتے ہیں کہ جو بادشاہ کے مہمان ہوتے ہیں تو ان کے مناسب حال ضرورت تھی کہ گیسٹ ہاؤس بنے، سرکاری مہمان خانہ بنے، تو وہ سرکاری مہمان خانہ اسی کا نام ہے جنت۔ یہ جنت جو ہے یہ عرش عظیم کے نیچے ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ سات آسمان ہیں۔ساتویں آسمان سے جنتوں کا علاقہ شروع ہوتا ہے، اس لئے کہ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ جبرائیل علیہ السلام کا مقام ہے سدرۃ المنتہیٰ اور یہ ساتویں آسمان پر ہے اور قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۞ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۞ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس سے جنت الماویٰ شروع ہوتی ہے تو حدیث اور آیت کے ملانے سے نتیجہ یہ نکل آیا کہ ساتویں آسمان سے جنتوں کا علاقہ ہے۔

کل جنتیں سو ہیں:

اور جنتیں ہیں سو ایک دوسرے کے اوپر اور ایک ایک جنت آسمانوں اور زمینوں سے بھی زیادہ بڑی ہے تو اندازہ کیجئے کہ سو جنتیں ہیں اور ہر جنت آسمانوں اور زمینوں سے بڑی ہے تو لاکھوں آسمانوں کے برابر ایک جنت ہی ہوگی یہ ہے سرکاری مہمان خانہ جس میں سرکاری مہمان رکھے جائیں گے۔

سرکاری مہمان سرکاری مہمان خانہ میں کب پہنچیں گے:

اور سرکاری مہمان کب پہنچیں گے؟ جب آسمان بیچ سے نکال دیئے جائیں گے جب ہی تو پہنچیں گے۔اس لئے کہ اصل مہمان ملائکہ تو ہیں نہیں۔ یہ تو خدام ہیں جو کام کر رہے ہیں، مہمان تو وہ ہیں جو اللہ کے بتائے ہوئے طریق پر اور راستے پر چل کر اس تک پہنچیں گے۔ وہ راستہ شریعت ہے اس پر چلنے والے انسان ہیں، تو حقیقت میں سرکاری مہمان یہ انسان ہوں گے جو ٹھیک اس راستہ پر چل کر جو جنت کو جا رہا ہے وہاں پہنچ جائیں گے، حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن حساب کتاب کے بعد جتنے اہل جنت ہیں وہ بطور مہمان کے داخل کئے جائیں گے اور خوب مہمانی ہوگی ان کی۔

اہل جنت کی تین دن خاص مہمانی ہوگی:

ان کے لئے زمین کی روٹی اور مچھلی کے جگر کا سالن بنایا جائیگا اور تین دن کی مہمانی اس انداز سے ہوگی کہ ان کو روٹی تو دی جائے گی اس زمین کی یعنی یہ پوری زمین اس کی ایک روٹی بنا دی جائے گی اور زمین جس پر قائم ہے وہ ایک عظیم الشان مچھلی ہے۔حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اس کے جگر کے کباب ہوں گے تو زمین کی روٹی اور مچھلی کے کباب اور وہ بھی اس کے جگر کے کہ سب سے زیادہ لذیذ گوشت ہوتا ہے وہ دی جائے گی غذا۔

زمین کی روٹی کیسے بنائی جائے گی؟

آپ سوال کریں گے کہ یہ زمین تو مٹی کی ہے اور اس کی روٹی تو بڑی چڑچڑی ہوگی تو کھائی کس طرح سے جائے گی؟ اللہ میاں کے ہاں مہمانی ہو اور چڑچڑی روٹی ملے؟ میں عرض کرتا ہوں کہ آج آپ جو غذا کھا رہے ہیں وہ بھی تو زمین ہی کھا رہے ہیں اس لئے کہ زمین ہی میں سے تو نکلتے ہیں غلہ بھی اور دانے بھی، چنے بھی، گیہوں بھی، پھل۔پھول فروٹ سب زمین سے نکلتے ہیں تو یہ زمین کے ٹکڑے ہیں جو آپ کھاتے ہیں لیکن اللہ نے کچھ ایسی مشینیں لگا رکھی ہیں قدرتی کہ ان کے ذریعے چڑچڑا مادہ صاف کر کے خالص مزے کی چیز بنا دی جاتی ہے۔ سیب کھانے میں کبھی چڑچڑا پن محسوس نہیں ہوتا انگور کھانے میں بھی چڑچڑا پن نہیں، حالانکہ ہے یہ وہی مٹی۔اسی کا اللہ نے جوہر بنا کر چڑچڑا پن نکال دیا باطنی مشینوں سے، اور صاف ستھرا مادہ خوشبودار رسیلا بنا کے آپ کو دیا، تو جب آج بھی آپ مٹی کھا رہے ہیں اور چڑچڑا مادہ نہیں آتا تو کیا تعجب ہے کہ حق تعالیٰ اس دن ساری زمین کا چڑچڑا مادہ نکال کر اس کا اصل جوہر بنا دیں۔اس لئے کہ سارے مزے اسی زمین تو چھپے ہوئے ہیں۔ یہ سیب، انگور، انار، امرود جو ہے زمینی ہے، تو زمین ہی میں یہ سارے ذائقے چھپے ہوئے ہیں۔مشینوں کے ذریعے سے ان ذائقوں کو الگ الگ کر کے چڑچڑا مادہ نکال دیتے ہیں تو سارے ذائقوں کا مجموعہ یہ زمین ہے، ہوسکتا ہے کہ حق تعالیٰ اس دن اپنی قدرت کاملہ سے اس زمین سے سارے مزے ایک جگہ جمع کر کے چڑچڑا مادہ الگ کر دیں اور ان سارے مزوں کی ایک روٹی بنا دیں تو دنیا کے جتنے پھل اور فروٹ ہیں سب کے ذائقے اس روٹی کے اندر ہوں گے کوئی ذائقہ نہیں چھوٹا ہوگا، سارے ذائقے آجائیں گے۔

زمین کی روٹی کیوں بنائی جائے گی؟

اور یہ اس لئے کریں گے کہ اول تو دنیا میں ہر انسان نے دنیا کا ہر پھل نہیں چکھا، ہر ملک کے الگ الگ پھل ہوتے ہیں، جو ترکی میں ہیں وہ

ہندوستان میں نہیں، جو ہندوستان میں ہیں وہ ایران میں نہیں، جو ایران میں ہیں وہ افغانستان میں نہیں تو لاکھوں اور کروڑوں انسان وہ ہیں جو اپنے اپنے خطے کے پھل تو کھائے ہوئے ہیں، لیکن ساری زمین کے سارے ذائقوں سے واقف نہیں، ہوسکتا ہے کہ شکایت کرے بنی آدم کے ہمیں آدھے تہائی پھل دیئے، وہ انہیں دیئے، کچھ ہمیں دیئے، ہم تو واقف نہیں ساری زمین کے ذائقوں سے، اس لئے سارے ذائقے جمع کر کے سارے بنی آدم کو جوروٹی ہے وہ کھلادیں گے تاکہ کسی کو شکایت کا موقع نہ ملے۔

سالن مچھلی کا کیوں ہوگا؟

اور سالن بنائیں گے مچھلی کے جگر سے۔ اس لئے کہ غذائیں دو ہی ہیں دنیا میں یا بَری یا بحری، تو بحری غذاؤں میں سب سے اعلیٰ ترین غذا مچھلی اور بَری غذاؤں میں سب سے اعلیٰ ترین غذا یہ فروٹ اور پھل اور دانے، تو زمین کا جو ہر نکال کے تو سارے فروٹ اور دانے جمع کر دیئے ان کا مزہ ایک جگہ ہو گیا اور بحری چیزوں میں مچھلی کہ ساری مچھلیوں کی ماں ہے وہ، اور اس میں سے ساری مچھلیاں نکلی ہیں اور مچھلیوں کی اقسام ہیں۔ کسی مچھلی کا کچھ ذائقہ ہے، کسی کا کچھ ہے۔ وہ ساری قسمیں جمع ہو جاتی ہیں اس مچھلی میں جا کر جس پر زمین قائم ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دریائی غذاؤں کے جتنے ذائقے ہیں وہ بھی ایک جگہ جمع کر دیں گے اور براور خشکی کے جتنے ذائقے ہیں وہ بھی ایک جگہ جمع کر دیں گے۔ اس کی روٹی بنادی اس کا سالن بنادیں گے تو بحر و بر کی ساری غذائیں سارے بنی آدم نے چکھ لیں۔

اہل جنت کی ابتداءً روٹی سالن سے کیوں خاطر کی جائیگی؟

اور یہ کیوں چکھائیں گے؟ ابتداء ہی میں جنت کی غذائیں کیوں نہ دے دیں؟ بتلانا یہ ہوگا ساری زمین کے ذائقے کھلا کر بس یہ ہیں وہ ذائقے جن پر تم رات دن لڑتے مرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ بس سب کچھ یہی ہے۔ اب یہ کھا کر اب ہمارے بنائے ہوئے ذائقے کا مزہ چکھو، جو ہم نے تیار کئے ہوئے ہیں جنت میں مقیموں کے لئے تاکہ توازن اور تقابل کر سکو، اس واسطے کہ دنیا میں اول تو سب نے سارے ذائقے نہیں چکھے اور جتنے چکھے تھے وہ موت کی تلخی نے سارے بھلادیئے، کوئی چیز ذہن میں نہیں کہ کیا کھایا اور کیا نہیں کھایا۔ اس واسطے ان سارے ذائقوں کو عین جنت میں کھلا کر تازہ کر دیں گے کہ بس یہ تھے وہ ذائقے جن پر آپ جی جی کر سر پھٹول کئے رہے اور مار امار کئے رہے۔

اور ایک افراتفری کی۔ یہ تھے وہ ذائقے اسی کے لئے تو لڑائی ہوتی تھی، یہ کل ذائقے چکھ لئے، یہ کل کائنات تھی تمہاری لڑائی کی اور جس کائنات کا ہم نے وعدہ کر رکھا ہے اور جن نعمتوں اور لذتوں کا (ہم نے وعدہ کر رکھا ہے) اب وہ چکھو تو اس وقت حیرانی ہوگی مخلوق کو......

جب مٹی ملا ہوا گھونٹ اس قدر ذائقہ رکھتا ہے تو جب مٹی بالکل صاف ہو کر خالص ذائقہ دیں گے تو اس میں کیا کیفیت ہوگی اور کیا سرور ہوگا؟ لیکن اس سرور کو سمجھانے کے لیے پہلے یہاں کے مزے چکھادیں گے کہ اب تقابل کرو کہ کیا چیز ہم نے چھڑوائی تم سے اور کیا ہمیں دینا ہے؟

دنیا میں جو لذتیں چھڑوائی گئی تھیں وہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف جانے کے لئے چھڑوائی گئیں تھیں

ہم اگر چھڑوار ہے تھے دنیا کی لذتیں تو معاذ اللہ تمہارے ساتھ عداوت نہیں تھی، بلکہ یہ تھا کہ ادنیٰ کو چھوڑ کر اعلیٰ کی طرف جاؤ۔ جنہوں نے چھوڑا انہوں نے تو پایا اسے، اور جنہوں نے نہیں چھوڑا تو بیچ میں دھکے کھائے اس چیز کے تئیں، مگر بہر حال جب وہ بھول بھال چکے اب ہم وہ اپنے ذائقے چکھاتے ہیں، مگر یاد دلانے کے لئے پہلے ان ذائقوں کو سامنے کئے دیتے ہیں تاکہ تمہیں قدر محسوس ہو جنت کی، تو بہر حال اہل جنت کو جنت میں تین دن مہمان رکھا جائے گا اور اس میں غذا وہ دی جائے گی جس سے وہ مانوس تھے اور برس ہا برس کھاتے ہوئے آرہے تھے۔ تین دن کے بعد جب مہمانی ہو جائے گی پوری تو قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ ارشاد فرمادیتے کہ اب نکلو جنت سے کہ بس تین دن کی مہمانی (تھی) تین دن سے زیادہ کوئی ذمہ داری نہیں، لیکن کریم کی شان سے یہ بعید ہے کہ کوئی نعمت دے کر پھر اسے واپس لے اس لئے فرمائیں گے کہ جس نے جس محل پر قبضہ کیا آج سے اَبَدُ الآبادتک وہ محل اسی کا ہے۔ وہ سارا رقبہ اسی کا ہے اب ہم واپس نہیں لیں گے۔ یہ کریم کی شان سے بعید ہے کہ گھر میں رکھ کر اور پھر کہے کہ نکلو گھر سے۔ بس جس گھر میں آگئے وہ آج سے تمہارا گھر ہے اور وہ محل کوئی چھوٹا موٹا نہیں ہوگا۔

ادنیٰ سے ادنیٰ جنتی کو جو جنت ملے گی وہ دس دنیاؤں کے برابر ہوگی

حدیث میں فرمایا گیا کہ ادنیٰ سے ادنیٰ جنتی کو جو رقبہ اور حصہ عطا کیا جائے گا وہ دس دنیا کے برابر ہوگا، گویا دس دنیائیں بن جائیں اس کے اندر سے مع زمین اور بحر اور بر پہاڑوں سے تو وہ گنا ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ نے دس گنا کا اجر بھی رکھا ہے دنیا میں۔ اَلْحَسَنَۃُ بِعَشْرِ اَمْثَالِھَا۔ ایک نیکی کرو گے تو دس نیکیاں ملیں گی، یہ ضابطہ کا اجر ہے اور دس سے بڑھادیں تو یہ ان کے فضل سے بعید نہیں۔ چاہے سات سو گنا کر دیں چاہے ہزار گنا کر دیں مگر دس گنا وہاں قاعدے میں داخل ہے۔ ضابطہ میں اسی قاعدے کے مطابق کم سے کم حصہ دس گنا ہوگا دنیا کا۔

جنت میں جنتی ستر اقلیم کا بادشاہ ہوگا:

یہاں ہفت اقلیم پوری دنیا کی بادشاہت اور اسے دس جگہ جمع کرو تو اس کا

مطلب یہ ہے کہ ستر اقلیم کا بادشاہ ہوگا آدمی وہاں اور وہ اقلیم بھی وہ کہ جہاں کوئی کدورت نہیں، کوئی غبار نہیں، کوئی طمع نہیں، کوئی پرانا پن نہیں، بالکل صاف ستھری اور ابدی نعمت ہوگی اور دس دنیا کے برابر، تو یہ حق تعالیٰ کی کریمی ہے کہ مہمان بنا کر داخل کریں گے اور جو جہاں پہنچ گیا پھر اس سے واپس نہیں لیں گے کہ اب یہیں رہو اور ابدالآباد تک رہو کوئی تمہیں نکالنے والا نہیں۔ یہ ہے سرکاری مہمان خانہ، اور سرکاری مہمان خانہ ظاہر ہے کہ شاہی محلات کے قریب ہی ہوتا ہے تاکہ مہمانوں کو بادشاہ کے پاس آنے جانے میں دشواری نہ ہو، دوری نہ ہو۔ جیل خانہ البتہ دور رکھتے ہیں اس لئے کہ قیدیوں سے ملنے کے کوئی معنی نہیں۔ قیدی تو دور ہی رہے تاکہ اس کو حسرت ہو کہ میں نعمت کے گھر کے قریب بھی نہیں۔

جیسے سرکاری مہمان خانہ ضروری ہے ویسے ہی سرکاری جیل خانہ بھی ضروری ہے اور سرکاری جیل خانہ کا نام جہنم ہے

تو جیسے سرکاری مہمان خانہ بھی ضروری ہے ایسے ہی سرکاری جیل خانہ بھی ضروری ہے۔ سرکاری جیل خانہ کا نام شریعت کی اصطلاح میں ''جہنم'' ہے اس میں وہ رہیں گے جو مجرم اور قیدی ہیں۔ اس کو رکھا گیا ہے ساتویں زمین کے نیچے۔ جنت رکھی گئی ساتویں آسمان کے اوپر اور جہنم رکھا گیا ساتویں زمین کی تہہ میں تاکہ بعید سے بعید ہو جائے وہ اللہ کی رحمت سے اور اس کے قرب کی لذت کا تصور بھی اس کے قلب میں نہ آسکے اور قید کو اور عذاب کو اچھی طرح سے چکھے، تو بُعد بھی ہوگا اور عذاب بھی ہوگا۔ اول تو اللہ سے بعید ہونا یہی ایک مستقل عذاب ہے اور بعید ہو کر حسی عذابات بھی ہوں اور یہ عذاب در عذاب اور وہ عذاب ابدی اور دائمی ہوں تو یہ عذاب در عذاب ہے تو بُعد بھی ہوگا عذاب کی نوعیت بھی شدید ہوگی اور ابدالآباد کا عذاب ہوگا۔ اس کے بالمقابل سرکاری مہمان خانوں کے لئے قرب بھی انتہائی (درجہ کا ہوگا کہ) ہر وقت بادشاہ کی زیارت کرسکیں۔

جنت میں زیارت خداوندی کے درجات:

حدیث میں ہے کہ بعض تو وہ ہوں گے کہ انہیں چوبیس گھنٹے حق تعالیٰ کا مشاہدہ رہے گا۔ جیسے انبیاء علیہم السلام کہ ایک لمحہ کے لئے بھی تجلیات خداوندی ان کی نگاہوں سے غائب نہیں ہوں گی۔ ہر وقت اللہ کو دیکھتے رہیں گے اور بعض وہ ہوں گے کہ ہفتہ میں دو تین بار زیارت ہوگی جیسے کمل اولیاء اللہ اور عامہ مؤمنین وہ ہوں گے کہ ہفتہ میں ایک بار ان کو زیارت کرائی جائیگی۔ دربار منعقد کیا جائے گا۔ انہی سو جنتوں کے اوپر دریا ہے اور دریا پر عرش عظیم ہے اور عرش عظیم کے بازو میں ایک میدان ہے جس کا نام ہے مزید اس میدان کی بڑائی کا یہ عالم ہے کہ۔

حضرت جبرائیلؑ کی جسامت:

حضرت جبرائیل علیہ السلام جو کہ سید الملائکہ ہیں اور چھ سو بازو کے فرشتہ ہیں۔ چھ سو بازو ہیں اور جثہ ان کا وہ ہے کہ اصلی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دیکھا انہیں دو دفعہ، ایک دفعہ شب معراج میں اور ایک دفعہ وحی کی آمد کے وقت۔ وہ اس شان سے دیکھا کہ زمین سے آسمان تک جتنی فضا ہے سب بھری ہوئی ہے جبرائیل کے بدن سے۔ مشرق میں ایک مونڈھا ہے اور مغرب میں دوسرا مونڈھا ہے اور سر آسمان کے قریب ہے اور پیر زمین کے قریب اور ایک نورانی چہرہ ہے جو سورج سے زیادہ روشن ہے اور تاج ان کے سر کے اوپر ہے اور سبز رِدائہ (چادر) ہے ان کے بدن کے اوپر۔ اس شان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ دیکھا تو اتنے ڈیل ڈول کا فرشتہ حضرت جبرائیل علیہ السلام وہ یہ فرماتے ہیں کہ جب سے میں پیدا ہوا ہوں اسی میدان میں گھومتا ہوں مگر اب تک مجھے اس کے کناروں کا پتہ نہیں چلا کہ کہاں تک ہے یہ میدان وہ میدان ہے یا دربار خداوندی کا میدان۔

اللہ کی کرسی کی وسعت:

حدیث میں فرمایا کہ اس کے وسط میں بچھائی جائے گی کرسی حق تعالیٰ کی جس کا ذکر ہے قرآن کریم میں وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۔ کہ وہ کرسی آسمانوں اور زمینوں سے زیادہ بڑی ہے۔ حدیث میں ہے کہ کرسی جو سامنے ساتوں آسمانوں کے ہے (وہ ایسے ہے) جیسے ایک بڑے میدان میں ایک چھلا ڈال دیا جائے تو کرسی کی بڑائی اور عظمت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے وہ کرسی بچھائی جائے گی میدان کے وسط میں۔ اس کے چاروں طرف منبر ہوں گے نور کے۔ وہ انبیاء علیہم السلام کے منبر ہوں گے اور گول دائرہ بنایا جائے گا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام ان پر بیٹھیں گے اور ہر نبی کے منبر کے پیچھے اس کی امت کی کرسیاں ہوں گی درجہ بدرجہ، جو دنیا میں جتنا زیادہ اطاعت گذار تھا اتنا ہی قریب ہوگا پیغمبر کے۔

جمعہ کا دن دربار خداوندی کا دن ہوگا:

تو ہفتے میں ایک دن جو جمعہ کا دن ہوگا وہ دربار خداوندی کا دن ہوگا۔ اس دن میں تمام اہل جنت اپنی اپنی سواریوں پر چلیں گے اس میدان میں آنے کے لئے، اور کوئی نیچے کی جنت میں ہے، کوئی بیچ کی جنت میں ہے اور کوئی اوپر کی جنت میں ہے اور سو جنتیں ہیں زمینوں اور آسمانوں سے بڑی اس لئے ان کو سواریاں دی جائیں گی اور وہ سواریاں براق ہوں گے، رفرف ہوں گے تخت رواں ہوں گے کہ بڑی بڑی مسندیں بچھی ہوئی ہیں اور قوت خیال سے وہ اڑیں۔ کوئی مشین نہیں ہوگی کہ کل گھمانی پڑے اور پٹرول دینا پڑے۔ اس کا سارا پٹرول مشینری ہماری قوت خیال ہوگی۔ اتنی مضبوط بنادی جائے گی کہ خیال کیا کہ وہاں پہنچیں، پل بھر میں وہاں پہنچ گئے، پل بھر میں نیچے آگئے، تو پلوں میں یہ مسافتیں طے ہوں گی۔ سب جمع ہوں گے اس میدان کے اندر اور فرمایا گیا ہے حدیث میں کہ سیٹیں

متعین ہوں گی ہر ایک کی جیسے درباروں میں سیٹیں بنائی جاتی ہیں۔ تو کارڈ چھپے ہوئے لگے ہوتے ہیں جن پر نمبر تک پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ بٹھلانے والے اسی نمبر پر بیٹھنے والے کو بٹھاتے ہیں۔ یہ نہیں کہ کسی دوسری پر کوئی جا بیٹھے۔ اپنی سیٹ پر (بیٹھتا ہے ہر فرد) وہاں بٹھانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

ہر شخص اپنی جگہ اپنی طبعی کشش سے پہچان لے گا:

حدیث میں ہے کہ ہر شخص اپنے مقام کو اپنی طبعی اور قلبی کشش سے پہچانے گا اور وہیں جا کر رکے گا جو اس کی سیٹ ہے اور اس کی کرسی ہے یہ نہیں کہ غلطی کر جائے اس لئے کہ متمثل ہوں گے وہ مقامات جو اپنے قلب کے مقامات ہیں۔ مقامات قرب حق تعالیٰ کے نزدیک ہے قوت ایمانی کے مقامات کے مطابق۔ ہر شخص اپنے مقام کو خود پہچانتا ہے۔ کہ میرا ایمان کس درجہ کا ہے، میرے اخلاق کس مرتبہ کے ہیں۔ وہی اخلاق، وہی مقامات متمثل کئے جائیں گے سیٹوں کی صورت میں ہر شخص اپنے اپنے مقام پر بیٹھے گا۔ انبیاء علیہم السلام اپنے مقامات پر ہوں گے۔ اب یہ دربار پُر ہو گیا، بھر گیا، کرسیاں ہوں گی اور ان کرسیوں کے پیچھے اس میدان میں کے کناروں پر بڑے بڑے قالین ہوں گے چبوتروں پر، اور چبوترے ہوں گے مشک اور زعفران کے اور ان پر غالیچے ہوں گے۔ عوام الناس جو کم درجہ کا ایمان رکھتے تھے ان کے پاس کرسیاں نہیں ہوں گی، بلکہ وہ قالینوں پر بیٹھیں گے۔ اب گویا پورا میدان بھر گیا سیٹیں پُر ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اپنی جگہ پر اور حق تعالیٰ کی کرسی خالی۔

دربار منعقد ہونے کے بعد تجلیات کا ظہور ہوگا:

جب دربار پُر ہوگا تو تجلیات کا ظہور شروع ہوگا کرسی کے اوپر، اور یہی طریقہ بھی ہے کہ درباری جب جم جاتے ہیں، ایک جگہ تب بادشاہ برآمد ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہ بادشاہ پہلے بیٹھے ہوئے ہیں، کوئی ہو نہ ہو لوگ آئیں تو بیٹھیں، جب سب جم جاتے ہیں تب بادشاہ نکلتے ہیں اور سراپردہ کھولا جاتا ہے اور نقیب اور چوبدار آوازیں دیتے ہیں اور بادشاہ آتے ہیں تو سب تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ جس وقت بادشاہ کے حکم سے کچھ تحائف تقسیم ہوتے ہیں، کچھ کھانے پینے کو دیا جاتا ہے۔ یہی صورت یہاں بھی ہوگی کہ تجلیات ربانی کا ظہور ہوگا۔ احادیث میں ہے کہ وہ کرسی باوجود اس عظمت کے اس طرح سے چڑ چڑائے گی جیسے ٹوٹ کر گرنے والی ہے۔ وہ عظمت کا بوجھ ہوگا کوئی جسمانی بوجھ نہیں ہے، بلکہ حق تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت کی وجہ سے وہ کرسی چڑ چڑائے گی۔ تجلیات کا ظہور ہوگا اور بندے اپنے قلوب کی بصیرت سے پہچان لیں گے کہ ہم اللہ کے سامنے ہیں۔

تجلیات کے ظہور کے بعد جنتیوں کو مشروب پلایا جائے گا:

حق تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے ملائکہ کو کہ جس شراب طہور اور پاک شربت کا ہم نے وعدہ کیا تھا وہ پلاؤ تو ملائکہ وہ نورانی صراحیاں لے کر شراب طہور تقسیم کریں گے۔ شراب کے معنی ہیں مطلق پینے کی چیز کے۔ اسے شراب نہیں کہتے جو نشے والی ہو۔ اسے خمر کہتے ہیں عربی زبان میں، شراب ہر پینے کی چیز کو کہتے ہیں، شربت کو بھی شراب کہیں گے، دودھ کو بھی شراب کہیں گے کہ پینے کی چیز ہے خیر پینے کی کوئی چیز دی جائے گی، اس میں سرور کی یہ کیفیت ہوگی کہ پینے کے بعد یہ محسوس ہوگا غم والم کا تو ہے ہی نہیں نشان۔ رگ رگ میں فرحت اور سرور بڑھ رہی ہے اور ہر ایک میں ایک عجیب امنگ ہوگی اور معرفت بڑھ جائے گی اور حق تعالیٰ کی پہچان بڑھ جائے گی۔

اس موقعہ پر داؤد علیہ السلام اہل جنت کو مناجات سنائیں گے:

اور اسی میں یہ بھی فرمائیں گے حضرت داؤد علیہ السلام کو ان کا معجزہ دیا گیا تھا آواز، اتنی پاکیزہ آواز تھی حضرت داؤد علیہ السلام کی کہ جب وہ مناجاتیں پڑھتے تھے تو چرند پرند ان کے گرد جمع ہو جاتے تھے، محو اور مست ہو جاتے تھے یہ معجزہ ہے۔ ان کو فرمایا جائے گا کہ اہل جنت کو وہ مناجاتیں سناؤ جو اللہ کی مدح اور ثناء میں تمہیں کو دی گئی تھیں اور داؤد علیہ السلام پیغمبر اور آواز بھی بڑی معجزانہ اور قرب خداوندی ملائکہ کا قرب، اللہ کا قرب اور تعریف۔ اللہ کی حمد وثناء، وہ جو پڑھیں گے اپنی لے میں تو کیفیت یہ ہوگی تو گویا تمام اہل جنت گم ہوں گے۔ انہیں کچھ پتہ نہیں کہ کہاں ہیں وہ محو ہوں گے حق تعالیٰ شانہٗ میں اور عجیب کیفیت طاری ہوگی مشابہ اس کیفیت کے کہ جو اہل اللہ پر معرفت کے نشہ میں کیفیت طاری ہوتی ہے۔ سکر کی اور نشے کی کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ کیفیت طاری ہوگی کہ جس سے روحانیت ہزار گنا بڑھ جائے گی۔

اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جس کا جو جی چاہے مانگے:

اس وقت حق تعالیٰ فرمائیں گے سَلُوْنِيْ مَا شِئْتُمْ جس کا جو جی چاہے مانگے۔ اب سب حیران ہوں گے کہ کیا چیز مانگے؟ عرض کریں گے کہ اے اللہ! کون سی نعمت ایسی ہے جو جنتوں میں آپ نے عطا نہیں فرمادی باقی کیا ہے کہ جس کو ہم مانگیں۔ فرمائیں گے کہ نہیں مانگو۔ جس کی جو مرضی ہو وہ مانگے، تو اب سمجھ میں نہیں آئے گا کہ کیا مانگیں۔ ہر نعمت مل چکی کھانے کی پینے کی۔ محلات، شہر، حکومت، جاہ، عزت، ساری نعمتیں مل گئیں۔ کیا چیز مانگے اور قرب خداوندی سے بڑھ کر نعمت نہیں اور کیا مانگیں؟ تو جب سمجھ میں نہیں آئے گا تو متوجہ ہوں گے سب علماء کی طرف کہ اہل علم سے مشورہ کریں، وہ اپنے علم کی طاقت سے کچھ بتلائیں گے کہ کیا چیز رہ گئی ہے کہ مانگیں؟

مولویوں کی محتاجگی جنت میں بھی ہوگی:

گویا مولویوں کی محتاجگی وہاں بھی رہے گی جا کر۔ لوگ یہاں پیچھا چھڑانا چاہیں اپنا یہ وہاں بھی پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ وہاں بھی محتاجگی رہے گی۔ یہ

محتاجگی علم کی ہوگی۔ کسی کی ذات کی نہیں ہوگی۔ آج بھی اگر ہم علماء کے محتاج ہیں تو گوشت پوست کے محتاج نہیں ہیں وہ تو ہمارے اندر بھی موجود ہیں۔ ان کے علم کے محتاج ہیں وہ راہنما ہیں۔ راہ دکھلانے والے ہیں کہ علم سے کسی جہان میں بھی آدمی مستغنی نہیں ہوسکتا جتنے بڑے جہان میں پہنچے گا اتنے ہی بڑے علم کی ضرورت ہوگی وہاں کی راہیں طے کرنے کے لئے۔ تو سب متوجہ ہوں گے علماء کی طرف کہ کیا چیز مانگیں؟ ادھر سے تو حکم ہے کہ مانگو اور ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا مانگیں کوئی چیز باقی نہیں جو ہمیں نہیں مل گئی۔

جنتی جنت میں دیدار خداوندی مانگیں گے:

وہ کہیں گے کہ ایک چیز رہ گئی ہے، وہ مانگو، اور وہ ہے دیدار خداوندی۔ اس کا سوال کرو کہ اپنا جمال مبارک دکھلا دیجئے جس کی طمع میں ہم دن رات عبادت کرتے تھے اور عبادت میں جوش یہ ہوتا تھا کہ دیکھ لیں کسی طرح اللہ کو تو پہلے ہم دیکھتے تھے عقل کی آنکھ سے، اس کے بعد ہم دیکھتے تھے ایمان اور عقیدہ کی آنکھ سے، اس کے بعد ہم دیکھتے تھے خواب میں، اس کے بعد ہم دیکھتے تھے کشف کے ساتھ۔ اب یہ سارے مراتب طے ہوگئے۔ اب یہ چاہتے ہیں کہ ان آنکھوں سے عیاناً دیکھیں اپنے پروردگار کو، یہ مانگیں گے جب سمجھ میں آجائے گا سوال ایک زبان ہو کر عرض کریں گے کہ اے اللہ! سب کچھ آپ نے دے دیا، سب کچھ مل گیا اب جمال خداوندی دکھلا دیجئے۔ بس ہم اس کو مانگتے ہیں یہ دعا اور درخواست قبول کی جائے گی اور حدیث میں ہے کہ پہلے حق تعالیٰ فرمائیں گے اَنْ کَمَا اَنْتُمْ ہر چیز اپنی جگہ ٹھہری رہے اس لئے یہ اگر نہ فرمائیں تو لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ مَا بَيْنَ يَدَيْهِ اس کے چہرے کی پاکیزگیاں ہر چیز کو جلا کر خاکستر کردیں۔

چوں سلطان عزت علم برکشد جہاں سر بجیب عدم درکشد

جو سلطان عزت نمایاں ہوگا پھر وجود کس کا رہ سکتا ہے باقی، ایک آفتاب جو اس کی مخلوق ہے اگر ٹکٹکی باندھ کر ایک منٹ دیکھ لو تو غیر آفتاب سب غائب ہوجاتا ہے نظر سے، تو جدھر نگاہ کرتا ہے آدمی آفتاب ہی کی ٹکیہ نظر آتی ہے یا سرخ یا سبز یا زرد۔ غیر آفتاب محو ہوجاتا ہے آنکھوں میں کسک نہیں رہتی کہ دیکھے۔ اپنے اندر بھی نگاہ ڈالے۔ وہاں بھی آفتاب نظر آئے گا۔ ادھر دیکھے گا وہاں بھی آفتاب، تو ایک مخلوق ہے آفتاب اس کی نورانیت کا یہ عالم ہے کہ اگر پل بھر دیکھ لے تو ہر ماسوا غائب ہوجاتا ہے تو اللہ رب العزت کا جمال منکشف ہو اور تجلی کھلے اور پھر غیر کا کہیں وجود رہ جائے ممکن نہیں وجود ہی باقی نہیں رہ سکتا۔ یہاں یہ ہوتا ہے کہ آفتاب کو دیکھنے کے بعد وجود تو ختم نہیں ہوتا اشیاء کا، ہماری نگاہ میں ختم ہوجاتا ہے، ہم نہیں دیکھ سکتے، لیکن وہاں وجود نہیں رہ سکتا اس لئے کہ وجود کا سرچشمہ حق تعالیٰ جب اصل وجود آئے گا تو ضمنی وجود کا پتہ بھی باقی نہیں رہے گا اس لیے پہلے ہی فرمادیں گے اَنْ كَمَا اَنْتُمْ ہر چیز ٹھہری رہے اپنی جگہ اور اس کے بعد حجابات اٹھنے شروع ہو جائیں گے۔ بس صرف ایک حجاب رہ جائے گا کبریا و عظمت کا، باقی سب حجابات اٹھ جائیں گے اس وقت بندے عیاناً اپنے رب کو دیکھیں گے۔

دیدار خداوندی کے سامنے ہر چیز ہیچ ہوگی:

اور اتنے گم گو ہوں گے کہ نہ جنت یاد رہے گی نہ کوئی نعمت یاد ہوگی بلکہ یوں محسوس ہوگا کہ اب تک ملی ہی نہ تھی کوئی نعمت۔ سب چیزیں ردی تھیں جو ہمیں ملیں تھیں۔ اب نعمت ہمیں ملی ہے۔ اس دیدار کا اثر یہ ہوگا کہ قلب کے اندر قوت واطمینان پورے انشراح کے ساتھ رگ و پے میں اور زیادہ پھیل جائے گی چہروں کا نور اور جمال اتنا بڑھ جائے گا کہ سوگنے تک خوبصورت اور حسین بن جائیں گے اس طرح سے یہ دربار ہفتے میں ایک دن ہوگا اور اس کے بعد فرمائیں گے کہ اہل جنت اپنے اپنے محلات کو جاؤ اور ہفتے بعد پھر دربار منعقد ہوگا تو انبیاء علیہم السلام ہر وقت گویا حاضر باش دربار رہیں گے۔ کامل اولیاء اللہ ہفتے میں دو تین بار حاضر باش ہونگے۔ عامہ مومنین کو ہفتے میں ایک دن دیا جائے گا، تو سرکاری مہمان خانہ اتنا قریب ہونا چاہیئے کہ بادشاہ کے پاس آمد ورفت پائی جائے اس لئے جنتوں کو رکھا گیا عرش عظیم کے نیچے۔

جنت میں روشنی عرش عظیم کی ہوگی:

حتیٰ کہ احادیث میں فرمایا گیا ہے کہ جنتوں میں جو چاندنہ ہوگا تو وہاں آفتاب اور مہتاب نہیں ہوں گے آفتاب بے چارہ کی کیا حقیقت؟ عرش عظیم کی روشنی سے جنت روشن رہے گی اور یکساں روشنی رہے گی وہاں رات نہیں آئے گی یکساں روشنی رہے گی اور اس کی مثال احادیث میں دی گئی ہے کہ صبح صادق کے بعد جو چاندنا ہوتا ہے سورج نکلنے سے پہلے ٹھنڈا چاندنا تو اس کے اندر خیرہ بھی نہیں ہوتی آنکھوں میں چبھن نہیں ہوتی بلکہ فرحت کا اثر پیدا ہوتا ہے، وہ نوعیت ہوگی جنت کے چاندنے کی اور بارہ مہینے ایک سا چاندنا رہے گا وہاں رات اور دن کا ہیر پھیر نہیں، تو جنت کی روشنی عرش کی ہوگی اس سے گویا قرب دکھایا جائے گا کہ سرکاری مہمان خانہ ہے تو مہمانان خداوندی قریب میں رہیں گے بعید تو مجرم رہا کرتے ہیں تو مجرمین البتہ ساتویں زمین کی تہہ میں جہنم میں رکھے جائیں گے تو میں نے عرض کیا کہ جب دار السلطنت بنتا ہے تو سب چیزیں بنائی جاتی ہیں قلعہ بناتے ہیں، قلعہ کے اندر تخت رکھتے ہیں اس کی حفاظت کے سامان رکھتے ہیں اور سرکاری مہمان خانہ بنتا ہے، تو قلعہ شاہی کے بارے میں فرمایا گیا کہ اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا وہ ذات ہے بادشاہ۔ اللہ کی ذات شاہانہ وہ ہے کہ اس نے سَبْعَ سَمٰوٰتٍ سات آسمانوں کے تہہ بہ تہہ قلعے بنائے۔

ساتوں آسمانوں کی مضبوطی:

اور فرماتے ہیں مضبوط اتنا کہ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ

تَفٰوُتٍ تم اگر غور سے دیکھو تو اس کے اندر کوئی فرق نہیں، کوئی دراڑ نظر آ رہا ہے کوئی اونچ نیچ نظر آ رہی ہے کچھ بھی نظر آ رہا ہے۔ یکساں ہے۔ ہزاروں برس سے یکساں ہے نہ اس کی کوئی مٹی جھڑتی ہے۔ نہ پلستر گرتا ہے نہ کوئی اینٹ گرتی ہے جس حالت میں ہے اسی حالت میں رہتا ہے۔

ساتوں آسمان مختلف دھاتوں کے ہیں:

اس لئے کہ وہ دھاتوں سے بنائے گئے ہیں۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ پہلا آسمان چاندی کا ہے۔ دوسرا سونے کا، تیسرا زمرد کا ہے، چوتھا یاقوت کا ہے، پھر الماس کا ہے، اور ساتواں آسمان خالص ایک موتی کا ہے، لیکن کیسا ہوگا سونا چاندی؟ یہ یہاں کا سونا چاندی نہیں۔ دنیا میں سونے چاندی میں کچھ نہ کچھ کدورت کچھ نہ کچھ سیاہی ملی ہوتی ہے روپیہ گننے بیٹھے تو دس پانچ منٹ میں انگلیاں کالی ہو جاتی ہیں بو آنے لگتی ہے انگلیوں میں۔ تو وہاں کا سونا اور چاندی کدورت ملا ہوا نہیں خالص سونا، تو وہ آسمان زمین سونے اور چاندی جوہرات اور موتی خالص کے ہیں ان واسطے اس میں کوئی جوڑ بھی نہیں کہ کبھی اینٹ ہی گر گئی، چونا نکل گیا، یہ نہیں (ایک ذات ہے سارا آسمان) مَا تَرٰى فِىْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ۔ تم کوئی فرق نہیں دیکھو گے اللہ کی بناوٹ میں اس لئے کہ یہ شاہی قلعہ ہے تمہارا مکان نہیں بنا ہوا۔ اللہ نے اپنا مکان بنایا ہے مَا تَرٰى فِىْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ پھر دوبارہ لوٹا کر نظر کرو هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ کوئی فطور نظر آتا ہے تمہیں ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ، پھر لوٹا نگاہ کو کر تین دو مرتبہ دیکھ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ۝

نگاہ لوٹ کر آئے گی اور نامراد واپس ہوگی، کوئی عیب لے کر نہیں آئے گی۔

چونکہ دارالسلطنت کو انتہائی طور پر مضبوط بناتے ہیں فطرت یہی ہے تو فطرت الٰہی سے یہ فطرت انسانوں نے لی ہے وہاں اصل فطرت نے کام کیا تو سب سے پہلے دارالحکومت کی تعمیر کی گئی۔ اور اس میں سات شہر پناہیں بنائی گئیں۔ اور شہر پناہوں کے اندر فوجیں رکھی گئیں۔

اللہ تعالیٰ کی فوج ملائکہ ہیں:

اور فوجیں ہیں ملائکہ جو نہایت ہی قوی فوج ہے کہ اگر سارے جہاں ساری کائنات سارے شیاطین بھی مل جائیں تو ایک فرشتہ ان کے قابو میں نہیں (آ سکتا)۔

حضرت جبرئیل امین کی دو صفتیں امین اور قوی:

حدیث میں ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بارے میں کہ ان کی دو صفتیں بیان کی گئی ہیں قرآن کریم میں ایک قوی اور ایک امین۔ کہ وہ قوی بھی ہیں اور امانت دار بھی ہیں تو امانت کے بارے میں تو یہ فرماتے ہیں حضرت جبرئیل علیہ السلام کہ لاکھوں اسرار اللہ کے میرے سینے میں ہیں آج تک میں نے ظاہر نہیں کئے حق تعالیٰ ہی کا امر ہوتا ہے تو کسی مخصوص بندے پر کوئی ایک چیز ظاہر کرتا ہوں۔ جس سے ہم لوگ عارف کہلانے لگتے ہیں کہ معرفت رکھتے ہیں اسرار خداوندی کو جاننے والے ہیں تو کروڑوں اسرار میں سے بذریعہ ملائکہ کے کوئی ایک آدھ چیز قلب میں ڈال دی جاتی ہے وہ ہماری معرفت بن جاتی ہے تو اس ذات کے بارے میں قیاس کیا جائے کہ جبرئیل کتنے بڑے عارف اور کتنے بے صاحب معرفت ہیں۔ فرماتے ہیں کہ لاکھوں اسرار میرے سینے میں محفوظ ہیں آج تک میں نے انہیں کسی پر ظاہر نہیں کیا وہ امانت خداوندی ہیں، تو امانت کا تو یہ حال ہے اور قوت کا یہ عالم ہے کہ جب لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا تو جبرئیل کو حکم دیا کہ تم پلٹ دو ان کی بستیاں انہوں نے ایک ہاتھ ڈال کے وہ سارے شہر اور اقلیم ایک ہاتھ سے اٹھا کر اوندھے کر دیئے ان کو پلٹ دیا، یہ حال قوت کا ہے تو فرشتے کی یہ طاقت ہے تو جیسا بادشاہ ویسی اس کی فوج، بادشاہ لامحدود قوت والا ہے تو اس کی فوج بھی اتنی قوت والی ہے کہ ایک فرشتہ پورے جہاں کے لئے کافی ہے سب کو لوٹ دے کر اٹھا کر، تو ملائکہ علیہ السلام ان آسمانوں میں مقیم کئے گئے جیسے فوجی۔

جیسے اللہ تعالیٰ پاک ہیں ویسے ہی ان کی فوج پاک ہے:

تو چونکہ بادشاہ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ ہے اور پاک ہے اس لئے فوجیں بھی پاک دنیا کی فوجوں میں تو حد درجے کا تعیش بھی ہوتا ہے آزادی بھی ہوتی ہے۔ مثل مشہور ہے کہ فوجی کو تو سات خون معاف ہیں جس پہ چاہے گولی چلا دی کسی بستی میں گھس گئے تو ناموس تباہ ہوتا رہتا ہے آبروئیں جاتی رہتی ہیں، کھیت اجڑ جاتے ہیں۔ باغ اجڑ جاتے ہیں لیکن وہ اللہ کی فوج ہے اس کے قلعوں کے محافظ ہیں وہ بھی پاکباز مخلوق ہیں۔ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ نہایت ہی کرام اور مکرم بندے ہیں۔ کرامت والے بندے ہیں، سب صاحب کرامت اور لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ کبھی نافرمانی نہیں کی اللہ کی۔ ہمیشہ پابند ہیں احکام ربانی کے۔ منشا خداوندی کو پاتے ہیں تو کر چلتے ہیں تو مخلوق بھی نہایت پاکباز ہے جس کی فوج بنائی گئی ہے کہ اس سے زیادہ مطیع اور مقدس مخلوق دوسری نہیں اور ان کا کام دن رات اطاعت اور عبادت ہے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ آسمانوں میں چار انگشت جگہ خالی نہیں ہے کہ کوئی نہ کوئی فرشتہ مصروف عبادت نہ ہو تو اتنی فوجیں رکھی گئیں ہیں کہ چار انگشت جگہ خالی نہیں ہے کہ کوئی نہ کوئی سپاہی موجود نہ ہو تو ان گنت فوج اس لئے کہ جیسا بادشاہ ویسی بادشاہی، ویسی ہی اس کی فوج ویسی ہی پاکباز فوج۔ گویا سات قلعے بنے اس میں فوجیں رکھی گئیں اس کے اوپر وہ خندق ہے جو سمندر ہے جس کی ایک ایک موج زمین و آسمانوں کے برابر ہے اور اس کے اوپر جا کر ہے کرسی اور کرسی اتنی بڑی کہ سارے آسمان اس کے سامنے ایسے ہیں جیسے چھلا۔

کرسی درحقیقت عرش الٰہی کا پائیدان ہے:

وہ کرسی پائیدان ہے عرش کا۔ کرسی کے بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ تخت پر

چڑھنے کے لئے جو سیڑھی بنائی جاتی ہے وہ کرسی درحقیقت پائیدان ہے عرش پر چڑھنے کا، تو جب سیڑھی اتنی بڑی ہے تو عرش کتنا بڑا ہوگا۔ جو ساری کائنات کو گھیرے ہوئے ہے تو یہ تخت شاہی ہے جس سے يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ تدبیرات الٰہیہ جاری ہوتی ہیں۔

عرش سے تدبیرات الٰہیہ جاری ہوتی ہیں:

ان جہانوں میں جو کچھ چیزیں ہیں وہ دنیا ہو یا ستارے ہوں ان سب میں جو امر خداوندی جاری ہے وہ عرش سے چلتا ہے احکام وہاں سے نافذ ہوتے ہیں يُدَبِّرُ الْاَمْرَ تدابیر امر وہاں سے ہوتی ہیں تو عرش عظیم گویا سب سے بڑی علامت ہے حکومت کی اور اسی واسطے کہا کرتے ہیں کہ تخت کے سامنے نظریں پیش کی جائیں ادبا۔ یوں نہیں کہتے کہ بادشاہ کو نذر دے رہے ہیں درباری تخت کے سامنے نذر پیش کر رہے ہیں۔ یعنی بادشاہ تو بڑی چیز ہے وہاں کس کی پہنچ، تخت شاہی کے پائے کو چومتے ہیں وہی اظہار عقیدت ہوتا ہے بادشاہ سے، تو گویا عرش عظیم علامت ہے شہنشاہی الٰہی کی۔ اس کے سامنے نذریں پیش کرتے ہیں اس کے سامنے اطاعت کے لئے جھکتے ہیں۔

سورج نکلتا ہے تو عرش کے سامنے سجدہ ریز ہو کر چلنے کی اجازت حاصل کرتا ہے

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ یہ سورج جب چلتا ہے تو اذن حاصل کرتا ہے پہلے سجدہ کرتا ہے عرش کے نیچے اور پھر کہتا ہے اجازت ہے جانے کی اجازت مل جاتی ہے تو پھر اپنا دورہ پورا کرتا ہے۔ دورے کے بعد پہنچا پھر اذن چاہا قیامت کے دن فرمائیں گے کہ آگے جانے کی اجازت نہیں پیچھے لوٹ جاؤ تو آفتاب طلوع کرے گا مغرب سے اور وسط میں آ کر پھر لوٹ جائے گا اور اس کے بعد میں پھر حسب معمول طلوع وغروب ہونے لگے گا۔ یہ علامت کبریٰ ہوگی قیامت کی، تو بہرحال تخت کے سامنے جھکنا یہ بادشاہ کے آگے جھکنا ہے تو سب سے بڑا نورانی کرہ اس عالم میں آفتاب ہے۔ وہ روزانہ سجدہ کر کے عرش کے نیچے اجازت طلب کرتا ہے تب اسے اجازت ملتی ہے جانے کی، تو سرکاری مہمان خانہ بھی ہوگا اور شاہی قلعہ بھی ہوگیا اور شاہی قلعہ کی فوج بھی ہوگئی اور عرش عظیم بھی اس کے اوپر ٹنگ گیا۔

بادشاہ کے لئے تاج ہوتا ہے لیکن وہ حق تعالیٰ کی شان کے لئے مناسب نہیں

اب بادشاہ کے لئے تاج بھی درکار ہوتا ہے مگر حق تعالیٰ شانہ کے لئے تاج مناسب نہیں کہ تاج سر کے بھی اوپر ہوتا ہے بادشاہ کے، اور اللہ عَلِیُّ الْعَظِیْم ہے، اس سے بلند کوئی چیز نہیں۔

اللہ کے تاج کی مثال:

اس واسطے وہاں تاج کی مثال ایسی رکھی گئی ہے کہ عرش پر حق تعالیٰ نے ایک لوح اور تختی رکھی کہ جس کی بڑائی زمینوں اور آسمانوں سے بھی کہیں زیادہ اس پر لکھ کر رکھا ہوا ہے اِنَّ رَحْمَتِيْ سَبَقَتْ غَضَبِيْ میری رحمت ہمیشہ میرے غضب کے اوپر غالب رہے گی۔ اگر گنہگار آئے کہ نیکیاں بھی کی ہوں اور جرم بھی، پہلے رحمت بڑھے گی کہ نیکیوں کا صلہ لے غضب نہیں بڑھے گا کہ اس کو سزا دے۔ اگر کسی نے جرائم ہی جرائم کئے ہوں تو مجبوری کو غضب بڑھے گا، ورنہ رحمت ہی بڑھے گی اور اٹھائے گی آغوش رحمت میں یہ دستاویز رکھی۔ یہ وہ ہے کہ جسے کہا کرتے ہیں حکومت کی پالیسی، حکومت جب پالیسی بناتی ہے، منشور بناتی ہے کہ فلاں قوم کے ساتھ یہ برتاؤ ہوگا اور فلاں قوم کے ساتھ یہ برتاؤ ہوگا، وہ پالیسی طے ہو جاتی ہے تو وزراء امراء سب اسی پر عمل کرتے ہیں تو پالیسی حکومت الٰہی کی یہ طے ہوئی کہ رحمت غالب رہے گی اور غضب پیچھے رہے گا۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى فرمایا دیگر صفات ذکر نہیں کیں:

اسی واسطے عرش عظیم پر بادشاہی کی حیثیت سے حق تعالیٰ نے استوا فرمایا تو فرماتے ہیں اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى رحمٰن چھا گیا عرش کے اوپر، یوں نہیں لکھا اَلرَّحْمٰنُ الْقَهَّارُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى قہر والا چھا گیا۔ اَلْغَضَّابُ عَلَى الْعَرْشِ اِسْتَوٰى غضب والا چھا گیا۔ اگر غضب کی تجلی چھاتی تو ساری کائنات ختم ہو جاتی۔ رحمت کے ساتھ سب کے ساتھ معاملہ کیا جا رہا ہے۔ یہ رحمت ساتھ ہے تو شکل ایسی بن گئی کہ ساری کائنات، اس کے اوپر آسمان اس کے اوپر دریا اس کے اوپر عرش، عرش کے اوپر رحمت خداوندی تو گویا پوری کائنات کو رحمت نے ڈھانپ رکھا ہے رحمت نے چلا رکھا ہے۔

غضب ناک بادشاہ ملک کو زیادہ دیر نہیں چلا سکتا:

اس سے گویا اشارہ نکلتا ہے۔ کہ جو بادشاہ غضبناک ہو وہ ملک کو زیادہ دیر تک نہیں چلا سکتا وہی بادشاہ چلا سکتا ہے۔ جس میں شفقت اور کرم غالب ہو۔ اور جس کے اندر قہر اور غضب اور تعصب اور عناد غالب ہوگا زیادہ دیر اس کی حکومت نہیں چل سکتی وہ ختم ہو جائے گی گویا اصول نکل آیا کہ پائیدار حکومت بنانا چاہتے ہو تو ایسے شخص کو بادشاہ بناؤ جو رحیم و کریم ہو، جس کی رحمت غالب ہو، غضب مجبوری کو ہو جائے۔ جب مجرمین تنگ ہی کر دیں تو جا کر غضب کے احکام نازل کرے ورنہ رحمت چلتی رہے تو پہلے فرمایا اَلَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا بادشاہانہ ذات ہے اللہ کی جس میں سات طبق یعنی آسمان بنائے اور مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ تم اللہ کی بناوٹ میں کوئی فرق نہیں محسوس کرو گے اور ہم کہتے ہیں فَارْجِعِ الْبَصَرَ نگاہ کو لوٹاؤ، غور کرو، ہے کوئی فرق

?نہیں ہے۔ پھر لوٹا دوبارہ لوٹا تو لوٹ کر آ جائے گی نگاہ مگر کوئی عیب اور فرق نہیں نکال سکے گی (معارف حکیم الاسلام قاسمی قدس سرہ)

مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ

کیا دیکھتا ہے تو رحمٰن کے بنانے میں کچھ فرق ☆

عظیم الشان تخلیق:

یعنی قدرت نے اپنے انتظام اور کاریگری میں کہیں فرق نہیں کیا ہر چیز میں انسان سے لے کر حیوانات‘ نباتات‘ عناصر‘ اجرام علویہ سبع سماوات اور نیرات تک یکساں کاریگری دکھائی ہے یہ نہیں کہ بعض اشیاء کو حکمت وبصیرت سے اور بعض کو یونہی کیف ما اتفق بے تکا یا بیکار وفضول بنا دیا ہو (العیاذ باللہ) اور جہاں کسی کو ایسا وہم گزرے سمجھو اس کی عقل ونظر کا قصور ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ کہنے میں آسمانوں کی تخلیق کے (بے عیب اور ناقص نہ ہونے کی صراحت ہے کیونکہ ان کی تخلیق ایسی ذات کی طرف منسوب ہے جو ہر عیب سے پاک اور رحمت سے متصف ہے) اس لئے اس کی تخلیق بھی ناقص نہیں ہوسکتی۔ (تفسیر مظہری)

فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۝۳

پھر دوبارہ نگاہ کر کہیں نظر آتی ہے تجھ کو دراڑ ☆

یعنی ساری کائنات نیچے سے اوپر تک ایک قانون اور مضبوط نظام میں جکڑی ہوئی ہے اور کڑی سے کڑی ملی ہوئی ہے کہیں درز یا دراڑ نہیں نہ کسی صنعت میں کسی طرح کا اختلال پایا جاتا ہے ہر چیز ویسی ہے جیسا اسے ہونا چاہیے اور اگر یہ آیتیں صرف آسمان سے متعلق ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ اے مخاطب اوپر آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ کہیں اونچ نیچ یا درز اور شگاف نہیں پائیگا بلکہ ایک صاف‘ ہموار‘ متصل‘ مربوط اور منتظم چیز نظر آئے گی جس میں باوجود مرور دہور اور تطاول ازمان کے آج تک کوئی فرق اور تفاوت نہیں آیا۔ (تفسیر عثمانی)

فَارْجِعِ الْبَصَرَ یعنی اگر تمہارا خیال ہو کہ بار بار دیکھنے سے آسمانوں کی تخلیق میں کچھ عدم تناسب دکھائی دے جائے گا تو پھر دیکھ لو۔ (تفسیر مظہری)

کیا آسمان نظر آ سکتا ہے:

فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا والے آسمان کو آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ نیلگوں فضا جو دکھائی دیتی ہے یہی آسمان ہو بلکہ ہوسکتا ہے آسمان اس سے بہت اوپر ہو اور یہ نیلگوں رنگ ہوا اور فضا کا ہو جیسا کہ فلاسفر کہتے ہیں مگر اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ آسمان انسان کو نظر ہی نہ آئے، ہوسکتا ہے کہ یہ نیلگوں فضا شفاف ہونے کے سبب اصل آسمان کو جو اس سے بہت اوپر ہے دیکھنے میں مانع نہ ہو۔ اور اگر کسی دلیل سے یہ ثابت ہو جائے کہ دنیا میں رہتے ہوئے آسمان کو آنکھ سے نہیں دیکھا جا سکتا تو پھر اس آیت میں رویت سے مراد رویت عقلی یعنی غور وفکر ہوگا۔ (بیان القرآن) (معارف مفتی اعظم)

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ

پھر لوٹا کر نگاہ کر دو دو بار لوٹ آئیگی

اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝۴

تیرے پاس تیری نگاہ رد ہو کر تھک کر ☆

اچھی طرح جانچ کر لو:

یعنی ممکن ہے ایک آدھ مرتبہ دیکھنے میں نگاہ خطا کر جائے اس لیے پوری کوشش سے بار بار دیکھ‘ کہیں کوئی رخنہ تو دکھائی نہیں دیتا خوب غور وفکر اور نظر ثانی کر کے قدرت کے انتظام میں کہیں انگلی رکھنے کی جگہ تو نہیں۔ یاد رکھ تیری نگاہ تھک جائیگی اور ذلیل ودرماندہ ہو کر واپس آ جائیگی۔ لیکن خدائی مصنوعات وانتظامات میں کوئی عیب وقصور نہ نکال سکے گی۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ صرف دو مرتبہ دیکھنا مراد نہیں بلکہ بار بار دیکھنا مراد ہے۔ جیسے لفظ لبیک میں (صرف دو مرتبہ حاضری مراد نہیں بلکہ بکثرت حاضری مراد ہے)

آسمانوں کا مادہ:

بغویؒ نے کعبؓ کا قول نقل کیا ہے کہ نچلا دنیوی آسمان موج بستہ ہے (یعنی لہریں ہیں جن کو روک دیا گیا ہے) دوسرا آسمان سفید زمرد کا ہے، تیسرا لوہے کا، چوتھا پیتل کا، پانچواں چاندی کا، چھٹا سونے کا، ساتواں یاقوت سرخ کا، ساتویں آسمان اور ذات خداوندی کے حجابوں کے درمیان نور کے سات صحرا ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ

اور ہم نے رونق دی سب سے ورلے آسمان کو چراغوں سے ☆

یعنی آسمان کی طرف دیکھو رات کے وقت ستاروں کی جگمگاہٹ سے کیسی رونق وشان معلوم ہوتی ہے۔ یہ قدرتی چراغ ہیں جن سے دنیا کے بہت سے منافع وابستہ ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

آسمانوں کو ستاروں سے مزین کیوں کیا گیا:

اب ظاہر بات ہے کہ قلعے تو بن گئے مگر اس میں اندھیرا بھٹ پڑا ہو تو رہنے والے کیسے رہیں گے، ظلمت ہو، تاریکی ہو تو ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے گا، کام کیسے چلے گا۔ اس لئے آگے فرمایا وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ

بڑے بڑے چراغوں اور ہنڈوں سے ہم نے روشن کیا آسمان دنیا کو اور وہ چاند وہ ہنڈے اور وہ چاند و سورج ہیں، اور وہ ہماری ضرورت اس لئے کہ آسمان سے بالاتر جو عرش عظیم کی روشنی ہے جنتوں میں بھی، وہاں خوبصورت چاند کی نہیں چلتی یہ تو معمولی درجے کی روشنی ہے تو دنیا والوں کو ضرورت تھی انہی کے لئے چھت بنایا آسمان دنیا کو اور طبعی طور پر لالٹینیں چھت میں ٹانگی جاتی ہیں۔ زمین میں چراغ کوئی نہیں رکھا کرتا یا دیوار پر لگاتا ہے یا چھت کے قریب اور جب بجلی کی روشنی ہو قمقمے تو چھت میں ہی ٹانگے جاتے ہیں۔ تکلف کے طور پر وہ دیوار میں لگالے لیکن اصل مقام ہے چھت۔ اسی واسطے دنیا کی چھت بنایا آسمان دنیا کو اور اس آسمان سے نیچے یہ تمام ہنڈوں کا ایک نظام سجا دیا۔ کوئی زیادہ روشن کوئی کم روشن سورج تیز روشن ہے تاکہ کام کاج کرسکیں دن کا وقت ہے، رات میں ضرورت پڑتی ہے سونے کی تو سورج نہیں چمکایا، چاند چمکایا تا کہ ٹھنڈی روشنی ہو بالکل اندھیرا گھپ ہوگا تو وحشت بڑھے گی۔ نیند نہیں آئے گی۔ کچھ چاندنا بھی ہو مگر چبھنے والا نہ ہو نگاہوں میں، تو چاند کی روشنی رکھی۔

چاند کی روشنی سورج کی روشنی سے مستفاد ہے:

یہ وہی سورج کی روشنی ہے مگر وہ ریفریجریٹر کے اندر کو نکل رہی ہے جو ٹھنڈی کر کے پیش کی جاتی ہے تو وہی سورج کی روشنی یہاں ٹھنڈی بنادی گئی چاند میں، اور اگر چاند بھی نہ ہو تو کروڑوں ستارے روشن کر دیئے کہ کچھ نہ کچھ چاندنا رہتا ہے زمین پر، اگر ایک بھی ستارہ نہ ہوتا تو اندھیرا گھپ ہو جاتا اس لئے فرمایا کہ ہم نے کائنات بنائی تو روشنی کا بھی سامان کیا۔ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ۔

جتنی بڑی سلطنت اتنے ہی بڑے اس کے دشمن:

اب ظاہر بات ہے کہ جتنی بڑی سلطنت ہوتی ہے اتنے ہی بڑے دشمن بھی ہوتے ہیں تو جیس بے شک قوی ہیں سلطنت بڑی عظیم ہے مگر جتنی بڑی حکومت ہے اتنے بڑے ہی دشمن بھی۔

سارے شیاطین دشمن ہی تو ہیں یہ کب چاہتے ہیں کہ اللہ کا حکم چلے۔ انبیاء علیہم السلام اللہ کے احکام لے کر آتے ہیں ساتھ ہی انہیں چلانا چاہتے ہیں۔ لیکن قدم قدم پر شیطان رکاوٹیں ڈالتا ہے ایک پل بھر کے لئے شیاطین نہیں چاہتے کہ احکام خداوندی دنیا میں چلیں بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ سارے آدمی مل کر اللہ کے دشمن بن جائیں مدمقابل آ جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپوزیشن پارٹی بھی پیدا فرمائی:

تو حق تعالیٰ نے اپوزیشن پارٹی بھی پیدا کی، حالانکہ اس کی حکومت کو ضرورت نہیں تھی۔ مگر ایک مخالف پارٹی پیدا کی تاکہ اس کا کام یہی ہو کہ اللہ کی حکومت میں دین میں اعتراض نکالتی رہے۔

اپوزیشن پارٹی کا فائدہ:

تاکہ دوست تو یہ سمجھیں کہ بھئی یہ اعتراض کی چیز ہے اس کا یہ جواب دیں گے تو ان کا علم وسیع ہوگا اور دشمن جتنے ہیں وہ بھول بھلیاں میں رہیں گے تا کہ جب اچانک عذاب آئے پنجہ گرفتاری کا تو اس وقت اچانک گرفتار کرلیا جائے، دوست بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اپوزیشن پارٹی سے، دشمن عداوت میں فائدہ اٹھاتے ہیں، دوست محبت اور دوستی میں فائدہ اٹھاتے ہیں۔

مخالف پارٹی کا وجود فطری چیز ہے:

تو بہر حال ایک مخالف پارٹی کا وجود فطرت ہے، ضروری ہے ترقی نہیں ہوسکتی جب تک کہ مخالفت کرنے والی کوئی جماعت نہ ہو اس واسطے شیاطین کی جماعت پیدا فرمائی جس کا کام ہے مخالفت اور وہ جیسے دنیا میں نہیں چاہتی کہ اللہ کی حکومت قائم ہو ویسے ہی آسمانوں میں بھی نہیں چاہتی کہ اللہ کی حکومت قائم ہو لیکن آسمان ہیں قلعے۔ اگر وہاں حکومت ختم ہو تو دنیا میں بھی حکومت باقی نہیں رہے گی۔ اس لئے ان کی کوشش ہے کہ وہیں سے مٹانے کی کوشش کرو اس لئے حق تعالیٰ نے حفاظتی سامان بنایا تو فرمایا کہ ستارے جو ہم نے مصباح اور چراغ بنا دیئے ہیں انہی سے بموں کا بھی کام لیتے ہیں۔ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ جہاں شیاطین آسمان کے کناروں تک پہنچے اور یہ بم ان کے اوپر برسنے شروع ہوئے۔ شہاب ثاقب، اور یہ بھسم ہو جاتے ہیں، تو گویا ملائکہ علیہم السلام سارا گولہ بارود کا سامان لئے ہوئے ہیں بم بھی ان کے ہاتھ میں ہیں جہاں دشمن الٰہی پہنچا قریب آسمانوں کے وہیں سے انہوں نے وہ گولہ پھینک کے مارا اور وہ بھسم ہوا۔

ستاروں سے دو کام لئے جاتے ہیں:

تو فرماتے ہیں کہ ان چراغوں سے ہم دو کام لیتے ہیں ایک روشنی کا اور اس کے ساتھ ساتھ دشمنوں کے دفع کرنے کا، تو مدافعت کا سامان بھی ہمارے یہاں پورا ہے اور پوری طاقت موجود، ساری دنیا کے شیاطین جمع ہو جائیں وہ کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور وہ دروازے میں بھی قدم نہیں رکھ سکتے وہ ذرا قریب پہنچے وہیں سے بم پڑا ان کے وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ اب اس کے بعد خیر شیاطین تو پٹ پٹا گئے مگر وہ انسانوں کے دشمن ہیں وہ تو چاہتے ہیں کہ انہیں بھی اللہ سے جدا کرو تو بہت سوں کو ورغلانے سے خدا کی دشمنی پر آمادہ کر دیتے ہیں کہ انبیاء کی بھی مخالفت کریں اولیاء اللہ کی بھی مخالفت کریں۔ علماء ربانی کی بھی، صلحائے امت کی بھی سب کے مدمقابل آئیں اور ایسی ایسی چیزیں کہیں کہ حق کا کارخانہ درہم برہم ہو جائے۔

اپوزیشن پارٹی دنیا میں ختم نہیں کی جائے گی:

انہیں ہم دنیا میں تباہ نہیں کریں گے، دنیا تو آزمائش گاہ ہے اگر وہیں تباہ

ہو جائے تو حق کے علو کا سامان کیا رہے گا؟ حق تو باطل ہی کے مقابلے میں اونچا ہوتا ہے تو باطل بھی باقی نہیں رکھیں گے۔ باقی اخیر میں ایک جیل خانہ ہم نے تیار کر رکھا ہے ان مجرموں کے لئے تو یہ شیاطین معہ اپنے شتونگڑوں کے معہ اپنی پارٹی کے سب اس کے اندر جائیں گے اور وہ اپوزیشن پارٹی وہ ساری کی ساری ختم کردی جائے گی اس لئے کہ حکمرانی کا کارخانہ جنتوں میں خالص حق کا ہوگا۔ باطل کا نشان نہیں۔ دنیا میں حق اور باطل کی آمیزش تھی۔ دونوں پارٹیاں کنڈم کیں جب وہ مخلوق میں رکھا اور مخلوق کا عالم ختم ہو گیا اب رہ گئے خالص عالم تو جنت خالص حق کا عالم ہے اور جہنم خالص مصیبت کا عالم ہے۔ ساری اپوزیشن وہاں اور سارے مطیع یہاں الگ الگ کردیئے جائیں گے۔ تو وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ان کے لئے ہم نے ایک نہایت ہی کھولتا ہوا عذاب تیار کر رکھا ہے وہ وہاں پہنچا دیئے جائیں گے۔ (معارف حکیم الاسلام قاسمی قدس سرہ)

وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ

اور اُن سے کر رکھی ہے ہم نے پھینک مار شیطانوں کے واسطے ☆

یہ مضمون سورہ ''حجر'' وغیرہ میں کئی جگہ بہت تفصیل سے گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثانی)

شیطان آسمانی خبریں نہیں چرا سکتے:

یعنی شیاطین جب (ملائکہ کی باتیں) چوری سے سننا چاہتے ہیں تو ان کو مارنے کے لئے ستاروں کو ہم نے آتشی پتھر بنایا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ستاری اپنی جگہ سے ہٹ کر شیطانوں پر پتھروں کی طرح برستے ہیں بلکہ ان سے مجسم شعلے ٹوٹ کر شیطانوں پر پڑتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ مصابیح سے مراد ستارے ہیں اور نیچے کے آسمانوں کو ستاروں سے مزین کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ستارے آسمان کے اندر یا اس کے اوپر لگے ہوئے ہوں۔ بلکہ یہ تزین اس صورت میں بھی ثابت ہے جبکہ ستارے آسمان سے بہت نیچے خلا میں ہوں جیسے کہ تحقیق جدید سے اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ یہ اس کے منافی نہیں اور ستاروں کو شیاطین کے دفع کرنے کے لئے انگارے بنا دینے کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ ستاروں میں سے کوئی مادہ آتشیں ان کی طرف چھوڑ دیا جاتا ہو۔ ستارے اپنی جگہ رہتے ہوں، عوام کی نظر میں کیونکہ یہ شعلہ ستارہ کی طرح حرکت کرتا ہوا نظر آتا ہے اس لئے اس کو ستارہ ٹوٹنا اور عربی میں انقضاض الکوکب کہہ دیتے ہیں۔ (قرطبی)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیاطین جو آسمانی خبریں چرانے کے لئے چڑھتے ہیں وہ کواکب اور ستاروں سے نیچے ہی دفع کر دیئے جاتے ہیں۔

(قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ۞

اور رکھا ہے اُن کے واسطے عذاب دہکتی آگ کا ☆

یعنی دنیا میں تو شہاب پھینکے جاتے ہیں اور آخرت میں ان کے لیے دوزخ کی آگ تیار ہے۔

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ

اور جو لوگ منکر ہوئے اپنے رب سے ان کے واسطے ہے عذاب

جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۞

دوزخ کا اور بُری جگہ جا پہنچے ☆

یعنی کافروں کا ٹھکانا بھی شیاطین کے ساتھ اسی دوزخ میں ہے۔

اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ

جب اُس میں ڈالے جائینگے سنیں گے اُس کا دھاڑنا اور وہ اچھل رہی ہوگی

تَفُوْرُ ۞ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۭ

ایسا لگتا ہے کہ پھٹ پڑے گی جوش سے ☆

یعنی اس وقت دوزخ کی آواز سخت کریہ اور خوفناک ہوگی اور بے انتہاء جوش و اشتعال سے ایسا معلوم ہوگا گویا غصہ میں آکر پھٹی پڑتی ہے (اعاذ نا اللہ منہا بلطفہ و کرمہ) (تفسیر عثانی)

جہنم جو سرکاری جیل خانہ ہے اس کی کیفیت کیا ہوگی:

اور ساتھ میں ان کی کیفیت بھی بیان کی کہ

اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ جب وہ داخل کئے جائیں گے جہنم میں تو جہنم کے جوش کا یہ عالم ہوگا کہ جیسے غضب ناک ایک چیز ہوتی ہے اور پھٹ پڑے جوش سے ہیبت ناک آوازیں اور اس کی ہیبت ناک لپیٹیں اور اس کی ہیبت ناک تیزی یہ معلوم ہوگا کہ جیسے وہ کھول رہی ہے اور غضبناک ہے پھٹ پڑے گی۔ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ گویا پھٹ جائے گی غیظ کے سبب۔ (معارف حکیم السلام)

كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ

جس وقت پڑے اس میں ایک گروہ پوچھیں اُن سے

خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۞

دوزخ کے داروغہ کیا نہ پہنچا تھا تمہارے پاس کوئی ڈرسنانے والا ☆

جہنمیوں سے سوال کا مقصد:

یہ پوچھنا اور زیادہ ذلیل و مجوب کرنے کے لیے ہوگا یعنی تم جو اس

مصیبت میں آ کر پھنسے ہو کیا کسی نے تم کو متنبہ نہ کیا تھا اور ڈرایا نہ تھا کہ اس راستے سے مت چلو ورنہ سیدھے دوزخ میں گرو گے جہاں ایسے ایسے عذاب ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

جہنم کے محافظ جہنمیوں سے سوال کریں گے:

كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ جب کوئی پارٹی ڈالی جائے گی کفار کی تو سوال کریں گے جہنم کے محافظ ونگران ملائکہ کہ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ کیا تمہارے پاس ڈرانے والا نہیں پہنچا تھا جس نے اس جہنم سے تمہیں ڈرایا ہو اس عذاب خداوندی سے، حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ پہنچا مگر ان پر تمام حجت کے لئے اور ان میں حسرت پیدا کرنے کے لئے کہ عذاب دوگنا تگنا ہو جائے توم سے کہیں گے کہ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ کوئی ڈرانے والا تمہارے پاس نہیں پہنچا کسی نے نہیں بتلایا کہ اللہ کا جیل خانہ بھی تیار ہے؟ (معارف حکیم الاسلام قدس سرہٗ)

قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا
وہ بولیں کیوں نہیں ہمارے پاس پہنچا تھا ڈر سانیوالا پھر ہم نے
وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۖۚ
جھٹلایا اور کہا نہیں اتاری اللہ نے کوئی چیز
اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝
تم تو پڑے ہوئے ہو بڑے بہکاوے میں ☆

حسرت وندامت:

یعنی کھسیانے ہو کر حسرت وندامت سے جواب دینگے کہ بیشک ڈرانیوالے آئے تھے مگر ہم نے ان کی بات نہ مانی۔ برابر جھٹلایا کئے کہ تم سب غلط کہتے ہو نہ اللہ نے تم کو بھیجا نہ تم پر وحی اتاری بلکہ تم عقل وفہم کے راستہ سے بہک کر بڑی سخت گمراہی میں جا پڑے ہو۔

وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ
اور کہیں گے اگر ہم ہوتے سنتے یا سمجھتے تو
مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝
نہ ہوتے دوزخ والوں میں ☆

یعنی کیا خبر تھی کہ یہ ڈرانیوالے ہی سچے نکلیں گے اگر ہم اس وقت کسی ناصح کی بات سنتے یا عقل سے کام لیکر معاملہ کی حقیقت کو سمجھ لیتے تو آج دوزخیوں کے زمرہ میں کیوں شامل ہوتے اور تم کو یہ طعن دینے کا موقع کیوں ملتا۔ (تفسیر عثمانی)

لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ یعنی اگر ہم بغیر عناد کے گوش قبول سے سنتے اور سنی ہوئی دلیلوں سے جو حقانیت ثابت ہو رہی تھی اس کو مان لیتے اَوْ نَعْقِلُ یعنی ایسے عقلی دلائل و براہین پر غور کرتے جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کے پیام پر ایمان لانے کو ضروری قرار دینے والی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا
سو قائل ہو گئے اپنے گناہ کے اب دفع ہو جائیں
لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝
دوزخ والے ☆

اقرار جرم:

یعنی خود اقرار کر لیا کہ بیشک ہم مجرم ہیں یوں ہی بے قصور ہم کو دوزخ میں نہیں ڈالا جا رہا لیکن اس ناوقت کے اقرار واعتراف سے کچھ فائدہ نہ ہوگا ارشاد ہوگا ''فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ'' (اب دفع ہو جائیں دوزخ والے) ان کے لیے جوار رحمت میں کہیں ٹھکانا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حدیث میں ہے کہ قیامت والے دن اس طرح حجت قائم کی جائے گی کہ خود انسان سمجھ لے گا کہ میں دوزخ میں ہی جانے کے قابل ہوں۔ (مسند احمد) (تفسیر ابن کثیر)

جہنمی اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے:

اس وقت اعتراف کریں گے اپنے گناہ کا مگر اس وقت اعتراف کرنے سے کیا فائدہ؟ مثل مشہور ہے کہ اب سوچ سمجھ کر کیا کرو گے جب چڑیاں چگ گئی کھیت۔ جب کھیت ہی نہیں رہا اور چڑیاں ہی نہیں ہیں اب تم نے پرکھا کہ چڑیاں نہیں ہیں تو اب کیا پرکھنا۔ یہ تو مجبوری کا ایمان ہے۔

آخرت میں ہر ایک مومن بن جائے گا

وہاں تو ہر ایک مومن بن جائے گا جا کے۔ آزمائشی امتحان تو دنیا میں تھا کہ مخالف اسباب موجود تھے، مگر پھر انبیاء کی حقانیت کو سامنے رکھ کر سب چیزوں کو پرے ڈال کر آدمی اطاعت کرتا سنتا تو کہیں گے افسوس ہم نے وقت کھو دیا۔ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ اس وقت اعتراف کریں گے اپنے گناہ کا مگر اس وقت جواب کیا ہوگا۔ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ پھٹکار ہو ان لوگوں کے لئے ان کو دور دھکیل دو یہ قریب بھی نہ آنے پائیں اور زیادہ بعید (دور) جہنم میں ڈال دو۔ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (معارف حکیم الاسلام)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ
جو لوگ ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے ☆

ڈرنے والے:

یعنی اللہ کو دیکھا نہیں مگر اس پر اور اس کی صفات پر پورا یقین رکھتے ہیں اور اس کی عظمت و جلال کے تصور سے لرزتے اور اس کے عذاب کا خیال کر کے تھرتھراتے ہیں یا "بالغیب" کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے مجمع سے الگ ہو کر خلوت و عزلت میں اپنے رب کو یاد کر کے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بالغیب سے مراد یہ ہے یہ کہ وہ ابھی عذاب کے قریب نہیں پہنچے یا یہ کہ وہ تنہائی میں اپنے رب سے ڈرتے ہیں منافقوں کی طرح نہیں ہیں یا غیب سے مراد وہ حصہ بدن ہے جو مخفی ہے یعنی دل، یعنی وہ دلوں میں اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

عرش کا سایہ پانے والے:

صحیحین کی حدیث میں کہ جن سات شخصوں کو جناب باری اپنے عرش کا سایہ اس دن دے گا جس دن اس کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا، ان میں سے ایک وہ ہے جسے کوئی مال و جمال والی عورت زنا کاری کی طرف بلائے اور وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اسے بھی جو اس طرح پوشیدگی سے صدقہ کرے کہ دائیں ہاتھ کے خرچ کی بائیں ہاتھ کو خبر نہ لگے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ اگر تم خدا کی ذات پر پورا پورا بھروسہ کر و تو وہ تمہیں اس طرح روزیاں دے، جس طرح پرندوں کو دے رہا ہے کہ اپنے گھونسلوں سے خالی پیٹ نکلتے ہیں اور آسودہ حال واپس جاتے ہیں، پس ان کا صبح شام آنا جانا اور رزق کو تلاش کرنا بھی توکل میں داخل سمجھا گیا کیوں کہ اسباب کا پیدا کرنے والا، انہیں آسان کرنے والا وہی خدائے واحد ہے اس کی طرف قیامت کے دن لوٹنا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿١٢﴾ وَأَسِرُّوا

اُن کیلئے معافی ہے اور ثواب بڑا اور تم چھپا

قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ ۖ إِنَّهُ

کر کہو اپنی بات یا کھول کر وہ

عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١٣﴾

خوب جانتا ہے جیوں کے بھید ☆

بھیدوں کو جاننے والا:

یعنی گو تم اس کو نہیں دیکھتے مگر وہ تم کو دیکھ رہا ہے اور تمہاری ہر کھلی چھپی بات خلوت میں ہو یا جلوت میں سب کو جانتا ہے بلکہ دلوں میں اور سینوں میں جو خیالات گزرتے ہیں ان کی بھی خبر رکھتا ہے غرض وہ تم سے غائب ہے پر تم اس سے غائب نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خوف الٰہی دانش کی چوٹی ہے۔ (ترمذی بروایت حضرت ابن مسعودؓ)

مشرکوں کا خوف:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ مشرک آپس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ ناشائستہ باتیں کرتے تھے اور کہتے تھے چپکے چپکے باتیں کرو کہیں خدا نہ سن لے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہو جائے جبرئیل علیہ السلام آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچا دیا کرتے تھے (تفسیر مظہری)

پہلے تو اسی کو علم ہوگا کہ اس مخلوق میں کیا چیزیں رکھ رہا ہوں اور کتنی عقل رکھی ہے میں نے کتنا فہم رکھا کتنا علم رکھا تو جو بنانے والا ہے مخلوق کا وہ تو اس کے اندر باہر سے سب طرح واقف ہے ورنہ وہ خالق ہی کیسا جو واقف نہ ہو تو عقلی دلیل بھی بیان فرمادی اور نقلی بھی۔ فرمادیا کہ وہ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ہے اور کیوں نہ ہوگا عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ۔ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ کیا خالق بھی نہیں جانے گا مخلوق کو اور کون جاننے والا ہوگا؟ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ اور اس کے لئے پھر دلیل یہ کہ وہ اتنا لطیف ہے کہ جسم سے بھی پاک اور روح سے بھی پاک اس لئے وہ تو ہر چیز کی رگوں کے اندر سرایت کئے ہوئے ہے رگ رگ کی اسے اطلاع ہے اور پتہ ہے۔

اللہ کی ذات منبع انکشاف ہے:

اس کی ذات ہی منبع انکشاف ہے اسے کوئی باہر سے خبر نہیں دیتا اس کی ذات میں سے علم پھوٹتا ہے جیسے آفتاب میں سے کرنیں پھوٹا کرتی ہیں یہ ہوا گو یا پہلے رکوع کا خلاصہ کہ جس کے اندر ذات بابرکات خداوندی کو بیان کیا گیا ۔ پھر ان صفات کو جو بادشاہی کے لئے ضروری ہیں۔ پھر ان لوازم سلطنت کو جو بادشاہت کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ (معارف حکیم الاسلامؒ)

أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۖ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿١٤﴾

بھلا وہ نہ جانے جس نے بنایا اور وہی ہے بھید جاننے والا خبردار ☆

خبردار ذات:

یعنی تمہارے افعال و اقوال ہر چیز کا خالق و مختار وہ ہے اور خالق و مختار جس چیز کو پیدا کرے ضروری ہے کہ اس کا پورا علم اسے حاصل ہو ورنہ پیدا کرنا ممکن نہیں پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ جس نے بنایا وہ ہی نہ جانے۔ (تفسیر عثمانی)

لطافت انکشاف کی دلیل ہے:

اور یہ کیسے ممکن ہے کہ خالق کو اپنی مخلوق کا علم نہ ہو۔ دلی خیالات بھی مخلوق

ہیں گویا وہ دل میں چھپے ہوئے ہیں مگر وہ تو چونکہ لطیف ہے اور لطافت دلیل ہے علم وانکشاف کی لہٰذا وہ دل کے خیالات سے بھی باخبر ہے۔ حکماء نے متعدد دلائل سے ثابت کیا ہے۔ اور یہ بات غور کرنے پر سمجھ میں بھی آتی ہے کہ جسمانیت ایک حجاب ہے بہت سی چیزوں کے علم وادراک سے یہی جسمانیت وکثافت مانع بنتی ہے۔ اس لئے چونکہ ملائکہ اجسام نوریہ اور لطیف ہیں اور ان میں روحانیت اور لطافت ہے ان کے بعد جنات جو مخلوق ناری ہیں اور نار بھی لطافت ہے گو نور سے کم ہو اس وجہ سے ملائکہ اور جن ان چیزوں کا ادراک کر لیتے ہیں جو ہمارے علم اور حواس سے بعید ہوتی ہیں۔ اسی پر خواب کو بھی محلول کر لیا جائے کہ اس میں انسان بسا اوقات وہ چیزیں بھی دیکھ لیتا ہے جو بیداری میں نہیں دیکھ سکتا اسی بناء پر حضرات متکلمین نے بحالت خواب جنت وجہنم کو دیکھنا اور دیدار خداوندی کو تسلیم کیا ہے۔ کیونکہ بحالت خواب جسمانی حجابات کمزور ہو جاتے ہیں اور مدرکات حسیہ کی بجائے قلب کے مدرکات کام کرنے لگتے ہیں تو جب نفس خواب میں انسان کو ان باتوں کا انکشاف ہو جاتا ہے جن کا بحالت بیداری مشاہدہ نہیں کر سکتا تو ظاہر ہے کہ قیامت کے روز جب عالم مادیت سے بالکل ہی منقطع ہو چکا ہوگا اور مادی حجابات مرتفع ہو چکے ہوں گے نہ معلوم وہ کیا کچھ دیکھے گا جس کا دنیا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا تو انسان جب تک دنیا میں ہے گویا وہ عالم غیب میں ہے اور احوال آخرت سے اس کے حواس بیخبر ہیں تو اس عالم میں خدا سے خوف وخشیت ایمان ہے ورنہ آخرت میں تو سب کچھ نظر آنے لگے گا اور ہر ایک ہی خدا کی عظمت وکبریائی سے کانپتا ہوگا۔ (معارف کاندھلوی)

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ

وہی ہے جس نے کیا تمہارے آگے زمین کو

ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِىْ مَنَاكِبِهَا

پست اب چلو پھرو اُس کے کندھوں پر

وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۭ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾

اور کھاؤ کچھ اُس کی دی ہوئی روزی اور اُسی کی طرف جی اٹھنا ہے ☆

زمین کی تسخیر:

یعنی زمین کو تمہارے سامنے کیسا پست وذلیل اور مسخر ومنقاد کر دیا کہ جو چاہو اس میں تصرف کرو تو چاہیے کہ اس کے پہاڑوں پر چلو پھرو اور روزی کماؤ مگر اتنا یاد رکھو کہ جس نے روزی دی ہے اسی کی طرف پھر لوٹ کر جانا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت میں زمین کی انتہائی فرمان پذیری کی تصویر کشی ہے اونٹ (یا گھوڑے وغیرہ) کے شانہ پر کوئی سوار نہیں ہوتا نہ جانور ہر کسی کا اپنے شانہ پر سوار ہونا برداشت کرتا ہے لیکن زمین کی فرمان پذیری اس حد تک ہے کہ زمین کے شانوں پر چلنا ممکن ہے تو معلوم ہوا کہ زمین (ہر سواری سے زیادہ سہل الرکوب ہے اور اس) کا کوئی حصہ ایسا نہیں کہ چلنے والے کا فرمان پذیر نہ ہو۔ وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ یعنی خداداد نعمت کی طلب کرو (کھانے سے مراد ہے طلب کرنا اور رزق سے مراد ہے نعمت خداوندی) وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ یعنی اللہ ہی کے پاس واپس جانا ہے۔ وہ اپنی دی ہوئی نعمتوں کے ادائے شکر کی باز پرس کرے گا۔ (تفسیر مظہری)

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِى السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ

کیا تم نڈر ہو گئے اُس سے جو آسمان میں ہے اس سے کہ دھنسادے

بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِىَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾

تم کو زمین میں پھر تبھی وہ لرزنے لگے ☆

شانِ قہر:

پہلے انعامات یاد دلائے تھے۔ اب شان قہر وانتقام یاد دلا کر ڈرانا مقصود ہے یعنی زمین بیشک تمہارے لیے مسخر کر دی گئی۔ مگر یاد رہے اس پر حکومت اسی آسمان والے کی ہے اگر چاہے تو تم کو زمین میں دھنسادے اس وقت زمین بھونچال سے لرزنے لگے گی اور تم اس کے اندر اترتے چلے جاؤ لہٰذا آدمی کو جائز نہیں کہ اس مالک مختار سے نڈر ہو کر شرارتیں شروع کر دے اور اس کے ڈھیل دینے پر مغرور ہو جائے۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ رحمت:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا روزانہ جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے اللہ نچلے آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کوئی ہے مجھ سے دعاء کرنے والا کہ میں اس کی دعاء قبول کروں کوئی ہے مجھ سے مانگنے والا کہ میں اس کو عطا کروں کوئی ہے مجھ سے معافی مانگنے والا کہ میں اس کے گناہ معاف کروں۔ بخاری ومسلم۔

مسلم کی دوسری روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ پھر اللہ اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر فرماتا ہے کون عرض کرتا ہے اس خدا سے جو نہ نادار ہے نہ حق تلفی کرنے والا (ندائے رحمت کا یہ سلسلہ) فجر ہونے تک جاری رہتا ہے (اس روایت کی روشنی میں بغیر کسی تاویل وتوجیہ کے) یہ آیت متشابہات میں سے ہے کیونکہ اللہ (مادیت سے منزہ ہونے کی وجہ سے) آسمان میں سکونت پذیر اور مکان گیر ہونے سے پاک ہے۔ (تفسیر مظہری)

مُلک اور مَلکوت میں فرق:

ایک حصہ تو وہ ہے جو ان آنکھوں سے نظر آتا ہے اور آ سکتا ہے اور ایک

حصہ وہ ہے جو آنکھوں سے نظر نہیں آتا بلکہ روحانی آنکھ سے نظر آتا ہے جو حصہ آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے اس کا نام ہے مُلْک اور جو حصہ روحانی آنکھ سے نظر آتا ہے اس کا نام ہے مَلَکُوْت۔ دو حصے ہوئے حکمرانی کے ایک مُلْک اور ایک مَلَکُوْت۔ جیسا کہ شروع میں فرمایا گیا ہے تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ برکت والی وہ ذات ہے کہ جس کے ہاتھ میں ملک ہے، تو ملک کے جتنے حصے آنکھوں سے نظر آتے ہیں وہ ملک میں داخل ہیں اور وہ عرش سے لے کر فرش تک اور فرش سے لے کر تحت الثریٰ تک جتنے حصے ہیں ان سب کا نام ہے ملک اور جو روحانی آنکھ سے دیکھتے ہیں یعنی عالم روحانیات ہیں اس کو ملکوت کہتے ہیں جس کو سورۂ یٰسین میں فرمایا گیا ہے کہ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ پاک ہے وہ ذات کہ جس کے قبضہ میں ہے ملکوت ہر چیز کا، یعنی ہر چیز کی روحانیت اور معنویت وہ بھی اس کا ملک ہے تو ظاہر اور باطن دونوں پر اس کی حکمرانی ہے۔ ظاہر کا ملک عرش سے لے کے تحت الثریٰ تک جس میں عرش عظیم، کرسی جنتیں آسمان اور پھر زمین اور زمین کے نیچے جہنم اور یہ سب عالم مُلک ہے اور ان کے اندر جو روحانیت معنویت کام کررہی ہے عرش سے لے کر فرش تک اسی کا نام ہے ملکوت وہ باطنی حصہ ہے۔

مُلْک کے تین علاقے قرار دیے گئے ہیں:

تو اس ملک کے گویا تین علاقے قرار دیے گئے ہیں ایک آسمانوں سے اوپر اوپر، جس میں جنتیں، عرش، کرسی سب داخل ہیں اور ایک آسمانوں سے نیچے نیچے جس میں زمینیں اور دنیا اور اس کے نیچے جہنم یہ سب چیزیں داخل ہیں۔ ان سب کے کچھ ذمے دار بنائے گئے ہیں جو حق تعالیٰ کی طرف سے حکمرانی کرتے ہیں حکم اس کا چلتا ہے۔ وسائل وہ ہوتے ہیں۔ جیسے آسمانوں میں ملائکہ علیہم السلام ہیں۔ تو سید الملائکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں کہ جن کی حکومت پورے عالم سمٰوٰت میں ہے۔

دنیا میں ہمیشہ چالیس ابدال رہتے ہیں:

جیسے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اس دنیا میں ہمیشہ چالیس ابدال رہتے ہیں کہ جن کا حکم چلتا ہے باطنی طور پر۔ ظاہری حکام کے قلوب میں وہی چیز ڈالی جاتی ہے جو ابدالوں میں طے ہوتی ہے۔ ابدالوں کے نیچے ہیں پھر اقطاب، چالیس ابدال ہیں وہ شام میں رہتے ہیں اور جو ایک وفات پاتا ہے نیچے سے ترقی دے کے ابدالوں میں شامل کردیا جاتا ہے تو وہ چالیس کا عدد پورا رہتا ہے۔ پھر اقطاب ہیں ان کے نیچے، پھر اغواث۔ درجہ بدرجہ، یہ گویا ذمہ دار بنائے گئے ہیں اس دنیا کے تو ان کے قلوب پر حق تعالیٰ کی مشیت وارد ہوتی ہے اور وہ اسی مشیت سے پھر قلب سے ہمتیں متوجہ کرتے ہیں ان ہمتوں سے ظاہری حکام کے دل میں وہ چیزیں پڑتی ہیں کہ جو ظاہری حکم چلتا ہے۔

اللہ کا خلیفۂ اعظم:

اور پھر حق تعالیٰ کی جانب سے ایک شخصیت وہ بنائی گئی ہے کہ ملک سے لے کر ملکوت تک اس کی حکمرانی کی گئی ہے وہ اللہ کا خلیفۂ اعظم ہے اور وہ ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ سمٰوٰت و ارضین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اثرات ہیں۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چار وزیر ہیں دو آسمان میں دو زمین میں

اور دلیل اسکی یہ ہے کہ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے چار وزیر ہیں وَزِيْرَايَ فِي السَّمَآءِ وَ وَزِيْرَايَ فِي الدُّنْيَا دو وزیر میرے آسمانوں میں ہیں اور وہ ہیں حضرت جبرائیل اور میکائیل علیہم السلام اور دو وزیر میرے دنیا میں ہیں اور وہ ہیں ابوبکر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما جو ان کے قائم مقام چلتے ہیں دنیا میں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وزارت عالم سمٰوٰت میں بھی قائم ہے اور عالم عرض میں بھی جیسے بادشاہ کے ماتحت ایک نائب السلطنت ہوتا ہے کہ پوری سلطنت میں اس کا حکم اور اس کے اثرات غالب ہوتے ہیں۔ وہ ذات بابرکات ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو وزیر آسمانوں میں ہیں اور دو وزیر زمین میں ہیں (اور ظاہر ہے کہ وزیر کا یہی کام ہوتا ہے کہ بادشاہ کے زیر اثر رہ کر احکام چلائیں)۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ماتحتی قائم کردی گئی ان سب کے اوپر، اس کا ظہور فرمایا گیا شب معراج میں کہ مسجد اقصیٰ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو امام بنایا گیا اور تمام انبیاء علیہم السلام اور تمام ملائکہ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام جو ان کے ذمہ دار ہیں انہوں نے اقتداء کی۔ گویا ظاہراً بھی دکھلایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالا دست ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتحت ہیں انبیاء اور ملائکہ علیہم السلام تو اس طرح سے عالم مُلک کا انتظام بٹا ہوا ہے لیکن ایک شخصیت مُلک اور ملکوت دونوں میں کام کررہی ہے اور مشیت خداوندی اس کے قلب پر وارد ہوتی ہے تو اس کا ایک حصہ تو ہے آسمان اور ایک ہے زمین اور ایک حصہ ہے بیچ میں جو اور فضا، خلا جسے کہتے ہیں یہ تابع ہے آسمانوں کے اور زمینوں کے گویا زمین کا پہلے آسمان پر جو فضا ہے اور آسمان کا ماحول ہے زمین پر وہ وہی فضا ہے تو فضا بیچ میں ہے دونوں جہانوں کے اس لئے اصل دو عالم نکل آئے ہیں عالم سمٰوٰت اور ایک عالمِ ارضین۔

پہلے رکوع میں عالم سمٰوٰت کا ذکر:

تو عالم سمٰوٰت کا ذکر تو پہلے رکوع میں کیا گیا ہے جس کی تفصیل ابھی کی

گئی ہے کہ اس میں جنتیں بھی آجاتی ہیں جہنم بھی، ماننے والے بھی نہ ماننے والے بھی۔ قانون خداوندی ذات وصفات حق تعالیٰ کی یہ پہلے رکوع میں بیان کی گئیں۔

زمین میں ہر چیز کے خزانے رکھ دیئے گئے ہیں:

تو زمین میں خزانے رکھ دیئے گئے ہیں رزق کے مثلاً کھانے پینے کی چیزیں وہ سب زمین سے نکلتی ہیں اسی طرح سے معدنیات ہیں جواہرات ہیں وہ سب زمین سے نکلتے ہیں سونا ہو چاندی ہو اسی طرح سے اور معدنیات ہیں جیسے تیل کے چشمے ہیں۔ پٹرول ہے کوئلہ ہے یہ سب چیزیں انسانوں کے کام آتی ہیں اور اللہ نے انسانوں کے اندر فطرت میں ان کی ڈال دیا ان چیزوں کا تصرف کہ وہ کھود کرید کر کے پتہ چلاتا ہے کہ تیل کے خزانے کہاں ہیں؟ سونا کہاں سے نکلے گا؟ چاندی کہاں سے نکلے گی؟ اس کی تدبیریں ذہن میں ڈال دی گئیں کہ مشینوں کے ذریعے یا ہاتھ سے دستکاری کے ذریعہ مٹی سے سونے کو الگ کرنے کا یہ طریقہ ہے چاندی کو الگ کرنے کا طریقہ یہ ہے تیل اگر نکلے تو اس میں زمین کے اجزاء ملے ہوتے ہیں تو صاف کرنے کا طریقہ یہ ہے پہلے لوگ اپنی دستکاری سے صفائی کرتے تھے اب دور مشینی دور ہے تو مشینوں کی بات اللہ نے ذہنوں میں ڈال دی اور ایسی ایسی مشینیں ایجاد کرلیں انسان نے کہ منٹوں میں ہزاروں من مٹی میں سے سونا نکال لیتے ہیں چاندی نکال لیتے ہیں اسی طرح سے جواہرات، اسی طرح سے قسم قسم کے پتھر، سنگ خارا اور سنگ مرمر کی پھر اقسام ہیں سرخ اور سبز اور زرد وہ سب انسان نکالتا ہے اور پھر کاموں میں لاتا ہے تاکہ دنیا میں یہ تصرفات چلیں۔

زمین کو انسان کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے:

تو فرمایا کہ ہم نے ذلیل کر دیا تمہارے لئے زمین کو وہ چوں نہیں کر سکتی۔ حالانکہ تمہاری اصل ہے تم سے کہیں زیادہ بڑی ہے لیکن اس کو کھودے جاؤ اس میں نہریں بناؤ کنویں بناؤ ذرا بھی چوں چرا نہیں کرتی اور تمہارے ہاتھ میں مسخر ہے اس کے اخلال طبعی یعنی جگر کے ٹکڑے سونے چاندی نکالے جاؤ وہ ذرا بھی چوں نہیں کرتی۔ یہ سب تمہارے لئے حاضر ہے پھر اس میں تصرف کی طاقت بھی رکھی کہ دو چیزوں کو ملا کر ایک تیسری چیز پیدا کرلو۔

انسانی ایجاد کی حقیقت:

یہی انسان کی ایجاد کی حقیقت ہے۔ ایجاد کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کوئی مادہ خود پیدا کر دے، چاندی کو پیدا کر دے۔ یہ نہیں ہے، بلکہ چند چیزوں کو ملا کر ایک چیز نکال لیتا ہے، یا دو چیزوں کو ملا کر ایک تیسری چیز بنا لیتا ہے۔ دو درخت ہیں دو قسم کے پھل ہیں۔ ان میں قلم لگایا اور ایک تیسری نوع تیار کرلی۔ سونے اور چاندی کو ملایا تو اس سے طرح طرح کے ظروف اور برتن بنا لئے۔ تو انسان کی ایجاد حقیقت ترکیب اور تحلیل دو چیزوں کو ملا کر تیسری چیز بنا لینا یا ایک چیز کا تجزیہ کر کے اس سے اجزاء نکال لینا اور اس سے چیزیں بنانا تو ترکیب کر دینا دو کی یا ایک کی تحلیل کر کے اس سے اجزاء کر دینا، یہی انسان کی ایجاد کا حاصل ہے۔ ایک ذرہ برابر زمین نہیں پیدا کر سکتا آدمی، پیدا شدہ میں سے کام نکال سکتا ہے۔ آفتاب کی ایک کرن ساری دنیا کے انسان ملیں تو نہیں بنا سکتے، لیکن ان کرنوں کی گرمی اور روشنی سے طرح طرح کی چیزیں بنا سکتے ہیں۔

ایجاد کا حاصل ترکیب وتحلیل ہے:

ایجاد کا حاصل ترکیب وتحلیل نکل آتا ہے اس میں تصرف کئے جاؤ اور نکالے جاؤ، تو پیدا کی ہوئی تمام چیزیں اللہ کی ہیں، ان کو جوڑنا، کھول دینا، ملا دینا، الگ کر دینا اس کی طاقت انسان کو دی گئی اس سے وہ اپنے کام نکالتا رہتا ہے تو زمین کو ہم نے تمہارے لئے ذلیل بنا دیا ہے اور زمین ہی میں سارے خزانے چھپے ہوئے ہیں ان خزانوں کو تمہارے ہاتھ میں مسخر کر دیا اس کے لئے ضرورت پڑتی ہے کہ آدمی چلے اور پھرے زمین میں تاکہ ان معدنیات کا پتہ چلائے کتنے سفر کرنے پڑتے ہیں اس لئے فرمایا کہ فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا زمین کے کندھوں پر چلو اور پھرو اور سفر کرو اور سیر کرو کہیں آدمی پیدل چلتا ہے، پیدل نہیں چل سکتا تو سواریاں، کچھ قدرتی سواریاں ہیں کہ گھوڑوں اور گدھوں پر سوار ہو کر جائے آدمی، جس کو فرمایا وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً۔ گھوڑے اور گدھے اور خچر یہ سب کے سب ہم نے تمہارے لئے بنائے لِتَرْكَبُوْهَا تاکہ تم سواری بھی کرو ان پر وَزِيْنَةً اور اپنا ٹھاٹ اور کروفر بھی دکھلاؤ، جب جلوس نکلتے ہیں تو گھوڑوں پر ہاتھیوں پر، بڑی بڑی جھولیں دھرپال ڈالی جاتی ہیں تاکہ حشم خدام پیدا ہو۔ تو زینت بھی ہے اور سواری بھی وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ فرمایا کہ یہ تو وہ سواریاں ہیں جو آج موجود ہیں اور جو آگے اللہ پیدا کرے گا وہ اور بہت ہیں سو برس پہلے دو سو برس پہلے کس کو خبر تھی کہ موٹر ایجاد ہو جائے گا۔ ریلیں ایجاد ہو جائیں گی۔ یہ اونٹ جو سواریاں ہیں ان پر سواریاں شروع کیں، جب یہ ریل اور موٹر ایجاد ہوا تو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ایروپلین ایجاد ہو جائیں گے ہوائی جہاز، آج ہوائی جہاز ایجاد ہو گئے تو مہینوں کی مسافت گھنٹوں میں طے کر لیتا ہے آدمی، پھر ان جہازوں میں نئی نئی ایجادات ہیں کہ ایک جہاز ڈھائی سو میل چلتا تھا تو پانچ سو میل کی رفتار فی گھنٹہ میں نکال لیا انہوں نے، اب اس کے بعد یہ اطلاعات آرہی ہیں کہ ایک گھنٹہ میں ایک ہزار میل اڑے گا ہوائی جہاز یا پندرہ سو میل اڑے گا تو پندرہ سو میل ایک گھنٹہ میں طے ہوں گے ڈھائی ہزار میل ڈیڑھ گھنٹہ میں طے ہو جائیں گے۔ گویا یہاں سے آدمی ڈیڑھ گھنٹہ میں جدہ پہنچ جائے گا اور جدہ سے آدمی ڈیڑھ گھنٹہ میں مکہ پہنچ جائے گا اور ایک وقت آئے گا کہ آدمی چائے پی کر گھر سے کہے گا کہ میں ذرا عمرہ کر آؤں جا کے اور کھانا یہیں کھاؤں گا آ کے، تو وہ چائے پی کے جائے گا،

ڈیڑھ گھنٹہ میں پہنچ گیا عمرہ کیا اور جہاز سے گھر واپس آ کر کھانا کھالیا تو جو مسافت کہ آدمی اپنے پیروں سے طے نہیں کر سکتا تھا حق تعالیٰ نے قلوب میں ایسی حکمتیں القاء فرمائیں کہ نئی سے نئی سواری آدمی نے ایجاد کرلی تو فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا زمین کے کندھوں پر تم چلو زمین کے تابع ہے فضا تو فضا میں اڑو تو وہ بھی اس کے ساتھ میں آگئی تو آسمان زمین کے درمیان میں جو ہے اور خلا ہے اس میں بھی انسان اپنی سواریاں پہنچا رہا ہے حتیٰ کہ اس نے ہمتیں باندھیں کہ میں تو چاند پر پہنچ جاؤں گا اور اگر وہ پہنچنا چاہے اور اللہ تعالیٰ قدرت بھی دے دے تو پہنچ سکتا ہے آدمی اس میں کوئی مانع نہیں، کوئی ممنوع نہیں ہے وہ چیز تو۔ فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا (زمین کے کندھوں پر تم چلو)

سیر وسفر کا حاصل:

اب اس سارے سیر وسفر کا حاصل کیا ہے کہ وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ زمین کے رزق سے فائدہ اٹھاؤ۔ کھانے کی چیز سے کھانے کا فائدہ اور استعمال کی چیز سے استعمال کا فائدہ، زینت کی چیز سے زینت کا فائدہ، کچھ پیٹ میں جاتی ہیں کچھ بدن کے اوپر رہتی ہیں اور کچھ بدن کے باہر رہتی ہیں۔ پیٹ میں کھانا جاتا ہے، بدن پر لباس رہتا ہے، لباس سے باہر باہر مکان اور بلڈنگ اور بنگلے رہتے ہیں اور یہ سب زمین ہی سے پیدا ہو رہے ہیں سب کے مادے زمین ہی سے نکل رہے ہیں تو زمین کو ایک عجیب وغریب خزانہ حق تعالیٰ شانہ نے بنا دیا اور انسان کے ہاتھ میں دے دیا کہ کرو تصرف۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی تصرف سے روکا نہیں گیا بلکہ منشاء قدرت ہے کہ تصرف کرو۔

سب کچھ کرو مگر ہمیں مت بھولو:

مگر ایک چیز بتلادی کہ سب کچھ کرو مگر ہمیں مت بھولو۔ اس لئے کہ ہم ہی تو ہیں محسن حقیقی ہم ہی نے تو یہ زمین بنائی، ہم نے ہی تو تمہارے دلوں میں یہ چیزیں ڈالیں کہ کس طرح اس زمین کے مادے کو اس کی نعمتوں کو استعمال کرو تو یہ سارا کا سارا جو کچھ بھی ہے ہمارے انعام واحسان کا ثمرہ ہے۔

بدفطرت اور سلیم الفطرت انسان:

تو بدفطرت ہوگا وہ انسان کہ منعم کا انعام کھائے اور منعم کو بھول جائے۔ محسن کے احسان سے فائدہ اٹھائے اور محسن کو بھلا دے وہ بدفطرت کہلائے گا۔ سلیم الفطرت انسان وہ ہے کہ جتنی نعمت بخشی جائے اتنا ہی شکر بڑھتا جائے، اتنی ہی طاعت بڑھتی جائے تو کہا جائے گا کہ یہ سلیم الفطرت انسان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ نعمتیں انسان کو عطا کیں

دنیا کی ہر چیز کو اللہ نے نعمتوں سے مالا مال کیا مگر سب سے زیادہ نعمتیں جو دیں وہ انسان کو عطا کیں۔ سب سے زیادہ چہیتی مخلوق اللہ کی اور پیاری مخلوق انسان ہے۔ اس لئے اسے وہ کچھ دیا کہ کسی اور کو نہیں ملا اسی کو ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ ہم نے انسان کو معظم اور مکرم بنایا اور بحر و بر میں اسے اٹھایا کہ بر میں جہاں بھی چاہے چلا جائے اور بحر میں جہاں چاہے چلا جائے، بر کے لئے سواریاں الگ دیں اور دریا کے لئے سواریاں الگ دیں، فضا کے لئے سواریاں الگ دیں، دنیا کا ہر جاندار اپنے پیروں سے چلتا ہے، آپ نے نہیں دیکھا ہوگا کہ گھوڑا گھوڑے پر سوار ہو کر جائے، شیر شیر پہ، سانپ سانپ پر، بچھو بچھو پر، ہر ایک چیز اپنے پیروں پر سفر کرتی ہے حتیٰ کہ دریا میں بھی اگر جائے تو تیر کر نکلتی ہے۔ یہ کرامت انسان کو دی گئی کہ دریا میں جائے تو سواریاں موجود، خشکی میں چلے تو سواریاں موجود، فضا میں جائے تو سواریاں موجود تو حَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔

ہر جاندار کی غذا متعین ہے، اور انسان کے لئے ہر چیز وقف ہے

پھر دنیا کے جس جاندار کو دیکھیں گے آپ اس کی ایک غذا متعین ہے، مثلاً شیر خون ہی پئے گا، گوشت ہی کھائے گا، پرندے وہ ہیں کہ دانہ ہی چگیں گے گوشت نہیں کھاتے، حیوان چرندے ہیں وہ گھاس کھائیں گے، لیکن انسان کے لئے ساری چیزیں وقف ہیں، گھاس یہ کھا جائے، ماس یہ کھا جائے، مٹی یہ کھا جائے، پتھر یہ کھا جائے۔ سونا اور چاندی یہ کھا جائے اور جواہرات یہ کھا جائے۔ اول تو ساری چیزیں مٹی سے بنی ہوئی ہیں تو مٹی کھاتا ہے آدمی ویسے بھی مٹی کھاتا ہے اور اب یہ پان کھاتے ہیں ہم، یہ چونا مٹی کے سوا اور کیا ہے، پتھر بھی کھالیا آدمی نے۔ پھر سونے اور چاندی کہیں ورق بن رہے ہیں تو وہ دواؤں میں کام آ رہے ہیں، سونے اور چاندی کے زیور تو الگ ہیں، کھانے میں بھی سونا اور چاندی استعمال کیا جاتا ہے جواہرات ہیں تو یاقوتیاں بنتی ہیں وہ مقوی باہ ہوتی ہیں، وہ مقوی بدن ہوتی ہیں تو یاقوت اور زمرد بھی کھا جاتا ہے آدمی، تو گھاس بھی کھا جائے، ماس بھی کھا جائے، پتھر بھی کھا جائے، مٹی بھی کھا جائے۔ پھر کون سی سبزی ہے جو نہیں کھاتا آدمی، ترکاریاں ہر قسم کی بجز اس کے کہ کڑوی ہو اور نہ چلے منہ میں تو چھوڑ دے اس کی عنایت ہے۔ کھانے والے اسے بھی کھا جاتے ہیں تو غرض ہر چیز کھاتا ہے انسان، تو فرمایا وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ہر پاکیزہ چیز ہم نے انسان کو دی اور ناپاک چیز سے روک دیا، کہ وہ مت کھاؤ، کھانے کے لئے بہترین چیزیں ہیں پاک، مردار مت کھاؤ، خنزیر مت کھاؤ، شراب مت پیو کہ یہ چیزیں نجس بنائی گئی ہیں تم نجاستوں کے استعمال کے لئے نہیں بنائے گئے، تم بنائے گئے ہو پاک باز معظم اور مکرم، تو تمہاری غذا بھی پاک ہونی چاہیے نہ کہ ناپاک چیزیں، تو پاک

چیزیں اتنی بنادی ہیں کہ ان کی حدو نہایت نہیں، تو یہ کیا مصیبت ہے کہ ناپاک کی طرف جائے آدمی، ناپاک کی طرف جب جائے کہ جب پاک چیزیں نہ ہوں، حرام خوری جب کرے کہ جب حلال چیزیں نہ ہوں، ناجائز پیشہ جب اختیار کرے کہ جب جائز پیشہ نہ ہو، تجارت ہے، زراعت ہے، صحافت ہے، ملازمت ہے، صنعت ہے، حرفت ہے، کیا ضروری ہے کہ آدمی سود ہی لے اور بٹہ ہی لے اور چوری کرے اور ڈکیتی کرے، یہ ناجائز پیشے ہیں، تو جائز اس لئے لگا دیئے ہیں ہم نے کہ اگر ان کے اندر محدود رہو تو حرام اور ناجائز کی ضرورت ہی نہ پڑے یہ صرف حرص وہوس ہے کہ انجام سے بے خبر ہو کر حرام چیزوں میں بھی پڑ جاتا ہے آدمی، جس سے دنیا بھی ضائع ہو جاتی ہے اور آخرت بھی تباہ ہو جاتی ہے۔

سب چیزیں تمہارے لئے ہیں استعمال کرو مگر اصول کے تحت:

اس لئے فرمایا کہ زمین مسخر، سارے خزانے تمہارے، استعمال کرو مگر اللہ تعالیٰ کو مت بھولو، یعنی ان کے اصول کے تحت رہو کہ جو اللہ نے حرام و حلال کے اصول بنا دیئے، جائزات کی حدود میں رہو، اسراف مت کرو، اپنے استعمال میں چیز لاؤ، مگر فضول خرچی سے نہیں حدود کے اندر، دوسرے کو استعمال کے لئے دو، عنایت کرو، ہدیہ دو مگر حدود کے اندر، یہ ہدیہ نہیں ہے کہ سارا گھر لٹا دے آدمی، اور یہ بھی نہیں ہے کہ امساک اور بخل میں آ کر ایک پائی بھی نہ نکلے اس کے ہاتھ سے، تو دینے میں عطا کرنے میں بھی درمیانی چال ہونی چاہیے، اپنے استعمال میں درمیانی چال ہونی چاہیے۔ حتیٰ کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ دریا کے کنارے بیٹھ کر وضو کرو تو لَا تُسْرِفْ فِي الْمَاءِ اسراف مت کرو کہ خواہ مخواہ پانی اچھال رہے ہو بیٹھے ہوئے اور ایک لوٹے میں وضو ہو سکتا تو دو گھڑوں میں وضو کر لیا وہ اسراف میں شمار ہوگا، کپڑا پہنو، مگر حدود کے اندر، فرمایا گیا ہے کہ جو آستین پہونچوں سے نیچے لگی ہوئی ہو وہ اسبال اور سدل کے حکم میں ہے وہ فضول خرچی ہے اس پر مواخذہ ہوگا عند اللہ، تو کپڑا پہننے میں بھی حد بندی کر دی۔ کھانے پینے میں بھی حد بندی کر دی خزانے پر بیٹھے ہو مگر حدود کے اندر استعمال کرو، یہ مت سمجھو کہ جب دس لاکھ روپے ہیں میرے پاس تو جس طرح چاہوں خرچ کر لوں، اس میں بھی حد بندی ہے کہ اعتدال کے ساتھ خرچ کرو، نہ اتنا خرچ کرو کہ کل کو تم خود بھک منگے بن جاؤ نہ اتنا امساک اور بخل کرو کہ نہ اپنے کام آئے اور نہ غیر کے کام آئے، ایک درمیانہ چال رہے انہیں اصول پر چلنا اور جائزات شرعیہ کے اندر رہنا یہی ہے حد بندی اور اللہ کو یاد کرنا۔

اللہ کو یاد کرنے کے دو معنی ہیں

تو ایک اللہ کو یاد کرنے کے یہ معنی ہیں کہ استعمال کرتے وقت دل میں غفلت نہ ہو، ذکر جاری ہو کہ کوئی اچھی چیز کھائی تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے، ابتداء کرے کھانے کی تو بِسْمِ اللّٰہِ سے کرے، لباس پہنے آدمی تو بِسْمِ اللّٰہِ سے پہنے، اور جب پہن لے آدمی تو حمد وثنا کرے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ هٰذَا۔ اللہ کی حمد ہے کہ جس نے مجھے پہننے کو دیا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ اللہ کی حمد ہے اس پر کہ اس نے مجھے کھانے کو دیا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ سَقَانِیْ۔ الحمد للہ کہ مجھے پینے کو دیا۔ گھر میں داخل ہوں تو ذکر اللہ یہ ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ رَزَقَنِیْ هٰذَا الْبَیْتَ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے یہ بلڈنگ دی، مجھے یہ مکان دیا قدم قدم پر دعائیں بتلائیں تا کہ مالک یاد رہے تو ایک تو ذکر اللہ کے یہ معنی ہیں کہ آدمی دعائیں پڑھتا رہے۔ مختلف اوقات کی جو دعائیں بتلائی گئیں ان کو استعمال کرتا رہے حمد وثنا کرتا رہے۔

ہر چیز کو اصول شرعیہ کے مطابق استعمال کرنا بھی ذکر اللہ میں داخل ہے

اور دوسرے یہ کہ اس شے کو اصول شریعت کے مطابق استعمال کرے یہ بھی ذکر اللہ میں داخل ہے چاہے زبان سے ذکر اللہ ہو یا نہ ہو مگر جب جائز کی حد میں ہے طریقہ شرعیہ پر چل رہا ہے، سنت کے مطابق چل رہا ہے، وہ عملی ذکر ہے اگر چہ زبان پر ذکر نہیں تو ذکر اللہ کے اور منعم اور محسن کو یاد کرنے کے دو طریقے بیان کئے گئے ہیں ایک یہ کہ زبان سے یاد کرو اس کے لئے وہ دعائیں ہیں جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائیں اور اگر کسی کو وہ دعا نہ بھی یاد ہو تو ہر کام میں جو نعمت ہو کہے اے اللہ! تیرا شکر ہے، یہ تو کہہ سکتا ہے، استنجا کر کے واپس آئے اگر دعا یاد نہ ہو تو کم از کم کہے کہ اے اللہ تیرا شکر ہے کہ میرے اندر سے تو نے فضلات نکال دیئے، میں ہلکا ہو گیا یہ تو کہہ سکتا ہے زبان سے، سونے کے لئے لیٹے اگر وہ دعا یاد نہ ہو تو آیۃ الکرسی پڑھ کر سو جائے بسم اللہ پڑھ کر سو جائے۔ غرض اللہ کے نام سے سوئے، جاگ جائے تو گویا اللہ نے موت کے بعد زندگی دی (اللہ نے) تو چاہیے کہ وہ دعا پڑھے جو حدیث میں فرمائی گئی ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَآ اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ۔ حمد ہے اس اللہ کے لیے کہ جس نے مجھے موت کے بعد زندگی دی اور میں اسی کی طرف لوٹ کر جانے والا ہوں۔

لیکن اگر یہ دعا یاد نہ ہو تو کم سے کم کلمہ ہی پڑھتا ہوا اٹھے آدمی، سبحان اللہ کہتا ہوا اٹھے، الحمد للہ کہہ کر اٹھے، تو ایک ہے لسانی ذکر اس میں اعلیٰ ترین طریقہ وہ ہے کہ سنت کے مطابق جو الفاظ ثابت ہیں انہیں یاد کر لے بچوں کو یاد کرا دیئے جائیں با آسانی یاد کر لیں گے، جو بچے پورا قرآن شریف یاد کر لیتے ہیں وہ کیا دعائیں حدیث کی یاد نہیں کر سکتے، مہینے بھر میں سب دعائیں یاد ہو جائیں گی اور اگر نہ ہو کم سے کم اللہ کا نام زبان پر ہو یہ لسانی ذکر ہے اور ایک یہ کہ ہر چیز کے استعمال میں یہ دیکھ لے کہ شریعت کے مطابق کر رہا ہوں استعمال یا نہیں، وہ بھی ذکر اللہ میں داخل ہے کمانے کے لیے بیٹھے آدمی تو یہ

دیکھ لے کہ جائز پیشہ اختیار کیا ہے یا ناجائز، جائز کو اختیار کرے یہ بھی ذکر اللہ میں شامل ہے یہ بھی اللہ کی یاد ہے تو فرماتے ہیں کہ نعمتیں استعمال کرو، کوئی روک نہیں، مگر حدود میں رہ کر، اسراف نہ ہو فضول خرچی نہ ہو جیسا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا گیا کہ يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا . اے رسولوں کے گروہ پاک غذائیں استعمال کرو پاک چیزیں استعمال کرو کھانے کی ہوں پہننے کی ہوں۔ لیکن عمل صالح کرتے رہو وہ ذکر اللہ آ گیا تا کہ محسن کا حق ادا ہوتا رہے اور اس کا احسان دل کے اندر تازہ بہ تازہ ہوتا رہے یہ جو نمازیں پڑھتے ہیں یہ بھی وہی ذکر اللہ ہے کہ اے اللہ ہم نے نعمتیں استعمال کیں مگر آپ کو نہیں بھلایا جو اوقات فرض کر دیئے حاضر ہیں آپ کی بارگاہ میں۔

مؤذن کی اذان محض اعلان نہیں ہے:

مؤذن اذان دیتا ہے اللہ اکبر، اللہ اکبر یہ محض اعلان نہیں کہ اطلاع دے دی جائے کہ آ جاؤ نماز کے لیے، یہ یاد دلانا ہے ذکر اللہ کا کہ تم اللہ کی کبریائی اور عظمت دل میں رکھو اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ توحید اپنے دل میں رکھو اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ نبوت کی عظمت اور عقیدت اپنی دل میں رکھو حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ نماز کی طرف جھکو حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ دنیا و آخرت کی بہبود اور فلاح کی طرف آؤ تو کبریائی خداوندی توحید الٰہی نبوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ یاد دلانے کے لیے کھڑا ہوتا ہے مؤذن پانچ وقت تا کہ بندے غفلت میں نہ پڑ جائیں اور اگر پڑے ہوئے ہوں اپنی نعمتوں میں تو اذان کی آواز سنتے ہی چونک جائیں ایکدم کہ اب ہمیں حق بھی ادا کرنا ہے اس محسن کا جس نے ہمیں ساری نعمتیں دیں اس لیے فرمایا کہ زمین کی نعمتیں استعمال کرو اس کے کندھوں پر سیر و سیاحت کرو، سفر کرو مگر ہمیں مت بھلاؤ اس لیے کہ اگر تم بھول گئے تو وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ دیکھو کل کو آنا ہے ہمارے سامنے اگر یہیں رہنا ہوتا دنیا میں ابد الآباد تک کے لیے تب بھی انسان یہ غور کرتا کہ جانا تو مجھے ہے ہی (چاہے یاد کروں چاہے نہ کروں) چھوڑنا ہے ایک دن زمین کو اور موت کا منظر سامنے ہے ہزاروں لاکھوں انسان گزر رہے ہیں اس زمین کو چھوڑ کر جا رہے ہیں جو لکھ پتی تھے وہ بھی جا رہے ہیں جو بھک منگے تھے وہ بھی جا رہے ہیں غرض ایک نہ ایک دن اس زمین کو چھوڑنا ہے اور اس کی ساری نعمتوں کو چھوڑنا ہے اور چھوڑ کر جانا کہاں ہے؟ فرماتے ہیں ہمارے ہی پاس تو آنا ہے جہاں سے گئے تھے وہیں تو لوٹ کر آؤ گے تو اس دن کو بھی یاد رکھو ایسا نہ ہو کہ بھلا دو۔

اللہ کی حضور میں ہر شخص تنہا جائے گا:

فرماتے ہیں کہ دیکھو ہمارے پاس تم تنہا آؤ گے کوئی لشکر ساتھ نہیں ہو گا بادشاہ ہے وہ بھی اسی زمین فرش خاک پر جائے گا ہمارے پاس۔ اور فقیر ہے وہ بھی اسی فرش خاک پر، کوئی لاؤ لشکر تمہارے پاس نہیں ہو گا تو جیسے تنہا ہم نے بھیجا تھا تمہیں کہ ماں کے پیٹ میں تم ہی تھے اسی طرح سے زمین کے پیٹ میں جو اصل ماں ہے تم تنہا ہی آنے والے ہو، پھر اس خیال میں مت رہنا کہ کوئی تمہارے ساتھ لاؤ لشکر ہو گا جو ہمارے مقابلے میں تمہاری مدد کرے گا تنہا آؤ گے اور اگر ساری دنیا کا لشکر بھی لے آؤ تو ہمارے مقابلے میں کیا چل سکتی ہے تمہاری ہم تو خالق ہیں، پیدا کرنے والے ہیں، جب چاہیں موت دے دیں جب چاہیں ضعیف کر دیں، جب چاہیں کمزور بنا دیں تو مقابلہ اس کا کرو جو عاجز ہو قادر مطلق کا مقابلہ کیا۔ تو اول تو تم تنہا آؤ گے یہ سارا لاؤ لشکر یہیں رہ جائے گا۔ اور اگر کسی کے ساتھ بالفرض ہو بھی لشکر ہمارے مقابلے میں کام نہیں دے سکتا۔

ایک شبہ کا حل:

یہاں سے انسان کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ اللہ کا لشکر تو فرشتے ہیں جو دار السلطنت میں رہتے ہیں آسمانوں کے اندر ہیں ...... جو میں ہیں فضا میں ہیں۔ بھلا اتنے لشکر آ دے گا اتنے ہم اپنا کام بھی کر لیویں گے تو کیا ضرورت ہے یاد کریں، مقابلہ کے لئے تیاری کر لو اس سے ہم اپنا کام کر گزریں گے۔ بہر حال لشکر کے بنتے سنورتے دیر لگتی ہے اتنے میں ہمارا کام ہو جائے گا تو کیا مقابلہ ہو گا؟ اس لئے آگے فرمایا کہ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ . تم فرشتوں کے لشکر کو لے رہے ہو یہ زمین بھی تو ہمارا لشکر ہے اگر اس کو ہم زلزلے سے دھنسا دیں اور سب دھنستے ہی چلے جاؤ تو کسی فرشتے کے بھی آنے کی ضرورت نہیں جو زمین فرش بنی ہوئی ہے وہی قبر بن جاتی ہے منٹ بھر کے اندر اسی میں دفن ہو جاتا ہے آدمی، تو ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ . کیا آسمان والے سے تم بے پروا ہو گئے اگر زمین کو ہم زلزلے میں ڈال دیں اور لگے موجیں مارنے اور جگہ جگہ اس میں دراڑ کھل جائیں اور پناہ نہ ملے تب کیا ہو گا؟ فرشتوں کو آتے آتے اگر بالفرض دیر بھی لگی تو لشکر اوپر کا کیا آئے گا یہ تو نیچے ہی لشکر موجود ہے اور میں کہتا ہوں زمین بھی بعد کی چیز ہے ایک چیونٹی کو مسلط کر دے کان میں گھس جائے زندگی ختم ہے انسان کی، ایک کیڑا مکوڑا ناک میں گھس جائے زندگی ختم ہے انسان کی، تو ایک چیونٹی جسے ختم کر سکتی ہے وہ مطمئن ہو کر بیٹھے گا قادر مطلق کی طرف سے کہ فرشتے آ دیں گے مقابلہ ہو گا دیکھی جائے گی۔ فرشتے تو بعد میں آ دیں گے یہ جو تمہارا فرش خاک ہے وہی تمہارے لئے مقابلے کا لشکر ہے اس کی پیداوار میں ایک چیونٹی تمہارا مقابلہ کر سکتی ہے۔

نمرود کی سرکشی اور اس کا انجام:

نمرود جیسے عظیم بادشاہ کو جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا ابراہیمؑ کے زمانے میں اور اس کا دماغ نیچے ہی نہیں آتا تھا وہ تو کہتا تھا کہ میں رب ہوں، اس کو

کیسا نیچا دکھایا کہ ایک مچھر اس کی ناک میں گھس گیا اور دماغ میں جا کر لپٹ گیا اور وہ پھر پھر کرتا تھا۔ اب وہ بے چین۔ تو طریقہ یہ رکھا تھا اس نے، ایک خادم مقرر تھا کہ وہ جوتے سر پر مارتا تھا جب جوتے پڑتے تھے تو ذرا دیر کے لئے ٹھہر گیا مچھر، اور جہاں جوتے الگ ہوئے اور پھر پھر پھرایا، پھر اس نے خادم کو بلایا تو جن پر خدائی کا دعویٰ کر رکھا تھا انہی کے ہاتھ سے جوتے پٹوا دیئے سر پر، تو مطلب یہ ہے کہ چیونٹیاں بھی بعد کی چیز ہیں خود انسان ہی کو مسلط کر دے تمہارے اوپر جس کو تم اپنا بندہ جانتے ہو، خدائی کا دعویٰ کر رہے ہو اسے ہی جوتیاں دے کر تمہارے سر پر مسلط کر دے تو کیا کرو گے، تو خالق سے بچ کر کہاں جائے گا آدمی، تو زمین ہے، زمین کی پیداوار ہے، اور خود انسان ہے وہ تمہارے حق میں مد مقابل آ جائیں گے اور ایک فوج انسانوں کی کھڑی کر دے اور وہ ہاتھ میں تلواریں لے کر آ جائے تو سارا کروفر رہ جاتا ہے تو انسان ہی انسان کو بتلا دیتا ہے وہ درحقیقت خدا کی طرف سے مسلط ہوتا ہے لشکر، تاکہ متکبروں کا غرور توڑ دیا جائے، نخوت شعاروں کی نخوت توڑ دی جائے، انسان انسان پر مسلط ہو جاتا ہے تو فرماتے ہیں وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ بہر حال ایک وقت آنا ہے کہ ہماری طرف آؤ گے اور آنے کے سلسلے میں موت بھی قبول کرنی پڑے گی۔ (معارف حکیم الاسلام قدس سرہ)

اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ
یا نڈر ہو گئے ہو اُس سے جو آسمان میں ہے
اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا
اس بات سے کہ برسا دے تم پر مینہ پتھروں کا

یعنی بیشک زمین پر چلو پھرو اور روزی کماؤ لیکن خدا کو نہ بھولو ورنہ وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر ایک سخت آندھی بھیج دے یا پتھروں کا مینہ برسا دے پھر تم کیا کرو گے ساری دوڑ دھوپ یوں ہی رکھی رہ جائیگی۔ (تفسیر عثمانی)

موت کے ہزاروں اسباب ہیں:

اور موت کے اسباب ہزاروں ہیں جانور کاٹ لے، ہارٹ فیل ہو جائے، زمین میں دھنس جائے، کوئی اوپر سے آ پڑے مصیبت، ہزاروں اسباب ہیں کہ جن کے ذریعہ سے ہم تک آؤ گے تو اس وقت کو بھی یاد رکھو کہ سدا یہ وقت نہیں رہے گا کہ بلڈنگ بھی ہے، دولت بھی ہے، کام بھی چل رہا ہے یہ سب وقتی چیزیں ہیں اصل وہی وقت ہے جو آنے والا ہے وَ اِلَيْهِ النُّشُوْرُ اسی کی طرف تمہیں پھیل کر جانا ہے تو ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ زمین ہی میں دھنسا دے تو کیا ہوگا۔ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا کیا تم مطمئن ہو مامون ہو، آسمان والے سے اگر پتھر برسا دے آسمان سے، بادل آئیں اور بجائے پانی برسنے کے پتھر برسنے لگیں اور میں یہ کہتا ہوں کہ یہ جو اولے پڑتے ہیں پتھر ہی تو ہیں اسی پانی کو منجمد کر کے جما کر پتھر کی شکل دے دیتے ہیں اگر وہ بڑھ جائیں، دو دو سیر کا ایک ایک اولہ پڑنے لگے تو پناہ نہیں مل سکتی، مکان ٹوٹ جاتے ہیں ڈھ جاتے ہیں انسان تو بجائے خود ہے تو کس چیز نے تجھے مطمئن بنا رکھا ہے مالک کی طرف سے کون سی پناہ گاہ ہے کہ اس سے بچ کر تم اس میں پناہ پالو گے؟

موت سے کسی طرح نہیں بچا جا سکتا:

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ اگر تم بڑے بڑے سنگین قلعوں میں، بڑے بڑے پتھر کے برجوں میں، لوہے کے برجوں میں رہو گے موت وہیں جا پکڑے گی، یہ نہیں ہے کہ موت میدان میں آتی ہے اگر برجوں کے اندر تم کوئی مَنْفَذْ ہی نہ رکھو ہوا کا راستہ نہیں تو حبس دم ہو کہ آدمی ختم ہو جائے۔ ہوا کا راستہ دیکھو تو بھی بہر حال ختم ہو سکتا ہے تو فرشتے موت کے ان کے یہاں نہ سنگین کوئی چیز ہے نہ لوہے کے قلعے کوئی چیز ہیں جیسے بجلی جب آتی ہے تو کتنا بڑا ہی لوہا ہو وہ اس کے جگر میں سما جاتی ہے تو ملائکہ تو بجلی سے بھی زیادہ لطیف ہیں وہ ہر چیز میں سما کر اندر دخول کرتے ہیں تو موت کے فرشتے وہیں پہنچ جائیں گے تو فرماتے ہیں کہ زمین بھی سبب موت بن سکتی ہے، پانی بھی سبب موت بن سکتا ہے، بادل بھی سبب موت بن سکتے ہیں اولے برس جائیں، پتھر برس جائیں۔

آخر لوط علیہ السلام کی قوم پر پتھر برسائے گئے اور کیوں برسائے گئے، اس لئے کہ انہوں نے حدود سے تجاوز کیا، جائز طریقہ دیا گیا تھا کہ نکاح سے عورتوں کی طرف آؤ، انہوں نے لڑکوں کو استعمال کیا، اس لواطت کے جرم میں آسمان سے پتھر برسائے گئے اور کوئی پناہ نہیں پا سکے، قوم ثمود ان کو تباہ کر دیا گیا ایک چنگھاڑ سے، جبرائیلؑ نے ایک ڈانٹ دی گھرکی دی کلیجے پھٹ گئے، قوم عاد کو ہوا سے تباہ کر دیا گیا کہ سات دن تک ہوا کے جھکڑ چلے ہیں اس طرح سے کہ جو مکان گہری گہری بنیادوں کے تھے مع بنیادوں کے ہوا نے اکھاڑا اور اوپر لے جا کر پٹخا نیچے، حدیث میں ہے کہ جب مکان اوپر جاتے تھے تو جانوروں کی آوازیں اوپر سے سننے میں آتی تھیں فضا سے مع جانوروں کے مکان اوپر لے گئے اور لے جا کر پٹخ دیئے گئے تو وہی ہوا جس سے ہم زندگی حاصل کرتے ہیں وہی موت کا ذریعہ بن جاتی ہے وہی زمین جو فرش تھا ہمارے لئے وہی قبر بنا دی جاتی ہے وہی بادل جو پانی برساتے تھے اور زندگی کا سامان ہوتا تھا وہی ذریعہ موت کا ہے تو ہم تو زندگی کے اسباب کو چاہیں موت کا سبب بنا دیں پھر تم مطمئن ہو کر کیسے بیٹھ گئے، کس طرح سے غفلت میں پڑے۔ اس واسطے ادھر توجہ دلائی کہ زمین کا ملک بے شک تمہارے لئے ہم نے کیا مگر دیکھو دینے والے کو مت بھلاؤ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ زمین میں دھنسا دیئے

جائیں ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا یا پتھر برسا دیے جائیں آسمان سے۔ معارف حکیم الاسلام قدس سرہٗ۔

فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ﴿۱۷﴾

سو جان لو گے کیسا ہے میرا ڈرانا ☆

یعنی جس عذاب سے ڈرایا جاتا تھا وہ کیسا تباہ کن اور ہولناک ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ اس وقت تمہیں معلوم ہوگا کہ ڈرانے والے کا ہے سے ڈراتے تھے اس وقت تمہیں پتہ چلے گا کہ انبیاءؑ نے جن چیزوں سے ڈرایا تھا وہ معاذ اللہ واہی باتیں نہیں تھیں وہ ایک امر واقعہ تھا جو ہونے والا تھا تو اس وقت نذیروں کی نذارت کا پتہ چلے گا۔ ڈرانے والوں کے ڈرانے کا پتہ چلے گا۔ اس وقت تم ایمان لاؤ گے کہ سچ کہتے تھے وہ، لیکن اس وقت ایمان لانے سے کیا فائدہ کہ جب موت سر پر آ گئی، موت سے پہلے پہلے درجہ ہے ایمان کا بھی اور ڈرنے کا بھی۔

آخرت میں دو قسم کے لوگ ہوں گے:

پھر دو قسم کے لوگ ہوں گے ایک وہ کہ جنہوں نے تصدیق کی اور کچھ انبیاء علیہ السلام نے فرمایا انہوں نے اٰمنّا کہہ کر دل میں جگہ دی اور ان کے طریق پر چلے دنیا بھی بن گئی اور آخرت بھی ان کے لئے، ایک جھٹلانے والے تھے، جنہوں نے تکذیب کی اپنے غرور میں آ کر کسی نے دولت کے گھمنڈ میں، کسی نے رسمی تعلیم کے گھمنڈ میں، کسی نے اپنی تھوڑی سی عقل کے گھمنڈ میں وحی کو نہ مانا، انبیاءؑ کی باتوں کو جھٹلایا۔ (معارف حکیم الاسلام قاسمیؒ)

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ

اور جھٹلا چکے ہیں جو

قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۱۸﴾

ان سے پہلے تھے پھر کیسا ہوا میرا انکار ☆

۱۲ یعنی "عاد" و "ثمود" وغیرہ کے ساتھ جو معاملہ ہو چکا ہے اس سے عبرت پکڑو۔ دیکھ لو ان کی حرکات پر ہم نے انکار کیا تھا تو وہ انکار کیسے عذاب کی صورت میں ظاہر ہو کر رہا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ اس وقت وہ لوگ کہ جو جھٹلانے والے تھے جب وہ انجام بد سامنے آئے گا تب وہ کہیں گے واقعی جو نکیر کی جا رہی تھی وہ اب سامنے آ گئی۔

بچے کی مثال:

بالکل اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کہ ایک بچہ ماں کے پیٹ میں نو مہینے سے اندر پرورش پا رہا ہے اور وہ یوں سمجھتا ہے کہ میری زمین اور آسمان بس یہی ہے ماں کا پیٹ۔ اس کا دھیان ہی آگے نہیں جاتا ایک آنے والا وہاں خبر دے کہ جس عالم میں بسر کر رہا ہے یہ تو مہا گندا عالم ہے، بہت تھوڑا سا عالم ہے۔ ایک عالم ہے دنیا بڑا بھاری عالم ہے ماں کے پیٹ سے جیسے مکان کروڑوں بن سکتے ہیں اس کے اندر تو اگر وہ کم عقل ہے بچہ تو یوں کہے گا یہ واہی باتیں کہہ رہا ہے بھلا اس سے بڑھ کر کوئی اور عالم ہو سکتا ہے حیض کا خون مل رہا ہے کھانے کو اور پانی کے اندر میں تیر رہا ہوں کتنا اعلیٰ مکان ہے اس کے بساط میں ہی نہیں کہ وہ دنیا کو سمجھے اس نے دنیا کو جھٹلایا لیکن جب پیدا ہوا اور دنیا میں آیا تو اس نے دیکھا کہ واقعی ماں کے رحم جیسے کروڑوں عالم بن سکتے ہیں اس دنیا میں وہاں غذا ملتی تھی گندے خون کی یہاں اعلیٰ درجے کی مٹھائیاں ہیں تو کہنے والا سچ کہتا تھا میں نے جھٹلایا اب وہ نادم ہے لیکن جب اس دنیا میں آ گئے تو اسی آنے والے نے پھر کہا اب ایک دفعہ تو جھٹلا چکا ہے اب میں خبر دیتا ہوں کہ اس دنیا کے بعد ایک اور بڑا عالم آنے والا ہے، جس کو عالم برزخ کہتے ہیں اور وہ اتنا بڑا ہے کہ دنیائیں جیسی کروڑوں بن سکتی ہیں اس کے اندر۔ جب ایک میت کے سامنے قبر وسیع کی جائے گی اور حد نظر تک ایک عالم نظر آئے گا تو ایک ایک برزخ والے کو اتنا بڑا ملک ملے گا جیسی ایک دنیا تو دنیائیں کروڑوں بن سکتی ہیں عالم برزخ میں سے، اتنا بڑا عالم ہے تو آنے والا کہتا ہے کہ ایک دفعہ تو نہیں سمجھا تھا مگر اب سمجھا، اس کے بعد ایک عالم آنے والا ہے اور اس کے بعد ایک اور عالم آنے والا ہے جس کو عالم جنت کہتے ہیں تو یہ برزخ جیسے کروڑوں عالم اس میں سے بن جائیں وہاں ادنیٰ جنتی کا حصہ دس دنیا کے برابر ہوگا یہاں تو ایک ہی دنیا کے برابر ہے تو جھٹلانے والے تو اخیر تک جھٹلاتے جائیں گے اور تصدیق کرنے والے ابتداء ہی سے تصدیق کرتے ہیں کہ یہ بھی سچ کہا کہنے والے نے اگلی بات بھی سچ کہی، اس سے اگلی بھی سچ کہی، تو تصدیق کرنے والا امن میں ہے اس لیے جسے مان لیا تھا وہ چیز آ گئی اس کی آنکھوں کے سامنے، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا۔ اہل جنت کہیں گے ہم سے تو اللہ نے جو بھی وعدے کیے تھے ٹھیک کیے تھے اس کے مطابق پا لیے تمام انعامات ہمیں مل گئے تمہیں بھی وہ چیز مل گئی جس کا تم سے کہا گیا تھا کہ اگر نہیں مانو گے تو جہنم ملے گی تو تمہیں مل گیا اللہ کا وعدہ؟ قَالُوْا نَعَمْ کہیں گے ہاں اب ہم اقرار کرتے ہیں کہ مل گیا لیکن اس وقت کا اقرار کام نہیں دے گا۔ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ۔ ایک نداء کرنے والا نداء کرے گا کہ ان ظالموں پر اللہ کی لعنت جواب آ کر سمجھے ہیں وہاں ایمان نہیں لائے تو بعد میں ایمان لانا وہ ایمان نہیں ہے وہ تو مجبوری کا ایمان ہے

جب موت کے فرشتے سامنے آ گئے اور آنکھوں سے نظر آ گئے اب کوئی کہے میں ایمان لاتا ہوں وہ ایمان نہیں۔

ایمان کہتے ہیں غیب کی خبر کے ماننے کو:

ایمان کہتے ہیں غیب کی خبر کو ماننا غیب کی خبر اس نے نہیں مانی تو وہ فرعون کا سا ایمان ہے فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا موسیٰ علیہ السلام کی بات نہیں مانی، جب غرق کیا گیا اور گلے گلے پانی آیا تو اس وقت کہا کہ میں ایمان لایا موسیٰ کے خدا پر بنی اسرائیل کے خدا پر اس وقت فرمایا گیا آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ اب ایمان لایا اور چار سو برس تک زمین میں فساد پھیلایا وہاں تو موسیٰ کی بات نہ مانی اب کہتا ہے کہ میں ایمان لایا تو وہ تو ایمان مجبوری کا ہے جب آنکھوں کے سامنے عذاب آ گیا تو اب بھی ایمان نہیں لائے گا تو اسے ایمان تھوڑا ہی کہتے ہیں تو وقت کے بعد کسی چیز کو سمجھنا وہ ایسا ہی ہے جیسے مثل مشہور ہے فارسی کی۔

مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید بر کلہ خود باید زد

دشمن نے جب آ کر گھیر لیا اور سب ہتھیار بیکار ہو گئے اس وقت کہا کہ "افوہ وہ! قلعے میں فلاں ہتھیار بھی تو رکھا ہوا ہے تو اب اس ہتھیار کو اپنے منہ پر مارنا چاہیے دشمن تو قابض ہو گیا تو بعد از وقت جو چیز یاد آتی ہے وہ بیکار ہوتی ہے اس لیے فرمایا جا رہا ہے کہ نعمتوں کے زمانے میں یاد کرو ہمیں جب آ پڑی مصیبت اس وقت کا یاد کرنا یاد نہیں کہلائے گا۔

حدیث قدسی:

ایک حدیث میں ہے جو حدیث قدسی ہے حق تعالیٰ بندوں سے خطاب کرتے ہیں کہ: "اے بندے! تو اپنی صحت کے زمانہ میں مجھے یاد کرتا کہ تیری بیماری کے زمانہ میں میں تجھے یاد رکھوں اور اے بندے تو اپنی نعمت کے زمانہ میں مجھے یاد رکھتا کہ تیری مصیبت کے زمانہ میں میں تجھے یاد رکھوں اور اپنی زندگی میں مجھے یاد کرتا کہ تیری موت کے وقت میں تیری دست گیری کروں"

جب اس وقت یاد نہ کیا تو موت کے وقت کیا یاد کریگا اور جب نعمت میں یاد نہ کیا تو مصیبت کے وقت کیا یاد کریگا؟ تو یاد کرنا ہے تو قبل از وقت یاد کرے آدمی۔

سات قسم کے افراد قیامت کے دن عرش الٰہی کے سائے میں ہوں گے

اسی واسطے فرمایا گیا حدیث شریف میں کہ سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ. سات قسم کے افراد ہوں گے جن کو قیامت کے دن عرش کے سائے میں جگہ دی جائے گی جب کہ کوئی سایہ نہیں ہوگا بجز اللہ کے سائے کے ان میں سے ایک قسم فرمائی گئی ہے کہ شَابٌّ نَشَاَ لِعِبَادَةِ اللّٰهِ وہ نوجوان جس نے جوانی میں اللہ کو یاد کیا اور عبادت میں گزارا وقت اس لیے کہ بڑھاپے میں اگر عبادت کرے وہ زیادہ عجیب بات نہیں۔ جب قبر میں پیر لٹکا چکا آدمی دنیا کی قوتیں جواب دے گئیں جذبات سرد پڑ گئے امنگ باقی نہیں رہی کھٹے میٹھے کی طرف کوئی توجہ نہ رہی اب بھی اللہ کو یاد نہ کرے گا تو اور کونسا وقت آئے گا تو وہ مجبوری کا یاد کرنا ہے اس لیے فرمایا گیا کہ یاد کرنا وہ ہے کہ جوانی کے زمانہ میں یاد کرلے آدمی جب کہ امنگوں کے سبز باغ سامنے ہیں امنگیں سامنے ہیں دنیا کی بہاریں سامنے ہیں قوت اندر موجود ہے اس وقت ہر چیز سے کٹ کر آدمی متوجہ ہو اللہ کی طرف وہ زیادہ عجیب چیز ہے تو وقت آنے سے پہلے پہلے یاد کرلے یہی یاد کہلاتی ہے اور وقت آ جانے کے بعد یاد کرے وہ یاد یاد نہیں ہے اس لیے اس آیت میں توجہ دلائی گئی۔

وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ زمین سے فائدہ اٹھاؤ چلو پھرو ہمارے خزانوں سے منتفع ہو مگر اسے یاد رکھو کہ لوٹ کر ہماری طرف آنا ہے۔

قیامت کے دن ایک ایک ذرہ کا حساب دینا پڑیگا:

اور حساب دینا پڑیگا ایک ایک چیز کا ایک ایک ذرہ کا حساب دینا ہوگا اس کو ایک جگہ فرمایا گیا قرآن کریم میں کہ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ پھر قیامت کے دن نعمتوں کا سوال کیا جائے گا تم سے کہاں سے کمایا کس طرح استعمال کیا۔

نعیم کی تفسیر:

اور نعیم کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ سردی کے زمانہ میں گرم پانی بھی نعیم ہے پوچھا جائے گا کہ سردی میں ہم نے گرم پانی دیا تم نے کیا شکر ادا کیا اور گرمیوں کے زمانے میں ٹھنڈا پانی بھی نعیم میں داخل ہے تو سوال کیا جائے گا کہ برستی ہوئی آگ میں ہم نے تمہیں ٹھنڈا پانی دیا تم نے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہا یا نہیں؟ تم نے توجہ کی ہماری طرف یا نہیں؟ وہاں ایک ایک ذرہ کا سوال کیا جائے گا ایک ایک چیز کا اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ. یہ ساری اربوں کھربوں مخلوق ہر ایک سے اس کی اربوں کھربوں چیزوں کا سوال کیا جائے گا اور حق تعالیٰ سوال کرلیں گے اور پچاس ہزار برس کا دن رکھا ہے قیامت کا تاکہ ساری امتوں کا حساب اس دن آ جائے تو ایک ایک چیز کا سوال کیا جائے گا تو اس سے پہلے کہ وہاں سوال کیا جائے یہیں اپنے ذہن سے کیوں نہ سوال کرو حدیث میں ہے حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا قبل اس کے کہ حساب لیا جائے قیامت کے دن تم ہی اپنا کچا چٹھا کیوں نہیں درست کرلیتے یہاں، پہلے ہی اپنا حساب کیوں نہیں لے لیتے ایک معمولی سا عمل ہے اگر اسے ہی کرلے آدمی تو ساری زندگی درست ہو جائے۔

سونے سے پہلے مراقبہ:

آپ بہر حال دن بھر کام کاج کر کے رات کو پڑ کے سوتے ہیں چارپائی پر لیٹ کر ایک دس منٹ مراقبہ کرلے آدمی یہ سوچے کہ آج دن بھر میں میں

نے کتنی اللہ کی اطاعت کی ہے کتنی نافرمانی۔ نعمتوں پر کتنا شکر ادا کیا کتنا غفلت میں گزارا، جتنی چیزیں غفلت میں گزریں، جتنی چیزیں معصیت کی ہوں گناہ کی ہوں سچے دل سے توبہ کرے اور فرمایا گیا اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ جیسے کیا ہی نہیں تھا اس نے گناہ اگر حقوق العباد ہیں تو سوچ لے کہ رات کو پڑ کے کہ کس کس کی حق تلفی کی ہے۔ مال کی حق تلفی۔ کسی کو گالی دی ہے۔ کسی کو تیز جملہ کہا ہے کسی کا دل دکھایا ہے۔ یہ بھی حق تلفی ہے اگلے دن اس سے معذرت کرلے بھئی وقتی بات تھی جذبہ آ گیا تھا میں نے تمہیں یہ کہہ دیا تم اللہ کے لیے معاف کرو کچا چٹھا صاف ہوگیا کسی کی چیز زبردستی جھپٹ لی ہے واپس دے دو اگر وہ خود تمہیں رضا سے دیدے لے کے رکھ لو معاملہ صاف ہوگیا کسی کو گالی دی ہے اس سے معافی مانگ لو معاملہ صاف ہوگیا.........تو قبل اس کے کہ ان گالیوں کا ان معصیتوں کا وہاں حساب لیا جائے اس سے پہلے ہی کیوں نہ حساب لیا جائے تو اگر روزانہ آدمی سوتے وقت ایک دس منٹ سوچ لے تو دن بھر کی تو ساری باتیں یاد رہتی ہیں کہ کتنی نیکیاں کیں کتنی بدیاں کیں، جتنی بدیاں کی ہیں ان سے توبہ کرلے جتنی نیکیاں کی ہیں کہے اے اللہ! تیرا شکر ہے میں تو اس قابل نہیں تھا کہ یہ نیکی انجام دوں تیری توفیق بخشی سے انجام دیں تو شکر پر وعدہ ہے کہ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ۔ جتنا شکر کرو گے نعمت پر نعمتوں کو میں بڑھاتا جاؤں گا نیکیوں پر شکر کیا تو نیکیاں بڑھتی جائیں گی اور بدی سے توبہ کی تو وہ گھٹتی رہے گی تو روزانہ اگر آدمی کچا چٹھا صاف کرلے بدیاں مٹا دے نیکیوں میں اضافہ کرلے کونسی مشکل بات ہے اگر پانچ دس منٹ سوچ لیا کرے چارپائی پر لیٹ کر روز کا روز حساب ہوتا رہے گا اور اگر نہیں سوچتا اور اس غرض میں ہے کہ جب موت کا وقت آئے گا جب کرلوں گا اکٹھی توبہ تو اول تو جسے آج توفیق نہیں ہوئی کیا ضروری ہے کہ کل کو توفیق ہوگی۔ کل جب آئے گی تو کہے گا کل کرلوں گا پھر وہ کل آئے تو کل کل میں گزر جائے گی اسے موقع ہی نہیں ملے گا اور اگر موقع بھی ملا موت سے قبل تو اس وقت کہاں اتنا موقع ہے کہ اہل حقوق کے حقوق ادا کرے اور جو چیزیں کی ہیں ان کی تلافی کرے وہ تو مرنے کا وقت ہے اس واسطے قبل از موت کرے۔

قبل از موت محاسبہ میں سہولت:

اس میں سہولت یہ ہے کہ روز کا روز حساب کرتا رہے گا تو نامہء اعمال درست ہوتا رہے گا جیسے ایک سرکاری ملازم ہو اگر وہ روز کا روز اپنا حساب دیکھ لے کاغذات درست کرلے وہ مطمئن رہے گا کہ چیکر جس وقت بھی آ جائے گا میں پیش کردوں گا۔ یہ میرا حساب صاف ہے ہر وقت اسے امید لگی ہوئی ہوگی اور وہ چاہتا ہوگا کہ کوئی چیکنگ کرنے کے لیے آئے تا کہ میرا صاف ستھرا حساب دیکھے تو میری ترقی ہوگی اور گورنمنٹ سے میرا اعزاز ہوگا اور ایک وہ ملازم ہے کہ اپنا وقت آرام سے گزار رہا ہے اس نے کہا غلطیاں ہیں مہینہ کے ختم پر کرلوں گا اکٹھی۔ لیکن جب مہینہ گزرنے نہیں پایا کہ بیچ میں چیکر آ گیا اب جو چیکنگ کی تو معلوم ہوا کہ سارا حساب غلط ہے تو سوائے برخواستگی کے، سوائے جرمانے کے سوائے جیل خانہ کے اور کیا ہوگا اس کے لیے؟ تو بہترین شخص وہ ہے جو روز کا روز حساب اپنا درست کرلے تا کہ انجام کے وقت مطمئن ہوکر چلا جائے کہ میرا چٹھا تو صاف ہے۔

آنرا کہ حساب پاک است　　از محاسبہ چہ باک

جس کا حساب صاف ہے اس کو محاسبہ اور چیکنگ سے کوئی بھی ڈر نہیں ہوگا وہ تو تمنا میں رہے گا کہ کاش کوئی چیکنگ کرے تو میرا انعام بڑھے میری ترقی ہو اس لیے میں نے عرض کیا کہ مہینہ اور سال کو چھوڑ کر اگر روز کا روز سوتے وقت آدمی غور کرلیا کرے کہ کتنی میں نے حق تلفیاں کیں اور کتنی ادائیگیاں کیں حقوق کی۔ جتنی ادائیگی اللہ کے حقوق کی، بندوں کے حقوق کی ہوئی شکر کرے حمد کرے اور کہے کہ اللہ یہ تیری توفیق سے ہوا میں تو اس قابل نہیں تھا اور جتنی غلطیاں ہوئیں فوراً معافی مانگ لے اہل حقوق ہیں ان سے معاف کرالے۔ وہ صاف ستھرا رہے گا پھر اس کے قلب میں تشویش نہ ہوگی طمانیت ہوگی بشاشت ہوگی بادشاہوں کی مانند اس کی زندگی ہوگی کہ میں کسی کا قرض دار نہیں ہوں کسی کا دیندار نہیں ہوں وہ بادشاہوں کی طرح بسر کرے گا یہ بہتر ہے کہ ایک فقیر پریشان پراگندہ حال کی طرح زندگی بسر کرے یا یہ بہتر۔ [illegible] بادشاہ بن کر زندگی بسر کرے؟ جس کا قلب صاف ہے وہ بادشاہت [illegible] جس کے قلب میں بے چینی ہے وہ فقیر ہے پریشان حال ہے تو [illegible] پریشانی کو دور کرنے کی صورت شریعت نے رکھی محاسبہ کہ روزانہ اپنا حسا[illegible] کیا کرے اس لیے فرمایا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ نعمتوں کے استعمال سے ہم [illegible] روکتے مگر دو باتیں چاہتے ہیں ایک تو یہ کہ حدود میں ہو استعمال حد سے گزرا ہو[illegible] ہو اور ایک یہ کہ موت کو یاد کرتے رہو بےفکر ہوکر مت رہو۔

مسلمان کی حقیقت متفکر ہونا ہے:

تو گویا مسلمان کی حقیقت نکلی متفکر وہ فکر میں رہے کہ میرے سے کسی کی حق تلفی نہ ہو جائے، ہر وقت فکر لگی ہوئی ہو اسی کو حدیث میں فرمایا گیا ہے تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ ایک گھڑی فکر کرنا اپنے معاملہ میں یہ ایک برس کی عبادت سے زیادہ بہتر ہے اس لیے کہ صحیح فکر سے ایک برس کی عبادت کا رستہ درست ہو جاتا ہے کھل جاتا ہے تو بےفکری عبادت کارآمد نہیں ہے فکرمندانہ عبادت ہوگی وہ کارآمد ثابت ہوگی اس لیے وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ سے توجہ دلائی گئی کہ حساب آتا ہے اور ہماری طرف پہنچنے والے ہو تم اس وقت کو پیش نظر رکھ کر کرو جو تمہارا جی چاہے کرو چاہے اسلام اختیار کرو چاہے کفر، مگر یہ سمجھ لو کہ حساب دینا ہے اور اگر یہ کہو کہ ہمارے فرشتے وقت پر نہیں آئیں گے

اول یہ خام خیالی ہے لیکن اگر یہ ہو بھی تو فرشتوں کو بھیجنے کی ضرورت ہی نہیں ہے یہ زمین ہی کافی ہے تمہارے لیے بادل ہی کافی ہیں، مچھر ہی کافی ہے وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ اللہ کے لشکروں کو کوئی نہیں جانتا کہ کہاں کہاں ہیں چاہے مچھروں سے کام لے لے چاہے چیونٹیوں سے کام لے لے چاہے بادلوں سے کام لے لے چاہے زمین سے کام لے لے، پہلے سے پہلے نذیروں کے ڈرانے کو یاد رکھو ایسا نہ ہو کہ وقت پر تمہیں یاد آئے تو کہو کہ واقعی ڈرانے والے صحیح کہہ رہے تھے ہم ہی غلطی کے اوپر تھے اس وقت کا اعتراف کارآمد ثابت نہیں ہوگا تو یہاں تک حق تعالیٰ نے گویا زمین کا جو صوبہ ہے اس کی حکومت کا اس کے متعلق ایک اجمالی صورت بیان فرمائی کہ نعمتوں کے استعمال کی اجازت دی، حدود بتلا دیں۔ (معارف حکیم الاسلام قاسمی)

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ
اور کیا نہیں دیکھتے ہو اڑتے جانوروں کو اپنے اوپر پر کھولے ہوئے
وَيَقْبِضْنَ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَٰنُ
اور پر جھپکتے ہوئے ان کو کوئی نہیں تھام رہا رحمٰن کے
إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ ﴿١٩﴾
سوائے اس کی نگاہ میں ہے ہر چیز ☆

قدرتِ خداوندی:

پہلے آسمان وزمین کا ذکر ہوا تھا۔ یہاں درمیانی چیز کا ذکر ہے یعنی خدا کی قدرت دیکھو پرندے زمین وآسمان کے درمیان کبھی پر کھول کر اور کبھی بازو سمیٹے ہوئے کس طرح اڑتے رہتے ہیں اور باوجود جسم ثقیل مائل الی المرکز ہونے کے نیچے نہیں گر پڑتے نہ زمین کی قوت جاذبہ اس ذرا سے پرندے کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے بتلاؤ رحمٰن کے سوا کس کا ہاتھ ہے جس نے انہیں فضاء میں تھام رکھا ہے۔ بیشک رحمٰن نے اپنی رحمت وحکمت سے ان کی ساخت ایسی بنائی اور اس میں وہ قوت رکھی جس سے وہ بے تکلف ہوا میں گھنٹوں ٹھہر سکیں۔ وہ ہی ہر چیز کی استعداد کو جانتا اور تمام مخلوق کو اپنی نگاہ میں رکھتا ہے۔ شاید پرندوں کی مثال بیان کرنے سے یہاں اس طرف بھی اشارہ ہو کہ اللہ آسمان سے عذاب بھیجنے پر قادر ہے اور کفار اپنے کفر وشرارت سے اس کے مستحق بھی ہیں لیکن جس طرح رحمٰن کی رحمت نے پرندوں کو ہوا میں روک رکھا ہے عذاب بھی اسی کی رحمت سے رکا ہوا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حق تعالیٰ کی مملکت کے تین علاقے ہیں:

حق تعالیٰ کی مملکت کے تین علاقے ہیں جو اس سورۃ میں بیان فرمائے گئے ہیں ایک سموات، آسمان اور اس کی مخلوق اور اس پر حکمرانی کا انداز اور ایک جو اور فضا آسمان اور زمین کے درمیان میں ہے اس پر حکمرانی کا طریق، تو دو علاقوں کے بارے میں میں نے بقدر ضرورت تفسیر عرض کی آج یہ تیسرا علاقہ ہے جو اور فضا کا جس کو شروع کیا گیا أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ وَيَقْبِضْنَ سے اور اس کی بنا یہ ہے کہ زمینی مخلوق میں انسانوں کو توجہ دلائی گئی ہے کہ وہ اللہ کی حکومت کو مانیں اور اس کے قانون پر چلیں اگر ایسا نہیں کریں گے تو ان پر بلیات اور فتنے برسیں گے اور وہ مصائب میں مبتلا ہوں گے منجملہ ان کے دو چیزیں بیان فرمائی گئی تھیں کہ کیا تم آسمان والے سے مطمئن ہو کر بیٹھ جاؤ گے اس سے کہ زمین تمہیں دھنسا دے اور خسف کر دیے جاؤ یا یہ کہ آسمان سے پتھر برسا دیئے جائیں اور ان سے پتھراؤ ہو جائے انسانوں پر اس پر انسان اگر سلامتی کے ساتھ غور کرے اور اطاعت شعاری کے جذبے سے غور کرے تو بات بالکل سیدھی اور صاف ہے۔

انسان میں یہ روگ ہے کہ وہ اللہ کے احکام میں خود رائی کو دخل دیتا ہے

مگر انسان میں ایک روگ یہ ہے کہ وہ اللہ کے احکام میں خود رائی کو دخل دیتا ہے اور اس خود رائی کا منشاء ہوتا ہے اپنی دی ہوئی عقل، تو عقل تو دی گئی تھی اس لیے کہ اللہ کے احکام کو سمجھے اور غور کرے اور کوئی شبہ پیش آئے تو عقل سے اس شبہ کو صاف کرے اس نے عقل کو استعمال کیا معارضہ میں اور حق تعالیٰ کی مقابلہ میں عقل کو ذریعہ بنایا اللہ کے احکام میں طرح طرح کے شبہات نکالنے کا، شکوک پیدا کرنے کا اور اس میں الجھنے کا، تو قلب موضوع ہو گیا دی گئی تھی عقل اس لیے کہ سمجھے احکام کو اور کوئی شبہ طبعی طور پر پیش آئے تو عقل سے اسکو دفع کر لے اس نے کیا یہ کہ عقل کو لڑائی کا ذریعہ بنایا اللہ سے، اور اس کے احکام میں طرح طرح کے شکوک وشبہات نکالنے شروع کیے اور معارضہ شروع کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ گویا یہ احکام معاذ اللہ عقل کے خلاف ہیں پھر میں کیوں مانوں انہیں۔

انسان کو عقل تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے دی گئی تھی:

تو اپنی براءت ذمہ کے لیے اس نے عقل کو استعمال کیا حق کے مقابلہ میں حالانکہ عقل دی گئی تھی حق کی اطاعت کے لیے کہ پوری طرح سمجھو تو یہاں بھی انسان نے یہی کہا کہ جب فرمایا کہ ہم آسمان سے پتھر برسا دیں گے تو اس نے کہا بھلے یہ کیسے ہو سکتا ہے پتھر تو ایک وزنی چیز ہے اور وزن دار چیز ہمیشہ نیچے کی طرف کو آتی ہے زمین مرکز ثقل ہے اور وہ اپنی طرف کھینچتی ہے اسے اوپر نہیں جانے دیتی تو آسمان میں پتھر کہاں جو وہاں سے برسیں یہ عقل کے خلاف ہے کہ وزنی چیزیں اوپر جائیں حالانکہ اگر وہ اس پر غور کرتا کہ جس خالق نے یہ چیزیں پیدا کیں ہیں اور ان میں طبعی رفتار رکھی ہے تو

طبیعت کا پیدا کرنے والا بھی تو وہ ہی ہے اگر وہ بدل دے طبیعت کو تو اس کے اختیار میں ہے اتنا تو اس کا اختیار سمجھا کہ وہ طبیعت کے مطابق بنادے اور یہ نہ سمجھا کہ طبیعت کے خلاف کرے۔

طبیعت کا خالق طبیعت کو اس کے خلاف بھی چلا سکتا ہے:

حالانکہ جو خالق ہے طبیعت کا وہ طبیعت کو ادھر بھی چلا سکتا ہے، طبیعت کے خلاف کرے تو طبیعت اس پر حاکم تو نہیں حاکم تو وہ ہے طبیعت کے اوپر۔ ایک درخت جب پیدا ہوتا ہے اور آپ منوں مٹی کے نیچے بیج ڈال دیتے ہیں اس بیج میں سے کونپل نکلتی ہے کونپل اتنی کمزور ہے کہ اگر چٹکی سے مسلیں تو مسل دی جائے لیکن اللہ نے اس کو اتنا طاقتور بنایا کہ منوں مٹی کے جگر چیر کر وہ اوپر کی طرف آتی ہے حالانکہ طبیعت یہ تھی کہ نیچے کی طرف کو جائے پتے کو اگر آپ چھوڑیں گے وہ نیچے کی طرف جائے گا اوپر نہیں جائے گا لیکن وہی پتہ جب بیج سے نکلتا ہے تو جاتا ہے اوپر کی طرف اول تو منوں مٹی کو چیرتا ہے اس کے جگر کو شق کر کے باہر نکلتا ہے پھر باہر نکل کر بھی یہ نہیں کہ نیچے کی طرف جائے وہ چڑھ کر آسمان کی طرف جاتا ہے اور ایک بڑا تناور درخت بن جاتا ہے یہ طبیعت کو کس نے بدل دیا طبیعت تو یہ چاہتی ہے کہ درخت نیچے کی طرف آئے لیکن نیچے کے بجائے اسے اوپر کی طرف لے گئے تو قدرت ہے مالک کی وہ اس طبیعت کے خلاف حکم جاری کر دے تو طبیعت کو اپنے خلاف چلنا پڑے گا طبیعت کے موافق اگر حکم دے موافق چلنا پڑے گا طبعی چیز یہ ہے کہ آدمی اگر نقش ونگار بنائے تو کاغذ پر بنا سکتا ہے پتھر پر بنا سکتا ہے لکڑی پر نقش ونگار بنا سکتا ہے لیکن کیا یہ کسی کو قدرت ہے کہ پانی کے اوپر نقاشی کر دے مگر اس کی قدرت یہ ہے کہ ایک گندے پانی کے قطرے کے اوپر ایسے نقش ونگار بناتا ہے کہ انسان بن جاتا ہے تو ایک پانی کے قطرے پر نقاشی کرنا یہ آپ کی طبیعت کے خلاف ہے لیکن اللہ کی قدرت کے تو خلاف نہیں تو جب قدرت والے کو قدرت والا مان لیا تو مان کر پھر اسے مقید کرنا کہ آپ ادھر کو چلیں ادھر کو نہ چلیں یہ انسان کی کج فطرتی کی بات ہے ورنہ وہ یوں کہتا کہ طبیعت کو چلا دیا یہ بھی اس کی قدرت ہے پتھروں کو نیچے ڈال دے یہ بھی اس کی قدرت ہے اور اوپر اٹھا کر لے جائے یہ بھی اس کی قدرت ہے تو پہلے غور کرنا چاہیے تھا عقل سے مگر عقل کو مقابلہ پر استعمال کیا اللہ کی قدرت کے، اور اپنی موافقت کے گویا عقل میری ہے اور میری تائید کرے گی آپ کے خلاف کرے گی اور یہ نہ جانا کہ عقل بھی انہی کی پیدا کی ہوئی اور تم بھی انہی کے پیدا کیے ہوئے تمہیں حق کیا ہے کہ مالک کے خلاف چلو اور اپنے آلات اور قوئی کو اس کے خلاف میں استعمال کرو تو یہ تو ہے ایک عقلی چیز۔

عقلی شبہ کے دو جواب دیے گئے:

لیکن حق تعالیٰ نے جواب دیا دو طرح پر ایک تاریخ پیش کی اور ایک حسی مثال پیش کی تاریخ کی طرف تو اشارہ کیا وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے کہ پچھلوں نے بھی اعتراضات کیے لیکن پچھلوں پر تاریخ شاہد ہے کہ پتھر برسائے گئے لوط کی قوم پر پتھر برسا دیئے گئے ایک تاریخی واقعہ ہے اور سچی تاریخ ہے اور سچائی سے بیان کیا گیا ہے تو اسی کو دیکھ کر عبرت پکڑو تھوڑی سی کہ جس نے ایک قوم پر برسا دیا پتھروں کو وہ آج بھی برسا سکتا ہے، گنہگار جب بھی تھے اور آج بھی ہیں۔ (معارف حکیم الاسلام قدس سرہٗ)

> اَمَّنْ هٰذَا الَّذِىْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ
>
> بھلا وہ کون ہے جو فوج ہے مدد کرے تمہاری
>
> مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِىْ غُرُوْرٍ ۚ
>
> رحمٰن کے سوائے منکر پڑے ہیں بُرے بہکائے میں ☆

اللہ سے بچانے والا کون ہے:

یعنی منکر سخت دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اگر یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے باطل معبودوں اور فرضی دیوتاؤں کی فوج ان کو اللہ کے عذاب اور آنیوالی آفت سے بچالیگی؟ خوب سمجھ لو رحمٰن سے الگ ہو کر کوئی مدد کو نہ پہنچ گا۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہوگا کہ کیا انہوں نے ایسی مصنوعات دیکھ کر اس بات کو نہیں سمجھا کہ خسف زمین اور سنگبار طوفان کا عذاب دینے پر اللہ کو قدرت حاصل ہے یا ان کے پاس ان کا کوئی جتھا اور لشکر ایسا ہے جو رحمٰن کے مقابلے میں ان کی حمایت کر سکے اور خدا کے بھیجے ہوئے عذاب کو دفع کر سکے۔

جُنْدٌ لَّكُمْ. جند سے مراد وہ بت ہیں جنکو اہل شرک معبود قرار دیتے تھے یعنی یہ بات تو تصور میں ہی نہیں آتی کہ یہ بت مدد کر سکیں یا تم کو رزق دے سکیں یا جند سے مراد کافروں کے حمایتی ہیں (تفسیر مظہری)

یہ امت عام عذابوں میں مبتلا نہیں کی گئی:

یہ تو رحمۃ للعلمین کا فضل ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عامہ کا فضل ہے کہ اس قسم کے عام عذابوں میں امت کو مبتلا نہیں کیا گیا۔ لیکن اس کی نفی بھی نہیں کی گئی کہ اگر ضرورت پڑی تو اس امت پر بھی ہم عذاب نازل کریں گے حدیث میں فرمایا گیا ہے لَيْسَ عَذَابُ اُمَّتِىْ الْخَسْفُ وَ الْمَسْخُ وَالرَّجْمُ اِنَّ عَذَابَ اُمَّتِى الْفِتَنُ وَالْقَتْلُ وَالزَّلَازِلُ میری امت کا عام عذاب یہ نہیں ہوگا کہ ان کی صورتیں مسخ کر دی جائیں جیسے پچھلی امتوں کو بندر بنا دیا گیا تھا۔ بعضوں کو خنزیر بنا دیا گیا۔ اس امت پر یہ رحمت ہے کہ عام طور سے نہیں ہوگا لیکن جزوی طور سے اگر ہو جائے کسی کو مسخ کر کے خنزیر کی شکل بنا دیا جائے یا کسی کو بندر کی صورت دے دی جائے تو یہ آج بھی ممکن ہے اور واقعات پیش آئے ہیں۔

قرآن مجید کی توہین کا عبرت انگیز واقعہ
ایک عورت کی شکل خنزیر کی شکل سے بدل دی گئی

ابھی پچھلے دنوں آپ نے سنا ہوگا کہ اخبارات میں ایک واقعہ آیا بھوپال میں یہ قصہ گزرا اور وہ یہ ہے کہ ایک عورت کے اولاد نہیں ہوتی تھی تو اس نے کسی سادھو سے رجوع کیا اور کہا کہ کوئی تدبیر ایسی بتایئے کہ میرے اولاد ہو جائے ۔اس کم بخت نے کہا کہ قرآن شریف کو نیچے رکھ کے اس کے اوپر بیٹھ کے غسل کر تو تیرے اولاد ہو جائے گی حالانکہ وہ مسلمان عورت تھی ۔لیکن بعض دفعہ عورتیں اولاد کی طمع میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیتی ہیں اور اس قسم کے ٹونے اور ٹوٹکوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں اس ظالم نے یہ حرکت کی اور ایمان کو پس پشت ڈال کر قرآن شریف پر بیٹھی اور وہاں سے جب اٹھ کر آئی تو اس کی صورت خنزیر کی سی تھی بال وال تو سر پر تھے جس سے یہ پہچانا گیا کہ وہ انسان تھی لیکن اس کی شکل مسخ ہو گئی یہ اخبارات میں بھی آیا۔اور بعضوں کو یہ شبہ ہے کہ صاحب اخبار نے کیوں اس واقعہ کو لکھ دیا اس سے تو معاذ اللہ اسلام کی توہین ہوئی کہ ایک مسلمان بدک گیا۔میں کہتا ہوں کہ قرآن شریف میں اس قسم کے واقعات کیوں بیان کیے کہ پچھلی امتیں مومن ہوتے ہوئے جب حق کے مقابلہ پر آئیں تو انہیں خنزیر کی صورت دے دی گئی اس سے اس دور کے اسلام کی توہین نہیں تھی تو آج بھی اگر اس قسم کا واقعہ آئے اور وہ عام کیا جائے تو اس میں کیا اسلام کی توہین نہیں یہ تو کفر کی توہین ہے کہ اسلام کو چھوڑ کر جب کفر اختیار کیا تو صورت مسخ ہوئی اگر عیاذاً باللہ یہ ہوتا کہ اسلام قبول کرنے پر تلاوت قرآن کرنے پر معاذ اللہ صورت بگڑ جاتی تو اسلام کی توہین تھی لیکن اسلام کو چھوڑ کر کفر کی طرف آنے میں صورت بگڑی تو اسلام کی عظمت نمایاں ہوئی کفر کی اہانت اس میں واضح ہوئی تو یہ اسلام کی توہین نہیں بلکہ کفر کی توہین ہے ۔اور اسلام کی عظمت اس سے ظاہر ہوتی ہے ۔اور اگر اس میں اہانت تھی تو حق تعالیٰ قرآن میں ایسے واقعات ہی بیان نہ فرماتے ،تو اگر آج کے لوگوں نے اس قسم کے واقعات کو نقل کر دیا ہے تو قرآن کی پیروی کی کہ اللہ نے پچھلے واقعات نقل کیے انہوں نے سامنے کا واقعہ نقل کر دیا۔اسلام کی عظمت اس سے نمایاں ہو گئی بہر حال میرے عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ خسف یا مسخ یہ تو نہیں ہوگا رحمۃ للعالمین کی اس امت میں لیکن خاص خاص طور پر ہوگا۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ تقدیر کو جھٹلانے والے بعض طبقات دھنسا ئے جائیں گے زمین کے اندر۔اس امت کے اندر بھی ایسے ہی واقعات ہو ں گے ۔تو اگر ایسا واقعہ پیش آئے تو معاذ اللہ ،اس کو نقل کر دے مسلمان ،تو یہ ڈرانا ہوگا اس سے کہ دیکھو تقدیر کے خلاف کرنے میں یہ وبال پڑتا ہے لہٰذا تقدیر کی حمایت کرو اسلام کے مطابق چلو تا کہ اس قسم کے وبال سے بچ جاؤ ،تو قرآن کریم نے تاریخی واقعات کی طرف اشارہ کیا کہ پچھلے دور میں ہو چکا ہے ایسا، پورے طبقے کے طبقے مسخ کر دیے گئے پوری امت ڈرا دی جائے یا پوری امت دھنسا دی جائے اس واسطے کہ یہ امت دوامی اور ابدی ہے اس کے مٹنے کے بعد کوئی اور امت آنے والی نہیں ۔اس لئے قیامت تک یہ امت رہے گی اور ایک طبقہ حق پر رہے گا خلاف کرنے والوں پر اس قسم کے عذاب آئیں گے اور اس قسم کے وبال ڈالے جائیں گے ۔تو اشارہ دیا قرآن کریم نے کہ جنہوں نے پہلے تکذیب کی تھی ہُوا ان پر یہ واقعہ لہٰذا تم بچو اس قسم کی تکذیب سے کہ تم نہ کہیں مبتلا کر دیے جاؤ تو پہلی چیز تو یہ ہے کہ تاریخی واقعات سے عبرت پکڑو لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۔

قرآن کریم میں گزشتہ امتوں کے واقعات محض قصہ وکہانی کے لئے بیان نہیں ہوئے

قرآن کریم نے جو پچھلی امتوں کے واقعات بیان کئے ہیں وہ قصہ کہانی کے طور پر نہیں ہیں کہ وقت گزاری اور تفریح طبع کے لئے کچھ قصے سنا دیے ،وبیان کیے گئے ہیں عبرت کے لئے تا کہ آدمی غور کرے کہ پچھلوں کی ان حرکتوں پر جب یہ عذاب آیا تو آج اگر وہ حرکتیں ہوگئیں تو آج بھی عذاب آسکتا ہے یہی معنی اعتبار اور عبرت پکڑنے کے ہیں فرماتے ہیں إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ تمہارے سروں پر یہ پرندے اڑ رہے ہیں اور صَافَّاتٍ ٹکڑیاں اور جماعتیں بن بن کر اڑ رہے ہیں اگر ہوا اٹھا کر لے جاتی تو ایک کو دو کو چار کو ایک اتفاقی واقعہ پیش آتا لیکن یہ تو ترتیب وار صف بندی کر کے اڑتے ہیں ۔یہ تو ان کے شعور اور ارادہ کا دخل ہوا وہ اللہ نے ان کے اندر پیدا کیا تو يَقْبِضْنَ خدا کے سوا کسی نے روک رکھا ہے انہیں؟ اور وہ صف بن کر اڑتے ہیں جیسے مرغابیاں اڑتی ہیں تو ہمیشہ مثلث کی شکل میں اڑتی ہیں دو ٹکڑیاں ہوتی ہیں مثلث آگے ان کا سردار ہوتا ہے ،وہ آگے آگے چلتا ہے اور وہ پیچھے چلتی ہیں جیسے پریڈ کرتی ہوئی فوج جاتی ہے ۔ترتیب وار، یا مرغابیاں جب اڑتی ہیں تو ترتیب وار اڑتی ہیں ،بطیں جب اڑتی ہیں تو ترتیب وار اڑتی ہیں چھوٹی چڑیاں جب اڑتی ہیں تو ٹکڑیاں بن کر اڑتی ہیں ۔تو سارے نمونے دکھلا دیے انفرادی طور پر بھی پرندے اڑتے ہیں صف باندھ کر بھی اڑتے ہیں ،ٹکڑیاں بن کر بھی اڑتے ہیں ، معلوم ہوتا ہے کہ محض کوئی طبعی کارخانہ نہیں ہے بلکہ فاعل مختار کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں کہ کسی کو اس طرح بنا دیا اور کسی کو اُس طرح بنا دیا۔ اگر طبعی بات ہوتی تو طبیعت کی ایک رفتار ہوتی جب جانور گرا نیچے آپڑتا ،لیکن ترتیب وار اڑنا قاعدہ سے اڑنا معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص نظام کے تحت وہ اڑ رہے ہیں کسی اختیار کے تحت وہ اڑ رہے ہیں صفّت صفیں باندھ کر پرہ بن کر۔

ويَقْبِضْنَ اور ان پروں کو وہ سمیٹ دیتا ہے وہ پھر بھی اڑتے رہتے ہیں

اور فضا میں معلق ہو جاتے ہیں بہت دیر تک بعضے جانور نہیں اڑتے اور لٹکے ہوئے ہیں فضا میں، مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمٰنُ رحمان کے سوا کون ہے جس نے تھام رکھا ہے تو جو ان پرندوں کے اجسام کو اوپر تھام سکتا ہے۔

عقل کے پرستاروں سے سوال:

اگر میں کہوں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ قدرت دی ہے کہ جب آپ اینٹ پھینکتے ہیں تو بیس گز تک چلی جاتی ہے حالانکہ اینٹ بھی طبعی رفتار کا تقاضا ہے کہ نیچے آئے مگر آپ کے ارادہ کی قوت اسے اوپر پھینک دیتی ہے جب آپ کے ارادہ کی قوت ختم ہو جاتی ہے پھر وہ اصلی رفتار پہ آ کر اینٹ نیچے آ جاتی ہے تو آپ کے ارادہ میں تو یہ طاقت ہو کہ اینٹ کی طبیعت کے خلاف اسے اوپر پہنچا دے اور تمہارا ارادہ زیادہ سے زیادہ پچاس گز تک اس کی قوت جا سکتی ہے اللہ کا ارادہ لامحدود ہے وہ اگر پچاس ہزار گز تک اوپر اڑا دے تو اس کی طاقت سے بعید نہیں تو معلوم ہوا کہ باہر کی طاقت لے جا سکتی ہے اوپر اشیاء کو اور جتنی طاقت ہو گی اتنا ہی لے جائے گا۔ انسان کی طاقت محدود ہے کہ بیس گز اس نے پھینک دیا ڈھیلا۔ اور اللہ کی طاقت لامحدود ہے اس نے پچاس ہزار گز سے اوپر پھینک دیا پتھر کو اور پھر نیچے ڈال دیا تو مطلب یہ ہے کہ حسی طور پر دیکھو، عقلی طور پر دیکھو، تاریخی طور پر دیکھو، کوئی وجہ انکار کی نہیں ہے سوائے ڈھٹائی کے سوائے سرکشی کے اس واسطے فرمایا کہ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمٰنُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ اس واسطے کہ وہ ہر چیز کو بصیرت سے جانتا ہے اس لئے کہ وہی تو پیدا کرنے والا ہے اسے تو معلوم ہے کہ کس چیز میں میں نے کتنی قوت رکھی ہے اور کس طرح میں اسے استعمال کروں گا تو إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ۔ تم پتھر پھینکتے ہو تو تمہیں بصیرت حاصل نہیں ہے کہ اس کے اندر کیا قوت ہے کیا نہیں ہے؟ تم نے تو اٹھا کر ڈھیلا پھینک دیا۔ چلا گیا، وہ بصیرت کے ساتھ اپنی طاقت کے ساتھ لے جائے اس پر تو اعتراض اور تم جو بے بصیرتی کے ساتھ ایک حرکت کر گزرو اس پر کوئی اعتراض نہیں تو یہ سوائے عصبیت اور جہالت کے اور کیا چیز ہے کوئی عقلی دلیل تو نہیں ہے کہ انکار کرو۔ (معارف حکیم الاسلام قاسمی قدس سرہٗ)

أَمَّنْ هٰذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ

بھلا وہ کون ہے جو روزی دے تم کو اگر وہ رکھ چھوڑے اپنی روزی ☆

یعنی اللہ اگر روزی کے سامان بند کر لے تو کس کی طاقت ہے جو تم پر روزی کا دروازہ کھول دے؟ (تفسیر عثمانی)

کفار عبرت حاصل کرنے کے بجائے لڑنے کو مقصد بنائے ہوئے ہیں

حاصل اس کا یہ نکلا کہ تمہیں تو لڑنا ہی مقصود ہے اللہ میاں سے، نہ عقل سے کام لینا، نہ حس سے کام لینا، نہ تاریخ سے عبرت پکڑنا لڑنا مقصود، فرمایا کہ اچھا آؤ لڑو أَمَّنْ هٰذَا الَّذِي هُوَ جُندٌ لَّكُمْ يَنصُرُكُم مِّن دُونِ الرَّحْمٰنِ یہ کون ہے جو خدا کے مقابلے پر لشکر آئے گا تمہاری مدد کرے گا۔ اس لشکر کو بھی ہمیں بتا دو وہ کون سا لشکر ہے؟ یہ لشکر جتنا تم لاؤ گے اس مخلوق میں سے لاؤ گے یہ تو ہماری بنائی ہوئی چیز (ہے) تو ہماری بنائی ہوئی چیز ہمارے ہی مقابلے پر تھوڑا ہی آ سکتی ہے تمہاری کوئی بنائی ہوئی چیز ہو وہ تمہارے مقابلے پر نہیں آتی تو ہماری بنائی ہوئی چیز ہمارے مقابلے پر کیسے آ جائے گی؟ اور تم جو بھی لشکر لاؤ گے وہ مخلوق میں سے لاؤ گے اس لیے کہ خالق سے تو تم نے تعلق پیدا نہیں کیا کہ اس کے تابع بنتے اس کی طاقت کو لیتے اس سے تو لڑائی ٹھان لی اب مقابلہ کرو گے تو اپنی طاقت سے اور مخلوق کی طاقت سے تو بتلاؤ وہ کون سی مخلوق ہے جو ہمارے مقابلے پر آئی گی أَمَّنْ هٰذَا الَّذِي هُوَ جُندٌ لَّكُمْ يَنصُرُكُم مِّن دُونِ الرَّحْمٰنِ وہ کون ہے جو رحمٰن کے مقابلے پر تمہاری مدد کرے گا۔ إِنِ الْكَافِرُونَ إِلَّا فِي غُرُورٍ سوائے اس کے کہ تم دھوکے میں پڑے ہوئے ہو اور بہکے ہوئے ہو اس کے سوا اور کیا کہا جائے، عقل کی تم نہیں کہتے، حس کی تم نہیں کہتے تاریخ کی تم نہیں کہتے کوئی قوت تمہارے ہاتھ میں نہیں کہ خدا کا مقابلہ کرو اور لڑنے کے لئے تیار بقول شخصے،

ع لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

لڑنے کو موجود اور نہ ہاتھ اور نہ ہاتھ میں تلوار، اور پھر وہ قوتیں بخشی ہوئی خدا کی ہیں تو اسکی بخشی ہوئی قوتوں کو اسکے مقابلہ پر لانا اس سے زیادہ حماقت کی اور کیا بات ہوگی اب آپ زیادہ سے زیادہ کہیں گے کہ صاحب سامان اور وسائل ہمارے ہاتھ میں ہیں ہم بجلی کی مدد سے کام لیں گے ہم گیس کی طاقت سے کام لیں گے، ہم راکٹ سے کام لیں گے، ان چیزوں کو لائیں گے مقابلے پر تو اول تو ظاہر ہے کہ یہ تو مخلوقات خداوندی ہیں۔ ان میں یہ جرات کہاں ہے کہ اپنے خالق کا مقابلہ کریں یہ حماقت تو انسان پر ہی سوار ہے کہ وہ مقابلہ کرتا ہے خالق سے، نہ پتھر مقابلے پہ ہیں، نہ درخت مقابلے پہ ہیں، نہ پہاڑ نہ دریا، کوئی چیز مقابلے نہیں کرتی یہ چیزیں حق ہیں۔ إِن كُلُّ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا آسمانوں میں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے وہ عبد اور بندہ بن کر اللہ کے سامنے آیا ہوا ہے۔ ڈھٹائی پر یہی انسان ہے کہ مقابلہ کرتا ہے اور کیوں کرتا ہے اس لئے کہ ہم نے کچھ طاقتیں دے دی تھیں کچھ عقل کی طاقت دے دی تھی کچھ وسائل دے دیے تھے تو سوال یہ ہے کہ أَمَّنْ هٰذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ وہ رزق دینے والا ان سامانوں کا وہ کون ہے؟ تم نے خود پیدا کر لئے تھے؟ بجلی تم نے پیدا کی ہے؟ پیدا اللہ نے کی ہے کام اس سے لیتے ہو تم، زمین اللہ نے پیدا کی ہے کام اس سے لیتے ہو تم بیج کا درختوں کو اگانے کا لیکن نہ درخت تم نے پیدا کیا نہ بیج تم نے پیدا کیا نہ زمین تم

نے پیدا کی، تمہاری بنائی ہوئی کوئی چیز نہیں (البتہ) استعمال کرنے کی کچھ قوت ہے تمہارے اندر، تو حاصل یہ نکلا کہ رزق دینے والے حق تعالیٰ ہیں وہ دانے کا رزق ہو کھانے کا رزق ہو، کپڑے کا رزق ہو، ہتھیار کا رزق ہو، عقل کا رزق ہو، قوتوں کا رزق ہو، دینے والے وہ ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ اپنی دی ہوئی چیزیں چھین لے تو کیا حشر ہو؟

اچھا اگر وہ اپنے رزق کو چھین لیں پھر تم کیا کرو گے تمہارے قبضے میں تو نہیں، ایک بارش رک جائے، دانہ نہ ہو تو بیٹھ جاتے ہیں حضرت انسان اب آگے کچھ نہیں، بارش صرف روک دے اور بارش تو خیر سال بھر میں آتی ہے ہر وقت تو آپ دھوپ سے اور ہوا سے کام لیتے ہیں ایک منٹ کے لئے وہ اپنی ہوا نکال لے اب کیا ہوگا؟ بس سانس گھٹ کر ختم ہو جائے گا انسان، یہ کل آپ کی طاقت ہے تو اسی کے دیے ہوئے رزق پر غرہ اور اسی کا مقابلہ کرنا اس سے زیادہ حماقت اور سفاہت اور کیا ہوگی، کوئی اپنی چیز لاتے جو خدا کے مقابلے پر استعمال کرتے تو اپنی چیز تو کیا ہوتی تم خود بھی اپنے نہیں تم نے خود بنالیا ہے آپ کو؟ بنانے والے نے بنایا ہے تم کون ہو جب تم خود نہیں بنے اپنے آپ تو بقیہ چیزیں تم کیا بنا سکتے ہو تو جو کچھ ہے وہ رزق دیا ہوا اللہ کا تو أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ اگر اللہ اپنا رزق روک لے تو وہ کون ہے جو اللہ کے مقابلے پر آ کے تمہیں رزق دے گا؟ اچھا ہم بارش روک لیتے ہیں اور ساری مخلوق کو اکٹھا کر لو کہ وہ تمہیں رزق دے تو کہاں سے دے دے گی اس لیے کہ دارومدار بارش پہ اور وہ قبضے میں اس کے، ہم نے رزق روک لیا تو جس کا رزق ہم روکنا چاہیں وہ کون ہے جو تم کو رزق دے دے، ہم نے رزق روک لیا تو کون ہے جو دروازے رزق کے تمہارے اوپر کھول دے بات کیا ہے بَلْ لَّجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ سوائے اس کے کہ یہ بدک رہے ہیں سوائے اس کے کہ سرکشی پر ہیں اور ڈھٹائی پر جمے ہوئے ہیں۔ ہٹ دھری کے سوا کوئی حجت ان کے ہاتھ میں نہیں، نہ عقل کی، نہ حس کی، نہ طبع کی، نہ قوی کی، کوئی چیز ان کے قبضے میں نہیں ہے ڈھٹائی پر آمادہ ہیں اور وہ ڈھٹائی انہی کے انجام کو خراب کرے گی اللہ میاں کا کچھ بھی نہیں بگڑے گا، اپنے آپ کو تباہ کر رہے ہیں۔ بَلْ لَّجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ۔

کفار کی مثال:

تو اب ان کی مثال ایسی ہوگی کہ جیسے ایک شخص تو وہ ہے کہ سیدھے راستے پر دیکھتی آنکھوں چل رہا ہے اور منزل مقصود کی طرف جا رہا ہے اور ایک وہ ہے کہ ٹیڑھا ترچھا (چلا) اور اوندھا لیٹ گیا اس کے اوپر، آنکھ بھی کام نہیں کرتی، ہاتھ پیر بھی کام نہیں کرتے اور چاہتا یہ ہے کہ منزل مقصود تک پہنچ جائے۔ تو کون پہنچے گا منزل مقصود پر؟ وہ پہنچے گا کہ جو سیدھے راستے پر جا رہا ہے عقل سے کام لے رہا ہے محسوسات کو دیکھ رہا ہے اپنی قوتوں کو خالق کی راہ میں اختیار اور استعمال کر رہا ہے، رستہ دیکھ کر جا رہا ہے چل رہا ہے، وہ پہنچے گا یا وہ پہنچے گا کہ جو اوندھا لیٹ گیا ہے ہاتھ پیر بھی چھوڑ دیئے آنکھیں بھی زمین میں دھنسا دیں نہ رستہ سامنے نہ منزل سامنے، تو تمہاری مثال وہی ہوگی کہ رستہ کے اوپر ہو مگر اوندھے لیٹ کر، نہ آنکھ سے دیکھتے ہو نہ دل سے سوچتے ہو، نہ غور و فکر کرتے ہو اور چاہتے ہو کہ منزل پر پہنچ جائیں منزل پر تو وہی پہنچیں گے جو متبعین انبیاء ہیں کہ راستے میں پڑے ہوئے ہیں، چل رہے ہیں ہاتھ پیر استعمال کر رہے ہیں، آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، عقل سے حق کا راستہ معلوم کر رہے ہیں، اس کی تائید کر رہے ہیں وہ پہنچیں گے منزل پر تم نہیں پہنچو گے۔ (معارف حکیم الاسلام)

بَلْ لَّجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ ﴿٢١﴾

کوئی نہیں پر اڑ رہے ہیں شرارت اور بدکنے پر ☆

یعنی دل میں یہ لوگ بھی سمجھتے ہیں کہ اللہ سے الگ ہو کر نہ کوئی نقصان کو روک سکتا ہے نہ نفع پہنچ سکتا ہے مگر محض شرارت اور سرکشی ہے کہ توحید و اسلام کی طرف آتے ہوئے بدکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

أَفَمَن يَمْشِي مُكِبًّا عَلَىٰ وَجْهِهِ أَهْدَىٰ

بھلا ایک جو چلے اوندھا اپنے منہ کے بل وہ سیدھی راہ

أَمَّن يَمْشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٢٢﴾

پائے یا وہ شخص جو چلے سیدھا ایک سیدھی راہ پر ☆

مُوَحِّد اور مشرک:

یعنی ظاہری کامیابی کی راہ طے کر کے وہی مقصد اصلی تک پہنچے گا جو سیدھے راستہ پر آدمیوں کی طرح سیدھا ہو کر چلے جو شخص ناہموار راستہ پر اوندھا ہو کر منہ کے بل چلتا ہو اس کے منزل مقصود تک پہنچنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ یہ مثال ایک مواحد اور ایک مشرک کی ہوئی۔ محشر میں بھی دونوں کی چال میں ایسا ہی فرق ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

یہاں اس امر کا اقرار واجب ہے کہ ہموار راستہ پر سیدھا چلنے والا ہدایت یافتہ ہوتا ہے، مومن کی بھی یہی حالت ہوتی ہے۔ بصیرت کے ساتھ دانش اور (رسول) کے بتائے ہوئے راستے پر وہ چلتا ہے اور کافر نہ دانش سے کام لیتا ہے اور نہ رسول کی بات سنتا ہے اس لئے مومن کافر کے مقابلہ میں ہدایت یافتہ ہوتا ہے۔

کافر منہ کے بل چلے گا:

قتادہ نے فرمایا کہ جو شخص دنیا میں گناہوں پر اوندھا ہوگا، قیامت کے

دن منہ کے بل چلے گا۔ جب کہ مومن سیدھے چل رہے ہوں گے۔ بخاری و مسلم نے بیان کیا کہ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کافر کو منہ کے بل کیسے چلایا جائے گا فرمایا کہ کیا وہ خدا جو دنیا میں قدموں سے چلاتا ہے قیامت کے دن منہ کے بل چلانے پر قادر نہیں ہے۔ ایسی ہی روایت حضرت ابو ہریرہؓ کے حوالہ سے ابوداؤدؒ نے نقل کی ہے (گذشتہ کلام میں کافروں کی فریب خوردگی کی صراحت کی تھی) اس جملہ میں ان کی حالت بدکو اور زیادہ واضح کردیا (تفسیر مظہری)

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ حضور لوگ منہ کے بل چل کر کس طرح حشر کئے جائیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے پیروں کے بل چلایا ہے وہ منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے صحیحین میں بھی یہ روایت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

کافروں کی مثال:

تو تمہاری مثال اس شخص کی ہے کہ زمین کا راستہ سامنے ہے بجائے چلنے کے اوندھا لیٹ جائے، سب قویٰ کو بے کار کردے، ہاتھ پیر کو بے کار کردے، اس لئے کہ کسی قوت سے بھی کام نہیں لیتے تو اور کیا مثال ہے تمہاری یہ ہی مثال بن سکتی ہے، تو اس کو فرمایا کہ أَفَمَن يَمْشِي مُكِبًّا عَلَىٰ وَجْهِهِ أَهْدَىٰ أَمَّن يَمْشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ آیا وہ شخص جو چل رہا ہے اوندھا چہرے کے اوپر الٹا پڑا ہوا ہے وہ ہدایت پائے گا یا وہ پائے گا جو سیدھے راستے پر سیدھا چل رہا ہے تو جو سیدھے چلنے والے ہیں وہ انبیاءؑ ہیں ان کے متبعین ہیں ان کے پیروکار ہیں کہ علم وحی سامنے آیا کانوں سے سنا آنکھوں سے دیکھا عقل سے سوچا اور چل پڑے راستے کے اوپر وہی پہنچیں گے منزل پر وہ نہیں کہ آنکھ بھی بند کرلی یعنی اوندھے لیٹ گئے دل کو بھی بے کار کرلیا یعنی عقل سے بھی نہ سمجھا ہاتھ پیروں کو الٹا ڈال لیا چلنے کے قابل نہ رہے، اور مدعی اس کے ہیں کہ ہم پہنچیں گے منزل مقصود پہ، تو سوائے اس کے کہ اندھا پن کہا جائے اور کیا کہا جائے گا وہ رستہ پر پہنچے گا یا یہ رستہ پر پہنچے گا؟ اس کے بعد فرمایا کہ یہ تو بے سامان سا ہی مختلف چیزیں ہم نے دیں عقل دی سب کچھ دیا۔

انسان خود اپنی ذات میں غور کرے:

لیکن خود تم اپنے اوپر غور کرو تم کہاں سے آئے؟ آیا تمہیں اللہ نے بنایا یا خود بخود بن گئے تھے تم؟ ظاہر ہے کہ خود بخود تو بنے نہیں اگر خود بخود بن جاتے تو اس کا مطلب یہ تھا کہ وجود تمہارے ہاتھ میں ہے تو اگر وجود ہاتھ میں تھا تو یہ موت کیوں قبول کرتے ہو جبرا؟ کس کا جی چاہتا ہے کہ مرجائے تو اگر وجود ہاتھ میں ہے تو ملک الموت کو واپس کردیا کرو۔ کہ صاحب ہم زندگی دینا نہیں چاہتے، آپ وہاں تو چپ پڑ رہتے ہو، وہاں تو سانس چلنے لگتا ہے۔ جان چھپائی کے لئے تیار ہوجاتے ہو معلوم ہوتا ہے تمہارے ہاتھ میں کچھ نہیں تو جب روکنا زندگی کا تمہارے ہاتھ میں نہیں تو لانا بھی زندگی کا تمہارے ہاتھ میں نہیں۔

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے ــــ اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

جب ہم پیدا ہورہے تھے تو ہماری درخواست نہیں تھی، خواہش نہیں تھی، دینا تھا جان اللہ کو تو لینی پڑی مجبورا آنا پڑا چاہے ہمارا جی چاہتا تھا آنے کو یا نہیں چاہتا تھا اور جب لے جائیں گے تو جانا پڑے گا چاہے ہمارا جی چاہے نہ چاہے تو وجود تو آپ کا یہ ہے کہ نہ حیات پہ قبضہ نہ اپنے وجود پہ قبضہ، اور دعوے یہ ہیں کہ اللہ کے احکام میں مین میخ نکالتے ہیں کہ ہم یوں کرڈالیں گے اور قدرت کے چیلنجوں کو منظور کرتے ہیں، بعضے عقل کے اندھے یہ جو درمیان میں بہت سے سیلاب آئے اور انہوں نے بستیوں کو غرقاب کیا، ہزاروں آدمی مارے گئے تو بعض عقل کے اندھوں نے دعوی کیا کہ ہم نے بند لگانے شروع کردیئے ہیں اور قدرت کے چیلنج کو ہم نے قبول کرلیا ہے۔ ہم مقابلے کے لئے تیار ہیں اور جو بند باندھے اگلے ہی سال اس میں شق واقع ہوگئے، دراڑ واقع ہوگئے، پھر مرمت شروع ہوئی اور خدا جانے کب تک وہ مرمت کام دے گی خدانخواستہ وہ پھٹ پڑے گئے تو پھر ساری بستیاں اور جلد ہی غرق ہوگئیں۔ (معارف حکیم الاسلام قاسمی)

قُلْ هُوَ الَّذِيٓ أَنشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ

تو کہہ وہی ہے جس نے تم کو بنا کھڑا کیا اور بنا دیئے

السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْـِٔدَةَ

تمہارے واسطے کان اور آنکھیں اور دل

قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿٢٣﴾

تم بہت تھوڑا حق مانتے ہو ☆

حواس کا استعمال:

یعنی اللہ نے سننے کے لیے کان دیکھنے کے لیے آنکھیں اور سمجھنے کے لیے دل دیے تھے کہ اس کا حق مان کر ان قوتوں کو ٹھیک مصرف میں لگاتے اور اس کی طاعت وفرمانبرداری میں خرچ کرتے مگر ایسے شکر گذار بندے بہت کم ہیں۔ کافروں کو دیکھو کہ ان نعمتوں کا کیسا حق ادا کیا؟ اس کی دی ہوئی قوتیں اسی کے مقابلہ میں استعمال کیں۔ (تفسیر عثمانی)

نکتہ: السمع کو بصورت مفرد ذکر کرلیا لیکن البصر اور الفواد کی یہ حالت نہیں ہے (یہ مصدر نہیں ہیں) اس لئے الابصار اور الافئدۃ کو بصورت جمع ذکر کیا) اس کے علاوہ السمع کو مفرد اور الابصار اور الافئدۃ کو جمع لانے کی ایک وجہ یہ بھی

ہے کہ کان سے ایک ہی نوع کا علم حاصل ہوتا ہے اور آنکھ سے علم حاصل ہونے کی متعدد صورتیں ہیں۔ (رنگ شکل مقدار حسن وقبح وغیرہ) اور دل سے ادراک بھی مختلف طریقوں سے ہوتا ہے (شک، وہم، ظن، یقین، حصولی حضوری مختلف تصورات وتخیلات وغیرہ۔ (تفسیر مظہری)

سمع وبصر وقلب کی تخصیص:

اس میں اعضاء انسانی میں ان تین اعضا کا ذکر ہے جن پر علم وادراک اور شعور موقوف ہے فلاسفہ نے علم وادراک کے پانچ ذریعہ بیان کئے ہیں جن کو حواس خمسہ کہا جاتا ہے یعنی سننا، دیکھنا، سونگھنا، چکھنا، چھونا، سونگھنے کے لئے ناک اور چکھنے کے لئے زبان اور چھونے کی قوت سارے بدن میں حق تعالیٰ نے رکھی ہے سننے کے لئے کان اور دیکھنے کے لئے آنکھ بنائی ہے، یہاں حق تعالیٰ نے ان پانچ چیزوں میں سے صرف دو کا ذکر کیا ہے یعنی کان اور آنکھ، وجہ یہ ہے کہ سونگھنے، چکھنے اور چھونے سے، بہت کم چیزوں کا علم انسان کو حاصل ہوتا ہے اس کی معلومات کا بڑا مدار سننے اور دیکھنے پر ہے۔ اور ان میں بھی سننے کو مقدم کیا گیا، غور کرو تو معلوم ہوگا کہ انسان کو اپنی عمر میں جتنی معلومات ہوئی ہیں ان میں سنی ہوئی چیزیں بہ نسبت دیکھی ہوئی چیزوں کے بدر جہا زائد ہوتی ہیں۔ اس لئے اس جگہ حواس خمسہ میں سے صرف دو پر اکتفا کیا گیا ہے کہ بیشتر معلومات انسانی ان ہی دو راہوں سے حاصل ہوتی ہیں اور تیسری چیز قلب کو بتلایا ہے کہ وہ اصل بنیاد اور مرکز علم کا ہے۔ کانوں سے سنی ہوئی اور آنکھوں سے دیکھی ہوئی چیزوں کا علم بھی قلب پر موقوف ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

بعض عقل کے اندھے قدرت کی پکار کو چیلنج سمجھ کر مقابلے کی ٹھانتے ہیں:

بعض عقل کے نابینا وہ بھی ہیں کہ وہ قدرت کی پکار کو چیلنج سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے چیلنج مان لیا ہم مقابلہ کریں گے اور طاقت یہ ہے کہ اپنی زندگی بھی اپنے ہاتھ میں نہیں، اپنی قوت بھی اپنے ہاتھ میں نہیں، تو فرماتے ہیں ، قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ جن قوی پر تم نازاں ہو آنکھ پہ، ناک پہ، یہ دینے والا کون ہے هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وہی ہے جس نے تمہیں ابتداء میں بنایا اور از سر نو بنایا اور وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ تم میں سننے کی طاقت رکھی کہ کچھ معلومات سن کر حاصل کرو، آنکھوں میں دیکھنے کی طاقت رکھی کہ کچھ معلومات دیکھ کر حاصل کرو، دل میں بوجھنے کی طاقت رکھی، تاکہ غور وفکر سے کچھ معلومات میں اضافہ کرو، یہ ساری قوتیں حق تعالیٰ نے دیں اور عجیب صنائی کے ساتھ دیں۔

انسانی دل ایک عجیب کائنات ہے:

قلب کو ایک عجیب کائنات بنایا اللہ نے اس قلب کے اندر، محققین لکھتے ہیں کہ دو دروازے ہیں، قلب کے ایک نیچے کی طرف کھڑکی کھلی ہوئی ہے قلب میں ایک اوپر کی طرف اوپر کی کھڑکی کھلتی ہے، تو عالم غیب کے مشاہدات کرتا ہے وحی اور الہام ربانی اور جمالات اور خداوندی کو دیکھتا ہے، عالم غیب منکشف ہوتا ہے اور نیچے کی کھڑکی سے دیکھتا ہے تو محسوسات نظر پڑتے ہیں، دریا اور پہاڑ اور جنگل تو محسوسات کے نیچے کے سوراخ سے دیکھتا ہے تو مغیبات کو اوپر کے سوراخ سے دیکھتا ہے، قلب ایک ہی ہے لیکن اس میں بینائیاں دو قسم کی رکھی ہیں، ایک اوپر کے دیکھنے کی اور ایک نیچے سے دیکھنے کی۔

ایک ظاہری چیز دیکھنے کی، اور ایک باطنی چیز دیکھنے کی، ظاہری چیزوں کے دیکھنے کے لئے آلات بنائے، قلب کے لئے آنکھ بنائی تاکہ شکلیں اور صورتیں دیکھے، کان بنائے تاکہ آوازوں کو سنے، زبانیں دیں تاکہ ذائقوں کو چکھیں، ناک دی تاکہ خوشبو اور بدبو کو سونگھے تو شئی کی صورت بھی دیکھتا ہے، انسان شے کی خوشبو اور بدبو کا بھی ادراک کرتا ہے۔ شے کی آواز بھی سنتا ہے، آوازیں سن کر بچاؤ بھی کرتا ہے۔ اپنے کام بھی نکالتا ہے اگر شیر کی دھاڑ سنی، تو بچنے کی کوشش کرتا ہے تو کان ذریعہ بنتے ہیں بچنے کا، اور اگر آواز سن لی کسی اچھے خوشنما پرندے کی تو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے کہ گھر کی زینت بناؤں گا تو کان ذریعہ بنا منافع حاصل کرنے کا بھی اور مضار یعنی مضرتوں سے بچنے کا بھی، اسی طرح سے آنکھ ذریعہ بنتی ہے، چیزوں کے لینے کا بھی، اور چیزوں سے بچنے کا بھی، اگر صورت دیکھ لے سانپ کی تو بھاگتا ہے آدمی، اگر صورت دیکھ لی کسی اچھے خوشنما پتھر کی سونے کی چاندی کی، دوڑتا ہے اس کو اٹھانے کے لئے، اگر آنکھ نہ ہوتی تو نہ نفع حاصل کر سکتا، نہ مضرت سے بچ سکتا، تو آنکھ کو اللہ نے ذریعہ بنایا دور سے دیکھ کر منافع حاصل کرنے کا اور مضرتوں سے بچنے کا، بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ سامنے نہیں ہیں، ان کی آواز بھی نہیں آتی، لیکن ان کی بدبو اور خوشبو سے سمجھ لیتا ہے، کہ یہاں فلاں چیز موجود ہے، شیر کی منہ کی بدبو ہوتی ہے، اگر وہ سامنے بھی نہیں تو اسکے منہ کی بدبو دور تک سونگھ سکتا ہے آدمی سمجھ لیتا ہے کہ یہاں شیر موجود ہے، بھاگتا ہے وہاں سے، اور اگر دوسرا جانور ہے، اس کی بو آئی اور وہ استعمال کا ہے تو شکار کرنے کی کوشش کرتا ہے، تو ناک ذریعہ بنتی ہے بہت سی چیزوں سے بچنے کا اور بہت سی چیزوں کے حاصل کرنے کا، اسی طرح سے ذائقہ، بعضی چیزوں کو چکھ کر آدمی محسوس کرتا ہے کہ یہ مضر ہوں گی، اس کا ذائقہ بتلا رہا ہے کہ یہ مضر ہے بعض ذائقے ہیں جو فرحت بخشتے ہیں۔ انہیں حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

آنکھ، ناک، کان وغیرہ آلات ہیں اور ادراک کرنا دل کا کام ہے

تو آنکھ، ناک، کان، منہ، یہ تمام چیزیں آلات ہیں، مگر حقیقت میں ان

ساری چیزوں کا ادراک کرتے والا قلب ہے، یہ سب خدام ہیں اس کے آنکھ حقیقتاً خود نہیں دیکھتی، دل دیکھتا ہے، یہ عینک چڑھی ہوئی ہے دل کے اوپر، آنکھ، آنکھ خود نہیں دیکھتی بسا اوقات آپ کسی بازار میں چلے جارہے ہیں اور بڑے اعلیٰ اعلیٰ مناظر، بڑی بہترین دکانیں اور روشنیاں ہیں، گھر آکر دوسرا کہتا ہے کہ بھئی بڑے بڑے تماشے تھے، آج تو بازار میں، آپ کہتے ہیں کہ مجھے تو کچھ بھی نظر نہیں پڑا، کہتا ہے میاں آنکھیں تو کھلی ہوئی تھیں، افوہ میں تو فلاں خیال میں غرق تھا، مجھے تو کچھ نظر نہیں آیا، معلوم ہوا کہ آنکھ دیکھنے والی نہیں ہے، دل دیکھنے والا ہے، دل متوجہ ہے، دوسری طرف کچھ نظر نہیں آتا آپ کسی دھیان میں پڑے ہوئے ہیں اور زور سے گھنٹہ بجا آپ کو پتہ بھی نہ چلا، دوسرے نے کہا کہ میاں تم نے نماز نہیں پڑھی، وہ گھنٹہ جو بج گیا تھا۔ اور تم نے افطار نہیں کیا، وہ اتنا بڑا گولا چھوٹا تھا، اے ہے! میں نے تو سنی ہی نہیں اے میاں! بڑے زور سے بجا تھا، کہتے ہیں، افوہ میں تو فلاں خیال میں لگا ہوا تھا، مجھے تو دھیان ہی نہ آیا، معلوم ہوا دل سنتا ہے، کان نہیں سنتا، جب دل متوجہ ہے تو کان سنتے اور دل متوجہ نہیں تو کھلے ہوئے کان نہیں سنتے، اسی طرح سے ذائقہ کی بات ہے، بعض دفعہ دھیان نہیں ہوتا، تو نہ کھٹے کا ذائقہ آتا ہے نہ میٹھے کا۔

ایک واقعہ: مجھے ایک واقعہ یاد آیا، حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے سالے تھے۔ حاجی مقبول صاحب بڑے بزرگ لوگوں میں سے تھے، حضرت ہی کے یہاں رہتے تھے، ان کا کھانا وانا سب وہیں تھا، اتفاق سے دو تین دن سے روزانہ چنے کی دال پک رہی تھی، انہوں نے بہن سے شکایت کی کہ روزانہ چنے کی دال کوئی اور دال پکالیا کرو، خیر انہوں نے اگلے دن ماش کی دال پکالی، کھانا کھانے کے بعد کہنے لگے آج بھی وہی چنے کی دال پکائی تھی، انہوں نے کمر میں دو ہنٹر ماری، اندھے یہ دال چنے کی ہے کہ ماش کی؟ اخوہ، مجھے وہی دھیان رہا جو تین دن سے تھا، اسی دھیان میں کھاتا رہا۔ مجھے وہی مزہ آتا رہا جیسے چنے کا تھا معلوم ہوتا ہے کہ زبان نہیں چکھتی بلکہ دل ہے چکھنے والا۔ اگر دل متوجہ ہو جائے تو آدمی متوجہ ہو کر سب کچھ چکھ لیتا ہے، دل متوجہ نہ ہو نہیں چکھتا، تو اصل میں دیکھنے والا بھی دل ہے، سننے والا بھی دل ہے، چکھنے والا بھی دل ہے تو دل عجیب چیز نکلا، وہ ان تمام خدام کو استعمال کر رہا ہے محسوسات کو دیکھتا ہے۔

دل اشیاء کا صرف ادراک ہی نہیں کرتا بلکہ انہیں اپنے اندر محفوظ بھی کر لیتا ہے

اچھا اب اس کے بعد پھر ایک عجیب کائنات دل کی یہ بھی ہے کہ ان ساری چیزوں کے ذریعے اس نے دیکھ بھی لیا، سن بھی لیا، چکھ بھی لیا، چکھنے کے بعد وہ ذائقہ غائب ہو جانا چاہیے تھا، دیکھنے کے بعد صورت غائب ہو جانی چاہیے تھی لیکن دل نے اتنا قبول کیا کہ اب وہ شئی سامنے نہیں ہے لیکن ذرا آپ نے گردن جھکائی تو وہ شئی دل کے سامنے ہے، یہ کہاں موجود ہے، یہ آنکھ میں تو موجود نہیں، اگر آنکھ میں ہوتی موجود تو دوسری چیزیں دیکھنے کے قابل نہ رہتی وہ چیزیں ہی ٹکراتی رہتیں، تو آنکھ کہاں سے دیکھتی ہے آنکھ دیکھ کر فارغ ہوئی، قلب نے فوٹو اتار لیا اور قلب کے پاس وہ نقشہ موجود ہے اب جب چاہیں گے آپ دیکھ لیں گے کسی شاعر نے کہا ہے ناں کہ

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

بس جہاں مراقبہ کیا، اور سامنے موجود چیز جہاں غور کیا چیز موجود، تو دل فقط دیکھتا ہی نہیں بلکہ نگلتا بھی ہے ان چیزوں کو، دیکھنے میں تو یہ ہے کہ دیکھ لیا باہر باہر کی چیز ہے، دیکھ کر اس کی صورت کو نگل لیتا ہے اپنے اندر اور اس کا نقشہ کھینچ لیتا ہے فوٹو لے لیتا ہے، تو دل ایک بڑا زبردست کیمرہ بھی ہے، تو اس میں صورتیں بھی موجود، ذائقے جو چکھے تھے وہ بھی موجود، آپ کہا کرتے ہیں کہ فلاں صاحب کے یہاں میں نے ایک ایسا عجیب وغریب سالن کھایا کہ آج تک ذائقہ میری زبان میں موجود ہے، وہ زبان میں نہیں وہ دل میں موجود ہے، تو دوسرا ذائقہ مل ملا کے کوئی ذائقہ باقی نہ رہتا خلط ملط ہو جاتا، تو زبان چکھ کر الگ ہوئی اس نے پہنچا دیا قلب کے اندر تو یہ درحقیقت ہرکارے اور خدام ہیں جو صورتیں، آوازیں، ذائقے بٹور کر...... قلب کے سامنے پیش کر دیتے ہیں تو گویا یہ ایک سی، آئی، ڈی ہے جس کے ذریعہ قلب تمام چیزوں کے احوال معلوم کرتا ہے، صورتوں کے بھی، آوازوں کے بھی ذائقوں کے بھی، خوشبو بدبو کے بھی۔

دل نے پانچ دروازے حواس ظاہرہ کے رکھے اور پانچ دروازے حواس باطنہ کے

تو قلب ایک عجیب کائنات نکلی، تو اس نے پانچ دروازے رکھے حواس ظاہرہ کے ان کے ذریعہ محسوسات کو دیکھ کر اپنے اندر لے لیتا ہے اور پانچ ہی پھر حواس ہیں باطنی، قوت وہم اور قوت خیال اور قوت متصرفہ اور قوت عاقلہ تو ان کے ذریعہ سے وہ غیبی چیزیں دیکھتا ہے، علوم میں جب غور کرتا ہے تو نئے نئے علوم اس کے سامنے منکشف ہوتے ہیں یہ ظاہر ہے کہ بدن کے اندر نہیں ہے روح میں ہے اور روح کا کنکشن ہے روح اعظم سے تو وہاں سے علوم اترتے ہیں تو قلب ہی کے اندر یہ خاصہ ہے کہ جب غیب کی طرف متوجہ ہو تو علوم اور کمالات لیتا ہے وہاں سے تو عجیب کائنات اللہ نے بنائی ہے تو یہ اتنی سی ڈبیہ گاجر کی شکل کی سینے کے بائیں جانب پڑی ہوئی ہے لیکن ایک بطن اس کا وہ ہے کہ جو اوپر کی چیزیں منکشف کرتا ہے اور ایک بطن وہ ہے کہ جو نیچے کی چیزیں منکشف کرتا ہے تو اگر انسان اوپر کے دروازے بند کر دے اور صرف نیچے کی چیزیں دیکھے نہ علم ہو نہ کمال ہو نہ اللہ کا عقاد ہو نہ وہاں سے علوم ہوں تو وہ اندھا ایسے ہی کام کرے گا جس کی شکایت کی

جارہی ہے کہ اس نے آنکھیں بھی بند کرلیں، ہاتھ بھی سکوڑ لئے کچھ بھی نہیں کررہا اور ایک وہ لوگ ہیں کہ جو محسوسات کو بھی دیکھتے ہیں اور ساتھ میں مغیبات کے علوم بھی ان کے قلب میں ہیں انبیاءؑ کے طفیل سے وہ ان علوم کے ذریعہ سے ان ساریان ساری محسوسات کو اپنی اپنی حد میں رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ان محسوسات کو کہاں کہاں استعمال کرنا چاہیے اور کہاں نہیں، کہاں جائز ہے اور کہاں ناجائز کہاں حرام ہے اور کہاں حلال؟

حرام وحلال کی تمیز علم غیب (وحی) سے ہوتی ہے:

تو حرام وحلال کی تمیز علم غیب سے ہوتی ہے ان محسوسات سے نہیں ہوتی اور وہ سمجھنے والا صرف قلب ہے آنکھ، ناک، کان، یہ حق اور باطل دونوں چیزیں قبول کرتے ہیں آنکھ اگر آپ جائز چہرے پر ڈال لیں جب بھی لذت لے گی اور حرام چہرے پر بھی ڈالیں جب بھی آنکھ لذت لے گی، ہاتھ اگر آپ جائز مال پر ڈالیں اسے بھی گرفت کرلے گا اور اگر رشوت کا مال لیں وہ چھپے گا نہیں ہاتھ میں، اسے بھی قبضہ کرلے گا، اسی طرح سے کان ہے اگر آپ کسی ناجائز آواز پر گانے بجانے پر متوجہ کردیں اس سے بھی کانوں کو لذت ہوگی اور جائز آوازیں ہیں مثلاً تلاوت قرآن ہورہی ہے، ذکر اللہ ہورہا ہے وہ بھی کان لے لیں گے، تو آنکھ حق وباطل میں امتیاز نہیں کرسکتی، کان حق وباطل میں امتیاز نہیں کرسکتا، ہاتھ حق وباطل میں امتیاز نہیں کرسکتا، لیکن قلب وہ ہے کہ امتیاز کرتا ہے حق وباطل میں، اگر غلط چیز آئی تو کھٹکا رہے گا قلب جب تک کہ سچی بات سامنے نہیں آئے گی مطمئن نہیں ہوگا، ناجائز مال آئے گا قلب کے سامنے کھٹکتا رہے گا، چور کے دل میں کبھی اطمینان نہیں ہوگا، ضمیر ملامت کرتا رہے گا کہ برا کیا چاہے نفس مانے نہ مانے تو قلب احساس کرتا ہے حرام کا بھی، حلال کا بھی، جائز کا بھی، ناجائز کا بھی، لیکن یہ کس طرح سے یہی علوم غیب کے ذریعے وہی جو اوپر سے ضمیر میں آرہی ہے چیز اس کے ذریعہ سے حق وباطل کا امتیاز ہوتا ہے ورنہ صورتوں اور شکلوں میں امتیاز نہیں ہوتا حق وباطل کی، تو جن لوگوں نے اوپر کا دروازہ بند کردیا قلب کا، نہ انبیاء کی بات سنی، نہ علم وحی کو قبول کیا، نہ اللہ کے احکام کو لیا ان کے سامنے صرف محسوس زندگی رہ گئی، یہی اینٹ، ڈلا، پتھر، خوشبو یہی چیزیں رہ گئیں اب اس پر چاہے وہ غرور کرے وہ بھی جہالت ہوگی کیونکہ اوپر کا علم نہیں ہے۔ عظمت خداوندی سامنے نہیں ہے اسے عقل استعمال کرے تو کرسکتا ہے اس لئے کہ اوپر کا علم سامنے نہیں ہے جو غلط کو غلط بتاتا اور صحیح کو صحیح، تو ان کی آنکھیں کھلی ہونے کے باوجود اندھی ہیں۔ کان کھلے ہونے کے باوجود بہٹ ہیں کہ وہ حق وباطل میں امتیاز نہیں کرسکتے۔

محض صورتوں کو دیکھنا کمال نہیں ان میں امتیاز کرنا کمال ہے:

تو صورتوں کا دیکھنا کمال نہیں، جانور بھی دیکھتا اور بیل بھی دیکھتا ہے صورتیں، ان صورتوں میں یہ امتیاز کرنا کہ یہ دیکھنے کے لائق ہیں یا نہیں یہ حلال یا حرام، یہ قلب کا کام ہے مگر وہی قلب جس کے اندر ایمان کی روشنی ہو جس میں انبیاء علیہ السلام کا طاعت کا جذبہ ہو، ان لوگوں نے جب وہ جذبہ کھو دیا تو ظاہر بات ہے کہ صرف محسوسات رہ گئیں اسی کے چکر میں پڑے رہے نہ عقل کام دے گی نہ علم کام دے گا۔

سائنس اور فلسفہ علم نہیں حس ہے:

آج مجازی طور پر آپ علم کہہ دیں سائنس کو فلسفے کو مگر یہ علم نہیں ہے یہ حس ہے یعنی محسوسات کو دیکھنا تجربات سے اس میں نئی نئی چیزیں پیدا کرتے رہنا یہ بس دیکھنا اور دست کاری ہے۔

علم کسے کہتے ہیں؟

علم کہتے ہیں مغیبات کو یعنی ایسی چیز کے جاننے کو کہ جو آنکھ اور کان سے نہ دیکھی جاسکے، اور علم اللہ کا ہے جو وحی کے ذریعے آتا ہے تو علم کہلانے کا مستحق وہ ہے، یہ جو حسی چیزیں ہیں ان میں حس سے تصرفات کریں گے یہ احساسات سے تعلق رکھتے ہیں اسے حس کہیں گے علم نہیں کہیں گے اور حس جانور میں بھی ہوتی ہے اور انسان میں بھی، جانور کے لاٹھی ماردو گے وہ بھی تکلیف پائے گا۔ انسان کی خصوصیت نہیں اس کو ڈھیلا مارو، وہ بھی جذبہ میں آجائے گا۔ یہ عقل سے تعلق نہیں رکھتا، طبیعت سے تعلق رکھتا ہے حس سے تعلق رکھتا ہے تو یہ جتنی چیزیں ہیں یہ احساسات ہیں علوم نہیں ہیں، علوم کا تعلق ہے مغیبات سے اور وہ جبھی آتا ہے جب قلب کے اوپر کا دروازہ کھلے اور اس دروازے میں وہاں سے آمد شروع ہوجائے علم کی اور کنکشن ہو، تو حاصل یہ نکلا اس آیت کا کہ انہوں نے اوپر کا دروازہ بند کرلیا ہے قلب کا، اور وہ کام نہیں لیتے جو قلب کا کام ہے کہ جائز میں اور ناجائز میں امتیاز کرے صورتیں دیکھنے پر قناعت کررہے ہیں تو پھر کہاں سے انہیں منزل مقصود نظر آئے گی اور پھر یہ سامان بھی جتنا ہے دیکھنے کا یہ بھی ہمارا ہی تو دیا ہوا ہے اس نے خود کہاں پیدا کیا ہے اگر ہم روک لیں تو دیکھ بھی نہ سکے چکھ بھی نہ سکے تو ان طاقتوں کے بل بوتے پر ہمارے مقابلے پر آرہا ہے جن کے خالق ہم ہیں تو حماقت اور جہالت واضح فرمائی گئی اس کو فرمایا قُلْ هُوَ الَّذِي أَنشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ کہہ دیجئے اے پیغمبر کہ وہی ہے اللہ جس نے تمہیں پیدا کیا پیدا کرنے والا وہ ہے اور پیدا بھی کیا اس شان سے کہ جن قوتوں پر ناز کرتے ہو وہ اس نے رکھیں سننے کی طاقت اس نے رکھی، دیکھنے کی طاقت اس نے رکھی بوجھنے کی طاقت اس نے رکھی، دل دیا آنکھ دی کان دیئے مگر قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ بہت کم ہیں جو شکر گزار ہیں اللہ کے ان نعمتوں کو نعمت سمجھیں بس یوں سمجھ لیا ہے کہ ہماری ملکیت ہے کون ہے دینے والا تو نہ تو شکر کا کام ہے نہ حمد کا کام ہے تو جب

حمد شکر ہی نہیں اس واسطے اس کا استعمال بھی صحیح نہیں اس لیے کہ ادھر عقل لڑاتے ہی نہیں اور فرماتے ہیں یہ تو ہیں قوتیں اب خود اپنی ذات کو دیکھ لو جس میں یہ قوتیں رکھی گئیں وہ ذات کہاں سے آئی؟ وہ بھی تو اللہ ہی نے بنائی ہے تم خود ہی تو نہیں بنے۔ (معارف حکیم الاسلام)

قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی
تو کہہ وہی ہے جس نے پھیلایا دیا تم کو
الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾
زمین میں اور اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے ☆

خالق کی طرف واپسی:

یعنی ابتداء بھی اس سے ہوئی انتہا بھی اسی پر ہوگی جہاں سے آئے تھے وہیں جانا ہے۔ چاہیے تھا کہ اس سے ایک دم غافل نہ ہوتے اور ہمہ وقت اس کی فکر رکھتے کہ مالک کے سامنے خالی ہاتھ نہ جائیں مگر ایسے بندے بہت تھوڑے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تو اس کو فرمایا قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ آپ فرما دیجیے اللہ ہی وہ ذات ہے۔

جس نے تمہیں بکھیر دیا عجیب اعجازی شان سے کہ ایک نقش واحد کو پیدا کیا آدم کو، اور اس کے ذریعے اربوں، کھربوں انسان پوری زمین پر بکھیر دیے تو یہ بکھیرنے والے ہم ہیں یا تم ہو؟ ہم نے ہی تو تمہاری ذات کو دنیا کے اندر بھیجا تو ذات جب ہم نے بھیجی تو ذات میں جو کراماتیں رکھیں ہیں سننا دیکھنا عقل یہ بھی تو ہم ہی رکھنے والے ہیں جو ذات کا دینے والا وہ صفات کا دینے والا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ذات تو تم بناؤ اور صفات میں ہم تمہارے تابع ہو جائیں یا ذات ہم بنائیں اور صفات تم رکھ لو جو ذات بنائے گا وہی صفات بنائیگا۔

سارے بیان کا حاصل:

تو حاصل یہ نکلا کہ اگر اللہ کی قدرت پر غور کرو تب بھی جواب موجود ہے کہ تم اسکی اطاعت کرو اور عبرت پکڑو اور عقل سے غور کرو تو عقل بھی بتلاتی ہے کہ دینے والا جو ہے اسی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اگر حس پر غور کرو تو پرندوں کو دیکھ لو وہی ہے اوپر جانے والا، وہ پتھروں کو اوپر لے جا کر برسا سکتا ہے اگر تاریخ پر غور کرو تو پچھلوں میں ایسے واقعات پیش آ چکے ہیں۔ لیکن جب نہ تاریخ سامنے رکھو نہ آنکھ کان کھول کر دیکھو نہ عقل سے دیکھو، نہ ایمان لاؤ تو سوائے ہٹ دھرمی کے اور کیا ہے؟ اس کا حاصل یہ ہے کہ گویا مستعد بن رہے ہو ہمارے عذاب اٹھانے کے لیے تو ہم عذاب بھیجنے والے ہیں ہم نے دنیا میں بھی عذابات دیے ہیں قیامت کا دن بھی رکھا ہے کہ اس میں آخری طور پر عذاب دیں گے اب آگے جب یہ بات ہوئی تو فرمایا کہ گویا جب تم عذاب ہی چاہ رہے ہو تو اچھا تیار رہو عذاب کے لیے مگر مصیبت یہ ہے کہ انسان کی کٹ حجتی پر کہ تیار ہونے کے باوجود پھر تیار نہیں۔ (معارف حکیم الاسلام)

وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۵﴾
اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو ☆

یعنی اکٹھے کب کیے جائیں گے؟ اور قیامت کب آئیگی اسے جلدی بلا لو۔ (تفسیر عثمانی)

وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اجی صاحب وہ عذاب کب کو آئے گا، وہ قیامت کب آئے گی۔ اب اس پر بھی یقین نہیں کہ وہ آنے والی ہے اس لئے کہ یقین کا سبب اور اسباب تو پیدا کیے نہیں۔ اس سے کام نہیں لیا تو قیامت کی دھمکی دی کہ اب قیامت مانگنے کو تیار کہ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ یہاں سے پھر آگے قیامت کا اثبات شروع کیا۔ کہ آخری سزا کے لئے قیامت کا دن تیار ہے۔ دنیا میں جب تک گزار رہے ہو گزار لو۔ یہاں بھی عذاب آئے گا اور وہاں بھی عذاب آئے گا۔ یہاں کے عذاب کو ممکن ہے تھوڑا بہت اسباب کے ذریعے ٹال لو گے لیکن قیامت کے دن تو کوئی صورت ہی نہیں ہے ٹلنے کی۔ وہ تو آنے والا ہے چاہے اسے مانگو تم چاہے نہ مانگو۔ اس واسطے آگے قیامت کے ثبوت اور قیامت کے اثبات پر بحث فرمائی ہے۔ اب یہاں سے کل ہوگا ان شاء اللہ دعا فرمائیں۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم کو قیامت سے ڈرایا کہ ایک وقت آنے والا ہے کہ پوری دنیا ختم ہو جائے گی اور اس کے بعد ایک نئی زندگی شروع ہوگی تو اس زندگی کے لئے اس زندگی میں کچھ کرو۔ اگر کچھ کر لیا سامان تو اگلی زندگی راحت سے کٹے گی۔ اور اگر نہ کیا یا برا سامان مہیا کیا تو اگلی زندگی تکلیفوں میں کٹے گی۔ اور چونکہ وہ اگلی زندگی دوامی اور ابدی ہے اس لئے راحت کا سامان کیا تو راحت بھی دوامی اور مصیبتوں کے سامان کر لئے تو وہ مصیبتیں بھی دوامی اور ابدی ہونگی جو کاٹے نہیں کٹیں گی۔ اس لئے آپ نے قیامت کو پیش فرمایا، تو اس پر قوم نے جھٹلایا حضور کو جس کی شکایت فرمائی حق تعالیٰ نے کہ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ یہ جو آپ قیامت سے ڈراتے ہیں وعدہ دیتے ہیں وہ کب کو آئے گی۔ وہ آ کیوں نہیں جاتی۔ قیامت؟ قیامت؟ تو اگر ہو تو اسے لے آئیے جلدی سے برس ہا برس سے صدیوں سے ہزاروں برس سے وعدے دے رکھے ہیں آپ نے کہ دنیا ختم ہوگی تب وہ آئے گی۔ تو اسے اگر آنا ہے تو وہ جلدی کیوں نہیں آ جاتی۔ تاکہ آپ کو بھی ہمیں جھٹلانے کا موقع نہ رہے۔ قیامت سامنے آ جائے تو مجبور ہو کر ہم یقین کر لیں۔ یہ سوال کیا کہ یَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ کب آئے گی وہ قیامت؟

قیامت کے سوال کا منشاء دو چیزیں ہوسکتی ہیں:

اس سوال کا منشاء دو ہو سکتے ہیں اور تھے بھی دو ایک تو یہ کہ بعضے قیامت ہی کے منکر تھے کہ کوئی زندگی اگلی آنے والی نہیں ہے ان کے مزاجوں میں دہریت تھی۔ نہ وہ اس عالم کی ابتداء کے مقر تھے نہ انتہا کے مقر تھے کہ بس یونہی چلا آ رہا ہے قصہ ، یونہی چلتا چلا جائے گا ابد الآباد تک ۔ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ یہ زندگی ہماری ، مر رہے ہیں۔ جی رہے ہیں یونہی دیکھتے چلے آ رہے ہیں یونہی دیکھتے ہوئے چلے جائیں گے۔ تو زمانہ ہمیں زندگیاں دے رہا ہے۔ زمانہ ہی آتا ہے وقت گزرتا ہے موت آجاتی ہے، یہی سلسلہ چلتا رہے گا۔ نہ قیامت ہے نہ کوئی ابتداء ہے اس عالم کی، تو کچھ تو دہریہ مزاج تھے کہ جو شروع ہی سے منکر تھے قیامت کے۔

فلاسفہ یونان بھی دہریوں کی طرح قیامت کے منکر ہیں:

جیسا کہ فلاسفہ یونان وہ بھی منکر ہیں قیامت کے، وہ عالم کو قدیم مانتے ہیں کہ ہمیشہ سے ہے دنیا اور ہمیشہ اسی طرح چلی جائے گی نہ کوئی ابتداء ہے اس عالم کی، نہ کوئی انتہا ہے اس عالم کی۔

فلاسفہ ہند بھی قیامت کے منکر ہیں:

فلاسفہ ہند، یہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ ابتداء بھی نہیں ہے اور انتہا بھی نہیں ہے۔ اور اگر ہے بھی انتہا تو وہ انتہائیں بھی ہزاروں آئیں گی۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اتنے ارب اتنے کھرب اتنے کروڑ اتنے لاکھ برس تک یہ قائم رہتی ہے اور پھر پرلو آجاتی ہے قیامت آجاتی ہے۔ عالم مٹ جاتا ہے۔ اور پل بھر میں پھر از سر نو بننا شروع ہو جاتا ہے اور چار بیسی یعنی جو سب سے اول پیدا ہوتے ہیں تبت کے پہاڑ میں ان پر ریت اترتا ہے پھر دنیا چلتی ہے اور چار ارب اور چار کھرب اور چار کروڑ برس تک یہ چلتی رہے گی پھر پرلو آئے گی اور پھر از سر نو سلسلہ شروع ہو جائے گا تو ارواح ان کے یہاں گنتی کی متعین ہیں وہی لوٹ پھیر کر آجاتی ہیں اور مختلف لون بدلتی رہتی ہیں تو ابتداء و انتہاء کے یہ بھی قائل نہیں اور فلاسفہ یونان بھی قائل نہیں یعنی جتنے بھی بندگان عقل ہیں وہ قائل نہیں ہیں۔ قیامت کے ان کا خدا ان کی عقل ہے یہ اس واسطے کہ ان کے عقائد میں یہ چیزیں آئی نہیں کہ ابتداء ہے اس عالم کی، تو در حقیقت خدا کے وجود کے بھی منکر ہیں، ایک نمونہ عرب میں موجود تھا جو منکر تھے قیا مت کے تو ایک منشاء تو ان کے سوال کا استہزاء اور مسخرہ پن ہے جو چیز آنے وا لی نہیں ہے آپ خواہ مخواہ اس سے ڈرا رہے ہیں ہمیں نہ قیامت آوے نہ عالم ختم۔ بعض قائل تھے قیامت کے مگر اس کے مقصد سے واقف نہیں تھے کہ حقیقت کیا ہے قیامت کی، اس کی جہالت کی وجہ سے یہ سوال پیدا ہوا تمسخر آمیز کہ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ کب کو آئے گی وہ قیامت تو قیامت کی حقیقت پیش نظر نہیں یعنی یہ پیش نظر نہیں تھا کہ ایک زندگی ختم ہو کر اس کے ثمرات اگلی زندگی میں نکلیں گے اور اس کے لئے لازمی ہے کہ ایک عالم کو ختم کیا جائے اور دوسرے عالم کی بنیاد ڈالی جائے تاکہ مجموعہ بنی آدم کو نتائج دیکھنے کا موقع ملے اچھے برے۔ یہ ہو نہیں سکتا جب تک کہ ایک جہاں بدل کر دوسرا جہاں نہ لایا جائے۔ تو بعضے اس حقیقت کے منکر تھے۔ قیامت کے قائل تھے مگر حقیقت سے لاعلم تھے۔ اس واسطے یہ سوال کیا کہ کب کو آئے گی یہ قیامت؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا انکار ہو یا قیامت کے مقصد کا انکار ہو یہ اپنی بھی تکذیب ہے اور مشاہدات کو بھی جھٹلانا ہے خود اپنے دیکھے کو جھٹلانا ہے۔

قیامتیں تین ہیں شخصی قرنی کلی۔

اس واسطے کہ قیامت ایک نہیں ہے بلکہ کئی ہیں قیامتیں ایک قیامت ہے شخصی اور ایک قیامت ہے قرنی۔ اور ایک قیامت ہے کلی۔ شخصی قیامت ہر شخص کی موت ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ۔ جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہوگئی۔ تو یہ شخصی قیامت ہے کہ ہر شخص کے اوپر آرہی ہے۔ یعنی ایک زندگی ختم ہوتی ہے اور دوسری زندگی شروع ہوتی ہے۔ تو یہ شخصی زندگی ہے شخصی موت ہے۔ اور شخصی قیامت بھی۔ دوسری قیامت ہے قرنی یعنی ایک نسل کا اختتام جس کا اندازہ تخمینہ سو برس ہے۔ سو برس کے اندر اندر ایک نسل ختم ہو جاتی ہے۔ اور دوسری نسل کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی فرد کی عمر اتفاق سے بہت بڑھ جائے سو دو سو برس ہو جائے۔ تو ایک فرد کا نام زمانہ نہیں ہوتا زمانہ کہتے ہیں اکثریت کو کہ ایک نسل کی نسل آجائے۔ اور نسل کی نسل ختم ہو جائے۔ ایک آدھ فرد رہ جائے۔ تو اس سے نسل پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ تو گویا ایک صدی رکھی گئی ہے ایک نسل کے لیے تخمینہ کے طور پر۔ اس واسطے حدیث میں تجدید کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ کہ دین کو تازہ بتازہ کیا جائے گا۔ اور ہر صدی کے اوپر مجدد کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس امت میں نبی تو نہیں آئے گا کیونکہ نبوت آخری ہے لیکن مجددین آئیں گے۔ ہر سو برس کے بعد اللہ تعالیٰ مجدد پیدا کرے گا۔ لوگ اپنی خود رائیوں سے دین میں جو خلط ملط کریں گے کچھ بدعات ملا دیں گے کچھ منکرات، مجدد آ کر پھر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دے گا اور پھر از سر نو دین تازہ بہ تازہ ہو جائے گا۔ اس لیے وعدہ کیا گیا ہے کہ ایک طبقہ ہمیشہ اس امت میں حق پر رہے گا۔ کبھی حق منقطع نہیں ہوگا۔ اس سے وہ ایک بیج کی مانند ہوگا۔ اس میں سے کونپلیں پھوٹیں گی۔ اور نئی شاخیں پھر ابھر آئیں گی۔ اور مجددین آکر دین کی تجدید کریں گے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَاْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا۔ کہ اللہ تعالیٰ تازہ بہ تازہ کرے گا۔ اس دین کو ہر صدی پر ہر صدی پر مجدد آئیں گے۔

ہر صدی کے شروع میں مجدد آنے کی حکمت

تو ہر سو برس کے بعد مجدد کا وعدہ اس لیے کیا گیا ہے کہ سو ہی برس ہوتے ہیں ایک نسل کے جب نسل آتی ہے تو نظریات بھی نئے ہوتے ہیں کچھ حالات بھی نئے ہوتے ہیں۔ زمانے میں کچھ ترقی ہوتی ہے ان ترقیات سے نئے نئے سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ تو لوگوں میں اشتباہ پیدا ہوتا ہے دین کے بارے میں مجدد آ کر اس قرن کی ضروریات کو سامنے رکھ کر دین کی تجدید کرتا ہے تو پھر دین قلوب میں تازہ بہ تازہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ایک نسل کے آغاز اور ایک نسل کے اختتام کا عمومی اندازہ سو برس ہے۔ اس لیے سو برس پر مجدد کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس کا حاصل نکلا کہ ہر سو برس کے بعد ایک قیامت قائم ہوتی ہے یعنی ایک نسل ختم ہو کر دوسری نسل کے لیے جگہ چھوڑتی ہے۔ اسے قیامت قرنی کہتے ہیں۔ اور ایک تیسری قیامت ہے جو قیامت کلی ہے کہ پورے عالم پر موت طاری ہو جائے۔ آسمان سے لے کر زمین پہاڑ حتیٰ کہ ملائکہ علیہم السلام ارواح مقدسہ کوئی چیز باقی نہ رہے۔ اور اَحدیّتِ مطلقہ کا ظہور ہو صرف ایک اللہ کی ذات قائم رہے تو جیسے اس کا نام واحد ہے کہ وہ ایک ہے۔ ایسے ہی اس کا نام احد بھی ہے وہ یکتا ہے اور بے مثل و بے مثال تو یکتائی کا ظہور نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ ہر چیز مٹ کر تنہا ذات واحد نہ رہ جائے۔

عالم دنیا اللہ تعالیٰ کی صفات کے ظہور کے لیے بنایا گیا

یہ عالم اللہ نے بنایا ہے اپنی صفات کے اظہار کے لیے تو تمام صفات ظاہر ہوں گی رحمانیت بھی ظاہر ہو رہی ہے غفوریت بھی ظاہر ہے رزاقیت بھی ظاہر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت احدیت کے ظہور کے لیے قیامت کا آنا ضروری ہے

احدیت کا کوئی ایسا ظہور کہ کوئی نہ ہو اور وہ ہو یہ جب ہی ہو گا۔ جب پورے عالم کا نظام ختم کر دیا جائے۔ اور اس کے بعد پھر ایک نظام لایا جائے تو احد کی صفت کے ظہور کے لیے قائم کی گئی ہے تو ایک قیامت شخصی ہوئی ایک قرنی ہوئی اور ایک قیامت کلی ہوئی۔ دو قیامتیں وہ ہیں جو ہر شخص اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے ہر انسان جب مرتا ہے اس کی قیامت قائم ہوئی یہ ہر ایک کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ تو جس عالم کے اجزاء پر قیامتیں آ رہی ہیں۔ کیسے ممکن ہے کہ اس کے کل پر قیامت نہ آئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں فنا کے قبول کرنے کی صلاحیت ہے۔ جبھی تو ہر جز اس کا موت کی طرف جاتا ہے۔ اگر اس عالم میں صلاحیت نہ ہوتی موت کے قبول کرنے کی تو ایک فرد بھی اس کا نہ مرتا۔ ایک جز میں بھی تغیر نہ ہوتا۔ سارے اجزاء علی حالہ باقی رہتے۔ لیکن جب ایک جزء موت کی طرف جاتا ہے تو مجموعہ بھی یقیناً موت کی طرف جائے گا۔ ان اجزاء کے مجموعہ کا نام ہی تو عالم ہے۔ اب انفرادی طور پر یہ اجزاء جتنے ہیں ایک وقت آئے گا مجموعہ مل کر مٹ جائے گا۔ پورے عالم پر موت طاری ہو جائے گی۔ جس کے ایک جز میں یہ خاصیت ہے وہ کل کے اندر بھی ہو گی۔ ورنہ اجزاء میں وہ بات پیدا نہ ہوتی اجزاء میں خاصیت نہ آتی۔ تو موت شخصی قیامت شخصی ہم روز دیکھتے ہیں ہر فرد پر۔

عالم دنیا کے ہر جز پر موت طاری ہوتی ہے

انسان ہی نہیں جانور بھی مرتے ہیں۔ اور جانور ہی نہیں تمام اجزاء مرتے ہیں ایک پتھر رکھا صحیح سالم وہ ٹوٹ گیا۔ اس کی ہیئت کذائی مٹ گئی۔ درخت ہیں ان پر موت طاری ہوتی ہے۔ بعضے درختوں کی عمر سال بھر ہے جیسے پپیتا سال بھر میں اگا اس کے بعد نئی شاخ پھوٹ آئی۔ یا کیلا ہے کہ سال بھر رہا اس کے بعد مٹ گیا۔ بعضے درختوں کی عمر بھی زیادہ ہوتی ہے۔ بعضوں کی سو سو برس ہوتی ہے۔ تو جس طرح سے بنی آدم میں عمریں مختلف ہیں نباتات میں بھی مختلف ہیں تو نباتات بھی مرتے ہیں جمادات بھی مرتے ہیں۔ حیوانات بھی مرتے ہیں۔ انسان بھی مرتے ہیں تو جب اس سارے عالم کے سارے اجزاء موت کو قبول کرتے ہیں تو عقل بتلاتی ہے کہ مجموعہ بھی قبول کرے گا۔ اس کے اندر موت آنے کی صلاحیت موجود ہے۔ تو جو لوگ روزانہ دیکھتے ہیں قیامت کو آتے ہوئے وہ کیسے انکار کر سکتے ہیں۔ مجموعہ قیامت کا یہ تو اپنے مشاہدہ کو جھٹلانا ہے۔

قیامت کا انکار خود اپنے آپ کو جھٹلانا ہے

تو قیامت کا انکار کرنا خود اپنی تکذیب ہے اپنا انکار کرنا ہے۔ ورنہ جو منکر ہیں قیامت کے انہیں چاہیے کہ وہ مرا نہ کریں اور ملک الموت کا مقابلہ کریں۔ اور کہہ دیں کہ ہم میں صلاحیت نہیں ہے موت آنے کی۔ ہم میں تو ابد الآباد تک رہنے کی صلاحیت ہے لہٰذا ہم مرنا نہیں چاہتے۔ اگر وہ اس پر قادر ہوتے تو عالم کے بارے میں بھی دعویٰ کر سکتے تھے۔ کہ اس عالم پر بھی موت نہیں آئے گی۔ جب اس کے اجزاء پر نہیں آتی تو کل پر بھی نہیں آئے گی۔ لیکن جب آتی ہے اجزاء پر تو کل پر آنا ممکن ہے۔ اس واسطے یہ اپنے مشاہدے کی تکذیب ہے اب دوسری چیز یہ ہے کہ قیامت کا مقصد پیش نظر نہیں ان کے جس سے وہ انکار کرتے ہیں۔

قیامت کا مقصد:

قیامت کا مقصد یہ ہے کہ پہلی زندگی میں کچھ سامان کیا جائے۔ تا کہ اگلی زندگی میں کار آمد ثابت ہو۔ اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس موت کا علم بھی ہو یہ علم ہونا چاہیے کہ یہ زندگی ختم ہو گی تو آدمی سامان کرے گا اگلی زندگی کا۔ مثلاً ایک شخص مرتا ہے تو کیا وہ اپنی زندگی میں اس کی فکر نہیں کرتا۔ کہ میں اپنی اولاد کے لیے کچھ کر جاؤں تا کہ کل کو آنے والے مجھے برا بھلا نہ کہیں۔ اس واسطے آدمی جائیداد خریدتا ہے تجارتیں قائم کرتا ہے۔ کمپنیاں بناتا ہے کہ میں ہی نہیں

میری اولاد کے بھی کام آئے۔اس کو یقین ہے کہ میں گزر جاؤں گا۔اس عالم سے تو میری نسل مصیبت میں نہ پڑے۔احادیث میں بھی ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تم بجائے اس کے کہ مرتے وقت اولاد کے ہاتھ میں بھیک کا ڈھوگرا دے جاؤ۔یہ بہتر ہے کہ ایسا سامان کر جاؤ۔کہ تمہاری اولاد خوشحالی کے ساتھ زندگی بسر کرے۔یعنی تنہا اپنی فکر نہ کرو۔بلکہ اپنی اولاد کی بھی فکر کرو۔تو اولاد کی فکر آدمی اسی زندگی میں تو کرتا ہے۔اور کرتا ہے اگلی زندگی کے لیے۔تو کیا وہ یہ پوچھا کرتا ہے کہ صاحب پہلے سے بتلا دو کہ کون سی تاریخ میری موت آئے گی۔جب میں یہ سامان کروں اولاد کے لیے۔وہاں مطلقاً اتنا کافی ہے۔کہ موت کا علم ہو کہ آئے گی ضرور۔کب آئے گی کون سی تاریخ پہ آئے گی یہ ضروری نہیں۔جب تم اپنی شخصی زندگی کو جانتے ہو۔کہ ایک زندگی میرے بعد آئے گی۔مجھے نیک نامی کا سامان کرنا چاہیے۔اور اس کے لیے یہ لازم نہیں کہ موت کے وقت کا علم ہو۔تو مجموعہ عالم کی موت میں کیوں سوال کرتے ہو۔مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ کون سی تاریخ کو آئے گی قیامت۔بھئی جیسے تمہیں شخصی موت کے وقت کا علم نہیں اسی طرح اگر مجموعہ قیامت کا علم بھی نہ ہو دن تاریخ کا تو اس میں کیا نقصان بیٹھتا ہے؟ وہاں بھی بلا تاریخ کے علم کے اگلے سامان کرتے رہو۔یہاں بھی تم اس زندگی کے بعد اگلی زندگی کا سامان کرو۔

قیامت کے دن کے لیے وہاں تاریخ نہیں پوچھتے یہاں کیوں پوچھتے ہو؟ وہاں کیوں نہیں کہتے کہ صاحب موت کب آئے گی پہلے مجھے یہ علم ہو کہ جنوری کی فلاں تاریخ میں میرا انتقال ہوگا۔جب تو میں اپنی اولاد کے لیے کچھ آئندہ کا سامان کروں۔اور اگر یہ علم ہی نہ ہو مرنے دو اولاد کو بھی جانے دو۔جب وہاں سوال نہیں کرتے یہاں بھی سوال نہیں کرنے چاہئیں۔اسی طرح سے قرنی قیامت قائم ہوتی ہے ایک نسل ختم ہوتی ہے۔دوسری نسل آتی ہے یہ نسل بھی تو سامان کرتے رہے گی۔کہ ہماری اگلی نسلیں ٹھیک رہیں۔اگر کسی نسل میں حکومت ہے تو وہ اپنے دم بھر صحیح حکومت کرے گی۔کہ میرے خاندان میں باقی رہے یہ حکومت میری قوم میں باقی رہے۔دوسری قوم اس پر غالب نہ آئے۔تو کیا وہ یہ پوچھا کرتی ہے کہ ایک صدی کی کون سی تاریخ کون سے منٹ میں یہ تاریخ ختم ہوگی جب تو ہم سامان کریں اگلی نسل کے لیے۔اور جب معلوم نہ ہو تاریخ تو نہ کریں کوئی اس کی فکر نہیں کرتا۔اسے اتنا معلوم ہے کہ سو برس میں اندازاً ایک نسل گذر جائے گی۔وہاں وہ کبھی نہیں پوچھتے مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ یہ کب کو آئے گی؟ کون سی تاریخ ہوگی؟ جب وہاں بلا تاریخ کے علم کے اگلی نسلوں کا بندوبست کرتے ہو۔تو یہاں بلا علم تاریخ کے کیوں نہیں قیامت کا بندوبست قیامت کے بعد کی زندگی کی فکر کیوں نہیں کرتے۔معلوم ہوا کہ تمہارا سوال مہمل ہے۔محض ٹال مٹول کے لیے سوال کر رہے ہو۔کوئی معقول سوال نہیں ہے اگر معقول ہوتا۔تو شخصی موت میں بھی یہ سوال کرتے۔اور قرنی موت میں بھی یہ سوال کرتے لیکن وہاں نہیں کرتے اسے غیر معقول جانتے ہو۔تو کلی قیامت میں اس سوال کو کیوں تم نے معقول سمجھا؟ یہاں بھی غیر معقول تو اصل میں قیامت کے مقصد کا علم نہیں ہے مقصد یہ ہے کہ اس زندگی میں کچھ کر جاؤ تا کہ اگلی زندگی میں کام آجائے۔یہ ایک مقصد ہے۔یہ شخصی قیامت میں بھی ہے قرنی قیامت میں بھی ہے کلی قیامت بھی ہے تو یا تو اس کا علم نہیں۔یا جان بوجھ کر اپنے کو جاہل بنا رکھا ہے۔ٹال مٹول کر کے دعوے کو رد کرنا ہے۔اس واسطے سوال کرتے ہو تو یہ حاصل نکلا کہ قیامت کا آنا یہ آنکھوں دیکھی چیز ہے۔روزانہ قیامتیں آنکھوں سے دیکھتے ہیں جب مشاہدہ ہے تو انکار کرنا اس کو جھٹلانا ہے۔اپنے مشاہدہ کو وہ اپنی تکذیب سے وہ خدا کی تکذیب نہیں اللہ کا وعدہ اپنی جگہ سچا ہے وہ اس درجے کا ہے ہی نہیں کہ کوئی اس کو جھٹلا سکے۔اسے جھٹلانے والا اپنے کو جھٹلا رہا ہے۔جیسے ایک موقع پر فرمایا اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ یہ جو اللہ کو جھٹلا رہے ہیں۔درحقیقت اپنے نفس کو جھٹلا رہے ہیں اپنے کو دھوکے میں ڈال رہے ہیں۔تو مشاہدہ کا انکار خود اپنا انکار ہے۔جب آنکھوں سے دیکھتے ہو۔کہ قیامتیں روزانہ ہیں۔تو پھر قیامت کا انکار وہ اپنے مشاہدے کی تکذیب ہے اور اپنی آنکھوں دیکھی بات کو جھٹلانا یہ اپنے کو جھٹلانا ہے خدا کو جھٹلانا نہیں وہ بری ہے اس سے کہ کوئی اس کو جھٹلائے اس کو تو یہ ہے مشاہدہ۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ قیامت آنی چاہیے

اور جہاں تک عقل کا تعلق ہے تو عقل بھی اس کی موید ہے کہ قیامت آنی چاہیے۔عقل خود شاہد ہے۔اس واسطے کہ یہ ایک عقلی قاعدہ ہے کہ جو چیز مخلوط ہوتی ہے۔چند اجزاء سے جب تک کہ اسے توڑ کر اجزاء الگ الگ نہ نکالے جائیں۔وہ نفع نہیں دیتی۔جب اس کے اجزاء الگ الگ چیزوں کو نفع پہنچاتے ہیں۔تو مجموعہ کو توڑ پھوڑ کر جب تک اجزاء الگ الگ نہیں کر دیئے جائیں گے۔وہ نفع بخش ثابت نہیں ہوں۔مثال اس کی ہے کھیتی۔ایک کسان نے کھیتی بوئی جو۔اور چھ مہینے کے بعد کھیتی لہلہا اٹھی۔آنکھیں بھی اس کو دیکھ کر لے رہی ہیں۔اور کاشتکار کا دل بھی خوش ہے۔کہ اب میرے لیے موقع آ گیا ہے۔میرا گھر بھرے گا۔بہت خوش لیکن جب کھیتی پک گئی دانے پختہ ہو گئے۔تو وہی کسان جس نے خون پسینہ ایک رنگ کر کے اس کھیتی کو پروان چڑھایا تھا۔درانتی لے کر خود ہی اسے کاٹنا شروع کر دیا۔اور ساری کھیتی کو اجاڑ کر رکھ دیا کاٹ ڈالا۔پھر اسی پر بس نہ کی۔کہ کھیتی کاٹ دی ہو۔کھیتی کاٹ دی ہو کھیتی کا کاٹ کر کھلیان میں جمع کیا اور اس کے بعد بیل چلا کر اسے چکنا چور کرنا شروع کیا۔ریزہ ریزہ کر دیا۔پھر اسی پر بس نہیں کرتے کسان کاٹنے کے بعد خود اپنے پیروں سے نہیں بلکہ بیلوں کے پیروں سے روندوایا اس کے بعد تھال میں لے کر اڑاتے ہیں۔جو ساری بکھر کر الگ الگ ہو جائے۔اگر کوئی کاشتکاروں کہے کہ بیوقوف، چھ مہینے کی خون پسینے کی کمائی تیری تو نے

ہی اسے آباد کیا تھا۔ پروان چڑھایا تھا۔ اور بیوقوف اپنے ہی ہاتھ سے اجاڑ دیا اس کو۔ یہ تو نے بڑی غلطی کی۔ غیر معقول بات کی۔ اپنی پروان چڑھائی ہوئی کھیتی کو کاٹ ڈالا ریزہ ریزہ اور چکنا چور کر دیا۔ تو وہ یہ کہے گا کہ بیوقوف تم ہو سوال کرنے والے میں نے عقل مندی سے کام لیا اور اس لیے کہ میری کھیتی میں بھوسہ اور جو مخلوط تھے۔ بھوسہ غذا ہے بیلوں کی اور جو غذا ہے انسانوں کی جب تک میں اسے کاٹ کر چکنا چور نہ کروں بھوسہ الگ نہیں ہو سکتا تھا دانے سے۔ جب میں نے الگ کر دیا بھوسہ تو گیا جانوروں کے پیٹ میں اور دانہ گیا انسانوں کے پیٹ میں اپنے اپنے ٹھکانے پر ہر چیز پہنچ گئی۔ مجموعی کھیتی اگر نہ توڑی جاتی نہ چکنا چور کی جاتی تو ہر ایک کو اپنی اپنی غذا نہیں مل سکتی تھی یہ جواب معقول ہوگا اس کا سوال نامعقول ہوگا۔

دنیا آخرت کی کھیتی ہے

فرماتے ہیں اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ یہ دنیا کھیتی ہے آخرت کی اس میں کفر اور اسلام حق اور باطل سچ اور جھوٹ سب رلا ملا چل رہا ہے دونوں چیزیں الگ الگ ہیں ایک دوسرے کے منافی ہیں مگر یہاں رلی ملی چل رہی ہیں۔ ایک حقانی دلائل پیش کرتا ہے ایک باطل پسند کچھ ملمع سازی کر کے حق کو باطل میں ملا کر پیش کر دیتا ہے وہی اپنے باطل کو حق ثابت کر رہا ہے بہت لوگ جو زیرک ہیں دانش مند ہیں وہ تو اصلیت کا پتہ لگا لیتے ہیں مگر ہزاروں بہک بھی جاتے ہیں۔ پھر دلائل کو ایسی ملمع سازی سے پیش کریں گے لوگ کہ اہل حق تو بے چارے بیٹھے رہ جائیں گے۔ اور باطل کو فروغ ہو جائے گا۔ تو دنیا میں حق اور باطل سچ اور جھوٹ اخلاص اور نفاق کفر اور اسلام سب خلط ملط چل رہا ہے اور ہر ایک مدعی ہے کہ میں حق پر ہوں۔ الگ نہیں کہ دودھ الگ ہو پانی الگ ہو، عقل لڑا کر غور کرو تو الگ ہوتا ہے ورنہ دیکھنے میں بالکل یکساں ہیں ہیرا بھی یکساں ہے اور کنچ کا ٹکڑا بھی یکساں ہے اب جوہری تو کم ہوتے ہیں جو ہیرے کو الگ کر دیں اور کنچ کے ٹکڑوں کو الگ سارے تو جوہری نہیں وہ کہیں گے کہ بھئی یہ جو نقلی ہے یہ بھی وہی ہے اصلی ہے وہ بھی وہی ہے ہمیں تو کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔

دنیا میں سب چیزیں خلط ملط ہیں آخرت میں سب کو الگ الگ کر دیا جائے گا

تو دنیا میں دونوں چیزیں چل رہی ہیں خلط ملط، حق تعالیٰ نے اس دنیا کی کھیتی کو پروان چڑھایا ہزاروں ہزار برس سے اس کو پانی دیا، سینچا لہلہا اٹھی اور قیامت کے دن اپنے ہی ہاتھوں سے سب کچھ چکنا چور کر کے تباہ و برباد کر دیں گے۔ آسمان نیچے گر پڑے گا۔ چاند سورج کے ٹکڑے، زمین کے ٹکڑے پانی مٹی یہ سب گڈ مڈ ہو کر خلط ملط جائے گا۔ اگر کوئی حق تعالیٰ سے سوال کرے کہ آپ ہی نے تو اس کھیتی کو پروان چڑھایا تھا۔ ہزار برس آپ کی قدرت نے اسے سینچا اور بنایا اور اپنے ہی ہاتھوں اجاڑ دیا۔ فرمائیں گے اس میں کفر اور اسلام، حق و باطل ملا ہوا تھا۔ اس میں حق اور حقانی لوگ یہ غذا ہیں جنت کی اور کفر اور کفر والے لوگ یہ غذا ہیں جہنم کی۔ جب تک اس کھیتی کو کاٹ کر اجزاء الگ الگ نہ کر دیے جائیں تو جنت کی غذا الگ نہیں ہو سکتی۔ جہنم کی غذا بھی الگ نہیں ہو سکتی تھی۔ تو میں نے اسے پروان چڑھایا تاکہ پک جائے۔ پکنے کے بعد اب اسے غذا دینی ہے جنت اپنی غذا مانگ رہی ہے۔ تو اسلام اور صاحب اسلام اسے دیے جائیں گے اور کفر اور صاحب کفر جہنم کو دیے جائیں گے کھیتی اگر یونہی برقرار رہتی تو جنت بھی خالی رہتی جہنم بھی خالی رہتی۔ حالانکہ اس عالم کو بھی بھرنا ہے تو آج جنت بھی خالی اور جہنم بھی خالی مگر دونوں مانگ رہے ہیں کہ میری غذا دیجئے۔ جنت بھی رات دن سوال کر رہی ہے۔ کہ مجھے بھیجئے لوگ اور وعدہ ہے اللہ کا کہ ہم بھر دیں گے اور جہنم بھی پکار رہی ہے۔ کہ مجھے بھر دیجئے اور اللہ کا وعدہ ہے کہ ہاں بھریں گے لیکن ذرا بھوک کو کامل ہونے دو۔ ایک وقت گذر جائے۔ جب تکمیل کو پہنچ جائے گی۔ بھوک تب غذا دیں گے۔ تاکہ تمہارے اندر سرور پیدا ہو بلا بھوک کے اگر کھا لیا۔ تو وہ ہضم نہیں ہوگا اور اس کے لطف بھی محسوس نہیں ہوں گے۔ جب معدہ پوری طرح کامل بن جائے۔ اور بروقت غذا دی جائے۔ تو فرحت اور سرور اور قوت کا باعث ہوتا ہے۔ اور اگر اشتہا صادق نہ ہو۔ اشتہاء کاذب ہو مانگتا رہے معدہ اور بھرتے رہیں تو بیماریاں پیدا ہوں گی۔ تو کامل بھوک کے وقت جو چیز دی جاتی ہے وہ پچتی بھی ہے۔ کھپتی بھی ہے۔ اور مسرت کا باعث ہوتی ہے اس کے لیے ہم نے وقت رکھا ہے۔ اس وقت اس کھیتی کو کاٹ کر چکنا چور کر کے دانہ الگ کر دیں گے اور بھوسہ الگ کر دیں گے بھوسہ جائے گا جہنم میں، دانہ چلا جائے گا جنت میں۔ اس جہان میں دانہ ہے حق اور اہل حق اور بھوسہ ہے کفر اور اہل کفر وہ جہنم کی غذا ہیں۔ یہ جنت کی غذا ہے تو جس طرح سے روزانہ ایک کاشتکار اپنی کھیتی کو ہر چھٹے مہینے پامال کرتا ہے تاکہ غذا الگ الگ کرے۔ حق تعالیٰ شانہ اس پورے عالم کی کھیتی کو ایک دن چکنا چور کر کے اجزاء الگ الگ کر دیں گے۔ تو ظاہر بات ہے کہ قیامت کا ماننا گویا عقلاً ضروری ہے۔ عقل خود کہتی ہے کہ ایک عالم آنا چاہیے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ الگ ہو کر نکھر جائے۔ اسی کا نام قیامت ہے۔

قیامت تخریب کا نام نہیں تعمیر کا نام ہے

قیامت تخریب کا نام نہیں کہ عالم کو اجاڑ دو تعمیر کا نام ہے۔ بس اتنا ہے کہ اگر کسی پرانے مکان کی جگہ آپ نیا مکان بنانا چاہیں تو قاعدہ ہے کہ اسے ڈھا کر جو اچھے اجزاء ہیں وہ لے لیتے ہیں اور بقیہ پھینک دیتے ہیں۔ اور نئی تعمیر کرتے ہیں کوٹھی دار پرانے اجزاء پھینک دیتے ہیں۔ اور کارآمد ملبہ اور میٹریل لے کر نئی تعمیر بناتے ہیں۔ تو قیامت درحقیقت ایک نئے عالم کی تعمیر کا نام ہے مگر وہ بن نہیں سکتا جب تک کہ اس پرانے عالم کو ڈھا نہ دیا

جائے۔اور ڈھانے کے بعد جو میٹریل عمدہ اور مضبوط ہے وہ تو ادھر لے لیں گے اور جو خراب اور خستہ ہے اسے پرے پھینک دیں گے۔اس طرح سے ایک نئے عالم کی تعمیر ہوگی۔تو قیامت درحقیقت تعمیر کا نام ہے۔تخریب کا نام نہیں ہے مگر تعمیر نہیں ہوتی جب تک کہ ڈھا نہ دیا جائے پرانی عمارتوں کو اس وقت تک جگہ خالی نہیں ہوتی۔اور نیا عالم نہیں بنتا۔تو اب جب قیامت کا مقصد واضح ہوگیا۔کہ پرانی چیزوں کو ختم کر کے نئے عالم کی تعمیر ہو۔اور اس پرانے میں بھی دودھ الگ کر دیا جائے اور پانی الگ۔دانہ الگ اور بھوسہ الگ۔اس کے لیے لازمی ہے کہ اس کی تخریب کر کے چکنا چور کرو۔پھر نئے عالم کو بساؤ۔یہ ایک ایسی معقول چیز ہے کہ دنیا میں کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔اور جب یہ معقول ہے تو قیامت کا آنا کیوں غیر معقول ہے۔اور جب وہ غیر معقول نہیں ہے تو یہ سوال کیسا کہ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ صاحب وہ کب کو آئے گی قیامت؟ یہ تو ایسا ہی ہے کہ جیسے ایک کاشتکار نے بیج بویا اور کونپلیں نکل آئیں اور اس نے کہا کہ مجھے توقع ہے کہ اس کھیتی میں دانہ لگے گا اور ہزاروں روپے ہوں گے دوسرا جھٹلا دیتا ہے۔کہ دانہ دے کیوں نہیں دیتا نکال؟ یعنی آج کھیتی بوئی ہے اور کل کو وہ کہے گا کہ لے آنا وہ دانہ کہاں ہے؟ اور اگر نہیں لاتا تو یہ جھوٹ موٹ باتیں کر رہا ہے تو کاشت کار کہے گا کہ یہ احمق ہے نہ اسے کھیتی کا خبر نہ اسے یہ پتہ کہ کتنے دنوں میں اگتی ہے؟ نہ یہ پتہ کہ کیا انداز ہے کھیتی کا؟ بس اس نے دانہ کا نام سن کر آج ہی مانگنا شروع کر دیا ہے کہ اگر تو سچا ہے تو لے آنا حالانکہ آج ہی تو کونپل نکلی ہے اور کونپل نکلے گی۔چار مہینے میں ذرا بڑا ہوگا۔اور کوئی یوں کہے کہ لاؤ نا بھئی کہاں ہے وہ دانہ؟ تو کہے گا احمق ذرا ٹھہر جا تھوڑے دن یہ تو طبعی رفتار ہے چھ مہینے میں دانہ پختہ ہوتا ہے۔اس سے پہلے نہیں ہوتا۔تو جو اس چھ مہینے کو نہ مانے اور دو ہی میں مطالبہ کرنے لگے کہ اگر تو سچا ہے تو دکھلا وہ دانہ، وہی کفار کی مثال ہے کہ قیامت اپنے وقت پر آئے گی۔انہوں نے جھٹلا کے کہا کہ صاحب آنی ہے تو آج ہی کیوں نہیں آجاتی۔تو معلوم ہوا کہ یہ سوال بالکل غیر معقول ہے اور جہالت پر مبنی ہے معقول پسندی پر مبنی نہیں۔صرف ڈھینگا ڈھانگی ہے ہٹ دھرمی ہے کہ ماننا نہیں ہے پیغمبر کی بات صرف ادھر ادھر کے سوالات میں الجھا دو۔لیکن اللہ کے معاملات میں الجھاوا چلتا نہیں۔ فوراً دودھ الگ ہو جاتا ہے اور پانی الگ۔ (معارف حکیم الاسلام)

قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ

تو کہہ خبر تو ہے اللہ ہی کے پاس

وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ

اور میرا کام تو یہی ڈر سنا دینا ہے کھول کر ☆

یعنی وقت کی تعیین میں نہیں کر سکتا اس کا علم اللہ ہی کو ہے البتہ جو چیز یقیناً آنیوالی ہے اس سے آگاہ کر دینا اور خوفناک مستقبل سے ڈرا دینا میرا فرض تھا وہ میں ادا کر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

دین اسلام دین فطرت ہے

اس لیے کہ دین فطرت کا دین ہے اس کی تمام منقول چیزیں معقول بھی ہیں۔جب عقل اور نقل سے ثابت ہو تو دوسرا مجبور ہو کر چپ ہو گا۔اور نا معقول ہی اس کا قائل ہوگا۔تو قرآن کریم میں پہلے تو ان کا سوال نقل کیا ہے يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ کہتے ہیں وہ کہنے والے کہ صاحب وہ کب کو آئے گی قیامت؟ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم سچے ہو تو بتلاؤ نا کب کو آئے گی قیامت۔کوئی تاریخ بتلاؤ یا آج ہی لے آؤ اس قیامت کو حق تعالیٰ نے ان کو دفع کرنے کے لیے جواب دیا کہ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ۔اے پیغمبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے بھئی مجھے کچھ خبر نہیں کہ کب آئے گی قیامت میں تو اتنا جانتا ہوں کہ آئے گی کب آئے گی کون سی تاریخ کو آئے گی تو یہ علم اللہ کو ہے مجھے نہیں۔

قیامت کی تاریخ کا علم نہ ہونا ہی مصلحت ہے:

اور اس کی ضرورت بھی نہیں اس واسطے کہ اگر قیامت کا علم دے دیا جاتا کہ دس ہزار برس کے بعد آئے گی تو جتنی نسلیں اس سے پہلے تھیں وہ تو مطمئن ہو کر بیٹھ جاتیں کہ بھئی ہمارے اوپر تو نہیں آئے گی قیامت جن پر آئے گی وہ بھگت لیں لہٰذا ہم تو آزاد ہیں جو چاہے کریں حرام ہو حلال ہو، جائز ہو یا ناجائز ہو۔پھر اس درجہ ڈھٹائی میں مبتلا ہوتے کہ پھر کسی کو ہوش نہ ہوتا عمل صالح انجام دینے کا، سوائے اس کے کچھ فکر اس نسل کو ہو شاید جس کے اوپر قیامت آتی تو ایک تو اس میں یہ مضرت تھی کہ قیامت کی تاریخ بتلا دینے میں جو لوگ تاریخ سے بعید لوگ تھے وہ بے فکر ہو کر دنیا کی زندگی کو تباہ کر لیتے اور عمل صالح کی انہیں توفیق نہ ہوتی لیکن جب ان کو اتنا علم ہے کہ آئے گی تاریخ کا علم نہیں تو ہر وقت ایک ہی خطرہ لگا ہوا ہے۔کہ معلوم نہیں کہ کب قائم ہو جائے قیامت۔اور جب قیامت آنے والی ہے تو بھئی اپنی زندگی کو درست کر لو اس کی فکر کر لو۔اس کے لیے کچھ سامان کرو۔تو علم نہ دینے کے اندر ہی مصلحت ہے۔کہ انسان آمادہ رہے نیکی کرنے میں۔علم ہو جانے کے بعد نیکی چھوڑ دیتا یا اتنا خائف ہوتا کہ نیکی سے معطل ہو جاتا۔

انسان کو اس کے مرنے کی تاریخ نہ دینے میں بھی بڑی مصلحت ہے

حق تعالیٰ کی بڑی حکمت اور مصلحت ہے کہ کسی کو اس کی موت کا علم نہیں دیا۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ

کسی نفس کو یہ پتہ نہیں ہے کہ میں کب مروں گا۔ اور کہاں انتقال کروں گا۔ اس میں بڑی مصلحت یہ ہے کہ اگر ہر انسان کو مطلع کر دیا جاتا۔ کہ تیری عمر ساٹھ برس کی ہے تو اول تو اس کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہر روز گنتا کہ آج ایک دن کم ہو گیا آج دو دن کم ہو گئے۔ پھر نہ نیکی کرتا نہ بدی کرتا وہ تو ہر وقت لرزتا کانپتا رہتا اور زندگی اس کی اجیرن ہو جاتی۔ نہ کھانے میں لطف نہ پینے میں لطف۔ تو جب سارے ہی انسان ہی ایسے ہو جاتے تو نظام عالم تباہ ہو جاتا۔ نہ ترقی کی سوجھتی نہ تمدن کی سوجھتی نہ دنیا کو آباد کرنے کی سوجھتی، بس ہر شخص بیٹھا کانپتا رہتا لرزتا رہتا کسی کے پاس جاتے کہ بھئی کیوں کانپ رہے ہو؟ کہ جی میری عمر کے ایک سو انچاس دن رہ گئے ہیں۔ دوسرا کہتا کہ میرے تو چالیس ہی رہ گئے ہیں۔ تیسرا کہتا میرے تیس ہی رہ گئے ہیں تو ایک دوسرے سے رونا رو کر گزارتے نہ عمل ہوتا نہ دنیا آباد ہوتی اور منشا خداوندی ہے کہ دنیا کا نظام بھی چلے اور دنیا سے تمدن بھی چلے۔ اس تمدن میں رہ کر ہی تم دین بنا سکتے ہیں۔ اس لیے دنیا کی آبادی ضروری ہے اور وہ ہو نہیں سکتی تھی جب تک کہ موت کے وقت سے تمہیں غافل نہ بنا دیا جائے۔ یہ علم تو ہے کہ آنے والی ہے۔ یہ نہ ہو کہ کب آنے والی ہے۔ تم سے وقت کا اور تاریخ کا چھپانا ہی مصلحت ہے۔ اسی طرح سے قیامت کلی کے وقت کو چھپانا ہی مصلحت تھا۔ اتنا علم دے دیا جانا ضروری تھا۔ کہ آئے گی قیامت، اور یہ جہاں ایک دن ختم ہو جائے گا۔ تو جتنا علم دیا وہ بھی معقول اور جتنا نہیں دیا وہ بھی معقول۔ اور ظاہر بات ہے کہ معقول کا انکار وہ اپنی عقل کا بھی انکار ہے۔ وہ اپنے ہی کو جھٹلانا ہے۔ وہ حق تعالیٰ کی تکذیب نہیں بلکہ اپنی تکذیب ہے وہ تو بری ہے تکذیب سے اس کا ہر دعویٰ سچا ہے۔ تو اپنے کو جھٹلا رہا ہے آدمی جبکہ ایک معقول چیز کو جھٹلا رہا ہے اس واسطے فرمایا قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ بھئی علم، کب آئے گی اللہ کے پاس ہے۔ جب پیغمبروں کو بھی خبر نہیں دی گئی اس کی میری اور آپ کی کیا حقیقت کہ ہمیں اس کا علم دیا جائے۔ آگے فرمایا وَاِنَّمَا اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ علم اللہ کے پاس ہے میں تو ڈرانے والا ہوں اتنا علم مجھے دیا گیا ہے کہ آئے گی قیامت تو اسے پیش کر کے میں تمہیں ڈرا رہا ہوں۔ کہ جب آنے والی ہے تو کچھ سامان کر لو اس کے لیے۔

جہاں جتنا رہنا ہے اتنا ہی سامان اس کے لیے کرنا چاہیے

جیسے کہ حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ "اِعْمَلْ لِلدُّنْیَا بِمِقْدَارِ بَقَائِکَ فِیْهِ وَاعْمَلْ لِلْاٰخِرَةِ بِمِقْدَارِ بَقَائِکَ فِیْهِ اَوْ کَمَا قَالَ دنیا کے لیے اتنا سامان کرو جتنا تمہیں دنیا میں رہنا ہے آخرت کے لیے اتنا سامان کرو جتنا تمہیں آخرت کے لیے کرنا ہے دنیا میں رہنا ہے چند دن یہاں تھوڑا بھی کافی ہے آخرت میں رہنا ہے ابد الآباد تک تو وہاں کے لیے لمبا سامان کرنا چاہیے، انسانوں نے الٹا کر دیا ہے کہ جہاں چند دن رہنا ہے وہاں کے سارے سامان کر رہے ہیں تو یہ عقل کی گمراہی ہے۔ عقل کا کھوٹ ہے ہونا چاہیے تھا برابر تو آپ نے فرما دیا کہ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَا اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ علم تو اللہ کے پاس ہے کہ تاریخ کون سی ہے قیامت کی میں تو ایک کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں۔ اس لیے کہ مجھے آنے کا علم دیا گیا ہے وہ علم میں تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں اور وہی علم مصلحت بھی ہے تاریخ اور وقت کا علم مصلحت نہیں تمہارے لیے۔ (معارف حکیم الاسلام)

فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِیْٓـَٔتْ وُجُوْهُ

پھر جب دیکھیں گے کہ وہ پاس آ لگا تو بگڑ جائیں گے منہ

الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَقِیْلَ هٰذَا

منکروں کے اور کہے گا یہی ہے

الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾

جس کو تم مانگتے تھے ☆

یعنی اب تو جلدی مچا رہے ہیں لیکن جس وقت وہ وعدہ قریب آ لگے گا۔ بڑے بڑے سرکشوں کے منہ بگڑ جائیں گے اور چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں گی۔ (تفسیر عثمانی)

سِیْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا تم کیا سمجھتے ہو قیامت کو جب آئے گی قریب تو حلیے بگڑ جائیں گے تمہارے منہ سیاہ ہو جائیں گے تمہارے کفار کو خطاب کیا جا رہا ہے کہ بڑی آسانی سے تم مانگ رہے ہو آ جائے قیامت جب وہ آئے گی تو کیا حال ہو گا تمہارا، یہ تھوڑا ہی ہو گا جیسے آج مگن بیٹھے ہوئے کہہ رہے ہو کہ صاحب لے آؤ قیامت کو کہ جب آئے گی تو چہرے بگڑ جائیں گے حلیے بگڑ جائیں گے اور وہ آئے گی۔ یہ نہیں کہ بڑے مقدمات اس کے چلیں گے چھ مہینے پہلے کچھ اطلاعات دی جائیں اور چھ مہینے پہلے کچھ گڑگڑاہٹ ہو۔

قیامت پل بھر میں قائم ہو جائیگی:

وہ تو پل بھر میں قائم ہو جائے گی وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ۔

قیامت کا آنا لَمْحِ بَصَرٍ جیسے جیسے نگاہ جھپکتی ہے اتنے میں آ جائیگی کوئی پتہ پہلے سے نہیں ہو گا حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ دو آدمی کپڑا اسکھا رہے ہوں گے رنگ ریز، ایک پلہ ایک کے ہاتھ میں ہو گا ایک پلہ دوسرے کے ہاتھ میں وہ اسے سکھا رہے ہوں گے کہ اچانک قیامت قائم ہو جائے گی

؟ حدیث میں ہے کہ ایک عورت آٹا گوندھ رہی ہوگی گھر میں بیٹھی ہوئی اس کا ہاتھ آٹے میں ہوگا کہ اچانک قیامت قائم ہو جائے گی پل بھر میں قائم ہوگی۔

صور کی کیفیت:

صور جب پھونکا جائے گا جو عالم کی تباہی کا سبب ہوگا ابتداء بہت ہلکی آواز ہوگی کسی کو وہم بھی نہیں گزرے گا کہیں سے کوئی چیز ہے کوئی باجا ہے کوئی چیز ہے بج رہی ہے رفتہ رفتہ بڑھنا شروع ہوگی جب آواز ذرا بڑھے گی تو اب لوگ چونکیں گے کہ یہ کیا چیز ہے رفتہ رفتہ بڑھتی جا رہی ہے تو ادھر ادھر دیکھیں گے پھر کچھ کام میں لگ جائیں گے اس کے بعد اس میں درد کی سی آواز پیدا ہو گی تو اب حیران ہوں گے پریشان ہونگے درد یک دم ہوتا ہے یہ تدریجی طور پر بڑھتا جا رہا ہے جب زیادہ درد ہوگی تو اب اضطراب اور بے چینی پیدا ہوگی جنگلوں سے گھروں میں آئیں گے گھروں سے جنگلوں میں جائیں گے جانور انسان میں انسان جانوروں میں کوئی کسی کو اپنے حالت کی خبر نہ ہوگی اور اس کے بعد جب وہ انتہائی بڑھے گی حدیث میں ہے کہ جیسے سو گرجوں کے برابر ایک گرج ہوتی ہے مسلسل تو پھر کلیجے پھٹنے شروع ہونگے گرنے شروع ہونگے اور یہاں تک تو جانیں جائیں گی جب زیادہ بڑھے گی آواز تو پہاڑ پھٹنے شروع ہو جائیں گے سب چیزیں ریزہ ریزہ ہو کر گڈمڈ ہو جائیں گی دنیا میں جب کوئی بم پھٹتا ہے تو دیواریں ہلتی معلوم ہوتی ہیں اور کھڑکیوں کے کواڑ ٹوٹ جاتے ہیں انسان بعضے بے ہوش ہو جاتے ہیں تو اس کی بناء یہ ہے کہ اصل میں روح جو ہے یہ اللہ نے پیدا کی ہے قوت ہوائی اور آواز جو ہے یہ بھی ہوائی، یہ سانس زیادہ نکلتا ہے وہی آواز کہلاتی ہے تو سانس کے ٹھونکے کا نام آواز ہے ظاہر ہے کہ جب آواز اور ہوا زیادہ گرجتی ہوگی تو وہ جذب کرے گی چھوٹی ہوا کو تو یہ ارواح چونکہ ہوا سے پیدا کی گئی ہیں جب اصل مادہ زوروں پر آئے گا اور وہ ہے آواز اور وہ ہوا ہے تو روحوں کو جذب کرنا شروع کرے گی روحیں ہلنی شروع ہونگی تو غرض قیامت ہوگی صور پھونکنے سے۔

صور بتدریج پھونکا جائے گا:

اور صور بتدریج پھونکے گا تو جب وہ پھونکا جانا شروع ہوگا اور آواز آئے گی تو یہ نہیں کہ پہلے سے کچھ اطلاعات ہوں یا پہلے خطرات ہوں گے تو وہ پل بھر میں قائم ہو جائے گی۔ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ. جتنی دیر میں نگاہ جھپکاتے ہو بلکہ اس سے بھی کم میں ایک دم اچانک آ جائے گی جیسے موت انسان کی اچانک ہی آتی ہے یہ تھوڑا ہی ہے کہ پہلے سے اطلاعات دی جائیں بیمار بھی اگر آدمی ہوتا ہے تو یہ اس کو اندازہ نہیں ہوتا کہ اگلے منٹ میں آ جائے گی موت، چل رہا ہے بیماری جب آتی ہے تو ایک دم نزع شروع ہو گیا لوگ بھی سمجھ گئے کہ مرنے کا وقت آ گیا تو شخصی قیامت بھی اچانک ہی آتی ہے کلی قیامت بھی اچانک ہی آئے گی اسکا علم دے دیا گیا تو فرمایا اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ اس کی دن تاریخ کا علم تو اللہ کو ہے ہمیں نہیں ہے ہمیں تو اتنا علم ہے کہ آئے گی اور وہ ہی کافی ہے ہمارے عمل کیلئے وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ اور تم جو سہولت سے کہہ رہے ہو کہ لے آؤ اس قیامت کو تو فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓئَتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جب وہ آجائیگی اچانک تو تمہارے حلیے بگڑ جائیں گے چہرے بگڑ جائیں گے تم اس حالت میں نہیں ہو گے جس حالت میں آج ہو کہ سہولت سے مانگ رہے ہو قیامت کو تم سمجھ نہیں رہے کہ ہے کیا قیامت؟ اس واسطے بڑے اطمینان سے مانگ رہے ہو جیسے آدمی گھبرا کر بعض اوقات کسی مصیبت سے تنگ آکر موت کی دعا کرنے لگتا ہے تو یہی جواب اس کا ہوتا ہے کہ بیوقوف پتہ نہیں کہ موت کیا چیز ہے وہ تو سمجھ رہا ہے کہ یہ مصیبت تو ہے بہت بری اور موت بڑی معمولی چیز موت آجائے گی تو مصیبت ٹل جائے گی۔

موت سب مصیبتوں کا پیش خیمہ ہے:

موت تو سب مصیبتوں کا پیش خیمہ ہے سب سے بڑھ کر مصیبت ہے یہ تیری حماقت اور غلطی ہے کہ اس مصیبت سے تنگ آکر موت مانگ رہا ہے وہ کسی شاعر نے کہا ہے ناں کہ:

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
اور مر کے بھی چین نہ آیا تو کدھر جائیں گے

تو یہ سمجھ لینا کہ موت ہلکی چیز ہے یہ دنیا کی مصیبتیں بڑی ہیں یہ غلط ہے یہ ساری مصیبتیں اولین آخرین کی جمع کر دی جائیں تب ایک موت بنتی ہے تو موت سرچشمہ ہے سارے مصائب کا۔

حضرت ابراہیمؑ کا موت کی کیفیت کے بارے میں سوال:

حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام نے ملک الموت سے پوچھا، حضرت ابراہیمؑ نے سوال کیا ملک الموت سے کہ موت کی کیا کیفیت ہے، انہوں نے عرض کیا کہ میں کیفیت بتلاؤں جو جس پر گزرے گی وہ جانے گا مگر میں ایک مثال کے ذریعے کچھ فہم کے قریب کر دوں گا اصلیت نہیں سمجھا سکتا وہ تو گزرنے کی چیز ہے تو انہوں نے فرمایا کہ یہ سمجھو انسان کے بدن میں تار ڈالا جائے ایڑی سے لے کر چوٹی تک اور جتنی رگیں اور ہڈیاں ہیں اتنی شاخیں ہوں اس تار میں اور ہر ہر شاخ ہر ہر رگ میں پیوست کی جائے اور ان شاخوں میں کانٹے بھی ہوں لوہے کے وہ کانٹوں دار تار ہر ہر رگ کے اندر پیوست ہو تو اب گویا ایک تار انسان کے اندر گیا ہوا ہے اور اتنی شاخیں ہیں جتنی رگیں ہیں پٹھے ہیں اور ہر تار میں ہر شاخ میں کانٹے ہیں اور وہ پھٹ گیا اس کے بعد اس کو کھینچنا شروع کرو تو یوں معلوم ہوگا کہ رگ رگ درد سے بھرپور

ہے اور گویا ساری رگیں کھنچ آئیں گی اوپر، فرمایا کہ یہ ادنیٰ سی مثال ہے موت کی اور جان کندنی کی کہ جیسے رگ رگ کے اندر کانٹوں دار تار ڈال کر اسے کھینچا جائے اوپر تو جو اذیت اس وقت محسوس کر سکتا ہے آدمی وہ ادنیٰ سی مثال ہے موت کی اذیت کی تو موت کوئی آسان چیز تھوڑا ہی ہے کہ ذرا سی مصیبت میں گھبرا کر مانگنے لگے موت کوئی آسان بات نہیں ہے عظیم چیز ہے۔

مومن وکافر کی روح قبض کرتے وقت ملک الموت کی صورت

حدیث میں فرمایا گیا کہ ابراہیمؑ نے پوچھا ملک الموت سے کہ تم کس شکل میں آکر روح قبض کرتے ہو۔ فرمایا کہ مومن کے آگے تو نہایت اعلیٰ اور باجمال صورت ہے اس میں میں آتا ہوں اس سے بڑھ کر جمال نہیں ہو سکتا اور کفار کے آگے انتہائی بھیانک شکل میں آتا ہوں کہ جس سے بڑھ کر ڈراؤنی صورت نہیں ہو سکتی کہا مجھے دکھلا دو وہ صورت، کہا کہ آپ تحمل نہیں کر سکیں گے مگر اصرار کیا، تو حدیث میں ہے کہ اس شکل میں آئے جس سے مومن کی روح قبض کرتے ہیں ابراہیمؑ نے کہا اگر اللہ کوئی بھی نعمت نہ دے مومن کو صرف یہ شکل دکھلا دے تمہاری تو ساری نعمتوں سے بڑھ کر یہ نعمت ہے اس کو دیکھ کر قلب میں فرحت اور سرور بڑھ جاتا ہے اس کے بعد کہا کہ اب وہ شکل بھی دکھلاؤ کہا آپ تحمل نہیں کریں گے کہا نہیں دکھلاؤ اس شکل میں آئے تو دیکھتے ہی بے ہوش ہو گئے حضرت ابراہیمؑ برداشت نہیں کر سکے اسکے بعد ہوش آیا تو کہا کہ اگر کوئی بھی مصیبت نہ آئے کافر پر، فقط یہ شکل دکھلا دی جائے تو ہزار مصیبتوں کی یہ ایک مصیبت ہے اس کی کچھ شکل حدیث میں فرمائی گئی ہے کہ ملک الموت جس شکل میں آتے ہیں کفار کے آگے وہ ایک عجیب بھیانک شکل ہے ایک شخص کی، سیاہ فام اور ہر بدن پر جو رواں ہے وہ مثل نیزوں کے ہے اور ہر نیزے میں ایک شکل بنی ہوئی ہے انسان کی شکل یا جانور کی، تو اس سے گویا لاکھوں شکلیں صورتیں ایک شخصیت میں نمایاں ہوتی ہیں۔ جتنی گویا ڈراؤنی شکلیں ہیں ہیبت ناک وہ سب سامنے ہوتی ہیں تو وہ دیکھ کر خود ہی خون خشک ہو جاتا ہے وہ مستقل مصیبت ہے تو بہر حال موت کوئی سہل چیز نہیں الا یہ کہ حق تعالیٰ ہی سہل فرما دیں کسی کے لیے اسے سب کچھ قدرت ہے ساری شدت بھی گزر رے اور محسوس بھی نہ ہونے دے۔

موت کے آسان ہونے کی صورت:

جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی صورت فرمائی، فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ "مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَائَهٗ" جو شخص اس کا خواہش مند ہے کہ میں کب ملوں اپنے اللہ سے ہر وقت منتظر ہے شوق لگ رہا ہے عالم آخرت میں جانے کا اور:

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم　　تا در میکدہ شاداں و غزل خواں بروم

ان کی کیفیت یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ وہ کونسا مبارک دن ہو گا کہ ہم غزل خواں، شاداں و فرحاں اپنے پروردگار سے ملیں گے اور اس اجڑے ہوئے عالم کو چھوڑیں گے تو جن لوگوں کے دلوں میں شوق ہے اللہ سے ملنے کا فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے یہاں بھی شوق ہے وہ بھی منتظر ہیں کہ یہ بندہ کب ملے مجھ سے آکر تو ادھر سے بھی شوق ادھر سے شوق، مرنے کا جب وقت آتا ہے اس مومن پر وہ شوق وغلبہ کے ساتھ قلب پر ہجوم کرتا ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح جلدی پہنچوں لگا ہوا ہے اس شوق میں، اس شوق کے اندر اتنا منہمک ہوتا ہے کہ ساری تکلیفیں بھی گزر رہی ہیں اور کچھ بھی نہیں گزر رہیں اسے پتہ بھی نہیں چلتا سب کچھ گزر رہا ہے مگر وہ اتنا شوق میں غرق ہے کہ اسے محسوس ہی نہیں ہوتا کہ کیا تکلیف گزر رہی ہے۔ اور کچھ محسوس بھی ہوتا ہے تو نعمتیں سامنے اتنی ہیں کہ وہ کہتا ہے کہ اس سے دگنی بھی مصیبت گزر جائے یہ سامنے نعمتیں موجود ہیں، اب میرے پاس آنے والی ہیں پل بھر کی بات ہے۔

مصیبت کے سہل اور آسان ہونے کی مثال:

مثلاً آپ کو ایک گورنمنٹ یہ کہے کہ یہاں سے پانچ میل پر جو اسٹیشن ہیں وہاں ایک پانچ لاکھ کا بنگلہ آپ کے لیے تیار کیا ہے گورنمنٹ نے اور اس میں خزانہ بھی ہے دس لاکھ روپے کا ابھی گاڑی سے جاؤ اور اس پر جا کر قبضہ کر لو آپ خوشی خوشی چلے ریل میں گئے تو وہاں بیٹھنا تو بجائے خود کھڑے ہونے کی جگہ نہیں تھرڈ کلاس میں جا کر کھڑے ہوئے اور اتنا ہجوم کہ ہڈی اور پسلی چور ہو جائے تو انتہائی تکلیف میں ہے مگر شوق لگا ہوا ہے کہ پانچ منٹ کی بات ہے اب گئے اور دس لاکھ کے بنگلے پر قبضہ ہو گیا تو ذرہ برابر آپکو تکلیف کا احساس نہیں ہو گا کہیں گے چاہے اس سے دگنی آ جائے بس پانچ ہی منٹ کی تو بات ہے اب گئے اور جائیداد ملی لاکھوں کی، تو جیسا کہ دنیا کی ایک معمولی جائیداد کے شوق میں بڑی سے بڑی تکلیف بھگت جاتے ہیں اور احساس نہیں ہوتا تو ابد الآباد کی نعمت اور وہ نعمتیں جنکا یہاں کبھی تصور بھی نہیں ہو سکتا وہ سامنے کی جائے تو لاکھوں من بھی اگر تکلیف کا بوجھ پڑا ہوا ہو گا بھاویں بھی نہیں ہو گا کہ منٹ بھر کی بات ہے اب یہ نعمتیں مل رہی ہیں۔

مومن کی روح قبض کرنے کے وقت فرشتے جنت کے تحائف لیکر آتے ہیں

اسی واسطے فرمایا گیا ہے کہ مومن کی قبض روح کے وقت ملائکہ علیہم السلام کچھ تحائف لے کر آتے ہیں جنت کے وہاں کے پھل اور وہاں کے کپڑے اور وہاں کے کفن اور وہاں کی خوشبوئیں، ایک دم روح اس طرح سے جاتی ہے کہ بس وہ یوں کہتی ہے کہ میں پہنچ جاؤں پل بھر میں چاہے ہزار کانٹوں میں سے گزرنا

پڑے تو خود قبول کرتی ہے اس تکلیف کو کہ جتنی بھی تکلیف آئے مجھے بھگتنی ہے اسلیے کہ سامنے وہ نعمت موجود ہے تو اس وقت مشاہدہ ہوتا ہے نعمت کا، انبیاء علیہم السلام اور کمل اولیاء اللہ انکو آنکھ سے دیکھنے سے زیادہ یقین ہوتا ہے اللہ کے وعدوں پر، ہر وقت ان کے سامنے وہ نعمتیں ہیں اس واسطے کوئی تکلیف انکے یہاں تکلیف نہیں ہوتی ہزاروں ابتلاء ہزاروں مصیبتیں انبیاءؑ پر گزرتی ہیں اور ان کے قلوب مبارکہ پر ذرہ برابر اثر نہیں ہوتا اس لیے کہ اللہ کے وعدہ ہائے حق سامنے ہیں اس لیے کہ یہ چند دن کی تکلیف ہے اب وہ نعمتیں آرہی ہیں۔

انبیاء اکرام اپنی روحانی قوت سے وہ کچھ دیکھ لیتے ہیں جو ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے

تو انبیاء اپنی ایمانی قوت سے وہ کچھ دیکھتے ہیں جو کچھ ہم اپنی آنکھوں سے بھی نہیں دیکھتے اور ہم آنکھ سے دیکھ کر اتنا یقین کرتے ہیں اس سے زیادہ کہیں یقین انبیاء کا اللہ کے وعدوں پر ہوتا ہے اس لیے وہ ساری تکالیف جھیل جاتے ہیں، ورنہ انبیاء سے زیادہ کون ہے تکلیفیں اٹھانے والا لیکن ان کے قلوب پر ذرہ برابر اثر نہیں۔ قلب مگن اور مطمئن، اس لیے کہ وعدہ ہائے خداوندی اندر موجود ہیں تو بہر حال مومن باوجودیکہ موت اتنی شدید ہے کہ باوجودیکہ اتنی ایذاء دہ ہے لیکن مومن اس سے گھبرائے گا نہیں خوش دلی سے برداشت کرے گا، اگر خدانخواستہ کوئی وعدہ سامنے نہ ہوتا تو مرنا بھی موت ہو جاتا لیکن چونکہ نعمتیں موجود ہیں اب تو آنکھ سے دیکھ رہا ہے اس واسطے وہ کہتا ہے کہ کوئی پرواہ نہیں چلو، چاہے مصیبتوں میں کانٹوں میں جائیں مگر وہ نعمت ہے ابھی میں پہنچ جاؤں گا اس لیے ہوتی بھی تکلیف اور نہیں بھی ہوتی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کوئی شدید قسم کا آپریشن کیا جائے کسی کا تو پہلے کلوروفارم سونگھا کر بیہوش کر لیتے ہیں اس کے بعد اس کا سر کاٹ دو پیر کاٹ دو، اسے کچھ خبر نہیں تو گزر رہی ہے ساری تکلیف مگر احساس باطل ہو گیا کہ جس سے اس کی اذیت محسوس نہیں ہوتی اسی طرح سے موت کی اذیت جب گزرے گی تو محبت خداوندی کا کلوروفارم سونگھا دی گئی اس میں وہ اتنا موثر مگن ہوگا کہ اس تکلیف کا ادنی برابر اسے احساس نہیں ہوگا اور محسوس بھی ہو تو بھاویں نہیں ہو گی تو نعمتوں کے آگے کیا چیز ہے تکلیف، تو پھر ان شاء اللہ مومن کے لیے راحت ہے باوجود اذیت کے۔

موسیٰ علیہ السلام سے موت کی کیفیت کے بارے میں سوال:

موسیٰ سے پوچھا گیا کہ موت کی کیفیت کیا ہے؟ فرمایا کہ یہ کیفیت ہے کہ آدمی کو بیچ میں رکھ کر دو پہاڑوں کو ملا دیجیے اس میں جو اذیت ہے بس وہ موت ہے اور بعض انبیاء نے مثال دی کہ جیسے ایک نہایت ہی جابر قسم کا قصائی ہو ذبح کرنے والا اور بڑا قوی اور ایک بکری کا بچہ اس کے ہاتھ میں ہو اور وہ کانٹ چھانٹ کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے بس یہ حالت ہے موت کی ملک الموت کے سامنے اس طرح سے ہوگا آدمی اس وقت، تو باوجود اس اذیت کے وہ جو قوت ایمانی ہے وہ سنبھالتی ہے دنیا میں بھی جو بڑی سے بڑی مصیبت آتی ہے تو قوت ایمانی تو سنبھالتی ہے بھروسہ اللہ پر ہوتا ہے تو تکلیف معلوم بھی نہیں ہوتی وہی قوت ایمانی وہاں سنبھالے گی اور وہی قوت ایمانی قبر کے اندر سنبھالے گی اور وہی قوت ایمانی حشر کے اندر سنبھالے گی ہر جگہ تکلیف آدمی جھیل جائے گا۔

حضرت عمر کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال:

حضرت عمرؓ تشریف رکھتے تھے مجلس نبوی میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے ہولناک حالات بیان فرما رہے تھے تو لوگ لرز رہے تھے کانپ رہے تھے حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ تمام لوگ لرزاں و ترساں آپے سے باہر ہو گئے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری عقل بھی صحیح سالم ہوگی قبر میں فرمایا! ہاں عقل رہے گی، کہ اب تو فکر کی کوئی بات نہیں بس نمٹ لیں گے تو عقل سے مراد یہ عقل معاش نہیں تھی جو موٹر بنانے کی عقل ہے ہوائی جہاز بنانے کی عقل ہے عقل معاد تھی جو آخرت کی عقل ہے جس کا دوسرا نام ایمان ہے مطلب یہ ہے کہ ہمارا ایمان بھی رہے گا فرمایا رہے گا تو بس اب جھیل جائیں گے۔

قوت ایمانی سب چیزوں کو ہلکا کر دیتی ہے:

قوت ایمانی سب چیزوں کو ہلکا کر دیتی ہے تو اصل چیز ایمان ہے دنیا کی مصیبتوں میں بھی جب آدمی اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے توکل اور صبر سے تو مصیبتیں ہیچ معلوم ہوتی ہیں اللہ جانے جو کچھ ہوگا ہو رہے گا مجھے تو خدا پر بھروسہ ہے تو دنیا کی مصیبتیں بھی اللہ ہی کا یقین اور ایمان سہل کرتا ہے موت کی مصیبت بھی یہی ایمان سہل کرے گا۔ قبر کے مصائب یہی ایمان سہل کرے گا حشر کے مصائب یہی ایمان سہل کرے گا اور ان سب سے گزر کے اپنے ٹھکانہ پر پہنچ جائے گا وہی جو راحتوں کا ٹھکانہ ہے جس کا نام جنت ہے تو کافر کے لیے یہاں سے لیکر وہاں تک اور ابد تک مصیبت ہی مصیبت ہے (معارف حکیم الاسلام قاسمی)

قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكَنِيَ اللَّهُ

تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر ہلاک کر دے مجھ کو اللہ

وَمَن مَّعِيَ أَوْ رَحِمَنَا فَمَن يُجِيرُ

اور میرے ساتھ والوں کو یا ہم پر رحم کرے پھر وہ کون ہے

الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٨﴾

جو بچائے منکروں کو عذاب دردناک سے ☆

کفار تمنا کرتے تھے کہ کہیں جلد مر مرا کر ان کا قصہ ختم ہو جائے (العیاذ باللہ)

اس کا جواب دیا کہ فرض کرو تمہارے زعم کے موافق میں اور میرے ساتھی دنیا میں سب ہلاک کر دیئے جائیں یا ہمارے عقیدے کے موافق مجھ کو اور میرے رفقاء کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے کامیاب و بامراد کرے۔ ان دونوں صورتوں میں سے جو صورت بھی ہو مگر تم کو اس سے کیا فائدہ ہے۔ ہمارا انجام دنیا میں جو کچھ ہو بہرحال آخرت میں بہتری ہے کہ اس کے راستہ میں جدوجہد کر رہے ہیں۔ لیکن تم اپنی فکر کرو کہ اس کفر و سرکشی پر جو دردناک عذاب آنا یقینی ہے اس سے کون بچائیگا ہمارا اندیشہ چھوڑ دو اپنی فکر کرو کیونکہ کافر کسی طرح بھی خدائی عذاب سے نہیں چھوٹ سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا

تو کہہ وہی رحمت ہے ہم نے اُس کو مانا اور اُسی پر بھروسہ کیا ☆

یعنی جب ہمارا ایمان اس پر ہے تو ایمان کی بدولت نجات یقینی ہے اور جب ہم صحیح معنی میں اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں تو مقاصد میں کامیابی یقینی ہے۔ "وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ" تم میں دونوں چیزیں نہیں نہ ایمان نہ توکل پھر تم کیسے بے فکر ہو؟ (تفسیر عثمانی)

فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾

سو اب تم جان لو گے کون پڑا ہے صریح بہکاوے میں ☆

یعنی ہم جیسا کہ تمہارا گمان ہے یا تم جیسا کہ ہمارا عقیدہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جب نتائج سامنے آئیں گے تو پتہ چل جائے گا تو دنیا میں تو ہم نے تمہیں عقل صحیح سے بھی سمجھا دیا۔ مشاہدہ سے بھی سمجھا دیا۔ اب اگر نہیں سمجھتے مشاہدہ ہی چاہتے ہو تو عنقریب ہی وقت آنے والا ہے تمہیں پتہ چل جائے گا کون ہدایت پر تھا کون ضلالت پر، جب برے نتائج آئیں گے سامنے تو سمجھ میں آجائے گا کہ تم گمراہی میں تھے اور جب ہمارے سامنے اچھے نتائج آئیں گے تو ہم بھی سمجھ جائیں گے کہ ہم حق پر تھے۔ اب آگے تمہیں زیادہ سے زیادہ بھروسہ اس دنیا کے سامانوں پر ہے۔ اول تو یہ وہاں نہیں جائیں گے لیکن اگر وہاں نہ بھی جائیں یہ تو بعد کی بات ہے دنیا میں بھی رہنا کوئی لازمی بات نہیں ہے۔ سامان ہوتے ہیں اور پھر چھین لئے جاتے ہیں ہزاروں امیر غریب بنتے دیکھے گئے ہیں۔ ہزاروں غریب امیر بنتے دیکھے گئے ہیں ہزاروں امراء ہیں کہ دولت کے انبار لگے ہوئے ہیں اور چین میسر نہیں حالانکہ دولت کا مقصد ہی یہی ہے کہ چین ہو تو بہت سے دولت مند ہیں کہ چین میسر نہیں ہے کوئی گھن لگ رہا ہے قلب پر کوئی فکر لگ رہا ہے تو لاکھوں روپیہ رکھا ہوا ہے مگر جو گھن لگا ہوا ہے ساری زندگی کرکری ہو گئی اس سے، تو جن سامانوں پر تم بھروسہ کر رہے ہو آخرت تو بعد کی چیز ہے۔ دنیا میں بھی نفع دینے والی نہیں کہ سامان ہوتے ہیں اور چین میسر نہیں آتا۔

سکون وچین آنے کا ایک ہی راستہ ہے:

چین اگر آتا ہے تو پھر وہی ایک راستہ ہے کہ اللہ پر بھروسہ کرے آدمی توکل اور اعتماد اور ایمان اور چین اسی سے ملے گا۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اللہ کے ذکر ہی سے دل چین پا سکتے ہیں سامانوں سے چین نہیں پا سکتے سامان ہیں وہ خود ذریعہ بن جاتے ہیں جتنا زیادہ ہوگا سامان زیادہ مصیبت پڑے گی۔ وہ کسی عربی کے شاعر نے کہا ہے۔

اِذَا اَدْبَرَتْ كَانَتْ عَلَى الْمَرْءِ حَسْرَةً
وَاِنْ اَقْبَلَتْ كَانَتْ كَثِيْرًا هُمُوْمُهَا

دنیا جب جاتی ہے تو حسرتیں چھوڑ کر جاتی ہے برسوں روتا ہے آدمی اور جب آتی ہے سینکڑوں مصیبتیں ساتھ لاتی ہے کہیں محافظ کی فکر تو کہیں سنتری کی فکر کہیں چور کی کہیں ڈاکو کی ایک مصیبت میں مبتلا اور ایک وہ ہے کہ بقدر ضرورت ہے کھانے پینے کو تو "کس نیاید بخانہ درویش کہ خراج زمین و باغ بدہ" درویش کے گھر کوئی نہیں آتا کہ بھئی ٹیکس ادا کرو کہ خراج ادا کرو وہ اپنا بادشاہ بنا بیٹھا ہے۔

جہاں دولت زیادہ ہے وہاں مصائب بھی زیادہ ہیں:

تو جہاں دولت زیادہ ہے وہاں مصائب بھی زیادہ ہیں۔ اور ہمیشہ رہنے والی نہیں بیچ میں جواب دے جاتی ہے بیوفائی کرتی ہے تو ایسی بیوفا پر تم بھروسہ کیے ہوئے ہو آخرت کے بارے میں، آخرت تو بعد میں ہے تم دنیا تو سنبھال لو وہ لازمی نہیں سنبھلنی ایک چیز چھن جائے اللہ کی طرف سے تو ساری زندگی ختم۔ فرمایا کہ ہم مثال دیتے ہیں پانی کی، پانی کنوؤں میں ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ پانی کو نیچے کر دیں۔ خشک سالی کے زمانہ میں ایسا ہوتا ہے کہ کنویں ہو جاتے ہیں خشک، پانی چلا جاتا ہے نیچے۔ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا۔ اگر گہرائیوں میں پانی چلا جائے تو تم کھدائی کر کے نہیں پہنچ سکتے۔ فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ پھر پانی لانے والا کون ہے تمہارے واسطے۔ یہ سامان تھا اس پر بھروسہ تھا اللہ نے ذرا نیچے کر دیا پچاس گز۔ اب بیٹھے ہوئے ہیں نہ کھدائی کر سکتے ہیں اور اگر کھودیں گے تو اور نیچا ہو جائے گا اور نیچا تو تحت الثریٰ تک تو کھودنے سے رہے وہ کھودے جاؤ تو کھودتے رہو گے مرتے رہو گے تو ایک پانی کی مثال دی کہ اگر اسے گہرائیوں میں اتار دے تو زندگی کا کوئی سامان نہیں دریا خشک ہو جائیں اور قحط سالیوں کے زمانے میں ہوتا ہے کہ آسمان تو برسنا بند کر دیتا ہے۔ دریاؤں میں خشکی آجاتی ہے۔ کنویں نیچے اتر جاتے ہیں تو ہزاروں آدمی مر جاتے ہیں تو ایک پانی پر جب اس کا قبضہ نہیں ہے وہ آدمی بھروسہ کرے گا کہ قیامت میں اچھی طرح سے ہوں گا۔ اور قیامت آجائے تو اچھی طرح سے نمٹ لوں گا تم ان چیزوں سے نمٹو گے جو تمہارے پاس ہر وقت موجود، اگر آفتاب کے اندر گرمی نہ رکھی جائے تو ساری دنیا برف کی طرح جم کر رہ جا

ئے اس کی حرارت ہے جس نے پگھلا رکھا ہے۔ ہوا اگر منٹ بھر کے لئے روک دی جائے سانس لینے بند ہو جائیں تو زندگی ختم ہو جائے، تو آگ نہ رہے جب ختم، پانی نہ ہو جب ختم مگر اور چیزیں تو خیر اوپر کی ہیں پانی تو ہر وقت کا ہے جس کو کھودا اور نکال لیا اس کو نیچے اتار دیں تب اس پر قبضہ نہیں تو آخر کون سی چیز پر تمہارا قبضہ ہے کہ اتنے بڑے بڑے دعوے کر رہے ہو کہ صاحب لے آؤ قیامت کہ جیسے معلوم ہو بڑا لشکر جرار ان کے ہاتھ میں ہے کہ قیامت آئے گی یہ مقابلہ کریں گے۔ اسے دھکیل کر پرے کر دیں گے۔ تم اپنی عمر کے ایک سال کو نہیں دھکیل نہیں سکتے زندگی جاتی ہوئی روک نہیں سکتے آتی ہوئی ہو تو نہیں روک سکتے تو کون سی طاقت ہے کہ اتنے بڑے بڑے دعوے اور اللہ سے لڑنے کا ارادہ کیا تو قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ فرما دیجئے کہ اگر اس حالت میں تم صبح کرو کہ پانی کنوؤں کا نیچے اتر جائے تو پانی لانے والا کون ہے تمہارے پاس، تو یہ ایک مثال ہے سارے عناصر کو اس پر قیاس کر لو اور پانی پر آگ کو بھی ہوا کو بھی مٹی کو بھی جب ہاتھ پلے کچھ نہیں تو دعوے مت کرو غالب اور قوی خدا کے سامنے جھک جاؤ یہی ہے پناہ کی صورت لڑنا پناہ کی صورت نہیں ہے۔ (معارف حکیم الاسلام قاسمیؒ)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ
تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر ہو جائے صبح کو پانی تمہارا
غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾
خشک پھر کون ہے جو لائے تمہارے پاس پانی نتھرا ☆

پانی بھی تمہاری قدرت میں نہیں ہے:

یعنی زندگی اور ہلاکت کے سب اسباب اسی اللہ کے قبضہ میں ہیں۔ ایک پانی ہی کو لے لو، جس سے ہر چیز کی زندگی ہے اگر فرض کرو! چشموں اور کنوؤں کا پانی خشک ہو کر زمین کے اندر اتر جائے جیسا کہ اکثر موسم گرما میں پیش آ جاتا ہے تو کس کی قدرت ہے کہ موتی کی طرح صاف شفاف پانی اس قدر کثیر مقدار میں مہیا کر دے جو تمہاری زندگی اور بقا کے لیے کافی ہو۔ لہٰذا ایک مومن متوکل کو اسی خالق الکل مالک علی الاطلاق پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ یہیں سے یہ بھی سمجھ لو کہ جب ہدایت کے سب چشمے خشک ہو چکے، اس وقت ہدایت و معرفت کا خشک نہ ہونے والا چشمہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں جاری کر دینا بھی اسی رحمان مطلق کا کام ہو سکتا ہے جس نے اپنے فضل و انعام سے تمام جانداروں کی ظاہری و باطنی زندگی کے سامان پیدا کیے ہیں اگر بفرض محال یہ چشمہ خشک ہو جائے، جیسا کہ اشقیا کی تمنا ہے تو کون ہے جو مخلوق کے لیے ایسا پاک و صاف نتھرا پانی مہیا کر سکے۔ تم سورۃ الملک وللہ الحمد والمنۃ۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ اگر پانی ناقابل رسائی گہرائی تک پہنچ جائے تو پھر کون (سوائے خدا کے) یہ بہتا ہوا یا آسانی کے ساتھ حاصل کرنے والا پانی تمہارے لئے فراہم کر سکتا ہے۔ عقل بدیہی شاہد ہے کہ بت ایسا نہیں کر سکتے بلکہ اللہ کے سوا کسی میں بھی اس کی قدرت نہیں۔

شیخ جلال الدین محلی نے بیان کیا ہے کہ سورت کے ختم کرنے پر اللہ رب العالمین کہنا مستحب ہے۔ (یعنی پروردگار عالم ہی کو یہ قدرت حاصل ہے کہ ناقابل حصول پانی اپنی رحمت سے آسانی کے ساتھ بندوں کو عطا فرماتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کی ایک صورت جس کی تیس آیات ہیں آدمی (یعنی اپنے پڑھنے والے) کی سفارش اتنی کرے گی کہ اس شخص کو بخش دیا جائے گا اور وہ سورۃ تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ہے۔ (احمد۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ ابن حبان۔

حاکم نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد صحیح بھی قرار دیا ہے)

بغوی کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے کہ کتاب اللہ کی ایک سورت ہے جو صرف تیس آیات کی ہے وہ آدمی کے لئے سفارش کرے گی اور قیامت کے دن اس کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کرے گی یہ سورت تبارک ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک الم تنزیل اور تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ پڑھ نہ لیتے تھے سوتے نہ تھے۔

(احمد، ترمذی، دارمی، ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ حفاظت کرنے والی ہے وہ اللہ کے عذاب سے نجات دینے والی ہے۔ (ترمذی)

خالد بن معدان نے فرمایا مجھے الم تنزیل اور اسی طرح تبارک الذی کے متعلق یہ اطلاع پہنچی ہے کہ ایک آدمی ان صورتوں کو پڑھا کرتا تھا ان کے علاوہ اور کچھ نہیں پڑھتا تھا اور تھا بڑا گنہگار (قبر میں) اس سورت نے (پرندہ کی شکل میں آ کر) اس پر اپنے پروں کا سایہ کر دیا اور عرض کیا الٰہی اس کو بخش دے۔ یہ مجھے بہت پڑھتا تھا اللہ نے اس کی سفارش قبول فرمائی اور فرمایا اس شخص کے ہر گناہ کی جگہ ایک نیکی لکھ دو اور اس کا درجہ اونچا کر دو۔

یہ بھی خالد کا قول ہے کہ قبر کے اندر یہ صورت اپنے پڑھنے والے کی طرف سے جھگڑا کرتی ہے اور کہتی ہے الٰہی اگر میں تیری کتاب میں سے ہوں تو میری سفارش اس (قاری) کے متعلق قبول فرما اور اگر میں تیری کتاب میں سے نہیں ہوں تو مجھے کتاب میں سے مٹا دے۔ یہ سورت (قبر) میں پرندہ کی طرح ہوگی اور اپنے بازو صاحب قبر پر پھیلا دیگی۔ اور اسکی سفارش کرے گی اور قبر کے عذاب سے اس کو بچا لیگی۔ طاؤس نے فرمایا دونوں (غالبًا الم تنزیل اور تبارک الذی) قرآن کی ہر سورت سے بقدر ساٹھ نیکیوں سے بڑھ کر ہیں۔ (دارمی) (تفسیر مظہری)

الحمد للہ سورۃ الملک ختم ہوئی

سورة القلم

جو اس کو خواب میں پڑھے گا اللہ تعالیٰ سے اس کو عنایت اور کامیابی اور قضاءت حاصل ہوگی۔ (ابن سیرینؒ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ①
قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں
مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ②
تو نہیں اپنے رب کے فضل سے دیوانہ

مشرکین کی تردید:

مشرکین مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو (العیاذ باللہ) دیوانہ کہتے تھے۔ کوئی کہتا کہ شیطان کا اثر ہے جو یک بیک تمام قوم سے الگ ہو کر ایسی باتیں کر نے لگے ہیں جن کو کوئی نہیں مان سکتا، حق تعالیٰ نے اس خیال باطل کی تردید اور آپ کی تسلی فرمادی یعنی جس پر اللہ تعالیٰ کے ایسے ایسے فضل وانعام ہوں جن کو ہر آنکھ والا مشاہدہ کر رہا ہے مثلاً اعلیٰ درجہ کی فصاحت اور حکمت ودانائی کی باتیں۔ مخالف وموافق کے دل میں اس قدر قوی تاثیر، اور اتنے بلند اور پاکیزہ اخلاق کیا اسے دیوانہ کہنا خود اپنی دیوانگی کی دلیل نہیں۔ دنیا میں بہت دیوانے ہوئے ہیں اور کتنے عظیم الشان مصلحین گزرے ہیں جن کو ابتداءً قوم نے دیوانہ کہہ کر پکارا ہے۔ مگر قلم نے تاریخی معلومات کا جو ذخیرہ بطون اوراق میں جمع کیا ہے وہ بانگ دہل شہادت دیتا ہے کہ واقعی دیوانوں اور ان دیوانہ کہلانے والوں کے حالات میں کس قدر زمین وآسمان کا تفاوت ہے آج آپ کو (العیاذ باللہ) مجنون کے لفظ سے یاد کرنا بالکل وہی رنگ رکھتا ہے جس رنگ میں دنیا کے تمام جلیل القدر اور اولوالعزم مصلحین کو ہر زمانہ کے شریروں اور بے عقلوں نے یاد کیا ہے لیکن جس طرح تاریخ نے ان مصلحین کے اعلیٰ کارناموں پر بقاء ودوام کی مہر ثبت کی اور ان مجنون کہنے والوں کا نام ونشان باقی نہ چھوڑا قریب ہے کہ قلم اور اسکے ذریعہ سے لکھی ہوئی تحریریں آپ کے ذکر خیر اور آپ کے بے مثال کارناموں اور علوم ومعارف کو ہمیشہ کے لیے روشن رکھیں گی اور آپ کو دیوانہ بتلانے والوں کا وجود صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ کر رہیگا۔ ایک وقت آئے گا جب ساری دنیا آپ کی حکمت ودانائی کی داد دیگی اور آپ کے کامل ترین انسان ہونے کو بطور ایک اجماعی عقیدہ کے تسلیم کریگی۔ بھلا خداوند قدوس جس کی فضیلت وبرتری کو ازل الآزال میں اپنے قلم نور سے لوح محفوظ کی تختی پر نقش کر چکا، کسی کی طاقت ہے کہ مجنون ومفتون کی پھبتیاں کس کر اس کے ایک شوشہ کو مٹا سکے؟ جو ایسا خیال رکھتا ہو پرلے درجہ کا مجنون یا جاہل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قلم کی پیدائش

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ بن صامت کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سب سے اول اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا لکھ۔ قلم نے عرض کیا کیا لکھوں ارشاد فرمایا تقدیر کو لکھ۔ چنانچہ قلم نے ہر وہ چیز لکھ دی جو گزر گئی اور آئندہ کبھی بھی ہونے والی ہے۔ (ترمذی نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد غریب کہا ہے)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آسمان اور زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے اللہ نے مخلوقات کی تقدیریں (اندازے) لکھ دیے تھے اور اس کا تخت (حکومت واقتدار) پانی پر تھا۔ (مسلم)

بغویؒ نے کہا (تقدیریں لکھنے والا) قلم کا نور تھا جس کا طول آسمان وزمین کی درمیانی مسافت کے برابر تھا۔

دنیا میں علوم کے نقل اور اشاعت کا ذریعہ قلم ہے اور قلم کے ذریعہ علم ومعرفت کے خزانے ایک قرن سے دوسرے قرن اور ایک قلب سے دوسرے قلب تک منتقل کئے جاتے ہیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ قلم سے تقدیر الٰہی کا قلم مراد ہو جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا اللہ رب العزت نے سب سے اول قلم پیدا فرمایا اور پھر اس کو فرمایا "اکتب" یعنی لکھ اے قلم۔ قلم نے کہا اے پروردگار کیا لکھوں جواب ملا۔ لکھ لے ہر وہ چیز جو موجود ہے اور وہ بھی جو قیامت تک ہونے والا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

مچھلی کی پیدائش:

نٓ سے مراد وہ بڑی مچھلی ہے جو ایک محیط عالم پانی پر ہے جو ساتوں زمینوں کو اٹھائے ہوئے ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سب سے پہلے خدا تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا لکھ! اس نے کہا کیا لکھوں؟ فرمایا تقدیر لکھ ڈال۔ پس اس دن سے لیکر قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے

اس پر قلم جاری ہوگیا۔ پھر خدائے تعالیٰ نے مچھلی پیدا کی اور پانی کے آبخرے بلند کئے جس سے آسمان بنے اور زمین کو اس مچھلی کی پیٹھ پر رکھا، مچھلی نے حرکت کی جس سے زمین بھی ہلنے لگی۔ پس زمین پر پہاڑ گاڑ کر اسے مضبوط اور ساکن کر دیا پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی (ابن ابی حاتم)

ابن عساکر کی حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا پھرن یعنی دوات کو، پھر قلم سے فرمایا لکھ لے! اس نے پوچھا کیا؟ فرمایا جو ہو رہا ہے اور جو ہونے والا ہے، عمل، رزق، عمر، موت، وغیرہ پس قلم نے سب کچھ لکھ لیا۔ یہی مراد ہے اس آیت میں پھر قلم پر مہر لگادی اور وہ قیامت تک نہ چلے گا۔ پھر عقل کو پیدا کیا اور فرمایا مجھے اپنی عزت کی قسم اپنے دوستوں میں تو میں تجھے کمال تک پہنچاؤں گا اور اپنے دشمنوں میں تجھے ناقص رکھوں گا۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ یہ مشہور تھا کہ نون سے مراد وہ مچھلی ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے۔

عبداللہ بن سلام کے تین سوال:

مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ جب عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آ گئے ہیں تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور بہت کچھ سوالات کئے۔ کہا کہ میں وہ باتیں پوچھنی چاہتا ہوں جنہیں نبیوں کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، بتلایئے قیامت کی پہلی نشانی کیا ہے؟ اور جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہے؟ اور کیا وجہ ہے کہ کبھی بچہ اپنے باپ کی طرف کھنچتا ہے کبھی ماں کی طرف؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ باتیں ابھی ابھی جبرئیل علیہ السلام نے مجھے بتادیں۔ ابن سلام رضی اللہ عنہ کہنے لگے۔ فرشتوں میں سے یہی فرشتہ ہے جو یہودیوں کا دشمن ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنو! قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ کا نکلنا ہے جو لوگوں کو مشرق کی طرف سے مغرب کی طرف لے جائے گی اور جنتیوں کا پہلا کھانا مچھلی کی کلیجی کی زیادتی ہے۔ اور مرد کا پانی عورت کے پانی پر سابق آ جائے تو لڑکا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت کر جائے تو کھینچ لیتی ہے، دوسری حدیث میں اتنی زیادتی ہے کہ پوچھا جنتیوں کے اس کھانے کے بعد انہیں کیا ملے گا؟ فرمایا جنتی بیل ذبح کیا جائے گا جو جنت میں چرتا چگتا رہا تھا۔ پوچھا انہیں پانی کون سا ملے گا؟ فرمایا سلسبیل نامی نہر کا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد "ن" سے نور کی تختی ہے۔

(قلم آلہ تحریر ہے۔ کیونکہ قلم کو اہل علم کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے۔ مؤخر الذکر صورت میں اہل قلم کی طرف بھی ضمیر لوٹ سکتی ہے یا اعمال نامے لکھنے والے فرشتے مراد ہیں یا علماء مراد ہیں جو علوم دین لکھتے ہیں۔

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ آپ اپنے رب کے فضل سے دیوانہ نہیں ہیں۔ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ حال ہے۔ یعنی فضل خدا کی موجودگی میں آپ دیوانہ نہیں ہیں۔ بنعمت فضل سے مراد ہے نبوت، شرافت، کمال فہم، عظمت مرتبہ، علوم، اور دوسرے مکارم۔

کافروں کی بیہودگی:

بغوی نے لکھا ہے کہ کافر کہتے تھے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ۔ اے وہ شخص جس پر قرآن اتارا گیا ہے حقیقت میں بلاشبہ تو دیوانہ ہے۔ کافروں کے اس قول کے جواب میں آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ ابن منذر نے بھی ابن جریج کی روایت سے اس روایت کو نقل کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت کا دعویٰ کیا سب لوگوں کی مخالفت مول لی۔ اس وقت آپ تنگدست بھی تھے۔ اور کافروں کا غلبہ بھی تھا۔ اس لئے کافروں نے بطور تعجب قول مذکور کہا تھا۔ کہ ایسی حالت میں ایسا دعویٰ کرنا دیوانہ ہی کا کام ہے۔

جب کسی کو فضل الٰہی یعنی علم، عقل، فہم اور دوسرے کمالات اس حد تک ہوں اس کو دیوانہ کہنا محض بے ہودگی ہے ایسی بات وہی کہہ سکتا ہے جو گدھے سے بھی بڑھ کر احمق اور کودن ہو۔ کیا تم کو نہیں معلوم کہ جب حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لئے گدھی پر سوار تھیں تو گدھی نے کعبہ کی طرف تین بار سجدہ کیا اور کہا کہ میری پشت پر افضل الانبیاء سید المرسلین خیر الاولین والآخرین حبیب رب العالمین سوار ہیں۔ مواہب لدنیہ میں اس روایت کو ایک طویل حدیث کے ذیل میں ذکر کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ کافر گدھے سے بھی زیادہ بیوقوف تھے۔ (تفسیر مظہری)

فائدہ: علماء نے فرمایا ہے کہ قرآن کریم میں حق تعالیٰ جس چیز کی قسم کھاتے ہیں وہ مضمون قسم پر ایک شہادت ہوتی ہے یہاں مَا يَسْطُرُوْنَ سے دنیا کی تاریخ میں جو کچھ لکھا گیا اور لکھا جا رہا ہے اس کو بطور شہادت پیش کیا ہے کہ دنیا کی تاریخ کو دیکھو، ایسے اعلیٰ اخلاق واعمال والے کہیں مجنون ہوتے ہیں وہ تو دوسروں کی عقل درست کرنے والے ہوتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ﴿۳﴾

اور تیرے واسطے بدلہ ہے بے انتہا ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بلند مرتبہ:

یعنی آپ غمگین نہ ہوں ان کے دیوانہ کہنے سے آپ کا اجر بڑھتا ہے اور غیر محدود فیض ہدایت بنی نوع انسان کو آپ کی ذات سے پہنچنے والا ہے اس کا بے انتہا اجر وثواب آپ کو یقیناً ملنے والا ہے۔ کیا دیوانوں اور پاگلوں کا مستقبل ایسا پائدار اور شاندار کسی نے دیکھا ہے؟ یا کسی مجنون کی اسکیم اس طرح کامیاب ہوتے سنی ہے؟ پھر جس کا رتبہ اللہ کے ہاں اتنا بڑا ہو اس کو چند احمقوں کے دیوانہ کہنے کی کیا پرواہ ہونی چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾

اور تو پیدا ہوا ہے بڑے خلق پر ☆

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا اعلیٰ ہے:

یعنی اللہ تعالیٰ نے جن اعلیٰ اخلاق و ملکات پر آپ کو پیدا فرمایا، کیا دیوانوں میں ان اخلاق و ملکات کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ ایک دیوانے کے اقوال و افعال میں قطعاً نظم و ترتیب نہیں ہوتی، نہ اس کا کلام اس کے کاموں پر منطبق ہوتا ہے برخلاف اسکے آپ کی زبان قرآن ہے اور آپ کے اعمال واخلاق قرآن کی خاموش تفسیر۔ قرآن جس نیکی، جس خوبی، اور بھلائی کی طرف دعوت دیتا ہے وہ آپ میں فطرۃً موجود، اور جس بدی و زشتی سے روکتا ہے آپ طبعاً اس سے نفور و بیزار ہیں۔ پیدائشی طور پر آپ کی ساخت اور تربیت ایسی واقع ہوئی ہے کہ آپ کی کوئی حرکت اور کوئی چیز حد تناسب واعتدال سے ایک انچ ادھر اُدھر ہٹنے نہیں پاتی۔ آپ کا حُسن اخلاق اجازت نہ دیتا تھا کہ جاہلوں اور کمینوں کے طعن و تشنیع پر کان دھریں جس شخص کا خلق اس قدر عظیم اور مطمح نظر اتنا بلند ہو۔ بھلا وہ کسی مجنون کے مجنون کہہ دینے پر کیا التفات کریگا۔ آپ تو اپنے دیوانہ کہنے والوں کی نیک خواہی اور دردمندی میں اپنے کو گھلائے ڈالتے تھے جس کی بدولت "فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ" کا خطاب سننے کی نوبت آتی ہے۔ فی الحقیقت اخلاق کی عظمت کا سب سے زیادہ عمیق پہلو یہ ہے کہ آدمی دنیا کی ان حقیر ہستیوں سے معاملہ کرتے وقت خداوند قدوس کی عظیم ہستی سے غافل و ذاہل نہ ہو۔ جب تک یہ چیز قلب میں موجود رہیگی تمام معاملات عدل و اخلاق کی میزان میں پورے اتریں گے۔ کیا خوب فرمایا شیخ جنید بغدادیؒ نے "سمی خلقه عظيما اذ لم تكن له همة سوى الله تعالىٰ عاشر الخلق بخلقه و ذاهلهم بقلبه فكان ظاهرهٗ مع الخلق و باطنه مع الحق" وفی وصیة بعض الحکماء "علیک بالخلق مع الخلق و بالصدق مع الحق"۔ (تفسیر عثمانی)

حضور کا صبر اور رحمت:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ بلاشبہ آپ بڑے اخلاق کے مالک ہیں کیونکہ آپ ایسی (ایذا رساں توہین آمیز) باتیں برداشت کر لیتے تھے جو دوسرے لوگ نہیں برداشت کر سکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے راستے میں جو دکھ مجھے دیا گیا ہے وہ کسی کو نہیں دیا گیا (ابونعیم فی الحلیۃ بروایت حضرت انسؓ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر و رحمت:

ابن عساکر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اس طرح نقل کی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مشرکوں کے لئے بددعا کر دیجئے فرمایا مجھے لعنت گر بنا کر نہیں بھیجا گیا ہے بلکہ محض رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے (مسلم)

کافروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دیوانہ ہونے کی تہمت لگائی اور دیوانہ کسی اجر کا مستحق نہیں ہوتا یا اس کو بھلائی کا حق نہیں ہوتا بہرحال ان دونوں جملوں سے نفی جنون کی تاکید اور کافروں کی قول کی بہترین طریقے سے تردید ہوگئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور مجاہد کا قول ہے کہ خلق عظیم سے مراد ہے دین عظیم یعنی دین اسلام اس سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ مجھے کوئی مذہب نہیں۔ حسنؒ کا قول ہے کہ خلق عظیم آداب قرآنی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا کیا تم قرآن (میں) نہیں پڑھتے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ الخ (مسلم فی الصحیح والبخاری فی الادب المفرد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن:

حضرت براء رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ خوبصورت اور جسمانی لحاظ سے حسین ترین تھے نہ بے تکے دراز قامت تھے نہ کوتاہ قد۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔ لیکن حضور نے کبھی مجھے ہوں بھی نہیں فرمایا اگر میں نے کوئی کام کر لیا تو یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام کیوں کیا اور نہیں کیا تو یہ نہیں فرمایا کہ کیوں نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہی خوش خلق تھے کوئی ریشم۔ کوئی سلک بلکہ کوئی چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی سے زیادہ نرم میں نے نہیں چھوئی نہ حضور کے پسینہ سے زیادہ خوشبودار کسی مشک اور عطر کو پایا۔ (مسلم و بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ایک عورت کی عقل میں کچھ فتور تھا اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کام ہے ارشاد فرمایا اے عورت مدینہ کی جس گلی میں چاہے بیٹھ جا میں بھی تیرے پاس بیٹھ جاؤں گا چنانچہ حضور اس کے پاس (زمین پر) بیٹھ گئے اس نے اپنا کام پورا کر لیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ مدینہ کی باندی بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی تھی لے جاتی تھی۔ (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مصافحہ کرتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دست مبارک اس وقت تک اس کے ہاتھ سے الگ نہ کرتے جب تک وہ خود ہی اپنا ہاتھ الگ نہ کر لیتا نہ اپنا رخ اس طرف سے پھیرتے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی ہم نشین کے سامنے دوزانو بڑھائے دیکھا گیا۔ (ترمذی)

اعلیٰ کردار:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راہ خدا میں جہاد کے بغیر اپنے ہاتھ سے (کسی کے) کوئی چیز نہیں ماری نہ کسی خادم کو مارا نہ کسی عورت کو نہ کسی حق تلفی کرنے والے سے انتقام لیتے تھے ہاں اگر کوئی ضوابط الٰہیہ کی خلاف ورزی کرتا تھا تو اس کو اللہ کے واسطے حضور سزا دیتے تھے۔ (مسلم)

بے مثال سخاوت:

حضرت انسؓ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ پیدل جا رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نجرانی چادر موٹی کناری کی پہنے ہوئے تھے ایک دیہاتی آ پہنچا اور چادر پکڑ کر اتنی زور سے کھینچی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن کے ایک طرف چادر کی کناری کا نشان پڑ گیا اس کے بعد کہنے لگا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو خدا کا مال تیرے پاس ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی دینے کا حکم دے دے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف رخ پھیرا اور ہنس دیئے پھر کچھ عطا فرمانے کا حکم دیا۔ (مسلم، بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے رسول اللہ سب سے زیادہ حسین اور سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔ (مسلم و بخاری)

حضرت جابرؓ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سوال کے جواب میں نہیں کبھی نہیں فرمایا۔ (مسلم و بخاری)

حضرت جبیرؓ بن مطعم نے بیان کیا ہے حنین سے واپسی میں میں رسول اللہ کے ساتھ چل رہا تھا (اثناء راہ میں) کچھ دیہاتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگنے کے لئے چمٹ گئے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کیکر کے درخت کی پناہ لینے پر مجبور ہو گئے دیہاتیوں نے حضور کی چادر جھپٹ لی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ان سے فرما رہے تھے کہ مجھے میری چادر دے دو اگر میرے پاس ان سنگریزوں کے برابر بھی اونٹ ہوں گے تو میں تمہیں بانٹ دوں گا تم مجھے نہ بخیل پاؤ گے نہ جھوٹا نہ کم حوصلہ (یا بزدل) (بخاری)

حسن اخلاق:

اور ابوداؤد نے یہ حدیث نقل کی ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابیوں سے فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ جنت کے اندر لوگوں کو سب سے زیادہ تعداد میں کیا چیز لے جائے گی صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتا ہے فرمایا کہ جنت کے اندر سب سے زیادہ تعداد میں لوگوں کو لے جانے والی چیز تقویٰ اور حسن اخلاق ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے نزدیک سب سے زیادہ پیارے لوگوں میں سے وہ شخص ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہو (بخاری) صحیحین کی ایک دوسری روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے برگزیدہ لوگوں میں سے میرے نزدیک وہ شخص ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔

بیہقی نے شعب الایمان میں ایک مزنی شخص کی روایت سے اور شرح السنہ میں حضرت اسامہ بن شریک کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے اچھی چیز آدمی کو کیا دی گئی ہے فرمایا کہ اچھا خلق ہے (تفسیر مظہری)

قرآن مجسم:

مطلب اس حدیث کا جو کئی طریق سے مختلف الفاظ میں کئی کتابوں میں ہے یہ ہے کہ ایک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جبلت اور پیدائش خدائے عالم نے پسندیدہ اخلاق اور خصلتیں اور پاکیزہ عادتیں رکھی تھیں تو اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل قرآن کریم پر ایسا تھا کہ گویا احکام قرآن کا مجسم عملی نمونہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ہر حکم کو بجالانے اور ہر نہی سے رک جانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت یہ تھی کہ گویا قرآن میں جو کچھ ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کریمانہ اخلاق کا بیان ہی ہے۔ (مسند احمد)

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ خوب صورت اور سب سے زیادہ خلیق تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قد نہ تو بہت لانبا تھا نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پست قامت تھے اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔

اعلیٰ نمونہ: شمائل ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے نہ تو کبھی کسی خادم یا غلام کو مارا ہو کی بیوی کو نہ کسی اور کو، ہاں خدا کی راہ کا جہاد الگ چیز ہے۔ جب کبھی دو کاموں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے زیادہ پسند کرتے جو زیادہ آسان ہوتا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اس میں کچھ گناہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بہت دور ہو جاتے۔ کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بدلا کسی سے نہیں لیا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ کوئی خدا کی حرمتوں کو توڑتا ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے احکام جاری کرنے کے لئے ضرور انتقام لیتے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں میں بہترین اخلاق اور پاکیزہ ترین عادتوں کو پورا کرنے کیلئے آیا ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ. اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کاملہ میں غور کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے کہ دیوانوں ذرا تو دیکھو کہیں مجنوں دیوانوں کے ایسے اخلاق واعمال ہوا کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق عظیم:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خلق عظیم سے مراد دین عظیم ہے کہ اللہ کے نزدیک اس دین اسلام سے زیادہ کوئی محبوب دین نہیں حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق خود قرآن ہے یعنی قرآن کریم جن اعلیٰ اعمال اخلاق کی تعلیم دیتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کا عملی نمونہ ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ خلق عظیم سے مراد آداب القرآن ہیں یعنی وہ آداب جو قرآن نے سکھائے ہیں۔ حاصل سب کا تقریباً ایک

ہی ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود میں حق تعالیٰ نے تمام ہی اخلاق فاضلہ بدرجہ کمال جمع فرما دیئے تھے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعثت لا تمم مکارم الاخلاق یعنی مجھے اس کام لئے بھیجا گیا ہے کہ میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کروں۔ (ابوحیان)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی اس پوری مدت میں جو کام میں نے کیا اس پر کبھی یہ نہیں فرمایا کہ ایسا کیوں کیا اور جو کام نہیں کیا اس پر کبھی یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام کیوں نہیں کیا (حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ دس سال کی مدت خدمت کرنے والے کے بہت سے کام خلاف طبع ہوں گے۔ (بخاری و مسلم)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کی مکارم اخلاق کا یہ حال تھا کہ مدینہ کی کوئی لونڈی باندی بھی آپ کا ہاتھ پکڑ کر جہاں لے جانا چاہے لے جاسکتی تھی۔ (رواہ البخاری)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے ہاتھ سے کسی کو نہیں مارا بجز جہاد فی سبیل اللہ کے کہ اس میں کفار کو مارنا قتل کرنا ثابت ہے ورنہ آپ نے نہ کسی خادم کو نہ کسی عورت کو کبھی نہیں مارا ان میں سے کسی سے خطا ولغزش بھی ہوئی تو اس کا انتقام نہیں لیا بجز اس کے کہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی ہو۔ تو اس پر شرعی سزا جاری فرمائی۔ (رواہ مسلم)

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی چیز کا سوال نہیں کیا گیا جس کے جواب میں آپ نے نہیں فرمایا ہو۔ (بخاری و مسلم)

اور حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ فحش گو تھے نہ فحش کے پاس جاتے تھے نہ بازاروں میں شور و شغب کرتے تھے برائی کا بدلہ بھی برائی سے نہیں دیتے تھے۔ بلکہ معافی اور درگزر کا معاملہ فرماتے تھے اور حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میزان عمل میں خلق حسن کے برابر کسی عمل کا وزن نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ گالی گلوچ کرنے والے بدزبان سے بغض رکھتے ہیں۔ (رواہ الترمذی وقال الحدیث حسن صحیح)

اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان اپنے حسن خلق کی بدولت اس شخص کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو ہمیشہ رات کو عبادت میں جاگتا اور دن بھر میں روزہ رکھتا ہو۔ (رواہ ابوداؤد)

اور حضرت معاذ نے فرمایا مجھے یمن کا عامل مقرر کر کے بھیجنے کے وقت آخری وصیت جو آپ نے مجھے اس وقت فرمائی جبکہ میں اپنا ایک پاؤں رکاب میں رکھ چکا تھا وہ یہ تھی یا معاذ احسن خلقک للناس (اے معاذ لوگوں سے حسن خلق کا برتاؤ کرو۔ رواہ مالک) یہ سب روایات حدیث تفسیر مظہری سے نقل کی گئی ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۙ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝

سو اب تو بھی دیکھ لے گا اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ کون ہے تم میں جو بچل رہا ہے ☆

حقیقت واضح ہونے والی ہے:

یعنی دل میں تو پہلے سے سمجھتے ہیں، لیکن عنقریب فریقین کو آنکھوں سے نظر آ جائیگا کہ دونوں میں کون ہشیار اور عاقبت اندیش تھا اور کس کی عقل ماری گئی تھی جس کی وجہ سے پاگلوں کی طرح بہکی بہکی باتیں کرتا تھا"۔ (تفسیر عثمانی)

دراصل کافر بے عقل ہیں:

(یعنی تم میں سے کس کو جنون تھا) یا یہ مراد ہے کہ دونوں فریقوں میں سے کس کو جنون تھا مومنوں کے فرقہ کو یا کافروں کے فرقہ کو مجنون کہنا کس فریق کو زیبا ہے۔

حاصل مطلب یہ نکلا کہ کافروں کو ہی جنون ہے کیونکہ عقل کا تقاضا ہے کہ دو اختیاری چیزوں میں سے ایک کو انتخاب کر لینے کا اگر کسی کو اختیار دیا جائے اور دو مصیبتوں میں سے ایک مصیبت میں مبتلا ہونا لازم ہو تو جو چیز دونوں میں اچھی ہو اور جو مصیبت آسان ہو اس کو آدمی اختیار کرے مومن تو اس خدا سے لو لگائے ہوئے ہیں جو جامع کمالات ہے تمام عیوب سے پاک ہے نفع نقصان اسی کے دست قدرت میں ہے اسی کی مرضی کی طلب میں مومن اپنی پوری ہمت صرف کرتے ہیں۔ اس کی ناراضگی پیدا کرنے والی چیزوں سے پرہیز رکھتے ہیں دنیا کی ذلیل ناپائیدار فانی نعمتوں کو اختیار نہیں کرتے اور کافروں کی نظر اس کائنات پر مقصود ہے جو بغیر حکم خدا نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ ضرر بلکہ پتھروں کی پوجا کو انہوں نے اختیار کر رکھا ہے اور اللہ واحد قہار کی عبادت کو چھوڑ دیا ہے اور آخرت کی دوامی نعمتوں کو ترک کر کے دنیا کی فوری لذتوں کو پسند کر رکھا ہے حالانکہ یہ لذتیں بھی اتنی ہی ملتی ہیں جتنی خدا چاہتا ہے۔ غرض دوزخ کو جنت پر انہوں نے ترجیح دے رکھی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ

بیشک تیرا رب وہی خوب جانے اُس کو جو بہکا

عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝

اُس کی راہ سے اور وہی خوب جانتا ہے راہ پانے والوں کو ☆

یعنی پوری طرح علم تو اللہ ہی کو ہے کہ کون لوگ راہ پر آنیوالے ہیں اور کون بھٹکنے والے لیکن نتائج جب سامنے آئینگے تو سب کو نظر آ جائیگا کہ کون کامیابی کی منزل پر پہنچا اور کون شیطان کی رہزنی کی بدولت ناکام و نامراد رہا۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝

سو تو کہنا مت مان جھٹلانے والوں کا

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ﴿٩﴾

وہ چاہتے ہیں کسی طرح تو ڈھیلا ہو تو وہ بھی ڈھیلے ہوں ☆

مداہنت کی ضرورت نہیں:

یعنی راہ پر آنیوالے نہ آنیوالے سب اللہ کے علم محیط میں طے شدہ ہیں لہٰذا دعوت تبلیغ کے معاملہ میں کچھ رورعایت کی ضرورت نہیں جس کو راہ پر آنا ہو گا آ رہیگا اور جو محروم ازلی ہے وہ کسی لحاظ و مروت سے ماننے والا نہیں۔ کفار مکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ آپ بت پرستی کی نسبت اپنا سخت رویہ ترک کر دیں اور ہمارے معبودوں کی تردید نہ کریں ہم بھی آپ کے خدا کی تعظیم کرینگے اور آپ کے طور و طریق اور مسلک و مشرب سے معترض نہ ہوں گے۔ ممکن تھا کہ ایک مصلح اعظم کے دل میں جو ''خلق عظیم'' پر پیدا کیا گیا ہے۔ نیک نیتی سے یہ خیال آ جائے کہ تھوڑی سی نرمی اختیار کرنے اور ڈھیل دینے سے کام بنتا ہے تو برائے چندے نرم روش اختیار کرنے سے کیا مضائقہ ہے اس پر حق تعالیٰ نے متنبہ فرما دیا کہ آپ ان مکذبین کا کہنا نہ مانیے ان کی غرض محض آپ کو ڈھیلا کرنا ہے، ایمان لانا اور صداقت کو قبول کرنا مقصود نہیں۔ آپ کی بعثت کی اصلی غرض اس صورت میں حاصل نہیں۔ ہوتی آپ تو ہر طرف سے قطع نظر کر کے اپنا فرض ادا کرتے رہیے۔ کسی کو منوا دینے اور راہ پر لے آنے کے آپ کے ذمہ دار نہیں (تنبیہ) ''مداہنت'' اور ''مدارات'' میں بہت باریک فرق ہے اول الذکر مذموم ہے اور آخر الذکر محمود فلا تغفل۔ (تفسیر عثمانی)

(مطلب یہ ہوگا کہ وہ مداہنت مذہبی) (معاملات میں نرمی) فریقین کی طرف سے چاہتے ہیں لیکن اس بات کے خواستگار ہیں کہ پہلے آپ نرمی کریں پھر وہ کریں دوسری صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ وہ تمہاری طرف سے نرمی کے خواستگار ہیں اس طمع میں وہ خود بھی نرمی کرتے ہیں یعنی اگر ممانعت شرک میں تم ان کے ساتھ کچھ نرمی کرو یا بعض امور کبھی کبھی ان سے موافقت کر لو تو وہ بھی تم پر طعن کرنا اور بعض امور میں تمہاری مخالفت کرنا ترک کر دیں گے۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ: اس آیت میں معلوم ہوتا ہے کہ دین کے معاملہ میں نرمی کرنی حرام ہے۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار و فجار کے ساتھ یہ سودا کر لینا کہ ہم تمہیں کچھ نہیں کہتے تم ہمیں کچھ نہ کہو۔ یہ مداہنت فی الدین اور حرام ہے (مظہری) یعنی بلا کسی اضطرار اور مجبوری کے ایسا معاہدہ جائز نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ﴿١٠﴾

اور تو کہا مت مان کسی قسمیں کھانے والے بے قدر کا ☆

کافروں کے اوصاف:

یعنی جس کے دل میں خدا کے نام کی عظمت نہیں جھوٹی قسم کھا لینا ایک معمولی بات سمجھتا ہے اور چونکہ لوگ اس کی باتوں پر اعتبار نہیں کرتے۔ اس لیے یقین دلانے کے لیے بار بار قسمیں کھا کر بے قدر اور ذلیل ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ: قسمیں کھانا مکروہ ہے۔ (مظہری)

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيْمٍ ﴿١١﴾

طعنے دے چغلی کھاتا پھرے،

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿١٢﴾

بھلے کام سے روکے حد سے بڑھے بڑا گنہگار

عُتُلٍّۢ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴿١٣﴾

اُجڈ ان سب کے پیچھے بدنام ☆

یعنی ان خصلتوں کے ساتھ بدنام اور رسوائے عالم بھی ہے حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں'' کہ یہ سب کافر کے وصف ہیں آدمی اپنے اندر دیکھے اور یہ خصلتیں چھوڑے'' (تنبیہ) ''زنیم'' کے معنی بعض سلف کے نزدیک ولد الزنا اور حرام زادے کے ہیں جس کافر کی نسبت یہ آیتیں نازل ہوئیں وہ ایسا ہی تھا۔ (تفسیر عثمانی)

بھلا اور برا شخص:

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ تم میں سب سے بھلا شخص کون ہے؟ لوگوں نے کہا ضرور ارشاد فرمایئے۔ فرمایا! وہ کہ جب انہیں دیکھا جائے، خدا یاد آ جائے، اور سن لو سب سے بدتر شخص وہ ہے جو چغل خور ہو، دوستوں میں فساد ڈلوانے والا ہو۔ ، پاک صاف لوگوں کو تہمت لگانے والا ہو ترمذی میں بھی یہ روایت ہے پھر ان بدلوگوں کے اور ناپاک خصائل بیان ہو رہے ہیں کہ بھلائیوں سے باز رہنے والا اور باز رکھنے والا ہے، حلال چیزوں اور حلال کاموں سے ہٹ کر حرام خوری اور حرام کاری میں پڑتا ہے گنہگار بدکردار محرمات کو استعمال کرنے والا بدخو بدگو جمع کرنے والا اور نہ دینے والا ہے مسند احمد۔

حدیث میں ہے کہ زنا کی اولاد جنت میں نہیں جائیگی اور روایت میں ہے کہ زنا کی اولاد تین برے لوگوں کی برائی کا مجموعہ ہے اگر وہ بھی اپنے ماں باپ کے سے کام کرے۔

ابن جریر نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيْمٍ . نازل ہوئی تو ہم

کو کسی کی خصوصی شناخت نہ ہو سکی لیکن اس کے بعد زنیم کا لفظ نازل ہوا تو ہم پہچان گئے بکری کے کانوں (تھنوں) کی طرح اس کے کانوں میں لٹکاؤ تھا۔

سعید بن جبیر نے ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ وہ شر میں ایسا ہی معروف تھا جس طرح بکری اپنے لٹکائے ہوئے کانوں اور (تھنوں) سے پہچانی جاتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ شاید زنیم ہونے کی صفت مذکورہ بالا قبائح سے زیادہ بری تھی اس لیے تو چند قبائح کے ذکر کے بعد زنیم کو ذکر کیا۔

حارث بن وہب خزاعی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا میں تم کو نہ بتاؤں (کہ جنتی کون ہے اور دوزخی کون ہے) جنتی ہر وہ ضعیف آدمی ہے کہ اگر خدا کے بھروسہ پر وہ قسم کھالے تو اللہ اس کی قسم سچی کر دے اور دوزخی ہے ہر بد خلق اکھڑ مغرور (بغوی) (تفسیر مظہری)

اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿١٤﴾

اس واسطے کہ رکھتا ہے مال اور بیٹے ☆

مالداری معیار نہیں ہے:

یعنی ایک شخص اگر دنیا میں طالع مند اور خوش قسمت نظر آتا ہے۔ مثلاً مال و اولاد وغیرہ رکھتا ہے محض اتنی بات سے اس لائق نہیں ہو جاتا کہ اس کی بات مانی جائے۔ اصل چیز انسان کے اخلاق و عادات ہیں۔ جس شخص میں شرافت اور خوش اخلاقی نہیں اللہ والوں کا کام نہیں کہ اس کی ابلہ فریب باتوں کی طرف التفات کریں۔ (تفسیر عثمانی)

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ

جب سنائے اس کو ہماری آیتیں کہے

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٥﴾

یہ نقلیں ہیں پہلوں کی ☆

یعنی اللہ کی باتوں کو یہ کہہ کر جھٹلاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿١٦﴾

اب داغ دینگے ہم اس کو سونڈ پر ☆

ولید بن مغیرہ کی رسوائی:

کہتے ہیں قریش کا ایک سردار ولید بن مغیرہ تھا اس میں یہ سب اوصاف مجتمع تھے اور ناک پر داغ دینے سے مراد اس کی رسوائی اور روسیاہی ہے شاید دنیا میں حسی طور پر بھی کوئی داغ پڑا ہو یا آخرت میں پڑیگا۔ (تفسیر عثمانی)

سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ یہ جملہ مستانفہ (الگ) ہے اس سے تہدید اور تخویف ہے خرطوم ہاتھی کی سونڈھ اور خنزیر کی تھوتھنی یہاں مراد ناک ہے اس شخص کو ہاتھی اور سور کے ساتھ تشبیہ دیکر اس کی ناک کو ہاتھی کی سونڈھ یا خنزیر کی تھوتھنی قرار دیا فراء کے نزدیک پورا چہرہ مراد ہے جزء بول کر کل مراد لے لیا جاتا ہے ابوالعالیہ اور مجاہد نے کہا قیامت کے دن اس کا منہ کالا ہو جائے گا اس علامت سے اس کی شناخت ہو جائیگی حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا (مراد یہ ہے کہ ہم اس کی ناک میں تلوار کی نکیل ڈالینگے چنانچہ بدر کے دن ایسا ہی ہوا۔ (تفسیر مظہری)

ایسے نالائق اور بدبخت انسان کے لیے تو ہم نے یہ طے کر لیا اور ہم داغ دیں گے اس کی سونڈ پر اسکی وہ ناک جو سونڈ کی طرح ہے نہایت ہی بے ڈول اور چوڑی بڑی بھدی نظر آتی ہے یہ شخص قریش کا ایک سردار ولید بن مغیرہ تھا جس میں یہ تمام اوصاف تمام و کمال موجود تھے۔

ناک ہی انسان کے غرور و تکبر کا نشان ہے عرف میں ناک عزت و آبرو کو کہتے ہیں اور ذلت و رسوائی کو محاورات میں ناک کٹ جانا کہتے ہیں تو اس لحاظ سے غرور خود بینی کے نشان پر داغ لگایا جانا تکبر اور سرتابی کی مناسب سزا ہوئی۔ (معارف کاندھلوی)

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ

ہم نے اُن کو جانچا ہے جیسے جانچا تھا باغ والوں کو ☆

دولت، مال و اولاد آزمائش ہے:

یعنی مال اولاد کی کثرت کوئی مقبولیت کی علامت نہیں نہ اللہ کے ہاں اس کی کچھ قدر و قیمت ہے لہٰذا کفار مکہ اس چیز پر مغرور نہ ہوں یہ تو اللہ کی طرف سے ان کی آزمائش اور جانچ ہے جیسے پہلے بعض لوگوں کی جانچ کی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ ۔ یعنی قحط اور بھوک سے ہم نے اہل مکہ کی آزمائش کی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کے لیے بددعا کی کہ الٰہی ان پر (زمانہ) یوسف کا ایسا قحط ڈال (تو اللہ نے ان کو قحط میں مبتلا کر دیا یہاں تک کہ لوگ ہڈیاں اور مردار کھا گئے۔

ابن ابی حاتم بروایت ابن جریج نے بیان کیا کہ بدر کے دن ابوجہل نے مسلمانوں کی تعداد کم دیکھ کر کہا تھا ان کو پکڑ کر رسیوں میں باندھ لو قتل کسی کو نہ کرنا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ ہم نے مکہ والوں کو مسلمانوں پر اتنی قوت عطا فرمائی جیسی اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ کو دی تھی۔

باغ والوں کا قصہ:

محمد بن مروان بروایت قلبی بحوالہ ابن صالح حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ یمن میں صنعاء سے دو فرسنگ کے فاصلہ پر ایک نیک شخص نے ایک باغ لگایا تھا جس کو صروان کہا جاتا تھا اس شخص کا دستور تھا کہ درانتی

ی زمانے سے جو پھل درختوں پر بچ رہتے تھے اُن کو مسکینوں کیلئے چھوڑ دیتا تھا اسی طرح پھل توڑنے میں جو پھل نیچے بچھے ہوئے فرش سے باہر گرتے تھے وہ بھی مسکینوں کے ہوتے تھے باغ کے اندر کھیتی کی بھی یہی کیفیت تھی کٹتے وقت درانتی سے جو پودا بچ رہتا وہ مسکینوں کا ہوتا تھا اور دائیں چلاتے میں جو حصہ ادھر ادھر منتشر ہو جاتا وہ بھی مسکینوں کا حق تھا اس شخص کے مرنے کے بعد اس کے تین بیٹے وارث ہوئے انہوں نے آپس میں کہا کہ اس زمانہ میں مال تو کم ہے اور بچے زیادہ ہو گئے ہیں اس لیے باپ کی طرح ہم نہیں کر سکتے ایسا تو اس وقت کیا جاتا تھا جب مال زیادہ اور بچے کم تھے چنانچہ ہم باہم قسمیں کھالیں کہ ہم اب ایسا نہیں کریں گے۔

إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ (۱۷)

جب اُن سب نے قسم کھائی کہ اُس کا میوہ توڑیں گے صبح ہوتے

وَلَا يَسْتَثْنُونَ (۱۸)

اور ان شاء اللہ نہ کہا ☆

نیت بد کا انجام:

کئی بھائی جن کے باپ نے ترکہ میں میوے کا ایک باغ چھوڑا تھا۔ اس میں کھیتی بھی ہوتی ہوگی۔ سارا گھر اس کی پیداوار سے آسودہ تھا' باپ کے زمانہ میں عادت تھی کہ جس دن میوہ توڑا جاتا یا کھیتی کٹتی تو شہر کے سب فقیر محتاج جمع ہو جاتے یہ سب کو تھوڑا بہت دیدیتا اسی سے برکت تھی' اس کے انتقال کے بعد بیٹوں کو خیال ہوا کہ فقیر جو اتنا مال لے جاتے ہیں' وہ اپنے ہی کام آئے تو خوب ہو۔ کیوں ہم ایسی تدبیر نہ کریں کہ فقیروں کو کچھ دینا نہ پڑے اور ساری پیداوار گھر میں آ جائے پھر آپس میں مشورہ کر کے یہ رائے قرار پائی کہ صبح سویرے ہی توڑ کر گھر لے آئیں۔ فقیر جائینگے تو وہاں کچھ نہ پائینگے اور اپنی اس تدبیر پر ایسا یقین جمایا کہ ''انشاء اللہ'' بھی نہ کہا۔ (تفسیر عثمانی)

فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ

پھر پھیرا کر گیا اُس پر کوئی پھیرے والا تیرے رب کی طرف سے

نَائِمُونَ (۱۹) فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ (۲۰)

اور وہ سوتے ہی رہے پھر صبح تک ہو رہا جیسے ٹوٹ چکا ☆

یعنی رات کو بگولا اٹھا، آگ لگی یا اور کوئی آفت پڑی سب کھیت اور باغ صاف ہو رہا۔ (تفسیر عثمانی)

حسن بصریؒ نے فرمایا اس باغ سے ہر اچھائی اور خوبی منقطع ہو گئی یعنی اس میں کچھ نہیں رہا۔

ابن عباس نے فرمایا بنی خزیمہ کے محاورہ میں صریم سیاہ راکھ کو کہتے ہیں یعنی وہ باغ سیاہ راکھ کی طرح ہو گیا۔ (تفسیر مظہری)

فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ (۲۱) أَنِ اغْدُوا

پھر آپس میں بولے صبح ہوتے کہ سویرے چلو

عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ صَارِمِينَ (۲۲)

اپنے کھیت پر اگر تم کو توڑنا ہے

فَانطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَافَتُونَ (۲۳)

پھر چلے اور آپس میں کہتے تھے چپکے چپکے

أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُم مِّسْكِينٌ (۲۴)

کہ اندر نہ آنے پائے اُس میں آج تمہارے پاس کوئی محتاج

وَغَدَوْا عَلَىٰ حَرْدٍ قَادِرِينَ (۲۵)

اور سویرے چلے لپکتے ہوئے زور کے ساتھ ☆

یعنی یہ یقین کرتے ہوئے کہ اب جا کر سب پیداوار اپنے قبضہ میں کر لینگے۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَضَالُّونَ (۲۶)

پھر جب اُس کو دیکھا بولے ہم تو راہ بھول آئے،

بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ (۲۷)

نہیں ہماری قسمت پھوٹ گئی ☆

وہ زمین کھیتی اور درختوں سے ایسی صاف ہو چکی تھی کہ وہاں پہنچ کر پہچان نہ سکے سمجھے کہ ہم بھول کر کہیں اور نکل آئے پھر جب غور کیا تو سمجھے کہ نہیں جگہ تو وہی ہے مگر ہماری قسمت پھوٹ گئی اور حق تعالیٰ کی درگاہ سے ہم محروم کیے گئے۔ (تفسیر عثمانی)

رات کو کھیتی کاٹنا:

امام بیہقی نے جعفر بن محمد کی سند سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بیان کیا کہ آپ نے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص رات میں اپنی کھیتی کاٹے یا باغ کے پھل توڑے، بظاہر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اسی قصہ کے پیش نظر ہے کیونکہ مجرمین کی مشابہت سے بھی انسان کو بچنا چاہیے۔

گناہ رزق سے محرومی کا سبب ہے:

عبداللہ بن مسعود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک بیان کرتے ہیں فرمایا اِيَّاكُمْ وَالْمَعَاصِيَ اِنَّ الْعَبْدَ لَيُذْنِبُ ذَنْبًا فَيُحْرَمُ بِهٖ رِزْقًا قَدْ كَانَ هُيِّئَ لَهٗ

یعنی اے لوگو! تم معاصی اور گناہوں سے بچو بے شک بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک بندہ کوئی گناہ کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس رزق سے محروم ہو جاتا ہے جو اس کو اللہ رب العزت کی طرف سے عطا کیا گیا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ ۔ (معارف کاندھلوی)

قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ
بولا بچلا اُن کا میں نے تم کو
اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾
نہ کہا تھا کہ کیوں نہیں پاکی بولتے اللہ کی ☆

پشیمانی:

منجھلا بھائی ان میں زیادہ ہوشیار تھا۔ اس نے مشورہ کے وقت متنبہ کیا ہوگا کہ اللہ کو مت بھولو یہ سب اسی کا انعام سمجھو اور فقیر محتاج کی خدمت سے دریغ نہ کرو جب کسی نے اس کی بات پر کان نہ دھرا' چپ ہو رہا اور ان ہی کا شریک حال ہو گیا۔ اب یہ تباہی دیکھ کر اس نے وہ پہلی بات یاد دلائی۔ (تفسیر عثانی)

ابوصالح نے کہا وہ لوگ ان شاء اللہ کہنے کے موقع پر سبحان اللہ کہا کرتے تھے (اسی لیے انشاء اللہ کی جگہ تسبحون کہا) یا یہ مطلب ہے کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ اللہ کی نعمت کا شکر کیوں نہیں کرتے کہ اس نے تم کو یہ باغ دیا اور مسکینوں کو کیوں روکتے ہو (اس وقت تسبیح بمعنی شکر کے ہوگا) کیونکہ شکر کا معنی ہے نعمت کو دینے والے کی مرضی حاصل کرنے کے لیے صرف کرنا۔ (تفسیر مظہری)

قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾
بولے پاک ذات ہے ہمارے رب کی ہم ہی تقصیر دار تھے
فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾
پھر منہ کر کر ایک دوسرے کی طرف لگے الاہنا دینے ☆

اعترافِ جرم:

اب اپنی تقصیر کا اعتراف کر کے رب کی طرف رجوع ہوئے اور جیسا کہ عام مصیبت کے وقت قاعدہ ہے ایک دوسرے کو الزام دینے لگے' ہر ایک دوسرے کو اس مصیبت اور تباہی کا سبب گردانتا تھا۔ (تفسیر عثانی)

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾
بولے ہائے خرابی ہماری ہم ہی تھے حد سے بڑھنے والے
عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا
شاید ہمارا رب بدل دے ہم کو

مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾
اس سے بہتر ہم اپنے رب سے آرزو رکھتے ہیں ☆

توبہ اور پھر انعام:

آخر میں سب مل کر کہنے لگے کہ واقعی ہماری سب کی زیادتی تھی کہ ہم نے فقیروں محتاجوں کا حق مارنا چاہا اور حرص وطمع میں آکر اصل بھی کھو بیٹھے۔ یہ جو کچھ خرابی آئی اس میں ہم ہی قصوروار ہیں' مگر اب بھی ہم اپنے رب سے ناامید نہیں کیا عجب ہے وہ اپنی رحمت سے پہلے باغ سے بہتر باغ ہم کو عطا کر دے۔ (تفسیر عثانی)

یعنی امید انعام ہم کو اپنے رب سے اس لیے ہے کہ اسی کی طرف ہمارا رخ ہو گیا ہے اور جس کا رخ اپنے رب کی طرف ہو جاتا ہے پروردگار اس کو اپنی نعمت عطا فرماتا ہے) حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا مجھے اطلاع ملی کہ جب ان لوگوں نے خالص دل سے توبہ کر لی اور اللہ کو ان کی سچائی معلوم ہو گئی تو اللہ نے سوختہ باغ کے عوض ان کو ایک اور باغ عطا فرمایا جس کو جنون کہا جاتا ہے اس باغ کے انگوروں کی یہ حالت تھی کہ ایک خوشہ خچر پر لادا جاتا تھا۔ (بغوی) (تفسیر مظہری)

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۚ وَلَعَذَابُ
یوں آتی ہے آفت اور آخرت کی
الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾
آفت سب سے بڑی ہے اگر اُن کو سمجھ ہوتی ☆

عذابِ آخرت:

یعنی یہ تو دنیا کے عذاب کا ایک چھوٹا سا نمونہ تھا جسے کوئی ٹال نہ سکا بھلا آخرت کی اس بڑی آفت کو تو کون ٹال سکتا ہے سمجھ ہو تو آدمی یہ بات سمجھے۔ (تفسیر عثانی)

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ
البتہ ڈرانیوالوں کو اُن کے
رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾
رب کے پاس باغ ہیں نعمت کے ☆

جنت کے باغ:

یعنی دنیا کے باغ و بہار کو کیا لیے پھرتے ہو جنت کے باغ ان سے کہیں بہتر ہیں جن میں ہر قسم کی نعمتیں جمع ہیں۔ وہ خاص متقین کے لیے ہیں۔ (تفسیر عثانی)

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ اللہ کے پاس یعنی جوار قدس میں متقیوں کے لیے جَنّٰتِ النَّعِيْمِ راحت کے باغ ہیں۔ ایسے باغ جن کے اندر آسائش کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

سابق آیت میں مجرموں کے لیے خدا کی وعید تھی اس آیت میں متقیوں کے لیے جنت کا وعدہ ہے۔ مشرکوں نے کہا تھا کہ بالفرض اگر روز آخرت ہوا تو جس طرح دنیا میں ہم کو نعمتیں ملی ہیں اسی طرح تم سے زیادہ یا تمہاری طرح کے ہم کو اس روز یہی نعمتیں دی جائیں گی۔ (تفسیر مظہری)

اوپر چونکہ دنیوی جنت والوں کا حال بیان ہوا تھا اور خدا کی نافرمانی اور اسکے حکم کا خلاف کرنے سے ان پر جو بلا اور آفت آئی اس کا ذکر ہوا تھا اس لیے اب ان متقی پرہیزگار لوگوں کا حال ذکر کیا گیا جنہیں آخرت میں جنتیں ملیں گی جن کی نعمتیں نہ فنا ہوں گی نہ گھٹیں گی نہ ختم ہوں گی۔ نہ سڑیں گی نہ گلیں گی۔ (تفسیر ابن کثیر)

أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ۝٣٥

کیا ہم کر دیں گے حکم برداروں کو برابر گنہگاروں کے

مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝٣٦

کیا ہو گیا تم کو کیسے ٹھہراتے ہو بات ☆

کافروں کا دعویٰ:

کفار مکہ نے غرور تکبر سے اپنے دل میں ٹھہرا رکھا تھا کہ اگر قیامت کے دن مسلمانوں پر عنایت و بخشش ہوگی تو ہم پر ان سے بہتر اور بڑھ کر ہوگی۔ اور جس طرح دنیا میں ہم کو اللہ نے عیش و رفاہیت میں رکھا ہے وہاں بھی یہ ہی معاملہ رہے گا اس کو فرمایا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا ہو تو یہ مطلب ہوگا کہ ایک وفادار غلام جو ہمیشہ اپنے آقا کی حکم برداری کے لیے تیار رہتا ہے اور ایک جرائم پیشہ باغی دونوں کا انجام یکساں ہو جائے بلکہ مجرم اور باغی وفاداروں سے اچھے رہیں، یہ وہ بات ہے جس کو عقل سلیم اور فطرت صحیحہ رد کرتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عقلاً یہ ہونا ضروری ہے کہ کوئی ایسا وقت آئے جہاں سب کا حساب ہو اور جہاں مجرموں کے لئے چور دروازہ نہ ہو اور جہاں انصاف ہی انصاف ہو اور نیک اور بد کا کھل کر امتیاز واضح ہو اور اگر یہ نہیں ہے تو دنیا میں کوئی برا کام برا نہیں اور کوئی جرم جرم نہیں اور پھر خدائی عدل و انصاف کے کوئی معنی نہیں رہتے۔ (معارف مفتی اعظم)

أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ۝٣٧

کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں پڑھ لیتے ہو

إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ۝٣٨

اُس میں ملتا ہے تم کو جو تم پسند کر لو

أَمْ لَكُمْ أَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ إِلَىٰ

کیا تم نے ہم سے قسمیں لے لی ہیں ٹھیک پہنچنے والی

يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۙ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ ۝٣٩

قیامت کے دن تک کہ تم کو ملے گا جو کچھ تم ٹھہراؤ گے

سَلْهُمْ أَيُّهُمْ بِذَٰلِكَ زَعِيمٌ ۝٤٠

پوچھ اُن سے کونسا اُن میں اس کا ذمہ لیتا ہے ☆

دعوے کی دلیل لاؤ:

یعنی یہ بات کہ مسلم اور مجرم دونوں برابر کر دیئے جائیں ظاہر ہے کہ عقل و فطرت کے خلاف ہے۔ پھر کیا کوئی نقلی دلیل اس کی تائید میں تمہارے پاس ہے؟ کیا کسی معتبر کتاب میں یہ مضمون پڑھتے ہو کہ جو تم اپنے لیے پسند کر لو گے وہ ہی ملے گا؟ اور تمہاری من مانی خواہشات پوری کی جائینگی یا اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے کوئی قسم کھالی ہے کہ تم جو کچھ اپنے دل سے ٹھہرا لو گے وہ ہی دیا جائیگا؟ اور جس طرح آج عیش و رفاہیت میں ہو قیامت تک اسی حال میں رکھے جاؤ گے؟ جو شخص ان میں سے ایسا دعویٰ کرے اور اس کے ثابت کرنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے 'لاؤ' اسے سامنے کرو ہم بھی تو دیکھیں کہ وہ کہاں سے کہتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سَلْهُمْ أَيُّهُمْ بِذَٰلِكَ زَعِيمٌ ان سے دریافت کرو کہ اس دعوے کا مدعی اور مثبت کون ہے اللہ نے ان آیات میں ان تمام عقلی اور نقلی دلائل کی نفی فرما دی جن سے ثبوت دعوی کا امکان ہو سکتا تھا نہ ان کو استحقاق ہے نہ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے نہ کوئی شخص ہے جو اس دعوی کو ثابت کر سکتا ہو کہ یہ اس کی تقلید کرتے ہوں جب مومنوں کے ساتھ کافروں کی مساوات کی نفی (ہر طرح) کر دی تو یہ خیال ممکن تھا کہ اگرچہ خدا کافروں کو مومنوں کے برابر درجہ میں نہیں کرے گا لیکن خدا کے دوسرے شریک ایسا کر دیں گے اس امکانی خیال کو دفع کرنے کے لیے آئندہ آیت میں وجود شرکاء کی ہی نفی فرما دی کہ جب اللہ کا کوئی شریک ہی نہیں تو اس کا تصرف کیسا۔

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ ۚ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ

کیا ان کے واسطے کوئی شریک ہیں پھر تو چاہئے لے آئیں اپنے اپنے شریکوں کو

إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ ۝٤١

اگر وہ سچے ہیں ☆

جھوٹے معبود بھی عاجز ہیں:

یعنی اگر عقلی و نقلی دلیل کوئی نہیں محض جھوٹے دیوتاؤں کے بل بوتے پر یہ دعوے کیے جا رہے ہیں کہ وہ ہم کو یوں کر دینگے اور یوں مرتبے دلا دینگے کیونکہ

وہ خود خدائی کے شریک اور حصہ دار ہیں تو اس دعوے میں ان کا سچا ہونا اسی وقت ثابت ہوگا جب وہ ان شرکاء کو خدا کے مقابلہ پر بلا لائیں اور اپنی من مانی کارروائی کرادیں۔لیکن یاد رہے کہ وہ معبود عابدوں سے زیادہ عاجز اور بے بس ہیں۔وہ تمہاری کیا مدد کرینگے' خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔(تفسیر عثمانی)

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ
جس دن کہ کھولی جائے پنڈلی اور وہ بلائے جائیں
إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٤٢﴾
سجدہ کرنے کو، پھر نہ کر سکیں ☆

تجلیءِ الٰہی:

اس کا قصہ حدیث شیخین میں مرفوعاً اس طرح آیا ہے کہ حق تعالیٰ میدان قیامت میں اپنی ساق ظاہر فرمائیگا "ساق" (پنڈلی) کو کہتے ہیں اور یہ کوئی خاص صفت یا حقیقت ہے صفات وحقائق الٰہیہ میں سے۔جس کو کسی خاص مناسبت سے "ساق" فرمایا جیسے قرآن میں "ید" (ہاتھ) "وجہ" (چہرہ) کا لفظ آیا ہے یہ مفہومات متشابہات میں سے کہلاتے ہیں۔ان پر اسی طرح بلا کیف ایمان رکھنا چاہیے جیسے اللہ کی ذات' وجود' حیات اور سمع وبصر وغیرہ صفات پر ایمان رکھتے ہیں۔اسی حدیث میں ہے کہ اس تجلی کو دیکھ کر تمام مومنین ومومنات سجدہ میں گر پڑینگے مگر جو شخص ریاء سے سجدہ کرتا تھا اس کی کمر نہیں مڑیگی تختہ سی ہوکر رہ جائیگی اور جب اہل ریاء ونفاق سجدہ پر قادر نہ ہونگے تو کفار کا اُس پر قادر نہ ہونا بطریق اولیٰ معلوم ہوگیا۔یہ سب کچھ محشر میں اس لیے کیا جائیگا کہ مومن وکافر اور مخلص و منافق صاف طور پر کھل جائیں اور ہر ایک کی اندرونی حالت حسی طور پر مشاہد ہو جائے (تنبیہ) "متشابہات" پر پہلے کلام کیا جا چکا ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس آیات "کشف ساق" کی تفسیر میں نہایت عالی اور عجیب تبصرہ متشابہات پر کیا ہے۔فلیراجع۔(تفسیر عثمانی)

جھوٹے معبودوں کے پجاری جہنم میں:

صحیح بخاری مسلم وغیرہ میں بروایت حضرت ابوسعید خدری بیان کیا گیا ہے کہ کچھ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا قیامت کے دن ہم اپنے رب کو دیکھیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں! دوپہر کے وقت جبکہ ابر بھی نہ ہو کیا تم کو سورج کو دیکھنے میں کچھ اشتباہ ہوتا ہے یا چودھویں تاریخ کو جب ابر نہ ہو تم کو چاند دیکھنے میں کوئی رکاوٹ ہوتی ہے صحابہؓ نے عرض کیا نہیں اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم۔ارشاد فرمایا جیسے تم کو سورج اور چاند کو دیکھنے میں اشتباہ نہیں ہوتا اسی طرح قیامت کے دن اللہ کو دیکھنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔قیامت کا دن ہوگا تو ایک اعلانچی اعلان کریگا ہر گروہ اپنے اپنے معبود کے پیچھے چلا جائے حکم ہوتے ہی مورتیوں اور استھانوں کی پوجا کرنے والے دوزخ میں گرنے لگیں گے کوئی بغیر گرے نہ رہے گا جب اللہ کی عبادت کرنے والوں کے سوا خواہ نیک ہوں یا بد (دوسری روایت میں ہے جب اہل کتاب کے سوا) کوئی باقی نہ رہے گا تو یہودیوں کو بلایا جائے گا اور دریافت کیا جائے گا تم کس کی عبادت کرتے تھے وہ کہیں گے اللہ کے بیٹے عزیر کی ارشاد ہوگا تم جھوٹے ہو اللہ نے تو اپنے لیے نہ بیوی بنائی نہ اولاد۔پھر فرمان ہوگا کیا چاہتے ہو وہ عرض کریں گے پروردگار ہم پیاسے ہیں ہم کو پانی پلا اشارہ ہوگا کیا تم کو دکھتا نہیں جہنم اس وقت سراب کی طرح (پانی کا دھوکہ) ہوگا سب کو ہنکا کر جہنم کی طرف لے جایا جائے گا حقیقت میں جہنم کی آگ اتنی تیز ہوگی کہ ایک حصہ دوسرے حصہ کو کھا رہا ہوگا سب جا کر اس میں گر پڑینگے پھر عیسائیوں کو بلایا جائے گا اور پوچھا جائیگا کس کی عبادت کرتے تھے عرض کریں گے اللہ کے بیٹے مسیح کی ارشاد ہوگا جھوٹے ہو اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی بیان فرمایا جو یہودیوں کے متعلق فرمایا تھا۔

طبرانی، ابویعلی، بیہقی وغیرہ نے بروایت حضرت ابوہریرہ بیان کیا ہے کہ کسی فرشتہ کو عزیر کی شکل پر اور کسی فرشتہ کو مسیح کی شکل پر کر دیا جائے گا ایک کے پیچھے یہودی ہو جائیں گے اور دوسرے کے پیچھے عیسائی پھر یہ معبود دوزخ کی طرف ان کی قیادت کریں گے آیت لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ۖ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ کا یہی مطلب ہے اب ہم صحیحین کی روایت (جو حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے) کی طرف لوٹتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غرض جب اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کے سوا کوئی نہیں رہے گا جن میں نیک بھی ہوں گے اور بد بھی تو رب العلمین ان کے پاس تشریف فرما ہوگا اور ارشاد فرمائے گا ہر امت اپنے اپنے معبود کے پیچھے جا رہی ہے تم کیا دیکھ رہے ہو وہ عرض کریں گے پروردگار جب دنیا میں ہم کو ان کی بہت زیادہ حاجت تھی اس وقت بھی ان سے الگ رہے ان کے ساتھی نہ ہوئے (اب بھی ان سے الگ ہیں اللہ فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں وہ جواب دیں دینگے نعوذ باللہ ہم کسی چیز کو اللہ کا شریک نہیں قرار دیتے یہ الفاظ دو یا تین بار کہیں گے یہاں تک کہ بعض لوگ پلٹ ہی جانے والے ہوں گے کہ اللہ فرمائے گا کیا کوئی نشانی ہے جس سے تم اپنے رب کو پہچان لو وہ عرض کریں گے جی ہاں اس وقت اللہ پنڈلی کھولے گا تو جو خلوص دل سے (دنیا میں) سجدہ کرتا تھا اس کو سجدہ کرنے کی اجازت ملے گی اور جو شخص نفاق کے ساتھ یا دکھاوٹ کے لیے سجدہ کرتا تھا اسکی پشت کو اللہ ایک تختہ سا کر دیگا وہ سجدہ کرنا چاہے گا تو پشت کے بل گر پڑے گا اس کے بعد جہنم میں پل لگایا جائے گا۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جسر (پل) کیا ہوگا فرمایا کہ پھسلواں دلدل جس پر آنکڑے لوہے کے کانٹے

اور نجد میں پیدا ہونے والی خاردار گھاس یعنی سعدان کی طرح خمیدہ خار ہوں گے اس وقت شفاعت کی اجازت ہو جائے گی اور انبیاء کہیں گے الٰہی بچا الٰہی بچا۔ اہل ایمان جسر کے اوپر سے نگاہ اور ہوا اور تیز رفتار گھوڑوں اور اونٹوں کی طرح (مختلف مراتب کے لحاظ سے) گزر جائیں گے، کچھ صحیح سالم بچ جائیں گے، کچھ خراش اور کھرونچ پا کر کچھ جہنم کی آگ میں گر پڑیں گے جب اہل ایمان دوزخ سے بچ جائیں گے تو قسم ہے اس کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے وہ اپنے دوزخی بھائیوں کے لئے اللہ سے اتنا جھگڑا کریں گے کہ تم میں سے کوئی اپنے واضح حق کے لئے اس سے زیادہ نہیں جھگڑتا، عرض کریں گے پروردگار! وہ ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے، نمازیں پڑھتے تھے، حج کرتے تھے ارشاد ہوگا کہ شناخت کر کے ان کو نکال لو چونکہ ان کے چہرے دوزخ سے محفوظ ہوں گے اس لئے (شناخت کر کے) بہت سے لوگوں کو وہ دوزخ سے نکال لیں گے پھر عرض کریں گے پروردگار! جن لوگوں کے متعلق تو نے اجازت دی تھی ان میں سے دوزخ کے اندر کوئی باقی نہیں رہا ارشاد ہوگا کہ لوٹ کر جاؤ جس کے دل میں دینار کے برابر خیر (ایمان اور نیک عمل کی نشانی) پاؤ، اس کو نکال لو۔ یہ مومن بہتیرے آدمیوں کو نکال لیں گے اللہ فرمائے گا پھر لوٹو اور جس کے دل میں آدھے دینار کے برابر خیر پاؤ اس کو نکال لو، اس پر بہت لوگوں کو مومن نکال لیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا پھر لوٹو اور جس کے دل میں چیونٹی کے برابر خیر پاؤ اس کو بھی نکال لو حسب الحکم بہت مخلوق کو نکال لیں گے اور عرض کریں گے پروردگار، دوزخ کے اندر اب ہم کو خیر نہیں ملتی، اللہ فرمائے گا، ملائکہ شفاعت کر چکے، انبیاء بھی شفاعت کر چکے، اہل ایمان نے بھی شفاعت کر لی اب سوائے ارحم الراحمین کے کوئی اور نہیں رہا چنانچہ اس کے بعد اللہ خود مٹھی بھر کر لوگوں کو دوزخ سے نکال لے گا جنھوں نے نہ کبھی نیکی کی ہوگی اور (جل کر) کوئلہ بن گئے ہوں گے۔ جنت کے ایک دروازے پر ایک دریا ہے جس کو زندگی کا دریا کہا جاتا ہے اس نہر حیاۃ میں ان کو ڈال دے گا نہر حیات سے وہ ایسے تر و تازہ ہو کر نکلیں گے جیسے دانہ سیلاب کی کیچڑ میں سے (پھوٹ کر) نکلتا ہے گویا وہ موتی ہوں گے مگر ان کی گردنوں پر مہریں لگے ہوں گی اہل جنت کہیں گے کہ یہ ہیں رحمٰن کے آزاد کردہ جن کو بغیر کسی عمل اور سابق نیکی کے اللہ نے جنت میں داخل فرمایا ہے، حکم ہوگا کہ جو کچھ تم کو نظر آئے وہ سب تمہارا ہے اور اتنا ہی اور بھی۔

کشف ساق کا ذکر حاکم وغیرہ کی نقل کردہ اس حدیث میں بھی آیا ہے جو حضرت ابن مسعودؓ سے بھی مروی ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں جو حدیث حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آئی ہے اس میں یہ لفظ ہیں کہ ان کے پاس اللہ ایسی شکل میں تشریف فرما ہوگا جن کو وہ پہچانتے نہ ہوں گے۔

مؤمنوں کے لئے دیدارِ الٰہی کا شرف:

لالکائی نے کتاب السنۃ میں اور آجری نے کتاب الرویۃ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے قیامت کا دن ہوگا تو ہر قوم کے سامنے اس کا دنیوی معبود مجسم کر کے لایا جائے گا اور ہر قوم اپنے معبود کی طرف چلی جائے گی صرف اہل توحید رہ جائیں گے ان سے کہا جائے گا کہ وہ لوگ جا چکے (تم بھی جاؤ) وہ عرض کریں گے کہ ہم جس رب کی دنیا میں عبادت کرتے تھے وہ نظر نہیں آتا (کس کے پاس جائیں) اللہ فرمائے گا کیا تم اس کو دیکھ کر پہچان لو گے، اہل توحید جواب دیں گے جی ہاں پوچھا جائے گا کہ جب تم نے اس کو دیکھا ہی نہیں تو کیسے پہچان لو گے عرض کریں گے (یہی اس کی شناخت ہے کہ) اس کی کوئی شکل نہیں اللہ ان کے لئے حجاب کھول دے گا اور وہ دیکھ کر سجدہ میں گر پڑیں گے اور کچھ لوگ (کھڑے رہ جائیں گے) جن کی پشت گائے کے بیل کی پشت کے مہروں کی طرح ہو جائیں گے (جھک نہ سکیں گے) وہ سجدہ کرنا چاہیں گے مگر کر نہ سکیں گے۔ اس کے بعد اللہ فرمائے گا سروں کو اٹھاؤ میں نے تم میں سے ہر شخص کے عوض (دوزخ کے اندر یہودیوں اور عیسائیوں میں سے ایک شخص کر دیا (یعنی اگر تم مومن نہ ہوتے تو اس جگہ جاتے جہاں یہودی اور عیسائی داخل ہیں)۔

مختلف تجلیات:

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی تجلیاں مختلف اقسام کی ہیں ایک صورت کی تو پرتو اندازیاں ہیں جو عالم مثال میں ہوتی ہیں حقیقت میں یہ دیدار الٰہی نہیں ہوتا۔

بغیر کسی شکل اور صورت کے ہوگی لیکن اس میں کسی قدر پرچھائیں کی آمیزش ہوگی شاید کشف ساق سے یہی تجلی مراد ہے جس کو اچھے برے مومن بلا ابر مہر نیم روز اور چودھویں چاند کی طرح دیکھیں گے اور کافروں کو یہ تجلی نصیب نہ ہوگی اللہ نے فرمایا ہے کہ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ۔ حدیث میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب اللہ کی عبادت کرنے والے نیک اور بد لوگوں کے سوا کوئی باقی نہیں رہے گا تو رب العلمین تشریف فرما ہو کر کشف ساق کرے گا ید (ہاتھ) اور وجہ (چہرہ) کی طرح لفظ ساق بھی متشابہات میں سے ہے جس کی حقیقی مراد سوائے اللہ کے کوئی واقف نہیں پختہ علماء تو یہی کہتے ہیں کہ ہم حقیقت کو جانے بغیر اس کو مانتے ہیں۔

تیسری تجلی جنت میں ہوگی اس میں پرچھائیں کی آمیزش بھی نہیں ہوگی (لفظ زیادۃ سے) اس آیت میں اسی کو بیان کیا گیا ہے اَلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ۔

وَيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ یعنی نیک اور بد اہل ایمان کو سجدہ کی دعوت دی

جائے گی لیکن یہ سجدہ تکلیفی نہ ہوگا آخرت دار تکلیف نہیں ہے بلکہ طبعی دعوت ہوگی جب عظمت وجلال کے پردے اٹھ جائیں گے اور کوئی مانع نہ رہے تو حقیقت ممکن کا تقاضا ہے کہ واجب کے سامنے سربسجود ہو جائے۔

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ یعنی نافرمان (ریاکار) سجدہ نہ کر سکیں گے کیونکہ گناہوں کے بوجھ سے ان کی پشت ایک بے جوڑ تختہ بن چکی۔

بے نمازی:

احادیث مذکورہ اسی پر دلالت کر رہی ہیں پس کا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سے مراد وہ اہل ایمان ہیں جو نماز بالکل نہیں پڑھتے تھے یا جماعت کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے اور پڑھتے بھی تھے تو تقیہ کے طور پر جیسے رافضی وغیرہ بدعتی پڑھتے ہیں یا دکھاوٹ کے لیے پڑھتے تھے انکے عمل میں خلوص نہ تھا (تفسیر مظہری)

تقدیس الٰہی:

اہل سنت اور علماء متکلمین نے افراط وتفریط سے بعید رہتے ہوئے ان حقائق وشعون کو تسلیم بھی کیا اور ساتھ ساتھ یہ بھی متعین کر دیا کہ ذات خداوندی مخلوق کے احوال واوصاف سے منزہ اور پاک ہے۔ چنانچہ کہا گیا کہ خداوند عالم سمیع ہے لیکن وہ ہماری قوت سامعہ کی طرح کسی آلہ کے ذریعے سمع نہیں۔ وہ بصیر ہے لیکن ہماری طرح بصیر ہونے میں آنکھ، آنکھ کی پتلی اور شعاع بصریہ کا محتاج نہیں تو جس قدر بھی نصوص قرآن وحدیث میں ایسے عنوانات سے وارد ہوئیں، اہل حق اور علماء متکلمین نے ان کا یہی مفہوم اختیار کیا...... الغرض محشر میں اللہ رب العزت کی ایک خاص قسم کی تجلی ظاہر ہوگی جس کی حقیقت کے ادراک سے انسانی افکار وعقول عاجز ہیں جس کو کشف ساق سے تعبیر کیا گیا اور اس وقت ہر ایک کو سجدہ کے لئے پکارا جائے گا تو جو بندہ دنیاوی حیات میں ایمان واخلاص سے سجدہ کرتا تھا اس کو وہاں سجدہ نصیب ہو جائے گا۔ اور جو دنیا میں نفاق وریاء سے سجدہ کرتا تھا اس کو ممکن نہ ہوگا کہ سجدہ کر سکے خواہ ہزار کوشش کر لے کیونکہ دنیا میں تو ظاہر وباطن کا اختلاف ہو سکتا ہے مگر آخرت میں یہ ممکن نہیں۔ وہاں تو جو حقیقت ہوگی وہی ظاہر ہو سکے گی۔ (معارف کاندھلوی)

صحیح بخاری شریف میں اس جگہ حضرت ابوسعید خدریؓ کی یہ حدیث آئی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے کہ ہمارا رب اپنی پنڈلی کھول دے گا۔ پس ہر مومن مرد اور ہر مومن عورت سجدہ میں گر پڑے گی، ہاں دنیا میں جو لوگ دکھانے اور سنانے کے لئے سجدہ کرتے تھے، وہ بھی سجدہ کرنا چاہیں گے۔ لیکن ان کی کمر تختہ کی طرح ہو جائے گی، یعنی سجدہ نہ کر سکیں گے۔

بخاری ومسلم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے اور پھر جب پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ یعنی اس طرح ہے تیرے رب کی پکڑ بڑی دردناک اور بڑی سخت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اس کا قصہ حدیث شیخین میں مرفوعاً اس طرح آیا ہے کہ حق تعالیٰ قیامت کے میدان میں اپنی ساق ظاہر فرما دے گا، ساق کہتے ہیں پنڈلی کو، اور کوئی خاص صفت ہے جس کو کسی مناسبت سے ساق فرمایا جیسے قرآن میں ہاتھ آیا ہے اور ایسے مفہومات متشابہات کہلاتے ہیں اور اسی حدیث میں ہے کہ اس تجلی کو دیکھ کر مؤمنین مومنات سجدہ میں گر پڑیں گے مگر جو شخص ریاء سے سجدہ کرتا تھا اس کی کمر تختہ کی طرح رہ جائے گی کہ سجدہ نہ کر سکے گا اور سجدے کی طرف بلائے جانے سے یہ شبہہ نہ جاوے کہ دار التکلیف نہیں ہے، کیونکہ بلائے جانے سے مراد امر بالسجود نہیں ہے بلکہ اس تجلی میں یہ اثر ہوگا کہ سب بالاضطرار سجدہ کرنا چاہیں گے جن میں مومن اس بات پر قادر ہو جائیں گے اور کفار کا قادر نہ ہونا اس سے بدرجہ اولیٰ مفہوم ہوتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ

جھکی پڑتی ہونگی اُن کی آنکھیں ☆

ذلت کا ہار:

یعنی ندامت اور شرمندگی کے مارے آنکھ اوپر نہ اٹھ سکے گی۔ (تفسیر عثمانی)

تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ

چڑھی آتی ہو گی اُن پر ذلت اور پہلے اُن کو بلاتے رہے

اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ۝

سجدہ کرنے کو اور وہ تھے اچھے خاصے ☆

یعنی دنیا میں سجدہ کا حکم دیا گیا تھا جس وقت اچھے خاصے تندرست تھے اور بااختیار خود سجدہ کر سکتے تھے وہاں کبھی اخلاص سے سجدہ نہ کیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ استعداد ہی باطل ہوگئی اب چاہیں بھی سجدہ نہیں کر سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ

اب چھوڑ دے مجھ کو اور اُن کو جو کہ جھٹلائیں اس بات کو

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اب ہم سیڑھی سیڑھی اتاریں گے اُن کو جہاں سے ان کو پتہ بھی نہیں ☆

یعنی ان کو عذاب ہونا تو یقینی ہے لیکن چندے عذاب کے توقف سے رنج نہ کیجئے اور ان کا معاملہ میرے اوپر چھوڑ دیجئے۔ میں خود ان سے نبٹ لونگا

اوراس طرح بتدریج آہستہ آہستہ دوزخ کی طرف لے جاؤنگا کہ ان کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔ یہ اپنی حالت پر مگن رہنگے اور اندر ہی اندر سکھ کی جڑیں کٹتی چلی جائینگی۔ (تفسیر عثمانی)

وَاُمْلِیْ لَهُمْ ۗ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ ﴿۴۵﴾

اور اُن کو ڈھیل دیئے جاتا ہوں بیشک میرا داؤ پکا ہے ☆

قانونِ مہلت:

یعنی میری لطیف اور خفیہ تدبیر ایسی پکی ہے جس کو یہ لوگ سمجھ بھی نہیں سکتے بھلا اس کا توڑ تو کیا کر سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

صحیح یہ ہے کہ کیس سے مراد ہے مہلت دینا، ڈھیل دینا، یعنی دنیا میں جو نعمتیں ہم ان کو عطا کرتے ہیں یہ ان کے لئے ڈھیل ہے، مسلمانوں پر ترجیح دینا مقصود نہیں ہے۔

فائدہ: اگر گناہ کرنے کے بعد دنیا ہی میں کوئی مصیبت بطور سزا آجائے تو گناہ کی معافی کی امید ہوسکتی ہے لیکن ارتکاب معصیت کے بعد اگر نعمت کی افزونی ہوتو اندیشہ رکھنا چاہیے کہ یہ اللہ کی طرف سے کہیں ڈھیل ہو۔ (تفسیر مظہری)

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾

کیا تو مانگتا ہے اُن سے کچھ حق سو اُن پر تاوان کا بوجھ پڑ رہا ہے

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ فَهُمْ یَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾

کیا اُن کے پاس خبر ہے غیب کی، سو وہ لکھ لاتے ہیں ☆

کفار کا انکار فقط ضد کی وجہ سے ہے:

یعنی افسوس اور تعجب کا مقام ہے کہ یہ لوگ اس طرح تباہی کی طرف چلے جارہے ہیں لیکن آپ کی بات نہیں مانتے۔ آخر نہ ماننے کی وجہ کیا ہے؟ کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ (تنخواہ یا کمیشن وغیرہ) طلب کرتے ہیں؟ جس کے بوجھ میں وہ دبے جارہے ہیں۔ یا خود ان کے پاس غیب کی خبریں اور اللہ کی وحی آتی ہے؟ جسے وہ حفاظت کے لیے قرآن کی طرح لکھ لیتے ہیں۔ اس لیے آپ کے اتباع کی ضرورت نہیں سمجھتے آخر کچھ سبب تو ہونا چاہیے۔ جب ان پر کچھ بار بھی ڈالا نہیں جاتا اور اس چیز سے استغنا بھی نہیں تو نہ ماننے کا سبب بجز عناد اور ہٹ دھرمی کے اور کیا ہوسکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

کشف غیب اور الہام سے انبیاء اور ملائکہ کو علم حاصل ہوتا ہے بلکہ بعض اولیاء کو بھی لوح محفوظ اور امور غیبیہ کا کشف ہو جاتا ہے اور یہی ان کے علم کا ذریعہ ہوتا ہے خلاصہ یہ کہ امور مذکورہ میں سے جب ان کے پاس کچھ نہیں تو ان کا فیصلہ بیہودہ اور بے حقیقت ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ

اب تو استقلال سے راہ دیکھتا رہ اپنے رب کے

وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ

حکم کی اور مت ہو جیسا وہ مچھلی والا ☆

گھبرانے کی ضرورت نہیں:

یعنی مچھلی کے پیٹ میں جانیوالے پیغمبر (حضرت یونس علیہ الصلوۃ والسلام) کی طرح مکذبین کے معاملہ میں تنگدلی اور گھبراہٹ کا اظہار نہ کیجئے انکا قصہ پہلے کئی جگہ تھوڑا تھوڑا گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ:

حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ ابن مسعودؓ سعید بن جبیر اور وہب کے بیان کے موافق اس طرح ہوا کہ نینوی علاقہ موصل میں ایک لاکھ یا اس سے (کچھ زیادہ لوگ آباد تھے ان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت یونسؑ کو بھیجا جب انہوں نے ان کا حکم نہ مانا تو حضرت یونسؑ نے ان کو اطلاع دی کہ تین روز میں صبح کے وقت تم پر عذاب آئے گا۔ اہل نینوی نے آپس میں کہا کہ حضرت یونسؑ نے اللہ پر دروغ بندی تو نہیں کی اگر یونسؑ رات بھر ساتھ رہے تو سمجھ لو کچھ نہ ہوگا اور رات کو نہ رہے (کہیں نکل گئے تو سمجھ لو کہ سچا ہے صبح کو عذاب آئے گا۔ چنانچہ حضرت یونسؑ آدھی رات کو ہی نینوی سے نکل گئے اور صبح کو عذاب کا کچھ ظہور ہونے لگا سروں سے میل بھر اونچا کالا بادل بلکہ سخت دھواں چھا گیا اور پھر نیچے اتر کر شہر کو ڈھانپ لیا گھروں کی چھتیں تک کالی پڑ گئیں لوگوں نے یہ کیفیت دیکھی تو ہلاکت کا یقین ہوگیا، یونسؑ کو تلاش کیا تو وہ نہ ملے، مگر اللہ نے ان کے دلوں میں توبہ کا ارادہ پیدا کیا سب مرد، عورتیں، بچے اور چوپائے شہر کے باہر میدان میں نکل کھڑے ہوئے کمبل کا لباس پہن لیا، ماں کو بچہ سے اور چوپائے کو اس کے بچہ سے الگ کر دیا، خلوص نیت کے ساتھ ایمان لے آئے اور توبہ کی۔ بارگاہ الٰہی میں گڑگڑائے تو اللہ نے ان پر رحم فرمایا اور ان کی دعا قبول کر لی آیا ہوا عذاب دور کر دیا یہ واقعہ دس محرم کا ہے اور ادھر حضرت یونسؑ بستی سے نکل کر نزول عذاب اور قوم کی بربادی کے منتظر تھے لیکن جب کچھ نظر نہ آیا اور ان کا قول غلط ثابت ہوا اور عذاب نازل نہ ہونے کی کوئی وجہ بھی ان کے پاس موجود نہ تھی تو کہنے لگے کہ اب میں جھوٹا ثابت ہوگیا قوم کے سامنے کیسے جاؤں گا یہ خیال کر کے چل دیئے اور سمندر پر پہنچ گئے وہاں ایک کشتی پر کچھ لوگ سوار ہو رہے تھے۔ حضرت کو دیکھ کر بے کرایہ سوار کر لیا لیکن کشتی سمندر میں پہنچ کر کھڑی ہوگئی نہ آگے بڑھتی تھی اور نہ پیچھے ہٹتی تھی لوگوں نے کہا کہ آج اس میں کوئی نئی بات پیدا ہوگئی حضرت یونسؑ نے فرمایا کہ مجھے

اس کی بات معلوم ہے اس پر ایک گنہگار آدمی سوار ہے لوگوں نے پوچھا کون ہے فرمایا کہ میں ہوں مجھے سمندر میں پھینک دو کہنے لگے ہم خود آپ پر قربان ہو جائینگے آپ کو نہیں پھینکے گے بالآخر باہم تین بار قرعہ ڈالا اور حضرت یونس کا نام نکلا کشتی کے قریب ایک مچھلی منہ کھولے حکم ربی کی منتظر تھی حضرت نے فرمایا خدا کی قسم تم سب ہلاک ہو جاؤ گے ورنہ مجھے سمندر میں پھینک دو مجبوراً لوگوں نے پھینک دیا فوراً مچھلی نے لے لیا اور لوگ کشتی لے کر چل دیے۔

حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ جب کشتی کھڑی ہوگئی تو ملاحوں نے کہا یہاں کوئی گنہگار آدمی یا بھاگا ہوا غلام کشتی میں ہے کشتی کا یہی طریقہ ہے اور قرعہ ڈالنے کا ہمارا رواج ہے چنانچہ تین بار قرعہ ڈالا اور حضرت یونس کا نام نکلا آپ خود پانی میں گر پڑے۔ اور مچھلی نے آپ کو نگل لیا اور اس مچھلی کو ایک اور بڑی مچھلی نے نگل لیا اور اس کو ایک اور بڑی مچھلی نے نگل لیا اللہ نے مچھلی کو پیغام بھیجا کہ ہم نے یونس کو تیرا رزق نہیں بنایا بلکہ تیرے پیٹ کو اس کی پناہ گاہ اور مسجد بنایا ہے۔ دوسری روایت میں پناہ گاہ کے بجائے قید خانہ کا لفظ آیا ہے۔

یہ بھی منقول ہے کہ قرعہ اندازی سے پہلے حضرت یونس نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں ہی گنہگار بھاگا ہوا (غلام) ہوں لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول جب تک ہم قرعہ نہ ڈال لیں آپ کو پانی میں نہیں پھینکیں گے لیکن جب آپ کے نام کا قرعہ آگیا آپ خود پانی میں گر پڑے۔

قصہ میں یہ بات بھی منقول ہے کہ سمندر کے کنارے جب آپ پہنچے تو آپ کے ساتھ آپ کی بیوی اور دولڑکے تھے جہاز آگیا اور آپ نے چڑھنے کا ارادہ کیا تو سوار ہونے سے پہلے بیوی کو آگے بڑھایا لیکن جہاز اور آپ کے درمیان ایک لہر آگئی (اور بیوی کو بہا کر لے گئی) اور دوسری لہر نے آکر بڑے بیٹے کو بھی لے لیا اور چھوٹے بیٹے کو (جو کنارہ پر) تنہا تھا بھیڑیا لے گیا غرض دوسری کشتی میں آپ تنہا سوار ہوئے تو کشتی رک کر کھڑی ہوگئی۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ مچھلی آپ کو نگل کر ساتویں زمین کے گڑھے میں لے گئی اس کے پیٹ کے اندر آپ چالیس رات رہے۔ پھر پتھروں کی تسبیح پڑھنے کی آواز سنی تو اندھیریوں کے اندر ہی پکار اٹھے لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ آیت میں اسی نداء کا بیان ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت حضرت یونسؑ کا واقعہ ذکر فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت فرمائی گئی کہ جس طرح یونسؑ نے لوگوں کے مطالبے سے تنگ آکر عذاب کی دعا کر دی اور عذاب کے آثار سامنے بھی آگئے اور یونسؑ اس جائے عذاب سے دوسری جگہ منتقل بھی ہو گئے مگر پھر پوری قوم نے الحاح وزاری اور اخلاص کے ساتھ توبہ کر لی اللہ تعالیٰ نے ان کو معافی دیدی اور عذاب ہٹا لیا تو اب یونسؑ نے یہ شرمندگی محسوس کی کہ میں ان لوگوں میں جھوٹا قرار پاؤں گا اس بدنامی کے خوف سے اللہ تعالیٰ کے اذن صریح کے بغیر اپنے اجتہاد سے یہ راہ اختیار کر لی کہ اب ان لوگوں میں واپس نہ جائیں (معارف مفتی اعظم)

اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿٤٨﴾

جب پکارا اُس نے اور وہ غصہ میں بھرا تھا ☆

دُعاءِ یونس علیہ السلام:

یعنی قوم کی طرف سے غصہ میں بھرے ہوئے تھے جھنجھلا کر شتابی عذاب کی دعا بلکہ پیشین گوئی کر بیٹھے (تنبیہ) "مکظوم" کے معنی بعض مفسرین نے یہ کیے ہیں کہ وہ غم سے گھٹ رہے تھے اور یہ غم مجموعہ تھا کئی غموں کا۔ ایک قوم کے ایمان نہ لانے کا' ایک عذاب کے ٹل جانے کا' ایک بلا اذن صریح شہر چھوڑ کر چلے آنے کا' ایک مچھلی کے پیٹ میں محبوس رہنے کا۔* اس وقت اللہ کو پکارا اور یہ دعا کی "لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ" اس پر اللہ کا فضل ہوا اور مچھلی کے پیٹ سے نجات ملی۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ کہ کافروں کے عذاب میں صاحب حوت کی طرح عجلت پسندی نہ کرو اور یاد کرو کہ جب اس نے توبہ کے ساتھ غمگین ہونے کی حالت میں اللہ کو پکارا تھا کیونکہ صرف عجلت پسندی اور بے صبری کی وجہ سے اس کو غم کھانا پڑا۔ (تفسیر مظہری)

لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ

اگر نہ سنبھالتا اُس کو احسان تیرے رب کا

لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿٤٩﴾

تو پھینکا گیا ہی تھا چٹیل میدان میں الزام کھا کر ☆

فضل الٰہی نے بچا لیا:

یعنی اگر قبول توبہ کے بعد اللہ کا مزید فضل واحسان دستگیری نہ کرتا تو اسی چٹیل میدان میں جہاں مچھلی کے پیٹ سے نکال کر ڈالے گئے تھے الزام کھائے ہوئے پڑے رہتے اور وہ کمالات وکرامات باقی نہ رہنے دیے جاتے جو محض خدا کی مہربانی سے اس ابتلاء کے وقت بھی باقی رہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت یونسؑ کی قوم سے ناراضگی کا سبب:

عوفی وغیرہ کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا قول منقول ہے کہ حضرت یونسؑ اپنی قوم کے ساتھ فلسطین میں رہتے تھے کسی بادشاہ نے ان پر حملہ کیا اور ۱۲ اسباط (قبائل) میں ساڑھے نو کو گرفتار کر لیا صرف ڈھائی سبط

(قبائل) رہ گئے اللہ نے شعیا نبی کے پاس وحی بھیجی کہ شاہ حزقیا (بنی اسرائیل کا بادشاہ) سے جا کر کہو کہ (حملہ کرنے والے بادشاہ کے پاس) کسی قوی سنجیدہ آدمی کو بھیجے میں ان کے دلوں میں یہ خیال پیدا کر دوں گا کہ وہ بنی اسرائیل کو رہا کر دیں اس زمانہ میں حزقیا کی حکومت میں پانچ انبیاء تھے۔ بادشاہ نے حضرت یونس کو بلا کر جانے کی درخواست کی۔ حضرت یونسؑ نے فرمایا کہ کیا تم کو اللہ نے میرے بھیجنے کا حکم دیا ہے بادشاہ نے کہا نہیں حضرت یونسؑ نے فرمایا کہ کیا اللہ نے مجھے نامزد کیا ہے بادشاہ نے کہا نہیں حضرت یونسؑ نے فرمایا تو پھر یہاں دوسرے طاقتور انبیاء موجود ہیں ان کو بھیجو، لوگوں نے جب زیادہ اصرار کیا تو آپ ناراض ہو کر نکل کھڑے ہوئے اور بحر روم کے کنارہ پر جا کر جہاز میں سوار ہو گئے۔ الخ۔ (تفسیر مظہری)

فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۵۰﴾

پھر نوازا اُس کو اُس کے رب نے پھر کر دیا اُس کو نیکوں میں ☆

یونس علیہ السلام کا مرتبہ:

یعنی پھر ان کا اور زیادہ رتبہ بڑھایا۔ اور اعلیٰ درجہ کے نیک و شائستہ لوگوں میں داخل رکھا۔ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص نہ کہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ

اور منکر تو لگ ہی رہے ہیں کہ پھسلا دیں تجھ کو

بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ

اپنی نگاہوں سے جب سنتے ہیں قرآن

وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾

اور کہتے ہیں وہ تو باؤلا ہے ☆

کافروں کی سازشیں:

یعنی قرآن سن کر غیظ و غضب میں بھر جاتے ہیں اور اس قدر تیز نظروں سے تیری طرف گھورتے ہیں جانے تجھ کو اپنی جگہ سے ہٹا دیں گے۔ زبان سے بھی آوازے کستے ہیں کہ یہ شخص تو مجنون ہو گیا ہے۔ اس کی کوئی بات قابل التفات نہیں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس طرح آپ کو گھبرا کر مقام صبر و استقلال سے ڈگمگا دیں۔ مگر آپ برابر اپنے مسلک پر جمے رہیے اور تنگدل ہو کر کسی معاملہ میں گھبراہٹ یا جلدی یا مداہنت اختیار نہ کیجئے (تنبیہ) بعض نے "لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ" سے یہ مطلب لیا ہے کہ کفار نے بعض لوگوں کو جو نظر لگانے میں مشہور تھے اس پر آمادہ کیا تھا کہ وہ آپ کو نظر لگائیں۔ چنانچہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن تلاوت فرما رہے تھے ان میں سے ایک آیا اور پوری ہمت سے نظر لگانے کی کوشش کی۔ آپ نے "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" پڑھا اور وہ ناکام و نامراد واپس چلا گیا باقی نظر لگنے یا لگانے کا مسئلہ؟ بحث کرنے کا یہ موقع نہیں اور آج کل جبکہ "مسمریزم" ایک باقاعدہ فن بن چکا ہے اس میں مزید ردوکد کرنا بیکار سا معلوم ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر لگانے والے سے حفاظت:

کلبی نے بیان کیا ہے کہ عرب میں ایک آدمی تھا جب وہ دو تین روز بھوکا رہ کر اپنے خیمہ میں لوٹ کر آتا اور ادھر سے اونٹ یا بکریاں گزرتیں وہ کہہ دیتا کہ آج ان سے زیادہ خوبصورت ہم نے اونٹ اور بکریاں نہیں دیکھیں تو وہ کچھ ہی دور جانے پاتے تھے کہ ان میں سے چند (جانور) گر کر (مر) جاتے تھے کافروں نے اس شخص سے درخواست کی کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر لگا دے لیکن اللہ نے اپنے پیغمبر کی حفاظت فرمائی اور مذکورہ آیت کا نزول ہوا۔

نظر لگنا حق ہے:

جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نظر آدمی کو قبر میں لے جاتی ہے اور اونٹ کو ہانڈی میں۔ (ابونعیم فی الحلیہ) ابن عدی نے حضرت ابوذرؓ سے اسی طرح کی روایت کی ہے۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ نظر حق ہے۔ احمد اور مسلم نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ نظر حق ہے، اگر کوئی چیز تقدیر سے آگے بڑھ سکتی تو نظر آگے بڑھ جاتی۔ اگر تم سے غسل کی درخواست کی جائے تو غسل کر لیا کرو (نظر لگانے والے کے غسل کا پانی اس شخص پر ڈالتے تھے جس پر اس کی نظر لگی ہوتی تھی)

حضرت ابوہریرہؓ کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ نظر حق ہے نظر کے وقت شیطان آموجود ہوتا ہے اور آدمی پر حسد کرتا ہے۔

عبیدؓ بن رفاعہ کی روایت ہے کہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعفرؓ کے لڑکوں کو نظر لگ جاتی ہے، آپ ان کے لئے کچھ افسون پڑھ دیجئے۔ فرمایا کہ ہاں۔ اگر قضاء (الٰہی) سے کوئی چیز سبقت کرتی تو نظر کرتی۔ (بغوی) ابن قتیبہ نے بیان کیا ہے کہ آیت کی مراد یہ نہیں ہے کہ نظر لگانے والے کی طرح تم کو نظر بد لگانا چاہتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب تم قرآن پڑھتے ہو تو انتہائی دشمنی اور بغض کی وجہ سے وہ ایسی تیز نظر سے تم کو دیکھتے ہیں کہ زمین پر گویا تم کو گرا دیں گے۔ (تفسیر مظہری)

نظر وغیرہ سے حفاظت کا مسنون عمل:

مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو ان الفاظ کے ساتھ پناہ میں دیتے اُعِیْذُ کُمَا

بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ وَّ هَامَّةٍ وَّمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ.
یعنی تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کے بھرپور کلمات کی پناہ میں سونپتا ہوں ہر شیطان سے اور ہر ایک زہریلے جانور سے اور ہر ایک لگ جانے والی نظر سے، اور فرماتے کہ حضرت ابراہیمؑ بھی حضرت اسحٰقؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ علیہما السلام کو انہی الفاظ سے خدا کی پناہ میں دیا کرتے تھے۔ یہ حدیث سنن میں اور بخاری شریف میں بھی ہے۔

سہل بن حنیفؓ کو نظر لگنا:

ابن ماجہ میں ہے کہ کہ سہل بن حنیفؓ غسل کر رہے تھے عامر بن ربیعہؓ کہنے لگے میں نے تو آج تک ایسا بدن کسی پردہ نشین کا بھی نہیں دیکھا۔ پس ذرا سی دیر میں وہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان کی خبر لیجئے یہ تو بیہوش ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی پر تمہارا شک بھی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں! عامر بن ربیعہ پر۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! تم میں سے کیوں کوئی اپنے بھائی کو قتل کرتا ہے، جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی کسی ایسی چیز کو دیکھے کہ اسے بہت اچھی لگے تو اسے چاہیے کہ اس کے لئے برکت کی دعا کرے۔ پھر پانی منگوا کر عامر سے فرمایا کہ تم وضو کرو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ گھٹنے اور تہبند کے اندر کا حصہ جسم دھو ڈالو۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ برتن کو اس کی پیٹھ کے پیچھے سے اوندھا دو۔ نسائی وغیرہ میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

معوذتین: حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنات کی اور انسانوں کی نظر بد سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ جب سورۃ معوذتین نازل ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لے لیا اور سب کو چھوڑ دیا۔ (ابن ماجہ، ترمذی، نسائی)

جبریل علیہ السلام کا دم:

مسند وغیرہ میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا اے نبی صاحب! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔ بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ وَّ عَيْنٍ وَّ اللّٰهُ يَشْفِيْكَ بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ بعض روایات میں کچھ الفاظ کا ہیر پھیر بھی ہے۔

مسند کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ شگون تین چیزوں میں ہے۔ گھر، گھوڑا، عورت، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ کہوں گا جو آپ نے نہیں فرمایا، ہاں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تو سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے اچھا شگون نیک فال ہے اور نظر کا لگنا حق ہے۔ ترمذی وغیرہ میں ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حضرت جعفرؓ کے بچوں کو نظر لگ جایا کرتی ہے تو کیا میں کچھ دم کرا لیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کر جانے والی ہوتی تو وہ نظر ہوتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نظر بد سے دم کرنے کا حکم مروی ہے۔ (ابن ماجہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نظر لگانے والے کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ وضو کرے اور جس کو نظر لگی ہے اسے اس پانی سے غسل کرایا جاتا تھا۔ (احمد)

نظر کا علاج:

ابن عساکر میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غمزدہ تھے سبب پوچھا تو فرمایا حسن اور حسین کو نظر لگ گئی ہے۔ فرمایا کہ یہ سچائی کے قابل چیز ہے نظر واقعی لگتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات پڑھ کر انہیں پناہ میں کیوں نہ دیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ کلمات کیا ہیں؟ فرمایا: یوں کہو اَللّٰهُمَّ ذَا السُّلْطَانِ الْعَظِيْمِ وَالْمَنِّ الْقَدِيْمِ ذَا الْوَجْهِ الْكَرِيْمِ وَلِيَّ الْكَلِمَاتِ التَّآمَّاتِ وَالدَّعَوَاتِ الْمُسْتَجَابَاتِ عَافِ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ مِنْ اَنْفُسِ الْجِنِّ وَ اَعْيُنِ الْاِنْسِ۔ یعنی اے اللہ! اے بہت بڑی شان والے، اے زبردست قدیم احسانوں والے، اے بزرگ تر چہرے والے، اے پورے کلموں والے اور اے دعاؤں کو قبولیت کا درجہ دینے والے تو حسن اور حسین کو تمام جنات کی ہواؤں سے اور تمام انسانوں کی آنکھوں سے اپنی پناہ دے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا پڑھی، وہیں دونوں بچے اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھیلنے کودنے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو اپنی جانوں کو، اپنی بیویوں کو، اور اپنی اولاد کو اسی پناہ کے ساتھ پناہ دیا کرو، اس جیسی اور کوئی پناہ کی دعا نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

فائدہ: حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ جس شخص کو نظر بد کسی انسان کی لگ گئی ہو اس پر یہ آیات پڑھ کر دم کر دینا اس کے اثر کو زائل کر دیتا ہے یہ آیات وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا آخر سورۃ تک ہیں۔ (مظہری) (معارف مفتی اعظم)

وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۲﴾
اور یہ قرآن تو یہی نصیحت ہے سارے جہان والوں کو ☆

عالمگیر نصیحت:

یعنی قرآن میں جنون اور باؤلے پن کی بات کونسی ہے جس کو تم جنون کہہ رہے ہو وہ تو تمام عالم کے لیے اعلیٰ ترین پند و نصیحت کا ذخیرہ ہے اسی

قرار پائینگے جو اس کلام کے دیوانے نہیں ہیں۔ تم سورۃ القلم وللہ الحمد والمنتہ۔ (تفسیر عثمانی)

میرے شیخ اور امام مولانا یعقوب کرخی نے فرمایا ہوسکتا ہے کہ ھو کی ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہو یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہان کے لئے پیام ہدایت دینے والے اور ناصح ہیں۔

حضرت حنظلہ کا عجیب واقعہ:

حضرت حنظلہ راوی ہیں کہ (راستہ میں) میری ملاقات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہوئی انہوں نے پوچھا حنظلہ کیسے ہو میں نے جواب دیا حنظلہ منافق ہوگیا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا سبحان اللہ یہ کیا کہہ رہے ہو میں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو جنت دوزخ کا بیان کر کے نصیحت فرماتے ہیں تو جنت دوزخ گویا نظر کے سامنے آجاتے ہیں جب وہاں سے ہٹ کر ہم باہر آتے ہیں اور اہل وعیال اور جائیدادوں میں مشغول ہوتے ہیں تو بہت کچھ بھول جاتے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں بھی ایسا ہی پاتا ہوں (میری بھی یہی حالت ہے) چنانچہ میں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میں نے عرض کیا یارسول اللہ حنظلہ منافق ہوگیا فرمایا کیا بات ہے؟) میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت اور دوزخ کا ذکر ہمارے سامنے کرتے ہیں تو گویا جنت دوزخ ہماری نظر کے سامنے آجاتے ہیں لیکن یہاں سے نکل کر جب ہم بیوی بچوں اور جائیدادوں میں مشغول ہوتے ہیں تو بہت کچھ بھول جاتے ہیں ارشاد فرمایا: قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم اس حالت پر باقی رہو جو نصیحت کے وقت ہوتی ہے تو بستروں پر اور راستوں پر فرشتے تم سے مصافحہ کریں مگر حنظلہ وقت وقت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ تین بار دہرائے۔

نتیجہ: اولیاء اللہ کی علامت ہی یہ ہے کہ ان کے دیدار اور بیان سے اللہ کی یاد ہوجاتی ہے بعض مرفوع احادیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا اولیاء اللہ کون ہیں فرمایا جن کے دیکھنے سے اللہ کی یاد ہو یہ بھی روایت ہے کہ حضور پرنور صلوٰۃ اللہ وبرکاتہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرے اولیاء وہ بندے ہیں جن کی یاد میری یاد سے ہوجاتی ہے اور میری یاد ان کی یاد سے واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

الحمدللہ سورۃ القلم ختم ہوئی

سورۃ الحاقۃ

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے گا اس کو مار کاٹ کا خوف ہوگا اور وہ حق پر رہے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُورَۃُ الْحَاقَّۃِ مَکِّیَّۃٌ وَهِیَ اثْنَتَانِ وَخَمْسُونَ اٰیَۃً وَفِیهَا رُکُوعَانِ

سورہ حاقہ مکہ میں نازل ہوا اور اس کی باون آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْحَآقَّةُ ﴿١﴾ مَا الْحَآقَّةُ ﴿٢﴾

وہ ثابت ہو چکنے والی، کیا ہے وہ ثابت ہو چکنے والی ☆

حقیقت ثابتہ:

یعنی وہ قیامت کی گھڑی جس کا آنا ازل سے علم الٰہی میں ثابت اور مقرر ہو چکا ہے جبکہ حق باطل سے بالکل واشگاف طور پر بدون کسی طرح کے اشتباہ والتباس کے جدا ہو جائیگا اور تمام حقائق اپنے پورے کمال وسبوغ کے ساتھ نمایاں ہونگی اور اس کے وجود میں جھگڑا کرنے والے سب اس وقت مغلوب و مقہور ہو کر رہینگے جانتے ہو وہ گھڑی کیا چیز ہے؟ اور کس قسم کے احوال و کیفیات اپنے اندر رکھتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حاقہ کیوں کہا گیا:

الحاقۃ۔ یعنی قیامت حق ہے امر واقع ہے کہ اس کے وقوع میں کوئی شک نہیں ہے (اس لیے اس کو حاقۃ کہا گیا ہے)

یا اس وجہ سے حاقہ کہا گیا کہ تمام امور کی حقیقت اس روز معلوم ہو جائے گی یا اس وجہ سے کہ اعمال کا بدلہ اس روز ضرور ملے گا حَقَّ عَلَیْهِ الشَّیْءُ وہ چیز اس پر لازم ہوگئی۔ (تفسیر مظہری)

سورۃ کا موضوع:

اس سورت کا مضمون بھی مکی سورتوں کے مضمون کی طرح عقیدہ توحید اور تحقیق ایمان پر مشتمل ہے، جس میں بالخصوص قیامت اور قیامت کے ہولناک احوال کا ذکر ہے اور مجرم و نافرمان قوموں جیسے عاد و ثمود اور قوم لوط و فرعون کی ہلاکت وتباہی کا ذکر ہے، اور ان سب مضامین کو قرآن کریم نے اپنی صداقت اور حقانیت کی اساس کی نوعیت سے پیش کیا، اور یہ واضح فرمایا اہل سعادت وشقاوت کا انجام کیا ہوتا ہے، ساتھ ہی ان لغو اور بیہودہ الزامات واعتراضات کو بھی رد کیا گیا

جو کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لگاتے تھے۔ (معارف کاندھلوی)

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ۝۳

اور تو نے کیا سوچا کیا ہے وہ ثابت ہو چکنے والی ☆

قیامت کی ہولناکی:

یعنی کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی کتنا ہی سوچے اور فکر کرے اس دن کے زہرہ گداز اور ہولناک مناظر کی پوری طرح ادراک نہیں کر سکتا ہاں تقریب الی الفہم کے لیے بطور تمثیل و تنظیر چند واقعات آگے بیان کیے جاتے ہیں جو دنیا میں اس قیامت کبریٰ کا نشان دینے میں بالکل ہی حقیر اور ناتمام نمونہ کا کام دے سکتے ہیں۔ گویا ان چھوٹے ''حاقوں'' کا ذکر اس بڑے ''حاقہ'' کے بیان کے لیے توطیہ وتمہید ہے۔ (تفسیر عثمانی)

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝۴

جھٹلایا ثمود اور عاد نے اُس کوٹ ڈالنے والی کو ☆

قوم عاد وثمود کا انکار:

یعنی قوم ''ثمود'' و ''عاد'' نے اس آنیوالی گھڑی کو جھٹلایا تھا جو تمام زمین' آسمان' چاند سورج' پہاڑوں اور انسانوں کو کوٹ کر رکھ دیگی۔ اور سخت سے سخت مخلوق کو ریزہ ریزہ کر ڈالیگی پھر دیکھلو دونوں کا انجام کیا ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝۵

سو وہ جو ثمود تھے سو غارت کر دیئے گئے اُچھال کر ☆

قوم ثمود کی ہلاکت:

یعنی سخت بھونچال سے۔ جو ایک نہایت ہی سخت آواز کے ساتھ آیا' سب تہ وبالا کر دیئے گئے۔ (تفسیر عثمانی)

قصہ یوں ہوا کہ ثمود کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو مامور فرمایا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے احکام الٰہی کی دعوت دی، لوگوں نے انکار کر دیا اور درخواست کی کہ (بطور معجزہ) ایک دس ماہہ حاملہ اونٹنی پتھر کی چٹان سے برآمد کرا گر ایسا ہو گیا تو وہ ایمان لے آئیں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے دعاء کی، آپ کی دعا سے ایک بڑی قد آور اونٹنی جس کی چوڑائی کا قطر ایک سو بیس ہاتھ تھا اور دس ماہہ گابھن تھی، پتھر کی چٹان سے برآمد ہوئی اور فوراً ہی ایک بچہ بیاہ گئی جو اسی کی طرح تھا۔ لیکن لوگوں نے تب بھی آپ کی نبوت کا یقین نہیں کیا اور کہنے لگے یہ جادو ہے، اللہ نے اس اونٹنی کو ان کے لئے عذاب بنا دیا اس خطہ میں پانی کم تھا، ایک روز تمام پانی اونٹنی پی جاتی تھی اور ایک روز ان کے لئے چھوڑ دیتی تھی، گھاس کی بھی یہی صورت تھی، آخر ایک جماعت نے اونٹنی کے قتل کرنے پر اتفاق کر لیا اور سب سے بڑے بدبخت یعنی قذار بن سالف کو قتل پر مامور کیا۔ سب نے اونٹنی کو قتل کر دیا اور اللہ تعالیٰ سے سرکشی کرنے میں حد سے بڑھ گئے اور حضرت صالح سے کہنے لگے اگر تو سچا ہے تو جس عذاب کی تو ہم کو دھمکی دیتا ہے اس کو لے آ۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ تین روز تک اپنے گھروں میں مزے اڑا لو، پہلے روز تمہارے چہرے زرد ہو جائیں گے، دوسرے روز سرخ اور تیسرے روز سیاہ اور پھر چوتھے روز صبح کو تم پر عذاب آ جائے گا ایک چیخ نے ان ظالموں کو آ پکڑا اور گھروں میں زمین پر چپکے رہ گئے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہاں پر بستی ہی نہ تھی۔ (تفسیر مظہری)

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝۶

اور وہ جو عاد تھے سو برباد ہوئے ٹھنڈی سناٹے کی ہوا سے نکلی جائے ہاتھوں سے ☆

قوم عاد کی ہلاکت:

یعنی وہ ہوا اس قدر تیز و تند تھی جس پر کسی مخلوق کا قابو نہ چلتا تھا حتیٰ کہ فرشتے جو ہوا کے انتظام پر مسلط ہیں ان کے ہاتھوں سے نکلی جاتی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، میری مدد کی گئی صبا کے ساتھ، یعنی پروا ہوا کے ساتھ اور عادی ہلاک کئے گئے دبور سے یعنی پچھوا ہوا سے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عادیوں کے ہلاک کرنے کے لئے ہواؤں کے خزانے میں سے صرف انگوٹھی کے برابر کشادہ کی گئی تھی جس سے ہوائیں نکلیں اور پہلے وہ گاؤں اور دیہات والوں پر آئیں۔ ان کے تمام مردوں اور عورتوں کو، چھوٹوں بڑوں کو، ان کے مالوں اور جانوں سمیت لے کر آسمان وزمین کے درمیان معلق کر دیا، شہریوں کو بوجہ بلندی اور کافی اونچائی کے یہ معلوم ہونے لگا کہ سیاہ رنگ کا بادل چڑھا ہوا ہے، خوش ہونے لگے کہ گرمی کے باعث جو ہماری بری حالت ہو رہی ہے اب پانی برس جائے گا۔ اتنے میں ہواؤں کو حکم ہوا اور اس نے ان تمام کو ان شہریوں پر پھینک دیا یہ اور وہ سب ہلاک ہو گئے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اس ہوا کے پر اور دم تھی۔ (تفسیر ابن کثیر)

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ

مقرر کر دیا اُس کو اُن پر سات رات اور آٹھ دن تک

اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا

لگاتار پھر تو دیکھے کہ وہ لوگ اُس سے پچھڑ گئے

صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝۷

گویا وہ ڈھنڈ ہیں کھجور کے کھوکھلے ☆

طاقت کا گھمنڈ خاک ہو گیا:

یعنی جو قوم لنگوٹ کس کر اکھاڑے میں یہ کہتی ہوئی اتری تھی "مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً" (ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے) وہ ہماری ہوا کا مقابلہ نہ کر سکی اور ایسے گرانڈیل پہلوان ہوا کے تھپیڑوں سے اس طرح پچھاڑ کھا کر گرے گویا کھجور کے کھوکھلے اور بیجان تنے ہیں جن کا سرا اوپر سے کٹ گیا ہو۔ (تفسیر عثمانی)

قوم عاد کی ایک بوڑھی عورت طوفان سے بچنے کے لئے ایک تہہ خانہ میں گھس گئی تھی لیکن ہوا نے اس کو وہاں بھی جا لیا یہ عذاب کے آٹھویں دن کا واقعہ تھا اس کے بعد عذاب ختم ہو گیا۔ (تفسیر مظہری)

بعض روایات میں ہے کہ بدھ کی صبح سے یہ آندھی کا عذاب شروع ہو کر دوسرے بدھ کی شام تک رہا اس طرح دن تو آٹھ ہو گئے اور راتیں سات آئیں۔

حُسُوْمًا حاسم کی جمع ہے، جس کے معنی قطع کرنے اور استیصال کرنے یعنی بالکل فنا کر دینے والے کے ہیں (معارف مفتی اعظم)

فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ﴿٨﴾

پھر تو دیکھتا ہے کوئی اُن میں کا بچا ☆

یعنی ان قوموں کا بیج بھی باقی رہا؟ اس طرح صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دی گئیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ

اور آیا فرعون اور جو اس سے پہلے تھے اور اُلٹ جانیوالی بستیاں

بِالْخَاطِئَةِ ﴿٩﴾ فَعَصَوْا رَسُوْلَ

خطائیں کرتے ہوئے پھر حکم نہ مانا اپنے رب کے رسول کا

رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ﴿١٠﴾

پھر پکڑا اُن کو پکڑنا سخت ☆

دیگر متکبر قوموں کی تباہی:

یعنی "عاد" "ثمود" کے بعد فرعون بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کرتا ہوا آیا اور اس سے پہلے اور کئی قومیں گناہ سمیٹتی ہوئی آئیں (مثلاً قوم نوح، قوم شعیب اور قوم لوط جن کی بستیاں الٹ دی گئیں تھیں) ان سبھوں نے اپنے اپنے پیغمبر کی نافرمانی کی اور خدا سے مقابلے باندھے آخر سب کو خدا نے بڑی سخت پکڑ سے پکڑا اس کے آگے کسی کی کچھ بھی پیش نہ چلی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ﴿١١﴾

ہم نے جس وقت پانی اُبلا لاد لیا تم کو چلتی کشتی میں

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿١٢﴾

تا کہ رکھیں اُس کو تمہاری یادگاری کے واسطے اور سینت کر رکھے اُس کو کان سینت کر رکھنے والا ☆

طوفان میں نوح کو بچا لیا گیا:

یعنی نوح کے زمانہ میں جب پانی کا طوفان آیا تو بظاہر اسباب تم انسانوں میں سے کوئی بھی نہ بچ سکا تھا یہ ہماری قدرت وحکمت اور انعام و احسان تھا کہ سب منکروں کو غرق کر کے نوح کو مع اس کے ساتھیوں کے بچا لیا بھلا ایسے عظیم الشان طوفان میں ایک کشتی کے سلامت رہنے کی کیا توقع ہو سکتی تھی لیکن ہم نے اپنی قدرت وحکمت کا کرشمہ دکھلایا تا لوگ رہتی دنیا تک اس واقعہ کو یاد رکھیں اور جو کان کوئی معقول بات سن کر سمجھتے اور محفوظ رکھتے ہیں وہ کبھی نہ بھولیں کہ اللہ کا ہم پر ایک زمانہ میں یہ احسان ہوا ہے اور سمجھیں کہ جس طرح دنیا کا ہنگامہ دارو گیر میں فرمانبرداروں کو نافرمان مجرموں سے علیحدہ رکھا جاتا ہے یہی حال قیامت کے ہولناک "حاقہ" میں ہو گا آگے اسی کی طرف کلام منتقل کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ دل ظروف ہیں پس افضل ترین وہی دل ہے جو زیادہ یاد رکھنے والا ہو (طبرانی) (تفسیر مظہری)

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿١٣﴾

پھر جب پھونکا جائے صور میں ایک بار پھونکنا

وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً

اور اُٹھائی جائے زمین اور پہاڑ پھر کوٹ دیئے جائیں

وَّاحِدَةً ﴿١٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١٥﴾

ایک بار پھر اُس دن ہو پڑے وہ ہو پڑنے والی ☆

پہاڑ ریزہ ریزہ:

یعنی صور پھنکنے کے ساتھ زمین اور پہاڑ اپنے حیز کو چھوڑ دینگے اور سب کو کوٹ پیٹ کر ایک دم ریزہ ریزہ کر دیا جائیگا بس وہ ہی وقت ہے قیامت کے ہو پڑنے کا۔ (تفسیر عثمانی)

آغاز قیامت:

ابن عساکر نے بحوالہ زیاد بن مخراق بیان کیا ہے کہ حجاج نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام عکرمہ سے دریافت کیا کہ کیا قیامت کا دن دنیا کا دن ہو گا یا اس کا شمار آخرت میں ہو گا عکرمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس

کا ابتدائی حصہ دنیا کا ہوگا اور آخری حصہ آخرت کا۔ اس بناء پر زمانہ نفخ صور وہ بھی ہوگا۔ جس میں پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا اور وہ بھی ہوگا جب سب مرجائیں گے۔ پھر جی اٹھیں گے اور ان کا حساب ہوگا اور آسمان پھٹ جائیں گے اور ستارے ٹوٹ کر پراگندہ ہوجائیں گے اور کچھ لوگ جنت میں اور کچھ دوزخ میں چلے جائیں گے پس آیت مذکورہ میں زمان قیامت کے آغاز کو بیان کیا گیا ہے اور آیت فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ اور خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ الخ میں انتہا قیامت کا اظہار ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ زمین اور پہاڑ غبار ہوجائیں گے اور وہ غبار کفار کے چہروں پر چڑھ جائے گا، اہل ایمان کے چہروں پر نہیں پڑے گا۔ کفار ہی کے چہرے اس روز غبار آلود اور دھواں دار ہوں گے۔

جب صور پھونکا جائے گا اور زمین وکوہ اپنی جگہ سے اٹھا کر توڑ پھوڑ دیئے جائیں گے تو اس وقت دنیا ختم ہوجائے گی اور قیامت آجائے گی۔ (تفسیر مظہری)

صور کیا ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ صور کوئی سینگ (کی شکل کی کوئی چیز) ہے جس میں قیامت کے روز صور پھونکا جائے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾

اور پھٹ جائے آسمان پھر وہ اس دن بکھر رہا ہے

وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا

اور فرشتے ہونگے اس کے کناروں پر ☆

آسمان پھٹ جائے گا:

یعنی آج جو آسمان اس قدر مضبوط ومحکم ہے کہ لاکھوں سال گزرنے پر بھی کہیں ذرا سا شگاف نہیں پڑا اس روز پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گا۔ اور جس وقت درمیان سے پھٹنا شروع ہوگا تو فرشتے اس کے کناروں پر چلے جائینگے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾

اور اٹھائینگے تخت تیرے رب کا اپنے اوپر اس دن آٹھ شخص ☆

عرش کو اُٹھانے والے:

اب عرش عظیم کو چار فرشتے اٹھا رہے ہیں جن کی بزرگی اور کلانی کا علم اللہ ہی کو ہے۔ اس دن ان چار کے ساتھ چار اور لگیں گے تفسیر عزیزی میں اس عدد کی حکمتوں اور ان فرشتوں کے حقائق پر بہت دقیق وبسیط بحث کی ہے۔ جس کو شوق ہو وہاں دیکھ لے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آسمان میں سوراخ اور غار پڑجائیں گے اور شق ہوجائے گا۔ عرش اس کے سامنے ہوگا، فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے جو کنارے اب تک ٹوٹے نہ ہوں گے اور دروازوں پر ہوں گے آسمان کی لمبائی میں پھیلے ہوئے ہوں گے اور زمین والوں کو دیکھ رہے ہوں گے۔ پھر فرمایا کہ قیامت والے دن آٹھ فرشتے خداوند تعالیٰ کا عرش اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے پس یا تو مراد عرش عظیم کا اٹھانا ہے یا اس عرش کا اٹھانا مراد ہے جس پر قیامت کے دن حق تعالیٰ لوگوں کے فیصلے کے لئے ہوگا، واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب المحترم فرماتے ہیں کہ یہ فرشتے پہاڑی بکروں کی صورت میں ہوں گے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کی آنکھ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک سو سال کا راستہ ہے۔ ابن ابی حاتم کی مرفوع حدیث میں ہے کہ مجھے اجازت دی گئی ہے کہ میں تمہیں عرش کے اٹھانے والے فرشتوں میں سے ایک فرشتے کی نسبت خبر دوں کہ اس کی گردن اور کان کے نیچے کی لو کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ اڑنے والا پرندہ سات سو سال تک اڑتا چلا جائے۔ اس کی اسناد بہت عمدہ ہیں اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

زمین اور آسمان کا فاصلہ:

ابو داؤد اور ترمذی نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب المحترم کا قول نقل کیا ہے عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں بطحا میں ایک گروہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے ایک بادل گزرنے لگا، لوگوں نے اس کی طرف دیکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس کو کیا کہتے ہو لوگوں نے جواب دیا سحاب (ابر) فرمایا اور مزن (بھی) لوگوں نے کہا مزن بھی (کہتے ہیں) فرمایا اور عنان بھی (کہتے ہو) لوگوں نے کہا عنان بھی (کہتے ہیں) فرمایا کیا تم کو معلوم ہے کہ آسمان اور زمین کے درمیان کتنا فاصلہ ہے لوگوں نے کہا نہیں، فرمایا کہ دونوں کے درمیان فاصلہ اکہتر یا بہتر یا تہتر سال کی راہ کا ہے اور نچلے آسمان سے اوپر والا آسمان بھی ایسا ہے (یعنی اتنی ہی دور) ہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات آسمان شمار کئے (اور فرمایا) کہ ساتویں آسمان کے اوپر ایک سمندر ہے جس کے زیریں اور بالائی (سطح) کا فاصلہ اتنا ہی ہے جتنا کہ ایک آسمان کا فاصلہ دوسرے آسمان سے پھر سمندر کے اوپر آٹھ پہاڑی بکرے ہیں جن کے کھروں اور کولہوں (سرینوں) کا فاصلہ دو آسمانوں کی درمیانی مسافت کے برابر ہے اس کے اوپر عرش الٰہی ہے جس کے اعلیٰ اور سفل کا فاصلہ بھی دو آسمانوں کی درمیانی مسافت کے برابر ہے اس کے اوپر اللہ ہے۔ بغویؒ نے

بھی یہ حدیث اس طرح نقل کی ہے مگر زمین و آسمان کے درمیانی فاصلے کی مقدار اسی طرح ہر دو آسمانوں کے درمیانی فاصلے کی مقدار پانچ سو برس کی راہ بتائی ہے۔ سمندر کے اعلیٰ و اسفل کا فاصلہ اور پہاڑی بکروں کے کھروں اور سرینوں کا درمیانی فاصلہ بھی اتنا ہی نقل کیا ہے۔ مسافت کا یہ اختلاف (شاید) چلنے والوں کے اختلاف کے لحاظ سے ہو۔ واللہ اعلم۔

بغویؒ نے بیان کیا ہے کہ حدیث میں آیا ہے عرش کو اٹھانے والے ملائکہ اب تو چار ہیں قیامت کے دن ان کی مدد کے لئے اللہ اور چار مقرر فرمادے گا۔ ان کی شکل بکروں جیسی ہے۔ حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک کی صورت مرد کی دوسرے کی شیر کی تیسرے کی بیل کی اور چوتھے کی گدھ کی۔ (تفسیر مظہری)

اہل سنۃ کا موقف اس قسم کی آیت میں یہی ہے کہ حقیقت پر محمول کرتے ہوئے اور اس کی کیفیات اور جملہ احوال کو خداوند عالم کے علم کے حوالہ کر دینا جیسے کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ خدا کا عرش پر مستوی ہونا معلوم ہے جیسے کہ نص قرآنی نے بتادیا مگر کیفیت مجہول اور غیر معلوم ہے اور اس پر ایمان لانا لازم ہے اور سوال و تحقیق کہ کیسے اور کس طرح عرش پر متمکن ہے بدعت ہے۔ (معارف کاندھلوی)

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنكُمْ خَافِيَةٌ ﴿١٨﴾

اُس دن سامنے کئے جاؤ گے چھپی نہ رہے گی تمہاری کوئی چھپی بات ☆

عدالت الٰہیہ میں حاضری:

یعنی اس دن اللہ کی عدالت میں حاضر کیے جاؤ گے اور کسی کی کوئی نیکی یا بدی مخفی نہ رہے گی۔ سب منظر عام پر آ جائینگی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اعلیٰ فرشتوں کے آٹھ حصے ہیں جن میں سے ہر ایک حصہ کی گنتی تمام انسانوں اور جنوں اور سب فرشتوں کے برابر ہے، پھر فرمایا کہ قیامت کے روز تم سب خدا کے سامنے پیش کئے جاؤ گے جو پوشیدہ کو اور ظاہر کو بخوبی جانتا ہے جس طرح کھلی سے کھلی چیز کو وہ عالم ہے اسی طرح چھپی سے چھپی چیز کو بھی وہ جانتا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ تمہارا کوئی بھید اس روز چھپ نہ سکے گا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ لوگو! اپنی جانوں کا حساب کر لو اس سے پہلے کہ تم سے حساب لیا جائے اور اپنے اعمال کا آپ اندازہ کر لو اس سے پہلے کہ ان اعمال کا وزن کیا جائے تا کہ کل قیامت والے دن تم پر آسانی ہو، جس دن کے تمہارا پورا پورا حساب لیا جائے گا اور بڑی پیشی میں خود خدائے جل شانہ کے سامنے تم پیش کر دیئے جاؤ گے۔

تین پیشیاں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز لوگوں کی تین پیشیاں ہوں گی دو پیشیاں تو جھگڑا کرنے اور معذرتوں کے لئے ہوں گی اور تیسری پیشی کے وقت اعمال نامے ہاتھوں میں نمودار ہو جائیں گے کوئی دائیں ہاتھ میں لینے والا ہوگا اور کوئی بائیں ہاتھ میں۔ (ترمذی بروایت حضرت ابو ہریرہؓ، وابن ماجہ بروایت حضرت ابوموسیٰ اشعری، وبیہقی بروایت حضرت ابن مسعودؓ)

حکیم ترمذیؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ جھگڑا کرنے کے لئے پیشی دشمنوں کی ہوگی وہ رب کو نہیں پہچانیں گے اس لئے خیال کریں گے کہ رب سے جھگڑا کر کے ان کو نجات مل جائے گی اور بات بن جائے گی یہ سوچ کر وہ اللہ سے جھگڑیں گے اور معذرت کے لئے پیشی اللہ کی طرف سے ہوگی آدم علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کے سامنے اللہ دشمنوں کے خلاف اتمام حجت فرماوے گا اور (تمام معذرتوں کے بعد) اعداء کو دوزخ میں بھیج دے گا اور تیسری پیشی اہل ایمان کی ہوگی یہ نام کی تو پیشی ہوگی مگر اللہ تنہائی میں ان پر اس حد تک عتاب فرمائے گا کہ ان کو شرم آ جائے پھر ان کی مغفرت فرمادیگا اور ان سے راضی ہو جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

چٹیل میدان:

اللہ تعالیٰ کے علم و بصر سے تو آج تک کوئی نہیں چھپ سکا، اس روز کی خصوصیت شاید یہ ہو کہ میدان حشر میں تمام زمین ایک سطح مستوی ہو جائے گی نہ کوئی غار رہے گا نہ کوئی پہاڑ، نہ کوئی تعمیر و مکان نہ کسی درخت وغیرہ کی آڑ، یہی چیزیں ہیں جن میں دنیا کے پیچھے چھپنے والے چھپا کرتے ہیں۔ وہاں ان میں سے کوئی چیز نہ ہوگی، کسی کو چھپنے کا امکان ہی نہ رہے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ

سو جس کو ملا اُس کا لکھا داہنے ہاتھ میں

فَيَقُولُ هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ ﴿١٩﴾

وہ کہتا ہے لیجیو پڑھیوں میرا لکھا ☆

نجات کی علامت:

یعنی اس دن جس کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا گیا جو ناجی و مقبول ہونے کی علامت ہے وہ خوشی کے مارے ہر کسی کو دکھاتا پھرتا ہے کہ لو آؤ یہ میرا اعمال نامہ پڑھو۔ (تفسیر عثمانی)

إِنِّي ظَنَنتُ أَنِّي مُلَاقٍ حِسَابِيَهْ ﴿٢٠﴾

میں نے خیال رکھا اس بات کا کہ مجھ کو ملے گا میرا حساب ☆

یعنی میں نے دنیا میں خیال رکھا تھا کہ ایک دن ضرور میرا حساب کتاب ہونا ہے اس خیال سے میں ڈرتا رہا اور اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہا آج اس کا دل خوش کن نتیجہ دیکھ رہا ہوں کہ خدا کے فضل سے میرا حساب بالکل صاف ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مومن کی پردہ پوشی:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی صحیح حدیث جو پہلے بیان ہو چکی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندے کو اپنے پاس بلائے گا اور اس سے اس کے گناہوں کی بابت پوچھے گا کہ فلاں گناہ کیا؟ فلاں گناہ کیا؟ وہ اقرار کرے گا یہاں تک کہ سمجھ لے گا کہ اب میں ہلاک ہوا۔ اس وقت جناب باری عزّ اسمہٗ فرمائے گا اے میرے بندے! دنیا میں میں نے تیری ان برائیوں پر پردہ ڈال رکھا تھا، اب آج تجھے کیا رسوا کروں؟ جا میں نے تجھے بخش دیا، پھر اس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جاتا ہے جس میں صرف نیکیاں ہی نیکیاں ہوتی ہیں لیکن کافروں اور منافقوں کے بارے میں تو گواہ پکار اٹھتے ہیں کہ یہ لوگ وہ ہیں کہ جنہوں نے خدا پر جھوٹ کہا، لوگو! سنو، ان ظالموں پر خدا کی پھٹکار ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ابن مبارک نے بروایت ابوعثمان نہدی بیان کیا کہ مومن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسروں سے چھپا کر اعمالنامہ دیا جائے گا، اپنی بداعمالیوں کو پڑھ کر اس کا رنگ بدل جائے گا پھر نیکیوں کو پڑھے گا تو رنگ لوٹ آئے گا پھر جو اس کی نظر پڑے گی تو دیکھے گا کہ اس کی بداعمالیوں کو نیکیوں سے بدل دیا گیا ہے (برائیوں کی جگہ بھلائیاں لکھ دی گئیں) اس وقت وہ کہے گا لو میرا اعمال نامہ پڑھو۔ (تفسیر مظہری)

فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ﴿۲۱﴾ فِیْ جَنَّةٍ

سو وہ ہیں من مانتے گذران میں اونچے باغ

عَالِیَةٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ ﴿۲۳﴾

میں جس کے میوے جھکے پڑے ہیں ☆

جو کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہر حالت میں نہایت سہولت سے چنے جا سکتے ہیں۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓـًٔا بِمَآ

کھاؤ اور پیو رچ کر بدلہ اس کا

اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ ﴿۲۴﴾

جو آگے بھیج چکے ہو تم پہلے دنوں میں ☆

یعنی دنیا میں تم نے اللہ کے واسطے اپنے نفس کی خواہشوں کو روکا تھا اور بھوک، پیاس کی تکلیفیں اٹھائیں تھیں، آج کوئی روک ٹوک نہیں، خوب رچ پچ کے کھاؤ، پیو، نہ طبیعت منغض ہوگی نہ بدہضمی نہ بیماری کا نہ زوال کا کھٹکا۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ

اور جس کو ملا اُس کا لکھا بائیں ہاتھ میں وہ کہتا ہے کیا اچھا ہوتا

لَمْ اُوْتَ كِتٰبِیَهْ ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ ﴿۲۶﴾

جو مجھ کو نہ ملتا میرا لکھا اور مجھ کو خبر نہ ہوتی کہ کیا ہے حساب میرا

یٰلَیْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِیَةَ ﴿۲۷﴾ مَآ اَغْنٰى

کسی طرح وہی موت ختم کر جاتی کچھ کام نہ آیا

عَنِّیْ مَالِیَهْ ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ ﴿۲۹﴾

مجھ کو میرا مال برباد ہوئی مجھ سے حکومت میری

ناکام ہونے والے:

یعنی پیٹھ کی طرف سے بائیں ہاتھ میں جس کا اعمال نامہ دیا جائیگا' سمجھ لے گا کہ کم بختی آئی' اس وقت نہایت حسرت سے تمنا کریگا کہ کاش میرے ہاتھ میں اعمالنامہ نہ دیا جاتا اور مجھے کچھ خبر نہ ہوتی کہ حساب کتاب کیا چیز ہے۔ کاش موت میرا قصہ ہمیشہ کے لیے تمام کر دیتی۔ مرنے کے بعد پھر اٹھنا نصیب نہ ہوتا۔ یا اٹھا تھا تو اب موت آ کر میرا لقمہ کر لیتی۔ افسوس وہ مال و دولت اور جاہ و حکومت کچھ کام نہ آئی۔ آج ان میں سے کسی چیز کا پتہ نہیں۔ نہ میری کوئی حجت اور دلیل چلتی ہے نہ معذرت کی گنجائش ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن سائب نے کہا ہے کہ بائیں ہاتھ کو موڑ کر پشت کے پیچھے کر کے اعمال نامہ دیا جائے گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کافر کا بایاں ہاتھ سینہ کے اندر سے کھینچ کر پشت کے پیچھے کر دیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

کافر کی حسرت:

مطلب یہ کہ دنیا میں جو مجھے دوسرے لوگوں پر بڑائی اور غلبہ حاصل تھا میں سب میں بڑا مانا جاتا تھا آج وہ بڑائی اور غلبہ بھی کچھ کام نہ آیا اور سلطان بمعنی حجت بھی لیا جا سکتا ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ افسوس آج میرے ہاتھ میں کوئی حجت و سند نہیں جس کے ذریعہ عذاب سے نجات حاصل ہو سکے۔ (معارف مفتی اعظم)

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾

اُس کو پکڑو پھر طوق ڈالو پھر آگ کے ڈھیر میں اس کو ڈالو

ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾

پھر ایک زنجیر میں جس کا طول ستر گز ہے اس کو جکڑ دو ☆

کافر کی گرفتاری:

فرشتوں کو حکم ہوگا اسے پکڑو، طوق گلے میں ڈالو، پھر دوزخ کی آگ میں غوطہ دو اور اس زنجیر میں جس کا طول ستر گز ہے اس کو جکڑ دو تا جلنے کی حالت میں ذرا بھی حرکت نہ کر سکے کہ ادھر ادھر حرکت کرنے سے بھی جلنے والا

قدرے تخفیف محسوس کیا کرتا ہے (تنبیہ) گز سے وہاں کا گز مراد ہے جس کی مقدار اللہ ہی جانے۔ (تفسیر عثمانی)

دوزخ کی زنجیریں:

ابن ابی حاتم اور بیہقی نے عوفی کے حوالہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ زنجیر کافر کے مقعد سے داخل کر کے ناک کے نتھنوں سے نکال لی جائے گی (اس طرح اس کو زنجیر میں پرو دیا جائے گا) تاکہ وہ پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکے۔ ابن ابی حاتم نے ابن جریر رضی اللہ عنہ کے طریقہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول بیان کیا ہے کہ زنجیر سرین سے داخل کی جائے گی اور منہ سے نکالی جائے گی اور جس طرح ٹڈی کو لکڑی میں پروتے ہیں اسی طرح زنجیر میں کافر کو پرو دیا جائے گا۔ اس کے بعد اس کو بھونا جائے گا۔

نوف بکالی شامی کا قول ہے کہ زنجیر ستر ذراع کی ہوگی اور ہر ذراع ستر باغ کا اور ہر باغ اتنی لمبی جتنی یہاں سے مکہ تک مسافت ہے اس بات کے وقت بکالی کوفہ کے میدان میں تھے۔

ہناد اور ابن مبارک کا بیان ہے کہ سفیان نے فرمایا کہ ہر ذراع ستر ذراع کا ہوگا حسن بصریؒ نے فرمایا اللہ جانے کون سا ذراع ہوگا۔

اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۝
وہ تھا کہ یقین نہ لاتا تھا اللہ پر جو سب سے بڑا
وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝
اور تاکید نہ کرتا تھا فقیر کے کھانے پر ☆

ایمان نہ لانا اور مسکین کو نہ کھلانا:

یعنی اس نے دنیا میں رہ کر نہ اللہ کو جانا نہ بندوں کے حقوق پہنچانے فقیر محتاج کی خود تو کیا خدمت کرتا دوسروں کو بھی ادھر ترغیب نہ دی پھر جب اللہ پر جس طرح چاہیے ایمان نہ لایا تو نجات کہاں؟ اور جب کوئی بھلائی کا چھوٹا بڑا کام بن نہ پڑا تو عذاب میں تخفیف کی بھی کوئی صورت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بزرگی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار (یعنی میں بزرگی اور بڑائی کے پردوں میں پوشیدہ ہوں) اب جو شخص میرا کوئی لباس مجھ سے کھینچے گا میں اس کو آگ میں داخل کر دوں گا۔ (مسلم)

بدترین عقیدہ اور بدترین عمل:

آیت سے ثابت ہے کہ فروع اعمال پر بھی کافروں کا مواخذہ ہوگا۔ عدم ایمان اور عدم ترغیب کا خصوصیت کے ساتھ اس جگہ ذکر شاید اس لئے کیا گیا کہ بدترین (عقیدہ) کفر ہے اور بدترین (عمل) بخل (تفسیر مظہری)

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ۝
سو کوئی نہیں آج اُس کا یہاں دوست دار ☆

کوئی دوست نہ ہوگا:

یعنی جب اللہ کو دوست نہ بنایا تو آج اس کا دوست کون بن سکتا ہے جو حمایت کر کے عذاب سے بچا دے یا مصیبت کے وقت کچھ تسلی کی بات کرے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ۝
اور نہ کچھ کھانا مگر زخموں کا دھوون
لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ۝
کوئی نہ کھائے اُس کو مگر وہی گنہگار ☆

دوزخیوں کا کھانا:

کھانے سے بھی انسان کو قوت پہنچتی ہے مگر وہ دوزخیوں کو کوئی ایسا مرغوب کھانا نہ ملے گا جو راحت و قوت کا سبب ہو۔ ہاں دوزخیوں کے زخموں کی پیپ دی جائے گی جسے ان گنہگاروں کے سوا کوئی نہیں کھا سکتا اور وہ بھی بھوک پیاس کی شدت میں غلطی سے یہ سمجھ کر کھائیں گے کہ اس سے کچھ کام چلے گا بعد کو ظاہر ہوگا کہ اس کا کھانا بھوک کے عذاب سے بڑا عذاب ہے (اعاذنا اللہ سائر انواع العذاب فی الدنیا والاخرۃ)۔ (تفسیر عثمانی)

ابن ابی حاتم نے بطریق عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ غسلین دوزخیوں کا کچ لہو ہوگا ضحاک اور ربیع کا قول ہے کہ غسلین ایک درخت ہوگا جس کو دوزخی کھائیں گے، ابن ابی حاتم بطریق مجاہد بیان کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے نہیں معلوم کہ غسلین کیا چیز ہوگی مگر میرا خیال یہ ہے کہ غسلین ہی زقوم (تھوہر کا درخت) ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَمَا
سو قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جو دیکھتے ہو
لَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝
اور جو چیزیں کہ تم نہیں دیکھتے یہ کہا ہے ایک پیغام لانیوالے سردار کا ☆

قرآن کی سچائی:

یعنی جو کچھ جنت و دوزخ وغیرہ کا بیان ہوا یہ کوئی شاعری نہیں نہ کاہنوں کی اٹکل پچو باتیں ہیں بلکہ یہ قرآن ہے اللہ کا کلام جس کو آسمان سے ایک بزرگ فرشتہ لیکر ایک بزرگ ترین پیغمبر پر اترا جو آسمان سے لایا وہ اور جس

نے زمین والوں کو پہنچایا' دونوں رسول کریم ہیں ایک کا کریم ہونا تو تم آنکھوں سے دیکھتے ہو۔ اور دوسرے کی کرامت و بزرگی پہلے کریم کے بیان سے ثابت ہے۔ (تنبیہ) عالم میں دو قسم کی چیزیں ہیں ایک جن کو آدمی آنکھوں سے دیکھتا ہے دوسری جو آنکھوں سے نظر نہیں آتی' عقل وغیرہ کے ذریعہ سے ان کے تسلیم کرنے پر مجبور ہے مثلاً ہم کتنا ہی آنکھیں پھاڑ کر زمین کو دیکھیں۔ وہ چلتی ہوئی نظر نہ آئیں گی لیکن حکماء کے دلائل و براہین سے عاجز ہو کر ہم اپنی آنکھ کو غلطی پر سمجھتے ہیں اور اپنی عقل کے یا دوسرے عقلاء کی عقل کے ذریعہ سے حواس کی ان غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کر لیتے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کی عقل بھی غلطیوں اور کوتاہیوں سے محفوظ نہیں۔ آخر اس کی غلطیوں کی اصلاح اور کوتاہیوں کی تلافی کس سے ہو۔ بس تمام عالم میں ایک وحی الٰہی کی قوت ہے جو خود غلطی سے محفوظ و معصوم رہتے ہوئے تمام عقلی قوتوں کی اصلاح و تکمیل کر سکتی ہے۔ جس طرح حواس جہاں پہنچ کر عاجز ہوتے ہیں وہاں عقل کام دیتی ہے ایسے ہی جس میدان میں عقل مجرد کام نہیں دیتی یا ٹھوکریں کھاتی ہے اس جگہ وحی الٰہی اس کی دستگیری کر کے ان بلند حقائق سے روشناس کرتی ہے شاید اسی لیے یہاں "بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۙ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ" کی قسم کھائی یعنی جو حقائق جنت و دوزخ وغیرہ کی پہلی آیات میں بیان ہوئے ہیں اگر دائرہ محسوسات سے بلند تر ہونے کی وجہ سے تمہاری سمجھ میں نہ آئیں تو اشیاء میں مبصرات و غیر مبصرات یا بالفاظ دیگر محسوسات و غیر محسوسات کی تقسیم سے سمجھ لو کہ یہ رسول کریم کا کلام ہے جو بذریعہ وحی الٰہی دائرہ حس و عقل سے بالاتر حقائق کی خبر دیتا ہے جب ہم بہت سی غیر محسوس بلکہ مخالف حس چیزوں کو اپنی عقل یا دوسروں کی تقلید سے مان لیتے ہیں تو بعض بہت اونچی چیزوں کو رسول کریم کے کہنے سے ماننے میں کیا اشکال ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ﴿٤١﴾

اور نہیں ہے یہ کہا کسی شاعر کا تم تھوڑا یقین کرتے ہو

قرآن شاعری نہیں:

یعنی قرآن کے کلام اللہ ہونے کی نسبت کبھی کبھی یقین کی کچھ جھلک تمہارے دلوں میں آتی ہے مگر بہت کم جو نجات کے لیے کافی نہیں۔ آخر اس کو شاعری وغیرہ کہہ کر اڑا دیتے تو کیا واقعی انصاف سے کہہ سکتے ہو کہ یہ کسی شاعر کا کلام ہو سکتا ہے اور شعر کی قسم سے ہے۔ شعر میں وزن و بحر وغیرہ ہونا لازم ہے قرآن میں اس کا پتہ نہیں شاعروں کا کلام اکثر بے اصل ہوتا ہے اور اس کے اکثر مضامین محض وہمی اور خیالی ہوتے ہیں حالانکہ قرآن کریم میں تمام تر حقائق ثابتہ اور اصول محکمہ کو قطعی دلیلوں اور یقینی حجتوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بہت ہی کم یا تھوڑے وقت میں ایمان لاتے ہو کیونکہ اس کی سچائی جب تم پر نمایاں ہو جاتی ہے تو مجبوراً کسی قدر یا تھوڑے وقت کے لئے اس کو سچا مان لیتے ہو (لیکن پھر عناد اور دشمنی کی وجہ سے انکار کرنے لگتے ہو) قلت ایمان چاہتی ہے کہ کثرت ایمان منفی ہو کیونکہ کثرت ایمان کی نفی عناد اور ضد پر مبنی ہے اور وہ لوگ عناد اور ضد کی وجہ سے پورے مومن ہی نہ تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قلیل ایمان سے مراد نفی ایمان ہے یعنی بالکل ایمان نہیں رکھتے ہو، جیسے اس شخص سے تم کہو جو تمہاری ملاقات کو نہیں آتا کہ آپ تو بالکل کم ہی ہم سے ملاقات کرتے ہیں یعنی نہیں کرتے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٤٢﴾

اور نہیں ہے کہا پریوں والے کا تم بہت کم دھیان کرتے ہو ☆

قرآن کاہن کی بات نہیں:

یعنی پوری طرح دھیان کرو تو معلوم ہو جائے کہ یہ کسی کاہن کا کلام بھی نہیں۔ کاہن عرب میں وہ لوگ تھے جو بھوت پریت جنوں اور چڑیلوں سے تعلق یا مناسبت رکھتے تھے۔ ان کو غیب کی بعض جزئی باتیں ایک مقفّی و مسجّع کلام کے ذریعہ سے بتلاتے تھے لیکن جنوں کا کلام معجز نہیں ہوتا کہ ویسا دوسرا نہ کر سکے' بلکہ ایک جن کسی کاہن کو جو ایک بات سکھلاتا ہے دوسرا جن بھی ویسی بات دوسرے کاہن کو سکھلا سکتا ہے اور یہ کلام یعنی قرآن کریم ایسا معجز ہے کہ سب جن و انس مل کر بھی اس کے مشابہ کلام نہیں بنا سکتے دوسرے کاہنوں کے کلام میں محض قافیہ اور سجع کی رعایت کے لیے بہت الفاظ بھرتی کے بالکل بیکار اور بے فائدہ ہوتے ہیں اور اس کلام معجز نظام میں ایک حرف یا ایک شوشہ بھی بیکار و بے فائدہ نہیں۔ پھر کاہنوں کی باتیں چند مبہم جزئی اور معمولی خبروں پر مشتمل ہوتی ہیں لیکن علوم و حقائق پر مطلع ہونا اور ادیان و شرائع کے اصول و قوانین اور معاش و معاد کے دستور و آئین کا معلوم کر لینا اور فرشتوں کے اور آسمانوں کے چھپے ہوئے بھیدوں پر سے آگاہی پانا ان سے نہیں ہو سکتا بخلاف قرآن کریم کے وہ ان ہی مضامین سے پر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن کا شعر نہ ہونا ایک واضح امر تھا جس کے انکار کی سوائے عناد کے اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی لیکن الفاظ کاہن سے قرآن کا فرق غور طلب تھا۔ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال، اطوار اور قرآن کے حقائق پر غور نہ کیا جائے واضح طور پر اس کو سمجھنا مشکل ہے۔ (تفسیر مظہری)

تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٣﴾

یہ اُتارا ہوا ہے جہان کے رب کا ☆

اسی لیے سارے جہان کی تربیت کے اعلیٰ اور محکم ترین اصول اس میں بیان ہوئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾

اور اگر یہ بنا لاتا ہم پر کوئی بات

لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾

تو ہم پکڑ لیتے اُس کا داہنا ہاتھ پھر کاٹ ڈالتے اُس کی گردن

فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾

پھر تم میں کوئی ایسا نہیں جو اُس سے بچا لے ☆

پیغمبر جھوٹ نہیں کہہ سکتا:

حضرت شاہ عبدالقادر رحمتہ اللہ لکھتے ہیں ''یعنی اگر جھوٹ بناتا اللہ پر تو اول اس کا دشمن اللہ ہوتا اور ہاتھ پکڑتا'' یہ دستور ہے گردن مارنے کا جلاد اس کا داہنا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑ رکھتا ہے تا سرک نہ جائے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''تقوّل'' کی ضمیر رسول کی طرف لوٹتی ہے یعنی اگر رسول بالفرض کوئی حرف اللہ کی طرف منسوب کر دے یا اس کے کلام میں اپنی طرف سے ملا دے جو اللہ تعالیٰ نے نہ کہا ہو تو اسی وقت اس پر یہ عذاب کیا جائے (العیاذ باللہ) کیونکہ اس کی تصدیق اور سچائی آیات بینات اور دلائل و براہین کے ذریعہ سے ظاہر کی جا چکی ہے۔ اب اگر اس قسم کی بات پر فوراً عذاب اور سزا نہ کی جائے تو وحی الٰہی سے امن اٹھ جائیگا اور ایسا التباس و اشتباہ پڑ جائیگا جس کی اصلاح ناممکن ہو جائے گی جو حکمت تشریع کے منافی ہے۔ بخلاف اس شخص کے جس کا رسول ہونا آیات و براہین سے ثابت نہیں ہوا بلکہ کھلے ہوئے قرائن و دلائل علانیہ اس کی رسالت کی نفی کر چکے ہیں تو اس کی بات بھی بے ہودہ اور خرافات ہے کوئی عاقل اس کو درخور اعتناء نہ سمجھے گا اور نہ بحمد اللہ دین الٰہی میں کوئی التباس و اشتباہ واقع ہو گا۔ ہاں ایسے شخص کی معجزات وغیرہ سے تصدیق ہونا محال ہے ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جھوٹا ثابت کرنے اور رسوا کرنے کے لیے ایسے امور بروئے کار لائے جو اس کے دعوئے رسالت کے مخالف ہوں۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ جس طرح بادشاہ ایک شخص کو کسی منصب پر مامور کر کے اور سند و فرمان وغیرہ دے کر کسی طرف روانہ کرتے ہیں۔ اب اگر اس شخص سے اس خدمت میں کچھ خیانت ہوئی یا بادشاہ پر کچھ جھوٹ باندھنا اس سے ثابت ہوا تو اسی وقت بلا توقف اس کا تدارک کرتے ہیں۔ لیکن اگر سڑک کوٹنے والا مزدور یا جھاڑو دینے والا بھنگی بکتا پھرے کہ گورنمنٹ کا میرے لیے یہ فرمان ہے یا میرے ذریعے سے یہ احکام دیے گئے ہیں تو کون اس کی بات پر کان دھرتا ہے اور کون اس کے دعووں سے تعرض کرتا ہے۔ بہرحال آیت ہٰذا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر استدلال نہیں کیا گیا بلکہ یہ بتلایا گیا ہے کہ قرآن کریم خالص اللہ کا کلام ہے۔ جس میں ایک حرف یا ایک شوشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی طرف سے شامل نہیں کر سکتے۔ اور نہ باوجود پیغمبر ہونے کے آپ کی یہ شان ہے کہ کوئی بات اللہ کی طرف منسوب کر دیں جو اس نے نہ کہی ہو۔ تورات سفر استثناء کے اٹھارویں باب میں بیسواں فقرہ یہ ہے ''لیکن وہ نبی ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے'' خلاصہ یہ ہے کہ جو نبی ہو گا اس سے ایسا ممکن نہیں فنظیر ھٰذہ الآیۃ قولہ تعالیٰ فی البقرۃ ''وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ''۔ (تفسیر عثمانی)

اسلام سے پہلے عمرؓ فاروق پر قرآن کا اثر:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے سے پہلے کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرم میں پہنچ گئے ہیں۔ میں بھی گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑا ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ حاقّۃ شروع کی جسے سن کے مجھے اس کی پیاری نشست الفاظ اور بندش مضامین اور فصاحت و بلاغت پر تعجب آنے لگا آخر میرے دل میں یہ خیال آیا کہ قریش ٹھیک کہتے ہیں کہ یہ شخص شاعر ہے۔ ابھی میں اسی خیال میں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتیں تلاوت کیں کہ ''یہ قول رسول کریم کا ہے شاعر کا نہیں، تم میں ایمان ہی کم ہے۔'' تو میں نے خیال کیا اچھا، چلو شاعر نہ سہی، کاہن تو ضرور ہے، ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت میں یہ آیت آئی کہ ''یہ کاہن کا قول بھی نہیں تم نے نصیحت ہی کم لی ہے۔'' اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ پوری سورت ختم کی۔ فرماتے ہیں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ میرے دل میں اسلام پوری طرح گھر کر گیا اور رونگٹے رونگٹے میں اسلام کی سچائی گھس گئی۔

وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾

اور یہ نصیحت ہے ڈرنے والوں کو

وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾

اور ہم کو معلوم ہے کہ تم میں بعضے جھٹلاتے ہیں

وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾

اور وہ جو ہے پچھتاوا ہے منکروں پر

منکر پچھتائے گا: یعنی خدا سے ڈرنیوالے اس کلام کو سن کر نصیحت حاصل کرینگے اور جن کے دل میں ڈر نہیں وہ جھٹلائینگے لیکن ایک وقت آنیوالا ہے کہ یہی کلام اور ان کا یہ جھٹلانا سخت حسرت و پشیمانی کا موجب ہوگا اس وقت پچھتائیں گے کہ افسوس کیوں ہم نے اس سچی بات کو جھٹلایا تھا جو آج یہ آفت دیکھنی پڑی۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾

اور وہ جو ہے یقین کرنے کے قابل ہے

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾

اب بول پاکی اپنے رب کے نام کی جو ہے سب سے بڑا

قرآن یقینی حقیقت ہے:

یعنی یہ کتاب تو ایسی چیز ہے۔ جس پر یقین سے بھی بڑھ کر یقین رکھا جائے کیونکہ اس کے مضامین سرتا پا سچ اور ہر طرح کے شک وشبہ سے بالا تر ہیں۔ لازم ہے کہ آدمی اس پر ایمان لاکر اپنے رب کی تسبیح وتحمید میں مشغول ہو۔ تم سورۃ الحاقۃ وللہ الحمد۔ (تفسیر عثمانی)

رکوع وسجدہ کی تسبیحات:

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ بن عامر جہنی سے مروی ہے کہ جب آیت فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو اپنے رکوع میں (داخل) کرلو اور جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى نازل ہوئی تو فرمایا اس کو اپنے سجدہ میں داخل کر لو۔ (ابوداؤد وابن ماجہ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں **سبحان ربی العظیم** اور سجدہ میں **سبحان ربی الاعلی** پڑھتے تھے اور جب آیت رحمت پر پہنچتے تو ٹھہر کر دعا کرتے اور آیت عذاب پر پہنچتے تو ٹھہر کر پناہ مانگتے۔ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے نسائی اور ابن ماجہ نے آیت رحمت اور آیت عذاب پر ٹھہرنے اور دعا کرنے اور پناہ مانگنے کا ذکر نہیں کیا عون بن عبداللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی رکوع کرے اور تین بار رکوع میں **سبحان ربی العظیم** کہہ لے تو اس کا رکوع پورا ہو گیا اور یہ کم ترین (مقدار) ہے۔ اور جب سجدہ کرے اور سجدہ میں تین بار **سبحان ربی الاعلیٰ** کہہ لے تو اس کا سجدہ پورا ہو گیا اور یہ قلیل ترین (تعداد) ہے (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

ایک وزنی عمل:

ترمذی نے لکھا کہ اس حدیث کی سند متصل نہیں ہے کیونکہ عون نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دو لفظ ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں وزن میں بھاری ہیں رحمٰن کو محبوب ہیں (وہ دو لفظ یہ ہیں) **سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم**۔ (بخاری ومسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو **سبحان اللہ العظیم و بحمدہ** کہتا ہے اس کے لئے جنت کے اندر ایک کھجور کا درخت بو دیا جاتا ہے۔ (ترمذی)

سورۃ المعارج

اس کو خواب میں پڑھنے والا امن سے اور تاکید کے ساتھ فتح مند رہے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ معارج مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چوالیس آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿۱﴾

مانگا ایک مانگنے والے نے عذاب پڑنے والا

لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ﴿۲﴾

منکروں کے واسطے کوئی نہیں اس کو ہٹانے والا ☆

کافروں پر ضرور عذاب آئے گا:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی پیغمبر نے تم پر عذاب مانگا ہے وہ کسی سے نہ ہٹایا جائے گا" یا عذاب مانگنے والے کفار ہوں جو کہا کرتے تھے کہ آخر جس عذاب کا وعدہ ہے وہ جلدی کیوں نہیں آتا اے اللہ! اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کہنا سچ ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کر دے۔ یہ باتیں انکار وتمسخر کی راہ سے کہتے تھے اس پر فرمایا کہ عذاب مانگنے والے ایک ایسی آفت مانگ رہے ہیں جو بالیقین ان پر پڑنے والی ہے کسی کے روکے رک نہیں سکتی۔ کفار کی انتہائی حماقت یا شوخ چشمی ہے جو ایسی چیز کا اپنی طرف سے مطالبہ کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

نضر بن حارث:

نسائی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ مانگنے والا نضر بن حارث تھا۔ جس نے قرآن اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب میں اس جراءت سے کام لیا کہ کہنے لگا اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (القرآن) یعنی یہ دعا کی کہ یا اللہ اگر یہ قرآن ہی حق ہے اور آپ کی طرف سے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا کوئی دوسرا عذاب الیم بھیج دے۔ (مظہری) (معارف مفتی اعظم)

مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ﴿۳﴾

آئے اللہ کی طرف کو چڑھتے درجوں والا ہے ☆

فرشتوں اور خاص بندوں کا عروج:

یعنی فرشتے اور مومنین کی روحیں تمام آسمانوں کو درجہ بدرجہ طے کر کے اس کی بارگاہ قرب تک چڑھتی ہیں یا اس کے بندے اس کے حکموں کی تابعداری میں جان و دل سے کوشش کر کے اور اچھی خصلتوں سے آراستہ ہو کر قرب و وصول کے روحانی مرتبوں اور درجوں سے ترقی کرتے ہوئے اس کی حضوری سے مشرف ہوتے ہیں اور وہ درجے مسافت کی دوری اور نزدیکی میں مختلف اور متفاوت ہیں بعض ایسے ہیں کہ ایک پلک مارنے میں ان کے سبب سے ترقی ہو سکتی ہے جیسے اسلام کا کلمہ زبان سے کہنا اور بعض ایسے ہیں کہ ایک ساعت میں ان سے ترقی حاصل ہوتی ہے جیسے نماز ادا کرنا' اور بعض سے پورے ایک دن میں' جیسے روزہ' یا ایک مہینہ میں جیسے پورے رمضان کے روزے یا ایک سال میں جیسے حج ادا کرنا علی ہذا القیاس اور اسی طرح فرشتوں اور روحوں کا عروج جو کسی کام پر مقرر ہیں اس کام سے فراغت پانے کے بعد مختلف و متفاوت ہے اور اس خداوند قدوس کی تدبیر و انتظام کا اتار چڑھاؤ بیشمار درجے رکھتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ذِي الْمَعَارِجِ اللہ کی صفت ہے یعنی ترقیات والا اللہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے تشریح میں فرمایا درجات والا اللہ۔ میں کہتا ہوں درجات سے مراد ہیں بے کیف قرب الٰہی کے وہ مراتب جن پر انبیاء علیہ السلام اور ملائکہ اولیاء فائز ہوتے ہیں اور قبول کے وہ درجات جہاں تک پاکیزہ کلمات اور نیک اعمال کو بلندی نصیب ہوتی ہے۔ یا مراد ہیں دارالثواب میں ترقیات اور جنت میں مراتب، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے اندر سو درجات ہیں ہر درجے کا دوسرے درجے سے اتنا فصل ہے (یعنی بلندی) اتنا ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان فردوس کا درجہ سب سے اونچا ہے اسی سے جنت کے چاروں دریا پھوٹ کر نکلتے ہیں۔ اس سے اوپر عرش ہے جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کیا کرو۔ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی روایت آئی ہے اس روایت میں ہے کہ دو درجات کے درمیان سو سال کی راہ کے بقدر فصل ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت والے باہم بالا خانوں والوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم مشرقی یا مغربی افق پر چمکدار ستاروں کو دیکھتے ہو۔ کیونکہ ان کے آپس میں درجات کا تفاوت ہوگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مرتبہ پر تو انبیاء کے علاوہ کوئی نہیں پہنچے گا۔ فرمایا کہ کیوں نہیں پہنچے گا قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور پیغمبروں کی انہوں نے تصدیق کی وہ ان مراتب پر فائز ہوں گے۔ (مسلم و بخاری)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے للمعارج کی تفسیر السموات کی ہے آسمانوں والا اللہ۔ کیونکہ فرشتے آسمانوں پر چڑھتے ہیں اس لیے ہر آسمان ملائکہ کے چڑھنے کا زینہ ہوگیا۔ قتادہ نے انعامات ترجمہ کیا ہے۔ (نعمتوں والا خدا) تفسیر مظہری ذی معارج اس معنے سے ہے کہ اللہ تعالیٰ درجات عالیہ والا ہے۔ (کذا قال سعید بن جبیر) اور یہ درجات عالیہ اوپر نیچے سات آسمان ہیں حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ ذی المعارج کے معنے ہیں ذی السموات یعنی مالک السموات۔ (معارف مفتی اعظم)

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ

چڑھیں گے اس کی طرف فرشتے اور روح ☆

یعنی فرشتے اور لوگوں کی روحیں پیشی کے لیے حاضر ہونگی۔ (تفسیر عثمانی)

روح سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں مرتبہ کی بزرگی یا تمام ملائکہ سے زیادہ عظمت جسمانی رکھنے کی وجہ سے ملائکہ سے الگ الروح کو ذکر کیا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ الروح سے مراد روح انسانی ہو جس کا تعلق عالم امر سے ہے اس وقت عوج روح کے یہ معنی ہوں گے۔ کہ دوری اور غفلت کی پستی سے نکل کر قرب و حضور کے مراتب کی طرف انبیاء اور اولیاء کی روحیں چڑھتی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ یعنی یہ درجات جو تہہ بہ تہہ اوپر نیچے ہیں ان درجات کے اندر چڑھتے ہیں فرشتے اور روح الامین یعنی جبرائیل امین۔ جبرئیل علیہ السلام بھی اگرچہ فرشتوں کے زمرہ میں شامل ہیں لیکن ان خصوصی اعزاز کے لیے ان کا نام الگ ذکر فرمایا گیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ

اس دن میں جس کا لنباؤ

خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ﴿۴﴾

پچاس ہزار برس ہے ☆

قیامت کا دن:

پچاس ہزار برس کا دن قیامت کا ہے یعنی پہلی مرتبہ صور پھونکنے کے وقت

سے لے کر بہشتیوں کے بہشت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں قرار پکڑنے تک پچاس ہزار برس کی مدت ہوگی اور کل فرشتے اور تمام قسم کی مخلوقات کی روحیں اس تدبیر میں بطور خدمت گار کے شریک ہونگی۔ پھر اس بڑے کام کے سر انجام کی مدت گزرنے پر ان کو عروج ہوگا (تنبیہ) حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا کی قسم ایماندار آدمی کو وہ (اتنا لمبا) دن ایسا چھوٹا معلوم ہو گا جتنی دیر میں ایک نماز فرض ادا کر لیتا ہے"۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اس روز جس کی مقدار پچاس ہزار برس کے برابر ہے ان پر عذاب واقع ہوگا۔ مراد روز قیامت۔ بیہقی نے باسناد عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی قول نقل کیا ہے۔

زکوۃ نہ دینے کا عذاب

بخاری ومسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کنز والا اپنے کنز (جمع کیا ہوا سونا چاندی) کی زکوۃ ادا نہیں کرے گا۔ قیامت کے دن دوزخ کی آگ میں اس کنز کو تپا کر سیاں بنا کر اس کے دونوں پہلوں اور پیشانی پر داغ لگائے جائیں گے۔ یہ اس وقت تک ہوگا۔ کہ اللہ تعالی اپنے بندوں کو اس روز جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہوگی فیصلہ کر دے، پھر اس کو جنت یا دوزخ کا راستہ بتا دیا جائے گا۔ اور جو اونٹوں والا اونٹوں کی زکوۃ ادا نہیں کرے گا۔ تو قیامت کے دن چٹیل میدان میں اس کو پچھاڑا جائے گا۔ اور سب اونٹوں کی اس پر آمدورفت ہوگی اونٹ کا کوئی بچہ بھی باقی نہیں رہے گا۔ سب اپنے موزوں (قدموں) سے اسے روندیں گے۔ اور منہ سے کاٹیں گے۔ پہلی جماعت اس پر سے گذر جائے گی۔ تو دوسری لوٹا کر لائی جائے گی۔ اور یہ پامالی اس دن ہوگی۔ جس کی مقدار ہزار برس ہوگی۔ یہاں تک اللہ تعالی اپنے بندوں کا فیصلہ کر دے گا۔ اور جنت یا دوزخ کا راستہ بتا دیا جائے گا۔ اور جو بکریوں والا بکریوں کی زکوۃ ادا نہیں کرے گا۔ تو اس کو قیامت کے دن پچھاڑ کر بکریوں کو اس پر سے گذارا جائے گا۔ ہر بکری موجود ہوگی۔ کوئی سینگ مڑی یا سینگ ٹوٹی نہ ہوگی۔ یہ بکریاں اس کو سینگوں سے ماریں گی اور کھروں سے روندیں گی اسی طرح جیسا کہ اونٹوں کے بیان میں گذر گیا پہلی جماعت گذر چکی تو پچھلی جماعت کو پھر اس پر لوٹا کر لایا جائے گا۔ اور یہ پامالی اس روز ہوگی۔ جس کی مقدار ہزار برس ہوگی۔ یہاں تک اللہ تعالی اپنے بندوں کا فیصلہ کر دے گا۔ اور جنت یا دوزخ کا راستہ بتا دیا جائے گا۔

قیامت کے دن کی لمبائی

احمدؒ، ابو یعلیؒ، ابن حبانؒ اور بیہقیؒ نے حسن اسناد کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس روز کے متعلق دریافت کیا گیا جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہو گی کہ وہ دن کس قدر لمبا ہوگا۔ فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ دن مومن کے لیے ہلکا ہوگا یہاں تک کہ دنیا میں جو فرض نماز پڑھتا تھا اتنے وقت سے بھی اس کے لیے آسان۔ (یعنی کم) ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ اس توجیہ کی بناء پر کوئی تعارض نہیں رہتا۔ ایک یہی آیت جس میں پچاس ہزار برس کی مقدار بیان کی ہے۔ دوسری تنزیل السجدہ والی آیت يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ (اس آیت میں ایک ہزار سال کی مقدار بیان کی ہے) کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ مختلف امور کے متعلق حکم دیتا ہے۔ اور جبرائیل اس حکم کو لے کر آسمان سے زمین تک آتے ہیں پھر چڑھ کر اللہ تک جاتے ہیں اس آمدورفت میں دنیا کا ایک دن صرف ہوتا ہے۔ حالانکہ مقدار مسافت ایک ہزار برس کی طے ہو جاتی ہے۔ کیونکہ آسمان سے زمین کا بعد پانچ سو برس کی راہ ہے پانچ سو برس جانے کے اور پانچ سو برس آنے کے۔ یعنی آمدورفت کی اس مسافت کو اگر کوئی آدمی طے کرے گا۔ تو ایک ہزار برس میں کرے گا۔ مگر ملائکہ ایک دن میں بلکہ اس سے بھی کم مدت میں طے کر لیتے ہیں۔

حاکمؒ اور بیہقیؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت مرفوعاً اور موقوفاً بیان کی ہے کہ مومنوں کے لیے قیامت کا دن اتنا ہوگا۔ جتنا عصر وظہر کے درمیان ہوگا۔ اس قول پر تنزیل السجدہ والی آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ آسمان سے زمین تک نظم احکام (روزانہ) مدت ایام دنیا تک کرتا رہے گا۔ پھر دنیا کے فنا ہونے اور ہر حاکم کا حکم اور ہر آمر کا امر ختم ہو جانے کے بعد ہر حکم اور نظم کا رجوع (براہ راست) قیامت کے دن اللہ ہی کی طرف ہو جائے گا۔ اور قیامت کے دن کی مقدار ایک ہزار سال ہوگی۔

شیخ ضروری ہے:

اسی وجہ سے صوفیہ نے کہا کہ صوفی کو فناء قلب کا مرتبہ اللہ کی کشش سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مشائخ کے وسیلے سے حاصل ہوتا ہے لیکن شیخ کی کشش کے بغیر اگر خود عبادت اور ریاضت سے اس مرتبہ پر پہنچنا چاہے گا۔ تو پچاس ہزار برس میں پہنچے گا۔ اور پچاس ہزار برس تک زندہ رہنا بلکہ دنیا کا باقی رہنا ہی تصور کی رسائی سے باہر ہے تو لامحالہ کسی شیخ کی وساطت اور الٰہی کشش کے بغیر معمولاً فناء قلب محال ہے ہاں غیر معمولی طور پر بغیر شیخ کے براہ راست روحانی کشش جیسا کہ بعض اویسی فرقہ والوں کو ہو جاتی ہے ممکن ہے (مگر وہاں بھی توسط نبی کی ضرورت ہے۔) (تفسیر مظہری)

حضرت ابو ہریرہ کی ایک مالدار کو نصیحت:

ایک اور حدیث میں ہے کہ ابو ہریرہؓ کے پاس قبیلہ بنو عامر کا ایک شخص گذرا لوگوں نے کہا کہ حضرت یہ اپنے قبیلے کا سب سے بڑا مالدار ہے۔ آپ نے اسے بلوایا۔ اور فرمایا کہ کیا واقع میں تم سب سے زیادہ مالدار ہو؟ اس نے کہا، ہاں میرے پاس رنگ برنگ کے سینکڑوں اونٹ قسم قسم کے غلام اعلیٰ اعلیٰ درجے کے گھوڑے وغیرہ بھی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دیکھو خبردار ایسا نہ ہو کہ یہ جانور تمہیں اپنے پاؤں سے روندیں۔ اور اپنے سینگوں سے تمہیں ماریں بار بار یہی فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ عامری کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے کہا حضرت یہ کیوں؟ آپ نے فرمایا کہ سنو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو اپنے اونٹوں کا حق ادا نہ کرے گا ان کی سختی میں اور ان کی آسانی میں تو اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک چٹیل لمبے چوڑے صاف میدان میں چت لٹائے گا۔ اور ان تمام جانوروں کو موٹا تازہ کر کے حکم دے گا۔ کہ اسے روندتے ہوئے چلو۔ چنانچہ ایک ایک کر کے اسے کچلتے ہوئے جائیں گے۔ اور جب آخر والا گذر جائے گا تو پہلے والا لوٹ آئے گا۔ یہی عذاب اسے ہوتا رہے گا۔ اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے۔ پھر وہ اپنا راستہ دیکھ لے گا۔ اسی طرح گائے گھوڑے بکری وغیرہ بھی سینگ دار جانور بھی اسے مارتے چلے جائیں گے۔ کوئی ان میں بے سینگ یا ٹوٹے ہوئے سینگ والا نہ ہوگا۔

عامری نے پوچھا اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایئے کہ اونٹوں میں خدا کا کیا حق ہے۔ فرمایا کہ مسکینوں کو سواری کے لیے تحفۃً دینا۔ غرباء کے ساتھ سلوک کرنا۔ دودھ پینے کے لیے جانور کو دینا۔ ان کے نروں کی ضرورت جنہیں مادہ کے لیے ہو۔ انہیں مانگا ہوا بے قیمت دینا۔ (ابن کثیر)

مومن کے لیے وہ دن ہلکا ہوگا:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دن کے متعلق سوال کیا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی۔ کہ یہ دن کتنا دراز ہوگا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ یہ دن مومن پر اتنا ہلکا ہوگا۔ کہ ایک نماز فرض ادا کرنے کے وقت سے بھی کم ہو گا۔ (رواہ احمد و ابو یعلی و ابن حبان والبیہقی بسند حسن۔ مظہری)

اور ابو ہریرہ سے یہ حدیث روایت کی گئی ہے کہ یکون علی المؤمنین کمقدار ما بین الظھر و العصر اخرجه الحاکم والبیھقی مرفوعا و موقوفاً (مظہری)

یعنی یہ روز مومنین کے لیے اتنا ہوگا کہ جتنا وقت ظہر و عصر کے درمیان ہوتا ہے یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بھی منقول ہے اور موقوفاً بھی۔ ان روایات حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ اس دن کا یہ طول کہ پچاس ہزار سال کا ہوگا۔ ایک اضافی امر ہے کفار کے لیے اتنا دراز اور مومنین کے لیے اتنا مختصر ہوگا۔

اس دن کا طول مختلف گروہوں کے اعتبار سے مختلف ہوگا۔ تمام کفار کے لیے پچاس ہزار سال کا اور مومنین صالحین کے لیے ایک نماز کا وقت ان کے درمیان طوائف کفار ہیں ممکن ہے کہ بعض کے لیے صرف ایک ہزار سال کے برابر ہو۔ اور وقت کا دراز اور مختصر ہونا شدت و بے چینی اور آرام و آرائش میں مختلف ہونا مشہور و معروف ہے کہ بے چینی اور شدت تکلیف کا ایک گھنٹہ بعض اوقات انسان کو ایک دن بلکہ ایک ہفتہ عشرہ سے زیادہ محسوس ہوتا ہے اور آرام و عیش کا بڑے سے بڑا وقت مختصر معلوم ہوتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا ۝
سو تو صبر کر بھلی طرح کا صبر کرنا ☆

صبر سے کام لیں:

یعنی یہ کفار اگر از راہ انکار و تمسخر عذاب کے لیے جلدی مچائیں، تب بھی آپ جلدی نہ کریں بلکہ صبر و استقلال سے رہیں نہ تنگدل ہوں نہ حرف شکایت زبان پر آئے۔ آپ کا صبر اور ان کا تمسخر ضرور رنگ لائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں کی طرف سے سوال درخواست عذاب محض ضد اور استہزاء کی وجہ سے تھا اور اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبیدہ خاطر ہوتے تھے۔ اس لیے حکم دیا کہ آپ ان کے سوال سے تنگ دل نہ ہوں اور ان پر عذاب آنے کی جلدی نہ کریں۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ۝ وَنَرَاهُ قَرِيبًا ۝
وہ دیکھتے ہیں اس کو دور اور ہم دیکھتے ہیں اس کو نزدیک

قیامت قریب ہے:

یعنی ان کے خیال میں قیامت کا آنا بعید از امکان اور دور از عقل ہے اور ہم کو اس قدر قریب نظر آرہی ہے گویا آئی رکھی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ ﴿٨﴾

جس دن ہو گا آسمان جیسے تانبا پگھلا ہوا ☆

بعض نے "مہل" کا ترجمہ تیل کی تلچھٹ سے کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آسمان پگھل جائے گا۔

المھل پگھلایا ہوا تانبا یا کوئی اور دھات یا تیل کی تلچھٹ بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ آسمان کے رنگ مختلف ہوں گے۔ (کبھی) مہل کی طرح کبھی سرخ تیل کی تلچھٹ کی طرح اور کمزور ہو کر پھٹ جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿٩﴾

اور ہونگے پہاڑ جیسے اُون رنگی ہوئی ☆

پہاڑ اُون بن جائیں گے:

اون مختلف رنگ کی ہوتی ہے اور پہاڑوں کی رنگتیں بھی مختلف ہیں کما قال تعالیٰ "وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ" (فاطر۔ رکوع ۴) دوسری جگہ فرمایا "كَالْعِهْنِ الْمَنفُوشِ" (القارعہ) یعنی پہاڑ دھنکی ہوئی اون کی طرح اڑتے پھرینگے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا ﴿١٠﴾ يُبَصَّرُونَهُمْ

اور نہ پوچھے گا دوست دار دوست دار کو سب نظر آ جائینگے اُن کو ☆

نفسا نفسی ہوگی:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "سب نظر آ جائینگے۔ یعنی دوستی ان کی تکمی تھی" ایک دوسرے کا حال دیکھے گا مگر کچھ مدد و حمایت نہ کر سکے گا۔ ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

ہر شخص کو اپنی پڑی ہوگی یا مشاہدہ حال کی وجہ سے دماغ غائب ہو جائے گا۔ چہرہ کا اتار چڑھاؤ اور نیلا پیلا ہونا سوال کرنے ہی نہ دے گا۔ غرض یہ کہ گہرے دوست نظروں کے سامنے ہوں گے مگر ان کے احوال کی پرسش کوئی نہ کر سکے گا۔ بغویؒ نے لکھا ہے کہ قیامت کے دن تمام جن وانس نظروں کے سامنے ہوں گے باپ بھائی عزیز دوست سب کو آدمی آنکھوں کے سامنے دیکھے گا۔ مگر اپنی مصیبت میں ایسا مشغول ہوگا۔ کہ دوسرے کو نہ پوچھ سکے گا۔ (تفسیر مظہری)

يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ

چاہے گا گنہگار کسی طرح چھڑوائی میں دے کر

عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ ﴿١١﴾

اُس دن کے عذاب سے اپنے بیٹے کو

وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ﴿١٢﴾

اور اپنی ساتھ والی کو اور اپنے بھائی کو

وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ ﴿١٣﴾

اور اپنے گھرانے کو جس میں رہتا تھا

وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا

اور جتنے زمین پر ہیں سب کو

ثُمَّ يُنجِيهِ ﴿١٤﴾ كَلَّا

پھر اپنے آپ کو بچا لے ہرگز نہیں ☆

یعنی چاہے گا کہ بس چلے تو سارے کنبہ بلکہ ساری دنیا کو فدیہ میں دیکر اپنی جان بچالے مگر یہ ممکن نہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

مشرک کی آرزو: مجرم یعنی مشرک یہ تمنا کرے گا۔ کہ اپنی اولاد بیوی بھائی اور خاندان جس میں پیدا ہوا ہے اور تمام جن وانس جو زمین پر آباد ہیں سب کو عذاب قیامت کے عوض دے کر رہائی پائی جائے۔

یود یعنی آرزو کرے گا۔ مجرم، مشرک۔ مطلب یہ ہے کہ مشرک اپنی مصیبت میں ایسا گرفتار ہوگا کہ عذاب سے چھوٹنے کے لیے اپنے قریب ترین اعزاء اور محبوب ترین اشخاص کو اپنے عوض پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ عزیزوں اور دوستوں کی خبر گیری اور جستجو حال کا تو ذکر ہی کیا اس مطلب کی بناء پر آیت لَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا کافروں کے ساتھ مخصوص ہوگی۔ رہے مومن تو وہ اپنے دوستوں کی خبر گیری کریں گے اور ان کے لیے شفاعت بھی کریں گے۔ بکثرت احادیث بطور تواتر معنوی اس مفہوم کو ثابت کرتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ تم میں سے کوئی بھی اپنے واضح حق کے لیے اتنا نہیں جھگڑتا جتنا قیامت کے دن مومن اپنے دوزخی بھائیوں کی رہائی کے لیے اللہ سے جھگڑیں گے اور عرض کریں گے کہ پروردگار یہ تو ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے۔ الخ (متفق علیہ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے اس معنی میں ایک طویل حدیث مروی ہے۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّهَا لَظَىٰ ﴿١٥﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوَىٰ ﴿١٦﴾

وہ تپتی ہوئی آگ ہے کھینچ لینے والی کلیجہ☆

کھال اتارنے والی آگ:

یعنی وہ آگ مجرم کو کہاں چھوڑتی ہے وہ تو کھال اتار کر اندر سے کلیجہ نکال لیتی ہے۔

شواۃ کا معنی ہے سر کی کھال (مجاہد) یعنی سر کی کھال اتارنے والی۔ یا ہڈیوں سے گوشت اتار دینے والی۔ (ابراہیم بن مہاجر)

سعید بن جبیرؓ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ پٹھوں کو کھینچ لینے والی ہوگی۔ کلبیؒ نے کہا کہ سارے دماغ کو کھا جائے گی۔ اور پھر دماغ ویسا ہی ہو جائے گا جیسا تھا۔ (تفسیر مظہری)

تَدْعُوا مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ ﴿١٧﴾ وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ ﴿١٨﴾

پکارتی ہے اس کو جس نے پیٹھ پھیر لی اور پھر کر چلا گیا اور جوڑا اور سینت کر رکھا☆

دوزخ کی کشش:

یعنی دوزخ کی طرف سے ایک کشش اور پکار ہوگی بس جتنے لوگ دنیا میں حق کی طرف سے پیٹھ پھیر کر چل دیے تھے اور عمل صالح کی طرف سے اعراض کرتے اور مال سمیٹنے اور سینت کر رکھنے میں مشغول رہے تھے۔ وہ سب دوزخ کی طرف کھینچے چلے آئینگے بعض آثار میں ہے کہ دوزخ اول زبان قال سے پکارےگی "الیٰ یا کافر، الیٰ یا منافق، الیٰ یا جامع المال" (یعنی او کافر! او منافق! او مال سمیٹ کر رکھنے والے! ادھر آ) لوگ ادھر ادھر بھاگیں گے اس کے بعد ایک بہت لمبی گردن نکلے گی جو کفار کو چن چن کر اس طرح اٹھا لیگی جیسے جانور زمین سے دانہ اٹھا لیتا ہے (العیاذ باللہ)۔ (تفسیر عثمانی)

تَدْعُوا مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ حق سے پشت پھیرنے والے کو اطاعت اور روگردانی کرنے والوں کو وہ آگ پکار کر کہے گی اے منافق ادھر آ! اے مشرک میرے پاس آ! حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ کافروں اور منافقوں کو ان کے نام لے کر فصیح زبان سے پکارے گی اور اس طرح اچک لے گی جیسے پرندہ دانے کو اچک لیتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

مطلب یہ کہ حقوق اللہ و حقوق العباد ضائع کیے ہوں گے۔ یا اشارہ ہے کہ فساد عقائد و فساد اخلاق کی طرف اور بلانا معنے حقیقی پر محمول ہو سکتا ہے خلاصہ یہ کہ ایسے صفات موجب استحقاق نار ہیں اور اس مجرم میں یہ صفات پائے جاتے ہیں پھر نجات عن العذاب کب متصور ہے اور وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ سے کفار کا مکلف بالفروع ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ ان رذائل کی وجہ سے کفار کو اصل عذاب نہیں ہوگا۔ بلکہ اشد عذاب ہوگا۔ اور نفس عذاب کفر پر ہوگا۔ بخلاف گناہگار مومنین کے ان کو معاصی پر نفس عذاب ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ﴿١٩﴾

بے شک آدمی بنا ہے جی کا کچا

إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ﴿٢٠﴾

جب پہنچے اُس کو برائی تو بے صبرا

وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ﴿٢١﴾

اور جب پہنچے اس کو بھلائی تو بے توفیقا

انسانی طبیعت:

یعنی کسی طرف پختگی اور ہمت نہیں دکھلاتا۔ فقر و فاقہ، بیماری اور سختی آئے تو بے صبر ہو کر گھبرا اٹھے، بلکہ مایوس ہو جائے گویا اب کوئی سبیل مصیبت سے نکلنے کی باقی نہیں رہی اور مال و دولت تندرستی اور فراخی ملے تو نیکی کے لیے ہاتھ نہ اٹھے اور مالک کے راستہ میں خرچ کرنے کی توفیق نہ ہو ہاں وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جن کا ذکر آگے آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جب کوئی مصیبت آدمی کو چھو جاتی ہے تو بے صبر ہو جاتا ہے اور ذرا مال کا کچھ لگاؤ ہو جاتا ہے تو روک کر رکھتا ہے نہ شکر کرتا ہے نہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر آدمی کو مال سے بھرے ہوئے دو وادیاں مل جائیں تب بھی وہ تیسرے کا خواستگار ہوتا ہے۔ آدمی کے پیٹ کو مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھرتی اور جو اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اللہ بھی اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ (متفق)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگ مختلف کانیں ہیں جیسے سونے اور چاندی کی کانیں ہوتی ہیں تم میں سے جو جاہلیت میں بہتر (اعلیٰ) تھے وہی اسلام میں بھی بہتر ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے کچھ لوگ جنت کے قابل پیدا کیے ہیں جب وہ اپنے آباء کی پشت میں تھے اسی وقت انکو جنت کے قابل بنا دیا تھا۔ اور کچھ لوگوں کو دوزخ کے

قابل بنایا۔ جب وہ اپنے آباء کی پشت میں تھے اسی وقت ان کو دوزخ کے قابل بنا دیا تھا۔ (مسلم) اس بحث کی بہت سے احادیث آئی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ذکر کیا گیا کہ حضرت دانیال پیغمبر نے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ ''وہ ایسی نماز پڑھے گی کہ اگر قوم نوح ایسی نماز پڑھتی تو ڈوبتی نہیں اور قوم عاد کی اگر ایسی نماز ہوتی تو ان پر بے برکتی ہوائیں نہ بھیجی جاتیں۔ اور اگر قوم ثمود کی ایسی نماز ہوتی تو انہیں چیخ سے ہلاک نہ کیا جاتا۔'' پس اے لوگو! نماز کو اچھی طرح پابندی سے پڑھا کرو۔ مومن کا یہ زیور اور اس کا بہترین خلق ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿۲۲﴾ الَّذِيْنَ هُمْ

مگر وہ نمازی جو اپنی

عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

نماز پر قائم ہیں ☆

امت محمدیہ کی نماز:

یعنی گنڈے دار نہیں بلکہ مداومت والتزام سے نماز پڑھتے ہیں وہ نماز کی حالت میں نہایت سکون کے ساتھ برابر اپنی نماز ہی کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

آیت میں دوام سے مراد ہے دوام حضور جو نماز کے آداب ارکان اور شرائط کی نگہداشت سے حاصل ہوتا ہے بغوی نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ ابو الخیر نے حضرت عقبہ بن عامر سے دریافت کیا کہ آیت الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ کا یہ مطلب ہے کہ وہ ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں حضرت عقبہ نے فرمایا نہیں یہ مطلب نہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ وہ نماز میں دائیں بائیں اور پیچھے نہیں دیکھتے۔ (احمد، ابوداؤد)

نسائی اور دارمی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نماز کے اندر بندہ جب تک ادھر ادھر نہیں دیکھتا اللہ برابر اس کی طرف متوجہ رہتا ہے جب بندہ ادھر ادھر التفات کرتا ہے تو اللہ بھی (اس کی طرف) سے پھر جاتا ہے۔ بیہقی نے سنن کبیر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انس رضی اللہ عنہ اپنی نظر سجدہ کی جگہ پر رکھا کرو۔ ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنا تباہی ہے۔

فائدہ: حضور قلب حاصل کرنے کے اور وسوسوں کو دور کرنے میں سجدہ گاہ پر نظر قائم رکھنے کو بڑا اثر آفریں دخل ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾

اور جن کے مال میں حصہ مقرر ہے

لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾

مانگنے والے اور ہارے ہوئے کا

سورۂ ''المؤمنون'' میں اس کی تفسیر گزر چکی۔

وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۶﴾

اور جو یقین کرتے ہیں انصاف کے دن پر ☆

یعنی اس یقین کی بناء پر اچھے کام کرتے ہیں جو اس دن کام آئیں گے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور جو لوگ کہ کہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں

یعنی اس سے ڈر کر برائیوں کو چھوڑتے ہیں۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾

بے شک ان کے رب کے عذاب سے کسی کو نڈر نہ ہونا چاہیے ☆

یعنی اللہ کا عذاب ایسی چیز نہیں کہ بندہ اس کی طرف سے مامون اور بے فکر ہو کر بیٹھ رہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾

اور جو اپنی شہوت کی جگہ کو تھامتے ہیں

اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ

مگر اپنی بی بیوں سے یا اپنے ہاتھ کے مال سے

فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى

سو ان پر نہیں کچھ الاہنا پھر جو کوئی ڈھونڈے

وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾

اس کے سوائے سو وہی ہیں حد سے بڑھنے والے ☆

شرمگاہ کی حفاظت:

یعنی بیوی اور باندی کے سوا جو اور کوئی جگہ قضائے شہوت کے لیے ڈھونڈے وہ حد اعتدال اور حد جواز سے باہر قدم نکالتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

باتفاق علماء آیت کا حکم عام نہیں ہے۔ حالت حیض اور ایام ظہار میں اپنی بیوی سے بھی قربت جائز نہیں نہ اس باندی سے صحبت جائز ہے جس سے رشتہ رضاعت (دودھ کی شرکت ہو)۔

کسی عورت کے لیے اپنے مملوک غلام سے صنفی جائز نہیں کیونکہ علی بنا رہا ہے کہ مملوک مالک سے نیچا ہونا چاہیے۔

آیت میں مملوک سے مراد باندیاں ہیں غلام نہیں اغلام غلام کے ساتھ بھی جائز نہیں۔

صنفی قربت کی شرائط:

اصل یہی ہے کہ مرد کی عورت سے صنفی قربت حرام ہے اس کا جواز چند شرائط سے وابستہ ہے مثلاً نکاح ہو یا ملکیت علاقہ جزئیت نہ ہو (یعنی نہ سلسلہ اولاد ہو نہ سلسلہ آباء وامہات) حیض ونفاس سے طہارت ہو۔ مقام تولید ہو۔ یعنی زنانہ شرم گاہ مقام نا قابل تولید نہ ہو یعنی لواطت نہ کی جائے۔

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ یعنی بیویوں اور باندیوں کے سوا (کسی اور سے یا غیر مقام میں) کرنے کے جو طالبگار رہوں گے۔ وہی کامل طور پر حد (شرعی) سے تجاوز کرنے والے ہیں کیونکہ اللہ نے جو کچھ ان پر حلال کیا تھا۔ اس پر انہوں نے بس نہیں کیا بلکہ فعل حرام کے مرتکب ہوئے۔

حفاظت کا طریقہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی (اجنبی) عورت کو دیکھ کر پسند کرلے تو اٹھ کر اپنی بیوی کے پاس چلا جائے کیونکہ بیوی کے پاس بھی ویسی ہی چیز ہے جیسی اس عورت کے پاس ہے۔ (دارمی بروایت حضرت ابن مسعود)

مسئلہ: آیت دلالت کر رہی ہے کہ متعہ حرام ہے کیونکہ متعہ والی عورت زوجہ نہیں ہو جاتی۔ جو لوگ متعہ کے حلال ہونے کے قائل ہیں وہ بھی متعہ کی وجہ سے استحقاق میراث کے قائل نہیں (اگر متعہ والی عورت بیوی ہو جاتی تو اس کو بیوی کی طرح میراث ہونی چاہیے تھی۔

مشت زنی کا حرام ہونا:

بغویؒ نے اس آیت سے مشت زنی کی حرمت پر استدلال کیا ہے کہ دوسرے علماء کا بھی یہی قول ہے کہ (مشت زنی حرام ہے) سعید بن جبیر نے فرمایا کہ ایک گروہ کو اللہ عذاب دے گا کہ وہ اپنی شرمگاہوں سے کھیلتے ہوں گے میں کہتا ہوں کہ اس سلسلے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنے ہاتھ سے نکاح کیا وہ ملعون ہے۔ ازدی نے یہ حدیث الضعفاء میں نقل کی ہے اور ابن جوزی نے اپنے مشہور جزء میں حسن بن عرفہ کی اسناد سے ان الفاظ میں روایت کی ہے کہ سات شخص ہیں جن کی طرف اللہ نظر (رحمت) نہ فرمائے گا۔ ان میں سے ایک مشت زن کا قرار دیا گیا ہے مگر اس روایت کی اسناد کمزور ہے۔ (تفسیر مظہری)

اور حضرت سعید بن جبیرؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی قوم پر عذاب نازل فرمایا کہ جو اپنے ہاتھوں سے اپنی شرمگاہوں سے کھیلتے تھے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **ملعون من نکح یدہ** یعنی جو اپنے ہاتھ سے نکاح کرے وہ ملعون ہے سند اس کی ضعیف ہے۔ (مظہری) (معارف مفتی اعظم)

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ

اور جو لوگ کہ اپنی امانتوں

وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝

اور اپنے قول کو نباہتے ہیں ☆

اس میں اللہ کے اور بندوں کے سب حقوق آ گئے۔ کیونکہ آدمی کے پاس جس قدر قوتیں ہیں سب اللہ کی امانت ہیں۔ ان کو اسی کے بتلائے ہوئے مواقع میں خرچ کرنا چاہیے۔ اور جو قول وقرار ازل میں باندھ چکا ہے اس سے پھرنا نہیں چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

کچھ امانتیں تو خدا اور بندے کے درمیان ہیں جیسے روزہ، نماز اور غسل جنابت اور وہ تمام احکام جن کا تعلق محض اللہ تعالیٰ سے ہے اور ان کو بجا لانا واجب ہے ہر کمال وجود تمام لوازم حیات بیرونی اور اندرونی نعمتیں وغیرہ اس ساری چیزوں کے عطاء کی نسبت خدا کی طرف کرنی چاہیے۔ یہ بات جاننا اور ماننا لازم ہے کہ یہ سب کچھ الٰہی عطیہ اور خداوندی امانت ہے جو عاریۃً اللہ نے ہم کو دی ہے اور ہم پیدائش کے وقت ایسے ہی تہی دست مفلس تھے۔ جیسے مانگے کا کپڑا پہننے والا بذات خود برہنہ ہوتا ہے۔ کپڑے کا مالک نہیں ہوتا۔ بندہ کو یقین کرنا چاہیے کہ بزرگی اور عظمت اللہ کا خصوصی لباس ہے کسی کے لیے جائز نہیں کہ اس لباس کی خدا سے کشاکش کرے اگر نعمتیں مل جائیں تو (عنایت کا) شکر اور چھن جائیں تو صبر کرنا لازم ہے، کچھ امانتیں بندوں کے آپس میں ہوتی

ہیں جیسے ودیعت۔ سرمایہ (خواہ تجارتی ہو جیسے مضاربت اور ایجنسی میں ہوتا ہے یا بطور قرض ہو) اور عاریت (مستعار چیزیں) ان سب کی پوری ادائیگی انسان پر لازم ہے۔ (دوسری شق ہے حفاظت عہد) یعنی اپنے کئے ہوئے وعدوں کو پورا کرتے ہیں عہد کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو بندوں نے ازل کے دن خدا سے کیا تھا اور اس کے علاوہ بھی بعض عہود الٰہیہ ہیں مثلاً اللہ نے اہل کتاب سے وعدہ لیا تھا کہ صفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھول کر بیان کریں گے مخفی نہ رکھیں گے دوسری قسم انسانوں کے آپس کے وہ معاہدات ہیں جو باہمی معاملات اور معاشرت وسماج میں کیے جاتے ہیں ان سب کی نگہداشت واجب ہے۔

منافق کی نشانیاں:

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (عملی) منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ بات کرے تو جھوٹ بولے۔ وعدہ کرے تو پورا نہ کرے اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ اس حدیث کے وسط میں مسلم نے الفاظ زیادہ نقل کیے ہیں کہ خواہ روزہ نماز ادا کرتا ہو اور مسلمان ہونے کا دعویدار بھی ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چار باتیں ہیں جس کے اندر یہ چاروں ہوں گی وہ (عملاً) خالص منافق ہوگا اور جس کے اندر ایک خصلت ہوگی اس میں نفاق کی ایک بات رہے گی تاوقتیکہ اس کو ترک نہ کردے اگر اس کے پاس امانت رکھی جائے تو (اس میں) خیانت کرے۔ بات کہے تو جھوٹ بولے۔ وعدہ کرے تو اسکے خلاف کرے اور جھگڑے کے وقت گالیاں بکے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پابندی:

ابوداؤد نے نقل کیا کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن ابی الحسماء نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے سے پہلے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ خرید و فروخت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ دینا میرے ذمہ باقی رہ گیا میں نے وعدہ کرلیا کہ (ابھی) اسی جگہ لا کر دیتا ہوں جانے کے بعد میں بھول گیا تین روز کے بعد وہ وعدہ یاد ہوا اور میں لوٹ کر آیا تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ موجود ہیں (مجھے دیکھ کر) فرمایا تم نے مجھے دکھ دیا میں تین روز سے یہاں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور جو اپنی گواہیوں پر سیدھے ہیں ☆

گواہی دینا: یعنی ضرورت پڑے تو بلا کم وکاست اور بے رو رعایت گواہی دیتے ہیں حق پوشی نہیں کرتے۔ (تفسیر عثمانی)

نہ شہادت کو چھپاتے ہیں نہ بدلتے ہیں نہ اس سلسلے میں کسی برا کہنے والے کے برا کہنے سے ڈرتے ہیں خواہ شہادت کا تعلق محض حق خداوندی سے ہو جیسے شہادت توحید ورسالت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کے متعلق تورات کی شہادت کا اظہار اور رمضان کا چاند دیکھنے کی شہادت اور حدود خداوندی قائم کرنے کی شہادت وغیرہ یا حقوق عباد کے سلسلہ کی شہادت ہو جیسے باہمی لین دین کی شہادت پر شہادت میں عموم ہے کسی کے خلاف ہو خواہ اپنے اقرباء اور والدین بلکہ اپنی ذات ہی کے خلاف ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ، یہاں بھی لفظ شہادات کو بلفظ جمع لانے میں اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ شہادت کی بہت سی قسمیں ہیں اور ہر قسم شہادت کو قائم رکھنا واجب ہے۔ اس میں شہادت ایمان وتوحید رسالت بھی داخل ہے۔ ہلال رمضان اور حدود شریعت کی شہادت بھی اور لوگوں کے باہمی معاملات جو کسی کے سامنے ہوں ان کی شہادت بھی، کہ ان شہادتوں کا چھپانا اور ان کی کمی بیشی کرنا حرام ہے ان کو صحیح صحیح قائم کرنا اس آیت کی رو سے فرض ہے۔ (از مظہری) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (معارف مفتی اعظم)

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾

اور جو اپنی نماز سے خبردار ہیں ☆

یعنی نمازوں کے اوقات اور شروط وآداب کی خبر رکھتے ہیں اور اس کی صورت وحقیقت کو ضائع ہونے سے بچاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی نماز کے اوقات ارکان سنن اور مستحبات کی نگہداشت کرتے ہیں۔ کسی (ضروری رکن یا سنت یا وقت) کو فوت نہیں ہونے دیتے۔

نماز کا تذکرہ دو جگہ آیا ہے۔ شروع میں اور (یہاں) آخر میں اور دونوں جگہ تذکرہ کا طریقہ جدا جدا ہے۔ تکرار ذکر بتا رہی ہے کہ دوسرے ارکان اسلام کے مقابلہ میں نماز کو اہمیت حاصل ہے۔ (تفسیر مظہری)

اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾

وہی لوگ ہیں باغوں میں عزت سے ☆

جنت کی آٹھ صفات:

جنتیوں کی یہ آٹھ صفتیں ہوئیں جن کو نماز سے شروع اور نماز ہی پر ختم

کیا گیا ہے تا معلوم ہو کہ نماز اللہ کے ہاں کس قدر مہتم بالشان عبادت ہے جس میں یہ صفات ہونگی وہ ''ہلوع'' (کچے دل کا) نہ ہوگا بلکہ عزم و ہمت والا ہوگا۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾

پھر کیا ہوا ہے منکروں کو تیری طرف دوڑتے ہوئے آتے ہیں

عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾

داہنے سے اور بائیں سے غول کے غول

اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ

کیا طمع رکھتا ہے ہر ایک شخص ان میں کہ

يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا

داخل ہو جائے نعمت کے باغ میں ہر گز نہیں ☆

کافروں کو قرآن سے وحشت کیوں ہے:

یعنی قرآن کی تلاوت اور جنت کا ذکر سن کر کفار ہر طرف سے ٹولیاں بنا کر تیری طرف الڈے چلے آتے ہیں پھر ہنسی اور ٹھٹھا کرتے ہیں کیا اس کے باوجود یہ بھی طمع رکھتے ہیں کہ وہ سب جنت کے باغوں میں داخل کیے جائینگے؟ جیسا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر ہم کو لوٹ کر خدا کی طرف جانا ہوا تو وہاں بھی ہمارے لیے بہتری ہی بہتری ہے۔ ہرگز نہیں۔ اس خداوند عادل و حکیم کے ہاں ایسا اندھیر نہیں ہوسکتا (تنبیہ) ابن کثیر نے ان آیات کا مطلب یہ لیا ہے کہ تیری طرف کے ان منکروں کو کیا ہوا کہ تیزی کے ساتھ دوڑے چلے جاتے ہیں۔ داہنے اور بائیں غول کے غول یعنی قرآن سن کر ایسے کیوں بدکتے اور بھاگتے ہیں۔ پھر کیا اس وحشت و نفرت کے باوجود یہ بھی توقع رکھتے ہیں کہ ان میں ہر شخص بے کھٹکے جنت میں جا گھسے گا؟ ہرگز نہیں وھذا کما قال تعالیٰ ''فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ'' (مدثر رکوع ۲) (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے کہ کافروں کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جمع ہو کر کلام مبارک سنتی تھی مگر استہزاء اور تکذیب کرتی تھی اور ان کو تنبیہ کرنے کے لئے اس آیت کا نزول ہوا اور اللہ نے فرمایا کہ کیا وجہ یہ لوگ آپ کے پاس بیٹھتے آپ کو دیکھتے اور کلام سنتے ہیں مگر فائدہ حاصل نہیں کرتے۔

مھطعین یعنی آپ کی طرف نظریں اٹھائے گردنیں بڑھائے تیزی کے ساتھ جھپٹتے ہوئے آتے ہیں۔ (بغوی، تفسیر مظہری)

اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾

ہم نے ان کو بنایا ہے جس سے وہ بھی جانتے ہیں

اعزاز کا مدار ایمان ہے:

یعنی مٹی جیسی حقیر یا منی جیسی گھناؤنی چیز سے پیدا ہوا وہ کہاں لائق ہے بہشت کے مگر ہاں جب ایمان کی بدولت پاک وصاف اور معظم و مکرم ہو اور ممکن ہے ''اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ'' سے اشارہ ہو ''اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا'' کی طرف جو چند آیات پہلے اسی سورت میں آ چکا ہے یعنی وہ پیدا تو ہوا ہے ان صفات پر اور ''اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ'' الخ کے استثناء میں اپنے کو شامل نہ کیا۔ پھر بہشت کا مستحق کیسے ہوا اس تقدیر پر ''مِمَّا يَعْلَمُوْنَ'' کی ترکیب ''خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ'' کے قبیل سے ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کو گندے نطفہ سے پھر جمے ہوئے خون سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے بنایا ان میں سے کوئی چیز اعزاز کی خواستگار ہے نہ عالم قدس میں داخلہ کے شایان۔ اس لئے جو شخص ایمان وطاعت سے اپنے نفس کی (تخلیقی) کمی کو پورا نہ کر لے گا اور اللہ کے پسندیدہ اوصاف سے آراستہ نہ ہو جائے گا وہ جنت میں داخلہ کے قابل نہ ہوگا۔

آخر حق کا اقرار کرنا پڑتا ہے:

بغوی نے اپنی سند سے بہ روایت حضرت بشر بن حجاش بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز اپنی ہتھیلی پر تھوک کر اس پر انگلی رکھی اور فرمایا۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے اے آدم کے بچے کیا تو مجھے عاجز بنا سکتا ہے حالانکہ میں نے تجھے ایسی حقیر چیز سے بنایا یہاں تک کہ میں نے تیری تخلیق درست اور ساخت ہموار کر دی اور تو دو چادریں پہن کر چلنے لگا۔ پھر تو نے کمائی کر کے مال جمع کیا اور روک کر رکھا آخر جب جان ہنسلی کی ہڈی میں آ کر چلنے لگی اس وقت تو نے کہا موت اور خدا کی ہمہ گیر قدرت حق ہے۔ اب حق کے اقرار کا وقت کہاں رہا۔ یا آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس غرض سے تم کو پیدا کیا گیا ہے اس کو تم جانتے ہو اللہ نے خود فرمایا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ جن و انس کو ہم نے محض اپنی معرفت کے لئے پیدا کیا ہے لہٰذا جو شخص علم و عمل سے اپنے نفس کی تکمیل نہ کر پایا وہ اہل کمال کے مراتب تک پہنچنے کی طمع کیسے رکھ سکتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ

سو میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی ☆

آفتاب ہر روز ایک نئے نقطہ سے طلوع ہوتا ہے اور نئے نقطہ پر غروب ہوتا ہے ان کو "مشارق" و "مغارب" کہا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ۙ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا
تحقیق ہم کر سکتے ہیں کہ بدل کر لے آئیں ان سے بہتر
مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾
اور ہمارے قابو سے نکل نہ جائیں گے

اللہ ہر چیز پر قادر ہے:

یعنی جب ان کی جگہ ان سے بہتر لا سکتے ہیں تو خود ان کو دوبارہ کیوں پیدا نہیں کر سکتے؟ کیا وہ ہمارے قابو سے نکل کر کہیں جا سکتے ہیں؟ یا "خَيْرًا مِّنْهُمْ" سے مراد ان ہی کا دوبارہ پیدا کرنا ہو۔ کیونکہ عذاب ہو یا ثواب دوسری زندگی اس زندگی سے بہرحال اکمل ہوگی یا یہ مطلب ہو کہ ان کفار مکہ کو ہنسی ٹھٹھا کرنے دیجئے ہم خدمت اسلام کے لیے اس سے بہتر قوم لے آئیں گے چنانچہ "قریش" کی جگہ اس نے "انصار مدینہ" کو کھڑا کر دیا۔ اور مکہ والے پھر بھی اس کے قابو سے نکل کر کہیں نہ جا سکے۔ آخر اپنی شرارتوں کے مزے چکھنے پڑے (تنبیہ) مشارق و مغارب کی قسم شاید اس لیے کھائی کہ خدا ہر روز مشرق و مغرب کو بدلتا رہتا ہے اس کو تمہارا تبدیل کرنا کیا مشکل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی ہم کو قدرت حاصل ہے ان کو فنا کر کے ان سے بہتر مخلوق پیدا کر دیں یا اس بات پر قادر ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننے کے لئے تمہاری جگہ ایسے لوگوں کو لے آئیں جو تم سے بہتر ہوں یعنی انصار۔

اللہ عاجز نہیں ہے: وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ یعنی اگر ہم ان کو ہلاک کرنا چاہیں تو کوئی ہم پر غالب نہیں آ سکتا لفظ رَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ فرما کر اس امر پر استدلال فرمایا ہے کہ آسمانوں کی اور کائنات سماوی کی تخلیق پر اور سیاروں ستاروں کے روزانہ طلوع و غروب پر اللہ کو قدرت حاصل ہے۔ اس لئے اللہ اس سے بھی عاجز نہیں ہو سکتا کہ ان کافروں کو ہلاک کر کے ان کی جگہ ایسے لوگوں کو لے آئے جو ان سے بہتر ہوں۔

فَذَرْهُمْ یعنی جب آپ واقف ہیں کہ ہم ان کو ہلاک کر ڈالنے پر قابو رکھتے ہیں تو آپ ان کی پرواہ نہ کیجئے ہم ان کو ڈھیل دینا اور سخت ترین عذاب میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا
سو چھوڑ دے ان کو کہ باتیں بنائیں اور کھیلا کریں
حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾
یہاں تک کہ مل جائیں اپنے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ ہے ☆

یعنی تھوڑے دن کی ڈھیل ہے پھر سزا ہونی یقینی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ
جس دن نکل پڑیں گے قبروں سے
سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾
دوڑتے ہوئے جیسے کسی نشانی پر دوڑتے جاتے ہیں ☆

قبروں سے زندہ ہونا:

یعنی کسی خاص نشان اور علامت کی طرف جیسے تیزی سے دوڑتے ہیں اور ایک دوسرے سے پہلے پہنچنے کی کوشش کرتا ہے یا "نصب" سے بت مراد ہوں جو کعبہ کے گرد کھڑے کیے ہوئے تھے۔ ان کی طرف بھی بہت عقیدت اور شوق کے ساتھ لپکتے ہوئے جاتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جس طرح یہ بتوں کی طرف تیزی سے لپکتے ہیں کہ کون مورتی کو پہلے چوم لے اسی طرح قیامت کے دن قبروں سے نکل کر میدان حشر کی طرف یہ تیزی سے لپکیں گے تاکہ اپنے اعمال کے بدلہ کو دیکھ لیں۔ کلبی نے نصب کا ترجمہ علم کیا ہے یعنی جس طرح لشکری اپنے جھنڈوں کی طرف لپکتے ہیں اسی طرح یہ حشر کے دن محشر کی طرف لپکیں گے۔ (تفسیر مظہری)

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ
جھکی ہوں گی ان کی آنکھیں، چڑھی آتی ہو گی
ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾
ان پر ذلت یہ ہے وہ دن جس کا ان سے وعدہ تھا

یعنی قیامت کا دن۔ تم سورۃ المعارج وللہ الحمد والمنۃ۔ (تفسیر عثمانی)

الحمد للہ سورۃ المعارج ختم ہوئی

سورۃ نوح

اس کو خواب میں پڑھنے والا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والوں میں سے ہوگا۔ اور دشمنوں پر مظفر ومنصور رہے گا۔ (علامہ ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ نُوْحٍ مَّكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ نوح مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی اٹھائیس آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ

ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کی طرف

اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ

کہ ڈرا اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ

يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱﴾

پہنچے اُن پر عذاب درد ناک ☆

نوح کا مقصد:

یعنی اس سے پہلے کہ کفر وشرارت کی بدولت دنیا میں طوفان کے اور آخرت میں دوزخ کے عذاب کا سامنا ہو۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث بھی اسی پر دلالت کر رہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں عنایت فرمائی گئی ہیں۔ جو مجھ سے پہلے کسی کو بھی عطا نہیں ہوئیں۔ ایک ماہ کی راہ کی مسافت سے میرا رعب دشمنوں پر ڈال کر میری مدد کی گئی۔ تمام زمین کو میرے لیے مسجد اور طاہر قرار دیا گیا۔ اس لیے میری امت کے کسی آدمی کو جہاں نماز کا وقت آ جائے وہیں پڑھ لے۔ میرے لیے مال غنیمت حلال کیا گیا مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا مجھے شفاعت کا (حق) دیا گیا (گذشتہ) نبی خصوصیات کے ساتھ اپنی قوم کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوتے تھے۔ مجھے تمام لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں چھ خصوصیات کا ذکر ہے مگر شفاعت کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ یہ الفاظ ہیں کہ مجھے ساری مخلوق کے لیے بھیجا گیا ہے اور نبوت کو مجھ پر ختم کر دیا گیا ہے۔ (مسلم) (تفسیر مظہری)

قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲﴾

بولا اے قوم میری تم کو ڈر سناتا ہوں کھول کر

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۳﴾

کہ بندگی کرو اللہ کی اور اُس سے ڈرو اور میرا کہنا مانو ☆

دعوت ایمان وعمل:

یعنی اللہ سے ڈر کر کفر ومعصیت چھوڑ دو اور اطاعت وعبادت کا راستہ اختیار کرو۔ (تفسیر عثمانی)

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ کہ اللہ کی عبادت کرو اس سے تقوی رکھو کسی چیز کو (الوہیت اور عبادت میں) اس کا شریک نہ قرار دو۔

وَاَطِيْعُوْنِ اور توحید واطاعت الٰہی کی بابت جو کچھ میں حکم دے رہا ہوں اس کو مانو۔ (تفسیر مظہری)

يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ

تا کہ بخشے وہ تم کو گناہ تمہارے اور ڈھیل دے تم کو

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ

ایک مقرر وعدہ تک ☆

ایمان وعمل کا نتیجہ:

یعنی ایمان لے آؤ گے تو اس سے پہلے اللہ کے جو حقوق تلف کیے ہیں وہ معاف کر دیگا اور کفر وشرارت پر جو عذاب آنا مقدر ہے ایمان لانے کی صورت میں وہ نہ آئیگا۔ بلکہ ڈھیل دی جائے گی کہ عمر طبعی تک زندہ رہو حتی کہ جانداروں کی موت وحیات کے عام قانون کے موافق اپنے مقرر وقت پر موت آئے کیونکہ اس سے تو بہرحال کسی نیک وبد کو چارہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

يَغْفِرْ لَكُمْ۔ ایمان واطاعت مغفرت کا سبب ہے۔ یعنی اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تمہاری مغفرت کر دیگا۔

اسلام، ہجرت اور حج گذشتہ گناہ مٹا دیتے ہیں:

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا قول ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دست مبارک پھیلایئے میں بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دایاں ہاتھ پھیلا دیا۔ مگر میں نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا فرمایا عمرو کیا بات ہے میں نے عرض کیا کچھ شرط رکھنی چاہتا ہوں فرمایا شرط بیان کرو۔ میں نے عرض کیا

کہ شرط بیعت یہ ہے کہ میرے گناہ بخش دیے جائیں۔فرمایا کہ عمرو کیا تمہیں معلوم نہیں۔کہ اسلام گذشتہ گناہ ڈھا دیتا ہے۔اور ہجرت بھی پہلے گناہ گرا دیتی ہے۔اور حج بھی سابق کے گناہ ساقط کر دیتا ہے۔(مسلم)

اللہ تعالیٰ اور بندہ کا حق:

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں (ایک سفر میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اونٹ پر سوار تھا۔میرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف کجاوہ کا پچھلا حصہ حائل تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا معاذ کیا تجھے معلوم ہے کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے اور بندوں کا خدا پر کیا حق ہے۔میں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کو پورا علم ہے۔فرمایا کہ اللہ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ بندے اس کی عبادت کریں۔کسی چیز کو اس کا شریک نہ قرار دیں اور بندوں کا حق خدا پر یہ ہے کہ وہ غیر مشرک کو عذاب نہ دے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا لوگوں کو میں یہ خوشخبری نہ سنا دوں۔فرمایا کہ لوگوں کو یہ بشارت نہ دو ورنہ وہ اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے۔(بخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کا واقعہ منقول ہے۔حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اخفاء حق کے گناہ سے بچنے کے لیے مرنے کے وقت یہ حدیث بیان کی تھی۔(مسلم وبخاری)

مسئلہ: قضا کی دو قسمیں ہیں (۱) قضا مبرم (قطعی ناقابل فسخ) (۲) معلق۔

معلق کی صورت مثلاً یہ ہے کہ اللہ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ زید اگر اللہ کی اطاعت کرے گا۔تو اتنی مدت تک اس کو تباہی سے محفوظ رکھا جائے گا۔اور نافرمانی کرے گا۔تو اللہ اس پر طوفان مسلط کر دے گا۔

قضاء معلق کی تبدیلی جائز ہے جب شرط مفقود ہو (تو حکم قضاء بھی نافذ نہ ہوگا۔) آیت يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝ کا یہی مطلب ہے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دعا کے علاوہ قضاء کو کوئی چیز نہیں لوٹاتی اور عمر میں زیادتی نیکی ہی سے ہوتی ہے۔(ترمذی)

قضاء مبرم ناقابل تبدیل ہے۔آیت لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ سے یہی مراد ہے۔(تفسیر مظہری)

حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ ایمان لانے سے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔اس میں بھی حقوق العباد کی ادائیگی یا معافی شرط ہے۔اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ حرف مِنْ اس جگہ زائد ہے اور مراد یہ ہے کہ ایمان لانے سے تمہارے سب گناہ معاف ہو جائینگے۔مگر دوسری نصوص کی بناء پر شرط مذکور بہرحال ضروری ہے۔

اسی طرح بعض اعمال مثلاً والدین کی اطاعت وخدمت سے عمر میں ترقی ہونا جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اس کا بھی یہی مطلب ہے۔

اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ

وہ جو وعدہ کیا ہے اللہ نے جب آ پہنچے گا اس کو ڈھیل نہ ہوگی ☆

موت اور عذاب ٹل نہیں سکتے:

یعنی ایمان نہ لانے کی صورت میں عذاب کا جو وعدہ ہے اگر وہ سر پر آ کھڑا ہوا تو کسی کے ٹالے نہیں ٹلے گا نہ ایک منٹ کی ڈھیل دی جائے گی یا یہ مطلب ہو کہ موت کا وقت معین پر آنا ضرور ہے اس میں تاخیر نہیں ہو سکتی۔ والظاہر ہو الاول حضرت شاہ صاحبؒ ان آیات کی تقریر ایک اور طرح کرتے ہیں "یعنی بندگی کرو کہ نوع انسان دنیا میں قیامت تک رہے۔اور قیامت کو تو دیر نہ لگے گی اور جو سب مل کر بندگی چھوڑ دو تو سارے ابھی ہلاک ہو جاؤ"۔طوفان آیا تھا ایسا ہی کہ ایک آدمی نہ بچے۔حضرت نوحؑ کی بندگی سے ان کا بچاؤ ہو گیا۔(تفسیر عثمانی)

اہل سنت جو کہتے ہیں کہ اجل ایک ہے نہ گھٹتی ہے نہ بڑھتی ہے۔اس سے مراد قضا مبرم جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ایک منٹ بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتی مقتول اسی قضا مبرم سے مرتا ہے یہ تو ہو سکتا ہے کہ لوح محفوظ میں مقتول کی موت معلق ہو کہ اگر اس کو فلاں شخص قتل کر دے گا تو مر جائیگا ورنہ نہیں مرے گا۔ لیکن لوح محفوظ میں قضاء مبرم کے طور پر یہ بھی درج ہوگا کہ فلاں وقت فلاں شخص فلاں شخص کو ضرور مار ڈالیگا۔اور اس کی زندگی کی کوئی شرط سبب ذریعہ وغیرہ باقی نہیں رہے گی۔اس جواب کی تقدیر پر اس حدیث کی تاویل کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔جو ابوخزامہ نے اپنے باپ کی وساطت سے بیان کی ہے ابوخزامہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کچھ منتر دم کرتے ہیں اور دوا بھی کرتے ہیں۔اور دوسرے بچاؤ بھی اپنے لیے کرتے ہیں فرمائیے کہ کیا یہ فعل اللہ کی تقدیر کو کچھ لوٹا سکتا ہے۔ فرمایا کہ یہ بھی تو اللہ کی تقدیر ہی سے ہے۔(احمد ترمذی ابن ماجہ)

یعنی اللہ نے مقدر کر دیا ہے۔کہ فلاں شخص علاج کرے گا۔تو اس کو شفا حاصل ہوگی۔(تفسیر مظہری)

تقدیر معلق کا بیان ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو علم عطا فرما دیا ہوگا۔اس کے سبب سے انھوں نے اپنی قوم کو بتلایا۔کہ تم ایمان لائے تو جو اصلی عمر تمہارے لیے اللہ نے مقرر فرمائی ہے وہاں تک تمہیں مہلت ملے گی۔اور کسی عذاب دنیوی کے ذریعہ ہلاک نہ کیے جاؤ گے اور اگر ایمان نہ لائے تو اصلی عمر سے پہلے ہی خدا تعالیٰ کا عذاب تمہیں ہلاک کر دے گا۔اور آخرت کا عذاب اس صورت میں اس کے علاوہ ہوگا۔(معارف مفتی اعظم)

لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

اگر تم کو سمجھ ہے ☆

یعنی اگر تم کو سمجھ ہے تو یہ باتیں سمجھنے اور عمل کرنے کی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت نوحؑ کی عمر:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت نوح علیہ السلام چالیس سال کے عمر میں پیغمبر ہوئے۔ اور طوفان کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے مقاتل نے وقت بعثت سو سال کی عمر بتائی ہے۔ بعض نے پچاس برس اور بعض نے دو سو برس بھی کہا ہے حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ایک ہزار چار سو پچاس برس ہوئی تو یہ بات تو ناقابل شک ہے کہ ساڑھے نو سو سال تک آپ قوم کو نصیحت کرتے رہے۔

آپؑ کی تکالیف:

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ قوم والے حضرت نوح علیہ السلام کو اتنا مارتے تھے کہ اپنی دانست میں مردہ سمجھ کر نمدہ میں لپیٹ کر گھر میں ڈال آتے تھے۔ لیکن آپ دوسرے روز پھر باہر تشریف لا کر لوگوں کو اللہ کی طرف آنے کی دعوت دیتے تھے۔ محمد بن اسحاق نے عبید بن عمر لیثی کا قول نقل کیا ہے کہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کو پکڑ کر اتنا گلا گھونٹتے تھے کہ آپ بے ہوش ہو جاتے لیکن جب آپ کو ہوش آتا تو دعا کرتے کہ الٰہی میری قوم کو بخش دے یہ ناواقف ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ بار بار گناہوں میں منہمک رہے اور قوم کی طرف سے حضرت نوح علیہ السلام پر تکلیفیں شدید ترین ہونے لگیں تو آپ آئندہ نسل کے انتظار میں رہے۔ کہ (شاید ان کی نسل ہدایت یاب ہو جائے) مگر جو نسل آتی تھی وہ اگلوں سے زیادہ خبیث ہوتی تھی۔ سلف خلف سے کہہ مرتے تھے کہ یہ شخص دیوانہ ہے ہمارے باپ دادا کے ساتھ بھی رہا ہے اس طرح کوئی آپ کی بات نہ مانتا تھا۔ بالآخر حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ سے شکایت کی۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو چالیس سال کی عمر میں نبوت عطاء ہوئی اور قرآنی تصریح کے مطابق انکی عمر پچاس کم ایک ہزار سال ہوگی۔ اس پوری مدت دراز میں نہ کبھی اپنی کوشش کو چھوڑا نہ کبھی مایوس ہوئے۔ قوم کی طرف سے طرح طرح کی ایذائیں دی گئیں سب پر صبر کرتے رہے۔

بروایت ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ان کی قوم ان کو اتنا مارتی کہ وہ گر جاتے تو ان کو ایک کمبل میں لپیٹ کر مکان میں ڈال دیتے اور یہ سمجھتے تھے کہ مر گئے مگر جب اگلے روز ان کو ہوش آتا۔ تو ان کو اللہ کی طرف بلاتے اور تبلیغ کے عمل میں لگ جاتے۔ محمد بن اسحاق نے عبید بن عمر ولیثی سے روایت کیا ہے کہ ان کو یہ خبر پہنچی ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم ان کا گلا گھونٹ دیتی تھی جس سے وہ بے ہوش ہو جاتے۔ اور جب ہوش آتا تو یہ دعا کرتے رب اغفر لقومي انهم لا يعلمون۔ اے میرے پروردگار میری قوم کو معاف فرما دے۔ کیونکہ وہ نہیں جانتے انکی نسل کے ایمان لانے سے مایوسی ہوئی۔ تو یہ امید رکھتے تھے کہ انکی اولاد میں سے کوئی ایمان لے آئے گا۔ وہ نسل بھی گذر جاتی تو تیسری نسل سے بھی یہ توقع لگا کر اپنے فرض منصبی میں مشغول رہتے کیونکہ ان کی نسلوں کی عمریں اتنی طویل نہ تھیں جتنی حضرت نوح علیہ السلام کو بطور معجزہ عطاء ہوئی تھی۔ (معارف مفتی اعظم)

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا ﴿۵﴾

بولا اے رب میں بلاتا رہا اپنی قوم کو رات اور دن

فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْٓ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾

پھر میرے بُلانے سے اور زیادہ بھاگنے لگے ☆

قوم کی بے پرواہی کی دُعاء:

یعنی نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو برس تک انکو سمجھاتے رہے جب امید کی کوئی جھلک باقی نہ رہی تو مایوس اور تنگدل ہو کر بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ بارخدایا میں نے اپنی طرف سے دعوت و تبلیغ میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ رات کی تاریکی میں اور دن کے اجالے میں برابر ان کو تیری طرف بلاتا رہا۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ جوں جوں تیری طرف آنے کو کہا گیا یہ بدبخت اور زیادہ ادھر سے منہ پھیر کر بھاگے اور جس قدر میری طرف سے شفقت و دلسوزی کا اظہار ہوا ان کی جانب سے نفرت اور بیزاری بڑھتی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ

اور میں نے جب کبھی اُن کو بُلایا تا کہ تو اُن کو بخشے

جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ

ڈالنے لگے انگلیاں اپنے کانوں میں ☆

کیونکہ میری بات سننا ان کو گوارا نہیں۔ چاہتے ہیں کہ یہ آواز کان میں نہ پڑے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ

اور لپیٹنے لگے اپنے اُوپر کپڑے ☆

تا وہ میری اور میں ان کی صورت نہ دیکھوں۔ نیز انگلیاں اگر کسی وقت کانوں میں ڈھیلی پڑ جائیں تو کچھ کپڑوں کی روک رہے غرض کوئی بات کسی عنوان سے دل میں اترنے نہ پائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ﴿۷﴾

اور ضد کی اور غرور کیا بڑا غرور

یعنی کسی طرح اپنے طریقہ سے ہٹنا نہیں چاہتے اور ان کا غرور اجازت نہیں دیتا کہ میری بات کی طرف ذرا سا بھی کان دھریں۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝۸

پھر میں نے اُن کو بُلایا برملا ☆

یعنی ان کے مجمعوں میں خطاب کیا اور مجلسوں میں جا کر سمجھایا۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ

پھر میں نے ان کو کھول کر کہا

وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝۹

اور چھپ کر کہا چپکے سے ☆

یعنی مجمع کے سوا ان سے علیحدگی میں بات کی صاف کھول کر بھی اور اشاروں میں بھی، زور سے بھی اور آہستہ بھی غرض، نصیحت کا کوئی عنوان اور کوئی رنگ نہیں چھوڑا۔ (تفسیر عثمانی)

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝۱۰

تو میں نے کہا گناہ بخشواؤ اپنے رب سے بیشک وہ ہے بخشنے والا ☆

یعنی باوجود سینکڑوں برس سمجھانے کے اب بھی میری بات مان کر اپنے مالک کی طرف جھکو گے اور اس سے اپنی خطائیں معاف کراؤ گے تو وہ بڑا بخشنے والا ہے پچھلے سب قصور یک قلم معاف کر دیگا۔ (تفسیر عثمانی)

قحط کے ذریعہ تنبیہ:

بغوی نے لکھا ہے کہ قوم نوح جب حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب مدت دراز تک کرتی رہی تو اللہ نے بارش روک دی۔ اور چالیس برس تک پیدائش نسل بند کر دی۔ اسطرح ان کے مال اور چوپائے تباہ ہو گئے۔ اس وقت حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا۔ کفر و معصیت سے توبہ کر کے پچھلے گناہوں پر نادم ہو کر اپنے رب سے گناہوں کی مغفرت کے طلبگار رہو۔ کیونکہ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا وہ توبہ کرنے والوں کے گناہ بہت زیادہ معاف کر دینے والا ہے۔ (تفسیر مظہری)

بعض روایات میں ہے کہ حسن بصریؒ سے کسی نے قحط سالی کی شکایت کی تو آپ نے کہا کہ کثرت سے استغفار کرو۔ کسی نے آ کر اپنی تنگدستی کا شکوہ کیا تو فرمایا کہ استغفار کرو۔ ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا کہ میرے کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے جواب دیا کہ استغفار کرو کوئی اور آیا اور کہا کہ میرا کھیت خشک ہو رہا ہے اور پیداوار نہیں تو فرمایا کہ استغفار کرو۔ پھر ایک اور آیا اور اس نے عرض کیا کہ اے امام میرے کنوئیں کا پانی سوکھ چکا ہے۔ اس میں پانی نہیں تو فرمایا کہ استغفار کرو۔ بعض حاضرین کو بڑا ہی تعجب ہوا کہ اس مجلس میں مختلف لوگ مختلف حاجتیں لے کر آئے۔ اور حسن بصری نے سب کو ایک ہی جواب دیا اور ایک ہی علاج بتایا تو سوال کیا گیا۔ جواب میں فرمایا میں نے ان سب کو کوئی بات اپنی طرف سے نہیں بتائی۔ میں نے انکو وہی بتایا جو اللہ رب العزت نے اپنے کلام میں فرمایا ہے اور یہ آیت تلاوت فرمائی فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝ استغفار صرف زبان سے لفظ استغفر اللہ کہنے کا نام نہیں بلکہ اپنے گناہوں پر ندامت اور شرمندگی کے ساتھ اللہ سے معافی مانگنے کا نام ہے اس عہد اور دل کے پختہ ارادے کے ساتھ کہ میں پھر یہ گناہ نہیں کروں گا۔ ہر صبح و شام ''استغفرو اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم و اتوب الیہ،، پڑھنے کی بڑی ہی فضیلت احادیث میں آئی ہے۔ (معارف کاندھلوی)

يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝۱۱

چھوڑ دے گا آسمان کی تم پر دھاریں

وَّ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ

اور بڑھا دے گا تم کو مال اور بیٹوں سے اور بنا دے گا

لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝۱۲

تمہارے واسطے باغ اور بنا دے گا تمہارے لئے نہریں ☆

ایمان و استغفار کی برکت:

یعنی ایمان و استغفار کی برکت سے قحط و خشک سالی (جس میں وہ برسوں سے مبتلا تھے) دور ہو جائیگی اور اللہ تعالیٰ دھواں دھار برسنے والا بادل بھیج دیگا جس سے کھیت اور باغ خوب سیراب ہونگے۔ غلے، پھل، میوہ کی افراط ہوگی، مواشی وغیرہ فربہ ہو جائینگے دودھ گھی بڑھ جائیگا اور عورتیں جو کفر و معصیت کی شامت سے بانجھ ہو رہی ہیں اولاد ذکور جننے لگیں گی۔ غرض آخرت کے ساتھ دنیا کے عیش و بہار سے بھی وافر حصہ دیا جائیگا (تنبیہ) امام ابوحنیفہؒ نے اس آیت سے یہ نکالا ہے کہ استسقاء کی اصل حقیقت اور روح استغفار وانابت ہے اور نماز اس کی کامل ترین صورت ہے جو سنت صحیحہ سے ثابت ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

اگر نزول مصیبت ترقی اور درجات کا سبب ہو تو ایسی مصیبت استغفار سے دفع نہیں ہوتی جیسے حضرت ایوب علیہ السلام اور بعض دوسرے انبیاء علیہم السلام کی مصیبتیں تھیں۔

انبیاء کی آزمائش:

حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے کڑی مصیبت انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہے انبیاء علیہم السلام کے بعد ان لوگوں کی جو باقی لوگوں سے افضل ہوں...... پھر ان لوگوں کی جو بقیہ سے افضل ہوں آدمی کی آزمائش اس کے دین کے مرتبہ کے موافق ہوتی ہے۔ اگر وہ دین میں پختہ ہے تو اس کی آزمائش بھی کڑی ہوتی ہے اور اگر اس کے دین میں کمزوری ہے تو درجہ دینی کے موافق اس کی آزمائش ہوتی ہے۔ صرف عہد کرنے سے بلا نہیں ٹلتی جب تک گناہ کو چھوڑ نہ دے۔ اور گناہ سے پاک ہو کر زمین پر نہ چلنے لگے۔ (احمد، بخاری، ترمذی، ابن ماجہ)

بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں کسی ام المؤمنین کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں سب سے کڑی مصیبت والا نبی ہوتا ہے یا صفی یعنی ولی۔ حاکم نے مستدرک میں اور ابن ماجہ نے اور عبد الرزاق نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ وغیرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جتنے تم عطیہ ملنے پر خوش ہوتے ہو انبیاء علیہم السلام مصیبت پر اس سے زیادہ خوش ہوتے ہیں۔

یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ بارش نہ ہونا ایک عمومی مصیبت ہے جو عمومی گناہوں کی نحوست سے آتی ہے۔ معصیت عوام کے بغیر اس مصیبت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس صورت میں استغفار عمومی بارش کا سبب قرار پائے گا۔ استسقاء میں استغفار کی مشروعیت اسی وجہ سے ہے مطرفؒ نے شعبیؒ کا قول نقل کیا ہے۔ کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو لے کر دعاء بارش کے لیے شہر سے باہر نکلے لیکن صرف استغفار کرنے کے بعد لوٹ آئے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا (یعنی نماز نہیں پڑھی) عرض کیا کہ ہم نے سنا تھا کہ آپ بارش کی دعا کریں گے مگر آپ نے صرف استغفار پر ہی اکتفا کیا۔ فرمایا کہ میں نے بارش کی دعا ان سرچشموں یا راستوں سے کی جن سے آسمان سے بارش ہوتی ہے اس کے بعد آپ نے آیت تلاوت کی اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۞ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۞ تلاوت کی۔ (تفسیر مظہری)

اکثر علماء نے استدلال کیا ہے کہ گناہوں سے توبہ استغفار سے اللہ تعالیٰ بارش حسب موقع برسا دیتے ہیں۔ قحط نہیں پڑنے دیتے۔ اور مال و اولاد میں استغفار سے برکت ہوتی ہے۔ کہیں کسی حکمت الٰہیہ کے تقاضے سے اس کے خلاف بھی ہوتا ہے مگر عادۃ اللہ عالم کے لوگوں کے ساتھ یہی ہے کہ توبہ استغفار سے اور ترک معصیت سے دنیا کی بلائیں بھی ٹل جاتی ہیں۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۞
کیا ہوا ہے تم کو کیوں نہیں امید رکھتے اللہ سے بڑائی کی ☆

یعنی اللہ کی بڑائی سے امید رکھنا چاہیے کہ تم اس کی فرمانبرداری کرو گے تو تم کو بزرگی اور عزت و وقار عنایت فرمائے گا۔ یا یہ مطلب ہے کہ تم اللہ کی بڑائی کا اعتقاد کیوں نہیں رکھتے اور اس کی عظمت و جلال سے ڈرتے کیوں نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ۞
اور اسی نے بنایا تم کو طرح طرح سے ☆

یعنی ماں کے پیٹ میں تم نے طرح طرح کے رنگ بدلے۔ اور اصلی مادہ سے لیکر موت تک آدمی کتنی پلٹیاں کھاتا ہے اور کتنے اطوار و ادوار اور اتار چڑھاؤ ہیں جن میں کو گزرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تخلیق کے مراحل:

پہلے تم عنصری تخلیق میں تھے۔ پھر مرکب غذائی کی تخلیق میں آئے۔ پھر نطفہ پھر خون بستہ پھر لوتھڑا پھر ہڈیاں اور گوشت بنا۔ پھر ایک جدید تخلیق کی یعنی روح پھونک کر انسان بنایا۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ. پھر تم کو موت آئے گی۔ پھر اللہ تم کو قبر (عالم برزخ) میں لے جائے گا۔ پھر لوٹا کر دوبارہ زندہ کرے گا۔ پھر فرمانبردار کو ثواب دے کر اس کی حوصلہ افزائی کرے گا۔ اور نافرمان کو سزا دے گا۔ یہ اللہ کی وہ تخلیقی نشانیاں تھیں۔ جو ہر شخص کی شخصیت سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کے بعد آفاقی نشانیاں بیان کیں۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ
کیا تم نے نہیں دیکھا کیسے بنائے اللہ نے
سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۞
سات آسمان تہ پر تہ ☆

یعنی ایک کے اوپر ایک۔ (تفسیر عثمانی)

وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا
اور رکھا چاند کو اُن میں اُجالا
وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۞
اور رکھا سورج کو چراغ جلتا ہوا ☆

چاند اور سورج کی روشنی:

سورج کا نور تیز اور گرم ہوتا ہے جس کے آتے ہی رات کی تاریکی کافور ہو جاتی ہے۔ شاید اس لیے اس کو جلتے چراغ سے تشبیہ دی۔ اور چاند کے نور کو اسی چراغ کی روشنی کا پھیلاؤ سمجھنا چاہیے جو جرم قمر کے توسط سے ٹھنڈی اور دھیمی ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی دنیا والے آسمان میں اللہ نے چاند پیدا کیا جیسے روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی نجار کے گھروں میں سب سے اول مدینہ میں رونق افروز ہونے کے وقت اترے تھے۔ یعنی بنی نجار کے مکانوں میں سے کسی ایک مکان میں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چاند سورج کے رخ آسمانوں کی طرف ہیں۔ اور ان کا نور آسمانوں میں ہی ہے لیکن ان کی انعکاسی کرنیں زمین کی طرف آتی ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کا قول منقول ہے۔

وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا۔ یعنی سورج کو چراغ کی طرح بنایا جس طرح چراغ کی روشنی سے ماحول کی تاریکی جاتی رہتی ہے۔ اسی طرح سورج کی روشنی سے سامنے کا اندھیرا دور ہو جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾

اور اللہ نے اُگایا تم کو زمین سے جما کر ☆

انسان کا خمیر: یعنی زمین سے خوب اچھی طرح جماؤ کے ساتھ پیدا کیا اول ہمارے باپ آدم مٹی سے پیدا ہوئے پھر نطفہ جس سے بنی آدم پیدا ہوتے ہیں غذا کا خلاصہ ہے جو مٹی سے نکلتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مِنَ الْاَرْضِ زمین سے پیدا کیا یعنی آدم کو مٹی سے بنایا یا یہ کہ تم کو نطفہ سے پیدا کیا۔ اور نطفہ کو غذا سے اور غذا زمین سے پیدا ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾

پھر کر ڈالے گا تم کو اُس میں اور نکالے گا تم کو باہر ☆

یعنی مرے پیچھے مٹی میں مل جاتے ہیں پھر قیامت کے دن اسی سے نکالے جائینگے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا۔ اور پھر تم کو قبروں سے نکالیگا یعنی تمہارا یقینی حشر کرے گا اِخْرَاجًا فرمایا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ تخلیق اول کی طرح حشر بھی یقینی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾

اور اللہ نے بنا دیا تمہارے لئے زمین کو بچھونا

لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾

تاکہ چلو اس میں کشادہ رستے ☆

زمین کا فرش:

یعنی اس پر لیٹو، بیٹھو، چلو، پھرو ہر طرف کشادہ راستے نکال دیئے ہیں۔ ایک شخص چاہے اور وسائل ہوں تو ساری زمین کے گرد گھوم سکتا ہے راستہ کی کوئی رکاوٹ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ

کہا نوح نے اے رب میرے انہوں نے میرا کہا نہ مانا اور مانا ایسے کا

لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾

جس کو اُس کے مال اور اولاد سے اور زیادہ ہو ٹوٹا ☆

مالداروں کا کردار: یعنی اپنے رئیسوں اور مالداروں کا کہا مانا جن کے مال واولاد میں کچھ خوبی اور بہتری نہیں بلکہ وہ ان پر ٹوٹا ہے ان ہی کے سبب دین سے محروم رہے اور غایت تمرد و تجبر سے اوروں کو بھی محروم رکھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾

اور داؤ کیا ہے بڑا داؤ ☆

یعنی سب کو سمجھا دیا کہ اس کی بات نہ مانو اور طرح طرح کی ایذاء رسانی کے درپے رہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ

اور بولے ہرگز نہ چھوڑیو اپنے معبودوں کو ☆

یعنی اپنے معبودوں کی حمایت پر جمے رہنا' نوح کے بہکائے میں نہ آنا کہتے ہیں کہ سینکڑوں برس تک ہر ایک اپنی اولاد اور اولاد در اولاد کو وصیت کر جاتا تھا کہ کوئی اس بڈھے "نوح" کے قریب نہ آئے اور اپنے آبائی دین سے قدم نہ ہٹائے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے محمد بن کعب رضی اللہ عنہ کا قول لکھا ہے کہ یہ تمام نام ان نیک لوگوں کے تھے کہ جو حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان گذرے تھے۔ جب وہ مر گئے تو انکی اتباع میں ان کے ساتھی ویسے ہی عبادت میں مشغول رہے جیسے پہلے تھے مگر ان کو عبادت کا ذریعہ بنا لیا پھر شیطان نے ان کو بہکایا اور ترغیب دی کہ ان کی مورتیاں بنا لیں مورتیوں کے سامنے ہونے سے عبادت میں چستی پیدا ہوگی۔ اور شوق بڑھے گا، انہوں نے شیطانی اغواء کو مان لیا اور مورتیاں بنا لیں پھر ان کے بعد دوسری نسل آئی تو شیطان نے ان سے کہا کہ تمہارے باپ دادا ان مورتیوں کی پوجا کرتے تھے تم بھی کرو۔ وہ بہکاوے میں آ گئے مورتی پوجا کا آغاز اسی طرح ہو گیا پھر ان مورتیوں ہی کے مذکورہ بالا نام رکھ لیے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ

اور نہ چھوڑیو وَدّ کو اور نہ سواع کو

وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾

اور نہ یغوث کو اور یعوق اور نسر کو ☆

بت پرستی کی ایجاد: یہاں ان کے بتوں کے نام ہیں ہر مطلب کا ایک الگ بت

بنا رکھا تھا۔ وہ ہی بت پھر عرب میں آئے۔ اور ہندوستان میں بھی۔ اسی قسم کے بت بشنو' برہما' اندر' شیو اور ہنومان وغیرہ کے ناموں سے مشہور ہیں اس کی مفصل تحقیق حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ نے تفسیر عزیزی میں کی۔ بعض روایات میں ہے کہ پہلے زمانہ میں کچھ بزرگ لوگ تھے ان کی وفات کے بعد شیطان کے اغواء سے قوم نے ان کی تصویریں بطور یادگار بنا کر کھڑی کر لیں پھر ان کی تعظیم ہونے لگی شدہ شدہ پرستش کرنے لگے۔ (العیاذ باللہ)۔ (تفسیر عثمانی)

علامہ عبدالشکور سالمی نے اپنی کتاب التمہید میں بیان کیا ہے کہ شرک اور کفر کی ابتداء حضرت اخنوع علیہ السلام جن کو ادریس علیہ السلام بھی کہا جاتا ہے کے زمانہ میں ہوئی اس سے قبل کل دنیا دین واحد اور توحید پر قائم تھی جزوی طور پر معصیت اور نافرمانی کا ارتکاب تو آدم کے بیٹے قابیل نے ہی کیا تھا۔ کہ ہابیل کو قتل کیا لیکن یہ نوعیت کفر وشرک کی نہ تھی بلکہ ارتکاب معصیت اور نافرمانی کی تھی۔ شرک کا آغاز حضرت ادریس یا اخنوع کے بعد سے حضرت نوح علیہ السلام تک کے زمانہ میں ہوا حضرت نوح علیہ السلام اس وقت مبعوث ہوئے جبکہ دنیا شرک میں مبتلا ہو چکی تھی۔ اسی کے باعث حضرت نوح علیہ السلام کو پہلا رسول کہا گیا ہے کہ شرک کا مقابلہ کرنے کے لیے دنیا میں پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام مبعوث فرمائے گئے۔ (معارف کاندھلوی)

وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ
اور بہکا دیا بہتوں کو
وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾
اور تو نہ زیادہ کرنا بے انصافوں کو مگر بھٹکنا ☆

نوحؑ نے یہ بددعاء کب کی:

حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں "یعنی (بھٹکتے رہیں) کوئی تدبیر (سیدھی) نہ بن پڑے" اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں کہ "استدراج کے طور پر بھی ان کو اپنی معرفت سے آشنا نہ کر" اور عامۂ مفسرین نے ظاہری معنے لیے ہیں۔ یعنی اے اللہ ان ظالموں کی گمراہی کو اور بڑھا دیجئے تا جلد شقاوت کا پیمانہ لبریز ہو کر عذاب الٰہی کے مورد بنیں۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ بددعا ان کی ہدایت سے بکلی مایوس ہو کر کی۔ خواہ مایوسی ہزار سالہ تجربہ کی بنا پر ہو یا حق تعالیٰ کا یہ ارشاد سن چکے ہونگے "اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ" (ھود۔ رکوع ۴) بہرحال ایسی مایوسی کی حالت میں تنگدل اور غضبناک ہو کر یہ دعا کرنا کچھ مستبعد نہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص یا جماعت کے راہ راست پر آنے کی طرف سے قطعاً مایوسی ہو جائے اور نبی ان کی استعداد کو پوری طرح جانچ کر سمجھ لے کہ خیر کے نفوذ کی ان میں مطلق گنجائش نہیں بلکہ ان کا وجود ایک عضو فاسد کی طرح ہے جو یقیناً باقی جسم کو بھی فاسد اور مسموم کر ڈالے گا۔ تو اس وقت ان کے کاٹ ڈالنے اور صفحۂ ہستی سے محو کر دینے کے سوا دوسرا کیا علاج ہے۔ اگر قتال کا حکم ہو تو قتال کے ذریعہ سے ان کو فنا کیا جائے یا قوت توڑ کر ان کے اثر بد کو متعدی نہ ہونے دیا جائے۔ ورنہ آخری صورت یہ ہے کہ اللہ سے دعا کی جائے کہ وہ ان کے وجود سے دنیا کو پاک کر دے اور ان کے زہریلے جراثیم سے دوسروں کو محفوظ رکھے کما قال "اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ" الخ بہرحال نوحؑ کی دعاء اور اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کی دعاء جو سورہ "یونس" میں گزری اسی قبیل سے تھی۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قوم نوح کے نیک لوگوں کے یہ اسماء تھے جب وہ مر گئے تو شیطان نے ان کی قوم سے یہ کہا کہ جس جگہ وہ لوگ بیٹھتے تھے وہاں ان کے بت نصب کر دو۔ اور وہی بتوں کے نام رکھ دو جوان کے تھے لوگوں نے ایسا ہی کیا مگر کسی نے ان بتوں کی پوجا نہیں کی جب یہ طبقہ مر گیا تو بعد والوں نے ان کو معبود بنا لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ طوفان میں یہ مورتیاں ڈوب گئیں تھیں۔ اور مٹی کے اندر دب گئیں تھیں مدت تک دفن رہیں آخر مکہ کے مشرکوں کے لیے شیطان نے ان کو برآمد کیا۔ یہ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جو بت قوم نوح کے معبود تھے وہ آخر میں عرب میں آ گئے۔ دومۃ الجندل میں ود کی پرستش بنی کلب کرتے تھے۔ سواع بنی ہذیل کا بت تھا۔ یغوث اول بنی مرہ کا بت تھا۔ پھر مقام جرف میں بنی غطیف کا معبود ہو گیا۔ اور سبا (واقع یمن) میں پہنچ گیا۔ یعوق بنی ہمدان کا بت تھا۔ اور نسر حمیر کے قبیلہ میں خاندان ذی الکلاع کا۔ (تفسیر مظہری)

مِمَّا خَطِيْٓئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ
کچھ وہ اپنے گناہوں سے دبائے گئے پھر ڈالے گئے آگ میں ☆

یعنی طوفان آیا اور بظاہر پانی میں ڈبائے گئے لیکن فی الحقیقت برزخ کی آگ میں پہنچ گئے۔ (تفسیر عثمانی)

عذاب قبر کا ثبوت: بے انتہا احادیث سے عذاب قبر کا ثبوت ملتا ہے اور اجماع سلف صالحین بھی اسی پر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ کو قبر میں رکھ کر اس کے ساتھی لوٹ جاتے ہیں اور وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہوتا ہے تو دو فرشتے آ کر اس کو بٹھاتے ہیں اور ایک فرشتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھتا ہے تو اس شخص کے متعلق کیا کہتا ہے اگر مردہ مومن ہے تو جواب دیتا ہے میں شہادت دیتا تھا کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اس وقت مردے سے کہا جاتا ہے کہ اپنے آگے والے ٹھکانے کو دیکھ کہ اللہ نے اس کے عوض تجھ کو جنت میں جگہ دے دی۔ بندہ دونوں مقامات کو دیکھتا ہے۔ لیکن اگر مردہ منافق یا کافر ہے تو اس سے وہی سوال کیا جاتا ہے اور وہ جواب میں کہتا ہے کہ مجھے کچھ معلوم نہیں جو بات لوگ کہتے تھے میں بھی کہہ دیتا تھا۔ اس

جواب پر اس سے کہا جاتا ہے کہ تو جانتا بھی نہ تھا اور تو نے پڑھا بھی نہ تھا۔ پھر اس کو لوہے کے ہتھوڑوں سے ایسا مارا جاتا ہے کہ جن وانس کے علاوہ برابر والے (جانور وغیرہ) اس کی چیخیں سنتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے نہیں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نماز پڑھی ہو اور عذاب قبر سے پناہ نہ مانگی ہو۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اتنا روتے کہ آپ کی ڈاڑھی تر ہو جاتی کسی نے پوچھا حضرت آپ جنت دوزخ کے ذکر کے وقت تو روتے نہیں اور اس پر روتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے اگر اس سے نجات پالی تو بعد والی منزلیں اس سے آسان ہیں اور اس سے نجات نہ ملی تو بعد کی منزلیں اس سے سخت ہوں گی۔ (ترمذی و ابن ماجہ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبر کے اندر کافر پر ننانوے سانپ مسلط کر دیئے جاتے ہیں جو قیامت بپا ہونے تک اس کو ڈستے اور کاٹتے رہیں گے۔ اگر ایک سانپ زمین پر پھونک مار دے تو سبزہ پیدا نہ ہو۔ (دارمی و ترمذی)

ترمذی میں ننانوے کے جگہ ستر ہے۔ آیت مذکورہ میں ناراً کی تنوین عظمت نار کو ظاہر کر رہی ہے یا تنکیر کے لیے ہے۔ یعنی جس آگ میں قوم نوح کو داخل کر لیا گیا۔ وہ دوزخ کی آگ سے غیر تھی۔ (تفسیر مظہری)

احادیث صحیحہ متواترہ میں قبر کے اندر عذاب و ثواب ہونیکا بیان اس کثرت و وضاحت سے آیا ہے کہ انکار نہیں کیا جا سکتا اس لیے اس پر امت کا اجماع اور اس کا اقرار اہل سنت والجماعت کی علامت ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾

پھر نہ پائے اپنے واسطے انہوں نے اللہ کے سوائے کوئی مددگار ☆

یعنی وہ بت (وَدٌ، سواعٌ، یغوث وغیرہ) اس آڑے وقت میں کچھ بھی مدد نہ کر سکے یونہی کس مپرسی کی حالت میں مر کھپ گئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ

اور کہا نوح نے اے رب نہ چھوڑیو زمین

مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ

پر منکروں کا ایک گھر بسنے والا مقرر اگر تو چھوڑ دے گا اُن کو

يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾

بہکائیں گے تیرے بندوں کو اور جو جنیں گے سو ڈھیٹھ حق کا منکر ☆

ان میں کوئی چھوڑنے کے لائق نہیں: یعنی ایک کافر کو زندہ نہ چھوڑیئے، ان میں کوئی اس لائق نہیں کہ باقی رکھا جائے، جو کوئی رہیگا میرا تجربہ یہ کہتا ہے کہ اس کے نطفہ سے بھی بے حیا ڈھیٹ منکر حق اور ناشکرے پیدا ہونگے اور جب تک ان میں سے کوئی موجود رہیگا خود تو راہ راست پر کیا آتا دوسرے ایمانداروں کو بھی گمراہ کریگا۔ (تفسیر عثمانی)

قابل رحم عورت:

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر طوفان نوح میں خداوند تعالیٰ کسی پر رحم کرتا تو اس کے لائق وہ عورت تھی جو پانی کو ابلتے اور برستے دیکھ کر اپنے بچے کو لے کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور پہاڑ پر چڑھ گئی تھی۔ جب پانی وہاں پر بھی جا چڑھا تو بچہ کو اٹھا کر اپنے مونڈھے پر بٹھا لیا جب پانی وہاں بھی پہنچ گیا تو اس کو سر پر بٹھا لیا جب پانی سر تک جا چڑھا تو اپنے بچے کو ہاتھوں میں لے کر سر سے بلند اٹھا لیا لیکن آخر پانی وہاں تک پہنچ گیا اور ماں بیٹا ڈوب گئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

قوم نوح نے جب پیغمبروں کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو غرق کر دیا۔ اور ظاہر ہے کہ بچہ تکذیب نہیں کر سکتا (اور اگر بچہ کسی کی تکذیب کرے بھی تو نا قابل عذاب ہے) اسی سے استدلال کیا جاتا ہے کہ طوفان ساری زمین پر نہیں آیا تھا۔ بلکہ صرف قوم نوح کی زمین پر آیا تھا۔ کیونکہ مختلف ممالک کے رہنے والوں کا تو کوئی قصور نہ تھا۔ اور نزول عذاب بغیر تکذیب کے ممکن نہیں۔ (تفسیر مظہری)

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ

اے رب معاف کر مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو آئے میرے

بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

گھر میں ایماندار اور سب ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو ☆

وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾

اور گنہگاروں پر بڑھتا رکھ یہی برباد ہونا

والدین اور مومنین کیلئے استغفار:

یعنی میرے مرتبہ کے موافق مجھ سے جو تقصیر ہوئی ہو اپنے فضل سے معاف کیجئے اور میرے والدین اور جو میری کشتی یا میرے گھر یا میری مسجد میں مومن ہو کر آئے ان سب کی خطاؤں سے درگزر فرمایئے۔ بلکہ قیامت تک جس قدر مرد اور عورتیں مومن ہوں سب کی مغفرت کیجئے اے اللہ! نوحؑ کی دعا کی برکت سے اس بندہ عاصی و خاطی کو بھی اپنی رحمت و کرم سے مغفور کر کے بدون تعذیب دنیوی اور اخروی اپنی رضا و کرامت کے محل میں پہنچایئے۔ "انک سمیع قریب مجیب الدعوات" تم سورۃ نوح وللہ الحمد والمنۃ۔ (تفسیر عثمانی)

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مومن ہی کے ساتھ اٹھ بیٹھ، رہ سہہ اور صرف پرہیزگار ہی تیرا کھانا کھائیں یہ حدیث ابو دؤد اور ترمذی میں بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سورۃ الجن

اس کوخواب میں پڑھنے والا جنات سے محفوظ رہے گا ۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورہ جن مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ

تو کہہ مجھ کو حکم آیا کہ سن گئے کتنے لوگ جنوں کے

جنوں کا وجود:

جنوں کے وجود اور حقیقت پر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے سورہ ہذا کی تفسیر میں نہایت مبسوط و مفصل بحث کی ہے اور عربی میں "آکام المرجان فی احکام الجان" اس موضوع پر نہایت جامع کتاب ہے جس کو شوق ہو مطالعہ کرے یہاں گنجائش نہیں کہ اس قسم کے مباحث درج کیے جائیں ۔ (تفسیر عثمانی)

روایت میں آیا ہے کہ نصیبین کے نوجن تھے یا سات تھے، جن دوسرے حیوانوں کی طرح جسم بھی رکھتے ہیں اور جان بھی، ان کو انسانوں کی طرح عقل بھی حاصل ہے مگر انسانوں کی نظر سے چھپے ہوئے ہیں ۔ اسی لئے ان کو جن کہا جاتا ہے (جنٌّ چھپانا جِنٌّ پوشیدہ) جن کو آگ سے بنایا گیا ہے ۔ جیسے آدم کو مٹی سے ۔ آیت میں آیا ہے وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ

جنات میں توالد و تناسل ہوتا ہے ان میں نر بھی ہوتے ہیں اور مادہ بھی ۔ ظاہر یہ ہے کہ شیاطین جنات ہی کی ایک قسم ہے، ملائکہ مذکر و مونث (نر مادہ) نہیں ہوتے جنات شیاطین اور ملائکہ کا وجود شرعاً ثابت ہے ۔ فلسفی کسی کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے ۔ (یونانی) فلاسفہ جن دس عقول کے قائل ہیں وہ اسلامی ملائکہ نہیں ہیں کیونکہ فلاسفہ کی نظر میں عقول عشرہ غیر جسمانی ہیں اور اسلام جن ملائکہ کا قائل ہے ان کے جسم بھی ہیں اور روحیں بھی ۔

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوں کو دیکھا تھا:

آیت کی رفتار سے بطور اقتضاء ثابت ہو رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو نہیں دیکھا تھا کسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرأت قرآن کر رہے تھے ۔ اتفاقاً جنات بھی آ گئے اور انہوں نے قراءت سن لی، اس واقعہ کی اطلاع وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی اور قصہ بیان کر دیا ۔ بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کے سامنے نہ قرآن پڑھا نہ ان کو دیکھا (بلکہ واقعہ یہ ہوا کہ) بازار عکاظ کو جانے کے ارادہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (مکہ سے) چلے تھے اس وقت شیطانوں سے آسمان کی خبریں روک دی گئیں تھیں اور (خبر لینے کے لئے آسمان کی طرف چڑھنے والے) شیطانوں کو انگاروں سے مارا جاتا تھا ۔ جنات نے (آپس میں) کہا اس کی کوئی خاص وجہ تو ضرور ہے (کوئی نئی بات ضرور پیدا ہوئی ہے) مشرق و مغرب میں جا کر دیکھو نئی بات کیا پیدا ہوئی ہے یہ طے کر کے جنات تلاش کے لئے چل دیئے اور ایک گروہ تہامہ کی طرف آ گیا یہی گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی مڑ گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نخلہ میں ساتھیوں کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے ۔ جنات نے قرآن سنا تو متوجہ ہو کر سننے لگے اور بولے بخدا یہی تمہارے اور آسمانی خبروں کے درمیان رکاوٹ پیدا ہوئی ہے چنانچہ واپس جا کر اپنی قوم سے انہوں نے کہا، قوم والو ہم نے عجیب قرآن سنا ۔ الخ

جنات کو باقاعدہ دعوت:

ایک گروہ (علماء) کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ جنات کو اسلام کی دعوت دیں اور اللہ کے عذاب سے ڈرائیں اور ان کو قرآن سنائیں چنانچہ نینوا سے جنات کی ایک جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجی گئی جب وہ جمع ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں سے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ آج رات کو جنات کو قرآن سناؤں تم میں سے کون میرے ساتھ چلے گا سب نے سن کر سر جھکا لیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ساتھ لیجانے کی خواہش کی تو عبداللہ بن مسعود ساتھ ہو لیے ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان:

حضرت عبداللہ کا بیان ہے کہ میرے سوا کوئی ساتھ نہیں گیا ہم چل دیئے بالائے مکہ میں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھاٹی میں داخل ہو گئے جس کا نام شعب الحجون تھا اور میرے گرد اگرد ایک لکیر (حصار) کھینچ کر حکم دیا کہ اس کے اندر بیٹھے رہنا جب تک میں نہ بلاؤں باہر نہ نکلنا یہ حکم دے کر چل دیے اور کھڑے ہو کر قرآن پڑھنا شروع کر دیا میں نے دیکھا کہ گدھوں کی طرح کچھ (جانور) تیزی کے ساتھ اترتے آ رہے ہیں اسی کے ساتھ مجھے سخت شور و غل بھی سنائی دیا مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فکر ہوئی پھر کثرت پر چھائیاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس چھا گئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میری آڑ ہو گئی آپ کی آواز بھی مجھے سنائی نہ دیتی تھی کچھ دیر بعد بادل کے ٹکڑوں کی طرح ٹکڑیاں بنا کر جانا شروع ہو گئے اور فجر

کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہو کر میرے پاس تشریف لے آئے اور فرمایا کیا تم سو گئے میں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی قسم (میں نہیں سویا) کئی بار میرا ارادہ ہوا کہ لوگوں کو مدد کے لیے پکاروں مگر لاٹھی کھٹکھٹا کر میں نے آپ کو یہ فرماتے سنا بیٹھ جاؤ (تو مجھے کچھ اطمینان ہوا) فرمایا اگر تم حصار سے باہر نکل آتے تو ڈر تھا کہ ان میں سے کوئی تم پر جھپٹا مار دیتا۔

پھر فرمایا تم نے کچھ دیکھا میں نے عرض کیا جی ہاں کچھ کالے رنگ کے آدمی سفید پوش دیکھے تھے فرمایا کہ وہ نصیبین کے جنات تھے مجھ سے کھانے کی چیزیں مانگ رہے تھے میں نے انکے لیے موٹی ہڈیاں اور گوبر اور مینگنیاں مقرر کر دیں انہوں نے کہا کہ ان کو تو آدمی گندہ کر دیتے ہیں چنانچہ حضور نے ہڈی اور گوبر سے استنجا کرنے کی ممانعت فرمادی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکو اس سے کیا ملے گا فرمایا کھانے کے وقت ان کو ہر ہڈی پر گوشت اور ہر گوبر میں وہ دانے ملیں گے جن کو کھا کر گوبر بنتا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے سخت شور گل سنائی دیا فرمایا ایک جن کو قتل کر دیا گیا تھا اس کے قتل کے سلسلہ میں ان کے باہم جھگڑا تھا ایک دوسرے کو قاتل قرار دے رہا تھا انہوں نے مجھ سے فیصلہ کی اپیل کی میں نے انکا صحیح فیصلہ کر دیا اس کے بعد قضاء حاجت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور کچھ دیر بعد آ کر فرمایا کہ کیا تمہارے ساتھ پانی ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ لوٹا تو ہے لیکن اس میں کچھ آب کھجور ہے حضور نے اس کو طلب فرما لیا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر آب کھجور ڈالا آپ نے وضو کیا اور فرمایا کھجوریں پاکیزہ اور پانی بالکل پاک۔ (تفسیر مظہری)

جنات کی حقیقت:

جنات مخلوقات الٰہیہ میں ایک ایسی مخلوق کا نام ہے جو ذی اجسام بھی ہے اور ذی روح بھی۔ اور انسان کی طرح عقل وشعور والے بھی مگر لوگوں کی نظروں سے مخفی ہیں اس لیے ان کا نام جن رکھا گیا جن کے لفظی معنی مخفی کے ہیں ان کی تخلیق غالب مادہ آگ ہے جیسے انسان کی تخلیق کا غالب مادہ مٹی ہے اس نوع میں بھی انسان کی طرح نر و مادہ یعنی مرد و عورت ہے اور انسان ہی کی طرح ان میں توالد و تناسل کا سلسلہ بھی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ قرآن میں جن کو شیاطین کہا گیا ہے وہ بھی جنات ہی میں سے شریر لوگوں کا نام ہے جنات اور فرشتوں کا وجود قرآن و سنت کی قطعی دلالت سے ثابت ہے جس کا انکار کفر ہے۔ (تفسیر مظہری)

صحیح بخاری، مسلم اور ترمذی وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ (اس واقعہ میں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو قرآن بالقصد سنایا نہیں بلکہ انکو دیکھا بھی نہیں بلکہ واقعہ یہ پیش آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بازار عکاظ کی طرف جا رہے تھے ان کا جو وفد تہامہ حجاز کی طرف بھی جاتا تھا وہ مقام نخلہ پر پہنچے تو وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیساتھ صبح کی نماز جماعت سے ادا کر رہے تھے۔

جنات کے اس وفد نے جب قرآن سنا تو قسمیں کھا کر آپس میں کہنے لگے واللہ یہی کلام ہے جو ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان حائل اور مانع بنا ہے یہ لوگ یہاں سے لوٹے اور جا کر اپنی قوم سے یہ قصہ بیان کیا جس کا ذکر ان آیات میں ہے اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا الآیۃ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کی خبر اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان آیات میں دے دی۔

سفر طائف:

محمد بن اسحٰق کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف پہنچے تو قبیلہ ثقیف کے تین بھائیوں کے پاس گئے جو قبیلہ کے سردار اور شریف سمجھے جاتے تھے، یہ تین بھائی عمیر کے بیٹے عبدیالیل اور مسعود اور حبیب تھے، ان کے گھر میں ایک عورت قریش کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور اپنی قوم کے مظالم کا ذکر کر کے ان سے معاونت کیلئے فرمایا۔ مگر ان تینوں نے بڑا سخت جواب دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور کچھ کلام نہیں کیا۔

سرداروں کو دعوت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ قبیلہ بنو ثقیف کے یہی تین آدمی ایسے شریف سمجھے جاتے تھے جن سے کسی معقول جواب کی امید تھی ان سے بھی مایوسی ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اچھا اگر آپ لوگ میری مدد نہیں کرتے تو کم از کم میرے آنے کو میری قوم پر ظاہر نہ کرنا مقصد یہ تھا کہ انکو خبر ملے گی اور وہ زیادہ ستاویں گے۔

ردعمل: مگر ان ظالموں نے یہ بات نہ مانی بلکہ اپنے قبیلہ کے بیوقوف لوگوں کو اور غلاموں کو آپ کے پیچھے لگا دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں اور شور مچائیں ان کے شور وشغب سے بہت سے اور شریر جمع ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے شر سے بچنے کے لیے ایک باغ میں جو عتبہ اور شیبہ دو بھائیوں کا باغ تھا پناہ لی اور یہ دونوں بھی اس باغ میں موجود تھے اس وقت یہ شریر لوگ آپ کو چھوڑ کر واپس ہوئے اور آپ انگوروں کے باغ کے سائے میں بیٹھ گئے یہ دونوں بھائی آپ کو دیکھ رہے تھے اور یہ بھی دیکھا کہ انکی قوم کے بیوقوفوں کے ہاتھوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا تکلیف اور اذیت پیش آئی اسی درمیان وہ قریشی عورت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی جو ان ظالموں کے گھر میں تھی آپ نے اس سے شکایت کی کہ تمہاری سسرال کے لوگوں نے ہمارے ساتھ کیا معاملہ کیا۔

دعاء نبوی:

جب اس باغ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان حاصل ہوا تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں دعا مانگنی شروع کی اس دعا کے الفاظ بھی عجیب وغریب ہیں اور کسی موقع پر آپ سے ایسے الفاظِ دعا منقول نہیں ہیں وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَشْكُوْٓ اِلَیْكَ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّةَ حِیْلَتِیْ وَهَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ وَاَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ فَاَنْتَ رَبِّیْ اِلٰی مَنْ تَكِلُنِیْ اِلٰی بَعِیْدٍ یَّتَجَهَّمُنِیْ اَوْاِلٰی عَدُوٍّمَّلَّكْتَهٗ اَمْرِیْ اِنْ لَّمْ تَكُنْ سَاخِطًا عَلَیَّ فَلَا اُبَالِیْ وَلٰكِنْ عَافِیَتُكَ هِیَ اَوْ سَعُ لِیْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَیْهِ اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ مِنْ اَنْ تُنْزِلَ لِیْ غَضَبَكَ لَكَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ۔ (مظہری باختصار) (معارف مفتی اعظم)

ترجمہ: یا اللہ میں آپ سے شکایت کرتا ہوں اپنی قوت اور ضعف کی اور کمی کی اور اپنی تدبیر کی ناکامی کی اور لوگوں کی نظروں میں اپنی خفت و بے توقیری کی اور آپ تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔ اور آپ کمزوروں کی پرورش فرمانے والے ہیں۔ آپ ہی میرے رب ہیں آپ مجھے کس کے سپرد کرتے ہیں کیا ایک غیر آدمی کے جو مجھ پر حملہ کرے یا کسی دشمن کے جس کو آپ نے میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے کہ جو چاہے کرے اگر آپ مجھ سے ناراض نہ ہوں تو مجھے ان سب چیزوں کی بھی پرواہ نہیں لیکن آپ کی عافیت میرے لیے زیادہ بہتر ہے (اس کو طلب کرتا ہوں) میں آپکی ذات مبارک کے نور کی پناہ لیتا ہوں جس سے تمام اندھیریاں روشن ہو جاتی ہیں اور اس کی بنا پر دنیا و آخرت کے سب کام درست ہو جاتے ہیں اس بات سے کہ مجھ پر اپنا غضب نازل فرمائیں ہمارا کام ہی یہ ہے کہ آپ کو راضی کرنے اور منانے میں لگے رہیں جب تک کہ آپ راضی نہ ہو جائیں اور ہم تو کسی برائی سے بچ سکتے نہ کسی بھلائی کو حاصل کر سکتے ہیں بجز آپ کی مدد کے۔

عداس غلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پاؤں چوم لئے:

جب ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ نے یہ حال دیکھا تو ان کے دل میں رحم آیا اور اپنے ایک نصرانی غلام عداس نامی کو بلا کر کہا کہ انگور کا ایک خوشہ لو اور ایک طبق میں رکھ کر اس شخص کے پاس لے جاؤ اور ان سے کہو یہ کھائیں عداس نے ایسا ہی کیا اس نے جا کر انگور کا یہ طبق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ کر اس کی طرف ہاتھ بڑھایا عداس یہ دیکھ کر کہنے لگا یہ کلام یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم تو اس شہر کے لوگ نہیں بولتے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا عداس تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا کیا مذہب ہے اس نے کہا میں نصرانی ہوں ااور نینوا کا رہنے والا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اللہ کے نیک بندے یونس بن متی علیہ السلام کی بستی کے رہنے والے ہو اس نے کہا کہ آپ کو یونس بن متی کی کیا خبر رسول اللہ نے فرمایا کہ وہ میرے بھائی ہیں کیونکہ وہ بھی اللہ کے نبی تھے میں بھی اللہ کا نبی ہوں۔

یہ سن کر عداس آپ کے قدموں پر گر پڑا اور آپ کے سر مبارک اور ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا عتبہ اور شیبہ یہ ماجرا دیکھ رہے تھے ایک نے دوسرے سے کہا کہ اس نے تو ہمارے غلام کو خراب کر دیا جب عداس لوٹ کر ان کے پاس گیا تو انہوں نے کہا عداس تجھے کیا ہوا کہ اس شخص کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دینے لگا اس نے کہا میرے سردارو! اس وقت زمین پر ان سے بہتر کوئی آدمی نہیں اس نے مجھے ایک ایسی بات بتلائی جو نبی کے سوا کوئی نہیں بتلا سکتا انہوں نے کہا کمبخت ایسا نہ ہو کہ یہ آدمی تجھے تیرے مذہب سے پھیر دے کیونکہ تیرا دین بہرحال اس کے دین سے بہتر ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے مکہ مکرمہ کی طرف لوٹ گئے جب ثقیف کی ہر خیر سے مایوس ہو گئے۔ واپسی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام نخلہ پر قیام فرمایا اور آخر شب میں نماز تہجد پڑھنے لگے تو ملک یمن نصیبین کے جنات کا یہ وفد بھی وہاں پہنچا ہوا تھا اس نے قرآن سنا اور سن کر ایمان لے آئے اور اپنی قوم کی طرف واپس جا کر واقعہ بتلایا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے آیات مذکورہ میں نازل فرمایا۔ (مظہری)

ایک صحابی جن کا واقعہ:

ابن جوزی نے کتاب الصفہ میں اپنی سند کے ساتھ حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ انہوں نے ایک مقام پر ایک بوڑھے جن کو دیکھا کہ بیت اللہ کی طرف نماز پڑھ رہا ہے اور اون کا جبہ پہنے ہوئے تھا جس پر بڑی رونق معلوم ہوتی تھی نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کو سلام کیا اور انہوں نے سلام کا جواب دے کر بتلایا کہ تم اس جبہ کی رونق سے تعجب کر رہے ہو یہ جبہ سات سو سال سے میرے بدن پر ہے اسی جبہ میں میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی پھر اسی جبہ میں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور میں ان جنات میں سے ہوں جن کے بارہ میں سورہ جن نازل ہوئی ہے۔ (مظہری، معارف مفتی اعظم)

فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝١

پھر کہنے لگے ہم نے سنا ہے ایک قرآن عجیب

یَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ

کہ سمجھاتا ہے نیک راہ سو ہم ان پر یقین لائے

وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝٢

اور ہرگز نہ شریک بتلائیں گے ہم اپنے رب کا کسی کو ☆

جنوں کا ایمان لانا:

سورہ ''احقاف'' میں گزر چکا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں قرآن پڑھ رہے تھے کہ کئی جن ادھر کو گزرے اور قرآن کی آواز پر فریفتہ ہو کر سچے دل سے ایمان لے آئے۔ پھر اپنی قوم سے جا کر سب ماجرا بیان کیا کہ ہم نے ایک کلام سنا ہے جو (اپنی فصاحت و بلاغت 'حسن اسلوب' قوت تاثیر' شیریں بیانی' طرز موعظت اور علوم ومضامین کے اعتبار سے) عجیب و غریب ہے معرفت ربانی اور رشد وفلاح کی طرف رہبری کرتا ہے اور طالب خیر کا ہاتھ پکڑ کر نیکی اور تقویٰ کی منزل پر پہنچا دیتا ہے اس لئے ہم سنتے ہی بلا توقف اس پر یقین لائے اور ہم کو کچھ شک وشبہ باقی نہیں رہا کہ ایسا کلام اللہ کے سوا کسی کا نہیں ہو سکتا اب ہم اس کی تعلیم وہدایت کے موافق عہد کرتے ہیں کہ آئندہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ ان کے اس تمام بیان کی آخر تک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر وحی فرمائی اس کے بعد بہت مرتبہ جن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر ملے ایمان لائے اور قرآن سیکھا۔ (تفسیر عثمانی)

فقالوا یعنی جنات کی جماعت جب لوٹ کر اپنی قوم کے پاس گئی تو اس نے کہا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۔ کہ ہم نے نرالا قرآن سنا جو مخلوق کلام سے بالکل الگ ہے عجب مصدر ہے کہ قرآن عجیب ہے عجیب نہیں اس کو عجب کہنے سے یہ مراد ہے کہ قرآن بالکل نرالا ہے۔

جنوں والی رات:

مسلم نے علی بن محمد باسناد اسمٰعیل بن ابراہیم بحوالہ داؤد عامر کا قول نقل کیا ہے عامر نے کہا کہ میں نے علقمہؒ سے دریافت کیا کہ لیلۃ الجن میں کیا حضرت ابن مسعود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھے علقمہ نے کہا میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ کیا آپ حضرات میں سے کوئی لیلۃ الجن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا ابن مسعود نے فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غائب ہو گئے کہ ہم نے وادیوں کے اندر گھاٹیوں میں جستجو کی مگر کہیں نہیں ملے ہم نے کہا کہ کیا کوئی اڑا کر لے گیا کسی نے ناگہاں شہید کر دیا غرض وہ رات سب کے لیے بدترین رات گزری (آخر میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے) تو فرمایا جنات کی طرف سے بلانے والا آیا تھا میں اس کے ساتھ گیا تھا اور جا کر ان کو قرآن سنایا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو ساتھ لے گئے اور جنات کے پس ماندہ نشانات اور انکی آگ کی علامات دکھائیں۔

جنوں کی خوراک:

شعبی کا قول ہے کہ وہ جنات جزیرہ کے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے کھانے کی چیز کے متعلق سوال کیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا جس ہڈی پر بسم اللہ پڑھ لی گئی ہو اور تمہارے ہاتھ پڑ جائے یا اس کو کچھ گوشت لگا ہو یا چوپایوں کے چارہ کھانے کے بعد ان کی مینگنیاں ہوں (یعنی لید نہ ہو) وہ تمہارے لیے خوراک ہے اسی لیے سرکار نے ارشاد فرمایا تھا کہ ان دونوں چیزوں سے استنجا نہ کیا کرو یہ تمہارے بھائی جنات کی خوراک ہے۔

ستر جنوں کی جماعت:

روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جاٹ قوم کے کچھ لوگوں کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ لیلۃ الجن والے جنات سے بہت زیادہ مشابہ ہیں میں کہتا ہوں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بازار عکاظ کے ارادے سے جا رہے تھے اور طائف سے واپس ہوئے اس وقت پہلی مرتبہ جنات نے قرآن سنا تھا اور آیت قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ میں اللہ نے ایسی واقعہ کو بیان فرمایا ہے رہا لیلۃ الجن کا واقعہ جو حضرت مسعود نے بیان کیا ہے وہ اس کے بعد کا ہے۔

بغویؒ نے سورہ احقاف کی تفسیر میں حضرت ابن عباس کی طرف منسوب کر کے بیان کیا کہ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ سے یہ مراد ہے کہ نخلہ میں جب جنات قرآن سن کر اپنی قوم کے پاس گئے اور ان کو تبلیغ کی تو ستر جنات کی ایک جماعت تبلیغی دعوت پر لبیک کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بطحاء میں آ کر حضور سے ملی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قرآن پڑھ کر سنایا اور امر ونہی فرمایا۔

چھ بار جنوں کا آنا: خفاجی نے ذکر کیا ہے کہ جنات کی آمد چھ بار ہوئی تھی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت جن وانس سب کے لیے تھی مقاتل کا قول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت جن وانس (دونوں کے لیے) نہیں ہوئی واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا

اور یہ کہ اُونچی ہے شان ہمارے رب کی

اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝۳

نہیں رکھی اُس نے بی بی نہ بیٹا ☆

عقیدۂ تثلیث کی تردید:

یعنی جو بیٹا رکھنا اس کی عظمت شان کے منفی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ''جو گمراہیاں آدمیوں میں پھیلی ہوئی تھیں وہ جنوں میں بھی تھیں (عیسائیوں کی طرح) اللہ کے جورو بیٹا بتاتے تھے۔'' (تفسیر عثمانی)

وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا

اور یہ کہ ہم میں کا بیوقوف

عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۝٤

اللہ پر بڑھا کر باتیں کہا کرتا تھا ☆

حقیقت کا انکشاف:

یعنی ہم میں جو بیوقوف ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نسبت ایسی لغو باتیں اپنی طرف سے بڑھا کر کہتے تھے اور اُن میں سب سے بڑا بیوقوف ابلیس ہے شاید خاص وہی اس جگہ لفظ "سفیہ" سے مُراد ہو۔ (تفسیر عثمانی)

مراد یہ ہے کہ ایمان لانے والے جنات نے اب تک شرک وکفر میں مبتلا رہنے کا عذر یہ بیان کیا کہ ہماری قوم کے بے وقوف لوگ اللہ تعالیٰ کی شان میں بے سروپا باتیں کہا کرتے اور ہمیں یہ گمان نہ تھا کہ کوئی انسان یا جن اللہ کی طرف جھوٹی بات کی نسبت کر سکتا ہے اس لیے ان بیوقوفوں کی بات میں آ کر آج تک ہم کفر وشرک میں مبتلا تھے اب قرآن سنا تو حقیقت کھلی۔ (معارف مفتی اعظم)

وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ

اور یہ کہ ہم کو خیال تھا کہ ہرگز نہ بولیں گے آدمی

وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝٥

اور جن اللہ پر جھوٹ ☆

یعنی ہم کو خیال یہ تھا کہ اس قدر کثیر التعداد جن اور آدمی مل کر جن میں بڑے بڑے عاقل اور دانا بھی ہیں اللہ تعالیٰ کی نسبت جھوٹی بات کہنے کی جرات نہ کرینگے یہی خیال کر کے ہم بھی بہک گئے۔ اب قرآن سن کر قلعی کھلی اور اپنے پیشرووں کی اندھی تقلید سے نجات ملی۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی ہم پہلے خیال کرتے تھے کہ انسان اور جن اللہ پر دروغ بندی نہیں کر رہے ہیں (اور واقعی خدا کی بیوی بھی ہے اور اولاد بھی) حقیقت میں یہ بعض نادانوں کی پیروی کرنے کی ایک معذرت ہے کہ اس وقت ہمارا خیال ہی یہ تھا کہ یہ لوگ خدا کے متعلق غلط بات نہیں کہہ رہے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ

اور یہ کہ تھے کتنے مرد آدمیوں میں کے

يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ

پناہ پکڑتے تھے کتنے مردوں کی جنوں میں کے

فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝٦

پھر تو وہ اور زیادہ سر چڑھنے لگے ☆

اہل عرب کی جہالت:

عرب میں جہالت بہت پھیلی ہوئی تھی۔ جنوں سے غیب کی خبریں پوچھتے ان کے نام کی نذر و نیاز کرتے، چڑھاوے چڑھاتے اور جب کسی کا قافلہ کا گزر یا پڑاؤ کسی خوفناک وادی میں ہوتا تو کہتے کہ اس حلقہ کے جنوں کا جو سردار ہے ہم اس کی پناہ میں آتے ہیں تا کہ وہ اپنے ماتحت جنوں سے ہماری حفاظت کریں۔ ان باتوں سے جن اور زیادہ مغرور ہو گئے اور سر چڑھنے لگے۔ دوسری طرف اس طرح کی شرکیات سے آدمیوں کے عصیان اور طغیان میں بھی اضافہ ہوا جب انہوں نے خود اپنے اوپر جنوں کو مسلط کر لیا تو وہ ان کے اغوا میں کیا کمی کرتے۔ آخر قرآن نے آ کر ان خرابیوں کی جڑ کاٹی۔ (تفسیر عثمانی)

ابن منذر، ابن ابی حاتم اور ابن ابی الشیخ نے کردم بن السائب انصاری کا قول نقل کیا ہے۔ کردم نے کہا کہ میں اپنے باپ کے ساتھ کسی کام سے مدینہ کو جانے کے لئے نکلا (وادی میں پہنچ کر رات ہوگئی اور) رات گزارنے کے لئے بکریوں کے ایک چرواہے کے پاس ٹھہرنا پڑا آدھی رات ہوئی تو ایک بھیڑیا بکری کے بچے کو اٹھا کر لے گیا چرواہا دوڑا اور پکارا اے وادی کے مالک یہ تیری پناہ میں تھا فوراً کسی منادی نے جو ہم کو نظر نہ آتا تھا پکارا بھیڑیے اس کو چھوڑ دے بکری کا بچہ فوراً دوڑتا ہوا آ گیا اور بکریوں میں داخل ہو گیا کہیں اس کے خراش بھی نہیں لگی تھی۔ یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب شروع شروع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر سننے میں آیا تھا۔ اس پر اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ الخ نازل فرمائی۔

فلاح کا صحیح راستہ:

ابن سعد رضی اللہ عنہ نے بروایت ابو رجاء عطاردی بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانہ میں میں اپنے گھر والوں کی بکریاں چراتا اور ان کے ضروری کام پورے کرتا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوگئی تو ہم بھاگ کر (اپنے قبیلے سے) نکلے اور ایک بیابان پر پہنچ کر ہم کو شام ہوگئی ہمارے قبیلے کے شیخ کا طریقہ یہ تھا کہ اگر (سفر میں) کہیں اسطرح شام ہو جاتی (اور جنگل میں رات بسر کرنی پڑتی) تو وہ کہتا تھا کہ ہم آج اس جنگل کے سردار جن کی پناہ پکڑتے ہیں۔ چنانچہ حسب معمول یہی الفاظ اس نے کہے۔ (غیب سے) جواب دیا گیا اس پناہ کا راستہ لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کا اقرار ہے۔ (اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں) چنانچہ ہم واپس آ کر اسلام میں داخل ہو گئے۔ ابو رجاء نے کہا میرے خیال میں آیت وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ میرے ہی ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی۔

رافع بن عمیر کا مسلمان ہونا:

جزاء سفی نے کتاب ہواتف الجن میں اپنی سند سے سعید بن جبیر کا قول

نقل کیا ہے۔ کہ قبیلہ تمیم کا ایک شخص تھا جس کا نام تھا رافع بن عمیر تھا اس نے اپنے آغاز اسلام کا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ ایک رات میں عالج کے ریگستان میں جا رہا تھا جب نیند سے بے قابو ہو گیا۔ تو اونٹنی کو ٹھہرا کر اتر کر ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ اور سو گیا۔ لیکن سونے سے پہلے میں نے کہا کہ اس وادی کے جن سردار کی میں پناہ پکڑتا ہوں۔ خواب میں میں نے دیکھا کہ ایک آدمی کے ہاتھ میں چھوٹا نیزہ ہے اور وہ میری اونٹنی کے گلے میں بھالا مارنا چاہتا ہے۔ میں گھبرا کر بیدار ہوا ادھر ادھر دیکھا کچھ نظر نہیں آیا۔ خیال کیا یہ بیہودہ خواب ہے۔ دوبارہ پھر غافل ہو کر سو گیا۔

پھر بھی ایسا ہی خواب دیکھا اور بیدار ہو کر اونٹنی کے چاروں طرف گھوم کر دیکھا لیکن کوئی دکھائی نہ دیا البتہ اونٹنی لرز رہی تھی پھر سو گیا اور ویسا ہی خواب دیکھا بیدار ہوا تو اونٹنی کو بے قرار پایا ادھر ادھر دیکھا تو خواب والے آدمی کی طرح ایک جوان ہاتھ میں چھوٹا نیزہ لئے نظر آیا اور ایک بوڑھا آدمی جوان کا ہاتھ پکڑے اس کو اونٹنی سے روک رہا تھا وہ دونوں اسی کشاکش میں تھے کہ تین نیل گائے نرنمودار ہوئے بوڑھے نے جوان سے کہا کہ اٹھ اور اس پناہ گیر آدمی کی اونٹنی کے عوض ان میں سے جس کو چاہے پکڑ لے وہ جوان اٹھا اور ایک بڑے نیل گائے کو پکڑ لیا اور واپس چلا گیا۔ میں نے بوڑھے کی طرف رخ کیا تو اس نے کہا کہ اے شخص جب تو کسی وادی میں فروکش ہو اور وہاں تجھے کسی دہشت کا خطرہ ہو تو یوں کہا کر کہ میں اس اللہ کی جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رب ہے اس وادی کے خطرہ سے پناہ مانگتا ہوں۔ کسی جن کی پناہ نہ مانگنا ان کا کام اب تباہ ہو گیا میں نے پوچھا یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں بوڑھے نے کہا کہ عرب کے رہنے والے ایک نبی ہیں نہ مشرقی ہیں نہ مغربی دو شنبہ کے دن ان کی بعثت ہوئی ہے میں نے پوچھا ان کا مقام سکونت کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ نخلستان والا یثرب جب صبح چمکی تو میں اونٹنی پر سوار ہو کر تیز تیز چل کر مدینہ پہنچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھتے ہی بغیر میرا ذکر کئے میری سرگزشت بیان فرما دی اور مجھے اسلام کی دعوت دی میں مسلمان ہو گیا۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم خیال کرتے تھے کہ یہ وہی شخص تھا جس کے متعلق آیت وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

بت کے پیٹ سے آواز:

صحیح بخاری میں ہے کہ عمر بن الخطاب بیان کرتے ہیں کہ میں جاہلیت کے زمانہ میں اپنے بتوں کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے آ کر ایک بت پر گائے ذبح کی تو اس بت کے پیٹ میں سے آواز آئی۔ جو بہت سے لوگوں نے سنی۔ يَا جَلِيحُ امْرٌ نَجِيحٌ رَجُلٌ يَصِيحُ يَقُولُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یعنی اے مردتو! ایک بات بڑی ہی کامیابی کی ظاہر ہوئی ہے۔ وہ یہ کہ ایک شخص با آواز بلند کہہ رہا ہے لا الٰہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ یہ آواز سن کر بھاگ گئے۔ میں اسی جگہ بیٹھا رہا کہ معلوم کروں یہ آواز کیا ہے۔ دوبارہ پھر یہی آواز بلند ہوئی پھر میں نے توقف کیا حتیٰ کہ تیسری مرتبہ بھی یہی آواز بلند ہوئی میں انتہائی حیران ہوا اسی حال میں تھا کہ لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہاں ایک پیغمبر ظاہر ہوئے ہیں جو لوگوں کو لا الٰہ الا اللہ کی دعوت دیتے ہیں۔

جنوں میں اضطراب:

اسی طرح بیہقی نے سواد بن قارب سے نقل کیا ہے۔ بیان کیا کہ ایام جاہلیت میں ایک جن میرا دوست تھا مجھے آگے کچھ آنے والی باتیں بتایا کرتا تھا۔ میں لوگوں کو بتاتا اور اس کے ذریعے خوب حلوہ مانڈہ حاصل کرتا۔ ایک رات اس نے میرے خواب میں آ کر کہا اٹھ اور ہوشیار ہو جا۔ اگر کچھ شعور ہے۔ ایک پیغمبر لوئی بن غالب کی نسل سے پیدا ہو گئے ہیں۔ اور پھر کچھ اشعار پڑھے جن کا حاصل یہ تھا کہ اب جنوں میں بڑا ہی اضطراب برپا ہو چکا ہے۔ اور انہوں نے اپنے اپنے اڈوں سے واپس ہونے کے لئے اپنے اونٹوں پر کجاوے کسنے شروع کر دیئے ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ
اور یہ کہ اُن کو بھی خیال تھا جیسا تم کو خیال
لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۝۷
تھا کہ ہرگز نہ اٹھائیگا اللہ کسی کو ☆

موت کے بعد دوبارہ اٹھنا:

مسلمان جن یہ سب گفتگو اپنی قوم سے کر رہے ہیں یعنی جیسا تمہارا خیال ہے بہت آدمیوں کا بھی یہی خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو ہرگز قبروں سے نہ اٹھائیگا۔ یا آئندہ کوئی پیغمبر مبعوث نہ کریگا۔ جو رسول پہلے ہو چکے سو ہو چکے۔ اب قرآن سے معلوم ہوا کہ اس نے ایک عظیم الشان رسول بھیجا ہے جو لوگوں کو بتلاتا ہے کہ تم سب موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جاؤ گے اور رتی رتی کا حساب دینا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ کہ پہلے عقیدہ آدمیوں کا بھی خراب تھا اور وہ بھی قیامت اور حشر کے قائل نہ تھے۔ لیکن نزول قرآن کے بعد وہ غیب پر ایمان لے آئے۔ لہٰذا تم بھی آدمیوں کی طرح حشر نشر پر ایمان لے آؤ۔ لیکن اگر اَنَّهُمْ بفتح ہمزہ پڑھا جائے تو حاصل مطلب یہ ہوگا کہ اے قریش مکہ! تمہارے خیال کی طرح جنات کا بھی خیال تھا کہ حشر نشر نہیں ہوگا لیکن جب قرآن نازل ہوا اور جنات نے اس کو سنا تو قیامت کے قائل ہو گئے لہٰذا تم بھی قیامت پر ایمان لے آؤ۔ جس طرح وہ ایمان لے آئے۔ (تفسیر مظہری)

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ

اور یہ کہ ہم نے ٹٹول دیکھا آسمان کو پھر پایا اس کو بھر رہے ہیں

حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝۸

اُس میں چوکیدار سخت اور انگارے

وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ

اور یہ کہ ہم بیٹھا کرتے تھے ٹھکانوں میں سننے کے واسطے

فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝۹

پھر جو کوئی اب سننا چاہے وہ پائے اپنے واسطے ایک انگارا گھات میں ☆

آسمان پر پہرے:

یعنی ہم اڑکر آسمان کے قریب تک پہنچے تو دیکھا کہ آج کل بہت سخت جنگی پہرے لگے ہوئے ہیں جو کسی شیطان کو غیب کی خبر سننے نہیں دیتے اور جو شیطان ایسا ارادہ کرتا ہے اس پر انگارے برستے ہیں اس سے پیشتر اتنی سختی اور روک ٹوک نہ تھی جن اور شیاطین آسمان کے قریب گھات میں بیٹھ کر ادھر کی کچھ خبر سن آیا کرتے تھے۔ مگر اب اس قدر سخت ناکہ بندی اور انتظام ہے کہ جو سننے کا ارادہ کرے فوراً شہاب ثاقب کے آتشیں گولے سے اس کا تعاقب کیا جاتا ہے اس کی بحث سورہ "حجر" وغیرہ میں گزر چکی وہاں دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ہم نے سماء کو چھونا چاہا۔ بظاہر السماء سے مراد ابر ہے کیونکہ ہر بالائی چیز کو سماء کہہ دیا جاتا ہے اس تاویل پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث دلالت کرتی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ملائکہ عنان یعنی بادل میں اترتے ہیں۔ اور کسی ایسے امر کا تذکرہ کرتے ہیں جس کا فیصلہ آسمان پر ہو چکا ہے شیطان چوری سے اس کو سن لیتے ہیں اور کاہنوں کے پاس پہنچ کر ان کو بتا دیتے ہیں کاہن اس ایک بات میں اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا دیتے ہیں۔ (بخاری)

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ السَّمَآءَ سے حقیقی آسمان مراد ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب آسمان پر اللہ کسی بات کا حکم دیتا ہے تو عجز و انقیاد کے طور پر فرشتے اپنے پر پھڑ پھڑاتے ہیں (اور ایک گنگناہٹ پیدا ہوتی ہے) جیسے کسی پتھر کی چٹان پر زنجیر لگنے سے پیدا ہوتی ہے۔ جب کلام ختم ہو جاتا ہے تو فرشتے باہم پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا دوسرے جواب دیتے ہیں جو کچھ فرمایا حق ہے۔ اللہ بزرگ و برتر ہے اس بات کو چوری سے سننے والے سن لیتے ہیں اور یکے بعد دیگرے ہر اوپر والا نیچے والے کو پہنچا دیتا ہے یہاں تک کہ سب سے آخر والا کاہن یا ساحر کی زبان پر اس بات کو ڈال دیتا ہے اور وہ اس کے ساتھ جھوٹ ملا دیتا ہے کبھی نیچے والے (شیطان) تک اس قول کو پہنچانے سے پہلے انگارا بالائی شیطان کو آ پکڑتا ہے (اور اس طرح راز محفوظ رہتا ہے)۔ (بخاری)

ان دونوں حدیثوں میں بلکہ ان کے ہم معانی جو دوسری حدیثیں آئی ہیں کسی میں بھی یہ نہیں آیا کہ آسمان دنیا سے شیطان چرالاتے ہیں بلکہ شاید یہ معنی ہیں کہ آسمان دنیا تک وہ بات پہنچتی ہے پھر دنیوی آسمان والے (ملائکہ) بادل تک اترتے ہیں اور اس بات کا تذکرہ کرتے ہیں یہاں جنات اس کو جھپٹ لیتے ہیں ابر سے نیچے شیاطین مسلسل قطار در قطار ہوتے ہیں اور اوپر والا نیچے والے سے وہ بات کہہ دیتا ہے اور ایسے وقت میں کوئی ٹوٹنے والا تارا اس پر انگاروں کی طرح پڑتا ہے واللہ اعلم (تفسیر مظہری)

بارگاہِ نبوی میں آنے کا سبب:

حضرت سدی فرماتے ہیں کہ شیاطین اس سے پہلے آسمانی بیٹھکوں میں بیٹھ کے فرشتوں کی آپس کی باتیں اڑا لایا کرتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر بنائے گئے تو ایک رات ان شیاطین پر بڑی شعلہ باری ہوئی جسے دیکھ کر اہل طائف گھبرا گئے کہ شاید آسمان والے ہلاک ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا کی تابڑ توڑ ستارے ٹوٹ رہے ہیں شعلے اٹھ رہے ہیں اور دور دور تک تیزی کے ساتھ جا رہے ہیں انہوں نے غلام آزاد کرنے اپنے جانوروں کو راہِ للہ چھوڑنا شروع کر دیا۔ آخر عبد یالیل بن عمرو بن عمیر نے ان سے کہا کہ "طائف والو! تم کیوں اپنے مال برباد کر رہے ہو؟ تم نجوم دیکھو اگر ستاروں کو اپنی جگہ پاؤ تو سمجھ لو کہ آسمان والے تباہ نہیں ہوئے بلکہ یہ صرف انتظامات ابن ابی کبشہ کے لئے ہو رہے ہیں (اور اگر تم دیکھو کہ فی الحقیقت ستارے اپنی مقررہ جگہ پر نہیں ہیں تو بے شک اہل آسمان والوں کو تم ہلاک شدہ مان لو)" انہوں نے نجوم دیکھا تو ستارے سب اپنی اپنی مقررہ جگہ پر موجود نظر آئے تب انہیں چین آیا شیاطین میں بھی بھاگ دوڑ مچ گئی۔ یہ ابلیس کے پاس آئے۔ واقعہ کہہ سنایا تو ابلیس نے کہا کہ میرے پاس ہر ہر علاقہ کی مٹی لاؤ تو مٹی لائی گئی۔ اس نے سونگھی اور سونگھ کر بتایا کہ اس کا باعث کہ مکہ میں ہے سات جنات نصیبین کے رہنے والے مکہ پہنچے۔ یہاں حضور علیہ السلام مسجد حرام میں نماز پڑھ رہے تھے اور قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے جسے سن کر ان کے دل نرم ہو گئے بہت ہی قریب ہو کر قرآن سنا پھر اس کے اثر سے مسلمان ہو گئے اور اپنی قوم کو بھی دعوت اسلام دی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صعد جہنم کے ایک کنویں کا نام

ہے حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک جن ہمارے پاس آیا تھا۔ میں نے ایک مرتبہ اس سے پوچھا کہ تمام کھانوں میں سے تمہیں کون سا کھانا پسند ہے؟ اس نے کہا چاول میں نے لادیئے تو دیکھا کہ لقمہ برابر اٹھ رہا ہے لیکن کھانے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ میں نے پوچھا کہ جو خواہشات ہم میں ہیں کیا وہ تم میں بھی ہیں؟ اس نے کہا ہاں ہیں۔ میں نے پھر پوچھا کہ رافضی تم میں کیسے گنے جاتے ہیں؟ اس نے کہا کہ بدترین۔ حافظ ابوالحجاج مزیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

جن کے اشعار:

ابن عساکر میں ہے کہ حضرت عباس بن احمد دمشقیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے رات کے وقت ایک جن کو اشعار میں یہ کہتے سنا کہ "دل خدا کی محبت سے پر ہوگئے ہیں یہاں تک کہ مشرق و مغرب میں اس کی جڑیں جم گئی ہیں اور وہ حیران و پریشان ادھر ادھر خدا کی محبت میں پھر رہے ہیں جوان کا رب ہے انہوں نے اپنے تعلقات مخلوقات سے کاٹ کے خدا سے وابستہ کر لیے ہیں" (تفسیر ابن کثیر)

وَّاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ

اور یہ کہ ہم نہیں جانتے کہ برا ارادہ ٹھہرا ہے

فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ

زمین کے رہنے والوں پر یا چاہا ہے اُن کے حق میں

رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝۱۰

ان کے رب نے راہ پر لانا ☆

جنوں کی حیرت:

یعنی یہ جدید انتظامات اور ناکہ بندیاں خدا جانے کس غرض سے عمل میں آئی ہیں۔ یہ تو ہم سمجھ چکے کہ قرآن کریم کا نزول اور پیغمبر عربی کی بعثت اس کا سبب ہوا لیکن نتیجہ کیا ہونے والا ہے؟ آیا زمین والے قرآن کو مان کر راہ پر آئینگے اور اللہ ان پر الطاف خصوصی مبذول فرمائے گا؟ یا یہی ارادہ ٹھہر چکا ہے کہ لوگ قرآنی ہدایت سے اعراض کرنے کی پاداش میں تباہ و برباد کیے جائیں؟ اس کا علم اسی علام الغیوب کو ہے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ

اور یہ کہ کوئی ہم میں نیک ہیں اور کوئی اس کے سوائے

ذٰلِكَ ۚ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۝۱۱

ہم تھے کئی راہ پر پھٹے ہوئے ☆

جنوں کے مختلف فرقے:

یعنی نزول قرآن سے پہلے بھی سب جن ایک راہ پر نہ تھے کچھ نیک اور شائستہ تھے اور بہت سے بدکار و ناہنجار ان میں بھی فرقے اور جماعتیں ہوں گی کوئی مشرک کوئی عیسائی کوئی یہودی وغیرہ ڈلک اور عملی طور پر ہر ایک کی راہ عمل جدا ہوگی۔ اب قرآن آیا جو اختلافات اور تفرقوں کو مٹانا چاہتا ہے۔ لیکن لوگ ایسے کہاں ہیں کہ سب کے سب حق کو قبول کر کے ایک راستہ پر چلنے لگیں لامحالہ اب بھی اختلاف رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ توحید و بعث پر ایمان ہماری طرف سے کوئی انوکھی بات نہیں۔ پہلے جنات بھی مختلف مسالک پر تھے کچھ صالح تھے کچھ غیر صالح اور گزشتہ زمانہ میں اگرچہ ہم خفیف العقل لوگوں کے پیچھے چلتے تھے اور حدود صداقت سے ہٹی ہوئی باتیں کہتے تھے۔ مگر جب قرآن سن لیا تو ہم کو معلوم ہوگیا کہ ہم خدا پر غالب نہیں آ سکتے اب ہم نے ہدایت کی بات سن لی اور اس کو اسی طرح مان لیا جیسے ہمارے بعض اسلاف نے مان لیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

وجود جن کے بارہ میں فلاسفہ کا خیال:

اکثر فلاسفہ جنات کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ کائنات و موجودات کا دائرہ محسوسات تک ہی محدود ہے۔ جو چیزیں انسانی ادراکات سے خارج ہیں وہ ان کے وجود کا انکار کرتے ہیں اور یہ دعویٰ ہے کہ وہ چیزیں محض وہمی تخیلات ہیں۔

موجودہ زمانہ کا یورپ بھی اسی فلسفہ کا قائل ہے اور یورپ کے اس فلسفہ سے بہت سے مسلمان متاثر ہو کر ایسی آیات و روایات کی تاویل یا انکار کرنے لگتے ہیں جو دائرہ محسوسات سے ماوراء اور بالا ہیں۔

طبیعین کا ایک گروہ جو خدا کا بھی قائل نہیں وہ تمام کائنات اور اس میں واقع ہونے والے جملہ احوال کو کواکب و سیارات کی تاثیر حرکت کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ آریہ سماج اسی قسم کا اعتقاد رکھتا ہے۔ لیکن قدیم فلاسفہ و حکماء اس بات کے قائل ہوئے کہ غیر محسوسات کا بھی وجود ہے۔ اور عالم کی بہت سی اشیاء ایسی ہیں جو حواس کے ذریعہ محسوس و معلوم نہیں ہوتیں۔ اسی بناء پر قدیم فلاسفہ کا ایک گروہ وجود جن کا قائل تھا۔ اسی طرح مذاہب سماویہ سے تعلق رکھنے والے تمام حکماء بھی روحانیت کے قائل رہے۔ ارواح سفلیہ اور ارواح کی تقسیم ان کی کتابوں اور اقوال سے مفہوم ہوتی ہے۔ عیسائی یہودی بھی جنات کے وجود کے قائل رہے۔ ہر ایک زبان میں اس مخلوق جن کا کوئی نہ کوئی نام اور عنوان ملتا ہے موجودہ انجیلوں میں اس قسم کے مضامین ملتے ہیں کہ حضرت مسیح جنوں کو مریض سے نکالا کرتے تھے۔ (معارف کاندھلوی)

وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ

اور یہ کہ ہمارے خیال میں آ گیا کہ ہم چھپ نہ جائیں گے

فِی الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ﴿۱۲﴾

اللہ سے زمین میں اور نہ تھکا دینگے اس کو بھاگ کر ☆

یعنی اگر ہم نے قرآن کو نہ مانا تو اللہ کی سزا سے بچ نہیں سکتے نہ زمین میں کسی جگہ چھپ کر نہ ادھر ادھر بھاگ کر یا ہوا میں اڑ کر۔ (تفسیر عثانی)

وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ

اور یہ کہ جب ہم نے سن لی راہ کی بات تو ہم نے اُس کو مان لیا ☆

یعنی ہمارے لیے فخر کا موقع ہے کہ جنوں میں سب سے پہلے ہم نے قرآن سن کر بلاتوقف قبول کیا اور ایمان لانے میں ایک منٹ کی دیر نہیں کی۔ (تفسیر عثانی)

فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ

پھر جو کوئی یقین لائے گا اپنے رب پر سو وہ ڈرے گا

بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾

نقصان سے اور نہ زبردستی سے ☆

سچا مؤمن:

یعنی سچے ایماندار کو اللہ کے ہاں کوئی کھٹکا نہیں۔ نہ نقصان کا کہ اس کی کوئی نیکی اور محنت یونہی رائیگاں چلی جائے نہ زیادتی کا کہ زبردستی کسی دوسرے کے جرم اس کے سرتھوپ دیئے جائیں، غرض وہ نقصان تکلیف اور ذلت ورسوائی سب سے مامون ومحفوظ ہے۔ (تفسیر عثانی)

وَّلَا رَهَقًا ذلت چھا جانا یعنی جو اپنے رب پر ایمان رکھے گا اس کو نہ ثواب میں کمی ہونے کا اندیشہ ہوگا نہ ذلت چھا جانے کا۔ یا یہ مطلب ہے کہ مومن اپنی طاعت کے نقص اور بے جا حرکات کے ارتکاب کی سزا سے بے خوف نہیں ہوتا قرآن پر ایمان رکھنے کا تقاضا ہے کہ اس کا اندیشہ لگا رہے۔ (تفسیر مظہری)

وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ

اور یہ کہ کچھ ہم میں حکم بردار ہیں اور کچھ ہیں بے انصاف

فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾

سو جو لوگ حکم میں آ گئے سو انہوں نے اٹکل کر لیا نیک راہ کو

وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾

اور جو بے انصاف ہیں وہ ہوئے دوزخ کے ایندھن ☆

جنوں کے دو گروہ:

یعنی نزول قرآن کے بعد ہم میں دو طرح کے لوگ ہیں ایک وہ جنہوں نے اللہ کا پیغام سن کر قبول کیا اور اس کے احکام کے سامنے گردن جھکا دی یہی ہیں جو تلاش حق میں کامیاب ہوئے۔ اور اپنی تحقیق وتفحص سے نیکی کے راستہ پر پہنچ گئے۔ دوسرا گروہ بے انصافوں کا ہے جو کجروی و بے انصافی کی راہ سے اپنے پروردگار کے احکام کو جھٹلاتا اور اس کی فرمانبرداری سے انحراف کرتا ہے۔ یہ وہ ہیں جن کو جہنم کا کندا اور دوزخ کا ایندھن کہنا چاہیے (تنبیہ) یہاں تک مسلمان جنوں کا کلام نقل فرمایا جو انہوں نے اپنی قوم سے کیا آگے حق تعالیٰ اپنی طرف سے چند نصیحت کی باتیں ارشاد فرماتے ہیں گویا "وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا" الخ کا عطف "اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ" پر ہوا۔ مترجم محقق نے ترجمہ میں اور یہ "حکم" آیا کہ الفاظ بڑھا کر بتلا دیا کہ یہاں سے اخیر تک "قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ" کے تحت میں داخل ہے۔ (تفسیر عثانی)

جنوں کا عذاب اور ثواب:

کافر جنات کو آگ کا عذاب ہوگا اس پر تمام آئمہ کا اتفاق ہے آیت وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا سے یہی معلوم ہو رہا ہے۔ رہی قوم جنات کے ثواب کی بحث تو یہ اختلافی ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جنات کے لئے ثواب صرف یہ ہے کہ وہ دوزخ سے محفوظ رہیں گے آیت يٰقَوْمَنَاۤ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ اسی کی تشریح ہے۔ (اے قوم اللہ کی طرف بلانے والے کی آواز پر لبیک کہو اور اس پر ایمان لے آؤ اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور دکھ کے عذاب سے تم کو محفوظ رکھے گا)

بغوی نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اسی طرف گئے ہیں۔ سفیانؒ نے لیث کا قول نقل کیا ہے کہ جنات کے لئے ثواب صرف یہ ہوگا کہ انکو دوزخ سے محفوظ رکھا جائے گا پھران کو بہائم (چوپایوں) کی طرح مٹی کر دیا جائے گا۔ ابوالزیاد کا قول ہے کہ جب اللہ انسانوں کا فیصلہ کرے گا تو مومن جنات سے کہا جائے گا مٹی ہو جاؤ وہ مٹی ہو جائیں گے یہ دیکھ کر کافر کہے گا کہ کاش میں بھی مٹی ہو جاتا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے (کچھ نہیں صراحت کی کہ مؤمن جنات کے ثواب کی کیا صورت ہوگی) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس بات کو اللہ نے مبہم رکھا ہے تم بھی مبہم رکھو اللہ نے کافر جنات کے عذاب کا تو ذکر کیا ہے مگر فرمانبردار جنات کے ثواب کا کچھ تذکرہ نہیں فرمایا صرف اتنا فرمایا کہ ان کو دوزخ سے محفوظ رکھا جائے گا۔ کچھ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ انسانوں کی طرح جنات کے لئے بھی نیکی کا ثواب اور بدی کا عذاب ہوگا امام مالک اور ابن ابی لیلی اسی قول کی طرف گئے ہیں۔

جریر رضی اللہ عنہ نے ضحاک کا قول نقل کیا ہے کہ جنات جنت میں داخل ہوں گے اور وہاں کھائیں گے پئیں گے ابوالشیخ نے ایک حدیث بیان کی ہے اور نقاش نے اس کو اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ جنات جنت میں داخل ہوں گے

۔ابوالشیخ سے پوچھا گیا، کیا جنت کی نعمتوں سے بھی بہرہ اندوز ہوں گے شیخ نے جواب یا کہ اللہ جنات کے دل میں تسبیح اور ذکر بطور الہام پیدا کر دے گا وہ اس تسبیح اور ذکر میں وہ لذت محسوس کریں گے جو جنت کی نعمتوں سے انسانوں کو حاصل ہوگی۔ گویا ابوالشیخ نے مؤمن جنات کو ملائکہ کی صف میں داخل کر دیا۔ ابن المنذر نے کہا کہ میں نے حمزہ بن حبیب سے پوچھا کیا جنات کو ثواب ملے گا حمزہ نے کہا کہ ہاں اور یہ آیت پڑھی لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ پس انسی حوریں انسانوں کے لئے ہوں گی اور جنی حوریں جنات کے لئے (یعنی انسانوں کے مناسب حوریں انسانوں کے لئے اور جنات کے مناسب حوریں جنات کے لئے)

ابوالشیخ نے باسناد ضحاک حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ مخلوق کے تین گروہ ہوں گے ایک گروہ پورا جنت میں ہے۔ دوسرا گروہ دوزخ میں۔ اول گروہ ملائکہ کا ہے اور دوسرا گروہ شیطانوں کا۔ تیسرا گروہ (کچھ) جنت میں ہوگا اور کچھ دوزخ میں یہ جنات اور انسانوں کا گروہ ہوگا ان کے لئے عذاب بھی ہے اور ثواب بھی۔

میرے نزدیک جمہور کا قول صحیح ہے امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کا بھی یہی خیال ہے صاحبینؒ کا قول ہے کہ ثواب جنات کے قائل اپنے قول کی دلیل اور ثبوت رکھتے ہیں اس لئے ان کی بات مانی جائے گی اور امام اعظم کے نزدیک فقدان دلیل ہے اس لئے وہ توقف کے قائل ہیں۔ ان میں شک نہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ و عمر بن عبدالعزیز اور دوسرے صحابہ و تابعین کے اقوال مرفوع کے حکم میں ہیں (اگرچہ مرفوع نہیں ہیں) اور بیہقی نے تو حضرت انس کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایماندار جنات کے لئے ثواب اور (غیر مؤمن جنات کے لئے) عذاب ہوگا۔ ہم نے ثواب کی کیفیت پوچھی تو فرمایا کہ وہ اعراف پر ہوں گے جنت میں نہیں ہوں گے ہم نے دریافت کیا اعراف کیا ہے فرمایا جنت سے باہر جس میں دریا رواں ہوں گے اور درخت اور پھل ہوں گے واللہ اعلم (تفسیر مظہری)

وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ

اور یہ حکم آیا کہ اگر لوگ سیدھے رہتے راہ پر تو ہم پلاتے اُن کو

مَّآءً غَدَقًا ﴿١٦﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ

پانی بھر کر تاکہ اُن کو جانچیں اُس میں ☆

جنوں اور انسانوں کی آزمائش:

یعنی اگر جن وانس حق کی سیدھی راہ پر چلتے تو ہم انکو ایمان وطاعت کی بدولت ظاہری وباطنی برکات سے سیراب کر دیتے اور اس میں بھی ان کی آزمائشیں ہوتی کہ نعمتوں سے بہرہ ور ہو کر شکر بجالاتے اور طاعت میں مزید ترقی کرتے ہیں یا کفران نعمت کر کے اصل سرمایہ بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ اس وقت مکہ والوں کے ظلم وشرارت کی سزا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے کئی سال کا قحط پڑا تھا۔ لوگ خشک سالی سے پریشان ہو رہے تھے۔ اس لیے متنبہ فرما دیا کہ اگر سب لوگ ظلم وشرارت سے باز آ کر اللہ کے راستہ پر چلیں جیسے مسلمان جنوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے تو قحط دور ہو اور باران رحمت سے ملک سرسبز وشاداب کر دیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

بعض علماء کا قول ہے کہ آب کثیر سے مراد وسیع رزق کیونکہ پانی حصول رزق کا سبب ہے (سبب بول کر مسبب بطور مجاز مراد لیا گیا) جس طرح رزق سے بارش اس آیت میں مراد ہے وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ (آسمان سے غلہ نہیں بلکہ پانی اترتا ہے جو زمین کی سرسبزی کا ذریعہ ہے) مراد یہ ہے کہ اگر وہ دین فطرت پر قائم رہے تو ہم ان کو بکثرت مال اور آرام کی زندگی عطا کریں گے اس آیت کا مفہوم وہی ہے جو آیت وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ کا ہے اور اسی مضمون کو آیت وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ میں بیان کیا گیا ہے۔

لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ یعنی اس سیرابی یا عطاء فراخی کی غرض تھی ان کی آزمائش ہم کو ان کا امتحان لینا مقصود تھا کہ (ہماری نعمت کا وہ) کس طرح شکر ادا کرتے ہیں سعید بن مسیب، عطاء بن ابی رباح ضحاک قتادہ مقاتل اور حسن بصری نے آیت مندرجہ کی یہی تفسیر کی ہے۔

اہل مکہ پر قحط:

ابوجہل اور مکہ کے دوسرے کفار جب ایمان نہ لائے تو ہفت سالہ قحط میں مبتلا کر دیئے گئے اور ایسا کال پڑا کہ لوگ گوبر کھانے لگے اور آخر بدترین حال میں جنگ بدر میں مارے گئے لیکن وہ ایمان دار جو دین الٰہی پر قائم رہے اللہ نے ان کو قیصر وکسریٰ کی حکومتیں عطا فرمائیں۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ

اور جو کوئی منہ موڑے اپنے رب کی یاد سے

يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿١٧﴾

وہ ڈال دے گا اس کو چڑھتے عذاب میں ☆

عذاب کا راستہ:

یعنی اللہ کی یاد سے منہ موڑ کر آدمی کو چین نصیب نہیں ہوسکتا۔ وہ تو ایسے

راستہ پر چل رہا ہے جہاں پریشانی اور عذاب ہی چڑھتا چلا آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تقویٰ کے بغیر پریشانی ہی پریشانی ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا مال تھوڑا ہو یا بہت اگر تقویٰ نہ ہو تو ایسے مال میں کوئی بھلائی نہیں یہی زندگی کی تنگی ہے جو لوگ حق سے روگرداں ہوتے ہیں خواہ وہ کتنے ہی مالدار اور کیسے ہی فراخ دست ہوں لیکن ان کی زندگی تنگ ہی ہوتی ہے کیونکہ ان کو خیال ہوتا ہے کہ (موجودہ مال صرف ہو گیا تو) اس کی جگہ دوسرا مال ان کو نہیں ملے گا اللہ کے متعلق بد گمانی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی زندگیاں تنگ ہی گزرتی ہیں۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ قناعت ان سے چھین لی جاتی ہے اسلئے ان کو سیری حاصل ہی نہیں ہوتی میں کہتا ہوں یہ بات بالکل کھلی ہوئی ہے۔

دنیاداروں سے قناعت چھین لی جاتی ہے وہ ہمیشہ کمائی کی دھن میں لگے رہتے ہیں کماتے ہیں اور مال کا چوکیدارہ کرتے ہیں اور ہر وقت مال کے ضائع ہونے کا ان کو اندیشہ لگا رہتا ہے باہمی بغض وحسد کی یہی بنیاد ہے دشمنوں اور حاسدوں کی کثرت ان کو چین نہیں لینے دیتی یہ ہی عذاب الیم اور تنگی حیات ہے وہ نہیں جانتے کہ صوفیاء کی زندگی کیسی خوش گوار گزرتی ہے ذکر الٰہی سے اطمینان قلب اور کشائش صدر کا حصول تھوڑے پر قناعت دنیا سے استغناء مخلوق پر مہربانی ان کے خصوصی اوصاف ہوتے ہیں مصائب سے بھی خوش ہوتے ہیں اور شکر ادا کرتے ہیں کیونکہ ان کو تکالیف سے گناہوں کا کفارہ اور حسن ثواب کے حصول کی امید ہوتی ہے فراخی حال اور آسائش کا تو ذکر ہی کیا ہے اللہ جس کو چاہتا ہے دنیا اور آخرت کی راحت عطا فرماتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا

اور یہ کہ مسجدیں اللہ کی یاد کے واسطے ہیں

مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾

سو مت پکارو اللہ کے ساتھ کسی کو ☆

مساجد کی خصوصیت:

یوں تو خدا کی ساری زمین اس امت کے لیے مسجد بنا دی گئی ہے لیکن خصوصیت سے وہ مکانات جو مسجدوں کے نام سے خاص عبادت الٰہی کے لئے بنائے جاتے ہیں ان کو اور زیادہ امتیاز حاصل ہے۔ وہاں جا کر اللہ کے سوا کسی ہستی کو پکارنا ظلم عظیم اور شرک کی بدترین صورت ہے مطلب یہ ہے کہ خالص خدائے واحد کی طرف آؤ اور اس کا شریک کر کے کسی کو کہیں بھی مت پکارو۔ خصوصاً مساجد میں جو اللہ کے نام پر تنہا اسی کی عبادت کے لیے بنائی گئی ہیں۔ بعض مفسرین نے "مساجد" سے مراد وہ اعضا لیے ہیں جو سجدہ کے وقت زمین پر رکھے جاتے ہیں۔ اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ یہ خدا کے دیئے ہوئے اور اس کے بنائے ہوئے اعضاء ہیں، جائز نہیں کہ ان کو اس مالک وخالق کے سوا کسی دوسرے کے سامنے جھکاؤ۔ (تفسیر عثمانی)

جنات کو مسجدوں میں آنے کی اجازت:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے وقت صرف مسجد اقصیٰ اور مسجد حرام تھیں حضرت اعمشؒ نے اس آیت کی تفسیر یہ بھی بیان کی ہے کہ جنات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں اور انسانوں کے ساتھ نماز ادا کریں۔ تو گویا ان سے کہا جا رہا ہے کہ نماز پڑھو لیکن انسانوں کے ساتھ خلط ملط نہ ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

فقط مسجدیں عبادت کے لئے ہیں:

قتادہ نے کہا کہ یہودی اور عیسائی عبادت خانوں میں جا کر عبادت الٰہی میں دوسروں کو شریک کرتے تھے۔ اس پر اللہ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ مسجدوں میں جائیں تو اپنی دعائیں خالص خدا ہی سے کریں۔ مساجد سے مراد ہیں تمام مسجدیں جن کو (شرک وغیرہ سے پاک) رکھنے کا حکم اللہ نے دیا تھا اور فرمایا تھا طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ الخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حکم دیا تھا کہ اپنے بچوں کو پاگلوں کو خدا کے (فرضی جھوٹے) شریکوں کو خرید وفروخت کو آپس کے جھگڑوں کو چیخ وپکار کو حدود (قصاص، سنگساری، سزا، تازیانہ وغیرہ) کو اور تلواروں کو بے نیام رکھنے کو ہماری مسجدوں سے الگ رکھو مسجدوں کے دروازوں پر لوٹے رکھو اور جمعہ میں مسجدوں کے اندر خوشبو سلگاؤ۔

یہ حدیث ابن ماجہ نے براویت واصلہ مرفوعاً نقل کی ہے ابوداؤد اور ترمذی نے بسلسلہ عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ عمرؓ کے دادا نے بیان کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے اندر بلند آواز سے شعر خوانی کی اور خرید وفروخت کی اور جمعہ کے دن نماز سے پہلے حلقہ بنا کر بیٹھنے کی ممانعت فرمائی ہے یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس گناہ کا اتاریہ ہے کہ تھوک کو مٹی میں دبا دیا جائے (اگر زمین خام ہو) (بخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے نیک کام میرے سامنے لائے جائیں گے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص مسجد سے کوڑا نکال کر باہر پھینک دے گا (تو وہ بھی میری پیشی میں لایا جائے گا) (ابوداؤد اور ترمذی)

یہ بھی فرمایا اگر کوئی شخص کسی کو اپنی گم شدہ اونٹنی کو مسجد میں ڈھونڈتے سنے تو کہے اللہ تیری اونٹنی واپس نہ کرے اس کی وجہ یہ ہے کہ مسجد اس کام کے لئے نہیں بنائی جاتی (مسلم براویت ابوہریرہؓ، ترمذی اور دارمی نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اس میں یہ الفاظ زیادہ بیان کئے ہیں کہ اگر تم کسی کو مسجد کے

اندر خرید و فروخت کرتے دیکھو تو کہہ دو کہ خدا تجھے تجارت میں نفع نہ دے۔

حسن بصری نے کہا المساجد سے مراد تمام مقامات ہیں کیونکہ اس امت کے لئے تمام زمین کو مسجد بنا دیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ کسی جگہ کسی کو اللہ کا ساجھی قرار نہ دو اور اللہ کی موجودگی میں کسی دوسرے سے دعا نہ کرو۔

ابن ابی حاتم نے بسلسلہ ابو صالحؒ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ جنات نے عرض کیا (یا رسول اللہ) کیا ہم کو اجازت ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نماز میں شریک ہو جایا کریں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن جریر نے حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جنات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم مسجد میں کیسے حاضر ہوں یا یہ عرض کیا کہ ہم نماز میں کیسے حاضر ہوں۔ کیونکہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت دور رہتے ہیں اس پر یہ آیت اتری۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ مسجد سے مراد ہیں اعضاء سجود (ہاتھ، پاؤں، زانو، پیشانی) مطلب یہ ہے کہ یہ اعضاء اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں ان سے دوسروں کے لئے سجدہ نہ کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سات ہڈیوں سے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے پیشانی، دونوں ہاتھ، دونو زانو، دونوں قدموں، کے سرے اور یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ (نماز میں) کپڑوں کو سمیٹا جائے نہ بالوں کو۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ باجماع امت غیر اللہ کے لئے سجدہ حرام ہے اور بعض علماء کے نزدیک کفر ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ

اور یہ کہ جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ ☆

یعنی بندۂ کامل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (تفسیر عثمانی)

نکتہ: بجائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عبد اللہ کہنے کی وجہ اس جگہ محض تواضع ہے کیونکہ یہ کلام (اگرچہ خدا کا ہے) مگر ایسے موقعوں پر واقع ہے کہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے متعلق فرمایا۔ پھر لفظ عبد اللہ میں قیام (نماز) کی وجہ بھی در پردہ بتا دی گئی ہے (کہ عبدیت کا تقاضا نماز ہے نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہونے کی وجہ ہی عبدیت ہے) حضرت مجدد قدس سرہٗ نے فرمایا عبدیت کمال (بشری) کا سب سے اونچا درجہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿١٩﴾

کہ اس کو پکارے لوگوں کا بندھنے لگتا ہے اُس پر ٹھٹھ ☆

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر لوگوں کا ہجوم:

یعنی آپ جب کھڑے ہو کر قرآن پڑھتے ہیں تو لوگ ٹھٹھ کے ٹھٹھ کر آپ پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔ مومنین تو شوق و رغبت سے قرآن سننے کی خاطر اور کفار عداوت و عناد سے آپ پر ہجوم کرنے کے لیے۔ (تفسیر عثمانی)

حسن قتادہ اور ابن زید نے یہ مطلب بیان کیا کہ توحید کی دعوت دینے کے لئے جب اللہ کا بندہ کھڑا ہوا تو جن و انس سب کے سب دعوت توحید کو باطل کرنے کے لئے اکٹھے ہو گئے وہ اللہ کے نور کو اپنی پھونک سے بجھانا چاہتے تھے مگر اللہ کا فیصلہ تھا کہ وہ اپنا نور پورا (پھیلا کر) رہے گا اور تمام دشمنوں کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کامیابی عطا فرمائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہو کہ جب نخلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کرنے اور قرآن پڑھنے کھڑے ہوئے تو قرآن سننے کے شوق میں جنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجوم کر آئے اور ٹھٹ کے ٹھٹ جمع ہو گئے۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿٢٠﴾

تو کہہ میں تو پکارتا ہوں بس اپنے رب کو اور شریک نہیں کرتا اُس کا کسی کو ☆

میرا بھروسہ فقط اللہ پر ہے:

یعنی کفار سے کہہ دیجئے کہ تم مخالفت کی راہ سے بھیڑ کیوں کرتے ہو کونسی بات ایسی ہے جس پر تمہاری خفگی ہے میں کوئی بری اور نا معقول بات تو نہیں کہتا صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کا شریک کسی کو نہیں سمجھتا تو اس میں لڑنے جھگڑنے کی کونسی بات ہے اور اگر تم سب مل کر مجھ پر ہجوم کرنا چاہتے ہو تو یاد رکھو میرا بھروسہ اکیلے اسی خدا پر ہے جو ہر قسم کی شرکت سے پاک اور بے نیاز ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یا یہ مطلب ہے کہ جب جنات اس کا کلام سننے کے لئے شوق کے ساتھ جمع ہوئے تو اس نے کہا میں صرف اپنے رب کو پکار رہا ہوں تم بھی میری دعاء ہی کی طرح رب ہی سے دعاء کرو اور کسی کو اس کا ساجھی نہ بناؤ۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿٢١﴾

تو کہہ میرے اختیار میں نہیں تمہارا برا اور نہ راہ پر لانا ☆

نفع نقصان کا مالک اللہ ہے:

یعنی میرے اختیار میں نہیں کہ تم کو بھی راہ پر لے آؤں۔ اور نہ آؤ تو کچھ نقصان پہنچا دوں سب بھلائی برائی اور سود و زیاں اسی خدائے واحد کے قبضہ میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ

تو کہہ مجھ کو نہ بچائے گا اللہ کے ہاتھ سے کوئی

وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿٢٢﴾

اور نہ پاؤنگا اس کے سوائے کہیں سرک رہنے کو جگہ ☆

یعنی تم کو نفع ونقصان پہنچانا تو کجا اپنا نفع وضرر میرے قبضہ میں نہیں۔ اگر بالفرض میں اپنے فرائض میں تقصیر کروں تو کوئی شخص نہیں جو مجھ کو اللہ کے ہاتھ سے بچالے اور کوئی جگہ نہیں جہاں بھاگ کر پناہ حاصل کرسکوں۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول: گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تھا جو کفار میرے کام کو تباہ کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں جب وہ مجھ سے کہتے ہیں کہ اگر تو پیغمبر ہے تو ہم پر عذاب لے آ۔ یا کفار کہتے ہیں اب اس کام سے باز آجا ہم تجھے اپنی پناہ میں لیتے ہیں تو میں ان کے جواب میں کیا کہوں (اس جواب کو بتانے کے لئے اللہ نے یہ دونوں جملے نازل فرمائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ پہلا جملہ سوال محذوف کا جواب ہو گویا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دیدار اور ملاقات کا جنات کی طرف سے اشتیاق ملاحظہ کیا تو سوال کیا کہ میں ان سے کیا کہوں وجہ یہ تھی کہ سب کا انتہائی شوق کے زیر اثر ہجوم کرآنا اس بات کی دلیل تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان ونفع کا مالک خیال کرتے تھے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلا جملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عاجزی کو ظاہر کرنے کے لئے اور دوسرا جملہ اس کے مضمون کی تاکید کے لئے لایا گیا ہو۔ ابن جریر نے حضرمی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جنات کے کسی سردار نے اپنے گروہ سے کہا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے یہ چاہتے ہیں کہ ہم ان کو پناہ عطا کریں اس لئے میں ان کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں اس پر آیت قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ الخ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ

مگر پہنچانا ہے اللہ کی طرف سے اور اس کے پیغام لانے ☆

پیغمبر کی ذمہ داری:

یعنی اللہ کی طرف سے پیغام لانا اور اس کے بندوں کو پہنچا دینا' یہی چیز ہے جو اس نے میرے اختیار میں دی اور یہی فرض ہے جس کے ادا کرنے سے میں اس کی حمایت اور پناہ میں رہ سکتا ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

حقیقت میں تبلیغ حکم بھی ہدایت، اور نفع رسانی ہے (اور تبلیغ نبی کا فرض ہے اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت کرنا اور نفع پہنچانا نبی کے قبضہ میں ہے اس لئے تبلیغ حکم کو لا املک کی عمومی نفی سے مستثنیٰ کرلیا) مطلب یہ کہ مجھ میں نقصان کو دور کرنے اور فائدہ پہنچانے کی اور کچھ طاقت نہیں صرف تبلیغ احکام اور پیغام رسانی میری طاقت میں ہے یا استثنا کا تعلق اَحَدٌ یا ملتحداً سے ہے یعنی اللہ کے عذاب سے مجھے کوئی نہیں بچاسکتا اور نہ اس کے سوا میرے لئے کوئی پناہ گاہ ہے ہاں وہ تبلیغ و پیغام رسانی میرا فرض ہے وہی مجھے اللہ کے عذاب سے بچالے گا اور اگر میں نے اس فرض کو ادا نہیں کیا تو اللہ مجھے عذاب دے گا، حسنؒ اور مقاتلؒ نے اس طرح مطلب بیان کیا ہے کہ میں نہ خیر کا مالک ہوں نہ شر کا نہ ہدایت کا ہاں تبلیغ احکام اور پیام رسانی کا فرض خدا کی طرف سے مجھ پر ہے یعنی اگر میں اللہ کا حکم اور پیام نہ پہنچاؤں تو اس کے عذاب سے مجھے کوئی نہیں بچائے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ

اور جو کوئی حکم نہ مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا سو اس کے لئے

نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾

آگ ہے دوزخ کی رہا کریں اُس میں ہمیشہ ☆

نافرمان کی سزا:

یعنی تمہارے نفع ونقصان کا مالک میں نہیں۔ لیکن اللہ کی اور میری نافرمانی کرنے سے نقصان پہنچنا ضروری ہے۔ (تفسیر عثمانی)

پورا کلام اس طرح تھا کہ میرے اختیار میں صرف تبلیغ احکام ہے، میں حکم پہنچا رہا ہوں، جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے گا وہ ہدایت یاب ہوگا، جو نافرمانی کرے گا تو اس کے لئے دوامی جہنم ہے۔

اصل کلام یوں تھا کہ یہ لوگ برابر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتے رہیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضعیف سمجھتے رہیں گے یہاں تک کہ عذاب کو دیکھیں گے۔ (تفسیر مظہری)

حَتّٰۤی اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ فَسَیَعْلَمُوْنَ

یہاں تک کہ جب دیکھیں گے جو کچھ اُن سے وعدہ ہوا تب جان لیں گے

مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾

کس کے مددگار کمزور ہیں اور گنتی میں تھوڑے ☆

کثرت پر نہ اتراؤ:

یعنی تم جو جتھے باندھ کر ہم پر ہجوم کرتے ہو اور سمجھتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے ساتھی تھوڑے سے آدمی ہیں وہ بھی کمزور۔ تو جب وعدہ کا وقت آئے گا اس وقت پتہ لگے گا کہ کس کے ساتھی کمزور اور گنتی میں تھوڑے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ

تو کہہ میں نہیں جانتا کہ نزدیک ہے جس چیز کا تم سے وعدہ

اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْۤ اَمَدًا ﴿۲۵﴾

ہوا ہے یا کردے اُس کو میرا رب ایک مدت کے بعد ☆

قیامت کا وقت:

یعنی اس کا علم مجھے نہیں دیا گیا کہ وعدہ جلد آنے والا ہے یا ایک مدت

کے بعد۔ کیونکہ قیامت کا وقت معین کر کے اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتلایا۔ یہ ان غیوب میں سے ہے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾
جاننے والا بھید کا سو نہیں خبر دیتا اپنے بھید کی کسی کو
اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ
مگر جو پسند کر لیا کسی رسول کو تو وہ چلاتا ہے
مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾
اس کے آگے اور پیچھے چوکیدار ☆

پیغمبر کے علوم:

یعنی اپنے بھید کی پوری خبر کسی کو نہیں دیتا ہاں رسولوں کو جس قدر ان کی شان ومنصب کے لائق ہو بذریعہ وحی خبر دیتا ہے اس وحی کے ساتھ فرشتوں کے پہرے اور چوکیاں رکھی جاتی ہیں کہ کسی طرف سے شیطان اس میں دخل کرنے نہ پائے اور رسول کا اپنا نفس بھی غلط نہ سمجھے۔ یہی معنی ہیں اس بات کے کہ پیغمبروں کو (اپنے علوم واخبار میں) عصمت حاصل ہے اوروں کو نہیں۔ انبیاء کی معلومات میں شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی دوسروں کی معلومات میں کئی طرح کے احتمال ہیں اسی لیے محققین صوفیہؒ نے فرمایا ہے کہ ولی اپنے کشف کو قرآن وسنت پر عرض کر کے دیکھے اگر ان کے مخالف نہ ہو تو غنیمت سمجھے ورنہ بے تکلف رد کر دے (تنبیہ) اس آیت کی نظیر آل عمران میں ہے "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ" اور کئی سورتوں میں علم غیب کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے وہیں ہم فوائد میں اس پر مفصل کلام کر چکے ہیں فلیراجع۔ (تفسیر عثمانی)

علم غیب: کچھ چیزیں بعض افراد کے اعتبار سے غیب ہوتی ہیں اور بعض کے لحاظ سے نہیں ہوتیں مثلاً جنات کے احوال اور دور کی چیزوں کا علم انسانوں کے لئے غیب ہے اور جنات کے لئے شہادت ہے۔ اسی لئے (حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں) کچھ لوگ خیال کرتے تھے کہ جن غیب سے واقف ہوتے ہیں، حالانکہ جنات صرف شہادت کو جانتے تھے (جو چیز انسانوں کے لئے غیب تھی وہ جنات کے لئے حاضر تھی اس لئے جنات کو غیب کا نہیں بلکہ حاضر کا علم تھا) اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں (جنات کے عالم الغیب ہونے کی تردید میں) فرمایا فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ یا جیسے زمین والوں کے لئے آسمان کے احوال مشرق والوں کے لئے مغرب کے احوال اور مغرب والوں کے لئے مشرق کے احوال غیب ہیں، اس قسم کا علم غیب کبھی وحی والہام سے حاصل ہو جاتا ہے اور کبھی درمیانی پردے اٹھ جانے اور وسطی حجابات کے شفاف ہو جانے کی وجہ سے۔

مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حجر میں موجود تھا اور قریش مجھ سے سیر شب (معراج) کی کیفیت پوچھ رہے تھے انہوں نے مجھ سے بیت المقدس کی بعض ایسی باتیں پوچھیں جو مجھے ٹھیک یاد نہ تھیں اس وقت مجھے ایسی پریشانی ہوئی کہ ویسی پریشانی کبھی نہیں ہوئی تھی پھر اللہ نے میری نگاہ سے حجاب اٹھا دیا اب جو کچھ وہ مجھ سے پوچھتے تھے میں ان کو بتا دیتا تھا۔

بیہقی نے بروایت ابو عمر رضی اللہ عنہ بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر بھیجا اور ساریہ نام کے ایک شخص کو اس کا کمانڈر مقرر کیا ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے اور دوران خطبہ میں بلند آواز سے پکارنے لگے۔ اے ساریہ پہاڑ (کی طرف دیکھ)

ابو داؤد رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول نقل کیا ہے کہ نجاشی کی وفات کے بعد ہم آپس میں تذکرہ کرتے تھے کہ ان کی قبر پر پیہم ایک نور نظر آتا ہے۔ حجابات اٹھنے کے بعد یہ علم بھی علم غیب نہیں رہتا بلکہ علم الشہادۃ ہو جاتا ہے اگرچہ معجزہ اور کرامت کے طور پر ہی اس کا حصول ہوتا ہے۔

فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا یعنی وہ اپنے غیب پر کسی مخلوق کو مطلع نہیں فرماتا۔

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مگر جن کو وہ پسند کر لیتا ہے ان کو وہ واقف کرا دیتا ہے، تاکہ یہ علم ان کا معجزہ ہو جائے اور وہ فرمانبرداروں کو بشارت دے سکیں اور نافرمانوں کو عذاب سے ڈرائیں۔

رسول کا معنی:

مِنْ رَّسُوْلٍ رسول کا لفظ بہت عام ہے انسان ہو یا فرشتہ دونوں اس میں داخل ہیں، لفظ رسول انبیاء کو بھی شامل ہے، تمام انبیاء تبلیغ احکام کے لئے خدا ہی کے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں۔ صرف ایسے نبی کو رسول کہنا جس کو جدید شریعت اور کتاب دے کر بھیجا گیا ہو محض اصطلاح ہے (باعتبار حقیقت ولغت ہر نبی رسول ہوتا ہے)

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہے کہ علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ: دارمی بروایت کثیر بن قیسؒ، ابن البخاری بروایت ابن انسؓ، وابن عدی بروایت علیؓ، موخر الذکر دونوں راویوں کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، علماء زمین کے چراغ اور انبیاءؑ کے جانشین ہیں یا یہ فرمایا کہ علماء میرے وارث اور انبیاءؑ کے وارث ہیں۔

ابن عقیل نے بروایت انس رضی اللہ عنہ یہ الفاظ نقل کیے کہ علماء اس وقت تک

پیغمبروں کی طرف سے امین ہیں جب تک بادشاہ کے ساتھ نہ مل جائیں اور دنیا میں نہ گھس جائیں۔

اولیاء کی کرامتیں:

اہل السنت والجماعت قائل ہیں کہ اولیاء کی کرامتیں (حقیقت میں) ان کے پیغمبر ہی کا معجزہ ہوتی ہیں اللہ نے فرمایا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ ۔ہم نے ہر پیغمبر کو اس کی قوم کی زبان ہی میں پیغام رساں بنا کر بھیجا ہے اور چونکہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے۔(اور تمام انسان آپ کی قوم قرار پائی) اس لئے جو علماء اور اولیاء آپ کے پیرو ہوئے اہل سنت کے نزدیک وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زبان ہوئے تاکہ حصر درست ہو جائے اور بِلِسَانِ قَوْمِهٖ میں اضافت کا عموم صحیح قرار پائے (پس علماء امت اور اولیاء اسلام سے جو کرامتیں ظاہر ہوئیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا معجزہ ہوا)۔

صوفیاء کے مکاشفات:

اولیاء کو جو علم غیب الہام وغیرہ سے حاصل ہوتا ہے وہ قطعی یقینی نہیں ہوتا بلکہ ظنی ہوتا ہے (جس میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے) اسی لئے صوفیاء کا قول ہے کہ صوفیہ کے مکاشفات کا کتاب وسنت (قرآن وحدیث) سے مقابلہ کرنا ضروری ہے اگر قرآن وحدیث کے موافق ہوں تو قبول کئے جائیں کیونکہ قطعی کے موافق کا بھی قطعی ہونا ضروری ہے اگر مخالف ہوں تو قبول نہ کئے جائیں۔ یہ بھی صوفیا کا قول ہے کہ جس چیز کو شریعت نے رد کر دیا وہ گمراہی ہے اور اگر شریعت اس چیز میں خاموش ہو تو اس کو قبول کر لیا جائے گا مگر (وہ چیز یقینی نہیں قرار پائے گی) غلطی کا احتمال اس میں باقی رہے گا۔ اور آیت میں علم غیب سے مراد وہ علم ہے جو یقینی اور قطعی ہو۔

ایک اور آیت ہے (جس میں حضرت مریم کا تذکرہ ہے اور مریم " پیغمبر نہیں تھیں)

ترجمہ: فرشتہ نے نشیبی جانب سے مریم کو پکارا کہ کچھ رنجیدہ نہ ہو تیرے خدا نے تیرے نیچے نہر جاری کر دی اور درخت کھجور کے تنہ کو ہلا (باوجود خشک ہونے کے) اس سے تازہ کھجوریں گریں گی، کھجوریں کھا، پانی پی، بچہ سے آنکھیں ٹھنڈی کر اب اگر تجھے کوئی آدمی دکھائی دے تو اس سے بات نہ کر اور اشارہ سے بتا دے کہ میں نے آج اللہ کی نذر کا روزہ رکھا ہے اس لئے کسی شخص سے آج بات نہیں کروں گی۔

ایک اور آیت میں فرمایا وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَى الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ ۔ میں نے حواریوں کو الہام کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔

تنبیہ: اولیاء کے جس علم کو ہم نے ظنی کہا ہے اس سے مراد علم حصولی ہے جو کبھی الہام سے حاصل ہوتا ہے خواہ بتوسط ملائکہ ہو یا براہ راست اور کبھی درمیانی حجابات اٹھ جانے کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ جیسے ساریہ والی حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہم نقل کر چکے ہیں، اسی قسم میں اس انکشاف کو داخل قرار دیا گیا ہے جو بعض اولیاء کو کسی کسی وقت لوح محفوظ کا ہو جاتا ہے اور وہ قضاء مبرم ومعلق کا مطالعہ کرتے ہیں اور کبھی کشف علمی خواب یا مراقبہ کی حالت میں عالم مثال کے مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے، حضرت انسؓ کی روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صالح خواب نبوت کا چھیالیسواں جزء ہے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، سوا مبشرات کے نبوت کا اور کوئی حصہ باقی نہیں رہا، صحابہ نے عرض کیا ،مبشرات کیا، فرمایا صالح خواب، بخاری علم کی ان تمام اقسام میں انبیاء کے علاوہ غلطی واقع ہو سکتی ہے کیونکہ الہام میں شیطان گڑ بڑ کر سکتا ہے۔ آدمی کے دل کے دو خانے ہیں۔ ایک فرشتے کا اور دوسرا شیطان کا، کبھی کشف شیطانی ملکی چمکارے کی شکل میں نمودار ہو جاتا ہے کیونکہ وہم دخل انداز ہو جاتا ہے یا شیطان کشف اور عالم مثال کے مطالعے میں دھوکہ دے دیتا ہے۔ حضرت ابو قتادہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نیک خواب اللہ کی طرف سے اور بدخواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

محمد بن سیرینؒ کا قول ہے کہ خواب تین ہوتے ہیں (۱) نفس کا تخیل۔ (۲) شیطان کی طرف سے ڈراوا۔ (۳) اللہ کی طرف سے بشارت (متفق علیہ) کبھی خواب کی تعبیر میں غلطی ہو جاتی ہے۔ کشف اولیاء میں اگرچہ غلطی کا امکان ہوتا ہے مگر غلطی کا وقوع بہت ہی نادر ہے کیونکہ اولیاء انبیاء سے مشابہت رکھتے ہیں (فرق یہ ہے کہ) انبیاء ہمیشہ معصوم ہیں اور اولیاء اکثر (خطاء علمی سے) محفوظ ہوتے ہیں۔

علم لدنی: رہا اولیاء کا علم حضوری بلکہ حضوری سے بھی زیادہ کاشف جس کو علم لدنی کہا جاتا ہے اور جس کا تعلق اللہ کی ذات وصفات سے ہوتا ہے تو اس میں خطاء کا امکان نہیں ہوتا وہ وجدانی اور قطعی ہوتا ہے۔ بلکہ اس علم کا درجہ عام علوم سے اونچا ہوتا ہے ہر شخص کو اپنی ذات کا علم حضوری وجدانی ہوتا ہے کیونکہ خود ہی عالم ہے اور خود ہی معلوم (اپنی ذات کو) جاننے کے لئے کسی تصور کی ضرورت نہیں پڑتی۔

پس یہ لدنی علم اولیاء کو پیغمبروں کے توسل سے حاصل ہوتا ہے۔ اگرچہ پیغمبر تک پہنچنے کے درمیان وسائل کتنے ہی زیادہ ہوں۔

کاہنوں اور نجومیوں کی خبریں:

بخاری نے بروایت ابو الغاظور حاکم ایلیا کی بیان کردہ حدیث نقل کی ہے۔ حاکم ایلیا مسلمان ہو چکا تھا، اس کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں ہرقل ایلیا میں آیا تھا تو ایک روز صبح کو کچھ پریشان تھا کسی سردار نے پوچھا آج آپ کی حالت ہم غیر پاتے ہیں کیا وجہ ہے ہرقل نجومی تھا سوال کے جواب میں بولا

آج رات میں نے نجوم کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ ختنہ کرنے والی قوم کا بادشاہ برآمد ہو گیا ہے، ہرقل نے اپنے اس مطالعہ کی اطلاع اپنے کسی دوسرے ساتھی کو بھی لکھ بھیجی جو ہرقل کی ہی طرح ماہر نجوم تھا اس کے خط سے بھی ہرقل کی رائے کی تائید ہو گئی اور اس نے لکھ دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہو گیا اور وہ واقعی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

یہ بھی صحیح ہے کہ کاہنوں اور نجومیوں نے فرعون کو اطلاع دے دی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا اور فرعون کی حکومت کا زوال اسی کے ہاتھ سے ہوگا یہی وجہ تھی کہ فرعون بنی اسرائیل کے نوزائیدہ لڑکوں کو قتل کرادیتا تھا اور لڑکیوں کو قتل نہ کراتا تھا، طبیب بھی مرض کی کیفیت اور مریض کو شفاء دینے والی دواء جڑی بوٹیوں کے خواص سے واقف ہوتے ہیں اور ان کا یہ علم کبھی قطعی ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی راویت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کے متعلق دریافت کیا گیا فرمایا کہ وہ کبھی ایسی بات کہہ دیتے ہیں جو کہ سچی ہوتی ہے اور وہ بات (خدا کی طرف سے) حق ہوتی ہے جس کو کوئی جن لے جھپٹتا ہے اور مرغی کی ٹھونگ کی طرح اپنے دوست (کاہن) کے کان میں کٹ کٹ کر دیتا ہے وہ سو سے زیادہ جھوٹ اس میں ملا دیتے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

رہا علم نجوم اور فن طب تو ان کی بنیاد تجربہ پر ہے اور تجربہ علم غیب نہیں علم شہادت ہے اور یہ امر زیادہ واضح ہے کہ دواؤں کی خاصیت وطبیعت کی شناخت اور ستاروں کے خواص یعنی سعادت ونحوست وغیرہ کی پہچان۔

علم طب وغیرہ یقینی علم نہیں:

بغوی نے سورۃ سبا کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ بیت المقدس کی محراب میں جب حضرت سلیمان ہوتے تھے تو روزانہ ایک درخت وہاں اگتا تھا آپ پوچھتے تھے، تیرا نام کیا ہے وہ اپنا نام بتاتا تھا، پھر آپ دریافت کرتے تھے تو کس کام کے لئے ہے؟ وہ جواب دیتا تھا ایسے ایسے کام کے لئے پھر آپ اس کو کاٹ دینے کا حکم دے دیتے تھے اگر وہ بوئے جانے کے قابل ہوتا تو اس کا پودا بو دیا جاتا تھا اور اگر کوئی دواء ہوتی تھی تو اس کو (نام اور خاصیت کے ساتھ) لکھ لیا جاتا تھا آخر خروبہ بوٹی پیدا ہوئی، آپ نے اس کا نام پوچھا اس نے خروبہ بتایا آپ نے پوچھا تو کس کام کے لئے ہے اس نے جواب دیا آپ کی مسجد کی ویرانی کے لئے۔ یہ قصہ امام محمد غزالیؒ نے اپنی کتاب منقذ من الضلال میں ذکر کیا ہے۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ علم طب اور نجوم یقینی علوم نہیں کیونکہ دواؤں اور ستاروں کی تاثیر (بذات خود کچھ نہیں) ایک عادی امر ہے، اللہ کا معمول ہے کہ دواؤں کو استعمال کرنے اور ستاروں کے طلوع ہونے کے بعد اللہ کچھ تاثیریں پیدا کر دیتا ہے لیکن بہت مرتبہ وہ تاثیریں نمودار نہیں بھی ہوتیں یہ تو اللہ کی مشیت ہے جیسا چاہتا ہے کر دیتا ہے۔ (دواء کا استعمال یا ستارہ کا طلوع بذات خود یقینی طور پر اثر آفریں نہیں) اس تقریر سے یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی نجوم کا قائل ہو اور یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اللہ کا معمول یہ ہے کہ اس ستارے کے طلوع کے بعد اللہ یہ اثر پیدا کر دیتا ہے تو ایسا عقیدہ رکھنے والا کافر نہیں ہو جاتا یہ بات تو ایسی ہی ہے کہ جیسے کسی کا عقیدہ ہو کہ دواء پینے سے اللہ شفاء عطا کرتا ہے اور زہر پینے سے موت مسلط کر دیتا ہے، ہاں کسی کا عقیدہ ہو کہ ستاروں کے طلوع و غروب سے براہ راست کسی اثر کی پیدائش وابستہ ہے (اور ستاروں کا طلوع و غروب واقعات کا موجد اور علت تامہ ہے) تو ایسا عقیدہ رکھنے والا کافر ہو جائے گا جیسے دواء کو شفاء کی علت تامہ سمجھنے والا کافر ہو جائے گا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ بن خالد جہنی نے فرمایا کہ ایک روز حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز ہم کو پڑھائی رات کو بارش ہو چکی تھی، نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف رخ کر کے فرمایا کیا تم واقف ہو تمہارے رب نے کیا فرمایا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی بخوبی علم ہے اللہ نے ارشاد فرمایا میرے بندوں میں سے کچھ لوگ مومن رہے اور کچھ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا اللہ کی فضل ورحمت سے ہم پر بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان رکھنے اور ستاروں (کی تاثیر حقیقی کے) منکر ہوئے اور جنہوں نے کہا کہ فلاں فلاں ستاروں کے طلوع کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی وہ میرے منکر اور ستاروں کے عقیدت مند ہوئے۔ (بخاری ومسلم)

فن نجوم سیکھنا: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤخر الذکر عقیدہ والا کافر ہے اور اول عقیدہ والا کافر نہیں، مگر فن نجوم میں مشغول ہونا مطلقاً مکروہ کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے علم نجوم سے اقتباس کیا اس نے سحر کی ایک شاخ سے اقتباس کیا اس نے (بظاہر علم میں) زیادتی کی اور (حقیقت میں) کچھ زیادتی نہیں کی کہ یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے احمد ابوداؤد اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے۔

علم رمل: اسی طرح علم خطوط ونقاط (علم رمل) بھی تعلیم انبیاء کا خوشہ چیں ہے مگر مفید ظن ہے قطعی نہیں ہے باقی بدشگونی بالکل بے حقیقت ہے۔

جاہلیت کے کاموں سے ممانعت:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بن حکم نے بیان کیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم جاہلیت کے زمانے میں کیا کچھ کیا کرتے تھے (مثلاً) کاہنوں کے پاس جاتے تھے (اب کیا حکم ہے) فرمایا کاہنوں کے پاس نہ جاؤ، میں نے عرض کیا ہم بدشگونی لیتے تھے فرمایا کہ یہ تمہارا ذاتی تاثر ہوتا ہے اب یہ (شگون) تم کو (کسی کام کو کرنے یا نہ کرنے سے) نہ روکے میں نے عرض کیا ہم میں سے کچھ لوگ لکیریں کھینچتے ہیں (اور اس طرح آئندہ کی خبر معلوم کرنا چاہتے

ہیں) فرمایا کہ ایک پیغمبر خط کشی (فن رمل کا عمل) کیا کرتے تھے اب جس کی کھنچی ہوئی لکیر اس کے موافق ہوجاتی ہے تو وہی ہوجاتا ہے۔ (مسلم)

فراست مومن: (۱) صوفی جب شریعت کا اتباع کرتا ہے اور سنت پر چلتا ہے تو اس کے ظاہری اور باطنی حواس روشن ہوجاتے ہیں، یہی روشنی اس کے لئے علم غیب کا ذریعہ ہوتی ہے اسی کو فراست مومن کہا گیا ہے (۲) بھوکا رہ کر ریاضت اور نفس کشی کر کے بھی بعض اوقات درمیانی حجابات اٹھ جاتے ہیں اور مثالی شکلیں (یعنی غیر مادی عالم بالا کی تصویریں) نظر کے سامنے آجاتی ہیں مگر حقیقت میں یہ علم غیب نہیں ہوتا بلکہ علم بالشہادہ ہوتا ہے (جس چیز کا علم ہوجاتا ہے وہ یا اس کی مثالی صورت آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے) پھر بھی یہ سمجھنے کی بات ہے کہ جب اولیاء کا علم کشفی و مثالی ظنی ہوتا ہے (یقینی نہیں ہوتا) اور اس میں غلطی کا امکان ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

علم غیب اور غیبی خبروں میں فرق:

علم غیب کلی کی نفی سے ہر غیب کی نفی مطلقاً مراد نہیں، بلکہ منصب رسالت کے لئے جس قدر علم غیب کی خبروں اور غیب کی چیزوں کا علم کسی رسول کو دینا ضروری ہے وہ ان کو منجانب اللہ بذریعہ وحی دیا جاتا ہے اور وہ ایسے محفوظ طریقے سے دیا جاتا ہے کہ جب ان پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے تو اس کے ہر طرف فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے تاکہ شیاطین اس میں کوئی مداخلت نہ کرسکیں، اس میں اول تو لفظ رسول سے اس غیب کی نوعیت متعین کردی گئی جس کا علم رسول و نبی کو دیا جاتا ہے اور وہ ظاہر ہے کہ علم شرائع و احکام بتامہ اور غیب کی خبریں بقدر ضرورت وقت، اس کے بعد جو علم غیب رسول و نبی کو دیا جاتا ہے اس کی نوعیت اگلے جملوں سے یوں بھی متعین کردی کہ وہ بذریعہ فرشتوں کے بھیجا جاتا ہے اور وحی لانے والے فرشتے کے گرد دوسرے فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے، اس سیت یہ بات واضح ہوگئی کہ اس استثناء سے جس علم غیب کا نبی و رسول کے لئے اثبات ہے وہ بعض اور مخصوص علم غیب ہے جس کی ضرورت منصب رسالت کے لئے درپیش ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

علم غیب کمالات الوہیت میں سے ہے نہ کہ کمالات نبوت سے۔ اس لئے پیغمبر سے علم غیب کی نفی کی کوئی تنقیص نہیں، بلکہ علم غیب ثابت کرنے سے بہت سے کمالات عبدیت و بندگی ختم ہوجاتے ہیں اور یہ کیونکر ممکن ہے کہ اللہ کا وہ پیغمبر جس کی سب سے بڑی عظمت و بلندی یعنی واقعہ معراج کو بیان کرتے ہوئے عبدیت بیان کی گئی جیسے ارشاد ہے، سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ. وہ عبدیت ہی کے کمالات سے محروم ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (معارف کاندھلوی)

مسئلہ علم غیب گلدستہ تفاسیر جلد اول میں یؤمنون بالغیب اور سورۃ بقرہ آیت نمبر ۳۳ پر مفصل موجود ہے ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔

لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ
تاکہ جانے کہ انہوں نے پہنچائے پیغام اپنے رب کے ☆

وحی کی حفاظت: یعنی یہ زبردست انتظامات اس غرض سے کیے جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھ لے کہ فرشتوں نے پیغمبروں کو یا پیغمبروں نے دوسرے بندوں کو اس کے پیغامات ٹھیک ٹھیک بلا کم و کاست پہنچادیے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ تاکہ اللہ جان لے (یوں تو اللہ کو ہر چیز کا علم پہلے سے ہے یہاں) جاننے سے مراد ہے عملی تعلق کا کسی موجود کے ساتھ ظاہر ہوجانا۔ یہی مراد آیت لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ. میں بھی ہے۔ شیطان سے حفاظت کرنے کے لئے ملائکہ کو مامور کرنے کی یہ علت ہے مطلب یہ ہے کہ حفاظت وحی کے بعد اللہ کو معلوم ہوجائے کہ پیغمبروں نے اپنے رب کے پیام بلا کم و بیش پہنچادیے حاصل کلام یہ کہ پیغمبر اللہ کے پیام کو بغیر تغیر و تبدل اور آمیزش کے پہنچاسکیں اسی غرض سے اللہ نے حفاظت وحی کے لئے فرشتوں کو مقرر کردیا ہے۔

بعض لوگوں نے لیعلم کا فاعل رسول کو قرار دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رسول کو معلوم ہوجائے کہ اس نے اور اس کے دوسرے پیغمبر بھائیوں نے صحیح صحیح اللہ کے پیغام پہنچا دیے اور شیطان اس میں کوئی مداخلت نہ کرسکا نہ اس کو بگاڑ سکا نہ اس میں آمیزش کرسکا یا ابلغوا کا فاعل ملائکہ ہے مطلب یہ کہ پیغمبر کو معلوم ہوجائے کہ ملائکہ نے اللہ کا پیغام صحیح سالم بغیر شیطان کی دخل اندازی کے مجھ تک پہنچادیا۔ (تفسیر مظہری)

وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى
اور قابو میں رکھا ہے جو ان کے پاس ہے
كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾
اور گن لی ہے ہر چیز کی گنتی ☆

یعنی ہر چیز اس کی نگرانی اور قبضہ میں ہے کسی کی طاقت نہیں کہ وحی الٰہی میں تغیر و تبدل یا قطع و برید کرسکے۔ اور یہ پہرے چوکیاں بھی شان حکومت کے اظہار اور سلسلہ اسباب کی محافظت کے لیے بہت سی حکمتوں پر مبنی ہیں۔ ورنہ جس کا علم اور قبضہ ہر چیز پر حاوی ہو اس کو ان چیزوں کی کوئی احتیاج نہیں۔ تم سورۃ الجن وللہ الحمد والمنۃ۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ یعنی پیغمبروں کو جو علم دیا گیا اللہ اس کو محیط ہے اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

ہر چیز کا عددی احاطہ: وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا اللہ نے ہر چیز کا عددی احاطہ کر رکھا ہے پہاڑوں کے وزن کی تعداد، دریاؤں کے ناپ کی تعداد، بارش کے قطروں کی تعداد، درختوں کے پتوں کی تعداد، غرض ان تمام چیزوں کی تعداد جو رات کے اندھیرے یا دن کی روشنی میں ہوں اللہ کو معلوم ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

سورہ جن ختم ہوئی بحمد اللہ تعالیٰ

سورة المزمل

جس نے اس کو خواب میں پڑھا اس کی سیرت اچھی ہوگی اور وہ صابر رہے گا۔ (ابن سیرین)

سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ عِشْرُوْنَ اٰيَةً فِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورہ مزمل مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی بیس آیتیں ہیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾

اے کپڑے میں لپٹنے والے ☆

مُزمل کہنے کی وجہ:

یہ سورۃ ابتدائی سورتوں میں سے ہے جو مکہ میں نازل ہوئیں۔ روایات صحیحہ میں ہے کہ شروع میں جب وحی کی دہشت اور ثقل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن کانپنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر والوں سے فرمایا "زملونی زملونی" (مجھے کپڑا اڑھاؤ کپڑا اڑھاؤ) چنانچہ کپڑا اڑھا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اور اس سے اگلی سورت میں آپ کو وہی نام لے کر پکارا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ قریش نے "دارالندوہ" میں جمع ہو کر آپ کے متعلق مشورہ کیا کہ آپ کی حالت کے مناسب کوئی لقب تجویز کرنا چاہیے۔ کسی نے "کاہن" کہا کسی نے "جادوگر" کسی نے "مجنوں" مگر اتفاق رائے کسی چیز پر نہ ہوا۔ اخیر میں "ساحر" کی طرف رجحان تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو رنجیدہ اور غمگین ہوئے اور کپڑوں میں لپٹ گئے۔ جیسا کہ اکثر سوچ اور غم میں مغموم آدمی اس طرح کر لیتا ہے۔ اس پر حق تعالیٰ نے تانیس و ملاطفت کے لیے اس عنوان سے خطاب فرمایا جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ایک مرتبہ "قم اباتراب" فرمایا تھا جبکہ وہ گھر سے رنجیدہ ہو کر چلے گئے اور مسجد میں زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔

درویشی کے لوازم:

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں "کہ اس سورت میں خرقہ پوشی کے لوازم و شروط بیان ہوئی ہیں"۔ گویا یہ سورت اس شخص کی سورۃ ہے جو درویشوں کا خرقہ پہنے اور اپنے تئیں اس رنگ میں رنگے۔ لغت عرب میں "مزمل" اس شخص کو کہتے ہیں جو بڑے کشادہ کپڑے کو اپنے اوپر لپیٹ لے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول ایسا تھا کہ جب نماز تہجد اور قرآن شریف کی تلاوت کے لیے رات کو اٹھتے تھے تو ایک کمبل دراز اوڑھ لیتے تھے۔ تا سردی سے بدن محفوظ رہے اور وضو و نماز کی حرکات میں کسی طرح کا حرج واقع نہ ہو۔ نیز اس عنوان کے اختیار کرنے میں ان لوگوں کو ہوشیار کرنا ہے جو کپڑوں میں لپٹے ہوئے رات کو آرام کر رہے ہوں کہ رات کا ایک معتدبہ حصہ اللہ کی عبادت میں گزاریں۔ (تفسیر عثمانی)

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ۔ اس کا معنی ہے کپڑوں میں لپٹ جانا تَزَمَّلَ فَيَاَيُّهُ اس نے اپنے اوپر کپڑے لپیٹ لئے۔ مدثر کے بھی یہی معنی اور یہی اصل ہے تبلیغ رسالت سے پہلے ابتداء وحی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی خطاب سے مخاطب کیا گیا اس وقت دہشت کے مارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کپڑے لپیٹے ہوئے تھے۔ اس زمانہ کے بعد پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرما کر خطاب کیا گیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم توقف وحی کے متعلق بیان فرما رہے تھے کہ میں پیدل جا رہا تھا، اچانک ایک آواز سنی اور پر نگاہ اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو میرے پاس حراء میں آیا تھا۔ کرسی پر بیٹھا آسمان و زمین کے درمیان (معلق) موجود تھا مجھے اس سے اتنا ڈر لگا کہ قریب تھا کہ گر جاؤں گھر لوٹ کر آیا تو میں نے گھر والوں سے کہا مجھے کپڑے اڑھاؤ، اس وقت اللہ نے يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ آیت فَاهْجُرْ تک نازل فرمائی پھر وحی گرما گرم ہوگئی اور پے درپے آنے لگی۔ متفق علیہ۔

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کردہ طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جا کر فرمایا مجھے کپڑے اڑھاؤ، مجھے کپڑے اڑھاؤ، گھر والوں نے کپڑے اڑھا دیئے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دہشت جاتی رہی، ہم اس حدیث کو سورۃ اقراء میں ذکر کریں گے، بزار اور طبرانی نے ضعیف سند سے بیان فرمایا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مشورہ گھر (چوپال) میں قریش نے جمع ہو کر کہا کہ اس شخص کا کوئی خاص نام رکھ دو کہ لوگ اس نام کو لے کر (مکہ سے) باہر نکلیں (اور وہ نام اطراف ملک میں مشہور ہو جائے) لوگوں نے کہا اس کو کاہن کہو، دوسرے کہنے لگے یہ کاہن تو نہیں ہے، کہنے لگے، دیوانہ کہو، دوسروں نے کہا کہ یہ دیوانہ بھی نہیں ہے، کہنے لگے ساحر کہو، بولے ساحر بھی نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کپڑا اوڑھ کر لیٹ گئے۔ اس وقت جبرائیل علیہ السلام آئے

اور یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ اور یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ کہا۔ (تفسیر مظہری)

محبت بھرا لقب:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کی بیہودہ باتوں پر کپڑوں میں لپٹے ہوئے تھے کہ وحی نازل ہوئی اور اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت ہی انداز ملاطفت میں اس عنوان سے پکارا یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ کہ اے چادر میں لپٹنے والے، جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ گھر سے کسی بات پر رنجیدہ ہو کر باہر چلے گئے اور مسجد کے صحن میں زمین پر لیٹ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معلوم کرایا کہ علی رضی اللہ عنہ کہاں ہیں، معلوم ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریب تشریف لائے اور شانہ پر دیکھا کہ مٹی لگی ہوئی ہے، اس کو اپنے دست مبارک سے صاف کرتے ہوئے یہ فرماتے جا رہے تھے۔ قم یا ابا تراب، قم ابا تراب، اے ابوتراب یعنی مٹی میں لتھڑے ہوئے اٹھ جا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پیار و ملاطفت کو زندگی بھر یاد کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے، خدا کی قسم اس لقب سے مجھ کو پکارا جانا جس قدر محبوب ہے اتنا کسی بھی نام سے پکارا جانا محبوب نہیں تو اسی طرح یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ کا عنوان اللہ رب العزت کی طرف سے اس حال میں جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رنج و غم کے عالم میں کپڑوں میں لپٹے ہوئے تھے، بارگاہ خداوندی سے ملاطفت و محبت کا پیکر اعظم ہے تو فرمایا۔ (معارف کاندھلوی)

قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۲
کھڑا رہ رات کو مگر کسی رات ☆

تہجد کا حکم:

یعنی کسی رات اتفاق سے نہ ہو سکے تو معاف ہے اور اکثر مفسرین کے نزدیک ''اِلَّا قَلِيْلًا'' کا مطلب یہ ہے کہ رات کو اللہ کی عبادت میں کھڑے رہو ہاں تھوڑا سا حصہ شب کا اگر آرام کرو، تو مضائقہ نہیں۔ غالباً تھوڑے سے مراد یہاں نصف ہوگا کیونکہ رات جو آرام کے لئے تھی جب آدھی عبادت میں گزار دی تو اس کے اعتبار سے باقی نصف کو ''تھوڑا'' ہی کہنا موزوں تھا۔ (تفسیر عثمانی)

قُم یعنی نماز پڑھ، قیام سے نماز مراد ہے جزء بول کر کل مراد لیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قیام رکن صلوۃ ہے یہی اجماعی فیصلہ ہے۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نصف رات میں نماز نہ پڑھنا یعنی سونا معمولی سونے سے کم ہی ہوتا ہے کیونکہ اللہ نے رات آرام کے لئے بنائی ہے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ جب آدھی رات تہجد کی نماز کے لئے ہوگی اور دوسرے نصف میں مختلف مشاغل بھی ہوئے، مغرب اور عشاء کی نمازیں کھانا، پینا، قضائے حاجت وغیرہ تو سونے کے لئے آدھی رات سے کم حصہ باقی رہا۔ (تفسیر مظہری)

نماز تہجد کے احکام اور ان میں تبدیلی:

لفظ مزمل اور مدثر خود اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ یہ آیت بالکل شروع اسلام اور نزول قرآن کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی ہیں جبکہ اس وقت پانچ نمازیں امت پر فرض نہیں ہوئیں تھیں کیونکہ پانچ نمازوں کی فرضیت تو شب معراج میں ہوئی ہے۔

امام بغویؒ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وغیرہ کی احادیث کی بناء پر یہ فرمایا ہے کہ اس آیت کی رو سے قیام اللیل یعنی رات کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام امت پر فرض تھی اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب پانچ نمازیں فرض نہیں تھیں۔

امام بغویؒ روایت حدیث کی بناء پر یہ فرماتے ہیں کہ اس حکم کی تعمیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رات کے اکثر حصہ کو نماز تہجد میں صرف فرماتے تھے یہاں تک کہ ان کے قدم ورم کر گئے، اور یہ حکم خاصا بھاری معلوم ہوا، سال بھر کے بعد اسی سورت کا آخری حصہ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ نازل ہوا جس نے اس طویل قیام کی پابندی منسوخ کر دی اور اختیار دے دیا کہ جتنی دیر کسی کے لئے آسان ہو سکے اتنا وقت خرچ کرنا نماز تہجد میں کافی ہے یہ مضمون ابوداؤد و نسائی میں حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب پانچ نمازوں کی فرضیت شب معراج میں نازل ہوئی تو نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہو گئی البتہ سنت پھر بھی رہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اس پر مداومت فرمائی اس طرح اکثر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بڑی پابندی سے نماز تہجد ادا کرتے تھے۔ (مظہری) (معارف مفتی اعظم)

نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ
آدھی رات یا اُس میں سے کم کر دے
قَلِيْلًا ۝۳ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ
تھوڑا سا یا زیادہ کر اُس پر ☆

یعنی آدھی رات سے کچھ کم جو تہائی تک پہنچ سکتی ہے یا آدھی سے زیادہ جو دو تہائی تک ہو۔ بقرینۃ قولہ تعالیٰ فیما بعد ''اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ'' الخ۔ (تفسیر عثمانی)

آسانی کا حکم:

بغویؒ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم قیام شب کرتے تھے لیکن کسی کو معلوم نہ ہوتا کہ تہائی رات کب ہوئی اور نصف کب ہوئی اور دو تہائی کب ہوئی، اس طرح ساری

رات قیام میں گزرتی تھی تا کہ کہیں واجب مقدار فوت نہ ہو جائے یہ بات صحابہؓ پہ بہت شاق گزرتی تھی یہاں تک کہ ان کے پاؤں پر ورم آ گیا تھا۔ آخر میں اللہ نے رحم فرمایا اور حکم میں تخفیف فرما دی اور آیت فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ سے حکم کو منسوخ فرما دیا اب قیام سنت رہ گیا (وجوب ساقط ہو گیا)۔

سعید بن ہشام کا بیان ہے کہ میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں گیا اور عرض کیا یا ام المومنین مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق بتایئے، فرمایا کیا تو قرآن نہیں پڑھتا؟ میں نے عرض کیا پڑھتا کیوں نہیں ہوں فرمایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا، میں نے عرض کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام شب کے متعلق فرمایئے، فرمایا کہ تو يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ نہیں پڑھتا، میں نے عرض کیا پڑھتا کیوں نہیں ہوں فرمایا کہ اس سورت کے شروع میں اللہ نے قیام فرض کر دیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم سال بھر تک رات کو قیام کرتے رہے یہاں تک کہ پاؤں سوجھ گئے۔ سورۃ کی آخری آیت کو بارہ مہینے تک اللہ نے آسمان پر روکے رکھا پھر سورۃ کے آخر میں تخفیف فرما دی اس کے بعد قیام شب نفل ہو گیا۔ ابوداؤد، نسائی، بغوی، حاکم، ابن جریر نے اسی طرح کی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نقل کی ہے۔

مقاتل رضی اللہ عنہ اور ابن کیسان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یہ واقعہ (یعنی فرضیت قیام شب) پنجگانہ نماز کے فرض ہونے سے پہلے کا ہے جو مکہ میں تھا، جب پانچ نمازیں فرض ہو گئیں تو فرضیت قیام منسوخ ہو گئی۔

میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ فرضیت قیام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ مخصوص تھی کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ۔ اللہ جانتا ہے کہ تم دو تہائی رات سے کم اور آدھی رات اور تہائی رات نماز پڑھتے ہو اور تمہارے ساتھیوں کا ایک گروہ بھی نماز پڑھتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ؕ

اور کھول کھول کر پڑھ قرآن کو صاف ☆

ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھنا:

یعنی تہجد میں قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کہ ایک ایک حرف صاف سمجھ میں آئے اس طرح پڑھنے سے فہم و تدبر میں مدد ملتی ہے اور دل پر اثر زیادہ ہوتا ہے اور ذوق و شوق بڑھتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن پڑھنے والے سے کہا جائے گا کہ پڑھ اور ترقی کر اور ترتیل کر، تیری منزل اس آخری آیت کے پاس ہے جو تو پڑھتا تھا۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد و نسائی)

ترتیل کا معنی ہے سہولت اور راستی کے ساتھ زبان سے لفظ کو نکالنا (صراح و قاموس)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ ۔ قرآن کو کھول کر بیان کر۔ حسن بصریؒ سے بھی یہی مطلب منقول ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت:

قتادہؒ نے کہا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کیسی تھی؟ فرمایا کھینچ کر تھی پھر آپ نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کی قراءت اللہ اور الرحمن اور الرحیم کو کھینچ کر کی۔ (بخاری)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت دریافت کی گئی تو آپؓ نے قراءت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح کرتے ہوئے ایک ایک لفظ کھول کر پڑھا یعنی فرمایا کہ ایک ایک حرف علیحدہ علیحدہ پڑھتے تھے تمام حروف الگ الگ سمجھ میں آ جاتے تھے۔ (ترمذی ابوداؤد و نسائی)

یہ بھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قراءت توڑ دیتے تھے (یعنی) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پڑھ کر ٹھہراؤ کرتے تھے پھر الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر ٹھہراؤ کرتے تھے۔ (ترمذی)

خوش آوازی:

میں کہتا ہوں کہ ترتیل کے اندر خوش آوازی سے پڑھنا بھی شامل ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ کسی چیز کی طرف اتنا متوجہ نہیں ہوتا جتنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش آوازی سے قرآن پڑھنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے (ہم نے اذن کا ترجمہ متوجہ ہونا کیا لفظی ترجمہ کان لگانا) (بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں ہے کہ اللہ اتنی (سننے میں) توجہ کسی چیز کی طرف نہیں کرتا جتنی اس خوش آواز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتا ہے جو بلند آواز سے قرآن پڑھ رہا ہو۔ (بخاری و مسلم)

گا کر نہ پڑھو:

یہ بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قرآن کی قراءت میں تغنی نہ کرے وہ ہم میں سے غیر متعلق ہے۔ (بخاری)

تغنی سے مراد گانا نہیں ہے یہ تو حرام ہے بلکہ خوش آوازی سے پڑھنا مراد ہے بعض روایات میں خوش آوازی سے پڑھنے کی صراحت بھی آئی ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قرآن کو عرب کے لہجوں اور آوازوں میں پڑھو، اہل عشق اور یہود و نصاریٰ کی لے سے پرہیز رکھو میرے بعد کچھ لوگ آئیں گے جو قرآن میں گٹ کری لگائیں گے جیسے گانے اور نوحہ کرنے میں ٹنکری کی جاتی ہے

قرآن ان کے حلق سے آگے نہیں بڑھے گا ان کے دل اور ان کی اس کیفیت کو پسند کرنے والوں کے دل فتنہ زدہ ہونگے۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

فائدہ: قرآن کے نصیحت آفرین الفاظ ومعانی پر غور کرنا عذاب کی آیت پڑھ کر ڈرنا اور ثواب کی آیت پڑھ کر امیدوار ہونا وغیرہ وغیرہ ترتیل کے فوائد ہیں۔

بغویؒ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ قرآن کو نہ بکھیرو نہ شعروں کی طرح گاؤ اس کے عجائب پر ٹھہراؤ کرو اس سے دلوں کو ہلا دو اور سورت کو آخر تک ختم کرنا ہی تمہارا اصل مقصود نہ ہو

جنت دوزخ کی آیات:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز شب پڑھی آپ جب بھی جنت کے ذکر کرنے والی آیت پر پہنچے تو ضرور ٹھہر کر اللہ سے جنت کی درخواست کی اور جب بھی دوزخ والی آیت پر پہنچے تو ٹھہر کر دوزخ سے پناہ مانگی۔

حضرت عبید ملکی رضی اللہ عنہ صحابی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے قرآن والو قرآن کو سرہانا نہ بناؤ اور اوقات شب و روز میں اس کی تلاوت کرو اور جیسا حق ہے ویسی تلاوت کرو۔ قرآن کو پھیلاؤ قرآن کو خوش آوازی سے پڑھو قرآن کے مضامین پر غور کرو تاکہ تم کو فلاح حاصل ہو اس کی قراءت جلدی جلدی نہ کرو اس کی تلاوت کا بھی ثواب ہے۔ (بیہقی)

قرآن کی اجرت:

حضرت سہل بن عبد ساعدی نے فرمایا ہم قرآن پڑھ رہے تھے اچانک حضور صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہوئے اور فرمایا اللہ کی کتاب ایک ہے۔ تم میں علماء بھی ہیں اور کالے اور گورے بھی ہیں قرآن پڑھو۔ اس زمانہ سے پہلے پڑھو جب کہ کچھ لوگ ایسے آئیں گے کہ قرآن پڑھیں گے اور ایسے درست حروف ادا کریں گے جیسے تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے مگر قرآن ان کے حلق سے آگے نہیں بڑھے گا وہ فوری اجر قرآن کے طالب ہونگے۔ اجر قرآن میں تاجیل نہیں کریں گے (یعنی ثواب آخرت کے طالب نہیں ہوں گے)۔

ترتیل قرآن کا مطلب:

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ترتیل کے لفظی معنی کلمہ کو سہولت اور استقامت کے ساتھ منہ سے نکالنے کے ہیں (مفردات امام راغب) مطلب آیت کا یہ ہے کہ تلاوت قرآن میں جلدی نہ کریں بلکہ ترتیل وتسہیل کے ساتھ ہی اس کے معانی میں تدبر وغور کریں۔ (قرطبی)

مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن کا صرف پڑھنا مطلوب نہیں بلکہ ترتیل مطلوب ہے۔ جس میں ہر ہر کلمہ صاف صاف اور صحیح ادا ہو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح ترتیل فرماتے تھے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بعض لوگوں نے رات کی نماز میں آپ کی تلاوت قرآن کی کیفیت دریافت کی تو انہوں نے نقل کر کے بتلایا جس میں ایک ایک حرف واضح تھا۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، از مظہری)

مسئلہ: ترتیل میں تحسین صوت یعنی بقدر اختیار خوش آوازی سے پڑھنا بھی شامل ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی کی قراءت وتلاوت کو ایسا نہیں سنتا جیسا اس نبی کی تلاوت کو سنتا ہے جو خوش آوازی کے ساتھ جہراً تلاوت کرے۔ (مظہری)

اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا۝

ہم ڈالنے والے ہیں تجھ پر ایک بات وزن دار ☆

قرآن کی ذمہ داری:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی ریاضت کر تو بھاری بوجھ آسان ہو۔" اور وہ بوجھ ایسا ہے کہ جس کے سامنے شب بیداری کو سہل سمجھنا چاہیے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد پے بہ پے قرآن تم پر نازل کریں گی جو اپنی قدر و منزلت کے اعتبار سے بہت قیمتی اور وزن دار اور اپنی کیفیات ولوازم کے اعتبار سے بہت بھاری اور گراں بار ہے۔ احادیث میں ہے کہ نزول قرآن کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت گرانی اور سختی گزرتی تھی۔ جاڑے کے موسم میں آپ پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے۔ اگر اس وقت کسی سواری پر سوار ہوتے تو سواری تحمل نہیں کر سکتی تھی۔ ایک مرتبہ آپ کی فخذ مبارک زید بن ثابتؓ کی ران پر تھی۔ اس وقت وحی نازل ہوئی۔ زید بن ثابتؓ کو ایسا محسوس ہوا کہ ان کی ران بوجھ سے پھٹ جائیگی۔ اس کے علاوہ اس ماحول میں قرآن کی دعوت وتبلیغ اور اس کے حقوق کا پوری طرح ادا کرنا اور اس راہ میں تمام سختیوں کو کشادہ دلی سے برداشت کرنا بھی سخت مشکل اور بھاری کام تھا۔ اور جس طرح ایک حیثیت سے یہ کلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھاری تھا دوسری حیثیت سے کافروں اور منکروں پر شاق تھا۔ غرض ان تمام وجوہ کا لحاظ کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ جس قدر قرآن اتر چکا ہے۔ اس کی تلاوت میں رات کو مشغول رہا کریں اور اس عبادت خاص کے انوار سے اپنے تئیں مشرف کر کے اس فیض اعظم کی قبولیت کی استعداد اپنے اندر مستحکم فرمائیں۔ (تفسیر عثمانی)

بعض لوگوں نے کہا کہ غور کرنے والے کے لیے قرآن ثقیل ہے کیونکہ غور کرنے کے لیے اس کو مزید باطنی تصفیہ اور فکری تجرید کی ضرورت ہوتی ہے قرآن کے معانی کا استحکام اور متانت اس کا طالب ہے یہ توجیہ گذشتہ اور آئندہ (آیات) کے مناسب ہے اس لیے غور کرنے اور سمجھنے کے لیے ترتیل ہے اور رات کو اٹھنا دل اور زبان کے درمیان موافقت پیدا کرنے کے لیے بہت سخت ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ صوفی کے باطن کے لیے قرآن ثقیل ہے کیونکہ مخلوق کے دل

پر خالق بزرگ و برتر جلوہ پاش ہوتا ہے فراء کے قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے فراء نے کہا کہ قرآن ثقیل ہے خفیف اور لچر نہیں ہمارے رب کا کلام ہے۔

قرآن کی حقیقت:

ہمارے شیخ اجل مرشد کامل نے فرمایا کہ حقیقت قرآن کا انکشاف سالک کے باطن کے لیے بڑا وزنی ہوتا ہے اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ۔ میں کہتا ہوں اس معرفت کی تائید آیت لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ سے ہوتی ہے اور یہی معنی اس قول کا کہ قرآن کو قبول کرنا ثقیل ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی اترتی تھی تو آپ بے چین ہو جاتے تھے اور چہرہ مبارک فق ہو جاتا تھا ایک اور روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی سر جھکا لیتے تھے اور صحابہ بھی جب کیفیت وحی زائل ہو جاتی تو سر اٹھاتے تھے۔

نبوت اور ولایت:

حضرت شیخ مجدد الف ثانی قدس سرہ نے فرمایا ہے: نبوت بہرحال ولایت سے افضل ہے کیونکہ صوفیہ کی نظر میں نبوت نام ہے سیر ذات کا، اور ولایت نام ہے سیر صفات کا، اور دونوں میں بڑا فرق ہے اصطلاح صوفیہ میں خدا کی طرف رخ کرنے کو عروج اور مخلوق کی طرف متوجہ ہونے کو نزول کہتے ہیں۔

نماز خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کی ٹھنڈک تھی۔ احمد۔ نسائی اور بیہقی نے حضرت انس کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نماز میرے لیے خنکی چشم بنادی گئی ہے ابوداؤد نے ایک خزاعی صحابی رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت بلال رضی اللہ عنہ) سے فرمایا بلال نماز کی اقامت کہہ کر ہم کو سکھ پہنچاؤ۔

گویا مخلوق کی طرف متوجہ ہونے کا جو بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑتا تھا اس کی تلافی تہجد سے ہو جاتی تھی یا یوں کہا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تہجد کا اثر براہ راست نفوس امت پر پڑتا ہے پس قیام شب سے امت کے نفوس کو متاثر کرنا مقصود ہے۔ (تفسیر مظہری)

وحی کا نزول: مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ وحی کا احساس بھی آپ کو ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں ایسی آواز سنتا ہوں جیسے کسی زنجیر کے بجنے آواز ہو، میں چپکا ہو جاتا ہوں جب بھی وحی نازل ہوتی ہے مجھ پر اتنا بوجھ پڑتا ہے کہ میں سمجھتا ہوں میری جان نکل جائے گی۔

صحیح بخاری شریف کے شروع میں ہے کہ حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ آپ نے فرمایا کبھی تو گھنٹی کی آواز کی طرح ہوتی ہے جو مجھ پر بہت بھاری پڑتی ہے اور جب وہ گنگناہٹ کی آواز ختم ہو جاتی ہے تو اس دوران جو کچھ مجھ سے کہا گیا تھا وہ مجھے خوب محفوظ ہو جاتا ہے اور کبھی فرشتہ انسانی صورت میں میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے اور میں یاد کر لیتا ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ سخت جاڑے والے دن میں بھی جب آپ پر وحی اتر چکی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگتے مسند احمد میں ہے کہ کبھی اونٹنی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوتے اور اسی حالت میں وحی آتی تو اونٹنی جھک جاتی۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ
البتہ اٹھنا رات کو سخت روندتا ہے
وَّطْاً وَّاَقْوَمُ قِیْلًا ؕ
اور سیدھی نکلتی ہے بات ☆

قیام شب مشکل کام ہے:

یعنی رات کو اٹھنا کچھ آسان کام نہیں۔ بڑی بھاری ریاضت اور نفس کشی ہے جس سے نفس روندا جاتا ہے اور نیند آرام وغیرہ خواہشات پامال کی جاتی ہیں۔ نیز اس وقت دعا اور ذکر سیدھا دل سے ادا ہوتا ہے زبان اور دل موافق ہوتے ہیں۔ جو بات زبان سے نکلتی ہے ذہن میں خوب جمتی چلی جاتی ہے۔ کیونکہ ہر قسم کے شور وغل اور چیخ پکار سے یکسو ہونے اور خداوند قدوس کے سماء دنیا پر نزول فرمانے سے قلب کو ایک عجیب قسم کے سکون و قرار اور لذت و اشتیاق کی کیفیت میسر ہوتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ سونے کے بعد رات کو نماز کے لیے اٹھنا اس صورت میں ناشئۃ اللیل اور تہجد کا ایک معنی ہوگا ابن کیسان نے کہا کہ آخر شب میں اٹھنا ناشئۃ اللیل ہے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نشا کا معنی قام ہے۔ (اٹھا، کھڑا) ہوا ہے اسلئے رات کی جو ساعت کے لیے قیام ہو وہ ناشئۃ ہے ابن زید کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اول رات کی نماز زیادہ بار ڈالنے والی ہوتی ہے مراد یہ کہ اللہ کی طرف سے فرض کی ہوئی نماز شب (اگر اول رات میں پڑھ لی جائے تو اسکا احصاء ہو جاتا ہے ناغہ نہیں ہو سکتی) کیونکہ جب آدمی سو جاتا ہے تو معلوم نہیں کس وقت بیدار ہو۔ (تفسیر مظہری)

ابن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ رات کے وقت نماز کے لیے اٹھنا قلب، نگاہ، کان اور زبان سب میں باہمی موافقت پیدا کرنے میں اشد

ہے یعنی بہت زیادہ موثر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اَشَدُّ وِطْاً کے معنی یہ ہیں کہ کان اور قلب میں اس وقت زیادہ موافقت ہوتی ہے کہ رات کا وقت عموماً کاموں سے فراغت اور شور وشغب سے نجات اور سکون کا وقت ہوتا ہے۔ اس وقت جو الفاظ زبان سے نکلیں گے اپنے کان بھی ان کو سنیں گے اور دل بھی حاضر ہوگا۔

وَاَقْوَمُ قِيْلًا۔ اور اقوم کے معنی زیادہ مستقیم و درست اور زیادہ ثابت کے ہیں مراد یہ ہے کہ رات کے وقت تلاوت قرآن زیادہ درست اور جماؤ اور ثبات کے ساتھ ہوسکتی ہے کیونکہ مختلف قسم کی آوازوں اور شور وشغب سے قلب اور ذہن مشوش نہیں ہوتا۔

خلاصہ اس آیت کا بھی حکم قیام الیل کی حکمت بیان کرنا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ سونے کے بعد رات کی نماز کے لیے اٹھنا ناشئة الیل ہے۔ یعنی نفس کو قابو میں رکھنے اور ناجائز خواہشات پر اڑنے سے روکنے میں نماز تہجد سے بڑی مدد ملتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۝٧

البتہ تجھ کو دن میں شغل رہتا ہے لمبا ☆

نماز تہجد کی حکمت:

یعنی دن میں لوگوں کو سمجھانا اور دوسرے کئی طرح کے مشاغل رہتے ہیں۔ گو وہ بھی آپ کے حق میں بالواسطہ عبادت ہیں تاہم بلاواسطہ پروردگار کی عبادت اور مناجات کے لیے رات کا وقت مخصوص رکھنا چاہیے۔ اگر عبادت میں مشغول ہوکر رات کی بعض حوائج چھوٹ جائیں تو کچھ پرواہ نہیں۔ دن میں ان کی تلافی ہوسکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ دن میں ضروری کاموں کی تکمیل تبلیغ اور دعوت دین کے لیے آپ کو ادھر ادھر جانا پڑتا ہے اور ان امور میں آپ مشغول رہتے ہیں رات فراغت کا وقت ہوتا ہے اس لیے آپ کو رات کی نماز پڑھنی چاہیے گویا یہ جملہ گذشتہ حکم کی علت ہے۔

نماز شب کا بیان:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ جاتا ہے تو ہمارا رب نچلے آسمان پر نزول اجلال فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کوئی ہے کہ مجھ سے دعا کرے اور میں قبول کروں کوئی ہے کہ مجھ سے مانگے اور میں عطا کروں کوئی ہے کہ مجھ سے مغفرت کا طالب ہو اور میں اس کے گناہ معاف کروں۔ (بخاری ومسلم)

مسلم کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ پھر اللہ اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر فرماتا ہے کوئی ایسی ہستی کو قرض دینے والا ہے جو نہ مفلس ہے نہ حق تلفی کرنیوالا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے رات میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اگر ٹھیک اس ساعت میں کوئی مسلمان دنیا اور آخرت کی بھلائی کا خدا سے خواستگار ہوتا ہے تو اللہ اس کو ضرور ہی عطا فرماتا ہے۔ (مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نماز داؤد علیہ السلام کی نماز تھی اور سب سے زیادہ پسندیدہ روزہ داؤد علیہ السلام کا روزہ تھا۔ داؤد علیہ السلام آدھی رات سوجاتے تھے پھر اٹھ کر ایک تہائی رات میں نماز پڑھتے تھے پھر رات کے چھٹے حصہ میں سو رہتے تھے ایک دن روزہ رکھتے ایک دن ناغہ کرتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نماز شب کا التزام کرو یہ تم سے پہلے گزرے ہوئے صالحین کا طریقہ ہے۔ رب کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے گناہوں کو ساقط کرنے والا اور خطاؤں سے روکنے والا ہے (ترمذی)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں (کی حالت دیکھ کر) اللہ ہنستا ہے یعنی (پسند فرماتا ہے) ایک وہ آدمی جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھتا ہے ایک وہ جماعت جو نماز میں ہمہ تن مشغول رہتی ہے اور ایک وہ جماعت ہو جہاد میں منہمک ہوتی ہے۔ شرح السنہ للبغوی۔ (تفسیر مظہری)

اس آیت میں قیام اللیل کے حکم کی حکمت و مصلحت کا بیان ہے یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور پوری امت کے لیے عام ہے وہ یہ کہ دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی طرح دوسرے بھی حضرات کو بہت سے مشاغل چلنے پھرنے کے رہتے ہیں فارغ البالی سے عبادت میں توجہ مشکل ہوتی ہے رات کا وقت اس کام کے لیے رہنا چاہیے کہ بقدر ضرورت نیند اور آرام بھی ہو جائے اور قیام الیل کی عبادت بھی۔

فائدہ: حضرات فقہاء نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ علماء ومشائخ جو تعلیم و تربیت اور اصلاح خلق کی خدمتوں میں لگے رہتے ہیں ان کو بھی چاہیے کہ یہ کام دن ہی تک محدود رہنے دیں رات کا وقت اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری اور عبادت کے لیے فارغ رکھنا بہتر ہے جیسا کہ علماء سلف کا تعامل اس پر شاہد ہے کوئی وقتی ضرورت دینی تعلیمی تبلیغی کبھی اتفاقات کو بھی اس میں مشغول رکھنے کی داعی ہو تو وہ بقدر ضرورت مستثنیٰ ہے اس کی شہادت بھی بہت سے حضرات علماء وفقہاء کے عمل سے ثابت ہوتی ہے۔

قولہ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا اس آیت میں ایک ایسی عبادت کا حکم ہے جو رات یا دن کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر وقت اور ہر حال میں

جاری رہتی ہے وہ ہے ذکر اللہ، اور مراد ذکر اللہ کے حکم سے اس پر مداومت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تو تصور ہی نہیں ہوسکتا کہ آپ بالکل ذکر نہ کرتے ہوں اس لیے اس حکم کا منشاء دوام ذکر ہی ہوسکتا ہے۔

(مظہری) (معارف مفتی اعظم)

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝

اور پڑھے جا نام اپنے رب کا اور چھوٹ کر چلا آ اس کی طرف سب سے الگ ہو کر ☆

ذکر اللہ:

یعنی علاوہ قیام لیل کے دن میں بھی (گو بظاہر مخلوق سے معاملات وعلائق رکھنے پڑتے ہیں لیکن) دل سے اسی پروردگار کا علاقہ سب پر غالب رکھیے اور چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اسی کی یاد میں مشغول رہیے غیر اللہ کا کوئی تعلق ایک آن کے لیے ادھر سے توجہ کو ہٹنے نہ دے بلکہ سب تعلقات کٹ کر باطن میں اسی ایک کا تعلق باقی رہ جائے یا یوں کہہ لو کہ سب تعلقات اسی ایک تعلق میں مدغم ہو جائیں جسے صوفیہ کے ہاں ''بے ہمہ وباہمہ'' یا ''خلوت در انجمن'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ. قم الیل پر عطف ہے ذکر رب سے مراد ہے شبانہ روز برابر ذکر میں مشغول رہنا کہ نہ کسی وقت سستی پیدا ہو نہ غفلت لیکن ایسا ذکر زبان سے تو ہو نہیں سکتا زبان اور دوسرے اعضاء سے تسبیح حمد نماز اور قراءت وغیرہ جو کچھ کیا جاتا ہے کسی وقت اس میں نیت کی سستی آ ہی جاتی ہے لامحالہ قلبی ذکر مراد ہے حقیقت میں قلبی ذکر ہی ذکر ہے کیونکہ یاد نام ہے غفلت کو دور کردینے کا جیسا کہ حدیث ذکر اللّٰہ فی الغافلین بمنزلة الصابر فی الغازمین۔ میں ذکر کا غفلت سے مقابلہ کرنا بتا رہا ہے غفلت کے مقابل ذکر کو لانے کا اقتضاء ہی یہ ہے کہ ذکر غفلت کو دور کرنے کا نام ہے دل کی غفلت کی حالت میں نہ کوئی نماز قابل اعتبار ہے نہ تسبیح نہ قراءت جو نمازی نماز کی طرف سے غافل ہیں انکے لیے تباہی ہے۔

بعض لوگوں کے نزدیک ذکر رب سے مراد یہ کہ تلاوت قرآن بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کرو۔

مسئلہ: نماز سے باہر اگر سورہ فاتحہ پڑھی جائے یا کوئی دوسری سورۃ ابتداءً شروع کی جائے یعنی سابق سورت سے ملا کر نہ پڑھی جائے بلکہ تلاوت کا آغاز ہی کسی سورت سے کیا جائے تو دونوں صورتوں میں شروع میں بسم اللہ پڑھنی باجماع علماء مسنون ہے۔ انفال اور براءت پر نہ پڑھنا اجماعی مسئلہ ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام احمدؒ کے نزدیک صرف سورہ فاتحہ کے ساتھ بسم اللہ چپکے چپکے پڑھنی مسنون ہے دوسری سورت کے ساتھ بالکل نہ پڑھی جائے ایک روایت میں امام احمدؒ کا قول آیا ہے کہ ہر سورت کے ساتھ بسم اللہ چپکے چپکے پڑھنی مستحب ہے ہم نے سورہ فاتحہ کی تفسیر میں دلائل کے ساتھ بیان کردیا ہے بسم اللہ نہ سورہ فاتحہ کا جزو ہے نہ کسی دوسری سورت کا اور نماز میں جہر کے ساتھ اس کو پڑھنا نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے نہ خلفاء اربعہ سے۔

رہبانیت ممنوع ہے:

تبتل سے مراد یہ نہیں ہے کہ لوگوں سے ملنا چھوڑ دو، اور حقوق عباد کی ادائیگی میں کوتاہی کرو۔ اور جس تعلق ورشتہ داری کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اس کو کاٹ دو۔ اسلام میں سادھو پن تو قطعاً نہیں ہے۔ تم پر اپنے نفس کا بھی حق ہے اور بیوی بچوں کا بھی حق ہے اور مہمان کا بھی حق ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ حسی اور علمی تعلقات سے دل کی وابستگی نہ رکھو۔

وصول حق کی دو منزلیں:

صوفیہ کا قول ہے کہ ہم جس راستے کو قطع کرنے کے درپے ہیں اس کی دو منزلیں ہیں۔ پہلی منزل ہے مخلوق سے کٹ جانے کی اور دوسری منزل ہے حق سے جڑ جانے کی۔ ایک دوسرے کے لیے لازم ہے اسی لیے اللہ نے دونوں کے درمیان واو عاطفہ جو جمعیت پر دلالت کرتا ہے ذکر کیا ہے اور پہلے وصول حق کو وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ فرما کر ذکر کیا پھر تَبَتَّلْ (مخلوق سے انقطاع) کو بیان کیا کیونکہ مخلوق سے کٹ جانے کی اصل غرض ہی حق سے جڑ جانا ہے (لہٰذا مقصود اصلی کو پہلے ذکر کیا)

ہم نے ذکر اللہ کی تعبیر وصول حق سی اس لیے کی کہ جس یاد میں ہستی کا گزر نہ ہو اور غفلت ادھر نہ گزرے وہ علم حضوری ہوگا۔ علم حصولی کا تصور وہاں بداہتہً ممکن نہیں کیونکہ علم حضوری اسی کو کہتے ہیں کہ جس میں عالم کے سامنے خود معلوم حاضر ہو (اس کی صورت نہ ہو) جب معلوم خود پیش نظر رہے تو یہی دوام حضور ہے یہی وصول اتصال ہے اسی کو اتحاد اور بقاء کہتے ہیں الفاظ مختلف ہیں مطلب سب کا ایک ہے متقدمین اسی کو اخلاق کہتے تھے حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا تھا اللہ کے لیے کامل اخلاص اختیار کرو۔

مذکورہ تفسیر کی صورت میں وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ. اسم ذات کی تکرار کی طرف اشارہ ہوگا اور رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ میں (بشرطیکہ رب کو جر کے ساتھ ربک کی صفت قرار دیا جائے) تمام ممکنات کو اللہ کا محیط ہونا اور لآ الٰہ الا ھو میں نفی واثبات کا بیان ہوگا۔ یہ دنوں چیزیں کمال ولایت حاصل کرنے والوں کے طریقہ کی بنیاد ہیں اس وقت قم الیل اور رتل القرآن اور وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ تینوں الگ الگ احکام ہونگے اس تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ چاروں امور یعنی نماز تلاوت قرآن اور ذکر اسم ذات اور ذکر نفی واثبات قرب کے درجات اور مراتب حاصل ہونے کی بناء ہیں۔

لیکن اول الذکر دونوں چیزیں آخری حد پر پہنچنے والوں کے لیے ہیں اور

آخری دونوں امور ابتدائی مدارج طے کرنے والوں کے لیے اور چونکہ آیات مذکورہ میں اول ترین مخاطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور انتہائی کمال تک پہنچنے والوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ سب سے اونچا ہے اس لیے جو دو امور اہل انتہا کے لیے مخصوص ہیں ان کا ذکر پہلے کردیا گیا۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر میں مشغول رہنا:

اور ایک حدیث میں جو حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے یہ آیا ہے کہ کان یذکر اللہ علیٰ کل حین یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہروقت اللہ کا ذکر فرماتے تھے یہ بھی اس عام معنی کی رو سے صحیح ہوسکتا ہے۔ کیونکہ بیت الخلاء وغیرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر لسانی نہ کرنا روایات حدیث سے ثابت ہے مگر ذکر قلبی ہروقت جاری رہ سکتا ہے اور ذکر قلبی کی دو صورتیں ہیں ایک الفاظ متخیلہ کے ذریعے ذکر کرنا اور دوسرے اللہ تعالیٰ کی صفات وکمالات میں غور کرنا۔ (کما افادہ شیخی التھانوی قدس سرہ)

اللہ کی طرف لگنے کا مفہوم:

پیچھے متن میں دوسرا حکم اس آیت میں یہ دیا گیا کہ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا، یعنی آپ تمام مخلوقات سے قطع نظر کرکے صرف اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی اور اس کی عبادت میں لگ جائیں اس کے مفہوم میں اللہ کی عبادت میں غیر اللہ کو شریک نہ کرنا بلکہ خالص اللہ کی عبادت کرنا بھی داخل ہے اور یہ بھی کہ اپنے تمام اعمال وافعال اور حرکات وسکنات میں نظر اور بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر رہے کسی مخلوق کو نفع وضرر کا مالک یا حاجت روا اور مشکل کشا نہ سمجھیں۔ حضرت ابن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تبتل کے معنی یہ ہیں کہ تمام دنیا ومافیہا کو چھوڑیں اور صرف اس چیز کی طرف متوجہ رہیں جو اللہ کے پاس ہے۔ (مظہری) (معارف مفتی اعظم)

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ
مالک مشرق اور مغرب کا ☆

دن رات ذکر کرو:

مشرق دن کا اور مغرب رات کا نشان ہے گویا اشارہ کردیا کہ دن اور رات دونوں کو اسی مالک مشرق ومغرب کی یاد اور رضاجوئی میں لگانا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

مقاماتِ سلوک:

امام یعقوب کرخیؒ نے فرمایا کہ شروع سورت سے اس آیت تک مقامات سلوک کی طرف اشارہ ہے (۱) یعنی رات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے خلوت۔ (۲) قرآن کریم میں اشتغال۔ (۳) ذکر اللہ پر دوام۔ (۴) ماسوی اللہ سے اعراض وترک تعلق۔ (۵) اللہ تعالیٰ پر توکل۔ توکل کے آخری حکم سے پہلے اللہ تعالیٰ شانہٗ کی صفت رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ بیان کرکے اس طرف اشارہ کردیا کہ جو ذات پاک مشرق ومغرب یعنی سارے جہان کی پالنے والی اور ان کی تمام ضروریات ابتدا سے انتہا تک پورا کرنے کی متکفل ہے توکل اور بھروسہ کرنے کے قابل صرف وہی ذات ہوسکتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿۹﴾
اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں سو پکڑ لے اس کو کام بنانیوالا ☆

یعنی بندگی بھی اسی کی اور توکل بھی اسی پر رہنا چاہیے۔ جب وہ وکیل وکارساز ہو تو دوسروں سے کٹ جانے اور الگ ہونے کی کیا پرواہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ایک وہم کا ازالہ:

جب اللہ ساری مخلوق کا رب ہے اور الوہیت میں منفرد ہے تو اس کا تقاضا ہے کہ تمام معاملات اسی کے سپرد کردیے جائیں۔

تعلیم تبتل سے دماغ میں ایک وہم پیدا ہوسکتا تھا کہ ہر انسان دوسرے کے تعاون کا محتاج ہے تمدن کے بغیر معاشیات اور ضروریات حیات کی فراہمی کا نظام ابتر ہوجائے گا پھر تبتل اور مخلوق سے قطع تعلق کی صورت میں نظام معاش کیسے چلے گا اس وہم دفع کرنے کے لیے فرمایا رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ الخ یعنی سارے سنسار کا مالک وحاکم اللہ ہے تمام انسان انسانوں کی بستیاں تمام آدمیوں کے افعال، اعمال، منافع اور دل اسی کے دست قدرت میں ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے اس کے سوا نہ کوئی حاکم اعلیٰ ہے نہ معبود برحق نہ اسکی اجازت اور مشیت کے بغیر کوئی کسی کو نفع ونقصان پہنچا سکتا ہے لہٰذا اسی کے سپرد اپنے تمام معاملات کردو اسی کو اپنا ذمہ دار کارساز مانو وہی سب سے اچھا کارساز ہے اس کی ذمہ داری کے بعد تم کو کسی دوسرے کی ضرورت ہی نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر تم خدا پر پورا توکل کرلو جیسا توکل کا حق ہے تو جس طرح وہ پرندوں کو رزق دیتا ہے تم کو بھی دے گا، پرندے صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں (ترمذی وابن ماجہ)

یہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روح القدس (یعنی جبرئیل) نے میری روح میں یہ بات پھونک دی ہے کہ کوئی شخص اپنا رزق پورا کیے بغیر نہیں مرتا۔

لہٰذا تم اللہ سے تقوی رکھو اور اچھے راستہ سے رزق طلب کرو یہ حدیث بیہقی نے شعب الایمان میں اور بغوی نے شرح السنۃ میں نقل کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

تہجد کا نور: حضرات عارفینؒ فرماتے ہیں کہ تہجد گزار کے چہرے پر عجیب قسم کا نور نمایاں ہوتا ہے اور یہ بھی فرمایا اس کی قبر میں کبھی اندھیرا نہ ہوگا اس کی مشکلات آسان ہونگی اور اسکو دنیا کی ہر ایک ظلمت سے نجات ملے گی خواہ وہ ظلمت مصائب وآفات کی ہو یا افکار وفتن کی ہو۔ واللہ علم (تفسیر ابن کثیر جلد

رابع تفسیر روح البیان، تفسیر روح المعانی، تفسیر فتح المنان) (معارف کاندھلوی)

ترکِ دنیا کا مطلب:

اور ترمذی میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ترکِ دنیا اس کا نام نہیں کہ تم اپنے اوپر اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کرلو یا جو مال تمہارے پاس ہوا سے خوامخواہ اڑادو بلکہ ترکِ دنیا اس کا نام ہے کہ تمہارا اعتماد اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں جو چیز ہے اس پر زیادہ ہو بہ نسبت اس کے جو تمہارے ہاتھ میں ہے۔ (مظہری، معارف مفتی اعظم)

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ

اور سہتا رہ جو کچھ کہتے رہیں ☆

یعنی کفار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر، کاہن اور مجنون و مسحور وغیرہ کہتے ہیں۔ ان باتوں کو صبر واستقلال سے سہتے رہئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝

اور چھوڑ دے ان کو بھلی طرح کا چھوڑنا ☆

مخالفوں کو چھوڑنا:

بھلی طرح کا چھوڑنا یہ کہ ظاہر میں ان کی صحبت ترک کرو اور باطن میں ان کے حال سے خبردار رہو کہ کیا کرتے ہیں اور کیا کہتے ہیں اور مجھ کو کس طور سے یاد کرتے ہیں، دوسرے ان کی بدسلوکی کی شکایت کسی کے سامنے نہ کرو نہ انتقام لینے کے درپے ہو نہ گفتگو یا مقابلہ کے وقت کج خلقی کا اظہار کرو۔ تیسرے یہ کہ باوجود جدائی اور مفارقت کے ان کی نصیحت میں قصور نہ کیجئے بلکہ جس طرح بن پڑے ان کی ہدایت و رہنمائی میں سعی کرتے رہئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ "یعنی خلق سے کنارہ کر لیکن لڑ بھڑ کر نہیں سلوک سے" مگر یاد رہے کہ یہ آیت مکی ہے اور آیاتِ قتال کا نزول مدینہ میں ہوا ہے۔" (تفسیر عثمانی)

اعلیٰ مقام:

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا۔ بقول امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ چھٹا حکم ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے یعنی لوگوں کی ایذاؤں اور گالیوں پر صبر جمیل۔ یہ مقاماتِ سلوک میں سب سے اعلیٰ مقام ہے کہ دشمنوں کی جفا و ایذاء پر صبر کیا جائے یعنی یہ حضرات جن لوگوں کی خیرخواہی اور ہمدردی میں اپنی ساری قوت وتوانائی اور ساری عمر خرچ کرتے ہیں انہیں کی طرف سے اس کی جزاء میں گالیاں، ایذائیں، طرح طرح کے جور وستم ان کے مقابلے میں آتے ہیں۔ ان پر صبر جمیل کرنا یعنی انتقام کا ارادہ بھی نہ کرنا یہ وہ اعلیٰ مقام ہے جو اصطلاح صوفیہ میں فنائے کامل کے بغیر نصیب نہیں ہوتا۔ (معارف مفتی اعظم)

وَذَرْنِىْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِى

اور چھوڑ دے مجھ کو اور جھٹلانے والوں کو جو آرام میں

النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ۝

رہے ہیں اور ڈھیل دے ان کو تھوڑی سی ☆

منکرین کو ہم سنبھال لیں گے:

یعنی حق وصداقت کو جھٹلانے والے جو دنیا میں عیش وآرام کر رہے ہیں ان کا معاملہ میرے سپرد کر دیجئے میں خود ان سے نبٹ لوں گا، مگر تھوڑی سی ڈھیل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا اور ان کو کچھ مہلت یا کچھ زمانہ کے لیے ڈھیل دیدو یعنی اس وقت تک یہ خود ہی مرجائیں یا اللہ ان سے لڑنے کا حکم نازل فرمادے اور اہل ایمان کے ہاتھوں سے ان کو عذاب دے اور مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈا کرے۔

مقاتل بن حبان رضی اللہ عنہ نے کہا اس آیت کا نزول مقتولین بدر کے بارے میں ہوا کچھ ہی مدت گزری تھی کہ وہ بدر کی لڑائی میں مارے گئے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ۝

البتہ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور آگ کا ڈھیر

وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ۝

اور کھانا گلے میں اٹکنے والا اور عذاب درد ناک ☆

منکروں کا عذاب:

عذاب دردناک سانپوں اور بچھوؤں کا اور خدا جانے کس کس قسم کا (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

اَنْكَالًا نکل کی جمع بھاری قید بیڑی۔ بیہقیؒ نے حسن بصریؒ کا قول نقل کیا ہے کہ انکال آگ کی بیڑیاں ہونگی۔

وَّجَحِيْمًا وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ۔ یعنی ایسا کھانا جس سے پھندہ لگے گا نہ اندر اترے گا نہ باہر نکلے گا۔ ابن جریر اور ابن ابی الدنیا نے اس کو آگ کی صفات میں شمار کیا ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس سے زقوم (تھوہر) کا درخت مراد ہے عبداللہ بن احمد نے بروایت حضرت ابن عباسؓ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ضریع (سینڈھ یا تھوہر) دوزخ کے اندر کانٹوں (یا خاردار جھاڑی) کی طرح ایک چیز ہوگی جو ایلوے سے زیادہ تلخ، مردار سے زیادہ بدبودار اور آگ سے زیادہ گرم ہوگی اور جب دوزخی کو کھلائی جائے گی تو نہ پیٹ میں جائے گی نہ منہ تک لوٹ کر آئے گی بیچ میں اٹکی رہے گی نہ فربہی پیدا کرے گی نہ بھوک کو دفع کرے گی۔

وَعَذَابًا اَلِیْمًا ابن ابی الدنیا نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ دوزخیوں پر آگ کے سانپ اور بچھو گریں گے اور اگر ان میں سے ایک سانپ مشرق میں پھونک مارے تو مغرب والے جل جائیں اور اگر ان میں سے ایک بچھو دنیا والوں کو کاٹ لے تو سب سوختہ ہو جائیں وہ سانپ اور بچھو دوزخیوں پر گریں گے اور ان کے گوشت و پوست کے درمیان داخل ہوں گے۔

مسلم نے بروایت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ دوزخیوں میں سب سے ہلکا عذاب اس شخص کا ہوگا جس کے دونوں چپل اور (چپلوں کے تسمے) آگ کے ہوں گے جن کی وجہ سے ہانڈی کے ابال کی طرح اس کا دماغ کھولے گا وہ خیال کرے گا کہ اس پر سب سے سخت عذاب ہے حالانکہ اس پر سب سے ہلکا عذاب ہوگا۔ حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

سلف صالحین کا خوف آخرت:

امام احمد، ابن ابی داؤد، ابن عدی اور بیہقی کی روایت ہے کہ ایک شخص نے قرآن پاک کی یہ آیت سنی تو خوف سے بیہوش ہوگیا اور حضرت حسن بصریؒ ایک دن روزہ سے تھے، افطار کے وقت کھانا سامنے آیا تو اس آیت کا دھیان آ گیا، کھانا نہ کھا سکے اٹھوا دیا، اگلے روز شام کو ایسا ہی ہوا، کھانا اٹھوا دیا، تیسرے روز پھر ایسا ہی ہوا تو ان کے صاحبزادے حضرت ثابت بنانی اور یزید ضبی اور یحییٰ بکاء کے پاس گئے اور حال سنایا، یہ تینوں حضرات آئے اور حضرت حسن کو کھانے کا بہت اصرار کرتے رہے جب مجبور ہو کر کچھ تناول فرمایا۔ (روح المعانی) (معارف مفتی اعظم)

يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ

جس دن کہ کانپے گی زمین اور پہاڑ

وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿١٤﴾

اور ہو جائیں گے پہاڑ ریت کے تودے پھسلتے ☆

آغاز قیامت: یعنی اس عذاب کی تمہید اس وقت سے شروع ہوگی جب پہاڑوں کی جڑیں ڈھیلی ہو جائیں گی اور وہ کانپ کر گر پڑیں گے اور ریزہ ریزہ ہو کر ایسے ہو جائیں گے جیسے ریت کے تودے جن پر قدم جم نہ سکے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ

ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول بتلانے والا تمہاری باتوں کا ☆

پیغمبر گواہی دیں گے:

یعنی یہ پیغمبر اللہ کے ہاں گواہی دیگا کہ کس نے اس کا کہنا مانا اور کس نے نہیں مانا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿١٥﴾

جیسے بھیجا فرعون کے پاس رسول ☆

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح تم کو مستقل دین اور عظیم الشان کتاب دیکر بھیجا۔ شاید یہ اس پیشین گوئی کی طرف اشارہ ہے جو تورات ''سفر استثناء'' میں ہے کہ ''میں ان کے لیے ان کے بھائیوں (بنی اسماعیل) میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کرونگا''۔ (تفسیر عثمانی)

فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ

پھر کہا نہ مانا فرعون نے رسول کا

فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿١٦﴾

پھر پکڑی ہم نے اس کو وبال کی پکڑ ☆

جب موسیٰ علیہ السلام کے منکر کو ایسا سخت پکڑا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین کو کیوں نہ پکڑے گا۔ جو تمام انبیاء سے افضل اور برتر ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا

پھر کیونکر بچو گے اگر منکر ہو گئے اس دن سے

يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ﴿١٧﴾

جو کر ڈالے لڑکوں کو بوڑھا ☆

منکر کسی صورت بچ نہیں سکتے:

یعنی دنیا میں اگر بچ گئے تو اس دن کیونکر بچو گے جس دن کی شدت اور درازی بچوں کو بوڑھا کر دینے والی ہوگی۔ خواہ فی الحقیقت بچے بوڑھے نہ ہوں لیکن اس روز کی سختی اور لمبائی کا اقتضاء یہی ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

بچے بوڑھے ہو جائیں گے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ اللہ قیامت کے دن فرمائے گا آدمؑ! حضرت آدم علیہ السلام جواب دیں گے حاضر ہوں دست بستہ حاضر ہوں ہر بھلائی تیرے ہی ہاتھوں میں ہے اللہ فرمائے گا کہ دوزخ کا حصہ الگ کرلو۔ آدم علیہ السلام عرض کریں گے، دوزخ کا کتنا حصہ اللہ فرمائے گا نو سو ننانوے فی ہزار اس وقت (ایسا ہول ہوگا کہ) بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حمل والی کو اسقاط ہو جائے گا (یا بچے بوڑھے ہو جائیں اور ہر حمل والی کو اسقاط ہو جائے)۔

اور تم لوگوں کو نشہ میں خیال کرو گے، حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب سخت ہوگا۔

نجات پانے والے:

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے وہ ایک (نجات یافتہ) کون ہوگا فرمایا خوش ہو تم میں سے ایک (دوزخی) اور یاجوج ماجوج میں سے ہزار ہوں گے، پھر فرمایا کہ قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا چہارم حصہ ہو گے ہم نے یہ سن کر تکبیر کہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت میں ایک تہائی ہو گے ہم نے یہ سن کر تکبیر کہی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت میں آدھے ہو گے ہم نے تکبیر کہی، فرمایا کہ تم (دوزخی) لوگوں میں ایسے ہو گے جیسے سفید بیل کی کھال پر ایک سیاہ بال یا سیاہ بیل کی کھال میں ایک سفید بال۔ (بخاری ومسلم) (تفسیر مظہری)

السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾
آسمان پھٹ جائے گا اُس دن میں اس کا وعدہ ہونے والا ہے ☆

یعنی اللہ کا وعدہ اٹل ہے ضرور ہو کر رہے گا خواہ تم اس کو کتنا ہی بعید از امکان سمجھو۔ (تفسیر عثمانی)

السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ یعنی آسمان اپنی عظمت اور مضبوطی کے باوجود اس روز شدت کی وجہ سے پھٹ جائے گا دوسری چیزوں کا ذکر ہی کیا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ
یہ تو نصیحت ہے پھر جو کوئی
شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾
چاہے بنا لے اپنے رب کی طرف راہ ☆

جو چاہے نصیحت پکڑے:

یعنی نصیحت کر دی گئی اب جو اپنا فائدہ چاہے اس نصیحت پر عمل کر کے اپنے رب سے مل جائے۔ راستہ کھلا پڑا ہے کوئی روک ٹوک نہیں نہ خدا کا کچھ فائدہ ہے۔ تم سو دفعہ اپنا فائدہ سمجھو تو سیدھے چلے آؤ (تنبیہ) رات کے جاگنے کا حکم جو شروع سورت میں تھا تقریباً ایک سال تک رہا۔ پھر اگلی آیت سے منسوخ ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

بندوں کی غفلت:

بات یہ ہے کہ اللہ کا قرب ہم سے ہماری اپنی جانوں سے بھی زیادہ ہے مگر ہماری غفلت اور اللہ کی عظمت و بزرگی کا پردہ حائل ہے انہی حجابوں کی طرف ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا ہے فرمایا ہے اللہ کے ستر ہزار حجاب نور اور تاریکی کے ہیں، عظمت و کبریاء کے حجابات تو نورانی ہیں اللہ نے فرمایا ہے کہ بزرگی میری چادر ہے اور عظمت میری رداء (یعنی بزرگی و برتری میرا لباس ہے جو بندوں سے مجھے چھپائے ہوئے ہے) اور بندوں کی غفلت کے حجابات تاریکی کے پردے ہیں۔ اگر ان پردوں کو دور کر دے تو اس کے چہرے کے جلوے تمام چیزوں کو جلا ڈالیں جہاں تک اس کے بصر کی رسائی ہو (اور چشم الٰہی کی رسائی سے تو کوئی چیز باہر نہیں لامحالہ ہر چیز سوختہ ہو جائے گی۔) پردوں کو دور کرنے کی سہولت صرف یادداشت سے ہوتی ہے۔ یادداشت سے غفلت دور ہو جاتی ہے اور مرتبہ معیت پر فائز ہونے کی وجہ سے استحقاق محبت پیدا ہو جاتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اپنے محبوب کے ساتھ ہوتا ہے، محبت محب کو محبوب تک پہنچا دیتی ہے عظمت و بزرگی کے پردے بھی اس کو نہیں روکتے۔ جلوہ ہائے چہرہ کا سوختہ کر دینا، فناء اور بقاء سے کنایہ ہے خواہ یہ علمی مرتبہ میں ہی ہو (ظاہراً جسمانی سوختگی نہ ہو) بعض علماء نے کہا کہ پورے کلام کا مضمون تحیر ہے (یعنی وہ دن حیران کن ہوگا) اور مجازاً اس سے مقصود ڈرانا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى
بے شک تیرا رب جانتا ہے کہ تو اٹھتا ہے نزدیک
مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ
دو تہائی رات کے اور آدھی رات کے اور تہائی رات کے
وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ۭ
اور کتنے لوگ تیرے ساتھ کے ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی تہجد:

یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ تم نے اور تمہارے ساتھیوں نے اس حکم کی پوری تعمیل کی۔ کبھی آدھی کبھی تہائی اور کبھی دو تہائی رات کے قریب اللہ کی عبادت میں گزاری۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ صحابہؓ کے پاؤں راتوں کو کھڑے کھڑے سوج جاتے اور پھٹنے لگتے تھے۔ بلکہ بعض تو اپنے بال رسی سے باندھ لیتے تھے کہ نیند آئے تو جھٹکا لگ کر تکلیف سے آنکھ کھل جائے۔ (تفسیر عثمانی)

ثابت ہوتا ہے کہ تہائی رات سے کم اور چوتھائی رات سے زیادہ قیام بھی ہوتا ہے، چوتھائی رات سے زیادہ کی قید ہم نے اس لئے لگائی کہ آیت اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا کی تفسیر میں ہم لکھ چکے ہیں کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ قیام چوتھائی رات سے زیادہ ہو۔

وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کی اقتداء میں آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک جماعت بھی ایسا ہی قیام کرتی ہے۔

بغویؒ نے تفسیر میں کہا ہے یعنی سب مومن جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ قیام کرتے تھے، یہ تفسیر بہت بعید از فہم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو مومن ہی تھے کافر کب تھے، اللہ نے فرمایا ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اور مِنَ الَّذِيْنَ میں مِنْ تبعیضیہ ہے یعنی قیام کرنے والے بعض تھے، سب کے سب نہ تھے معلوم ہوا کہ بعض صحابہ مراد ہیں۔

وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ

اور اللہ ماپتا ہے رات کو اور دن کو

عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ

اس نے جانا کہ تم اس کو پورا نہ کر سکو گے سو تم پر معافی بھیج دی

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ

اب پڑھو جتنا تم کو آسان ہو قرآن سے ☆

فرضیت تہجد کی منسوخی:

یعنی رات اور دن کی پوری پیمائش تو اللہ کو معلوم ہے وہی ایک خاص اندازہ سے کبھی رات کو دن سے گھٹاتا ہے کبھی بڑھاتا اور کبھی دونوں کو برابر کر دیتا ہے۔ بندوں کو اس نیند اور غفلت کے وقت روزانہ آدھی، تہائی، اور دو تہائی رات کی پوری طرح حفاظت کرنا خصوصاً جبکہ گھڑی گھنٹوں کا سامان نہ ہو، سہل کام نہیں تھا، اسی لیے بعض صحابہؓ رات بھر نہ سوتے تھے کہ کہیں نیند میں ایک تہائی رات بھی جاگنا نصیب نہ ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے معافی بھیج دی اور فرما دیا کہ تم اس کو ہمیشہ پوری طرح نباہ نہ سکو گے۔ اس لیے اب جس کو اٹھنے کی توفیق ہو وہ جتنی نماز اور اس میں جتنا قرآن چاہے پڑھ لے۔ اب امت کے حق میں نہ نماز تہجد فرض ہے نہ وقت کی نہ مقدار تلاوت کی کوئی قید ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث بھی بتا رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تہجد کی نماز بصورت نفل باقی رہ گئی تھی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر قیام شب کیا کہ دونوں پاؤں پر ورم آ گیا عرض کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کیوں کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اگلی پچھلی لغزشیں اللہ معاف کر چکا ہے فرمایا کہ کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ یہ نہیں فرمایا کہ یہ مجھ پر فرض ہے۔

سفر میں نفل:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کی حالت میں اونٹنی پر سوار ہی نماز شب پڑھتے تھے اونٹنی کا رخ جدھر بھی ہوتا (اسی رخ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے) سوائے فرائض کے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرائض سوار ہونے کی حالت میں نہیں پڑھتے تھے) ہاں وتر سواری کی حالت میں پڑھ لیتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

امام کے پیچھے قراءت نہ کرنا:

صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے قراءت خلف الامام کا ترک منقول ہے۔ امام مالک نے مؤطا میں بروایت نافع بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ امام کے پیچھے قرأت فاتحہ نہیں کرتے تھے۔

طحاویؒ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ امام کے پیچھے نماز کے کسی حصہ میں قرآءت (فاتحہ) نہ کرو۔

امام محمدؒ نے مؤطا میں لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے قرآءت کا مسئلہ پوچھا گیا فرمایا کہ خاموشی کے ساتھ متوجہ رہو کیونکہ نماز میں (قرأت سے) روکنے والی چیز موجود ہے اور تمہارے امام کے لئے کافی ہے۔ محمد بن سعدؒ نے کہا کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کے منہ میں انگارے بھرے ہوں۔ عبدالرزاق نے ایسی ہی روایت نقل کی ہے مگر اس میں انگاروں کی جگہ پتھر کا لفظ ہے۔ محمدؒ نے بروایت داؤد بن قیس از عملان بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب نے بیان فرمایا جو امام کے پیچھے پڑھتا ہے کاش اس کے منہ میں پتھر ہوں۔

ابن ابی شیبہ رضی اللہ عنہ نے مصنف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ امام جہر کے ساتھ پڑھے یا پوشیدہ اس کے پیچھے قرأت نہ کی جائے ان اقوال سے متعلق قرآت کی کراہت (امام کے پیچھے ثابت ہوتی ہے نماز جہری ہو یا سری۔

جہری نماز میں ترک قراءت اس آیت کا بھی مقتضاء ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا تھا اذا قرء فانصتوا قراءت کی جائے تو خاموشی کے ساتھ متوجہ رہو۔ اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ابو داؤد نسائی اور ابن ماجہؒ نے بیان کیا ہے۔

مسئلہ: امام ابو حنیفہؒ وتر و نفل کی ہر رکعت میں وجوب قراءت کے قائل ہیں مگر اس حد تک نہیں کہ ترک قراءت سے سجدہ سہو واجب ہو جائے۔ امام ابو حنیفہؒ نفل میں جو ہر رکعت کے اندر وجوب قراءت کے قائل ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ نفل کے اندر ہر دوگانہ مستقل نماز ہے، ہاں فرض کے اندر صرف دو رکعتوں میں قراءت واجب ہے۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کی اول دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں (اور) پڑھتے تھے اور آخری دو رکعتوں میں (صرف) سورۂ فاتحہ، اور فجر و ظہر کی پہلی رکعت (دوسری رکعت سے) لمبی پڑھتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

نماز اطمینان سے پڑھو:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد کے اندر ہی تشریف فرما تھے نماز پڑھ کر وہ شخص خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور سلام کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا کہ لوٹ کر جاؤ اور نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی (وہ لوٹ کر گیا نماز پڑھی پھر آیا پھر واپسی کا اور نماز پڑھنے کا حکم ہوا اور وہ پھر گیا اور نماز پڑھی اور حاضر ہوا) اس طرح اس نے تین بار کیا آخر میں عرض کیا قسم ہے اس کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے میں اس کے علاوہ (یا اس سے زیادہ اچھی) نماز نہیں پڑھ سکتا مجھے سکھا دیجئے۔ ارشاد فرمایا جب نماز کو کھڑے ہو تو اللہ اکبر کہو پھر جتنا قرآن بسہولت پڑھ سکو پڑھو، پھر رکوع کرو، اور جب اطمینان سے رکوع کرلو تو سر اٹھا کر سیدھے کھڑے ہو پھر سجدہ کر چکو تو سر اٹھاؤ اور ٹھیک ٹھاک بیٹھ جاؤ پھر تمام نماز میں اسی طرح کرو (متفق علیہ) اسی حدیث کی طرح رفاعہ رزقی نے بھی بیان کیا ہے جس کو احمد ابوداؤد و ترمذی اور نسائی نے نقل کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

عَلِمَ اَنْ سَیَکُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ
جانا کہ کتنے ہونگے تم میں بیمار
وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ
اور کتنے اور لوگ پھرینگے ملک میں
یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ
ڈھونڈھتے اللہ کے فضل کو
وَاٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ
اور کتنے لوگ لڑتے ہونگے اللہ کی راہ میں
اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْهُ ۙ
سو پڑھ لیا کرو جتنا آسان ہو اس میں سے
وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ
اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ ☆

تخفیف کی وجہ: یعنی اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ تم میں بیمار بھی ہونگے اور مسافر بھی جو ملک میں روزی یا علم وغیرہ کی تلاش کرتے پھرینگے اور وہ مرد مجاہد بھی ہونگے جو اللہ کی راہ میں جنگ کرینگے ان حالات میں شب بیداری کے احکام پر عمل کرنا سخت دشوار ہوگا۔ اس لیے تم پر تخفیف کر دی کہ نماز میں جس قدر قرآن پڑھنا آسان ہو پڑھ لیا کرو۔ اپنی جان کو زیادہ تکلیف میں ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں فرض نمازیں نہایت اہتمام سے باقاعدہ پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے رہو کہ ان ہی باتوں کی پابندی سے بہت کچھ روحانی فوائد اور ترقیات حاصل ہو سکتی ہیں (تنبیہ) اولین صحابہ سے ایک سال تک بہت تاکید و تحتم کے ساتھ یہ ریاضت شاقہ شاید اس لیے کرائی کہ وہ لوگ آئندہ تمام امت کے ہادی و معلم بننے والے تھے۔ ضرورت تھی کہ وہ اس قدر منجھ جائیں اور روحانیت کے رنگ میں ایسے رنگے جائیں کہ تمام دنیا ان کے آئینہ میں کمالات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا نظارہ کر سکے اور یہ نفوس قدسیہ ساری امت کی اصلاح کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا سکیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

دیندار تاجر کا ثواب:

بغوی نے بروایت ابراہیم بیان کیا کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا جو آدمی مسلمانوں کے کسی شہر میں (کسی ملک سے) کچھ مال (فروخت کیلئے) بامید ثواب تکلیفیں اٹھا کر لائے اور اسی روز کے نرخ پر فروخت کر دے وہ اللہ کے ہاں شہیدوں کا ہم پلہ ہوگا پھر حضرت ابن مسعودؓ نے یہ آیت تلاوت کی: وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۔

مسئلہ: قراءت میں توسط مستحب ہے افراط تفریط دونوں نامناسب ہیں، ہمیشہ ہی اعتدال کے ساتھ پڑھنا چاہیے ایسا نہ کرنا چاہیے کہ کبھی تو بہت زیادہ حد سے بڑھ کر پڑھ لیا اور کبھی ترک کر دیا۔ قراءت کی درمیانی مقدار ایک سو پچاس آیت اور زیادہ سے زیادہ ایک ہزار آیت ہیں تا کہ ایک ہفتہ میں قرآن ختم ہو جائے۔

سو آیات پڑھنا:

طبرانی نے بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْهُ (یعنی) سو آیات۔ ابن کثیر نے کہا یہ روایت بہت ہی غریب ہے۔

بغویؒ نے اپنی سند سے بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جس نے ایک رات دن میں پچاس آیتیں پڑھ لیں اس کا شمار غافلوں میں نہیں ہوگا اور جس نے سو آیات کی قراءت کی اس کو عبادت گزاروں میں لکھا جائے گا اور جس نے دو سو آیات کی تلاوت کی قیامت کے دن قرآن مجید حجت میں اس پر غالب نہیں ہوگا اور جس نے پانچ سو آیات پڑھیں اس کے لئے ثواب کا ڈھیر لکھا جائے گا۔

دارمی نے حسن بصریؒ کی روایت مرسلاً لکھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ایک رات میں سو آیات پڑھ لیں اس رات

قرآن اس سے جھگڑا نہیں کرے گا اور جس نے ایک رات میں دوسو آیات کی تلاوت کی اس کے لئے پوری رات کی عبادت لکھی جائے گی اور جس نے پانچ سو سے ایک ہزار تک قرأت کی اس کے لئے ثواب کا ایک ڈھیر لگ جائے گا، صحابہ رضی اللہ عنہم عرض کیا، ڈھیر کیا فرمایا کہ بارہ ہزار درجے۔

ختم قرآن:

مسلم نے محمد بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت لکھی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مہینہ میں (ایک) قرآن پڑھا کرو، میں نے عرض کیا میں (اس سے بھی زیادہ) قوت پاتا ہوں تو فرمایا بیس رات میں (ایک ختم کیا کرو) میں نے عرض کیا میں (اس سے بھی زیادہ) قوت پاتا ہوں فرمایا تو سات رات میں (ایک بار ختم کرلیا کرو) اور اس سے زیادہ نہ کرو۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی نظر میں سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر مداومت (پابندی) کی جائے خواہ عمل تھوڑا ہی ہو۔ یہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جتنی طاقت ہو اتنا عمل اختیار کرو کیونکہ (زیادہ کرنے سے) تم اکتا جاؤ گے اور خدا نہیں اکتائے گا۔ صحیحین میں حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چستی رہنے تک نماز پڑھو اور سستی آجائے تو بیٹھ جاؤ۔

غلبہ نیند کے وقت نہ پڑھو:

صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کو نماز پڑھنے میں اونگھ آنے لگے تو اس کو سو جانا چاہیے تاکہ نیند کا غلبہ جاتا رہے کیونکہ اونگھنے میں نماز پڑھے گا تو اس کو معلوم نہ ہوگا (کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے) شاید وہ استغفار کرنا چاہتا ہو اور خود اپنے کو گالیاں دینے لگے۔

تہجد کی نماز پنجگانہ نمازوں سے منسوخ نہ قرار دی جائے جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

احکام شرعیہ کے منسوخ ہونے کی حقیقت:

دنیا کی حکومتیں یا ادارے جو اپنے قوانین میں ترمیم و تنسیخ کرتے رہتے ہیں اس کی بیشتر وجہ تو یہ ہوتی ہے کہ تجربے کے بعد کوئی نئی صورتحال سامنے آتی ہے جو پہلے سے معلوم نہ تھی تو اس صورتحال کے مطابق پہلے حکم کو منسوخ کر کے دوسرا حکم جاری کر دیا جاتا ہے مگر احکام الٰہیہ جس میں اس کا کوئی تصور و احتمال ہی نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم محیط ازلی اور ابدی سے کوئی چیز باہر نہیں۔ کوئی حکم شرعی جاری ہونے کے بعد لوگوں کے کیا حالات رہیں گے کیا کیا صورتیں پیش آئیں گی حق تعالیٰ کو پہلے ہی سے معلوم ہے لیکن باقتضائے حکمت و مصلحت کوئی حکم کچھ عرصہ کے لئے جاری کیا جاتا ہے۔ پہلے ہی اس کا ہمیشہ جاری کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ ایک مدت اللہ کے علم میں متعین ہوتی ہے کہ اس مدت تک یہ حکم جاری رہے گا مگر اس مدت کا اظہار مخلوق پر بمصلحت نہیں کیا جاتا، الفاظ کے عموم سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حکم غیر موقت اور دائمی ہے عنداللہ جو اس کی مدت مقرر ہے جب وہ مدت ختم ہو کر حکم واپس لیا جاتا ہے تو مخلوق کی نظر میں وہ حکم کی منسوخی ہوتی ہے اور حقیقت میں وہ بیان مدت ہوتا ہے یعنی اس وقت مخلوق پر ظاہر کر دیا جاتا ہے کہ ہم نے یہ حکم ہمیشہ کے لئے نہیں بلکہ اس مدت کے لئے جاری کیا تھا اب وہ مدت ختم ہوگئی اور حکم باقی نہیں رہا۔

یہ آیت جس کے ذریعہ نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہوئی اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ سے شروع ہو کر فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ تک آئی ہے یہ آیت شروع سورت کی آیت سے ایک سال یا آٹھ ماہ بعد نازل ہوئی ہے۔ سال بھر کے بعد قیام اللیل کی فرضیت منسوخ ہوئی، مسند احمد، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے شروع میں قیام اللیل کو فرض کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک سال تک اس کی پابندی کرتے رہے۔ سورت کا آخری حصہ اللہ تعالیٰ نے بارہ مہینے تک آسمان میں روک رکھا سال بھر کے بعد آخری حصہ نازل ہوا جس میں قیام اللیل کی فرضیت منسوخ ہو کر تخفیف ہوگئی اور اس کے بعد قیام اللیل صرف نفل و مستحب رہ گیا۔ (از روح المعانی) (معارف مفتی اعظم)

صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا پانچ نمازیں دن رات میں فرض ہیں۔ اس نے پوچھا اس کے سوا بھی کوئی اور نمازیں مجھ پر فرض ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باقی سب نوافل ہیں (تفسیر ابن کثیر)

امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب نے اس آیت سے استدلال کر کے یہ مسئلہ کہا ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ ہی کا پڑھنا متعین نہیں، اسے پڑھے خواہ اور کہیں سے پڑھ لے گو ایک ہی آیت پڑھنا کافی ہے، اور پھر اس مسئلہ کی مضبوطی اس حدیث سے کی ہے کہ جس میں ہے کہ بہت جلدی جلدی نماز ادا کرنے والے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا پھر پڑھ جو آسان ہو تیرے ساتھ قرآن سے (صحیحین)

وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ

اور قرض دو اللہ کو اچھی طرح پر قرض دینا ☆

اللہ کو قرض دینا:

پورے اخلاص سے اللہ کی راہ میں اس کے احکام کے موافق خرچ کرنا یہی اس کو اچھی طرح قرض دینا ہے۔ بندوں کو اگر قرض حسن دیا جائے وہ بھی اس کے عموم میں داخل سمجھو۔ کما ثبت فضلہ فی الحدیث۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس سے مراد ہے زکوٰۃ کے علاوہ دوسرا اصرف خیر جیسے رشتہ داروں سے سلوک مہمان نوازی۔ میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے کہ اس سے عام اطاعت الٰہیہ مراد ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ زکوٰۃ کو اچھے طور پر ادا کرنا مراد ہو لفظ قَرْضًا حَسَنًا اس امر پر دلالت کر رہا ہے لفظ حَسَنًا میں معاوضہ دینے کے وعدہ کی طرف طبائع کو مائل کرنا مقصود ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ
اور جو کچھ آگے بھیجو گے اپنے واسطے
خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ
کوئی نیکی اس کو پاؤ گے اللہ کے پاس
هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا
بہتر اور ثواب میں زیادہ ☆

ہر نیکی کا اجر ملے گا:

یعنی جو نیکی یہاں کرو گے۔ اللہ کے ہاں اس کو نہایت بہتر صورت میں پاؤ گے اور بہت بڑا اجر اس پر ملے گا تو یہ مت سمجھو کہ جو نیکی ہم کرتے ہیں یہیں ختم ہو جاتی ہے۔ نہیں وہ سب سامان تم سے آگے اللہ کے ہاں پہنچ رہا ہے جو عین حاجت کے وقت تمہارے کام آئے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اپنا مال اور وارثوں کا مال:

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے سوال کیا کہ تم میں ایسا کون ہے جو اپنے وارث کے مال سے بہ نسبت اپنے مال کی زیادہ محبت رکھتا ہو، صحابہؓ نے عرض کیا ہم میں کوئی بھی ایسا نہیں جو اپنے وارث کے مال کی محبت خود اپنے مال سے زیادہ رکھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوچ سمجھ کر بات کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہمیں تو اس کے سوا کوئی دوسری صورت معلوم نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (جب یہ بات ہے تو سمجھ لو کہ) تمہارا مال وہ ہے جو تم نے اپنے ہاتھ سے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا اور جو رہ گیا وہ تمہارا مال نہیں بلکہ تمہارے وارث کا مال ہے (ذکرہ ابن کثیر باسناد ابی یعلی الموصلی ثم قال ورواہ البخاری من حدیث حفص بن غیاث الخ) (معارف مفتی اعظم)

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٠﴾
اور معافی مانگو اللہ سے بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ☆

ہر حال میں استغفار کرو:

یعنی تم احکام بجالا کر پھر اللہ سے معافی مانگو۔ کیونکہ کتنا ہی محتاط شخص ہو اس سے بھی کچھ نہ کچھ تقصیر ہو جاتی ہے۔ کون ہے جو دعویٰ کر سکے کہ میں نے اللہ کی بندگی کا حق پوری طرح ادا کر دیا۔ بلکہ جتنا بڑا بندہ ہو اسی قدر اپنے کو تقصیر وار سمجھتا ہے اور اپنی کوتاہیوں کی معافی چاہتا ہے۔ اے غفور رحیم تو اپنے فضل سے میری خطاؤں اور کوتاہیوں کو بھی معاف فرما۔ تم سورۃ الممل وللہ الحمد و المنۃ. (تفسیر عثمانی)

اپنے گناہوں کی اللہ سے معافی مانگو، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ آدمی اپنی نیکیوں پر اعتماد اور بھروسہ نہ کرے بلکہ نیکی کے ساتھ استغفار بھی کرتا رہے کیونکہ آدمی کی کوئی طاعت قصور سے خالی نہیں ہوتی پھر بندہ سے کتنی ہی بڑی نیکی سرزد ہو بارگاہِ خداوندی کے شایانِ شان نہیں ہوتی جب تک اس کے ساتھ اپنی عاجزی قصور اور حقارت کا اقرار شامل نہ ہو۔

اللہ تمہارے قصوروں کو معاف کرنے والا اور تم پر رحم فرمانے والا ہے تھوڑے عمل کا بھی بڑا ثواب عطا فرماتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

الحمدللہ سورۃ المزمل ختم ہوئی

سورۃ المدثر

جس نے اس کو خواب میں پڑھا وہ رزق کی تنگی میں رہے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے اس تنگی کو دور فرما دے گا۔ (ابن سیرین)

الْمُدَّثِّرُ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً فِيْهَا رُكُوْعَانِ
سورۂ مدثر مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چھپن آیتیں ہیں اور اس میں دو رکوع ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿۱﴾
اے لحاف میں لپٹنے والے ☆

اس کے لیے سورہ ''مزمل'' کا پہلا فائدہ ملاحظہ کر لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

اس سورۃ کا نزول:

یحیٰ بن کثیر کا بیان ہے کہ میں نے ابو سلمہؓ بن عبدالرحمٰنؒ سے پوچھا کہ سب سے پہلے قرآن کا کون سا حصہ نازل ہوا۔ ابو سلمہؓ نے کہا ''المدثر'' میں نے کہا، لوگ کہتے ہیں کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ سب سے پہلے نازل ہوئی ابو سلمہؓ نے جواب دیا کہ میں نے حضرت جابرؓ سے پوچھا تھا اور جو تم نے مجھ سے کہا میں نے بھی ان سے یہی کہا تھا، انہوں نے جواب دیا تھا کہ میں وہی بیان کر رہا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان فرمایا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا میں حراء میں ایک مہینہ گوشہ نشین رہا جب مہینہ پورا کر لیا تو اتر کر آیا (راستہ میں) مجھے ندا آئی میں نے دائیں بائیں اور پیچھے دیکھا (مگر کچھ نظر نہ آیا اوپر سر اٹھایا تو کچھ نظر آیا میں خدیجہؓ کے پاس پہنچا اور (ان سے) کہا مجھے کپڑا اڑھاؤ، مجھے کپڑا اڑھاؤ اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو اس کے بعد فوراً نازل ہوا يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۙ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۙ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ۔ اور یہ واقعہ فرضیت نماز سے پہلے کا ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

طبرانی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ نے قریش کی دعوت کی، لوگ کھانا کھا چکے تو کہنے لگے آپ لوگ اس شخص (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق کیا کہتے ہیں ایک بولا وہ ساحر ہے، دوسرا بولا وہ ساحر نہیں ہے کسی نے کہا کہ وہ کاہن ہے دوسرے نے کہا کہ وہ کاہن نہیں ہے، کسی نے کہا کہ شاعر ہے دوسرا بولا کہ شاعر بھی نہیں ہے ایک شخص کہنے لگا (اس کا کلام تو) اثر آفرین جادو ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے ان خیالات کی اطلاع پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوا اور کپڑا اوڑھ کر اوپر کو سر اٹھایا اس وقت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا یاایها المدثر فاصبر تک۔

زمانہ فترت کے آخر میں یہ واقعہ پیش آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں کسی جگہ تشریف لے جا رہے تھے۔ اوپر سے کچھ آواز سنی تو آپ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی دیکھا کہ وہی فرشتہ جو غار حرا میں سورہ اقراء لے کر آیا تھا۔ وہ ہی آسمان کے نیچے فضا میں ایک معلق کرسی پر بیٹھا ہے۔ اس کو اس حال میں دیکھ کر وہی طبعی رعب و ہیبت کی کیفیت طاری ہوگئی۔ جو غار حرا میں نزول اقراء کے وقت ہوئی تھی۔ سخت سردی اور کپکپی کے احساس سے آپ گھر میں واپس تشریف لے گئے۔ اور فرمایا زملونی زملونی یعنی مجھے ڈھانپو ڈھانپو۔ آپ کپڑوں میں لپٹ کر لیٹ گئے۔ اس پر سورہ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ (کمافی حدیث صحیحین) (معارف مفتی اعظم)

قُمْ فَاَنْذِرْ ﴿۲﴾
کھڑا ہو پھر ڈر سنا دے ☆

لوگوں کو خبردار کریں:

یعنی وحی ثقل اور فرشتہ کی ہیبت سے آپ کو گھبرانا اور ڈرنا نہیں چاہیے۔ آپ کا تو کام یہ ہے کہ سب آرام و چین چھوڑ کر دوسروں کو خدا کا خوف دلائیں۔ اور کفر و معصیت کے برے انجام سے ڈرائیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴿۳﴾
اور اپنے رب کی بڑائی بول ☆

اللہ کی بڑائی:

کیونکہ رب کی بڑائی بولنے اور بزرگی و عظمت بیان کرنے ہی سے اس کا خوف دلوں میں پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تقدیس ہی وہ چیز ہے جس کی معرفت سب اعمال و اخلاق سے پہلے حاصل ہونی چاہئے۔ بہر حال اس کے کمالات و انعامات پر نظر کرتے ہوئے نماز میں اور نماز سے باہر اس کی بڑائی کا اقرار و اعلان کرنا تمہارا کام ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تکبیر کا معنی ہے حدوث اور ہر زوال و نقصان کی علامات سے اللہ کو برتر قرار دینا۔ وجوب وجود اور الوہیت و عبادت میں کسی کو اس کا شریک نہ بنانا کسی ممکن سے کسی طرح ذات اوصاف اور افعال میں اس کو مشابہ نہ ماننا صرف اسی کے اندر اوصاف کمال تسلیم کرنا اور دوسروں کے اوصاف کو ناقص اوصاف جاننا۔ عقیدہ تکبیر ہر شخص پر سب سے اول لازم ہے۔ تمام فرائض

سے زیادہ اہم ہے۔ نہ اس کی خلاف ورزی قابل معافی ہے۔ نہ کسی سے یہ واجب ساقط ہو سکتا ہے حکم شرعی سے پہلے محض عقل کی نظر میں بھی یہ عقیدہ واجب تھا۔ اور ہے مگر عقل بطور خود اس کی تفصیل کو جاننے سے قاصر ہے۔ اس لیے ہدایت شرع کی ضرورت ہوئی۔ یعنی یہ بھی عقیدہ خلاف عقل نہیں مگر شریعت کے اظہار کے بغیر اس کی تفصیل کی حدود میں عقل کی رسائی نہیں۔

مسئلہ: فقہاء نے اسی آیت کی وجہ سے نماز میں تکبیر تحریمہ کو فرض کہا ہے اور ثبوت میں اسی آیت کو پیش کیا ہے امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ قائل ہیں کہ بجائے اللہ اکبر کے جو لفظ بھی مفید تعظیم ہو اس سے نماز کا انعقاد ہو جائے گا۔ جیسے اللہ اجل . اللہ اعظم . لا الہ الا اللہ الرحمن اکبر۔ وغیرہ آغاز صلوٰت کی صحت صرف اللہ اکبر کہنے پر ہی موقوف نہیں ہے کیونکہ حکم ہے اللہ کی بڑائی یعنی عظمت کو ظاہر کرنے کا اور اس کا اقرار کرنے کا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ اکبر اچھی طرح کہہ سکتا ہو۔ معذور نہ ہو تو پھر اللہ اکبر کے سوا کوئی دوسرا لفظ کافی نہیں اللہ الاکبر اور اللہ الکبیر کہنا تینوں اماموں کے نزدیک درست ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝
اور اپنے کپڑے پاک رکھ اور گندگی سے دور رہ ☆

طہارت: اس سورت کے نازل ہونے پر حکم ہوا کہ مخلوق کو خدا کی طرف بلائیں پھر نماز وغیرہ کا حکم ہوا۔ نماز کے لیے شرط ہے کہ کپڑے پاک ہوں اور گندگی سے احتراز کیا جائے۔ ان چیزوں کو یہاں بیان فرما دیا۔ یہ ظاہر ہے کہ جب کپڑوں کا حسی و معنوی نجاستوں سے پاک رکھنا ضروری ہے تو بدن کی پاکی بطریق اولیٰ ضروری ہوگی۔ اس لیے اس کے بیان کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ بعض علماء نے کپڑوں کو پاک رکھنے سے نفس کا برے اخلاق سے پاک رکھنا مراد لیا ہے۔ اور گندگی سے دور رہنے کے معنی یہ لیے ہیں کہ بتوں کی گندگی سے دور رہیے۔ جیسے اب تک دور ہیں۔ بہر حال آیت ہذا میں طہارت ظاہری و باطنی کی تاکید مقصود ہے۔ کیونکہ بدون اس کے رب کی بڑائی کما حقہ دلنشیں نہیں ہو سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

اپنے کپڑوں کو پاک کرو۔ یعنی اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کرلو۔ مجاہد۔ ابراہیم۔ ضحاک۔ شعبی۔ زہری۔ عکرمہ نے کہا حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کا معنی پوچھا گیا تو فرمایا کہ گناہ اور گندگی کی حالت میں لباس نہ پہنو۔ پھر فرمایا کیا تو نے غیلان بن سلمہ ثقفی کا شعر سنا ہے

و انی بحمد اللہ لا ثوب فاجر لبست و لا من غدرۃ اتقنع

اللہ کا شکر ہے کہ میں نے فسق لباس نہیں پہنا اور نہ گندگی کی حالت میں چادر اوڑھی۔

حضرت ابی بن کعب کا بھی یہی قول ہے ضحاک نے کہا کہ اپنے اعمال ٹھیک کرلو۔ سدی نے کہا کہ نیک اعمال آدمی کو پاک کپڑوں والا اور بدکردار آدمی کو ناپاک کپڑوں والا کہا جاتا ہے۔ سعید بن جبیرؓ نے کہا اپنے دل اور گھر کو پاک کرلو۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اپنے اخلاق اچھے بناؤ۔ ابن سیرین اور ابن زید نے کہا کہ آیت میں کپڑوں کو پاک رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ مشرک اپنے کپڑوں کو پاک نہیں رکھتے تھے۔ طاؤس نے کہا اپنے کپڑوں کو طویل نہ کرو۔ کپڑوں کا لمبا نہ ہونا ان کی (تطہیر کا سبب) ہے۔

میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ کپڑوں کو پاک رکھنے کا حکم تو عبارت النص اور الفاظ ہی سے واجب ہے۔ اور بدن کو پاک کرنے کا حکم دلالت النص سے بدرجہ اولیٰ معلوم ہو رہا ہے۔ بنسبت کپڑے کے بدن کا مرتبہ اونچا ہے۔ اور بدن کو خدا سے زیادہ قرب ہے تو جب اللہ تعالیٰ کپڑوں کی ناپاکی کو پسند نہیں فرماتا تو بدن کی ناپاکی کو کیسے پسند فرما سکتا ہے۔ اور اس سے بھی اہم نفس اور قلب کی طہارت ہے۔ قلب کو بدن سے بھی زیادہ اللہ کا قرب حاصل ہے۔ بے شک اللہ توبہ شعار اور پاکیزہ لوگوں کو پسند فرماتا ہے۔

مسئلہ: فقہاء نے اس آیت سے نماز کے لیے کپڑوں کی اور جگہ کی اور بدن کی نجاست حقیقیہ سے ضروری قرار دی ہے میرے نزدیک صحیح یہ ہے۔ کہ اس آیت سے صرف نماز کے لیے طہارت کی شرط لگانا درست نہیں بلکہ تینوں قسم کی عمومی طہارت کے واجب ہونے پر ہر حال میں یہ آیت دلالت کر رہی ہے۔ ہاں نماز کے لیے تینوں اقسام کی طہارت کے وجوب پر اجماع ہے اور اجماع کی علت یہ ہے کہ جب جسمانی ناپاکیوں سے پاک رہنے کا حکم ناقابل نسخ آیت سے ثابت ہے۔ تو اخلاقی اور فکری نجاستوں سے پاک رہنے کا وجوب بطریق اولیٰ ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت وضو میں فرمایا ہے مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ ۔

بتوں اور گناہوں سے پاک رہو:

مجاہد، عکرمہ، قتادہ، زہری، ابن زید اور ابوسلمہ رضی اللہ عنھم نے کہا رجز سے مراد ہیں بت یعنی بتوں کو چھوڑ دو۔ ان کے قریب بھی نہ جاؤ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا گناہ چھوڑ دو۔ ابوالعالیہ اور ربیع نے کہا رجز کا معنی بت اور رجز کا معنی ہے نجاست اور گناہ ضحاک نے کہا کہ شرک مراد ہے۔

طہارت نہ رکھنے کا عذاب:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کی طرف سے گذرے اور فرمایا ان دونوں کو عذاب دیا جا رہا ہے لیکن کسی بڑی بات کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جا رہا ایک تو پیشاب سے آڑ نہیں کرتا تھا۔ اور مسلم کی روایت میں ہے ایک پیشاب سے پاک نہیں رہا کرتا

تھا۔ اور دوسرا چغلیاں کھاتا پھرتا تھا۔ (متفق علیہ)

اور کلبی کے نزدیک عذاب یعنی ایسے عقائد و اعمال کو ترک کر دو۔ جو موجب عذاب ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝٦

اور ایسا نہ کر کہ احسان کرے اور بدلہ بہت چاہے،

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝٧

اور اپنے رب سے اُمید رکھ ☆

احسان نہ جتلاؤ:

یہ ہمت اور اولو العزمی سکھلائی کہ جو کسی کو دے (روپیہ پیسہ یا علم و ہدایت وغیرہ) اس سے بدلہ نہ چاہیے۔ محض اپنے رب کے دیے پر شاکر و صابر رہ اور جو شدائد دعوت و تبلیغ کے راستہ میں پیش آئیں ان کو اللہ کے واسطے صبر و تحمل سے برداشت کر اور اسی کے حکم کی راہ دیکھ کہ یہ عظیم الشان کام بدون اعلیٰ درجہ کی حوصلہ مندی اور صبر و استقلال کے انجام نہیں پائیگا۔ ان آیتوں کی تفسیر اور بھی کئی طرح کی گئی ہے لیکن احقر کے خیال میں یہی بے تکلف ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح تشریح کی کہ اپنے اعمال کو کھیل سمجھ کر اللہ پر اپنے اعمال کا احسان نہ رکھو۔ یہ بھی حسن بصری نے فرمایا اپنے اعمال کو اپنی نظر میں زیادہ نہ سمجھو۔ اللہ کی دی ہوئی نعمت کے مقابلہ میں وہ کم ہی ہیں مجاہد کا قول نصیف کی روایت سے آیا ہے کہ "تمنن" کا معنی ہے ضعیف مطلب یہ ہے کہ کثرت خیر کی طلب میں کمزور نہ ہو۔ ابن زید نے کہا نبوت کا لوگوں پر احسان نہ رکھو کہ ان سے دنیوی مال اس کے عوض طلب کرنے لگو۔ یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اگر اہل حاجت کو کچھ دو۔ تو اپنے عطیہ کو بڑا سمجھ کر ان پر احسان نہ دھرو۔ (تفسیر مظہری)

فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ۝٨

پھر جب بجنے لگے وہ کھوکھری چیز ☆

یعنی صور پھونکا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

صور اور اسرافیل:

صحاح جوہری ابوالشیخ ابن حبان نے کتاب العظمۃ میں وہب بن منبہ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے سفید موتی سے جو بلور کی طرح چمکدار تھا۔ صور کو بنایا پھر عرش کو حکم دیا کہ صور کو پکڑ لے۔ صور عرش سے معلق ہو گیا پھر کن فرمایا تو اسرافیل علیہ السلام پیدا ہو گیا۔ اللہ نے اسرافیل علیہ السلام کو صور لے لینے کا حکم دیا اسرافیل علیہ السلام نے صور لیا صور میں ہر پیدا شدہ روح کی تعداد کے مطابق سوراخ ہیں کسی ایک سوراخ سے دو روحیں برآمد نہیں ہوں گی صور کے وسط میں آسمان و زمین کے چکر کی طرح ایک گول سوراخ ہے جس پر اسرافیل اپنا منہ رکھے ہوئے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے اسرافیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ نفخہ اور صیحہ کی خدمت میں نے تیرے سپرد کی۔ اسرافیل علیہ السلام عرش کے اگلے حصے میں داخل ہو گیا اور سیدھا قدم عرش کے نیچے اور بایاں قدم عرش کے اندر رکھے ہوئے اللہ کے حکم کے انتظار میں ہے۔ احمد اور ترمذی نے بسند قوی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کس طرح آرام پاؤں صور والا تو صور منہ میں لیے پیشانی جھکائے کانوں کو خدا کے حکم کی طرف متوجہ کیے موجود ہے کہ کب اس کو صور پھونکنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ یہ بات صحابہ پر سخت دشوار ہو گئی۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چین نہیں تو ہم کو بدرجہ اولیٰ مضطرب رہنا چاہیے ہم کہاں اور رسول کہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ پڑھو احمد اور حاکم نے اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے روایت کی ہے اس روایت میں نِعْمَ الْوَكِيلُ کے بعد عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا زائد ہے۔

فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ۝٩

پھر وہ اُس دن مشکل دن ہے ☆

قیامت کی سختی:

یعنی اس دن کے واقعات میں سے صور کا پھونکا جانا گویا ایک مستقل دن ہے جو سرتاپا مشکلات اور سختیوں سے بھرا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ۝١٠

منکروں پر نہیں آسان ☆

یعنی منکروں پر کسی طرح کی آسانی نہ ہوگی بلکہ اس دن کی سختی دمبدم ان پر بڑھتی جائیگی بخلاف مومنین کے کہ اگر سختی بھی دیکھیں گے تو کچھ مدت کے بعد پھر آسانی کر دی جائے گی۔ (تفسیر عثمانی)

ولید بن مغیرہ کے تاثرات:

بغوی نے لکھا ہے کہ جب آیت

حٰمٓ ۝ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ

الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۝ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان آیات کو پڑھنے مسجد میں کھڑے ہوئے۔ ولید بن مغیرہ پاس ہی موجود تھا اور قراءت سن رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کے سننے

کا احساس ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ ان آیات کو پڑھا۔ ولید ان آیات کو سن کراپنی قوم بنی مخذوم کی مجلس میں گیا اور کہنے لگا بخدا ابھی میں نے محمد سے ایسا کلام سنا ہے۔ جو نہ انسان کا کلام ہے نہ جن کا اس میں عجیب چاشنی اور رونق ہے۔ اور اس (درخت) کی چوٹی ثمر آفریں اور نچلا حصہ خوشہ دار ہے وہ غالب آئے گا۔ مغلوب نہ ہوگا۔ یہ کہہ کر وہ اپنے گھر چلا گیا۔ قریش کہنے لگے کہ خدا کی قسم ولید صابی (بے دین) ہو گیا واللہ تمام قریش والے بے دین ہو جائیں گے۔

قریشیوں کی پریشانی:

ولید کو ریحانہ قریش کہا جاتا ہے ابو جہل بولا تمہاری یہ مصیبت میں خود حل کروں گا۔ یہ کہہ کر ابو جہل ولید کے پاس گیا۔ اور غمگین شکل کے ساتھ اس کے پہلو میں بیٹھ گیا ولید نے کہا میرے بھتیجے آج تم غمگین نظر آتے ہو۔ کیا وجہ ہے ابو جہل بولا رنجیدہ نہ ہونے کی وجہ بھی کیا ہوسکتی ہے۔ قریش خیمہ میں جمع ہو کر آپ کے بڑھاپے کے باوجود آپ پر تہمت لگا رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ نے محمد کے کلام کو سچا کر دکھایا۔ آپ ابن کبشہ اور ابن ابی قحافہ کے پاس اس لیے جاتے ہیں کہ ان کا پس خوردہ کھانا کچھ آپ کو مل جائے۔ ولید یہ سن کر طیش میں آ گیا اور بولا کیا قریش کو یہ معلوم نہیں کہ میں بڑا مالدار اور کثیر الاولاد ہوں محمد اور اس کے ساتھیوں کا پیٹ تو خود ہی بھرا ہوا نہیں ان کے پاس پس خوردہ کہاں سے آیا۔ پھر ابو جہل کے ساتھ اٹھ کر قوم کے جلسہ میں آیا اور بولا کیا تمہارا خیال ہے کہ محمد مجنون ہے کیا کبھی کسی نے دیوانوں کی طرح بات کہتے اسے دیکھا ہے۔ حاضرین نے جواب دیا بخدا نہیں ولید نے کہا کیا تمہارا خیال ہے کہ محمد کاہن ہے کیا کبھی کہانت کرتے تم نے اس کو دیکھا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ خدا گواہ ہے کبھی نہیں دیکھا۔ ولید نے کہا کیا تم کہتے ہو کہ محمد شاعر ہے۔ کیا تم نے اس کو شعر کہتے کبھی دیکھا ہے لوگوں نے کہا خدا کی قسم نہیں ولید نے کہا کیا تم کہتے ہو کہ محمد بڑا جھوٹا ہے کیا کبھی تمہارے تجربہ میں اس کا جھوٹ آیا ہے لوگوں نے کہا بخدا نہیں۔ سچائی کی وجہ سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے پہلے امین کہا جاتا تھا۔ پھر قریش نے ولید سے کہا تو آخر وہ کیا ہے ولید نے دل ہی دل میں غور کیا پھر نظر اٹھائی اور منہ بگاڑ کر بولا بس وہ جادوگر ہے۔ اور کچھ نہیں تم نے دیکھ لیا کہ وہ اپنے کلام سے میاں، بیوی باپ، اولاد اور بھائیوں میں جدائی پیدا کر دیتا ہے۔ حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ قصہ نقل کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے بغوی نے کہا اس وقت مندرجہ ذیل آیات کا نزول ہوا ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے دوسری سند سے اس روایت کو بیان کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ﴿۱۱﴾
چھوڑ دے مجھ کو اور اُس کو جس کو میں نے بنایا اکیلا ☆

منکروں کیلئے اللہ کافی ہے:

ہر انسان ماں کے پیٹ سے اکیلا اور جریدہ آتا ہے۔ مال، اولاد، فوج، لشکر، سامان وغیرہ کچھ ساتھ نہیں لاتا یا "وحید" سے مراد خاص ولید بن مغیرہ ہو جس کے بارہ میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں وہ اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا تھا اور دنیوی ثروت ولیاقت کے اعتبار سے عرب میں فرد اور یکتا سمجھتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے منکروں کے معاملہ میں جلدی نہ کیجئے نہ ان کو مہلت ملنے سے تنگدل ہوں بلکہ ان کا قصہ میرے سپرد کرو میں سب کا بھگتان کر دونگا آپ کو غمگین و پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ولید بن مغیرہ:

وحید وہ شخص ہوتا ہے جس کا نسب کسی باپ سے نہ ملتا ہو وحید بھی حرامی تھا، بغوی نے بیان کیا ولید کا خطاب قوم میں وحید تھا اللہ نے بھی بطور استہزاء و استخفاف اس کو وحید فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾
اور دیا میں نے اس کو مال پھیلا کر
وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾
اور بیٹے مجلس میں بیٹھنے والے ☆

ولید کا مال و اولاد:

یعنی مال و اولاد کا پھیلاؤ بہت ہوا۔ دسوں بیٹے ہمہ وقت آنکھوں کے سامنے رہتے اور محفلوں میں باپ کی توقیر بڑھاتے اور دھاک بٹھلاتے تھے تجارتی کاروبار اور دوسرے کام کاج کے لیے نوکر چاکر بہت تھے۔ ضرورت نہیں تھی کہ بیٹے باپ کی نظر سے غائب ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

ولید بن مغیرہ کی آمدنی ایک کروڑ گنیاں سالانہ

یہ کافر ولید بن مغیرہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا مال و دولت اور اولاد فراوانی کے ساتھ دی تھی۔ بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی زمین جائیداد باغات مکہ سے طائف تک پھیلے ہوئے تھے۔ اور بقول ثوری اس کی سالانہ آمدنی ایک کروڑ دینار تھی۔ بعض نے اس سے کم بھی بتلایا ہے۔ لوگوں میں اس کا لقب ریحانہ قریش مشہور تھا۔ یہ خود اپنے آپ کو وحید ابن وحید یعنی یکتا کا بیٹا یکتا کہا کرتا تھا کہ نہ قوم میں میری کوئی نظیر ہے اور نہ میرے باپ مغیرہ کی۔ (قرطبی)

تفسیر قرطبی میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب قرآن کریم کی آیت حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ سے اِلَيْهِ تک نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تلاوت کر رہے تھے۔ ولید بن مغیرہ نے یہ قراءت سنی تو بے ساختہ کلام الٰہی ماننے اور کہنے پر مجبور ہو گیا۔ کہ واللہ میں نے محمد صلی

اللہ علیہ وسلم سے ایسا کلام سنا ہے کہ جو نہ کسی انسان کا کلام ہوسکتا ہے نہ کسی جن کا۔ اس میں بڑی طاقت ہے۔ اور اس پر خاص رونق ہے۔ اس کا اعلیٰ پھل دینے والا اور اسفل پانی جاری کرنے والا ہے۔ وہ بلاشبہ بالا و بلند ہوکر رہے گا۔ اس پر کوئی غالب نہیں ہوسکتا۔ یہ بشر کا کلام نہیں ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ﴿۱۴﴾

اور تیاری کر دی اُس کیلئے خوب تیاری ☆

ولید کی سیاسی حیثیت:

یعنی دنیا میں خوب عزت جمادی اور مسند حکومت و ریاست اچھی طرح تیار کردی۔ چنانچہ تمام قریش ہر مشکل کام میں اسی کی طرف رجوع کرتے اور اس کو اپنا حاکم جانتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی میں نے اس کی ریاست اور جاہ و حشمت کا سامان درست کیا ریاست اور پیشوائی کے استحقاق میں یکتا بنایا یہاں تک کہ اس کو ریحانہ قریش کہا جانے لگا۔ یا یہ مطلب کہ اس کی طویل طول عمر کے اسباب عطاء کیے۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ﴿۱۵﴾

پھر لالچ رکھتا ہے کہ اور بھی دوں ☆

حرص اور ناشکری:

یعنی باوجود کثرت نعمت و ثروت کے کبھی حرف شکر زبان سے نہ نکلا بلکہ ہمیشہ بت پرستی اور زیادہ مال جمع کرنے کی حرص میں منہمک رہتا اور اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اس کے سامنے بہشت کی نعمتوں کا ذکر فرماتے تو کہتا تھا کہ اگر یہ شخص اپنے بیان میں سچا ہے تو یقین کامل ہے کہ وہاں کی نعمتیں بھی مجھے ہی ملیں گی۔ اس کو فرماتے ہیں کہ باوجود اس قدر ناشکری اور حق ناشناسی کے یہ بھی توقع رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دنیا و آخرت کی نعمتیں اور زیادہ دیگا۔ (تفسیر عثمانی)

كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ﴿۱۶﴾

ہرگز نہیں وہ ہے ہماری آیتوں کا مخالف ☆

ولید کا زوال: یعنی جب وہ منعم حقیقی کی آیتوں کا مخالف ہے تو اسے ہرگز حق نہیں پہنچتا کہ ایسی توقع باندھے اور خیالی پلاؤ پکائے۔ کہتے ہیں کہ ان آیات کے نزول کے بعد پے بہ پے اس کے مال و اسباب میں نقصان ہونا شروع ہوا۔ آخر فقیر ہوکر ذلت کے ساتھ مرگیا۔ (تفسیر عثمانی)

سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾

اب اُس سے چڑھواؤنگا بڑی چڑھائی ☆

عذاب کی پیش گوئی:

یعنی ابھی اس کو بہت بڑی چڑھائی چڑھنا اور سخت ترین مصائب میں گرفتار ہونا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ "صعود" دوزخ میں ایک پہاڑ ہے جس پر کافر کو ہمیشہ چڑھائینگے اور گرائینگے یہ بھی عذاب کی ایک قسم ہے (تنبیہ) ولید ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھ کر سنایا۔ جس سے کسی قدر متاثر ہوا۔ مگر ابوجہل نے اس کو ورغلایا اور قریش میں چرچا ہونے لگا کہ اگر ولید مسلمان ہوگیا تو بڑی خرابی ہوگی۔ غرض سب جمع ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گفتگو ہوئی کسی نے کہا شاعر ہیں کسی نے کاہن بتلایا ولید بولا کہ میں شعر میں خود بڑا ماہر ہوں اور کاہنوں کی باتیں بھی سب سنی ہیں، پر قرآن نہ شعر ہے نہ کہانت لوگوں نے کہا کہ آخر تیری کیا رائے ہے کہنے لگا کہ ذرا سوچ لوں۔ آخر تیوری بدل کر اور منہ بنا کر کہا کچھ نہیں جادو ہے جو بابل والوں سے نقل ہوتا چلا آیا ہے۔ حالانکہ پیشتر قرآن سن کر کہہ چکا تھا کہ یہ سحر بھی نہیں نہ دیوانے کی بڑ معلوم ہوتی ہے بلکہ اللہ کا کلام ہے مگر محض برادری کو خوش کرنے کے لیے اب یہ بات بنادی۔ آگے اسی گفتگو کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن عباس فرماتے ہیں کہ صعود جہنم کی ایک چٹان کا نام ہے جس پر کافر کو منہ کے بل گھسیٹا جائے گا۔ سعدی کہتے ہیں کہ یہ پتھر بڑا اپھسلنا ہے۔ (ابن کثیر)

میں اس پر سخت عذاب ڈھانک دوں گا۔ صعود ایسا سخت عذاب ہے جو ہر عذاب سے بڑھ کر ہو سب پر غالب ہو۔

دوزخ کا پہاڑ:

حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت میں ہے کہ آیت سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا کی تشریح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دوزخ میں آگ کا پہاڑ ہے ولید کو اس پر چڑھنے کا حکم ہوگا۔ جب وہ اپنا ہاتھ اس پر رکھے گا تو ہاتھ پگھل جائے گا۔ اور جب اٹھائے گا تو دوبارہ اصلی حالت میں ہوجائے گا۔ اور جب اس پر قدم رکھے گا تو قدم پگھل جائے گا اور جب قدم کو اٹھالے گا تو قدم پھر اصلی حالت میں ہوجائے گا۔ (بغوی)

بغوی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس حدیث کو نقل کیا ہے احمد، ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے بھی یہ روایت کی ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے حضرت ابوسعیدؓ کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دوزخ کے اندر ایک پہاڑ ہوگا۔ ستر سال تک اس پر چڑھے گا اور پھر لڑھک کر نیچے گر جائے گا۔ اور ہمیشہ اسی طرح کرتا رہے گا۔

کلبی نے کہا صعود دوزخ میں ایک چکنی چٹان ہے ولید کو اس پر چڑھنے کا حکم دیا جائے گا۔ اوپر سے لوہے کی زنجیروں سے اس کو کھینچا جائے گا۔ اور نیچے

سے لوہے کے ہتھوڑوں سے مارا جائے گا۔ اور پھر چڑھنے کا حکم ہوگا۔ اور آگے سے کھینچا جائے گا اور پیچھے سے مارا جائے گا۔ اس کی یہ حالت ہمیشہ رہے گی۔

إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿١٨﴾

اُس نے فکر کیا اور دل میں ٹھہرا لیا

فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿١٩﴾

سو مارا جائیو کیسا ٹھہرایا

ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿٢٠﴾

پھر مارا جائیو کیسا ٹھہرایا ☆

بدبختی کی تجویز: یعنی بدبخت نے دل میں سوچ کر ایک بات تجویز کی کہ قرآن جادو ہے۔ خدا غارت کرے کیسی مہمل تجویز کی پھر خدا غارت کرے کہ اپنی قوم کے جذبات کے لحاظ سے کیسی برمحل تجویز نکالی جس کو سن کر سب خوش ہو جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ نَظَرَ ﴿٢١﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿٢٢﴾

پھر نگاہ کی پھر تیوری چڑھائی اور منہ تھتھایا

ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿٢٣﴾

پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا

فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ﴿٢٤﴾

پھر بولا اور کچھ نہیں یہ جادو ہے چلا آتا

إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿٢٥﴾

اور کچھ نہیں یہ کہا ہوا ہے آدمی کا ☆

یعنی مجمع پر نگاہ ڈالی پھر خوب منہ بنایا۔ تا دیکھنے والے سمجھیں کہ اس کو قرآن سے بہت کراہت اور انقباض ہے پھر پیٹھ پھیر لی گویا بہت ہی قابل نفرت چیز کے متعلق کچھ بیان کرنا ہے حالانکہ اس سے قبل اس کی حقانیت کا اقرار کر چکا تھا۔ اب برادری کی خوشنودی کے لیے اس سے پھر گیا۔ آخر نہایت غرور تکبر کے انداز میں کہنے لگا۔ بس اور کچھ نہیں یہ جادو ہے جو پہلوں سے ہوتا چلا آتا ہے۔ اور یقیناً یہ آدمی کا کلام ہے جو جادو بن کر باپ کو بیٹے سے، میاں کو بیوی سے، اور دوست کو دوست سے جدا کر دیتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ عَبَسَ جب نکتہ چینی کی کوئی چیز نہ ملی اور سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہے تو منہ بگاڑ لیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا اور دشمنی سے تیوری پر بل ڈال لیے۔ وَبَسَرَ یہ عبس کی تاکید ہے یعنی ترش رو ہوا تیوری بگاڑی۔ ثُمَّ أَدْبَرَ پھر رخ موڑا۔ (تفسیر مظہری)

سَأُصْلِيهِ سَقَرَ ﴿٢٦﴾

اب اس کو ڈالوں گا آگ میں ☆

جہنم میں داخلہ:

یعنی عنقریب اس کو آگ میں ڈال کر عناد و تکبر کا مزہ چکھاؤں گا۔ (تفسیر عثمانی)

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس میں کافر کو گرایا جائے گا۔ چالیس سال تک اندر ہی اندر جاتا رہے گا۔ لیکن پھر بھی تہہ تک نہ پہنچے گا۔ اور صعود جہنم کی ایک ناری پہاڑی کا نام ہے جس پر کافر کو چڑھایا جائے گا۔ ستر سال تک تو چڑھتا ہی رہے گا۔ پھر وہاں سے نیچے گرا دیا جائے گا۔ ستر سال تک نیچے لڑھکتا رہے گا۔ اور اسی ابدی سزا میں گرفتار رہے گا۔

وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ ﴿٢٧﴾ لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ ﴿٢٨﴾

اور تو کیا سمجھا کیسی ہے وہ آگ نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے ☆

دوزخ کی آگ:

یعنی دوزخیوں کی کوئی چیز باقی نہ رہنے دیگی جو جلنے سے بچ جائے۔ پھر جلانے کے بعد اس حالت پر بھی نہ چھوڑیگی بلکہ دوبارہ اصلی حالت پر لوٹا جائیں گے اور جلیں گے یہی سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا (العیاذ باللہ) (تنبیہ) اکثر سلف سے یہی معنی منقول ہیں۔ بعض مفسرین نے دوسری طرح توجیہ کی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لَا تُبْقِي جو چیز اس میں ڈالدی جائے اس کو باقی نہیں چھوڑتا۔

وَلَا تَذَرُ اور بغیر ہلاک کیے نہیں رہتا۔ مجاہد نے دونوں جملوں کی تشریح کی معنی اس طرح کئے ہیں کہ سقر کسی کو نہیں چھوڑتا اور نہ اس کے اندر کوئی چیز مردہ رہتی ہے۔ جب دوزخی اس کے اندر جل جائیں گے تو از سر نو انکی بدنی ساخت درست ہو جائے گی۔ ضحاک نے کہا کہ ہر چیز کی تیزی ایک حد پر پہنچ کر سست ہو جاتی ہے مگر سقر کی تیزی دھیمی نہ پڑے گی۔

لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿٢٩﴾

جلا دینے والی ہے آدمیوں کو ☆

یعنی بدن کی کھال جھلس کر حیثیت بگاڑ دیگی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "جیسے دہکتا لوہا سرخ نظر آتا ہے آدمی کی پنڈلی پر وہ سرخی نظر آئے گی۔ (تفسیر عثمانی)

کھال کو بگاڑ دینے والی ہے۔ سفیدی کو سیاہی سے بدل دینے والی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور زید بن اسلم نے تفسیر کی وہ جلد کو جلا دینے والی ہے۔ لواحۃ کا ترجمہ لا نحۃ بھی کیا گیا ہے۔ یعنی وہ لوگوں کے سامنے نمایاں اور ظاہر ہوگی۔ حسن اور ابن کیسان نے کہا وہ سامنے دکھتی ہوگی۔ کہ

آنکھوں دیکھے لوگ اس میں اتریں گے۔ اسی کی طرح معنی ہے ۔آیت وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِلْغٰوِیْنَ کا۔

عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾

اس پر مقرر ہیں انیس فرشتے ☆

دوزخ کے منتظمین:

یعنی دوزخ کے انتظام پر جو فرشتوں کا لشکر ہوگا اس کے افسر انیس فرشتے ہونگے۔ جن میں سب سے بڑے ذمہ دار کا نام ''مالک'' ہے (تنبیہ)

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے نہایت تفصیل سے انیس کے عدد کی حکمتیں بیان کی ہیں جو قابل دید ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جہنم میں مجرموں کو عذاب دینے کے لیے انیس قسم کے فرائض ہیں جن میں سے ہر فرض کی انجام دہی ایک ایک فرشتہ کی سرکردگی میں ہوگی کوئی شبہ نہیں کہ فرشتہ کی طاقت بہت بڑی ہے اور ایک فرشتہ وہ کام کرسکتا ہے جو لاکھوں آدمی مل نہیں کر سکتے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ ہر فرشتہ کی یہ قوت اسی دائرہ میں محدود ہے جس میں کام کرنے کے لیے وہ مامور ہوا ہے مثلاً ملک الموت لاکھوں آدمیوں کی جان ایک آن میں نکال سکتا ہے۔

مگر عورت کے پیٹ میں ایک بچہ کے اندر جان نہیں ڈال سکتا۔ حضرت جبریل چشم زدن میں وحی لا سکتے ہیں لیکن پانی برسانا ان کا کام نہیں جس طرح کان دیکھ نہیں سکتا آنکھ سن نہیں سکتی اگرچہ اپنی قسم کے کام کتنے ہی سخت ہوں کر سکتے ہیں مثلاً کان ہو سکتا ہے کہ ہزاروں آوازیں سن لے اور نہ تھکے آنکھ ہزاروں رنگ دیکھ لے اور عاجز نہ ہو اسی طرح اگر ایک فرشتہ عذاب کے واسطے دوزخیوں پر مقرر ہوتا اس سے ایک ہی قسم کا عذاب دوزخیوں پر ہو سکتا تھا، دوسری قسم کا عذاب جو اس کے دائرہ استعداد سے باہر ہے ممکن نہ تھا اس لیے انیس قسم کے عذابوں کے لیے (جن کی تفصیل تفسیر عزیزی میں ہے) انیس ذمہ دار فرشتے مقرر ہوئے ہیں علماء نے اس عدد کی حکمتوں پر بہت کچھ کلام کیا ہے مگر احقر کے نزدیک حضرت شاہ صاحبؒ کا کلام بہت عمیق ولطیف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

دوزخ پر انیس ملائکہ مسلط ہوں گے۔ یہ سب دوزخ کے دربان ہوں گے۔ ایک مالک اور باقی اٹھارہ دوسرے فرشتے۔ ابن وہب نے بروایت زید بن اسلم بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں سے ہر ایک کے دونوں مونڈھوں کے درمیان ایک سال کی راہ کے بقدر فاصلہ ہوگا رحم ان (کے دلوں) سے نکال دیا گیا ہے۔ ہر فرشتہ ستر ہزار کو اٹھا کر دوزخ میں جہاں چاہے گا پھینک دے گا۔

بغوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کا قول نقل کیا ہے اور بیہقی نے بھی ابن اسحاق کی روایت سے لکھا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابوجہل نے قریش سے کہا کہ تم پر تمہاری مائیں روئیں کیا تمہارے دس دس آدمیوں میں بھی یہ طاقت نہیں کہ ایک ایک دربان کو پکڑ لیں ابن کبشہ تو بیان کررہا تھا۔ کہ دوزخ کے صرف انیس دربان ہیں تم تو بڑے طاقتور بہادر ہو۔ ابوالاسد کلدہ جمحی بولا سترہ کے لیے تو میں کافی ہوں دس کو پشت اور سات کو پیٹ سے باندھ لوں گا۔ دو کو تم پکڑ لینا۔ اس پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔ بیہقی نے سدی کا قول نقل کیا ہے کہ جب آیت عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ نازل ہوئی تو ایک قریشی شخص نے جس کو ابوالاسدین کہا جاتا تھا۔ کہا کہ اے گروہ قریش تم کو ان انیس سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے۔ میں دس کو اپنے سیدھے مونڈھے اور نو کو بائیں مونڈھے سے دھکے دے کر تم سے دور کردوں گا۔ اس پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً

اور ہم نے جو رکھے ہیں دوزخ پر داروغہ وہ فرشتے ہی ہیں ☆

فرشتوں کی طاقت:

انیس کا عدد سن کر مشرکین ٹھٹھا کرنے لگے کہ ہم ہزاروں ہیں۔ انیس ہمارا کیا کرلیں گے۔ بہت ہوا ہم میں سے دس دس ان کے ایک ایک کے مقابلہ میں ڈٹ جائیں گے ایک پہلوان بولا کہ سترہ کو تو میں اکیلا ہی کافی ہوں۔ دو کا تو تم مل کر تیاپانچا کرلینا۔ اس پر یہ آیت اتری۔ یعنی وہ انیس تو ہیں مگر آدمی نہیں فرشتے ہیں۔ جن کی قوت کا یہ حال ہے کہ ایک فرشتہ نے قوم لوط کی ساری بستی کو ایک بازو پر اٹھا کر پٹک دیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

مثال کے طور پر سمجھ لیجئے کہ ملک الموت لاکھوں انسانوں کی جان ایک آن میں نکال سکتا ہے مگر عورت کے پیٹ میں ایک بچہ کے اندر جان نہیں ڈال سکتا۔ حضرت جبرئیل چشم زدن میں وحی لا سکتے ہیں مگر پانی برسانا ان کا کام نہیں۔ جس طرح انسان کی قوتوں کو قدرت خداوندی نے محدود کر رکھا ہے۔ کان لاکھوں آوازیں تو سن سکتا ہے لیکن وہ ایک چیز بھی دیکھ نہیں سکتا۔ آنکھیں بے شمار چیزوں کو دیکھ کر نہیں تھکیں گی۔ لیکن وہ ایک آواز بھی سننے پر قادر نہیں اسی طرح جو فرشتہ بھی عذاب پر مقرر ہوگا۔ وہ فرشتہ صرف اسی قسم کا عذاب دے گا۔ جس قسم کے عذاب پر وہ مامور ہے۔ دوسری قسم کا عذاب دینے کی اس کو قطعی قدرت نہ ہوگی۔ تو اس طرح انیس قسم کے عذاب ہوں گے۔ کوئی ضرب سے عذاب دیتا ہوگا۔ کوئی توبیخ وملامت سے کوئی زقوم اور صدید وحمیم کے کھلانے و پلانے پر مقرر ہوگا۔ اس طرح یہ انیس فرشتے اپنے مقرر کردہ عذاب کی انجام دہی میں مصروف ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (معارف کاندھلوی)

وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا

اور اُن کی جو گنتی رکھی ہے سو جانچنے کو منکروں کے ☆

انیس کے عدد کی حکمت:

یعنی کافروں کو عذاب دینے کے لیے انیس کی گنتی خاص حکمت سے رکھی ہے جس کی طرف ''عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ'' کے فائدہ میں اشارہ کیا جا چکا ہے اور اس گنتی کے بیان کرنے میں منکروں کی جانچ ہے دیکھتے ہیں کہ کون اس کو سن کر ڈرتا ہے اور کون ہنسی مذاق اڑاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَيَزْدَادَ

تا کہ یقین کر لیں وہ لوگ جن کو ملی ہے کتاب اور بڑھے

الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ

ایمانداروں کا ایمان اور دھوکا نہ کھائیں جن کو

أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ

ملی ہے کتاب اور مسلمان ☆

اہل کتاب پر اثر:

اہل کتاب کو پہلے سے یہ عدد معلوم ہوگا جیسا کہ ترمذی کی ایک روایت میں ہے یا کم از کم کتب سماویہ کے ذریعہ اتنا تو جانتے تھے کہ فرشتوں میں کس قدر طاقت ہے انیس بھی تھوڑے نہیں اور یہ کہ انواع تعذیب کے اعتبار سے مختلف فرشتے دوزخ پر مامور ہونے چاہئیں یہ کام تنہا ایک کا نہیں بہر حال اس بیان سے اہل کتاب کے دلوں میں قرآن کی حقیت کا یقین پیدا ہوگا اور یہ دیکھ کر مومنین کا ایمان بڑھے گا اور ان دونوں جماعتوں کو قرآن کے بیان میں کوئی شک وتردد نہیں رہے گا نہ مشرکین کے استہزاء وتمسخر سے وہ کچھ دھوکہ کھائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول: ابن ابی حاتم نے اور بیہقی نے بعث میں ذکر کیا ہے۔ کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے چند صحابیوں سے جہنم کے دربانوں کے متعلق سوال کیا وہ خدمت گرامی میں حاضر ہوئے تو اسی وقت آیت عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ نازل ہوئی۔ اور اس آیت کا نزول اہل کتاب کے لیے یقین بخش اور اہل ایمان کے ایمان کو بڑھانے والا ہوا۔ (تفسیر مظہری)

وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ

اور تا کہ کہیں وہ لوگ کہ جن کے دل میں روگ ہے

مَّرَضٌ وَالْكَافِرُونَ

اور منکر ☆

منافقوں اور کافروں کی نادانی:

''الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ'' سے منافقین یا ضعیف الایمان مراد ہیں اور ''الْكَافِرُونَ'' سے کھلے ہوئے منکر۔ (تفسیر عثمانی)

مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا

کیا غرض تھی اللہ کو اس مثل سے ☆

یعنی انیس کے بیان سے کیا غرض تھی۔ بھلا ایسی بے تکی اور غیر موزوں بات کو کون مان سکتا ہے۔ (العیاذ باللہ)۔ (تفسیر عثمانی)

كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ

یوں بچلاتا ہے اللہ جس کو چاہے

وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ

اور راہ دیتا ہے جس کو چاہے ☆

یعنی ایک ہی چیز سے بد استعداد آدمی گمراہ ہو جاتا ہے اور سلیم الطبع راہ پا لیتا ہے جسے ماننا مقصود نہ ہو وہ کام کی بات کو ہنسی مذاق میں اڑا دیتا ہے اور جس کے دل میں خوف خدا اور نور توفیق ہو اس کے ایمان ویقین میں ترقی ہوتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ

اور کوئی نہیں جانتا تیرے رب کے لشکر کو مگر خود ہی ☆

اللہ کے لشکر:

یعنی اللہ کے بے شمار لشکروں کی تعداد اسی کو معلوم ہے انیس تو صرف کارکنان جہنم کے افسر بتلائے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

عطاء نے بیان کیا کہ جن فرشتوں کو اللہ نے دوزخیوں کے عذاب کے لیے مقرر کیا ہے ان کی تعداد سوائے خدا کے کوئی واقف نہیں مراد یہ ہے کہ دربان تو انیس ہی ہیں مگر مددگار اور معاون کتنے ہیں انکی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے۔ ہناد نے کعب کا قول نقل کیا ہے کہ جس شخص کو دوزخ میں لے جانے کا حکم ہوگا۔ اس کے لیے ایک لاکھ فرشتے پکڑنے کو آگے بڑھیں گے۔ قرطبی نے لکھا ہے کہ تِسْعَةَ عَشَرَ سے مراد سردار ہیں کل ملائکہ جہنم کتنے ہوں گے سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔

حضرت عدی بن ارطاۃ نے مدائن کی جامع مسجد میں اپنے خطبہ میں فرمایا کہ میں نے ایک صحابیؓ سے سنا ہے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے ہیں جو ہر وقت خوف خدا سے کپکپاتے رہتے ہیں ان کے آنسو گرتے رہتے ہیں اور وہ ان فرشتوں پر ٹپکتے ہیں جو نماز میں مشغول ہیں اور ان میں ایسے فرشتے بھی ہیں جو ابتدائے دنیا سے رکوع میں ہی ہیں اور بعض سجدے میں ہی ہیں قیامت

کے دن اپنی پیٹھ اور سر اٹھائیں گے اور نہایت عاجزی سے عرض کریں گے۔ کہ خدایا تو پاک ہے ہم سے تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکا۔ اس حدیث کی اسناد میں کوئی حرج نہیں۔ پھر فرماتا ہے یہ آگ جس کا وصف تم سن چکے ہو۔ یہ لوگوں کے لیے سراسر باعث عبرت ونصیحت ہے۔ پھر چاند کی رات کے جانے کی صبح کے روشن ہونے کی بڑی بڑی قسمیں کھا کھا کر فرماتا ہے کہ وہ آگ ایک زبردست اور بہت بڑی چیز ہے جو اس ڈراوے کو قبول کر کے حق کی راہ میں لگنا چاہے۔ لگ جائے۔ جو چاہے اس کے باوجود بھی حق کو پیٹھ ہی دیتا رہے۔ اور اس سے دور بھاگتا رہے۔ اور اسے رد کرتا رہے۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے آسمان چرچرا رہے ہیں اور انہیں چرچرانے کا حق ہے ایک انگلی کی جگہ بھی ایسی نہیں کہ جہاں کوئی فرشتہ سجدے میں نہ پڑا ہو۔ اگر تم وہ جان لیتے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے اور بستروں پر اپنی بیویوں کے ساتھ لذت نہ پا سکتے۔ بلکہ فریاد وزاری کرتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل کھڑے ہوتے۔ اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابو ذرؓ کی زبان سے بے ساختہ نکل جاتا کاش کہ میں درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا۔ یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ اور امام ترمذی اسے حسن غریب بتلاتے ہیں اور حضرت ابوذر سے مرفوعاً بھی روایت کی گئی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

امام احمد حنبلؒ نے حضرت ابو ذر غفاریؓ کی وہ معروف حدیث تخریج فرمائی ہے۔ جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا آسمانوں میں انگشت برابر کوئی جگہ ایسی نہیں کہ جہاں کوئی فرشتہ بارگاہ رب العزت میں سربسجود نہ ہو اور فرمایا کہ اے لوگو۔ اگر تم کو وہ بات معلوم ہو جائے۔ جو مجھے معلوم ہے تو تمہارا یہ حال ہو جائے کہ تم کثرت سے رونے لگو۔ اور ہنسنا کم کر دو۔ اور تم اپنے بستروں سے لطف اندوز ہونے کے بجائے جنگلوں اور بیابانوں میں نکل جاؤ۔ اور اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے آہ وزاری کرتے کرتے گڑگڑانے لگو۔ (معارف کاندھلوی)

وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ ﴿٣١﴾

اور وہ تو سمجھانا ہے لوگوں کے واسطے ☆

ذکرِ دوزخ کی حکمت:

یعنی دوزخ کا ذکر صرف عبرت ونصیحت کے لیے ہے کہ اس کا حال سن کر لوگ غضب الٰہی سے ڈریں اور نافرمانی سے باز آئیں۔ (تفسیر عثمانی)

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴿٣٣﴾

سچ کہتا ہوں اور قسم ہے چاند کی، اور رات کی جب پیٹھ پھیرے

وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ﴿٣٤﴾

اور صبح کی جب روشن ہووے

إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾

وہ ایک ہے بڑی چیزوں میں کی ☆

یعنی جو بڑی بڑی ہولناک اور عظیم الشان چیزیں ظاہر ہونیوالی ہیں دوزخ ان میں کی ایک چیز ہے۔ (تفسیر عثمانی)

نَذِيرًا لِلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ

ڈرانے والی ہے لوگوں کو جو کوئی چاہے تم میں سے کہ

أَنْ يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿٣٧﴾

آگے بڑھے یا پیچھے رہے ☆

آگے بڑھے نیکی یا بہشت کی طرف اور پیچھے رہے بدی میں پھنسا ہوا یا دوزخ میں پڑا ہوا۔ بہرحال مقصود یہ ہے کہ دوزخ سب مکلفین کے حق میں بڑے ڈراوے کی چیز ہے اور چونکہ اس ڈرانے کے عواقب ونتائج قیامت میں ظاہر ہونگے۔ اس لیے قسم ایسی چیزوں کی کھائی جو قیامت کے بہت ہی مناسب ہے چنانچہ چاند کا اول بڑھنا پھر گھٹنا نمونہ ہے اس عالم کے نشوونما اور اضمحلال وفنا کا۔ اسی طرح اس عالم دنیا کو عالم آخرت کے ساتھ حقائق کے اختفاء وانکشاف میں ایسی نسبت ہے جیسے رات کو دن کے ساتھ۔ گویا اس عالم کا ختم ہو جانا رات کے گزرنے اور اس عالم کا ظہور نور صبح کے پھیل جانے کے مشابہ ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿٣٨﴾ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ﴿٣٩﴾

ہر ایک جی اپنے کیے کاموں میں پھنسا ہوا ہے مگر داہنی طرف والے

فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٤٠﴾ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٤١﴾

باغوں میں ہیں مل کر پوچھتے ہیں گنہگاروں کا حال ☆

داہنی طرف والے:

یعنی جو لوگ میثاق کے دن حضرت آدمؑ کی پشت سے داہنی طرف سے نکلے تھے اور دنیا میں بھی سیدھی چال چلتے رہے اور موقف میں بھی عرش کے داہنی طرف جدھر بہشت ہے کھڑے ہوئے اور اسی طرف روانہ ہوئے اور ان کے نامہ اعمال بھی داہنے ہاتھ میں آئے وہ لوگ البتہ قید میں پھنسے ہوئے نہیں بلکہ جنت کے باغوں میں آزاد ہیں اور نہایت بےفکر اور فارغ البال ہو کر آپس میں ایک دوسرے سے یا فرشتوں سے گنہگاروں

کا حال پوچھتے ہیں کہ وہ لوگ کہاں گئے جو نظر نہیں پڑتے۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ. سوا اہل ایمان کے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے کہ اصحاب الیمین سے مراد ہیں وہ لوگ جن کے اعمال نامے دائیں ہاتھوں میں دیئے جائیں گے۔

ابن مبارک نے ایک اسدی شخص کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کیا آخرت کے متعلق کوئی بات تمہارے پاس ہے کعب نے کہا جی ہاں امیر المؤمنین قیامت کا دن ہوگا تو لوح محفوظ رکھ دی جائے گی ہر شخص اپنے اپنے عمل کو دیکھ لے گا پھر اعمال نامے لاکر عرش کے چاروں طرف بکھیر دیئے جائیں گے پھر مؤمن کو بلا کر اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دے دیا جائے گے وہ اس پر غور کرے گا۔

مقاتل نے کہا اصحاب الیمین وہ جنتی ہوں گے جو روز میثاق میں حضرت آدم کے دائیں طرف تھے اور اللہ نے ان کے متعلق فرمایا تھا ھؤلاء للجنة و لا ابالی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ایک روایت میں آیا ہے کہ اصحاب الیمین وہ لوگ ہوں گے جن کے نفوس مبارک ہیں۔ ان تمام اقوال کا نتیجہ یہ ہے کہ اصحاب الیمین سے مراد مومنین ہیں اہل ایمان کو ہی دوامی عذاب نہ ہو گا یا بقدر گناہ سزا پانے کے بعد مغفرت ہو جائے گی یا شفاعت کی وجہ سے معافی ہو جائے گی یا محض رحمتِ الٰہی سے بغیر عذاب کے محفوظ رہیں گے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اصحاب الیمین سے مراد مخلص اہل ایمان ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ ہر شخص سے اس کے اعمال کا مواخذہ ہوگا اگرچہ بعض کی پکڑ سخت نہ ہو مگر کامل مسلمانوں سے مواخذہ نہ ہوگا۔ اصحاب الیمین سے کامل ایمان والے مراد لینے کی کوئی دلیل نہیں۔

سعد بن منصورؒ اور ابن حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے نوادر الاصول میں حضرت علیؓ کی طرف سے اس قول کی نسبت کی ہے کہ اصحاب الیمین سے مراد مسلمانوں کے خورد سال بچے ہیں (جو طفولیت میں مر گئے) حکیم نے اس روایت میں اتنی بیشی کی ہے کہ انھوں نے کوئی عمل نہیں کیا اور نہ وہ اپنے اعمال کے ہاتھوں میں رہن ہوئے۔

ابوظبیانؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد ملائکہ ہیں لیکن جب تک اس روایت کی صحت ثابت نہ ہو نہیں کہا جاسکتا کہ اصحاب الیمین سے ملائکہ (یا طفال مسلمین) مراد ہیں۔ (تفسیر مظہری)

مَا سَلَكَكُمْ فِىْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾

تم کا ہے سے جا پڑے دوزخ میں ☆

دوزخیوں سے سوال:

یعنی جب سنیں گے کہ گنہگاروں کو دوزخ میں داخل کیا گیا ہے تب ان گنہگاروں کی طرف متوجہ ہو کر یہ سوال کرینگے کہ باوجود عقل و دانائی کے تم اس دوزخ کی آگ میں کیسے آپڑے۔ (تفسیر عثمانی)

اصل کلام اس طرح تھا کہ اہل جنت کچھ لوگوں سے مجرموں کی حالت میں پوچھیں گے اور وہ مجرموں سے سوال کریں گے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ میں عن زائد ہے اس وقت یہ مطلب ہوگا کہ اہل جنت مجرموں سے دریافت کریں گے۔ سقر بڑی بلاؤں میں سے ایک بلا ہے۔ بڑی بلائیں بہت سی ہیں ان میں ایک سقر بھی ہے جہنم، لظی، حطمہ، سعیر، ہاویہ، سقر سب بڑی بلائیں ہیں (متعدد دوزخ ہیں) (تفسیر مظہری)

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾

وہ بولے ہم نہ تھے نماز پڑھتے

وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾

اور نہ تھے کھانا کھلاتے محتاج کو

وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾

اور ہم تھے باتوں میں دھنستے دھنسنے والوں کے ساتھ

وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾

اور ہم تھے جھٹلاتے انصاف کے دن کو

حَتّٰىٓ اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾

یہاں تک کہ آ پہنچی ہم پر وہ یقینی بات ☆

دوزخ میں ڈالنے والے جرائم:

یعنی نہ اللہ کا حق پہچانا نہ بندوں کی خبر لی۔ البتہ دوسرے لوگوں کی طرح حق کے خلاف بحثیں کرتے رہے اور بدصحبتوں میں رہ کر شکوک و شبہات کی دلدل میں دھنستے چلے گئے اور سب سے بڑی بات یہ کہ ہم کو یقین نہ ہوا کہ انصاف کا دن بھی آنیوالا ہے ہمیشہ اس بات کو جھٹلایا کئے یہاں تک کہ موت کی گھڑی سر پر آن پہنچی اور آنکھوں سے دیکھ کر ان باتوں کا یقین حاصل ہوا جن کی تکذیب کیا کرتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

اور جو چیز مسکین کو دینی واجب تھی ہم اس کو کھانے کو نہیں دیتے تھے۔ آیت بتارہی ہے کہ آخرت میں فروع اعمال پر گرفت کرنے کے لئے کافروں سے خطاب کیا جائے گا البتہ دنیا میں کافر فروع اعمال کے مخاطب اس لئے نہیں ہیں کہ خطاب بالاعمال کی شرط یعنی ایمان مفقود ہے۔ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کفار اعمال پر مکلف نہیں ہیں کیونکہ کفر کا تقاضا تو شدت تکلیف ہے۔ تخفیف تکلیف مقتضاء کفر کے خلاف ہے۔ ہاں اسلام لانے سے گزشتہ حقوق اللہ نماز

روزہ اور مختلف سزائیں ساقط ہوجاتی ہیں۔حالت کفر میں کافر جو اللہ کی حق تلفیاں کرتا ہے مسلمان ہونے کے بعد ان کا مواخذہ نہ ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام پہلے کے گناہوں کو نابود کردیتا ہے الخ۔(تفسیر مظہری)

فاروق اعظمؓ کا ابوجحش کا پچھاڑنا:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آئے نماز کھڑی ہوئی تھی۔اور تین شخص بیٹھے ہوئے تھے جن میں کا ایک کا نام ابوجحش لیثی تھا۔آپ نے فرمایا حضور کے ساتھ نماز میں کھڑے ہوجاؤ۔تو دو شخص تو کھڑے ہوگئے۔لیکن ابوجحش کہنے لگا کہ اگر کوئی ایسا شخص آئے کہ جو طاقت وقوت میں مجھ سے زیادہ ہو اور مجھ سے کشتی لڑے اور مجھے گرادے پھر میرا منہ مٹی میں ملادے تو میں اٹھوں گا ورنہ بس اٹھ چکا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور کون آئے گا میں تیار ہوں۔چنانچہ کشتی ہونے لگی اور میں نے اسے پچھاڑ دیا پھر اس کے منہ کو مٹی میں ملادیا۔(تفسیر ابن کثیر)

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ﴿۴۸﴾

پھر کام نہ آئے گی ان کے سفارش سفارش کرنیوالوں کی ☆

کافروں کیلئے کوئی سفارش نہ ہوگی:

کافر کے حق میں کوئی سفارش نہ کریگا اور کریگا تو قبول نہ ہوگی۔(تفسیر عثمانی)

اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسند میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا یا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا ہے کہ ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا جس مسلمان کے تین خورد سال بچے جوانی کو پہنچنے سے پہلے مرجائیں ان کو قیامت کے دن لاکر جنت کے دروازہ پر کھڑا کردیا جائے گا اور جنت کے اندر داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا وہ کہیں گے کہ اگر ہمارے ماں باپ داخل ہوں گے (تو ہم بھی داخل ہوں گے بغیر ان کے ہم اندر داخل نہ ہوں گے) آخر دوسری یا تیسری بار حکم دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ جنت میں تم بھی آؤ اور تمہارے ماں باپ بھی آیت فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ سے یہی مراد ہے (یعنی شافعین سے مراد خوردسال اطفال ہیں اور شفاعت سے مراد ان کی شفاعت ہے)۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ملائکہ اور انبیاء اور شہید اور نیک بندے اور تمام اہل ایمان شفاعت کریں گے پھر دوزخ کے اندر صرف چار (قسم کے آدمیوں کے) سوا اور کوئی نہیں رہے گا اس کے بعد آپ نے آیت قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۔ بِيَوْمِ الدِّينِ تک تلاوت کی (یعنی آیت میں جن چار اقسام کا بیان ہے وہی دوزخ میں رہیں گے)۔

صحیح یہ ہے کہ عدم افادۂ شفاعت کا ترتب اوصاف اربعہ کے مجموعہ پر ہے جن میں ایک وصف تکذیب قیامت بھی ہے تو افادۂ شفاعت سے مانع یہ اوصاف بحیثیت مجموعہ ہیں (ایک ایک انفرادی وصف افادۂ شفاعت سے مانع نہیں)

مؤمنین کے لئے شفاعت:

ہر مومن کے لئے شفاعت کے جواز پر اجماع ہے دوزخ میں داخل ہونے کے قابل بعض مومن شفاعت کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہی نہیں ہونگے۔اور داخل ہوچکے ہوں گے تو نکال لئے جائیں گے۔معتزلہ،خوارج اور ان جیسے دوسرے بدعتی شفاعت کے منکر ہیں حالانکہ احادیث شفاعت متواتر للمعنی ہیں تمام احادیث کو ذکر کرنا تو موجب طوالت ہے ہم بعض احادیث بیان کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا آخر میرا رب ندا دے گا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا تو اب خوش ہوگیا۔میں عرض کروں گا جی ہاں! میرے رب میں راضی ہوں۔(بزاز،طبرانی،ابونعیم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کبیرہ گناہوں والے امتی کے لئے میری شفاعت ہے۔

(ترمذی،ابن حبان،حاکم،احمد،ابوداؤد)

ایسی ہی روایت حضرت جابر کی بھی ترمذی،ابن حبان حاکم، اور ابن ماجہ نے بیان کی ہے۔

اسی قسم کی روایت حضرت ابن عباسؓ کی بھی طبرانی نے لکھی ہے اور خطیب نے حضرت ابن عمر اور حضرت کعب بن عجرہؓ کی روایات بھی اس طرح کی درج کی ہیں۔

عالم کی شفاعت:

حضرت عثمان بن عفانؓ نے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ (قیامت کے دن) عالم اور عابد کو لایا جائے گا عابد سے کہا جائے گا تو جنت میں چلا جا اور عالم سے کہا جائے گا تو شفاعت کے لئے ٹھہر رہ۔ (اصبہانی)

یہ بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ میری امت کے بدکردار (بھی) اچھے لوگ ہیں عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیسے فرمایا کہ میری امت کے بدکردار لوگوں کو میری شفاعت سے اللہ جنت میں داخل کردے گا اور نیکوں کو ان کے اعمال کی وجہ سے اللہ کی طرف سے جنت میں داخلہ ملے گا۔ (طبرانی وابونعیم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی موقوف روایت ہے کہ عالم سے کہا جائے گا کہ اپنے شاگردوں کی شفاعت کر خواہ ان کی تعداد آسمان کے ستاروں کے برابر ہوجائے۔(دیلمی)

حضرت ابودرداء کی مرفوع روایت ہے کہ شہید اپنے ستر گھر والوں کی شفا

عت کرے گا۔ (ابوداؤد)

ایک جنتی کی سفارش:

حضرت انسؓ کی مرفوع روایت ہے کہ قیامت کے دن لوگ قطار در قطار کھڑے ہوں گے پھر ایک جنتی آدمی دوزخی کی طرف سے گزرے گا دوزخی اس سے کہے گا کیا تجھ کو یاد نہیں کہ ایک روز تو نے مجھ سے پینے کے لئے کچھ مانگا تھا اور میں نے تجھے شربت پلایا تھا یہ سن کر جنتی اس شخص کی سفارش کرے گا پھر وہ (شفاعت یافتہ دوزخی یا جنتی) ایک اور دوزخی شخص کی طرف سے گزرے گا اور مؤخر الذکر اول الذکر شخص سے کہے گا کیا تجھے یاد نہیں میں نے تجھے پاک پانی دیا تھا یہ سن کر وہ اس دوزخی کی شفاعت کرے گا پھر وہ (نجات یافتہ نمبر دوئم یا اوّل الذکر جنتی) ایک اور دوزخی کی طرف سے گزرے گا اور دوزخی اس سے کہے گا تجھے یاد نہیں کہ تو فلاں کام کو جا رہا تھا اور میں نے تیرا وہ کام کر دیا تھا یہ سن کر وہ شخص اس دوزخی کی شفاعت کرے گا۔

مسئلہ: شفاعت کس کو نصیب ہوگی حضرت انسؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے (عقیدۂ) شفاعت کی تکذیب کی اس کو شفاعت نصیب نہ ہوگی اور جس نے حوض (کوثر) کی تکذیب کی اس کو حوض سے کچھ حصہ نہیں ملے گا۔ اس روایت کے راوی سعید بن منصور ہیں۔

حضرت زید بن ارقم اور کچھ اوپر دس صحابیوں رضی اللہ عنھم سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مروی ہے کہ قیامت کے دن میری شفاعت حق ہے جس کا شفاعت پر ایمان نہ ہوگا وہ شفاعت کا مستحق بھی نہیں ہوگا۔ (ابن منیع)

حضرت عبدالرحمٰنؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری شفاعت (ہر مؤمن کے لئے) مباح ہے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیں۔ (ابونعیم فی الحلیۃ)

مسئلہ: احادیث میں آیا ہے کہ بعض گناہ شفاعت سے محروم رکھنے والے ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے عرب سے کھوٹ کی (دغا دی فریب کیا) اس کو میری شفاعت حاصل نہ ہوگی بیہقی نے اس کو جید سند سے روایت کیا ہے۔

حضرت معقل بن یسارؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ دو آدمیوں کو قیامت کے دن میری شفاعت نصیب نہ ہوگی (۱) بڑا ظالم لوگوں کی بڑی حق تلفیاں کرنے والا (۲) دنیا میں بہت زیادہ گھسنے والا دین سے نکل جانے والا۔ بیہقی اور طبرانی نے اس کو عمدہ سند سے بیان کیا ہے۔

حضرت ابودرداءؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپس کے جھگڑے چھوڑ دو قیامت کے دن میں جھگڑالو کی شفاعت نہیں کروں گا۔ (طبرانی تفسیر مظہری)

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿٤٩﴾

پھر کیا ہوا ہے ان کو کہ نصیحت سے منہ موڑتے ہیں ☆

یعنی یہ مصیبتیں سامنے ہیں مگر نصیحت سن کر ٹس سے مس نہیں ہوتے بلکہ سننا بھی نہیں چاہتے۔ (تفسیر عثمانی)

كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ﴿٥٠﴾

گویا کہ وہ گدھے ہیں بدکنے والے

فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾

بھاگے ہیں غل مچانے سے ☆

یعنی حق کا شور و غل اور شیران خدا کی آوازیں سنکر جنگلی گدھوں کی طرح بھاگے جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ابوالمتوکل نے کہا کہ لوگوں کے شور شغب کو قسورہ کہتے ہیں۔

عکرمہ کی روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ قسورہ شکاری کے جال کو کہتے ہیں سعید بن جبیرؒ نے شکاری ترجمہ کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ

بلکہ چاہتا ہے ہر ایک مرد ان میں کا

أَن يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿٥٢﴾

کہ ملیں اس کو ورق کھلے ہوئے ☆

کافروں کی چاہت:

یعنی پیغمبر کی بات ماننا نہیں چاہتے۔ بلکہ ان میں ہر شخص کی آرزو یہ ہے کہ خود اس پر اللہ کے کھلے ہوئے صحیفے اتریں اور پیغمبر بنایا جائے ''حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ'' (انعام رکوع ۱۵) یا یہ کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس ایک براہ راست نوشتہ خدا کی طرف سے آئے جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا حکم دیا گیا ہو'' حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ'' (بنی اسرائیل۔ رکوع ۱۰) (تفسیر عثمانی)

اہل تفسیر نے بیان کیا ہے کہ کفار قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ (اگر تم سچے ہو تو) ہم میں سے ایک شخص کے سرہانے ایک کھلی چٹھی برآمد ہونی چاہئے جس میں لکھا ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر عمل کرنا ضروری ہے۔ (تفسیر مظہری)

كَلَّا

ہرگز نہیں ☆

یعنی ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کیونکہ نہ ان میں لیاقت نہ اس کی ضرورت۔ (تفسیر عثانی)

بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ؕ
پر وہ ڈرتے نہیں آخرت سے ☆

خوف آخرت سے محرومی:

یعنی یہ بے ہودہ درخواستیں بھی کچھ اس لیے نہیں کہ ایسا کردیا جائے تو واقعی مان جائینگے بلکہ اصل سبب یہ ہے کہ یہ لوگ آخرت کے عذاب سے نہیں ڈرتے اس لیے حق کی طلب نہیں اور یہ درخواستیں محض تعنت سے ہیں۔ اگر یہ درخواستیں بالفرض پوری کردیجائیں تب بھی اتباع نہ کریں کما قال تعالیٰ "وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ" (انعام۔ رکوع ۱)۔ (تفسیر عثانی)

رفتار کلام بتارہی ہے کہ اصل کلام اس طرح تھا اگر ان کو کھلے پروانے بھی دے دیئے جائیں تب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ ان کو معجزہ کی طلب اس غرض کے لئے نہیں ہے کہ معاملہ مبہم ہے (نبوت کی صداقت ان پر واضح نہیں ہے) معاملہ تو ان پر کھلا ہوا ہے اب جو معجزہ کے طلب گار ہیں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کو آخرت کا اندیشہ ہی نہیں ہے۔

تنبیہ: خوف آخرت ایک وہبی امر ہے صداقت رسول صلی اللہ علیہ وسلم واضح ہوجانے کے بعد بھی ضروری نہیں کہ کافر مان ہی لے اور روز قیامت اس کو خوف ہوجائے (تفسیر مظہری)

كَلَّاۤ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ۚ
کوئی نہیں یہ تو نصیحت ہے ☆

نصیحت قرآنی:

یعنی ہر ایک کو الگ الگ کتاب دی جائے ایسا نہیں ہوسکتا۔ یہ ایک کتاب (قرآن کریم) ہی نصیحت کے لیے کافی ہے۔ (تفسیر عثانی)

فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ؕ
پھر جو کوئی چاہے اس کو یاد کرے ☆

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی (یہ کتاب) ایک پراُتری تو کیا ہوا 'کام تو سب کے آتی ہے'۔ (تفسیر عثانی)

اور اللہ کا چاہنا نہ چاہنا سب حکمتوں پر مبنی ہے۔ جن کا احاطہ کوئی بشر نہیں کرسکتا۔ وہی ہر شخص کی استعداد و لیاقت کو کما حقہٗ جانتا ہے۔ اور اُس کے موافق معاملہ کرتا ہے۔ (تفسیر عثانی)

وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ
اور وہ یاد جب ہی کریں کہ چاہے اللہ ☆

یعنی وہ کس وقت نصیحت پذیر نہیں ہوسکتے مگر اسی وقت جبکہ خداء ان کی مشیت اور نصیحت پذیری کا ارادہ کرے۔ یہ آیت صراحۃً دلالت کررہی ہے کہ انسانی اعمال اللہ کی مشیت و ارادہ سے وابستہ ہیں۔ (تفسیر مظہری)

هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ۝۵۶
وہی ہے جس سے ڈرنا چاہئے اور وہی ہے بخشنے کے لائق ☆

تقویٰ مغفرت کا سبب ہے:

یعنی آدمی کتنا ہی گناہ کرے لیکن پھر جب تقویٰ کی راہ چلے گا اور اس سے ڈریگا وہ اس کے سب گناہ بخش دیگا اور اس کی توبہ کو قبول کریگا۔ انس ابن مالکؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر بطور حاشیہ منہیہ کے ایک عبارت اس آیت کی تلاوت کے بعد نقل فرمائی جس کے الفاظ یہ ہیں "**قال ربکم عزوجل انا اھل ان اتقی فلا یشرک بی شئی فاذا اتقانی العبدفانا اھل ان اغفرلہ**" "یعنی میں اس کے لائق ہوں کہ بندہ مجھ سے ڈرے اور میرے ساتھ کسی کو کسی کام میں شریک نہ کرے پھر جب بندہ مجھ سے ڈرا اور شرک سے پاک ہوا تو میری شان یہ ہے کہ میں اس کے گناہوں کو بخش دوں" حق تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے ہم کو توحید و ایمان پر ہمیشہ قائم رکھے اور اپنی مہربانی سے ہمارے گناہ معاف فرمائے۔ آمین۔ (تفسیر عثانی)

اللہ ہی سے خوف رکھا جائے:

یعنی اللہ ہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے عذاب سے خوف کیا جائے جس کی صورت صرف یہی ہے کہ اس کے احکام کی مخالفت سے اجتناب کیا جائے۔

اللہ مغفرت کا اہل ہے یعنی مومن بندوں کے گناہ معاف کردینے کا مالک ہے۔ حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى کے سلسلہ میں فرمایا تمہارے رب نے فرمایا کہ میں اسی قابل ہوں کہ میرا شریک قرار دینے سے اجتناب کیا جائے اور کسی کو میرا سا بھی نہ بنایا جائے اور میں اس بات کا اہل ہوں کہ جو تقویٰ رکھے اور کسی کو میرا شریک نہ بنائے میں اس کی بخشش کردوں (احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، حاکم وغیرھم واللہ اعلم (تفسیر مظہری)

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ تمہارا رب فرماتا ہے کہ میں اسکا حق دار ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے، اور میرے ساتھ دوسرا معبود نہ ٹھہرایا جائے جو میرے ساتھ شریک بنانے سے بچ گیا، تو وہ میری بخشش کا مستحق ہوگیا۔ ابن ماجہ، اور نسائی امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن غریب کہتے ہیں۔ تم سورۃ المدثر وللہ الحمد والمنۃ۔ (تفسیر ابن کثیر)

سورۃ القیامۃ

اس کو خواب میں پڑھنے والا قسم سے ہمیشہ بچتا رہے گا اور کبھی قسم نہ کھائے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورہ قیامت مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝۱

قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی ☆

قیامت میں اٹھنا یقینی ہے:

یعنی قیامت کا دن جس کا ممکن ہونا عقل سے اور متیقن الوقوع ہونا ایسے مخبر صادق کی خبر سے ثابت ہو چکا ہے جس کے صدق پر دلائل قطعیہ قائم ہیں اس کی قسم کھاتا ہوں کہ تم یقیناً مرے پیچھے اٹھائے جاؤ گے اور ضرور بھلے برے کا حساب ہوگا (تنبیہ) واضح ہو کہ دنیا میں کئی قسم کی چیزیں ہیں جن کی قسم لوگ کھاتے ہیں اپنے معبود کی کسی معظم و محترم ہستی کی کسی مہتم بالشان چیز کی کسی محبوب یا نادر شے کی اس کی خوبی یا ندرت جتانے کے لیے جیسے کہتے ہیں کہ فلاں کی قسمت کی قسم کھائی ہے پھر بلغاء یہ بھی رعایت کرتے ہیں کہ مقسم بہ، مقسم علیہ کے مناسب ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ مقسم بہ کو مقسم علیہ کے لئے شاہد ہی گردانا جائے جیسے ذوق نے کہا ہے۔

اتنا ہوں تیری تیغ کا شرمندۂ احسان
سر میرا ترے سر کی قسم اٹھ نہیں سکتا

یہاں اپنے سر کی نہ اٹھ سکنے پر محبوب کے سر کی قسم کھانا کس قدر موزوں ہے شریعت حقہ نے غیر اللہ کی قسم کھانا بندوں کے لیے حرام کر دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی شان بندوں سے جداگانہ ہے وہ اپنے غیر کی قسم کھاتا ہے اور عموماً ان چیزوں کی جو اس کے نزدیک محبوب یا نافع یا وقیع و مہتم بالشان ہوں یا مقسم علیہ کے لیے بطور شاہد و حجت کے کام دے سکیں یہاں یوم قیامت کی قسم اس کے نہایت وقیع و مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے ہے اور جس مضمون پر قسم کھائی ہے اس سے مناسبت ظاہر ہے کیونکہ بعث و مجازات کا ظرف ہی یوم قیامت ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

میں کہتا ہوں کہ فعل قسم پر نفی لانے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ آئندہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ بالکل واضح اور ناقابل انکار ہے قسم کھا کر موکد کرنے کی اس کو ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ عقل و فہم رکھنے والے واقف ہیں کہ کچھ لوگ اس دنیا میں اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والے ہیں۔ خلق خدا پر ظلم کرنے والے اور رشتہ داروں سے تعلق توڑنے والے ایسی حرکتوں کا ارتکاب کرنے والے جن کی خرابی اور برائی ہر دانش مند کی نظر میں یقینی ہے لیکن ان تمام معصیت کوشیوں کے باوجود وہ خوش عیش اور آسودہ حال ہیں اور ان کے خلاف کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے بڑے شکر گزار ہر حال میں خدا کے حکم پر راضی اور مخلوق پر مہربان ہیں مگر ہر وقت دکھ اور مصیبت میں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝۲

اور قسم کھاتا ہوں جی کی جو ملامت کرے برائی پر ☆

نفس کی قسمیں:

محققین نے لکھا ہے کہ آدمی کا نفس ایک چیز ہے لیکن اس کی تین حالتوں کے اعتبار سے تین نام ہو گئے ہیں۔ اگر نفس عالم علوی کی طرف مائل ہو اور اللہ کی عبادت و فرمانبرداری میں اس کو خوشی حاصل ہوئی اور شریعت کی پیروی میں سکون اور چین محسوس کیا اس نفس کو "مطمئنہ" کہتے ہیں "يٰاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً" (الفجر) اور اگر عالم سفلی کی طرف جھک پڑا اور دنیا کی لذات و خواہشات میں پھنس کر بدی کی طرف رغبت کی اور شریعت کی پیروی سے بھاگا اس کو "نفس امارہ" کہتے ہیں کیونکہ وہ آدمی کو برائی کا حکم کرتا ہے "وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ" (یوسف۔ رکوع ۷) اور اگر کبھی عالم سفلی کی طرف جھکتا اور شہوت و غضب میں مبتلا ہوتا ہے اور کبھی عالم علوی کی طرف مائل ہو کر ان چیزوں کو برا جانتا ہے اور ان سے دور بھاگتا ہے اور کوئی برائی یا کوتاہی ہو جانے پر شرمندہ ہو کر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے اس کو "نفس لوامہ" کہتے ہیں حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "آدمی کا جی اول کھیل میں اور مزوں میں غرق ہوتا ہے ہرگز نیکی کی طرف رغبت نہیں کرتا۔ ایسے جی کو 'امارہ بالسوء' کہتے ہیں پھر ہوش پکڑا نیک و بد سمجھا تو باز آیا کبھی (غفلت ہوئی تو) اپنی خو پر دوڑ پڑا پیچھے کچھ سمجھ آئی تو اپنے کیے پر پچھتانے اور ملامت کرنے لگا۔ ایسا نفس (جی) "لوامہ" کہلاتا ہے۔ پھر جب پورا سنور گیا' دل سے رغبت نیکی ہی پر ہو گئی بے ہودہ کام سے خود بخود بھاگنے لگا اور بدی کے ارتکاب بلکہ تصور سے تکلیف پہنچنے لگی وہ نفس "مطمئنہ" ہو گیا (اھ بتغییر یسیر)۔ یہاں نفس لوامہ کی قسم کھا کر اشارہ فرما دیا کہ اگر فطرت صحیح ہو تو خود انسان کا نفس دنیا ہی میں برائی اور تقصیر پر ملامت کرتا ہے یہی چیز ہے جو اپنی اعلیٰ و اکمل ترین صورت میں قیامت کے دن ظاہر ہو گی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت حسن بصریؒ نے نفس لوامہ کی تفسیر نفس مومنہ سے کی ہے اور فرمایا کہ

واللہ مومن تو ہمیشہ ہر حال میں اپنے نفس کو ملامت ہی کرتا ہے سیئات پر تو ظاہر ہی ہے اپنے حسنات اور نیک کاموں میں بھی وہ بمقابلہ شان حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے کمی اور کوتاہی محسوس کرتا ہے کیونکہ حق عبادت کو پورا ادا کرنا تو کسی کے بس میں نہیں اس لیے ادائے حق میں تقصیر اس کے سامنے رہتی ہے اس پر ملامت کرتا ہے۔

نفس امارہ، لوامہ، مطمئنہ:

اور حضرات صوفیائے کرام نے اس میں یہ تفصیل کی ہے کہ نفس اپنی جبلت و فطرت کے اعتبار سے اَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ ہوتا ہے یعنی انسان کو برے کاموں کی طرف بلانے اور اس میں مبتلا کرنے کا داعی ہوتا ہے مگر ایمان اور عمل صالح اور ریاضت ومجاہدہ سے یہ نفس لوامہ بن جاتا ہے کہ برائی اور کوتاہی پر نادم ہونے لگتا ہے مگر برائی سے بالکلیہ انقطاع اس کا نہیں ہوتا آگے عمل صالح میں ترقی اور قرب حق تعالیٰ کے حصول میں کوشش کرتے کرتے جب اس کا یہ حال ہو جائے کہ شریعت اس کی طبیعت بن جائے اور خلاف شرع کام سے طبعی نفرت ہونے لگے تو اس نفس کا لقب مطمئنہ ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم (معارف مفتی اعظم)

حسن نے کہا نفس لوامہ سے مراد مومن کا نفس ہے مومن دنیا میں ہر طعام وکلام پر اپنے نفس کو ملامت کرتا رہتا ہے لیکن کافر نہ اپنے نفس سے حساب فہمی کرتا ہے نہ اس کو برا کہتا ہے مقاتل نے کہا اس سے کافر مراد ہے ہر کافر قیامت کے دن اپنے نفس کو برا کہے گا۔

صوفیاء کہتے ہیں کہ نفس بدی کا حکم دیتا ہے لیکن آدمی اگر کوشش کر کے ذکر الٰہی کرے اور اللہ کی طرف سے کشش بھی اس کی مددگار ہو تو اپنے نفس کی برائیاں اس پر کھل جاتی ہیں وہ اپنے نفس کو ماسوی اللہ میں مشغول پاتا ہے اور مخلوق سے کامل طور پر تعلق منقطع کر لینے پر اس کو قدرت نہیں ہوتی تو اس وقت خود اپنے کو ملامت کرتا ہے۔ اس مرتبہ میں پہنچ کر نفس کو نفس لوامہ کہا جاتا ہے لیکن جب اس کو فناء فی اللہ اور بقاء باللہ کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے اور ماسوائے اللہ کے تعلق سے بالکل آزاد ہو جاتا ہے اور ذکر الٰہی سے ہی اس کو اطمینان نصیب ہو جاتا ہے تو اس مرتبہ پر اس نفس کو نفس مطمئنہ کہا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

نفس کی مثال: نفس کی مثال امام رازی نے کلب اور کتے کی سی بیان فرمائی ہے اور فرمایا لیکن وہ کلب جو معلَّم ہو یعنی شکاری کتا تعلیم تربیت اس کی درندگی کو ختم کر کے اس کے شکار کو حلال اور پاک بنا دیتی ہے۔ جب کہ کسی بھی جانور پر کتے کو منہ مارنا اس کو ناپاک اور مردار بنا دیتا ہے تو اسی طرح نفس تعلیم وتربیت کے بعد جب مطمئنہ ہو جائے گا تو اسکے عمل اور تحریک میں بھی خیر اور پاکیزگی آ جائے گی جبکہ اس کے بغیر نفس کی ہر تحریک اور عمل شر ہی شر تھا۔

نفس اور روح:

حافظ ابن عبد البرؒ نے التمہید میں ایک حدیث نقل کی ہے اسی کو امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں بھی تخریج فرمایا ہے۔

ان اللہ تعالیٰ خلق آدم وجعل فیه نفساً وروحاً فمن الروح عفافه وفهمهٗ وحلمهٗ وجودهٗ وسخائهٗ وَفَائهٗ وَمِن النفس شهوتهٗ وغضبهٗ وسفههٗ وطیشهٗ.

ترجمہ: کہ اللہ رب العزت نے آدم کو پیدا کیا اور اس میں نفس بھی رکھا اور روح بھی تو روح سے انسان کی عفت و پاکدامنی اس کا علم وفہم اور اس کا جود وکرم اور وفاء عہد ہے اور نفس سے اس کی شہوت اس کا غضب اور برافروختگی ہے۔ (معارف کاندھلوی)

أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَلَّن نَّجْمَعَ عِظَامَهُ ۝۳

کیا خیال رکھتا ہے آدمی کہ جمع نہ کریں گے ہم اُس کی ہڈیاں ☆

انسان کی غلط فہمی:

یعنی یہ خیال ہے کہ ہڈیوں تک کا چورا ہو گیا اور ان کے ریزے مٹی وغیرہ کے ذرات میں جا ملے۔ بھلا اب کس طرح اکٹھے کر کے جوڑ دیئے جائینگے؟ یہ چیز تو محال معلوم ہوتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عدی بن ربیعہ کا انکار قیامت:

بغوی نے لکھا ہے کہ یہ آیت عدی بن ربیعہ کے حق میں نازل ہوئی عدی خاندان زہرہ کا حلیف اور اخنس بن شریق ثقفی کا داماد تھا عدی اور اخنس ہی کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی الٰہی مجھے میرے برے ہمسایہ سے محفوظ رکھ۔

بات یہ ہوئی کہ عدی نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بتاؤ قیامت کب ہوگی؟ اسکے احوال کیا ہونگے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قیامت کی کیفیت بتائی کہنے لگا اگر میں قیامت کو دیکھ بھی لوں تب بھی تمہاری بات کی تصدیق نہیں کروں گا اور نہ تمہیں سچا جانوں گا کیا خدا ہڈیوں کو پھر اکٹھا کر دیگا اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

بَلَىٰ قَادِرِينَ عَلَىٰ أَن نُّسَوِّيَ بَنَانَهُ ۝۴

کیوں نہیں ہم ٹھیک کر سکتے ہیں اُس کی پوریاں ☆

اللہ کی قدرت:

یعنی ہم تو انگلیوں کی پوریاں بھی درست کر سکتے ہیں اور پوریوں کی تخصیص شاید اس لیے کی کہ یہ اطراف بدن ہیں اور ہر چیز کے بننے کی تکمیل اس کے اطراف پر ہوتی ہے۔ چنانچہ ہمارے محاورہ میں ایسے موقع پر بولتے ہیں کہ میری پور پور میں درد ہے اس سے مراد تمام بدن ہوتا ہے دوسرے پوریوں میں باوجود چھوٹی ہونے کے صنعت کی رعایت زیادہ اور عادۃً یہ زیادہ دشوار اور باریک کام

ہے لہٰذا جو اس پر قادر ہوگا وہ آسان پر بطریق اولیٰ قادر ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ. اس کے پور پور جوڑنے پر بھی ہم قادر ہیں بنان سے مراد ہیں انگلیاں یا انگلیوں کے پورے اور ان کی ہڈیاں تو چھوٹی اور باریک ہوتی ہیں جب انکو ہم جوڑ دیں گے تو بڑی ہڈیوں کو جوڑنے پر قدرت تو بدرجہ اولیٰ ہم کو حاصل ہے۔ (تفسیر مظہری)

اگر غور کیا جائے تو شاید بنان یعنی انگلیوں کے پوروں کی تخصیص میں اس کی طرف بھی اشارہ ہو کہ حق تعالیٰ نے ایک انسان کو دوسرے انسان سے ممتاز کرنے کے لیے اس کے سارے ہی بدن میں ایسی خصوصیات رکھی ہیں جن سے وہ پہچانا جاتا ہے اور ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے خصوصاً انسانی چہرہ جو چند انچ مربع سے زائد نہیں اسکے اندر قدرت حق نے ایسے امتیازات رکھے ہیں کہ اربوں پدموں انسانوں میں ایک کا چہرہ بالکل دوسرے کیساتھ ایسا نہیں ملتا کہ امتیاز باقی نہ رہے۔ انسان کی زبان اور حلقوم بالکل ایک ہی طرح ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے ایسی ممتاز ہے کہ بچے' بوڑھے' عورت' مرد کی آوازیں الگ الگ پہچانی جاتی ہیں اور ہر انسان کی آواز الگ الگ پہچانی جاتی ہے اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز انسان کے انگوٹھے اور انگلیوں کے پوردے ہیں کہ ان پر جو نقش نگار خطوط کی جال کی صورت میں قدرت نے بنائے ہیں وہ کبھی ایک انسان کے دوسرے انسان کے ساتھ نہیں ملتے صرف آدھا انچ کی جگہ میں ایسے امتیازات کہ اربوں انسانوں میں یہ پورے مشترک ہونے کے باوجود ایک کے خطوط دوسرے سے نہیں ملتے۔ اور قدیم و جدید ہر زمانے میں نشان انگوٹھا کو امتیازی چیز قرار دے کر عدالتی فیصلے اس پر ہوتے ہیں اور فنی تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ بات صرف انگوٹھے ہی میں نہیں ہر انگلی کے پورے کے خطوط بھی اسی طرح ممتاز ہوتے ہیں۔ یہ سمجھ لینے کے بعد پوروں کے بیان کی تخصیص خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے۔

غور کی دعوت: مطلب یہ ہے کہ تمہیں تو اسی پر تعجب ہے کہ یہ انسان دوبارہ کیسے زندہ ہو گیا ذرا اس سے آگے سوچو اور غور کرو کہ صرف زندہ ہی نہیں ہو گیا بلکہ اپنی سابقہ شکل وصورت اور اس کے ہر امتیازی وصف کیساتھ زندہ ہوا ہے یہاں تک کہ انگوٹھے اور انگلیوں کے پوروں کے خطوط پہلی پیدائش میں جس طرح تھے اس نشانات ثانیہ میں بالکل وہی ہوں گے۔ (معارف مفتی اعظم)

> بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝۵
>
> بلکہ چاہتا ہے آدمی کہ ڈھٹائی کرے اُس کے سامنے

> يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۝۶
>
> پوچھتا ہے کب ہوگا دن قیامت کا ☆

انسان کی ڈھٹائی:

یعنی جو لوگ قیامت کا انکار کرتے اور دوبارہ زندہ کیے جانے کو محال جانتے ہیں اس کا سبب یہ نہیں کہ یہ مسئلہ بہت مشکل ہے اور اللہ کی قدرت کاملہ کے دلائل ونشانات غیر واضح ہیں بلکہ آدمی چاہتا ہے کہ قیامت کے آنے سے پہلے اپنی اگلی عمر میں جو باقی رہ گئی ہے بالکل بیباک ہو کر فسق و فجور کرتا رہے اگر کہیں قیامت کا اقرار کر لیا اور اعمال کے حساب کتاب کا خوف دل میں بیٹھ گیا تو فسق وفجور میں اس قدر بیباکی اور ڈھٹائی اُن سے نہ ہو سکے گی۔ اس لیے ایسا خیال دل میں آنے ہی نہیں دیتا۔ جس سے عیش منغص ہو اور لذت میں خلل پڑے۔ بلکہ استہزاء وتعنت اور سینہ زوری سے سوال کرتا ہے کہ ہاں صاحب وہ آپ کی قیامت کب آئیگی۔ اگر واقعی آنیوالی ہے تو بقید سنہ وماہ اس کی تاریخ تو بتلائیے۔ (تفسیر عثمانی)

سعید بن جبیرؒ نے کہا آدمی گناہ میں جلدی کرتا ہے اور توبہ کو ٹالتا رہتا ہے کہتا ہے میں پھر نیکی کرلوں گا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسی بداعمالی کی حالت میں اس کو موت آجاتی ہے ضحاک نے کہا کہ اس سے مراد امیدیں باندھنا ہیں آدمی کہتا ہے میں زندہ رہونگا اور اتنا مال منال حاصل کروں گا موت کی یاد اس کو نہیں ہوتی۔ (تفسیر مظہری)

> فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝۷
>
> پھر جب چندھیانے لگے آنکھ ☆

اللہ تعالیٰ کا غصہ:

یعنی حق تعالیٰ کی تجلی وقہری سے جب آنکھیں چندھیانے لگیں گی اور مارے حیرت کے نگاہیں خیرہ ہو جائینگی اور سورج بھی سر کے قریب آجائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ قیامت کا بیان ہے کیونکہ اس کے بعد شمس وقمر کا اجتماع بیان کیا گیا ہے اور یہ اجتماع قیامت کے دن ہوگا لہٰذا بروق نظر سے بھی مراد وہی تحیر ہے جو قیامت کے دن ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

> وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝۸
>
> اور گہ جائے چاند ☆

چاند اور سورج کا انجام:

یعنی بے نور ہو جائے۔ چاند کو شاید الگ اس لیے ذکر کیا کہ عرب کو بوجہ قمری حساب رکھنے کے اس کا حال دیکھنے کا زیادہ اہتمام تھا۔ (تفسیر عثمانی)

> وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝۹
>
> اور اکٹھے ہوں سورج اور چاند ☆

یعنی بے نور ہونے میں دونوں شریک ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

عطار بن یسار نے کہا قیامت کے دن دونوں کو اکٹھا کر کے سمندر میں پھینک دیا جائے گا اور سمندر آگ بن جائیگا۔ یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ بے نور ہو جانے میں دونوں کا اشتراک ہو جائیگا یہی دونوں کا اجتماع ہے جمل میں ہے کہ بروق بصر بعض کے نزدیک موت کے وقت ہوتا ہے اسکی تشریح خسوف قمر ہے کہ آنکھوں کی روشنی جاتی رہے گی اور اجتماع شمس وقمر کا معنی یہ ہے کہ حاسہ نظر کے پیچھے روح بھی جاتی رہے گی یا یہ مراد کہ عالم بالا کے اس مقام پر پہنچ جائیگا۔ جہاں سے نور عقل حاصل ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَقُولُ الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفَرُّ ﴿١٠﴾

کہے گا آدمی اُس دن کہاں چلا جاؤں بھاگ کر

كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿١١﴾ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ﴿١٢﴾

کوئی نہیں کہیں نہیں ہے بچاؤ، تیرے رب تک ہے اُس دن جا ٹھہرنا ☆

انسان کی بے بسی:

یعنی اب تو کہتا ہے کہ وہ دن کہاں ہے اور اس وقت بدحواس ہو کر کہے گا کہ آج کدھر بھاگوں اور کہاں پناہ لوں ارشاد ہوگا کہ آج نہ بھاگنے کا موقع ہے نہ سوال کرنے کا۔ آج کوئی طاقت تیرا بچاؤ نہیں کر سکتی' نہ پناہ دے سکتی ہے۔ آج کے دن سب کو اپنے پروردگار کی عدالت میں حاضر ہونا اور اسی کی پیشی میں ٹھہرنا ہے پھر وہ جس کے حق میں جو کچھ فیصلہ کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

يُنَبَّأُ الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ﴿١٣﴾

جتلا دیں گے انسان کو اُس دن جو اس نے آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا ☆

اعمال کا سامنا:

یعنی سب اگلے پچھلے اعمال نیک ہوں یا بد اس کو جتلا دیئے جائینگے۔ (تفسیر عثمانی)

زید بن اسلم نے کہا اول سے مراد وہ مال ہے جو (راہ خدا میں) اپنے فائدے کے لیے انسان خرچ کر دیتا ہے اور دوسرے سے مراد ہے وہ مال جو وارثوں کے لیے پیچھے چھوڑ آتا ہے بعض نے کہا کہ مَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ کا مطلب یہ ہے کہ دنیوی امور کو آخرت کے کاموں پر ترجیح دی ہو یا اس کے خلاف کیا ہو، دونوں کی اطلاع قیامت کے دن اس کو دیدی جائیگی۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جو نیک کام اپنی موت سے پہلے کر لیا وہ آگے بھیج دیا اور جو نیک یا بد مفید یا مضر کوئی طریقہ کوئی رسوم ایسی چھوڑی کہ اسکے بعد لوگ اس پر عمل کریں وہ پیچھے چھوڑا (اسکا ثواب یا عذاب اس کو ملتا رہے گا) اور حضرت قتادہ نے فرمایا کہ مَا قَدَّمَ سے مراد وہ عمل صالح ہے جو اپنی زندگی میں کر گزرا اور ماخر سے مراد وہ عمل صالح ہے جس کو کر سکتا تھا مگر نہ کیا اور فرصت ضائع کر دی۔ (معارف مفتی اعظم)

بَلِ الْإِنسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ﴿١٤﴾

بلکہ آدمی اپنے واسطے آپ دلیل ہے

وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ ﴿١٥﴾

اور پڑا ڈالے اپنے بہانے ☆

انسانی وجود کی گواہی:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی اپنے احوال میں غور کرے تو رب کی وحدانیت جانے (اور یہ کہ سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے) اور جو کہے میری سمجھ میں نہیں آتا یہ سب بہانے ہیں" لیکن اکثر مفسرین نے اس کا تعلق "يُنَبَّأُ الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ" الخ سے رکھا یعنی جتلانے پر بھی موقوف نہیں انسان اپنی حالت پر خود مطلع ہوگا گویا تقتضائے طبیعت وہاں بھی بہانے بنائے اور حیلے حوالے پیش لائے جیسے کفار کہیں گے "وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ" بلکہ یہاں دنیا میں بھی وہ انسان جس کا ضمیر بالکل مسخ نہ ہو گیا ہو اپنی حالت کو خوب سمجھتا ہے گو دوسروں کے سامنے حیلے بہانے بنا کر اس کے خلاف ثابت کرنے کی کتنی ہی کوشش کرے۔ (تفسیر عثمانی)

مقاتل اور قلبی نے کہا معنی اس طرح ہے کہ انسان کے نفس پر کچھ نگراں ہیں جو نگرانی کرتے رہتے ہیں اور قیامت کے دن اس کے اعمال کی شہادت دینگے یہ نگران ہیں آنکھ، کان اور ہاتھ، پاؤں ضحاک اور سدی نے اس لیے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ انسان اپنے اعمال کو چھپانے کے لیے پردے چھوڑ کر دروازے بند کر کے کوئی کام کرے سود مند نہ ہوگا اس کا نفس اس کے خلاف شہادت دیگا جو فرشتہ موکل ہے وہ بھی شاہد ہوگا اور اللہ تو ہر چیز کا حاضر و ناظر ہی ہے۔

مجاہد قتادہ اور سعید بن جبیرؓ نے اس طرح مطلب بیان کیا کہ انسان کے اعضاء اور ملائکہ اس کے اعمال کی شہادت دینگے خواہ انسان کچھ ہی عذر پیش کرے اور کتنا ہی جھگڑے لیکن کچھ فائدہ نہ ہوگا دوسری آیت يَوْمَ لَا يَنفَعُ الظَّالِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ کا بھی یہی مطلب ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ﴿١٦﴾

نہ چلا تو اُس کے پڑھنے پر اپنی زبان تاکہ جلدی اس کو سیکھ لے،

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ﴿١٧﴾

وہ تو ہمارا ذمہ ہے اس کو جمع رکھنا تیری سینہ میں اور پڑھنا تیری زبان سے

فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ﴿١٨﴾

پھر جب ہم پڑھنے لگیں فرشتہ کی زبانی تو ساتھ رہ اس کے پڑھنے کے،

ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ ﴿۱۹﴾

پھر مقرر ہمارا ذمہ ہے اس کو کھول کر بتلانا ☆

حفاظت قرآن کا وعدہ:

شروع میں جس وقت حضرت جبرئیلؑ اللہ کی طرف سے قرآن لاتے' ان کے پڑھنے کے ساتھ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی دل میں پڑھتے جاتے تھے تاکہ جلد اسے یاد کرلیں اور سیکھ لیں۔ مبادا جبریلؑ چلے جائیں اور وحی پوری طرح محفوظ نہ ہوسکے۔ مگر اس صورت میں آپ کو سخت مشقت ہوتی تھی۔ جب تک پہلا لفظ کہیں اگلا سننے میں نہ آتا اور سمجھنے میں بھی ظاہر ہے دقت پیش آتی ہوگی اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس وقت پڑھنے اور زبان ہلانے کی حاجت نہیں ہمہ تن متوجہ ہوکر سننا ہی چاہیے۔ یہ فکر مت کرو کہ یاد نہیں رہے گا۔ پھر کیسے پڑھونگا۔ اور لوگوں کو کس طرح سناؤنگا۔ اس کا تمہارے سینہ میں حرف بحرف جمع کردینا اور تمہاری زبان سے پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے۔ جبریلؑ جس وقت ہماری طرف سے پڑھیں آپ تو خاموشی سے سنتے رہیے۔ آگے اس کا یاد کرانا اور اس کے علوم و معارف کا تمہارے اوپر کھولنا اور تمہاری زبان سے دوسروں تک پہنچانا' ان سب باتوں کے ہم ذمہ دار ہیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریلؑ کے ساتھ ساتھ پڑھنا ترک کردیا۔ یہ بھی ایک معجزہ ہوا کہ ساری وحی سنتے رہے اس وقت زبان سے ایک لفظ نہ دہرایا لیکن فرشتے کے جانے کے بعد پوری وحی لفظ بہ لفظ کامل ترتیب کے ساتھ بدون ایک زیر زبر کی تبدیلی کے فرفر سنادی اور سمجھادی یہ اس دنیا میں ایک چھوٹا سا نمونہ ہوا '' یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ '' کا یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اپنی وحی فرشتے کے چلے جانے کے بعد پوری ترتیب کے ساتھ حرف بحرف بدون ادنیٰ فروگذاشت کے اپنے پیغمبر کے سینے میں جمع کردیئے کیا اس پر قادر نہیں کہ بندوں کے اگلے اور پچھلے اعمال جن میں سے بعض کو کرنیوالا بھی بھول گیا ہوگا سب جمع کرکے ایک وقت میں سامنے کردے اور ان کو خوب طرح یاد دلادے اور اسی طرح ہڈیوں کے منتشر ذرات کو سب جگہ سے اکٹھا کرکے ٹھیک پہلی ترتیب پر انسان کو ازسرنو وجود عطا فرمادے بیشک وہ اس پر اور اس سے کہیں زیادہ پر قادر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی قرآن کو جلدی جلدی یاد کرلینے کے لیے تکمیل وحی سے پہلے تم اپنی زبان نہ ہلایا کرو بقول ابن عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ ہوتا تھا کہ نازل شدہ آیات کا کوئی حصہ چھوٹ نہ جائے اس لیے (دوران نزول میں ہی چپکے چپکے) لبوں کو حرکت دیتے رہتے تھے۔ (صحیحین)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب جبرائیل وحی لے کر آتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیات وحی کو یاد رکھنے کے لیے (جبرئیل کی قراءت کے وقت میں ہی) اپنی زبان اور لبوں کو چپکے چپکے حرکت دیتے تھے اور یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت گزرتا تھا جس کے آثار نمایاں ہوتے تھے اس پر اللہ نے مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی۔ (صحیحین)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کوئی آیت متشابہ نہیں ہے:

میں کہتا ہوں کہ بعض آیات محکم ہیں (واضح المراد) لیکن آیت مذکورہ کی روشنی میں کسی آیت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے متشابہ ہونا اور مراد کی اطلاع آپ کو نہ ہونا درست نہیں ورنہ کلام بے سود ہوگا اور آیت مندرجہ بالا میں جو وعدہ کیا گیا ہے اسکی بھی مخالفت لازم آئے گی آیت وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ کی تفسیر میں ہم اس توضیح کرچکے ہیں۔

آیت ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ میں لفظ ثم بتا رہا ہے کہ خطاب کے وقت اگر مطلب واضح نہ کیا جائے اور کچھ مدت کے بعد مراد واضح کردی جائے تو جائز ہے لیکن وقت ضرورت سے تاخیر جائز نہیں۔ (تفسیر مظہری)

امام کے پیچھے مقتدی کے قراءت نہ کرنے کی ایک دلیل:

حدیث صحیح میں جو آیا ہے کہ امام کو اقتداء اور اتباع ہی کے لیے بنایا گیا ہے اس لیے مقتدیوں کو اس کا اتباع کرنا چاہیئے جب وہ رکوع کرے تو سب مقتدی رکوع کرلیں جب وہ سجدہ میں جائے تو سب سجدہ میں جائیں صحیح مسلم کی روایت میں اسی کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہے کہ جب امام قراءت کرے تو خاموش رہ کر سنو اذا قرا فانصتوا، یہ بھی اس کا بیان ہے کہ مقصود امام کا اتباع ہے رکوع سجدے میں اتباع امام کی صورت یہ ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ وہ افعال رکوع سجدے کے ادا کیے جائیں مگر قراءت کا اتباع یہ نہیں کہ ساتھ ساتھ پڑھا جائے بلکہ قراءت کا اتباع یہ ہے کہ جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہ کر سنو یہی استدلال ہے امام اعظم ابوحنیفہؒ اور بعض دوسرے ائمہ کا اس معاملے میں کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قراءت نہیں کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم ۔ (معارف مفتی اعظم)

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾

کوئی نہیں پر تم چاہتے ہو جو جلد آئے

وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾

اور چھوڑتے ہو جو دیر میں آئے ☆

انسان کی دنیا پرستی:

یعنی تمہارا قیامت وغیرہ سے انکار کرنا ہرگز کسی دلیل صحیح پر مبنی نہیں [illegible] دنیا میں انہماک اس کا سبب ہے دنیا چونکہ نقد اور جلد ملنے والی چیز ہے [illegible]

چاہتے ہو۔ اور آخرت کو ادھار سمجھ کر چھوڑتے ہو کہ اس کے ملنے میں ابھی دیر ہے۔ انسان کی طبیعت میں جلد بازی داخل ہے "خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ" (انبیاء۔ رکوع ۳) فرق اتنا ہے کہ نیک لوگ پسندیدہ چیزوں کے حاصل کرنے میں جلدی کرتے ہیں جس کی ایک مثال ابھی "لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ" میں گزری اور بدتمیز آدمی اس چیز کو پسند کرتے ہیں جو جلد ہاتھ آئے خواہ آخر کار اس کا نتیجہ ہلاکت ہی کیوں نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ کہ انسان اس بات سے تو ناواقف نہیں اللہ دوبارہ حشر و تخلیق پر قادر ہے اور قیامت کے دن کوئی معذرت نفع بخش نہ ہوگی بات یہ ہے کہ دنیا کی محبت کی وجہ سے خواہشات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں ہوا و ہوس نے ان کی آنکھوں کو اندھا اور دلوں کو نابینا کر دیا ہے اس لیے وہ آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہیں اس کے بعد احوال آخرت کو بیان فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝۲۲

کتنے منہ اس دن تازہ ہیں

اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝۲۳

اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ☆

مومنین کے چہرے:

یہ آخرت کا بیان ہوا یعنی مومنین کے چہرے اس روز تروتازہ اور ہشاش بشاش ہونگے۔ اور ان کی آنکھیں محبوب حقیقی کے دیدار مبارک سے روشن ہونگی۔ قرآن کریم اور احادیث متواترہ سے یقینی طور پر معلوم ہو چکا ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔ گمراہ لوگ اس کے منکر ہیں کیونکہ یہ دولت ان کے نصیب میں نہیں۔ اللهم لاتحرمنا من هذه النعمة التى ليس فوقها نعمة. (تفسیر عثمانی)

دیدار الٰہی:

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فاجروں کے دیدار الٰہی سے محروم رہنے کا صاف مطلب یہ ہے کہ ابرار یعنی نیک کار لوگ دیدار الٰہی سے سیراب کیے جائیں گے اور متواتر حدیثوں سے ثابت ہو چکا ہے اور اسی پر اس آیت کی روانی الفاظ صاف دلالت کرتی ہے کہ ایمان دار دیدار باری سے محظوظ ہوں گے۔

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے تو خدا تعالیٰ ان سے دریافت فرمائے گا کہ کچھ چاہتے ہو کہ بڑھا دوں؟ وہ کہیں گے خدایا تو نے ہمارے چہرے سفید نورانی کر دیے ہمیں جنت میں پہنچا دیا جہنم سے بچالیا اب ہمیں کس چیز کی ضرورت ہے؟

اسی وقت حجاب ہٹا دیے جائیں گے اور ان اہل جنت کی نگاہیں جمال باری سے منور ہوں گی اس میں انہیں جو سرور و لذت حاصل ہوگی وہ کسی چیز میں حاصل نہ ہوگی سب سے زیادہ محبوب انہیں دیدار باری ہوگا اسی کو اس آیت میں لفظ زِيَادَةٌ سے تعبیر کیا گیا ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ. یعنی احسان کرنے والوں کو جنت بھی ملے گی اور دیدار خدا بھی۔

صحیح مسلم کی حضرت جابر والی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں پر قیامت کے میدان میں مسکراتا ہوا تجلی فرمائیگا پس معلوم ہوا کہ ایماندار قیامت کے عرصات میں اور جنتوں میں دیدار خدا سے مشرف کیے جائیں گے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سب سے ہلکے درجے کا جنتی اپنی ملکیت کو دو ہزار سال دیکھتا رہے گا دور کی اور نزدیک کی چیزیں یکساں نگاہ میں ہوں گی ہر طرف ہر جگہ اس کی بیویاں اور خادم نظر آئیں گے اور اعلیٰ درجے کے جنتی ایک ایک دن میں دو دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کے بزرگ چہرے کو دیکھیں گے۔ ترمذی شریف میں بھی یہ حدیث ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

آجری نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جنتی ہر جمعہ کو اپنے رب کو دیکھیں گے۔ حسن بصریؒ سے مرسلاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنتی ہر جمعہ کو اپنے رب کی طرف دیکھیں گے۔ اس حدیث کی تخریج یحییٰ بن سلام نے کی ہے۔

حضرت انسؓ کی مرفوع روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں جس کی دو پیاری آنکھیں لے لوں گا اس کا بدلہ (یہ ہوگا) کہ وہ میرے گھر (جنت) میں اترے گا اور میرے چہرے کی طرف دیکھے گا۔ طبرانی وغیرہ

حضرت جریر بجلیؓ نے فرمایا ہم خدمت گرامی میں بیٹھے ہوئے تھے حضور نے چودھویں کے چاند کی طرف دیکھ کر فرمایا بلاشبہ تم اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جیسے چودھویں کے اس چاند کو دیکھ رہے ہو دیکھنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی جہاں تک ہو سکے طلوع و غروب سے پہلے کی نمازوں کی پابندی کرو۔ (صحیحین)

لالکائی نے حضرت حذیفہؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی ایسی حدیث منقول ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے الٰہی میں مرنے کے بعد خنک کی زندگی اور تیرے دیدار کی لذت اور تیری ملاقات کے شوق کی تجھ سے درخواست کرتا ہوں جس میں نہ ضرر رساں دکھ ہو نہ گمراہ کن فتنہ۔ (لالکائی)

حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت میں ہے کہ تم مرنے سے پہلے اپنے رب کو ہرگز نہیں دیکھو گے۔ دار قطنی۔ لالکائی نے یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔ ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ

۔ تلاوت فرما کر ارشاد فرمایا کہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا موسیٰ مجھے کوئی زندہ مرے بغیر نہیں دیکھے گا اور نہ کوئی خشک اور نہ کوئی تر۔ مجھے صرف جنتی دیکھیں گے (جنت میں) انکی آنکھیں مردہ نہیں ہونگی اور نہ ان کے جسم کہنہ ہوں گے۔

آیت فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا کی تشریح میں حضرت علیؓ نے فرمایا جو شخص اپنے خالق کی طرف دیکھنا چاہتا ہے تو لازم ہے کہ وہ نیک عمل کرے اور کسی کو خالق کا شریک نہ بنائے (بیہقی) خلاصہ یہ کہ اس آیت کی تفسیر اور آیت لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ کی تشریح اور آیت لدینا مزید کی توضیح اور ان کے علاوہ بعض دوسری آیات کی تعبیر رویۃ اللہ سے کرنا نقلا ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی اور تابعین سے بھی اس تفسیر کی اتنی احادیث مروی ہیں جو اصحاب حدیث کے نزدیک حد تواتر کو پہنچتی ہیں سیوطی وغیرہ نے اسی طرح بیان کیا ہے۔

مختلف دیدار:

البتہ حدیث میں آیا ہے کہ بعض لوگوں کو اللہ کا دیدار ہر جمعہ میں ہوگا اور بعض کو ہر جمعہ یعنی ہفتہ میں دو بار ہوگا۔ ابن ابی الدنیا نے حضرت ابوامامہؓ کی روایت اسی طرح نقل کی ہے۔ اور بعض لوگوں کو عید کی مقدار کے برابر دیدار ہوگا یعنی سال میں دو بار یحییٰ بن سلام نے ابوبکر بن عبداللہ المزنی کی روایت اسی طرح بیان کی ہے اور بعض کو روزانہ دو بار صبح اور شام دیدار ہوگا۔ ابن عمرؓ کی روایت میں ایسا ہے آیا ہے۔

ابونعیمؒ نے ابویزید بسطامیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ کے کچھ خاص بندے ایسے ہیں کہ اگر جنت میں اللہ ان سے اپنے دیدار کو آڑ میں کرے گا تو وہ اسی طرح فریاد کریں۔ جس طرح دوزخی دوزخ سے نکلنے کی فریاد کریں گے۔

سب سے معزز شخص:

اللہ کے ہاں سب سے معزز وہ شخص ہوگا جس کو صبح شام دیدار الٰہی ہوگا اس سے مراد یہ ہے کہ صبح وشام نعمت دیدار سے سرفراز ہونے والا معزز ترین معزز ترین گروہ میں شامل ہوگا مقصد یہ نہیں کہ سب سے زیادہ باعزت ہوگا اس سے زیادہ کسی کی عزت ہی نہیں ہوگی۔ (یعنی اکرمھم، میں تفضیل نفسی ہے تفضیل اضافی نہیں کہ سب سے زیادہ معزز ہونے کا مفہوم پیدا ہو)

نعمت رویت سے ہمیشہ اور ہروقت فیض یاب ہونے والے انبیاء ہوں گے یا پھر وہ اہل قربت ہوں گے جو ذات مقدس سے باوجودیکہ وہ تمام کیفیات اور اعتبارات سے پاک ہے وصل رکھتے ہیں یہ وہی لوگ ہوں گے جن کو ذات کی تجلی دوامی طور پر حاصل تھی بجلی کے جھپکنے کی طرح ان پر جلوہ ذات کا پَرتو افگن نہیں تھا (کہ ایک آن میں چمک پڑی اور جاتی رہی) مگر قابلیت نہ ہونے کی وجہ سے اس دنیا میں ان کو دیدار میسر نہ تھا لامحالہ آخرت میں میسر ہوگا جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ابونعیم نے حلیہ میں حدیث نقل کی ہے مانع زائل ہوگیا تو آخرت میں دوامی دیدار حاصل ہونا ہی چاہئے ورنہ کیا ہے۔ اس جگہ ہم نے جس قدر ذکر کر دیا وہ کافی ہے اس قسم کی جو آیت جہاں آئے گی ہم اس کی تفسیر میں اس کے متعلقات پر ان شاء اللہ روشنی ڈالیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی رؤیت پر اہل سنت کا اجماع ہے۔ معتزلہ اور خوارج وغیرہ رویت الٰہی کو ناممکن قرار دیتے ہیں ان کا خیال ہے کہ دیکھنے کے لئے ضروری ہے کہ جس کو دیکھا جائے وہ جسم ہو کثیف ہو (یعنی شفاف نہ ہو) اور اس پر پردہ نہ ہو اور دیکھنے والی آنکھ سے اوس کی مسافت متوسط ہو نہ زیادہ دور ہو نہ بہت قریب۔ (ان کا یہ بھی خیال ہے کہ) دیکھنے والے کی آنکھ سے شعاع کا نکل کر مرئی تک پہنچنا چاہتا ہے کہ مرئی کسی جہت میں ہو پس اگر خدا کو مرئی کہا جائیگا تو اس کا کسی جہت میں ہونا لازم ہوگا۔

اہل سنت کا عقیدہ:

اہل سنت کہتے ہیں کہ دیکھنے کے لیے مرئی کا موجود ہونا ہی کافی ہے اور دیکھنے والے کا وجود حیوۃ علم اور نگاہ سے دیکھنا ضروری ہے (اگر مرئی موجود ہو اور دیکھنے والے میں یہ شرائط بھی موجود ہوں تو رویت ہو جاتی ہے) مرئی کی رویت کے لئے ان باتوں کے علاوہ دوسری شرطوں کا پایا جانا اس وقت ضروری ہے جب وہ چیز مادی ہو (اور خدا مادی نہیں) حاضر پر غائب کو قیاس کرنا درست نہیں۔ دیکھو اللہ اپنی ساری مخلوق کو دیکھتا ہے مخلوق مادی ہو یا غیر مادی نہ وہاں کوئی مسافت ہے اور فاصلہ ہوتا ہے نہ شعاع آنکھ سے نکلتی ہے وہ بہرحال سمیع و بصیر ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صراحت کے بعد رویت الٰہی کا کس طرح انکار کیا جا سکتا ہے رہی آیت لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ تو اس میں ادراک کی نفی کی گئی ہے اور کسی چیز کو ادراک کرنے کا تقاضا ہے کہ اس چیز کو گھیر لیا جائے اور اس کی حقیقت کا علم ہو جائے۔

سب سے ادنیٰ اور اعلیٰ جنتی:

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ادنیٰ درجے کا جنتی وہ ہوگا جو اپنے باغوں کو بیویوں کو سامان آسائش کو خدمت گاروں کو اور مسہریوں کو ایک ہزار سال کی راہ کے بقدر دیکھا کرے گا اور اللہ کے ہاں سب سے معزز وہ جنتی ہوگا جو صبح شام اللہ کا دیدار کرے گا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ تلاوت فرمائی۔ احمدؒ ترمذیؒ دارقطنیؒ لالکائیؒ آجری وغیرہ آجری کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے کہ ادنیٰ جنتی وہ ہوگا جو اپنے ملک میں دو ہزار برس کی راہ کے بقدر (مسافت جنت) دیکھے گا اور آخر ترین حصہ کو بھی اس طرح دیکھے گا جیسے قریب ترین حصہ کو دیکھے گا۔

یوم مزید:

باب رویت میں حضرت انسؓ کی روایت کردہ حدیث بھی آئی ہے جس کو بزار، طبرانی، بیہقی اور ابویعلی نے پورا پورا نقل کیا ہے۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جمعہ کے دن جنت میں دیدار الٰہی دیکھنے کی مزید نعمت حاصل ہوگی اسی لئے یوم جمعہ کو یوم مزید کہا جائے گا۔ بزار واصفہانی وغیرہ (تفسیر مظہری)

فائدہ:

حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل میں حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت رچی ہوئی تھی باوجودیکہ اہل قرب کے دل غیر اللہ کی محبت سے خالی ہوتے ہیں اس کا کیا راز تھا۔ شیخ سرہندی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات جلد سوئم کے مکتوب نمبر ۱۰۰ میں اس کی تنقیح فرمائی ہے فرمایا ہے کہ۔

ہر شخص کے تعین (تشخص) کا مبدا اللہ کے ناموں میں سے کوئی نام ہوتا ہے (کسی کا مبدأ اسم رحمٰن ہے کسی کا اسم صمد ہے کسی کا قہار ہے غرض وجود مطلق نے کسی وصف خاص کے ساتھ جب ظہور کیا اور تعینی جامہ پہنا تو مخلوق ظاہر ہوئی پس ہر شخص کا تعین اور تشخیص اللہ کے کسی نہ کسی اسم صفی کا مظہر ہے) اب اس شخص کی جنت اسی اسم وصفی کے ظہور کا نام ہے جو اس شخص کے تعین کا مبداء ہے اور اس اسم وصفی کا ظہور اور جلوہ پاشی درختوں، دریاؤں، اعلیٰ مکانوں اور حور وغلماں کی شکل میں ہوتی ہے اس انکشاف حقیقت کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ہوتی ہے کہ جنت پاکیزہ مٹی والی اور شیریں ہوگی یعنی اس کے دریا شیریں ہوں گے اور اس کے پودے یہی (کلمات) ہیں یعنی سبحان اللہ اور الحمد للہ اور لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر۔ اس کے بعد مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ وہ درخت اور دریا (جو اسم وصفی کے مظہر ہیں اور جن کا نام جنت ہے) کبھی بلور کی طرح شفاف ہو جائیں گے اور ان کے ذریعے سے بے کیف رویت الٰہی کی نعمت حاصل ہوگی پھر کچھ وقت کے بعد ان کی شفافیت جاتی رہے گی اور اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئیں گے اور خود ان سے مومن دل بہلائے گا اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا (کبھی جنت بذات خود مومن کے دل کا بہلاوا ہوگی اور کبھی رویت خداوندی کا آئینہ)

اس سے آگے مجدد صاحبؒ نے فرمایا جس طرح دنیا میں صوفی کو کبھی اسماء وصفات کے پردوں سے (چھن کر) تجلی ذات حاصل ہوتی ہے اور کبھی یہ پردے بھی اٹھ جاتے ہیں اور تڑپتی بجلی کی طرح جلوہ ذات ضوء افگن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح آخرت میں دیدار الٰہی ہوگا، ہر جنتی کا ذات خداوندی سے تعلق اس اسم وصفی کے اعتبار سے ہوگا جو جنت کا مبدأ ہے اور جس کا ظہور جنت کی شکل میں ہوگا (کبھی جنت کی نعمتیں دیدار الٰہی کا آئینہ بن گی اور کبھی لوٹ کر اپنی اصل حالت پر آ جائیں گی) رویت الٰہی کی جنت میں جلوہ پاشی اس تڑپتی بجلی کی طرح ہوگی جو تھوڑی دیر کے لئے چمکتی ہے اور پھر چھپ جاتی ہے لیکن اس کی نورانیت اور برکت جنت کی نعمتوں اور درختوں کی شکل میں باقی رہے گی۔ میں کہتا ہوں کہ شیخ نے جو رویت کی یہ تشریح کی ہے وہ عام مؤمنوں کے لئے ہوگی خواص کے لئے تو دنیا میں تجلی ذات کی ضوء افگنی دوامی ہوتی ہے آخرت میں دیدار بھی دوامی ہوگا۔

اچانک جلوہ افروزی:

حضرت جابرؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت والے اپنی راحتوں میں ہوں گے کہ اچانک اوپر سے ایک نور چمکے گا جنتی سر اٹھا کے دیکھیں گے تو پروردگار ان کے اوپر سے جلوہ افگن ہوگا اور فرمائے گا اے جنت والو تم پر سلام ہو آیت سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ کا یہی مفہوم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر اللہ ان کی طرف اور وہ اللہ کی طرف دیکھیں گے جب تک خدا کی طرف دیکھیں گے کسی دوسری طرف توجہ نہیں کریں گے یہاں تک کہ اللہ ان سے حجاب فرمالے گا مگر اس کی نورانیت اور برکت ان کے مکانوں میں باقی رہے گی۔ (ابن ماجہ، ابن ابی دنیا اور دار قطنی)۔

دیدار انہیں آنکھوں سے ہوگا:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ بمعنی تروتازہ یعنی اس روز کچھ چہرے ہشاش بشاش تروتازہ ہوں گے اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ یعنی یہ چہرے اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے، اس سے ثابت ہوا کہ آخرت میں اہل جنت کو حق تعالیٰ کا دیدار بچشم سر نصیب ہوگا اس پر اہل سنت والجماعت اور سب علماء وفقہاء کا اجماع ہے، صرف معتزلہ اور خوارج منکر ہیں وجہ انکار کی فلسفیانہ شبہات ہیں۔

(معارف مفتی اعظم)

وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ ۝۲۴

اور کتنے منہ اس دن اداس ہیں ☆

یعنی پریشان اور بے رونق ہونگے۔

تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۝۲۵

خیال کرتے ہیں کہ ان پر وہ آئے جس سے ٹوٹے کمر ☆

یعنی یقین رکھتے ہیں کہ اب وہ معاملہ ہونیوالا ہے اور عذاب بھگتنا ہے جو بالکل ہی کمر توڑ دیگا۔ (تفسیر عثمانی)

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۝۲۶

ہر گز نہیں جس وقت جان پہنچے ہانس تک ☆

موت آغاز قیامت ہے:

یعنی آخرت کو ہرگز دور مت سمجھو۔ اس سفر آخرت کی پہلی منزل تو موت

ہے جو بالکل قریب ہے یہیں سے باقی منزلیں طے کرتے ہوئے آخری ٹھکانے پر جا پہنچو گے۔ گویا ہر آدمی کی موت اس کے حق میں بڑی قیامت کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہے جہاں مریض کی روح سمٹ کر ہنسلی تک پہنچی اور سانس حلق میں رکنے لگی سمجھو کہ سفر آخرت شروع ہو گیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقِيلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿٢٧﴾
اور لوگ کہیں کون ہے جھاڑنے والا

موت کا کوئی علاج نہیں ہے:

ایسی مایوسی کے وقت طبیبوں اور ڈاکٹروں کی کچھ نہیں چلتی جب لوگ ظاہری علاج و تدبیر سے عاجز آجاتے ہیں تو جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈوں کی سوجھتی ہے۔ کہتے ہیں کہ میاں کوئی ایسا شخص ہے جو جھاڑ پھونک کر کے اس کو مرنے سے بچالے اور بعض سلف نے کہا کہ "من راق" فرشتوں کا کلام ہے جو ملک الموت کے ساتھ روح قبض کرنے کے وقت آتے ہیں وہ آپس میں پوچھتے ہیں کہ کون اس مردے کی روح کو لے جائیگا رحمت کے فرشتے یا عذاب کے؟ اس تقدیر پر "رق" "رقی" سے مشتق ہوگا جس کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں "رقیہ" سے نہ ہوگا جو افسوں کے معنی میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قتادہ نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ حاضرین یا مردہ کہتا ہے کہ اس پر کوئی افسوں دم کردے کہ یہ موت سے بچ جائے سلیمان تیمی اور مقاتل بن سلیمان نے کہا موت کے فرشتے کہتے ہیں کہ اسکی روح کو لے کر کون چڑھے گا رحمت کے فرشتے یا عذاب کے فرشتے۔ (تفسیر مظہری)

وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿٢٨﴾
اور وہ سمجھا کہ اب آیا وقت جدائی کا ☆

دنیا سے جدائی:

یعنی مرنے والا سمجھ چکا کہ تمام عزیز و اقارب اور محبوب و مالوف چیزوں سے اب اس کو جدا ہونا ہے یا یہ مطلب کہ روح بدن سے جدا ہونے والی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿٢٩﴾
اور لپٹ گئی پنڈلی پر پنڈلی ☆

موت کی سختی:

یعنی بعض اوقات سکرات موت کی سختی سے ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ لپٹ جاتی ہے۔ نیز نیچے کے بدن سے روح کا تعلق منقطع ہونے کے بعد پنڈلیوں کا ہلانا اور ایک کو دوسری سے جدا رکھنا اس کے اختیار میں نہیں رہتا اس لیے ایک پنڈلی دوسری پر بے اختیار جا گرتی ہے۔ اور بعض سلف نے کہا کہ عرب کے محاورات میں "ساق" کنایہ ہے سخت مصیبت سے۔ تو آیت کا ترجمہ یوں کیا جائیگا "ملی ایک سختی دوسری سختی کے ساتھ" کیونکہ مرنیوالے کو اس وقت دو سختیاں پیش آتی ہیں پہلی سختی تو یہی دنیا سے جانا مال و اسباب، اہل و عیال، جاہ حشم، سب کو چھوڑنا، دشمنوں کی خوشی و طعنہ زنی، اور دوستوں کے رنج و غم کا خیال آنا، اور دوسری اس سے بڑی قبر اور آخرت کے احوال کی ہے۔ جس کی کیفیت بیان میں نہیں آسکتی۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ رہی ہوگی اور آدمی میں ان کو ہلانے کی طاقت نہیں ہوگی شعبی اور حسن بصری وغیرہما نے یہی تفسیر کی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا (ساق سے مراد ہے امر دنیا اور آخرت یعنی) امر دنیا امر آخرت کے ساتھ لپٹا ہوگا دنیا کا آخری اور آخرت کا اول ترین دن ہوگا اور مرنے والے پر دوہری شدت ہوگی دنیا کو چھوڑنے کی اور آخرت کے سامنے آنے کی۔ (تفسیر مظہری)

إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ﴿٣٠﴾
تیرے رب کی طرف ہے اس دن کھنچ کر چلا جانا ☆

آغاز سفر: یعنی سفر آخرت کی ابتدا یہاں سے ہے۔ گویا اب بندہ اپنے رب کی طرف کھنچنا شروع ہوا۔ مگر افسوس اپنی غفلت و حماقت سے کوئی سامان سفر کا پہلے سے درست نہ کیا نہ اتنے بڑے سفر کے لیے کوئی توشہ ساتھ لیا۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلَّىٰ ﴿٣١﴾
پھر نہ یقین لایا اور نہ نماز پڑھی
وَلَٰكِن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿٣٢﴾
پھر جھٹلایا اور منہ موڑا
ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَتَمَطَّىٰ ﴿٣٣﴾
پھر گیا اپنے گھر کو اکڑتا ہوا ☆

انسان کی بے غرضی: یعنی بجائے سچا سمجھنے اور یقین لانے کے پیغمبروں کو جھوٹا بتلاتا رہا اور بجائے نماز پڑھنے اور مالک کی طرف متوجہ ہونے کے ہمیشہ ادھر سے منہ موڑ کر چلا نہ صرف یہی بلکہ اپنی اس سرکشی اور بدبختی پر اتراتا اور اکڑتا ہوا اپنے متعلقین کے پاس جاتا تھا۔ گویا کوئی بہت بڑی بہادری اور ہنرمندی کا کام کر کے آرہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

• بہر حال اس جگہ یتمطی سے مراد ہے (اکڑتا ہے اینٹھتا چلتا ہے) اتراتا چلتا ہے گردن اکڑا کر پشت دراز کر کے چلنا اترانے کی علامت ہے۔

اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۙ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝

خرابی تیری خرابی پر خرابی تیری پھر خرابی تیری خرابی پر خرابی تیری ☆

ہلاکت: یعنی او بد بخت اب تیری کمبختی آئی ایک مرتبہ نہیں کئی مرتبہ اب تیرے لئے خرابی اور تباہی پر تباہی ہے۔ تجھ سے بڑھ کر اللہ کی نئی نئی سزاؤں کا مستحق اور کون ہوگا۔ (تنبیہ) شاید اوّل خرابی یقین نہ لانے اور نماز نہ پڑھنے پر دوسری اُس سے بڑھ کر جھٹلانے اور منہ موڑنے پر تیسری اور چوتھی ان دونوں امور میں سے ہر ایک کو قابلِ فخر سمجھنے پر ہو۔ جس کی طرف "ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى" میں اشارہ ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

نکتہ: جملہ کی تکرار مفید تاکید ہے یہ بھی احتمال ہے کہ پہلے جملے میں دنیاوی تباہی اور اس جملے میں آخرت کی تباہی مراد ہو یعنی قتل، پھٹکار، بدنامی اور دنیاوی سزا کی صورت میں تیری تباہی ہوگی اور مرنے کے وقت بھی تیری تباہی ہوگی اور جب تجھے قبر سے اٹھایا جائے گا اس وقت بھی تیری تباہی ہوگی اور جہنم میں داخل ہونے کے وقت بھی تیری تباہی ہوگی (اول اور دوسرا اولیٰ دنیوی تباہی کے لئے ہے یعنی زندگی میں اور مرتے وقت تباہی ہوگی اور تیسرا اور چوتھا اولیٰ آخرت کی تباہی کے لئے ہے یعنی حشر کے وقت اور جہنم میں داخلہ کے وقت تباہی ہوگی)

ابوجہل کی تباہی: قتادہ کا قول ہے کہ ہم سے بیان کیا گیا جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطحا میں ابوجہل کے پورے کپڑے تھام کے فرمایا اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۔ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ابوجہل نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا تم مجھے دھمکی دیتے ہو خدا کی قسم نہ تم میرا کچھ کر سکتے ہو نہ تمہارا رب میں مکہ کے پہاڑوں کے درمیان چلنے والوں میں سب سے طاقتور ہوں لیکن بدر کا دن ہوا تو اللہ نے بدترین طور پر اس کو ہلاک کیا اور بہت بری طرح وہ مارا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر امت کا ایک فرعون ہوتا ہے اس امت کا فرعون ابوجہل ہے۔

ابن جریرؒ نے عوفی کی وساطت سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب آیت عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ نازل ہوئی تو ابوجہل نے قریش سے کہا کہ تمہاری مائیں تم پر روئیں ابو کبشہ کا بیٹا تم سے کہہ رہا ہے کہ دوزخ کے دربانوں کی تعداد انیس ہے تم بڑے پہلوان ہو کیا تم میں سے دس دس آدمی بھی ایک ایک دربان کو پکڑ لینے سے عاجز ہیں اس پر اللہ نے اپنے پیغمبر کے پاس وحی بھیجی کہ ابوجہل کے پاس جاؤ اور اس سے کہو آیت اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۔ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۔

نسائی نے بیان کیا کہ سعید بن جبیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا کہ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی طرف سے فرمایا تھا یا اللہ نے ایسا کہنے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا تھا حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی طرف سے فرمایا تھا پھر اللہ نے آیت نازل فرمائی۔

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ۝

کیا خیال رکھتا ہے آدمی کہ چھوٹا رہے گا بے قید ☆

انسان یونہی نہیں چھوڑا جائے گا:

یعنی کیا آدمی یہ سمجھتا ہے کہ اس کو یونہی مہمل چھوڑ دیا جائیگا؟ اور امر و نہی کی کوئی قید اس پر نہ ہوگی؟ یا مرے پیچھے اٹھایا نہ جائیگا؟ اور سب نیک و بد کا حساب نہ لینگے؟ (تفسیر عثمانی)

کیا انسان کا یہ خیال ہے کہ اس کو یوں ہی بے کار چھوڑ دیا جائے گا نہ کسی کام کو کرنے کا حکم دیا جائے گا نہ کسی فعل سے منع کیا جائے گا نہ اس کا حشر ہوگا نہ جزا سزا انکار حشر کا تو اقتضاء ہے کہ آدمی کو آزاد چھوڑ دیا جائے حالانکہ انسانی پیدائش کی غرض ہی پابندی امر و نہی ہے اللہ نے فرمایا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ دوسری جگہ فرمایا قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ۝

بھلا نہ تھا وہ ایک بوند منی کی جو ٹپکی ☆

یعنی عورت کے رحم میں۔ (تفسیر عثمانی)

مراتب پیدائش: انسان حشر کا کیسے انکار کرتا ہے اور اس طرح دوبارہ جی اٹھنے کو ناممکن قرار دیتا ہے کیا وہ منی کی ایک بوند نہ تھا جو رحم میں ٹپکائی جاتی ہے پھر نطفہ ہونے کے چالیس روز بعد خون کا لوتھڑا ہوا پھر اتنے ہی دنوں میں بوٹی بنا پھر ہڈیاں بنیں پھر ان کو گوشت پہنایا۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ۝

پھر تھا لہو جما ہوا پھر اُس نے بنایا اور ٹھیک کر اُٹھایا

فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۝

پھر کیا اُس میں جوڑا نر اور مادہ

اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۝

کیا یہ خدا زندہ نہیں کر سکتا مُردوں کو ☆

یعنی نطفہ سے جمے ہوئے خون کی شکل میں آیا۔ پھر اللہ نے اس کی پیدائش کے سب مراتب پورے کرکے انسان بنا دیا اور تمام ظاہری اعضاء اور باطنی قوتیں ٹھیک کر دیں۔ ایک نطفہ بے جان سے انسان عاقل بن گیا۔ پھر اسی نطفہ سے عورت اور مرد دو قسم کے آدمی پیدا کئے جن میں سے ہر ایک قسم کی ظاہری و باطنی خصوصیات جدا گانہ ہیں۔ کیا وہ قادر مطلق جس نے اولاً سب کو ایسی حکمت و قدرت سے بنایا اس پر قادر نہیں کہ دوبارہ زندہ کر دے؟ "سبحانک اللّٰھم فبلٰی" پاک ہے تیری ذات اے خدا کیوں نہیں تو بیشک قادر ہے (تم سورۃ القیمتہ وللہ الحمد والمنتہ)۔ (تفسیر عثمانی)

کیا وہ خدا جو مذکورہ بالا عمل انجام دیتا ہے اور عدم سے وجود میں لاتا ہے مردوں

کو زندہ کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ حشر جسمانی سے زیادہ تعجب آفرین قدرت کا مشاہدہ ہوتے ہوئے حشر کا انکار کرنا انتہائی حماقت اور عناد پر دلالت کرتا ہے۔

آیات کا جواب:

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے جو شخص (سورئہ التین) پڑھے اور آخر سورت اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ پر ختم کرے تو اس کو کہنا چاہیے بلیٰ و انا علیٰ ذٰلک من الشاھدین (کیوں نہیں میں اس کی شہادت دینے والوں میں سے ہوں) اور جو شخص لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ اور اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى پر ختم کرے تو اس کو کہنا چاہیے بلیٰ و انا علیٰ ذٰلک من الشاھدین اور جو شخص والمرسلات پڑھے اور فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ پر پہنچے تو کہے اٰمَنَّا بِاللّٰهِ۔

موسیٰ بن عائشہؓ نے کہا ایک شخص اپنے مکان کی چھت پر نماز پڑھا کرتا تھا جب آیت اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى پر پہنچتا تو کہتا سُبْحَانَكَ بَلٰى لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو اس نے جواب دیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا ہے مذکورہ بالا دونوں حدیثیں ابو داؤد نے نقل کیں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک صحابی اپنی چھت پر با آواز بلند قرآن شریف پڑھ رہے تھے جب اس سورت کی آخری آیت کی تلاوت کی تو فرمایا سُبْحَانَكَ بَلٰى یعنی اے اللہ تو پاک ہے اور بے شک قادر ہے لوگوں نے اس کہنے کا باعث پوچھا تو فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت کا یہی جواب دیتے ہوئے سنا ہے ابو داؤد میں بھی یہی حدیث ہے، لیکن دونوں کتابوں میں اس صحابی کا نام نہیں، گو یا یہ نام نہ ہونا مضر نہیں۔

ابو داؤد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص تم میں سے سورۃ وَالتِّیْنِ کی آخری آیت اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ پڑھے وہ بَلٰى وَ اَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ کہے یعنی ہاں اور میں بھی اس پر گواہ ہوں اور جو شخص سورۃ قیامت کی آخری آیت اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى پڑھے تو وہ کہے بَلٰى اور جو شخص سورۃ والمرسلات کی آخری آیت فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ پڑھے تو اٰمَنَّا بِاللّٰهِ کہے۔ یہ حدیث مسند احمد اور ترمذی میں بھی ہے ابن جریر میں حضرت قتادہؒ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت کی اس آخری آیت کے بعد فرماتے سُبْحَانَكَ بَلٰى حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کے جواب میں یہ کہنا ابن ابی حاتم میں مروی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

الحمدللہ سورۂ قیامہ کی تفسیر ختم ہوئی

سورۃ الدھر

خواب میں پڑھنے والا سخاوت اور نعمت پر شکر کی توفیق پائے گا۔ تعبیر الرؤیا۔

سورۂ دہر مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی اکتیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ

کبھی گزرا ہے انسان پر ایک وقت

مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْــًٔا مَّذْكُوْرًا ۝

زمانے میں کہ نہ تھا وہ کوئی چیز جو زبان پر آتی ☆

بیشک انسان پر ایک وقت گزر چکا ہے۔ جب اس کا کچھ نام ونشان نہ تھا۔ پھر کتنے ہی دور طے کر کے نطفہ کی شکل میں آیا وہ حالت بھی اس کی موجودہ شرافت و کرامت کو دیکھتے ہوئے اس قابل نہیں کہ زبان پر لائی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

حِیْنٌ۔ زمانہ کا ایک محدود ٹکڑا (معین حصہ) حین ہے بیضاوی دھر طویل زمانہ یا ایک ہزار برس میں کہتا ہوں یہی حضرت آدم علیہ السلام کی عمر کی مدت تھی۔ صحاح میں ہے کہ دہر اصل میں عالم کی کل عمر۔ آغاز آفرینش سے آخر اختتام تک ہے۔ اور آیت هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ (میں الدہر) اسی معنی پر محمول ہے (پھر عرف عام میں) بڑی طویل مدت کو دہر کہا جانے گا دہر فلاں یعنی فلاں شخص کی مدت زندگی۔

اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ اگر الانسان سے مراد آدم ہوں تو حین سے مراد ہوگا وہ وقت جب گارے سے اللہ نے ان کی مورتی بنا کر مکہ اور طائف کے درمیان چالیس برس تک بغیر روح کے ڈال رکھی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا پھر (پتلا بنانے سے) ایک سو بیس برس کے بعد اللہ نے آدم علیہ السلام کو (زندہ) بنایا اور اگر الانسان سے مراد عام انسان ہے تو حین سے مراد ہوگی وہ چار ماہ کی مدت جس میں نطفہ علقہ اور مضغہ کی صورت میں انسان ہوتا ہے اور وہ چھ ماہ جو کم سے کم حمل کی مدت ہے۔ یا دو سال جو زیادہ سے زیادہ حمل کی مدت ہے۔

فناء اور بقاء:

حضرت مجدد صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ بے شک اے میرے رب انسان

پر ایک ایسا وقت گذرا کہ وہ قابل ذکر چیز نہ تھا اور نہ اس کی ذات تھی نہ نشان نہ شہود نہ وجود پھر اس دور کے بعد اگر تو چاہتا ہے تو وہ تیری ہی حیات سے زندہ اور تیری ہی بقاء سے باقی اور تیرے ہی اخلاق سے موصوف بالخلق ہو جاتا ہے بلکہ تیری مہربانی اور تیری قدرت سے وہ عین فناء کی حالت میں بھی باقی بن جاتا ہے۔ اور عین بقاء کی حالت میں بھی تجھ سے الگ نہیں ہوتا۔

حضرت مجدد صاحبؒ کا قول پھر اگر تو چاہتا تو...... وہ ہو جاتا ہے گویا حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ کی تفسیر ہے مِنَ الدَّھْر میں مِنْ ابتدائیہ ہے اور الدَّھْر کا شمار اللہ کے ناموں میں کیا جاتا ہے۔ صاحب قاموس نے یہی لکھا ہے۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے ابن آدم دکھ دیتا ہے اور دہر کو گالیاں دیتا ہے حالانکہ میں ہی دہر ہوں میرے ہی ہاتھوں میں ہر امر ہے۔ رات دن کی لوٹ پلٹ میں ہی کرتا ہوں۔ (گویا اللہ کی طرف سے انسان پر ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ وہ نا قابل ذکر ہو جاتا ہے) (تفسیر مظہری)

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ

ہم نے بنایا آدمی کو ایک دورنگی بوند سے ☆

مادۂ پیدائش:

یعنی مرد اور عورت کے دو رنگے پانی سے پیدا کیا گیا۔

(تنبیہ) ''امشاج'' کے معنی مخلوط کے ہیں نطفہ جن غذاؤں کا خلاصہ ہے وہ مختلف چیزوں سے مرکب ہوتی ہیں اس لیے عورت کے پانی سے قطع نظر کر کے بھی اس کو ''امشاج'' کہہ سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

امشاج کو نطفہ کی صفت اس لئے بنایا کہ نطفہ میں مرد اور عورت کا پانی مخلوط ہوتا ہے اور ہر نطفہ اجزاء خواص اور رقت وقوام کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔

بعض نے کہا کہ امشاج مفرد ہے اس کا معنی ہے مخلوط یعنی عورت اور مرد کے پانی کا مخلوط مجموعہ۔ (تفسیر مظہری)

ڈارون کا عجیب وغریب نظریہ:

انیسویں صدی عیسوی میں سرزمین مغرب میں ایک مادی فلسفی شخص گذرا ہے جس کا نام ڈارون تھا۔ اس نے اپنی فلسفیانہ تحقیقات میں ایک یہ انکشاف کیا کہ انسان دراصل بندر تھا۔ بتدریج ارتقائی مراحل طے کرتے کرتے بالآخر انسان بن گیا۔

مغربیت سے مرعوب اذہان نے بلا دلیل اور بغیر اسکے کہ اپنی عقل و اور فکری صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں اس نظریہ کو قبول کر لیا اور اس کو پھیلانا شروع کر دیا۔ حالانکہ اس پر آج تک نہ کوئی عقلی دلیل پیش کی جاسکی نہ ہی کوئی دلیل تجربی۔

ہر صاحب عقل ادنیٰ تعقل سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ نظریہ صرف ایسا شخص ہی قبول بھی کر سکتا ہے جو فاتر العقل ہو اور سمجھنے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بے شمار انواع واقسام کی مخلوقات پیدا کی ہیں جانوروں میں گدھا، کتا، خنزیر، سانپ، بچھو، کیڑے مکوڑے۔ چرند پرند غرض حیوانوں میں بر و بحر اور فضاء کی یہ بے شمار مخلوقات ہیں۔ ہر ایک کی طبیعت اور فطرت جدا ہے یہ کہنا کہ فلاں حیوان یعنی بندر ترقی کر کے انسان بن گیا ایسی ہی مہمل بات ہے جیسے یہ کہا جائے کہ فلاں کیڑا۔ مکوڑا ارتقائی مدارج طے کر کے مرغا بن گیا۔ اور پھر اسی مہمل تخیل کو تھیوری کہنا اور بھی خلاف عقل بات ہے۔

کیا اس تھیوری کے قائلین اس کا جواب دیں گے۔ کہ یہ ارتقاء صرف ایک نوع حیوان میں کیوں ہوا۔ دیگر حیوانات اس سے کیوں محروم رہے؟

پھر یہ بھی بتائیں کہ نوع حیوان کے علاوہ نباتات و جمادات بھی ہیں ان میں یہ ارتقائی مراحل کیوں واقع نہیں ہوئے۔ ایک نوع کا ارتقاء اسی کی حدود میں محدود رہتا ہے۔ ایک گھاس کا تنکا ارتقاء کے بعد تناور درخت تو ہو سکتا ہے لیکن پہاڑ نہیں بن سکتا۔ علی ھذا القیاس زمین کی سطح پر ابھرنے والا ٹیلا پہاڑ تو ہو جائے لیکن وہ کوئی اور نوع کی شکل اختیار کر کے اس میں تبدیل ہو جائے۔ یہ ناممکن اور خلاف عقل بات ہے۔ پھر یہ نظریہ رکھنے والے یہ بتائیں بالفرض اگر بندر نے ارتقاء کر کے انسانی پیکر اور وضع اختیار کر لی تو یہ ارتقاء نوعی تھا۔ یا ارتقاء فردی تھا۔ ظاہر ہے کہ چند بندروں کے ارتقاء کا تو مسئلہ بھی نہیں نوع من حیث النوع کے ارتقاء کا دعویٰ ہے تو اصولاً بات یہ ہے کہ کوئی بھی چیز تغیر و تبدل قبول کرنے کے بعد اپنی پہلی صورت چھوڑ دیتی ہے۔ تو یہ کس قسم کا ارتقاء ہوا کہ دنیا میں بندر بھی موجود ہیں اور ارتقائی شکل اختیار رکھنے والے انسان بھی موجود (تفصیل کی گنجائش نہیں) بلاشبہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں بہت سے مہمل اور خلاف عقل نظریات ظاہر ہوئے لیکن ایسا مہمل اور خلاف عقل اور مضحکہ خیز نظریہ کوئی بھی سننے میں نہیں آیا۔ کہ اچھے خاصے عقل و فہم اور شعور و تدبر رکھنے والی اشرف المخلوق حسن و جمال اور کمالات و فضائل کے جوہر سے آراستہ انسانوں کو بندر کی اولاد تجویز کر دیا جائے۔ (بریں عقل و دانش بباید گریست)

عجب بات ہے کہ اس نظریہ کے قائلین ایک طرف تو بندر کے ترقی کر کے انسان بن جانے کو تسلیم کرتے ہیں دوسری طرف جب قرآن کریم میں بنی اسرائیل کے واقعات میں انکے نافرمان افراد کے مسخ کے واقعہ کا ذکر آتا ہے۔ کہ ان کو مسخ کر کے بندر بنا دیا گیا۔ تو اس کو خلاف فطرت اور خلاف عقل بات کہہ کر رد کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو تو سہولت سے یہ بات تسلیم کر لینی چاہیے کہ جب بندر ترقی کر کے انسان بن سکتا ہے۔ تو ضرور ایسا ہونا چاہیے کہ انسان تنزل کر کے بندر بن جائے۔ بلکہ یہ شکل تو زیادہ آسان ہے۔ بہ نسبت پہلی صورت کے کیونکہ ان کے قانون کے مطابق یہ صورت

توکل شئی یرجع الی اصلہ کے تحت آسکتی ہے۔ (معارف کاندھلوی)

ہر انسان کی تخلیق میں دنیا بھر کے اجزاء اور ذرات کی شمولیت:

اور اگر غور کیا جائے تو یہ اخلاط اربعہ مذکورہ بھی اقسام غذا سے حاصل ہوتے ہیں اور ہر انسان کی خوراک میں غور کیا جائے تو اس میں دور دراز ملکوں اور خطوں کے اجزاء آب و ہوا وغیرہ کے ذریعہ شامل ہو جاتے ہیں اس طرح ایک انسان کے موجودہ جسم کا تجزیہ اور تحلیل کی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ ایسے اجزاء اور ذرات کا مجموعہ ہے جو دنیا کے گوشہ گوشہ میں بکھرے ہوئے تھے۔ قدرت کے نظام عجیب نے حیرت انگیز طریقہ پر ان کو اس کے وجود میں سمویا ہے۔ اگر امشاج کا مطلب یہ لیا جائے تو اس جگہ امشاج کے ذکر سے منکرین قیامت کے سب سے بڑے شبہ کا ازالہ بھی ہو جائیگا کیونکہ ان خدا ناشناس لوگوں کے نزدیک قیامت قائم ہونے اور مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے میں سب سے بڑا اشکال یہی ہے کہ انسان مرکر مٹی اور پھر ریزہ ریزہ ہو کر دنیا میں بکھر جاتا ہے ان کو دوبارہ جمع کریا پھر ان میں روح ڈالنا ان کے نزدیک گویا ناممکن ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

نَّبۡتَلِيۡهِ فَجَعَلۡنٰهُ سَمِيۡعًۢا بَصِيۡرًا ۝۲
ہم پلٹتے رہے اُس کو پھر کر دیا اس کو ہم نے سننے والا دیکھنے والا ☆

عمر بلوغت کو پہنچنا:

یعنی نطفہ سے جما ہوا خون، پھر اس سے گوشت کا لوتھڑا بنایا۔ اسی طرح کئی طرح کے الٹ پھیر کرنے کے بعد اس درجہ میں پہنچا دیا کہ اب وہ کانوں سے سنتا اور آنکھوں سے دیکھتا ہے اور ان قوتوں سے وہ کام لیتا ہے جو کوئی دوسرا حیوان نہیں لے سکتا گویا اور سب اس کے سامنے بہرے اور اندھے ہیں (تنبیہ) "نَبۡتَلِيۡهِ" کے معنی اکثر مفسرین نے امتحان و آزمائش کے لیے ہیں۔ یعنی آدمی کا بنانا اس غرض سے تھا کہ اس کو احکام کا مکلف اور امر و نہی کا مخاطب بنا کر امتحان لیا جائے اور دیکھا جائے کہ کہاں تک مالک کے احکام کی تعمیل میں وفاداری دکھلاتا ہے اسی لیے اس کو سننے، دیکھنے اور سمجھنے کی وہ قوتیں دی گئیں جن پر تکلیف شرعی کا مدار ہے۔

اِنَّا هَدَيۡنٰهُ السَّبِيۡلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوۡرًا ۝۳
ہم نے اُس کو سجھائی راہ یا حق ماننا ہے اور یا ناشکری کرتا ہے ☆

مختلف راہیں اختیار کرنا:

یعنی اولاً اصل فطرت اور پیدائشی عقل وفہم سے پھر دلائل عقلیہ ونقلیہ سے نیکی کی راہ سجھائی جس کا مقتضی یہ تھا کہ سب انسان ایک راہ پر چلتے لیکن گرد و پیش کے حالات اور خارجی عوارض سے متاثر ہو کر سب ایک راہ پر نہ رہے۔ بعض نے اللہ کو مانا اور اس کا حق پہچانا، اور بعض نے ناشکری اور ناحق کوشی پر کمر باندھ لی۔ آگے دونوں کا انجام مذکور ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ہم نے اس کے لیے راستہ کھول دیا یعنی پیغمبر بھیج کر کتابیں اتار کر اور (نفسی اور آفاقی) دلائل قائم کر کے اللہ کے قرب، اللہ کی خوشنودی اور اللہ کی جنت تک پہنچنے کا راستہ انسان کے لیے کھول دیا۔ ہدایت سے اس جگہ مراد ہے راستہ دکھانا، مقصود تک پہنچانا مراد نہیں ہے اس کے برخلاف آیت اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ میں مقصد تک پہنچانا مراد ہے۔

شاکراً اور کفوراً ھَدَیۡنٰہُ کی ضمیر۔ ہ۔ سے حال ہیں یعنی انسان یا ہماری ہدایت کا شکر گزار ہوگا اور اس کو قبول کرے گا یا کفران نعمت اور ناشکری کرے گا دونوں باتوں میں ایک ضرور ہوگی۔

اللہ نے جب انسان کو پیدا کر دیا اور اس کو سمیع بصیر بنا دیا تو پھر انسان نے کیا کیا اور خدا نے اس کے ساتھ کیا کیا اس موہومی سوال کو دور کرنے کے لیے انا ھدینٰہ فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ سَلٰسِلَا۠
ہم نے تیار کر رکھی ہیں منکروں کے واسطے زنجیریں
وَاَغۡلٰلًا وَّسَعِيۡرًا ۝۴
اور طوق اور آگ دہکتی ☆

انجام منکرین:

یعنی جو لوگ رسم و رواج اور اوہام وظنون کی زنجیروں میں جکڑے رہے اور غیر اللہ کی حکومت و اقتدار کے طوق اپنے گلوں سے نہ نکال سکے بلکہ حق و حاملین حق کے خلاف دشمنی اور لڑائی کی آگ بھڑکانے میں عمریں گزار دیں، کبھی بھول کر اللہ کی نعمتوں کو یاد نہ کیا۔ نہ اس کی سچی فرمانبرداری کا خیال دل میں لائے۔ ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے آخرت میں دوزخ کے طوق وسلاسل اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شکر گزاروں اور ناشکروں کو کیا ملے گا یہ ایک سوال پیدا ہوتا تھا اس کا جواب ان جملوں میں دے دیا کافروں کا ذکر تو شاکروں کے بعد کیا تھا۔

مگر ان کی سزا کا تذکرہ مومنوں کی جزا سے پہلے کیا کیونکہ عذاب سے تخویف نصیحت پذیری کے لیے (بشارت سے) زیادہ مفید ہوتی ہے پھر اہل ایمان کے تذکرہ سے کلام کا آغاز اور انہی کے ذکر پر کلام کا خاتمہ یوں بھی بہت اچھا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الۡاَبۡرَارَ يَشۡرَبُوۡنَ مِنۡ كَاۡسٍ كَانَ
البتہ نیک لوگ پیتے ہیں پیالہ جس کی

مِزَاجُهَا كَافُورًا ۝ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللهِ

ملونی ہے کافور ایک چشمہ ہے جس سے پیتے ہیں بندے اللہ کے ☆

مؤمنوں کا انعام:

یعنی جام شراب پئیں گے جس میں تھوڑا سا کافور ملایا جائیگا۔ یہ کافور دنیا کا نہیں بلکہ جنت کا ایک خاص چشمہ ہے جو خاص طور پر اللہ کے مقرب مخصوص بندوں کو ملے گا شاید اس کو ٹھنڈا، خوشبودار، مفرح اور سفید رنگ ہونے کی وجہ سے کافور کہتے ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

ابرار سے مراد ہیں وہ اہل ایمان جو اپنے ایمان میں سچے ہیں اور اپنے رب کے فرمان بردار ہیں بِرّ مصدر ہے بِرّ کا معنی ہے اچھا سلوک اور خیر۔ اطاعت، سچائی اور بھلائی میں وسعت، (قاموس) یہ تمام اوصاف مومنوں کے ہیں۔ مِنْ كَاْسٍ جوہری نے صحاح میں کہا کاس شربت (پانی وغیرہ) سے بھرے ہوئے برتن کو کہا جاتا ہے اور شربت کے خالی برتن کو بھی کاس کہتے ہیں دونوں طرح اس لفظ کا استعمال سے كَاْسٌ خالٍ بھی کہا جاتا ہے اور شربت كاساً اور شربت كاساً طيبة بھی کہا جاتا ہے میں نے پیالہ پیا یعنی شربت سے بھرا ہوا میں نے پاکیزہ پیالہ پیا یعنی پاکیزہ شربت۔

قاموس میں ہے "کاس" پینے کا برتن بشرطیکہ اس میں پینے کی چیز موجود ہو پینے کی چیز کوئی ہو، کوئی تخصیص نہیں نہ شراب کی نہ شہد کی نہ دودھ کی نہ پانی کی شاید آیت میں برتن مراد ہے اور مِن ابتدائیہ ہے یعنی ابرار پینے کی چیزیں پینے کے برتن سے پئیں گے شراب، شہد، پانی کچھ بھی ہو۔

كَافُوْرًا. قتادہ نے کہا اہل جنت کے لیے کافور (شربت میں) ملایا جائے گا اور مشک کی مہر لگائی جائے گی عکرمہ نے کہا چکھنے میں اس کی خوشبو کافور کی طرح ہوگی۔ کلبی نے کہا کہ ایک چشمہ کا نام کافور ہے۔

جیسے آیت ومزاجہ میں تسنیم آئی ہے تسنیم ایک چشمہ کا نام ہے۔

عَيْنًا یہ کافور سے بدل ہے بشرطیکہ کافور کو چشمہ کا نام قرار دیا جائے۔ (تفسیر مظہری)

يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝

چلاتے ہیں وہ اس کی نالیاں ☆

یعنی وہ چشمہ ان بندوں کے اختیار میں ہوگا جدھر اشارہ کرینگے اسی طرف کو اس کی نالی بہنے لگے گی بعض کہتے ہیں کہ اس کا اصل منبع حضور پر نور محمد صلی اللہ علیہ سلم کے قصر میں ہوگا۔ وہاں سب سے انبیاء و مومنین کے مکانوں تک اس کی نالیاں پہنچائی جائینگی۔ واللہ اعلم۔ آگے ابرار کی خصلتیں بیان فرمائی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اللہ کے پرستار جنت کے اندر اپنے مکانوں اپنے محلات میں جہاں چاہیں گے۔ آسانی کے ساتھ اس چشمہ (کی شاخ) بہا کرلے جائیں گے۔

عبداللہ ابن احمد نے کتاب الزہد میں ابن شوذب کا قول نقل کیا ہے کہ اہل جنت کے پاس سونے کی ٹہنیاں ہونگی ان ٹہنیوں کے ذریعہ سے چشمہ کا پانی جہاں چاہیں گے لیجائیں گے پانی ان کے حکم کا تابع ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ

پورا کرتے ہیں منت کو ☆

نیکوں کے اوصاف:

یعنی جو منت مانی ہوا سے پورا کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب خود اپنی لازم کی ہوئی چیز کو پورا کرینگے تو اللہ کی لازم کی ہوئی باتوں کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

گویا یہ جواب ہے ایک فرضی سوال کا کہ ابرار کو ایسا ثواب کیوں ملے گا یا ابرار کے کیا اوصاف ہیں اس صورت میں یہ ابرار کی تعریف ہو جائیگی کہ وہ فرائض ادا کرتے ہیں اللہ سے ڈرتے ہیں ممنوعات سے پرہیز رکھتے ہیں بندوں پر رحم کرتے ہیں اور مرضی مولیٰ کی طلب میں خلوص کے ساتھ نیکیاں کرتے ہیں یہ ابرار کے اوصاف ہیں اور یہ مرتبہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب نفس کو فنا کر دیا گیا ہو اور بری خصلتیں دور ہوگئیں ہوں۔ رہے اہل قرب تو انکے اوصاف ان سے بھی اونچے ہیں۔

منت پورا کرنا:

نذر کا لغوی معنی ہے غیر واجب چیز کو اپنے اوپر واجب کر لینا۔ (صحاح) اور جب ابرار غیر واجب (مستحب) امور کو اپنے اوپر واجب کرتے اور ان کو ادا کرتے ہیں تو نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، عمرہ، جہاد اور دوسرے دوسرے فرائض الٰہیہ کو تو بدرجہ اولیٰ ادا کرتے ہی ہیں شاید قتادہ کے قول کا یہی مطلب ہے قتادہ نے آیت کی تشریح میں کہا تھا کہ اللہ نے جو فرائض ان پر مقرر فرمائے ہیں نماز زکوٰۃ، حج عمرہ وغیرہ ان کو وہ ادا کرتے ہیں۔

وجوب کا بیان:

جب نذر کا معنی ہے غیر واجب کو اپنے اوپر واجب بنا لینا تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نذر کے انعقاد کے لیے دو شرطیں ضروری ہیں (۱) جس چیز کی نذر مانی جائے وہ طاعت ہو (معصیت نہ) ہو اگر طاعت نہ ہوگی تو اس قابل نہ ہوگی کہ اس کو واجب بنایا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے نذر وہی ہوتی ہے جو خالص مرضی مولیٰ کی طلب کے لیے ہو یہ حدیث حضرت امام احمدؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کی ہے (۲) پہلے سے اللہ کی طرف سے واجب کردہ نہ ہو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دو شرطیں اور بھی ہیں۔

(۱) وہ عبادت مقصودہ ہو اس لیے عبادت غیر مقصودہ جیسے وضوء، طہارت جسم للصلوٰۃ کی نذر صحیح نہیں (۲) اس قسم کا کوئی دوسرا واجب اللہ کی طرف سے موجود ہو۔ وجوب نذر کی تعمیم پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی دلالت کر رہی ہے فرمایا جس نے اللہ کی اطاعت کی منت مانی اس کو اطاعت کرنی چاہیے اور جس نے اللہ کی نافرمانی کی نذر مانی اس کو نافرمانی نہ کرنی چاہیے۔ (بخاری)

مسئلہ: اگر کسی نے نذر اطاعت مگر نذر کو بعض (غیر ضروری) شرطوں کیساتھ مشروط کر دیا تو نذر کا ایفاء واجب ہو جائیگا اور شرطیں لغو قرار پائیں گی (ان کی تکمیل واجب نہ ہوگی) جیسے کسی نے نذر مانی کہ کسی خاص جگہ نماز پڑھوں گا یا روزہ میں کھڑا رہوں گا۔

اس صورت میں ادائے صوم وصلوٰۃ واجب ہوگی اور ہر حال میں یہ نذر پوری ہو جائے گی اس پر اجماع ہے۔

لیکن امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ کے نزدیک اگر مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی نذر مانی ہو تو کسی دوسری مسجد میں پڑھنے سے نذر پوری نہ ہوگی اور اگر مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) یا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو مسجد حرام میں پڑھنے سے نذر پوری ہو جائیگی غرض کم فضیلت والی مسجد میں نماز پڑھنے سے اس نماز کی نذر پوری نہ ہوگی جو زیادہ فضیلت والی مسجد میں لازم کی گئی ہو۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر صورت میں ہر جگہ نماز پڑھنے سے نذر پوری ہو جائیگی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ فتح مکہ دن ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے منت مانی تھی کہ اگر اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ نصیب فرما دے گا تو میں بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی جگہ پڑھ لو۔ اس شخص نے دوسری بار یا تیسری بار وہی گزارش کی آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم جانو تمہارا حال (یعنی تم کو اختیار ہے جو چاہو کرو یہاں پڑھو یا وہاں۔ واللہ اعلم) (ابوداؤد، دارمی)

اسی حدیث کی بناء پر امام صاحب نے شرط مکانی کو لغو قرار دیا ہے۔

فائدہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری اس مسجد میں نماز علاوہ مسجد حرام کے دوسری مسجدوں میں ہزار نمازوں سے زیادہ بہتر ہے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کی اپنے گھر میں نماز ایک نماز کا اجر رکھتی ہے اور محلہ کی مسجد میں پچیس نمازوں کا اور جامع مسجد میں پانچ سو نمازوں کا اور مسجد اقصیٰ میں ہزار نمازوں کا اور میری مسجد میں پچاس ہزار نمازوں کا اور مسجد حرام میں ایک لاکھ نمازوں کا۔ (ابن ماجہ)

(یہ تفصیلی درجات) فرض نمازوں کے لیے ہیں نوافل کا یہ حکم نہیں ہے

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا علاوہ فرض کے (باقی دوسری نماز) آدمی کے لیے اپنے گھر میں میری مسجد میں پڑھنے سے بہتر ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

علاوہ طاعت کے دوسری شرائط کے لغو ہونے پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث دلالت کر رہی ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے دفعتہ ایک شخص دھوپ میں کھڑا نظر آیا اس کے متعلق کیفیت دریافت فرمائی ابواسرائیلؓ نے عرض کیا اس نے منت مانی ہے کہ نہ بیٹھے گا نہ سایہ میں جائے گا نہ بات کرے گا اور اسی طرح روزہ پورا کرے گا فرمایا اس کو حکم دو بات کرے، سایہ میں جائے بیٹھ جائے اور روزہ پورا کرے۔ ابو داؤد، ابن ماجہ، وابن حبان، بخاری کی روایت میں دھوپ کا ذکر نہیں ہے۔

امام مالکؒ نے اس حدیث کو موطا میں مرسل ذکر کیا ہے اس روایت میں ہے اس کو حکم دو کہ طاعت خداوندی کو پورا کرے اور جو معصیت ہے اس کو ترک کر دے۔

مسئلہ: اگر واجب نذر ادا نہ کر سکے تو قضا واجب ہے نذر کی مثل ادا کرے خواہ مثل حقیقی ہو یا حکمی جیسے نماز نذر کے عوض نماز، صوم نذر کے عوض صوم۔ اور شیخ فانی (پیر ضعیف) ہر صوم نذر کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ اگر کسی نے پیدل حج کرنے کی منت مانی اور کسی عذر کی وجہ سے سوار ہو گیا تو جمہور کے نزدیک اس کو ایک جانور کی قربانی پیش کرنی چاہیے صحیح روایت سے امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی مسلک ثابت ہے۔

اصل روایت میں امام صاحب کا قول یہ آیا تھا کہ پیدل حج کی نذر ماننے والے پر پیدل جانا واجب ہی نہیں ہے اس لیے اگر سوار ہو جائے تو قربانی واجب نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک بوڑھا آدمی اپنے دو لڑکوں کے درمیان دونوں کے سہارے سے جا رہا ہے وجہ دریافت فرمائی جواب ملا اس نے پیادہ جانے کی نذر مانی ہے فرمایا اللہ کو اس کو عذاب دینے کی کوئی ضرورت نہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سوار ہو جانے کا حکم دیا، (متفق علیہ)

ہم (جمہور کی طرف سے) کہتے ہیں کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت کو ابوداؤد نے جید سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ میری بہن نے کعبہ تک پیادہ جانے کی منت مانی تھی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سوار ہونے اور ایک قربانی کرنے کا حکم دیا۔

عبدالرزاق نے صحیح سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جس نے کعبہ کو پیدل جانے کی منت مانی ہو تو اس کو پیدل چلنا چاہیے اگر تھک جائے تو سوار ہو جائے اور اونٹ کی قربانی دے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ و حضرت ابن عباسؓ قتادہ اور حسن بصریؒ کے بھی ایسے ہی اقوال منقول ہیں۔

مسئلہ: اگر کسی نے گناہ کی نذر مانی یا ایسے امر مباح کی منت مانی جو طاعت نہیں ہوسکتا تو اس کو پورا کرنا واجب نہیں ہے اور بالا جماع وہ نذر درست نہ ہوگی امام اعظمؒ کے نزدیک کلام لغو ہو جائے گا اور جمہور کے نزدیک نذر نہیں ہوگی لیکن کلام بھی لغو نہ ہوگا بلکہ قسم کے حکم میں آ جائے گی جہاں تک ہو سکے صحیح العقل کے کلام کو لغویت سے محفوظ رکھا جائے۔ نذر کے لفظوں میں چونکہ پختہ تاکید ہوتی ہے اللہ کا نام ذکر کیا جاتا ہے۔ اس لیے کلام لفظاً قسم بن جانے کی صلاحیت رکھتا ہے اور معنیً بھی وہ قسم ہوسکتا ہے۔

کیونکہ جس چیز کی منت کو واجب بنایا ہے لامحالہ اس کی ضد کو حرام قرار دیا ہے لہٰذا جمہور کے نزدیک اس قسم کو توڑنا اور نذر معصیت کی صورت میں کفارۂ (قسم) دینا واجب ہے۔

منت کا کفارہ:

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے معین نذر مانی اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اور جس نے گناہ کی نذر مانی اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اور جس نے ایسی منت مانی جس کو ادا کرنے کی اس میں طاقت نہیں اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اور قابل برداشت نذر مانی تو اس کو پورا کرے۔ (ابوداؤد ابن ماجہ)

حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے کسی خاص مقام پر ایک روایت میں اس مقام کا نام بوانہ آیا ہے اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے (دریافت) کیا، فرمایا کیا جاہلیت کے دور میں وہاں کسی بت کی پوجا ہوتی تھی لوگوں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا کیا جاہلیت والوں کا خوشی کا میلا لگتا تھا۔ لوگوں نے جواب دیا نہیں فرمایا تو اپنی نذر پوری کر۔ ابوداؤد اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے باپ پردادا کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے اور اسی طرح ابن ماجہؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت بھی لکھی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایسی چیز کی نذر مانی ہو جو طاعت نہ ہو نہ معصیت تو اس کو پورا کرنا جائز ہے عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کے باپ نے دادا کے حوالہ سے بیان کیا کہ ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے منت مانی کہ آپ کے سر پر دف بجاؤں گی اس کی مراد یہ تھی کہ آپ کی تشریف آوری پر (آپ کے سامنے دف بجاؤں گی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی منت پوری کرلے یہ حدیث ابوداؤد نے نقل کی ہے شاید یہ واقعہ دف بجانے کی حرمت سے پہلے کا تھا۔

اگر کسی نے نذر مشروط کی صورت میں کل مال خیرات کرنیکی منت مانی اور شرط واقع ہوگئی تو (کل مال خیرات کرنا ضروری نہیں صرف) ایک تہائی مال خیرات کرنا لازم ہے باقی جو صورت بھی ہو ہر حالت میں جو منت مانی ہے اس کو پورا کرنا ضروری ہے۔

صاحب ہدایہ اور دوسرے محققین حنفیہ نے کہا ہے کہ کفارۂ قسم امام صاحبؒ کے نزدیک اس شرط کے وقت کافی ہوگا جس شرط کا تحقق وہ چاہتا نہ ہو مثلاً یوں کہے کہ اگر میں گھر کے اندر جاؤں یا فلاں شخص سے بات کروں یا فلاں کام کروں تو مجھ پر حج یا ایک سال کے روزے لازم ہیں اس نذر کو نذر حاج کہا جاتا ہے لیکن اگر شرط ایسی ہے جس کا وقوع وہ خود چاہتا ہے اور (وہ شرط ہوگئی) تو نذر پوری کرنی لازم ہے مثلاً یوں کہا اگر فلاں غائب شخص آ ئے یا میرا دشمن مرجائے یا میرا فلاں کام ہو جائے یا میری بیوی کے لڑکا پیدا ہو تو مجھ پر یہ چیز لازم ہے تو اس صورت میں لامحالہ اس پر وہی چیز ادا کرنی لازم ہوگی جو اس نے مانی ہے اس نذر کا نام نذر تَبَرُّء ہے اسی تفصیل کے امام احمدؒ بھی قائل ہیں اور ظاہر ترین روایت میں امام شافعیؒ کا بھی یہی قول آیا ہے۔

سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے دو انصاری بھائی کسی میراث کے مشترک وارث ہوئے ایک نے دوسرے سے تقسیم کی خواہش کی اس نے جواب دیا کہ اگر تو نے دوبارہ تقسیم کے لیے کہا تو میرا کل مال کعبہ کے منافع کے لیے ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کعبہ کو تیرے مال کی ضرورت نہیں اپنی قسم کا کفارہ ادا کر اور اپنے بھائی سے کلام کر۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ تم پر نہ کوئی قسم پڑے گی نہ نذر (اگر) خدا کی نافرمانی یا قطع رشتہ داری یا ایسی چیز کے متعلق ہو جس کے تم مالک نہ ہو۔ (ابوداؤد)

مسئلہ: جس نے خارج از طاقت عبادت کی نذر مانی تو کفارہ دینا جائز ہے امام اعظمؒ کے نزدیک کفارہ لازم نہ ہوگا صرف اللہ سے استغفار کرے۔

ہماری دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو اوپر گذر چکی ہے کہ جس نے خارج از طاقت چیز کی منت مانی اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کی بہن کے قصہ میں بھی آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تیری بہن کے پیدل چلنے کی سخت تھکان سے خدا کو کچھ فائدہ نہیں وہ سوار ہو جائے اور سوار ہو کر حج کو جائے اور اپنی قسم کا کفارہ دیدے۔ (ابوداؤد)

عبداللہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عقبہ بن عامر نے بیان کیا کہ میری بہن نے برہنہ سر پیدل چل کر حج کو جانے کی منت مانی تھی اس کا تذکرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا ارشاد فرمایا اپنی بہن سے کہہ دے کہ سر پر اوڑھنی اوڑھے سوار ہو اور تین روزے رکھے۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، طحاوی)

اختلاف احادیث کو دور کرنے کی توجیہ یہ ہے کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ کا حکم اس وقت دیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوگیا کہ

وہ عورت نذر پوری کرنے سے عاجز ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

منت کی شرط:

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ جس کام کو بذریعہ نذر اپنے اوپر واجب کیا ہے اس کی جنس سے کوئی عبادت شریعت میں واجب کی گئی ہو جیسے نماز، روزہ، صدقہ، قربانی وغیرہ اور جس کی جنس سے کوئی عبادت شرعاً مقصود نہیں ہے اس کی نذر ماننے سے نذر لازم نہیں ہوتی جیسے کسی مریض کی عیادت یا جنازے کے پیچھے چلنا وغیرہ جو اگرچہ عبادات ہیں مگر عبادت مقصودہ نہیں، نذر و یمین کے احکام کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جائے۔ (معارف مفتی اعظم)

حدیث میں ہے کہ جو اللہ کی اطاعت کی نذر مانے وہ پوری کرے اور جو نافرمانی کی نذر مانے اسے پوری نہ کرے۔ امام بخاریؒ نے اسے امام مالکؒ کی روایت سے بیان فرمایا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ⑦

اور ڈرتے ہیں اس دن سے کہ اس کی برائی پھیل پڑے گی ☆

خوفِ آخرت:

یعنی اس دن کی سختی اور برائی درجہ بدرجہ سب کو عام ہوگی۔ کوئی شخص بالکلیہ محفوظ نہ رہے گا "الا من شاء اللّٰہ". (تفسیر عثمانی)

مُسْتَطِيرًا بہت زیادہ پھیلی ہوئی اِسْتَطَارَ الْحَرِيْقُ آگ بہت پھیل گئی اِسْتَطَارَ الْفَجْرُ صبح کی روشنی خوب پھیل گئی۔ مقاتل نے کہا کہ روز قیامت کا شر آسمانوں میں پھیلے گا تو آسمان پھٹ جائیں گے، ستارے جھڑ جائیں گے اور چاند سورج بے نور ہو جائیں گے، ملائکہ پر خوف طاری ہو جائے گا اور زمین پر شر پھیلے گی تو پہاڑ خاک ہو کر اڑ جائیں گے، پانی خشک ہو جائے گا، روئے زمین پر جو پہاڑی یا عمارت ہوگی ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔ اس آیت میں مومنوں کے عقیدے کی خوبی اور گناہوں سے پرہیز رکھنے کا اظہار ہے جس طرح آیت یوفون بالنذر میں اہل ایمان کی ادائیگی فرض کا اظہار تھا۔ (تفسیر مظہری)

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ

اور کھلاتے ہیں کھانا اس کی محبت پر

مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ⑧

محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو ☆

محتاجوں کو کھلانا:

یعنی اللہ کی محبت کے جوش میں اپنا کھانا باوجود خواہش اور احتیاج کے نہایت شوق اور خلوص سے مسکینوں یتیموں اور قیدیوں کو کھلا دیتے ہیں

(تنبیہ) قیدی عام ہے کہ مسلم ہو یا کافر۔ حدیث میں ہے کہ "بدر" کے قیدیوں کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جس مسلمان کے پاس کوئی قیدی ہے اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے چنانچہ صحابہؓ اس حکم کی تعمیل میں قیدیوں کو اپنے سے بہتر کھانا کھلاتے تھے۔ حالانکہ وہ قیدی مسلمان نہ تھے۔ مسلمان بھائی کا حق تو اس سے بھی زیادہ ہے اور اگر لفظ "اسیر" میں ذرا توسع کر لیا جائے تب تو یہ آیت غلام اور مدیون کو بھی شامل ہو سکتی ہے کہ وہ بھی ایک طرح سے قید میں ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ اس میں اشارہ ہے اس امر کی جانب کہ مومن اللہ کے بندوں پر مہربانی کرتے ہیں رضائے مولیٰ کے حصول کے لئے خلوص کے ساتھ نفل (غیر لازم) نیکیاں کرتے ہیں۔

عَلٰى حُبِّهٖ اللہ کی محبت میں یا کھانے کی محبت اور حاجت کے باوجود۔

مِسْكِينًا وَّيَتِيمًا وَّاَسِيرًا ابن منذرؒ نے ابن جریجؒ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل اسلام کو قید نہیں کرتے تھے (اس لئے آیت میں مسلمان قیدی مراد نہیں) بلکہ اس آیت کا نزول ان مشرکوں کے سلسلہ میں ہوا تھا جن کو مسلمان قید کر لیا کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرک قیدیوں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم دیتے تھے قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو ضعیفوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو مملوک اور عورت۔ (رواہ ابن عساکر)

ابو عمرو رضی اللہ عنہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ نماز اور اپنے مملوک کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ (رواہ الخطیب)

بخاریؒ نے ادب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ اپنے مملوکوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔

بغوی کی روایت میں ہے کہ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو وہ تمہارے پاس قیدی ہیں۔ بغوی نے لکھا کہ اس آیت کے شان نزول کے متعلق علماء میں اختلاف ہے مقاتل کا بیان ہے کہ اس کا نزول ایک انصاری کے متعلق ہوا تھا جس نے ایک ہی دن میں مسکین کو بھی کھانا کھلایا تھا اور یتیم کو بھی اور قیدی کو بھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت:

مجاہد اور عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں ہوا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی کی مزدوری کر کے کچھ جو حاصل کئے اور ان میں سے ایک تہائی پیس کر گھر والوں کے کھانے کے لئے کچھ کھانا تیار کیا جونہی کھانا پک کر تیار ہوا ایک مسکین نے آ کر سوال کیا گھر والوں نے وہ

کھانا اس کو دے دیا دوبارہ پھر ایک تہائی جو پکائے گئے کھانا پک کر تیار ہوا تو ایک یتیم نے آ کر سوال کیا گھر والوں نے وہ کھانا اس کو کھلا دیا، تیسری بار باقی جو کو پکایا گیا اور پک کر تیار ہوا تو ایک مشرک قیدی آ گیا اور سوال کیا گھر والوں نے وہ کھانا اس کو دے دیا اور سب اس روز بھوکے رہے۔

ثعلبیؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ (ایک بار) حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ بیمار ہوگئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور (حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے) فرمایا ابوالحسن اگر تم اپنے بچوں (کی صحت کے) لئے نذر مان لو (تو بہتر ہے) حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت فضہ رضی اللہ عنہا نے نذر مان لی کہ اگر ان دونوں کو صحت ہوگئی تو ہم تین روزے رکھیں گے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خادمہ کا نام فضہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا چنانچہ دونوں صحت یاب ہوگئے مگر اس روز ان حضرات کے پاس کھانے کو کچھ نہیں تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شمعون خیبری (یہودی) سے تین صاع (تقریباً ۱۲ سیر) جو قرض لئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایک صاع جو کا آٹا پیسا اور پانچ روٹیاں پکا کر گھر والوں کے سامنے روزہ افطار کرنے کے لئے رکھ دیں اتنے میں ایک مسکین آ کر کھڑا ہوگیا گھر والوں نے اس کو اپنے اوپر ترجیح دی اور روٹیاں اس کو دے دیں خود پانی کے سوا کچھ نہیں چکھا اور رات یونہی گزار دی اور صبح کو روزے رکھ لئے شام ہوئی تو گذشتہ دن کی طرح کھانا پکا کر سامنے ہی رکھا تھا کہ ایک یتیم آ گیا سب کھانا اس کو دیدیا اور رات یونہی فاقہ سے گزار دی اور صبح کو روزے رکھ لئے شام کو کھانا پکا کر رکھا ہی تھا کہ تیسری مرتبہ ایک قیدی آ کھڑا ہوا اور گھر والوں نے حسب سابق اس کے ساتھ برتاؤ کیا اس پر جبرائیل علیہ السلام یہ سورۃ لے کر نازل ہوئے اور کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ لو اللہ نے تمہارے اہل بیت کے معاملہ میں تم کو مبارکبادی ہے۔ ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔

یہ آیت مدنی ہے یا مکی:

نفس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ مدنی ہو کیونکہ قیدی مدینہ میں تھے مکہ میں نہ تو جہاد تھا نہ کسی مشرک قیدی کا وجود پس ظاہر ہے کہ اس سورت کا کچھ حصہ مدنی ہے خواہ بعض حصہ مکی ہو۔ (تفسیر مظہری)

سعید بن جبیرؒ اور حسن بصریؒ سے منقول ہے قیدی سے اہل اسلام مراد ہے لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ قیدیوں سے مراد وہ قیدی بھی ہیں جو مشرکین میں سے مسلمانوں کی قید میں ہوں۔ چنانچہ اس کی تائید وہ روایت کرتی ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی ہدایت فرمائی۔

عکرمہ سے منقول ہے کہ اس سے مراد غلام ہیں اور متعدد احادیث میں غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید فرمائی گئی۔ (تفسیر ابن کثیر، معارف کاندھلوی)

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ

ہم جو تم کو کھلاتے ہیں سو خالص اللہ کی خوشی چاہنے کو نہ تم سے

مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ﴿۹﴾

ہم چاہیں بدلہ اور نہ چاہیں شکر گذاری ☆

رضاء الٰہی کی طلب:

یہ کھلانے والے زبان حال سے کہتے ہیں اور کہیں مصلحت ہو تو زبان قال سے بھی کہہ سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مجاہد اور سعید بن جبیرؒ نے کہا ان لوگوں نے اپنی زبانوں سے یہ الفاظ نہیں کہے تھے مگر ان کے دل کی حالت سے اللہ واقف تھا (اور دل میں ضرور انہوں نے یہ بات کہی تھی) اس قلبی قول ہی کی اللہ نے تعریف فرمائی ہے۔

لِوَجْهِ اللّٰهِ لفظ وجہ زائد ہے مراد ہے اللہ واسطے اللہ کی خوشنودی اور ثواب کی طلب میں۔

روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خیرات کا کچھ مال کسی کے گھر بھیجتی تھیں پھر واپسی کے بعد قاصد سے پوچھتی تھیں ان گھر والوں نے کیا کہا اگر قاصد کہتا تھا کہ آپ کے لئے دعا کی تھی تو ام المومنین بھی ان کو ویسی ہی دعا دیتی تھیں تاکہ خیرات خالص اللہ کے واسطے باقی رہے (یعنی اجر آخرت کے لئے باقی رہے۔ دنیوی کوئی اجر اس سے حاصل نہ ہو یہاں تک کہ اس کے عوض کلمہ دعائیہ بھی نہ ملے)۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ایثار:

حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیمار پڑے، تو آپ کی بیماری میں انگور کا موسم آیا جب انگور بکنے لگے تو آپ کا دل بھی چاہا کہ انگور کھاؤں تو آپ کی بیوی صاحبہ حضرت صفیہؓ نے ایک درہم کے انگور منگوائے آدمی جو لے کر آیا اسکے ساتھ ہی ساتھ ایک سائل بھی آ گیا اور اس نے آواز دی کہ میں سائل ہوں۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ یہ سب اسی کو دے دو، چنانچہ دے دیئے گئے، پھر دوبارہ آدمی گیا اور انگور خرید لایا اب کے مرتبہ بھی سائل آ گیا اور اس کے سوال پر سب کے سب انگور اسی کو دے دیئے گئے، لیکن اب کی مرتبہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے سائل کو کہلوا بھیجا کہ اگر اب آئے تو تمہیں کچھ نہ ملے گا چنانچہ تیسری مرتبہ ایک درہم کے انگور منگوائے گئے۔ (بیہقی تفسیر ابن کثیر)

اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ﴿۱۰﴾

ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے ایک دن اُداسی والے کی سختی سے ☆

یعنی کیوں نہ کھلائیں اور کھلانے کے بعد کیونکر بدلہ یا شکریہ کے امیدوار رہیں جب کہ ہم کو اپنے پروردگار کا اور اس دن کا خوف لگا ہوا ہے جو بہت سخت اداس اور غصہ سے چیں بہ جبیں ہوگا۔ ہم تو اخلاص کے ساتھ کھلانے پلانے کے بعد بھی ڈرتے ہیں کہ دیکھئے ہمارا عمل مقبول ہوا یا نہیں۔ مبادا اخلاص وغیرہ میں کمی رہ گئی ہو اور الٹا منہ پر مارا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا اس دن کے عذاب سے جو عبوس اور قمطریر ہوگا۔ عبوس ترشرو۔ تیوری پر بل ڈالے ہوئے آدمی۔ یہ یوم کی صفت مجازاً ہے جیسے نهارهُ صائم اس کا دن روزہ دار ہے یعنی وہ دن میں روزہ دار ہے (پس دن کے تیوری پر بل پڑنے کا معنی یہ ہوا کہ اس دن غم و رنج کی وجہ سے سب لوگ ترش رو ہوں گے) قمطریر سخت ترشرو۔ (تفسیر مظہری)

فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ

پھر بچا لیا ان کو اللہ نے برائی سے اُس دن کی

وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ﴿۱۱﴾

اور ملا دی اُن کو تازگی اور خوش وقتی ☆

یعنی جس چیز سے وہ ڈرتے تھے۔ اللہ نے اس سے محفوظ و مامون رکھا۔ اور ان کے چہروں کو تازگی اور دلوں کو سرور عطا کیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ﴿۱۲﴾

اور بدلہ دیا اُن کو اُن کے صبر پر باغ اور پوشاک ریشمی ☆

جنت کا عیش: یعنی از بسکہ یہ لوگ دنیا کی تنگیوں اور سختیوں پر صبر کر کے معاصی سے رُکے اور طاعت پر جمے رہے تھے۔ اس لئے اللہ نے اُن کو عیش کرنے کے لئے جنت کے باغ اور لباسہائے فاخرہ مرحمت فرمائے۔ (تفسیر عثمانی)

مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ

تکیہ لگائے بیٹھیں اس میں تختوں کے اوپر ☆

بادشاہوں کی طرح۔ (تفسیر عثمانی)

متکئین حال ہے۔ یعنی جنت کی اندر مسہریوں پر وہ تکیہ لگائے ہوں گے ارائک پردہ والی مسہریاں حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ صرف پلنگ بغیر پردے اور چھتری کے اور صرف چھتری پردہ بغیر پلنگ کے ارائک نہیں کہلاتا پلنگ مع چھتری اور پردہ کے ہو تو ارائک کہلاتا ہے۔ بیہقی۔ (تفسیر مظہری)

لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ﴿۱۳﴾

نہیں دیکھتے وہاں دھوپ اور نہ ٹھر ☆

جنت کا موسم:

یعنی جنت کا موسم نہایت معتدل ہوگا نہ گرمی کی تکلیف نہ سردی کی۔ (تفسیر عثمانی)

ابن مبارک نے بیان کیا اور عبداللہ بن احمد نے بھی زوائد میں تخریج کی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جنت سکون بخش ہے نہ اس میں گرمی ہے اور نہ سردی۔ یا زمہریر سے مراد چاند یا چمکتے ستارے اس وقت یہ مطلب ہوگا کہ جنت خود روشن ہے نور رب سے منور ہے اس کو نہ سورج کی ضرورت ہے نہ چاند کی۔ شعیب بن جیحان نے بیان کیا میں ابوالعالیہ ریاحی کے ساتھ سورج نکلنے سے پہلے باہر نکلا ابوالعالیہ نے فرمایا کہ جنت کی اسی طرح نسبت کی جاتی ہے پھر آیت وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ پڑھی۔ (بیہقی)

میں کہتا ہوں کہ ابوالعالیہ کی مراد نور صبح سے جنت کی تشبیہ دینا نہیں ہے۔ صبح کا نور تو ضعیف ہوتا ہے جس میں تاریکی مخلوط ہوتی ہے۔ بلکہ اس امر میں تشبیہ دینی مقصود ہے کہ (جس طرح) صبح کی روشنی پھیلتی جاتی ہے منقطع نہیں ہوتی (اس طرح جنت کی روشنی روبترقی ہوگی منقطع نہیں ہوگی)۔ (تفسیر مظہری)

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ

اور جھک رہیں اُن پر اس کی چھائیں اور پست کر رکھے ہیں

قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿۱۴﴾

اُس کے گچھے لٹکا کر ☆

باغات: یعنی درختوں کی شاخیں مع اپنے پھول پھل وغیرہ کے ان پر جھکی پڑتی ہونگی اور پھلوں کے خوشے ایسی طرح لٹکے ہونگے اور انکے قبضہ میں کر دیئے جائینگے کہ جنتی جس حالت میں چاہے کھڑے بیٹھے لیٹے بے تکلف چن سکے (تنبیہ) شاید درختوں کی شاخوں کو یہاں "ظلال" سے تعبیر فرمایا ہے یا واقعی سایہ ہو۔ کیونکہ آفتاب کی دھوپ نہ سہی کوئی دوسری قسم کا نور تو وہاں ضرور ہوگا۔ اس کے سایہ میں بہشتی تفنن و تفریح کی غرض سے کبھی بیٹھنا چاہیں گے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

قطوف سے مراد ہیں پھل یعنی جنت کے پھل بڑے سہل الحصول ہوں گے، اہل جنت جس طرح چاہیں گے توڑیں گے کسی طرح کی کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جنتی جنت کے پھل چاہیں گے (توڑ کر) کھائیں گے، کھڑے ہوکر، بیٹھ کر، لیٹ کر۔ (بیہقی اور سعید بن منصور) (تفسیر مظہری)

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ

اور لوگ لئے پھرتے ہیں اُن کے پاس برتن چاندی کے

فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا ﴿۱۵﴾

اور آبخورے جو ہو رہے ہیں شیشے کے

قَوَارِيْرَاْ مِنْ فِضَّةٍ

شیشے ہیں چاندی کے ☆

جنت کے برتن:

یعنی آبخورے اصل میں چاندی کے بنے ہونگے نہایت سفید، بے داغ اور فرحت بخش لیکن صاف وشفاف اور چمکدار ہونے میں شیشے کی طرح معلوم ہونگے ان کے اندر کی چیز باہر سے صاف نظر آئیگی۔ (تفسیر عثمانی)

ابن جریر نے بسند عوفی حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ چاندی کے برتن ہیں، جن کی صفائی شیشوں کی طرح ہے۔ سعید بن مسعود بن عبدالرزاق نے اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر دنیا کی چاندی لے کر تم اس کا باریک ورق مکھی کے پر کی طرح بھی بنالو تب بھی دوسری طرف کا پانی اس میں سے نظر نہیں آئے گا، لیکن جنت کے برتن کی سفیدی مثل چاندی کے اور صفائی شیشوں کی طرح ہوگی۔

قَوَارِيْرَاْ اول قواریر سے بدل ہے، ابن ابی حاتم کی روایت ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جنت میں کوئی ایسی چیز نہیں کہ تم کو دنیا میں اس کے مشابہ چیز نہیں دی گئی ہو جنت کے قَوَارِيْرَاْ مِنْ فِضَّةٍ کے مشابہ دنیاوی قواریر ہیں، کلبی کا قول ہے کہ اللہ نے ہر قوم کے بلوری برتن انہی کے ملک کی مٹی سے پیدا کیے اور جنت کی زمین چاندی کی ہے اس لئے وہاں کے چاندی کے بلوری برتن ہوں گے جن سے اہل جنت پئیں گے۔ (تفسیر مظہری)

قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿١٦﴾

ماپ رکھا ہے اُن کا ماپ ☆

برتنوں کی مقدار:

یعنی جنتی کو جس قدر پینے کی خواہش ہوگی ٹھیک اس کے اندازے کے موافق بھرے ہونگے کہ نہ کمی رہے نہ بچے یا بہشتیوں نے اپنے دل سے جیسے اندازہ کرلیا ہوگا بلاکم وکاست اسی کے موافق آئینگے۔ (تفسیر عثمانی)

شیخ اجل مولانا ایوب کرخیؒ نے فرمایا کہ شاید اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ ارواح میں معرفت الٰہی کی جتنی استعداد ہوگی اسی کی مقدار کے موافق کوزوں کی مقدار ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ﴿١٧﴾

اور اُن کو وہاں پلاتے ہیں پیالے جس کی ملونی ہے سونٹھ ☆

مشروبِ جنت:

یعنی ایک جام شراب وہ تھا جس کی ملونی کافور ہے دوسرا وہ ہوگا جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی۔ مگر یہ دنیا کی سونٹھ نہ سمجھیے وہ ایک چشمہ ہے جنت میں جس کو سلسبیل کہتے ہیں۔ سونٹھ کی تاثیر گرم ہے اور وہ حرارتِ غریزیہ میں انتعاش پیدا کرتی ہے۔ عرب کے لوگ اس کو بہت پسند کرتے تھے۔ بہر حال کسی خاص مناسبت سے اس چشمہ کو زنجبیل کا چشمہ کہتے ہیں۔ ابرار کے پیالہ میں اس کی تھوڑی سے آمیزش کی جائیگی۔ اصل میں وہ چشمہ بڑے عالی مقام مقربین کے لیے ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے جنت کی جن چیزوں کا تذکرہ قرآن میں کیا ہے اور جو نام ذکر کیے ہیں ان کی مثال دنیا میں نہیں۔ بعض کا قول ہے کہ زنجبیل جنت کے ایک چشمہ کا نام ہے جس کے پانی میں سونٹھ کا مزہ ہوگا۔ قتادہ نے کہا کہ جنتی چشمہ کا پانی اہل قربت کو بغیر آمیزش کے ملے گا اور اہل جنت کو آمیزش کے بعد۔

میں کہتا ہوں کہ اللہ نے کَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا بھی فرمایا اور كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا بھی فرمایا کہ اختلاف پینے والوں کی طبعی خواہش کے پیش نظر ہوگا گرم مزاج والوں کو مشروب کی خنکی پسند ہوتی ہے ان کو ایسی شراب پسند ہوتی ہے جس میں کافور کی آمیزش ہو اور سرد مزاج والوں کو گرم مشروب پسند ہوتا ہے اس لئے ان کو ایسا مشروب مرغوب ہوتا ہے جس میں سونٹھ کی آمیزش ہو ہر شخص کی رغبت کی خاطر۔ (تفسیر مظہری)

عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿١٨﴾

ایک چشمہ ہے اُس کا نام کہتے ہیں سلسبیل ☆

اس نام کے معنی ہیں پانی صاف بہتا ہوا۔ کذافی الموضح۔ (تفسیر عثمانی)

مقاتل اور ابوالعالیہ نے کہا کہ وہ چشمہ اہل جنت کے راستے میں اور ان کے گھروں میں رواں ہوگا۔ زیر عرش سے جنت عدن کے اندر سے پھوٹ کر نکلے گا اور جنت والوں تک پہنچے گا جنت کی شراب میں کافور کی خنکی، سونٹھ کا مزہ اور مشک کی خوشبو ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ

اور پھرتے ہیں اُن کے پاس لڑکے سدار ہنے والے ☆

خُدَّام: یعنی ہمیشہ لڑکے رہیں گے یا جنتیوں سے کبھی چھینے نہ جائینگے۔ (تفسیر عثمانی)

اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿١٩﴾

جب تو ان کو دیکھے خیال کرے کہ موتی ہیں بکھرے ہوئے ☆

یعنی اپنے حسن وجمال صفائی اور آب وتاب میں ادھر ادھر پھرتے ہوئے ایسے خوش منظر معلوم ہونگے گویا بہت سے چمکدار خوبصورت موتی زمین پر بکھیر دیے گئے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن مبارک اور ہناد اور بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ادنیٰ جنتی وہ ہوگا کہ جس کی خدمت میں ایک ہزار خادم لگے ہوں گے اور ہر خادم کا کام دوسرے خادم کے کام سے جدا ہوگا۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ ابن ابی الدنیا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے کم درجہ کے جنتی کے سر کے پیچھے دس ہزار خادم (خدمت کے لئے) کھڑے ہوں گے۔ ابن ابی الدنیا نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ سب سے کم مرتبہ والا جنتی وہ ہوگا جس کے پاس خدمت کے لئے صبح وشام پانچ ہزار خادم آئیں گے اور ہر خادم کے پاس (کھلانے، پلانے کے لئے ایسا) برتن ہوگا جو دوسرے خادم کے پاس نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

آئندہ آیت کا شان نزول:

ابن المنذر رضی اللہ عنہ نے بروایت عکرمہ بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کی ٹہنیوں کی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے اور پہلو پر نشان پڑ گئے تھے، یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو دیئے، ارشاد فرمایا کہ کیوں روتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسریٰ اور اس کی حکومت، ہرمز اور اس کی حکومت، شاہ حبشہ اور اس کی حکومت کا ذکر کیا اور عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور کھجور کی ٹہنیوں کی چٹائی پر تشریف فرما ہیں۔ فرمایا کہ کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ ان کے لئے دنیا ہے اور ہمارے لئے آخرت۔ اس پر اللہ نے مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَّمُلْكًا كَبِيرًا ۝

اور جب تو دیکھے وہاں تو دیکھے نعمت اور سلطنت بڑی ☆

عظیم بادشاہت:

یعنی جنت کا حال کیا کہا جائے کوئی دیکھے تو معلوم ہو کہ کیسی عظیم الشان نعمت اور کتنی بھاری بادشاہت ہے جو ادنیٰ ترین جنتی کو نصیب ہوگی۔ رزقنا اللہ منہا بمنہ وفضلہ۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ کم ترین مرتبہ والا جنتی وہ ہوگا جو اپنے باغات کو، بیویوں کو، خادموں کو اور تختوں (مسہریوں) کو ہزار برس (اور ایک روایت میں ہے کہ دو ہزار برس) کی راہ کی مسافت سے دیکھے گا اور اس کو (اپنی حدود کا) آخری کنارہ اس طرح نظر آئے گا جس طرح قریب ترین حصہ نظر آئے گا مُلْكًا كَبِيرًا کی تشریح میں کہا گیا ہے، لازوال حکومت ہوگی فرشتے آ کر سلام کریں گے اور باریابی کی اجازت کے خواستگار ہوں گے، جنت کے اندر اہل جنت کو وہ سب کچھ ملے گا جو ان کی خواہش ہوگی۔ رب جلیل کو بھی دیکھیں گے۔ (تفسیر مظہری)

طبرانی کی ایک بہت ہی غریب حدیث میں وارد ہے کہ ایک حبشی دربار رسالت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں جو کچھ پوچھنا ہو اور جس بات کو سمجھنا ہو پوچھ لو، اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صورت و شکل میں رنگ و روپ میں نبوت و رسالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم پر فضیلت دی گئی، اب تو یہ فرمایئے کہ اگر میں بھی ان چیزوں پر ایمان لاؤں جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان لائے ہیں اور جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمل کرتے ہیں میں بھی اگر ان پر عمل کروں تو کیا جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں قسم ہے اس اللہ تعالیٰ کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ سیاہ رنگ لوگوں کو جنت میں وہ سفید رنگ دیا جائے گا جو ایک ہزار سال کے فاصلے سے دکھائی دے گا پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الخ کہے اس کے لئے خدا کے پاس عہد مقرر ہو جاتا ہے اور جو شخص سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ کہے اس کیلئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ تو ایک شخص نے کہا پھر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کیسے ہلاک ہو جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنو ایک شخص اتنی نیکیاں لائے گا کہ اگر کسی بڑے پہاڑ پر رکھی جائیں تو اس پر بوجھل پڑیں لیکن پھر جو خدا کی نعمتیں اس کے مقابل آئیں گی تو قریب ہوگا کہ سب فنا ہو جائیں مگر یہ اور بات ہے کہ رحمت رب توجہ فرمائے، اس وقت یہ سورت مُلْكًا كَبِيرًا تک اتری تو اسی حبشی شخص نے کہا کہ اے حضور صلی اللہ علیہ وسلم! جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں جنت میں دیکھیں گی کیا میری آنکھیں بھی دیکھیں گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ہاں۔ پس وہ رونے لگا یہاں تک کہ اس کی روح پرواز کر گئی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک سے اسے دفن کیا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

جیسے امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اہل جنت، جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو انہیں دو نہریں نظر آئیں گی اور انہیں از خود خیال پیدا ہوگا، ایک کا وہ پانی پئیں گے تو ان کے دلوں میں جو کچھ تھا سب دور ہو جائے گا، دوسرے میں غسل کریں گے جس سے چہرے ترو تازہ، ہشاش بشاش ہو جائیں گے، ظاہری و باطنی دونوں خوبیاں انہیں بدرجہ کمال حاصل ہوں گی۔ (تفسیر ابن کثیر)

عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ

اوپر کی پوشاک اُن کی کپڑے ہیں

خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ

باریک ریشم کے سبز اور گاڑھے ☆

جنت کا لباس:

یعنی باریک اور دبیز دونوں قسم کے ریشم کے لباس جنتیوں کو ملیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنتیوں کے کپڑوں کے متعلق ارشاد فرمایئے کیا وہ کوئی پیدا ہونے والی چیز ہے جس کی تخلیق کی جائے گی یا بننے والی چیز ہے جس کو بنا جائے گا فرمایا نہیں۔ وہ ایسی چیز ہے جو جنت سے پھوٹ کر نکلے گی وہ جنت کا ایک پھل ہے۔ (رواہ النسائی والبزار والبیہقی بسند جید)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جنت میں ایک درخت سے سندس پیدا ہوگا جس سے اہل جنت کپڑے (تیار) ہوں گے (رواہ البزار والطبرانی وابویعلی بسند صحیح)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس (مرد) نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں نہ پہنے گا۔ (بخاری ومسلم)

نسائی وحاکم نے یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی بیان کی ہے اس میں اتنا زائد ہے کہ جس نے دنیا میں شراب پی وہ آخرت میں نہیں پیئے گا اور جس نے سونے چاندی کے برتنوں میں دنیا میں کچھ کھایا پیا وہ آخرت میں سونے چاندی کے برتنوں میں پینے سے محروم رہے گا۔ صحیحین میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کی طرح حضرت انس اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما اجمعین سے بھی حدیث مروی ہے اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی روایت آئی ہے مگر اس روایت میں اتنا زائد ہے اگر وہ جنت میں داخل ہو بھی جائے گا تو ریشم تب بھی نہیں پہنے گا۔ ابوداؤد نے صحیح سند سے اس کو بیان کیا ہے نسائی ابن حبان اور حاکم بھی اس کے ناقل ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ

اور اُن کو پہنائے جائیں گے کنگن چاندی کے ☆

زیور: اس سورت میں تین جگہ چاندی کے برتنوں اور زیور وغیرہ کا ذکر آیا ہے۔ دوسری جگہ سونے کے بیان کیے گئے ہیں۔ ممکن ہے یہ بھی ہوں اور وہ بھی' کسی کو یہ ملیں' کسی کو وہ۔ یا کبھی یہ کبھی وہ۔ (تفسیر عثمانی)

ابوالشیخ نے العظمۃ میں کعب احبار کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ کا ایک فرشتہ اہل جنت کے لئے زیور آغاز آفرینش سے بنا رہا ہے اور قیامت بپا ہونے تک بناتا رہے گا اور اہل جنت کا کوئی ایک زیور بھی نمودار ہو جائے تو سورج کی روشنی (پر غالب آجائے) جاتی رہے۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کے (ہاتھ کے) زیور وہاں تک پہنچیں گے جہاں تک وضو کا پانی پہنچے گا (یا پہنچتا ہے) نسائی اور حاکم نے عقبہ بن عامرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اگر تم جنت کا زیور اور ریشمی لباس پسند کرتے ہو تو دنیا میں اس کو نہ پہنو۔ (تفسیر مظہری)

دنیا میں ملوک کسریٰ ہاتھوں میں کنگن اور سینے اور تاج میں زیورات استعمال کرتے تھے اور یہ ان کا خاص امتیاز و اعزاز سمجھا جاتا تھا، ملک کسریٰ فتح ہونے کے بعد جو خزائن کسریٰ مسلمانوں کو ہاتھ آئے ان میں کسریٰ کے کنگن بھی تھے۔ جب دنیا کے مختلف ملکوں اور قوموں کے معمولی جغرافیائی اور قومی تفاوت سے یہ معاملہ مختلف ہو سکتا ہے تو جنت کو دنیا پر قیاس کرنے سے کوئی معنی نہیں ہو سکتا ہے کہ وہاں پر زیور مردوں کے لئے بھی مستحسن سمجھا جائے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿۲۱﴾

اور پلائے ان کو اُن کا رب شراب جو پاک کرے دل کو ☆

شراب طہور:

یعنی سب نعمتوں کے بعد شراب طہور کا ایک جام محبوب حقیقی کی طرف سے ملے گا' جس میں نہ نجاست ہوگی نہ کدورت' نہ سرگرانی' نہ بدبو' اس کے پینے سے دل پاک اور پیٹ صاف ہو نگے، پینے کے بعد بدن سے پسینہ نکلے گا جس کی خوشبو مشک کی طرح مہکنے والی ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

تمام گندگیوں سے اور ہاتھ کے چھونے سے پاک۔ ابوقلابہ اور ابراہیم کا قول ہے کہ جنت کی شراب اہل جنت کی بدن میں ناپاک پیشاب نہیں بن جائے گی بلکہ پسینہ بن جائے گی جس کی خوشبو مشک کی طرح ہوگی۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ پہلے کھانا دیا جائے گا پھر شراب طہور دی جائے گی شراب پینے سے ان کے پیٹ پاک ہو جائیں گے اور جو کچھ کھایا ہوگا وہ پسینہ بن کر جلد بدن سے خارج ہو جائے گا جس کی خوشبو خالص مشک جیسی ہوگی (پسینہ آنے کے بعد) پھر کھانے کی خواہش لوٹ آئے گی۔

مقاتل نے کہا جنت کے دروازہ پر پانی کے ایک چشمہ کا نام طہور ہے۔ جو شخص اس کا پانی پیئے گا۔ اللہ اس کے دل سے ہر طرح کا کینہ اور حسد نکال دے گا۔

بیضاوی نے کہا ان اقوال سے بہتر وہ قول ہے کہ جس میں کہا گیا ہے کہ یہاں شراب کی ایک اور خاص قسم مراد ہے جو دونوں مذکورہ اقسام سے اعلیٰ ہے اسی کو عطاء فرمانے کی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی ہے اور اسی کو طہور فرمایا ہے کیونکہ اس کو پینے والا تمام حسی لذتوں کی طرف میلان اور غیر اللہ کی رغبت سے پاک ہو جاتا ہے۔ صرف جمال ذات کا معائنہ کرتا اور دیدار الٰہی سے لذت اندوز ہوتا ہے یہ درجہ ثواب ابرار کا آخری درجہ اور صدیقین کے ثواب کا ابتدائی مرتبہ اور مبدا ہے۔ صاحب مدارک نے۔ اور کہیں گے درمیانی وسائل سے تو ہم مدت دراز سے لیتے رہے ہیں۔ (اب تو براہ راست لیں گے) اچانک غیب سے بغیر ہاتھوں کے وساطت کے پیالے منہ کو لگ جائیں گے۔ اس قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ جو ابن ابی الدنیا نے جید سند کے ساتھ نقل کی ہے۔

کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جنتی آدمی شراب کی خواہش کرے گا۔ شراب فوراً اس کے ہاتھ میں آجائیگی۔ وہ پی لے گا۔ پینے کے بعد پیالہ لوٹ کر اپنی جگہ چلا جائے گا۔ شیخ ایوب کرخیؒ نے فرمایا کہ سابقین کو زیرین عرش سے بغیر کسی درمیانی ذریعہ کے شراب ملے گی۔ اور درمیانی درجہ والوں کو یعنی ابرار کو فرشتے دیں گے۔ باقی اہل جنت کو یعنی ان لوگوں کو جو گناہوں کی بخشش کے بعد یا سزا بھگتنے کے بعد جنت میں داخل ہوئے۔ غلمان شراب پیش کریں گے۔ میں کہتا ہوں ان آیات میں ابرار کے احوال کا تذکرہ ہے اس لیے ممکن ہے کہ کبھی ان کے غلمان کے ذریعہ سے کبھی ملائکہ کے ذریعہ سے اور کبھی بغیر کسی ذریعہ کے شراب دی جائے۔ البتہ اہل قرابت کو اکثر بغیر واسطہ کے دی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً
یہ ہے تمہارا بدلہ اور
وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾
کمائی تمہاری ٹھکانے لگی ☆

اعمال کی قدردانی:

یعنی مزید اعزاز و اکرام اور تطییب قلوب کے لیے کہا جائیگا کہ یہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے۔ تمہاری کوشش مقبول ہوئی اور محنت ٹھکانے لگی۔ اس کو سنکر جنتی اور زیادہ خوش ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

یہ قول گویا ان کے حسن اعمال کا شکر یہ ہوگا۔ کیونکہ وہ یتیموں اور مسکینوں سے شکر یہ کے طالب نہیں تھے۔ میں کہتا ہوں اللہ نے اپنی مہربانی سے جنت کی نعمتوں کو ابرار کے اعمال کی جزاء قرار دیا ورنہ آدمی کا کونسا عمل اس قابل ہو سکتا ہے کہ اس کی جزاء جنت ہو۔ یعنی کوئی نیکی جنت کا مستحق نہیں بنا سکتی نہ خدا پر لازم ہے کہ وہ نیکوں کو جنت عطاء فرمائے بلکہ اس نے اپنی مہربانی سے نیکی کے عوض جنت دینے کا وعدہ فرمالیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿۲۳﴾
ہم نے اتارا تجھ پر قرآن سج سج اتارنا
فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ
سو تو انتظار کر اپنے رب کے حکم کا ☆

فیصلہ کا انتظار کریں:

تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل مضبوط رہے اور لوگ بھی آہستہ آہستہ اپنے نیک و بد کو سمجھ لیں اور معلوم کرلیں کہ جنت کن اعمال کی بدولت ملتی ہے اگر اس طرح سمجھانے پر بھی نہ مانیں اور اپنی ضد وعناد ہی قائم رہیں تو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر برابر جمے رہیئے اور آخری فیصلہ کا انتظار کیجئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾
اور کہنا مت مان اُن میں سے کسی گنہگار کا یا ناشکر کا ☆

عتبہ اور ولید وغیرہ کفار قریش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیوی لالچ دے کر اور چکنی چپڑی باتیں بنا کر چاہتے تھے کہ فرض تبلیغ ودعوت سے باز رکھیں۔ اللہ نے متنبہ فرمادیا کہ آپ ان میں سے کسی کی بات نہ مانیں۔ کیونکہ کسی گنہگار فاسق یا ناشکر کافر کا کہا ماننے سے نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ ایسے شریروں اور بدبختوں کی بات پر کان دھرنا نہیں چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

مقاتل نے کہا کہ آثم سے مراد ہے عتبہ بن ربیعہ اور کفور سے مراد ہے ولید بن مغیرہ۔ دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا۔ کہ جو کچھ تم کر رہے ہو۔ اگر عورتوں کے اور مال کے لیے کر رہے ہو۔ تو اس سے باز آ جاؤ عتبہ نے کہا میں اپنی بیٹی کا نکاح بغیر مہر کے کردوں گا۔ اور ولید نے کہا میں تم کو تمہاری پسند کے موافق مال دوں گا۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت کعب بن عجرہؓ سے آپ نے فرمایا خدا تجھے بے وقوفوں کی سرداری سے بچائے۔ حضرت کعب نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا ہے فرمایا وہ میرے بعد کے سردار ہوں گے جو میری سنتوں پر نہ عمل کریں گے۔ نہ میرے طریقہ پر چلیں گے پس جو لوگ ان کے جھوٹ کی تصدیق کریں گے۔ اور ان کے ظلم کی امداد کریں گے۔ نہ وہ میرے ہیں اور نہ میں ان کا ہوں۔ یاد رکھو وہ میرے حوض کوثر پر بھی نہیں آ سکتے اور جو ان کے جھوٹ کو سچا نہ کرے۔ اور ان کے ظلموں میں ان کا مددگار نہ بنے، وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں یہ لوگ میرے حوض کوثر پر مجھ سے ملیں گے۔ اے کعب! روزہ ڈھال ہے اور صدقہ خطاؤں کو مٹا دیتا ہے اور نماز قرب خدا کا سبب ہے۔ یا فرمایا کہ دلیل نجات ہے۔ اے کعب وہ گوشت پوست جنت میں نہیں جا سکتا جو حرام سے پلا ہوا ہو۔ وہ تو جہنم میں ہی جانے کے قابل ہے۔ اے کعب! لوگ ہر صبح اپنے نفس کی خرید و فروخت کرتے ہیں کوئی تو اسے آزاد کرالیتا ہے اور کوئی ہلاک کر گذرتا ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جو نکلنے والا نکلتا ہے اس کے دروازے پر دو جھنڈے ہوتے ہیں ایک فرشتے کے ہاتھ میں دوسرا شیطان کے ہاتھ میں پس اگر وہ اس کام کے لیے نکلا ہے جو خدا کی مرضی کا کام ہے تو فرشتہ اپنا جھنڈا لیے ہوئے اس کے ساتھ ہو لیتا ہے۔ اور یہ واپسی تک فرشتہ کے جھنڈے تلے رہتا ہے اور اگر یہ خدا کی ناراضگی کے کام کے لیے نکلا ہے۔ تو شیطان اپنا جھنڈا لئے اس کے ساتھ ہو لیتا ہے اور واپسی تک شیطانی جھنڈے تلے رہتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۲۵﴾

اور لیتا رہ نام اپنے رب کا صبح اور شام ☆

یعنی ہمہ وقت اس کو یاد رکھو خصوصاً ان دو وقتوں میں۔ سب خرخشوں کا علاج یہی ذکر خدا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

صاحب نماز کا ہر عمل اور ہر قول ذکر ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس نماز میں کوئی حصہ انسانی کلام کا نہیں یہ صرف تسبیح تکبیر اور قراءت قرآن ہے۔ (رواہ مسلم من حدیث معاویۃ بن الحکم)

وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ

اور کسی وقت رات کو سجدہ کر اس کو ☆

یعنی نماز پڑھ، شاید مغرب وعشاء مراد ہو یا تہجد۔ (تفسیر عثمانی)

سجدہ سے مراد نماز ہے اور اس سے مغرب اور عشاء کی نمازیں مراد ہیں چونکہ رات کی نمازوں میں تکلیف زیادہ برداشت کرنی ہوتی ہے اس لیے من الیل کو فاسجد سے پہلے ذکر کیا ہے۔

وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿۲۶﴾

اور پاکی بول اس کی بڑی رات تک ☆

اگر "وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ" سے تہجد مراد لیا جائے تو یہاں تسبیح سے اس کے معنی متبادر مراد لینگے۔ یعنی شب کو تہجد کے علاوہ بہت زیادہ تسبیح وتہلیل میں مشغول رہے اور اگر پہلے مغرب وعشاء مراد تھی تو یہاں تسبیح سے تہجد مراد لے سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ

یہ لوگ چاہتے ہیں جلدی ملنے والے کو اور چھوڑ رکھا ہے

وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿۲۷﴾

اپنے پیچھے ایک بھاری دن کو ☆

حب دنیا کے مریض:

یعنی یہ لوگ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت وہدایت قبول نہیں کرتے اس کا سبب حب دنیا ہے۔ دنیا چونکہ جلد ہاتھ آنیوالی چیز ہے اسی کو یہ چاہتے ہیں اور قیامت کے بھاری دن سے غفلت میں ہیں۔ اس کی کچھ فکر نہیں۔ بلکہ اس کے آنے کا یقین بھی نہیں۔ سمجھتے ہیں کہ مرکر جب گل سڑ گئے پھر کون دوبارہ ہم کو ایسا ہی بنا کر کھڑا کر دیگا؟ آگے اس کا جواب دیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ

ہم نے ان کو بنایا اور مضبوط کیا ان کی جوڑ بندی کو

وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿۲۸﴾

اور جب ہم چاہیں بدل لائیں ان جیسے لوگ بدل کر ☆

ہم منکروں سے نمٹ سکتے ہیں:

یعنی اول پیدا ہم نے کیا اور سب جوڑ بند درست کیے آج ہماری وہ قدرت سلب نہیں ہوگئی ہم جب چاہیں ان کی موجودہ ہستی کو ختم کر کے دوبارہ ایسی ہی ہستی بنا کر کھڑی دیں یا یہ مطلب ہے کہ وہ لوگ نہ مانیں گے تو ہم قادر ہیں کہ جب چاہیں انکی جگہ دوسرے ایسے ہی آدمی لے آئیں جو ان کی طرح سرکش نہ ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

انسان اپنے ہاتھ کی انگلیوں کے جوڑوں کو دیکھے اور حساب لگائے کہ عمر بھر میں ان جوڑوں نے کتنی حرکتیں کی ہیں۔ کیسے کیسے زور اور دباؤ ان پر ڈالے گئے۔ کہ اگر فولاد بھی ہوتا تو گھس گیا ہوتا۔ مگر یہ جوڑ ہیں جو ستر اسی سال چلنے پر بھی اپنی جگہ قائم ہیں۔ تَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ

یہ تو نصیحت ہے پھر جو کوئی چاہے

اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۲۹﴾

کر رکھے اپنے رب تک راہ ☆

آپ کا کام نصیحت ہے:

یعنی جبر وزور سے منوا دینا آپ کا کام نہیں۔ قرآن کے ذریعہ نصیحت کر دیجئے آگے ہر ایک کو اختیار ہے جس کا جی چاہے اپنے رب کی خوشنودی تک پہنچنے کا راستہ بنا رکھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ

اور تم نہیں چاہو گے مگر جو چاہے اللہ

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۳۰﴾

بیشک اللہ ہے سب کچھ جاننے والا حکمتوں والا ☆

اللہ کی چاہت اصل ہے:

یعنی تمہارا چاہنا اللہ کے چاہے بدون نہیں ہوسکتا کیونکہ بندہ کی مشیت اللہ کے مشیت کے تابع ہے وہ جانتا ہے کہ کس کی استعداد وقابلیت کس قسم کی ہے اس کے موافق اس کی مشیت کام کرتی ہے پھر وہ جس کو اپنی مشیت سے راہ راست پر لائے اور جس کو گمراہی میں پڑا چھوڑ دے عین صواب وحکمت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اے لوگو! یا اے کافرو! تمہاری مشیت راہ خدا پر چلنے کے متعلق ہو یا کسی اور چیز کے متعلق کسی وقت بھی اس کا وجود نہیں ہو سکتا مگر اسی وقت تمہاری مشیت کا وجود ہوگا جب خدا کی مشیت تمہاری مشیت کے وجود کی ہو۔ (یعنی تمہاری مشیت خود بخود پیدا نہیں ہو سکتی تمہاری مشیت کی ہستی اور تخلیق اللہ کی مشیت پر موقوف ہے)۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمام بنی آدم کے دل ایک دل کی طرح رحمٰن کی چٹکی میں ہیں جس طرح چاہتا ہے اس کو پھیر دیتا ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ! اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنی اطاعت پر موڑ دے (مسلم)

چونکہ مومنوں کو ہدایت یاب کرنے کی اللہ کی مشیت تھی۔ اس لیے اس کی مشیت کے موافق اہل ایمان نے اس کی راہ اختیار کی اور کافروں کو ہدایت یاب کرنے کی مرضی نہ تھی اس لیے کافروں کو راہ حق پر چلانا نہ چاہا۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا. اللہ ہر شخص کی اہلیت سے بخوبی واقف ہے اس لیے ہر شخص کو وہی دیتا ہے جس کا وہ اہل ہوتا ہے یہ آیت چاہتی ہے کہ انسانوں میں خیر و شر کی قابلیت پہلے سے ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تعین مومن کا مبداء اللہ کا اسم ہادی ہے اور تعین کافر کا مبداء اللہ کا اسم مضل۔ حَكِيْمًا۔ اللہ حکیم ہے تقاضائے حکمت کے مطابق اس کی مشیت ہوتی ہے۔

يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ
داخل کر لے جس کو چاہے اپنی رحمت میں ☆
وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۟
اور جو گنہگار ہیں تیار ہے ان کے واسطے عذاب دردناک

یعنی جن کی استعداد اچھی ہوگی ان کو نیکی پر چلنے کی توفیق دیگا۔ اور اپنی رحمت وفضل کا مستوجب بنائیگا۔ تم سورۃ الدہر وللہ الحمد والمنۃ۔ (تفسیر عثمانی)

اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنی جنت میں داخل کرتا ہے رحمت سے مراد ہے جنت کیونکہ آخرت میں جنت ہی محل رحمت ہے۔ رحمت میں داخل کرنے کی مشیت اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ دل میں ایمان اور یقین ڈال دیتا ہے۔ اور سر میں اپنی محبت پیدا کر دیتا ہے اور اطاعت کی توفیق دے دیتا ہے اور اطاعت پر قائم رکھتا ہے اور کفر و معصیت سے نفرت پیدا کر دیتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

سورۃ المرسلات

خواب میں پڑھنے والا دلیل ہے کہ جھوٹ سے توبہ کرے گا۔ (تعبیر الرؤیا)
سورہ مرسلات مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی پچاس آیتیں اور دو رکوع۔

سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسُوْنَ اٰيَةً فِيْهَا رُكُوْعَانِ
سورہ مرسلات مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی پچاس آیتیں ہیں اور دو رکوع
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۙ۝۱
قسم ہے چلتی ہواؤں کی دل کو خوش آتی،
فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۙ۝۲
پھر جھونکا دینے والیوں کی زور سے ☆

دنیا و آخرت کی مثال:

یعنی اول ہوا نرم اور خوشگوار چلتی ہے جس سے مخلوق کی بہت سے توقعات اور منافع وابستہ ہوتے ہیں پھر کچھ دیر بعد وہی ہوا ایک تند آندھی اور طوفانی جھکڑ کی شکل اختیار کر کے وہ خرابی اور غضب ڈھاتی ہے کہ لوگ بلبلا اٹھتے ہیں۔ یہی مثال دآخرت کی سمجھو کتنے ہی کام ہیں جن کو لوگ فی الحال مفید اور نافع تصور کرتے ہیں اور ان پر بڑی بڑی امیدیں باندھتے ہیں۔ لیکن وہی کام جب قیامت کے دن اپنی اصلی اور سخت ترین خوفناک صورت میں ظاہر ہونے لگے تو لوگ پناہ مانگنے لگیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

سورۃ کا نزول:

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ کے ایک غار میں تھے۔ اچانک سورہ مرسلات نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پڑھتے جاتے تھے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ مبارک سے اس کو سنتا یاد کرتا جاتا تھا۔ اور آپ کا دہن مبارک اس سورۃ کی حلاوت سے رطب (شاداب) ہو رہا تھا اچانک ایک سانپ نے ہم پر حملہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم دیا، ہم اس کی طرف جھپٹے وہ نکل بھاگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ جس طرح تم اس کے شر سے محفوظ رہے وہ بھی تمہارے شر سے محفوظ ہو گیا۔ (ابن کثیر، معارف مفتی اعظم)

مغرب کی نماز میں:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی والدہ صاحبہ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز مغرب میں اس سورت کی قراءت کرتے ہوئے سنا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اس سورت کو پڑھتے سن کر ام الفضل رضی اللہ عنہا نے فرمایا پیارے بچے آج تو تم نے یاد دلا دیا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اس سورت کو مغرب کی نماز میں پڑھتے ہوئے آخری مرتبہ سنا ہے۔ (مسند احمد وصحیحین) (تفسیر ابن کثیر)

وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۙ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۙ

پھر اُبھارنے والیوں کی اٹھا کر پھر پھاڑنے والیوں کی بانٹ کر ☆

آخرت کا نمونہ:

یعنی ان ہواؤں کی قسم جو بخارات وغیرہ کو اٹھا کر اوپر لے جاتی ہیں اور ابر کو ابھار کر جو میں پھیلا دیتی ہیں پھر جہاں جہاں پہنچانا ہے اللہ کے حکم سے اس کے حصے کر کے بانٹتی ہیں اور بارش کے بعد بادلوں کو پھاڑ کر ادھر ادھر متفرق کرتی ہیں اور کچھ ابر کے ساتھ مخصوص نہیں، ہوا کی عام خاصیت یہ ہے کہ اشیاء کی کیفیات مثلاً خوشبو بدبو وغیرہ کو پھیلائے ان کے لطیف اجزا کو جدا کر کے لے اڑے اور ایک چیز کو اٹھا کر دوسری چیز سے جا ملائے۔ غرض یہ جمع وتفریق جو ہوا کا خاصہ ہے ایک نمونہ ہے آخرت کا' جہاں حشر ونشر کے بعد لوگ جدا کیے جائیں گے اور ایک جگہ جمع ہونے کے بعد الگ الگ ٹھکانوں پر پہنچا دیئے جائیں گے "هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ"۔ (تفسیر عثمانی)

فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۙ

پھر فرشتوں کی جو اُتار کر لائیں وحی ☆

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے "فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا" سے بھی ہوائیں مراد لی ہیں کیونکہ وحی کی آواز کا لوگوں کے کانوں تک پہنچنا بھی ہوا کے ذریعہ سے ہے (تنبیہ) "اَلْمُرْسَلٰتِ" "اَلْعَاصِفَاتِ" "اَلنّٰشِرَاتِ" "اَلْفَارِقَاتِ" "اَلْمُلْقِيَاتِ" پانچوں کا مصداق کسی نے ہواؤں کو ٹھہرایا ہے، کسی نے فرشتوں کو، کسی نے پیغمبروں کو اور بعض مفسرین نے پہلی چار سے ہوائیں مراد لی ہیں اور پانچویں سے فرشتے جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے۔ اور بھی اقوال ہیں جن سب کی تفصیل روح المعانی میں ملے گی۔ (تفسیر عثمانی)

اور اللہ کے احکامات کو زمین پر پھیلاتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے کتابیں اتارتے اور پھیلاتے ہیں اور ان احکام کے ذریعہ سے ان مردہ نفوس کو جو جہالت کی وجہ سے مر چکے ہوتے ہیں زندہ کر دیتے ہیں فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا اور حق اور باطل میں تفریق کر دیتے ہیں۔ فالملقیات ذکرًا اور انبیاء کے دلوں میں وحی کا القاء کرتے ہیں یا مومنوں کے دلوں میں ذکر خدا سے یقین پیدا کرتے ہیں۔

فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا دلوں میں پیدا کرنے والیاں۔ ہوش مند جب ہوا کی رفتار دیکھتا ہے اور اس کے اٹھان کا مشاہدہ کرتا ہے تو اللہ کا ذکر کرتا ہے اور اس کے کمال قدرت کا اعتراف کرتا ہے لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد بارش کی نعمت کا شکر ادا کرتا ہے۔ اسی طرح ہوائیں ذکر الٰہی کا سبب بن جاتی ہیں۔

یہ بھی احتمال ہے کہ آیات قرآن مراد ہوں آیات قرآن ہر امر معروف کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجی گئیں العاصفات گذشتہ کتابوں اور ملتوں کو ان آیات نے منسوخ کر دیا گویا اڑا دیا الناشرات مشرق ومغرب میں ہدایت کے آثار پھیلائے۔ الفارقات حق وباطل میں امتیاز کر دیا گیا۔ الملقیات اللہ کی یاد کل جہاں میں پیدا کر دی۔

یا نفوس انبیاء مراد ہیں جن کو مخلوق کی ہدایت رہنمائی اور احکام پہنچانے کے لیے بھیجا گیا۔ العاصفات نفوس انبیاء نے امتثال مامورات اور اجتناب ممنوعات میں جلدی کی الناشرات اور ہدایت کو پھیلایا الفارقات اور حق کو باطل سے جدا کیا فالملقیات اور اللہ کی یاد امت کے دلوں میں اور زبانوں پر پیدا کر دی۔ (تفسیر مظہری)

عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۙ

الزام اُتارنے کو یا ڈر سنانے کو ☆

حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں "کہ (وحی سے) کافروں کا الزام اتارنا منظور ہے کہ (سزا کے وقت) نہ کہیں ہم کو خبر نہ تھی اور جن کی قسمت میں ایمان ہے ان کو ڈر سنانا تا ایمان لائیں" اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ جو کلام الٰہی امر ونہی اور عقائد واحکام پر مشتمل ہے وہ عذر کرنے کے واسطے ہے تا اعمال کی باز پرس کے وقت اس شخص کے لیے عذر اور دستاویز ہو کہ میں نے فلاں کام حق تعالیٰ کے حکم کے بموجب کیا اور فلاں کام اس کے حکم سے ترک کیا۔ اور جو کلام الٰہی قصص واخبار وغیرہ پر مشتمل ہو وہ عموماً منکرین کو ڈراتے اور خوف دلانے کے لیے ہے اور اس سورت میں روئے سخن بیشتر مکذبین ومنکرین کی طرف تھا۔ اس لیے بشارت کا ذکر نہیں کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

بہرحال وحی لانے والے فرشتے اور وحی پہنچانے والی ہوائیں شاہد ہیں کہ ایک وقت ضرور آنا چاہیے جب مجرموں کو انکی حرکات پر ملزم کیا جائے اور خدا سے ڈرنے والوں کو بالکلیہ مامون وبے فکر کر دیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

احکام الٰہی کی حکمت:

المرسلات وغیرہ سے ہوائیں مراد ہوں تو ان کا مسلمانوں کے لیے درس معذرت ہونا تو ظاہر ہے البتہ کافروں کے لیے سبب خوف بننے کی یہ صورت ہوگی کہ کافر ستاروں کی وجہ سے بارش ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس لیے بارش لانے والی ہوائیں اس بداعتقادی کی وجہ سے ان کے لئے پیام عذاب ہوتی ہیں۔ اگر ذکر سے وحی مراد ہو تو عُذْرًا اَوْ نُذْرًا کا نصب بدلیت کی وجہ سے ہوگا۔ اور آیات قرآن مراد ہوں تو دونوں حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۝۷

مقرر جو تم سے وعدہ ہوا وہ ضرور ہونا ہے ☆

وعدہ قیامت:

یعنی قیامت کا اور آخرت کے حساب وکتاب وجزاوسزا کا وعدہ۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۝۸ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۝۹

پھر جب تارے مٹائے جائیں اور جب آسمان میں جھروکے پڑ جائیں ☆

کائنات کا حشر:

یعنی تارے بے نور ہو جائیں' آسمان پھٹ پڑیں اور پھٹنے کی وجہ سے ان میں دریچیاں اور جھروکے سے نظر آنے لگیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝۱۰

اور جب پہاڑ اڑا دیئے جائیں ☆

یعنی روئی کی طرح ہوا میں اڑتے پھریں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۝۱۱

اور جب رسولوں کا وقت مقرر ہو جائے ☆

انبیاء کی حاضری:

تا کہ آگے پیچھے وقت مقرر کے موافق اپنی اپنی امتوں کے ساتھ رب العزت کی سب سے بڑی پیشی میں حاضر ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی پیغمبروں کو اپنی اپنی امتوں پر شہادت دینے اور یکجا ہونے کے لیے ظاہر کیا جائے گا (اور قبروں سے باہر لایا جائے گا) (تفسیر مظہری)

اول یہ کہ سب ستارے بے نور ہو جائیں گے جس کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ یہ سب بالکلیہ فنا ہی ہو جائیں۔ یا یہ کہ موجود رہیں مگر ان کا نور سلب ہو جائے۔ اس طرح پوری دنیا ایک انتہائی سخت اندھیری میں غرق ہو جائے گی۔ دوسرا حال یہ بیان کیا کہ آسمان پھٹ جائے گا۔ تیسرا یہ کہ پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے۔

انبیاء ورسل کے لیے جو میعاد اور وقت مقرر کیا گیا تھا کہ اس میں اپنی اپنی امتوں کے معاملے میں شہادت کے لیے حاضر ہوں وہ اس میعاد کو پہنچ گئے اور ان کی حاضری کا وقت آ گیا۔ اسی لیے خلاصہ تفسیر مذکور میں اس کا ترجمہ انبیاء علیہ السلام کے جمع کرنے کے ساتھ کیا گیا ہے۔ آگے قیامت کے دن کے عظیم اور ہولناک ہونے کا بیان ہے کہ وہ فیصلہ کا دن ہے جس میں مکذبین اور کفار کے لیے تباہی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ (معارف مفتی اعظم)

لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ ۝۱۲ لِیَوْمِ الْفَصْلِ ۝۱۳

کس دن کے واسطے ان چیزوں میں دیر ہے اس فیصلے کے دن کے واسطے ☆

بس فیصلے کے دن کا انتظار ہے:

یعنی جانتے ہو؟ ان امور کو کس دن کے لیے اٹھا رکھا ہے؟ اس دن کے لیے جس میں ہر بات کا بالکل آخری اور دوٹوک فیصلہ ہوگا۔ بیشک اللہ چاہتا تو ابھی ہاتھوں ہاتھ ہر چیز کا فیصلہ کر دیتا لیکن اس کی حکمت مقتضی نہیں ہوئی کہ ایسا کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۝۱۴

اور تو نے کیا بوجھا کیا ہے فیصلے کا دن

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۵

خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی ☆

یعنی کچھ مت پوچھو۔ فیصلہ کا دن کیا چیز ہے بس یہ سمجھ لو کہ جھٹلانے والوں کو اس روز سخت تباہی اور مصیبت کا سامنا ہوگا۔ کیونکہ جس چیز کی انہیں امید نہ تھی جب وہ یکا یک اپنی ہولناک صورت میں آن پہنچے گی تو ہوش پراں ہو جائینگے اور حیرت وندامت سے حواس باختہ ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

فعل تعجب اظہار تعجب کے لیے ہے یہ تعجب بالائے تعجب يَوْمُ الْفَصْلِ کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے ہے مطلب یہ ہے کہ يَوْمُ الْفَصْلِ عظیم الشان چیز ہے تم کو اس کی حقیقت معلوم نہیں نہ اس کی مثل کوئی دن تم نے دیکھا۔

ویل کیا ہے:

وَيْلٌ اصل میں اس کا معنی ہے تباہی اور خرابی پیدا ہو جانا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وَيْلٌ جہنم کی ایک وادی ہے کافر اس کے اندر چالیس سال تک تلی تک پہنچے بغیر لڑھکتا رہے گا۔ احمد ترمذی، ابن جریر، ابن ابی

حاتم، حاکم، بیہقی، ابن ابی دنیا، بسناد حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ویل جہنم کی ایک وادی ہے۔ جس میں دوزخیوں کا کچ لہو بہتا ہوگا۔ اللہ نے مکذبین کے لیے اس کو مقرر فرمایا ہے۔

بیہقی و ابن منذر، حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت سے بھی ابن ابی حاتم نے ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ ویل جہنم کے کچ لہو سے بھری ہوئی ایک وادی ہے اگر پہاڑ بھی اس میں چھوڑ دیئے جائیں تو اس کی گرمی سے پگھل جائیں گے۔ (بیہقی، ابن جریر، ابن مبارک)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ویل دوزخ میں ایک پہاڑ ہے۔ ابن جریر بزار نے ضعیف سند بروایت حضرت سعید بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ میں ایک پتھر ہے جس کو ویل کہتے ہیں۔ اس پر اہل عرافت (علم غیب کا مدعی اور غیب کی خبریں دینے والا ایک خاص گروہ عرب میں اہل عرافت کہلاتا تھا۔ گویا عرافت ایک قسم کی کہانت تھی)۔ چڑھیں گے اتریں گے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٦﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ

کیا ہم نے نہیں مار کھپایا پہلوں کو پھر ان کے پیچھے بھیجتے ہیں

الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٧﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٨﴾

پچھلوں کو ہم ایسا ہی کرتے ہیں گنہگاروں کے ساتھ کیا☆

گذشتہ اقوام کی ہلاکت:

منکرین قیامت سمجھتے تھے کہ اتنی بڑی دنیا کہاں ختم ہوتی ہے؟ بھلا کون باور کریگا کہ سب آدمی بیک وقت مرجائینگے اور نسل انسانی بالکل نابود ہوجائیگی؟ یہ دوزخ اور عذاب کے ڈراوے سب فرضی اور بناوٹی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اُس کا جواب دیا کہ پہلے کتنے آدمی مرچکے اور کتنی قومیں اپنے گناہوں کی پاداش میں تباہ کی جاچکی ہیں پھر ان کے پیچھے بھی موت و ہلاکت کا یہ سلسلہ برابر جاری ہے جب ہماری قدیم عادت مجرموں کی نسبت معلوم ہوچکی تو سمجھ لو کہ دور حاضر کے کفار کو بھی ہم ان ہی اگلوں کے پیچھے چلتا کردیں گے جو ہستی الگ الگ زمانوں میں بڑے بڑے مضبوط آدمیوں کو مار سکتی اور طاقتور مجرموں کو پکڑ کر ہلاک کرسکتی ہے وہ اس پر کیوں قادر نہ ہوگی کہ سب مخلوق کو ایک دم میں فنا کردے۔ اور تمام مجرموں کو بیک وقت عذاب کا مزہ چکھائے۔ (تفسیر عثمانی)

الاخرین سے مراد امت محمدیہ کے کفار ہیں پچھلی امتوں کی ہلاکت اور عذاب کی خبر دینے کے بعد موجودہ کفار اہل مکہ کو آئندہ ان پر آنے والے عذاب کی خبر دینا مقصود ہے۔ جیسا کہ غزوہ بدر وغیرہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں ان پر عذاب بصورت نازل ہوا تھا۔

فرق یہ ہے کہ پچھلی امتوں پر آسمانی عذاب آیا تھا۔ جس سے پوری بستیاں تباہ ہوجاتی تھیں۔ امت محمدیہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے خاص اکرام ہے کہ ان کے کفار پر آسمانی عذاب نہیں آتا ان کا عذاب مسلمانوں کی تلوار سے آتا ہے۔ جس میں ہلاکت عام نہیں ہوتی۔ صرف بڑے سرکش مجرم ہی مارے جاتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١٩﴾

خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی ☆

یعنی جو قیامت کی آمد کو اس لیے جھٹلاتے تھے کہ سب انسان ایک دم کیسے فنا کردیئے جائینگے اور کس طرح سب مجرموں کو بیک وقت گرفتار کرکے سزا دینگے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿٢٠﴾

ہم نے نہیں بنایا تم کو ایک بے قدر پانی سے

فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿٢١﴾

پھر رکھا اُس کو ایک جمے ہوئے ٹھکانے میں ☆

انسان کی پیدائش:

یعنی ایک ٹھہراؤ کی جگہ میں محفوظ رکھا مراد اس سے رحم مادر ہے جسے ہمارے محاورات میں بچہ دانی کہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٢٢﴾

ایک وعدہ مقرر تک☆

اکثر وہاں ٹھہرنے کی مدت نو مہینے ہوتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی ہم نے اس کو رحم میں رکھا۔ اتنے وقت تک جس کی مقدار عرفاً (عام لوگوں کو) معلوم ہے کم سے کم چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ دو سال یا معلوم سے مراد اللہ کو معلوم ہونا ہے۔ یعنی اس وقت تک اس کو رحم میں رکھا جس کی مقدار اللہ کو معلوم ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿٢٣﴾

پھر ہم اس کو پورا کرسکے سو ہم کیا خوب سکت والے ہیں☆

قدرت خداوندی کا اندازہ لگاؤ:

یعنی اس پانی کی بوند کو بتدریج پورا کرکے انسان عاقل بنادیا۔ اس سے ہماری قدرت اور سکت کو سمجھ لو تو اسی انسان کو مرنے کے بعد ہم دوبارہ زندہ نہیں کرسکتے؟ (تنبیہ) بعض نے "قَدَرْنَا" کے معنی اندازہ کرنے کے لیے ہیں "اندازہ کیا ہم

"نے" اور ہم کیا خوب اندازہ کرنے والے ہیں کہ اتنی مدت میں کوئی ضروری چیز رہ نہیں جاتی اور کوئی زائد و بیکار چیز پیدا نہیں ہوتی۔ (تفسیر عثمانی)

نافع اور کسائی کی روایت میں فَقَدَّرْنَا ہے یعنی ہم نے ماں کے پیٹ میں رہنے کا وقت اور وقت پیدائش کا پیدا ہونے کے بعد اعمال زندگی مدت زندگی اور رزق کا اور (آخرت میں) نیک بخت اور بدنصیب ہونے کا ایک اندازہ مقرر کر دیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں (ہر) ایک کا تخلیقی قوام ماں کے پیٹ کے اندر چالیس روز تک بطور نطفہ رہتا ہے پھر اتنی ہی مدت میں بستہ خون ہوتا ہے۔ پھر اتنی ہی مدت میں گوشت کا لوتھڑا ہوتا ہے۔ پھر اللہ اس کے پاس فرشتہ کو چار باتوں کے لیے بھیجتا ہے فرشتہ اس کا (آئندہ) عمل اور مدت زندگی اور رزق اور شقی یا سعید ہونا لکھ دیتا ہے۔ پھر اس میں جان پھونکتا ہے۔ پس قسم ہے خدا کی جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں کہ تم میں سے بعض لوگ جنت والوں کے لیے کام کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے اور جنت کے درمیان ایک بانہہ کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ مگر لکھا ہوا غالب آتا ہے اور وہ دوزخیوں کا عمل کرتے ہیں پھر دوزخ میں چلے جاتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

نافع و کسائی کے علاوہ دوسروں نے فَقَدَرْنَا پڑھا ہے یعنی ہم اس کو ہست کرنے اور نیست کرنے اور دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہیں۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾

خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی ☆

منکروں کو حسرت ہوگی:

جو یوں کہا کرتے تھے کہ مٹی میں مل کر جب ہماری ہڈیاں تک ریزہ ریزہ ہو جائیں گی پھر کس طرح زندہ کر دیئے جائیں گے؟ اس وقت اپنے ان لچر پوچ شبہات پر شرمائیں گے اور ندامت سے ہاتھ کاٹیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾

کیا ہم نے نہیں بنائی زمین سمیٹنے والی

اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾

زندوں کو اور مردوں کو ☆

زمین: یعنی زندہ مخلوق اسی زمین پر بسر کرتی ہے اور مردے بھی اسی مٹی میں پہنچ جاتے ہیں انسان کو زندگی بھی اسی خاک سے ملی اور موت کے بعد بھی یہی اس کا ٹھکانا ہوا تو دوبارہ اسی خاک سے اس کو اٹھا دینا کیوں مشکل ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ

اور رکھے ہم نے کہ زمین میں بوجھ کیلئے پہاڑ اونچے

وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾

اور پلایا ہم نے تم کو پانی میٹھا پیاس بجھانیوالا ☆

پہاڑ اور پانی: یعنی اسی زمین میں پہاڑ جیسی وزنی اور سخت چیز پیدا کر دی جو اپنی جگہ سے ذرا جنبش نہیں کھاتے اور اسی زمین میں پانی کے چشمے جاری کر دیئے جو نرم و سیال ہونے کی وجہ سے برابر بہتے رہتے ہیں۔ اور بڑی سہولت سے پینے والے کو سیراب کرتے ہیں پس جو خدا اس حقیر زمین میں اپنی قدرت کے متضاد نمونے دکھلاتا ہے اور موت و حیات اور سختی و نرمی کے مناظر پیش کرتا ہے کیا وہ میدان حشر میں سختی و نرمی اور نجات و ہلاکت کے مختلف مناظر نہیں دکھلا سکتا۔ نیز جس کے قبضہ میں پیدا کرنا' ہلاک کرنا' اور حیات و بقاء کے سامان فراہم کرنا یہ سب کام ہوئے اس کی قدرت و نعمت کو جھٹلانا کیوں کر جائز ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾

خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی ☆

جو سمجھتے تھے کہ ایک جگہ اور ایک وقت میں تمام اولین و آخرین کی اثابت و تعذیب کے اس قدر مختلف اور متضاد کام کیونکر سرانجام پائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾

چل کر دیکھو جس چیز کو تم جھٹلاتے تھے ☆

یعنی قیامت کے دن یوں کہا جائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

فائدہ: سورۃ المرسلات میں اصل خطاب منکرین قیامت سے ہے۔ اس ضمن میں دس مرتبہ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ کا اعادہ کر کے یہ ظاہر کرنا بظاہر مقصود ہے کہ منکرین قیامت دس وجوہ سے ہلاکت اور بربادی میں ہیں۔

تو ہر وجہ کے پیش نظر ہلاکت اور بربادی کی وعید بیان فرما دی گئی۔ جس کی تفصیل اس طرح سمجھ لی جائے کہ انسان میں قدرت خداوندی کی طرف سے تین قوتیں رکھی گئی ہیں۔ جن کی اصلاح سے سعادت اور فلاح کا ترتب ہوتا ہے۔ اور ان کے فساد سے شقاوت و بدبختی اور ہلاکت اور بربادی ہے اول قوت نظریہ جس پر ادراک صحیح اور اعتقادات کا دارومدار ہے کافروں اور منکرین قیامت نے اس کو بگاڑ رکھا تھا۔ متعدد وجوہ سے اول ذات خداوندی کا شرک کر کے۔ دوم صفات خداوندی میں بے ہودہ اور لغو خیالات اور من گھڑت تصورات باطلہ قائم کر کے۔ سوم فرشتوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنے سے کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں ہمارے کاروبار کے وہی مالک و مختار ہیں۔ چہارم یہ کہ انسان کی زندگی بس دنیا تک محدود ہے۔ نہ حشر ہے نہ بعث بعد الموت۔ پنجم قضاء و قدر کا انکار اور مخلوقات کی اس میں شرکت۔ ششم انبیاء علیہم السلام اور کتب سماویہ کا انکار اور ان کے اوامر و ہدایات سے سرتابی۔

تو یہ چھے قسم کی خرابیاں تو منکرین قیامت میں قوت نظریہ کے فساد کی وجہ سے پائی جاتی ہیں ۔ دوسری قوت شہویہ جس کی خرابی افراط وتفریط ہے افراط کے باعث انسان بہائم تک پہنچ جاتا ہے۔اور تفریط کی وجہ سے حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے۔تو یہ دونوں عیب منکرین قیامت میں تھے۔تیسری قوت غضبیہ ہے اس میں بھی افراط انسان کو بہائم اور درندوں سے بڑھا دیتا ہے۔اور اس کی وجہ سے ظلم وتعدی کی کوئی حد نہیں رہتی۔اور تفریط انسان میں سے حمیت وغیرت کا وصف ختم کر دیتی ہے۔نوبت یہاں تک ہو جاتی ہے کہ محارم الٰہیہ کی بے حرمتی اور گستاخی پر غصہ تو درکنار کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔تو دو خرابیاں یہ ہوئیں۔اس طرح ظاہر ہوا کہ منکرین قیامت اور ایسے مجرمین ان دس خرابیوں میں مبتلا تھے۔تو ہر ایک خرابی کے بالمقابل میں ایک بار فرما دیا گیا۔ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۔ واللہ اعلم بالصواب (معارف کاندھلوی)

انْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ

چلو ایک چھاؤں میں جس کی تین پھانکیں ہیں ☆

کافروں کیلئے سایہ: قتادہؒ وغیرہ سے مروی ہے کہ کافروں کے سایہ کے لیے ایک دھواں دوزخ سے اٹھے گا۔ جو پھٹ کر کئی ٹکڑے ہو جائیگا۔ کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر شخص کو تین طرف سے گھیرے گا ایک ٹکڑا سر کے اوپر سائبان کی طرح ٹھہرے گا۔دوسرا ٹکڑا داہنے اور تیسرا بائیں ہو جائیگا حساب سے فارغ ہونے تک وہ لوگ اسی سایہ کے نیچے رہیں گے اور ایماندار نیک کردار عرش اعظم کے سایہ میں آرام سے کھڑے ہونگے۔(تفسیر عثمانی)

تین شاخوں کی وجہ: ہمارے نزدیک تین شاخیں بنانے کی پسندیدہ وجہ یہ ہے کہ جہنم میں صرف تین قسم کے لوگ داخل ہوں گے (۱) وہ کافر جنھوں نے صریح الفاظ کے ساتھ پیغمبروں کی تکذیب کی جیسے کفار نے کہا تھا۔ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا (۲) وہ بدعتی جن کے اقوال ظاہر نصوص قطعیہ کے خلاف ہیں اور وہ اجماع کے خلاف نصوص کی غلط تاویلیں کرتے ہیں ان کے کلام سے آیت کا انکار اور پیغمبروں کی تکذیب اقتضاءً ثابت ہوتی ہے۔جیسے مجسمہ،قدریہ، رافضی، خارجی اور مرجیہ کے فرقے۔مثلاً مجسمہ آیت وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ کی تکذیب کرتے ہیں۔اور ان تمام آیات کو نہیں مانتے جن میں اعمال کے تولنے کا یا پل صراط وغیرہ کا تذکرہ ہے۔اور رافضی وخارجی ان متواتر المعنی احادیث کے منکر ہیں۔جو حضرت ابوبکر،حضرت عمر،حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مدح میں آئی ہیں (۳) نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے والے (مسلمان) جو صغیرہ کبیرہ گناہ کرتے اور فرائض کو ترک کرتے ہیں یہی تینوں امور دخان جہنم کی تثلیث کے اسباب بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

دوزخ کی گردن:

بغوی نے کہا ہے کہ بعض علماء کا قول ہے۔کہ دوزخ سے ایک گردن برآمد ہو گی جو تین شاخوں میں تقسیم ہو جائے گی (۱) نور ہو گا جو مومنوں کے سروں پر آ کر ٹھہر جائے گا (۲) دخان ہو گا جو منافقوں کے سروں پر آ کر ٹھہر جائے گا (۳) بھڑکتے ہوئے شعلے ہوں گے جو کافروں کے سروں پر آ کر ٹھہر جائیں گے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ قول مرفوع ہے کیونکہ صرف رائے سے اس کا ادراک نہیں ہو سکتا۔اس قول کی تشریح یہ ہے کہ آتش جہنم کی سہ گانہ اقسام ہیں پہلی قسم نور کی ہو گی۔نور کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دوسری دونوں قسموں سے کم تاریک ہو گا۔ورنہ دوزخ کی آگ میں نور ہونے کا معنی ہی کیا ہو سکتا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔کہ ہزار برس تک دوزخ کی آگ بھڑکائی گئی یہاں تک کہ وہ سرخ ہو گئی۔پھر ہزار برس تک بھڑکائی گئ۔یہاں تک کہ وہ سیاہ ہو گئی۔اب وہ سیاہ تاریک ہے۔یہ حدیث ابو ہریرہؓ کی روایت سے ترمذی اور بیہقی نے بیان کی ہے۔دخان کی یہی ہلکی ظلمت والی قسم گنہگار مسلمانوں پر آ کر ٹھہر جائے گی۔اس جگہ منافقوں سے مراد ہیں وہ بدعتی جو ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں مگر کفر اور تکذیب انبیاء ان کے قول کے لیے لازم ہیں وہ منافق مراد نہیں جو زبانوں سے ایمان کے قائل ہیں اور دلوں میں ان کے ایمان نہیں ہے بظاہر مومن بباطن کافر۔یہ تو علانیہ کفر کرنے والوں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔اور ان کی جگہ تو دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہے۔

تیسری قسم بھڑکتے ہوئے شعلوں کی ہو گی۔اس قسم میں سوزش اور التہاب (خالص) ہو گا۔کافروں کے سروں پر آ کر ٹھہر جائے گی۔بدعتیوں کو منافق کہنے کی وجہ سورہ بقرہ کی تفسیر میں بیان کی جا چکی ہے۔اور اللہ نے جو منافقوں کی مثال دی ہے اس کی بدعتیوں پر مطابقت کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔

کافروں کا سایہ آگ کا ہوگا:

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آیت ظل سے مراد خود جہنم کی آگ ہے۔آگ کی تاریک اور سیاہ ہونے کی وجہ سے مجازاً اس کو ظل کہہ دیا کیونکہ سایہ میں کچھ تاریکی ہوتی ہے۔پس تین شاخوں والی آگ کی طرف چلنے کا مطلب یہ ہوا کہ اس آتش جہنم کی طرف چلو جس میں پہنچنے والے تین راستے ہیں (۱) انبیاء علیہ السلام کی صراحۃً تکذیب (۲) انبیاء کی لزومی تکذیب (اول کفر التزامی اور دوسرا کفر لزومی ہے) (۳) گناہوں کا ارتکاب۔آیت میں کافروں کے لیے امر استہزائی ہے جیسے آیات ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ہیں اور بَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ میں خطاب استہزائی ہے۔(تفسیر مظہری)

انسان کے تین لطیفے:

حضرات عارفین فرماتے ہیں کہ انسان کے اندر تین لطیفے ہیں جن کی اصلاح اس کو مقام ملکیت تک پہنچا دیتی ہے۔اور اس کا فساد اس کو شیاطین کے زمرے میں شامل کر دیتا ہے۔ایک دائیں طرف جو لطیفہ قلب ہے جس کا فساد قوت غضبیہ کو حد سے بڑھا کر ظلم وسرکشی پر آمادہ کرتا ہے۔دوسرا دائیں

طرف ہے جس کا فساد قوت شہویہ کو بڑھاتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے انسان فسق وفجور اور بدکاریوں میں پڑ جاتا ہے۔ کیونکہ جگر معدن خون ہے۔ اور یہی شہوتوں کا سرچشمہ ہے۔ تیسرا لطیفہ دماغ ہے جو قوت ادراکیہ کا خزانہ اور معدن ہے تو پہلے دو لطیفوں کا فساد عملی خرابیوں کا باعث ہے۔ اور تیسرے لطیفے کا فساد عقائد باطلہ کا سبب ہے۔ اس طرح اعمال خبیثہ اور عقائد باطلہ ان لطائف کی خرابی پر مرتب ہوئے۔ تو اس مناسبت سے یہ اعمال خبیثہ اور عقائد جہنم کے دھوئیں اور شعلوں سے ظاہر ہونے والے سایہ کی تین شاخوں کی شکل میں نمایاں ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب (روح المعانی فتح المنان، معارف کاندھلوی)

لَّا ظَلِيلٍ وَلَا يُغْنِي مِنَ اللَّهَبِ ﴿٣١﴾

نہ گہری چھاؤں اور نہ کچھ کام آئے تپش میں ☆

برائے نام سایہ: یعنی محض برائے نام سایہ ہوگا گہری چھاؤں نہیں ہوگی جس سے آفتاب کی گرمی یا آگ کی تپش سے نجات ملے یا اندر کی گرمی اور پیاس میں کمی ہو۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿٣٢﴾

وہ آگ پھینکتی ہے چنگاریاں جیسے محل ☆

چنگاریاں: یعنی اونچی ہوتی ہیں چنگاریاں بڑے اونچے محل کے برابر۔ یا اس کے انگارے کلانی میں محل کے برابر ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

كَأَنَّهُ جِمَالَتٌ صُفْرٌ ﴿٣٣﴾

گویا وہ اونٹ ہیں زرد ☆

یعنی اگر قصر کے ساتھ تشبیہ بلندی میں تھی تو اونٹ کے ساتھ کلانی میں ہوگیا اور اگر وہ تشبیہ کلانی میں ہو تو "كَأَنَّهُ جِمَالَتٌ صُفْرٌ" کا مطلب یہ ہوگا کہ ابتداءً چنگاریاں محل کے برابر ہونگی پھر ٹوٹ کر اور چھوٹی ہو کر اونٹ کے برابر ہو جائینگی یا اونٹ کے ساتھ رنگت میں تشبیہ ہو لیکن اس صورت میں "كَأَنَّهُ جِمَالَتٌ صُفْرٌ" کا ترجمہ جنہوں نے "کالے اونٹوں" سے کیا ہے وہ زیادہ چسپاں ہوگا کیونکہ روایات سے جہنم کی آگ کا سیاہ و تاریک ہونا ثابت ہو چکا ہے اور عرب کالے اونٹ کو صفر اس لیے کہتے ہیں کہ عموماً وہ زردی مائل ہوتا ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جہنم کی چنگاریاں تارکول کی طرح سیاہ ہوں گی۔ اونٹ کے رنگ کی سیاہی زردی مائل ہوتی ہے اس لیے عرب اونٹ کے رنگ کو صفر کہتے ہیں۔ صفر کے ساتھ تشبیہ مقدار کی بڑائی میں تھی اور جمالات صفر کے ساتھ تشبیہ رنگ، کثرت تسلسل باہم اختلاط اور سرعت حرکت میں ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٤﴾

خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی ☆

جو سمجھتے تھے کہ قیامت آنیوالی نہیں اور اگر آئی تو ہم وہاں بھی آرام سے رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

هَٰذَا يَوْمُ لَا يَنطِقُونَ ﴿٣٥﴾

یہ وہ دن ہے کہ نہ بولیں گے ☆

کافر بول نہ سکیں گے:

یعنی محشر کے بعض مواطن میں بالکل بول نہ سکیں گے اور جن مواطن میں بولینگے وہ نافع نہ ہوگا اس لحاظ سے بولنا نہ بولنا برابر رہا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ ﴿٣٦﴾

اور نہ اُن کو حکم ہو کہ توبہ کریں ☆

کیونکہ معذرت اور توبہ کے قبول ہونے کا وقت گزر گیا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی عدم معذرت کی وجہ عدم اذن نہیں ورنہ یہ وہم پیدا ہوسکتا ہے کہ چونکہ ان کو معذرت پیش کرنے کی اجازت نہیں ہوگی اس لیے معذرت پیش نہ کرسکیں گے کہ حقیقت میں ان کے پاس عذر ہوگا کہ اگر اس کو اجازت مل جائے تو پیش کرسکے۔ (تفسیر مظہری)

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٧﴾

خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی ☆

یعنی جنہوں نے دنیا کی عدالتوں پر قیاس کرکے سمجھ رکھا ہوگا کہ اگر ایسا موقع پیش آ گیا وہاں بھی زبان چلا کر اور کچھ عذر معذرت کرکے چھوٹ جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

هَٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ

یہ ہے دن فیصلے کا

جَمَعْنَاكُمْ وَالْأَوَّلِينَ ﴿٣٨﴾

جمع کیا ہم نے تم کو اور اگلوں کو

سب کا اجتماع ہوگا:

تا سب کو اکٹھا کرکے پھر الگ الگ کردیں اور آخری فیصلہ سنائیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابو عبداللہ جدلیؒ فرماتے ہیں کہ میں بیت المقدس گیا کیا دیکھا کہ وہاں حضرت عبادہ بن صامت، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت کعب احبار رضی اللہ علیہم اجمعین بیٹھے ہوئے باتیں کررہے ہیں میں بھی بیٹھ گیا تو میں نے سنا کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تمام اگلوں پچھلوں کو ایک چٹیل صاف میدان میں جمع کرے گا۔ آواز دینے والا آواز دے کر سب کو ہوشیار کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ آج کا دن فیصلوں کا دن ہے تم سب اگلوں پچھلوں کو میں نے جمع کرلیا ہے۔ اب میں تم

سے کہتا ہوں کہ اگر میرے ساتھ کوئی دغا، فریب، مکر، حیلہ کر سکتے ہو تو کرو۔ سنو! متکبر سرکش منکر اور جھٹلانے والا آج میری پکڑ سے نہیں بچ سکتا۔ اور نہ کوئی نافرمان شیطان میرے عذابوں سے نجات پا سکتا ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لو ایک حدیث میں بھی سنا دوں اس دن جہنم اپنی گردن دراز کر کے لوگوں کے بیچوں بیچ پہنچا کر آواز بلند کر کے کہے گی۔ اے لوگو تین قسم کے لوگوں کو ابھی ہی پکڑ لینے کا مجھ کو حکم مل چکا ہے۔ میں انہیں خوب پہچانتی ہوں۔ کوئی باپ اپنی اولاد کو، کوئی بھائی اپنے بھائی کو اتنا نہ جانتا ہوگا۔ جتنا میں انہیں پہچانتی ہوں۔ آج نہ تو وہ مجھ سے کہیں چھپ سکتے ہیں۔ نہ انہیں کوئی چھپا سکتا ہے ایک تو وہ جس نے خدا کے ساتھ کسی کو شریک کیا ہو۔ دوسرے وہ جو منکر اور متکبر ہوں اور تیسرے وہ جو نافرمان شیطان ہوں پھر وہ مڑ مڑ کر چن چن کر ان اوصاف کے لوگوں کو میدان حشر میں سے چھانٹ لے گی اور ایک ایک کو پکڑ پکڑ کر نگل جائے گی۔ اور حساب سے چالیس سال پہلے ہی یہ جہنم واصل ہو جائیں گے۔ (اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے) (تفسیر ابن کثیر)

فَإِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيدُونِ ﴿٣٩﴾

پھر اگر کچھ داؤ ہے تمہارا تو چلا لو مجھ پر ☆

کوئی تدبیر نہ بن سکے گی:

لو! سب کو ہم نے یہاں جمع کر دیا آپس میں مل کر اور مشورے کر کے جو داؤ تدبیر ہماری گرفت سے نکلنے کی کر سکتے ہو کر دیکھو! دنیا میں حق کو دبانے کی بہت تدبیریں کی تھیں آج ان میں سے کوئی یاد کرو۔ (تفسیر عثمانی)

اگر عذاب کو دفع کرنے کی تمہارے پاس کوئی تدبیر ہو تو اب کرو جیسے دنیا میں اہل ایمان کے مقابلہ میں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا ہم میں سے دس دس آدمی بھی ایک ایک کارندہ جہنم کو پکڑ لینے سے عاجز ہے کِیْدُوْنِ میں یاء محذوف ہے امر صرف زجر اور تعجیز کے لیے ہے (یعنی مخاطب کا عجز ظاہر کرنا مقصود ہے)۔ (تفسیر مظہری)

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٠﴾

خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی ☆

جو دوسروں پر بھروسہ کیے ہوئے تھے کہ وہ کسی نہ کسی طرح ہم کو چھڑا لینگے اور بعض گستاخ تو دوزخ کے فرشتوں کی تعداد انیس سن کر یہاں تک کہہ گزرتے تھے کہ ان میں سے سترہ کو میں اکیلا کافی ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلَٰلٍ

البتہ جو ڈرنے والے ہیں وہ سایہ میں ہیں ☆

یعنی اول عرش کے پھر جنت کے سایوں میں۔ (تفسیر عثمانی)

مومن عرش کے سایہ میں:

فِي ظِلَٰلٍ سایوں میں ہوں گے۔ (سایہ کا حقیقی معنی مراد نہیں) جنت میں سورج ہی نہ ہوگا۔ سایہ کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا (بلکہ) سایہ سے کنایۃً مراد ہے جنت کے درختوں کا گھنا ہونا جیسے طویل النجاد (لمبے پرتلہ والا) دراز قد آدمی کو کہتے ہیں۔ خواہ اس کے پاس پرتلہ نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَعُيُونٍ ﴿٤١﴾ وَفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٤٢﴾

اور نہروں میں اور میوے جس قسم کے وہ چاہیں

كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٤٣﴾

کھاؤ اور پیو مزے سے بدلہ اُن کاموں کا جو تم نے کیے تھے ☆

مکذبین کے مقابل یہ متقین کا حال بیان فرما دیا کہ "الاشیاء تعرف باضدادہا"۔ (تفسیر عثمانی)

چشمے اور میوے:

وَعُيُونٍ اور جاری چشمے۔ جو ایسے پانی کے ہوں گے۔ جو کبھی خراب ہونے والا نہ ہوگا۔ اور ایسے دودھ کے ہوں گے جو کبھی بدمزہ نہ ہوگا اور ایسی شراب کے ہوں گے جو پینے والوں کے لیے سراسر لذت ہوگی (تلخ نہیں ہو گی) اور صاف شدہ شہد کے ہوں گے۔

وَفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُونَ اور طرح طرح کے پھل ہوں گے جن کا مزہ حسب اشتہا ہوگا۔ يَشْتَهُونَ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جنت کے اندر کھانے پینے کی چیزوں کا مزہ کھانے والوں کی اشتہاء کے موافق ہوگا۔ دنیوی پھلوں کی حالت اس کے خلاف ہے ان کا مزہ وہی ہے جو سب کے لیے یکساں ہوتا ہے۔

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ اپنے اعمال کے عوض (عمل قلب کا ہو جیسے) ایمانیات پر عقیدہ (یا اعضاء جسمانی کا ہو جیسے) تمام طاعات بدنیہ۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٤٤﴾

ہم یونہی دیتے ہیں بدلہ نیکی والوں کو

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٥﴾

خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی ☆

جو دنیا میں مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ اگر مرنے کے بعد دوسری زندگی ہے تو وہاں بھی ہم تم سے اچھے رہیں گے اب ان کو عیش میں اور اپنے کو

تکلیف میں دیکھ کر اور زیادہ جلیں گے اور ذلیل ورسوا ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

نیکی والوں کا بدلہ:

محسنین سے مراد بھی متقی ہی ہیں۔ یوں احسان میں تقویٰ سے زیادہ خصوصیت ہے کیونکہ احسان کا معنی ہے اللہ کی اس طرح عبادت کرنا کہ گویا عبادت کرنے والا خدا کو دیکھ رہا ہے۔ اگر عبادت کرنے والے کو خدا نظر نہیں آتا۔ تو خدا (بہرحال) اس کو دیکھتا ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے سوال کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کا یہی معنی بیان فرمایا تھا۔ (رواہ الشیخان)

مگر احسان کا یہ معنی آیت میں مراد نہیں ہے ورنہ اعلیٰ کی تشبیہ ادنیٰ سے لازم آئے گی (اور آیت کا مطلب یہ نکلے گا کہ ہم متقیوں کی طرح محسنوں کو بھی ثواب دیتے ہیں) آیت میں مرتبہ احسان حاصل کرنے کی (در پردہ) ترغیب ہے۔ (تفسیر مظہری)

كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾
کھالو اور برت لو تھوڑے دنوں بیشک تم گنہگار ہو ☆

چند روزہ مہلت ہے:

یہ خطاب مکذبین کو ہے کہ چند روز اور مزے اڑالو۔ آخر یہ کھایا پیا بہت بری طرح نکلے گا۔ کیونکہ تم اللہ کے مجرم ہو جس کی سزا جس دوام اور عذاب الیم کے سوا کچھ نہیں۔ گویا ''كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا'' فرمانا ایسا ہوا جیسے ایک مجرم کو جس کے لیے پھانسی کا حکم ہو چکا ہو پھانسی دینے سے قبل کہہ دیتے ہیں کہ کوئی خواہش ہو تو ظاہر کرو تا اس کے پورا کرنے کی کوشش کی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾
خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی ☆

جو دنیا کے عیش و بہار اور لذتوں پر ریجھ رہے تھے یہ خبر نہ تھی کہ جس چیز کو پھولوں کا ہار سمجھ کر گلے میں ڈال رہے ہیں وہ کالا ناگ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آیت ذیل کا شان نزول:

ابن منذرؒ نے مجاہدؒ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی ثقیف کے نمائندوں کو ایمان لانے اور نماز پڑھنے کا حکم دیا انہوں نے جواب دیا مگر ہم تجبیہ نہیں کریں گے کیونکہ یہ ایک گالی ہے۔ یعنی بڑی ذلت ہے۔ تجبیہ کا معنی ہے گھٹنوں یا زمین پر ہاتھ رکھنا۔ یا سرنگوں ہونا (قاموس) اس پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾
اور جب کہیے اُن کو کہ جھک جاؤ نہیں جھکتے ☆

یعنی نماز میں یا اللہ کے عام احکام کے سامنے۔

اس شان نزول کی بناء پر اس جملہ میں کافروں کی مذمت کی گئی ہے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا عطف مجرموں پر ہو۔ اور تفنن عبارت کے لیے خطاب سے غیبت کی طرف انتقال کیا گیا ہو۔ اس وقت حاصل مطلب ہوگا کہ تم مجرم ہو۔ تم کو نماز کے لیے بلایا جاتا ہے تو رکوع نہیں کرتے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ المکذبین کے مفہوم پر عطف ہو۔ یعنی ان لوگوں کے لیے ویل ہے۔ جنہوں نے تکذیب کی اور ان کو نماز کو بلایا گیا تو نماز نہیں پڑھی۔ (تفسیر مظہری)

لفظ ارکعوا کا ترجمہ جھک جاؤ۔ اس لفظ کے معنی لغوی کے لحاظ سے کیا گیا ہے۔ اور یہی زیادہ بلیغ ہے بہ نسبت اس کے کہ یہاں رکوع کو رکوع اصطلاحی کے معنی پر محمول کیا جائے۔ (معارف کاندھلوی)

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾
خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی ☆

اس دن پچھتائینگے کہ دنیا میں احکام الٰہی کے سامنے کیوں نہ جھکے۔ وہاں سر جھکاتے تو آج یہاں سربلند ہوتے۔ (تفسیر عثمانی)

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾
اب کس بات پر اُس کے بعد یقین لائیں گے ☆

قرآن سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں:

یعنی قرآن سے بڑھ کر کامل اور مؤثر بیان کس کا ہوگا۔ اگر یہ مکذبین اس پر یقین نہیں لاتے تو اور کس بات پر ایمان لائینگے؟ کیا قرآن کے بعد کسی اور کتاب کے منتظر ہیں جو آسمان سے اتریگی؟ تم سورۃ المرسلات وللہ الحمد والمنۃ وبہ التوفیق والعصمۃ۔ (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے سورۂ ہود اور الواقعہ اور المرسلات اور عم یتساءلون اور اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا۔ حاکم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور ابن مردویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

آیت کا جواب:

ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس سورت کی اس آیت کو پڑھے تو اسے جواب میں اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَ بِمَا اَنْزَلَ کہنا چاہیے یعنی میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کی اتاری ہوئی کتابوں پر ایمان لایا۔ یہ حدیث سورہ قیامہ کی تفسیر میں بھی گذر چکی ہے۔ الحمد للہ سورۂ مرسلات کی تفسیر ختم ہوئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

سورة النبا

خواب میں پڑھنے والا دلیل ہے کہ خدا خوف اور متوکل ہوگا۔ (تعبیر الرؤیا)

سُوْرَةُ النَّبَإِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورہ نبا مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چالیس آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ①

کیا بات پوچھتے ہیں لوگ آپس میں ☆

قیامت کے متعلق مشرکین کی چہ میگوئیاں:

یعنی لوگ کس بات کا کھوج لگانے اور کس چیز کی تحقیق و تفتیش میں مشغول ہیں۔ کیا ان میں ایسی استعداد ہے کہ بہت پوچھ پاچھ کرنے سے وہ چیز ان کی سمجھ میں آجائیگی؟ ہرگز نہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ کفار جواز راہ انکار واستہزاء آپس میں ایک دوسرے سے نیز پیغمبر اور مومنین سے سوال کرتے ہیں کہ ہاں صاحب وہ قیامت کب آئیگی؟ اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے؟ ابھی کیوں نہیں آجاتی؟ جانتے ہو یہ کس چیز کی نسبت سوال کر رہے ہیں؟ وہ بہت عظیم الشان چیز ہے۔ جس کا علم ان کو عنقریب ہو جائیگا جب اپنی آنکھ سے اس کے ہولناک مناظر دیکھیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

يَتَسَآءَلُوْنَ ۚ کیسی عظیم الشان ہولناک چیز کے متعلق اہل مکہ باہم سوال کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو جب توحید کی دعوت دی اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کی خبر بیان کی اور قرآن پڑھ کر سنایا تو وہ باہم پوچھنے لگے اور کہنے لگے کہ کیسے ہیبت ناک واقعہ کی خبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیتے ہیں۔ (بغوی)

اسی طرح ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حسن بصری کا قول نقل کیا ہے یا یہ معنی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے قیامت کے متعلق بطور استہزاء دریافت کرتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيْمِ ② الَّذِيْ هُمْ

پوچھتے ہیں اُس بڑی خبر سے جس میں وہ

فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ③

مختلف ہیں ☆

مختلف آراء:

یعنی قیامت کی خبر جس میں لوگوں کو اختلاف ہے کوئی اس کے آنے پر یقین رکھتا ہے کوئی منکر ہے کوئی شک میں پڑا ہے کوئی کہتا ہے بدن اٹھے گا کوئی کہتا ہے کہ سب عذاب وثواب روح پر گذرے گا بدن سے کچھ تعلق نہیں الی غیر ذالک من الاختلافات۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا تو کفار مکہ اپنی مجلسوں میں بیٹھ کر اس کے متعلق رائے زنی اور چہ مگوئیاں کیا کرتے تھے قرآن میں قیامت کا ذکر اہمیت کے ساتھ آیا ہے اور ان کے نزدیک گویا یہ محال چیز تھی اس لئے اس میں گفتگو بکثرت چلتی تھی، کوئی تصدیق کرتا کوئی انکار، اس لیے اس سورت کے شروع میں ان کا یہ حال ذکر کر کے آگے قیامت کا واقعہ ہونا مذکور ہے اور ان کے نزدیک جو اس کے واقع ہونے میں اشکال اور استبعاد تھا اس کا جواب دیا گیا۔ اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ یہ سوال جواب کوئی واقعی تحقیق کے لیے نہیں تھا بلکہ محض استہزاء و تمسخر کے لیے تھا۔ واللہ اعلم (معارف مفتی اعظم)

بڑی خبر کیا ہے:

مجاہد اور اکثر علماء کے نزدیک نباء عظیم سے مراد قرآن ہے کیونکہ اللہ نے قرآن کو نباء عظیم فرمایا ہے ارشاد ہوا ہے قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ۔ قتادہ کے نزدیک حشر مراد ہے یہ بھی احتمال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حشر کی خبر دینا (بجائے خود) نباء عظیم ہو۔ (تفسیر مظہری)

كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ④ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ⑤

ہرگز نہیں اب جان لیں گے پھر بھی ہرگز نہیں اب جان لیں گے ☆

عنقریب پتہ چل جائے گا:

یعنی پیغمبروں نے ابتداء دنیا سے آج تک بہت کچھ سمجھایا مگر لوگ اپنے اختلافات اور پوچھ پاچھ سے ہرگز ہرگز باز آنیوالے نہیں۔ اب قریب ہے کہ وہ ہولناک منظر ان کے سامنے آجائے اس وقت جان لینگے کہ قیامت کیا چیز ہے اور ان کے سوالات واختلافات کی حیثیت کیا تھی۔ (تفسیر عثمانی)

عذاب کی دھمکی دو مرتبہ ہوگئی ایک بار قبر کے عذاب کی اور دوسری بار قیامت کے دن کی۔ لفظ ثُمَّ بتا رہا ہے کہ قیامت کے عذاب کی وعید قبر کی وعید سے زیادہ پر سطوت ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ⑥

کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو بچھونا ☆

زمین کا فرش:

جس پر سکون واطمینان سے آرام کرتے اور کروٹیں بدلتے ہیں۔

وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝۷

اور پہاڑوں کو میخیں ☆

پہاڑ: جیسا کسی چیز میں میخ لگا دینے سے وہ چیز اپنی جگہ سے نہیں ہلتی۔ ایسے ہی ابتداء میں زمین جو کانپتی اور لرزتی تھی اللہ نے پہاڑ پیدا کر کے اس کے اضطراب اور کپکپی کو دور کیا گویا زمین کو ایک طرح کا سکون پہاڑوں سے حاصل ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝۸

اور تم کو بنایا ہم نے جوڑے جوڑے ☆

نر مادہ کے جوڑے:

یعنی مرد کے سکون وراحت کے لیے عورت کو اس کا جوڑا بنایا۔

"وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا" (روم۔ رکوع ۳)

یا ازواج سے مراد طرح طرح کی اشکال والوان وغیرہ ہوں۔

وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝۹

اور بنایا نیند کو تمہاری تکان دفع کرنے کیلئے ☆

نیند تھکاوٹ کا علاج:

یعنی دن بھر کی دوڑ دھوپ سے تھک کر جب آدمی نیند کر لیتا ہے تو سب تعب اور تکان دور ہو جاتا ہے گویا نیند تو نام ہی سکون واستراحت کا ہے' آگے نیند کی مناسبت سے رات کا ذکر کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

نیند بہت بڑی نعمت ہے:

یہاں حق تعالیٰ نے انسان کو جوڑے جوڑے بنانے کا ذکر فرمانے بعد اس کی راحت کے سب سامانوں میں سے خاص طور پر نیند کا ذکر فرمایا ہے، غور کیجئے تو یہ ایک ایسی عظیم الشان نعمت ہے کہ انسان کی ساری راحتوں کا مدار یہی ہے اور اس نعمت کو حق تعالیٰ نے پوری مخلوق کے لئے ایسا عام فرما دیا ہے کہ امیر، غریب، عالم، جاہل، بادشاہ اور مزدور سب کو یہ دولت یکساں بیک وقت عطا ہوتی ہے، بلکہ دنیا کے حالات کا تجزیہ کریں تو غریبوں اور محنت کشوں کو یہ نعمت جیسی حاصل ہوتی ہے وہ مالداروں کو اور دنیا کے بڑوں کو نصیب نہیں ہوتی، ان کے پاس راحت کے سامان، راحت کے مکان، ہوا اور سردی گرمی کے اعتدال کی جگہ نرم گدے، تکیہ، سب کچھ ہوتے ہیں جو غریبوں کو بہت کم ملتے ہیں مگر نیند کی نعمت ان گدوں، تکیوں یا کوٹھی، بنگلوں کی فضا کے تابع نہیں وہ تو حق تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جو براہ راست اس کی طرف سے ملتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝۱۰

اور بنایا رات کو اوڑھنا ☆

رات کا لباس: جیسے آدمی کپڑا اوڑھ کر اپنے بدن کو چھپا لیتا ہے اسی طرح رات کی تاریکی مخلوق کی پردہ داری کرتی ہے اور جو کام چھپانے کے لائق ہوں عموماً رات کے اندھیرے میں کیے جاتے ہیں۔ اور حسی طور پر بھی شب کو کپڑا اوڑھنے کی ضرورت دن سے زیادہ ہوتی ہے کیونکہ نسبتاً وہ وقت خنکی اور ٹھنڈک کا ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝۱۱

اور بنایا دن کمائی کرنے کو ☆

کام کاج کے لئے دن:

یعنی عموماً کاروبار اور کمائی کے دھندے دن میں کیے جاتے ہیں جن کا مقصد یہی ہے کہ اپنی اور اپنے بال بچوں کی حوائج کی طرف سے دل کو سکون و اطمینان نصیب ہو۔ آگے رات دن کی مناسبت سے آسمانوں اور سورج کا ذکر فرماتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ زمین کے مقابل آسمان کا بیان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رات سکون کا باعث بن جاتی ہے اور بر خلاف رات کے دن کو ہم نے روشن اجالے اور اندھیرے بغیر کا بنایا ہے۔ تاکہ تم کام دھندا اس میں کر سکو، جا آ سکو، بیوپار، تجارت، لین دین کر سکو اور اپنی روزیاں اور رزق حاصل کر سکو۔ اور ہم نے جہاں تمہیں رہنے سہنے کو زمین بنا دی، وہاں ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے، جو بڑے لمبے چوڑے، مضبوط، پختہ، عمدہ اور زینت والے ہیں، تم دیکھتے ہو کہ ان میں ہیروں کی طرح چمکتے ہوئے ستارے لگ رہے ہیں۔ بعض چلتے پھرتے رہتے ہیں، اور بعض ایک جگہ قائم ہیں۔ پھر فرمایا کہ ہم نے سورج کو چمکتا چراغ بنایا جو تمام جہاں کو روشن کر دیتا ہے، ہر چیز کو جگمگا دیتا ہے۔ اور دنیا کو منور کر دیتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝۱۲

اور چنی ہم نے تم سے اوپر سات چنائی مضبوط ☆

سات آسمان:

یعنی سات آسمان بہت مضبوط بنائے۔ جن میں آج تک اس قدر مدت گزرنے کے باوجود کوئی رخنہ نہیں پڑا۔

وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿۱۳﴾

اور بنایا ایک چراغ چمکتا ہوا ☆

روشن سورج:

یعنی آفتاب جس میں روشنی اور گرمی دونوں وصف موجود ہیں۔

وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۴﴾

اور اُتارا نچڑنے والی بدلیوں سے پانی کا ریلا ☆

بارش کا نظام:

نچڑنے والی بدلیاں یا نچوڑنے والی ہوائیں۔

لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ﴿۱۵﴾

تاکہ ہم نکالیں اُس سے اناج اور سبزہ

وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿۱۶﴾

اور باغ پتوں میں لپٹے ہوئے ☆

کفیت و باغ:

یعنی نہایت گنجان اور گھنے باغ' یا یہ مراد ہو کہ ایک ہی زمین میں مختلف قسم کے درخت اور باغ پیدا کیے (تنبیہ) قدرت نے عظیم الشان نشانیاں بیان فرما کر جتلا دیا کہ جو خدا ایسی قدرت و حکمت والا ہے کیا اسے تمہارا دوسری مرتبہ پیدا کر دینا اور حساب و کتاب کے لیے اٹھانا کچھ مشکل ہوگا؟ اور کیا اس کی حکمت کے یہ بات منافی نہ ہوگی کہ اتنے بڑے کارخانہ کو یوں ہی خلط ملط بے نتیجہ پڑا چھوڑ دیا جائے۔ یقیناً دنیا کے اس طویل سلسلہ کا کوئی صاف نتیجہ اور انجام ہونا چاہیے اسی کو ہم "آخرت" کہتے ہیں جس طرح نیند کے بعد بیداری اور رات کے بعد دن آتا ہے ایسے ہی سمجھ لو کہ دنیا کے خاتمہ پر آخرت کا آنا یقینی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جب ثابت ہو گیا کہ جو ان چیزوں کو ابتداء عدم سے وجود میں لا سکتا ہے وہ دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے اور اس عظیم الشان سنسار کی ہستی بغیر اس کے کہ اس کا خالق حکیم ہو ممکن نہیں اور کائنات میں سے کسی چیز کا وجود بیکار اور منافی حکمت نہیں (اور لامحالہ اس کائنات سے فائدہ اندوزی کی باز پرس انسان سے ہونی چاہیے) تو سننے والے کو شوق پیدا ہوا کہ فیصلہ کا وقت اور اس کی تفصیل معلوم ہو۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ﴿۱۷﴾

بیشک دن فیصلے کا ہے ایک وقت ٹھہرا ہوا ☆

فیصلہ کا دن:

فیصلہ کا دن وہ ہوگا جس میں نیک کو بد سے بالکلیہ الگ کر دیا جائے کہ کسی قسم کا اشتراک و اجتماع باقی نہ رہے ہر نیکی اپنے معدون میں اور ہر بدی اپنے مرکز پر جا پہنچے۔ ظاہر ہے کہ ایسا کامل امتیاز و افراق اس دنیا میں نہیں ہو سکتا کیونکہ یہاں رہتے ہوئے زمین' آسمان' چاند' سورج' رات دن' سونا جاگنا' بارش بادل' باغ کھیت اور بیوی بچے تمام نیکوں اور بدوں میں مشترک ہیں ہر کافر اور مسلم ان سامانوں سے یکساں متمتع ہوتا ہے اس لیے ضرور ہے کہ "يَوْمَ الْفَصْلِ" ایک دن موجودہ نظام عالم کے ختم کیے جانے کے بعد ہو اس کا تعین اللہ کے علم میں ٹھہرا ہوا ہے۔

يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ

جس دن پھونکی جائے صور پھر تم چلے آؤ

اَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾

جٹ کے جٹ ☆

باعتبار عقائد لوگوں کی تقسیم:

یعنی کثرت سے الگ الگ جماعتیں اور ٹولیاں بن کر جن کی تقسیم ان کے ممتاز عقائد و اعمال کی بناء پر ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ قیامت کے روز تین فوجوں میں تقسیم ہونگے ایک فوج ان لوگوں کی ہوگی جو پیٹ بھرے ہوئے لباس پہنے ہوئے سواریوں پر سوار ہو کر میدان حشر میں آئیں گے دوسری فوج پیادہ لوگوں کی ہوگی جو چل کر میدان میں آئیں گے تیسری فوج ان لوگوں کی ہوگی جن کو چہروں کے بل گھسیٹ کر میدان حشر میں لایا جائے گا۔ (مظہری بروایت نسائی و حاکم و بیہقی)

بعض روایات میں افواج کی تشریح دس قسم کی افواج سے کی گئی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حاضرین محشر کی بیشمار جماعتیں اپنے اپنے اعمال و کردار کے اعتبار سے ہوں گی ان اقوال میں کوئی تضاد نہیں سب جمع ہو سکتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

صور کیا ہے: مدرک باسناد صحیح روایت ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا صور سینگ کی شکل کی ہوگی جس میں پھونکا جائیگا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی روایت آئی ہے سورہ الحاقہ میں اس کا بیان گزر چکا ہے وہب کا قول ہے کہ صور کی ساخت سفید موتی کی ہوگی جس میں چمک شیشہ کی طرح ہوگی ہر زوج کی تعداد کی برابر اس میں سوراخ ہوں گے سورہ المدثر میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا۔ یعنی صور پھونکتے ہی تم قبروں سے نکل کر جماعت در جماعت ہو کر حساب کے مقام پر آ ؤ گے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم سے سچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا کہ قیامت کے دن حشر کے موقع پر لوگوں کے تین گروہ ہوں گے ایک گروہ ان لوگوں کا ہوگا جو کھانے سے سیر لباس پوش اور سواریوں پر سوار ہونگے دوسرا گروہ پیادہ دوڑتا ہوگا تیسرے گروہ کو منہ کے بل گھسیٹ کر لایا جائے گا۔ (نسائی۔ حاکم بیہقی)

امت کے دس گروہ:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ تلاوت کرنے کے بعد فرمایا۔ وقت حشر میری امت کے دس گروہ ہونگے ایک قطار کی صورت میں بندروں کی طرح ہونگی یہ قدریہ ہونگے۔ ایک قطار سوروں کی شکل پر ہوگی یہ مرجیۂ ہوں گے ایک قطار سوروں اور کتوں جیسی ہوگی یہ حروریہ ہونگے ایک گروہ کی صورت گدھوں کی طرح ہوگی یہ رافضی ہوں گے ایک گروہ کی شکل چھوٹی چیونٹیوں کی طرح ہوگی۔ یہ متکبروں کا گروہ ہوگا۔ ایک قطار چوپاؤں کی شکل کی ہوگی۔ یہ سود خور ہوں گے۔ ایک گروہ درندوں کی صورت کا ہوگا۔ یہ زندیق ہوں گے۔ ایک گروہ کا حشر منہ کے بل ہوگا۔ یہ مصور اور دوسروں کی عیب چینی کرنے والے ہوں گے۔ اور دوسروں پر طنز وطعن کرنے والے ہوں گے۔ ایک گروہ ناز وادا سے ٹہلنے والوں کا ہوگا۔ یہ لوگ مقرب ہوں گے ایک گروہ وہ ہوگا جو شکم سیر ہوگا۔ یہ دائیں طرف والے ہوں گے۔ ابن عساکر نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے یہ حدیث منکر ہے اس کی اسناد میں کچھ مجہول راوی ہیں۔

خطیب نے (السراج المنیر میں) ان الفاظ کے ساتھ حدیث کو نقل کیا ہے کہ میری امت کی دس اصناف کا حشر دس گروہوں کی صورت میں ہوگا۔ بعض کی صورتیں بندروں کی ہوں گی یہ چغل خور ہوں گے۔ بعض سوروں کی شکل پر ہوں گے۔ یہ حرام خور ہوں گے۔ بعض سرنگوں ہوں گے۔ ٹانگیں اوپر اور آنکھیں اور چہرے نیچے ان کو اس طرح گھسیٹا جائے گا۔ یہ سود خور ہوں گے کچھ لوگ نابینا ہوں گے۔ ادھر ادھر سرگرداں ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو فیصلے میں ظلم کرتے تھے۔ بعض گونگے بہرے اور بے عقل ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنے اعمال پر مغرور تھے۔ بعض لوگوں کی زبانیں سینہ پر لٹکتی ہوں گی اور ان کے منہ سے لہو اور پیپ بہتا ہوگا۔ جس سے مجمع میں تعفن پیدا ہوگا۔ یہ وہ علماء اور واعظ ہوں گے۔ جن کا کردار گفتار کے خلاف تھا۔ بعض لوگوں کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں گے۔ یہ پڑوسیوں کو دکھ دینے والے لوگ ہوں گے۔ بعض لوگوں کو آتشی تختے پر صلیب دی گئی ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو حاکم سے جا کر لوگوں کی چغلیاں کھاتے تھے۔ اور بعض لوگوں کی بدبو مردار سے زیادہ سڑی ہوئی ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو نفسانی خواہشات اور لذات میں مزے اڑاتے تھے اور اللہ کے (مالی) حق کو اپنے مالوں کے ساتھ روکے رکھتے تھے۔ (زکوۃ عشر وغیرہ ادا نہیں کرتے تھے) بعض لوگوں کو تارکول کی لمبی چادریں پہنائی جائیں گی۔ یہ رعونت فخر اور غرور کرنے والے ہوں گے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بھی براویت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ایسی ہی حدیث بیان کی ہے جس کو ثعلبی نے نقل کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿۱۹﴾

اور کھولا جائے آسمان تو ہو جائیں اُس میں دروازے ☆

آسمان پھٹ جائیں گے:

یعنی آسمان پھٹ کر ایسا ہو جائے گا گویا دروازے ہی دروازے ہیں۔ شاید اسی کی طرف اشارہ ہے جو دوسری جگہ فرمایا "وَیَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِکَۃُ تَنْزِیْلًا" (فرقان رکوع ۳)۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ جہنم کے پل پر نگراں فرشتوں کی چوکی ہوگی جس کے پاس جنت جانے کا پروانہ ہوگا اس کو گذرنے دیا جائے گا۔ جس کے پاس نہ ہوگا اس کو روک لیا جائے گا۔ (قرطبی، معارف مفتی اعظم)

وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿۲۰﴾

اور چلائے جائیں گے پہاڑ تو ہو جائیں گے چمکتا ریتا ☆

پہاڑ ریت بن جائیں گے:

جیسے چمکتی ریت پر دور سے پانی کا گمان ہو جاتا ہے ایسے ہی ان پر پہاڑوں کا گمان ہوگا۔ حالانکہ واقع میں وہ پہاڑ نہیں رہینگے محض ریت کے تودے رہ جائینگے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿۲۱﴾

بیشک دوزخ ہے تاک میں

لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ﴿۲۲﴾

شریروں کا ٹھکانا ☆

شریروں کا ٹھکانہ:

یعنی دوزخ شریروں کی تاک میں ہے اور ان ہی کا ٹھکانا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سرکش شریر کون ہے:

طاغین طاغی کی جمع ہے طغیان سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں سرکشی اور

طاغی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو سرکشی اور نافرمانی میں حد سے گذر جائے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے جبکہ وہ ایمان سے نکل جائے اس لیے طاغین سے مراد اس جگہ کفار ہوں گے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد وہ بدعقیدہ گمراہ مسلمانوں کے فرقے ہوں جو قرآن وسنت کی حدود سے نکلے ہوئے ہیں اگرچہ صراحۃً کفر اختیار نہیں کیا۔ جیسے روافض خوارج معتزلہ وغیرہ۔ (کمافی المظہری)

فرشتوں کا گھات میں بیٹھنا:

مطلب یہ ہے کہ جہنم کے پل پر عذاب اور رحمت کے فرشتے گذرنے والوں کی تاک میں رہیں گے عذاب کے فرشتے تو کافروں کی گھات میں رہیں گے کہ ان کو پکڑ کر دوزخ میں پھینک دیں اور عذاب دیں اور رحمت کے فرشتے ایمان والوں کی تاک میں ہوں گے کہ پل صراط سے گذرتے وقت مؤمنوں کو جہنم کی لپٹ اور پل پر دوطرفہ لگے ہوئے آنکڑوں سے محفوظ رکھیں۔ اس تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم سب لوگوں کی گذرگاہ ہوگی۔ تمام آدمی اس پر سے گذریں گے جیسا کہ آیت وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا میں آیا ہے اس صورت میں مرصاد کا معنی ہوگا گھات کا راستہ یا مرصاد کا مفہوم التزامی ہوگا۔ راستہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مرصاد سے مراد ہے کافروں کے لیے تیار کیا ہوا۔ ارصدت الشئی میں نے وہ چیز تیار کی ہے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مرصاد مبالغہ کا صیغہ ہو۔ یعنی کافروں کو تاکنے اور ان کی گھات لگانے میں بڑی کوشش کرنے والا تاکہ کوئی کافر بچ کر نہ نکل جائے۔ بیہقیؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کہ صراط تلوار کی دھار کی طرح بہت تیز اور باریک ہوگی۔ اور ملائکہ ایماندار مردوں اور عورتوں کی حفاظت کرتے ہوں گے۔ جبرائیل میری کمر پکڑے ہوں گے۔ اور میں کہتا ہوں گا الٰہی بچا! الٰہی بچا! اور پھسل کر گرنے والے اور گرنے والیاں بہت ہوں گے۔ ابن مبارک بیہقیؒ اور ابن ابی الدنیاؒ نے حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم پر صراط تلوار کی دھار کی طرح ہوگی اس کے دوطرفہ آنکڑے اور کانٹے ہوں گے آنکڑوں کے ذریعہ سے لوگوں کو اچک لیا جائے گا۔

الٰہی بچا الٰہی بچا:

قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے صرف ایک آنکڑے سے قبائل مضر و ربیعہ سے بھی زیادہ لوگ پکڑ لیے جائیں گے۔ اور ملائکہ اس کے کنارے پر کھڑے کہتے ہوں گے۔ الٰہی بچا الٰہی بچا۔ بیہقیؒ نے عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ صراط تلوار کی دھار کی طرح باریک اور تیز ہوگی اور پھسلواں لغزش الٰہی ہوگا۔ ملائکہ اور انبیاء کھڑے کہہ رہے ہوں گے الٰہی بچا! الٰہی بچا! اور کچھ فرشتے کافروں کو آنکڑوں سے پکڑ رہے ہوں گے۔

سات جگہ سوال:

بیہقیؒ نے بروایت مقسم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جہنم کے پل پر سات جگہ لوگوں کو روکا جائے گا۔ پہلی جگہ بندے سے **لا الٰہ الا اللہ** کی شہادت پوچھی جائے گی اگر اس نے شہادت پوری دی ہوگی تو دوسرے مقام سے گذارا جائے گا۔ وہاں اس سے نماز کی باز پرس ہوگی۔ اگر اس نے نماز بھی ٹھیک ادا کی ہوگی تو تیسرے مقام سے گذارا جائے گا۔ وہاں زکوٰۃ کی پرسش ہوگی اگر زکوٰۃ بھی پوری دی ہوگی۔ تو چوتھے مقام سے گذارا جائے گا۔ وہاں روزہ کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی۔ اگر روزے ٹھیک ادا کیے ہوں گے۔ تو پانچویں مقام تک چلا جائے گا۔ وہاں حج کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اگر ٹھیک طور پر حج ادا کیا ہوگا۔ تو چھٹے مقام تک چلا جائے گا۔ وہاں عمرہ کا پوچھا جائے گا۔ اگر یہ بھی کر چکا ہوگا۔ تو ساتویں مقام پر بندوں کے حقوق کے متعلق دریافت کیا جائے گا اگر اس مقام سے بھی نکل گیا تو خیر ورنہ کہا جائے گا۔ کہ دیکھو اس کے پاس کچھ نوافل ہیں نوافل سے اس کے فرض اعمال کو پورا کیا جائے گا۔ سب امور سے فارغ ہو جائے گا تو اس کو جنت کی طرف لیجایا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

لٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾

رہا کریں اس میں قرنوں ☆

جہنم میں قیام کب تک:

جن کا کوئی شمار نہیں۔ قرن پہ قرن گزرتے چلے جائینگے۔ اور ان کی مصیبت کا خاتمہ نہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

لٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا، لَابِثِيْنَ. لا بث کی جمع ہے۔ جس کے معنی ٹھہرنے والے اور قیام کرنے والے کے ہیں احقاب حقبہ کی جمع ہے۔ زمانہ دراز حقبہ کو کہا جاتا ہے اس کی مقدار میں اقوال مختلف ہیں۔ ابن جریر نے حضرت علی کرم وجہ اللہ سے اس کی مقدار اسی سال نقل کی اور ہر سال بارہ مہینے کا اور ہر مہینہ تیس دن کا اور ہر دن ایک ہزار سال کا۔ اسی طرح دو کروڑ اٹھاسی لاکھ سال کا ایک حقبہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عمر ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ نے مقدار حقبہ اسی کے بجائے ستر سال دی ہے۔ باقی حساب وہی ہے۔ (ابن کثیر)

مگر مسند بزار میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ مرفوعاً یہ منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔

لا یخرج احدکم من النار حتی یمکث فیہ احقابا و الحقب بضع و ثمانون سنة کل سنة ثلثمائة و ستون یوما مما تعدون. (ازمظہری)

”تم میں سے جو لوگ گناہوں کی سزا میں جہنم میں ڈالے جائیں گے

کوئی اس وقت تک جہنم سے نہ نکلے گا۔ جب تک اس میں چند احقاب نہ رہ لے اور حقبہ کچھ اوپر اسی سال اور ہر سال تین سو ساٹھ دن کا ہے۔ تمہارے موجودہ دنوں کے مطابق''۔

سدی نے حضرت مرہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ کفار اہل جہنم کو اگر یہ خبر دی جائے کہ ان کا قیام جہنم کے یہ ہوں کہ احقاب زمانہ تک یہ لوگ نہ ٹھنڈی لذیذ ہوا کا مزہ چکھیں نہ کسی کھانے اور پینے کی چیز کا۔ بجز حمیم اور غساق پھر احقاب گذرنے کے بعد ہوسکتا ہے کہ یہ حال بدل جائے۔ اور دوسری اقسام کے عذاب ہونے لگیں
بالآخر کلمہ توحید کی بدولت جہنم سے نکال لیے جاویں گے۔

مظہری نے اس احتمال کی تائید میں وہ مرفوع حدیث بھی پیش کی جو اوپر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مسند بزار نقل ہو چکی ہے جس میں آپ نے یہی فرمایا ہے کہ مدت احقاب گزرنے کے بعد یہ لوگ جہنم سے نکال لیے جاویں گے۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اس پر تین بل ہیں پھر فرمایا وہ اس میں مدتوں اور قرنوں پڑے رہیں گے۔ احقاب جمع ہے حقب کی ایک لمبے زمانے کو کہتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ حقب اسی سال کا ہوتا ہے سال بارہ مہینے کا مہینہ تیس دن کا اور ہر دن ایک ہزار سال کا اور یہ بہت سے صحابہ اور تابعین سے مروی ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ابو العلاء نے سلیمان تیمیؒ سے پوچھا کہ کیا جہنم سے کوئی نکلے گا بھی۔ تو جواب دیا کہ میں نے نافع سے انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی قسم جہنم میں سے کوئی بھی بغیر مدت دراز نہ نکلے گا۔ پھر فرمایا کہ اسی سال سے کچھ اوپر کا حقب ہوتا ہے۔ اور ہر سال تین سو ساٹھ دن کا جو تم گنتے ہو۔

ہمیشہ رہیں گے:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ احقاب کبھی ختم نہیں ہوتے ایک حقب ختم ہوا دوسرا شروع ہو گیا۔ ان احقاب کی صحیح مدت کا اندازہ صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ ہاں ہم نے یہ سنا ہے کہ ایک حقب اسی سال کا اور ایک سال تین سو ساٹھ دن کا ہر دن دنیا کے ایک ہزار سال کا۔ ان جہنمیوں کو نہ تو کلیجے کی ٹھنڈک نصیب ہوگی۔ نہ کوئی اچھا پانی پینے کو ملے گا۔ ٹھنڈک کے بدلے گرم کھولتا ہوا پانی ملے گا اور کھانے پینے کی چیز بہتی ہوئی پیپ ملے گی۔ حمیم اتنے سخت گرم کو کہتے ہیں کہ جس کے بعد حرارت کا کوئی درجہ نہ ہو۔ اور غساق کہتے ہیں جہنمی لوگوں کے لہو، پیپ، پسینہ، آنسو۔ اور زخموں سے بہتے ہوئے خون و پیپ وغیرہ کو۔ اس گرم چیز کے مقابلے میں اس قدر سرد ہوگی جو بجائے خود عذاب ہے۔ اور بے حد بدبودار ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

لٰبِثِیْنَ فِیْهَاۤ اَحْقَابًا طاغی دوزخ میں صدیوں تک رہیں گے۔ احقاب حقب کی جمع ہے ایک حقب اسی برس کا ہوگا اور ہر سال بارہ مہینے کا۔ اور ہر مہینہ تیس دن کا اور ہر دن اس دنیا کے ہزار برس کا ہے۔ بقول بغوی یہ تفصیل حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور بقول ہناد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے مجاہد نے کہا الاحقاب ۴۳ حقبہ کا ہر حقبہ ستر خریف کا اور ہر خریف سات سو سال کا ہر سال تین سو ساٹھ دن کا اور ہر دن دنیا کے ہزار برس کا۔ مقاتل بن حیان نے کہا کہ ایک حقب سترہ ہزار برس کا ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

کفار اور اہل بدعت کا عذاب:

ہم الطاغین کے لفظ کو اہل بدعت پر محمول کرتے ہیں جن کے عقائد پر کفر لازم آتا ہے وہ خود مدعی اسلام ہیں اس لیے ان کا حکم کافروں جیسا نہیں نہ ان کا عذاب دائمی ہے بلکہ ان کی عذاب کی مدت لمبی ہے۔ جس کی تعبیر لفظ احقابًا سے کی گئی ہے۔ اب آیات میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا۔ آیات محکمات میں کافروں کے لیے دوامی عذاب کی صراحت ہے۔ اور اس آیت میں اہل بدعت کے عذاب طویل کی نص میرے اس قول کی تائید بزار کی نقل کردہ روایت سے بھی ہوتی ہے۔ جس کے راوی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی قسم کوئی بھی دوزخ سے نہ نکلے گا۔ تاوقتیکہ احقاب تک اس میں نہ رہ چکا ہو۔ حقب کچھ اوپر اسی سال کا ہوگا۔ اور ہر سال تمہاری گنتی کے تین سو ساٹھ دن کا یہ حدیث بتا رہی ہے کہ مدت مذکور گزرنے کے بعد طاغین دوزخ سے نکل آئیں گے۔ (تفسیر مظہری)

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾

نہ چکھیں وہاں کچھ مزہ ٹھنڈک کا اور نہ پینا ملے کچھ

اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿۲۵﴾

مگر گرم پانی اور بہتی پیپ ☆

کسی قسم کی کوئی راحت نہ ہوگی:

یعنی نہ ٹھنڈک کی راحت پائینگے نہ کوئی خوشگوار چیز پینے کو ملے گی ہاں گرم پانی ملے گا جس کی سوزش سے منہ جھلس جائینگے اور آنتیں کٹ کر پیٹ سے باہر آپڑیں گی اور دوسری چیز پیپ ملے گی جو دوزخیوں کے زخموں سے نکل کر بہے گی اعاذنا اللہ منها ومن سائر انواع العذاب فی الدنیا والاخرة. (تفسیر عثمانی)

شدید گرم اور شدید ٹھنڈا پانی ملے گا:

الحمیم بہت ہے گرم پانی۔ حدیث میں آیا ہے کہ لوہے کی چمٹیوں سے

پکڑ کر سخت گرم پانی ان کو پیش کیا جائے گا۔ جب وہ پانی ان کے منہ کے قریب آئے گا تو چہرے بھن جائیں گے۔ اور پیٹوں میں اتریگا۔ تو پیٹ کے اندرونی احشاء پارہ پارہ ہو جائیں گے۔ (ترمذی و بیہقی بروایت حضرت ابو درداء)

الغساق کیا ہے ہناد نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ غساق انتہائی سرد جس کی شدت برودت کی وجہ سے دوزخی اس کو نہ پی سکیں گے۔ بغویؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جس طرح آگ گرمی کی وجہ سے جلاتی ہے غساق سردی کی وجہ سے ان کو سوختہ کر دے گا۔ مقاتل نے کہا غساق وہ چیز ہے جس کی سردی آخری حد کو پہنچی ہوئی ہو۔ ہناد نے ابو العالیہ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت میں پینے کی چیزوں سے گرم ترین پانی کا استثناء کیا گیا ہے۔ اور سرد سے غساق کا۔

پیپ اور زہر پئیں گے:

ہناد کی روایت ہے کہ عطیہ کے نزدیک غساق کا معنی ہے دوزخیوں کا بہتا ہوا لہو۔ ابراہیم نخعی اور ابی زرین کا بھی یہی قول مروی ہے اس قول پر لفظ غساق غَسَقَتْ کا مصدر ہوگا۔ اور اس کا معنی ہوگا بہنا غَسَقَتْ بہہ گیا۔

ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا نے کعب کا قول نقل کیا ہے۔ کہ غساق جہنم کا ایک چشمہ ہے جس میں سانپ بچھو ہر زہریلے جانور کا زہر بہہ کر جمع ہوگا۔ اور آدمی کو لا کر اس میں ایک ہی مرتبہ غوطہ دیا جائے گا۔ تو کھال ہڈیوں سے گر جائے گی۔ اور گوشت ٹخنوں پر آ کر گرے گا۔ اور وہ اپنے گوشت کو اس طرح کھینچتا پھرے گا۔ جیسے آدمی اپنے وسیع کپڑے کو کھینچتا ہے۔

یعنی اس حالت میں وہ دوزخ میں رہیں گے اور لاتعداد برسوں تک سوائے حمیم اور غساق کے اور کچھ نہ چکھیں گے گویا عدم ذوق کے ساتھ ان کے دوزخ کے اندر سکونت حقب در حقب ہوگی۔ اور ان احقاب کے گذر جانے کے بعد کیا ہوگا تو شاید وہ مزید شدید ترین عذاب میں احقاب عدم ذوق گذرنے کے بعد مبتلا کر دیئے جائیں ظاہر یہ ہے کہ لا یذوقون حال مرادف ہے لابثین حال اول ہے اور یہ اس حال سے ہے۔

جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿۲۶﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا
بدلہ ہے پورا اُن کو توقع نہ
يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿۲۷﴾ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
تھی حساب کی اور جھٹلاتے تھے ہماری آیتوں کو
كِذَّابًا ﴿۲۸﴾
مکرا کر☆

یعنی جس چیز کی امید ان کو نہ تھی وہ ہی سامنے آئی اور جس بات کو جھٹلاتے تھے آنکھوں سے دیکھ لی اب دیکھیں کیسے جھٹلاتے اور مکرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بد اعمالی کے موافق عذاب:

یعنی اس کو ایسا بدلہ دیا جائے گا۔ جو ان کے اعمال اور بیہودگیوں کے موافق ہوگا۔ مقاتل نے کہا وفاقا کا یہ مطلب ہے کہ عذاب گناہ کے مطابق ہوگا۔ اور شرک سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں لہٰذا جزاء وفاقا کا یہ معنی ہوا کہ سخت ترین عذاب بیاس تقدیر پر ہوگا۔ کہ الطاغین سے کفار مراد ہوں۔

ہماری رائے کے موافق اگر الطاغین سے مراد اہل بدعت ہوں تو جزاء وفاقا پہلے جملہ کی تاکید نفسی نہ ہوگی بلکہ تاکید لغیرہ ہو جائے گی۔ اور نئے معنی کا فائدہ دے گی۔ اور تاسیس (نئے معنی کی افادیت) تاکید محض اولیٰ ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہوگا۔ کہ اہل بدعت کے عقائد جس قدر حق سے دور ہوں گے اسی کے موافق ان کے عذاب کی نوعیت اور کیفیت ہوگی۔ اور جہنم کے اندر بعض کا قیام زیادہ ہوگا اور بعض کا کم بعض کا عذاب شدید ہوگا اور بعض کا ان سے خفیف اور یہ قیام جہنم اور عذاب زیادہ سے زیادہ احقاب کی میعاد تک پہنچے گا۔ اور کم سے کم ایک حقب ہوگا۔

وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا۔ اور ہماری آیات کی وہ پوری پوری تکذیب کرتے تھے۔ تمام بدعتیوں میں یہ وصف موجود ہے جیسا کہ ہم المرسلات میں ذکر کر چکے ہیں دیکھو رافضی تمام مناقب صحابہ کے منکر ہیں اور سب کو مرتد یا منافق قرار دیتے ہیں ہاں تین صحابیوں کو اس حکم سے (ارتداد ونفاق سے مستثنیٰ کہتے ہیں) ان کا خیال ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور دوسرے خلفاء کے ہاتھ میں جب اقتدار آیا تو انہوں نے زمین میں فساد برپا کر دیا۔ ان کا یہ بھی گمان ہے کہ صحابہ کا دور بدترین دور تھا۔ اور صحابہ کی جماعت بدترین جماعت تھی۔ حالانکہ صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا ہے كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اور اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ الخ اور اصحاب حدیبیہ کے متعلق فرمایا لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ اور السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ۔ اور ان کے علاوہ بکثرت آیات ہیں جن میں صحابہ کی مدح ہے۔

مسئلہ: ہماری تفسیر کے موافق آیت سے اہل بدعت کے عذاب پر روشنی پڑتی ہے رہے مسلمان تو ان کے قیام جہنم کی انتہائی مدت معیاد دنیا کے برابر ہوگی یعنی سات ہزار برس اور ان کو حمیم نہیں پلایا جائے گا۔ نہ اس طرح کا کوئی عذاب ہوگا۔ ابن ابی حاتم اور ابن شاہین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام امتوں کے مومن اہل کبائر اگر توبہ کیے بغیر مر گئے۔ تو ان میں سے جو لوگ جہنم میں داخل ہوں گے۔ ان کی آنکھیں نیلی نہ ہوں گی چہرے کالے نہ ہوں گے

۔شیطانوں کیساتھ زنجیروں میں باندھا نہ جائے گا۔ نہ ان کے گلے میں زنجیروں کے طوق ڈالے جائیں گے۔ نہ ان کو حمیم پلایا جائے گا۔ نہ ان کو قطران کا لباس پہنایا جائے گا۔ اللہ نے ان کے لیے دوام جہنم حرام کر دیا ہے۔ اور سجدوں کی وجہ سے ان کے چہروں کو آگ پر حرام کر دیا ہے ان میں سے بعض لوگوں کو آگ صرف قدموں تک پکڑے گی۔ بعض کو (صرف) ایڑیوں تک بعض کو صرف کمر تک بعض کو گلے تک گناہوں اور عملوں کی مقدار کے بقدر آگ گرفت کرے گی۔ بعض اس میں سے سال بھر رہ کر نکل آئیں گے۔ سب سے لمبی مدت قیام جہنم کی ان کے لیے دنیا کی عمر کے برابر ہوگی۔ بعض ابتدائے آفرینش دنیا سے لیکر فناء دنیا تک (جتنی مدت ہوگی اتنی ہی ان کے جہنم میں رہنے کی مدت ہوگی)۔ (الحدیث)

حاکم نے نوادر الاصول میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایسی ہی حدیث نقل کی ہے اس میں بھی یہ ہے کہ ان کو گرزوں سے نہیں مارا جائے گا۔ اور طبقہ جہنم میں نہیں پھینکا جائے گا۔ ان میں سے کچھ لوگ جہنم میں ایک ساعت رہ کر نکل آئیں گے کچھ ایک دن رہ کر نکل آئیں گے۔ کچھ سال بھر رہیں گے ان کی سب سے لمبی مدت قیام اتنی ہوگی۔ جتنی دنیا کے روز آفرینش سے فناء دنیا ہو گی۔ اور یہ سات ہزار برس کی ہوگی۔ میں کہتا ہوں حدیث میں سال سے مراد یہی دنیوی سال ہے۔ کیونکہ اسی سے ان کا قیام جہنم مدت دنیا کے مساوی ہوگا۔

بعض آیات میں یہ بھی مرفوعاً آیا ہے جس کے راوی ابن سعید ہیں کہ بعض ایماندار اہل کبائر کو گناہوں کی سزا میں آگ دکھ پہنچائے گی اور اللہ ان پر موت طاری کر دے گا۔ لیکن جب اذن شفاعت ہوگی اور انکی معافی ہوگی تو اللہ ان کو پھر زندہ کر دے گا۔ مگر کافروں کی حالت اس کے خلاف ہوگی۔ وہ دوزخ کے اندر نہ مریں گے۔

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ﴿٢٩﴾

اور ہر چیز ہم نے گن رکھی ہے لکھ کر ☆

ہر چیز محفوظ ہے:

یعنی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے اور اسی علم محیط کے موافق دفاتر میں باقاعدہ مندرج ہے۔ کوئی نیک و بد عمل اس کے احاطہ سے باہر نہیں۔ رتی رتی کا بھگتان کیا جائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَكُلَّ شَيْءٍ یہ فعل محذوف کا مفعول ہے جس کی تشریح آئندہ فعل میں کی گئی ہے۔ یعنی طاغیوں کے ہر عمل اور ہر بیہودگی کو ہم نے گھیر لیا ہے (احاطہ عددی کر لیا ہے)۔

أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا۔ کتاباً یا تمیز ہے یا حال ہے اور کتاب (مصدر) بمعنی مکتوب ہے یا مفعول مطلق جیسے ضربتھم سوطاً میں نے ان کو ضرب تازیانہ لگائی یعنی ہم نے ان کے عمل کو احصاء کر لیا ہے جیسے تحریر احصاء کر لیتی ہے یا کتاباً فعل محذوف کا مفعول ہے یعنی ہم نے ان کے اعمال کو احاطہ کر لیا ہے اور لوح محفوظ میں یا کرام کاتبین کے اعمال ناموں میں محفوظ کر رکھا ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ جملہ معترضہ ہے میرے نزدیک وفاقاً کی علت ہے جیسے إِنَّهُمْ كَانُوا مطلب یہ ہوگا کہ ہم ان کو اس لئے سزا دیں گے کہ وہ حساب کا انکار اور تکذیب کرتے تھے اور یہ سزا ان کے اعمال کے موافق ہوگی کیونکہ ان کے اعمال اور بیہودگیاں ہم نے لکھیں ہیں کوئی چیز بغیر لکھے نہیں رہی اسی کے مطابق ان کو سزا ملے گی۔ (تفسیر مظہری)

فَذُوقُوا فَلَن نَّزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ﴿٣٠﴾

اب چکھو کہ ہم نہ بڑھاتے جائیں گے تم پر مگر عذاب ☆

اب ہمیشہ کا عذاب ہے:

یعنی جیسے تم تکذیب و انکار میں برابر بڑھتے چلے گئے اور اگر بے اختیار موت نہ آجاتی تو ہمیشہ بڑھتے ہی چلے جاتے اب پڑے عذاب کا مزہ چکھتے رہو ہم بھی عذاب بڑھاتے چلے جائینگے۔ جس میں کبھی تخفیف نہ ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

اہل جہنم کے لئے شدید ترین آیت:

حضرت ابو برزۃ الاسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حسن بصریؒ نے ان سے دریافت کیا اہل جہنم کے لئے کون سی آیت سب سے زیادہ شدید ہے فرمایا، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ جب جہنمی تمنا کریں گے، یا اس بات کی درخواست کریں گے کہ کم از کم عذاب ہی کچھ کم کر دیا جائے تو اس پر اعلان ہوگا فَذُوقُوا فَلَن نَّزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کر کے فرمایا اس کے بعد تو اہل جہنم کی شدت و پریشانی کی کوئی حد ہی باقی نہ رہے گی اور حسرت و ویل کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا۔ (معارف کاندھلوی)

ابن ابی حاتمؒ، ابن مردویہ، اور ابن ابی ہریرہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً اور طبرانیؒ و بیہقیؒ نے بعث میں موقوفاً لکھا ہے کہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) دوزخیوں کے حق میں یہ آیت قرآن کی تمام آیات سے زیادہ سخت ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ﴿٣١﴾ حَدَائِقَ

بیشک ڈر والوں کو ان کی مراد ملنی ہے باغ ہیں

وَأَعْنَابًا ﴿٣٢﴾ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ﴿٣٣﴾

اور انگور اور نوجوان عورتیں ایک عمر کی سب ☆

پرہیزگاروں کیلئے انعامات:

یعنی نوخاستہ عورتیں جن کی جوانی پوری ابھار پر ہو گی! اور سب ایک ہی سن و سال کی ہونگی۔ (تفسیر عثمانی)

پرہیزگاروں کے لئے انعامات:

متقیوں کے لئے بڑی کامیابی ہوگی چمنستان اور انگور اور نوجوان، نوخیز شباب ہمجولی لڑکیاں اور چھلکتے جام ہوں گے۔ مفازاً (مصدر) کامیابی اور دوزخ سے نجات یا (اسم ظرف) مقام کامیابی۔ کواعب نوخیز شباب لڑکیاں۔ یہ کاعبٌ کی جمع ہے۔ اترابًا ہم جولی، ہم سن دھاقًا لبریز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حسن بصریؒ، قتادہؒ، یا پے درپے، سعید بن جبیر۔ یا صاف، عکرمہ۔ (تفسیر مظہری)

وَّكَاْسًا دِهَاقًا ۞٣٤
اور پیالے چھلکتے ہوئے ☆

یعنی شراب طہور کے لبریز جام۔ (تفسیر عثمانی)

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ۞٣٥
نہ سنیں گے وہاں بک بک اور نہ مکرانا ☆

یعنی جنت میں بے ہودہ بکواس یا جھوٹ فریب کچھ نہ ہوگا نہ کوئی کسی سے جھگڑے گا کہ جھوٹ بولنے اور مکرنے کی ضرورت پیش آئے۔ (تفسیر عثمانی)

جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ۞٣٦
بدلہ ہے تیرے رب کا دیا ہوا حساب سے ☆

یعنی رتی رتی کا حساب ہو کر بدلہ ملے گا اور بہت کافی بدلہ ملے گا۔ (تفسیر عثمانی)

جنت محض عمل سے نہیں ملتی:

حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے عمل سے جنت میں نہیں جا سکتا جب تک حق تعالیٰ کا فضل نہ ہو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی، آپ نے فرمایا ہاں میں بھی اپنے عمل سے جنت میں نہیں جا سکتا۔

درجات اخلاص کے مطابق ہوں گے:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے مطلب آیت کا یہ قرار دیا کہ یہ عطائے ربانی اہل جنت پر ان کے اعمال کے حساب سے مبذول ہوگی، اس عطا میں درجات بحساب اخلاص اور احسان عمل کے ہونگے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کے اعمال کا درجہ باقی امت کے اعمال کے مقابلے میں یہ قرار دیا ہے کہ صحابی اگر اللہ کی راہ میں ایک مد خرچ کرے جو تقریباً ایک سیر ہوتا ہے، اور غیر صحابی احد کے پہاڑ کے برابر خرچ کرے تو صحابی کا ایک مد اس پہاڑ سے بڑھا ہوا رہے گا۔ واللہ اعلم (معارف مفتی اعظم)

مطلب یہ ہے کہ ان کو کامل جزا اور کامل عطاء دی جائے گی۔

(یہ فقیر کہتا ہے کہ شاید یہ مطلب ہے کہ متقیوں کو کچھ ملے گا وہ بظاہر ان کے اعمال صالحہ کی جزاء ہوگی مگر حقیقت میں محض عطاء الٰہی ہوگی کیونکہ اعمال بذات خود موجب جزا نہیں ہیں)۔

حِسَابًا. یہ عَطَاءً کی صفت ہے پوری پوری۔ کامل عطاء۔ اَحْسَبْتُ فُلَانًا کے معنی یہ ہیں کہ میں نے اس کو اتنا دیا جو اس کے لئے کافی تھا یہاں تک کہ اس نے بس کہہ دیا۔ ابن عتبہ نے کہا عَطَاءً احِسَابًا یعنی عطاء کثیر برقول ابن عتبہ حِسَابًا تاکید لنفسہٖ ہوگا جیسے اَللّٰهُ اَكْبَرُ دَعْوَةَ الْحَقِّ اور لَهٗ عَلَيَّ اَلْفُ دِرْهَمٍ اعْتِرَافًا۔

جزا فضل الٰہی کے مطابق ملے گی:

مطلب یہ نکلے گا کہ اہل طغیان کو ان کے اعمال اور بیہودگیوں کے بقدر سزا ملے گی اور اہل تقویٰ کو ان کے اعمال کے مطابق جزاء میں کہتا ہوں کہ (جزا اعمال کے مطابق نہیں) بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور فضل کے مطابق ملے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے۔

كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ
وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

اور اہل عمل کے اخلاص اور ان کے مراتب قرب کے اعتبار سے جزا ملے گی کیونکہ مقربین کو تھوڑے عرصے کا بھی اتنا اجر ملے گا کہ ابرار کو زیادہ عمل کا بھی نہیں ملے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام:

بخاری و مسلم نے صحیحین میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابیوں رضی اللہ عنہم کو گالیاں نہ دو اگر تم میں سے کوئی (کوہ) احد کے برابر سونا بھی (راہ خدا میں) خرچ کر دے تو صحابیوں کے ایک مد بلکہ آدھے مد کے برابر بھی نہ ہوگا (مد بقدر ایک سیر) اور یہ تفاوت اہل قرب کے آپس میں بھی درجات قرب کے فرق کے لحاظ سے ہوگا۔ مجددؒ صاحب نے لکھا ہے کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہم اور بکثرت تابعین اور کچھ تبع تابعین یعنی مقربین کمالات نبوت کی وجہ سے دوامی تجلی ذات میں ڈوبے ہوئے تھے لیکن ان تینوں قرون (دوردن) کے بعد جن کے خیر ہونے کی شہادت (احادیث) میں آچکی ہے اس دولت عظمیٰ کی روشنی بجھ گئی اور اس کے نشانات بھی مٹ گئے پھر ہجرت سے ہزار سال کے بعد اللہ

نے بعض بزرگوں کو پیدا کیا اور ان کو اولین کی طرح کمالات عطا فرمائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا تھا کہ میری امت بارش کی طرح ہے جس میں نہیں جانا جا سکتا کہ اول حصہ بہتر ہے یا آخر حصہ۔ ترمذیؒ بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اس امت کے اول و آخر کو یکساں قرار دیا کہ معلوم نہیں اس کا اول دور بہتر ہے یا آخر دور۔

امت محمدیہ کی حالت:

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن محمد کے دادا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خوش ہو جاؤ بشارت سن لو کہ میری امت کی حالت بارش کی طرح ہے جس میں معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا اول حصہ بہتر ہے یا آخر۔ یا باغ کی طرح ہے کہ جس سے ایک گروہ ایک سال اور دوسرا گروہ دوسرے سال پھل کھاتا ہے ممکن ہے کہ آخر (میں پھل کھانے والا) گروہ سب سے زیادہ لمبا چوڑا اور گہرا ہو اور سب سے زیادہ نیکیوں والا ہو۔ (الحدیث بیہقی)

اور رزین نے ایک صحابی کی روایت سے جنہوں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا نقل کیا ہے کہ اس امت کے آخر میں ایک قوم آئیگی جس کا اجر اوائل امت کی طرح ہوگا۔ (فی دلائل النبوہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری زندگی زمانہ گذشتہ امتوں کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسا عصر سے مغرب تک کا وقت۔ تمہاری مثال یہود و نصاریٰ کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے کسی نے کام کرنے کے لیے مزدور رکھا جائے اور کہا جو شخص دوپہر تک کام کرے گا اس کو ایک قیراط ملے گا نصاریٰ نے دوپہر چنانچہ یہودوں نے ایک قیراط کی شرط پر کام کیا پھر اس نے کہا کہ جو شخص دوپہر سے عصر تک کام کرے گا اس کو ایک ایک قیراط ملے گا نصاریٰ نے دوپہر سے عصر سے کیا پھر اس نے کہا کہ جو شخص نماز عصر سے مغرب تک کام کرے گا اس کو دو دو قیراط ملیں پس اب تم بھی وہ لوگ ہو جو عصر سے مغرب تک کام کرو گے۔ خوب سن لو تمہارے لیے دوہرا اجر ہے اس پر یہودی اور عیسائی ناراض ہو گئے اور کہنے لگے کام ہمارا زیادہ ہے اور عطیہ ہم کو کم ملا۔ اللہ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے حق میں سے کچھ مار لیا ہے یہودی اور نصاریٰ نے کہا نہیں اللہ نے فرمایا تو پھر میری مہربانی ہے میں نے جس کو چاہا دیا۔ (بخاری)

میں کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو گذشتہ اقوام کے مقابلہ میں اس امت کی میعاد زندگی۔ عصر سے مغرب تک قرار دی اس کا مطلب یہ ہے کہ اس امت کی عمر میں کوتاہ عمل زیادہ ہونگے اور دو قیراط سے مراد اس کو مطلق کثرت ہے جیسے آیت ارجع ابصرو کرتین کی کثرت مراد ہے صرف دو گنا مراد نہیں ہے ہماری تفسیر پر اس آیت گذشتہ آیت جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا سے مربوط ہو جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

جنتیوں کے لباس:

ایک حدیث میں ہے کہ جنتیوں کے لباس ہی خدا کی رضامندی کے ہوں گے بادل ان پر آئیں گے اور ان سے کہیں گے ہم تم پر کیا برسائیں پھر وہ جو فرمائیں گے بادل ان پر برسائیں گے یہاں تک کہ نوجوان کنواری لڑکیاں بھی ان پر برسیں گی۔ (ابن ابی حاتم) (تفسیر ابن کثیر)

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا
جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ
بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ
اُن کے بیچ میں ہے بڑی رحمت والا ☆

یہ انعامات محض فضل ہے:

یہ بدلہ بھی محض بخشش اور رحمت سے ہے ورنہ ظاہر ہے اللہ پر کسی کا قرض یا جبر نہیں آدمی اپنے عمل کی بدولت عذاب سے بچ جائے یہ ہی مشکل ہے۔ رہی جنت وہ تو خالص اس کے فضل و رحمت سے ملتی ہے اس کو ہمارے عمل کا بدلہ قرار دینا یہ دوسری ذرہ نوازی اور عزت افزائی ہے۔

لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾
قدرت نہیں کہ کوئی اُس سے بات کرے ☆

جلال الٰہی:

یعنی باوجود اس قدر لطف و رحمت کے عظمت و جلال ایسا ہے کہ کوئی اس کے سامنے لب نہیں ہلا سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا
جس دن کھڑی ہو روح اور فرشتے قطار باندھ کر ☆

مخلوقات کی صف بندی:

روح فرمایا جانداروں کو یا ''روح القدس'' (جبریل) مراد ہوں اور بعض مفسرین کے نزدیک وہ روح اعظم مراد ہے جس سے بے شمار روحوں کا انشعاب ہوا ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

یوم کا تعلق لَا يَمْلِكُوْنَ سے ہے یعنی جس روز روح و ملائک کا قیام ہوگا اس روز اللہ سے کوئی خطاب نہ کر سکے گا یا لا يتكلمون سے متعلق ہے یعنی اس روز سوائے اس کے جس کو خدا اذن دے اور کوئی اللہ سے کلام نہیں کر سکے گا اول صورت زیادہ ظاہر ہے۔

روح کون ہے:

روح کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں ابن جریر نے حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ روح چوتھے آسمان پر ہے تمام انسانوں سے پہاڑوں سے ملائکہ سے بڑا ہے بغوی نے اتنا اور بھی بیان کیا ہے کہ وہ روزانہ بارہ ہزار تسبیح (سبحان اللہ) پڑھتا ہے اور اس کی ہر ایک تسبیح سے اللہ ایک فرشتہ کو پیدا کر دیتا ہے قیامت کے دن روح تنہا ایک صف ہوگا۔

اس آیت کے ذیل میں ابوشیخ نے ضحاک رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ روح اللہ کا صاحب ہے اس کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تمام فرشتوں سے بڑا ہے اگر منہ کھول دے تو سارے ملائک اس میں سما جائیں فرشتے اس کی ہیبت سے اس کی طرف نظر نہیں اٹھاتے اور اوپر کو نہیں دیکھتے ابوالشیخ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ روح ایک فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار منہ ہیں ہر منہ میں ستر ہزار زبانیں ہیں ہر زبان میں ستر ہزار بولیاں ہیں اور ان تمام بولیوں میں وہ اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے۔ ابوالشیخ نے باسناد عطا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ روح ایک فرشتہ ہے جس کے دس ہزار بازو ہیں۔ باسناد ابوطلحہ رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے کہ وہ جسمانیت میں سب فرشتوں سے بڑا ہے۔ بغوی نے عطاءؒ کی روایت میں اتنا اور نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن تنہا روح ایک صف میں اور باقی ملائکہ ایک صف میں کھڑے ہوں گے پس اس کی جسمانیت ان سب کے برابر ہوگی۔

ابوالشیخ نے مقاتل کا قول نقل کیا ہے کہ روح اشرف الملائکہ ہے، تمام ملائکہ سے زیادہ خدا کا مقرب ہے صاحب وحی ہے۔

اسی آیت کے ذیل میں ضحاک کا قول بروایت ابوالشیخ آیا ہے کہ روح حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام قیامت کے دن اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے اور اللہ کے خوف سے ان کے شانے لرز رہے ہوں گے اور عرض کرتے ہوں گے، تو پاک ہے سوائے تیرے کوئی معبود نہیں ہم نے مشرق سے لے کر مغرب تک کسی نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا۔ آیت يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا کا یہی مطلب ہے۔ ابونعیم رضی اللہ عنہ نے مجاہد رضی اللہ عنہ کا اور ابن مبارک نے ابوصالح مولی ام ہانی کا قول نقل کیا ہے کہ روح آدمی کی شکل کی ایک اور مخلوق ہے جو آدمی نہیں ہے۔ بغوی نے اتنا زائد بیان کیا ہے کہ وہ ایک قطار میں ہوگی اور ملائکہ ایک قطار میں ان کی بھی ایک جماعت ہوگی بغویؒ نے یہی قول قتادہ کا نقل کیا ہے۔

ابوالشیخ نے باسناد مجاہد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوعاً نقل کی ہے کہ اللہ کی فوجوں میں سے روح ایک فوج (جماعت) ہے جو ملائکہ نہیں اس کے سر بھی ہیں اور ہاتھ پاؤں بھی پھر یہ آیت تلاوت کی۔ يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا اور فرمایا کہ ایک ان کی جماعت ہوگی۔

بغویؒ نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے روح کو اولاد آدم کی شکل پر پیدا کیا ہے، جو فرشتہ آسمان سے اترتا ہے اس کے ساتھ روح کا ایک شخص ضرور ہوتا ہے۔ ابن مبارک اور ابوالشیخ نے بیہقی کا قول يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا ذیل میں نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن رب العالمین کے سامنے دو قطاریں کھڑی ہوں گی۔ ایک ملائکہ کی اور دوسری روح کی۔ بغویؒ نے حسن بصریؒ کا قول نقل کیا ہے کہ روح اولاد آدم ہے (یعنی آیت میں روح سے مراد آدمی ہیں) بروایت قتادہؒ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے قتادہؒ نے کہا کہ اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہ چھپایا کرتے تھے (یعنی یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اسرار میں سے ہے)

صَفًّا یقومون کے فاعل سے حال ہے یا فعل محذوف کا مصدر (مفعول مطلق) ہے یعنی وہ صف بستہ ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ

کوئی نہیں بولتا مگر جس کو حکم دیا

الرَّحْمَٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾

رحمٰن نے اور بولا بات ٹھیک ☆

جو بولے گا سچ بولے گا:

یعنی اس کے دربار میں جو بولے گا اس کے حکم سے بولے گا۔ اور بات بھی وہ ہی کہے گا جو ٹھیک اور معقول ہو مثلاً کسی غیر مستحق کی سفارش نہ کریگا۔ مستحق سفارش کے وہ ہی ہیں جنہوں نے دنیا میں سب باتوں سے زیادہ سچی اور ٹھیک بات کہی تھی یعنی لا الہ الا اللہ۔ (تفسیر عثمانی)

لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا کی تاکید ہے کیونکہ جب روح اور ملائکہ جو تمام مخلوق سے افضل اور اللہ کے سب سے مقرب ہیں اللہ کے سامنے بول نہیں سکتے تو دوسروں کا ذکر ہی کیا ہے۔

لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ یعنی کوئی نہ بول سکے گا سوا، اس کے جس کو بولنے یا شفاعت کرنے کی اللہ اجازت دے دے۔ یہ لَا يَتَكَلَّمُونَ کی ضمیر فاعل یا لَا يَمْلِكُونَ کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔ اول لفظی قرب کی وجہ سے زیادہ ظاہر ہے اور دوسرا معنی کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہے کیونکہ شفاعت کرنے اور بولنے کی اجازت روح و ملائکہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

مومن کو اجازت ہوگی:

اور وہ صحیح اور حق بات کہے اور اس پر اعتقاد بھی رکھتا ہو قول سے بطور کنایہ

اعتقاد مراد ہے کیونکہ اعتقاد کا اظہار قول سے ہی ہوتا ہے قَالَ کا عطف ہے اَذِنَ پر۔ یعنی دنیا میں اس نے اعتراف حق کیا ہو اور جھوٹی بات نہ کہی ہو اور سب سے بڑا جھوٹ کفر ہے کیونکہ کسی تاویل سے بھی کفر کا سچ ہونا ممکن نہیں کفر کے بعد اہل بدعت کے قول کا درجہ ہے کیونکہ قرآن ان کی تکذیب کر رہا ہے۔ بعض لوگوں نے قول صواب لا الٰہ الا اللہ کو قرار دیا ہے۔ پس کفار کو تو بولنے اور معذرت پیش کرنے کی بھی اجازت نہ ہوگی اور اہل بدعت کو شفاعت کی اجازت نہ ہوگی (کیونکہ دنیا میں وہ شفاعت کے منکر تھے اس سے اشارہ معتزلہ کی طرف ہے) (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ

وہ دن ہے برحق پھر جو کوئی چاہے بنا رکھے

اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾

اپنے رب کے پاس ٹھکانا ☆

اپنی نجات کا سامان کرلو:

یعنی وہ دن آنا تو ضروری ہے اب جو کوئی اپنی بہتری چاہے اس وقت کی تیاری کر رکھے۔ (تفسیر عثمانی)

مآب جائے رجوع اللہ کے قرب تک پہنچانے والا راستہ یعنی جو چاہے طاعات۔ اتباع انبیاء علیہم السلام اور مجذوب و سالک اہل ہدایت کی پیروی کر کے اللہ تعالیٰ کے قرب کا راستہ اختیار کرے فمن میں فاء سببی ہے کیونکہ اللہ تک پہنچنے والا راستہ اختیار کرنے کا سبب قیامت کا برحق ہونا ہے۔ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا کے متعلق ہے یا حال ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا يَّوْمَ

ہم نے خبر سنا دی تم کو ایک آفت نزدیک آنے والی کی جس دن

يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ

دیکھ لے گا آدمی جو آگے بھیجا اسکے ہاتھوں نے

سب عمل سامنے آئیں گے:

یعنی سب اچھے برے اگلے پچھلے اعمال سامنے ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

اے کافرو ہم تم کو عذاب کے قریب سے ڈراتے ہیں۔ عذاب قریب سے مراد یا عذاب آخرت ہے کیونکہ جو آنے والا ہے وہ قریب ہی ہے یا عذاب قبر مراد ہے اور موت جوتا کے تسمہ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

ہر شخص قیامت کے دن اپنے اس عمل کو جو پہلے اس نے دنیا سے بھیجا ہوگا اپنے اعمالنامے میں دیکھے گا یا اس کا بدلہ آخرت میں دیکھے گا یا قبر میں دیکھے گا۔

نکتہ: اعمال کو بھیجنے کی نسبت ہاتھوں کی طرف اس لئے کی کہ عموماً کام ہاتھ سے ہی ہوتے ہیں یا یدٰ (ہاتھ) سے بطور کنایہ قدرت اور قوت مراد ہے۔

قبر کی منزل:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخرت کی منزلوں میں قبر پہلی منزل ہے اگر اس سے بچ گیا تو اس کے بعد والی منزلیں آسان (ہو جاتی) ہیں اور اگر اس سے نہ بچا تو بعد والی منزلیں اس سے زیادہ سخت ہوتی ہیں۔

عذاب قبر:

عذاب قبر کے متعلق احادیث بہت ہیں صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کی طرف سے گزرے فرمایا کہ ان دونوں پر عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑی چیز کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا ہے (بلکہ معمولی چیزوں کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے جس سے پرہیز رکھنا بہت آسان ہے) ایک تو پیشاب سے آڑ نہیں کرتا تھا اور مسلم کی روایت میں ہے کہ ایک تو پیشاب سے اپنا بچاؤ نہیں رکھتا تھا اور دوسرا چغلیاں کھاتا پھرتا تھا۔

قبر میں اعمال کا سامنا:

قبر کے اندر بعض اعمال کے سامنے آنے پر حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ والی لمبی حدیث دلالت کرتی ہے۔ اس حدیث میں مومن کے تذکرہ کے ذیل میں آیا ہے۔ پھر اس کے لئے وہاں تک کشادہ ہو جاتی ہے جہاں تک نظر پہنچے اور اس کے پاس ایک خوبصورت، خوش لباس، پاکیزہ خوشبو والا آدمی آتا ہے اور کہتا ہے کہ خوش کن چیزوں کی تجھے بشارت ہو یہ تیرا وہی دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا، مومن اس سے کہتا ہے کہ تیرا چہرہ تو بڑا خوبصورت چہرہ ہے تو خیر کو لے کر آ رہا ہے (تو کون ہے) وہ کہتا ہے کہ میں تیرا نیک عمل ہوں۔ کافر کے سلسلہ میں آیا ہے کہ اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے (اور اس کو زمین اتنا دباتی ہے) کہ اس کی پسلیاں ادھر ادھر نکل جاتی ہیں اور ایک بدرو، بدلباس، بدبودار آدمی اس کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تیرا عمل بد ہوں تجھے بشارت ہو ایسی چیز کی جو تیرے لئے ناگوار ہے۔ یہ تیرا وہی دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا وہ کہتا ہے تو کون ہے تیرا چہرہ تو بڑا بدصورت ہے تو بری چیز لے کر آیا وہ کہتا ہے کہ میں تیرا عمل خبیث ہوں۔ (الحدیث رواہ احمد) (تفسیر مظہری)

وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾

اور کہے گا کافر کسی طرح میں مٹی ہوتا ☆

کافر کی حسرت:

یعنی مٹی ہی رہتا آدمی نہ بنتا کہ آدمی بن کر ہی اس حساب و کتاب کی مصیبت میں گرفتار ہونا پڑا۔ (تفسیر عثمانی)

مسند عبد بن حمید اور بیہقی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قیامت کے روز جب حق تعالیٰ انسانوں کے اعمال کا حساب لے کر فارغ ہو جائے گا۔ اپنی شان عدل اور یوم حساب کے تقاضے کی تکمیل کے لئے حیوانات کا حساب لیا جائے گا۔ ان کے نیک و بد کا اور باہمی مظالم کا اور جب ان کا حساب ختم ہو جائے گا تو ان کو حکم ہوگا کہ تم خاک ہو جاؤ (کیونکہ حیوانات مکلف نہیں ہیں اور جنت وجہنم ان کے لئے نہیں جن وانس کے لئے ہے) تو وہ سب خاک اور نیست و نابود ہو جائیں گے اس وقت کافر تمنا کریں گے کہ اے کاش ہم بھی اسی طرح خاک ہو جاتے۔

بعض عارفین خاک ہونے کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ میں تواضع کر لیتا اور خدا کے سامنے سے جھکا لیتا۔ افسوس کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو ماننے سے انکار کیا اور تکبر اور غرور کے ساتھ سرکشی و نافرمانی کرتا رہا۔ (روح المعانی) (معارف کاندھلوی)

وَيَقُولُ الْكَافِرُ يٰلَيْتَنِي كُنْتُ تُرٰبًا حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز ساری زمین ایک سطح مستوی ہو جائے گی جس میں انسان، جنات، زمین پر چلنے والے جانور اور وحشی جانور سب جمع کر دیئے جائیں گے اور جانوروں میں سے اگر کسی نے دوسرے پر ظلم دنیا میں کیا تھا تو اس سے اس کا انتقام دلوا دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر کسی سینگ والی بکری نے بے سینگ بکری کو مارا تھا تو آج اس کا بدلہ بھی دلوایا جائے گا، جب اس سے فراغت ہوگی تو سب جانوروں کو حکم ہوگا کہ مٹی ہو جاؤ وہ سب مٹی ہو جائیں گے۔ اس وقت کافر لوگ یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم بھی جانور ہوتے اور اس وقت مٹی ہو جاتے، حساب کتاب اور جہنم کی سزا سے بچ جاتے نعوذ باللہ منہ، واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم　(معارف مفتی اعظم)

وَيَقُولُ الْكَافِرُ يٰلَيْتَنِي كُنْتُ تُرٰبًا اور کافر کہے گا کاش میں خاک ہو جاتا حاکم نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو زمین کو چمڑے کی طرح کھینچ دیا جائے گا اور اللہ ساری مخلوق یعنی انسان، جنات، چوپایوں اور وحشی جانوروں کو اٹھائے گا اس روز اللہ چوپایوں کا آپس میں بدلہ دلوا دے گا یہاں تک کہ منڈی بکری کا سینگ والی بکری سے بھی بدلہ دلوائے گا جب چوپایوں کے باہمی قصاص سے فارغ ہو جائے گا تو فرمائے گا خاک ہو جاؤ۔ (وہ خاک ہو جائیں گے) کافر یہ بات دیکھ کر کہے گا کاش میں بھی خاک ہو جاتا۔

دینوری نے یحییٰ بن جعدہ کی روایت سے اور ابن جریر رضی اللہ عنہ اور ابن حاتم رضی اللہ عنہ و بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایسی ہی حدیث نقل کی ہے اور بغویؒ نے مقاتلؒ کا قول بھی اسی طرح نقل کیا ہے اس قول میں یہ الفاظ ہیں کہ کافر کہے گا کاش میں دنیا میں خنزیر کی شکل میں ہوتا اور آج خاک ہو جاتا۔

بغویؒ نے کہا کہ زیاد اور عبد اللہ بن ذکوان کا قول ہے جب اللہ لوگوں کا فیصلہ کر چکے گا جنتیوں کو جنت کی طرف اور دوزخیوں کو دوزخ کی طرف لے جانے کا حکم دے چکے گا تو دوسری انواع کے حیوانات اور مومن جنات سے متعلق فیصلہ صادر فرمائے گا اور وہ لوٹ کر خاک بن جائیں گے اس وقت کافر کہے گا کاش میں خاک ہو جاتا۔ ابن سلیم نے کہا کہ مومن جنات لوٹ کر خاک ہو جائیں گے۔

شیطان کی حسرت:

یہ بھی کہا گیا ہے کہ الکافر سے مراد ہے۔ ابلیس، کیونکہ اس نے آدم علیہ السلام کی تخلیق خاکی کی تحقیر کی تھی اور اپنے آتشی خلقت ہونے پر فخر کیا تھا اور جب قیامت کے دن آدم علیہ السلام اور ایمان دار اولاد آدم کے ثواب و رحمت کو دیکھے گا اور اپنی سزا اور سختی اس کو نظر آئے گی تو کہے گا کاش میں مٹی ہوتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ فرمائے گا کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ جس نے میری مثل کسی کو قرار دیا اس کی کوئی عزت نہیں۔ (تفسیر مظہری)

الحمد للہ سورۃ النبا ختم ہوئی

سورۃ النازعات

اس سورہ کو خواب میں پڑھنے والے کے دل سے بھی جملہ رنج وغم نکل جائیں گے۔ (ابن سیرینؒ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۙ﴿۱﴾

قسم ہے گھسیٹ لانیوالوں کی غوطہ لگا کر☆

موت کے فرشتوں کی قسم:

یعنی ان فرشتوں کی قسم جو کافر کی رگوں میں گھس کر اس کی جان سختی سے گھسیٹ کر نکالیں۔ (تفسیر عثانی)

سورۃ کے مضامین:

اس سورت میں اثبات رسالت بعث ونشر کے لئے دلائل وشواہد ذکر فرمائے گئے اور اسی کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ قیامت کے روز شدت و اضطراب کا نا قابل تصور عالم ہوگا اہل ایمان وتقویٰ کامیاب وکامران ہوں گے اور مجرمین ومشرکین کے لئے عذاب جہنم ہوگا۔

جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ کافر کی نزع روح کی شدت ایسی ہوتی ہے جیسے بھیگی ہوئی روئی میں کانٹوں دار سلاخ ڈال کر کھینچی جائے تو جس کیفیت کے ساتھ روئی کے اجزاء کو اپنے ساتھ لئے نکلے گی۔ (معارف کاندھلوی)

یعنی قسم ہے نازعات اور ناشطات کی تم کو ضرور اٹھایا جائے گا اور بلاشبہ تم سے حساب فہمی ہوگی۔ محذوف جواب پر آئندہ آیت دلالت کر رہی ہے۔

النّٰزِعٰتِ غَرْقًا سے مراد ہیں وہ ملائکہ جو کافروں کی جانیں پوری قوت اور شدت سے نکالتے ہیں غرقاً اسم ہے لیکن بجائے مصدر کے مستعمل ہے یعنی مفعول مطلق من غیر لفظہ ہے جیسے قَعَدْتُ جُلُوْسًا میں جُلُوْسًا مفعول مطلق میں غیر لفظہ ہے۔ اَغْرَقَ النَّازِعُ فِی الْقَوْسِ کمان کھینچنے والے نے پوری قوت اور شدت کے ساتھ جہاں تک کھینچاؤ ممکن تھا کمان کو کھینچا۔ (تفسیر مظہری)

وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۙ﴿۲﴾

اور بند چھڑا دینے والوں کی کھول کر☆

مؤمن کی موت کے فرشتے:

یعنی جو فرشتے مومن کے بدن سے جان کی گرہ کھول دیں پھر وہ اپنی خوشی سے عالم پاک کی طرف دوڑے جیسے کسی کے بند کھول دیئے جائیں تو آزاد ہو کر بھاگتا ہے۔ مگر یاد رہے کہ یہ ذکر روح کا ہے بدن کا نہیں نیک خوشی سے عالم قدس کی طرف دوڑتا ہے بد بھاگتا ہے پھر گھسیٹا جاتا ہے۔ (تفسیر عثانی)

مومن وکافر کا فرق:

کافر کو نزع روح کے وقت سے ہی برزخ کا عذاب سامنے آ جاتا ہے، اس کی روح اس سے گھبرا کر بدن میں چھپنا چاہتی ہے، فرشتے کھینچ کر نکالتے ہیں، اور مومن کی روح کے سامنے عالم برزخ کا ثواب، نعمتیں اور بشارتیں آتی ہیں تو اس کی روح تیزی سے ان کی طرف جانا چاہتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

النّٰشِطٰتِ نَشْطًا سے مراد ہیں وہ ملائکہ جو اہل ایمان کی جانیں، آہستگی کے ساتھ نکالتے ہیں یہ لفظ نَشَطَ الدَّلْوَ ڈول کو آسانی کے ساتھ بغیر تکلیف کے نکال لیا کے محاورہ سے ماخوذ ہے۔ یا نَشَطَ الْحَبْلَ سے ماخوذ ہے یعنی رسی کو اتنا ڈھیلا چھوڑ دیا کہ وہ کھل گئی۔ درحقیقت مومن دنیوی مصائب میں گویا بندھا ہوا قیدی ہوتا ہے ملائکہ اس بندش سے اس کو رہا کرتے اور آسانی سے اس کی گرہ کھول دیتے ہیں جیسے اونٹ کا زانو بند کھول دیا جاتا ہے (اور اونٹ آزاد ہو جاتا ہے) حدیث میں مومنوں کی روح کے متعلق آتا ہے کہ گویا ان کا زانو بند کھول دیا گیا اور ان کو رہا کر دیا گیا۔

مومن کی موت:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب مومن دنیا سے انقطاع اور آخرت کی طرف توجہ کی حالت میں ہوتا ہے تو آفتاب جیسے گورے چہرے والے ملائکہ جنتی کفن اور بہشتی خوشبو لے کر آتے ہیں اور مد نظر کے فاصلے پر بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت آکر اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اے نفس مطمئنہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور خوشنودی کی طرف نکل کر چل فوراً جان اس طرح بہہ کر باہر آ جاتی ہے جیسے مشکیزہ سے پانی کا قطرہ ملک الموت اس کو لے لیتا ہے مگر وہ ملائکہ لحہ بھر نفس کو ملک الموت کے پاس نہیں چھوڑتے اور خود اپنے قبضہ میں لے کر جنتی کفن اور بہشتی خوشبو میں رکھ دیتے ہیں اور اس سے پاکیزہ ترین مشک کی خوشبو نکلتی ہے۔ (الحدیث)

کافر کی موت:

اور کافر بندہ جب دنیا سے قطع تعلق کی حالت میں ہوتا ہے تو آسمان سے سیاہ رو ملائکہ ٹاٹ لے کر اس کے پاس آتے ہیں اور بقدر حد نظر بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت اس کے سرہانے بیٹھ کر کہتا ہے اے نفس خبیث، اللہ کے غضب کی طرف نکل کر چل جان بدن کے اندر دوڑتی پھرتی ہے مگر ملک الموت اس کو اس طرح کھینچ کر نکالتا ہے جیسے خاردار تار

ترأون سے کھینچ کر نکالا جاتا ہے آخر اس کو پکڑ لیتا ہے اس کے بعد ملائکہ اس کو لمحہ بھر کی تاخیر کیے بغیر لے لیتے ہیں اور ٹاٹ میں لپیٹ دیتے ہیں اور اس سے مردار کی بو کی طرح بو نکلتی ہے۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ ملک الموت کافر کی جان کو رگوں سمیت کھینچتا ہے۔ (رواہ احمد)

کافر پر موت کی سختی:

بغویؒ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول بیان کیا ہے کہ ملک الموت کافر کی جان ہر بال اور ناخن اور قدموں کے تلوؤں کے نیچے سے کھینچتا ہے اور جسم کے اندر اس کو لوٹا دیتا ہے پھر کھینچتا ہے یہاں تک کہ جب وہ نکلنے کے قریب آ جاتی ہے تو پھر بدن کے اندر لوٹا دیتا ہے کافر کی جان کے ساتھ اس کا یہ عمل ہوتا ہے مقاتلؒ نے کہا کہ ملک الموت اور اس کے مددگار کافر کی جان کو اس طرح کھینچتے ہیں جیسے بہت زیادہ شاخ دار تار تار ترأون میں سے کھینچا جاتا ہے۔

نفس اور روح:

روایت مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جسم کثیف کی طرح نفس بھی ایک جسم ہے مگر لطیف جو بدن میں نفوذ کیے ہوئے ہے اور عناصر اربعہ کی پیداوار ہے اور روح و قلب اور دوسرے غیر مادی جواہر ممکنہ جن کا وجود عالم امر سے تعلق رکھتا ہے اس پر حاکم ہیں چونکہ جواہر مجردہ لطیف اور غیر مادی ہیں اس لئے کشف کی نگاہ سے ہی عالم مثال میں عرش کے اوپر ان کی ہستی دیکھی جاتی ہے (مادی نظر سے اس عالم خلق میں ان کو نہیں دیکھا جا سکتا)۔

صوفیہ کہتے ہیں کہ ارواح کے سامنے نفوس کو اللہ نے اپنے کمال قدرت سے اس طرح قائم کیا ہے جیسے سورج کے سامنے آئینہ جس طرح آئینہ سورج کی کرنوں سے بھر جاتا ہے اور جگمگا جاتا ہے اسی طرح روح کا فیضان نفس پر ہوتا ہے یا نفس چاند کی طرح اور روح سورج کی طرح ہے اور فلاسفہ کا قول ہے کہ چودھویں کا چاند سورج کی روشنی سے بھرپور روشن ہوتا ہے پس بدن کی زندگی تو نفس کی وجہ سے ہے اور نفس کی حیات روح کی وجہ سے معیاد مقرر پر نفس کو بدن سے کھینچ لیا جاتا ہے لیکن (روح مجرد کا تعلق منقطع نہیں ہوتا) نفس کے کھنچ جانے سے روح نہیں کھنچتی۔

مومن کی روح کا استقبال:

اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ نفس کو بدن سے کھینچا جاتا ہے اور کفن و حنوط (ایک خاص خوشبو) میں رکھ کر اوپر چڑھایا جاتا ہے اور نفس مومن کیلئے ساتویں آسمان تک سب آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کے اعمال نامے کو علیین میں لکھ دو اور اس کو زمین کی طرف لوٹا دو، کیونکہ زمین سے ہی میں نے ان کو پیدا کیا ہے اور اسی کی طرف لوٹاؤں گا اور اسی سے دوبارہ برآمد کروں گا۔

کافر کی روح:

کافر کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے بلکہ اس کی روح کو زمین پر پھینک دیا جاتا ہے۔

اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ روح (بمعنی نفس) ایک جسم ہے جو زمین سے بنا (یعنی عنصری ہے مادی ہے) اس تحقیق کی بناء پر اب عذاب قبر کے انکار کی گنجائش نہیں رہی جیسا کہ بعض اہل بدعت (معتزلہ) کا خیال ہے کہ بدن کثیف سے قطع نظر کر کے عذاب قبر ممکن نہیں۔ اہل حق کے نزدیک تو عذاب قبر بدن کثیف پر بھی ممکن ہے موت اس سے مانع نہیں، سورۂ بقرہ میں اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ﴿۳﴾ فَالسّٰبِقٰتِ
اور پیرنے والوں کی تیزی سے پھر آگے بڑھنے
سَبْقًا ﴿۴﴾
والوں کی دوڑ کر ☆

تیزی سے روح کو لے جانا:

یعنی جو فرشتے روحوں کو لے کر زمین سے آسمان کی طرف اس سرعت وسہولت سے چلتے ہیں گویا بے روک ٹوک پانی پر تیر رہے ہیں۔ پھر ان ارواح کے باب میں جو خدا کا حکم ہوتا ہے اس کے امتثال کے لیے تیزی کے ساتھ دوڑ کر آگے بڑھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تیسری صفت فرشتوں کی وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ہے، سبح کے لغوی معنی تیرنے کے آتے ہیں، مراد اس جگہ تیزی سے چلنا ہے جیسے دریا میں کوئی آڑ پہاڑ نہیں ہوتا، تیرنے والا کشتی وغیرہ میں چلنے والا سیدھا اپنی منزل مقصود کی طرف جاتا ہے فرشتوں کی یہ صفت کہ تیز جانے والے ہیں یہ بھی ملائکہ موت سے متعلق ہے کہ انسان کی روح قبض کرنے کے بعد اس کو تیزی سے آسمان کی طرف لے جاتے ہیں۔

چوتھی صفت فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ہے مراد یہ ہے کہ پھر یہ روح جو فرشتوں کے قبضہ میں ہے اس کو اس کے اچھے یا برے ٹھکانے پر پہنچانے میں سبقت یا عجلت سے کام لیتے ہیں۔ مومن کی روح کو جنت کی ہواؤں اور نعمتوں کی جگہ میں کافر کی روح کو دوزخ کی ہواؤں اور عذابوں کی جگہ میں پہنچا دیتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

سیر کرنے والوں کی یا تیرنے والوں کی قسم۔ مجاہد رضی اللہ عنہ نے کہا اس سے مراد وہ ملائکہ ہیں جو تیزی کے ساتھ اعلیٰ گھوڑے کی رفتار کی طرح اترتے ہیں۔

فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا اور سبقت کرنے والوں کی قسم مجاہد رضی اللہ عنہ نے کہا ان

سے مراد ہیں وہ ملائکہ جو نیکی اور عمل صالح میں انسان سے آگے ہیں مقاتل نے کہا کہ وہ ملائکہ مراد ہیں جو مومنوں کی روحوں کو جنت یعنی ثواب کی طرف لے جاتے ہیں میں کہتا ہوں اور کافروں کی روحوں کو عذاب کی طرف۔ یہ وہی ملائکہ ہیں جن کا ذکر حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں پہلے آ چکا ہے کہ ملک الموت جب نفس پر قبضہ کر لیتا ہے تو ملائکہ لمحہ بھر اس نفس کو اس کے پاس نہیں چھوڑتے بلکہ خود لے لیتے ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے کہ السابقات سے مراد ہیں اہل ایمان کے نفوس جو قبض کرنے والے ملائکہ کی جانب اللہ کی ملاقات کے شوق اور انتہائی خوشی میں بڑھتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝

پھر کام بنانے والوں کی قسم ہے ☆

احکام الٰہی کی تدبیر وانتظام:

یعنی اس کے بعد ان ارواح کے متعلق ثواب کا حکم ہو یا عقاب کا دونوں امروں میں سے ہر امر کی تدبیر وانتظام کرتے ہیں یا مطلقاً وہ فرشتے مراد ہوں جو عالم تکوین کی تدبیر و انتظام پر مسلط ہیں والظاہر ہو الاول "وَالنّٰزِعٰتِ" "وَالنّٰشِطٰتِ" وغیرہ کی تعیین میں بہت اقوال ہیں ہم نے مترجم رحمہ اللہ کے مذاق پر تقریر کردی۔ (تفسیر عثمانی)

پانچویں صفت فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ہے۔ امر الٰہی کی تدبیر وتنفیذ کرنے والے یعنی ان ملائکہ موت کا آخر کام یہ ہوگا کہ جس روح کو ثواب اور راحت دینے کا حکم ہوگا اس کے لئے راحت کا سامان جمع کر دیں اور جس کو عذاب اور تکلیف میں ڈالنے کا حکم ہوگا اس کے لئے اس کا انتظام کر دیں۔

نفس اور روح

تفسیر مظہری کے حوالے سے نفس و روح کی حقیقت پر کچھ کلام سورۂ حجر کی آیت ۲۹ کے تحت گزر چکا ہے اسی سلسلے کی مزید تحقیق وتوضیح یہاں وقت حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ نے اس جگہ تحریر فرمائی ہے۔ جس سے بہت سے اشکالات حل ہو جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ حدیث مذکور سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نفس انسانی ایک جسم لطیف ہے۔ جو اس کے جسم کثیف کے اندر سمایا ہوا ہے۔ اور وہ انھیں مادی عناصر اربعہ سے بنا ہے۔ فلاسفہ اور اطباء اسی کو روح کہتے ہیں۔ مگر درحقیقت روح انسانی ایک جوہر مجرد اور لطیفہ ربانی ہے۔ جو اس طبعی روح کے ساتھ ایک خاص تعلق رکھتا ہے۔ اور طبعی روح یعنی نفس کی حیات خود اس لطیفہ ربانی پر موقوف ہے۔ گویا اس کو روح الروح کہہ سکتے ہیں۔ کہ جسم کی زندگی نفس سے ہے اور نفس کی زندگی روح سے وابستہ ہے اس روح مجرد اور لطیفہ ربانیہ کا تعلق اسی جسم لطیف یعنی نفس کے ساتھ کیا اور کس طرح کا ہے اس کی حقیقت کا علم ان کے پیدا کرنے والے کے سوا کسی کو نہیں۔ اور یہ جسم لطیف جسکا نام نفس ہے اس کو حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ایک آئینہ کی مثال بنایا ہے جو آفتاب کے مقابل رکھدیا گیا ہے۔ آفتاب کی روشنی اس میں ایسی آ جاتی ہے کہ یہ خود آفتاب کی طرح روشنی پھیلاتا ہے۔ نفس انسانی اگر تعلیم وحی کے مطابق ریاضت ومحنت کر لیتا ہے تو وہ بھی منور ہو جاتا ہے ورنہ وہ جسم کثیف کے خراب اثرات میں ملوث ہوتا ہے یہی جسم لطیف ہے جس کو فرشتے اوپر لے جاتے ہیں۔ اور پھر اعزاز کے ساتھ نیچے لاتے ہیں۔ جبکہ وہ منور ہو چکا ہو۔ ورنہ آسمان کے دروازے اس کے لیے نہیں کھلتے۔ اوپر ہی سے نیچے پھینک دیا جاتا ہے۔

یہی جسم لطیف ہے جس کے بارے میں حدیث مذکور میں ہے۔ کہ ہم نے اس کو زمین کی مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اس میں لوٹائیں گے۔ پھر اسی سے دوبارہ پیدا کریں گے۔ یہی جسم لطیف اعمال صالحہ سے منور اور خوشبودار بن جاتا ہے۔ اور کفر وشرک سے بدبودار ہو جاتا ہے۔ باقی روح مجرد اس کا تعلق جسم کثیف کے ساتھ بواسطہ جسم لطیف یعنی نفس کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس پر موت طاری نہیں ہوتی قبر کا عذاب وثواب بھی اسی جسم لطیف یعنی نفس سے وابستہ ہے اور اسی نفس کا تعلق قبر سے رہتا ہے اور روح مجرد علیین میں ہوتی ہے۔ اور روح مجرد اس کے ثواب و عذاب سے بالواسطہ متاثر ہوتی ہے۔ اس طرح روح کا قبر میں ہونا بمعنے نفس کے صحیح ہے اور اس کا عالم ارواح یا علیین میں رہنا بمعنے روح مجرد صحیح ہے اس سے ان روایات مختلفہ کی تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم (معارف مفتی اعظم)

اور امر کا انتظام کرنے والوں کی قسم۔ ابن ابی الدنیاؒ کی روایت سے حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے۔ کہ المدبرات سے وہ ملائکہ مراد ہیں جو مردوں کی روحیں قبض کرنے کے وقت ملک الموت کے ساتھ آتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو روح کو چڑھا کے لے جاتے ہیں۔ اور بعض میت کے لیے کی جانے والی دعا پر آمین کہتے ہیں۔ اور بعض میت کے لیے اس وقت تک دعاء مغفرت کرتے ہیں کہ اس پر نماز پڑھ لی جائے۔ اور اس کو قبر میں رکھ دیا جائے۔

چار منتظم فرشتے:

بغویؒ کی روایت میں ہے کہ ابن عباس کے نزدیک وہ ملائکہ مراد ہیں جن کے سپرد کچھ کام بحکم خدا کر دیئے گئے ہیں۔ اور ان کو انجام دینے کا طریقہ اللہ نے ان کو بتا دیا ہے۔

عبد الرحمٰن بن سابط نے کہا ہے کہ دنیا کا انتظام کرنے والے چار فرشتے ہیں۔ جبرئیل، میکائیل ملک الموت اور اسرافیل، جبرئیل کے سپرد ہوائیں اور فوجیں ہیں۔ یعنی اگر ملائکہ کو لے کر مومن مجاہدوں کی مدد کرنی ہوتی ہے۔ تو بحکم خدا الٰہی جنود ملائکہ کی قیادت جبرئیل کرتے ہیں۔ اور میکائیل کے سپرد

بارش اور زمین کی روئیدگی کی خدمت ہے۔اور ملک الموت قبض ارواح پر مامور ہیں۔اور اسرافیل اللہ کا امر لے کر ان کے پاس اترتے ہیں۔

ستاروں کی حرکت:

قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ المدبرات کے علاوہ باقی تینوں سے ستارے مراد لیے گئے ہیں۔ستارے ایک افق سے دوسرے افق کی طرف زبردستی بغیر طبعی میلان کے جاتے ہیں اور ڈوب جاتے ہیں اور ایک افق سے دوسرے افق طبعی میلان کے ساتھ حرکت کرتے ہیں۔اللہ نے فرمایا ہے کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ اور باہم رفتار میں ستارے سبقت بھی کرتے ہیں۔یہ قول ضعیف ہے۔

سالکین کے نفوس:

یا یوں کہو کہ بوقت سلوک (الی اللہ) سالکین کے نفوس فاضلہ کے یہ احوال ہوتے ہیں خواہشات نفس سے نکل کر عالم القدس کی طرف نشاط کے ساتھ جاتے پھر مراتب ترقی میں تیرتے پھر کمالات کی طرف بڑھتے ہیں۔یہاں تک کہ مدبرات ہو جاتے ہیں۔یعنی دوسرے لوگوں کو سلوک کی راہ بتانے والے۔

مجاہدین: یا مجاہدوں کے احوال مراد ہیں۔کہ ان کے ہاتھ کمانوں کو قوت کے ساتھ کھینچتے پھر چستی کے ساتھ تیر پھینکتے ہیں اور وہ بحر و بر میں پھرتے ہیں۔اور دشمن کا مقابلہ کی طرف بڑھتے ہیں۔اور جنگی امور کا نظم کرتے ہیں۔

یا یہ مجاہدوں کے گھوڑوں کے اوصاف ہیں انکے گھوڑے اپنی لگاموں میں شوخیاں کرتے ہیں اور پسینہ میں ڈوبے ہوتے ہیں۔دار السلام سے دار الکفر تک جاتے ہیں۔رفتار میں ہمواری رکھتے ہیں گویا تیرتے ہیں دشمن کی طرف سبقت کرتے ہیں۔آخر میں امر فتح کا انتظام کرتے ہیں (تفسیر مظہری)

یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿۶﴾

جس دن کانپے کانپنے والی ☆

صور پھونکنا:

یعنی زمین میں بھونچال آئے۔پہلی دفعہ صور پھونکنے سے۔ (تفسیر عثمانی)

یوم ظرف زمان قسم کے جواب محذوف سے متعلق ہے یعنی تمہارا حشر و حساب اس روز ہوگا جس روز زمین و پہاڑ میں زلزلہ آئے گا۔اس روز کی مقدار تو نفخہ اولیٰ کے وقت سے جنت و دوزخ کے داخلہ کے وقت تک پچاس ہزار برس ہوگی۔مگر حشر و حساب اس دن کے کچھ حصہ میں ہوگا۔انہی اجزاء وقتی کے لحاظ سے پورے دن کو یوم الحشر و الحساب قرار دیا ہے۔بیہقی نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ ترجف الرجفة یعنی زمین اور پہاڑوں میں لرزہ آئے گا۔الراجفة زلزلہ اس کے بعد دوسرا آئے گا۔ (تفسیر عثمانی)

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿۷﴾

اُس کے پیچھے آئے دوسری ☆

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی لگاتار (ایک کے بعد دیگرے) بھونچال چلے آئیں" اور اکثر مفسرین نے "رادفۃ" سے صور کا دوسرا نفخہ مراد لیا ہے۔واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

دو مرتبہ صور پھونکنا:

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ۔الواجفة سے مراد ہے پہلا نفخہ اور الرادفہ سے مراد دوسرا نفخہ بیہقی نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے۔پہلے نفخہ کو رادفہ کہنے کی یہ وجہ ہے کہ پہلی بار صور پھونکنے سے زلزلہ آ جائے گا۔اور ہر چیز ہل جائے گی۔مخلوق مر جائے گی دوسرے نفخہ کو رادفہ اس لیے کہا کہ وہ پہلے کے پیچھے آئے گا۔

دونوں نفخوں کا درمیانی وقفہ:

ابن مبارک رضی اللہ عنہ نے حسن بصری کا مرسل قول نقل کیا ہے کہ دونوں نفخوں کے درمیان چالیس برس کی مدت ہوگی۔اول نفخہ سے بحکم خدا ہر مرنے والی چیز مر جائے گی۔حلیمی نے بیان کیا ہے۔کہ دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کی مدت ہونے پر تمام روایات متفق ہیں۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کی مدت ہوگی لوگوں نے پوچھا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کیا چالیس دن کی میعاد ہوگی۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا مجھے اس سے انکار ہے لوگوں نے کہا تو پھر چالیس مہینے ہوں گے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے اس بھی انکار ہے۔پھر اللہ آسمان سے بارش برسائے گا جس سے لوگ قبروں سے ایسے اگیں گے۔جیسے سبزی اگتی ہے۔انسان کا ہر جز بدن فنا ہو جاتا ہے سوائے دم گذے کی ہڈی کے اسی سے قیامت کے دن جز کر دوبارہ تخلیق ہوگی ابن ابی داؤد نے البعث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایسی حدیث لکھی ہے اس روایت میں چالیس سال کا لفظ ہے لیکن اول روایت اس کے مقابلے میں زیادہ صحیح ہے۔جس میں چالیس کا لفظ تو ہے لیکن سال کا لفظ نہیں ہے۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے۔کہ دونوں نفخوں کے درمیان وادی میں سیلاب آ جائے گا۔اور دونوں کے درمیان چالیس دن یا مہینہ یا سال کا فاصلہ ہوگا۔پھر ہر فنا شدہ انسان حیوان چوپایہ زمین سے اگے گا۔اگر ان کے مرنے سے پہلے کوئی گذرنے والا انکی طرف سے گذرا ہوا اور پھر جی اٹھنے کے بعد ادھر سے گذرے تو ان کو پہچان لے یعنی اول زندگی کی شکل و صورت میں اور دوسری زندگی کی شکل و صورت میں کوئی پھر روحوں کو چھوڑا جائے۔اور بدنوں سے ملا دیا جائے گا۔آیت وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ کے یہی معنی ہے۔ (تفسیر مظہری)

قُلُوْبٌ یَّوْمَىِٕذٍ وَّاجِفَةٌ ﴿۸﴾ اَبْصَارُهَا

کتنے دل اُس دن دھڑکتے ہیں اُن کی آنکھیں

خَاشِعَةٌ ﴿۹﴾

جھک رہی ہیں ☆

گھبراہٹ اور پریشانی:

یعنی اضطراب اور گھبراہٹ سے دل دھڑکتے ہونگے اور ذلت وندامت کے مارے آنکھیں جھک رہی ہونگی۔ (تفسیر عثمانی)

يَقُولُونَ ءَاِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِى

لوگ کہتے ہیں کیا ہم پھر آئیں گے اُلٹے

الْحَافِرَةِ ﴿۱۰﴾ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا

پاؤں کیا جب ہم ہو چکیں ہڈیاں

نَّخِرَةً ﴿۱۱﴾ قَالُوا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ﴿۱۲﴾

کھوکھری بولے تو تو یہ پھر آنا ہے ٹوٹے کا ☆

آخرت کے بارہ میں کافروں کی رائے:

یعنی "قبر کے گڑھے میں پہنچ کر کیا پھر ہم الٹے پاؤں زندگی کی طرف واپس کیے جائینگے۔ ہم تو نہیں سمجھ سکتے کہ کھوکھلی ہڈیوں میں دوبارہ جان پڑ جائیگی ایسا ہوا تو یہ صورت ہمارے لیے بڑے ٹوٹے اور خسارہ کی ہوگی۔ کیونکہ ہم نے اس زندگی کے لیے کوئی سامان نہیں کیا" یہ تمسخر سے کہتے تھے۔ یعنی مسلمان ہماری نسبت ایسا سمجھتے ہیں حالانکہ وہاں مرنے کے بعد سرے سے دوسری زندگی ہی نہیں' نقصان اور خسارہ کا کیا ذکر۔ (تفسیر عثمانی)

سائنسی تحقیقات نے اشکال ختم کردیا:

اس سائنسی دور میں اگر فضا میں منتشر شدہ آوازیں ضبط کی جاتیں تو یہ بات مادہ پرست انسان تسلیم کرنے سے کیوں تردد کرتا ہے کہ پروردگار عالم اپنی قدرت کاملہ سے انسانی اجسام اور ان کے پراگندہ اجزاء حتی کہ مٹی اور پانی میں تحلیل شدہ گوشت پوست کو بھی جمع کر کے دوبارہ مبعوث فرمادے گا۔

عالم جسمانی کی حقیقت اور اس کی موت وحیات:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ "تقریر دلپذیر" میں عالم جسمانی کی حقیقت اور اس کی حیات وممات پر ایک تفصیلی بحث کے دوران فرماتے ہیں کہ:

"عالم جسمانی بھی انسان کی طرح مختلف اجزاء سے مرکب ہے اور جس طرح انسان کی ہیئت ترکیبی اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ اس کی حیات مستعار محض ہے اور چند روزہ ہے اور اس کے بعد موت ہے اسی طرح اس عالم پر بھی ایک وقت موت کا آنے والا ہے اور جیسے انسان پر مختلف دور گذرتے ہیں طفولیت وشباب اور پیری اور پھر موت اسی طرح عالم کے لیے بھی طفولیت و شباب اور بڑھاپے کا زمانہ ہے اس کے بعد اس کو فنا ہے اور یہ قیام قیامت کے وقت ہے اس وقت مجموعہ عالم کا قبض روح ہوگا اور اس کی حیات ختم ہوجائے گی آسمان وزمین پھٹ جائیں گے۔ اور عالم ہوجائے گا۔"

آسمان اس عالم کا سر ہے اور آگ سینہ ہے اور ہوا پیٹ ہے اور زمین اس کے پاؤں ہیں اور پانی بمنزلہ ہاتھ کے ہے اور شمس وقمر بمنزلہ آنکھ کے ہیں۔ اور پہاڑ بمنزلہ ہڈیوں کے اور اشجار بمنزلہ بال اور روئیں کے ہیں۔

غرض جیسے ایک انسانی جسم پر موت وفناء کا طاری ہونا نظام قدرت ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے نظام کائنات میں بھی یہ مقدر فرمادیا ہے کہ ایک وقت آئے گا۔ کہ یہ تمام عالم دنیا بھی انسانی جسم کی طرح امراض، آفات ومصائب اور بلاؤں میں مبتلا ہوتے ہوتے زوال وفناء کا راستہ اختیار کرے گا۔ اور اسرافیل علیہ السلام کا نفخ صور عالم دنیا کے اس طویل وعریض اور وسیع جسد عنصری کو درہم برہم کردے گا۔

امام رازی نے فرمایا حق یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ حشر جسمانی کا انکار جمع ہونا ممکن نہیں ان ہی دلائل ونصوص کے پیش نظر جس کو قرآن کریم نے بیان کیا ہے اور علی ہذا القیاس قدم عالم کا قول جس کے فلسفے ہیں حشر جسمانی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا۔

بہر صورت مردے زندہ ہوں گے۔

علامہ سفارینی رحمۃ اللہ علیہ بعث جسمانی کے مسئلہ پر بحث کے دوران عکرمہ رحمۃ اللہ سے نقل کرتے ہیں۔ جو لوگ سمندر میں غرق ہوجائیں۔ اور ان کے گوشت پوست سمندر کی مچھلیاں کھاجائیں اور انکی ہڈیوں کے سوا کوئی چیز باقی نہ رہے پھر ان ہڈیوں کو سمندر کی موجیں ساحل پر ڈال دیں۔ اور پھر کچھ عرصہ تک پڑی رہیں۔ یہاں تک کہ بوسیدہ ہوگئیں اور پھر اس جگہ پر اونٹوں کا گذر ہوا وہ اس کو کھالیں اور مینگنی کردیں۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد کوئی قافلہ اس جگہ آکر ٹھہرے اور ان مینگنوں کو قافلہ کھانا پکانے کے لیے جلالے تاکہ یہ آگ بجھ کر راکھ ہوجائے اور اس راکھ کو ہوائیں اڑا کر دور دراز کے میدانوں تک لے جائیں تو بھی نفخ صور ہوتے ہی یہ سب مردے جن کی ہڈیوں کی راکھ اس طرح منتشر و پراگندہ ہوچکی ہے اٹھ کھڑے ہوں گے اور ان میں اور قبروں سے ان مردوں کے اٹھنے میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ جن کے ابدان قبور میں ابھی تک صحیح وسالم ہیں۔

ایک آدمی کی راکھ کا زندہ ہونا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک ایسے شخص نے جس نے کوئی خیر کا کام نہیں کیا تھا۔ اپنے گھر والوں کو بطور وصیت یہ کہا...... اور ایک روایت میں ہے کہ ایسے شخص نے کہ اس نے

اپنے اوپر بہت ہی تعدی کی تھی جب وہ مرنے لگا تو اس نے اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی کہ جب وہ مر جائے پہلے اس کو جلا دینا پھر اس کی راکھ نصف تو ہوا میں اڑا دینا۔ اور نصف سمندر میں بہا دینا اور کہا کہ خدا کی قسم اگر خدا مجھ پر قادر ہو گیا تو ایسا عذاب دے گا کہ جہان والوں میں کسی کو ایسا عذاب نہ دے گا۔

الغرض وہ شخص جب مر گیا تو اس کے حکم کے مطابق گھر والوں نے معاملہ کیا لیکن اللہ رب العزت نے خشکی کو حکم دیا کہ اس کی راکھ کی جو اجزاء ہیں وہ جمع کر لے چنانچہ اس نے جو کچھ اس میں تھا جمع کر لیا پھر سمندر کو حکم دیا کہ جو کچھ اس میں ہے وہ جمع کر لے اس نے وہ بھی راکھ کے تمام اجزاء جمع کر لیے جو سمندر میں تھے۔ اس طرح رب العزت نے اس کو زندہ کرا اٹھایا اور فرمایا کہ اے بندے تو نے یہ کس لیے کیا عرض کیا تیرے خوف سے تو حق تعالیٰ شانہ اس کی خشیت اور عذاب خداوندی کی ہیبت پر مغفرت فرما دے گا۔
(صحیح بخاری مسلم بحوالہ مشکوۃ المصابیح) (معارف کاندھلوی)

معاد جسمانی اور حشر ابدان پر عقلی شواہد:

علامۃ الدہر شیخ حسین آفندیؒ مسئلہ بعث و معاد اور حشر جسمانی پر محققانہ کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں مسئلہ بعث اور آخرت مقتضائے عقل کے عین مطابق اور سراپا حکمت و مصلحت ہے کیونکہ آخرت کا خوف اور جزاء و سزا کی فکر ہی انسانی زندگی اور عالم کو برے اعمال و افعال ظلم و تشدد و خیانت و مکر و فریب فواحش و منکرات سے بچانے والی چیز ہے اگر انسانی اذہان اس فکر و خوف سے خالی ہو جائیں تو پھر نہ قتل و خون ریزی میں کسی کو تامل ہوگا۔ نہ اعمال اور معاشرت کے مفاسد اور تباہیوں کی کسی کو فکر ہوگی۔ حتیٰ کہ اگر کوئی بڑی سے بڑی طاقتور حکومت اور زائد سے زائد باوقار بادشاہ بھی ہو تو تب بھی مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے افراد صرف اسی حد تک اپنے جرائم روک سکتے ہیں جہاں تک ان پر حکومت کے نگراں حکام قائم و مسلط ہیں۔ ایسے افراد جس کسی بھی مرحلہ پر گرفت اور نگرانی کی بندشیں ذرا بھی ڈھیلی دیکھیں گے فوراً اسی ظلم و ستم قتل و غارت گری اور مجرمانہ روش کو اختیار کریں گے رات کی تاریکیوں خلوتوں اور ایسے بیابانوں میں جہاں اس پر کسی انسان کی نگاہ نہ پڑ سکتی ہو بے راہ روی سے باز رکھنے کی طاقت صرف خداوندی اور یوم الحساب آخرت کا اندیشہ ہی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس محاسن افعال اور بھلائیوں کا حصول بھی اسی پر موقوف ہے۔ (معارف کاندھلوی)

شان نزول: سعید بن منصور نے محمد بن کعب کا قول نقل کیا ہے کہ جب آیت یَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِی الْحَافِرَةِ نازل ہوئی تو کفار قریش کہنے لگے کہ اگر مرنے کے بعد ہم دوبارہ زندگی کی طرف لوٹے تو بڑے گھاٹے میں رہیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

چونکہ ہم دوسری زندگی کی تکذیب کرتے ہیں اگر دوسری زندگی ہو گئی تو لامحالہ ہم کو گھاٹا اٹھانا پڑے گا۔ کفار کا یہ کلام بطور استہزاء تھا۔ (تفسیر مظہری)

فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ فَاِذَا

سو وہ تو صرف ایک جِھڑکی ہے پھر تبھی

هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴿۱۴﴾

وہ آ رہیں میدان میں ☆

اللہ کے لئے یہ کام کوئی مشکل نہیں:

یعنی لوگ اسے بہت مشکل کام سمجھ رہے ہیں حالانکہ اللہ کے ہاں یہ سب کام دم بھر میں ہو جائینگے جہاں ایک ڈانٹ پلائی یعنی صور پھونکا اسی وقت بلا توقف سب اگلے پچھلے میدان حشر میں کھڑے دکھائی دینگے آگے اس کی ایک مختصری جھڑکی اور معمولی سی ڈانٹ کا ذکر کیا جاتا ہے جو دنیا میں ایک بڑے متکبر کو دی گئی تھی یا یوں کہیے کہ ان منکرین کو سنایا جا رہا ہے کہ تم سے پہلے بڑے زبردست منکروں کا کیا حشر ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

بس ایک جھڑکی میں سب مردے زندہ:

یعنی نفخہ دوم تو بس ایک جھڑکی ہوگا۔ صحاح میں ہے کہ زجر کا معنی ہے آواز نکال دینا زجرتہ فانزجر میں نے اس کو جھڑک کر نکال دیا وہ نکل گیا۔ اس آیت کا یہی مفہوم ہے۔ صور میں جو آواز پھونکی جائے گی اس سے لوگ قبروں سے باہر نکال دیے جائیں گے۔ لفظ زجر کا استعمال کبھی صرف آواز میں ہوتا ہے جیسے والزاجرات زجرا میں وہ ملائکہ مراد ہیں جو ابر کو ڈانٹ کی آواز سے ہنکاتے ہیں (نکالتے نہیں ہیں) کبھی صرف نکال دینے کا معنی مراد ہوتا ہے جیسے وَازْدُجِرَ یعنی اس نے نکال دیا روک دیا۔ (تفسیر مظہری)

هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ مُوْسٰى ﴿۱۵﴾

کیا پہنچی ہے تجھ کو بات موسیٰ کی ☆

یہ قصہ کئی جگہ مفصل گذر چکا۔

اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ

جب پکارا اُس کو اُسکے رب نے پاک میدان میں

طُوًى ﴿۱۶﴾

جس کا نام طویٰ ہے ☆

یعنی کوہ طور کے پاس۔

اِذۡهَبۡ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۱۷﴾

جا فرعون کے پاس اُس نے سر اُٹھایا

فَقُلۡ هَلۡ لَّكَ اِلٰٓى اَنۡ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾

پھر کہہ تیرا جی چاہتا ہے کہ تو سنور جائے

وَاَهۡدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخۡشٰى ﴿۱۹﴾

اور راہ بتلاؤں تجھ کو تیرے رب کی طرف پھر تجھ کو ڈر ہو ☆

موسیٰؑ کی فرعون کو دعوت:

یعنی اگر تجھے سنورنے کی خواہش ہو تو میں اللہ کے حکم سے سنوار سکتا ہوں اور ایسی راہ بتا سکتا ہوں جس پر چلنے سے تیرے دل میں اللہ کا خوف اور اس کی کامل معرفت جم جائے کیونکہ خوف کا ہونا بدون کمال معرفت کے متصور نہیں۔ معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ کی بعثت کا مقصد فرعون کی اصلاح بھی تھی محض بنی اسرائیل کو قید سے چھڑانا ہی نہ تھا۔ (تفسیر عثانی)

اور اس سے کہو کہ کیا تجھے شرک سے پاک ہوجانے کی خواہش ہے تزکی تو شرک سے پاک ہوجائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو لا الہ الا اللہ کی شہادت دے کیا تجھے اس طرف رغبت ہے۔

اور کیا تجھے اس بات کی خواہش ہے کہ میں تجھے اللہ کی معرفت عبادت اور توحید کا راستہ بتاؤں۔ اور نتیجہ میں تو اس کے عذاب سے ڈرنے لگے۔ یعنی فرائض کو ادا کرے اور ممنوعات سے اجتناب رکھے۔ فتخشی میں فاء کی ہے خشیت الٰہی (خوف خدا) نتیجہ معرفت ہے اور معرفت ثمرہ ہدایت (لہٰذا خوف خدا نتیجہ ہدایت ہے)۔ (تفسیر مظہری)

فَاَرٰىهُ الۡاٰيَةَ الۡكُبۡرٰى ﴿۲۰﴾

پھر دکھلائی اُس کو وہ بڑی نشانی ☆

موسیٰؑ کا معجزہ: یعنی وہاں پہنچ کر اللہ کا پیغام پہنچایا اور اس پر حجت تمام کرنے کے لیے وہ سب سے بڑا معجزہ عصا کے اژدہا بننے کا دکھلایا۔

فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدۡبَرَ يَسۡعٰى ﴿۲۲﴾

پھر جھٹلایا اُس نے اور نہ مانا پھر چلا پیٹھ پھیر کر تلاش کرتا ہوا ☆

فرعون کی سرکشی:

یعنی وہ ملعون ماننے والا کہاں تھا اس فکر میں چلا کہ لوگوں کو جمع کرے اور جادوگروں کو تلاش کر کے بلوائے کہ وہ موسیٰ کے معجزات کا مقابلہ کریں۔ (تفسیر عثانی)

یعنی موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس پہنچے اور اس کو اپنی سچائی کی بڑی نشانی دکھائی یعنی وہ کھلے کھلے عظیم الشان معجزے دکھائے۔ جو واضح طور پر موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کو بتا رہے تھے۔ لیکن فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا قرار دیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی صداقت معجزات سے ظاہر ہونے کے بعد بھی فرعون نے اللہ اور اس کے پیغمبر کی نافرمانی کی۔ الۡاٰيَةَ الۡكُبۡرٰى سے مراد ہیں معجزات۔ لیکن تمام معجزات چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کو ظاہر کرنے میں ایک معجزہ کی طرح تھے۔ سب میں یکسانیت تھی گویا سب ایک ہی تھے۔ (تفسیر مظہری)

فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ

پھر سب کو جمع کیا پھر پکارا تو کہا میں ہوں رب

الۡاَعۡلٰى ﴿۲۴﴾

تمہارا سب سے اُوپر ☆

یعنی سب سے بڑا رب تو میں ہوں۔ یہ موسیٰ کس کا بھیجا ہوا آیا ہے۔ (تفسیر عثانی)

یہ نادی کا بیان ہے کہ یعنی فرعون نے نداء میں کہا کہ میں تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں۔ مجھ سے اوپر تمہارا کوئی رب نہیں یا یہ مطلب ہے کہ جو لوگ تمہارے کرتا دھرتا ہیں ان سب سے بڑا میں ہوں یہ بھی کہا گیا کہ اس کلام سے فرعون کی مراد یہ تھی کہ یہ بت دیوتا ہیں اور میں ان کا بھی دیوتا ہوں۔ اور تمہارا بھی۔ (تفسیر مظہری)

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الۡاٰخِرَةِ

پھر پکڑا اُس کو اللہ نے سزا میں آخرت کی

وَالۡاُوۡلٰى ﴿۲۵﴾

اور دنیا کی ☆

فرعون کی ہلاکت:

یعنی یہاں پانی میں ڈوبا' وہاں آگ میں جلے گا۔ (تفسیر عثانی)

نَكَالَ کا معنی:

لغت میں نکل کا معنی ہے ضعف اور عجز یا ایسی چیز جو کسی کو کسی کام سے روک دے۔ اور عاجز بنا دے۔ چوپایہ کے پاؤں میں بندھی رسی اور لگام کے دہانہ کو بھی

نکل اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ چوپائے کو روک دیتے ہیں آزاد نہیں رہنے دیتے۔

عبرت انگیز سزا:

فرعون کی گرفت آخرت میں بھی نکال تھی اور دنیا میں۔ آخرت میں دوزخ میں جلنا اور دنیا میں ڈبونا دونوں عبرت آفریں سزائیں تھیں حسن بصریؒ اور قتادہ کا قول ہے دوسری صورت میں یہ مطلب ہوگا۔ کہ پہلے لفظ اور دوسرے لفظ کی وجہ سے اللہ نے اس کو عبرت آفریں سزا دی۔ ایک کلمہ تھا۔ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى اور دوسرا کلمہ تھا مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ان دونوں لفظوں میں چالیس برس کا فصل تھا۔ مجاہد رضی اللہ عنہ اور جماعت علما کا یہی قول ہے۔

اہل تقویٰ کے لیے تو نصیحت کی ضرورت نہیں۔ (مظہری)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝۲۶

بیشک اس میں سوچنے کی جگہ ہے جس کے دل میں ڈر ہے ☆

عبرت پکڑو:

یعنی اس قصہ میں بہت سی باتیں سوچنے اور عبرت پکڑنے کی ہیں۔ بشرطیکہ آدمی کے دل میں تھوڑا بہت ڈر ہو۔ (ربط) موسیٰ اور فرعون کا قصہ درمیان میں استطراداً آ گیا تھا۔ آگے پھر اسی مضمون قیامت کی طرف عود کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ

کیا تمہارا بنانا مشکل ہے یا آسمان کا ☆

تمہاری پیدائش آسمان سے مشکل نہیں:

یعنی تمہارا پیدا کرنا (اور وہ بھی ایک مرتبہ پیدا کر چکنے کے بعد) آسمان و زمین اور پہاڑوں کے پیدا کرنے سے زیادہ مشکل تو نہیں۔ جب اتنی بڑی بڑی چیزوں کا خالق اس کو مانتے ہو پھر اپنی دوبارہ پیدائش میں کیوں تردد ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی آسمان کی تخلیق زیادہ سخت ہے آسمان سے مراد ہے آسمان مع ان تمام چیزوں کے جو اس کے اندر ہیں کیونکہ مقام تفصیل میں زمین اور پہاڑوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ آسمان اور اس کی موجودات کی تخلیق تمہاری تخلیق سے زیادہ سخت ہے تم کائنات سماوی کا جز ہو اور جز کی تخلیق کل کی تخلیق سے بداہتہً آسان ہوتی ہے پھر دوباری تخلیق تو خلق اول سے سہل ہی ہے۔

پوری دلیل اس طرح بنتی ہے کہ اللہ نے آسمان بنایا جس کی تخلیق تمہاری تخلیق سے زیادہ دشوار ہے۔ جو اس کی تخلیق پر قدرت رکھتا ہے وہ ایسی چیز کو جو آسمان سے کمزور ہے دوبارہ بنانے پر بدرجہ اولیٰ قدرت رکھتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

بَنٰهَا ۝۲۷ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۝۲۸

اُس نے اُس کو بنا لیا' اُونچا کیا اُس کا اُبھار پھر اُس کو برابر کیا

وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ۝۲۹

اور اندھیری کی رات اُس کی اور کھول نکالی اُس کی دھوپ ☆

آسمان کی خلقت میں غور کرو:

یعنی آسمان کو خیال کرو کس قدر اونچا' کتنا مضبوط' کیسا صاف ہموار' اور کس درجہ مرتب و منظم ہے کس قدر زبردست انتظام اور باقاعدگی کے ساتھ اس کے سورج کی رفتار سے رات اور دن کا سلسلہ قائم کیا ہے۔ رات کی اندھیری میں اس کا سماں کچھ اور ہے اور دن کے اجالے میں ایک دوسری ہی شان نظر آتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَسَوّٰىهَا پھر اس کو ہموار بلا شگاف کے بنایا۔

وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا اور آسمان سے پیدا ہونے والی رات کو تاریک بنایا غطش اللیل رات اندھیری ہوگئی۔ آسمان کی طرف رات کی اضافت اس لیے کی کہ سورج آسمان پر ہے اور سورج کی حرکت سے رات پیدا ہوتی ہے۔

وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا اور آسمان کے سورج کی روشنی نمودار کی اور ایک دن کو اس سے پیدا کیا۔

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۝۳۰

اور زمین کو اُس کے پیچھے صاف بچھا دیا ☆

زمین کا بچھانا:

آسمان اور زمین میں پہلے کون پیدا کیا گیا؟ اس کے متعلق ہم پیشتر کسی جگہ کلام کر چکے ہیں غالباً سورہ "فصلت" میں (تنبیہ) "دحیٰ" کے معنی راغب نے کسی چیز کو اس کے مقر (جائے قرار) سے ہٹا دینے کے لکھے ہیں تو شاید اس لفظ میں ادھر اشارہ ہو جو آجکل کی تحقیق ہے کہ زمین اصل میں کسی بڑے جرم سماوی کا ایک حصہ ہے جو اس سے الگ ہو گیا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

پہاڑوں کا زمین میں گاڑنا:

حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ میں بروایت احمد بن حنبل اس طرح مذکور ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ رب العزت نے زمین کو پیدا کیا تو زمین لرزنے لگی اللہ نے پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ دیا جس سے زمین ٹھہر گئی۔ فرشتوں کو پہاڑ کی شدت سختی پر تعجب ہوا اور پوچھنے لگے اے پروردگار کیا تیری مخلوق میں پہاڑوں سے بھی زیادہ کوئی طاقتور چیز ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ

ہاں لوہا ہے تو لوہے کی شدت پر فرشتوں نے پوچھا کہ اے رب اس سے زیادہ بھی کوئی طاقتور چیز تیری مخلوق میں شدید ہے۔ فرمایا ہاں اور آگ پیدا کر کے دکھادی فرشتوں نے اس پر تعجب کرتے ہوئے پوچھا اے رب کیا اس سے بھی طاقتور چیز ہے جواب میں فرمایا ہاں اور پانی پیدا کر دیا۔ اس پر وہی سوال ہوا تو جواب دیا گیا ہاں اس سے بھی بڑھ کر طاقتور چیز وہ ہوا ہے فرشتوں نے اس پر تعجب کرتے ہوئے عرض کیا یا رب کیا اس سے بھی بڑھ کر کوئی طاقتور چیز ہے۔ جواب دیا نعم ابن آدم تیصدق بمینیه لا تعلم شماله ما تنفق بمینیه۔ کہ اس سے طاقتور چیز انسان کا وہ صدقہ ہے جو اس طرح دے کہ بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔ کہ دائیں نے کیا دیا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا بغیر اس کے کہ آسمان کی تخلیق سے پہلے زمین پھیلائی جائے اللہ نے زمین کو پیدا کر دیا پھر براہ راست آسمان کو بنانے کا ارادہ کیا اور دو روز میں سات آسمانوں کو ٹھیک بنا دیا پھر دو روز میں زمین کو بچھایا غرض زمین مع اپنی موجودات کے چار روز میں بنائی گئی۔

یعنی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کو ظاہر کر رہا ہے تفسیر اول چونکہ سلف کا کلام سے ماخوذ ہے اس لیے اولیٰ ہے۔ (تفسیر مظہری)

أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا وَمَرْعَاهَا ﴿۳۱﴾

باہر نکالا زمین سے اُس کا پانی اور چارا ☆

یعنی اور چشمے جاری کیے پھر پانی سے سبزہ پیدا کیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَالْجِبَالَ أَرْسَاهَا ﴿۳۲﴾

اور پہاڑوں کو قائم کر دیا ☆

زمین کی مضبوطی:

جو اپنی جگہ سے جنبش نہیں کھاتے اور زمین کو بھی بعض خاص قسم کے اضطرابات سے محفوظ رکھنے والے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو وہ ہلنے لگی پروردگار نے پہاڑوں کو پیدا کر کے زمین پر گاڑ دیا۔ جس سے وہ ٹھہر گئی فرشتوں کو اس پر سخت تعجب ہوا۔ اور پوچھنے لگے۔ خدایا تیری مخلوق میں ان پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت چیز کوئی اور ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں لوہا پوچھا اس سے بھی زیادہ سخت فرمایا آگ، پوچھا اس سے بھی زیادہ سخت فرمایا ہوا۔ پوچھا پروردگار کیا تیری مخلوق میں اس سے بھی زیادہ بھاری کوئی چیز ہے؟ فرمایا کہ ہاں ہے وہ ابن آدم ہے جو اپنے دائیں ہاتھ سے خرچ کرتا ہے اس کی خبر بائیں ہاتھ کو بھی نہیں ہوتی۔

ابن جریر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ جب زمین کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تو وہ کانپنے لگی اور کہنے لگی مجھ پر تو آدم کو اور ان کی اولاد کو پیدا کرنے والا ہے جو اپنی گندگی مجھ پر ڈالیں گے، اور میری پیٹھ پر تیری نافرمانیاں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو گاڑ کر زمین کو ٹھہرا دیا ہے۔ بہت سے پہاڑ تم دیکھ رہے ہو اور بہت سے تمہاری نگاہوں سے اوجھل ہیں زمین کا پہاڑوں کے بعد سکون حاصل کرنا بالکل ایسا ہی تھا جیسے اونٹ کو ذبح کرتے ہی اس کا گوشت تھر تھر کرتا رہتا ہے پھر کچھ دیر بعد ٹھہر جاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾

کام چلانے کو تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے ☆

یہ سب تمہارے لئے ہے شکر ادا کرو:

یعنی یہ انتظام نہ ہو تو تمہارا اور تمہارے جانوروں کا کام کیسے چلے ان تمام اشیاء کا پیدا کرنا تمہاری حاجت روائی اور راحت رسانی کے لیے ہے۔ چاہیے کہ اس منعم حقیقی کا شکر ادا کرتے رہو۔ اور سمجھو کہ جس قادر مطلق اور حکیم برحق نے ایسے زبردست انتظامات کیے ہیں کیا وہ تمہاری بوسیدہ ہڈیوں میں روح نہیں پھونک سکتا۔ لازم ہے کہ آدمی اس کی قدرت کا اقرار کرے اور اس کی نعمتوں کی شکر گزاری میں لگے ورنہ جب وہ بڑا ہنگامہ قیامت کا آئیگا اور سب کیا کرایا سامنے ہوگا سخت پچھتانا پڑیگا۔ (تفسیر عثمانی)

اے لوگو! اللہ نے زمین بچھائی اور پہاڑوں کی میخیں قائم کیں تم کو اور تمہارے چوپائیوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے۔ (تفسیر مظہری)

فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرَىٰ ﴿۳۴﴾

پھر جب آئے وہ بڑا ہنگامہ

يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ مَا سَعَىٰ ﴿۳۵﴾

جس دن کہ یاد کریگا آدمی جو اُس نے کمایا

وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِمَن يَرَىٰ ﴿۳۶﴾

اور نکال ظاہر کر دیں دوزخ کو جو چاہے دیکھے

دوزخ کا نظارہ:

یعنی دوزخ کو اس طرح منظر عام پر لائینگے کہ ہر دیکھنے والا دیکھ سکے گا کوئی آڑ پہاڑ درمیان میں حائل نہ رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جب اس کائنات کی ایجاد سے اللہ کا قادر ہونا ظاہر ہو گیا اور

قیامت کا امکان ہو گیا اور پھر اللہ کے خبر دینے سے حشر کا ثبوت بھی ہو چکا تو اب الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى کا لفظ بول کر اللہ نے قیامت آنے کا وقت اور اس کے احوال بتائے یہ لفظ اس لیے اختیار کیا کہ (تفصیل بیان کرنے سے پہلے) عنوان سے ہی قیامت کے کچھ احوال معلوم ہو جائیں لغت میں طم کا معنی ہے غلبہ۔ سمندر کو طم کہنے کی وجہ یہی ہے کہ وہ ہر چیز پر غالب ہے۔ عرب ناقابل برداشت مصیبت کو الطَّآمَّةُ کہتے ہیں قیامت کو طامۃ کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ حادثہ قیامت تمام حوادث و مصائب پر غالب ہے (سب سے بڑی مصیبت ہے) الکبریٰ۔ الطَّآمَّةُ کی صفت تاکیدی ہے اور اذا ظرفیہ ہے (جس وقت) لیکن معنی شرط کو متضمن ہے۔ (جب بھی)

مطلب یہ ہے کہ جب قیامت آئے گی یعنی وہ دن آئے گا کہ انسان انتہا غفلت یا امتداد زمانہ کے سبب اپنے کئے ہوئے اعمال کو اپنے اعمال نامہ میں دیکھ کر یاد کرے گا۔

مقاتلؒ نے کہا کہ دوزخ کا سرپوش ہٹا دیا جائیگا کافر اس میں داخل ہو جائینگے اور مومن اس کی پشت پر قائم شدہ پل صراط سے گزر جائیں گے یہ مراد ہے کہ دیکھنے والے کافروں کے سامنے دوزخ نمایاں ہو جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

فَأَمَّا مَن طَغَىٰ ﴿۳۷﴾ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾

سو جس نے کی ہو شرارت اور بہتر سمجھا ہو دنیا کا جینا ☆

دنیا پرست لوگ:

یعنی دنیا کو آخرت پر ترجیح دی اسے بہتر سمجھ کر اختیار کیا اور اسے بھلا دیا۔ (تفسیر عثمانی)

پس جو معصیت میں حد سے آگے بڑھ گیا ہے یہاں تک کہ کافر ہو گیا ہے اور نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ کر دنیوی زندگی کو آخرت پر اس نے ترجیح دے رکھی ہے اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ ابو موسیٰ کی روایت ہے جو اپنی دنیا سے محبت کرے گا وہ اپنی آخرت کو پیچھے ڈال دے گا اور جو اپنی آخرت سے محبت کرے گا وہ اپنی دنیا کو پیچھے کر دے گا۔ پس تم باقی کو فانی کے مقابلہ میں اختیار کرو۔ (احمد و بیہقی فی شعب الایمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دوزخ خواہشات سے ڈھانکی ہوئی ہے۔ (اور مسلم کی روایت میں گھری ہوئی ہے) اور جنت نامرغوب اشیا سے ڈھانکی ہوئی یا گھری ہوئی ہے۔ یہ بھی حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ سوائے ذکر اللہ اور اس کے متعلقات اور عالم اور متعلم کے (باقی) دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے ملعون ہے۔ (ترمذی وابن ماجہ) (تفسیر مظہری)

فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ﴿۳۹﴾ وَأَمَّا

سو دوزخ ہی ہے اُس کا ٹھکانا اور جو کوئی

مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى

ڈرا ہو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے اور روکا

النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿۴۰﴾ فَإِنَّ الْجَنَّةَ

ہو اُس نے جی کو خواہش سے سو بہشت ہی ہے

هِيَ الْمَأْوَىٰ ﴿۴۱﴾

اُس کا ٹھکانا ☆

پرہیز گار لوگ:

یعنی جو اس بات کا خیال کر کے ڈرا کہ مجھے ایک روز اللہ کے سامنے حساب کے لیے کھڑا ہونا ہے اور اسی ڈر سے اپنے نفس کی خواہش پر نہ چلا۔ بلکہ اسے روک کر اپنے قابو میں رکھا اور احکام الٰہی کے تابع بنایا تو اس کا ٹھکانا بہشت کے سوا کہیں نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

نفس کی مخالفت کے درجات:

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں فرمایا کہ مخالف ہویٰ کے تین درجے ہیں۔

اول درجہ تو یہ ہے کہ آدمی ان عقائد باطلہ سے بچ جائے جو ظاہر نصوص اور اجماع سلف کے خلاف ہوں، اس درجہ میں پہنچ کر وہ سنی مسلمان کہلانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔

متوسط درجہ یہ ہے کہ وہ کسی معصیت یا گناہ کا ارادہ کرے پھر اس کو یہ بات یاد آ جائے کہ مجھے اللہ کے سامنے حساب دینا ہے اس خیال کی بناء پر گناہ کو ترک کر دے۔ اسی متوسط درجے کا تکملہ یہ ہے کہ آدمی شبہات سے بھی پرہیز کرے اور جس مباح اور جائز میں مشغول ہونے سے کسی ناجائز کام میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہو اس جائز کام کو بھی ترک کر دے۔

جیسا کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مشتبہات سے پرہیز کیا اس نے اپنی آبرو اور اپنے دین کو بچا لیا اور جو شخص مشتبہات میں مبتلا ہو گیا وہ بالآخر محرمات میں مبتلا ہو جائے گا، مراد مشتبہات سے وہ کام ہیں جن میں جائز و ناجائز ہونے کے دونوں احتمال ہوں، یعنی عمل کرنے والے کو یہ شبہ ہو کہ میرے لئے یہ کام جائز ہے یا ناجائز، مثلاً ایک شخص بیمار اور وضو کرنے پر قادر تو ہے اور اس کا یقین پورا نہیں کہ میرے لئے وضو کرنا اس حالت میں مضر ہی ہے تو تیمم کا جواز اور عدم جواز مشتبہ ہو گیا اسی طرح کھڑے ہو کر نماز پڑھ تو

سکتا ہے مگر مشقت بہت زیادہ ہے اس کی وجہ یہ اشتباہ ہو گیا کہ بیٹھ کر نماز میرے لئے درست ہے یا نہیں ایسے مواقع میں مشتبہ چیز کو چھوڑ کر یقینی جواز کو اختیار کرنا تقویٰ ہے اور مخالفت کا متوسط درجہ یہی ہے۔

مکائد نفس:

نفس کی مخالفت ان چیزوں میں جو صریح طور سے گناہ اور سیئات ہیں یہ تو اگر کوئی کوشش کرے تو باختیار خود بھی اس میں کامیابی ہو جاتی ہے لیکن ایک ہوائی نفس وہ ہے جو عبادات اور اعمال حسنہ میں شامل ہو جاتی ہے، ریا و نمود، و خود پسندی، یہ ایسے دقیق گناہ اور شدید ہوائے نفس ہیں جس میں انسان اکثر خود بھی دھوکا کھاتا ہے اپنے عمل کو درست و صحیح سمجھتا رہتا ہے اور یہی وہ ہوائے نفس ہے جس کی مخالفت سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ضروری ہے، مگر اس سے بچنے کا صحیح علاج اور مجرب نسخہ اس کے سوا نہیں کہ انسان کوئی ایسا شیخ کامل تلاش کرے جو کسی ماہر شیخ کی خدمت میں رہ کر مجاہدات کر کے عیوب نفس اور ان کے معالجہ سے واقف ہوا پنے آپ کو اس کے حوالہ کر دے اور اس کے مشورہ پر عمل کرے۔ شیخ امام حضرت یعقوب کرخیؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنی ابتدائی عمر میں نجار تھا (لکڑی کا کام کرتا تھا) میں نے اپنے نفس میں سستی اور باطن میں ایک قسم کی ظلمت محسوس کی تو ارادہ کیا کہ چند روز روزے رکھوں تا کہ یہ ظلمت اور سستی دور ہو جائے، اتفاقاً اسی روزے کی حالت میں ایک روز شیخ اجل امام بہاؤالدین نقشبندؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، شیخ نے مہمانوں کے لئے کھانا منگوایا اور مجھے بھی کھانے کا حکم دیا اور فرمایا بہت برا بندہ ہے جو اپنی ہوائے نفسانی کا بندہ ہو جو اس کو گمراہ کرے اور فرمایا کھانا کھا لینا اس روزے سے بہتر ہے جو ہوائے نفسانی کے ساتھ ہو، اس وقت مجھے احساس ہوا کہ میرا نفس عجب و خود پسندی کا شکار ہو رہا تھا جس کو شیخ نے محسوس کیا اور مجھے ثابت ہو گیا کہ ذکر و شغل اور نفلی عبادات میں کسی شیخ کامل کی اجازت و ہدایت درکار ہے کیونکہ وہ مکائد نفس سے واقف ہوتا ہے جس نفلی عمل میں نفس کا کید ہو گا اسی سے روک دے گا، اس وقت میں نے حضرت شیخ نقشبند قدس سرہ سے عرض کیا کہ حضرت اگر ایسا شیخ جس کو اصطلاح میں فانی فی اللہ اور باقی باللہ کہا جاتا ہے کسی کو میسر نہ ہو تو وہ کیا کرے، شیخ نے فرمایا کہ اس کو چاہیے کہ وہ استغفار کی کثرت کرے اور ہر نماز کے بعد بیس مرتبہ استغفار کرنے کی پابندی کرے تا کہ پانچ وقت سو مرتبہ استغفار ہو جائے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بعض وقت میں اپنے قلب میں کدورت محسوس کرتا ہوں اور میں ہر روز اللہ تعالیٰ سے سو بار استغفار یعنی طلب مغفرت کرتا ہوں۔

تیسرا اعلیٰ درجہ مخالفت ہوائے نفسانی کا یہ ہے کہ کثرت ذکر و مجاہدات و ریاضت کے ذریعہ اپنے نفس کو ایسا مزکّٰی بنا لو کہ اس میں وہ ہوائے نفسانی باقی ہی نہ رہے جو انسان کو شر کی طرف کھینچتی ہے یہ مقام ولایت خاصہ کا مقام ہے اور اسی شخص کو حاصل ہوتا ہے جس کو صوفیاء کی اصطلاح میں فانی فی اللہ اور باقی باللہ کہا جاتا ہے، یہی لوگ قرآن کی اس آیت کے مصداق ہیں جو شیطان کو مخاطب کر کے کہی گئی اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ، یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا قابو نہیں چل سکے گا، اور یہی مصداق ہیں اس حدیث کے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَايُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ . یعنی تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک اس کی ہوائے نفسانی میری تعلیمات۔

ہوا کا معنی:

صحاح میں ہے کہ ہوا کا معنی ہے اپنی پسندیدہ چیزوں کی طرف نفس کا جھکاؤ۔ ھوی کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ہوا صاحب ہوا کو دنیا میں مصیبت میں لے کر گرتی ہے اور آخرت میں ھاویہ کے اندر۔ ہوا کا معنی ہے نشیب کی طرف اترنا اور بلندی سے پستی کی طرف گرنا۔

ہوا تمام ممنوعات کا سر چشمہ اور حرام چیزوں کی بنیاد ہے ابوبکر وراق کا قول ہے کہ اللہ نے کوئی مخلوق ہوا سے زیادہ گندی پیدا نہیں کی۔ ہوا از روئے عقل بھی بری ہے اور از روئے شرع بھی عقلی برائی تو یہ ہے کہ اشیاء کی حقیقتیں واقع ہیں، موجود ہیں خصوصاً مبدء و معاد کی حقیقت اور اخلاق و اعمال وغیرہ کے نتائج جو بجائے خود اپنے حسن و قبح کے خواستگار ہیں مگر ان کی اچھائی اور برائی عموماً عقل سے دریافت نہیں کی جا سکتی اگر بعض امور کا اچھا برا ہونا صرف عقل سے معلوم بھی ہوتا ہے تو وہ ناقابل اعتماد ہوتا ہے تاوقتیکہ علام الغیوب پیغمبروں کی معرفت اس کی اطلاع نہ دیدے۔ کیونکہ اگر اشیاء کے حسن و قبح کو جاننے کے لئے عقل کافی ہو تو پیغمبروں کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔

عبادت دو طرح کی ہوتی ہے۔ (۱) تکوینی اضطراری جیسا کہ اس آیت میں ہے وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا جو کوئی آسمان اور زمین میں ہے سب چارو ناچار اللہ کا فرمان بردار ہے۔ (۲) اختیاری۔ یہی جن و انس سے مطلوب ہے پس جس طرح تکوینی طور پر ہر چیز اللہ کی فرماں بردار ہے اللہ کی مشیت و ارادہ کے خلاف تکوینی نظم کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا اس طرح اختیار عبادات بھی ہونی چاہیے، قلب کا کوئی فعل ہو یا اعضاء کا یا اخلاق نفسانیہ۔ کوئی بھی اللہ کے ارادہ اور حکم کے خلاف نہ ہونا چاہیے، ہوا کو اس میں قطعاً دخل نہ ہونا چاہیے خواہش پرستی تو عبودیت کے خلاف ہے ہر باطل قبیح (فعل عمل عقیدہ رائی) ہوا پرستی ہی کی شاخ ہے اور غلط افکار سے ہی پیدا ہوتا ہے، کافروں نے اپنی فکر فاسد پر اعتماد کرتے

ہوے ہی تو کہا تھا مَالِ ھٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْکُلُ الطَّعَامَ وَ یَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ۔ اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗ۔ یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا اور بازاروں میں پھرتا ہے۔ کیا ہم اپنے میں سے ایک آدمی کا اتباع کریں۔

فرقہ مجسمہ نے کہا تھا کہ اللہ موجود ہے اور ہر موجود جسم مکانی ہوتا ہے (اس لئے اللہ بھی جسم مکانی ہے) معتزلہ وغیرہ نے کہا تھا کہ عذاب قبر، وزن اعمال اور وجود پل صراط ممکن نہیں۔ وغیرہ وغیرہ

گناہ کبیرہ کرنے والے اقرار کرتے ہیں کہ رسول اور قرآن کے احکام کی تعمیل فرض ہے اور برے اخلاق و اعمال ہونے والوں کو آخرت میں عذاب ہونے کا ان کو بھی علم ہے لیکن خواہش پرستی اور اتباع ہوا کی وجہ سے وہ اوامر و نواہی کے پابند نہیں ہوتے۔ اسی لئے فرائض کو ترک کرتے اور ممنوعات و مکروہات کا ارتکاب کرتے ہیں۔

تباہ کن چیزیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین چیزیں تباہ کن ہیں یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خواہش پرست بندہ برا بندہ ہے خواہش اس کو گمراہ کر دیتی ہے۔ (ترمذی وبیہقی بروایت حضرت اسماء بن عمیس)

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں گمراہ کن ہیں خواہش نفس جس کا اتباع کیا جائے، حد سے بڑی کنجوسی جس کے حکم پر چلا جائے اور خود پرستی اور یہ سب سے زیادہ بری ہے۔ بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگرچہ حدیث میں ہوا سے خاص قسم کی ہوا مراد ہے مگر حقیقت میں تینوں تباہ کن چیزوں کا رجوع خواہش پرستی ہی کی جانب ہے۔

ترک ہوا کے درجات:

ترک ہوا کے مختلف درجات ہیں ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ عقائد کے متعلق جو سلف کا اجماع اور ظاہری نصوص ہیں ان کی مخالفت سے پرہیز کرے اسی سے سنی مسلمان ہوتا ہے۔ اوسط درجہ وہ ہے کہ جس کے متعلق مقاتل نے کہا ہے کہ گناہ کے ارادہ کے وقت آدمی یاد کرے کہ حساب فہمی کے لئے اللہ کے سامنے کھڑا ہوگا، یہ سن کر گناہ کے اردے کو چھوڑ دے۔ اس درجہ کی تکمیل یہ ہے کہ مشتبہات (جن کی حرمت وحلت واضح نہ ہو) کو بھی ترک کر دے اور گناہ میں مبتلا ہو جانے کے ڈر سے ان چیزوں کو بھی ترک کر دے جن کو کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو مشتبہات سے بچتا ہے وہ اپنا دین وآبرو بچا لیتا ہے اور جو مشتبہات میں پڑ جاتا ہے وہ ممنوعات میں بھی آئندہ پڑ جاتا ہے جیسے وہ چرواہا جو جانوروں کو محفوظ ممنوع چراگاہ کے پاس چراتا ہے ممکن ہے کسی جانور کو چراگاہ کے اندر بھی ڈال دے۔ (بخاری ومسلم)

اس مرتبہ کی تکمیل یہ بھی ہے کہ ضروریات پر جواز کا دائرہ محدود کر دے حضرت نعمان بن بشیر کی روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر دل پسند چیز کو کھا لینا بھی اسراف میں داخل ہے۔ (رواہ ابن ماجہ والبیہقی عن انسؓ)

سب سے قریبی راستہ:

حضرت مجددؒ نے فرمایا کہ ہمارے شیخ اجل حضرت شیخ بہاء الدین نقشبند فرماتے ہیں کہ اللہ تک پہنچنے کا سب سے قریبی راستہ مخالفت نفس ہے مراد یہ ہے کہ احکام شریعت کی پوری نگہداشت کے ساتھ ساتھ نفس کی مخالفت کی جائے۔ واللہ اعلم

خاص نکتہ:

یہاں ایک خاص نکتہ ہے وہ یہ کہ کچھ گناہ تو کھلے ہوئے ہیں بخوف حساب ان سے پرہیز ممکن ہے کچھ چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ دقیق ہیں یہ وہ گناہ ہیں جو نیکی کے جامہ میں سے ہوتے ہیں جیسے (عبادات وغیرہ) کی دکھاوٹ اور (اپنی عبادت و ریاضت پر) غرور اور کثرت نوافل و طاعات سے نفس کا ایسا تزکیہ جس کی ممانعت آئی ہے یہ مقام بڑی لغزش گاہ ہے اکابر میں سے کسی نے اپنے مرید سے کہا تھا بیٹا مجھے یہ اندیشہ تو نہیں کہ گناہوں کے راستے سے شیطان کی رسائی تیرے پاس ہو سکے گی مجھے تو یہ خوف ہے کہ نیکیوں کے راستے سے کہیں وہ تجھ تک نہ پہنچ جائے اس مقام میں نگہداشت کی صورت یہ ہے کہ ہر کام میں نفس کو مشتبہ سمجھے اور زاری واستغفار کرے۔ چند اشعار۔

نفس و شیطان کی مخالفت و نافرمانی کر اگر وہ تیری خالص خیر خواہی بھی کریں تب بھی مشتبہ سمجھ حریف اور خصم کی خفیہ طریقوں سے تو تو واقف ہی ہے اس لیے وہ دونوں حریف بن کر آئیں گے یا خصم بن کر تو کسی کا کہنا مان بے عمل قول کی اللہ سے معافی طلب کر کیونکہ بانجھ (ناقابل تولید) کی طرف نسب سے نسبت کر رہا ہے یعنی بے عمل قول بانجھ ہے اس سے ثواب وخیر کی نسل پیدا نہیں ہو سکتی) اس مقام میں کامل تحفظ کی صورت یہ ہے کہ کسی فانی فی اللہ باقی باللہ شیخ کا دامن پکڑے اور کوئی کام اس کے حکم واجازت کے بغیر نہ کرے۔

امام یعقوب کرخیؒ کا واقعہ:

حضرت شیخ امام یعقوب کرخیؒ نے اپنے ابتدائی حال کا ایک واقعہ بیان کیا ہے فرماتے ہیں میں بخارا میں تھا مجھے اپنے نفس میں کچھ سستی اور باطن میں کچھ تاریکی محسوس ہوئی میں نے ارادہ کیا کچھ دنوں روزے رکھوں گا تا کہ یہ سستی اور تاریکی دور ہو جائے روزہ رکھ لیا اور صبح کو شیخ اجل حضرت بہاء الدین نقشبندی کی خدمت میں حاضر ہوا شیخ نے کھانا حاضر کرنے کا حکم دیا (کھانا آ گیا) تو مجھ سے فرمایا کھاؤ وہ بندہ برا ہے جو ہوا پرست ہو اور خواہش اس کو گمراہ کر دے اور فرمایا جو روزہ خواہش نفس کے زیر اثر ہو اس سے کھانا

افضل ہے اس سے میں سمجھ گیا کہ نفل اجازت کے لیے ایسے شیخ کی اجازت ضروری ہے جو فانی فی اللہ ہو اور خواہش نفس سے آزاد ہو چکا ہو۔ میں نے عرض کیا اگر ایسا شیخ نہ ملے تو آدمی کیا کرے فرمایا اللہ سے بکثرت استغفار کرے یا ہر نماز کے بعد بیس مرتبہ اللہ سے مغفرت کی طلب کرلیا کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے دل پر کچھ کدورت آجاتی ہے اور میں روزانہ اللہ سے سو بار استغفار کرتا ہوں۔

ترک ہوا کا اعلیٰ مرتبہ:

خواہش نفس سے باز رہنے کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ اپنے دل سے بالکل خواہش نکال پھینکے سوائے خدا اور مرضئ خدا کے اس کا نہ کوئی مقصود ہو نہ مراد۔ اس مرتبہ کو حاصل کرنے کے لیے صوفیہ لا الہ الا اللہ کی کثرت کیا کرتے ہیں مگر لا الہ الا اللہ کہتے وقت پیش نظر یہ رکھتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں۔

حضرت مجدد صاحبؒ نے فرمایا کہ بندہ جب تک خواہش نفس میں لگا رہتا ہے بندہ نفس اور مطیع شیطان ہوتا ہے یہ نعمت عظمیٰ یعنی بالکل خواہش نفس سے آزاد ہو جانا خالص ولایت سے وابستہ ہے اور کامل ترین فناء بقاء پر موقوف ہے (ہر شخص کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوسکتا) میں کہتا ہوں کہ اس مرتبہ پر پہنچ کر صوفی تقدیر الٰہی کو پسند کرتا ہے خواہ اس کی طبیعت کے خلاف ہی ہو کسی آئے ہوئے دکھ کو دور کرنے کی دعا وہ صرف اس لیے کرتا ہے کہ اس کو دعا کرنے کا حکم ہے اور طلب عافیت پر وہ مامور ہے اس لیے دعا نہیں کرتا کہ وہ تکلیف سے دل تنگ اور مراد نہ ملنے سے کبیدہ خاطر ہو جاتا ہو اس مرتبہ پر وہ ویسا ہی اللہ کا بندہ ہے اپنے اختیار سے ہو جاتا ہے جس طرح وہ تکوینی اور اضطراری طور پر خدا کا بندہ ہوتا ہے اس وقت شیطان کو اس کے پاس پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں ملتا شاذ و نادر اس صورت سے مستثنیٰ ہے کیونکہ انسان تک شیطان کا راستہ خواہش نفس کے ذریعے ہی پہنچتا ہے دیکھو جو شخص گرم مزاج رکھتا ہو اور غصہ سے مغلوب ہو جاتا ہو شیطان اس کی نظر میں قتل اور ظلم کو اچھا فعل بنا کر دکھاتا ہے اور جو شخص ٹھنڈے مزاج اور کمزور دل والا ہو اس کو شیطان بتاتا ہے کہ جہاد سے بھاگ جانا حق کے معاملے میں غیرت کو چھوڑ دینا اور منافقت کرنا اچھا ہے وغیرہ۔

لہٰذا اگر کوئی شخص خواہش ہی کو ختم کردے تو اس کے پاس آنے کے شیطان کے سب راستے بند ہو جاتے ہیں یہی مفہوم ہے اس آیت مبارکہ کا

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۚ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيلًا

شیخ اجل مولانا یعقوب کرخیؒ نے اسی مقام کے متعلق فرمایا کہ آدمی جب تک خواہش سے آزاد نہ ہو جائے مردوں کے مرتبہ تک نہیں پہنچتا اسی مقام پر پہنچ کر بندہ کو مومن حقیقی کہا جاتا ہے اور یہی مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی کہ جب تک کسی کی خواہش اس (شریعت) کے تابع نہ ہو جائے جو میں لے کر آیا ہوں مومن نہیں ہوتا رواہ البغوی فی شرح السنۃ۔ نووی نے اربعین میں لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ
تجھ سے پوچھتے ہیں وہ گھڑی کب ہو گا
مُرْسٰهَا ﴿۴۲﴾
قیام اُس کا ☆

یعنی آخر وہ گھڑی کب آئے گی اور قیامت کب قائم ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول: ابن حاتم نے باسناد جبیر ضحاک رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ مکہ کے مشرکوں نے بطور استہزاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ قیامت کب پیدا ہوگی اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

حاکم ابن جریر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سوال کا جواب دینے کے لیے) قیامت کے متعلق (جبریل سے یا بوقت مناجات اللہ سے) سوال کرتے تھے اس پر آیت يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ الخ نازل ہوئی طبرانی اور ابن جریر نے طارق بن شہاب کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کا ذکر بکثرت کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی ابن حاتم نے حضرت عروہ کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی ہے حاصل کلام یہ ہے کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت بپا ہونے کا وقت دریافت کرتے تھے اور آپ ان کو جواب دینے کے خواہش مند تھے اس لیے اللہ سے وقت قیامت دریافت کرتے تھے اس پر آیت مذکورہ کا نزول ہوا اور آپ نے سوال کرنا ترک کردیا اس سے معلوم ہوا کہ تعیین قیامت کو پوشیدہ رکھنے میں خاص حکمت ہے اور اس کا علم ناقابل امید ہے۔

فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿۴۳﴾ اِلٰى رَبِّكَ
تجھ کو کیا کام اُس کے ذکر سے تیرے رب کی طرف ہے
مُنْتَهٰىهَا ﴿۴۴﴾
پہنچ اُس کی ☆

قیامت کا معین وقت صرف اللہ جانتا ہے:

یعنی اس کا وقت ٹھیک متعین کر کے بتلانا آپ کا کام نہیں کتنے ہی سوال جواب کرو آخر کار اس کا علم خدا ہی پر حوالہ کرنا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "پوچھتے پوچھتے اسی تک پہنچنا ہے پیچھے سب بے خبر ہیں"۔ (تفسیر عثمانی)

قیامت قریب ہے:

حضرت انس کی رضی اللہ عنہ روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو اور قیامت کو ان دونوں (انگلیوں) کی طرح متصل بھیجا گیا ہے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے قیامت ہی کے وقت میں بھیجا گیا مجھے سابق بنا دیا گیا جیسے یہ اس سے سابق رہے حضور نے کلمہ کی انگلی اور انگوٹھے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا۔ (ترمذی)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ فِيمَ أَنتَ مِن ذِكْرَاهَا کا تعلق يَسْأَلُونَكَ سے ہے یعنی وہ لوگ آپ سے قیامت کے وقت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ وہ کب بپا ہو گی اور کہتے ہیں کہ تم کو اس مقرر وقت کے متعلق کیا معلومات ہیں بتاؤ اور اس کا معین وقت بیان کرو۔

إِلَىٰ رَبِّكَ مُنتَهَاهَا یعنی مدت دنیا جس کے ختم ہونے پر قیامت بپا ہو گی۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرُ مَن يَخْشَاهَا ﴿٤٥﴾

تو تو ڈر سنانے کے واسطے ہے اس کو جو اس سے ڈرتا ہے☆

پیغمبر کا کام:

یعنی آپ کا کام قیامت کی خبر سنا کر لوگوں کو ڈرا دینا ہے۔ اب جس کے دل میں اپنے انجام کی طرف سے کچھ خوف ہوگا یا خوف آخرت کی استعداد ہو گی وہ سن کر ڈرے گا اور ڈر کر تیاری کریگا۔ گویا آپ کا ڈرانا نتیجہ کے اعتبار سے صرف ان ہی لوگوں کے حق میں ہوا جو اس سے منتفع ہونے کی اہلیت رکھتے ہیں ورنہ نااہل لوگ تو انجام سے غافل ہو کر ان ہی فضول بحثوں میں پڑے ہوئے ہیں کہ قیامت کس تاریخ کس دن کس سن میں آئیگی؟۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی آپ کو قیامت کا وقت بیان کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا بلکہ اس لیے بھیجا گیا ہے کہ اہل خشیہ کو شدائد قیامت سے ڈراؤ تاکہ شدائد قیامت میں مبتلا ہونے والے اسباب سے وہ پرہیز رکھیں اور صرف اتنا یقین کر لینا کہ قیامت آئیگی دوسروں کو ڈرانے کے لیے کافی ہے قیامت کا تعینی وقت بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کے لیے منذر تھے کیونکہ بغیر تخصیص کے آپ کی نبوت عمومی تھی) مگر اہل خشیہ ہی آپ کے انداز سے فائدہ اٹھانے والے ہیں (جن کے دل میں خوف خدا اور اندیشہ قیامت نہیں ان کو کچھ فائدہ نہیں) اسی لیے خاص طور پر اہل خشیہ کا ذکر کیا۔ (تفسیر مظہری)

كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا

ایسا لگے گا جس دن دیکھیں گے اس کو کہ نہیں ٹھہرے تھے

إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا ﴿٤٦﴾

دنیا میں مگر ایک شام یا صبح اس کی ☆

جب آئے گی تو آنکھیں کھلیں گی:

یعنی اب تو شور مچا رہے ہیں کہ قیامت کے آنے میں دیر کیوں ہے جلد کیوں نہیں آجاتی مگر اس وقت معلوم ہوگا کہ بہت جلد آئی بیچ میں دیر کچھ نہیں گی۔ (تفسیر عثمانی)

دنیا کی زندگی ایک شام یا صبح ہے:

یعنی جس روز وہ قیامت کو دیکھیں گے تو ایسا محسوس کریں گے کہ گویا دنیا میں اور قبروں میں ایک دن کے صرف نصف یا آخیر یا مع نصف اول کے یعنی (پورے دن) رہے تھے۔

مراد یہ ہے کہ دنیا میں اور قبروں میں رہنے کی مدت چونکہ محدود ہے اور وہ مدت ختم ہو چکی ہوگی اور عذاب کی مدت غیر محدود ہوگی اور عذاب کی شدت بھی ہوگی اس لیے وہ مدت عذاب کے مقابلہ میں دنیا اور قبر کے قیام کو ہیچ سمجھیں گے اور خیال کریں گے کہ ہم وہاں بہت تھوڑے وقت رہے اسی مضمون کو آیت لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ میں بیان کیا گیا گویا مذکورہ بالا آیت ان کے سوال کا جواب ہے انہوں نے وقت قیامت پوچھا تھا جواب دیا گیا قیامت آنے کا وقت قریب ہی ہے۔ (تفسیر مظہری)

الحمد للہ سورۃ النازعات ختم ہوئی

سورة عبس

اس کو خواب میں پڑھنے والا صدقات زیادہ دے گا اور زکوۃ نکالے گا۔

سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اِثْنَتَانِ وَاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعٌ وَّاحِدٌ

سورۂ عبس مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی بیالیس آیتیں ہیں اور ایک رکوع اور اسی طرح آخر تک

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

عَبَسَ

تیوری چڑھائی ☆

شانِ نزول: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض سرداران قریش کو مذہب اسلام کے متعلق کچھ سمجھا رہے تھے اتنے ایک نابینا مسلمان (جن کو ابن ام مکتوم کہتے ہیں) حاضر خدمت ہوئے اور اپنی طرف متوجہ کرنے لگے کہ فلاں آیت کیونکر ہے یارسول اللہ! مجھے اس میں سے کچھ سکھائیے جو اللہ نے آپ کو سکھلایا ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا بے وقت کا پوچھنا گراں گزرا آپ کو خیال ہوا ہوگا کہ میں ایک بڑے مہم کام میں مشغول ہوں قریش کے یہ بڑے بڑے سردار اگر ٹھیک سمجھ کر اسلام لے آئیں تو بہت لوگوں کے مسلمان ہونے کی توقع ہے۔ ابن ام مکتوم بہرحال مسلمان ہے اس کو سمجھنے اور تعلیم حاصل کرنے کے ہزار مواقع حاصل ہیں اس کو دکھائی نہیں دیتا کہ میرے پاس ایسے بااثر اور بارسوخ لوگ بیٹھے ہیں جن کو اگر ہدایت ہو جائے تو ہزاروں اشخاص ہدایت پر آسکتے ہیں میں انکو سمجھا رہا ہوں یہ اپنی کہتا چلا جاتا ہے اتنا بھی نہیں سمجھتا کہ اگر ان لوگوں کی طرف سے ہٹ کر گوشۂ التفات اس کی طرف کرونگا تو ان لوگوں پر کس قدر شاق ہوگا۔ شاید پھر وہ میری بات سننا بھی پسند نہ کریں۔ غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم منقبض ہوئے اور انقباض کے آثار چہرے پر ظاہر ہونے لگے اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں روایات میں ہے کہ اس کے بعد جب وہ نابینا آپ کی خدمت میں آتے آپ بہت تعظیم وتکریم سے پیش آتے اور فرماتے "مرحبا بمن عاتبنی فیه ربی". (تفسیر عثمانی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم عتبہ بن ربیعۃ، ابوجہل بن ہشام اور عباس بن عبدالمطلب سے گفتگو فرما رہے تھے اور بڑی ہی توجہ سے ان کی جانب منہمک تھے اور آپ کو حرص تھی کہ کسی طرح یہ لوگ اسلام قبول کرلیں ناگہاں عبداللہ بن ام مکتوم بڑی ہی بیقراری کے ساتھ مجلس میں پہنچ گئے اور قرآن کریم کی کوئی آیت پڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنے لگے علمنی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مما علمک اللہ کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وہ سکھا دیجئے جو اللہ نے آپ کو سکھایا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض فرمایا یہ بار بار اسی بات کو دہراتے رہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی جذبہ کے باعث ناگواری سے اس کی طرف سے چہرہ پھیر لیا اور ان کے سرداران قریش کو سمجھاتے رہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اس مجلس سے فارغ ہو کر جانے لگے تو وحی کے آثار شروع ہوئے آپ اپنا سر جھکا کر بیٹھ گئے اور یہ آیت نازل ہوئی۔

راوی بیان کرتے ہیں اس کے بعد ابن مکتوم جب کبھی آتے آپ ان کا بہت احترام فرماتے اور ایک روایت میں یہ فرماتے یہ تو وہ ہے جس کے معاملے میں میرے رب نے مجھ پر عتاب فرمایا۔ (معارف کاندھلوی)

شان نزول میں جو واقعہ حضرت عبداللہ ابن مکتوم نابینا صحابی کا نقل کیا ہے اس میں بغوی نے یہ مزید روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مکتوم نابینا ہونے کے سبب یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ کو کسی دوسرے سے گفتگو میں مشغول ہیں مجلس میں داخل ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دینی شروع کی اور بار بار آواز دی۔ (تفسیر مظہری)

اور ابن کثیر کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پڑھوانے کا سوال کیا اور اس سوال کے فوری جواب دینے پر اصرار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مکہ کے کفار سرداروں کو دین کی تبلیغ کرنے اور سمجھانے میں مصروف تھے یہ سردار عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل ابن ہشام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس موقع پر ابن مکتوم کا اس طرح خطاب کرنا اور ایک آیت کے الفاظ درست کرنے کے معمولی سوال پر فوری جواب کے لیے اصرار کرنا ناگوار ہوا جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ عبداللہ ابن مکتوم پکے مسلمان اور ہر وقت کے حاضر باش تھے دوسرے اوقات میں بھی سوال کر سکتے تھے ان کے جواب کے موخر کرنے میں کسی دینی نقصان کا خطرہ نہ تھا بخلاف روسائے قریش کے کہ نہ یہ لوگ ہر وقت آپ کی خدمت میں آتے ہیں اور نہ ہر وقت ان کو اللہ کا کلمہ پہنچایا جا سکتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طرز عمل اپنے اجتہاد پر مبنی تھا کہ جو مسلمان آداب مجلس کے خلاف طرز گفتگو اختیار کرے اس کو کچھ تنبیہ ہونی چاہیے تاکہ آئندہ وہ آداب مجلس کی رعایت کرے اس کے لیے تو آپ نے حضرت ابن

مکتوم سے رخ پھیرلیا اور دوسری بات یہ تھی کہ اس بظاہر حال کفر وشرک سب سے بڑے گناہ ہیں ان کے ازالہ کی فکر مقدم ہونا چاہیے بمقابلے دین کی فروعی احکام کی تعلیم کے جو عبداللہ ابن مکتوم چاہتے تھے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَتَوَلّٰىٓ ① اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ②

اور نہ موڑا اس بات سے کہ آیا اُسکے پاس اندھا ☆

یعنی پیغمبر نے ایک اندھے کے آنے پر چیں بجبیں ہو کر منہ پھیر لیا حالانکہ اس کو اندھے کی معذوری، شکستہ حالی اور طلب صادق کا لحاظ زیادہ کرنا چاہیے تھا حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یہ کلام گویا اوروں کے سامنے گلہ ہے رسول کا (اسی لیے بصیغہ غائب ذکر کیا) آگے خود رسول کو خطاب فرمایا ہے" اور محققین کہتے ہیں کہ یہ غایت تکرم واستحیاء متکلم کا اور غایت کرامت مخاطب کی ہے۔ کہ یہ عتاب کے وقت بھی رو در رو اس امر کی نسبت آپ کی طرف نہیں فرمائی اور آگے خطاب کا صیغہ بطور التفات کے اس لیے اختیار کیا کہ شبہ اعراض کا نہ ہو نیز وہ مضمون پہلے مضمون سے ہلکا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کا اعزاز:

ترمذیؒ اور حاکمؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مکتوم کو دو بار مدینہ میں اپنی جگہ قائم کیا جبکہ آپ دونوں مرتبہ جہاد پر تشریف لے گئے تھے۔

نکتہ: الاعمیٰ کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کاٹنے کی جراءت کرنے میں ابن ام مکتوم معذور تھے (نابینا تھے)۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ ③ اَوْ يَذَّكَّرُ

اور تجھ کو کیا خبر ہے شاید کہ وہ سنورتا یا سوچتا

فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ④

تو کام آتا اُس کے سمجھانا ☆

یعنی وہ اندھا طالب صادق تھا۔ تمہیں کیا معلوم کہ تمہارے فیض توجہ سے اس کا حال سنور جاتا اور اس کا نفس مزکی ہو جاتا۔ یا تمہاری کوئی بات کان میں پڑتی اس کو اخلاص سے سوچتا سمجھتا اور آخر وہ بات کسی وقت اس کے کام آجاتی۔ (تفسیر عثمانی)

علماء کے لیے ہدایت:

اس میں ان علماء کے لیے ایک عام ہدایت ہے جو غیر مسلموں کے شبہات کے ازالے اور ان کو اسلام سے مانوس کرنے کی خاطر بعض ایسے کام کر بیٹھتے ہیں جن سے عام مسلمانوں کے دلوں میں شکوک شبہ یا شکایات پیدا ہو جاتی ہیں ان کو اس قرآنی ہدایت کے مطابق مسلمانوں کی حفاظت اور اصلاح حال کو مقدم رکھنا چاہیے اکبر مرحوم نے خوب فرمایا:

بے وفا سمجھیں تمہیں اہل حرم اس سے بچو　　دَیر والے کج ادا کہہ دیں یہ بدنامی بھلی

(معارف مفتی اعظم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز

وَمَا يُدْرِيْكَ یعنی تم کو اس کے حال پر کون واقف بنائے بہر حال اس لفظ میں رسول اللہ کی طرف سے ایک عذر (مترشح) ہے کہ تم واقف نہ تھے اگر نابینا کے حال سے واقف ہوتے تو دوسروں کی طرف متوجہ اور اسکی طرف سے روگرداں نہ ہوتے آیت میں چند طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز موجود ہے۔

اعمال کا مدار نیت پر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت اس کی طرف سے بالکل منہ موڑنے کی نہیں تھی بلکہ آپکا مقصد یہ تھا کہ یہ شخص تو مومن ہے اگر اس کی تعلیم میں کچھ تاخیر بھی ہو جائے تو اس کا کچھ نقصان نہ ہوگا نہ اس کی طرف سے انحراف اور چلے جانے کا اندیشہ ہے اور قریش کے سردار اپنی طرف سے میرے رخ کو پھرا دیکھ کر چلے جائیں گے انتظار نہیں کریں گے اور یہ سردار اگر مسلمان ہو گئے تو ان کے ساتھ بہت لوگ مسلمان ہو جائیں گے اور دائرہ اسلام وسیع ہو جائے گا انہی مقاصد کے زیر اثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کی طرف سے منہ پھیر لیا گویا واقعی طور پر ان کی طرف سے روگردانی نہیں کی اگرچہ ظاہری طور پر اس فعل کا وقوع ہو گیا۔

الحمدللہ سورۃ عبس ختم ہوئی

صیغہ خطاب کی طرف سے رخ پھیرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانوس بنانا اور آپ کے دل سے ملال کو دور کرنا مقصود ہے۔

موجب عذر (عدم علم) کی اسناد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صریحی تخاطب کے ساتھ بتارہی ہے کہ آپ سے جو فعل سرزد ہو گیا اس میں آپ معذور تھے۔

تزکیہ نفس: لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ شاید وہ کامل طور پر پاک ہو جاتا شرک ظاہر اور خفی سے عیوب نفسانی سے ہوا وہوس سے اللہ کے علاوہ دوسروں کے ساتھ دل کو وابستہ رکھنے سے (روح دل خفی اخفی وغیرہ) تمام لطائف کو ہوشیار بنانے سے اور عالم خلق (مادی قویٰ کو ہر مادے کے غلبہ سے اور یہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت۔ انفاس قدسیہ کے فیض اور ظاہری باطنی انوار نبوت کی شعاع اندوزی سے حاصل ہوتا ہے۔

''یا وہ اللہ کی یاد میں مشغول ہو جاتا اس کا حضور قلب بڑھ جاتا خوف عذاب اور امید ثواب کا حصول حاصل ہو جاتا''۔

ابرار واخیار کا مقام:

لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ میں تو مراتب ابرار کی انتہا کی طرف اشارہ ہے اور اَوْ يَذَّكَّرُ میں اخیار (برگزیدگان الٰہی) کے آغاز حال کی طرف ایماء ہے مقربین اور صدیقین کا حال یہاں نہیں بیان کیا کیونکہ یہ مقام انانیت کا مقام ہے (یعنی کسی اختیاری مراتب کے حصول کے بیان کا مقام ہے ان مراتب کو بیان کرنے کا مقام نہیں ہے جو محض وہبی ہے جو خالص عطیہ الٰہیہ ہیں اعمال حسنہ سے ان مراتب تک پہنچنا ممکن نہیں۔

اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰىۙ ﴿۵﴾ فَاَنْتَ لَهٗ
وہ جو پرواہ نہیں کرتا سو تو اس کی
تَصَدّٰىؕ ﴿۶﴾ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰىؕ ﴿۷﴾
فکر میں ہے اور تجھ پر کچھ الزام نہیں کہ وہ نہیں درست ہوتا ☆

متکبروں کی ضرورت نہیں:

یعنی جو لوگ اپنے غرور اور شیخی سے حق کی پرواہ نہیں کرتے اور ان کا تکبر اجازت نہیں دیتا کہ اللہ ورسول کے سامنے جھکیں آپ ان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں کہ یہ کسی طرح مسلمان ہو جائیں تا کہ ان کے اسلام کا اثر دوسروں پر پڑے حالانکہ اللہ کی طرف سے آپ پر کوئی الزام نہیں کہ یہ مغرور اور شیخی باز آپ کی ہدایت سے درست کیوں نہ ہوئے آپ کا فرض دعوت تبلیغ کا تھا وہ ادا کر چکے اور کر رہے ہیں آگے ان لاپروا متکبروں کی فکر میں اس قدر انہماک کی ضرورت نہیں کہ سچے طالب اور مخلص ایماندار توجہ سے محروم ہونے لگیں۔

یا معاملہ کی ظاہری سطح دیکھ کر بے سوچے سمجھے لوگوں میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ پیغمبر صاحب کی توجہ امیروں اور تونگروں کی طرف زیادہ ہے شکستہ حال غریبوں کی طرف نہیں اس مہمل خیال کے پھیلنے سے جو ضرر دعوت اسلام کے کام کو پہنچ سکتا ہے وہ اس نفع سے کہیں بڑھ کر ہے جس کی ان چند متکبرین کے مسلمان ہونے سے توقع کی جاسکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آپ اس کے درپے ہیں اس کی طرف متوجہ ہیں تا کہ تزکیہ اور طہارت اس کے ہاتھ سے جاتی نہ رہے۔

آپ کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے (کسی کے نہ ماننے سے آپ کا کوئی نقصان نہیں) یعنی کسی کو پاک کر دینا آپ کا فرض نہیں۔ صرف پہنچا دینا آپ کا فرض ہے۔

وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰىۙ ﴿۸﴾ وَهُوَ
اور وہ جو آیا تیرے پاس دوڑتا اور وہ
يَخْشٰىۙ ﴿۹﴾
ڈرتا ہے ☆

یعنی اللہ سے ڈرتا ہے یا ڈر لگا ہے کہ آپ کی ملاقات میسر ہو یا نہ ہو۔ پھر اندھا ہے کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں اندیشہ ہے کہیں راستہ میں ٹھوکر لگے یا کسی چیز سے ٹکرا جائے یا یہ سمجھ کر کہ آپ کے پاس جا رہا ہے دشمن ستانے لگیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰىۚ ﴿۱۰﴾
سو تو اس سے تغافل کرتا ہے ☆

طلبگار توجہ کے مستحق ہیں:

حالانکہ ایسے ہی لوگوں سے امید ہو سکتی ہے کہ ہدایت سے منتفع ہونگے اور اسلام کے کام آئینگے۔ کہتے ہیں کہ یہ ہی نابینا بزرگ زرہ پہنے اور جھنڈا ہاتھ میں لیے جنگ قادسیہ میں شریک تھے آخر اسی معرکہ میں شہید ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾
بول نہیں یہ تو نصیحت ہے پھر جو کوئی چاہے اس کو پڑھے ☆

قرآن تو نصیحت عام ہے:

یعنی متکبر اغنیاء اگر قرآن کو نہ پڑھیں اور اس نصیحت پر کان نہ دھریں تو اپنا ہی برا کرینگے۔ قرآن کو ان کی کچھ پرواہ نہیں نہ آپ کو اس درجہ ان کے درپے ہونے کی ضرورت ہے۔ ایک عام نصیحت تھی سو کر دی گئی جو اپنا فائدہ

چاہے اس کو پڑھے اور سمجھے۔ (تفسیر عثمانی)

فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿١٣﴾ مَّرْفُوْعَةٍ

لکھا ہے عزت کے ورقوں میں اونچے رکھے ہوئے

مُّطَهَّرَةٍ ﴿١٤﴾

نہایت ستھرے☆

قرآن کی شان:

یعنی کیا ان مغرور سرپھروں کے ماننے سے قرآن کی عزت و وقعت ہوگی؟ قرآن تو وہ ہے جس کی آیتیں آسمان کے اوپر نہایت معزز، بلند مرتبہ اور صاف ستھرے ورقوں میں لکھی ہوئی ہیں اور زمین پر مخلص ایماندار بھی اس کے اوراق نہایت عزت و احترام و تقدیس و تطہیر کے ساتھ اونچی جگہ رکھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ۔ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ یعنی صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ۔ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ، صحف سے مراد لوح محفوظ ہے وہ اگرچہ ایک ہی ہے مگر اس کو بصیغہ جمع صحف سے تعبیر اس لیے کیا گیا کہ اس میں سب صحائف آسمانی لکھے ہوتے ہیں یا اس لیے کہ فرشتے اپنے صحیفے اس سے نقل کرتے ہیں مرفوعہ سے مراد ان صحیفوں کا عنداللہ عالیشان ہونا ہے اور مطہرہ سے مراد یہ ہے جنابت والے آدمی اور حیض نفاس والی عورت اور بے وضو کے لیے ان کا چھونا جائز نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

بعض علماء نے آیت کی تشریح اس طرح بھی کی ہے کہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر نازل ہونے والی کتاب کا ذکر تمام صحف انبیاء میں تھا۔ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ صحیفے بھی اس ذکر سے خالی نہ تھے إِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ اور إِنَّ هَٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ کا مطلب یہی ہے۔ (تفسیر مظہری)

بِأَيْدِي سَفَرَةٍ ﴿١٥﴾ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ﴿١٦﴾

ہاتھوں میں لکھنے والوں کے جو بڑے درجہ والے نیک کار ہیں☆

قرآن کے کاتب اور حامل:

یعنی وہاں فرشتے اس کو لکھتے ہیں اس کے موافق وحی اترتی ہے اور یہاں بھی اوراق میں لکھنے اور جمع کرنے والے دنیا کے بزرگ ترین پاکباز نیکوکار اور فرشتہ خصلت بندے ہیں جنہوں نے ہر قسم کی کمی بیشی اور تحریف و تبدیل سے اس کو پاک رکھا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سفیر وہ درمیانی آدمی جو قوم میں باہم صلح کرانے کے درپے ہوتا ہے یہاں مراد ہیں ملائکہ اور انسانوں میں اللہ کے پیغمبر۔ میں کہتا ہوں کہ وحی کے کاتب اور علماء امت بھی اس طرح سفیر ہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے درمیان ان میں سے ہر ایک سفیر ہے۔

بخاری و مسلم بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یعنی اس کو دو ثواب ملیں گے ایک قرآن پڑھنے کا دوسرا دشواری اٹھانے کا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماہر کے لیے غیر متناہی ثواب ہے کرام سے مراد ہے اللہ کی نظر میں معزز جو مومنوں پر مہربان ہیں کہ ان کی تکمیل بھی کرتے ہیں اور ان کے لیے دعائے مغفرت بھی کرتے ہیں بَرَرَةٍ یعنی متقی۔ (تفسیر مظہری)

قُتِلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ ﴿١٧﴾

مارا جائیو آدمی کیسا ناشکر ہے☆

انسان کتنا ناشکرا ہے:

یعنی قرآن جیسی نعمت عظمیٰ کی کچھ قدر نہ کی اور اللہ کا حق کچھ نہ پہچانا۔

(تفسیر عثمانی)

قتل انسان کے لیے بدترین بددعاء ہے اور تعجب ہے کہ شکرگزاری اور ایمان کے تمام اسلوب موجود ہونے کے بعد بھی انسان انتہائی ناشکری کرتا ہے یہ الفاظ انتہائی مختصر ہونے کے باوجود اللہ کے انتہائی غضب اور خدا تعالیٰ کی طرف سے پوری پوری مذمت پر دلالت کر رہے ہیں۔

یعنی قُتِلَ ضرور بددعاء کا ہے اور اَكْفَرَهُ صیغہ تعجب ہے مگر بددعاء وہ شخص کرتا ہے جو انتقام سے عاجز ہو اور تعجب وہ کرتا ہے جس کی نظر کے سامنے اس سے زیادہ تعجب انگیز چیزیں نہ ہوں اور خدا نہ عاجز ہے نہ جاہل اس لیے محاورہ عربیہ کے مطابق صیغہ بددعا سے مراد ہے اظہار مذمت اور صیغہ تعجب سے مراد ہے کہ یہ چیز لوگوں کے لیے بہت بڑی تعجب انگیز ہونی چاہیے کیونکہ واقع میں تعجب آفریں ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے اظہار تعجب نہیں ہے بلکہ انسان کی ناشکری کی تعجب انگیزی کا اظہار ہے۔ تمت

سیر کی کتابوں میں یہ قصہ اس طرح آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کی بہن کا نکاح ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے کر دیا تھا جب سورۃ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ نازل ہوئی تو ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں سے کہا اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو طلاق نہ دو تو تم عاق ہو دونوں نے طلاق دے دی۔

میں کہتا ہوں کہ عُتْبَةُ اور مُعَتِّبُ ابولہب کے دونوں بیٹے اس کے بعد مسلمان ہو گئے اور جنگ حنین میں ہنگامی طور پر بھاگنے کے بعد جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھر لوٹ آئے تھے ان میں سے یہ دونوں بھی تھے۔ (تفسیر مظہری)

مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ؕ﴿۱۸﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ

کس چیز سے بنایا اُس کو ایک بوند سے ☆

اپنی اصل پر غور کرو:

یعنی ذرا اپنی اصل پر تو غور کیا ہوتا کہ وہ پیدا کس چیز سے ہوا ہے؟ ایک ناچیز اور بے قدر قطرہ آب سے جس میں حس و شعور حسن و جمال اور عقل و ادراک کچھ نہ تھا سب کچھ اللہ نے اپنی مہربانی سے عطا فرمایا۔ جس کی حقیقت کل اتنی ہو کیا اسے یہ طمطراق زیبا ہے کہ خالق و منعم حقیقی ایسی عظیم الشان نصیحت اتارے اور یہ بے شرم اپنی اصل حقیقت اور مالک کی سب نعمتوں کو فراموش کر کے اس کی کچھ پروا نہ کرے اور احسان فراموش کچھ تو شرمایا ہوتا۔ (تفسیر عثمانی)

خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۙ﴿۱۹﴾

بنایا اُس کو پھر اندازہ پر رکھا اُس کو ☆

اپنی بناوٹ دیکھو:

یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ سب اعضاء وقویٰ ایک خاص اسلوب اور اندازے سے رکھے کوئی چیزیوں ہی بے تکی اور بے ڈھنگی خلاف حکمت نہیں رکھ دی۔ (تفسیر عثمانی)

چار چیزیں جو مقدر ہیں:

اور لفظ قَدَّرَهٗ سے یہاں یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ انسان جس وقت بطن مادر میں زیر تخلیق ہوتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ اس کی چار چیزوں کی مقدار لکھ دیتے ہیں وہ یہ کہ وہ کیا اور کیسے کیسے عمل کرے گا اس کی عمر کتنی ہوگی اس کو رزق کتنا ملے گا اور وہ انجام کا رسعید و نیک بخت ہوگا یا شقی بد بخت (کما فی حدیث ابن مسعود عند الشیخین)

اس کے بعد اس کے لیے ایک اندازہ مقرر کر دیا یعنی اللہ کے حکم سے موکل فرشتے نے اس کے لیے چار باتیں لکھ دیں۔ (۱) مقدار عمل (۲) مدت زندگی (۳) رزق (۴) اور شقی یا سعید ہونا (تفسیر مظہری)

ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۙ﴿۲۰﴾

پھر راہ آسان کر دی اُس کو ☆

بھلے برے کی تمیز:

یعنی ایمان کفر اور بھلے برے کی سمجھ دی یا ماں کے پیٹ میں سے نکالا آسانی سے۔ (تفسیر عثمانی)

دنیا یا جنت کا راستہ ہے یا دوزخ کا۔ قرار گاہ نہیں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دنیا میں پردیسی یا راہ گیر کی طرح رہو۔

(رواہ البخاری من حدیث ابن عمر) (تفسیر مظہری)

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۙ﴿۲۱﴾

پھر اُس کو مُردہ کیا پھر قبر میں رکھوا دیا اُس کو ☆

دفن کرنے کا طریقہ:

یعنی مرنے کے بعد اُس کی لاش کو قبر میں رکھنے کی ہدایت کر دی۔ تا زندوں کے سامنے یوں ہی بے حُرمت نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

تاریخی روایات سے یہ معلوم ہوتا کہ دور قدیم میں انسان کی لاشیں جانوروں کی طرح پھینک دی جاتی تھیں جن کو چیل کوے کھا جاتے تھے ظاہر ہے کہ اس میں انسان کے پیکر جسد کی بے حرمتی بھی تھی اور اس کے تعفن سے لوگوں کو اذیت بھی پہنچتی تھی اور امراض بھی پھیلتے تھے تو خداوند عالم کے اس تکوینی امر سے اور قبر میں دفن کے طریقہ سے انسان کی حرمت بھی باقی رہی گندگی اور امراض سے بھی تحفظ کا سامان ہو گیا۔

پارسی اور مجوسی قوم میں بھی یہی رواج ہے کہ وہ اپنے مردوں کی لاش کو اسی طرح چھوڑ دیتے ہیں البتہ اتنا کرتے ہیں کہ ایک احاطہ گہرا سا کنوئیں کی شکل بنا دیتے ہیں اس میں ایک دروازہ ہوتا ہے اس احاطہ میں مردہ چھوڑ کر چلے جاتے ہیں پھر گدھ چیل اور کوے اس کو نوچ نوچ کر کھا جاتے ہیں بس ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جاتا ہے قوم مجوس میں اس جگہ کو دخمہ کہا جاتا ہے۔

ہندوؤں کے یہاں مردوں کو جلانے کی رسم ہے اہل کتاب یہود و نصاریٰ کیونکہ ان کے مذہب کی بہر حال اصل بنیاد خدا کی کتاب تورات اور انجیل ہے تو اس وجہ سے وہ مسلمانوں کی طرح اپنے مردوں کو دفناتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اسلام کے سوا جو بھی طرائق انسان کی لاش کے لیے اختیار کیے جاتے ہیں عقل و فطرت کے خلاف ہیں اور انسانی عظمت کو سراسر پامال کرتے ہیں جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے دنیا کو یہ ہدایت ملتی ہے کہ مردوں کے جسم کا احترام زندوں کے جسم کی طرح ہے جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا میت کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسا کہ زندہ کی ہڈی کو توڑنا۔

ہندوؤں کا یہ خیال کہ آگ میں جلا دینا زمین میں دفن کرنے سے زیادہ بہتر ہے اور آگ جلا کر مردہ کو پاک کر دیتی ہے عقل و فطرت کے خلاف ہے۔

انسان کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا تو مناسب یہی ہے کہ مرنے کے بعد بھی مٹی میں ہی دفنا دیا جائے اسی کو حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى (معارف کاندھلوی)

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تحفة المومن

الموت کہ مومن کا تحفہ موت ہی ہے اور اس میں مجموعہ عالم کے اعتبار سے بڑی حکمتیں ہیں اور فَاَقْبَرَهٗ کے معنی پھر اس کو قبر میں داخل کیا یہ بھی ایک انعام ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ نے عام جانوروں کی طرح نہیں رکھا کہ مر گیا تو وہیں زمین پر سڑتا اور پھولتا پھٹتا ہے، بلکہ اس کا اکرام یہ کیا گیا کہ اس کو نہلا کر نئے اور پاک صاف کپڑوں میں ملبوس کر کے احترام کے ساتھ قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مردہ انسان کو دفن کرنا واجب ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

موت انعام ہے:

چونکہ موت دارالقرار تک پہنچانے والی ہے اس لیے امانت کا شمار نعمتوں میں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موت مومن کے لیے تحفہ ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث طبرانی نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں۔ اور حاکم نے اور ابونعیم نے حلیہ میں نقل کی ہے دنیا کا راہ جہنم ہونا صرف اس وجہ سے ہوتا ہے کہ انسان (راہ زندگی کا انتخاب کرنے میں آزاد ہے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھ سے کہا گیا کہ کسی سردار قوم نے ایک مکان بنایا اس میں دسترخوان چنا اور ایک پکانے والے کو (عمومی دعوت کا اعلان کرنے کے لیے) بھیج دیا اب جس نے پکانے والے کی دعوت قبول کر لی وہ گھر کے اندر گیا اور دسترخوان پر کھانا کھا لیا اور وہ سردار اس سے خوش ہو گیا اور جس نے دعوت کرنے والے کا کہنا نہ مانا وہ گھر کے اندر نہیں آیا اور نہ دسترخوان سے کچھ کھایا اس پر وہ سردار ناراض ہوا پس سردار تو اللہ ہے اور داعی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور مکان اسلام اور دسترخوان جنت ہے۔ یہ حدیث دارمی نے ربیعہ جرشی کی روایت سے اور بخاری نے جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کی ہے۔

قبر میں دفن کرنے کا حکم اللہ کی مزید نعمت ہے کہ اللہ نے انسان کو اتنی عزت عطا فرمائی کہ اس کی لاش کو دوسرے جانوروں کی لاشوں کی طرح پھینکنے کا حکم نہیں دیا۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾

پھر جب چاہا اٹھا نکالا اس کو ☆

دوبارہ زندگی: یعنی جس نے ایک مرتبہ جلایا اور مارا۔ اسی کو اختیار ہے کہ جب چاہے دوبارہ زندہ کر کے قبر سے نکالے کیونکہ اس کی قدرت اب کسی نے سلب نہیں کر لی (العیاذ باللہ) بہرحال پیدا کر کے دنیا میں لانا پھر مار کر برزخ میں لے جانا، پھر زندہ کر کے میدان حشر میں کھڑا کر دینا، یہ امور جس کے قبضہ میں ہوئے کیا اس کی نصیحت سے اعراض و انکار اور اس کی نعمتوں کا استحقار کسی آدمی کے لیے زیبا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

پھر جب اللہ اس کو قبر سے اٹھانا چاہے گا تو موت کے بعد زندگی عطا فرما دے گا کیونکہ جو خدا اول تخلیق کی قدرت رکھتا ہے اس کی اطلاع پیغمبروں کی زبانی اللہ دے چکا ہے اگر حشر و جزا نہ ہو تو شاکر بھی کافر کی طرح ہو جائیگا (نہ شاکر کو جزا نہ کافر کو سزا) اور یہ (عقلاً) قبیح ہے۔ (تفسیر مظہری)

ریڑھ کی ہڈی: ابن ابی حاتم کی حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انسان کے تمام اعضاء وغیرہ کو مٹی کھا جاتی ہے مگر ریڑھ کی ہڈی کو۔ لوگوں نے کہا کہ وہ کیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک رائی کے دانے کے برابر ہے اسی سے تمہاری پیدائش ہوگی یہ حدیث بغیر سوال وجواب کی زیادتی کے بخاری و مسلم میں بھی ہے کہ ابن آدم گل سڑ جاتا ہے مگر ریڑھ کی ہڈی کہ اسی سے پیدا کیا گیا ہے اور اسی سے پھر ترکیب دیا جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾

ہرگز نہیں پورا نہ کیا جو اس کو فرمایا ☆

انسان کی ناقدری:

یعنی انسان نے ہرگز اپنے مالک کا حق نہیں پہچانا اور جو کچھ حکم ہوا تھا ابھی تک اس کو بجا نہیں لایا (تنبیہ) ابن کثیرؒ نے "كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ" کو "ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ" سے متعلق رکھا ہے یعنی جب چاہے گا زندہ کر کے اٹھائے گا ابھی ایسا نہیں کیا جا سکتا کیونکہ دنیا کی آبادی کے متعلق اس کا جو حکم کونی وقدری ہے وہ ابھی تک اس نے ختم نہیں کیا۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤ ﴿۲۴﴾

اب دیکھ لے آدمی اپنے کھانے کو ☆

بقاء زندگی کا سامان: پہلے انسان کے پیدا کرنے اور مارنے کا ذکر تھا۔ اب اس کی زندگی اور بقاء کے سامان یاد دلاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی انسان کو اول آغاز خلقت سے آخر حیات تک اپنے اوپر غور کرنا چاہیے پھر ایسی غذا کو دیکھنا چاہیے کہ ہم نے اس کی غذا کیسے پیدا کی اور کس طرح اس کو بہرہ اندوز ہونے کا موقع دیا۔ (تفسیر مظہری)

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا

کہ ہم نے ڈالا پانی اوپر سے گرتا ہوا پھر چیرا

الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾

زمین کو پھاڑ کر ☆

زمین سے اُگاؤ:

یعنی ایک گھاس کے تنکے کی کیا طاقت تھی کہ زمین کو چیر پھاڑ کر باہر نکل آتا یہ قدرت کا ہاتھ ہے جو زمین کو پھاڑ کر اس سے طرح طرح کے غلے، پھل اور سبزے ترکاریاں وغیرہ باہر نکالتا ہے۔

فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۝ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ۝
پھر اگایا اُس میں اناج اور انگور اور ترکاری
وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ۝ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ۝
اور زیتون اور کھجوریں اور گھن کے باغ
وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۝ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝
اور میوہ اور گھاس کام چلانے کو تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے ☆

یعنی بعض چیزیں تمہارے کام آتی ہیں اور بعض تمہارے جانوروں کے۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ: اور وہ پھل جن کو مزہ کے لیے کھایا جاتا ہے اسی جگہ سے فقہاء نے کہا ہے کہ اگر کسی نے فاکہہ نہ کھانے کی قسم کھالی تو کھجور انگور اور زیتون کھانے سے اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ یہ پھل طاقت کے لیے کھائے جاتے ہیں تنہا مزہ کے لیے نہیں کھائے جاتے۔ (تفسیر مظہری)

اَبّ کیا ہے:

ہاں البتہ صحیح سند سے ابن جریرؒ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے منبر پر سورۂ عبس پڑھی اور یہاں تک پہنچ کر کہا فَاكِهَةً کو تو ہم جانتے ہیں لیکن یہ اب کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی فرمایا عمر اس تکلیف کو چھوڑ اس سے مراد یہ ہے کہ اس شکل وصورت اور اس کی تعیین معلوم نہیں ورنہ اتنا تو صرف آیت کے پڑھنے سے ہی صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ یہ زمین سے اگنے والی ایک چیز ہے کیونکہ پہلے یہ لفظ موجود ہے فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا الخ۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ تمہاری زندگی کے قائم رکھنے اور تمہیں فائدہ پہنچانے کے لیے اور تمہارے جانوروں کے لیے ہے قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا اور تم اس سے فیض یاب ہوتے رہو گے (تفسیر ابن کثیر)

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ۝
پھر جب آئے وہ کان پھوڑنے والی ☆

صُور کی آواز:

یعنی ایسی سخت آواز جس سے کان بہرے ہو جائیں۔ اس سے مراد نفخہ صور کی آواز ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی صور کی آواز سے لوگ سخت چیخ و پکار مچائیں گے جب صور پھونکنے کی آواز آئیگی۔

انسان پر لعنت ہو یہ کیسا ناشکرا ہے جب صور کی آواز آئیگی اس وقت اس کو اپنی ناشکری کا نتیجہ کھے گا۔ (تفسیر مظہری)

نفسا نفسی کا عالم:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صَآخَّةُ قیامت کا نام ہے اور اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نفخہ کی آواز اور اس کو شور وغل کانوں کے پردے پھاڑ دے گا اس دن انسان اپنے قریبی رشتہ داروں کو دیکھے گا لیکن بھاگتا پھرے گا کوئی کسی کے کام نہ آئے گا میاں بیوی کو دیکھ کر کہے گا کہ بتلا تیرے ساتھ میں نے دنیا میں کیسا کچھ سلوک کیا وہ کہے گی کہ بے شک آپ نے میرے ساتھ بہت ہی خوش سلوکی کی بہت پیار محبت سے رکھا۔ یہ کہے گا کہ آج مجھے ضرورت ہے صرف ایک نیکی دیدو تا کہ اس آفت سے چھوٹ جاؤں تو وہ جواب دے گی کا آپ کا سوال تھوڑی سی چیز کا ہی ہے مگر کیا کروں یہی ضرورت مجھے درپیش ہے اور اسی کا خوف مجھے لگ رہا ہے میں تو نیکی نہیں دے سکتی بیٹا باپ سے جا ملے گا اور یہی جواب پائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اولوالعزم پیغمبروں سے لوگ شفاعت کی طلب کریں گے اور ان میں ہر ایک یہی کہے گا کہ نَفْسِيْ نَفْسِيْ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ الصلوات اللہ بھی یہی فرمائیں گے۔ کہ آج میں خدا سے سوائے اپنی جان کے اور کسی کے لئے بھی کچھ نہ کہوں گا۔ میں تو آج اپنی والدہ حضرت مریم علیہ السلام کے لئے بھی کچھ نہ کہوں گا جن کے بطن سے میں پیدا ہوا (تفسیر ابن کثیر)

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝
جس دن کہ بھاگے مرد اپنے بھائی سے
وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَ
اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی ساتھ والی سے اور اپنے
بَنِيْهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ
بیٹوں سے ہر مرد کو اُن میں سے
يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ۝
اُس دن ایک فکر لگا ہوا ہے جو اُسکے لئے کافی ہے ☆

یعنی اس وقت ہر ایک کو اپنی فکر پڑی ہوگی احباب و اقارب ایک دوسرے کو نہ پوچھیں گے بلکہ اس خیال سے کہ کوئی میری نیکیوں میں سے نہ مانگنے لگے یا اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے لگے ایک دوسرے سے بھاگے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے دو بچوں کی کیفیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کی جن کا انتقال اسلام سے پہلے ہو گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دونوں دوزخ میں ہوں گے (حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ کو یہ سن کر کچھ ناگواری ہوئی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرے پر ناگواری دیکھ کر فرمایا اگر تم ان کے مقام کو دیکھ لو تو تم کو بھی ان سے نفرت ہو جائے گی۔ (الحدیث رواہ احمد)

کسی کو کسی کا ہوش نہ ہوگا:

ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ لوگوں کو برہنہ پا ننگے بدن بے ختنہ اٹھائے گا لوگوں کے منہ پر پسینہ کی لگام ہوگی اور کانوں کی لو تک پسینہ پہنچا ہوگا یعنی قدم سے لے کر منہ اور کانوں کی جڑوں تک آدمی پسینہ میں غرق ہوگا حضرت سودہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پردہ کے اعضاء ایک دوسرے کے دیکھے گا۔ فرمایا کہ لوگوں کو اس کا ہوش ہی نہیں ہوگا۔ ہر شخص کا حال اس روز ایسا ہوگا کہ اس کو دوسروں سے لاپرواہ کر دے گا۔ اس حدیث کو طبرانی بیہقی اور بغوی نے نقل کیا ہے صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت بھی اسی طرح ہے۔

اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ اس روز لوگوں کا معاملہ اس سے زیادہ سخت ہوگا یعنی کوئی کسی کو دیکھے (اس کی فرصت کہاں ہوگی؟) بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسی طرح نقل کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم ننگے پیروں ننگے بدن اور بے ختنہ خدا کے ہاں جمع کئے جاؤ گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی صاحبہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر تو ایک دوسرے کی شرمگاہوں پر نظریں پڑیں گی۔ فرمایا اس روز کی گھبراہٹ وہاں کا حیرت انگیز ہنگامہ ہر شخص کو مشغول کئے ہوگا بھلا کسی کو دوسرے کی طرف دیکھنے کا موقعہ کہاں؟ (ابن ابی حاتم)

روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی لِكُلِّ امْرِئٍ الخ۔ دوسری روایات میں ہے کہ یہ بیوی صاحبہ حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔

اور روایت میں ہے کہ ایک دن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں میں ایک بات پوچھتی ہوں ذرا بتا دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں جانتا ہوں تو ضرور بتاؤں گا۔ پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کا حشر کس طرح ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ننگے پاؤں اور ننگے بدن۔ تھوڑی دیر بعد پوچھا کہ کیا عورتیں بھی ایسی ہی حالت میں ہوں گی؟ فرمایا ہاں یہ سن کر ام المؤمنین افسوس کرنے لگیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عائشہ اس آیت کو سن لو پھر تمہیں اس کا کوئی رنج و غم نہیں ہوگا کہ کپڑے پہنے ہیں کہ نہیں؟ پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ آیت کون سی ہے فرمایا لِكُلِّ امْرِئٍ الخ۔

ایک روایت میں ہے کہ ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا یہ سن کر کہ لوگ اس طرح ننگے بدن ننگے پاؤں بے ختنہ جمع کئے جائیں گے، پسینے میں غرق ہوں گے کسی کے منہ تک پسینہ پہنچ گیا ہوگا اور کسی کے کانوں تک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿٣٨﴾
کتنے منہ اُس دن روشن ہیں
ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿٣٩﴾
ہنستے خوشیاں کرتے ☆

مؤمنین کے چہرے:

یعنی مومنین کے چہرے نور ایمان سے روشن اور غایت مسرت سے خنداں و فرحاں ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿٤٠﴾
اور کتنے منہ اُس دن اُن پر گرد پڑی ہے
تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿٤١﴾
چڑھی آتی ہے اُن پر سیاہی ☆

کافروں کے چہرے:

یعنی کافروں کے چہروں پر کفر کی کدورت چھائی ہوگی اور اوپر سے فسق و فجور کی ظلمت اور زیادہ تیرہ و تاریک کر دیگی۔ (تفسیر عثمانی)

أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿٤٢﴾
یہ لوگ وہی ہیں جو منکر ہیں ڈھیٹھ ☆

یعنی کافر بے حیا کو کتنا ہی سمجھاؤ ذرا نہ پسیجیں نہ خدا سے ڈریں نہ مخلوق سے شرمائیں۔ (تفسیر عثمانی)

سورۃ التکویر

اس کو خواب میں پڑھنے والے کے سفر مشرق کی جانب زیادہ ہوں گے اور سفر کامیاب رہے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۂ تکویر مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی اُنتیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿١﴾

جب سورج کی دھوپ تہ ہو جائے ☆

چاند ستاروں، سورج کی حالت:

گویا اس کی لمبی شعاعیں جن سے دھوپ پھیلتی ہے لپیٹ کر رکھ جائیں اور آفتاب بے نور ہو کر پنیر کی ٹکی کی مانند رہ جائے یا بالکل نہ رہے۔ (تفسیر عثمانی)

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شمس و قمر قیامت کے دن دریا میں ڈال دیے جائیں گے اور مسند بزار میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ جہنم میں ڈال دئے جائیں گے ابن ابی حاتم، ابن ابی الدنیا اور ابوالشیخ نے ان آیات کے متعلق یہ نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ شمس و قمر اور تمام ستاروں کو سمندر میں ڈال دیں گے اور پھر اس پر تیز ہوا چلے گی جس سے سارا سمندر آگ ہو جائے گا، اس طرح یہ بھی کہنا صحیح ہو گا کہ شمس و قمر کو دریا میں ڈال دیا جائے گا، اور یہ کہنا بھی درست رہا کہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا کیونکہ سارا سمندر اس وقت جہنم بن جائے گا۔ (مستفاد من المظہری والقرطبی) (معارف مفتی اعظم)

اور کتاب العظمۃ میں ابوالشیخ نے ان آیات کے ذیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول اس طرح نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن خدا سورج، چاند اور ستاروں کو بے نور کر کے سمندر میں ڈال دے گا اور ایک پچھمی ہوا بھیجے گا جو سمندر پر لگے گی اور سمندر آگ ہو جائے گا۔

بعض لوگوں کا قول ہے جب سورج کو سمندر میں پھینکا جائے گا تو سمندر گرم ہو کر آگ بن جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَإِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ﴿٢﴾

اور جب تارے میلے ہو جائیں ☆

یعنی تارے ٹوٹ کر گر پڑیں اور ان کا نور زائل ہو جائے۔ (تفسیر عثمانی)

کلبی نے کہا اس روز آسمان سے ستاروں کی بارش ہو گی کوئی تارہ بغیر گرے نہیں بچے گا۔ (مظہری)

وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴿٣﴾

اور جب پہاڑ چلائے جائیں ☆

یعنی ہوا میں اڑتے پھریں۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ﴿٤﴾

اور جب بیاہتی اونٹنیاں چھٹی پھریں ☆

قیمتی مال کا بھی ہوش نہ رہے گا:

اونٹ عرب کا بہترین مال ہے اور دس مہینے کی گابھن اونٹنی جو بیانے کے قریب ہو دودھ اور بچہ کی توقع پر بہت زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ لیکن قیامت کے ہولناک زلازل کے وقت ایسے نفیس و عزیز مال کو کوئی نہ پوچھے گا نہ مالک کو اتنا ہوش ہو گا کہ ایسے بڑھیا مال کی خبر گیری کرے۔ باقی یہ کہنا کہ ریل نکل جانے کی وجہ سے اونٹنیاں بیکار ہو جائینگی محض ظرافت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

دس ماہ کا گابھن اونٹنیاں پورے سال میں اگر اونٹنی کے بچہ ہو تب بھی بچہ پیدا ہونے سے پہلے پہلے عرب اس کو عشراء کہتے تھے عرب کے نزدیک عشراء اونٹنی نفیس ترین مال سمجھا جاتا تھا وہ لوگ ایسی اونٹنیوں کی دمیں پکڑتے ہی رہتے تھے (یعنی ہمیشہ ان کی نگہداشت کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

وَإِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ﴿٥﴾

اور جب جنگل کے جانوروں میں رول پڑ جائے

جنگلی جانوروں کی بدحواسی:

یعنی جنگل کے وحشی جانور جو آدمی کے سایہ سے بھاگتے ہیں مضطرب ہو کر شہر میں آگھسیں اور پالتو جانوروں میں مل جائیں جیسا کہ اکثر خوف کے وقت دیکھا گیا ہے۔ ابھی چند سال ہوئے گنگا جمنا میں سیلاب آیا تھا تو لوگوں نے دیکھا کہ ایک چھپر بہتا جا رہا ہے اس پر آدمی بھی ہیں اور سانپ وغیرہ بھی لپٹ رہے ہیں ایک دوسرے سے کچھ تعرض نہیں کرتا۔ نفسی نفسی پڑی ہوئی بلکہ زیادہ سردی کے زمانے میں بعض درندے جنگل سے شہر میں گھس آتے ہیں

(تنبیہ) بعض مفسرین نے ''حشرت'' کے معنی مارنے کے اور بعض نے مار کر اٹھانے کے لیے ہیں واللہ اعلم ۔ (تفسیر عثمانی)

جانوروں کا حشر:

عکرمہ کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول آیا ہے کہ جانوروں کا حشران کی موت ہے یہ بھی فرمایا کہ سوائے جن وانس کے ہر چیز کا حشراس کی موت ہے (تفسیر مظہری)

وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝
اور جب دریا جھونکے جائیں ☆

سمندر آگ بن جائیں گے:

یعنی سمندروں کا پانی گرم ہو کر دھواں اور آگ بن جائے جو نہایت گرم ہو کر محشر میں کافروں کو دکھ پہنچائے اور تنور کی طرح جھونکنے سے اُبلے۔

(تفسیر عثمانی)

وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ، سُجِّرَتْ تسجیر سے مشتق ہے جس کے معنی آگ لگانے اور بھڑکانے کے بھی آتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس جگہ یہی معنی لیے ہیں اور اس کے معنی بھر دینے کے بھی آتے ہیں اور گڈمڈ غلط ملط کر دینے کے بھی بعض ائمہ تفسیر نے یہی معنی لیے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان میں کوئی اختلاف نہیں۔ پہلے سمندر اور میٹھے دریاؤں کو ایک کر دیا جائے گا درمیان کی رکاوٹیں ختم کر دی جائیں گی جس سے دریائے شور اور شیریں دریاؤں کے پانی خلط ملط ہو جائیں گے اور زیادہ بھی، پھر شمس وقمر اور ستاروں کو اس میں ڈال دیا جائے گا پھر اس تمام پانی کو آگ بنا دیا جائے گا جو جہنم میں شامل ہو جائے گا۔ (تفسیر مظہری) (معارف مفتی اعظم)

میں کہتا ہوں ان تمام اقوال کو (ایک نقطہ پر) جمع کرنے کی یہ صورت ہے کہ تمام سمندر جمع کر کے ایک سمندر لبریز کر دیا جائے گا اور سورج کو اس میں ڈال دیا جائے گا جس کی وجہ سے سمندر گرم ہو کر آگ ہو جائے گا۔ اور دوزخیوں کے لیے آب حمیم بن جائے گا کل پانی خشک ہو جائے گا ایک قطرہ بھی باقی نہ رہے گا۔

چھ نشانیاں:

ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت سے پہلے چھ نشانیاں ہوں گی لوگ بازاروں میں مشغول ہوں گے یک دم سورج کی روشنی جاتی رہے گی اسی اثنا میں پہاڑ زمین پر آ گریں گے زمین ہل جائے گی اور اس میں لرزہ پیدا ہو جائے گا آدمی اور جنات ڈر جائیں گے جنات آدمیوں سے کہیں گے کہ ہم تم کو خبر لا کر دیتے ہیں چنانچہ جنات سمندر تک پہنچیں گے اور سمندر بھڑکتی آگ نظر آئے گا اسی دوران میں اچانک ایک ہوا آئے گی جس سے سب مر جائیں گے۔ بغوی نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا یہی قول بروایت ابوالعالیہ بیان کیا ہے لیکن اس میں سمندر کے آگ ہو جانے کے بعد اتنا زائد ہے کہ وہ اسی کام میں ہوں گے کہ یک دم زمین پھٹ پڑے گی یعنی ساتویں زمین سے بلند ترین آسمان تک (ایک آواز ہوگی) اور اسی دوران میں ایک ہوا آئے گی جس سے سب مر جائیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا قیامت کی بارہ باتیں ہونگی چھ دنیا میں اور چھ آخرت میں آخرت والی چھ باتیں آئندہ آیات میں مذکور ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝
اور جب جیوں کے جوڑے باندھے جائیں ☆

الگ الگ گروہ:

یعنی کافر کافر کے اور مسلم مسلم کے ساتھ پھر ہر قسم کا نیک یا بدعمل کرنے والا اپنے جیسے عمل کرنیوالوں کے ساتھ جوڑ دیا جائے اور عقائد اعمال اخلاق وغیرہ کے اعتبار سے الگ جماعتیں بنا دی جائیں یا یہ مطلب ہے کہ روحوں کو جسموں کے ساتھ جوڑ دیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے تھے کہ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ میں ازواج سے مراد ہیں ان کے شرکاء کار۔

سعید بن منصور رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ ہیں کہ اچھے آدمی کو اچھے آدمی کے ساتھ جنت میں ملا دیا جائے گا اور برے آدمی کو برے آدمی کے ساتھ دوزخ میں۔

عطاء رضی اللہ عنہ اور مقاتل رضی اللہ عنہ نے کہا نفوس مومنین کا جوڑا تو فراخ چشم حوروں کے ساتھ لگا دیا جائے گا اور نفوس کفار کو شیطانوں کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ عکرمہ کا قول مروی ہے کہ نفوس کو جوڑ دینے کا یہ مطلب ہے کہ حوروں کو اجسام میں واپس کر دیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھتے ہوئے اس آیت کی تلاوت فرمائی اور فرمایا ہر جماعت اپنے جیسوں سے مل جائیگی۔

دوسری روایت میں ہے کہ وہ دو شخص کہ جن کے اعمال ایک جیسے ہوں گے وہ یا تو جنت میں ساتھ رہیں گے یا جہنم میں ساتھ جلیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو فرمایا نیک نیکوں کے ساتھ مل جائیں گے اور بدبدوں کے ساتھ آگ میں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ لوگوں سے اس آیت کی تفصیل پوچھی تو سب خاموش رہے آپ نے فرمایا لو میں بتاؤں، آدمی کا جوڑا جنت میں اسی جیسا ہوگا اسی طرح جہنم میں بھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مطلب اس سے یہی ہے کہ تین قسم کے لوگ ہو جائیں گے یعنی اصحاب الیمین اصحاب الشمال اور سابقین۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَیِّ

اور جب بیٹی جیتی گاڑ دی گئی کو پوچھیں کہ کس

ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝

گناہ پر وہ ماری گئی ☆

مظلوم بچیوں کا سوال:

عرب میں رسم تھی کہ باپ اپنی بیٹی کو نہایت سنگدلی اور بے رحمی سے زندہ زمین میں گاڑ دیتا تھا بعض تو تنگدستی اور شادی بیاہ کے اخراجات کے خوف سے یہ کام کرتے تھے۔ اور بعض کو یہ عار تھی کہ ہم اپنی بیٹی کسی کو دینگے وہ ہمارا داماد کہلائے گا۔ قرآن نے آگاہ کیا کہ ان مظلوم بچیوں کی نسبت بھی سوال ہوگا کہ کس گناہ پر ان کو قتل کیا تھا۔ یہ مت سمجھنا کہ ہماری اولاد ہے اس میں ہم جو چاہیں تصرف کریں بلکہ اولاد ہونے کی وجہ سے جرم اور زیادہ سنگین ہو جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قیس بن عاصم کا واقعہ

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ قیس بن عاصم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے جاہلیت کے زمانہ میں اپنی چند بیٹیاں زندہ درگور کی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس جرم کے کفارہ میں (اگرچہ یہ زمانہ جاہلیت میں ہوا اور تم اسلام بھی لے آئے) تم غلام آزاد کرو عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو اونٹوں والا ہوں (غلام میرے پاس نہیں ہیں) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر ایک بچی کے لیے ایک اونٹ ذبح کرو اور اس کو صدقہ کردو۔ (معارف کاندھلوی)

بعض مفسرین نے حشرت کا ترجمہ مارنے کے بعد اٹھانے کا بھی کیا ہے حضرت۔ شیخ الاسلام نے اپنے فوائد میں بیان فرمایا ہے ابھی چند سال ہوئے گنگا جمنا میں سیلاب آیا تھا تو لوگوں نے دیکھا کہ ایک چھپر بہتا جا رہا ہے اس پر آدمی بھی ہیں اور سانپ اور بچھو بھی اس سے لپٹے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے سے کوئی تعرض نہیں کر رہا۔ (معارف کاندھلوی)

حاملہ کے پیٹ پر مارنا:

جو شخص کسی حاملہ عورت کے پیٹ پر ضرب لگائے اور اس سے بچہ ساقط ہو جائے تو باجماع امت مارنے والے پر دیت میں غرہ یعنی ایک غلام یا اس کی قیمت واجب ہوتی ہے اور بطن سے باہر آنے کے وقت وہ زندہ تھا پھر مر گیا تو پوری دیت بڑے آدمی کے برابر واجب ہوتی ہے اور چار ماہ سے پہلے اسقاط حمل بھی بدون اضطراری حالات کے حرام ہیں مگر پہلی صورت کی نسبت کم ہے کیونکہ اس میں کسی زندہ انسان کا قتل صریح نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

ضبط تولید: کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس سے حمل قرار نہ پائے جیسے آجکل دنیا میں ضبط تولید کے نام سے اس کی سینکڑوں صورتیں رائج ہوگئی ہیں اس کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وا د خفی فرمایا ہے یعنی خفیہ طور سے بچہ کو زندہ درگور کر دینا۔ (کمارواہ مسلم عن حذامة بنت وھب)

اور بعض دوسری روایات میں جو عزل یعنی ایسی تدبیر کرنا کہ نطفہ رحم میں نہ جائے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سکوت یا عدم ممانعت منقول ہے وہ ضرورت کے مواقع کے ساتھ مخصوص ہے وہ بھی اس طرح کہ ہمیشہ کے لیے قطع نسل کی صورت نہ بنے۔ (تفسیر مظہری)

آجکل ضبط تولید کے نام سے جو دوائیں یا معالجات کیے جاتے ہیں ان میں بعض ایسے بھی ہیں کہ ہمیشہ کے لئے سلسلہ نسل و اولاد کا منقطع ہو جائے اس کی کسی حال اجازت شرعاً نہیں ہے واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

عرب کا ایک ظالمانہ رواج:

عرب (دامادی کی) عار اور افلاس کے اندیشہ سے اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے آیت میں مدفونہ سے سوال کرنے کی غرض یہ ہے کہ دفن کرنے والے کی تذلیل و تجہیز کی جائے۔

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **الوائدة والمؤدة فی النار** یعنی وائدہ (دفن کرنے والی دائی) اور **مؤدہ لھا** (جس کی طرف سے دائی جا کر بچی کو دفن کرتی تھی مراد ماں) دونوں دوزخی ہیں۔

اس حدیث کو ابوداؤد نے اچھی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔

اسقاط حمل:

زندہ بچہ کو دفن کر دینا گناہ کبیرہ ہے یہ قتل ناحق ہے چار ماہ سے زیادہ کا حمل ساقط کرنا بھی اسی حکم میں ہے کیونکہ جنین کی جسمانی تخلیق اس مدت میں پوری ہو جاتی ہے اور روح جسم میں پڑ جاتی ہے چار مہینے سے کم کا حمل ساقط کر دینا بھی حرام ہے لیکن اس کا گناہ پہلے سے کم ہے حرمت کی وجہ سے ہی باتفاق علماء ایک نابالغ غلام دینا واجب ہے جب کسی نے کسی حاملہ کے پیٹ پر کچھ ایسی ضرب پہنچائی کہ کامل یا ناقص اعضاء والا حمل ساقط ہو جائے بشرطیکہ اس میں تخلیق انسانی کا نقشہ پیدا ہو گیا ہو اور مردہ ہو جانے کی حالت میں ساقط ہو لیکن اگر گرنے کے وقت زندہ تھا پھر مر گیا تو بڑے آدمی کے برابر دیت واجب ہوگی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ بنی لحیان کی ایک عورت کا بچہ (ضرب سے) ساقط ہو گیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک نابالغ غلام یا باندی دینے کا حکم دیا۔ (بخاری ومسلم)

عزل کرنا:

باندی سے عزل جائز ہے آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں مگر عزل باوجود جائز ہونے کے ہے بہر حال مکروہ۔

ایک حدیث میں حضرت حذامہ بنت وہب رضی اللہ عنہا کی روایت سے آیا ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کے متعلق دریافت کیا فرمایا یہ پوشیدہ زندہ دفن ہے اور وہ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ (میں موجود ہے) جواز عزل کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم عزل کرتے تھے اور قرآن نازل ہوتا تھا (یعنی نزول قرآن ختم نہیں ہوا تھا) پھر بھی ہم کو عزل کی ممانعت نہیں کی گئی) (بخاری و مسلم)

مسلم نے اتنا زائد نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع پہنچی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس کی ممانعت نہیں فرمائی۔

عزل کے لئے آزاد عورت کی اجازت کی ضرورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد عورت سے عزل کی اس کی اجازت کے بغیر ممانعت فرما دی تھی۔ (ابن ماجہ تفسیر مظہری)

وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝۱۰ وَاِذَا

اور جب اعمالنامے کھولے جائیں اور جب

السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝۱۱

آسمان کا پوست اُتار لیں ☆

آسمان کا اکھاڑنا:

جیسے جانور کا بعد ذبح کے پوست اتار لیتے ہیں۔ اس سے تمام اعضاء اور رگ و ریشہ ظاہر ہو جاتے ہیں اسی طرح آسمان کے کھل جانے سے اس کے اوپر کی چیزیں نظر آئیں گی اور غمام کا نزول ہوگا۔ جس کا ذکر انیسویں پارہ میں آیت ''وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ الخ'' سے ہوا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جب آسمان اکھاڑ دیا جائے گا ہٹا دیا جائے گا جیسے ذبیحہ کی کھال اتاری جاتی ہے ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ نفخہ بے ہوشی سے پہلے اس وقت ہوگا جب سورج کی روشنی زائل ہوگی اور ستارے ٹوٹ کر بکھر جائیں گے یا نفخہ بے ہوشی کے وقت ہوگا یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں نفخوں کے درمیان ہو اور آسمان اور زمین کو لپیٹ دیا جائے اس آسمان کو دوسرے آسمان میں اور اس زمین کو دوسری زمین میں تبدیل کر دیا جائے۔

قرطبی نے لکھا ہے کہ صاحب افصاح نے اخبار (مختلفہ) کے درمیان توفیق پیدا کی ہے اور کہا ہے کہ آسمان اور زمین کی تبدیلی دو مرتبہ واقع ہوگی ایک تو فقط حالات کی تبدیلی ہوگی یہ نفخہ بے ہوشی سے پہلے ہوگی ستارے بکھر جائیں گے چاند سورج کو گرہن لگ جائے گی آسمان تانبے کی طرح ہو جائے گا اور روئے زمین سے ان کو ہٹا دیا جائے گا پہاڑ رواں ہو جائیں گے سمندر آگ بن جائے گا زمین میں نشیب و فراز پیدا ہو جائیں گے زمین پھٹ جائے گی اسکی ہیئت پہلی ہیئت کے خلاف ہو جائے گی پھر دونوں نفخوں کے درمیان آسمان و زمین لپیٹ دیے جائیں گے اور اس آسمان کو دوسرے آسمان سے بدل دیا جائے گا (یہ تبدیل ذات ہوگی)۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ۝۱۲ وَاِذَا

اور جب دوزخ دہکائی جائے اور جب

الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۝۱۳

بہشت پاس لائی جائے

جنت اور جہنم کی رونمائی:

یعنی دوزخ بڑے زور و شور کے ساتھ دہکائی جائے اور بہشت متقیوں کے نزدیک کر دی جائے جس کی رونق و بہار دیکھنے سے عجیب مسرت و فرحت حاصل ہو۔ (تفسیر عثمانی)

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ۝۱۴

جان لے گا ہر ایک جی جو لے کر آیا ☆

اعمال سامنے آئیں گے:

یعنی ہر ایک کو پتہ لگ جائیگا کہ نیکی یا بدی کا کیا سرمایہ لے کر حاضر ہوا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اس وقت کا شخص اپنی کی ہوئی اچھائی برائی کو جان لے گا۔ یہ وقت ایک وسیع وقت ہوگا نفخہ اولیٰ کے پہلے سے جنت و دوزخ کے داخلہ کے وقت تک سارا وقت قیامت کا وقت ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝۱۵ الْجَوَارِ

سو قسم کھاتا ہوں میں پیچھے ہٹ جانیوالوں سیدھے چلنے والوں

الْكُنَّسِ ۝۱۶

دبک جانیوالوں کی ☆

خمسہ متحیرہ:

کئی سیاروں (مثلاً زحل' مشتری' مریخ' زہرہ' عطارد) کی چال اس ڈھب سے ہے کہ کبھی مغرب سے مشرق کو چلیں یہ سیدھی راہ ہوئی کبھی ٹھٹھک کر الٹے پھریں اور کبھی سورج کے پاس آ کر کتنے دنوں تک غائب رہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ یہ پانچ ستارے ہیں جن کو اہل ہیئت خمسہ متحیرہ کہتے ہیں یعنی زحل، مشتری، مریخ زہرہ، عطارد ان ستاروں کی عجیب حیرت ناک رفتار ہے یہ کبھی سیدھے چلتے ہیں تو اس لحاظ سے ان کو الجوار (یعنی جاری رہنے والے اور چلنے والے) کہا گیا۔ اور کبھی چلتے چلتے الٹے ہو جاتے ہیں اس لحاظ سے الخنس کہا گیا ہے کیونکہ خنس لغت میں لوٹنے کو کہا جاتا ہے۔ اور کبھی یہ غائب ہو جاتے ہیں اس بناء پر ان کو الکنس کہا گیا جو کنس سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی ستر اور پوشیدگی کے ہیں یہ ستارے مغرب سے مشرق کو چلے تو یہ سیدھی راہ ہوئی اور کبھی ٹھٹک کر الٹے پھر جاتے ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

جن ستاروں کی قسم یہاں کھائی گئی وہ پانچ ستارے ہیں جن کو علم ہیئت و فلکیات میں خمسہ متحیرہ کہتے ہیں اور متحیرہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان پانچوں ستاروں کی حرکت دنیا میں اس طرح دیکھی جاتی ہے کہ کبھی مشرق سے مغرب کی طرف چل رہے ہیں کبھی پھر پیچھے کو مغرب سے مشرق کی طرف چلنے لگتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے اور دونوں مختلف حرکتوں کا سبب کیا ہے، اس کے بارے میں قدیم فلسفہ یونان والوں کے مختلف اقوال ہیں اور جدید فلسفہ والوں کی تحقیق ان میں سے بعض کے مطابق ہے بعض کے خلاف اور حقیقت کا علم، پیدا کرنے والے کے سوا کسی کو نہیں۔ سب تخمینے اور اندازے ہی ہیں جو غلط بھی ہو سکتے ہیں اور صحیح بھی۔ (معارف مفتی اعظم)

الخنس سے اس جگہ وہ پانچ ستارے مراد ہیں جو کو متحیرہ کہا جاتا ہے یعنی عطارد، زہرہ، مشتری، مریخ، زحل ان کو متحیرہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی رفتار کچھ اس طرح دکھائی دیتی ہے کہ مشرق سے مغرب کی طرف جاتے جاتے لوٹ پڑتے ہیں کبھی یہ ٹھہرے ہوئے بھی نظر آتے ہیں۔ ہیئت (قدیم) کی نظر میں اس کا سبب یہ ہے کہ کچھ افلاک جزئیہ (چھوٹے دائرے) ہیں جو کھوکھلے نہیں ہیں ان میں یہ ستارے پیوستہ ہیں ان چھوٹے دائروں کو تدویرات کہا جاتا ہے یہ دائرے خود بھی متحرک ہیں اور ان کے بالائی حصوں کی حرکت ان افلاک کی رفتار کے تابع بھی ہے جن کے اندر یہ موجود ہیں ان دائروں کے بالائی حصہ کی حرکت مغرب سے مشرق کی طرف اپنے اپنے افلاک کی رفتار کے موافق ہے اور زیریں حصوں کی حرکت اس کے برعکس مشرق سے مغرب کی جانب ہے۔

ہمارے نزدیک تو سب ستارے ایک ایک دائرہ میں تیرتے (یعنی ہموار چال سے رواں اور متحرک) ہیں اور نہ آسمانوں کا پھٹنا ناممکن ہے نہ جڑنا۔

پس خمسہ متحیرہ کی حرکت کبھی مشرق کی طرف ہوتی ہے کبھی مغرب کی طرف کبھی سست کبھی تیز۔ جب اللہ چاہتا ہے اور جیسا ضابطہ خالق ہے ویسی ہی ستاروں کی حرکات ہیں ہاں ضابطہ فاطر یہی ہے کہ تمام ستارے ایک ہی قسم کی رفتار اور ترتیب کے ساتھ متحرک ہوں۔

یعنی وہ خمسہ متحیرہ جو دائرے میں چلتے اور غروب یا محاق کے وقت چھپ جاتے ہیں۔

میں کہتا ہوں احتمال ہے کہ ان ستاروں کے مکان سے مراد ہوں زیرین عرش ان کی قرار گاہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج ڈوب گیا تو فرمایا کیا تو جانتا ہے یہ کہاں جاتا ہے میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم باخوبی واقف ہے فرمایا وہ عرش کے نیچے سجدہ کرنے جاتا ہے۔ (الحدیث) (تفسیر مظہری)

وَالَّيۡلِ اِذَا عَسۡعَسَ ۙ﴿۱۷﴾

اور رات کی جب پھیل جائے ☆

یا جب جانے لگے۔ اس لفظ کے دونوں معنی آتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَالصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۙ﴿۱۸﴾

اور صبح کی جب دم بھرے ☆

طلوع صبح:

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں گویا آفتاب کو دریا میں تیرنے والی مچھلی سے تشبیہ دی اور طلوع سے پہلے اس کے نور کے منتشر ہونے کو دم ماہی سے نسبت کی جیسے مچھلی دریا میں آنکھوں سے پوشیدہ گزرتی ہے اور اس کے سانس لینے سے پانی اڑتا اور منتشر ہوتا ہے اسی طرح آفتاب کی حالت قبل طلوع اور قبل روشنی پھیلنے کے ہے۔ اور بعضوں نے کہا کہ دم صبح کنایہ ہے نسیم سے جو طلوع صبح کے قریب موسم بہار میں چلتی ہے (منہ) ان قسموں کی مناسبت آئندہ مضمون سے یہ ہے کہ ان ستاروں کا چلنا' ٹھہرنا' لوٹنا اور چھپ جانا ایک نمونہ ہے اگلے انبیاء پر بار بار وحی آنے اور ایک مدت دراز تک اسکے نشان باقی رہنے پھر منقطع ہو کر چھپ جانے اور غائب ہو جانے کا اور رات کا آنا نمونہ ہے اس تاریک دور کا جو خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پہلے دنیا پر گزرا کہ کسی شخص کو حق و باطل کی تمیز نہ رہی تھی۔ اور وحی کے آثار بالکل مٹ چکے تھے۔ اس کے بعد صبح صادق کا دم بھرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس جہاں میں تشریف لانا اور قرآن کا اترنا ہے کہ ہر چیز کو ہدایت کے نور سے دن کی مانند روشن کر دیا۔ گویا اگلے انبیاء کا نور ستاروں کی

طرح تھا اور اس نور اعظم کو آفتاب درخشاں کہنا چاہیے۔ ولنعم ما قیل

فانه شمس فضل هم کواکبها
یظهرون انوارها للناس فی الظلم
حتی اذا طلعت فی الکون عم هدا
هاا لعا لمین واحیت سا ئر ا لا مم

اور بعض علماء نے فرمایا کہ ستاروں کا سیدھا چلنا اور لوٹنا اور چھپ جانا فرشتے کے آنے اور واپس جانے اور عالم ملکوت میں جا چھپنے کے مشابہ ہے۔ اور رات کا گزرنا اور صبح کا آنا قرآن کے سبب ظلمت کفر دور ہو جانے اور نور ہدایت کے پوری طرح ظاہر ہو جانے کے مشابہ ہے اس تقریر کے موافق مقسم بہ کی مناسبت مقسم علیہ سے زیادہ واضح ہے۔ واللہ اعلم۔

إِنَّهُۥ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿١٩﴾ ذِي

مقرر یہ کہا ہے ایک بھیجے ہوئے عزت والے کا

قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ﴿٢٠﴾

قوت والا عرش کے مالک کے پاس درجہ پانے والا

مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ﴿٢١﴾

سب کا مانا ہوا وہاں کا معتبر ہے☆

جبریلؑ کی صفات:

یہ حضرت جبریلؑ کی صفات بیان ہوئیں مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم جو اللہ کے پاس سے ہم تک پہنچا اس میں دو واسطے ہیں ایک وحی لانیوالا فرشتہ (جبریل علیہ السلام) اور دوسرا پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم۔ دونوں کی صفات وہ ہیں جن کے معلوم ہونے کے بعد کسی طرح کا شک و شبہ قرآن کے صادق اور منزل من اللہ ہونے میں نہیں رہتا۔ کسی روایت کی صحت تسلیم کرنے کے لیے اعلیٰ سے اعلیٰ راوی وہ ہوتا ہے جو اعلیٰ درجہ کا ثقہ، عادل، ضابط، حافظ اور امانت دار ہو جس سے روایت کرے اس کے پاس عزت و حرمت کے ساتھ رہتا ہو۔ بڑے بڑے معتبر ثقات اس کی امانت وغیرہ پر اعتماد کلی رکھتے ہوں اور اسی لیے اس کی بات بے چون وچرا مانتے ہوں یہ تمام صفات حضرت جبریلؑ میں موجود ہیں وہ کریم (عزت والے) ہیں جنکے لیے اعلیٰ نہایت متقی اور پاکباز ہونا لازم ہے ''إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ'' وفی الحدیث ''الکرم التقوی'' بڑی قوت والے ہیں جس میں اشارہ ہے کہ حفظ وضبط اور بیان کی قوت بھی کامل ہے۔ اللہ کے ہاں ان کا بڑا درجہ ہے۔ سب فرشتوں سے زیادہ بارگاہ ربوبیت میں قرب اور رسائی حاصل ہے آسمانوں کے فرشتے ان کی بات مانتے اور ان کا حکم تسلیم کرتے ہیں کیونکہ ان کے امین اور معتبر ہونے میں کسی کو شبہ نہیں۔ یہ تو رسول ملکی کا حال تھا آگے رسول بشری کا حال سن لیجئے۔ (تفسیر عثمانی)

اعلیٰ راوی:

کسی روایت کی صحت تسلیم کرانے کے لیے اعلیٰ سے اعلیٰ راوی وہ ہوتا ہے جو اعلیٰ مرتبہ کا ثقہ عادل ضابط حافظ اور امانت دار ہو۔ اور جس سے وہ روایت کرے اس کے پاس عزت و حرمت کے ساتھ رہتا ہو بڑے بڑے معتبر ثقات اس کی امانت پر اعتماد کلی رکھتے ہوں اس وجہ سے اس کی بات بے چون وچرا مانتے ہوں۔ (معارف کاندھلوی)

یہ جواب قسم ہے رسول سے مراد ہیں حضرت جبریل علیہ السلام یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی یہ قرآن بلاشبہ اس مرسل (قاصد) کا قول ہے جو اللہ کے نزدیک معزز اور طاقت والا ہے مطلب یہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم (اور قاصد) کی حیثیت سے اس کا قول ہے خود بنا کر خدا کی طرف منسوب نہیں کر دیا ہے (نہ اس کی حیثیت محض ترجمان کی ہے)

جبریل علیہ السلام کی طاقت:

اگر رسول سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہوں تو ان کی قوت یہ تھی کہ قوم لوط کی بستیوں کو اکھاڑ کر بحر اسود کے کنارہ سے اپنے بازو پر اٹھا کر بلندی پر لے جا کر الٹ دیا قوم ثمود پر ایسی دھاڑ ماری کہ سب بیٹھے بیٹھے مردہ ہو گئے آن کی آن میں آسمان سے زمین پر آتے اور پلک مارنے میں زمین سے آسمان پر چڑھ جاتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طاقت:

اگر رسول سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہو تو آپ کی طاقت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو برس اپنی قوم میں رہے اور تھوڑے لوگوں کو مومن بنا سکے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیئیس برس میں (لاکھوں کو) اللہ کی طرف کھینچ لیا ۲۳ برس میں ہر طرف دین کو پھیلا دیا جوق در جوق لوگ دین خدا میں داخل ہونے لگے حجۃ الوداع میں ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ ساتھ تھے ساتویں آسمان سے بھی اوپر جہاں پہنچنے کی حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طاقت نہ تھی پہنچ گئے پھر زمین پر اتر آئے اور گھڑی بھر وقت بھی صرف نہ ہوا آپ نے دیدار رب کا شرف حاصل کیا کسی دوسرے کو یہ نعمت میسر نہیں ہوئی (حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر) جب اللہ کا جلوہ پہاڑ پر پڑا تو اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین سے ہموار کر دیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے۔

عند مکین سے متعلق ہے یعنی عرش والے (اللہ) کے ہاں وہ معزز و با

وجاہت اور مطاع ہے (اس کا حکم مانا جاتا ہے) اور وہاں وہ امین وحی ہے۔ ثُمَّ (وہاں) تعلق امین سے ہے اور مطاع بھی ہوسکتا ہے یعنی ملأ اعلیٰ (عالم ملائکہ) میں اس رسول کی اطاعت کیجاتی ہے۔

جبریل علیہ السلام وحی کیسے حاصل کرتے ہیں:

حضرت نواس بن سمعان کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب اللہ کسی امر کی وحی کرنی چاہتا ہے تو وحی کے ساتھ کلام فرماتا ہے جس سے آسمانوں میں ایک سخت لرزہ پیدا ہو جاتا ہے جب آسمانوں والے اس کو سنتے ہیں تو بیہوش ہوجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر پڑتے ہیں پھر ہوش میں آ کر سب سے پہلے سر اٹھانے والے حضرت جبریل علیہ السلام ہوتے ہیں اللہ ان سے اپنی وحی کے ساتھ کلام کرتا ہے پھر حضرت جبریل علیہ السلام ملائکہ کی طرف سے گزرتے ہیں جس آسمان کی طرف سے گزرتے ہیں اس کے فرشتے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھتے ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام ہمارے مالک نے کیا فرمایا ہے حضرت جبریل علیہ السلام کہتے ہیں کہ (جو کچھ فرمایا) حق ہی ہے وہ بزرگ و برتر ہے پھر سب ملائکہ ویسے ہی کہتے ہیں جیسے حضرت جبریل علیہ السلام وحی کے متعلق حکم خداوندی کے موافق کہتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام مطاع ملائکہ ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطاع ملائکہ ہونا:

رہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مطاع ملائکہ ہونا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اہل حق (صوفیا) کے نزدیک حقیقت محمدیہ فیض وجود اور مرتبہ قرب کے لیے اول ترین تعین (مخلوق وممکن) ہے اور مراتب قرب میں سے ہی وحی وکلام کا مرتبہ بھی ہے حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل کے بغیر کسی کو وحی نہیں پہنچ سکتی یہ صرف کشفی چیز ہے بعض نصوص بھی اس پر دلالت کر رہے ہیں اللہ نے فرمایا وما ارسلنک الا رحمة اللعالمین۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آسمان میں میرے دو وزیر جبرئیل علیہ السلام میکائیل علیہ السلام ہیں اور زمین پر میرے دو وزیر ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ ہیں لہٰذا حضرت جبرئیل علیہ السلام مطاع ہونا بطریق اولیٰ ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ﴿٢٢﴾

اور یہ تمہارا رفیق کچھ دیوانہ نہیں ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت وسچائی:

یعنی بعثت سے پہلے چالیس سال تک وہ تمہارے اور تم اس کے ساتھ رہے اتنی طویل مدت تک اس کے تمام کھلے چھپے احوال کا تجربہ کیا۔ کبھی ایک مرتبہ اس کا جھوٹ فریب یا دیوانہ پن کی بات نہ دیکھی ہمیشہ اس کے صدق و امانت اور عقل و دانائی کے معترف رہے اب بلاوجہ اسے جھوٹا یا دیوانہ کیونکر کہہ سکتے ہو کیا یہ وہ ہی تمہارا رفیق نہیں ہے جس کے رتی رتی احوال کا تم پہلے سے تجربہ رکھتے ہو اب اس کو دیوانہ کہنا بجز دیوانگی کے کچھ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اس امر پر تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ چالیس برس سے یہ تمہارے ساتھ ہیں کوئی حکمت ان سے ایسی نہیں ہوئی جو کمال عقل وہوش کے خلاف ہو لہٰذا انکو اب مجنون کہنا یا محض ضد ہے یا بجائے خود مجنون ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿٢٣﴾

اور اُس نے دیکھا ہے اُس فرشتہ کو آسمان کے کھلے کنارہ کے پاس ☆

جبریلؑ کو دیکھنا:

یعنی مشرقی کنارہ کے پاس اس کی اصل صورت میں صاف صاف دیکھا اس لیے یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ شاید دیکھنے یا پہچاننے میں کچھ اشتباہ والتباس ہوگیا ہوگا جس کو فرشتہ سمجھ لیا وہ واقع میں فرشتہ نہ ہوگا سورہ "نجم" میں پہلے آ چکا "فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى"۔ (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہتے تھے وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو کھلے افق پر دیکھا ہے جیسا کہ سورہ نجم میں فرمایا کہ فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى اور مقصود اس کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ وحی لانے والے فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوب واقف تھے ان کو اصلی ہیت وصورت میں بھی دیکھ چکے تھے اس لیے اس وحی میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ باتفاق علماء رای کی ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی دیکھا تھا۔ ہ' کی ضمیر یا ذی العرش کی طرف راجع ہے یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف۔

اول صورت میں بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ۔ رای کی ضمیر فاعلی سے حال ہوگا یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساتوں آسمانوں کے آخر میں عالم کے افق پر تھے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو دیکھا۔

دیدار الٰہی:

بغوی نے لکھا ہے کہ ہم نے قصہ معراج میں باسناد شریک بن عبداللہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ رب العزت قریب ہوا نیچے کو آیا یہاں تک کہ بقدر فاصلہ قوسین یا اس سے بھی زیادہ قریب ہوگیا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ

کی بھی یہی روایت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی قول مروی ہے اور ضحاک بھی اسی کے قائل ہیں جو لوگ قائل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو دیکھا تھا تفصیل میں ان کے اقوال مختلف ہیں بعض قائل ہیں کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کے اندر آنکھوں کی بینائی پیدا کر دی تھی اور آپ نے دل سے دیکھا تھا اس قول کا استنباط آیت مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی سے کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے کہ مسلم نے بروایت ابو العالیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ آیت مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی . وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی کا یہ مطلب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو دل سے دوبار دیکھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ، حسن بصریؒ اور عکرمہ قائل تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ عکرمہ کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول آیا ہے کہ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کا انتخاب خلت کے لیے اور موسیٰ علیہ السلام کا کلام کے لیے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رویت (دیدار) کے لیے کیا حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تھا فرمایا وہ نور ہے میں اس کو کیسے دیکھتا۔ (رواہ مسلم)

مسئلہ کا فیصلہ یہ ہے کہ رویت الٰہیہ کو ثابت کرنے والوں کا قول حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول سے اولیٰ ہے۔ آیت لاتدرکه الابصار۔ سے آخرت میں رویت کی نفی تو باجماع اہل سنت ظاہر نہیں ہوتی اسی طرح دنیا میں شب معراج کے اندر رویت الٰہیہ اور جنت دوزخ کو دیکھنے کے منافی کوئی چیز آیت میں نہیں ہے۔ رہا حضرت جبریل علیہ السلام کو اصل صورت میں دیکھنے کا واقعہ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نقل کیا ہے وہ بجائے خود صحیح ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آیت وَلَقَدْ رَاٰهُ میں بھی یہی واقعہ مراد ہے بلکہ کلام کی رفتار تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور کمال کے اظہار کو بتا رہی ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھنا کوئی فضیلت نہیں باجماع علماء حضرت جبریل علیہ السلام سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل تھے۔ پھر لفظ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ کمال قرب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر دلالت کر رہا ہے اس سے آگے مرتبہ کی ترقی بس رویت خداوندی کا اثبات ہی ہو سکتا ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے دیکھنے کا مرتبہ مکین عند اللہ ہونے کے مرتبہ سے بڑا نہیں لیکن اگر مکین عند اللہ ہونے کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی صفت کہا جائے اور لَقَدْ رَاٰهُ سے رویت حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد لی جائے تو مضمون الٹا ہو جائے گا (کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تو مکین عند اللہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بس اتنا شرف حاصل ہے کہ انہوں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ لیا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿۲۴﴾

اور یہ غیب کی بات بتانے میں بخیل نہیں ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کاہن نہیں کہا جا سکتا:

یعنی یہ پیغمبر ہر قسم کے غیوب کی خبر دیتا ہے ماضی سے متعلق ہوں یا مستقبل سے یا اللہ کے اسماء وصفات سے یا احکام شرعیہ سے یا مذاہب کی حقیقت وبطلان سے یا جنت ودوزخ کے احوال سے یا واقعات بعد الموت سے اور ان چیزوں کے بتلانے میں ذرا بخل نہیں کرتا نہ اجرت مانگتا ہے۔ نہ نذرانہ نہ بخشش، پھر کاہن کا لقب اس پر کیسے چسپاں ہو سکتا ہے کاہن محض ایک جزئی اور ناتمکمل بات غیب کی سو جھوٹ ملا کر بیان کرتا ہے اور اس کے بتلانے میں بھی اس قدر بخیل ہے کہ بدون مٹھائی یا نذرانہ وغیرہ وصول کیے ایک حرف زبان سے نہیں نکالتا پیغمبروں کی سیرت سے کاہنوں کی پوزیشن کو کیا نسبت۔

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۲۵﴾

اور یہ کہا ہوا نہیں کسی شیطان مردود کا ☆

بھلا شیطان ایسی نیکی اور پرہیزگاری کی باتیں کیوں سکھلانے لگا جس میں سراسر بنی آدم کا فائدہ اور خود اس ملعون کی تفضیح و مذمت ہو۔

فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿۲۶﴾

پھر تم کدھر چلے جا رہے ہو☆

حقیقت کو چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو:

یعنی جب جھوٹ، دیوانگی، تخیل و توہم اور کہانت وغیرہ کے سب احتمالات مرفوع ہوئے تو بجز صدق وحق کے اور کیا باقی رہا۔ پھر اس روشن اور صاف راستے کو چھوڑ کر کدھر بہکے چلے جا رہے ہو۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۷﴾

یہ تو ایک نصیحت ہے جہان بھر کے واسطے☆

سچا نصیحت نامہ:

قرآن کی نسبت جو احتمالات تم پیدا کرتے ہو سب غلط ہیں۔ اگر اس کے مضامین وہدایات میں غور کرو تو اس کے سوا کچھ نہ نکلے گا یہ سارے جہان کے لیے ایک سچا نصیحت نامہ اور مکمل دستور العمل ہے جس سے ان کی دارین کی فلاح وابستہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

انسان جنات اور ملائکہ:

عالمین سے عموماً تمام جنات اور انسان مراد ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمام جن وانس کے لیے ہے بلکہ آپ کی ذات رحمۃ للعالمین تھی اور قرآن کا فیض ملائکہ کو بھی حاصل ہے آیت بِاَیۡدِیۡ سَفَرَةٍ کِرَامٍ بَرَرَةٍ اس پر دلالت کر رہی ہے حاکم نے مستدرک میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ جب سورۂ انعام نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی پاکی کا زبان سے اظہار فرمایا پھر فرمایا ملائکہ نے بھی پاکی بیان کی (اتنی تعداد نے کہ) افق کو بند کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

لِمَنۡ شَآءَ مِنۡكُمۡ اَنۡ يَّسۡتَقِيۡمَ ﴿۲۸﴾

جو کوئی چاہے تم میں سے کہ سیدھا چلے ☆

استقامت:

یعنی بالخصوص ان کے لیے نصیحت ہے جو سیدھا چلنا چاہیں عناد اور کجروی اختیار نہ کریں کیونکہ ایسے ہی لوگ اس نصیحت سے منتفع ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

سفیان بن عبداللہ ثقفی نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے اسلام کی کوئی ایسی بات فرما دیجئے کہ آپ کے بعد مجھے اس کے متعلق کسی اور سے پوچھنا نہ پڑے فرمایا کہو امنت باللہ پھر استقامت رکھ۔ رواہ مسلم (تفسیر مظہری)

وَمَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ

اور تم جبھی چاہو کہ چاہے اللہ

رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۲۹﴾

سارے جہان کا مالک ☆

اصل اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے:

یعنی فی نفسہ قرآن نصیحت ہے لیکن اس کی تاثیر مشیت الٰہی پر موقوف ہے جو بعض لوگوں کے لیے متعلق ہوتی ہے اور بعض کے لیے کسی حکمت سے ان کو سوء استعداد کی بنا پر متعلق نہیں ہوتی۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ میں انسان کے لیے ارادہ اور مشیت کا اثبات فرمایا جا رہا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ واضح کیا جا رہا ہے کہ انسان کا ارادہ اور مشیت اللہ کی مشیت اور اس کی تقدیر کے مطابق اس کے تابع ہے اس کی توفیق ہی سے ہدایت اختیار کرتا ہے اور ہر انسان قضا وقدر کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے البتہ بات صرف اتنی ہے کہ قضاء وقدر اس سے جو کچھ کراتی ہے وہ اسکے ارادہ اور اختیار کے توسط سے کراتی ہے اینٹ پتھر کی طرح نہیں ہے کہ اس کو کوئی حرکت دے رہا ہو اور خود اس میں کسی طرح کا شعور وادراک اور ارادہ اور اختیار نہ ہو تو بندہ اسی ارادہ اور اختیار کو استعمال کرنے کی وجہ سے ثواب وعتاب کا مستحق ہوتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وہ سارے جہاں کا مالک ہے ہر چیز کو ترقی دے کر حد کمال تک پہنچانے والا ہے جواہر ہوں یا اعراض سب کا خالق وہی ہے انسانی افعال کا بھی وہی خالق ہے یہاں تک کہ تمہاری مشیت بھی وہی پیدا کرتا ہے جو استقامت کا خواستگار ہو اور استقامت اسکو نبھائے تو یہ اللہ کا فضل وانعام ہے۔ (تفسیر مظہری)

صبح کی نماز میں تلاوت:

حضرت عمر بن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صبح کی نماز میں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سورۃ کی تلاوت کرتے ہوئے سنا اس نماز میں میں بھی مقتدیوں میں شامل تھا۔ (مسلم تفسیر ابن کثیر)

الحمدللہ سورۃ التکویر ختم ہوئی

سورۃ الانفطار

اس کو خواب میں پڑھنے والے کو سلاطین کا قرب حاصل ہوگا اور وہ اس کی عزت کریں گے۔ (ابن سیرین)

سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً
سورۂ انفطار مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی اُنیس آیتیں ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
﴿شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾
اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝۱ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ
جب آسمان چر جائے اور جب تارے
انْتَثَرَتْ ۝۲ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝۳
جھڑ پڑیں اور جب دریا اُبل نکلیں ☆

یعنی سمندر کا پانی زمین پر زور کرے آخر میٹھے اور کھاری سب پانی مل جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

نمازِ عشاء کی قرأت:

نسائی میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عشاء کی نماز پڑھائی اور اس میں لمبی قراءت پڑھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معاذ کیا یہ سورتیں نہ تھیں۔ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۝۴
اور جب قبریں زیر و زبر کر دی جائیں ☆

یعنی جو چیز زمین کی تہ میں تھی اوپر آجائے اور مردے قبروں سے نکالے جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ
جان لے ہر ایک جی جو کچھ کہ آگے بھیجا اور
اَخَّرَتْ ۝۵
پیچھے چھوڑا ☆

تمام اعمال کا سامنا ہوگا:

یعنی جو بھلے برے کام کیے یا نہیں کیے شروع عمر میں کیے یا اخیر میں ان کا اثر اپنے پیچھے چھوڑا یا نہیں چھوڑا سب اس وقت سامنے آجائینگے۔ (تفسیر عثمانی)

اچھے اور برے طریقہ کا بدلہ:

حدیث میں ہے کہ جس شخص نے اسلام میں کوئی اچھی سنت اور طریقہ جاری کرایا اسکا ثواب ہمیشہ اس کو ملتا رہے گا، اور جس نے کوئی بری رسم اور گناہ کا کام دنیا میں جاری کر دیا تو جب تک لوگ اس برے کام میں مبتلا ہوں گے اس کا گناہ اس شخص کے لئے بھی لکھا جاتا رہے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ
اے آدمی کس چیز سے بہکا تو اپنے رب
الْكَرِيْمِ ۝۶
کریم پر ☆

رب کریم کا حق: یعنی وہ رب کریم کیا اس کا حقدار تھا کہ تو اپنے جہل و حماقت سے اس کے حلم پر مغرور ہو کر نافرمانیاں کرتا رہے؟ اور اس کے لطف و کرم کا جواب کفران وطغیان سے دے؟ اس کا کرم دیکھ کر تو اور زیادہ شرمانا اور حلیم کے غصہ سے بہت زیادہ ڈرنا چاہیے تھا۔ بیشک وہ کریم ہے لیکن منتقم اور حکیم بھی ہے۔ پھر یہ غرور اور دھوکا نہیں تو اور کیا ہوگا کہ اس کی ایک صفت کو لے کر دوسری صفات سے آنکھیں بند کر لی جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

کسی نسبت و نسب پر مغرور نہ ہونا چاہیئے:

بعض مبصرین کی رائے ہے کہ یہاں الانسان سے ہر ایک کو خطاب ہے خواہ وہ کافر ہو یا مومن۔ گناہ گار ہو یا بدکار۔ تو بطور تنبیہ سب کو یہ خطاب فرمایا جا رہا ہے تاکہ کوئی بھی متنفس اس طرح کی روش اختیار نہ کرے اور آسمانی عدالت سے کسی وقت غفلت نہ برتے اگر کسی وقت بشری کوتاہی کرے اور کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر نادم اور شرمندہ ہو کر تائب ہو یہ نہیں کہ عیسائیوں کی طرح یہ سمجھ کر مطمئن ہو جائے کہ بس یسوع مسیح ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو چکے ہیں۔ اب ہم کو کسی بھی گناہ کی سزا بھگتنی نہیں پڑے گی اور نہ یہودیوں کی طرح یہ سمجھیں کہ بس حضرت ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونا کافی ہے اور اگر کسی گناہ کی کوئی سزا بھی ملے تو بس چند روز کی ہوگی۔ جیسے کہ ارشاد ہے وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً یا ان جہلاء کی طرح دھوکہ میں نہ پڑے جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ انکے بزرگ اور غوث و قطب ان کو بخشوا دیں گے۔ اور انکو نہ کسی فرض کے ادا کرنے کی ضرورت ہے اور نہ کسی معصیت سے ان کو کچھ نقصان ہوگا اور نہ ہی روافض وشیعہ کی طرح یہ اعتقاد قائم کر لے کہ بنی

فاطمہ پر آگ حرام ہے۔ خواہ وہ کچھ بھی کریں ان کو قطعاً سزا نہ ہوگی ایسے فاطمیوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خود اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ **یا فاطمہ بنت محمد انقذی نفسک من النار فانی لا اغنی عنک من اللہ شیئاً** کہ اے فاطمہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی! تو اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچا۔ (بغیر ایمان و عمل) میں اللہ کے یہاں تجھے ذرہ برابر بھی فائدہ نہ پہنچا سکوں گا۔ (معارف کاندھلوی)

کیا اللہ تعالیٰ کے کرم کا یہی جواب ہے:

بیان فرما کر ارشاد فرمایا مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ کہ اے غافل انسان جس پروردگار نے تیرے وجود میں ایسے ایسے کمالات ودیعت فرمائے اس کے معاملے میں تو نے کیونکر دھوکہ اور فریب کھایا کہ اسی کو بھول بیٹھا اس کے احکام کی نافرمانی کرنے لگا، تجھے تو خود تیرے جسم کا جوڑ جوڑ اللہ کی یاد دلانے اور اس کی اطاعت پر مجبور کرنے کے لئے کافی تھا پھر یہ بھول اور غفلت یہ غرور اور دھوکہ کیسے لگا، اس جگہ رب کی صفت کریم ذکر کر کے اس کے جواب کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ انسان کی بھول اور دھوکہ میں پڑنے کا سبب حق تعالیٰ کا قریب ہونا ہے۔ کہ وہ اپنے لطف وکرم سے انسان کے گناہ پر فوراً سزا نہیں دیتا بلکہ اس کے رزق اور عافیت اور دنیوی آسائش میں بھی کوئی کمی نہیں کرتا، یہ لطف وکرم اس کے غرور اور دھوکہ کا سبب بن گیا۔ حالانکہ ذرا عقل سے کام لیتا تو یہ لطف وکرم غرور وغفلت کا سبب بننے کے بجائے اور زیادہ اپنے رب کریم کے احسانات کا ممنون ہو کر اطاعت میں لگ جانے کا سبب ہونا چاہئے تھا۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ **کم من مغرور تحت الستر و هو لا یشعر**۔ یعنی کتنے ہی انسان ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے عیبوں اور گناہوں پر پردہ ڈالا ہوا ہے۔ اور ان کو رسوا نہیں کیا۔ وہ اس لطف وکرم سے اور زیادہ غرور اور دھوکہ میں مبتلا ہو گئے۔ (معارف مفتی اعظم)

شان نزول: بغویؒ کا بیان ہے کہ ولید بن مغیرہؓ کے حق میں اس آیت کا نقول ہوا۔ ابن ابی حاتم نے عکرمہ کا قول نقل کیا ہے کہ نزول آیت کا مورد ابی بن خلف تھا۔ کلبی نے اسید بن کلدہ کے متعلق آیت کا نزول قرار دیا ہے۔ اسید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مارا تھا اور اللہ نے اس کو فوری سزا نہیں دی تھی۔ اور یہ آیت نازل فرمائی یعنی رب کریم کے متعلق تجھے کس چیز نے فریب خوردہ بنایا اور کس نے اس کی خلاف ورزی پر تجھے جرات دلائی کیا اس کی درگزر نے یا اس بات نے کہ اس نے تجھے فوری سزا نہیں دی رب کی صفت کریم اس موقع پر ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ خدا کے وصف کریمی ہی کی وجہ سے اس نے فریب کھایا تھا اور شیطان یہی کہہ کر دھوکہ دیتا ہے کہ تیرا رب کریم ہے کسی کو فوری سزا نہیں دیتا۔ مقاتل نے جو کہا تھا کہ اللہ کی درگزر نے اس کو فریب دیا تھا کہ خدا نے اس کی حرکت کی فوری سزا نہیں دی اس قول کا بھی وہی مطلب ہے۔ جو ہم نے بیان کیا سعدی نے کہا اللہ کے نرمی کرنے نے اس کو فریب دیا۔

کریم خداوندی: بعض اہل بشارت کا قول ہے کہ دوسرے اسماء صفات کو چھوڑ کر رَبِّكَ الْكَرِيْمِ کہنے سے گناہ گار کو یہ جواب دینے کا موقع مل گیا کہ جب اس سے گناہ کی باز پرس ہو تو وہ کہہ دے کہ مجھے کریم کے کرم نے دھوکہ دیا، یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا اگر مجھے سامنے کھڑا کر کے پوچھا کہ یحییٰ تجھے میرے متعلق کس نے فریب خوردہ کر دیا اور مجھ پر کس نے جرات دلائی تو کہہ دوں گا کہ تیرے رب گذشتہ اور حالیہ کرم نے مجھے دھوکہ دیا اور ابوبکر وراق نے کہا کہ اگر مجھ سے فرمایا مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ تو کہہ دوں گا غَرَّنِيْ كَرَمُ الْكَرِيْمِ۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم میں سے کوئی ایسا نہیں کہ قیامت کے دن اللہ اس سے باز پرس نہ کرے وہ ضرور کہے گا کہ اے ابن آدم تجھے مجھ پر کس چیز نے جلی بنا دیا اے ابن آدم تو نے اپنے علم کے موافق کیا عمل کیا۔ اے ابن آدم تو نے پیغمبر کو کیا جواب دیا۔ عطاءؒ نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں کہا کہ تجھے کس چیز نے خدا سے کاٹ دیا کس نے خدا سے روک کر نفس میں پھنسایا **بئس للظالمین بدلا**۔

سبق آموز واقعہ: نقل ہے کہ ایک عورت نے قاضی سے استغاثہ کیا کہ میرے شوہر نے میرے اوپر ایک عورت سے نکاح کر لیا ہے قاضی نے کہا کہ تجھ کو اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں اللہ نے مردوں کے لئے حسب مرضی دو دو تین تین اور چار چار عورتیں مباح کر دیں ہیں عورت بولی قاضی جی اگر حجاب وحیاء نہ ہوتی تو میں اپنا حسن تم کو دکھاتی اور پھر پوچھتی کہ جس کا حسن جمال ایسا ہو جیسا میرا کیا اس سے رخ موڑ کر دوسرے سے مشغلہ کرنا جائز ہے عورت کا یہ قول ایک اہل دل نے سن پایا اور سنتے ہی گر کر چیخ مار کر بیہوش ہو کر گر پڑا کچھ دیر کے بعد ہوش میں آیا تو کہنے لگا میں نے ایک ہاتف کو یہ ندا دیتے سنا کہ کیا تو نے اس عورت کی بات نہیں سنی اگر عظمت و کبریاء کا حجاب نہ ہوتا تو میں تم کو اپنا جمال وجلال دکھاتا جس کی سمائی کسی مقابلہ میں نہیں، اور تم سے پوچھتا کہ جو مجھ سے مشغلہ رکھ سکتا ہے میری مثل کون ہے کوئی میری مثل ہو ہی نہیں سکتا میری ہی طلب کرے گا تو مجھے پالے گا۔ (تفسیر مظہری)

ابن آدم کی حقیقت: مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہتھیلی میں تھوکا پھر اس پر اپنی انگلی رکھ کر فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے، اے ابن آدم! کیا تو مجھے عاجز کر سکتا ہے؟ حالانکہ میں نے تو تجھے اس جیسی چیز سے پیدا کیا ہے پھر ٹھیک ٹھاک کیا ہے پھر صحیح قامت بنایا پھر تجھے پہنا اوڑھا کر چلنا پھرنا سکھایا۔ آخر کار تیرا ٹھکانا زمین کے اندر ہے تو نے خوب جمع جتھا کی اور میری راہ میں دینے سے رکتا رہا یہاں تک کہ جب دم حلق میں آ گیا تو کہنے لگا کہ میں صدقہ کرتا ہوں بھلا اب صدقے کا وقت کہاں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝ ٧

جس نے تجھ کو بنایا پھر تجھ کو ٹھیک کیا پھر تجھ کو برابر کیا ☆

جسم وعادات کی درستی:
حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ٹھیک کیا بدن میں برابر کیا خصلت میں" یا یہ مطلب ہے کہ تیرے اعضاء کے جوڑ بند درست کیے اور حکمت کے موافق ان میں تناسب رکھا پھر مزاج واخلاط میں اعتدال پیدا کیا۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ کی توجہ اور انسان کی بے توجہی:
حضرت جابر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی انسان نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو اللہ بھی اپنا رخ اس کی طرف کر لیتا ہے پھر جب آدمی رخ پھیر لیتا ہے تو اللہ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم کس کی طرف تو رخ پھیرتا ہے مجھ سے بہتر کون ہے؟ میری طرف رخ کر جب آدمی دوبارہ رخ گردانی کرتا ہے تو اللہ وہی پہلی بات فرماتا ہے جب تیسری بار آدمی رخ پھیر لیتا ہے تو اللہ بھی اس کی طرف سے رخ پھیر لیتا ہے۔ (رواہ البزار)

فِیۡۤ اَیِّ صُوۡرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ ؕ﴿۸﴾

جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ دیا ☆

ہر ایک کو مخصوص شکل عطاء کی:
یعنی سب کی صورتوں میں تھوڑا بہت تفاوت رکھا۔ ہر ایک کو الگ صورت شکل اور رنگ وروپ عنایت کیا اور بحیثیت مجموعی انسان کی صورت کو تمام جانداروں کی صورت سے بہتر بنایا بعض سلف اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ وہ چاہتا تو تجھے گدھے، کتے، خنزیر کی شکل وصورت میں ڈال دیتا باوجود اس قدرت کے محض اپنے فضل اور مشیت سے انسانی صورت میں رکھا بہر حال جس خدا کی یہ قدرت ہو اور ایسے انعامات ہوں کیا اس کے ساتھ آدمی کو یہی معاملہ کرنا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

حدیث میں آیا ہے کہ جب نطفہ رحم میں ٹھہرتا ہے تو اس سے لے کر آدم تک تمام (صورتوں) کو سامنے لایا جاتا ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت فِیۡۤ اَیِّ صُوۡرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ تلاوت فرمائی اس حدیث کو ابن جریر اور طبرانی نے موسیٰ بن علی بن رباح کے سلسلہ سے ضعیف سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

"سیاہ رنگ کا بچہ": صحیحین کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا کہ میری بیوی کے جو بچہ پیدا ہوا ہے وہ سیاہ فام ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرے پاس اونٹ بھی ہیں؟ کہا ہاں فرمایا کس رنگ کے ہیں؟ کہا سرخ رنگ کے۔ فرمایا کہ کیا ان میں چتکبرا بھی ہے؟ کہا ہاں۔ فرمایا اس رنگ کا بچہ سرخ نر ومادہ کے درمیان کیسے پیدا ہو گیا؟ کہنے لگا کہ شاید اوپر کی نسل کی طرف کوئی رگ کھینچ لی گئی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح تیرے بچے کے سیاہ رنگ ہونے کی وجہ بھی شاید یہی ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

کَلَّا بَلۡ تُکَذِّبُوۡنَ بِالدِّیۡنِ ۙ﴿۹﴾

ہرگز نہیں پر تم جھوٹ جانتے ہو انصاف کا ہونا ☆

غفلت کی وجہ: یعنی بہکنے والے اور دھوکا کھانے کی۔ اور کوئی وجہ نہیں بات یہ ہے کہ تم انصاف کے دن پر یقین نہیں رکھتے کہ جو چاہیں کرتے رہیں آگے کوئی حساب اور باز پرس نہیں یہاں جو کچھ عمل ہم کرتے ہیں کون ان کو لکھتا اور محفوظ کرتا ہوگا۔ بس مر گئے سب قصہ ختم ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی ہر انسان نے جو پہلے معصیت اور پیچھے طاعت کی ہوگی اس کو جان لے گا اور تم عصیان کرتے ہو۔ لہٰذا تم اپنے گناہوں کو جان لو گے اور فقط معصیت ہی نہیں کرتے بلکہ جزاء سزا کو ہی نہیں مانتے۔ (تفسیر مظہری)

وَ اِنَّ عَلَیۡکُمۡ لَحٰفِظِیۡنَ ﴿ۙ۱۰﴾ کِرَامًا

اور تم پر نگہبان مقرر ہیں عزت والے

کَاتِبِیۡنَ ﴿ۙ۱۱﴾ یَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۱۲﴾

عمل لکھنے والے جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو ☆

اعمال لکھنے والے فرشتے: جو نہ خیانت کرتے ہیں نہ کوئی عمل لکھے بغیر چھوڑتے ہیں۔ نہ ان سے تمہارے اعمال پوشیدہ ہیں جب سب عمل ایک ایک کر کے اس اہتمام سے لکھے جا رہے ہیں تو کیا یہ سب دفتریوں ہی بیکار چھوڑ دیا جائے گا؟ ہرگز نہیں یقیناً ہر شخص کے اعمال اس کے آگے آئیں گے اور اس کا اچھا یا برا پھل چکھنا پڑیگا۔ جس کی تفصیل آگے بیان کی۔ (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ خدا کے یہ بزرگ فرشتے تم سے جنابت اور پاخانہ کی حالت کے سوا کسی وقت بھی الگ نہیں ہوتے تم ان کا احترام کرو۔ غسل کے وقت بھی پردہ کر لیا کرو، دیوار سے یا اونٹ سے ہی سہی۔ یہ بھی نہ ہو تو اپنے کسی ساتھی کو کھڑا کر لیا کرو تا کہ وہی پردہ ہو جائے۔ (ابن ابی حاتم)

بزار کی اس حدیث کے الفاظ میں کچھ ہیر پھیر ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ننگا ہونے سے منع کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے ان فرشتوں سے شرماؤ۔ اس میں یہ بھی ہے کہ غسل کے وقت یہ فرشتے دور ہو جاتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جب یہ کراماً کاتبین بندے کا اعمالنامہ خدا کے سامنے پیش کرتے ہیں تو اگر شروع اور آخر میں استغفار ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے درمیان کی سب خطائیں میں نے اپنے بندے کی بخش دیں۔ (بزار، تفسیر ابن کثیر)

اِنَّ الۡاَبۡرَارَ لَفِیۡ نَعِیۡمٍ ﴿ۙ۱۳﴾

بیشک نیک لوگ بہشت میں ہیں ☆

نیکیوں کا ٹھکانہ: جہاں ہمیشہ کے لیے ہر قسم کی نعمتوں اور راحتوں میں رہنا ہوگا اگر نکلنے کا کھٹکا لگا رہتا تو راحت ہی کیا ہوتی۔ (تفسیر عثمانی)

ابرار کیوں کہا: ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن عمر کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے ان کو ابرار اس لئے فرمایا کہ انہوں نے باپ اور بیٹوں کے ساتھ نیک سلوک کیا۔ (تفسیر مظہری)

وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ﴿۱۴﴾ یَّصْلَوْنَهَا
اور بیشک گنہگار دوزخ میں ہیں ڈالے جائیں گے اس میں
یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۱۵﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِیْنَ ﴿۱۶﴾
انصاف کے دن اور نہ ہونگے اُس سے جدا ہونے والے

کوئی دوزخ سے بھاگ نہیں سکتا:

یعنی نہ بھاگ کر اس سے الگ رہ سکتے ہیں نہ داخل ہونے کے بعد کبھی نکل کر جا سکتے ہیں۔ ہمیشہ وہیں رہنا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فجور کا معنی ہے پھاڑنا جن لوگوں نے کفر و معصیت کے ہاتھ سے دین اور دیانت کا پردہ پھاڑ دیا وہ فجار ہیں اِنَّ الْاَبْرَارَ سے لَفِیْ جَحِیْمٍ تک علمت نفس کا بیان ہے کیونکہ ہر شخص اپنے کئے ہوئے عمل اچھے برے کو سزا اور جزا سے پہچان لے گا۔

اپنے اعمال معلوم کرنے کا طریقہ:

سلیمان بن عبدالملک نے ابو حازم مدنی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کاش ہم کو معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہمارے لئے کیا ہے (ثواب یا عذاب) ابو حازم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اپنے اعمال کو کتاب اللہ کے سامنے لاؤ تم کو معلوم ہو جائے گا کہ خدا کے پاس تمہارے لئے کیا ہے سلیمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کتاب اللہ میں مجھے کس جگہ ملے گا۔ ابو حازم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ. وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ میں۔ سلیمان رضی اللہ عنہ نے پھر کہا رحمت کہاں ہے ابو حازم نے کہا کہ نیک کام کرنے والوں کے نزدیک۔

قبر میں جنت یا جہنم کا نظارہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی مر جاتا ہے تو صبح شام اس کی جگہ اس کے سامنے لائی جاتی ہے اگر وہ جنتی ہے تو جنت والوں کی جگہ اور اگر دوزخی ہے تو دوزخ والوں کی جگہ پیش ہوتی ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تیری جگہ ہے یہاں تک کہ اللہ تجھے اٹھا کر قیامت کے دن وہاں لے جائے گا۔ (بخاری و مسلم)

آگ کا فرش اور آگ کے کپڑے:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت سے حسب فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں کافروں کا حال کے ذکر میں آیا ہے کہ اس سے اس کے دین کے متعلق پوچھا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ ہاں مجھے نہیں معلوم اس پر آسمان کی طرف سے ایک نداء آتی ہے اس نے جھوٹ کہا اس کے لئے آگ کا فرش کر دو اور آگ کے کپڑے اس کو پہنا دو اور آگ کی طرف اس کے لئے دروازہ کھول دو۔ (تفسیر مظہری)

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ
اور تجھ کو کیا خبر ہے کیسا ہے دن انصاف کا پھر بھی
مَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۱۸﴾ یَوْمَ لَا
تجھ کو کیا خبر ہے کیسا ہے دن انصاف کا جس دن کہ بھلا نہ
تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْـًٔا ؕ
کر سکے کوئی جی کسی جی کا کچھ بھی ☆

سب رشتے ناطے نابود ہو جائیں گے:

یعنی کتنا ہی سوچو اور غور کرو پھر بھی اس ہولناک دن کی پوری کیفیت سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ بس مختصراً اتنا سمجھ لو کہ اس دن جتنے رشتے ناطے خویشی اور آشنائی کے ہیں سب نیست و نابود ہو جائینگے۔ سب نفسی نفسی پکارتے ہونگے۔ کوئی شخص بدون حکم مالک الملک کے کسی کی سفارش نہ کر سکے گا عاجزی، چاپلوسی اور صبر و استقلال کچھ کام نہ دیگا۔ "الا من رحم اللّٰہ" (تفسیر عثمانی)

نیک اعمال کرلو: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بنو ہاشم! اپنی جانوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لئے نیک اعمال کی تیاریاں کرلو۔ میں تمہیں اس دن خدا کے عذاب سے بچانے کا اختیار نہیں رکھتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾
اور حکم اُس دن اللہ ہی کا ہے ☆

سب عارضی بڑائیاں ختم ہو جائیں گی:

یعنی دنیا میں جس طرح بادشاہ کا حکم رعیت پر ماں باپ کا اولاد پر اور آقا کا نوکر پر جاری ہوتا ہے اس دن یہ سب حکم ختم ہو جائینگے اور اس شہنشاہ مطلق کے سوا کسی کو دم مارنے کی قدرت نہ ہوگی تنہا بلا شرکت غیرے ظاہراً و باطناً اسی کا حکم چلے گا اور سارے کام حسّاً اور معناً اکیلے اسی کے قبضہ میں ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْن

اس کو خواب میں پڑھنے والے کو وفا اور عدل نصیب ہوگا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

سورۂ مطففین مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چھتیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝١ الَّذِيْنَ اِذَا

خرابی ہے گھٹانے والوں کی وہ لوگ کہ جب ماپ کر لیں

اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝٢ وَاِذَا

لوگوں سے تو پورا بھر لیں اور جب

كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝٣

ماپ کر دیں اُن کو یا تول کر تو گھٹا کر دیں ☆

ناپ تول میں کمی کرنا:

گو لوگوں سے اپنا حق پورا لینا مذموم نہیں مگر یہاں اس کے لانے سے مقصود خود اس بات پر مذمت کرنا نہیں بلکہ کم دینے کی مذمت کو مؤکد کرنا ہے یعنی کم دینا اگرچہ فی نفسہ مذموم ہے لیکن اس کے ساتھ اگر لیتے وقت دوسروں کی بالکل رعایت نہ کی جائے تو اور زیادہ مذموم ہے بخلاف رعایت کرنے والے کے کہ اگر اس میں ایک عیب ہے تو ایک ہنر بھی ہے۔ فتلک بتلک۔ لہٰذا پہلے شخص کا عیب زیادہ شدید ہوا اور چونکہ اصل مقصود مذمت ہے کم دینے کی اس لیے اس میں ناپ اور تول دونوں کا ذکر کیا جائے تا خوب تصریح ہو جائے کہ ناپنے میں کم ناپتے ہیں اور تولنے میں بھی کم تولتے ہیں اور چونکہ پورا لینا فی نفسہ مذموم نہیں اس لیے وہاں صرف ایک کے ذکر پر اکتفا کیا پھر تخصیص ناپ کی شاید اس لیے ہو کہ عرب میں اور خصوصاً مدینہ میں زیادہ رواج کیل کا تھا۔ اس کے سوا اور بھی وجوہ تخصیص کی ہو سکتی ہیں۔ (تفسیر عثانی)

وبائی امراض، دشمن کا خوف، معاشی تنگی اور قحط کے اسباب:

ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خمس بخمس کہ پانچ گناہوں کی سزا پانچ مصیبتوں کی شکل میں انسان پر واقع ہوتی ہیں۔ جو عہد شکنی کرتا ہے خدا اس پر اس کے دشمن مسلط کر دیتا ہے جو اللہ کا قانون چھوڑ کر دوسرے قانون پر فیصلے کرتے ہیں ان میں فقر و احتیاج آ جاتا ہے اور جس قوم میں بے حیائی اور زناء عام ہو جاتا ہے تو اس پر طاعون اور دوسرے وبائی امراض مسلط ہو جاتے ہیں اور جو ناپ تول میں کمی کریں ان پر قحط واقع ہو جاتا ہے اور جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان سے بارش روک لیتا ہے۔ (قرطبی)

ایک اور روایت میں ہے کہ جس قوم میں مال غنیمت میں خیانت اور چوری ہونے لگے اللہ تعالیٰ اس کا رعب دشمنوں کے دل سے نکال دیتا ہے اور خود دشمنوں کا ڈر ان کے دلوں میں ڈال دیتا ہے (معارف کاندھلوی)

شانِ نزول: امام نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو دیکھا کہ مدینہ کے لوگ جن کے عام معاملات کیل یعنی ناپ کے ذریعے ہوتے تھے وہ اس معاملہ میں چوری کرنے کم ناپنے کے بہت عادی تھے اس پر سورت وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ نازل ہوئی۔

اہل مدینہ کا اس سورۃ پر مثالی عمل:

وجہ یہ تھی کہ اہل مدینہ میں یہ رواج اس وقت عام تھا کہ جب خود کسی سے سودا لیتے تو پورا ناپ تول پورا پورا لیتے تھے اور جب دوسروں کو بیچتے تو اس میں کمی اور چوری کرتے تھے۔ اس سورت کے نازل ہونے پر یہ لوگ اس رسم بد سے باز آ گئے اور ایسے باز آئے کہ آج تک اہل مدینہ ناپ تول پورا پورا کرنے میں معروف مشہور ہیں۔ (رواہ الحاکم، والنسائی، وابن ماجہ، بسند صحیح از مظہری)

قرآن کریم اور حدیث میں ناپ تول میں کمی کرنے کو حرام قرار دیا ہے کیونکہ عام طور سے معاملات کا لین دین انہی دو طریقوں سے ہوتا ہے انہی طریقوں سے کہا جا سکتا ہے کہ حق دار کا حق ادا ہو گیا یا نہیں، لیکن یہ معلوم ہے کہ مقصود اس سے ہر ایک حق دار کا حق پورا پورا دینا ہے اس میں کمی کرنا حرام ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ صرف ناپ تول کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر وہ چیز جس سے کسی کا حق پورا کرنا یا نہ کرنا جانچا جاتا ہے اس کا یہی حکم ہے کہ خواہ ناپ تول سے ہو یا عددی شمار سے یا کسی اور طریقے سے ہر ایک میں حق دار کے حق سے کم دینا بحکم تطفیف حرام ہے۔

موطا امام مالکؒ میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز کے رکوع اور سجدے وغیرہ پورے نہیں کرتا جلدی جلدی نماز ختم کر ڈالتا ہے تو اس کو فرمایا لَقَدْ طَفَّفْتَ یعنی تو نے اللہ کے حق میں تطفیف کر دی، فاروق اعظم کے اس قول کو نقل کر کے حضرت امام مالکؒ نے فرمایا

لکلّ شیءٍ وفاء و تطفیف یعنی پورا حق دینا یا کم کرنا ہر چیز میں ہے یہاں تک کہ نماز، وضو، طہارت میں بھی اور اسی طرح دوسرے حقوق اللہ اور عبادات میں کمی کوتاہی کرنے والا تطفیف کا مجرم ہے اسی طرح حقوق العباد میں جو شخص مقررہ حق سے کم کرتا ہے وہ بھی تطفیف کے حکم میں ہے۔ مزدور ملازم نے جتنے وقت کی خدمت کا معاہدہ کیا ہے اس میں سے وقت چرانا اور کم کرنا اس میں داخل ہے۔ وقت کے اندر جس طرح محنت سے کام کرنے کا عرف میں معمول ہے اس میں سستی کرنا بھی تطفیف ہے اس میں عام لوگوں میں یہاں تک اہل علم میں بھی یہ غفلت پائی جاتی ہے، اپنی ملازمت کے فرائض میں کمی کرنے کو کوئی گناہ نہیں سمجھتا اعاذنا اللہ منه.

حدیث: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خمس بخمس یعنی پانچ گناہوں کی سزا پانچ چیزیں ہیں (۱) جو شخص عہد شکنی کرتا ہے اللہ اس پر اس کے دشمن کو غالب اور مسلط کر دیتا ہے (۲) جو قوم اللہ کے قانون کو چھوڑ کر دوسرے قوانین پر فیصلے کرتے ہیں ان میں فقر واحتیاج عام ہو جاتا ہے۔ (۳) جس قوم میں بے حیائی اور زنا عام ہو جائے اس پر اللہ تعالیٰ طاعون (اور دوسرے وبائی امراض) مسلط کر دیتا ہے (۴) اور جو لوگ ناپ اور تول میں کمی کرنے لگیں اللہ تعالیٰ ان کو قحط میں مبتلا کر دیتا ہے (۵) جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان سے بارش کو روک دیتا ہے۔

(ذکر القرطبی وقال اخرجہ البزار بمعناہ ومالک بن انس ایضا من حدیث ابن عمرؓ)

اور طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس قوم میں مال غنیمت کی چوری رائج ہو جائے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں دشمن کا رعب اور ہیبت ڈال دیتا ہے۔ اور جس قوم میں ربوا یعنی سودخوری کا رواج ہو جائے ان میں موت کی کثرت ہو جاتی ہے اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کا رزق قطع کر دیتا ہے اور جو لوگ حق کے خلاف فیصلے کرتے ہیں ان میں قتل وخون عام ہو جاتا ہے اور جو لوگ معاہدات میں غداری کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر ان کے دشمن مسلط کر دیتا ہے۔ (رواہ مالک موقوفا، از مظہری)

قحط کی صورتیں: اسی طرح قحط کی یہ صورتیں بھی ہو سکتی ہیں کہ اشیاء ضرورت مفقود ہو جائیں، اور یہ بھی ہو سکتی ہے کہ موجود بلکہ کثیر ہونے کے باوجود ان کی گرانی اتنی بڑھ جائے کہ خریداری مشکل ہو جائے جیسا کہ آج کل اس کا مشاہدہ اکثر چیزوں میں ہو رہا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

ابو جہینہ کے باٹ: سعدی کا بیان ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو وہاں ایک شخص رہتا تھا جس کو ابو جہینہ کہا جاتا تھا اس کے پاس دو صاع (تقریباً چار سیر کا ایک پیمانہ) تھے ایک صاع سے ناپ کر دیتا اور دوسرے سے لیتا تھا اس پر اللہ نے وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ نازل فرمائی۔

نکتہ: یا یوں کہا جائے کہ اس زمانے میں پیمانوں سے ناپ کر لین دین زیادہ ہوتا تھا اور تول کر کم ہوتا تھا۔ بجائے من الناس (لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں) کے علی الناس (لوگوں پر) فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں پر جوان کا حق ہوتا ہے وہ ان کو پورا پورا لیتے ہیں یا یوں کہو کہ لوگوں پر اپنا حق مکر کے ساتھ ٹھونس کر وصول کرتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی تنبیہ:

بغویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بائع کی طرف سے گزرتے تو فرماتے کہ اللہ سے ڈرتا رہ ناپ تول پورا کیا کر کیونکہ قیامت کے دن ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو اتنا کھڑا کیا جائے گا کہ پسینہ کی لگام ان کے دہانہ پر ہو جائے گی اور آدھے کانوں پر پسینہ پہنچے گا (گویا پسینہ میں غرق آب ہوں گے ناک اور ناک سے اوپر کا حصہ ڈوبنے سے بچے گا)۔ (تفسیر مظہری)

مدینہ والوں کی ناپ تول:

ابن طلقؒ نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مکے مدینے والے بہت ہی عمدہ ناپ تول رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیوں نہ رکھتے، جب خدا تعالیٰ کا فرمان وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الخ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝
کیا خیال نہیں رکھتے وہ لوگ کہ اُن کو اُٹھنا ہے
لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝
اُس بڑے دن کے واسطے☆

عقیدہ آخرت کی کمزوری:

یعنی اگر انہیں خیال ہوتا کہ مرنے کے بعد ایک دن پھر اٹھنا اور اللہ کے سامنے تمام حقوق وفرائض کا حساب دینا ہے تو ہرگز ایسی حرکت نہ کرتے۔ (تفسیر عثمانی)

خوف خدا رکھنے والی اقوام:

ابن مبارک نے حسن بصریؒ کا قول نقل کیا ہے کہ تم سے پہلے کچھ قومیں ایسی گزری ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی ان سنگریزوں (کی شمار) کے برابر بھی (راہ خدا میں) صرف کر دیتا تب بھی روز قیامت کی عظمت کا خوف اسے لگا رہتا اور آخرت کے ڈر سے اس کی رہائی نہ ہوتی۔ (تفسیر مظہری)

یوم عظیم: صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشیر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا تو کیا

کرے گا جس دن لوگ خدائے رب العالمین کے سامنے تین سو سال تک کھڑے رہیں گے، نہ تو کوئی خبر آسمان سے آئے گی اور نہ کوئی حکم کیا جائے گا، حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے اللہ ہی مددگار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنو! جب بستر پر جاؤ تو اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن کی تکلیفوں سے اور حساب کی برائی سے پناہ مانگ لیا کرو۔ سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن کے کھڑے ہونے کی جگہ کی تنگی سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل:

ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز کو شروع کرتے تو دس مرتبہ اللہ اکبر کہتے، دس مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہتے دس مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ کہتے دس مرتبہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ کہتے پھر کہتے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَعَافِنِیْ خدایا مجھے بخش دے، مجھے ہدایت دے، مجھے روزیاں دے اور عافیت عنایت فرما۔ پھر اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن کے مقام کی تنگی سے پناہ مانگتے۔ (تفسیر ابن کثیر)

نیک آدمی اور کافر کی روح:

ابن ماجہ بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک حدیث بیان کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نیک اور ایماندار شخص کی روح قبض ہونے والی ہوتی ہے تو رحمت کے فرشتے جن پر اللہ کا نور برستا ہوا ہوتا ہے آ کر بیٹھ جاتے ہیں اور بڑی ہی نرمی سے روح کو خطاب کرتے ہیں۔ نکل چل خدا کی رحمت و مغفرت و باغ و بہار اور عیش و راحت کی طرف تو فوراً ہی وہ روح نشاط و فرحت کے ساتھ نکل کر ان کے ساتھ عالم بالا کی طرف چلی جاتی ہے۔ جہاں ملائکہ ہوتے ہیں اور جس طرف سے وہ روح گزرتی ہے اس کی مہک اور خوشبو اس جگہ کو معطر کر دیتی ہے تو فرشتے کہتے ہیں یہ کون معطر اور روشن روح ہے تو بڑی تعظیم سے اس کا نام بتا دیا جاتا ہے۔ برخلاف کافر و فاسق کی روح کے کہ بڑی ہی سختی اور ذلت کے ساتھ نکالی جاتی ہے اور جہاں سے بھی اس کا گزر ہوتا ہے فرشتے اس کی بدبو اور گندگی سے تکلیف محسوس کرتے ہوئے کہتے ہیں یہ کس قدر خبیث اور گندی روح ہے تو پھر اس کو سجین میں ڈال دیا جاتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

جس دن کھڑے رہیں لوگ راہ دیکھتے جہان کے مالک کی ☆

فیصلہ کا انتظار:

کہ کب تجلی فرماتا اور کب حساب کتاب کر کے ہمارے حق میں کوئی فیصلہ سناتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

کھڑے کھڑے پسینہ میں ڈوب جائیں گے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ رب العالمین کے سامنے اس روز کھڑے ہوں گے جبکہ بعض لوگ اپنے پسینہ میں نصف کانوں تک ڈوبے ہوں گے۔ حاکمؒ نے ابوسعید خدری کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کو اس قدر پسینہ آئے گا کہ زمین میں ستر بانہہ تک پہنچ جائے گا اور کانوں تک پسینہ کی لگام لگی ہوگی۔ طبرانی اور ابویعلی اور ابن حبان رضی اللہ عنہم اجمعین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول لکھا ہے کہ قیامت کے دن کافر کو اس کے پسینہ کی لگام لگی ہوگی (یعنی منہ تک پسینہ میں غرق ہوگا) یہاں تک کہ وہ کہے گا کہ پروردگار مجھے اس سے نجات دے خواہ دوزخ ہی کو بھیج دے حاکم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مقام حشر میں (کچھ) لوگوں کو پسینہ کی لگام لگی ہوگی اور وہ عرض کرے گا۔ پروردگار! میرے لئے دوزخ میں چلا جانا اس تکلیف سے آسان ہے جو میں پا رہا ہوں اور وہ دوزخ کے عذاب کی شدت سے واقف ہوتے ہوئے ایسا کہے گا۔

تین سو برس کا انتظار:

بیہقی نے آیت یوم یقوم الناس لرب العالمین کی تشریح میں قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ لوگ بمقدار تین سو برس کھڑے رہیں گے۔

سورج قریب ہو جائے گا:

حضرت مقداد ابن اسود رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ قیامت کے دن سورج مخلوق سے قریب آ جائے گا یہاں تک کہ ایک میل کے بقدر ہوگا۔ سلیم بن عامر نے کہا کہ خدا کی قسم ہم کو نہیں معلوم کہ میل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا مراد ہے کیا زمین کی مسافت مراد ہے کہ آنکھ میں سرمہ لگانے کی سلائی۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) کہ لوگ اپنے اپنے اعمال کے مطابق پسینہ میں ہوں گے۔ پسینہ بعض لوگوں کے ٹخنوں تک بعض کے زانو تک بعض کی کمر تک ہوگا اور بعض کو پسینہ کی لگام لگی ہوگی (یعنی منہ تک ہوگا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرماتے ہوئے اپنے ہاتھ سے منہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ (مسلم)

سورج کی گرمی:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی حدیث طبرانی احمدؒ، ابن حبانؒ، بیہقیؒ، اور حاکمؒ نے لکھی ہے اور حاکمؒ نے اس کو صحیح بھی کہا ہے۔ حضرت ابوامامہ باہلی کی روایت سے بھی احمد و طبرانی نے ایسی ہی حدیث نقل کی ہے

اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ سورج کی گرمی سے پسینہ میں کیڑے مکوڑے اس طرح ابال کھائیں گے جس طرح ہانڈی میں ابال آتا ہے۔

پسینہ میں کشتیاں:

احمد وطبرانی نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ آغاز آفرینش سے موت سے زیادہ تکلیف آدمی کو نہیں آتی لیکن موت بعد والی شدائد سے آسان ہے اس روز کی دہشت سے لوگوں کو ایسا پسینہ آئے گا کہ منہ تک پسینہ کی لگام لگ جائیگی اگر کشتیاں اس میں چلائی جائیں تو چل جائیں گی۔

مومن کا اعزاز:

بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ اس روز سختی کی اتنی شدت ہوگی کہ حساب سے پہلے کافر کو پسینہ کی لگام لگ جائے گی۔ دریافت کیا گیا پھر مومن کہاں ہوں گے فرمایا کہ سونے کی کرسیوں پر ابر کے سائے کے نیچے۔ ہناد نے یہ تمام حدیث حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف بھی نسبت کر کے بیان کی ہے اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ مومنوں کے لئے وہ پورا دن بس دن کی ایک گھڑی کے برابر ہوگا ہناد رضی اللہ عنہ اور ابن مبارک رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان فارسی کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن سورج لوگوں کے سروں کے قریب کمانوں کے فصل کے برابر یا کمانوں کے برابر آجائے گا اور دس سال کی گرمی دے گا اس روز کسی بھی بدن پر کوئی پردہ نہ ہوگا مومن اور مومنہ کا ستر دکھائی نہ دے گا اور نہ سورج کی گرمی مومن و مومنہ کو محسوس ہوگی ہاں کافروں کو وہ گرمی خوب پکائے گی کہ ان کے اندر سے عق عق کی آواز سنائی دے گی۔ (تفسیر مظہری)

كَلَّا

ہرگز نہیں ☆

یہ دن ضرور آئے گا: یعنی ہرگز گمان نہ کیا جائے کہ ایسا دن نہیں آئے گا۔ وہ ضرور آنا ہے اور اس کے لیے سب نیکوں اور بدوں کے اعمالنامے اپنے اپنے دفتر میں مرتب کیے رکھے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ﴿٧﴾

بیشک اعمال نامہ گنہگاروں کا سجین میں ہے

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ﴿٨﴾ كِتٰبٌ

اور تجھ کو کیا خبر ہے کیا ہے سجین ایک دفتر ہے

مَّرْقُوْمٌ ﴿٩﴾

لکھا ہوا ☆

دوزخیوں کا دفتر:

یعنی سجین ایک دفتر ہے جس میں نام ہر ایک دوزخی کا درج ہے۔ اور ''بندوں کے عمل لکھنے والے فرشتے'' جن کا ذکر اس سے پہلی سورت میں آچکا ان بدکاروں کے مرنے اور عمل منقطع ہونے کے بعد ہر شخص کے عمل علیحدہ علیحدہ فردوں میں لکھ کر اس دفتر میں داخل کرتے ہیں اور اس فرد پر یا ہر ایک دوزخی کے نام پر ایک علامت بنا دیتے ہیں جس کے دیکھتے ہی معلوم ہو جائے کہ یہ شخص دوزخی ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی ارواح بھی اسی مقام میں رکھی جاتی ہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں یعنی ان کے نام وہاں داخل ہوتے ہیں مرکر وہیں پہنچیں گے بعض سلف نے کہا ہے کہ یہ مقام ساتویں زمین کے نیچے ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

سجین ایک مقام خاص کا نام ہے اور کفار فجار کی ارواح کا مقام یہی ہے اور اسی مقام میں ان کے اعمال نامے رہتے ہیں جس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے اعمالنامے اس جگہ میں محفوظ کر دیئے جاتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس جگہ کوئی ایسی کتاب جامع ہو جس میں تمام دنیا کے کفار و فجار کے اعمالنامے لکھ دیئے جاتے ہیں۔

یہ مقام کس جگہ ہے اس کے متعلق حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سجین ساتویں زمین کے نچلے درجہ میں ہے اور علیین ساتویں آسمان میں زیر عرش ہے۔ (اخرجہ البغوی بسندہ واخرجہ احمد وغیرہ از مظہری)

بعض روایات حدیث میں یہ بھی ہے کہ سجین کفار و فجار کی ارواح کا مستقر ہے اور علیین مومن، متقین کی ارواح کی جگہ ہے۔

جنت اور دوزخ کا مقام:

بیہقی نے دلائل نبوت میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جنت آسمان میں ہے اور جہنم زمین میں اور ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ قرآن کریم میں جو یہ آیا ہے کہ قیامت کے روز جہنم کو لایا جائے گا وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ اس کا مطلب کیا ہے جہنم کو کہاں سے لایا جائے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم کو ساتویں زمین سے لایا جائے گا ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم ساتویں زمین میں ہے وہیں سے بھڑک کر سارے سمندر اور دریا اس کی آگ میں شامل ہو

جائیں گے اور سب کے سامنے آجائے گی۔ جہنم کے لائے جانے کا یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ جس طرح یہ روایت میں آیا ہے کہ سجین جہنم میں ایک مقام کا نام ہے وہ بھی اس پر منطبق ہوگیا۔ (مظہری)

كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ مرقوم کے معنی اس جگہ مختوم کے ہیں یعنی مہر لگی ہوئی امام بغوی اور ابن کثیر نے فرمایا کہ یہ جملہ مقام سجین کی تفسیر نہیں بلکہ اس سے پہلے كِتٰبَ الْفُجَّارِ آیا ہے اس کا بیان ہے معنی یہ ہیں کہ کفار و فجار کے اعمالنامے مہر لگا کر محفوظ کردیئے جاویں گے کہ ان میں کسی کی بیشی و تغیر کا امکان نہ رہے گا اور ان کے محفوظ کرنے کی جگہ سجین ہے یعنی کفار کی ارواح کو جمع کردیا جائے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

کافروں کی روحوں کا قید خانہ:

احادیث و آثار سے ظاہر ہے کہ سجین اس مقام کا نام ہے جہاں کفار کا رجسٹر ہے (قاموس) سجین نے کفار کا رجسٹر ہونا یا یہ معنی ہے کہ ان کے اعمالنامے وہاں رکھے جاتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ کافر جن وانس کے اعمالناموں کی ایک کتاب ہے جس میں سب اعمالنامے جمع کئے جاتے ہیں سجین کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ کافروں کی روحیں وہاں بند کردی جاتی ہیں اور سجن کا معنی حبس ہے سجین ساتویں زمین میں یا ساتویں زمین کے نیچے ہے۔

ابن منزہ طبرانی اور ابوالشیخ نے حمزہ بن حبیب کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارواح اہل ایمان کے متعلق دریافت کیا گیا فرمایا کہ سبز پرندوں کی شکل میں جنت کے اندر جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی پھرتی ہیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی روحیں کہاں ہوتی ہیں فرمایا سجین میں بند ہوتی ہیں ابن مبارک، حکیم ترمذی، ابن ابی الدنیا، اور ابن منزہ نے بروایت سعید بن المسیب حضرت سلیمان فارسی کا قول نقل کیا ہے کہ کافروں کی روح سجین میں ہوتی ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر، قتادہ، مجاہد اور ضحاک نے بیان کیا ہے کہ سجین سب سے نچلی ساتویں زمین ہے جس میں کافروں کی روحیں ہوتی ہیں میں کہتا ہوں کہ ابن ابی الدنیا نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

بغوی نے اپنی سند سے بروایت براء رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سجین سات زمینوں کے نیچے اور علیین ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ہے مومنوں اور کافروں کی موت کے تذکرہ میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں مرفوعاً آیا ہے کہ کفار کے سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کی کتاب کو نچلی زمین میں سجین کے اندر لکھ لو چنانچہ اس کی روح دور پھینک دی جاتی ہے۔ (الحدیث)

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ کی تقریر:

امام احمد وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ بغویؒ نے بھی شمر بن عطاء کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن احبار کے پاس گئے اور فرمایا آیت اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ کی تشریح سے مجھے مطلع کیجئے کعب احبار رضی اللہ عنہ نے فرمایا فاجر یعنی کفار کی روح کو آسمانوں کو چڑھایا جاتا ہے مگر آسمان اس کو قبول کرنے سے انکار کردیتا ہے پھر اس کو زمین کی طرف اتارا جاتا ہے پھر اسکو زمین بھی لینے سے انکار کردیتی ہے آخر سات زمینوں کے نیچے اس کو داخل کیا جاتا ہے یہاں تک کہ سجین تک اس کو پہنچا دیا جاتا ہے یہ مقام ابلیس کی فوج کے نیچے واقع ہے سجین سے اس کے لئے کاغذ برآمد کیا جاتا ہے اور اس میں لکھ کر مہر کرکے ابلیس کی فوج کے نیچے ایک مقام پر رکھ دیا جاتا ہے تاکہ قیامت کے دن بوقت حساب اس کی تباہی شناخت ہوسکے۔

سجین کے متعلق مختلف اقوال:

کلبیؒ کا قول ہے کہ سجین ساتویں نچلی زمین کے نیچے ایک سبز پتھر ہے آسمانوں کی سردی اسی کے عکس کی وجہ سے ہے اس کے نیچے کافروں کی کتاب رکھ دی جاتی ہے بغویؒ نے لکھا ہے کہ حدیث میں آیا ہے الفلق جہنم کے اندر سجین میں سرپوش ڈھانکا ہوا ایک کنواں ہے اور ایک کنواں سرپوش کھلا ہوا بھی جہنم میں ہے میں کہتا ہوں کہ سجین ساتویں زمین کے نیچے ہے اور سجین جہنم میں ہے یہ دونوں قول متعارض ہیں ان کا تعارض اس طرح دور کیا جاسکتا ہے کہ جہنم ساتویں زمین کے نیچے ہے ابوالشیخ نے العظمۃ میں نیز بیہقی نے باسناد ابوالزعراء حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جنت ساتویں آسمان میں ہے اور دوزخ ساتویں نچلی زمین میں ہے۔ بیہقی نے دلائل میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جنت آسمان میں اور دوزخ زمین میں ہے ابن جریر نے تفسیر میں حضرت معاذ کا قول لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ قیامت کے دن جہنم کو کہاں سے لایا جائے گا فرمایا ساتویں زمین سے اس کو لایا جائے گا اس کی ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کو ستر ہزار فرشتے کھینچتے ہوں گے جب انسانوں سے اس کا فاصلہ ایک ہزار سال کی مسافت کے بقدر رہ جائے گا تو وہ ایک دم کھینچ جائے گی جس سے ہر مقرب فرشتہ اور ہر نبی مرسل دوزانو ہوکر کہے گا رب نفسی نفسی۔

اعمال کی کتاب:

كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝ وہ ایک ایسی تحریر ہے جس میں کافروں کے اعمال چھپادیئے گئے ہیں اور اس طرح ثبت کردیئے گئے ہیں جیسے نقوش کپڑے میں ثبت ہوتے ہیں نہ وہ بھولے میں آئیں نہ مٹائے جائیں گے یہاں تک

کہ اس تحریر کے مطابق سزا دی جائے گی۔ یا یہ معنی ہے کہ اس کتاب پر ایسی علامات ہیں کہ ہر دیکھنے والا دیکھتے ہی پہچان لے گا کہ اس کے اندر کوئی خیر نہیں ہے بعض لوگوں کا قول ہے کہ قبائل حمیر (یمنی) کے محاورے میں مرقوم کا معنی ہے مہری یا مہر زدہ۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ کتاب مرقوم سجین کی تشریح نہیں ہے بلکہ کِتٰبَ الْفُجَّارِ کا بیان ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ یہ سجین کی تشریح ہے سجین کو کتاب کے لقب سے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کتاب حبس وقید کا ذریعہ ہے گویا سجین ایک کتاب ہے جو جن وانس کے تمام کتابچوں کو اپنے اندر جمع رکھتی ہے۔

میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ سجین کافروں کی روحوں کی قرارگاہ ہے اور ان کے اعمال ناموں کا گودام بھی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١٠﴾ الَّذِيْنَ
خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی جو
يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿١١﴾ وَمَا
جھوٹ جانتے ہیں انصاف کے دن کو اور اس کو
يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿١٢﴾
جھٹلاتا ہے وہی جو بڑھ نکلنے والا گنہگار ہے ☆

آخرت کا منکر:

جو شخص روز جزا کا منکر ہے فی الحقیقت اللہ کی ربوبیت اس کی قدرت اور اس کے عدل وحکمت سب کا منکر ہے اور جو ان چیزوں کا منکر ہو وہ جس قدر گناہوں پر دلیر ہو تھوڑا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جھٹلانے والوں کی سزا:

میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے یہ جملہ مرقوم کا نائب فاعل ہو یعنی کتاب میں لکھ دیا گیا ہے کہ سزا جزا کے دن مکذبین کے لئے ویل ہوگی یا یہ جملہ کتابٌ کی صفت ہے یعنی کتاب موجب ویل ہوگی اول تاویل لفظی قرب کی وجہ سے زیادہ مناسب ہے لیکن معنوی مناسبت کے لحاظ سے آخری دونوں تاویلیں قابل ترجیح ہیں کیونکہ کتاب مرقوم صرف کافروں کے لئے ہی مخصوص نہیں بلکہ کتاب الابرار میں بھی یہی کہا گیا ہے۔

حد سے نکلنے والا گنہگار:

معتدوہ شخص جو جہالت اور جاہل آباؤ اجداد کی پیروی میں حد سے بڑھ گیا ہو یہاں تک کہ دوبارہ پیدا کرنے پر خدا کو بھی قادر نہ سمجھتا ہو اثیم وہ گنہگار جو خواہش نفس میں منہمک اور اتنا مشغول ہو کہ مخالف خواہش امور کو اس نے پس انداز کر دیا ہو اور اس انہماک نفسانی نے اس کو مخالف نفسیات چیزوں کے انکار پر آمادہ کر دیا ہو۔ (تفسیر مظہری)

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ
جب سنائیے اس کو ہماری آیتیں کہے
اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣﴾
نقلیں ہیں پہلوں کی ☆

قرآن سے منکرین کا رویہ:

یعنی قرآن اور نصیحت کی باتیں سن کر کہتا ہے کہ ایسی باتیں لوگ پہلے بھی کرتے آئے ہیں۔ وہ ہی پرانی کہانیاں اور فرسودہ افسانے انہوں نے نقل کر دیئے بھلا ہم ان نقلوں اور کہانیوں سے ڈرنے والے کہاں ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

جب اس کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو اپنی انتہائی نادانی اور اعجاز قرآن سے غافل ہونے کے وجہ سے یا اپنی عبادات اور دیدہ دانستہ حق سے روگردانی کی وجہ سے کہتا ہے یہ تو گزشتہ لوگوں کی لکھی ہوئی داستانیں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

كَلَّا بَلْ ٚ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ
کوئی نہیں پر زنگ پکڑ گیا ہے ان کے دلوں پر
مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٤﴾
جو وہ کماتے تھے ☆

ان کے دل زنگ آلود ہیں:

یعنی ہماری آیتوں میں کچھ شک وشبہ کا موقع نہیں۔ اصل یہ ہے کہ گناہوں کی کثرت ومزاولت سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گئے ہیں اس لیے حقائق صحیحہ کا انعکاس ان میں نہیں ہوتا۔ حدیث میں فرمایا کہ جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نقطہ اس کے دل پر لگ جاتا ہے اگر توبہ کر لی تو مٹ گیا ورنہ جوں جوں گناہ کرتا جائیگا وہ نقطہ بڑھتا اور پھیلتا رہے گا۔ تا آنکہ قلب بالکل کالا سیاہ ہو جائے کہ حق وباطل کی تمیز باقی نہ رہے۔ یہ ہی حال ان مکذبین کا سمجھو کہ شرارتیں کرتے کرتے ان کے دل بالکل مسخ ہو چکے۔ ہیں اس لیے آیات اللہ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ہر گناہ زنگے است بر مراٰۃ دل — دل شود زیں زنگہا خوار وخجل
(کاندھلوی)

قبول حق کی استعداد ہی ختم ہے:

(یعنی پہلے صرف یہ کہا گیا تھا کہ وہ یوم جزا کی تکذیب کرتے ہیں پھر کلا کہہ کر ان کو اس تکذیب سے روکا گیا اس کے بعد کہا گیا کہ یہ لوگ صرف تکذیب ہی نہیں کرتے بلکہ ان کے دلوں پر بداعمالی کا زنگ چڑھا ہوا ہے اس لئے ادراک حق کی قابلیت ہی ان کے دلوں میں نہیں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ پیدا ہو جاتا ہے پھر اگر وہ توبہ کر لیتا ہے، ڈر جاتا ہے، استغفار کر لیتا ہے تو دل سے گناہ کا نکتہ دور ہو جاتا ہے لیکن اگر گناہ میں زیادتی کرتا ہے تو نکتہ بھی بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے دل پر چھا جاتا ہے یہی ہے وہ ران جس کا ذکر اللہ نے اس آیت بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ میں فرمایا ہے۔ بغوی، احمد، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم، ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے (تفسیر مظہری)

دل کی موت:

مسند احمد میں یہ بھی حدیث ہے۔ حضرت حسن بصریؒ وغیرہ کا فرمان ہے کہ گناہوں پر گناہ کرنے سے دل اندھا ہو جاتا ہے پھر مر جاتا ہے اور پھر فرمایا کہ یہ لوگ ان عذابوں میں گرفتار ہو کر دیدار باری تعالیٰ سے بھی محروم اور محجوب کر دیئے جائیں گے۔

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ

کوئی نہیں وہ اپنے رب سے اُس دن

لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿۱۵﴾

روک دیئے جائیں گے☆

دیدار الٰہی سے محرومی:

یعنی اس انکار و تکذیب کے انجام سے بےفکر نہ ہوں۔ وہ وقت ضرور آنیوالا ہے جب مومنین حق سبحانہ و تعالیٰ کے دیدار کی دولت سے مشرف ہونگے اور یہ بدبخت محروم رکھے جائینگے۔ (تفسیر عثمانی)

مومن کو دیدار ہوگا:

حضرت امام مالکؒ اور شافعیؒ نے فرمایا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مومنین اور اولیاء اللہ کو حق تعالیٰ کی زیارت ہوگی ورنہ پھر کفار کے محجوب رہنے کا کوئی فائدہ ہی نہ ہوتا۔

اگر کفار میں حق تعالیٰ کی زیارت کا شوق نہ ہوتا تو انکی سزا میں یہ نہ کہا جاتا کہ وہ زیارت سے محروم رہیں گے کیونکہ جو شخص کسی کی زیارت کا طالب ہی نہیں بلکہ متنفر ہے اس کے لئے یہ کوئی سزا ہی نہیں کہ اس کو اس کی زیارت سے محروم کیا جائے۔ (معارف مفتی اعظم)

یعنی قیامت کے دن جب مومن اللہ کو دیکھیں گے کافر اس روز دیدار الٰہی سے یقیناً روک دیئے جائیں گے۔ بداعمالیوں کی تاریکیوں کے حجاب ان کی آنکھوں پر پڑے ہوں گے پس جس طرح وہ دنیا میں حق کو نہیں دیکھتے تھے اسی طرح قیامت کے دن دیدار الٰہی نہ کر سکیں گے۔

حسن بصریؒ نے فرمایا اگر زاہدوں اور عابدوں کو معلوم ہو جائے کہ رب کا دیدار ان کو نہ ہوگا تو ان کی جان نکل جائے۔ مالکؒ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ جب دشمنوں کو دیدار سے روک دیا جائے گا اور ان کو دیدار میسر نہ ہوگا تو دوستوں پر وہ ضرور جلوہ فگن ہوگا۔ دوست اس کو دیکھیں گے، امام شافعیؒ نے فرمایا آیت میں (بطور مفہوم مخالف) دلالت ہے اس امر پر کہ اولیاء اللہ کو دیدار ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ يُقَالُ

پھر مقرر وہ گرنے والے ہیں دوزخ میں پھر کہا جائیگا

هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۷﴾ كَلَّآ

یہ وہی ہے جس کو تم جھوٹ جانتے تھے ہرگز نہیں ☆

یعنی ان بدمعاشوں کا اور نیکوں کا ایک انجام ہرگز نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿۱۸﴾ وَ

بیشک اعمالنامہ نیکیوں کا علیین میں ہے اور

مَآ اَدْرٰكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿۱۹﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۲۰﴾

تجھ کو کیا خبر ہے کیا ہے علیین ایک دفتر ہے لکھا ہوا ☆

جنتیوں کا ریکارڈ:

یعنی جنتیوں کے نام درج ہیں اور ان کے اعمال کی مسلیں مرتب کر کے رکھی جاتی ہیں اور ان کی ارواح کو اول وہاں لیجا کر پھر اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچایا جاتا ہے اور قبر سے بھی ان ارواح کا ایک گونہ تعلق قائم رکھا جاتا ہے کہتے ہیں کہ یہ مقام ساتویں آسمان کے اوپر ہے اور مقربین کی ارواح اسی جگہ رہتی ہیں واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

جنتیوں کی روحوں کا مقام:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت سے ثابت ہے کہ

علیین ساتویں آسمان پر زیر عرش ایک مقام ہے جس میں مومنین کی ارواح اور صحائف اعمال رکھے جاتے ہیں اور آگے جو کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ مذکور ہے یہ بھی علیین کی تفسیر نہیں بلکہ ابرار کے نامۂ اعمال کا بیان ہے۔

بیہقی زمانہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں یہ بیان کیا ہے کہ یہ بات کچھ بعید نہیں کہ اصل مستقر ارواح کا علیین اور سجین ہی ہوں مگر ان ارواح کا ایک خاص رابطہ قبروں کے ساتھ بھی قائم ہو اس رابطہ کی حقیقت کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا مگر جس طرح آفتاب ماہتاب آسمان میں ہیں ان کی شعائیں زمین میں پڑ کر اس کو روشن بھی کر دیتی ہیں گرم بھی اسی طرح علیین اور سجین کی ارواح کا کوئی رابطہ مان لیا قبروں سے ہوسکتا ہے اور ان تمام اقوال کی تطبیق میں قاضی ثناء اللہ کی تحقیق سورۂ نازعات کی تفسیر میں ابھی گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ روح دو قسم کی ہے ایک جسم لطیف ہے جو انسان کی جسم میں حلول کرتا ہے اور وہ مادی اور عنصری جسم ہے مگر لطیف ہے نظر نہیں آتا اسی کو نفس کہا جاتا ہے دوسری روح جو ہر مجرد ہے مادی نہیں اور وہ روح مجرد ہی روح اول کی حیات ہے اس لئے اس کو روح الروح کہہ سکتے ہیں انسان کے جسم سے تعلق تو ان دونوں روحوں کا ہے مگر پہلی قسم جسم انسانی کے اندر رہتی ہے اس کے نکلنے ہی کا نام موت ہے دوسری روح کا اس پہلی روح سے تعلق قریب تو ہے مگر اس تعلق کی حقیقت اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں مرنے کے بعد روح اول تو آسمانوں میں لے جائی جاتی ہے پھر قبر میں لوٹا دی جاتی ہے اس کا مستقر قبر ہی ہے اسی پر عذاب وثواب ہوتا ہے اور روح مجرد علیین یا سجین میں رہتی ہے اس طرح اقوال جمع ہو گئے۔ مستقل ارواح کا جنت یا علیین میں یا اس کے مقابل جہنم یا سجین میں ہونا روح مجرد کے اعتبار سے ہے اور ان کا مستقر قبر میں ہونا روح کی قسم اول یعنی نفس کے اعتبار سے ہے جو جسم لطیف ہے اور مرنے کے بعد قبر میں رہتا ہے واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

حضرت براء رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت پہلے گزر چکی ہے کہ علیین ساتویں آسمان میں عرش کے نیچے ہیں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں مومنوں اور کافروں کی موت کے ذکر کے سلسلہ میں آیا ہے کہ مومن کی روح کو اوپر چڑھایا جاتا ہے یہاں تک کہ ساتویں آسمان تک لے جایا جاتا ہے پھر اللہ فرماتا ہے کہ میرے بندے کی کتاب علیین میں لکھ دو اور اس کو زمین کی طرف لوٹا دو۔ (الحدیث)

سبز تختی: یہ حدیث صحیح طریقوں سے امام احمدؒ، ابوداؤدؒ اور حاکمؒ وغیرہ نے بیان کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ یعنی علیین زمرد سبز کی ایک تختی ہے جو عرش کے نیچے آویزاں ہے مومنوں کے اعمال اس میں لکھے ہوئے ہیں اس اثر کی بناء پر لوگوں نے کہا کہ علیین ایک ایسا رجسٹر ہے جس میں ملائکہ اور جن وانس کے اچھے اعمال جمع ہوتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢١﴾

اُس کو دیکھتے ہیں نزدیک والے یعنی فرشتے ☆

اعمال ناموں کا معائنہ:

مقرب فرشتے یا اللہ کے مقرب بندے خوش ہو کر مومنین کے اعمال نامے دیکھتے ہیں اور اس مقام پر حاضر رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

روح المعانی میں بتخریج عبد بن حمید کعب سے روایت ہے جب ملائکہ مومن کی روح کو قبض کر کے لے جاتے ہیں تو ہر آسمان کے مقرب فرشتے اس کے ساتھ ہوتے جاتے ہیں یہاں تک کہ ساتویں آسمان تک پہنچ کر اس روح کو رکھ دیتے ہیں پھر فرشتے عرض کرتے ہیں ہم اس کا نامہ اعمال دیکھنا چاہتے ہیں چنانچہ وہ نامہ اعمال کھول کر دکھلایا جاتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

شہیدوں کی روحیں:

میں کہتا ہوں کہ شہیدوں اور صدیقوں اور پیغمبروں کی روحیں بھی مقربین میں شامل ہیں کیونکہ یہ سب ارواح وہاں ہوں گی مسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہیدوں کی روحیں اللہ کے ہاں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں اور جنت کے دریاؤں پر جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی پھرتی ہیں اور لوٹ کر ان قندیلوں میں آجاتی ہیں جو عرش کے نیچے آویزاں ہیں۔

سعید بن منصور رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے تقی رضی اللہ عنہ بن مخلد نے حضرت ابن ابو سعید رضی اللہ عنہ خدری کی روایت سے بھی اسی طرح حدیث نقل کی ہے ابو الشیخ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن سفید پرندوں کے پوٹوں سے اللہ شہیدوں کو اٹھائے گا یہ پرندے ان قندیلوں میں ہوں گے جو عرش سے آویزاں ہے۔ صبح کو نکل کر (سیر کو) چلے جاتے ہیں پھر گلزار جنت کی طرف لوٹ جاتے ہیں روزانہ اللہ ان پر جلوہ انداز ہو کر السلام علیکم فرماتا ہے۔

حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ اور حبیب نجار:

ابن ابی حاتم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ ارواح شہداء سبز پرندوں (کی شکل) میں ہوتی ہیں۔ (الحدیث)

بخاریؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک وہ جنتی ہے اور فردوس اعلیٰ میں ہے حضرت حبیب رضی اللہ عنہ نجار کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے

قیل ادخل الجنة قال یلیت قومی یعلمون بما غفر لی ربی. الآیة

مختلف روایات میں تطبیق:

شہداء کا جنت کے اندر ہونا اور عرش کے نیچے قندیلوں میں ہونا باہم متعارض نہیں کیونکہ جنت کے لئے عرش آسمان کی طرح ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ حکم شہداؤں کے لئے ہی خاص نہیں کیونکہ انبیاء اور صدیقوں کا مرتبہ تو شہداؤں سے اونچا ہے بلکہ حدیث میں تو المومنین کا لفظ عمومی آیا ہے گویا ہر کامل مومن کے مرنے کے بعد یہی حالت ہوتی ہے۔

مالک اور نسائی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومنوں کی روحیں پرندوں (کی شکل میں) جنت کے درختوں پر سے آویزاں ہوتی ہیں آخر میں قیامت کے دن اپنے اپنے جسموں میں لوٹ جائیں گی اسی طرح احمد طبرانی نے حضرت ام ہانی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روحیں پرندوں کی شکل میں درختوں سے آویزاں ہوتی ہیں یہاں تک کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ہر روح اپنے جسم میں داخل ہو جائے گی ابن عساکر نے حضرت ام بشر زوجہ ابو معروف کی روایت سے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے مگر ان احادیث میں مومنوں سے مراد کامل مومن ہیں آیت يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ اسی پر دلالت کر رہی ہے (اہل قربت علیین میں موجود ہوں گے) بعض احادیث میں آیا ہے کہ مومنوں کی روحوں کی قرارگاہ ساتویں آسمان میں ہے وہاں سے وہ اپنے جنت والے مکانوں کو دیکھتے ہیں۔

ابونعیم رضی اللہ عنہ نے ضعیف سند سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور وہب بن منبہ کا قول نقل کیا ہے کہ ساتویں آسمان میں اللہ کا مقرر کردہ ایک مکان ہے جس کو مکان سفید کہا جاتا ہے اس میں مومنوں کی روحیں جمع ہوتی ہیں۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ (مومن کی) روح کو جب جسم سے نکال لیا جاتا ہے تو اس کو آسمان وزمین کے درمیان رکھا جاتا ہے۔ (رواہ سعید بن منصور عن سلیمان الفارسیؓ)

ابن مبارک اور حکیم ترمذی اور ابن ابی الدنیا اور ابن منذر نے سعید بن مسیب کی وساطت حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ مومنوں کی روحیں عارضی برزخ میں ہوتی ہیں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں اور کافر کی روح سجین میں بند ہوتی ہے۔ مندرجہ ذیل حدیث میں مومنوں کی روحوں کی حالت حسب تفاوت درجہ بیان کی گئی ہے جو شعبیؒ نے بحر الکلام میں نقل کی ہے کہ روحیں چار طرح کی ہوتی ہیں انبیاء کی روحیں بدن سے نکل کر مشکی اور کافوری شکلیں اختیار کر لیتی ہیں اور جنت میں کھاتی، پیتی اور چین کرتی ہیں اور رات کو ان قندیلوں میں قرارگزیں ہوتی ہیں جو عرش سے آویختہ ہیں شہیدوں کی روحیں بدن سے نکل کر سبز پرندوں کے پوٹوں میں رہ کر جنت کے اندر کھاتی پیتی اور چین کرتی ہیں اور رات کو ان قندیلوں میں قرارگزیں ہوتی ہیں جو عرش سے آویختہ ہیں فرماں بردار مومنوں کی روحوں کو جنت میں روک لیا جاتا ہے وہ جنت میں نظارے تو کرتی ہیں۔ مگر کھاتی پیتی نہیں اور نہ کسی طرح سے لذت اندوز ہوتی ہیں گنہگار مسلمانوں کی روحیں آسمان وزمین کے درمیان فضا میں رہتی ہیں۔

رہیں کافروں کی روحیں تو وہ سیاہ پرندوں کے جوف میں سجین کے اندر ساتویں زمین کے نیچے بند رہتی ہیں میں کہتا ہوں کہ انبیاء کی روحوں کے متعلق جو یہ آیا ہے کہ وہ اپنی مشکی شکلوں میں ہو جاتی ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے جسم انسانوں جیسے ہوتے ہیں مگر مشکی ہوتی ہیں تاکہ ان کی پاکیزہ خوشبو ادھر ادھر منتشر ہو شیخ مجدد الف ثانی نے ان کی مشکی اور کافوری اجسام کو وہبی اجسام سے تعبیر کیا ہے جو انبیاء علیھم السلام اور ان کا کامل اتباع کرنے والوں یعنی صدیقوں کو مرنے سے پہلے ہی حاصل ہو جاتے ہیں۔

روح کا قبر کے جسم سے تعلق رہتا ہے:

شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میری قبر کے پاس جو درود پڑھے گا میں اس کو سن لوں گا اور جو غیب حالت میں درود پڑھے گا اس کا درود مجھے پہنچا دیا جائے گا ہم کہتے ہیں ارواح مومنین کی قرار گاہ علیین میں ہے یا ساتویں آسمان میں اور ارواح کفار کی قرار گاہ سجین میں ہے لیکن اس کے باوجود ہر روح کا اپنے قبر والے جسم سے ایک خاص تعلق رہتا ہے جس کی حقیقت سوا خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ اسی تعلق کی وجہ سے وہ تمام احوال صحیح ثابت ہو جاتے ہیں جو قرآن وحدیث میں آئے ہیں انسان یعنی جسم وروح کے مجموعے کے سامنے قبر کے اندر اس کا جنتی یا جہنمی مقام لایا جاتا ہے وہ سکھ دکھ کا احساس کرتا ہے آنے والے کے سلام کو سنتا ہے اور منکر نکیر کو جواب دیتا ہے وغیرہ جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام باوجودیکہ کے ان کا مستقر آسمانوں میں ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آجاتے تھے یہاں تک کہ اپنے ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رانوں پر رکھ دیتے تھے۔

شعبی نے بحر الکلام میں لکھا ہے کہ روحوں کا تعلق اجسام سے ہوتا ہے روحوں کو عذاب ہوتا ہے اور جسم کو دکھ ہوتا ہے جیسے آفتاب آسمان میں ہے اور اس کی روشنی زمین میں۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿٢٢﴾ عَلَى

بیشک نیک لوگ ہیں آرام میں تختوں

الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿٢٣﴾

پر بیٹھے دیکھتے ہونگے ☆

جنتیوں کا عیش ونشاط: یعنی مسہریوں پر بیٹھے جنت کی سیر کرتے ہونگے اور دیدار الٰہی سے آنکھیں شاد کریں گے۔

تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿٢٤﴾

پہچان لے تو اُن کے منہ پر تازگی آرام کی ☆

چہروں کی رونق: یعنی جنت کے عیش وآرام سے ان کے چہرے ایسے پررونق اور تروتازہ ہونگے کہ ہر دیکھنے والا دیکھتے ہی پہچان جائے کہ یہ لوگ نہایت عیش وتنعم میں ہیں۔

يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿۲۵﴾

اُن کو پلائی جاتی ہے شراب خالص مُہر لگی ہوئی ☆

نادر شراب کی نہریں: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "شراب کی نہریں ہیں ہرکسی کے گھر میں لیکن یہ شراب نادر ہے جو سربمہر رہتی ہے"۔ (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلائے گا اسے اللہ تعالیٰ رحیق مختوم پلائے گا یعنی جنت کی مہر والی شراب اور جو کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلائے اسے اللہ تعالیٰ جنت کے میوے کھلائے گا جو کسی ننگے مسلمان کو کپڑا پہنائے اللہ تعالیٰ اس کو جنتی سبز ریشم کے جوڑے پہنائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ

جس کی مہر جمتی ہے مشک پر ☆

مشک کی مہر سے بند: جیسے دنیا میں مہر لاکھ یا مٹی پر جمائی جاتی وہاں کی مٹی مشک ہے اسی پر جمائی جائے گی شیشہ ہاتھ میں لیتے ہی دماغ معطر ہو جائیگا اور اخیر تک خوشبو مہکتی رہے گی۔ (تفسیر عثمانی)

اور یہ مہر لگنا علامت اکرام کی ہے ورنہ وہاں ایسی حفاظت کی ضرورت نہیں اور مشک کی مہر کا مطلب یہ ہے کہ جیسے قاعدہ ہے کہ لاکھ وغیرہ لگا کر اس پر مہر کرتے ہیں اور ایسی چیز کو طِیْنِ ختام کہتے ہیں وہاں شراب کے برتن کے منہ پر مشک لگا کر اس پر مہر کردی جائے گی۔ (معارف مفتی اعظم)

مَخْتُوْمٍ مہرزدہ یعنی ابرار ہی اس کی مہر توڑیں گے اس سے پہلے کوئی اس کو ہاتھ نہ لگا سکے گا مطلب یہ کہ ابرار کو ان کی مخصوص صاف سفید پاکیزہ شراب پلائی جائے گی جس کی مہر وہ خود توڑیں گے کسی نے اس کو ہاتھ سے چھوا بھی نہ ہوگا۔

خِتٰمُهٗ مِسْكٌ جس پر مہر لگی ہوگی وہ (مٹی یا موم نہیں ہوگا) مشک ہوگا قاموس میں ہے ختام بروزن کتاب وہ مٹی جس پر مہر لگائی جاتی ہے اور خاتم وہ مہر جو مٹی پر لگائی جاتی ہے یعنی بجائے مٹی کے (موم وغیرہ) کے اس شراب کے برتنوں پر مشکی مہر لگی ہوگی ابن زید نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے۔

آخری گھونٹ مشک کا ہوگا: حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ (اس جگہ ختام کا معنی آخری مزہ) اس کا آخری مزہ (یعنی آخری گھونٹ) مشک سے ملا ہوا ہوگا قاموس میں ہے کہ ہر چیز کا ختام، آخر، خاتمہ (تفسیر مظہری)

وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ

اور اُس پر چاہئے کہ ڈھکیں

الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿۲۶﴾ ؕ

ڈھکنے والے ☆

اس شراب کیلئے ٹوٹ پڑو:

یعنی دنیا کی ناپاک شراب اس لائق نہیں کہ بھلے آدمی اس کی طرف رغبت کریں۔ ہاں یہ شراب طہور ہے جس کیلئے لوگوں کو ٹوٹ پڑنا چاہیے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش ہونی چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

اکبر مرحوم نے خوب فرمایا۔

یہ کہاں کا فسانہ ہے سود وزیاں، جو گیا سو گیا جو ملا سو ملا
کہو ذہن سے فرصت عمر ہے کم، جو دلا تو خدا ہی کی یاد دلا

(معارف مفتی اعظم)

وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿۲۷﴾ عَيْنًا يَّشْرَبُ

اور اُس کی ملونی ہے تسنیم سے وہ ایک چشمہ ہے

بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۸﴾ ؕ

جس سے پیتے ہیں نزدیک والے ☆

مقربین کی شراب:

یعنی مقرب لوگ اس چشمہ کی شراب کو خالص پیتے ہیں اور ابرار کو اس شراب کی ملونی دی جاتی ہے جو بطور گلاب وغیرہ کے ان کی شراب میں ملاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شراب کی بارش: میں کہتا ہوں کہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرش کے اوپر سے برسے گی کیونکہ جنت کے اوپر عرش چھت کی طرح ہوگا یہ بھی کہا گیا ہے کہ اوپر ہوا میں شراب رواں ہوگی اور اہل جنت کے برتنوں میں ان کو بھرنے کے بقدر گرے گی جب برتن بھر جائیں گے تو شراب کی بارش رک جائے گی۔ ضحاکؒ نے کہا تسنیم ایک شراب کا نام ہے جنت کی اعلیٰ شرابوں میں اس کا شمار ہے ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تسنیم اہل قرب کے لئے مخصوص ہے اہل قرب اس کو کسی چیز کی آمیزش کے بغیر پئیں گے اور باقی اہل جنت کے لئے اس میں آمیزش کی جائے گی۔

اَلْمُقَرَّبُوْنَ وہ لوگ جو کمالات نبوت کے خود حامل ہیں یا انبیاء علیہ السلام کی معرفت ان کو وہ کمالات حاصل ہوئے یعنی صدیق (گویا اہل قرب سے مراد ہیں انبیاء اور صدیقین) بغوی نے یوسف بن مہران کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے من تسنیم کا مطلب دریافت کیا گیا فرمایا کہ یہ ان (نامعلوم) چیزوں میں سے ہے جن کے متعلق اللہ نے فرمایا فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ
وہ لوگ جو گنہگار ہیں تھے
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَضْحَكُوْنَ ﴿۲۹﴾
ایمان والوں سے ہنسا کرتے ☆

مسلمانوں پر کافروں کی پھبتیاں:

کہ ان بے وقوفوں کو کیا خیال فاسد دامن گیر ہوا ہے کہ محسوس وموجود لذتوں کو جنت کی خیالی لذتوں کی توقع پر چھوڑتے ہیں۔ (تفسیر عثانی)

اور جب یہ کفار مومنین کو دیکھتے ہیں تو بظاہر ہمدردی کے لہجہ میں اور در حقیقت تمسخر کے لئے یہ کہتے ہیں کہ یہ بیچارے بڑے سادہ لوح اور بیوقوف ہیں ان کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے گمراہ کر دیا۔

آج کل کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو اس وقت وہ لوگ جو کچھ نئی تعلیم کی نحوست سے دین وآخرت سے بے فکر ہو چکے ہوتے ہیں خدا اور رسول پر ایمان برائے نام رہ جاتا ہے وہ علماء وصلحاء کے ساتھ بعینہ اس طرح کا معاملہ کرتے ہیں حق تعالیٰ مسلمانوں کو اس عذاب الیم سے نجات عطاء فرماویں مومنین وصالحین کے لئے اس آیت میں تسلی کا کافی سامان ہے کہ اس کے ہنسنے کی پرواہ نہ کریں کسی نے خوب کہا ہے کہ

ہنسے جانے سے جب تک ہم ڈریں گے زمانہ ہم پہ ہنستا ہی رہے گا

(معارف مفتی اعظم)

حضرت عمار، بلال، صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہم:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مراد حضرت عمار رضی اللہ عنہ خباب رضی اللہ عنہ صہیب رضی اللہ عنہ بلال رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی نادار مسلمان یعنی یہ مجرم مومنوں کا مذاق اڑانے کے لئے ان سے ہنستے تھے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ یَتَغَامَزُوْنَ ﴿۳۰﴾
اور جب ہو کر نکلتے اُن کے پاس کو تو آپس میں آنکھ مارتے ☆

کہ دیکھو یہ ہی بے عقل اور احمق لوگ ہیں جنہوں نے اپنے کو جنت کے ادھار پر دنیا کے نقد سے محروم کر رکھا ہے۔

وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا
اور جب پھر کر جاتے اپنے گھر پھر جاتے
فَكِهِیْنَ ﴿۳۱﴾
باتیں بناتے ☆

یعنی خوش طبعی کرتے اور مسلمانوں پر پھبتیاں کستے تھے اور اپنے عیش و آرام پر مفتون ومغرور ہو کر سمجھتے کہ ہمارے ہی عقیدے اور خیالات درست ہیں ورنہ یہ نعمتیں ہم کو کیوں ملتیں۔

وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ
اور جب اُن کو دیکھتے کہتے بیشک یہ لوگ
لَضَآلُّوْنَ ﴿۳۲﴾
بہک رہے ہیں ☆

کہ خواہ مخواہ زہد وریاضت کر کے اپنی جانیں کھپاتے اور موہوم لذتوں کو موجود لذتوں پر ترجیح دیتے ہیں اور لاحاصل مشقتوں کا کمالات حقیقی نام رکھا ہے۔ کیا کھلی ہوئی گمراہی نہیں کہ سب گھر بار اور عیش وآرام چھوڑ کر ایک شخص کے پیچھے ہو لیے اور اپنے آبائی دین کو بھی ترک کر بیٹھے۔

وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَیْهِمْ حٰفِظِیْنَ ﴿۳۳﴾
اور اُن کو بھیجا نہیں اُن پر نگہبان بنا کر ☆

نادانوں کو اپنی فکر نہیں ہے:

یہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کافروں کو ان مسلمانوں پر کچھ نگہبان نہیں بنایا گیا کہ احمق اپنی تباہ کاریوں سے آنکھیں بند کر کے ان کی حرکات کی نگرانی کیا کریں اپنی اصلاح کی فکر نہ ہو اور سیدھی راہ چلنے والوں کو گمراہ اور احمق بنائیں۔ (تفسیر عثانی)

حالانکہ ان کافروں کو اس غرض سے نہیں بھیجا گیا تھا کہ مومنوں کے اعمال کی نگہداشت کریں اور ان کی ہدایت وصلح کا فیصلہ کریں۔ (تفسیر مظہری)

فَالْیَوْمَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ
سو آج ایمان والے منکروں سے
یَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾
ہنستے ہیں ☆

مؤمنین کی سرخروئی کا دن:

یعنی قیامت کے دن مسلمان ان کافروں پر ہنستے ہیں کہ یہ لوگ کیسے کوتاہ اندیش اور احمق تھے جو خسیس اور فانی چیز کو نفیس اور باقی نعمتوں پر ترجیح دی۔ آخر آج دوزخ میں کس طرح عذاب دائم کا مزہ چکھ رہے ہیں۔ (تفسیر عثانی)

یعنی جب مومن اپنی مسہریوں پر بیٹھے دیدار خدا کر رہے ہوں گے اور

کافروں کو طوق و زنجیر میں بندھا ہوا اور دوزخ کے اندر دیکھیں گے تو اس روز مومن کافروں پر ہنسیں گے۔ ابو صالحؒ نے کہا اس کی صورت یہ ہوگی کہ جب کافر دوزخ کے اندر ہوں گے تو دوزخ کے دروازے کھول کر ان سے کہا جائے گا باہر نکل جاؤ دروازے کھلے ہوئے ہیں کافر دروازے کھلے دیکھ کر باہر نکلنے کے لئے دروازوں کی طرف بڑھیں گے مومن ان کی یہ حالت دیکھتے ہوں گے کافر دروازوں پر پہنچیں گے تو یکدم دروازے بند کر دیئے جائیں گے ایسی حرکت بار بار ہوگی اس وقت مومن کافروں پر ہنسیں گے جیسے دنیا میں کافر مسلمانوں پر ہنستے تھے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا جنت اور دوزخ کے درمیان کچھ کھڑکیاں ہوں گی جب مومن اپنے دنیوی دشمن کو دیکھنا چاہے گا تو کھڑکیوں سے دوزخ کے اندر جھانکے گا جیسا اللہ نے فرمایا فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۔ دوزخ کے اندر کافروں پر عذاب ہوتا دکھائی دے گا تو مومن ہنسیں گے آیت مذکورہ بالا میں اسی واقعہ کو بیان فرمایا ہے۔

بیہقیؒ نے حسن بصریؒ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ مسلمان آدمیوں کا مذاق اڑانے والوں میں سے بعض کے لئے جنت کا کوئی دروازہ کھول دیا جائے گا اس سے کہا جائے گا اندر آ جاؤ وہ اپنے دکھ اور رنج کے ساتھ بڑھے گا اور جب دروازے پر پہنچے گا تو دروازہ بند کر دیا جائے گا یہ کیفیت پیہم ہوتی رہے گی یہاں تک کہ آخر میں انتہائی مایوسی کی وجہ سے کوئی استہزاء کرنے والا جنت کے دروازے تک نہیں جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہیں ☆

یعنی اپنی خوشحالی اور کافروں کی بدحالی کا نظارہ کر رہے ہیں۔

هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا

اب بدلہ پایا ہے منکروں نے جیسا کچھ کہ

يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

کرتے تھے ☆

کافروں کا انجام: یعنی جو دنیا میں مسلمانوں کی ہنسی اڑاتے تھے آج ان کا حال قابل مضحکہ ہو رہا ہے اور مسلمان ان کی گزشتہ حماقتوں کا خیال کر کے ہنستے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سورۃ الانشقاق

اس کو خواب میں پڑھنے والے کی اولاد نسل زیادہ ہوگی۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورہ انشقاق مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی پچیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿۱﴾ وَاَذِنَتْ

جب آسمان پھٹ جائے اور سن لے حکم اپنے

لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۲﴾

رب کا اور وہ آسمان اسی لائق ہے ☆

حکمِ الٰہی کے آگے آسمان کی اطاعت:

یعنی اللہ کی طرف سے جب پھٹنے کا حکم تکوینی ہوگا آسمان اس کی تعمیل کریگا اور وہ مقدور و مقہور ہونے کے لحاظ سے اسی لائق ہے کہ بایں عظمت و رفعت اپنے مالک و خالق کے سامنے گردن ڈال دے اور اس کی فرمانبرداری میں ذرا چون و چرا نہ کرے۔ (تفسیر عثمانی)

اس سورۃ میں سجدہ:

موطا امام مالکؒ میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور اس میں اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ الخ کی سورۃ پڑھی اور سجدہ کیا اور فارغ ہو کر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے پڑھتے ہوئے سجدہ کیا تھا یہ حدیث مسلم اور نسائی میں بھی ہے بخاری میں ہے کہ حضرت ابو رافعؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے عشاء کی نماز پڑھی آپ نے اس میں اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ کی تلاوت کی اور سجدہ کیا میں نے پوچھا تو جواب دیا کہ میں نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سجدہ کیا (یعنی حضور نے بھی اس سورۃ کو نماز میں پڑھا اور آیت سجدہ پہ سجدہ کیا اور مقتدیوں نے بھی سجدہ کیا) پس میں تو جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملوں گا (اس موقع پر) سجدہ کرتا رہوں گا (یعنی مرتے دم تک) اس حدیث

کی سندیں اور بھی ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ③

اور جب زمین پھیلا دی جائے ☆

زمین کا پھیلانا:

محشر کے دن یہ زمین ربڑ کی طرح کھینچ کر پھیلادی جائیگی اور عمارتیں پہاڑ وغیرہ سب برابر کر دیئے جائینگے تا ایک سطح مستوی پر سب اولین و آخرین بیک وقت کھڑے ہو سکیں اور کوئی حجاب وحائل باقی نہ رہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ، مَدّ کے معنی کھینچنے اور دراز کرنے کے ہیں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز زمین کو اس طرح کھینچ کر پھیلایا جائے گا جیسے چمڑے یا (ربڑ کو) کھینچ کر بڑا کر دیا جاتا ہے، مگر اس کے باوجود میدان حشر جو زمین پر ہوگا اس میں ابتداء دنیا سے قیامت تک کے تمام انسان جمع ہوں گے تو صورت یہ ہوگی ایک آدمی کے حصہ میں اتنی زمین ہوگی جس پر اسکے پاؤں ہیں۔ (رواہ الحاکم بسند جید، مظہری، معارف مفتی اعظم)

حاکمؒ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کا دن ہوگا تو زمین کو اس طرح پھیلا دیا جائے گا جیسے چمڑا پھیلایا جاتا ہے اور مخلوق کو اٹھا دیا جائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقام محمود:

حاکم رضی اللہ عنہ نے عمدہ سند سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن زمین کو اس طرح پھیلا دیا جائے گا جیسے چمڑے کو پھیلایا جاتا ہے پھر آدمی کو زمین میں صرف قدم رکھنے کی جگہ ملے گی پھر سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا میں سجدہ میں گر جاؤں گا تو مجھے (کچھ عرض کرنے کی) اجازت دی جائے گی۔ اس وقت جبرائیلؑ اللہ کی دائیں طرف سے ہوں گے واللہ اس سے پہلے جبرائیلؑ نے اللہ کو کبھی نہ دیکھا ہوگا میں عرض کروں گا اے میرے رب! مجھے اس جبرائیل نے خبر دی تھی کہ تو نے اس کو میرے پاس بھیجا تھا، جبرائیلؑ خاموش ہوں گے کوئی بات نہیں کریں گے یہاں تک کہ اللہ فرمائے گا کہ اس نے سچ کہا اللہ مجھے شفاعت کی اجازت دے گا اور میں عرض کروں گا اے میرے رب تیرے بندے تمام زمین پر (پھیلے ہوئے ہیں) مقام مَّحْمُوْدًا (شفاعت کا مقام) یہی ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو چمڑے کی طرح کھینچ لے گا یہاں تک کہ ہر انسان کو صرف دو قدم ٹکانے کی جگہ ملے گی سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا حضرت جبرائیلؑ اللہ تعالیٰ کے دائیں جانب ہوں گے خدا کی قسم اس سے پہلے اس نے کبھی اسے نہیں دیکھا تو میں کہوں گا خدایا جبرائیلؑ نے مجھ سے کہا تھا کہ یہ تیرے بھیجے ہوئے میرے پاس آتے ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا سچ کہا تو میں کہوں گا خدایا پھر مجھے شفاعت کی اجازت ہو، چنانچہ مقام محمود پر کھڑا ہو کر میں شفاعت کروں گا اور کہوں گا خدایا! تیرے ان بندوں نے زمین کے گوشے گوشے پر تیری عبادت کی ہے۔ (ابن جریر، تفسیر ابن کثیر)

وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ④

اور نکال ڈالے جو کچھ اس میں ہے اور خالی ہو جائے ☆

زمین دفینے باہر نکال دے گی:

زمین اس دن اپنے خزانے اور مردوں کے اجزاء اگل ڈالے گی اور ان تمام چیزوں سے خالی ہو جائیگی جن کا تعلق اعمال عباد کے مجازات سے ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ، یعنی اگل دے گی زمین ہر اس چیز کو جو اس کے بطن میں ہے اور بالکل خالی ہو جائے گی زمین کے بطن میں خزائن و دفائن اور معادن بھی ہیں اور ابتدائی دنیا سے مرنے والے انسانوں کے اجسام و ذرات بھی زمین ایک زلزلہ کے ساتھ یہ سب چیزیں اپنے بطن سے باہر نکال دے گی۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ⑤

اور سن لے حکم اپنے رب کا اور وہ زمین اسی لائق ہے ☆

آدمی کیلئے سرکشی کا کوئی جواز نہیں:

زمین و آسمان جس کے حکم تکوینی کے تابع و منقاد ہوں آدمی کو کیا حق ہے کہ اس کے حکم تشریعی سے سرتابی کرے۔ (تفسیر عثمانی)

سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھیں گے:

ابوالقاسم نے ختلی نے الدیباج میں عمدہ سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ الخ کی تشریح میں فرمایا کہ میں ہی ہوں گا سب سے اول وہ شخص جو زمین پھاڑ کر باہر نکلے گا۔ میں اٹھ کر اپنی قبر میں بیٹھ جاؤں گا میرے سر کے مقابل آسمان تک ایک دروازہ کھل جائے گا پھر عرش تک مجھے دکھائی دے گا پھر میرے نیچے سے ایک دروازہ کھولا جائے گا پھر ساتویں زمین تک مجھے دکھائی دے گی اور ثریٰ تک میں دیکھ لوں گا دائیں طرف ایک دروازہ کھولا جائے گا کہ میں جنت تک دیکھ لوں گا اور اپنے ساتھیوں کے مکان مجھے دکھائے جائیں گے اور زمین مع میرے جنبش میں آ جائے گی تو میں کہوں گا زمین تجھے کیا ہو گیا زمین جواب دے گی۔ میرے مالک نے مجھے حکم دیا ہے

کہ میرے اندر جو کچھ ہے اس کو باہر پھینک دوں اور خالی ہو جاؤ لہٰذا جیسے میں (انسانوں سے پہلے) تھی ویسی ہی ہو جاؤں گی اسی (مضمون) کے متعلق ہے اللہ کا فرمان وَاَلْقَتْ مَافِیْهَا وَتَخَلَّتْ. (تفسیر مظہری)

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى

اے آدمی تجھ کو تکلیف اٹھانی ہے اپنے

رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۚ﴿۶﴾

رب تک پہنچنے میں سہہ سہہ کر پھر اُس سے ملنا ہے ☆

انسان کی مختلف کوششیں: یعنی رب تک پہنچنے سے پہلے ہر آدمی اپنی استعداد کے موافق مختلف قسم کی جدوجہد کرتا ہے کوئی اس کی طاعت میں محنت ومشقت اٹھاتا ہے کوئی بدی اور نافرمانی میں جان کھپاتا ہے پھر خیر کی جانب میں ہو یا شر کی طرح طرح کی تکلیفیں سہہ سہہ کر آخر پروردگار سے ملنا اور اپنے اعمال کے نتائج سے دوچار ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

رجوع الی اللہ: اس آیت میں حق تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو خطاب فرما کر اس کے غور وفکر کیلئے ایک ایسی راہ دکھائی ہے کہ اس میں کچھ بھی عقل وشعور ہو تو اپنی جدوجہد کا رخ صحیح سمت کی طرف پھیر سکتا ہے جو اس کو دنیا ودین میں سلامتی اور عافیت کی ضمانت دے۔ پہلی بات تو یہ ارشاد فرمائی کہ انسان نیک ہو یا بد، مومن ہو یا کافر، اپنی فطرت سے اس کا عادی ہے کہ کچھ نہ کچھ حرکت کرے اور کسی نہ کسی چیز کو اپنا مقصود بنا کر اس کے حاصل کرنے کے لئے جدوجہد اور محنت برداشت کرے جس طرح ایک شریف نیک خو انسان اپنے معاش وضروریات زندگی کی تحصیل میں فطری اور جائز طریقوں کو اختیار کرتا ہے اور ان میں اپنی محنت وتوانائی صرف کرتا ہے بدکار بدخواہ انسان بھی اپنے مقاصد کہیں سے بے محنت، بے جدوجہد حاصل نہیں کر سکتا۔ (معارف مفتی اعظم)

کَدْحٌ کا معنی ہے اچھے برے کام میں اتنی محنت وکوشش کرنا کہ محنت کا اثر کرنے والے میں پیدا ہو جائے کَدْحٌ کا لغوی معنی ہے خراش پیدا کر دینا پس کوشش اور محنت اگر انسان میں کوئی اثر پیدا کر دے تو گویا کوشش نے اس کے اندر خراش پیدا کر دی۔ (تفسیر مظہری)

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ﴿۷﴾

سو جس کو ملا اعمالنامہ اُس کا داہنے ہاتھ میں

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۙ﴿۸﴾

تو اُس سے حساب لیں گے آسان حساب ☆

آسان حساب:

آسان حساب یہ ہے کہ بات بات پر گرفت نہ ہوگی محض کاغذات پیش ہو جائینگے اور بدون بحث ومناقشہ کے سستے چھوڑ دیئے جائینگے۔ (تفسیر عثمانی)

بخاری نے اپنی سند سے ابن ابوملیکہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اگر کوئی بات ایسی سنتی تھیں جس کا مطلب ان کی سمجھ میں نہیں آتا ہے تو سمجھ لینے کیلئے اس بات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتی تھیں۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ حُوْسِبَ عُذِّبَ جس سے حساب لیا گیا پس اس کو عذاب دیا گیا تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا (پھر حساب فہمی کے لئے عذاب کس طرح لازم ہے) فرمایا یہ (حساب جس کا ذکر آیت میں ہے) صرف ایک پیشی ہوگی جس کی پوچھ گچھ کے ساتھ حساب فہمی ہوگی وہ ہلاک ہو جائے گا۔

امام احمدؒ کی روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حساب یسیر کیا ہوگا فرمایا یعنی صرف اس کا کتابچہ دیکھ کر درگزر کی جائے گی۔ البتہ جس کی حساب فہمی پوچھ گچھ کے ساتھ کی جائے گی وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَّيَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ؕ﴿۹﴾

اور پھر کر آئیگا اپنے لوگوں کے پاس خوش ہو کر ☆

مومن کی خوشی: نہ سزا کا خوف رہیگا نہ غصہ کا ڈر نہایت امن واطمینان سے اپنے احباب واقارب اور مسلمان بھائیوں کے پاس خوشیاں مناتا ہوا آئیگا۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۙ﴿۱۰﴾

اور جس کو ملا اُس کا اعمالنامہ پیٹھ کے پیچھے سے ☆

کافر کی بدبختی:

یعنی پیٹھ کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں پکڑایا جائیگا۔ فرشتے سامنے سے اس کی صورت دیکھنا پسند نہیں کریں گے۔ گویا غایت کراہیت کا اظہار کیا جائیگا۔ اور ممکن ہے پیچھے مشکیں بندھی ہوں اس لیے اعمالنامہ پشت کی طرف سے دینے کی نوبت آئے۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت کی تشریح میں علامہ بیہقیؒ نے مجاہدؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اس کا بایاں ہاتھ پشت کے پیچھے کر دیا جائے گا اور اعمالنامہ کو بائیں ہاتھ سے لے گا۔ ابن السابت رضی اللہ عنہ نے کہا اس کا بایاں ہاتھ مروڑ کر سینہ کے اندر سے پشت کے پیچھے نکال دیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

فَسَوْفَ يَدْعُوا ثُبُورًا ﴿١١﴾

سو وہ پکاریگا موت موت ☆

موت کی تمنا: یعنی عذاب کے ڈر سے موت مانگے گا۔ (تفسیر عثانی)

فَسَوْفَ يَدْعُوا ثُبُورًا ثبور کا معنی ہے ہلاکت یعنی وہ مرنے کی تمنا کرے گا اور کہے گا وائے موت (آ جا)۔ (تفسیر مظہری)

وَيَصْلَى سَعِيرًا ﴿١٢﴾ إِنَّهُ كَانَ

اور پڑے گا آگ میں وہ رہا تھا

فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ﴿١٣﴾

اپنے گھر میں بے غم ☆

دنیا میں بے فکری کا نتیجہ: یعنی دنیا میں آخرت سے بے فکر تھا اس کا بدلہ یہ ہے کہ آج سخت غم میں مبتلا ہونا پڑا اس کے برعکس جولوگ دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کی فکر میں گھلے جاتے تھے ان کو آج بالکل بے فکری اور امن چین ہے۔ کافر یہاں مسرور تھا مومن وہاں مسرور ہے۔

إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ لَنْ يَحُورَ ﴿١٤﴾

اُس نے خیال کیا تھا کہ پھر کر نہ جائیگا ☆

کافر کی بے خیالی: اسے کہاں خیال تھا کہ ایک روز خدا کی طرف واپس ہونا اور رتی رتی کا حساب دینا ہے اسی لیے گناہوں اور شرارتوں پر خوب دلیر رہا۔

بَلَى إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ﴿١٥﴾

کیوں نہیں اُس کا رب اُس کو دیکھتا تھا ☆

اللہ تعالیٰ کی ہر چیز پر نظر ہے:

یعنی پیدائش سے موت تک برابر دیکھتا تھا کہ اس کی روح کہاں سے آئی بدن کس کس چیز سے بنا پھر کیا اعتقاد رکھا کیا عمل کیا دل میں کیا بات تھی زبان سے کیا نکلا ہاتھ پاؤں سے کیا کمایا اور موت کے بعد اس کی روح کہاں گئی اور بدن کے اجزا بکھر کر کہاں کہاں پہنچے وغیر ذلک۔ جو خدا آدمی کے احوال سے اس قدر واقف ہو اور ہر جزئی وکلی حالت کو نگاہ میں رکھتا ہو کیا گمان کر سکتے ہو کہ وہ اس کو یوں ہی مہمل اور معطل چھوڑ دیگا؟ ضرور ہے کہ اس کے اعمال پر ثمرات ونتائج مرتب کرے۔ (تفسیر عثانی)

یعنی اس کی واپسی خدا کی طرف ضرور ہوگی۔ اللہ اس کو ضرور سزا دے گا کیونکہ اللہ اس کے اعمال سے بخوبی واقف ہے دیکھ رہا ہے۔ اس لئے اس کے اعمال کو یونہی رائیگاں نہیں چھوڑے گا ضرور انتقام لے گا۔ (تفسیر مظہری)

فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿١٦﴾

سو قسم کھاتا ہوں شام کی سُرخی کی

وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿١٧﴾

اور رات کی اور جو چیزیں اُس میں سمٹ آتی ہیں ☆

رات: یعنی آدمی اور جانور دن میں تلاش معاش کے لیے مکانوں سے نکل کر ادھر ادھر منتشر ہوتے ہیں رات کے وقت سب طرف سے سمٹ کر اپنے اپنے ٹھکانوں پر جمع ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر عثانی)

شفق کا مطلب:

شیخ حلبی نے شرح منیہ میں لکھا ہے کہ شفق آسمان کے کنارہ پر باقی رہنے والی سفیدی کو کہا جاتا ہے جو سرخی کے دور ہونے کے بعد ہو امام ابوحنیفہؒ اسی کے قائل ہیں اور اسی بناء پر ان کے نزدیک شفق ابیض کے غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے۔

اس کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے جن میں لفظ "حتٰی یغیب الافق" آتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

منصورؓ نے مجاہدؒ کا قول نقل کیا ہے کہ مَا وَسَقَ کا معنی یہ ہے کہ جس چیز کو رات اپنی لپیٹ میں لے لے اور تاریکی میں چھپالے۔ سعید بن جبیرؓ نے کہا رات میں جو کچھ کیا جائے سب مَا وَسَقَ میں داخل ہے یعنی قسم ہے شفق کی اور رات کی اور ان چیزوں کی جن کو رات سمیٹ لیتی ہے یا جن کو رات اپنے لپیٹ میں لے لیتی ہے یا اس کی جو رات میں کیا جاتا ہے۔ (مظہری)

وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ﴿١٨﴾

اور چاند کی جب پورا اُبھر جائے ☆

چودھویں کا چاند:

یعنی چودھویں رات کا چاند جو اپنی حد کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ (تفسیر عثانی)

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿١٩﴾

کہ تم کو چڑھنا ہے سیڑھی پر سیڑھی ☆

انسان کے حالات:

یعنی دنیا کی زندگی میں مختلف دور سے بتدریج گزر کر اخیر میں موت کی سیڑھی ہے پھر عالم برزخ کی پھر قیامت کی، پھر قیامت میں خدا جانے کتنے

احوال و مراتب درجہ بدرجہ طے کرتے ہیں۔ جیسے رات کے شروع میں شفق کے باقی رہنے تک ایک قسم کی روشنی رہتی ہے۔ جو فی الحقیقت بقیہ ہے آفتاب کے اثرات کا پھر شفق غائب ہونے پر دوسرا دور تاریکی کا شروع ہوتا ہے جو سب چیزوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے اس میں چاند بھی نکلتا ہے اور درجہ بدرجہ اس کی روشنی بڑھتی ہے آخر چودھویں شب کو ماہ کامل کا نور اس تاریک فضا میں ساری رات اجالا رکھتا ہے گویا انسانی احوال کے طبقات رات کی مختلف کیفیات سے مشابہ ہوئے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

انسانی وجود میں بیشمار انقلابات اور دائمی سفر اور اس کی آخری منزل:

نطفہ سے منجمد خون بنا پھر اس سے ایک مضغہ گوشت بنا پھر اس میں ہڈیاں پیدا ہوئیں، ہڈیوں پر گوشت چڑھا اور اعضاء کی تکمیل ہوئی پھر اس میں روح لا کر ڈالی گئی اور وہ ایک زندہ انسان بنا اس کی غذا مادر کے اندر رحم کا گندہ خون تھا نو مہینے کے بعد اللہ نے اس کے دنیا میں آنے کا راستہ آسان کر دیا۔ اور گندی غذا کی جگہ ماں کا دودھ ملنے لگا۔ دنیا کی وسیع فضا اور ہوا دیکھی تو بڑھنے اور پھلنے پھولنے لگا۔ دو برس کے اندر چلنے پھرنے اور بولنے کی قوت بھی حرکت میں آئی۔ ماں کا دودھ چھوٹ کر اس سے زیادہ لذیذ اور طرح طرح کی غذائیں ملیں کھیل کود لہو لعب اس کے دن رات کا مشغلہ بنا کچھ ہوش و شعور بڑھا۔ تو تعلیم و تربیت کے شکنجے میں کسا گیا۔ جوان ہوا تو پچھلے تمام کام متروک ہو کر جوانی کی خواہشات نے ان کی جگہ لے لی۔ اور ایک نیا عالم شروع ہوا۔ نکاح شادی اولاد اور خانہ داری کے مشاغل دن رات کا مشغلہ بن گئے۔ آخر یہ دور بھی ختم ہونے لگا۔ قویٰ میں اضمحلال اور ضعف پیدا ہوا۔ بیماریاں آئے دن رہنے لگیں۔ بڑھاپا آ گیا۔ اور اس جہاں کی آخری منزل یعنی قبر تک پہنچنے کے سامان ہونے لگے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ۔ یعنی دنیا میں اس طرح رہو جیسے کوئی مسافر چند روز کے لیے ٹھہرایا گیا ہے۔ یا کسی رہ گذر میں چلتے چلتے کچھ دیر آرام کے لیے رک گیا ہو۔ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ۔ کی جو تفسیر اوپر بیان کی گئی ہے۔ ابو نعیم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی مضمون کی روایت کی ہے۔ یہ طویل حدیث اس جگہ قرطبی نے بحوالہ ابی نعیم اور ابن کثیر نے بحوالہ ابن ابی حاتم مفصل نقل کی ہے۔ ان آیات میں غافل انسان کو اس کی تخلیق اور عمر دنیا میں اس کو پیش آنے والے حالات و انقلابات سامنے کر کے یہ ہدایت دی کہ غافل اب بھی وقت ہے کہ اپنے انجام پر غور کر اور آخرت کی فکر کر مگر ان تمام روشن ہدایات کے باوجود بہت سے لوگ اپنی غفلت سے باز نہیں آتے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرب خداوندی اور علو مرتبہ میں درجہ بدرجہ ترقی دینا مراد ہو۔ بخاریؒ نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول بیان کیا ہے۔ کہ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ کا معنی ہے حال بعد حال ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے مراد تمہارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

گذشتہ اقوام سے مشابہت:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث آئی ہے۔ جس کو حاکم نے صحیح کہا ہے۔ کہ تم لوگ بالشت بالشت اور بانہہ بانہہ گذشتہ اقوام کے طریقوں پر چلو گے۔ یہاں تک کہ اگر گذشتہ اقوام میں سے کوئی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوا تھا تو تم بھی داخل ہو گے۔ اور اگر ان میں سے کسی نے اپنی بیوی سے سر راہ جماع کیا تھا تو تم بھی کرو گے۔ بخاریؒ نے اسی طرح کی حدیث حضرت ابو سعید خدریؓ سے بیان کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

پست و بلند حالات:

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ نرمی کے بعد سختی، سختی کے بعد نرمی، امیری کے بعد فقیری، فقیری کے بعد امیری۔ صحت کے بعد بیماری، بیماری کے بعد تندرستی۔

انسان کی غفلت:

ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ابن آدم غفلت میں ہے وہ پروا نہیں کرتا کہ کس لیے پیدا کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ جب کسی کو پیدا کرنا چاہتا ہے۔ تو فرشتے سے کہتا ہے کہ اس کی روزی، اس کی اجل اس کی زندگی، اس کا نیک یا بد ہونا لکھ دے۔ پھر وہ فارغ ہو کر چلا جاتا ہے اور دوسرا فرشتہ آتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے یہاں تک کہ اسے سمجھ آ جائے۔ پھر وہ فرشتہ اٹھ جاتا ہے پھر دو فرشتے اس کا نامہ اعمال لکھنے والے آ جاتے ہیں موت کے وقت وہ بھی چلے جاتے ہیں اور ملک الموت آ جاتے ہیں۔ اس کی روح قبض کرتے ہیں ملک الموت چلے جاتے ہیں اور سوال جواب کرنے والے فرشتے آ جاتے ہیں اپنے کام کے بعد وہ بھی چلے جاتے ہیں قیامت کے دن نیکی بدی کے فرشتے آ جائیں گے اور اس کی گردن سے اس کا نامہ اعمال کھول لیں گے پھر اس کے ساتھ ہی رہیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

> فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾
>
> پھر کیا ہوا ہے انکو جو یقین نہیں لاتے ☆

اب بھی یقین نہیں آتا؟

کہ ہم کو موت کے بعد بھی کسی طرف رجوع ہونا ہے اور ایک بڑا بھاری سفر درپیش ہے جس کے لیے کافی توشہ ساتھ ہونا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

میں کہتا ہوں یہ بھی احتمال ہے کہ اس کلام کا ربط آیت لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ سے ہو۔ کیونکہ تبدیلی احوال سے تبدیل کرنے والے کی ہستی کا پتہ چلتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے۔ کہ اس کو نہیں مانتے۔ (مظہری)

> وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ
>
> اور جب پڑھیے اُن کے پاس قرآن وہ

لَا یَسْجُدُوْنَ ﴿۲۱﴾ السجدۃ

سجدہ نہیں کرتے ☆

نہ خود عقل ہے نہ قرآن پر غور کرتے ہیں:

یعنی اگر ان کی عقل خود بخود ان حالات کو دریافت نہیں کر سکتی تھی تو لازم تھا کہ قرآن کے بیان سے فائدہ اُٹھاتے لیکن اس کے برخلاف ان کا حال یہ ہے کہ قرآن معجز بیان کو سن کر بھی ذرا عاجزی اور تذلل کا اظہار نہیں کرتے حتیٰ کہ جب مسلمان خدا کی آیات سن کر سجدہ کرتے ہیں ان کو سجدہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ (تفسیر عثمانی)

آیت سجدہ:

امام اعظمؒ ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس آیت پر بھی سجدہ واجب ہے جیسا کہ مفصل کی دوسری آیتوں پر واجب ہے۔ امام اعظم کا استدلال اس کے وجوب پر مندرجہ ذیل احادیث سے ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ایک روز عشاء کی نماز ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھی انہوں نے اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ کی تلاوت نماز میں فرمائی۔ اور اس آیت پر سجدہ کیا میں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ کیسا سجدہ ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز میں اس آیت پر سجدہ کیا ہے اس لیے میں ہمیشہ اس آیت پر سجدہ کرتا رہوں گا۔ جب تک کہ محشر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہو (معارف مفتی اعظم)

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین نے وجوب سجدہ تلاوت کے ثبوت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث پیش کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی سجدہ کی آیت پڑھتا ہے اور سجدہ کرتا ہے۔ تو شیطان روتا ہوا الگ چلا جاتا ہے اور کہتا ہے ہائے افسوس آدمی کو سجدہ کا حکم دیا گیا اور اس نے سجدہ کیا اور اس کے لیے جنت ہوگئی اور مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا مگر میں نے نہیں کیا اور میرے لیے دوزخ ہوگئی۔ (مسلم)

ابن ابی شیبہؒ نے مصنف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص آیت سجدہ سن لے اس پر سجدہ واجب ہے۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ کے نزدیک سننے والے پر سجدہ واجب ہے خواہ پڑھنے والا سجدہ نہ کرے کیونکہ امر مطلق ہے پڑھنے والے کے سجدہ کرنے کی قید اس میں نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُکَذِّبُوْنَ ﴿۲۲﴾

اوپر سے اور یہ کہ منکر جھٹلاتے ہیں

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُوْعُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور اللہ خوب جانتا ہے جو اندر بھر رکھتے ہیں ☆

بلکہ دلوں میں بغض بھی رکھتے ہیں:

یعنی فقط اتنا ہی نہیں کہ اللہ کی آیات سن کر انقیاد و تذلل کا اظہار نہیں کرتے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ان کو زبانوں سے جھٹلاتے اور دلوں میں جو تکذیب وانکار بغض وعناد اور حق کی دشمنی بھری ہوئی ہے اس کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۴﴾

سو خوشی سنا دے اُن کو عذاب دردناک کی ☆

بہرحال اس کا بدلہ ملے گا:

یعنی خوشخبری سنا دیجئے کہ جو کچھ وہ کما رہے ہیں اس کا پھل ضرور ملے گا ان کی یہ کوششیں ہرگز خالی نہیں جائینگی۔

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

مگر جو لوگ کہ یقین لائے اور کام کئے بھلے

لَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۵﴾

اُن کے لئے ثواب ہے بے انتہا ☆

جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

احکام الٰہی کی دو اقسام:

یہ امر ثابت ہے کہ احکام الٰہیہ کی دو اقسام ہیں ان میں سے ایک احکام تشریعیہ ہیں جو وحی الٰہی سے مشروع اور مقرر ہوتے ہیں ان کا خطاب ذوالعقول کو کا ہوتا ہے خواہ وہ انسان ہوں یا جن۔ ان احکام کے جن وانس مخاطب و مکلف ہوتے ہیں ان میں اوامر الٰہی حلال وحرام جائز و ناجائز عبادت اور عبادات سے متعلقہ احکام ہوتے ہیں جو مجموعہ شریعت دین ہے۔

احکام الٰہیہ کی دوسری قسم تکوینی ہے جو اللہ کی تمام مخلوق اور ساری کائنات پر جاری ہوتے ہیں ان میں مخاطب کا مکلف اور ذی عقل ہونا شرط نہیں۔ وہ اللہ کے تقدیری امور ہیں وہ کائنات میں جس طرح ارادہ ہو جاری ہو جاتے ہیں لیل ونہار کا اختلاف شمس وقمر کا طلوع نور وظلمت ہواؤں کا چلنا بارشوں کا برسنا انسان وحیوان اور نباتات کی پیدائش اور نشوونما جیسے امور ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

سورۃ البروج

اس کو خواب میں پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ فکروں سے نجات دے گا اور ہر قسم کے علوم سے نوازے گا۔ (ابن سیرین)

سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَانِ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۂ بروج مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی بائیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴿١﴾

قسم ہے آسمان کی جس میں بُرج ہیں ☆

آسمان کے بُرج:

برجوں سے مراد یا تو وہ بارہ برج ہیں جن کو آفتاب ایک سال کی مدت میں تمام کرتا ہے یا آسمانی قلعہ کے وہ حصے ہیں جن میں فرشتے پہرہ دیتے ہیں یا بڑے بڑے ستارے جو دیکھنے میں آسمان پر معلوم ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن کریم سیارات کو آسمانوں میں مرکوز نہیں قرار دیتا۔ بلکہ ہر سیارے کو اپنی ذاتی حرکت سے متحرک قرار دیتا ہے جیسا کہ سورہ یٰس کی آیت میں ہے وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ فلک سے مراد اس میں آسمان نہیں بلکہ سیارے کی مدار ہے جس میں وہ حرکت کرتا ہے۔ (مظہری، معارف مفتی اعظم)

صحیحین میں حدیث معراج کی تفصیل میں آیا ہے۔ کہ پھر بیت معمور تک مجھے اٹھا کر لے جایا گیا یعنی ساتویں آسمان پر کعبہ کے مقابل سورۃ تطفیف میں وہب بن منبہ کا قول گذر چکا ہے! یعنی ساتویں آسمان میں ایک مکان ہے جس کو سفید مکان کہا جاتا ہے وہاں مومنوں کی روحیں جمع ہوتی ہیں یا بروج سے مراد آسمان کے دروازے ہیں کیونکہ اترنے والے دروازوں سے ہی نکلتے اور برآمد ہوتے ہیں۔

کتاب اور سنت سے ثابت ہے کہ ہر سیارہ فلک میں ہموار رفتار سے چلتا ہے (تیرتا ہے) آسمانوں میں غیر متحرک ستارے موجود ہی نہیں ہیں کہ ان کے مجموعہ کے لحاظ سے آسمان کے ایک خاص حصہ کو برج کہا جا سکے۔ اللہ کے کلام میں بے دین فلسفیوں کی اصطلاح مراد نہیں ہو سکتی۔ اس لیے آسمان کے موہوم حصوں کو برج نہیں کہا جا سکتا۔ برج کے لفظی ساخت تو ظہور کے معنی پر دلالت کر رہی ہے اور اصلاحی حصہ آسمان محض وہمی ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں کیونکہ وہ بالکل نمایاں ہیں یہ قول حسن رضی اللہ عنہ مجاہد رضی اللہ عنہ اور قتادہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ (تفسیر مظہری)

سورج چاند کی منزلیں:

ابن خیثمہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد سورج چاند کی منزلیں ہیں جو بارہ ہیں کہ سورج ان میں سے ہر ایک میں ایک مہینہ چلتا رہتا ہے اور چاند ان میں سے ہر ایک میں دو دن تک اور ایک تہائی دن چلتا ہے۔ تو یہ اٹھائیس دن ہوئے اور دو راتوں تک وہ پوشیدہ رہتا ہے نہیں نکلتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ﴿٢﴾

اور اُس دن کی جس کا وعدہ ہے ☆

یعنی قیامت کا دن۔ (تفسیر عثمانی)

وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ﴿٣﴾

اور اُس دن کی جو حاضر ہوتا ہے اور اس کی کہ جس کے پاس حاضر ہوتے ہیں ☆

جمعہ اور عرفہ کا دن:

سب شہروں میں حاضر ہوتا ہے جمعہ کا دن۔ اور سب ایک جگہ حاضر ہوتے ہیں عرفہ کے دن حج کے لیے اسی لیے روایات میں آیا کہ "شاہد" جمعہ کا دن ہے اور "مشہود" عرفہ کا دن اسکے علاوہ "شاہد" "مشہود" کی تفسیر میں اقوال بہت ہیں لیکن اوفق بالروایات یہی قول ہے واللہ اعلم (تنبیہ) قرآنی قسموں کے متعلق ہم سورہ "قیامہ" کے شروع میں جو لکھ چکے ہیں اس کو ہر جگہ یاد رکھنا چاہیے۔ اور ان قسموں کو جواب قسم سے مناسبت یہ ہے کہ ان سب سے اللہ تعالیٰ کا مالک امکنہ و ازمنہ ہونا ظاہر ہوتا ہے اور ایسے مالک الکل کی مخالفت کرنے والے کے مستحق لعن و عقوبت ہونا ظاہر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جمعہ کے دن درود کی کثرت:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **اکثر و امن الصلوۃ یوم الجمعۃ فانہ یوم مشھود تشھدہ الملائکۃ**۔ کہ مجھ پر جمعہ کے روز کثرت سے درود پڑھا کرو۔ کیونکہ یہ دن یوم مشہود ہے جس میں فرشتوں کی بکثرت حاضری ہوتی ہے۔ (معارف کاندھلوی)

مقبولیت کی گھڑی:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوم موعود یوم قیامت ہے اور یوم مشہود یوم عرفہ اور شاہد روز جمعہ اور یوم جمعہ میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اگر ٹھیک اس ساعت میں کوئی مومن بندہ اللہ سے کسی بھلائی کی دعا کرتا ہے تو اللہ اس کی دعا کو قبول کرتا ہے۔ اور جس شر سے پناہ مانگتا ہے اللہ اس کو اس شر سے بچا لیتا ہے۔ (رواہ احمد الترمذی)

طبرانی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابو مالک اشعری کی روایت سے ایسی ہی ہے حدیث بیان کی ہے اس میں اتنا زائد ہے کہ یوم جمعہ کو اللہ نے ہمارے لیے مخصوص فرما دیا ہے اور صلوٰۃ وسطٰی عصر کی نماز ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضور کی ذات اور قیامت کا دن:

ابن عباس سے مروی ہے کہ شاہد سے مراد خود ذات محمدؐ ہیں مشہود سے مراد قیامت کا دن ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ یعنی اس دن کے لیے لوگ جمع کیے جائیں گے اور یہ دن مشہود یعنی حاضر کیا گیا ہے۔ ایک شخص نے حضرت امام حسن بن علی سے سوال کیا کہ شاہد اور مشہود کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تم نے کسی اور سے پوچھا؟ اس نے کہا ہاں ابن عمر اور ابن زبیر سے۔ فرمایا انہوں نے کیا جواب دیا کہا قربانی کا دن اور جمعہ کا دن۔ فرمایا نہیں بلکہ مراد شاہد سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسے قرآن میں اور جگہ ہے۔ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا۔ یعنی کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے گواہ لائیں گے۔ تجھے ان پر گواہ بنائیں گے اور مشہود سے مراد قیامت کا دن ہے قرآن کہتا ہے وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْد.

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو۔ وہ مشہود دن ہے جس پر فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ﴿۴﴾
مارے گئے کھائیاں کھودنے والے
النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ﴿۵﴾
آگ ہے بہت ایندھن والی ☆

خندقوں والے:

یعنی ملعون ومغضوب ہوئے وہ لوگ جنہوں نے بڑی بڑی خندقیں کھود کر آگ سے بھریں اور بہت سا ایندھن ڈال کر ان کو دھونکایا۔ ان "اصحاب الاخدود" سے کون مراد ہیں؟ مفسرین نے کئی واقعات نقل کیے ہیں لیکن صحیح مسلم، جامع ترمذی اور مسند احمد وغیرہ میں جو قصہ مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں کوئی کافر بادشاہ تھا۔ اس کے ہاں ایک ساحر (جادوگر) رہتا تھا۔ جب ساحر کی موت کا وقت قریب ہوا۔ اُس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ ایک ہوشیار اور ہونہار لڑکا مجھے دیا جائے تو میں اس کو اپنا علم سکھادوں تا میرے بعد یہ علم مٹ نہ جائے۔ چنانچہ ایک لڑکا تجویز کیا گیا جو روزانہ ساحر کے پاس جا کر اس کا علم سیکھتا تھا۔ راستہ میں ایک عیسائی راہب رہتا تھا جو اس وقت کے اعتبار سے دین حق پر تھا۔ لڑکا اس کے پاس بھی آنے جانے لگا۔ اور خفیہ طور سے راہب کے ہاتھ مسلمان ہو گیا اور اس کے فیض صحبت سے ولایت وکرامت کے درجہ کو پہنچا۔ ایک روز لڑکے نے دیکھا کہ کسی بڑے جانور (شیر وغیرہ) نے راستہ روک رکھا ہے جس کی وجہ سے مخلوق پریشان ہے۔ اس نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر دعا کی کہ اے اللہ اگر راہب کا دین سچا ہے تو یہ جانور میرے پتھر سے مارا جائے۔ یہ کہہ کر پتھر پھینکا جس سے اس جانور کا کام تمام ہو گیا لوگوں میں شور ہوا کہ اس لڑکے کو عجیب علم آتا ہے کسی اندھے نے سن کر درخواست کی کہ میری آنکھیں اچھی کر دو لڑکے نے کہا کہ اچھی کرنے والا میں نہیں وہ اللہ وحدہ لاشریک لہٗ ہے۔ اگر تو اس پر ایمان لائے تو میں دعا کروں امید ہے وہ تجھ کو بینا کر دے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا شدہ شدہ یہ خبریں بادشاہ کو پہنچیں اس نے برہم ہو کر لڑکے کو مع راہب اور اندھے کو طلب کر لیا اور کچھ بحث وگفتگو کے بعد راہب اور اندھے کو قتل کر دیا اور لڑکے کی نسبت حکم دیا کہ اونچے پہاڑ پر سے گرا کر ہلاک کر دیا جائے مگر خدا کی قدرت جو لوگ اس کو لے گئے سب پہاڑ سے گر کر ہلاک ہو گئے اور لڑکا صحیح وسالم چلا آیا۔ پھر بادشاہ نے دریا میں غرق کرنے کا حکم دیا۔ وہاں بھی یہ صورت پیش آئی کہ لڑکا صاف بچ کر نکل آیا اور جو لے گئے تھے وہ سب دریا میں ڈوب گئے آخر لڑکے نے بادشاہ سے کہا کہ میں خود اپنے مرنے کی ترکیب بتلاتا ہوں آپ سب لوگوں کو ایک میدان جمع کریں۔ ان کے سامنے مجھ کو سولی پر لٹکائیں اور یہ لفظ کہہ کر میرے تیر ماریں "بسم اللہ رب الغلام" (اس اللہ کے نام پر جو رب ہے اس لڑکے کا) چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور لڑکا اپنے رب کے نام پر قربان ہو گیا۔ یہ عجیب واقعہ دیکھ کر یکلخت لوگوں کی زبان سے ایک نعرہ بلند ہوا کہ "آمنا برب الغلام" (ہم سب لڑکے کے رب پر ایمان لائے) لوگوں نے بادشاہ سے کہا کہ لیجئے جس چیز کی روک تھام کر رہے تھے۔ وہ ہی پیش آئی پہلے تو کوئی اکادکا مسلمان ہوتا تھا اب خلق کثیر نے اسلام قبول کر لیا۔ بادشاہ نے غصہ میں آکر بڑی بڑی خندقیں کھدوائیں اور ان کو خوب آگ سے بھروا کر اعلان کیا کہ جو شخص اسلام سے نہ پھرے گا اس کو ان خندقوں میں جھونک دیا جائیگا آخر لوگ آگ میں ڈالے جا رہے تھے لیکن اسلام سے نہیں ہٹتے تھے ایک مسلمان عورت لائی گئی جس کے پاس دودھ پیتا بچہ تھا شاید بچہ کی وجہ سے آگ میں گرنے سے گھبرائی۔ مگر بچہ نے خدا کے حکم سے آواز دی "اماہ اصبری فانک علی الحق" (اماں جان صبر کر کہ تو حق پر ہے)۔ (تفسیر عثمانی)

فاروق اعظمؓ کے دور میں اس لڑکے کی نعش کا ظاہر ہونا:

محمد بن اسحاق کی روایت میں ہے کہ یہ لڑکا عبداللہ بن قامر جس جگہ مدفون تھا۔ اتفاقاً کسی ضرورت سے وہ زمین حضرت فاروق اعظم کے زمانہ میں کھودی گئی۔ تو اس میں عبداللہ بن قامر کی لاش صحیح وسالم اس طرح برامد ہوئی کہ وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ان کا ہاتھ اپنی پٹھ پڑی پر رکھا ہوا تھا۔ جہاں

تیر لگا تھا۔ کسی دیکھنے والے نے ان کا ہاتھ اس جگہ سے ہٹایا تو خون جاری ہو گیا۔ پھر ویسے ہی رکھ دیا تو بند ہو گیا۔ ان کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی تھی جس پر لکھا ہوا تھا اَللّٰہُ رَبِّی۔ عامل یمن نے اس واقعہ کی اطلاع حضرت فاروق اعظم کو دی۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ ان کو انکی ہیئت پر انگوٹھی سمیت اسی طرح چھپا دو جس طرح وہ پہلے تھے۔ (ابن کثیر)

فائدہ: ابن کثیر نے بحوالہ ابن ابی حاتم سے نقل کیا ہے کہ آگ کی خندق کا واقعہ دنیا میں ایک ہی نہیں بلکہ مختلف ملکوں اور زمانوں میں ہوئے ہیں۔ پھر ابن ابی حاتم نے ان واقعات میں سے تین کا خصوصیت سے ذکر کیا کہ ایک خندق یمن میں تھی (جس کا واقعہ زمان فترت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ستر سال پہلے پیش آیا ہے۔) دوسری خندق شام میں تیسری فارس میں تھی۔ مگر قرآن کریم میں جس خندق کا ذکر اس سورت میں ہے وہ خندق نجران ملک یمن کی خندق ہے کیونکہ یہی عرب کے ملک میں تھی۔

مغفرت اور بخشش کا بحر بیکراں

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس جود و کرم کو دیکھو کہ ان لوگوں نے اللہ کے اولیاء کو زندہ جلا کر ان کا تماشہ دیکھا اور حق تعالیٰ اس پر بھی ان کو توبہ و مغفرت کی طرف دعوت دے رہا ہے (ابن ابی کثیر، معارف مفتی اعظم)

خندقوں والوں کا قصہ

جادوگر کا شاگرد:

حضرت صہیب راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گذشتہ اقوام میں یمن میں ایک بادشاہ تھا۔ اس کے پاس ایک جادوگر تھا۔ جادوگر بوڑھا ہو چکا تھا۔ تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ میں تو بوڑھا ہو گیا ہوں اس لیے کوئی لڑکا میرے پاس بھیج دیجئے کہ میں اس کو سحر سکھا دوں۔ بادشاہ نے ایک لڑکا اس کے پاس جادو سیکھنے کے لیے بھیج دیا۔ لڑکے کے راستے میں ایک درویش پڑتا تھا۔ لڑکا درویش کے پاس جاتا تھا۔ اور اس کی باتیں سنتا تھا۔ تو اس کی باتیں اس کو پسند آتی تھیں۔ چنانچہ جادوگر کے پاس جانے میں درویش کے پاس راستہ میں بیٹھ جانے کی وجہ سے دیر ہو جاتی تھی۔ ساحر اس کو مارتا تھا۔ جادوگر سے واپسی میں بھی لڑکا اس درویش کے پاس بیٹھ جاتا اور اس کی باتیں سنتا تھا۔ اس لیے گھر پہنچنے میں بھی دیر ہو جاتی۔ گھر والے بھی اس کو مارتے تھے۔ لڑکے نے درویش سے اس بات کی شکایت کی درویش نے کہا جب تم جادوگر کے پاس پہنچا کرو تو اس سے کہہ دیا کرو۔ کہ مجھے گھر والوں نے روک دیا تھا۔ اور گھر پہنچا کرو تو گھر والوں سے کہہ دیا کرو کہ مجھے جادوگر نے روک لیا تھا۔ اس لیے دیر ہو گئی۔ غرض لڑکا اسی طرح کرتا رہا۔

لڑکے پر درویش کا حق ہونا واضح ہو گیا:

ایک روز جب راستہ میں جا رہا تھا تو دیکھتا کیا ہے کہ ایک بڑے جانور درندہ نے لوگوں کا راستہ روک رکھا ہے۔ لڑکا کہنے لگا کہ آج میں آزمائش کروں گا۔ کہ درویش افضل ہے یا جادوگر۔ یہ سوچ کر پتھر لے کر کہنے لگا۔ اے خدا اگر درویش کا معاملہ جادوگر کے معاملے سے تجھے زیادہ محبوب ہے تو اس جانور کو قتل کر دے۔ تاکہ لوگ اس راستہ پر چلنے لگیں۔ یہ دعا کر کے لڑکے نے پتھر مارا اور جانور مر گیا۔ لوگ راستہ چلنے لگے۔ اور لڑکے نے جا کر درویش سے یہ بات کہہ دی۔ درویش نے کہا بیٹا اب تو مجھ سے افضل ہے تیرا معاملہ اس حد تک پہنچ چکا ہے۔ جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے۔ عنقریب تو مصائب میں مبتلا ہو گا۔ مصائب میں مبتلا ہو کر کہیں میرا نام نہ بتا دینا۔

لڑکے کی کرامتیں:

اس کے بعد وہ لڑکا مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کا اور لوگوں کے امراض کا کامیاب علاج کرنے لگا۔ ایک بار بادشاہ کے کسی ہم نشین نے لڑکے کی یہ شہرت سن لی وہ نابینا ہو گیا تھا۔ لڑکے کے پاس بہت سے تحفے لے کر پہنچا۔ اور کہا کہ اگر تو مجھے تو اچھا کر دے گا۔ تو یہ سب تحفے تیرے ہیں لڑکے نے کہا میں شفا کسی کو نہیں دیتا اللہ شفا دیتا ہے اگر تو اللہ کو اللہ سے دعا کرنے کو مان لے گا تو اللہ تجھے شفا عطا فرما دے گا۔ وہ ایمان لے آیا اللہ نے اس کو شفا دے دی۔ وہ بینا ہو کر بادشاہ کے پاس پہنچا۔ اور نابینا ہونے سے پہلے جیسا بیٹھتا تھا۔ جا کر بیٹھ گیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ یہ بینائی کیسے لوٹ آئی۔ ہم نشین نے کہا میرے مالک نے لوٹا دی۔ بادشاہ نے کہا کیا تیرا کوئی مالک میرے علاوہ اور بھی ہے ہم نشین نے کہا وہ میرا بھی رب ہے اور تیرا بھی۔ بادشاہ نے اس کو قید کر دیا۔ اور برابر دکھ دیتا رہا یہاں تک کہ اس نے لڑکے کا پتہ بتا دیا۔ لڑکے کو لایا گیا۔

لڑکا بادشاہ کے سامنے:

بادشاہ نے کہا میرے بیٹے تیرے سحر کی حالت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ مادر زاد کوڑھی اور نابینا کو اچھا کرنے لگا ہے۔ لڑکے نے کہا کہ میں کسی کو شفا نہیں دیتا اللہ ہی شفا دیتا ہے۔

درویش کی شہادت:

بادشاہ نے اس کو بھی گرفتار کر لیا اور اتنا دکھ دیا کہ بالآخر اس نے درویش کا پتہ بتا دیا۔ درویش کو بلایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ اپنے مذہب سے باز آ۔ درویش نے انکار کیا بادشاہ نے اس کے وسط سر پر آرہ رکھوا کر دو ٹکڑے کروا دیا۔

بادشاہ کی ناکام تدبیریں:

پھر لڑکے کو بلوایا گیا۔ اور کہا اب بھی اپنے دین سے باز آ جا۔ لڑکے نے انکار کیا۔ بادشاہ نے اپنے چند آدمیوں کو بلوا کر حکم دیا کہ اس لڑکے کو فلاں فلاں پہاڑ کے اوپر لے جاؤ۔ اور چوٹی پر پہنچ کر اگر یہ اپنا دین ترک کر دے تو خیر ورنہ اس کو نیچے پھینک دو۔ لوگ اس کو پہاڑ پر لے گئے۔ لڑکے نے دعا کی

الٰہی مجھے ان کے شر سے بچا۔ جس طرح تو چاہے۔ یک دم پہاڑ میں زلزلہ آ گیا۔ سب گر گئے۔ لڑکا چلتا چلتا پھر بادشاہ کے پاس پہنچ گیا بادشاہ نے پوچھا کہ تیرے ساتھیوں کا کیا ہوا۔ لڑکے نے کہ اللہ نے مجھے ان سے بچالیا۔

بادشاہ نے پھر لڑکے کو چند آدمیوں کے حوالے کر کے حکم دیا کہ اس کو لے جا کر کسی کشتی میں بٹھا کر سمندر میں لے جاؤ اگر یہ اپنے مذہب سے توبہ کر لے تو خیر ورنہ سمندر میں پھینک دو۔

لوگ لڑکے کو لے گئے۔ لڑکے نے دعا کی الٰہی جس طرح تو چاہے مجھے ان سے بچالے۔ طوفان کی وجہ سے کشتی الٹ گئی۔ سب ڈوب گئے لڑکا پھر چلتا چلتا بادشاہ کے پاس پہنچ گیا تو بادشاہ نے ساتھ والوں کی کیفیت دریافت کی لڑکے نے کہا اللہ نے مجھے ان سے بچالیا ان کو ڈبو دیا۔

لڑکے نے شہادت کی تدبیر خود بتائی:

پھر کہنے لگا کہ جب تک میرے کہنے کے موافق تو عمل نہیں کرے گا مجھ کو قتل نہیں کر سکتا۔ بادشاہ نے پوچھا وہ کیا بات ہے لڑکے نے کہا ایک میدان میں لوگوں کو جمع کرو۔ اور مجھے کسی لکڑی کے ستون سے باندھ کر لٹکا دو۔ پھر میری ترکش سے ایک تیر لے کر کمان کے چلّے میں رکھ کر بسم اللہ رب الغلام کہہ کر تیر مجھ پر چھوڑ دو۔ اگر ایسا کرو گے تو مجھے قتل کر سکو گے۔ حسب مشورہ بادشاہ نے لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا لڑکے کو لکڑی کے تنا سے باندھ کر لٹکا دیا۔ اور اسی کی ترکش سے ایک تیر لے کر کمان کے چلہ میں رکھ کر بسم اللہ رب الغلام کہہ کر مارا فوراً لڑکے کی کنپٹی میں تیر پیوست ہو گیا۔ اور لڑکا مر گیا۔

سب لوگ مسلمان ہو گئے:

یہ دیکھ کر لوگوں نے تین بار کہا ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے۔

کچھ آدمیوں نے بادشاہ سے جا کر کہا دیکھئے جس بات کا آپ کو اندیشہ تھا۔ وہی واقع ہوگئی۔ سب لوگ لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے۔

لوگوں کے لیے آگ کی خندقوں کا انتظام:

بادشاہ نے گلیوں، سڑکوں پر خندق کھودنے کا حکم دیا۔ خندقیں کھود دی گئیں۔ تو ان میں لکڑیاں بھر کر آگ لگا دی۔ اور حکم دے دیا کہ جو شخص اپنے مذہب سے نہ پھرے اس کو خندق میں ڈال دو۔ لوگ حکم کی تعمیل کرنے لگے۔ آخر ایک عورت بھی آئی۔ جس کے پاس چھوٹا بچہ تھا۔ عورت خندق میں گرنے سے کچھ جھجکی لیکن بچے نے کہا کہ اماں ثابت قدم رہ۔ بلاشبہ تو حق پر ہے۔ (صحیح مسلم)

بادشاہ کا نام اور زمانہ:

عطاء نے حضرت ابن عباس کی روایت سے ایسا ہی قصہ نقل کیا ہے جس میں حضرت ابن عباس نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ نجران (علاقہ یمن) میں حمیری بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا۔ جس کا نام یوسف ذوالنواس بن شرجیل تھا۔ یہ واقعہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک سے ستر سال پہلے کا ہے۔ اس زمانہ میں کوئی نبی نہ تھا۔ اور اس لڑکے کا نام عبداللہ بن قمر تھا۔ محمد بن اسحاق نے وہب بن منبہ کا حوالہ سے لکھا ہے کہ ذوالنواس نے بارہ ہزار آدمی جلا دیئے۔ پھر ارباط حبشی نے یمن فتح کر لیا اور ذوالنواس بھاگ کر بمعہ اپنے گھوڑے کے سمندر میں گھس گیا۔ اور ڈوب گیا۔ کلبی نے بیان کیا ہے کہ ذوالنواس نے عبداللہ بن تامر کو قتل کیا تھا۔

محمد بن عبداللہ بن ابی بکر نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب کے زمانہ میں کوئی نہر کھودی گئی تو دیکھا کہ سر کے زخم پر عبداللہ بن تامر (شہید ہاتھ رکھے ہوئے ہیں۔ جب ہاتھ کو زخم سے ہٹایا جاتا تو خون ابل پڑتا تھا۔ اور جب ہاتھ کو چھوڑا جاتا تو ہاتھ لوٹ کر اپنی جگہ پہنچ جاتا تھا۔ اور لوہے کی ایک مہر بھی عبداللہ کی انگلی میں پڑی تھی جس میں ربی اللہ لکھا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع پہنچی تو آپ نے لکھ بھیجا کہ عبد (عبداللہ) اور اس کی انگوٹھی کو اسی حالت پر رہنے دو۔ جس حالت میں تم نے اس کو پایا ہے۔

اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ کے متعلق کچھ دوسری روایت بھی آئی ہیں لیکن قوت میں مسلم کی روایت کے ہم پلہ کوئی نہیں۔ اس لیے نا قابل التفات ہیں۔

ذَاتِ الْوَقُوْدِ بھڑکتی ہوئی یہ آگ کی صفت ہے۔ جو کثرت التہاب کی وجہ سے آگ کی بڑائی کو ظاہر کر رہی ہے۔ الف لام جنسی ہے۔

ربیع بن انس کا قول ہے کہ جن مومنوں کو آگ میں پھینکا گیا تھا۔ آگ کو مس کرنے سے پہلے ہی اللہ نے ان کی روحوں کو قبض کر لیا تھا۔ اور اس طرح جلنے سے ان کو محفوظ رکھا تھا۔ اور خندق کے کنارے بیٹھے ہوئے کافروں کو آگ کے شعلوں نے خندق سے نکل کر جلا دیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۙ﴿۶﴾
جب وہ اُس پر بیٹھے
وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ
اور جو کچھ وہ کرتے
بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ؕ﴿۷﴾
مسلمانوں کے ساتھ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ☆

بادشاہ اور وزیروں کی سنگدلی:

یعنی بادشاہ اور اس کے وزیر و مشیر خندقوں کے آس پاس بیٹھے ہوئے نہایت

سنگدلی سے مسلمانوں کے جلنے کا تماشہ دیکھ رہے تھے بدبختوں کو ذرا رحم نہ آتا تھا۔

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ

اور اُن سے بدلہ نہ لیتے تھے مگر اسی بات کا کہ

يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿٨﴾

وہ یقین لائے اللہ پر جو زبردست ہے تعریفوں والا

الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

جس کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿٩﴾

اور اللہ کے سامنے ہے ہر چیز ☆

مسلمانوں کا جُرم:

یعنی ان مسلمانوں کا قصور اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ کفر کی ظلمت سے نکل کر ایک زبردست اور ہر طرح کی تعریف کے لائق خدا پر ایمان لائے جس کی بادشاہت سے زمین و آسمان کا کوئی گوشہ باہر نہیں اور جو ہر چیز کے ذرہ ذرہ احوال سے باخبر ہے جب ایسے خدا کے پرستاروں کو محض اس جرم پر کہ وہ کیوں اسی اکیلے کو پوجتے ہیں آگ میں جلایا جائے تو کیا یہ گمان ہوسکتا ہے کہ ایسا ظلم وستم یوں ہی خالی چلا جائیگا اور وہ خداوند قہار ظالموں کو سخت ترین سزا دیگا۔ حضرت شاہؒ لکھتے ہیں "جب اللہ کا غضب آیا وہ ہی آگ پھیل پڑی بادشاہ اور امیروں کے گھر سارے پھونک دیئے" مگر روایات صحیحہ میں اس کا ذکر نہیں واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ وہ خدا کہ صرف اسی کی حکومت زمین اور آسمان اور ان دونوں کے درمیان ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اللہ ہی کو مرکز بیم و امید ثابت کرنے کے لیے یہ جملہ فرمایا گیا۔ اللہ نے اپنے یہ اوصاف اس لیے بیان فرمائے ہیں۔ تاکہ مومنوں کی ایمان کی حقانیت اور ان کو ثواب کا استحقاق ثابت ہوجائے اور کافروں کا باطل پرست ظالم ناحق کش اور مستحق لعنت وعذاب ہونا ظاہر ہوجائے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ

تحقیق جو دین سے بچلائے ایمان والے

وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ

مردوں کو اور عورتوں کو پھر توبہ نہ کی تو اُن کیلئے

عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ﴿١٠﴾

عذاب ہے دوزخ کا اور اُن کیلئے عذاب ہے آگ لگنے کا ☆

جو دین حق کی رکاوٹ بنے گا وہ آگ میں جلے گا:

یعنی کچھ اصحاب الاخدود پر منحصر نہیں۔ جو لوگ ایمانداروں کو دین حق سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرینگے (جیسے کفار مکہ کر رہے تھے) پھر اپنی ان نالائق حرکات سے تائب نہ ہونگے ان سب کے لئے دوزخ کا عذاب تیار ہے جس میں بے شمار قسم کی تکلیفیں ہونگی اور بڑی تکلیف آگ لگنے کی ہوگی جس میں دوزخی کا تن من سب گرفتار ہوگا۔" (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جن لوگوں نے مومن مردوں اور عورتوں کو عذاب دیا عذاب دینے والوں میں اصحاب الاخدود بھی تھے۔ اور دوسرے لوگ بھی اس میں شامل ہیں مومن ہوں یا کافر بہرحال مومنوں کو انہوں نے دکھ دیا ہو۔ اسی طرح المومنین اور المومنات کا لفظ ان لوگوں کو بھی شامل ہے۔ جن کو اصحاب الاخدود نے جلایا تھا۔ اور وہ مومن بھی اس میں داخل ہیں جن کو کوئی شخص دکھ پہنچائے۔

مطلب یہ ہوگا۔ کہ جن کافروں نے اہل ایمان کو ان کے ایماندار ہونے کی وجہ سے عذاب دیا ان کے لئے عذاب جہنم ہے۔

خندق والوں کا حشر:

اور خندقوں کے کناروں پر بیٹھے ہوئے کافر بھی آگ کی لپیٹ میں جل گئے۔ اور ذونواس سمندر میں ڈوب کر مرگیا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوْا سے گویا اس مفروضہ کا جواب دے دیا گیا۔ کہ اللہ نے اصحاب الاخدود اور ان جیسے لوگوں کے ساتھ کیا کیا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

بے شک جو لوگ یقین لائے اور کیں انہوں نے بھلائیاں

لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ﴿١١﴾

یہ ہے بڑی مراد ملنی ☆

آخری کامیابی مؤمنین کی ہے:

یعنی یہاں کی تکلیفوں اور ایذاؤں سے نہ گھبرائیں بڑی اور آخری کامیابی

ان ہی کے لیے ہے جس کے مقابلہ میں یہاں کا عیش یا تکلیف سب ہیچ ہے۔

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴿١٢﴾

بے شک تیرے رب کی پکڑ سخت ہے ☆

خدائی گرفت: اسی لیے ظالموں اور مجرموں کو پکڑ کر سخت ترین سزا دیتا ہے۔

اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَ يُعِيْدُ ﴿١٣﴾

بے شک وہی کرتا ہے پہلی مرتبہ اور دوسری ☆

آغاز وانجام سب اللہ کے قبضہ میں ہے:

یعنی پہلی مرتبہ دنیا کا عذاب اور دوسری مرتبہ آخرت کا (کذا فی الموضح)
یا یہ مطلب ہے کہ اول مرتبہ آدمی کو وہ ہی پیدا کرتا ہے اور دوسری مرتبہ موت کے بعد بھی وہ ہی پیدا کریگا پس مجرم اس دھوکا میں نہ رہے کہ موت جب ہمارا نام ونشان مٹا دیگی پھر ہم کس طرح ہاتھ آئیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَ يُعِيْدُ یعنی آغاز تخلیق وہی کرتا ہے اور دوبارہ تخلیق بھی وہی کرے گا۔ اس کے سوا کوئی الہ نہیں کہ اس کی گرفت کو دفع کرنا ممکن ہو سکے۔ یا یہ مطلب کہ کافروں کی دنیا میں ابتدائی گرفت بھی وہی کرتا ہے اور آخرت میں بھی وہی پکڑے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴿١٤﴾

اور وہی ہے بخشنے والا محبت کرنے والا ☆

بخشش ومحبت والا بھی ہے: یعنی باوجود اس صفت قہاری وسخت گیری کے اس کی بخشش اور محبت کی بھی کوئی حد نہیں وہ اپنے فرمانبردار بندوں کی خطائیں معاف کرتا ان کے عیب چھپاتا اور طرح طرح کے لطف وکرم اور عنایت وشفقت سے نوازتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بے انتہاء کرم: حسن بصری سے منقول ہے فرمایا خدا کے اس جود وکرم کو دیکھو۔ کہ جنھوں نے اولیاء اور اس کے محبوب بندوں کو قتل کیا ان کو توبہ کی دعوت دی جارہی ہے۔ (معارف کاندھلوی)

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿١٥﴾

مالک عرش کا بڑی شان والا

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿١٦﴾

کر ڈالنے والا جو چاہے ☆

جو چاہے کرسکتا ہے: یعنی اپنے علم وحکمت کے موافق جو کرنا چاہے کچھ دیر نہیں لگتی نہ کوئی روکنے ٹوکنے کا حق رکھتا ہے بہرحال نہ اس کے انعام پر بندہ کو مغرور ہونا چاہیے نہ انتقام سے بے خوف ہو۔ بلکہ ہمیشہ اس کی صفات جلال وجمال دونوں پر نظر رکھے اور خوف کے ساتھ رجاء اور رجاء کے ساتھ خوف کو دل سے زائل نہ ہونے دے۔ (تفسیر عثمانی)

عرش کی عظمت: عرش انوار رحمٰن کی جلوہ گاہ ہے۔ تجلیات رحمانیہ سے اس کو خصوصیات حاصل ہے۔ یہی اس کی عظمت ہے (تفسیر مظہری)

حضرت صدیق اکبر کا مرض الوفات:

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ان کی بیماری میں جس میں آپ کا انتقال ہوتا ہے لوگ کہتے ہیں کہ کسی طبیب نے بھی آپ کو دیکھا فرمایا ہاں پوچھا پھر کیا جواب دیا۔ فرمایا کہ جواب دیا۔ اِنِّي فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ پھر فرماتا ہے کہ کیا تجھے خبر بھی ہے کہ فرعونیوں اور ثمودوں پر کیا کیا عذاب آئے اور کوئی ایسا نہ تھا۔ جو کہ ان کی کسی طرح مدد کر سکتا۔ اور نہ کوئی اس عذاب کو ہٹا سکا۔ مطلب یہ ہے کہ اس کی پکڑ بہت سخت ہے جب وہ کسی ظالم کو پکڑتا ہے۔ تو دردناکی اور سختی سے بڑی زبردست پکڑ پکڑتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿١٧﴾

کیا پہنچی تجھ کو بات اُن لشکروں کی

فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ﴿١٨﴾

فرعون اور ثمود کے ☆

فرعون وثمود کی کہانی: کہ ایک مدت تک انعام کا دروازہ ان پر کھلا رکھا تھا اور ہر طرف سے طرح طرح کی نعمتیں ان کو پہنچتی تھیں پھر ان کے کفر وطغیان کی بدولت کیسا سخت انتقام لیا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ۔ یہ الجنود سے بدل ہے۔ یا جنود محذوف ہے یعنی فرعون اور ثمود کی فوجوں کا قصہ تمہارے پاس آچکا ہے۔ ان کو ڈبو کر ہلاک کر دیا گیا یا ایک غیبی چیخ سے ان کا دم نکل گیا۔ پھر ان کو دوزخ میں داخل کر دیا گیا۔ تم اپنی قوم کی تکذیب پر صبر کرو۔ اور ان کو عذاب سے ڈراؤ۔ جو ان جیسے کافروں پر پہلے ہی پہنچ چکا ہے۔ (تفسیر مظہری)

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿١٩﴾

کوئی نہیں بلکہ منکر جھٹلاتے ہیں ☆

کفار عبرت نہیں پکڑتے:

یعنی کفار ان قصوں سے کچھ عبرت نہیں پکڑتے اور عذاب الٰہی سے ذرا نہیں ڈرتے بلکہ ان قصوں کے اور قرآن کو جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)
مطلب اس طرح ہوگا۔ لیکن یہ کافر تو تکذیب میں گھرے ہوئے ہیں فی

تکذیب میں ظرفیت اعتباری ہے حقیقی نہیں تکذیب نہ زمان ہے نہ مکان گویا وصف تکذیب کافروں کو اس طرح ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ جیسے مکان یا زمان اپنے اندر کی چیز کو گھیر لیتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَّاللّٰهُ مِنۡ وَّرَآئِهِمۡ مُّحِيۡطٌ ﴿۲۰﴾

اور اللہ نے ان کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے☆

ان کو سزا ملے گی: یعنی جھٹلانے سے کوئی فائدہ نہیں ہاں اس تکذیب کی سزا بھگتنا ضروری ہے اللہ کے قبضہ قدرت سے وہ نکل نہیں سکتے نہ سزا سے بچ سکتے ہیں۔

بَلۡ هُوَ قُرۡاٰنٌ مَّجِيۡدٌ ﴿۲۱﴾

کوئی نہیں یہ قرآن ہے بڑی شان کا☆

قرآن کو جھٹلانا حماقت ہے:

یعنی ان کا قرآن کو جھٹلانا محض حماقت ہے قرآن ایسی چیز نہیں جو جھٹلانے کے قابل ہو یا چند احمقوں کے جھٹلانے سے اس کی شان اور بزرگی کم ہو جائے۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ کہ کافروں کی طرف سے تکذیب قرآن میں حقانیت کا شائبہ بھی نہیں قرآن کی تکذیب تو وہ شخص کر ہی نہیں سکتا جس کو عبارت و معنی کا کچھ بھی شعور ہو۔ (تفسیر مظہری)

فِيۡ لَوۡحٍ مَّحۡفُوۡظٍ ﴿۲۲﴾

لکھا ہوا لوح محفوظ میں☆

حفاظت قرآن: جہاں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا پھر وہاں سے نہایت حفاظت و اہتمام کے ساتھ صاحب وحی کے پاس پہنچایا جاتا ہے'' فَإِنَّهٗ يَسۡلُكُ مِنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖ رَصَدًا '' (الجن رکوع ۲)۔ اور یہاں بھی قدرت کی طرف سے اس کی حفاظت کا ایسا سامان ہے جس میں کوئی طاقت رخنہ نہیں ڈال سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

لوح محفوظ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ لوح محفوظ حضرت اسرافیل کی پیشانی پر ہے۔ عبدالرحمٰن بن سلمان فرماتے ہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہوا، ہو رہا ہے۔ اور ہو گا۔ وہ سب لوح محفوظ میں موجود ہے اور لوح محفوظ حضرت اسرافیل کی دونوں آنکھوں کے سامنے ہے۔ لیکن جب تک انہیں اجازت نہ ملے وہ اسے دیکھ نہیں سکتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ لوح محفوظ کی پیشانی پر یہ عبارت ہے کہ کوئی معبود نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے وہ اکیلا ہے اس کا دین اسلام ہے محمد اس کے بندے ہیں۔ اور اس کے رسول ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے۔ اس کے وعدے کو سچا جانے اس کے رسولوں کی تابعداری کرے۔ خدائے عالم اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ فرماتے ہیں کہ یہ لوح سفید موتی کی طرح ہے جس کا طول آسمان و زمین کہ درمیان برابر ہے۔ اور اس کی چوڑائی مشرق و مغرب کے برابر ہے۔ اس کے دونوں کنارے موتی اور یاقوت کے ہیں اس کے دونوں پٹھے سرخ یاقوت کے ہیں۔ اس کا قلم نور ہے۔ اس کا کلام عرش سے وابستہ ہے۔ اس کی اصل فرشتہ کی گود میں ہے۔ مقاتل فرماتے ہیں خدا تعالیٰ کہ یہ عرش کے دائیں طرف ہے۔

طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو سفید موتی سے پیدا کیا اس کے صفحے سرخ یاقوت کے ہیں۔ اس کا قلم نور کا ہے۔ اس کی کتابت نور ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر دن میں تین سو ساٹھ مرتبہ اس کو دیکھتا ہے وہ پیدا کرتا ہے۔ روزی دیتا ہے اور مارتا ہے جلاتا ہے رزق دیتا ہے جو چاہے کرتا ہے۔ الحمد للہ سورہ بروج کی تفسیر ختم ہوئی۔

خداوند تعالیٰ ہمیں نیک عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فِيۡ لَوۡحٍ مَّحۡفُوۡظٍ. طبرانی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے لوح محفوظ کو سفید موتی سے بنایا ہے۔ اس کی صفحات سرخ یاقوت کے قلم نور کا اور تحریر نور کی ہے۔ ہر روز کے تین سو ساٹھ لحات میں اللہ پیدا کرتا رزق دیتا موت اور زندگی عطا کرتا عزت اور ذلت دیتا اور جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔

بغوی نے سند کے ساتھ حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ سر لوح پر لکھا ہوا ہے۔ اللہ اکیلا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا دین اسلام ہے۔ محمد اس کے رسول اور بندے ہیں۔ جو اللہ پر ایمان رکھے گا۔ اللہ کے وعدے کی تصدیق کرے گا۔ اس کے پیغمبروں کا اتباع کرے گا۔ اللہ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ لوح محفوظ سفید موتی کی ہے اس کا طول اتنا ہے جتنا زمین سے آسمان اور عرض اتنا ہے جیسے مشرق سے مغرب اس کے دونوں کنارے موتی اور یاقوت کے ہیں اور اول و آخر کے دونوں پٹھے سرخ یاقوت کے اس کا قلم نور کا اور تحریر نور کی ہے وہ عرش سے وابستہ ہے اس کی جڑ ایک فرشتے کی گود میں ہے۔

مقاتل نے کہا کہ لوح محفوظ عرش کے دائیں طرف ہے۔ محفوظ لوح کی صفت ہے لوح شیطانوں سے اور کمی بیشی سے محفوظ ہے۔ اسی لئے اس کو لوح محفوظ کہا جاتا ہے یہ ام الکتاب ہے اسی سے الکتاب (یعنی قرآن کو) کو نقل کیا گیا ہے۔

رافضیوں کی جسارت: نافع کی قراءت میں محفوظ آیا ہے اس وقت یہ قرآن کی صفت ہوگی۔ اللہ نے فرمایا ہے اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ۔ اس لیے ممکن نہیں کہ اس میں کسی دوسری عبارت کا الحاق کر دیا جائے۔ اللہ خود اس کا محافظ ہے۔ اور اس کی عبارت بھی اعجازی ہے۔ نہ اس میں ردو بدل ممکن ہے۔ نہ کچھ حذف کر دینا۔

رافضی کہتے ہیں کہ غیر قرآن کو قرآن کے ساتھ ملا دیا گیا۔ اور بقدر دس پاروں کے حذف کر دیا گیا ہے اس لیے چالیس کے بجائے تیس رہ گئے ہیں۔ اور یہ تیس بھی بگڑے بگڑائے ہیں پس ان پر یہ آیت بل الذین کفروا تکذیب واللہ من ورائھم محیط بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ پڑے گی۔

سُورَۃُ الطارق

اس کو خواب میں پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ اس کو ذکر وتسبیح کی کثرت الہام فرمائے گا۔ (ابن سیرین)

سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً
سورۂ طارق مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی سترہ آیتیں ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝۱
قسم ہے آسمان کی اور اندھیرے میں آنے والے کی
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝۲
اور تو نے کیا سمجھا کیا ہوا اندھیرے میں آنے والا
النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝۳
وہ تارا چمکتا ہوا
اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝۴
کوئی جی نہیں جس پر نہیں ایک نگہبان
فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝۵
اب دیکھ لے آدمی کہ کاہے سے بنا ہے ☆

اعمال کی حفاظت:

یعنی فرشتے رہتے ہیں آدمی کے ساتھ بلاؤں سے بچاتے ہیں یا اس کے عمل لکھتے ہیں (موضح القرآن) اور قسم میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ جس نے آسمان پر ستاروں کی حفاظت کے ایسے سامان کیے ہوئے ہیں اس کو زمین پر تمہاری یا تمہارے اعمال کی حفاظت کرنا کیا دشوار ہے نیز جس طرح آسمان پر ستارے ہر وقت محفوظ ہیں مگر ان کا ظہور خاص شب میں ہوتا ہے ایسے ہی سب اعمال نامہ اعمال میں اس وقت بھی محفوظ ہیں مگر ظہور ان کا خاص قیامت میں ہوگا جب یہ بات ہے تو انسان کو قیامت کی فکر چاہیے اور اگر اس کو مستبعد سمجھتا ہے تو اس کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

انسان کی حفاظت

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مومن پر اللہ کی طرف سے تین سو ساٹھ فرشتے اس کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں جو انسان کے ہر ہر عضو کی حفاظت کرتے ہیں ان میں سے سات فرشتے صرف آنکھ کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں یہ فرشتے انسان سے ہر بلا ومصیبت جو اس کے لیے مقدر نہیں اس طرح انسان سے دفع کرتے ہیں جیسے شہد میں رکھے ہوئے برتن پر آنے والی مکھیوں کو پنکھے سے دفع کیا جاتا ہے۔ اور اگر انسان پر یہ حفاظتی پہرہ نہ ہو تو شیاطین اس کو اچک لیں۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

شان نزول: کلبیؒ نے کہا ابو طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کچھ روٹی اور دودھ پیش کیا آپ بیٹھے کھا رہے تھے کہ ایک تارا ٹوٹا جس کی چمک سے وہاں کی ہر چیز روشن ہوگئی۔ ابو طالب نے گھبرا کر کہا یہ کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تارا کسی شیطان کے مارا گیا ہے۔ اور یہ قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے ابو طالب کو یہ سن کر تعجب ہوا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

مطلب اس طرح ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر نفس انسانی پر بلا شک وشبہ رب کی طرف سے کوئی نگران مقرر ہے جو اس کے اعمال کی نگرانی کرتا ہے اور ہر نیکی بدی کو احاطہ کے ساتھ لکھ دیتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ نگران ملائکہ میں سے ہیں۔

بعض نے حافظ کا ترجمہ نگہبان کیا ہے۔ یعنی ہر شخص کا ایک نگہبان موجود ہے۔ جو آفات سے اس کی حفاظت رکھتا ہے۔ اور جب اس کی مدت زندگانی اور رزق کی تکمیل ہو چکتی ہے۔ تو وہ مر جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝۶
بنا ہے ایک اچھلتے ہوئے پانی سے ☆

یعنی منی سے جو اچھل کر نکلتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

انسان کا مادہ پیدائش:

انسان پیدا کیا گیا ہے ایک اچھلنے والے پانی سے جو نکلتا ہے سینہ او ر پشت کی ہڈیوں کے درمیان سے۔ عام طور پر حضرات مفسرین نے اس کا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ نطفہ مرد کی پشت اور عورت کے سینہ سے نکلتا ہے۔ مگر اعضائے انسانی کے ماہر اطباء کی تحقیق اور تجربہ یہ ہے کہ نطفہ درحقیقت انسان کے ہر ہر عضو سے نکلتا ہے۔ اور بچے کا ہر عضو اس جز نطفہ سے بنتا ہے۔ جو مرد وعورت کے اسی عضو تناسل سے نکلا ہے۔ البتہ دماغ کو اس معاملے میں سب سے زیادہ دخل ہے اس لیے مشاہدہ ہوتا ہے کہ جماع کی کثرت کرنے

والے اکثر ضعف دماغ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ان کی تحقیق یہ بھی ہے کہ نطفہ تمام اعضاء سے منفصل ہو کر نخاع کے ذریعے خصیتین میں جمع ہوتا ہے اور پھر وہاں سے نکلتا ہے۔

عورت اور مرد کا نطفہ:

اگر یہ تحقیق صحیح ہے تو حضرات مفسرین نے جو نطفہ کا خروج مرد کی پشت اور عورت کے سینے کے متعلق قرار دیا ہے اس کی توجیہ بھی کچھ بعید نہیں کیونکہ اس پر اطباء کا اتفاق ہے کہ نطفہ کی تولید میں سب سے بڑا دخل دماغ کو ہے۔ اور دماغ کا خلیفہ اور قائم مقام نخاع ہے۔ جو ریڑھ کی ہڈی کے اندر دماغ سے پشت اور پھر خصیتین تک آیا ہوا ہے۔ اور اسی کے کچھ شعبے سینے کی ہڈیوں میں آئے ہوئے ہیں ہو سکتا ہے کہ عورت کے نطفہ میں سینے کی ہڈیوں سے آنے والے نطفہ کا اور مرد کے نطفہ میں پشت سے آنے والے نطفہ کا دخل زیادہ ہو۔ (ذکرہ البیضاوی) (معارف مفتی اعظم)

يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ⑦

جو نکلتا ہے پیٹھ کے بیچ سے اور چھاتی کے بیچ سے ☆

منی کی جگہ: کہتے ہیں کہ مرد کی منی کا انصباب پیٹھ سے ہوتا ہے اور عورت کا سینہ سے اور بعض علماء نے فرمایا کہ پیٹھ اور سینہ تمام بدن سے کنایہ ہے یعنی منی مرد کی ہو یا عورت کی تمام بدن میں پیدا ہو کر پھر جدا ہوتی ہے اور اس کنایہ میں تخصیص صلب و ترائب کی شاید اس لیے ہو حصول مادہ منویہ میں اعضاء رئیسہ (قلب، دماغ، کبد) کو خاص دخل ہے جس میں سے قلب و کبد کا تعلق تلبس ترائب سے اور دماغ کا تعلق بواسطہ نخاع (حرام مغز) کے صلب سے ظاہر ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ⑧

بے شک وہ اس کو پھیر لا سکتا ہے ☆

بعث بعد الموت:

یعنی اللہ پھیر لائیگا مرنے کے بعد (موضح القرآن)۔ حاصل یہ کہ نطفہ سے انسان بنا دینا بہ نسبت دوبارہ بنانے کے زیادہ عجیب ہے جب یہ امر عجیب اس کی قدرت سے واقع ہو رہا ہے تو جائز نہیں کہ اس سے کم عجیب چیز کے وقوع کا خواہ مخواہ انکار کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ⑨

جس دن جانچے جائیں بھید ☆

راز کھل جائیں گے:

یعنی سب کی قلعی کھل جائے گی اور کل باتیں جو دلوں میں پوشیدہ رکھی ہوں یا چھپ کر کی ہوں ظاہر ہو جائینگی اور کسی جرم کا اخفاء ممکن نہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی انسان کو اس روز دوبارہ پیدا کیا جائے گا۔ جس روز پوشیدہ اعمال اور مخفی عقائد اور ارادے اور دلوں میں چھپی باتیں ظاہر ہو جائیں گی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ ہر راز کو ظاہر کر دے گا۔ پوشیدہ راز چہروں پر نمودار ہو جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ⑩

تو کچھ نہ ہوگا اُس کو زور اور نہ کوئی مدد کرنیوالا ☆

مجرموں کے پاس کوئی حیلہ نہ ہوگا:

اس وقت مجرم نہ اپنے زور و قوت سے مدافعت کر سکے گا نہ کوئی حمایتی ملے گا جو مدد کر کے سزا سے بچا لے۔ (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر غدار (عہد شکن و خائن کی رانوں کے درمیان اس کے غدر عہد شکنی کا جھنڈا گاڑ دیا جائے گا۔ اور اعلان ہو جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی غداری عہد شکنی یا خیانت ہے اس دن نہ تو خود انسان کو کوئی قوت حاصل ہوگی۔ نہ اس کا مددگار اور کوئی کھڑا ہوگا۔ یعنی نہ تو خود اپنے آپ کو عذابوں سے بچا سکے گا۔ نہ کوئی اور ہوگا۔ جو اسے خدا تعالیٰ کے عذابوں سے بچا سکے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ⑪

قسم ہے آسمان چکر مارنے والے کی ☆

یا بارش لانے والے کی۔ (تفسیر عثمانی)

آسمان کا لوٹنا:

بارش والے آسمان کی قسم (رَجْع یا لوٹانا) بارش کو رجع کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ہر سال بارش لوٹ لوٹ کر آتی ہے۔ آسمان صاحب رجع ہے یعنی آسمان کے جس حصہ سے ستارے حرکت شروع کرتے ہیں چوبیس گھنٹہ میں یا ایک مہینہ میں یا سال بھر میں اسی مقام پر آ جاتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ⑫

اور زمین پھوٹ نکلنے والی کی ☆

اُگانے والی زمین:

یعنی اس میں سے پھوٹ نکلتے ہیں کھیتی اور درخت۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾
بے شک یہ بات ہے دوٹوک
وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾
اور نہیں یہ بات ہنسی کی ☆

قرآن کی باتیں حق ہیں:

یعنی قرآن اور جو کچھ وہ معاد کے متعلق بیان کرتا ہے کوئی ہنسی مذاق کی بات نہیں بلکہ حق و باطل اور صدق و کذب کا دوٹوک فیصلہ ہے اور لاریب وہ سچا کلام اور ایک طے شدہ معاملہ کی خبر دینے والا ہے جو یقیناً پیش آ کر رہے گا (تنبیہ) قسم کو اس مضمون سے یہ مناسبت ہوئی کہ قرآن آسمان سے آتا ہے اور جس میں قابلیت ہو مالا مال کر دیتا ہے جیسے بارش آسمان کی طرف سے آتی ہے اور عمدہ زمین کو فیضیاب کرتی ہے نیز قیامت میں ایک غیبی بارش ہوگی جس سے مردے زندہ ہو جائیں گے جس طرح یہاں بارش کا پانی گرنے سے مردہ اور بے جان زمین سرسبز ہو کر لہلانے لگتی ہے۔

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾
البتہ وہ لگے ہوئے ہیں ایک داؤ کرنے میں
وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾
اور میں لگا ہوا ہوں ایک داؤ کرنے میں
فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾
سو ڈھیل دے منکروں کو ڈھیل دے اُن کو تھوڑے دنوں ☆

اللہ کی تدبیر کامیاب ہوگی:

یعنی منکرین داؤ پیچ کرتے رہتے ہیں کہ شکوک و شبہات ڈال کر یا اور کسی تدبیر سے حق کو ابھرنے اور پھیلنے نہ دیں اور میری تدبیر لطیف بھی (جس کا انہیں احساس نہیں) اندر اندر کام کر رہی ہے کہ ان کے تمام مکر و کید کا جال توڑ پھوڑ کر رکھ دیا جائے اور ان کے سب داؤ پیچ ان ہی کی طرف واپس کیے جائیں اب خود سوچ لو کہ اللہ کی تدبیر کے مقابلہ میں کسی کی چالاکی اور مکاری کیا کام دے سکتی ہے لامحالہ یہ لوگ ناکام اور خائب و خاسر ہو کر رہیں گے اس لیے مناسب ہے کہ آپ ان کی سزا دہی میں جلدی نہ کریں اور ان کی حرکات شنیعہ سے گھبرا کر بددعا نہ فرمائیں بلکہ تھوڑے دن ڈھیل دیں پھر دیکھیں نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اسلام سے پہلے سورت یاد کر لی:

عبدالرحمن بن خالد بن ابی جبیل العدوانی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ شرق ثقیف میں اپنی عصا یا کمان پر ٹیک لگائے کھڑے ہیں جبکہ آپ ثقیف کے یہاں تشریف لائے تھے تو میں نے سنا کہ آپ سورۃ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ تلاوت فرما رہے تھے تو میں نے اس سورۃ کو اپنے اسلام لانے سے قبل ہی یاد کر لیا تھا۔ مجھے ثقیف کے لوگوں نے کہا کہ یہ کیا کہہ رہے تھے تو میں نے ان لوگوں کو یہ سورۃ سنا دی تھی۔ پھر جب اسلام لے آیا تو دوبارہ اس کو پڑھا۔۱۲

(تفسیر ابن کثیر جلد۴، معارف کاندھلوی)

فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ یعنی تم بھی ان کو مہلت دو یعنی ان سے انتقام لینے میں مشغول نہ ہو یا بددعا کر کے ان کے ہلاک کئے جانے کی فوری طلب نہ کرو۔ اول مطلب پر یہ آیت قتال والی آیت سے منسوخ قرار دی جائے گی۔

گرفت کی دھمکی:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی طرف سے یہ گرفت کی دھمکی ہے چنانچہ بدر کی لڑائی میں اللہ نے ان کو پکڑ لیا۔ (تفسیر مظہری)

الحمدللہ سورۃ الطارق ختم ہوئی

سُورہ اعلیٰ

جوشخص اس کوخواب میں پڑھے گا اس کے لئے اس کے کام آسان ہونگیں۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعَ عَشَرَةَ اٰيَةً
سورۂ اعلیٰ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی انیس آیتیں ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى ①
پاکی بیان کر اپنے رب کے نام کی جو سب سے اوپر☆

سجدہ کی تسبیح:

حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اجعلو ھا فی سجود کم" (اس کو اپنے سجود میں رکھو) اسی لیے سجدہ کی حالت میں "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى" کہا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ: علماء نے فرمایا کہ قاری جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى کی تلاوت کرے تو مستحب ہے کہ یہ کہے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى، صحابہ کرام حضرت عبداللہ بن عباس، ابن زبیر، بن عمر، ابوموسیٰ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین کا یہی معمول تھا کہ جب یہ سورت شروع کرتے تو سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کہا کرتے تھے (قرطبی)

یعنی نماز کے سوا جب تلاوت کریں تو ایسا کہنا مستحب ہے۔

مسئلہ: حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سورۂ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اجعلوھا فی سجودکم یعنی یہ کلمہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى اپنے سجدہ میں کہا کرو۔ سَبِّحِ اسْمِ رَبِّکَ الْاَعْلٰی، تسبیح کے معنی پاک رکھنے اور پاکی بیان کرنے کے ہیں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ کے معنی یہ ہیں کہ اپنے رب کے نام کو پاک رکھئے۔ مراد یہ ہے کہ اپنے رب کے نام کی تعظیم وتکریم کیجئے اور جب اللہ کا نام لیں تو خشوع وخضوع ادب کا لحاظ رکھئے اور ہر ایسی چیز سے اس کے نام کو پاک رکھئے جو اس کے شایان نہیں، اس میں یہ بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف ان ناموں سے پکاریئے جو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بیان فرمائے ہیں یا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بتلائے ہیں ان کے سوا کسی اور نام سے اس کو پکارنا جائز نہیں۔

مسئلہ: ایسی طرح حکم میں یہ بھی داخل ہے کہ جو نام اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں وہ کسی مخلوق کے لئے استعمال کرنا اس کی تنزیہہ وتقدیس کے خلاف ہے اس لئے جائز نہیں (قرطبی)

جیسے رحمٰن، رزاق، غفار، قدوس وغیرہ آج کل اس معاملے میں غفلت برتی جا رہی ہے، لوگوں کو ناموں کے اختصار کا شوق ہے عبدالرحمٰن کو رحمٰن، عبد الرزاق کو رزاق، عبدا غفار کو غفار بے تکلف کہتے رہتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس کا کہنے والا اور سننے والا دونوں گنہگار ہوتے ہیں اور یہ گناہ بے لذت رات دن بلاوجہ ہوتا رہتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

تسبیح کرنے کا مطلب:

تنزیہ اسم رب سے یہ مراد ہے کہ تعظیم واحترام کے ساتھ اللہ کا نام لو اور اپنی طرف سے اس کا کوئی نام مقرر نہ کرو بلکہ وہی نام لو جو اللہ نے اپنی کتاب میں ذکر کیے ہیں یا اپنے پیغمبر کی زبانی ظاہر فرمائے ہیں۔

بعض علماء کے نزدیک لفظ اسم زائد ہے مراد یہ ہے کہ زبان سے اپنے رب کی پاکی بیان کرو اور بے دین لوگ جو رب کی صفات بیان کرتے ہیں ان سے اللہ کا پاک ہونا ظاہر کرو۔ اس تقدیس پر آیت میں تسبیح قولی کا امر ہوگا۔

اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو بغوی نے اپنی سند سے بحوالہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى پڑھ کر کہا "سبحان ربی الاعلی"

(گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا کہ آیت میں تسبیح قولی کا حکم دیا گیا ہے اسی لئے تعمیل حکم کرتے ہوئے سبحان ربی الاعلی فرمایا)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہم نے حدیث بیان کر دی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اس کو تم اپنے سجود میں (داخل) کرلو حضرت خذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں سبحان ربی الاعلی پڑھتے تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی روایت آئی ہے۔ (تفسیر مظہری)

معلمین قرآن:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے پہلے ہمارے پاس حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آئے ہمیں قرآن پڑھانا شروع کیا۔ پھر حضرت عمار، حضرت بلال، اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم اجمعین آئے۔ پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ بیس صحابیوں کو لے کر آئے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ میں نے نہیں دیکھا کہ اہل مدینہ کسی چیز پر اس قدر خوش ہوئے ہوں جیسے اس چیز پر خوش ہوئے یہاں تک کہ چھوٹے

بچے اور نابالغ لڑکے بھی پکار اٹھے کہ یہ ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پہلے میں نے یہ سورۃ سَبِّحِ اسْمَ اسی جیسی اور سورتوں کے ساتھ یاد کرلی تھی۔

نمازِ عید کی قراءت: مسند احمد میں مروی ہے کہ رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ دونوں عید کی نمازوں میں پڑھا کرتے تھے۔ اور جمعہ والے دن اگر عید ہوتی تو عید میں اور جمعہ میں دونوں میں انہی دونوں سورتوں کو پڑھتے یہ حدیث صحیح مسلم ہی میں ہے۔ ابوداؤد، ترمذی، نسائی میں بھی ہے۔

رکوع کی تسبیح: مسند احمد میں ہے عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آیت فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ اتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اسے اپنے رکوع میں کرلو۔ جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اتری تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے اپنے سجدے میں کرلو۔ ابوداؤد وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى پڑھتے تو کہتے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہ مروی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۲﴾

جس نے بنایا پھر ٹھیک کیا ☆

معتدل و کامل تخلیق: یعنی جو چیز بنائی عین حکمت کے موافق بہت ٹھیک بنائی اور باعتبار خواص وصفات اور ان فائدوں کے جو اس چیز سے مقصود ہیں اس کی پیدائش کو درجہ کمال تک پہنچایا اور ایسا معتدل مزاج عطا کی جس سے وہ منافع وفوائد اس پر مرتب ہوسکیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَسَوّٰى یعنی پھر اس نے ہر چیز کے اجزاء متناسب اور متوازن بنائے یا یہ مطلب ہے کہ جن ناقابل تصور منافع اور مصالح کے پیش نظر اس نے بنانا چاہا ٹھیک ویسا ہی بنادیا یا یہ معنی ہے کہ نظام کائنات کا جیسا تقاضا تھا ویسا ہی اس نے بنا دیا۔ اسی بناء پر کہا گیا ہے کہ جیسا بنادیا گیا اس سے بہتر ممکن ہی نہیں یعنی نظم کائنات کے تقاضے کے مطابق کوئی تخلیق موجودہ تخلیق سے بہتر نہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰى ﴿۳﴾

اور جس نے ٹھہرادیا، پھر راہ بتلائی ☆

صلاحیت دی پھر راہنمائی کی:

حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں "یعنی اول تقدیر لکھی پھر اسی کے موافق دنیا میں لایا" گویا دنیا میں آنے کی راہ بتادی اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ تحریر فرماتے ہیں" کہ ہر شخص کے لیے ایک کمال کا اندازہ ٹھہرایا پھر اس کو وہ کمال حاصل کرنے کی راہ بتلادی" وفیہ اقوال اخر الانطول بذکرها۔ (تفسیر عثمانی)

ہر چیز اپنے رب کی مقرر کردہ ڈیوٹی پر لگی ہوئی ہے۔ آسمان اور اس کے ستارے اور برق و باراں سے لے کر انسان وحیوان اور نباتات و جمادات سب میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ جس کو جس کام پر خالق نے لگادیا ہے وہی اس پر لگا ہوا ہے۔

ابروباد ومہ خورشید و فلک درکارند

اور مولانا رومیؒ نے فرمایا ہے۔

خاک وباد وآب وآتش بندہ اند		بامن وتو مردہ باحق زندہ اند

سائنسی تعلیم بھی درحقیقت عطائے ربانی ہے:

انسان جس کو حق تعالیٰ نے عقل وشعور سب سے زیادہ مکمل عطا فرمایا اور اس کو مخدوم کائنات بنایا ہے۔ تمام زمین اور پہاڑ اور دریا اور ان میں (پیدا ہونے والی اشیاء انسان کی خدمت اور اس کے نفع کے لئے پیدا ہوئی ہیں مگر ان سے پورا پورا فائدہ اٹھانا اور مختلف قسم کے منافع حاصل کرنا اور مختلف چیزوں کو جوڑ کر ایک نئی چیز پیدا کرلینا یہ بڑے علم و ہنر کو چاہتا ہے۔ قدرت نے انسان کے اندر جو فطری طور پر عقل فہم رکھا ہے کہ پہاڑوں کو کھود کر دریاؤں میں غوطہ لگا کر سینکڑوں معدنی اور دریائی چیزیں حاصل کرلیتا ہے اور پھر لکڑی، لوہے، تانبے اور پیتل وغیرہ کو باہم جوڑ کر ان سے نئی نئی چیزیں اپنے ضرورت کی بنالیتا ہے اور یہ علم وہنر فلاسفہ کی تحقیقات اور کالجوں کی تعلیمات پر موقوف نہیں، ابتدائے دنیا سے ان پڑھ اور جاہل یہ سب کام کرتے آئے ہیں، اور یہی فطری سائنس ہے جو حق تعالیٰ نے انسان کو فطرۃً بخشی ہے آگے فنی وعلمی تحقیقات کے ذریعہ اس میں ترقی کرنے کی استعداد بھی اسی قدرت ربانی کا عطیہ ہے۔

یہ سب جانتے ہیں کہ سائنس کسی چیز کو پیدا نہیں کرتی بلکہ قدرت کی پیدا کردہ اشیاء کا استعمال سکھاتی ہے اور اس استعمال کا ادنیٰ درجہ تو حق تعالیٰ نے انسان کو فطرۃً سکھادیا ہے، آگے اس میں فنی تحقیقات اور ترقی کا بڑا وسیع میدان رکھا ہے اور انسان کی فطرت میں اس کے سمجھنے اور سیکھنے کی استعداد اور صلاحیت رکھی ہے۔ جس کے مظاہر اس سائنسی دور میں روز نئے نئے سامنے آرہے ہیں اور معلوم نہیں آگے اس سے بھی زیادہ کیا کیا سامنے آئے گا غور کرو تو یہ سب ایک لفظ قرآن فَهَدٰى کی شرح ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ان سب کاموں کا راستہ دکھایا۔ (معارف مفتی اعظم)

مخلوق کی تقدیر: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمان وزمین کی آفرینش سے پچاس ہزار برس پہلے ساری مخلوق کے مقدرات کو مقرر فرمادیا گیا تھا اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔ رواہ مسلم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر چیز مقدر ہے یہاں تک کہ فہم کی نارسائی اور ہوشیاری بھی (رواہ مسلم)

فَهَدٰى یعنی خیر ہو یا شر جس غرض کے لئے اللہ نے پیدا کیا اسی کا راستہ بتادیا۔ مجاہد نے کہا انسان کو اچھائی برائی اور سعادت وشقاوت کا راستہ بتادیا

اور حیوان کو چراہ گاہوں کا۔ مقاتل اور کلبی نے کہا کہ مذکر کو مونث سے جفتی کا طریقہ بتادیا۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ نے اشیاء کے منافع پیدا کیے اور انسان کو ان کے حاصل کرنے کا طریقہ بتادیا۔ (تفسیر مظہری)

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ زمین وآسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے خدائے تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی تقدیر لکھی اس کا عرش پانی پر تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی ﴿۴﴾
اور جس نے نکالا چارا
فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی ﴿۵﴾
پھر کر ڈالا اس کو کوڑا سیاہ ☆

جانوروں کی غذا کا انتظام: یعنی اول نہایت سبز وخوشنما گھاس چارہ زمین سے پیدا کیا پھر آہستہ آہستہ اس کو خشک وسیاہ کر ڈالا تاخشک ہو کر ایک مدت تک جانوروں کیلئے ذخیرہ کیا جاسکے اور خشک کھیتی کٹ کر کام میں آئے۔ (تفسیر عثمانی)

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓی ﴿۶﴾
البتہ ہم پڑھائینگے تجھ کو، پھر تو نہ بھولے گا
اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ
مگر جو چاہے اللہ ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے حفاظت قرآن کا انتظام:

یعنی جس طرح ہم نے اپنی تربیت سے ہر چیز کو بتدریج اس کے کمال مطلوب تک پہنچایا ہے تم کو بھی آہستہ آہستہ کامل قرآن پڑھادینگے اور ایسا یاد کرادینگے کہ اس کا کوئی حصہ بھولنے نہ پاؤ گے بجزان آیتوں کے جن کا بالکل بھلا دینا ہی مقصود ہوگا وہ بھی ایک قسم نسخ کی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن کو یاد رکھو: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قرآن کی نگہداشت کرو۔ قسم ہے اس کی کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جس طرح اونٹ اپنے زانو بند سے چھوٹ کر بھاگتا ہے قرآن (اگر اس کی طرف سے غفلت کی جائے تو) اس سے بھی زیادہ تیزی سے نکل جانے والا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی روایت آئی ہے۔ (مسلم وبخاری)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صاحب قرآن کی حالت اس شخص کی طرح ہے جو زانو بند بندھا ہوا اونٹ رکھتا ہے اگر اس کی نگہداشت کرتا رہتا ہے تو روکے رکھتا ہے اور کھول دیتا ہے تو بھاگ جاتا ہے حضرت سعد بن مسعد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص قرآن پڑھ کر بھلا دیتا ہے وہ قیامت کے دن اللہ کے سامنے کوڑھی ہو کر جائے گا۔ (ابوداؤد ودارمی)

اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ مگر جس کا فراموش کیا جانا اللہ چاہے گا وہ تم کو فراموش ہوجائیگا۔

شان نزول: شیخ ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ حضرت جبرئیل وحی لے کر آتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نازل کردہ کلام پڑھتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قراءت جبرائیل کے دوران میں ہی جو کچھ جبرائیل سے سنتے اس کو شروع ہی سے پڑھتے جاتے تھے تاکہ پہلی آیت نہ بھول جائے اس پر اللہ نے آیت سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى نازل فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

م۲ میں اس آیت کا مفہوم وہی ہوگا جو آیت لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ کا ہے۔۱۲

اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ﴿۷﴾
وہ جانتا ہے پکارنے کو اور جو چھپا ہوا ہے ☆

اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے: یعنی وہ تمہاری مخفی استعداد اور ظاہری اعمال واحوال کو جانتا ہے اسی کے موافق تم سے معاملہ کریگا نیز یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جو آیات ایک مرتبہ نازل کردی گئیں پھر ان کو منسوخ کرنے اور بھلا دینے کے کیا معنی اس کی حکمتوں کا احاطہ کرنا اسی کی شان ہے جو تمام کھلی چھپی چیزوں کا جاننے والا ہے اسی کو معلوم ہے کہ کونسی چیز ہمیشہ باقی رہنی چاہیے اور کس کو ایک مخصوص مدت کے بعد اٹھا لینا چاہیے کیونکہ اب اس کا باقی رکھنا ضروری نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ﴿۸﴾
اور سہج سہج پہنچا دینگے ہم تجھ کو آسانی تک ☆

توفیق خداوندی سے سب آسان ہوجائے گا:

یعنی وحی کو یاد رکھنا آسان ہوجائے گا اور اللہ کی معرفت وعبادت اور ملک وملت کی سیاست کے طریقے سب سہل کردیئے جائینگے اور کامیابی کے راستہ سے تمام مشکلات ہٹادی جائینگی۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی ہم تم کو توفیق دیں گے اور تمہارے لئے اعمال جنت کو آسان کردیں گے اور اعمال جنت میں سے نزول کے مطابق قرآن کی قراءت اور اس کی یادداشت اور اس کے مطابق عمل بھی ہے (اس لئے اس کی توفیق بھی ہم ہی دیں گے)

بعض علماء نے کہا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم تم کو آسان اور صحیح شریعت کی توفیق دیں گے۔ (تفسیر مظہری)

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ﴿۹﴾
سو تو سمجھا دے اگر فائدہ کرے سمجھانا ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منصبی ذمہ داری:

یعنی اللہ نے جب آپ پر ایسے انعام فرمائے' آپ دوسروں کو فیض پہنچائیے اور اپنے کمال سے دوسروں کی تکمیل کیجئے (متنبیہ) ''اِنْ نَّفَعَتِ الذِّکْرٰی'' کی شرط اس لیے لگائی کہ تذکیر و وعظ اس وقت لازم ہے جب مخاطب کی طرف سے اس کا قبول کرنا مظنون ہو اور منصب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ و تذکیر ہر شخص کے لیے نہیں ہاں تبلیغ و انذار (یعنی حکم الٰہی کا پہنچانا اور اللہ کے عذاب سے ڈرانا) تاکہ بندوں پر حجت قائم ہو اور عذر جہل و نادانی کا نہ رہے اتنا باعتبار ہر شخص کے ضرور ہے کہ اس کو عرف میں تذکیر و وعظ نہیں کہتے دعوت و تبلیغ کہتے ہیں شاید اسی لیے بعض مفسرین نے زیادہ واضح الفاظ میں آیت کے معنی یوں کیے ہیں کہ بار بار نصیحت کر (اگر ایک بار نصیحت نے نفع نہ کیا ہو) اور ہو سکتا ہے کہ ''اِنْ نَّفَعَتِ الذِّکْرٰی'' کی شرط محض تذکیر کی تاکید کے لیے ہو یعنی اگر کسی کو تذکیر نفع دے تو تجھ کو تذکیر کرنا چاہیے اور یقینی بات ہے کہ تذکیر عالم میں کسی نہ کسی کو ضرور نفع دیگی گو ہر کسی کو نہ دے کما قال تعالیٰ ''وَّذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ'' پس ایک امر کا ایسی چیز پر معلق کرنا جس کا وقوع ضروری ہے اس امر کی تاکید کا موجب ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

اس جملہ شرطیہ کو لانے سے غرض یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جان کو دکھ میں نہ ڈالیں اور ان بے ایمانوں کی حالت پر افسوس نہ کریں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ واعظ و نصیحت اور امر و نہی اس وقت واجب ہے جب اس کی اثر آفرینی کا گمان ہو اسی لئے اعراض کرنے والے سے رخ گردانی کا حکم دیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

لوگوں کی سمجھ کا لحاظ رکھو: امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تم دوسروں کے ساتھ وہ باتیں کرو گے جو ان کی عقل میں نہ آسکیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمہاری بھلی باتیں سب کے لئے بری بن جائیں گی اور باعث فتنہ ہو جائیں گی۔ بلکہ لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق بات چیت کرو تاکہ لوگ خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ جھٹلائیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

سَیَذَّکَّرُ مَنْ یَّخْشٰی ﴿۱۰﴾

سمجھ جائے گا جس کو ڈر ہوگا ☆

خوف ہدایت کا سبب ہے:

سمجھانے سے وہ ہی سمجھتا ہے اور نصیحت سے وہ ہی فائدہ اٹھاتا ہے جس کے دل میں تھوڑا بہت خدا کا ڈر ہو اور اپنے انجام کی فکر نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَّذِیْ یَصْلَی النَّارَ الْکُبْرٰی جو جہنم کی آگ یا آگ کے نچلے طبقہ میں داخل ہوگا۔ ثُمَّ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا پھر اس میں نہ تو اسے موت ہی آئے گی کہ مر کر عذاب سے چھوٹ جائے۔ وَلَا یَحْیٰی اور نہ خوشگوار زندگی ہی پائے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَیَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَی ﴿۱۱﴾

اور یکسو رہے گا اس سے بڑا بدقسمت

الَّذِیْ یَصْلَی النَّارَ الْکُبْرٰی ﴿۱۲﴾

وہ جو داخل ہوگا بڑی آگ میں ☆

بدبخت آدمی: یعنی جس بدقسمت کے نصیب میں دوزخ کی آگ لکھی ہے وہ کہاں سمجھتا ہے اسے خدا کا اور اپنے انجام کا ڈر ہی نہیں جو نصیحت کی طرف متوجہ ہو اور ٹھیک بات سمجھنے کی کوشش کرے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی ﴿۱۳﴾

پھر نہ مرے گا اس میں اور نہ جیے گا

جہنم کا دائمی عذاب: یعنی نہ موت ہی آئیگی کہ تکلیفوں کا خاتمہ کر دے اور نہ آرام کی زندگی ہی نصیب ہوگی ہاں ایسی زندگی ہوگی جس کے مقابلہ میں موت کی تمنا کرے گا۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ﴿۱۴﴾

بے شک بھلا ہوا اس کا جو سنورا ☆

تزکیہ ظاہر و باطن:

یعنی ظاہری و باطنی' حسی و معنوی نجاستوں سے پاک ہو اور اپنے قلب و قالب کو عقائد صحیحہ' اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ سے آراستہ کیا۔ (تفسیر عثمانی)

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی یعنی جس کا باطن شرک سے اور ظاہر ہر نجاست سے اور مال زکوٰۃ نہ دینے کے میل سے اور دل یاد الٰہی کی غفلت سے اور ضمیر نفسانی عیوب سے اور اعضاء جسمانی گناہوں کی میل کچیل سے پاک ہو گیا وہ کامیاب ہو گیا (مطلب یہ کہ زکوٰۃ سے جس نے مالی کثافت کو دور کیا اور نماز سے ظاہری نجاست کو اور ذکر خداوندی سے دل کی کدورت کو اور نفس کو امراض نفسانیہ کی آلائش سے اور اعضاء جسم کو گناہوں کی گندگی سے وہی نجات پا گیا) (تفسیر مظہری)

وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی ﴿۱۵﴾

اور لیا اس نے نام اپنے رب کا پھر نماز پڑھی

نماز، تکبیر اور صدقہ: یعنی پاک و صاف ہو کر تکبیر تحریمہ میں اپنے رب کا نام لیا پھر نماز پڑھی اور بعض سلف نے کہا کہ ''تزکّٰی'' ''زکوٰۃ'' سے ہے جس سے مراد یہاں ''صدقۃ الفطر'' ہے اور ''ذَکَرَ اسْمَ رَبِّهٖ'' سے تکبیرات عید مراد ہیں اور

''فَصَلّٰی'' میں نمازِ عید کا ذکر ہے یعنی عید کے دن اول ''صدقۃ الفطر'' پھر تکبیریں' پھر نماز' والظاہر ہو الاول (تنبیہ) حنفیہ نے پہلی تفسیر کے موافق اس آیت سے دو مسئلے نکالے ہیں۔ اول یہ کہ تحریمہ میں خاص لفظ ''اللہ اکبر'' کہنا فرض نہیں' مطلق ذکر اسم رب کافی ہے جو مشعر تعظیم ہو اور اپنی غرض وحاجت پر مشتمل نہ ہو ہاں ''اللہ اکبر'' کہنا احادیث صحیحہ کی بنا پر سنت یا واجب قرار پائیگا دوسرے تکبیر تحریمہ نماز کے لیے شرط ہے رکن نہیں۔ کیونکہ ''فَصَلّٰی'' کا ''ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ'' پر عطف کرنا معطوف علیہ کی مغائرت پر دال ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (یعنی) جس نے لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دی اور اللہ کے شرکاء کو نکال باہر کیا اور میرے رسول ہونے کی شہادت دی اور ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی (کی تشریح میں) فرمایا یہ پانچ نمازیں اور ان کی شہادت واہتمام ہے۔

حنفیہ نے کہا کہ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ سے تکبیر تحریمہ مراد ہے اسی بناء پر احناف کے نزدیک تکبیر افتتاح کو وہ نماز کا رکن نہیں قرار دیتے بلکہ شرط صلوٰۃ کہتے ہیں۔

دعاء کے آداب: بعض لوگوں نے کہا کہ صلوٰۃ سے مراد دعا ہے اور دعا کا مسنون طریقہ یہی ہے کہ اول بھی اللہ کی ثناء کی جائے اور آخر میں بھی۔ حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے ایک شخص حاضر ہوا اس نے نماز پڑھی پھر (قعدہ اخیر کے بعد) کہا اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے دعا کرنے والے تو نے عجلت سے کام لیا جب تو نماز پڑھے اور (آخری قعدہ) میں بیٹھ جائے تو (اول) ان اوصاف کو بیان کر کے اللہ کی حمد کر جن کا وہ مستحق ہے اور مجھ پر درود پڑھ اور پھر دعا کر۔

راوی کا بیان ہے کہ پھر ایک اور شخص آیا اور نماز پڑھی پھر (قعدہ اخیر میں) اللہ کی حمد میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھی۔ حضور والا نے فرمایا اے نماز پڑھنے والے دعا کر تیری دعا قبول ہوگی۔ ترمذی، ابوداؤد اور نسائی نے اسی طرح کی ایک روایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی نقل کی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھے جب میں بیٹھ گیا تو میں نے اللہ کی ثنا شروع کی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعا کی پھر اپنے لئے دعا کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مانگ تیرا سوال پورا ہوگا مانگ تجھے ملے گا۔ (ترمذی)

سلوک کے مدارج: ہمارے شیخ اعظم یعقوب کرخی قدس سرہ نے فرمایا آیت میں مدارج سلوک کی طرف اشارہ ہے (۱) توبہ اور تزکیہ کی طرف قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى سے اشارہ ہے (۲) زبانی قلبی، روحی اور سری ذکر کی پابندی کی طرف وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ سے اشارہ ہے (۳) مشاہدہ کے دوام کی طرف (فصلی) سے اشارہ ہے کیونکہ نماز اہل ایمان کی معراج ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری آنکھ کے لئے ٹھنڈک نماز میں کر دی گئی ہے۔ (احمد، نسائی، حاکم، بیہقی)

میں کہتا ہوں کہ تزکی پر ذکر کا واؤ کے ساتھ اور صلی کا فاء کے ساتھ عطف طریقہ ذکر کی اس ترتیب کو بتا رہا ہے جس کا تذکرہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے کیا ہے۔ تزکیہ نفس کے ذیل میں مجدد صاحبؒ نے مبتدی کے لئے اسم ذات یا نفی واثبات کے ذکر کو معین کر دیا ہے اور فرمایا ہے کہ بغیر تزکیہ نفس کے نماز کا پورا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ پھر تجلیات ذاتیہ اور تجلیات کی ترقی کے لئے مجدد صاحبؒ نے نماز کی تعیین کی ہے (کہ نماز کے بغیر تجلیات ذاتیہ) کا نہ حصول ہوتا ہے نہ ان میں ترقی۔ (تفسیر مظہری)

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿١٦﴾

کوئی نہیں تم بڑھاتے ہو دنیا کے جینے کو

وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿١٧﴾

اور پچھلا گھر بہتر ہے اور باقی رہنے والا ☆

فکرِ آخرت کی اہمیت:

یعنی یہ بھلائی تم کو کیسے حاصل ہو جب کہ آخرت کی فکر ہی نہیں بلکہ دنیا کی زندگی اور یہاں عیش وآرام کو اعتقاداً یا عملاً آخرت پر ترجیح دیتے ہو حالانکہ دنیا حقیر وفانی اور آخرت اس سے کہیں بہتر اور پائیدار ہے پھر تعجب ہے کہ جو چیز کماً وکیفاً ہر طرح افضل ہو اسے چھوڑ کر مفضول کو اختیار کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

انسان اگر غور کرے کہ اگر اس کو کہا جائے کہ تمہارے سامنے دو مکان ہیں، ایک عالیشان محل اور بنگلہ تمام ساز وسامان سے آراستہ ہے اور دوسرا ایک معمولی کچا مکان ہے اور یہ سامان بھی اس میں نہیں اور ہم تمہیں اختیار دیتے ہیں کہ یا تو بنگلہ لے لو مگر صرف مہینہ دو مہینہ کے لئے اس کے بعد اسے خالی کرنا ہوگا، یا یہ کچا مکان لے لو یہ تمہاری دائمی ملکیت ہوگی تو عقلمند انسان ان دونوں میں کس کو ترجیح دے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس نے اپنی دنیا سے محبت کی اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے آخرت سے محبت رکھی اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہنچایا۔ تم اے لوگو! باقی رہنے والی کو فنا ہونے والی پر ترجیح دو۔ (مسند احمد)

پھر فرماتا ہے کہ ابراہیم وموسیٰ علیہم السلام کے صحیفوں میں بھی یہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ سب بیان ان صحیفوں میں بھی تھا

(بزار) نسائی میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور جب آیت وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى نازل ہوئی تو فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک کا بوجھ دوسرے کو نہ اٹھانا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٨﴾

یہ لکھا ہوا ہے پہلے ورقوں میں

صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿١٩﴾

صحیفوں میں ابراہیم کے اور موسیٰ کے ☆

مذکورہ موضوع کا تاریخی تسلسل:

یعنی یہ مضمون (''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى'' سے یہاں تک) اگلی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ جو کسی وقت منسوخ نہیں ہوا نہ بدلا گیا اس اعتبار سے اور زیادہ مؤکد ہو گیا (تنبیہ) بعض روایات ضعیفہ میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے اور موسیٰ علیہ السلام پر ''توراۃ'' کے علاوہ دس صحیفے نازل ہوئے تھے خدا جانے کہاں تک صحیح ہے۔ (تفسیر عثمانی)

صحف ابراہیمی کے مضامین:

آجری نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ابراہیم علیہم السلام کے صحیفے کیسے اور کیا تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان صحیفوں میں امثال عبرت کا بیان تھا، ان میں سے ایک مثال میں ظالم بادشاہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے لوگوں پر مسلط ہو جانے والے مغرور مبتلیٰ میں نے تجھے حکومت اس لئے نہیں دی تھی کہ تو دنیا کا مال پر مال جمع کرتا چلا جائے بلکہ میں نے تو تجھے اقتدار اس لئے سونپا تھا کہ تو مظلوم کی بددعا مجھ تک نہ پہنچنے دے کیونکہ میرا قانون ہے کہ میں مظلوم کی دعا کو رد نہیں کرتا اگرچہ وہ کافر کی زبان سے نکلی ہو۔

اور ایک مثال میں عام لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ عقلمند آدمی کا کام یہ ہے کہ اپنے اوقات کے تین حصے کرے، ایک حصہ اپنے رب کی عبادت اور اس سے مناجات کا ہو، دوسرا حصہ اپنے اعمال کے محاسبہ کا اور اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت صنعت میں غور و فکر کا، تیسرا حصہ اپنی ضروریات معاش حاصل کرنے کا اور طبعی ضرورتیں پوری کرنے کا۔

اور فرمایا کہ عقلمند آدمی پر لازم ہے کہ اپنے زمانے کے حالات سے واقف رہے اور اپنے مقصود کام میں لگا رہے، اپنی زبان کی حفاظت کرے، اور جو شخص اپنے کلام کو اپنا عمل سمجھ لے گا اس کا کلام بہت کم اور صرف ضروری کاموں میں رہ جائے گا۔

صحف موسیٰ علیہم السلام کے مضامین:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے عرض کیا کہ صحف موسیٰ علیہم السلام میں کیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان میں سب عبرتیں ہی عبرتیں تھیں جن میں سے چند کلمات یہ ہیں۔

مجھے تعجب ہے اس شخص پر جسے مرنے کا یقین ہو پھر کیسے وہ خوش رہتا ہے، اور مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہو وہ کیسے عاجز و درماندہ و غمگین ہو اور مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو دنیا اور اس کے انقلابات اور لوگوں کے عروج و نزول کو دیکھتا ہے وہ کیسے دنیا پر مطمئن ہو کر بیٹھتا ہے، اور مجھے تعجب ہے اس شخص پر جسے آخرت کے حساب پر یقین ہو وہ کیسے عمل کو چھوڑ بیٹھتا ہے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے یہ سوال کیا کہ کیا ان صحیفوں میں سے کوئی چیز آپ کے پاس آنے والی وحی میں بھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوذر رضی اللہ عنہ یہ آیتیں پڑھو۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى۔ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى آخر سورۃ اعلیٰ تک۔ (قرطبی، معارف مفتی اعظم)

سورۃ کی فضیلت: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت یعنی سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى سے محبت رکھتے تھے۔ (احمد)

نماز وتر کی قراءت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (وتر کی تین رکعتوں میں سے پہلی) دو رکعتوں میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ پڑھتے تھے اور طاق رکعت (یعنی تیسری رکعت) میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھتے تھے۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

حضرت ابن ابی کعب رضی اللہ عنہ کی روایت ابوداؤدؒ اور ترمذیؒ نے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ابوداؤد، نسائی احمد اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز وتر کی تین رکعتیں پڑھتے تو پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور دوسری میں قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور تیسری میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے تھے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ عیدین اور جمعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ اور هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ پڑھتے تھے۔ مسلم۔ ابوداؤد و نسائی اور ابن حبان نے بروایت سمرہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ اور هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ پڑھتے تھے۔

فائدہ: مجدد صاحب نے فرمایا کہ جس طرح سورۃ الم نشرح کی (مرتبہ) نزول میں قوی تاثیر ہے۔ اسی طرح مرتبہ عروج میں اس سورت کا بڑا اثر ہے۔ (تفسیر مظہری)

سورۂ غاشیہ

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے گا اس کا مرتبہ بلند ہوگا اور اس کا علم پھیلے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۂ غاشیہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چھبیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ①

کچھ پہنچی تجھ کو بات اُس چھپا لینے والی کی ☆

قیامت کی بات:

یعنی کہ بات سننے کے لائق ہے (تنبیہ) ''غاشیہ'' (چھپا لینے والی) سے مراد قیامت ہے جو تمام مخلوق پر چھا جائیگی اور جس کا اثر سارے عالم پر محیط ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ایسی ساعت جس کی شدتیں اور ہولناکیاں ہر چیز پر چھا جائیں گی الغاشیہ سے ساعت ہی مراد لینا صحیح ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں جا رہے تھے کہ ایک عورت کے قرآن پڑھنے کی آواز آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر سننے لگے اس نے یہی آیت هَلْ اَتٰىكَ پڑھی یعنی کیا تیرے پاس ڈھانپ لینے والی قیامت کی بات پہنچی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ نَعَمْ قَدْ جَآءَنِيْ ہاں میرے پاس پہنچ چکی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ②

کتنے منہ اُس دن ذلیل ہونے والے ہیں

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ③

محنت کرنے والے تھکے ہوئے ☆

بے نتیجہ محنت:

یعنی آخرت میں مصیبتیں جھیلنے والے اور مصیبت جھیلنے کی وجہ سے خستہ و ماندہ اور بعض نے کہا کہ ''عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ'' سے دنیا کا حال مراد ہے یعنی کتنے لوگ ہیں جو دنیا میں محنتیں کرتے کرتے تھک جاتے ہیں مگر انکی سب محنتیں اٹھائی طریق حق پر نہ ہونے کی وجہ سے سب اکارت ہیں یہاں بھی تکلیفیں اور وہاں بھی مصیبت میں رہے ''خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ'' اسی کو کہتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''(کافر لوگ) جو دنیا میں (بڑی بڑی) ریاضت کرتے ہیں (اللہ کے ہاں) کچھ قبول نہیں ہوتی''۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت حسن بصریؒ نے روایت کیا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جب ملک شام تشریف لے گئے تو ایک نصرانی راہب آپ کے پاس آیا جو بوڑھا تھا اور اپنے مذہب کی عبادت و ریاضت اور مجاہدہ و محنت میں لگا ہوا تھا۔ محنت سے اس کا چہرہ بگڑا ہوا تھا، بدن خشک، لباس خستہ و بد ہیبت تھا، جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھا تو آپ رو پڑے لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اس بوڑھے کے حال پر رحم آیا کہ اس بیچارے نے ایک مقصد کے لیے بڑی محنت اور جان فشانی کی مگر وہ اس کے مقصد یعنی رضائے الٰہی کو نہیں پا سکا اور اس پر حضرت عمر نے یہ آیت تلاوت فرمائی وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۞ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۞ (قرطبی۔ معارف مفتی اعظم)

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۞ مشقت کرنے والے تھکے ہوئے یعنی دوزخ میں۔ نصب کا معنی تھکنا

دوزخ کی مشقت:

حسن بصری نے فرمایا انہوں نے دنیا میں اللہ کے لیے کام نہیں کیا تو دوزخ میں اللہ نے ان سے مشقت لی اور طوق و زنجیر کا بار ڈال کر تھکا دیا قتادہ کا بھی یہی قول ہے اور عوفی کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول آیا ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ دوزخ میں اس طرح دھنس جائے گا جس طرح اونٹ دلدل میں دھنس جاتا ہے۔

کلبیؒ نے کہا منہ کے بل ان کو دوزخ میں کھینچا جائے گا۔ ضحاک رضی اللہ عنہ نے کہا دوزخ میں لوہے کے پہاڑ پر چڑھے گا۔ بعض لوگوں نے کہا عاملة اور ناصبة سے وہ بت پرست اور کتابی کافروں میں سے تارک الدنیا درویش مراد ہیں جنہوں نے باطل مذہب کے موافق کام کیے۔ اور دکھ اٹھائے۔ اللہ ان کی اس ضلالت آگیں کوشش کو قبول نہیں فرمائے گا اور قیامت کے دن ان کو دوزخ میں جانا ہوگا یہ قول سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور زید بن اسلم رضی اللہ عنہ کا ہے۔ (تفسیر مظہری)

تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ④

گرینگے دہکتی ہوئی آگ میں

تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝۵

پانی ملے گا ایک چشمے کھولتے ہوئے کا ☆

دوزخ کی گرمی و پیاس:

یعنی جب دوزخ کی گرمی ان کے باطن میں سخت تشنگی پیدا کریگی' بے اختیار پیاس پیاس پکارینگے کہ شاید پانی پینے سے یہ تشنگی دور ہو۔ اس وقت ایک گرم کھولتے ہوئے چشمہ کا پانی دیا جائیگا جس کے پیتے ہی ہونٹ کباب ہوجائینگے اور آنتیں ٹکڑے ٹکڑے ہوکر گر پڑینگی پھر فوراً درست کی جائے گی اور اسی طرح ہمیشہ عذاب میں گرفتار رہینگے العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً وہ گرم آگ میں داخل ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا۔ آگ تپائی جائے گی اور اللہ کے دشمنوں پر اس کو بھڑکایا جائے گا۔

تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ان کو کھولتے چشموں کا پانی پلایا جائے گا۔ ابن ابی حاتم نے سعدی کا قول نقل کیا ہے کہ اٰنِيَةٍ کا معنی ہے گرمی کی آخری چوٹی پر پہنچا ہوا۔ جس کے اوپر گرمی کی کوئی ڈگری نہ ہو۔

اہل تفسیر نے لکھا ہے دوزخی دوزخ میں پیاسے داخل ہوں گے تو ان کو کھولتے چشموں کا پانی پلایا جائے گا۔ ایسا کھولتا ہوا کہ اگر دنیا کے پہاڑوں پر اس کا قطرہ گر جائے تو پہاڑ پگھل جائیں۔ (تفسیر مظہری)

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝۶

نہیں ان کے پاس کھانا مگر جھاڑ کانٹوں والا ☆

دوزخیوں کا کھانا:

''ضریع'' ایک خاردار درخت ہے جو دوزخ میں ہوگا اور جو تلخی میں ایلوے سے زیادہ اور بدبو میں مردار سے بدتر اور گرمی میں آگ سے بڑھ کر ہے جب دوزخی بھوک کے عذاب سے چلائینگے تو یہ چیز کھانے کو دی جائیگی۔ (تفسیر عثمانی)

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ یعنی اہل جہنم کو کھانے کے لئے ضریع کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ ضریع دنیا میں ایک خاص قسم کی خاردار گھاس ہے جو زمین پر پھیلتی ہے کوئی جانور اس کے پاس نہیں جاتا۔ بدبودار زہریلی کانٹوں والی۔ (کذا فسرہ عکرمہ و مجاہد۔ قرطبی)

جہنم میں گھاس درخت کیسے:

یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ گھاس درخت تو آگ سے جل جانے والی چیزیں ہیں جہنم میں یہ کیسے رہیں گے۔ کیونکہ جس خالق و مالک نے ان کو دنیا میں پانی اور ہوا سے پالا ہے۔ اس کو یہ بھی قدرت ہے کہ جہنم میں ان درختوں کی غذا آگ ہی بنادیں۔ وہ اسی سے پھلیں پھولیں۔ (معارف مفتی اعظم)

عبداللہ بن احمد رضی اللہ عنہ نے باسناد نہشل ضحاک کی روایت سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ضریع ایک چیز ہے ایلوے سے زیادہ تلخ، مردار سے زیادہ بدبودار اور آگ سے زیادہ گرم شوک کی طرح ہوگی۔ جب کسی کو کھلائی جائے گی تو نہ اس کے پیٹ میں اترے گی نہ منہ تک اٹھ کر آئے گی (بیچ میں پھنس جائے گی)۔ نہ فربہی پیدا کرے گی نہ بھوک کو دفع کرے گی اور اس کے درمیان اس کو (کھولتا) پانی پلایا جائے گا۔

ابن ابی حاتم نے سعد بن جبیر کا قول بیان کیا ہے کہ ضریع زقوم (تھوہر) ہے۔ ترمذی اور بیہقی نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخیوں پر ایسی بھوک مسلط کی جائے گی۔ جو اس سارے عذاب کے برابر ہوگی۔ جس میں وہ مبتلا ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝۷

نہ موٹا کرے اور نہ کام آئے بھوک میں ☆

بس وہ نام کا کھانا ہے:

کھانے سے مقصود یا محض لذت حاصل کرنا ہوتا ہے یا بدن کو فربہ کرنا یا بھوک کو دفع کرنا ''ضریع'' کے کھانے سے کوئی بات حاصل نہ ہوگی لذت و مزہ کی نفی تو اس کے نام سے ظاہر ہے باقی دو فائدے انکی نفی اس آیت میں تصریحاً کردی غرض کوئی لذیذ و مرغوب کھانا ان کو میسر نہ ہوگا یہاں تک دوزخیوں کا حال تھا آگے ان کے بالمقابل جنتیوں کا ذکر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ نہ وہ فربہی پیدا کرے گا نہ بھوک کے کام آئے گا اور کھانے کا مقصد انہی دو چیزوں میں سے کوئی چیز ہوتی ہے۔

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ سے مراد یہ ہے کہ طعام اور طعام جیسی اور کوئی چیز جو فربہی اور بھوک کیلئے مفید ہو۔ دوزخ میں ان کے لئے نہ ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

شان نزول: اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ جب مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی تو مشرکوں نے کہا ضریع کھانے سے نہ تو ہمارے اونٹ موٹے ہوتے ہیں کیونکہ اونٹ تروتازہ ضریع کو خصوصاً شبرق کو چرتے ہیں۔ خشک ہوجانے کے بعد کوئی چیز اس کو نہیں کھاتی۔ اس طرح وہاں بھی ہوگا۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝۸

کتنے منہ اس دن تروتازہ ہیں

لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۝۹

اپنی کمائی سے راضی ☆

صحیح محنت کرنے والے:

یعنی خوش ہونگے کہ اپنی کوشش ٹھکانے لگی اور محنت کا پھل خوب ملا۔ (تفسیر عثانی)

فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۱۰﴾
اُونچے باغ میں
لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ﴿۱۱﴾
نہیں سنتے اس میں بکواس ☆

پاکیزہ ماحول:

یعنی کوئی بے ہودہ بات نہیں سنیں گے چہ جائیکہ گالی گفتار اور ذلت کی بات ہو۔ (تفسیر عثانی)

لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً یعنی جنت میں کوئی ایسا کلام ایسی بات اہل جنت کے کان میں نہ پڑے گی جو لغو و بیہودہ اور دلخراش ہو۔ اس میں کلمات کفریہ باطلہ بھی آ گئے اور گالی گلوچ، افترا اور بہتان، الزام لگانا اور ایسے سب کلام آ گئے جن کو سن کر انسان کو ایذا پہنچتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

یعنی کسی کو تم بیہودہ بات کرتے نہیں سنو گے۔ کیونکہ اہل جنت کا سارا کلام ذکر آمیز اور پُر از حکمت ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

ابن ماجہ وغیرہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کوئی ہے جو تہبند چڑھائے، جنت کی تیاری کر لے، اس جنت کی جس کی لمبائی چوڑائی بے حساب ہے، رب کعبہ کی قسم وہ ایک چمکتا ہوا نور ہے، وہ ایک لہلہاتا ہوا سبزہ ہے، وہ بلند و بالا محلات ہیں، وہ بہتی ہوئی نہریں ہیں، وہ بکثرت ریشمی حلے ہیں، وہ پکے پکائے تیار عمدہ پھل ہیں۔ وہ ہمیشگی والی جگہ ہے، وہ سراسر میوے جات، سبزہ راحت اور نعمت ہے۔ وہ تر و تازہ اور بلند و بالا جگہ ہے۔ سب لوگ بول اٹھے کہ ہم سب اس کے خواہشمند ہیں، اور اس کے لئے تیاری کریں گے اور فرمایا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ کہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انشاء اللہ تعالیٰ کہا۔ (تفسیر ابن کثیر)

فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿۱۲﴾
اُس میں ایک چشمہ ہے بہتا ☆

بہتے چشمے:

یعنی ایک عجیب طرح کا چشمہ اور بعض نے اس کو جنس پر حمل کیا ہے یعنی بہت سے چشمے بہہ رہے ہیں۔ (تفسیر عثانی)

ابن حبان، حاکم، بیہقی اور طبرانی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کے دریا مشک کے پہاڑ سے پھوٹ کر نکلتے ہیں۔ (مظہری)

فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ﴿۱۳﴾
اس میں تخت ہیں اُونچے بچھے ہوئے
وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ﴿۱۴﴾
اور آبخورے سامنے چنے ہوئے

کہ جب پینے کو جی چاہے دیر نہ لگے۔ (تفسیر عثانی)

جنتیوں کے تخت:

احمد و ترمذی و ابن ماجہ نے بروایت حضرت ابو سعید خدری وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ کی تفسیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے کہ دونوں فرشتوں کے درمیان اتنا فرق ہوگا جتنا آسمان و زمین کے درمیان ہے۔ ترمذی کی نقل کردہ حدیث میں ہے ان کی بلندی پانچ سو برس کی راہ کے برابر ہوگی جیسی آسمان و زمین کے درمیان ہے۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت ابوامامہ کا قول وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ کے ذیل میں نقل کیا ہے کہ اگر بالائی فرش زیریں فرش پر گر جائے تو چالیس برس میں بھی نہ پہنچے۔ طبرانی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ اگر ان میں سے کوئی فرش اوپر سے انتہائی نشیب کی طرف گرے تو سو سال تک گرتا چلا جائے۔ بغویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان تختوں کے تختے سونے کے ہوں گے جن کا حاشیہ زمرد، موتی اور یاقوت سے آراستہ ہوگا وہ اونچے ہوں گے لیکن جب بیٹھنے والا ان پر بیٹھنا چاہے گا تو وہ نیچے ہو جائیں گے، پھر اٹھ جائیں گے اور اپنے مقام پر چلے جائیں گے۔ (مظہری)

وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ﴿۱۵﴾
اور غالیچے برابر بچھے ہوئے ☆

غالیچے:

یعنی نہایت قرینے اور ترتیب سے بچھے ہوئے اور گاؤ تکیے لگے ہوئے۔ (تفسیر عثانی)

وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ﴿۱۶﴾
اور مخمل کے نہالچے جگہ جگہ پھیلے ہوئے ☆

تا کہ جس وقت جہاں چاہیں آرام کریں۔ اور ایک جگہ سے دوسری جگہ

جانے کی کلفت نہ اٹھائیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ
بھلا کیا نظر نہیں کرتے اُونٹوں پر
کَیْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾ وقفة
کہ کیسے بنائے ہیں ☆

کہ ہیئت اور خاصیت دونوں اور جانوروں کی نسبت اس میں عجیب ہیں جنکی تفصیل تفسیر عزیزی میں دیکھنے کے قابل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اونٹ کی خلقت:

حق تعالیٰ نے اس عظیم الجثہ جانور کوایسا بنادیا ہے کہ عرب کے بدو اور غریب مفلس آدمی بھی اتنے بڑے جانور کے پالنے، رکھنے میں کوئی مشکل محسوس نہ کریں کیونکہ اس کو چھوڑ دیجئے تو یہ اپنا پیٹ خود بھرلے گا اونچے درختوں کے پتے توڑنے کی بھی آپ کو زحمت بھی نہیں کرنا پڑتی۔ یہ خود درختوں کی شاخیں کھا کر گزارہ کرلیتا ہے، ہاتھی اور دوسرے جانوروں کی سی اس کی خوراک نہیں جو بڑی گراں پڑتی ہے۔ عرب کے جنگلوں میں پانی بہت ایک کمیاب چیز ہے، ہر جگہ ہر وقت نہیں ملتا۔ قدرت نے اس کے پیٹ میں ایک ریزرو ٹینکی ایسی لگادی ہے کہ سات آٹھ روز کا پانی پی کر یہ اس ٹینکی میں محفوظ کرلیتا ہے، اور تدریجی رفتار سے وہ اس کی پانی کی ضرورت کو پورا کردیتا ہے۔ اتنے اونچے جانور پر سوار ہونے کے لئے سیڑھی لگانا پڑتی مگر قدرت نے اس کے پاؤں کو تین تہ میں تقسیم کردیا یعنی مع پاؤں میں دو گھٹنے بنادیئے جن کو وہ تہہ کرکے بیٹھ جاتا ہے تو اس پر چڑھنا اور اترنا آسان ہوجاتا ہے۔ محنت کش اتنا ہے کہ سب جانوروں سے زیادہ بوجھ اٹھالیتا ہے۔ عرب کے میدانوں میں دن کا سفر دھوپ کی وجہ سے سخت مشکل ہے قدرت نے اس جانور کو رات بھر چلنے کا عادی بنادیا ہے۔ مسکین طبع ایسا ہے کہ ایک لڑکی، بچی اس کی مہار پکڑ کر جہاں چاہے لیجائے اس کے علاوہ اور بھی بہت سی خصوصیات ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

شان نزول: صاحب مدارک نے لکھا ہے کہ آیت سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ تختیوں کی بلندی اتنی ہوگی اور اَکْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ کی تشریح میں فرمایا کہ وہ بے شمار ہوں گے انکی گنتی کوئی مخلوق نہ کرسکے گی اور تکیوں کا طول اور مسندوں کا عرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو کافروں نے تکذیب کردی اور کہنے لگے کہ ان تکیوں پر چڑھنا کس طرح ممکن ہوگا اور اتنی کثرت سے کوزے اور لمبے تکیے اور اتنی چوڑی مسندوں کا فرش کیسے ہوگا دنیا میں تو ایسا کبھی دیکھنے میں نہیں آتا اسوقت اللہ نے آیت اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ نازل فرمائی۔

اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ اونٹوں کی تخلیق کیسے کی گئی کہ اتنا لمبا جانور جب بیٹھتا ہے تو دوزانو ہوجاتا ہے اور پھر کھڑا ہوجاتا ہے اونٹوں کی طرح وہ تخت بھی مومنوں کے بیٹھنے کے لئے جھک جائیں گے۔

عرب میں اونٹ کی اہمیت:

عربوں کی تمام ضروریات زندگی اونٹ سے وابستہ تھیں اس کا گوشت کھاتے، دودھ پیتے، اس پر سامان لادتے اور خود سوار ہوتے تھے اور دوسرے جانوران خصوصیات سے بے بہرہ تھے اس لئے فرمایا کہ اونٹ کی تخلیق پر یہ لوگ غور نہیں کرتے جو اللہ کی قدرت کاملہ اور حسن اخلاقیت پر دلالت کررہی ہے اتنا بڑا جانور لادے جانے کے لئے دوزانو ہوکر بیٹھ جاتا ہے پھر لد کر بوجھ لے کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اپنے قائد کا (بے چون وچرا) تابع ہے۔ لمبی گردن ہونے کی وجہ سے درختوں کے پتے بھی کھالیتا ہے اور گھاس بھی چر لیتا ہے بیابانوں کو قطع کرنے میں اگر دس روز پانی نہ ملے تو پیاس کو برداشت کرلیتا ہے۔

اللہ کی تمام مخلوق بے مثال ہے:

بعض لوگوں نے کہا کہ ابل سے مراد ابر ہے ابل اس ابر کو کہتے ہیں جو پانی سے بھرا ہوا ہو۔ (قاموس)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے (حدیث قدسی) منقول ہے کہ میرے سوا کوئی ابل کی طرح پیدا کرسکتا ہے اور آسمان کی طرح کوئی چھت بلند کرسکتا ہے۔ اور پہاڑوں کی طرح (کسی چیز کو) بپا کرسکتا ہے۔ اور زمین کی طرح (کسی چیز کا فرش) بچھا سکتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾ وقفة
اور آسمان پر کہ کیسا اُس کو بلند کیا ہے ☆

بدون ظاہری ستون اور کھمبے کے۔

وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ وقفة
اور پہاڑوں پر کہ کیسے کھڑے کر دیئے ہیں ☆

کہ ذرا اپنی جگہ سے جنبش نہیں کھاتے۔

وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾
اور زمین پر کہ کیسی صاف بچھائی ہے ☆

دلائل قدرت:

کہ اپنی کلانی کے سبب باوجود کروی الشکل ہونے کے مسطح معلوم ہوتی ہے اسی لیے اس پر رہنا سہنا آسان ہوگیا یہ سب دلائل قدرت بیان ہوئے یعنی تعجب

ہے ان چیزوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکیمانہ انتظامات کو نہیں سمجھتے جس سے بعث بعد الموت پر اس کا قادر ہونا اور عالم آخرت کے عجیب و غریب انتظامات کا ممکن ہونا سمجھ میں آ جاتا اور تخصیص ان چیزوں کی بقول ابن کثیرؒ اس لیے ہے کہ عرب کے لوگ اکثر جنگلوں میں چلتے پھرتے تھے اس وقت ان کے سامنے بیشتر یہی چار چیزیں ہوتی تھیں سواری میں اونٹ اوپر آسمان نیچے زمین اور گرد پہاڑ اس لیے انہی علامات میں غور کرنے کے لیے ارشاد ہوا۔ (تفسیر حقانی)

اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح ہمواری کے ساتھ اس کا فرش بچھایا گیا ہے یہی حالت جنت کے مسندوں کی ہوگی ممکن ہے آیات کا مطلب اس طرح ہو کہ انواع کائنات کچھ مرکب ہیں جیسے اونٹ اور کچھ بسیط ہیں جیسے آسمان وزمین و پہاڑ) اور یہ سب اللہ کی قدرت پر دلالت کر رہی ہیں اور اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ قیامت پر قادر ہے پھر یہ لوگ اس کائنات مرکبہ وبسیطہ غور کر کے اللہ کی قدرت علی البعث پر کیوں استدلال نہیں کرتے اور اس سچے مخبر کی شہادت کو کیوں نہیں مانتے جس کی سچائی معجزات سے ثابت ہے اور کیوں اس کے لئے آخرت کی تیاری نہیں کرتے؟ (تفسیر مظہری)

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾

سو تو سمجھائے جا، تیرا کام تو یہی سمجھانا ہے

لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿۲۲﴾

تو نہیں اُن پر داروغہ ☆

پیغمبر کے ذمہ نصیحت کرنا ہے:

یعنی جب یہ لوگ باوجود قیام دلائل واضحہ غور نہیں کرتے تو آپ بھی ان کی فکر میں زیادہ نہ پڑیئے بلکہ صرف نصیحت کر دیا کیجئے کیونکہ آپ نصیحت کرنے اور سمجھانے ہی کے لیے بھیجے گئے ہیں اگر یہ نہیں سمجھتے تو کوئی آپ ان پر داروغہ بنا کر مسلط نہیں کیے گئے کہ زبردستی منوا کر چھوڑیں اور ان کے دلوں کو بدل ڈالیں یہ کام مقلب القلوب ہی کا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ایک بدوی کا واقعہ:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب ہمیں (غیر ضروری سوالات) کرنے کی ممانعت کر دی گئی تھی (اور اس وجہ سے ہم مرعوب وخوفزدہ ہو کر نفس سوال کرنے کی بھی جراءت نہ کرتے تھے تو ہمارا دل چاہتا تھا کہ کوئی بدوی شخص سمجھدار آ کر مجلس میں کچھ سوال کرے اور ہم سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب مبارک سے مستفید ہو جائیں۔ تو ایک دن ایک شخص آیا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدویانہ انداز میں خطاب کرتے ہوئے کہا۔ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہمارے پاس آیا ہے اور اس نے یہ بتایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان کیا ہے کہ اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا اس نے سچ کہا ہے۔ اس پر بدوی کہنے لگا اچھا تو یہ بتایئے کہ آسمان کس نے بنایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے۔ اس نے کہا کہ یہ زمین کس نے پیدا کی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے۔ پھر اس نے کہا تو یہ پہاڑ کس نے قائم کیے اور ان میں پیدا کیا جو کچھ بھی پیدا کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا اللہ نے۔ یہ سن کر وہ بولا کہ اس ذات کی قسم جس نے یہ آسمان بنایا جس نے یہ زمین پیدا کی اور جس نے اس پر پہاڑ قائم کیے اور اس میں پیدا کیا جو بھی کچھ پیدا کیا......؟ اسی خدا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا بیشک اسی نے مجھے رسول بنایا۔ اس کے بعد اس نے ارکان اسلام کا ذکر کیا جو اس قاصد کے ذریعے معلوم ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کی بھی تصدیق کی۔ اور جب وہ شخص اس گفتگو سے فارغ ہوا تو فوراً مجلس سے اٹھ کھڑا ہوا یہ کہتے ہوئے واللہ لا افرید علی ھذا ولا انقص کہ خدا کی قسم میں ان چیزوں میں نہ کمی کروں گا نہ زیادتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان صدق یدخلن الجنۃ ''یعنی اگر سچا ہے تو ضرور بالضرور یہ شخص جنت میں داخل ہوگا'' تو اس حدیث کے مضمون سے یہ ظاہر ہوا کہ ان دلائل قدرت پر اس سمجھدار اعرابی کی نظر اپنے فطری تقاضے کے باعث تھی اور اسی کی وجہ سے اس کو یہ سب کچھ سعادت نصیب ہوئی جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے پیغام بشارت جاری ہوا۔ (معارف کاندھلوی)

اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ یہ نصیحت کرنے کی علت کا بیان ہے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ فقط پہنچا دینے کا ہے اگر وہ غور نہ کریں یا نصیحت پذیر نہ ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ذمہ دار نہیں۔ (مظہری)

بخاری، مسلم، ترمذی نسائی، مسند احمد وغیرہ میں حدیث ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں بار بار سوالات کرنے سے روک دیا گیا تھا تو ہماری یہ خواہش رہتی تھی کہ باہر کا کوئی عقلمند شخص آئے وہ سوالات کرے ہم بھی موجود ہوں اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی جوابات سنیں، چنانچہ ایک دن ایک بادیہ نشین آئے اور کہنے لگے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد ہمارے پاس آئے اور ہم سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ خدا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول بنایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے سچ کہا ہے۔ وہ کہنے لگا بتلایئے کس نے آسمان کو پیدا کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے، کہا زمین کس نے پیدا کی

۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے، کہا کہ ان پہاڑوں کو کس نے گاڑ دیا؟ اوران میں یہ فائدے کی چیزیں کس نے پیدا کیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے، کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قسم ہے اللہ کی جس نے آسمان وزمین پیدا کیے اوران پہاڑوں کو گاڑ دیا، اللہ تعالیٰ نے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں، کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد نے یہ بھی کہا ہے کہ ہم پر رات دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ فرمایا کہ اس نے سچ کہا۔ کہا اس اللہ تعالیٰ کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قسم ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے کہ کیا یہ خدا کا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں، کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد نے یہ بھی کہا کہ ہمارے مالوں میں ہم پر زکوۃ فرض ہے۔ فرمایا سچ ہے، کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بھیجنے والے خدا کی قسم کیا اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے؟ فرمایا ہاں، کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد نے ہم میں سے طاقت رکھنے والے لوگوں کو حج کا حکم بھی دیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا۔ یہ سن کروہ کہتا ہوا چل دیا کہ اس خدائے واحد کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے نہ میں ان پر کچھ زیادتی کروں نہ میں ان میں کوئی کمی کروں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس نے سچ کہا تو یہ جنت میں داخل ہوگا بعض روایات میں ہے کہ اس نے کہا کہ میں ضمام بن ثعلبہ ہوں بنو سعد بن بکر کا بھائی۔

ایک بچے کا عجیب واقعہ:

ابویعلیٰ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اکثر یہ حدیث سنایا کرتے تھے کہ زمانہ جاہلیت میں ایک عورت پہاڑ پر تھی اس کے ساتھ اس کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ یہ عورت بکریاں چرایا کرتی تھی، اس کے لڑکے نے اس سے پوچھا کہ اماں جان تمہیں کس نے پیدا کیا؟ اس نے کہا کہ اللہ نے۔ پوچھا کہ میرے ابا جی کو کس نے پیدا کیا؟ اس نے کہا کہ اللہ نے۔ پوچھا مجھے؟ کہا اللہ تعالیٰ نے۔ پوچھا آسمان کو؟ کہا اللہ تعالیٰ نے۔ پوچھا پہاڑ کو؟ بتلایا کہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ بچے نے پھر سوال کیا کہ اچھا ان بکریوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ ماں نے کہا انہیں بھی اللہ نے پیدا کیا ہے۔ بچے کے منہ سے بے اختیار نکلا کہ خدا تعالیٰ بڑی شان والا ہے۔ اس کا دل عظمت خدا سے بھر گیا وہ اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکا اور پہاڑ پر سے گر پڑا ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ ابن دینار فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی یہ حدیث ہم سے اکثر بیان فرمایا کرتے تھے۔ اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن جعفر مدینی ضعیف ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ﴿۲۳﴾
مگر جس نے منہ موڑا اور منکر ہوگیا

فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ﴿۲۴﴾
تو عذاب کرے گا اُس پر اللہ وہ بڑا عذاب
اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿۲۵﴾
بے شک ہمارے پاس ہے ان کو پھر آنا
ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿۲۶﴾
پھر بے شک ہمارا ذمہ ہے اُن سے حساب لینا ☆

منکر بچ نہیں سکے گا:

یعنی جس نے اللہ کی طاعت سے روگردانی کی اور اس کی آیتوں کا انکار کیا وہ آخرت کے بڑے عذاب اور اللہ کی سخت ترین سزا سے بچ نہیں سکتا۔ یقیناً ان کو ایک روز ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے اور ہم کو ان سے رتی رتی کا حساب لینا ہے غرض آپ اپنا فرض ادا کیے جایئے اور ان کا مستقبل ہمارے سپرد کیجئے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی تم ان کو نصیحت کرو مگر ان میں سے جو ایمان سے روگرداں ہوا اور کفر کرتا رہے اور تم کو اس کے ایمان کی امید نہ رہے تو وہ مستثنیٰ ہے (اس کو نصیحت کرنا ضروری نہیں)

اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ وعید کو قوی بنانے کے لئے اِلَيْنَآ کو مقدم ذکر کیا یعنی ان کی واپسی ایسے جبار قہار کی طرف ہی ہوگی جو ان کو سزا دینے پر قادر ہے۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ پھر ہمارے ہی ذمہ ان سے حساب لینا اور حسب درجہ کفران کو عذاب دینا ہے علیٰ لزوم پر دلالت کر رہا ہے لیکن اللہ پر کوئی چیز لازم نہیں (یعنی بالذات لازم نہیں ہاں اس نے کافروں کو معاف نہ کرنے کا وعدہ کر لیا ہے اس لئے اس وعدہ کی وجہ سے کافروں کو عذاب دینا اس پر لازم ہے) کیونکہ خدا پر کسی چیز کا وجوب اس کی شان الوہیت کے منافی ہے (لزوم سے عجز لازم آتا ہے اور ہر عجز سے اللہ پاک ہے اس لئے اس جگہ علیٰ کا استعمال تاکید وعید کے لئے ہے۔ (تفسیر مظہری)

سورة الفجر

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے گا اس کو ہیبت و رونق کا لباس ملے گا۔ (ابن سیرین)

سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

سورۂ فجر مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی تیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالْفَجْرِ ۝۱ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝۲

قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی

وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝۳ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝۴

اور جفت اور طاق کی، اور اس رات کی جب رات کو چلے ☆

متبرک اوقات:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''عید قربان کی فجر بڑا حج ادا ہوتا ہے اور دس رات اس سے پہلے اور جفت اور طاق رمضان کی آخری (عشرہ) دہائی میں ہے اور جب رات کو چلے یعنی پیغمبر معراج کو''۔ یہ سب اوقات متبرک تھے اس لیے ان کی قسم کھائی (تنبیہ) ''وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ'' کے معنی عموماً مفسرین نے رات کے گزرنے یا اس کی تاریکی پھیلنے کے لیے ہیں۔ گویا صبح کی قسم کے مقابلہ میں رات کے جانے یا آنے کی قسم کھائی۔ جیسا کہ جفت کے مقابل طاق کی قسم کھائی گئی ہے اور ''وَلَيَالٍ عَشْرٍ'' سے بھی ممکن ہے مطلق دس راتیں مراد ہوں کیونکہ اس کے افراد و مصادیق میں بھی تقابل پایا جاتا ہے۔ مہینہ کے شروع کی دس راتیں اول روشن ہوتی ہیں پھر تاریک اور اخیر کی دس راتیں ابتدا میں تاریک رہتی ہیں پھر روشن ہوتی ہیں اور درمیانی دس راتوں کا حال ان دونوں سے جداگانہ ہے۔ گویا اس اختلاف و تقابل سے اشارہ فرمادیا کہ آدمی کو عیش و آرام یا مصیبت اور تنگی یا فراخی کی جو حالت پیش آئے مطمئن نہ ہو جائے اور یوں نہ سمجھے کہ اب اسکے خلاف دوسری حالت پیش نہ آئے گی۔ اسے یاد رکھنا چاہیے کہ حق تعالیٰ خالق اضداد ہے۔ جس طرح وہ آفاق میں ایک ضد کے مقابل دوسری ضد کو لاتا ہے ایسے ہی تمہارے حالات و کوائف کو بھی اپنی حکمت و مصلحت کے موافق ادل بدل کرتا رہتا ہے چنانچہ آگے جو واقعات و مضامین مذکور ہیں ان میں اسی اصول پر متنبہ فرمایا ہے (تنبیہ دوم) اس آیت کی تفسیر میں دو حدیثیں مرفوع آئی ہیں جابرؓ کی اور عمران بن حصینؓ کی۔ حافظ ابن کثیرؒ پہلی کی نسبت لکھتے ہیں۔ ''وهذا اسناد رجاله لاباس بهم وعندى ان المتن فى رفعه نكارة'' اور دوسری کی نسبت فرماتے ہیں ''وعندى ان وقفه على عمران بن حصين اشبه والله اعلم''۔ (تفسیر عثمانی)

عبادت کے لئے افضل وقت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبادت کرنے کے لئے اللہ کے نزدیک سب دنوں میں عشرۂ ذی الحجہ سب سے افضل ہے اس کے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر اور اس میں ہر رات کی عبادت شب قدر کے برابر ہے۔ (رواہ الترمذی، ابن ماجہ بسند ضعیف عن ابی ہریرہؓ، مظہری)

اور ابوالزبیر نے جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝ کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مراد عشرۂ ذی الحجہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ دس راتیں وہی ہیں جو موسیٰ علیہم السلام کے قصے میں آئی ہیں وَاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ۔ کیونکہ یہی دس راتیں سال کے ایام میں افضل ہیں۔ امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ حضرت جابرؓ کی یہ حدیث مذکور سے افضل ایام ہونا عشرہ ذی الحجہ کا معلوم ہوا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہم السلام کے لئے بھی یہ دس راتیں ذی الحجہ کی مقرر کی گئی تھیں۔ (معارف مفتی اعظم)

یکم محرم: قتادہؒ نے کہا کہ ماہ محرم کے پہلے دن کی فجر مراد ہے اسی سے (نیا) سال پھوٹتا ہے۔ ضحاک نے کہا کہ ماہ ذی الحجہ کی پہلی تاریخ کی فجر مراد ہے کیونکہ اس سے ذی الحجہ کی دس راتیں (ابتدائی عشرہ) متصل ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذی الحجہ کی دس دنوں کی عبادت سے زیادہ اللہ کو اور کسی دن کی عبادت محبوب نہیں اس کا ہر دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے اور اس کی ہر رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ بسند ضعیف)

ایمان بن رباب کا قول ہے کہ محرم کا عشرہ اول مراد ہے جس کا دسواں دن عاشورہ ہوتا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا رمضان کے بعد افضل روزے ماہ محرم کے ہیں اور فرض نماز کے بعد افضل نماز۔ رات کی نماز (تہجد) ہے۔ (رواہ مسلم)

رات کا آنا:

قتادہ نے اذا یسر کا ترجمہ کیا ہے اِذَا جَاءَ وَ اَقْبَلَ یعنی آتی ہوئی رات کی قسم۔ تعاقب شب اللہ کی قدرت کاملہ اور کثرت انعام پر دلالت کرتا

ہے اس لئے (رات کی قسم کھانے میں) یہ قید ذکر کر دی رات خود نہیں آتی جاتی بلکہ دوسری جاندار مخلوق رات میں آتی جاتی ہے اسی لئے رات کی طرف سیر کی نسبت مجازی ہے۔ (تفسیر مظہری)

جفت اور طاق رات:

حضرت واصل بن صائبؒ نے حضرت عطاؒ سے پوچھا کہ وتر سے مراد یہی وتر نماز ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں شفع عرفہ کا دن ہے اور وتر عید الاضحیٰ کی رات ہے۔

اللہ وتر ہے:

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ اللہ کے ایک کم ایک سو نام ہیں جو انہیں یاد کرلے وہ جنتی ہے وہ وتر ہے اور وتر کو دوست رکھتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ﴿۵﴾

ہے اُن چیزوں کی قسم پوری عقل مندوں کے واسطے ☆

عظیم قسمیں:

یعنی یہ قسمیں معمولی نہیں نہایت معتبر اور مہتم بالشان ہیں اور عقلمند لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ تاکید کلام کے لیے ان میں ایک خاص عظمت و وقعت پائی جاتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لِّذِيْ حِجْرٍ عقلمند کے لئے (حِجْرٌ روکنا) عقل بھی عقلمند کو بری چیز سے روکتی ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿۶﴾ اِرَمَ

تو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے عاد کے ساتھ وہ جو ارم میں تھے ☆

قوم عاد:

''عادؔ'' ایک شخص کا نام ہے جس کی طرف یہ قوم منسوب ہوئی اس کے اجداد میں سے ایک شخص ''ارم'' نامی تھا اس کی طرف نسبت کرنے سے شاید اس طرف اشارہ ہو کہ یہاں ''عادؔ'' سے ''عاد اولیٰ'' مراد ہے۔ ''عاد ثانیہ'' نہیں اور بعض نے کہا کہ ''قوم'' عاد میں جو شاہی خاندان تھا اسے ''ارم'' کہتے تھے واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت العلامہ حقانی دہلوی قدس سرہ نے اپنی تفسیر میں ان تاریخی نقول کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ''مروی ہے کہ عاد کے دو بیٹے تھے۔ شدید اور شداد۔ یہ ملکوں پر قابض ہوئے۔ شدید مر گیا تو شداد اس کا قائم مقام ہوا۔ اس کے اقبال نے ترقی کی اور بڑے بڑے شہر اس کے مطیع ہو گئے اس نے (انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں) جنت کا ذکر سنا تو کہا کہ میں بھی ایک ایسی ہی بہشت تیار کرتا ہوں۔ تب اس نے یمن کے بعض جنگلوں میں شہر ارم کی بنیاد ڈالی اور تین سو برس میں ایک شہر تیار ہوا جس میں سونے چاندی کے محل اور زبرجد کے ستون تھے۔ اقسام و انواع کے اس میں باغ لگائے نہریں جاری کیں۔ یہ شہر جب بن کر تیار ہو گیا تو تمام ارکان سلطنت کو جمع کر کے اپنے ساتھ لے کر اس شہر کی طرف چلا (تاکہ اپنی تیار کی ہوئی بہشت کی سیر کرائے) شداد جب اپنی بہشت کے قریب پہنچا تو آسمان سے ایک ہیبتناک کڑک آئی اور اس نے سب کو ہلاک کر ڈالا۔ تاریخی نقول سے ظاہر ہے (قوم عاد جس طرح جسمانی لحاظ سے تومند ڈول ڈیل میں مضبوط طویل القامت ہوتے تھے اسی طرح ان کی عمریں بھی طویل ہوتی تھیں اس بناء پر تاریخی روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ) شداد نو سو برس تک زندہ رہا۔

یہ بھی ایک روایت بعض کتب تاریخ میں مذکور ہے (واللہ اعلم بالصواب) کہ حضرت ابو قلابہ ﷺ ایک مرتبہ اپنا گمشدہ اونٹ تلاش کرتے ہوئے اس جنگل میں جا نکلے جہاں شہر ارم تھا۔ وہاں ان کو کچھ جواہرات ملے جو یہ اٹھا لائے۔ امیر معاویہ ﷺ کو جب اس کی خبر ہوئی تو بلا کر وہاں کے احوال دریافت کئے اور سن کر یہی خیال کیا کہ شاید وہی کھنڈرات ہوں جہاں شہر ارم آباد تھا۔

(کذا فی تفسیر فتح المنان المعروف بہ تفسیر حقانی۔ ج۔ ۸) (معارف کاندھلوی)

تمہارے رب نے عاد کی کیا حالت کر دی ان کافروں سے ان کی عمریں لمبی تھیں، ان کی جسمانی طاقتیں بھی زیادہ تھیں، لیکن اللہ نے ان کا ستیاناس کر دیا، طوفان بھیج کر ان کو تباہ کر دیا تو یہ اس کے عذاب سے کیسے بچ سکیں گے۔

اِرَم: اِرَمَ یہ عاد سے بدل ہے یا عطف بیان ہے ارم عاد کے ایک قبیلے کا نام تھا جس کے ہاتھ میں اقتدار ہوتا تھا۔ اصل میں عاد بن سام بن نوح کے بیٹے کا نام ارم تھا اسی کے نام پر قبیلے کا نام ارم ہو گیا۔ محمد بن اسحاق نے کہا کہ قوم عاد کے دادا کا نام تھا اس صورت میں قوم عاد ارم کی ایک شاخ ہو گی۔ کلبی نے کہا عاد و ثمود اور سکان سواد عراق اور اہل جزیرہ کا نسب اوپر پہنچ کر ارم سے مل جاتا ہے اسی وجہ سے عاد ارم اور ثمود ارم کہا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ثور بن زید دیلیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ورق پر یہ لکھا ہوا پڑھا ہے کہ میں شداد بن عاد ہوں، میں نے ستون بلند کئے ہیں، میں نے ہاتھ مضبوط کئے ہیں میں نے سات ذراع کے خزانے جمع کئے ہیں جو امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نکالے گی۔ (تفسیر ابن کثیر)

اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ ارم اس جنت کا نام ہے جو شداد کے بیٹے عاد نے بنائی تھی اور اسی کی صفت ذات العماد ہے کہ وہ ایک عظیم الشان عمارت بہت سے عمودوں پر قائم سونے، چاندی اور جواہرات سے تعمیر کی تھی تاکہ لوگ آخرت کی جنت کے بدلے میں اس نقد جنت کو اختیار کر لیں مگر جب یہ عالیشان محلات تیار ہو گئے اور شداد نے اپنے رؤسائے مملکت کے ساتھ اس میں جانے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا یہ سب ہلاک ہو گئے اور وہ محلات بھی مسمار ہو گئے (قرطبی، معارف مفتی اعظم)

ذَاتِ الْعِمَادِ ۝۷

بڑے ستونوں والے

قوم عاد کی عمارتیں:

یعنی ستون کھڑے کر کے بڑی بڑی اونچی عمارتیں بناتے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اکثر سیر و سیاحت میں رہتے اور اونچے ستونوں پر خیمے تانتے تھے اور بعض کے نزدیک ''ذَاتِ الْعِمَادِ'' کہہ کر ان کے اونچے قد و قامت اور ڈیل ڈول کو ستونوں سے تشبیہ دی ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

قوم عاد کے قد:

یعنی دراز قامت۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ ان کا طول قامت ستون کی طرح تھا مقاتلؒ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذراع سے بارہ ذراع ان کے قدوں کا طول تھا بعض نے اس سے بھی زیادہ کہا ہے قوم ارم کو ذات العماد کہنے کی بعض نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ ڈیرے، خیمے اور خیموں کے ستون اور مویشی لے کر وہ موسم بہار میں نکل کھڑے ہوتے تھے جب سبزی ختم ہو جاتی تو پھر گھروں کو لوٹ آتے تھے ان کے پاس باغات اور کھیتیاں تھیں وادی قریٰ میں ان کی بستیاں تھیں بعض نے وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ وہ اونچی عمارتیں اور مضبوط تھام بناتے تھے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شداد بن عاد نے ایک ایسی عمارت بنائی تھی کہ ویسی عمارت دنیا میں کسی نے نہیں بنائی اور قوم کو ساتھ لے کر اس عمارت کو دیکھنے گیا ابھی ایک شبانہ روز کی مسافت پر ہی تھا کہ بحکم خدا آسمان کی طرف سے ایک چیخ پیدا ہوئی جس سے شداد اور سب قوم والے ہلاک ہو گئے۔ (تفسیر مظہری)

الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ۝۸

کہ بنی نہیں ویسی سارے شہروں میں ☆

اپنے دور کی سپر طاقت:

یعنی اس وقت دنیا میں اس قوم جیسی کوئی قوم مضبوط و طاقتور نہ تھی یا ان کی عمارتیں اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں۔ (تفسیر عثمانی)

یہ ارم کی صفت ہے خواہ آرم کو قبیلہ کا نام کہا جائے یا شہر کا۔ اگر قوم (یا قبیلہ) مراد ہو تو مثلھا کا معنی ہوگا کہ اس قوم کی طرح قد و قامت اور قوت میں کوئی دوسری قوم نہیں پیدا کی گئی۔ (تفسیر مظہری)

وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝۹

اور ثمود کے ساتھ جنہوں نے تراشا پتھروں کو وادی میں ☆

قوم ثمود: ''وادی القریٰ'' ان کے مقام کا نام ہے جہاں پہاڑ کے پتھروں کو تراش کر نہایت محفوظ و مضبوط مکان بناتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ ۝۱۰

اور فرعون کے ساتھ تھا وہ میخوں والا ☆

فرعون اور اس کے لشکر:

یعنی بڑے لاؤ لشکر والا جس کو فوجی ضروریات کے لیے بہت کثیر مقدار میں میخیں رکھنا پڑتی تھیں یا یہ مطلب ہے کہ لوگوں کو چومیخا کر کے سزا دیتا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

عطیہ کا قول ہے کہ الاوتاد سے فوجیں مراد ہیں فوج اپنے ساتھ بکثرت ڈیرے خیمے رکھتی ہے اور سفر میں جہاں جاتی تھی میخوں کے ذریعے ڈیرے قائم کرتی ہے بروایت عطیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔

فرعون کا ظلم:

سدی نے کہا آدمی کو لمبا لٹا کر میخیں ٹھوکتا پھر سانپ بچھو اس پر چھوڑ دیتا تھا۔

فرعون کا ظلم اور مؤمنہ خاتون کا عجیب قصہ:

قتادہ اور عطا نے کہا کہ فرعون نے اپنے سامنے اپنے خزانچی حزقیل کی بیوی کو چومیخا کرایا تھا۔ بغوی نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس ؓ کی طرف سے اس بیان کی نسبت کی ہے کہ فرعون کو ذوالاوتاد کہنے کی وجہ یہ ہوئی کہ اس کا خزانچی حزقیل مسلمان ہو گیا تھا اور سو برس تک اپنے ایمان کو چھپاتا رہا حزقیل کی بیوی فرعون کی بیٹی کی مشاطہ تھی ایک روز وہ مشاطہ فرعون کی بیٹی کے سر میں کنگھی کر رہی تھی کہ کنگھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی اس کے منہ سے فوراً یہ الفاظ نکلے کہ اللہ کو نہ ماننے والے ہلاک ہوں فرعون کی بیٹی نے کہا کیا میرے باپ کے علاوہ بھی تیرا کوئی اور معبود ہے مشاطہ نے کہا کہ میرا اور تیرے باپ کا اور زمین و آسمان کا ایک ہی اِلٰہ ہے اس کا کوئی شریک نہیں لڑکی فوراً کھڑی ہو گئی اور باپ کے پاس جا کر رونے لگی فرعون نے رونے کی وجہ پوچھی تو لڑکی نے کہا آپ کے خزانچی کی بیوی میری مشاطہ ہے اس کا خیال ہے کہ آپ کا اور اس کا اور زمین و آسمان کا اِلٰہ ایک ہے جس کا کوئی ساجھی نہیں فرعون نے مشاطہ کو بلوا کر جواب طلب کیا اس نے کہا کہ اگر تو مجھے ستر مہینے تک عذاب دیتا رہے گا تب بھی میں اللہ کا انکار نہیں کروں گی مشاطہ کی دو لڑکیاں تھیں بڑی لڑکی کو پکڑوا کر مشاطہ کے روبرو فرعون نے ذبح کروا دیا اور اس سے کہا کہ اب بھی خدا کا انکار کر دے ورنہ تیرے سامنے ہی تیری چھوٹی لڑکی کو بھی ذبح کر دوں گا۔ چھوٹی لڑکی شیر خوار تھی۔ مشاطہ بولی کہ اگر تو تمام روئے زمین کو میرے سامنے ذبح کر دے تو بھی میں اللہ کا انکار نہیں کروں گی غرض بچی کو لے کر جب اوندھا

لٹایا گیا اور قاتلوں نے اس کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو ماں بے صبری ہوگئی لیکن فوراً ہی بچی کی زبان کو اللہ نے کھول دیا۔

دنیا میں چار بچے بچپن میں بولے ہیں ان میں سے یہ بھی ایک بچی تھی بچی نے کہا کہ ماں بے صبری نہ ہو اللہ نے تیرے لئے جنت میں ٹھکانہ کر دیا ہے۔ صبر کر بلا شبہ تو اللہ کی رحمت اور عزت افزائی تک پہنچے گی۔ غرض بچی کو بھی ذبح کر دیا گیا اور وہ مرگئی اور اللہ نے اس کو جنت میں جگہ عطا فرمادی۔

اس کے بعد اس عورت کے شوہر حزقیل کی طلب میں آدمی بھیجے گئے۔ لیکن وہ لوگ گرفتار نہ کر سکے کسی نے فرعون کو اطلاع دی کہ حزقیل فلاں پہاڑ میں فلاں مقام پر ہے فرعون نے دو آدمی تلاش کے لئے بھیجے یہ دونوں پہنچے تو حزقیل نماز پڑھ رہا تھا اور وحشی جانوروں کی تین صفیں نماز میں شریک تھیں دونوں آدمیوں کو دیکھ کر حزقیل نے کہا کہ واپس چلے جاؤ پھر اللہ سے دعا کی کہ بارالہا میں نے اپنا ایمان سو برس چھپایا کسی کو میرے ایمان کا علم نہیں ہوا ان دونوں میں سے جو بھی میرے ایمان کو ظاہر کر دے تو دنیا میں فوراً اس کو سزا دے اور آخرت میں اس کو دوزخ میں بھیج دے دونوں آدمی واپس چلے گئے ایک مؤمن ہو گیا اور اس کو بڑی عبرت ہوئی دوسرے نے اسٹاف کے سامنے فرعون کو اطلاع دے دی۔ فرعون نے کہا کہ کیا کوئی دوسرا بھی تیرے ساتھ تھا مخبر نے کہا کہ ہاں فلاں شخص تھا۔ فرعون نے اس شخص کو بلوایا اور پوچھا کہ کیا یہ سچ کہہ رہا ہے اس شخص نے کہا نہیں اس نے جو بات کہی میں نے تو نہیں دیکھی فرعون نے اس کو کثیر انعام دیا اور مخبر کو مرواڈالا اور صلیب پر چڑھادیا۔

فرعون کی بیوی کا ایمان لانا:

خاندان میں ایک بڑی حسین عورت تھی وہ فرعون کی بیوی تھی اس کا نام تھا آسیہ بنت مزاحم مشاطہ کے ساتھ فرعون نے جو حرکت کی تھی اس نے اس حرکت پر غور کیا اور کہنے لگی میں مؤمن ہوں اور فرعون کافر ہے فرعون کی حرکتوں پر صبر کرنا اب میرے لئے ممکن نہیں دل میں یہ کہہ ہی رہی تھی کہ فرعون آگیا اور بیوی کے پاس بیٹھ گیا بیوی نے کہا کہ تو ساری مخلوق سے برا اور سب سے زیادہ خبیث ہے تو نے مشاطہ کو قصداً مارڈالا فرعون نے کہا کیا تجھے بھی اس کی طرح جنون ہو گیا ہے آسیہ نے کہا مجھے جنون نہیں بلکہ میرا تیرا اور آسمان وزمین کا خدا ایک ہے جس کا کوئی شریک نہیں فرعون نے اس کو مارا اور اس کے کپڑے پھاڑ ڈالے اور اس کے ماں باپ کے پاس آدمی بھیج کر انکو بلوایا وہ آگئے تو کہا کہ مشاطہ کو جو جنون تھا وہی اس کو بھی ہو گیا ہے آسیہ کہنے لگی اللہ کی پناہ مجھے جنون نہیں میں شہادت دیتی ہوں کہ میرا مالک اور تیرا مالک اور زمین وآسمان کا مالک ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں باپ نے کہا کہ آسیہ کیا (آج) تو خاندان عمالقہ کی سب سے اعلیٰ عورت نہیں ہے اور تیرا شوہر عمالقہ کا خدا ہے آسیہ نے کہا کہ اعوذ باللہ من ذلک تم جو کچھ کہہ رہے ہو اگر سچ ہے تو اس سے کہو مجھے ایسا تاج بنا دے جس کے سامنے سورج پیچھے چاند اور گرداگرد ستارے ہوں۔

آخر فرعون نے آسیہ کے ماں باپ سے کہا کہ تم دونوں نکل جاؤ پھر آسیہ کو لٹا کر چومیخا کر دیا اور اللہ نے اس عذاب (کی برداشت) کو اس پر سہل بنانے کے لئے اس کے سامنے جنت کا دروازہ کھول دیا اسوقت آسیہ نے دعا کی کہ الٰہی جنت کے اندر اپنے قرب میں میرے لئے مکان بنادے۔ اور فرعون اور فرعون کی بداعمالیوں سے مجھے نجات عطا فرمادے (دعا قبول ہوئی) اللہ نے اس کی روح قبض کرلی اور جنت میں اس کو سکونت عطا فرمادی۔ (انتہیٰ)

فرعون کی یہ بیوی وہی تھی کہ حضرت موسیٰ کی ماں نے فرعون کے خوف سے بحکم خدا جب موسیٰ کو دریا میں پھینک دیا اور فرعون کے آدمیوں نے ان کو پاکر نکال لیا تو اسی بیوی نے فرعون کو حضرت موسیٰ کے قتل سے روکا تھا اور کہا تھا۔ یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے امید ہے کہ ہم کو اس سے فائدہ پہنچے گا چنانچہ آسیہ کو اس بچہ سے فائدہ پہنچا وہ مؤمن ہوگئی پورا قصہ قصص میں گزر چکا ہے۔ (تفسیر مظہری)

الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝۱۱

یہ سب تھے جنہوں نے سر اُٹھایا ملکوں میں

فَأَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۝۱۲

پھر بہت ڈالی ان میں خرابی

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝۱۳

پھر پھینکا اُن پر تیرے رب نے کوڑا عذاب کا ☆

ان قوموں کی سرکشی:

یعنی ان قوموں نے عیش ودولت اور زور وقوت کے نشہ میں مست ہو کر ملکوں میں خوب اودھم مچایا بڑی بڑی شرارتیں کیں اور ایسا سر اٹھایا گویا ان کے سروں پر کوئی حاکم ہی نہیں؟ ہمیشہ اسی حال میں رہنا ہے! کبھی اس ظلم و شرارت کا خمیازہ بھگتنا نہیں پڑیگا؟ آخر جب ان کے کفر وتکبر اور جور وستم کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور مہلت و درگزر کا کوئی موقع باقی نہ رہا دفعتہً خداوند قہار نے ان پر اپنے عذاب کا کوڑا برسادیا ان کی سب قوت اور بڑائی خاک میں مل گئی اور وہ ساز وسامان کچھ کام نہ آیا۔ (تفسیر عثمانی)

نتیجہ میں اللہ نے ان پر عذاب کے کوڑے برسائے یعنی ہر قسم کا ملا جلا عذاب ان پر نازل کیا گیا۔

یعنی عذاب سے بنے ہوئے کوڑے اللہ نے ان پر برسائے۔ اہل معانی کہتے ہیں کہ یہ استعارہ ہے عذاب تازیانہ سخت ترین عذاب ہے اور لفظ صَبَّ یکدم (پانی کے ریلے کی طرح) نزول عذاب کی طرف اشارہ کر رہا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے یکدم ان پر سخت عذاب نازل کیا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾

بے شک تیرا رب لگا ہے گھات میں ☆

سب کے کرتوت اللہ کی نظر میں ہیں:

یعنی جیسے کوئی شخص گھات میں پوشیدہ رہ کر آنے جانے والوں کی خبر رکھتا ہے کہ فلاں کیونکر گزرا اور کیا کرتا ہوا گیا' اور فلاں کیا لایا اور کیا لے گیا' پھر وقت آنے پر اپنی ان معلومات کے موافق معاملہ کرتا ہے اسی طرح سمجھ لو کہ حق تعالیٰ انسانوں کی آنکھوں سے پوشیدہ رہ کر سب بندوں کے ذرہ ذرہ احوال و اعمال دیکھتا ہے' کوئی حرکت وسکون اس سے مخفی نہیں۔ ہاں سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا غافل بندے سمجھتے ہیں کہ بس کوئی دیکھنے اور پوچھنے والا نہیں جو چاہو بے دھڑک کیئے جاؤ۔ حالانکہ وقت آنے پر ان کا سارا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیتا ہے اور ہر ایک سے انہی اعمال کے موافق معاملہ کرتا ہے جو شروع سے اس کے زیر نظر تھے اس وقت پتہ لگتا ہے کہ وہ سب ڈھیل تھی اور بندوں کا امتحان تھا کہ دیکھیں کن حالات میں کیا کچھ کرتے ہیں اور ایک عارضی حالت پر نظر کر کے آخری انجام کو نہیں بھولتے۔ (تفسیر عثمانی)

مرصاد ہونے کا یہ معنی ہے کہ اللہ بندوں سے اطاعت اور فرماں پذیری چاہتا ہے اور ان کے اعمال کو نگاہ میں رکھتا ہے اس کو تمام اعمال کا علم ہے کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں جس طرح کمین گاہ میں بیٹھنے والے سے سامنے گذرنے والا مخفی نہیں ہوتا مگر انسان اس سے غافل ہے اس کے پیش نظر صرف دنیا اور اس کی لذتیں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

جہنم کے سات پل:

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ابن عبدالکلاعی نے اپنے ایک وعظ میں کہا "لوگو! جہنم کے سات پل ہیں ان سب پر پل صراط ہے پہلے ہی پل پر لوگ روکے جائیں گے۔ یہاں نماز کا حساب کتاب ہوگا، یہاں سے نجات مل گئی تو دوسرے پل پر روک ہوگی یہاں امانتداری کا سوال ہوگا جو امانت دار ہوگا اس نے نجات پائی اور جو خیانت والا نکلا ہلاک ہوا۔ تیسرے پل پر صلہ رحمی والوں کی پرسش ہوگی اس کے کاٹنے والے یہاں سے نجات نہ پاسکیں گے اور ہلاک ہوں گے، رشتہ داری یعنی صلہ رحمی وہیں موجود ہوگی اور یہ کہہ رہی ہوگی کہ خدایا جس نے مجھے جوڑا تو اسے جوڑ اور جس نے مجھے توڑا تو اسے توڑ یہی معنی ہیں

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ۔ یہ اثر اتنا ہی ہے پورا نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ

سو آدمی جو ہے جب جانچے اس کو رب اس کا

رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ

پھر اس کو عزت دے اور اس کو نعمت دے

فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ﴿۱۵﴾

تو کہے میرے رب نے مجھ کو عزت دی ☆

انسان کا امتحان:

یعنی میں اسی لائق تھا، اس لئے عزت دی۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اللہ نے چونکہ انسان کو عزت دی دولت اور اولاد دی اس لئے وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے فضیلت دی۔ (تفسیر مظہری)

وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ

اور وہ جس وقت اس کو جانچے پھر کھینچ کرے اس پر

رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ﴿۱۶﴾ ۚ

روزی کی تو کہے میرے رب نے مجھے ذلیل کیا ☆

یعنی میری قدر نہ کی خلاصہ یہ ہے کہ اس کی نظر صرف دنیا کی زندگی اور حالت حاضرہ پر ہے بس دنیا کی موجودہ راحت و تکلیف ہی کو عزت و ذلت کا معیار سمجھتا ہے نہیں جانتا کہ دونوں حالتوں میں اس کی آزمائش ہے نعمت دے کر اس کی شکر گزاری اور سختی بھیج کر اس کے صبر و رضا کو جانچا جا رہا ہے نہ یہاں کا عارضی عیش و آرام اللہ کے ہاں مقبول و معزز ہونے کی دلیل ہے۔ نہ محض تنگی اور سختی مردود ہونے کی علامت ہے۔ مگر انسان اپنے افعال و اعمال پر نظر نہیں کرتا اپنی بے عقلی یا بے حیائی سے رب پر اپنا الزام رکھتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مفلسی کی فضیلت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرات مہاجرین میں سے جو فقیر و مفلس تھے وہ اغنیاء مہاجرین سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ (رواہ مسلم عن عبداللہ بن عمرؓ، مظہری)

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس بندے سے محبت فرماتے ہیں اس کو دنیا سے ایسا پرہیز کراتے

ہیں جیسے تم لوگ اپنے بیمار کو پانی سے پرہیز کراتے ہو۔

(رواہ احمد والترمذی عن قتادہ بن النعمان، تفسیر مظہری، معارف مفتی اعظم)

دو شخصوں پر حسد جائز ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (براویت ابن عباس) کہ حسد صرف دو شخصوں پر جائز ہے ایک وہ شخص جس کو اللہ نے قرآن عطا فرمایا اور وہ تمام اوقات روز وشب اس کو پڑھتا ہے دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے مال عطا کیا ہے اور وہ تمام اوقات روز وشب میں اس کو (راہ خدا میں) خرچ کرتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ مال کی وسعت دنیا میں اللہ کی مہربانی ہے جو موجب شکر ہے اور آخرت میں بھی کبھی موجب عزت ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿١٧﴾

کوئی نہیں پر تم عزت سے نہیں رکھتے یتیم کو☆

یتیم کا اکرام:

یعنی خدا کے ہاں تمہاری عزت کیوں ہو جب تم بے کس یتیموں کی عزت اور خاطر مدارت نہیں کرتے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی یہ بات نہیں کہ اللہ فقیر رکھ کر تمہاری بے عزتی کرتا ہے بلکہ اس نے تو مال عطا فرما کر تم کو نوازا مگر تم یتیم کو نہیں نوازتے اس کی پاسداری نہیں کرتے نہ اس سے محبت کرتے ہو نہ اس پر خرچ کرتے ہو

ضعیف وفقیر کی برکت:

حضرت مصعب بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ دوسروں سے اپنے کو بڑھا چڑھا کر خیال کرتے تھے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگوں کو صرف ضعفاء (اہل افلاس) کے سبب سے ہی رزق دیا جاتا ہے۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فقراء مہاجرین قیامت کے دن دولت مندوں سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے۔ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فقراء جنت میں دولت مندوں سے پانچ سو سال اور آدھے دن پیشتر جائیں گے۔ (ترمذی)

صبر اور رضا: اگر فقر اور کمزوری کے ساتھ صبر اور رضا بھی ہو تو ایسا فقر نعمت ہے بے عزتی نہیں۔ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب اللہ بندہ سے محبت کرتا ہے تو دنیا سے اس کو الگ رکھتا ہے جیسے تم لوگ اپنے بیمار کا پانی سے پرہیز رکھتے ہو۔ (تفسیر مظہری)

امیہ بن خلف:

مقاتل نے کہا کہ قدامہ بن مظعون، امیہ بن خلف کے زیر پرورش تھا مگر امیہ قدامہ کا حق ادا نہیں کرتا تھا۔ (تفسیر مظہری)

یتیم کی پرورش:

حدیث میں ہے کہ سب سے اچھا وہ گھر ہے کہ جس میں یتیم ہو اور اس کی اچھی پرورش ہو رہی ہو۔ اور بدترین گھر وہ ہے کہ جس میں یتیم ہو اور اس سے بد سلوکی کی جاتی ہو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی اٹھا کر فرمایا میں اور یتیم کا پالنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے یعنی قریب قریب۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ کلمہ کی اور بیچ کی انگلی ملا کر انہیں دکھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور یتیم کا پالنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿١٨﴾

اور تاکید نہیں کرتے آپس میں محتاج کے کھلانے کی☆

یعنی خود اپنے مال سے مسکینوں کی خبر گیری کرنا تو کجا دوسروں کو بھی اس طرف نہیں ابھارتے کہ بھوکے محتاجوں کی خبر لے لیا کریں۔ (تفسیر عثمانی)

مسکین کو کھانا دینے پر دوسروں کو ترغیب بھی نہیں دیتے چہ جائیکہ خود اپنے مال سے کھلائیں۔ (تفسیر مظہری)

وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿١٩﴾

اور کھا جاتے ہو مُردے کا مال سمیٹ کر سارا☆

وراثت کا مال کھانا:

یعنی مردے کی میراث لینے میں حلال حرام اور ناحق کی کچھ تمیز نہیں جو قابو چڑھا ہضم کیا یتیموں اور مسکینوں کے حقوق تلف ہوں ہونے دو۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ تم میراث کا مال حلال وحرام سب جمع کر کے کھا جاتے ہو اپنے حصے کے ساتھ دوسروں کا حصہ بھی غصب کر لیتے ہو۔ یہاں خصوصیت سے میراث کے مال کا ذکر کیا گیا۔ حالانکہ ہر ایک مال جس میں حلال وحرام کو جمع کیا گیا ہو ناجائز ہی ہے۔ وجہ خصوصیت کی شائد یہ ہو کہ میراث کے مال پر زیادہ نظر رکھنا اور اس کے درپے ہونا بڑی کم ہمتی اور کم حوصلہ ہونے کی دلیل ہے کہ مردار خور جانوروں کی طرح تکتے رہیں کہ کب ہمارا مورث مرے اور کب ہمیں یہ مال تقسیم کرنے کا موقعہ ہاتھ آئے۔ اولوالعزم اور باہمت لوگ اپنی کمائی پر خوش ہوتے ہیں مُردوں کے مال پر ایسی حریصانہ نظر نہیں ڈالتے۔ (معارف مفتی اعظم)

میراث کو سب سمیٹ کر کھا جاتے ہو حلال ہو یا حرام وہ لوگ اپنے میراثی حصے کے ساتھ کمزور عورتوں اور بچوں کے بھی حصے کھا جاتے ہیں۔ ابن زید نے کہا اَکْلًا لَمًّا یہ معنی ہے کہ جو کچھ ہاتھ لگے کھا جائے حلال حرام کا امتیاز نہ کرے یہ بھی اَکْلًا لَمًّا کی تشریح آئی ہے یہ جانتے ہوئے بھی کہ مورث نے حلال وحرام ہر دو طریقوں سے مال جمع کیا تھا جب وہی مال ان کی میراث میں آتا ہے تو سب کھا جاتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾
اور پیار کرتے ہو مال کو جی بھر کر ☆

مال کی محبت:

یعنی جڑ کی بات یہ ہے کہ تمہارا دل مال کی حرص اور محبت سے بھرا ہوا ہے بس کسی طرح مال ہاتھ آئے اور ایک پیسہ کسی نیک کام میں ہاتھ سے نہ نکلے خواہ آگے چل کر نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ مال کی اس قدر محبت اور پرستش کہ آدمی اسی کو کعبہ مقصود ٹھہرا لے صرف کافر کا شیوہ ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

كَلَّآ إِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾
کوئی نہیں جب پست کر دی جائے زمین کوٹ کوٹ کر ☆

قیام قیامت:

یعنی سب ٹیلے اور پہاڑ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں اور زمین صاف چٹیل میدان ہو جائے۔ (تفسیر عثمانی)

زمین کو پیہم جھنجھوڑا جائے گا یہاں تک کہ پہاڑ درخت عمارتیں جو کچھ روئے زمین پر ہوگا ٹوٹ پھوٹ کر خاک پران بن جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَّجَآءَ رَبُّكَ
اور آئے تیرا رب ☆

یعنی اپنی قہری تجلی کے ساتھ جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی آئے گا آپ کا رب اور فرشتے صف بصف مراد میدان حشر میں آنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے آنے کی کیا شان ہوگی اس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، یہ متشابہات میں سے ہے اور فرشتوں کا صف بصف آنا ظاہر ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾
اور فرشتے آئیں قطار قطار ☆

فرشتوں کی صفیں: یعنی میدان محشر میں آئینگے وہاں انتظامات کیلئے (تفسیر عثمانی)

ابن جریر اور ابن مبارک نے ضحاک کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کا دن ہوگا تو اللہ کے حکم سے دنیوی آسمان پھٹ جائے گا اور ملائکہ اس کے کناروں پر رہ جائیں گے پھر بحکم رب اتریں گے اور زمین کو اس کی موجودات سمیت گھیر لیں گے پھر دوسرا، پھر تیسرا، پھر چوتھا، پھر پانچواں، پھر چھٹا، پھر ساتواں آسمان پھٹے گا اور ملائکہ (ترتیب وار) اتر کر صف بستہ ہوتے جائیں گے پھر سب سے اعلیٰ فرشتہ اترے گا جس کے بائیں طرف جہنم ہوگا جب زمین والے جہنم کو دیکھیں گے تو ادھر اُدھر بھاگیں گے۔ مگر زمین پر ہر طرف ان کو ملائکہ کی سات قطاریں دکھائی دیں گی مجبوراً جہاں سے چلے تھے وہیں لوٹ آئیں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ
اور لائی جائے اُس دن دوزخ ☆

جہنم کا لایا جانا:

یعنی لاکھوں فرشتے اس کی جگہ سے کھینچ کر محشر والوں کے سامنے لائینگے۔ (تفسیر عثمانی)

جہنم کو لائے جانے کا کیا مطلب ہے اور کس طرح میدان حشر میں لائی جائے گی اس کی حقیقت تو اللہ ہی جانتا ہے ظاہر ہے کہ جہنم جواب ساتویں زمین کی تہہ میں ہے اس وقت وہ بھڑک اٹھے گی اور سمندر سب آگ ہو کر اس میں شامل ہو جائیں گے اس طرح جہنم عرصہ حشر میں سب کے سامنے آجائے گی۔ (معارف مفتی اعظم)

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس روز جہنم کو اس طرح لایا جائے گا کہ اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کو ستر ہزار فرشتے کھینچے ہوں گے۔ (مسلم وترمذی)

ابن وہب نے کتاب الاہول میں زید بن اسلم کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے۔ حضرت علیؓ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے آنے کی وجہ دریافت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے آکر کہا

كَلَّآ إِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا، وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا
وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ

جہنم کو سات ہزار لگاموں میں کھینچ کر لایا جائے گا ستر ہزار فرشتے لگام کھینچتے ہوں گے اچانک فرشتوں کے ہاتھوں سے لگامیں چھوٹ پڑیں گی (لیکن فرشتے فوراً پکڑ لیں گے) اگر وہ پھر نہ پکڑ لیں تو سب جماعت کو جہنم جلا ڈالے مگر پکڑ لیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انوکھی شان:

ابو نعیم نے کعب کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کا دن ہوگا اور ملائکہ اتر کر قطار

در قطار ہو جائیں گے تو اللہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمائے گا جہنم کو لاؤ حضرت جبرئیل علیہ السلام جہنم کو ستر ہزار لگاموں میں جکڑے ہوئے لائیں گے جب انسانوں سے جہنم کا فاصلہ سو سال کی مسافت کا رہ جائے گا تو جہنم ایک سانس لے گی جس سے مخلوق کے دل اڑنے لگیں گے پھر دوبارہ سانس لے گی تو کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل بھی بغیر دوزانو بیٹھ جانے کے نہیں رہے گا۔ پھر تیسری سانس لے گی تو دل اچھل کر حلق تک آ جائیں گے کسی کے حواس درست نہیں رہیں گے ہر شخص گھبرا جائے گا۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے اپنی خلقت کا واسطہ میں صرف تجھ سے اپنی جان کے بچاؤ کی درخواست کرتا ہوں حضرت موسیٰ عرض کریں گے (تو نے اپنی مناجات سے سرفراز کیا) میں اس مناجات کا واسطہ دیتا ہوں اور صرف اپنے نفس کے بچاؤ کی تجھ سے درخواست کرتا ہوں عیسیٰ عرض کریں گے (تو نے مجھے عزت عطا فرمائی) تیرے کرم کا واسطہ میں تجھ سے صرف اپنی ذات کے لئے درخواست کرتا ہوں اپنی ماں مریم کے لئے بھی درخواست نہیں کرتا۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم عرض کریں گے میری امت کو بچا۔ میری امت کو محفوظ رکھ۔ میں اپنی جان کو بچانے کی بھی تجھ سے درخواست نہیں کرتا اللہ فرمائے گا کہ تیری امت کے اولیاء کے لئے نہ کوئی خوف ہے نہ رنج اپنی عزت کی قسم میں تیری امت کے معاملہ میں تیری آنکھیں ٹھنڈی رکھوں گا (سجدے سے) اٹھ کے کھڑا ہو جا اس وقت ملائکہ اللہ کے حضور میں حکم کے منتظر ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿٢٣﴾

اُس دن سوچے گا آدمی اور کہاں ملے اُس کو سوچنا ☆

بے وقت پچھتاوا:

یعنی اس وقت سمجھے گا کہ میں سخت غلطی اور غفلت میں تھا مگر اس وقت کا سمجھنا کس کام کا سوچنے سمجھنے کا موقع ہاتھ سے نکل چکا دار العمل میں جو کام کرنا چاہیے تھا وہ دار الجزاء میں نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اس یاد سے اس کو کوئی فائدہ نہ ہوگا قبول توبہ کی شرط تو ایمان بالغیب ہے (قیامت کے ظہور کے بعد غیب نہ رہا سامنے دیکھ کر تو ہر ایک کو ماننا ہی پڑے گا۔ (تفسیر مظہری)

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جہنم کی اس روز ستر ہزار لگامیں ہوں گی ہر لگام پر ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے گھسیٹ رہے ہوں گے۔ یہی روایت خود حضرت عبداللہ بن مسعود سے بھی مروی ہے، اس دن انسان اپنے نئے پرانے تمام اعمال کو یاد کرنے لگے گا، برائیوں پر پچھتائے گا نیکیوں کے نہ کرنے یا کم کرنے پر افسوس کرے گا گناہوں پر نادم ہوگا۔ (تفسیر ابن کثیر)

يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿٢٤﴾

کہے کیا اچھا ہوتا جو میں کچھ آگے بھیج دیتا اپنی زندگی میں ☆

یعنی افسوس دنیا کی زندگی میں کچھ نیکی کر کے آگے نہ بھیجی جو آج اس زندگی میں کام آتی۔ یونہی خالی ہاتھ چلا آیا۔ کاش حسنات کا کوئی ذخیرہ آگے روانہ کر دیتا جو یہاں کے لیے توشہ بنتا۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہوگا کہ کاش میں اپنی دنیوی زندگی کے زمانہ میں اعمال صالحہ پہلے ہی کر لیتا۔ (تفسیر مظہری)

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ ﴿٢٥﴾

پھر اس دن عذاب نہ دے اُس کا سا کوئی

وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ ﴿٢٦﴾

اور نہ باندھ کر رکھے اُس کا سا باندھنا کوئی ☆

مجرموں کی سخت سزا:

یعنی اللہ تعالیٰ اس دن مجرموں کو ایسی سخت سزا دیگا اور ایسی سخت قید میں رکھے گا کہ کسی دوسرے کی طرف سے اس طرح کی سختی کسی مجرم کے حق میں متصور نہیں اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ 'اس روز نہ مارے گا اس کا سا مارنا کوئی' نہ آگ نہ دوزخ کے موکل نہ سانپ بچھو' جو دوزخ میں ہونگے' کیونکہ ان کا مارنا اور دکھ دینا عذاب جسمانی ہے اور حق تعالیٰ کا عذاب اس طور سے ہوگا کہ مجرم کی روح کو حسرت اور ندامت میں گرفتار کر دیگا جو عذاب روحانی ہے اور ظاہر ہے عذاب روحانی کو عذاب جسمانی سے کیا نسبت' نیز نہ باندھے گا اس کا سا باندھنا کوئی کیونکہ دوزخ کے پیادے ہر چند کہ دوزخیوں کے گلے میں طوق ڈالینگے اور زنجیروں سے جکڑ دینگے اور دوزخ کے دروازے بند کر کے اوپر سے سرپوش رکھ دینگے' لیکن ان کی عقل وخیال کو بند نہ کر سکیں گے اور عقل وخیال کی عادت ہے کہ بہت سی باتوں کی طرف التفات کرتا ہے اور ان میں سے بعض باتیں دوسری باتوں کے لیے حجاب ہو جاتی ہیں۔ اسی لیے عین قید کی تنگی میں انسان کو عقلی اور خیالی وسعت حاصل ہوتی ہے برخلاف اس شخص کے کہ اللہ تعالیٰ عقل وخیال کو ادھر ادھر جانے سے روک دے اور بالکل ہمہ تن دکھ درد ہی کی طرف متوجہ رکھے۔ تو ایسی قید بدنی قید سے ہزاروں درجے سخت ہے اسی لیے مجنون سودائیوں کو عین باغوں اور جنگلوں کی سیر کے وقت تنگی اور گھبراہٹ وہم وخیال کے سبب سے پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ باغ اور وسیع جنگل اس کی نظر میں تنگ معلوم ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

صاف یہ ہے کہ کسی کو اس روز نہ ایسا عذاب دیا جائیگا جیسا عموماً کافروں کو یا مخصوص کافر یعنی امیہ بن خلف کو دیا جائے گا نہ کسی کو ایسا باندھا جائے گا جیسا اس کو باندھا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

یَاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾
اے وہ جی جس نے چین پکڑ لیا
ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ﴿۲۸﴾
پھر چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی
فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ﴿۲۹﴾
پھر شامل ہو میرے بندوں میں
وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ﴿۳۰﴾
اور داخل ہو میری بہشت میں ☆

نیک لوگوں کا اعزاز:

پہلے مجرموں اور ظالموں کا حال بیان ہوا تھا اب اس کے مقابل ان لوگوں کا انجام بتلاتے ہیں جنکے دلوں کو اللہ کے ذکر اور اس کی اطاعت سے چین اور آرام ملتا ہے ان سے محشر میں کہا جائیگا کہ اے نفس آرامیدہ بحق! جس محبوب حقیقی سے تو لو لگائے ہوئے تھا اب ہر قسم کے جھگڑوں اور خرخشوں سے یکسو ہو کر راضی خوشی اس کے مقام قرب کی طرف چل، اور اس کے مخصوص بندوں کے زمرہ میں شامل ہو اس کی عالیشان جنت میں قیام کر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کو موت کے وقت بھی یہ بشارت سنائی جاتی ہے۔ بلکہ عارفین کا تجربہ بتلاتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں بھی ایسے نفوس مطمئنہ اس طرح کی بشارات کافی الجملہ حظ اٹھاتے ہیں "اللھم انی اسالک نفساً بک مطمئنہ تؤمن بلقائک و ترضی بقضائک وتقنع بعطائک" (تنبیہ) نفس مطمئنہ، نفس امارہ اور نفس لوامہ کی تحقیق سورہ ''قیامہ'' کے شروع میں دیکھ لی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی وفات:

شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ ازالۃ الخفاء میں بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آیۃ یَاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ تلاوت کی۔ اور اس مجلس میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! بوقت وفات فرشتہ تم سے یہی کہے گا۔ اور یَاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ کہہ کر تمہیں مخاطب کرے گا۔

تفسیر ابن کثیر میں بحوالہ ابن ابی حاتم سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی جب وفات ہوئی تو ان کے جنازہ کی تیاری کے بعد ان کی نعش میں ایک ایسا عجیب الخلقت پرندہ داخل ہوا کہ اس جیسا پرندہ پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا، اور اس کے بعد کسی نے اس کو نکلتے ہوئے بھی نہیں دیکھا تھا جب جنازہ دفن کیا جانے لگا تو قبر کے ایک کنارہ سے سنائی دے رہا ہے کہ کوئی یہ تلاوت کر رہا ہے یَاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً۔ (معارف کاندھلوی)

جنت کی سب سے بڑی نعمت:

جنت میں صرف یہی نہیں کہ ہر طرح کی راحتیں جمع ہیں اور دائمی ہیں بلکہ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا مقام ہے۔

مؤمن کی موت:

ایک طویل حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مسند احمد، نسائی، ابن ماجہ، میں ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب مؤمن کی موت کا وقت آتا ہے تو رحمت کے فرشتے سفید ریشمی کپڑا سامنے کر کے اس کی روح کو خطاب کرتے ہیں۔ اخرجی راضیة مرضیة الیٰ روح الله وریحانه یعنی اس بدن سے نکلو اس حالت میں کہ تم اللہ سے راضی ہو اور اللہ تم سے راضی ہو اور یہ نکلنا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور جنت کی دائمی راحتوں کی طرف ہوگا۔ (الحدیث)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایک روز یہ آیت یَاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھ پڑھا تھا تو صدیق اکبر جو مجلس میں موجود تھے کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کتنا اچھا خطاب اور اکرام ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سن لو فرشتہ موت کے بعد آپ کو یہ خطاب کرے گا۔

ایمان افروز واقعہ:

اور امام حافظ برانی نے کتاب العجائب میں اپنی سند سے فتان بن رزین ابی ہاشم سے ان کا اپنا واقعہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ہمیں بلاد روم میں قید کر دیا گیا اور وہاں کے بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا گیا اس کافر بادشاہ نے ہمیں مجبور کیا کہ ہم اس کا دین اختیار کریں، اور جو اس سے انکار کرے گا اس کی گردن ماری جائے گی ہم چند آدمی تھے ان میں تین آدمی جان کے خوف سے مرتد ہو گئے بادشاہ کا دین اختیار کر لیا، چوتھا آدمی پیش ہوا اس نے کفر کرنے اور اسکے دین کو اختیار کرنے سے انکار کیا، اس کی گردن کاٹ کر سر کو ایک قریبی نہر میں ڈال دیا گیا، اس وقت تو وہ سر پانی کی تہہ میں

چلا گیا، اس کے بعد پانی کی سطح پر ابھرا اور ان لوگوں کی طرف دیکھ کر ان کے نام لے کر آواز دی کہ فلانے فلانے اور پھر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

يَآيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيٓ إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً

فَادْخُلِي فِي عِبٰدِي وَادْخُلِي جَنَّتِي

اس کے بعد پھر پانی میں غوطہ لگا دیا۔

یہ عجیب واقعہ سب حاضرین نے دیکھا اور سنا اور وہاں کے نصاریٰ یہ دیکھ کر تقریباً سب مسلمان ہو گئے اور بادشاہ کا تخت ہل گیا، یہ تین آدمی جو مرتد ہو گئے تھے یہ سب پھر مسلمان ہو گئے تھے اور پھر خلیفہ ابو جعفر منصور نے ہم سب کو ان کی قید سے رہا کرایا۔ (ابن کثیر، معارف مفتی اعظم)

اطاعت کی راحت:

النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ　وہ نفس جس کو اللہ کی یاد اور اطاعت سے ایسا سکون حاصل ہوتا ہے جیسا مچھلی کو پانی میں حاصل ہوتا ہے ایسا سکون اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب نفس کو امارہ بنانے والی رذیل صفات سے بالکل پاک کر دیا جائے اور اوصاف قبیحہ زائل کر دیے جائیں مگر ان ناپاک اوصاف کا ازالہ اسی وقت ممکن ہے جب اللہ کے اوصاف حسنہ کا پرتو پڑ جائے اور نفس ان جلوہ پاشیوں میں فنا ہو کر بقا باللہ حاصل کر لے۔ اس مرتبہ میں پہنچ کر ہی حقیقی ایمان حاصل ہوتا ہے جس طرح کتا ناپاک ہے اس کو کھانا حرام ہے اسکی طہارت اور حلت کی صرف یہی صورت ہے کہ اس کو نمک میں ڈال دیا جائے اور نمک کے ساتھ وہ بھی نمک ہو جائے اوصاف کلبی فنا ہو جائیں اور نمکی اوصاف حاصل ہو جائے۔

مقام رضا:　مطلب یہ ہے کہ اللہ کی ربوبیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اسلام کی ملت اور اللہ نے جو کچھ تیرے لیے مقدر کر دیا ہے اس پر راضی رہتے ہوئے اپنے رب کی طرف لوٹ آ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص نے ایمان کی لذت پالی جو اللہ کے رب ہونے پر محمد کے رسول ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہو گیا۔ (بخاری و مسلم)

ایمان کی لذت پانے سے مراد ہے حقیقی ایمان کا حاصل ہونا۔

مَّرْضِيَّةً اور اس حالت اللہ کی طرف آ کہ اللہ بھی تجھ سے راضی ہے کیونکہ بندہ جب اللہ کی الوہیت سے راضی ہوتا ہے تو اللہ بھی اس سے راضی ہو جاتا ہے بلکہ اللہ سے بندہ کا راضی ہونا ہی رضا منجانب اللہ کی علامت ہے حسن نے کہا جب اللہ نفس مطمئنہ کو قبض کرنا چاہتا ہے تو نفس کو اس سے سکون حاصل ہوتا ہے اور وہ اس پر راضی ہوتا ہے نتیجہ یہ کہ اللہ بھی اس سے راضی ہو جاتا ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت ﷺ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو اللہ کی ملاقات پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا پسند کرتا ہے یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا کسی دوسری بی بی نے عرض کی ہم تو مرنے سے نفرت کرتے ہیں فرمایا یہ مطلب نہیں مقصد یہ کہ مومن کے سامنے جب موت آتی ہے اور اس کو اللہ کی طرف سے خوشنودی اور عزت بخشی کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کو آئندہ ملنے والی (نعمتوں) سے زیادہ کوئی چیز مرغوب نہیں ہوتی اس لیے اس کو اللہ سے ملنے کی قلبی رغبت ہوتی ہے نتیجہ میں اللہ بھی اس کو پسند فرماتا ہے لیکن کافر کے سامنے جب موت آتی ہے اور اس کو اللہ کی طرف سے عذاب اور سزا کی اطلاع ملتی ہے تو آئندہ پہنچنے والے (عذاب) سے زیادہ اسکی نظر میں کوئی چیز قابل نفرت نہیں ہوتی اس لیے وہ اللہ سے ملنا پسند نہیں کرتا اور اللہ کو اس کی ملاقات پسند ہوتی۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت یہ بھی ہے کہ موت اللہ کی ملاقات سے پہلے ہوتی ہے۔

مومن و کافر کی موت:

حضرت ابو ہریرہ ﷺ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن کے سامنے جب موت آتی ہے تو رحمت کے فرشتے سفید ریشمی کپڑا لے کر آتے اور کہتے ہیں (اے پاک روح) خوش خوش اللہ کی رحمت اور راحت کی طرف نکل چل تو اللہ سے راضی اور اللہ تجھ سے راضی۔ رب ناراض نہیں ہے اس کی جانب چل۔

روح مشک کی پاکیزہ ترین خوشبو کی طرح (مہکتی ہوئی) نکلتی ہے فرشتے اس کو دست بہ دست لیکر آسمان کے دروازے تک پہنچتے ہیں آسمان والے فرشتے کہتے ہیں یہ کیسی پاکیزہ خوشبو ہے جو زمین کی طرف سے تم کو پہنچی ہے۔ روح لے جانے والے ملائکہ اس روح کو مومنوں کی روحوں تک پہنچا دیتے ہیں ان کو اس کے پہنچنے سے اتنی خوشی ہوتی ہے کہ تم کو اپنے غائب مسافر کے آ جانے سے اتنی خوشی نہیں ہوتی مومن اس سے پوچھتے ہیں (دنیا میں) فلاں شخص کا کیا حال ہیں دوسرے مومن کہتے ہیں اس کو آرام لینے دو یہ دنیا کے غم میں تھا روح کہتی ہے وہ تو مر چکا کیا تمہارے پاس نہیں آیا مومن کہتے ہیں (معلوم ہوتا ہے کہ) اس کو اسکے اصلی ٹھکانے یعنی ہاویہ کی طرف پہنچا دیا گیا لیکن کافر کی موت کے وقت عذاب کے فرشتے ٹاٹ لے کر آتے ہیں اور کہتے ہیں (اے خبیث روح) اللہ کے عذاب کی طرف نکل (آنے والے عذاب) تجھے ناگوار۔ اور اللہ تجھ سے ناخوش۔ روح فوراً سڑے ہوئے بدبودار مردار کی (پھیلتی ہوئی) بو کی طرح نکلتی ہے فرشتے اس کو لے کر زمین کے دروازے تک پہنچتے ہیں۔ زمین والے (ملائکہ) کہتے ہیں یہ کس قدر سڑی ہوئی بدبو ہے فرشتے اس روح کو کافروں کی روحوں کی ساتھ شامل کر دیتے ہیں۔ (احمد، نسائی)

ابن ماجہ کی حدیث بھی اسی طرح کی ہے اس میں اتنا زائد ہے کہ پھر مومن روح کو آسمان کی طرف چڑھایا جاتا ہے آسمان کا دروازہ اس کے لیے کھول دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ پاکیزہ روح کے لیے مرحبا جو پاکیزہ جسم میں تھی۔ اور کافر روح کے متعلق فرمایا کہ اس کو آسمان کی طرف چڑھا کر لے جایا جاتا ہے (لیکن آسمان کا دروازہ اس کے لیے نہیں کھولا جاتا) اور کہا جاتا ہے خبیث روح کے لیے جو خبیث جسم میں تھی مرحبا نہیں ہے ذلیل حالت میں لوٹ جا تیرے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے پھر اس کو آسمان سے (نیچے) چھوڑ دیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ قبروں کی طرف لوٹ جاتی ہے۔

روح کو یہ خطاب کب ہوتا ہے اس بحث کے متعلق مختلف احادیث آئی ہیں نزاعی مسئلہ یہ ہے کہ یہ قول روح سے کس وقت کہا جاتا ہے بعض علماء قائل ہیں کہ مرنے کے وقت بھی یہ بات کہی جاتی ہے

تحقیق یہ ہے کہ یہ خطاب روح کو استحقاق دنیا میں ہی ہو جاتا ہے اور اس کو اطمینان حاصل ہوتا ہے اس لیے اس سے کہا جاتا ہے ارجعی الیٰ ربک یعنی اللہ کے مراتب قرب اور انوار ذاتیہ کی طرف لوٹ آ۔

مقام عبدیت:

فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ یعنی آ کر میرے نیک بندوں میں شامل ہو جا یہ نیک بندے وہی ہیں جن میں داخل ہونے کی دعا حضرت سلیمان علیہ السلام نے کی تھی اور عرض کیا تھا وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ اور حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی ان کے ساتھ شامل ہونے کے لیے عرض کیا تھا۔ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ اور انہیں نیک بندوں کے سلسلہ میں اللہ نے ابلیس سے فرمایا تھا اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ۔

فادخلی میں فاء سببی ہے کیونکہ اطمینان نفس اور نفس کا راضی مرضی ہونا ہی خالص عبدیت کے حصول اور باطل الوہیت نفسانی کی رسی سے گلو خلاصی اور شیطانی وسوسوں سے نجات مل جانے کا سبب ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین کردہ دُعاء:

ابن عساکر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ یہ دُعاء پڑھا کر اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ نَفْسًا بِکَ مُطْمَئِنَّةً تُؤْمِنُ بِلِقَآئِکَ وَتَرْضٰی بِقَضَآئِکَ وَتَقْنَعُ بِعَطَآئِکَ. خدایا میں تجھ سے ایسا نفس طلب کرتا ہوں جو تیری ذات پر اطمینان اور بھروسہ رکھتا ہو، تیری ملاقات پر ایمان رکھتا ہو، تیری قضا پر راضی ہو، تیرے دیئے ہوئے پر قناعت کرنے والا ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

سورۃ البلد

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے گا اس کو کھانا کھلانے اور یتیموں کی خاطر داری کرنے کی توفیق ملے گی اور ضعیفوں پر رحم کرنے کا خیال ہوگا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ عِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورہ بلد مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی بیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ①

قسم کھاتا ہوں میں اس شہر کی ☆

یعنی مکہ معظمہ کی۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ ②

اور تجھ پر قید نہیں رہے گی اس شہر میں ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیاز:

شہر مکہ میں ہر شخص کو لڑائی کی ممانعت ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صرف فتح مکہ کے دن یہ ممانعت نہیں رہی جو کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑا اس کو مارا اور بعض سنگین مجرموں کو خاص کعبہ کی دیوار کے پاس قتل کیا گیا پھر اس دن کے بعد سے وہی ممانعت قیامت تک کے لیے قائم ہوگئی چونکہ اس آیت میں مکہ کی قسم کھا کر ان شدائد اور سختیوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے جن میں سے انسان کو گزرنا پڑتا ہے اور اس وقت دنیا کا بزرگ ترین انسان اسی شہر مکہ میں دشمنوں کی طرف سے زہرہ گداز سختیاں جھیل رہا تھا اس لیے درمیان میں بطور جملہ معترضہ "وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ" فرما کر تسلی کر دی کہ اگرچہ آج آپ کا احترام اس شہر کے جاہلوں میں نہیں ہے لیکن ایک وقت آیا چاہتا ہے جب آپ کا اسی شہر میں فاتحانہ داخلہ ہوگا اور اس مقدس مقام کی ابدی تطہیر و تقدیس کے لیے مجرموں کو سزا دینے کی بھی آپ کو اجازت ہوگی۔ یہ پیشین گوئی سنہ ۸ھ میں خدا کے فضل پوری ہوئی۔ (تنبیہ) بعض نے "وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ" کے معنی "وَاَنْتَ نَازِلٌ" کے لیے ہیں یعنی میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں بحالیکہ آپ اس شہر میں پیدا کیے گئے ہیں اور قیام پذیر ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

مکہ مکرمہ کی عظمت:

شہر مکہ کی قسم کھانا اس شہر کی بہ نسبت دوسرے شہروں کے شرافت و افضلیت کو بتلانا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ہجرت کے وقت شہر مکہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ (خدا کی قسم ہے کہ تو ساری زمین میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بہتر اور محبوب ہے اور اگر مجھے یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کر دیا جاتا تو میں تیری زمین سے نہ نکلتا)

(رواہ الترمذی، ابن ماجہ، مظہری، معارف مفتی اعظم)

اللہ نے معظمہ مکہ کی قسم کھائی لیکن اس قید کے ساتھ کہ مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقیم ہیں اس کی وجہ مکہ کی فضیلت کا اظہار ہے ایک تو مکہ خود ہی فضیلت رکھتا ہے (کہ اللہ نے اس کی قسم کھائی) دوسری فضیلت یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں فروکش ہیں (اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ میں فروکش ہونا مکہ کی ذاتی فضیلت کو بڑھا دیتا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو خطاب کر کے فرمایا تھا تو کیسا پاکیزہ شہر ہے اور اللہ کو کس قدر پیارا ہے اگر میری قوم والے مجھے تیرے اندر سے نہ نکالتے تو میں تیرے علاوہ کہیں نہ رہتا۔

(رواہ الترمذی، عن ابن عباس وقال حدیث حسن صحیح غریب اسناداً)

اسی طرح ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عدی رضی اللہ عنہ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم تو سب سے برتر زمین ہے اور اللہ کو زمین کے ہر حصہ سے زیادہ پیاری ہے اگر مجھ کو تیرے اندر سے نکالا نہ جاتا تو میں نہیں نکلتا۔

فتح مکہ کی پیشین گوئی:

حلٌّ کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مکہ میں تمہارے لیے کسی کو قتل اور قید کرنا حلال ہے تمہارے لیے یہ جرم نہیں ہے اس صورت میں یہ جملہ آئندہ کے متعلق ایک وعدہ ہوگا کہ آئندہ ایک وقت آئے گا کہ اس وقت اس شہر میں لوگوں کو قتل اور قید کرنا تمہارے لیے حلال کر دیا جائے گا چنانچہ فتح مکہ کے دن ایسا ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں مقاتلہ کیا اور عبداللہ بن خطل کو مار ڈالنے کا حکم دیا ابن خطل اس وقت کعبہ کے پردوں کو پکڑے ہوئے اور مقیس بن خبابہ وغیرہ کے قتل کا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا۔ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ آسمان و زمین کے آفرینش کے دن ہی اللہ نے اس شہر کو حرم بنا دیا تھا پس اللہ کے حرم بنانے کی وجہ سے روز قیامت تک کہ حرم ہے۔ مجھ سے پہلے یہاں قتال کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا اور میرے لیے بھی دن کی صرف ایک ساعت میں یہاں قتال حلال ہوا اب قیامت تک بحکم خدا یہ حرم ہے یہاں کی خادار جھاڑیاں نہ کاٹی جائیں یہاں کے شکار کو نہ نکالا جائے یہاں گری پڑی کوئی چیز نہ اٹھائے سوائے اس شخص کے جو اس کی تشہیر کرنا چاہتا ہو اور یہاں کی گھاس بھی نہ کاٹی جائے الخ۔ (تفسیر مظہری)

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ﴿٣﴾
اور قسم ہے جنتے کی اور جو اس نے جنا ☆

یعنی آدم اور بنی آدم وقیل غیر ذلک۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا وَلَدَ اس سے مراد ہے کل بنی آدم یا حضرت ابراہیم کی نسل کے پیغمبر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تنکیر اظہار عظمت کے لیے ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي كَبَدٍ ﴿٤﴾
تحقیق ہم نے بنایا آدمی کو محنت میں ☆

انسانی زندگی کی مشکلات:

یعنی آدمی ابتداء سے انتہا تک مشقت اور رنج میں گرفتار ہے اور طرح طرح کی سختیاں جھیلتا رہتا ہے۔ کبھی مرض میں مبتلا ہے کبھی رنج میں، کبھی فکر میں۔ شاید عمر بھر میں کوئی لمحہ ایسا آتا ہو جب کوئی انسان تمام قسم کے خرخشوں اور محنت و تکلیف سے آزاد ہو کر بالکل بے فکری کی زندگی بسر کرے حقیقت میں انسان کی پیدائشی ساخت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ ان سختیوں اور بکھیڑوں سے نجات نہیں پا سکتا آدم اور اولاد آدم کے احوال کا مشاہدہ خود اس کی واضح دلیل ہے اور مکہ جیسے سنگلاخ ملک کی زندگی خصوصاً اس وقت جبکہ وہاں افضل الخلائق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت ترین جور و جفا اور ظلم و ستم کے ہدف بنے ہوئے تھے "لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي كَبَدٍ" کی نمایاں شہادت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بعض علماء نے فرمایا کہ کوئی مخلوق اتنی مشقتیں نہیں جھیلتی جتنی انسان برداشت کرتا ہے باوجود یہ کہ وہ جسم اور جثہ میں اکثر جانوروں کی نسبت ضعیف و کمزور ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ انسان کی دماغی قوت سب سے زیادہ ہے اس لیے اسکی تخصیص کی گئی۔ مکہ مکرمہ اور آدم و اولاد آدم علیہ السلام کی قسم کھا کر حق تعالیٰ نے اس حقیقت کو بیان فرمایا کہ انسان کو ہم نے شدت و محنت اور مشقت ہی میں اور اسی کے لیے پیدا کیا ہے جو اس کی دلیل ہے کہ انسان خود بخود پیدا نہیں ہو گیا یا اس کو کسی دوسرے انسان نے جنم نہیں دیا بلکہ اس کا پیدا کرنے والا ایک قادر مختار ہے۔ جس نے اپنی حکمت سے ہر مخلوق کو خاص خاص مزاج اور خاص اعمال و افعال کی استعداد دے کر پیدا کیا ہے اگر انسان کی تخلیق میں خود انسان کو کچھ دخل ہوتا تو وہ اپنے لیے یہ محنتیں مشقتیں کبھی تجویز نہ کرتا۔ (قرطبی، معارف مفتی اعظم)

ابوالاشد کا دعویٰ:

یہ آیت ابوالاشد کے متعلق نازل ہوئی ابوالاشد کا نام اسید بن کلدہ بن جمح تھا ۔یہ بڑا طاقتور تھا عکاظی چمڑا اپنے پاؤں کے نیچے دبا کر کہتا تھا جو اس چمڑے سے میرے قدم کو ہٹا دے گا اس کو اتنا انعام ملے گا لیکن کوئی اس کے قدم کو نہ ہٹا سکتا تھا۔ تک کہ چمڑا کھینچنے سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا تھا اور قدم اپنی جگہ جما رہتا تھا۔

فِیْ کَبَدٍ اگر انسان سے جنس مراد ہو تو کَبَدٍ کا معنی ہو گا دکھ مشقت یعنی ہر انسان کو ہم نے دکھ میں پیدا کیا۔

انسان کی خصوصیت:

میں کہتا ہوں یہ دشواریاں تو انسان اور دوسرے جانوروں میں مشترک ہیں صرف انسان کی تخصیص اس لئے کی گئی کہ انسان عقل اور شعور رکھتا ہے کمال احساس کے ساتھ شدائد کو برداشت کرنا بے شعوری کے ساتھ برداشت کرنے سے زیادہ دشوار ہے۔

میرے نزدیک کبد سے مراد اس بارامانت کی برداشت ہے جس کو اٹھانے سے آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں نے انکار کر دیا تھا اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔اب اگر یہ اپنے فرض کو ادا کرے گا تو کامیاب ہو جائے گا۔ اللہ مومن مردوں اور عورتوں پر رحم فرمائے گا۔ اگر فرض ادا نہ کرے گا تو تباہ ہو جائے گا۔ اور آخرت کی تکالیف میں مبتلا ہو جائے گا۔ اللہ منافق اور کافر مردوں اور عورتوں کو عذاب دے گا اس مطلب کی بناء پر اس آیت کا مفہوم وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ کے مفہوم کی مثل ہو جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ اسلام کے سبب قوم والوں کی طرف سے جو سختیاں جھیلنی پڑتی تھیں ان کی برداشت کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس آیت میں تسکین آفرینی ہے۔ مقاتل نے نزول آیت کو ابوالاشد کے متعلق قرار دیتے ہوئے کہا کہ کَبَدٍ کا معنی ہے قوت اور طاقت۔ (تفسیر مظہری)

انسان کی قوت برداشت:

ابن عباس وغیرہ سے مروی ہے کہ قوت و طاقت والا پیدا کیا ہے۔ خود اسے دیکھو اس کی پیدائش کی طرف غور کرو، اس کے دانتوں کا نکلنا دیکھو وغیرہ، حضرت مجاہد فرماتے ہیں پہلے نطفہ، پھر خون بستہ، پھر لوتھڑا گوشت کا، غرض اپنی پیدائش میں خوب مشقتیں اٹھاتا ہے جیسے اور جگہ ہے حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ یعنی اس کی ماں نے حمل میں تکلیف اٹھائی پھر وضع حمل میں مشقت برداشت کی ، بلکہ دودھ پلانے میں بھی مشقت اور معیشت میں بھی تکلیف۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ ۘ ﴿۵﴾

کیا خیال رکھتا ہے وہ کہ اس پر بس نہ چلے گا کسی کا ☆

انسان کی خام خیالی:

یعنی انسان جن سختیوں اور محنت و مشقت کی راہوں سے گذرتا ہے اس کا مقتضاء تو یہ تھا کہ اس میں عجز و درماندگی پیدا ہوتی ہے اور اپنے کو بستہ حکم و قضا سمجھ کر مطیع امر و تابع رضا ہوتا ہے اور ہر وقت اپنی احتیاج و افتقار کو پیش نظر رکھتا لیکن انسان کی حالت یہ ہے کہ بالکل بھول میں پڑا ہے تو کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ کوئی ہستی ایسی نہیں جو اس پر قابو پا سکے اور اس کی سرکشی کی سزا دے سکے۔ (تفسیر عثمانی)

ابوالاشد کا گمان تھا کہ عذاب کے فرشتے اس پر قابو نہیں پائیں گے یا اَحَدٌ سے مراد اللہ ہے جس نے ابوالاشد کو اتنی عظیم الشان پیدائشی قوت عطا فرمائی تھی اس کا خیال تھا کہ خدا کو بھی اس سے انتقام لینے کی طاقت نہیں۔ (تفسیر مظہری)

یَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ؕ ﴿۶﴾

کہتا ہے میں نے خرچ کر ڈالا مال ڈھیروں ☆

غلط مقصد کا انفاق:

یعنی رسول کی عداوت ٗ اسلام کی مخالفت اور معصیت کے مواقع میں یونہی بے تکے پن سے مال خرچ کرنے کو ہنر سمجھتا ہے پھر اسے بڑھا چڑھا کر فخر سے کہتا ہے کہ میں اتنا کثیر مال خرچ کر چکا ہوں کیا اس کے بعد بھی کوئی میرے مقابلہ میں کامیاب ہو سکتا ہے لیکن آگے چل کر پتہ لگے گا کہ یہ سب خرچ کیا ہوا مال یونہی برباد گیا۔ بلکہ الٹا وبال جان ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

غرض یہ ہوگی کہ میں دوسرے قریشی غیر مسلموں کے مقابلہ میں اونچا درجہ رکھتا ہوں (کیونکہ میں نے رسول کی عداوت میں کثیر مال خرچ کیا ہے) اس لئے تمام کفار قریش کو میری برتری کا اعتراف کرنا ضروری ہے (تفسیر مظہری)

اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗۤ اَحَدٌ ؕ ﴿۷﴾

کیا خیال رکھتا ہے کہ دیکھا نہیں اس کو کسی نے ☆

اللہ دیکھ رہا ہے:

یعنی اللہ سب دیکھ رہا ہے جتنا مال جس جگہ جس نیت سے خرچ کیا ہے جھوٹی شیخی بگھارنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

کیا اس کا یہ خیال ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا یقیناً اللہ اس کو اس وقت دیکھ رہا تھا جب وہ ریاکاری کے طور پر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں مال خرچ کر رہا تھا۔ اللہ اس سے ضرور باز پرس کرے گا کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور لامحالہ اس کو اس کی سزا بھی دے گا آیت کی یہ تشریح سعید بن جبیر اور قتادہ کے قول کے موافق کی گئی ہے۔ کلبی کا قول ہے کہ ابوالاشد جھوٹا شیخی باز تھا جو کثیر مال خرچ کرنے کا دعویٰ کرتا تھا اس نے اپنے

بیان کے مطابق مال خرچ نہیں کیا۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝۸

بھلا ہم نے نہیں دیں اُس کو دو آنکھیں ☆

اللہ ہی نے سب کو آنکھیں عطا کی ہیں:

یعنی جس نے دیکھنے کو آنکھیں دیں کیا وہ خود دیکھتا نہ ہوگا؟ یقیناً جو سب کو بینائی دے وہ سب سے بڑھ کر بینا ہونا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن عساکر میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ فرماتا ہے اے ابن آدم میں نے بڑی بڑی بیحد نعمتیں تجھ کو بخشیں جن کو تو گن بھی نہیں سکتا، نہ اس کے شکر ادا کرنے کی تجھ میں طاقت ہے، میری ہی یہ نعمت بھی ہے، کہ میں نے تجھے دیکھنے کو دو آنکھیں دیں، پھر میں نے ان پر پلکوں کا غلاف بنا دیا ہے پس ان آنکھوں سے میری حلال کردہ چیزیں دیکھ اگر حرام چیزیں تیرے سامنے آئیں تو ان دونوں کو بند کر لے، میں نے تجھے زبان دی ہے، اور اس کا غلاف بھی عنایت فرمایا ہے میری مرضی کی باتیں زبان سے نکال اور میری منع کی ہوئی باتوں سے منہ بند کر لے۔ میں نے تجھے شرم گاہ دی ہے اور اس پر پردہ بھی عطا فرمایا ہے، حلال جگہ تو بے شک استعمال کر لیکن حرام جگہ تو پردہ ڈال لے، اے ابن آدم! تو میری ناراضگی نہیں اٹھا سکتا اور میرے عذابوں کو سہنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝۹

اور زبان اور دو ہونٹ ☆

جن سے بات کرنے اور کھانے پینے میں مدد لیتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

زبان تیز عمل مشین:

قدرت نے زبان کو ایسی سریع العمل مشین بنایا ہے کہ آدھے منٹ میں اس سے ایسا کلمہ بھی بولا جا سکتا ہے جو اس کو جہنم سے نکال کر جنت میں پہنچا دے۔ جیسے کلمہ ایمان یا دنیا میں دشمن کی نظر میں اس کو محبوب بنا دے جیسے پچھلے قصور کی معافی۔ اور اسی زبان سے اتنے ہی وقفے میں ایسا کلمہ بھی بولا جا سکتا ہے جو اس کو جہنم میں پہنچا دے جیسے کلمہ کفر یا دنیا میں اس کے بڑے سے بڑے مہربان دوست کو اس کا دشمن بنا دے جیسے گالی گلوچ وغیرہ جس طرح زبان کے منافع بیشمار ہیں اس کی ہلاکت آفرینی بھی اسی انداز کی ہے۔ گویا یہ ایک تلوار ہے جو دشمن پر چل سکتی ہے اور خود اپنا گلا بھی کاٹ سکتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

زبان آنکھ اور شرمگاہ کے شر سے حفاظت کا سامان:

بغوی نے لکھا ہے کہ حدیث میں آیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم اگر تیری زبان ناجائز چیزوں کے لئے تجھ سے کشاکش کرے تو میں نے اس کے خلاف تیری مدد کے لئے دو ڈھکن تجھے دیئے ہیں تو اس کو ڈھکن میں بند کر دے۔ اور ناجائز بات زبان سے نہ نکال۔ اور اگر تیری نگاہ ناجائز چیزوں کے لئے تجھ سے کشاکش کرے تو تیری مدد کے لئے میں نے دو غلاف دے دیئے ہیں تو ان غلافوں میں اس کو بند رکھ اور اگر تیری شرمگاہ ناجائز امور کی طرف تجھے کھینچے تو میں نے تیری مدد کے لئے دو پردے دے دیئے ہیں اور ان پردوں میں ان کو بند رکھ۔ (تفسیر مظہری)

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝۱۰

اور دکھلا دیں اُس کو دو گھاٹیاں ☆

اچھائی برائی کی تمیز: یعنی خیر اور شر دونوں کی راہیں بتلا دیں تاکہ برے راستہ سے بچے اور اچھے راستہ پر چلے اور یہ بتلانا اجمالی طور پر عقل و فطرت سے ہوا اور تفصیلی طور پر انبیاء و رسل کی زبان سے (تنبیہ) بعض نے ''نجدین'' سے مراد عورت کی پستان لئے ہیں یعنی بچے کو دودھ پینے اور غذا حاصل کرنے کا راستہ بتلا دیا۔ (تفسیر عثمانی)

النجدین سے مراد ہیں خیر و شر حق و باطل اور ہدایت و گمراہی کے راستے۔ مطلب یہ ہے کہ عقل دے کر اور پیغمبروں کو بھیج کر ہم نے اچھائی برائی واضح کر دی اب جو شر کا راستہ اختیار کرے گا اور گمراہ ہوگا اس کا کوئی عذر قیامت کے دن قبول نہ ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝۱۱

سو نہ دھمک سکا گھاٹی پر ☆

انسان کی نالائقی: یعنی اس قدر انعامات کی بارش اور اسباب ہدایت کی موجودگی میں بھی اسے توفیق نہ ہوئی کہ دین کی گھاٹی پر آ دھمکتا اور مکارم اخلاق کے راستوں کو طے کرتا ہوا فوز و فلاح کے بلند مقامات پر پہنچ جاتا (تنبیہ) دین کے کاموں کو گھاٹی اس لیے کہا کہ مخالفت ہوا کی وجہ سے ان کا انجام دینا نفس پر شاق اور گراں ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

گھاٹی کا مطلب:

عقبہ اصل لغت میں پہاڑی راستہ کو کہتے ہیں اقتحام گھسنا۔ یہاں مراد ہے اوامر اور نہی کی پابندی کی مشقت برداشت کرنا۔ قتادہ بعض علماء نے کہا اقتحام عقبہ سے مراد ہے گھاٹی کو پار کر لینا اور ادائے واجب سے عہدہ برآ ہو جانا۔ کیونکہ گناہ گار پر گناہ کرنے کا بار اور ادائے واجبات کی ذمہ داری پہاڑی گھاٹی کی مشابہ ہے۔ اور فرائض مذکورہ کو ادا کر دینا گھاٹی کو عبور کر لینے کے مشابہت ہے۔

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا یہ عقبہ جہنم کا ایک پہاڑ ہے۔ (حسن بصری) اور قتادہ نے کہا عقبہ جہنم میں پل سے پرے ایک گھاٹی ہے جس کا عبور اللہ کی اطاعت سے ہوگا۔ مجاہدؒ ضحاکؒ اور کلبیؒ نے کہا عقبہ جہنم پر ایک پل ہے۔ تلوار کی دھار کی طرح باریک اور تیز جس کی چڑھائی اور اتار میدانی رفتار کی مسافت تین ہزار برس کی راہ کے برابر اس کے دونوں طرف سادان کے کانٹوں کی طرح کانٹے اور آنکڑے لگے ہیں کوئی اس پر صحیح سالم نکل جائے گا۔ کوئی خراش اور کھرونچ پاکر اور کوئی سرنگوں جہنم میں چلا جائے گا۔ پھر کوئی بجلی کی طرح گذر جائے گا کوئی تیز آندھی کی طرح کوئی گھوڑے سوار کی طرح کوئی پیادہ کی طرح کوئی سرینوں کے بل سرکے گا اور کچھ لوگ پھسل کر گریں گے اور کچھ زخمی ہو کر جہنم میں چلے جائیں گے۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿١٢﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿١٣﴾

اور تو کیا سمجھا کیا ہے وہ گھاٹی چھڑانا گردن کا ☆

یعنی غلام آزاد کرنا یا قرضدار کی گردن قرض سے چھڑوانا۔ (تفسیر عثمانی)

تم کو نہ اس کی صعوبت کا علم نہ اس کی کثرت ثواب کا۔ ابن عیینہ کا قول ہے کہ جس چیز کے متعلق اللہ نے مَآ اَدْرٰىكَ فرمایا اس کی اطلاع بعد کو دیدی اور جس چیز کے متعلق ما یدریک فرمایا۔ اس کی اطلاع کسی کو نہیں دی۔

فَكُّ رَقَبَةٍ گلوخلاصی عام ہے۔ پورا غلام آزاد کرنا یا قیمت دے کر آزاد کروانا یا مکاتب کی مدد کرنا یا کسی غلام کی اگر کچھ آزادی باقی ہے تو بقدر آزادی روپیہ سے اس کی مدد کرنا سب کو یہ لفظ شامل ہے۔

جنت کے عمل:

حضرت براء بن عازب کی روایت ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت میں لے جائے ارشاد فرمایا تو نے اگرچہ لفظ چھوٹا بولا مگر درخواست لمبی چوڑی کی۔ بردہ آزاد کر اور گلوخلاصی کر۔ اعرابی نے عرض کیا یہ دونوں چیزیں ایک ہی ہیں فرمایا نہیں۔ بردہ آزاد کرنا یہ ہے کہ تم تنہا پورا بردہ آزاد کرو اور گلوخلاصی کا یہ مطلب ہے کہ غلام یا باندی کی قیمت ادا کرنے میں تم مدد کرو۔ اور منحہ یعنی بخشش یہ ہے کہ مہربانی کے ساتھ اپنے ظالم رشتہ دار کی طرف تم خود رجوع کر لو اگر اس کی یعنی غلام آزاد کرنے کی تم میں طاقت نہ ہو تو بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور پیاسے کو پانی پلاؤ اچھا کام کرنے کا حکم دو اور بری بات سے باز داشت کرو۔ اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو کلمہ خیر کے علاوہ زبان روکے رکھو۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

غلام آزاد کرنے کا ثواب:

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے مسلمان بردہ آزاد کیا اللہ اس کے ہر عضو کے مقابل آزاد کرنے والے کے اسی عضو کو دوزخ سے آزادی دے گا یہاں تک کہ اس کی شرمگاہ کے مقابل اس کی شرمگاہ کو۔ عکرمہ نے کہا فک رقبۃ سے مراد گناہوں سے توبہ کر کے اپنے نفس کو آزاد کرنا۔ (تفسیر مظہری)

مسند احمد میں ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا حضور کوئی ایسا کام بتا دیجئے جس سے جنت میں جا سکوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھوڑے سے الفاظ میں بہت ساری باتیں تو پوچھ بیٹھا۔ نسمہ آزاد کر۔ رقبہ چھڑا۔ اس نے کہا کیا یہ دونوں ایک چیز نہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں نسمہ کی آزادی کے معنی یہ ہیں کہ تو اکیلا ایک غلام آزاد کرے اور فَكُّ رَقَبَةٍ کے معنی ہیں کہ تھوڑی بہت مدد کرے۔ دودھ والا جانور پینے کے لئے کسی مسکین کو دینا۔ ظالم رشتہ دار سے نیک سلوک کرنا۔ یہ ہیں جنت کے کام اگر اس کی تجھے طاقت نہ ہو تو بھوکے کو کھلا پیاسے کو پلا نیکیوں کا حکم کر۔ برائیوں سے روک۔ اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو سوائے بھلائی اور نیک بات کے کوئی کلمہ زبان سے مت نکال۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴿١٤﴾

یا کھلانا بھوک کے دن میں ☆

بھوکوں کی خبر گیری:

یعنی قحط کے دنوں میں بھوکوں کی خبر لینا۔ (تفسیر عثمانی)

يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿١٥﴾

یتیم کو جو قرابت والا ہے ☆

یتیم کی خاطر داری: یتیم کی خدمت کرنا ثواب اور قرابتداروں کے ساتھ سلوک کرنا بھی ثواب ہے جہاں دونوں جمع ہو جائیں تو دوہرا ثواب ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿١٦﴾

یا محتاج کو جو خاک میں رُل رہا ہے ☆

مسکین کی سرپرستی:

یعنی فقر و فاقہ اور تنگدستی سے خاک میں مل رہا ہو یہ مواقع ہیں مال خرچ کرنے کے نہ یہ کہ شادی غمی کی فضول رسموں اور خدا کی نافرمانیوں میں روپیہ برباد کر کے دنیا کی رسوائی اور آخرت کا وبال سر پر لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

پھر ہووے ایمان والوں میں ☆

قبولیتِ اعمال کی شرط:

یعنی پھران سب اعمال کے مقبول ہونے کی سب سے بڑی شرط ایمان ہے اگر یہ چیز نہیں تو سب کیا کرایا اکارت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حکیم بن حزام نے اسلام لانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے حالت کفر میں کچھ نیک کام کیے ہیں؟ (کیاوہ قبول ہوں گے یانہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَسْلَمْتَ اَسْلَفْتَ مِنْ خَیْرٍ کہ تم ان تمام نیکیوں کے ساتھ ایمان لائے ہو جو تم پہلے کر چکے تھے۔ (معارف کاندھلوی)

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ
جو تاکید کرتے ہیں آپس میں تحمل کی
وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾
اور تاکید کرتے ہیں رحم کھانے کی ☆

صبر ورحم کی تلقین:

یعنی ایک دوسرے کو تاکید کرتے رہتے ہیں کہ حقوق وفرائض کے ادا کرنے میں ہر قسم کی سختیوں کا تحمل کرو اور خدا کی مخلوق پر رحم کھاؤ تا کہ آسمان والا تم پر رحم کھائے۔ (تفسیر عثمانی)

پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ شخص ان لوگوں میں سے نہ تھا (یا نہ ہوا) جو ایمان لائے اور ایک نے دوسرے کو نصیحت کی گناہوں سے بچنے کی طاعت پر پابندی کی اور راہ حق میں پیش آنے والی مصائب پر ثابت قدم رہنے کی اور اللہ کے بندوں پر رحم کرنے کی یا ایسے اعمال اختیار کرنے کی جو اللہ کی رحمت کے جاذب ہیں۔ (تفسیر مظہری)

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۱۸﴾
وہ لوگ ہیں بڑے نصیب والے ☆

مبارک لوگ:

یعنی یہ لوگ بڑے خوش نصیب اور میمون ومبارک ہیں جن کو عرش عظیم کے دائیں جانب جگہ ملے گی اور ان کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ
اور جو منکر ہوئے ہماری آیتوں سے

اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿۱۹﴾
وہ ہیں کم بختی والے ☆

بدنصیب لوگ:

یعنی بدنصیب منحوس، شامت زدہ جن کا اعمالنامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا اور عرش کے بائیں طرف کھڑے کیے جائینگے۔ (تفسیر عثمانی)

عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۰﴾
انہی کو آگ میں موند دیا ہے ☆

یعنی دوزخ میں ڈال کر سب دروازے نکلنے کے بند کر دیے جائینگے اعاذ نا اللّٰہ منہا۔ (تفسیر عثمانی)

دوزخ کا قید خانہ:

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ نہ اس میں روشنی ہوگی نہ سوراخ ہوگا نہ کبھی وہاں سے نکلنا ملے گا حضرت اابو عمران جونی فرماتے ہیں کہ جب قیامت کا دن آئے گا اللہ تعالیٰ حکم دے گا اور ہر سرکش کو ہر ایک شیطان کو اور ہر ایک شخص کو جس کی شرارت سے لوگ دنیا میں ڈرتے رہتے تھے لوہے کی زنجیروں سے مضبوط باندھ دیا جائے گا پھر جہنم میں جھونک دیا جائے گا پھر جہنم بند کر دی جائے گی خدا کی قسم کبھی ان کے قدم ٹکیں گے ہی نہیں۔ خدا کی قسم کبھی صورت ہی دکھائی نہ دے گی خدا کی قسم کبھی آرام سے ان کی آنکھ لگے گی ہی نہیں۔ خدا کی قسم انہیں کوئی مزے کی چیز کھاتے پینے کو ملے گی ہی نہیں (ابن ابی حاتم۔ تفسیر ابن کثیر)

الحمد للہ سورۃ البلد ختم ہوئی

سورة الشمس

جس شخص نے اس کو خواب میں پڑھا اللہ تعالیٰ اس کو عمدہ سمجھ اور زیر کی تمام امور میں عطاء فرمائیگا (علامہ ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسَ عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۂ شمس مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی پندرہ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝۱ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝۲

قسم سورج کی اور اس کے دھوپ چڑھنے کی، اور چاند کی جب آئے سورج کے پیچھے ☆

یعنی سورج غروب ہونے کے بعد جب اس کی چاندنی پھیلے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا۔ آفتاب اور اس کی روشنی کی قسم مجاہد اور کلبی نے کہا ہے یعنی طلوع کے وقت آفتاب کی روشنی کی قسم کیونکہ اس وقت کی روشنی صاف ہوتی ہے۔

وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا۔ یعنی چاند کی قسم جب آفتاب کے طلوع کے پیچھے اس کا طلوع ہونا ایسی صورت ہر مہینہ کے نصف اول میں ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۝۳

اور دن کی جب اس کو روشن کرلے ☆

یعنی جب دن میں سورج پوری روشنی اور صفائی کے ساتھ جلوہ گر ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ۝۴

اور رات کی جب اُس کو ڈھانک لیوے ☆

یعنی جب رات کی تاریکی خوب چھا جائے اور سورج کا کچھ نشان دکھائی نہ دے۔ (تفسیر عثمانی)

بحر موج کے مؤلف نے لکھا ہے کہ ایسا کرنا درست نہیں کیونکہ قسموں کا وقوع ان کی اوقات میں مراد نہیں نہ اس کو قمر اور نہار اور لیل کی صفت قرار دیا جا سکتا ہے۔ مطلب اس طرح ہوگا چاند کے اس انجلاء کی قسم جو سورج کے پیچھے چلنے کے وقت اس کو حاصل ہوتا ہے اور دن کے اس نمود کی قسم جو سورج کو نمایاں کرتے وقت ہوتا ہے اور رات کے نمودار ہونیکی قسم جو آفاق پر چھا جانیکے وقت ہوتا ہے اور اس تاویل پر ظرف زمان مضاف محذوف کی صفت ہوگا (تفسیر مظہری)

وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ۝۵

اور آسمان کی اور جیسا کہ اُس کو بنایا ☆

یعنی جس شان و عظمت کا اس کو بنایا اور بعض کے نزدیک "مَا بَنٰهَا" سے مراد اس کا بنانے والا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ۝۶

اور زمین کی اور جیسا کہ اُس کو پھیلایا ☆

یعنی جس حکمت سے اس کو پھیلا کر مخلوق کی بود و باش کے قابل کیا یہاں بھی بعض نے "وَمَا طَحٰهَا" سے اس کا پھیلانے والا مراد لیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی زمین کی اور اس کو بچھانے والے کی یا بچھانے کی قسم یہی مراد آئندہ آیت۔ (تفسیر مظہری)

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝۷

اور جی کی اور جیسا کہ اس کو ٹھیک بنایا ☆

کہ اعتدال مزاج کا اور حواس ظاہری و باطنی اور قوائے طبعیہ حیوانیہ و نفسانیہ سب اس کو دیئے اور نیکی بدی کے راستوں پر چلنے کی استعداد رکھی۔ (تفسیر عثمانی)

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا۔ یعنی نفس اور اس ذات کی قسم جس نے اس کی تخلیق میں متوازن اور تقاضائے حکمت کے موافق اس کی تخلیق کا فیصلہ کیا۔

ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے:

حدیث میں ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں جیسے چوپائے جانور کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے کوئی ان میں تم کن کٹا نہ پاؤ گے۔

صحیح مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو یکسوئی والے پیدا کئے ہیں انکے پاس شیطان پہنچا اور دین سے ورغلا دیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝۸

پھر سمجھ دی اُس کو ڈھٹائی کی اور بچ کر چلنے کی ☆

اچھائی اور برائی کی سمجھ:

یعنی اول تو اجمالی طور پر عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کے ذریعہ سے بھلائی برائی میں فرق کرنے کی سمجھ دی پھر تفصیلی طور پر انبیاء و رسل کی زبانی خوب

کھول کھول کر بتلا دیا کہ یہ راستہ بدی کا اور یہ پرہیزگاری کا ہے اس کے بعد قلب میں جو نیکی کا رُجحان یا بدی کی طرف میلان ہوان دونوں کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے گو القاء اول میں فرشتہ واسطہ ہوتا ہے اور ثانی میں شیطان۔ پھر وہ رجحان و میلان کبھی بندہ کے کسب قصد و اختیار سے مرتبہ عزم تک پہنچ کر صدور فعل کا ذریعہ بن جاتا ہے جس کا خالق اللہ اور کاسب بندہ ہے اسی کسب خیر وشر پر مجازات کا سلسلہ بطریق تسبیب قائم ہے۔ وهذه المسئلة من معضلات المسائل و تفصيلها يطلب من مظانها ونريدان نفرد لها جزءًا ان ساعدنا التوفيق والله الموفق والمعين. (تفسیر عثمانی)

نفس انسانی کے اندر اللہ تعالیٰ نے فجور اور تقوی دونوں کے مادے رکھ دیئے ہیں تو اس طرح ایک ابتدائی ہدایت انسان کو خود اس کے ضمیر سے ملتی ہے پھر اس ہدایت کی تائید کے لیے انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابیں آتی ہیں جو ان کو بالکل واضح کر دیتی ہیں۔

مسئلہ تقدیر:

صحیح مسلم میں حضرت عمران بن حصین کی روایت سے آئی ہے کہ بعض لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ تقدیر کے متعلق سوال کیا تو آپ نے جواب میں یہ آیت تلاوت فرمائی اس آیت سے مسئلہ تقدیر کے شبہ کا جواب اسی صورت میں ہوسکتا ہے جبکہ الہام فجور و تقوی سے مراد یہ لیا جائے کہ دونوں کے مادے استعداد یں حق تعالیٰ نے نفس انسانی کے اندر رکھ دیئے ہیں مگر اس کو ان میں سے کسی ایک پر مجبور محض نہیں کیا بلکہ اس کو قدرت و اختیار دیا کہ ان میں سے جس کو جی چاہے اختیار کر سکتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں۔

حضرت ابو ہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ آیت تلاوت فرماتے تو بلند آواز سے یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ نَفْسِیْ تَقْوٰهَا اَنْتَ وَلِیُّهَا وَمَوْلَاهَا وَاَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَكّٰهَا یعنی یا اللہ میرے نفس کو تقوی کی توفیق عطا فرما آپ ہی میرے نفس کے ولی اور مربی ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رات کو ایک مرتبہ میری آنکھ کھلی میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر نہیں اندھیرے کی وجہ سے گھر میں اپنے ہاتھوں سے ٹٹولنے لگی تو میرے ہاتھ آپ پر پڑے آپ اس وقت سجدے میں تھے اور یہ دعا پڑھ رہے تھے۔ رَبِّ اَعْطِ نَفْسِیْ تَقْوٰهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَكّٰهَا اَنْتَ وَلِیُّهَا وَمَوْلَاهَا. یہ حدیث صرف مسند احمد میں ہی ہے۔

مسلم شریف اور مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَ الْكَسَلِ وَ الْهَرَمِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَكّٰهَا اَنْتَ وَلِیُّهَا وَ مَوْلَاهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ قَلْبٍ لَّا یَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَّا تَشْبَعُ وَ عِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ وَدَعْوَةٍ لَا یُسْتَجَابُ لَهَا.

یا اللہ میں عاجز اور بے چارہ ہو جانے سے سستی سے اور ہار جانے سے بڑھاپے سے نامردی سے اور بخیلی سے اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اے اللہ میرے دل کو اس کا تقوی عطاء فرما۔ اور اسے پاک کر دے تو ہی اسے بہتر پاک کرنے والا ہے تو ہی اس کا والی اور مولی ہے اے اللہ مجھے ایسے دل سے بچا جس میں تیرا ڈر نہ ہو۔ اور ایسے نفس سے بچا جو آسودہ نہ ہو۔ اور ایسے علم سے بچا جو نفع نہ دے اور ایسی دعا سے بچا جو قبول نہ کی جائے۔ (تفسیر ابن کثیر)

الہام کرنے کا مطلب:

الہام فجور و تقوی کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ نے ہر شخص کے سامنے خیر و شر اور اطاعت و معصیت کا راستہ کھول دیا ہے تاکہ خیر و اطاعت کو اختیار کرے اور شر و معصیت سے پرہیز کرے۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہی مطلب مروی ہے۔

لیکن سعید بن جبیر اور ابن زیاد اور ابن زید نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ نے انسان کے لیے بدکاری یا تقوی کالازم قرار دیا ہے۔ اس کے دل میں وہی میلان پیدا کر دیتا ہے جو انسان چاہتا ہے یا نفس کو تقوی کی توفیق دیتا ہے اور دل میں تقوی پیدا کر دیتا ہے یا نفس کا بدکاری کے لیے بے مدد چھوڑ دیتا ہے اور دل میں بدکاری کی تخلیق کر دیتا ہے۔ زجاج نے اسی مطلب کو پسند کیا ہے۔

دو آدمیوں کا سوال

حضرت عمران بن حصین کی روایت ہے قبیلہ مزینہ کے دو آدمیوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو فرمائیے کہ آجکل لوگ جو کچھ عمل اور مشقت کرتے ہیں کیا یہ کوئی پہلے سے فیصل شدہ اور امر گذشتہ تقدیر کے موافق ہے۔ یا آئندہ ہونے والے اختیاری امور ہیں جو نبی لے کر آتا ہے اور بصورت نافرمانی لوگوں پر حجت قائم ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ یہ فیصل شدہ امر اور سابقہ تقدیر ہے اور اس کی تصدیق اللہ کی کتاب میں موجود ہے وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا. فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا۔ (رواہ مسلم)

سب کے دل اللہ کے قبضہ میں ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام آدمیوں کے دل ایک دل کی طرح رحمٰن کی چٹکی میں ہیں جدھر چاہتا ہے ان کو موڑ دیتا ہے اس کے بعد آپ نے فرمایا اے دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف موڑ دے۔ (مسلم)

نکتہ: فجور کو تقویٰ سے پہلے ذکر کرنے کی وجہ علاوہ رعایت سجع کے یہ بھی ہے کہ نفس کا امارہ بالسوء ہونا اصل ہے اور پرہیزگار بن جانا بعد کی چیز ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ﴿٩﴾

تحقیق مُراد کو پہنچا جس نے اس کو سنوار لیا☆

نفس کا سنوارنا:

نفس کا سنوارنا اور پاک کرنا یہ ہے کہ قوت شہویہ اور قوت غضبیہ کو عقل کے تابع کرے اور عقل کو شریعت الٰہیہ کا تابعدار بنائے تاکہ روح اور قلب دونوں تجلی الٰہی کی روشنی سے منور ہو جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

مذکورہ قسموں کا مقصد:

غرض آیات مبارکہ میں ان چھ چیزوں اور آخری ساتویں چیز نفس کی قسم کھا کر انسانی افکار کو ان امور کی طرف توجہ دلائی گئی۔ اسی وجہ سے وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا۔ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰىهَا کے بعد متصلا اصل مقصد بیان مرتب فرمایا گیا یعنی قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا۔ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا آفتاب کی روشنی کی طرح نور نبوت کا تمام عالم میں پھیلنے کا ذکر کتاب یسعیاہ علیہ السلام ساٹھویں باب میں اس طرح بطور بشارت مذکور ہے۔

''اٹھ روشن ہو تیری کہ تیری روشنی آئی اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا کہ دیکھ تاریکی زمین پر چھا گئی اور تیرگی قوموں پر لیکن خداوند تجھ پر طلوع کرے گا۔ اور اس کا جلال تجھ پر نمودار ہوگا۔ اور قومیں تیری روشنی میں اور شاہان تیرے طلوع کی تجلی میں (انتہی)

نکتہ: ان کلمات کے اشارہ سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس آفتاب ہدایت ہے تو اس کے نور سے عالم دنیا روز روشن بن گیا۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
درباغ لالہ روید در شورہ بوم و خس

(معارف کاندھلوی)

کامیاب نفس:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے خود سنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیت قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا کی تشریح میں فرما رہے تھے۔ کہ وہ نفس کامیاب ہو گیا جس کو اللہ نے پاک کر دیا۔ (رواہ ابن جریر من طریق جویبر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا:

مسلم ترمذی نسائی اور ابن شیبہ نے حضرت زید بن ارقم کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الٰہی میں تیری پناہ چاہتا ہوں بے بسی سے سستی سے بزدلی سے زیادہ بڑھاپے سے اور عذاب قبر سے الٰہی تو میرے نفس کو تقویٰ وطہارت عطاء فرما تو سب سے بڑھ کر نفس کو پاک کرنے والا ہے تو نفس کا کارساز اور مولیٰ ہے الٰہی میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس علم سے جو فائدہ بخش نہ ہو اس دل سے جو خشوع والا نہ ہو اس نفس سے جو سیر نہ ہو اور اس دُعاء سے جو قبول نہ ہو۔

آیت کا مطلب اس تفسیر پر ہوگا کہ جس نفس کو اللہ نے اپنی صفاتی جلوہ پاشیوں کے ذریعہ سے رذائل سے پاک کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ اللہ سے اور اللہ کے احکامات سے رضامند ہو گیا اس کی یاد اور اطاعت سے اطمینان اندوز ہو گیا اس کے ممنوعات سے اور ان کے تمام امور سے جو اللہ سے روکنے والے ہیں مجتنب بن گیا وہی کامیاب ہو گیا حسن بصری نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا کہ جس شخص نے اپنے نفس کو پاک کر لیا اور اس کو صالح بنالیا اور اللہ کی اطاعت پر آمادہ کر لیا۔ وہ کامیاب ہو گیا۔

قوت علمیہ وعملیہ کا کمال

جب اللہ نے لوگوں کو کوشش اور سعی بلیغ کے ساتھ نفوس کو پاک کرنے پر برانگیختہ کرنا چاہا۔ تو ایسی قسمیں کھائیں جن سے خالق کا وجود اور اس کا ازلی ابدی ہونا اور اسکی صفات کاملہ کا ثبوت دلائل کی روشنی میں واضح ہو گیا۔ اور اس طرح قوت ونظریہ فکر وعقیدہ اپنی اعلیٰ چوٹی پر پہنچ گئی اور قسموں کے ذیل میں اللہ نے اپنی عظمت آیات رحمت کا ذکر فرمایا تاکہ انسان ادائے شکر میں پوری توجہ کے ساتھ منہمک ہو جائے۔ اور یہ ہی درجہ قوت عملیہ کے کمال کا ہے علم وعمل کی تکمیل پر ہی اللہ کی طرف سے جذب اور بندہ کی طرف سے تقویٰ مرتب ہوتا ہے اور اس طرح نفس کا تزکیہ ہو جاتا ہے (تفسیر مظہری)

وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ﴿١٠﴾

اور نامُراد ہوا جس نے اُس کو خاک میں ملا چھوڑا☆

ناکام نفس:

خاک میں ملا چھوڑنے سے یہ مراد ہے کہ نفس کی باگ یکسر شہوت و غضب کے ہاتھ میں دیدے۔ عقل وشرع سے کچھ سروکار نہ رکھے گویا خواہش اور ہوٰی کا بندہ بن جائے ایسا آدمی جانوروں سے بدتر اور ذلیل ہے (تنبیہ) ''قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا'' جواب قسم ہے اور اس کو مناسبت قسموں سے یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے سورج کی دھوپ اور چاند کی چاندنی دن کا اجالا اور رات کا اندھیرا آسمان کی بلندی اور زمین کی پستی کو ایک دوسرے کے مقابل پیدا کیا اور نفس انسانی میں خیر وشر کی متقابل قوتیں رکھیں اور دونوں کو سمجھنے اور ان پر چلنے کی قدرت دی اسی طرح متضاد ومختلف اعمال پر مختلف ثمرات ونتائج مرتب کرنا بھی اسی

حکیم مطلق کا کام ہے خیر وشر اور ان دونوں کے مختلف آثار ونتائج کا عالم میں پایا جانا بھی حکمت تخلیق کے اعتبار سے ایسا ہی موزوں ومناسب ہے جیسے اندھیرے اور اجالے کا وجود۔ (تفسیر عثمانی)

جس کے اندر اللہ نے گمراہی پیدا کر دی اور تخلیق ضلال کی وجہ سے اس کو ہلاک کر دیا۔ وہ نامراد رہا یا یہ مطلب کہ جس نے خود گمراہی کو اختیار کر کے اپنے نفس کو ہلاک کر لیا وہ نامراد رہا۔ (تفسیر مظہری)

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوٰىهَآ ﴿۱۱﴾

جھٹلایا ثمود نے اپنی شرارت سے ☆

ناکامی کی ایک مثال:

یعنی حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا یہ "وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا" کی ایک مثال عبرت کے لیے بیان فرما دی سورہ اعراف وغیرہ میں یہ قصہ مفصل گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قوم والوں نے نشان صداقت کے طور پر ایک معین پتھر سے دس ماہ گابھن اونٹنی کو برامد کرنے کی بھی خواہش کی تھی۔ اور حضرت صالح کی دعا سے اونٹنی پتھر کے اندر سے برآمد بھی ہوگئی تھی۔ اور فوراً اس کے پیٹ سے اسی جیسا بچہ بھی پیدا ہو گیا تھا۔ اور چونکہ غیبی اونٹنی سب جانوروں کا پانی پی جاتی تھی۔ اس لیے حضرت صالح نے اس کے لیے پانی کا ایک حصہ مقرر کر دیا گیا تھا۔ تا کہ دوسرے جانور پیاسے نہ مریں اور فرمایا تھا۔ کہ ایک دن کا پانی اس اونٹنی کا حصہ ہے اور دوسرے دن کا پانی تمہارے جانوروں کے لیے ہے۔ کافروں کو یہ تقسیم ناگوار ہوئی اور انہوں نے اونٹنی کو مارنے کا ارادہ کر لیا تا کہ پورا پانی انہیں کے جانوروں کو مل جائے۔ (تفسیر مظہری)

اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴿۱۲﴾

جب اٹھ کھڑا ہوا اُن میں کا بڑا بد بخت ☆

قوم ثمود کا بد بخت آدمی:

یہ بد بخت قذار بن سانف تھا۔ (تفسیر عثمانی)

اس شخص کا نام قذار بن سانف تھا۔ اس کا رنگ سرخ آنکھیں نیلی اور قد چھوٹا تھا۔ اور چونکہ دوسروں نے صرف مشورہ دیا تھا اور یہ قتل کا ذمہ دار بن گیا اس لیے کہ اس کی بدبختی دوسروں سے بڑھ گئی۔

حضرت ابن عمر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں سب سے بڑا بدبخت ناقہ ثمود کی کونچیں کاٹنے والا اور آدم کا وہ بیٹا تھا جس نے اپنے بھائی کو قتل کیا تھا۔ اس نے سب سے پہلے قتل کا طریقہ نکالا اس لیے روئے زمین پر جو خون بہایا جائے گا اس کے عذاب کا ایک حصہ اس کو پہنچے گا۔ (رواہ الطبرانی فی الحاکم وابونعیم فی الحلیۃ بسند صحیح۔ تفسیر مظہری)

فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ

پھر کہا اُن کو اللہ کے رسول نے خبردار رہو

نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾

اللہ کی اونٹنی سے اور اس کی پانی پینے کی باری سے ☆

اللہ کی اونٹنی: یعنی خبردار اس کو قتل نہ کرنا اور نہ اس کا پانی بند کرنا۔ پانی کا ذکر اس لیے فرمایا کہ بظاہر اسی سبب سے وہ اس کے قتل پر آمادہ ہوئے تھے اور "اللہ کی اونٹنی" اس اعتبار سے کہا کہ اللہ نے اس کو حضرت صالح علیہ السلام کی نبوت کا ایک نشان بنایا تھا۔ اور اس کا احترام واجب کیا تھا۔ یہ قصہ پہلے "اعراف" وغیرہ میں گزر چکا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا

پھر انہوں نے جھٹلایا اس کو پھر پاؤں کاٹ ڈالے اس کے

فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ

پھر الٹ مارا اُن پر ان کے رب نے

بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾

بسبب ان کے گناہوں کے پھر برابر کر دیا سب کو ☆

قوم نے ہلاکت خریدی:

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا تھا "وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ" (اس اونٹنی کو برائی سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ سخت دردناک عذاب میں پھنس جاؤ گے) ان لوگوں نے اس بات کو جھوٹ سمجھا پیغمبر کی تکذیب کی اور اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا آخر وہی ہوا جو حضرت صالح علیہ السلام نے کہا تھا اللہ تعالیٰ نے سب کو مٹا کر برابر کر دیا۔ (تفسیر عثمانی)

فَكَذَّبُوْهُ لیکن حضرت صالح کی طرف سے عذاب کی دھمکی کو انہوں نے سچا نہ مانا۔

فعقروھا اور سب نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں قتل کر دیا قتل کرنے والا اگر چہ ایک ہی تھا۔ لیکن مشورہ قتل میں سب شریک تھے اس لیے قتل کرنے کی نسبت سب کیطرف کر دی۔

حضرت صالح نے فرمایا کہ تین روز تک تو تم زندگی سے بہرہ اندوز ہو پہلے دن صبح کو تمہارے چہرے زرد ہو جائیں گے اور دوسرے دن سرخ اور تیسرے دن سیاہ اور تین روز کے بعد تم سب ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔

بِذَنْۢبِهِمْ ان کے گناہ یعنی پیغمبر کی تکذیب اور اونٹنی کو قتل کرنے کی وجہ سے۔

فَسَوّٰىهَا پس سب کی تباہی ایک سی کر دی ہلاکت عام کر دی اور کوئی چھوٹا بڑا زندہ نہ بچا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾

اور وہ نہیں ڈرتا پیچھا کرنے سے ☆

(۱) اللہ کو کوئی خوف نہیں:

یعنی جیسے بادشاہان دنیا کو کسی بڑی قوم یا جماعت کی سزادہی کے بعد احتمال ہوتا ہے کہ کہیں ملک میں شورش برپا نہ ہو جائے یا انتظام ملکی میں خلل نہ پڑے اللہ تعالیٰ کو ان چیزوں کا کوئی اندیشہ نہیں ہو سکتا ایسی کونسی طاقت ہے جو سزا یافتہ مجرموں کا انتقام لینے کے لیے اس کا پیچھا کرے گی؟ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

تفسیر (۲) بدبخت بے خوف ہو گیا:

یعنی سب سے بڑا بدبخت اونٹنی کو قتل کرنے کے لیے جلدی تیار ہو گیا اور اس کے نتیجہ کی طرف سے اس کو کچھ خوف نہ ہوا۔ (مظہری)

الحمدللہ سورۃ الشمس ختم ہوئی

سورة الليل

جس شخص نے اس کو خواب میں پڑھا اس کی عزت کا پردہ چاک ہونے سے محفوظ رہے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الَّيْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۃ الیل مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی اکیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ﴿۱﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ﴿۲﴾

قسم رات کی جب چھا جائے اور دن کی جب روشن ہو

وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى ﴿۳﴾

اور اس کی جو اس نے پیدا کیے نر اور مادہ

اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ﴿۴﴾

تمہاری کمائی طرح طرح پر ہے ☆

مختلف قسم کے اعمال:

یعنی جس طرح دنیا میں رات اور دن' نر اور مادہ' مختلف ومتضاد چیزیں پیدا کی گئی ہیں تمہارے اعمال اور کوششیں بھی مختلف ومتضاد ہیں پھر ان مختلف اعمال ومساعی پر ظاہر ہے ثمرات ونتائج بھی مختلف ہی مرتب ہونگے جن کا ذکر آگے آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جیسے حدیث میں ہے کہ ہر انسان جب صبح کو اٹھتا ہے تو وہ اپنے نفس کو تجارت پر لگاتا ہے کوئی تو اس تجارت میں کامیاب ہوتا ہے اور اپنے آپ کو عذاب آخرت سے آزاد کرا لیتا ہے اور کوئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کی محنت اور سعی وعمل ہی اس کی ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے مگر عقل کا کام یہی ہے کہ پہلے اپنی سعی وعمل کے انجام کو سوچے اور جس عمل کے انجام میں وقتی آرام اور لذت ہو مگر دائمی عذاب ورنج کا سبب بنے اس کے پاس نہ جائے۔

ایک مرفوع حدیث میں اس کی تائید اس طرح آتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعملو فکل میسر لما خلق له اما من کان من

اهل السعادة فيسر لعمل السعادة و اما من كان من اهل الشقاوة فيسر لعمل اهل الشقاوة (رواہ البخاری ومسلم عن علی، معارف مفتی اعظم)

قسم ہے اس قدرت والے کی کہ اس نے ہر توالد تناسل رکھنے والی مخلوق کی دو صنفیں پیدا کیں نر اور مادہ یا صرف آدم وحوا مراد ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ﴿٥﴾
سو جس نے دیا اور ڈرتا رہا
وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ﴿٦﴾
اور سچ جانا بھلی بات کو
فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ﴿٧﴾
تو اس کو ہم سہج سہج پہنچا دینگے آسانی میں ☆

نیک اعمال والا:

یعنی جو شخص نیک راستہ میں مال خرچ کرتا اور دل میں خدا سے ڈرتا ہے اور اسلام کی بھلی باتوں کو سچ جانتا اور بشارات ربانی کو صحیح سمجھتا ہے اس کیلئے ہم اپنی عادت کے موافق نیکی کا راستہ آسان کر دینگے اور انجام کار انتہائی آسانی اور راحت کے مقام پر پہنچا دینگے جس کا نام جنت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حدیث میں آیا ہے کہ دوزخ سے بچو اگر چہ چھوارا کا نصف حصہ دے کر ہی ہو (بخاری ومسلم عن عدی بن حاتم)

تو ہم اس کے لیے سہولت کر دیں گے اس کو توفیق دیں گے یسری کی یعنی ایسے خصائل کی جو اس کو یسر اور راحت تک پہنچا دیں گی مطلب یہ کہ ایسے عمل کی توفیق دیں گے جو اللہ کی خوشنودی اور جنت کے حصول کا ذریعہ ہوگا۔

عمل ضروری ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں کہ اس کی جنت والی اور دوزخ والی جگہ نہ لکھ دی گئی ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو پھر کیا اسی تقدیری لکھے پر اعتماد کر کے ہم عمل نہ چھوڑ دیں فرمایا کیے جاؤ توفیق ہر ایک کو اسی کی ملے گی جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہوگا جو خوش نصیب ہوگا اس کو اہل سعادت کے اعمال کی توفیق مل جائے گی اور جو بد نصیب ہوگا اس کے لیے اہل شقاوت کے اعمال سہل کر دیئے جائیں گے یہ فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ (متفق علیہ)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہمارے اعمال فارغ شدہ تقدیر کے ماتحت ہیں یا نو پید ہماری طرف سے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تقدیر کے لکھے کے مطابق کہنے لگے کہ پھر عمل کی کیا ضرورت ہے فرمایا کہ ہر شخص پر وہ عمل آسان ہوں گے جس چیز کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ (مسند احمد)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بقیع غرقد میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازے میں شریک تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنو تم میں سے ہر ایک کی جگہ جنت دوزخ میں مقرر کردہ ہے اور لکھی ہوئی ہے لوگوں نے کہا کہ پھر ہم اس پر بھروسہ کر کے بیٹھے کیوں نہ رہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمل کرتے رہو۔ ہر شخص کو وہی اعمال راس آئیں گے جن کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتیں تلاوت فرمائیں۔ (صحیح بخاری شریف)

شان نزول:

ابن ابی حاتم کی ایک بہت ہی غریب حدیث میں اس پوری سورت کا شان نزول یہ لکھا ہے کہ ایک شخص کا کھجوروں کا باغ تھا۔ ان میں سے ایک درخت کی شاخیں ایک مسکین شخص کے گھر میں پڑتی تھیں وہ بے چارہ غریب نیک بخت اور بال بچے دار تھا۔ باغ والا جب اس درخت کی کھجوریں اتارنے آتا تو اس مسکین کے گھر میں جا کر وہاں کی کھجوریں بھی اتارتا۔ اس میں سے جو کھجوریں نیچے گرتیں انہیں اس غریب شخص کے بچے چن لیتے تو یہ آ کر ان سے چھین لیتا بلکہ اگر کسی بچے نے منہ میں ڈال بھی لی تو انگلی ڈال کر اس کے منہ سے نکال لیتا۔ اس مسکین نے اس کی شکایت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا تم جاؤ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس باغ والے سے ملے اور فرمایا کہ تو اپنا وہ درخت جس کی شاخیں فلاں مسکین کے گھر میں ہیں مجھے دیدے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں تجھے جنت کا ایک درخت دے گا۔ وہ کہنے لگا کہ اچھا حضرت میں نے دیا مگر مجھے اس کی کھجوریں بہت اچھی لگتی ہیں میرے تمام باغ میں ایسی کھجوریں کسی اور درخت کی نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خاموشی کے ساتھ واپس تشریف لے چلے۔ ایک شخص جو یہ بات سن رہا تھا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ حضرت اگر یہ درخت میرا ہو جائے اور میں آپ کا کر دوں تو کیا مجھے بھی اس کے بدلے میں جنتی درخت مل سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں یہ شخص اس باغ والے کے پاس آئے انکا بھی ایک باغ کھجوروں کا تھا یہ پہلا شخص اس سے وہ ذکر کرنے لگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے فلاں درخت کھجور کے بدلے جنت کا ایک درخت دینے کو فرما رہے تھے

میں نے یہ جواب دیا، یہ سن کر وہ خاموش رہے پھر تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ تم اسے بیچنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا نہیں، ہاں یہ اور بات ہے کہ جو قیمت اس کی مانگوں وہ کوئی مجھے دیدے لیکن کون دے سکتا ہے؟ پوچھا کیا قیمت لینا چاہتے ہو؟

کہا چالیس درخت خرما کے، اس نے کہا یہ تو بڑی زبردست قیمت لگا رہے ہو ایک کے چالیس؟ پھر اور باتوں میں لگ گئے، پھر کہنے لگے اچھا میں اسے اتنے میں خریدتا ہوں اس نے کہا اچھا اگر سچ مچ خریدنا ہے تو گواہ کرلو۔ اس نے چند لوگوں کو بلالیا اور معاملہ طے ہوگیا گواہ مقرر ہوگئے پھر اسے کچھ سوجھی تو کہنے لگا کہ دیکھئے صاحب جب تک ہم تم الگ نہیں ہوئے یہ معاملہ طے نہیں ہوا اس نے بھی کہا بہت اچھا میں بھی ایسا احمق نہیں ہوں کہ تیرے ایک درخت کے بدلے جو خم کھایا ہوا ہے اپنے چالیس درخت دے دوں، تو یہ کہنے لگا اچھا اچھا مجھے منظور ہے لیکن جو درخت میں لوں گا وہ تنے والے بہت عمدہ لوں گا اس نے کہا اچھا منظور۔ چنانچہ گواہوں کے روبرو یہ سودا فیصل ہوا اور مجلس برخاست ہوئی یہ شخص خوشی خوشی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اب وہ درخت میرا ہوگیا اور میں نے اسے آپ کو دے دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مسکین کے پاس تشریف لے گئے اور فرمانے لگے کہ یہ درخت تمہارا ہے اور تمہارے بال بچوں کا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۙ﴿۸﴾

اور جس نے نہ دیا اور بے پروا رہا

وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ﴿۹﴾

اور جھوٹ جانا بھلی بات کو

فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ؕ﴿۱۰﴾

سو اس کو ہم سہج سہج پہنچا دینگے سختی میں ☆

برے اعمال! بخل اور تکذیب حق:

یعنی جس نے خدا کی راہ میں خرچ نہ کیا اس کی خوشنودی اور آخرت کے ثواب کی پروا نہ کی اور اسلام کی باتوں اور اللہ کے وعدوں کو جھوٹ جانا اس کا دل روز بروز تنگ اور سخت ہوتا چلا جائیگا نیکی کی توفیق سلب ہوتی جائیگی اور آخرکار آہستہ آہستہ عذاب الٰہی کی انتہائی سختی میں پہنچ جائے گا۔ یہی اللہ کی عادت ہے کہ سعداء جب نیک عمل اختیار کرتے ہیں اور اشقیاء جب بدعمل کی طرف چلتے ہیں تو دونوں کے لیے وہی راستہ آسان کردیا جاتا ہے جو انہوں نے تقدیر الٰہی کے موافق اپنے ارادہ اور اختیار سے پسند کرلیا ہے "كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا"

(اسراء۔ رکوع ۲) (تفسیر عثمانی)

اور جس نے راہ خیر میں خرچ کرنے میں بخل کیا یا امر خدا کی تعمیل میں بخل کیا حدیث میں آیا ہے بخیل وہ شخص ہے جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ (ترمذی، نسائی، از علی، حاکم، ابن حبان از انسؓ) (تفسیر مظہری)

وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ؕ﴿۱۱﴾

اور کام نہ آئے گا اس کے مال اُس کا جب گڑھے میں گرے گا ☆

دولت عذاب سے نہیں بچا سکتی:

یعنی جس مال و دولت پر گھمنڈ کرکے یہ آخرت کی طرف سے بے پروا ہو رہا تھا وہ ذرا بھی عذاب الٰہی سے نہ بچا سکے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۖ﴿۱۲﴾

ہمارا ذمہ ہے راہ سجھا دینا

وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ﴿۱۳﴾

اور ہمارے ہاتھ میں ہے آخرت اور دنیا ☆

ہم نیک و بد کی راہ بتلاتے ہیں:

یعنی ہماری حکمت اس کو مقتضی نہیں کہ کسی آدمی کو زبردستی نیک یا بد بننے پر مجبور کردیں۔ ہاں یہ ہم نے اپنے ذمہ لیا ہے کہ سب کو نیکی بدی کی راہ سجھا دیں اور بھلائی برائی کو خوب کھول کر بیان کردیں پھر جو شخص جو راہ اختیار کرلے دنیا اور آخرت میں اسی کے موافق اس سے برتاؤ کرینگے۔ (تفسیر عثمانی)

آخرت اور دنیا ہماری ہی ہے یعنی ہماری ہی ملک ہے اور ہماری ہی مخلوق ہے پس جو شخص مالک کو چھوڑ کر دوسرے سے مانگے گا وہ مانگنے میں غلطی کریگا یا یہ مراد کہ چونکہ ہم ہی مالک و خالق ہیں اس لیے ہدایت یافتہ لوگوں کو ہم ہی ثواب دینگے تمہارے ہدایت یافتہ نہ ہونے سے ہمارا کچھ نقصان نہ ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ۚ﴿۱۴﴾

سو میں نے سنادی تم کو خبر ایک بھڑکتی ہوئی آگ کی ☆

دوزخ کی بھڑکتی آگ:

اس ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے شاید دوزخ کا وہ طبقہ مراد ہوگا جو بڑے بھاری مجرموں اور بدبختوں کے لیے مخصوص ہے۔

لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿۱۵﴾

اُس میں وہی گرے گا جو بڑا بد بخت ہے

الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۶﴾

جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا ☆

آگ میں داخل ہونے والا:

یعنی ہمیشہ کے لیے وہی گریگا پھر کبھی نکلنا نصیب نہ ہوگا **کما تدل علیه النصوص**. (تفسیر عثمانی)

یہ نار جہنم کے حال کا بیان ہے کہ اس میں داخل نہیں ہوگا مگر وہی شخص جو بدنصیب ہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اور ان کی اطاعت سے روگردانی کی اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والا صرف کافر ہی ہوسکتا ہے۔

گنہگار مومن:

اس سے بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ مومن گنہگار جو تکذیب کا مجرم نہیں جہنم میں نہیں جائے گا۔ حالانکہ قرآن وحدیث کی بے شمار نصوص اس سے بھری ہوئی ہیں کہ مومن بھی جو گناہ کرتا ہے اگر اس نے توبہ نہ کر لی یا کسی کی شفاعت سے یا خالص رحمت سے اس کو معاف نہ کر دیا گیا تو وہ بھی جہنم میں جائے گا اور اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے تک جہنم میں رہے گا البتہ سزا بھگتنے کے بعد جہنم سے نکال لیا جائے گا اور پھر ببرکت ایمان جنت میں داخل ہو جائے گا بظاہر اس آیت کے الفاظ اس کے خلاف ہیں اس لیے ضروری ہے کہ مراد اس آیت کی وہ ہو جو دوسری آیات قرآن اور احادیث صحیحہ کے خلاف نہ ہو اس کی بہت آسان توجیہ تو وہ ہے جو خلاصہ تفسیر میں لی گئی ہے کہ یہاں دخول جہنم سے مراد وہ دخول ہے جو ہمیشہ کے لیے ہو اور ایسا دخول صرف کافر کے ساتھ مخصوص ہے مومن کسی نہ کسی وقت بالآخر اپنے گناہ کی سزا پوری کرنے کے بعد جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ علماء مفسرین نے اس کے سوا دوسری کچھ توجیہات بھی بیان فرمائی ہیں وہ بھی اپنی جگہ درست ہوسکتی ہیں۔

اور تفسیر مظہری میں اس کی ایک توجیہ یہ کی ہے کہ اس آیت میں اشقی اور اتقی سے مراد عام نہیں، بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں موجود تھے ان موجودین میں سے کوئی مسلمان باوجود گناہ سرزد ہونے کے بھی ببرکت صحبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جہنم میں نہیں جائے گا (معارف مفتی اعظم)

یہ **اشقی** کے بعض افراد یعنی کافر کی صفت ہے کیونکہ مسلم فاسق تکذیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کرتا نہ ایمان سے روگردانی کرتا ہے اور یہ صفت احترازی نہیں ہے (کہ وہ **اشقی** جو تکذیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمان سے اعراض نہ کرتے ہوں اس قید کی وجہ سے حکم دخول نار ان کو شامل نہ ہوں) کیونکہ عادۃً (اور عموماً) ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ مومن شقی نہیں ہوتا ایمان پرہیزگاری اور سعادت ہی چاہتا ہے بدنصیب اور گنہگار عموماً کافر ہی ہوتا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ **اشقی** اس جگہ تفصیلی معنی میں ہی مستعمل ہے اور اس سے مراد کافر ہی ہے (مگر دوزخ میں تو مسلم فاسق بھی جائیگا پھر دخول جہنم کا حصہ کافر میں کیوں کیا گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) اس جگہ میں داخلہ جہنم سے مراد عام داخلہ نہیں ہے بلکہ لزومی اور دوامی داخلہ مراد ہے (اور یہ صرف کافر کے لیے ہی ہوگا) اسی لیے بیضاوی نے آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ شدت جہنم کو برداشت کرنے والا اور دوامی طور پر داخل ہونے والا صرف **اشقی** یعنی کافر ہوگا۔ مسلم بدکار بھی جہنم میں اگرچہ داخل ہوگا لیکن اس کا داخلہ دوامی نہ ہوگا اس توضیح کے بعد آیت کا عمومی حصر (یعنی صرف کافر کا ہی داخل جہنم ہونا) صحیح ہو جاتا ہے بعض نے کہا ان توجیہات کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ **لایصلاها مین ها ضمیر نارا تلظی** کی طرف راجع ہے (صرف نارا کی طرف راجع نہیں ہے)

مطلب یہ ہے کہ بھڑکتی ہوئی شعلہ زن آگ میں صرف کافر جائیگا رہا فاسق مسلمان وہ بھی اگرچہ جہنم میں داخل ہوگا مگر بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل نہ ہوگا کافر کی آگ سے اس کی آگ کا درجہ کم ہوگا یعنی جہنم کے بالائی طبقہ میں مسلم فاسق کا داخلہ ہوگا۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو مومن موجود تھے وہ جہنم میں نہیں جائیں گے ان کو آیت کے عموم حکم سے نکالنا مقصود ہے) پس آیت بتا رہی ہے کہ کوئی صحابی جہنم میں نہیں جائیگا کیونکہ اجماع اہل سنت ثابت ہے کہ تمام صحابہ عادل تھے کوئی فاسق نہ تھا۔

اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى - ہر ایک سے اللہ نے جنت کا وعدہ فرمالیا ہے دوسری آیت میں صحابہ کرام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تیسری آیت میں ہے کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مسلمان نے مجھے دیکھ لیا اس کو آگ نہیں لگے گی (رواہ الترمذی عن جابر)

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **اصحابی کا لنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم** میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کے پیچھے چلو گے ہدایت پاؤ گے (رواہ رزین عن عمر بن الخطاب)

اگر کسی صحابی سے کسی گناہ کا صدور ہو بھی گیا ہو تو اول تو ایسا ہوا ہی کم ہے

پھر اس کو توبہ کی توفیق بھی عطا فرما دی گئی اور اس نے توبہ کر لی اور حدیث ابن مسعود میں ﷺ آیا ہے التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ گناہ سے توبہ کرنے والا گناہ نہ کرنے والے کی طرح ہو جاتا ہے۔ (رواہ ابن ماجہ)

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے اللہ کی رحمت اس کو اپنی آغوش میں لے لے گی کیونکہ (برکت وصحبت کے متعلق) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے نیک لوگوں کی بابت فرمایا تھا وہ ایسے لوگ ہوں گے کہ ان سے انس رکھنے والا نامراد نہ ہوگا (بخاری ترمذی)

مسلم بروایت حضرت ابو ہریرہؓ جب عالم صالحین کی صحبت میں رہنے والوں کی یہ کیفیت ہے تو ان لوگوں کیا حالت ہوگی جو مدت تک سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے۔ واللہ اعلم

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو ہی گروہ تھے (۱) کامل مومن متقی (۲) کافر۔ اسی لیے اللہ کا کلام انہی دونوں گروہوں کے تذکرہ سے بھرا ہوا ہے گنہگار مسلمانوں کا ذکر تو بہت کم آیا ہے کیونکہ کلام کا رخ عموماً حاضرین کی طرف ہوتا ہے (اور آنے والوں کے لیے حکم کا شمول بطور نیابت ہوتا ہے اگر حاضرین کے ساتھ اس حکم کی خصوصیت نہ ہو)

شرک کے سوا سب گناہ معاف ہو سکتے ہیں:

تمام علماء (سلف وخلف) کا اجماع بھی ہے کہ اللہ شرک کو معاف نہیں فرمائے گا اور شرک کے سوا جس کو چاہے گا بخش دیگا خواہ اس نے توبہ کی ہو یا نہ کی ہو۔ اللہ نے فرمایا

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ

اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ

اے میرے وہ بندو! جنھوں نے اپنے اوپر خود زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اللہ سب گناہ بخش دے گا بلا شبہ وہی غفور رحیم ہے۔

دوسری آیت میں ہے يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۤءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۤءُ جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا۔ تیسری آیت میں ہے فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ۔ جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کے سامنے آئے گی لہٰذا مومن کے لیے دوامی دوزخ کا قول درست نہیں خواہ وہ بدکار ہو اور اس کے گناہ معاف نہ کئے جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ تو حد تواتر تک پہنچ گئی جس نے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہو گیا (یعنی اس کے لیے دوامی دوزخ نہیں خواہ گناہوں کا عذاب اس کو ایک مدت تک ہوتا رہے)

پھر اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کے سامنے آئے گی۔ یعنی اگر اللہ اس کو معاف نہ کرے گا اور سزا دینا چاہے گا تو دوزخ کے اندر اس کی سزا اس کے سامنے آئے گی۔ اگر ممنوعات کے ارتکاب اور واجبات کے ترک کا تقاضا جہنم نہیں تو شریعت کے اوامر ونواہی فریب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھیں گے اور اس کا قائل سوائے کاہن یا دیوانہ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ:

مسند احمد میں ہے کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے خطبہ کی حالت میں سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت بلند آواز سے فرما رہے تھے یہاں تک کہ اس جگہ سے بازار تک آواز پہنچے اور بار بار فرماتے تھے کہ لوگوں میں تمہیں جہنم کی آگ سے ڈرا چکا ،لوگوں میں تمہیں جہنم کی آگ سے ڈرا رہا ہوں ،بار بار یہ فرما رہے تھے، یہاں تک کہ چادر مبارک کندھوں سے سرک کر پیروں میں گر پڑی۔

ادنیٰ درجہ کا جہنمی:

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ سب سے ہلکے عذاب والا جہنمی قیامت کے دن وہ ہوگا جس کے دونوں تلووں تلے دو انگارے رکھ دیئے جائیں گے جس سے اس کا دماغ ابل رہا ہوگا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾

اور بچا دیئے گئے اس سے بڑے ڈرنیوالے کو☆

یعنی ایسے لوگوں کو اس کی ہوا تک بھی نہیں لگے گی۔ صاف بچا دیئے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

صحابہ کرام سب کے سب جہنم سے محفوظ ہیں:

وجہ یہ ہے کہ اول تو ان حضرات میں کسی سے بھی گناہ کا صدور بہت ہی شاذ و نادر ہوا ہے اور بوجہ خوف آخرت کے ان کے حالات سے یہ لازم معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی سے کوئی گناہ ہوا بھی ہے تو اس نے توبہ کر لی ہوگی۔ پھر اس کے ایک گناہ کے مقابلہ میں اس کے اعمال حسنہ اتنے زیادہ ہیں کہ ان کی وجہ سے بھی یہ گناہ معاف ہو سکتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ یعنی نیک اعمال برے اعمال کا کفارہ بن جاتے ہیں اور خود صحبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسا عمل ہے جو تمام اعمال حسنہ پر غالب ہے۔

حدیث میں صلحاء امت کے بارے میں آیا ہے ہم قوم لا یشقی جلیسھم ولا یخاب انیسھم۔ (صحیحین) یعنی یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے ساتھ بیٹھنے والا شقی و نامراد نہیں ہو سکتا اور جو ان سے مانوس ہو وہ محروم نہیں رہ سکتا تو جو شخص سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا جلیس وانیس ہو وہ کیسے شقی ہو سکتا ہے اس لئے احادیث صحیحہ میں اس کی تصریحات موجود ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سب کے سب ہی عذاب جہنم سے بری ہیں۔ خود

قرآن کریم میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں یہ موجود ہے وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى یعنی ان میں سے ہر ایک کے لئے اللہ نے حسنیٰ یعنی جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور دوسری آیت میں ہے اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۔ یعنی جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے حسنیٰ مقدر ہو چکی ہے وہ نار جہنم سے دور رہیں گے اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جہنم کی آگ اس شخص کو نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا ہے۔ (ترمذی عن جابرؓ)

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۙ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۔ یہ اہل شقاوت کے مقابل اہل سعادت تقویٰ شعار حضرات کی جزاء کا بیان ہے کہ جو آدمی اتقی یعنی مکمل اطاعت حق کا خوگر ہو اور وہ اپنا مال صرف اللہ کی راہ میں اس لئے خرچ کرتا ہے کہ وہ گناہوں سے پاک ہو جائے ایسا شخص اس جہنم کی آگ سے دور رکھا جائے گا۔

شان صدیق اکبر:

الفاظ آیت کے تو عام ہیں جو شخص بھی ایمان کے ساتھ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے اس کے لئے یہ بشارت ہے لیکن شان نزول کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مراد اس لفظ اتقی سے حضرت صدیق اکبرؓ ہیں۔ ابن ابی حاتم نے عروۃ سے نقل کیا ہے کہ سات مسلمان ایسے تھے جن کو کفار مکہ نے اپنا غلام بنایا ہوا تھا جب وہ مسلمان ہو گئے تو ان کو طرح طرح کی ایذائیں دیتے تھے حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنا بڑا مال خرچ کر کے ان کو کفار سے خرید کر آزاد کر دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری) (معارف مفتی اعظم)

تقویٰ کا اعلیٰ مرتبہ:

اَلْاَتْقٰى شرک جلی وخفی اور جسمانی قلبی اور نفسانی گناہوں سے پرہیز رکھنے ولا، اتقی کا درجہ اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب نفس مزکی اور مطمئنہ ہو جائے۔ (مظہری)

الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۚ ﴿۱۸﴾

جو دیتا ہے اپنا مال دل پاک کرنے کو☆

یعنی نفس کو اخلاق رذیلہ بخل وطمع وغیرہ سے پاک کرنا مقصود ہے۔ کسی طرح کا ریاء اور نمود ونمائش یا دنیوی اغراض پیش نظر نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

يَتَزَكّٰى یوتی سے بدل ہے یا یوتی کے فاعل کی حالت کا اظہار ہے یعنی وہ مصارف خیر میں اس غرض سے مال خرچ کرتا ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک پاک ہو جائے ریاکاری اور شہرت طلبی اس کے پیش نظر نہیں ہوتی۔

میں کہتا ہوں کہ اس صورت میں الف لام عہدی ہوگا (اور معہود حضرت ابو بکر صدیقؓ) حاکم نے بروایت عبداللہ زبیر لکھا ہے کہ ابو قحافہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا میں دیکھتا ہوں کہ تم کمزور غلاموں کو خرید کر آزاد کرتے ہو (جو آزاد ہونے کے بعد تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے) اگر تم طاقتور مردوں کو (خرید کر) آزاد کرو تو وہ تمہاری حفاظت بھی کریں اور تمہاری خدمت بھی کریں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا ابا میں اس چیز کا طالب ہوں جو اللہ کے پاس ہے (یعنی جنت) اس پر آیت فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى الخ آخر سورت تک نازل ہوئی۔

حضرت بلال کی آزادی:

محمد بن اسحاقؒ نے بیان کیا ہے کہ حضرت بلالؓ کے باپ کا نام رباح اور ماں کا نام حمامۃ تھا آپ خاندان بنی جمح میں سے کسی کے غلام تھے مگر آپ اسلام میں سچے اور پاکیزہ دل والے تھے۔ امیہ بن خلف تپتی دوپہر میں آپ کو باہر نکال کر مکہ کی وادی میں پشت کے بل لٹا دیتا تھا اور اوپر سے سینہ پر ایک بڑا پتھر رکھوا دیتا تھا پھر کہتا تھا یا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر ورنہ اسی حالت میں مر جائے گا (مرنے تک یونہی رکھوں گا) مگر حضرت بلالؓ اسی تکلیف میں بھی احد احد کہتے تھے۔

محمد بن اسحاقؒ نے بروایت ہشامؒ بن عروہ، عروہ کا قول نقل کیا ہے کہ ایک روز حضرت بلالؓ کی طرف سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا گزر ہوا لوگ بلالؓ کے ساتھ یہی حرکت کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا بھی مکان بنی جمح کے محلہ میں ہی تھا۔ آپ نے امیہ سے فرمایا اس بیچارے کے معاملے میں تم کو ڈر نہیں لگتا۔ امیہ نے کہا تم ہی اس کو لے کر اس مصیبت سے رہائی دلا دو،

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ میں ایسا کروں گا میرے پاس ایک بڑا طاقتور، قوی، حبشی غلام ہے میں اس کے عوض وہ غلام تم کو دیتا ہوں، امیہ نے کہا، میں نے (تبادلہ) کر لیا حضرت ابوبکرؓ نے اپنے غلام کو دیدیا اور بلال کو لے کر آزاد کر دیا۔

وہ غلام جنہیں حضرت ابوبکرؓ نے آزاد کرایا:

پھر ہجرت سے پہلے ہی حضرت بلالؓ کے ساتھ چھ (ایسے اور غلام) بھی آزاد کئے بلال ساتویں تھے ان میں سے ایک عامر بن فہیرہؓ تھے جو بدر میں شریک تھے اور بیر معونہ کے واقعہ میں شہید ہوئے۔ ایک ام عمیسؓ تھیں آزادی کے وقت ان کی نگاہ جاتی رہی تھی جس پر قریش کہنے لگے کہ آزادی نے ان کی نگاہ کھو دی۔ ایک ام عمیسؓ کی بیٹی ہدنہ تھی۔ یہ دونوں ماں بیٹیاں خاندان عبدالدار کی ایک عورت کی باندیاں تھیں اور ان کی مالکہ ان سے آٹا پسواتی تھی اور کہتی تھی کہ خدا کی قسم میں تم کو آزاد نہیں کروں گی۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے فرمایا کہ اری فلاں کی ماں ان دونوں کا بند خلاص کر دے اس نے جواب دیا تم ہی ان دونوں کا عوض دے کر نہیں آزاد کر دو

حضرت نے پوچھا کیا قیمت لے گی اس نے کچھ قیمت بتائی حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا میں نے (اس قیمت پر) ان کو لیا اور یہ دونوں آزاد ہیں۔

بنی مومل کے خاندان کی ایک لونڈی تھی جس کو اسلام کی وجہ سے دکھ دیئے جاتے تھے۔ حضرت نے اس کو بھی خرید کر آزاد کر دیا۔ سعید بن مسیب نے کہا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب بلال رضی اللہ عنہ کو خریدنے کی خواہش کی تو امیہ بن خلف نے جواب دیا کہ ہاں میں بلالؓ کو بیچتا ہوں مگر نسطاش کے عوض بیچوں گا۔ نسطاش حضرت ابوبکرؓ کا غلام تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے پاس دس ہزار دینار اور بہت باندی غلام اور مویشی تھے۔ آپ نے نسطاش کو مسلمان ہونے کی ترغیب دی تھی اور فرمایا تھا کہ اگر تو مسلمان ہو جائے تو یہ سب مال تیرا ہو جائے گا لیکن نسطاش نے انکار کر دیا تھا اور آپ کو اس سے نفرت ہو گئی تھی۔

جب امیہ نے بلال کو نسطاش کے عوض بیچنے کا اظہار کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے اس کو غنیمت جانا اور تبادلہ کر لیا اس پر مشرک کہنے لگے کہ بلالؓ کا حضرت ابوبکرؓ پر کوئی احسان ہوگا جس کی وجہ سے ابوبکرؓ نے یہ سودا کیا ہے اس پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُۥ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰٓ ﴿١٩﴾

اور نہیں کسی کا اُس پر احسان جس کا بدلہ دے

إِلَّا ٱبْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ ٱلْأَعْلَىٰ ﴿٢٠﴾

مگر واسطے چاہنے مرضی اپنے رب کی جو سب سے برتر ہے

وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ﴿٢١﴾

اور آگے وہ راضی ہوگا ☆

حضرت صدیق اکبرؓ کی عظمت:

یعنی خرچ کرنے سے کسی مخلوق کے احسان کا بدلہ اتارنا مقصود نہیں۔ بلکہ خالص رضاء مولیٰ کی طلب اور دیدار الٰہی کی تمنا میں گھر بار لٹا رہا ہے تو وہ اطمینان رکھے کہ اسے ضرور خوش کر دیا جائیگا اور اس کی یہ تمنا ضرور پوری ہو کر رہے گی "إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ ٱلْمُحْسِنِينَ" (تنبیہ) اگرچہ مضمون آیات کا عام ہے لیکن روایات کثیرہ شاہد ہیں کہ ان آخری آیات کا نزول سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شان میں ہوا اور یہ بہت بڑی دلیل ان کی فضیلت و برتری کی ہے۔ زہے نصیب اس بندے کے جس کے اتقیٰ ہونے کی تصدیق آسمان سے ہو "إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ" اور خود حضرت حق سے اُس کو وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ کی بشارت سنائی جائے۔ فی الحقیقت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حق میں وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ کی بشارت ایک انعکاس ہے اس بشارت عظمیٰ کا جو آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں آ رہی ہے "وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰٓ" (تفسیر عثمانی)

روایت سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ جب اسلام میں داخل ہوئے تو اس وقت وہ قریش میں بڑے ہی مالدار تھے اور ان کا شمار اہل مکہ کے بڑے تاجروں میں ہوتا تھا۔ اسلام لانے کے وقت چالیس ہزار درہم یا دینار کے مالک تھے۔ سب اسلام کی راہ میں خرچ کر ڈالا اور خلیفہ ہونے کے بعد خود انہوں نے اپنا وظیفہ مقرر فرمایا وہ صرف دو درہم یومیہ تھا جو وہ بیت المال سے لیتے۔

انتقال کے وقت فقیر و نادار تھے ایک دینار بھی ترکہ میں نہیں تھا جس چادر میں بیماری کے دن گزارے اسی میں وصیت فرمائی کہ کفن دیا جائے۔ اہل وعیال کے لئے زمین، جائیداد تو در کنار ایک جبہ بھی نہیں چھوڑا۔ اپنے زمانہ خلافت میں اپنے عزیز و اقارب میں سے کسی کو کوئی عہدہ یا منصب نہیں دیا۔ حالانکہ پورا حجاز، نجد، یمن، طائف، بحرین و عمان سب ان کے زیر نگیں تھے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کی شان:

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرح حضرت عمر فاروقؓ نے بھی ان تمام چیزوں سے اپنے خاندان اور عزیزوں کو دور رکھا۔ حتیٰ کہ ان کے احباب و مخلصین ہر چند کوشش کرتے رہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے صاحبزادہ عبداللہ بن عمر کو اپنا جانشین بنا دیں لوگ ان کے فضائل و اوصاف بیان کر کے اس امر کے برحق ہونے کو ثابت بھی کرتے رہے مگر فاروق اعظمؓ نے ان باتوں میں سے کسی کی طرف ادنیٰ توجہ بھی نہ دی اور جواب میں یہ فرمایا کہ اس امر کا بوجھ برداشت کرنے کے لئے تو خطاب کی اولاد میں سے بس عمر ہی کافی ہے۔ (سبحان اللہ)

کیسی احتیاط تھی کہ آئندہ خلیفہ کے واسطے جو مجلس شوریٰ مرتب فرمائی اس میں بھی اپنے بیٹے کو نہ رکھا اور صرف اس حد تک اجازت دی کہ وہ مجلس میں بیٹھ کر باتیں سن سکتا ہے اور اگر کوئی بات اس کے خیال میں آئے تو کہہ سکتا ہے لیکن اصولاً ان کا شمار ارکین شوریٰ میں نہ ہوگا اور نہ ہی کسی فیصلہ کا حق ہوگا۔

اسلام پر حضرت ابوبکرؓ کے احسانات:

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے زیادہ اپنے مال و جان سے مجھ پر احسان کرنے والا (صرف) ابوبکر صدیقؓ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ دنیا میں جس کسی نے بھی مجھ پر احسان کیا ہے میں نے اس کا بدلہ دے دیا اور اس کے احسان کو اتار دیا مگر ابوبکرؓ کا احسان ایسا ہے کہ اس کو میں نہیں اتار سکتا۔ اس کا بدلہ بس اللہ ہی ان کو قیامت کے روز ادا کرے گا۔ اللہ کی راہ میں اپنا سارا مال خرچ کر دیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ پہننے کے لئے کپڑے بھی نہ رہے۔ ایک کمبل میں درخت کا کانٹا

لگا کر اپنے بدن پر لپیٹ رکھا تھا۔ اسی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اتنے میں جبرئیل امین علیہ السلام بھی نازل ہوئے اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر کو کہہ دو کہ خدا تم کو سلام کہتا ہے اور پوچھتا ہے کہ اے ابوبکرؓ کیا تم اس وقت میں مجھ سے راضی ہو یا دل میں کچھ کدورت ہے۔ یہ سننا تھا کہ ابوبکرؓ پر ایک وجد کی کیفیت طاری ہوگئی اور بیقراری کے عالم میں روتے ہوئے کہنے لگے ہائے ہائے کیا مجھے اپنے مولیٰ سے کدورت ہوسکتی ہے۔ انا عن ربی راض. انا عن ربی راض کے الفاظ زبان سے جاری ہوگئے اور دیر تک یہی کہتے رہے میں تو اپنے رب سے راضی ہوں۔ میں تو اپنے رب سے راضی ہوں۔

بڑا بہادر اور سب سے زیادہ مہربان:

محدثین نے بالعموم اس روایت کو اس طرح نقل کیا ہے کہ ایک بار حضرت علی کے صاحبزادے محمد بن حنفیہؒ نے پوچھا کہ بتایئے کہ سب سے زیادہ بہادر کون ہے تو اس پر آپ نے جواب دیا کہ ابوبکرؓ اور پھر اس کے ثبوت میں یہ روایت ذکر کی جو صحاح ستہ میں موجود ہے صدیق اکبرؓ صرف اشجع الناس ہی نہیں بلکہ ارحم الناس بھی تھے۔

صداقت و امانت کا پیکر:

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بلا کسی اختلاف کے تمام صحابہ کا ابوبکر کے ہاتھ پر بصد رضاء و رغبت بیعت کر لینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صدیق اکبرؓ جملہ فضائل وشمائل حسنہ کا مجموعہ اور صداقت و امانت کا پیکر تھے۔ اور اس امر کا واضح ثبوت تھا تمام حضرات صحابہ اس پر متفق تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کے اول جانشین اور خلیفہ ابوبکر صدیقؓ ہی تھے۔

پھر یہ کہ ابوبکرؓ ہی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنے مصلی پر مسلمانوں کی امامت کرنے کا حکم صادر فرمایا اور کسی بھی کوشش کو اس کے بالمقابل نہ پنپنے دیا بلکہ اس پر ناگواری سے تنبیہ فرمائی اور سب مسلمانوں کو ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم دے کر یہ بتایا کہ اب یہ تمہارے امام اور امیر ہیں۔　　(معارف کاندھلوی)

رضا خداوندی کا تمغہ:

وَلَسَوْفَ يَرْضٰى یعنی جس شخص نے اپنا مال خرچ کرنے میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو دیکھ کر اپنا کوئی دنیاوی فائدہ نہیں دیکھا تو اللہ بھی آخرت میں اس کو راضی کر دیں گے اور جنت کی نعماء عجیبہ دائمہ نصیب فرمادیں گے۔ شان نزول کے واقعہ سے ان آیات کا صدیق اکبر کی شان میں نازل ہونا ثابت ہے اس لئے یہ آخری کلمہ حضرت صدیق اکبرؓ کے لئے ایک عظیم خوشخبری اور اعزاز ہے کہ ان کو دنیا ہی میں اللہ کی طرف سے راضی کر دیئے جانے کی خوشخبری سنادی۔　　(معارف مفتی اعظم)

اللہ اس کے اس فعل سے ضرور راضی ہوگا یا وہ اللہ کی عطاء کردہ جزاء اور عزت ہے آخرت میں خوش بھی ہوجائے گا یہ آیت حضرت ابوبکرؓ کے متعلق اسی طرح ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے اللہ نے فرمایا ہے۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔

انبیاء کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ کا سب لوگوں سے زیادہ متقی ہونا بتا رہا ہے کہ آپ سب سے افضل بھی تھے کیونکہ اللہ نے فرمایا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ وہی معزز ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔ اجماع اہل سنت بھی اسی پر ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم حضرت ابوبکرؓ کا ہم پلہ کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔ آپ کے بعد حضرت عمرؓ تھے اور پھر حضرت عثمانؓ تھے پھر باقی صحابہؓ کو ہم یونہی چھوڑ دیتے کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔　　(بخاری)

محمد بن حنفیہ نے حضرت علیؓ سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون تھا فرمایا حضرت ابوبکرؓ۔ پوچھا پھر کون، فرمایا حضرت عمرؓ۔　　(بخاری)(تفسیر مظہری)

جنت کے سب دروازوں سے بلائی جانے والی شخصیت:

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ جو شخص جوڑا خدا کی راہ میں خرچ کرے اسے جنت کے داروغے پکاریں گے کہ اے اللہ کے بندے ادھر سے آ یہ دروازہ سب سے اچھا ہے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! کوئی ضرورت تو ایسی نہیں لیکن فرمایئے کوئی ایسا بھی ہے جو کہ جنت کے تمام دروازوں سے بلایا جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ہے اور مجھے خدا سے امید ہے کہ تم ان میں سے ہو۔　　(تفسیر ابن کثیر)

الحمد للہ سورۃ اللیل ختم ہوئی

سورۃ الضحیٰ

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے گا وہ یتیموں اور مساکین کی عزت کرے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ الضحیٰ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی گیارہ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالضُّحٰى ﴿١﴾ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ﴿٢﴾

قسم دھوپ چڑھتے وقت کی اور رات کی جب چھا جائے

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ﴿٣﴾

نہ رخصت کر دیا تجھ کو تیرے رب نے اور نہ بیزار ہوا☆

شان نزول: روایات صحیحہ میں ہے کہ جبریل علیہ السلام دیر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ آئے (یعنی وحی قرآنی بند رہی) مشرکین کہنے لگے کہ (لیجئے) محمد کو اس کے رب نے رخصت کر دیا۔ اس کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ میرا گمان یہ ہے (واللہ اعلم) کہ یہ زمانہ فترۃ الوحی کا ہے جب ''سورۃ اقرا'' کی ابتدائی آیات نازل ہونے کے بعد ایک طویل مدت تک وحی رکی رہی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود اس فترت کے زمانہ میں سخت مغموم ومضطرب رہتے تھے تا آنکہ فرشتے نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے " یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ " کا خطاب سنایا۔ اغلب ہے کہ اس وقت مخالفوں نے اس طرح کی چہ میگوئیاں کی ہوں چنانچہ ابن کثیرؒ نے محمد بن اسحاق وغیرہ سے جو الفاظ نقل کیے وہ اسی احتمال کی تائید کرتے ہیں ممکن ہے کہ اسی دوران میں وہ قصہ بھی پیش آیا ہو جو بعض احادیث صحیحہ میں بیان ہوا ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیماری کی وجہ سے دو تین رات نہ اٹھ سکے تو ایک (خبیث) عورت کہنے لگی اے محمد! معلوم ہوتا ہے تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے (العیاذ باللہ) غرض ان سب خرافات کا جواب سورہ " والضحی " میں دیا گیا ہے پہلے قسم کھائی دھوپ چڑھتے وقت کی اور اندھیری رات کی پھر فرمایا کہ (دشمنوں کے سب خیالات غلط ہیں) نہ تیرا رب تجھ سے ناراض اور بیزار ہوا نہ تجھ کو رخصت کیا بلکہ جس طرح ظاہر میں وہ اپنی قدرت وحکمت کے مختلف نشان ظاہر کرتا اور دن کے پیچھے رات اور رات کے پیچھے دن کو لاتا ہے۔ یہی کیفیت باطنی حالات کی سمجھو اگر سورج کی دھوپ کے بعد رات کی تاریکی کا آنا اللہ کی خفگی اور ناراضی کی دلیل نہیں اور نہ اس کا ثبوت ہے کہ اس کے بعد دن کا اجالا کبھی نہ ہوگا تو چند روز نور وحی کے رکے رہنے سے یہ کیونکر سمجھ لیا جائے آجکل خدا اپنے منتخب کیے ہوئے پیغمبر سے خفا اور ناراض ہوگیا اور ہمیشہ کے لیے وحی کا دروازہ بند کر دیا ایسا کہنا تو خدا کے علم محیط اور حکمت بالغہ پر اعتراض کرنا ہے گویا اسے خبر نہ تھی کہ جس کو میں نبی بنا رہا ہوں وہ آئندہ چل کر اس کا اہل ثابت نہ ہوگا؟ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

اس سورت کے سبب نزول کے متعلق بخاری ومسلم میں حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیا ہے اور ترمذی نے حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک انگلی زخمی ہوگئی اس سے خون جاری ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان انت الا اصبع دمیت و فی سبیل اللہ ما لقیت، یعنی تو ایک انگلی ہی تو ہے جو خون آلودہ ہوگئی اور جو کچھ تکلیف تجھے پہنچی وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ (اس لئے کیا غم ہے) حضرت جندب رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ ذکر کر کے فرمایا کہ اس واقعہ کے بعد (کچھ روز) جبرئیل امین کوئی وحی لیکر نہیں آئے تو مشرکین مکہ نے یہ طعنہ دینا شروع کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے خدا نے چھوڑ دیا اور ناراض ہوگیا۔ اس پر یہ سورت ضحیٰ نازل ہوئی۔ حضرت جندب رضی اللہ عنہ کی روایت جو بخاری میں ہے اس میں ایک دو رات تہجد میں نہ اٹھنے کا ذکر ہے۔ وحی میں تاخیر کا ذکر نہیں اور ترمذی میں تہجد میں ایک دو رات نہ اٹھنے کا ذکر نہیں صرف وحی میں تاخیر کا ذکر ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

بخاری اور مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ بیمار ہوگئے اور ایک دو راتیں نماز کو نہ اٹھ سکے۔ یہ دیکھ کر ایک عورت کہنے لگی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا شیطان تم کو چھوڑ گیا اس پر مندرجہ ذیل آیات کا نزول ہوا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ انہوں نے یعنی حضرت جندب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جس عورت نے مذکورہ بالا بات کہی تھی وہ ابولہب کی بیوی ام جمیل تھی۔

حاکم نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ کچھ دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یونہی رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل نہیں ہوئی۔ تو ابولہب کی بیوی ام جمیل نے کہا یہی نظر آتا ہے کہ تیرے ساتھی نے تجھے چھوڑ دیا۔ اور تجھ سے نفرت کرنے لگا اس پر اللہ نے والضحیٰ الخ نازل فرمائی۔

سعید بن منصور نے حضرت جندب رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام کے آنے میں کچھ دیر ہوگئی مشرک کہنے لگے کہ اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا۔

اس پر آیات مذکورہ کا نزول ہوا۔ ابن جریر رضی اللہ عنہ نے شداد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے صبری دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب آپ سے ناراض ہو گیا ہے اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ دونوں مذکورہ روایتیں مرسل ہیں۔ اور راوی دونوں کے ثقہ ہیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ام جمیل اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا دونوں نے یہ بات کہی تھی۔ مگر اول نے خوش ہو کر اور دوسری نے دردمندی کے اظہار کے لئے۔

ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے ایک ایسی سند کے ساتھ بیان کیا ہے جس میں ایک مجہول شخص نے حفص بن میسرہ قریشی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے اور حفص رضی اللہ عنہ نے اپنی ماں کا اور اس کی ماں نے اپنی ماں کا اور یہ عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ تھی کہ کتے کا ایک بچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوٹھڑی میں گھس آیا اور آپ کے تخت کے نیچے جا چھپا اور مر گیا۔ (اس کی وجہ سے) چار روز تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نہیں آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خولہ رضی اللہ عنہا دیکھ تو میری کوٹھڑی میں کیا نئی بات ہوگئی میرے پاس جبرئیل علیہ السلام نہیں آتے۔ میں نے اپنے دل میں کہا مجھے کوٹھڑی کی صفائی کرنی اور جھاڑو دینی چاہئے چنانچہ میں جھاڑو لیکر تخت کے نیچے جھکی اور اس (مردہ) بچہ کو نکالا اس کے بعد میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک میں لرزہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ ہی تھا کہ وحی کے نزول کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے والضحیٰ ...... ترضیٰ تک نازل فرمائی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا کہ کتے کے بچے کی وجہ سے جبرئیل علیہ السلام کے آنے میں تاخیر کی روایت تو مشہور ہے مگر اس قصہ کا والضحیٰ کے نزول کا سبب ہونا غریب بلکہ شاذ ہے۔ جو قابل قبول نہیں۔

انقطاع وحی کی مدت:

بغوی نے لکھا کہ انقطاع وحی کی مدت کے متعلق مختلف روایات آئی ہیں۔ ابن جریج نے ۱۲ دن اور مقاتل نے چالیس روز کی تعیین کی ہے۔ مقاتل نے کہا اس پر مشرک کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا۔ تو اس کے رد میں یہ سورت نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول بھی بروایت ابن مردویہ یہی آیا ہے۔ جب جبرئیل علیہ السلام آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا آپ نہیں آئے میں تو آپ کا مشتاق تھا۔ جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا۔ مجھے آپ کے پاس آنے کا بہت ہی شوق تھا مگر حکم کا بندہ ہوں ہم خود رب کے حکم کے بغیر نہیں اترتے۔

چاشت کا وقت:

وَالضُّحٰی قسم ہے وقت چاشت کی یا دن کی۔ بعض کا قول ہے کہ ضحٰی سے مراد دن ہے اس لئے کہ لیل کے مقابل آیا ہے۔ اللہ نے فرمایا ان یاتیهم باسنا ضحی۔ یعنی دن میں۔ قتادہ اور مقاتل نے کہا وقت ضحیٰ مراد ہے۔ یعنی سورج کے چڑھنے کا وقت اس وقت کی خصوصیت کی وجہ بعض لوگوں نے یہ بیان کی ہے کہ سردی میں گرمی میں جاڑے میں موسم گرما میں ہر موسم میں اس وقت اعتدالی کیفیت رہتی ہے۔

قتادہ اور ابن سکن نے کہا جب اوس کی تاریکی ٹھہر جائے کہ اس کے بعد اندھیرے میں زیادتی نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

ہر سورت کے خاتمہ پر اللہ اکبر کہنا:

اسماعیل بن قسطنطین اور شبل بن عباد کے سامنے حضرت عکرمہؒ تلاوت قرآن کر رہے تھے۔ جب اس سورت پر پہنچے تو دونوں نے فرمایا کہ اب سے آخر تک ہر سورت کے خاتمہ پر اللہ اکبر کہا کرو۔ ہم نے ابن کثیرؒ کے سامنے پڑھا تو انہوں نے بھی ہمیں یہی فرمایا۔ اور انہوں نے فرمایا کہ ہم سے مجاہد نے یہ فرمایا ہے اور مجاہد کو ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہی تعلیم تھی۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہی فرمایا تھا۔ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم دیا تھا۔ امام القراءت حضرت ابو الحسن بھی اس سنت کے راوی ہیں۔ رازی اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں۔

صوفی کی ایک حالت:

صوفی مخلوق کو اللہ کی طرف بلاتا ہے۔ لوگوں کو ہدایت کرتا ہے اس لئے مخلوق کی طرف توجہ کرتا ہے۔ بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ وہ اللہ سے کٹ کر مخلوق کی طرف متوجہ ہو گیا مگر گہری نظر سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اللہ سے کامل انقطاع نہیں ہوتا بلکہ یہ انقطاع تو بحکم محبوب ہوتا ہے۔ اور اسی کی مرضی سے ہوتا ہے۔ اس لئے یہ انقطاع بھی اتصال کا حکم رکھتا ہے۔ اور حقیقت میں یہ وصل ہی ہوتا ہے۔ بلکہ وصل کا اعلیٰ درجہ ہوتا ہے۔ اس مرتبہ کو صوفی نزول اور سیر من اللہ باللہ کہتا ہے مگر یہ حالت صوفی کی بڑی بے چینی اور اضطراب کی ہوتی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مچھلی کو سمندر سے نکال کر خشک میدان میں ڈال دیا گیا ہے۔ اور وہ تڑپ رہی ہے۔

انبیائے کرام کی تکلیف:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مَا اُوْذِیَ اَحَدٌ مِثْلَ مَا اُوْذِیْتُ جیسا مجھے دکھ دیا گیا ایسا کسی کو نہیں دیا گیا۔

(رواہ ابن عدی وابن عساکر وابونعیم فی الحلیۃ عن انس)

اگر حدیث کا یہ مطلب قرار نہ دیا جائے تو کوئی اور توجیہ ممکن نہیں کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کو تو نو سو پچاس برس دکھ اٹھانے پڑے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اتنی ایذاء دی گئی کہ آپ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ اور حضرت یحییٰ علیہ السلام وغیرہ اس راہ میں شہید کر دیئے گئے۔ اس مطلب کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ غالباً سورہ والضحیٰ اور الم نشرح کا نزول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے ہوا۔ اس وقت ابتدائی دور تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نزولی حالت کا آغاز تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف:

یہاں تک کہ صحیح بخاری میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کئی بار اس ارادہ سے نکلے کہ پہاڑوں کی چوٹیوں سے اپنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرا دیں لیکن جب بھی نیچے گرنے کے ارادہ سے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے جبرئیل علیہ السلام نے ندا دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔

ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے چینی کو دیکھ کر ہی کہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خفا ہو گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت کے زائل ہو جانے کے خواستگار تھے۔ جس میں خالق سے انقطاع اور مخلوق کی طرف میلان ہو گیا تھا۔ اور جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی طرف سے بالکل ترک اور خفگی سمجھ لیا تھا۔ اور اسی کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج تھا۔ اور دل سے خواہشمند تھے۔ کہ اللہ سے دوامی تعلق اور بلا حجاب وصل قائم رہے۔

حالت فراق کی تکلیف کا انعام:

اس تفصیل کی روشنی میں آیت مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ فراقی حالت جو تم کو پیش ہے ترک تعلق اور ناراضگی نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رنجیدہ ہوں بلکہ یہ کمال عروج وصل ہے اگرچہ ظاہر میں نزول وفراق ہے تمہاری ہر دوسری حالت پہلی حالت سے بہتر ہی ہوگی تمہارے احوال میں ضعف اور سستی نہیں آئے گی بالآخر دوسری زندگی میں تم کو غیر منقطع وصل اور دیدار حاصل ہو جائے گا وہاں نہ تبلیغ کا حکم ہوگا نہ خلق کی طرف تمہاری توجہ نہ فراق کی تکلیف اور دنیا اور آخرت میں اللہ تم کو تمہاری پسندیدہ اور محبوب چیزیں عنایت فرمائے گا۔ (تفسیر مظہری)

آیت ما ودعک ربک و ما قلی کے ضمن میں یہ بات آ گئی ہے کہ اللہ وحی بھیج کر تم کو اپنے ساتھ ملائے رکھے گا۔ تم حبیب خدا ہو اور اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے۔ اب اس آیت میں بتایا کہ آخرت میں تمہارا درجہ اس سے بڑا ہوگا وہ تمہارے لئے اس سے بہتر ہوگی۔ تمام انبیاء کی سرداری حاصل ہوگی۔ مقام محمود عطا کیا جائے گا۔ جس پر پچھلے اگلے سب رشک کریں گے۔ تمہاری امت دوسری امتوں کی شاہد ہوگی۔

بغوی نے بسند ابن ابی شیبہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم اہل بیت کے لئے اللہ نے دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو ترجیح دی ہے۔

یا آیت کا یہ معنی ہے کہ دوسری حالت پہلی حالت سے بہتر ہوگی اور انجام امر آغاز سے اچھا ہوگا۔ یعنی بزرگی اور کمال میں تم برابر ترقی کرتے رہو گے۔ صوفیہ کا قول ہے جس کے دونوں دن برابر ہوں (دوسرا دن پہلے سے بہتر نہ ہو) وہ گھاٹے میں ہے۔ (تفسیر مظہری)

> **وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴿۴﴾**
>
> اور البتہ پچھلی بہتر ہے تجھ کو پہلی سے ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مرتبے:

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پچھلی حالت پہلی حالت سے کہیں ارفع واعلیٰ ہے وحی کی یہ چندروزہ رکاوٹ آپ کے نزول وانحطاط کا سبب نہیں بلکہ بیش از بیش عروج وارتقاء کا ذریعہ ہے اور اگر پچھلی سے بھی پچھلی حالت کا تصور کیا جائے یعنی آخرت کی شان وشکوہ کا جبکہ آدم اور آدم کی ساری اولاد آپ کے جھنڈے تلے جمع ہوگی۔ تو وہاں کی بزرگی اور فضیلت تو یہاں کے اعزاز واکرام سے بیشمار درجہ بڑھ کر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

میں کہاں؟ دنیا کہاں؟

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بوریئے پر سوئے جسم مبارک پر بوریئے کے نشان پڑ گئے۔ جب بیدار ہوئے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کروٹ پر ہاتھ پھیرنے لگا اور کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کیوں اجازت نہیں دیتے کہ اس بوریئے پر کچھ بچھا دیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے دنیا سے کیا واسطہ؟ میں کہاں دنیا کہاں؟ میری اور دنیا کی مثال تو اس راہرو سوار کی طرح ہے جو کسی درخت تلے ذرا سی دیر ٹھہر جائے پھر اسے چھوڑ کر چل دے۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور حسن ہے۔ (تفسیر مظہری)

نوازشات الٰہیہ:

ایک روایت میں ہے کہ جو خزانے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ملنے والے تھے وہ ایک ایک کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر کئے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اس پر یہ آیت اتری، جنت میں ایک ہزار محل آپ کو دیئے گئے ہر ہر محل میں پاک بیویاں اور بہترین خادم ہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہ تک اس کی سند صحیح ہے اور بظاہر ایسی بات بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے روایت نہیں ہو سکتی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰى ۝۵

اور آگے دے گا تجھ کو تیرا رب پھر تو راضی ہوگا ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا:

یعنی ناراض اور بیزار ہو کر چھوڑ دینا کیسا' ابھی تو تیرا رب تجھ کو (دنیا و آخرت) میں اس قدر دولتیں اور نعمتیں عطا فرمائیگا کہ تو پوری طرح مطمئن اور راضی ہو جائے۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محمد راضی نہیں ہوگا جب تک اس کی امت کا ایک آدمی بھی دوزخ میں رہے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ (تفسیر عثمانی)

حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِذًا لَّا اَرۡضٰی وَوَاحِدٌ مِّنۡ اُمَّتِیۡ فِی النَّارِ یعنی جب یہ بات ہے تو میں اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک میری امت میں سے ایک آدمی فرد بھی جہنم میں رہے گا۔ (قرطبی)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری امت کے بارے میں میری شفاعت قبول فرمائیں گے یہاں تک کہ حق تعالیٰ فرمائیں گے رَضِیۡتَ یَامُحَمَّد، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہیں، تو میں عرض کروں گا یارب رَضِیۡتُ یعنی اے میرے پروردگار میں راضی ہوں۔

اور صحیح مسلم میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ہے فَمَنۡ تَبِعَنِیۡ فَاِنَّهٗ مِنِّیۡ وَمَنۡ عَصَانِیۡ فَاِنَّكَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ پھر دوسری آیت تلاوت فرمائی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لئے دونوں ہاتھ اٹھائے اور گریہ وزاری شروع کی اور بار بار فرماتے تھے اَللّٰهُمَّ اُمَّتِیۡ اُمَّتِیۡ، حق تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں روتے ہیں (اور یہ بھی فرمایا کہ اگرچہ ہمیں سب معلوم ہے) جبرئیل امین علیہ السلام آئے اور سوال کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنی امت کی مغفرت چاہتا ہوں۔ حق تعالیٰ نے جبرئیل امین علیہ السلام سے فرمایا کہ پھر جاؤ اور کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے بارے میں راضی کر دیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنجیدہ نہ کریں گے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰى بیہقی نے دلائل میں طبرانی نے اوسط میں اور حاکم وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امت کے آئندہ فتوحات (ممالک کی فتح دولت کی کثرت اقتدار کا حصول دنیوی کامرانی وغیرہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے (کشف کی حالت میں) لائے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے خوشی حاصل ہوئی اس پر آیت مذکور نازل ہوئی۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تم کو بکثرت عنایات سے نوازے گا دشمنوں پر فتح اقتدار کامل مؤمنوں کی کثرت۔ تمام عالم میں دین کی اشاعت آخرت میں شفاعت کثرت ثواب اور ایسی ایسی نعمتیں کہ ان کی حقیقت سے اللہ کے سوا کوئی واقف نہیں۔ درجات قرب میں سب سے اونچا درجہ اور سب سے بڑی نعمت یہ کہ کمال نبوت کے درجہ کے مطابق اپنے دیدار سے نوازیگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری امت میں سے اگر ایک بھی دوزخ میں رہ گیا تو میں راضی نہیں ہوں گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا (اور اللہ ان کو بخش دے گا) یہاں تک کہ میرا رب ندا دے گا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا تو اب راضی ہوگیا میں عرض کروں گا ہاں میرے رب میں راضی ہوگیا۔

عطاء کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول آیا ہے کہ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تجھ کو شفاعت (کی اجازت) عطا فرمائے گا۔ اور تیری امت کو تیری شفاعت سے بخش دے گا۔ یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے یہی تفسیر منقول ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی الٰہی میری امت (کو بخش دے) میری امت (کو بخش دے) اور رونے لگے اللہ نے حکم دیا جبرئیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر کہہ دے کہ تیری امت کے معاملہ میں ہم تجھے راضی کر دیں گے تجھ کو دکھ نہ دیں گے۔ (مسلم)

سب سے زیادہ امید آفریں آیت:

عرب بن شریح کا بیان ہے کہ حضرت ابوجعفر رضی اللہ عنہ محمد بن علی رضی اللہ عنہ (زین العابدین رضی اللہ عنہ) سے میں نے خود سنا فرما رہے تھے کہ اے گروہ اہل عراق تم کہتے ہو کہ قرآن میں سب سے زیادہ سب سے زیادہ امید دلانے والی آیت یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِهِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَةِ اللّٰهِ ہے اور ہم اہل بیت کہتے ہیں کہ اللہ کی کتاب میں سب سے زیادہ امید آفریں آیت وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰى ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمۡ يَجِدۡكَ يَتِيۡمًا فَاٰوٰى ۝۶

بھلا نہیں پایا تجھ کو یتیم پھر جگہ دی ☆

دُرِّ یتیم:

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت سے پہلے ہی آپؐ کے والد وفات پا چکے تھے چھ سال کی عمر تھی کہ والدہ محترمہ نے رحلت کی۔ پھر آٹھ سال کی عمر تک اپنے دادا (عبدالمطلب) کی کفالت میں رہے۔ آخر اس دریتیم اور نادرہ روزگار کی ظاہری تربیت وپرورش کی سعادت آپ کے بے حد شفیق چچا ابوطالب کے حصہ میں آئی انہوں نے زندگی بھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت اور تکریم وتبجیل میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا ہجرت سے کچھ پہلے وہ بھی دنیا سے رخصت ہوئے۔ چندروز بعد یہ امانت الٰہی اللہ کے حکم سے انصار مدینہ کے گھر پہنچ گئی۔ ''اوس'' اور ''خزرج'' کی قسمت کا ستارہ چمک اٹھا۔ اور انہوں نے اس کی حفاظت اس طرح کی جس کی نظیر چشم فلک نے کبھی نہ دیکھی ہوگی یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ایواء کے تحت میں داخل ہیں
كما اشار اليه ابن كثير رحمه الله. (تفسیر عثمانی)

اور طعنہ کفار کے جواب میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر انعامات الٰہیہ کے دنیا اور آخرت میں فائز ہونے کا اجمالی ذکر آیا ہے اس میں اسکی تھوڑی سی تفصیل تین خاص نعمتوں کے ذکر سے فرمائی گئیں ہیں۔ اول اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى یعنی ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یتیم پایا کہ والد کا انتقال ولادت سے پہلے ہی ہو چکا تھا اور انہوں نے کوئی مال وجائیداد بھی نہ چھوڑی تھی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش ہو سکے، تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹھکانہ بنا دیا، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب اور ان کے بعد چچا ابوطالب کے دلوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی محبت ڈال دی کہ صلبی اولاد سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں کوشش کرتے تھے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ نے تم کو یتیم پایا یعنی جب تمہارا باپ مر گیا تو تم کو خدا نے نادار بچہ پایا۔ باپ نے نہ تمہارے لئے مال چھوڑا تھا نہ کوئی ٹھکانہ۔ اس جملہ میں مَا وَدَّعَكَ کے معانی کی تاکید ہے۔

بغوی نے بحوالہ ترمذی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اللہ سے ایک درخواست کی تھی لیکن اگر نہ کی ہوتی تو میرے نزدیک بہتر ہوتا۔ میں نے عرض کیا تھا پروردگار تو نے سلیمان بن داؤد کو بڑی حکومت عطا فرمائی اور فلاں کو فلاں چیز دی۔ اللہ نے فرمایا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں نے تجھ کو یتیمی کی حالت میں نہیں پایا اور پھر کیا تجھے ٹھکانہ نہیں دیا میں نے عرض کیا بے شک پروردگار (تو نے یہ انعام فرمایا)

اللہ نے فرمایا کیا میں نے تجھے متحیر پا کر صحیح راستہ نہیں بتا دیا۔ میں نے عرض کیا بے شک میرے رب (تو نے ایسا ہی کیا) اللہ نے فرمایا کیا میں نے تجھے فقیر نہیں پایا اور پھر کیا غنی نہیں بنا دیا میں نے عرض کیا بے شک پروردگار (تو نے ایسا ہی کیا)۔ بعض روایت میں اتنا زائد ہے کہ کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول کر تیرا بار تجھ سے دور نہیں کر دیا۔ میں نے عرض کیا بے شک میرے رب (تو نے ایسا کر دیا)۔

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿٧﴾

اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سجھائی ☆

بچپن سے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں توحید وعشق الٰہی کا چشمہ اُبل رہا تھا:

جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جوان ہوئے قوم کے مشرکانہ اطوار اور بیہودہ رسم وراہ سے سخت بیزار تھے اور قلب میں خدائے واحد کی عبادت کا جذبہ پورے زور کے ساتھ موجزن تھا عشق الٰہی کی آگ سینۂ مبارک میں بڑی تیزی سے بھڑک رہی تھی وصول الی اللہ اور ہدایت خلق کی اس اکمل ترین استعداد کا چشمہ جو تمام عالم سے بڑھ کر نفس قدسی میں ودیعت کیا گیا تھا اندر ہی اندر جوش مارتا تھا لیکن کوئی صاف کھلا ہوا راستہ اور مفصل دستور العمل بظاہر دکھائی نہ دیتا تھا جس سے اس عرش وکرسی سے زیادہ وسیع قلب کو تسکین ہوتی۔ اسی جوش طلب اور فرط محبت میں آپؐ بیقرار اور سرگرداں پھرتے اور غاروں اور پہاڑوں میں جا کر مالک کو یاد کرتے اور محبوب حقیقی کو پکارتے آخر اللہ تعالیٰ نے ''غار حرا'' میں فرشتہ کو وحی دیکر بھیجا اور وصول الی اللہ اور اصلاح خلق کی تفصیلی راہیں آپ پر کھول دیں یعنی دین حق نازل فرمایا ''مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا'' الخ (شوریٰ۔ رکوع ۵) (تنبیہ) یہاں ''ضَآلًّا'' کے معنی کرتے وقت سورہ ''یوسف'' کی آیت ''قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ'' کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى لفظ ضال کے معنی گمراہ کے بھی آتے ہیں اور ناواقف بےخبر کے بھی، یہاں دوسرے ہی معنی مراد ہو سکتے ہیں کہ نبوت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم شریعت الٰہیہ کے احکام وعلوم سے بےخبر تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب نبوت پر فائز کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی فرمائی۔ (معارف مفتی اعظم)

بچپن میں گمشدگی سے حفاظت:

ابوالضحیٰ کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول آیا ہے کہ (آیت کا مطلب اس طرح ہے) تم بچہ تھے چھوٹے تھے خوبصورت تھے مکہ کے نوجوانوں میں ناقابل ذکر تھے۔ حلیمہ نے تم کو دودھ پلایا تھا پھر دودھ چھڑا

کر تمہارے دادا عبدالمطلب کے پاس تم کو واپس دینے لائی تھی۔

سعید ابن المسیب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام میسرہ کے قافلہ میں ابو طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود تھے ایک تاریک رات میں جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار جارہے تھے اچانک آپ کی اونٹنی کی مہار ابلیس نے پکڑ کر راستہ سے اس کا رخ موڑ دیا۔ فوراً حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آ کر ابلیس پر پھونک ماری کہ وہ حبش میں جا گرا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قافلہ کی طرف لوٹا دیا۔

آیت کی صوفیانہ تفسیر:

بعض صوفیہ نے اس طرح تشریح کی کہ اللہ نے تم کو عاشق محب پایا تمہارا عشق حد سے آگے بڑھ چکا تھا جذب کی حالت کو ضلال بطور کنایہ کہا جا سکتا ہے کیونکہ مجذوب اکثر غلط راستہ پر پڑ جاتا ہے۔ (گویا ضالا سے مراد ہے مجذوب) حدیث میں آیا ہے کسی چیز کی محبت تم کو اندھا بہرا کر دیتی ہے پس آیت میں مسبب (ضلال) سے سبب (جذب) مراد ہے جیسا کہ آیت میں آیا ہے۔ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ اللہ نے آسمان سے رزق اتارا یعنی بارش (رزق مسبب ہے بارش سبب) حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے باپ (حضرت یعقوب علیہ السلام) کے متعلق کہا تھا اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ اور اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ (یعنی عشق یوسف کی کھلی ہوئی اور پرانی دیوانگی)

مصر کی عورتوں نے عزیز مصر کی بیوی کے متعلق کہا تھا تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا اِنَّا لَنَرٰهَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ وہ اپنے غلام کو بہکا رہی ہے۔ غلام پر وہ دل سے شیفتہ ہے ہم اس کو کھلی ہوئی دیوانگی میں دیکھ رہی ہیں۔

فَهَدٰی یعنی تم کو شعائر دین بتا دیئے یا تمہارے دادا عبدالمطلب تک پہنچا دیا یا قافلہ تک پہنچا دیا یا اپنے نفس اور حال کو پہچاننے کا رستہ بتا دیا جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا یا محبوب کے وصل کا راستہ بتا دیا یہاں تک کہ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کے مقام پر تم پہنچ گئے۔ (تفسیر مظہری)

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ۝۸

اور پایا تجھ کو مفلس پھر بے پروا کر دیا

ظاہری و باطنی غناء: اس طرح کہ حضرت خدیجہؓ کی تجارت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مضارب ہو گئے اس میں نفع ملا پھر حضرت خدیجہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کر لیا اور اپنا تمام مال حاضر کر دیا۔ یہ تو ظاہری غناء تھا باقی آپ کے قلبی اور باطنی غناء کا درجہ تو وہ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ایسے جانتا ہے کوئی بشر اس کا کیا

اندازہ کر سکے مطلب یہ ہے کہ آپ ابتداء سے مورد انعامات رہے ہیں آئندہ بھی رہیں گے جس پروردگار نے اس شان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت فرمائی کیا وہ خفا ہو کر آپ کو یونہی درمیان میں چھوڑ دیگا (استغفر اللہ!) (تفسیر عثمانی)

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا اور تم کو نادار پایا۔

فَاَغْنٰی پس غنی کر دیا خدیجہ کے مال کے ذریعہ سے۔ یا تجارتی منافع کی وجہ سے یا مال غنیمت کے ذریعہ سے۔ ان تمام معانی کی صورت میں غنا سے مراد یہ ہے کہ احتیاج کو دور کر دینا، خواہ تھوڑے مال کے ذریعہ سے ہی ہو۔ نصاب زکوٰۃ کا مالک بنا دینا مراد نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیوی مال و متاع کی وجہ سے غنی نہ تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل غنی تھا اور نفس کی غنا ہی اصل غنا ہے۔

کامیابی کا نسخہ: اللہ تعالیٰ نے نادار اور بے زر پایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غنی و مالدار کر دیا۔ جس کی ابتداء حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے مال میں بطور شرکت مضاربت کے تجارت کرنے سے ہوئی پھر وہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آ کر ام المومنینؓ ہوئیں تو ان کا سارا مال ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے ہو گیا۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

حقیقی دولتمندی: صحیحین وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تونگری مال و اسباب کی زیادتی سے نہیں، بلکہ حقیقی تونگر وہ ہے جس کا دل بے پرواہ ہو صحیح مسلم شریف میں ہے اس نے فلاح پالی جسے اسلام نصیب ہوا اور کافی ہو جائے اتنا رزق بھی ملا اور خدا کے دیئے ہوئے پر قناعت کی توفیق ملی۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝۹

سو جو یتیم ہو اس کو مت دبا ☆

یتیم کی دلجوئی کرو: بلکہ اس کی خبر گیری اور دلجوئی کر۔ جس طرح تم کو یتیمی کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے ٹھکانا دیا۔ تم دوسرے یتیموں کو ٹھکانا دو اسی طرح کے مکارم اخلاق اختیار کرنے سے بندہ اللہ کے رنگ میں رنگا جاتا ہے" صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً " حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انا و کافل الیتیم کھاتین" واشار الی السبابة والوسطی". (تفسیر عثمانی)

خطاب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر ممانعت کا رجوع امت کی طرف ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں کا وہ مکان بہترین ہے جس میں کسی یتیم سے اچھا سلوک کیا جائے اور مسلمانوں کا بدترین وہ مکان ہے جس میں کسی یتیم سے بدسلوکی کی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں انگلیوں (کو جوڑ کر ان سے) اشارہ کرتے ہوئے فرمایا جنت میں میں اور یتیم کا سرپرست اس طرح متصل ہوں گے۔ (بغویؒ و ابن ماجہ و البخاری فی الادب و ابو نعیم فی الحلیہ۔ (تفسیر مظہری)

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿۱۰﴾

اور جو مانگتا ہو اس کو مت جھڑک ☆

مسکین کی خبر رکھو: یعنی تم نادار تھے اللہ تعالیٰ نے غناء عطا فرمایا۔ اب شکر گزار بندے کا حوصلہ یہی ہونا چاہیے کہ مانگنے والوں سے تنگ دل نہ ہو اور حاجت مندوں کے سوال سے گھبرا کر جھڑکنے ڈانٹنے کا شیوہ اختیار نہ کرے بلکہ فراخدلی اور خوش اخلاقی سے پیش آئے۔ احادیث میں سائلین کے مقابلہ پر آپ کی وسعت اخلاق کے جو قصے منقول ہیں وہ بڑے سے بڑے مخالف کو آپ کے اخلاق کا گرویدہ بنا دیتے ہیں (تنبیہ)۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ سائل کے زجر کی ممانعت اس صورت میں ہے جب وہ نرمی سے مان جائے ورنہ اگر اڑی لگا کر کھڑا ہو جائے اور کسی طرح نہ مانے اس وقت زجر جائز ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اہل تفسیر نے لکھا ہے مطلب یہ ہے کہ دروازہ پر جو سائل آئے ہیں اس کو نہ جھڑکو نہ ڈانٹو کیونکہ تم بھی نادار محتاج تھے یا تو اس کو کھانا دے دو ورنہ نرمی سے اور خوش خلقی کے ساتھ اس کو واپس کر دو۔

طالب علم کا حق: اس آیت کے ذیل میں حسن نے کہا کہ طالب علم اگر کچھ پوچھے تو اس کو نہ جھڑکو۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾

اور جو احسان ہے تیرے رب کا سو بیان کر ☆

محسن کی شکر مندی کرو: محسن کے احسانات کا بہ نیت شکر گزاری (نہ بقصد فخر و مباہات) چرچا کرنا شرعاً محمود ہے لہٰذا جو انعامات اللہ تعالیٰ نے آپ پر فرمائے ان کو بیان کیجئے۔ خصوصاً وہ نعمت ہدایت جس کا ذکر ''وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی'' میں ہوا اس کا لوگوں میں پھیلانا اور کھول کھول کر بیان کرنا تو آپ کا فرض منصبی ہے۔ شاید آپ کے ارشادات وغیرہ کو جو حدیث کہا جاتا ہے وہ اسی لفظ فَحَدِّثْ سے لیا گیا ہو واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

تیسرا حکم وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ، حدث۔ تحدیث سے مشتق ہے جس کے معنی بات کرنے کے ہیں مراد یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا لوگوں کے سامنے ذکر کیا کریں کہ یہ ایک طریقہ شکر گزاری کا ہے یہاں تک کہ جو آدمی کسی آدمی پر احسان کرے اس کا بھی شکر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے حدیث میں ہے کہ جو شخص لوگوں کے احسان پر انکا شکر نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر نہیں کریگا۔ (رواہ احمد ورجالہ ثقات مظہری)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص تم پر کوئی احسان کرے تو چاہیے کہ آپ بھی اس کے احسان کا بدلہ دو اور اگر مالی بدلہ دینے کی استطاعت نہیں تو یہی کرو کہ لوگوں کے سامنے اس کی تعریف کرو کیونکہ جس نے لوگوں کے مجمع میں اس کی ثناء و تعریف کی تو اس نے شکر گزاری کا حق ادا کر دیا (رواہ البغوی عن جابر بن عبداللہ مظہری)

مسئلہ: ہر نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے مالی نعمت کا شکر یہ ہے کہ اس مال میں سے کچھ اللہ کے لیے اخلاص نیت کے ساتھ خرچ کرے اور نعمت کا شکر یہ ہے کہ جسمانی طاقت کو اللہ تعالیٰ کے واجبات ادا کرنے میں صرف کرے اور علم و معرفت کی نعمت کا شکر یہ ہے کہ دوسروں کو اس کی تعلیم دے (مظہری)

مسئلہ: سورہ والضحیٰ سے آخر قرآن تک ہر سورت کے ساتھ تکبیر کہنا سنت ہے اور اس تکبیر کے الفاظ شیخ صالح مصری نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔ بتلائے ہیں (مظہری)

نعمت کا شکریہ: ابوداؤد کی اور حدیث میں ہے کہ جسے کوئی نعمت ملی اور اس نے اسے بیان کیا تو وہ شکر گزار ہے اور جس نے اسے چھپایا اس نے اس کی ناشکری کی اور روایت میں ہے کہ جسے کوئی عطا دی جائے اسے چاہیے کہ ہو سکے تو بدلہ اتار دے اگر نہ ہو سکے تو اس کی ثناء بیان کرے جس نے ثناء کی وہ شکر گزار ہوا اور جس نے اس نعمت کا اظہار نہ کیا اس نے ناشکری کی۔ (ابوداؤد)

مجاہد فرماتے ہیں کہ یہاں نعمت سے مراد نبوت ہے (تفسیر ابن کثیر)

خداداد نعمت کا شکر ادا کرو لف نشر مرتب کی صورت اس جملہ کا تعلق وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی سے ہوگا۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ یعنی اپنے رب کی عطا کی ہوئی نعمت کا شکر ادا کرو سنان بن سنہ نے اپنے باپ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھانے والا (پھر) کھانے کا شکر ادا کرنے والا (بھوک پیاس وغیرہ) پر صبر کرنے والے روزہ دار کی طرح ہے۔

(رواہ احمد وابن ماجہ والدارمی بسند صحیح رواہ ترمذی من حدیث ابی ہریرہ)

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جس نے مستحقین علم سے علم کو چھپایا قیامت کے دن آگ کی لگام لگائی جائے گی۔

سب سے بڑا شکر گزار: حضرت اشعث بن قیس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا سب سے زیادہ شکر گزار وہ ہے جو لوگوں کے احسان کا بہت شکر ادا کرنے والا ہو۔ ایک روایت میں آیا ہے نہیں شکر کرتا اللہ کا جو نہ شکر کرے لوگوں کا۔ اس روایت کے راوی ثقہ ہیں۔ (رواہ احمد)

اچھائی کا بدلہ: حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے ساتھ کوئی اچھا سلوک کیا جائے اس کو اس اچھائی کا بدلہ دینا چاہیے اگر بدلہ چکانے کے قابل کوئی چیز نہ ملے تو (دینے والے کی) ثناہی کر دے جب ثنا کر دی تو حقیقت میں شکر ادا کر دیا اگر احسان کو چھپائے گا تو ناشکری کا مرتکب ہوگا اور جس نے بغیر کسی کے دیئے اس کے کپڑے پہن لئے تو ایسا ہے جیسا کہ جھوٹ کا لباس پہن لیا۔ (بغوی)

تھوڑی چیز کا شکریہ: حضرت نعمان بن بشیر نے کہا میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ممبر پر فرما رہے تھے جس نے تھوڑے کا شکریہ ادا نہ کیا اس نے زیادہ کا بھی شکر نہیں کیا جس نے لوگوں کا شکر نہیں کیا اس نے اللہ کا بھی

شکر نہیں کیا اللہ کی نعمت کو یاد کرنا شکر ہے نہ یاد کرنا ناشکری ہے۔ جماعت اہل اسلام اللہ کی رحمت ہے تفرقہ اللہ کا عذاب ہے بغوی نے تمام احادیث نقل کی ہیں۔

مشائخ اور اساتذہ کا شکریہ:

ان احادیث کا تقاضا ہے کہ مشائخ اور اساتذہ کا شکریہ ادا کیا جائے اور ان کے احسانات کی تعریف کیجائے۔

نعمت نبوت کا شکریہ:

بشیر کی روایت میں مجاہد کا قول آیا ہے کہ آیت میں نعمت سے مراد نبوت ہے زجاج نے بھی اس تفسیر کو پسند کیا ہے اس وقت تحدیث نعمت کا مطلب یہ ہوگا کہ تم کو جو پیام دے کر بھیجا گیا ہے اس کو لوگوں تک پہنچاؤ اور اپنی نبوت کا اظہار کرو لیث کی روایت مجاہد کا قول یہ ہے کہ نعمت سے مراد قرآن ہے۔

مسئلہ: ہر نعمت کا شکر واجب ہے اور شکر نعمت کا معنی ہے نعمت کو منعم کی مرضی کے مطابق صرف کرنا لہٰذا نعمت مالیہ کا شکریہ ہوگا کہ اخلاص کے ساتھ مال کو راہ حق میں صرف کیا جائے اور نعمت بدنیہ کا شکریہ ہوگا کہ فرائض (بدنیہ) کو ادا کیا جائے اور معصیت سے پرہیز رکھا جائے اور علم و عرفان کی نعمت کا شکریہ ہوگا کہ دوسروں کو سکھایا جائے اور ہدایت کی جائے۔

مسئلہ: چونکہ نعمت کا ذکر کرنا شکر نعمت ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اکرمکم سید ولد آدم ولا فخر وغیرہ ہم سورۃ بقرہ میں اس کا تذکرہ کر چکے ہیں حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا ہے کہ

وَكُلُّ وَلِيٍّ لَهُ قَدَمٌ وَإِنِّيْ عَلٰى قَدَمِ النَّبِيِّ بَدْرِ الْكَمَالِ

ہر ولی کا ایک قدم ہوتا ہے جس پر وہ چلتا ہے اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پر چلتا ہوں جو بدر کمال تھے یہ بھی آپ کا قول ہے قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ میرا یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہے۔

حضرت شیخ مجددؒ کو اللہ نے ولایت کے تینوں مراتب عطا فرمائے تھے۔

ہر سورت کے بعد اللہ اکبر کہنے کی سند:

بغوی نے لکھا ہے کہ قراءت اہل مکہ میں مسنون ہے کہ سورۂ والضحیٰ سے ختم قرآن تک ہر سورت کے آخر میں اللہ اکبر کہا جائے میں نے امام القراء ابو نصر محمد سے اسی طرح قرءات سیکھی تھی اور انہوں نے ابن کثیر کی قراءت کا سلسلہ اسناد ذکر کیا تھا اور ابن کثیر نے مجاہد سے حضرت ابن عباس سے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے یونہی مسلسل روایت کی تھی۔ اس کے علاوہ ایک اور سلسلہ اسناد بھی ابو نصر نے بیان کیا تھا (اور دونوں اسناد سے بیان کیا تھا کہ جب تم والضحیٰ کو ختم کرو تو اللہ اکبر کہو یہاں تک کہ خاتمہ قرآن تک ہر سورۃ کے آخر میں یہی کہا کرو۔ ہم کو ابن کثیر نے ایسا ہی حکم دیا تھا اور ابن کثیر نے کہا ہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پڑھا آپ نے مجھ سے اسی طرح کہنے کا حکم دیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہی حکم دیا اور حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ کے سامنے قراءت کی تو آپ نے مجھے یہی حکم دیا۔ والضحیٰ کے آخر میں تکبیر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جب کچھ مدت کے لیے وحی رک گئی تو مشرک کہنے لگے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شیطان نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا وہ ان سے رخصت ہو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر غمگین ہوئے اس وقت والضحیٰ نازل ہوئی اور نزول وحی کی خوشی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی پس صحابہ نے اس تکبیر کو بطور سنت لے لیا۔

تکبیر پڑھنے کا طریقہ:

بغوی نے جو کچھ بیان کیا تیسیر میں ابوعمر، عمرو دانی نے بھی یہ سب بیان کیا ہے مگر بیان میں تقدیم تاخیر ہے۔ دانی نے بروایت بزی از ابن کثیر پوری اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ابن کثیر والضحیٰ کو ختم کر کے تکبیر کہتے تھے اور ہر سورۃ کے آخر پر یہی کرتے تھے یہاں تک کہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کو ختم کر کے بھی تکبیر کہتے تھے، اگر سورۃ کے آخری کلمے کا آخری حرف متحرک ہو جیسے اذا حسد اور والناس اور الابتر تو اللہ اکبر کی ہمزہ وصل کو حذف کر کے تکبیر کو سورت کے آخری حرف سے ملا دیا جائے اور آخری حرف ساکن ہو جیسے فحدث فارغب یا تنوین کے ساتھ ہو جیسے توابا اور لخبیر اور من مسد تو حرف ساکن اور نون تنوین کو زیر کے ساتھ پڑھا جائے اور اللہ اکبر کے ساتھ اس طرح ملا دیا جائے اب اگر چاہے تو اللہ اکبر کے بعد دوسری سورت۔ کے لئے بسم اللہ لگ شروع کرے اور چاہے تو تکبیر کو بسم اللہ کے ساتھ ملا کر پڑھے اول تکبیر پر بسم اللہ کو آغاز سورت سے وصل کر لے یا فصل دونوں صورتیں درست ہیں اور دوسری تکبیر پر بسم اللہ کا آغاز سورت سے وصل ہی کیا جائے گا فصل درست نہیں۔

دانی نے کہا کہ بعض اہل تجوید آخر سورت کو ختم کرنے کے بعد اللہ اکبر شروع کرتے ہیں اور اس کو دوسری سورت کی بسم اللہ سے ملا کر پڑھتے ہیں نقاش نے بروایت ابوربیعہ بزی کا یہی عمل نقل کیا ہے اور علی فارسی نے بھی اسی طرح پڑھا ہے دانی کی بیان کردہ یہ تفصیل بغوی نے مقدم ذکر کی ہے (اور دانی نے موخر)

میں کہتا ہوں کہ میں نے دونوں طریقوں سے قاری صالح مصری اور شیخ القراء شیخ عبدالخالق سے پڑھا ہے شیخ صالح مصری نے صرف اللہ اکبر کہنے کی بجائے لا الہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھنا بیان کیا تھا۔

اگر سورت والضحیٰ شروع کرنے سے پہلے تکبیر پڑھ چکا ہو تو والناس ختم کرنے کے بعد تکبیر نہ پڑھے۔

اگر تکبیر کو پہلی سورت کے آخر سے وصل دے کر کہا ہو تو دوسری سورت کے آغاز سے بھی قطع نہ کرے بلکہ جس تکبیر کو پہلی سورت سے ملا کر پڑھا ہے اس کو دوسری سورت کی بسم اللہ سے ملا دے اور بسم اللہ کو دوسری سورت سے بھی وصل کر دے۔ (تفسیر مظہری)

سورۃ الانشراح

جوشخص اس سورۃ کو خواب میں پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے سینے کو احکام اسلام کے سمجھنے کے لیے منشرح فرمادے گا اور اس کے سب معاملات آسان ہو جائیں گے۔ (ابن سیرینؒ)

سُورَۃُ الانْشِرَاحِ مَکِّیَّۃٌ وَّهِیَ ثَمَانِیْ اٰیَاتٍ

سورۃ الم نشرح مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی آٹھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿١﴾

کیا ہم نے نہیں کھول دیا تیرا سینہ ☆

انشراح صدر کا مطلب:

کہ اس میں علوم ومعارف کے سمندر اتار دیئے اور لوازم نبوت اور فرائض رسالت برداشت کرنے کو بڑا وسیع حوصلہ دیا کہ بیشمار دشمنوں کی عداوت اور مخالفوں کی مزاحمت سے گھبرانے نہ پائیں (تنبیہ) احادیث وسیر سے ثابت ہے کہ ظاہری طور پر بھی فرشتوں نے متعدد مرتبہ آپ کا سینہ چاک کیا۔ لیکن مدلول آیت کا بظاہر وہ معلوم نہیں ہوتا (واللہ اعلم)۔ (تفسیر عثمانی)

بعض احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ فرشتوں نے بحکم الٰہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک ظاہری طور بھی پر چاک کر کے صاف کیا، بعض حضرات مفسرین نے شرح صدر سے اس جگہ وہی شق صدر کا معجزہ مراد لیا ہے۔ کمافی ابن کثیر وغیرہ۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

بہرحال آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے تمہارا سینہ کھول دیا جس کے اندر بنور الٰہی ایسے علوم صادقہ اور معارف دینیہ سما گئے جو کسی دانشمند کو دانش کے ذریعہ سے حاصل نہیں ہو سکتے تھے اور دل کے اندر اللہ کی طرف کامل توجہ بھی پیدا کر دی گئی (تاکہ مرتبہ عروج کی تکمیل ہو جائے) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کامل کے ساتھ مخلوق کی طرف بھی اس کا دعوتی اور تبلیغی رخ کر دیا گیا تاکہ مرتبہ نزول بھی حاصل ہو جائے پس حالت نزول میں بھی تمہارا انقطاع اللہ سے نہیں ہے کہ تم کو اس کا رنج ہو۔

دو مرتبہ شق صدر ہوا:

اس عالم شہود میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو مرتبہ شق صدر ہوا ایک مرتبہ تو بچپن میں ہوا تھا جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے مسلم نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے اچانک جبرائیل امین آ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر زمین پر لٹا کر سینہ چیر کر دل نکالا اور دل کے اندر سے خون کا لوتھڑا نکال ڈالا اور کہا کہ دل کے اندر یہ شیطان کا حصہ تھا جس کو میں نے نکال ڈالا پھر ایک طشت میں زمزم کے پانی سے دل کو دھویا اور دل کو جوڑ کر دوبارہ اس کی جگہ رکھ دیا اور سینہ جوڑ دیا بچے دوڑے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ماں یعنی انّا (دودھ پلانے والی) کے پاس پہنچے اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا گیا۔ لوگ لینے کو گئے تو آتے ہوئے مل گئے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ اترا ہوا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سینہ مبارک پر میں (کھال کو جوڑ کر) سینے کا نشان دیکھتا تھا۔

دوسری بار شق صدر شب معراج میں ہوا جیسا کہ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کا واقعہ ذکر کیا اس تذکرہ میں یہ بات بھی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرائیل امین نے نازل ہو کر میرا سینہ چاک کیا پھر زمزم کے پانی سے اس کو دھویا پھر حکمت و ایمان سے بھرا ہوا سونے کا طشت لا کر میرے سینے میں الٹ دیا پھر سینہ کو بند کر دیا۔

صحیحین میں حضرت کی روایت، بحوالہ حضرت مالک بن صعصعہ آئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیان کیا کہ جبرائیل امین نے اس کے اور اس کے درمیان ہنسلی کے گڑھے سے (پیٹ کے) بالوں تک (سینہ) چاک کیا پھر دل کو باہر نکالا پھر ایمان سے بھرا ہوا سونے کا ایک طشت لا کر دل کو دھویا پھر اس کو (ایمان سے) بھر دیا، پھر دوبارہ دل کو (اس کی جگہ) رکھ دیا ایک اور روایت میں آیا ہے پھر پیٹ کو زمزم کے پانی سے دھویا پھر اس (دل) کو ایمان وحکمت سے بھر دیا۔ (الحدیث)

میں کہتا ہوں کہ جس لوتھڑے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے نکال دیا گیا تھا۔ وہ عنصری اور نفسانی اور قلبی رذائل تھے جو نفس کو امارہ بالسوء ہونے پر اور اعضاء جسم کو گناہوں پر ابھارتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ﴿٢﴾

اور اُتار رکھا ہم نے تجھ پر سے بوجھ تیرا

الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ﴿٣﴾

جس نے جھکا دی تھی پیٹھ تیری ☆

بوجھ اُتارنے کا مطلب:

وحی کا اترنا اول سخت مشکل تھا۔ پھر آسان ہو گیا یا منصب رسالت کی ذمہ

داریوں کو محسوس کر کے خاطر شریف پر گرانی گزرتی ہوگی وہ رفع کر دی گئی یا "وِزر" سے وہ امور مباحہ مراد ہوں جو گاہ بگاہ آپ قرین حکمت وصواب سمجھ کر کر لیتے تھے۔ اور بعد میں ان کا خلاف حکمت یا خلاف اولیٰ ہونا ظاہر ہوتا تھا اور آپ بوجہ علو شان اور غایت قرب کے اس سے ایسے ہی مغموم ہوتے تھے جس طرح کوئی گناہ سے مغموم ہوتا ہو تو اس آیت میں ان پر مواخذہ نہ ہونے کی بشارت ہوئی کذا روی عن بعض السلف اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت عالی اور پیدائشی استعداد جن کمالات ومقامات پر پہنچنے کا تقاضا کرتی تھی قلب مبارک کو جسمانی ترکیب یا نفسانی تشویشات کی وجہ سے ان پر فائز ہونا دشوار معلوم ہوتا ہوگا۔ اللہ نے جب سینہ کھول دیا اور حوصلہ کشادہ کر دیا' وہ دشواریاں جاتی رہیں اور سب بوجھ ہلکا ہوگیا۔ (تفسیر عثمانی)

وِزْرَ کا اصلی لغوی معنی ہے پہاڑ:

یہاں مجازی معنی مراد ہے یعنی بڑا بار، بار یا تو غم فراق اور تو ہم انقطاع کامل تھا۔ جس نے غمگین بنا دیا تھا۔ اور آپ کی قوت وصبر توڑ دی پھر بھی پھر اللہ نے سورہ الضحیٰ اور الم نشرح کو نازل فرما کر اس رنج وغم کو دور کر دیا۔ اور آپ کے دل کو قرار وطبیعت کو سکون حاصل ہوگیا۔ اور معلوم ہوگیا۔ کہ وہ فراق (وحی کی بندش) انقطاع کلی اور ناراضگی کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ حکمت اور منفعت کے زیر اثر تھا۔ پس وہ ازالہ غم کو ہی اللہ نے اپنا انعام قرار دیا یا بار سے مراد ہے شرعی احکام کا بار۔ دعوت حق، تبلیغ احکام، ادائے اوامر اور ممنوعات سے بازداشت کیونکہ تکالیف شرعیہ کی پابندی بڑی دشوار ہے۔ دیکھو آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں نے اس بار کو اٹھانے پر رضامندی ظاہر نہ کی اور اس کو اٹھانے سے ڈر گئے۔

اللہ نے فرمایا ہے وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ پس جب اللہ نے ایمان وعلم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ کھول دیا۔ اور دل کے اندر جو شیطانی حصہ تھا اس کو دور کر دیا اور نفسانی خبائث جو فطرت نفوس میں داخل ہیں دور کر دیں تو شرعی تکالیف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مرغوب، محبوب اور فطری ہوگئیں۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا میری آنکھ کی خنکی (یعنی دل کا سکھ اور راحت) نماز میں کر دی گئی ہے۔

ایمان حقیقی:

یہی مرتبہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ازالہ بار سے تعبیر فرمایا ہے صوفیہ کے نزدیک ایمان حقیقی ہے اور صوفی جو کہتا ہے کہ صوفیا سے تکالیف شرعیہ ساقط ہو جاتی ہیں ان کی اس قول کی مراد بھی یہی ہے (کہ تکالیف شرعیہ تکالیف نہیں رہتیں بلکہ محبوب، مرغوب، اور راحت آفریں ہو جاتی ہیں) یہ اونچا مرتبہ یعنی شرح صدر اور ازالہ بار کا درجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہری طور پر اور علی الاعلان حاصل ہوا تھا مگر اولیاء امت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے باطنی طور پر حاصل ہو جاتا ہے یعنی عالم مثال میں اس مرتبہ کا ظہور ہوتا ہے مگر یہ بات نفس اور نفسانیات کی مکمل فناء کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ نفس کی نام ونمود کے مٹ جانے کے بعد ہی صوفیا کو شرح صدر اور ایمان حقیقی کی بشارت دی جاتی ہے۔

معنی یہ ہوگا کہ اگر تمہارا شرح صدر نہ کرتے اور بار ہلکا نہ کر دیتے تو تکلیفی احکام کی مشقت تمہاری پشت کو کمزور بنا دیتی اور واجب الاداء حقوق کو تم ادا نہ کر سکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا اگر اللہ (کا فضل) نہ ہوتا تو ہم راہ راست نہ پاتے، نہ صدقہ دیتے، نہ نماز پڑھتے۔ (تفسیر مظہری)

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ④

اور بلند کیا ہم نے مذکور ☆

رفعتِ ذکر:

یعنی پیغمبروں اور فرشتوں میں آپ کا نام بلند ہے۔ دنیا میں تمام سمجھ دار انسان نہایت عزت ووقعت سے آپ کا ذکر کرتے ہیں اذان، اقامت' خطبہ' کلمہ طیبہ اور التحیات وغیرہ میں اللہ کے نام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا جاتا ہے اور خدا نے جہاں بندوں کو اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے وہیں ساتھ کے ساتھ آپ کی فرمانبرداری کی تاکید کی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بلندی ذکر کا مطلب

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ بخاری نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل امین سے آیت وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کے معنی پوچھے حضرت جبرئیل امین نے کہا کہ اللہ فرماتا ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ تیرا بھی ذکر کیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں اس آیت وحدیث کا تقاضا ہے کہ (ملأ اعلیٰ) آسمانی ملائکہ جب اللہ کا ذکر کرتے ہیں اسکے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ذکر کرتے ہیں اور یہ حدیث پہلے بھی گذر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ساق عرش پر لکھا ہوا تھا۔ سورہ البروج میں ہم لکھ چکے ہیں کہ بغویؒ نے اپنی اسناد سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ لوح محفوظ کے وسط میں لکھا ہوا ہے۔ لا اله الا الله وحده دينه الاسلام و محمد عبده و رسوله ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اسلام اس کا دین ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ (الحدیث)

اذان واقامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر:

عطاءؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ آیت میں (ذکر سے مراد) اذان، اقامت، تشہد اور خطبہ ممبر (میں رسول اللہ کا ذکر ہے) اگر کوئی شخص اللہ کی عبادت اور تصدیق کرے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

شہادت نہ دے۔ تو اس کے لیے بالکل بے سود ہے۔ وہ کافر ہی رہے گا۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے شعر ہیں

ترجمہ: اللہ نے اپنے نام کے ساتھ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ملا دیا ہے۔ جبکہ پانچوں وقت اذان میں اشھد کہتا ہے اور انکی عزت افزائی کے لیے اپنے ہی نام سے ان کا نام نکالا ہے۔ پس مالک عرش تو محمود ہے اور وہ **محمد صلی اللہ علیہ وسلم** ہیں۔

میثاق انبیاء:

بعض علماء کا قول ہے کہ رفعت ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہے کہ آپ کے لیے اللہ نے (ازل میں) تمام انبیاء سے میثاق لیا تھا اور آپ پر ایمان لانے کو لازم کیا تھا۔ اور آپ کی فضیلت کا اقرار کرایا تھا۔ (تفسیر مظہری)

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار:

اَغَرُّ عَلَیْهِ لِلنُّبُوَّةِ خَاتَمٌ ‏ مَنَ اللّٰهِ مِنْ نُّوْرٍ یَّلُوْحُ وَ یَشْهَدُ

وَضَمَّ الْاِلٰهُ اِسْمَ النَّبِیِّ اِلٰی اِسْمِهٖ ‏ اِذَا قَالَ فِی الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ اَشْهَدُ

وَشَقَّ لَهٗ مِنِ اسْمِهٖ لِیُجِلَّهٗ ‏ فَذُو الْعَرْشِ الْمَحْمُوْدُ وَ هٰذَا مُحَمَّدُ

یعنی اللہ نے مہر نبوت کو اپنے پاس سے ایک نور بنا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر چپکا دی۔ جو آپ کی رسالت کی گواہ ہے اپنے نام کے ساتھ اپنے نبی کا نام ملا لیا۔ جب کہ پانچوں وقت مؤذن اشھد کہتا ہے آپ کی عزت و جلال کے اظہار کے لیے اپنے نام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نکالا دیکھو وہ عرش والا محمود ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم محمد ہیں۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ اگلوں پچھلوں میں اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بلند کیا۔ اور تمام انبیاء علیہ السلام سے روز میثاق میں عہد لیا گیا۔ کہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور اپنی اپنی امتوں کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم کریں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو مشہور کیا۔ کہ اللہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی کیا جائے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝۵

سو البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے

اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝۶

البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے ☆

سختیاں جھیلنے کا انعام:

یعنی اللہ کی رضا جوئی میں جو سختیاں آپ نے برداشت کیں اور رنج و تعب کھینچے۔ ان میں سے ہر ایک سختی کے ساتھ کئی کئی آسانیاں ہیں مثلاً حوصلہ فراخ کر دینا جس سے ان مشکلات کا اٹھانا سہل ہو گیا اور ذکر کا بلند کرنا جس کا تصور بڑی بڑی مصیبتوں کے تحمل کو آسان کر دیتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ جب ہم نے آپ کو روحانی راحت دی اور روحانی کلفت رفع کر دی جیسا کہ "اَلَمْ نَشْرَحْ" الخ سے معلوم ہوا تو اس سے دنیوی راحت و محنت میں بھی ہمارے فضل و کرم کا امیدوار رہنا چاہیے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ بیشک موجودہ مشکلات کے بعد آسانی ہونیوالی ہے اور تاکید مزید کے لیے پھر کہتے ہیں کہ ضرور موجودہ سختی کے بعد آسانی ہو کر رہے گی۔ چنانچہ احادیث و سیر سے معلوم ہو چکا کہ وہ سب مشکلات ایک ایک کر کے دور کر دی گئیں۔ اور ہر ایک سختی اپنے بعد کئی آسانیاں لیکر آئی۔

صبر اور اعتماد علی اللہ کا پھل:

اب بھی عادۃ اللہ یہی ہے کہ جو شخص سختی پر صبر کرے اور سچے دل سے اللہ پر اعتماد رکھے اور ہر طرف سے ٹوٹ کر اسی سے لو لگائے اسی کے فضل و رحمت کا امیدوار رہے۔ امتداد زمانہ سے گھبرا کر آس نہ توڑ بیٹھے ضرور اللہ اس کے حق میں آسانی کریگا ایک طرح کی نہیں کئی طرح کی وفی الحدیث "**لن یغلب عسر یسرین**" وفیہ ایضاً "**لوجاء العسر فدخل هذا الحجر لجاء الیسر حتی یدخل علیه فیخرجه**". (تفسیر عثمانی)

بشارت:

حضرت حسن بصریؒ سے مرسلاً روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس آیت سے بشارت سنائی۔ اور فرمایا **لن یغلب عسر یسرین**۔ یعنی ایک عسر دو یسروں پر (ایک مشکل دو آسانیوں پر) غالب نہیں آ سکتی۔ چنانچہ تاریخ و سیرت کی سب کتابیں جو اپنوں اور غیروں، مسلم و غیر مسلم نے لکھی ہیں وہ اس پر شاہد ہیں کہ جو کام مشکل سے مشکل بلکہ لوگوں کی نظروں میں ناممکن نظر آتے تھے۔ آپ کے لیے وہ سب آسان ہوتے چلے گئے۔ (معارف مفتی اعظم)

گویا اصل کلام یوں تھا کہ آپ پر جو دشواری پڑی ہے اس سے آپ رنجیدہ نہ ہوں کیونکہ عسر کے ساتھ یسر بھی آئے گا۔

عبد الرزاقؒ نے اپنی تفسیر میں اور حاکمؒ نے مستدرک میں اور بیہقیؒ نے شعب الایمان میں مرسل حدیث نقل کی ہے۔ کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو بشارت ہو۔ یسر تمہارے لیے آ پہنچا ایک دشواری دو آسانیوں پر ہرگز غالب نہ آ سکے گی۔

اس حدیث کو ابن مردویہ نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے امام مالکؒ نے موطا میں اور حاکمؒ نے (مستدرک میں) اس حدیث کی شاہد ایک اور حدیث نقل کی ہے جو عمر رضی اللہ عنہ پر موقوف

ہے حاکمؒ نے لکھا ہے یہ اسناد اس حدیث کی تمام سندوں سے زیادہ صحیح ہیں۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر عسر کسی سوراخ کے اندر بھی ہوگی تو یسر اسکی تلاش میں سوراخ کے اندر بھی جا گھسے گی۔ایک عسر دو یسر پر کبھی غالب نہیں ہوگی۔

مسئلہ: تنقیح الاصول میں آیا ہے کہ اگر ہزار روپیہ (اپنے ذمہ ہونے) کا کسی نے اقرار کیا اور دو مرتبہ اقرار کیا مگر مندرجہ دستاویز کے قید لگا دی۔تو صرف ایک ہزار روپیہ اس کے ذمہ ثابت ہوں گے۔اور اگر بلا قید لگائے دوسری مرتبہ اقرار کیا تو دو ہزار واجب ہوں جائیں گے۔یہ امام اعظمؒ کا مسلک ہے مگر مجلس اگر ایک ہی ہو (تو قید لگانے یا نہ لگانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔بہرحال ایک ہی ہزار کا اقرار مانا جائیگا)

گذشتہ کلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی تھی اور خصوصیت کے ساتھ دنیا میں یسر اور غنا عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔چنانچہ اس وعدہ کو اللہ نے پورا بھی کیا۔رسول اللہ کو فراخ دست بنا دیا۔مختلف بستیاں آپ کے زیر اقتدار کر دیں یہاں تک کہ بعض حالات میں آپ نے دو دو سو اونٹ ایک ایک شخص کو عطا کیے اور بیش قیمت چیزیں عنایت فرمائیں۔

تمام مومنوں سے وعدہ:

اس میں تمام مومنوں سے وعدہ جزا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی وعدہ ہے مگر مومنوں سے وعدہ ہے کہ عسر دنیوی کے بعد یسر اخروی ملے گا۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ ہے کہ ایک عسر کے بعد ایک یسر دنیا میں اور ایک یسر آخرت میں حاصل ہوگا۔

مقام نزول:

میرے نزدیک العسر سے مراد ہے مقام نزول میں مخلوق کی طرف توجہ کرنا۔اور قلب کا مکمل ہر وقت خالق کی طرف نہ ہونا جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملال اور دکھ تھا۔اور یسر اول سے مراد ہے اسی مقام نزول میں خالق کی طرف ہونا۔کیونکہ نزولی حالت میں بظاہر صوفی کا رخ خدا کی طرف نہیں ہوتا مخلوق کی طرف ہوتا ہے مگر حقیقت میں وہ خدا کی طرف سے رخ گرداں نہیں ہوتا۔بلکہ اسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور دونوں رخوں کی وجہ سے اس کو شرح صدر حاصل ہوتا ہے۔مگر مخلوق کی طرف توجہ چونکہ اللہ کے حکم سے اور اس کی مرضی کے موافق ہوتی ہے اس لیے وہ بھی اللہ ہی کی طرف توجہ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ صوفی اس یسر کو سیر من اللہ باللہ کہتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

تکلیفیں اور اللہ کی شفقت اور رحمت:

حضرت ابوحاتم سجستانی رحمتہ اللہ علیہ کے اشعار ہیں کہ جب مایوسی دل پر قبضہ کر لیتی ہے اور سینہ باوجود کشادگی کے تنگ ہو جاتا ہے تکلیفیں گھیر لیتی ہیں اور مصیبتیں ڈیرہ جما لیتی ہیں کوئی چارہ سجھائی نہیں دیتا اور کوئی تدبیر نجات کارگر نہیں ہوتی۔اس وقت اچانک خدا کی مدد آ پہنچتی ہے۔وہ دعاؤں کا سننے والا باریک بین خدا اس سختی کو آسانی سے اور اس تکلیف کو راحت سے بدل دیتا ہے۔تنگیاں جب کہ بھرپور آ پڑتی ہیں پروردگار معاً کشادگیاں نازل فرما کر نقصان کو فائدہ سے بدل دیتا ہے۔کسی اور شاعر نے کہا ہے۔

وَ لَرُبَّ نَازِلٍ يَّضِيْقُ بِهِ الْفَتٰى
ذَرْعًا وَّ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْهَا الْمَخْرَجُ
كَمُلَتْ فَلَمَّا اسْتَحْكَمَتْ حَلْقَاتُهَا
فُرِجَتْ وَ كَانَ يَظُنُّهَا لَا تُفْرَجُ

یعنی بہت سی ایسی مصیبتیں انسان پر نازل ہوتی ہیں جن سے وہ تنگ دل ہو جاتا ہے حالانکہ خدا کے پاس ان سے چھٹکارا بھی ہے جب یہ مصیبتیں کامل ہو جاتی ہیں۔اور زنجیر کے حلقے مضبوط ہو جاتے ہیں۔اور انسان گمان کرنے لگتا ہے۔کہ بھلا اب یہ کیا ہٹے گی؟ کہ اچانک اس رحیم و کریم خدا کی شفقت بھری نظریں پڑتی ہیں اور اس مصیبت کو اس طرح دور کرتا ہے کہ گویا آئی ہی نہ تھی۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴿۷﴾

پھر جب تو فارغ ہو تو محنت کر

وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿۸﴾

اور اپنے رب کی طرف دل لگا ☆

توجہ الی اللہ کا کمال:

یعنی جب خلق کے سمجھانے سے فراغت پائے تو خلوت میں بیٹھ کر محنت کرتا مزید یسر کا سبب بنے۔اور اپنے رب کی طرف (بلا واسطہ) متوجہ ہو (تنبیہ) خلق کو سمجھانا اور نصیحت کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ ترین عبادت تھی۔لیکن اس میں فی الجملہ مخلوق کا توسط ہوتا تھا۔مطلوب یہ ہے کہ ادھر سے ہٹ کر بلاواسطہ بھی متوجہ ہونا چاہیے اس کی تفسیر اور کئی طرح کی گئی ہے مگر اقرب یہی معلوم ہوتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ علماء جو تعلیم و تبلیغ و اصلاح خلق کا کام کرنے والے ہیں ان کو اس سے غفلت نہ ہونا چاہیے کہ ان کا کچھ وقت خلوت میں توجہ الی اللہ اور ذکر اللہ کے لیے بھی مخصوص ہونا چاہیے۔جیسا کہ علماء سلف کی سیرتیں اس پر شاہد ہیں اس کے بغیر تعلیم و تبلیغ بھی موثر نہیں ہوتی ان میں نور و برکت نہیں ہوتی۔

عبادت و ذکر اللہ کی حد:

عبادت اور ذکر اللہ اس حد تک جاری رکھا جائے کہ کچھ مشقت و تھکان

محسوس ہونے لگے۔صرف نفس کی راحت اور خوشی ہی پر اس کا مدار نہ رہے۔ اور کسی وظیفہ اور معمول کی پابندی خود ایک مشقت اور تعب ہے، خواہ کام مختصر ہی ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

کوئی وقت فارغ نہ چھوڑو:

اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ نصب کا معنی ہے تھکان مطلب یہ ہے کہ جب تم دعوت خلق سے فارغ ہو تو عبادت کی محنت کرو۔تا کہ مذکورہ سابق نعمتیں جو ہم نے تم کو عطاء کیں ہیں۔اور آئندہ جن نعمتوں کا وعدہ کیا ہے۔ان سب کا شکر ادا ہو یا یہ مطلب ہے کہ جب ایک عبادت سے فارغ ہو تو دوسری عبادت کی محنت کرو کوئی وقت عبادت سے خالی نہ چھوڑو۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اہل جنت کو بس اس وقت پر افسوس ہوگا جو یاد خدا کے بغیر (دنیا میں) ان کا گذرا ہوگا۔

دعاء کا حکم:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ قتادہ، ضحاک رضی اللہ عنہ مقاتل اور کلبی رضی اللہ عنہم نے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ جب فرض نماز یا مطلق نماز سے فارغ ہو تو دعاء کرنے کے لیے محنت کرو۔اور رب سے مانگنے کی طرف راغب ہو جاؤ۔یعنی تشہد کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے یا سلام کے بعد۔شعبیؒ نے کہا جب تشہد سے فارغ ہو تو اپنی دنیا اور آخرت کے لیے دعا کرو۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب فرائض کی ادائیگی سے فارغ ہو جاؤ تو نماز شب میں محنت کرو۔حسن اور زید بن اسلم نے کہا جب دشمن سے جہاد کرنے سے فارغ ہو تو عبادت کے لیے محنت کرو۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا جب ہم جہاد اصغر سے لوٹ آئے تو جہاد اکبر کی طرف متوجہ ہو گئے۔اس حدیث کا بھی یہ مطلب ہے۔

مقام نزول سے مقام شہود کی طرف:

ہماری تفسیر کے مطابق اس آیت کا مطلب اس طرح ہوگا۔کہ جب دعوت خلق سے فارغ ہو اور مرتبہ نزول کامل کا یہی مقصد ہے تو مراتب عروج و مقام شہود کی طرف اٹھو۔ (تفسیر مظہری)

نماز سے پہلے کھانے پینے کے شدید تقاضوں سے فراغت:

حدیث ہے جس کی صحت پر ہی اتفاق ہے جس میں ہے کہ کھانا سامنے موجود ہونے کے وقت نماز نہیں اور اس حالت میں بھی کہ انسان کو پاخانہ پیشاب کی حاجت ہو۔اور حدیث میں ہے کہ جب نماز کھڑی کی جائے اور شام کا کھانا سامنے موجود ہو۔تو پہلے کھانے سے فراغت حاصل کرلو۔حضرت مجاہدؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب امر دنیا سے فارغ ہو کر نماز کے لیے کھڑا ہو تو محنت کے ساتھ عبادت کر۔اور مشغولیت کے ساتھ رب کی طرف توجہ کر۔ (ابن کثیر)

سورة التين

جو اس کو خواب میں پڑھے گا۔اللہ تعالیٰ اس کی حاجتوں کو جلد پورا فرمائے گا۔اور اس کے رزق میں آسانی فرما دے گا۔

سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِيْ اٰيَاتٍ
سورۃ التین مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی آٹھ آیتیں ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝۱
قسم انجیر کی اور زیتون کی ☆

انجیر و زیتون: انجیر اور زیتون دونوں چیزیں نہایت کثیر المنافع اور جامع الفوائد ہونے کی وجہ سے انسان کی حقیقت جامعہ کے ساتھ خصوصی مشابہت رکھتی ہیں اس لیے "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ" کے مضمون کو ان دونوں کی قسم سے شروع کیا اور بعض محققین کہتے ہیں کہ یہاں "التین" اور "الزیتون" سے دو پہاڑوں کی طرف اشارہ ہے جن کے قریب "بیت المقدس" واقع ہے۔گویا ان درختوں کی قسم مقصود نہیں بلکہ اس مقام مقدس کی قسم کھائی ہے جہاں یہ درخت بکثرت پائے جاتے ہیں اور وہی مولد و مبعث حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

انجیر و زیتون کے فائدے:

ثعلبیؒ نے اور ابو نعیم رضی اللہ عنہ نے طب میں ایک مجہول اسناد کے ساتھ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ انجیر بواسیر کو کھو دیتا ہے۔اور نقرس کو فائدہ دیتا ہے زیتون ایک بابرکت درخت ہے جس کا پھل روغنی ہوتا ہے۔اور روغن سالن کی جگہ بھی استعمال ہو سکتا ہے۔

انجیر و تین کے دوسرے معانی:

عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا تین اور زیتون دو پہاڑ ہیں۔قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تین وہ پہاڑ ہے جس پر دمشق آباد ہے اور زیتون مسجد بیت المقدس ہے۔ابو محمد بن کعب نے کہا کہ اصحاب کہف کی مسجد تین ہے۔اور ایلیا زیتون ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝۲
اور طور سینین کی

وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۙ

اور اس شہر امن والے کی ☆

طور سیناء اور مکہ مکرمہ:

''طور سینین'' یا ''طور سینا'' وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے شرف ہم کلامی بخشا۔ اور ''امن والا شہر'' مکہ معظمہ ہے جہاں سارے عالم کے سردار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اللہ کی سب سے بڑی اور آخری امانت (قرآن کریم) اول اسی شہر میں اتاری گئی۔ تورات کے آخر میں ہے ''اللہ طور سینا سے آیا اور ساعیر سے چمکا (جو بیت المقدس کا پہاڑ ہے) اور فاران سے بلند ہو کر پھیلا''۔ (فاران مکہ کے پہاڑ ہیں)۔ (تفسیر عثمانی)

عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا وہ خطہ جہاں طور واقعہ ہے اسکو سینین اور سینا کہا جاتا ہے۔

بلد امین سے مراد مکہ ہے۔ جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں مکہ مقام امن تھا۔ اللہ نے ان چیزوں کی قسم اس لیے کھائی کہ (یہ تمام مقام برکت والے ہیں)۔ انجیر اور زیتون کی پیدائش گاہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت گاہ انبیاء کی قرار گاہ اور نزول وحی کا مقام ہے۔ طور وہی جگہ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکارا گیا تھا۔ اور مکہ میں تو اللہ کا باحرمت گھرا ور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اور منزل وحی ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۟ۡ

ہم نے بنایا آدمی خوب سے اندازے پر ☆

انسان کا حسن:

یعنی یہ سب مقامات متبرکہ جہاں سے ایسے ایسے اولوالعزم پیغمبر اٹھے گواہ ہیں کہ ہم نے انسان کو کیسے اچھے سانچے میں ڈھالا اور کیسی کچھ قوتیں اور ظاہری وباطنی خوبیاں اس کے وجود میں جمع کی ہیں اگر یہ اپنی صحیح فطرت پر ترقی کرے تو فرشتوں سے گوئے سبقت لے جائے بلکہ مسجود ملائکہ بنے۔ (تفسیر عثمانی)

حسن انسانی کا ایک عجیب واقعہ:

قرطبی نے اس جگہ نقل کیا ہے کہ عیسیٰ بن موسیٰ ہاشمی جو خلیفہ ابو جعفر منصور کے دربار کے مخصوص لوگوں میں سے تھے۔ اور اپنی بیوی سے بہت محبت رکھتے تھے۔ ایک روز چاندنی رات میں بیوی کے ساتھ بیٹھے ہوئے بول اٹھے۔ انت طالق ثلاثا ان لم تکونی احسن من القمر یعنی تم پر تین طلاق ہیں اگر تم چاند سے زیادہ حسین نہ ہو، یہ کہتے ہی بیوی اٹھ کر پردہ میں چلی گئی کہ آپ نے مجھے طلاق دے دی۔ بات ہنسی دل لگی کی تھی۔ مگر طلاق کا یہی حکم ہے کہ کسی طرح بھی طلاق کا صریح لفظ بیوی کو کہہ دیا جائے تو طلاق ہو جاتی ہے خواہ ہنسی دل لگی میں ہی کہا جائے عیسیٰ بن موسیٰ نے رات بڑی بے چینی اور رنج و غم سے گذاری اور صبح کو خلیفہ وقت ابو جعفر منصور کے پاس حاضر ہوئے اور اپنا قصہ سنایا اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا منصور نے شہر کے فقہاء اہل فتویٰ کو جمع کر کے سوال کیا سب نے ایک ہی جواب دیا کہ طلاق ہو گئی کیونکہ چاند سے زیادہ حسین ہونے کا کسی انسان کا امکان نہیں۔ مگر ایک عالم جو امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں سے تھے۔ خاموش بیٹھے رہے۔ منصور نے پوچھا کہ آپ کیوں خاموش ہیں تب یہ بولے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر سورہ تین کی تلاوت کی اور فرمایا کہ امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کا احسن تقویم میں ہونا بیان فرما دیا ہے کوئی شے اس سے زیادہ حسین نہیں یہ سن کر سب علماء و فقہاء حیرت میں رہ گئے۔ کوئی مخالفت نہیں کی اور منصور نے حکم دے دیا کہ طلاق نہیں ہوئی۔ (معارف مفتی اعظم)

انسان کی جامع صفات:

قیام اور اقوام اس چیز کو کہتے ہیں جس کا کسی چیز کا ثبات اور تقوم ہو۔ صحاح، میں کہتا ہوں کہ قوام وہ چیز ہے جس سے کسی چیز کی تحقق (یعنی حقیقت کی ساخت) ہو انسان کے اندر بیرونی جہان کی ساری چیزیں موجود ہیں اس میں عالم روح کے نازک حقائق ہیں اور خلق کے عناصر بھی۔ اور نفس ناطقہ بھی جو عالم عناصر کی پیداوار ہے اسی جامعیت کی وجہ سے کل سنسار کی خصوصیت اس میں موجود ہیں اس کے اندر ملکی صفات بھی ہیں اور درندوں کے اوصاف بھی اور چوپاؤں کی کیفیات بھی اور شیطانی خباثت بھی۔ یہ ان صفات کا ملہ سے متصف ہے جو الٰہی حیات علم قدرت ارادہ شنوائی، بینائی، کلام اور محبت غرض تمام صفات الوہیت کا پرتو ہیں۔ یہ نور عقل سے آراستہ ہے یہ انوار ظلی اور صفاتی اور ذاتی کا قابل ہے اسی لیے اس کو خلعت خلافت پہنایا گیا۔ اور اسی کے لیے اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً فرمایا گیا۔

یعنی انسان کو بہترین صورت اور متوازن درست ساخت میں بنایا کیونکہ علاوہ انسان کے ہر چوپایہ کی فطری ساخت واژگونی کے ساتھ ہے۔ صرف انسان دراز قامت اور صاف جلد والا ہے۔ اور اپنے ہاتھ سے کھانا کھاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝ۙ

پھر پھینک دیا اُس کو نیچوں سے نیچے ☆

انسانیت کا منفی پہلو:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ''اس کو لائق بنایا فرشتوں کے مقام کا پھر جب منکر ہوا تو جانوروں سے بدتر ہے''۔ (تفسیر عثمانی)

آیت لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۔ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ کی تائید اس فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتی ہے جو صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

کی روایت سے آیا ہے کہ ہر بچہ کی پیدائش فطرت اسلام پر ہوتی ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی بنا دیتے ہیں یا عیسائی بنا دیتے ہیں یا مجوسی بنا دیتے ہیں فرق آیت و حدیث صرف اتنا ہے کہ آیت میں انسان کو اسفل بنا دینے کی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی ہے لیکن یہ نسبت تخلیقی ہے۔ کیونکہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ ہی ہے اور حدیث میں یہودہ عیسائی یا مجوسی بنا دینے کی نسبت ماں باپ کی طرف کی ہے۔ مگر یہ نسبت کسبی ہے کیونکہ انسان اپنے اعمال کا کاسب (فاعل) ہے۔

سافلین سے مراد شاید وہ درندے اور چرندے اور شیاطین ہیں جن کی سرشتی استعداد ہی اللہ نے پست بنائی ہے۔ کہ نہ ان کے لیے کسی انسانی کمال کو حاصل کرنا ممکن ہے نہ مراتب قرب اور انوار رحمانیہ تک چڑھنا۔ سافل کی جمع سالم سافلین ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ (اگر چہ درندے چرندے پرندے وغیرہ ذی عقل نہیں مگر شیاطین جنات تو حامل عقل ہیں) غیر ذی عقل پر اصحاب عقل کو تغلیب دیدی گئی۔ پس انسان جب اپنی صلاحیتوں کو تباہ کر دیتا ہے منعم کا شکر نہیں کرتا کامیابی اور رضائے خداوندی کے اسباب فراہم نہیں کرتا اور کفر و ناشکری وغیرہ کو اختیار کرتا ہے۔ جو غضب الٰہی کی موجب اور داعی ہے۔ تو اللہ اس کو ہر خبیث سے زیادہ خبیث ہر ذلیل سے زیادہ ذلیل اور کتوں اور سوروں بلکہ شیطانوں سے زیادہ بدحال اور بدمآل کر دیتا ہے۔

مومن کی مسرت اور کافر کی حسرت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے۔ کافر کے لیے جنت کی طرف ایک دریچہ کھول دیا جاتا ہے وہ اہل جنت کو اور موجودات جنت کو دیکھتا ہے۔ اور اس سے کہا جاتا ہے کہ ان چیزوں کو دیکھو جن کو اللہ نے تیری طرف سے موڑ دیا ہے۔ پھر دوزخ کی طرف ایک دریچہ کھول دیا جاتا ہے۔ (الحدیث)

اس حدیث کو ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے۔ ایسا کرنے کیوجہ یہ ہوتی ہے کہ مومن کو پوری مسرت ہو اور کافر کو کامل حسرت ہو۔ بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں کوئی اس وقت تک نہ جائے گا۔ جب تک کہ اس کی دوزخ والی جگہ نہ دکھا دی جائے۔ یہ دوزخ والی جگہ اس کے لیے اس وقت ہوتی جب وہ بدی کا مرتکب ہوتا ہے ایسا اس لیے کیا جائے گا کہ وہ زیادہ شکر ادا کرے۔ اور دوزخ میں کوئی اس وقت تک نہ جائے گا جب تک کہ اس کو جنت والی جگہ نہ دکھا دی جائے۔ یہ جگہ اس کے لیے اس وقت ہوتی جب وہ نیکوکار رہوتا۔ ایسا اس کی حسرت بڑھانے کے لیے کیا جائے گا۔

لیکن شیاطین (اور جانوروں) کی حالت ایسی نہیں ہوتی کیونکہ ان کے اندر جنت میں داخل ہونے کی (فطری) صلاحیت ہی نہیں ہے حسن مجاہد، قتادہ رضی اللہ عنہ اسفل سافلین سے مراد دوزخ کو قرار دیا ہے کیونکہ دوزخ کے (مختلف طبقات ہوں گے) بعض درجات بعض سے اسفل ہوں گے ابو العالیہؒ نے کہا یعنی ہم اس کو دوزخ کی طرف خنزیر وغیرہ کی بدترین صورت میں لے جائیں گے۔ (تفسیر مظہری)

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

مگر جو یقین لائے اور عمل کیے اچھے

فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿٦﴾

سو اُن کیلئے ثواب ہے بے انتہاء

جو کبھی کم یا ختم نہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان کسی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال لکھنے والے فرشتوں کو حکم دے دیتے ہیں کہ جو جو عمل خیر یہ اپنی تندرستی میں کیا کرتا تھا۔ وہ سب اس کے اعمال نامہ میں لکھتے رہو۔ (رواہ البغوی فی شرح السنۃ و البخاری عن ابی موسیٰ مثلہ فی المریض والمسافر) (معارف مفتی اعظم)

مومن کی بیماری اور بڑھاپا:

خیال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب عام انسان کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے تو انتہائی بوڑھا اور کھوسٹ ہونے کے بعد مومن بھی ایسا بدحال ہو جاتا ہوگا اور ایسی زندگی مومن کے لیے وبال ہوگی۔ اس خیال کو دور کرنے کے لیے فرمایا کہ ہاں جن اہل ایمان نے اس ناکارہ عمر کو پہنچنے سے قوت اور جوانی کی حالت میں نیک اعمال کیے ہوں گے۔ ان کا اجر (پیرانہ سالی اور ضعف جسمانی و عقلی کی وجہ سے) منقطع نہیں ہو جاتا جیسے اعمال صالحہ قوت و جوانی کی حالت میں تھے ویسے ہی اس ناکارہ عمر میں پہنچنے کے بعد ان کے لیے لکھے جاتے ہیں ضحاکؒ نے کہا (یعنی) اجر بغیر عمل کے۔

عوفی کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول آیا ہے۔ جسکو ابن جریرؒ نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کچھ لوگ ناکارہ عمر کو پہنچ گئے تھے جب ان کے ہوش و حواس درست نہ رہے تو ان کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔ تو اللہ کی طرف سے ان کی معذوری میں یہ فیصلہ نازل ہوا کہ اوسان خطا ہونے سے پہلے جو (اچھے) اعمال انہوں نے کیے تھے۔ ان کے لیے (اس بدحواسی کے زمانہ کے اعمال کا) اجر (بھی ویسا ہی) ہے۔

عاصم رضی اللہ عنہ احول نے بروایت عکرمہ رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول بیان کیا ہے اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (یعنی) وہ لوگ جو قرآن پڑھتے تھے ان کو ناکارہ بدترین عمر تک نہیں پہنچایا جاتا جلال الدین محلی نے لکھا ہے کہ مومن اگر اتنی عمر کو پہنچ جائے کہ عمل سے عاجز ہو۔ تب بھی اس

کے لیے عمل کا اجر لکھا جاتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مسلمان کسی جسمانی مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ اس کے لیے (اب بھی) وہی نیک عمل لکھ جو وہ صحت کی حالت میں کرتا تھا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی حدیث مروی ہے۔ دونوں روایتیں بغویؒ نے نقل کی ہیں اور بخاریؒ نے مریض و مسافر کے بارے میں ایسی ہی حدیث حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝

پھر تو اس کے پیچھے کیوں جھٹلائے بدلہ ملنے کو ☆

منکرین کے پاس انکار کا کوئی جواز نہیں ہے:

یعنی او آدمی! ان دلائل کے بعد کیا سبب ہے جس کی بناء پر سلسلہ جزاء وسزا کا انکار کیا جا سکتا ہے؟ یا یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوگا یعنی ایسے صاف بیانات کے بعد کیا چیز ہے جو منکرین کو جزاء کے معاملہ میں تمہاری تکذیب پر آمادہ کرتی ہے؟ خیال کرو انسان کو اللہ نے پیدا کیا اور بہترین شکل وصورت میں پیدا کیا اس کا قوام ایسی ترکیب سے بنایا کہ اگر چاہے تو نیکی اور بھلائی میں ترقی کر کے فرشتوں سے آگے نکل جائے کوئی مخلوق اس کی ہمسری نہ کر سکے۔ (۱) چنانچہ اس کے کامل نمونے دنیا نے شام، بیت المقدس، کوہ طور اور مکہ معظمہ میں اپنے اپنے وقت پر دیکھ لیے جن کے نقش قدم پر اگر آدمی چلیں تو انسانی کمالات اور دارین کی کامیابی کے اعلیٰ ترین مقامات پر پہنچ جائیں۔ لیکن انسان خود اپنی بدتمیزی اور بدعملی سے ذلت و ہلاکت کے گڑھے میں گرتا اور اپنی پیدائشی بزرگی کو گنوا دیتا ہے۔ کسی ایماندار اور نیکوکار انسان کو اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ نیچے نہیں گراتا بلکہ اس کے تھوڑے عمل کا بے اندازہ صلہ مرحمت فرماتا ہے۔ کیا ان حالات کے سننے کے بعد بھی کسی کا منہ ہے جو دین فطرت کے اصول اور جزاء وسزا کے ایسے معقول قاعدوں کو جھٹلا سکے؟ ہاں ایک ہی صورت تکذیب وانکار کی ہو سکتی ہے کہ دنیا کو یونہی ایک بے سرا کارخانہ فرض کر لیا جائے۔ جس پر نہ کسی کی حکومت ہو نہ یہاں کوئی آئین وقانون جاری ہو، نہ کسی بھلے برے پر کوئی گرفت کر سکے اس کا جواب آگے دیتے ہیں "اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ"۔ (تفسیر عثمانی)

فرمایا اے انسان کیا باعث ہے کہ تو تکذیب جزاء کر رہا ہے یا یہ مراد ہے کہ کس چیز نے تجھ کو کاذب بنایا ہے کہ تو برخلاف حق حشر نشر اور جزا وسزا کا منکر ہے باوجود یہ کہ تیرے اندر خود ایسی کھلی دلیلیں موجود ہیں کہ جس نے تجھے پیدا کیا اور طاقتور بنایا اور پھر کمزور کیا اور مردہ بنایا۔ وہ تجھ کو دوبارہ زندہ کرنے اور کئے کرائے کی سزا و جزا دینے پر قادر ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝

کیا نہیں ہے اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم ☆

شہنشاہِ حقیقی:

یعنی اس کی شہنشاہی کے سامنے دنیا کی سب حکومتیں ہیچ ہیں۔ جب یہاں کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں اپنے وفاداروں کو انعام اور مجرموں کو سزا دیتی ہیں تو اس احکم الحاکمین کی سرکار سے یہ توقع کیوں نہ رکھی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک درکارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری

آب و باد و خاک و آتش بندہ اند
با من و تو مردہ با حق زندہ اند

(معارف کاندھلوی)

مسئلہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سورۂ تین پڑھے اور اس آیت پر پہنچے اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ تو اس کو چاہیے کہ یہ کلمہ کہے وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ اس لیے حضرات فقہاء نے فرمایا کہ یہ کلمہ پڑھنا مستحب ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

مطلب یہ ہے کہ وہ خدا کہ جس نے تخلیق کی اور پھر انسان کو اسفل ترین بنا دیا۔ کیا وہ بناوٹ اور تدبیر کا سب سے بڑا حاکم نہیں اور جب ایسا ہے تو کیا وہ دوبارہ زندہ کرنے اور سزا و جزا دینے کی قدرت نہیں رکھتا (ضرور رکھتا ہے)۔

حضرت براءؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز کے اندر ایک رکعت میں وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ پڑھی۔ (رواہ البخاری تفسیر مظہری)

الحمد للہ سورۃ التین ختم ہوئی

سورۃ العلق

جس نے اس کو خواب میں پڑھا اس کی عمر طویل ہوگی۔ اور اس کا مرتبہ بلند ہوگا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۂ علق مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی انیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ

پڑھ اپنے رب کے نام سے ☆

سب سے پہلی وحی:

یہ پانچ آیتیں (اقرأ سے مالم یعلم تک) قرآن کی سب آیتوں اور سورتوں سے پہلے اتریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم "غار حراء" میں خدائے واحد کی عبادت کر رہے تھے کہ اچانک جبریلؑ وحی لیکر آئے اور آپ کو کہا "اِقْرَاْ" (پڑھیے) آپ نے فرمایا "ما انا بقارئ" (میں پڑھا ہوا نہیں) جبریلؑ نے کئی بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زور زور سے دبایا اور بار بار وہی لفظ "اِقْرَاْ" کہا آپ وہی "ما انا بقارئ" جواب دیتے رہے تیسری مرتبہ جبریلؑ نے زور سے دبا کر کہا "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ" الخ یعنی اپنے رب کے نام کی برکت اور مدد سے پڑھیئے۔ مطلب یہ ہے کہ جس رب نے ولادت سے اس وقت تک آپ کی عجیب اور نرالی شان سے تربیت فرمائی جو پتہ دیتی ہے کہ آپ سے کوئی بہت بڑا کام لیا جانیوالا ہے کیا وہ آپ کو ادھر میں چھوڑیگا؟ ہرگز نہیں اسی کے نام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہوگی جس کی مہربانی سے تربیت ہوتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آغازِ وحی کا واقعہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز سچے خوابوں سے ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو خواب دیکھتے وہ صبح کی پو پھٹنے کی طرح سامنے آجاتا تھا۔ کچھ مدت کے بعد آپ تخلیہ پسند بنا دیے گئے۔ اور غار حرا میں خلوت گزیں ہونے لگے۔ وہاں آپ معتدد راتیں بغیر گھر آئے عبادت میں گذارتے تھے (مگر) کھانے کا سامان ساتھ لے جاتے تھے جب کھانا ختم ہو جاتا تو پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آ کر حسب سابق کھانے کا سامان لے جاتے یہاں تک کہ حق آ گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم حراء میں ہی تھے کہ فرشتے نے آکر کہا اقراء (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) کہ میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرشتے نے (یہ جواب سن کر) مجھے پکڑ کر اتنی زور سے دبایا کہ میں بے طاقت ہو گیا پھر چھوڑ کر کہا اقراء میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس نے پھر پکڑ کے مجھے اتنی زور سے دبایا کہ میں بے طاقت ہو گیا۔ پھر چھوڑ کر کہا اقراء میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں اس نے تیسری بار مجھے دبایا اور کہا

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان آیات کے ساتھ لوٹ کر (گھر) آئے اس وقت آپ کا دل دھڑک رہا تھا۔ سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ کر فرمایا کہ مجھے کپڑا اڑھاؤ۔ مجھے کپڑا اڑھاؤ مجھے کپڑا اوڑھاؤ (گھر والوں نے کپڑا اوڑھا دیا) یہاں تک کہ جب خوف (دل سے) جاتا رہا تو خدیجہ کو واقعہ بتایا اور فرمایا مجھے اپنی جان کا خدشہ ہے خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا۔ خدا کی قسم اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی رنج نہیں پہنچائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عاجزوں کا بار اٹھاتے ہیں آپ ناداروں کو مال دیتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مہمان کی میزبانی کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم واقعی مصائب میں امداد کرتے ہیں اس کے بعد خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل بن سید بن عبدالغزی کے پاس لے گئیں۔ ورقہ جاہلیت کے زمانے میں عیسائی ہو گئے تھے۔ عبرانی کتاب لکھتے تھے۔ اور انجیل کو عربی میں حسب مشیت خدا تحریر کرتے تھے۔ بہت بوڑھے اور نابینا ہو گئے تھے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا میرے چچا کے بیٹے اپنے بھتیجے سے تو سنو (یہ کیا کہتے ہیں) ورقہ نے کہا کہ بھتیجے تم کو کیا دکھتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا وہ بتا دیا ورقہ نے کہا کہ یہ وہی ناموس ہے جس کو اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتارا تھا کاش میں اس زمانے میں جوان ہوتا کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جبکہ تم کو تمہاری قوم نکال دے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا وہ مجھے نکال دیں گے ورقہ نے کہا کہ ہاں جو چیز تم لے کر آئے ہو جو شخص بھی ایسی چیز لے کر آیا اس کو ضرور ایذاء دی گئی اگر مجھے تمہارا وہ زمانہ ملا تو میں تمہاری بڑی مضبوط مدد کروں گا۔ پھر کچھ مدت کے بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا اور وحی رک گئی۔

عزلت نشینی کی مدت:

غار حرا میں گوشہ گیر ہونے کی مقدار مدت میں مختلف اقوال ہیں صحیحین میں

آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حرا میں میں ایک ماہ تک معتکف رہا اور وہ رمضان کا مہینہ تھا۔ ابن اسحاق نے سیرت میں اسی کو نقل کیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گھبراہٹ کا سبب:

قسطلانی نے کہا کہ نزول وحی کے بعد لرزہ پیدا ہونے کا جو ذکر حدیث میں آیا ہے وہ جبرئیل علیہ السلام کے خوف سے نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو اس سے بہت اعلیٰ تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ثابت القلب تھے بلکہ اس خوف کی وجہ سے لرزہ پیدا ہو گیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے علاوہ دوسرے کے شغل میں مصروف ہونا پڑتا بعض لوگوں نے کہا کہ بار نبوت کے اٹھانے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر لرزہ طاری ہو گیا تھا۔

ابو نعیم کی نقل کردہ روایت میں آیا ہے کہ جبرئیل اور میکائیل علیہ السلام دونوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ چاک کیا اور دھویا تھا اور کہا تھا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الخ۔

اسرافیل کی معیت:

امام احمدؒ کی روایت شعبیؒ سے آئی ہے کہ چالیس سال کی عمر میں نبوت کا نزول ہوا نبوت کے تین سال تک اسرافیل علیہ السلام ساتھ رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بات اور کسی چیز کی تعلیم دیتے رہے مگر اسرافیل علیہ السلام کی زبانی قرآن مجید نازل نہیں ہوا جب تین سال گزر گئے تو جبرئیل علیہ السلام کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے ہوا اور بیس سال تک جبرئیل علیہ السلام کی زبانی قرآن مجید اترتا رہا۔ (تفسیر مظہری)

جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں دبایا:

حضرت جبرئیل علیہ السلام کا دبانا بظن غالب واللہ اعلم بحقیقۃ الحال اس لئے ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر بار وحی کے تحمل کی استعداد پیدا کر دیں اور لفظ رب سے اشارہ اس طرف ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل تربیت کریں گے اور نبوت کے درجات اعلیٰ پر پہنچا دیں گے صحیحین اور دوسری معتبر روایات سے ثابت اور جمہور سلف وخلف کا اس پر اتفاق ہے کہ وحی کی ابتداء سورۃ علق یعنی اقراء سے ہوئی ہے اور اس سورت کی ابتدائی پانچ آیتیں مَا لَمْ يَعْلَمْ تک سب سے پہلے نازل ہوئیں۔ بعض حضرات نے سورۃ مدثر کو سب سے پہلی سورت قرار دیا ہے اور بعض نے سورۃ فاتحہ کو۔ امام بغوی نے فرمایا کہ جمہور سلف وخلف کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ سب سے پہلے سورۃ اقراء کی پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔ (کذا روی عن ابن عباس والزہری وعمرو بن دینار، درمنثور)

سچے خواب: صحیحین کی ایک طویل حدیث میں نبوت اور وحی کی ابتداء کا واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ وحی رؤیائے صالحہ یعنی سچے خوابوں سے شروع ہوا جس کی کیفیت یہ تھی کہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں دیکھتے بالکل اس کے مطابق واقعہ پیش آتا اور اس میں کسی تعبیر کی بھی ضرورت نہ تھی، صبح کی روشنی کی طرح واضح طور پر خواب میں دیکھا ہوا واقعہ سامنے آ جاتا تھا۔

غارِ حرا میں گوشہ تنہائی:

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق سے یکسوئی اور خلوت میں عبادت کرنے کا داعیہ قوی پیش آیا جس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غار حرا کو منتخب فرمایا (یہ غار مکہ کے قبرستان جنۃ المعلیٰ سے کچھ آگے ایک پہاڑ پر ہے جس کو جبل النور کہا جاتا ہے اس کی چوٹی دور سے نظر آتی ہے) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس غار میں جا کر راتوں کو رہتے اور عبادت کرتے تھے جب تک اہل وعیال کی خبر گیری کی ضرورت پیش نہ آتی اس وقت تک وہیں مقیم رہتے اور اس وقت کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضروری توشہ لے جاتے تھے اور پھر توشہ ختم ہو جانے کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ام المومنین کے پاس تشریف لاتے اور مزید کچھ دنوں کے لئے توشہ لے جاتے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی غار حرا میں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حق یعنی وحی پہنچی۔ (معارف مفتی اعظم)

الَّذِي خَلَقَ ۝١
جو سب کا بنانے والا ☆

صفت تخلیق: یعنی جس نے سب چیزوں کو پیدا کیا، کیا وہ تم میں صفت قرأت پیدا نہیں کر سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

الَّذِي خَلَقَ سے مراد ہے وہ خدا جس کی صفت مخصوص تخلیق وتکوین ہے کسی دوسرے میں اس صفت کا پایا جانا ممکن نہیں۔ (تفسیر مظہری)

خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝٢
بنایا آدمی کو جمے ہوئے لہو سے ☆

جمے ہوئے خون سے انسان تک:

جمے ہوئے خون میں، نہ حس ہے، نہ شعور، نہ علم، نہ ادراک، محض جماد لایعقل ہے پھر جو خدا جماد لایعقل کو انسان عاقل بناتا ہے وہ ایک عاقل کو کامل اور ایک امی کو قاری و عالم نہیں بنا سکتا؟ یہاں تک قرأت کا امکان ثابت کرنا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو کچھ مشکل نہیں کہ تم کو باوجود امی ہونے کے قاری بنا دے، آگے اس کی فعلیت اور وقوع پر متنبہ فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

انسانی امتیازات:

(۱) انسان ساری کائنات کا مجموعہ ہے جو کچھ اس بڑے سنسار میں موجود ہے وہ سب انسان میں موجود ہے اسی لئے انسان کو عالم صغیر کہا جاتا ہے۔ پس

انسان کو پیدا کرنے کے یہ معانی ہوئے کہ سارے جہان کی ہر چیز کو پیدا کر دیا۔

(۲) انسان اشرف المخلوقات ہے انوار ذات وصفات کی قابلیت رکھتا ہے معرفت کا مستحق ہے اور معرفت خداوندی ہی تخلیق کائنات کی غرض ہے اللہ نے فرمایا ہے۔ وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ یعنی جنات اور انسان کو میں نے صرف اپنی معرفت کے لئے پیدا کیا۔ حدیث قدسی میں ہے **لو لاک لما خَلَقْتُ الافلاک ولمّا اظهرت الربوبية** اگر تم (کو پیدا کرنا) نہ ہوتا تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا اور اپنی ربوبیت کا اظہار نہ کرتا۔ اس حدیث میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنایا گیا ہے کیونکہ معرفت الٰہیہ کے لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسان کے فرد اکمل تھے۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ **كنت كنزا مخفيا فاحببت ان اعراف فَخلقتُ الْخَلْقَ** میں چھپا خزانہ تھا میں نے اپنی شناخت کرانی پسند کی اس لئے مخلوق کو پیدا کر دیا۔ پس آیت میں انسان کے خصوصی ذکر کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے شرف کو ظاہر کرنا اور یہ بتانا مقصود ہے کہ انسان ہی تخلیق کائنات کا مقصد ہے۔

(۳) انسان ہی تکالیف شرعیہ کا مکلّف اور ضوابط الٰہیہ کا مامور اول ہے وہی دوسروں کے حال اور اپنے حال میں فرق سمجھتا ہے پس اپنے احوال کے تغیر کو دیکھ کے صانع ہستی پر استدلال اس کے لئے معرفت الٰہیہ کے حصول کا قریب ترین ذریعہ ہے (اس لئے اسی کی تخلیق کا بیان کیا)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت:

یہ بھی ممکن ہے کہ الانسان سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت مبارکہ ہو اور خصوصیت ذکر کی وجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف ہو یا اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کلام کے مخاطب ہیں۔

تمام دوروں میں وسطی دور کو اختیار کرنے سے تمام احوال کی تخلیق کی طرف اشارہ ہے کیونکہ (سب سے پہلے) انسان مٹی سے بنایا گیا پھر انسانی جسم کے اندر پہنچنے والی غذائیں کثیر تغیرات کے بعد منی کی شکل اختیار کرتی ہیں پھر نطفہ بستہ خون ہو جاتا ہے پھر جامد خون بوٹی بن جاتا ہے پھر ہڈیاں بنتی ہیں پھر ہڈیوں پر گوشت کا لباس پہنایا جاتا ہے پھر روح پھونکی جاتی ہے اور انسان ہو جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ﴿۳﴾
پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے ☆

آپ صلی اللہ علیہ وسلم قلم کے بغیر پڑھیں گے:

یعنی آپ کی تربیت جس شان سے کی گئی اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل استعداد اور لیاقت نمایاں ہے جب ادھر سے استعداد میں قصور نہیں اور ادھر سے مبدا فیاض میں بخل نہیں بلکہ وہ تمام کریموں سے بڑھ کر کریم ہے پھر وصول فیض میں کیا چیز مانع ہو سکتی ہے ضرور ہے کہ یونہی ہو کر رہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی حقیقت میں اللہ ہی کریم ہے اس کی ذات اور صفات میں کوئی شریک نہیں دوسرا چونکہ اللہ کی صفتیں کرم و رحمت کا آئینہ ہیں اس لئے مجازاً ان کو کریم و رحیم کہہ دیا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿۴﴾
جس نے علم سکھایا قلم سے ☆

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی لکھا پڑھا نہ تھا فرمایا کہ قلم سے بھی علم وہی دیتا ہے یوں بھی وہی دیگا" اور ممکن ہے ادھر بھی اشارہ ہو کہ جس طرح مفیض و مستفیض کے درمیان قلم واسطہ ہوتا ہے اللہ اور محمد کے درمیان جبریل محض ایک واسطہ ہیں جس طرح قلم کا توسط اس کو مستلزم نہیں کہ مستفیض سے افضل ہو جائے۔ ایسے ہی یہاں حقیقت جبرئیلیہ کا حقیقت محمدیہ سے افضل ہونا لازم نہیں آتا۔ (تفسیر عثمانی)

تعلیم کا سب سے بڑا اہم ذریعہ قلم اور کتابت ہے:

ایک صحیح حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **لما خلق الله الخلق كتب في كتابه فهو عنده فوق العرش ،ان رحمتي غلبت غضبي** یعنی اللہ تعالیٰ نے ازل میں جب مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی کتاب میں جو عرش میں اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یہ کلمہ لکھا "میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی"

اور حدیث میں یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **اول ما خلق الله القلم فقا ل له اكتب ما يكون الىٰ القيمة فهو عنده في الذكر فوق عر شه** یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس کو حکم دیا کہ لکھے، اس نے تمام چیزیں جو قیامت تک ہونے والی تھیں لکھ دیں، یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے پاس عرش پر ہے۔ (قرطبی)

قلم کی تین قسمیں:

علماء نے فرمایا ہے کہ عالم میں قلم تین ہیں۔ ایک سب سے پہلا قلم جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور تقدیر کائنات لکھنے کا اس کو حکم دیا کہ لکھے۔ دوسرے فرشتوں کے قلم کہ جس سے وہ تمام ہونے والے واقعات اور ان کی مقادیر کو نیز انسانوں کے اعمال کو لکھتے ہیں۔ تیسرے عام انسانوں کے قلم جن سے وہ اپنے کلام لکھتے اور اپنے مقاصد میں کام لیتے ہیں اور کتابت درحقیقت بیان کی ایک قسم ہے اور بیان انسان کی مخصوص صفت ہے۔ (قرطبی)

دست قدرت سے بنائی ہوئی چار چیزیں:

امام تفسیر مجاہد نے ابوعمرو رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری

کائنات میں چار چیزیں اپنے دست قدرت سے خود بنائیں، اور ان کے سوا باقی مخلوقات کے لئے حکم دیا کُنْ یعنی ہو جا وہ موجود ہوگئیں۔ یہ چار چیزیں یہ ہیں قلم، عرش، جنت عدن، آدم علیہ السلام۔

علم کتابت سب سے پہلے دنیا میں کس کو دیا گیا:

بعض حضرات نے فرمایا کہ سب سے پہلے یہ فن کتابت ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو سکھایا گیا اور سب سے پہلے انہوں نے لکھنا شروع کیا (کعب احبار) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ سب سے پہلے یہ فن حضرت ادریس علیہ السلام کو ملا ہے اور سب سے پہلے کاتب دنیا میں وہی ہیں۔ (ضحاک)

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر شخص جو کتابت کرتا ہے وہ تعلیم منجانب اللہ ہی ہے۔

خط وکتابت اللہ کی بڑی نعمت ہے:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قلم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اگر یہ نہ ہوتا تو نہ کوئی دین قائم رہتا اور نہ دنیا کے کاروبار درست ہوتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا اکرم ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو ان چیزوں کا علم دیا جن کو وہ نہیں جانتے تھے اور ان کو جہل کی اندھیری سے نور علم کی طرف نکالا اور علم کتابت کی ترغیب دی کیونکہ اس میں بے شمار اور بڑے منافع ہیں جن کا اللہ کے سوا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا۔ تمام علوم و حِکم کی تدوین اولین وآخرین کی تاریخ ان کے حالات و مقالات اور اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتابیں سب قلم ہی کے ذریعہ لکھی گئیں اور رہتی دنیا تک باقی رہیں گی، اگر قلم نہ ہو تو دین و دنیا کے سارے کام مُختَل ہو جائیں۔

علماءِ سلف وخلف نے ہمیشہ خط وکتابت کا بہت اہتمام کیا ہے:

علماء سلف وخلف نے ہمیشہ خط وکتابت کا بڑا اہتمام کیا ہے جس پر ان کی تصانیف کے عظیم الشان ذخائر آج تک شاہد ہیں افسوس یہ ہے کہ ہمارے اس دور میں علماء اور طلباء نے اس اہم ضرورت کو ایسا نظر انداز کیا ہے کہ سینکڑوں میں دو چار آدمی مشکل ہی سے تحریر خط وکتابت کے جاننے والے ہیں فالی اللہ المشتکے۔

ذریعہ علم صرف قلم ہی نہیں بلکہ بے شمار ذرائع ہیں:

اس آیت میں اس کا ذکر ہے کہ اصل تعلیم دینے والا اللہ تعالیٰ سبحانہٗ ہے اور اس کے ذرائع تعلیم بیشمار ہیں، کچھ قلم ہی کے ساتھ مخصوص نہیں اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ علم دیا کہ جس سے وہ پہلے ناواقف تھا، اس میں قلم یا کسی دوسرے ذریعہ تعلیم کا ذکر نہ فرمانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ کی یہ تعلیم انسان کی ابتداء آفرینش سے جاری ہے کہ اول اس میں عقل پیدا کی، جو سب سے بڑا ذریعہ علم ہے، انسان اپنی عقل سے خود بغیر کسی تعلیم کے بہت سی چیزیں سمجھتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

تحریر کی عظمت:

یعنی عَلَّمَ الْخطَّ بِالْقَلَمِ اللہ نے قلم سے لکھنے کا طریقہ سکھایا تاکہ علوم اور آسمانی کتابیں مفید ہوسکیں اور مدت تک باقی رہ سکیں اور دور کی چیزوں کی اطلاع ہو سکے۔ سب سے پہلے تعلیم تحریر کا ذکر تحریر کی عظمت کو ظاہر کر رہا ہے کیونکہ سیکھنے کی اصل غرض یہ ہے کہ سیکھنے والا یاد رکھے اور علوم باقی رہے اور علوم کا تحفظ اکثر تحریر ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سب سے اول لکھنے والے حضرت ادریس علیہ السلام ہی تھے (یعنی تحریر حرفی حضرت ادریس علیہ السلام کی ایجاد ہے) (تفسیر مظہری)

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

سکھلایا آدمی کو جو وہ نہ جانتا تھا ☆

انسانی علم کی خصوصیت:

یعنی انسان کا بچہ ماں کے پیٹ میں پیدا ہوتا ہے تو کچھ نہیں جانتا۔ آخر اسے رفتہ رفتہ کون سکھاتا ہے بس وہی رب قدیر جو انسان کو جاہل سے عالم بناتا ہے اپنے ایک اُمّی کو عارف کامل بلکہ تمام عارفوں کا سردار بنا دیگا۔ (تفسیر عثمانی)

معلوم ہوتا ہے کہ دوسری کائنات انسانی علم کا ایک حصہ ہے (انسان کو دوسری کائنات سے زیادہ علم دیا گیا ہے) کیونکہ پہلی آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان ہو یا دوسری مخلوق (ملائکہ وغیرہ) سب کو قلم کے ذریعہ سے علم دیا ہے اور قلم سے دیا ہوا علم تمام کا تمام لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ کوئی چھوٹی بڑی خشک وتر چیز ایسی نہیں ہے کہ لوح محفوظ سے چھوٹ گئی ہو سب لوح محفوظ میں لکھی ہوئی موجود ہے لیکن انسان کو دیا ہوا علم مکتوب لوح محفوظ کے علاوہ بھی ہے اللہ نے فرمایا وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (اگر علم آدم صرف وہی ہوتا جو لوح محفوظ میں تحریر ہے) تو فرشتے آدم کے سوال کا جواب کیوں نہ دے سکتے) حقیقت ذات باری تعالیٰ کا علم حصولی نہیں کہ لوح محفوظ میں اس کی سمائی ہوسکے اور قلم اس کو لکھ لے وہ تو علم حضوری کی ایک شاخ ہے بلکہ اس کائنات سے وراء حقیقت خداوندی کے بعد انسان کو ذات موہوم کے سوائے کچھ حاصل نہیں ہوتا ایک شاعر کا قول ہے۔

فان من جو دک الدنیا و من فیھا
و من علو مک علم اللوح والقلم

دنیا اور جو کوئی دنیا میں ہے تیری سخاوت کا ایک جز ہے اور علم لوح وقلم تیرے ہی علوم کا ایک حصہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ما انا بقاری کہا اور جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر اتنی زور سے دبایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے طاقت ہو گئے اور اقراء کہا تو تین بار اقراء کہنے سے اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اولین اور آخرین سب علوم عطا فرما دیئے کیونکہ

بندوں کے تمام افعال کا تو خالق اللہ ہی ہے (وہی نہ جاننے والے کو علم دیتا ہے اور نہ پڑھ سکنے والے کو پڑھنا بتاتا ہے) اس کے بعد اپنے انعام کا ذکر کیا اور فرمایا عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ۔ ایک اور آیت میں آیا ہے وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ یعنی تم کو وہ علم عطا کیا جس سے تم ناواقف تھے۔

سب سے پہلی نماز:

مواہب لدنیہ میں ایک روایت مذکور ہے جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خوبصورت ترین شکل اور پاکیزہ ترین خوشبو کے ساتھ نمودار ہوئے اور کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کو اللہ سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ تم جن و انس کے لئے رسول (بنا کر بھیجے گئے) ان کو کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی دعوت دو پھر جبرئیل علیہ السلام نے اپنا پاؤں زمین پر مارا فوراً پانی کا ایک چشمہ ابل پڑا جبرئیل علیہ السلام نے خود اس سے وضو کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس سے وضو کرنے کا حکم دیا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وضو کیا) جبرئیل علیہ السلام نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی (اپنے ساتھ) نماز پڑھنے کا حکم دیا اس طرح جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو اور نماز کی تعلیم دی پھر خود آسمان پر چڑھ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (واپس آئے) راستہ میں جس پتھر ڈھیلے اور درخت کی طرف سے گزرتے وہ کہتا تھا السلام علیکم یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچے اور ان سے واقعہ بیان کیا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا انتہائی مسرت سے مدہوش ہو گئیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وضو کرنے کا حکم دیا اور ان کو ساتھ لیکر اسی طرح نماز پڑھی جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر جبرئیل علیہ السلام نے پڑھی تھی۔

پس سب سے پہلے یہی دو رکعت نماز فرض ہوئی پھر سفر میں تو اللہ نے اس کو اسی طرح ادا کرنے کا حکم برقرار رکھا اور اقامت کی حالت میں پوری چار کر دیا۔

ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ معراج سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً نماز پڑھتے تھے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اسی طرح نماز پڑھتے تھے اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ پنجگانہ نمازوں سے پہلے کیا کوئی نماز فرض تھی یا نہ تھی بعض علماء کا خیال ہے کہ طلوع اور غروب سے پہلے نماز فرض تھی (یعنی فجر و عصر) ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ سب سے اول دعوت توحید اور (مشرکین کو عذاب سے) ڈرانا واجب ہوا پھر اتنا قیام شب جس کا ذکر سورۂ مزمل کے اول میں آیا ہے واجب ہوا پھر سورۂ مزمل کے آخری حکم نے قیام شب کی اتنی مقدار کو منسوخ کر دیا جس کا ذکر اول سورت میں آیا ہے پھر مکہ میں شب معراج کے اندر پنجگانہ نمازوں کی فرضیت سے قیام شب کا وجوب منسوخ ہو گیا۔

روایت مذکورہ میں جو یہ آیا ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو سکھایا اور وضو کرنے کا حکم دیا تو ان الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ معراج سے پہلے وضو فرض ہو گیا تھا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰىٓ ۙ﴿۶﴾

کوئی نہیں آدمی سر چڑھتا ہے اس سے

اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ؕ﴿۷﴾

کہ دیکھے اپنے آپ کو بے پرواہ ☆

انسان کی سرکشی:

یعنی آدمی کی اصل تو اتنی ہے کہ جمے ہوئے خون سے بنا اور جاہل محض تھا۔ خدا نے علم دیا مگر وہ اپنی اصل حقیقت کو ذرا یاد نہیں رکھتا دنیا کے مال و دولت پر مغرور ہو کر سرکشی اختیار کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مجھے کسی کی پرواہ ہی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ابوجہل کی سرکشی: لَيَطْغٰىٓ ابوجہل کفر میں اور اللہ کے مقابل غرور میں حد سے بڑھ رہا ہے۔ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى اس لئے کہ وہ اپنے کو غنی پاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

مسند احمد میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابوجہل نے کہا کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس میں نماز پڑھتا دیکھ لوں گا اس کی گردن توڑ دوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ ایسا کرتا تو اسی وقت لوگوں کے دیکھتے ہوئے عذاب کے فرشتے اس کو پکڑ لیتے۔

دو لالچی: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دو لالچی ایسے ہیں کہ جن کا پیٹ ہی نہیں بھرتا، ایک طالب علم، اور ایک طالب دنیا، ان دونوں میں بڑا فرق ہے، علم کا طالب تو خدا کی رضامندی حاصل کرنے کی طرف بڑھتا رہتا ہے، اور دنیا کا لالچی سرکشی اور خود پسندی میں بڑھتا رہتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی یہ حدیث مرفوعاً یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے بھی مروی ہے کہ دو لالچی ہیں جو شکم پر نہیں ہوتے طالب علم اور طالب دنیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ؕ﴿۸﴾

بے شک تیرے رب کی طرف پھر جانا ہے ☆

خدا کے پاس جا کر پتہ چلے گا:

یعنی اول بھی اس نے پیدا کیا اور آخر بھی اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ اس وقت اس تکبر اور خود فراموشی کی حقیقت کھلے گی۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اے طاغی تیری واپسی تیرے رب کی طرف ہی ہو گی وہ تجھے اس طغیان کی سزا دے گا (تفسیر مظہری)

اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يَنْهٰى ۙ﴿۹﴾

تو نے دیکھا اس کو جو منع کرتا ہے

عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ﴿۱۰﴾

ایک بندہ کو جب وہ نماز پڑھے☆

ابوجہل ملعون کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دھمکی:

یعنی اس کی سرکشی اور تمرد کو دیکھو کہ خود تو اپنے رب کے سامنے جھکنے کی توفیق نہیں دوسرا بندہ اگر خدا کے سامنے سربسجود ہوتا ہے اسے بھی نہیں دیکھ سکتا ان آیات میں اشارہ ابوجہل ملعون کی طرف ہے جب وہ حضرت کو نماز پڑھتے دیکھتا تو چڑاتا اور دھمکاتا تھا اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچانے کی سعی کرتا تھا۔ (تفسیر عثانی)

اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يَنْهٰى ۔ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ،اس آیت سے آخر سورۃ تک ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے کا حکم دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنا شروع کی تو ابوجہل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے سے روکا اور دھمکی دی کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ نماز پڑھیں گے اور سجدہ کریں گے تو معاذ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن کو پاؤں سے کچل دے گا، اس کے جواب اور اس کو زجر کرنے کے لئے یہ آیات آئیں ہیں ان میں فرمایا اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى یعنی کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے، یہاں یہ ذکر نہیں فرمایا کہ کس کو دیکھ رہا ہے اس لئے عام اور شامل ہے کہ نماز پڑھنے والی بزرگ ہستی کو بھی دیکھ رہا ہے اور اس سے روکنے والے بدبخت کو بھی اور یہاں صرف اس جملے پر اکتفا کیا گیا کہ ہم یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں آگے دیکھنے کے بعد کیا حشر کیا ہوگا اس کے ذکر نہ کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ہولناک انجام قابل تصور نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يَنْهٰى ۔ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ابن جریر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے کہ ابوجہل آ گیا اور نماز سے روکا اس سلسلہ میں ارء یت سے کاذبۃ خاطئۃ تک آیات کا نزول ہوا۔

الَّذِىْ يَنْهٰى سے مراد ابوجہل اور عبداً سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰى ﴿۱۱﴾

بھلا دیکھ تو اگر ہوتا نیک راہ پر

اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ﴿۱۲﴾

یا سکھلاتا ڈر کے کام

اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۳﴾

بھلا دیکھ تو اگر جھٹلایا اور منہ موڑا

یعنی نیک راہ پر ہوتا بھلے کام سکھاتا تو کیا اچھا آدمی ہوتا اب جو منہ موڑا تو ہمارا کیا بگاڑا كذا في موضح القرآن وللمفسرين اقوال في تفسيرها من شاء الاطلاع عليها فليراجع روح المعاني. (تفسیر عثانی)

اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى یا پرہیزگاری کا حکم دے رہا ہو جبکہ وہ توحید اور نماز کی طرف لوگوں کو دعوت دے رہا ہے (یعنی نماز پڑھنے اور توحید کی دعوت دینے میں اگر وہ بندہ حق پر ہوا تو اس روکنے والے کا نتیجہ کیا ہوگا یقیناً یہ اس وقت تباہ ہوگا)۔ (تفسیر مظہری)

ان آیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابوجہل نے دونوں چیزوں کی روک کی تھی نماز پڑھنے کی بھی اور دعوت توحید کی بھی۔

اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! بتاؤ تو کہ اگر یہ حق سے روکنے والا تمہاری تکذیب کر رہا ہے اور ایمان سے منہ موڑ رہا ہے تو اللہ کے عذاب سے کیسے بچے گا یقیناً ہلاک ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

شیخ جلال الدین محلی نے آیات کی تشریح اس طرح کی ہے کہ اے مخاطب تجھے تعجب ہونا چاہئے کہ یہ نماز پڑھنے سے روکتا ہے باوجودیکہ جس کو روکتا ہے وہ ہدایت پر ہے اور تقویٰ کا حکم دیتا ہے اور روکنے والا مکذب ہے اور ایمان سے منہ موڑنے والا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ﴿۱۴﴾

یہ نہ جانا کہ اللہ دیکھتا ہے ☆

اللہ دونوں کو دیکھ رہا ہے: یعنی اس ملعون کی شرارتوں کو اور اس نیک بندے کے خشوع خضوع کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ (تفسیر عثانی)

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ۬

کوئی نہیں اگر باز نہ آئے گا

لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ﴿۱۵﴾

ہم گھسیٹیں گے چوٹی پکڑ کر☆

ابوجہل کو ذلت کا پیغام:

یعنی رہنے دو! یہ سب کچھ جانتا ہے پر اپنی شرارت سے باز نہیں آتا اچھا اب کان کھول کر سن لے کہ اگر اپنی شرارت سے باز نہ آیا تو ہم اس کو جانوروں اور ذلیل قیدیوں کی طرح سر کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ (تفسیر عثانی)

نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿۱۶﴾

کیسی چوٹی جھوٹی گناہ گار☆

یعنی جس سر پر یہ چوٹی ہے وہ جھوٹ اور گناہوں سے بھرا ہوا ہے گویا اس کا دروغ اور گناہ بال بال میں سرایت کر گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول:

ترمذیؒ اور ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت نقل کی ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے ابو جہل آ گیا اور کہنے لگا کیا میں نے تجھے اس (نماز) سے منع نہیں کر دیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جھڑک دیا کہنے لگا تو خوب جانتا ہے کہ مکہ میں میری چوپال (نشستگاہ مجلس) سے بڑی کوئی چوپال نہیں (یعنی میرا جتھا بڑا ہے) تو مجھے جھڑکتا ہے خدا کی قسم میں اس وادی کو تیرے خلاف اعلیٰ گھوڑوں کے سواروں اور نوجوانوں اور پیادوں سے بھر دوں گا اس پر مندرجہ ذیل آیت اتری۔ (تفسیر مظہری)

فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۝ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۝

اب بلالیوے اپنی مجلس والوں کو ہم بھی بلاتے ہیں پیادے سیاست کرنے کو☆

غلبہ اللہ ہی کیلئے ہے:

ابوجہل نے ایک مرتبہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے روکنا چاہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے جواب دیا کہنے لگا کہ کیا جانتے نہیں کہ مکہ میں سب سے بڑی مجلس میری ہے اس پر فرماتے ہیں کہ اب وہ مجلس والے ساتھیوں کو بلائے ہم بھی اس کی گوشمالی کے لیے اپنے سپاہی بلاتے ہیں دیکھیں کون غالب رہتا ہے۔ چندروز بعد "بدر" کے میدان میں دیکھ لیا کہ اسلام کے سپاہیوں نے اسے کس طرح گھسیٹ کر "قلیب بدر" میں پھینک دیا۔ باقی اصل وقت گھسیٹے جانے کا آخرت ہے جب دوزخ کے فرشتے اس کو نہایت ذلت کیساتھ جہنم رسید کرینگے۔ روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل حضرت کو نماز میں دیکھ کر چلا گیا کہ بے ادبی کرے وہاں پہنچا تھا کہ گھبرا کر پیچھے ہٹا اور لوگوں کے دریافت کرنے پر کہا کہ مجھے اپنے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک آگ کی خندق نظر آئی جس میں کچھ پر رکھنے والی مخلوق تھی میں گھبرا کر واپس آ گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ (ملعون) ذرا آگے بڑھتا فرشتے اس کی بوٹی بوٹی جدا کر دیتے۔ گویا آخرت سے پہلے ہی دنیا میں اس کو "سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ" کا ایک چھوٹا سا نمونہ دکھلایا (تنبیہ) اکثر مفسرین نے "زَبَانِيَةَ" سے دوزخ کے فرشتے مراد لیے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا زبانیہ سے مراد ہیں جہنم کے زبانیہ (کارندے) زجاج نے کہا وہ درشت خو سخت مزاج ملائکہ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر وہ اپنے کنبے والوں کو بلا لیتا تو جہنم کے کارندے علی الاعلان آنکھوں دیکھتے اس کو پکڑ لیتے محلی نے اس قول کو حدیث مرفوع کہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝

کوئی نہیں مت مان اُس کا کہا اور سجدہ کر اور نزدیک ہو☆

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی پرواہ نہ کریں:

یعنی آپ اس کی ہرگز پروانہ کیجئے اور اس کی کسی بات پر کان نہ دھریئے جہاں چاہو شوق سے اللہ کی عبادت کرو اور اس کی بارگاہ میں سجدے کر کے بیش از بیش قرب حاصل کرتے رہو۔ حدیث میں آیا ہے کہ "بندہ سب حالتوں سے زیادہ سجدہ میں اللہ تعالیٰ سے نزدیک ہوتا ہے"۔ (تفسیر عثمانی)

كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت ہے کہ ابوجہل کی بات پر کان نہ دھریں اور سجدہ اور نماز میں مشغول رہیں کہ یہی اللہ تعالیٰ کے قرب کا راستہ ہے۔

سجدے کی حالتیں قبولیت دعاء:

ابوداؤدؒ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **اقرب ما یکون العبد من ربہ وھو ساجد فاکثروا الدعاء** یعنی بندہ اپنے رب سے قریب تر اس وقت ہوتا ہے جبکہ وہ سجدے میں ہو اس لیے سجدے میں بہت دعا کیا کرو۔ اور ایک دوسری صحیح حدیث میں یہ لفظ بھی آئے ہیں **فانہ قمن ان یستجاب لکم** یعنی سجدے کی حالت میں دعا قبول ہونے کے لائق ہے۔

مسئلہ: نفل نمازوں کے سجدے میں دعا کرنا ثابت ہے۔ بعض روایات حدیث میں اس دعا کے خاص الفاظ بھی آئے ہیں وہ الفاظ ثورہ پڑھے جائیں تو بہتر ہے فرائض میں اس طرح کی دعائیں ثابت نہیں کیونکہ فرائض میں اختصار مطلوب ہے۔

مسئلہ: اس آیت کو پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ تلاوت واجب ہے صحیح مسلم بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت پر سجدہ تلاوت کرنا ثابت ہے واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

كَلَّا یقیناً ایسا ہوگا اگر اس نے اپنے کنبہ والوں کو بلایا تو ہم زبانیہ کو بلائیں گے یا یہ معنی ہے کہ یقیناً یہ اپنے جتھے کو نہیں بلوا سکے گا۔

وَاقْتَرِبْ اور نماز کے ذریعہ سے اللہ کا قرب حاصل کرو ابوداؤدؒ وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سجدہ کی حالت میں بندہ اپنے رب سے بہت قریب ہوتا ہے پس دعا زیادہ کرو۔

سورہ اقراء کا سجدہ: مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذا السماء انشقت اور اقراء میں سجدہ کیا۔

سورہ اقراء کا سجدہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقراء میں سجدہ کیا تو آپ کے عمل کا اتباع سنت ہے اس سجدہ اقراء کا مسنون ثابت ہوتا وجوب نہیں چاہتا۔ (تفسیر مظہری)

سورۃ القدر

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے گا وہ بھلائی پائے گا اور اس کا حال اچھا رہے گا۔ (ابن سیرین)

سُوْرَۃُ الْقَدْرِ مَکِّیَّۃٌ وَّ هِیَ خَمْسُ اٰیٰتٍ

سورۂ قدر مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی پانچ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ①

ہم نے اس کو اتارا شب قدر میں ☆

نزول قرآن:

یعنی قرآن مجید ''لوح محفوظ'' سے سماء دنیا پر ''شب قدر'' میں اتارا گیا اور شاید اسی شب سماء دنیا سے پیغمبر علیہ السلام پر اترنا شروع ہوا اس کے متعلق کچھ مضمون سورۃ ''دخان'' میں گزر چکا ہے۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

شب قدر کے انوار و برکات:

حدیث میں ہے کہ جبرئیل امین رمضان مبارک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کا دور کرتے تھے اور جس سال آپ کا وصال ہوا اس میں دو مرتبہ دور کیا۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ رمضان کا پورا مہینہ نہایت مبارک ہے مگر وہ انوار و برکات جو اس ماہ کے دنوں سے وابستہ ہیں وہ اور ہیں اور وہ انوار و برکات جو راتوں سے متعلق وہ اور ہیں اور دن کے انوار و برکات روزہ کی صورت میں حاصل ہوتے ہیں اور رات کے انوار و برکات افطار کی صورت میں۔ بظاہر یہی وجہ ہے شریعت نے سحر کی تاخیر اور افطار کرنے میں تعجیل کی ہدایت فرمائی اور ارشاد فرمایا لا تزال امتی بخیر ماعجلوا الفطر واخر والسحور۔

حضرت مجددؒ ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں کہ ''حق تعالیٰ شانہ نے سال بھر کے انوار و برکات رمضان المبارک میں جمع کر دئے اور ان تمام برکات کا جوہر عشرہ اخیر میں رکھ دیا اور پھر اس جوہر کا لباب اور عطر شب قدر میں ودیعت فرمادیا''۔

چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم لوح محفوظ سے بیت العزہ جو آسمان دنیا میں ایک مقام ہے پر ایک ہی مرتبہ نازل فرمادیا تھا پھر حسب ضرورت وحکمت تیئس برس کی مدت میں ٹکڑے ٹکڑے ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اترتا رہا۔ (معارف کاندھلوی)

کتابوں کے نزول کی تاریخیں:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صحف ابراہیم علیہ السلام تیسری تاریخ رمضان میں، اور تورات چھٹی تاریخ میں اور انجیل تیرھویں تاریخ میں اور زبور اٹھارویں تاریخ رمضان میں نازل ہوئی ہیں اور قرآن کریم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر چوبیسویں تاریخ رمضان میں اترا ہے۔ (مظہری)

زندگی، موت اور رزق وغیرہ:

اسمیں ہر انسان کی عمر اور موت اور رزق اور بارش وغیرہ کی مقداریں مقررہ فرشتوں کو لکھوادی جاتی ہے یہاں تک کہ جس شخص کو اس سال میں حج نصیب ہوگا وہ بھی لکھ دیا جاتا ہے اور یہ فرشتے جن کو یہ امور سپرد کئے جاتے ہیں بقول ابن عباس رضی اللہ عنہ چار ہیں اسرافیل، میکائیل، عزرائیل، جبرائیل علیہم السلام۔ (قرطبی)

مسئلہ: جس شخص نے شب قدر میں عشاء اور صبح کی نماز جماعت سے پڑھ لی اس نے بھی اس رات کا ثواب پالیا اور جو شخص جتنا زیادہ کریگا زیادہ ثواب پائیگا صحیح مسلم میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرلی تو آدھی رات کے قیام کا ثواب پالیا۔ اور جس نے صبح کی نماز بھی جماعت سے ادا کرلی تو پوری رات جاگنے عبادت کرنیکا ثواب حاصل کرلیا۔ (معارف مفتی اعظم)

امت محمدیہ کی خصوصیت:

امام مالکؒ نے موطا میں لکھا ہے کہ میں نے ایک قابل اعتماد عالم سے سنا جو کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی عمریں چونکہ تھوڑی ہیں اس لیے دوسری امتوں کے اعمال کی تعداد کے برابر تو ان کے اعمال ہو نہیں سکتے تھے ان کی عمریں زیادہ تھیں پس اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شب قدر عطا فرمائی جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے

میں کہتا ہوں یہ روایت مرسل ہے مگر شان نزول کے سلسلے میں جتنی روایات آئی ہیں سب سے زیادہ صحیح ہے اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر صرف اسی امت کے لیے مخصوص ہے۔

دیکھو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے جب کہا گیا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ شب قدر اٹھالی گئی تو فرمایا کہ جس نے ایسا کہا غلط کہا۔ (رواہ عبدالرزاق)

نزول قرآن کا عظیم الشان وقت:

فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ یعنی قرآن کا وقت نزول بھی عظیم الشان ہے لیلۃ

القدر میں اس کا نزول ہوا ہے تمام ممالک اور انسانوں کے متعلق سال بھر تک ہونے والے امور کو لیلۃ القدر میں اللہ مقرر کر دیتا ہے۔

تمام امور کا فیصلہ:

حسین بن فضل سے سوال کیا گیا کیا زمین وآسمان کی تخلیق سے پہلے ہی اللہ نے تمام امور کا تقرر نہیں کر دیا ہے حسین نے جواب دیا بیشک کر دیا ہے سوال کیا گیا پھر لیلۃ القدر کا کیا معنی حسین نے کہا مقررہ امور کو ان کے مقرر اوقات کی طرف چلانا اور قضاء مقدر کو نافذ کرنا یعنی آئندہ سال بھر تک جن امور کا واقع ہونا اللہ نے مقدر کر دیا ہے شب قدر میں اس کی اطاعت ان ملائکہ کو دی جاتی ہے، جن امور کا نفاذ وابستہ ہے۔

عکرمہؒ نے کہا مقدرہ امور کا تقرر اور تمام امور کا انتظام نصف شعبان کی رات کو ہوتا ہے۔ زندوں اور مردوں کی فہرست بنتی ہے جس میں (آئندہ سال بھر) نہ بیشی ہوتی ہے نہ کمی۔

عکرمہؒ کے اس قول کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو بغویؒ نے بیان کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شعبان سے دوسرے شعبان تک کی موتوں کا فیصلہ (نصف شعبان کی رات کو) کر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ بعض آدمی نکاح کرتے ہیں نکاح کے بعد اولاد ہوتی ہے مگر ان کا نام مردوں کی فہرست میں ہوتا ہے (یعنی اس کو آئندہ شعبان تک اپنا مر جانا معلوم نہیں ہوتا اس لیے وہ نکاح کر لیتا ہے لیکن وہ آنیوالے سال کی آخری تاریخ تک مر جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں شاید مقدرہ امور کا جزوی طور پر کسی طرح کا تقرر نصف شعبان کی رات میں ہوتا ہو اور تمام امور کا عمومی تقرر اور کارندوں کو ان امور کی تفویض شب قدر میں ہوتی ہو اللہ نے شب قدر کے متعلق فرمایا ہے فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ. حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا سال بھر تک جو خیر وشر، رزق زندگی موت یہاں تک کہ حاجیوں کا حج غرض جو بات ہونیوالی ہوتی ہے وہ شب قدر میں لوح محفوظ سے (نقل کر کے) لکھدی جاتی ہے۔

ابو الضحیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ نصف شعبان کی رات کو اللہ تمام احکام کا فیصلہ کر دیتا ہے اور شب قدر میں ان احکام کی تفویض کارندوں کو کر دیتا ہے کذا ذکر البغوی.

آخری عشرہ میں خوب جدوجہد کرو:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم (نیند یا ضعف جسمانی وغیرہ سے مغلوب ہو جاؤ (اور رات کو قیام نہ کر سکو) تب بھی آخری ہفتہ میں تم مغلوب نہ ہو (یعنی سوتے نہ رہو اور کوشش کر کے نماز کے لیے کھڑے ہو) (رواہ احمد)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے جس کو مسلم نے نقل کیا ہے کہ شب قدر کو آخری عشرہ میں تلاش کرو لیکن اگر کوئی کمزوری یا مجبوری ہو جائے تو آخری ہفتہ میں اس کو (نیند وغیرہ سے) مغلوب نہ ہونا چاہیے۔ (تفسیر مظہری)

شان نزول: ابن ابی حاتمؒ میں ہے کہ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا جو ایک ہزار ماہ تک خدا کی راہ میں یعنی جہاد میں ہتھیار بند رہا مسلمانوں کو یہ سن کر تعجب ہوا تو اللہ عزوجل نے یہ سورت اتاری کہ ایک لیلۃ القدر کی عبادت اس شخص کی ایک ہزار مہینے کی عبادت سے افضل ہے ابن جریرؒ میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو رات کو قیام کرتا تھا صبح تک اور دن میں دشمنان دین سے جہاد کرتا تھا شام تک، ایک ہزار مہینے تک، یہی کرتا رہا پس اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی کہ اس امت کے کسی شخص کا صرف لیلۃ القدر کا قیام اس عابد کی ایک ہزار مہینے کی اس عبادت سے افضل ہے ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے چار عابدوں کا ذکر فرمایا جنھوں نے اسی سال تک خداوند تعالیٰ کی عبادت کی تھی ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی خدا کی نافرمانی نہیں کی تھی۔

حضرت ایوب، حضرت زکریا، حضرت حزقیل بن عجوز، حضرت یوشع بن نون علیہم السلام اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تعجب ہوا آپ کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی امت نے اس جماعت کی اس عبادت پر تعجب کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی افضل چیز آپ پر نازل فرمائی اور فرمایا کہ یہ افضل ہے اس سے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت نے تعجب ظاہر کیا تھا پس آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم بیحد خوش ہوئے۔

رمضان المبارک کا تعارف:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رمضان المبارک آ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! تم پر رمضان المبارک کا مہینہ آ گیا۔ یہ بابرکت مہینہ آ گیا اس کے روزے خدا نے تم پر فرض کیے ہیں اس میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں شیطان قید کر لیے جاتے ہیں اس میں ایک رات ہے جو ایک ہزار مہینے سے افضل ہے اسکی بھلائی سے محروم رہنے والا حقیقی بدقسمت ہے نسائی شریف میں بھی یہ روایت ہے چونکہ اس رات کی عبادت ایک ہزار مہینے کی عبادت سے افضل ہے۔

لیلۃ القدر کا قیام: اس لیے صحیحین کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص لیلۃ القدر کا قیام ایمانداری اور نیک نیتی سے کرے اس کے تمام اگلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ﴿٢﴾

اور تو نے کیا سمجھا کہ کیا ہے شب قدر

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ﴿٣﴾

شب قدر بہتر ہے ہزار مہینے سے ☆

یعنی اس رات میں نیکی کرنا ایسا ہے گویا ہزار مہینے تک نیکی کرتا رہا بلکہ اس سے بھی زائد۔ (تفسیر عثمانی)

تعیین شب قدر کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں جن کی کل تعداد تقریباً چالیس ہے صحیح یہ ہے کہ ہر سال شب قدر رمضان کے آخری عشرہ میں ضرور ہوتی ہے مگر تاریخیں بدلتی رہتی ہیں۔

عشرۂ اخیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری عشرہ میں اتنی ریاضت کرتے تھے جتنی دوسرے ایام میں نہیں کرتے تھے۔ (مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب (آخری) عشرہ آ جاتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہہ بند مضبوطی سے باندھ لیتے اور شب بیداری کرتے تھے (یعنی رات کو نماز پڑھتے تھے) اور گھر والوں کو بھی بیدار کرتے۔ (متفق علیہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا وفات تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے رہے اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی بیویوں نے اعتکاف کیا۔ (بخاری ومسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس ایام میں اعتکاف کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ رمضان کے آخری عشرے میں شب قدر اختیار کرو۔ (بخاری)

حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے پہلے عشرے میں اعتکاف کیا پھر درمیانے عشرے میں ترکی خیمہ میں اعتکاف کیا پھر فرمایا میں نے اس رات کی تلاش میں پہلے عشرے میں اعتکاف کیا پھر درمیانی عشرے میں اعتکاف کیا پھر میرے پاس کوئی (فرشتہ) آیا اور مجھ سے کہا گیا وہ رات آخری عشرہ میں ہے پس جس کو میرے ساتھ اعتکاف کرنا ہو وہ آخری عشرہ میں کرے کیونکہ مجھے وہ رات خواب میں دکھائی گئی تھی میں نے اس کو پالیا تھا اور میں نے دیکھا تھا کہ میں اس کی صبح کو پانی اور کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں اس فرمان کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہر طاق رات میں شب قدر کی جستجو رکھی۔ راوی کا بیان ہے کہ ایک رات کو پانی برسا مسجد چھپر کی تھی اس لیے ٹپکنے لگی اکیسویں شب کی صبح کو جو میری آنکھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی تو میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر پانی اور کیچڑ کا نشان تھا۔ (متفق علیہ)

شب قدر کی تاریخ:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو (شب قدر کا) طلب گار ہو گا وہ ستائیسویں شب میں تلاش کرے۔ (رواہ احمد وابن منذر)

طبرانیؒ نے حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسی طرح بیان کی ہے۔

حضرت معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی شب قدر کے متعلق روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیلۃ القدر ستائیسویں ہے جس احادیث میں ستائیسویں شب کو لیلۃ القدر کہا گیا ان کے ساتھ ابو داؤدؒ نے اس حدیث کو بھی بیان کیا اور امام احمدؒ نے اسی کو لیا ہے اور امام اعظمؒ کا قول بھی ایک روایت میں یہی آیا ہے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو تو اس پر یقین تھا اور آپ نے اس پر قسم بھی کھائی تھی کسی نے پوچھا ابو منذر آپ کس وجہ سے اس کے قائل ہیں فرمایا اس علامت کی وجہ سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بتلائی تھی کہ اس روز صبح کو سورج بغیر شعاعوں کے طلوع کرتا ہے۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک شخص نے ستائیسویں کو شب قدر دیکھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں آخری عشرہ میں تمہارے (خوابوں) کو متفق پاتا ہوں لہٰذا آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اس کو طلب کرو۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شب قدر کو ساتویں کی رات میں طلب کرنا چاہیے۔ (رواہ عبدالرزاق)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی روایت منقول ہے۔ (رواہ احمد)

یعنی بیس کے بعد ساتویں رات یا باقی رہنے والی راتوں میں سے ساتویں رات۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم کو شب قدر کی اطلاع دینے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہوئے تھے سامنے آتے ہوئے دو مسلمان مل گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو لیلۃ القدر کی خبر دینے کے لیے نکلا تھا مگر فلاں فلاں شخص سامنے سے آتے مل گئے (اور ان کے ساتھ شیطان تھا) پس شب قدر اٹھالی گئی (یعنی میں اس کی تعیین بھول گیا) امید ہے کہ یہ بات تمہارے لیے بہتر ہی ہو گی اب تم اس کو نویں اور ساتویں اور پانچویں (رات) میں تلاش کرو۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اس کو یعنی شب قدر کو باقی نو (راتوں) میں یا باقی پانچ راتوں میں یا (باقی) تین راتوں میں یا آخری رات میں تلاش کرو۔ (ترمذی)

امام احمدؒ نے حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک صحابی نے خواب میں دیکھا کہ شب قدر آخری سات راتوں میں ہے (یعنی آخری ہفتہ کی پہلی رات

میں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خیال کرتا ہوں کہ تم لوگوں کے خواب آخری سات راتوں کے متعلق متفق ہیں لہٰذا جو شخص شب قدر کا طلب گار ہو وہ آخری سات راتوں میں اس کی طلب کرے۔ (متفق علیہ) (تفسیر مظہری)

امت محمدیہ کی فضیلت:

بعض مؤرخین نے بروایت مالکؒ یہ نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اللہ کی طرف سے اس امر پر مطلع کیا گیا کہ آپ کی امت کی عمریں بہ نسبت امم سابقہ کے بہت کم ہونگی تو آپ نے فرمایا اے پروردگار پھر تو میری امت کے لوگ اعمال صالحہ اور عبادات کے اس مقام تک نہیں پہنچ سکیں گے جو پہلی امتوں کے لوگ اپنی طویل ترین عمروں کے باعث حاصل کر چکے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو لیلۃ القدر عطا فرمائی اور اس کو خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ بنایا۔

علاوہ ازیں حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جو تمثیل امم کے مضمون میں وارد ہوئی جس میں آپ نے اپنی امت کی مثال بہ نسبت پہلی امتوں کے یہ فرمائی کہ ایک جماعت مزدوری پر صبح سے ظہر تک لگائی گئی اور انہوں نے ظہر تک عمل کیا اور ان کو حسب معاملہ ایک ایک قیراط دیا گیا دوسری جماعت نے ظہر سے عصر تک کام کیا ان کو بھی ایک ایک قیراط دیا گیا پھر تیسری جماعت لگائی گئی انہوں نے عصر سے مغرب تک کام کیا اور ان کو دو دو قیراط دیے گئے تو پہلی جماعتوں نے اعتراض کیا نحن اکثر عملا واقل اجرا فقال هل وهذا فضلي اوتيه من اشاء کہ اے آقا ہم نے کام تو زیادہ کیا اور مزدوری ہم کو کم ملی یعنی ان لوگوں کو جنھوں نے کام کیا انکو اجرت زیادہ دی گئی تو مالک نے اس پر کہا۔ کیا تم پر کوئی ظلم کیا گیا بلکہ جو طے ہوا تھا وہ دیا گیا اور یہ جو زائد اس جماعت کو دیا گیا یہ تو میرا انعام ہے جس کو چاہوں دوں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مثال بیان کر کے فرمایا۔ اے میری امت کے لوگوں بس تم ہی ہو وہ جو عصر سے لے کر مغرب تک کام کرنے والے ہو اور اس مختصر وقت میں عمل کر کے اجرت و ثواب تم ان لوگوں سے زیادہ حاصل کر رہے ہو جو عمل تم سے بہت زیادہ کرنے والے تھے۔

جمہور صحابہ اور ائمہ مفسرین و محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شب قدر رمضان کی عشرہ اخیرہ کی کسی بھی طاق رات میں ہے ۲۱ سے لے کر ۲۹ تک کوئی بھی شب ہو۔ اور حکمت خداوندی سے اس کو مخفی ہی رکھا گیا اور حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابی بن کعب سے جو ۲۱ سے ۲۷ کی روایت صحاح میں منقول ہے وہ ان علامات کے دیکھنے کی بناء پر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شب قدر کی ذکر فرمائی تھیں تو جس نے جو علامت جس رات میں دیکھی اسی کے بارہ میں بیان کر دیا اور اللہ کی حکمت اسی کو متقاضی تھی کہ ایک نوع سے اس نوع کو اگر اس کو ظاہر کر دیا گیا تو دوسری نوع سے اس کو مبہم رکھا جائے تو اس لحاظ سے علامات میں ایسی علامات بیان کی گئیں جو شب قدر گزرنے کے بعد ظاہر ہوں مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ وہ رات ہے کہ جس کے بعد صبح کو سورج طلوع ہوگا تو اس کی شعاعیں نہ ہوں گی بلکہ صرف اس کا قرص نظر آتا ہوگا جس طرح کہر اور ہلکے بادلوں میں شعاعوں کے بغیر سورج نظر آتا ہو۔ (تفسیر کے لئے تفسیر ابن کثیر روح المعانی اور کتب حدیث ملاحظہ فرمائیں) (معارف کاندھلوی)

لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ یعنی ایک شب قدر ان ہزار مہینوں سے افضل ہے جو شب قدر سے خالی ہوں مراد یہ ہے کہ ایک شب قدر کی عبادت دوسرے ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے۔

شب قدر میں عبات کا ثواب:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایمان کے ساتھ بامید ثواب شب قدر میں (نماز کے لئے) کھڑا ہوتا ہے اس کے گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ (بخاری)

مسلم کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے کہ جو شخص لیلۃ القدر میں قیام کرے اور (جس رات کو وہ نماز میں کھڑا ہوا ہے) وہ لیلۃ القدر کی پڑ جائے۔ (یعنی بغیر کسی علم کے کسی رات کو وہ نماز میں کھڑا ہوا اور وہ رات واقع میں شب قدر ہو) امام احمدؒ نے حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے جو حدیث بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص اس (رات) میں کھڑا ہوا اور پھر وہ شب قدر اس کے موافق پڑ گئی یعنی وسط رات میں اٹھا اور واقع میں وہ لیلۃ القدر کے مطابق ہوگئی تو اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک قول جس کو بغویؒ نے بروایت ابو الضحیٰ نقل کیا ہے اس میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سال بھر کے تقدیری امور کا تو شب برات یعنی نصف شعبان کی رات میں فیصلہ کر لیتے ہیں پھر شب قدر میں یہ فیصلے متعلقہ فرشتوں کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحرّو الیلة القدر فی العشر الاوَاخر من رمضان ، یعنی شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو۔ اور صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطلبوھا فی الوتر منھا۔ یعنی شب قدر کو رمضان کے عشرہ اخیر کی طاق راتوں میں طلب کرو۔ (مظہری)

اور صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شب قدر میں عبادت کے لئے کھڑا رہا اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہو گئے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب قدر میں وہ تمام فرشتے جن کا مقام سدرۃ المنتہیٰ پر ہے جبرائیل امین کے ساتھ دنیا میں اترتے ہیں اور کوئی

مومن مرد یا عورت ایسی نہیں جس کو وہ سلام نہ کرتے ہوں بجز اس آدمی کے جو شراب پیتا یا خنزیر کا گوشت کھاتا ہو۔

اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص شب قدر کی خیر و برکت سے محروم رہا وہ بالکل ہی محروم بدنصیب ہے۔شب قدر میں بعض حضرات کو خاص انوار کا مشاہدہ بھی ہوتا ہے مگر نہ یہ سب کو حاصل ہوتا ہے نہ رات کی برکات اور ثواب حاصل ہونے میں ایسے مشاہدات کا کچھ دخل ہے اس لئے اس کی فکر میں نہ پڑنا چاہیے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر میں شب قدر کو پاؤں تو کیا دعا کروں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دعا کرو اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ یا اللہ آپ بہت معاف کرنے والے ہیں اور معافی کو پسند کرتے ہیں۔میری خطائیں معاف فرمایئے۔(قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ

اُترتے ہیں فرشتے اور روح اُس میں اپنے رب کے حکم سے ☆

نزول ملائکہ:

یعنی اللہ کے حکم سے روح القدس (حضرت جبریلؑ) بیشمار فرشتوں کے ہجوم میں نیچے اترتے ہیں تاکہ عظیم الشان خیر و برکت سے زمین والوں کو مستفیض کریں اور ممکن ہے ''روح'' سے مراد فرشتوں کے علاوہ کوئی اور مخلوق ہو۔بہرحال اس مبارک شب میں باطنی حیات اور روحانی خیر و برکت کا ایک خاص نزول ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی شب قدر میں رب کے حکم سے ملائکہ اور روح آسمان سے زمین کی طرف اترتے ہیں۔یہ شب قدر کی مزید فضیلت ہے یا شب قدر کے ہزار مہینوں سے افضل ہونے کی وجہ ہے۔

فرشتوں کی دعا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب شب قدر ہوتی ہے تو جبرائیل ملائکہ کی فوج کے ساتھ اترتے ہیں (اس وقت) جو شخص کھڑا یا بیٹھا اللہ کی یاد کرتا ہوتا ہے اس کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فضائل اوقات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک غریب اثر فرشتوں کے نازل ہونے میں اور نمازیوں پر ان کے گزرنے میں اور انہیں برکت حاصل ہونے میں وارد کیا ہے۔ابن ابی حاتم میں حضرت کعب احبار رحمہ اللہ سے ایک عجیب و غریب بہت طول وطویل اثر وارد کیا ہے جس میں فرشتوں کا سدرۃ المنتہی سے حضرت جبرائیل علیہم السلام کے ساتھ زمین پر آنا اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے دعائیں کروانا وارد ہے۔ابوداؤد طیالسیؒ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لیلۃ القدر ستائیسویں ہے یا انتیسویں، اس رات فرشتے زمین پر سنگریزوں کی گنتی سے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف کے پہلے دس دن کا اعتکاف کیا ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اعتکاف میں بیٹھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرئیل آئے اور فرمایا کہ جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ڈھونڈتے ہیں وہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے ہے۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سے بیس دن کا اعتکاف کیا اور ہم نے بھی، پھر حضرت جبرائیل آئے اور یہی فرمایا کہ جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ڈھونڈتے ہیں وہ تو ابھی آگے ہے، یعنی لیلۃ القدر پس رمضان کی بیسویں تاریخ کی صبح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا کہ میرے ساتھ اعتکاف کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ پھر اعتکاف میں بیٹھ جائیں، میں نے لیلۃ القدر دیکھ لی لیکن میں بھول گیا، لیلۃ القدر آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ہے میں نے دیکھا ہے کہ گویا میں کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں۔

اور روایت میں ہے کہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے کہا اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں یہ رات رمضان ہی میں ہے، آپ نے اس پر ان شاء اللہ بھی نہیں فرمایا اور پختہ قسم کھالی، پھر فرمایا کہ مجھے خوب معلوم ہے کہ وہ کون سی رات ہے جس میں قیام کرنے کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے یہ ستائیسویں رات ہے۔اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کی صبح کو سورج سفید رنگ کا نکلتا ہے۔اور تیزی نہیں ہوتی حضرت معاویہ، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ رات ستائیسویں رات ہے۔سلف کی ایک جماعت نے بھی یہ کہا ہے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ علیہ کا مسلک بھی یہی ہے۔اور امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت اسی قول کی نقل کی ہے۔بعض سلف نے قرآن کریم کے الفاظ سے بھی اس کے ثبوت کا حوالہ دیا ہے۔اس طرح کہ اس سورت میں ستائیسواں کلمہ ہے اور اس کے معنی ہیں ''یہ'' واللہ اعلم طبرانی میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے اصحاب رسول کو جمع کیا اور ان سے لیلۃ القدر کی بابت سوال کیا تو سب کا اجماع اس امر پر ہوا کہ یہ رمضان کے آخری دہے میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی بخاری و مسلم میں مروی ہے۔کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان کے آخری عشر کی طاق راتوں میں شب قدر کی جستجو کرو۔

مسند احمد کی حدیث کے یہ لفظ ہیں کہ جب رمضان کا آخری دہا باقی رہ جاتا ہے تو آپ تہبند مضبوط باندھ لیتے اور عورتوں سے الگ رہتے۔

حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ اب فرشتے اس کے سامنے گنتی کر کے اور ایک ایک مرد و عورت کا مع ولدیت نام بتلاتے ہیں پھر جنت سدرۃ المنتہی کی طرف متوجہ ہو کر پوچھتی ہے کہ تجھ میں رہنے والے فرشتوں نے جو خبریں

تجھے دی ہیں تو بیان کر۔ چنانچہ سدرۃ المنتہی اس سے ذکر کرتا ہے۔ یہ سن کر وہ کہتی ہے کہ خدا کی رحمت ہو فلاں مرد پر فلاں عورت پر خدایا انہیں جلدی سے مجھ سے ملا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام سب سے پہلے اپنی جگہ پہنچ جاتے ہیں انہیں الہام ہوتا ہے وہ عرض کرتے ہیں پروردگار میں نے تیرے فلاں فلاں بندوں کو سجدے میں پایا تو انہیں بخش اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے انہیں بخشا۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام اسے عرش کے اٹھانے والے فرشتوں کو سناتے ہیں پھر سب کہتے ہیں کہ فلاں فلاں مرد و عورت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوئی اور مغفرت ہوئی۔ پھر حضرت جبرائیل خبر دیتے ہیں کہ باری تعالیٰ فلاں شخص کو گذشتہ سال تو عامل سنت اور عابد چھوڑا تھا۔ لیکن امسال تو بدعتوں میں پڑ گیا اور تیرے احکام سے روگردانی کر لی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے جبرائیل اگر یہ مرنے سے تین ساعت پہلے بھی توبہ کر لے گا۔ تو میں اسے بخش دوں گا۔ اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام بے ساختہ کہہ اٹھتے ہیں کہ خدایا تیرے ہی لیے سب تعریفیں سزاوار ہیں الٰہی تو اپنی مخلوق پر سب سے زیادہ مہربان ہے بندوں پر تیری مہربانی خود ان کی اپنی مہربانی سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔ اس وقت عرش اور اس کے آس پاس کی چیزیں اور پردے اور تمام آسمان جنبش میں آجاتے ہیں اور کہہ اٹھتے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الرَّحِيْمِ۔ (تفسیر ابن کثیر)

مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ﴿٤﴾
ہر کام پر☆

یعنی انتظام عالم کے متعلق جو کام اس سال میں مقدر ہیں ان کے نفاذ کی تعیین کے لیے فرشتے آتے ہیں کما مر فی سورۃ الدخان. یا "مِنْ كُلِّ اَمْرٍ" سے امر خیر مراد ہو یعنی ہر قسم کے امور خیر لیکر آسمان سے اترتے ہیں واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

سَلٰمٌ ۛ
امان ہے☆

رحمت وسلامتی کی رات:

یعنی وہ رات امن و چین اور دلجمعی کی رات ہے۔ اس میں اللہ والے لوگ عجیب و غریب طمانیت اور لذت و حلاوت اپنی عبادت کے اندر محسوس کرتے ہیں۔ اور یہ اثر ہوتا ہے نزول رحمت و برکت کا جو روح و ملائکہ کے توسط سے ظہور میں آتا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ اس رات جبرئیلؑ اور فرشتے عابدین و ذاکرین پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں یعنی ان کے حق میں رحمت اور سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿٥﴾
وہ رات صبح کے نکلنے تک☆

مکمل رات مبارک:

یعنی شام سے صبح تک ساری رات یہی سلسلہ رہتا ہے اس طرح وہ پوری رات مبارک ہے (تنبیہ) قرآن سے معلوم ہوا کہ وہ رات رمضان شریف میں ہے "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ" اور حدیث صحیح میں بتایا کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں خصوصاً عشرہ کی طاق راتوں میں اس کو تلاش کرنا چاہیے پھر طاق راتوں میں بھی ستائیسویں شب پر گمان غالب ہوا ہے واللہ اعلم۔ بہت سے علماء نے تصریح کی ہے کہ "شب قدر" ہمیشہ کے لیے کسی ایک رات میں متعین نہیں ممکن ہے ایک رمضان میں کوئی رات ہو دوسرے میں دوسری۔ (تفسیر عثمانی)

مراد یہ ہے کہ شب قدر مع اپنے اوصاف (نزول ملائکہ وغیرہ) رحمت کے صبح تک رہتی ہے (معارف مفتی اعظم)

اس رات میں ملائکہ مومنوں کو بکثرت سلام کرتے ہیں اس مطلب پر حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿٥﴾ کا تعلق سلام کے مفہوم یعنی تسلیم کرنا سے ہوگا۔ یعنی یہ رات طلوع فجر تک سلاموں سے بھری ہوئی ہے۔

فائدہ: بعض علماء کا قول ہے کہ شب قدر میں ہر چیز سجدہ کرتی دکھائی دیتی ہے۔ اور ہر جگہ نور سے جگمگا جاتی ہے اور ملائکہ کی طرف سے سلام اور خطاب سنا جاتا ہے میں کہتا ہوں اس کا انکشاف بعض اہل کشف کو ہی ہوتا ہے ہر شخص کو یہ کیفیت نظر نہیں آتی۔ نہ حصول ثواب کے لیے ان کیفیات میں سے کسی کیفیت کا انکشاف ضروری ہے اگر ان احوال کا انکشاف عمومی یا اکثری ہوتا تو تمام امت اس کو دیکھتی اور کسی سے پوشیدگی ممکن نہ ہوتی خصوصاً تمام صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین اور اولیاء امت کی نظروں کے سامنے تو یہ واقعات ضرور ہی آتے۔ ہاں شب قدر کا ثواب حاصل کرنے کے لیے عبادت میں مشغول ہونا لازمی ہے۔ حدیث من قام لیلۃ القدر ایمانا۔ اور یصلون علی کل عبد قائم او قاعد یذکر اللہ سے بھی یہی مفہوم مستفاد ہوتا ہے۔

مسئلہ: جس نے شب قدر کی عشاء اور فجر کی نماز پڑھ لی اس کو شب قدر کا ثواب مل گیا۔ اور جو اس سے زیادہ عبادت کرے گا۔ اللہ اس کے ثواب میں اضافہ کرے گا۔

حضرت عثمان غنیؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جماعت کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی اس نے گویا نصف شب کا قیام کیا اور جس نے جماعت کے ساتھ فجر کی نماز بھی پڑھی اس نے گویا پوری رات عبادت کی۔ (مسلم)

یعنی باجماعت عشاء کی نماز کے بعد باجماعت فجر کی نماز بھی پڑھی۔ تو گویا پوری رات نماز پڑھی ہر نماز نصف شب کی عبادت کے قائم مقام ہوئی۔ رات کی یہی وہ فرض نمازیں ہیں (ایک ابتدائی دوسری انتہائی)۔ اور مغرب کی نماز دن کی وتر کی نماز ہے۔

شب قدر کا وظیفہ: مستحب ہے کہ شب قدر میں اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ کا زیادہ ورد کیا کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر مجھے شب قدر معلوم ہو جائے تو میں کیا کہوں فرمایا کہو اللھم انک عفو الخ۔ (رواہ احمد و ابن ماجہ والترمذی تفسیر مظہری)

سورة البينة

جو اس کو خواب میں پڑھے اس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ ایک نیک قوم کو ہدایت دے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانُ اٰيَاتٍ

سورۂ بینہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی آٹھ آیتیں ہیں ☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

نہ تھے وہ لوگ جو منکر ہیں

اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ

اہل کتاب اور مشرک ☆

اہل کتاب یہود نصاریٰ ہوئے اور مشرکین وہ قومیں جو بت پرستی یا آتش پرستی وغیرہ میں مبتلا تھیں اور کوئی کتاب سماوی ان کے ہاتھ میں نہ تھی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابی بن کعب کی فضیلت

امام مسلم اور دیگر ائمہ محدثین نے انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے ابی اللہ نے مجھے اس بات کا امر فرمایا ہے کہ میں تمہارے سامنے سورہ لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا پڑھوں اور تم کو پڑھ کر سناؤں۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ اللہ نے میرا نام لے کر آپ سے یہ فرمایا آپ نے فرمایا ہاں اللہ نے تمہارا نام لے کر ہی کہا ہے انس بیان کرتے ہیں کہ ابی بن کعب یہ سن کر رو پڑے اور بیقراری کے ساتھ ان پر گریہ طاری ہوا اور زبان سے یہ کلمات جاری ہوئے وَقَدْ ذُكِرْتُ عِنْدَ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اچھا میرا نام لیا گیا اور ذکر ہوا رب العالمین کی بارگاہ میں۔ (معارف کاندھلوی)

عالمگیر ظلمت اور اس کا علاج:

پہلی آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دنیا میں کفر و شرک اور جہالت کی انتہائی عموم اور غلبہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ کفر و شرک کی ایسی عالمگیر ظلمت کو دور کرنے کے لیے رب العالمین کی حکمت و رحمت کا تقاضا یہ ہوا کہ جیسے ان کا مرض شدید اور وباء عالمگیر ہے اس کے علاج کے لیے بھی کوئی سب سے بڑا ماہر حاذق معالج بھیجنا چاہیئے۔ اس کے بغیر وہ اس مرض سے نجات نہیں پا سکیں گے۔ (معارف مفتی اعظم)

اہل کتاب کا کفر تھا۔ اللہ کی صفات میں غلطی کرنا جیسے عزیر اور مسیح کو اللہ کا بیٹا مانتے تھے اور مشرکوں سے مراد ہیں بت پرست (انکی بت پرستی موجب کفر تھی)۔ (تفسیر مظہری)

مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ①

باز آنیوالے یہاں تک کہ پہنچے اُن کے پاس کھلی بات

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ②

ایک رسول اللہ کا پڑھتا ہوا ورق پاک

عظیم الشان پیغمبر کی ضرورت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے سب دین والے بگڑ چکے تھے اور ہر ایک اپنی غلطی پر مغرور تھا اب چاہے کسی حکیم یا ولی یا بادشاہ عادل کے سمجھانے سے راہ پر آجائیں تو یہ ممکن نہ تھا جب تک ایک ایسا عظیم القدر رسول نہ آئے جس کے ساتھ اللہ کی پاک کتاب اس کی قوی مدد ہو کہ چند سال میں ایک ایک ملک کو ایمان کی روشنی سے بھر دے۔ اور اپنی زبردست تعلیم اور ہمت و عزیمت سے دنیا کی کایا پلٹ کر دے چنانچہ وہ رسول اللہ کی کتاب پڑھتا ہوا آیا جو پاک ورقوں میں لکھی ہوئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سات قراءتیں

ایک مرتبہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت سن کر حضرت ابی رضی اللہ عنہ بگڑ بیٹھے تھے۔ کیونکہ انہوں نے جس طرح اس سورت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح نہیں پڑھا تھا۔ تو غصے میں آکر انہیں لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے قرآن سنا۔ اس نے اپنے طریقے پر اور اس نے اپنے طور پڑھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دونوں نے درست پڑھا حضرت ابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں تو اس قدر شک وشبہ میں پڑ گیا تھا۔ کہ جاہلیت کے زمانہ کا شک سامنے آگیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حالت دیکھ کر میرے سینہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ جس سے میں پسینوں پسینوں ہو گیا۔ اور اس قدر مجھ پر خوف طاری ہو گیا۔ کہ گویا میں اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سن جبرائیل میرے پاس آئے۔ اور فرمایا کہ خدا کا حکم ہے کہ ایک ہی قراءت پر اپنی امت کو قرآن پڑھاؤ۔ میں نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے عفو و درگذر اور بخشش و مغفرت چاہتا ہوں پھر مجھے دو طرح کی قراءتوں کی اجازت ہوئی لیکن میں پھر بھی زیادتی طلب کرتا

رہا۔ یہاں تک کہ سات قراءتوں کی اجازت ملی۔ (تفسیر ابن کثیر)

پاک صحیفے، معتدل احکام اور امی نبی:

مطہرہ، یہ صحف کی صفت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ صحیفے جھوٹ اور شک اور نفاق و گمراہی سے پاک ہیں قیمہ بمعنے مستقیمہ کتب کی صفت ہے معنے یہ ہیں کہ یہ احکام مستقیم منصفانہ و معتدل ہیں اور اس کے معنے مضبوط و مستحکم کے بھی ہو سکتے ہیں تو مطلب یہ ہوگا۔ کہ احکام الٰہیہ جو قرآن میں آئے قیامت تک قائم دائم رہیں گے۔ (معارف مفتی اعظم)

رسول ایسا ہے کہ جو صحیفے پڑھتا ہے یعنی امی ہونے کے باوجود وہ ان چیزوں کی تلاوت کرتا ہے جو صحیفوں میں لکھی ہوئی ہیں تو گویا صحیفوں کی تلاوت کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝٣

اس میں لکھی ہیں کتابیں مضبوط ☆

یعنی قرآن کی ہر سورت گویا ایک مستقل کتاب ہے یا یہ مطلب ہے۔ کہ جو عمدہ کتابیں پہلے آ چکی ہیں ان سب کے ضروری خلاصے اس کتاب میں درج کیے گئے ہیں یا "كُتُبٌ قَيِّمَةٌ" سے علوم و مضامین مراد ہیں یعنی اس کے علوم بالکل صحیح و راست اور مضامین نہایت مضبوط و معتدل ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا

اور وہ جو پھوٹ پڑی اہل کتاب میں

مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝٤

سو جب کہ آ چکی اُن کے پاس کھلی بات ☆

اہل کتاب کا عناد: یعنی اس رسول اور اس کتاب کے آئے پیچھے شبہ نہیں رہا۔ پھر اب اہل کتاب ضد سے مخالف ہیں شبہ سے نہیں اسی لیے ان میں دو فریق ہو گئے جس نے ضد کی منکر رہا جس نے انصاف کیا ایمان لے آیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ جس پیغمبر آخر الزماں کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کے آنے پر اپنے تمام اختلافات کو ختم کر کے سب ایک راستہ پر پڑ لیتے مگر انہوں نے اپنی بدبختی اور عناد سے سبب وحدت و اجتماع کو خلاف و شقاق کا ذریعہ بنا لیا۔ جب اہل کتاب کا یہ حال ہے تو جاہل مشرکوں کا تو پوچھنا کیا (تنبیہ) حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے یہاں "الْبَيِّنَة" کا مصداق حضرت مسیح علیہ الصلوۃ والسلام کو ٹھہرایا ہے یعنی جب حضرت مسیح کھلے کھلے نشان لے کر آئے یہود دشمن ہو گئے اور نصاریٰ نے بھی دنیوی اغراض میں پھنس کر اپنی جماعتیں اور پارٹیاں بنا لیں۔ مدعا یہ ہے کہ پیغمبر کا آنا اور کتاب کا نازل ہونا بھی بغیر حضرت حق کی توفیق کے کفایت نہیں کرتا۔ کتنے ہی سامان ہدایت جمع ہو جائیں جن کو توفیق نہیں ملتی وہ اسی طرح خسارے میں پڑے رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے تو آنے والے رسول کی تصدیق پر سب کو اتفاق تھا۔ سب بعثت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منتظر تھے۔ کافروں کے خلاف نبی منتظر کے وسیلے سے فتح کی دعا کرتے تھے لیکن جب وہ جانا پہچانا نبی آ گیا تو محض حسد اور عناد کی وجہ سے اس کی تصدیق نہیں کی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگرچہ بعض اہل کتاب کا عقیدہ صفات الٰہیہ کے متعلق درست نہ تھا۔ اللہ کو مخلوق کا باپ قرار دیتے تھے۔ اور بعض اہل کتاب کا عقیدہ درست تھا۔ لیکن بعثت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سب کا اتفاق تھا۔ کیونکہ آنے والے نبی کے اوصاف ان کی کتابوں میں بیان کر دیئے گئے تھے۔ چونکہ قبل البعثت تصدیق نبی پر صرف اہل کتاب کا اتفاق تھا۔ مشرکین اس اتفاق میں شریک نہ تھے اس لیے اس آیت میں صرف اہل کتاب کا ذکر کیا گیا ہے تا کہ جن اہل کتاب نے تصدیق رسول نہیں کی ان کی مزید شناعت کا اظہار ہو جائے۔

آیت کا مطلب یہ ہوا کہ قیام حجت یعنی پیغمبر کو بھیجنے اور کتاب کو نازل کرنے سے پہلے اہل کتاب معذب نہ تھے ہلاک ہونے والے نہ تھے۔ (پیغمبر کو احکام دے کر بھیجنے سے پہلے اللہ کسی قوم کو ہلاک یا برباد نہیں کرتا۔ اس کی مثل ہے آیت وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا. (تفسیر مظہری)

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ

اور اُن کو حکم یہی ہوا کہ بندگی کریں اللہ کی

مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۙ حُنَفَاءَ

خالص کر کے اُس کے واسطے بندگی ابراہیم کی راہ پر ☆

حکم توحید: یعنی ہر قسم کے باطل اور جھوٹ سے علیحدہ ہو کر خالص خدائے واحد کی بندگی کریں اور ابراہیم حنیف کی طرح سب طرف سے ٹوٹ کر اسی ایک مالک کے غلام بن جائیں تشریع و تکوین کے کسی شعبہ میں کسی دوسرے کو خودمختار نہ سمجھیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اللہ کی عبادت کریں اعتقاد کو شرک سے پاک رکھتے ہوئے۔

حُنَفَاءَ۔ تمام باطل مذاہب سے مڑ کر (اور اعراض کر کے) یہ حال مرادف ہے یا متداخل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا آیت کا معنی یہ ہے کہ توریت اور انجیل میں ان کو یہی حکم دیا گیا تھا۔ کہ توحید کا عقیدہ رکھتے ہوئے عبادت کو اللہ کے لیے مخصوص رکھیں۔ (تفسیر مظہری)

وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ

اور قائم رکھیں نماز اور دیں زکوۃ

وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝۵

اور یہ ہے راہ مضبوط لوگوں کی ☆

یعنی یہ چیزیں ہر دین میں پسندیدہ رہیں انہی کی تفصیل یہ پیغمبر کرتا ہے پھر خدا جانے ایسی پاکیزہ تعلیم سے کیوں وحشت کھاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ

اور جو منکر ہوئے اہل

الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ

کتاب اور مشرک ہونگے

نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط

دوزخ کی آگ میں سدا رہیں اُس میں ☆

انکارِ حق کی سزا

یعنی علم کا دعویٰ رکھنے والے اہل کتاب ہوں یا جاہل مشرک، حق کا انکار کرنے پر سب کا انجام ایک ہے وہی دوزخ جس سے کبھی چھٹکارا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝۶

وہ لوگ ہیں سب خلق سے بدتر ☆

یعنی بہائم سے بھی زیادہ ذلیل اور بدتر کما قال فی سورۃ ''الفرقان'' ''اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا''۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

وہ لوگ جو یقین لائے اور کیے بھلے کام

اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝۷

وہ لوگ ہیں سب خلق سے بہتر ☆

حق پرست لوگ:

یعنی جو لوگ سب رسولوں اور کتابوں پر یقین لائے اور بھلے کاموں میں لگے ہے وہی بہترین خلائق ہیں حتی کہ ان میں کے بعض افراد بعض فرشتوں سے آگے نکل جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اور ایمان دار اور نیکو کار سب مخلوق سے یعنی بے گناہ فرشتوں سے بھی بہتر ہیں اس جگہ سے علماء نے کہا ہے کہ خاص درجات والے انسان خاص درجات والے ملائکہ سے افضل ہیں اور عام انسان یعنی صاف دل رکھنے والے اور پاک نفس رکھنے والے ایماندار نیکو کار عام ملائکہ سے افضل ہیں رہے غیر صالح (گنہگار) تو مومن تو جب مغفرت سے یا گناہوں کی سزا دیکر ان کو گناہوں سے پاک کر دیا جائے گا۔ تو عمل صالح رکھنے والے مومنوں کے ساتھ جنت میں ملا دیا جائے گا۔ اور وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے اور گناہوں سے پاک ہو جانے کے بعد وہ عام ملائکہ سے افضل ہو جائیں گے۔ (تفسیر مظہری)

بہتر شخص اور بہترین مخلوق:

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں تمہیں بتاؤں کہ سب سے بہتر شخص کون ہے۔ لوگوں نے کہا ضرور فرمایا کہ وہ شخص جو اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہے کہ کب جہاد کی آواز اٹھے اور کب میں کود کر اس کی پیٹھ پر سوار ہو جاؤں اور کڑکڑاتا ہوا دشمن کی فوج میں گھسوں اور داد شجاع دوں لو میں تمہیں ایک اور بہترین مخلوق کی خبر دوں۔ وہ شخص جو اپنی بکریوں کے ریوڑ میں ہے نہ نماز چھوڑتا ہے نہ زکوٰۃ سے جی چراتا ہے آؤ اب میں تمہیں بدترین مخلوق بتاؤں۔ وہ شخص جو خدا کے نام سے سوال کرے اور پھر نہ دیا جائے۔ (تفسیر ابن کثیر)

جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ

بدلہ اُن کا ان کے رب کے یہاں باغ ہیں

عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

ہمیشہ رہنے کو نیچے بہتی ہیں اُن کے نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ط

سدا رہیں اُن میں ہمیشہ

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ط

اللہ اُن سے راضی اور وہ اُس سے راضی ☆

جنت سے بھی بڑی نعمت:

یعنی جنت کے باغوں اور نہروں سے بڑھ کر رضا مولیٰ کی دولت ہے بلکہ جنت کی تمام نعمتوں کی اصلی روح یہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اعجاز کلام: بیضاوی نے لکھا ہے کہ اس کلام میں کئی طرح سے (اداء معنی میں) قوت ہے اول مدح فرمائی (خیر البریہ فرمایا) پھر لفظ جزاء بتا رہا ہے کہ یہ ثواب ان کے اعمال وصفات کا بدلہ ہوگا۔ پھر من عند ربہم کہا اور بتایا کہ یہ ثواب خداداد ہوگا۔ لا محالہ کامل ہوگا۔ پھر جنات کو بصیغہ جمع ذکر کیا اور پھر عدن کا لفظ کہا جس سے معلوم ہوا

کہ یہ باغات صرف ہنگامی عارضی تفریح کے لیے نہیں ہوں گے۔ پھر تجری کہہ کر نعمت کو دوبالا کردیا پھر خلود کو ابد سے مقید کردیا تا کہ زوال نعمت کا خطرہ نہ رہے۔)

رضائے الٰہی: حضرت ابوسعید خدری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جنت والوں سے فرمائے گا۔ اے ساکنان جنت! اہل جنت جواب دیں گے۔ لَبَّیْکَ رَبَّنَا وَ سَعْدَیْکَ وَ الْخَیْرُ کُلُّہٗ فِیْ یَدَیْکَ اللہ فرمائے گا کہ کیا تم راضی ہوا ہل جنت عرض کریں گے پروردگار ہمارے ناخوش رہنے کی کیا وجہ ہے تو نے تو ہم کو وہ چیزیں عطاء فرمائیں جو تیری مخلوق میں سے کسی اور کو نہیں دی گئیں۔ اللہ فرمائے گا کیا ان سے بھی بڑھیا چیز میں تم کو نہ دوں اہل جنت عرض کریں گے کہ پروردگار! ان سے اعلیٰ چیز کیا ہوگی؟ اللہ فرمائے گا۔ میں تم پر اپنی رضامندی نازل کرتا ہوں۔ آئندہ کبھی میں تم سے ناراض نہ ہوں گا۔ (متفق علیہ)

میں کہتا ہوں کہ اہل جنت جو یہ کہیں گے کہ تیری مخلوق میں سے کسی اور کو نہیں دی گئی شاید اسکی مراد یہ ہے کہ فرشتوں کو نہیں دی گئی ورنہ اہل جنت کے علاوہ دوسرے انسان سوائے دوزخیوں کے اور نہیں ہوں گے اور دوزخیوں کے مقابلے میں اپنی فضیلت کا اظہار (موقع کلام کے لحاظ سے) درست نہیں۔

رضا کی ایک خاص قسم

رضا کی ایک قسم یہ ہے کہ بندہ اپنی انتہائی آرزو اور آخری تمنا کو پہنچ جائے۔ آیت میں یہی رضا مراد ہے۔ آیت وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۔ کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ایسی حالت میں میں اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک کہ میری امت کا ایک بھی شخص دوزخ میں رہے گا۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ﴿٨﴾

یہ ملتا ہے اُس کو جو ڈرا اپنے رب سے ☆

مقام خشیت: یعنی یہ مقام بلند ہر ایک کو نہیں ملتا صرف ان بندوں کا حصہ ہے جو اپنے رب کی ناراضی سے ڈرتے ہیں اور اس کی نافرمانی کے پاس نہیں جاتے۔ (تفسیر عثمانی)

عاشقوں کی نشانی: حضرت انس کی رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تیرے سامنے قرآن پڑھوں ایک روایت میں قرآن پڑھوں کی جگہ لم یکن الذین کفروا! پڑھوں آیا ہے حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ کیا اللہ نے میرا نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرا ذکر رب العالمین کے پاس ہوا ہے فرمایا ہاں یہ سن کر ابی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ (متفق علیہ)

میں کہتا ہوں حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی جو حالت حدیث میں بیان کی گئی ہے یہ عاشقوں کی نشانی ہے۔

سورة الزلزال

جس نے اس کو خواب میں پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے کافروں کے قدم ہلا دے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِ اٰيٰتٍ

سورہ زلزال مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی آٹھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿١﴾

جب ہلا ڈالے زمین کو اُس کے بھونچال سے ☆

اختتام دنیا کا زلزلہ:

یعنی حق تعالیٰ ساری زمین کو ایک نہایت سخت اور ہولناک زلزلہ سے ہلا ڈالے گا۔ جس کے صدمہ سے کوئی عمارت اور کوئی پہاڑ یا درخت زمین پر قائم نہیں رہے گا، سب نشیب و فراز برابر ہو جائینگے تا کہ میدان حشر بالکل ہموار اور صاف ہو جائے اور یہ معاملہ قیامت میں نفخ ثانی کے وقت ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جب زمین کو ہلایا جائے گا اور اس کی عظمت کی حالت کے مناسب جھنجھوڑا جائے گا۔ یا تقاضائے حکمت کے مطابق جھنجھوڑا جائے گا۔ یا جس قدر اس کو جھنجھوڑنا ممکن ہوگا جھنجھوڑا جائے گا یا جس قدر جھنجھوڑ زمین کے لیے مقرر ہے اتنی حرکت دی جائے گی۔

صحیحین میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت آئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ آدم علیہ السلام سے فرمائے گا۔ اٹھ اور اپنی نسل میں دوزخ کا حصہ بھیج۔ آدم عرض کریں گے پروردگار دوزخ کا کیا حصہ؟ اللہ فرمائے گا۔ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے ایک باقی رہے گا۔ اس کلام کو سن کر بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حمل والی کا حمل ساقط ہو جائے اور تم کو لوگ نشے میں (لڑکھڑاتے ہوئے) دکھائی دیں گے۔ حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے۔ بلکہ اللہ کا عذاب سخت ہوگا۔ یہ حدیث صحابہ پر شاق گذری اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ (محفوظ رہنے والا) ایک (فی ہزار) ہم میں سے کون ہوگا فرمایا یاجوج ماجوج میں سے ہزار ہوں گے اور تم میں سے ایک، دیگر اقوام میں تم ایسے ہو جیسے سفید بیل (کی کھال) پر ایک سیاہ بال یا سیاہ بیل کی کھال پر سفید بال۔

حدیث میں ہے کہ اس وقت یعنی حصہ دوزخ کے وقت بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حمل والی اسقاط کردے گی۔ واللہ اعلم (تفسیر مظہری)

وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝۲

اور نکال باہر کرے زمین اپنے اندر سے بوجھ ☆

زمین کے دفینے نکل پڑیں گے:

یعنی اس وقت زمین جو کچھ اسکے پیٹ میں ہے مثلاً مردے یا سونا چاندی وغیرہ سب باہر اگل ڈالے گی۔ لیکن مال کا کوئی لینے والا نہ ہوگا۔ سب دیکھ لینگے کہ آج یہ چیز جس پر ہمیشہ لڑا کرتے تھے کس قدر بیکار ہے۔ (تفسیر عثمانی)

زمین کی طرف نکالنے کی نسبت مجازی ہے (حقیقت میں اخراج اثقال کرنے والی خدا کی قدرت ہے یعنی زمین اپنے بوجھ باہر پھینک دے گی۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ زمین مردوں کو قبروں سے باہر نکال دے گی۔ (گویا ابن عباس کے نزدیک اثقال سے مراد ہیں مردے) فریابی نے مجاہد کا بھی قول نقل کیا ہے کہ اس مطلب پر یہ واقعہ نفخہ دوم کے بعد کا ہوگا۔

ابن ابی حاتم نے عطیہ کا قول نقل کیا ہے کہ زمین اپنے اندر کے خزانے باہر نکال دے گی۔ (اس قول پر اثقال سے مراد ہوئے زمین کے اندرونی خزانے)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین اپنے جگر پاروں کو سونے چاندی کے ستونوں کی طرح باہر نکال کر پھینک دیگی قاتل آئے گا اور زمین کے اوپر سونے چاندی کے ڈھیر دیکھ کر کہے گا اسی کے لیے میں نے قتل کیا تھا رشتہ داری قطع کرنے والا آئے گا۔ اور کہے گا کہ اسی کے لیے میں نے رشتہ داری قطع کی تھی۔ چور آئے گا۔ اور کہے گا کہ اسی کے سلسلے میں میرا ہاتھ کاٹا گیا تھا۔ پھر سب لوگ اس کو چھوڑ جائیں گے اور کوئی بھی اس میں سے کچھ نہیں لے گا۔ (رواہ المسلم)

صحیحین میں مرفوع حدیث آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریب ہے کہ فرات سے بہتیرا سونا برامد ہوگا اگر کوئی شخص اس زمانہ میں وہاں موجود ہو۔ تو اس میں سے کچھ نہ لے۔ مسلم کی روایت ہے کہ قیامت بپا نہ ہوگی جب تک کہ فرات سونے کا پہاڑ برامد نہ کرے گی۔ اس سونے پر لوگ ایک دوسرے کو قتل کریں گے یہاں تک کہ سو میں سے ننانوے مارے جائیں گے ایک بچے گا وہ ایک کہے گا کہ شاید میں ہی وہ شخص ہوں جو زندہ بچ گیا ہوں۔ میں کہتا ہوں شاید شروع میں قتال ہوگا۔ پھر آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ کوئی بھی کچھ نہ لے سکے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا ۝۳

اور کہے آدمی اُس کو کیا ہو گیا ☆

انسان کی حیرت:

یعنی آدمی زندہ ہونے اور اس زلزلہ کے آثار دیکھنے کے بعد یا انکی روحیں عین زلزلہ کے وقت حیرت زدہ ہو کر کہیں گی کہ اس زمین کو کیا ہو گیا جو اس قدر زور سے ہلنے لگی اور اپنے اندر کی تمام چیزیں ایک دم باہر نکال پھینکیں۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝۴

اُس دن کہہ ڈالے گی وہ اپنی باتیں

بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝۵

اس واسطے کہ تیرے رب نے حکم بھیجا اُس کو ☆

زمین اعمال کی گواہی دے گی:

یعنی بنی آدم نے جو برے بھلے کام اس کے اوپر کیے تھے سب ظاہر کر دیگی مثلاً کہے گی فلاں شخص نے مجھ پر نماز پڑھی تھی فلاں نے چوری کی تھی فلاں نے خون ناحق کیا تھا وغیرہ ذٰلک گویا آج کل کی زبان میں یوں سمجھو کہ جس قدر اعمال زمین پر کیے جاتے ہیں زمین میں ان سب کے ریکارڈ موجود رہتے ہیں قیامت میں وہ پروردگار کے حکم سے کھول دیئے جائینگے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ زمین کی خبریں کیا ہوں گی صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بخوبی واقف ہیں۔ فرمایا زمین کی خبریں یہ ہوں گی کہ جس بندے اور بندی نے زمین کے اوپر کچھ کیا ہوگا۔ زمین اس کی شہادت دے گی اور کہے گی کہ فلاں فلاں شخص نے ایسا ایسا کیا تھا۔ یہی زمین کی اطلاعات ہوں گی۔ (رواہ احمد ونسائی وابن حبان والبیہقی)

ترمذی نے نقل کرنے کے بعد اس کو صحیح کہا ہے طبرانیؒ نے حضرت ربیعہ حرشی رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین سے احتیاط رکھو یہ تمہاری ماں ہے جس شخص نے بھی اس کے اوپر کوئی اچھا برا کام کیا ہے۔ وہ اس کی خبر ضرور دینے والی ہے۔ طبرانی نے مجاہد کا قول بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

یعنی انسان کے سوال کے جواب میں کہے گی مجھے اللہ کا حکم ہی یوں ملا۔ (تفسیر مظہری)

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۝

اُس دن ہو پڑیں گے لوگ طرح طرح پر ☆

مختلف جماعتیں:

یعنی اس روز آدمی اپنی قبروں سے میدان حشر میں طرح طرح کی

جماعتیں بن کر حاضر ہونگے۔ ایک گروہ شرابیوں کا ہوگا ایک زانیوں کا ایک ظالموں کا ایک چوروں کا، وعلیٰ ہذا القیاس یا یہ مطلب ہے کہ لوگ حساب سے فارغ ہوکر جو لوٹینگے تو کچھ جماعتیں جنتی اور کچھ دوزخی ہوکر جنت اور دوزخ کی طرف چلی جائینگی۔ (تفسیر عثمانی)

لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ۝٦

کہ ان کو دکھا دیئے جائیں ان کے عمل ☆

اعمال کی نمائش: یعنی میدان حشر میں ان کے عمل دکھلا دیئے جائینگے تا بدکاروں کو ایک طرح کی رسوائی اور نیکوکاروں کو ایک قسم کی سرخروئی حاصل ہو یا ممکن ہے اعمال کے دکھلانے سے ان کے ثمرات و نتائج کا دکھلانا مراد ہو۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا لیرو اجزاء اعمالهم یعنی مقام حساب سے دائیں بائیں واپسی اس لیے ہوگی کہ ان کو اعمال کی سزا جزاء دکھا دی جائے۔ مطلب یہ کہ جنت یا دوزخ کے اندر اپنے مقامات پر جا کر اتر جائیں۔ (تفسیر مظہری)

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝٧

سو جس نے کی ذرہ بھر بھلائی وہ دیکھ لے گا اُسے

وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝٨

اور جس نے کی ذرہ بھر برائی وہ دیکھ لے گا اُسے ☆

یعنی ہر ایک کا ذرہ ذرہ عمل بھلا ہو یا برا اس کے سامنے ہوگا اور حق تعالیٰ جو کچھ معاملہ ہر ایک عمل کے متعلق فرمائینگے وہ بھی آنکھوں سے نظر آ جائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

ذرہ بھر عمل کا بھی حساب ہوگا:

جس شخص کے دل میں ایک ذرہ برابر ایمان ہوگا۔ وہ بالآخر جہنم سے نکال لیا جاوے گا۔ کیونکہ اس آیت کے وعدے کے مطابق اس کو اپنی نیکی کا پھل بھی آخرت میں ملنا ضرور ہے۔ اور کوئی بھی نیکی نہ ہو تو خود ایمان بہت بڑی نیکی ہے۔ اس لیے کہ کوئی مومن کتنا ہی گناہگار ہو ہمیشہ جہنم میں نہ رہے گا۔ البتہ کافر نے اگر دنیا میں کچھ نیک عمل بھی کیے تو شرط عمل یعنی ایمان کے نہ ہونے کی وجہ سے کالعدم ہیں اس لیے آخرت میں اس کی کوئی خیر خیر ہی نہیں۔

وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ۔ مراد اس سے وہ شر ہے جس نے اپنی زندگی میں توبہ نہ کر لی ہو۔ کیونکہ توبہ سے گناہوں کا معاف ہونا قرآن و سنت سے یقینی ثابت ہے۔ البتہ جس نے گناہ سے توبہ نہ کی ہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا آخرت میں اس کا نتیجہ ضرور سامنے آئے گا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دیکھو

ایسے گناہوں سے بچنے کا پورا اہتمام کرو جن کو چھوٹا یا حقیر سمجھا جاتا ہے کیونکہ اللہ کی طرف سے اس پر بھی مواخذہ ہے۔ (رواہ النسائی و ابن ماجہ عنہا)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت قرآن کی سب سے زیادہ مستحکم اور جامع آیت ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو الفذۃ الجامعۃ فرمایا ہے یعنی منفرد و یکتا اور جامع۔

سورۃ کی فضیلت:

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ إِذَا زُلْزِلَتِ کو نصف قرآن کہا ہے اور قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ کو ثلث قرآن اور قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ کو ربع القرآن فرمایا ہے۔ (رواہ الترمذی والبغوی، مظہری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص پاک کمائی سے آدھے چھوہارے کے برابر کوئی چیز خیرات کرتا ہے اور اللہ پاک کمائی ہی کو قبول کرتا ہے تو اللہ اپنے دائیں ہاتھ سے اس کو لیتا ہے پھر خیرات کرنے والے کے لیے اس کی اس حقیر خیرات کو بڑھاتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ پہاڑ کے برابر ہوتی ہے جیسے تم میں سے بعض لوگ بچھیرے کو پرورش کرتے ہو۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تھوڑی بھلائی کو بھی حقیر نہ سمجھو خواہ اتنا ہی کہ اپنے بھائی سے شگفتہ روئی سے پیش آؤ۔ (رواہ المسلم)

اہلسنت کا مسلک:

معتزلہ کے خلاف اس آیت سے اہل سنت کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ کبیرہ گناہ کرنے سے مسلمان بھی ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے بلکہ آخرکار جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے۔ کیونکہ اللہ نے ذرہ برابر نیکی کی جزاء دینے کا بھی وعدہ کیا ہے اور وعدہ الٰہیہ میں خلاف ورزی ناممکن ہے۔ ایمان تو تمام نیکیوں کا سرچشمہ اور عبادات کی بنیاد ہے تو گناہوں کے ارتکاب سے اس کی جزاء کس طرح معدوم ہو سکتی ہے اور چونکہ ثواب کو دیکھنے کا مقام صرف جنت ہے اس لیے خواہ مومن فاسق ہو اور بغیر توبہ کے مر جائے آخر میں جنت میں ضرور جائیگا۔ اس پر اجماع ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متواتر فرمان بھی اسی مطلب پر دلالت کرتے ہیں

حضرت انسؓ کی متفق علیہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس کا یعنی کلمہ توحید و رسالت کا قائل ہے اور اس کے دل میں ذرہ برابر خیر یا ایمان ہے وہ دوزخ سے نکل آئے گا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی روایت مسلم نے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، مر گیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

مسلم نے جابر کی روایت بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص شرک کی حالت میں مر گیا وہ دوزخ میں جائے گا۔ اور جو شخص ایسی حالت میں مرا کہ کسی کو اللہ کا ساجھی نہ بناتا تھا۔ تو وہ جنت میں جائے گا۔

مسلمؒ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے۔ کہ جس شخص نے شہادت دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ نے اس پر دوزخ حرام کر دی۔ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عتبان بن مالک کی روایت سے اور حاکم کے نزدیک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور مسلم کے نزدیک حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت بھی یہ حدیث آئی ہے مسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے ان الفاظ میں حدیث نقل کی ہے کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہوگا۔ وہ دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔ یعنی اللہ نے دوامی دوزخ اس پر حرام کر دی ہے ہمیشہ کے لیے دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ لا الہ الا اللہ کا قائل ہوا پھر اسی پر وہ مر گیا تو جنت میں داخل ہو گیا۔ میں نے عرض کیا کہ خواہ اس نے زنا کی ہو خواہ اس نے چوری کی ہو۔ فرمایا اگر چہ اس نے زنا کی ہو۔ اگر چہ اس نے چوری کی ہو۔ میں نے عرض کیا اگر چہ اس نے زنا کی ہو۔ اگر چہ اس نے چوری کی ہو (تب بھی جنت میں جائے گا) فرمایا کہ خواہ اس نے زنا کی ہو خواہ اس نے چوری کی ہو۔ تب بھی وہ جنت میں جائے گا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کی ناک کو خاک آلود کر کے۔ احمد بزار اور طبرانی نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے سیوطی نے کہا اس مضمون کی احادیث تواتر سے بھی زائد ہیں۔

منفرد اور جامع سورۃ:

مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے۔ جس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو فاذّہ جامعہ فرمایا (فاذّہ، اکیلی، یگانہ، یکتا)۔

ربیع بن خیثم کا بیان ہے کہ ایک شخص حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ سورت پڑھتا ہوا گزرا جب آخری حصہ پر پہنچا تو حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بس میرے لئے کافی ہے تو نے نصیحت کی آخر کر دی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کچھ پڑھا دیجئے فرمایا آلر والی تین سورتیں پڑھ۔ اس شخص نے عرض کیا میں بوڑھا ہو گیا ہوں دل بھی سخت ہو گیا ہے اور زبان بھی موٹی پڑ گئی ہے فرمایا حم والی تین سورتیں پڑھ۔ اس نے پہلے کی طرح اب بھی گزارش کی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے سورت جامعہ (جو سب کے ثواب کے جامع ہو) پڑھا دیجئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اذا زلزلت پڑھا دی۔ پڑھنے سے فارغ ہو کر اس شخص نے عرض کیا کہ قسم ہے اس ذات کی کہ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں کبھی اس سے زیادہ نہیں پڑھوں گا (اور نہ اس میں کمی کروں گا) پھر پشت موڑ کر چل دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ فرمایا کہ مرد کامیاب ہو گیا۔ (رواہ احمد وابوداؤد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ دونوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِذَا زُلْزِلَتِ نصف قرآن کے برابر ہے اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے اور قل یا یھا الکافرون ایک چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ (ترمذی وبغوی)

ترمذی کی ایک اور روایت میں آیا ہے اور ابن ابی شیبہ نے بھی لکھا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اذا زلزلت الارض چوتھائی قرآن ہے۔

ایک بہت ہی ضعیف سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے چار بار اذا زلزلت پڑھ لی تو وہ (ثواب میں) اس طرح ہے جس نے پورا قرآن پڑھا واللہ اعلم۔

مومنوں کو صغیرہ کبیرہ گناہوں کی سزا دینے کی صراحت بکثرت ان گنت آیات و احادیث میں آئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل سنت کا مسلک حق ہے اگر اللہ چاہے گا تو چھوٹے گناہ کی بھی سزا دے گا اور یہ اس کے انصاف کا تقاضہ ہوگا اور اگر چاہے گا تو بڑے بڑے گناہوں کو بھی معاف کر دے گا اور یہ اسکی مہربانی کا نتیجہ ہوگا۔

حضرت سعید بن حبان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حنین سے فراغت پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو ہمارا پڑاؤ ایسے چٹیل میدان میں ہوا کہ جہاں کچھ بھی نہ تھا (نہ درخت نہ عمارت نہ سبزہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی کو ملے وہ لے آئے سب کو جمع کر لو گھڑی بھر میں ہی لوگوں نے جمع کر لیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اس کو دیکھ رہے ہو اسی طرح آدمی پر گناہوں کا انبار اکٹھا ہو جاتا ہے پس آدمی کو چاہئے کہ اللہ سے ڈرتا رہے اور چھوٹا بڑا کوئی گناہ نہ کرے کیونکہ اس کے خلاف تمام گناہوں کو جمع رکھا جاتا ہے۔ (طبرانی)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حقیر گناہوں سے پرہیز رکھ۔ اللہ کی طرف سے ان کی باز پرس کرنے والا بھی ہوگا۔ نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا تم کچھ عمل ایسے کرتے ہو جو تمہاری نظر میں بال سے بھی زیادہ باریک (یعنی حقیر) ہوتے ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم ان کو ہلاکت آفرین گناہوں میں سے شمار کرتے تھے۔ رواہ البخاری امام احمد نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے ایسی ہی حدیث نقل کی ہے جس کی سند صحیح ہے۔

حالت کفر کی منت: علماء نے کہا ہے کہ حالت کفر میں جس نے نماز پڑھنے یا روزہ رکھنے یا اعتکاف کرنے کی منت مانی پھر مسلمان ہو گیا تو نذر کو پورا کرنا واجب نہیں کیونکہ حالت کفر کی نماز روزہ اور اعتکاف خالص اللہ کیلئے نہیں ہوتا پس کفر کی حالت کی نماز وغیرہ بھی کفر اور معصیت ہے طاعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور معصیت کی نذر (معتبر) نہیں کافروں کے اعمال میدانی سراب کی طرح ہیں جس کو پیاسا پانی سمجھتا ہے لیکن قریب پہنچتا ہے تو کچھ بھی نہیں ملتا۔

بخشش کا دریا: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ قیامت کے دن اللہ ضرور ایسی مغفرت (عمومی) کرے گا کہ ابلیس بھی اس کی طرف بڑھے گا اور اس کو پالینے کے قریب پہنچ جائے گا (مگر پانہ سکے گا) (رواہ البیہقی)

اس مضمون کی احادیث اتنی کثرت سے آئی ہیں کہ حد تواتر میں داخل ہو گئی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

کسی نیکی کو ہلکا نہ سمجھو: حضرت صعصعہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ آیت سن کر کہہ دیا تھا کہ صرف یہی آیت کافی ہے اور زیادہ اگر نہ بھی سنوں تو کوئی ضرورت نہیں۔ (مسند احمد ونسائی)

صحیح بخاری شریف میں بروایت حضرت عدی بن حاتم مروی ہے کہ آگ سے بچو اگرچہ آدھی کھجور کا صدقہ ہی کیوں نہ ہو۔

اسی طرح صحیح حدیث ہے کہ نیکی کے کام کو ہلکا نہ سمجھو گو اتنا ہی کام ہو کہ تو اپنے ڈول میں سے ذرا سا پانی کسی پیاسے کو پلوا دے یا اپنے کسی مسلمان بھائی سے کشادہ روئی اور خندہ پیشانی سے ملاقات کر لے۔

دوسری ایک صحیح حدیث میں ہے کہ اے ایمان والی عورتو! تم اپنے پڑوسی کے بھیجے ہوئے تحفے ہدیے کو حقیر نہ سمجھو گو ایک کھر ہی آیا ہو۔

اور حدیث میں ہے کہ سائل کو کچھ نہ کچھ دے دو گو جلا ہوا کھر ہی کیوں نہ ہو۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گناہوں کو حقیر نہ سمجھو یاد رکھو کہ ان کا بھی حساب لینے والا ہے

کسی گناہ کو ہلکا نہ سمجھو:

ابن جریر رحمہ اللہ کی ایک روایت میں ہے کہ یہ سورت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں نازل ہوئی تھی آپ اسے سن کے بہت روئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ سورت رلا رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم خطا اور گناہ نہ کرتے کہ تمہیں بخشا جائے اور معاف کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کسی اور امت کو پیدا کرتا جو خطا اور گناہ کرتے اور خدا انہیں بخشتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ گناہوں کو ہلکا نہ سمجھا کرو یہ سب جمع ہو کے آدمی کو ہلاک کر ڈالتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان برائیوں کی مثال بیان فرمائی کہ جیسے کچھ لوگ کسی جگہ اترے پھر ایک ایک دو دو لکڑیاں چن لائے تو لکڑیوں کا ڈھیر لگ جائے گا پھر انہیں سلگائی جائیں تو اس آگ میں جو چاہیں پکالیں (اسی طرح تھوڑے تھوڑے گناہ بہت زیادہ ہو کر آگ کا کام کرتے ہیں اور انسان کو جلا دیتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

سورۃ العدیت

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کو اچھے گھوڑے عطا فرمائے گا جس سے وہ فائدہ اٹھائے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۂ عادیات مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی گیارہ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ﴿١﴾

قسم ہے دوڑنے والے گھوڑوں کی ہانپ کر

فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ﴿٢﴾

پھر آگ سلگانے والے جھاڑ کر ☆

یعنی جو پتھر یا پتھریلی زمین پر ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

گھوڑوں کی قسم اور اس کا مقصد:

ظاہر عنوان سے یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ گھوڑوں ہی کی قسم کھائی ہے اور غرض یہ ہے کہ غور کرو تو معلوم ہو جائے گا کہ خود گھوڑا زبان حال سے یہ شہادت دے رہا ہے کہ جو لوگ مالک حقیقی کی دی ہوئی روزی کھا رہے ہیں اور اس کی بے شمار نعمتوں سے شب و روز متمتع ہوتے ہوئے بھی اس کی فرماں برداری نہیں کرتے وہ جانوروں سے بھی زیادہ ذلیل و حقیر ہیں۔ ایک شائستہ گھوڑے کو مالک گھاس کے تنکے اور تھوڑا سا دانہ کھلاتا ہے وہ اتنی سی تربیت پر اپنے مالک کی وفاداری میں جان لڑا دیتا ہے۔ جدھر سوار اشارہ کرتا ہے ادھر ہی چلتا ہے دوڑتا اور ہانپتا ہوا اور ٹاپیں مارتا ہوا اور غبار اٹھاتا ہوا گھمسان کے معرکوں میں بے تکلف گھس جاتا ہے گولیوں کی بارش میں تلواروں اور سنگینوں کے سامنے پڑ کر سینہ نہیں پھیرتا بلکہ بسا اوقات وفادار گھوڑا اپنے سوار کو بچانے کے لئے اپنی جان کو خطرے میں ڈال دیتا ہے۔

کیونکہ چوپائے بہر حال اپنے پرورش کرنے والے مالک کو پہچان لیتے ہیں اور اس کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں اس کو محسن سمجھتے ہیں۔ کسی نہ کسی درجہ میں نفع و ضرر کو جانتے ہیں اگر ان کو کھلا چھوڑ دو تو چراہ گاہ کی طرف پہنچ جاتے ہیں جہاں ان کو غذا اور پانی مل جاتا ہے۔ لیکن یہ منکرین آخرت اور کافر نہ اپنے مالک کو پہچانتے ہیں اور نہ اپنے محسن کو سمجھتے ہیں اور نہ اپنے نفع ونقصان

کی تمیز کرتے ہیں اور جس عقل وفہم سے یہ خدا کو پہچان کر بے شمار دینی اور دنیوی کمالات اور سعادتیں حاصل کرتے ہیں اس کو معطل رکھ کر اپنے واسطے ابدی ہلاکت اور تباہی کا سامان مہیا کیا بھلا بتایا جائے کہ اس سے زیادہ اور کون سا بدعقلی کا مقام ہو سکتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

سورۃ مکی ہے یا مدنی:

سورۂ عادیات حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور جابر رضی اللہ عنہ اور حسن بصریؒ عکرمہ رحمہم اللہ کے نزدیک مکی اور ابن عباس رضی اللہ عنہ، انس رضی اللہ عنہ، امام مالکؒ، قتادہ کے نزدیک مدنی سورت ہے۔ (قرطبی)

سورۃ کے مضامین:

اس سورت میں حق تعالیٰ نے جنگی گھوڑوں کے کچھ خاص حالات وصفات کا ذکر فرمایا ہے اوران کی قسم کھا کر یہ ارشاد فرمایا کہ انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔

گھوڑوں کی شہادت:

یہاں جنگی گھوڑوں کی سخت خدمات کا ذکر گویا اس کی شہادت میں لایا گیا ہے کہ انسان بڑا ناشکرا ہے۔ تشریح اس کی یہ ہے گھوڑوں کے اور خصوصاً جنگی گھوڑوں کے حالات پر نظر ڈالئے کہ وہ میدان جنگ میں اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر کیسی کیسی سخت خدمات انسان کے حکم واشارہ کے تابع انجام دیتا ہے۔ حالانکہ انسان نے ان گھوڑوں کو پیدا نہیں کیا۔ ان کو جو انسان گھاس دانہ دیتا ہے وہ بھی اس کا پیدا کیا ہوا نہیں۔ اس کا کام صرف اتنا ہے کہ خدا تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے رزق کو ان تک پہنچانے کا واسطہ بنتا ہے۔ اب گھوڑے کو دیکھئے کہ وہ انسان کے اتنے سے احسان کو کیسا پہچانتا ہے اور مانتا ہے کہ اس کے ادنیٰ اشارہ پر اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے اور سخت سے سخت مشقت برداشت کرتا ہے۔ اس کے بالمقابل انسان کو دیکھو جس کو ایک حقیر قطرہ سے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور اس کو مختلف کاموں کی قوت بخشی، عقل وشعور دیا، ان کے کھانے پینے کی ہر چیز پیدا فرمائی اور اس کی تمام ضروریات کو کس قدر آسان کر کے اس تک پہنچا دیا کہ عقل حیران رہ جاتی ہے مگر وہ ان تمام اعلیٰ واعلیٰ احسانات کا بھی شکر گزار نہیں ہوتا۔ (معارف مفتی اعظم)

شان نزول:

بزاز دارقطنی حاکم اور ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سواروں کو (کہیں) بھیجا اور مہینہ بھر ان کی کوئی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں آئی تو مندرجہ آیات کا نزول ہوا۔ یعنی ہانپتے ہوئے۔ دوڑنے کے وقت گھوڑے کی سانس کی آواز کو ضَبْح کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا جانوروں میں سوائے گھوڑے، کتے اور لومڑی کے ہانپنے کی آواز کسی اور جانور کی نہیں ہوتی اور یہ بھی اس وقت ہوتی ہے جب تھکنے کی وجہ سے ان کا حال بگڑتا ہے۔

ضبحا کا معنی ہوگا چلنے کی حالت میں گردنیں لمبی کئے ہوئے **الموریٰت** سے مراد وہ گھوڑے ہے کہ جب رات کو پتھریلی زمین پر چلتے ہیں ان کی ٹاپیں پتھروں سے رگڑتی ہیں تو چنگاریاں نمودار ہو جاتی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝۳

پھر غارت ڈالنے والے صبح کو ☆

حملہ کرنے کا وقت: عرب میں اکثر عادت صبح کے وقت تاخت کرنے کی تھی تاکہ رات کے وقت جانے میں دشمن کو خبر نہ ہو صبح کو دفعۃً جا پڑیں اور رات کو حملہ نہ کرنے میں اظہار شجاعت سمجھتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

المغیرات سے مراد ہیں وہ گھوڑے جو اپنے سواروں کو لے کر صبح کے وقت دشمن پر حملہ کرتے ہیں (دشمنوں پر چھاپہ مارتے ہیں) (تفسیر مظہری)

فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝۴

پھر اٹھانے والے اُس میں گرد ☆

گھوڑوں کی ٹاپیں:

یعنی ایسی تیزی اور قوت سے دوڑنے والے کہ صبح کے وقت جبکہ رات کی سردی اور شبنم کی رطوبت سے عموماً غبار دبا رہتا ہے ان کی ٹاپوں سے اس وقت بھی بہت گرد وغبار اٹھتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بہ کی ضمیر دشمن پر چھاپہ مارنے کے وقت کی طرف راجع ہے جو سیاق کلام سے معلوم ہو رہا ہے یا دشمن کے مقام کی طرف راجع ہے جو اقتضاء عبارت ہے یعنی وہ گھوڑے جو دشمن پر چھاپہ مارتے ہیں چھاپہ مارنے کے وقت یا چھاپہ مارنے کی جگہ پر اپنے حملے کی وجہ سے غبار اڑاتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝۵

پھر گھس جانے والے اُس وقت فوج میں ☆

دشمن میں گھس جانا: یعنی اس وقت بے خوف وخطر دشمن کی فوج میں جا گھستے ہیں (تنبیہ) ممکن ہے کہ قسم کھانا گھوڑوں کی مقصود ہو جیسا کہ ظاہر ہے اور ممکن ہے کہ مجاہدین کے رسالہ کی قسم ہو۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یہ جہاد والے سواروں کی قسم ہے۔ اس سے بڑا کون عمل ہوگا کہ اللہ کے کام پر اپنی جان دینے کو حاضر ہے"۔ (تفسیر عثمانی)

پھر اس غبار میں یا چھاپہ مارنے کے وقت یا چھاپہ مارنے کے مقام پر دشمنوں کی فوج کے اندر وہ داخل ہو جاتے ہیں (تفسیر مظہری)

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ﴿۶﴾

بے شک آدمی اپنے رب کا ناشکر ہے ☆

گھوڑوں کی وفاداری اور انسان کی ناشکری:

یعنی جہاد کرنیوالے سواروں کی اللہ کی راہ میں سرفروشی و جانبازی بتلاتی ہے کہ وفادار و شکرگزار بندے ایسے ہوتے ہیں جو آدمی اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو اس کے راستہ میں خرچ نہیں کرتا وہ پرلے درجہ کا ناشکرا اور نالائق ہے بلکہ غور کرو تو خود گھوڑا زبان حال سے شہادت دے رہا ہے کہ جو لوگ مالک حقیقی کی دی ہوئی روزی کھاتے ہیں اور اس کی بیشمار نعمتوں سے شب و روز تمتع کرتے ہیں پھر اس کے باوجود اس کی فرمانبرداری نہیں کرتے وہ جانوروں سے زیادہ ذلیل و حقیر ہیں۔ ایک شائستہ گھوڑے کو مالک گھاس کے تنکے اور تھوڑا سا دانہ کھلاتا ہے وہ اتنی سی تربیت پر اپنے مالک کی وفاداری میں جان لڑا دیتا ہے۔ جدھر سوار اشارہ کرتا ہے ادھر چلتا ہے دوڑتا اور ہانپتا ہوا ٹاپیں مارتا ہوا غبار اٹھاتا ہوا گھمسان کے معرکوں میں بے تکلف گھس جاتا ہے گولیوں کی بارش میں تلواروں اور سنگینوں کے سامنے پڑ کر سینہ نہیں پھیرتا بلکہ بسا اوقات وفادار گھوڑا سوار کو بچانے کے لیے اپنی جان خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔ کیا انسان نے ایسے گھوڑوں سے کچھ سبق سیکھا کہ اس کا بھی کوئی پالنے والا مالک ہے جس کی وفاداری میں اسے جان و مال خرچ کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ بیشک انسان بڑا ناشکر اور نالائق ہے کہ ایک گھوڑے بلکہ کتے کے برابر بھی وفاداری نہیں دکھلا سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

انسان کی دو کمزوریاں:

آیت مذکورہ میں گھوڑوں کی قسم کھا کر انسان کے متعلق دو باتیں کہی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ ناشکرا ہے۔ مصیبتوں تکلیفوں کو یاد رکھتا ہے۔ نعمتوں اور احسانات کو بھول جاتا ہے دوسرے یہ کہ وہ مال کی محبت میں شدید ہے۔ یہ دونوں باتیں شرعاً و عقلاً مذموم ہیں۔

مؤمن کی شان:

اللہ کے نزدیک مؤمن کو ایسا ہونا چاہیے کہ بقدر ضرورت مال کو حاصل بھی کرے اور اس کی حفاظت بھی کرے اور مواقع ضرورت میں اس سے کام بھی لے مگر دل اس کے ساتھ مشغول نہ ہو، جیسا کہ مولانا رومی نے بڑے بلیغ انداز سے فرمایا ہے

آب اندر زیر کشتی پشتی است　　　آب در کشتی ہلاک کشتی است

یعنی پانی جب تک کشتی کے نیچے رہے تو کشتی کا مددگار ہے مگر یہی پانی کشتی کے اندر آجائے تو کشتی کو لے ڈوبتا ہے۔ اسی طرح مال جب تک دل کی کشتی کے اردگرد رہے تو مفید ہے جب دل کے اندر گھس گیا تو ہلاکت ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کنود بمعنی قلیل الخیر اور ارض کنود شور (بھوڑ) زمین جس میں کچھ پیدا نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ﴿۷﴾

اور وہ آدمی اُس کام کو سامنے دیکھتا ہے☆

انسان کی ناشکری کی شہادتیں:

یعنی سرفروش مجاہدین کی اور ان کے گھوڑوں کی وفاشعاری اور شکرگزاری اس کی آنکھوں کے سامنے ہے پھر بھی بے حیا ٹس سے مس نہیں ہوتا (تنبیہ) ترجمہ کی رعایت سے ہم نے یہ مطلب لکھا ہے ورنہ اکثر مفسرین اس جملہ کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ انسان خود اپنی ناشکری پر زبان حال سے گواہ ہے۔ ذرا اپنے ضمیر کی آواز کی طرف متوجہ ہو تو سن لے کہ اندر سے خود اس کا دل کہہ رہا ہے کہ تو بڑا ناشکرا ہے۔ بعض سلف نے "اِنَّهٗ" کی ضمیر رب کی طرف لوٹائی ہے یعنی اس کا رب اس کی ناسپاسی اور کفران نعمت کو دیکھ رہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

رب کی نعمتوں کے بڑے ناشکرے ہیں اور تھوڑے سے غور کرنے کر بعد وہ اپنی ناشکری یا نافرمانی یا کنجوسی پر شہادت بھی دیتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی انسان کے کنود ہونے پر اللہ واقف ہے اس کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے اس مطلب پر یہ آیت ناشکرے کے لئے وعید ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۗ﴿۸﴾

اور آدمی محبت پر مال کی بہت پکا ہے☆

مال کی محبت:

یعنی حرص و طمع اور بخل و امساک نے اس کو اندھا بنا رکھا ہے دنیا کے زر و مال کی محبت میں اس قدر غرق ہے کہ منعم حقیقی کو بھی فراموش کر بیٹھا، نہیں سمجھتا کہ آگے چل کر اس کا کیا انجام ہونے والا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یہ دونوں مذموم خصلتیں دراصل کافر کی ہیں کسی مسلمان میں بھی خدانا خواستہ پائی جائیں تو اسے فکر کرنی چاہئے واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

انسان مال کی محبت میں بڑا شدید ہے محسن کی راہ میں خرچ نہیں کرتا۔ یعنی انسان محبت مال کی وجہ سے بڑا کنجوس ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۙ﴿۹﴾

کیا نہیں جانتا وہ وقت کہ کریدا جائے جو کچھ قبروں میں ہے

وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ﴿١٠﴾

اور تحقیق ہووے جو کچھ کہ جیوں میں ہے

آنے والی حالت سے ابھی عبرت حاصل کرلو:

یعنی وہ وقت بھی آنیوالا ہے جب مردہ جسم قبروں سے نکال کر زندہ کیے جائیں گے اور دلوں میں جو چیزیں چھپی ہوئی ہیں سب کھول کر رکھ دی جائینگی اس وقت دیکھیں یہ مال کہاں تک کام دیگا اور نالائق ناشکرے لوگ کہاں چھوٹ کر جائینگے اگر یہ بے حیاء اس بات کو بھی سمجھ لیتے تو ہرگز مال کی محبت میں غرق ہوکر ایسی حرکتیں نہ کرتے۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ تعجب ہے کہ انسان کیوں نہیں دیکھتا اور ابھی اس بات کو کیوں نہیں جان لیتا جو کل کو جان لے گا کہ اس کا رب اس سے باخبر ہے اس کے کرتوت کا اس روز بدلہ دے گا جبکہ مردوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا اور سینوں کے اندر کی باتیں کھول دی جائیں گی۔

جو کچھ سینوں میں ہوگا یعنی خیر وشر جو کچھ جنس انسان کے سینوں میں ہوگی وہ ظاہر کردی جائے گی۔ ہاتھ پاؤں کے اعمال کو (ظاہر کرنے) کا ذکر آیت میں نہیں کیا بلکہ دل کے (اسرار و) عقائد کے اظہار کا ذکر کیا کیونکہ قلبی افکار و عقائد ہی اصل ہیں۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ﴿١١﴾

بے شک ان کے رب کو اُن کی اُس دن سب خبر ہے ☆

قیامت کے دن اللہ کا سامنا ہوگا:

یعنی ہر چند کہ اللہ کا علم ہر وقت بندے کے ظاہر و باطن پر محیط ہے لیکن اس روز اس کا عمل ہر شخص پر ظاہر ہو جائیگا اور کسی کو گنجائش انکار کی نہ رہے گی۔ (تفسیر عثمانی)

الحمدللہ سورۃ العٰدیٰت ختم ہوئی

سورة القارعة

جس نے اسکی تلاوت کی اس کو اللہ تعالیٰ عبات وتقویٰ کی عزت کرے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۂ قارعہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی گیارہ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْقَارِعَةُ ﴿١﴾ مَا الْقَارِعَةُ ﴿٢﴾

وہ کھڑکھڑا ڈالنے والی کیا ہے وہ کھڑکھڑا ڈالنے والی

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ﴿٣﴾

اور تو کیا سمجھا کیا ہے وہ کھڑکھڑا ڈالنے والی ☆

قیامت کی گھبراہٹ:

مراد قیامت ہے جو قلوب کو سخت فزع اور گھبراہٹ سے اور کانوں کو صوت شدید سے کھڑکھڑا ڈالے گی۔ مطلب یہ ہے کہ حادثہ قیامت کے اس ہولناک منظر کا کیا بیان ہو۔ بس اس کے بعض آثار آگے بیان کردیئے جاتے ہیں جن سے اس کی سختی اور شدت کا قدرے اندازہ ہوسکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تفسیر مظہری میں ہے کہ قرآن کریم میں عام طور پر جزاء وسزا میں تقابل کفار کا مؤمنین صالحین کے ساتھ کیا گیا کہ اصلی مؤمنین کاملین وہی ہیں، باقی رہے وہ مؤمن جنھوں نے اعمال صالحہ اور سیئہ مخلوط کیے ہیں قرآن میں عام طور پر اس سے سکوت کیا گیا، اور ان سب آیات میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قیامت میں انسان کے اعمال تولے جائیں گے گنے نہیں جائیں گے، اور عمل کا وزن بقدر اخلاص اور مطابقت سنت کے بڑھتا ہے جس شخص کے عمل میں اخلاص بھی کامل ہو اور سنت کی مطابقت بھی مکمل ہو اگر چہ اس کے عمل تعداد میں کم ہوں اس کا وزن بہ نسبت اس شخص کے بڑھ جائے گا جس نے تعداد میں تو نماز روزے، صدقہ خیرات، حج عمرے بہت کیے مگر اخلاص میں کمی رہی یا سنت کی مطابقت میں کمی رہی واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ﴿٤﴾

جس دن ہوویں لوگ جیسے پتنگے بکھرے ہوئے ☆

لوگوں میں افراتفری:

کہ ہر ایک ایک طرف کو بے تابانہ چلا جاتا ہے گویا پروانوں کے ساتھ تشبیہ ضعف کثرت بیتابی اور حرکت کی بے انتظامی میں ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

منتشر پتنگوں کی طرح جو لوٹ کر آگ میں گرتے ہیں کثرت حقارت شدت ہول کے سبب ایک کا دوسرے پر چڑھا جانا اور مجمع کا لہریں مارنا وصف مشترک ہے جس کی بناء پر آگ میں گرنے والے پتنگوں سے میدان حشر میں جمع ہونے والے آدمیوں کو تشبیہ دی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ⑤
اور ہو دیں پہاڑ جیسے رنگی ہوئی اون دھنی ہوئی ☆

پہاڑوں کا حشر: یعنی جیسے دھنیا اون یا روئی کو دھنک کر ایک ایک پھاہا کر کے اڑا دیتا ہے اسی طرح پہاڑ متفرق ہو کر اڑ جائینگے۔ اور رنگین اون سے شاید اس لیے تشبیہ دی کہ بہت کمزور اور ہلکی ہوتی ہے۔ نیز قرآن میں دوسری جگہ پہاڑوں کے رنگ بھی کئی قسم کے بیان فرمائے ہیں "وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ" (فاطر۔ رکوع ۴) (تفسیر عثمانی)

اون بھی دھنکی ہوئی۔ پہاڑوں کے ذرات پراگندہ ہوا میں اڑتے ہوں گے اور رنگ برنگ کے ہوں گے گویا دھنکی ہوئی رنگ برنگ کی اون ہوا میں منتشر و پریشان ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ⑥
سو جس کی بھاری ہوئیں تولیں
فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ⑦
تو وہ رہے گا من مانتے گذران میں ☆

اعمال کا وزن: یعنی جس کے اعمال وزنی ہونگے وہ اس روز خاطر خواہ عیش و آرام میں رہے گا اور اعمال کا وزن اخلاص و ایمان کی نسبت سے ہوگا دیکھنے میں کتنا ہی بڑا عمل ہو مگر اخلاص کی روح نہ ہو وہ اللہ کے ہاں کچھ وزن نہیں رکھتا "فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا"۔ (تفسیر عثمانی)

ترازو: صحیح حدیث میں آیا ہے کہ میزان عدل کی زبان (قبضہ) بھی ہوگی اور دو پلڑے بھی (جیسے عموماً ترازو کے ہوتے ہیں) ابن مردویہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے اور ابن مبارک نے زہد میں اور ابوالشیخ نے تفسیر میں نیز آجری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ اللہ نے میزان کے دو پلڑے آسمان و زمین کی طرح پیدا کئے ہیں ہر شخص کی ترازو جدا جدا ہونا لازم ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ⑧
اور جس کی ہلکی ہوئیں تولیں
فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ⑨
تو اس کا ٹھکانا گڑھا ہے
وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَهْ ⑩
اور تو کیا سمجھا وہ کیا ہے
نَارٌ حَامِيَةٌ ⑪
آگ ہے دہکتی ہوئی ☆

ھاویہ کا عذاب:

یعنی جو عذاب اس طبقہ میں ہے کچھ آدمی کی سمجھ میں نہیں آسکتا بس اتنا سمجھ لو کہ ایک آگ ہے نہایت گرم دہکتی ہوئی جس کے مقابلہ میں گویا دوسری آگ کو گرم کہنا نہ چاہیے **اعاذنا الله منها و من سائر وجوه العذاب بفضله و منه.** (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن بعض موٹے، لمبے، چوڑے آدمی آئیں گے۔ مگر اللہ کے نزدیک ان کا وزن مچھر کے پر کے برابر نہ ہوگا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت لَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا پڑھی۔

(متفق علیہ بروایت حضرت ابوہریرہ)

لوگوں کے تین گروہ:

احمد بن حارث نے کہا کہ قیامت کے دن لوگوں کے تین فرقے اٹھائے جائیں گے۔ ایک فرقہ اعمال صالحہ کی وجہ سے غنی ہوگا۔

دوسرا فرقہ (اعمال صالحہ کم ہونے کی وجہ سے) محتاج تیسرا فرقہ وہ جو (اپنے اعمال صالحہ کی وجہ سے شروع میں) غنی ہوگا پھر (آخر میں) دوسروں کے حقوق میں (اعمال صالحہ چلے جانے کی وجہ سے) محتاج ہو جائے گا۔

حقوق العباد کی اہمیت:

سفیان ثوری نے کہا کہ اگر تم خدا کے ستر گناہ لے کر تم خدا کے سامنے ہو جاؤ تو وہ (ستر گناہ کے ساتھ پیشی) اس سے آسان ہوگی کہ بندوں کا ایک گناہ لے کر خدا کے سامنے ہو جاؤ۔

ایک ایک نیکی کی اہمیت ہوگی:

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت

کے دن لوگوں کا حساب کتاب ہوگا جس کی ایک نیکی بھی گناہوں سے زائد ہو گی وہ جنت میں جائے گا۔ اور جس کے گناہ نیکیوں سے زائد ہوں گے وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔ ترازو ایک دانہ کے وزن سے ہلکی بھاری ہو جائے گی اور جس کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی وہ اعراف والوں میں سے ہوگا ایسے لوگ صراط پر رکے رہیں گے یہاں تک کہ بعض گناہوں کی سزا ان کو دے دی جائے گی ورنیکیاں بھاری ہو جائیں گی تو ان کو داخلہ مل جائے گا۔ ظاہر یہ ہے کہ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ سے مراد کافر ہی ہیں انہی کی سزا کا بیان ہے۔

ھاویہ: یعنی اس کا مسکن دوزخ ہوگا مسکن کو ماں اس لئے کہا کہ اولاد کے سکون کا مقام ماں ہی ہوتی ہے۔ ھاویہ جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے ھا و یہ ایسا غار ہے جس کی گہرائی سے سوائے خدا کے اور کوئی واقف نہیں۔

میزان پر فیصلوں کا اعلان:

میں کہتا ہوں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں منقول ہے متقیوں کے مقابلہ میں جن لوگوں کا ذکر آیا ہے ان سے مراد بھی کفار ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا آدمی کو پورا عوض ملے گا۔ میزان کے دونوں پلڑوں کے درمیان ایک فرشتہ کھڑا ہوگا اگر اعمال بھاری نکلیں گے تو وہ فرشتہ ایسی آواز سے جس کو مخلوق سن لے کہے گا کہ فلاں آدمی خوش نصیب ہو گیا اس خوش نصیبی کے بعد کبھی بدنصیب نہیں ہوگا اور اگر تول ہلکی ہو جائے گی تو وہی فرشتہ ایسی آواز سے کہ جس کو مخلوق سن لے پکار دے گا کہ فلاں شخص بدنصیب ہو گیا اور اس بدنصیبی کے بعد اسکو کبھی خوش نصیبی نہیں ملے گی اس حدیث میں بھی مخلوط الاعمال شخص کی حالت کی طرف سے خاموشی اختیار کی گئی ہے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ فرشتہ اس کے لئے کسی طرح کی ندا نہیں دے گا۔

فائدہ: قرطبی نے کہا کہ ہر شخص کے لئے میزان (حساب) نہیں ہوگی جو لوگ بلا حساب جنت میں جائیں گے ان کے اعمال تولنے کے لئے میزان نہیں لگائی جائے گی اسی طرح جو لوگ فی الفور بلا حساب دوزخ میں بھیجے جائیں گے ان کے لئے بھی ترازو قائم نہیں کی جائے گی۔

بغیر حساب جنت میں جانے والے:

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ ستر ہزار بلا حساب جنت میں جائیں گے نہ ان کے اعمال کی وزن کشی کے لئے ترازو قائم کی جائے گی نہ وہ اعمال نامے لیں گے بلکہ ایک براءت نامہ لکھا ہوا ان کو ملے گا جس میں لکھا ہوگا فلاں بن فلاں کا براءت نامہ ہے۔

اصبہانی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میزانیں لگائی جائیں گی اور نمازیوں کو لایا جائے گا اور وزن کر کے ان کو ثواب پورا پورا دیا جائے گا اور حج والے لائے جائیں گے ان کو بھی وزن کشی کر کے پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ اور اہل مصیبت کو لایا جائے گا لیکن ان کے اعمال تولنے کے لئے نہ تو ترازو لگایا جائے گا نہ ان کا رجسٹر کھولا جائیگا بلکہ بلا حساب ان پر ثواب کی بارش ہوگی۔ یہ دیکھ کر وہ لوگ جو دنیا میں عافیت سے رہے تھے تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں ان کے بدن قینچیوں سے کاٹے جاتے یہ تمنا اس فضیلت کو دیکھ کر کریں گے جس کو اہل مصیبت لے کر جائیں گے یہی (مطلب) ہے آیت اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ کا۔

طبرانی اور ابویعلی نے مناسب سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن شہید کو لا کر حساب کے لیے کھڑا کیا جائے گا۔ پھر صدقہ (خیرات، زکوۃ) دینے والے کو لا کر حساب کے لیے کھڑا کیا جائے گا۔ پھر دکھی لوگوں کو لایا جائے گا مگر انکے اعمال تولنے کے لیے نہ ترازو لگائی جائیگی نہ ان کا رجسٹر کھولا جائے گا بلکہ ان پر ثواب کی ایسی بارش ہوگی کہ اس کو دیکھ کر دنیا میں سکھ سے رہنے والے لوگ موقف قیامت میں تمنا کرینگے کہ کاش ان کے بدن (دنیا میں) قینچیوں سے کاٹے جاتے۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جنت میں بلا حساب جانے والے صوفیہ ہی ہونگے تو شاید حدیث میں جو لفظ بلاء آیا ہے اس سے مراد عاشقان خدا کا دکھ ہو کیونکہ جس طرح وہ عطاالٰہی پر راضی ہوتے ہیں۔ اسی طرح اللہ کے بھیجے ہوئے دکھ پر بھی راضی ہوتے ہیں۔

بیہقیؒ نے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر چیز کا ایک اندازہ اور وزن ہے سوا ایک آنسو کے اس کے ذریعہ سے آگ کے سمندر بجھا دیے جائیں گے اس گریہ سے مراد بھی عاشقوں کا گریہ ہے ورنہ عام اہل بلاء کے اعمال کی وزن کشی کا ثبوت تو صحیح احادیث سے ہوتا ہے جیسا کہ نسائی، حاکم، ابن حبان، بزار، احمد اور طبرانی نے بروایت ثوبان ابو سلمیٰ نے بیان کیا ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا کہنے، کیا کہنے پانچ (کلمات) کے میزان میں یہ کیسے بھاری ہیں لا اله الا الله اور سبحان الله اور الحمد لله اور الله اكبر اور جس مرد مسلم کا صالح بچہ مرجائے۔ الخ بچہ کی موت بلاشبہ مصیبت ہے (اور میزان میں اس کے بھاری ہونے کی صراحت حدیث مذکور میں ہے)

ایک سوال: امام احمد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میزانیں قائم کی جائیں گی پھر ایک آدمی کو بلایا جائے گا ایک پلڑے میں اس کو (نیک عمل سمیت) رکھا جائیگا اور وہ اعمال جو اس کے خلاف شمار کیے گئے تھے (یعنی برے اعمال) ان کو بھی دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا بد اعمالی کا پلڑا جھک جائے گا تو اس شخص کو دوزخ کی طرف بھیج دیا جائے گا جب وہ جانے کے لیے پشت موڑے گا تو رحمٰن کی طرف سے ایک منادی چیخ کر آواز دے گا جلدی نہ کرو اس کی کوئی چیز تولنے سے رہ گئی ہے چنانچہ ایک پرچہ لایا جائے گا جس میں لا اله الا الله لکھا ہوگا اس پرچہ کو اس شخص کے ساتھ پلڑے میں رکھ دیا جائے گا اب یہ پلڑا جھک جائے گا۔ (حاکم، تفسیر مظہری)

سورۃ التکاثر

جو شخص اس کو خواب میں اس کی تلاوت کرے گا وہ مال کو جمع کرنا چھوڑ دے گا اور زاہد ہو جائے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِيْ اٰيَاتٍ

سورۂ تکاثر مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی آٹھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ﴿۱﴾ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴿۲﴾

غفلت میں رکھا تم کو بہتایت کی حرص نے یہاں تک کہ جا دیکھیں قبریں ☆

مال و اولاد کی حرص:

یعنی مال و اولاد کی کثرت اور دنیا کے ساز و سامان کی حرص آدمی کو غفلت میں پھنسائے رکھتی ہے نہ مالک کا دھیان آنے دیتی ہے نہ آخرت کی فکر بس شب و روز یہی دھن لگی رہتی ہے کہ جس طرح بن پڑے مال و دولت کی بہتات ہو اور میرا کنبہ اور جتھا سب کنبوں اور جتھوں سے غالب رہے۔ یہ پردہ غفلت کا نہیں اٹھتا یہاں تک کہ موت آ جاتی ہے تب قبر میں پہنچ کر پتہ لگتا ہے کہ سخت غفلت اور بھول میں پڑے ہوئے تھے محض چند روز کی چہل پہل تھی موت کے بعد وہ سب سامان ہیچ بلکہ وبال جان ہیں (تنبیہ) بعض روایات میں آیا ہے (اللّٰہ اعلم بصحتھا) کہ ایک مرتبہ دو قبیلے اپنے اپنے جتھے کی کثرت پر فخر کر رہے تھے۔ جب مقابلہ کے وقت ایک کے آدمی دوسرے سے کم رہے تو اس نے کہا کہ ہمارے اتنے آدمی لڑائی میں مارے جا چکے ہیں چل کر قبریں شمار کر لو۔ وہاں پتہ لگے گا کہ ہمارا جتھا تم سے کتنا زیادہ ہے۔ اور ہم میں کیسے کیسے نامور گزر چکے ہیں یہ کہہ کر قبریں شمار کرنے لگے اس جہالت و غفلت پر متنبہ کرنے کے لیے یہ سورت نازل ہوئی ترجمہ میں دونوں مطلبوں کی گنجائش ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ہزار آیتوں کی تلاوت:

بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ یہ فرمایا کیوں نہیں تم لوگ ہر دن میں ہزار آیتیں پڑھ لیتے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز کوئی شخص ہزار آیتیں کس طرح پڑھ سکے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم سورہ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ نہیں پڑھ سکتے۔

ابن آدم کی حرص:

حدیث میں ہے کہ عبداللہ بن الشخیر صحابی ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے تو آپ سورہ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ پڑھ رہے تھے اور فرما رہے تھے۔

یقول ابن آدم مالی مالی وھل لک من مالک الا ما کلت فافنیت او لبست فابلیت او تصدقت فامضیت . کہ ابن آدم یہ کہتا ہے میرا مال میرا مال حالانکہ اے انسان اس میں تو تیرا مال صرف اتنا ہی ہے جو تو کھا کر ختم کر دے یا پہن کر پرانا کر دے یا صدقہ کر کے آگے بھیج دے۔

ایک روایت میں ہے کہ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ تو انسان سے جدا ہونے والا ہے اور آدمی دوسروں کے واسطے چھوڑ کر جانے والا ہے حقیقت یہ ہے کہ انسان کی طبعی حرص کی کوئی حد نہیں اسی کا ان کلمات میں بیان ہے۔ لو کان لا بن آدم وادیان من الذھب لا بتغیٰ ثالثا ولا یملاء جوف ابن آدم الا التراب و یتوب اللہ علی من تاب . یعنی اگر ابن آدم کے لیے دو میدان ہی سونے کے بھرے ہوئے ہیں تو بھی تیسری وادی کی تلاش میں لگ جائے گا اور انسان کا پیٹ ہرگز کوئی چیز نہیں بھر سکتی سوائے مٹی کے اور اس کی حرص کا خاتمہ بس قبر ہی میں جا کر ہوگا۔ (معارف کاندھلوی)

حب مال کا مطلب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ پڑھ کر فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مال کو زیادہ ناجائز طریقوں سے حاصل کیا جائے اور مال پر جو فرائض اللہ کے عائد ہوتے ہیں ان میں خرچ نہ کریں۔ (قرطبی، عارف مفتی اعظم)

حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔ مال اور اولاد کی زیادتی کی ہوس میں موت کا خیال پرے پھینک دیا (صحیح بخاری)

صرف عمل ساتھ جائے گا:

بخاری کی حدیث میں ہے کہ میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں جن میں سے دو پلٹ آتی ہیں صرف ایک ساتھ رہ جاتی ہے۔ گھر والے۔ مال اور اعمال۔ اہل و مال تو لوٹ آئے ہیں عمل ساتھ رہ گئے۔

بڑھاپے میں حرص:

مسند احمد کی حدیث ہے کہ ابن آدم بوڑھا ہو جاتا ہے لیکن دو چیزیں اس کے ساتھ باقی رہ جاتی ہیں لالچ اور امنگ۔

کون سا مال اپنا ہے:

حضرت ضحاک نے ایک شخص کے ہاتھ میں ایک درہم دیکھ کر پوچھا کہ یہ درہم کس کا ہے؟ اس نے کہا میرا۔ فرمایا تیرا تو اس وقت ہوگا کہ کسی نیک کام

میں تو خرچ کرے یا بطور شکر خدا تعالیٰ کے خرچ کرے حضرت احنف نے اس واقعہ کو بیان کر کے پھر یہ شعر پڑھا۔

اَنْتَ لِلْمَالِ اِذَا امْسَکْتَہٗ فَاِذَا انْفَقْتَہٗ فَالْمَالُ لَکَ

یعنی جب کہ تو مال کو لیے بیٹھا ہے تو تو مال کی ملکیت ہے ہاں جب اسے؟ خرچ کر دے اس وقت مال تیری ہی ملکیت میں ہو جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

ابن ابی حاتم نے زید بن اسلم کا قول بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو تکاثر نے طاعت سے باز رکھا یہاں تک کہ تم کو موت آ گئی۔

شانِ نزول:

قتادہ نے کہا یہودی اپنی کثرت پر فخر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم فلاں قبیلہ سے زیادہ ہیں اس شیخی بازی نے ان کو (اعتراف حق اور طاعت سے) مرتے وقت تک باز رکھا۔ انہی کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

مطلب یہ ہوگا کہ تم کو قبرستان میں جا کر مردوں کو بھی شمار کیا یہاں تک تمہارا تفاخر عددی بڑھ گیا کہ زندوں کو شمار کرنے کے بعد مردوں کی کثرت پر بھی فخر کرنے لگے اس تفسیر پر زیارت قبور سے مجازاً مراد ہوگا مردوں کا ذکر کرنا یا زیارت قبور کا حقیقی معنی ہی مراد ہوگا کیونکہ وہ واقعی قبرستان کو قبر شماری کے لیے گئے تھے بہر حال اس صورت میں حتی سببیت کے لیے ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن الشخیر نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیت اَلْهٰکُمُ التَّکَاثُرُ پڑھ رہے تھے پھر فرمایا آدمی کہتا ہے میرا مال ہے میرا مال ہے تیرا مال تو صرف وہی ہے جو تو نے کھا کر ختم کر دیا یا پہن کر پرانا کر دیا یا خیرات کر دی اور جاری کر دیا بغوی (بعض دوسری روایات میں "جاری کر دیا" کی جگہ "تو نے ذخیرہ کر لیا" ہے)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میت کے پیچھے تین چیزیں آتی ہیں دو واپس چلی جاتی ہیں ایک میت کے ساتھ رہ جاتی ہے مردہ کے گھر والے مردہ کا مال اور مردہ کے اعمال یہ تین چیزیں پیچھے رہ جاتی ہیں مال اور گھر والے تو لوٹ جاتے ہیں اور اعمال اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ (رواہ البخاری)

تواضع کرو:

حضرت عیاض بن حمار مجاشعی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے میرے پاس وحی بھیجی ہے کہ تم لوگ تواضع کیا کرو۔ نہ کوئی کسی پر فخر کرے نہ کوئی کسی پر زیادتی۔ (رواہ مسلم)

جاہلیت کا فخر:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کو اپنے مردہ باپ دادوں پر فخر کرنے سے باز رہنا چاہیے وہ جہنم کا کوئلہ ہیں اگر ایسا نہیں کریں گے تو اللہ کے نزدیک گوبر کے اس کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہو جائیں گے جو گندگی کو اپنی سونڈھ سے لڑکاتا ہے اللہ نے تم سے جاہلیت کی حمیت اور باپ دادا پر جاہلیت کے زمانہ کی شیخی زائل کر دی آدمی یا پرہیزگار مومن ہے یا بدبخت فاجر سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی تخلیق مٹی سے تھی۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

فضیلت صرف دین کے ساتھ ہے:

حضرت عقبہ بن عامر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے یہ نسب کسی پر برتری دینے والے نہیں۔ تم سب آدم کی اولاد ہو جیسے ایک صاع کی اونچائی دوسرے صاع کی طرح ہوتی ہے بغیر دین اور تقوی کے کسی کو کسی پر فضیلت حاصل نہیں۔ آدمی (کی برائی) کے لیے اتنا ہی بس ہے کہ وہ بدزبان، فحش گو، بخیل ہے۔ (رواہ احمد والبیہقی تفسیر مظہری)

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۟ۙ
کوئی نہیں آگے جان لو گے
ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۟ؕ
پھر بھی کوئی نہیں آگے جان لو گے ☆

یقیناً تمہارا خیال غلط ہے:

یعنی دیکھو بار بار تاکید کہا جاتا ہے کہ تمہارا خیال صحیح نہیں کہ مال اولاد وغیرہ کی بہتات ہی کام آنے والی چیز ہے عنقریب تم معلوم کر لو گے کہ یہ زائل وفانی چیز ہرگز فخر ومباہات کے لائق نہ تھی پھر سمجھ لو کہ آخرت ایسی چیز نہیں جس سے انکار کیا جائے یا غفلت برتی جائے۔ آگے چل کر تم کو بہت جلد کھل جائیگا کہ اصل زندگی اور عیش آخرت کا ہے اور دنیا اس زندگی کے مقابلہ میں ایک خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی یہ حقیقت بعض لوگوں کو دنیا میں تھوڑی بہت کھل جاتی ہے لیکن قبر میں پہنچ کر اس کے بعد محشر میں سب کو پوری طرح کھل جائیگی۔ (تفسیر عثمانی)

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۟ؕ
کوئی نہیں اگر جانو تم یقین کر کے ☆

کاش تم یقین کرتے:

یعنی تمہارا خیال ہرگز صحیح نہیں اگر تم یقینی طور پر دلائل صحیحہ سے اس بات کو جان لیتے کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کے سب سامان ہیچ ہیں تو ہرگز اس غفلت میں پڑے نہ رہتے۔ (تفسیر عثمانی)

علم کے تین درجے: عارفین بیان کرتے ہیں کہ علم کے تین درجے ہیں۔
علم الیقین۔ جیسے کسی نے دریا کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیا۔
دوسرا عین الیقین ہے جبکہ اس کے کنارہ پر پہنچ کر اس کا پانی چلو میں لے لیا
تیسرا حق الیقین ہے جبکہ دریا میں پہنچ کر غوطہ لگا لیا۔ (معارف کاندھلوی)
میں کہتا ہوں کہ علم الیقین ایمان بالغیب ہے جو استدلال سے حاصل ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ﴿٦﴾

بے شک تم کو دیکھنا ہے دوزخ

ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ ﴿٧﴾

پھر دیکھنا ہے اُس کو یقین کی آنکھ سے ☆

غفلت وانکار کا نتیجہ:

یعنی اس غفلت وانکار کا نتیجہ دوزخ ہے وہ تم کو دیکھنا پڑیگا۔ اول تو اس کا کچھ اثر برزخ میں نظر آ جائے گا پھر آخرت میں پوری طرح دیکھ کر عین الیقین حاصل ہو جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

رؤیت سے مراد ہے کہ جاننا پہچاننا اور ممکن ہے کہ رویت چشم مراد ہو اور رویت چشم قبروں میں ہوگی قبروں کے اندر کافروں کو صبح شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

آنکھوں کا دیکھا اور کانوں کا سنا برابر نہیں:

مطلب یہ ہے کہ تم آنکھوں سے ایسا معائنہ کر لوگے جو یقین کا موجب ہوگا یہی سبب ہے کہ رویت اور مشاہدہ سے جو علم حاصل ہوا ہے اس کو عین الیقین کہا جاتا ہے رویت چشم حصول علم کا سب سے قوی ذریعہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شنیدہ دیدہ کی طرح نہیں ہوتا۔ خطیب نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور طبرانی نے حسن سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس حدیث کو لکھا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے حاکم نے اور طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ اس حدیث میں اتنا زائد بھی نقل کیا ہے کہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم کی اس حرکت کی اطلاع دی جو گوسالہ کے سلسلہ میں انہوں نے کی تھی موسیٰ نے (خبر پانے کے بعد بھی) توریت کی تختیاں (ہاتھ سے) نہ پھینکیں لیکن قوم کی حرکت کا جو خود مشاہدہ کر لیا تو (غصہ میں) تختیاں پھینک دیں اور وہ ٹوٹ گئیں۔ (تفسیر مظہری)

قبروں کا دیکھنا: ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تلاوت کی پھر کچھ دیر سوچ کر فرماتے لگے میمون! قبروں کا دیکھنا تو صرف بطور زیارت ہے اور ہر زیارت کرنے والا اپنی جگہ لوٹ جاتا ہے یعنی خواہ جنت کی طرف خواہ دوزخ کی طرف۔ (تفسیر ابن کثیر)

ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ﴿٨﴾

پھر پوچھیں گے تم سے اُس دن آرام کی حقیقت ☆

نعمتوں کا سوال: یعنی اس وقت کہیں گے اب بتلاؤ اور دنیا کے عیش و آرام کی کیا حقیقت تھی۔ یا اس وقت سوال کیا جائیگا جو نعمتیں (ظاہری و باطنی، آفاقی وانفسی، جسمانی و روحانی) دنیا میں عطا کی گئی تھیں ان کا حق تم نے کہاں ادا کیا اور منعم حقیقی کو کہاں تک خوش رکھنے کی سعی کی۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر و فاروق اعظم:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لائے اور ان کو دیکھ کر فرمایا یہاں تم لوگ کیوں بیٹھے ہو؟ دونوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دیکر بھیجا ہے ہمیں کسی چیز نے گھر سے باہر نہیں نکالا سوائے بھوک کے کہ اس بے چینی میں گھر سے باہر نکلے ہیں کہ شاید کوئی چیز کھانے کو مل جائے آپ نے یہ سن کر فرمایا خدا کی قسم مجھے بھی اس کے سوا اور کسی چیز نے باہر نہیں نکالا۔ یہ تینوں حضرات ایک انصاری کے پاس پہنچے ان کی بیوی نے کہا مرحبا کیسا مبارک دن ہے ایسے مبارک اور معزز مہمان میرے یہاں آ گئے اور بتایا کہ انصاری تو میٹھا پانی لینے باہر گئے ہوئے ہیں۔ اتنے میں وہ بھی آ گئے ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے پکا کر لایا گیا اور کچھ چھوہارے بھی پیش کئے گئے ان حضرات نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا ٹھنڈا پانی پیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا (لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ) بے شک اس روز تمہارے سے ان نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا تمہیں گھر سے بھوک نے نکالا اور تم واپس لوٹنے سے پہلے ان نعمتوں سے بہرہ ور ہو گئے۔

تو یہ کس قدر اللہ کا انعام ہے اگر اس حقیقت کو سمجھ لے تو اس کو قدم قدم پر اللہ کی بے پایاں نعمتوں کا مشاہدہ ہونے لگے گا۔ (معارف کاندھلوی)

سب سے پہلا سوال:

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز بندہ سے جس چیز کا سوال ہوگا (وہ تندرستی) ہے اس کو کہا جائے گا کیا ہم نے تمہیں تندرستی نہیں دی تھی اور کیا ہم نے تمہیں ٹھنڈا پانی نہیں پلایا تھا۔ (الترمذی عن ابی ہریرۃ وابن حبان فی صحیحہ ابن کثیر)

پانچ سوال: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محشر میں کوئی آدمی اپنی جگہ سے سرک نہ سکے گا۔ جب تک پانچ سوالوں کا جواب اس سے نہ لیا جائے۔ ایک یہ کہ اس نے اپنی عمر کو کن کاموں میں فنا کیا ہے دوسرے یہ کہ اس نے اپنے شباب

کی قوت کو کن کاموں میں خرچ کیا ہے تیسرے یہ کہ جو مال اس نے حاصل کیا وہ کس کس طریقے جائز و ناجائز سے حاصل کیا۔ چوتھے یہ کہ اس مال کو کہاں کہاں خرچ کیا پانچویں یہ کہ جو علم اللہ نے اس کو دیا تھا اس پر کتنا عمل کیا۔ (رواہ البخاری)

سورہ تکاثر کی خاص فضیلت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم میں کوئی آدمی اس کی قدرت نہیں رکھتا کہ ہر روز قرآن کی ایک ہزار آیتیں پڑھا کرے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ روزانہ ایک ہزار آیتیں کون پڑھ سکتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کوئی اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ نہیں پڑھ سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ روزانہ پڑھنا ایک ہزار آیتوں کے پڑھنے کے برابر ہے۔ (مظہری بحوالہ حاکم بیہقی عن ابن عمر) (معارف مفتی اعظم)

شکر کی باز پرس:

بغوی نے کہا کہ جن نعمتوں میں وہ تھے قیامت کے دن ان کے شکر کی باز پرس ان سے کی جائیگی مقاتل نے کہا کفار مکہ کو دنیا میں مال و منال حاصل تھا مگر انہوں نے نعمتیں دینے والے کا شکر ادا نہیں کیا بلکہ دوسروں کی پوجا کی۔ قیامت کے دن اللہ کا شکر نہ کرنے پر ان کو عذاب ہوگا۔

حدیث میں بھی آیا ہے کہ قبر کے اندر مومن کو اول وہ دوزخ والی جگہ دکھائی جاتی ہے جس کے عوض میں جنت والی جگہ اس کو عطا کی جاتی ہے تا کہ وہ زیادہ شکر گزار ہو۔

امن وصحت کا سوال:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول (اس آیت کی تشریح میں) آیا ہے امن اور صحت کی (باز پرس ہوگی) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی آیت کی تفسیر میں فرمایا آنکھ کان جسمانی صحت کے متعلق اللہ بندوں سے سوال کرے گا کہ کن مصارف میں ان کو استعمال کیا۔

ہر نعمت کا سوال:

قتادہ نے تفسیر آیت میں کہا کہ اللہ نے جو بھی نعمت عطا فرمائی ہے اس کی باز پرس کرے گا۔ عبدالرزاق۔ حضرت ابو قلابہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے کچھ لوگ گھی اور شہد ملا کر میدہ کی روٹی کے ساتھ کھائیں گے۔ (احمد فی کتاب الزہد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے کس نعمت کی باز پرس ہوگی (کھانے پینے کو صرف) پانی اور کھجوریں ہیں اور دشمن سامنے لڑنے کو موجود ہے اور تلواریں ہمارے کندھوں پر (آویختہ) ہیں فرمایا خوب سمجھ لو عنقریب ایسا ہوگا۔ یعنی نعمتیں ملیں گی۔ (ترمذی)

عکرمہ کی روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو کونسی نعمت میسر ہے صرف جو کی روٹی اور وہ بھی آدھے پیٹ اللہ نے وحی بھیجی (کہ ان سے کہہ دو گرم ریت سے بچنے کے لیے) کیا تم جوتے نہیں بناتے اور کیا ٹھنڈا پانی نہیں پیتے۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو گیہوں کی روٹی کھاتا ہے اور (سردی گرمی سے بچنے کے لیے) اس کو سایہ میسر ہے اور صاف پانی پیتا ہے تو یہ ایسی نعمت ہے جس کی باز پرس ہوگی۔

کھانا کھانے کی دعائیں:

حاکم نے مستدرک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ ایک حدیث نقل کی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کے مکان پر جانا اور وہاں کھجوریں اور گوشت کھانا اور پانی پینا مذکور ہے اسی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ یہی وہ نعیم ہے جس کے متعلق قیامت کے دن تم سے باز پرس ہوگی جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے تکبیر کہی تو فرمایا جب تم کو ایسی چیز مل جائے اور اپنے ہاتھوں سے روٹی کھانا شروع کرو۔ تو بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی بَرْکَۃِ اللّٰہِ کہا کرو۔ اور جب کھا چکو تو کہا کرو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ هُوَ اَشْبَعَنَا وَاَرْوَانَا وَاَنْعَمَ عَلَیْنَا وَاَفْضَلَ۔

علمی خیانت کا سوال:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس قصہ کے ذیل میں اس طرح مذکور ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باہم علمی خیر خواہی کرو کوئی کسی سے علم کو نہ چھپائے علمی خیانت مالی خیانت سے زیادہ سخت ہے اللہ تم سے اس کی باز پرس کرے گا طبرانی واصبہانی۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے سب سے اول بندہ سے سوال کیا جائے گا کہ جو کچھ تو جانتا تھا اس کے سلسلے میں تو نے کیا عمل کیا۔ (احمد وابن المبارک)

عہدہ کے متعلق سوال:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث روایت ہے کہ بندہ سے جس طرح مال کے متعلق باز پرس ہوگی اسی طرح اس کے مرتبہ کے متعلق بھی ہوگی (طبرانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا بندہ اگر ایک قدم بھی چلے گا تو اس سے پوچھا جائیگا کہ اس قدم اٹھانے سے تیرا مقصد کیا تھا۔ (ابونعیم)

ہر کوشش کا سوال ہوگا:

حضرت معاذ کی مرفوع حدیث ہے کہ قیامت کے دن مومن سے اس کی تمام کوششوں کی باز پرس کی جائے گی یہاں تک کہ آنکھوں میں سرمہ لگانے کی بھی (ابونعیم ،ابن ابی حاتم)

حسن بصری کی مرفوع روایت ہے کہ بندہ جو خطبہ دے گا اللہ اس کے متعلق باز پرس کرے گا کہ کس مقصد سے ایسا کیا تھا۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ (رواہ البیہقی)

سوالات پل صراط پر ہوں گے:

آیت میں لفظ ثُمَّ بتا رہا ہے کہ سوال نعمت جہنم کو دیکھنے کے بعد ہوگا میں کہتا ہوں اس کیوجہ یہ ہے کہ سوال نعمت پل صراط پر ہوگا اللہ نے فرمایا وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ان کو روکو ان سے باز پرس کی جائیگی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ کے قدم پل صراط سے نہیں ہٹیں گے جب تک اس سے چار باتوں کے متعلق باز پرس نہیں کرلی جائیگی۔

(۱) عمر کو کس کام میں ختم کیا (۲) جسم کو کس کام میں دبلا کیا (۳) علم کے مطابق کیا عمل کیا (۴) مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ مسلم حضرت ابن مسعود کی روایت سے ترمذی اور ابن مردویہ نے بھی ایسی ہی حدیث بیان کی ہے

باز پرس سے مستثنیٰ لوگ:

قرطبی نے لکھا ہے کہ ان عمومی احکام سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جن کے متعلق احادیث میں آ گیا ہے کہ وہ بلا حساب جنت میں جائیں گے حضرت ابن عمر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں سے کسی میں طاقت نہیں کہ ہزار آیات روز پڑھ لیا کرے صحابہ نے عرض کیا ہزار آیات روز کون پڑھ سکتا ہے فرمایا کیا تم میں سے کوئی (روز) اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ بھی نہیں پڑھ سکتا۔ (الحاکم و بیہقی۔ تفسیر مظہری)

الحمد للہ سورۃ التکاثر ختم ہوئی

سورة العصر

جو شخص خواب میں اس کی تلاوت کرے اس کو صبر کی توفیق ہوگی اور حق پر اسکی اعانت ہوگی (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُ اٰيَاتٍ
سورہ عصر مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی تین آیتیں ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
وَالْعَصْرِ ۝١
قسم ہے عصر کی ☆

وقت اور نمازِ عصر کی اہمیت:

''عصر'' زمانہ کو کہتے ہیں یعنی قسم ہے زمانہ کی کہ جس میں انسان کی عمر بھی داخل ہے جسے تحصیل کمالات وسعادات کے لیے ایک متاع گرانمایہ سمجھنا چاہیے یا قسم ہے نماز عصر کے وقت کی جو کاروباری دنیا میں خاص مشغولیت اور شرعی نقطہ نظر سے نہایت فضیلت کا وقت ہے (حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جس کی نماز عصر فوت ہوگئی گویا اس کا سب گھر بار لٹ گیا) یا قسم ہے ہمارے پیغمبر کے زمانہ مبارک کی جس میں رسالت عظمیٰ اور خلافت کبریٰ کا نور اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ چمکا۔ (تفسیر عثمانی)

سورہ عصر کی خاص فضیلت:

حضرت عبیداللہ بن حصن فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے دو شخص ایسے تھے کہ جب وہ آپس میں ملتے تھے تو اس وقت تک جدا نہ ہوتے جب تک ان میں سے ایک دوسرے کے سامنے سورۃ والعصر نہ پڑھ لیتے۔ (رواہ الطبرانی)

اور امام شافعیؒ نے فرمایا لوگ صرف اسی سورت میں تدبر کر لیتے تو یہی انکے لیے کافی تھی۔ (ابن کثیر)

زمانہ کی قسم کی حکمت:

زمانہ کی قسم کی ایک مناسبت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی جائے وہ ایک حیثیت سے ایک معاملہ سے شاہد کے قائم مقام ہوتی ہے اور زمانہ ایسی چیز ہے کہ اگر اس کی تاریخ اور اس میں قوموں کے عروج ونزول کے بھلے برے واقعات پر نظر کرے گا تو ضرور اس یقین پر پہنچ جائے گا کہ صرف یہ چار کام ہیں جن میں انسان کی فلاح وکامیابی منحصر ہے جس نے انکو

چھوڑا وہ خسارے میں پڑا دنیا کی تاریخ اس کی گواہ ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ﴿۲﴾
مقرر انسان ٹوٹے میں ہے ☆

زبردست نقصان:

اس سے بڑھ کر ٹوٹا کیا ہوگا کہ برف بیچنے والے دوکانداروں کی طرح اس کی تجارت کا راس المال جسے عمر عزیز کہتے ہیں دم بدم کم ہوتا جارہا ہے۔ اگر اس رواداری میں کوئی ایسا کام نہ کرلیا جس سے یہ عمر رفتہ ٹھکانے لگ جائے بلکہ ایک ابدی اور غیر فانی متاع بن کر ہمیشہ کے لیے کارآمد بن جائے تو پھر خسارہ کی کوئی انتہا نہیں زمانہ کی تاریخ پڑھ جاؤ اور خود اپنی زندگی کے واقعات پر غور کرو تو ادنیٰ غور وفکر سے ثابت ہو جائے گا کہ جن لوگوں نے انجام بینی سے کام نہ لیا اور مستقبل سے بے پرواہ ہو کر محض خالی لذتوں میں وقت گزار دیا وہ آخرکار کس طرح ناکام ونامراد بلکہ تباہ وبرباد ہوکر رہے۔ آدمی کو چاہیے کہ وقت کی قدر پہچانے اور عمر عزیز کے لمحات کو یونہی غفلت و شرارت یا لہو ولعب میں نہ گنوائے۔ جو اوقات تحصیل شرف ومجد اور اکتساب فضل وکمال کی گرم بازاری کے ہیں خصوصاً وہ گراں مایہ اوقات جن میں آفتاب رسالت اپنی انتہائی نورافشانی سے دنیا کو روشن کررہا ہے اگر غفلت اور نسیان میں گزار دیئے گئے تو سمجھو کہ اس سے بڑھ کر آدمی کے لیے کوئی خسارہ نہیں ہوسکتا بس خوش نصیب اور اقبال مند انسان وہی ہیں جو اس عمر فانی کو باقی اور ناکارہ زندگی کو کارآمد بنانے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں اور بہترین اوقات اور عمدہ مواقع کو غنیمت سمجھ کر کسب سعادت اور تحصیل کمال کی کوشش میں سرگرم رہتے ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکر آگے " اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ " میں کیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ایک حدیث مرفوع سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے كُلُّ يَغْدُوْ فَبَائِعٌ نَفْسَهٗ فَمُعْتِقُهَا اَوْ مُوْبِقُهَا. یعنی ہر شخص جب صبح اٹھتا ہے تو اپنی جان کا سرمایہ تجارت پر لگاتا ہے پھر کوئی تو اپنے سرمایہ کو خسارہ سے آزاد کرا لیتا ہے اور کوئی ہلاک کرڈالتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

خسر کا معنی ہے اصل پونجی ضائع ہوجانا اور انسان اپنی جان اور اپنی عمر اور اپنا مال ایسے کاموں میں برباد کرتا ہے جو آخرت میں اس کے لیے بالکل سود مند نہ ہوں گے۔ اس لیے انسان بڑے گھاٹے میں ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
مگر جو لوگ کہ یقین لائے اور کیے بھلے کام

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬
اور آپس میں تاکید کرتے رہے سچے دین کی
وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾
اور آپس میں تاکید کرتے رہے تحمل کی ☆

نقصان سے بچنے کی تدبیر:

یعنی انسان کو خسارہ سے بچنے کے لیے چار باتوں کی ضرورت ہے اول خدا و رسول پر ایمان لائے اور ان کی ہدایات اور وعدوں پر خواہ دنیا سے متعلق ہوں یا آخرت سے پورا یقین رکھے دوسرے اس یقین کا اثر محض قلب و دماغ تک محدود نہ رہے بلکہ جوارح میں ظاہر ہو اور اس کی عملی زندگی اس کے ایمان قلبی کا آئینہ ہو۔ تیسرے محض اپنی انفرادی صلاح وفلاح پر قناعت نہ کرے بلکہ قوم و ملت کے اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھے۔ جب دو مسلمان ملیں ایک دوسرے کو اپنے قول وفعل سے سچے دین اور ہر معاملہ میں سچائی اختیار کرنے کی تاکید کرتے رہیں چوتھے ہر ایک کو دوسرے کی نصیحت وصیت رہے کہ حق کے معاملہ میں اور شخصی وقومی اصلاح کے راستہ میں جس قدر سختیاں اور دشواریاں پیش آئیں یا خلاف طبع امور کا تحمل کرنا پڑے تو پورے صبر واستقامت سے تحمل کریں ہرگز قدم نیکی کے راستہ سے ڈگمگانے نہ پائے۔ جو خوش قسمت حضرات ان چار اوصاف کے جامع ہونگے اور خود کامل ہو دوسروں کی تکمیل کرینگے ان کا نام صفحات دہر پر زندہ جاوید رہیگا۔ اور جو آثار چھوڑ کر دنیا سے جائینگے وہ بطور باقیات صالحات ہمیشہ ان کے اجر کو بڑھاتے رہیں گے فی الحقیقت یہ چھوٹی سی سورت سارے دین وحکمت کا خلاصہ ہے امام شافعیؒ نے سچ فرمایا کہ اگر قرآن میں سے صرف یہی ایک سورت نازل کردی جاتی تو (سمجھدار بندوں کی) ہدایت کے لیے کافی تھی بزرگان سلف میں جب دو مسلمان آپس میں ملتے تھے جدا ہونے سے پہلے ایک دوسرے کو یہ سورت سنایا کرتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن وحدیث میں ہر انسان پر اپنی اپنی مقدرت کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کیا گیا ہے اس معاملے میں عام مسلمان بلکہ بہت سے خواص تک غفلت میں مبتلا ہیں خود عمل کرنے کو کافی سمجھ بیٹھے ہیں اولاد وعیال کچھ بھی کرتے رہیں اس کی فکر نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس آیت کی ہدایت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (معارف مفتی اعظم)

صبر کا معنی:

صبر سے مراد مطلق صبر ہے خواہ اطاعت اور مصائب پر صبر ہو یا بری باتوں کا ترک۔

بڑھاپا:

ابراہیم کا قول مروی ہے کہ جب انسان بہت بوڑھا ہو جاتا ہے تو اس کا نقصان ہو جاتا ہے اعمال صالح نہیں کر سکتا۔ اور اجر سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور وہ پیچھے کو لوٹ جاتا ہے آگے اعمال کی ترقی نہیں کر سکتا۔ ہاں مومن بوڑھا ہونے کے بعد بھی گھاٹے میں نہیں رہتا اس کے نامہ اعمال میں وہی اعمال صالحہ لکھے جاتے ہیں جو وہ صحت اور جوانی کے زمانے میں کیا کرتا تھا۔

برائی کو روکو:

ابو سعید خدری کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جس شخص کے سامنے کوئی برا ممنوع شرعی عمل آئے تو اس کو اپنے ہاتھ کی قوت سے بدل دے۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے اتنی بھی طاقت نہ ہو تو اپنے دل ہی اس سے نفرت کرے اور یہ درجہ ضعیف ترین ایمان کا ہے (رواہ مسلم)

عوام کی بدعملی:

بغوی نے شرح السنۃ میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا اللہ خواص کی بداعمالی کا عذاب عوام پر نہیں ڈالتا لیکن جب عوام کوئی برا کام اپنے سامنے ہوتا دیکھتے ہیں اور باوجود روک دینے کی طاقت رکھنے کے نہیں روکتے تو اس وقت اللہ عوام خواص سب کو عمومی عذاب دیتا ہے۔ حضرت جریر بن عبداللہ کی مرفوع روایت سے بھی ابوداؤد اور ابن ماجہ نے یہی حدیث نقل کی ہے۔

عمومی وبال:

ابوداؤد نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے جس قوم کے درمیان گناہ کئے جاتے ہوں اور وہ بدلنے کی طاقت بھی رکھتے ہوں مگر نہ بدلیں تو خوب سن لو عنقریب ان پر عمومی وبال آئے گا۔ (تفسیر مظہری)

سورۃ الھمزہ

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی وہ مال کو جمع کرے گا۔ اور نیک کاموں پر خرچ کرے گا۔ (ابن سیرین)

سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعُ اٰيَاتٍ

سورۂ ہمزہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی نو آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ ①

خرابی ہے ہر طعنہ دینے والے عیب چننے والے کی ☆

عیب گیر آدمی:

یعنی اپنی خبر نہیں لیتا دوسروں کو حقیر سمجھ کر طعنے دیتا اور ان کے واقعی یا غیر واقعی عیب چنتا رہتا ہے۔ (تفسیر عثانی)

حافظ ابن کثیر نے فرمایا ھمزہ وہ جو کسی کی زبان سے برائی کرے۔ اور لمزہ وہ جو افعال کے ذریعے کسی کی دل آزاری کرے۔

نجات کا راستہ:

عقبہ بن عامر بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضرت نجات کا راستہ کیا ہے فرمایا اپنی زبان کو قابو میں رکھو یعنی ہر بری بات زبان سے روکو اور گھر میں بیٹھو۔ اور اپنے گناہوں پر رویا کرو۔

غیبت کیا ہے:

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جانتے بھی ہو کہ غیبت کیا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتا ہے فرمایا کسی شخص کا اپنے بھائی کی ایسی بات کا ذکر کرنا۔ جو اس کو بری معلوم ہوتی ہو۔ کسی نے اس پر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر وہ بات اس میں ہو تو کیا پھر بھی غیبت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اسی کا نام غیبت ہے اور اگر ایسی بات یا عیب لگاؤ۔ جو اس میں نہیں تو پھر بہتان ہے۔ (جامع ترمذی ابوداؤد، صحیح مسلم، معارف کاندھلوی)

همزة اور لمزه کا معنی:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا همزه اور لمزه دونوں ہم معنی ہیں عیب چیں اور خوردہ گیر۔ یہ وہ لوگ ہیں جو چغلیاں کھاتے پھرتے ہیں دوستوں میں پھوٹ پیدا کرتے ہیں اور بے داغ لوگوں کے عیوب کے طلبگار رہتے ہیں۔ مقاتل نے کہا ہے ھُمَزَۃ رُو در رُو عیب لگانے والا۔

میں کہتا ہوں کہ اصل لغت میں همزه کا معنی ہے توڑنا اور چبھونا حدیث میں ہے اللھم انی اعوذبک من همزات الشیطان۔ الٰہی میں شیطانی کچوکوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور لمزہ کا معنی ہے طعنہ زنی پھر استعمال میں دونوں کا ایسا ذکر جس سے لوگوں کی آبرو کی شکست ہو۔ اور ان پر طنز کیا جائے۔

شان نزول:

حضرت عثمان اور بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے ہم برابر سنا کرتے تھے کہ ویل لکل همزة لمزة کا نزول ابی بن خلف کے بارے میں ہوا ابن ابی حاتم نے رقہ کے باشندوں میں سے ایک شخص کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ جمیل بن عامر رضی اللہ عنہ کے حق میں اس کا نزول ہوا۔ ابن المنذر نے ابن اسحاق کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ امیہ بن خلف جمحی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عیب چینی اور طنز کے ساتھ دیکھا تھا۔ اس کے بارہ میں یہ پوری سورت اللہ نے اتاری (تفسیر مظہری)

الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝۲

جس نے سمیٹا مال اور گن گن کر رکھا ☆

بُخل: یعنی طعنہ زنی اور عیب جوئی کا منشاء تکبر اور تکبر کا سبب مال ہے جس کو مارے حرص کے ہر طرف سے سمیٹتا اور مارے بخل کے گن گن کر رکھتا ہے کہ کوئی پیسہ کہیں خرچ نہ ہو جائے یا نکل کر بھاگ نہ جائے اکثر بخیل مالداروں کو دیکھا ہوگا کہ وہ بار بار روپیہ شمار کرتے اور حساب لگاتے رہتے ہیں۔ اسی میں ان کو مزہ آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۝۳

خیال کرتا ہے کہ اُس کا مال سدا کو رہے گا اُس کے ساتھ ☆

مال کی محبت کی انتہاء:

یعنی اس کے برتاؤ سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ مال کبھی اس سے جدا نہ ہو گا بلکہ ہمیشہ اس کو آفات ارضی وسماوی سے بچاتا رہیگا۔ (تفسیر عثمانی)

یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال دنیا میں اس کو ہمیشہ رکھے گا۔ دولتمند ہونے کی وجہ سے وہ کبھی نہیں مرے گا۔ گویا اس کا خیال یہ ہے کہ نادار بھوک سے مرجائے گا۔ اور مالدار کبھی نہیں مرے گا۔ اس کلام کا حقیقی مفہوم مراد نہیں ہے کیونکہ کسی مالدار کا بھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ وہ کبھی نہیں مرے گا۔ بلکہ بطور کنایہ اس شخص کی مال سے محبت طولانی امید اور موت سے غافل رہنے کا اظہار کیا گیا ہے یا یہ کلام بطور تعریض ہے کہ حقیقت میں دوامی زندگی عطاء کرنے والا تو ایمان اور عمل صالح ہے مال سے دوامی زندگی حاصل نہیں ہوتی۔

انسان کی آرزوئیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چوکور لکیر کھینچی اور مربع خط کے درمیان باہر کو نکلتی ہوئی ایک اور لکیر کھینچی۔ اور اس وسطی لکیر کی جانب دونوں طرف سے آتی ہوئی چھوٹی چھوٹی لکیریں متعدد بنادیں اور فرمایا کہ یہ وسطی لکیر انسان ہے۔ اور باہر کو نکلا ہوا حصہ انسان کی آرزوئیں ہیں اور یہ چھوٹی لکیریں انسانی اغراض ہیں اب اگر ایک طرف والی لکیر سے بچ جاتا ہے تو دوسری طرف والی لکیر اس کو نوچتی ہے اور اس سے بچ جاتا ہے تو یہ نوچتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند خطوط کھینچے اور فرمایا کہ یہ آرزو ہے اور یہ انسان کی موت ہے اور آدمی اس حالت میں ہوتا ہے کہ اچانک قریب والا خط یعنی خط موت اس پر آپہنچتا ہے۔ (رواہ البخاری) (تفسیر مظہری)

كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ ۝۴

کوئی نہیں وہ پھینکا جائے گا اُس روندنے والی میں ☆

مال بہت جلد ساتھ چھوڑ جائے گا:

یعنی یہ خیال محض غلط ہے۔ مال تو قبر تک بھی ساتھ نہ جائیگا آگے تو کیا کام آتا سب دولت یونہی پڑی رہ جائیگی اور اس بد بخت کو اٹھا کر دوزخ میں پھینک دینگے۔ (تفسیر عثمانی)

حَطْمٌ۔ توڑ دینا شکستہ کر دینا۔ جہنم کے اندر جو چیز ڈالی جائے گی۔ جہنم کی آگ اس کو توڑ مروڑ دے گی۔ اس وجہ سے اس کا نام حطمه ہوا۔ یعنی اس کو حطمه کے اندر ضرور پھینکا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝۵

اور تو کیا سمجھا کون ہے وہ روندنے والی

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝۶

ایک آگ ہے اللہ کی سلگائی ہوئی

الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝۷

وہ جھانک لیتی ہے دل کو ☆

اللہ کی سُلگائی ہوئی آگ:

یعنی یاد رہے یہ آگ بندوں کی نہیں، اللہ کی سلگائی ہوئی ہے اس کی کیفیت کچھ نہ پوچھو بڑی سمجھدار ہے دلوں کو جھانک لیتی ہے۔ جس دل میں ایمان ہو نہ جلائے جس میں کفر ہو جلا ڈالے۔ اس کی سوزش بدن کو لگتے ہی فوراً دلوں تک نفوذ کر جائیگی۔ بلکہ ایک طرح دل سے شروع ہو کر جسموں میں سرایت کریگی۔ اور باوجودیکہ قلوب وارواح جسموں کی طرح جلیں گے اس پر بھی مجرم مرنے نہ پائینگے دوزخی تمنا کریگا کہ کاش موت آکر اس عذاب کا خاتمہ کردے۔ لیکن یہ آرزو پوری نہ ہوگی۔ اعاذ نا اللّٰہ منہا و من سائر وجوہ العذاب. (تفسیر عثمانی)

تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ۔ یعنی یہ جہنم کی آگ دلوں تک پہنچ جائے گی۔ یوں تو ہر آگ کا خاصہ ہی یہ ہے کہ جو چیز اس میں پڑے سبھی کے اجزاء جلا دیتی ہے انسان بھی اس میں ڈالا جائے گا۔ تو اس کے سارے اعضاء کے ساتھ دل بھی جل جائے گا۔ یہاں جہنم کی آگ کی یہ خصوصیت اس لیے ذکر کی گئی ہے کہ دنیا کی آگ جب انسان کے بدن کو لگتی ہے۔ تو اس کے دل تک پہنچنے سے پہلے ہی موت واقع ہو جاتی ہے بخلاف جہنم کے اس میں موت تو آتی نہیں تو دل تک آگ کا پہنچنا بحالت حیات ہوتا ہے اور دل کے جلنے کی اذیت اپنی زندگی میں انسان محسوس کرتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

نَارُ اللّٰهِ۔ وہ اللہ کی آگ ہے اللہ کی طرف نار کی نسبت نار کی عظمت کو ظاہر کر رہی ہے کیونکہ اس سے اللہ کے قہر کا ظہور ہوتا ہے نعوذ باللہ منہا۔ اللہ کی تمام صفات خواہ جلالی ہوں یا جمالی کمال کی اس چوٹی پر پہنچی ہوئی ہیں۔ کہ نہ اس کا اندازہ دماغ کو ہو سکتا ہے نہ اس سے زیادہ تصور ممکن ہے۔

مطلب یہ کہ سواء خدا کے اس کو بھڑکانے والا کوئی دوسرا نہیں اور خدا کی لگائی کو کوئی نہیں بجھا سکتا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہزار برس تک آگ بھڑکائی گئی یہاں تک کہ سرخ ہوگئی۔ پھر ہزار برس تک بھڑکانے کے بعد سفید ہوگئی پھر ہزار برس تک بھڑکائی گئی تو وہ سیاہ ہوگئی اب وہ سیاہ تاریک ہے۔ (ترمذی)

بار بار کا جلنا:

ابن مبارک نے اپنی سند سے خالد بن عمران کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آگ دوزخ والوں کو کھالے گی یہاں تک کہ جب دل تک پہنچے گی تو رک جائے گی۔ پھر وہ آدمی دوبارہ ویسا ہو جائے گا۔ جیسا پہلے تھا۔ پھر آگ اس کو لے گی اور دل تک پہنچے گی۔ یہی حالت اس کی ہوتی رہے گی۔ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ کا یہی مطلب ہے قرطبی اور کلبی کا بھی یہی قول ہے۔

دل کے ذکر کی وجوہ:

میں کہتا ہوں کہ دل کا ایک جگہ تذکرہ اس جگہ چند وجوہ کے تحت کیا گیا ہے اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ عذاب کا دوام معلوم ہو جائے۔ کیونکہ جب دنیوی آگ کسی کو جلاتی ہے تو دل تک پہنچنے سے پہلے ہی ہلاک کر دیتی ہے۔ بخلاف آتش جہنم کے وہ دل تک پہنچنے کے بعد بھی ہلاک نہیں کرے گی اور سوزش کا عذاب ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ یا دل کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ سارے بدن میں دل سب سے زیادہ لطیف اور الم پذیر ہے۔ یا یہ وجہ ہے کہ غلط عقائد کا محل اور برے اعمال کا سرچشمہ قلب ہی ہے۔ گویا یہی آتش جہنم کی پیدائش گاہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۸﴾
اُن کو اس میں موند دیا ہے☆

نکلنے کا کوئی راستہ نہ رہے گا:

یعنی کفار کو دوزخ میں ڈال کر دروازے بند کر دیئے جائینگے۔ کوئی راستہ نکلنے کا نہ رہیگا ہمیشہ اس میں پڑے جلتے رہینگے۔ (تفسیر عثمانی)

سوال ہو سکتا تھا۔ کہ دوزخی دوزخ سے کیوں نہیں نکلیں گے اور کیوں نہ بھاگ سکیں گے۔

اس سوال کے جواب میں اوپر فرمایا دوزخ اوپر سے بند ہوگی موصدہ کا ترجمہ مطبقہ ہے ابن مردویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت اس طرح نقل کی ہے او صدة الباب میں نے دروازہ بند کر دیا۔

لوہے کے صندوق:

ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن ابی الدنیا، بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب دوزخ کے اندر صرف دوامی دوزخی رہ جائیں گے، تو ان کو لوہے کے صندوقوں میں بند کر دیا جائے گا۔ اور صندوقوں میں لوہے کی کیلیں ٹھونک دی جائیں گی اور پھر ان صندوقوں کو دوسرے آہنی صندوقوں میں بند کر کے جحیم کی تہہ میں پھینک دیا جائے گا۔ اور کوئی دوسرے کے عذاب کو نہ دیکھ سکے گا۔ ابو نعیم اور بیہقی نے حضرت سوید بن غفلہ کی روایت سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿۹﴾
لمبے لمبے ستونوں میں☆

لمبے لمبے ستون:

یعنی آگ کے شعلے لمبے لمبے ستونوں کی مانند بلند ہونگے۔ یا یہ کہ دوزخیوں کو لمبے ستونوں سے باندھ کر خوب جکڑ دیا جائیگا کہ جلتے وقت ذرا

حرکت نہ کر سکیں کیونکہ ادھر ادھر حرکت کرنے سے بھی عذاب میں کچھ برائے نام تخفیف ہو سکتی تھی۔ اور بعض نے کہا کہ دوزخ کے منہ میں لمبے لمبے ستون ڈال کر اوپر سے پاٹ دیا جائیگا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ ان کو ستونوں میں داخل کرے گا۔ پھر ان پر ایک ستون تانا جائے گا۔ اور ان کی گردنوں میں زنجیریں پڑی ہوں گی اور اوپر سے ایک ستون کے ذریعہ سے ان پر دروازے مسدود کر دیئے جائیں گے قتادہؒ نے کہا ہے کہ ہم کو اطلاع ملی ہے کہ ان ستونوں کے ذریعے ان کو عذاب دیا جائے گا۔

مقاتلؒ نے کہا ہے کہ دوزخیوں کو اندر کر کے ان پر دروازے بند کر دیئے جائیں گے پھر ان میں آہنی کیلیں ٹھوک دی جائیں گی دروازہ مضبوطی سے بند کر دیا جائے گا۔ اور کوئی ان کے پاس داخل نہ ہو سکے گا۔ ممددۃ لمبے اس لمبائی کی وجہ سے وہ زیادہ جمے ہوئے ہوں گے۔ واللہ اعلم (تفسیر مظہری)

ثابت بنانیؒ کا خوف

حضرت ثابت بنانیؒ جب اس آیت تلاوت کر کے اس کا معنی بیان کرتے تو رو دیتے اور کہتے کہ انہیں عذاب نے بڑا ستایا۔ محمد بن کعب فرماتے ہیں کہ آگ جلاتی ہوئی حلق تک پہنچ جاتی ہے پھر لوٹتی ہے پھر پہنچتی ہے، یہ آگ ان پر چوطرف سے بند کر دی گئی ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ ہے اور دوسرا طریق اس کا موقوف ہے۔

لوہے کے ستون:

لوہا جو مثل آگ کے ہے اس کے ستونوں میں یہ لمبے لمبے دروازے ہیں۔

زنجیریں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں بِعَمَدٍ مروی ہے۔ ان جہنمیوں کی گردنوں میں زنجیریں ہوں گی، یہ لمبے لمبے ستونوں میں جکڑے ہوئے ہوں گے اور اوپر سے دروازے بند کر دیئے جائیں گے، ان آگ کے ستونوں میں انہیں بدترین عذاب کئے جائیں گے۔ ابو صالحؒ فرماتے ہیں یعنی وزنی بیڑیاں اور قید و بندان کے لئے ہوں گی اس سورۃ کی تفسیر بھی خدا کے فضل و کرم سے پوری ہوئی فالحمد للہ رب العلمین۔ (تفسیر ابن کثیر)

سورۃ الفیل

جو شخص خواب میں اس کی تلاوت کرے گا۔ اس کے دشمنوں پر اسکی مدد ہو گی اور اس کے ہاتھ اسلامی فتوحات بہت ہوں گی۔ (علامہ ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسُ اٰيٰتٍ

سورۂ فیل مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی پانچ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ①

کیا تو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ ☆

ہاتھی والوں کی ہلاکت:

یعنی ہاتھی والوں کے ساتھ تیرے رب نے جو معاملہ کیا وہ تم کو ضرور معلوم ہوگا کیونکہ یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے چند روز پیشتر ہوا تھا اور غایت شہرت سے بچہ بچہ کی زبان پر تھا اسی قرب عہد اور تواتر کی بنا پر اس کے علم کو رویت سے تعبیر فرمادیا۔ (تفسیر عثمانی)

تفسیر درمنثور میں سعید بن منصور اور ابن ابی شیبہ اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم اور ابو نعیم اور بیہقی نے دلائل میں عبید بن عمیر اللیثی سے بیان کیا ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل کے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ان پرندوں کو بھیجا جو دریا سے اٹھے تھے۔ گویا وہ خطاطیف ہیں۔ ہر چڑیا تین تین پتھروں کے ٹکڑے لیے ہوئے تھیں۔ ایک چونچ میں اور دو پنجوں میں دریا کی طرف سے آ کر اصحاب فیل کے سروں پر منڈلائیں پھر چیخیں اور ڈالا انہوں نے اصحاب فیل پر ان سنگریزوں کو جو کہ ان کے پاؤں اور چونچوں میں تھے پس نہیں تھا کوئی سنگریزہ جو کہ اصحاب پر گرا مگر نکل گیا دوسری طرف سے اگر سر پر گرا تو نکل گیا پیخانہ کے راستہ سے اور اگر بدن کے کسی اور حصہ پر گرا تو دوسری جانب سے نکل گیا اور بھیجا اللہ تعالیٰ نے ہوا کے طوفان کو۔ پس مارا چڑیوں نے اپنے پاؤں سے اصحاب فیل کو جس کی وجہ سے ان کی تکلیف میں اضافہ ہو گیا اور سب کے سب ہلاک ہو گئے (درمنثور) (معارف کاندھلوی)

یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے دیکھ لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ اصحاب فیل کا واقعہ نہیں دیکھا تھا مگر اس کے آثار دیکھے تھے۔ اور متواتر خبریں سنی تھیں تو گویا دیکھ ہی لیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ رویت سے مراد

علم ہو کہ کیا تم نے نہیں دیکھا یعنی کیا تم کو نہیں معلوم اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ لیں کہ ان کے دشمنوں کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کیا جائے گا۔ جو اصحاب فیل کے ساتھ کیا گیا۔

اس واقعہ کی تاریخ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ واقعہ فیل ۲۲ محرم کو اتوار کے دن ہوا بعض علماء نے اس کو متفق علیہ قرار دیا ہے۔ اور اس کے خلاف ہر قول کو وہم کہا ہے اسی سال واقعہ فیل سے تقریباً دو ماہ بعد ربیع الاول کے مہینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ ہوئی اکثر علماء اسلام کا یہی قول ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

ہاتھیوں کی تعداد:

بِاَصْحَابِ الْفِیْلِ ؕ ابرہہ شاہ یمن اور اس کے ساتھی ضحاک نے کہا کہ آٹھ ہاتھی تھے بعض نے کہا کہ سب سے بڑے ہاتھی کا نام محمود تھا محمود کے علاوہ بارہ ہاتھی تھے۔

واقعہ فیل

یمن کا بادشاہ:

محمد بن اسحاق نے برروایت سعید بن جبیر و عکرمہ از ابن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین بیان کیا اور واقدی نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے کہ نجاشی شاہ حبش نے ارياط سپہ سالار کو یمن پر فوج کشی کرنے بھیجا۔ ارياط نے جا کر یمن پر تسلط قائم کر لیا۔ اور ابرہہ بن الصباح حبشی ایک فوجی سردار تھا۔ اس کو ارياط کی سیادت پر حسد ہوا اور اس نے بغاوت کر دی اس طرح حبشیوں میں پھوٹ پڑ گئی ۔ایک گروہ ارياط کے ساتھ اور دوسرا ابرہہ کے ساتھ ہو گیا۔ دونوں کا ٹکراؤ ہوا ابرہہ نے ارياط کو قتل کر دیا حبشیوں نے ابرہہ کو سردار بنا لیا۔ اور ابرہہ کا تسلط یمن پر ہو گیا۔

نقلی کعبہ کی تعمیر:

پھر ابرہہ نے دیکھا کہ حج کے زمانے میں لوگ مکہ کو جانے کی تیاری کر رہے ہیں اس حسد میں اس نے صنعا میں ایک گرجا بنایا اور نجاشی کو لکھا میں نے صنعاء میں ایک کنیسہ بنایا ہے جس کی مثال کسی بادشاہ کے لیے نہیں بنائی گئی۔ آپ اس گرجا میں تشریف لائیں تاکہ میں مکہ کے حج سے لوگوں کا منہ موڑ دوں۔

نقلی کعبہ کی توہین:

یہ بات بنی کنانہ کے ایک شخص نے سن پائی اور رات کو نکل کر جا کر گرجا میں بیٹھ گیا اور موقع پاتے ہی گرجا کے اصل قبلہ کو گندگی آلود کر دیا۔

کعبۃ اللہ پر حملہ کا پروگرام:

ابرہہ کو اس کی اطلاع ہوئی۔ تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ میں جا کر کعبہ کو ڈھا دوں گا۔ اور نجاشی کو اس واقعے کی اطلاع بھیج دی اور درخواست کی کہ مجھے کچھ ہاتھی بھیج دیے جائیں۔ نجاشی نے کچھ ہاتھی بھیج دیے۔ جن میں ایک بہت ہی بڑا طاقتور ہاتھی بھی تھا۔ جس کا نام محمود تھا۔ ابرہہ مکہ کی طرف چل دیا۔ عرب نے یہ خبر سنی تو اس پر شاق گذری انہوں نے ابرہہ سے مقابلہ کرنا ضروری سمجھا چنانچہ یمن کے راجاؤں میں سے ایک راجہ تھا جس کا نام ذونفر تھا۔ وہ لڑنے کے لیے نکلا مگر ابرہہ نے اس کو شکست دیدی اور گرفتار کر لیا قتل نہیں کیا بلکہ جکڑ لیا اور آگے بڑھا قبائل خشعم کی آبادی کے قریب پہنچا تو نفیل بن خشعمی بنی خشعم کو لے کر مقابلہ کے لیے نکلا دوسرے قبائل یمن بھی آ کر اسے مل گئے اور لڑائی ہوئی نفیل کو گرفتار کر لیا گیا نفیل نے ابرہہ سے کہا بادشاہ میں زمین عرب کے راستوں سے واقف ہوں ابرہہ نے اس کو اپنے ساتھ لے لیا طائف کی طرف سے گذرا تو مسعود بن مغیث ثقفی بنی ثقیف کے کچھ آدمیوں کو لے کر آیا اور بولا بادشاہ ہم آپ کے غلام ہیں ہماری طرف سے آپ کو کوئی مخالفت نہ ہو گی۔ آپ اس مکان کو ڈھانے کی غرض سے نکلے ہیں جو مکہ میں ہے ہم آپ کے ساتھ ایک رہنما بھیج دیں گے چنانچہ انہوں نے اپنے غلام ابورغال کو رہنمائی کے لیے بھیج دیا۔ ابورغال کی رہنمائی میں ابرہہ آگے بڑھا۔ جب مغمس پہنچا تو ابورغال مر گیا یہ وہی شخص ہے جس کی قبر پر پتھر مارے جاتے ہیں۔

عبدالمطلب کے اونٹوں پر قبضہ اور پیغام:

ابرہہ نے مغمس سے ایک حبشی کو جس کا نام اسود تھا اس غرض سے بھیجا کہ وہ حرم کا مال یعنی اونٹ ہنکالائے اسود نے عبدالمطلب کے دو سو اونٹ پکڑ لیے۔ پھر ابرہہ نے حناطہ حمیری کو مکہ والوں کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ سردار مکہ کو تلاش کر کے یہ پیام پہنچا دے کہ میں لڑنے نہیں آیا ہوں بلکہ اس گھر کو ڈھانے کے لیے آیا ہوں قاصد چل کر مکہ پہنچا اور عبدالمطلب سے ملاقات کی۔ اور ابرہہ کا پیغام ان سے کہہ دیا۔

عبدالمطلب کا جواب:

عبدالمطلب نے کہا کہ ہم بھی اس سے لڑنا نہیں چاہتے ہم اس گھر تک پہنچنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالیں گے یہ اللہ کی حرمت والا گھر ہے اور خلیل کا بنایا ہوا ہے۔ چونکہ اللہ کا گھر اور حرم ہے اس لیے وہی اس کی حفاظت بھی کرے گا۔ اگر ابرہہ کو اس گھر سے خدا نہیں روکے گا تو خدا کی قسم ہم میں بھی قوت نہیں ہے۔

عبدالمطلب کی ابرہہ سے ملاقات:

اس کے بعد عبدالمطلب اپنے اونٹ مانگنے کے لیے ابرہہ کے فوجی کیمپ میں گئے ذونفر چونکہ عبدالمطلب کا دوست تھا اس لیے اس کے پاس پہنچے۔ ذونفر نے کہا میں تو قیدی ہوں انیس ایک شخص ہے جو میرا دوست ہے اور ہاتھیوں کا داروغہ ہے میں تم کو اس کے پاس بھیج دوں گا۔ پھر ذونفر نے انیس کو بلوا کر کہا کہ یہ قریش کے سردار ہیں اور مکہ والے اونٹوں کے مالک ہیں یہ پہاڑوں کے نیچے آدمیوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور پہاڑوں کے اوپر جنگلی

جانوروں کو بھی ان کی خوراک دیتے ہیں بادشاہ کے پاس پہنچنا چاہتے ہیں لیکن نہ یہ لڑنے والے ہیں اور نہ ہی تمہاری مخالفت کرنے والے۔

عبدالمطلب کا اعزاز:

انیس نے جا کر پیغام پہنچایا۔ بادشاہ نے داخلہ کی اجازت دیدی۔ عبد المطلب قد آور اور حسین آدمی تھے ابرہہ نے ان کو دیکھ کر تعظیم کی اور خود تخت پر بیٹھنا اور ان کو نیچے بٹھانا مناسب نہ سمجھا اس لیے خود تخت سے اتر کر فرش پر بیٹھ گیا۔ اور ترجمان کی معرفت آنے کی غرض پوچھی۔

اونٹوں کی واپسی:

عبدالمطلب نے کہا کہ میری غرض دو سو اونٹوں کی واپسی ہے۔ ابرہہ نے اونٹ عبدالمطلب کو دے دیئے۔

قریش کی حفاظتی تدابیر:

اور عبدالمطلب نے واپس آ کر قریش کو سارا واقعہ بتا دیا اور حکم دیا کہ سب لوگ گھاٹیوں میں منتشر ہو جائیں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ کر اپنی حفاظت کر لیں تاکہ حبشی ان کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں۔

عبدالمطلب کی مناجات:

پھر خود جا کر کعبہ کے دروازے کی زنجیر پکڑ کر کہنے لگے۔ ترجمہ اشعار: پروردگار تیرے سوا ان کے مقابلے میں میں کسی سے امید نہیں رکھتا پروردگار اپنے حرم کو ان سے محفوظ رکھ۔ اس گھر کا دشمن تیرا دشمن ہے۔ اپنی بستی کو اجاڑنے سے ان کو روک دے۔ یہ اشعار بھی عبدالمطلب نے پڑھے۔

ترجمہ: اے اللہ بندہ اپنے سامان کی خود حفاظت کرتا ہے تو اپنا سامان محفوظ رکھ۔ صلیب نے طرفداروں اور پرستاروں کے خلاف اپنے پرستاروں کی مدد کر ان کی صلیب اور چال تیری تدبیر پر غالب نہ آنا چاہیے تیرے خادموں کو گرفتار کرنے کے لیے اپنے ملک کے سیال لشکر اور ہاتھیوں کو کھینچ کر لائے ہیں انہوں نے اپنی چال کے ساتھ نادانی کی وجہ سے تیرے حرم کو (تباہ کرنیکا) ارادہ کیا ہے۔ اور تیرے جلال کا خوف نہیں کیا اگر تو ان کو اور ہمارے کعبہ کو یونہی چھوڑ دینے والا ہے تو پھر جو تیری مرضی ہو وہی کر۔ یہ مناجات کر کے کعبہ کی زنجیر چھوڑی اور اپنی قوم کے ساتھ سرداروں کے پاس چلے گئے۔

حملہ کا آغاز:

صبح کو ابرہہ نے مغمس میں مکہ میں داخل ہونے کی تیاری کی اور لشکر کو ہاتھیوں سمیت تیار کیا۔

کعبۃ اللہ کا معجزہ:

ایک ہاتھی تھا۔ کہ جسامت اور قوت میں اس کی نظیر دیکھنے میں نہیں کہا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ بارہ ہاتھی اور بھی تھے نفیل بڑے ہاتھی کے پاس آیا اور اس کا کان پکڑ کر کہا محمود بیٹھ جا اور جہاں سے آیا ہے سیدھا ادھر ہی واپس چلا جا کیونکہ تو اللہ کے حرمت والے شہر میں ہے ہاتھی بیٹھ گیا پھر لوگوں نے اس کو ہر چند اٹھایا لیکن وہ نہیں اٹھا۔ لوگوں نے اس کے سر پر کدال مارے مگر وہ نہ اٹھا اخر آنکڑے اسکی آنکھوں کے نیچے چبھوئے مگر وہ نہ اٹھا۔ (یعنی اس نے قدم نہ اٹھایا) آخر اس کا رخ یمن کی جانب کر دیا تو وہ فوراً اٹھ گیا اور تیزی سے چلنے لگا پھر شام کی طرف کر دیا گیا تب بھی اس نے ایسے ہی کیا (تیزی سے چلتا رہا)۔ پھر مشرق کی جانب کر دیا گیا تب بھی اس نے ایسا ہی کیا (تیزی سے چلتا رہا) آخر میں اس کا رخ مکہ کی طرف کر دیا گیا۔ تو وہ کھڑا بھی نہ رہ سکا بیٹھ گیا نفیل دوڑتا ہوا پہاڑ پر چڑھ گیا۔

ابابیل کی فوج کا حملہ:

اور اللہ نے سمندر کی طرف سے ابابیلوں جیسے کچھ پرندے بھیجے۔ ہر پرندہ کے پاس تین پتھر تھے۔ دو دونوں پنجوں میں اور ایک چونچ میں پتھر چنے اور مسور کے برابر تھے۔

ابرہہ کی فوج کی ہلاکت:

جب پرندے ان لوگوں پر پہنچ کر چھا گئے تو انہوں نے پتھریاں چھوڑ دیں جس شخص کے پتھری لگی وہ ہلاک ہو گیا۔ لیکن سب قوم ہلاک نہیں ہوئی فوج والے نکل کر اندھا دھند بھاگے اور راستہ نہ ملنے کی وجہ سے نفیل کو تلاش کرنے لگے تاکہ وہ یمن کے راستہ پر لگا دے نفیل کسی پہاڑ پر سے ان کو دیکھتا رہا غرض لوگ اضطرابی حرکت کے ساتھ ہر راستہ پر گرتے پڑتے اور ہر چشمہ پر ہلاک ہوتے چلد یئے صحیح راستہ پر کوئی نہیں پڑا۔

ابرہہ کی ہلاکت:

اللہ نے ابرہہ کو ایک جسمانی روگ میں مبتلا کر دیا اس کی انگلیوں کے پورے گرنے لگے اور جو پورا گرتا تھا اس سے کچ لہو اور خون بہتا تھا آخر پرندہ کے چوزہ کی طرح ہو کر وہ صنعاء پہنچا کچھ ساتھی بھی اس کے ساتھ پہنچ گئے آخر آگے کی طرف سے جب اس کا سینہ شق ہو گیا تو مر گیا۔

محمود ہاتھی:

واقدی نے لکھا ہے کہ نجاشی کے ہاتھی محمود نے حرم کے خلاف جرات نہیں کی تھی وہ بچ گیا اور دوسرے ہاتھی جنہوں نے اقدام کیا انکے پتھر لگے۔

سعید ثقفی کا مشورہ:

اس زمانہ میں سعید ثقفی نابینا مکہ ہی میں تھا یہ شخص گرمی کا زمانہ طائف میں اور سردی کا زمانہ مکہ میں بسر کرتا تھا اور بڑا دانشمند بزرگ۔ اس کی رائے سے تمام امور درست ہو جاتے تھے اور عبدالمطلب کا دوست تھا عبدالمطلب نے اس سے کہا آج تمہاری رائے کی ضرورت ہے بتاؤ کیا رائے ہے (سعید یعنی)

ابو مسعود نے کہا تم مجھ کو لے کر حراء پر چڑھ جاؤ پھر ابو مسعود نے عبدالمطلب کو مشورہ دیا کہ سو اونٹ لے کر ان کی گردنوں میں جوتوں کا قلاوہ (نذر الٰہی کی علامت) ڈال کر اللہ کے نام پر حرم میں بھجوا دو۔ شاید کوئی حبشی کسی اونٹ کو پکڑ کر ذبح کر لے اور اس گھر کا مالک غضب ناک ہو جائے اور ان کو پکڑ لے۔ عبدالمطلب نے مشورہ پر عمل کیا ان لوگوں نے اونٹوں کو پکڑ کر کسی پر لدان کیا اور کسی کو کھانے کے لیے ذبح کر لیا عبدالمطلب اس کے بعد دعاء کرنے لگے اور ابو مسعود نے کہا اس گھر کا مالک خود اس کی حفاظت کرے گا۔

تبع شاہ یمن نے کعبہ پر غلاف چڑھایا:

تبع شاہ یمن (تبع یمن کے ہر بادشاہ کا لقب تھا) بیت اللہ کے صحن میں داخل ہو کر عمارت کو ڈھانے کا ارادہ کر چکا تھا مگر اللہ نے اس کو روک دیا اور مصیبت میں مبتلا کر دیا تین روز تک اس پر اندھیرا چھایا رہا جب تبع نے یہ مصیبت دیکھی تو کعبہ پر مصری سفید ریشم کا غلاف چڑھایا اور تعظیم کی اور بطور نذر اونٹ کی قربانی کی۔

پرندوں کی آمد کو ثقفی بھانپ گیا:

ادھر ابو مسعود نے سمندر کی طرف جو آنکھ اٹھائی تو اس کو کچھ محسوس ہوا اس نے عبدالمطلب سے کہا سمندر کی طرف تو دیکھو عبدالمطلب نے دیکھا تو بولے مجھے تو سفید پرندے نظر آ رہے ہیں جو سمندر کے کنارہ سے اٹھے ہیں ابو مسعود نے کہا ذرا نظر اٹھا کر دیکھو ان کی قرار گاہ کہاں ہے؟ عبدالمطلب نے کہا یہ ہمارے سروں پر چکر کاٹ رہے ہیں ابو مسعود نے کہ کیا تم ان کو پہچانتے ہو؟ عبدالمطلب نے کہا خدا کی قسم میں ان کو نہیں پہچانتا نہ یہ نجدی ہیں، نہ تہامی، نہ عربی، نہ شامی۔ ابو مسعود نے کہا کتنے ہیں شہد کی مکھیوں کی طرح (بے گنتی) ہیں ہر ایک کی چونچ میں ٹھیکری کی طرح پتھری ہے رات کی طرح آ رہے ہیں ہر پرندہ کی چونچ سرخ سر سیاہ اور گردن لمبی ہے اور ایک لیڈر سب کا قائد ہے جو سب سے آگے اور سب اس کے پیچھے آ رہے ہیں۔

غرض پرندے آ گئے اور لشکر کی سیدھ میں سروں پر آ کر رک گئے جب لوگ اکٹھے ہو گئے تو پرندوں نے اپنی چونچوں سے پتھر نیچے کو گرا دیے ہر پتھر پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا جس پر اس کو گرایا گیا۔ پھر جدھر سے آئے تھے اسی طرف سے لوٹ کر چلے گئے۔

سب فوجی مر گئے:

ابو مسعود اور عبدالمطلب صبح کو جب پہاڑ کی چوٹی سے اترے اور ایک ٹیلے پر چلے تو ان کو کسی کی آہٹ بھی محسوس نہیں ہوئی ایک اور ٹیلہ پر گئے تو وہاں سے کوئی آہٹ نہیں سنی تو کہنے لگے یہ لوگ رات کو نہیں سوئے ہو نگے اسی لیے صبح کو سو رہے ہیں۔ لیکن جب فوجی کیمپ کے قریب ہو گئے تو سب کو مردہ پایا جس شخص کے خود پر پتھر گرتا تھا خود کو پھاڑ کر دماغ میں اتر جاتا تھا یہاں تک کہ ہاتھیوں اور گھوڑوں کے اندر گھس کر زمین پر پہنچتا اور زمین کے اندر داخل ہو جاتا تھا۔

ابرہہ کی فوج کے زر و جواہر:

عبدالمطلب نے انہی کا پھاوڑا لے کر زمین میں بہت گہرا گڑھا کھودا اور ابرہہ کی فوج کے زر و جواہر اس میں بھر دیے اور دوسرا گڑھا اپنے ساتھی کے لیے بھی کھود کر اس کو بھی بھر دیا اور ساتھی سے کہا کہ اگر تم چاہو تو میرا گڑھا لے لو چاہو اپنا لے لو اور چاہو تو دونوں لے لو۔ ابو مسعود نے کہا تم اپنے لیے جو چاہو پسند کر لو۔ عبدالمطلب نے کہا میں نے اپنے گڑھے میں سب سے اچھا سامان بھرنے میں کمی نہیں کی تھی مگر اب وہ تمہارا ہے الحاصل دونوں میں سے ہر ایک اپنے اپنے گڑھے پر بیٹھ گیا۔

مال غنیمت:

پھر عبدالمطلب نے آواز دے کر لوگوں کو واپس بلایا اور لوگوں نے واپس آ کر بقیہ مال پر قبضہ کر لیا اور کل مال اٹھا بھی نہ سکے۔ اسی مال کی وجہ سے عبدالمطلب قریش کے سردار ہو گئے اور قریش نے اپنی قیادت ان کے سپرد کر دی ابو مسعود اور عبدالمطلب ہمیشہ اپنے اپنے گھروں میں اسی مال کے سبب خوش حال رہے اور اللہ نے اصحاب فیل کو کعبہ سے دفع کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

پرندوں کا غول:

قدرت حق تعالیٰ شانہٗ کا یہ کرشمہ تو یہاں ظاہر ہوا دوسری طرف دریا کی طرف سے کچھ پرندوں کی قطاریں آتی دکھائی دیں جن میں سے ہر ایک کے ساتھ تین کنکریاں چنے یا مسور کے برابر تھیں ایک چونچ میں اور دو پنجوں میں۔ واقدی کی روایت میں ہے کہ پرندے عجیب طرح کے تھے جو اس سے پہلے نہیں دیکھے گئے تھے جثہ میں کبوتر سے چھوٹے تھے ان کے پنجے سرخ تھے۔ ہر پنجے میں ایک کنکر اور ایک چونچ میں لیے آتے دکھائی دیتے اور فوراً ابرہہ کے لشکر کے اوپر چھا گئے یہ کنکریں جو ہر ایک کے ساتھ تھیں ان کو ابرہہ کے لشکر پر گرایا ایک ایک کنکر نے وہ کام کیا جو ریوالور کی گولی بھی نہیں کر سکتی۔ کہ جس پر پڑتی اس کے بدن کو چھیدتی ہوئی زمین میں گھس جاتی تھی۔ یہ عذاب دیکھ کر ہاتھی سب بھاگ کھڑے ہوئے صرف ایک ہاتھی رہ گیا تھا جو اس کنکری سے ہلاک ہوا اور لشکر کے سب آدمی اسی موقع پر ہلاک نہیں ہوئے بلکہ مختلف اطراف میں بھاگے ان سب کا یہ حال ہوا کہ راستہ میں مر مر کر گر گئے۔

ابرہہ کو سخت سزا دینا:

ابرہہ کو چونکہ سخت سزا دینا تھی یہ فوراً ہلاک نہیں ہوا مگر اس کے جسم میں ایسا زہر سرایت کر گیا کہ اس کا ایک ایک جوڑ گل سڑ کر گرنے لگا اسی حال میں اس کو واپس یمن لایا گیا۔ دار الحکومت صنعاء پہنچ کر اس کا سارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بہہ گیا اور مر گیا۔

ابرہہ کے ہاتھی محمود کے ساتھ دو ہاتھی بان یہیں مکہ مکرمہ میں رہ گئے مگر اس طرح کہ دونوں اندھے اور اپاہج ہو گئے تھے۔

محمد بن اسحٰق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے ان دونوں کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ وہ اندھے اور اپاہج تھے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بہن اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا نے

فرمایا کہ میں نے دونوں اپاہج اندھوں کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھا۔ (مفتی اعظم)

اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝۲

کیا نہیں کر دیا اُن کا داؤ غلط ☆

ہاتھی والوں کی تدبیر غلط ہوگئی:

یعنی وہ لوگ چاہتے تھے کہ اللہ کا کعبہ اجاڑ کر اپنا مصنوعی کعبہ آباد کریں۔ یہ نہ ہو سکا۔ اللہ نے ان کے سب داؤ پیچ غلط اور کل تدبیریں بے اثر کر دیں کعبہ کی تباہی کی فکر میں وہ خود ہی تباہ و برباد ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝۳

اور بھیجے اُن پر اُڑتے جانور ٹکڑیاں ٹکڑیاں

تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝۴

پھینکتے تھے اُن پر پتھریاں کنکر کی ☆

قصہ مختصر: "اصحاب فیل" کا قصہ مختصر یہ ہے کہ بادشاہ "حبشہ" کی طرف سے "یمن" میں ایک حاکم "ابرہہ" نامی تھا۔ اس نے دیکھا کہ سارے عرب کعبہ کا حج کرنے جاتے ہیں چاہا کہ ہمارے پاس جمع ہوا کریں اس کی تدبیر یہ سوچی کہ اپنے مذہب عیسائی کے نام پر ایک عالیشان گرجا بنایا جائے جس میں ہر طرح کے تکلفات اور راحت و دلکشی کے سامان ہوں اس طرح لوگ اصلی اور سادہ کعبہ کو چھوڑ کر اس مکلف و مرصع کعبہ کی طرف آنے لگیں گے اور مکہ کا حج چھوٹ جائیگا چنانچہ "صنعاء" میں (جو یمن کا بڑا شہر ہے) اپنے مصنوعی کعبہ کی بنیاد رکھی اور خوب دل کھول کر روپیہ خرچ کیا اس پر بھی لوگ ادھر متوجہ نہ ہوئے عرب کو خصوصاً قریش کو جب اس کی اطلاع ہوئی سخت خشمگیں ہوئے کسی نے غصہ میں آکر وہاں پاخانہ پھر دیا اور بعض کہتے ہیں کہ بعض عرب نے آگ جلائی تھی ہوا سے اڑ کر اس عمارت میں لگ گئی "ابرہہ" نے جھنجھلا کر کعبہ شریف پر فوج کشی کر دی بہت سا لشکر اور ہاتھی لے کر اس ارادہ سے چلا کہ کعبہ کو منہدم کر دے درمیان میں عرب کے جس قبیلہ نے مزاحمت کی اسے مارا اور مغلوب کیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب اس وقت قریش کے سردار اور کعبہ کے متولی اعظم تھے ان کو خبر ہوئی تو فرمایا لوگو اپنا بچاؤ کر لو! کعبہ جس کا گھر ہے وہ خود اس کو بچالیگا "ابرہہ" نے راستہ صاف دیکھ کر یقین کر لیا کہ اب کعبہ کا منہدم کر دینا کوئی مشکل کام نہیں کیونکہ ادھر سے کوئی مقابلہ کرنے والا نہ تھا۔ جب وادی "محسر" (جو مکہ کے قریب جگہ ہے) پہنچا تو سمندر کی طرف سے سبز اور زرد رنگ کے چھوٹے چھوٹے جانوروں کی ٹکڑیاں نظر آئیں۔ ہر ایک کی چونچ اور پنجوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں تھیں ان عجیب وغریب پرندوں کے غول کے غول کنکریاں لشکر پر برسانے لگے۔ خدا کی قدرت سے وہ کنکر کی پتھریاں بندوق کی گولی سے زیادہ کام کرتی تھیں۔ جس کے لگتی ایک طرف سے گھس کر دوسری طرف سے نکل جاتی اور ایک عجیب طرح کا سمی مادہ چھوڑ جاتی تھی۔ بہت سے وہیں ہلاک ہو گئے جو بھاگے وہ دوسری بڑی بڑی تکلیفیں اٹھا کر مرے۔ یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف سے پچاس روز پہلے ہوا بلکہ بعض کہتے ہیں کہ خاص اسی روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با کرامت ہوئی گویا یہ ایک آسمانی نشان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد آمد کا تھا اور ایک غیبی اشارہ تھا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی فوق العادۃ حفاظت فرمائی ہے اس گھر کے سب سے مقدس متولی اور سب سے بزرگ پیغمبر کی حفاظت بھی اسی طرح کرے گا اور عیسائی یا کسی دوسرے مذہب کو یہ موقع نہ دیگا کہ وہ کعبہ اور کعبہ کے سچے خادموں کا استیصال کر سکیں۔ (تفسیر عثمانی)

دو ہاتھی بانوں کا انجام:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ابرہہ کے لشکر کے فیلبان اور چرکٹے کو میں نے مکہ شریف میں دیکھا دونوں اندھے ہو گئے تھے چل پھر نہیں سکتے اور بھیک مانگا کرتے تھے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اساف اور نائلہ بتوں کے پاس یہ بیٹھے رہتے تھے جہاں مشرکین اپنی قربانیاں کرتے تھے اور لوگوں سے بھیک مانگتے پھرتے تھے اس فیلبان کا نام انیسا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

پرندوں کی شکل وشباہت:

واقدیؒ فرماتے ہیں کہ یہ پرندے زرد رنگ کے تھے کبوتر سے کچھ چھوٹے تھے ان کے پاؤں سرخ تھے اور ایک روایت میں ہے کہ جب محمود ہاتھی بیٹھ گیا اور پوری کوشش کے باوجود بھی نہ اٹھا تو انہوں نے دوسرے ہاتھی کو آگے کیا اس نے قدم بڑھایا ہی تھا کہ اس کی مستک پر کنکر پڑی اور وہ بلبلا کر پیچھے ہٹا اور پھر اور ہاتھی بھی بھاگ کھڑے ہوئے اور ادھر برابر کنکریاں آنے لگیں اکثر تو وہیں ڈھیر ہو گئے اور بعض جو ادھر ادھر بھاگ نکلے تھے ان میں سے بھی کوئی جاں بر نہ ہوا بھاگتے بھاگتے ان کے اعضاء کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے اور بالآخر جان سے جاتے تھے۔

کنکریاں:

یعنی وہ پرندے اصحاب فیل پر کنکر والے پتھر مارتے تھے **سجیل** وہ مٹی جو پتھر بن جائے یہ لفظ سنگ گل کا معرب ہے بعض کے نزدیک **سجل** سے بنا ہے اور **سجل** کا معنی ہے بڑا ڈول۔ بعض نے اس کو **السجل** سے مشتق مانا ہے (رجسٹرڈ مہری) یعنی اصحاب فیل پر برسنے والے پتھر من جملہ اس

عذاب کے تھے جوان کے لیے لکھ دیا گیا تھا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان پرندوں کی چونچیں پرندوں کی طرح اور پنجے کتوں کے پنجوں کی طرح تھے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا وہ پرندے سبز تھے اور چونچیں زرد تھیں قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا وہ سیاہ تھے جو جھنڈ در جھنڈ ہو کر سمندر کی طرف سے آئے تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ہر پتھر پر ایک پرچہ اس شخص کے نام کا چسپاں تھا جس پر اس کو گرنا تھا اللہ نے پتھر لے کر ان پرندوں کو بھیجا تھا پرندوں نے بڑی زور سے پتھر مارے جس شخص پر پتھر گرا پار نکل گیا سر پر پڑا تو مقعد سے نکل گیا۔ (تفسیر مظہری)

یہ کہ پرندے کبوتر سے کسی قدر چھوٹے تھے اور کوئی ایسی جنس تھی جو پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی تھی۔ (کذا قال سعید بن جبیر قرطبی)

یہ کنکریں بھی خود کوئی طاقت نہ رکھتی معمولی گارے اور آگ سے بنی ہوئی تھیں مگر بقدرت حق سبحانہٗ انہوں نے ریوالور کی گولیوں سے زیادہ کام کیا۔ (معارف مفتی اعظم)

فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ⑤
پھر کر ڈالا ان کو جیسے بھس کھایا ہوا ☆

جو بیل، گائے وغیرہ کھا کر آخور چھوڑ دیتے ہیں۔ یعنی ایسا پراگندہ منتشر مبتذل بصورت نکما اور چورا چورا۔ (تفسیر عثمانی)

فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ۔ اللہ نے ان کو اس بھوسہ کی طرح کر دیا جس کو جانور کھاتے ہیں اور گوبر کر دیتے ہیں۔ جوڑ جوڑ کر ٹکڑے ہو جانے کو گوبر کے منتشر اجزاء سے تشبیہ دی ہے۔ (تفسیر مظہری)

قریش کی عظمت:

اصحاب فیل کے اس عجیب وغریب واقعے نے پورے عرب کے دلوں میں قریش کی عظمت بڑھا دی اور سب ماننے لگے کہ یہ لوگ اللہ والے ہیں ان کی طرف سے خود حق تعالیٰ شانہ نے ان کے دشمن کو ہلاک کر دیا (قرطبی)

سورۃ قریش

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی وہ مسکین کو کھانا کھلائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر مسلمانوں کو آپس میں ملا دے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعُ اٰيَاتٍ
سورۂ قریش مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چار آیتیں ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ①
اس واسطے کہ مانوس رکھا قریش کو
اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ②
مانوس رکھنا ان کو سفر سے جاڑے کے اور گرمی کے
فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ③
تو چاہئے کہ بندگی کریں اس گھر کے رب کی
الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ
جس نے ان کو کھانا دیا بھوک میں
وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ④
اور امن دیا ڈر میں ☆

قریشیوں پر اللہ کے انعامات:

مکہ میں غلہ وغیرہ پیدا نہیں ہوتا اس لیے قریش کی عادت تھی کہ سال بھر میں تجارت کی غرض سے دو سفر کرتے تھے جاڑوں میں یمن کی طرف کہ وہ ملک گرم ہے اور گرمیوں میں شام کی طرف جو سرد اور شاداب ملک ہے لوگ انکو اہل حرم اور خادم بیت اللہ سمجھ کر نہایت عزت واحترام کی نظر سے دیکھتے ان کی خدمت کرتے اور ان کے جان ومال سے کچھ تعرض نہ کرتے اس طرح ان کو خاطر خواہ نفع ہوتا پھر امن وچین سے گھر بیٹھ کر کھاتے اور کھلاتے تھے حرم کے چاروں

طرف لوٹ کھسوٹ اور چوری ڈکیتی کا بازار گرم رہتا تھا۔ لیکن کعبہ کے ادب سے کوئی چور ڈاکو قریش پر ہاتھ صاف نہ کرتا تھا اسی انعام کو یہاں یاد دلایا ہے کہ اس گھر کے طفیل تم کو روزی دی اور امن چین دیا ''اصحاب فیل'' کی زد سے محفوظ رکھا پھر اس گھر والے کی بندگی کیوں نہیں کرتے اور اس کے رسول کو کیوں ستاتے ہو کیا یہ انتہائی ناشکری اور احسان فراموشی نہیں اگر دوسری باتیں نہیں سمجھ سکتے تو ایسی کھلی ہوئی حقیقت کا سمجھنا کیا مشکل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قریشیوں کی تجارت کا آغاز:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مکہ والے بڑے افلاس اور تکلیف میں تھے۔ یہاں تک کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ہاشم نے قریش کو اس لیے آمادہ کیا کہ دوسرے ملکوں سے تجارت کا کام کریں۔ ملک شام ٹھنڈا ملک تھا گرمی کے زمانے میں وہاں اور یمن گرم ملک ہے سردی کے زمانے میں اس طرف تجارتی سفر کرتے اور منافع حاصل کرتے تھے۔ اور چونکہ یہ لوگ بیت اللہ کے خادم ہونے کی حیثیت سے تمام عرب میں مقدس اور محترم مانے جاتے تھے تو یہ راستہ کے ہر خطرے سے بھی محفوظ رہتے، اور چونکہ ہاشم ان کے سردار مانے جاتے تھے ان کا طریقہ یہ تھا کہ اس تجارت میں جو منافع حاصل ہوتا ان کو قریش کے امیر غریب سب میں تقسیم کر دیتے یہاں تک کہ ان کا غریب آدمی بھی مالداروں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔

دشمن کے خوف اور مصیبت کا آزمودہ علاج:

ابوالحسن قزوینی نے فرمایا کہ جس شخص کو کسی دشمن یا اور کسی مصیبت کا خوف ہو۔ اس کے لیے لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ کا پڑھنا امان ہے۔ اس کو امام جزری نے نقل کر کے فرمایا کہ یہ عمل آزمودہ اور مجرب ہے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں اس کو نقل کر کے فرمایا کہ مجھے میرے شیخ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ نے خوف و خطر کے وقت اس سورۃ کو پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ہر بلا و مصیبت کے دفع کرنے کے لیے اس کی قراءت مجرب ہے حضرت قاضی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ میں نے بارہا اس کا تجربہ کیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اس کی نعمت کی قدر کرو:

مطلب یہ ہے کہ ان پر اللہ کی بے شمار نعمتیں ہیں اگر وہ سب نعمتوں کی وجہ سے عبادت نہیں کرتے تو کم از کم لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ کی نعمت کی وجہ سے تو اس گھر کے مالک کی عبادت کرنی چاہیے۔

قریش نام کی وجہ:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے قریش کی وجہ تسمیہ پوچھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قریش ایک بہت بڑا دریائی جانور ہوتا ہے۔ جس طرف سے اس کا گذر ہوتا ہے اور کوئی موٹا دبلا جانور سامنے پڑ جاتا ہے تو وہ اس کو کھا لیتا ہے مگر اس کو کوئی کھا نہیں سکتا وہ سب پر غالب ہے کوئی اس پر غالب نہیں۔

قریش کی فضیلت:

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اولاد اسمٰعیل علیہ السلام میں سے اللہ نے کنانہ کو چن لیا اور بنی کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب کر لیا۔ (رواہ البغوی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لوگ اس معاملہ میں قریش کے تابع ہیں ان میں سے مسلمان (قریشی مسلمانوں کے) اور ان میں سے کافر (قریشی کافروں کے)۔ (متفق علیہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ لوگ خیر و شر (اچھائی برائی یا اسلام و کفر) میں قریش کے تابع ہیں۔ (رواہ مسلم)

میں کہتا ہوں کہ حدیث میں استعداد قریش کی قوت کی طرف اشارہ ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر بڑے بڑے صحابہ اور اولیاء قریش ہی میں ہوئے۔ اور دوسری حدیث سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قریش میں ہوئی تو سب سے اول ایمان اور احکام کے مکلف قریش ہی ہوئے باقی لوگ ان کے پیچھے مکلف قرار پائے۔

لہٰذا جو قریشی ایمان لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سنت میں طریقہ حسنہ پر چلے ان کو اپنے کیے کا اجر ملے گا۔ اور پیچھے آنے والے نیک لوگوں کو بھی اسی لیے یہ لوگ انبیاء کے بعد مرتبہ میں سب لوگوں سے زائد ہیں اور اگر ان میں سے کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے انکار کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف راستہ پر چلا اور اسی کفر و مخالفت کی حالت میں مر گیا تو اس پر اپنے کفر کا عذاب بھی ہوگا۔ اور بعد کو آنے والے کافروں کا بھی جیسا کہ قابیل سب سے پہلا قاتل تھا۔ اس پر ہر دوزخی (قاتل) کا عذاب پڑے گا۔ مگر اس سے اصل دوزخی کے عذاب میں کمی نہیں آئے گی۔ یہ حدیث بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کی ہے۔ اور ایک اور حدیث سورہ و الشمس میں گذر چکی ہے کہ قابیل سب سے بدبخت انسان ہوگا۔

قریش کی امارت:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریش میں سے جب تک دو آدمی بھی رہیں گے یہ امر ان میں رہے گا۔ (متفق علیہ)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ جب تک قریش دین کو قائم رکھیں گے یہ امر ان میں رہے گا

اور جو کوئی ان سے دشمنی کرے گا۔ اللہ اس کو منہ کے بل گرا دے گا۔ (بخاری)

میں کہتا ہوں کہ حدیث میں امر سے مراد ہے خلافت اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی غرض (آئندہ کی) خبر دینا نہیں ہے بلکہ قریش کی خلافت کا حکم مقصود ہے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مقصد اس شخص کے لیے بددعا ہے جو قریشی عادل خلیفہ کا باغی ہو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قریش کو ذلیل کرنے کا ارادہ کرے گا۔ اللہ اس کو ذلیل کرے گا۔ (ترمذی)

قریش کی سات خصوصیات:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ نے قریش کو سات خصوصیات کی فضیلت عطا فرمائی ہے نہ ان سے پہلے یہ خصوصیات کسی کو عطا فرمائیں نہ آئندہ کسی کو عطا فرمائے گا۔ اللہ نے قریش کو یہ فضیلت عطاء فرمائی کہ میں ان میں پیدا ہوا۔ نبوت ان میں ہوئی کعبہ کی دربانی ان کے لیے مخصوص ہوئی۔ حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت ان کو دی گئی اصحاب فیل پر ان کو کامیابی عطاء فرمائی۔ دس برس تک سوائے قریش کے کسی نے اللہ کی عبادت نہیں کی (یعنی نبوت کے ابتدائی دس سال میں کوئی اور مسلمان نہیں ہوا) اور قریش کے متعلق قرآن کی ایک سورت نازل کی جس میں ان کے علاوہ کسی اور کا ذکر نہیں کیا اور وہ سورہ لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ہے۔ (رواہ الحاکم والطبرانی والبخاری فی التاریخ)

قریش کے لیے پرامن تجارت کی نعمت:

قریش پر اللہ کے بہت بڑی نعمت تھی کیونکہ حرم کی وادی بے آب و گیاہ وادی تھی۔ نہ وہاں کھیتی ہوتی تھی۔ نہ مویشی کی پیداوار اگر گرمی سردی میں ان کے تجارتی سفر نہ ہوتے۔ تو نہ وادی میں رہنا ممکن تھا نہ معاش کا حصول۔ پھر اللہ نے مکہ کو حرم محترم بنا دیا تھا۔ حرم سے باہر ادھر ادھر لوٹ مار ہوتی مگر قریش کی ایذا رسانی سے لوگ اعراض کرتے تھے اور کہتے تھے یہ حرم خدا کے باشندے ہیں خانہ خدا کے مجاور ہیں ان کو ایذاء نہ پہنچانی چاہیے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو قریش کے لیے گرمی سردی میں تجارتی سفر ممکن نہ تھا۔ یمن میں سردی زیادہ نہ ہوتی تھی اس لیے سردی کے موسم میں قریش تجارت کرنے کے لیے یمن کو جاتے تھے۔ اور شام کا ملک ٹھنڈا تھا۔ اس لیے گرمی میں شام کو جاتے اور دونوں ملکوں میں تجارت کر کے نفع حاصل کرتے اور معاش پیدا کرتے تھے۔

قریش کا سب سے پہلا تاجر:

عطاءؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ قریش بڑے دکھ اور فاقوں میں مبتلا رہے۔ ہاشم نے سب کو سردی گرمی میں سفر کرنے پر متفق کیا جو تجارتی منافع ہوتا وہ مالدار اور نادار کو برابر بانٹ دیا جاتا۔ اور نادار بھی دولتمندوں کے برابر ہو جاتے تھے۔ کلبیؒ کا بیان ہے سب سے اول ہاشم بن عبدالمناف شام سے گیہوں اونٹوں پر لاد کر لایا۔

سفر کے بغیر تجارت:

بغویؒ نے لکھا ہے کہ یمن و شام کی آمد و رفت سے قریش کو تکلیف ہوتی تھی۔ یمن میں تبادلہ اور حرش کا علاقہ بڑی پیداوار کا تھا۔ وہاں سے کچھ لوگ تو کشتیوں پر لاد کر سمندری راستہ سے جدہ پر اتار دیتے تھے۔ اور کچھ لوگ اونٹوں اور گدھوں پر بار کر کے خشکی کے راستے محصب میں پہنچا دیتے تھے۔ اور جدہ اور محصب سے قریش مکہ کو لے آتے تھے۔ اس طرح اہل شام اپنے ملک سے غلہ لا کر ابطح تک پہنچا دیتے تھے۔ اور قریش ابطح سے مکہ میں لے آتے تھے۔ اس طرح قریب کے مقامات سے ہی مکہ والوں کو غلہ مل جاتا تھا۔ اور دونوں سفروں کی ضرورت نہیں رہتی تھی۔ اسی لیے اللہ نے ان کو عبادت کا حکم دیا تھا۔

حضرت ابراہیم کی دعاء:

ضحاک اور ربیع اور سفیان نے کہا اللہ نے ان کو تباہی اور بربادی کے خوف سے امان دی دی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعاء کی رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ اس دعاء کی برکت سے ان کے شہر میں کوئی تباہی اور بربادی نہ ہوگی۔

سورۃ کی خاصیت:

جوزی نے حصن حصین میں ابوالحسن قزوینی کی موقوف روایت بیان کی ہے کہ دشمن وغیرہ کا خوف ہو تو لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ پڑھنے سے ہر برائی سے امن مل جاتی ہے۔ جوزی نے کہا یہ مجرب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ میرے شیخ نے مجھے حکم دیا کہ ہر مصیبت کے دفع کے لیے تمام خوفناک واقعات میں یہ سورت پڑھا کروں۔ میں نے اس کا تجربہ کیا اور صحیح پایا۔

(سورت لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ختم ہوئی)۔ (تفسیر مظہری)

سورة الماعون

جو شخص خواب میں اس کی تلاوت کرے گا۔ وہ اپنے مخالفین و اعداء پر کامیابی حاصل کرے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعُ اٰيٰتٍ

سورۂ ماعون مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی سات آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ﴿۱﴾

تو نے دیکھا اُس کو جو جھٹلاتا ہے انصاف ہونے کو ☆

دین کو جھٹلانے والا:

یعنی سمجھتا ہے کہ انصاف نہ ہوگا اور اللہ کی طرف سے نیک و بد کا کبھی بدلہ نہ ملے گا، بعض نے دین کے معنی "ملت" کے لیے ہیں یعنی ملت اسلام اور مذہب حق کو جھٹلاتا ہے گویا مذہب و ملت اس کے نزدیک کوئی چیز ہی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بروایت عطاء حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ ارأیت الذی یکذب بالدین ایک منافق شخص کے متعلق نازل ہوئی ان تمام روایات پر الَّذِی عہدی ہو گا۔ بعض لوگوں نے جنسی قرار دیا۔ دین سے مراد ہے اسلام یا جزاء۔ (تفسیر مظہری)

فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ﴿۲﴾

سو یہ وہی ہے جو دھکے دیتا ہے یتیم کو ☆

یتیم سے بداخلاقی: یعنی یتیم کی ہمدردی اور غم خواری تو درکنار اس کے ساتھ نہایت سنگدلی اور بداخلاقی سے پیش آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

کیا تم نے دین کی تکذیب کرنے والے کو پہچانا اگر نہ پہچانا ہو تو سمجھ لو کہ وہ وہی شخص ہے جو فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ یعنی اس پر ظلم کرتا ہے۔ اور اس کا حق روکتا ہے۔ دَعٌّ کا معنی ہے قوت سے دھکا دینا (تفسیر مظہری)

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳﴾

اور نہیں تاکید کرتا محتاج کے کھانے پر ☆

مسکین کا خیال نہ رکھنا: یعنی غریب محتاج کی نہ تو خود خبر لے نہ دوسروں کو ترغیب دے ظاہر ہے کہ یتیموں اور محتاجوں کی خبر لینا اور ان کے حال پر رحم کھانا دنیا کے ہر مذہب و ملت کی تعلیم میں شامل ہے اور ان مکارم اخلاق میں سے ہے جن کی خوبی پر تمام عقلاء اتفاق رکھتے ہیں۔ پھر جو شخص ان ابتدائی اخلاق سے بھی عاری ہو سمجھو کہ آدمی نہیں جانور ہے بھلا ایسے کو دین سے کیا واسطہ اور اللہ سے کیا لگاؤ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اس کو چونکہ جزاء کا ہی یقین نہیں ہے اس لیے نہ اپنے نفس کو مسکینوں کو کھانا کھلانے پر ابھارتا ہے۔ نہ اپنے گھر والوں کو اور نہ دوسرے لوگوں کو اس کا مشورہ دیتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ﴿۴﴾

پھر خرابی ہے اُن نمازیوں کی

الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ﴿۵﴾

جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں

نماز سے غفلت: یعنی نہیں جانتے کہ نماز کس کی مناجات ہے اور مقصود اس سے کیا ہے اور کس قدر اہتمام کے لائق ہے یہ کیا نماز ہوئی کہ کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی، وقت بے وقت کھڑے ہو گئے، باتوں میں اور دنیا کے دھندوں میں جان بوجھ کر وقت تنگ کر دیا پھر پڑھی بھی تو چار ٹکریں لگا لیں کچھ خبر نہیں کس کے روبرو کھڑے ہیں اور احکم الحاکمین کے دربار میں کس شان سے حاضری دے رہے ہیں کیا خدا صرف ہمارے اٹھنے بیٹھنے جھک جانے اور سیدھے ہونے کو دیکھتا ہے؟ ہمارے دلوں پر نظر نہیں رکھتا؟ کہ ان میں کہاں تک اخلاص و خشوع کا رنگ موجود ہے یاد رکھو یہ سب صورتیں "عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ" میں درجہ بدرجہ داخل ہیں کما صرح به بعض السلف. (تفسیر عثمانی)

منافق کی نماز:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تلک صلوة المنافق قام فنقر اربع نقر لا یذکر اللہ الا قلیلا۔ کہ ایسی نماز منافق کی نماز ہے کہ کھڑا ہو۔ اور چار ٹھونگیں مار لیں اور اللہ کا ذکر بہت کم کیا۔

یعنی جب یتیم کی پرواہ نہ کرنا ضعف دین کی علامت اور موجب ذم و زجر ہے تو پھر اس نماز کی طرف سے غافل ہونا جو دین کا ستون ہے اور دکھاوٹ کرنا جو کفر کی ایک شاخ ہے اور اس زکوٰۃ کو روکے رکھنا جو اسلام کا پل ہے۔ بدرجہ اولیٰ موجب ذم اور مستحق تنبیہ ہے۔

نماز سے غفلت کی صورتیں:

بغویؒ نے بروایت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ کی تشریح پوچھی گئی۔ فرمایا کہ (نماز کی طرف سے سہو کرنے کا مطلب ہے) نماز کا وقت ضائع کر دینا۔ ابن جریر اور ابو یعلی کی روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا ساھون وہ لوگ ہیں جو نماز کے اس کے مقررہ وقت سے مؤخر کرتے ہیں ابوالعالیہ نے کہا یعنی مقررہ وقت پر نماز نہیں پڑھتے۔ اور رکوع وسجود کو پورا نہیں کرتے۔ قتادہ نے کہا سہو کا یہ معنی ہے کہ اس کو پرواہ نہیں ہوتی۔ نماز پڑھی یا نہیں پڑھی۔ بعض لوگوں نے ساھون کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ اگر وہ نماز پڑھ لیتے ہیں تو ثواب کی امید نہیں رکھتے۔ اور نہیں پڑھتے تو عذاب سے نہیں ڈرتے مجاہد نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ نماز میں غفلت اور سستی کرتے ہیں حسن بصریؒ نے کہا ساھی سے مراد وہ شخص ہے کہ اگر نماز پڑھتا ہے تو دکھاوٹ کی اور نماز فوت ہو جاتی ہے تو اس کو افسوس نہیں ہوتا۔ (تفسیر مظہری)

الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝۶
وہ جو دکھلاوا کرتے ہیں ☆

ریاکاری: یعنی ایک نماز کیا ان کے دوسرے اعمال بھی ریاکاری اور نمود ونمائش سے خالی نہیں گویا انکا مقصد خالق سے قطع نظر کر کے صرف مخلوق کو خوش کرنا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لوگوں کو وہ اپنے اچھے اعمال دکھاتے ہیں تاکہ لوگ ان کی تعریف کریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دکھاوٹ کی نماز پڑھی اس نے شرک کیا جس نے دکھاوٹ کا روزہ رکھا اس نے شرک کیا جس نے دکھاوٹ کی خیرات کی اس نے شرک کیا۔ (رواہ احمد عن شدس بن اوس) (تفسیر عثمانی)

ریاکاری کی سزا: مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص دوسروں کو سنانے کے لیے کوئی نیک کام کرے اللہ تعالیٰ بھی لوگوں کو سنا کر اس کو عذاب دے گا۔ اور اسے ذلیل وحقیر کرے گا۔

اتفاقاً لوگوں کا دیکھ لینا ریا نہیں ہے:

ہاں اس موقع پر یہ یاد رہے کہ اگر کسی شخص نے بالکل نیک نیتی سے کوئی اچھا کام کیا اور لوگوں کو اس کی خبر ہو گئی اس پر اسے بھی خوشی ہوئی تو یہ ریاکاری نہیں اس کی دلیل مسند ابو یعلی موصلی کی یہ حدیث ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے سرکار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ ذکر کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تو تنہا نوافل پڑھتا ہوں لیکن اچانک کوئی آجاتا ہے تو ذرا مجھے بھی یہ اچھا معلوم ہونے لگتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے دو دو اجر ملیں گے ایک اجر پوشیدگی کا اور دوسرا ظاہر کرنے کا حضرت ابن المبارک رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ حدیث ریاکاروں کے لیے بھی اچھی چیز ہے یہ حدیث بروئے اسناد غریب ہے لیکن معنی کی حدیث اور سند سے بھی مروی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

نماز میں شیطان سے حفاظت:

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیطان آکر میرے اور میری نماز اور قرآت میں حائل ہو جاتا ہے اور مشتبہ بنا دیتا ہے فرمایا اس شیطان کا نام خنزب ہے جب تجھ کو اس کی آہٹ معلوم ہو۔ تو اس سے اللہ کی پناہ مانگو اور بائیں طرف تین بار تھتکار دو۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے میں نے ایسا ہی کیا اور اللہ نے اس کو مجھ سے دور کر دیا۔ (رواہ مسلم)

نماز میں وہم ہونا: حضرت قاسم بن محمد سے کسی شیخ نے کہا مجھے اپنی نماز میں وہم ہو جاتا ہے اور کثرت سے ہوتا رہتا ہے فرمایا اپنی نماز جاری رکھو جب تک نماز ختم نہیں کر لو گے۔ یہ وہم دور نہ ہوگا۔ تم یہی کہتے رہو گے کہ میری نماز ابھی پوری نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝۷
اور مانگی نہ دیویں برتنے کی چیز ☆

عام استعمال کی چیزیں روکنا:

یعنی زکوٰۃ وصدقات وغیرہ تو کیا ادا کرتے معمولی برتنے کی چیزیں بھی مثلاً (ڈول رسی ہنڈیا دیگچی کلہاڑی سوئی دھاگا وغیرہ) کسی کو مانگے نہیں دیتے جن کے دیدینے کا دنیا میں عام رواج ہے۔ بخل اور فسق کا جب یہ حال ہو تو ریاکاری کی نماز سے ہی کیا فائدہ ہوگا اگر ایک آدمی اپنے کو مسلمان نمازی کہتا اور کہلاتا ہے مگر اللہ کے ساتھ اخلاص اور مخلوق کے ساتھ ہمدردی نہیں رکھتا اس کا اسلام لفظ بے معنی اور اس کی نماز حقیقت سے بہت دور ہے یہ ریاکاری اور بداخلاقی تو ان بدبختوں کا شیوہ ہونا چاہیے جو اللہ کے دین اور روز جزاء پر کوئی اعتقاد نہیں رکھتے۔ (تفسیر عثمانی)

یہ منافقوں کا کام ہے:

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ منافق لوگ ہیں نماز تو چونکہ ظاہر ہے پڑھنی پڑتی ہے اور زکوٰۃ چونکہ پوشیدہ ہے تو ادا نہیں کرتے ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ماعون ہر وہ چیز ہے جو لوگ ایک دوسرے سے مانگ لیا کرتے ہیں۔ جیسے کدال، پھاوڑا، دیگچی، ڈول وغیرہ۔ (تفسیر ابن کثیر)

مفسرین نے اس آیت میں ماعون کی تفسیر زکوٰۃ ہی سے کی ہے۔ (مظہری)

انتہائی کمینگی: بعض روایات حدیث میں جو اس جگہ ماعون کی تفسیر استعمالی اشیاء اور برتنوں سے کی گئی ہے اس کا مطلب ان لوگوں کی انتہائی خست کا اظہار ہے کہ یہ زکوٰۃ تو کیا دیتے استعمالی اشیاء جن کے دینے میں اپنا کچھ خرچ نہیں ہوتا اس میں بھی کنجوسی کرتے ہیں تو وعید صرف ان اشیاء کے نہ دینے پر نہیں بلکہ زکوٰۃ فرض کی عدم ادائیگی اور اس کے ساتھ مزید بخل شدید پر ہے۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

اشیائے صرف دینے کا اجر:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پانی تو خیر نمک اور آگ میں کیا بات ہے فرمایا کہ حمیرا جس نے آگ دیدی تو اس نے گویا اس آگ سے پکا ہوا کل کھانا دیا۔ اور جس نے نمک دیدیا اس نے گویا اس نمک سے درست کیا ہوا کھانا دیا۔ اور جس نے کسی ایسے مقام پر جہاں پانی انہیں ملتا ہے اس نے گویا ایک بردہ آزاد کیا اور جس نے پانی نہ ملنے کے مقام میں کسی مسلمان کو پانی پلایا اس نے گویا اس کو زندہ کر دیا۔ (رواہ ابن ماجہ)

سورة الكوثر

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے گا۔ دارین میں اس کا خیر بہت ہوگا۔
(ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُ اٰيَاتٍ

سورۂ کوثر مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی تین آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۞

بے شک ہم نے دی تجھ کو کوثر ☆

تمام قسم کی بھلائیاں:

''کوثر'' کے معنی ''خیر کثیر'' کے ہیں یعنی بہت زیادہ بھلائی اور بہتری یہاں اس سے کیا چیز مراد ہے ''البحر المحیط'' میں اس کے متعلق چھبیس اقوال ذکر کیے ہیں اور اخیر میں اس کو ترجیح دی ہے کہ اس لفظ کے تحت میں ہر قسم کی دینی و دنیوی دولتیں اور حسی و معنوی نعمتیں داخل ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا آپ کے طفیل میں امت مرحومہ کو ملنے والی تھیں ان نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت وہ ''حوض کوثر'' بھی ہے جو اسی نام سے مسلمانوں میں مشہور ہے اور جس کے پانی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو محشر میں سیراب فرمائینگے (اے ارحم الراحمین تو اس خطا کار روسیاہ رو کو بھی اس سے سیراب کیجئے)

(تنبیہ) ''حوض کوثر'' کا ثبوت بعض محدثین کے نزدیک حد تواتر تک پہنچ چکا ہے ہر مسلمان کو اس پر اعتقاد رکھنا لازم ہے۔ احادیث میں اس کی عجیب وغریب خوبیاں بیان ہوئی ہیں بعض روایات سے اس کا محشر میں ہونا اور اکثر سے جنت میں ہونا ثابت ہوتا ہے اکثر علماء نے تطبیق یوں دی ہے کہ اصل نہر جنت میں ہوگی اور اسی کا پانی میدان حشر میں لا کر کسی حوض میں جمع کر دیا جائیگا دونوں کو ''کوثر'' ہی کہتے ہونگے واللہ اعلم بالصواب۔ (تفسیر عثمانی)

الکوثر کے معانی از روئے لغت کثیر یعنی خیر کثیر اور ہر قسم کی بھلائی اور بہتری کے ہیں ابن ماجہ نے بروایت سعید بن جبیر نقل کیا ہے اور خیر کثیر حکمت ہے۔

صحیح بخاری کی روایت ہے کوثر جنت کی وہ نہر ہے جو آپ کو شب معراج میں بھی دکھائی گئی تھی۔ جس کے کنارے موتیوں کے خیمے تھے۔ آپ نے اس کا پانی دیکھا تو مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔ آپ نے اس کے متعلق جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کیا ہے جبرئیل امین علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ وہی کوثر ہے جو اللہ نے آپ کو عطاء کی ہے۔ (رواہ البخاری والمسلم)

عظیم الشان سورۃ:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند کا جھونکا سا آیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک اٹھایا مسکراتے ہوئے اور فرمایا مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے یعنی بہت ہی عظیم الشان اور آپ نے یہ سورت پڑھ کر سنائی۔ (معارف کاندھلوی)

شان نزول: ابن ابی حاتمؒ نے سدی سے اور بیہقیؒ نے دلائل نبوت میں حضرت محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جس شخص کی کوئی اولاد ذکور مر جائے تو اس کو عرب ابتر کہا کرتے تھے۔ یعنی مقطوع نسل۔ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے قاسم یا ابراہیم کا بچپن میں انتقال ہو گیا تھا۔ تو کفار مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتر کہہ کر طعنہ دینے لگے ایسا کہنے والوں میں عاص بن وائل کا نام خاص طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کے سامنے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو کہتا تھا کہ ان کی بات چھوڑ دو یہ کچھ فکر کرنے کی چیز نہیں کیونکہ وہ ابتر (مقطوع النسل ہیں) جب ان کا انتقال ہو جائے گا۔ ان کا کوئی نام لینے والا نہیں رہیگا۔ اس پر سورہ کوثر نازل ہوئی۔ (رواہ البغوی ابن کثیر مظہری)

ابن عباس رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد سعید بن جبیرؒ سے کسی نے کہا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے۔ تو سعید بن جبیرؒ نے جواب دیا۔ کہ (ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول اس کے منافی نہیں بلکہ) وہ نہر جس کا نام کوثر ہے وہ بھی اس کار خیر میں داخل ہے۔ اسی لیے امام تفسیر مجاہد نے کوثر کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ دنیا و آخرت دونوں کی خیر کثیر ہے اس میں جنت کی خاص نہر کوثر بھی داخل ہے۔

حوض کوثر:

بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے مسلم کے الفاظ یہ ہیں۔

ایک روز جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ہمارے ساتھ تشریف فرما تھے اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک قسم کی سی نیند یا بیہوشی کی سی کیفیت طاری ہوئی پھر ہنستے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک اٹھایا۔ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہنسنے کا سبب کیا ہے تو فرمایا کہ مجھ پر اسی وقت ایک سورۃ نازل ہوئی ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کے ساتھ سورۃ کوثر پڑھی، پھر فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ کوثر کیا چیز ہے۔ ہم نے عرض کیا اللہ و رسول اعلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایک نہر جنت ہے جس کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا

ہے جس میں خیر کثیر ہے اور وہ حوض ہے جس پر میری امت قیامت کے روز پانی پینے کے لئے آئے گی اس کے پانی پینے کے برتن آسمان کے ستاروں کی تعداد میں ہوں گے۔اس وقت بعض لوگوں کو فرشتے میرے حوض سے ہٹا دیں گے تو میں کہوں گا میرے پروردگار یہ تو میری امت میں ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کیا نیا دین اختیار کیا ہے۔

منافق کوثر سے محروم:

اس حدیث میں جو بعض لوگوں کو حوض کوثر سے ہٹا دینے کا ذکر ہے یہ وہ لوگ ہیں جو بعد میں اسلام سے پھر گئے۔یا پہلے ہی سے مسلمان نہیں تھے مگر منافقانہ اظہار اسلام کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کا نفاق کھل گیا۔واللہ اعلم

احادیث صحیحہ میں حوض کوثر کے پانی کی صفائی اور شیرینی اور اس کے کناروں کا جواہرات سے مرصع ہونے کے متعلق ایسے اوصاف مذکور ہیں کہ دنیا میں ان کا کسی چیز پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ (معارف مفتی اعظم)

نزول سورۃ کا زمانہ:

میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ کا نزول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے کی وفات کے قریب نہیں ہوا کیونکہ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کی وفات تو مکہ میں ہجرت اور بقول بعض بعثت سے پہلے ہوئی تھی۔

واقدی کا قطعی خیال ہے کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات منگل کے دن دس ربیع الاول ۱۰ نبوۃ کو ہوئی کذا فی سبیل الرشاد۔

حوض کوثر کی خوبیاں:

طبرانی کی دوسری روایت ہے کہ حضرت خذیفہ رضی اللہ عنہ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ کی تشریح میں فرمایا جنت میں ایک بہت بڑے پھاٹ کی نہر ہے جس کے ظروف سونے چاندی کے ہوں گے جن (کی تعداد) سے سوائے خدا کے کوئی واقف نہیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوثر جنت میں ایک نہر ہے جس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں اور پانی موتیوں (کی زمین) پر بہتا ہے (ابن ماجہ وابن ترمذی) ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

حضرت عائشہ سے اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ ایک نہر ہے جو اللہ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطاء فرمائی ہے۔ (رواہ البخاری)

حوض کوثر کا تذکرہ کچھ اوپر پچاس صحابیوں کی روایت میں آیا ہے۔چاروں خلفاء حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ، حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کی روایت کردہ احادیث میں حوض کوثر کا ذکر موجود ہے۔سیوطیؒ نے بدور سافرہ میں تقریباً ستر احادیث نام بنام صحابہ کرام کی نقل کی ہیں۔

نہر کوثر:

صحیحین میں بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں جنت میں گیا تو وہاں پر ایک نہر دیکھی جس کے دونوں کناروں پر موتی کے خیمے تھے میں نے نہر میں ہاتھ ڈال کر دیکھا تو خالص مشک (کی طرح خوشبودار) تھا میں نے کہا کہ جبرئیل یہ کیا ہے جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہی وہ کوثر ہے جو اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطاء کی ہے۔

دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے بڑھ کر شیریں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں آیا ہے کہ وہ دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے بڑھ کر شیریں ہے اس میں پرندے ہیں جن کی گردنیں اونٹوں کی گردنوں کی طرح ہیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر تو وہ بڑے لطیف ہوں گے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ ان کا کھانا اس سے زیادہ لطیف ہے۔ (احمد و ترمذی)

نہر کوثر کی زمین:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کی بیوی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت کے اندر ایک نہر دی گئی ہے جس کو کوثر کہا جاتا ہے فرمایا، ہاں اور اس کی زمین موتی، مونگے زبرجد اور یاقوت کی ہے (وہ اتنی بڑی ہے جیسے) ایلہ سے صنعا تک مسافت ہے اس کے کوزے ستاروں کی تعداد کے موافق ہیں۔ (طبرانی، تفسیر مظہری)

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝۲

سو نماز پڑھ اپنے رب کے آگے اور قربانی کر☆

عظیم انعام کا عظیم شکریہ ادا کرو:

یعنی اتنے بڑے انعام واحسان کا شکر بھی بہت بڑا ہونا چاہیے تو چاہیے کہ آپ اپنی روح، بدن اور مال سے برابر اپنے رب کی عبادت میں لگے رہیں بدنی وروحی عبادات میں سب سے بڑی چیز نماز ہے اور مالی عبادات میں قربانی کی ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے کیونکہ قربانی کی اصل حقیقت جان کا قربان کرنا تھا۔جانور کی قربانی کو بعض حکمتوں اور مصلحتوں کی بناء پر اس کے قائم مقام کر دیا گیا۔جیسا کہ حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیٰ نبینا وعلیہم السلام کے

قصہ سے ظاہر ہے اسی لیے قرآن میں دوسری جگہ بھی نماز اور قربانی کا ذکر ساتھ ساتھ کیا ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (انعام۔رکوع ۲۰)

(تنبیہ) بعض روایات میں "وَانْحَرْ" کے معنی سینہ پر ہاتھ باندھنے کے آئے ہیں۔مگر ابن کثیرؒ نے ان روایات میں کلام کیا ہے اور ترجیح اس قول کو دی ہے کہ "نحر" کے معنی قربان کرنے کے ہیں۔گویا اس میں مشرکین پر تعریض ہوئی کہ وہ نماز اور قربانی بتوں کے لیے کرتے تھے مسلمانوں کو یہ کام خالص خدائے واحد کے لیے کرنے چاہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت سیدنا حمزہؓ کی بیوی کی مبارکباد:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے،آپ اس وقت گھر پر نہ تھے آپ کی بیوی صاحبہ جو قبیلہ بنونجار سے تھیں انہوں نے کہا یا نبی اللہ! وہ تو ابھی ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف گئے ہیں،شاید بنونجار میں رک گئے ہوں،آپ تشریف لائیے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے گئے تو مائی صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ملیدہ رکھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمایا۔مائی صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خوش ہو کر فرمانے لگیں کہ خدار چاہئے بچائے اچھا ہوا کہ خود تشریف لے آئے میں تو حاضر دربار ہونے کا ارادہ کر چکی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حوض کوثر عطا ہونے کی مبارکباد دوں۔مجھ سے ابھی ابھی حضرت ابو عمارہ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس حوض کی زمین یاقوت اور مرجان اور زمرد اور موتیوں کی ہے۔اس کے ایک راوی حرام بن عثمان ضعیف ہیں لیکن واقعہ حسن ہے اور اصل تو تواتر سے ثابت ہو چکی ہے۔(تفسیر ابن کثیر)

نماز اور قربانی:

نماز بدنی اور جسمانی عبادتوں میں سب سے بڑی عبادت ہے اور قربانی مالی عبادتوں میں اس بناء پر خاص امتیاز اور اہمیت رکھتی ہے کہ اللہ کے نام پر قربانی کرنا بت پرستی کے شعار کے خلاف ایک جہاد بھی ہے کیونکہ ان کی قربانیاں بتوں کے نام پر ہوتی تھیں۔اسی لئے قرآن کریم کی ایک اور آیت میں بھی نماز کے ساتھ قربانی کا ذکر فرمایا ہے

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اس آیت میں وانحر کے معنی قربان ہونا۔حضرت ابن عباس،عطاء، مجاہد اور حسن بصری وغیرہ سے مستند روایات میں ثابت ہے۔بعض لوگوں نے جو وانحر کے معنی نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کے بعض ائمہ تفسیر کی طرف منسوب کئے ہیں اس کے متعلق ابن کثیر نے فرمایا کہ روایت منکر (ناقابل اعتبار) ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

یعنی اللہ نے تم کو کوثر عطاء فرمائی اس کے شکریہ میں نماز پڑھو۔نماز کے اندر شکر کی ہر قسم موجود ہے زبان سے،دل سے اور ہاتھ پاؤں سے ہر طرح سے نماز میں شکر خدا ہوتا ہے بعض لوگوں نے کہا کہ صل سے مراد ہے نماز پر قائم رہو (ترک نہ کرو) مطلب یہ ہے کہ خلوص کے ساتھ محض رب کے لئے نماز پڑھو۔ان لوگوں کی طرح نماز نہ پڑھو جو غیر اللہ کے لئے پڑھتے اور قربانی کرتے ہیں یا دکھانے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔

وَانْحَرْ اور اونٹوں کی قربانی کرو۔عرب میں اونٹ سب سے اعلیٰ جانور شمار کیا جاتا تھا اور قربانی کے بعد گوشت و پوست وغیرہ غریبوں اور یتیموں کو دیدو ان لوگوں کی طرح نہ کرو جو یتیموں اور مسکینوں کو دھکے دیتے اور ماعون کو روک کر رکھتے ہیں۔اس تشریح کی بناء پر یہ سورت گویا سورت ماعون کے مقابل ہوگئی (وہاں مذمت آمیز ممانعت تھی اور یہاں ان مذموم چیزوں کے خلاف کرنے کا حکم ہے) عکرمہ،عطاء اور قتادہ نے فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ کی تفسیر میں کہا کہ نحر کے دن عید کی نماز پڑھو اور اپنی قربانی ذبح کرو۔اس تفسیر پر عید الاضحیٰ کی نماز اور قربانی واجب ہوگئی۔سعید بن جبیر نے اس طرح تشریح آیت کی کہ مزدلفہ میں فرض نماز پڑھو اور منا میں قربانی کرو۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ ﴿۳﴾ ع

بے شک جو دشمن ہے تیرا وہی رہ گیا پیچھا کٹا☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن بے نام ونشان ہوئے:

بعض کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہتے تھے کہ اس شخص کے کوئی بیٹا نہیں بس زندگی تک اس کا نام ہے پیچھے کون نام لیگا۔ایسے شخص کو ان کے محاورات میں "ابتر" کہتے تھے "ابتر" اصل میں دم کٹے جانور کو کہتے ہیں جس کے پیچھے کوئی نام لینے والا نہ رہے گویا اس کی دم کٹ گئی قرآن نے بتایا کہ جس شخص کو اللہ خیر کثیر عنایت فرمائے اور ابد الآباد تک نام روشن کرے اسے "ابتر" کہنا پرلے درجہ کی حماقت ہے حقیقت میں "ابتر" وہ ہے جو ایسی مقدس ومقبول ہستی سے بغض وعناد اور عداوت رکھے اور اپنے پیچھے کوئی ذکر خیر اور اثر نیک نہ چھوڑے۔آج ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد ماشاء اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد سے دنیا پٹی پڑی اور جسمانی دختری

اولاد بھی بکثرت ملکوں میں پھیلی ہوئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار صالحہ عالم میں چمک رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد، نیک نام اور محبت وعقیدت کے ساتھ کروڑوں انسانوں کے دلوں کو گرما رہی ہے۔ دوست دشمن سب آپ کے اصلاحی کارناموں کا صدق دل سے اعتراف کر رہے ہیں۔ پھر دنیا سے گزر کر آخرت میں جس مقام محمود پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہونگے اور جو مقبولیت ومتبوعیت عامہ آپ کو علی رؤس الاشہاد حاصل ہوگی وہ الگ رہی کیا ایسی دائم البرکۃ ہستی کو (العیاذ باللہ) ''ابتر'' کہا جاسکتا ہے؟ اس کے مقابل اس گستاخ کو خیال کرو جس نے یہ کلمہ زبان سے نکالا تھا اس کا نام ونشان کہیں باقی نہیں، نہ آج بھلائی کے ساتھ اسے کوئی یاد کرنیوالا ہے یہی حال ان تمام گستاخوں کا ہوا جنہوں نے کسی زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغض وعداوت پر کمر باندھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک میں گستاخی کی اور اسی طرح آئندہ ہوتا رہیگا۔ (تفسیر عثمانی)

عبرت: اب غور کیجئے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو حق تعالیٰ نے کیسی رفعت اور عظمت عطاء فرمائی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے آج تک پوری دنیا کے چپہ چپہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک پانچ وقت اللہ کے نام کے ساتھ میناروں پر پکارا جاتا ہے اور آخرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کبریٰ کا مقام محمود حاصل ہوگا، اس کے بالمقابل دنیا کی تاریخ سے پوچھئے کہ عاص بن وائل، عقبہ، کعب کی اولادیں کہاں اور ان کا خاندان کیا ہوا۔ (معارف مفتی اعظم)

یعنی تمہارا دشمن ہی ابتر ہے۔ اسی کے پیچھے کوئی نہیں رہے گا مراد یہ ہے کہ اس کے بعد اس کا اچھا نام نہیں رہے گا بلکہ اللہ ملائکہ اور تمام آدمیوں کی لعنت اس پر پڑتی رہے گی۔

کعب بن اشرف یہودی کی باتیں:

بزاء وغیرہ نے صحیح سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ کعب بن اشرف (مدینہ کا یہودی) مکہ میں آیا تو قریش نے اس سے کہا کہ تم اہل مدینہ کے سردار ہو ذرا اس شخص کو تو دیکھو جو اپنی قوم سے الگ ہوگیا اور سب سے کٹ گیا اس کا خیال ہے کہ ہم مجرم ہیں باوجودیکہ ہم حاجیوں کے خدمت گزار ہیں ان کو پانی پلاتے ہیں اور کعبہ کے دربان ہیں کعب نے کہا تم

اس سے بہتر ہو اس پر آیت اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ نازل ہوئی۔

عاص بن وائل کی دشمنی:

بغویؒ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے باہر تشریف لا رہے تھے اور عاص بن وائل اس وقت اندر داخل ہو رہا تھا دونوں کی ملاقات ہو گئی اور باب بنی سہم کے پاس (کھڑے ہوئے) گفتگو کرنے لگے۔ سرداران قریش اس وقت کعبہ کے اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ عاص جب اندر پہنچا تو قریش نے پوچھا کہ تم کس سے باتیں کر رہے تھے عاص نے کہا وہی ابتر تھا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے کی (جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے) وفات ہو چکی تھی۔

محمد بن اسحاق نے یزید بن رومان کا قول نقل کیا ہے کہ عاص بن وائل جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کرتا تھا تو کہتا اس کو چھوڑ دو وہ تو ابتر آدمی ہے اس کے پیچھے کوئی نسل نہیں ہے جب مر جائے گا تو اس کا ذکر بھی ختم ہو جائے گا اس پر اللہ نے یہ سورۃ نازل فرمائی۔

عاص کی نسل اس سے کٹ گئی:

عاص کے دونوں بیٹے جب مسلمان ہوگئے تو ان کا رشتہ باپ سے کٹ گیا یہاں تک کہ اس کے وارث بھی نہیں ہوئے وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہوگئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ان کی مائیں ہوگئیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہمیشہ رہے گا:

یعنی تمہارا دشمن ہی ابتر ہے تم ابتر نہیں ہو۔ تمہارا ذکر اللہ کے ذکر کے ساتھ ہمیشہ رہے گا اور قیامت تک تمہاری اچھی شہرت اور بزرگی کے نشانات باقی رہیں گے اور آخرت تمہارے لئے دنیا سے بہتر ہوگی اور تمہاری امت کے مومنوں کا ذکر ملائکہ اور مومنوں کی زبانوں پر رہے گا اور وہ اللھم اغفر للمؤمنین والمؤمنات کہتے رہیں گے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

سورة الكافرون

جو شخص خواب میں اس کی تلاوت کرے گا اس کو کافروں سے جہاد کی توفیق ہوگی۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتُّ اٰيَاتٍ

سورۂ کافرون مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱

تو کہہ اے منکرو ☆

شرک سے کلی بیزاری:

چند رؤسائے قریش نے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم تم صلح کرلیں۔ کہ ایک سال تک آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کیا کریں پھر دوسرے سال ہم آپ کے معبود کو پوجیں اس طرح دونوں فریق کو ہر ایک کے دین سے کچھ نہ کچھ حصہ مل جائیگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی پناہ کہ میں اس کے ساتھ (ایک لحہ کے لیے بھی) کسی کو شریک ٹھہراؤں کہنے لگے اچھا تم ہمارے بعض معبودوں کو مان لو (انکی مذمت نہ کرو) ہم تمہاری تصدیق کرینگے اور تمہارے معبود کو پوجیں گے اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی اور آپ نے ان کے مجمع میں پڑھ کر سنائی جس کا خلاصہ مشرکین کے طور وطریق سے بکلی بیزاری کا اظہار اور انقطاع تعلقات کا اعلان کرنا ہے بھلا انبیاء علیہم السلام جن کا پہلا کام شرک کی جڑیں کاٹنا ہے ایسی ناپاک اور گندی صلح پر کب راضی ہو سکتے ہیں۔ فی الحقیقت اللہ کے معبود ہونے میں تو کسی مذہب والے کو اختلاف ہی نہیں۔ خود مشرکین اس کا اقرار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم بتوں کی پرستش بھی اسی لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ سے نزدیک کردینگے " مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى " (زمر۔ رکوع ۱) اختلاف جو کچھ ہے غیر اللہ کی پرستش میں ہے لہٰذا صلح کی جو صورت قریش نے پیش کی تھی اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ وہ تو برابر اپنی روش پر قائم رہیں یعنی اللہ اور غیر اللہ دونوں کی پرستش کیا کریں اور آپ اپنے مسلک توحید سے دستبردار ہو جائیں۔ اس گفتگو مصالحت کو ختم کرنے کے لیے یہ سورت اتاری گئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

رات کا وظیفہ: مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت حارث بن جبلہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کوئی ایسی چیز بتائیے کہ میں سونے کے وقت اسے پڑھ لیا کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو سونے کے لئے رات کو اپنے بستر پر جائے تو سورۃ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ پڑھ لیا کر، یہ شرک سے بیزاری ہے واللہ اعلم۔

طواف کے بعد کی نوافل کی قراءت:

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کے بعد دو رکعتوں میں قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور سورۂ اخلاص کو تلاوت فرمایا۔ (معارف کاندھلوی)

فجر ومغرب کی سنتوں کی قراءت:

حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فجر کی سنتوں میں پڑھنے کے لئے دو سورتیں بہتر ہیں۔ سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص۔ (رواہ ابن ہشام مظہری)

اور تفسیر ابن کثیر میں متعدد صحابہ سے منقول ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح کی سنتوں میں اور بعد مغرب کی سنتوں میں بکثرت یہ دو سورتیں پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ بعض صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمیں کوئی دعا بتا دیجئے کہ ہم سونے سے پہلے پڑھا کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ پڑھنے کی تلقین کی اور فرمایا کہ یہ شرک سے براءت ہے۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

شان نزول:

ابن اسحاق کی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل اور اسود بن عبد المطلب اور امیہ بن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ آؤ ہم آپس میں صلح کرلیں کہ ایک سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بتوں کی عبادت کیا کریں گے اور ایک سال ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معبود کی۔ (قرطبی)

اور طبرانی کی ایک روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ ہے کہ کفار نے اول تو باہمی مصالحت کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ صورت پیش کی کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا مال دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سارے مکہ میں سب سے زیادہ مالدار ہو جائیں اور جس عورت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں نکاح کردیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اتنا کریں کہ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہا کریں اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی نہیں مانتے تو ایسا کریں کہ ایک سال ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معبود کی عبادت کیا کریں گے اور ایک سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے معبودوں کی عبادت کیا کریں۔ (مظہری)

اور ابو صالح کی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ ہے کہ کفار مکہ

نے باہمی مصالحت کے لئے یہ صورت پیش کی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بتوں میں سے بعض کو صرف ہاتھ لگادیں تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے لگیں گے، اس پر جبرئیل امین سورۂ کافرون لے کر نازل ہوئے جس میں کفار کے اعمال سے براءت اور خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم ہے۔

شان نزول میں جو متعدد واقعات بیان ہوئے ہیں ان میں کوئی تضاد نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

عبدالرزاق نے وہب رضی اللہ عنہ کی روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے کہ قریش نے کہا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہو کہ ایک سال ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کریں اور ایک سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دین میں لوٹ آئیں (تو ہم ایسا کر سکتے ہیں)۔

ابن حاتم نے سعید کی روایت بیان کی ہے کہ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن عبدالمطلب اور امیہ بن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور کہا محمد آؤ تم اس کی پوجا کرو جس کو ہم پوجتے ہیں اور ہم اس کی پوجا کریں جس کو تم پوجتے ہو۔ اس تمام معاملہ میں ہم تم شریک ہو جائیں اس پر اللہ نے نازل فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

کافر، کافر کا وارث ہے:

حضرت امام شافعیؒ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ کفر ایک ہی ملت ہے، اس لئے یہودی نصرانی کا اور نصرانی یہود کا وارث ہو سکتا ہے جب کہ ان دونوں میں نسب یا سبب ورثے کا پایا جائے، اس لئے کہ اسلام کے سوا کفر کی جتنی راہیں ہیں وہ سب باطل ہونے میں ایک ہی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲﴾

میں نہیں پوجتا جس کو تم پوجتے ہو

وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ﴿۳﴾

اور نہ تم پوجو جس کو میں پوجوں ☆

دینی معاملات میں کافروں سے کوئی مفاہمت نہیں ہے:

یعنی خدا کے سوا جو معبود تم نے بنا رکھے ہیں میں فی الحال ان کو نہیں پوج رہا اور نہ تم اس احد وصمد خدا کو بلا شرکت غیرے پوجتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ نہ تو بالفعل ایسا ہو رہا ہے کہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کروں اور تم میرے معبود کی عبادت کرو، اور نہ آئندہ ایسا ہو سکتا ہے کہ میں اپنی توحید پر اور تم اپنے شرک پر قائم رہتے ہوئے ایک دوسرے کے معبود کی عبادت کریں۔ اسی تفسیر کو حکیم الامتؒ نے تفسیر بیان القرآن میں اختیار فرمایا ہے۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمادیا ہے جس میں کفار سے معاہدہ کو جائز قرار دینے کیساتھ ایک استثناء کا ارشاد ہے وہ یہ ہے الا صلحاً احل حراماً او حرم حلالاً، یعنی ہر صلح جائز ہے بجز اس صلح کے جس کی رو سے اللہ کی حرام کی ہوئی کسی چیز کو حلال یا حلال کی ہوئی کسی چیز کو حرام قرار دیا گیا ہو (معارف مفتی اعظم)

میں کبھی ان بتوں کی پوجا نہیں کروں گا جن کی تم کرتے ہو، عبادت میں بالکل علیحدگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی عبادت سے الگ ہونا تو گفتگو کے زمانہ ہی میں ظاہر تھا اس لئے آیت میں فی الحال عبادت کی نفی نہیں ہے بلکہ آئندہ زمانہ میں عبادت میں متفق بننے کی نفی ہے کیونکہ وہ لوگ آئندہ زمانہ میں مشترک عبادت کے خواہشمند تھے۔ (تفسیر مظہری)

مقصود دونوں قسم کی نفی ہے اتحاد معبود کی بھی اور اتحاد عبادت کی بھی۔ (مظہری)

وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ﴿۴﴾

اور نہ مجھ کو پوجنا ہے اُس کا جس کو تم نے پوجا

وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ﴿۵﴾

اور نہ تم کو پوجنا ہے اُس کا جس کو میں پوجوں ☆

توحید و شرک جمع نہیں ہو سکتے:

یعنی آئندہ بھی میں تمہارے معبودوں کو کبھی پوجنے والا نہیں اور نہ تم میرے معبود واحد کی بلا شرکت غیرے پرستش کرنیوالے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ میں موحد ہو کر شرک نہیں کر سکتا نہ اب نہ آئندہ اور تم مشرک رہ کر موحد نہیں قرار دیئے جا سکتے نہ اب نہ آئندہ۔ جلسہ اس تقریر کے موافق آیتوں میں تکرار نہیں رہی (تنبیہ) بعض علماء نے یہاں تکرار کو تاکید پر حمل کیا ہے اور بعض نے پہلے دو جملوں میں حال و استقبال کی نفی اور اخیر کے دو جملوں میں ماضی کی نفی مراد لی ہے کما صرح بہ الزمخشری اور بعض نے نے پہلے جملوں میں حال کا اور اخیر کے جملوں میں استقبال کا ارادہ کیا ہے کما یظھر من الترجمۃ۔ لیکن بعض محققین نے پہلے دو جملوں میں "ما" کو موصولہ اور دوسرے دونوں جملوں میں "ما" کو مصدریہ لے کر یوں تقریر کی ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان نہ معبود میں اشتراک ہے نہ طریق عبادت میں تم بتوں کو پوجتے ہو وہ میرے معبود نہیں میں اس خدا کو پوجتا ہوں جس کی شان وصفت میں کوئی شریک نہ ہو سکے ایسا خدا تمہارا معبود نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس تم جس طرح عبادت کرتے ہو مثلاً ننگے ہو کر کعبہ کے گرد ناچنے لگے یا ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں بجانے لگے

میں اس طرح کی عبادت کرنیوالا نہیں۔ اور میں جس شان سے اللہ کی عبادت بجالاتا ہوں تم کو اس کی توفیق نہیں لہٰذا میرا اور تمہارا راستہ بالکل الگ الگ ہے اور احقر کے خیال میں یوں آتا ہے کہ پہلے جملے کو حاد استقبال کی نفی کے لیے رکھا جائے یعنی میں اب یا آئندہ تمہارے معبودوں کی پرستش نہیں کر سکتا جیسا کہ تم مجھ سے چاہتے ہو اور "وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ" کا مطلب (بقول حافظ ابن تیمیہؒ) یہ لیا جائے کہ (جب میں خدا کا رسول ہوں تو) میری شان یہ نہیں اور نہ کسی وقت مجھ سے ممکن ہے (بامکان شرعی) کہ شرک کا ارتکاب کروں حتیٰ کہ گزشتہ زمانہ میں نزول وحی سے پہلے بھی جب تم سب پتھروں اور درختوں کو پوج رہے تھے میں نے کسی غیر اللہ کی پرستش نہیں کی پھر اب اللہ کی طرف سے نور وحی و بینات وہدی وغیرہ آنے کے بعد کہاں ممکن ہے کہ شرکیات میں تمہارا ہمنوا ہو جاؤں شاید اسی لیے یہاں "وَلَآ اَنَا عَابِدٌ" میں جملہ اسمیہ اور "مَا عَبَدْتُّمْ" میں صیغہ ماضی کا عنوان اختیار فرمایا رہا کفار کا حال اس کا بیان دونوں مرتبہ ایک ہی عنوان سے فرمایا "وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ" یعنی تم لوگ تو اپنی سوء استعداد اور انتہائی بدبختی سے اس لائق نہیں کہ کسی وقت اور کسی حال میں خدائے واحد کی بلاشرکت غیرے پرستش کرنے والے بنو۔ حتیٰ کہ عین گفتگو صلح کے وقت بھی شرک کا دم چھلا ساتھ لگائے رکھتے ہو اور ایک جگہ "مَا تَعْبُدُوْنَ" بصیغہ مضارع اور دوسری جگہ "مَا عَبَدْتُّمْ" بصیغہ ماضی لانے میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ ان کے معبود ہر روز بدلتے رہتے ہیں جو چیز عجیب سی نظر آئی یا کوئی خوبصورت سا پتھر نظر پڑا اس کو اٹھا کر معبود بنا لیا اور پہلے کو رخصت کیا۔ پھر ہر موسم کا ہر اور کام کا جدا معبود ہے ایک سفر کا، ایک حضر کا، کوئی روٹی دینے والا، کوئی اولاد دینے والا، وقس علیٰ ہذا۔ حافظ شمس الدین ابن قیمؒ نے بدائع الفوائد میں اس سورت کے لطائف و مزایا پر بہت نفیس کلام کیا ہے جس کو معارف قرآنی کا شوق ہو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ﴿٦﴾

تم کو تمہاری راہ اور مجھ کو میری راہ ☆

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی تم نے جو ضد باندھی اب سمجھانا کیا فائدہ کریگا جب تک اللہ فیصلہ کرے" اب ہم تم سے بکلی بیزار ہو کر اسی فیصلہ کے منتظر ہیں۔ اور جو دین قویم اللہ نے ہم کو مرحمت فرمایا ہے اس پر نہایت خوش ہیں تم نے اپنے لیے بدبختی سے جو روش پسند کی وہ تمہیں مبارک رہے ہر ایک فریق کو اس کی راہ و روش کا نتیجہ مل رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

سورۂ کافرون کی فضیلت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں اذا زلزلت کی تفسیر کے ذیل میں بیان کیا جا چکا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ (ثواب میں) چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بڑی اچھی ہیں وہ دونوں سورتیں جو فجر (کے فرض) سے پہلے والی دو (سنت) رکعتوں میں پڑھی جاتی ہیں۔ الکافرون اور الاخلاص۔ (رواہ ابن ہشام)

فروہ رضی اللہ عنہ بن نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میرے باپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی ایسی چیز بتا دیجئے کہ میں بستر پر جانے سے پہلے پڑھ لیا کروں فرمایا قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ پڑھ لیا کرو۔ یہ شرک سے بیزاری کا ظہار ہے۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی)

سفر کا وظیفہ:

حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جبیر کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ جب تو سفر میں ہو تو تیری پوزیشن سب ساتھیوں سے اعلیٰ ہو اور تیرے پاس زاد راہ سب سے زیادہ ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں۔ فرمایا کہ تو یہ پانچوں سورتیں پڑھا کر قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ہر سورت کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کر اور قراءت کو بسم اللہ پر ہی ختم کر۔ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں تھا تو بڑا دولت مند اور مالدار، لیکن سفر کو جاتا تھا تو سفر میں میری پوزیشن بڑی فرسودہ ہو جاتی تھی اور زاد راہ بہت کم ہو جاتا تھا لیکن جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ان سورتوں کی تعلیم دی اور میں نے ان کو پڑھا (سفر میں) میری پوزیشن سب سے اعلیٰ ہونے لگی اور زاد راہ سب سے زیادہ ہونے لگا اور سفر سے واپسی تک میری یہی حالت رہتی تھی۔ (رواہ ابو یعلی)

بچھو کے کاٹنے کا علاج:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بچھو نے کاٹ لیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی اور نمک منگوایا (نمکین پانی سے دھارا) اور قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ کر کاٹنے کی جگہ پر ہاتھ پھیرتے رہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

لکم دینکم کا مطلب:

صحیح یہ ہے کہ یہاں لَكُمْ دِيْنُكُمْ کا یہ مطلب نہیں کہ کفار کو کفر کی اجازت یا کفر پر برقرار رکھنے کی ضمانت دیدی گئی بلکہ اس کا حاصل وہی ہے جو لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ (معارف مفتی اعظم)

سورة النصر

جو شخص خواب میں اس کی تلاوت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو دشمنوں پر مدد دے گا نیز اس سورة کے پڑھنے والے کے جلد وفات کی دلیل ہے کیونکہ یہ سورہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہوئی تھی (یعنی اس کے نزول کے بعد ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تھی ۱۲ مترجم) اور ایک شخص نے ابن سیرینؒ سے عرض کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ گویا میں سورہ نصر پڑھ رہا ہوں تو امام نے اس سے فرمایا کہ تجھ کو وصیت کرنی چاہیے کہ تیری موت قریب آ گئی اس نے عرض کیا کہ یہ کیوں تو آپ نے فرمایا کہ یہ اس لئے کہ یہ آخری سورة ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آسمان سے نازل ہوئی ہے (ابن سیرین)

سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُ اٰيٰتٍ

سورۂ نصر مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی تین آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝۱

جب پہنچ چکے مدد اللہ کی اور فیصلہ ☆

فتح مکہ کی اہمیت:

بڑی فیصلہ کن چیز یہ تھی کہ مکہ معظمہ (جو گویا زمین پر اللہ کا دار السلطنت ہے) فتح ہو جائے اسی پر اکثر قبائل عرب کی نظریں لگی ہوئی تھیں اس سے پہلے ایک ایک دو دو آدمی اسلام میں داخل ہوتے تھے فتح مکہ کے بعد جوق در جوق داخل ہونے لگے حتیٰ کہ سارا جزیرہ عرب اسلام کا کلمہ پڑھنے لگا اور جو مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تھا پورا ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی پیش گوئی:

ایک روایت میں ہے کہ جب یہ سورة نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلایا اور فرمایا کہ اے فاطمہ مجھے خبر رحلت دے دی گئی ہے۔ جس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیقرار ہو کر رونے لگیں۔ اس کیفیت کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پھر فرمایا کہ اے فاطمہ! تو میرے گھرانہ میں سب سے پہلے وہ ہے جو مجھ سے ملے گی۔ جس پر فاطمہ ہنسنے لگیں۔ (رواہ البخاری ومسلم)

اور پھر یہ راز رکھا حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی باوجود اصرار کے نہ بتایا۔ تا آنکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت ہوگئی تو اس کا اظہار کیا۔ (صحیح بخاری ومسلم۔ تفسیر ابن کثیر)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا علم:

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ مجھ کو بدر کے بزرگوں میں شمار اور داخل فرماتے۔ تو بعض بزرگ صحابہ کو خیال گزرا اور کہنے لگے کہ یہ کیا بات ہے۔ حالانکہ ہمارے بیٹے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے برابر ہیں۔ تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سب حضرات صحابہ سے اس سورة کا مطلب دریافت کیا۔ جس پر کسی نے ظاہری مطلب بیان کر دیا اور کسی نے سکوت اختیار کر دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ اے ابن عباس رضی اللہ عنہ! کیا تم بھی اس کا یہی مطلب سمجھتے ہو؟ جواب دیا نہیں یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر ہے۔ تو اس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عباس کی علمی عظمت کو ظاہر فرمایا۔ (معارف کاندھلوی)

حیات مبارکہ کے آخری اسّی روز کی وحی:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ سورة حجۃ الوداع میں نازل ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اس کے بعد آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ نازل ہوئی ان دونوں کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں صرف اسی روز رہے (اسی روز کے بعد وفات ہوگئی) ان دونوں کے بعد آیت کلالہ نازل ہوئی جس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے کل پچاس دن رہ گئے تھے اس کے بعد لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ الآیہ نازل ہوئی جس کے بعد عمر شریف کے کل پینتیس روز باقی رہ گئے اس کے بعد اِتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ نازل ہوئی جس کے بعد صرف اکیس روز اور مقاتل کی روایت میں صرف سات روز کے بعد وفات ہوگئی۔ (قرطبی)

یہ سورة سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ رونے لگے:

متعدد احادیث مرفوعہ اور آثار صحابہ میں ہے کہ اس سورة میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آ جانے کی طرف اشارہ ہے کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور دنیا میں قیام کا کام پورا ہو چکا اب تسبیح و استغفار میں لگ جایئے مقاتل کی روایت میں ہے کہ جب یہ سورة نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع کے سامنے اس کی تلاوت فرمائی جن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وغیرہ موجود تھے سب سن کر خوش ہوئے کہ اس میں فتح مکہ کی خوشخبری ہے مگر حضرت

عباس رضی اللہ عنہ رونے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ رونے کا سبب کیا ہے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اس میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر مضمر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمائی۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہی مضمون روایت کیا ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ جب اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا کہ اس سورت کے مفہوم سے میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح۔قرطبی،معارف مفتی اعظم)

فتح مکہ

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی لڑائی:

معمر نے بحوالہ زہری بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں داخل ہوئے تو فتح (سے پہلے) خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو کچھ ساتھیوں کیساتھ مکہ کے نشیبی حصہ میں مامور کر دیا مگر قریش کی کچھ جماعتوں نے خالد رضی اللہ عنہ کا مقابلہ کیا آخر اللہ تعالیٰ نے ان کو شکست نصیب کی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب الحکم قتال بند کر دیا گیا اور قریش دین اسلام میں داخل ہو گئے اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ (اخرجہ عبدالرزاق فی مصنفہ)

فتح کا وعدہ:

طبرانی نے ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کے دن فرمایا کہ یہ وہی ہے جس کا وعدہ میرے رب نے مجھ سے فرمایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ کی تلاوت فرمائی۔

معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی:

اصحاب اخبار نے فتح کا قصہ اس طرح لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سال قریش سے دس سال کے لئے صلح کر لی تھی جس کی شرط یہ تھی کہ اس مدت کے اندر لوگ امن سے رہیں گے اور جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف ہونا چاہیں گے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدہ میں ہوں گے اور جو لوگ قریش کے حلیف ہونا چاہیں گے وہ قریش کے معاہدہ میں ہوں گے چنانچہ بنی بکر قریش کے معاہدہ میں داخل ہو گئے اور بنی خزاعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف ہو گئے بکر اور خزاعہ میں پرانی جنگ تھی کچھ مدت کے بعد بنی بکر کی ایک شاخ بنی نفاثہ نے بنی خزاعہ پر زیادتی کی اور بنی نفاثہ کے قبیلہ نوفل بن معاویہ دیلمی نے مکہ کے نشیبی حصہ میں بمقام وتیر بنی خزاعہ پر شبخون مارا یہاں تک کہ بنی خزاعہ حرم میں داخل ہو گئے تب بھی قبیلہ نوفل نے قتال جاری رکھا۔ قریش نے ہتھیاروں سے بنی بکر کی مدد کی بلکہ صفوان بن امیہ عکرمہ بن ابی جہل، سہیل بن عمرو، شیبہ بن عثمان، خویطب بن عبدالعزیٰ اور کچھ دوسرے لوگ اپنے غلاموں سمیت رات کے وقت چھپ کر بنی بکر کی طرف سے لڑائی میں بھی شریک ہوئے۔ لڑائی کے بعد قریش کو عہد شکنی پر پشیمانی ہوئی اور ایک نے دوسرے کو ملامت کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی طرف سے عہد شکنی کی پیش گوئی فرمادی تھی:

ادھر لڑائی کے بعد عمرو بن سالم خزاعی چالیس سواروں کو ساتھ لے کر بنی خزاعہ پر واقع ہونے والی مصیبت کی اطلاع دینے اور مدد مانگنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو کے پہنچنے سے پہلے ہی بنی نفاثہ اور بنی خزاعہ کی جنگ کی اطلاع دیدی تھی اور فرمایا تھا کہ جو کام خدا کو مقصود ہے اس کی تکمیل کے لئے قریش عہد شکنی کریں گے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ مسلمانوں کے لئے خیر ہوگی؟ فرمایا خیر ہوگی۔

محمد بن عمرو نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے اور طبرانی نے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے (واقعہ) اسی طرح بیان کیا ہے۔ غرض جب عمرو بن سالم خزاعی نے حاضر ہو کر اطلاع دی (اور مدد کا طلب گار ہوا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چادر کھینچتے ہوئے اٹھے اور فرمایا کہ اے عمرو اگر میں تیری مدد اس (قوت) کے ساتھ نہ کروں جس (قوت) سے اپنی مدد کرتا ہوں تو (خدا کرے) کہ میری مدد نہ کی جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قریشیوں کو پیغام:

یہ واقعہ ماہ رمضان کا ہے جب صلح حدیبیہ کو بائیس ماہ گزر رہے تھے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قریش کے پاس یہ پیغام پہنچانے کے لئے بھیجا کہ تین باتوں میں سے ایک بات قریش کو اختیار کر لینا چاہیے یا بنی خزاعہ کے مقتولین کی دیت ادا کریں۔ (کل تیرہ آدمی مقتول ہوئے تھے) یا جن لوگوں نے یعنی بنی نفاثہ نے معاہدہ صلح کی خلاف ورزی کی ہے ان کو اپنا حلیف ہونے سے خارج کر دیں (یعنی بنی نفاثہ سے محالفہ ختم کر دیں تاکہ مسلمان ان سے بنی خزاعہ کا انتقام لیں) یا حدیبیہ والے معاہدہ صلح کو یک قلم منسوخ کر دیا جائے۔

صلح حدیبیہ کی منسوخی:

یہ پیغام سن کر قریش کی رائیں باہم مختلف ہو گئیں آخر کار معاہدہ کو منسوخ کر دینے پر سب متفق ہو گئے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ فسخ معاہدہ کی خبر لے کر واپس آ گئے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مشورے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صلح اور نرمی کا مشورہ دیا اور عرض کیا کہ وہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم والے ہیں یہاں تک کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خیال ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے مشورے پر چلیں گے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جنگ کا مشورہ دیا اور عرض کیا کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر اور کاہن اور بڑا دروغ گو کہا وہ کفر کے سردار ہیں۔ قریش نے جو جو باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گزشتہ زمانہ میں کہیں تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ سب کچھ کہا اور کوئی بات بغیر ذکر کئے نہیں چھوڑی اور عرض کیا کہ جب تک اہل مکہ اطاعت نہیں کریں گے عرب اطاعت نہیں کریں گے۔

جنگ کی تیاریاں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ کو اختیار کیا اور خفیہ تیاری شروع کر دی اور عرب کو لڑائی میں شریک ہونے پر آمادہ کیا چنانچہ قبائل اسلم، غفار، مزینہ، اشجع، اور سلیم آ گئے۔ کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ ہی میں پہنچ گئے اور کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے بعد رستہ میں آ ملے۔ کل مسلمان ایک روایت میں دس ہزار اور دوسری روایت میں بارہ ہزار تھے۔ دونوں روایتوں کے اختلاف کو اس طرح دور کیا جا سکتا ہے کہ مدینہ سے روانگی کے وقت دس ہزار ہوں گے اور راستہ میں قبائل کے مل جانے کی وجہ سے بارہ ہزار ہو گئے ہوں گے۔

قریش کی پشیمانی اور ابوسفیان کی ناکام سفارت:

آخر قریش فسخ معاہدہ پر پشیمان ہوئے اور ابوسفیان کو بھیجا۔ ابوسفیان اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچا اور جونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے کا ارادہ کیا حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بستر کو لپیٹ دیا اور فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے۔ ابوسفیان بولا۔ بیٹی خدا کی قسم میرے بعد تجھ میں خرابی آ گئی ہے۔ ام المومنین نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے اسلام کی ہدایت فرمادی ہے مگر ابا جان آپ قریش کے سردار ہیں اور آپ پتھروں کو پوجتے ہیں جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اسلام میں داخل ہونے کی ضرورت آپ سے کس طرح ساقط ہو سکتی ہے ابوسفیان ام المومنین کے پاس سے اٹھ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ گفتگو کی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہیں دیا۔ پھر ابوسفیان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا اور کچھ گفتگو کی اور درخواست کی کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری سفارش کر دیجئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایسا نہیں کر سکتا پھر ابوسفیان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جا کر کچھ بات کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم اگر درہ (کوڑا) ہی میرے پاس ہو (کوئی اور ہتھیار مجھے نصیب نہ ہو) تب بھی میں تم سے درہ لے کر ہی لڑوں گا۔ آخر ابوسفیان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حسن موجود تھے ابوسفیان نے کہا علی رضی اللہ عنہ تم سے میرا رشتہ سب سے زیادہ قریب کا لگتا ہے تم میرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کر دو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ارے ابوسفیان! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پختہ ارادہ کر چکے ہیں کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اب اس سلسلہ میں بات نہیں کر سکتا ابوسفیان نے حضرت سیدہ کی طرف رخ کیا اور عرض کیا آپ ہی اپنے والد سے کہہ دیجئے کہ وہ لوگوں کے ٹوٹے ہوئے تعلقات کو جوڑ دیں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی انکار کر دیا۔

ابوسفیان کی بے بسی:

آخر ابوسفیان بولا ابوالحسن اب میرے لئے معاملہ سخت ہو گیا آپ مجھے کوئی اچھا مشورہ دیدیں کہ اب میں کیا کروں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہارے لئے کوئی فائدہ رساں بات میری سمجھ میں تو نہیں آتی البتہ تم بنی کنانہ کے سردار ہو تم لوگوں کے مجمع میں کھڑے ہو کر کہہ دو کہ میں لوگوں میں امن (ہونے کا اعلان) کرتا ہوں ابوسفیان نے کہا کیا یہ بات میرے لئے فائدہ مند ہو گی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میری سمجھ میں تو اس کے علاوہ کوئی بات نہیں آتی ابوسفیان نے مسجد میں جا کر کہہ دیا لوگو! میں نے لوگوں کے لئے امن جاری کر دی یہ کہہ کر اونٹ پر سوار ہو کر چل دیئے اور قریش کے پاس پہنچ کر پورا قصہ بیان کر دیا قریش نے کہا خدا کی قسم علی رضی اللہ عنہ نے تمہارے ساتھ صرف دل لگی کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ابن مکتوم کو یا ابوذر غفاری کو اپنا جانشین بنایا موخر الذکر کا قول صحیح ہے۔ (رواہ الطبرانی)

اور بدھ کے دن دس رمضان آٹھ ہجری کو مدینہ سے برآمد ہوئے اور دعا کی یاالٰہی جاسوسوں اور خبروں کو قریش سے روک دے ان کو میری روانگی اور تیاری کی اطلاع نہ ہو۔

حاطب بن بلتعہ کا خط:

بخاری نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اور زبیر مقداد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مامور کیا اور فرمایا کہ تم تیزی کے ساتھ آگے جاؤ اور بستان خاخ پر پہنچو وہاں ایک عورت اونٹ پر سوار ملے گی اور اس کے پاس ایک خط ہے وہ خط اس سے حاصل کر لو حسب الحکم ہم گھوڑوں کو تیز دوڑاتے ہوئے چل دیئے اور بستان خاخ پر پہنچے تو وہ عورت مل گئی ہم نے اس سے کہا کہ خط نکال، عورت نے کہا کہ میرے پاس تو کوئی خط نہیں ہے ہم نے کہا یا تو خط نکال دے ورنہ کپڑے اتار دے مجبوراً اس نے اپنے چونڈے سے خط نکال دیا ہم خط لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ خط حاطب بن بلتعہ کی جانب سے مشرکین مکہ کے نام تھا جس میں حاطب نے مشرکین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض امور کی اطلاع دی تھی۔

حضرت حاطب کا عذر:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حاطب یہ کیا ہے حاطب نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ پر ناراض ہونے میں عجلت نہ فرمایئے میری گزارش سن لیجئے۔ بات یہ ہے کہ میں قریش میں پر کٹا، (اجنبی، مستامن) تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو دوسرے مہاجرین ہیں ان کے رشتہ دار مکہ میں موجود ہیں جو ان کے مال وعیال کے نگران ہیں مگر میرا وہاں کوئی رشتہ دار نہیں ہے اس لئے میں نے چاہا جب میرا کوئی رشتہ دار نہیں ہے تو کوئی ایسی بات (قریش کے لئے مفید) کر دوں کہ وہ میرے اہل وعیال کی حفاظت کر دیں میں نے یہ حرکت اسلام سے مترد ہو کر اور کفر کو اختیار کر کے نہیں کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا اس نے سچ بات کہہ دی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن ماردوں فرمایا عمر رضی اللہ عنہ یہ بدر میں شریک تھا اور تم نہیں جانتے کہ بدریوں کے احوال کو جان کر ہی اللہ اہل بدر کے متعلق فرما چکا ہے کہ جو کچھ چاہو کرو میں نے تمہاری مغفرت کردی۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں اور اللہ نے آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ ...... سَوَآءَ السَّبِيْلِ تک نازل فرمائی۔

سفر میں روزہ کھولنے کی رخصت:

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی روزے رکھے لیکن کدید پر پہنچنے کے بعد کے افطار کر لیا اور صحابہ نے بھی روزے کھول دیئے پھر ماہ ختم تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ نہیں رکھا۔

حضرت عباس ابوسفیان بن حارث اور دیگر حضرات کا مسلمان ہونا

عباس بن عبدالمطلب مکہ میں حاجیوں کو پانی پلانے کے ذمہ دار تھے اور مکہ میں ہی مقیم تھے لیکن مکہ کو چھوڑ کر پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بمقام جحفہ حاضر ہو گئے تھے اور عباس کے چچا کا بیٹا ابوسفیان بن حارث اور ابوسفیان کا بیٹا جعفر مقام ابواء میں آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ ملے اور مسلمان ہو گئے دوسری روایت میں آیا ہے کہ ابوسفیان بن حارث اور عاتقہ کا بیٹا عبداللہ بن امیہ جب مقام ابواء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور فرمایا میری ان سے کوئی غرض نہیں انہوں نے میری عزت برباد کی ہے اور مجھے جو کچھ کہا ہے وہ کہا ہے ان دونوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف رجوع کیا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کی سفارش کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دیدی۔

جھنڈوں کی تقسیم:

پھر کدید میں پہنچ کر جھنڈوں پر پرچم باندھے اور قبائل کو جھنڈے تقسیم کئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا پھر عشاء کے وقت مقام مرالظہران میں اترے۔

قریش کے جاسوس:

قریش کو ان واقعات کی اطلاع اس وقت تک بالکل نہیں پہنچی تھی اسی شب میں ابوسفیان بن حرب اور حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقہ تجسس احوال کے لئے مکہ سے نکلے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مختلف مقامات میں آگ روشن کرنے کا حکم دیا حسب الحکم دس ہزار جگہ آگ جلائی گئی گویا ہر شخص نے اپنی قیام گاہ پر آگ جلائی گویا اس سے مراد یہ تھی کہ دیکھنے والوں کو لشکر کی کثرت تعداد معلوم ہو جائے۔

حضرت عباس کی پیش گوئی:

عباس بن مطلب نے اسی رات کہا تھا آہ، قریش کی صبح بری ہوگی خدا کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں زبردستی داخل ہو گئے تو ہمیشہ کے لئے قریش کی تباہی ہو جائے گی یہ کہہ کر خچر پر سوار ہو کر نکلے تا کہ کوئی لکڑہارا یا دودھ والا یا کسی اور کام کو مکہ میں جانے والا اگر مل جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام فرما ہونے کی اطلاع قریش کو بھجوا دیں تا کہ قریش پہلے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے امان مانگ لیں اتنے میں ابوسفیان کی آواز کانوں میں آئی جو کہہ رہا تھا کہ خدا کی قسم آج رات کی طرح میں نے آگ نہیں دیکھی (یعنی کثیر مقامات پر یکدم فوجیوں کے پڑاؤ پر اتنی کثرت سے آگ نہیں دیکھی)

ابوسفیان کا بچاؤ:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ارے ابوسفیان یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی فوج لیکر آ گئے ہیں کہ تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے ابوسفیان نے کہا پھر کیا تدبیر ہو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ابوسفیان اگر تو پکڑا گیا تو تیری گردن مار دی جائے گی اس لئے مناسب یہ ہے کہ میرے خچر کے پیچھے سوار ہو جا میں تجھے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ جاؤں گا وہاں تو امان مانگ لینا چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان کو لے کر پڑاؤ کی طرف لوٹ پڑے اور جس طرف سے گزرتے لوگ ان کو دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر پر سوار ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جوش:

آخر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فرودگاہ کی طرف سے گزرے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو دیکھا تو فوراً کھڑے ہو گئے اور بولے یہ اللہ کا دشمن ابو سفیان ہے شکر ہے خدا کا کہ بغیر عہد و پیمان کے اللہ نے اس پر قابو دیدیا اور یہ

کہہ کر مارنے دوڑے حضرت عباس رضی اللہ عنہ تیزی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑے اور ابوسفیان کو لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ پیچھے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم یہ سلوک صرف اس وجہ سے کر رہے ہو کہ ابوسفیان قبیلہ عبدالمناف کا ہے اگر بنی کعب میں سے ہوتا تو تم یہ بات نہ کہتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا عباس رضی اللہ عنہ سختی نہ اختیار کیجئے جس روز آپ مسلمان ہوئے تو آپ کا اسلام مجھے اپنے باپ خطاب کے اسلام سے بھی زیادہ پیارا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عباس رضی اللہ عنہ اس کو اپنے پڑاؤ پر لے جاؤ۔ عباس رضی اللہ عنہ لے گئے۔

ابوسفیان کا اسلام لانا:

صبح کو پھر ابوسفیان کو لے کر خدمت گرامی میں پہنچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ارے ابوسفیان کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تجھے لا الہ الا اللہ کا یقین آ جائے ابوسفیان نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی حلیم کریم اور ٹوٹے رشتوں کو جوڑنے والے ہیں خدا کی قسم میرا خیال ہے کہ اگر خدا کی موجودگی میں کوئی دوسرا خدا ہوتا تو اب کچھ کر سکتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ارے ابوسفیان کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تجھے میرے رسول خدا ہونے کا یقین آ جائے ابوسفیان نے کہا میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر تحمل والے کرم کرنے والے اور خاندان سے اچھا سلوک کرنے والے ہیں لیکن یہ رسالت تو اس کے متعلق میرے دل میں ابھی کچھ تردد ہے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ارے مسلمان ہو جا قبل اس کے کہ تیری گردن ماری جائے۔ لا الہ الا اللہ کی شہادت دے دے اس پر ابوسفیان نے کلمہ توحید پڑھ لیا اور مسلمان ہو گیا۔ حکیم اور بدیل ابوسفیان سے پہلے ہی اسلام لا چکے تھے۔

ابوسفیان کی گرفتاری کی دوسری روایت:

یہ روایت اسحاق بن راہویہ کی سند صحیح کے ساتھ ہے لیکن طبرانی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اللہ کے بندو ابوسفیان اراک (پیلو) کے درختوں میں ہے اس کو وہیں پکڑ لو ابن ابی شیبہ نے لکھا ہے کہ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصاری باڈی گارڈ نے پکڑ لیا تھا اور اس روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی محافظ دستہ میں تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو بند کر دو حسب الحکم لوگوں نے ابوسفیان کو صبح تک بند رکھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امن کا اعلان:

ابن ابی شیبہ کی یہ بھی روایت ہے کہ ابوسفیان نے کہا تھا کہ مجھے عباس رضی اللہ عنہ کا پتہ بتاؤ۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ ان میں عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے جو ابو سفیان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں چلا گیا اس کو امان ہے اور جو کعبہ میں داخل ہو گیا اس کو امان ہے اور جس نے اپنا دروازہ بند کر لیا اس کو امان ہے اس فرمان کے بعد ابوسفیان نے کعبہ کے اندر چیخ کر کہا اے گروہ قریش یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم پر اتنی طاقت لے آئے ہیں جس کا مقابلہ تم نہیں کر سکتے (پھر) امان کی جو خبر ابوسفیان لائے تھے اس کو بیان کیا لوگ یہ اعلان سن کر منتشر ہو گئے کچھ اپنے اپنے گھروں میں چل دیئے اور کچھ کعبہ میں داخل ہو گئے۔

حملہ کا آغاز:

جب حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقہ مسلمان ہو گئے اور بیعت کر لی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قریش کو دعوت اسلام دینے کے لئے اپنے سامنے بھیج دیا اور زبیر رضی اللہ عنہ کو جھنڈا دے کر مہاجرین اور انصار کے سواروں کا امیر بنا کر روانہ کر دیا اور حکم دے دیا کہ بالائی مکہ میں حجون کے مقام پر پہنچ کر جھنڈے کو نصب کریں اور حکم کے بغیر وہاں سے نہ ہٹیں اسی جگہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مکہ میں داخل ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خیمہ لگایا گیا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم ملا کہ وہ بنی قضاعہ اور بنی سلیم کے مسلمانوں کے ساتھ نشیبی مکہ سے داخل ہوں نشیبی مکہ میں بنی بکر موجود تھے کیونکہ قریش اور حارث بن عبدالمناف کی اولاد اور مختلف قبائل کے لوگوں نے بنی بکر کو مکہ سے نکال دیا تھا اور حکم دیا تھا کہ نشیبی حصہ میں جا کر رہیں خالد رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ کو بھیجنے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیدیا تھا کہ جو تم سے نہ لڑے اس سے نہ لڑنا۔

سعد بن عبادہ کو جھنڈا دے کر حکم دیا تھا کہ کچھ لوگوں کو لے کر کداء سے مکہ میں داخل ہوں۔ سعد جب مکہ میں داخل ہونے کے لئے چلے تو کہنے لگے آج جنگ کا دن ہے آج ممنوع بھی حلال ہے ایک مہاجر نے یہ بات سن لی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنیے تو سعد بن عبادہ کیا کہہ رہے ہیں قریش پر یہ شوکت ان کو کہاں سے حاصل ہو گئی اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم جھنڈا لے لو اور جھنڈا لے کر (کداء کے راستہ سے مکہ میں) داخل ہو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لے لیا اور لے جا کر رکن پر نصب کر دیا۔

قریش کی طرف سے مزاحمت:

ابو یعلی رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا مجھے دیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں دو جھنڈوں کے ساتھ داخل ہوئے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے پہلے بالائی مکہ میں نہیں پہنچے تھے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جب نشیبی مکہ سے داخل ہونا چاہا تو وہاں قریش وغیرہ جو موجود تھے انہوں نے مزاحمت کی اور خالد رضی اللہ عنہ کو ساتھیوں سمیت ہتھیار اٹھا کر چلنے سے روکا اور تیر مارے اور کہنے

لگے کہ ان کو زبردستی داخل نہ ہونے دو۔

مشرکین کی شکست:

خالد نے اپنے ساتھیوں کو چیخ کر آواز دی اور مشرکوں سے جنگ کی، چوبیس قریشی اور چار بنی ہذیل کے آدمی مارے گئے ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ بارہ یا تیرہ مشرک مارے گئے اور سخت شکست کھائی ہر طرف بھاگنے لگے یہاں تک کہ سینہ اور حلق کی سوزش کی وجہ سے کچھ مارے گئے اور کچھ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ گئے اور مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا۔

مسلمان شہداء:

مسلمانوں میں سے قبیلہ جہینہ کا صرف ایک مارا گیا جس کا نام سلمہ بن میلاء تھا یہ خالد کے سواروں میں سے تھا اور کرز بن جابر فہری اور حریش بن خالد بن ربیعہ بھی خالد کے سواروں میں سے مارے گئے یہ دونوں خالد کے راستہ سے بچھڑ گئے تھے اور الگ راستہ پر چل دیئے دونوں مارے گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرداروں کو حکم دے دیا تھا کہ مکہ میں داخل ہونے کے وقت کسی کو قتل نہ کریں ہاں جو مسلمانوں سے جنگ کریں ان کو قتل کیا جاسکتا ہے اس حکم سے نام بنام چند آدمیوں کو مستثنیٰ کر دیا تھا اور حکم دیدیا تھا کہ ان کو ہر حال میں قتل کر دیا جائے خواہ وہ کعبہ کے پردوں کے نیچے ہی ہوں۔

مد مقابل کی بارہ معروف شخصیات کی سرگزشت:

(۱) عبداللہ بن ابی سرح یہ شخص مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو گیا تھا فتح مکہ کے دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسکی سفارش کی تو جان بخشی ہوئی اس کے بعد یہ مسلمان ہو گیا۔

(۲) عکرمہ بن ابی جہل یہ (فتح مکہ کے دن) مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلام قبول کیا گیا۔

(۳) حویرث بن نقید یہ ہجرت سے پہلے مسلمانوں کو بہت دکھ پہنچایا کرتا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا۔

(۴) مقیس بن صبابہ اول مسلمان ہو گیا تھا ایک انصاری نے ذی قردہ کے غزوہ میں اس کے بھائی ہشام کو دشمن کا آدمی سمجھ کر غلطی سے مار ڈالا تھا اور مقیس نے انصاری سے اس کی دیت لے لی پھر عہد شکنی کر کے انصاری کو قتل کر دیا اور مرتد ہو گیا اس کو اسی کی قوم کے ایک شخص غیلہ بن عبداللہ نے قتل کر دیا۔

(۵) ہبار بن اسود مسلمانوں کو سخت دکھ دیا کرتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب کو اسقاط اسی کی ضرب سے ہوا اور اسی مرض سے آپ کی وفات ہو گئی یہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو معاف کر دیا۔

(۶) حارث بن طلاطل خزاعی یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا (کذا ذکر ابو معشر)

(۷) کعب بن زہیر شاعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتا تھا لیکن فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کی۔ (ذکرہ الحاکم)

(۸) وحشی بن حرب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل بھاگ کر طائف چلا گیا تھا پھر آ کر مسلمان ہو گیا

(۹) عبداللہ بن حنظل یہ مسلمان ہو گیا تھا اس کا نام عبدالعزیٰ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام بدل دیا اور عبداللہ نام رکھ دیا اور محصل صدقات بنا کر بھیجا اور اس کے ساتھ خزاعہ کے ایک شخص کو بھی روانہ کیا خزاعی شخص عبداللہ کی خدمت کرتا اور اس کے لیے کھانا پکاتا تھا دونوں ایک منزل پر جا کر اترے دوپہر کا وقت تھا عبداللہ نے خزاعی کو حکم دیا کہ کوئی جانور ذبح کر کے کھانا تیار کرے مگر خزاعی نے کھانا تیار نہیں کیا اس پر عبداللہ نے خزاعی کو قتل کر دیا اور مرتد ہو کر مکہ کو بھاگ گیا اس کے پاس دو گانے والی لونڈیاں تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہجو کے اشعار گاتی تھیں۔ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ اور دونوں باندیوں کے قتل کا حکم دے دیا۔ سعید بن حریث مخزومی اور ابو برزہ اسلمی نے مل کر عبداللہ کو قتل کر دیا اور ایک لونڈی بھی ماری گئی دوسری بھاگ گئی پھر مسلمان ہو گئی

(۱۰) عمر بن ہاشم کی آزاد کردہ ایک باندی تھی جس کا نام سارہ تھا مکہ میں یہ مغنیہ تھی اور نوحہ خوانی کا پیشہ بھی کرتی تھی۔ اسی کے پاس سے حاطب بن بلتعہ کا خط برآمد ہوا تھا فتح کے دن مسلمان ہو گئی۔

(۱۱) ابو سفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حمزہ کا جگر چبایا تھا فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے درگزر فرمائی۔

(۱۲) صفوان بن امیہ بھاگ کر جدہ چلا گیا تھا تاکہ وہاں سے سوار ہو کر یمن کو چلا جائے عمیر بن وہب نے اس کے لیے امن کی درخواست کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امان دے دی صفوان حاضر ہو گیا اور عرض کیا کہ مجھے اپنے معاملہ پر سوچنے کا دو مہینے اختیار دے دیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار ماہ کا اختیار دے دیا آخر میں یہ مسلمان ہو گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ میں داخلہ:

مکہ میں داخلہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر عمامہ تھا۔ (رواہ احمد، مسلم)

لیکن صحیحین کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ داخلہ کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود پوش تھے دونوں روایتوں کے اختلاف کو اس طرح دور کیا جاسکتا ہے کہ اول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر خود ہوگا پھر خود اتار کر

عمامہ پہن لیا ہوگا۔۔ داخلہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوٹا لوٹا کر سورۂ فتح پڑھ رہے تھے۔ (صحیحین)

حجون کے تاریخی مقام میں قیام:

آخر حجون میں پہنچ کر چمڑے کے خیمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فروکش ہوئے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ دو بیبیاں تھیں حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تھیں حجون خیف بنی کنانہ میں واقع تھا یہ وہی جگہ تھی جہاں جمع ہو کر قریش اور کنانہ نے باہم قسمیں کھائی تھیں کہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے ساتھ نکاح کا رشتہ قائم نہ کرینگے نہ ان کے ساتھ خرید وفروخت کریں گے جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے دست بردار نہ ہو جائیں گے یہ قسمیں قائم رہیں گی اس جگہ پہنچنے کے بعد کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ اپنے گھاٹی والے مکان میں قیام نہیں فرمائیں گے فرمایا عقیل نے ہمارا کوئی مکان چھوڑا ہی کہاں؟ (کہ ہم وہاں ٹھہر سکیں) عقیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے بھائی بندوں کے مکہ والے سب مکان فروخت کر دیے تھے مردوں کے بھی اور عورتوں کے بھی (کوئی مکان باقی نہیں چھوڑا تھا) عرض کیا گیا تو پھر اپنے قدیمی مکانوں کو چھوڑ کر مکہ کے اندر کسی اور مکان میں قیام فرمالیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے انکار کر دیا اور فرمایا میں کسی گھر میں داخل نہیں ہوں گا ہر نماز کے لیے حجون سے کعبہ کو تشریف لاتے تھے غرض فرودگاہ پر دن کے تھوڑے وقت ٹھہرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پردہ پکڑ لیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کے بعد چاشت کی آٹھ رکعتیں پڑھیں۔ (رواہ مسلم)

طواف کعبہ:

بخاری کی روایت میں حضرت ام ہانی کا قول آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر غسل کیا اور نماز پڑھی تھی پھر اونٹنی پر سوار ہو کر تشریف لے گئے اور کعبہ کے پاس پہنچ کر (طواف کیا اور) لکڑی کے نوک سے رکن کا بوسہ لیا (یعنی لکڑی کی نوک سنگ اسود کو لگادی۔ نوک لگادینا بوسہ کا قائم مقام ہو گیا) اور تکبیر کہی مسلمانوں نے بھی نعرہ تکبیر لگایا مکہ گونج گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے مسلمانوں کو ٹھہرنے کی تلقین فرمارہے تھے اور مشرک پہاڑیوں کے اوپر سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات بار اونٹنی پر سوار ہونے کی حالت میں کعبہ کا طواف کیا اور لکڑی کی نوک سے (ہر بار) سنگ اسود کا بوسہ لیا۔

بتوں کا اشارہ سے گرنا:

کعبہ کے پاس پاس تین سو ساٹھ بت تھے جو رنگ کے مرجع تھے ہبل سب سے بڑا تھا۔ یہ کعبہ کے سامنے کعبہ کے دروازے پر تھا، اور اساف اور نائلہ قربانی کے مقام پر تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بت کی طرف سے گزرتے تھے تو اس کی طرف اشارہ کرتے اور جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا پڑھتے تھے بت اشارہ کے ساتھ ہی اوندھے منہ یا پشت کے بل پیچھے کو گر جاتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ہاتھ بھی نہیں لگانے پاتے تھے۔

فضالہ بن عمر کا مسلمان ہونا:

فضالہ بن عمر لیثی نے چاہا کہ طواف کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دے یہ ارادہ کر کے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فضالہ! اس نے جواب دیا جی فرمایا تم دل میں کیا کہہ رہے تھے فضالہ نے کہا کچھ بھی نہیں۔ اللہ کی یاد کر رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر مسکرادیئے اور فرمایا اللہ سے استغفار کرو۔ یہ فرما کر دست مبارک فضالہ کے سینہ پر رکھ دیا فضالہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک میرے سینہ سے اٹھایا بھی نہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میری نظر میں ہر شخص سے زیادہ محبوب ہو گئی۔

مقام ابراہیم پر نوافل:

طواف سے فارغ ہونے کے بعد (کھڑی ہوئی) اونٹنی سے لوگوں کے ہاتھوں کے سہارے نیچے اترے کیونکہ اونٹوں کے بیٹھنے کا کوئی مقام مسجد کے اندر نہ تھا مسجد سے باہر اونٹ کو بٹھایا پھر مقام ابراہیم علیہ السلام پر پہنچے مقام ابراہیم علیہ السلام کعبہ میں شامل تھا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود اور عمامہ پہنے ہوئے تھے اور دونوں شانوں کے درمیان عمامہ کا شملہ آویختہ تھا اس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھی۔

زمزم سے وضو:

پھر زمزم کی طرف رخ کیا اور اس کے اندر جھانک کر دیکھا اور فرمایا اگر بنی عبدالمطلب کے غلبہ کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں خود اس میں سے ایک ڈول پانی کھینچتا۔ غرض حضرت عباس رضی اللہ عنہ یا حارث رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب نے ایک ڈول کھینچا اور اس میں سے کچھ پیا اور وضو کیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے مثال نیازمندی:

مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے پانی کی طرف ایک دوسرے سے پیش دستی کرنے لگے اور مسابقت کر کے (استعمال کردہ) پانی لے کر اپنے چہروں پر ملنے لگے مشرک اس منظر کو دیکھ رہے تھے تعجب کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔ ہم نے اتنا رسا نہ کسی بادشاہ کو دیکھا نہ سنا۔

بڑا بت توڑ دیا گیا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہبل کو توڑ دینے کا حکم دیا حسب الحکم ہبل کو توڑ دیا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا بیٹھ جاؤ

میں کعبہ کے برابر میں بیٹھ گیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود اوپر چڑھ گئے اور فرمایا علی رضی اللہ عنہ آکر میرے کندھوں پر چڑھ جا میں نے حکم کی تعمیل کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مجھے لے کر اٹھے تو مجھے ایسا لگنے لگا کہ اگر چاہوں تو آسمان کے کنارہ کو چھولوں گا اس طرح میں کعبہ پر چڑھ گیا فرمایا کہ ان کے بڑے بت کو توڑ دے یہ بت تانبے کا تھا اور زمین تک اس میں لوہے کی میخیں ٹھونکی ہوئیں تھیں فرمایا اس کو پکڑ لے اور خود پڑھنے لگے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا میں نے بت کو نیچے پھینک دیا۔

کعبہ کی چابی:

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلال رضی اللہ عنہ کو کعبہ کی کنجی لینے کے لیے عثمان بن طلحہ کے پاس بھیجا عثمان نے کہا کنجی میری ماں کے پاس ہے عثمان نے کنجی ماں سے منگوائی تو اس نے کہا لات اور عزیٰ کی قسم تجھے کنجی نہیں دونگی عثمان نے کہا نہ لات رہا نہ عزیٰ اگر تو کنجی نہ دے گی تو میں بھی مارا جاؤں گا اور میرا بھائی بھی۔ عثمان کو گئے ہوئے دیر ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتظار کرتے رہے۔ آخر حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہم اجمعین کو بھیجا عثمان کی ماں نے جب حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہم کی آواز سنی تو عثمان سے کہا بیٹے ان دشمنوں کے لینے سے تو یہ بہتر ہے کہ تو لے لے۔ عثمان نے کنجی لے لی اور لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کنجی لے کر خود دست مبارک سے کعبہ کو کھولا عثمان اور طلحہ کہا کرتے تھے کہ کعبہ کو کھولنے کا ہمیں کو اختیار ہے۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے ان کا یہ دعویٰ ساقط ہو گیا)

بیت اللہ کی تطہیر:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ میرے اندر جانے سے پہلے کعبہ کے اندر تمام مورتیاں صورتیاں دور کردو مسلمانوں نے کپڑے اتار دیئے صرف تہہ بند باندھے رہے اور ڈول لے کر رجز پڑھتے ہوئے زمزم پر آئے اور کعبہ کو اندر باہر سے دھونے لگے اہل شرک کا کوئی نشان باقی نہ چھوڑا۔ سب مٹا دیئے اور دھو دیئے۔

کعبہ کے اندر نوافل:

اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما اور طلحہ رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے اور دروازہ بند کر لیا اندر پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ستون دائیں طرف دو ستون بائیں طرف تین ستون اپنے پیچھے دروازہ کی طرف چھوڑے اور قبلہ والی دیوار سے دو یا تین ذراع کا فاصلہ چھوڑ کر بیچ میں کھڑے ہو کر قبلہ کی طرف منہ کر کے دو رکعتیں پڑھیں پھر فرمایا یہ قبلہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دستوری خطاب

کلمات شکر:

پھر دروازہ پر کھڑے ہو کر فرمایا ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اپنے بندہ کو کامیاب بنایا اور تمام جماعتوں کو تنہا شکست دیدی۔

جاہلیت کے خون ساقط:

خوب سن لو (جاہلیت کے زمانہ کا) ہر استحقاق اور خون یا مال کا دعویٰ میرے ان دونوں قدموں کے نیچے پامال ہو گیا سب سے اول میں خود ربیعہ بن حارث کا خون ساقط کرتا ہوں ہاں کعبہ کی دربانی اور حاجیوں کو پانی پلانے کا استحقاق اس سے مستثنیٰ ہے۔

قتل وغیرہ کے احکام:

سنو لاٹھی اور کوڑے سے اگر قتل ہو جائے یا قتل خطا ہو جو قتل عمد کے مشابہ ہو تو اس کی دیت مغلظ یعنی سو اونٹنیاں ہیں۔ جن میں چالیس اونٹنیاں گابھن ہوں۔ وارث کے لیے وصیت نہیں بچہ (بستر) والے کا ہے اور زانی کے لئے پتھر۔

شوہر کے حقوق:

کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے کسی کو کچھ دے دے۔

اتحاد مسلم:

تمام غیر مسلموں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو ایک ہاتھ کی طرح ہو جانا لازم ہے۔

زکوٰۃ میراث:

کسی مسلمان کو یا ذمی کو بحالت ذمیت کافر کے عوض نہ قتل کیا جائے۔ دو مذہب والوں میں باہم میراث نہیں ہوگی مسلمانوں کی زکوٰۃ ان کے گھروں اور احاطوں پر پہنچ کر لی جائے محصل زکوٰۃ نہ زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے ان کو اپنے پڑاؤ پر بلوائے نہ زکوٰۃ دینے والے محصل کو پریشان کرنے کے لیے اموال زکوٰۃ دینے کا اڈہ کسی دوسری جگہ بنائیں۔

محرمات نکاح:

کسی عورت کی ماں یا خالہ پر اس عورت سے نکاح نہ کیا جائے (یعنی ماں یا خالہ سے نکاح کر لیا ہو تو پھر اس کی ماں یا بھانجی سے نکاح نہ کیا جائے)

عدل کے احکام:

دعویٰ کے گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اور (گواہ نہ ہونے کی صورت میں) قسم منکر پر عائد ہوگی۔

دیگر متعدد احکام:

کوئی عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے۔ نماز عصر اور نماز صبح کے بعد کوئی نماز

جائز نہیں میں تم کو دو دن روزہ رکھنے کی ممانعت کرتا ہوں ایک عید الفطر کے دن دوسرے عید الاضحیٰ کے دنمیں تم کو دو صورتوں سے لباس پہننے کی بھی ممانعت کرتا ہوں (۱) صرف ایک کپڑے میں گوٹ مارنے سے (اس کی شکل اسطرح ہوتی ہے کہ صرف کرتہ یا صرف تہبند پہن کر کوئی سرینوں کی نوک پر بیٹھ جائے اور پاؤں سمیٹ کر کھڑے کر لے کہ ایڑیاں سرینوں کے قریب آ جائیں اور رانیں پیٹ کے قریب پہنچ جائیں اس شکل پر بیٹھنے سے آگے سے برہنگی کا خطرہ ہے اور برہنگی کی حفاظت بھی کر لی جائے تب بھی اعضاء مستورہ غلیظہ کسے بندھے نظر کے سامنے آ جائیں گے جو خلاف تہذیب ہے) (۲) چادر یا کمبل وغیرہ کو اس طرح لپیٹ لیا جائے کہ ہاتھ بھی اندر بندرہ جائیں اور باہر نہ نکل سکیں۔

خاندانی غرور:

اے گروہ قریش! اللہ نے تم سے جاہلیت کو اور عہد جاہلیت کے غرور خاندانی کو دور کر دیا سب لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی الخ

اہل مکہ سے حسن سلوک:

اے اہل مکہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں تمہارا کیا خیال ہے لوگوں نے جواب دیا آپ اچھے کریم بھائی اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں (اس لیے آپ ہم پر کرم ہی کریں گے) فرمایا آج تم پر کوئی ملامت نہیں اللہ تم کو معاف کرے وہ ارحم الراحمین ہے جاؤ تم سب آزاد ہو اس حکم کے بعد لوگ مجلس سے نکلے تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قبروں سے دوبارہ زندہ ہو کر اٹھے ہیں

حرمت مکہ:

بخاری نے بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ لکھا ہے کہ بنی لیث نے جاہلیت کے زمانہ میں بنی خزاعہ کا ایک آدمی مار ڈالا تھا فتح مکہ کے سال اپنے مقتول کے عوض بنی لیث کا ایک آدمی مار ڈالا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے مکہ سے ہاتھیوں کو روک دیا۔ مگر اپنے رسول اور مومنوں کو مکہ پر غلبہ عطا فرمایا خوب سن لو مکہ (پر بزور تسلط) مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں ہوا تھا اور وہ ساعت یہی ساعت تھی اب یہ ہمیشہ (کے لیے) حرم ہے اس کی گھاس نہ کاٹی جائے اس کے درخت نہ کاٹے جائیں یہاں گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے (یعنی گری پڑی چیز کو پانے والا اس کو اپنی ملکیت نہ بنالے) ہاں جس کی چیز گر گئی ہو اور وہ ڈھونڈ رہا ہو تو اس کو اٹھا لینا جائز ہے اگر کسی کا کوئی آدمی قتل کر دیا جائے دو باتوں میں سے ایک بات کو اختیار کرنے کا اسکو حق ہے یا دیت لے لے یا قصاص یہ سن کر ایک شخص نے جس نام ابو شاہ تھا عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے یہ لکھوا دیجئے فرمایا اس کو لکھ کر دے دو ایک قریشی نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھاس کاٹنے کی ممانعت سے اذخر کو مستثنیٰ کر دیجئے فرمایا اذخر مستثنیٰ ہے (اذخر مرچیا گند کو کہتے ہیں یہ ایک قسم کی گھاس ہوتی ہے جو مکہ میں بکثرت پیدا ہوتی تھی اور اونٹوں کی خوراک کے کام آتی تھی)۔

داشتہ کی اولاد کا حکم:

ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے جاہلیت کے زمانہ میں عقد معاہرہ کیا تھا (یعنی ایک عورت کو داشتہ بنا کر بغیر نکاح کے رکھا تھا اس سے بچے ہوئے ان بچوں کا کیا حکم ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی آزاد عورت سے یا کسی غیر کی باندی سے معاہرہ کیا پھر اس کے بچے نے زانی سے اپنا نسب ملایا تو یہ جائز نہیں نہ یہ اس کا وارث ہوگا نہ وہ اس کا وارث ہوگا میرا خیال ہے تم لوگ سمجھ گئے ہو گے۔ میں اپنی یہ بات کہہ رہا ہوں (یعنی کہہ چکا) اور اپنے اور تمہارے لیے اللہ سے معافی چاہتا ہوں۔

مورتیاں توڑنے کا اعلان:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مکہ میں منادی نے ندا کر دی کہ جو شخص اللہ اور روز آخرت کو مانتا ہے وہ اپنے گھر کے اندر کوئی مورتی بغیر توڑے نہ چھوڑے۔

کعبہ کی چھت پر اذان:

ظہر کا وقت ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے اوپر ظہر کی اذان دینے کے لیے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا اس سے مقصود مشرکوں کو جلانا تھا۔

مشرکوں کے تبصرے:

قریش پہاڑیوں کے چوٹیوں پر تھے اور چھپے ہوئے تھے مگر چہرے سامنے تھے (یعنی اس منظر کو دیکھ رہے تھے) ابو سفیان اور خالد بن اسید اور حارث بن ہشام کعبہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے خالد بولا اللہ نے (میرے باپ) اسید کی لاج رکھ لی کہ اس نے اس آواز کو نہیں سنا حارث نے کہا خدا کی قسم اگر میں اس کو حق پر جانتا تو اس کے پیچھے ہو لیتا بنی سعید بن عاص کا ایک شخص کہنے لگا اللہ نے سعید کی لاج رکھ لی کہ کعبہ کی چھت پر اس حبشی کو چڑھا دیکھنے سے پہلے ہی وہ مر گیا ابو سفیان بولا میں کچھ نہیں کہوں گا اگر کچھ بھی بولا تو یہ پتھریاں بھی میری مخبری کر دیں گی جبرئیل نے آکر ان لوگوں کی باتوں کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کی کہی ہوئی باتیں ان کو بتائیں تو وہ کہنے لگے ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

ابو قحافہ کا مسلمان ہونا:

اس کے بعد مکہ والے مسلمان ہوئے کسی مسلمان نے ابو قحافہ کے سر

پر پتھر مارا انکا سر زخمی ہو گیا اور اسماء کا ہار کسی نے لے لیا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ باپ کے پاس پہنچے ان کے چہرے سے خون پونچھا (اسلام کیطرف سے) ان کے دل میں کینہ تھا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خود ان کے پاس پہنچ جاتا تم نے بڑے میاں کو وہیں کیوں نہ رہنے دیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور وہ مسلمان ہو گئے ابوقحافہ کی داڑھی اور سر ثغامہ (ایک درخت کا سفید پھول) کی طرح تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس رنگ کو بدل دو مگر سیاہی سے الگ رکھو یعنی سیاہ نہ رنگنا۔

بیعت عام:

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جانب بیٹھ گئے آپ اللہ کو ماننے کی اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ وعبدہٗ کی شہادت دینے لگے چھوٹے بڑے عورت مرد سب آنے لگے اور بیعت کرنے لگے مردوں کی بیعت سے فارغ ہو کر عورتوں کی بیعت لی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ کسی عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ نہیں چھوا بلکہ آپ ان کی بیعت صرف زبانی لیتے تھے۔

انصار کا ایک خیال اور وحی کا نزول:

مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ طواف سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا پر گئے اور اوپر جا کر اس جگہ کھڑے ہوئے جہاں سے کعبہ دکھائی دیتا تھا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ کی حمد ذکر کرنے لگے انصار نیچے تھے انہوں نے آپس میں کہا ان کو اپنے شہر کی طرف رغبت اور اپنے کی طرف میلان طبع ہو گیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا اے گروہ انصار۔ انصار نے جواب دیا لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کیا تم نے ایسی ایسی بات کہی تھی انصار نے کہا جی ہاں فرمایا حاشا کلا: میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اللہ کے واسطے وطن چھوڑ کر تمہاری طرف گیا تھا میری زندگی تمہاری زندگی اور میری موت تمہاری موت (کے ساتھ) ہے انصار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے جو کچھ کہا تھا بخدا اس لیے کہا تھا کہ ہم کو اللہ اور اللہ کے رسول سے انتہائی محبت تھی (ہم کو گوارا نہ تھا کہ اللہ کا رسول ہم کو چھوڑ کر پھر مکہ میں آ کر مقیم ہو جائے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری سچائی کی وجہ سے اللہ اور اللہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارا عذر قبول کرتا ہے۔

ضرورت مند صحابہ کا تعاون:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد قریش کے تین آدمیوں سے روپیہ قرض لیا صفوان بن امیہ سے پچاس ہزار درہم عبداللہ بن ربیعہ سے چالیس ہزار درہم اور حویطب بن عبد العزیٰ سے چالیس ہزار درہم اور یہ روپیہ کمزور صحابہ کو بانٹ دیا۔ پھر ہوازن کی فتح کے بعد یہ قرض ادا کر دیا اور فرمایا کہ قرض کا بدلہ قرض دینے والے کا شکریہ اور قرض کی ادائیگی ہے۔

فتح مکہ کے بعد مکہ پر کوئی حملہ آور اور مکہ سے کوئی ہجرت نہیں ہے

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کے بعد مکہ پر چڑھائی نہ کی جائے اور فتح مکہ کے بعد ہجرت کی ضرورت نہیں۔

شیطان کی کاروائی:

ابو یعلی اور ابو نعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ مکہ کی فتح کے بعد ابلیس آواز سے رونے لگا۔ اور اس کی ذریت اس کے پاس جمع ہو گئی۔ اور رونے کا سبب پوچھا ابلیس نے کہا کہ اب ناامید ہو جاؤ کہ امت محمد یہ شرک کی طرف لوٹ آئے گی۔ ابن ابی شیبہ نے مکحول کا قول نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے۔ تو سامنے آ کر شیطان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑے بڑے شعلے پھینکنے لگے۔ فوراً جبرئیل نے آ کر کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ کے ساتھ پناہ مانگو۔

شیطان سے پناہ کی دعاء:

أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ الَّتِيْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَلَا فَاجِرٌ مِنْ شَرِّ مَا نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا يَعْرُجُ فِيهَا وَمِنْ شَرِّ مَا بَثَّ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمِنْ شَرِّ اللَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ طَارِقٍ يَطْرُقُ الَاطَارِقٌ يَطْرُقُ بِخَيْرٍ يَا رَحْمٰنُ.

حبشی بڑھیا کی مایوسی:

بیہقی نے ابن ابی کی روایت سے لکھا ہے کہ جب مکہ کی فتح ہو گئی تو ایک حبشی بڑھیا کھچڑی بالوں والی دیکھی جو منہ کو نوچتی اور واویلا کرتی آئی عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے ایک حبشن بڑھیا کھچڑی بالوں والی دیکھی جو منہ نوچتی اور واویلا کرتی آ رہی تھی فرمایا وہ کہہ رہی تھی۔ کہ میری آس ٹوٹ گئی کہ تمہارے شہر میں اس کے بعد میری پوجا کی جائے گی۔

کعبہ کی چابی عثمان بن طلحہ کو مستقل دیدی:

فتح مکہ کے دن یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا الخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن طلحہ کو بلوا کر کعبہ کنجی ان کو عطاء فرمادی اور فرمایا کہ یہ ہمیشہ نسل در نسل کے لئے لے لو۔ اس کو سوا ظالم کے تم سے کوئی نہیں چھینے گا۔ اللہ نے تم کو اپنے گھر کا امین قرار دیا ہے پس اس گھر سے تم جو کچھ حاصل ہو اس کو جائز طریقہ سے کھاؤ۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آکر کہا کہ جب تک اس گھر کی اولیت قائم ہے کنجی اور کعبہ کی دربانی عثمان کی نسل میں رہے گی چنانچہ کنجی عثمان کے پاس رہی اور مرتے وقت انہوں نے اپنے بھائی شیبہ کو کنجی دیدی۔ اور یہ کنجی اور دربانی شیبہ کی اولاد کے پاس قیامت تک رہے گی۔

لوگوں کا گروہ در گروہ مسلمان ہونا:

فتح مکہ کے بعد عرب باہم کہنے لگے کہ اے حرم کے باشندو جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فتح یاب ہو گئے حالانکہ اصحاب فیل کے حملے سے اللہ نے تم کو محفوظ رکھا تھا (اور اصحاب فیل کو شکست دیدی تھی) تو اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے بغیر تمہارے لیے کوئی چارہ نہیں۔ یہ مشورہ طے کر کے جوق در جوق مسلمان ہونے لگے۔ اس سے پہلے ایک ایک دو دو مسلمان ہوتے تھے۔ مگر اب گروہ در گروہ مسلمان ہونے لگے۔ اس کا بیان آیت ذیل میں ہے۔ (تفسیر مظہری)

صحیح بخاری میں شریف میں بھی حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ موجود ہے کہ مکہ فتح ہوتے ہی ہر قبیلے نے اسلام کی طرف سبقت کی ان سب کو اس بات کا انتظار تھا اور کہتے تھے کہ انہیں اور ان کی قوم کو چھوڑ دو دیکھو اگر یہ نبی برحق ہیں تو اپنی قوم پر غالب آجائیں گے اور مکہ معظمہ پر ان کا جھنڈا نصب ہو جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ
اور تو دیکھے لوگوں کو داخل ہوتے دین میں
اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ
غول کے غول تو پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں ☆

بعثت کے مقصد کی تکمیل:

یعنی سمجھ لیجئے کہ مقصود بعثت کا اور دنیا میں رہنے کا (جو تکمیل دین و تمہید خلافت کبریٰ ہے) پورا ہوا اب سفر آخرت قریب ہے لہٰذا ادھر سے فارغ ہو کر ہمہ تن ادھر ہی لگ جائیے اور پہلے سے بھی زیادہ کثرت سے اللہ کی تسبیح و تحمید اور ان فتوحات اور کامیابیوں پر اس کا شکر ادا کیجئے۔ (تفسیر عثمانی)

یمن والوں کا ایمان:

یعنی تم نے دیکھ لیا کہ لوگ جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔ مقاتل اور عکرمہ نے کہا کہ اَلنَّاسَ سے مراد اہل یمن ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اہل یمن تمہارے پاس آئے ہیں یہ بہت رقیق القلب اور ایمان کے لیے بڑے نرم دل (یعنی ایمان کا بہت جلد اثر قبول کرنے والے) ہیں حکمت تو یمنی ہے فخر اور غرور تو اونٹ والوں میں ہے اور سکون و بردباری بکریوں والوں میں (یعنی اونٹوں کے چرانے والے بڑے سخت اور مغرور اور شیخی باز ہوتے ہیں اور بکریاں چرانے والے بڑے مسکین طبع اور متحمل مزاج ہوتے ہیں)۔ (متفق علیہ)

فتح کی نعمت کا شکریہ:

یعنی سبحان اللہ وبحمدہٖ پڑھو، اس نعمت پر خدا کی حمد کرو کہ کسی کے خیال میں بھی یہ بات نہیں آتی تھی کہ تم قوت کے ساتھ مکہ پر تسلط حاصل کر سکو گے مکہ کو تو اللہ نے اصحاب الفیل سے بھی محفوظ رکھا تھا اور تم کو خدا نے یہ نعمت عطا فرمادی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہو گئے تو لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی اونچی عزت کی یہ دیکھ کر عاجزی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک اونٹ کے کجاوہ کی لکڑی پر رکھ دیا۔ (رواہ الحاکم بسند جید)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ان الفاظ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر وسط کجاوہ سے چھونے لگا اور قریب ہونے لگا اس تواضع کی وجہ سے کہ خداداد فتح اور مسلمانوں کی کثرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لی۔ پھر کہا الٰہی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔ (رواہ ابویعلیٰ تفسیر مظہری)

آخری عمر کا وظیفہ:

ابن جریر میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آخری عمر میں بیٹھتے، اٹھتے، چلتے پھرتے، آتے جاتے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ پڑھا کرتے، میں نے ایک مرتبہ یہ پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ کی تلاوت کی اور فرمایا کہ مجھے حکم خدا یہی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝
اور گناہ بخشوا اس سے بے شک وہ معاف کرنے والا ہے ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار:

یعنی اپنے لیے اور امت کے لیے استغفار کیجئے (تنبیہ) نبی کریم کا اپنے لیے استغفار کرنا پہلے کئی جگہ بیان ہو چکا ہے وہیں دیکھ لیا جائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی قرآن میں ہر جگہ وعدہ ہے فیصلے کا اور کافر شتابی کرتے تھے۔ حضرت کی آخر عمر میں مکہ فتح ہو چکا قبائل عرب دل کے دل مسلمان ہونے لگے وعدہ سچا ہوا اب امت کے گناہ بخشوایا کر کہ درجہ شفاعت کا بھی ملے۔ یہ سورت اتری آخر میں حضرت نے جانا کہ میرا جو کام تھا دنیا میں کر چکا اب سفر ہے آخرت کا"۔ (تفسیر عثمانی)

موت قریب ہو تو تسبیح واستغفار کی کثرت چاہیے:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نماز پڑھتے تو یہی دعا کرتے سبحانک ربنا وبحمدک اللّھم اغفرلی۔ (رواہ البخاری)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس سورت کے نزول کے بعد اٹھتے بیٹھتے اور جاتے آتے ہر وقت میں یہ دعا پڑھتے تھے سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ اور فرماتے تھے کہ مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے اور دلیل میں اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللهِ کی تلاوت فرماتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سورت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت میں بڑا مجاہدہ فرمایا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں ورم کر گئے۔ (قرطبی، معارف مفتی اعظم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کی وجہ:

یعنی تواضع اور انکسار کے طور پر استغفار کرو اور تم نے جوامت کی رعایت سے فعل حسن (اچھا عمل) اختیار کیا اور احسن فعل (بہت ہی اچھے) کو ترک کیا (تاکہ امت پر فعل احسن فرض نہ ہو جائے) اس کے لئے اللہ سے معافی مانگو یا یہ مراد ہے کہ اپنی امت کے لئے استغفار کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں رات دن میں اللہ سے ستر بار استغفار کرتا ہوں۔ ایک روایت میں ستر بار سے زیادہ کا لفظ آیا ہے اور ایک روایت میں سو بار کا آیا ہے۔

(رواہ البخاری والنسائی وابن ماجہ والطبرانی وابو یعلیٰ من حدیث ابی ہریرہ وانس وشداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

نکتہ:

آیت میں استغفار سے پہلے حمد کو اور حمد سے پہلے استغفار کو ذکر کیا کیونکہ طریقہ نزول یہی ہونا چاہیے (اول ذات خدا کی تسبیح پھر اس سے نیچے نعمت کا شکر پھر اپنی لغزشوں کے لئے معافی کی درخواست) دعا کا یہی مسنون طریقہ ہے لیکن امت کے لئے استغفار سے پہلے درود ضروری ہے (تاکہ دعائے مغفرت قبول ہو جائے)۔

اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے:

اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ یعنی اللہ نے جب انسان کو پیدا کیا اور احکام کا مکلف بنایا اسی وقت سے وہ استغفار کرنے والوں کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات کی اطلاع دی گئی:

امام احمد رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ نازل ہوئی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے میری وفات کی اطلاع دی گئی ہے۔

ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ (ثواب میں) چوتھائی قرآن (کے برابر) ہے۔ بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع وسجود میں سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ بہت پڑھتے تھے۔ مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ زیادہ پڑھتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مجھے میرے رب نے اطلاع دی تھی کہ عنقریب تم اپنی امت کے اندر ایک نشانی دیکھو گے جب تم وہ علامت دیکھو تو سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ پڑھنا (چنانچہ) میں نے وہ نشانی دیکھ لی (وہ نشانی ہے)

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ
اللهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝

حسن بصری نے کہا اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تھی کہ تمہاری وفات قریب آ گئی ہے پس اسی بناء پر اللہ نے پاکی بیان کرنے اور توبہ کرنے کا حکم دیا تا کہ زائد اعمال صالحہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتمہ ہو۔ قتادہ اور مقاتل نے کہا کہ اس سورت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو سال تک زندہ رہے۔ (تفسیر مظہری)

سورة اللھب

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے گا وہ اپنا مقصود پالے گا اور اس کا ذکر بلند اور اس کی توحید قوی ہوگی اور اس کے عیال کم ہوں گے اور اس کی زندگی خوب گزرے گی۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسُ اٰيَاتٍ

سورۂ تبت مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی پانچ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝۱

ٹوٹ گئے ہاتھ ابی لہب کے اور ٹوٹ گیا وہ آپ ☆

ابولہب اور اس کی بیوی کی بدبختی:

"ابولہب" (جس کا نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چچا تھا لیکن اپنے کفر وشقاوت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید ترین دشمن تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مجمع میں پیغام حق سناتے یہ بد بخت پتھر پھینکتا۔ حتیٰ کہ آپ کے پائے مبارک لہولہان ہو جاتے اور زبان سے کہتا کہ لوگو اس کی بات مت سنو یہ شخص (معاذ اللہ) جھوٹا بے دین ہے۔ کبھی کہتا کہ محمد ہم سے ان چیزوں کا وعدہ کرتے ہیں جو مرنے کے بعد ملیں گی ہم کو تو وہ چیزیں ہوتی نظر نہیں آتیں پھر دونوں ہاتھوں سے خطاب کر کے کہتا "تبا لكما ماارى فيكما شيئا مما يقول محمد " صلی اللہ علیہ وسلم (تم دونوں ٹوٹ جاؤ کہ میں تمہارے اندر اس میں سے کوئی چیز نہیں دیکھتا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتا ہے) ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ "صفا" پر چڑھ کر سب کو پکارا آپ کی آواز پر تمام لوگ جمع ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت مؤثر پیرایہ میں اسلام کی دعوت دی ابولہب بھی موجود تھا (بعض روایات میں ہے کہ ہاتھ جھٹک کر) کہنے لگا "تبالك سائر اليوم الهذا جمعتنا" (یعنی تو برباد ہو جائے کیا ہم کو اسی بات کے لیے جمع کیا تھا) اور روح المعانی میں بعض سے نقل کیا ہے کہ اس نے ہاتھوں میں پتھر اٹھایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھینکے غرض اس کی شقاوت اور حق سے عداوت انتہاء کو پہنچ چکی تھی اس پر جب اللہ کے عذاب سے ڈرایا جاتا تو کہتا کہ اگر سچ مچ یہ بات ہونیوالی ہے تو میرے پاس مال و اولاد بہت ہے۔ ان سب کو فدیہ میں دیکر عذاب سے چھوٹ جاؤنگا۔ اسی کی بیوی ام جمیل کو بھی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہت ضد تھی جو دشمنی کی آگ ابولہب بھڑکاتا تھا یہ عورت گویا لکڑیاں ڈال کر اس کو اور زیادہ تیز کرتی تھی۔ سورہ ہٰذا میں دونوں کا انجام بتلا کر متنبہ کیا ہے کہ مرد ہو یا عورت اپنا ہو یا بیگانہ بڑا ہو یا چھوٹا جو حق کی عداوت پر کمر باندھیگا وہ آخر کار ذلیل اور تباہ و برباد ہو کر رہیگا پیغمبر کی قرابت قریبہ بھی اس کو تباہی سے نہ بچا سکے گی یہ ابولہب کیا ہاتھ جھٹک کر باتیں بناتا ہے اور اپنی قوت بازو پر مغرور ہو کر خدا کے مقدس معصوم رسول کی طرف دست درازی کرتا ہے سمجھ لے کہ اب اس کے ہاتھ ٹوٹ چکے اس کی سب کوششیں حق کے دبانے کی برباد ہو چکیں اس کی سرداری ہمیشہ کے لیے مٹ گئی اس کے اعمال اکارت ہوئے اس کا زور ٹوٹ گیا اور وہ خود تباہی کے گڑھے میں پہنچ چکا یہ سورت مکی ہے کہتے ہیں کہ غزوہ "بدر" سے سات روز بعد اس کو زہریلی قسم کا ایک دانہ نکلا اور مرض لگ جانے کے خوف سے سب گھر والوں نے الگ ڈال دیا وہیں مر گیا اور تین روز تک لاش یوں ہی پڑی رہی کسی نے نہ اٹھائی جب سڑنے لگی اس وقت حبشی مزدوروں سے اٹھوا کر ڈلوائی انہوں نے ایک گڑھا کھودا اس کو ایک لکڑی سے اندر ڈھکا دیا اور اوپر سے پتھر بھر دیئے یہ تو دنیا کی رسوائی اور بربادی تھی "وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ". (تفسیر عثمانی)

مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝۲

کام نہ آیا اُس کو مال اُس کا اور نہ جو اُس نے کمایا ☆

مال و اولاد ہلاکت سے نہ بچا سکے:

یعنی مال، اولاد، عزت، وجاہت کوئی چیز اس کو ہلاکت سے نہ بچا سکی۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اس کا جمع کردہ مال اس سے عذاب کو دور نہیں کرے گا یا یہ مطلب ہے کہ اس کا مال کیا اس کو عذاب سے بچالے گا ابولہب بڑا مالدار اور مویشیوں کا مالک تھا۔

وَمَا كَسَبَ اور جو کچھ اس نے حاصل کر رکھا ہے یعنی مال و اولاد۔

ابولہب کے بیٹے عتبہ کو شام کے راستہ میں شیر نے پھاڑ کھایا اور خود ابو لہب واقعہ بدر سے چند روز کے بعد چیچک سے مر گیا اور چند حبشیوں کو کرایہ پر لے کر لوگوں نے اس کو دفن کرایا۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اطيب ما اكل الرجل من كسبه وان ولده من كسبه یعنی جو کھانا آدمی کھاتا ہے اس میں سب سے زیادہ حلال طیب وہ چیز ہے جو آدمی اپنی کمائی سے حاصل کرے اور آدمی کی اولاد بھی اس کے کسب میں داخل ہے۔ یعنی اولاد کی کمائی سے کھانا بھی اپنی کمائی سے کھانا ہے۔ (قرطبی)

اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، مجاہد، عطاء، ابن سیرین وغیرہ

نے اس جگہ مَا كَسَبَ کی تفسیر اولاد سے کی ہے ابولہب کو اللہ نے مال بھی بہت زیادہ دیا تھا اور اولاد بھی، یہی دونوں چیزیں ناشکری کی وجہ سے اس کے فخر وغرور اور وبال کا سبب بنیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا تو ابو لہب نے یہ بھی کہا تھا کہ جو کچھ میرا بھتیجا کہتا ہے اگر وہ حق ہی ہوا تو میرے پاس مال واولاد بہت ہے میں اس کو دیکر اپنی جان بچالوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ یعنی جب اس کو خدا تعالیٰ کے عذاب نے پکڑا تو نہ اس کا مال کام آیا نہ اولاد، یہ تو حال اس کا دنیا میں ہوا، آگے آخرت کا ذکر ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝۳

اب پڑے گا ڈیگ مارتی آگ میں ☆

ابولہب کہنے کی وجہ:

یعنی مرنے کے بعد سخت شعلہ زن آگ میں پہنچنے والا ہے۔ شاید اسی مناسبت سے قرآن نے اس کی کنیت ''ابولہب'' قائم رکھی دنیا تو اس کو ''ابو لہب'' اس لیے کہتی تھی کہ اس کے رخسارے آگ کے شعلے کی طرح چمکتے تھے مگر قرآن نے بتادیا کہ وہ اپنے آخری انجام کے اعتبار سے بھی ''ابولہب'' کہلانے کا مستحق ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝۴

اور اُس کی جورو جو سر پر لیے پھرتی ہے ایندھن ☆

ام جمیل کا عمل اور اس کی سزا:

ابولہب کی عورت ام جمیل باوجود مالدار ہونے کے سخت بخل اور خست کی بناء پر خود جنگل سے لکڑیاں، چن کرلاتی اور کانٹے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں ڈال دیتی تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آنے جانے والوں کو تکلیف پہنچے۔ فرماتے ہیں کہ وہ جس طرح یہاں حق کی دشمنی اور پیغمبر خدا کی ایذاء رسانی میں اپنے شوہر کی مددگار ہے دوزخ میں بھی اسی ہیئت سے اس کے ہمراہ رہیگی شاید وہاں زقوم اور ضریع کی (جوجہنم کے خاردار درخت ہیں) لکڑیاں اٹھائے پھرے اور ان کے ذریعے سے اپنے شوہر پر عذاب الٰہی کی آگ کو تیز کرتی رہے۔ کما قال ابن اثیر (تنبیہ) بعض نے ''حَمَّالَةَ الْحَطَبِ'' کے معنی چغل خور کے لیے ہیں اور محاورات عرب میں یہ لفظ اس معنی میں مستعمل ہوتا ہے جیسے فارسی میں بھی ایسے شخص کو ''ہیزم کش'' کہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یہ عورت جنگل سے خاردار لکڑیاں جمع کر کے لاتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں بچھادیتی تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچے اس کی اس ذلیل وخسیس حرکت کو قرآن نے حمالة الحطب سے تعبیر فرمایا۔ (قرطبی)

چغل خوری سخت گناہ کبیرہ ہے:

حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں چغل خور داخل نہ ہوگا اور حضرت فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا کہ تین عمل ایسے ہیں جو انسان کے تمام اعمال صالح کو برباد کردیتے ہیں روزہ دار کا روزہ اور وضو والے کا وضو خراب کردیتے ہیں یعنی غیبت اور چغل خوری اور جھوٹ۔ عطاء بن سائب فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت شعبیؒ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا ذکر کیا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لایدخل الجنة سافک دم ولا مشاء بنميمة ولا تاجر يربی، یعنی تین قسم کے آدمی جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ ناحق خون بہانے والا اور چغل خوری کرنے والا، اور وہ تاجر جو سود کا کاروبار کرے۔ عطاء کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کا ذکر کے شعبیؒ سے بطور تعجب کے دریافت کیا کہ حدیث میں چغل خور کو قاتل اور سود خور کے برابر بیان فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں چغل خوری تو ایسی چیز ہے کہ اس کی وجہ سے قتل ناحق اور غصب اموال کی نوبت آجاتی ہے۔

(قرطبی، معارف مفتی اعظم)

قتادہ، مجاہد اور سعدی کے نزدیک حَمَّالَةَ الْحَطَبِ سے مراد ہے چغل خور (آگ لگا دینے والی) ام جمیل چغلیاں کھاتی پھرتی تھی ایک کی بات دوسرے سے جا لگاتی تھی اس طرح لوگوں میں عداوت پیدا کرتی تھی اور آگ بھڑکا دیتی تھی۔ جیسے لکڑیوں سے آگ بھڑکتی ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا (اَلْحَطَبُ سے مراد ہیں گناہ) حَمَّالَةَ الْحَطَب کا معنی ہے گناہ کا بار اٹھانی والی۔ (تفسیر مظہری)

سورۃ لہب کے اترنے پر ام جمیل کا رد عمل:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب یہ سورۃ اتری تو یہ بھینگی عورت ام جمیل بنت حرب اپنے ہاتھ میں نوک دار پتھر لئے ہوئے یوں کہتی ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔

مُذَمَّمًا اَبَيْنَا : وَدِيْنَهٗ قَلَيْنَا : وَاَمْرَهٗ عَصَيْنَا :

یعنی ہم مذمم کے منکر ہیں، اس کے دین کے دشمن ہیں اور اس کے نافرمان ہیں۔

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ میں بیٹھے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میرے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس حالت میں دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ آرہی ہے ایسا نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کو دیکھ لے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدیق رضی اللہ عنہ بے غم رہو یہ مجھے نہیں دیکھ سکتی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی تلاوت شروع کردی تاکہ اس سے بچ جائیں۔ خود قرآن فرماتا ہے وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا۔ یعنی جب تو قرآن پڑھتا ہے تو ہم تیرے اور ایمان لانے والوں کے درمیان پوشیدہ پردہ ڈال دیتے ہیں۔ یہ ڈائن آ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑی ہوگئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس بالکل ظاہر بیٹھے ہوئے تھے لیکن قدرتی حجابوں نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہنے لگی کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تیرے ساتھی نے میری ہجو کی ہے، یعنی شعروں میں میری مذمت کی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں نہیں رب البیت کی قسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیری کوئی ہجو نہیں کی، تو یہ کہتی ہوئی لوٹ گئی کہ قریش جانتے ہیں کہ میں ان کے سردار کی بیٹی ہوں۔ ابولہب کی بیوی ام جمیل بنت حرب بنت امیہ یعنی ابوسفیان کی بہن تھی۔ (تفسیر ابن کثیر)

فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۵ ع
اس کی گردن میں رسی ہے مونجھ کی ☆

جیسا عمل ویسی سزا:

یعنی بہت مضبوط بٹی ہوئی چھپنے والی اس سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک دوزخ کے طوق وسلاسل ہیں اور یہ تشبیہ "حَمَّالَةَ الْحَطَبِ" کی مناسبت سے دی گئی ہے کیونکہ لکڑیوں کا بوجھ اٹھانے میں رسی کی ضرورت پڑتی ہے۔ لکھتے ہیں کہ اس عورت کے گلے میں ایک ہار بہت قیمتی تھا کہا کرتی تھی کہ لات وعزیٰ کی قسم اس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت پر خرچ الوں گی: ضرور تھا کہ دوزخ میں بھی اس کی گردن ہار سے خالی نہ رہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اس بد بخت کی موت بھی اسی طرح واقع ہوئی لکڑیوں کے گٹھے کی رسی گلے میں آپڑی جس سے گلا گھٹ کر دم نکل گیا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے فرمایا کہ حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ سے مراد لوہے کے تاروں سے بنا ہوا رسہ ہے اور یہ اس کا حال جہنم میں ہوگا کہ آہنی تاروں سے مضبوط بنا ہوا طوق اس کے گلے میں ہوگا حضرت مجاہد نے بھی اس کی تفسیر میں فرمایا ہے من مسد ای من حدید۔ (مظہری، معارف مفتی اعظم)

سورۃ الاخلاص

سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعُ اٰيٰتٍ
سورۂ اخلاص مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چار آیتیں ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۱ ج
تو کہہ وہ اللہ ایک ہے ☆

اللہ تعالیٰ کا تعارف:

یعنی جو لوگ اللہ کی نسبت پوچھتے ہیں کہ وہ کیسا ہے ان سے کہہ دیجئے کہ وہ ایک ہے جس کی ذات میں کسی قسم کا تعدد وتکثر اور دوئی کی گنجائش نہیں نہ اس کا کوئی مقابل' نہ مشابہ' اس میں مجوس کے عقیدہ کا رد ہوگیا جو کہتے ہیں کہ خالق دو ہیں خیر کا خالق "یزداں" اور شر کا "اہرمن" نیز ہنود کی تردید ہوتی ہے جو تینتیس کروڑ دیوتاؤں کو خدائی میں حصہ دار ٹھہراتے ہیں۔ (تفسیر عثانی)

"یعنی نہ اس نے کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔" اور بعض علماء ومفسرین فرماتے ہیں کہ جس نے سورہ اخلاص کی خواب میں تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ اللہ کی وحدانیت کا قائل ہے اور پڑھنے والے کے لڑکے کو اس وقت تک موت نہ آئے گی جب تک وہ اپنے کل اہل خاندان کو دفن نہ کردے اور وہ اکیلا مرے گا۔ (ابن سیرین)

سورۃ اخلاص کی فضیلت:

صحیح بخاری ودیگر کتب حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جس کسی شخص نے یہ سورت پڑھی اس نے تہائی قرآن کی تلاوت کی۔

اس لئے کہ قرآن کریم از اول تا آخر جن مضامین پر مشتمل ہے وہ تین قسم کے ہیں، (۱) توحید وصفات خداوندی (۲) اعمال عبادت (۳) قیامت اور جزاء وسزا تو اس سورت میں توحید وصفات کا بیان ہے۔

سورۂ اخلاص سے محبت:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لئے ایک سریہ بھیجا تھا اور ان پر ایک شخص کو امیر بنایا تو یہ صاحب جب

بھی نماز پڑھتے ہر رکعت میں سورت کے شروع کرنے سے پہلے سورۂ اخلاص پڑھاتے تھے تو لوگوں نے واپس آ کر یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بتائی (کیونکہ یہ چیز عام دستور اور طریقہ صلوٰۃ سے مختلف تھی) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے دریافت فرمایا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سورت صفت الرحمٰن ہے اور مجھے اس سے محبت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کو بتا دو کہ اللہ بھی اس سے محبت فرماتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اس سورت کی محبت نے اس کو جنت میں داخل کر دیا۔

تہائی قرآن کا قیام:

حضرت ابوایوب انصاریؓ ایک مجلس میں تھے کہ انہوں نے حاضرین مجلس سے فرمایا کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کی طاقت نہیں رکھتا کہ ہر رات تہائی قرآن کی تلاوت کے ساتھ قیام کر لیا کرے (یعنی تہجد پڑھ لے) لوگوں نے عرض کیا کہ اے ابوایوب کیا کسی میں اس قدر طاقت ہو سکتی ہے کہ ہر رات وہ اتنی مقدار تلاوت کرے۔ آپ نے فرمایا قل ھو اللہ تعدل ثلث القرآن ہے تو اسی مجلس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور فرمایا صدق ابو ایوب۔

جنت کے محلات:

ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ختم سورۃ تک دس مرتبہ پڑھ لی۔ اس کے واسطے اللہ تعالیٰ جنت میں ایک محل بنا دے گا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ سن کر کہنے لگے پھر تو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم جنت میں بہت سے محل بنا لیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی رحمت اور اس کے انعامات اس سے بھی زیادہ وسیع تر ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

فضائل سورت:

امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے اس سورت (یعنی سورۃ اخلاص) سے بڑی نسبت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی محبت نے تمہیں جنت میں داخل کر دیا۔ (ابن کثیر)

ترمذی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ سب جمع ہو جاؤ میں تمہیں ایک تہائی قرآن سناؤں گا جو جمع ہو سکتے تھے، جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور قل ھو اللہ احد الخ کی تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ سورت ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (رواہ مسلم فی صحیحہ)

ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے ایک طویل حدیث میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص صبح و شام قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور معوذتین پڑھ لیا کرے تو یہ اس کے لئے کافی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ یہ اس کو ہر بلا سے بچانے کے لئے کافی ہے۔ (ابن کثیر)

امام احمد نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو ایسی تین سورتیں بتاتا ہوں کہ جو تورات، زبور، انجیل اور قرآن سب میں نازل ہوئیں اور فرمایا کہ رات کو اس وقت تک نہ سوؤ جب تک ان تینوں (معوذتین اور قل ھو اللہ احد) کو نہ پڑھ لو۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس وقت سے میں نے ان کو کبھی نہیں چھوڑا۔ (ابن کثیر، معارف مفتی اعظم)

شان نزول: ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں بروایت ابان حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول بیان کیا ہے کہ خیبر کے یہودیوں نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا ابوالقاسم اللہ نے ملائکہ کو نور حجاب سے پیدا کیا اور آدم علیہ السلام کو گوندھی ہوئی لیسدار کیچڑ سے اور ابلیس کو آگ کے شعلوں سے اور آسمان کو دھوئیں سے اور زمین کو پانی کی جھاگوں سے اور اب اپنے رب کے متعلق بتاؤ (کہ وہ کس چیز سے بنا ہوا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا اس پر جبرئیل یہ سورت لے کر نازل ہوئے۔

ان روایات کی بناء پر اس سورت کو مدنی کہا گیا ہے۔

بغویؒ نے ابوظبیان اور ابوصالح کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ عامر بن طفیل اور اربد بن ربیعہ خدمت گرامی میں حاضر ہوئے عامر نے عرض کیا محمد تم کس کی طرف ہم کو بلاتے ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی طرف۔ عامر نے کہا کہ اپنے رب کی حالت تو بیان کرو کیا وہ سونے کا ہے یا چاندی کا، لوہے کا ہے یا لکڑی کا۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی اربد پر بجلی گری اور اس طرح وہ مارا گیا اور عامر طاعون سے مرا۔

اللہ تعالیٰ ہر طرح کی شراکت سے پاک ہے:

یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دو کہ میرے رب کے جو اوصاف جو تم پوچھتے ہو تو وہ اللہ ایک ہے۔ نہ اپنی حقیقت میں کسی کے ساتھ شریک ہے نہ کسی وصف کمال میں کوئی چیز اس کے مشابہ ہے۔ جب ذات وصفات میں اس کی طرح کوئی نہیں تو لامحالہ نہ کوئی اس کی نظیر ہے نہ ضد نہ مثل۔ اسی لئے صوفیہ صافیا نے کہا ہے کہ اللہ کی احدیت ذات وصفات کا تقاضا ہے کہ وجود میں اس کا کوئی شریک نہ ہو وجود تمام صفات کی جڑ ہے اور حیات تمام صفت کا مبداء، علم، قدرت، ارادہ، کلام، سمع، بصر، اور تکوین حیات پر مبنی ہیں اور حیات وجود کی فرع ہے۔ (تفسیر مظہری)

مسجد قبا کے امام کا عمل:

ایک انصاریؓ مسجد قبا کے امام تھے ان کی عادت تھی کہ الحمد ختم کر کے پھر

اس سورت کو پڑھتے پھر جونسی سورت پڑھنی ہوتی یا جہاں سے چاہتے قرآن پڑھتے۔ایک دن مقتدیوں نے کہا کہ آپ اس سورۃ کو پڑھتے ہیں اور پھر دوسری سورۃ ملاتے ہیں یہ کیا؟ یا تو آپ صرف اسی کو پڑھیئے یا چھوڑ دیجئے ،دوسری سورۃ ہی پڑھا کیجئے۔انہوں نے جواب دیا کہ میں تو جس طرح کرتا ہوں کرتا رہوں گا ،تم چاہو تو مجھے امام رکھو اور کہو تو میں تمہاری امامت چھوڑ دوں۔اب انہیں یہ بات بھاری پڑی، جانتے تھے کہ ان سب میں یہ زیادہ افضل ہیں،ان کی موجودگی میں کسی دوسرے کا نماز پڑھانا بھی انہیں گوارا نہ ہو سکا۔ایک دن جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے۔تو ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام صاحب سے فرمایا کہ تم کیوں اپنے ساتھیوں کی بات نہیں مانتے اور ہر رکعت میں اس سورۃ کو کیوں پڑھتے ہو؟ وہ کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اس سورت سے بڑی محبت ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی محبت نے تجھے جنت میں پہنچا دیا۔

حضرت قتادہ کا عمل:

مسند احمد میں ہے کہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ ساری رات اسی سورت کو پڑھتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سورۃ آدھے قرآن یا تہائی قرآن کے برابر ہے۔

تہائی قرآن:

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کو اس کی طاقت ہے کہ وہ ہر رات قرآن کا تیسرا حصہ پڑھ لیا کرے۔صحابہ رضی اللہ عنہم کہنے لگے یہ کس سے ہو سکے گا؟ آپ فرمانے لگے کہ سنو قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ الخ تہائی قرآن کے برابر ہے۔اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا اور فرمایا کہ ابوایوب رضی اللہ عنہ سچ کہتے ہیں۔(مسند احمد)

ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ جمع ہو جاؤ میں تمہیں آج تہائی قرآن سناؤں گا،لوگ جمع ہو کر بیٹھ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے تشریف لائے سورۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ الخ پڑھی اور پھر گھر تشریف لے گئے۔اب صحابہ رضی اللہ عنہم میں باتیں ہونے لگیں کہ وعدہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تھا کہ تہائی قرآن سنائیں گے شاید آسمان سے کوئی وحی آ گئی ہو۔اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر تشریف لے آئے اور فرمایا میں نے تم سے تہائی قرآن سنانے کا وعدہ کیا تھا،سنو! یہ سورۃ تہائی قرآن کے برابر ہے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم اس سے عاجز ہو کہ ہر دن تہائی قرآن پڑھ لیا کرو،لوگوں نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اس سے بہت عاجز اور بہت ضعیف ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنو! اللہ تعالیٰ نے قرآن کے تین حصے کئے ہیں، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تیسرا حصہ ہے۔ (مسلم،نسائی وغیرہ)

ایسی ہی روایتیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بہت بڑی جماعت سے مروی ہیں۔

جنت واجب ہوگئی:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ کہیں سے تشریف لا رہے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اس سورۃ کی تلاوت کرتے ہوئے سن کر فرمایا کہ واجب ہوگئی۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا واجب ہوگئی؟ فرمایا جنت۔ (ترمذی ونسائی)

ابویعلیٰ کی ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ کیا تم میں کوئی اس بات کی طاقت نہیں رکھتا کہ سورۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ الخ کو رات میں تین بار پڑھ لے؟ یہ سورۃ تہائی قرآن کے برابر ہے۔

کافی ہونے والی تین سورتیں:

مسند احمد میں ہے کہ عبداللہ ابن حبیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم پیاسے تھے رات اندھیری تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار تھا۔کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے پڑھ میں چپ رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا کہ پڑھ میں نے عرض کیا کہ کیا پڑھوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر صبح شام تین تین مرتبہ سورہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ پڑھ لیا کر یہ کافی ہو جائیں گی نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ ہر چیز سے تجھے یہ کفایت کرے گی۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص اس پوری سورۃ کو دس مرتبہ پڑھ لے گا۔اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک محل تعمیر فرمائے گا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پھر تو ہم بہت سے محل بنوالیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا اس سے بھی زیادہ اور اس سے بھی اچھا دینے والا ہے۔دارمی میں ہے کہ دس مرتبہ پر ایک محل بیس پر دو تیس پر تین الخ یہ حدیث مرسل ہے۔

دو سو سال کے گناہ معاف:

بزار کی ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ جو شخص اس سورۃ کو دو سو مرتبہ پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے دو سو سال کے گناہ معاف کر دیتا ہے:

اسم اعظم کے ساتھ دعا:

نسائی شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے دعا مانگ رہا ہے اپنی دعا میں کہتا ہے کہ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنِّیْ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد و لم یکن لہ کفوا احد ۔ یعنی اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس بات کی گواہی دے کر کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو اکیلا ہے بے نیاز ہے ۔ نہ اس کے ماں باپ نہ اولاد نہ ہمسر اور ساتھی کوئی اور ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر فرمانے لگے کہ اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس نے اسم اعظم کے ساتھ دعا مانگی ہے ۔ خدا کے اس بڑے نام کے ساتھ کہ جب کبھی اس کے نام کے ساتھ سوال کیا جائے تو عطا ہو اور جب کبھی اس نام کے ساتھ دعا کی جائے تو قبول ہو۔

تین کام:

ابو یعلیٰ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تین کام ہیں جو انہیں ایمان کے ساتھ کر لے تو وہ جنت کے تمام دروازں میں سے جس میں سے چاہے چلا جائے ۔ اور جس کسی حور کے ساتھ چاہے نکاح کر دیا جائے جو اپنے قاتل کو معاف کرے اور پوشیدہ قرض ادا کر دے ۔ اور ہر فرض نماز کے بعد دس مرتبہ سورۃ قل ھو اللہ احد پڑھ لیا کرے ۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جوان تین کاموں میں سے ایک بھی کر لے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک پر بھی یہی درجہ ہے۔

تمام سورتوں سے بہترین سورۃ:

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز میری رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی ۔ میں نے جلدی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ تھام لیا ۔ اور کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مومن کی نجات کس عمل پر ہے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عقبہ زبان تھامے رکھ اپنے گھر میں بیٹھا رہا کر اور اپنی خطاؤں پر روتا رہ پھر دوبارہ جب میری حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا عقبہ کیا میں تمہیں توراۃ اور انجیل اور زبور اور قرآن میں اتری ہوئی تمام سورتوں سے بہتر تین سورتیں نہ بتاؤں؟ میں نے کہا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ارشاد فرمایئے اللہ تعالیٰ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا کرے ۔ پس آپ نے مجھے سورہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ پڑھائیں پھر فرمایا کہ دیکھو عقبہ انہیں نہ بھولنا اور ہر رات انہیں پڑھ لیا کرنا فرماتے ہیں کہ پھر میں انہیں نہ بھولا اور نہ کوئی رات انہیں پڑھے بغیر گذاری ۔ میں نے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور جلدی کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو اپنے ہاتھ میں لے کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بہترین اعمال ارشاد فرمایئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سن! جو تجھ سے توڑے تو اس سے جوڑ جو تجھے محروم رکھے تو اسے دے اور جو تجھ پر ظلم کرے تو اس سے درگذر کر اور معاف کر دے ۔ اس کا بعض حصہ امام ترمذی نے بھی زہد کے باب میں وارد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے مسند احمد میں بھی اس کی سند ہے۔

سوتے وقت کا مسنون عمل:

بخاری شریف میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت جب بستر پر تشریف لے جاتے تو ہر رات ان تینوں سورتوں کو پڑھ کر اپنی دونوں ہتھیلیاں ملا کر ان پر دم کر کے اپنے جسم مبارک پر پھیر لیا کرتے جہاں جہاں تک ہاتھ پہنچتے پہنچاتے پہلے سر پر پھر منہ پر پھر اپنے سامنے کے جسم پر تین مرتبہ اسی طرح کرتے ۔ یہ حدیث سنن میں بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَللّٰهُ الصَّمَدُ ؕ﴿۲﴾
اللہ بے نیاز ہے☆

لفظ صمد کی جامعیت:

"صَمَدٌ" کی تفسیر کئی طرح کی گئی ہے طبرانی ان سب کو نقل کر کے فرماتے ہیں "وکل ھذہ صحیحة وھی صفات ربنا عزوجل ھوالذی یصمد الیه فی الحوائج وھو الذی قد انتھی سوددہٗ وھو الصمد الذی لا جوف له ولا یاکل لا یشرب وھو الباقی بعد خلقه" (ابن کثیر)۔ (یہ سب معانی صحیح ہیں اور یہ سب ہمارے رب کی صفات ہیں وہ ہی ہے جس کی طرف تمام حاجات میں رجوع کیا جاتا ہے یعنی سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں اور وہ ہی ہے جس کی بزرگی اور فوقیت تمام کمالات اور خوبیوں میں انتہاء کو پہنچ چکی ہے اور وہ ہی ہے جو کھانے پینے کی خواہشات سے پاک ہے اور وہ ہی ہے جو خلقت کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہنے والا ہے۔

جاہلوں اور آریوں کی تردید:

اللہ تعالیٰ کی صفت صمدیت سے ان جاہلوں پر رد ہوا جو کسی غیر اللہ کو کسی درجہ میں مستقل اختیار رکھنے والا سمجھتے ہوں نیز آریوں کے عقیدہ مادہ و روح کی تردید بھی ہوئی کیونکہ ان کے اصول کے موافق اللہ تو عالم کے بنانے میں ان دونوں کا محتاج ہے اور یہ دونوں اپنے وجود میں اللہ کے محتاج نہیں (العیاذ اللہ)۔ (تفسیر عثمانی)

صمد کے معنی:

اصل معنی صمد کے یہ ہیں کہ جس کی طرف لوگ اپنی حاجات اور ضروریات میں رجوع کریں اور جو بڑائی اور سرداری میں ایسا ہو کہ اس سے بڑا کوئی نہیں خلاصہ یہ کہ سب اس کے محتاج ہوں وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔ (ابن کثیر)

اَللّٰهُ الصَّمَدُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حسن رضی اللہ عنہ بصری اور سعید

بن جبیر نے کہا کہ صمد کا معنی ہے نڈر یعنی جس کو کوئی خوف نہ ہو۔ ابن جریر رضی اللہ عنہ نے حضرت بریدہ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

ابووائل شقیق بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا صمد وہ سردار ہے جس کی سیادت چوٹی پر پہنچ گئی ہو۔ یعنی جس کی سیادت بہمہ وجوہ کامل ہو میرے نزدیک صمد کا حقیقی معنی ہے مقصود۔

مقصود مطلق وہی ہوسکتا ہے جس کے سب محتاج ہوں اور وہ کسی کا محتاج نہ ہو لامحالہ اس کے اندر تمام کمالات ہوں گے اور ہر طرح کی سیادت اس کو حاصل ہوگی اور تمام عیوب سے پاک ہوگا۔ اور ہر آفت سے منزہ ہوگا۔ کھانے پینے کا محتاج نہ ہوگا قدیم ہوگا۔ اس لیے اس کا کوئی والد نہ ہوگا اس کا کوئی ہم جنس نہ ہوگا۔ اس لیے اس کی کوئی اولاد نہ ہوگی اس سے کوئی بالا نہ ہوگا۔ بلکہ اس کی مثل بھی کوئی نہ ہوگا۔ غرض اس کے مرتبہ تک فہم وعقل کی رسائی نہ ہوگی وہ سب سے اونچا ہوگا۔

صرف رتبہ ہی مقصود ہے:

جو صمدیت سے متصف نہ ہو وہ معبودیت کا مستحق نہیں انسان کا مقصود صرف باری ہونا چاہیے اللہ کے علاوہ کوئی چیز مقصود نہیں ہونا چاہیے اسی لیے صوفیہ کرام نے لا الہ الا اللہ کا معنی لامقصود الا اللہ کہا ہے اور صراحت کی ہے کہ انسان کا جو اصلی مقصود ہے وہی اس کا معبود ہے کیونکہ عبادت کا معنی ہے معبود کے سامنے انتہائی عاجزی اور فروتنی ظاہر کرنا اور انسان اپنے مقصود کے لیے انتہائی فروتنی اور انکساری کرتا ہے پس جس کے لیے انتہائی فروتنی کی جائے یعنی جو مقصود ہو وہی معبود ہوگا۔

صوفیہ لا الہ الا اللہ کاذکر کرتے وقت غیر اللہ کی مقصودیت کی نفی کرتے ہیں اور ہر طرح کوشش کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کے مقصود ہونے کا خیال بھی ان کے دلوں سے دور ہو جائے اللہ ہر مشکل آسان کرنے والا ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صمد وہ ہے جو اپنی سرداری میں اپنی شرافت میں اپنی بزرگی میں اور اپنی عظمت میں اپنے حلم وعلم میں اپنے حکمت وتدبر میں سب سے بڑھا ہوا ہو یہ صفتیں صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ میں ہی پائی جاتی ہیں اس کا ہمسر اور اس جیسا کوئی اور نہیں۔ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سب پر غالب اور اپنی ذات میں یکتا اور بے نظیر ہے صمد کے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ جو تمام مخلوق کے فنا ہو جانے کے بعد بھی باقی رہے گا۔ جو ہمیشہ بقا والا سب کی حفاظت کرنے والا ہو جس کی ذات لازوال اور غیر فانی ہو۔

اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ سے مروی ہے کہ صمد کہتے ہیں کہ ٹھوس چیز کو جو کھوکھلی نہ ہو جس کا پیٹ نہ ہو شعبیؒ کہتے ہیں جو نہ کھاتا ہو نہ پیتا ہو۔ عبداللہ بن بریدؒ فرماتے ہیں کہ صمد وہ نور ہے جو روشن ہو۔ اور چمک دمک والا ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ ﴿۳﴾

نہ کسی کو جنا نہ کسی سے جنا ☆

یہودیوں عیسائیوں اور مشرکوں کی تردید:

یعنی نہ کوئی اس کی اولاد نہ وہ کسی کی اولاد اس میں ان لوگوں کا رد ہوا جو حضرت مسیح کو یا حضرت عزیز کو خدا کا بیٹا اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ نیز جو لوگ مسیح کو یا کسی بشر کو خدا مانتے ہیں ان کی تردید "لَمْ يُوْلَدْ" میں کر دی گئی ہے یعنی خدا کی شان یہ ہے کہ اس کو کسی نے جنا نہ ہو۔ اور ظاہر ہے حضرت مسیح ایک پاکباز عورت کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ پھر وہ خدا کس طرح ہو سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ والد نہیں ہے:

لَمْ يَلِدْ مشرکوں نے کہا تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں یہودی قائل تھے کہ عزیر کا باپ خدا ہے عیسائی کہتے تھے کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے اللہ نے فرمایا کہ اللہ کسی کا والد نہیں کیونکہ اس کا کوئی ہم جنس نہیں نہ اس کو کسی مددگار کی ضرورت ہے نہ کوئی اس کا قائم مقام ہے۔ اس کو کسی کی حاجت نہیں نہ اس پر فنا آسکتی ہے۔ اللہ کا والد نہ ہونا اگرچہ دوامی ہے اور ہر زمانہ میں والدیت سے پاک تھا اور ہے اور رہے گا۔

اللہ مولود نہیں ہے:

وَلَمْ يُوْلَدْ اور وہ نہ کسی کا جنا ہوا ہے کیونکہ ہر مولود حادث ہوتا ہے اور اللہ حدوث سے پاک ہے حدوث الوہیت کے منافی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾

اور نہیں اس کے جوڑ کا کوئی ☆

اللہ کے برابر کا کوئی نہیں:

جب اس کے جوڑ کا کوئی نہیں تو جورو یا بیٹا کہاں سے ہو۔ اس جملہ میں ان اقوام کا رد ہو گیا جو اللہ کی کسی صفت میں کسی مخلوق کو اس کا ہمسر ٹھہراتے ہیں حتیٰ کہ بعض گستاخ تو اس سے بڑھ کر صفات دوسروں میں ثابت کر دیتے ہیں یہودی کی کتابیں اٹھا کر دیکھو ایک دنگل میں خدا کی کشتی یعقوب علیہ السلام سے ہو رہی ہے اور یعقوبؑ خدا کو پچھاڑ دیتے ہیں (العیاذ باللہ) "كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا" **انی اسالک یا اللہ الواحد الصمد الذی** لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ **ان تغفرلی ذنوبی**

انک انت الغفور الرحیم۔ (تفسیر عثمانی)

حدیث قدسی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ آدم کا بیٹا مجھے جھوٹا قرار دیتا ہے حالانکہ اس کے لیے یہ جائز نہیں اور مجھے گالی دیتا ہے حالانکہ اس کے لیے یہ درست نہیں میری تکذیب تو یہ ہے کہ وہ کہتا کہ خدا نے مجھے جیسا پہلے پیدا کردیا تھا وہ ایسا دوبارہ پیدا نہیں کرے گا۔ حالانکہ پہلے مرتبہ پیدا کرنا دوبارہ پیدا کرنے سے میرے لیے سہل نہ تھا۔ اور گالی یہ دیتا ہے کہ وہ کہتا کہ خدا نے اپنے لیے اولاد اختیار کی ہے حالانکہ میں واحد ہوں اور محتاج نہیں ہوں نہ والد ہوں نہ مولود اور نہ کوئی میری مثل ہے۔

سوتے وقت سومرتبہ اخلاص پڑھنا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سوتے وقت دائیں کروٹ سے لیٹ کر سو بار قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتا ہے قیامت کا دن ہوگا تو پروردگار اس سے فرمائے گا میرے بندے اپنے دائیں رُخ سے جنت میں داخل ہوجا۔ (رواہ الترمذی وقال حسن غریب)

پچاس سال کے گناہ معاف:

روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص روز سو بار قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتا ہے اس کے گناہ پچاس سال کے مٹا دیئے جاتے ہیں۔ ہاں اگر اس پر کسی کا قرض ہو (تو وہ معاف نہیں ہوتا)۔ (رواہ الترمذی والدارمی) ایک روایت میں پچاس بار کا لفظ آیا اور قرض کے استثناء الفاظ نہیں آئے۔ (تفسیر مظہری)

سورة الفلق

جس نے اس سورہ کو خواب میں پڑھا وہ برائیوں سے محفوظ رہے گا۔ (ابن سیرین)

سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسُ اٰيٰتٍ

سورۂ فلق مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی پانچ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝۱

تو کہہ میں پناہ میں آیا صبح کے رب کی ☆

یعنی جو رات کی ظلمت پھاڑ کر صبح کی روشنی نمودار کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری، تشخیص اور علاج:

کلبی نے بروایت ابوصالح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت بیمار ہوگئے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو فرشتے آئے ایک سرہانے کھڑا ہوا اور دوسرا پائیں۔ پائینتی والے نے سرہانے والے سے کہا کہ اس شخص کو کیا ہوگیا ہے؟ سرہانے والے نے کہا کہ بیمار ہے پائینتی والے نے کہا کہ کیا روگ ہے؟ سرہانے والے نے کہا، جادو ہے۔ پائینتی والے نے کہا کس نے کیا؟ سرہانے والے نے کہا، لبید بن اعصم یہودی نے۔ پائینتی والے نے کہا، وہ کیا ہوا جادو کہاں ہے؟ سرہانے والے نے کہا کہ وہ اک تسمہ میں کیا گیا ہے جو ایک کنوئیں کے اندر پتھر کے نیچے رکھا گیا ہے۔ تم کنوئیں پر جاؤ سب پانی کھینچ لو پتھر اٹھاؤ اور کھجور کے گابھ کو لے کر جلا ڈالو۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو چند لوگوں کے ساتھ بھیجا لوگ کنوئیں پر گئے تو دیکھا کہ کنوئیں کا پانی مہندی کے پانی کی طرح سرخ ہے ان لوگوں نے پتھر اٹھا کر گابھ کو نکال کر جلایا تو اس کے اندر سے ایک تانت نکلی جس میں گیارہ گرہیں لگیں ہوئی تھیں اس پر یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جونہی ایک آیت پڑھتے ایک گرہ کھل جاتی۔ (بیہقی فی دلائل النبوۃ)

یہودیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کردیا:

ابونعیم نے دلائل میں ابوجعفری رازی کی روایت سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ کر دیا تھا۔ جس

سے آپ کو سخت دکھ ہو گیا تھا صحابہ دیکھنے حاضر ہوئے تو انہوں نے خیال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ بیماری ہے جبرئیل علیہ السلام معوذتین لے کر نازل ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سورتوں سے تعوذ کیا اور تندرست ہو کر باہر صحابہ کے پاس تشریف لے آئے صحیحین میں اس کی تائید شہادت اور نزول سورت کے علاوہ بھی موجود ہے۔ (یعنی دعا سے تعوذ جائز ہے)

بغویؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ ایک یہودی لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا یہودیوں نے خفیہ سازش کی اور اس کو اپنے ساتھ ملا لیا اور اس کے ذریعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنگھی کے بال اور کنگھی کے چند دندانے حاصل کر لیے اور پھر ان پر جادو کیا اس کام کا ذمہ دار لبید بن عاصم یہودی تھا۔ اس پر یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں۔

بغویؒ نے اپنی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے (کچھ توہم سا ہو گیا) ان کیے کام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیال کرتے تھے کہ میں کر چکا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پروردگار سے دعا کی پھر فرمانے لگے کہ اللہ سے جو کچھ میں نے دریافت کیا تھا۔ اللہ نے بتا دیا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا بات ہے۔ فرمایا کہ (خواب میں) دو آدمی آئے ایک میرے سرہانے کھڑا ہو گیا اور دوسرا پائیں ایک نے دوسرے سے کہا کہ اس شخص کا کیا دکھ ہے دوسرے نے کہا کہ یہ سحر زدہ ہے اول نے پوچھا کہ کس نے سحر کیا ہے دوسرے نے کہا کہ لبید بن اعصم نے اول نے کہا کہ کس چیز پر کیا ہے دوسرے نے کہا کنگھی پر کنگھی کے بالوں پر اور نر کھجور کے گابھن پر۔ اول نے کہا یہ چیزیں کہاں ہیں دوسرے نے کہا بنی زریق کے چاہ ذروان میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ اس خواب کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنوئیں پر تشریف لے گئے اور واپس آ کر فرمایا۔ واللہ اس کا پانی تو مہندی کی طرح پانی تھا اور وہاں کھجور کے درخت ایسے تھے جیسے بھوتوں کے سر۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر آپ نے اس کو نکال کیوں نہ لیا فرمایا مجھے تو اللہ نے شفا دی میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ لوگوں میں فتنہ اٹھاؤں۔

جادو کی برآمدگی:

بغویؒ کا بیان ہے کہ روایت میں آیا ہے کہ وہ کنوئیں کے اندر ایک پتھر کی نیچے تھا۔ لوگوں نے پتھر اٹھا کر اس کے نیچے سے کھجور کا کھوکھلا گابھ برآمد کر لیا اسمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے کچھ بال اور کنگھی کے دندانے موجود تھے۔

بغویؒ نے اپنی سند سے حضرت یزید بن ارقم کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک یہودی نے جادو کر دیا تھا جس سے آپ دکھی ہو گئے تھے جبرئیل نے آ کر بتایا کہ ایک یہودی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا ہے اور جادو کی کچھ گرہیں لگائی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیج کر اس کو برآمد کرا لیا اور جونہی ایک گرہ کھولتے مرض میں خفت محسوس ہوتی تھی آخر آپ بالکل تندرست ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے گویا زانو بند کھل گیا لیکن اس کا تذکرہ اس کے منہ پر نہیں کیا نہ اس سے کچھ فرمایا۔

بیہقی نے دلائل میں اور ابن مردویہ نے اس روایت کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف نسبت کی ہے کہ ایک یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کر دیا ایک تانت میں گیارہ گرہیں لگا کر تانت کو کنوئیں کے اندر پتھر کے نیچے چھپا دیا آپ بیمار ہو گئے اور معوذتین کا نزول ہوا اور جبرئیل نے سحر کی جگہ بتا دی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس تانت کو لے آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سورتیں اس پر پڑھیں جونہی ایک آیت پڑھتے تھے ایک گرہ کھل جاتی تھی اور آپ کو مرض میں کچھ خفت محسوس ہوتی تھی۔

تکلیف کی مدت:

روایت میں آیا ہے کہ آپ اس دکھ میں چھ ماہ مبتلا رہے اور تین راتیں تو بہت شدت رہی آخر معوذتین نازل ہوئیں۔

حضرت جبرئیل کا دم:

مسلم نے ابوسعید کی روایت لکھی ہے کہ حضرت جبرائیل نے آ کر کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا تم کو دکھ ہے فرمایا ہاں حضرت جبرئیل نے کہا بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْئٍ يُؤْذِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَيْنِ حَاسِدٍ اللّٰهُ يَشْفِيْكَ بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ ۔

فلق کا معنی:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ الفلق تاریکی پھٹ کر صبح نکل آنا۔

جابر بن الحسن سعید بن جبیر مجاہد قتادہ کے نزدیک یہی معنی مراد ہے جو معنی آیت فَالِقُ الْاِصْبَاحِ میں مراد ہیں وہی اس جگہ مراد ہیں

ابن جریر نے حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ الفلق جہنم کے اندر سر پوش کنواں ہے ابن جریر اور بیہقی نے لکھا ہے کہ عبدالجبار خولانی نے بیان کیا کہ دمشق میں ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی تشریف لائے اور دنیا میں لوگوں کو مشغول دیکھ کر فرمایا انکو اس سے کچھ فائدہ نہ ہو گا ان سے آگے فلق نہیں ہے لوگوں نے پوچھا کہ فلق کیا ہے فرمایا دوزخ میں ایک کنواں ہے جب اس کو کھولا جائے گا تو دوزخی بھی اس سے بھاگیں گے ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا نے عمرو بن عتبہ کی طرف سے اس قول کی نسبت کی ہے کہ الفلق

جہنم کے اندر ایک کنواں ہے جب اس کو کھولا جائیگا اور اسکے اندر سے آگ برآمد ہوگی تو اس کی تیزی سے جہنم بھی چیخے گی۔

ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے حضرت کعب کا قول نقل کیا ہے کہ الفلق جہنم کے اندر ایک گھر ہے جب اس کو کھولا جائے گا تو جہنم والے بھی اس کی گرمی کی شدت سے چیخیں گے ابن ابی حاتم ناقل ہیں کہ حضرت زید بن علی نے اپنے آباؤ اکرام (حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت علی رضی وغیرہم) کے حوالہ سے بیان کیا کہ الفلق جہنم کی تہہ میں ایک کنواں ہے۔

اللہ نے پناہ مانگنے کے حکم میں اس جگہ رب الفلق کا خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر کیا ہے کہ جہنم اور فلق سب سے بڑی تکلیف دہ مصیبت اور عظیم الشان شر ہے پس اس کا خالق اور مالک یقیناً ہر شر کو رفع کرنے پر قادر ہے لہٰذا اس وصف کے ساتھ اس کا تذکرہ کرنا تمام برائیوں کے دفعیہ کا سبب ہے۔ (تفسیر مظہری)

تھوڑی دیر کے بعد میں اتر گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقبہ! میں تجھے دو بہترین سورتیں کیا نہ سکھاؤں؟ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور سکھایئے پس آپ نے مجھے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ سنائیں پھر نماز کھڑی ہوئی تو آپ نے نماز پڑھائی تو ان ہی دو سورتوں کی تلاوت کی۔ پھر مجھ سے فرمایا تو نے دیکھ لیا۔ سن جب تو سوئے اور جب کھڑا ہو انہیں پڑھ لیا کر۔ ترمذی ابوداؤد اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے۔

بے مثال آیات:

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو نے نہیں دیکھا کہ چند آیتیں مجھ پر اس رات ایسی نازل ہوئی ہیں جن جیسی کبھی نہیں دیکھی گئیں۔ پھر آپ نے ان دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائی یہ حدیث مسند احمد میں ترمذی میں اور نسائی میں بھی ہے امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔

دو بہترین سورتیں:

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عقبہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کی گلیوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی نکیل تھامے چلا جا رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا آؤ اب تم سوار ہو جاؤ میں نے اس خیال سے کہ اگر آپ کی بات نہ مانوں گا تو نافرمانی ہوگی سوار ہونا منظور کر لیا۔

سب سے زیادہ نفع والی سورتیں:

اور حدیث میں ہے کہ حضرت عقبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے پیچھے جاتے ہیں اور آپ کے قدم پر ہاتھ رکھ کر عرض کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے سورۃ ہود یا سورۃ یوسف پڑھایئے آپ نے فرمایا خدا کے پاس نفع دینے والی کوئی سورت قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ سے زیادہ نہیں ہے۔

پناہ کی سورتیں:

حضرت عبداللہ بن اسلم کے سینے پر ہاتھ رکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہہ! وہ نہ سمجھے کہ کیا کہیں پھر فرمایا کہہ تو انہوں نے سورۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ الخ پڑھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہہ پھر سورہ فلق پڑھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی یہی فرمایا تو سورہ ناس پڑھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی طرح پناہ مانگا کر اس جیسی پناہ مانگنے کی اور سورتیں نہیں۔ (نسائی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنات کی اور انسانوں کی آنکھوں سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ جب یہ دونوں سورتیں اتریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لے لیا اور باقی سب چھوڑ دیں۔ امام ترمذی اسے حسن صحیح فرماتے ہیں۔

وسوسہ شیطان کا فریب

مسند احمد کی ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے دل میں تو ایسے ایسے خیالات آتے ہیں کہ ان کا زبان سے نکالنا مجھ پر آسمان پر سے گر پڑنے سے بھی زیادہ برا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے حمد وثناء ہے جس نے شیطان کے مکر وفریب کو وسوسے میں ہی لوٹا دیا یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی میں بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

نکتہ: بیضاوی نے لکھا ہے کہ آیت میں صرف عالم خلق کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ عالم امر سراسر خیر ہے اس میں کوئی شر ہے ہی نہیں۔

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾

ہر چیز کی بدی سے جو اس نے بنائی ☆

یعنی ہر ایسی مخلوق جس میں کوئی بدی ہو اس کی بدی سے پناہ مانگتا ہوں آگے بمناسب مقام چند مخصوص چیزوں کا نام لیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عالم خلق کا شر:

عالم خلق کا شر یا اختیاری اور خود آور ہے۔ یا طبعی اور نیچرل، اختیاری شر (کا نقصان) یا صرف اپنی ذات تک محدود رہتا ہے جیسے کفر یا دوسروں تک پہنچتا ہے جیسے ظلم طبعی شر (جس میں انسانی اختیار کو دخل نہیں اشیاء کے طبعی خواص ولوازم ہیں) جیسے آگ جلاتی ہے۔ اور زہر ہلاک کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿۳﴾

اور بدی سے اندھیرے کی جب سمٹ آئے ☆

غاسق کا شر:

یعنی رات کا اندھیرا کہ اس میں اکثر شرور خصوصاً سحر وغیرہ بکثرت واقع ہوتے ہیں یا چاند کا گہن یا آفتاب کا غروب مراد ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اس میں سب تاریکیاں آ گئیں ظاہر اور باطن کی۔ اور تنگدستی اور پریشانی اور گمراہی"۔ (تفسیر عثمانی)

اس جگہ غاسق سے چاند مراد ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور چاند کی طرف دیکھ کر فرمایا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ اللہ کی پناہ مانگ (اس) غاسق کی شر سے جب یہ ڈوبنے لگے۔ (رواہ البغوی بسندہ)

اس صورت میں اِذَا وَقَبَ کا معنی ہوگا جب وہ بے نور ہونے لگے اور غائب ہونے لگے۔ کیونکہ چاند کے نور میں کمی پورا چاند ہونے اور بھرپور نور ہو جانے کے بعد ہی (شروع) ہو جاتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حسن بصریؒ اور مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے مراد رات ہے جب وہ آ رہی ہو۔ اور اس کی تاریکی دن کی روشنی میں گھسنے لگی ہو۔ ابن زید نے کہا اس سے مراد ہے نیچے کو گرتا ہوا ثریا ستارہ کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ ثریا کے غروب ہونے پر بیماریاں اور بلائیں زیادہ ہوتی ہیں اور ثریا کے طلوع پر جاتی رہتی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ﴿۴﴾
اور بدی سے عورتوں کی جو گرہوں میں پھونک ماریں ☆

جادوگر عورتیں:

نَفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ سے وہ عورتیں یا وہ جماعتیں یا وہ نفوس مراد ہیں جو ساحرانہ عمل کرنے کے وقت کسی تانت یا رسی یا بال وغیرہ میں کچھ پڑھ کر اور پھونک مار کر گرہ لگایا کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سحر لبید بن اعصم نے کیا تھا لکھا ہے کہ بعض لڑکیاں بھی اسی میں شریک تھیں واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

سحر کی حقیقت:

سحر بالکسر لغت میں ہر ایسے اثر کو کہتے ہیں جس کا سبب ظاہر نہ ہو (قاموس) خواہ وہ سبب معنوی ہو جیسے خاص خاص کلمات کا اثر، یا غیر محسوس چیزوں کا ہو، جیسے جنات مقناطیس کی کشش لوہے کے لیے جبکہ مقناطیسی نظروں سے پوشیدہ ہو، یا دواؤں کا اثر جبکہ وہ دوائیں مخفی ہوں، یا نجوم سیارات کا اثر۔

اس لیے جادو کی اقسام بہت ہیں مگر عرف عام میں عموماً جادو ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جن میں جنات و شیاطین کے عمل کا دخل ہو۔ یا قوت خیالیہ مسمریزم کا، یا کچھ الفاظ و کلمات کا، کیونکہ یہ بات عقلاً بھی ثابت ہے اور تجربہ ومشاہدہ سے بھی، اور قدیم و جدید فلاسفہ بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ حروف کلمات میں بھی بالخاصہ کچھ تاثیرات ہوتی ہیں کسی خاص حرف یا کلمہ کو کسی خاص تعداد سے پڑھنے یا لکھنے وغیرہ سے خاص خاص تاثرات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ یا ایسی تاثیرات جو کسی انسانی بالوں یا ناخنوں وغیرہ کے اعضاء یا اس کے استعمالی کپڑوں کے ساتھ کچھ دوسری چیزیں شامل کر کے پیدا کی جاتی ہیں جن کو حرف عام میں ٹونہ ٹونکا کہا جاتا ہے۔ اور جادو میں شامل سمجھا جاتا ہے۔

اور اصطلاح قرآن و سنت میں سحر ہر ایسے امر عجیب کو کہا جاتا ہے جس میں شیاطین کو خوش کر کے ان کی مدد حاصل کی گئی ہو۔ پھر شیاطین کو راضی کرنے کی مختلف صورتیں ہیں کبھی ایسے منتر اختیار کیے جاتے ہیں جن میں کفر و شرک کے کلمات ہوں اور شیاطین کی مدح کی گئی ہو یا کواکب و نجوم کی عبادت اختیار کی گئی ہو۔ جس سے شیطان خوش ہوتا ہے۔

کبھی ایسے اعمال اختیار کیے جاتے ہیں جو شیطان کو پسند ہوں مثلاً کسی کو ناحق خون کر کے اس کا خون استعمال کرنا یا جنابت و نجاست کی حالت میں رہنا طہارت سے اجتناب کرنا وغیرہ۔

جس طرح اللہ تعالیٰ کے پاس فرشتوں کی مدد، ان اقوال و افعال سے حاصل کی جاتی ہے جن کو فرشتے پسند کرتے ہیں مثلاً تقویٰ، طہارت، اور پاکیزگی، بدبو اور نجاست سے اجتناب، ذکر اللہ اور اعمال خیر۔

اسی طرح شیاطین کی امداد ایسے اقوال و افعال سے حاصل ہوتی ہے جو شیطان کو پسند ہیں اسی لیے سحر صرف ایسے ہی لوگوں کا کامیاب ہوتا ہے جو گندے اور نجس رہیں پاکی اور اللہ کے نام سے دور رہیں خبیث کاموں کے عادی ہوں۔ عورتیں بھی ایام حیض میں یہ کام کرتی ہیں تو مؤثر ہوتا ہے۔

مثال اس طرح تو ہو سکتی ہے کہ کوئی شخص کسی جامع معقول منقول عالم با عمل کے پاس جائے کہ مجھ کو قدیم یا جدید فلسفہ پڑھا دیجئے تاکہ خود بھی ان شبہات سے محفوظ رہوں جو فلسفہ میں اسلام کے خلاف بیان کئے جاتے ہیں۔ اور مخالفین کو بھی جواب دے سکوں۔ اور اس عالم کو یہ احتمال ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ کو دھوکہ دے کر پڑھ لے اور پھر خود ہی خلاف شرع عقائد باطلہ کو تقویت دینے میں اس کو استعمال کرنے لگے اس احتمال کی وجہ سے اس کو نصیحت کرے کہ ایسا مت کرنا اور وعدہ کر لے اور اس لئے اس کو پڑھا دیا جاوے۔

شعبے اور ٹوٹکے یا ہاتھ چالاکی کے کام یا مسمریزم وغیرہ ان کو مجازاً سحر کہہ دیا جاتا ہے۔ (روح المعانی)

سحر کی اقسام:

امام راغبؒ اصفہانی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں کہ سحر کی مختلف قسمیں ہیں ایک قسم تو محض نظر بندی اور تخیل ہوتی ہے جس کی کوئی حقیقت واقعیہ نہیں

جیسے بعض شعبدہ باز اپنی ہاتھ چالاکی سے ایسے کام کر لیتے ہیں کہ عام لوگوں کی نظریں اس کو دیکھنے سے قاصر رہتی ہیں۔ یا قوت خیالیہ مسمریزم وغیرہ کے ذریعہ کسی کے دماغ پر ایسا اثر ڈالا جائے کہ وہ ایک چیز کو آنکھوں سے دیکھتا اور محسوس کرتا ہے، مگر اس کی کوئی حقیقت واقعیہ نہیں ہوتی، کبھی یہ کام شیاطین کے اثر سے بھی ہو سکتا ہے، کہ مسحور کی آنکھوں اور دماغ پر ایسا اثر ڈالا جائے جس سے وہ ایک غیر واقعی چیز کو حقیقت سمجھنے لگے قرآن مجید میں فرعونی ساحروں کے جس سحر کا ذکر ہے وہ پہلی قسم کا سحر تھا۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

ترجمہ: انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا۔

تیسری قسم یہ ہے کہ سحر کے ذریعہ سے ایک شے کی حقیقت ہی بدل جائے جیسے کسی انسان یا جاندار کو پتھر یا کوئی جانور بنا دیں۔

اور قرآن عزیز میں فرعونی ساحروں کے سحر کو جو تخییل قرار دیا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر سحر تخییل ہی ہو اس سے زائد اور کچھ نہ ہو۔ اور بعض حضرات نے سحر کے ذریعہ انقلاب حقیقت کے جواز پر حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ جو موطا امام مالکؒ میں بروایت قعقاع بن حکیم منقول ہے۔

لولا كلمات اقولهن لجعلتني اليهود حمارا

اگر یہ چند کلمات نہ ہوتے جن کو میں پڑھتا ہوں تو یہودی مجھے گدھا بنا دیتے۔

گدھا بنا دینے کا لفظ مجازی طور ر بے وقوف بنانے کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے مگر بلا ضرورت حقیقت چھوڑ کر مجاز مراد لینا صحیح نہیں اس لیے حقیقی اور ظاہری مفہوم اس کا یہی ہے کہ اگر میں یہ کلمات روزانہ پابندی سے نہ پڑھتا تو یہودی جادوگر مجھے گدھا بنا دیتے۔

حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ سے جب لوگوں نے پوچھا کہ وہ کلمات کیا تھے تو آپ نے یہ کلمات بتلائے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ الَّذِىْ شَيْئٌ اَعْظَمُ مِنْهُ وَ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِىْ لَا يَجَاوِزُهُنَّ بِرٌّ وَّ لَا فَاجِرٌ بِاَسْمَاءِ اللّٰهِ الْحُسْنٰى كُلِّهَا مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَالَمْ اَعْلَمْ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَبَرَءَ وَذَرَاَ اَخْرَجَهٗ فِى الْمُوْطَاءِ بَابِ التَّعَوُّذُ عِنْدَ النَّوْمِ.

’’میں اللہ عظیم کی پناہ پکڑتا ہوں جس سے بڑا کوئی نہیں اور پناہ پکڑتا ہوں اللہ کے کلمات تامات کی جس سے کوئی نیک و بد انسان آگے نہیں نکل سکتا اور پناہ پکڑتا ہوں اللہ کے تمام اسماء الحسنیٰ کی جن کو میں جانتا ہوں اور جس کو میں نہیں جانتا ہر اس چیز کے شر سے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور وجود دیا اور پھیلایا ہے‘‘

سحر اور معجزے میں فرق:

جس طرح انبیاء علیہم السلام کے معجزات یا اولیاء کی کرامات سے ایسے واقعات مشاہدے میں آتے ہیں جو عادۃً نہیں ہو سکتے اسی لیے ان کو خرق عادت کہا جاتا ہے بظاہر سحر اور جادو سے بھی ایسے ہی آثار مشاہدے میں آتے ہیں اس لیے بعض جاہلوں کو ان دونوں میں التباس بھی ہو جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے وہ جادوگروں کی تعظیم و تکریم بھی کرنے لگتے ہیں۔

ایک خط مشرق بعید سے آج کا لکھا ہوا اچانک سامنے آ کر گر گیا تو دیکھنے والے اس کو خرق عادت کہیں گے۔ حالانکہ جنات و شیاطین کو ایسے اعمال و افعال کی قوت دی گئی ہے ان کا ذریعہ معلوم ہو تو پھر کوئی خرق عادت نہیں رہتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ سحر سے ظاہر ہونے والے تمام آثار اسباب طبعیہ کے ماتحت ہوتے ہیں مگر اسباب کے مخفی ہونے کے سبب لوگوں کو مغالطہ خرق عادت کا ہو جاتا ہے۔

بخلاف معجزہ کے کہ وہ بلا واسطہ فعل حق تعالیٰ کا ہوتا ہے اس میں اسباب طبعیہ کا کوئی داخل نہیں ہوتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے نمرود کی آگ کو اللہ نے فرمادیا کہ ابراہیم کے لیے ٹھنڈی ہو جائے مگر ٹھنڈی بھی اتنی نہ ہو کہ جس سے تکلیف پہنچے بلکہ جس سے سلامتی حاصل ہو۔ اس حکم الٰہی سے آگ ٹھنڈی ہو گئی۔

آج بھی بعض لوگ بدن پر کچھ دوائیں استعمال کر کے آگ کے اندر چلے جاتے ہیں دوائیں مخفی ہونے کی وجہ سے لوگوں کو دھوکا خرق عادت کا ہو جاتا ہے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

’’کنکریوں کی مٹھی جو آپ نے پھینکی در حقیقت آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی ہیں‘‘

یہ معجزہ غزوہ بدر میں پیش آیا تھا۔

اول یہ کہ معجزہ یا کرامت ایسے حضرات سے ظاہر ہوتی ہے جن کا تقوی طہارت و پاکیزگی اخلاق و اعمال کا سب مشاہدہ کرتے ہیں اس کے برعکس جادو کا اثر صرف ایسے لوگوں سے ظہور پذیر ہوتا ہے جو گندے ناپاک ہیں اور اللہ کے نام سے اور اس کی عبادت سے دور رہتے ہیں یہ چیز ہر انسان آنکھوں سے دیکھ کر سحر اور معجزہ میں فرق پہچان سکتا ہے۔

جادو کے باطنی اسباب سے انبیاء علیہ السلام متاثر ہو سکتے ہیں اور یہ تاثر شان نبوت کے منافی نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہودیوں کا سحر کرنا اور اس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض آثار کا ظاہر ہونا اور بذریعہ وحی اس جادو کا پتہ لگنا اور اس کا ازالہ کرنا احادیث صحیحہ میں ثابت ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سحر سے متاثر ہونا خود قرآن میں مذکور ہے آیات۔

يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى اور فَاَوْجَسَ فِىْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى

موسیٰ علیہ السلام پر خوف طاری ہونا اسی جادو کا ہی تو اثر تھا۔

سحر کے احکام شرعیہ:

قرآن وحدیث کی اصطلاح میں سحر صرف ایسے عمل کو کہا گیا ہے جس میں کفر وشرک اور فسق وفجور اختیار کر کے جنات وشیاطین کو راضی کیا گیا ہو اور ان سے مدد لی گئی ہو ان کی امداد سے کچھ عجیب واقعات ظاہر ہو گئے ہوں سحر بابل جس کا قرآن میں ذکر ہے وہ یہی تھا (حصاص) اور اسی سحر کو قرآن میں کفر قرار دیا ہے ابو منصور نے فرمایا کہ صحیح یہی ہے کہ مطلقاً سحر کی سب اقسام کفر نہیں بلکہ صرف وہ سحر کفر ہے جس میں ایمان کے خلاف اقوال واعمال اختیار کئے گئے ہوں۔ (روح المعانی)

اور یہ ظاہر ہے شیاطین پر لعنت کرنے اور ان سے عداوت ومخالفت کرنے کی احکام قرآن وحدیث میں بار بار آئے ہیں اس کے خلاف ان سے دوستی اور ان کو راضی کرنے کی فکر خود ہی ایک گناہ ہے پھر وہ راضی جب ہی ہوتے ہیں جب انسان کفر وشرک میں مبتلا ہو جس سے ایمان ہی سلب ہو جائے یا کم از کم فسق وفجور میں مبتلا ہو اور اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی مرضیات کے خلاف گندہ اور نجس رہے یہ مزید گناہ ہے اور اگر جادو کے ذریعے کسی کو ناحق نقصان پہنچایا تو یہ اور گناہ ہے۔

غرض اصطلاح قرآن وسنت میں جس کو سحر کہا گیا وہ کفر اعتقادی یا کم از کم کفر عملی سے خالی نہیں ہوتا اگر شیاطین کو راضی کرنے کے لیے کچھ اقوال یا اعمال کفر وشرک کے اختیار کیے تو کفر حقیقی اعتقادی ہوگا اور اگر کفر وشرک سے بچ بھی گیا مگر دوسرے گناہوں کا ارتکاب کیا تو کفر عملی سے خالی نہ رہا قرآن عزیز کی آیات مذکورہ میں جو سحر کو کفر کہا گیا ہے وہ اسی اعتبار سے ہے کہ یہ سحر کفر حقیقی اعتقادی یا کفر عملی سے خالی نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس سحر میں کوئی عمل کفر اختیار کیا گیا ہو جیسے شیاطین سے استغاثہ استمداد یا کواکب کی تاثیر کو مستقل ماننا یا سحر کو معجزہ قرار دے کر اپنی نبوت کا دعوی کرنا وغیرہ تو یہ سحر باجماع کفر ہے اور جس میں یہ افعال کفر نہ ہوں مگر معاصی کا ارتکاب ہو وہ گناہ کبیرہ ہے۔

مسئلہ: جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ سحر کفر اعتقادی یا عملی سے خالی نہیں تو اسکا سیکھنا اور سکھانا بھی حرام ہوا اس پر عمل کرنا بھی حرام ہوا البتہ اگر کسی مسلمان سے دفع ضرر کے لیے بقدر ضرورت سیکھا جائے تو بعض فقہاء نے اجازت دی ہے۔ (شامی عالمگیری)

مسئلہ: تعویذ گنڈے وغیرہ جو عامل کرتے ہیں ان میں بھی اگر جنات و شیاطین سے استمداد ہو تو بحکم سحر ہیں حرام ہیں اور اگر الفاظ مشتبہ ہوں معنی معلوم نہ ہوں اور شیاطین اور بتوں سے استمداد کا احتمال ہو تو بھی حرام ہے۔

مسئلہ: قرآن وسنت کے اصطلاحی سحر بابل کے علاوہ باقی قسمیں سحر کی ان میں بھی کفر وشرک کا ارتکاب کیا جائے تو وہ بھی حرام ہیں۔

مسئلہ: اور خالی مباح اور جائز امور سے کام لیا جاتا ہو تو اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس کو کسی ناجائز مقصد کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔

مسئلہ: اگر قرآن وحدیث کے کلمات ہی سے کام لیا جائے مگر ناجائز مقصد کے لیے استعمال کریں تو وہ بھی جائز نہیں مثلاً کسی کو ناحق ضرر پہنچانے کے لئے کوئی تعویذ کیا جائے یا وظیفہ پڑھا جائے۔ اگر چہ وظیفہ اسماء الہیہ یا آیات قرآنیہ ہی کا ہو حرام ہے۔ (فتاویٰ قاضی خان وشامی)

اگر کسی عالم کے کسی جائز فعل سے جاہلوں کو مغالطہ میں پڑنے اور ناجائز کاموں میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو اس عالم کے لئے یہ جائز فعل بھی ممنوع ہو جائے گا بشرطیکہ یہ فعل شرعاً ضروری اور مقاصد شرعیہ میں سے نہ ہو اس کی مثالیں قرآن وسنت میں بہت ہیں۔ (معارف مفتی اعظم) (از گلدستہ تفاسیر جلد اول)

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ﴿٥﴾

اور بدی سے برا چاہنے والے کی جب لگے ٹوک لگانے ☆

حسد سے پناہ:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ”اس وقت اس کی ٹوک لگ جاتی ہے یعنی ٹوک یا نظر لگ جانا ایک امر واقع ہے“ لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک ”وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ“ کا مطلب یہ ہے کہ حاسد جب اپنی قلبی کیفیت کو ضبط نہ کر سکے اور عملی طور پر حسد کا اظہار کرنے لگے اس کی بدی سے پناہ مانگنا چاہیے اگر ایک شخص کے دل میں بے اختیار حسد پیدا ہو مگر وہ اپنے نفس کو قابو میں رکھ کر محسود کے ساتھ کوئی ایسا برتاؤ نہ کرے وہ اس سے خارج ہے نیز یاد رکھنا چاہیے کہ حسد کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے سے اللہ کی دی ہوئی نعمت کے زوال کا متمنی ہو باقی یہ آرزو کرنا کہ مجھ کو بھی ایسی نعمت یا اس سے زائد عطا ہو جو فلاں کو عطا ہوئی حسد میں داخل نہیں اس کو ”غبطہ“ کہتے ہیں بخاری کی حدیث ”لاحسد الافی اثنتین الخ“ میں لفظ ”حسد“ سے یہی غبطہ مراد ہے۔ (تفسیر عثمانی)

معوذتین کے فضائل:

صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں کچھ خبر ہے کہ آج کی رات اللہ نے مجھ پر ایسی آیت نازل فرمائی ہیں کہ ان کی مثل نہیں دیکھی یعنی قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ تورات اور انجیل اور زبور اور قرآن میں اس کی مثل کوئی دوسری سورۃ نہیں ہے ایک دوسری روایت انہی حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معوذتین پڑھائی اور پھر مغرب کی نماز میں انہی

دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا کہ ان سورتوں کو سونے کے وقت بھی پڑھا کرو اور اٹھنے کے وقت بھی۔ (رواہ نسائی)

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سورتوں کو ہر نماز کے بعد پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے۔ (رواہ ابوداؤد و نسائی)

ہر بیماری کا علاج:

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی بیماری پیش آتی تو یہ دونوں سورتیں پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم کر کے سارے بدن پر پھیر لیتے تھے پھر جب مرض وفات میں آپ کی تکلیف بڑھی تو میں یہ سورتیں پڑھ کر آپ کے ہاتھوں پر دم کر دیتی تھی آپ اپنے تمام بدن پر پھیر لیتے تھے میں یہ کام اس لیے کرتی تھی کہ حضرت کے مبارک ہاتھوں کا بدل میرے ہاتھ نہ ہو سکتے تھے۔ (رواہ الامام مالک)

حسد کا معنی: حسد کہتے ہیں کسی کی نعمت و راحت کو دیکھ کر جلنا اور یہ چاہنا کہ اس سے یہ نعمت زائل ہو جائے چاہے اس کو بھی حاصل نہ ہو، یہ حسد حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور سب سے پہلا گناہ ہے جو آسمان میں کیا گیا اور سب سے پہلا گناہ ہے جو زمین میں کیا گیا۔ کیونکہ آسمان میں ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے حسد کیا اور زمین پر ان کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل سے کیا۔ (قرطبی)

حسد سے ملتا جلتا لفظ غبطہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی کی نعمت کو دیکھ کر یہ تمنا کرنا کہ یہ نعمت مجھے بھی حاصل ہو جائے یہ جائز ہے بلکہ مستحسن ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ؏ اور حسد کے اس وقت کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جب کہ وہ حسد کا مظاہرہ کر رہا ہو اور اذیت رسانی میں مشغول ہو یہ قید لگانے کی ضرورت اس وجہ سے پڑی کہ مظاہرہ حسد اور اذیت رساں عمل میں مشغول ہونے سے پہلے حسد کا دکھ حاسد کو ہی پہنچتا ہے دوسری کی خوشی سے اسی کو رنج ہوتا ہے۔ (لیکن وہ جل کر ضرر رساں عمل کرنے لگتا ہے تو اس شخص کو دکھ پہنچنے لگتا ہے جس سے حاسد جلتا ہے)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا گیا جادو:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو شر کیا گیا تھا اسمیں ان تینوں خباثتوں کا دخل تھا جادو بھی تھی اغواء ابلیس بھی تھا اور حسد لبید بھی تھا۔

بارگاہ خداوندی میں رسائی:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سورت ہود اور سورت یوسف پڑھتا ہوں۔ فرمایا قل اعوذ برب الفلق سے زیادہ بارگاہ خداوندی میں رسائی رکھنے والی (کوئی سورت) تم نہیں پڑھو گے۔ واللہ اعلم۔ (رواہ احمد، الدارمی، نسائی) (تفسیر مظہری)

سورة الناس

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی وہ بلیات سے محفوظ رہے گا اور شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں رہے گا اور اب وہ تمام باتیں آخری ہو گئیں جو حضرت امام محمد بن سیرین وغیرہ رحمھم اللہ سے صحیح روایات کے ذریعہ منقول ملی ہیں۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّ اٰيَاتٍ

سورۃ ناس مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱

تو کہہ میں پناہ میں آیا لوگوں کے رب کی

مَلِكِ النَّاسِ ۝۲

لوگوں کے بادشاہ کی

اِلٰهِ النَّاسِ ۝۳

لوگوں کے معبود کی ☆

انسان کی خصوصیت کی وجہ:

اگرچہ اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت اور بادشاہت وغیرہ تمام مخلوقات کو شامل ہے لیکن ان صفات کا جیسا کامل ظہور انسانوں میں ہوا کسی دوسری مخلوق میں نہیں ہوا اس لیے ”رب“ اور ”ملک“ وغیرہ کی اضافت ان ہی کی طرف کی گئی۔ نیز وسواس میں مبتلا ہونا بجز انسان کے دوسری مخلوق کی شان بھی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شیطان کو خناس کیوں کہا گیا:

شیطان کو خناس اس لیے کہا گیا کہ اس کی عادت یہ ہے کہ انسان جب اللہ کا نام لیتا ہے تو پیچھے بھاگتا ہے پھر جب ذرا غفلت ہوئی پھر آ جاتا ہے پھر وہ اللہ کا نام لیتا ہے پھر لوٹ جاتا ہے یہ مسلسل عمل جاری رکھتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر (انسان کے قلب میں دو گھر ہیں ایک میں فرشتہ رہتا ہے دوسرے میں شیطان۔ فرشتہ اسکو نیک کاموں کی رغبت دلاتا ہے اور شیطان برے کاموں کی) پھر جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو

شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اور جب تک وہ ذکر اللہ میں مشغول نہیں ہوتا تو اپنی چونچ انسان کے دل پر رکھ کر اس میں برائیوں کے وسوسے ڈالتا ہے۔ (رواہ ابویعلی عن انس مرفوعا، مظہری)

انسانی شیطان کا شر:

اور شیخ عزالدین عبدالسلام نے اپنی کتاب (الفوائد فی مشکلات) میں فرمایا کہ انسانی شیطان کے شر سے مراد خود اپنے نفس کا وسوسہ ہے کیونکہ جس طرح شیطان جن انسان کے دل میں برے کاموں کی طرف رغبت ڈالتا ہے اس طرح خود انسان کا اپنا نفس بھی برے کاموں کی طرف مائل ہو جاتا ہے اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے نفس کے شر سے بھی پناہ مانگنا سکھلایا ہے حدیث میں ہے اللھم اعوذ بک من شر نفسي و شر الشیطان و شرکه یعنی یا اللہ میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اپنے نفس کے شر سے بھی اور شیطان کے شر اور شرک سے بھی۔

شیطانی وسوسہ سے احتیاط:

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف تھے ایک رات میں ام المومنین حضرت صفیہ آپ کی زیارت کے لیے مسجد میں گئیں۔ واپسی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ہوئے، گلی میں دو انصاری صحابی سامنے آ گئے تو آپ نے آواز دے کر فرمایا ٹھہرو میرے ساتھ صفیہ بنت حیی ہیں ان دونوں نے بکمال ادب عرض کیا سبحان اللہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی کیا آپ نے ہمارے بارے میں یہ خیال کیا کہ ہم کوئی بدگمانی کریں گے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک کیونکہ شیطان انسان کے خون کے ساتھ اس کے رگ و پے میں اثر انداز ہوتا ہے مجھے یہ خطرہ ہوا کہ کہیں شیطان تمہارے دلوں میں کوئی وسوسہ بدگمانی پیدا نہ کر دے (اس لیے میں نے جتلایا کہ کوئی غیر عورت میرے ساتھ نہیں)۔ (معارف مفتی اعظم)

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے رب الناس یعنی خلق کا پروردگار اور تمام امور کو درست کرنے والا، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دو کہ میں انسانوں کو پیدا کرنے والے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور متبعین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی ذکر اظہار شرف کے لیے کیا گیا ہے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان دونوں سورتوں کے نزول کی غرض یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین سے سحر کا اثر زائل کر دیا جائے کیونکہ مربوب کی شر سے حفاظت رب کے ذمہ اور مملوک کی حفاظت الملک کے ذمہ اور عابد کی حفاظت معبود کے ذمہ لازم ہے (یعنی ربوبیت، ملوکیت اور الوہیت کا تقاضا ہے کہ مربوب مملوک اور عابد کو ہر شر سے محفوظ رکھا جائے) غوث الثقلین نے فرمایا ہے۔

جب تو میرا پشت پناہ ہے تو کیا مجھے کوئی ذلت پہنچ سکتی ہے جب تو میرا مددگار ہے تو کیا مجھ پر ظلم کیا جا سکتا ہے اگر چراگاہ کی حفاظت کرنے والا حفاظت کرنے پر قدرت بھی رکھتا ہو اور پھر اونٹ کے پاؤں باندھنے کی رسی بھی صحرا میں کھو جائے تو ایسے راعی کے لیے بڑے عار کی بات ہے۔ کفار بھی اگرچہ مربوب اور مملوک خدا ہی کے ہیں لیکن ان کو اس کا اعتراف نہیں اس لیے وہ حفاظت الٰہیہ کے مستحق نہیں ہیں۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احزاب کے دن فرمایا تھا اللہ ہمارا مولا ہے اور تمہارا کوئی مولا نہیں۔

سورۃ فلق اور سورۃ ناس کا فرق:

بیضاوی نے لکھا ہے کہ سورۃ الفلق میں جسمانی دکھوں سے استعاذہ کا حکم تھا اور جسمانی دکھ انسان کو بھی ہوتے ہیں اور دوسرے جانوروں کو بھی اس لیے رب الفلق فرمایا اور رب کی اضافت الفلق کی طرف کی اور سورۃ الناس میں ان نفسانی مضرتوں سے استعاذہ کا حکم ہے جو انسان کے لیے مخصوص ہیں۔ (یعنی وسوسہ انگیزی اور اغواء شیطانی) اس لیے یہاں رب الناس فرمایا اور رب کی اضافت خصوصیت کے ساتھ الناس کی طرف کی گویا مطلب اس طرح ہوا کہ انسان کو وسوسہ میں ڈالنے والے اور اغواء نفسانی کرنے والے کے شر سے میں اس خدا کی پناہ لیتا ہوں جو انسانوں کے امور کا مالک اور ان کی عبادت کا مستحق ہے۔

اَلنَّاسُ سے کون مراد ہے؟

اول اَلنَّاسِ سے بچے مراد ہیں جو محتاج پرورش ہوتے ہیں لفظ رب اس پر دلالت کر رہا ہے دوسری جگہ اَلنَّاسِ سے جوان مراد ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں لفظ ملک اس پر دلالت کر رہا ہے کیونکہ لفظ سیاست کا مفہوم ظاہر کر رہا ہے (اور مجاہدین سیاست کے حاجت مند ہوتے ہیں) تیسری جگہ اَلنَّاسِ سے بوڑھے مراد ہیں جو دنیوی کاروبار اور مشاغل سے الگ ہو کر اللہ ہی کی طرف جھک جاتے ہیں اس پر لفظ اللہ دلالت کر رہا ہے جس کے اندر عبادت کا مفہوم ہے (اور بوڑھے لوگوں کا شغل سوائے عبادت کے اور کچھ نہیں رہتا) چوتھی وجہ الناس سے مراد اہل صلاح و تقوی ہیں کیونکہ شیطان انہی کا دشمن ہوتا ہے پانچویں جگہ اَلنَّاسِ سے مراد اغواء کرنے والے مفسد ہیں کیونکہ یہ وہی خناس ہیں جن سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے، مومنوں کے بچوں بڑوں اور صلاح و تقوی والوں کا ذکر رحمت کی کشش اور عذاب کے دفع کا سبب بھی ہے (اس لیے ان تینوں کا ذکر کیا)۔ (تفسیر مظہری)

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۥ الْخَنَّاسِ ۝٤

بدی سے اُس کو جو پھسلائے اور چھپ جائے ☆

شیطان نظروں سے غائب رہ کر آدمی کو بہکاتا پھسلاتا ہے۔ جب تک آدمی غفلت میں رہا اس کا تسلط بڑھتا رہا۔ جہاں بیدار ہو کر اللہ کو یاد کیا یہ فوراً پیچھے کو کھسکا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی وسوسہ پیدا کرنا جنات کا فعل بھی ہے اور انسانوں کا بھی اللہ نے فرمایا وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ الخ ہم نے انسانی اور جنی شیطانوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے الخ یہ کہ اللہ نے اپنی نبی کو حکم دیا کہ جن وانس کے شر سے پناہ مانگو۔

مطلب اس طرح ہو گا کہ میں پناہ مانگتا ہوں وسوسہ ڈالنے والے جنی شیطان کے شر سے انسانوں کے شر سے۔

الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ
وہ جو خیال ڈالتا ہے
صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾
لوگوں کے دل میں
مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿۶﴾ع
جنوں میں اور آدمیوں میں ☆

معوذتین پر حجۃ الاسلام

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تقریر کا خلاصہ

شیطان جنوں میں بھی ہیں اور آدمیوں میں بھی "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا" (انعام۔ رکوع ۱۴)

اللہ تعالیٰ دونوں سے پناہ میں رکھے (تکملہ) ان دونوں سورتوں کی تفسیر میں علماء وحکما نے بہت کچھ نکتہ آفرینیاں کیں ہیں حافظ ابن قیمؒ امام رازیؒ، ابن سیناؒ، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی کے بیانات درج کرنے کی یہاں گنجائش نہیں صرف استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ روحہ کی تقریر کا خلاصہ درج کرتا ہوں تا فوائد قرآن کے حسن خاتمہ کے لیے ایک فال نیک ثابت ہو" یہ ایک فطری اور عام دستور ہے کہ باغ میں، جب کوئی نیا پودا زمین کو شق کرتا ہوا تخم سے باہر نکل آتا ہے تو باغبان (یامالی) اس کے تحفظ میں پوری کوشش اور ہمت صرف کر دیتا ہے اور جب تک وہ جملہ آفات ارضی وسماوی سے محفوظ ہو کر اپنے حدکمال کو نہیں پہنچ جاتا اس وقت تک بہت زیادہ تردد اور عرقریزی کرنا پڑتی ہے۔ اب غور کرنا چاہیے کہ پودے کی زندگی کو فنا کر دینے والی یا اس کے ثمرات کے تمتع سے مالک کو محروم بنا دینے والی وہ کون کون سی آفات ہیں جن کے شر اور مضرت سے بچا لینے میں باغبان کو اپنی مساعی کے کامیاب بنانے کی ہر وقت دھن لگی رہتی ہے ادنیٰ تامل سے معلوم ہو جائیگا کہ ایسی آفات اکثر چار طرح سے ظہور پذیر ہوتی ہیں جن کے انسداد کے لیے باغبان کو چار امور کی اشد ضرورت ہے (اول) ایسے سبزہ خور جانوروں کے دندان و دہن کو اس پودے تک پہنچنے سے روکا جائے جن کی جبلت اور خلقت میں سبزہ وگیاہ کا کھانا داخل ہے (دوسرے) کنویں یا نہر یا بارش کا پانی اور ہوا اور حرارت آفتاب (غرضیکہ تمام اسباب زندگی و ترقی) کے پہنچنے کا پورا انتظام ہو (تیسرے) اوپر سے برف کا اولہ وغیرہ جو اس کی حرارت غریزیہ کے اختقان کا باعث ہو اس پر گرنے نہ پائے کیونکہ یہ چیز اس کی ترقی اور نشو ونما کو روکنے والی ہے (چوتھے) مالک باغ کا دشمن یا اور کوئی حاسد اس پودے کی شاخ و برگ وغیرہ کو نہ کاٹ ڈالے یا اس کو جڑ سے اکھاڑ کر نہ پھینک دے اگر ان چار باتوں کا خاطر خواہ بندوبست باغبان نے کر لیا تو خدا سے امید رکھنا چاہیے کہ وہ پودا بڑا ہو گا پھولے پھلے گا اور مخلوق اس کی پر میوہ شاخوں سے استفادہ کریگی ٹھیک اسی طرح ہم کو خالق ارض وسما سے (جو رب الفلق اور فالق الحب والنوی اور چمنستان عالم کا حقیقی مالک و مربی ہے) اپنے شجر وجود اور شجر ایمان کے متعلق ان ہی چار قسم کی آفات سے پناہ مانگنا چاہئے جو اوپر مذکور ہوئیں پس معلوم کرنا چاہیے کہ جس طرح اول قسم میں سبزہ خور جانوروں کی ضرر رسانی محض ان کی طبیعت کے مقتضیات میں سے تھی اسی طرح "شر" کی اضافت "مَا خَلَقَ" کی طرف بھی اسی جانب مشیر ہے کہ یہ شر اس مخلوق میں من حیث ھو مخلوق کے واسطے ثابت ہے اور اسکے صدور میں بجز ان کی طبیعت اور پیدائشی دواعی کے اور کسی سبب کو دخل نہیں جیسا کہ سانپ بچھو اور تمام سباع و بہائم وغیرہ میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

نیش عقرب نہ از پے کین است   مقتضائے طبیعتش این است

اسکے بعد دوسرے درجہ میں "غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ" سے تعوذ کی تعلیم دی گئی ہے جس سے مفسرین کے نزدیک مراد یا تو رات ہے جب خوب اندھیری ہو یا آفتاب ہے جب غروب ہو جائے یا چاند ہے جب اس کو گہن لگ جائے ان میں سے کوئی معنی لو اتنی بات یقینی ہے کہ غاسق میں سے شر کا پیدا ہونا اس کے وقوب (کسی چیز کے نیچے چھپ جانے) پر مبنی ہے اور ظاہر ہے وقوب (چھپ جانے میں اس کے سوا کوئی بات نہیں کہ ایک چیز کا علاقہ ہم سے منقطع ہو جائے اور جو فوائد اس کے ظہور کے وقت ہم کو حاصل ہوتے تھے وہ اب ہاتھ نہ آئیں۔ لیکن جب یہ ہے تو یہ تمثیل اسباب ومسببات سے زیادہ اور کسی چیز پر چسپاں نہیں ہوتی کیونکہ سبب کا وجود اسباب ومعدات کے وجود پر موقوف ہوتا ہے اور جب تک اسباب کا علاقہ مسببات کے ساتھ قائم نہ ہو ہرگز کوئی مسبب اپنی ہستی میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اور یہی وہ بات ہے جس کو ہم نے آفت کی دوسری قسم میں یہ کہہ کر بیان کیا تھا کہ پانی' ہوا اور حرارت آفتاب (غرض کل

اسباب زندگی وترقی) کا اگر خاطر خواہ انتظام نہ ہوا تو پودا کمہلا کر خشک ہو جائیگا اب اس کے بعد تیسرا تعوذ "النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ" سے کیا گیا۔ جس سے میں کہہ چکا ہوں کہ ساحرانہ اعمال مراد ہیں جو لوگ سحر کا وجود تسلیم کرتے ہیں وہ یہ مانتے ہیں کہ سحر کے اثر سے مسحور کو ایسے امور عارض ہو جاتے ہیں جن سے طبیعت کے اصلی آثار مغلوب ہو کر دب جائیں تو سحر کی آفت اس آفت سے بہت ہی مشابہ ہوتی ہے جو پودے پر برف وغیرہ گرنے اور حرارت غریزیہ کے تحقن (بند) ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی تھی جس سے اس کا نشوونما رک جاتا تھا۔ لبید بن اعصم کے قصہ میں جو الفاظ آئے ہیں "فقام علیه الصلوة والسلام کانما انشط من عقال" ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز نے مستولی ہو کر آپ کے مقتضیات طبیعت کو چھپا لیا تھا جو جبریلؑ کے تعوذ سے باذن اللہ دفع ہو گئی۔ اب ان آفات میں سے جن سے تحرز کرنا ضروری قرار دیا گیا تھا صرف ایک آخری درجہ باقی ہے۔ یعنی کوئی مالک باغ کا دشمن بربناء عداوت وحسد پودے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے یا اس کی شاخ وبرگ کاٹ ڈالے۔ "شر" کے اس مرتبہ کو "وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ" نے بہت ہی وضاحت کے ساتھ ادا کر دیا ہاں اس تقریر میں اگر کچھ کمی ہے تو صرف اتنی کہ کبھی کبھی تخم کو ان چاروں آفات میں سے کسی کا سامنا کرنا نہیں پڑتا بلکہ روئیدگی سے پہلے ہی یا تو بعض چیونٹیاں اس تخم کے باطن میں سے وہ خالص جوہر چوس لیتی ہیں جس سے تخم کی روئیدگی ہوتی ہے اور جس کو ہم "قلب الحبوب" یا "سویدائے تخم" سے تعبیر کر سکتے ہیں یا اندر ہی اندر گھن لگ کر کھوکھلا ہو جاتا ہے اور قابل نشوونما نہیں رہتا شاید اسی سرسری کمی کی تلافی کے لیے دوسری سورت میں "الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ" کے شر سے استعاذہ کی تعلیم فرمائی گئی کیونکہ "وسواس" انہی فاسد خطرات کا نام ہے جو ظاہر ہو کر نہیں بلکہ اندرونی طور پر ایمان کی قوت میں رخنہ ڈالتے ہیں۔ اور جن کا علاج عالم الخفیات والسرائر کے سوا کسی کے قبضہ میں نہیں لیکن جب وساوس کا مقابلہ ایمان سے ٹھہرا تو دفع وساوس کے واسطے انہی صفات سے تمسک کرنے کی ضرورت ہوئی جو ایمان کے اصل مبادی ومناشی گنے جا چکے ہیں اور جن سے ایمان کو مدد پہنچتی ہے اب تجربہ سے معلوم ہوا کہ سب سے اول ایمان (انقیاد وتسلیم) کا نشوونما حق تعالیٰ کی تربیت ہائے بے پایاں اور انعامات بے غایت ہی کو دیکھ کر حاصل ہوتا ہے پھر جب ہم اس کی ربوبیت مطلقہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمارا ذہن ادھر منتقل ہوتا ہے کہ وہ رب العزت مالک الملک اور شہنشاہ مطلق بھی ہے کیونکہ تربیت مطلقہ کے معنی ہر قسم کی جسمانی وروحانی ضروریات بہم پہنچانے کے ہیں اور یہ کام بجز ایسی ذات منبع الکمالات کے اور کسی سے بن نہیں پڑ سکتا جو ہر قسم کی ضروریات کی مالک ہو اور دنیا کی کوئی ایک چیز بھی اس کے قبضہ اقتدار سے خارج نہ ہو سکے ایسی ہی ذات کو ہم "مالک الملک" اور "شہنشاہ مطلق" کہہ سکتے ہیں اور لاریب اسی کی یہ شان ہونی چاہیے "لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ" گویا "مالکیت" یا "ملکیت" ایک ایسی قوت کا نام ہے جس کی فعلیت کا مرتبہ "ربوبیت" سے موسوم ہوتا ہے کیونکہ ربوبیت کا کل خلاصہ اعطاء منفعت اور دفع مضرت ہے اور ان دونوں چیزوں پر قادر ہونا یہ ملک علی الاطلاق کا منصب ہے پھر ذرا اور آگے بڑھتے ہیں تو ملک علی الاطلاق ہونے ہی سے ہم کو اس کی معبودیت (الٰہیت) کا سراغ ملتا ہے کیونکہ معبود اسی کو کہتے ہیں جس کے حکم کے سامنے گردن ڈال دی جائے اور اس کے حکم کے مقابلہ میں کسی دوسرے کے حکم کی اصلاً پروا نہ کی جائے تو ظاہر ہے کہ یہ انقیاد وبندگی بجز محبت کاملہ اور حکومت مطلقہ کے اور کسی کے سامنے سزاوار نہیں اور ان دونوں چیزوں کا اصلی مستحق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا اس لئے معبودیت والٰہیت کی صفت بھی تنہا اسی وحدہ لاشریک لہٗ کے لیے ثابت ہو گئی پڑھو "أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا" غرض سب سے اول جو صفت ایمان کا مبداء بنتی ہے وہ ربوبیت ہے اس کے بعد صفت ملکیت اور سب کے بعد الوہیت کا مرتبہ ہے پس جو شخص اپنے ایمان کو وساوس شیطانی کی مضرت سے بچانے کے لیے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں چارہ جوئی کریگا اس کو اسی طرح درجہ بدرجہ نیچے کی عدالت سے اوپر کی عدالت میں جانا نا مناسب ہو گا جس طرح خود اس نے بالترتیب اپنی صفات (رب الناس ' ملک الناس ' الہ الناس) کو سورۂ "الناس" میں بیان فرما دیا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ جس طرح مستعاذ بہ کی جانب میں یہاں تین صفتیں بغیر واؤ عطف اور بغیر اعادہ باء جارہ کے مذکور ہیں اسی طرح مستعاذ منہٗ کی جانب بھی تین چیزیں نظر آتی ہیں جو صفت در صفت کر کے بیان کی گئی ہیں اس کو یوں سمجھ سکتے ہو کہ لفظ وسواس کو صفت الوہیت کے مقابلہ میں رکھو کیونکہ جس طرح مستعاذ بہ حقیقی "الہ الناس" ہے اور "ملک" و "رب" اسی تک رسائی حاصل کرانے کے عنوان قرار دیے گئے ہیں اسی طرح مستعاذ منہٗ کی حقیقت یہی وسواس ہے جس کی صفت آگے "خناس" بیان فرمائی ہے "خناس" سے مراد یہ ہے کہ شیطان بحالت غفلت آدمی کے دل میں وسواس ڈالتا رہتا ہے اور جب کوئی بیدار ہو جائے تو چوروں کی طرح پیچھے کو کھسک آتا ہے ایسے چوروں اور بدمعاشوں کا بندوبست اور ان کے دست تعدی سے رعایا کو مصئون و مامون بنانا بادشاہان وقت کا خاص فریضہ ہوتا ہے اس لیے مناسب ہو گا کہ اس صفت کے مقابل "ملک الناس" کو رکھا جائے اور "الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ" جو "خناس" کی فعلیت کا درجہ ہے اور جس کو ہم چور کے نقب لگانے سے تشبیہ دے سکتے ہیں اس کو "رب الناس" کے مقابلہ میں (جو حسب تحریر سابق "ملک الناس" کی فعلیت کا مرتبہ ہے) شمار کیا جائے پھر دیکھئے کہ مستعاذ منہٗ اور مستعاذ بہ میں کس قدر

تام اور کامل تقابل ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم با سرار کلامہ ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو ہونے کا اثر اور اہم وضاحتیں:

(تنبیہ) کئی صحابہ (مثلاً عائشہ صدیقہؓ، ابن عباس، زید بن ارقم رضی اللہ عنہم) سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض یہود نے سحر کیا جس کے اثر سے ایک طرح کا مرض سا بدن مبارک کو لاحق ہو گیا۔ اس دوران میں کبھی ایسا بھی ہوا کہ آپ ایک دنیوی کام کر چکے ہیں مگر خیال گزرتا تھا کہ نہیں کیا یا ایک کام نہیں کیا اور خیال ہوتا تھا کہ کر چکے ہیں اس کے علاج کے واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ دو سورتیں نازل فرمائیں اور ان کی تاثیر سے وہ اثر باذن اللہ زائل ہو گیا۔ واضح رہے کہ یہ واقعہ صحیحین میں موجود ہے جس پر آج تک کسی محدث نے جرح نہیں کی اور اس طرح کیفیت منصب رسالت کے قطعاً منافی نہیں جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی بیمار ہوئے۔ بعض اوقات غشی طاری ہو گئی یا کئی مرتبہ نماز میں سہو ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اَنْسٰی کَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِیْتُ فَذَکِّرُوْنِیْ" (میں بھی ایک بشر ہی ہوں جیسے تم بھولتے ہو میں بھی بھولتا ہوں میں بھول جاؤں تو یاد دلایا کرو) کیا اسی غشی کی کیفیت اور سہو ونسیان کو پڑھ کر کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اب وحی پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری باتوں پر کیسے یقین کریں ممکن ہے ان میں بھی سہو ونسیان اور بھول چوک ہو گئی ہو۔ اگر وہاں سہو ونسیان کے ثبوت سے یہ لازم نہیں آتا کہ وحی الٰہی اور فرائض تبلیغ میں شکوک وشبہات پیدا کرنے لگیں تو اتنی بات سے کہ احیاناً آپ ایک کام کر چکے ہوں اور خیال گزرے کہ نہیں کیا، کس طرح لازم آیا کہ آپ کی تمام تعلیمات اور فرائض بعثت سے اعتبار اٹھ جائے یاد رکھیے سہو ونسیان مرض اور غشی وغیرہ عوارض خواص بشریت سے ہیں اگر انبیاء بشر ہیں تو ان خواص کا پایا جانا ان کے رتبہ کو کم نہیں کرتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جب ایک شخص کی نسبت دلائل قطعیہ اور براہین نیرہ سے ثابت ہو جائے کہ وہ یقیناً اللہ کا سچا رسول ہے تو ماننا پڑیگا اللہ نے اس کی عصمت کا تکفل کیا ہے اور وہی اس کو اپنی وحی کے یاد کرانے کے سمجھانے اور پہنچانے کا ذمہ دار ہے ناممکن ہے کہ اس کے فرائض دعوت وتبلیغ کی انجام دہی میں کوئی طاقت خلل ڈال سکے۔ نفس ہو یا شیطان مرض ہو یا جادو کوئی چیز ان امور میں رخنہ اندازی نہیں کر سکتی جو مقصد بعثت کے متعلق ہیں۔ کفار جو انبیاء کو "مسحور" کہتے تھے چونکہ ان کا مطلب نبوت کا ابطال اور یہ ظاہر کرنا تھا کہ جادو کے اثر سے ان کی عقل ٹھکانے نہیں رہی گویا "مسحور" کے معنی "مجنون" کے لیتے تھے۔ اور وحی الٰہی کو جوش جنون قرار دیتے تھے (العیاذ باللہ)) اس لیے قرآن میں ان کی تکذیب وتردید ضروری ہوئی یہ دعویٰ کہیں نہیں کیا گیا انبیاء علیہم السلام لوازم بشریت سے مستثنیٰ ہیں اور کسی وقت ایک آن کے لیے کسی نبی پر سحر کا معمولی اثر جو فرائض بعثت میں اصلاً خلل انداز نہ ہو نہیں ہو سکتا۔

معوذتین کا قرآن ہونا:

معوذتین کے قرآن ہونے پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہے اور ان کے عہد سے آج تک بتواتر ثابت ہے۔ صرف ابن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ ان دو سورتوں کو اپنے مصحف میں نہیں لکھتے تھے لیکن واضح رہے کہ ان کو بھی ان سورتوں کے کلام اللہ ہونے میں شبہ نہ تھا وہ مانتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور لاریب آسمان سے اترا ہے مگر ان کے نازل کرنے کا مقصد رقیہ اور علاج تھا۔ معلوم نہیں کہ تلاوت کی غرض سے اتاری گئی یا نہیں اس لیے ان کو مصحف میں درج کرنا اور اس قرآن میں شامل کرنا جس کی تلاوت نماز وغیرہ میں مطلوب ہے خلاف احتیاط ہے۔ روح البیان میں ہے " انه كان لا يعدالمعوذتين من القران و كا ن لا يكتبهما في مصحفه يقول انهمامنزلتان من السماء وهما من كلام رب العالمين ولكن النبي عليه الصلوة والسلام كان برقي ويعوذ بهما فاشتبه عليه انهما من القران اوليستامنه فلم يكتبهما في المصحف" (صفحہ ۲۳۷ جلد ۴) قاضی ابوبکر باقلانی لکھتے ہیں: "لم ينكر ابن مسعود كو نهما من القران و انما انكراثباتهما في المصحف فانه كان يرى ان لا يكتب في المصحف شياً الا ان كا ن النبي صلى الله عليه وسلم اذن في كتابته فيه كانه لم يبلغه الاذن " (فتح الباری صفحہ ۵۷۱ جلد ۸) حافظ نے ایک اور عالم کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں "لم يكن اختلاف ابن مسعود مع غيره في قرانيتهما و انماكان في صفة من صفا تهما" (فتح الباری صفحہ ۵۷۱ جلد ۵) بہرحال ان کی یہ رائے بھی شخصی اور انفرادی تھی جیسا کہ بزار نے تصریح کی ہے۔ کسی ایک صحابی نے ان سے اتفاق نہیں کیا اور بہت ممکن ہے کہ جب تواتر سے انکو ثابت ہو گیا ہو کہ یہ بھی قرآن متلو ہے تو اپنی رائے پر قائم نہ رہے ہوں۔ اس کے علاوہ ان کی یہ انفرادی رائے بھی محض خبر واحد سے معلوم ہوتی ہے جو تواتر قرآنی کے مقابلہ میں قابل سماعت نہیں ہو سکتی شرح مواقف میں ہے۔ "ان اختلاف الصحابة في بعض سور القران مروى بالاحاد المفيدة للظن و مجموع القران منقول بالتواتر المفيد لليقين الذى يضمحل الظن في مقابلته فتلك الاحاد ممالا يلتفت اليه ثم ان سلمنا اختلافهم فيماذكر قلنا انهم لم يختلفوا في نزوله على النبي صلى الله عليه وسلم ولا في بلوغه في البلاغة حد الاعجازبل في مجرد كونه من القران و ذلك لا يضر فيما نحن بصدده اھ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں واجیب باحتمال انه كان متواتر أفي عصر ابن مسعود لكن لم يتو اتر عند ابن مسعود فانحلت العقعدة بعون الله تعالىٰ الخ اور صاحب

المعانی کہتے ہیں ولعل ابن مسعود رجع عن ذلک اھ.

اختتام کلمات تفسیر عثمانی:

اس رب کریم کا شکر کس زبان سے کروں۔ جس کی خالص توفیق وتیسیر سے آج یہ مہتم بالشان کام انجام کو پہنچا۔ الٰہی آج عرفہ کے مبارک دن اور وقوف بعرفات کے وقت تیرے کلام پاک کی ایک مختصری خدمت جو محض تیرے فضل واعانت سے اختتام پذیر ہوئی تیری بارگاہ قدس میں بصد عجز ونیاز پیش کرتا ہوں تو اپنے فضل وکرم سے اس کو قبول فرما اور مقبول بنا۔ الٰہی! میں معترف ہوں کہ اس خدمت کی انجام دہی میں حق اخلاص ادا نہیں ہو سکا، لیکن تیری رحمت ورافت جب سیئات کو حسنات سے بدل ڈالتی ہے اس کے لئے ایک صورت کو حقیقت حسنہ بنا دینا کیا بڑی بات ہے۔ میرا گمان تیرے ساتھ یہی ہے کہ تو اپنی نکتہ نوازی سے اس ناچیز عمل کو زندۂ جاوید بنائیگا اور اس کے نیک ثمرات سے دارین میں مجھ کو متمتع فرمائیگا۔ اے اللہ! تو اپنے قرآن پاک کی برکت سے میری، میرے والدین کی، میرے شیوخ واساتذہ کی، میرے اقارب واحباب کی، اوران کی جو اس کار خیر کے محرک وداعی بنے، یا جنہوں نے اس عظیم الشان کام میں رفاقت واعانت کی، سب کی مغفرت فرمائیے اور سب کو دنیا وآخرت کی بلاؤں سے مامون ومصئون رکھیے اور حضرت مترجم قدس سرہٗ کے ساتھ جنت الفردوس میں جمع کیجئے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ اللّٰھم انس وحشتی فی قبری ○ اللّٰھم ارحمنی بالقرآن العظیم واجعلہ لی اماماً و نورًا و ھدی ورحمۃ ○ اللّٰھم ذکر نی منہ مانسیت وعلمنی منہ ماجھلت وارزقنی تلاوتہ اٰناء اللیل واٰناء النھار واجعلہ حجۃ لی یارب العالمین.

ونعم ماقیل: اول وآخر قرآن زچہ با آمد وسین یعنی اندر دو جہاں رہبر ما قرآن بس۔

۹-ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ

دیوبند العبد الفقیر

فضل اللہ المدعو بہ شبیر احمد ابن مولانا فضل الرحمٰن العثمانی

قدکان ابی عثمان بفضل اللّٰہ وکان ینشد:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ

ولو کرہ الاعداء من کل حاسد (تفسیر عثمانی)

مسجد میں شیطان کا بہلانا:

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں ہوتا ہے اس کے پاس شیطان آتا ہے اور اسے تھپکتا اور بہلاتا ہے، جیسے کوئی شخص اپنے جانور کو بہلاتا ہو پھر اگر وہ خاموش رہا تو وہ ناک میں کیل یا منہ میں لگام چڑھا دیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان فرما کر فرمایا کہ تم خود اسے دیکھتے ہو نکیل والا تو وہ ہے جو ایک طرف جھکا کھڑا ہو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرتا ہو، اور لگام والا وہ ہے جو منہ کھولے ہوئے ہو اور اللہ کا ذکر نہ کرتا ہو۔

شیطان کا علاج اللہ کا ذکر ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ شیطان ابن آدم کے دل پر چنگل مارے ہوئے ہے جہاں یہ بھولا اور غفلت کی اس نے وسوسے ڈالنے شروع کیے اور جہاں اس نے ذکر اللہ کیا اور یہ پیچھے ہٹا۔ (تفسیر ابن کثیر)

دشمنوں سے دفاع:

ابن کثیر نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں قرآن کریم کی تین آیتیں اس مضمون میں لکھی ہیں جن میں ان دونوں کا ذکر کرکے انسانی دشمن کا دفاع حسن خلق ترک انتقام اور اس کے ساتھ احسان کا سلوک کرنا اور بتلایا اور اس کے مقابلے میں شیطان کا دفاع استعاذہ تلقین فرمایا۔ ابن کثیر نے فرمایا کہ پورے قرآن میں یہ تین ہی آیتیں اس مضمون کی آئی ہیں۔ ایک آیت سورۂ اعراف میں ہے کہ اول فرمایا خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ۔ یہ تو انسانی دشمن کے مقابلے کی تدبیر ارشاد فرمائی جس کا حاصل عفو ودرگزر اور اس کو نیک کام کی تلقین اور اس کی برائی سے چشم پوشی بتلائی۔ اسی آیت میں آگے فرمایا وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۔ یہ تلقین دشمن انسانی کے مقابلہ میں فرمائی جس کا حاصل اللہ سے پناہ مانگنا ہے۔

دوسری آیت میں سورہ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ میں اول دشمن انسانی کے مقابلہ میں علاج فرمایا ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ یعنی برائی کو بھلائی کے ذریعہ دفعہ کرو۔ پھر دشمن شیطانی کے مقابلے کے فرمایا وَقُلْ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ ۝ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ ۔ یعنی اے میرے رب میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کی چھیڑ سے اور اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں۔ اور تیسری آیت سورہ حم السجدہ کی ہے جس میں اول دشمن انسانی کی مدافعت کے لیے ارشاد فرمایا ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ یعنی تم برائی کو بھلائی کے ذریعے دفع کرو اگر ایسا کرلو گے تو مشاہدہ ہوگا کہ تمہارا دشمن تمہارا مخلص دوست بن جائیگا اسی آیت میں دوسرا جزء دشمن شیطانی کے مقابلے میں یہ فرمایا وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۔ یہ تقریباً وہی الفاظ ہیں جو سورۃ اعراف میں شیطان کے مقابلے کے لیے ارشاد فرمائے گئے ہیں اور حاصل اس کا یہ ہے کہ اس کا مقابلہ بجز استعاذہ کے کچھ نہیں۔ (ابن کثیر)

غرض انسانی دشمن کے مقابلے میں ہار جانا بھی مومن کے لیے کوئی مضرت نہیں بخلاف شیطان کے اس کی خوشامد اور اس کو راضی کرنا بھی گناہ ہے اور

اس کے مقابلے میں ہار جانا تو آخرت کو تباہ کر لینا ہے یہی وجہ ہے جس کے لیے دشمن شیطانی کی مدافعت کے واسطے حق تعالیٰ ہی کی پناہ لینا علاج ہے اس کی پناہ کے سامنے شیطان کی ہر تدبیر ضعیف و بے اثر ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

قاری قرآن کا مرتبہ:

حضرت ابن عمر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن والے سے (قیامت کے دن) کہا جائیگا پڑھ اور چڑھ اور ترتیل کر جس طرح دنیا میں ترتیل کرتا تھا آخری آیت جہاں تو پڑھنا ختم کرے وہی تیرا مرتبہ (قیام گاہ) ہے۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی)

تلاوت قرآن کے بعد دعا قبول:

حضرت ابوسعید خدری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے جس کو تلاوت قرآن میرے ذکر سے باز رکھے اور تلاوت کے بعد وہ مجھ سے کچھ مانگے تو میں جتنا دوسرے سوال کرنیوالوں کو دیتا ہوں سب سے بہتر اس کو دیتا ہوں تمام کلاموں پر کلام اللہ کی فضیلت ایسی ہی ہے کہ جیسے مخلوق پر خدا کی فضیلت۔ (رواہ الترمذی والدارمی والبیہقی)

ایک حرف پر دس نیکیاں:

حضرت ابن مسعود کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا اس کے لیے ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا ثواب دس گنا ہوگا میں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے رواہ الترمذی اور دارمی ترمذی نے اس حدیث کی اسناد کو حسن صحیح غریب کہا ہے۔

قرآن صراط مستقیم ہے:

حارث اعور کا بیان ہے کہ میرا مسجد کی طرف سے گزر ہوا تو میں نے دیکھا کہ لوگ احادیث میں کچھ موشگافیاں کر رہے ہیں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ کی اطلاع دی فرمایا کیا وہ ایسا کر رہے ہیں میں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا سنو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ ہوشیار رہو عنقریب فتنہ ہوگا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر اس سے خلاصی کی راہ کیا ہوگی فرمایا اللہ کی کتاب جس کے اندر تم سے پہلے کی خبریں ہیں اور تم سے بعد کی خبریں ہیں اور تمہارے باہمی فیصلے ہیں قرآن قطعی فیصلہ ہے مذاق نہیں ہے جو کسی ظالم کی وجہ سے اس کو چھوڑ دے گا اللہ اس کو توڑ دیگا (تباہ کر دے گا) جو اس کو چھوڑ کر کسی اور سے ہدایت کا طلب گار ہوگا اللہ اس کو گمراہ کر دے گا۔ یہ اللہ کی مضبوط رسی ہے یہی پر حکمت نصیحت ہے یہی صراط مستقیم ہے یہی وہ کتاب ہے کہ اس کی وجہ سے میلانات میں کجی نہیں آئے گی اور زبانوں میں اشتباہ نہ ہوگا۔ اور علماء اس سے سیر نہ ہونگے اور بار بار کثرت سے اس کو پڑھنا اس کو بوسیدہ نہ بنا سکے گا۔ اس کے عجائبات ختم نہ ہونگے یہی وہ کتاب ہے کہ جنات میں (غفلت سے) بیداری اس وقت تک نہ ہوئی جب تک انہوں نے کہہ نہ دیا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا جو راہ راست بتاتا ہے ہم اس پر ایمان لے آئے جو شخص اس کے موافق بات کرے گا سچا ہوگا اور جو اس پر عمل کرے گا اجر دیا جائیگا:

قرآن کو صحیح نہ پڑھنے کی سزا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں جو اچھی لے سے قرآن نہ پڑھتا ہو۔ (بخاری)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم قرآن پڑھ رہے تھے ایک عجمی دیہاتی بھی ہم میں موجود تھا اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہوئے اور فرمایا پڑھو ہر ایک کا پڑھنا اچھا ہے عنقریب کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو قرآن کی قراءت کو سیدھا کریں گے جیسے تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے پڑھنے میں جلدی کریں گے یعنی پڑھنے کا عوض دنیا میں لیں گے آخرت کے ثواب کے لئے نہیں پڑھیں گے۔ (ابوداؤد والبیہقی)

قرآن کو عربی طریقے پر پڑھو: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قرآن کو عربی لے اور عربی آہنگ سے پڑھو عشاق اور اہل کتاب کے دونوں گروہوں کی لے سے اجتناب رکھو آئندہ میرے بعد کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو نغمہ اور نوحہ کی طرح قرآن کو ٹکری سے پڑھیں گے قرآن (پڑھتے وقت) ان کے حلقوم سے آگے نہیں بڑھے گا ان کے دل فتنہ زدہ ہونگے اور ان لوگوں کے دل بھی مبتلاء فتنہ ہونگے جو ان کی اس کیفیت کو پسند کرتے ہونگے۔ (بیہقی اور ابن رزین)

قرآن کو تکیہ نہ بناؤ:

حضرت عبیدہ ملیکی صحابی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے قرآن والو! قرآن کو تکیہ نہ بناؤ اوقات روز و شب میں اس کی تلاوت کرو اور حق تلاوت پورا کرو۔ اسکو پھیلاؤ اس کو لے سے پڑھو اس کے اندر جو کچھ ہے اس پر غور کرو تا کہ تم کو فلاح حاصل ہو اس کا معاوضہ طلب کرنے میں جلدی نہ کرو (یعنی دنیا میں اس کے عوض نہ طلب کرو) کیونکہ اس کا عظیم الشان عوض آخرت میں ہے۔ (رواہ البیہقی شعب الایمان)

بہترین علاج: حضرت علی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بہترین علاج قرآن ہے۔ رواہ ابن ماجہ دوسرے الفاظ میں ہے قرآن ہی علاج ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ (بیماری کے لیے) دو شفا کی چیزیں اختیار کرو شہد اور قرآن۔ حضرت واثلہ بن اسقع کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حلق کے درد کی شکایت کی فرمایا قرآن پڑھا کرو۔ (بیہقی فی شعب الایمان) (تفسیر مظہری)

بحمد اللہ تعالیٰ

چودہ سو سالہ مفسرین قرآن کریم
اور اُن کی تفاسیر کا تعارف

تاریخ
تفسیر و مفسرین

مرتب:
حضرت مولانا عبدالقیوم مہاجر مدنی مدظلہ العالی

یہ رسالہ کافی عرصہ قبل جمع کیا گیا تھا مگر جب ''گلدستہ تفاسیر'' کی ترتیب کا کام شروع ہوا تو کاغذات کی پس و پیش سے اس کا مسودہ گم ہو گیا' تلاش بسیار کے باوجود نہ ملا۔ کا' اب جگہ گلدستہ تفاسیر کا کام تکمیل کے مراحل میں پہنچ چکا تو اچانک ہی مسودات میں سے یہ مسودہ ظاہر ہو گیا' یوں لگتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اس رسالہ کو گلدستہ تفاسیر کیلئے محفوظ رکھا اور بر موقع ظاہر فرمادیا۔

اللہ تعالیٰ قبولیت عطا فرمائے اور مفید بنائے آمین۔

اس رسالہ کی ترتیب میں حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب رحمہ اللہ کی کتاب تذکرۃ المفسرین سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

تعارف علم تفسیر

علم تفسیر کی تعریف

لفظ تفسیر کا معنی کسی چیز کا چھلکا اتارنا اور اس کی حقیقت معلوم کرنا ہے مگر اصطلاح میں اس سے مراد ''وہ علم ہے جس میں قرآن کریم کے الفاظ اور ان کے معانی اور مصداق سے انفرادی اور اجتماعی طور سے بحث کی جائے۔''

موضوع: اس علم کا موضوع کلام اللہ ہے۔

غرض اور فائدہ: ابدی اور کامل ہدایت سے ابدی اور کامل راہ نمائی حاصل کرنا تاکہ نجات حاصل ہو، بالفاظ محدث کبیر حضرت علامہ انور شاہ صاحب رحمہ اللہ۔

''مقاصد قرآن حکیم سے وہ ہونے چاہئیں جن سے مبداء و معاش و معاد اور فلاح و نجاح دُنیا و آخرت وابستہ ہو۔'' (مقدمہ ترجمہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ)

تفسیر قرآن کے دو محرکات

یہ بھی قرآنی اعجاز ہے کہ قرآن حکیم کی بعض تفاسیر اس قدر مختصر ہیں کہ ان کے کلمات، کلماتِ قرآنی سے کچھ ہی زیادہ ہیں جیسا کہ جلالین، اور بعض تفاسیر کئی جلدوں پر مشتمل ہیں، جیسا کہ تفسیر ابن النقیب حنفی، جس کی ضخامت نوے جلدوں سے بھی زیادہ ہے یہ تو تفسیر کا پہلا رخ ہے اور تفسیر قرآن حکیم کا دوسرا رُخ دفاعی ہے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ جوں جوں اسلام پھیلتا گیا اور مملکتِ اسلامیہ کی حدود خطۂ حجاز سے بڑھ کر ایشیائی ممالک تک پھیلتی گئیں تو ادھر تو نئے نئے مسائل پیدا ہوتے گئے اور ادھر اسلام کے خلاف آنے والی طاقتوں نے دو طریقے اختیار کر لیے:

ایک تو یہ کہ قرآنی تعلیمات پر کھلم کھلا اعتراضات کرنے شروع کر دیئے جیسا کہ فلسفہ زدہ دہریہ طبقہ یا بے دین راہب گروہ اور دوسرا یہ کہ بعض بے دینوں نے قرآنی تعلیمات کے منبع قرآنِ حکیم کو آڑ بنا کر اپنے لادینی نظریات کو فروغ دینا شروع کر دیا، جیسا کہ خوارج اور معتزلہ۔

چنانچہ خداوند حکیم نے اس کتابِ عزیز کی حفاظت اپنے ذمے لیتے ہوئے قرآن کے نزول کے ابتدائی دور ہی میں فرما دیا تھا:

''یہ حقیقت ہے کہ ہم ہی نے اس ذکر (قرآنِ مجید) کو اتارا اور ہم ہی اس کی یقیناً حفاظت کرنے والے ہیں۔'' (الحجر ۹)

اور ساتھ ہی ان خطرات سے بھی خبردار کر دیا تھا کہ جیسا کہ ہر نبی علیہ السلام کے مخالفین باطل نظریہ کو وحی الٰہی کے مقابلے میں پھیلانے کی کوشش کرتے تھے اسی طرح قرآنِ عزیز کے مخالف بھی پیدا ہو جائیں گے۔

ترجمہ ''اور اسی طرح بنا دیئے ہم نے ہر نبی کیلئے دشمن انسانوں اور جنات کے شیاطین، ان میں سے بعض بعض کے دل میں جھوٹ کی باتیں بناوٹ کے ساتھ ڈالتے ہیں۔''

مفسرین کے طبقات

طبقۂ اولیٰ: وہ مفسرین کرام ہیں جنہوں نے قرآن حکیم کی تفسیر ارشاداتِ صاحب وحی جناب رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں فرمائی یہ طبقہ صحابہ کرامؓ، تابعین رحمہ اللہ اور تبع تابعین رحمہ اللہ پر مشتمل ہے جیسا کہ صحابہ کرامؓ میں سے عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور تابعین رحمہ اللہ میں سے علقمہ بن قیس رحمہ اللہ (م ۶۱ھ) مسروق بن اجدع رحمہ اللہ م ۶۳ھ عامر شعبی ۱۰۹ھ زیادہ مشہور ہیں بعد میں آنے والے مفسرین قرآن حکیم میں سے یزید بن ہارون سلمی م ۱۱۷ھ شعبہ بن الحجاج م ۱۶۰ھ وکیع بن الجراح م ۱۹۷ھ وغیرہم ہیں۔

طبقہ ثانیہ: ان مفسرین قرآن حکیم پر مشتمل ہے جنہوں نے تفسیر قرآن حکیم کو تاویل کے رنگ میں پیش کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآنی آیات کی مراد متعین کرنے میں آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ کو اساس بنا کر تدبر آیاتِ قرآنیہ سے بھی کام لیا۔

اگرچہ تدبر فی القرآن دورِ نبوت میں رہا مگر چونکہ صاحبِ وحی سید دو عالم ﷺ خود تشریف فرما تھے اس لئے صحابہ کرامؓ حضور انور ﷺ سے معنی مراد کا استفسار کر لیا کرتے تھے۔

طبقۂ ثالثہ: یہ طبقہ ان مفسرین قرآن عزیز پر مشتمل ہے جنہوں نے ارادی اور غیر ارادی طور پر اپنے مخترعہ عندیات کو قرآن عزیز کی آڑ میں شائع کرنے والوں کا تعاقب کر کے اُن کا دفاع کیا ہے اور یہ بھی قرآن عزیز کی بڑی خدمت ہے چنانچہ قرون اولیٰ ہی میں معتزلہ، خوارج، مرجہ وغیرہا فرق باطلہ نے اپنے غیر اسلامی عقائد کو الفاظِ قرآنی کی آڑ میں شائع کرنے کی جب جسارت کی تو مفسرین قرآن عزیز نے ان کا دفاع کرتے ہوئے امتِ محمدیہ کو

گمراہی سے بچالیا جس کیلئے وہ امت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔

تفسیر، تاویل، تحریف

تفسیر: تدبر فی القرآن اسلامی تعلیمات کی عالم گیر اور ابدی افادیت کیلئے نہ صرف مفید ہے بلکہ ضروری ہے کہ تدبر فی القرآن کا منشاء اور مقصد تعلیماتِ قرآنی کی اشاعت ہو اور اس نیت سے ہو کہ منشاء ایزدی کو خلقِ خدا قبول کرے اور ارشاداتِ الٰہیہ کو بالادستی حاصل ہو، فرمایا:

ترجمہ: ''بے شک یہ قرآن لوحِ محفوظ میں ہے ہمارے ہاں بڑا بلند اور حکمت والا ہے۔''

چنانچہ یہ تفسیر تو مقبول و محمود ہے بلکہ ضروری ہے تاکہ قرآنی تعلیمات کی افادیت اور عظمت راسخ ہو جائے۔

صحیح تفسیر اور تاویل کیلئے چند شروط ہیں۔

پہلی شرط تو یہ ہے کہ قرآن عزیز کی کسی ایک ہی آیت کو دیکھ کر تفسیر نہ کی جائے بلکہ اس مضمون کی جملہ آیات کو جمع کر کے پھر تفسیر کی جائے۔

تفسیر القرآن بالقرآن کے لئے متداول تفاسیر میں سے تفسیر امام بغوی زیادہ مفید ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اگر قرآن عزیز کی کسی آیت کی تفسیر دوسری آیات سے سمجھ میں نہ آسکے تو صاحبِ وحی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور اعمال مبارکہ کی روشنی میں تفسیر کی جائے۔

اس لئے ضروری ہے کہ مفسر القرآن کی نظر صاحبِ وحی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشاداتِ عالیہ پر ہو محض کسی لغت وغیرہ کا ایسا اعتبار نہ کیا جائے کہ وحی ربانی اور ارشادات نبوی کے مقابلہ میں اس کو ترجیح دی جائے۔

تاویل: تدبر فی القرآن کے سلسلے میں تاویل کا سمجھنا بھی ضروری ہے۔

تاویل کا لفظی معنی تو پھیرنا ہے مگر اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ ارشاداتِ باری تعالیٰ میں اصول تفسیر کو مدنظر رکھتے ہوئے غور و فکر کے بعد ایک یا چند معانی متعین کر دیئے جائیں۔

سید دو عالم ﷺ نے ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کیلئے یہ دُعا فرمائی۔

ترجمہ: یا اللہ اس کو دین میں سمجھ عطا فرما اور قرآن سمجھنے کی توفیق عطا فرما۔

قرآن عزیز کے ارشاد کا معنی اور مطلب متعین کرنے کیلئے تاویل کی ضرورت پڑے تو اس تاویل کے صحیح ہونے کیلئے مندرجہ ذیل شروط ہیں۔

(۱) الفاظ قرآنی کا معنی مراد سمجھنے کیلئے لغت عرب کا استحضار جب قرآن عزیز کی آیات اور حدیث، اقوال صحابہ و تابعین سے تفسیر معلوم نہ ہو سکے تو پھر تاویل کیلئے لغت عرب کی طرف رجوع کیا جائے۔

اس لئے مفسرین سابقین پہلے لغت عرب میں مہارت تامہ حاصل کر لیتے تھے پھر اس کے بعد تفسیر القرآن پر قلم اٹھایا کرتے تھے، جیسا کہ آٹھویں صدی کے مفسر ابو حیان اندلسی نے کہا ہے کہ:

''میں نے بچپن ہی میں علم لغت میں کتاب الفصیح اور دوسری کتب کو از بر کر لیا اور عربی دیوانوں میں سے چھ مشاہیر عرب (امراء القیس، نابغہ، علقمہ، زہیر، طرفہ، عنترہ) کے دیوان بھی یاد کر لئے تھے۔''

(۲) دین قیم کے اساسی عقائد توحید و نبوت وغیرہما سے پوری طرح باخبر ہو، اور ان پر یقین رکھتا ہو ورنہ جو مفسر اسلام کے بنیادی عقائد سے بے خبر یا عقیدۃً مخالف ہوگا وہ تفسیر قرآن عزیز میں عظیم غلطی کر جائے گا جیسا کہ قدیم اہل ہوا نے ایسی غلطیوں کا ارتکاب کیا اور جدید اہل ہوا بھی اسی کا شکار ہوئے اور ہو رہے ہیں۔

(۳) مفسر قرآن عزیز کیلئے ضروری ہے کہ وہ فقہی ابحاث سے بھی باخبر ہو تاکہ حرام حلال سمجھ سکے جناب رسول کریم ﷺ نے امت کو حکم دیا اَحِلُّوْا حَلَالَهٗ وَحَرِّمُوْا حَرَامَهٗ. (الحدیث)

(۴) مفسر قرآن عزیز کیلئے سب سے زیادہ ضرورت نور باطن کی ہے، اگر ایک انسان علوم لسانی اور علوم علمیہ سے بہرور بھی ہو مگر اس کا عمل سراسر تعلیماتِ قرآنی کے مخالف ہو یا اس کے نظریات میں اعوجاج ہو تو وہ قرآنی معارف کو کماحقہ نہ سمجھ سکے گا اور اس کی تفسیر تحریف کے زیادہ قریب ہوگی جیسا کہ علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا:

''مولانا ابوالکلام آزاد کا ایک فقرہ اس باب میں بہت خوب ہے انہوں نے ایک دفعہ کہا تھا کہ کبھی حضرت شاہ ولی اللہ اور سر سید احمد خان دونوں ایک ہی بات کہتے ہیں مگر ایک سے ایمان پرورش پاتا ہے اور دوسرے سے کفر۔''

(سید صاحب کا غیر مطبوعہ مکتوب مندرجہ العلم (کراچی) باعث جنوری ۵۹ء)

صحیح تفسیر اور تاویل کیلئے سند کا ہونا ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ دینی علوم بلکہ درس نظامی کے جملہ علوم و فنون کیلئے سند ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے بلکہ ناظرہ قرآن عزیز کی قرأت اور تلاوت کی تعلیم و تعلم کیلئے بھی سند کا ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی سند ناظرہ قرآن عزیز کو عبداللہ بن مسعودؓ تک ذکر فرمایا ہے جنہوں نے سید دو عالم ﷺ سے قرآن عزیز پڑھا بھی ہے اور سنایا بھی ہے۔

تفسیر بالرائے پر عالمِ اسلامی کے جلیل القدر ادیب کی تنقید

مصر کے سابق وزیر تعلیم ڈاکٹر طٰہٰ حسین مرحوم نے فرمایا ہے کہ:

''میں کہہ سکتا ہوں کہ موولین (قرآن عزیز کی تفسیر بالرائے کرنے والے) خواہ قدماء میں سے ہوں یا فلاسفہ میں سے، ان کی تاویلات دور از کار ہیں انہوں نے عقل کو راہ نمائی سونپی اور دھوکہ کھا گئے انہوں نے وہ باتیں

کیں جوان کے منہ سے نہیں نکلنی چاہئیں تھیں۔ان کو سزاوار یہ تھا کہ حد سے قدم آگے نہ بڑھاتے جس جگہ ان کو قوتِ فہم وادراک اور شعور اور بلوغ ختم ہوگئی تھی وہیں پر ٹھٹھک کر رہ جاتے، یہ ان کیلئے بہتر ہوتا ان کے لئے بھی اور ان لوگوں کیلئے بھی جنھیں انہوں نے فتنے میں مبتلا کر دیا تھا۔

ان دورازکار تاویلات نے عجیب عجیب گل کھلائے ہیں مثلاً قرآن مجید میں طیراً ابابیل کا ذکر آیا ہے یعنی وہ چڑیاں جنہوں نے مکے پر حملہ آور حبشی فوج پر کنکریاں پھینک کر اسے تباہ کر دیا تھا یہ عقل پرست طیراً ابابیل سے وبا مراد لیتے ہیں اور کنکریوں سے غیر مرئی جراثیم، یہ تاویل انہوں نے اپنی طرف سے کی حالانکہ سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ نے سورۃ الفیل کا یہ مطلب نہیں لیا اور نہ ہی اس نہج پر اسے سمجھا تھا اور وہ اس نہج پر سمجھ بھی نہیں سکتے تھے یہ ان کیلئے زیب کب تھا وہ میکروب (جراثیم) سے بالکل ناواقف تھے اسی طرح جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن عزیز میں سَبْعَ سَمٰوٰتٍ سے مراد کواکب وسیارہ ہیں یہ بھی انکل پچو بات ہے یہ ایسی بات کر رہے ہیں جو نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ نے کبھی نہیں فرمائی۔" (اسلام منزل بمنزل ص ۳۷۶)

علم تفسیر کی تدوین

ابتداءِ اسلام میں حدیث اور تفسیر قرآن عزیز کو یکجا ہی جمع کر لیا جاتا تھا چنانچہ یہ طریقہ بعد میں جاری رہا اور ہے ہر محدث نے اپنی مرتبہ کتاب حدیث میں ابواب التفسیر کو جمع کر دیا ہے مگر پھر بھی جلیل القدر تابعی حضرت مجاہد م ۱۰۲ھ نے تفسیر قرآن عزیز کو کتابی شکل میں جمع کر دیا تھا جس سے امام شافعی اور امام بخاری جیسے جلیل القدر ائمہ کرام نے اپنی اپنی کتابوں میں استشہاد کیا ہے اسی طرح ابی بن کعب کی مرتبہ تفسیر اور حضرت ابن عباس کی تفسیر قرآن عزیز روایت کردہ علی ابن ابی طلحہ م ۱۴۳ھ پر بھی اعتماد کیا گیا ہے۔

جب تک اسلام حدودِ عرب میں رہا اس وقت تک قرآنی تعلیمات بیرونی نظریات سے محفوظ رہیں اس لئے دورِ اول کے مفسرین نے ان کی طرف توجہ نہ فرمائی لیکن جوں ہی اسلام نے اپنے مرکز سے باہر بھی پھیلنا شروع کیا تو اس وقت کے غیر اسلامی نظریات نے قرآن عزیز کی آڑ میں اپنے نظریات باطلہ کی اشاعت شروع کر دی جیسا کہ معتزلہ، مرجئہ، قدریہ، وغیرہا فرق باطلہ نے قرآن عزیز ہی کو اپنے مقصد باطلہ کیلئے پیش کرنا چاہا اس لئے اس دور کے علماء تفسیر نے اپنی اپنی مرتبہ تفاسیر میں دفاع عن الدین کا فریضہ بھی ادا فرمایا۔

اسی طرح وسعت حدودِ مملکت کے پیش نظر امت کو دینی دفعات کے مرتب کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی تو احکام القرآن کا موضوع بھی اختیار کیا گیا اس پر مستقل تفاسیر مرتب کی گئی اور عمومی تفاسیر میں اس موضوع پر بھی قلم اٹھایا گیا۔

تفسیر قرآن اور برصغیر

بحمدہ تعالیٰ برصغیر میں تفسیر قرآن عزیز جزوی اور کامل طور پر ابتداء اسلام ہی سے مرتب ہوگئی تھی جیسا کہ:

(۱) کشمیر کے ایک راجہ کے متعلق ہے کہ اس نے قرآن مجید کی تفسیر مقامی زبان میں تیار کرائی تھی۔ (تاریخ مسلمانان پاک وہند ص ۱۰۷)

(۲) اسی طرح بزرگ بن شہریار ناخدا رامہرمزی نے اپنی مرتبہ کتاب "عجائب الہند" میں مہروک بن رائق ملک الور کے متعلق یہ لکھا ہے کہ اس نے ۲۷۰ھ میں عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز صاحب منصورہ کو یہ لکھا کہ وہ اس کے پاس کسی ایسے عالم کو بھیجے جو اس کیلئے قرآن عزیز اور اسلام کی تشریح ہندی زبان میں کرے چنانچہ اس کیلئے ایسے ہی ایک عالم کو بھیجا گیا جس نے اس راجہ کو قرآن کریم ہندی زبان میں پڑھایا جب سورۃ یٰسین کی آیت "قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِيٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ" پر پہنچے تو راجہ نے زمین بوس ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

(رجال الہند والسند ص ۲۵۴ و دکنی کلچر از نصیر الدین ہاشمی شائع کردہ مجلس ترقی ادب لاہور)

(۳) ڈاکٹر مہر الحق نے "ملتانی زبان" نامی کتاب میں یہ لکھا ہے کہ:

"عراقی نے ۲۷۰ھ میں قرآن حکیم کا ترجمہ یا تفسیر سندھی زبان میں لکھی ہندوستان میں قرآن کریم کا پہلا ترجمہ یہی تھا۔" (ص ۳۲۱)

اسی طرح امام عبد بن حمید م ۲۴۹ھ بھی جلیل القدر مفسر کچھ (سندھ) کے تھے وسطی دور میں حضرت سید محمد گیسو دراز م ۸۲۵ھ اور شیخ علی مہائمی (بمبئی) عظیم مفسر گذرے ہیں مؤخر الذکر کی مرتبہ تفسیر مصر میں طبع ہوئی اور اس وقت کے جلیل القدر علماء سے خراج تحسین حاصل کیا، فارسی زبان میں قرآن عزیز کی مبسوط تفسیر قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے بہ نام بحر مواج مرتب فرمائی، اورنگ زیب کے استاد ملا جیون جون پوری کی تفسیر احمدی عالم اسلامی میں مستند تفسیر ہے ان سب کا تفصیلی ذکر اپنے اپنے مقام پر ان شاء اللہ آ جائے گا۔

پہلی اور دوسری صدی ہجری کے مفسرین قرآن عزیز

تاج وسراج المفسرین سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن عزیز کا نزول ہوا اور آپ ہی نے پہنچایا اور سمجھایا بھی ہے اس لئے قرآن عزیز کے سب سے پہلے مفسر خود سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور پھر آپ کے تمام صحابہ بھی مفسرین قرآن کریم ہیں مگر چند صحابہ خصوصی طور پر مفسر تھے اس لئے علماء تفسیر نے طبقات المفسرین میں سے پہلا طبقہ مندرجہ ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا ہے۔

سیدنا ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی مرتضیٰ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود، زید بن ثابت، ابوموسیٰ اشعری، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم (مناہل ۱/۳۲)

۱: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ:

کاتب وحی ہونے کے علاوہ سید دو عالم علیہ السلام کے عہد مبارک میں فتوی بھی دیا کرتے تھے، سید القرا کہلائے آپ سے ۱۶۴ احادیث مروی ہیں فرمایا اے ابی! اللہ نے تیرا نام لے کر فرمایا ہے کہ میں قرآن پڑھوں اور تو سنے آپ کو سید الانصار کا لقب دیا تھا حضرت عمر فاروقؓ آپ کو سید المسلمین کہا کرتے تھے آپ سے قرآنی تفسیر کا ایک عظیم نسخہ روایت ہے خلیفہ چلپی نے لکھا، ''ابی ابن کعبؓ نے تفسیر قرآن عزیز میں ایک بڑی کتاب لکھی جس کی اسناد صحیح ہیں، ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اور حاکم نے مستدرک میں تفسیر ابی ابن کعبؓ کو نقل کیا ہے۔ (مفتاح السعادۃ ج ۱ص ۴۰۴)

مدینہ منورہ میں ۲۰ھ کو آپ کی وفات ہوئی۔

۲: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

حبشہ اور مدینہ منورہ کے مہاجر ہیں تمام غزوات اور جنگ یرموک میں بھی شرکت فرمائی فرمایا تو قرآن پڑھ تاکہ میں سنوں ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم دس آیات قرآنی پڑھ کر ان کے معانی سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کے بعد آگے پڑھا کرتے تھے، آپ کے شاگردوں کی تعداد چار ہزار ہے ۳۲ھ کو رحلت فرمائی اور جنت البقیع میں دفن کر دیئے گئے۔

۳: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ:

اسلام کیلئے بڑی تکالیف اٹھائیں فرمایا: سلمان من اهل البيت دوسو پچاس سال عمر پائی مدائن میں ۳۵ھ کو انتقال فرمایا۔

''ایران کے نومسلموں نے حضرت سلمان فارسیؓ کی خدمت میں لکھا کہ وہ اسلام لانے کے فوراً بعد عربی زبان میں نماز نہیں پڑھ سکتے چنانچہ آپ نے ان کیلئے سورۃ فاتحہ کا ترجمہ فارسی زبان میں کر کے بھیج دیا عربی زبان سیکھنے تک اپنی نمازوں میں پڑھا کرتے تھے'' (مبسوط مطبوعہ مصر ج ۱ص ۳۷) آپ پہلے مترجم اور مفسر ہوئے۔

۴: حضرت علی کرم اللہ وجہہ:

قرآن عزیز کا سننا اور پھر اس کا سمجھنا آپ کو زیادہ نصیب ہوا، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تفسیر قرآن آپ سے نقل فرمائی آپ اکثر اوقات قرآن عزیز کی تفسیر فرمایا کرتے جس کو ابو حمزہ ثمالیؒ لکھ لیا کرتے تھے جس کو فہم القرآن کا نام دیا ہے آپ سے پوچھا گیا ما فی هذه الصحيفه تو آپ نے فرمایا فهم القرآن آپ کی شہادت ۲۱ رمضان ۴۰ھ کو ہوئی۔

۵: ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

اجلہ صحابہ کرام کو آپ کی شاگردی کا شرف حاصل تھا باقاعدہ درس قرآن حدیث دیا کرتی تھیں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب بھی ہم کو فہم آیات قرآنی میں کوئی مشکل پیش آئی تو آپ نے راہ نمائی فرمائی وفات ۱۷ رمضان ۵۷ھ جنت البقیع میں آرام فرما ہیں۔

۶: حضرت مسروق بن اجدح رحمہ اللہ:

عہد صدیقی میں اسلام لائے کارہائے نمایاں انجام دیئے عائشہ صدیقہؓ اور ابن مسعود سے اکتساب فیض کیا، ارض حرم میں پاؤں پھیلا کر نہ سوتے تھے ۶۳ھ میں وفات ہوئی۔

۷: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما:

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں دو موقع پر سید دو عالم علیہ السلام نے فرمایا: اے اللہ اس کو دین کی سمجھ اور قرآن فہمی کی دولت عطا فرما، قرآن عزیز کے اچھے ترجمان علمی مجلس منعقد فرماتے غیر عرب طلباء کیلئے ترجمان مقرر کئے ہوئے تھے اور طلباء کو تفسیری نوٹ لکھواتے تھے ابن ابی ملیکہ نے مجاہدؒ کے پاس

دو تختیاں دیکھیں جن پر ابن عباسؓ نے ان کو قرآنی آیات کی تفاسیر لکھائی اصول التفسیر از ابن تیمیہ ص ۶۲ ایک سورۃ کی تلاوت فرماتے اور پھر خود ہی اس کی تفسیر بھی فرماتے تھے۔ ابو وائل فرماتے ہیں: سورۂ بقرہ یا سورۂ نور کی تلاوت فرمائی اور پھر اس کی ایسی جامع تفسیر فرمائی کہ اگر اس کو ترک روم اور دیلمی سن لیتے مسلمان ہو جاتے حضرت مجاہد نے ابن عباسؓ سے تیس مرتبہ قرآن عزیز پڑھا آپ کے شاگرد سعید بن جبیرؓ عکرمہ طاوس عطا ہیں آپ سے جو تفسیر نقل کی گئی ہے وہ علی بن طلحہ ہاشمی (م ۱۴۳ھ کی سند سے منقول ہے یہ تفسیر لیث بن سعد م ۱۷۵ھ کے کاتب ابو صالح کے پاس مصر میں موجود تھی اور یہی تفسیر امام بخاری نے اپنی صحیح میں اسی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ تفسیر ابن عباسؓ سید دو عالم ﷺ کی رحلت کے فوراً بعد مرتب ہو چکی تھی،'' قلمی نسخہ ہرن کی جھلی پر لکھا ہوا مکتبہ ملک عبدالعزیز کے کتب خانہ مدینہ منورہ میں موجود ہے جس پر سال کتابت ۳۱۶ھ درج ہے تنویر المقیاس فی تفسیر ابن عباس کا ایک قلمی نسخہ پبلک لائبریری لاہور میں موجود ہے ۱۲۱۰ھ درج ہے تفسیر ابن عباسؓ کا اردو ترجمہ کلام کمپنی کراچی نے شائع کیا تفسیری ارشادات ایک مجموعہ مکہ یونیورسٹی نے بھی شائع کیا ہے علاوہ آپ کے چند مسائل نافع بن الازرق بھی ہے قرآن عزیز کے لئے جو اشعار بطور شہادت۔ جن کا ماخذ سیوطی کی اتقان ابن الانباری کی کتاب الوقف اور طبرانی کی معجم کبیر ہے۔ مسائل ابن الازرق میں

جزى الله الاكان بيني وبينهم جزاء ظلوم لا يؤخذ عاجلاً

مکہ مکرمہ سے طائف منتقل ہو گئے تھے اور وہیں ۶۸ھ کو وصال ہوا۔

۸: رفیع بن مہران بصری:

خود فرماتے ہیں'' مجھے ابن عباسؓ اپنے پاس تخت پر بٹھایا کرتے تھے آپ کے شاگردوں میں سے حضرت قتادہ جیسے مفسر قرآن پیدا ہوئے صحابہ کرامؓ کے بعد تفسیر جاننے والا ابو العالیہ سے بہتر کوئی نہیں۔''

۹: سعید بن جبیر بن ہشام الاسدی:

(۱۳) حضرت قتادہ نے فرمایا: تابعین میں سے سب سے زیادہ تفسیر قرآن عزیز جاننے والے سعید بن جبیر ہیں طبری هو ثقة امام المسلمين حجة ابن حبان كان عبداً فاضلاً ورعاً علامه ذهبی هو احدالاعلام خليفه وقت عبد الملك بن مروان (م ۸۶ھ) نے آپ سے تفسیر قرآن عزیز مرتب کرنے کی درخواست کی جس پر تفسیر لکھی پھر اس قلمی نسخہ کو خلیفہ نے شاہی کتب خانہ کی زینت بنا دیا عطاء بن دینار الہلالی مصری نے شاہی کتب خانہ سے حاصل کر کے روایت کیا حجاج بن یوسف کے ظلم کا نشانہ بنے ۹۵ھ میں جام شہادت نوش فرمایا (۱۴) زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (۱۵) ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (۱۶) عبداللہ بن زبیرؓ۔

۱۰: ابو الاسود بن عمرو بن سفیان رحمہ اللہ:

(۱۷) جلیل القدر تابعی تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے شاگرد علم نحو کا ابتدائی جملہ الكلمة ثلثة اضرب اسم وفعل حرف سکھایا تفسیر بھی ابو الاسود نے حضرت علی سے روایت کی وفات ۹۹ھ یا ۱۰۱ھ بھی لکھی ہے۔

۱۱: ضحاک بن مزاحم ہلالی رحمہ اللہ:

خراسان کے بہت بڑے عالم اور مفسر القرآن، آپ کا مدرسہ اس قدر وسیع تھا کہ آپ حمار پر سوار ہو کر طلباء کی نگرانی فرمایا کرتے طلباء کی تعداد تین ہزار تک پہنچ جاتی ۱۰۲ھ میں وفات پائی۔

۱۲: حضرت عکرمہ افریقی رحمہ اللہ

ولادت مدینہ منورہ حضرت ابن عباسؓ کے غلام آزاد علم کی اشاعت کیلئے خراسان، اصبہان، مصر وغیرہ کا سفر کئی بار کیا چنانچہ ابن خلکان رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ كان عكرمة الطواف والجولان فى البلاد ۱۰۴ھ کو وفات ہوئی۔

۱۳: مجاہد بن جبیر رحمہ اللہ:

ولادت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوئی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ممتاز شاگرد تھے ابن عباسؓ سے تین دفعہ قرآن عزیز پڑھا مکہ مکرمہ میں بحالت سجدہ وفات ۱۰۲ھ میں پائی عبداللہ بن عمرؓ ان کی سواری کی رکاب تھام لیتے تھے (مقدمہ کسالہ تفسیر از ابن تیمیہ رحمہ اللہ تفسیر مجاہد رحمہ اللہ حکومت قطر سے طبع ہو چکی ہے۔

۱۴: طاوس بن کیسان رحمہ اللہ:

یمن کی بستی جند میں پیدا ہوئے، ابن عباسؓ کے علاوہ انچاس صحابہ کرامؓ کی زیارت کی ابن عباسؓ نے فرمایا: انى لا ظن طاوس من اهل الجنته ''۱۰۶ھ کو مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔

۱۵: حافظ ابو الخطاب قتادہ بن دعامہ رحمہ اللہ:

عربی النسل اور مادر زاد نابینا تھے اجلہ علماء محدثین ومفسرین سے استفادہ کیا آپ کے استاد ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں،'' قتادہ احفظ الناس تھے۔'' امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ '' قتادہ تفسیر القرآن اور اختلاف العلماء میں سب سے مقدم تھے کہتے کہ مجھے ہر آیت کے متعلق تفسیر کا کچھ نہ کچھ حصہ معلوم ہے عراقی علماء نے آپ کو عالم اهل البصرة کا لقب دیا ۱۱۷ھ میں انتقال فرمایا۔

۱۶: محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ:

ابن مسعودؓ سے شرف تلمذ تفسیر القرآن میں بلند مقام ۱۱۸ھ میں وفات ہوئی۔

۱۷: اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ السدی الکبیر:

سدی انس بنؓ مالک اور ابن عباسؓ سے تفسیر امام بخاری کے علاوہ

دوسرے محدثین نے آپ سے روایات لی ہیں آپ کی وفات ۱۲۷ھ کو ہوئی کوفہ کے نامور مفسر سمجھے گئے ثقہ ہونے میں اختلاف ہے۔

۱۸: زید بن اسلم رحمہ اللہ :

حضرت عمر فاروقؓ کے غلام تھے حضرت حسینؓ بن علیؓ آپ کے درس میں بیٹھتے امام مالکؒ جیسے اجلہ علماء کرام آپ کے شاگرد ہوئے ۱۳۶ھ کو وفات ہوئی۔

۱۹: علی بن طلحہ رحمہ اللہ :

ابو الحسن تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے نقل فرمائی اور پھر اس کو ایک صحیفہ کی شکل میں جمع کر دیا امام احمد رحمہ اللہ کا ارشاد: ''مصر میں تفسیر کا وہ صحیفہ محفوظ ہے جسے علی بن ابی طلحہؒ نے روایت کیا ہے اگر کوئی آدمی اس کیلئے مصر کا سفر کرے تو یہ کوئی مشقت کی بات نہ ہوگی کچھ اقتباسات محمد فواد مصری رحمہ اللہ معجم غریب القرآن کے نام سے شائع کر دیئے وفات ۱۴۳ھ کو ہوئی۔

۲۰: ابو عمرو بن العلاء رحمہ اللہ :

امام حسن بصری کے ساتھ خادمانہ تعلق قرآن کریم کے ساتھ عشق قراء سبعہ میں سے ایک آپ بھی ہیں کتاب بہ نام مرسوم المصحف لکھی کوفہ میں ۱۴۵ھ کو انتقال فرمایا۔

۲۱: مقاتل بن حیان رحمہ اللہ :

تہذیب میں ابن حبان نے لکھا ابن کثیر رحمہ اللہ اور مفسر بغوی رحمہ اللہ نے اپنی اسناد میں اس مفسر کا ذکر بھی کیا ہے بلخ سے کابل آکر مقیم ہو گئے، ایک تفسیر بہ نام نوادر التفسیر مرتب کی انتقال ۱۵۰ھ کو ہوا۔

۲۲: عبد الملک بن عبد العزیز:

تین سو سے زائد شیوخ جن میں سے امام احمد رحمہ اللہ بھی بصرہ میں تدریس آپ کے حلقہ درس میں سے سفیان ثوری رحمہ اللہ ابو داؤد رحمہ اللہ، عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ ہوئے امام المتقین کہا جاتا تھا خلیفہ جلبی رحمہ اللہ ان کی مرتبہ تفسیر کو تفسیر شعبہ کہا جاتا تھا ۱۶۰ھ میں بصرہ میں انتقال ہوا۔

۲۳: سفیان ثوری رحمہ اللہ :

کوفہ میں خلیفہ سلیمان بن عبد الملک رحمہ اللہ کے زمانہ میں پیدا ہوئے علم و معرفت تقوی پر اہل زمانہ متفق تھے معمر اوزاعی فضیل بن عیاض رحمہ اللہ آپ کے شاگرد ہیں آپ کی قرآن عزیز کی تفسیر رضا لائبریری رام پور (بھارت) میں محفوظ ہے امتیاز عرشی کی ترتیب سے سورۃ بقرہ تا سورۃ والطور شائع ہو چکا ہے بصرہ میں ۱۶۱ھ میں فوت ہوئے۔

۲۴: زائدہ بن قدامہ کوفی رحمہ اللہ :

ابو اسحاق رحمہ اللہ و دیگر جلیل القدر علماء سے علوم حاصل کئے سنت نبوی کے اس قدر دلدادہ تھے کہ کسی بدعتی اور تقدیر کے منکر کو اپنے مدرسہ میں داخل نہ کرتے تھے جہاد بالسیف بھی کیا حدیث اور تفسیر میں کتابیں لکھیں ۱۶۱ھ کو شہید ہوئے۔

۲۵: امام مالک بن انس رحمہ اللہ :

ستر صحابہ کرامؓ کی زیارت کی سترہ سال کی عمر میں آپ مدرس، مفتی اور قاضی مشہور ہو چکے لقب امام اہل مدینہ آپ کی کتاب مؤطا امام مالک ہے ایک قرآن عزیز کی تفسیر بھی ہے تراجم مالکیہ کتابه فی التفسیر وهذه سبعون الف مسئلته ساتویں صدی ہجری محقق عالم ابو الحسن علی الاشعبیلی رحمہ اللہ م ۶۶۶ھ نے اپنے استاد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مرتبہ تفسیر قرآن کریم پڑھی ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۷۹ھ مزار مبارک جنت البقیع مدینہ منورہ میں ہے۔

۲۶: عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ :

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے جلیل القدر شاگردوں علم و عمل تقوی مجاہد فی سبیل اللہ بھی مصنف کتاب الزہد جامع کتاب ہے احیاء المعارف (انڈیا) سے ۱۹۶۶ء کو شائع ہو چکی ہے، قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی مرتب فرمائی ۱۸۱ھ کو انتقال فرمایا۔ حضرت فضیل کو ایک منظوم خط لکھا جس کے دو اشعار:

یا عابد الحرمین لو ابصرتنا — لعلمت انک فی العبادة تلعب
من کان یخضب خده بدموعه — فنحور نا بدمنا تتخضب

۲۷: یونس بن حبیب نحوی:

بصرہ میں ابو عمرو بن العلاء اور حماد بن مسلمہ سے عربی ادب حاصل کیا کتاب معانی القرآن الکریم ۱۸۶ھ کو فوت ہوئے۔

۲۸: محمد بن مروان سدی صغیر:

وکیع بن الجراح رحمہ اللہ نے آپ کو نیشاپوری کہا سندھی الاصل صحاح ستہ کے جامعین محدثین عظام، امام احمد و امام شافعی آپ کے شاگردوں میں سے ہیں دن کو روزہ اور رات کو تلاوت قرآن کی تفسیر بھی لکھی جس کا نام تفسیر وکیع ہے نفیس ترین تفسیر ہے ۱۹۷ھ کو وفات ہوئی۔

۲۹: ابو محمد سفیان بن عیینہ الہلالی رحمہ اللہ :

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر حجاز میں امام مالک رحمہ اللہ اور سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نہ ہوتے تو حجاز کا علم دنیا میں باقی نہ رہتا، آپ بلند پایہ مفسر تھے ابن ندیم نے لکھا ہے له تفسیر معروف وفات ۱۹۸ھ کو ہوئی، آپ کی تفسیر تیسری صدی تک اہل علم میں متداول تھی۔

۳۰: ابو زکریا یحیٰی بن سلام رحمہ اللہ :

تبلیغ اسلام کے لئے اپنی زندگی افریقہ میں گزار دی قرآن عزیز کی ایک تفسیر مرتب فرمائی ۲۰۰ھ کو انتقال فرمایا۔

تیسری صدی ہجری کے مفسرین قرآن مجید

(۱) الامام الشافعی رحمہ اللہ :

۱۳ سال کی عمر میں مؤطا امام مالک حفظ کر کے مدینہ منورہ امام مالک کی خدمت میں پہنچے آٹھ ماہ رہ کر پھر مکہ مکرمہ اور پھر عراق آ کر امام محمد کی شاگردی اختیار کر لی احکام القرآن کے موضوع پر تفسیر مرتب فرمائی قاہرہ میں طبع ہوئی کتب خانہ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد میں موجود ہے وفات ۲۰۴ کو ہوئی۔

(۲) ابو عبیدۃ رحمہ اللہ :

دو کتابیں ان کی مشہور ہیں تفسیر غریب القرآن اور کتاب مجاز القرآن، دونوں کتابیں مصر سے شائع ہو چکی ہیں وفات ۲۰۷ھ کو ہوئی۔

(۳) ابو زکریا یحییٰ بن زیاد رحمہ اللہ :

یہ فراء کے لقب سے مشہور ہیں، آپ کے درس میں اس وقت کے قضاۃ اور علماء بھی بیٹھا کرتے تھے، فراء نے اپنے شاگردوں کو تفسیر املاء کرائی جس کا حجم ایک ہزار ورق تھا، آپ کی مرتبہ کتاب معانی القرآن طبع ہو چکی ہے، ۲۰۷ھ کو وفات ہوئی، المامون نے بیٹوں کی تعلیم و تربیت کیلئے آپ کی خدمات حاصل کی تھیں، فراء باہر جانے لگے تو استاد کی جوتیاں اٹھانے کیلئے دونوں شہزادے جھگڑنے لگے آخر فراء کے فیصلے پر دونوں نے ایک ایک جوتی اٹھائی، المامون خوش ہوا استاذ کے اس قدر ادب و احترام پر دس دس ہزار دینار انعام دیا اور اتنی ہی رقم فراء کی خدمت میں پیش کی۔

(۴) محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم رحمہ اللہ :

استنباط احکام اور تنقید و تنقیح میں ید طولیٰ قرآن عزیز کی ایک تفسیر بہ نام احکام القرآن لکھی۔

۵: الامام حافظ عبد الرزاق ابن ہمام رحمہ اللہ :

کئی کتابیں لکھیں، قرآن کریم کی ایک تفسیر عبد الرزاق ہے، مصر کے قلمی کتب خانہ میں ہے اور یہ ۷۲۴ھ کا مکتوبہ ہے، وفات ۲۱۱ھ کو ہوئی، اس تفسیر کا عکس کتب خانہ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد میں موجود ہے جس کا نمبر ۲۹ ہے، تحقیق و تعلیق و طبع شدہ۔

۶: ابو الحسن سعید بن مسعدۃ النحوی رحمہ اللہ :

یہ نقش اوسط کے نام سے معروف ہیں، تفسیر معانی القرآن لکھی ۲۱۵ کو وفات ہوئی۔

۷: امام عبد اللہ بن زبیر حمیدی رحمہ اللہ :

ولادت مکہ مکرمہ میں ہوئی سفیان ابن عینیہ اور امام شافعی سے اکتساب فیض کیا، دس ہزار احادیث زبانی یاد تھیں، آپ کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایک بھی صحابیؓ کو برا کہے تو وہ جادہ سنت سے منحرف ہے، آپ کی مشہور کتاب حدیث مسند حمیدی اج تک متداول ہے، قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی لکھی، مکہ مکرمہ میں ۲۱۹ھ کو وفات پائی۔

۸: قاسم بن سلام ابو عبیدہ رحمہ اللہ :

علماء حدیث و تفسیر فقہ ادب اور دیگر علوم کے جامع مانے گئے ہیں، اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں ابو عبیدہ مجھ سے اور امام احمد، امام شافعی سے زیادہ فائق ہیں ہم لوگ تو ان کے محتاج ہیں، مفید کتابیں کتاب الاموال طبع ہو چکی ہے، کتاب معانی القرآن بھی ہے جو آثار اسانید صحابہ و تابعین اور فقہاء کی تفاسیر کا مجموعہ ہے۔ ۲۲۴ھ میں مکہ مکرمہ میں فوت ہوئے۔

۹: الحافظ سنید بن داوٗد رحمہ اللہ :

ابو علی المصیصی ایک تفسیر مرتب کی جو اپنے استاد وکیع سے روایت کی، امام عبد الوہاب شعرانی رحمہ اللہ م ۹۷۳ھ نے اس تفسیر میں مندرجہ احادیث و آثار کی علیحدہ تخریج بھی مرتب فرمائی۔ وفات ۲۲۶ھ کو ہوئی۔

۱۰: عبد الرحمٰن بن موسیٰ ہواری:

اندلس کے مشہور عالم اور مفتی تھے، ایک تفسیر لکھی ہے ۲۲۸ھ کو وفات ہوئی۔

۱۱: ابو بکر عبد اللہ (ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ)

ابن ماجہ رحمہ اللہ جیسے جلیل القدر ائمہ حدیث آپ کے شاگرد ہیں، علم حدیث میں مسند اور مصنف آپ کی مشہور تصانیف ہیں قرآن کریم کی ایک تفسیر لکھی ہے۔ ۲۳۵ کو فوت ہوئے، مصنف ۱۲ جلدوں میں مجلس علمی کراچی کی توجہ سے طبع ہو چکی ہے۔

۱۲: محمد بن حاتم المروزی رحمہ اللہ :

السمین کے لقب سے مشہور ہوئے امام مسلم، ابوداوٗد رحمہ اللہ اور ابن ماجہ رحمہ اللہ آپ کے شاگرد ہیں۔ بغداد میں باقاعدہ درس تفسیر القرآن دیا کرتے تھے قرآن عزیز کی ایک تفسیر لکھی ۲۳۵ھ کو فوت ہوئے۔

۱۳: اسحٰق ابن راہویہ رحمہ اللہ :

علم تفسیر میں آپ کا ممتاز مقام ہے، زبانی یادداشت سے تفسیر قرآن عزیز لکھوایا کرتے تھے مگر تفسیر کا باسند الفاظ کے ساتھ لکھوانا مشکل کام ہے۔ تابعین رحمہ اللہ کے بعد تفسیر کو زندہ کیا، قرآن عزیز کی تفسیر بھی لکھی۔ ۲۳۸ھ کو فوت ہوئے۔

۱۴: عبد الملک بن حبیب السلمی رحمہ اللہ :

ابو مروان فقہ مالکی تقریباً پوری حفظ تھی، تفسیر اور دیگر معارف قرآنی کے متعلق ان کی ساٹھ کتابیں ہیں، ۲۳۸ھ کو وفات ہوئی۔

۱۵: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ:

امام شافعی رحمہ اللہ امام یوسف رحمہ اللہ، سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ جیسے نادر روزگار ائمہ ہدیٰ سے استفادہ کیا، بلند پایہ محدث، مفسر اور فقیہ تھے، لاکھوں احادیث یاد تھیں، فتنہ خلق قرآن کا استیصال آپ ہی کی قربانیوں کا ثمرہ ہے، ۲۴۱ھ کو فوت ہوئے، تقریباً ۲۲ کتب تصنیف فرمائیں جن میں سے ایک تو قرآن کریم کی تفسیر ہے۔

۱۶: علی بن حجر رحمہ اللہ:

سعدی رحمہ اللہ کے نام سے شہرت پائی، سب ائمۃ الحدیث ان کے شاگرد تھے، آپ کی تصنیف احکام القرآن بھی ہے، ۲۴۴ھ کو وفات ہوئی، سعدی کا مقولہ ہے کہ عصر کے بعد کتب بینی سے نظر کمزور ہو جاتی ہے۔

۱۷: پاکستان کا مفسر القرآن، عبد بن حمید بن نصر رحمہ اللہ:

کچھ میں پیدا ہوئے، ارض عرب کا سفر کیا، امام مسلم رحمہ اللہ اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے آپ سے علم حاصل کیا ۲۴۹ھ کو وفات ہوئی، نام عبدالحمید ہے، مسند صغیر اور دوسری مسند کبیر، قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی لکھی جس کو ہر زمانہ میں قبولیت حاصل رہی، امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس تفسیر کو دیکھا، من تفسير عبد، قال حدثنا ابراهيم بن حزيم بن خاقان (م ۵۲) ثنا ابو محمد عبد الحميد بن حميد فذكر (تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۴۵۶) تفسیر ابن جریر رحمہ اللہ کی طرح تفسیر بالماثور ہے، شاہ عبدالعزیز دہلوی نے فرمایا کہ یہ تفسیر مشہور ہے، عرب میں اس کو پڑھا جاتا ہے، عبد بن حمید رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے ابن جریر طبری رحمہ اللہ، ابن المنذر رحمہ اللہ، ابن ابی حاتم رحمہ اللہ جیسے جلیل القدر علماء حدیث و تفسیر تھے (در منثور ج ۶ ۴۲۲) کتاب التفسیر (ترمذی) ہیں ایک سو آیات کی تفسیر عبد بن حمید رحمہ اللہ سے روایت ہے۔

۱۸: محمد بن احمد السفدی رحمہ اللہ:

امام سیوطی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سفدی نے قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی لکھی تھی۔ وفات ۲۵۵ھ کو ہوئی۔

۱۹: ابو محمد امام الدارمی رحمہ اللہ:

حرمین، حجاز، شام، عراق کا علمی سفر کیا، مفسر و محدث ہوئے، مسند دارمی، امام مسلم رحمہ اللہ، ترمذی رحمہ اللہ اور ابوداؤد رحمہ اللہ آپ کے شاگردوں میں سے ہیں، ایک تفسیر بھی لکھی، ابن حجر نے فرمایا باکمال مفسر اور صاحب علم فقیہہ تھے آپ کی ولادت ۱۸۱ھ اور وفات ۲۵۵ھ کو ہوئی، امام احمد نے فرمایا دارمی پر دنیا پیش کی گئی مگر آپ نے قبول نہ کی، امام بخاری رحمہ اللہ نے آپ کی وفات کا سنا تو آنکھوں سے آنسو ڈھلک کر چہرے پر آ گئے، اور پھر بے ساختہ یہ شعر پڑھا:

ان تبق تفجع بالالا حبته كلهم　　وفناء نفسك لا ابالك افجع

۲۰: محمد بن سخنون قیروانی رحمہ اللہ:

امام زہری رحمہ اللہ اور سلمہ بن سیب رحمہ اللہ سے اکتساب فیض کیا، مؤطاء امام مالک کی شرح چار جلدوں میں لکھی تفسیر احکام القرآن بھی لکھی، ۲۵۶ھ کو فوت ہو کر قیروان میں دفن ہوئے۔

۲۱: ابو عبداللہ محمد بخاری رحمہ اللہ:

امام بخاری رحمہ اللہ ہیں جن کی جمع کردہ صحیح بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا درجہ حاصل ہے، ولادت بروز جمعۃ المبارک سنہ ۱۹۴ھ کو بخارا میں ہوئی، اسحٰق بن راہویہ، علی ابن المدینی، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے علم حاصل کیا۔ طلب علم کیلئے مصر، شام، بصرہ، کوفہ، بغداد کے کئی سفر کیے، صحیح بخاری کو سولہ سال کی محنت شاقہ کے بعد مرتب فرمایا، صحیح بخاری میں کتاب التفسیر کے عنوان سے تفسیر قرآن عزیز کو جمع فرمایا، اور مستقل طور پر بھی قرآن عزیز کی تفسیر کبیر لکھی ہے۔ وفات سنہ ۲۵۶ھ کو عید الفطر کی رات ہوئی۔

۲۲: شیخ الاسلام عبداللہ بن سعید اسکندری رحمہ اللہ:

ابو حاتم رحمہ اللہ نے لکھا ہے هو امام اهل زمانه قرآن کریم کی ایک تفسیر لکھی سنہ ۲۵۷ھ کو وفات پائی۔

۲۳: احمد بن الفرات رحمہ اللہ:

ابو مسعود الرازی رحمہ اللہ صاحب قلم بھی تھے، پانچ لاکھ سے زیادہ احادیث اپنے قلم سے لکھیں، قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی لکھی، سنہ ۲۵۸ھ کو وفات پائی۔

۲۴: محمد بن عبداللہ بن الحکم رحمہ اللہ:

امام شافعی رحمہ اللہ کی صحبت میں رہے، فقہ شافعی میں مہارت، امام طبری رحمہ اللہ جیسے آپ کے شاگردوں میں سے ہیں، احکام القرآن نام کی تفسیر لکھی سنہ ۲۶۸ھ کو فوت ہوئے۔

۲۵: امام ابن ماجہ رحمہ اللہ صاحب:

"سنن ابن ماجہ" قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی لکھی، ابن جوزی نے اس تفسیر کا ذکر المستظم میں کیا ہے ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا لا بن ماجته تفسير حافل ابن خلکان نے فرمایا تفسیر القرآن الکریم علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے الاتقان میں اس کو ابن جریر کے طرفہ کی تفسیر بتایا ہے۔

۲۶: امام ابوداؤد سجستانی رحمہ اللہ:

مشہور کتاب سنن ابی داؤد کتاب التفسیر، نظم القرآن، کتاب فضل القرآن کا تعلق تفسیر سے ہے، وفات ۲۷۵ھ کو ہوئی۔

۲۷: بیہقی بن مخلد رحمہ اللہ:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ دیگر علماء عظام سے اکتساب علم کیا، علم و فضل کے

علاوہ مجاہد تھے، فرمایا "میں نے اندلس میں ایسا پودا لگا دیا ہے جو خروج دجال کے بغیر نہ اکھڑ سکے گا۔" ایک مسند مرتب کی جس میں تیرہ سو سے زائد صحابہ کرامؓ کی روایات جمع کردی ہیں اور قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی لکھی ابن حزم اندلسی نے کہا ہے لم یولف فی الاسلام مثل تفسیرہ اور بروکلمن نے ابن عساکر رحمۃ اللہ کی یہ رائے ذکر کی ہے کہ بیہقی رحمۃ اللہ کی تفسیر ابن جریر رحمۃ اللہ کی تفسیر سے فائق ہے آپ کی وفات ۲۷۶ھ کو ہوئی۔

۲۸: مسلم بن قتیبہ رحمۃ اللہ:

ابن راہویہ رحمۃ اللہ یحیی ابن اکثم رحمۃ اللہ سے اکتساب فیض کیا، اس موضوع پر کتابیں تحریر کیں۔ (۱) تفسیر غریب القرآن (۲) کتاب معانی القرآن (۳) تاویل مشکل القرآن (۴) مستقل علیحدہ تفسیر القرآن کا ذکر بھی قاضی عیاض نے کیا ہے۔ وفات ۲۷۶ھ میں ہوئی۔

۲۹: امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ:

امام بخاری رحمۃ اللہ کے خصوصی تلمیذ ہیں، حافظ، تقوی اور تفقہ لاثانی تھا سنن ترمذی مشہور ہے ابواب التفسیر میں ۹۲ سورتوں کے ضروری مقامات کی تفسیر بیان فرمائی ہے، تفسیر ترمذی کے نام سے مشہور ہے، یہ تفسیر قلمی پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔ (۱۔۳۵۹)

۳۰: اسمٰعیل بن اسحٰق رحمۃ اللہ:

مالکی فقہ کے شیخ مانے گئے، ایک تفسیر احکام القرآن بھی ہے جو پچیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ ۲۸۲ھ کو فوت ہوئے۔

۳۱: سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ:

علوم شریعت و طریقت کے آپ جامع تھے مکہ مکرمہ میں ذوالنون مصری سے شرف ہوا، ایک جامع تفسیر عربی زبان میں لکھی جس کو ابو یوسف سنجری رحمۃ اللہ نے مصنف رحمۃ اللہ سے ۲۷۵ھ میں سنا اور روایت بھی کیا یہ تفسیر طبع ہو چکی ہے۔ وفات ۲۸۳ھ کو ہوئی۔

۳۲: ابو العباس محمد بن یزید مشہور بہ مبرد رحمۃ اللہ:

اعراب القرآن کے نام سے دو مستقل کتابیں ما اتفق لفظه واختلف معناه من قرآن المجيد اور کتب خانہ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد میں موجود ہے، وفات ۲۸۵ھ کو ہوئی۔

۳۳: احمد بن داؤد دینوری رحمۃ اللہ:

اصمعی رحمۃ اللہ سے اکتساب فیض کیا۔ علوم اسلامیہ، تاریخ اور حکمت و فلسفہ میں یکتائے روزگار تھے، امام سیوطی رحمۃ اللہ نے فرمایا: كان من نوادر الرجال ممن جمع بين اداب العربيته وحكم الفلاسفته ابتداء آفرینش انسانی سے لے کر مؤلف کے دور تک تاریخ کے واقعات کو مختصر طور پر جمع کیا ان کی کتاب اخبار الطوال ہے، قاہرہ سے شائع ہو چکی ہے ایک تفسیر کا نام تفسیر الدینوری ہے، جو تیرہ جلدوں میں ہے اور بغداد میں اس کا مخطوط موجود ہے، آپ کی وفات ۲۸۲ھ کو ہوئی۔

۳۴: امام احمد بن محمد بن حنبل رحمۃ اللہ:

گرامی قدر والد اور دوسرے علماء سے علم حاصل کیا، آپ نے اپنے والد ماجد سے تیس ہزار مسند احادیث اور ایک لاکھ بائیس ہزار تفسیری ارشادات سنے۔ ۲۹۰ھ کو وفات ہوئی۔

۳۵: احمد بن یحیٰی ایشبانی رحمۃ اللہ:

ثعلب جو امام وقت مانے گئے، قرآنی موضوع کے متعلق کتاب معانی القرآن، کتاب اعراب القرآن اور غریب القرآن لکھیں، وفات ۲۹۱ھ کو ہوئی۔

چوتھی صدی ہجری کے مفسرین قرآن مجید

(۱) موسیٰ بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ قطان رحمۃ اللہ:

امام محمد رحمۃ اللہ اور ابن سحنون رحمۃ اللہ کے شاگرد رشید تھے علم نبوت میں کامل دسترس حاصل تھی، احکام القرآن کے نام سے ایک تفسیر بارہ جلدوں میں مرتب فرمائی، ۳۰۶ھ کو فوت ہوئے، طرابلس کا قاضی مقرر کیا گیا آپ نے ہر مظلوم کی مدد کی اور ہر ظالم کو سزا دی۔

(۲) ابو عبداللہ بن محمد بن وہب رحمۃ اللہ:

ابن وہب رحمۃ اللہ نے ایک تفسیر لکھی، فیروزآبادی نے تنوير المقياس في تفسير ابن عباسؓ میں اس سے استفادہ کیا انتقال ۳۰۸ھ میں ہوا، اس تفسیر کا ایک مخطوطہ خزانہ اباصوفیہ میں محفوظ ہے جس کا نمبر ۲۲۱، ۲۰۲ ہے ایک نسخہ سورۃ اخلاص تک خزانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں موجود ہے، چھٹی صدی ہجری کا مخطوطہ ہے۔

۳: محمد بن المفضل بن سلمہ بغدادی رحمۃ اللہ:

معانی القرآن کے عنوان پر ایک کتاب لکھی جس کا نام ضياء القلوب ہے۔ ۳۰۸ھ کو فوت ہوئے۔

۴: امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر رحمۃ اللہ:

ولادت تو نیشاپور اقامت مکہ مکرمہ میں محمد بن میمون رحمۃ اللہ، محمد بن اسمٰعیل الصائغ رحمۃ اللہ سے اکتساب علم کیا، زمانہ کے امام مجتہد مشہور ہوئے، قرآن عزیز کی ایک تفسیر لکھی، امام ذہبی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ ۳۱۶ میں ابن المنذر سے ان کی ملاقات ہوئی تھی۔

۵: محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ :

طلب علم کیلئے مصر، شام، عراق تک سفر کیا، قرآن عزیز کی تفسیر احادیث، آثار صحابہؓ سے قرآن عزیز کی تفسیر کی گئی جس کا نام جامع البیان فی تفسیر القرآن ہے مگر مشہور ابن جریر رحمہ اللہ اور طبری رحمہ اللہ ہے، امراء اور سلاطین سے لاتعلق رہے، یہ تفسیر ساری تفسیر بالماثور ہے، مصر کے مطبع میمنہ سے ۱۳۲۱ھ شائع ہوئی۔ نسخہ مدینہ منورہ کے کتب خانہ میں موجود تھا، دارالعلوم دیوبند کتب خانہ اس کا اُردو میں بھی ترجمہ کر رہا ہے، منصور بن نوح رحمہ اللہ کا فارسی ترجمہ ۷ جلدوں میں ۱۳۴۲ھ میں تہران سے شائع ہو چکا ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے کہا ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے یہ تفسیر سات سالوں (۲۸۳ھ تا ۲۹۰ھ) میں نقل کی، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سند کے اعتبار سے بھی دوسری تفاسیر سے افضل ہے، امام نووی رحمہ اللہ آج تک ایسی جامع تفسیر کوئی نہیں لکھی گئی، ابو حامد اسفرائنی رحمہ اللہ اس تفسیر کو حاصل کرنے کے لئے چین تک سفر کرنا مہنگا نہیں، دور حاضر مفتی عبدہ رحمہ اللہ ابن جریر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں صرف حدیث مرفوع ہی نقل کرتے ہیں، دور حاضر کے مستشرقوں نے بھی اعتراف کیا ہے کہ یہ تفسیر دوسری تفسیر سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

۶: حافظ کبیر عمر بن بجیر رحمہ اللہ :

سمرقند کے قصبہ ہمدان میں ۲۲۳ھ کو پیدا ہوئے، علم حدیث میں حافظ کا مقام حاصل کیا اور صحیح احادیث کا ایک عظیم مجموعہ مرتب فرمایا، قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی مرتب فرمائی اور ۳۱۱ھ کو فوت ہوئے۔

۷: ابو اسحٰق ابراہیم زجاج محمد بن السری رحمہ اللہ :

معانی القرآن کے نام سے ایک جامع کتاب مرتب فرمائی۔ ۳۱۶ھ کو بغداد میں فوت ہوئے، مفسرین رحمہ اللہ نے بھی استفادہ کیا ہے، پہلی جلد مصر میں طبع ہو چکی ہے۔

۸: ابو بکر سلیمان بن الاشعث امام ابوداؤد السجستانی رحمہ اللہ :

فن تفسیر اور علم عقائد پر بھی مفید کتابیں لکھیں طبری رحمہ اللہ کے ہم زمان ہیں، ایک تفسیر لکھی جس کا نام کتاب التفسیر رکھا۔ ۳۱۶ھ کو وفات ہوئی۔ فرمایا جس دن میں کوفہ میں طلب علم کیلئے پہنچا ایک درہم تھا، لوبیا خرید لیا، جس دن تیس ہزار احادیث لکھ چکا اسی دن لوبیا بھی ختم ہو گیا۔

۹: عبداللہ بن محمد رحمہ اللہ :

احناف کے بلند پایہ عالم تھے، قرآن کریم کی ایک تفسیر بارہ جلدوں میں مرتب کی، ۳۱۹ھ کو وفات پائی۔

۱۰: محمد بن ابراہیم النحوی رحمہ اللہ :

علماء کرام مشکلات علمیہ کیلئے دور دراز سے آیا کرتے تھے مصنف غریب الحدیث اور معانی القرآن لکھی۔ ۳۲۰ھ کو فوت ہوئے۔

۱۱: احمد بن عبداللہ دینوری رحمہ اللہ :

عالم و حافظ بے مثال فقہ مالکی کے مقلد تھے، معانی القرآن کے موضوع سے خاص شغف تھا، عراق میں آپ کے حلقہ درس بہت وسیع تھا، معانی القرآن مستند کتاب ہے، مفسرین رحمہ اللہ نے علمی استشہاد کیا ہے، ربیع الاول ۳۲۲ھ کو فوت ہوئے۔

۱۲: احمد بن محمد امام طحاوی رحمہ اللہ :

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی کتابوں اور ان کی فقہ کے مطالعہ کا شوق تھا، درس و تدریس میں شہرت حاصل کی، امام طبرانی رحمہ اللہ محدث اور ابو بکر بن المقری رحمہ اللہ جیسے جلیل القدر علماء آپ کے شاگرد تھے، علم حدیث کی دو کتابیں معانی الآثار اور مشکل الآثار مشہور ہیں، تفسیر کے ضمن میں آپ نے احکام القرآن مرتب فرمائی، بعض علماء تذکرہ نے آپ کی ایک اور تفسیر کا ذکر بھی تفسیر القرآن کے نام سے کیا ہے، وہ ایک ہزار اوراق پر مشتمل ہے۔ وفات ۳۲۱ھ کو ہوئی۔

۱۳: احمد بن سہل بلخی رحمہ اللہ :

کتاب نظم القرآن، کتاب قوارع القرآن، کتاب ما اغلق من غریب القرآن تفسیر کی قابل قدر کتابیں ہیں، ۳۲۲ھ کو فوت ہوئے۔

۱۴: عبدالرحمٰن بن ابی حاتم التمیمی الحنظلی رحمہ اللہ :

علم کا سمندر کہلائے گئے، ابدال زمانہ تھے جرح و تعدیل میں تالیف فرمائی، فرقہ جہمیہ کے رد میں قرآن کریم کی ایک تفسیر بھی لکھی جو بقول امام سبکی چار جلدوں میں ہے اور آثار مسندہ پر مشتمل ہے یہ تفسیر قلمی تفسیر ابن ابی حاتم رحمہ اللہ کے نام سے مدینہ منورہ کے کتب خانہ محمودیہ میں موجود ہے، انتقال ۳۲۷ھ کو ہوا، اس تفسیر کا ابتدائی حصہ ڈاکٹر زہران اور ڈاکٹر بشیر حکمت رحمہ اللہ کی تحقیق اور تعلیق کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

۱۵: ابو بکر محمد بن القاسم :

۲۷۱ھ میں پیدا ہوئے، انباری رحمہ اللہ کہلائے۔ تین لاکھ اشعار یاد تھے، امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا ایک سو بیس کتب تفسیر یاد تھیں، امام جوزی رحمہ اللہ نے فرمایا تفاسیر پوری سند کے ساتھ یاد تھیں، محمد بن جعفر تمیمی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انباری کو تیرہ صندوق کتابوں کے یاد تھے، ایک کتاب اضداد القرآن کے موضوع پر لکھی، کویت نے طبع کرائی ہے، معانی باہم مخالف ہیں مگر کلمات ایک ہی طرز پر ہیں، انتقال ۳۲۸ھ کو ہوا۔

۱۶: ابو بکر محمد بن عزیز السجستانی رحمہ اللہ :

ایک کتاب بنام غریب القرآن لکھی جو نزہۃ القلوب کے نام سے مشہور ہے، تفسیر تبصیر الرحمٰن کے حاشیہ پر طبع ہوئی مستقل کتاب بھی طبع ہوئی۔ وفات ۳۳۰ھ کو ہوئی۔

۱۷: محمد بن محمد بن محمود ابو منصور الماتریدی:

امام الھدی رحمہ اللہ کا لقب دیا گیا، کئی کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں سے قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی ہے جو فقہ حنفی کے نقطہ نظر سے لکھی گئی ہے، خلیفہ چلپی نے اس کا نام تاویلات اہل السنۃ رکھا مگر مشہور نام تاویلات قرآن ہے اس کے متعلق الشیخ عبدالقادر نے فرمایا کہ کتاب لایوازیہ کتاب من سبقتہ فی ھذا الفن اس تفسیر کے کئی قلمی نسخے پائے جاتے ہیں، مکتبہ حرم مکہ کتب خانہ بانکی پور کتب خانہ خدا بخش پٹنہ میں ۶۳۱ھ کا مخطوطہ ہے، اس کا ایک کامل نسخہ عکسی پبلک لائبریری لاہور میں موجود ہے۔ وفات ۳۳۳ھ کو ہوئی۔

۱۸: امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ:

اول آپ عقیدۃً معتزلی تھے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلک اہلسنت والجماعۃ کو اختیار کر، چنانچہ خواب سے بیدار ہوتے ہی مسلک اہل السنۃ والجماعت اختیار کر لیا اور معتزلہ سے کئی مناظرے کئے، قرآن عزیز کی ایک تفسیر بہ نام المخزن فی علوم القرآن لکھی وفات ۳۲۴ھ کو ہوئی، علامہ محمد زاہد کوثری رحمہ اللہ نے فرمایا پورے قرآن عزیز کی تفسیر ستر جلدوں میں ہے۔

۱۹: احمد بن جعفر المعروف ابن المنادی رحمہ اللہ:

علوم قرآنیہ پر چار سو سے زیادہ کتابیں علاوہ ابن الجوزی رحمہ اللہ (م ۵۹۷ھ) نے اکیس کتابوں کا خود مطالعہ کیا۔ **ولا نجد فی کلامہ شیئا من الحشوبل ھو نقی الکلام و جمع بین الروایۃ والدرایۃ** ابن الجوزی رحمہ اللہ نے ان مخطوطات کا مطالعہ بھی کیا ہے جو ابن المنادی رحمہ اللہ نے اپنے قلم سے تحریر کئے ہیں۔ ۳۳۶ھ کو فوت ہوئے۔

۲۰: احمد بن محمد نحوی مصری رحمہ اللہ:

ابن نحاس رحمہ اللہ کے نام سے مشہور تھے، کتاب الناسخ والمنسوخ مشہور ہے مگر بروکلمن نے لکھا ہے کہ ان کی ایک کتاب بہ نام اعراب القرآن بھی ہے سیوطی رحمہ اللہ نے ایک معانی القرآن کا ذکر بھی کیا ہے ابن خلکان رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ابن نحاس رحمہ اللہ نے قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی مرتب کی ہے آپ کی وفات ۳۳۷ھ میں ہوئی۔

۲۱: علی بن حمشاذ رحمہ اللہ:

نیشاپور کا نام روشن کیا، شب بیدار علم حدیث میں ایک عظیم مسند جمع کی، تفسیر بھی لکھی جو دو سو تیس اجزاء پر مشتمل ہے وفات ۳۳۸ھ کو ہوئی۔

۲۲: قاسم ابن اصبغ رحمہ اللہ

بیانی کہلائے، بقی بن مخلد رحمہ اللہ سے علم حاصل کیا حدیث بلاد اسلامیہ کا سفر کیا، مکہ مکرمہ میں محمد بن محمد بن اسمٰعیل الصائغ رحمہ اللہ سے اکتساب علم کے بعد قرطبہ تدریس و تعلیم امیر عبدالرحمٰن رحمہ اللہ اور ولی عہد رحمہ اللہ دونوں نے آپ کی شاگردی کا شرف حاصل کیا، احکام القرآن کے نام سے ایک تفسیر بھی لکھی۔ ۳۴۰ھ کو وفات پائی۔

۲۳: ابوبکر محمد عبداللہ بن جعفر بن درستویہ رحمہ اللہ فارسی نحوی

امام دارقطنی جیسے امام الحدیث آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔ ثعلب رحمہ اللہ اور اخفش رحمہ اللہ کی مرتب کردہ تفاسیر پر ایک محاکمہ لکھا جس کا نام "کتاب التوسط بین الاخفش وثعلب فی تفسیر القرآن" ہے وفات ۳۴۳ھ کو ہوئی۔

۲۴: ابوعبداللہ محمد بن حبان بن احمد البستی رحمہ اللہ

تفسیر میں کامل رسوخ حاصل تھا، جو سات جلدوں میں ہے قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی لکھی جو طبع ہو چکی ہے قلمی نسخہ مدینہ منورہ کے کتب خانہ محمودیہ میں ہے۔ ۳۵۴ کو وفات پائی۔

۲۵: احمد بن محمد بن سعید الحیری رحمہ اللہ

نیشاپور کے امام حاکم آپ کے شاگرد ہیں، احادیث کی کتابت فرمایا کرتے تھے، صحیح مسلم کی شرح المخرج الصحیح قرآن کریم کی ایک بہت بڑی تفسیر لکھی، طرطوس میں ۳۵۳ھ کو شہید کر دیئے گئے۔

۲۶: شیخ امام ابونصر منصور بن سعید رحمہ اللہ

تاج المعانی ایک تفسیر مرتب فرمائی جملہ تفاسیر مروجہ کا انتخاب ہے یہ تفسیر ۳۵۳ھ کو لکھی گئی۔

۲۷: محمد بن القاسم رحمہ اللہ

ابن قرطبی رحمہ اللہ مصر کے مفتی اعظم تھے، احکام القرآن کے نام سے ایک تفسیر لکھی ۳۵۵ھ کو فوت ہوئے۔

۲۸: عبدالعزیز بن احمد بن جعفر بن یزداد رحمہ اللہ

غلام حلال رحمہ اللہ کے نام سے مشہور تھے امام بغوی رحمہ اللہ اور ابن ساعد رحمہ اللہ وغیرہ سے سماع حدیث کیا فقہ حنبلی، میں امام وقت مانے جاتے تھے علم تفسیر اور اصول میں بہترین تصانیف کیں اور قرآن کریم کی بھی ایک بہترین تفسیر لکھی ۳۶۳ھ کو فوت ہوئے۔

۲۹: ابوالقاسم بن احمد بن ایوب شامی طبرانی رحمہ اللہ

دور دراز کے سفر کئے اور ایک ہزار اساتذہ سے سماع کیا، اپنے زمانہ میں مسند الدین کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے حدیث پر معجم کے عنوان سے کتابیں لکھی ہیں، قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی لکھی، ۲۸ ذیقعدہ ۳۶۵ھ کو وفات پائی۔

۳۰: محمد بن احمد بن علی ابوبکر رازی رحمہ اللہ

چونہ ساز تھے جصاص مشہور ہوئے، محقق حنفی ہونے کی وجہ سے رئیس

الاحناف تھے۔ احکام القرآن کے موضوع پر ایک مبسوط تفسیر لکھی جو اس موضوع پر درجہ اسناد رکھتی ہے، دستیاب ہے۔ ۳۷۰ھ میں رحلت فرمائی۔

۳۱: ابومنصور الہروی رحمۃ اللہ :

ازہری لغت میں ایک جامع کتاب التہذیب ایک تفسیر بھی بہ نام التقریب فی التفسیر لکھی ۳۷۰ھ کو وفات پائی۔

۳۲: حسین بن احمد رحمۃ اللہ :

ابن خالویہ حلب میں سکونت اختیار کر لی تھی، مگر جامع رسالہ مالیس فی کلام العرب کے عنوان سے لکھا اور پارہ عم کے اعرابات پر ایک تفسیر بنام اعراب القرآن لکھی جو حیدرآباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔ ۳۷۰ھ کو وفات ہوئی۔

۳۳: ابومحمد عبداللہ بن عطیہ رحمۃ اللہ :

دمشق کے مشہور عالم تھے۔ آپ کی تفسیر ابن عطیہ ہے، ۳۸۲ھ کو وفات ہوئی، پچاس ہزار اشعار یاد تھے جن میں سے کلمات قرآنیہ کی تفسیر سے استشہاد کرتے تھے اس تفسیر کا ایک کامل نسخہ اباصوفیہ کے قلمی کتب خانہ میں موجود ہے جس کا نمبر ۱۲۱،۱۱۹ ہے نسخہ ناقص ایک نسخہ عاشر افندی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۳۴: ابومحمد سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ :

ایک تفسیر لکھی جو ان آیات پر مشتمل ہے جن سے سلوک اور تصوف کے مسائل کا استنباط کیا جا سکتا ہے انتقال ۳۸۳ھ کو ہوا، کتاب تفسیر تستری دستیاب ہے۔

۳۵: محمد بن عباس ابوالحسن البغدادی رحمۃ اللہ

ابن جوزی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے صرف تفسیر قرآن عزیز کے متعلق ان کی کتابیں ایک سو ہیں، علامہ ذہبی رحمۃ اللہ ن ھو حجۃ ثقۃ کہا ہے ۳۸۴ھ کو فوت ہوئے، اٹھارہ صندوق کتابوں کے چھوڑے۔

۳۶: ابوحفص بن شاہین رحمۃ اللہ

مؤثر انداز میں وعظ فرمایا کرتے تھے امام دارقطنی رحمۃ اللہ سے عمر میں نو سال بڑے تھے۔ حدیث میں حافظ کا درجہ امام ذہبی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ تصانیف کی تعداد تین سو تیں ہے جن میں سے قرآن کریم کی ایک تفسیر بھی ہے جو کہ ایک ہزار اجزاء پر مشتمل ہے۔ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ نے فرمایا مجھ سے شیخ عمادالدین حزالی رحمۃ اللہ نے کہا ہے کہ ابن شاہین رحمۃ اللہ کی تفسیر تیس جلدوں میں واسط (عراق) میں موجود ہے۔

۳۷: محمد بن علی بن احمد المصری رحمۃ اللہ :

ادفوی قرآن کریم کی ایک تفسیر بہ نام الاستغناء فی علوم القرآن لکھی امام سیوطی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ یہ تفسیر سو جلدوں میں ہے امام ذہبی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ اس تفسیر کا ایک کامل نسخہ مصر میں قاضی عبدالرحیم کے وقف کتب خانہ میں موجود ہے۔ وفات ۳۸۸ھ میں ہوئی۔

۳۸: المعافا بن زکریا بن یحییٰ رحمۃ اللہ :

مسلک میں ابن جریر طبری رحمۃ اللہ کے پیروکار تھے قرآن عزیز کی ایک بڑی تفسیر لکھی، ۳۹۰ھ کو وفات پائی۔

۳۹: ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ :

امام وقت تھے، احناف میں علمی اور عملی لحاظ سے ممتاز حیثیت کے مالک تھے، کئی کتابیں تصنیف کیں، کتاب النوازل فقہ میں اور تنبیہ الغافلین پر مطبوعہ ہے ایک تفسیر بھی لکھی جو چار جلدوں میں ہے نویں صدی ہجری تک متداول رہی، ابن عرب شاہ حنفی رحمۃ اللہ نے اس کا ترجمہ ترکی میں بھی کیا، تفسیر ابواللیث رحمۃ اللہ کا ایک قلمی نسخہ اباصوفیہ کے کتب خانہ میں ایک حصہ از سورۃ المجادلہ پبلک لائبریری لاہور میں موجود ہے۔ مصر کے قلمی ذخائر میں ایک کامل نسخہ تین جلدوں میں موجود ہے۔

ایک نسخہ ناقص از سورۂ یونس تا الم السجدہ رامپور میں ہے۔

ایک نسخہ اباصوفیہ کے کتب خانہ میں موجود ہے نمبر ۱۴۸، ۴۹ ہے۔

ایک نسخہ مکتبہ حمیدیہ میں ہے نمبر ۵۲

ایک نسخہ مکتبہ آغا بشریہ میں ہے نمبر ۱۹، ۲۰

ایک نسخہ آستانہ کے کتب خانہ کوپر یلی میں ہے نمبر ۲۷ ہے۔

وفات ۳۹۳ھ میں ہوئی۔

۴۰: حسن بن عبداللہ بن سہل عسکری رحمۃ اللہ :

اپنے دور کے بہترین ادیب اور مفسر قرار دیئے گئے، تصانیف جمہرۃ الامثال، شرح دیوان حماسہ اور کتاب الاوائل ایک تفسیر بھی بہ نام کتاب المحاسن فی تفسیر القرآن لکھی جو پانچ جلدوں میں اور نٹیل کالج لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔ وفات ۳۹۵ھ کو ہوئی۔

۴۱: محمد ابوعبداللہ بن عبداللہ رحمۃ اللہ :

ابن زمنین تفسیر ابن سلام رحمۃ اللہ کا اختصار کرنے کے علاوہ ایک مستقل تفسیر بھی لکھی ہے، بہرہ کے مقام پر ۳۹۹ھ کو وفات پائی، تفسیر کا کامل نسخہ جو کہ ۳۹۵ھ میں لکھا گیا تھا فاس کی جامع قرویتین کے کتب خانہ میں ہے۔

۴۲: خلف ابن احمد سیستانی رحمۃ اللہ :

اپنے دور حکومت میں علماء اسلام کو جمع کر کے ان سے قرآن کریم کی ایک جامع تفسیر لکھوائی جس پر بیس ہزار دینار خرچ ہوئے تاریخ یمینی و قد کان جمع العلماء علی تصنیف کتاب فی تفسیر کتاب اللہ وشحھا بما رواہ الثقات من الحدیث (ص ۱۶۳ مطبوعہ لاہور) تاریخ ادبیات ایران میں ہے کہ یہ تفسیر سو جلدوں میں تھی، تاریخ یمینی میں ہے کہ اس کا ایک نسخہ نیشاپور کے مدرسہ صابونی رحمۃ اللہ میں ہے، خلیفہ چلپی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے ھو من اکبر التفاسیر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے مات شھیدا بالحبس فی بلاد الھند ۳۹۹ھ۔

پانچویں صدی ہجری کے مفسرین قرآن مجید

۱: احمد بن علی بن احمد باغانی رحمہ اللہ :

علماء تاریخ نے ان کے متعلق لکھا ہے کان بحرا من بحارا العلوم خصوصا علوم قرآنیہ میں اپنے دور کے بے نظیر عالم تھے۔قرآن عزیز کی ایک تفسیر احکام القرآن کے موضوع پر لکھی ہے، ۴۰۱ھ کو وفات پائی۔اندلس سے تعلق تھا۔

۲: ابوعبید احمد بن ابی عبید قاشانی ہراتی رحمہ اللہ :

کلمات قرآن وحدیث پر وسیع نظر رکھتے تھے۔غریب القرآن اور غریب الحدیث کے نام سے علیحدہ علیحدہ کتابیں لکھیں، نام جامع العربین رکھا جو کہ قلمی دار الکتب المصریہ میں موجود ہے، وفات ۴۰۱ھ کو ہوئی، ایک قلمی نسخہ مخطوطہ ۶۶۷ھ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔

۳: ابوعبداللہ الحاکم رحمہ اللہ :

آپ کے شاگردوں میں امام بیہقی رحمہ اللہ بھی ہیں، مستدرک حاکم حدیث کی مشہور ومعروف کتاب ہے آپ نے قرآن عزیز کی تفسیر بھی لکھی جو کہ آپ کی کتاب مستدرک میں موجود ہے۔۴۰۵ھ کو وفات پائی۔نیشاپور میں ۳۲۱ھ میں پیدا ہوئے۔

۴: محمد بن الحسن بن فورک رحمہ اللہ :

علمائے فقہ وتفسیر نے اپنی تصانیف میں ان کے حوالے دیئے ہیں تصانیف کی تعداد ایک سو تک پہنچتی ہے، معانی القرآن پر ایک مبسوط کتاب لکھی ۴۰۶ھ کو فوت ہوئے۔

۵: امام ابوبکر محمد بن الحسین رحمہ اللہ :

نیشاپور کے ممتاز عالم تھے آپ کے شاگردوں میں امام ثعلبی رحمہ اللہ جیسے عالم پیدا ہوئے قرآن کریم کا باقاعدہ درس با تفسیر دیا کرتے تھے اور طلباء کو تفسیر لکھوایا بھی کرتے تھے چنانچہ مکمل تفسیر مرتب کی اور شاگردوں کو بھی لکھوائی۔۴۰۶ھ کو وفات ہوئی۔

۶: احمد بن موسیٰ بن مردویہ رحمہ اللہ :

اصفہان کے تھے، قرآن کریم کی ایک بڑی تفسیر لکھی ۴۱۰ھ کو وفات ہوئی۔

۷: ہبۃ اللہ بن سلامہ رحمہ اللہ :

اصفہان سے تعلق تھا نظر سے محروم تھے مگر حافظہ کمال کا تھا، تفسیر القرآن کے بہترین عالم تھے، علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے احفظ الائمۃ للتفسیر کا لقب فرمایا ناسخ اور منسوخ کے موضوع پر ایک کتاب بھی مرتب کرائی ۴۱۸ھ کو وفات ہوئی۔

۸: ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب الاسکافی رحمہ اللہ :

آپ کی تفسیر درۃ التنزیل وغیرۃ التاویل ہے قاہرہ سے طبع ہو چکی ہے ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد میں موجود ہے، آپ کی وفات ۴۲۱ھ کو ہوئی۔

۹: عبدالقاہر بن محمد بن طاہر بن محمد التمیمی :

ولادت تو بغداد میں ہوئی، آپ کے والد آپ کو نیشاپور لے آئے جہاں استاد ابواسحٰق اسفرائنی رحمہ اللہ جیسے فاضل یگانہ سے علوم وفنون حاصل کرنے کے بعد ان ہی کے جانشین ہو گئے، امام عبدالقاہر سترہ علوم کا درس دیتے تھے، آپ کی ایک کتاب التفسیر بھی ہے ۴۲۹ھ کو انتقال ہوا۔

۱۰: شیخ ابوالحسن علی بن ابراہیم بن سعید الحوفی رحمہ اللہ :

قرآن کریم کی ایک تفسیر بہ نام البرہان فی تفسیر القرآن لکھی جس سے اہل مصر نے بڑا فائدہ اٹھایا یہ تفسیر دس بڑی جلدوں میں ہے۔۴۳۰ھ کو انتقال فرمایا۔

۱۱: ابوعبدالرحمان اسمٰعیل بن احمد رحمہ اللہ :

آپ نے قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی قلمبند کرائی جس کا نام کفایۃ فی التفسیر ہے (اس کا کچھ حصہ ادارہ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد کی لائبریری میں موجود ہے) اور وجوہ القرآن کے نام سے ایک نسخہ کیمرج لائبریری میں موجود ہے ۴۳۰ھ کو انتقال فرمایا۔استنبول یونیورسٹی کی لائبریری میں نمبر ۱۷۸۷ اے ۳۵۰ بہ تفسیر "تفسیر النیساپوری" اور کفایۃ التفسیر کے نام سے موجود ہے۔

۱۲: الشیخ ابومحمد مکی بن ابی طالب حموش رحمہ اللہ :

آپ کی تالیف "مشکل اعراب القرآن" ایک ممتاز کتاب ہے جس کو خلیفہ چلپی رحمہ اللہ نے مطالعہ کیا، وفات ۴۳۷ھ کو ہوئی۔۵۸۹ھ کا مخطوطہ بمبئی کی جامع مسجد میں ہے، ایک عکسی نسخہ ادارہ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد میں ہے۔

۱۳: ابومحمد عبداللہ بن یوسف الشافعی رحمہ اللہ :

نیشاپور کے قریب جوین نامی بستی میں پیدا ہوئے اور جوینی کہلائے اکابر علماء سے تفسیر وحدیث وفقہ حاصل کئے، صاحب قلم بھی تھے، کتاب المحیط مشہور ہے، قرآن کریم کی تفسیر بھی لکھی، جو حدائق ذات بھجۃ ہے، خلیفہ چلپی رحمہ اللہ نے فرمایا تین سو جلد ابن البخارا پانچ سو جلد ہے، امام سیوطی رحمہ اللہ کے شاگرد داؤدی رحمہ اللہ نے لکھا، میں نے یہ تفسیر دیکھی ہے، فنی اور علمی اعتبار سے قابل استناد نہیں، وفات ۴۳۷ھ کو نیشاپور میں ہوئی۔

۱۴: مکی بن ابی طالب القیسی رحمہ اللہ :

۳۹۳ھ کو جامع مسجد قرطبہ میں تدریس کرتے تھے اور متواضع بزرگ تھے، قرآنیات کے موضوع پر الہدایہ الی بلوغ النہایۃ فی معانی القرآن وتفسیرہ ۷۰ اجزاء، کتاب الماثور فی احکام القرآن عن مالک ۱۰ اجزاء۔کتاب اختصار احکام القرآن ۱۴ اجزاء۔کتاب مشکل المعانی وتفسیر ۱۵ اجزاء ۴۳۷ھ کو وفات ہوئی۔سلطان اندلس آپ کا معتقد تھا۔

۱۵: احمد بن محمد رحمہ اللہ :

اندلس کے جلیل القدر علماء میں سے تھے، قرآن کریم کی تفسیر بہ نام التفصیل الجامع لعلوم التنزیل بالتفسیر لکھی، خود اس کا اختصار بہ نام التحصیل لکھا۔ ۴۴۰ھ کو وفات پائی۔

۱۶: ابوعمرو عثمان بن سعید الدانی رحمہ اللہ :

۳۷۱ھ قرطبہ میں پیدا ہوئے، قرآنی علوم کے ساتھ آپ کو خاص شغف تھا، ایک کتاب جس کا نام المحکم ہے صرف قرآن عزیز کے نقاط کے متعلق ہے، دمشق سے شائع ہو چکی ہے۔ انتقال ۴۴۴ھ کو ہوا۔

۱۷: ابوالفتح رازی رحمہ اللہ :

ایک تفسیر لکھی جس کا نام ''ضیاء القلوب فی التفسیر'' ہے وفات ۴۴۸ھ کو ہوئی۔

۱۸: اسمٰعیل بن عبدالرحمان رحمہ اللہ :

تفسیر اور اس کی تاویل سے پوری طرح باخبر تھے، تفسیر لکھی جس کا نام تفسیر صابونی ہے ۴۴۹ھ کو فوت ہوئے، نیشاپور میں صابونی رحمہ اللہ کے نام پر ایک مدرسہ بھی جاری تھا جس کے آثار آج بھی موجود ہیں۔

۱۹: محمد بن احمد بن مطرف الکنانی رحمہ اللہ :

۳۸۸ھ قرطبہ میں پیدا ہوئے، ابن قتیبہ کی دو کتابیں ''تفسیر غریب القرآن'' اور ''تاویل مشکل القرآن'' کو یکجا کر کے بہ نام القرطین مرتب کیا جو کہ مصر سے ۱۳۵۵ھ کو شائع ہو چکی ہے آپ کی وفات ۴۵۴ھ کو ہوئی۔

۲۰: احمد بن الحسین رحمہ اللہ :

حافظ کبیر امام بیہقی رحمہ اللہ کے نام سے مشہور تھے ساری زندگی درس و تدریس میں صرف کردی، تحریر کردہ اوراق کی تعداد دو لاکھ ہے۔ حدیث کی ''السنن الکبریٰ'' اور تفسیر میں کتاب ''احکام القرآن'' مطبوعہ ہیں، امام الحرمین فرماتے ہیں: ''ہر شافعی المذہب پر امام شافعی رحمہ اللہ کا احسان ہے'' ۔خود امام شافعی رحمہ اللہ کی گردن میں امام بیہقی رحمہ اللہ کا احسان ہے۔'' ۴۵۸ھ کو نیشاپور میں وفات ہوئی۔

۲۱: ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری رحمہ اللہ :

امام بیہقی رحمہ اللہ آپ کے ہم سبق ہیں، علوم شریعت اور علوم طریقت رکھنے کے ساتھ مجاہد فی سبیل اللہ بھی تھے، دو تفسیریں لکھیں ایک کا نام التیسیر فی علم التفسیر ہے اور دوسری کا نام التفسیر الکبیر ہے۔ ۴۶۵ھ کو وفات پائی۔ آپ کی تفسیر کے متعلق علامہ سبکی اور ابن خلکان رحمہ اللہ نے کہا ہے من اجود التفاسیر و اوضحھا ابن جوزی لکھتے ہیں آپ کی ایک تفسیر کا نام لطائف الاشارات ہے، ہر سورۃ کی ابتداء میں بسم اللہ کا معنی اس طرح کیا کہ اس سورۃ کے معانی سے تعلق ہو، ایک نسخہ کامل مکتوبہ قدیم مکتبہ حبیبہ میں ہے، ایک نسخہ کامل مکتبہ آصفیہ میں ہے۔ ۷۲۶ھ کا مکتوبہ کامل نسخہ جامع عثمانیہ حیدرآباد دکن میں ہے، ایک نسخہ مکتبہ محمد پاشا رحمہ اللہ میں نمبر ۱۱۷ ہے۔

۲۲: علی بن احمد الواحدی رحمہ اللہ :

آپ نے تین تفسیریں لکھیں جن کے نام ''البسیط'' یعنی مفصل اور ''الوسیط'' ایک تفسیر ایسی مرتب فرمائی جس میں سید دو عالم ﷺ کے تمام تفسیری ارشادات کو جمع کر دیا اس تفسیر کا نام ''تفسیر النبی ﷺ'' رکھا۔ ۴۶۸ھ کو انتقال فرمایا، تفسیر وسیط جلد دوم کا مخطوطہ ۸۷۶ھ اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں ہے، اسباب النزول بھی لکھی ہے جس کا ایک نسخہ مطبوعہ قاہرہ ادارہ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۲۳: شہفور بن طاہر محمد الاسفرائنی رحمہ اللہ :

آپ نے علم کلام، علم تفسیر اور دوسرے علوم پر تصانیف فرمائی ہیں۔ علم کلام و علم عقائد پر آپ کی تصنیف ''التبصیر فی الدین'' شائع ہو چکی ہے۔ ایک تفسیر لکھی اور اس کے تعارف میں بتلایا کہ میں نے ایسی تفسیر کا مرتب کرنا ضروری سمجھا جس میں فرقہ ناجیہ اہل السنۃ والجماعۃ کے علماء کے اقوال ہوں تفسیر کا نام تاج التراجم رکھا پہلے ہر آیت کا لفظی ترجمہ پھر اس کا معنی اور متعلقہ قصہ اور شان نزول انتقال ۴۷۱ کو ہوا، اس تفسیر کا نام تاج التراجم فی تفسیر القرآن الاعاجم ہے اور تفسیر اسفرائنی کے نام سے بھی مشہور ہے یہ فارسی زبان کی پہلی جامع تفسیر ہے، ایران سے شائع ہو چکی ہے، دوسری جلد قلمی جامع مسجد برہان پور (بھارت) کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ الخراسانی الحمیدی ۵۲۳ھ۔

۲۴: عبدالقاہر بن الطاہر التمیمی رحمہ اللہ :

آپ کے حلقہ درس سے امام ناصر مروزی رحمہ اللہ اور ابوالقاسم قشیری رحمہ اللہ جیسے علماء پیدا ہوئے، سترہ فنون میں درس دیا کرتے تھے، ۴۵۷ھ کو وفات پائی، ایک تو کامل تفسیر قرآن عزیز ہے اور ایک کتاب نفی خلق القرآن اور ایک کتاب تاویل المتشابہات ہے۔

۲۵: عبدالکریم بن عبدالصمد ابومعشر طبری رحمہ اللہ :

آپ اپنے زمانہ میں امام الشوافع تھے، ایک تفسیر لکھی جس کا نام ''عیون المسائل فی التفسیر'' ہے مکہ مکرمہ میں ۴۷۸ھ کو فوت ہوئے، کتب خانہ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد میں اس کا عکسی نسخہ نمبر: ۶۷ موجود ہے۔

۲۶: علی بن فضال بن علی رحمہ اللہ :

فقہ حنبلی میں مقام عظیم کے مالک تھے، قرآن عزیز کی دو تفسیریں لکھی ایک کا نام ''برہان الحمیدی'' ہے بقول نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ ۳۵ جلدوں میں ہے اور دوسری کا نام ''الاکسیر فی علم التفسیر'' ہے ۴۷۹ھ کو وفات پائی۔

۲۷: عبداللہ بن محمد انصاری الہروی رحمہ اللہ :

طریقت کے امام زمانہ فقہ حنبلی کے مقلد تھے، مناظرہ میں اکثر وقت صرف ہوتا تھا، آپ کی تفسیر فارسی ''کشف الاستار وعدۃ الابرار'' ایک سو ستائیس تفاسیر کا خلاصہ ہے، وفات ۴۸۰ھ کو ہوئی۔

۲۸: علی بن محمد بن موسیٰ معروف بہ بزدوی رحمہ اللہ :

سمرقند کے علماء کا مرجع تھے، لقب ''امام الدنیا فی الفروع والاصول'' تھا۔ فقہ حنفی کے مفتی اعظم تھے، تفسیر قرآن عزیز پر بھی پورا عبور حاصل تھا، مفصل تفسیر لکھی جو ایک سو بیس جلدوں میں ہے ۴۸۲ھ وفات ہوئی سمرقند دفن کیا۔

۲۹: علی بن الحسن بن علی رحمہ اللہ :

نیشاپور کے حنفی علماء میں سے تھے معتزلہ کے ساتھ کامیاب مناظرے کئے۔ ۴۸۴ھ میں انتقال ہوا آپ کی تفسیر ''تفسیر نیشاپوری'' مطبوعہ ہے۔

۳۰: عبداللہ بن محمد بن باقیا:

حنفی مسلک کے امام وقت تھے، فاضل بزاز کا لقب پایا صاحب قلم تھے آپ کی تصنیف متشابہات پر ''الجمان فی متشابہات القرآن'' ہے۔ ۴۸۵ھ کو فوت ہوئے، یہ کتاب کویت کی وزارت نشر واشاعت نے ۱۹۶۸ء میں شائع کی تھی۔

۳۱: عبدالواحد بن محمد رحمہ اللہ :

ابوالفرج رحمہ اللہ انصاری کے نام سے مشہور ہوئے اور شام کے شیخ مانے گئے آپ کی تفسیر قرآن تفسیر تیس جلد میں ہے جس کا نام الجواہر ہے شیخ کی صاحبزادی رحمہا اللہ اس تفسیر کی حافظہ تھی، دمشق ہی میں ۴۸۶ھ کو فوت ہوئے۔

۳۲: محمد بن عبدالحمید بن حسن رحمہ اللہ :

سمرقند کے جلیل القدر حنفی عالم تھے۔ فقہ، اصول فقہ اور تفسیر قرآن عزیز میں مہارت تامہ رکھتے تھے، عمدہ تفسیر لکھی، ۴۸۸ھ کو فوت ہوئے۔

۳۳: منصور بن محمد السمعانی رحمہ اللہ :

احناف کے بلند پایہ صاحب علم اور صاحب قلم عالم تھے ایک تفسیر بھی ہے مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے فرمایا آپ کی تفسیر سے کافی زمانہ تک لوگ فائدہ اٹھاتے رہے، جس کا نام تفسیر الحسن ہے ۴۸۹ھ کو فوت ہوئے، کتب خانہ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد میں عکسی نسخہ نمبر: ۳۳ موجود ہے۔

۳۴: الامام ابوالقاسم عبدالکریم رحمہ اللہ :

شافعی علماء محققین میں سے تھے ایک تفسیر ''لطائف الاشارات'' لکھی ۴۸۹ھ کو وفات پائی۔

۳۵: علی بن سہل بن عباس رحمہ اللہ :

نیشاپور کے عالم باعمل تھے، ایک تفسیر لکھی جس کا نام ''زاد الحاضر و البادی'' ہے۔ ۴۹۱ھ کو وفات پائی۔

۳۶: ابوسعد محسن البیہقی رحمہ اللہ :

ان جلیل القدر علماء سے تھے جن کو لغت، عربی ادب اور قرات اور احکام کے ساتھ تعلق تھا، جامع تفسیر مرتب کی جس کا نام ''التھذیب فی التفسیر'' ہے خلیفہ چلپی نے قلمی نسخہ ۶۵۲ھ کا لکھا ہوا خود دیکھا کئی جلدوں میں ہے، کامل قلمی نسخہ مخطوطہ ۱۱۰۰ھ ۹ جلدوں میں اور نیشنل لائبریری بانکی پور (بھارت) میں ہے۔ وفات ۴۹۴ھ کو ہوئی۔

۳۷: عبدالوہاب بن محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ :

شیراز کے قصبہ فاس میں پیدا ہوئے، تصانیف کی تعداد ۷۰ ہے، ایک جامع تفسیر ہے اس میں ترجمہ اور تفسیر کی شہادت کے طور پر ایک ہزار اشعار پیش کئے۔ ۵۰۰ھ کو شیراز میں فوت ہوئے۔

چھٹی صدی ہجری کے مفسرین قرآن مجید

۱: امام ابوالقاسم حسین بن محمد المعروف بالراغب الاصفہانی رحمہ اللہ:

آپ کی کتاب مفردات القرآن سند کا درجہ رکھتی ہے امام رازی رحمہ اللہ نے امام راغب رحمہ اللہ کو فہم قرآن اور اسلامیات کی روح سمجھنے میں ''امام غزالی رحمہ اللہ'' کا ہم پلہ قرار دیا۔ تفسیر الراغب ایک جلد میں ہے، امام بیضاوی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اس سے استفادہ کیا ہے،
اس تفسیر کا پورا نام ''غرۃ التنزیل'' ہے کامل نسخہ استنبول کی مسجد ''ایا صوفیہ'' کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ امام راغب کی وفات ۵۰۲ھ کو ہوئی۔

۲: ابوزکریا یحییٰ الخطیب تبریزی رحمہ اللہ :

اعراب القرآن کی تشریح میں ملخص لکھی اور ایک جامعہ تفسیر بھی لکھی ہے، وفات ۵۰۲ھ کو ہوئی۔

۳: عماد الدین محمد طبری رحمہ اللہ :

فقہ شافعی کے عظیم مفتی تھے۔ آپ کی تالیفات میں ''احکام القرآن'' مشہور ہے۔ بغداد میں ۵۰۴ھ کو فوت ہوئے۔

۴: محمد بن محمد بن احمد ابوحامد غزالی رحمہ اللہ :

آپ کے وعظ وارشاد میں سوز وگداز تھا، سامعین متاثر ہو جاتے تھے، تصانیف میں المستصفی، احیاء العلوم، کیمیائے سعادت تفسیر قرآن عزیز جواہر القرآن مختصر ہے۔ مصر سے ۱۳۳۹ھ کو شائع ہو چکی ہے۔ تفسیر سورۃ یوسف کا مخطوطہ محررہ ۱۱۶۱ھ پنجاب یونیورسٹی (لاہور) کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ ۵۰۵ھ کا سال وفات ہے۔ آپ کی ایک تفسیر صوفیانہ طرز پر ''مشکوۃ الانوار'' کے نام سے ۱۹۶۴ء کو قاہرہ سے طبع ہو چکی ہے۔

۵: ابوشجاع شیرویہ دیلمی رحمہ اللہ :

آپ نے حدیث میں ایک مسند جمع کی ہے جس میں دس ہزار احادیث ہیں، ایک تفسیر بھی مرتب فرمائی جس کا ذکر علامہ سید سلیمان ندوی نے فرمایا ہے۔ ۵۰۹ھ کو وفات پائی۔

۶: استاذ ابونصر بن ابی القاسم رحمہ اللہ :

قشیری مشہور ہوئے قرآن عزیز کی ایک تفسیر لکھی ہے۔ امام سبکی رحمہ اللہ نے لکھا ہے میں نے وہ تفسیر دیکھی ہے۔ وفات ۵۱۴ھ کو نیشاپور میں ہوئی۔

۷: محی السنۃ ابومحمد حسین الفراء بغوی رحمہ اللہ :

زاہد اور شب بیدار تھے، خشک روٹی پر گزارہ کیا، تفسیر معالم التنزیل لکھی جو تفسیر بغوی کے نام سے مشہور ہے، آپ نے اپنی تفاسیری اسناد کو باقاعدہ ذکر فرمایا ہے۔ دستیاب ہے۔ دیوبند کے ایک ادارہ نے اردو ترجمہ بھی کیا ہے۔ وفات ۵۱۶ھ کو ہوئی امام ابن تیمیہ نے کہا "تفسیر البغوی اسلم من البدعۃ والا حادیث الضعیفۃ"۔

۸: محمد بن عبدالملک الکرجی رحمہ اللہ :

علم حدیث، فقہ، ادب اور تفسیر میں کمال حاصل تھا، شافعی المسلک تھے، قرآن کریم کی ایک تفسیر لکھی ہے۔ ۵۳۲ھ میں فوت ہوئے۔

۹: اسمٰعیل بن محمد القرشی رحمہ اللہ :

قوام السنۃ کے لقب سے مشہور ہوئے، ابن السمعانی وغیرہ علماء آپ کے شاگرد ہیں، درس تفسیر وحدیث کیلئے تین ہزار مجالس منعقد کیں قرآن کریم کی تین تفسیریں لکھیں ہیں۔ الجامع فی التفسیر۔ تین جلد۔ المعتمد فی التفسیر دس جلد۔ الموضح فی التفسیر فارسی تین جلد۔ عیدالاضحیٰ کے دن ۵۳۵ھ کو وفات پائی۔

۱۰: عالی بن ابراہیم غزنوی رحمہ اللہ :

جلیل القدر علماء میں سے تھے۔ ایک تفسیر بھی لکھی جس میں قرآنی رموز اور معارف کو بہ انداز عجیب بیان فرمایا ہے۔ ۵۳۷ھ کو وفات پائی۔ حدائق حنفیہ میں ان کی مرتبہ تفسیر کا نام "تفسیر التفسیر" بتایا گیا ہے۔

۱۱: عمر بن محمد بن احمد نسفی رحمہ اللہ :

سمرقند کے قریب نسف قصبہ میں پیدا ہوئے اپنی ایک کتاب تطویل الاسفار التحصیل الاسفار میں اپنے پانچسو اساتذہ کرام کا تذکرہ فرمایا، جنات رحمہ اللہ بھی آکر آپ کے پاس علم حاصل کرتے تھے۔ انہیں مفتی الثقلین کہا گیا، آپ کی کتاب القند فی تذکرۃ علماء سمرقند بیس جلد میں ہے جامع صغیر کو نظم میں بیان کیا ہے ایک تفسیر التیسیر فی علم التفسیر لکھی ہے۔ جس کا ایک حصہ مکتوبہ ۱۱۸۵ھ پبلک لائبریری لاہور میں موجود ہے وفات ۵۳۸ھ کو ہوئی۔

۱۲: محمد بن عبداللہ رحمہ اللہ :

لقب ابن العربی رحمہ اللہ تھا۔ امام غزالی رحمہ اللہ سے اکتساب فیض کیا، تفسیر قرآن کریم پر کامل عبور تھا۔ قرآنیات پر کئی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ آپ کی کتاب احکام القرآن مشہور ہے جو فقہ مالکی میں دو جلدوں میں طبع ہوئی اور مکتبہ مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ گیٹ لاہور میں موجود ہے اور آپ کی تصنیف انوار الفجر جامع اور مفصل تفسیر ہے بیس سال کی محنت کے بعد اس کو مرتب فرمایا جو اسی ہزار اوراق ہے۔ سکندریہ میں سلطان ابوعنان رحمہ اللہ فارس کے کتب خانہ میں موجود ہے جو اسی جلدوں میں ہے۔ ۵۴۳ھ کو فوت ہوئے۔

۱۳: ابوالمحاسن مسعود بن علی بیہقی رحمہ اللہ :

فخر الزمان تھے آپ نے تفسیر بیہقی لکھی ۵۴۴ھ کو وفات پائی۔

۱۴: احمد بن علی بن محمد رحمہ اللہ :

ابوجعفرک کے لقب سے مشہور تھے۔ مقبول تفاسیر لکھیں جو آپ کی زندگی ہی میں مقبولیت حاصل کر گئیں۔ آپ کی ایک تصنیف المحیط بلغات القرآن بھی ہے۔ ۵۴۴ھ کو فوت ہوئے۔

۱۵: محمد بن عبدالرحمٰن الزاھد رحمہ اللہ :

علامہ مرغینانی رحمہ اللہ آپ کے شاگرد تھے آپ سلوک اور تصوف میں ممتاز مقام کے مالک تھے آپ کا لقب زاہد تھا ایک تفسیر لکھی ایک ہزار سے زائد اجزاء پر مشتمل ہے ۵۴۶ھ میں وفات پائی۔ علامہ کوثری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ تفسیر ایک سو مجلدات میں ہے۔ آپ احناف کے بڑے عالم تھے۔

۱۶: محمد بن طیفور سجاوندی غزنوی رحمہ اللہ :

داؤدی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ کان لہ تفسیر حسن قرآن حکیم کی ایک تفسیر عیدالمعانی ہے۔ اس کی جلد دوم سورۃ ابراہیم سے آخر قرآن تک مخطوطہ ۶۲۵ھ مصر کے کتب خانہ تیموریہ رحمہ اللہ میں ہے۔

۱۷: امام امین الدین طبرسی رحمہ اللہ :

مشہد کے ان مشہور علماء میں سے تھے جن کو تفسیر قرآنی کے ساتھ خاص شغف تھا چنانچہ قرآن عزیز کی ایک تفسیر بہ نام مجمع البیان مرتب کی۔ ۵۴۸ھ میں شہید ہوئے۔ تفسیر طبع ہو چکی ہے۔ اس کا ترجمہ فارسی زبان میں محمد بن احمد خواجگی شیرازی رحمہ اللہ نے کیا ہے۔

۱۸: ابونصر احمد ارزاقی رحمہ اللہ :

زاہدی کے لقب سے مشہور ہوئے قرآن عزیز کی ایک تفسیر فارسی میں بہ نام زاہدی رحمہ اللہ مرتب کی اس تفسیر کا بخارا اور اس کے قرب وجوار میں کافی چرچا تھا۔ بقول سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ، امام زاہدی رحمہ اللہ کی تفسیر کے ترجمہ نے سب سے

زیادہ ہردلعزیزی حاصل کی، اس تفسیر کے حوالے سے اکثر تفاسیر میں درج ہیں۔ احمد یحییٰ منیری رحمہ اللہ نے اس تفسیر کو معتبر سمجھا علامہ زاہدی نے ۵۴۹ھ کو وفات پائی۔ ادارہ تحقیقات پاکستان دانش گاہ لاہور، تفسیر زاہدی جلد اول و دوم ۲۲۲۱ بار چہار مہراز سعدالدین محمد یہ سال ۵۰-۱۷۶۴ء نصف اول اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں قلمی موجود ہے۔ (۵۱۹ھ) کل صفحات ۱۵۰۶ ہیں۔

۱۹: ابوعبداللہ الحسین المروزی رحمہ اللہ :

لغت، ادب، فقہ پر کئی کتابیں لکھیں، جن کی تعداد علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے چار سو سے زائد لکھی ہے۔ قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی لکھی ہے۔ ۵۵۹ھ کو وفات پائی۔

۲۰: ابوالفضل خوارزمی :

زین المشائخ بقالی کے لقب سے مشہور ہوئے۔ تفسیر مفتاح التنزیل لکھی، وفات ۵۶۲ھ قلمی نسخہ دمشق میں موجود ہے۔

۲۱: ابوالعباس خضر بن نصر رحمہ اللہ :

داؤدی رحمہ اللہ نے کہا ہے کان من الائمة آپ کی تصنیفات میں سرور دو عالم ﷺ کے خطبات کا مجموعہ بھی ہے۔ قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی لکھی ہے۔ ۵۶۷ھ کو انتقال فرمایا۔

۲۲: ابوعبداللہ بن ظفر بن محمد رحمہ اللہ :

حجۃ الدین رحمہ اللہ کے لقب سے مشہور ہوئے، ولادت صقلیہ میں ہوئی تربیت مکہ مکرمہ میں علماء حرم سے استفادہ کیا، ایک تفسیر لکھی جس کا نام ینبوع الحیات ہے۔ الینبوع فی علوم القرآن لکھا ہے تفسیر حلب میں شیعہ سنی فسادات میں ضائع ہوگئی متفرق اجزاء دارالکتب المصریہ کے قلمی ذخیرہ میں موجود ہیں۔ ۵۶۷ھ کو فوت ہوئے۔

۲۳: ابوبکر محمد عبدالغنی بن قاسم رحمہ اللہ :

فقہ شافعی کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ تفسیر ضیاء القلوب کا اختصار کیا، مصر میں ۵۷۲ھ کو وفات پائی۔

۲۴: شیخ ظہیرالدین نیشاپوری رحمہ اللہ :

قرآن عزیز کی ایک تفسیر بنام البصائر فی التفسیر لکھی جو کئی جلد فارسی میں ہے وفات ۵۷۷ھ کو ہوئی۔ قدیم نسخہ مخطوطہ ۶۸۲ھ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۲۵: علی بن عبداللہ رحمہ اللہ :

ابن النعمہ کے نام سے مشہور ہوئے کئی کتابیں جن میں سے ایک قرآن عزیز کی تفسیر ری الظمآن ہے جو کئی جلدوں میں ہے۔ ۵۷۷ھ کو وفات پائی۔

۲۶: ابوالقاسم عبدالرحمٰن سہیلی رحمہ اللہ

مراکش کے مشہور سیرت وتفسیر کے عالم تھے تفسیر کلمات مبہمہ پر ایک کتاب لکھی جس کا نام التعریف والاعلام ہے ۵۸۴ھ کو مراکش میں وفات پائی۔ سہیلی مناجات جو اشعار میں ہے اور علماء میں مستجاب سمجھی جاتی ہے انہیں کا کلام ہے:

يا من يرجى للشدائد كلها يامن اليه المشتكى والمفزع

يامن خزائن رزقه في قول كن امنن فان الخير عندك اجمع

حاشا لجودك ان تقنط عاصيا الفضل اجزل والمواهب اوسع

۲۷: ناصرالدین عالی غزنوی رحمہ اللہ :

احناف میں سے مشہور مفسر گزرے ہیں، ایک تفسیر کا نام تفسیر التفسیر ہے اور دو جلدوں میں ہے آپ کی وفات ۵۸۲ھ کو ہوئی۔

۲۸: علی بن ابی العز الباجسرانی رحمہ اللہ :

حنبلی المذہب اور متقی و پرہیزگار عالم تھے۔ تفسیر چار جلدوں میں لکھی ۵۸۸ھ کو فوت ہوئے۔

۲۹: احمد بن اسمٰعیل قزوینی رحمہ اللہ :

عابد اور شب بیدار تھے۔ آخر عمر میں ہر رات ایک بار ختم کرلیا کرتے تھے، تفسیر بھی لکھی جس کی خصوصیت یہ کہ جو کلمہ ایک دفعہ ذکر کیا ہے اس کو دوبارہ نہیں لائے۔ ۵۹۰ھ کو وفات ہوئی۔

۳۰: ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن الجوزی رحمہ اللہ :

بغداد کے مشہور حنبلی عالم تھے، مصنف، واعظ اور مناظر بھی تھے۔ وعظ میں ہزاروں کا مجمع ہوتا تھا۔ سیاح ابن جبیر ۵۸۰ھ کا اپنا مشاہدہ لکھتا ہے کرسی پر آکر بیٹھ گئے تو چند قاریوں نے مختلف مقامات سے آیات قرآنی تلاوت کیں، اس قدر جامع اور مؤثر تفسیر فرمائی سب کی آنکھیں پرنم ہوگئیں اور ہزاروں انسانوں نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی تصانیف کی تعداد دو سو پچاس بتائی گئی ہے۔ (۱) زادالمسیر فی علم التفسیر چار جلدوں میں۔ قلمی نسخہ مدینہ منورہ کے کتب خانہ محمودیہ میں ہے۔ نسخہ محررہ ۶۵۶ھ کتب خانہ ٹونک میں آج کل یہ تفسیر آٹھ جلدوں میں چھپ کر دستیاب ہے۔ (۲) المغنی فی التفسیر۔ (۳) فنون فی علوم القرآن اس کا قلمی نسخہ دارالکتب المصریہ میں موجود ہے۔ (۴) المدھش قرآنی آیات کا باہمی ربط اور چند قواعد ترجمہ وتفسیر پاکستان میں بھی طبع ہوچکی ہے۔ رمضان المبارک ۵۹۷ھ کو فوت ہوئے۔

۳۱: الحسن بن الخطیر نعمانی رحمہ اللہ :

تفسیر حدیث، لغت، حساب، طب میں اپنے وقت کے مشہور عالم تھے، ایک تفسیر لکھی جو کئی جلد ہے۔ ۵۹۸ھ کو فوت ہوئے۔

۳۲: عبدالمنعم بن محمد الخزرجی رحمہ اللہ :

ابن الفرس کے نام سے شہرت پائی احکام القرآن پر ایک تفسیر لکھی۔ ۵۹۹ھ کو نماز پڑھتے ہوئے وفات پائی۔

ساتویں صدی ہجری کے مفسرین قرآن مجید

۱: شیخ ابو محمد روزبہان بقلی رحمہ اللہ :

شیراز کے مشہور واعظ اور عالم دین تھے، تفسیر بہ نام عرائس البیان فی حقائق القرآن لکھی جو صوفیانہ مشرب پر بطرز وعظ ہے۔ اس میں رطب و یابس کو جمع کر دیا ہے علماء کے ہاں ناقابل استناد ہے۔ وفات ۶۰۶ ھ کو ہوئی، یہ تفسیر مطبوعہ اور دستیاب ہے۔

۲: مبارک بن محمد عبدالکریم شیبانی :

ابن الاثیر کی کنیت سے مشہور ہیں، ابن کلیب سے استماع حدیث و تفسیر کیا، تصانیف شرح مسند الامام شافعی رحمہ اللہ اور تفسیر القرآن الکریم جو دستیاب ہے۔ وفات ذی الحجہ ۶۰۶ ھ کو ہوئی۔

۳: عبدالجلیل بن موسیٰ انصاری رحمہ اللہ :

شعب الایمان اور قرآن کریم کی ایک تفسیر بھی ہے۔ ۶۰۸ ھ کو فوت ہوئے۔

۴: تاج الاسلام المروزی سمعانی رحمہ اللہ :

نیشاپور میں پیدا ہوئے طلب علم کیلئے دور دراز کا سفر کیا حتی کہ آپ کے اساتذہ کی تعداد چار ہزار ہے۔ تصانیف میں ایک تفسیر بھی ہے جس کے متعلق قاضی ابن خلکان رحمہ اللہ نے فرمایا کتابٌ نفیسٌ ۶۱۴ ھ کو وفات پائی۔

۵: عبداللہ بن الحسین العکبری :

قرآن کریم کے اعراب و قرأت پر ایک کتاب لکھی جو اعراب ابی البقاء کے نام سے مشہور ہوئی ایک کتاب البیان فی اعراب القرآن بھی آپ سے منسوب ہے۔ وفات ۶۱۶ ھ کو ہوئی۔ اعراب ابی البقاء ۱۳۰۶ ھ کو پہلی بار مصر سے شائع ہوئی۔

۶: ابو محمد عبدالکبیر بن غافقی رحمہ اللہ :

نامور علماء میں سے تھے۔ تصنیفات میں ایک قرآن حکیم کی تفسیر بھی ہے جس میں کشاف کی تفسیر اور تفسیر ابن عطیہ کو جمع کر کے اضافہ بھی کیا ہے۔ وفات ۶۱۷ ھ کو ہوئی۔

۷: نجم الدین خیوقی رحمہ اللہ :

آپ عالم باعمل تھے امام رازی رحمہ اللہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت توبہ کی تھی۔ قرآن عزیز کی ایک جامع تفسیر لکھی جو بارہ جلدوں میں ہے۔ ۶۱۸ ھ کو فتنہ تاتار میں شہید کر دیئے گئے۔

۸: الشیخ فخر الدین محمد الحرانی رحمہ اللہ :

ابن الجوزی رحمہ اللہ کے حلقہ خواص میں شامل تھے۔ ایک تفسیر مرتب کی جو کئی مجلدات میں ہے۔ ۶۲۲ ھ کو حران میں وفات پائی۔

۹: یحییٰ بن احمد بن خلیل رحمہ اللہ :

علم اصول اور تفسیر کے ممتاز مدرس تھے۔ اشبیلیہ میں آپ کا حلقہ درس دوسرے تمام دینی مدارس سے زیادہ وسیع تھا تصنیف کا کام بھی کرتے تھے۔ تفسیر کشاف پر تنقیدی تبصرہ کیا جو بہ نام الحسنات والسیئات ہے وفات ۶۲۶ ھ کو ہوئی۔

۱۰: امام عبدالسلام بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ :

ابن برجان کے نام سے مشہور ہوئے الارشاد فی تفسیر القرآن لکھی جو کئی جلدوں میں ہے اس کا ایک عکسی نسخہ جامع الاول العربیہ قاہرہ کے علمی ذخائر میں موجود ہے ۶۲۷ ھ کو وفات پائی۔

۱۱: علی بن احمد بن الحسن حرالی رحمہ اللہ :

تفسیر قرآن عزیز میں منفرد شان کے مالک تھے نہایت محققانہ طور پر باربط درس قرآن عزیز دیا کرتے تھے تفسیر قرآن کریم کے قواعد پر ایک کتاب لکھی جس کا نام ''مفتاح اللب المقفل علی انہم القرآن المنزل'' ہے امام بقاعی نے اپنی تفسیر ''بقاعی'' کی بنیاد اسی کتاب پر رکھی ہے۔ ایک تفسیر بھی لکھی ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا ''ولہ تفسیر عجیب'' قصبہ حرالی ملک شام میں اچانک وفات ۶۲۷ ھ کو ہوئی۔

۱۲: حسام الدین محمد سمرقندی رحمہ اللہ :

فقہ اور فتاوی میں آپ کا مرتبہ کامل الفتاوی مستند ہے۔ قرآن کریم کی ایک تفسیر بہ نام ''مطلع المعانی ومنبع المبانی'' لکھی جو کئی جلدوں میں ہے آپ کی وفات ۶۲۸ ھ کو ہوئی۔

۱۳: معافی بن اسمٰعیل ابی سفیان رحمہ اللہ :

ممتاز شافعی علماء میں سے تھے۔ ''نہایۃ البیان فی تفسیر القرآن'' لکھی اور اپنی زندگی میں ہی اس کا درس بھی دیتے، چھ جلدوں میں ہے، آپ کی وفات ۶۳۰ ھ میں ہوئی۔

۱۴: شہاب الدین عمر سہروردی رحمہ اللہ :

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے، بابا فرید الدین شکر گنج رحمہ اللہ اور حضرت بہاؤ الدین زکریا رحمہ اللہ ملتانی بھی آپ سے اکتساب فیض کیلئے بغداد پہنچے، تصوف میں آپ کی بلند پایہ کتاب ''عوارف المعارف'' مشہور ہے۔ قرآن کریم کی ایک تفسیر بھی لکھی جس کا نام ''بغیۃ البیان فی تفسیر القرآن'' ہے اس کا قلمی نسخہ مصر کے کتب خانہ فریویہ میں محفوظ ہے۔ وفات ۶۳۲ ھ کو ہوئی۔ مزار عالی بغداد ہی میں ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ''بغیۃ البیان فی تفسیر القرآن'' ہے۔

۱۵: عبدالغنی بن محمد القاسم رحمہ اللہ :

مفسر قرآن محمد بن القاسم الحرانی رحمہ اللہ کے صاحبزادے ہیں۔ قرآن حکیم کی تفسیر لکھی جس کا نام ''الزائد علی تفسیر الوالد'' رکھا ۶۳۹ ھ کو وفات پائی۔

۱۶: امام بکر فضل رحمہ اللہ :

بخارا کے حنفی علماء میں سے ہیں۔ فقہ اور تفسیر میں قابل قدر خدمات سر انجام دی ہیں تفسیر فارسی لکھی جس کا نام ''لطائف التفسیر'' ہے۔ وفات ۶۴۰ھ میں ہوئی۔ ''لطائف التفسیر'' کا قلمی نسخہ امداد العلماء حضرت امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ العزیز کے ذاتی کتب میں تھا۔ مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کو دے دیا گیا۔

۱۷: علم الدین علی:

آپ کا لقب امام سخاوی رحمہ اللہ ہے۔ استاذ القراء تھے دمشق میں درس قرآن مجید و درس حدیث دیتے تھے۔ شاطبیہ کی ایک شرح اور قرآن مجید کی ایک تفسیر بھی لکھی۔ وفات ۶۴۳ھ کو ہوئی۔

۱۸: عبدالرحمٰن بن محمد اللخمی رحمہ اللہ :

احناف کے بلند پایہ عالم مدرس، مناظر اور مصنف تھے۔ مفید ترین کتابیں لکھیں اربعہ قرآن مجید کی جامع تفسیر بھی لکھی۔ ۶۴۳ھ کو وفات ہوئی۔

۱۹: نجم الدین بشیر الزمیٰ رحمہ اللہ :

تبریز کے شافعی عالم تھے۔ قرآن مجید کی تفسیر کئی جلدوں میں لکھی مکہ مکرمہ میں ۶۴۶ھ کو فوت ہوئے۔

۲۰: شیخ عبدالواحدز ملکانی رحمہ اللہ :

ایک تفسیر ''نہایۃ التامیل فی علوم الترمیل'' ہے اس کے دو نسخے دار الکتب المصریہ میں موجود ہیں۔ ۶۵۱ھ کو فوت ہوئے۔

۲۱: یوسف بن قزاغلی الجوزی رحمہ اللہ :

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کے پوتے ہیں جد امجد سے پڑھا مشہور حنفی محقق، عالم ربانی جمال حصیری رحمہ اللہ کے حلقہ درس میں تکمیل کی، باپ دادا اگرچہ حنبلی تھے مگر آپ نے حنفی مسلک اختیار کیا اور مناقب ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر ایک کتاب لکھی، تاریخ کے موضوع پر ''مراۃ الزمان'' اور فقہ حنفی میں ''جامع کبیر'' قرآن کریم کی ایک تفسیر انتیس جلدوں میں لکھی ۶۵۴ھ کو فوت ہوئے۔

۲۲: محمد بن عبداللہ المرسی رحمہ اللہ :

مکہ مکرمہ خراسان اور دیگر اسلامی ممالک کا سفر طلب علم کیلئے کیا، قرآن کریم کی تین تفسیریں لکھیں۔ التفسیر الکبیر، التفسیر الاوسط، التفسیر الصغیر ۶۵۵ھ کو فوت ہوئے۔

۲۳: الامام شیخ عز الدین رحمہ اللہ :

اپنے قصبہ راس عین کی نسبت سے الراسعی حنبلی کہلاتے تھے قرآن کریم کی ایک تفسیر بنام رموز الکنوز لکھی جو آٹھ جلدوں میں ہے۔ کافی مقبول رہی، قاضی جمال الدین رحمہ اللہ اس کے حافظ تھے۔ انتقال ۶۶۰ھ کو ہوا۔

۲۴: عبدالعزیز بن عبدالسلام السلمی رحمہ اللہ :

سیف الدین آمدی رحمہ اللہ وغیرہما نے آپ کو سلطان العلماء کا لقب دیا تھا، دمشق میں افتاء اور تدریس کا کام کرتے تھے بدعات اور منکرات کے سخت مخالف تھے۔ سہروردی قدس سرہ العزیز کے خلیفہ مجاز تھے۔ آپ مستجاب الدعاء بھی تھے۔ جب فرنگیوں نے دمیاط پر حملہ کیا آپ نے ان کی ناکامی کی دُعاء کی تو ایسی ہوا چلی کہ ان کی کشتیاں اور جہاز غرق ہوگئے مجازاۃ القرآن کے نام سے مختصر جامع تفسیر لکھی جو مصر سے شائع ہوچکی ہے۔ ایک بڑی تفسیر بھی لکھی ہے۔ ۶۶۰ کو وفات پائی قرافہ کبریٰ قاہرہ میں دفن ہوئے۔

۲۵: عبدالرزاق بن رزق الحنبلی رحمہ اللہ :

ایک تفسیر لکھی جس کا نام مطلع انوار التنزیل ومفاتح اسرار التاویل ہے۔ چار جلد ہے امام سیوطی رحمہ اللہ نے اس کا خلاصہ بھی لکھا ہے وفات ۶۶۱ھ کو ہوئی۔

۲۶: عبدالعزیز بن ابراہیم القرشی رحمہ اللہ :

ابن سریرہ کے نام سے مشہور ہوئے ایک تفسیر لکھی جو تفسیر کشاف اور تفسیر ابن عطیہ دونوں کا مجموعہ ہے۔ وفات ۶۶۲ھ کو ہوئی۔

۲۷: محمد بن سلیمان رحمہ اللہ :

ولی کامل تھے۔ احناف میں ممتاز درجہ کے مالک تھے۔ ایک تفسیر لکھی جو تفسیر ابن نقیب کے نام سے مشہور ہے یہ تفسیر ۹۹ مجلدات میں ہے مفصل ہونے کے باوجود یہ تفسیر قابل استناد سمجھی گئی شعرانی رحمہ اللہ نے فرمایا ''میں نے اس سے بڑی کوئی تفسیر نہیں دیکھی'' یہ تفسیر دراصل پچاس تفاسیر کا مجموعہ ہے اور اس کا نام التحریر والتحبیر ہے۔ ۶۶۸ کو فوت ہوئے۔

۲۸: محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح رحمہ اللہ :

قرطبہ کے عظیم مفسر تھے۔ ایک تفسیر احکام القرآن صرف آیات احکام ہی کی تفسیر لکھی جو بارہ جلدوں میں شائع ہوچکی ہے۔ زاہدانہ اور درویشانہ زندگی بسر کی۔ شوال ۶۷۱ھ کو وفات پائی۔ یہ تفسیر قرطبی کے نام سے شائع ہوچکی ہے۔

۲۹: عبدالعزیز بن احمد دبیری رحمہ اللہ :

اپنے زمانہ کے جامع المعقول والمنقول تھے ایک تفسیر لکھی جس کا نام تفسیر دبیری ہے آپ کی وفات ۶۷۳ کو ہوئی۔

۳۰: موفق الدین احمد کواشی رحمہ اللہ :

فقہ شافعی کے مستند اور محقق عالم تھے۔ ایک تفسیر لکھی جس کا نام کشف الحقائق فی التفسیر ہے۔ مرتب کر کے اس کے نسخے اس دور کے علمی مراکز مکہ مکرمہ مدینہ طیبہ اور بیت المقدس کو بھی بھیجے۔ یہ تفسیر مفسرین کرام کے ہاں قابل استناد ہے۔ امام شعرانی رحمہ اللہ نے تفسیر کواشی کو دس بار مطالعہ کیا ہے۔

سیوطی رحمہ اللہ نے اس پر اعتماد کیا۔ یعقوب چرخی رحمہ اللہ نے استفادہ کیا ہے۔ کواشی ۶۸۰ھ کو فوت ہوئے۔ آپ کی تفسیر کے ایک حصہ کا نسخہ ٹونک کے کتب خانہ میں موجود ہے دوسرا حصہ ''التبصرہ'' کا ایک نسخہ مکتوبہ ۱۱۰۷ھ کتب خانہ جامع پاشا موصل میں ہے۔ اسی ''التبصرہ'' ایک نسخہ جو ایک ہی جلد میں ہے مکتوبہ ۱۰۱۷ھ میں ''حلب'' کے کتب خانہ عثمانیہ میں موجود ہے۔

۳۱: عبدالجبار بن عبدالخالق رحمہ اللہ:

وعظ بھی فرمایا کرتے تھے۔ ایک تفسیر لکھی جو آٹھ جلدوں میں ہے۔ بغداد میں شعبان ۶۸۱ کو فوت ہوئے۔

۳۲: احمد بن محمد بن منصور:

ابن المنیر کے نام سے مشہور ہوئے آپ کی ولادت اسکندریہ میں ہوئی۔ قرآن کریم کی تفسیر لکھی جو ہر دور میں قابل اعتماد سمجھی گئی ۶۸۳ھ کو وفات پائی۔

۳۳: احمد بن عمر الانصاری رحمہ اللہ:

زندگی قرآن و سنت کی روشنی میں گزری خرقہ خلافت ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ سے عطا ہوا تھا۔ آپ کی تصانیف فقہ میں ''تہذیب'' عقائد میں ''ارشاد'' حدیث میں ''مصابیح'' اور تفسیر میں ''مہدوی'' مشہور ہیں جو دس جلدوں میں ہے۔ آپ کی وفات ۶۸۵ھ کو ہوئی۔

۳۴: قاضی ناصرالدین بیضاوی رحمہ اللہ:

بڑے عالم دین اور مصنف تھے۔ آپ کی تفسیر انوارالتنزیل تفسیر بیضاوی کے نام سے مشہور ہے اس تفسیر میں علمی اوبی فوائد کا بیش بہا ذخیرہ جمع ہے عقائد اہل سنت کی تائید اور معتزلہ کی مدلل تردید بھی کی گئی ہے اس تفسیر کو قبولیت حاصل ہوئی۔ انتقال ۶۸۵ھ کو ہوا۔ قلمی نسخہ محررہ ۹۵۷ھ مولانا منظورالحسینی رحمہ اللہ اٹک ضلع جہلم کے پاس ہے۔ ایک قلمی نسخہ محررہ ۱۰۰۷ھ اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں ہے۔ ایک قلمی نسخہ محررہ ۹۹۱ھ ندوۃ المصنفین اعظم گڑھ میں ہے۔ نواب ضابطہ خان کے ملازم حافظ محمد یوسف رحمہ اللہ کاندھلوی تفسیر بیضاوی کے حافظ تھے ''امام سیوطی رحمہ اللہ نے اس تفسیر کی بہت تعریف کی۔ سیوطی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ) کا مرتبہ حاشیہ بہ نام نواھد الابکار و شواھد الافکار طبع ہو چکا ہے۔ ایک نسخہ ضلع اٹک (کیمبلپور) کے مشہور صوفی عالم مولوی صاحب مرحوم مکھڈ کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس تفسیر پر تنقیدی مواخذات شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ، بہاؤالدین آملی نے کئے اور ان مقامات کی نشاندہی بھی کردی ہے جو باہمی متضادات اور متناقض ہیں۔

۳۵: محمد بن محمد رحمہ اللہ:

برہان نسفی کے نام سے مشہور تھے ممتاز عالم تھے۔ امام رازی رحمہ اللہ کی مرتبہ تفسیر کا انتخاب لکھا۔ ۶۸۷ھ کو فوت ہوئے بغداد میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پہلو میں دفن کر دیئے گئے۔

۳۶: شیخ نجم الدین رحمہ اللہ **المعروف بہ دایہ:**

ممتاز صوفیاء کرام میں سے تھے نجم الدین ابوالجناب سے اکتساب علم کیا، کچھ پاروں کی تفسیر بہ نام تاویل النجیہ لکھی، جو بحرالحقائق کے نام سے مشہور تھی۔ اس تفسیر کو احمد بن محمد رحمہ اللہ البیابانکی ۷۳۶ھ نے مکمل فرمایا پانچ بڑی جلدوں میں ہے۔ مخطوطہ دارالکتب مصریہ میں محفوظ ہے۔ ناقص نسخہ کتب خانہ فاضلیہ گڑھی افغاناں میں ہے۔ واللہ اعلم۔

آٹھویں صدی ہجری کے مفسرین قرآن مجید

۱: ابوالبرکات عبداللہ رحمہ اللہ:

نسفی مشہور تھے فقہ حنفی اور علم کلام کے بہت بڑے عالم تھے۔ قرآن کریم کی ایک تفسیر بنام مدارک التنزیل لکھی جو تفسیر مدارک کے نام سے مشہور ہے۔ اہل السنۃ والجماعت اور فقہ حنفی کو مدلل ثابت فرمایا ہے۔ یہ تفسیر مطبوعہ اور عام دستیاب ہے۔ مفید اور جامع شرح مولانا عبدالحق مہاجر مکی رحمہ اللہ نے بہ نام الاکلیل علی مدارک التنزیل لکھی ہے۔ علامہ نسفی رحمہ اللہ نے ۷۰۱ھ کو وفات پائی۔

۲: امام بدرالدین:

حلبی رحمہ اللہ مشہور ہوئے۔ تفسیر کشاف پر محاکمہ کرتے ہوئے ایک کتاب بنام مختصر الراشف عن زلل الکاشف لکھی۔ ۷۰۵ھ کو فوت ہوئے۔

۳: علامہ قطب الدین محمود بن مسعود رحمہ اللہ:

شیراز کے جلیل القدر عالم حنفی تھے تفسیر پر عبور حاصل تھا۔ تفسیر لکھی جس کا نام ملامی ہے۔ چالیس جلدوں میں ہے وفات تبریز میں ۷۱۰ھ کو ہوئی۔ بعض نے اس کا نام مفتاح السنان فی تفسیر القرآن لکھا ہے، اس تفسیر کی پہلی جلد قلمی دارالکتب المصریہ میں ہے۔ استنبول میں محمد اسعد رحمہ اللہ کے کتب خانہ میں کامل نسخہ بھی ہے۔

۴: خواجہ رشیدالدین فضل رحمہ اللہ:

ہمدان کے ان علماء میں سے تھے جو علم و فضل کے ساتھ ملکی امور کا بھی وسیع تجربہ رکھتے تھے۔ چنانچہ سلطان ابوسعید رحمہ اللہ نے آپ کو وزیر مقرر کرلیا تھا۔ مبسوط اور جامع تفسیر مرتب فرمائی جس پر علماء نے تقاریظ لکھی ہیں وفات ۷۱۸ھ کو ہوئی۔

۵: عمادالکندی:

اسکندریہ کے قاضی تھے۔ غرناطہ میں سکونت اختیار کرلی تھی، علم تفسیر کتاب بہ نام کفیل لمعانی التنزیل لکھی جو ۴۳ جلدوں میں ہے۔ یہ تفسیر کشاف کی شرح ہے اور اس پر مناقشات کی توجیہات پر مشتمل ہے۔ وفات ۷۲۰ھ کو ہوئی۔

۶: احمد بن محمد بن عثمان رحمہ اللہ:

البناء رحمہ اللہ کے نام سے مشہور تھے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم کی باء کی تفسیر میں

مستقل کتاب لکھی۔ سورۃ العصر اور سورۃ الکوثر کی مستقل تفاسیر بھی لکھیں۔ قرآن کریم کے رسم الخط کی امتیازی شان پر ایک کتاب بہ نام ''عنوان الدلیل مرسوم خط التنزیل'' لکھی تفسیر کشاف کا بہترین حاشیہ مرتب فرمایا۔ ۷۲۴ھ کو وفات ہوئی۔

۷: احمد بن محمد مکی رحمہ اللہ:

قمولی کے لقب سے مشہور تھے۔ تدریس، تصنیف اور افتاء کے ماہر تھے آپ کی تصانیف میں البحر المحیط اور جواہر البحر مشہور ہیں تفسیر کبیر کا تکملہ لکھا۔ ۷۲۷ھ کو انتقال ہوا۔

۸: احمد بن محمد بن عبد الولی رحمہ اللہ:

المقدسی بن جبارہ کے نام سے مشہور تھے ایک تفسیر بہ نام فتح القدیر لکھی، بیت المقدس میں ۷۲۷ھ کو فوت ہوئے۔

۹: نظام الدین قمی نیشاپوری:

مشہور نام نظام الاعرج ہے فلسفہ، تصوف اور جغرافیہ کے ماہر تھے۔ ایک تفسیر بھی لکھی۔ اس کا نام غرائب القرآن ورغائب الفرقان ہے۔ دوسری تفسیر لب التاویل فی تفسیر القرآن ہے۔ ایک جلد میں ہے۔ غرائب القرآن کا قلمی نسخہ مخطوطہ ۷۸۲ھ کتب خانہ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ صاحب احمد آباد میں ہے ایک مخطوطہ کتب خانہ دار المصنفین اعظم گڑھ میں موجود ہے۔ سال وفات ۷۲۸ھ۔ ۷۱۰ھ لکھی ہے۔

۱۰: السید محمد بن ادریس رحمہ اللہ:

بڑے مفسر تھے۔ آپ کی تفاسیر کے نام التیسیر، الاکسیر الابریز فی تفسیر القرآن العزیز، اور النہج القویم فی تفسیر القرآن الکریم مشہور ہیں ۷۳۰ھ کو وفات پائی۔

۱۱: امام برھان الدین الجعبری رحمہ اللہ:

نزول قرآن عزیز کو ایک بلیغ قصیدہ میں مدون کر دیا۔ جس کا نام ''تقریب المامول فی ترتیب النزول'' ہے۔ یہ قصیدہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی مولفہ الاتقان میں نقل ہے آپ کی وفات ۷۳۲ھ کو ہوئی۔

۱۲: عبد الواحد ابن المنیر رحمہ اللہ:

خاندان علمی تھا۔ علماء زمانہ نے عز القضاۃ کا خطاب دیا تھا۔ قرآن عزیز کی ایک تفسیر دس جلدوں میں لکھی جو تفسیر ابن المنیر کے نام سے مشہور اور دستیاب ہے ۷۳۶ھ کو وفات ہوئی۔

۱۳: احمد بن محمد السمنانی:

قرآن عزیز کے ساتھ آپ کا عشق تھا۔ قابل قدر تھے۔ ابن عربی کے نظریات کے شدید مخالف تھے۔ آپ نے ایک تفسیر مرتب کی جو تیرہ جلدوں میں ہے۔ ایک کتاب ''تکملۃ التاویلات النجمیہ'' بھی لکھی۔ بغداد میں ۷۳۶ھ کو وفات ہوئی۔

۱۴: ھبۃ اللہ رحمہ اللہ:

شرف الدین البارزی کے نام سے شہرت پائی آپ کا فتوی آخری فتوی سمجھا جاتا تھا۔ ایک تفسیر ''روضات الجنان فی تفسیر القرآن'' دس جلدوں میں ہے۔ آپ کا انتقال ۷۳۷ھ کو ہوا۔ عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام پر مدلل فتوی تحریر فرمایا۔

۱۵: علی بن عثمان بن حسان رحمہ اللہ:

دمشق تقی واسطی رحمہ اللہ، علامہ نووی رحمہ اللہ سے اکتساب فیض کیا۔ جلیل القدر عالم تھے۔ تفسیر طبری کا اختصار کیا۔ ۷۳۹ھ کو وفات پائی۔

۱۶: الشیخ علاؤ الدین علی بن محمد رحمہ اللہ:

مزاج تصوف کی طرف مائل تھا، دمشق کی خانقاہ السمساطیہ کے عظیم کتب خانہ کے ناظم مقرر ہوئے۔ علامہ بغوی رحمہ اللہ کی مرتبہ تفسیر معالم التنزیل کا اختصار بنام لباب التاویل کیا جو تفسیر خازن کے نام سے مشہور اور عام دستیاب ہے۔ وفات ۷۴۱ھ کو حلب میں ہوئی۔

۱۷: ابو الحسین بن ابی بکر:

اسکندریہ کی نسبت سے اسکندری کہلائے تفسیر لکھی جو ''تفسیر الاسکندری'' کے نام سے دس جلدوں میں ہے۔ ۷۴۱ھ کو وفات پائی۔

۱۸: الحسین بن محمد:

قصبہ طیب میں پیدا ہوئے اسی لئے طیبی رحمہ اللہ کہلائے۔ علم حدیث اور تفسیر پر بالغ نظر رکھتے تھے۔ مشکوۃ شریف کا حاشیہ طیبی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا ایک مخطوطہ گڑھی افغانان متصل حسن ابدال رحمہ اللہ کی خانقاہ فاضلیہ میں موجود ہے۔ علم تفسیر میں تفسیر کشاف کا حاشیہ ''فتوح الغیب فی الکشف عن قناع الریب'' لکھا جو آٹھ جلدوں میں طبع ہو چکا ہے۔ جب یہ حاشیہ لکھنے کا ارادہ کیا تو خواب میں آپ ﷺ نے طیبی کو دودھ کا بھرا ہوا پیالہ عنایت فرمایا۔ اس حاشیہ کے متعلق ابن خلدون نے لکھا کہ علامہ طیبی نے یہ ثابت کیا کہ صحیح بلاغت وہی ہے جو اہل السنۃ کے اختیار کردہ طریقہ تعبیر سے ادا ہوتی ہے۔ معتزلہ کے اعتراضات اور تنقیدات کے دندان شکن جوابات بھی دیئے۔ مفسر نے تمام علوم بلاغت کو بالاستیعاب لکھ کر معانی کا حق ادا کیا ہے۔ درس تفسیر کو مکمل فرما چکے۔ رو بقبلہ بیٹھے ہوئے تھے کہ روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ ۷۴۳ھ کا دن تھا۔ حاشیہ طیبی رحمہ اللہ قلمی نسخہ محررہ ۷۲۷ھ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔

۱۹: محمد بن یوسف ابن حیان اثیر الدین رحمہ اللہ:

آپ کے اساتذہ کی تعداد چار سو پچاس ہے۔ سلف صالحین کے پورے متبع اور مقلد تھے، قرآن کریم کی تفسیر البحر المحیط مشہور ہے۔ بقول علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ''ابن حیان رحمہ اللہ ان علماء کرام میں سے ہیں جن کی

تصانیف ان کی زندگی میں قبول ہو چکی تھیں۔'' ایک غریب القرآن بھی ہے۔ البحر المحیط ۱۳۲۸ھ کو طبع ہو چکی ہے۔ وفات ۷۴۵ھ کو قاہرہ میں دفن ہوئے۔

۲۰: احمد بن الحسن جار بردی رحمہ اللہ:

فخر الدین لقب تھا علم صرف و نحو میں واقعی امام تھے۔ امام بیضاوی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ تفسیر کشاف پر مفید اور جامع حاشیہ لکھا۔ تبریز میں رمضان ۷۴۶ھ کو فوت ہوئے۔

۲۱: احمد بن عبدالقادر القیسی رحمہ اللہ:

محقق حنفی عالم تھے۔ البحر المحیط کا انتخاب الدار اللقیط لکھا جو البحر المحیط کے حاشیہ پر طبع ہو چکا ہے ۷۴۷ھ کو وفات پائی۔

۲۲: محمد بن احمد اللبان رحمہ اللہ:

آپ کی کتاب تفسیر الایات المتشابہات الی الآیات المحکمات مطبوعہ اور دستیاب ہے ۷۴۹ھ کو وفات ہوئی۔

۲۳: علامہ شمس الدین ابن القیم رحمہ اللہ:

علماء مصر سے اکتساب علوم کیا۔ ابن تیمیہ کی شاگردی ایسی اختیار کی کہ سایہ کی طرح زندگی بھر ان کے ساتھ رہے، مگر بعض عقائد میں اسی طرح مسلک علماء حق سے انحراف تھا۔ آپ کے ہمعصر علامہ سبکی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب السیف الصقیل فی الرد علی ابن الزفیل میں آپ پر تنقید فرمائی ہے۔ جامع کتاب زاد المعاد مرتب کی ہے اور کتاب الروح جیسی مایہ ناز کتاب بھی علمی شاہکار ہے قرآن کریم کی قسموں پر ایک جامع کتاب ''البتیان'' لکھی جو چھپ کر تفسیر ابن القیم کے نام سے دستیاب ہے۔ وفات ۷۵۱ھ کو ہوئی۔

۲۴: شہاب الدین مسعود

السمین الحلبی المصری رحمہ اللہ کہلائے۔ تفسیر میں احکام القرآن نامی ایک کتاب لکھی ایک تفسیر بھی لکھی جس کا نام "الدار المصون فی علم الکتاب المکنون" ہے اس میں صحابہ کرامؓ اور تابعین رحمہ اللہ کے اقوال تفسیر بے نشان نام جمع فرما دیئے ہیں اور یہ مختصر تفسیر ہے۔ مفصل تفسیر بھی لکھی ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے ''میں نے السمین رحمہ اللہ کی مرتبہ تفسیر دیکھی جو مفسر کے اپنے قلم سے ہے اور بیس جلدوں میں ہے۔'' ایک نسخہ مدینہ منورہ میں مکتبہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ میں موجود ہے۔ وفات ۷۵۶ھ کو ہوئی۔

۲۵: علی بن عبدالکافی السبکی رحمہ اللہ:

قاضی جلال الدین قزوینی رحمہ اللہ کی وفات پر دمشق کے قاضی مقرر ہوئے، ایک تفسیر بنام الدر النظیم فی تفسیر القرآن الکریم لکھی۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ'' آپ کی سب تصانیف آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں'' ۷۵۶ھ کو فوت ہوئے اور قاہرہ کے باب النصر میں دفن ہوئے۔

۲۶: محمد بن علی بن عابد الانصاری رحمہ اللہ:

آپ کو امام الکتابت رحمہ اللہ کا لقب دیا گیا۔ تفسیر کشاف کا کامیاب حاشیہ لکھا۔ ۷۶۲ھ کو فوت ہوئے۔

۲۷: علامہ مخلص الہندی رحمہ اللہ:

دہلی کے جلیل القدر عالم تھے۔ ایک تفسیر بنام کشف الکشاف لکھی جس میں زیادہ کشاف پر علمی تنقید ہے ۷۶۴ھ کو فوت ہوئے۔

۲۸: محمد بن محمد الرازی رحمہ اللہ:

تحتانی کے لقب سے مشہور تھے، دمشق میں مقیم تھے اور زندگی کا آخری دور علم تفسیر، معانی اور بیان کی تدریس میں گزارا اہل دمشق آپ کے گرویدہ تھے۔ تفسیر کشاف کا حاشیہ لکھا، دمشق ہی میں ۷۶۶ھ کو فوت ہوئے۔

۲۹: محمد بن محمد بن محمد الاقصرائی رحمہ اللہ:

محقق اور نکتہ شناس عارف تھے، درس حدیث و تفسیر دیتے رہے، اقصرائی نے تفسیر کشاف پر حاشیہ لکھا۔ ۷۷۰ھ کو انتقال ہوا۔

۳۰: محمود بن احمد قنوی رحمہ اللہ:

فقہ و تفسیر میں خصوصاً محقق تھے۔ کتاب المعتمد اختصار مسند ابی حنیفہ رحمہ اللہ، کتاب مشارق الانوار الحل مشکل الآثار تفسیر بنام تہذیب احکام القرآن لکھی۔ ۷۷۱ھ کو انتقال ہوا۔

۳۱: سراج الدین (سراج الہندی رحمہ اللہ)

آباؤ اجداد غزنی سے تھے۔ حجاز اور مصر کا سفر کیا پھر مصر ہی میں مقیم ہو گئے۔ مصر میں احناف کے مقتداء تھے تاریخ اور اسماء الرجال کی کتابوں میں آپ کو سراج الہندی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ امام ابن تیمیہ کے ساتھ کئی مناظرے کیئے۔ قرآن عزیز کی ایک تفسیر تفسیر السراج لکھی ہے۔ ۷۷۳ھ کو قاہرہ میں انتقال ہوا۔

۳۲: خضر بن عبدالرحمٰن زری رحمہ اللہ:

قرآن کریم کی ایک تفسیر بنان تبیان لکھی۔ مفسر کی وفات ۷۷۳ھ کو ہوئی۔ اس تفسیر کا ایک مخطوطہ محررہ ۱۰۴۷ھ ٹونک کے کتب خانہ عرفانیہ میں محفوظ ہے۔

۳۳: اسمٰعیل بن عمر بن کثیر القیسی رحمہ اللہ:

۷۰۰ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے، ابن عساکر رحمہ اللہ وغیرہم سے اکتساب فیض کیا۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ کا یہ جامع ارشاد ہے:

"الامام المفتی المحدث البارع الفقیہ المفسر" تصنیف تفسیر ابن کثیر مشہور متداول اور مستند تفسیر ہے۔ آپ کے تمام تصانیف نے آپ کی زندگی

ہی میں قبولیت حاصل کر لی تھی۔ ۷۷۴ھ کو فوت ہوئے۔ تفسیر ابن کثیر کا اختصار علامہ محمد علی صابونی رحمہ اللہ استاذ دراسات اسلامیہ مکہ مکرمہ نے مرتب کیا۔ اس کا اُردو زبان میں ترجمہ کراچی کے مطبع اصح المطابع نے شائع کیا ہے۔

۳۴: محمد بن محمد بن محمود رحمہ اللہ :

بغداد کے قریب ایک بستی کی نسبت سے بابرتی کہلائے، حنفی مسلک کے محقق اور جلیل القدر عالم ھدایہ کی ایک شرح لکھی اور تفسیر کشاف کا جامع حاشیہ لکھا اور ایک مستقل تفسیر بھی لکھی۔ شب جمعہ ۷۷۶ھ کو انتقال ہوا۔ ۷۸۶ھ سلطان وقت بھی حاضر تھا۔

۳۵: ابراہیم بن عبدالرحیم بن جماعۃ :

مصر میں پیدا ہوئے، گھرانہ علمی تھا۔ القدس میں قیام کیا آخر عمر میں شام کے قاضی مقرر ہوئے۔ تفسیر میں مہارت تھی۔ ایک تفسیر دس جلدوں میں لکھی جس کو تفسیر ابن جماعۃ کہا جاتا ہے۔ عسقلانی رحمہ اللہ نے خود ان کے قلم سے لکھی ہوئی دیکھی ہے۔ ۷۹۰ھ کو وفات ہوئی۔

۳۶: مسعود بن عمر الامام سعدالدین رحمہ اللہ :

خراسان تفتازان میں پیدا ہوئے۔ قرآن حکیم کی ایک تفسیر فارسی میں بنام کشف الاسرار وعدۃ الابرار لکھی، کشاف پر حاشیہ کی تلخیص لکھی۔ ۷۹۲ھ کو فوت ہوئے۔ یہ قلمی حاشیہ طلائی جدول سے مزین اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں موجود ہے۔

۳۷: امام بدرالدین محمد زرکشی رحمہ اللہ :

قاہرہ میں ولادت ہوئی۔ شیخ جمال الدین رحمہ اللہ السنوی سے اکتساب فیض کیا۔ ابن کثیر رحمہ اللہ، شیخ شہاب الدین الاوزاعی سے علوم حاصل کئے، تصانیف علوم قرآن اور قواعد تفسیر القرآن کے نام کی لکھی۔ جو چار جلد میں طبع ہو چکی ہے جس کا نام البرہان ہے علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے بھی اس سے استفادہ کیا ہے۔ ۷۹۴ھ کو فوت ہوئے۔

۳۸: امیر کبیر تاتارخان دہلوی رحمہ اللہ :

تفسیر تاتارخانی مرتب کرائی، سلطان فیروز رحمہ اللہ شاہ تغلق کے زمانہ میں ۷۹۹ھ کو انتقال ہوا۔ آپ نے علماء کے ایک گروہ کو جمع کیا اور تمام تفاسیر کو اکٹھا کیا اور آئمہ تفسیر کے ہر آیت کے متعلق تمام اقوال اس تفسیر میں جمع کرا دیئے تاتارخان رحمہ اللہ نے دل وجان سے کوشش کی کہ اس دور کی تمام تفاسیر اس کی ایک کتاب میں جمع کر دی جائیں۔ (تاریخ فیروز شاہی ص ۲۶۶)

۳۹: فضل اللہ بن ابی الخیر رحمہ اللہ :

ایک یہودی کے گھر ولادت ہوئی ہمدانی کے نام سے مشہور ہوئے۔ ہمدانی نے قرآن حکیم کی ایک تفسیر تفسیر طنطاوی رحمہ اللہ کی طرز پر لکھی ۸۰۰ھ میں آپ کو شہید کر دیا گیا۔

۴۰: علی بن محمد قوشجی رحمہ اللہ :

سمرقند میں پیدا ہوئے، علم تفسیر میں محققانہ بصیرت رکھتے تھے، تفسیر کشاف کا جو حاشیہ علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے لکھا۔ قوشجی نے اس حاشیہ کا حاشیہ لکھا ہے۔ ۸۰۰ھ میں وفات پائی۔

نویں صدی ہجری کے مفسرین قرآن مجید

۱: محمد بن محمد بن عرفہ الورغمی رحمہ اللہ :

آباؤ اجداد تونس کے تھے۔ مگر آپ کے والد ماجد رحمہ اللہ جو کہ باعالم باعمل تھے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے۔ آپ کی ولادت مدینہ منورہ میں ہوئی۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے آپ کو آٹھویں صدی کا مجدد تسلیم کیا ہے۔ فقہ میں آپ نے ایک کتاب بہ نام المبسوط لکھی جس پر علماء نے حواشی تحریر کیے۔ تفسیر دو جلدوں میں لکھی۔ جو تفسیری فوائد کا مجموعہ ہے۔ ۸۰۳ھ کو فوت ہوئے۔

۲: شیخ شہاب الدین احمد بن محمود سیواسی رحمہ اللہ :

تمام تفاسیر کا مطالعہ کیا۔ سب کا خلاصہ بطور حاصل مطالعہ لکھا۔ جس کا نام التفاسیر للفضلاء والمشاہیر رکھا۔ یہ کتاب مختصر ہونے کے باوجود جامع ہے۔ ۸۰۳ھ کو وفات پائی۔ ناقص نسخہ خدا بخش لائبریری ''پٹنہ'' میں موجود ہے ایک کامل نسخہ مکہ مکرمہ کے کتب خانہ حرم میں موجود ہے نمبر ۳۷۱ ہے۔

۳: زین بن ابراہیم رحمہ اللہ :

آپ نے امام ابوزرعہ رحمہ اللہ عراقی کے نام سے شہرت پائی، ابو حیان رحمہ اللہ اندلسی نے قرآن کریم کے الفاظ غریبہ کو ایک کتاب میں جمع کر دیا جس کا نام اتحاف الاریب بما فی القران من الغریب ہے۔ ابوزرعہ رحمہ اللہ نے اس ساری کتاب کو منظوم کر دیا جس کا نام الفیہ فی غریب القران ہے۔ قلمی نسخہ جامع ازہر کے مخطوطات میں ہے۔ از ۔ ۱۳۷۴ھ جلالین کے حاشیہ پر شائع ہو چکی ہے۔ وفات ۸۰۶ھ کو ہوئی۔

۴: شیخ اشرف جہانگیر سمنانی رحمہ اللہ :

سلطان ابراہیم سمنانی رحمہ اللہ کے بیٹے ہیں۔ انیس سال کی عمر میں تخت نشینی ہوئی مگر تیس سال کی عمر میں تخت سے دستبردار ہو کر اوچ شریف میں شیخ جلال الدین رحمہ اللہ سے اکتساب فیض کیا۔ ایک تفسیر لکھی جس کا نام نور بخشیہ ہے۔ ۸۰۸ھ کو کچھوچھ میں انتقال ہوا۔

۵: علی بن محمد المعروف سید سند رحمہ اللہ

جرجانی مشہور ہوئے۔ علماء احناف میں سے بے نظیر محقق عالم تھے۔

شیراز آکر درس وتدریس میں مصروف ہوگئے۔ تیمور رحمہ اللہ نے جب شیراز کو تاراج کیا تو سید صاحب کو سمرقند لے گیا۔ آپ کی تصانیف تقریباً پچاس ہیں۔ تفسیر کشاف پر بہترین حواشی مرتب فرمائے۔ آپ نے قرآن عزیز کا فارسی میں ترجمہ بھی کیا جس کو ناواقف شیخ سعدی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ آپ نے شیراز میں ۸۱۶ھ کو وفات پائی۔

۶: مجد الدین ابوطاہر فیروز آبادی رحمہ اللہ

امام ابن القیم رحمہ اللہ اور امام التقی السبکی رحمہ اللہ سے اکتساب فیض کیا۔ حنفی علماء میں شانِ امامت رکھتے تھے۔ سلطان روم مرادخان رحمہ اللہ نے آپ کو علوم کی اشاعت کے مواقع مہیا کر دیئے۔ مشارق الانوار کی شرح لکھی۔ کتاب ''الامع الملباب'' ساٹھ جلدوں میں لکھی۔ کشاف کے خطبہ کی شرح لکھی اور جو بنام ''تفسیر مجاہد'' کتب خانہ تحقیقات اسلامیہ میں عکس موجود ہے نمبر ۱۲۶ ہے۔ مستقل تفسیر لطائف فی التمیز فی لطائف الکتاب العزیز لکھی جو پانچ جلدوں میں قاہرہ سے طبع ہوچکی ہے۔ ۸۱۶ھ کو وفات ہوئی۔

۷: سید محمد بن سید یوسف

دہلی میں ولادت ہوئی۔ شاہ نصیر الدین چراغ دہلی رحمہ اللہ سے علوم ظاہریہ اور فیوضات باطنیہ کا اکتساب کیا۔ ایک دن مرشد رحمہ اللہ کی پالکی اٹھا کر جا رہے تھے سر کے بال الجھ گئے۔ تکلیف کے باوجود اسی طرح رہنے دیا حضرت الشیخ رحمہ اللہ نے برجستہ یہ شعر پڑھا:

ہر کہ غلام سید گیسو دراز شد   واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد

آپ کی تصانیف ایک سو پانچ ہیں۔ اسی سے گیسو دراز کے نام سے مشہور ہوئے جن میں اردو نثر کی پہلی کتاب ''معراج العاشقین'' ہے۔ تفسیر کشاف پر حاشیہ لکھا ایک مستقل تفسیر بھی لکھی جس کا نام ''درر منتظم'' ہے۔ اس میں زیادہ بحث علم معرفت کے متعلق ہے۔ ۸۲۵ھ کو وصال فرمایا درر منتظم کا پہلا حصہ کتب خانہ ناصریہ لکھنؤ میں موجود ہے۔ ضلع ہزارہ میں تشریف لانا بھی ثابت ہے اور ''مشوانی سادات'' کا سلسلہ نسب آپ سے ملتا ہے اور حضرت مولانا زاہد الحسینی رحمہ اللہ مرتب تذکرۃ المفسرین کا سلسلہ نسب بھی آپ تک پہنچتا ہے۔

۸: محمد بن خلفۃ الوشتانی رحمہ اللہ

امام ابن عرفہ رحمہ اللہ کے جانشین تھے۔ آپ کے حلقہ درس سے ثعالبی رحمہ اللہ جیسے مفسر قرآن پیدا ہوئے۔ ایک تفسیر آٹھ جلدوں میں لکھی ہے۔ ۸۲۸ھ کو وفات ہوئی۔

۹: یوسف بن احمد بن محمد

اجداد کا مسکن تو حرم مکہ مکرمہ تھا۔ مگر یہ خود یمن آباد ہوگئے۔ دیگر تصانیف کے علاوہ آپ کی مرتبہ تفسیر ''الثمرات فی تفسیر آیات الاحکام ہے۔ ۸۳۲ھ کو وفات ہوئی۔

۱۰: عبداللہ بن مقداد

قاضی جمال الدین لقب تھا۔ قرآن عزیز کی ایک تفسیر تین جلدوں میں ہے جو کہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ ۸۳۲ھ کو وفات ہوئی۔

۱۱: شیخ علی بن احمد مہائمی رحمہ اللہ :

بمبئی کے قریب قصبہ مہائم میں پیدا ہوئے۔ علوم اسلامیہ میں یکتائے روزگار تھے۔ ادراک مطالب میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی سی شان رکھتے تھے۔ عربی زبان میں ایک تفسیر بھی لکھی جس کا نام تفسیر رحمانی ہے۔ دو جلدیں مصر سے شائع ہوچکی ہے۔ ہر سورۃ کی ابتداء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر اس انداز سے کی کہ اس میں ساری سورۃ کا مضمون اجمالی طور پر سمو دیا ہے۔ اعجازی اور ادبی نکات پر بے مثل بحث کی۔ وفات ۸۳۵ھ کو ہوئی ایک کتاب حجۃ اللہ البالغہ کی طرز پر لکھی ہے۔ جس کا نام انعام الملک العلام ہے۔

۱۲: السید علی بن محمد بن ابی القاسم رحمہ اللہ :

ایک مستقل تفسیر آٹھ جلدوں میں لکھی اور تفسیر کشاف کا حاشیہ تجرید الکشاف بھی لکھا۔ ۸۳۷ھ کو وفات ہوئی۔

۱۳: السید محمد بن ابراہیم

ابن الوزیر کے نام سے مشہور تھے۔ قرآن عزیز کی نظم بیان کو یونانی زبان کے طرز ادا پر فضیلت ثابت کرنے کیلئے ایک کتاب ترجیح اسالیب القرآن علی اسالیب الیونان لکھی۔ ایک تفسیر بہ نام التفسیر النبوی ﷺ لکھی۔ جس میں ان ارشادات امام الاولیاء سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جمع فرمادیا جو قرآن کریم کی تفسیر میں روایت کیے گئے تھے۔ ۸۴۰ھ کو وفات ہوئی۔ ترجیح اسلوب القرآن قاہرہ سے شائع ہوگئی ایک مطبوعہ نسخہ کتب خانہ ادارہ تحقیقات اسلامیہ میں موجود ہے۔

۱۴: محمد بن محمد بن احمد

ابویاسر کے نام سے مشہور تھے۔ مفسر وقت ابن عرفہ رحمہ اللہ سے بھی اکتساب کیا، علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ کے شاگرد رشید تھے۔ محقق مصنف تھے۔ عمدۃ الاحکام کی شرح غایۃ الالہام تین جلدوں میں لکھی۔ المغنی کی شرح بھی چار جلدوں میں لکھی۔ ایک مستقل تفسیر لکھی اور تفسیر کشاف میں مندرجہ احادیث کی تخریج بھی لکھی جس کا نام الفتح الشافی رکھا مگر مکمل نہ ہوسکی۔ ۸۴۴ھ کو وفات پائی۔

۱۵: محمد بن یحییٰ الطرابلسی ابن زہرہ رحمہ اللہ

طرابلس میں پیدا ہوئے قاہرہ آئے اور امام بلقینی رحمہ اللہ سے استفادہ کے بعد وطن لوٹ گئے ایک تفسیر بہ نام فتح المنان فی تفسیر القرآن لکھی۔ ۸۴۸ھ کو فوت ہوئے۔

۱۶: قاضی شہاب الدین دولت آبادی ثم الدہلوی رحمہ اللہ

خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمہ اللہ کے شاگرد رشید تھے۔ فتاوی ابراہیم شاہی آپ کے دور کا مرتبہ ہے۔ ایک کتاب متن الارشاد لکھی جس کے اکثر اقتباسات شرح ملا جامی میں منقول ہیں۔ قرآن حکیم کی فارسی تفسیر بہ نام بحر مواج لکھی۔ لکھنؤ سے طبع ہوچکی ہے۔ قلمی نسخہ بھی کتب خانہ فاضلیہ متصل گڑھی افغانان میں موجود ہے۔ وفات ۸۴۹ھ کو ہوئی۔ مرض الموت میں سلطان ابراہیم آیا اور پانی کا ایک پیالہ بھر کر ان کے سر پر پھیرتے ہوئے کہا یا اللہ! ان کے بدلے میں میری جان لے لے اور ان کو زندگی عطا کر تاکہ یہ دین کی خدمت کرتے رہیں۔

۱۷: خواجہ یعقوب چرخی رحمہ اللہ

غزنی کے قصبہ چراخ میں پیدا ہوئے ہرات اور پھر مصر جا کر اکتساب علم کیا، علوم ظاہر کے ساتھ علوم باطنیہ سے بھی حصہ وافر ملا تھا۔ خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی رحمہ اللہ سے خلافت کا شرف حاصل ہوا۔ آخری دو پاروں کی تفسیر فارسی میں لکھی جو مطبوعہ ہے اور آج تک متداول ہے ۸۵۱ھ کو وفات پائی۔ قصبہ بلغنو میں دفن ہوئے۔

۱۸: تقی الدین ابوبکر بن شہبہ رحمہ اللہ

شافعی فقہ کے علاوہ تاریخ اور تفسیر پر بھی عبور حاصل تھا۔ قرآن عزیز کی ایک تفسیر لکھی جو تفسیر ابن شہبہ کے نام سے مشہور ہے ۸۵۱ھ کو فوت ہوئے۔

۱۹: شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی رحمہ اللہ

ابن حجر عسقلانی کے نام سے مشہور ہیں، سراج بلقینی، حافظ ابن الملقن اور حافظ عراقی سے شرف تلمذ حاصل کیا، علل الحدیث اور علم اسماء الرجال میں سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ منصب قضاء پر بھی فائز رہے۔ پھر مستعفی ہو کر تصنیف و تالیف میں مشغول ہوگئے۔ آپ کی مشہور تصانیف میں بخاری شریف کی جامع اور مستند شرح فتح الباری، تہذیب التہذیب، تقریب التہذیب، الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ، طبقات الحفاظ اور دکامنہ ہیں۔ قرآن عزیز کی تفسیر ایک تو تجرید التفسیر من صحیح البخاری ہے دوسری تفسیر الاحکام لبیان ما ابہم فی القرآن بھی لکھی ہے جو برلن کے قلمی کتب خانہ میں موجود ہے ۸۵۲ھ کو فوت ہوئے۔

۲۰: احمد بن محمد بن عبداللہ الرومی الحنفی رحمہ اللہ

دمشق میں پیدا ہوئے۔ فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمہ اللہ کی تفسیر کا ترجمہ ترکی نظم میں کیا۔ ۸۵۴ھ کو فوت ہوئے۔

۲۱: الامام بدر الدین عینی محمود بن احمد حنفی رحمہ اللہ

جلیل القدر علماء سے اکتساب علم کیلئے دور دراز کے سفر کئے۔ محدث ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ آپ سے عمر میں ۱۲ سال چھوٹے تھے اور امام عینی رحمہ اللہ سے استفادہ کیا ہے آپ کے شاگردوں میں علامہ ابن الہمام حنفی رحمہ اللہ، حافظ سخاوی رحمہ اللہ، شیخ کمال الدین رحمہ اللہ مالکی جیسے علماء یگانہ تھے۔ زود نویسی کا یہ عالم تھا کہ پوری قدوری ایک رات میں لکھ لی تھی۔ بخاری کی شرح ہدایہ کی شرح تفسیر کشاف کا حاشیہ معالم التنزیل بغوی کا حاشیہ، تفسیر ابی اللیث سمرقندی کا حاشیہ لکھا آپ کے تصنیفی شاہکار ہیں۔ ۸۵۵ھ کو قاہرہ میں فوت ہوئے۔

۲۲: السید علاؤ الدین سمرقندی رحمہ اللہ

اکثر تفاسیر کا انتخاب کر کے ایک تفسیر بہ نام بحر العلوم لکھی، چار جلدوں میں ہے۔ ڈیڑھ سو سال عمر پائی ۸۶۰ھ کو فوت ہوئے۔

۲۳: امام علاؤ الدین احمد بن محمد ابن اقیرس

قاہرہ کے مشہور عالم اور مفسر قرآن عزیز مسلکا شافعی تھے۔ قرآن مجید کی ایک تفسیر بہ نام **کنز الرحمن فی احکام القرآن** دس جلدوں میں لکھی، ۸۶۲ھ کو فوت ہوئے۔

۲۴: جلال الدین محلی الشافعی رحمہ اللہ

تفسیر جلالین کی سورۃ فاتحہ اور سورۃ الکہف تا آخر ان ہی کی تفسیر ہے، تکمیل جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے کی۔ ۸۶۴ھ کو انتقال ہوا۔

۲۵: محمد بن حسن بن محمد بن علی شمنی رحمہ اللہ

قسطنطنیہ سے باہر علاقہ شمنی میں پیدا ہوئے، ابتداءً مالکی تھے پھر حنفی مسلک اختیار کر لیا، محقق مفسر تھے، تصانیف میں قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی ہے، جس کے متعلق علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے کہا ہے **اما التفسیر فہو بحرۃ المحیط و کشاف دقائقہ** اس سے تفسیر کا عظیم المرتبت ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ۸۷۲ھ کو انتقال ہوا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ تفسیر آپ کے والد ماجد رحمہ اللہ نے مرتب کی۔

۲۶: علی بن محمد البسطامی مصنفک رحمہ اللہ

جلیل القدر علماء میں سے تھے۔ بغوی رحمہ اللہ کی مرتبہ مصابیح کی شرح لکھی، سلطان روم محمد خان رحمہ اللہ کی درخواست پر فارسی زبان میں قرآن کریم کی تفسیر بہ نام تفسیر محمدیہ علیہ السلام لکھی، خلیفہ چلپی رحمہ اللہ نے ایک جلد دیکھی ہے جو کہ صرف پارہ ۳۰ عم کی تفسیر ہے۔ مفسر کی وفات ۸۷۵ھ کو ہوئی، قسطنطنیہ میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے احاطہ مزار میں دفن کر دیئے گئے۔

۲۷: عبدالرحمن بن محمد بن مخلوف ثعالبی رحمہ اللہ

الجزائر کے عالم باعمل نہایت ہی متقی تھے۔ علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے فرمایا "**کان اماماً علامۃ مصنفا**" کئی مرتبہ سید دو عالم ﷺ کی زیارت کا شرف عطا ہوا تفسیر میں دو کتابیں لکھیں ایک کتاب **الذہب الابریز فی غرائب القرآن العزیز** ہے اور دوسری کا نام تفسیر الجواہر ہے یہ دیگر تفاسیر کا انتخاب ہے خلیفہ چلپی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس تفسیر کا نصف اس کے پاس

ہے۔ وفات ۸۷۵ھ کو ہوئی۔

۲۸: شیخ ابوالعدل ابن قطلو بغا رحمہ اللہ

تبحر حنفی عالم دین تھے۔ احناف کے حالات پر ایک کتاب تاج التراجم لکھی، تفسیر ابو اللیث سمرقندی رحمہ اللہ کی احادیث کی تخریج لکھی ہے۔ ۸۷۹ھ کو وفات ہوئی۔

۲۹: محمد بن سلیمان الرومی

حنفی جلیل القدر عالم تھے۔ مولوی محی الدین کافیجی کے نام سے مشہور تھے کیونکہ کافیہ کا مطالعہ بہت کرتے تھے۔ مسلک حنفی تھا مگر ہر مکتب فکر کے علماء آپ کا احترام اور آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ ایک دن اپنے شاگرد رشید جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ سے پوچھا کہ زید قائم کی ترکیب کریں، عرض کیا (جملہ اسمیہ ہے) اس میں اشکال کی کیا بات ہے کافیجی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس جملہ میں ایک سو تیرہ ابحاث ہیں۔ آپ کی تصانیف میں مختصر فی علوم التفسیر ہے۔ ۸۷۹ھ کو شب جمعہ میں شہید کر دیئے گئے۔

۳۰: عمر بن علی بن عادل رحمہ اللہ

حنابلہ میں مشہور عالم تھے، قرآن کریم کی تفسیر چھ جلدوں میں لکھی جس کا نام مشہور تفسیر عادل ہے۔ علامہ شعرانی رحمہ اللہ نے یہ تفسیر سات مرتبہ مطالعہ کی ہے وفات دمشق میں ۸۸۰ھ کو ہوئی۔ آپ کی تفسیر کا ایک کامل نسخہ کتب خانہ سلطانیہ مصر میں ہے۔ ایک کامل نسخہ اسپین میں اسکوریال میں ہے جو کہ ایک قلعہ ہے جس میں بادشاہوں کی قبریں ہیں اور ایک قدیم کتب خانہ بھی ہے۔ ایک کامل نسخہ چھ جلدوں میں دمشق کے کتب خانہ ظاہریہ میں ہے جو کہ ۱۱۶۵ھ کا مخطوطہ ہے۔

۳۱: محمد بن عبداللہ قرماس رحمہ اللہ

ایک منظوم تفسیر بہ نام فتح الرحمٰن فی تفسیر القرآن لکھی اور پھر اس کا خلاصہ نثر میں لکھا جس کا نام نشر الجمان من فتح الرحمٰن ہے۔ ۸۸۲ھ کو فوت ہوئے۔

۳۲: ملا خسرو محمد بن فراموزر رحمہ اللہ

یہ روم کے بلند پایہ حنفی علماء میں سے تھے۔ سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ رحمہ اللہ آپ کو اپنے زمانہ کا ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہا کرتا تھا آپ نے تفسیر بیضاوی کا کامیاب حاشیہ لکھا۔ جس کا قلمی نسخہ کتب خانہ مکھڈ ضلع اٹک میں موجود ہے۔ وفات ۸۸۳ھ کو ہوئی۔

۳۳: برہان الدین ابن عمر البقاعی رحمہ اللہ

محقق مفسر تھے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ سے اکتساب فیض کیا ربط آیات اور ربط سور پر قلم اٹھایا تو اس کا حق ادا کر دیا تفسیر کا نام نظم الدرر فی تناسب السور ہے۔ بقاعی کی وفات ۸۸۵ھ کو ہوئی۔ قلمی نسخے مکتبہ شیخ الاسلام مکہ مکرمہ، مکتبہ محمودیہ مدینہ منورہ، خزانہ مصریہ، جرمنی کے سرکاری کتب خانہ میں، مکتبہ آغا بشیر میں کامل نسخہ موجود ہے جس کا نمبر ۷۶ ہے۔

۳۴: حسن بن محمد شاہ چلپی المعروف اخی زادہ رحمہ اللہ

تفسیر بیضاوی کا حاشیہ لکھا۔ ناقص نسخہ (از سورۃ ہود تا آخر) اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں موجود ہے۔ وفات ۸۸۶ھ کو ہوئی۔

۳۵: ابراہیم بن محمد الکنانی رحمہ اللہ

ابن جماعۃ کے نام سے شہرت پائی، ابن شہبہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ابن جماعۃ رحمہ اللہ نے قرآن کریم کی ایک تفسیر لکھی ہے جو دس جلدوں میں ہے اور اس میں بہت ہی عجیب وغریب مسائل ذکر کیے وفات ۸۹۰ھ کو ہوئی۔

۳۶: مولی احمد بن اسمٰعیل کورانی رحمہ اللہ

علوم اسلامیہ میں نادر روزگار تھے، مراد خان رحمہ اللہ سلطان نے آپ کو مدرس مقرر کر دیا اور اپنے بیٹے محمد خان رحمہ اللہ کو ان کی شاگردی میں دے دیا، محمد خان رحمہ اللہ تخت نشین ہوا، استاذ کو مملکت روم کا مفتی اعظم مقرر کر دیا آپ کے اس منصب کی مصروفیات کے باوجود الکوثر الجاری علی ریاض البخاری لکھی، اور ایک تفسیر غایۃ الامانی فی تفسیر الکلام الربانی لکھی اس تفسیر میں دلائل اعتزالی کا رد کر کے اہل السنۃ والجماعۃ کی تائید میں دلائل پیش کیے ہیں۔ اسی طرح فقہ حنفی کی تائید کی ہے، ہر رات کو قرآن عزیز ایک بار ختم کیا کرتے تھے آپ کا انتقال ۸۹۳ھ کو ہوا۔ محمد خان رحمہ اللہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

۳۷: معین الدین بن بنی سید صفی الدین رحمہ اللہ

مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور مکہ مکرمہ ہی میں خدمت علوم اسلامیہ کی ایک تفسیر لکھی جس کا نام جامع البیان فی تفسیر القرآن ہے ۸۹۴ھ کو مکہ مکرمہ میں وفات پائی، اس تفسیر کا قلمی نسخہ اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں ہے۔ دہلی سے طبع ہو چکی ہے۔

۳۸: عبدالرحمٰن بن احمد المعروف بہ مولانا جامی رحمہ اللہ

آپ علوم اسلامیہ اور تفسیر میں اپنے وقت کے امام مانے گئے، فارسی نظم میں آپ کی کتاب یوسف زلیخا بے نظیر ہے۔ شرح ملا جامی آپ کی مقبول ترین اور بے مثل یادگار ہے ایک تفسیر بھی لکھی جس کا تذکرہ ''شقائق النعمانیہ'' میں بھی ہے۔ وفات ۸۹۸ھ کو ہوئی۔ آپ کی تفسیر کا ایک نسخہ بایزید لائبریری استنبول میں موجود ہے۔ مخطوطہ ۱۳۲ فولیو ۱۵ اے اور ایک ناقص نسخہ پارہ اول آیت فاذھبون تک مصر کے کتب خانہ تیموریہ میں موجود ہے جلد اول نمبر ۲۳۴ ہے۔

دسویں صدی ہجری کے مفسرین قرآن مجید

۱: محی الدین محمد رحمہ اللہ

آپ ابن خطیب کے نام سے مشہور تھے آپ نے تفسیر کشاف پر میر سید شریف رحمہ اللہ کے حاشیہ کا حاشیہ لکھا جو نہایت ہی جامع اور مفید مسائل علوم معانی، ادب اور تفسیر پر مشتمل ہے ۹۰۱ھ کو وفات ہوئی۔

۲: محمد بن ابراہیم النکساری رحمہ اللہ

آپ کی تصانیف میں شرح وقایہ کا حاشیہ اور تفسیر بیضاوی کا حاشیہ بھی ہے جو کہ اپنی جامعیت کے لحاظ سے مستقل تفسیر سمجھی جاتی ہے مگر سورہ دخان تک ہے۔ تفسیر بھی مرتب کی۔ ۹۰۱ھ کو انتقال ہوا۔

۳: محمد بن عبدالرحمن الایجی رحمہ اللہ

آپ کے والد نے تفسیر لکھنی شروع کی جب والد ماجد عبدالرحمن رحمہ اللہ سورۃ الانعام تک پہنچے تو اپنے بیٹے سے فرمایا کہ باقی تفسیر کی تکمیل تو نے کرنی ہے، چنانچہ محمد رحمہ اللہ نے باقی تفسیر مدینہ منورہ میں روضۃ من ریاض الجنۃ میں بیٹھ کر مکمل کی، یہ تفسیر تفسیر بالماثور ہے۔ آیات کی تفسیر کو براہ راست صحاح ستہ سے استفادہ کیا ہے۔ تفسیر کا نام جوامع البیان ہے وفات ۹۰۵ھ کے بعد ہوئی۔

۴: محمد بن محمد بن ابی بکر بن علی رحمہ اللہ

قادری سلسلہ کے عظیم روحانی پیشوا سمجھے جاتے تھے، امام بقاعی رحمہ اللہ نے آپ کو ذہن ثاقب اور سخن فہم کا خطاب دیا تھا۔ آپ کی تصانیف میں جمع الجوامع اور تفسیر بیضاوی کا مفید حاشیہ بھی ہے۔ ۹۰۶ھ کو وفات پائی۔

۵: مولانا حسین بن علی کاشفی رحمہ اللہ

قرآن عزیز کی ایک تفسیر فارسی زبان میں لکھی جس کا نام جواہر التفسیر تحفۃ الامیر رکھا اس کے علاوہ ایک اور تفسیر بھی بہ نام تفسیر حسینی لکھی آپ کی وفات ۹۰۶ھ کو ہوئی۔ جواہر التفسیر کا قلمی نسخہ جو کہ ۹۸۰ھ کا مخطوطہ ہے اور تفسیر حسینی کا قلمی نسخہ مخطوطہ ۹۶۷ھ دونوں اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں موجود ہیں تفسیر حسینی کا اُردو زبان میں ترجمہ فخر الدین حنفی نے کیا۔ ۱۳۰۰ھ مطبع فرنگی محل لکھنؤ سے شائع ہوا جس کا نام تفسیر قادری مشہور ہے، دوسرا ترجمہ اُردو زبان میں جو بہ نام تفسیر سعیدی دو جلدوں میں طبع ہو چکا ہے جہانگیر رحمہ اللہ جب صوبہ گجرات پہنچا تو اس نے علماء و مشائخ کو تفسیر حسینی کاشفی اور روضۃ الاحباب ہدیہ کیں۔

۶: جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ

اصلی نام عبدالرحمن تھا ایک ہزار تک تفسیری مولفات ہیں، تفسیر بیان القرآن، یہ تفسیر بالماثور تھی اور بہت زیادہ مفصل پھر خود ہی اس کا خلاصہ بہ نام در منثور کر دیا، در منثور کا مشہور قلمی نسخہ پانچ جلدوں میں کتب خانہ احمدیہ حلب میں موجود ہے، مصر کے مطبع میمنہ سے شائع ہو چکی ہے اس کا اختصار ایک ترکی عالم نے ایک جلد میں کر دیا جس کا قلمی نسخہ قاہرہ کے کتب خانہ تیموریہ میں ہے اسی کتب خانہ میں سیوطی رحمہ اللہ کی مرتبہ تفسیر الاکلیل کا مخطوطہ ۸۸۴ھ موجود ہے۔ اکیل شیخ جامع البیان کے ہامش پر دہلی سے طبع ہو چکی ہے۔ تفسیر جلالین آپ کا لافانی شاہکار ہے، سورۃ الکہف سے تا آخر کی تکمیل جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے فرمائی چونکہ اس تفسیر کے مرتب دو جلال الدین ہیں اس لئے یہ تفسیر جلالین کے نام مشہور ہوئی۔ جامع اور مختصر ہے، آپ کی کتاب الاتقان فی علوم القرآن سے آج تک استفادہ ہو رہا ہے۔ سیوطی رحمہ اللہ نے ۹۱۱ھ کو قاہرہ میں وصال فرمایا، جلالین کا قلمی نسخہ جو جامی رحمہ اللہ ۸۹۸ھ کے زیر مطالعہ رہا ہے ٹونک میں موجود ہے ایک نسخہ قلمی مکتوبہ ۹۹۴ھ رضا لائبریری رامپور بھارت میں موجود ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ حنفی نے اس کا حاشیہ بہ نام جمالین لکھا۔ یہ تفسیر دینی مدارس میں داخل نصاب ہے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ قرآن عزیز کرتے وقت اس تفسیر کو پیش نظر رکھا۔

۷: شیخ بہاؤالدین باجن رحمہ اللہ

آپ کا تعلق برصغیر کے مشہور شہر برہان پور سے تھا اکابر علماء کاملین و مشاہیر اولیاء میں سے تھے اکیس سال حرمین شریفین میں گزارے۔ ایک منظوم تفسیر لکھی۔ شیخ کی وفات ۹۱۲ھ میں ہوئی۔ سورۃ اخلاص کی منظوم تفسیر درج ہے۔

نہ اُنہ جنیا نہ وہ جایا   نہ اُنا مائی باپ کلایا
نہ اُنہ کوئی گود چڑھایا   باجن سب اُنہ آپ بنایا (بخشا)
پرگٹ ہوا پر کہیں وٹھا آپ لکایا

۸: قاضی زکریا بن محمد بن احمد الانصاری رحمہ اللہ

آپ نے تفسیر بیضاوی کا حاشیہ بہ نام فتح الجلیل بہ بیان ماخفی انوار التنزیل لکھا متشابہات القرآن پر ''فتح الرحمن بکشف مایلتبس من القرآن'' لکھی ناقص نسخہ پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں ہے۔ انتقال ۹۲۶ھ کو ہوا۔

۹: سید عبدالوہاب بخاری رحمہ اللہ

آپ سید جلال بخاری دہلوی رحمہ اللہ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ نے سورۃ الملک کی تفسیر لکھی، اور قرآن عزیز کی ایک مستقل تفسیر بھی لکھی جس کے متعلق علامہ عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''اکملها فی ستته اشهر وبضعة ایام''

اخبار الاخیار میں اس تفسیر کے اقتباسات منقول ہیں۔ ۹۳۲ھ کو دہلی میں وفات پائی، مقبرہ شاہ عبداللہ رحمہ اللہ میں سپرد خاک کیا گیا۔

۱۰: محی الدین محمد بن عمر بن حمزہ رحمہ اللہ

محقق عالم باعمل تھے۔ فقہ حنفی میں مہارت کاملہ کی بناء پر سلطان قاتبائی رحمہ اللہ جان کی درخواست پر فقہ حنفی میں ایک کتاب بہ نام نہایہ لکھی۔ آپ نے کوئی

مستقل تفسیر نہیں لکھی مگر ان کے دور کے علماء کا اتفاق ہے کہ آپ اپنے زمانہ کے امام التفسیر ہیں۔ ۹۳۸ھ کو وفات ہوئی۔

۱۱: شمس الدین احمد بن سلیمان رحمہ اللہ

ابن کمال کے نام سے مشہور تھے جلیل القدر علماء سے اکتساب فیض کیا۔ سلطنت عثمانیہ کے مفتی اعظم مقرر ہوئے، تصانیف میں سے قرآن عزیز کی ایک مکمل تفسیر بہ نام تفسیر ابن کمال ہے اور ''تفسیر کشاف'' کا حاشیہ بھی ہے ۹۴۰ھ کو وفات ہوئی۔ تفسیر کا قلمی نسخہ حرم شریف مکہ مکرمہ کے کتب خانہ میں موجود ہے جس کا نمبر ۱۹۸ ہے۔ تصانیف تین سو سے زیادہ تھیں۔ آپ نے اپنا کفن تیار رکھا تھا جس پر یہ عبارت لکھی تھی ھی اخر اللباس اس عبارت کے اعداد ابجد کے حساب سے ۹۴۰ بنتے ہیں جو کہ آپ کا سال وفات ہے۔

۱۲: محی الدین محمد قراباغی رحمہ اللہ

علمائے عجم سے علوم حاصل کرنے کے بعد بلاد روم میں اکتساب فیض کیا، دینی کتب پر حواشی و تعلیقات لکھیں، تلویح اور ہدایہ کا حاشیہ لکھا اور تفسیر بیضاوی کا حاشیہ لکھا جبکہ تفسیر کشاف پر جامع تعلیقات مرتب کیں۔ ۹۴۳ھ کو وفات پائی۔

۱۳: اسلام الدین ملا عصام رحمہ اللہ

ہرات کے بلند پایہ عالم تھے۔ شاہ بخارا سے تعلقات تھے۔ تفسیر بیضاوی اور تفسیر مولانا جامی رحمہ اللہ کا حاشیہ لکھا، ۹۴۳ھ میں وفات پائی۔

۱۴: سعد اللہ بن عیسیٰ رحمہ اللہ

سعدی چلپی کے نام سے مشہور تھے ہدایہ کی شرح اور تفسیر بیضاوی کا حاشیہ بھی لکھا، ۹۴۵ھ کو وفات ہوئی۔

۱۵: خیر الدین خضر العطوفی رحمہ اللہ

ہر جمعہ کو قسطنطنیہ کی مختلف جامع مساجد میں درس تفسیر دیا کرتے تھے، مشارق الانوار کی شرح لکھی اور تفسیر کشاف کا حاشیہ بھی لکھا، ۹۴۸ھ کو وفات ہوئی۔

۱۶: محمد بن عبدالرحمٰن البکری شافعی رحمہ اللہ

بچپن ہی سے پڑھنے اور پڑھانے کا شوق تھا، تفسیر قرآن عزیز پر کامل عبور تھا، آپ نے اٹھارہ سال کی عمر میں بہ نام تفسیر الواضح الوجیز فی تفسیر القرآن العزیز لکھی، ۹۵۰ھ کو وفات ہوئی۔

۱۷: محمد بن مصلح الدین الحنفی معروف بہ شیخ زادہ رحمہ اللہ

تفسیر بیضاوی کا کامیاب اور مفصل حاشیہ لکھا، ۹۵۱ھ کو وفات ہوئی۔ حکومت نے آپ کو قاضی مقرر کیا۔ مگر آپ نے بہت جلدی استعفیٰ دے دیا۔ اس وجہ سے کہ سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوتا تھا کہیں اس عہدہ قضاء کی وجہ سے اس شرف سے محروم نہ ہو جائیں مگر استعفاء کے ساتھ ہی زیارت کا شرف ختم ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ارشاد فرمایا کہ ''عہدہ قضاء کے وقت تو اللہ تعالیٰ کے بندوں کی خدمت زیادہ کرتا تھا (صحیح فیصلے کیا کرتا تھا) جس سے مجھے بہت خوشی ہوتی تھی'' چنانچہ آپ نے دوبارہ عہدہ قضاء قبول کرلیا۔ تفسیر بیضاوی پر آپ کا حاشیہ مستقل چار جلدوں میں اور چھ جلدوں میں چھوٹی تقطیع کے ساتھ مطبوعہ دستیاب ہے۔

۱۸: عصام الدین اسفرائنی رحمہ اللہ

آپ کو اصول فقہ اور تفسیر پر عبور حاصل تھا۔ تفسیر بیضاوی کا حاشیہ بھی بہ نام عصام ہے۔ وفات ۹۴۳ھ یا ۹۵۱ھ یا ۹۴۵ھ میں ہے۔ واللہ اعلم۔ عصام کے قلمی نسخے بانکی پور (بھارت) برلن میں اس کے کامل نسخے موجود ہیں پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں ناقص مخطوطہ ایک نسخہ اعراف تا آخر دار الکتب الظاہریہ دمشق میں بھی ہے۔ ایک قلمی نسخہ مولانا عبدالغفار ڈاکخانہ پیر بخش براستہ شاہنواز بھٹو ضلع لاڑکانہ سندھ کے پاس بھی ہے۔

۱۹: مولانا معین المعروف بہ معین المسکین رحمہ اللہ

ہرات کے جلیل القدر عالم تھے آپ کی تصانیف میں حدائق الحقائق فی کشف الحقائق بھی ہے جو کہ قرآن کریم کی تفسیر ہے، تفسیر کا کچھ حصہ گڑھی افغاناں کے کتب خانہ فاضلیہ کے قلمی حصہ میں موجود ہے۔ مسکین کی وفات ۹۵۴ھ کو ہوئی۔ یہ تفسیر فارسی ہے۔

۲۰: سید رفیع الدین صفوی رحمہ اللہ

اصلی وطن شیراز تھا مگر آپ کے بعض بزرگ حجاز سے آکر گجرات میں قیام کر کے پھر دلی آگئے، آپ نے تفسیر معینی لکھی، شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''یہ تفسیر نہایت مختصر مؤثر اور جامع ہے۔ وفات ۹۵۴ھ کو ہوئی۔

۲۱: شیخ بدر الدین محمد العامری رحمہ اللہ

شافعی علماء میں سے تھے تین تفسیریں لکھی ایک نظم اور دو نثر میں تفسیر منظوم ایک لاکھ اسی ہزار اشعار پر مشتمل ہے خلیفہ چلپی رحمہ اللہ نے منظوم تفسیر کی تین جلدیں دیکھیں ہیں۔ انتقال ۹۶۰ھ کو ہوا۔

۲۲: عبدالمعطی بن احمد بن محمد السخاوی رحمہ اللہ

فقہ مالکی کے بڑے عالم تھے۔ آپ کی تصانیف میں قرآن کریم کی تفسیر بھی ہے جس کا نام ''فتح الحمید'' ہے اور چھ اسفار میں ہے۔ ۹۶۰ھ تک زندہ تھے۔ تاریخ وفات کا علم نہیں ہوسکا۔

۲۳: شمس الدین محمد رحمہ اللہ

سمرقند کے جلیل القدر علماء میں سے تھے۔ جامع تفسیر بہ نام صحائف فی التفسیر شروع کی جس کی تکمیل شیخ احمد بن محمود قرامانی رحمہ اللہ نے کی جن کا لقب

اسم تھا۔ وفات ۹۷۱ھ کو ہوئی۔

۲۴: الامام شمس الدین محمد بن محمد الشربینی رحمہ اللہ

قرآن کریم کی ایک تفسیر بہ نام السراج المنیر لکھی جو مصر سے چار جلدوں میں طبع ہو چکی ہے اور نولکشور لکھنؤ سے بھی طبع ہو چکی ہے۔ وفات ۹۷۷ھ کو ہوئی۔

۲۵: محمد مصلح الدین لاری رحمہ اللہ

شافعی مذہب کے جلیل القدر عالم تھے، تفسیر بیضاوی کا حاشیہ لکھا جو کہ لاری کے نام سے مشہور ہے۔ ۹۷۹ھ کو فوت ہوئے۔

۲۶: ابوالسعود محمد بن محمد بن مصطفیٰ رحمہ اللہ

ولادت قسطنطنیہ کے قریب قصبہ آمد میں ہوئی۔ فقہ حنفی اور تفسیر قرآن عزیز میں یکتا روزگار تھے خطیب المفسرین کا لقب ملا تھا سلطان سلیم رحمہ اللہ نے تخت نشینی پر اپنی دستار خلافت کو آپ کے ہاتھ سے مشرف کرایا تھا۔ قرآن عزیز کی ایک تفسیر لکھی جس کا نام ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم ہے۔ یہ تفسیر کشاف اور بیضاوی کی روشنی میں مرتب کی گئی ہے اور سند اور تفسیر کے باب میں معتمد سمجھی جاتی ہے۔ تفسیر کی تکمیل پر سلطان اعیان مملکت کو ساتھ لے کر دیوان خاص کے دروازہ تک آیا اور مفسر کا روزانہ اکرامیہ ۷۰۰ آقچہ (ترکی سکہ) مقرر کیا۔ انتقال ۹۸۲ھ میں ہوا۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن کر دیئے گئے۔ آپ کی تفسیر عام طور پر ملتی ہے۔

۲۷: شیخ حسن بن محمد گجراتی رحمہ اللہ

تفسیر قرآن کریم میں مہارت تامہ حاصل تھی، ایک تفسیر بہ نام تفسیر محمدی لکھی اور تفسیر بیضاوی کا حاشیہ بھی لکھا، احمد آباد میں ۹۸۲ھ کو وفات پائی۔

۲۸: شیخ بدرالدین محمد المقری رحمہ اللہ

ایک منظوم تفسیر لکھی اور اس کیلئے جامع امویہ دمشق میں تنقیدی مجلس کا اہتمام کیا۔ سلطان رحمہ اللہ نے ملک کے نامور علماء کے سامنے تفسیر کو پیش کیا سب نے تصدیق فرمائی سلطان نے مفسر کو خلعت اور اعزاز و اکرام کیا۔ وفات ۹۸۵ھ کو ہوئی۔

۲۹: محمد بن الشیخ ابی الحسن محمد بن عمر رحمہ اللہ

انسبا صدیقی تھے مسجد حرام، مسجد نبوی اور بیت المقدس میں درس تفسیر اور درس حدیث دیا۔ تصانیف کی تعداد چار سو سے زیادہ ہے۔ تفسیر بہ نام تسہیل السبیل فی فہم معانی التنزیل لکھی اور ۹۹۴ھ کو وفات پائی۔

۳۰: مولانا وجیہ الدین گجراتی رحمہ اللہ

احمد آباد میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا، تفسیر بیضاوی کا حاشیہ اور مہائمی کی تفسیر پر حاشیہ لکھا، ۹۹۷ھ کو احمد آباد میں فوت ہوئے آپ کے حاشیہ بیضاوی کے دو قلمی نسخوں کا پتہ چلا ایک آصفیہ لائبریری حیدر آباد دکن میں اور ایک نواب صدر یار جنگ کی ذاتی لائبریری میں ہے۔

۳۱: مولانا محمد بن بدرالدین صاروخانی رحمہ اللہ

ترکی کے باذوق علماء میں سے تھے قرآن کریم کی ایک مختصر تفسیر جلالین کی طرز پر لکھی سلطان روم مراد خان رحمہ اللہ کے سامنے پیش کی جس کی سلطان نے قدر افزائی کی تفسیر کا نام تفسیر منشی رکھا آپ کی وفات ۱۰۰۰ھ کو ہوئی۔ واللہ اعلم۔

گیارہویں صدی ہجری کے مفسرین قرآن مجید

۱: شیخ مبارک ناگوری رحمہ اللہ

اس دور کے علمی مرکز صوبہ گجرات سے فراغت علوم مروجہ کے بعد بھی دینی کتب کا محققانہ مطالعہ جاری رکھا آخر عمر میں نظر کمزور ہو گئی، اپنی یادداشت پر تفسیر مرتب کروائی جس کا نام منبع نفائس العیون یہ چار جلدوں میں ہے۔ ۱۰۰۱ھ کو آگرہ میں وفات پائی۔

۲: محمد بن بدرالدین رحمہ اللہ

حنفی مسلک کے محقق عالم تھے۔ ایک تفسیر جلالین کے طرز پر لکھی جس کا نام تنزیل التنزیل ہے۔ مدینہ منورہ میں ۱۰۰۱ھ کو وفات پائی۔

۳: علامہ ابوالفضل فیضی بن مبارک ناگوری رحمہ اللہ

آپ کو کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا، ذاتی کتب خانے میں ۴۳۰۰ کتابیں تھیں، ایک تفسیر حروف بے نقاط میں لکھی جس کا نام سواطع الالہام رکھا، یہ کام اس لحاظ سے قابل قدر ہے کہ بے نقاط حروف میں سارے قرآن عزیز کی تفسیر کرنے کا شرف برصغیر کو ہی حاصل ہوا، ترتیب اور تالیف میں حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ سے بھی اصلاح کرائی۔ ۱۰۰۴ھ کو وفات پائی، یہ تفسیر عام ملتی ہے۔ آپ پر اعتراض کیا گیا کہ بے نقاط حروف میں تفسیر لکھنا بدعت ہے تو آپ نے جواب دیا کلمہ طیبہ کے بھی سب حروف بے نقاط ہیں۔

۴: طاہر بن یوسف سندھی رحمہ اللہ

قصبہ پاتری میں ولادت ہوئی، علمی مرکز گجرات میں تحصیل علم کیلئے گئے غوث محمد گوالیاری رحمہ اللہ سے بیعت ہوئے، برہان پور اقامت اختیار فرمائی تفسیر مدارک کا اختصار لکھا اور تصوف کے رنگ میں تفسیر بھی لکھی جس کا نام مجمع البحرین ہے۔ ۱۰۰۴ھ کو برہان پور میں ہی وفات پائی۔

۵: مولانا عثمان سندھی رحمہ اللہ

قصبہ سیوستان میں پیدا ہوئے متواتر ۴۱ سال بہت کم غذا پر گزارہ کیا، بخاری شریف کی شرح لکھی اور بیضاوی کا کامیاب حاشیہ لکھا۔ ۱۰۰۸ھ کو شہید ہو گئے۔

۶: شیخ منور الدین بن عبد الحمید رحمہ اللہ

شہر لاہور میں تجوید وقرأت کا کاملین میں شمار ہوتے تھے قرأت سبعہ میں تلاوت فرمایا کرتے تھے، اکبر کی مخالفت کی اور حق کی سزا گوئی میں گوالیار کے قلعہ میں پانچ سال تک نظر بند رہے، ایک تفسیر لکھی جس کا نام تفسیر الدر المنظیم فی ترتیب الآیہ وسور القرآن الکریم ہے علامہ دولت آبادی کی تفسیر فارسی بحر مواج کا عربی زبان میں ترجمہ فرمایا۔ ۱۰۱۱ھ کو لاہور وفات پائی وہیں دفن ہوئے۔

۷: علی بن سلطان ملا علی قاری رحمہ اللہ

ہرات میں پیدا ہوئے بعد میں مکہ مکرمہ تشریف لے گئے وہیں اقامت اختیار کر لی، صوفی کامل عظیم محدث اور مفسر تھے فقہ حنفی کے ممتاز علماء میں سے تھے مشکوٰۃ کی شرح مرقاۃ جلالین کا حاشیہ بہ نام جمالین لکھا تفسیر بھی بہ نام انوار القرآن لکھی جس کا مخطوطہ کتب خانہ حرم مکہ مکرمہ میں موجود ہے، اس کا نمبر ۲۵۲ ہے۔ ۱۰۱۴ھ کو مکہ مکرمہ میں انتقال فرمایا۔

۸: مولانا صبغۃ اللہ بن روح اللہ الحسینی رحمہ اللہ

گجرات سے تحصیل علم کو مکہ مدینہ منورہ گئے ساری زندگی احد پہاڑ پر مقیم رہے ہزار ہا علماء نے آپ سے استفادہ کیا، تفسیر بیضاوی کا حاشیہ لکھا جو بلا دروم تک مقبول ہوا ۱۰۱۵ھ کو وفات پائی جنت البقیع میں خلد آشیان ہوگئے۔

۹: نظام الدین بن عبد الشکور رحمہ اللہ

اپنے چچا جلال الدین تھانیسری رحمہ اللہ سے علوم دینیہ حاصل کیے پھر حجاز گئے تیرہ سال بعد لوٹے جہانگیر کو آپ سے عقیدت تھی، بعد میں جب آپ یہاں سے شہر بدر ہو کر بلخ پہنچے تو سلطان بلخ امام قلعی ازبک کو آپ سے ۔۔۔ن، آپ کی تصانیف میں عراقی کی لمعات کی شرح اور جامع تفسیر بہ نام تفسیر نظامی ہے۔ ۱۰۲۴ھ یا ۱۰۳۶ھ کو بلخ میں انتقال ہوا۔

۱۰: نواب مرتضیٰ احمد بخاری رحمہ اللہ

اکبر اور جہانگیر رحمہ اللہ کے گورنر رہے، علماء کے قدر دان اور سخی تھے شیخ زین الدین شیرازی رحمہ اللہ سے قرآن مجید کی ایک تفسیر لکھوائی جو فارسی زبان میں بہ نام تفسیر مرتضوی ہے، وفات ۱۰۲۵ھ کو ہوئی۔

۱۱: شیخ عیسیٰ بن قاسم سندی رحمہ اللہ

سیہون میں ۹۶۲ھ کو پیدا ہوئے، ہجرت کر کے گجرات کے مرکز احمد آباد میں مقیم ہوگئے وہاں کے علماء سے اکتساب فیض کیا، غوث محمد گوالیاری رحمہ اللہ سے شرف بیعت ہوا، قواعد تفسیر کے متعلق الفتح المحمدی لکھی مبسوط تفسیر بھی بہ نام انوار الاسرار فی حقائق القرآن لکھی۔ ۱۰۳۱ھ کو برہان پور میں فوت ہوئے۔

۱۲: شیخ علی بن محمد رحمہ اللہ

یمن میں ۹۵۰ھ کو پیدا ہوئے، شیخ یمن الشیخ الامین رحمہ اللہ سے استفادہ علوم کیا، ان کے دادا ابراہیم بن ابی القاسم رحمہ اللہ نے قرآن مجید کی ایک تفسیر لکھنی شروع کی تھی، شیخ علی رحمہ اللہ نے اس تفسیر کی تکمیل فرمائی، ۱۰۴۱ھ کو فوت ہوئے۔

۱۳: قاضی مظہر بن النعمان رحمہ اللہ

یمن کے قصبہ کی وجہ سے ضمدی کہلائے شافعی تھے علوم اسلامیہ میں اچھی مہارت تھی، ایک تفسیر لکھی جس کا نام القرات النمیر فی تفسیر القرآن المنیر ہے۔ وفات ۱۰۴۹ھ کو ہوئی۔

۱۴: شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ

ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی پھر علمائے وراء النہر سے استفادہ کیا، پھر حجاز گئے وہاں کنز العمال کے مؤلف اور دوسرے علماء حجاز سے اکتساب فیض کے بعد وطن لوٹے اور خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ نقشبندی کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور درس حدیث میں مشغول ہوگئے محدث دہلوی رحمہ اللہ کا لقب پایا، بخاری شریف کے حواشی اور شروح مدارج النبوۃ آپ کے علمی کمالات کا مظہر ہیں، تصانیف سو سے زیادہ ہے، تعلیق الحاوی علی تفسیر البیضاوی کی خامیوں پر عالمانہ تبصرہ فرمایا ہے، اردو زبان میں ترجمہ بھی کیا یہ ترجمہ کلکتہ سے ۱۲۴۵ھ مطابق ۱۸۸۳ء طبع ہو چکا ہے۔ انتقال ۱۰۵۲ھ کو ہوا اور دہلی میں دفن کر دیئے گئے۔

۱۵: مولانا سید محمد رضوی رحمہ اللہ

شاہ عالم بخاری کی اولاد سے تھے۔ فضل وکمال اسلاف کی اچھی یادگار تھے، شاہی ملازمت حاصل نہ کی، جہانگیر رحمہ اللہ جب گجرات آیا تو آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا، درخواست کی کہ قرآن عزیز کا ترجمہ فارسی زبان میں کریں، فارسی میں نہایت عمدہ ترجمہ کیا، وفات ۱۰۵۴ھ کو ہوئی، گڑھی افغانان متصل واہ آرڈیننس فیکٹریز میں کتب خانہ سید محمد فاضل رحمہ اللہ فارسی ترجمہ کا ایک حصہ موجود ہے، دو مہریں ثبت ہیں، ایک مہر سید علی کے نام کی اور ایک جہانگیر کی۔

۱۶: شیخ محمد علی بن محمد البکری الشافعی رحمہ اللہ

ولادت مکہ مکرمہ میں ہوئی، وہاں کے علماء کرام سے استفادہ کیا، آپ کو امام سیوطی رحمہ اللہ کا ہم پلہ سمجھا جاتا تھا۔ ۱۰۳۹ھ میں بیت اللہ کی تعمیر کو نقصان پہنچا، اور دوبارہ تعمیر شروع ہوئی تو دوران تعمیر بیت اللہ کے اندر بخاری شریف کا ختم فرمایا، زیارت سے مشرف ہوئے، آپ نے ریاض الصالحین کی بہترین شرح دلیل الصالحین لکھی جو چار جلد میں طبع ہو چکی ہے، ایک تفسیر بھی بہ نام ضیاء السبیل الی معالم التنزیل لکھی۔ ۱۰۵۷ھ کو مکہ مکرمہ فوت ہوئے، ابن حجر مکی کے پہلو میں دفن ہوئے رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

۱۷: شیخ محب اللہ الہ آبادی رحمہ اللہ

سلسلہ چشتیہ قادریہ میں شیخ ابوسعید گنگوہی رحمہ اللہ سے خلافت حاصل تھی،

قرآن مجید کی تفسیر بھی بہ نام ترجمۃ الکتاب لکھی اور حاشیہ بھی بہ نام ترجمۃ القرآن لکھا ۱۰۵۸ھ میں الہ آباد میں انتقال ہوا۔

۱۸: میر محمد ہاشم بن محمد قاسم گیلانی رحمہ اللہ

ولادت اسفرائن میں ہوئی مگر آپ ہندوستان آکر احمد آباد میں مقیم ہو گئے شاہ جہان رحمہ اللہ نے آپ کو اورنگ زیب رحمہ اللہ کا استاد مقرر کر دیا، بیضاوی کا حاشیہ لکھا اور اسے شاہ جہان رحمہ اللہ کے نام سے معنون کیا، ۱۰۶۱ھ میں انتقال ہوا۔

۱۹: عبدالحکیم بن مولانا شمس الدین سیال کوٹی رحمہ اللہ

شاہ جہان رحمہ اللہ نے آپ کو دو دفعہ چاندی میں تولا اور وہ چاندی اور کئی قصبات آپ کے نام بطور جاگیر کر دیئے، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز نے آپ کو آفتاب پنجاب کا خطاب دیا تھا، آپ کے علوم کی قدر و منزلت دیار عرب میں بھی کی جاتی ہے، بیضاوی کا حاشیہ دستیاب ہے اس کا قلمی نسخہ مکتوبہ ۱۰۹۴ھ کتب خانہ فاضلیہ گڑھی افغاناں میں موجود ہے، وفات ۱۰۶۷ھ کو سیالکوٹ میں ہوئی۔

۲۰: سید محمد بن الحسین رحمہ اللہ

آپ کے دادا رحمہ اللہ نے قرآن کریم کی تفسیر آیات الاحکام لکھی تھی سید محمد رحمہ اللہ نے اس کی شرح بہ نام منتہی المرام شرح آیات الاحکام لکھی، وفات صنعاء یمن میں ۱۰۶۷ھ کو ہوئی۔

۲۱: شہاب الدین احمد خفاجی رحمہ اللہ

قسطنطنیہ کے علماء کرام سے اکتساب فیض کیا، مصر کی حکومت نے آپ کو لشکر کا قاضی مقرر کیا، جملہ علوم وفنون اسلامیہ میں یکتا تھے، بیضاوی کا مفصل حاشیہ بیضاوی کی پینتیس شروح کو پیش نظر رکھ کر کیا، جو اب بھی دستیاب ہے، وفات ۱۰۷۰ھ کو قاہرہ میں ہوئی۔

۲۲: شیخ نعمت اللہ فیروز پوری رحمہ اللہ

ایک تفسیر جلالین کی طرز پر لکھی اور قرآن عزیز کا فارسی زبان میں ترجمہ بھی لکھا جس کا نام تفسیر جہانگیری رکھا اورنگ زیب رحمہ اللہ بھی آپ کا قدر دان تھا ۱۰۷۲ھ میں فیروز پور میں وفات ہوئی۔

۲۳: خواجہ معین الدین کشمیری رحمہ اللہ

آپ کے والد مشائخ نقشبندیہ رحمہ اللہ میں سے تھے، بخارا سے کشمیر پھر شاہ جہان رحمہ اللہ کی درخواست پر لاہور میں اقامت اختیار کر لی تھی اور یہیں ۱۰۵۲ھ کو وفات پائی، آپ نے ابتدائی علوم والد صاحب سے پڑھے مگر تکمیل حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ سے کی دین کی اشاعت اور تدریس علمی اور دینی مسائل میں مرجع خلائق تھے آپ کے فتاوی کا مجموعہ بہ نام فتاوی نقشبندیہ ہے، آپ کی ایک تفسیر زبدۃ التفاسیر ہے، جس کا ایک قلمی نسخہ سعیدی لائبریری ٹونک (بھارت) ہے۔ قلمی نسخہ ۱۰۶۹ھ کا محررہ ہے کتب خانہ پنجاب یونیورسٹی میں ہے۔ دوسری تفسیر بہ نام شرح القرآن بھی ہے جو فارسی میں ہے اس کا ایک نسخہ سعیدیہ لائبریری ٹونک میں ہے، کرم خوردہ نسخہ حضرت محمد زاہد الحسینی کی ذاتی لائبریری اٹک میں موجود ہے، وفات ۱۰۸۵ھ میں ہوئی۔

۲۴: شیخ جعفر بن جلال گجراتی رحمہ اللہ

آپ نے علم تفسیر میں کئی رسائل لکھے اور آپ پورا قرآن مجید صرف ۵۴ ساعات میں لکھ لیا کرتے تھے ۱۰۸۵ھ کو وفات ہوئی۔

۲۵: شیخ یعقوب صرفی رحمہ اللہ

آپ کی لکھی ہوئی قرآن حکیم کی تفسیر عربی میں ہے، مخطوطہ ۱۰۷۱ مخطوطات شیرانی میں موجود ہے ۱۰۸۵ھ میں وفات ہوئی۔

۲۶: مولانا یعقوب بنانی

شاہ جہان دور میں لاہور میں پیدا ہوئے بخاری شریف کی شرح بہ نام خیر جاری لکھی اور تفسیر بیضاوی کا مفصل حاشیہ لکھا، جس کا مکمل نسخہ دو جلدوں میں محررہ ۱۲۷۵ھ کتب خانہ فاضلیہ گڑھی افغاناں میں موجود ہے، وفات ۱۰۹۰ھ کو ہوئی۔

۲۷: اسمٰعیل بن محمد بن قونوی رحمہ اللہ

ترکی کے مشہور شہر قونیہ میں پیدا ہوئے تفسیر بیضاوی کا عظیم حاشیہ لکھا جو سات جلدوں میں مطبع عامرہ سے شائع ہو چکا ہے قلمی نسخہ مکتوبہ ۱۱۹۴ھ کتب خانہ فاضلیہ میں موجود ہے، وفات ۱۰۹۵ھ میں ہوئی۔

۲۸: شیخ عبدالواجد بن کمال الدین رحمہ اللہ

بھارت کے شہر سنبھل میں پیدا ہوئے کافی عرصہ حجاز میں علوم اسلامیہ کی خدمت کی، پھر وطن لوٹ آئے، قرآن عزیز کی فارسی میں ایک تفسیر لکھی سنبھل ہی میں وفات پائی۔

۲۹: سید عبداللہ بن احمد اشرفی رحمہ اللہ

آپ کو علم و عمل کی دولت عطاء ہوئی تھی، تفسیر بہ نام المصابیح الساطعۃ الانوار المجموعۃ من تفسیر الائمۃ الکبار لکھی اس میں یہ جدت کی کہ تفسیر کی ابتداء آخری پارہ سے کی، گیارہویں صدی ہجری میں وفات پائی۔

بارہویں صدی ہجری کے مفسرین قرآن مجید

۱: خضر بن عطاء رحمہ اللہ

موصل سے مکہ مکرمہ میں آکر تدریس کی علوم اسلامیہ اصول وتفسیر میں مہارت رکھتے تھے۔ تفسیر کشاف اور تفسیر بیضاوی میں ذکر شدہ علمی ولغوی مسائل

کے شواہد کی شرح لکھی ۱۱۰۷ھ کوفوت ہوئے۔

۲: شیخ محمد بن جعفر رحمہ اللہ

گجرات میں ۱۰۴۷ھ میں پیدا ہوئے، احمد آباد میں اقامت اختیار کی، قرآن مجید کی ایک تفسیر فارسی بروایت اہل بیت لکھی اور ایک مختصر تفسیر بزبان عربی جلالین کی طرز پر لکھی احمد آباد ہی میں ۱۱۱۱ھ کوفوت ہوئے۔

۳: نعمت خان رحمہ اللہ

دور عالمگیری کے محقق عالم تھے، قرآن عزیز کی ایک تفسیر فارسی میں لکھی جس کا نام نعمت عظمی رکھا، وفات ۱۱۲۱ھ کو ہوئی، مشکوۃ شریف کی ایک شرح بہ نام زینۃ المشکوۃ بھی لکھی ہے۔

۴: شیخ جمال الدین ولد رکن الدین رحمہ اللہ

احمد آباد میں پیدا ہوئے آپ کی تصانیف کی تعداد ۱۴۲ ہے، حاشیہ تفسیر مدارک، حاشیہ بیضاوی، حاشیہ تفسیر محمدی، حاشیہ تفسیر حسینی اور دو تفاسیر خود بھی لکھی ہیں ایک مختصر اور ایک مفصل جس کا نام تفسیر نصیری ہے، ۱۱۳۴ھ میں وفات ہوئی۔

۵: علامہ غلام نقشبندی عطاء اللہ رحمہ اللہ

قرآن کریم کے ربع اول کی تفسیر بہ نام تفسیر الانوار لکھی، سورۃ الاعراف کی مستقل تفسیر بھی لکھی، ۱۱۲۶ھ کو وفات ہوئی۔

۶: ملاجیون

اصلی نام شیخ احمد رحمہ اللہ تھا، المعروف صالحی جی اورنگ زیب عالمگیر نے آپ سے کئی دینی کتابیں پڑھیں، دہلی میں وفات ہوئی، تفسیر احمدی کا اُردو میں ترجمہ کتب خانہ سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ حیدر آباد دکن مخطوطہ ہے، اس کا نمبر کتب خانہ نمبر ۱۵۸ ہے اور اب طبع بھی ہو گیا ہے۔

۷: امان اللہ بن نور اللہ حنفی رحمہ اللہ

اورنگ زیب رحمہ اللہ نے آپ کو حلقہ لکھنؤ کا صدر مقرر کر دیا تھا، تفسیر بیضاوی کا حاشیہ لکھا ۱۱۳۳ھ میں انتقال فرمایا۔

۸: مفتی شرف الدین رحمہ اللہ

زمانہ عالمگیری میں دربار سلطانی کے مقرب تھے تفسیر بیضاوی کا کامیاب حاشیہ لکھا، ۱۱۳۳ھ کو وفات ہوئی۔

۹: شیخ عارف اسمٰعیل حنفی بروسی رحمہ اللہ

مستقل مفصل تفسیر بہ نام روح البیان لکھی جو دس جلدوں میں کئی بار طبع ہو چکی ہے، واعظانہ اور ناصحانہ طرز اختیار فرمائی ہے، انتقال ۱۱۳۷ھ کو ہوا۔

۱۰: شیخ فتح محمد رحمہ اللہ

الہ آباد کے قریب بستی سیدانہ میں پیدا ہوئے، تفسیر محمدی لکھی اور ایک تفسیر تصوف کے مسائل پر بھی لکھی ۱۱۴۳ھ کوفوت ہوئے۔

۱۱: شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی رحمہ اللہ

دہلی میں ولادت ہوئی، طلب علم کیلئے حجاز مقدس میں رہے پھر دہلی میں مصروف درس ہو گئے، تفسیر القرآن بالقرآن لکھی ۱۱۲۵ھ کو تکمیل ہوئی، اس کے آخر میں تحریر فرمایا "**کنت استمد من البیضاوی والمدارک والجلالین والحسینی** "اس تفسیر کا قلمی کامل نسخہ محررہ ۱۲۶۸ھ کتب خانہ فاضلیہ گڑھی افغاناں میں موجود ہے، وفات دہلی ہی میں ۱۱۴۳ھ کو ہوئی۔

۱۲: سید عبد الغنی نابلسی حنفی رحمہ اللہ

آپ نے عراق اور مصر کے علماء کرام سے استفادہ کیا، آپ کا درس تفسیر بیضاوی مشہور تھا آپ نے اس تفسیر کی ایک شرح لکھی جس کا نام التحریر الحاوی شرح تفسیر البیضاوی ہے، دمشق میں ۱۱۴۳ھ کو انتقال فرمایا آپ کی تصانیف میں مفید ترین معلوماتی کتاب بہ نام **ذخائر المواریث فی الدلالۃ علی مواضع الحدیث** چار جلدوں میں ہے جو کہ مطبوعہ ہے۔

۱۳: شیخ محمد طاہر رحمہ اللہ

آپ کا حافظہ بے نظیر تھا، تفسیر بیضاوی کا کامیاب حاشیہ لکھا ۱۱۴۳ھ میں وفات پائی، ایک تفسیر بہ نام ثواقب التنزیل لکھی جو حجم اور طرز تفسیر میں جلالین کی طرح ہے۔ وفات ۱۱۴۶ھ کو ہوئی۔

۱۴: مولانا محمد حکم بریلوی رحمہ اللہ

ولادت بریلی میں ہوئی، محقق عالم باعمل اور مدرس تھے، قرآن عزیز کی دو تفسیریں لکھیں ایک عربی زبان میں ہے جس کا نام محکم التنزیل ہے ایک فارسی زبان میں ہے جسکا نام الحسنی ہے وفات ۱۱۵۰ھ کو ہوئی۔

۱۵: شاہ محمد غوث پشاوری ثم لاہوری رحمہ اللہ

آپ جامع شریعت وطریقت عالم تھے، قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ اور حاشیہ بھی ہے آپ کی وفات ۱۱۵۲ھ کو لاہور میں ہوئی، قلمی ترجمہ اور حاشیہ مولوی نور محمد سرحدی رحمہ اللہ کے کتب خانہ پشاور میں موجود ہے۔

۱۶: مولانا نور الدین احمد آبادی رحمہ اللہ

گجرات کے صدر اکرم الدین رحمہ اللہ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار روپیہ سے آپ کیلئے ایک عالی شان مدرسہ تعمیر کرایا تھا، آپ کی تصانیف کی تعداد ڈیڑھ سو ہے قرآن مجید کی ایک تفسیر بھی ہے ۱۱۵۵ھ کو احمد آباد میں فوت ہوئے۔

۱۷: مولانا عابد لاہوری رحمہ اللہ

آپ محمد شاہ کے دور حکومت کے عالم باعمل زاہد اور متقی تھے، تفسیر کا باقاعدہ درس دیا کرتے تھے آپ کی تصانیف میں تفسیر بیضاوی کا حاشیہ ہے اور ایک

مستقل تفسیر بھی لکھی۔ ۱۱۶۰ھ کو فوت ہو گئے۔

۱۸: شیخ محمد ناصر الہ آبادی رحمہ اللہ

آپ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں ایک تفسیر احکام القرآن ہے آپ کی وفات ۱۱۶۳ھ کو ہوئی۔

۱۹: شیخ ولی اللہ مجددی رحمہ اللہ

حضرت محمد سعید مجددی سرہندی رحمہ اللہ کے پوتے تھے اور کوٹلہ فیروز شاہ میں مقیم تھے، تصوف میں راسخ قدم ہونے کے علاوہ صاحب علم تھے قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی لکھی۔ کوٹلہ ہی میں ۱۱۶۶ھ کو وفات پائی۔

۲۰: سید محمد وارث بنارسی رحمہ اللہ

عالمگیر رحمہ اللہ کے زمانہ میں بنارس کے قاضی تھے، داہنی ہتھیلی پر جلد کے نیچے سبز کلمات سید دو عالم ﷺ کا اسم گرامی لکھا ہوا تھا ہر شخص بہ آسانی پڑھ سکتا تھا بدن سے ہر وقت خوشبو آتی تھی لقب رسول نما تھا، شرح وقایہ کا حاشیہ اور قرآن مجید کی ایک تفسیر لکھی، وفات ۱۱۶۶ھ کو ہوئی۔

۲۱: مخدوم عبداللہ رحمہ اللہ

مرجع خلائق تھے وعظ و بیان بھی فرماتے تھے صاحب قلم بھی تھے تصانیف کی تعداد ڈیڑھ سو تک ہے، قرآن مجید کی تفسیر سندھی زبان میں کی جس کا نام تفسیر ہاشمی ہے۔ بمبئی سے ۱۳۴۰ھ کو طبع ہو چکی ہے وفات ۱۱۷۴ھ کو ہوئی۔

۲۲: شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم دہلوی رحمہ اللہ

آپ گوہر یکتا حجۃ اللہ فی الارض ہیں، اسم گرامی قطب الدین رکھا گیا، حجاز مقدس میں قیام رہا شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم الکردی رحمہ اللہ المدنی سے سند حدیث حاصل کی، وطن تشریف لا کر تدریس اور اشاعت علوم اسلامیہ فرمائی حضرت مظہر جانجاناں نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام کرۂ ارض کی سیر مثل کف دست کرائی میں نے اپنے زمانہ میں شاہ ولی اللہ جیسا کوئی نہیں پایا"۔ حضوری کا شرف حاصل تھا جس کا ذکر آپ کی کتاب فیوض الحرمین اور الدر الثمین میں موجود ہے، قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ لکھا اور حاشیہ پر تفسیری نوٹ بھی فارسی میں لکھے سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کی مستقل تفاسیر بھی لکھیں آپ کا وصال ۱۱۷۶ھ کو ہوا مزار پر انوار دہلی میں ہے۔

۲۳: مولانا رستم علی قنوجی رحمہ اللہ

علوم قرآن سے خاص شغف تھا، جلالین کی طرز پر قرآن عزیز کی ایک تفسیر بنام تفسیر صغیر لکھی بریلی میں ۱۱۷۸ھ کو انتقال ہوا۔

۲۴: شاہ مراد اللہ انصاری سنبھلی رحمہ اللہ

صرف پارہ عم کی تفسیر لکھی ہے زیادہ قبولیت حاصل ہوئی، اردو میں قرآن کریم کا یہ ترجمہ سب سے زیادہ قدیم ہے کلکتہ میں طبع ہوا جس کا ایک نسخہ ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد دکن میں موجود ہے۔ ۱۲۶۰ھ میں کلکتہ سے طبع ہوا۔ وفات ۱۱۸۴ھ کو ہوئی۔

۲۵: الشیخ الکبیر اہل اللہ بن شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ

آپ نے علوم اسلامیہ اپنے بڑے بھائی شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے پڑھے، قرآنی علوم کے ساتھ خاص لگاؤ تھا طب میں مہارت تھی، آپ کی چند تصانیف میں سے ایک قرآن عزیز کی ایک مختصر مگر جامع تفسیر بھی ہے ۱۱۸۷ھ کو انتقال فرمایا۔

۲۶: قاضی احمد بن صالح صنعانی رحمہ اللہ

آپ کو تفسیر قرآن عزیز میں مہارت حاصل تھی، تفسیر کشاف کا کامیاب حاشیہ لکھا ۱۱۹۱ھ کو وفات پائی۔

۲۷: سید علی بن صلاح الدین الحسینی رحمہ اللہ

آپ کی کئی تصانیف ہیں جن میں سے درر الاصداف المنتقاۃ من سلک جواھر الاسعاف بھی ہے جو کہ بیضوی اور کشاف میں ذکر شدہ عربی محاورات اور استدلالی اشعار کی شرح ہے، مفسر کی وفات صنعاء یمن میں ۱۱۹۱ھ کو ہوئی۔

۲۸: شاہ غلام مرتضیٰ بن شاہ محمد تیمور الہ آبادی رحمہ اللہ

آپ نے قرآن مجید کا منظوم ترجمہ کیا، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لاہور موجود ہے، اس کی تالیف ۱۱۹۴ھ میں ہوئی تفسیر مرتضوی بھی واللہ اعلم۔

جیسا کہ مؤلف کے شعر سے واضح ہے

دل لگا کہنے بوقت اختتام
اس کا رکھ تفسیر مرتضوی تو نام

۲۹: علی بن محمد دمشقی رحمہ اللہ

سلیمی کے نام سے مشہور تھے شیخ عمر رومی نے تفسیر بیضاوی کی شرح لکھنی شروع کی اسراء تک پہنچی تکمیل سلیمی نے کی ۱۲۰۰ھ میں وفات پائی رحمۃ اللہ علیہم۔

تیرہویں صدی ہجری کے مفسرین قرآن مجید

۱: منعم خان رحمہ اللہ

مراد آباد کے عالم دین تھے، فارسی میں تفسیر لکھی ۱۲۰۱ھ کو وفات ہوئی۔

۲: مولانا وحید الحق پھلواری رحمہ اللہ

آپ تحریک آزادی کے مجاہدین علماء میں سے تھے آپ نے تفسیر بیضاوی شریف کی تعلیقات لکھیں۔ ۱۲۰۱ھ کو وفات پائی۔

۳: سلیمان بن عمر بن منصور الازہری رحمہ اللہ

آپ جمل کے لقب سے مشہور تھے۔ جلیل القدر علماء میں سے تھے، تفسیر جلالین

کا جامع حاشیہ لکھا جو جمل ہی کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔ وفات ۱۲۰۴ھ کو ہوئی۔

۴: محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ

حنبلی مذہب کے مشہور عالم تھے۔ ۱۲۰۶ھ کو وفات پائی، قرآنیات پر آپ کی تصانیف میں استنباط القرآن اور تفسیر القرآن ہے۔

۵: شاہ حقانی رحمہ اللہ

مارہرہ سے آپ کا تعلق تھا اشاعت علوم قرآن کا خاص شوق تھا تفسیر بہ نام تفسیر حقانی لکھی ۱۲۰۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

۶: ملا محمد سعید گند سو دویم رحمہ اللہ

کشمیر کے مشہور علماء میں سے ہیں آپ کو حدیث اور تفسیر کے ساتھ خصوصی تعلق تھا صحیح بخاری پوری یاد تھی، قرآن عزیز کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا جس کا نام مفاتیح البرکات ہے ۱۲۰۸ھ میں وفات پائی۔

۷: عبدالصمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ

ارکاٹ شاہی خاندان میں ہونے کے باوجود قرآن کے ساتھ تعلق تھا، دکھنی زبان میں قرآن عزیز کی تفسیر چار جلدوں میں لکھی، نام اپنے باپ کی نسبت سے تفسیر وہابی رکھا، مقدمہ میں وجہ تالیف یوں بیان فرمائی، عربی اور فارسی میں بہت ساری تفسیریں ہیں لیکن دکھنی میں نہیں، تفسیر کا اختتام ۱۱۸۷ھ کو ہوا۔

۸: شیخ اسلم بن یحییٰ بن معین کشمیری رحمہ اللہ

ملا محب اللہ اور شیخ عبدالغنی جیسے جلیل القدر علماء آپ کے حلقہ درس سے پیدا ہوئے فقہ کی مشہور کتاب جامع صغیر اور الاشباہ والنظائر پر تعلیقات لکھیں، تفسیر جلالین پر جامع تعلیقات مرتب کیں، ۱۲۱۲ھ کو فوت ہوئے۔

۹: السید علی بن ابراہیم بن محمد رحمہ اللہ

آپ کی تصانیف میں مفاتیح الرضوان فی تفسیر القرآن بالقرآن ہے ضخیم جلد میں ہے وفات ۱۲۱۳ھ کو ہوئی۔

۱۰: حکیم محمد شریف خان دہلوی رحمہ اللہ

حکمت وطب کے علاوہ علوم عقلیہ اور نقلیہ میں بھی ممتاز مقام رکھتے تھے منطق کی بلند پایہ کتاب حمد اللہ کا حاشیہ لکھا، قرآن کریم کی ایک تفسیر بھی اُردو اور فارسی زبان میں لکھی دہلی میں ۱۲۲۲ھ کو وفات پائی۔

۱۱: قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ

مرزا مظہر جانجاناں دہلوی قدس سرہ العزیز سے مجاز طریقت ہوئے، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے آپ کو بیہقی وقت کا خطاب دیا تھا، ایک جامع تفسیر عربی زبان میں لکھی جس کا نام اپنے شیخ کی نسبت سے تفسیر مظہری رکھا جو سات جلدوں میں کئی بار طبع ہو چکی ہے، ندوۃ المصنفین دہلی نے اس تفسیر کا اُردو زبان میں ترجمہ کر دیا۔ وفات ۱۲۲۵ھ کو ہوئی۔

۱۲: مولانا سلام الدین فخر الدین دہلوی رحمہ اللہ

حضرت عبدالحق محدث دہلوی کی اولاد تھے جلالین کا حاشیہ کمالین ہے ۱۲۲۹ھ کو فوت ہوئے۔

۱۳: شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہما

آپ کی تربیت حضرت شاہ عبدالعزیز نے فرمائی، خواب دیکھا کہ آپ پر قرآن عزیز کا نزول ہو رہا ہے، تعبیر یہ ظاہر ہوئی کہ قرآن عزیز کی بے نظیر خدمت کی اور تفسیر موضح قرآن لکھی، انور شاہ صاحب کشمیری فرماتے ہیں تمام تفاسیر کی موجودگی میں بھی ہم تفسیر موضح قرآن سے مستغنی نہیں، سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ ترجمہ اور تفسیر بے مثل ہے وفات ۱۲۳۰ھ کو دہلی میں ہوئی، ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری کے شیرانی سیکشن میں موجود ہے، جو کہ ۱۲۴۹ھ کا مخطوطہ نمبر ۱۹۰۱ھ ہے۔

۱۴: سراج الہند شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ

آپ نے پورے قرآن مجید کی تفسیر لکھی مگر اکثر جنگ آزادی میں تلف ہوگئی، مولوی حیدر علی آپ کے آخری عمر کے مستفیضوں میں سے تھے، انہوں نے تفسیر مذکور کا تکملہ ستائیس جلدوں میں کیا جو کہ بہت خوب لکھا ہے۔

حضرت شاہ صاحب کے نعتیہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

اذا اشتد البلاء سواک حامی	فمن لی بعد ماوھنت عظامی
فحبک سیدی ماحی الا ثام	وان اک ظالما عظمت ذنوبی
علیک صلوۃ ربک بالسلام	فقد اعطیت مالم یعط احد

۱۲۳۹ھ کو وصال فرمایا، شیخ فرید الدین مراد آبادی رحمہ اللہ م ۱۲۴۳ھ نے شاہ صاحب کے تفسیری ارشادات کو ایک کتاب میں جمع کر دیا جس کا نام الافادات العزیز یہ ہے۔

۱۵: احمد بن محمد صادی مالکی رحمہ اللہ

''تفسیر جلالین'' کا کامیاب حاشیہ لکھا جو چاروں جلدوں میں مطبوعہ ہے، پہلی دفعہ مصر سے طبع ہوا۔ انتقال ۱۲۴۱ھ کو ہوا۔

۱۶: مولانا محمد اشرف لکھنوی

حضرت سید احمد بریلوی رحمہ اللہ کے مرید خاص تھے قرآن کریم کی ایک تفسیر بھی لکھی ۱۲۴۴ھ کو فوت ہوئے۔

۱۷: شاہ عزیز الدین قادری نقشبندی رحمہ اللہ

وطن اورنگ آباد تھا، قرآن کریم کی ایک تفسیر بہ نام چراغ ابدی لکھی جو صرف پارہ عم اور سورۃ فاتحہ پر مشتمل ہے اس کے تین نسخے حیدر آباد دکن کے

کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہیں، تفسیر کی تکمیل ۱۲۴۶ھ ہے۔

۱۸: مولوی ولی اللہ بن مفتی سید احمد علی حسینی رحمہ اللہ

جامع معقولات والمنقولات عالم تھے شعروشاعری بھی فرمایا کرتے تھے قرآن عزیز کی ایک تفسیر فارسی نظم میں لکھی ہے، جس کا نام نظم الجواہر ہے اس کے آخر میں طبقات المفسرین کا ذکر بھی فرمایا تین جلد ہیں۔ وفات ۱۲۴۹ھ میں ہوئی۔

۱۹: حضرت شاہ رفیع الدین قدس سرہٗ

دینی علوم میں یکتائے روزگار تھے، جامع اور مکمل ترجمہ سب سے پہلے آپ ہی نے فرمایا جو ۱۲۰۰ھ میں تکمیل ہوا، مقبول اور مستند ایک تفسیر بھی لکھی ہے جو کہ تفسیر رفیعی کے نام سے ہے، انتقال ۱۲۴۹ھ کو ہوا، ۱۲۷۲ھ۔۱۸۵۵ء میں طبع ہوئی، جس کا نسخہ پشاور یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔

۲۰: ابوعلی محمد ابن علی بن عبداللہ شوکانی رحمہ اللہ

آپ کے والد ماجد یمن کے قاضی تھے، اللہ تعالیٰ نے ذہن ثاقب عطاء فرمایا تھا، بیس سال کی عمر میں فتویٰ نویسی قاضی القضاۃ مقرر ہو گئے امام منصور باللہ رحمہ اللہ آپ کا بے حد احترام کرتا تھا، سلسلہ نقشبندیہ کے بلند پایہ سالک تھے۔ ۱۲۷ کتابیں تصنیف فرمائیں، نیل الاوطار جیسی مفید کتاب بھی لکھی، قرآن عزیز کی ایک تفسیر بہ نام فتح القدیر لکھی جو چار جلدوں میں مطبوعہ ہے۔ وفات ۱۲۵۰ھ کو ہوئی۔

۲۱: شاہ رؤف احمد نقشبندی رامپوری رحمہ اللہ

حضرت شاہ غلام علی نقشبندی رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز تھے، اُردو زبان میں بہ نام تفسیر رؤفی لکھی ۱۲۵۳ھ میں سفر حج کے دوران میں وفات ہوئی۔

۲۲: قاضی عبدالسلام بن عطاء الحق رحمہ اللہ

آپ بدایوں کے گرامی قدر عالم تھے، قرآن عزیز کی تفسیر اُردو نظم میں لکھی جس میں دو لاکھ اشعار ہیں تفسیر کا نام زاد الآخرۃ ہے، وفات ۱۲۵۷ھ۔ ۱۲۹۸ھ کو ہوئی، واللہ اعلم۔

۲۳: مفتی محمد قلی کنشوری بن محمد حسین رحمہ اللہ

لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ علماء شہر سے اکتساب فیض کیا میرٹھ میں مفتی مقرر ہوئے، آیات احکام کی ایک تفسیر بہ نام تقریب الافہام فی آیات الاحکام لکھی۔ ۱۲۶۰ھ میں انتقال ہوا۔

۲۴: سید محمد عثمان میرغنی رحمہ اللہ

مکہ مکرمہ کے علماء کرام میں سے تھے قرآنی علوم سے کافی واقفیت تھی، تفسیر بہ نام تاج التفاسیر لکھی جو کہ ۱۳۱۱ھ میں دو جلدوں میں طبع ہو چکی ہے، وفات ۱۲۶۸ھ کو ہوئی۔

۲۵: مفتی محمد یوسف بن مفتی اصغر علی رحمہ اللہ

لکھنؤ میں پیدا ہوئے، مدرسہ جون پور میں مدرس مقرر ہوئے، کتابوں کی تصنیف کے علاوہ تفسیر بیضاوی پر تعلیقات لکھیں، ۱۲۶۸ھ کو انتقال ہوا۔

۲۶: مولانا جان محمد لاہوری رحمہ اللہ

اپنے زمانہ کے جلیل القدر علماء کرام سے اکتساب فیض کیا، لاہور ہی میں تدریس علوم کا مبارک کام شروع کر دیا، آپ کا وعظ پر تاثیر ہوتا تھا۔ قرآن عزیز کی تفسیر زبدۃ التفاسیر والتذکیر لکھی۔ ۱۲۶۸ھ کو انتقال ہوا۔

۲۷: مولانا ولی اللہ بن حبیب اللہ انصاری رحمہ اللہ

آپ لکھنؤ میں پیدا ہوئے قرآن کریم کی تفسیر بہ نام معدن الجواہر ہے۔ ۱۲۷۰ھ کو انتقال ہوا۔

۲۸: ابوالثناء شہاب الدین بغدادی

آباؤ اجداد کے قصبہ آلوس کی وجہ سے آلوسی کہلائے، آپ بڑے محنتی اور ذہین تھے فراغت علوم کے بعد مسند تدریس پر فائز ہوئے پھر احناف کے مفتی اعظم مقرر ہوئے، آپ کی تصانیف میں تفسیر بھی بہ نام "روح المعانی" ہے۔ جو مستند اول اور مطبوعہ ہے۔ ۱۲۷۰ھ میں فوت ہوئے، شب جمعہ کو خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمانوں کے دروازے بند کر دینے اور پھر کھول دینے کا حکم فرمایا جس کی آپ نے تعمیل کر دی، پھر اس کی تعبیر یہ فرمائی کہ قرآن عزیز کی تفسیر لکھائی جائے گی چنانچہ آپ نے تفسیر لکھی اور وزیر اعظم علی رضا نے میرے ہاتھ سے اس تفسیر کا نام روح المعانی رکھا۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ کے ہاتھ سے لکھا ہوا نسخہ استانبول راغب پاشا کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۲۹: مولانا محمد سعید مدارسی رحمہ اللہ

اپنے وطن میں اکتساب علم کے بعد حجاز تشریف لے گئے کافی زمانہ رہ کر علماء عرب سے اکتساب علم کیا، قرآن کریم کی فارسی زبان میں ایک تفسیر لکھی جو چار جلدوں میں ہے۔ ۱۲۷۲ھ کو وفات پائی، سعید آباد میں دفن ہیں۔

۳۰: ظہور علی بن حیدر رحمہ اللہ

لکھنؤ کے جلیل القدر علماء میں سے تھے، آخر عمر میں حیدر آباد دکن چلے گئے اور وہاں بھی علوم اسلامیہ کی خدمت کرتے رہے قرآن کریم کی ایک تفسیر بھی لکھی حیدر آباد ہی میں ۱۲۷۵ھ کو فوت ہوئے۔

۳۱: مولانا تراب علی بن شجاعت علی رحمہ اللہ

مفتی ظہور اللہ انصاری سے اکتساب علم کیا، ملا حسن، حمد اللہ، قاضی مبارک کے حواشی لکھے، تفسیر جلالین کا حاشیہ بہ نام ہلالین لکھا ۱۲۸۱ھ میں فوت ہوئے۔

۳۲: مولانا عبدالحلیم بن امین اللہ لکھنوی رحمہ اللہ

اپنے چچا سے اکتساب فیض کے بعد مکہ مکرمہ میں مشائخ سے علوم حدیث وتفسیر

پڑھے، ان کی ایک کتاب تعلیقات علی البیضاوی بھی ہے۔ ۱۲۸٦ھ کو انتقال ہوا۔

۳۳: سید حافظ محمد شریف معرف بہ ابی زادہ رحمہ اللہ

ترکی میں شہرستان کے قاضی تھے اور تفسیر قرآن میں کافی مہارت اور عشق تھا، ایک کتاب بہ نام الایات الجلیہ الفرقانیہ ومفتاح التفاسیر الجمیلۃ الفرقانیہ لکھی، جس میں بیضاوی، شیخ زادہ، روح البیان، تفسیر کبیر اور تفسیر ابی السعود کا انتخاب جمع کردیا۔ ۱۲۸٦ھ تک تو زندہ تھے۔

۳۴: مولوی عبداللہ بن صبغۃ اللہ مدارسی رحمہ اللہ

آپکی تصانیف میں احادیث بیضاوی کی تخریج بھی کی ہے۔ ۱۲۸۸ھ کو فوت ہوئے۔

۳۵: مولانا قطب الدین خان بن محی الدین دہلوی رحمہ اللہ

ممتاز عالم تھے تقوی اور فتوی دونوں میں مشہور تھے، قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی بہ نام جامع التفاسیر اردو میں لکھی جو مطبوعہ اور دستیاب ہے ۱۲۸۹ھ کو وفات پائی۔

۳٦: مولانا نصیر الدین بن جلال الدین رحمہ اللہ

برہان پور میں پیدا ہوئے خاندانی عالم ہیں، قرآن عزیز کی ایک تفسیر بہ نام التیسیر فی مہمات التفسیر ہے۔ ۱۲۹۳ھ کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

۳۷: مولانا عبد العلی بن پیر علی نگرامی رحمہ اللہ

آپ امام الاحناف کہلاتے تھے متقی اور متوکل عالم دین تھے۔ آپ کی تصانیف میں تفسیر آیات القرآن ہے۔ ۱۲۹٦ھ کو وفات پائی۔

۳۸: شیخ محمد بن عبداللہ غزنوی رحمہ اللہ

آپ نے غزنی سے ہجرت کر کے امرتسر کو اپنا مستقر بنالیا، حق گوئی کے سلسلہ میں بے شمار تکالیف اٹھائیں تفسیر جامع البیان کا حاشیہ لکھا جو مقبول بین العلماء ہے۔ ۱۲۹٦ھ میں وفات پائی۔

۳۹: مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ

کامل وقت امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ دیوبند کے قصبہ میں دار العلوم کا انعقاد کرایا جو آج عالم اسلام کی عظیم ترین درسگاہ ہے۔ آپ نے کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں ''اسرار قرآنی'' نامی ایک مختصر سا رسالہ بھی ہے۔ جس میں استعاذہ اور معوذتین کی تفسیر ہے، بہ نام ''تفسیر المعوذتین'' دیوبند سے شائع ہو چکا ہے۔ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کی وفات ۱۲۹۷ھ کو ہوئی، مزار دیوبند میں ہے۔

۴۰: منشی جمال الدین بن وحید الدین رحمہ اللہ

حضرت غلام علی نقشبندی سے اکتساب فیض کے ساتھ ساتھ شیخ محمد آفاق نقشبندی رحمہ اللہ سے مجاز طریقت ہوئے تیس سال کی عمر میں بھوپال چلے گئے وہاں الیہ بھوپال پال سکندر بیگم سے آپ کا نکاح ہوگیا، شہنشاہانہ شوکت حاصل ہوجانے کے باوجود علمی خدمات نہ چھوڑیں علامہ کی تفسیر رحمانی اور شاہ ولی اللہ کی اکثر تصانیف طبع کرائیں۔ ترکی اور پشتو کی تفاسیر طبع کرائیں ترکی زبان کا ترجمہ احمد داغستانی نزیل مکہ مکرمہ سے کرایا تھا جو کہ بھوپال کے سرکاری کتب خانہ میں موجود ہے۔ وفات ۱۲۹۹ھ میں ہوئی۔

۴۱: سید حاجی محمد فوزی ترکی رحمہ اللہ

آپ جلیل القدر عالم تھے قرآن کریم کی ایک تفسیر لکھنی شروع کی سفر حج میں اس کو مکمل کیا، اس تفسیر میں ہر سورۃ کی ابتداء میں تین اشعار فارسی کے ایسے لائے جن میں سورۃ کے مضمون کا خلاصہ ہے، اس تفسیر کا نام الانس المعنوی ہے جو کہ ۱۲۹۹ھ کو طبع ہو چکی ہے۔

۴۲: سید بابا قادری ابن شاہ محمد یوسف رحمہ اللہ

حیدرآباد دکن کے بلند پایہ عالم اور پیر طریقت تھے، آپ کی تصانیف میں قرآن کریم کی تفسیر التنزیل اور تفسیر فوائد بدیہیہ بھی ہے جو کہ پانچ جلدوں میں ہے ابھی تک طبع نہیں ہو سکی، کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں اس کا مخطوطہ موجود ہے۔

۴۳: مراد علی ولد حضرت مولانا شیخ عبدالرحمن السیلانی رحمہ اللہ

آپ بہت بڑے عالم اور مشہور صوفی تھے، آپ نے پشتو زبان میں تفسیر لکھی جو دو جلدوں میں مطبوعہ ہے۔ اپنی تفسیر کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ:

زیرا کہ درجہانست تفاسیر بے شمار
لیکن نہ بازبان سلیمانی اندآن

تفسیر کی تکمیل ۵ شوال ۱۲۸۲ھ ہے۔

۴۴: خواجہ محمد عبید اللہ ملتانی رحمہ اللہ

آپ کا خاندان عراقی الاصل ہے اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے خدام کا خاندان تھا، حتیٰ کہ اس خاندان کی قومیت ہی فقیر قادری مشہور ہوگئی۔

آپ کی پیدائش تقریباً ۱۲۱۹ میں ملتان میں ہوئی ابتدائی علوم اپنے والد ماجد سے حاصل کئے پھر حضرت خواجہ خدا بخش ملتانی ثم الخیرپوری سے کافی عرصہ پڑھا اس کے بعد خواجہ قاضی عاقل محمد کوٹی کے خلیفہ خواجہ گل محمد احمد پوری سے علم حدیث حاصل کیا، بیعت کا شرف حضرت خواجہ خدا بخش رحمہ اللہ سے حاصل ہوا اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔

آپ علم وتصوف اور خدمت خلق میں اپنے دور کے مشہور ترین بزرگ تھے اور آپ کی اولاد میں بھی اسی طرح علم وخدمت خلق کا چرچا رہا، ملتان محلہ قدیر آباد میں مدرسہ عبیدی اور خانقاہ عبیدیہ آپ کی یادگار ہے۔

آپ نے ایک تفسیر قرآن عربی میں لکھی جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہے، اس تفسیر کی خصوصیت یہ ہے کہ انتہائی مختصر اور جامع ہے۔ آپ کی وفات ۱۳۰۵ھ میں ہوئی۔

چودہویں صدی ہجری کے مفسرین قرآن مجید

۱: شاہ عبدالحی احقر بنگلوری رحمہ اللہ

سید احمد شہید قدس سرہٗ العزیز کے خلیفہ سید محمد علی رامپوری سے بیعت کی، وعظ و تذکیر اور تصنیف کا کام بھی کرتے تھے۔ آپ نے تیسیر القاری کا اُردو زبان میں ترجمہ کیا جو فیض الباری کے نام سے آٹھ جلدوں میں شائع ہو چکا ہے جنان السیر فی احوال سید البشر بھی لکھی جو کہ چوبیس ہزار اشعار پر مشتمل ہے، قرآن کریم کی ایک تفسیر بہ نام جواہر التفسیر فی السیر والتذکیر لکھی جو عجیب اور دلکش تفسیر ہے، مدینہ منورہ میں ۱۳۰۱ھ میں وفات پائی۔

۲: مولانا فیض الحسن سہارنپوری رحمہ اللہ

آپ نے مولانا فضل حق رحمہ اللہ بن فضل امام خیر آبادی سے اکتساب فیض کیا تفسیر بیضاوی کا حاشیہ اور تفسیر جلالین کا حاشیہ لکھا۔ ۱۳۰۴ھ کو فوت ہوئے۔

۳: عمار علی رحمہ اللہ

آپ سونی پت رئیس تھے مگر علوم دینیہ کے ساتھ تعلق اور شغف تھا، ایک تفسیر بنام تفسیر عمدۃ البیان لکھی ۱۳۰۴ھ کو وفات ہوئی۔

۴: محمود آفندی رحمہ اللہ

آپ دمشق کے مشہور علماء میں سے تھے تفسیر کے ساتھ خاص لگاؤ تھا، دارالاسرار نامی ایک تفسیر لکھی، جو فیضی کی سواطع الالہام کی طرح حروف بے نقاط میں ہے کتاب مطبوعہ ہے۔ وفات ۱۳۰۵ھ کو ہوئی۔

۵: مولانا نواب سید صدیق حسن رحمہ اللہ

آپ صاحب العلم والقلم تھے، آپ نے زیادہ استفادہ یمنی علماء سے کیا، والیہ بھوپال نے ان سے نکاح کیا، ہر فن اور علم میں کئی تصانیف کیں، قرآن مجید کی تفسیر آیات الاحکام پر نیل المرام نامی لکھی اور مکمل تفسیر قرآن مجید فتح البیان ہے، جو بھوپال اور مصر سے دس جلدوں میں شائع ہو چکی ہے وفات ۱۳۰۷ھ کو ہوئی، فتح البیان کا اُردو ترجمہ طبع ہو گیا ہے۔

۶: حافظ مولوی محمد بن بارک اللہ رحمہ اللہ

فیروز کے قصبہ لکھو میں پیدا ہوئے۔ فقہ حنفی میں مدلل اور مفصل ایک کتاب بہ نام انواع بارک اللہ نظم میں لکھی، ایک تفسیر بھی پنجابی نظم میں لکھی، جو تفسیر محمدی کے نام سے سات جلدوں میں مطبوعہ ہے۔ وفات ۱۳۱۱ھ کو ہوئی۔

۷: قاضی احتشام الدین مراد آبادی رحمہ اللہ

آپ جید علماء کرام میں سے تھے، تفسیر اُردو زبان میں لکھی جس کا نام الاکسیر الاعظم ہے اور وہ ۹ جلدوں میں ہے ۱۳۱۳ھ کو وفات ہوئی۔

۸: حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی رحمہ اللہ

آپ برصغیر کے معروف علماء اور صلحاء کرام میں سے تھے، شریعت اور طریقت سے وافر ملا تھا آپ اپنے متوسلین کی تربیت درس قرآن دے کر کرتے تھے ان درسوں کا مولوی تجمل حسین بہاری رحمہ اللہ نے ترجمہ کیا، جسے مولانا عبد الباری فرنگی محل نے شائع کیا، ہندی میں کچھ سورتوں کا ترجمہ فرمایا تھا، جو شائع ہو چکا ہے وفات ۱۳۱۳ھ کو ہوئی۔

۹: سید محمد نواوی الجتبنی رحمہ اللہ

نبتن نامی قصبہ میں ۱۲۳۰ھ کو پیدا ہوئے مکہ مکرمہ میں شیخ عبدالستار دہلوی سے اکتساب فیض کیا پھر مدینہ منورہ، مصر کے اسفار کئے اور پھر آ کر حرم مکہ مکرمہ میں تدریس کا کام شروع کیا، آپ تصانیف کی تعداد ایک سو تک ہے، قرآن عزیز کی ایک تفسیر بہ نام التفسیر التیسیر لمعالم التنزیل ہے جو کہ آپ کی زندگی میں ہی طبع ہو چکی تھی وفات مکہ مکرمہ میں ۱۳۱۴ھ میں ہوئی۔

۱۰: مولانا ناصر الدین ابوالمنصور رحمہ اللہ

علوم اسلامیہ میں کافی مہارت تھی، یہود و نصاریٰ کے ساتھ مناظرہ میں بھی یکتا تھے، عقائد اسلامیہ میں راسخ تھے سرسید نے قرآن حکیم کی جو (تحریف معنوی) لکھی ہے اس کے رد میں ایک مستقل تفسیر بہ نام تنقیح البیان فی الرد علی تفسیر القرآن لکھی، وفات ۱۳۲۰ھ کو ہوئی۔

۱۱: شیخ محمد حسن بن کرامت علی امروہی رحمہ اللہ

مولانا فضل خیر آبادی رحمہ اللہ اور مولانا صدرالدین دہلوی سے علوم کی تکمیل کی، آخر عمر میں خانقاہ اجمیری میں معتکف ہو گئے، آپ کو کتب سماویہ تورات، انجیل، زبور وغیرہ پر بھی عبور حاصل تھا، فارسی میں تفسیر لکھی جس کا نام معالم الاسرار ہے، حضرت شاہی کے نام سے بھی مشہور ہے، اُردو تفسیر "غایۃ البرہان"، لکھی۔ ۱۳۲۳ھ کو وفات پائی۔

۱۲: مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ

حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہٗ سے بیعت و خلافت سے مشرف ہوئے علوم ظاہریہ اور روحانیہ میں بلند مقام پر تھے، درس و تدریس، تبلیغ و ارشاد آپ مجاہد جلیل بھی تھے، دارالعلوم دیوبند کے سرپرست تھے، اکثر مشہور محدثین آپ کے شاگرد ہیں، علم حدیث میں بخاری اور ترمذی کی شرح، فقہ میں آپ کا مجموعہ فتاویٰ "فتاویٰ رشیدیہ" دینی یادگار ہیں، کئی سورتوں کی تفسیر بھی فرمائی حیات مبارکہ میں ۱۳۰۴ھ میں طبع ہوئی، اور اب دوسری بار طبع کیا گیا۔

۱۳: فتح محمد تائب لکھنوی رحمہ اللہ

آپ نے لکھنؤ کے جید علماء سے اکتساب فیض کیا، مدرسہ "رفاہ المسلمین"

کھولا، قرآن عزیز کی تفسیر لکھنے کا شوق پیدا ہوا تو کئی مستند تفاسیر کا خلاصہ کیا جو بنام خلاصۃ التفاسیر چار جلدوں میں مطبوعہ ہے، وفات ۱۳۲۷ھ کو ہوئی۔

۱۴: جمال الدین قاسمی الحلاق رحمہ اللہ

دمشق میں علماء عصر سے استفادہ علوم اسلامیہ کیا، کافی عرصہ سرکاری مدرس رہے مصر اور مدینہ منورہ کے سفر کئے بالآخر تصنیف وتالیف میں مشغول ہو گئے، احیاء العلوم کا اختصار لکھا، قرآن عزیز کی تفسیر محاسن التاویل لکھی جو تفسیر قاسمی مشہور ۱۷ جلدوں میں دستیاب ہے، وفات دمشق میں ۱۳۳۲ھ کو ہوئی۔

۱۵: مولانا عبدالحق مہاجر مکی رحمہ اللہ

شارح مشکوٰۃ قطب الدین خان رحمہ اللہ سے تحصیل علوم کے بعد مکہ مکرمہ جا کر شاہ عبدالغنی قدس سرہٗ کے حلقہ درس میں شامل ہوئے ساتھ ہی منازل سلوک طے کرنے پر خلافت سے سرفراز ہوئے، تراویح کی نماز حطیم کعبہ میں بیس رکعات میں پورا قرآن مجید ختم کرلیا کرتے تھے، ۱۳۳۳ھ کو وصال ہوا۔ تفسیر مدارک کی شرح اکلیل لکھی جو سات جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔

۱۶: سردار محمد عباس خان رحمہ اللہ

۱۲۵۲ھ کابل میں ولادت ہوئی آپ کو فن حرب وسپہ گری میں کافی واقفیت تھی، علوم دینیہ اور ادبیہ میں کافی دسترس تھی، قرآن مجید کی تفسیر فارسی تفسیر عباسی لکھی قلمی نسخہ کابل میں ہے۔ وفات ۱۳۳۴ھ کو کابل میں ہوئی۔

۱۷: مولانا عبدالحق رحمہ اللہ

۱۲۶۵ھ میں کمتھلہ میں پیدا ہوئے مفتی محمد لطف اللہ رحمہ اللہ، مولانا عبدالحق مہاجر مکی رحمہ اللہ سے اکتساب علوم کیا اور سلوک میں شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی رحمہ اللہ سے بیعت کی، آپ نے ایک سکول اور ایک یتیم خانہ بھی قائم کیا اور کتاب عقائد اسلام اور ایک کتاب البیان بھی لکھی جس کا ترجمہ انگریزی میں بھی ہو چکا ہے۔ تفسیر بہ نام فتح المنان بہ تفسیر القرآن مشہور تفسیر حقانی لکھی، وجہ تصنیف میں یہ لکھا کہ ایک قوم عیسائی دانشمند، آزادی پسند ہندوستان میں آئی تو اپنے ساتھ صدہا جہاز الحاد اور شراب خوری وغیرہ کے بھی بھر کر لائی اول تو یوں ہی مسلمانوں کی حالت خراب تھی اس لئے آزادی اور الحاد کی برانڈی نے تو وہ آفت ڈھائی کہ:

ازاں افیون کہ ساقی درمے افگند حرفیاں را نہ سرماند نہ دستار

حمیت اسلامی اور اہل اسلام کی نفع رسانی نے مجھ جیسے بے لیاقت کو مجبوراً اُردو میں ایسی تفسیر لکھنے پر مامور کیا، یہ تفسیر آٹھ جلدوں میں ہے، کئی دفعہ طبع ہو چکی ہے حقانی کی وفات ۱۳۳۵ھ کو ہوئی۔

۱۸: سید امیر علی بن معظم علی حسینی ملیح آبادی رحمہ اللہ

ولادت ۱۲۷۴ھ کو ملیح آباد میں ہوئی۔ آپ نے فیضی کی تفسیر بے نقاط کا مقدمہ اور بخاری شریف، ہدایہ، فتاویٰ عالمگیری کا ترجمہ اُردو زبان میں کیا، قرآن حکیم کی ایک تفسیر تیس جلدوں میں مرتب فرمائی جس کا نام مواہب الرحمٰن ہے کئی مرتبہ طبع ہو چکی ہے ۱۳۳۷ھ کو وفات پائی۔

۱۹: سید احمد حسن دہلوی رحمہ اللہ

۱۲۵۸ھ میں دہلی میں ولادت ہوئی۔ مولانا نذیر حسین کے پاس تفسیر و حدیث کی تکمیل کی اور طب قدیم بھی پڑھ لی پھر آپ ڈپٹی کلکٹر لگا دیئے گئے احسن التفاسیر لکھی جو سات جلدوں میں ۱۳۲۵ھ کو طبع ہو چکی ہے اس تفسیر کا ایک جامع مقدمہ لکھا جو علم تفسیر کے متعلق ۵۶ مفید عنوانات پر مشتمل ہے۔ ۱۳۲۰ھ میں طبع ہوا۔ ''تفسیر آیات الاحکام من کلام رب الانام'' اردو ۱۹۳۱ء میں طبع ہوئی۔ ۱۳۳۸ھ کو دہلی میں وفات پائی۔

۲۰: مولانا وحید الزمان بن مسیح الزمان رحمہ اللہ

مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ سے اور مولانا عبدالغنی مجددی مہاجر مدینہ منورہ رحمہ اللہ سے اکتساب کیا، آپ جلیل القدر صاحب قلم عالم تھے۔ آپ کی تفسیر وحیدی اُردو زبان میں ہے اور مضامین قرآن پر کتاب لکھی جس کا نام تبویب القرآن ہے۔ ۱۳۳۸ھ کو فوت ہوئے وقار آباد میں دفن ہیں۔ تفسیر وحیدی قرآن عزیز مترجم کے حاشیہ پر ۱۳۲۴ھ کو طبع ہو چکی ہے۔

۲۱: مولانا محمود حسن شیخ الہند رحمہ اللہ

آپ کا خاندان دیوبند کے قدیمی شیوخ میں سے ہے، ہمعصر علماء میں شیخ الہند کا لقب آپ ہی کے لئے مخصوص رہا۔ قرآن مجید کا ترجمہ تیس سال میں بکوشش والتزام صرف دس پارے غیر مکمل تیار ہوئے تھے، مالٹا کی یکسوئی اور گوشہ نشینی میں دو ہی سال میں کامل ہو گیا۔ کئی مرتبہ طبع ہوا، شاہ فہد سلمہ اللہ مدظلہ العالی کے مطبع مدینہ منورہ میں بھی کافی چھپ کر عالم اسلام میں تقسیم ہوا اور سراہا گیا جزاھم اللہ خیرا آمین۔ افغانستان حکومت نے اس کا فارسی میں ترجمہ شائع کرایا ہے۔ ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ میں وفات ہوئی۔ آپ کا ترجمہ وتفسیر نہایت مفید ہے۔

۲۲: مولانا تاج محمود امروٹی رحمہ اللہ

اجداد عرب سے آ کر سندھ آباد ہوئے پھر چونڈی شریف کے حضرت حافظ محمد صدیق رحمہ اللہ نے خلافت سے نوازا دینی مدرسہ ایک پریس بھی قائم کیا روحانی کمالات کے ساتھ شیخ المشائخ بہترین ادیب اور شاعر بھی تھے ایک کتاب ''پریت نامو'' یوسف زلیخا کے قصے میں مولانا جامی رحمہ اللہ کی مرتبہ یوسف زلیخا کا عکس جمیل ہے قرآن مجید کا ترجمہ سندھی میں لکھا۔ کئی مرتبہ طبع شدہ ہے۔ ۱۳۴۸ھ کو وصال فرمایا۔

۲۳: شیخ ریاست علی حنفی رحمہ اللہ

شاہجہانپور میں پیدا ہوئے، رام پور میں شیخ وقت ارشاد حسین نقشبندی رحمہ اللہ کے حلقہ میں داخل ہوئے فراغت کے بعد اپنے وطن میں تدریس وتعلیم میں مصروف ہو گئے آپ کی تالیفات میں ''جلالین'' کی شرح ''زلالین'' اور لباب التنزیل فی مشکلات القرآن ہے۔ ۱۳۴۹ھ کو فوت ہوئے۔

۲۴: مولانا سید محمد انور شاہ

۱۳۱۴ھ میں دیو بند سے فارغ ہوئے اور گنگوہ شریف حضرت امام ربانی کی خدمت میں حاضر ہوئے، پھر آپ نے بجنور، مدرسہ امینیہ دہلی وغیرہ میں تدریس کرنے کے بعد دیو بند میں تدریس کی۔ آپ ہی کو شیخ الہند رحمہ اللہ جانشین مقرر فرما کر حجاز تشریف لے گئے۔ بے نظیر عالم اور محقق تھے، تقریر ترمذی شریف اور بخاری شریف عربی میں مطبوعہ اور مقبول عند العلماء ہے، تفسیر قرآن کے سلسلے میں آپ کی مرتبہ کتاب ''مشکلات القرآن'' مفید ترین اور جامع کتاب ہے علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کے حاشیہ سے مزین طبع ہو چکی ہے۔

۲۵: فتح الدین اذ بر بن حکیم میاں غلام محمد رحمہ اللہ

ولادت خوشاب میں ہوئی مولوی فاضل کے بعد دیو بند میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے اکتساب فیض کیا، حج کے بعد بغداد وغیرہ کا علمی سفر کر کے حیدر آباد میں قیام فرمایا، ''خزینۃ المیراث'' آپ کی علمی یادگار ہے ایک تفسیر ''روح الایمان'' لکھی جو دکن سے شائع ہوئی۔ مقدمہ تفسیر القرآن لکھا جو شائع شدہ ہے، وفات ۱۳۵۶ھ کو خوشاب میں ہوئی۔

۲۶: حافظ محمد ادریس رحمہ اللہ

خاندان علمی تھا، امروہہ اور ڈابھیل کے علاوہ دار العلوم دیو بند میں دورہ حدیث پڑھا کمال ذہانت کے مالک تھے پشاور یونیورسٹی شعبہ عربی کے صدر رہے قرآن عزیز کی پشتو زبان میں تفسیر لکھی جس کا نام ''کشاف القرآن'' ہے اور وہ مطبوعہ ہے۔ ۱۳۵۸ھ حادثہ میں شہید ہو گئے۔

۲۷: مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

آپ ندوۃ العلماء میں رہے مدرس رہے پھر ایک مطبع قائم کیا دینی کتب کی اشاعت فرمائی، آپ کا روحانی تعلق حضرت گنگوہی رحمہ اللہ سے تھا، آپ نے حضرت کے حالات مبارکہ پر مشتمل ''تذکرۃ الرشید'' لکھا آپ نے قرآن عزیز کا ترجمہ اور حاشیہ لکھا، جس کا ایک ایک کلمہ شیخ الہند رحمہ اللہ کی نظر سے گزرا۔ ۱۳۶۰ھ میں انتقال فرمایا۔

۲۸: مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

آپ کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار تک ہے قرآن کریم کی ایک مبسوط اور مدلل تفسیر بہ نام ''بیان القرآن'' لکھی جو متداول اور معتبر ہے بقول قاری محمد طیب رحمہ اللہ ایسی جامع تفسیر ہے کہ قرآنی حقائق کا لب لباب سامنے آ گیا، آپ نے قرآن عزیز کا ترجمہ اور تفسیری حاشیہ بھی لکھا، شائع ہوتا رہا ہے وفات ۱۳۶۲ھ تھانہ بھون میں ہوئی، نور اللہ مرقدہ ورحمۃ اللہ علیہ وعلی ابویہ۔

آپ کے قرآنی افادات کا ایک مجموعہ اشرف التفاسیر ہے چار جلدوں میں یہ دراصل حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کی کاوش سے آپ کے ملفوظات خطبات و مکتوبات میں قرآنی آیات کی تشریحات کو یکجا کر کے ترتیب دی گئی ہے۔ بیان القرآن تو خالص علمی اور دقیق تفسیر ہے مگر اشرف التفاسیر عوام و خواص سب کیلئے یکساں مفید ہے یہ نہایت آسان اور عام فہم ہے۔

۲۹: محمد مصطفیٰ مراغی رحمہ اللہ

آپ نے مفتی عبدہ رحمہ اللہ سے اکتساب علم مصر میں قاضی مقرر ہوئے پھر سوڈان کے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے بعد میں جامعہ ازہر کے صدر مقرر کئے گئے، قرآن عزیز کی ایک مفصل تفسیر لکھی جو کہ تفسیر مراغی کے نام سے عام دستیاب ہے۔

۳۰: مولانا عبد الرحمٰن امروہی

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ سے تفسیر و حدیث کے اسباق پڑھے جامعہ اسلامیہ امروہہ کے شیخ الحدیث والتفسیر رہے ۱۳۶۷ھ کو وفات پائی، تفسیر بیضاوی پر آپ کا جامع اور کامیاب حاشیہ ہے۔

۳۱: مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ

دار العلوم دیو بند کے مقتدر اور مشہور علماء میں سے تھے، تحریک پاکستان کو فروغ دیا۔ ۱۳۶۹ھ کو فوت ہوئے، مزار کراچی میں ہے، صحیح مسلم کی شرح بہ نام ''فتح الملہم'' عربی زبان میں تحریر فرمائی اور آپ ہی کے نام سے مشہور ہے۔ ''تفسیر عثمانی'' کیلئے جس کا ترجمہ تو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے مکمل فرمالیا مگر فوائد اور حواشی صرف سورۃ بقرہ اور سورۃ نساء ہی کے مرتب کر سکے تھے چنانچہ اس کے باقی فوائد آپ نے مرتب فرمایا۔

۳۲: خواجہ حسن نظام دہلوی رحمہ اللہ

۱۲۹۶ھ میں پیدا ہوئے آپ کا روحانی سلسلہ نظام الدین اولیاء سے ملتا ہے، بیعت تونسہ شریف کے شاہ اللہ بخش رحمہ اللہ سے تھی مصر، عراق، شام وغیرہ کا علمی و تبلیغی سفر کیا، آپ کو شمس العلماء کا خطاب بھی ملا، اردو میں ایک تفسیر لکھی جو ''تفسیر نظامی'' کے نام سے مشہور اور دستیاب ہے، وصال ۱۳۷۲ھ کو ہوا، ایک تفسیر ہندی لکھی جو اس قرآن عزیز کے حاشیہ پر ہے اور اورنگزیب رحمہ اللہ کے قلم سے ہے یہ تفسیر ۱۹۲۸ء کو طبع ہوئی اس کا ایک نسخہ پشاور یونیورسٹی کی لائبریری میں ہے۔

۳۳: محمد ابراہیم سیالکوٹی رحمہ اللہ

مسلکاً اہلحدیث تھے اپنے مکتب فکر کے علاوہ دوسرے مکاتیب فکر کے ہاں بھی آپ کا احترام تھا آپ کا محبوب مضمون قرآنیات تھا، اعجاز القرآن، تفسیر القرآن اور عبد اللہ چکڑالوی کا رد بھی لکھا، تین پاروں کی مستقل تفسیر بھی بہ نام ''تبصیر الرحمان'' لکھی جو مطبوعہ ہے۔ ۱۳۷۵ھ کو وفات پائی۔

۳۴: مولانا محمد اکرم رحمہ اللہ

آپ دینی وعصری تعلیم سے لیس تھے قرآن کریم کا بنگلہ زبان میں ترجمہ کیا اور حواشی بھی تحریر کئے، وفات ۱۳۵۷ھ میں ہوئی، اسلام بنگال میں آٹھویں صدی میں پہنچا ہے، مگر کلام الٰہی کو غیر عربی میں تعبیر کرنا مسلمانوں کے ہاں گناہ سمجھا جاتا تھا، اسی خوش اعتقادی کا شکار بنگالی مسلمان بھی تھے، سید سلطان (م ۱۰۵۶ھ) اپنی بنگلہ کتاب ''وفات رسول'' میں لکھا، علماء

مجھے منافق کہتے ہیں کہ میں نے ہندوانی زبان میں لکھ کر دین کو ناپاک کر دیا ہے، تذکرہ صوفیائے بنگال ص ۲۳۵۔ سب سے پہلے ایک ہندو نے قرآن مجید کا ترجمہ بنگلہ زبان میں کیا، مولانا لکھتے ہیں قرآن کریم کا بنگلہ زبان میں ترجمہ کر رہا ہوں، کوئی مسلمان پڑھا لکھا اس کام کیلئے ملتا ہی نہیں۔

۳۵: شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

۱۲۹۶ھ میں پیدا ہوئے آپ کے والد سید حبیب اللہ مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کے خلیفہ تھے، آپ نے مسجد نبوی میں درس حدیث دیا تحریک آزادی ہند مالٹا میں اسیر کر دیئے گئے، تفسیر قرآن عزیز میں بھی آپ ممتاز تھے، ترمذی اور بخاری شریف کے درس میں اسلامی علوم کے دریا بہا دیتے تھے، مدینہ اور اسارت مالٹا میں تفسیر قرآن عزیز کی طرف پوری توجہ فرمائی، حق گوئی کے جرم میں مرادآباد اسیر فرنگ تھے تو وہاں درس قرآن دیا کرتے تھے، آپ کا یہ درس کتابی شکل میں بہ نام "مجالس سبعہ" طبع ہو چکا ہے ایک دروس القرآن بھی شائع ہو چکا ہے۔ جس کی جمع وحواشی مولانا سید محمد میاں رحمہ اللہ نے فرمائی، آپ کا وصال ۱۳۷۷ھ کو دیوبند میں ہوا۔

۳۶: مولانا عبداللطیف بن اسحٰق سنبھلی رحمہ اللہ

آپ نے علی گڑھ اور حیدرآباد میں خدمت علوم کی ترمذی شریف کی شرح لکھی اور تفسیری موضوع پر مشکلات القرآن اور تاریخ القرآن لکھی، ۱۳۷۹ھ میں علی گڑھ میں وفات پائی۔

۳۷: مولانا احمد سعید دہلوی رحمہ اللہ

دہلی کے علمی خاندان کے ممتاز فرد تھے، سحبان الہند لقب ہے، جمعیت علماء ہند کے صدر رہے، جنت کی کنجی، دوزخ کا کھٹکا مشہور ہیں، قرآن عزیز کا ترجمہ بہ نام کشف القرآن اور تفسیر لکھی ہے۔ جس کا نام تسہیل القرآن اور تیسیر القرآن ہے یہ تفسیر دو جلدوں میں ہند پاکستان میں بھی شائع ہو چکی ہے، ۴ دسمبر ۱۹۶۰ء کو واصل باللہ ہو گئے۔

۳۸: مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ

۱۲۹۳ھ روحانی سلسلہ میں ابو احمد مجددی بھوپالی سے بیعت تھے، آپ کی عظیم دینی درسگاہ دار المبلغین لکھنؤ میں ہے جہاں علماء کو فرق باطلہ کے دفاع کیلئے تعلیمی طور پر تیار کیا جاتا ہے۔ ۱۳۸۱ھ کو وفات ہوئی، قرآن کریم کا ترجمہ لکھا اور کئی سورتوں کی تفسیر بھی لکھی۔

۳۹: السید عبدالحمید خطیب رحمہ اللہ

پاکستان میں سعودی عرب کے پہلے سفیر بنے پہلے مکہ مکرمہ میں شیخ الحرم تھے، سلطان عبدالعزیز رحمہ اللہ کی سوانح "الامام العادل" ۲ جلد میں لکھی، قرآن کریم کی ایک مختصر مگر جامع تفسیر لکھی جس کی چند جلدیں بہ نام "تفسیر الخطیب" شائع ہو چکی ہیں۔ ۱۳۸۱ھ کو انتقال فرمایا۔

۴۰: شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ

حضرت دین پوری سے بیعت کا شرف حاصل ہوا، انجمن خدام الدین کی داغ بیل ڈالی اور ۱۹۲۴ء میں مدرسہ قاسم العلوم جاری فرمایا، قرآن کریم کا ایک ایسا جامع ترجمہ ہے جس کو تمام علماء نے مفید قرار دیا ہے۔ ۱۳۸۱ھ لاہور ہی میں وصال فرمایا، آپ کے مزار پرانوار سے عرصہ تک خوشبو آتی رہی۔

۴۱: عبدالقدیر صدیقی بن فضل اللہ حیدرآبادی رحمہ اللہ

آپ نے تفسیر قرآن عزیز بہ نام "تفسیر صدیقی" تحریر فرمائی جو مطبوعہ اور مقبول عام ہے۔ وفات ۱۳۸۲ھ کو ہوئی۔

۴۲: مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمہ اللہ

آپ نے انورشاہ کشمیری رحمہ اللہ سے دورہ حدیث پڑھا، آپ نے جامع کتاب "قصص القرآن" لکھی جو چار جلدوں میں مطبوعہ ہے، وصال ۱۳۸۲ھ کو ہوا۔

۴۳: علامہ سلیمان ندوی رحمہ اللہ

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز تھے، جغرافیۂ قرآن عزیز پر "ارض القرآن" نامی وہ کتاب ہے جو اس موضوع پر اردو زبان میں پہلی جامع کتاب ہے، بڑی محنت سے عربی زبان سیکھی "ارض القرآن" قرآنی جغرافیہ پر وہ کامیاب کتاب ہے جس سے مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اور دوسرے مفسرین نے فائدہ اٹھایا۔ سنہ وفات

۴۴: مرحومہ اہلیہ رحمہا اللہ مولانا عزیز گل رحمہ اللہ

مرحومہ انگلستان کے شاہی خاندان سے تھیں عیسائی مذہب کا گہرا مطالعہ کیا مگر روحانی تسکین نہ پاتے ہوئے ہندوستان چلی آئیں، اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا، حضرت کی اہلیہ کی وفات کے بعد ان کے عقد نکاح میں آ گئیں۔ ۱۳۸۷ھ کو انتقال ہوا، قرآن عزیز کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا، کئی وجوہ سے ممتاز ہے، ان شاء اللہ طباعت ہو جائے گی۔

۴۵: محمد امین بن مختار الشنقیطی رحمہ اللہ

آپ علوم اسلامیہ کی تعلیم سے فارغ ہو کر اپنے علاقہ کے قاضی مقرر ہوئے، مدینہ منورہ کی زیارت کی، تو یہیں کے ہو گئے ان کا شمار مدینہ منورہ کے بڑے علماء کرام میں ہوتا ہے ان کے بیٹے مدینہ یونیورسٹی میں استاذ ہیں، اور ان کے مشہور تلامذہ میں شیخ عطیہ عالم ہیں جو مسجد نبوی شریف میں درس دیتے ہیں اور محکمہ شرعیہ کے قاضی بھی ہیں، سید دو عالم ﷺ کی مسجد میں درس حدیث وتفسیر دینا شروع کیا، تفسیر بہ نام "اضواء البیان" لکھنی شروع کی۔ سورۃ المجادلہ (اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ المفلحون) ۱۳۹۳ھ کو مکہ مکرمہ میں وفات پا گئے۔ تکمیل آپ کے تلامذہ نے فرمادی جو اب ۹ جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔

۴۶: مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ

تمام علوم کی تعلیم اور تکمیل دار العلوم دیوبند میں کی، ایک عظیم دار العلوم

کراچی کی بنیاد ڈالی پاکستان کے مفتی اعظم قرار دیئے گئے، تفسیر ''معارف القرآن'' تحریر فرمائی جو آٹھ جلدوں میں مطبوعہ ہے، وفات ۱۳۹۶ھ میں ہوئی، آپ کی تفسیر کا ترجمہ بنگلہ زبان میں بھی رہا ہے اور انگلش میں بھی۔

۴۷: مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ

محدث کبیر حضرت انور شاہ سے دورہ حدیث پڑھا اپنے شیخ کے نقش ثانی تسلیم کئے گئے مجلس تحریک ختم نبوت کے امیر مقرر ہوئے اور رابطہ عالم اسلامی کے ممبر بھی تھے آپ کے دور امارت میں قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار دیئے گئے، طریقت میں حضرت حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے بیعت فرمائی۔ ۱۳۹۷ھ کو وفات ہوئی۔ ''معارف السنن'' شرح ترمذی شریف چھ جلد میں لکھی اور ایک نافع جامع مختصر کتاب ''یتیمۃ البیان'' لکھی جو مشکلات القرآن کے حاشیہ پر اور مستقل بھی طبع ہو چکی ہے۔

۴۸: بادشاہ گل صاحب رحمہ اللہ:

(اکوڑہ خٹک) دار العلوم دیوبند میں سے سند فراغت پائی، حضرت مدنی قدس سرہٗ کو اپنا روحانی پیشوا سمجھتے تھے، ایک دینی مدرسہ جامعہ اسلامیہ کے شیخ الحدیث رہے، قرآن حکیم کی پشتو تفسیر بہ نام ''تفسیر البخاری'' لکھی جس کا پہلا پارہ طبع ہو چکا ہے۔ وفات ۱۳۹۸ھ کو ہوئی۔

۴۹: مولانا فضل الرحمٰن پشاوری رحمہ اللہ

حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کشمیری سے دورہ حدیث دو مرتبہ پڑھا، دہلی میں شیخ التفسیر کے عہدہ پر فائز رہے، تقسیم کے بعد خیبر یونیورسٹی میں استاذ اسلامیات مقرر ہوئے سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران کا ترجمہ اور تفسیر لکھی اور پھر پشتو زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ تحریر فرمایا، انتقال ۱۴۰۱ھ کو ہوا۔

۵۰: مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری رحمہ اللہ

آپ دور حاضر کے ممتاز علماء میں سے آپ صاحب تصانیف ہیں جو عوام و خواص میں مقبول ہیں۔ ہندوستان و پاکستان میں درس و تدریس میں مشغول رہے۔ ۱۳۹۶ھ میں مدینہ منورہ ہجرت کی اور تفسیر قرآن بنام انوار البیان فی کشف اسرار القرآن لکھی ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان سے دستیاب ہیں۔ اور اب الحمد للہ مکمل تفسیر (نو حصے- آٹھ جلد) کا کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن دستیاب ہے۔

۵۱: شیخ عبد الہادی رحمہ اللہ

اصل باشندے بخارا کے تھے عرصہ دراز سے مکہ مکرمہ میں قیام رہا، شاہ عبد الغنی رحمہ اللہ مہاجر مدنی کے مرید اور شاہ محمد یعقوب رحمہ اللہ مکی کی طرف سے مجاز بیعت بھی تھے ۱۲۴۸ھ میں حیدر آباد دکن تشریف لائے تھے جبکہ ۸۷ سال کی عمر تھی، قرآن عزیز کی ایک تفسیر لکھی جس کا نام ''تحقیق البیان'' ہے سال رحلت تا حال معلوم نہیں۔

۵۲: شیخ قاسم افندی قیسی رحمہ اللہ

بغداد میں ۱۲۹۳ھ کو ولادت ہوئی، صاحب ذہن و فکر تھے صرف تین ماہ میں قرآن مجید حفظ کر لیا، علوم ظاہریہ اور باطنیہ میں اپنے دور کے گوہر یکتا تھے، کئی کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں سے ''مشکلات القرآن'' بھی ہے جس میں الفاظ اور معانی قرآن کریم پر وارد ہونے والے اشکالات کے جوابات ہیں صرف سورہ بقرہ کی تشریح میں آٹھ سو سوالات اور جوابات کو ذکر کیا ہے۔

(تا حال وفات اور تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی)۔

۵۳: مولانا عبد الرحیم صادق رحمہ اللہ

آپ اعلیٰ حضرت الحاج امداد اللہ مہاجر مکی نور اللہ مرقدہٗ کے مسترشد مولانا حافظ غلام محمد راندیری (ضلع سورت، بھارت) کے فرزند ارجمند ہیں علوم اسلامیہ سے فراغت کے بعد دینی خدمت سرانجام دی اور اپنے والد ماجد کی دلی تمنا کی تکمیل میں قرآن عزیز کا گجراتی زبان میں ترجمہ اور تفسیری فوائد اس طرح مرتب فرمائے کہ آدھے صفحہ میں ایک طرف قرآن عزیز کا عربی متن اور اس کے بالمقابل گجراتی زبان میں ترجمہ فرمایا اور آدھے صفحے میں تفسیری فوائد مرتب فرمائے، یہ قرآن عزیز اس تفسیر کے ساتھ کئی مرتبہ طبع ہو چکا ہے اور گجراتی زبان کے تراجم میں سب سے زیادہ مقبول ہے، مفسر رحمہ اللہ کا تفصیلی حال معلوم نہیں ہو سکا۔

۵۴: مولانا سید محمد عبد الحکیم دہلوی رحمہ اللہ

آپ شیخ شہید مولانا محمد ابراہیم رحمہ اللہ کے صاحبزادے تھے، دہلی میں ولادت ہوئی اور وہیں ایام حیات گذارے علماء احناف میں سے مشہور عالم تھے اور سلوک میں طریقہ قادریہ کے مجاز تھے آپ نے بڑی بڑی تفاسیر قرآن عزیز کا انتخاب کر کے فارسی زبان میں ایک تفسیر بہ نام ''تفسیر الوجیز'' لکھی ہے جس سے فراغت ۱۲۹۳ھ کو ہوئی اور دہلی ہی میں اس کی طباعت ۱۲۹۵ھ کو ہوئی، مفسر کا سال وفات نامعلوم ہے، تفسیر اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں موجود ہے۔

۵۵: مولانا عبید اللہ انور رحمہ اللہ

شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوری قدس سرہٗ العزیز کے فرزند ارجمند اور ان کے جانشین ہیں، اگرچہ کوئی تفسیر تو مرتب نہیں فرمائی مگر اپنے گرامی قدر والد کے جاری کردہ درس تفسیر خواص و عوام کو اسی طرح جاری رکھے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ دوام بخشے آمین۔

۵۶: حافظ الحدیث مولانا عبد اللہ درخواستی

پاکستان کے ممتاز علماء میں سے تھے آپ نے اگرچہ کوئی تفسیر مرتب نہیں فرمائی مگر دورۂ تفسیر وسیع پیانے پر ہوتا ہے جو سند یافتہ علماء پر مشتمل ہوتا ہے، آپ کا قیام خانپور بہاولپور (ڈویژن) میں تھا۔ سندھ وفات

۵۷: مولانا شمس الحق افغانی

حضرت انور شاہ قدس سرہٗ کے تلمیذ رشید ہیں، دار العلوم دیوبند کے سابق مدرس وزیر معارف قلات، شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور، ممتاز رکن مشاورتی کونسل وغیرہا اعزازات سے مشرف رہے، آپ نے تفسیر میں مندرجہ ذیل خدمات سرانجام دی ہیں۔ علوم القرآن: یہ کتاب پشاور یونیورسٹی کے نصاب میں

شامل کرلی گئی ہے۔آپ نے مندرجہ ذیل تین کتب تفسیر کے متعلق ہیں جوتا حال طبع نہ ہوسکیں۔احکام القرآن، مفردات القرآن، مشکلات القرآن۔

۵۸: مولانا محمد علی صاحب صدیقی

آپ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کے خواہرزادہ ہیں سیالکوٹ میں ایک دینی ادارہ کے بانی اور متولی ہیں آپ کی زیرنگرانی ماہنامہ ''الرشاد'' شائع ہوتا ہے آپ نے قرآن عزیز کی ایک تفسیر بہ نام معالم التنزیل تحریر فرمائی ہے جو تیس (۳۰) جلدوں میں ہے اس کی چند جلدیں شائع ہوچکی ہیں۔

۵۹: محمد علی صابونی

آپ مکہ مکرمہ میں ''کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیۃ'' کے استاذ ہیں آپ نے ''احکام القرآن'' کے طرز پر قرآنِ عزیز کی ایک جامع تفسیر بہ نام ''روائع البیان'' تالیف فرمائی ہے جو ''تفسیر صابونی'' کے نام سے مشہور ہے اور دوضخیم جلدوں میں شائع ہوچکی ہے۔کتاب اس قابل ہے کہ دورۂ تفسیر اور درجہ تخصیص تفسیر میں داخل نصاب کی جائے۔

۶۰: ڈاکٹر عدنان زرزور

آپ نے اگرچہ خودتو کوئی تفسیر مرتب نہیں کی لیکن آپ کوقرآن عزیز کی تفسیر کے درجہ علیا کے درس وتدریس کے دوران تفسیر ابن جریر طبری کے اس اختصار کا علم ہوا جس کی تلاش میں آپ کئی سال سے تھے جو شیخ ابو یحیٰی محمد بن حمادح التجیبی (م ۴۰۹ھ) کی مرتبہ ہے آپ نے اس کی تصحیح اور تحقیق کے بعد اس کو مصحفِ عزیز کے حاشیہ پر تحریر فرمایا جسے ابوظہبی کے سلطان زاید کے نام ادارہ طباعت ونشر مشروع ''زاید لتحفیظ القرآن الکریم'' نے طبع فرمادیا ہے یہ مصحف شریف بڑی سائز میں جلی حروف کے ساتھ اور متوسط سائز میں بھی طبع ہوچکا ہے۔

۶۱: حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی رحمہ اللہ

آپ کی ولادت یکم فروری ۱۹۱۳ء بمطابق یکم ربیع الاول ۱۳۳۱ھ کو ہوئی درسِ نظامی اپنے والد محترم اور عم محترم رحمۃ اللہ علیہما سے پڑھا والد صاحب کی وفات کے بعد اپنے علاقہ کے جید علماء کرام مولانا عبد الرحمٰن صاحب شاگردِ رشید حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اور مولانا سعد الدین صاحب شاگردِ رشید مولانا عبد الحیٔ لکھنوی سے علوم کی وسطانی کتابیں پڑھیں پھر مدرسہ عالیہ مظاہر علوم اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے جلیل القدر اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند میں پڑھا ۱۳۵۳ھ میں سندِ فراغت عطا ہوئی، علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کے مشورہ سے گورنمنٹ کالجز میں بطور استاذ اسلامیات اور عربی ادب کے کام کیا ۱۹۷۲ء میں سبکدوش ہوا، ایک تصنیفی ادارہ پہلے ہی سے قائم کیا تھا جس میں اپنی تالیفات اور تصنیفات کی اشاعت ہورہی ہے اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے ساٹھ تصانیف مطبوعہ ہیں جن میں سے قرآنیات کے موضوع پر مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) ضرورۃ القرآن (۲) احکام القرآن ا جلد (۳) معارف القرآن ایک جلد (۴) قواعد ترجمۃ القرآن ا جلد (۵) آسان تفسیر جس کی سورۂ بقرہ، سورۂ آلِ عمران اور سورۃ النساء طبع ہوچکی ہے۔(۶) تذکرۃ المفسرین۔

۶۲: محمد اسد نومسلم رحمہ اللہ

۱۹۰۰ء میں ایک یہودی عالم کے گھر پیدا ہوئے اور نام لیوپولو ویس (LEOPOL WEISS) رکھا گیا زندگی کے مختلف منازل طے کرنے کے بعد ۱۹۲۲ء میں بیت المقدس کا سفر کیا اس سفر میں وہ اسلامی تہذیب اور اسلامی اخلاق سے بہت متاثر ہوئے اس کے بعد ایران اور افغانستان کا سفر بھی کیا، قرآن عزیز اور سیرت رحمت دوعالم ﷺ کا مطالعہ جاری رکھا حتی کہ برلن میں ایک ہندوستانی مسلمان دوست کے پاس جاکر کلمہ شہادت پڑھ کر باقاعدہ مسلمان ہوگئے اور اسلامی نام محمد اسد رکھا گیا، عربی ممالک میں ان کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ سلطان ابن سعود امام کے معتمد اور امام سنوسی کے قاصد کی حیثیت سے بعض نازک مہمیں انجام دیں قیامِ پاکستان سے پہلے ہندوستان آگئے تھے اور ایک کتاب ''اسلام آف دی کراس روڈ'' انگریزی میں لکھی تھی، بخاری شریف کے چند پاروں کا ترجمہ بھی انگریزی میں کیا تھا، اور ایک ماہنامہ ''عرفات'' کے نام سے اُردو اور انگریزی میں جاری کیا ممدوٹ وزارت کے زمانہ میں ایک محکمہ تعمیر ملت کے نام سے قائم کیا، پھر یورپ اور امریکہ چلے گئے اب بھی دیار فرنگ ہی میں ہیں، آپ کی تصانیف میں سے ''روڈ ٹو مکہ'' مشہور کتاب ہے جس کا اُردو زبان میں ترجمہ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے ''طوفان سے ساحل تک'' کے نام سے فرمایا ہے۔

حال ہی میں قرآن کریم کی ایک تفسیر انگریزی زبان میں لکھی جو انگلستان سے طبع ہوچکی ہے، اس پر ڈاکٹر مولانا عبداللہ ندوی، پروفیسر ملک عبدالعزیز یونیورسٹی مکہ مکرمہ نے تبصرہ فرمایا ہے جولندن کے ''عربیا'' نامی انگریزی ماہنامہ میں شائع ہوچکا ہے۔

۶۳: محمد علی خان رحمہ اللہ

آپ صوبہ سرحد کے ایک ایسے متمول خاندان سے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے دین ودنیا دونوں سے نوازا ہے آپ نے مولانا عبد اللطیف خان صاحب سے قرآن عزیز کا ترجمہ اور تفسیر پڑھی اپنے استاذ محترم کی تقاریر کو قلمبند کرتے رہے جن کو ترتیب دے کر تفسیر مکمل کرلی آپ کی مرتبہ تفسیر کا نام ''کاشف البیان'' ہے اور یہ اُردو زبان میں ۶ جلدوں پر مشتمل ہے۔

۶۴: حضرت مولانا حبیب احمد کیرانوی رحمہ اللہ

آپ بہت بڑے عالم تھے حکیم الامت مجدد الملت نے علمی تعاون کے حصول کیلئے آپ کو اپنی خانقاہ میں مقرر فرمایا اور حضرت کو آپ کے علم اور تنقید وتبصرہ پر بہت ہی اعتماد تھا چنانچہ مولانا بھی بے لاگ تبصرہ کیا کرتے تھے کسی نے ان کے ان علمی تبصروں پر نکیر کی تو حضرت حکیم الامت نے فرمایا میں ان کے منشا کو سمجھتا ہوں۔

آپ کی علمی بلند پروازی کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ کسی نے پوچھا کہ حضرت اب کوئی صاحبِ علم ہے تو آپ نے حضرت حکیم الامت کی طرف اشارہ کرکے

فرمایا ہاں اس بڈھے میں علم کی کچھ رمق ہے۔

آپ نے ایک تفسیر لکھی جواب ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان نے شائع کی ہے۔ انتہائی جامع علمی تفسیر ہے، اس تفسیر کا نام "حل القرآن" ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں باطل فرقوں کے اعتراضات کے مدلل اور مستحکم جوابات دیئے گئے ہیں۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ نے اس تفسیر کو حرفاً حرفاً پڑھا اور اس پر تقریظ لکھ کر اس کی خصوصیات واضح کیں۔

۶۵: حضرت مولانا عبداللہ بہلوی رحمہ اللہ

تفسیر بہلوی ملتان سے شائع ہو رہی ہے۔

۶۶: حضرت مولانا محمد موسیٰ جلالپوری رحمہ اللہ

آپ حضرت مولانا فضل علی قریشی مسکین پوری رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے۔ آپ نے بھی قرآن پاک کی ایک منفرد تفسیر لکھی تھی جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ (اور سلسلہ نقشبندیہ کی خدمت کی)

پندرہویں صدی ہجری کے مفسرین قرآن مجید

۱: حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی رحمہ اللہ

آپ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے اور نہ ہی آپ کی خدمات کوئی ایسی چیز ہے جو ہمارے تعارف کرانے کی محتاج ہو آپ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی جامع صلاحیتوں سے نوازا تھا آپ نے عالمی سطح پر اجتماعی خدمات سرانجام دیں عالمی تعلیمی اداروں اور تنظیموں و جماعتوں کی سرپرستی فرمائی، تاریخ، تفسیر، سیاسیات وغیرہ ہر موضوع پر آپ نے زبان وقلم سے امت کی راہنمائی فرمائی اس لئے بجاطور پر آپ اپنی صدی کے داعی قرآن تھے۔

آپ کے قرآنی افادات بھی الگ مرتب ہوچکے ہیں جن کا مطالعہ ازحد ضروری ہے۔

۲: حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہ العالی

آپ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے شاگرد خاص ہیں، آپ نے گوجرانوالہ میں ایک مدرسہ قائم کیا جس نے اپنی اعلیٰ کارکردگی اور آپ کے برادر محترم حضرت مولانا ابوالزاہد سرفراز خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ کیوجہ سے بہت شہرت و مقبولیت پائی، آپ نے جامع مسجد نور گوجرانوالہ میں ایک عرصہ سے خطابت و دروس القرآن کا سلسلہ شروع کیا، آپ کے دروس القرآن نہایت مفید ہیں، قرآنی آیات کے تحت اس کے متعلقات کو خوب اچھی طرح بیان فرماتے ہیں آپ کے ایک متعلق الحاج لعل دین نے ان دروس کو مرتب کیا جو معالم العرفان فی دروس القرآن کے نام سے معروف اور دستیاب ہیں اس کے علاوہ بھی آپ صاحب تصانیف ہیں، نماز مسنون کلاں بہترین کتاب لکھی، امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کئی کتب کی شروح بھی لکھیں۔

۳: حضرت مولانا سرفراز خان صفدر مدظلہ العالی

آپ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ عرصہ دراز تک مسجد گکھڑ گوجرانوالہ میں درس قرآن دیتے رہے ہیں۔ جواب حال ہی میں "ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ قرآن کریم کی یہ تفسیر متعدد جلدوں پر محیط ہوگی۔

۴: فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ

آسمان علم و سیاست کے درخشندہ ستارے حضرت مفتی محمود رحمہ اللہ کی شخصیت سے کون ناواقف ہوگا۔ حضرت کے تفسیری افادات کا مجموعہ "تفسیر محمود" کے نام سے حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ جدید ماڈرن طبقہ کو حقانیت اسلام اور قرآنی پیغام سے روشناس کرانے کیلئے یہ تفسیر نعمت غیر مترقبہ ہے۔

۵: حضرت الحاج عبدالقیوم مہاجر مدنی

آپ حضرت مولانا عبدالغفور مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص مسترشد ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو متقیانہ طبیعت عطاء فرمائی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بڑی بات یہ ہے کہ آپ کے دل میں امت مسلمہ کی اصلاح و تربیت کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اس لئے آپ ہر وقت علمائے حق کی زیر سرپرستی مسلمانوں کیلئے تعلیمی و اصلاحی کتابوں کی ترتیب کی فکر میں رہتے ہیں چنانچہ آپ کی فکر و درد کے نتیجہ میں چند مفید و شاہکار تالیفات وجود پذیر ہوئی ہیں جن کا ہم مختصر تعارف کراتے ہیں۔

گلدستہ تفاسیر

پانچ مستند تفاسیر، تفسیر عزیزی، تفسیر مظہری، تفسیر ابن کثیر، معارف القرآن حضرت مولانا مفتی اعظم محمد شفیع صاحب، معارف القرآن مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے اقتباسات اور مکمل تفسیر عثمانی کا مجموعہ ہے، تمام تفاسیر سے ضروری مضامین نہایت آسان انداز میں پیش کیے گئے ہیں ساتھ ساتھ مزید بصیرت افروز کام یہ بھی کیا کہ مختلف مقامات پر ان مقامات کی تصویریں بھی دیدی گئی ہیں جن کا قرآن میں تذکرہ ہے، آخر میں چودہ سوسالہ مفسرین اور ان کی تفسیری خدمات کے تعارف پر مبنی رسالہ تاریخ تفسیر و مفسرین بھی ہے سات جلدیں اعلیٰ طباعت کے ساتھ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان نے شائع کی ہیں۔ اللہ ان کے والدین و معلمین سے راضی ہو۔ آمین

درس قرآن (تعلیمی)

یہ بھی مسلمان عوام وخواص کیلئے ایک نہایت مفید تفسیری تالیف ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ عوام کو قرآن کے معنی و مطلب کی تعلیم دی جاسکے قرآنی آیات کے چھوٹے چھوٹے حصوں کا لفظی اور بامحاورہ ترجمہ کرنے کے بعد اس کے مشکل الفاظ کے معنی و وضاحت اور پھر آیت کی تفسیر نہایت آسان اور مختصر انداز میں دی گئی ہے اسی طرح پھر پورے قرآن مجید کو متعدد درسوں میں تقسیم کردیا گیا ہے ہر درس زیادہ سے زیادہ بیس منٹ کا ہے، اس طرح اگر آپ اپنے گھر میں گھر والوں کے سامنے، یا اپنے احباب کو جمع کرکے ان کے سامنے یا مسجد میں یہ درس قرآن سامنے رکھ کر دس پندرہ منٹ روزانہ ان کو درس دیں تو ان شاء اللہ روزانہ دس پندرہ منٹ صرف کرکے آپ اپنے احباب و اقارب کو مکمل قرآن کریم کے معنی و مطلب کی تعلیم دے سکتے ہیں۔ اسکے علاوہ آپ کی کتاب دینی دسترخوان تین جلدوں میں اور تعمیر انسانیت دو جلدوں میں مقبول عام ہوچکی ہیں۔

آپ کی تمام تالیفات کی اعلیٰ طباعت کا اہتمام ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان نے کیا ہے۔ اللہ پاک شرف قبول نصیب فرمائے آمین

فضائل وخواص قرآنی

حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ ہمارے اکابر علماء میں بلند درجہ رکھتے تھے مولانا کی تفسیر میرٹھی کافی مشہور ومقبول ہے (مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ-ملتان) جسے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی نظر ثانی کی سند بھی حاصل ہے۔ اس تفسیر میں درج قرآنی آیات کے خواص مختصر اور جامع ہیں۔ اسی لئے انہیں "گلدستہ تفاسیر" کے آخر میں شامل کیا جا رہا ہے (مؤلف)

خواص: جو شخص ایمان واخلاص سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا کریگا تو اُس کے اُنیس حرفوں کی بدولت وہ شخص دوزخ کے اُنیسوں فرشتوں کے عذاب سے محفوظ رہے گا اور بسم اللہ میں چار کلمے ہیں۔ ان چار کلموں کی برکت سے اسکے چاروں طرح کے گناہ یعنی رات کے دن کے چھپے ظاہر سب معاف ہوجائیں گے۔

خواص: جو کوئی بسم اللہ کو بارہ ہزار مرتبہ اس طرح پڑھے کہ ہر ہزار کے بعد دو نفل ادا کرے اور دعا مانگے بارہ ہزار پورا ہو چکنے پر بھی دو رکعت پڑھے اور خلوص نیت سے دعا مانگے تو ضرور اس کی دعا قبول ہوگی! جمعہ کے دن نماز عصر کے بعد اللہ یا رحمٰن یا رحیم مغرب تک پڑھتا رہے اور درمیان میں نہ کسی سے بات کرے نہ دوسری جانب متوجہ ہو اس کے بعد دعا مانگے انشاء اللہ اسکی کوئی حاجت کیوں نہ ہو ضرور پوری ہوگی! بعض مشائخ نے اللہ کو جو اسم ذات ہے اسم اعظم بتایا ہے۔ بوقت نیم شب چالیس رات تین ہزار مرتبہ یا اللہ پڑھنا اور ورد رکھنا کشف قلب کا باعث ہے۔

خواص و فضائل: اس سورت کے نام ہیں سورۃ البقرۃ' سورہ فسطاط القرآن۔ یہ قرآن میں سب سے بڑی اور پچھلی سورۃ ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی۔ جس گھر میں یہ سورۃ پڑھی جاتی ہے اسمیں شیطان نہیں گھستا اور جو شخص اس سورۃ کا ورد رکھے گا قیامت کے دن اس کے سر پر تاج ہوگا ۱۲ ق۔ شیخ جمال الدین یونسؒ سجاوندی فرماتے ہیں اگر کسی شخص کو سخت مصیبت درپیش ہو جس سے رہائی نظر نہ آتی ہو تو اس کو چاہیئے کہ ایک کاغذ پر لکھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم بسم اللہ الملک الحق المبین من العبد الذلیل الی المولی الجلیل مسنی الضروانت ارحم الراحمین۔ اور کاغذ کو چلتے پانی میں ڈال دے۔ اگر ہفتہ کے اندر اس کی مراد پوری نہ ہو جاوے تو قیامت کے دن میرا دامن ہوگا اور اس کا ہاتھ۔

خواص و تنبیه: فلیستجیبوا لی پر پہنچ کر دعا مانگے انشاء اللہ مقبول ہوگی ۱۲ اور پڑھے اللھم امرت بالدعا و تکفلت بالاجابۃ لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد و النعمۃ لک والملک لک لا شریک لک اشھدانک فرداحد صمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد واشھد ان وعدک حق ولقاء ک حق والجنۃ حق والنار حق والساعۃ اتیۃ لاریب فیھا وانک تبعث من فی القبور

خواص: اللہ لا الہ سے لے کر ہوا لعلی العظیم تک آیۃ الکرسی کہلاتی ہے! اس کے فضائل وخواص بہت ہیں حدیث میں وارد ہے کہ آیۃ الکرسی جس گھر میں پڑھی جاتی ہے اس میں شیطان نہیں گھستا اور اس کی برکت سے اللہ پاک اس کے گھر اور اولاد اور محلہ کے تمام گھروں کو آفات آسمانی سے محفوظ رکھتا ہے! شب کو سوتے وقت اس کو ایک بار پڑھ کر سینہ پر دم کرنا اور سو جانا رات بھر شیطان اور جملہ آفات سے محفوظ رکھتا ہے اور اگر کسی دیوانہ مجنون پر سورہ بقر کی چار آیتیں شروع کی اور پھر آیۃ الکرسی اور اس کے بعد کی تین آیتیں یعنی خالدون تک اور اسی سورۃ میں آخر کی تین آیتیں پڑھی جاویں تو اس کی دیوانگی کو افاقہ ہوگا اور جو شخص ہر فرض نماز کے بعد اس کو صدق دل سے ہمیشہ پڑھا کرے گا وہ انشاء اللہ مرتے ہی جنت میں داخل ہوگا! اس کے ایک دفعہ پڑھنے والے کو چوتھائی قرآن پڑھنے کا ثواب ملتا ہے حدیث میں آیا ہے کہ قرآن میں افضل سورت سورہ بقرہ ہے اور اس میں سب سے برتر آیت آیت الکرسی ہے۔

خواص: آمن الرسول الخ یہ دو آیتیں ہر مرض کی شفا ہیں شب کو سوتے وقت ان کو پڑھ کر سونا ہر مصیبت سے بچاتا ہے اور جو تہجد نہ پڑھ سکے اس کو سوتے وقت ان آیتوں کے پڑھنے سے تہجد کا ثواب ملے گا جس گھر میں یہ مقدس آیتیں پڑھی جاتی ہیں اس میں تین دن شیطان پاس نہیں پھٹکتا۔

خواص: آل عمران جو اس سورت کو رات کو پڑھے گویا ساری رات عبادت کی اور جو جمعہ کے دن پڑھے رات بھر فرشتے اس پر رحمت کی دعا کریں اور جو دونوں سورتیں پڑھے گا فاتحین میں اس کا نام درج ہوگا اس کا نام توریت میں طیبہ ہے اور دونوں کا نام زہراوین۔

خواص: حضرت معاذؓ سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں تجھ کو ایسی دُعا نہ بتاؤں جس کے باعث اگر تیرے اوپر ڈھیروں قرض کیوں نہ ہو سب ادا ہوجائے قل اللھم سے بغیر حساب تک اور اس کے بعد رحمٰن الدنیا و رحیم الاخرۃ تعطی من تشاء منھا و تمنع من تشاء ارحمنی رحمۃ تغنی عن رحمۃ من سواک

خواص: افغیر دین اللہ الخ اگر کسی کا گھوڑا منہ زور ہو کر اپنی پیٹھ پر سوار نہ ہونے دے تو یہ آیت افغیر دین اللہ سے لے کر والیہ یرجعون تک پڑھے اور اس کے دونوں کانوں میں پھونک دے پھر سوار ہوجائے ان شاء اللہ وہ ہرگز کچھ بھی نہ بولے گا۔

خواص: اس سورت کا مریض پر پڑھنا کیسا ہی لاعلاج مرض کیوں نہ ہو شفا کا باعث ہے ۱۲ ق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری امت میں سے جو کوئی صبح ہوتے ہمیشہ سورہ انعام کے شروع کی تین آیتوں کا ورد رکھے گا حق تعالیٰ اس پر ستر ہزار فرشتے نگہبان مقرر فرمائے گا جو ہمیشہ اس کی حفاظت کریں گے اور اس مقدس سورت کی تلاوت کرنے والے شخص کا نامہ اعمال میں روزانہ ان فرشتوں کے اعمال کے برابر قیامت تک ثواب لکھا جائے گا ۱۲ ک یعنی الحمد للہ سے تکسبون تک

فضائل سورۃ انعام: جو اس سورت کو پڑھے گا قیامت کو اللہ پاک اس کے اور شیطان کے درمیان پردہ حائل کردے گا آدم علیہ السلام اس کی شفاعت کریں گے۔

خواص: فوقع الخ لیث رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ یہ پانچوں آیتیں یعنی فوقع سے لے کر ھارون تک اور سورہ یونس کی دو آیتیں رکوع ہشتم کے آخر کی فلما القوا سے آخر رکوع تک اور ایک آیت سورہ طٰہٰ کی انما صنعوا سے حیث اتی تک ان سب کو پانی پر دم کر کے جادو زدہ شخص کے سر پر چھڑک دے انشاء اللہ اس پر سے جادو کا اثر جاتا رہے گا

فضائل سورۃ الانفال: حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص سورہ انفال اور توبہ پڑھا کرے گا میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور گواہی دوں گا کہ وہ نفاق سے مبرا ہے اور اس کا پڑھنے والا ہر منافق و ہر منافقہ کی

تعداد پردس دس نیکیاں پائے گا' جب تک دنیا میں زندہ رہے گا عرش اوراس کے اُٹھانے والے فرشتے اس کے لئے استغفار کرتے رہیں گے۔

خواص: فلما القوا الخ کسی شخص نے کسی پر جادو کردیا ہوتوایک برتن میں پانی بھر کر رکھ لے پھر پڑھے (فلما القو سے المجرمون تک) اورفوقع الحق وبطل ما کانو یعملون' چار آیتوں کے آخر تک اور (انما صنعوا کید ساحر) آخر آیت تک اور پانی پردم کرکے اس مسحور کے سر پر ڈال دے انشاءاللہ شفا ہوگی ۱۲

خواص: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کشتی میں سوار ہوتے وقت بسم اللہ مجریھا و مرسھا انّ ربیّ لغفور رحیم وما قدر واللہ حق قدرہ آخر آیت تک پڑھنا میری اُمت کو غرق سے محفوظ رکھتا ہے۔

خواص: اللہ یعلم الخ جس عورت کے لڑکیاں ہی پیدا ہوتی ہوں اور لڑکا نہ ہوتا ہو اس کے لئے مفید ہے حمل پر مہینے گزرنے سے پیشتر اللہ یعلم سے لے کر متعال تک اور ایک آیت سورہ مریم کی یاز کریا انا نبشرک بغلام اسمہ یحییٰ لم نجعل لہٗ من قبل سمیاً ط ہرن کی جھلی پر گلاب اور زعفران سے لکھے اور پھر اس کے نیچے یہ عبارت لکھے بحق مریم و عیسیٰ انباً صالحاً طویل العمر بحق محمد و آلہ۔ اور یہ متبرک تعویذ حاملہ باندھے رہے۔

خواص: ولو ان اس آیت کو جمیعا تک ہرن کی جھلی پر لکھ کر بانجھ عورت کی گردن میں ڈالے ان شاءاللہ صاحب اولاد ہوگی۔

خواص: حضرت امام جعفر صادقؒ سے روایت ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن دو رکعت نماز اس طرح پڑھے کہ پہلی رکعت میں سورہ ابراہیمؑ اور دوسری رکعت میں سورہ حجر تو اس کو فقر اور جنون اور مصیبت نہ آوے۔

خواص و فضائل: سورہ الحمد اور چھ آیات جن کا نام آیات الشفا ہے علاج کے لئے مجرب اور تیر بہدف ہیں۔ ویشف صدور قوم مومنین. شفاء المافی الصدور. فیہ شفاء للناس. وننزّل من القرآن ماھو شفاء و رحمتہ للمومنین. واذا مرضت فھویشفین. قل ھو للذین اٰمنو ھدی و شفاء ان چھوں آیتوں کو ایک چینی کی طشتری پر لکھے اور دھوکر مریض کو پلاۓ ۱۲ اسکی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بارہا تجربہ کیا یہ میرا مجرب عمل ہمیشہ ٹھیک پڑا۔

خواص: قل ادعو اللہ آخر سورت تک چوری سے امن کا باعث ہے۔

خواص: قل الحمد الخ اس آیت کا نام آیت العز ہے ہر رنج کے لئے دافع ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کبھی مجھ کو کوئی رنج وغم پیش آیا فوراً جبرئیلؑ نے آکر کہا اے محمد پڑھو قل الحمد للہ آخر سورہ تک

خواص: سورہ کہف یوں تو قرآن کی ہر سورت بلکہ ہر ہر لفظ موجب برکت وثواب ہے مگر جمعہ کے دن اس سورۃ کا پڑھنا بڑی برکت وثواب کا باعث ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کے روز یا شب جمعہ کو اس سورۃ کی تلاوت کرے گا تو اس شخص کو پڑھنے کے مقام سے مکہ معظمہ تک نور عنایت ہوگا اور دوسرے جمعہ تک معہ تین دن زیادہ اس کے گناہ معاف ہوں گے اور ستر فرشتے اس کی مغفرت کے لئے دعا کریں گے۔ اس کے خواص سے ہر درد سر اور درد دل اور جزام اور جمیع بلیات سے محفوظ رہے گا جو شخص شروع کی دس آیتیں حفظ کرلے گا وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا اور جو اس مقدس سورہ کے اول وآخر حصہ کو پڑھے گا اس کے سر سے پیروں تک نور ہوگا۔ اور جو تمام سورہ پڑھے گا اس کے زمین سے آسمان تک نور جگمگاتا ہوگا۔

خواص: حدیث ہے کہ جس کو اللہ پاک مال یا اولاد مرحمت فرمائے اور وہ شخص ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ کہے تو موت کے سوا ہر آفت سے محفوظ رہے گا۔

خواص: جو شخص رات کسی وقت اٹھنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ اس سورت کی آخر آیتیں پڑھ کر سورہے جس وقت بیدار ہونے کی نیت کرے گا اس وقت آنکھ کھل جائے گی ۱۲ق یعنی ان الذین اٰمنو سے آخر تک ۱۲ع اور جو شخص سوتے وقت قل انما سے لے کر آخر سورت تک پڑھ کر سوئے گا تو اس کے بستر سے مکہ تک نور جگمگائے گا کہ جس میں فرشتے بھرے ہوئے ہوں گے اور وہ اس کے اٹھنے تک برابر اس پر رحمت نازل ہونے کی دعا کرتے رہیں گے اور جو شخص اس تمام سورت کو پڑھے گا وہ آٹھ دن تک ہر فتنہ سے محفوظ رہے گا۔

فضائل: سورہ طٰہٰ الخ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ طٰہٰ مجھ کو موسیٰ علیہ السلام کی الواح توریت سے جو زبرجد کی تھیں عنایت ہوئی ہے ۱۲۔

خواص: رب اشرح لی سے قولی تک کشادگی سینہ اور تیزئ ذہن کے واسطے سات بار ہر روز پڑھے اور جس کی زبان میں لکنت ہو اس کو اس آیت مقدس کا ورد کثرت سے کرنا مفید ہے اور چاہئے کہ ایک چھوٹی کنکر اپنے منہ میں ڈالے رکھے۔

خواص: لا الٰہ الخ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اسم اعظم ہے جس کے وسیلہ سے دعا مقبول ہوتی ہے اور بندہ جو کچھ مانگتا ہے رب العزت سے فوراً ملتا ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقدس آیت کی فضیلتیں بیان فرمائیں تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ اسم اعظم کیا خاص حضرت یونسؑ کے لئے ہے یا اور مسلمان کے لئے بھی ہے؟ آنحضرت نے فرمایا کہ یونسؑ کے لئے خاص نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے ہے جو کوئی درماندہ اور مبتلا اس تسبیح کو پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس درد و آفت سے نجات دیتا ہے۔ مشائخ رحمۃ اللہ اس کے پڑھنے کو اندوہ وغم کے لئے تریاق مجرب فرماتے ہیں۔ اس کے پڑھنے کے دو طریقے ہیں ایک تو یہ کہ ایک مجلس یا تین مجلسوں میں چند آدمی متفق ہو کر اس آیت کو سوا لاکھ مرتبہ پڑھ لیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ خود وہ حاجتمند مصیبت زدہ بعد نماز عشاء تنہا اکیلے اندھیرے گھر میں باوضو روبقبلہ بیٹھ کر ایک پیالہ پانی کا اپنے پاس رکھ لے اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اس پانی میں ہاتھ ڈال کر اپنے بدن یا منہ پر پھیرتا رہے اس طرح تین سو مرتبہ پڑھے اور تین روز یا سات روز یا چالیس روز برابر پڑھے اور اول و آخر درود شریف دونوں طریقوں میں گیارہ بار یا اکیس بار پڑھے اور درمیان میں گفتگو نہ کرے۔ اور شرائط وآداب دعا کو ملحوظ رکھے۔

خواص: افحسبتم الخ کسی مبتلا کے کان میں حضرت ابن مسعودؓ نے کچھ پڑھ کر دم کردیا فوراً ہی اس کو افاقہ ہوگیا سرور عالم نے دریافت فرمایا کہ اے ابن مسعودؓ کیا پڑھا تھا۔ ابن مسعودؓ نے عرض کیا کہ حضور افحسبتم سے لے کر آخر سورہ تک پڑھ کر دم کردیا تھا۔ سرور عالم نے فرمایا کہ اگر سچے دل سے اس آیت کو پہاڑ پر پڑھا جاوے تو وہ بھی یقیناً اپنی جگہ سے ٹل جاوے۔ ثابت ہوا کہ یہ آیت معظم ہر مرض ہر مصیبت رنج غم تکلیف صدمہ امید حاجت کے لئے تیر بہدف ہے البتہ خلوص نیت اور یقین وصدق دل شرط ہے ۱۲ق خصوصاً جس کو آسیب کا خلل ہو اس کے کان میں افحسبتم سے آخر سورت تک پڑھنا نہایت مفید ہے انشاءاللہ آسیب نکل جائے گا۔

فضائل: حدیث شریف میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جن سورتوں کے شروع میں طٰس ہے وہ مجھ کو الواح موسیٰ سے عطا ہوئی ہیں ۱۲۔

خواص: امن یجیب الخ ہر مشکل امر اور مصیبت نازلہ کے لئے اول وآخر درود شریف اکتالیس بار اور یہ آیت بارہ ہزار مرتبہ پڑھے نہایت مجرب ہے۔ ۱۲۔

خواص: یبنی انھا ان الخ تک اگر کسی شخص کی کوئی چیز گم ہو جاوے تو چاہئے کہ اول ایک سو اکیس بار اس آیت کو یات بھا اللہ تک پڑھے۔ انشاء اللہ وہ کھوئی ہوئی چیز ضرور مل جاوے گی مگر شمار میں کمی زیادتی نہ ہونے پاوے ۱۲۔

فضائل: (سورہ السجدہ) حدیث میں وارد ہے کہ جو کوئی اس سورہ سجدہ اور

سورۃ ملک کورات کے وقت پڑھے اس کوشب قدر کے عمل کے برابر ثواب ہوگا ۱۲۔

فضائل: صلوا علیه الخ السلام علیک ایھا النبی الخ تو سلام ہے اور اللھم صل علی محمد الخ درود۔ دونوں حکم کی تعمیل نماز کے قعدہ اخیرہ میں ہو جاتی ہے۔ درود وسلام کے فضائل بے شمار ہیں۔ فلاح وبرکات دارین' جسمانی اور روحانی شفا' حاجت روائی' قرب الٰہی' کشف قلوب' قبولیت دعا' دفعیہ رنج و پریشانی۔ غرض ہر امر کے لئے تیر بہدف ہے۔ ایک مرتبہ درود پڑھنے والے پر اللہ کی طرف سے دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

خواص: سورۃ یٰسین جو شخص حالت نزاع میں گرفتار ہو اور اس پر یہ مقدس سورت پڑھی جاوے تو موت وسکرات کی سختی اس پر آسان ہوگی اور جو حاجت مند ہو اس مبارک سورۃ کو چاشت کے وقت پڑھے اور اپنی حاجت اللہ پاک سے طلب کرے تو ضرور اس کی حاجت روا ہوگی۔ ایک فائدہ جو اکثر تجربہ میں آیا ہے یہ ہے کہ جس شخص کو تلاش معاش ہو اس کو چاہئے کہ اتوار کے غرہ سے اس کا عمل شروع کریں اس طرح کہ اکتالیس بار اول و آخر درود پڑھے بعدہ اس سورت کو اول سے لفظ مبین تک پڑھے پھر لفظ مبین سات بار کہہ کر شروع سے پھر پڑھے اور دوسرے لفظ مبین پر پہنچ کر مبین کو سات مرتبہ پڑھے پھر شروع سے پڑھے۔ تیسرے مبین پر بھی اسی طرح کریں غرض ہر مبین پر پہنچ کر مبین کے لفظ کو سات بار پڑھے اور شروع سورت سے پڑھے ساتوں مبین پر اسی طرح کرنے کے بعد تمام سورت ایک مرتبہ پڑھے اور پھر بعد درود کے دعا مانگے چالیس روز تک ایسا ہی کرے بعد نماز صبح یہ عمل شروع کرے اور طلوع آفتاب سے پہلے پہلے ختم ہو جانا چاہئے۔ غالب تو یہ ہے کہ اول ہی چلہ میں کامیاب ہو جائے اگر نہ ہو تو دوسرا چلہ اسی طرح کرے انشاء اللہ ضرور مراد کو پہنچے گا۔ لڑکیوں کی شادی کے انجام اور منگنی کے انصرام کے لئے اکتالیس مرتبہ پڑھنا چاہئے۔ اس سورت کا لکھ کر اور دھو کر پلانا وجع مفاصل کے لئے نافع ہے۔ اس مقدس سورۃ کے لکھنے اور پڑھنے کا ثواب دس قرآن مجید کے ثواب کے برابر ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ ہر چیز کا دل ہوتا ہے اور قرآن شریف کا دل یٰسین ہے اس کی تلاوت کرنے والے کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جائیں گے تا کہ جس دروازے میں سے چاہے اندر داخل ہو ۱۲ جس شخص کے قلب میں قسوت اور دل سخت ہو تو ایک پیالہ میں زعفران سے سورہ یٰسین لکھے اور اس کو پیئے تمام سختی زائل ہو جائے گی۔ حضرت سعید بن جبیر نے ایک دیوانہ پر سورۃ پڑھی اس کو فوراً افاقہ ہو گیا۔ یحیٰی بن ابو کثیر فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح کو یٰسین پڑھے گا تمام دن خوش رہے گا اور جو شام کو پڑھے گا تمام شب مسرور رہے گا۔

فضائل: جو مسلمان روز آخرت پر یقین رکھنے والا اس مقدس سورت کو پڑھے گا اس کی مغفرت ہوگی۔ جو شخص خلوص نیت سے لوجہ اللہ شب کو پڑھے گا قیامت کے روز بخشا جائے گا اور جو ہر رات تلاوت کرے گا وہ شہید مرے گا۔

خواص: اپنے نام کے اعداد کی شمار کے موافق سلامٌ قولا من رب رحیم کا وظیفہ صفائی قلب کے لئے نہایت مفید ہے ۱۲۔

خواص: ولقد فتنا الخ جس شخص کو آسیب کا خلل ہو اس کے بائیں کان میں یہ آیت ثم اناب تک سات بار پڑھے۔ انشاء اللہ صحت ہوگی۔

فضائل: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ سورتیں جن کے شروع میں حٰم ہے مجھ کو الواح موسیٰ سے مرحمت ہوئی ہیں ۱۲۔

فضائل: ترمذی شریف میں وارد ہے کہ جو شخص اس سورہ مقدسہ کو شب جمعہ میں پڑھے اس کی مغفرت ہو جائے۔

خواص: جس شخص کو ضعف بصارت کی شکایت ہو تو ہر نماز کے بعد یہ آیت شریف حدید تک پڑھ کر (انگلیوں کی) پوروں پر دم کرے اور آنکھوں پر پھیر لیا کرے۔

خواص: حدیث میں وارد ہے کہ ہر چیز کی ایک زینت ہوتی ہے اور قرآن کی زینت سورہ الرحمٰن ہے اور سورہ کو تسخیر عام کے لئے اس طریقہ پر پڑھتے ہیں کہ جب آفتاب ایک نیزہ بلند ہو جائے اس وقت آفتاب کی طرف منہ کر کے یہ سورت پڑھے اور یہ آیت فبای الآء ربکما تکذبان پر آفتاب کی طرف انگلی سے اشارہ کرے۔ اول چالیس روز بہ نیت زکوٰۃ پڑھے۔ پھر ہر روز ایک بار پڑھ لیا کرے اور جب کسی کے سامنے جاوے تو یہ سورت ایک بار پڑھ کر جاوے اور اگر نہ ہو سکے تو صرف تین بار فبای الاء ربکما تکذبان پڑھ لے اور مرض چیچک کے لئے بھی اس کا گنڈہ اس طرح کرتے ہیں کہ جب چیچک ظاہر ہو تو ایک نیلا ڈورا لے کر سورہ الرحمٰن پڑھنی شروع کرے اور ہر فبای الآء ربکما تکذبان پر ڈورہ میں گرہ دے دے کر پھونکتا جائے پھر اس ڈورے کو بچے کے گلے میں ڈال دے۔

خواص: ویبقی الخ (شیخ ابن القیم فرماتے ہیں کہ جب تلاوت کرنے والا اس آیت پر پہنچے تو اس کو چاہئے کہ یہاں ٹھہر کر اپنے مولیٰ سے دلی مراد طلب کرے۔

خواص: جو شخص ہر شب میں اس سورت مقدسہ کو پڑھا کرے گا اس کو کبھی فاقہ نہ پہنچے گا (الحدیث)

فضائل وخواص: جن سورتوں کی ابتداء سبح اور یسبح سے ہے ان کو مسبحات کہتے ہیں وہ سات سورتیں ہیں بنی اسرائیل۔ حدید۔ حشر۔ صف۔ جمعہ۔ تغابن۔ اعلیٰ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر شب ان کو پڑھ کر سویا کرتے اور فرماتے تھے کہ ان میں ایک ایسی آیت ہے جو ہزار آیتوں سے بہتر ہے۔ وہ آیت شب قدر کی طرح نامعلوم ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ آیت ہو الاول والآخر الخ ۱۲ اق بعض کا خیال ہے کہ لو انزلنا ھذا القرآن سے لے کر آخر سورہ تک ہے جو سورۃ حشر میں ہے ۱۲ اگر کسی شخص کے قلب میں وسوسہ زیادہ آتا ہو یعنی دل میں باطل شبے اور واہیات خیالات گزرتے ہوں تو اس کو چاہئے کہ اس آیت ہو الاول سے علیم تک ورد رکھے۔ انشاء اللہ وسوسے دور ہو جائیں گے۔

فضائل - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو وصیت فرمائی تھی کہ جب سونے کی نیت سے بچھونے پر لیٹا کرے سورہ حشر پڑھ لیا کرے اگر اس رات مر جائے گا تو شہید مرے گا۔

فضائل - جو شخص صبح اٹھ کر سورہ حشر کی آخر آیتیں یعنی جن کا شروع ہو اللہ ہے تلاوت کیا کرے گا تمام دن اس کے حق میں ستر ہزار فرشتے رحمت کی دعا کرتے رہیں گے اور اگر دن میں مر جائے گا تو شہادت کا درجہ پائے گا اسی طرح جو شخص شام ہوتے اسے تلاوت کرے گا یہی مرتبہ پائے گا اللہ اس کے لئے جنت واجب کر دے گا ۱۲ اق۔ تین بار اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم اور تین مرتبہ یہ آیت پڑھنی چاہئیں۔

فضائل - جو شخص سورۃ الملک کو پڑھے گا یہ مقدس سورت قیامت کے روز اس شخص کی اللہ پاک سے شفاعت کرے گی اور بخشوا کر جنت میں لے جائے گی۔ یہ سورت عذاب قبر سے بچاتی ہے۔ سرور عالم فرماتے ہیں کیا اچھا ہو کہ سورہ ملک کی تیسوں آیتیں ہر مومن کے قلب میں ہوں۔ اس حدیث سے اس سورت کے حفظ کرنے اور ورد رکھنے کی فضیلت ظاہر ہے۔

خواص: - سورہ معارج دفع احتلام کے لئے یہ سورۃ شب کو پڑھ کر سو جانا چاہئے۔ ان شاء اللہ احتلام نہ ہوگا۔

فضائل - حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو کوئی سورۃ جن پڑھے وہ دنیا سے نہ نکلے گا جب تک کہ اپنا ٹھکانا جنت میں نہ دیکھ لے گا یعنی اپنا وہ جنت کا ٹھکانا جس میں مرنے کے بعد اس سورت کی برکت سے اس کو جانا ہوگا مرنے سے پہلے پہلے ضرور دیکھ لے گا ۱۲ اور دفع آسیب' جن پری اور بھوت اور نظر بد کے لئے اس

سورت کا سات بار پڑھنا نہایت موثر ہے ۱۲۔

خواص: اگر کسی عورت کو دردِ زِہ کی تکلیف ہو تو اس سورت کی شروع آیت یعنی اذا السماء انشقت سے دوسری حق تک ایک کاغذ پر لکھے اور بعد میں اھیا اشرا ھیا لکھے اور اس پرچہ کو کسی پاک کپڑے میں لپیٹ کر عورت کی بائیں ٹانگ میں باندھ دے اور بچہ ہوتے ہی کھول ڈالے۔

خواص: انھم یکیدون الخ جس شخص کو دیوانہ کتے نے کاٹا ہو اور اس کو جنون اور ہڑک کا خوف ہو تو یہ تینوں آیتیں انھم یکیدون سے رویدا تک روٹی کے چالیس ٹکڑوں پر لکھے اور ایک ٹکڑا اس کاٹے ہوئے شخص کو روز کھلاوے ان شاء اللہ تعالیٰ ہڑک سے محفوظ رہے گا اور تیز اگر ان آیتوں کو لوہے کی چار میخوں پر پچیس پچیس بار پڑھ کر گھر کے چاروں کونوں میں داب دے تو شیطان کا آنا اور پتھر پھینکنا موقوف ہو جاوے۔

خواص: جس عورت کا بچہ نہ جیتا ہو اس کے لئے دوشنبہ کے روز دوپہر کو اجوائن اور سیاہ مرچوں پر اس سورت کو چالیس بار پڑھے اور ہر دفعہ اول وآخر درود پڑھے اور اس اجوائن اور مرچوں کو عورت حمل سے لے کر بچہ کے دودھ چھوٹنے تک ہر روز تھوڑی تھوڑی کھالیا کرے۔ **تنبیہ** - یہاں پہنچ کر یہ دعا پڑھے اللھم آت نفسی تقواھا وزکھا انت خیر من زکھا ۱۲

خواص: جو شخص کسی کام کی بھلائی برائی خواب میں دیکھنی چاہے تو رات کو وضو کر کے پاک کپڑے پہنے اور داہنی کروٹ پر لیٹ کر روبقبلہ سات بار سورہ والشمس اور سات بارہ سورہ واللیل اور سات دفعہ سورہ والتین اور سات مرتبہ سورہ اخلاص یعنی قل ہو اللہ احد پڑھے اور اللہ سے التجا کرے کہ الٰہی فلاں کام کا انجام مجھ کو معلوم ہو جاوے۔ پھر کسی سے نہ بولے۔ اسی طرح سات روز کرے و نیز سورۃ واللیل کو مرگی والے پر پڑھ کر دم کرے اور پرانی تپ والے کو دھو کر پلائے۔ انشاء اللہ صحت ہوگی۔

خواص: جو کوئی سوتے وقت سورہ الم نشرح پڑھ کر اپنے سینہ پر دم کرلے اس کو وسواس اور خطرات نہ ہوں گے اور پتھری دور ہونے کو یہ سورت لکھ کر دھو کر پلادیں۔

خواص: سورہ والضحیٰ کے مجرب خواص میں سے ہے کہ جب کسی کی کوئی چیز کھوئی جاوے تو سات بار اس سورت کو مع اول وآخر درود شریف پڑھ کر انگشت شہادت اپنے سر کے گرد پھراوے اور پھر سات مرتبہ یہ کلمات کہے لاصبحت فی امان اللہ وامسیت فی جوار اللہ وامسیت فی امان اللہ واصبحت فی جوار اللہ) یہ پڑھ کر دستک دے اور آگ کے بجھانے کیلئے سات کنکروں پر اس سورت کو پڑھ کر آگ میں پھینک دے انشاء اللہ لگی ہوئی آگ فرو ہو جائے گی۔

خواص: ایک ترکیب طلب حاجت کی سجدہ سے یہ ہے کہ قرآن شریف کی ایک ایک آیت سجدہ پڑھے اور سجدہ کرتا جائے جب چودہ کے چودہ سجدے پورے ہو جاویں تو پندرھواں سجدہ کر کے اپنا دلی مطلب چاہے ان شاء اللہ فوراً پورا ہوگا لیکن شرط یہ ہے کہ اول چاول اور گھی اور دودھ اور شکر تیار کر کے شکرانہ لڑکوں کو کھلاوے۔

خواص سورۃ البینہ - مرض برص کے دور ہونے کے لئے مبروص پر اس سورہ بینہ کا دم کرنا اور پرچہ پر لکھ کر باندھنا اور دفع یرقان کے لئے نہایت مفید ہے۔

فضائل و خواص - سورۃ الزلزال کا ثواب چوتھائی کلام مجید کے ثواب کے برابر ہے اور بائی ولقوہ کے مرض کو کسی لوہے کے برتن میں لکھ کر اسے دھو کر مریض کو پلانا مفید ہے۔

فضائل و خواص سورۃ تکاثر کا ثواب چوتھائی قرآن مجید کے ثواب کے برابر ہے اور دردِ سر والے کے سر پر پڑھ کر پھونکنا مفید ہے امام بیہقی سے مروی ہے کہ اس کا پڑھنا ہزار آیت کے برابر ہے

خواص و فضائل - خوف اعداء سے محفوظ رہنے کے لئے اول وآخر سو مرتبہ درود شریف پڑھ کر ہزار مرتبہ سورہ قریش کا پڑھنا مجرب ہے۔

خواص و فضائل- سورہ نصر کی تلاوت کا ثواب مثل چوتھائی قرآن شریف کے ہے اور کشائش رزق کے لئے صبح کی نماز کے بعد اکیس بار اور ظہر کے بعد بائیس مرتبہ اور عصر کے بعد تیئیس مرتبہ اور مغرب کے بعد چوبیس بار اور عشا کے بعد پچیس مرتبہ اول وآخر اسی قدر درود شریف پڑھنا چاہئے نہایت مفید ہے۔

فضائل - سورہ الکافرون کا ثواب چوتھائی قرآن کے ثواب کے برابر ہے اور ہر شر سے بری رہنے کو اس کا پڑھنا مفید ہے ۱۲۔

خواص و فضائل- سورہ نصر کی تلاوت کا ثواب مثل چوتھائی قرآن شریف کے ہے اور کشائش رزق کے لئے صبح کی نماز کے بعد اکیس بار اور ظہر کے بعد بائیس مرتبہ اور عصر کے بعد تیئیس مرتبہ اور مغرب کے بعد چوبیس بار اور عشا کے بعد پچیس مرتبہ اول وآخر اسی قدر درود شریف پڑھنا چاہئے نہایت مفید ہے۔

خواص و فضائل- حدیث صحیح میں ہے کہ سورہ اخلاص کی تلاوت کا ثواب تہائی قرآن کے برابر ہے اور مع بسم اللہ کے ایک ہزار مرتبہ پڑھنا اور اول و آخر درود شریف سو سو بار پڑھنا عروج قمر میں تلاش معاش کے لئے اور دفع اعداء کے لئے نزول قمر میں اسی طرح پڑھنا نہایت موثر اور مجرب ہے۔ ایک عمل اخلاص کا مشہور ہے کہ اس سورت کو نقش میں طلوع آفتاب سے پہلے نماز صبح کے بعد شنبہ کے روز لکھے اور اس پر خشک قلم سے نام دونوں فریق کا مع ان کی والدہ کے ناموں کے لکھے اور اس کے بعد یہ کہے "الٰہی بہ برکت اس کلام پاک کے ان میں موافقت کر" پھر اس کو دھو کر مطلوب کو شیرینی میں کھلاوے اور حلال جگہ کے سوا یہ عمل ہرگز ہرگز نہ کرے ورنہ نقصان اٹھائے گا۔ حدیث میں ہے کہ جو کوئی دو سو بار اس سورت کو ہر روز پڑھے اس کے پچاس برس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں بشرطیکہ اس پر قرض نہ ہو اور جو کوئی سوتے وقت داہنی کروٹ لیٹ کر اس سورت کو سو مرتبہ پڑھے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ داہنی جانب سے جنت میں داخل ہو جا۔

خواص و فضائل- حدیث میں وارد ہے کہ یہ دونوں سورتیں یعنی سورۃ فلق اور سورۃ الناس سب سے بہتر اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب تر ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے دوسری دعاؤں سے استعاذہ فرمایا کرتے تھے۔ جس وقت یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں تو انہیں کو استعمال میں لانے لگے۔ دوسری دعاؤں کو چھوڑ دیا اور فرمایا کہ کوئی سوال اور پناہ مانگنا ان دونوں کی برابر نہیں و نیز فرمایا کہ اگر آدمی کو ناغہ نہ کرنا منظور ہو تو قل اعوذ برب الفلق کی مداومت کرے اور ایک روایت میں ہے کہ جو کوئی ان دونوں سورتوں کو پڑھتا رہے تو سب چیزیں کہتی ہیں کہ الٰہی تو اس کو ہمارے شر سے بچائے رکھ۔ ایک روایت میں ہے کہ اگر بعد سلام نماز جمعہ کے نماز کی سورت پڑھ کر الحمد اور اخلاص اور یہ دونوں سورتیں سات سات بار پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیتا ہے اور جتنے نمازی جمعہ میں ہوتے ہیں ان کو برابر ثواب عنایت فرماتا ہے اور اگلے جمعہ تک ہر برائی سے محفوظ رکھتا ہے اور ایک روایت میں ان چاروں سورتوں کے بعد یہ دعا پڑھنی بھی آئی ہے (اللھم یا غنی یا حمید یا مبدئی یا معید یا رحیم یا ودود اکفنی بحلالک عن حرامک و بطاعتک عن معصیتک واغننی بفضلک عمن سواک) اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بچھونے کاٹا تو آپ نے پانی و نمک منگا کر اس جگہ پہ ملنا شروع کیا اور سورہ کافرون اور یہ دونوں سورتیں پڑھیں ۱۲۔ (تفسیر میرٹھی مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

تمّت